برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانِ جدوجہد کی مکمل سرگزشت

تحریک سید احمد شہیدؒ

جلد اول

المعروف بہ "سید احمد شہید" حصہ اول

تالیف

حضرت مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ

حسب ایماء

حضرت مولانا شمس الحق صاحب قاسمی، ممبئی

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جملہ حقوق کتابت بحق ناشر محفوظ ہیں

تصریحات

نام کتاب	تحریک سید احمد شہیدؒ جلد اول
مؤلف	مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ
تصحیح	مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی
تعداد صفحات	۵۵۸
باہتمام	شمشیر احمد قاسمی (دیوبند)
کتابت	عمران کمپیوٹرس مظفر نگر (PH: 09219417735)
سن اشاعت	جنوری 2008

ملنے کے پتے

❖ دارالکتاب دیوبند ❖ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❖ سنابل کتاب گھر دیوبند ❖ دارالاشاعت دیوبند

❖ مدینہ بک اسٹال بھنڈی بازار ممبئی ❖ ادارہ اسلامیات محمد علی روڈ ممبئی

❖ دکن ٹریڈرس مغل پورہ حیدرآباد ❖ توحید بک ڈپو بھول پورا اعظم گڑھ

❖ مولانا عبدالسلام خاں قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، بھنڈی بازار ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اکتوبر ۱۹۳۲ء کی چھٹی یا ساتویں تاریخ تھی، جب میں نے کابل میں مولانا محمد بشیر شہید سے عہد کیا تھا کہ سید احمد بریلویؒ کے سوانح اور مجاہدین کی تاریخ مرتب کروں گا، میں دو تین دن بعد غزنی اور قندھار ہوتا ہوا چلا آیا، وہ مزید چند روز کابل میں مقیم رہ کر اپنے مرکز چمرکنڈ تشریف لے گئے اور تقریباً دو ماہ بعد رمضان المبارک کی پہلی رات کو شہادت کا خلعت پہن کر فاطر السموات والارض کی بارگاہ میں پہنچ گئے:

سرم فدائے سوارے کہ گاہِ عرضِ نیاز
عناں کشیدہ رود تا سخن تمام کنم

اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنی محنت وکاوش کی اس "بضاعتِ مزجات" کو عقیدت کے سفینے میں لگا کر ان کی خدمت میں پیش کرتا، اب شہید سعید کی روحِ پاک سے مخاطب ہو کر عرض پرداز ہوں:

نذرِ اشکِ بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وقف (سورۃ توبہ)

بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے انکی جانیں بھی خرید لیں اور انکے مال بھی، اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کیلئے بہشت (کی جاودانی زندگی) ہو، وہ (کسی دنیوی مقصد کیلئے نہیں، بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند ❁ کارِ حق گاہ بہ شمشیر وستاں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ مے پوشند ❁ عاشقاں بندۂ حال اند وچناں نیز کنند

(اقبالؒ)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فہرست عنوانات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سطورِ اولین

بسم اللّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم القیامۃ۔

مجاہد کبیر حضرت مولانا ومقتدانا سید احمد شہید رحمہ اللہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا وہ آفتابِ نیم روز اور مینارۂ نور ہیں جس کی مثال گذشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔ اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور پرچم اسلام کی بلندی کے لئے آپ کی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں اور مشعلِ راہ ہیں۔

مجھے آپ کی زندگی کے قیمتی لمحات اور مجاہدات پر روشنی ڈالنا مقصد نہیں، کہ یہ کام ضخیم مجلدات کا متقاضی ہے اور الحمد للہ اب تک ہزاروں صفحات اس حکایتِ لذیذ اور روح پرور داستان میں مرقوم ہو کر تاریخ کا روشن باب بن چکے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ دو ضخیم جلدیں "سیرت سید احمد شہید" گذشتہ تقریباً نصف صدی سے اہل علم وندا کارانِ اسلامیت سے خراجِ تحسین حاصل کر رہی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "سید احمد شہید" حضرت مولانا غلام رسول مہر کے اعجاز رقم قلم کا شاہکار ہے۔ یہ دراصل مولانا مہر کے اس "زریں سلسلہ" کی پہلی کڑی ہے جو انھوں نے حضرت سید احمد شہید، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کے حالات ومجاہدانہ کارناموں کے بیان میں مرتب کی ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول مہر کی تحریر فرمودہ کتابوں (سید احمد شہید اول - دوم، جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین) تقریباً ایک صدی کی تاریخ ہے جو مجاہد کبیر، ان کی تحریک اور ان کے جانباز رفقاء کے حالات ومجاہدات اور خدمات کو منظر عام پر لانے میں نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہیں۔ یہ ایسی تاریخ ہے جس میں تاریخ نویس خود اس تاریخ کا ایک حصہ اور مشاہد محسوس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مولانا مہرؔ نے ان کتابوں کو صرف داستان برائے داستان اور حکایات و روایات اور کتابوں کی مدد سے مرتب نہیں کیا بلکہ بذاتِ خود ان تمام مواضعات، متعلقہ منازل، مقاماتِ جنگ و جہاد، مشاہد اور رہ گذروں کا مشاہدہ کیا، برسوں ان علاقوں کی دشت نوردی اور بادیہ پیمائی کی جہاں ان مبارک نفوس کے قدم پڑے، جہاں انھوں نے اس بلند مقصد کے لئے لیل و نہار گزارے، جہاں انھوں نے جہادِ آزادی اور سربلندیٔ اسلام کے لئے اپنی ذہنی، روحانی اور جسمانی تمام صلاحیتیں صرف کیں اور حد یہ ہے کہ بیشتر نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی یعنی جامِ شہادت نوش کر کے اُس حیاتِ جاودانی سے سرفراز ہوئے جو عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کے پروانۂ خاص کا حقدار بناتی ہے۔

مولانا مہرؔ کا اسلوب و بیان ادبیت و دلکشی اور جاذبیت و محویت سے ایسا پُر ہے جس سے مطالعہ کنندہ نہ صرف اپنے آپ کو ان مقامات میں موجود محسوس کرتا ہے بلکہ اپنے اندر اعلائے کلمۃ اللہ اور سربلندیٔ اسلام کیلئے ایک جذبہ جوش مارتا ہوا پاتا ہے۔ انھوں نے اس تاریخ کو برسہابرس کی محنت سے لکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید کے اس مشن اور تحریک میں خود ڈوب کر اور اس میں خود کو محو کر کے لکھا ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ وہ ان فدایانِ اسلام کی خدماتِ عالیہ اور جذبۂ مقدس کو سلامِ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ کتابیں (سید احمد شہید، جماعتِ مجاہدین، سرگزشتِ مجاہدین) پچھلے کافی عرصہ سے ہندوستان میں نایاب ہو چکی تھیں، میری ایک عرصہ سے خواہش تھی یہ سیریز شائع ہو کر اہلِ علم اور شائقین حضرات کے لئے دستیاب ہونی چاہئے۔ کیونکہ بقول مولانا غلام رسول مہرؔ، اگر اس عظیم تحریک کو تاریخ ہند سے نکال دیا جائے تو پھر اسلامی جدوجہد کے حوالہ سے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے؟ ہمیں اپنے اسلاف کرام کے ان مجاہدانہ کارناموں کی سرگزشت کو ہمیشہ اپنے سینوں سے لگا کر رکھنے اور مواقع و حالات کے مطابق ان کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیز محترم مولانا شمشیر احمد قاسمی نے میری خواہش و اصرار پر اس کام کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیڑا اٹھایا۔ پرانے ایڈیشنوں میں اغلاط بھی تھیں، ساتھ ہی کتابت میں یکسانیت اور جاذبیت بھی نہ تھی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ از سر نو کتابت کرا کر اس سیریز کو نئی آب و تاب کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جائے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اب اس سیریز کو ایک نیا نام دیا گیا ہے یعنی ''تحریک سید احمد شہیدؒ'' جو چار جلدوں پر مشتمل ہوگی، ٹائٹل اور اندر صفحات کے بالائی حصہ پر اس نئے نام کے ساتھ ساتھ پرانے ناموں کو بھی باقی رکھا گیا ہے۔

میں جناب مولانا شمشیر احمد قاسمی کو مبارک باد دیتا ہوں اور ساتھ میں مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی کی تصحیح کی خدمت کو سراہتے ہوئے دعا گو ہوں کہ رب کریم ہمیں بھی ان پاک نفوس کے جذبۂ اسلامیت اور عشقِ الٰہی کا کوئی حبہ اور حصہ نصیب عطا کر کے اپنی راہ رضا پر چلنے توفیق ارزانی کرے اور اس فرشتہ صفت جماعت کی معیت نصیب فرمائے، آمین

الراقم

شمس الحق قاسمی

مکتبۃ الحق (ممبئی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عرضِ ناشر

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آله الطیبین الطاهرین وصحبه اجمعین۔

مقامِ مسرت ہے کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وخدمات، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کی سرگزشت پر مشتمل یہ عظیم سیریز کتب (سید احمد شہید ہر دو جلد، جماعتِ مجاہدین، سرگزشتِ مجاہدین) جدید عنوان "تحریک سید احمد شہید" کے ساتھ شائع کرنے کی مجھے ایسے موقع پر سعادت حاصل ہو رہی ہے جب کہ ملک میں جدوجہد آزادیٔ ہند کی ڈیڑھ سو سالہ سالگرہ حکومتی سطح پر بڑے جوش وخروش سے منائی جا رہی ہے۔ لیکن اس میں ہمارے اسلاف کرام کی قربانیوں کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ نہ صرف افسوسناک اور قابل مذمت ہے بلکہ ملت کے رہنماؤں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے لئے ایک تازیانہ بھی ہے۔ جو زمانہ کے جدید تقاضوں کی تفہیم، ان سے حصولِ مقصد کے امکانات اور مقابل ومخالف طاقتوں کے خلاف صف آرا اور متحد ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ انھیں بتا رہا ہے ؎

اٹھو کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

حقیقت تو یہ ہے ہمیں پیش قدمی کرتے ہوئے خود اپنے اسلاف کرام کی خدمات اور قربانیوں کو منظر عام لانے کیلئے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں اور اپنے اسٹیج سے ان لوگوں کو اپنے بزرگوں کی مدح سرائی کے لئے مجبور کرنا چاہئے تھا، جن کے تغافل کا ہم آج رونا رو رہے ہیں۔

آزادیٔ ملک وملت اور سربلندیٔ اسلام کے لئے سرفروشانہ جدوجہد اور اہالیانِ اسلام کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی کوشش میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے جانباز رفقاء کا جو حصہ ہے، ان کی جو روشن خدمات ہیں، یہی اس سیریز کا موضوع ہے۔

اس سیریز کی چار ضخیم جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، ان کی کمپیوٹر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کتابت میں ایک اہم مسئلہ تصحیح کا تھا، چونکہ کمپیوٹر کتابت میں اغلاط رہ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ وہ عجیب وغریب شکل اور الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہیں۔

اس مشکل کا حل رب کریم نے اس طرح نکالا کہ جناب مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس اہم اور تاریخی سلسلہ کی کتابت وتصحیح کی ذمہ داری لے کر ایک طرح سے ہمارے لئے اس اہم مرحلہ کو آسان بنادیا۔ مولانا موصوف تصنیف تالیف اور تصحیح وترجمہ میں اپنی ایک شناخت قائم کر چکے ہیں، فرید بک ڈپو دہلی سے ان کی تصحیح کردہ وترتیب دادہ متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ گذشتہ سال حکیم الاسلام عالمی سیمینار کے موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تالیفات ومضامین کا حسین مرقع سات جلدوں میں ان کا مرتب کردہ شائع ہو کر اہل علم وقدرداں حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، ان کتابوں کا اجراء مقتدر علمائے کرام کے ہاتھوں مذکورہ سیمینار میں ہوا تھا۔

ایک قابل لحاظ کام یہ کیا گیا ہے کہ سابق ایڈیشنوں میں فہرست نامکمل تھی، بصرف ابواب کے صفحات کی نشاندہی کی گئی تھی، موجودہ ایڈیشن میں تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے، یہ یقیناً بڑی محنت کا کام ہے۔ جس سے ایک ہی نظر میں کتاب کے تمام مندرجات پوری طرح سامنے آجاتے ہیں۔

بہر حال مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس سلسلہ کتب کی کتابت وتصحیح کی خدمت انجام دے کر ہمارے لئے اس سلسلہ کی اشاعت کو کافی حد تک آسان بنادیا۔

اس کتاب کو مولانا غلام رسول مہر نے جس جانفشانی سے مرتب کیا تصنیف وتالیف کی دنیا میں وہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ اللہ رب العزت کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی اہم کتابوں کی سیریز کی اشاعت کی توفیق سے نوازا۔ وما توفیقی الا باللہ

شمشیر احمد قاسمی

سنابل کتاب گھر دیوبند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حکایت از قدِ آں یارِ دل نواز کنیم
بہ ایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

میں نے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے احوال ووقائع کی ترتیب کے متعلق مولانا محمد بشیر شہید کے ساتھ وعدہ کیا تھا تو یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ اس وعدے کے ایفاء کی صرف پہلی منزل طے کرنے میں اٹھارہ برس گذر جائیں گے اور یہ مدت اتنی طویل ہے کہ نومولود شیر خوارگی اور طفلی کے مدارج طے کرتا ہوا ذمہ دارانہ زندگی کے شہرستان میں پہنچ جاتا ہے۔ میں نے یہ بارِ گراں اس اعتماد پر بے تکلف اٹھالیا تھا کہ وقائع سرحد کے متعلق ضروری معلومات مولانا فراہم کردیں گے، نیز ان کی وساطت سے میں ان مآخذ تک پہنچ سکوں گا جنہیں عام طور پر دسترس سے باہر سمجھا جاتا تھا۔ باقی حالات میں خود جمع کرلوں گا۔

میں کابل سے چلا اور غزنی، قندھار، کوئٹہ ہوتا ہوا لاہور پہنچا۔ مولانا میری روانگی سے دس پندرہ دن بعد چرکنڈ چلے گئے، جو اُن کا مرکز تھا، اصل وعدے پر صرف دو ماہ کی مدت گذری تھی کہ دفعۃً ان کی شہادت کا سانحۂ جانگزا پیش آگیا اور وہ روشنی بجھ گئی جس کی رہنمائی کے بھروسے پر میں اپنے سفینۂ شکستہ کو شبِ تاریک میں طوفانی سمندر کی موجوں کے حوالے کردینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔

پنہاں تھا سخت دام قریب آشیانے کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانائے موصوف نے کابل میں تین بند لفافے مجھے دیے تھے، جنہیں یہ سمجھ کر ویسے کا ویسا محفوظ کر لیا تھا کہ جماعت مجاہدین کے حالات کی یہ پہلی قسط ہوگی، ان کی شہادت کے بعد لفافوں کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند کاغذوں پر متفرق نوٹ لکھ رکھے ہیں، اور ان میں زیادہ تر یہ ذکر ہے کہ مجاہدین نے مختلف اوقات میں کہاں کہاں مرکز بنائے، دو تین صفحوں پر کسی معترض کے اعتراضات کا نامکمل جواب ہے، چند اوراق پر ایک مقدمہ کی روداد درج ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ روداد ۱۹۲۱ء میں ''سول'' نے چھاپی تھی، مولانا نے اس کا اردو ترجمہ کرا لیا تھا، ان معلومات کو سامنے رکھ کر ایک صدی کے سرفروشانہ مجاہدات کی کہانی کیونکر تیار ہو سکتی تھی؟ میرے دل پر مایوسی کی تیرگی چھا گئی، جن ولولوں کو اڑھائی مہینے تک اپنے لئے خداداد سرمایۂ سعادت سمجھتا رہا تھا، وہ افسردگی کی خاک میں سو گئے، چند مہینے میں مولانا کے ساتھ عہد کا نقش بھی صفحۂ قلب سے محو ہو گیا۔

چار پانچ برس گذر گئے اور میں پوری دلجمعی سے اپنے سیاسی مشاغل میں ڈوبا رہا۔ ۱۹۳۹ء کی برسات میں مجھ پر بخار کا حملہ ہوا، دو تین روز کے بعد کمر اکڑ کر تختہ بن گئی۔ کئی روز تک یہ حالت رہی کہ دو آدمیوں کی مدد کے بغیر اٹھنا بیٹھنا محال تھا، بے چارگی کے اس دور میں ایک روز مولانا شہید یاد آ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ جس تکلیف میں اب مبتلا ہوں، یہ دراصل اس شہید سے نقضِ عہد کے جرم کی سزا ہے، لیٹے لیٹے عجز والحاح سے دعاء کی کہ خدایا اگر مجھ میں اس عہد کو پورا کرنے کی کچھ بھی صلاحیت موجود ہے تو صحت عطا فرما، تھوڑی سی مہلت دے اور اپنے فضل و رحمت سے تکمیل کار کے اسباب فراہم کر دے،

دیر تک حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ شعر زبان پر جاری رہا:

حرف ناگفتہ مجال نفسے مے خواہد
ورنہ مارا بہ جہان تو سروکارے کجاست

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سراپا جرم و خطا کی دعاء کیا اور اس کا قبول کیا! خدا کے لطف و کرم سے دوسرے ہی دن صحت ہوگئی۔ بس اس وقت سے میں نے کمر ہمت باندھ لی اور فرصت کے بیشتر اوقات اسی کام کے لئے وقف کر دیے۔ اپنے علم کی فرومائیگی اور وسائل کی قلت کا پورا اندازہ تھا، دل میں فیصلہ کر لیا کہ روزانہ دو نفل پڑھ کر دعاء کرتا رہوں گا، کہ یہ کٹھن منزل میرے لئے آسان ہو جائے۔ چودہ برس گذر چکے ہیں، میں سفر میں رہا یا حضر میں، لیکن اس عہد کی پابندی کو خدا نے ہر اختلال سے محفوظ رکھا۔

متعارف معلومات کو نئی عبارت کے آئینے میں سجا کر پیش کر دینا چنداں مشکل نہ تھا، سید صاحب کے متعلق دو کتابیں پہلے چھپ چکی تھیں۔ ۱۹۳۹ء میں سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب بھی شائع ہو چکی تھی، مجاہدین کے مختلف جنگوں کے حالات متعدد انگریزی کتابوں سے اخذ کیے جا سکتے تھے، ان معلومات کو سمیٹ کر دو یا تین جلدیں لکھ دینا غیر معمولی کاوش کا محتاج نہ تھا، لیکن میرے سامنے ابتدا ہی سے اس کام کے سرانجام کا ایک خاص معیار اور ایک خاص پیمانہ تھا، اگرچہ اس کی تکمیل بظاہر بہت دشوار نظر آتی تھی، تاہم طبیعت اس معیار کے ترک یا اس کے درجے میں تنزل پر کبھی راضی نہ ہوئی۔

دنیا کو دعوتِ تماشا دینا اسی صورت میں مناسب ہے کہ انسان کوئی ایسی چیز منظرِ عام پر لا سکے جس سے نگاہیں عام طور پر آشنا نہ ہوں، معلوم عام وقائع کو نئے اسلوب اور نئے انداز میں دہرا دینا ہرگز اس امر کا مستحق نہیں کہ اس میں وقت صرف کیا جائے یا اسے قابلِ ذکر کام سمجھا جائے۔

کبرِ نفس سے ہزار بار پناہ مانگتا ہوا صرف تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ خدائے رحیم و کریم کے فضل و رحمت سے مجھے وہ کتابیں ملتی رہیں، جن کے وجود کا بھی ابتداء میں علم نہ تھا اور زیادہ تر گھر بیٹھے بیٹھے ان بیش بہا ذخیروں سے استفادہ کر سکا، جو میرے خواب وخیال میں بھی نہ آئے تھے۔ پھر جو معلومات مہیا ہوئیں، انہیں دلخواہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترتیب کی توفیق عطا ہوئی، بے محل نہ ہوگا اگر بطریق سپاس و تشکرات اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دوں۔

(۱) سب سے پہلے مجھے "منظورۃ السعداء" کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی سے ملا، یہ نسخہ سید صاحب کے متعلق مفصل معلومات کا پہلا خزانہ تھا اور اسی کو سامنے رکھ کر میں نے سید شہید کی سیرت کا ابتدائی خاکہ تیار کیا۔

(۲) حسن اتفاق سے صدیق مکرم امتیاز علی خاں صاحب عرشی رام پوری لاہور آئے، برادرم مولانا ظفر اقبال ایم اے نے میری مشغولیت کا ذکر ان سے کیا تو انہوں نے "وقائع احمدی" کا نام لیا اور رام پور پہنچ کر یکے بعد دیگرے "وقائع" کی دو جلدیں میرے پاس بھیج دیں، یہ جلدیں جنگ مردان تک کے حالات پر مشتمل تھیں۔

موصوف نے بعد میں میری درخواست پر مومن خاں کے فارسی دیوان سے وہ قطعات و قصائد نقل کر کے بھیجے جو سید صاحب اور مجاہدین سے متعلق تھے۔

(۳) مولانا ظفر اقبال ہی کی وساطت سے مجھے مکاتیب کا وہ نسخہ مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری کے کتب خانے سے ملا، جسکے حوالے کتاب میں "مکاتیب شاہ اسماعیل" کے نام سے آئے ہیں، اس ناقص نسخے کو مولانا محمد شفیع پرنسپل اورینٹل کالج کے نسخے سے مکمل کیا۔ اس کتاب کا ایک ناقص لیکن نہایت خوش خط نسخہ مرحوم پروفیسر سراج الدین آزر نے دیا۔

(۴) "وقائع" کے باقی متفرق اجزاء مجھے محترم سید ابوالحسن علی نے مرحمت فرمائے، نیز "سیرۃ علمیہ تذکرۃ الابرار" "نتائج الحرمین" سید موصوف ہی کی مہربانی سے میں نے دیکھیں۔ سید صاحب کے خاندانی حالات کے متعلق مجھے وقتاً فوقتاً استفسارات کی ضرورت پڑتی رہی، سید ابوالحسن علی نے ہر موقع پر اپنی معلومات سے مستفید فرمایا، متعدد مکاتیب کی نقلیں انہیں سے ملیں، "منظورۃ السعداء" کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسکے بعض اجزاء غائب تھے، یہ اجزاء بھی سید ممدوح ہی کی عنایت سے میں نے دیکھے۔

(۵) احوالِ سرحد کے متعلق زیادہ تر معلومات میں نے بزرگ محترم سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی (سابق بادشاہ سوات و سابق وزیر ریاست لمب) کی مرتبہ کتابوں سے حاصل کیں، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئیں۔ اسی بزرگ اور ان کے بھتیجے برادرم سید مبارک شاہ مرحوم گنڈفی کی معیت میں مجھے اکثر مقامات جنگ دیکھنے کا موقع ملا، تین مرتبہ انہیں کے ساتھ میں بالاکوٹ گیا، ''درمقال'' کی نقل بھی سید عبدالجبار شاہ صاحب ہی نے عنایت فرمائی۔

(۶) سید صاحب کے مکاتیب کی پہلی جلد اور ''الدر المنثور'' یا ''تذکرۂ صادقہ'' مجاہدین کے مرکز ''اسمست'' سے میرے پاس آگئیں۔

(۷) شہزادہ برکت اللہ مدار المہام جماعت مجاہدین کی عنایت سے چملہ، بونیر، سوات اور خدو خیل کے وہ مقامات دیکھے جن کا ذکر سید صاحب کے تبلیغی دوروں یا جنگوں میں آیا ہے، تین دن ''اسمست'' میں گزارے جو پچاس برس سے مجاہدین کا مرکز چلا آتا ہے۔ بعض پرانی تحریرات بھی دیکھیں، نیز مولانا رحمت اللہ مرحوم امیر جماعت مجاہدین سے امیر عبداللہ مرحوم اور امیر عبدالکریم مرحوم کے عہد کی بعض جنگوں کے حالات سنے۔

(۸) بعض قلمی کتابیں کتب خانہ ٹونک میں تھیں، تقسیم ملک کے بعد ٹونک پہنچنا سہل نہیں رہا تھا، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ وزیر تعلیمات ہند نے میری درخواست پر وہ کتابیں ٹونک سے دہلی منگوائیں اور میں نے دو مرتبہ حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچ کر ان سے استفادہ کیا۔ کتاب کی ترتیب کے بارے میں بھی حضرت ممدوح سے نہایت قیمتی مشورے ملے، اگرچہ افسوس ہے کہ ان کی گراں بہا مشغولیتوں کے پیش نظر میں مسودہ انہیں نہ دکھا سکا۔

(۹) مولانا سید نور احمد (ابن سید اسحاق، ابن سید اسماعیل برادر زادہ و داماد سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب) نے مجھے "وقائع" کا ایک نہایت عمدہ نسخہ مرحمت فرمایا، جو اگرچہ مکمل نہ تھا، لیکن میرے لئے بہرحال ایک بیش بہا عطیہ تھا، نیز علم اللّٰہی خاندان کے مفصل نسب نامے کا ایک فارسی نسخہ اور ایک اردو نسخہ سید نور احمد ہی سے مجھے ملا۔

(۱۰) سید صاحب کے خاندان کے متعلق کئی ضروری باتیں مجھے سید طلحہ اور سید زبیر سے معلوم ہوئیں، جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز "وقائع" کا ایک نامکمل نسخہ انہیں کی مہربانی سے ہاتھ آیا جس سے سید صاحب کے حالات کے متعلق بعض مشکل عقدے حل ہوئے۔

(۱۱) مولانا مسعود عالم صاحب ندوی اور خان محمد اجمل خاں صاحب پرائیویٹ سیکریٹری حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی بعض قیمتی چیزیں ملیں، خاں صاحب موصوف کے جدامجد خان الہ داد خاں خود مجاہدین میں شریک رہے تھے۔

(۱۲) نواب فرید خاں صاحب والئ امب، جناب عبدالودود میاں گل والئ سوات (جو اب فرمانروائی سے دست کش ہو چکے ہیں) اور شہزادہ جہاں زیب (حال والئ سوات) نے اپنے علاقوں کے وہ مقامات دیکھنے میں میری امداد فرمائی جن کا ذکر سید صاحب کے مجاہدات میں آیا ہے۔ والئ امب سے ان کے خاندان کے متعلق بیشتر معلومات حاصل ہوئیں، یہ معلومات سید صاحب کی سیرت کے سلسلے میں ضروری تھیں۔

ان تمام حضرات کا دلی شکریہ مجھ پر واجب ہے، اور اس کار خیر کے انجام میں ثواب کے بیشتر حصے کے حقدار بھی وہی ہیں۔ ان کے سوا جن حضرات نے میری مدد فرمائی، ان کے نام درج کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے، ان سب کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

کتاب کے بارے میں کچھ کہنا میرا منصب نہیں، لیکن یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ ایک شخصیت کی سیرت نہیں بلکہ ایک نہایت اہم دینی تحریک کی مفصل سرگزشت ہے، جو اس عاجز کے محدود علم کے مطابق پاک و ہند کی اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یگانہ تحریک تھی۔ یہ جن حالات میں شروع ہوئی تھی وہ ہمارے عہد کے حالات سے بہت مشابہ تھے، للہذا اس سرگزشت میں ہمارے لئے عبرت وموعظت کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ موجود تھا، اس کے باب میں بیگانوں کی غلط فہمیاں اور مغالطہ انگیزیاں چنداں تعجب انگیز نہ تھیں، لیکن جن یگانوں نے اس پر قلم اٹھایا، وہ بھی اس کی عظمت یا صاحب دعوت کی بلند ہمتی اور عزیمت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے، یا ٹھوکریں کھا کھا کر اس کی آبرو مٹاتے رہے، یا قلت معلومات کی بناء پر تذبذب میں پڑ کر کوئی واضح راہ فیصلہ پیدا نہ کر سکے۔

میں نے اپنی ناچیز بساط کے مطابق کوشش کی ہے کہ اس تحریک احیائے دین کے تمام پہلو روشن ومبرہن ہو کر سامنے آجائیں۔ یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا کہ جو کچھ چاہتا تھا، وہ پورا ہو گیا لیکن اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا بہ صمیم قلب اعتراف کرتا ہوا کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب پڑھ لینے کے بعد سید صاحب اور ان کی تحریک سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو مختلف احوال ووقائع کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے میں ایک حد تک سہولت ہو گی۔ تاریخ پاک وہند میں جس عہد کو مسلمانوں کا دور زوال کہا جاتا ہے، یہ اسی کا ایک باب ہے، لیکن کیا کوئی حق پسند اور حق شناس انسان اس اعتراف میں تامل کرے گا کہ مسلمانوں کے عہد عروج واقبال کا بھی کوئی حصہ اصولاً اس سے زیادہ شاندار یا زیادہ قابل فخر نہیں ہو سکتا؟

حکم وفیصلہ کا انحصار نتائج پر نہیں بلکہ عزم جہاد، ہمت عمل اور راہ حق میں کمال استقامت پر ہوتا ہے، کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کمال عزیمت اور کمال ہمت واستقامت کی ایسی مثالیں ہمارے عہد عروج کی داستانوں میں مل سکتی ہیں، جن میں مقصود ونصب العین دین اور صرف دین رہا ہو؟

سید صاحب نے زندگی کی چالیس بہاریں وطن مالوف میں گزاریں، حیات مستعار کے باقی اوقات سرحد کے میدانوں اور کوہستانوں میں بسر کیے۔ جن حضرات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے ان کے متعلق تحریر فرمایا وہ نہ یہاں کے مفصل حالات سے آگاہ تھے، نہ سرحد کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ تھا، نہ وہ سید صاحب کو ایک مخصوص تحریک کے داعی اور ناظم کی حیثیت میں دیکھ سکے۔ اس وجہ سے کسی واقعے کے پس منظر کی کھوج لگانے کی بھی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی، خصوصاً سرحدی جنگوں یا ریسوں کے حالات پر پہنچ کر تو ان کی کیفیت یہ ہو جاتی رہی، گویا چلتے چلتے ایک تنگ و تاریک سرنگ میں داخل ہو گئے، جس کے گرد و پیش کی ہر شئے سے وہ کاملاً نا آشنا تھے۔ میں نے اپنے محدود علم کے مطابق ان کوتاہیوں کی تلافی کر کے سید صاحب کے پورے حالات کو روشنی میں لانے اور انہیں حقیقی معنوں میں تاریخی واقعات کا درجہ دینے کی سعی کی ہے، یہ کہنا مشکل ہے کہ میں کس حد تک کامیاب ہوا۔

ابتدا میں خیال تھا کہ سید صاحبؒ اور جماعت مجاہدین کی سرگزشت زیادہ سے زیادہ دو جلدوں میں پوری ہو جائے گی، لکھنے بیٹھا تو محض سید صاحبؒ ہی کے احوال و وقائع کم و بیش ایک ہزار صفحات پر پھیل گئے:

همیں عشق است بر خود چیده چندیں داستاں ورنه
کسے از معنی یک حرف صد دفتر نمی سازد

میں نے پہلی مرتبہ اس کا مسودہ ۱۹۴۶ء میں مکمل کر لیا تھا، پھر اس میں قطع و برید کرتا رہا کہ مطالب کو نقصان پہنچائے بغیر اسے جتنا گھٹایا جا سکتا ہے، گھٹا دیا جائے۔ اس موقع پر پورے موضوع کو چار جلدوں میں تقسیم کیا: دو جلدیں سید صاحبؒ کے متعلق جو ملاحظہ گرامی میں پیش ہیں، تیسری جلد ان مجاہدین کے لئے وقف کی جو سید صاحب کی زندگی میں یا ان کے ساتھ شہید ہوئے یا واقعۂ بالاکوٹ کے بعد لوٹ آئے، پھر مجاہدات میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اسی جلد میں جماعتی تنظیم کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔

یہ جلد اس وجہ سے بھی ضروری تھی کہ ان مجاہدین کے حالات مرتب ہو جائیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنہوں نے اپنی جانیں تحریک احیائے دین کیلئے بے دریغ وقف کیں، اس وجہ سے بھی ضروری تھی کہ اس کے بغیر سید صاحب کی شانِ تربیت اور بے مثال صلاحیت مردم گری کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا، باقی دو جلدوں میں ۱۸۳۱ء سے ۱۹۴۷ء تک جماعت مجاہدین کی سرگزشت ہوگی، ان حصوں کا اتمام خدا کے ہاتھ ہے، میرے پاس پورا سامان موجود ہے، کچھ اجزا مرتب بھی کرچکا ہوں، لیکن سید صاحب کی سیرت کو مطبع کے حوالے کئے بغیر دوسری طرف دلجمعی سے متوجہ نہ ہوسکتا تھا۔

سید صاحب کے متعلق اردو، فارسی، انگریزی اور عربی میں جس مکتوب یا مطبوع ذخیرے کا مجھے علم ہوسکا اور اس تک پہنچنا نصیب ہوا، وہ میں دیکھ چکا ہوں۔ ایک ایک واقعے کی صحیح کیفیت معلوم کرنے کیلئے میں نے کٹھن وادیاں طے کی ہیں اور نہایت دشوار گزار گھاٹیوں میں مدتوں چکر لگائے ہیں، جہاں قدم قدم پر خستگی و شکستگی کو قبول کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ ایک ایسے کام میں، جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنے والے بھی خیرہ ذوقی کے اس عہد تاریک میں بہت کم اصحاب نظر آتے ہیں، میں نے زندگی کے بہترین اوقات بے تامل صرف کئے، نہ ہمت نے ساتھ چھوڑا، نہ صبر کی پیشانی پر کوئی شکن نمودار ہوئی، نہ طلب و جستجو کی آنچ مدھم ہونے پائی، نہ محنت و کاوش کے حوصلوں پر افسردگی چھائی۔

ہزاروں صفحات کی ایک ایک سطر کے پیچ و خم میں میری نظریں بار ہا دوڑی ہیں، مختلف عقدوں کی کشائش میں میرے دماغ کی صلاحیتِ غور و فکر برسوں جولانیوں میں سرگرم رہی ہے۔ میں نے سید صاحبؒ کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھا، اس کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں اور سازِ وجود اس ترانے کے لئے وقف ہے:

بااین ہمہ بے حاصلی و ہیچ کسی ❁ درماندہ بہ نارسائی و بوالہوسی
وادیم نشاں ز گنج مقصود ترا ❁ گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں اپنے علم و عمل کی بے بضاعتی کے پیش نظر اس اہم کام کی تکمیل کا اہل نہ تھا، جو کچھ ہوا یہ محض خدائے لایزال کا فضل تھا۔ ایک قرن کے لیل و نہاران پاک نفس ہستیوں کے ذکر و فکر میں گزار چکا ہوں، جن کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، جاگنا سونا، جینا مرنا صرف خدا کی رضا سے وابستہ رہا۔ شاید مجھ آلودہ داماں اور سراپا جرم و عصیاں کیلئے یہی مشغولیت وسیلۂ مغفرت بن جائے۔

امید ہست کہ بیگانگی عرفیؔ را
بہ دوستیِ سخن ہائے آشنا بخشند

مہرؔ

مسلم ٹاؤن، لاہور
۲۲ر ستمبر ۱۹۵۲ء

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کتاب کے مآخذ

سید صاحبؒ کی سیرت اور جماعت مجاہدین کے حالات جن کتابوں سے اخذ کیے، ان میں سے چند اہم کتابوں پر مفصل بحث کا ارادہ تھا، لیکن اب دیکھتا ہوں کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی ہے اور مآخذ کے باب میں رشتۂ بیان کو ابتدائی پروگرام کے مطابق کھلنے دیا جائے تو اس کتاب کو دو کے بجائے تین جلدوں میں بانٹنا پڑے گا۔ لہٰذا اس کے سوا چارہ نہیں کہ چند مآخذ کی سرسری کیفیت بیان کر کے باقی کتابوں کے صرف نام درج کر دیے جائیں۔

کتابوں کی جو فہرست درج کر رہا ہوں اس میں وہ ساری نہیں آئیں جو میں نے اس سلسلے میں پڑھیں، ممکن ہے بعض پہلی نظر میں اصل موضوع سے بے تعلق نظر آئیں لیکن سفر ہجرت اور بعض دوسرے سفروں کے راستے معلوم کرنے کیلئے مجھے خدا جانے کہاں کہاں دستک دینی پڑی۔ بعض اوقات ایک غیر معروف شخص کے متعلق ضروری حالات معلوم کرنے کے سلسلے میں چار چار سو صفحات کی کتابوں کی ایک ایک سطر چھاننا پڑی۔ فہرست پیش کرنے سے خدانخواستہ یہ مقصود نہیں کہ اپنی مشقت کی اہمیت بڑھاؤں، یا اسمائے کتب کی طویل صف بندی سے اپنی کم علمی کو وقیع بناؤں، مقصود محض یہ ہے کہ جو اصحاب علم اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ اگر بطور خود تحقیق کرنا چاہیں، تو یہ فہرست ان کے لئے مفید زادِ راہ کا کام دے سکے۔

(۱) منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء

مرتبہ سید جعفر علی نقوی ساکن مجھا امیر ضلع گورکھپور۔ سید جعفر علی نقوی واقعہ بالاکوٹ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے تقریباً سوا برس پہلے جہاد کی نیت سے سرحد پہنچے تھے، چونکہ اچھے عالم اور مشاق محرر تھے، اس لئے منشی خانے سے وابستہ ہو گئے۔ شاہ اسماعیل کے کاتب خاص تھے، سید صاحب کی شہادت کے بعد وطن لوٹ آئے۔ ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ء) میں پیدا ہوئے، رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ (اواخر نومبر یا اوائل دسمبر ۱۸۷۱ء) میں وفات پائی۔

کتاب کا تاریخی نام ''تاریخ احمدیہ'' ہے، جس سے تاریخ تالیف ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۵ء) نکلتی ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کارِ خیر کی تحریک نواب محمد علی خاں سے منسوب کی ہے، جو نواب وزیر الدولہ کے صاحبزادے تھے اور ۱۸۶۵ء میں فرمانروائے ٹونک بنے۔ میرا خیال ہے کہ نواب وزیر الدولہ نے نواب محمد علی خاں کو یہ سارا کام سونپ دیا تھا۔ سید جعفر علی لکھتے ہیں:

> ''نواب موصوف کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر ثقہ راویوں کی وفات سے پیشتر سید صاحب کے پورے حالات مرتب نہ ہوئے تو ممکن ہے بعد کے لوگ غلط باتیں شامل کر دیں، اس لئے مختلف اصحاب کو جگہ جگہ سے بلا کر صحیح حالات مرتب کر دینے کی تاکید فرمائی۔''

معلوم ہوتا ہے کہ نواب وزیر الدولہ نے سید صاحب کے حالات جاننے والے تمام اصحاب کو اس غرض سے ٹونک بلایا تھا کہ جو کچھ کسی کو یاد ہو وہ روایات کی شکل میں لکھوا دے۔ نواب محمد علی خاں اس کام کے مہتمم تھے، سید جعفر علی بھی اسی سلسلے میں بلائے گئے، انہوں نے رواتیوں میں جو حصہ لیا ہو اس کے متعلق علم نہیں، مگر یہ معلوم ہے کہ سید صاحب کے حالات میں ضخیم کتاب بہ زبانِ فارسی لکھ دی۔

اس کا جو نسخہ میرے مطالعے میں آیا وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا ہے، اور اس مجموعۂ کتب کا ایک بیش قیمت نسخہ ہے، جو حافظ محمود شیروانی مرحوم سے خریدا گیا تھا، اس کے صفحات ۱۳۰۷ ہیں، لیکن بعض اجزاء غائب ہیں، بعض اوراق کو بیچ میں سے کیڑا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لکھا گیا۔ غائب اجزاء میں سے بعض کی نقلیں سید ابوالحسن علی ندوی نے کہیں سے منگوالی تھیں، میں بھی ان سے مستفید ہوا۔

اس میں سید صاحب کے ابتدائی حالات ''مخزنِ احمدی'' سے لے لئے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ نواب امیر خاں کی معیت اور سفر حج کے حالات مختلف لوگوں سے سن کر لکھے، سفر ہجرت کے حالات کی جگہ سید حمید الدین کے مکاتیب نقل کر دیے، جن سے بہتر اور مفصل تر حالات کا دوسرا مرقع نہیں مل سکتا۔ ابتدائی مجاہدات کے حالات خود ان مجاہدین سے سنے جو ان میں شریک رہے، یا منشی خانے کے کاغذات میں دیکھے۔ رمضان ۱۲۴۵ھ سے سید جعفر علی خود سارے حالات کے ناظر تھے۔

واقعۂ بالاکوٹ کے بعد جماعت کے حالات اس وقت تک لکھے ہیں، جب تک صاحب تالیف خود سرحد میں رہے۔ پھر چند صفحوں میں میر نثار علی عرف تیتو میاں کے جہاد کا ذکر ہے، آخر میں اپنے سفر ہجرت اور سفر مراجعت کی پوری تفصیلات درج کر دی ہیں۔ بہر حال یہ بڑی جامع اور مستند کتاب ہے، اگرچہ ''وقائع'' جتنی مفصل نہیں۔ سید جعفر علی کے مفصل حالات اس کتاب کے تیسرے حصے میں درج ہوں گے۔

(۲) وقائع احمدی

قلمی ماخذ میں سب سے بڑا ذخیرۂ معلومات یہی کتاب ہے، اس کا نام بعض اصحاب نے ''تاریخ احمدی'' لکھا ہے، بعض نے ''تاریخ کبیر''، میری معلومات کے مطابق اس کا نام ''وقائع احمدی'' ہے۔ اس کے کئی نسخے میری نظر سے گذرے۔

(الف) دو جلدیں امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتب خانہ رام پور کی عنایت سے دیکھیں، پہلی ۶۳۶ صفحے کی اور دوسری ۶۱۸ صفحے کی، ہر صفحے میں پندرہ سطریں اور ہر سطر میں کم از کم پندرہ اور زیادہ سے زیادہ بیس اکیس لفظ۔ پہلی جلد حج کے سلسلے میں سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کے کلکتہ پہنچنے پر ختم ہو گئی، دوسری جلد میں جنگ مردان تک کے حالات تھے۔

(ب) سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کا تیسرا حصہ مرحمت فرمایا، صفحات ۱۶۱ ۸ صفحات، صفحہ ۳۲ تک فی صفحہ ۱۷ سطریں، بعد میں فی صفحہ ۱۵ سطریں، اس میں بالاکوٹ کے بعد تک بھی جماعت کے کچھ حالات تھے، اور بیان غیر مختتم تھا۔

(ج) کچھ مدت بعد سید ابوالحسن علی نے متفرق غیر مرتب اجزا میرے پاس بھیجے، انہیں محنت سے مرتب کیا تو دو جلدیں بنیں، پہلی جلد میں جنگ مردان سے بالاکوٹ تک کے حالات آ گئے۔ دوسری جلد جماعت کے حالات پر مشتمل تھی، لیکن اس کے صرف ابتدائی اجزا مسلسل تھے، پھر جگہ جگہ سے کئی اجزاء غائب تھے۔ آخری روایت میں منارہ پر مجاہدین کی یورش کے ابتدائی حالات درج ہیں، باقی اجزاء اب تک میسر نہ آ سکے۔

(د) حضرت مولانا ابوالکلام نے ٹونک سے جو کتابیں منگائی تھیں، ان میں بھی ''وقائع'' کی ایک ضخیم جلد آ گئی تھی، لیکن وہ ابتدا سے جنگ مردان تک کے حالات پر مشتمل تھی۔

(ہ) جنگ مردان تک وقائع کا ایک نسخہ مجھے سید نور احمد نے مرحمت فرمایا تھا۔

(و) اسی کتاب کا ایک مکمل نسخہ سید طلحہ کی مہربانی سے ملا۔

سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی کا بیان ہے کہ میں طلب علم کے زمانے میں بنارس گیا تھا تو وہاں اس قسم کی ایک ضخیم کتاب جس کی چار جلدیں تھیں دیکھی تھی، سید ابوالحسن علی کو اس کا ایک مکمل نسخہ ٹونک سے مل گیا تھا، لیکن وہ فرماتے تھے کہ آخری حصہ اس کا بھی ناقص معلوم ہوتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ جب نواب وزیر الدولہ نے سید صاحب کے نیازمندوں کو جمع کر لیا تو کتاب کی ترتیب کا طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ سب لوگ محلہ قافلہ (جس میں سید صاحب کے اقربا اور مجاہدین آباد تھے) کی مسجد میں بیٹھ جاتے اور جو واقعہ کسی کو یاد ہوتا، بیان کرتا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرے اصحاب سنتے رہتے۔ اگر کسی کو بیان کے کسی حصے سے اختلاف ہوتا تو اس کی تصریح کر دیتا، کاتب ہر بیان کو راوی کے الفاظ میں لکھتے جاتے، ہر بیان کے ساتھ راوی یا راویوں کے نام درج ہوتے۔ بعض اوقات خود نواب صاحب ان مجالس میں شریک ہو جاتے اس طرح کئی جلدیں مرتب ہو گئیں۔

کتاب کی ترتیب ۱۲۷۴ھ سے شروع ہوئی تھی اور پہلی جلد ۱۲۷۶ھ میں مکمل ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ پوری کتاب میں کئی برس لگ گئے، اس کے صفحات تین پونے تین ہزار سے کم نہ ہوں گے، میری نظر سے اس کے تقریباً ڈھائی ہزار صفحے گذر چکے ہیں۔

(۳) نور احمدی

اس کے مولف مولوی نور احمد نگرامی تھے، جو جماعت مجاہدین میں ''مورخ اسلام'' کے لقب سے مشہور تھے۔ سید صاحب کے مخلص مرید تھے، شروع ہی سے آپ کے ساتھ رہے، ابتدا ہی میں آپکے حالات لکھنے کا التزام کر لیا تھا، اور جو کچھ لکھا وہ یا تو سید صاحب سے سن کر لکھا یا ان سے تصدیق کرا لینے کے بعد لکھا۔ سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:

> ''ہمہ حکایات ایں کتب را بہ سماعت شریف حضرت امیر المومنین، امام المسلمین رسانیدہ بعنت ازشمین ممتاز ساختہ بودند''

تاہم اس کتاب کا محض نام باقی رہ گیا، آج تک کہیں سراغ نہ مل سکا، کوئی ایسی تحریر بھی مجھے نہیں مل سکی، جس سے ظاہر ہو کہ کسی نے اس کتاب کا مسودہ دیکھا تھا، لیکن اس کے لکھے جانے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا مسودہ مولوی نور احمد کے ساتھ تھا، وہ جنگ بالا کوٹ میں شہید ہو گئے، یہ کتاب اور سید صاحب کے متعلق دوسری سیکڑوں بیش بہا تحریرات جنہیں منشی محمدی انصاری نے بڑے اہتمام سے مرتب کرایا تھا اور محفوظ رکھا تھا، بالا کوٹ میں نذر آتش ہو گئیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۴) مخزنِ احمدی

یہ کتاب سید صاحب کے بڑے بھانجے سید محمد علی نے مرتب کی تھی اور اس میں سید صاحب کی پیدائش سے لے کر راہِ ہجرت میں قدم رکھنے تک کے حالات جمع کر دیے تھے۔ سید محمد علی صاحب سید صاحب سے عمر میں بڑے تھے اور ہجرت سے پیشتر کی زندگی ان کے سامنے گذری تھی، لیکن تفصیلات کے طلب گار کو یہ کتاب دیکھ کر مایوسی ہوگی، اس لئے کہ یہ حالات کا ایک سرسری مرقع ہے۔ ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۵ء) میں یہ مکمل ہوئی، حضرت مؤلف خود فرماتے ہیں:

گر بجوید سالِ تحریرش کسے از ذکر و انث
چشم دارد بر ہزار و دو صد و ہشتاد و ثلث

اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے، اور حضرات کے پاس بھی اس کی نقلوں کا علم ہوا۔ ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۲ء) میں نواب محمد علی خاں مرحوم نے اسے مطبع مفید عام آگرہ میں چھپوا بھی دیا تھا، مطبوعہ نسخہ آج کل بہت کمیاب ہے، میرے پاس موجود ہے، ضخامت ایک سو بیس صفحے، کاغذ اتنا ناقص ہے کہ ورق گردانی میں خاص احتیاط سے بھی کام لیا جائے، تو ورق پھٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ تصحیح کا بھی چنداں اہتمام نہ کیا گیا۔

(۵) سیرۃ علمیہ اور تذکرۃ الابرار

سیرت علمیہ سید صاحب کے عم محترم سید نعمان نے شاہ علم اللہ کے حالات میں لکھی تھی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، آخر میں ان کے اخلاف وخلفاء کے حالات شامل کر دیے تھے، پھر سید محمد نعمان حج کیلئے چلے گئے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہوتے ہوئے فلسطین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تشریف لے گئے، اور وہیں زیارتِ حضرت موسیٰ کے پاس فوت ہو گئے، جو قدس شریف کے مشرق میں بحیرۂ لوط سے قریب ہے۔ پھر اسی خاندان کے ایک فرد سید فخر الدین نے سیرت علمیہ کی تبییض کی، بعد کے حالات بڑھا کر کتاب کو اپنے عہد تک خاندانی حالات کا ایک جامع مرقع بنا دیا اور اس کا نام "تذکرۃ الابرار" رکھا۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ سید ابوالحسن علی کی عنایت سے دیکھا۔

(۶) مکاتیب

میرے پاس سید صاحب کے مکاتیب کے پانچ مختلف مجموعے فراہم ہو گئے تین بڑے اور دو چھوٹے، ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے۔

۱- مکاتیب سید صاحبؒ

یہ ۱۷۵ صفحے کی کتاب ہے، اس میں بیشتر مکاتیب سید صاحب کے ہیں۔ بعض شاہ اسمٰعیل کے اور دو مکتوب شاہ عبدالعزیز کے ہیں، کتاب کے آخر میں مرقوم ہے: "تم المجلد الاول من مکتوبات الشریف" اس کی دوسری جلد آج تک نہ مل سکی۔ میں نے کابل میں سنا تھا کہ مولانا منصور الرحمٰن مرحوم کے پاس دونوں جلدیں موجود ہیں، میں نے ان سے نقل مانگی تو وہ ٹال گئے۔ غالباً اس وجہ سے کہ ان مکاتیب میں موجودہ حکمراں کے جدِ امجد سردار سلطان محمد خاں اور ان کے بھائیوں کا ذکر کچھ اچھے انداز میں نہیں ہوا۔ مولانا چونکہ اس وقت کابل میں تھے، انہوں نے مکاتیب کی نقل دینے کو قرین احتیاط نہ سمجھا کہ ممکن ہے یہ امر برسرِ کار اصحاب پر گراں گذرے، حالانکہ جس حد تک مجھے علم ہے حکمراں خاندان کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو حق و صداقت کو خونی رشتے کے تابع رکھے اور "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" کا قرآنی اصول ہمارے اور انکے سامنے ہے۔ معلوم نہیں اب وہ مکاتیب کہاں ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲۔ مکتوباتِ شاہ اسماعیلؒ

یہ مجموعہ ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ (۲۸؍ اپریل ۱۸۷۹ء) کو بھوپال میں مرتب ہوا اور مجھے مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری سے ملا تھا۔ اس کے ۳۳۹ صفحے ہیں اور مضمون ختم نہیں ہوا، اس میں بیشتر مکاتیب وہی ہیں جو نمبر (۱) میں ہیں۔ نئے مکاتیب بھی ہیں مثلاً زمگلہ اور شنکیاری کے معرکوں سے پیشتر شاہ اسماعیل کے مراسلے، شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کے نام سید صاحب اور شاہ اسماعیل کے عربی مکاتیب۔ میں نے اس کتاب کا نام مکتوباتِ شاہ اسمٰعیل صرف اس وجہ سے لکھا کہ مرتب کرنے والے نے یہی نام تجویز کیا۔ اس کا ایک مکمل نسخہ مولانا محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورینٹل کالج، صدر شعبہ دائرۂ معارف اسلامیہ کے پاس تھا، میں نے اسی سے اپنا ناقص نسخہ مکمل کیا۔

۳۔ محولہ بالا کا ایک نہایت خوش خط نسخہ مجھے پروفیسر سراج الدین آذر نے عنایت فرمایا تھا، اس کے اوراق منتشر تھے، میں نے بڑی محنت سے اسے مرتب کیا، اس کا خط قابلِ دید ہے، لیکن غلطیاں بہت زیادہ ہیں، اور آخر کے چند اوراق غائب ہیں۔

۴۔ مجموعہ مکاتیب بریلی

یہ فل اسکیپ سائز کے بتیس صفحوں کا ایک مجموعہ ہے، جو سید ابوالحسن علی نے بریلی سے نقل کرا کے مجھے بھجوایا، اس میں زیادہ تر وہ مکاتیب ہیں جو سید صاحب نے اپنی ازواج اور متعلقین کو تحریر فرمائے، اس کا نام میں نے ''مجموعہ مکاتیب بریلی'' رکھا۔

۵۔ مکاتیب سید حمید الدین

یہ مکاتیب میں نے منظورۃ السعداء سے نقل کرائے، دو مکتوب بریلی سے نقل ہو کر آئے، ایک مکتوب مولانا عبدالحئی کا ہے جو انہوں نے سرحد پہنچ کر وہاں کے حالات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور سفر کی تفصیلات کے متعلق تحریر فرمایا۔ سید حمید الدین کے مکاتیب، سفر ہجرت کے متعلق مستند معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ افسوس کہ ان کا پہلا مکتوب کہیں سے نہ مل سکا، ورنہ سفر ہجرت کے متعلق کسی دوسرے ماخذ کی احتیاج نہ رہتی۔

(۷) کتاب العبرۃ

مرتبہ مولانا سید عبد الجبار شاہ صاحب ستھانوی سابق بادشاہ سوات و سابق وزیر اعظم امب۔ سید مرحوم ممدوح خاندانِ سادات ستھانہ کے ایک جلیل القدر رکن تھے، یہ کتاب انہوں نے اپنے خاندان کے حالات میں لکھنی شروع کی تھی، اور سلسلۂ بیان کا آغاز سید علی ترمذی غوث بونیر سے ہوا ہے، جو سلاطین مغلیہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ پانی پت کی پہلی جنگ میں شریک رہے، پھر امارت کا سر و سامان ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی، وقت کے بعض بزرگوں سے کسب فیض کے بعد اپنی پوری زندگی اہل سرحد کی تعلیم و تزکیہ میں گزاری۔ بونیر آپ کا مرکز تھا، وہیں وفات پائی، ان کا مزار مرجع عام ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ سید علی ہی کی برکت سے سرحد میں دین کا احیاء ہوا اور آپ کے فیض کی موجیں کابل سے کشمیر تک پورے پختستانی علاقے میں پھیل گئیں۔ ستھانہ بھی آپ ہی کے اخلاف نے آباد کیا، جہاں سے سید اکبر شاہ اٹھے اور وہ سید صاحب کے معتمد علیہ رفیق و مشیر تھے۔ اسی خاندان کے ایک رکن سید عمر شہید تھے، جنہوں نے جماعت مجاہدین کی خاطر انگریزوں سے جنگ کی اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ اسی خاندان کے جلیل القدر فرزند شہزادہ مبارک شاہ (ابن سید اکبر شاہ) اور شہزادہ محمود شاہ (والد ماجد سید عبد الجبار شاہ) تھے جو امبیلے کی جنگ میں مجاہدین کے ساتھ ہو کر انگریزوں کے خلاف لڑے، اسی خاندان کی ایک شاخ کنڑ (افغانستان) میں جا بسی تھی، جس سے سید جمال الدین افغانی اٹھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید عبدالجبار شاہ نے کتاب خاندانی حالات میں لکھی تھی، لیکن چونکہ اس خاندان کا تعلق سرحد کے ہر حصے سے تھا، اس لئے مغلوں کے عہد حکومت سے آج تک یہ سرحد کی نہایت مفصل تاریخ بن گئی، نیز سادات ستھانہ سید صاحب اور مجاہدین کے ساتھ وابستہ ہوگئے تھے، اس لئے اس موضوع پر بھی خاصی معلومات فراہم ہوگئیں۔

بعض روایتیں ایسی ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، مثلاً بابا بہرام خاں تنولی کی روایات جو سید صاحب کے مجاہدات میں شریک رہے تھے، اور لمبی عمر پا کر ۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے، ان کی صاحبزادی کی شادی سادات ستھانہ کی اس شاخ کے ایک فرد سے ہوئی تھی جو گندف میں مقیم ہوگئی تھی، برادرم سید مبارک شاہ گندفی مرحوم (برادر زادہ سید عبدالجبار شاہ) بابا بہرام خاں مرحوم کے نواسے تھے، اس گہری رشتہ داری کی وجہ سے سید عبدالجبار شاہ کو تمام حالات سننے کے خاص مواقع حاصل ہوئے۔

کتاب العبرۃ کئی جلدوں میں ہے، یہ چھپے گی تو تاریخ وتمدن سرحد کے متعلق مستند معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔ اس کی تمام جلدیں مہینوں میرے پاس رہیں اور میں نے سرحد کے بارے میں تمام معلومات انہیں سے حاصل کیں۔

(۸) روزنامچہ میرزا عطا محمد خاں شکارپوری

میرزا عطا محمد خاں کا خالو، شیر محمد خاں، میران سندھ کا وکیل تھا، اور ایک مرتبہ سید اسماعیل شاہ وزیر سندھ کے ہمراہ فتح خاں بارک زئی کے پاس سفیر بن کر گیا تھا۔ میرزا صاحب موصوف کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، اپنے خالو سے سارے حالات سن کر مرتب کر لئے وہ خود بھی ہرات، کابل، قندھار اور پشاور کے سفر کر چکا تھا، ان سفروں میں جو کچھ دیکھا اور سنا اُسے بھی ضبط تحریر میں لے آیا۔

اس روزنامچے کی چار جلدیں ہیں:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جلد اول	۹۰ صفحات	جلد دوم	۹۵ صفحات
جلد سوم	۳۴۴ صفحات	جلد چہارم	۱۵۵ صفحات

بیان کا آغاز نادر شاہ افشار کے قتل اور احمد شاہ درانی کی تخت نشینی سے ہوتا ہے۔ پھر تیمور شاہ اور زمان شاہ کے حالات اختصاراً بیان کرنے کے بعد پائندہ خاں بارک زئی کے قتل پر پہنچ جاتا ہے، جسکے باعث سدوزئیوں اور بارک زئیوں کے درمیان رزم و پیکار کا لامتناہی سلسلہ جاری ہوا، اور افغانستان کی مملکت ان خانہ جنگیوں میں تباہ ہوتی رہی۔

میرزا عطا محمد خاں کی زندگی میں سید صاحب سندھ کے راستے سرحد گئے اور وہاں مرکز قائم کر کے بحالیٔ حکومتِ اسلامیہ کے لئے مجاہدات شروع کئے۔ میرزا نے ان کے حالات تیسری جلد میں لکھے ہیں جو زیادہ تر سید صاحب کے مکاتیب سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سندھ میں سے کس کس نے اور کس حد تک سید صاحب کی تحریک کا خیر مقدم کیا، کون کون ادائے فرض کی طرف متوجہ ہوا اور کس کس سے غفلت سرزد ہوئی۔ سید صاحب کے حالات کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

> زبدۃ السادات عظام، خلاصہ خاندانِ کرام، رافع روایاتِ اسلام، قامع بنیادِ کفر و ظلام، پیر احمد شاہ غازی بہ مقتضائے حصول سادات سرمدی و بہ امید حیات ابدی بر طبق مضمون آیہ کریمہ: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ'' جہاد کے لئے اُٹھے اور سب کو اس کار خیر کی دعوت دی۔

میرزا عطا محمد خاں بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو زیادہ سے زیادہ عقیدت رکھنے کے باوجود سید صاحب کی شہادت کے قائل تھے اور غیبت کے افسانے کو انہوں نے کبھی قبول نہ کیا۔ یہ روزنامچہ مجھے سید علی محمد راشدی ایڈیٹر ''سندھ آبزرور'' اور سید حسام الدین راشدی سے ملا اور مہینوں میرے پاس رہا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۹) رسالہ دراحوال مولوی نصیر الدین

مولوی نصیر الدین دہلوی سید صاحبؒ کے خلفائے خاص میں سے تھے، واقعۂ بالاکوٹ سے کئی برس بعد مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر جہاد کیلئے روانہ ہوئے، سندھ بلوچستان کی سرحد پر کچھ مدت گزاری۔ جب انگریزوں نے شاہ شجاع کو لے کر افغانستان پر حملہ کیا تو مولوی صاحب امیر دوست محمد خاں کی طرف سے غزنی کی حفاظت میں انگریزوں کے خلاف لڑے۔ شیخ ولی محمد پھلتی ہندوستان چلے آئے تو مولوی صاحب نے ستھانہ پہنچ کر مجاہدین کی زمامِ قیادت سنبھال لی اور وہیں وفات پائی۔ ان کے مفصل حالات کتاب کی چوتھی جلد میں بیان ہوں گے، لیکن اتنا عرض کر دینا چاہیے کہ یہ مولوی نصیر الدین اس نام کے دوسرے صاحب سے مختلف تھے جو عام طور پر ''منگوری'' کہلاتے ہیں۔

زیرِ غور رسالہ مولوی صاحب موصوف کے ایک ارادت مند ابو احمد علی بن احمد نے مرتب فرمایا تھا، اس کے مقدمے اور پہلے باب میں سید صاحب کے حالات اختصاراً بیان ہوئے ہیں، میں نے اس کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں دیکھا، وہ ناقص ہے، سنا ہے کہ اس کا مکمل نسخہ ٹونک کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس رسالے سے معلوم ہوا کہ سید صاحب کے حالات میں دو کتابیں (تاریخ کبیر اور جامع محیط) آپ کے چھوٹے بھانجے سید عبد الرحمٰن کے زیرِ اہتمام مرتب ہو چکی تھیں، میرے علم کے مطابق ''وقائع احمدی'' ہی کا دوسرا نام ''تاریخ کبیر'' تھا، ''جامع محیط'' کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

(۱۰) ظفر نامہ رنجیت سنگھ

اس نام کی دو کتابیں ہیں، ایک منظوم جو کنہیا لال ہندی نے شاہنامے کی بحر میں لکھی تھی، اس میں سید صاحب کے حالات بہت کم ہیں۔ دوسری کتاب نثر میں دیوان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امرناتھ نے مرتب کی تھی، ۱۸۳۶ء پر پہنچ کر تحریر ختم ہوگئی، اس کا اندازِ تحریر صاف اور سلجھا ہوا نہیں، پروفیسر سیتارام کوہلی نے اسے ایڈیٹ کیا اور ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اسے چھاپا۔ اس میں سید صاحب کے متعلق بعض نادر معلومات ہیں، مثلاً یہ کہ شہادت کے بعد شیر سنگھ نے سید صاحب کی تصویر تیار کرائی تھی جو لاہور بھیجی گئی، دیوان امرناتھ نے بھی وہ تصویر دیکھی تھی۔

(۱۱) تواریخ عجیبہ یا سوانح احمدی

مرتبہ مولوی محمد جعفر تھانیسری۔ اردو زبان میں سید صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے، اس کا پہلا ایڈیشن دہلی کے مطبع فاروقی میں چھپا تھا دوسرا ایڈیشن مالک رسالہ ''صوفی'' (پنڈی بہاؤالدین) نے بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ میں چھپوایا، تیسرا ایڈیشن اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا۔ اس کتاب نے سید صاحبؒ کے متعلق دو نہایت افسوسناک غلط بیانیوں کو عام کیا: اول یہ کہ سید صاحبؒ انگریزوں سے نہیں لڑنا چاہتے تھے، صرف سکھوں سے لڑائی پر آمادہ ہوئے تھے۔ اس غلط بیانی کو مستند بنانے کے لئے سید صاحب کے مکاتیب کی عبارتوں میں تحریف کی گئی۔ دوسرے مولوی سید جعفر علی نقوی کی کتاب کے ایک فقرے کو متن سے الگ کر کے سید صاحب کی غیبت کے عقیدے کو تقویت پہنچائی گئی، حالاں کہ اس فقرے کو مسئلہ غیبت سے کوئی تعلق نہ تھا اور سید جعفر علی نقوی کی کتاب میں ایک دو نہیں بلکہ بہت سے ثبوت شہادت کے موجود تھے۔ ان امور پر مفصل بحثیں میری کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۲) حیاتِ طیبہ

مؤلفہ میرزا حیرت دہلوی۔ یہ اصل میں شاہ اسماعیل شہید کی سیرت ہے، جس میں سید صاحب کی جنگوں کے حالات آگئے ہیں۔ آخر میں سید صاحب کے حالات بھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اختصاراً بیان کردیے ہیں۔ یہ کتاب تاریخ نہیں بلکہ افسانہ ہے، کئی واقعات و حالات یقیناً ایسے ہیں، جو میرزا صاحب نے خود تیار کر لئے، مثلاً شاہ اسماعیل کے وعظ یا جہاد کی نیت سے ان کی ورزشیں یا پنجاب کا دورہ۔

جن جنگوں میں شاہ اسماعیل سرے سے شریک ہی نہ تھے، میرزا صاحب نے ان میں بھی شاہ صاحب ہی کو مرکزی شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ سید صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بڑی کوشش سے نواب امیر خاں کو انگریزوں سے مصالحت پر آمادہ کیا تھا، حالانکہ سید صاحب نے نواب صاحب کا ساتھ صرف اس بنا پر چھوڑا تھا کہ وہ انگریزوں سے مل گئے تھے۔

میرزا صاحب کی رائے شاید یہ ہو کہ رنگ آمیزی سے واقعات زیادہ پرتاثیر بن جائیں گے، لیکن جو واقعہ اثر پیدا کرنے کیلئے رنگ آمیزی کا محتاج ہو وہ اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ دوا دین تاریخ و سیر میں جگہ پائے۔ بہرحال یہ کتاب سراسر ناقابل اعتماد ہے اور اس کے متفرق واقعات پر میری کتاب میں جا بجا تبصرے ملیں گے، مفصل تبصرے کتاب کی تیسری جلد میں یہ سلسلہ حالات شاہ اسماعیل آئیں گے۔

(۱۳) تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار

مصنفہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم۔ نواب مرحوم نے سید صاحب کا ذکر مختلف کتابوں میں کیا ہے، زیر غور کتاب میں ان کے حالات مستقل عنوان کے تحت لکھے ہیں۔ مرحوم کے والد سید اولاد حسن قنوجی، سید صاحب کے خاص ارادت مند تھے۔ پھر نواب صاحب کا تعلق فرمانروایانِ ٹونک اور اعزہ سید صاحبؒ سے بھی برابر قائم رہا، اس لئے انہیں سید صاحب کے خاصے حالات معلوم ہوں گے۔ تقصار میں جو کچھ لکھا گیا ہے بہت مختصر ہے لیکن چند باتیں خاص توجہ کی محتاج ہیں، مثلاً:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ا: سید صاحب نے علم باطن میں درجۂ کمال حاصل کر لیا تھا اور ہدایتِ خلق میں آپ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان تھے۔

ب: ان کے خلفاء کے مواعظ کی برکت سے ہندوستان کی سرزمین شرک و بدعت سے پاک ہو کر کتاب و سنت کے اتباع پر قائم ہوئی۔

ج: سید صاحب سلوکِ ظاہر و باطن میں بے مثال تھے۔

د: ان کے غائب ہو جانے کی حکایت محض افترا ہے اور عقل و نقل سے اسے کوئی مناسبت نہیں۔

ہ: ماضی قریب میں کسی ایسے صاحبِ کمال کا نشان دنیا کے کسی ملک میں نہیں ملتا۔

و: سید صاحب کو شیخ محمد بن عبدالوہاب سے ظاہراً یا باطناً کوئی علاقہ نہ تھا۔

آخر میں لکھا ہے کہ کتاب و سنت میں جہاد کے شروط و قیود ہیں، اسی لئے سید صاحب نے ہندوستان میں جہاد نہ کیا اور حکومتِ برطانیہ کے خلاف محاذ قائم نہ فرمایا، بلکہ باہر جا کر سکھوں اور افغانوں کے خلاف لڑے۔

مبادا اس بیان سے غلط فہمی پیدا ہو اِس لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ سید صاحب انگریزوں کو مسلمانوں کے لئے سکھوں سے بدرجہا زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ مختلف مصالح کی بنا پر سرحد کو مرکز بنایا اور اس میں سکھ سامنے آ گئے، افغانوں کے خلاف لڑائیاں سید صاحب کے مقاصد میں داخل نہ تھیں، نہ سید صاحب انھیں پسند کرتے تھے، لیکن جن افغانوں نے مسلمانوں کے خلاف سکھوں کا ساتھ دیا اور بار بار کی تفہیم کے باوجود باطل کا راستہ نہ چھوڑا، ان سے مجبوراً لڑنا پڑا۔

(۱۴) ترجمانِ وہابیہ

معنفہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم۔ یہ رسالہ ۱۸۸۲ء میں مرتب ہوا۔ جب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہندوستان میں ''وہابیت'' کو بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ خود نواب صاحب بھی ''وہابیت'' اور تبلیغ جہاد کی بناء پر انگریزوں کے معتوب ہوگئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا خطاب ضبط ہوا، توپوں کی سلامی روک دی گئی اور ریاست بھوپال کے معاملات سے انہیں الگ ہونا پڑا۔ رسالے میں نواب نے اپنی بعض سابقہ کتابوں کے ان حصوں کا مضمون اردو میں بیان کیا ہے جن میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کا ذکر تھا، اس طرح ثابت کیا ہے کہ وہ ''وہابیت'' کے الزام سے کاملاً بری ہیں۔ اس کتاب میں بھی سید صاحب اور شاہ اسماعیل کا ذکر ضمناً آیا ہے۔

(۱۵) اسلام کی دسویں کتاب

مصنفہ مولوی رحیم بخش۔ مولوی صاحب مرحوم سید صاحب کے ایک ارادت مند مولوی حیدر علی کے شاگرد تھے، جو ملووال ضلع فیروز پور میں مقیم ہوگئے تھے۔ انہیں کے فرزند اکبر مولانا عبدالرحیم تھے، جو ہجرت کر کے سرحد پہنچے تو محمد بشیر نام رکھا۔ اسی نام سے مشہور ہوئے، انہیں سے یہ کتاب منسوب ہے۔

اس کتاب میں سید صاحب کے حالات تقریباً سولہ صفحوں میں آئے ہیں، حالانکہ مغل سلاطین کے پورے خاندان کے احوال وسوانح کے لئے اتنے صفحے وقف نہیں ہوئے۔ چونکہ یہ بچوں اور بچیوں کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے زیادہ تحقیق وکاوش سے کام نہیں لیا گیا۔

(۱۶) ارواحِ ثلاثہ

یہ تین کتابوں کا مجموعہ ہے: اول ''امیر الروایات'' جس میں مولوی امیر شاہ خاں سے سنی ہوئی روایات جمع کر دی گئیں۔ دوسری ''روایات الطیب'' جو مولانا محمد طیب دیوبندی کی سنی ہوئی روایات کا مجموعہ ہے۔ تیسری ''اشرف التنبیہ'' جس میں مولانا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اشرف علی مرحوم نے مختلف روایات کے بعض نکات کی شرح فرما دی، تینوں کو یکجا چھاپ کر "ارواحِ ثلاثہ" نام رکھا۔

اس میں سید صاحب، شاہ اسماعیل اور بعض دوسرے بزرگوں کے متعلق حکایات ہیں، لیکن بعض حکایات بداہۃً غلط ہیں، مثلاً ۵۴، ۵۵، ۹۱، ۱۱۰، ۱۲۱۔ ان پر بحث کا یہ موقع نہیں۔

(۱۷) مجموعہ تسعہ رسائل

یہ مجموعہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری نے چھپوایا تھا جو مجاہدین کی مالی اعانت کے سلسلے میں ماخوذ ہوئے، اور اٹھارہ برس انڈمان میں قید رہے۔ اس میں سات رسالے مولانا ولایت علی مرحوم کے ہیں، یعنی ردِ شرک، عمل بالحدیث، اربعین فی المہدیین (مہدی کی آمد کے متعلق چالیس حدیثیں) دعوت، تیسیر الصلوٰۃ، تبیان الشرک۔ ایک رسالہ "بت شکن" مولانا عنایت علی کا ہے اور ایک رسالہ "فیض الفیوض" مولانا فیض علی کا۔

ان میں سے رسالہ دعوت میں مولانا ولایت علی نے سید صاحب کی غیبت کا عقیدہ پیش کیا ہے۔ اس پر مفصل بحث کتاب میں ہو چکی ہے اور یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

(۱۸) الدر المنثور فی تراجم اهل الصادق فور

مرتبہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری۔ اس کا دوسرا نام "تذکرۂ صادقہ" ہے۔ اس کتاب میں صادق پور کے دو بزرگ منزلت خاندانوں کا تذکرہ ہے، جن کے افراد ابتدا ہی سے سید صاحب کے ساتھ وابستہ ہوئے اور جانی و مالی قربانیوں میں سرزمین پاک و ہند کا کوئی دوسرا گھرانا ان کے برابر نہ پہنچ سکا۔ اس میں سرحدی جنگوں کا ذکر بہت مجمل ہے، لیکن جماعتِ مجاہدین کے متعلق اس سے بعض قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۱۹) وصایا الوزیر علیٰ طریقۃ البشیر و النّذیر

مرتبہ نواب وزیرالدولہ امیر الملک محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ والئ ٹونک۔ یہ کتاب چالیس وصیتوں پر مشتمل ہے، بڑے سائز کی دو جلدوں میں چھپی تھی، پہلی جلد کے صفحے ۳۶۰ ہیں اور دوسری کے ۲۱۴۔ اس میں جابجا سید صاحب، شاہ اسماعیل اور جماعت کے دوسرے افراد کے متعلق حکایات ہیں۔

(۲۰) تنبیہ الضالّین عن طریق سید المرسلین

مرتبہ مولانا محمد خان عالم مدارسی۔ میرے پاس اس کا قلمی نسخہ ہے، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ شائع ہوئی یا نہ ہوئی۔ محمد خاں عالم مدراس کے بہت بڑے رئیس اور نواب ارکاٹ کے خسر تھے۔ جب سید صاحب نے مولانا محمد علی رام پوری کو حیدر آباد سے بہ سلسلۂ دعوت مدراس بھیجا تو محمد خان عالم مولانا ہی کے ارشادات کی برکت سے راہِ حق پر قائم ہوئے اور زندگی بھر مدراس میں ہدایت کا مینار بنے رہے۔ زیرِ غور کتاب میں انہوں نے اہل بدعت کی تہمت طرازیوں کا جواب دیا ہے، کتاب سے مولانا محمد علی کی دعوت کے متعلق قیمتی معلومات ملیں۔

(۲۱) درّ مقال

مصنفہ مولوی عبد الحق آروی (بہار)۔ مولوی صاحب مرحوم مہاجر و مجاہد تھے، ہندوستان پر انگریز چھا گئے تو مولوی صاحب ترکِ وطن کر کے سندھ پہنچے۔ سندھ بھی انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو سرحد چلے گئے۔ سید اکبر شاہ ستھانوی سوات کے بادشاہ بنے تو انہوں نے مولوی عبد الحق کو وزیرِ اعظم بنالیا تھا، امبیلے کی جنگ میں بھی مولوی صاحب شریک رہے۔ آخر عمر میں الاڈنڈ ڈھیری (سوات) میں مقیم ہوگئے تھے، وہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وفات پائی۔

"در مقال" شاہنامے کی بحر میں ایک طویل مثنوی ہے، جس میں جنگ امبیلہ کے حالات بیان کرنے منظور تھے۔ بہت سی دوسری باتیں بھی آ گئیں، شعر معمولی ہیں، لیکن مضمون بڑا قیمتی ہے۔ اس کا اصل نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا سید عبدالجبار شاہ ستھانوی کے پاس ہے، اس کی ایک نقل سید ممدوح نے مجھے مرحمت فرمائی۔ اس کتاب کے اور کسی نسخے کا مجھے علم نہیں۔

(۲۲) رسالہ

اس کا نام معلوم نہ ہو سکا، مصنفہ ابوالغضنفر مولوی نجف علی ابن محمد عظیم الدین ابن محمد خیر الدین۔ مولوی نجف علی صاحب جھجر کے باشندے تھے، ٹونک گئے اور وہاں سید صاحبؒ کے حالات سے رئیس کا شغف دیکھا تو عربی زبان میں سید صاحبؒ، شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحیٔ اور شاہ محمد اسحاق کے حالات لکھ دیے۔ میں نے اسے ان کتابوں میں دیکھا جو حضرت مولانا ابوالکلام نے میری درخواست پر عاریۃً ٹونک سے منگائی تھیں، اس کے ۱۷ صفحے ہیں فی صفحہ ۱۵ سطر اور فی سطر دس یا بارہ الفاظ۔

(۲۳) اخبار جناب سید احمد

اس نام کے دو مجموعے میں نے ان کتابوں میں دیکھے جو حضرت مولانا ابوالکلام نے ٹونک سے منگائی تھیں۔ ایک کا نمبر کتب خانے میں ۲۰۶ ہے، دوسری کا ۲۰۹۔ ان دونوں میں سید صاحب کے مختلف خطوط جمع کر دیے گئے ہیں۔ نمبر ۲۰۹ میں شاہ اسماعیل شہید کے دو قصیدے اور ایک مثنوی بھی ہے، قصیدوں میں سے ایک نعت میں ہے دوسرا سید صاحب کی مدح میں۔ مثنوی کا نام سلکِ نور ہے۔

(۲۴) مثنوی شہر آشوب

مولفہ حکیم عبد الحمید صاحب صادق پوری۔ اس مثنوی میں حکیم صاحب نے اپنے خاندان کی تباہی کا حال لکھا ہے، جب کہ ان کے والد مولانا احمد اللہ کو ایک الگ مقدمے میں کالے پانی کی سزا دی گئی۔ ان کے چچا مولانا یحییٰ علی اور مولانا عبد الرحیم کو الگ انبالہ والے مقدمے میں کالے پانی بھیجا گیا اور جائداد ضبط کر لی گئی۔

ان کے علاوہ ''نتائج الحرمین'' ''ارمغانِ احباب'' اور متعدد دوسری کتابوں کی کیفیت بیان کرنا چاہتا تھا، لیکن خوف اطناب قدم قدم پر عناں گیر ہے، لہٰذا ان کے صرف نام درج کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ یہ نام جلد دوم کے آخر میں ملاحظہ فرمایئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت

سید احمد شہید رح

حصہ اول

مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلوی رح کے مفصل سوانح حیات اور ان کی تحریکِ احیائے دین کی مکمل سرگزشت

مولانا غلام رسول مہر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

اجدادِ کرام

تا گوہر آدم نسم باز بہ استقد
ز آبائے خود ار بشرم اصحاب کرم را

نسب

سید صاحب کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

(۱) سید احمد، بن (۲) سید محمد عرفان، بن (۳) سید محمد نور، بن (۴) سید محمد ہدیٰ، بن (۵) سید علم اللہ، بن (۶) سید محمد فضیل، بن (۷) سید محمد معظم، بن (۸) قاضی سید احمد، بن (۹) قاضی سید محمود، بن (۱۰) سید علاء الدین، بن (۱۱) سید قطب الدین ثانی، بن (۱۲) سید صدر الدین ثانی، بن (۱۳) سید زین الدین، بن (۱۴) سید احمد، بن (۱۵) سید علی، بن (۱۶) سید قیام الدین بن (۱۷) سید صدر الدین، بن (۱۸) قاضی سید رکن الدین، بن (۱۹) امیر سید نظام الدین، بن (۲۰) امیر سید قطب الدین محمد الغزنوی الکردی، بن (۲۱) سید رشید الدین، بن (۲۲) سید یوسف، بن (۲۳) سید عیسیٰ، بن (۲۴) سید حسن، بن (۲۵) سید ابوالحسن، بن (۲۶) سید ابوجعفر، بن (۲۷) سید قاسم، بن (۲۸) سید ابومحمد عبداللہ، بن (۲۹) سید حسن الاعور الجواد، بن (۳۰) سید محمد ثانی، بن (۳۱) سید ابومحمد عبداللہ الاشتر، بن (۳۲) سید محمد المہدی ذوالنفس الزکیہ، بن (۳۳) سید عبداللہ المحض، بن (۳۴) سید حسن مثنیٰ، بن (۳۵) حضرت امام حسن علیہ السلام، ابن (۳۶) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امام حسن علیہ السلام کے فرزند سید حسن مثنیٰ کی شادی امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ صغریٰ سے ہوئی تھی۔ اس طرح سید عبداللہ المحض دونوں اماموں کی نجابت کے وارث بنے، وہ خود اور ان کی اولاد اس امتیاز کی وجہ سے ''الحسنی الحسینی'' کہلائی۔

یہ شرف نجابت گوشت پوست اور خون تک محدود نہ تھا بلکہ طہارتِ اخلاق اور پاکیزگیٔ عمل سے بھی حظِ وافر ملا تھا۔

سید محمد المہدی

اس سلسلہ نور میں ایسی مقدس ہستیاں بھی ہیں جن کے حالات روز روشن کی طرح زمانے پر آشکارا ہیں، مثلاً امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ اور امام حسن علیہما السلام۔ بعض کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ عمر بھر گوشہ نشین رہے، ذکر و فکر میں زندگی گزاری اور مالک حقیقی سے جا ملے۔ جن بزرگواروں کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات مزین ہوئے ان میں سب سے پہلے سید محمد المہدی ذوالنفس الزکیہ آتے ہیں۔

اموی خاندان کی حکومت امیر معاویہؓ سے شروع ہو کر مروانِ ثانی پر ختم ہوئی، بیچ میں صرف ایک مرتبہ اس میں خطرناک خلل پیدا ہوا تھا جب معاویہ ثانی بن یزید کی دست برداری پر حضرت عبداللہ ابن زبیر کا سلسلۂ حکومت خاصا مستحکم ہو گیا تھا۔ حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت پر بالفعل مقابلہ باقی نہ رہا، لیکن سادات کرام اور علویوں کی جانب سے امویوں کو سخت خطرہ تھا، اس لئے کہ وہ بلندیٔ نسب اور حسنِ روش و عمل کی وجہ سے مرجع عوام تھے، عباسی بھی قرابت و نسب کی بناء پر انہیں کے حامی تھے۔

بیچ میں عباسیوں نے اپنی حکمرانی کے لئے کوششیں شروع کر دیں اور ان کے داعی حلقوں میں پھیل گئے۔ ان داعیوں میں سب سے زیادہ شہرت ابو مسلم نے پائی، جس کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مرکزِ دعوت خراسان تھا، تاہم عباسیوں کو یقین نہ تھا کہ عام لوگ سادات کو چھوڑ کر خود ان کی حمایت کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ مروانِ ثانی کے زمانے میں اموی حکومت کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا تو ساداتِ کرام میں سید محمد المہدی طہارتِ نفس اور فضائل و محاسن میں بہت ممتاز تھے، ایک موقع پر مختلف اصحاب نے خفیہ خفیہ ان کو بیعتِ خلافت کے لئے منتخب کیا، بیعت کرنے والوں میں ابو جعفر منصور عباسی بھی شامل تھا۔

ابتری زیادہ پھیلی تو اچانک عباسی میدانِ عمل میں آ گئے، کوفہ میں ابو العباس سفاح عباسی کی بیعت ہوئی۔ پھر جنگ زاب پیش آئی، جس میں مروانِ ثانی نے شکست کھائی، وہ جان بچا کر بھاگا، چھپتا چھپاتا کسی محفوظ مقام کی طرف جا رہا تھا کہ ایک جگہ بحالتِ خواب مارا گیا۔ ابو العباس نے عنانِ خلافت سنبھالی تو تمام سادات اور علویوں کو حسنِ سلوک سے مطمئن رکھنے کی کوشش کی، تین چار برس کے بعد وہ فوت ہوا اور اس کا بھائی ابو جعفر منصور خلیفہ بن گیا۔

محمد المہدی کی شہادت

منصور کے دل سے یہ واقعہ محو نہ ہو سکتا تھا کہ ایک موقع پر خود اس نے سید محمد المہدی کی بیعت کی تھی۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر سید موصوف نے علمِ مخالفت بلند کیا تو مقابلہ مشکل ہوگا، لہٰذا اس نے سید محمد المہدی اور ان کے بھائی سید ابراہیم کو بہ لطائف الحیل اپنے قابو میں لانے کی تدبیریں شروع کر دیں، لیکن یہ دونوں ہاتھ نہ آئے۔ پریشان ہو کر منصور نے ان کے والد ماجد سید عبداللہ المحض اور حسنی خاندان کے تمام دوسرے افراد و متوسلین کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ان مظلوم اسیروں میں سید عبداللہ کے ماں جائے بھائی محمد بن عمرو بن حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے، ان کے املاک و اموال ضبط کر لئے گئے، پہلے یہ مدینہ منورہ میں قید رہے، پھر انہیں پابجولاں عراق بلا کر ہاشمیہ(۱) کے محبس میں ڈال

(۱) ہاشمیہ عراق میں دریائے فرات کے کنارے انبار کے پاس تھا، یہ عباسیوں کا پہلا دارالحکومت تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیا گیا، ان پر جو تعدیاں ہوئیں ان کا ذکر پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

سید محمد المہدی نے اپنے بھائی سید ابراہیم کو بصرہ بھیج دیا۔ تجویز یہ تھی کہ دونوں بیک وقت دو مختلف حصوں سے منصور کے مقابلے کیلئے اٹھیں، چنانچہ سید محمد نے مدینہ منورہ کو مرکز بنا کر بالا علان بیعت کا سلسلہ شروع کیا، سید ابراہیم نے بصرہ میں رفیقوں کی خاصی بڑی جماعت پیدا کرلی۔ مدینہ منورہ میں امام مالکؒ نے سید محمد کی حمایت میں فتویٰ دیا، بصرہ میں امام ابوحنیفہؒ نے سید ابراہیم کی تائید فرمائی اور چار ہزار درہم کی رقم بھی ان کے پاس بھیج دی۔

منصور نے اپنے ایک سپہ سالار عیسیٰ بن موسیٰ کو دس ہزار فوج دے کر مدینہ منورہ بھیجا، سید محمد نے شہر میں بیٹھ کر مقابلے کا فیصلہ کیا، خندق بھی تیار کرلی۔ مدینہ منورہ کے شمال میں جبل سلع کے قریب مقابلہ ہوا، سید محمد بڑی مردانگی سے لڑے، اچانک ایک دشمن نے ان کی پشت میں نیزہ مارا، وہ جھکے تو دوسرے نے سینے پر نیزے کا وار کیا۔ دو نیزے کھا کر سید ممدوح گر گئے، ان کا سر مبارک قلم کر کے منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ میت کو تین روز تک سولی پر لٹکائے رکھا، ان کی بہن زینب نے تیسرے دن اجازت لے کر میت جنت البقیع میں دفن کی۔ یہ حادثۂ فاجعہ ۱۵ ار رمضان المبارک ۱۴۵ھ (۲ ر جنوری ۷۶۲ء) کو عصر اور مغرب کے درمیان پیش آیا۔(۱)

سید ابراہیم

سید ابراہیم بصرہ میں فوج جمع کر رہے تھے، انہوں نے اپنے داعی اہواز میں بھی بھیج دیے تھے۔ ذی قعدہ ۱۴۵ھ میں ایک لاکھ آدمی لے کر کوفہ پر بڑھے، کوفہ سے سولہ فرسنگ پر ایک مقام ''باخمریٰ'' ہے، یہاں منصور کی فوج سے مقابلہ ہوا، ابتدا میں عباسی فوج

(۱) قبر کا کوئی نشان نہیں ملتا، شہادت کی جگہ قبہ بن گیا تھا جو ۱۹۲۶ء تک موجود تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شکست کھا کر بھاگ نکلی، دوبارہ جمع ہو کر مقابلہ کیا، اتفاق سے ایک تیر سید ابراہیم کے حلق میں لگا اور وہ شہادت پا گئے، ساتھ ہی ان کی فوج بکھر گئی۔ یہ ۲۵ ر ذی قعدہ ۱۴۵ھ (۱۴ ر فروری ۷۶۳ء) کا واقعہ ہے۔

منصور نے سید ابراہیم کا سر سید عبداللہ المحض کے پاس جیل خانے میں بھجوا دیا تھا، انہوں نے یہ دل گداز و جانکاہ "تحفہ" دیکھ کر پیغام بھیجا کہ ہماری مصیبت کے دن تیرے عروج کے دنوں کی طرح جلد جلد گذر جائیں گے، پھر عنقریب ہم سب اس ابدی عادل کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں جو ہمارے اور تیرے درمیان انصاف کرے گا۔

سید ابراہیم نے اپنے بھتیجے سید عبداللہ الاشتر (ابن سید محمد المہدی) کو سندھ بھیج دیا تھا، جہاں کا گورنر عمر بن حفص سادات کا عقیدت مند تھا۔ جب سید ابراہیم کی شہادت کی خبر سندھ پہنچی تو عمر بن حفص نے سید عبداللہ کو ایک مقامی سردار کے پاس بھیج دیا۔ منصور نے تعاقب نہ چھوڑا اور اس سردار پر چڑھائی کا حکم دے دیا۔ سید عبداللہ ایک روز دس سواروں کے ہمراہ دریا کے کنارے سیر کر رہے تھے، اچانک سامنے سے دشمن کی جمعیت آ گئی، سید نے نہ بھاگنا مناسب سمجھا، نہ قدم پیچھے ہٹایا اور وہیں لڑ کر شہادت پائی۔ ان کی اہلیہ اور بچہ گرفتار ہو کر منصور کے پاس پہنچے، انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

سید عبداللہ المحض اور باقی اسیر قید کی حالت میں واصل بہ حق ہوئے۔

گویا سید احمد بریلوی کے اسلافِ کرام میں سے امیر المومنین حضرت علیؓ اور امام حسن کے بعد سید عبداللہ المحض، سید محمد المہدی، سید ابراہیم اور سید عبداللہ الاشتر یکے بعد دیگرے خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے:

این راہ بہ پائے تن بہ پایاں نہ رسد　❀　تا جاں نہ زند قدم بہ جاناں نہ رسد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید قطب الدین محمد

جس حد تک میں سراغ لگا سکا ہوں، سید صاحب کے اجدادِ کرام میں سے پہلے پہل سید رشید الدین (شجرے میں ۲۱) نے مدینہ منورہ چھوڑا اور بغداد میں مقیم ہوئے۔ معلوم نہ ہوسکا کہ حرم نبوی کا جوار ترک کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟ آیا جہاد و غزا کا ارادہ تھا یا کوئی اور خدمت پیش نظر تھی؟ قیاس یہ ہے کہ اہل و عیال کے ساتھ آئے ہوں گے، اس لئے کہ مدینہ منورہ واپس جانے کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ انہوں نے بغداد ہی میں وفات پائی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے حظیرے میں دفن ہوئے۔

ان کے فرزند سید قطب الدین محمد بغداد سے اٹھ کر غزنی پہنچے، معلوم نہیں کتنی مدت وہاں ٹھہرے۔ ۶۰۷ھ (۱۱-۱۲۱۰ء) میں وہ اقربا و مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلے آئے۔ قلب ہند میں اسلامی سلطنت قائم ہوئے صرف سترہ اٹھارہ برس گذرے تھے اور سلطان التمش کی فرماں روائی کا سکہ رواں تھا۔ سلطان نے سید قطب الدین کے اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، لیکن انہوں نے دہلی میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا، پورب کی سمت روانہ ہوگئے، نواحِ کڑا میں ایک بڑا علاقہ فتح کرکے وہیں سکونت اختیار فرمالی۔ خاندانی شجروں میں انہیں "امیر کبیر" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ کڑا میں قیام کے باعث "الکڑوی" کی نسبت کا اضافہ ہوا۔ سید احمد کے اجداد میں سے یہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان آئے اور یہاں توطن اختیار کیا۔

میرا خیال ہے کہ سلطان دہلی نے سید قطب الدین محمد کو کڑا سے بلا کر دہلی میں شیخ الاسلام کا عہدہ دے دیا تھا، تاریخ فیروز شاہی میں مرقوم ہے:

> از سادات کہ بزرگ ترین بزرگانِ امت اند قطب الدین شیخ الاسلام جد بزرگوار قاضیانِ بدایوں۔(۱)

(۱) تاریخ فیروز شاہی ص:۱۱۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: سادات میں سے جوامت کے بزرگوں میں بھی بزرگی کا امتیاز رکھتے ہیں قطب الدین ہیں، جنہیں شہر میں شیخ الاسلام کا منصب حاصل ہے اور وہ قاضیانِ بدایوں کے جد بزرگوار ہیں۔

آئینہ اودھ میں بحوالہ بحر الانساب مرقوم ہے کہ سید قطب الدین ۵۸۱ھ (۱۱۵۸ء) میں پیدا ہوئے اور ۶۶۷ھ (۱۲۶۷ء) میں وفات پائی۔

سید قطب الدین کے اخلاف

سید موصوف کے تین فرزند تھے، بڑے سید نظام الدین، منجھلے سید قوام الدین اور چھوٹے سید تاج الدین۔ ان میں سے سید نظام الدین کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا، سید قوام الدین کے حالات میں ''تذکرۃ الابرار'' کا بیان ہے کہ وہ علم وعمل میں ممتاز اور اپنے عہد میں سادات کے سرتاج تھے۔ سلطان شمس الدین التمش نے اپنی ایک صاحبزادی ''فتحیہ'' ان کے نکاح میں دے دی تھی، یہ امر بجائے خود ان سادات کی برتری و بلند پائیگی کا ایک روشن ثبوت ہے۔(۱)

سید تاج الدین کو ''تذکرۃ الابرار'' میں ''مشہور بہ سراج شہید'' لکھا گیا ہے، مجھے اس شہرت کی کیفیت معلوم نہ ہوسکی، تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے:

سید السادات سید تاج الدین، پسر شیخ الاسلام سید قطب الدین بودہ است وسید تاج الدین مذکورہ پدر سید قطب الدین وجد سید اعز الدین قاضیان بدایوں بودند وسالہا قضائے اودھ حوالت او بود۔ سلطان علاؤ الدین اورا از اودھ معزول کردہ قضائے بدایوں داد وسید تاج الدین علیہ الرحمۃ والغفر ان بزرگوار سیدے بودہ است۔(۲)

ترجمہ: سید تاج الدین، شیخ الاسلام سید قطب الدین کے فرزند

(۱) تذکرۃ الابرار ص:۱۶۱ (۲) تاریخ فیروز شاہی ص:۳۴۸، ۳۴۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، ان کے بیٹے سید قطب الدین اور پوتے سید اعزالدین بدایوں میں منصب قضاء پر فائز رہے، سید تاج الدین کئی برس تک اودھ میں قاضی تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے انہیں اودھ کی قضا سے ہٹا کر بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا۔ مرحوم و مغفور بڑے بلند مرتبہ سید تھے۔

سید قطب الدین کے بڑے بیٹے سید نظام الدین کے فرزند سید رکن الدین کے متعلق ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے۔

سید رکن الدین برادر زادہ سید تاج الدین مذکور قاضی کڑا بودہ است وباری تعالیٰ سید رکن الدین را جامع فضائل آفریدہ بود و بہ کشف وکرامات آراستہ ..... روزگار بزرگی اودر ترک وتجرید ودر اعطا و ایثار کرانہ شدہ است مولف وتاریخ فیروز شاہی سعادت ملاقات سید تاج الدین وسید رکن الدین رحمہما اللہ دریافتہ است وشرائط پابوس ایشاں بجا آوردہ ومن مثل آں سادات بزرگوار و اوصاف ستیہ وحشمتے کہ داد کہ خدا ایشاں را شمند کمتر دیدہ۔ (۱)

ترجمہ : سید تاج الدین کے بھتیجے سید رکن الدین کڑا میں قاضی تھے، خدا نے آپ کو جامع فضائل پیدا کیا، کشف وکرامت سے آراستہ تھے...... ان کی عمر ترک وتجرید اور اعطا و ایثار میں بسر ہوئی۔ مؤلف تاریخ فیروز شاہی نے سید تاج الدین اور سید رکن الدین دونوں کی ملاقات کی سعادت پائی اور ان کی پابوسی کے آداب بجالایا، میں نے ان جیسے بلند مرتبہ سید بہت کم دیکھے اور خدا نے ان جیسے روشن اوصاف یا ان جیسی حشمت بہت کم لوگوں کو عطا کی۔

قاضی سید محمود و قاضی سید احمد

قاضی سید رکن الدین کے بعد چھ پشتوں کے حالات معلوم نہ ہو سکے، سید قطب

(۱) تاریخ فیروز شاہی ص: ۳۴۹

الدین ثانی (شجرے میں ۱۱) کے متعلق صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ کڑا سے اٹھ کر جائس میں مقیم ہو گئے تھے، وہیں انہوں نے اور ان کی اہلیہ نے وفات پائی۔ دونوں کی قبریں انصاریوں کے محلے میں ہیں، ان قبروں کے غربی جانب جو مسجد ہے، یہ سید صاحب قطب الدین ثانی ہی نے بنوائی تھی۔ ان کے فرزند سید علاء الدین کی سکونت جائس ہی میں رہی، لیکن پوتے سید محمود کو نصیر آباد میں قضا کا عہدہ مل گیا تو وہ نصیر آباد میں منتقل ہو گئے۔ وہاں کا محلہ قضیانہ انہیں کا آباد کیا ہوا ہے، ابتدا میں اس کا نام محلہ قاضی محمود تھا، وہ فوت ہوئے تو ان کے فرزند سید احمد قاضی بنے۔

یہ بڑے غیور و دیندار تھے، ایک مرتبہ ایک قریبی رشتہ دار کا مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا، شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ فرما دیا، جو رشتہ دار کے خلاف تھا، اس کم سواد نے ناکامی کے رنج میں ایسے الفاظ کہہ دیے جن سے حکم شرعی کے خلاف بیزاری کا پہلو نکلتا تھا۔ قاضی سید احمد نے یہ الفاظ سنتے ہی منصب قضا سے استعفیٰ دے دیا اور نصیر آباد سے اہل و عیال کے ساتھ نکل کر رائے بریلی چلے گئے، پھر جیتے جی نصیر آباد میں قدم نہ رکھا۔ فرماتے تھے، جس آبادی میں حکم شریعت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہو وہاں مومن کے لیے ٹھہرنا زیبا نہیں۔

قاضی سید احمد کے بعد نصیر آباد میں قضا کا منصب سید فتح عالم بن سید محمد بن سید محمود نے سنبھال لیا، خاندان میں غالباً وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغل دربار سے علاقۂ خاص پیدا کیا۔ ان کے فرزند سید ابو محمد، شہزادہ مراد بخش ابن شاہ جہاں کے ہاں دیوانی کی خدمت پر مامور تھے۔

سید محمد فضیل

قاضی سید احمد نے اپنی زندگی کے دن رائے بریلی میں پورے کیے، ان کے فرزند سید محمد معظم پھر اپنے خاندان والوں کے پاس نصیر آباد چلے گئے، ان کے دو بیٹے تھے، سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محمد فضیل اور سید محمد اسحاق، دونوں بڑے عابد و زاہد تھے، خصوصاً سید محمد فضیل کو علوم ظاہری و باطنی دونوں میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ اپنے اوقات گراں مایہ کا بیشتر حصہ عزیزوں، ہمسایوں اور ضعیفوں کی خدمت میں بسر کرتے تھے، روزانہ ایک ایک دروازے پر جا کر پوچھتے کہ کوئی کام ہو تو بتا دیا جائے، یہاں تک کہ کسی کو ایندھن کی ضرورت ہوتی تو بازار سے خرید کر اپنے سر پر اٹھا لاتے۔ ان خدمات سے فراغت پاتے تو طلبہ کو پڑھانے میں مشغول ہو جاتے یا درویشوں اور عقیدت مندوں کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے۔

ایک موقع پر برادری کے آدمیوں نے بعض خاندانی نزاعات کے تصفیے کے لئے اجتماع منعقد کیا، سید محمد فضیل بھی اس میں شریک تھے، مختلف افراد کی تجویزیں سن کر موصوف نے کہا:

> ''بھائیو! ہر فیصلہ شریعتِ حقہ کے مطابق ہونا چاہئے اور قانونِ الٰہی کو معیارِ تحکیم بنانا چاہئے۔''

بعض اصحاب نے اس تجویز کی مخالفت کی، سید محمد فضیل اسی وقت مجلس سے اٹھ گئے، گھر پہنچتے ہی رختِ سفر باندھا اور شام سے پہلے پہلے نصیر آباد سے نکل گئے۔ فرماتے تھے جہاں شریعتِ حقہ کا احترام محفوظ نہ رہے، وہاں مسلمانوں کیلئے بود و باش حرام ہے۔ ان کے دادا قاضی سید احمد نے تو نصیر آباد چھوڑ کر دس میل پر رائے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، سید محمد فضیل ہندوستان چھوڑ کر حجاز چلے گئے، ادائے حج کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔ اواخر ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ (ستمبر ۱۶۲۳ء) میں وہیں آخری نیند سوئے۔

ان کی شادی قاضی سید فتح عالم کی صاحبزادی صاحب النساء سے ہوئی تھی، بڑے فرزند سید داؤد دو تین برس کے ہوں گے، چھوٹے فرزند سید علم اللہ ان کی وفات سے دو مہینے چودہ دن بعد پیدا ہوئے۔ یہی سید علم اللہ سید احمد شہید کے جد امجد تھے، عہد عالمگیری کے اہل حق میں ان کا مثیل و نظیر کوئی نہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

حضرت سید علم اللہ

ابتدائی حالات

شاہ علم اللہ ۱۴ربیع الاول ۱۰۳۳ھ (۲۴دسمبر ۱۶۲۳ء) کو نصیر آباد کے محلہ قصبانہ میں بوقت صبح پیدا ہوئے، والد ان کی وفات سے پہلے فوت ہو چکے تھے، والدہ نے کچھ مدت بعد وفات پائی۔ دیوان سید ابو محمد نے، جو اُن کے حقیقی ماموں تھے، انہیں اور ان کے بڑے بھائی سید داؤد کو یگانہ محبت و شفقت سے پالا، یہاں تک کہ ہر معاملے میں انہیں اپنے بچوں پر مقدم رکھتے تھے۔ اس احسان کے اعتراف میں شاہ علم اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد پر لازم ہے کہ سید ابو محمد کے ساتھ تعظیم و تکریم اور حسنِ سلوک کو اپنا شیوۂ خاص بنائیں، یہ امر میرے لئے دلی خوشنودی کا باعث ہوگا۔

ایک خاندانی روایت ہے، سید محمد فضیل نے شاہ علم اللہ کی پیدائش سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ گھر میں مٹی کے ایک طشت کے نیچے ایک آفتاب چھپا ہوا ہے اور کرنیں پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی ہیں۔ آخر آفتاب آہستہ آہستہ طشت سے باہر نکل آیا اور بلند ہوا، گھر کے درودیوار اور اطراف و جوانب اس کی ضیا گستری سے بقعۂ نور بن گئے۔

شاہ علم اللہ پیدا ہوئے تو خواب کی تعبیر یہ سمجھی گئی کہ ان کی برکت سے سنن سنیہ کی تجدید ہوگی، بلاشبہ شاہ علم اللہ اتباع سنت کا درخشاں سورج تھے، جس کی برکت سے اسلامیت کی روشنی پھیلی، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بشارت شاہ علم اللہ سے بھی بڑھ کر سید احمد شہید پر چسپاں ہوتی ہے، جن کی سعی و ہمت سے ہندوستان و خراسان میں دینِ حق اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سنن رسول پاک کا احیاء ہوا، اور جن کی وجہ سے خاندان علم اللہ کے ایک ایک فرد کے احوال وسوانح کی ہمیں جستجو ہے۔

عہد طفلی کا ایک واقعہ ہے کہ شاہ علم اللہ ہم سن بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، اس اثناء میں شیخ بندگی جعفر امیٹھوی کا گذر ہوا، جو بندگی نظام الدین کے فرزند ارجمند تھے، اور اپنے شیخ الشیوخ مخدوم حسام الحق والدین کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے مانک پور جارہے تھے، شیخ کی نظر شاہ علم اللہ پر پڑی تو ٹھہر گئے اور دیر تک انہیں دیکھتے رہے، عقیدت مندوں نے اس توجہ کا سبب پوچھا تو شیخ نے فرمایا:

''اس بچے کی پیشانی سے تجلی اعظم کے نور کی موجیں اٹھ رہی ہیں، امید ہے کہ اس کے فیوض سے ایک جہان منور ہوگا۔''

شیخ جعفر بندگی ۱۰۴۰ھ میں فوت ہوئے لہذا یہ واقعہ اس زمانے کا ہونا چاہئے جب شاہ علم اللہ کی عمر پانچ چھ برس کی تھی۔

ملازمت اور ترک وتجرید

شاہ علم اللہ سن بلوغ کو پہنچے تو ان کی شادی شیخ ہاشم جائسی کی صاحبزادی بی بی صالحہ سے ہوگئی۔ پھر ان کے ماموں سید ابو محمد نے انہیں ملازمت کی غرض سے لاہور بلوالیا۔ ''تذکرۃ الابرار'' کا بیان ہے کہ سید ابو محمد دو تین مرتبہ انہیں دربار شاہی میں لے گئے، لیکن ملازمت کی نوبت نہ آئی، ہر ذہاب وایاب میں شاہ علم اللہ کا دل دنیوی عز وجاہ کی جانب سے افسردہ ہوتا رہا۔ ایک روز خیال آیا کہ دنیوی سلاطین کی بارگاہوں میں حاجب ودربان مقرر ہیں، کبھی بار ملتا ہے کبھی نہیں ملتا۔ ان سے کنارہ کش ہوکر کیوں نہ اس مالک حقیقی کی چوکھٹ پکڑ لی جائے جسکا دربار ہر وقت ہر شاہ وگدا کیلئے کھلا رہتا ہے، اس پر کیر ودار اور حاجب ودربان کا کوئی انتظام نہیں اور وہی بندوں کی پہلی اور آخری پناہ گاہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے۔

چنانچہ آپ سب کچھ چھوڑ کر ننگے پاؤں اور ننگے سر باہر نکل آئے اور صلائے عام دیدی کہ میرا سامان جو شخص چاہے لے جائے۔

''وقائع احمدی'' کی روایت ہے کہ سواروں میں ملازم ہو چکے تھے، ایک مرتبہ مرکبِ شاہی موسم سرما(۱) میں لاہور پہنچا، رات کے وقت شدید بارش ہوگئی، بادشاہ نے اپنے ایک معتمد کو بھیجا کہ جا کر دیکھو، کون کون اس وقت پہرے پر موجود ہے۔ معتمد نے جگہ جگہ پھر کر دیکھا صرف ایک مقام پر ایک پہرے دار گھوڑے پر سوار موسلا دھار بارش میں کھڑا تھا، نیزہ ہاتھ میں تھا اور قرآن پڑھ رہا تھا، نام پوچھا تو بتایا: علم اللہ۔

دوسرے روز بادشاہ نے علم اللہ کو بلایا اور مستعدی و فرض شناسی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ جب سید موصوف کو معلوم ہوا کہ یہ اظہارِ خوشنودی موسلا دھار بارش میں پہرے پر حاضر رہنے کا نتیجہ ہے، تو معاً خیال آیا کہ دنیوی بادشاہ فرائض منصبی کی بجا آوری پر خوش ہوتا ہے، اگر مالک حقیقی کی خدمت گزاری کو شعارِ خاص بنالیا جائے تو یہ امر ہزار درجہ بڑھ کر ثواب و انعام کا مستحق ہوگا۔ اس خیال کے آتے ہی ملازمت چھوڑ دی، مال و اسباب لٹا دیا اور فقیر بن کر بیٹھ گئے۔

ان میں سے کسی روایت کو درست مان لیجئے، اس واقعے میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہ علم اللہ نے اوائل شباب ہی میں دنیوی ترفع کے بہترین وسائل سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگی فقر و انزوا کے لئے وقف کر دی تھی، دیوان سید ابو محمد بڑے پریشان ہوئے، اس وجہ

(۱) یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ میری تحقیق کے مطابق شاہ جہاں سردیوں کے موسم میں تین مرتبہ لاہور آیا، پہلی مرتبہ رجب ۱۰۴۸ھ (نومبر ۱۶۳۸ء) میں، دوسری مرتبہ شوال ۱۰۴۹ھ (جنوری ۱۶۴۰ء) میں، تیسری مرتبہ رمضان ۱۰۵۰ھ (دسمبر ۱۶۴۰ء) میں۔ اگر ''وقائع احمدی'' کے بیان کو درست مانا جائے تو یہ واقعہ ۱۰۴۸ھ میں پیش آیا ہوگا، اس لئے کہ شاہ علم اللہ اختیارِ فقر کے بعد کچھ دیر نفس کشی کی مشق کرتے رہے، پھر حضرت آدم بنوری کے پاس پہنچے خرقۂ خلافت لیا، وطن گئے اور ۱۰۵۰ھ میں رائے بریلی میں آباد ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے بھی کہ بھانجا بچوں سے بڑھ کر عزیز تھا، اور اسے فقیری کے رنگ میں دیکھنا گوارا نہ تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ خود دربار شاہی کے امرا میں شمار ہوتے تھے، اور ایک قریبی عزیز کا یوں دوریش بن جانا، عام تصور کے مطابق انہیں گوارا نہ ہوسکتا تھا۔ فوراً بھانجے کے پاس پہنچے، سمجھایا، منت سماجت کی، آخر اپنا سر پیٹ لیا اور گریبان پھاڑ ڈالا، لیکن شاہ علم اللہ نے اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر کے جو قدم اٹھایا تھا، اسے واپس لینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ شفیق ماموں سے بہ ادب عرض کیا کہ آپ نے بڑی شفقت فرمائی اور اب میری تغیر احوال پر یقیناً آپ کو بڑا رنج ہوگا، لیکن میں کیا کروں ہر انسان کے پہلو میں صرف ایک دل ہوتا ہے اور میں اس سے بیک وقت دو متضاد کام نہیں لے سکتا:

از دل بروں کنم غم دنیا و آخرت
یا خانہ جائے رخت بود یا سرائے دوست

''سوچ سمجھ کر فیصلہ کر چکا ہوں، اسے بدل نہیں سکتا''۔ ماموں کے علاوہ دوستوں نے بھی سمجھایا، لیکن شاہ علم اللہ اپنے عزم پر چٹان کی طرح جمے رہے۔

بیعت و خلافت

اختیارِ فقر کے بعد خاصی مدت تک نفس کشی کی مشق کرتے رہے جو راہِ حق میں وصولِ کمال کی پہلی منزل تھی۔ روزانہ صبح کے وقت باہر نکل جاتے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور لشکر میں فروخت کرتے، جتنے پیسے ملتے، ان میں سے چند پیسے اپنے کھانے پر صرف کرتے باقی محتاجوں میں بانٹ دیتے۔ پھر پیر طریقت کی تلاش شروع ہوئی، لاہور میں ایک درویش کی خانقاہ بن رہی تھی اور اس کے لئے مٹی جمع ہو رہی تھی، نیاز کے طور پر چند ٹوکریاں وہاں ڈالیں پھر شیخ آدم بنوریؒ (۱) کی خدمت میں پہنچ گئے، چند ہی روز میں

(۱) شیخ آدم بنوریؒ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کے اکابر خلفا میں تھے۔　　باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر.....

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طریقت کی منزلیں طے کرلیں اور ''ولایت خاصہ واخص وخاص الخاص'' کا منصب پایا۔

شیخ نے خلافت دیکر وطن جانے کا حکم دیا اور فرمایا: اس جانب ولایت کے چراغوں میں تمہاری حیثیت شمع کی سی ہوگی، بلکہ ستاروں کے درمیان آفتاب کا درجہ پاؤ گے۔

شاہ علم اللہ اپنے والد ماجد کی برادری کے تنازعات سے بہت مکدر تھے، فیصلہ کئے بیٹھے تھے کہ جاتے ہی بیوی کو ساتھ لیں اور حرمین شریفین چلے جائیں۔ شیخ کو اس ارادہ کا علم ہوا تو فرمایا: بہتر ہے لیکن اہل اللہ میں سے اگر کوئی راستے میں روک لے تو رک جانا اور وہیں اقامت اختیار کر لینا۔

رائے بریلی میں قیام

بہرحال شاہ علم اللہ شیخ سے رخصت ہو کر وطن پہنچے اور باہر ہی سے اہلیہ کو پیغام بھیج دیا کہ میں ترک وتجرید کی راہ اختیار کر چکا ہوں، اگر اس مسلک سے بہ دل وجان اتفاق ہے

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ...... رسمی علوم کی تحصیل کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا، لیکن باطنی کمالات نے انہیں کتابی علوم سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ''تذکرۃ الابرار'' میں مرقوم ہے کہ جس زمانے میں شاہ علم اللہ اپنے چچیرے بھائی دیوان خواجہ احمد سے پڑھ رہے تھے، گاہے گاہے خواجہ احمد کو شیخ آدمؒ کی بیعت کی ترغیب دیتے رہتے تھے، ایک روز خواجہ احمد نے کہا کہ شیخ کو ظاہری علوم سے بہرہ نہیں، میں ان کی بیعت پر کیوں کر راضی ہو جاؤں؟ شاہ علم اللہ بولے۔ تمہارے جیسے عالم اگر شیخ کے پاس جائیں تو بات نہ کر سکیں۔ امتحاناً خواجہ احمد نے شیخ کے پاس جانا منظور کر لیا اور جاتے ہی علم کلام کا ایک مشکل مسئلہ پوچھا۔ شیخ نے کہا کہ آپ عالم ہیں، میں عامی ہوں، آپ بیان فرمائیں۔ اصرار پر شیخ نے اس انداز میں مسئلے کی توضیح فرمائی کہ خواجہ احمد خود بھی اس سے زیادہ نہیں جانتے تھے۔ دوسرے روز تفسیر کا ایک مشکل مسئلہ پیش کر دیا، شیخ نے اسے بھی بے تکلف حل کر دیا، تیسرے روز بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ آخر خواجہ احمد نے بیعت کے لئے درخواست پیش کر دی۔ شاہ ولی اللہؒ نے بھی انفاس العارفین میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ (طبع جدید صفحہ ۱۱)

شیخ آدمؒ کے ساتھ ہر وقت پٹھانوں کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی، بعض درباریوں نے اس معیت کو سیاسی رنگ دے کر بادشاہ سے حکم لے لیا کہ شیخ حج کو چلے جائیں، وہ گوالیار ہوتے ہوئے حجاز چلے گئے۔ ۱۰۵۲ھ کے حج میں شریک تھے (فروری ۱۶۴۳ء)، پھر مدینہ منورہ پہنچے، وہاں ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ (۲۴ دسمبر ۱۶۴۳ء) کو فوت ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے مقبرے کے قریب انہیں دفن کیا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تو گھر کا سارا مال و اسباب محتاجوں میں بانٹ دو۔ سیدہ نے بے تامل یہ حکم پورا کر دیا۔ اقربا نے اپنے اموال و املاک میں سے ایک ایک حصہ نکال کر شاہ علم اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا انہوں نے یہ عطیہ بھی مساکین میں تقسیم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ چار مرتبہ یہی صورت پیش آئی آخر اقربا نے سمجھ لیا کہ ان کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرنا بے سود ہے، یہ خود اس سے فائدہ نہ اٹھائیں گے۔

نصیر آباد سے نکلے تو پہلی منزل رائے بریلی میں ہوئی، وہاں کچھ دن اپنے خالہ زاد بھائی کے ہاں ٹھہرے رہے، لیکن یہ قیام عارضی تھا، اسی مقام پر شاہ عبد الشکور مجذوب جائسی سے ملاقات ہوئی۔ شاہ علم اللہ بہت تڑکے اٹھ کر سئی ندی پر چلے جاتے، وہیں تنہائی میں تہجد ادا فرماتے، ایک روز شاہ عبد الشکور مل گئے، جب انہیں معلوم ہوا کہ علم اللہ ہجرت کے ارادے سے نکلے ہیں تو باصرار روک لیا۔ اس وقت سید علم اللہ کو اپنے شیخ کا فرمان یاد آیا، چنانچہ رائے بریلی میں ٹھہرنے پر راضی ہو گئے۔ یہ مقام اجنبی نہ تھا، ان کے جد امجد نے بھی عمر یہاں گزاری اور عزیز بھی رہتے تھے، ایک مقامی زمیندار کو ان کے ارادۂ قیام کا علم ہوا تو آبادی سے باہر سئی ندی کے کنارے دس بیگھے زمین بہ طیب خاطر ہبہ کر دی، یہی مقام آگے چل کر دائرہ علم اللہ یا تکیہ علم اللہ کے نام سے مشہور ہوا، اسی جگہ سید احمد شہید پیدا ہوئے، اور اسی جگہ انہوں نے زندگی کے ابتدائی چالیس برس گزارے۔ (۱)

---

(۱) روایتوں میں ہے کہ شاہ عبد الشکور پہلے ننگے پھرتے رہتے تھے، علم اللہ رائے بریلی پہنچے تو شاہ صاحب نے چٹائی لپیٹ کر ستر عورت کا بندوبست کر لیا۔ لوگوں نے اس فجائی تغیر کا سبب پوچھا تو شاہ صاحب نے کہا کہ "اعلیٰ آوت ہے" یعنی آدمی آ رہا ہے۔ شاہ عبد الشکور ہی نے تکیہ کی جگہ تجویز کی اور سید علم اللہ کے مکان و مسجد کے مقامات متعین فرمائے۔ رائے بریلی کے ایک محلے کا نام لوہانی پور ہے، یہیں کے زمیندار دولت خاں نے دس بیگھے زمین دی تھی، علم اللہ نے چھپر ڈال کر رہنے کی جگہ بنائی اور ایک کچی مسجد تعمیر کر لی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفرِ حج

جس حد تک میں تحقیق کر سکا ہوں، شاہ علم اللہ نے ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں دائرے کی بنیاد رکھی تھی، خاصی دیر گذر جانے کے بعد حج کا ارادہ کیا۔ اس سفر کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ ''نتائج الحرمین'' کے مصنف نے ۱۰۷۵ھ (۶۵-۱۶۶۴ء) میں انہیں مکہ معظمہ میں دیکھا تھا۔ ''تذکرۃ الابرار'' میں مرقوم ہے کہ شاہ علم اللہ حج کیلئے گئے تھے تو آپ کے تیسرے فرزند سید ابو حنیفہ بھی ساتھ تھے، جو اس وقت بارہ برس کے تھے۔ سید ابو حنیفہ بتیس برس کی عمر پا کر ربیع الاول ۱۰۸۸ھ میں فوت ہوئے، اس بناء پر سفر حج ۶۹-۱۰۶۸ھ میں ہونا چاہئے، دونوں روایتوں میں توافق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ شاہ علم اللہ ۶۵-۱۰۶۴ء میں گئے، پھر کئی برس حرمین میں مقیم رہے، ورنہ دونوں میں سے ایک کو غلط مانے بغیر چارہ نہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بائیس آدمی ساتھ تھے، رائے بریلی سے سمندر تک (غالباً بندرگاہ سورت) سارا فاصلہ پیدل اور ننگے پاؤں طے کیا۔ عقیدت مندوں نے سواریاں پیش کیں، علم اللہ نے کوئی سواری قبول نہ فرمائی اور اپنی ضرورت کا سامان (مثلاً بستر، مصلّٰی وضو کا لوٹا اور قرآن پاک) بھی کسی سے اٹھوانا گوارا نہ کیا۔ ان کی نیکی، للّٰہیت اور کمالِ اتباعِ سنت کو دیکھ کر مالکانِ جہاز اس درجہ گرویدہ ہوگئے کہ سارے قافلے کو مفت لے جانا چاہا، شاہ صاحب نے انکار کر دیا اور بائیس روپے فی کس کے حساب سے پورے قافلے کا کرایہ ادا فرمایا۔

مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ گئے، ہندوستان کے سفر میں اس خیال سے جوتا نہ پہنا کہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں، اور جزو ادب کے ظاہری تقاضوں کو بھی حتی الامکان کمال پر پہنچانا چاہئے۔ حجاز مقدس پہنچ کر اس وجہ سے جوتا نہ پہنا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ یہ پاک سرزمین خواجۂ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خرام گاہ رہی ہے، اس پر ننگے پاؤں ہی پھرنا مناسب ہے۔ قیامِ مدینہ کے دوران میں نماز کے بعد جنگل میں چلے جاتے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، انہیں فروخت کر کے جتنے پیسے ملتے، ان سے خرچ چلاتے۔ مشائخ حرمین نے انہیں "مثیل ابوذرؓ" کا لقب دے دیا تھا۔

۱۰۸۰ھ میں دوبارہ حج کیا، اس مرتبہ حرم پاک کا نقشہ بہ تعیین طول وعرض کاغذ پر کھینچ کر ساتھ لائے اور اسی کے مطابق تکیے میں مسجد بنوائی۔ یہ خیالِ احترامِ حرم طول وعرض میں چند انگشت کی کمی کر دی، اس کی بنیاد میں آبِ زمزم ڈالا، ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۲ء) میں یہ مکمل ہوئی، "قبلۂ ثانی" سے تاریخ تکمیل نکلتی ہے۔

فضائل

شاہ علم اللہ کے فضائل ومحاسن کا حصر مشکل ہے۔ صاحب "نتائج الحرمین" نے لکھا ہے کہ شریعت وطریقت پر استقامت اور اتباعِ سنت میں ان جیسے آدمی شاید ہی ہوں۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھانے پینے، چلنے پھرنے میں اتباعِ سنت کے سوا کچھ پیشِ نظر نہ تھا، ہمیشہ عزیمت کی باتوں پر عمل کرتے، رخصتوں سے کبھی فائدہ نہ اٹھاتے، اپنے عزیزوں اور ارادت مندوں کو بھی اسی مسلک کی تاکید فرماتے۔ بے حد متواضع اور سادگی پسند تھے، ہر چھوٹے بڑے کو سلام میں سبقت کرتے اس بارے میں بھی مسنون طریقہ کے پابند تھے، گردن جھکا کر یا ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے کو مکروہ جانتے تھے، روئی والا چغہ کبھی نہ پہنا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں پہنا تھا۔ خطاب میں سب کا نام بڑی تعظیم سے لیتے، یعنی "میاں فلاں" "بی بی فلاں" "الحبُّ لِلّٰہ والبغضُ لِلّٰہ" پر مضبوطی سے کاربند تھے۔ اگر کسی سے کوئی فعل خلافِ سنت سرزد ہوتا تو جب تک توبہ نہ کر لیتا اس سے ملنا چھوڑ دیتے، خواہ وہ کتنا ہی عزیز اور قرابت دار ہوتا۔ اہل بدعت کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سلام کا جواب نہ دیتے، اور نہ ان کے ہدایا قبول کرتے، گھر کے تمام کاموں میں شریک ہوتے، مثلاً جھاڑو دیتے، پانی پلاتے، کھانا پکانے میں مدد دیتے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، کبھی کسی کو کسی کام کا حکم نہ دیا، جو کام پیش نظر ہوتا خود شروع کر دیتے، عزیز یا ارادت مند خود اس میں شریک ہو جاتے تو انہیں منع نہ کرتے۔

ایک مرتبہ چھپر بنانا منظور تھا، خود اس کام کا آغاز کر دیا، مسجد کے لئے چونا درکار تھا تو اٹھے اور خود زمین کھود کر روڑی نکالنے لگے، بازار سے چیزیں خریدنے جاتے تو ساری چیزیں اپنے سر پر اٹھا کر لاتے۔

کھانا ہمیشہ یکجا پکواتے، پھر سارا کھانا گھر والوں، عزیزوں اور ارادت مندوں میں بہ حصہ مساوی تقسیم فرما دیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے چار یا چھ سنترے نذر کئے، شاہ علم اللہ نے ان کا عرق نکلوا کر کھانے میں ڈلوا دیا، تا کہ اس حقیر شے کی تقسیم میں بھی مساوات قائم رہے۔ متوسلین میں سے ہمیشہ شیر خوار بچوں کی ماؤں کو خشک رسد دے دیتے تا کہ اپنی ضرورت کے مطابق پکا کر کھا سکیں، مقروضوں اور غریبوں سے کبھی ہدیہ نہ لیا، جن دولت مند لوگوں کے اقربا غریب تھے، وہ بھی کوئی چیز نذر کے لئے لاتے تو لوٹا دیتے، فرماتے قرض کی ادائیگی اور ذوی الارحام کی پرورش فرائض میں داخل ہے، اور ہمیں دینا زیادہ سے زیادہ نفل ہے۔ جو لوگ فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں، ان کی نفلی عبادت کیوں کر مقبول ہو سکتی ہے؟

ایک مرتبہ سئی ندی میں طغیانی آئی اور آپ کا مکان پانی میں ڈوب کر ڈھے گیا۔ ایک مخلص ارادت مند نے تعمیر جدید کے لئے پانسو روپے کی رقم بطور ہدیہ پیش کی، آپ نے تمام رفیقوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر اپنے ہاتھ سے مکان بنانے کے لئے تیار ہو جاؤ تو یہ روپیہ تمہاری عام ضرورتوں پر خرچ ہوگا، ورنہ مزدوروں کو دے دیا جائیگا۔ رفیقوں نے بہ طیب خاطر سارا کام اپنے ذمہ لے لیا، شاہ علم اللہ خود سب سے برابر کام کرتے رہے، مٹی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھودتے، کھگل بناتے اور ٹوکریاں اٹھاتے۔

صحیح اسلامی زندگی

اپنے تمام فرزندوں کے نکاح میں تمکن کے طور پر وہی مہر باندھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھا۔ اسی طرح اپنی بیٹیوں کے نکاح میں حضرت فاطمۃ الزہرا کے مہر اور جہیز کو معیار بنایا اور نکاح کے بعد انہیں سیدۃ النساءؓ کی طرح پیادہ رخصت کیا۔ ایک بیٹی آپ کے عم زاد بھائی سید ہدایت اللہ کے فرزند سید عبدالرحیم سے منسوب تھی، وہ نصیر آباد میں رہتے تھے، شاہ علم اللہ نے جب بیٹی کے نکاح ورخصت کا فیصلہ کیا تو خود نصیر آباد گئے، رشتہ داروں سے ملے، پھر سید عبدالرحیم سے کہا: میاں وضو کر کے آیئے تاکہ نکاح کر دیا جائے، رشتہ داروں نے اس طریقہ سے اختلاف کیا اور کہا کہ نکاح کے لئے باقاعدہ تاریخ مقرر کر کے برادری کو جمع کرنا چاہئے اور جوڑے جائے تیار ہونے چاہئیں، شاہ علم اللہ نے چپ چاپ نکاح پڑھوایا اور بیٹی کو پیدل رخصت کر دیا۔

سماع ومزامیر کو بہت برا جانتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ محمد سئون والے رائے بریلی آئے، ان کی مجلس میں سماع کا سلسلہ اکثر جاری رہتا تھا۔ شاہ علم اللہ سے ملاقات کا وقت مانگا، آپ نے کہلا بھیجا کہ آپ باہر سے آئے ہیں اور ملاقات کے لئے مجھے حاضر ہونا چاہئے، لیکن چونکہ آپ کے ہاں سماع ومزامیر کا سلسلہ موجود ہے اس لئے میں معذور ہوں، نہیں آسکتا۔ ایک مرتبہ ملا جیون امیٹھوی نے سماع کے متعلق مناظرہ چھیڑ دیا، شاہ علم اللہ نے اعتراضات کئے تو ملا صاحب کچھ جواب نہ دے سکے۔

پہلے یا دوسرے سفر حج میں ایک مقام پر ٹھہرے اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد میں گئے، وہاں ایک پیر چلہ کشی میں مشغول تھا اور اردگرد کے لوگوں میں اس کی خدارسیدگی کی بہت شہرت تھی۔ شاہ علم اللہ بھی اس سے ملنے کے آرزومند تھے، سمجھتے تھے کہ نماز کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعد مسجد میں ضرور ملاقات ہو جائے گی لیکن پیر صاحب جمعہ کی نماز میں شامل نہ ہوئے، شاہ علم اللہ بعد نماز اپنی قیام گاہ پر چلے آئے اور اس پیر کے مریدوں سے کہا:

جو شخص نماز کے لئے باہر نہ نکلا اور اس نے کسی شرعی عذر کے بغیر قطعی فرض ترک کر دیا، اس کا منہ دیکھنا ہرگز روا نہیں اور اس سے ملاقات سراسر خطا ہے۔

محلہ لوہانی پور کا ایک زمیندار پیر خاں، شاہ علم اللہ کا خاص عقیدت مند تھا، ایک مرتبہ وہ آم بطور نذر لایا، شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ کے بھائیوں کا مشترکہ مال ہے، اگر آپ اپنا حصہ تقسیم کرا کے لاتے تو میں اسے ضرور لے لیتا، اب نہیں لے سکتا۔ پیر خاں نے عرض کیا کہ بھائیوں کے حصے کا میں ذمہ دار ہوں، وہ آم چھوڑ کر تھوڑی دور گیا ہوگا کہ شاہ علم اللہ نے آدمی بھیج کر اسے واپس بلایا اور کہا:

میں نے جب سے فقر کی راہ اختیار کی ہے، بارگاہ باری تعالیٰ میں ہمیشہ دعاء مانگتا رہا ہوں کہ مجھے حرام اور مشتبہ مال سے محفوظ رکھا جائے۔ آپ کا ہدیہ مشتبہ مال ہے، میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔

حافظ محمد حسین مراد آبادی، صاحب انوار العارفین کی روایت ہے کہ حکیم مغیث الدین سہارنپوری نے جن کا ایک پاؤں خشک اور مفلوج تھا، سید احمد شہیدؒ کو دعوتِ طعام دی، اس موقع پر سید صاحب نے خود فرمایا، میرے جد امجد نے بارگاہِ الٰہی میں دعاء کی تھی کہ میری اولاد کو دنیا کا چین نصیب نہ ہو، مبادا وہ یادِ خدا سے غافل ہو جائیں۔ میں ایک روز مراقبے میں تھا کہ گھر سے بلاوا آیا۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید روزانہ کے مصارف کے لئے بلایا ہو، دل میں خیال گذرا کہ جد امجد کی دعاء منظور ہو چکی ہے، لہٰذا افلاس سے رہائی ممکن نہیں، اس حالت میں عبادت کی فرصت بھی میسر نہیں آسکتی۔ میں گھر نہ گیا اور جد امجد کے مزار پر پہنچ کر مراقبہ کیا۔ جد امجد کے جسم کا نصف حصہ قبر سے باہر نکل آیا، قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے اور میرے حق میں دعاء کی، اس روز سے تنگ دستی ختم ہو گئی۔ (۱)

(۱) انوار العارفین ص: ۵۰۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''مخزن احمدی'' کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کے لئے بار ہا فقر و تنگ دستی کی دعاء کی تا کہ وہ لوگ زخارف دنیوی کی محبت میں الجھ کر دین وتقویٰ کی راہ نہ بھلا دیں۔(۱) چنانچہ اس مقدس خاندان میں اگر کسی کے ہاں ضرورت کی چیزیں نہ ہوتیں اور فقر و احتیاج کی نوبت آ جاتی تو اس حالت میں ضیق کی تعبیر کا ایک طریقہ یہ ٹھہر گیا تھا کہ فلاں گھر میں شاہ علم اللہ تشریف فرما ہیں۔

حضرت شیخ میا میر لاہوریؒ کے ایک خلیفہ شیخ عبد الحمید ابدال تھے، ان کے ایک مرید نے شاہ علم اللہ کے متعلق پوچھا تو ابدال صاحب نے فرمایا:

> اے عزیز! حضرت سید اتباع سنت اور پیروی رسالت میں اس عہد کے یگانہ فرد ہیں، اسلاف میں بھی ان جیسے آدمی بہت کم گذرے ہیں۔ ان کو سید ہونے کے باعث فرزندی کا رتبہ حاصل تھا، پھر محبوبیت کا منصب مل گیا، یہ بلند درجے بہت کم آدمیوں کو نصیب ہوئے۔

شانِ استغناء

شیخ آدم بنوریؒ سے جن بزرگوں نے فیض حاصل کیا، ان میں شاہ علم اللہ کے علاوہ شیخ محمد سلطان ساکن بلیا اور شیخ عثمان ساکن شاہ جہاں پور بھی تھے۔ شیخ عثمان کو شاہنشاہ عالمگیر کے ہاں اعتقاد کا خاص درجہ حاصل تھا۔ ایک موقع پر انہوں نے اپنے دونوں رفیقوں کے گزارے کی تنگی کے بارے میں عالمگیر کو رقعہ لکھا، بادشاہ نے فوراً شیخ سلطان کی خانقاہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا، لیکن اسے معلوم تھا کہ شاہ علم اللہ روزینہ قبول نہیں کریں گے، اس لئے حکم دیدیا کہ جس مال سے خود میرے لئے کھانے کا انتظام ہوتا ہے، اس میں سے دو سو روپے بطور نذر شاہ صاحب کے ہاں پہنچا دیے جائیں۔

---

(۱) مخزن احمدی ص: ۲۲۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شاہ صاحب کو اگرچہ معلوم تھا کہ کہ نذر روجہ حلال سے آئی ہے اور نذر پیش کرنے والا وہ سلطان ہے جس سے بڑھ کر صاحب تقویٰ سلطان کم از کم ہندوستان کے تخت پہ نہیں جیٹھا، بایں ہمہ نذر لوٹادی یہ ان کی شان استغنا تھی۔

صاحب ''نتائج الحرمین'' نے لکھا ہے، زیادہ تر مشائخ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ ابتداء میں سخت ریاضتیں کیں، آخر میں فراغت شعار بن گئے۔ شاہ علم اللہ کی حالت یہ تھی کہ ابتدا سے حیاتِ مستعار کے آخری دور تک فقر کی سختی و تنگی کو راحت جان کر قبول کر لیا، یہ سب کچھ سنت کی پیروی میں اختیار فرمایا۔ اس پر پورے اہتمام سے عمل پیرا رہے اور لذاتِ دنیوی کو اپنے پاس تک نہ آنے دیا۔

صاحب ''بحر زخار'' فرماتے ہیں کہ طریق نبویؐ کی پیروی میں دنیا سے نفرت کے متعلق جو ریاضتیں اور مجاہدے شاہ علم اللہ نے کئے ان کی مثالیں صحابہ کرامؓ کے بعد اولیاء میں بھی بہت کم ملیں گی۔

کمالِ رضا

آپ کے فرزند سید ابو حنیفہ نے بتیس برس کی عمر پائی وہ خدا پرستی اور دینداری کی وجہ سے آپ کو بیحد محبوب تھے۔ رات کے وقت ان کا انتقال ہوا، آپ نے گھر کے تمام لوگوں کو قضا کے سامنے بہ طیب خاطر سر جھکا دینے کی تلقین فرمائی اور روتا تو رہا ایک طرف، کسی نے ایسی آہٹ بھی نہ سنی، جس سے اس حادثہ محزونہ کا علم ہوتا۔ صبح ہوئی تو آپ نے اطمینان سے باجماعت نماز پڑھی، پھر اٹھے اور ایک صاحب سے کہا کہ رات میاں ابو حنیفہ فوت ہو گئے، ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہونا چاہیے۔

محبوب جگر بند کو آغوشِ لحد میں سلا چکنے کے بعد فرمایا: الحمدللہ، میاں ابو حنیفہ اس دنیا سے دولتِ ایمان کے ساتھ گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گھر میں ایک ضعیفہ روزانہ چرخہ چلایا کرتی تھی، سوت کاتنے کے سوا اس کا کوئی کام نہ تھا۔ سید ابوحنیفہ کی وفات کے دن اس نے سوگ میں اپنا کام بند رکھا۔ شاہ علم اللہ گھر گئے تو پوچھا: چرخہ کیوں بند کیا؟ ضعیفہ نے عرض کیا کہ ایسا لائق اور جوان بیٹا دنیا سے اٹھ گیا، کیا ہمیں چرخے کا ہوش رہ سکتا ہے؟ فرمایا یہ سب قضا وقدر کے حکم ہیں، اللہ کے فرمان میں کون دم مار سکتا ہے؟ زندگی بہرحال چند روزہ ہے، ہمیں راضی بہ رضا رہنا چاہئے، اپنا کام بند نہ کرو۔ رضا بہ قضا کی ایسی پاکیزہ مثالیں کہاں ملتی ہیں؟

وصال

آخری عمر میں غذا بہت کم کر دی تھی، یہاں تک کہ چنے کی دال کا تھوڑا سا پانی اور چند دانے چاول کے کھا لینے پر اکتفا فرماتے۔ کمال حب اتباع میں برابر دعا فرماتے رہتے کہ عمر بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جتنی ہو۔ ۸ رذی الحجہ ۱۰۹۶ھ (۲۶ راکتوبر ۱۶۸۵ء) کو دوشنبہ کے دن واصل بحق ہوئے۔ باسٹھ برس، آٹھ مہینے اور چھبیس دن کی عمر پائی "دوست بفردوس رسید" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

عالمگیر کو شاہ علم اللہ سے بڑی عقیدت تھی، انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور ملائکہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازۂ مبارک کو آسمان پر لے گئے۔ اس خواب پر عالمگیر سخت پریشان ہوا، ملا جیون سے ذکر کیا تو انہوں کہا کہ غالباً شاہ علم اللہ فوت ہو گئے۔ چنانچہ خواب کی تاریخ لکھ لی گئی، پھر وقائع نویس کی رپورٹ سے تصدیق ہو گئی کہ واقعی سید علم اللہ اسی روز فوت ہوئے۔ بادشاہ نے ملا جیون سے پوچھا کہ آپ نے تعبیر کس دلیل کی بنا پر کی تھی؟ کہا صرف اس بناء پر کہ کمال اتباع سنت کا جیسا نمونہ شاہ علم اللہ تھے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی وفات کا مطلب یہ تھا کہ سنت کا ایک نہایت پاکیزہ نمونہ دنیا سے اٹھ گیا۔ (۱)

---

(۱) دررالمعارف (شاہ غلام علی کے ملفوظات)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

علم اللٰہی خاندان

ایں سلسلہ از طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

سید علم اللہ کی اولاد

شاہ علم اللہ کی شادی سید ہاشم جائسی کی صاحبزادی بی بی صالحہ سے ہوئی تھی۔ اس بی بی سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں، بیٹیوں میں سے ایک، سیدہ حنیفہ کی شادی سید عبدالرحیم بن سید ہدایت اللہ (بن سید اسحاق برادر سید فضیل) سے ہوئی۔ دوسری سیدہ حلیمہ، سید محمد جعفر بن سید قطب عالم سے بیاہی گئیں۔

بیٹوں میں سے بڑے سید آیت اللہ تھے، دوسرے سید محمد ہدیٰ تیسرے سید ابوحنیفہ اور چوتھے سید محمد۔ پہلے دو کے حالات ہم ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔ ان میں سے ایک ننھیالی رشتے میں سید احمد شہید کے جد امجد تھے، اور دوسرے ددھیالی رشتے میں۔ سید ابوحنیفہ، سید علم اللہ کی زندگی ہی میں ۱۰۸۸ھ میں فوت ہوئے، سید محمد دائرے کی سکونت چھوڑ کر شہر رائے بریلی کے اس حصے میں جا بسے تھے، جو قلعے کے نام سے موسوم تھا۔ والدہ کو بھی ساتھ لے گئے تھے، وہیں ایک دائرہ بنالیا تھا اور ایک مسجد تعمیر کرلی تھی۔ ان کی والدہ سیدہ صالحہ اپنے بلند منزلت شوہر سے بارہ برس بعد ۱۱ر صفر ۱۱۰۸ھ (۳۰ر اگست ۱۶۹۶ء) کو عازمِ فردوس ہوئیں، خود سید محمد نے ۲۴ر ربیع الثانی ۱۱۵۵ھ (۱۷ر جون ۱۷۴۲ء) کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وفات پائی۔

سید علم اللہ نے ایک وصیت یہ فرمائی تھی کہ میرے بعد کسی فرزند کی دستار بندی نہ کی جائے یعنی کسی کو جانشیں نہ بنایا جائے، اس لئے کہ سجادہ آرائی کا جو سلسلہ عام طور پر رائج تھا، اس سے سخت متنفر تھے اور چاہتے تھے کہ یہ سلسلہ ان کے خاندان میں جاری نہ ہو۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا، اس گھرانے کے کسی فرد نے اپنے حلقے سے باہر جا کر بھی کسب فیض میں کبھی تامل نہ کیا۔ اگر کوئی شخص خود ان سے استفادہ کا خواہاں ہوا تو اس کی آرزو بھی پوری کردی، لیکن باقاعدہ گدی بنا کر کوئی نہ بیٹھا۔ اسی طرح دنیوی دولت کی طلب میں سرگردانی کو بھی کسی نے شیوہ وشعار نہ بنایا، اگر دولت ملی تو اسے غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دینے ہی کو ایک ایک فرد سعادت سمجھتا رہا۔

سید محمد آیت اللہ

فرزند اکبر سید آیت اللہ بڑے شجاع اور جوانمرد تھے، علوم دینیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ قرآن پاک حفظ کیا۔ ایک مرتبہ نصیر آباد گئے ہوئے تھے کہ ہلال رمضان طلوع ہوا۔ والد نے پیغام بھیجا کہ رائے بریلی آجائیں اور نماز تراویح میں قرآن سنائیں۔ نصیر آباد میں ان کے عم محترم دیوان سید احمد نے اصرار کیا کہ جب تک ہمیں پورا قرآن نہ سناؤ گے، جانے نہ دیں گے۔ سید آیت اللہ نے پہلی رات تراویح کی دو رکعتوں میں انتیس پارے ختم کر دیے اور باقی رکعتوں میں تیسواں پارہ تمام کردیا، اس طرح عم محترم کی خواہش پوری کر کے یکم رمضان کو رائے بریلی پہنچ گئے۔

آغاز شباب میں انہیں جہاد وغزا کا بڑا شوق تھا، اسی شوق میں چند اقربا کو لے کر ناظم گورکھپور کے پاس ملازم ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ ایک جاگیردار سرکش ہو گیا اور اس نے گورکھپور پر دھاوا بول دیا۔ جمعہ کا دن تھا، سید آیت اللہ نماز کے لئے مسجد جا رہے تھے کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ناظم فوج لے کر سرکش کے مقابلے کے لئے نکل پڑا، سید آیت اللہ نے فرمایا کہ پہلے جمعہ ادا کر لینا چاہئے، پھر لڑیں گے۔ ناظم بولا کہ جب تک آپ جمعہ سے فارغ ہوں گے، دشمن اپنا کام ختم کر کے چلتا بنے گا۔ آپ پیرزادے ہیں، نماز ادا کریں اور دعا فرمائیں، ہم تو سب سے پہلے دشمن کا قلع قمع کریں گے۔

سید صاحب نے یہ سنا تو کچھ جواب نہ دیا، مسجد میں جا کر اطمینان سے جمعہ پڑھا، پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر لڑائی کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ناظم کے آدمی باغیوں کے مقابلے میں شکست کھا کر پسپا ہوتے ہوئے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ سید آیت اللہ نے انہیں روکا، جب دیکھا کہ وہ سب ہمت ہار چکے ہیں تو اپنی جماعت کو ساتھ لیا، تلوار کھینچ کر بجلی کی طرح دشمن کی صفوں پر جا گرے، اور انہیں سراسیمہ وار بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس لڑائی میں آپ کے بہنوئی سید عبدالرحیم (۱) اور دو بھائی بھی شریک تھے، سید عبدالرحیم نے اسی معرکے میں شہادت پائی۔

آخری عمر میں ملازمت چھوڑ دی تھی۔ ایک مرتبہ بعض خاندانی جھگڑوں کے فیصلے کے لئے آپ کو عالمگیر کے دربار میں دکن جانا پڑا، ایک بھائی دو صاحبزادے اور خادم ساتھ تھے، تمام امور کا فیصلہ کرا کے واپس ہوئے تو راستے میں بیمار پڑ گئے، یکایک حالت غیر ہوگئی، استحضار کا وقت آیا تو سورۂ زلزال پڑھی اور چادر اوڑھ کر سو گئے۔ سمجھا گیا کہ آپ آرام فرما رہے ہیں۔ ایک امیر، جو شاہ علم اللہ کا ارادت مند تھا، مزاج پرسی کے لئے آیا کیفیت سنی تو بولا کہ وہ ابدی نیند سو گئے۔ کپڑا منہ سے ہٹا کر دیکھا تو واقعی جاں بحق ہو چکے تھے، یہ ۱۲ رجب ۱۱۱۶ھ (۲۰ اکتوبر ۱۷۰۴ء) کا واقعہ ہے۔ غسل و تکفین کے بعد میت کو

(۱) سید علم اللہ کے خاندان سے سید عبدالرحیم کا تعلق شجرے سے واضح ہو سکتا ہے، یہی سید عبدالرحیم شہید مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء کے بزرگوں میں تھے۔ شجرۂ نسب یوں ہے: سید عبدالحی بن سید فخرالدین، بن سید عبدالعلی، بن سید علی محمد، بن سید اکبر شاہ، بن سید محمد تقی، بن سید عبدالرحیم۔ مولانا سید عبدالحی کے فرزند اکبر ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء اور دوسرے فرزند مولانا سید ابوالحسن علی مصنف "سیرۃ سید احمد شہید" ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تابوت میں ڈال کر بریلی پہنچایا گیا اور وہیں والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سید محمد حسن اور ان کے بھائی

سید آیت اللہ کی شادی سید قطب عالم کی صاحبزادی سیدہ سلمٰی سے ہوئی تھی، پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: سید محمد حسن، سید محمد ضیاء، سید عظیم الدین شہید، سید محمد فیاض، سید محمد صابر، بیٹیوں میں سے سیدہ نجیبہ کی شادی سید محمد سعید بن سید فیض اللہ بن سید داؤد (برادر شاہ علم اللہ) سے ہوئی اور دوسری سیدہ صبیحہ، سید آیت اللہ کے بھانجے سید محمد اشرف بن سید محمد جعفر سے بیاہی گئی۔

سید عظیم الدین کو شاہی دربار سے رائے بریلی کی حکومت کا پروانہ بھی مل گیا تھا۔ یہ حکومت پہلے شیرانی افغانوں کے قبضے میں تھی، انہوں نے قبضہ چھوڑنے سے انکار کردیا اور مقابلے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس اثناء میں عید آگئی، افغانوں نے باہم ساز باز کرلی کہ جونہی سید عظیم الدین نماز کے لئے عیدگاہ میں آئیں اچانک حملہ کرکے انہیں شہید کر ڈالا جائے۔ سید موصوف اس سازش سے بالکل بے خبر تھے، وہ چند آدمیوں کے ساتھ عیدگاہ میں پہنچے تو لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، شیرانیوں نے دفعۃً حملہ کردیا، سید عظیم الدین نے یہ حالت دیکھی تو ساتھیوں سے بآواز بلند کہہ دیا کہ جو بچ کر نکل سکے، نکل جائے، خود انہیں نکالنے کی کوشش کی گئی تو فرمایا:

> ایں مراد از خدا می خواستم چوں پیش آمدہ است روئے از اں نہ گردانم۔

> **ترجمہ**: میں خدا سے شہادت کا آرزو مند تھا، اب یہ مراد پوری ہونے کا موقع سامنے آگیا تو اس سے روگرداں نہیں ہوسکتا۔

غرض وہ خود اور ان کے چند ساتھی لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ یہ خبر دائرے میں پہنچی تو سید محمد ضیاء خطبہ پڑھ رہے تھے، آپ نے کمال صبر واستقامت سے خطبہ پورا کیا، دعاء فرمائی، پھر سید محمد حسن آدمی لے کر گئے اور شہید بھائی کی میت اٹھالائے، انہیں دفن کرکے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قلعے پر حملہ کیا، شیرانیوں نے عاجز آ کر صلح کی درخواست کی، سید محمد حسن نے صلح کر لی، لیکن شیرانیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔

سید محمد حسن نے خود حکومت سنبھال لی دو برس کے بعد ان کی معزولی کا فرمان صادر ہو گیا۔ عالمگیر کا انتقال ہو چکا تھا، شاہ عالم بہادر شاہ دکن میں تھا، سید محمد حسن نے دکن کا قصد کیا تا کہ بادشاہ سے مل کر اپنی جاگیریں بحال کرائیں، برہان پور میں صحیح بخاری کی سند لی اور وہیں فوت ہوئے۔

ان کی شادی سیدہ مہتاب بنت سید عبد الرحیم سے ہوئی تھی، دو بیٹے ہوئے: سید محمد جامع اور سید محمد مختار، یہ دونوں لاولد رہے۔ بھائیوں میں سے سید عظیم الدین شہید اور سید محمد فیاض کے بھی اولاد نہ تھی، صرف سید محمد صابر اور سید محمد ضیاء سے خاندان کا سلسلہ چلا۔

سید محمد صابر نے خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے فرزند خواجہ محمد صدیق" کی صحبت میں سلوک کی منزلیں طے کی تھیں، شوال ۱۱۹۲ھ (اکتوبر ۱۷۷۹ء) میں فوت ہوئے، جود و سخا کا بہتا دریا تھے، جو کچھ پاس ہوتا ضرورت مندوں کو دے دیتے۔

ایک دفعہ ایک سائل آیا تو بالکل خالی ہاتھ تھے، اپنی نئی دستار اتار کر اسے دے دی کہ بازار میں بیچ کر جو کچھ ملے اسے اپنے مصرف میں لاؤ۔

سید محمد ضیاء بیس برس تک اصلاح و تزکیہ میں مشغول رہے۔ ۱۲ر رمضان ۱۱۶۶ھ (۱۳ر جولائی ۱۷۵۳ء) کو فوت ہوئے، ان کے دو بیٹے تھے، سید محمد معین اور سید ابو سعید۔ سید ابو سعید، سید احمد شہید کے حقیقی نانا اور سید محمد معین سید شہید کی بڑی ہمشیر سیدہ نجیبہ کے جد مادری تھے۔

سید ابو سعید

سید ابو سعید نے عالم شباب میں اپنے عم مکرم سید محمد صابر سے بیعت کی تھی، پھر اپنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

والد کے خلیفہ محمد یونس سے آبائے کرام کی نسبت حاصل کی، بعد ازاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے تعلق پیدا کر لیا اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت کا منصب پایا۔

شاہ ولی اللہ، شاہ اہل اللہ (برادر شاہ ولی اللہ) شیخ محمد عاشق پھلتی (ابن خال شاہ ولی اللہ) اور شاہ عبدالعزیز کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بھی برابر جاری رکھا، بعض مکاتیب ''کلمات طیبات'' میں چھپ چکے ہیں، سید ابوسعید کے موسومہ مکاتیب کا ایک مجموعہ ''مکتوب المعارف'' کے نام سے سید ابوالقاسم ہسوی نے مرتب کر دیا تھا، شاہ ولی اللہ نے سید ابوسعید کو مختلف خطوں میں جن الفاظ سے مخاطب فرمایا وہ مکتوب الیہ کی جلالتِ منصب کا ایک روشن وثیقہ ہیں مثلاً:

۱۔ سیادت و نجابت مآب، حقائق و معارف آگاہ، میر ابوسعید سلمہ اللہ تعالیٰ۔

۲۔ .... خلاصۂ دودمانِ نجابت، میر ابوسعید سلمہ اللہ تعالیٰ۔

۳۔ حقائق و معارف آگاہ، سیادت و نجابت دستگاہ، سلالۃ الاکابر میر ابوسعید۔ (۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۳۰ محرم ۱۱۷۶ھ (۲۱ / اگست ۱۷۶۲ء) کو فوت ہوئے، اس وقت خاندان علم اللٰہی میں سے سید نعمان آپ کے پاس تھے، انہوں نے سید ابوسعید کی یہ رنج افزا خبر مندرجہ ذیل الفاظ میں پہنچائی۔

''حضرت صاحب قدس سرہٗ (شاہ صاحب) آپ سے (سید ابوسعید سے) بہت خوشنود تھے، اور آپ کے حال پر ان کی توجہاتِ عنایت بیان میں نہیں آسکتیں، اکثر اوقات آپ کے حالات دریافت فرماتے تھے، شاید آپ سے آخری ملاقات کی آرزو تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا: سید ابوسعید آنے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے، جلد پہنچ جائیں تو بہت اچھا ہو۔''

سید ابوسعید بڑے سخی، مہمان نواز اور غریب پرور تھے۔ ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ

(۱) یہ مجموعہ مکاتیب اب ''الفرقان'' (لکھنؤ) اور ''الرحیم'' (حیدرآباد سندھ) میں بالاقساط چھپ گیا ہے۔

کہیں سے آیا، جب تک پورے کا پورا مستحقوں میں بانٹ نہ لیا، گھر میں قدم نہ رکھا۔ اطراف مدراس میں ارادت مندوں کا وسیع حلقہ موجود تھا، ان کے خلفائے خاص میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

میر عبدالسلام بدخشانی، شیخ محمد مراد، مولانا جمال الدین، مولانا عبداللہ آفندی، حاجی امین الدین کاکوروی اور شاہ عبدالقادر خالص پوری۔

سید ابوسعید ۹ رمضان المبارک ۱۱۹۳ھ (۲۰ ستمبر ۱۷۷۹ء) کو فوت ہوئے، ان کے دو بیٹے تھے اور چار بیٹیاں، بیٹیوں میں سے ایک کا نام ناجیہ یا عافیہ تھا (۱) یہ سید احمد شہید کی والدہ تھیں، بیٹوں میں سے سید ابواللیث سید شہید کے حقیقی ماموں تھے، حج سے واپسی پر ۱۲۰۹ھ میں کوڑیال بندر پہنچے تو بیمار ہو کر وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

سید محمد ہدیٰ

سید علم اللہ کے دوسرے فرزند سید محمد ہدیٰ بھی بڑے عالی ہمت اور تقویٰ شعار تھے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ پاس کچھ نہ تھا تو اہلیہ کا زیور اتروا کر سائل کے حوالے کر دیا۔ ان کے پاس کئی جاگیریں تھیں، صرف نصیر آباد کی جاگیر سے اپنے گھر کا خرچ پورا کرتے، باقی جتنی آمدنی تھی وہ لوگوں کو دے دیتے، دو تین گاؤں برادری والوں کے لئے الگ کر رکھے تھے۔ ایک روز کہیں سے بارہ ہزار عالمگیری دینار آئے، آپ نے ایک ہی مجلس میں سب بانٹ دیے اور خود رات فاقے میں گزاری۔

اگرچہ امیر اور جاگیردار تھے، لیکن اپنے لئے کوئی پختہ مکان نہ بنوایا، اگر اس طرف توجہ دلائی جاتی تو کہتے: چند سانس گزارنے کے لئے چھپر اور اونچی عمارتیں یکساں ہیں،

(۱) خاندانی روایتوں میں دونوں نام آئے ہیں یقینی طور پر کوئی صاحب نہ بتا سکے کہ کس نام کو ترجیح حاصل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھپروں میں بھی کبھی عمدہ لکڑی استعمال نہ کی، شاہ عالم اول سے ملنے کے لئے نکلے، وہ دکن کی طرف جا رہا تھا، برہان پور پہنچے تو وہاں ربیع الاول ۱۱۲۰ھ (مئی یا جون ۱۷۰۸ء) میں فوت ہوئے۔ اقربا نے میت کو بطور امانت برہان پور کی خانقاہ نقشبندیہ میں دفن کیا، ایک برس کے بعد اسے تابوت میں رکھ کر رائے بریلی لائے۔

آپ کے دو فرزند تھے، بڑے سید محمد نور، چھوٹے سید محمد سنا۔ سید محمد نور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے ابتدائی تربیت شاہ علم اللہ کی نگرانی میں ہوئی۔ دادے کو اس پوتے سے بڑی محبت تھی، سید محمد ہدیٰ اکثر فرمایا کرتے تھے، امید ہے اس بچے کی تربیت سے میری مغفرت ہوگی۔

سید محمد نور جوان ہوئے تو شاہی ملازمت کے لئے دکن گئے۔ شاہ علم اللہ کے ارادت مندوں میں سے ایک امیر نے واسطہ بن کر انہیں شہزادۂ اعظم جاہ کی سرکار میں ملازم کرا دیا، اور خاص ان کیلئے دربار کے عام طریق تسلیم و بندگی کی جگہ صرف سلام مسنون کی اجازت حاصل کی۔ چودہ برس کی ملازمت کے بعد ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک وسیع میدان میں نہایت خوب صورت مسجد ہے، اس میں نورانی شکل کے ایک بزرگ بیٹھے ہیں، سامنے ایک دستار رکھی ہے، انہوں نے دستار پھاڑ کر رکھ دی، سید محمد نور نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ بزرگ نے فرمایا کہ یہ اعظم جاہ کی سلطنت تھی، جسکی دستاویز پارہ پارہ کر دی گئی۔

خواب سے بیدار ہوتے ہی طبیعت ملازمت سے بیزار ہوگئی، دو برس کی رخصت لے کر گھر چلے آئے، پھر استعفاء دے دیا۔ اپنے جد بزرگوار شاہ علم اللہ کی طرح اہل بدعت کے ہدایا قبول نہیں کرتے تھے، اکل حلال کا خاص اہتمام تھا، عزیزوں ہمسایوں اور غریبوں کی خدمت کو ذریعۂ سعادت سمجھتے تھے۔ اوقاتِ گرامی کا بیشتر حصہ انہیں خدمات میں بسر ہوتا تھا۔ ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۱۴۸ھ (۱۹ر اکتوبر ۱۷۳۵ء) کو دوشنبہ کے دن نصیر آباد میں وفات پائی اور اپنے نانا سید داؤد (برادر حقیقی شاہ علم اللہ) کے قریب دفن ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید محمد نور کی اولاد

ان کی دو شادیاں ہوئیں، ایک بی بی سے صرف ایک فرزند تھے، سید محمد عمران۔
دوسری بی بی سے تین بیٹے تھے، سید محمد عثمان، سید محمد نعمان، سید محمد عرفان اور دو بیٹیاں:
صالحہ اور ناطقہ۔

سید محمد عمران نے چھیاسٹھ برس کی عمر پا کر ۴ رشعبان ۱۱۸۵ھ (۱۲ رنومبر ۱۷۷۲ء) کو
رائے بریلی میں انتقال کیا، ان کا صرف ایک فرزند تھا سید محمد غفران وہ لاولد فوت ہوا۔

سید محمد نعمان کو ذکر و فکر اور سلوک سے گہری دلچسپی تھی، پہلے خیال ہوا کہ والد سے
جدی نسبت حاصل کریں، وہ بیمار ہو گئے تو اس فیض کو صحت پر موقوف رکھا، لیکن اسی مرض
میں والد فوت ہو گئے۔ سید محمد نعمان کو اس دولت سرمدی سے محروم رہنے کا قلق مدت العمر
رہا، پھر گھر سے نکل پڑے اور دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ محدث سے کسب فیض کیا، بعد ازاں
حرمین شریفین پہنچ گئے۔

حج کے بعد مدینہ منورہ ہوتے ہوئے بیت المقدس چلے گئے، وہاں سے چند میل
مشرق میں دریائے اردن کے قریب ایک قبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے،
اس کی زیارت کیلئے گئے تو وہیں ذات الجنب کا عارضہ لاحق ہوا، ۵ رجمادی الثانی ۱۱۹۳ھ
(۲۰ رجون ۱۷۷۹ء) کو رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ اسی قبے کے پاس انہیں دفن کیا گیا۔
انہوں نے اپنے جد امجد کے حالات میں ایک کتاب ''اعلام الہدیٰ'' کے نام سے مرتب
کی تھی، خاندانی حالات کے آخری اضافے کے بعد اس کا نام ''تذکرۃ الابرار'' رکھا گیا۔

سید محمد عثمان کے حالات معلوم نہ ہو سکے، ان کی شادی میر گجراتی کی صاحبزادی
سیدہ عالمہ سے ہوئی تھی، صرف ایک بیٹا یادگار چھوڑا: سید عبد السبحان۔ یہ سید عبد السبحان،
سید احمد شہید کے بہنوئی اور سید محمد علی، صاحب ''مخزن احمدی'' سید احمد علی شہید پھولڑہ،
سید حمید الدین اور سید عبد الرحمٰن کے والد تھے۔ غالباً لکھنؤ میں ملازم ہو گئے تھے، وہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شوال ۱۲۱۲ھ (فروری یا مارچ ۱۷۹۸ء) میں عبدالقادر خاں جائسی کے مکان واقع اسماعیل گنج میں فوت ہوئے اور عبداللہ شاہ کے تکیے میں انہیں دفن کیا گیا، تاریخ وفات یہ ہے:

زرضوان چو جستیم تاریخِ فوت — بہ گفتا کہ خوش آمدی مرحبا

سید محمد عرفان

سید محمد عرفان، سید احمد شہید کے والد ماجد تھے، ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کہ متوکل اور پرہیزگار بزرگ تھے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شاید ملازمت کا علاقہ تھا، ۱۲۱۴ھ (۱۸۰۰ء) میں غالباً بیمار ہو کر لکھنؤ سے رائے بریلی جا رہے تھے، وطن کے قریب پہنچ کر راستے ہی میں فوت ہوئے، میت رائے بریلی میں دفن کی گئی۔ اس وقت سید احمد شہید تیرہ برس کے تھے۔

سید محمد عرفان کا پہلا نکاح سید محمد معین ابن سید محمد ضیاء بن سید آیت اللہ کی صاحبزادی سیدہ نقیہ سے ہوا تھا۔ ان سے صرف ایک بیٹی ہوئی: سیدہ نجیبہ، زوجہ سید عبدالسبحان۔ یہ بی بی فوت ہو گئیں تو سید محمد عرفان نے مدت تک دوسری شادی نہ کی، سیدہ نجیبہ بالغ ہوئیں، بلکہ ان کی شادی بھی ہو گئی تو انہوں نے خود والد کی شادی اپنے نانا کے حقیقی بھائی سید ابوسعید کی صاحبزادی سے کرائی، جن کا نام سیدہ نجیبہ عرف تاجہ تھا۔ بعض نے عافیہ لکھا ہے، جو صحیح نہیں۔ یہی سیدہ، سید احمد شہید نیز ان کے دو بھائیوں اور تین حقیقی بہنوں کی والدہ ماجدہ ہیں، ان کی وفات ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ء) میں ہوئی، جب سید صاحب، نواب امیر خاں کے پاس تھے۔

سید شہید کے بھائی اور بہنیں

سید شہید کے بڑے بھائی سید ابراہیم نے تحصیل علوم پر زیادہ توجہ کی، ملازمت کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خیال آیا تو نواب امیر خاں کی بڑی شہرت تھی، راجپوتانہ جا کر نواب ہی کے لشکر میں ملازم ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ ابتدا میں غالباً سپاہی تھے، پھر ان کا زہد و تقویٰ دیکھ کر امامت کی خدمت سونپ دی گئی، لشکر ہی میں ۴ رشوال ۱۲۳۴ھ (۱۲ر نومبر ۱۸۱۰ء) کو فوت ہوئے۔ ان کی شادی حقیقی ماموں سید ابو اللیث کی بڑی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سے ہوئی تھی، اولاد میں ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی، بیٹی کا نکاح سید شہید کے چھوٹے بھانجے سید عبد الرحمٰن سے ہوا، بیٹے سید محمد یعقوب کے حالات موقع پر بیان ہوں گے۔

دوسرے بھائی سید اسحاق نے کسب علوم میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ دہلی پہنچ کر شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں، کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا اور فن تفسیر سے خاص شغف رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ صرف اس مضمون کی دو سو کتابیں ان کے پاس تھیں، فارسی اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے، مثلاً دو سو شعر کا ایک قصیدہ میراث میں لکھا اور اس کی شرح کی، پھر نحوی مسائل نظم کیے، فارسی کے ایک قصیدے میں اہلِ بدر کے اسمائے گرامی جمع کر دیے۔ ۹ رجمادی الاخریٰ ۱۲۳۴ھ (۳ راپریل ۱۸۱۹ء) کو رائے بریلی میں فوت ہوئے۔ ان کی شادی حقیقی ماموں کی صاحبزادی سیدہ ولیہ سے ہوئی تھی، صرف ایک بیٹا سید اسماعیل یادگار چھوڑا، سیدہ ولیہ کا نکاح ثانی سید احمد شہید سے ہوا، ان کے مزید حالات آگے چل کر بیان ہوں گے۔

سید شہید کی بہنوں میں سے سیدہ حنیفہ اور سیدہ صاحب النساء کی شادی یکے بعد دیگرے سید معصوم احمد سے ہوئی، سیدہ صالحہ سید محمد مصطفیٰ سے بیاہی گئیں، یہ قلعے میں رہتی تھیں، انہیں سے ملنے کیلئے سید شہید روزانہ تکیہ شاہ علم اللہ سے قلعے جایا کرتے تھے۔(۱)

(۱) سید معصوم احمد کا نسب یہ ہے: سید معصوم احمد بن سید محمد واضح بن سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن سید علم اللہ اور سید محمد مصطفیٰ سید علم اللہ کے چوتھے فرزند سید محمد کی اولاد میں سے تھے، سید محمد مصطفیٰ بن سید محمد ہانی بن سید محمد محکم بن سید محمد بن سید علم اللہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید احمد شہید کی والدہ ماجدہ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی، لیکن یہ معلوم ہے کہ جب سید صاحب تعلیم وتکمیل سلوک کے بعد دہلی سے رائے بریلی پہنچے تو وہ زندہ تھیں۔

سید شہید کا بیان

سید شہید نے شاہ بخارا کے نام جو مکتوب بھیجا تھا، اس میں اپنے خاندان کے متعلق تحریر فرمایا تھا:

> یہ خاکسار سادات عظام کے خاندان سے ہے۔ اس مسکین کے اسلاف کرام صدیوں سے بلاد ہند میں ارشاد وتلقین کی مسندوں پر متمکن رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی عمریں رب العالمین کے احکام کی اطاعت اور حضرت سید المرسلینؐ کے اوامر کی پیروی میں بسر کردیں، جو لوگ ان سے استفادے کی غرض لے کر آئے، ان کے دامن فیض کی دولت سے بھرے۔ چنانچہ اس ضعیف کے ممتاز بزرگوں میں سے بارگاہ الٰہی کے مقرب سید علم اللہ، حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلفائے کبار میں سے تھے، وہ سنت محمدیہ کے احیاء اور طریقہ محمدیہؐ کی اشاعت میں اپنے عہد کے تمام بزرگوں سے آگے تھے۔

یہ سخن گستری نہ تھی بلکہ ایک حقیقت کا اظہار تھا، اور ہم سید شہید کے اسلاف کرام کی نسبت اجمالاً جو کچھ اوپر لکھ چکے ہیں وہ اس حقیقت کی شہادت دے رہا ہے۔ صرف شاہ علم اللہ سے سید احمد شہید تک چار پشتوں میں بیسیوں افراد ہوئے، جن کے مآثر بہ زبان حال اس دعوے کے مصدق ہیں۔ جہاد وغزا، جود وسخا، زہد وتقویٰ، ریاضت وصفا، صبر وتوکل، فقر ومسکنت یا دوسرے انسانی فضائل ومحاسن کا کونسا گوشہ ہے جس میں اس خاندان عالیہ کے افراد کا جھمگھٹا نظر نہیں آتا۔ اخلاص وللّٰہیت کے اسی حلقۂ صافیہ سے سید شہید کا مایۂ خمیر اٹھایا گیا تھا اور انہیں مآثر حسنہ کی آغوشِ مقدس میں تربیت پاکر وہ مملکت عزیمت کے یگانہ تاجدار بنے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ذاتی شرف اور خاندانی عظمت

محض خاندانی فضائل کی داستان سرائی کسی کیلئے بھی وجہ شرف نہیں ہوسکتی، اور اسلاف کرام کی استخواں فروشی سے عظمت و برتری کے بازار میں گرمیٔ ہنگامہ پیدا کرنا قطعاً زیبا نہیں، اصل شے حسنِ عمل اور فضیلتِ کردار ہے۔ سید شہید اس وجہ سے بڑے نہیں بنے تھے کہ ان کے بزرگوں میں سے سیکڑوں افراد نے اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ دین حق کی خدمت کیلئے وقف رکھا تھا، اس وجہ سے عظمت و برتری کا درجہ حاصل کیا کہ ان کی شانِ اخلاص اور عزیمتِ عمل کے کرشمے نہ محض ان کے عہد میں بلکہ پیشتر کے اکثر عہود و اعصار میں بھی یگانہ حیثیت رکھتے تھے۔ وہ پورے خاندان کے گل سرسبد تھے، درخشاں ستاروں کی انجمن میں مہتاب عالم تاب تھے، حسنِ کرامت کی یہ عزت بہت کم افراد کو ملتی ہے کہ اول میراث ہر لحاظ سے قابلِ فخر ہو، پھر وہ اپنے حسنِ عمل سے جلا دے کر اس میراث کو عوام کی ہدایت کا سرچشمۂ نور بنا دے۔ سید صاحب کو خدا نے دونوں نعمتوں سے سرفرازی بخشی۔ خاندان وہ ملا جس کے افراد پشتوں سے خدا مستی اور اسلام دوستی میں امتیازِ خاص کے مالک تھے، پھر ہمت و عزیمت کی وہ دولت عطا ہوئی کہ نہ محض خاندان بلکہ پوری ملت میں قرون و دہور تک ان کے پایے کا مردِ مجاہد نظر نہیں آتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

پیدائش اور عہدِ طفولیت

پیدائش

سید احمد شہید ۶ رصفر ۱۲۰۱ھ (۲۹ رنومبر ۱۷۸۶ء) کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ "مخزنِ احمدی" سید صاحب کے ابتدائی حالات کے متعلق مستند ترین ماخذ ہے، اس میں بتایا گیا ہے:

> ولادت با سعادت حضرت سید المجاہدین در شہر صفر بعد گزشتن یک ہزار و دو صد سال درین اول قرن ثالث عشر از ہجرت خیر البشر نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم در قصبہ رائے بریلی سرکار مانک پور مضافات صوبہ الہ آباد واقع گردیدہ۔(۱)

(۱) "مخزنِ احمدی" مطبوعہ ص ۱۲۔ صفر کا مہینہ ۲۳ نومبر ۱۷۸۶ء کو شروع ہو کر ۲۱ دسمبر ۱۷۸۶ء کو ختم ہوا۔ صاحب "مخزنِ احمدی" نے معین تاریخ نہیں لکھی، صرف مہینہ تحریر فرما دینے پر اکتفا کی۔ عجب ہے کہ انہیں صحیح تاریخ یاد نہ ہو، ۶ رصفر کی تاریخ مجھے سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب کی والدہ کے ایک بیان سے معلوم ہوئی، وہ فرماتی ہیں:

"سید صاحب جب والدہ کے پیٹ میں تھے تو اس محترمہ نے ایک روز خواب دیکھا کہ میرے خون سے ایک کاغذ لکھا گیا ہے، جو تمام عالم میں اڑتا پھرتا ہے۔ وہ پریشان ہو گئیں، یہ خواب ان کے والد سید محمد الحجان نے سنا تو کہا کہ تشویش کی ضرورت نہیں، اس کی تعبیر یہ ہے کہ جو بچہ آپ کے پیٹ میں ہے وہ دنیا میں بہت نامور ہوگا۔ ایام حمل تکمیل کے قریب پہنچے تو یکایک حمل کے ظاہری آثار مٹ گئے، یہ معلوم ہونے لگا کہ وضع کا زمانہ ابھی دور ہے، تھوڑے دن بعد وہ سو کر اٹھیں تو پھر پورے آثار نمودار ہو گئے۔ صفر کی چھٹی تاریخ کو سید صاحب پیدا ہوئے۔

اس روایت کے معلوم ہونے کا قصہ بڑا عجیب ہے، سید صاحب کے خاندان کے جن افراد سے ملاقات کا شرف مجھے حاصل ہوا، ان میں سے کسی کو بھی صحیح تاریخ کا علم نہ تھا۔ میں نے کتاب کی آخری تصحیح شروع کر رکھی تھی، کہ ٹونک سے "وقائع احمدی" کا ایک ناقص و نامکمل نسخہ میرے پاس آیا، اس کے آغاز میں ... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ : ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ صدیاں گذر چکی تھیں، تیرھویں صدی کا پہلا سال شروع ہو چکا تھا، اسی سال حضرت سید المجاہدین کی ولادت باسعادت صفر کے مہینے میں قصبہ رائے بریلی میں ہوئی، جو سرکار مانک پور اور صوبہ الہ آباد میں شامل تھا۔

تعلیم

جب عمر چار برس، چار مہینے اور چار دن کی ہوئی تو شرفائے ہند کے معمول کے مطابق آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اگر وہ ۶ رصفر کو پیدا ہوئے تو سمجھنا چاہیے کہ مکتب میں بیٹھنے کی تاریخ ۱۰ رجمادی الاخریٰ ۱۲۰۵ھ (۱۵ رفروری ۱۷۹۱ء) ہوگی۔ خاندان کا سب سے بڑا سرمایہ یا علم دین تھا یا ذکر وسلوک، اس لئے یقین ہے کہ تعلیم کے اہتمام میں کوئی دقیقۂ سعی فروگزاشت نہ ہوا ہوگا۔ لیکن کوششوں کے باوجود سید صاحب کی طبیعت تحصیل علم کی طرف مائل نہ ہوئی۔ "مخزن احمدی" کا بیان ہے کہ تین برس تک برابر مکتب جاتے رہے، لیکن اس مدت میں قرآن پاک کی چند سورتیں حفظ کر سکے اور مفرد حروف کے سوا کچھ لکھنا نہ آیا۔ آپ کے بڑے بھائی، سید ابراہیم اور سید اسحاق بار بار لکھنے پڑھنے کی

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ... دو تین ورق لگے ہوئے تھے، اور ان پر بعض روایتیں مرقوم تھیں، ان میں سے ایک روایت یہ بھی تھی۔

مؤلف "تواریخ عجیبہ" (معروف بہ سوانح احمدی) نے خدا جانے کس بنا پر لکھ دیا کہ سید صاحب یکم محرم ۱۲۰۱ھ کو پیدا ہوئے۔ تمام ارادت مندوں نے اسی تاریخ کو درست مان لیا اور تیرھویں صدی کے پہلے دن پیدا ہونے کو بھی سید صاحب کی مجددیت کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل بنا لیا گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ سید صاحب کی عظمت وفضیلت کی بنا یہ نہیں کہ وہ ایک خاص تاریخ کو پیدا ہوئے، بلکہ ان کی فضیلت مخصوص وممتاز کارناموں پر مبنی ہے۔ یکم محرم الحرام ۱۲۰۱ھ کو خدا جانے اس دنیا میں کتنے بچے پیدا ہوئے، لیکن ان میں سے کتنے ہیں جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سید صاحب کی طرح خدمت حق میں گذرا؟ عظمت کی بنیاد حسن عمل ہے نہ کہ خاص یوم پیدائش یا تاریخ ووقت پیدائش۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ سید صاحب یکم محرم کو نہیں بلکہ ۶ رصفر کو پیدا ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تاکید کرتے رہتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ والد بزرگوار اس تاکید کو بالکل بے سود سمجھ چکے تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو، جو کچھ اس کیلئے مستحسن اور اولیٰ ہوگا ظہور میں آجائے گا۔ ظاہراً تاکید مفید نظر نہیں آتی۔ (۱)

اُمیت کا افسانہ

یہ بتانا مشکل ہے کہ ابتدا میں سید صاحب کو کیوں تعلیم سے چنداں دلچسپی نہ تھی لیکن انہیں رسمی علوم سے بیگانہ محض ظاہر کرنے کی سعی حد درجہ تعجب انگیز ہے۔ یقیناً انہوں نے ظاہری علوم میں درجۂ اختصاص حاصل نہ کیا، تاہم فارسی بخوبی جانتے تھے اور اس میں بے تکلف بات چیت کرتے تھے۔ عربی میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ بطور خود کر لیتے تھے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ حافظؔ، بیدلؔ اور بعض دوسرے شعرا کے اشعار بھی انہیں یاد تھے۔

میرا خیال ہے کہ انہوں نے بعض شعراء کے دواوین یا منتخب اشعار کے مجموعے ضرور دیکھے ہوں گے۔ ''امیر الروایات'' میں خان صاحب امیر شاہ خاں نے اپنے استاذ میاں جی محمدی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں شاہ محمد اسحاق سے کافیہ پڑھتا تھا، سید صاحب تشریف لائے تو انہوں نے میزان شروع کی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا، کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انہوں نے شاہ صاحب سے مشکوٰۃ بھی شروع کر دی اور کوئی کتاب شاہ اسماعیل سے بھی پڑھتے تھے۔ (۲)

مولوی عبدالقیوم کا بیان ہے کہ اثنائے تحصیل علم میں سید صاحب کی یہ کیفیت ہوئی کہ جب کتاب کو دیکھتے تو حروف ان کی نظروں سے غائب ہو جاتے۔ خیال ہوا کہ شاید کوئی بیماری ہو گئی ہے۔ طبیبوں سے رجوع کیا گیا، مگر یہ کیفیت زائل نہ ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز

(۱) مخزن احمدی مطبوعہ ص ۱۲ (۲) ارواح ثلاثہ ص ۹۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا: جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جماؤ اور دیکھو کہ وہ بھی نظروں سے غائب ہوتی ہیں یا نہیں؟ کوئی باریک سے باریک چیز غائب نہ ہوئی تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ جب کسی نیاز مند نے اس حکم کا سبب پوچھا تو فرمایا: اگر اور باریک چیزیں غائب نہیں ہوتیں تو معلوم ہوا کہ یہ مرض نہیں، ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم ظاہری ان کی قسمت میں نہیں، ان کو تعلم سے پڑھنا نہ آئے گا، بلکہ علم لدنی حاصل ہوگا۔(۱)

مجھے اس روایت کے متعلق کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن معلوم ہے کہ سید صاحب علم سے کورے نہ تھے، بے شک انہیں کتابی علوم میں وہ درجہ حاصل نہ ہوا جو مثلاً شاہ عبدالعزیز یا شاہ اسماعیل شہید کا تھا، تاہم وہ خاصے پڑھے لکھے تھے، شرعی اوامر و نواہی سے بخوبی واقف تھے۔ عربی اور فارسی بے تکلف سمجھتے تھے، آیات و احادیث کے معارف بیان فرماتے تھے، اور انہیں ''امی'' ظاہر کرنا سراسر عجائب پسندی کا ایک کرشمہ ہے۔

مردانہ کھیلوں کا شوق

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی خاندانی بزرگوں کی زبان سے بیان فرماتے ہیں:

> آپ کو بچپن سے کھیلوں کا بڑا شوق تھا، خصوصاً مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا، کبڈی بڑے شوق سے کھیلتے، اکثر لڑکوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے قلعے پر حملہ کرتا۔(۲)

''تواریخ عجیبہ'' میں ہے:

> بستی کے ہم سن لڑکوں سے ایک ''لشکر اسلام'' جمع کرتے، بطور جہاد بہ آواز بلند تکبیریں کہتے ہوئے ایک فرضی ''لشکر کفار'' پر حملے کیا کرتے تھے، اور ''وہ مارا'' ''یہ فتح ہوا'' کی صدائیں ''لشکر اسلام'' سے بلند ہوتی تھیں۔(۳)

(۱) ارواح ثلاثہ ص ۹۸ (۲) سیرۃ سید احمد شہید طبع ثانی ص ۳۶ (۳) تواریخ عجیبہ ص ۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جذبۂ جہاد

سید صاحب خود فرماتے ہیں کہ عہد طفلی ہی سے یہ بات میرے دل میں جم گئی تھی کہ میں کافروں سے جہاد کروں گا اور اکثر اس کا اظہار ہوتا رہتا۔ تمام اقربا میرے ان الفاظ پر متعجب ہوتے بعض سمجھتے کہ یہ بچپن کی اٹکھیلیاں ہیں، بعض نے بار بار یہی سنا تو خیال ہوا کہ ممکن ہے یہ سچ کہتا ہو، صرف والدۂ ماجدہ میرے اس دعوے کو حرفاً حرفاً درست سمجھتی تھیں۔ آخر ایک روز بعض اقربا جمع تھے، عام دستور کے مطابق انہوں نے دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا:

تیغے کہ آسمانش از فیضِ خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منتِ سپاہی

ایک بڑھیا پاس بیٹھی تھی، اس نے شعر کا ترجمہ سنا تو بولی کہ انہیں کو (یعنی سید صاحب کو) واقعی سپاہ کی حاجت نہ ہوگی۔

عجب امر یہ ہے کہ جب سید صاحب ہندوستان سے ہجرت کر کے بعزمِ جہاد سرحد جا رہے تھے، تو کابل میں بعض اصحاب کو ان کے رفقاء اور اسبابِ حرب وضرب کی قلت پر سخت تعجب ہوا تھا، انہوں نے بھی دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہی شعر نکلا، اس کا ذکر موقع پر آئے گا۔

ورزشیں

غرض سید صاحب کو ابتدائے عمر میں تعلیم سے کہیں زیادہ سپہ سالاری اور تہیہ غزا وجہاد سے دلچسپی تھی، اس وجہ سے انہوں نے سخت ورزشیں کر کر کے اپنے جسم کو انتہائی شدائد کا عادی بنا لیا تھا۔ آپ کے بھانجے سید عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ سورج نکل آنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے۔ میں بچہ تھا اور ورزش کے دوران میں آپ کے بدن پر مٹی ملا کرتا تھا، مجھے اپنے پیروں پر کھڑا کر کے پانسو ڈنڈ پیلتے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے ستاتے، بعد ازاں اسی طرح ڈنڈ پیلنے میں مشغول ہو جاتے، بیس سیر، تیس سیر اور من بھر کے مگدر تیار رکھے تھے، دو دو چار چار گھنٹے برابر انہیں ہلاتے رہتے۔

غیر معمولی قوت

جسم میں قوت خلقاً بھی غیر معمولی تھی، ورزشوں کی کثرت نے اس میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ یہی زمانہ ہے جس میں سید صاحب نے عام آلات مثلاً تلوار، تیر، کمان، بندوق کا استعمال سیکھا اور ان میں بھی غیر معمولی مشق بہم پہنچائی۔

تکیے کے قریب، سئی ندی کے کنارے معین خاں کا مقبرہ ایک مشہور مقام ہے۔ سید صاحب کے زمانے میں یہ مقام شہ زوروں کی ورزش گاہ تھا۔ مقبرے کے پاس پتھر کا ایک بھاری چراغ دان پڑا تھا، جس کی وضع ایک ستون کی سی تھی، لمبائی میں چھ فٹ سے کم نہ ہوگا، اسے اٹھانا بھی زور و قوت کی نمائش کا ایک بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ عام طریقہ یہ تھا کہ پہلے اسے کھڑا کر لیا جاتا پھر پورا زور لگا کر اٹھایا جاتا۔ عام پہلوان صرف زانو تک اٹھا سکتے بعض کمر تک لے جاتے۔ سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں سید صاحب چند رفیقوں کے ساتھ اُدھر سے گذرے اور چراغ دان کو دیکھ کر فرمایا کہ اسے اٹھانا چاہیے، پھر اپنا کرتا اُتار کر گدی سی بنائی اور کندھے پر رکھ لی، اس کے بعد جھکے، پتھر کو بے تکلف کندھے پر رکھ کر بیس قدم چلے اور اسے زمین پر پھینک دیا۔ جس مقام پر یہ گرا، وہاں ڈیڑھ فٹ گڑھا پڑ گیا، دوسرے روز لوگوں نے پتھر کو اصل جگہ سے بیس قدم کے فاصلے پر دیکھا تو حیران رہ گئے، اور سمجھے کہ یہ کسی جن یا دیو کا کام ہوگا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شناوری

شناوری میں کمال پیدا کر لیا تھا، دہلی میں مولوی سلیم اللہ چیرا کی کے مشہور استاد تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ پانی کے تیز بہاؤ کے خلاف بے تکلف تیرنے کا وصف میں نے سید صاحب میں دیکھا، اپنی عمر مشاقی میں گزار دینے کے باوجود میں اس کمال کو نہ پہنچ سکا۔ دم اتنا بڑھا لیا کہ غوطہ لگا کر دریا کی تہہ میں بیٹھ جاتے اور اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کی نمازی اس اثناء میں دو رکعت نماز ادا کر لے۔

غرض قوت و طاقت اور مشاقی و چابک دستی کے جتنے مردانہ فنون اس زمانے میں رائج تھے، سید صاحب نے ان سب میں اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ شوقِ جہاد کی وجہ سے ان فنون کی طرف توجہ مبذول ہوئی یا ویسے ہی طبیعت کو کتابوں کے مطالعے کے بجائے ان امور سے زیادہ لگاؤ تھا۔

کلیجی کھانے کا شوق

سید صاحب نے ماکولات و ملبوسات میں سے کبھی کسی چیز کی عادت نہ ڈالی، جو کچھ مل جاتا کھا لیتے اور جو کچھ میسر آ جاتا پہن لیتے۔ طبیعت میں ایثار کا مادہ اتنا زیادہ تھا کہ دوسروں کو ہمیشہ اپنے اوپر ترجیح دیتے۔ ایسی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں کہ خود معمولی غذا کھا کر گزارہ کر لیا اور دوسروں کو بہترین چیزیں کھلائیں، کبھی آپ فاقہ کرتے اور پوری غذا دوسروں کے حوالہ کر دیتے، لیکن ماکولات میں سے کلیجی آپ کو بہت پسند تھی، اسے بڑے شوق سے کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ نصیر آباد گئے ہوئے تھے، وہاں اتنی کلیجی کھائی کہ پیٹ میں گرانی محسوس ہونے لگی۔ واپسی کے وقت راستے میں اپنے ساتھی سے گرانی کا ذکر کیا، اس نے کہا کہ کوئی چورن کھا لیجئے۔ فرمایا: چورن کی ضرورت نہیں، ابھی اس کا علاج کرتا ہوں۔ چلتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چلتے جب دھانوں کے کھیتوں میں پہنچے تو کرتا اتار لیا اور دوڑنے لگے، اتنی دور نکل گئے کہ ساتھی کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، پھر راستے سے ہٹ کر ایک سایے میں چادر بچھائی اور لیٹ گئے۔ ساتھی آپ کے پاس پہنچا تو فرمایا کہ اب گرانی باقی نہیں رہی، گویا دوا بھی پسند نہ تھی، حتی المقدور طبعی علاج ہی کو کافی سمجھتے تھے۔

خدمتِ خلق

صاحبِ "مخزنِ احمدی" نے لکھا ہے کہ جب سنِ تمیز کو پہنچے تو خدمتِ خلق کو اپنا شعارِ خاص بنالیا۔ ضعیفوں، بچوں اور یتیموں کے حال پر بے حد شفقت فرماتے، اس میں اونچ نیچ یا امیر غریب کی کوئی قید نہ تھی۔ ہر شام اور ہر صبح غریبوں خصوصاً بیوہ عورتوں کے گھروں پر جاتے اور ان کا حال پوچھتے۔ ایندھن، پانی یا آگ جس چیز کی انہیں ضرورت ہوتی، فوراً لادیتے۔ اہل محلہ اور ہمسایے سب کے سب علم اللٰہی خاندان کے مرید تھے۔ اس وجہ سے سید صاحب کا داعیۂ خدمت دیکھ کر بہت پریشان ہوتے، بار بار عرض کرتے کہ حضرت! ہم آپ کے آبائے کرام اور خاندانِ عالی شان کے خادم ہیں، ہمارا کام خدمت کرنا ہے، نہ کہ خدمت لینا۔ آپ ضعیفوں، مسکینوں اور محتاجوں کی خدمت گزاری کے فضائل اتنے پُر تاثیر انداز میں بیان فرماتے کہ جو سنتا اس پر گریہ طاری ہو جاتا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ عزیزوں اور ہمسایوں کے گھروں میں پہنچ کر پانی کے جس برتن کو خالی پاتے اٹھا کر بھر لاتے، کبھی کسی کو ایندھن کی ضرورت پڑتی تو فوراً جنگل میں نکل جاتے، لکڑیاں کاٹتے، پھر اپنی چادر میں باندھ کر حاجت مند کے گھر میں پہنچا دیتے۔ برادری کے لوگ یہ دیکھ کر آپ کو اس شدت سے ملامت کرتے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، لیکن آپ نے کسی روک ٹوک کا کبھی خیال نہ کیا اور اپنے ڈھنگ کے مطابق خدمتِ عوام کا یہ سلسلہ برابر جاری رکھا۔(۱)

(۱) مخزنِ احمدی ص:۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرقہ وارانہ کشمکش

ایک مرتبہ رائے بریلی کے بعض ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش پیدا ہو گئی اور اس نے باہم لڑائی کی شکل اختیار کر لی۔ مسلمان مقابلے کیلئے نکلے تو سید صاحب بھی گھر پہنچے تلوار سنبھالی اور والدۂ ماجدہ سے اجازت کے انتظار میں کھڑے ہو گئے، جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ جس خاتون نے سید صاحب کو بچپن میں کھلایا اور پال پوسا تھا وہ روک رہی تھیں، والدہ نے سلام پھیر کر واقعہ دریافت کیا، سب کچھ سن کر ان سے کہا:

> ''بوا بے شک تمہیں احمد سے محبت ہے، مگر میرے برابر نہیں ہو سکتی۔ میرا حق تمہارے حق پر فائق ہے، یہ روکنے کا کون سا موقع ہے؟ انہیں جانے دو۔ پھر جگر بند سے مخاطب ہو کر فرمایا:'' جلد جاؤ لیکن دیکھنا مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ عمر بھر تمہاری صورت نہ دیکھوں گی۔''(۱)

سید صاحب چلے گئے، لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی، دونوں فریقوں نے بات چیت ہی سے سارے جھگڑے طے کر لئے۔ کہا جاتا ہے کہ جب فریق مخالف نے کہا ہمیں جانے دو، نہ آپ سے ہمارا کوئی مطلب ہے اور نہ آپ کو ہم سے کوئی جھگڑا ہے، تو سید صاحب نے اپنے فریق والوں سے فرمایا کہ انہیں جانے دو۔ اس واقعہ سے سید صاحب کی والدۂ ماجدہ کی طبیعت اور شانِ تربیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ فضا تھی جس کی آغوش میں پرورش پا کر وہ جوہر قابل زمانے بھر کے لئے نور ہدایت کا سرچشمہ بنا۔

فطری سعادت

مختلف ارادت مندوں نے لکھا ہے کہ سید صاحب اسلام پر مجبول تھے۔ ہمارے عہد

---

(۱) ایک روایت کے مطابق والدہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر فریق مخالف نکل جانے کے لئے راستہ مانگے اور کہے ہم کو جانے دیجئے تو راستہ دیدینا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں اسلامیت کا تصور اس قدر بدل چکا ہے کہ شاید ہر شخص اس بیان کی اہمیت کا اندازہ نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں فطرت اتنی سعید، پاکیزہ اور مزکّی ملی تھی کہ مرضیات الٰہی سے خفیف سا اختلاف بھی گوارا نہ تھا اور اتباع سنت کا ذوق طبیعت پر اس قدر غالب تھا گویا ان کی تمام حرکات وسکنات کی عنان شریعت حقہ کے قبضے میں تھی۔ زمانہ طفل کا بھی کوئی ایک واقعہ ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا قدم کبھی جادۂ حق سے ادھر اُدھر پڑا ہو یا انہوں نے عزیمت عمل کے مقابلے میں رخصت کو ترجیح دی ہو۔ یہ فطری سعادت بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آئی، ان خوش نصیبوں میں ایک سید احمد شہید بھی تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

لکھنؤ اور دہلی کا سفر

سفر لکھنؤ

سید صاحب غالباً سترہ اٹھارہ برس کے تھے، جب احباب واقربا کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ گئے، یہ جماعت آٹھ افراد پر مشتمل تھی (۱)، ان میں سے سید صاحب کے

---

(۱) "مخزن احمدی" ص:۱۳۔ رائے بریلی سے روانگی کی صحیح تاریخ کسی نے نہیں لکھی اور اس بارے میں قیاس وتخمین کا معاملہ بھی پیچیدہ ہے، مثلاً:

۱- مخزن احمدی کے بیان کے مطابق سید صاحب نے سات مہینے مملکت اودھ میں گزارے، چار مہینے وہ شہر لکھنؤ میں رہے (ص:۱۴)۔ پھر والی لکھنؤ صید وشکار کے لئے بنارس کی جانب نکل پڑا تو تین مہینے اس کے لشکر کے ساتھ پھرتے رہے (ص:۱۵)۔ بعد ازاں دہلی گئے۔

۲- "تواریخ عجیبہ" میں ہے کہ شاہ عبد العزیز سے بیعت کے وقت سید صاحب پورے بائیس برس کے تھے (ص:۸)، لیکن وہ صفر ۱۲۲۳ھ تک پورے بائیس برس کے ہوئے ۱۲۲۲ھ میں نہیں۔ جیسا کہ صاحب "تواریخ عجیبہ" نے لکھا ہے۔

۳- ان دونوں روایتوں کو درست مانا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ سید صاحب ۱۲۲۲ھ میں رائے بریلی سے نکلے، سات مہینے لکھنؤ میں گزار کر اسی سال یا ۱۲۲۳ھ کے اوائل میں دہلی پہنچے اور شاہ صاحب سے بیعت کی۔

۴- لیکن اس واقعہ کو درست سمجھنا اس وجہ سے مشکل ہے کہ سید صاحب گھر سے چلے تھے تو داڑھی نہ نکلی تھی جب تعلیم وسلوک سے فارغ ہو کر وطن پہنچے تو داڑھی اتنی لمبی ہو چکی تھی کہ بعض اقربا بھی اولین نظر میں انہیں پہچان نہ سکے۔ یہ نہیں مانا جا سکتا کہ اکیس یا بائیس برس تک ان کے داڑھی نہ نکلی تھی۔

۵- مرزا حیرت نے "حیات طیبہ" میں لکھا ہے کہ رائے بریلی سے نکلتے وقت سید صاحب اٹھارہ انیس برس کے ہوں گے (ص:۲۷۳)۔ ربیع الاول ۱۲۲۱ھ (مئی ۱۸۰۶ء) میں دہلی پہنچے اور محرم الحرام ۱۲۲۳ھ (فروری ۱۸۰۸ء) میں تعلیم وسلوک سے فارغ ہو کر وطن واپس ہو گئے (ص:۲۸۵)۔ باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڑے بھانجے سید محمد علی مؤلف ''مخزن احمدی'' کے سوا کسی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ تمام رفیقوں کی غرض یہ تھی کہ روزگار کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، لیکن سید صاحب کے سامنے دوسرا ہی مقصد تھا، جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوگا۔

ان سب کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا، اسی پر باری باری ایک ایک دو دو کوس سواری کرتے تھے۔ سید صاحب نے ابتدائے سفر ہی میں اپنی باری رفیقوں کے لئے چھوڑ دی تھی اور رائے بریلی سے لکھنؤ تک انچاس میل کا پورا سفر پیدل طے کیا۔

ہر شخص کے پاس جو بھی سامان تھا، اسے وہ خود اٹھاتا۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی مشقت کا عادی نہ تھا، اس لئے آدھا راستہ طے کرنے کے بعد سب تکان سے چور ہو گئے، اور سامان اٹھوانے کیلئے مزدور کی تلاش شروع کر دی۔ مطلب کا مزدور نہ مل سکا تو سب حیران ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ لکھنؤ پہنچنے کی تدبیر کیا ہو۔ یہ حالت دیکھ کر سید صاحب نے کہا: ''بھائیو! میری ایک عرض ہے، قبول فرماؤ تو کہوں؟ سب نے کہا: ''بسر و چشم!'' آپ نے ہر ایک سے عہد مؤکد لیا کہ عرض سن کر اسے ٹھکرایا نہ جائے گا۔ جب اقرار بہ ہمہ وجوہ پختہ ہوگیا تو اپنی چادر زمین پر بچھا دی اور فرمایا کہ مزدور کی تلاش چھوڑ دو، پورا سامان اس چادر میں باندھ کر میرے سر پر رکھ دو میں اسے منزل مقصود پر پہنچا دوں گا۔''

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ..... اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ آپ ۱۲۱۹ھ یا ۱۲۲۰ھ میں رائے بریلی سے نکلے۔

۶- ''وقائع احمدی'' میں بھی وطن سے روانگی کے وقت عمر سترہ اٹھارہ برس ہی کی بتائی گئی ہے۔ (ص ۵)

۷- ''منظورہ'' میں ایک جگہ ہے کہ آپ نے ''چند سال'' دہلی میں گزارے، دوسری جگہ ہے ''سہ چہار سال۔''

تمام بیانات کو سامنے رکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں گھر سے روانہ ہوئے۔ ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۱۹ھ میں دو سات مہینے اودھ میں گزار کر دہلی پہنچے، پہلے تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر بیعت کی، ۱۷ رمضان ۱۲۲۲ھ (۲۸ نومبر ۱۸۰۷ء) کو شب قدر کا واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ اغلب ہے کہ ۱۲۲۳ھ کے آخر میں وطن لوٹے ہوں اس طرح چار پانچ برس بسر ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کسی کے دل میں وہم بھی نہیں گذرا تھا کہ سید صاحب ایسی درخواست پیش کریں گے، لیکن حتمی اور قطعی وعدہ ہو چکا تھا، اس لئے سب نے بادلِ ناخواستہ سامان آپ کے حوالے کردیا، آپ نے پشتارہ بنا کر پورا سامان اٹھالیا اور خوشی خوشی چل پڑے۔ صاحب ''مخزنِ احمدی'' کے بیان کے مطابق فرماتے جارہے تھے:

یاران و برادران ہرچہ کہ احسان امروز برمن کردید بقیۃ العمر از ادائے شکر آں بروں نخواہم آمد۔(۱)

ترجمہ : دوستو اور بھائیو! جو احسان آپ نے آج مجھ پر فرمایا ہے اس کی شکرگزاری کا حق عمر بھر ادا نہ کرسکوں گا۔

غرض خدمتِ خلق کا جو جذبہ اوائل شباب میں اتنا پختہ ہوچکا تھا کہ اقربا کے طعن و ملامت سے بھی اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا، وہ سفرِ لکھنؤ میں بھی برابر نمایاں رہا۔

قیامِ لکھنؤ کے حالات

لکھنؤ پہنچتے ہی سید صاحب کے لئے ایک امیر کے ہاں سے کھانا مقرر ہوگیا جو آپ کے والد ماجد اور دوسرے اقربا کا نیازمند تھا۔ اگرچہ اس کا کارخانۂ ملازمت بگڑ چکا تھا اور شاہی دربار میں کسی خدمت کا علاقہ بھی باقی نہ رہا تھا، لیکن مخدوم زادے کی خدمت کو وہ اپنی سعادت سمجھتا تھا۔(۲) سید صاحب کے ساتھیوں کیلئے باوجود سعی و تلاش معاش کی کوئی شکل پیدا نہ ہوئی اور جو زادِ گھر سے لیکر چلے تھے، وہ ختم ہوگئی۔ ان میں سے جو کتابت جانتے تھے وہ روزانہ ''کریما'' اور ''مامقیماں'' کے ایک دو جز لکھ کر شام کو بازار میں فروخت کرآتے، جنہیں یہ فن نہیں آتا تھا وہ بازار سے کپڑا خرید کر ٹوپیاں سیتے یا تھیلیاں

(۱) مخزنِ احمدی ص:۱۴

(۲) ''مخزنِ احمدی'' میں ہے کہ اگرچہ نہایت تنگ دست بود، اما محبت سادات نوعے داشت کہ ہمتائے او دیدہ نہ شد، یک بخش برائے حضرت طعام روزمرہ مقرر کردہ بود۔ (ص ۱۴)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بنا تے، اس طرح جتنے پیسے مل جاتے ان سے بہ مشکل دال روٹی کا خرچ پورا ہوتا۔

سید صاحب دونوں وقت اپنا کھانا رفیقوں کے دستر خوان پر رکھ دیتے، ہر ممکن کوشش کرتے کہ پر تکلف کھانا ساتھی کھالیں، خود معمولی خوراک کے چند نوالے کھا کر گزارا کر لیتے۔ اگر رفیقوں کے لئے دال روٹی کا سر و سامان بھی نہ ہوتا تو اپنا پورا کھانا انہیں دے دیتے، خود ناسازیٔ طبع کا عذر پیش کر کے فاقہ کر لیتے۔

چار مہینے اسی حالت میں گذر گئے، پھر سید صاحب کے میزبان رئیس کو صرف ایک سو سواروں کی بھرتی کا حکم ملا۔

اس زمانے میں بے روزگاری کی یہ کیفیت تھی کہ ایک ہزار سوار ساز و سامان سے لیس ہو کر ملازمت کے لئے حاضر ہو گئے۔ رئیس نے دس آدمیوں کی ہر ٹولی میں سے ایک سوار چن لیا دو آسامیاں سید صاحب کے حوالے کر دیں، آپ نے یہ دونوں اسامیاں اپنے رفیقوں میں سے ان لوگوں کے حوالے کر دیں، جن سے برادری یا عزیز داری کا کوئی علاقہ نہ تھا، اور اپنے عزیزوں سے فرمایا کہ خدا کے فضل پر بھروسا رکھو، آپ لوگوں کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ رئیس سید صاحب کے ایثار سے بے حد متاثر ہوا اور کہا کہ آپ حضرات کی مشغولیت کا بندوبست بھی ضرور کروں گا، بالکل بے فکر رہیں۔

لکھنؤ سے کوچ

اس طرح چار مہینے گذر گئے، پھر والیٔ لکھنؤ سیر و شکار کے لئے نکل پڑا اور اس رئیس کو بھی معیت کا حکم دے دیا جو سید صاحب کا میزبان تھا۔ اس نے سید صاحب اور ان کے عزیزوں کو بھی ساتھ لے لیا کہ ممکن ہے سیر و شکار ہی میں مزید اسامیاں نکل آئیں۔ اس سفر میں بھی سید صاحب اپنے تمام ساتھیوں کا سامان خود اٹھائے پھرتے رہے، تین مہینے انتظار میں گذر گئے، لیکن کسی کے لئے ملازمت کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ صاحب ”مخزن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

احمدی'' کے قول کے مطابق ''صحرا پیمائی، فاقہ کشی اور سرما و گرما کی صعوبتوں'' کے باوجود مراد پوری نہ ہوئی۔ رئیس مذکور یہی کہتا رہا کہ بس آج کل میں انتظام ہو جائے گا۔

سید صاحب ابتدائے سفر ہی سے اپنے عزیزوں کو بار بار نصیحتیں فرماتے کہ بھائیو! ملازمت کا خیال چھوڑ دو اور چلو دہلی جا کر سید المحدثین شاہ عبدالعزیز سے کسب فیض کریں وہ آج اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا نشان ہیں، ہر موقع پر خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھتے۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

جب کسی رفیق پر ان نصائح کا اثر نہ ہوا تو ایک رات اپنے بھانجے سید محمد علی کو الگ لے گئے اور فرمایا کہ میں تو کل یا پرسوں دہلی روانہ ہو جاؤں گا، چاہتا ہوں کہ تم بھی ساتھ چلو۔ سید محمد علی نے عرض کیا سامان سفر تو رہا ایک طرف، میرے پاس تو تن کے کپڑوں کے سوا پہننے کی بھی کوئی چیز نہیں، پھر اس تہی دستی اور بے مائیگی کی حالت میں دہلی کیسے جا سکتا ہوں؟ آپ تحمل و بردباری کے پہاڑ ہیں اور ہر تکلیف کو صابرانہ برداشت کر سکتے ہیں، مجھ ضعیف میں اتنی ہمت و طاقت کہاں ہے؟(۱)

قصد دہلی

اس واقعہ پر دو تین دن گذر گئے، لشکر کوچ میں تھا، دوپہر کے وقت منزل ہوئی اور تمام ساتھی ڈیرے پر پہنچے تو دیکھا کہ سید صاحب غائب ہیں۔ شام تک جگہ جگہ تلاش کرتے پھرے، لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ان دنوں لشکر محمدی کے جنگل میں پھر رہا تھا، جہاں جنگلی جانوروں کی کثرت تھی، خصوصاً شیر، چیتے، بھیڑیے، ریچھ اور ہاتھی بہت زیادہ تھے، ہر روز ایک دو لشکری ان کا طعمہ بن جاتے تھے۔ ساتھیوں کو خیال ہی نہیں یقین ہو گیا

(۱) یہ تمام حالات سید محمد علی کی ''مخزن احمدی'' سے ماخوذ ہیں، وہ خود اس سفر میں ساتھ تھے اور جو کچھ لکھا ہے چشم دید لکھا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ سید صاحب کو بھی کسی درندے نے پھاڑ کھایا۔ دو دن اور تین راتیں اسی رنج و الم میں گذر گئیں، جو شخص کسی سمت سے آتا، اسے سید صاحب کا حلیہ بتا کر پوچھتے کہ کہیں اس وضع کا آدمی تو نہیں دیکھا؟

چوتھے دن ایک آدمی گھنے جنگل کی طرف سے آیا، اس نے بتایا کہ میں نے ایسا جوان دیکھا ہے جو راب کا مٹکا اٹھائے لئے جا رہا تھا، اور ایک سپاہی اس کے ساتھ تھا۔ وہ جوان ظاہراً مزدور معلوم نہیں ہوتا تھا، اس کے بشرے سے شرافت و نجابت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے سپاہی سے بات چیت کی تو اس نے عجیب ماجرا سنایا، کہنے لگا: ''جب مجھے مٹکا اٹھانے کے لئے مزدور کی ضرورت پڑی تو ایک نحیف و کمزور آدمی کے سوا کوئی نہ ملا، مجھے اندیشہ تھا کہ مٹکا اٹھا کر تیز چلنا اس کے لئے مشکل ہوگا، لیکن اس نے اصرار کیا اور میں نے مزدوری مقرر کر کے اسے ساتھ لے لیا۔ تھوڑی دور جا کر وہ ہانپنے لگا، اس اثناء میں یہ جوان آگیا۔

مزدور کی حالتِ زار دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور مجھ سے اس نے کہا کہ بھائی! اس غریب کو جبراً بیگار میں پکڑے پھرتے ہو، خدا سے نہیں ڈرتے؟ میں نے حقیقت حال بیان کی تو جوان نے مزدور کی طرف توجہ کی۔ اس نے رو کر بیان کیا کہ رات فاقے میں گذری تھی، آج مجبور ہو کر یہ بوجھ اٹھا لیا کہ پیسے ملیں گے تو پیٹ بھر لوں گا، اب چلا نہیں جاتا۔ یہ سن کر جوان نے مجھ سے کہا کہ اس کے پورے پیسے ابھی دے دیجئے، آپ کا مٹکا میں اٹھا کر منزلِ مقصود پر پہنچا دوں گا۔ چنانچہ مزدور کی مزدوری دلا کر اسے واپس کر دیا اور خود مٹکا اٹھا کر چل پڑا۔

داستان سن کر سب کو یقین ہو گیا کہ یہ خود سید صاحب تھے، اس لئے کہ اول حلیہ انہیں کا تھا دوسرے وہی دہلی جانے کا ارادہ کر رہے تھے، اور یہ واقعہ دہلی کے راستے کا تھا۔ سوم عام خلقِ خدا کے ساتھ عموماً اور ضعفاء و مساکین کے ساتھ خصوصاً رحم و مروت کا سلوک آپ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہی کا شیوۂ خاص تھا۔

سفر کی کیفیت

جہاں سے سید صاحب نے رفیقوں کو چھوڑا تھا وہاں سے شہر دہلی چودہ منزل پر تھا اور آپ کی جیب میں صرف تین پیسے تھے، اپنی ذات کے لئے کسی کے روبرو دستِ سوال دراز کرنا قطعاً گوارا نہ تھا، لہٰذا پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اول اتنا تیز چلیں گے اور ایک ایک دن میں دو یا اس سے بھی زیادہ منزلیں طے کرتے جائیں گے، دوسرے چوتھائی راستہ طے لینے کے بعد ایک پیسہ کھانے پر صرف کریں گے، چنانچہ چوتھی منزل پر پہنچ کر ایک پیسے میں ستو اور تھوڑا گڑ خریدا۔ گھول کر پینا چاہتے تھے کہ کان میں آواز آئی: ''چار روز کی بھوک نے ہلاکت کے کنارے پہنچا دیا ہے، مجھے نہ دو گے تو مر جاؤں گا۔''

سید صاحب خود یہ حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے، میرے نفس نے چاہا کہ سارا ستو چپ چاپ پی جاؤں، لیکن عقلِ خدا شناس نے رائے دی کی حرص کی آنکھ بند کر۔ چنانچہ گھلے ہوئے ستو اٹھائے اور پورے کے پورے اس درویش کے حوالے کر دیے، خود تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے کہ اس سے بڑھ کر اطمینانِ قلب کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

عام لوگوں کو اس قسم کے حالات سے عموماً سابقہ نہیں پڑتا، سید صاحب کو قدرت نے خاص مقصد کے لئے پیدا کیا تھا، ان کے گرد و پیش تربیت کے سامان بھی خاص فراہم کر دیے اور صبر و ہمت کے امتحان و آزمائش کی منزلیں برابر قدم قدم پر پیش آتی رہیں۔ ایسے ہی اصحاب کیلئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے: يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

مزید راستہ طے کر کے سید صاحب نے پھر ایک پیسے کے ستو اور تھوڑا گڑ لیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رفیقوں سے الگ ہونے کے بعد یہ پہلی چیز تھی جو اس خدامست کے حلق سے نیچے اتری، مزید دو تین دن سفر میں گذر گئے وہ مشقتوں کے عادی تھے، جسم اتنا نرم و نازک تھا کہ شدائد یا قلب زادِ راہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکتا، لیکن ایک دن میں کئی کئی منزلیں طے کی تھیں، اس وجہ سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ مجبور ہو کر فیصلہ کر لیا کہ ایک دن آرام کر لیں، مسجد میں ٹھہر گئے رات بہ آرام گزاری، اگلے دن عصر کے وقت ایک غازی مسجد میں آیا اور انہیں غور سے دیکھنے لگا، پھر پوچھا:

بھائی صاحب! کہاں سے آنا ہوا؟

فرمایا: پورب سے۔

پوچھا: پورب کے کون سے شہر سے؟

فرمایا: رائے بریلی سے۔

وہ شخص آپ کے والد کا مرید تھا، رائے بریلی کا نام سنتے ہی پہچان گیا کہ سادات میں سے ہیں۔ اصرار کیا کہ گھر چلئے۔ سید صاحب نے فرمایا اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ عہد کریں، مجھے دہلی جانے سے نہ روکیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ نہ صرف روکوں گا نہیں، بلکہ خود دہلی پہنچا دوں گا، البتہ یہ ضروری ہے کہ آپ چند روز آرام فرمالیں۔

اس نے گھر لے جا کر پاؤں دھوئے، حنا اور ببول کی پتیاں رگڑ کر چھالوں پر لیپ کی۔ جب سید صاحب کے پاؤں اچھے ہو گئے تو سواری کا انتظام کر کے انہیں دہلی پہنچایا، پھر رائے بریلی جا کر اقربا کو سید صاحب کا پورا حال سنایا۔

بعض عجیب و غریب روایتیں

مرزا حیرت نے "حیاتِ طیبہ" میں لکھا ہے۔

۱۔ سید صاحب لکھنؤ سے دہلی روانہ ہوئے تو آپ کے والد کے دوست نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بہ اصرار ایک گھوڑا اور کچھ زر نقد دیا، یہ چیزیں آپ نے کان پور میں چار مصیبت زدہ آدمیوں کے حوالے کر دیں، جن میں سے ایک مریض تھا، دوسرا زخمی اور دو بوڑھے تھے۔

۲۔ راستے میں سید صاحب نے ایک ضعیف کو اپنے کندھے پر اٹھا کر اس کے گھر پہنچایا، جو تیرہ میل کے فاصلے پر تھا۔

۳۔ ایک سرائے کی مہترانی نے سید صاحب کے زخمی پاؤں پر دوا لگائی۔(۱)

ان میں سے کوئی بات بھی غیر اغلب نہیں، لیکن اس روایت کی تصدیق کسی ذریعے سے نہ ہو سکی اور جب یہ ثابت ہے کہ سید صاحب لکھنؤ سے نہیں بلکہ کھیری لکھیم پور کے اطراف سے دہلی گئے تھے، تو انھیں کان پور جانے کی کیا ضرورت تھی، جو ان کی جائے روانگی سے دور جنوب میں واقع تھا اور وہ سیدھے مغرب کو جانا چاہتے تھے۔ میرے نزدیک اس روایت کے لئے کوئی بنیاد و اساس موجود نہیں۔

اسی طرح ''ارواحِ ثلاثہ'' میں ہے کہ سید صاحب پہلے پہل شاہ ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حالانکہ شاہ ولی اللہ کی وفات اور سید صاحب کی پیدائش میں کم و بیش چوبیس برس کا فصل ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ سید صاحب پہلی مرتبہ صرف چھ روز دہلی میں ٹھہر کر واپس چلے گئے، اور چھ مہینے کے بعد دوبارہ آئے۔(۲) جو مستند روایتیں اوپر بیان ہو چکی ہیں، انہیں سامنے رکھتے ہوئے چھ روز ٹھہر کر واپس جانا اور چھ ماہ بعد دوبارہ آنا بالکل مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ ''ارواحِ ثلاثہ'' کی روایات میں ایسی کئی خامیاں ہیں۔

---

(۱) حیات طیبہ ص ۲۷۸، ۲۷۹۔

(۲) ارواح ثلاثہ ص: ۹۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

دماغی اور روحانی تربیت

شاہ عبدالعزیز سے ملاقات

دہلی پہنچتے ہی سید صاحب شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے سے شناسائی نہ تھی، اور نہ سید صاحب نے کسی ذریعۂ تعارف کا انتظام کیا تھا۔ شاہ صاحب نے معمول کے مطابق مصافحہ و معانقہ کے بعد پاس بٹھا کر پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟

سید صاحب: رائے بریلی سے۔

شاہ صاحب: کس قوم سے تعلق ہے؟

سید صاحب: وہاں کے سادات میں محسوب ہوں۔

شاہ صاحب: سید ابوسعید اور سید نعمان کو جانتے ہو؟

سید صاحب: سید ابوسعید میرے حقیقی نانا تھے، اور سید نعمان حقیقی چچا۔

یہ سنتے ہی شاہ صاحب نے دوبارہ گرمجوشی سے معانقہ فرمایا اور پوچھا: کس غرض سے اتنے لمبے سفر کی صعوبت گوارا کی؟ سید صاحب نے عرض کیا کہ آپ کی ذاتِ مقدس کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طلب میں پہنچا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا: خدا کا فضل شاملِ حال ہے تو اپنی پدری اور مادری وراثت حاصل کرلوگے۔ پدری اور مادری وراثت سے اشارہ دماغی اور روحانی تربیت کے انہیں مدارجِ عالیہ کی طرف تھا جو سید ابوسعید اور سید نعمان پہلے حاصل کر چکے تھے۔

پھر ایک خادم کو حکم دیا کہ انہیں میرے بھائی مولوی عبدالقادر کے پاس اکبر آبادی مسجد میں پہنچا کر ان سے کہنا کہ ان مہمانِ عزیز کا مفصل حال میں خود ملاقات کے وقت بیان کروں گا، انہیں غنیمت سمجھیں اور خدمت میں حتی الامکان کوتاہی نہ کریں۔

اکبر آبادی مسجد

اکبر آبادی مسجد ہی میں سید صاحب نے تعلیم پائی، اسی کے ایک حجرے میں انہوں نے ابتدائی قیامِ دہلی کی پوری مدت بسر کی، اسی کے ایک حجرے میں وہ اس وقت ٹھہرے جب رائے بریلی سے نواب امیر خاں کے پاس راجپوتانہ جاتے ہوئے دہلی سے گذرے تھے۔ نواب سے الگ ہونے کے بعد بھی اسی مسجد کے ایک حجرے میں مقیم ہوئے تھے، اور جہاد کے لئے تنظیم کی مستقل اسکیم مرتب کی تھی۔ یہی مسجد تھی جہاں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے برسوں درس دیا، ان کی وفات پر یہ خدمت شاہ رفیع الدین سے متعلق ہوگئی، یقین ہے کہ شاہ صاحبان سے پہلے بھی اس مسجد میں درس جاری ہوگا۔ گویا دہلی میں اس مسجد کی حیثیت ایک بہت بڑے دینی دارالعلوم کی تھی، افسوس کہ اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا، اسلامیت کے جاہ وجلال کی ایمان افروز بہاریں دیکھنے والی کئی مسجدیں اور کئی عمارتیں دہلی میں موجود ہیں، لیکن اکبر آبادی مسجد کو قدرت نے شانِ اسلامیت کے ساتھ ہی سطح ارض سے ناپید کر دینا مناسب سمجھا۔ بادِ مخالف کے جس جھکڑ نے اسلامیت کا آخری چراغ گل کیا تھا اس نے اس مسجد کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ مسجد شاہ جہاں بادشاہ کی بیگم اعزاز النساء نے رمضان المبارک ۱۰۶۱ھ (اگست ۱۶۵۰ء) میں بنوائی تھی۔ چونکہ بیگم کا خطاب اکبر آبادی محل تھا، اس لئے مسجد کا نام اکبر آبادی مشہور ہوا، اس پر ڈیڑھ لاکھ روپے صرف ہوئے تھے، اور دو برس میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی۔ مسجد کا مسقف حصہ تریسٹھ گز لمبا اور سترہ گز چوڑا تھا، اس کے تین گنبد اور سات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

در تھے، مسقف حصے کے سامنے کی طرف دائیں بائیں دو خوب صورت اور بلند مینار تھے، تریسٹھ گز لمبائی اور تریسٹھ گز چوڑا صحن تھا، جو زمین سے تین گز اونچا تھا اور اس کے گرد تین گز اونچا کٹہرا بنا ہوا تھا۔ صحن سے باہر سامنے کی طرف وضو کے لئے حوض تھا، اس کے دونوں جانب سے مسجد میں جانے کیلئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔

پوری عمارت سنگ سرخ کی تھی، سامنے کی طرف سنگِ مرمر کی خوبصورت بیلیں بنادی گئی تھیں، مسجد کی شمالی، غربی اور جنوبی سمت میں تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر حجروں کی قطاریں کھڑی تھیں، خوب کھلے اور صاف حجرے، ان کے آگے برآمدہ، برآمدے کے آگے تین چار گز چوڑا چبوترہ، اس نقشے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد خاص طور پر تعلیم کی غرض سے بنی تھی، اس کے ساتھ خاصا بڑا وقف تھا، جس سے طلبہ کو وظیفے ملتے تھے، اور ان کے کھانے پینے یا دوسرے مصارف کا انتظام ہوتا تھا۔

یہ مسجد فیض بازار میں واقع تھی جو قلعہ سے شروع ہو کر دہلی دروازے تک جاتا تھا۔ اب بازار کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا ہے۔ مسجد کی اصل جگہ وہ تھی جہاں اب ایڈورڈ پارک بنا ہوا ہے۔

شاہی مسجد اور قلعے کے درمیان اب جو وسیع میدان نظر آتا ہے یہاں غدر سے پہلے گنجان آبادی تھی اور قلعے کے لاہوری دروازے سے شاہی مسجد تک ایک پُر رونق بازار جاتا تھا، جسے اردو بازار کہتے تھے، اسی حصے میں خانم کا بازار تھا۔ آبادی کی ابتداء یوں ہوئی کہ جن امراء کو قلعے میں نوبت بہ نوبت حاضر رہنا پڑتا تھا، انہوں نے پاس ہی حویلیاں بنالیں، ان کے ساتھ متوسلین کے مکانات تعمیر ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد انگریزوں نے یہ ساری آبادی منہدم کرادی، مکان اور محلے بارود سے اڑادیئے۔ یہ میدان آس پاس کی سڑکوں سے کئی فٹ بلند ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ منہدم مکانوں کا ملبہ پھیلا کر بچھا دیا گیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سرسید احمد خاں نے جب آثار الصنادید لکھی تھی تو یہ مسجد موجود تھی، البتہ اس کے ایک مینار کی برجی ٹوٹ گئی تھی، اب کچھ بھی باقی نہیں رہا، کھدائی کی جائے تو یقین ہے کہ مسجد کی پوری بنیادیں نکل آئیں۔

سلام مسنون کا معاملہ

ارواحِ ثلاثہ میں ایک روایت ہے کہ سید صاحب دہلی پہنچے تو خود شاہ عبدالعزیز کے خاندان میں بھی سلام مسنون کا رواج نہ تھا، بلکہ وقت کی عام رسم کے مطابق اس طرح سلام کیا کرتے تھے: ''عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے''، ''رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے''۔ سید صاحب شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچے تو ''السلام علیکم'' کہا۔ شاہ صاحب اتنے خوش ہوئے کہ حکم دیدیا، آئندہ سب لوگ اسی طریقہ پر سلام کیا کریں۔(۱)

''ارواحِ ثلاثہ'' کی ایسی کسی روایت کو اس وقت تک اطمینانِ قلب سے قبول کر لینا مشکل ہے، جب تک کہ کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے، لیکن اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں سلام مسنون کا طریقہ بالعموم مٹ چکا تھا، اور بعض اونچے گھرانوں میں تو شرعی سلام کو آدابِ مجلس کے منافی سمجھا جاتا تھا۔

سید صاحب نے جب نواب امیر خاں سے الگ ہو کر اصلاح وتجدید کی مستقل دعوت کا انتظام کیا تھا اور اس سلسلے میں مظفر نگر، سہارنپور وغیرہ کا دورہ فرمایا تھا تو شمس الدین نام کے ایک صاحب نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کے والد زندہ تھے اور خاصے امیر تھے۔ شمس الدین نے گھر پہنچ کر والد کو آداب وبندگی کے بجائے السلام علیکم کہا تو وہ اتنے ناراض ہوئے کہ کہنے لگے جس شخص نے تمہیں (معاذ اللہ) بے ادبی کا یہ شیوہ سکھایا ہے، میں اس سے ضرور سمجھوں گا۔

(۱) ارواحِ ثلاثہ ص: ۹۲

تحصیلِ علم

بہر حال سید صاحب نے اکبر آبادی مسجد میں سکونت اختیار کی اور شاہ عبد القادر سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھنے لگے۔ ہم چوتھے باب میں "ارواحِ ثلاثہ" کے حوالے سے میزان، کافیہ اور مشکوٰۃ پڑھنے کا ذکر کر چکے ہیں، اس سے زیادہ تفصیل معلوم نہیں۔ یہ حکایت بھی لکھ چکے ہیں کہ کتاب دیکھتے دیکھتے حروف ان کی نظروں سے غائب ہو جاتے تھے، اور اس بناء پر شاہ عبد العزیز نے کہہ دیا تھا کہ انہیں کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

"انوار العارفین" کا بیان ہے کہ چیزے از علمِ صرف و نحو خواندند غلبۂ شوق در تحصیل علم باطن بیشتر بود۔(۱) یعنی صرف و نحو بھی کسی قدر پڑھی تھی، علم باطن حاصل کرنے کا شوق بہت زیادہ تھا۔

بلاشبہ سید صاحب نے خالص درسی نقطۂ نگاہ سے علوم میں وہ ممتاز درجہ حاصل نہ کیا جو مثلاً شاہ اسماعیل یا مولانا عبد الحیٔ کو حاصل تھا، لیکن وہ عربی و فارسی بولتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ جنگ بالاکوٹ سے پیشتر پچوں میں ٹھہرے ہوئے تھے تو شاہ اسماعیل سے فرما دیا تھا کہ غازیوں کو روزانہ مشکوٰۃ کا سبق دیا کریں، چنانچہ شاہ صاحب روزانہ صبح کی نماز کے بعد اور ظہر و عصر کے درمیان مشکوٰۃ کی ایک فصل پڑھ کر حدیثوں کے مطالب و معانی کی شرح فرماتے۔ مولوی سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:

> امیر المومنین ہم اسرار و نکات از بعض احادیث از زبان فیض ترجمان خود می فرمودند، مسلمانان از آں بہرۂ وافی می اندوختند۔(۲)

> **ترجمہ** : سید صاحب بھی بعض احادیث کے اسرار و نکات زبانِ فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے اور مسلمان ان احادیث سے پورا فائدہ اٹھاتے۔

---

(۱) انوار العارفین ص: ۵۱۹ (۲) منظورہ ص: ۱۱۰۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسی سلسلے میں لکھتے ہیں:

آنجناب کتاب موصوف را دوست گرفتہ در اکثر اوقات شغل بداں می داشتند، احیاناً معنی کدام لغت از ہر کس کہ پیش می گزشت می پرسیدند۔(۱)

ترجمہ: سید صاحب بھی اکثر مشکوۃ کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے، اگر کسی لفظ کے معنی نہ آتے تو جو پاس سے گذرتا، اس سے پوچھ لیتے۔

جو شخص مشکوۃ پڑھ سکتا تھا اور اس کے مطالعہ میں خاصا وقت بسر کرتا تھا، اسے "امی" ثابت کرنا سراسر تعجب انگیز ہے۔

علم کا صحیح مفہوم

سرحد میں ایک مرتبہ سید صاحب کے ایک عقیدت مند ملا نے عرض کیا تھا کہ اخوند درویزہ نے اپنی کتاب "مخزن" میں مرشد کے لئے عالم ہونا شرط قرار دیا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ سید صاحب نے فرمایا:

مراد از عالم ایں نیست کہ صدرا و شمس بازغہ خواندہ باشد، بلکہ مراد از علم ہمیں است کہ مرضیات و نامرضیات حضرت پروردگار تعالیٰ شانہ را بخوبی دانستہ باشد۔ حضرت صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہدایہ و شرح وقایہ نہ خواندہ بودند و پیشوائے صاحب ہدایہ و صاحب شرح وقایہ ہستند کہ مصنفانِ ایں کتب بلکہ مجتہدان و پیشوایانِ شاں از کلامِ پاک آں ہادیانِ دین سند می آرند و آں را محکِ امتحان قرار دادہ سر و از نا سرہ ممتاز می سازند۔(۲)

ترجمہ: عالم سے یہ مراد نہیں کہ وہ صدرا اور شمس بازغہ پڑھ چکا ہو، یہاں علم سے یہی مراد ہے کہ جانتا ہو، اونچی شان والا پروردگار کن باتوں سے راضی ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض (یعنی اوامر و نواہی کا اسے پورا علم ہو)

(۱) منظورہ ص ۱۱۶۴ (۲) منظورہ ص ۵۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ہدایہ یا شرح وقایہ نہیں پڑھی تھی
لیکن وہ ہدایہ اور شرح وقایہ کے مصنفوں کے پیشوا تھے، نہ صرف یہ لوگ بلکہ ان
کے پیشوا اور مجتہدین بھی انہیں ہادیانِ دین کے کلام پاک سے سندیں لاتے
ہیں اور اسے کسوٹی قرار دے کر کھرے کو کھوٹے سے الگ کرتے ہیں۔

یقیناً علم اصل میں یہی ہے کہ باری تعالٰی کے مرضیات و نامرضیات سے انسان بخوبی آگاہ ہو جائے باقی چیزیں علم نہیں بلکہ صرف آرائشِ علم ہیں:

ایں ہا ہمہ آرائش افسانۂ عشق است

ان معنوں میں سید صاحب بالغ نظر عالم تھے، اگرچہ انہوں نے بعض دوسرے مشہور عالموں کی طرح علومِ آلیہ کی تحصیل میں عمر کا بڑا حصہ صرف نہ کیا، پھر وہ عالمِ عامل تھے، یعنی مرضیات و نامرضیات کا نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس علم کے سانچے میں اپنی پوری زندگی ڈھال لی، یہی علمی روح وہ ہر مسلمان میں پیدا کر دینے کے آرزو مند تھے۔ اسی مقصد کے لئے جیے اور اسی مقصد کی راہ میں سعی و جہاد کرتے ہوئے درجۂ شہادت حاصل کیا، یہ مقامِ بلند ہر شخص کے حصے میں نہیں آتا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

زمانۂ طلبِ علم کے بعض واقعات

روایت ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے تین آدمیوں کو سید صاحب کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا تھا: ایک سید ثمن علی خان پوری، دوسرے قاری نسیم خان پوری، تیسرے قاری صاحب کے چھوٹے بھائی۔ ان سے کہہ دیا تھا کہ سید صاحب کو جس چیز کی ضرورت پڑے، اس کا انتظام کر دیا کرو اور ایک ٹھلیا اپنے پاس سے دی جس میں سید صاحب کے لئے دریا سے پانی لایا جاتا تھا۔ قاری نسیم اور ان کے چھوٹے بھائی زہد و تقویٰ میں اتنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بلند پایہ تھے کہ عام لوگ مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی کے تقویٰ کو ان کے تقویٰ سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

اسی زمانے میں شاہ صاحب کے خاندان میں شادی کی ایک تقریب ہوئی، جس مقام پر شامیانہ تانا جانا تھا، وہاں نیم کا ایک درخت تھا، اس وجہ سے شامیانہ ٹھیک تنتا نہ تھا، اور اس میں جھول رہتا تھا۔ سید صاحب نے یہ حالت دیکھی تو خود نیم کے درخت پر چڑھ گئے، اور اس زور سے شامیانہ کو کھینچا کہ جھول بالکل نکل گیا، غیر معمولی جسمانی قوت کی یہ بھی ایک روشن نمائش تھی۔

یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عبدالقادر نے سید صاحب سے کہہ دیا تھا کہ شغل وذکر کے وقت میری سہ دری کے پاس بیٹھا کرو، چنانچہ مینہ آتا یا آندھی آتی یا دھوپ، سید صاحب مقررہ جگہ پر بیٹھے رہتے اور جب تک شاہ عبدالقادر کا حکم نہ ہوتا، نہ اٹھتے۔(۱) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شغل وذکر اور تعلیم سے فارغ ہو کر جمنا میں شناوری کی مشق بھی فرمایا کرتے تھے۔

سید صاحب کی طبیعت کو غیر مشروع مشاغل سے اس درجہ ناسازگاری تھی کہ ان میں شریک ہونے یا حصہ لینے کا ظاہراً امکان ہی نہ تھا۔ جمنا کے کنارے ہندوؤں کا ایک میلہ لگا کرتا تھا، جس میں عورتیں بہ کثرت جمع ہوتی تھیں، بے تکلف رفیقوں نے ایک مرتبہ سید صاحب کو بھی اس میلے میں لے جانا چاہا، آپ نے انکار فرما دیا۔ دوست جبراً اٹھا کر لے گئے، جب میلے کے قریب پہنچے تو آپ پر سکراتِ موت کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ رفیق یہ دیکھ کر ڈر گئے اور وہیں سے آپ کو واپس لے آئے۔ ''تواریخ عجیبہ'' میں ہے کہ رفیق ایک مرتبہ آپ کو ایک مجلس میں لے گئے، وہاں اچانک ساز بجنے لگے تو آپ بے ہوش ہو گئے۔

(۱) یہ تینوں روایتیں ''ارواحِ ثلاثہ'' سے ماخوذ ہیں (ص: ۹۶، ۹۷)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیعت تزکیۂ نفس

۱۲۲۲ھ میں سید صاحب نے شاہ عبدالعزیز سے بیعت کی، اس وقت ہندوستان میں تصوف کے تین سلسلے زیادہ رائج تھے، یعنی نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ۔ طالب جس سلسلے میں بیعت کرنا چاہتا تھا، شاہ صاحب اسی سلسلے کا طریقۂ ذکر و شغل سکھاتے تھے۔ سید صاحب نے تینوں سلسلوں میں بیعت کی۔(۱) پہلے دن لطیفۂ اول یعنی ذکر قلب کی تعلیم ہوئی، دوسرے دن باقی لطائف یعنی لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفۂ اخفی اور لطیفۂ نفس کا ذکر سکھایا گیا، تیسرے جلسے میں سلطان الاذکار اور چوتھے جلسے میں ذکر نفی و اثبات بتایا گیا۔ پھر شغلِ برزخ کا حکم ہوا جس میں صورتِ شیخ کا تصور صوفیہ میں مروج تھا۔(۲)

تصورِ صورتِ شیخ کا حکم سنا تو سید صاحب نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! اس شغل اور بت پرستی میں کیا فرق ہوا؟ مفصل ارشاد ہو۔ شاہ عبدالعزیز نے جواب میں خواجہ حافظ کا یہ مشہور شعر پڑھا:

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

سید صاحب نے دوبارہ عرض کیا کہ میں بہرحال فرماں بردار ہوں اس لئے کہ کسب

(۱) "مخزن احمدی" میں ہے: در سنہ بست و دوم بعد مرور یک ہزار و دو بست و بست و دو سال ایں سعادت عظمیٰ و عطیہ کبریٰ بہ حضرت ایشاں دست داد (ص:۱۸)

(۲) لطائف ستہ کی سرسری کیفیت میں نے پیش کر دی ہے، سلطان الاذکار کا مطلب یہ ہے کہ سراپا ذکر بن جائے، نفی و اثبات شرح کا محتاج نہیں۔ ان تمام امور یا شغلِ برزخ کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ خود اس کوچے سے نابلد ہوں۔ البتہ یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ متن کے تمام مطالب "مخزن احمدی" (ص:۱۸، ۱۹) اور "وقائع احمدی" (ص:۶) سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فیض کی غرض سے آیا ہوں، لیکن تصورِ شیخ تو صریح بت پرستی معلوم ہوتا ہے۔ اس خدشے کو زائل کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل پیش فرمادیں، ورنہ اس عاجز کو ایسے شغل سے معاف رکھیں۔ شاہ صاحب نے یہ سنتے ہی سید صاحب کو سینے سے لگالیا، رخساروں اور پیشانی پر بوسے دیے اور فرمایا: ''اے فرزندِ ارجمند! خدائے برتر نے اپنے فضل ورحمت سے تجھے ولایتِ انبیاء عطا فرمائی ہے۔'' (۱)

ولایتِ انبیاء اور ولایتِ اولیاء

سید صاحب نے ولایتِ انبیاء اور ولایتِ اولیاء کی تشریح پوچھی تو شاہ صاحب نے فرمایا: جس شخص کو ولایتِ اولیاء عطا ہوتی ہے وہ رات دن ریاضت ومجاہدات، صوم وصلوٰۃ اور کثرتِ نوافل میں مشغول رہتا ہے، لوگوں کی صحبت پسند نہیں کرتا۔ چاہتا ہے کہ گوشۂ تنہائی میں خدا کی یاد سے لذت اندوز ہوتا رہے۔ اسے فاسقوں اور فاجروں کو وعظ ونصیحت سے کچھ سروکار نہیں ہوتا، صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے ''قرب بالنوافل'' کہتے ہیں۔

ولایتِ انبیاء کا درجہ جس خوش نصیب کو مرحمت ہو، اس کے دل میں محبتِ الٰہی اس طرح سماجاتی ہے کہ اس کے سوا کسی چیز کے لئے گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وہ ہر وقت

---

(۱) یہ روایت مخزنِ احمدی، وقائعِ احمدی اور دوسری کتابوں میں اسی طرح درج ہے۔ ممکن ہے اس سے کسی صاحب کو وسوسہ پیدا ہو کہ کیا شاہ عبدالعزیز جیسا یگانۂ علم دین اس حقیقت سے ناواقف تھا کہ تصورِ صورتِ شیخ کے لئے قرآن وحدیث میں کوئی سند موجود نہیں، یا اس تصور کو نہ بہ صنم پرستی سے الگ نہیں کیا جاسکتا؟ میں اس بارے میں تحقیقی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خیال یہ ہے کہ صوفیہ نے طالب کی توجہ جمانے کے لئے مختلف طریقے اختیار کیے، ان میں سے ایک طریقہ تصورِ صورتِ شیخ کا بھی تھا، جس سے یہ بزرگ کام لیتے رہے۔ سید صاحب کی طبیعت اتنی پاک امزجی تھی کہ اسے قبول نہ کرسکی۔ شاہ صاحب چونکہ طبیبِ حاذق تھے اس لئے سمجھ گئے کہ یہ دوا سید کے مزاج کے لئے سازگار نہ ہوگی، لہٰذا اسے چھوڑ دیا۔ جب یہ مقصود دوسرے طریقوں سے بوجہ احسن حاصل ہوسکتا تھا تو تصورِ شیخ پر اصرار کی ضرورت نہ تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بندگانِ خدا کو نیکی کی راہ پر لگانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ مرضیاتِ باری تعالیٰ کے کسی کام میں دنیا داروں کے طعن وملامت کی پروانہیں کرتا۔ وہ توحید کی اشاعت میں بے خوف اور سنتِ رسولِ پاکؐ کے احیاء میں بے باک ہوتا ہے۔ ضرورت پیش آئے تو مخالفوں کے ساتھ مجاہدات میں مال وجان قربان کرتے وقت بھی متامل نہیں ہوتا۔ وہ للہ فی اللہ تمام محفلوں اور مجلسوں میں جاتا ہے، سب کو وعظ ونصیحت سناتا ہے۔ اس کارِ خیر میں جو تکلیفیں اور اذیتیں پیش آئیں اُن پر صبر کرتا ہے۔ اسے اصطلاح میں 'قرب بالفرائض' کہتے ہیں۔(۱)

بہرحال سید صاحب نے سیر وسلوک کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کرلیں، شاہ عبدالعزیز نے خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

> ایں سید عالی تبار در علم باطن چناں ذکی الطبع اند کہ بہ اندک اشارہ مقاماتِ عالیہ رافہم شودہ طے مے کنند۔
>
> **ترجمہ** : یہ سید عالی تبار، علم باطن میں اتنے ذکی ہیں کہ معمولی سے اشارے کی بناء پر مقاماتِ عالیہ کو سمجھ جاتے ہیں اور انہیں طے کرلیتے ہیں۔

شبِ قدر اور سعادتِ حضوری

اس زمانے میں سید صاحب نے بڑی کٹھن ریاضتیں اور مجاہدے شروع کردیے تھے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم نے لکھا ہے کہ آغازِ سلوک میں سالہا سال تک سید صاحب عشاء، فجر کی نمازیں ایک وضو سے ادا کرتے رہے، یعنی دونوں نمازوں کا درمیانی وقت کاملاً عبادت میں بسر فرماتے تھے۔(۲) بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ قیامِ لیل کے باعث آپ کے پاؤں متورم ہوجاتے تھے۔

---

(۱) یہ بیان "مخزن احمدی" اور "وقائع احمدی" کی تحریرات پر مبنی ہے۔ (۲) وصایا نصف اول ص ۲۵۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رمضان المبارک ۱۲۲۲ھ کی اکیسویں تاریخ کو شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ لیلۃ القدر کونسی رات ہوگی؟ رات بھر عبادت گزاری معمول بن گئی تھی، استفسار سے مقصود غالباً یہ تھا کہ اس مبارک شب میں جاگنے کا خاص اہتمام کر لیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا:

> ''فرزند عزیز! شب بیداری کا معمول جاری رکھو، یہ بھی واضح رہے کہ محض جاگتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، پاسبان ساری راتیں آنکھوں میں گزار دیتے ہیں مگر انہیں فیض آسمانی کی دولت سے کب حصہ ملتا ہے۔ خدائے برتر کا فیض شامل حال ہونا چاہئے، نصیب یاور ہو تو انسان کو سوتے سے جگا کر دامن طلب برکات کے موتیوں سے بھر دیا جاتا ہے۔''

سید صاحب قیام گاہ پر چلے آئے کئی راتیں بیداری میں گزاریں۔ ۲۷ رمضان المبارک (۲۸ نومبر ۱۸۰۷ء) کو عشاء کے بعد بے اختیار نیند آگئی، رات کا ایک حصہ باقی تھا کہ اچانک کسی نے جگا دیا، اٹھے تو دیکھا کہ دائیں بائیں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر تشریف فرما ہیں، اور زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہیں:

> ''احمد! اٹھ اور غسل کر، آج شب قدر ہے، خدا کی یاد میں مشغول ہو اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دعا و مناجات کر۔''

آپ اٹھے۔ کپڑوں سمیت حوض میں غسل کیا، پھر کپڑے بدل کر عبادت میں لگ گئے، اس کے ساتھ ہی حضوری کی سعادت ختم ہوگئی۔ سید صاحب نے بارہا فرمایا کہ اس رات مجھ پر افضال الٰہی کی عجیب بارش ہوئی اور حیرت انگیز واردات روح افروز ہوئے۔ بصیرت باطنی اس طرح روشن ہوگئی کہ اشجار و احجار بھی بارگاہ ایزدی میں سربسجود نظر آتے تھے، اور اس طریق پر تسبیح و تہلیل کر رہے تھے کہ اسے معرض بیان میں لانا مشکل ہے۔ صبح کی اذان تک یہی کیفیت رہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ عالم غیب کا معاملہ تھا یا عالم شہادت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا، یعنی رؤیا میں سب کچھ پیش آیا یا عالم اجسام میں۔

دوسرے دن نمازِ اشراق کے بعد شاہ صاحب کو ماجرائے شب سنایا، انہوں نے جو کچھ فرمایا اسے سید محمد علی نے مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا ہے:

تو بودہ چو سہا ایں زماں چو ماہ شدی　　ہزار شکر کہ بودی گدا و شاہ شدی

کلاہِ گوشۂ خود را بہ آسماں برساں　　کہ ذرہ بودی و خورشید چاشت گاہ شدی

مرید بودی، ایک مراد یافتہ　　بہ فضلِ ایزد و حتعال شیخِ راہ شدی

بہ خواب دولتِ بیداری یافتی بہ کنار

کمینہ بودی و مقبولِ بارگاہ شدی(۱)

دہلی سے رائے بریلی

۱۲۲۲ھ کے اواخر یا ۱۲۲۳ھ کے اوائل میں آپ اجازت لے کر وطن گئے، کمل کا جبہ بنالیا تھا، سر پر فقیرانہ کلاہ تھی اور ہاتھ میں چمڑے کا آبدان۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے وہ خاندانی دلق بھی آپکے حوالے کر دی تھی جو شاہ صاحب کے جدِ امجد عبدالرحیم کے زمانے میں رائے بریلی سے دہلی آئی تھی، سارا راستہ پیدل طے کیا، عصر کے وقت تکیہ علم اللہ کی مسجد میں پہنچے، چونکہ وطن سے نکلے ہوئے چار پانچ برس ہو چکے تھے اور داڑھی مونچھیں خوب نکل آئی تھیں، نیز لباس بالکل اجنبیوں کا سا تھا، اس لئے اول نظر میں اقربا بھی پہچان نہ سکے۔

سید عبدالقادر بن سید امان اللہ نصیر آبادی نے یا سید علم الہدیٰ (بن سید محمد ثابت، بن سید محمد حیا، بن سید سنا، بن محمد ہدیٰ، بن سید علم اللہ) نے بڑی دیر کے بعد پہچانا اور تمام عزیزوں کو خبر دی۔ اس زمانے میں اہل خاندان عموماً آپ کو "میر احمد" یا "میاں صاحب"

(۱) "مخزنِ احمدی" ص: ۲۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہہ کر پکارتے تھے۔ بعض خاندانی وثیقوں پر سید صاحب نے بطور گواہ دستخط کیے تھے، ان میں بھی اپنا نام ''میر احمد'' ہی لکھا۔

والدہ اور اہل خاندان انہیں فقیری کے بھیس میں دیکھ کر سخت متاسف ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے ضروریات سفر کے پیش نظر یہ لباس پہن لیا تھا، پھر والدہ اور اقربا کے پاسِ خاطر سے اسے ترک کر دیا۔

شادی

دہلی سے سید صاحب رائے بریلی پہنچے تو عمر کے بائیس مرحلے گذر چکے تھے اور تیئیسویں میں قدم پڑ چکا تھا، اقربا نے طے کیا کہ ان کا نکاح کر دیا جائے۔ ممکن ہے یہ خیال بھی اس تجویز کا محرک ہوا ہو کہ نکاح کے بعد خانگی ذمہ داریوں کا بوجھ سر پر پڑے گا تو دنیا داری کے لحاظ سے مفید و سود مند کام میں لگ جائیں گے۔

نسبت بہت پہلے سے ٹھہر چکی تھی اور لڑکی والے سید صاحب کے ہم خاندان تھے، لیکن جب ان کے درویشانہ مشاغل کو دیکھا تو توقف میں پڑ گئے۔ آخر مختلف اقربا نے انہیں راضی کیا۔ چنانچہ ۱۲۲۳ھ میں سید صاحب کی شادی نصیر آباد میں ہوئی۔ بی بی کا نام سیدہ زہرہ تھا، جو سید علم اللہ شاہ کے حقیقی چچا سید اسحاق کی اولاد میں سے تھیں۔ شجرۂ نسب یہ ہے: سیدہ زہرہ، بنت سید محمد روشن، بن سید محمد شافع، بن سید عبد الغفار، بن سید تاج الدین، بن سید محمد اسحاق عم سید علم اللہ (یعنی برادر سید محمد فضیل) بن سید محمد معظم۔ ۱۲۲۴ھ میں سید صاحب کی بڑی صاحبزادی سیدہ سارہ پیدا ہوئیں۔

عبد اللہ پہلوان کا واقعہ

غالباً اسی زمانے میں آپ ایک مرتبہ نصیر آباد گئے تو عبد اللہ پہلوان کے ساتھ کشمکش کا واقعہ پیش آیا۔ یہ شخص طاقت اور تنومندی میں دور دور مشہور تھا، ہر وقت فسق و فجور میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مبتلا رہتا اور سحر و افسون بھی جانتا تھا۔ سید صاحب جب اس سے ملتے تو فرماتے: بھائی عبداللہ نماز پڑھا کرو اور برے کام چھوڑ دو۔ ایک روز محلہ قصیا نہ کی مسجد کے پاس ایک تنگ کوچے میں اس سے ملاقات ہوگئی۔ سید صاحب نے عادت مبارک کے مطابق اسے نماز اور دوسرے احکام دین پر کاربندی کی تلقین فرمائی، اس نے بگڑ کر مجادلے کا رنگ پیدا کر لیا اور بولا:

نماز سے کیا حاصل ہوگا؟

سید صاحب: ادا نہ کرو گے تو فرشتے قبر میں عذاب دیں گے۔

پہلوان: فرشتے آئیں گے تو دو چار مکے رسید کر کے انہیں بھگا دوں گا۔

سید صاحب نے بڑے تحمل سے فرمایا: اس قسم کے کلماتِ تکبر موجب کفر ہیں، فرشتوں کو خدائے برتر نے اتنی قوت عطا کر رکھی ہے کہ سارے انسان مل کر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پہلوان یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور سید صاحب کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ آپ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور مسجد کے پشتے کے ساتھ اس زور سے رگڑا کہ بات کرنے کی بھی تو اس نہ رہی۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ اس لئے کہ کسی کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بیس بائیس برس کا نوجوان، طاقت وقوت کے اس دیو کو یوں مسل کر رکھ دے گا۔ پہلوان اٹھا تو طاقت کا گھمنڈ کافور ہو چکا تھا، بے توقف سید صاحب کا معتقد بن گیا اور تمام منہیات سے توبہ کر لی۔

ایک روز کہنے لگا کہ آپ کیلئے شکار لانے کو جی چاہتا ہے، چنانچہ بندوق لے کر جنگل کو چلا گیا، اتفاقیہ سینگڑے میں آگ لگ گئی، بارود بھڑک اٹھی اور عبداللہ جل کر فوت ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

نواب امیر خاں کی رفاقت

مستقل مشغولیت کا انتظام

سید صاحب دہلی سے رائے بریلی گئے تھے تو عمر کے تیئیسویں مرحلے میں تھے، یقین ہے اسی زمانے میں سوچنے لگے ہوں گے کہ کونسا مشغلہ اختیار کیا جائے، جو مزاج وطبیعت کے عین مطابق ہو اور اس سے پیش نظر مقاصد کی تکمیل کو فائدہ پہنچے۔ غور و فکر کے بعد نواب امیر خاں کی رفاقت کا فیصلہ کیا اور ۱۲۲۶ھ میں دوسری مرتبہ وطن سے نکل پڑے۔ ''حیات طیبہ'' نے جمادی الاخریٰ ۱۲۲۴ھ کی تاریخ تعین سے پیش کی ہے۔(۱) مجھے اس کا ماخذ معلوم نہیں، لیکن سید ابوالحسن علی صاحب نے بعض ایسی شہادتیں پیش کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب ربیع الآخر ۱۲۲۶ھ تک یقیناً رائے بریلی میں تھے، مثلاً:

۱۔ سید محمد علی، سید احمد علی اور سید حمید الدین صاحبان نے اپنے والد ماجد سید عبدالسبحان کے قرضے کا اقرار نامہ لکھا، جس پر سید صاحب کی گواہی تھی۔ اس اقرارنامے کی تاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۲۶ھ (۱۴ اپریل ۱۸۱۱ء) تھی۔

۲۔ سید قطب الہدیٰ نے اپنی تمام مملوکہ کتابوں کا ہبہ نامہ اپنے بھتیجے سید محمد ظاہر حسن کے نام لکھا اس پر سید صاحب کی بھی مہر ثبت تھی، یہ ہبہ نامہ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۲۶ھ کو لکھا گیا (۲۶ اپریل ۱۸۱۱ء)۔

---

(۱) ''حیات طیبہ'' ص: ۲۸۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ سید قطب الہدیٰ کا انتقال سید صاحب کے سامنے ہوا، اور آپ احتضار کے وقت موجود تھے، اس واقعے کی تاریخ گلشن محمودی کے مطابق ۱۹ ربیع الآخر ۱۲۲۶ھ ہے (۱۳ مئی ۱۸۱۱ء)۔

۴۔ "امیر نامہ" کے بیان کے مطابق دھمکولہ کا محاصرہ ۱۲۲۷ھ میں پیش آیا (۱۸۱۲ء)۔
بہر حال ربیع الآخر ۱۲۲۶ھ تک سید صاحب کا رائے بریلی میں ہونا بالکل واضح ہے، اور وسط ہند کا سفر اس کے بعد ہوا۔

نواب کے پاس جانے میں یہ امر بھی محرک ہوا ہوگا کہ سید صاحب کے بڑے بھائی سید ابراہیم پہلے نواب کے لشکر میں رہ چکے تھے، غالباً سپاہی کی حیثیت میں پہنچے، لیکن زہد وتقویٰ کی بنا پر لشکر میں امامت نماز کی خدمت ان سے متعلق ہوگئی۔ وسط ہند کے کسی مقام پر ۴ رشوال ۱۲۲۴ھ (۱۲ نومبر ۱۸۰۹ء) کی رات کو فوت ہوئے۔ جس حد تک میں تحقیق کرسکا ہوں سید صاحب ان کی زندگی میں نواب کے پاس نہیں پہنچے تھے۔

اخفاءِ حال اور مشقِ سپہ گری

لیکن سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ نواب کے پاس جانے کا فیصلہ کیوں کیا؟ کیا محض معیشت کی مجبوری انہیں کھینچ کر لے گئی تھی؟ اب تک سید صاحب کے جو حالات بیان کیے جا چکے ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب معیشت کی ترتیب وفراہمی سے ان کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہ تھی، مولوی محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ہے:

> آپ کو واسطے تکمیل اپنے حال کے اس وقت اخفاء منظور تھا، اور نیز اس جوہر سپہ گری کی بھی، جو آپ کے اندر ودیعت تھا، مشق کرنی منظور تھی۔ (۱)

(۱) تواریخ عجیبہ ص: ۱۲۔ اس کتاب کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے گویا سید صاحب نے رائے بریلی سے نکل کر دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی، پھر وہ سکونت دہلی کو ترک کرکے نواب کے پاس گئے، یہ صحیح نہیں۔ نواب کے پاس جاتے ہوئے، سید صاحب یقیناً دہلی سے گذرے، اس لئے کہ عام راستہ یہی تھا، دہلی میں ٹھہرے بھی ہوں گے، لیکن وہاں سکونت گزیں نہ ہوئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیکن تکمیل حال اور اخفاء کا مدعا وطن یا دہلی میں بوجہ احسن پورا ہو سکتا تھا، اس زمانے میں سید صاحب ولی اللّٰہی خاندان کے ہزاروں مریدوں میں سے ایک معمولی اور گمنام مرید تھے، وہ جہاں بھی بیٹھ جاتے تکمیل حال و اخفاء کے مقاصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ نواب کے لشکر میں پہنچنے کے بعد جو صورت حال پیش آئی وہ اخفاء کی مصلحتوں کے سراسر خلاف تھی، جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوگا۔ جوہر سپہ گری یا کسب معیشت کے لئے لکھنؤ ان کے وطن سے بہت قریب تھا اور ان کے خاندان کے متعدد اکابر لکھنؤ ہی میں ملازم رہے تھے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ سپہ گری کی مشق کا وہ پیمانہ سید صاحب کے زمانے میں موجود ہی نہ تھا جس کے تصور میں ہم لوگ آج کل سرمست ہیں، عام ہتھیاروں کا استعمال سب لوگ جانتے تھے۔ لڑائیوں کا طریقہ ایسا تھا کہ جوانمردی اور استقامت ہی کو کامیابی کا سب سے بڑا گر سمجھا جاتا تھا، خود نواب امیر خاں نے کونسی عسکری تربیت گاہ میں سپہ گری کے ہنر سیکھے تھے کہ اس کے لشکر میں شمول جوہر سپہ گری کی مشق کے لئے زیادہ موزوں نظر آیا؟ جب سید صاحب نے خود مستقل فوجی تنظیم کا بندوبست کیا تھا تو ان کے رفیقوں میں سے کتنے تھے، جن کے لئے سپہ گری کی باقاعدہ مشق کا انتظام کیا گیا تھا؟

شاہ اسماعیل صاحب، سید صاحب کے سپہ سالاروں میں سب سے ممتاز مانے جاتے تھے، انہوں نے کب اور کہاں سپہ گری کی مشق کی تھی؟ آخر میں یہ بھی ظاہر ہے کہ سید صاحب نے سات برس نواب کے لشکر میں گزارے، وہ مختلف لڑائیوں میں شریک رہے، لیکن جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں نہ اس کے لشکر میں جنگی فنون کی مشق کے لئے کوئی تربیت گاہ موجود تھی اور نہ سید صاحب کو کسی تربیت گاہ میں کم یا زیادہ مدت بسر کرنے کا موقع ملا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حقیقی مقصد

مجھے یقین ہے کہ آپ کو وہی جذبہ خدمتِ دین کشاں کشاں نواب کے لشکر میں لے گیا تھا جس کی بناء پر انجام کار انہوں نے بطور خود فدا کاروں کی ایک جماعت مرتب کی اور حیات طیبہ کے گراں بہا اوقات جانبازی اور جانفشانی میں صرف کر دیے۔ یعنی وہ اسلامی حکومت کے احیاء کی خاطر جہاد فی سبیل اللہ کا عزم لے کر امیر خاں کے پاس گئے تھے، لیکن حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ امید و آرزو کا یہ چراغ زیادہ دیر تک روشن نہ رہ سکا، یہاں تک کہ سید صاحب کو نواب سے الگ ہو کر خالص اسلامی اصول پر ایک جماعت منظم کرنی پڑی۔

خود سید صاحب کا بیان ہے کہ غیبی اشاروں کی بناء پر وہ نواب صاحب کے لشکر میں گئے تھے، وقائع میں ہے کہ جب وہ لشکر میں تھے تو ایک روز فرمایا:

> قصبہ رائے بریلی میں مجھ کو جناب الٰہی سے الہام ہوا کہ یہاں سے نواب نامدار امیر الدولہ بہادر کے لشکر میں جا اور وہاں کی خدمت ہم نے تجھ کو دی، وہاں ہم کو تجھ سے کچھ اور کام بھی لینے ہیں۔ یہ مژدۂ غیبی سن کر میں وہاں سے روانہ ہوا، چند روز میں آ کر ملازمت نواب صاحب ممدوح کی حاصل کی۔(۱)

''منظورہ'' کے الفاظ اس سے بھی واضح تر ہیں:

> از زمانیکہ حضرت امیر المومنین ۔ بناء بر الہامیکہ در باب اقامت جہاد مے شد، رہگرائے لشکر ظفر اثر ...... امیر الدولہ نواب امیر خاں بہادر مرحوم شدند۔(۲)

> **ترجمہ** : جس زمانے میں حضرت امیر المومنین اقامت جہاد کے متعلق غیبی اشاروں کی بناء پر امیر الدولہ نواب امیر خاں مرحوم کے لشکر ظفر اثر

(۱) وقائع ص:۲۲ (۲) منظورہ ص:۲۳۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی جانب روانہ ہوئے۔

''مخزن احمدی'' میں ہے کہ سید صاحب از جانب ایزد متعال مامور و محکوم ہو کر گئے۔(۱)

غرض، نہ تکمیل حال محرک ہوئی، نہ سعی اخفاء، نہ سپہ گری کے جوہر کی مشق مطلوب تھی نہ وجہ معیشت۔ غرض صرف یہ تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے قیام کی سعی کی جائے اور یہ اقدام غیبی اشاروں کی بناء پر عمل میں آیا تھا۔

ہندوستان کا سیاسی نقشہ

ممکن ہے سوال پیدا ہو کہ اس غرض کے لئے امیر خاں کے لشکر کو منتخب کرنے کی کونسی وجہ تھی؟ اس انتخاب کا اندازہ کرنے کے لئے ہندوستان کے سیاسی حالات کا سرسری نقشہ سامنے رکھ لینا چاہئے۔

اس زمانے میں مغلوں کی قوت مضمحل ہو چکی تھی، جس کی عظمت کا ڈنکا کابل وقندھار سے آسام واراکان تک اور قرہ قرم سے راس کماری تک اڑھائی سو سال بجتا رہا۔ تمام صوبے ایک ایک کر کے مرکز سے الگ ہو چکے تھے، اور مغل بادشاہوں نے ہندوستان کے مختلف ٹکڑوں کو باہم جوڑ جوڑ کر اسے ایک عظیم الشان ملک اور جلیل القدر سلطنت بنانے کا جو کام دوسو برس میں پورا کیا تھا، وہ برباد ہو چکا تھا۔ خانہ جنگی اور بدنظمی کا دور دورہ تھا اور ہر حصے میں نئی نئی قوتیں بروئے کار آچکی تھیں۔ مسلمانوں کی سیاسی عظمت و برتری کا علم سرنگوں ہو رہا تھا، میسور میں حیدر علی نے ایک نئی اور صالح سیاسی قوت کی بنیاد رکھی، ٹیپو سلطان نے اس کی رگوں میں دینی حمیت کا گرم خون دوڑا دیا، لیکن اس قوت کو اپنوں کی بے حمیتی اور کوتاہ اندیشی نے موت کی نیند سلا دیا۔

---

(۱) مخزن احمدی ص:۳۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مغلوں کے دورِ انحطاط میں مرہٹے ملک کے بڑے حصے پر چھا گئے تھے، ایک موقع پر تو مغلوں کا تخت بھی ان کی دسترس میں آ گیا تھا، مرہٹوں پر پہلی کاری ضرب احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں لگائی، اگرچہ وہ اس کے بعد بھی چالیس پچاس برس تک موجود رہے، لیکن ان کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر نہ جم سکا۔ پہلے ٹکڑوں میں بٹے، پھر ایک دوسرے سے لڑتے بھڑتے ختم ہو گئے۔

پنجاب میں رنجیت سنگھ نے بظاہر ایک مستقل حکومت کا ڈول ڈالا تھا، لیکن تاریخ داں اصحاب جانتے ہیں کہ وہ حکومت نہ تھی بلکہ ایک طرح کا عارضی سا فوجی غلبہ تھا جو رنجیت سنگھ کی زندگی تک قائم رہا، جب وہ مرا تو جانشینوں نے چار پانچ ہی برس میں اس کا تار و پود ہمیشہ کے لئے بکھیر کر رکھ دیا، حالانکہ رنجیت سنگھ نے اس میں حکومت کی سج دھج پیدا کرنے کے لئے چالیس برس صرف کئے تھے۔

سندھ کی حکومت چار امیروں کے ہاتھ میں تھی، اودھ میں شجاع الدولہ نے، دکن میں نظام نے، بنگال، بہار اور اڑیسہ میں علی وردی خاں نے اس امید پر خود مختاری کی بساط آراستہ کی تھی، کہ اگر پورے ہندوستان کو سنبھالا نہیں جا سکتا تو اپنے اپنے علاقوں ہی کو سنبھال لیں۔ اودھ کی آدھی سلطنت سعادت علی خاں نے حکمرانی کی حرص میں گنوا دی۔ اس کے جانشینوں نے بقیہ نصف کو بھی تیزی سے اس حالت پر پہنچا دیا کہ کلکتہ سے ایک فرمان کا اجراء اسے ختم کر دینے کے لئے کافی سمجھا گیا۔

دولتِ نظام بھی داخلی بدنظمیوں اور حاکموں کی مسلسل بے تدبیریوں کی بناء پر تحلیل ہوتے ہوئے آدھی رہ گئی تھی اور جو رہ گئی تھی اس کے اعمال اور وظائف کے بارے میں کچھ کہنے سے نہ کہنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ کی حکومت کو علی وردی خاں کی وفات کے ایک برس بعد انگریزوں نے شل کر کے رکھ دیا اور وہی علاقے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا سنگِ بنیاد بنے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریز

یہ سب ملکی طاقتیں تھیں، اکثر اسلامی اور بعض غیر اسلامی، لیکن سید صاحب کی ولادت سے کم وبیش تیس برس پیشتر ایک اجنبی قوت نے بھی ہندوستان میں قدم جما لئے تھے، یہ انگریز تھے جو تاجروں کے بھیس میں آئے، ملکی حاکموں کی بدعملیوں نے ان میں حکمرانی کے ولولے پیدا کر دیے۔ سب سے پہلے کرناٹک، بنگال، بہار اور اڑیسہ ان کے زیر اثر آئے پھر انہوں نے مرہٹوں اور نظام کو ساتھ ملا کر سلطنت میسور کو ختم کیا۔ اُدھر سے فارغ ہوئے تو مرہٹوں، نظام اور اودھ پر توجہ مبذول کی، تھوڑے ہی دنوں میں سب کو امدادی فوج نظام کی زنجیروں میں جکڑ کر بے دست و پا بنا دیا۔ پھر دہلی پہنچے تو اس تخت گاہ کے مختارِ کل بن گئے جو پورے ہندوستان کی اطاعت وانقیاد کا مرجع تھی۔ سید صاحب کے ہوش سنبھالنے سے پہلے یہ سب کچھ پورا ہو چکا تھا۔

یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ اسلامی حکومت کے احیاء کا خواب دیکھنے والے ہر شخص پر واضح ہو گیا تھا کہ انگریزوں کی قوت سے ٹکرائے اور اسے پاش پاش کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔

ملکی کارفرماؤں میں سے اگر کوئی شخص اس جہاد میں رفاقت واعانت کا حق ادا کر سکتا تھا تو وہ صرف امیر خاں تھا۔ ہمت، شجاعت اور جوانمردی میں اس کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی، استعدادِ حرب وضرب میں بھی اس کا مرتبہ بہت اونچا تھا، جس خصوصیت نے اسے اقران وامائل میں سب سے بڑھ کر سربلند کر دیا تھا، وہ یہ تھی کہ اس پر انگریزی اثر کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی تھی، وہ بالکل آزاد تھا، اس لئے اسلام و وطن کی آزادی کی خاطر صلاحیت جہاد میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا، نظر بظاہر یہ آخری خصوصیت ہی سید صاحب کے لئے بطورِ خاص جذب وکشش کا باعث بنی ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواب امیر خاں

امیر خاں بونیر (سرحد آزاد) کے سالارزئی قبیلے میں سے تھا جوُزْ (جیم مفتوح واؤ مشدد و مضموم) اس کے آباء کا اصلی وطن تھا، اس کا دادا طالع خاں محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آیا تھا، روہیل کھنڈ کی لڑائیوں میں شریک رہا اور سنبھل میں توطن اختیار کر لیا، وہیں فوت ہوا۔ اس کے بیٹے محمد حیات خاں نے بھی آبائی پیشہ اختیار کیا، لیکن جب روہیلوں کو شجاع الدولہ اور انگریزوں نے مل کر شکست دی اور حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید ہو گئے تو محمد حیات خاں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

امیر خاں اسی محمد حیات خاں کا بیٹا تھا۔ ۱۱۸۲ھ (۶۹ - ۱۷۶۸ء) میں پیدا ہوا، لکھنے پڑھنے کا بالکل شوق نہ تھا اور سپہ گری سے خاصی وابستگی تھی۔ بیس برس کی عمر میں چند رفیقوں کے ساتھ گھر سے نکل پڑا، اس زمانے کے رئیسوں اور جاگیرداروں کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو عارضی طور پر فوج بھرتی کر لیتے۔ امیر خاں نے وسطِ ہند، گجرات، دکن وغیرہ کئی مقامات پر عارضی ملازمت کی، من چلا آدمی تھا، روپیہ مل جاتا تو ساتھیوں کو نہال کر دیتا، نہ ملتا تو پریشانی میں دن گزارتا۔ ایک موقع پر کچھ پاس نہ رہا تو اپنا گھوڑا بیچ کر ساتھیوں کے خورو نوش کا سامان مہیا کیا۔ رفتہ رفتہ اس کے پاس خاصی جمعیت فراہم ہو گئی۔

ہلکر سے تعلق

اس زمانے میں مرہٹہ سرداروں کے درمیان سخت کشمکش بپا تھی، تکوجی ہلکر کا بیٹا جسونت راؤ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا اور اپنی خاندانی میراث حاصل کرنے کے لئے اس نے کوششیں شروع کیں، بعض خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ امیر خاں کو ساتھ ملاؤ۔ چنانچہ جسونت راؤ امیر خاں سے ملا، دونوں کے درمیان عہد و پیان ہوا کہ ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرے کا ساتھ دیں گے، اور جو کچھ ہاتھ آئے گا نصف نصف بانٹ لیں گے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ دونوں نے پگڑیاں بدل لی تھیں اور اس زمانے میں یہ عہد یگانگی کی نہایت مؤثر صورت تھی۔ امیر خاں نے تھوڑی سی مدت میں جسونت کیلئے شانِ امارت پیدا کر دی۔

جب مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان لڑائی چھڑی تو جسونت اس سے الگ رہا، مرہٹے شکست کھا گئے، انگریز جسونت سے بھی معاملہ طے کر لینا چاہتے تھے، لیکن اس نے ایسی سخت شرطیں پیش کیں جنہیں انگریز مان نہ سکے، اس طرح لڑائی شروع ہوگئی۔ جسونت اور امیر خاں نے مل کر انگریزی فوج پر شدید حملے کئے اور اسے سخت نقصان پہنچایا۔ ان لڑائیوں کے دوران میں دونوں کو پہلے پٹیالہ پھر پنجاب آنا پڑا، انگریزوں کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں سکھ ان کے ساتھ نہ مل جائیں، اس وجہ سے دوبارہ صلح کی گفتگو شروع کی اور جسونت راؤ کو اندور کی ریاست دے کر راضی کرنا چاہا۔ امیر خاں نے اس صلح نامے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں کابل جا کر شاہ شجاع کو ساتھ لاؤں گا، وہ نہ آئے گا تو اپنے ہم قوموں کا لشکر بھرتی کروں گا اور انگریزوں سے لڑوں گا۔ مشیروں نے یہ سنتے ہی ہلکر سے کہا کہ اگر نواب پٹھانوں کو لے آیا تو حکومت اس کے ہاتھ میں ہوگی، تمہاری مستقل حیثیت بالکل ختم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ انگریزوں سے صلح کر لو اور ریاست لے کر آرام سے بیٹھ جاؤ۔

ہلکر اس پر راضی ہو گیا اور اپنے مدت العمر کے حلیف اور دوست سے بدعہدی کی ٹھان لی۔ ایک طرف انگریزوں کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا، دوسری طرف امیر خاں کے پاس جا کر پگڑی پاؤں پر رکھ دی اور ہاتھ باندھ کر بولا مجھے جو کچھ ملا ہے، صرف آپ کی وجہ سے ملا ہے۔ آپ ہی اسے قائم رکھ سکتے ہیں۔ نواب نے ہلکر کا عجز والحاح دیکھ کر مہر اس کے سامنے پھینک دی کہ جہاں چاہتے ہو اسے لگا کر اپنا مدعا پورا کر لو۔ (۱)

(۱) "تواریخ محمد آبادؔ" میں ہے کہ جب ہلکر نے عہد نامہ دکھا کر امیر خاں سے مہر لگانے ... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

عہد نامے پر امیر خاں کے لئے ہلکر اس وجہ سے مجبور تھا کہ انگریز کہتے تھے جب تک امیر خاں کی مہر نہ ہوگی ہم عہد نامہ نہ کریں گے، اس طرح امیر خاں کی جنگی اسکیم ختم ہوگئی، ہلکر اندور کی ریاست لے کر بیٹھ گیا۔

امیر خاں نے اگرچہ ہلکر کے عہد نامے پر مہر ثبت کردی تھی، جس پر انگریز مطمئن ہو گئے، لیکن اس نے انگریزوں کی ماتحتی قبول نہ کی تھی اور وہی آزاد حیثیت برقرار رکھی، اسی حالت میں وہ راجپوتانہ پہنچ گیا۔

آخری دور کی سب سے بڑی آزاد قوت

امیر خاں کی آزادانہ زندگی کے باقی دس بارہ سال راجپوتانہ ہی میں گذرے، جہاں اس وقت تین بڑی ریاستیں تھیں: ـ جے پور، جودھ پور اور اودے پور۔ چھوٹی ریاستوں کا شمار نہ تھا۔ جے پور، جودھ پور اور اودے پور کے تعلقات بھی سخت بگڑ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اودے پور کے راجہ کی بیٹی کشن کماری حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھی، اس کی منگنی پہلے جودھ پور کے راجہ سے ہوئی، پھر بعض جھگڑوں کی بناء پر وائی اودے پور نے اس نسبت کو توڑ کر کرشن کماری کا رشتہ مہاراجہ جے پور سے کر دیا، اس طرح تینوں ریاستوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔

امیر خاں نے ان لڑائیوں میں کبھی ایک ریاست کا ساتھ دیا اور کبھی دوسری کا۔ آخر میں وہ اودے پور کے دربار کی طرف سے تحصیل مال کا ذمہ دار بن گیا۔

غرض امیر خاں آخری دور کے آزاد ہندوستانی امیروں میں سب سے بڑھ کر طاقتور تھا، ایک موقع پر اس کے پاس چالیس ہزار جانباز جمع ہو گئے تھے، اور ایک سو پندرہ توپیں

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ... کی درخواست کی تو اس نے کہا تم صلح کرلو، میں کیوں مہر کروں؟ کیا کم ہمت ہوں؟ ہلکر نے انگریزوں سے کہہ دیا کہ ہم دونوں میں کوئی مغایرت نہیں، میری ہی مہر عہد نامے کے لئے کافی ہے۔ امیر خاں میرا شریک حال ہے، میرے ساتھ چلے گا۔ (تواریخ عجیبہ، ص:۱۳)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھیں۔(۱) اتنی عظیم الشان قوت کو انگریز قلبِ ہند میں آزاد چھوڑنے کے روادار نہ ہو سکتے تھے، لیکن انہیں یہ حوصلہ بھی نہ تھا کہ امیر خاں سے کھلے میدان میں ٹکرائیں، اس لئے کہ جانتے تھے من چلا آدمی ہے، مقابلہ پڑ جائیگا تو ممکن ہے دوسری ملکی قوتیں بھی، جو بظاہر دب گئی تھیں ابھر آئیں اور ہمیں بستر بوریا سنبھال کر ہندوستان سے نکل جانا پڑے۔ وہ امیر خاں سے ٹکرائے نہیں، لیکن جو عناصر اس کے لئے کمک ویاوری کا سرچشمہ بن سکتے تھے، انہیں ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ توڑتے رہے، یہاں تک کہ اس کی فوج میں بھی انگریزی ریشہ دوانیاں خاصی پھیل گئیں۔

سید صاحب کا نصب العین

نواب میں بعض کمزوریاں بھی تھیں، مثلاً یہ کہ جو شخص لجاجت آمیز روش اختیار کرتا، اس کی بات فوراً مان لیتا، اگرچہ وہ بہترین مصلحتوں کے خلاف ہوتی۔ روپیہ ہاتھ آتا تو بے دریغ لٹاتا۔ جب فوج کی تنخواہ چڑھ جاتی تو پریشانیاں اٹھاتا۔ ان وجوہ سے اس کی زندگی کے بہترین اوقات فضول مشغولیتوں میں ضائع ہو رہے تھے۔

سید صاحب یہ نصب العین لے کر امیر خان کے پاس گئے تھے کہ اس عظیم الشان آزاد قوت کو صحیح راستہ پر لگائیں اس سے آزادیٔ وطن اور احیائے اسلام کا کام لیں۔ ان واقعات پر ڈیڑھ سو سال کے لیل و نہار گذر چکے ہیں، اور وقت کا سیل بلا کے پیچھے سے

(۱) ''مخزن احمدی'' میں ہے کہ ایک لاکھ سوار، بے شمار پیادے اور صاعقہ بار توپیں اس کے پاس تھیں۔ دور دور تک کے غیر مسلم راجاؤں سے بے شمار مال بطور جزیہ و خراج و عشر لیتا تھا۔ اس مال سے علماء فضلاء، مشائخ اور سادات کی خدمت انجام دیتا تھا۔ (ص:۳۰،۳۲) ایک انگریز مورخ نے خود نواب کے بیان کی بناء پر لکھا ہے کہ ۱۸۱۴ء میں اس کے پاس پچاس ہزار سوار، بارہ ہزار پیادے اور بھاری توپ خانہ تھا (تاریخ ہندوستان مصنفہ ل رو اٹسن جلد ہشتم ص:۹۲۲) ایک اور مصنف نے لکھا ہے: ''میر خاں ایک قابل قائد اور بہادر سپاہی تھا، اس کی فوج نہایت اسلحہ تھی اور ہندوستان کی تمام ریاستی فوجوں میں سے بہترین ساز و سامان والی فوج سمجھی جاتی تھی۔

(لارڈ ہیسٹنگز اور ہندوستانی ریاستیں مصنفہ موہن سنہا مہتہ ص:۱۱)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گذر کر بہت دور جا چکا ہے، ہمارے سامنے ان واقعات کو جس رنگ، جس انداز، جس اسلوب میں پیش کیا گیا وہ ان لوگوں کا ایجاد کردہ تھا، جو ہماری ہر چیز کی حقیقی قدر و قیمت کو مٹانے اور کم کرنے کے در پے تھے، لیکن سید صاحب کی زندگی کے ابتدائی عہد کا ماحول سامنے رکھ کر تمام حقائق کا بالغ نظرانہ جائزہ لیا جائے تو یقین ہے کہ قلب سلیم ہمارے بیان کے ایک ایک حرف کی تصدیق کرے گا۔ سید صاحب کی یہ خوشگوار امید بلا شبہ پوری نہ ہوئی لیکن ثواب کی بنیاد نتائج پر نہیں بلکہ حسن نیت اور اخلاص عمل پر ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ضروری نہیں ہر فرد یا جماعت کی ہر سعی ہر حال میں تمنا کے مطابق نتائج پیدا کرے، لیکن اس وجہ سے ترک سعی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

سید صاحب مختار تھے یا مامور

ہمارے زمانے میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے یہ دعویٰ فرمایا کہ سید صاحب کو شاہ عبد العزیز نے خاص پروگرام دے کر امیر خاں کے لشکر میں بھیجا تھا، وہاں پہنچ کر انھوں نے انقلابی کام شروع کیا۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے، اس سے صاف آشکارا ہے کہ سید صاحب نے بطور خود یہ فیصلہ فرمایا، شاہ عبد العزیز کے امر و حکم کو اس اقدام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ انھیں رائے بریلی ہی میں غیبی اشارہ ہوا کہ نواب کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ نکل پڑے اور دہلی ہوتے ہوئے راجپوتانہ پہنچ گئے۔

''وقائع'' میں ایک خط کا حوالہ ہے، جس میں سید صاحب نے نواب سے قطع علائق کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبد العزیز کو لکھا تھا:

> ''یہ خاکسار سراپا انکسار حضرت کی قدم بوسی کو عنقریب حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا، نواب صاحب فرنگی سے مل گئے۔ اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔ (۱)

(۱) وقائع ص ۳۱

اس خط کو محولہ بالا دعوے کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے، اس طرح کہ اگر سید صاحب شاہ عبدالعزیز کے فرستادہ نہ ہوتے تو ایسا خط کیوں لکھتے؟ (۱) کوئی نیک کام شروع کرتے وقت کسی مقدس و تجربہ کار بزرگ سے مشورہ کر لینا یا اس کے ایما و اشارہ کے مطابق قدم اٹھانا موجبِ عیب نہیں، بلکہ سرچشمۂ برکت ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سید صاحب، شاہ صاحب کے فرستادہ نہ تھے، اس لئے کہ:

۱۔ انہوں نے بطورِ خود حسبِ اشارہ ہائے غیبی لشکر میں جانے کا فیصلہ کیا۔

۲۔ محولہ بالا خط میں سید صاحب نے نواب کے لشکر سے بے تعلقی کی محض اطلاع دی ہے، اگر وہ شاہ صاحب کے فرستادہ ہوتے تو بطورِ خود لشکر میں رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے، بلکہ شاہ صاحب کو سارے حالات کی اطلاع دے کر اجازت منگاتے۔

۳۔ اگر شاہ صاحب نے سید صاحب کو بھیجا تھا تو کیا وجہ ہے کہ سات برس تک ایک مرتبہ بھی اپنے پاس بلا کر ممکناتِ عمل کی کیفیت نہ پوچھی یا جو کام سید صاحب کر چکے تھے اس کی تفصیل نہ سنی؟

اگر نواب انگریزوں سے صلح نہ کرتا تو سید صاحب بدستور وہیں رہتے۔ کیا آمر ماموروں سے اسی طرح کام لیا کرتے ہیں؟

جس حد تک میں تحقیق کر سکا ہوں، مولانا عبیداللہ مرحوم کے دعوے کے لئے کوئی بناء موجود نہیں اور مستند روایات اس دعوے کی تردید کر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں مزید بحثیں موقع پر آئیں گی۔

کیفیتِ سفر

جس زمانے میں سید صاحب دہلی سے راجپوتانہ گئے تھے، ''مخزنِ احمدی'' کے

(۱) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک، ص: ۱۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیان کے مطابق لشکر نواب کے تمام راستے غیر مسلموں کے ہجوم کے باعث مسدود تھے۔ لیکن سید صاحب:

متوکلاً و معتصماً بحفظہ بہ فراغ بال فرداً وحیداً شاداں وفرحاں مانند کسے بہ سیر بوستاں یا خانہ دوستاں مے رود از بلدہ شاہ جہاں آباد نہضت فرمودہ بعد وہاں مراحل و منازل کہ ہر مرحلہ ہفت خواں رستم واسفندیار بود طے فرمودہ، بہ وجود فیض آمود خود لشکر را منور و مشرف ساختند۔ (۱)

ترجمہ : متوکلاً اور خدا کی حفاظت پر بھروسا کرتے ہوئے بے فکری کے ساتھ یگانہ وتنہا روانہ ہوگئے، اس درجہ شاداں وفرحاں تھے کہ جیسے کوئی شخص سیر باغ کو نکلے یا دوستوں کے گھر جائے۔ دہلی سے چل کر ایسی کڑی منزلیں طے کیں، جن میں ہر منزل رستم واسفندیار کے ہفت خواں جیسی تھی۔ اس طرح لشکر آپ کے لبریز فیض وجود سے منور ومشرف ہوا۔

(۱) مخزن احمدی ص:۳۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

عسکری زندگی کا دور

دھکولہ کا محاصرہ

سید صاحب خود فرماتے ہیں:

> جس وقت میں بیچ لشکر نواب صاحب کے پہنچا اور شرف ملاقات ان کی سے مشرف ہوا، ان روزوں نواب صاحب ساتھ لشکر جرار پیادہ وسوار بے شمار کے شاہ پورے کے علاقے میں قصبہ دھکولہ کے قلعے کا محاصرہ کئے ہوئے مستعد جنگ تھے۔ آخر الامر والیٔ قلعہ نے تنگ ہو کر نواب صاحب سے مصالحہ کر لیا اور کچھ نقد زر دے کر رخصت کیا۔(۱)

اسیر نامہ کے بیان کے مطابق دھکولہ ۱۸۱۲ء میں فتح ہوا۔ سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ سید صاحب ۱۸۱۲ء میں نواب کے پاس پہنچے مگر وہ اس سے پہلے وطن سے نکل چکے تھے، ممکن ہے ۱۸۱۱ء کے وسط یا اواخر میں روانہ ہوئے ہوں۔

''وقائع'' کا بیان ہے کہ اس زمانے میں سید صاحب کے حالات سے لشکر کے آدمی بالکل ناواقف تھے، بعض لوگوں کو صرف اتنا معلوم تھا کہ آپ سید زادے، آلِ رسولؐ، نیک اور پرہیزگار ہیں۔ اگرچہ آپ تنہا گئے تھے، لیکن ابتداءً لشکر میں تین آدمی آپ کے ساتھی بن گئے تھے، ان میں سے ایک کا نام رحمت اللہ تھا، دوسرے کا قادر بخش، تیسرے کا نام معلوم نہ ہو سکا۔(۲)

---

(۱) ''وقائع'' ص: ۱۰۔ دھکولہ یا دکولہ میری تحقیق کے مطابق بوندی اور کرولی کے درمیان ایک مقام ہے، شاہ پورہ بھی اسی حصے کا ایک مشہور قصبہ ہے، دھکولہ بعد میں فتح ہوا۔

(۲) ''وقائع'' ص: ۱۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جے پور کی جنگ

سید صاحب جے پور کی لڑائی میں بھی شریک تھے، جس کی سرسری کیفیت یہ ہے کہ والیٔ جے پور کے ذمے نواب امیر خاں کی بھاری رقم تھی، اسے ادا کرنے میں پس وپیش ہوتی رہی۔ خود نواب جودھپور میں تھا، اس کے لشکریوں کو مدت تک تنخواہ نہ ملی تو انہوں نے ایک ہنگامہ بپا کردیا۔ یہ اطلاع جے پور پہنچی تو وہاں کے سپہ سالار چاند سنگھ نے جو راجا کا قریبی رشتہ دار تھا، نواب کے مقبوضات میں سے مالپورے پر قبضہ کیا، ٹونک کو لوٹا اور امیر گڑھ کا محاصرہ کرلیا۔ اسے خیال ہوگا کہ فوج برگشتہ ہے، تو نواب کوئی قدم اٹھا نہ سکے گا۔

چاند سنگھ کی اس جسارت نے راجستھان کے مختلف حصوں میں نواب کے خلاف سرکشی کی آگ بھڑکا دی، وہ سرکشوں کی گوشمالی کے لئے جودھپور سے نکلا تو چاند سنگھ تمام متصرفہ مقامات کو چھوڑ کر تیزی سے جے پور بھاگ گیا۔ نواب نے جے پور کے مختلف مقامات فتح کئے، فوج کی تنخواہ کے لئے کچھ روپیہ وصول کیا، باقی رقموں کی تحصیل اپنے ایک ماتحت افسر کے ذمے لگا کر وہ شیخاوانی (۱) کی طرف نکل گیا۔

چاند سنگھ نے میدان خالی پایا تو دوبارہ فتنہ انگیزی شروع کردی، جب نواب نے دوبارہ جے پور کا رخ کیا تو چاند سنگھ پھر میدان چھوڑ کر جے پور شہر میں جا بیٹھا، ان تمام لڑائیوں میں سید صاحب برابر شریک رہے۔

شہر پر حملہ

تھوڑی دیر گذر گئی تو خود جے پور کے رئیس اور عہدیدار دو فریقوں میں بٹ گئے،

(۱) شیخاوانی سے مراد جے پور کا شمالی و مغربی حصہ ہے، جہاں بارش کم ہوتی ہے۔ جے پور کے پرانے راجاؤں میں سے ایک اودے کرن تھا، اس کے پوتے موکل جی کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ شیخ برہان الدین اس زمانے میں ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے، ان سے دعا کرائی، خدا نے بچہ دیا تو اس کا نام شیخا یا شیخ جی رکھا، اس کی اولاد کا علاقہ شیخاوانی کہلایا۔ اگرچہ یہ لوگ ہندو ہیں لیکن کلمہ پڑھتے ہیں، جانور مسلمانوں کی طرح ذبح کرتے ہیں، سور کو حرام سمجھتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سابق دیوان چھتر بھوج اور بعض امراء ایک فریق تھے، دیوان مانجی داس پروہت نے اپنا فریق الگ بنا رکھا تھا۔ چھتر بھوج وغیرہ نے نواب امیر خاں سے مدد مانگی۔ نواب فوج لے کر جے پور پہنچ گیا۔ لیکن مانجی داس پروہت نے دفاع کا خوب انتظام کر رکھا تھا۔ اس نے فوج کو تین حصوں میں بانٹا، ایک حصہ اس باغ میں متعین کیا جو شہر کے مشرق میں تھا، دوسرے حصے کو ایک اور باغ میں ٹھہرایا، جو خود دیوان کے نام سے مانجی کا باغ کہلاتا تھا۔ تیسرے حصے کو چاند سنگھ کی سپہ سالاری میں باغ بھٹ میں کھڑا کر دیا۔ موتی ڈونگر(۱) پر بھاری توپ خانہ نصب کرا دیا۔

نواب نے خود آگے بڑھ کر چاند سنگھ پر حملہ کیا، اس کے ایک سالار نے مشرقی باغ والی فوج کو مار بھگایا، اس طرح شہر پر حملے کا راستہ صاف ہو گیا۔ لیکن جونہی نواب کے ایک سالار مہتاب خاں نے قدم آگے بڑھایا، موتی ڈونگر کے قلعے سے توپوں کے گولے برسنے لگے، نواب نے فوراً پیغام بھیجا کہ اگر گولہ باری بند نہ ہوئی تو شہر کو چھوڑ کر موتی ڈونگر کا رخ کر لوں گا اور ایک آدمی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس انتباہ کے ساتھ ہی موتی ڈونگر کا توپ خانہ خاموش ہو گیا۔

اب نواب نے مانجی کے باغ کا رخ کر لیا، وہاں سے بھی جے پوری فوج شکست کھا کر بھاگی اس طرح بیرونِ شہر کے تمام مورچے ٹوٹ گئے اور دیوان مانجی داس شہر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا۔

محاصرہ اور صلح

چوبیس روز محاصرہ جاری رہا، آخر نواب نے شہر پر گولہ باری کا حکم دے دیا، گھبرا کر جے پور کے راجہ جگت سنگھ(۲) نے صلح کی درخواست کی۔ نواب کہتا تھا کہ جب تک

(۱) جے پور شہر کے پاس ایک پہاڑی کا نام ہے۔ ڈونگر جے پوری زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

(۲) سب مورخ مانتے ہیں کہ جگت سنگھ سے زیادہ بدمزاج، بدقماش اور بدروش ..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روپیہ نہ ملے گا، بات بھی نہ سنوں گا۔ راجا شاید بحالت مجبوری روپے دے دیتا، لیکن اس کا خزانہ بالکل خالی پڑا تھا۔ آخر اس نے اپنی رانی سے کہا کہ تم کوشش کرو۔ یہ رانی جودھپور کے راجا مان سنگھ کی بیٹی تھی جسے امیر خاں نے بھائی بنا رکھا تھا۔ چنانچہ رانی نے نواب کو رقعہ بھیجا کہ آپ میرے باپ کے بھائی بنے ہوئے ہیں اور میں آپ کو چچا نہیں بلکہ باپ سمجھتی ہوں۔ کیا آپ کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میرے شہر کا محاصرہ کریں اور اس طرح اپنی بیٹی کی رسوائی کے درپے ہوں؟'' یہ رقعہ ملتے ہی نواب نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دے دیا اور ایک کوڑی لئے بغیر شہر چھوڑ گیا۔

سوانح نگارانِ سید کے بیانات

جے پور کی لڑائی کا یہ نقشہ عام تاریخی بیانات پر مبنی ہے، اب وہ تفصیلات بھی سن لیجئے جو سید صاحب کے سوانح نگاروں نے پیش کی ہیں۔ ان کا مفاد یہ ہے:

۱۔ اس جنگ میں سید صاحب نواب کے ساتھ تھے۔

۲۔ نواب نے اپنے ایک سالار محمد عمر خاں کو اس نالے میں مورچہ بنانے کا حکم دیا جو موتی ڈونگر کے قریب تھا، وہاں مورچہ بنانا ہی خطرناک نہ تھا بلکہ پہنچنا بھی جان جوکھوں کا کام تھا۔ محمد عمر خاں یہ سنتے ہی کشمکش و پیچ میں پڑ گئے، سید صاحب نے فوراً نواب سے کہا کہ مجھے محمد عمر خاں کے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے، نواب نے کہا کہ آپ کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔ (۱) سید صاحب نے یہ سنا تو محمد عمر خاں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ: راجا کچھواہہ خاندان میں کوئی نہیں ہوا۔ یہی راجا تھا جسکے پاس اودھ کے معزول فرمانروا وزیر علی خاں نے پناہ لی تھی لیکن اس نے راجپوتی مہمانداری کے مقدس اصول کو بالائے طاق رکھ کر وزیر علی خاں کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں سے تو رقم لینے کا فیصلہ ہو چکا تھا، وزیر علی خاں سے بھی جواہرات چھین لئے تھے۔

(۱) منظورہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: شمارا از خود جدا نمی کنم (ص ۱۳۱)" وقائع" میں ہے کہ سید صاحب نے عرض کیا: مجھ کو ارشاد عالی ہو تو میں ہمراہ عمر خاں کے رہوں۔ حضور والا نے فرمایا کہ ہم تم کو اپنے سے تھوڑی دیر کے لیے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ (ص ۲۲۴)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''بھائی صاحب! مت ڈرو، خدا کو یاد کرو، کوئی بے موت نہیں مرتا، انشاء اللہ تمہاری فتح اور کفار کی شکست ہے۔'' ص:۴۔

۴۔ اس وقت معلوم ہوا کہ چاند سنگھ تیس ہزار سواروں کے ساتھ مانجی کے باغ کو پشت دیے کھڑا ہے۔ مقابلہ بڑا سخت تھا، سید صاحب نے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی، پھر نواب سے کہا کہ میں آگے چلتا ہوں، آپ لشکر کو ہمراہ لیے ہوئے کچھ فرق سے میرے پیچھے آئیں۔ نواب نے آپ کو روکنا چاہا لیکن آپ حملہ آور فوج کے آگے آگے روانہ ہوئے، چھ سوار آپ کے ساتھ تھے۔

چاند سنگھ پہلے ہٹ کر باغ کے اندر چلا گیا، سید صاحب نے خود باغ کے برج پر چڑھ کر رومال کے اشارے سے نواب کو دشمن کی پسپائی کی خبر پہنچائی، نواب باغ میں پہنچا تو ایک برج پر چڑھ کر دوربین لگائی اور دشمن فوج کی حالت دیکھنے لگا۔ سید صاحب باغبان کی جھونپڑی کے پاس سایے میں جا بیٹھے، بائیس آدمی آپ کے ساتھ تھے، وہاں توپ کے گولے اولوں کی طرح برس رہے تھے، اسی جگہ مغرب کا وقت آیا تو سید صاحب نے وضو کر کے برج پر نماز ادا کی۔ (۱)

مادھوراج پوری کا محاصرہ

مادھوراج پوری کا محاصرہ نواب کی آزادانہ زندگی کا آخری واقعہ ہے۔ یہ مقام راجا جگت سنگھ والئ جے پور کی رانی (دختر راجا جودھپور) کی جاگیر میں تھا، پاس کے ایک ٹھاکر بھرت سنگھ نے اس پر قبضہ کر لیا، پھر وہ نواب کے خسر محمد ایاز خاں کے اہل وعیال کو گرفتار کر کے لے گیا اور انہیں مادھوراج پوری کے قلعے میں بند کر دیا۔ نواب نے قلعے کا محاصرہ کر لیا، لیکن تسخیر قلعہ کی دو کوششیں یکے بعد دیگرے ناکام رہیں۔

(۱) ''وقائع'' ص: ۲۵، ۲۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک مرتبہ یہ فیصلہ کیا کہ قلعے کی دیوار کا کچھ حصہ بارود سے اُڑا دیا جائے، دشمن اس طرف متوجہ ہو تو ایک دم ہر سمت سے اس پر حملہ بول دیا جائے۔ ابھی بارود اڑی نہ تھی کہ تو وارد پٹھانوں کے دستوں نے حملہ کر دیا، وہ غالباً ہندوستانی بولی نہیں سمجھتے تھے، اور بارود اڑانے سے پہلے ہی موقع پر پہنچ گئے۔ انہیں سخت نقصان پہنچا۔ دوسری مرتبہ توپیں لگا کر قلعے پر گولے برسائے گئے، یورش کا وقت آیا تو ساری فوج کو یورش کی دستک سے آگاہ نہ کیا جا سکا، اس وجہ سے یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔

محاصرہ ابھی جاری ہی تھا کہ انگریزوں سے صلح ہو گئی، جس کی تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔ غاصب ٹھاکر کے ساتھ گفت وشنید کے بعد محمد ایاز خاں کے اہل وعیال کو رہا کرایا گیا۔

اس محاصرے کے دوران میں ایک روز توپ کا ایک گولہ سید صاحب کے سینے کے محاذ میں اتنا قریب سے گذرا کہ اکثر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ گولہ آپ کو لگا ہے۔ جب آپ کو بالکل محفوظ دیکھا تو سب نے سمجھ لیا کہ آپ کو کوئی عمل یاد ہے، اس وجہ سے گولے یا گولیاں آپ کو کوئی مضرت نہیں پہنچا سکتیں۔ سید صاحب کو یہ خیال معلوم ہوا تو علی الاعلان فرمایا: مجھے کوئی عمل یاد نہیں، خدا نے محض اپنی قدرت اور فضل سے مجھے بچا لیا۔

اسی محاصرے میں ایک مرتبہ حملہ ہوا تو ایک گولی آپ کو پنڈلی میں لگی، کئی روز کے بعد زخم اچھا ہوا۔

متفرق واقعات

لڑائیوں کے علاوہ متفرق واقعات بھی ملتے ہیں: مثلاً:

۱۔ ابتدا میں برابر دو مہینے تک آپ کو بخار آتا رہا۔

۲۔ عام لشکریوں کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ جو دعا فرماتے ہیں، وہ منظور ہو جاتی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے۔ چنانچہ اکثر ضرورت مند مشکل کے وقت میں آپ کے پاس پہنچ کر دعاء کے خواستگار ہوتے تھے۔

۳۔ ایک مرتبہ شیر گڑھ (ریاست کوٹہ) سے آتے ہوئے دریائے چنبل پر پہنچے۔ پایاب گھاٹ سے لشکریوں نے گذرنا شروع کیا تو ایک دم سیل آ گیا اور لشکریوں کا اسباب بہنے لگا۔ جو لوگ وسط دریا میں پہنچ چکے تھے وہ بڑی مشکل سے بیچ کی چٹانوں پر چڑھ کر بچے، سید صاحب نے اس موقع پر بھی دعاء کی، بہتا ہوا مال و اسباب خود نکالا، تھوڑی دیر میں دریا اُتر گیا تو سب لوگ دوسرے کنارے پر پہنچے۔

۴۔ نواب کے لشکریوں کے پاس پیسے کی کمی نہ تھی، لیکن چونکہ وہ عموماً صحرائی علاقے میں پھرتے رہتے تھے اس وجہ سے اجناس خوردنی بہت کم ملتی تھیں۔ سید صاحب نے ایسے مواقع پر کئی مرتبہ کشائش رزق کے لئے دعائیں کیں، بعض مقامات پر پانی نہیں ملتا تھا، سید صاحب پہلے بارگاہِ باری تعالیٰ میں دعاء کرتے، پھر خود کنوئیں کھودنے کے لئے جگہیں تجویز فرماتے، ان کنوؤں سے میٹھا پانی نکلتا۔

۵۔ ایک مرتبہ مارواڑ میں چلتے چلتے ایک ایسی بستی میں پہنچے، جہاں موٹھ اور باجرے کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور دونوں جنسیں نکا گھڑی کے بھاؤ سے بکتی تھیں۔ سید صاحب نے اپنے ایک ساتھی عبد الرزاق نگرامی سے فرمایا کہ آٹھ دس روپے بھنا لو اور جتنا غلہ مل سکے خرید کر رکھ لو۔ وہ بولے کہ ہم کوچ میں ہیں، یہ غلہ اٹھائیں گے کیوں کر اور اگر ٹھہرنا پڑا تو رکھیں گے کہاں؟ سید صاحب نے فرمایا کہ ریت میں گڑھے کھود لو موٹھ اور باجرا الگ الگ گڑھوں میں بھر دو، اتفاق سے اس جگہ ایک مہینہ ٹھہرنا پڑا۔ راوی کہتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں غلہ روپے کا دس سیر بکنے لگا، سید صاحب نے اعلان کر دیا کہ لشکر کے غریب لوگ ہمارے ہاں سے غلہ لے کر خرچ کرتے جائیں، اس وجہ سے کسی غریب کو تکلیف نہ ہوئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۶۔ چونکہ تنگی وعسرت کے اوقات میں بھی سید صاحب یا آپ کے ساتھیوں کو کھانے پینے کی تکلیف کبھی نہ ہوئی، اس لئے بعض لوگوں کو گمان تھا کہ یا تو نواب پوشیدہ آپ کو روپے دیتا رہتا ہے یا آپ کے پاس کیمیا کا نسخہ ہے، یا دستِ غیب ہے۔(۱)

طریق اصلاح و ہدایت

سید صاحب کا اصل وظیفہ یہ تھا کہ خلقِ خدا کو راہِ حق کی دعوت دی جائے اور ان کے عقائد، اخلاق اور اعمال کو اسلامیت کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ راویوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کی وجہ سے لشکر کی عام حالت میں زبردست تغیر پیدا ہو گیا۔ فسق وفجور مٹ گیا، کتاب وسنت کی پیروی عام ہو گئی، آپ اصلاح کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جو لوگ مختلف ضرورتوں کے لئے دعاء کی غرض سے آپ کے پاس آتے تھے، ان سے دینی اور اخلاقی اصلاح کا اقرار لے کر دعاء فرماتے تھے۔ اس قسم کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ بادل خاں خانزادے کے ڈیرے میں ایک سپاہی کو نارو کی بیماری نے سخت پریشان کر رکھا تھا، آخر وہ آپ کے پاس پہنچا۔ فرمایا: پہلے برے کاموں سے توبہ کرو اور عہد کرلو کہ نماز باقاعدہ پڑھا کرو گے، پھر دعاء کروں گا۔ سپاہی نے اقرار کرلیا تو آپ نے دعاء فرمائی، خدا کے فضل سے اس کی تکلیف تھوڑے ہی دنوں میں جاتی رہی۔(۲)

۲۔ مدار بخش پنساری لشکر میں گھوڑوں کا مسالا بیچا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے عرض کیا کہ خرچ سے بہت تنگ رہتا ہوں، میرے لئے دعاء فرمایئے۔ فرمایا: پہلے اپنا نام بدل کر اللہ بخش رکھو، پانچوں وقت نماز پڑھا کرو، جھوٹ کبھی نہ بولو، جان بوجھ کر کسی سے

(۱) یہ تمام واقعات "وقائع" کی مختلف روایتوں سے ماخوذ ہیں، میں نے صفحات کے حوالے غیر ضروری تکلف سمجھ کر چھوڑ دیے۔
(۲) "وقائع" ص ۱۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دغا فریب نہ کرو، اور جنس ہمیشہ پوری تولا کرو۔ اس نے یہ ساری باتیں مان لیں تو دعاء فرمائی، خدا کے فضل سے دو ہی برس میں اس کا کاروبار اتنا بڑھ گیا کہ سات آدمی نوکر رکھ لئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ کشایش کے بعد اس نے اصرار کیا کہ سید صاحب یا ان کے رفیقوں کے ہاں جو مسالا جاتا ہے، اس کی قیمت نہ دی جائے۔ سید صاحب نے انکار فرمایا اور ساتھیوں کو بھی ہدایت کی کہ ایسی کوئی پیش کش قبول نہ کی جائے۔ (۱)

۳۔ نواب کے فیل بانوں میں سے شیخ محمد عبدالسمیع اور رمضان خاں نے تنگیٔ روزگار کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ ہاتھیوں کیلئے جو راتب مقرر ہے، اس میں رائی کے برابر بھی خیانت نہ ہونے پائے، یہ عہد کرلو تو خدا فضل کریگا۔ دونوں نے عہد کرلیا اور اسے پورے اہتمام سے نبھایا۔ تھوڑے ہی دنوں میں خدا نے انہیں خوش حال بنادیا۔ (۲)

نواب کے ساتھ تعلق

سید صاحب لشکر میں پہنچے تھے تو آپ کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں آپ بے حد ہردل عزیز ہوگئے تھے۔ نواب آپ کا بہت احترام کرتا تھا، تمام اہم معاملات میں مشورے لیتا اور آپ کے مشورے کو کبھی پس پشت نہ ڈالتا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ وہ غالباً ہر روز دربار میں جاتے تھے (۳) اس وجہ سے سمجھنا چاہئے کہ نواب کے مشیرانِ خاص میں شامل ہو گئے تھے۔

۲۔ جے پور کی جنگ کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے کہ نواب اہم موقعوں پر سید صاحب کو اپنے ساتھ رکھتا تھا، یہ قرب واعتماد کی ایک موثق دستاویز ہے۔

۳۔ نواب سے کوئی خاص بات منوانی ہوتی تھی تو لوگ سید صاحب سے استمداد

(۱) "وقائع" ص: ۱۴ (۲) وقائع ص: ۳۱ (۳) مثال کے لئے ملاحظہ ہو وقائع ص: ۱۳، ۱۸

کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نواب ایسی جگہ مقیم ہو گیا جہاں لشکریوں کو خورونوش کی چیزیں حاصل کرنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں، سید صاحب سے عرض کیا گیا کہ آپ نواب کو کوچ پر راضی کریں۔ آپ نے بے تکلف نواب سے مخلوق کی تکلیف بیان کر کے کوچ کا حکم صادر کرایا۔(۱)

۴۔ ایک مرتبہ بوندی کے دو کمان گر سولہ کمانیں، آٹھ لبادے اور بیس ترکش لے کر فروخت کی غرض سے لشکر میں آئے۔ چار آدمی ان کے ساتھ تھے۔ ہر چند کوششیں کی، لیکن کوئی چیز بک نہ سکی، آخر وہ لوگ سید صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ہماری حالت بہت نازک ہو چکی ہے، آپ نواب صاحب سے کہہ کر یہ چیزیں بکوا دیں۔ سید صاحب نے انہیں تسلی دی اور غالباً نواب سے بھی ذکر کیا، اس نے ساری چیزیں ایک ہزار میں خرید لیں اور پانسو روپے کمان گروں کو مد خرچ کے لئے دیئے۔(۲)

۵۔ جب نواب نے انگریزوں سے صلح کر لی تو سید صاحب الگ ہو گئے تھے، نواب سے آخری ملاقات صبح کو مسجد میں ہوئی۔ راوی کہتا ہے کہ نماز کے بعد نواب صاحب ''حضرت کا ہاتھ پکڑے میرے ڈیرے میں تشریف لائے۔''(۳)

ان شواہد سے صاف ظاہر ہے کہ سید صاحب نواب کے لشکر میں معمولی لشکری یا افسر نہ تھے، بلکہ نواب کے خاص مشیر اور صلاح کار تھے، اور نواب انہیں ایک عزیز دوست، حقیقی بہی خواہ اور حد درجہ معتمد علیہ رفیق سمجھتا تھا۔

مالی حالت

معلوم نہ ہو سکا کہ سید صاحب کے لئے نواب کے لشکر میں تنخواہ مقرر تھی، تو اس کی مقدار کیا تھی؟ لیکن یقین ہے کہ انہیں وقتاً فوقتاً خاصی بڑی رقمیں ملتی رہتی ہوں گی، اس

(۱) وقائع ص:۲۸ (۲) وقائع ص:۲۳،۳۳ (۳) وقائع ص:۳۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لئے کہ سید صاحب اچھے سروسامان کے مالک تھے، آپ کے پاس ایک یا زیادہ اونٹ تھے، اور خدا بخش آپ کا ساربان تھا۔(۱) آپ نے ایک موقع پر سات سو روپے کا گھوڑا مول لینا چاہا، مالک ساری رقم نقد مانگتا تھا، سید صاحب چھ مہینے کی مہلت چاہتے تھے، اس وجہ سے سودا نہ ہو سکا۔(۲) اس سے پیشتر ایک گھوڑا سمند، سیاہ زانو دو سو روپے کا خرید چکے تھے،(۳) اس کے لئے روزانہ آٹھ سیر دودھ کا راتب مقرر تھا، اور میر چاند علی ساکن مال پورہ آپ کا سائیس تھا۔(۴)

نواب فتح علی خاں، رستم علی خاں، غلام حیدر خاں اور فقیر محمد خاں (۵) آپ کے عزیز دوست تھے، اکثر اکٹھے سیر کو نکلتے۔ ایک موقع پر اچانک رانگڑوں کا ایک غول نمودار ہوا، لیکن دور ہی سے بندوقیں سر کرتا ہوا پلٹ گیا، نزدیک نہ آیا۔ فقیر محمد خاں جب شیر گڑھ سے وطن لوٹے تو اپنے ساتھ یتیم چھوکریاں بھی لائے تھے، سید صاحب نے بھی دو یتیم چھوکرے ان کے ساتھ کر دیے، جن میں سے ایک کا نام غلام غوث تھا اور دوسرے کا کریم بخش، اور کہا تھا کہ انہیں ہمارے بھائی سید اسحاق کے سپرد کر دینا۔(۶)

ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ سید صاحب کی مالی حالت خاصی اچھی ہوگی۔

رفیق

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ابتدا میں سید صاحب کے تین رفیق تھے، جن میں سے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے۔ ان کے علاوہ روایتوں میں مندرجہ ذیل اصحاب کے نام

(۱) وقائع ص:۱۳ (۲) وقائع ص:۱۶ (۳) وقائع ص:۱۶ (۴) وقائع ص:۱۷

(۵) وقائع ص:۱۷۔ غلام حیدر خاں غالباً وہی ہیں جو بعد میں مہاراجا گوالیار کے پاس ملازم ہو گئے تھے، ان کے نام سید صاحب کے خطوط بھی موجود ہیں۔ فقیر محمد خاں آفریدی بھی نواب امیر خاں سے الگ ہو کر لکھنؤ کی فوج میں اونچے عہدے پر مامور ہو گئے تھے۔ شاعر بھی تھے، گویا ان کا تخلص تھا۔ جوش ملیح آبادی ان کے پوتے ہیں۔ فقیر محمد خاں زندگی کے آخری سانس تک سید صاحب کے مخلص معتقد رہے۔

(۶) وقائع ص:۱۹

بہ طور رفیق آئے ہیں:

سید عبدالرزاق نگرامی، شیخ محمد عارف کرنالی، نصرت علی امروہہ والے، قادر بخش دکنی، نواب زادہ عثمان خاں گنج پوری، سید صاحب کے خادمِ خاص میاں دین محمد، یہ چھ آدمی جے پور کی جنگ میں ساتھ تھے، جب کہ سید صاحب نے نواب کے لشکر سے آگے بڑھ کر مانجی کے باغ پر حملہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ شیخ پیر علی آپ کے ڈیرے میں رہتے تھے۔ چونکہ ان کے پاس بہت بڑی ڈھال تھی، اس لئے وہ عام طور پر "سپر والے" مشہور تھے۔ سید ظہور احمد نگرامی (برادر عبدالرزاق) ہدایت علی، برکت علی، حاجی زین العابدین رام پوری، سید اللہ نور شاہ، مولوی محمد حسن اور شیخ محمد ناصر نصیر آبادی کے نام بھی بطور رفقاء مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک موقع پر آپ کے پاس کھانا کھانے والے چھتیس آدمی تھے۔(۱) نواب فتح علی خاں، رستم علی خاں، غلام حیدر خاں اور فقیر محمد خاں کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ریاضتیں

سید صاحب اس زمانے میں بھی بڑی شاقہ ریاضتیں کیا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسن کہتے ہیں کہ جہاں لشکر چار پانچ روز کے لئے ٹھہر جاتا، آپ کا معمول تھا، لوٹا، مصلٰی ایک چادر یا کھیس اور چمڑے کی چھ انگل چوڑی پٹی لے کر دور نکل جاتے، وضو کرتے اور سب سے الگ تھلگ ہو کر کسی درخت کے نیچے مصلٰی بچھاتے۔ پہلے نفل پڑھتے، پھر چمڑے کی پٹی سے زانو باندھ کر اور چادر یا کھیس اوڑھ کر متواتر چار گھڑی مراقب رہتے، آخر میں دعاء فرماتے۔

ساتھیوں اور عام لشکریوں کی خدمت گزاری کا اہتمام اس زمانے میں بھی بہت

(۱) وقائع ص: ۱۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زیادہ تھا۔ اپنے کپڑے خود دھوتے، جب دھونے کے لئے جاتے تو ساتھیوں کے کپڑے بھی زبردستی اٹھا لے جاتے اور انہیں دھولاتے۔

لطیفہ

آخر میں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ ایک دفعہ لشکر کے ایک پٹھان کا کچھ مال کسی نے چرالیا۔ اتفاق سے اسی روز سید صاحب، مولوی محمد حسن کے ہمراہ باہر پھر رہے تھے کہ پٹھان سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ وہ آپ کو جانتا نہ تھا، خدا جانے کس بناء پر اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوگیا کہ مال سید صاحب نے چرایا ہے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور سید صاحب کے ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: ''تم چور ہو''۔ سید صاحب نے کمال تحمل سے کام لیتے ہوئے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسے شنیع فعل سے محفوظ رکھا ہے، بھائی صاحب آپ کو خواہ مخواہ مجھ پر ایسا گمان ہوا ہے۔''

پٹھان نے بدستور اصرار کیا کہ نہیں! میرا مال تمہیں نے چرایا ہے۔ سید صاحب نرم الفاظ میں پٹھان کو سمجھاتے رہے، لیکن اس کا شبہ قوی تر ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس نے تلوار نکال کر کہا: ''میرا مال واپس دیدو ورنہ ابھی تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔'' مولوی محمد حسن فوراً لشکر کی طرف دوڑے کہ رفیقوں کو خبر کریں۔ وہاں سے سید ظہور احمد، نصرت علی، برکت علی، فقیر محمد خاں وغیرہ تلواریں لے کر آئے، پٹھان نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو اس کا رنگ فق ہوگیا۔ سید صاحب نے فرمایا: ''جا بھائی! کھیت میں چھپ جا۔ میں انہیں واپس لے جاؤں گا، تو نکل کر اپنے ڈیرے پر چلے جانا۔ میں نے تمہارا مال نہیں چرایا، تمہیں بے وجہ مجھ پر ایسا گمان ہوا۔''

ایک عجیب قصہ

سید محمد علی نے سید صاحب کی زبان سے قیامِ لشکر کے زمانے کے جو قصے سنے ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں سے ایک قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا خیمہ پنڈاروں کے قریب برپا ہوا، لوٹ مار پنڈاروں کا عام مشغلہ تھا۔ ان میں ایک بہت بوڑھا آدمی تھا، جس کی کمر کمان کی طرح جھک گئی تھی۔ بوڑھے کے سامنے دوپہر کا کھانا رکھا گیا، جس میں سبزیاں تھیں۔ سبزیاں کھاتے ہی اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: تمھیں یاد ہے کہ یہ سبزیاں کہاں سے آئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ دس بارہ کوس پر ایک گاؤں ہے، وہاں سے لائے ہیں۔ بوڑھا بولا: کھانا کھا کر کمریں باندھ لو، گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، دو تین بیل اور کلندر وغیرہ ساتھ لے لو۔ جس زمین کی سبزیاں تھیں، اسے دو تین جگہ سے کھود دو، وہاں خزانہ دبا ہوا ہے۔"

وہ لوگ گئے اور دوسرے دن یہ منظر دیکھا کہ پنڈاروں کے خیمے کے ارد گرد نفیس چیزوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور عورتیں خوشی سے گا رہی تھیں۔ سید صاحب نے بوڑھے سے پوچھا کہ آپ کو دولت کا پتہ کیوں کر چلا؟ بولا کہ ہم لوگ سبزیاں یا میوے چکھ کر زمین کے اندرونی حالات کا پتہ لگا لیتے ہیں، یہ علم ہمیں استادوں نے سکھایا ہے۔(۱)

---

(۱) مخزن احمدی، ص: ۳۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

نواب امیر خاں سے علیحدگی

امیر خاں کی حالت

نواب امیر خاں لا ریب بڑا بہادر اور جواں مرد تھا، لیکن یہ حقیقت تسلیم کر لینا چاہئے کہ کام کے بہترین مواقع حاصل ہونے کے باوجود اپنی کاروانی اور سپاہ کی کثرت سے کوئی ایسا نتیجہ پیدا نہ کر سکا، جو تاریخ میں اس کے لئے دائمی عزت وعظمت کی یادگار بن سکتا۔ اس کی ساری طاقت اور پورے اوقات صرف معمولی وقتی فوائد کے لئے وقف رہے، کبھی ایک رئیس کو دبایا، کبھی دوسرے کو جا دبوچا، جس نے پیسے دے کر فوجی مدد مانگی، اس کی اعانت ویاوری کے لئے نکل پڑا۔ پھر کشادہ دلی کا یہ عالم تھا کہ جو روپیہ ہاتھ آتا، بے تکلف خرچ کر ڈالتا، بعض اوقات مہینوں تک سپاہ کو تنخواہ نہ ملتی، لوگ تنگ آجاتے تو مخالفت کے ہنگامے بپا کر دیتے، مجبور ہو کر نواب اٹھتا اور کسی نئے خزانے کا دروازہ کھولنے کا عزم کر لیتا۔

انگریزوں کا دائرۂ اثر آہستہ آہستہ باقاعدگی کے ساتھ پھیل رہا تھا، ہندوستانی رئیس یکے بعد دیگرے ان سے مل رہے تھے۔ اہل بصیرت کو صاف نظر آ رہا تھا کہ نواب کی سرگرمیوں کے لئے فضا لحظہ بہ لحظہ تنگ ہوتی جا رہی ہے، خود نواب کے اپنے آدمیوں کو بھی احساس ہونے لگا تھا کہ یہ حالات زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتے اور بعض کی نگاہیں انگریزوں کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جودھپور کا ایک واقعہ

''وقائع'' میں ہے کہ جودھپور کی رانی، ولی عہد اور بعض ٹھاکروں نے خفیہ خفیہ نواب کو بلایا اور کہا کہ راجا مان سنگھ، اندوراج وزیر اور اپنے گرو دیوناتھ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے، اس مصیبت سے ہمیں نجات دلائیے۔ نواب نے اپنے بعض آدمیوں کو کہا کہ اندوراج اور دیوناتھ کو قتل کر دو گے تو تین لاکھ روپے انعام دوں گا۔ یہ کام آدمیوں نے پورا کر دیا تو نواب نے ایک لاکھ روپیہ دیا اور کہا کہ باقی دو لاکھ اس وقت دوں گا جب کہیں سے فتوح حاصل ہوگی۔

انہوں نے کسی طور نہ مانا اور نہایت تنگ کیا کہ ہم تو ابھی لیں گے، اگر نہ دو گے تو ہم آپ کو پکڑ کر معاً انگریزوں کے سپرد کر دیں گے۔ یہ گفتار ناہموار نواب نامدار، دولت مدار کو نہایت ناگوار معلوم ہوئی، ان غداروں نابکاروں کو بہت سخت سست کہا کہ بڑے نمک حرام و بے وفا ہو، میرے ہی سبب سے تم سب یہ عیش و آرام کر رہے ہو، میرے ایسے بدخواہ و ناسپاس ہو کہ انگریزوں کو پکڑا دو گے؟ خیر تم سے خدا سمجھے، انشاء اللہ تعالیٰ میری پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی، مگر تم کو بھیک مانگے نہیں ملے گی۔ (۱)

اس قسم کے واقعات نے بھی نواب کی آنکھ نہ کھولی اور وہ کوتاہ اندیشانہ اطوار پر قائم رہا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ سید صاحب نے اسے اہم قومی اور اسلامی راہ پر لگانے کے لئے کیا کیا کوششیں کیں، اس لئے کہ ہمارے سامنے حالات کا تفصیلی نقشہ موجود نہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ سید صاحب کی وجہ سے نواب کے لشکر کی فضا دینی ہو گئی تھی۔ آپ نے نواب کی آزادیٔ عمل کو محفوظ رکھنے میں بھی کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا ہوگا، اور جب تک وہ آزاد رہا، اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یقیناً اس لئے نہ چھوڑا کہ اس سے کام لینے کی خوشگوار

(۱) وقائع ص: ۲۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امید باقی ہوگی، لیکن جونہی اس نے انگریزوں سے ربط ضبط پیدا کیا، سید صاحب الگ ہو گئے، اس لئے کہ جس غرض سے انہوں نے نواب کی رفاقت اختیار کی تھی، اس کے پورا ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔

وسطِ ہند کی حالت

وسطِ ہند میں اس وقت بڑی ابتری پھیلی ہوئی تھی، راستے مخدوش تھے، لوگوں کے گھر غیر محفوظ تھے، آئے دن دیسی رئیسوں میں لڑائیاں چھڑی رہتی تھیں۔ ان کی وجہ سے عوام کے لئے اطمینان کی زندگی مفقود ہو چکی تھی، خصوصاً مرہٹہ سرداروں کی تو یہ حالت تھی کہ وہ لڑائی کیلئے نکلتے تو جس راستے سے گذرتے دیہات کے دیہات ویران کر ڈالتے۔ راجستھان کے تمام فرماں راؤں کے سلاسل نظم ونسق درہم برہم ہو چکے تھے، بدنظمی کا ایک بہت بڑا عنصر پنڈارے(۱) تھے، جنہوں نے بھاری لشکر جمع کر لئے تھے۔

(۱) پنڈارے مرہٹہ گردی کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئے۔ ان کی حیثیت بے قاعدہ لشکروں کی تھی۔ مرہٹوں کی قوت کا آغاز چونکہ لوٹ مار سے ہوا تھا، اس لئے پنڈاروں کو غارتگری میں کمال بہم پہنچانے کا بہت اچھا موقع مل گیا۔ ۱۷۹۴ء میں پنڈاروں کے دو بڑے سرداروں کو مادھوجی سندھیا نے وادی نربدا میں جاگیریں دے دیں، یہ سردار فوت ہو گئے تو ان کے بیٹوں دوست محمد اور واصل محمد نے خاندان قیادت سنبھالی، پھر ایک سردار کریم خاں نامی نے بہت قوت جمع کر لی، وہ ہلکر سے مل کر کام کرتا رہا، اور ۱۸۰۶ء میں گیارہ پرگنوں کا مالک ہو گیا تھا، جن کی آمدنی پندرہ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ سندھیا نے اسے نواب کا خطاب دیا، وہ عام طور پر سندھیا شاہی کے لقب سے معروف تھا، اس نے بھوپال کے بھی کچھ علاقے چھین لئے تھے، دولت راؤ سندھیا نے کسی بات پر بگڑ کر اسے قید کر دیا، چنانچہ وہ پانچ برس گوالیار میں اسیر رہا، اس زمانے میں چیتو نے بہت رسوخ پیدا کر لیا، دوست محمد اور واصل محمد کی پارٹیاں بھی چیتو کے ساتھ مل گئیں۔
کریم خاں نے چھ لاکھ روپے دے کر قید سے مخلصی حاصل کی، انگریزوں نے راجستھان کے رجواڑوں سے معاہدے کر لینے کے بعد پنڈاروں کے خلاف کارروائی شروع کی، ایک ایک کر کے سب سردار حوالگی قبول کرتے گئے۔ نامدار خاں نے ۱۸۱۳ء میں ہتھیار ڈالے، کریم خاں اور واصل محمد خاں گورکھپور اور غازی پور میں جاگیریں لے کر بیٹھ گئے۔ چیتو آخر تک مقابلے پر جما رہا، اس کے پاس پندرہ ہزار سوار تھے، مردانگی سے لڑا اور شکست کھا کر جنگل میں جا چھپا۔ ۱۸۱۷ء میں اسے شیر نے پھاڑ ڈالا، چیتو اصلاً میواتی تھا اور بڑا غیور مسلمان تھا، .... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزوں نے جب ان کے خلاف اقدام کا فیصلہ کیا تو یہ بھی طے کر لیا کہ وسط ہند کی تمام قوتوں کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ چنانچہ راجستھان کی ریاستوں میں سب سے پہلے جے پور سے گفت و شنید کا آغاز ہوا، یہ گفت و شنید خاصی دیر تک جاری رہی، جے پور کے ساتھ معاملہ طے ہوا تو جودھپور، اودے پور، کوٹہ، بوندی، کشن گڑھ، کرولی وغیرہ تمام ریاستیں یکے بعد دیگرے انگریزوں سے وابستہ ہو گئیں، بالآخر سندھیا نے بھی انگریزوں کی اعانت قبول کر لی۔

نواب امیر خاں کی مشکلات

نواب امیر خاں کو ان انگریزی تدبیروں کا علم نہ ہو سکا، یا سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی بہادری اور جوانمردی کے زعم میں ان کے نتائج کا اندازہ نہ کر سکا اور پوری بے پروائی سے اپنے اوضاع و اطوار پر قائم رہا۔ یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء کے اواخر میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ اس اثناء میں انگریزی فوج کی تین شاخوں نے تین مختلف راستوں سے وسط ہند میں پیش قدمی شروع کر دی۔ پیش قدمی کی اسکیم عجیب بنائی گئی۔ ایک طرف پنڈاروں، امیر خاں اور سندھیا کے درمیان انگریزی فوج اس طرح بیٹھ گئی کہ تینوں میں باہم گفت و شنید یا میل جول کا کوئی موقع نہ رہا۔ دوسری طرف ایک انگریزی جیش خود امیر خاں کی فوج کے دو حصوں کے درمیان حائل ہو گیا اور ان کے اتصال کا ہر رشتہ کاٹ ڈالا۔ ساتھ ساتھ

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ..... پنڈارے بھی ہندوستان کی آزادی کے بچاؤ کے لئے عظیم الشان خدمات انجام دے سکتے تھے، لیکن امیر خاں کی طرح گردو پیش کے مخصوص حالات نے انہیں اطمینان و دلجمعی سے مستقل مقصد کے لئے کام کی مہلت نہ دی۔ یہ قوت بھی پنڈارا سرداروں کی کوتاہ اندیشی اور آس پاس کے دیسی فرمانرواؤں کی غداری کے باعث ضائع ہو گئی۔ ہندوستانی تاریخ نگاروں کی بے خبری باعث تعجب ہے کہ وہ آج تک اس وقت کی حقیقی حیثیت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے۔ اس سے بھی عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ نواب امیر خاں کو بھی پنڈاروں ہی کے گروہ میں شامل کرتے رہے، حالانکہ اس مرحوم کو پنڈاروں سے اس کے سوا کوئی تعلق نہ تھا کہ ضرورت کے وقت پنڈارے اس کی پناہ لے لیتے تھے، اور وہ پناہ دے دیتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر خاں کے مختلف سرداروں کو لالچ دے کر انگریزوں نے توڑ لیا۔ چنانچہ انگریزی فوج کی پیش قدمی کے ساتھ ہی فیض اللہ بنگش اپنا رسالہ لے کر انگریزوں سے مل گیا، سخت اندیشہ پیدا ہو گیا کہ دوسرے سردار امیر خاں کو اچانک گرفتار کر کے انعام کی حرص میں انگریزوں کے حوالے نہ کر دیں۔

یہ حالات بروئے کار آ چکے تو انگریزوں نے امیر خاں سے مصالحت کی بات چیت شروع کی اور دہلی سے مٹکاف صاحب نے منشی نرنجن لال کو عہد نامے کا مسودہ دے کر نواب کے پاس بھیج دیا۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، نواب اس وقت مادھو راج پوری کا محاصرہ کیے بیٹھا تھا۔

عہد نامہ

نواب نے مجبور ہو کر اپنے معتمد علیہ سفیر داتا رام کو، جو جے پور میں تھا، لکھا کہ انگریزوں سے گفتگو کر کے صلح نامہ مرتب کر لے۔ چنانچہ جو شرطیں طے ہوئیں ان میں سے قابل ذکر یہ تھیں۔

۱۔ ہلکر نے نواب کو جو علاقے دیے تھے، وہ سب اس کے قبضے میں رہیں گے، انہیں علاقوں کے اشتمال سے ریاست ٹونک صورت پذیر ہوئی۔

۲۔ ساری فوج منتشر کر دی جائے گی اور صرف اتنے آدمی باقی رکھے جائیں گے جو علاقوں کے انتظام کیلئے ضروری متصور ہوں گے۔ انگریزوں نے ذمہ اٹھایا کہ زیادہ تر منتشر کردہ آدمیوں کو وہ اپنی فوج میں لے لیں گے۔

۳۔ توپ خانہ اور ساز و سامانِ جنگ انگریز مناسب معاوضے دے کر خرید لیں گے۔ یہ اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ قابلِ ذکر سامانِ حرب نواب کے پاس نہ رہے، اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ نواب کو فوج کی تنخواہ ادا کرنے کیلئے روپے کی ضرورت تھی اور تنخواہ ادا کیے بغیر فوج کو منتشر کرنا مشکل تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۴۔ نواب کسی علاقے پر حملہ نہ کرے گا، بلکہ پنڈاروں کو ختم کرنے میں انگریزوں کو مدد دے گا۔

توپوں اور دوسرے سامانِ حرب کیلئے انگریزوں نے پانچ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا اور دو لاکھ فوراً ادا کر دیے۔ چونکہ اس وقت تک یقین نہ تھا کہ نواب تمام شرطیں خوش دلی سے پوری کرے گا، اس لئے مطالبہ کیا گیا کہ ضمانت وکفالت کے طور پر وہ اپنے فرزند اکبر صاحبزادہ محمد وزیر خاں کو دہلی بھیج دے۔ جب معاہدہ مکمل ہو جائے اور انگریز مطمئن ہو جائیں کہ سب شرطیں پوری ہو جائیں گی تو بقیہ تین لاکھ روپیہ ادا کر دیا جائے گا۔

انگریزوں کی عیاری

نواب جتنا شجاع تھا اُتنا مدبر نہ تھا۔ وہ چاہتا تو راجپوتانہ میں ٹونک سے متصل خاصا بڑا علاقہ مانگ سکتا تھا اور حالات ایسے تھے کہ انگریز اسے زیادہ علاقہ دینے کے لئے بے تکلف تیار ہو سکتے تھے، مگر اس نے یہ عجیب مطالبہ کیا کہ ٹونک کے علاوہ یوپی میں پرگنہ سنبھل دے دیا جائے جو اس کا آبائی وطن تھا۔ حالانکہ وہ ذرا بھی غور وفکر سے کام لیتا تو سمجھ جاتا کہ سیکڑوں میل کے فاصلے پر دو منفک علاقوں کو زیر تصرف رکھنا غیر ممکن ہے۔ انگریزوں نے اس وقت صاف جواب نہ دیا، جب نواب ہاتھ پاؤں تڑوا کر بیٹھ گیا تو پہلے کہا کہ سنبھل کے بجائے پلول کا علاقہ لے لیا جائے، نواب اس پر بھی راضی ہو گیا۔ پھر انگریزوں نے کہا کہ اس کا انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گا، صرف مالیہ نواب کو ملتا رہے گا۔ آخر نواب ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ صاحبزادہ محمد وزیر خاں کے نام مقرر کر کے پلول سے بھی دست بردار ہو گیا۔

۹ر نومبر ۱۸۱۷ء کو نواب کے وکیل نے اصل معاہدے پر دستخط کر دیے۔ ۱۵ر نومبر کو گورنر جنرل نے اس کی تصدیق کر دی۔ ۹ر دسمبر کو نواب نے معاہدہ بعد تصدیق سرڈیوڈ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آکٹرلونی کے حوالے کر دیا، جسے وقت کی دیسی تاریخوں میں عموماً ''لونی اختر'' لکھا جاتا ہے اور جو کاملاً ہندوستانی تمدن اختیار کر چکا تھا، یہاں تک کہ شادی بھی ایک ہندوستانی عورت سے کر لی تھی۔

سید صاحب کی طرف سے مخالفت

صلح کی ساری بات چیت پس پردہ ہوئی، مادھوراج پوری کا محاصرہ جاری تھا کہ انگریزوں کی طرف سے ایک شتر سوار معاہدے کا آخری مسودہ لے کر نواب کے پاس پہنچا۔ نواب اسے دیکھتے ہی ڈیرے میں چلا گیا۔ اس وقت مشیرانِ خاص کو صورتِ حالات کا علم ہوا۔ اکثر کی رائے تھی کہ انگریزوں سے مصالحت کر لی جائے، سید صاحب نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی، نواب کو سمجھایا کہ آپ انگریزوں سے لڑیں، خدا آپ کے ساتھ ہے، اگر فتح ہوئی فھو المراد، اگر شہید ہوئے تو بھی بہت ہے، مگر انگریزوں سے ملنا اور مصالحت کرنا بہت برا ہے۔ نواب نے عذر پیش کیا کہ لشکر کا سامان درست نہیں، لوگ خود غرضی میں مبتلا ہو گئے ہیں، ان میں باہم اتفاق نہیں، اس وقت مصالحت ہی مناسب ہے۔ دس پندرہ لاکھ روپے انگریزوں سے لے کر لشکر کا سامان درست کریں گے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مصالحت کے بعد آپ سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔(۱)

نواب نے مصالحت کی تیاریاں شروع کر دیں، سید صاحب نے فرمایا کہ آپ انگریزوں سے ملتے ہیں تو میں رخصت ہوتا ہوں۔ نواب نے بہت روکا لیکن سید صاحب چند آدمی ساتھ لے کر اسی وقت لشکر سے نکلے اور جے پور چلے گئے۔ گویا ان کے نزدیک نواب سے تعلق صرف اس وقت تک بجا تھا، جب تک وہ آزاد تھا۔ انگریزوں کے زیر اثر آتے ہی اس میں اور دوسرے دیسی رئیسوں مثلاً نظام یا والیٔ اودھ میں اصلاً کوئی فرق

(۱) ''وقائع'' ص: ۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہیں رہا تھا۔ اس سے سورج کی طرح روشن ہے کہ سید صاحب کے سامنے اصل نصب العین یہ تھا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے تصرف سے پاک کریں اور یہاں خالص اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد رکھیں، وہ اسی غرض سے امیر خاں کے پاس پہنچے تھے۔ جب تک نواب آزاد رہا، اس کے ساتھ رہے جب وہ انگریزوں سے مل گیا تو الگ ہو گئے، اس لئے کہ آگ اور پانی یکجا نہیں رہ سکتے تھے۔

آخری کوشش

اس اثناء میں خبر گرم ہوئی کہ ڈیوڈ آکٹرلونی نواب سے ملنے کے لئے آ رہا ہے۔ سید صاحب نے اپنے خادمِ خاص میاں دین محمد سے کہہ دیا کہ جب نواب انگریزوں کے پاس جائے تو تم ہمارے پاس چلے آنا۔ آکٹرلونی کے پہنچنے سے پہلے سید صاحب اچانک آدھی رات کے وقت لشکر میں پہنچ گئے۔ اسی وقت نواب کو اطلاع ہوئی، صبح کی نماز کے لئے وہ مسجد میں گیا بعد نماز سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر باتیں کرتا ہوا باہر نکلا۔ اس موقع پر سید صاحب نے پھر کہا کہ نواب صاحب! میں آخری مرتبہ سمجھانے کے لئے آیا ہوں، ابھی کچھ نہیں گیا، اختیار باقی ہے:

> اگر میرا کہنا مانو تو ان انگریزوں سے لڑو اور ہرگز نہ ملو، بعد ملنے کے آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا، یہ کفار بڑے دغاباز و مکار ہیں، کچھ آپ کے واسطے جاگیر یا تنخواہ وغیرہ مقرر کر کے کہیں بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجئے، پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

نواب نے پھر وہی جواب دیا کہ اس وقت ملنا ہی مناسب ہے، میں لڑ کر عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔ سید صاحب نے کہا کہ خیر! آپ مختار ہیں، میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ دین محمد سے کہا کہ میں آگے چلتا ہوں، تم میرے پیچھے چلے آنا۔

جب نواب اور ڈیوڈ آکٹرلونی موضع رانول میں باہم ملاقات کر چکے تو دین محمد نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جے پور پہنچ کر سارے حالات سنائے۔ سید صاحب پھر ایک روز لشکر میں گئے، جس کسی سے کچھ لینا دینا تھا، لیا دیا۔ نواب سے بھی ملے۔ راوی کہتا ہے:

حضور پرنور (نواب) بہت آبدیدہ ہوئے کہ حضرت (سید صاحب) جو کچھ تقدیر میں تھا، وہی ہوا۔ حکم الٰہی سے چارہ نہیں، اگر آپ دہلی کو جاتے ہیں تو صاحبزادہ محمد وزیر خاں کے ہمراہ جائیے۔ آپ نے قبول کیا۔(۱)

شاہ عبدالعزیز کو خط

کئی دن بعد سید صاحب نے شاہ عبدالعزیز کے نام خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

یہ خاکسار سراپا انکسار حضرت کی قدم بوسی میں عنقریب حاضر ہوتا ہے۔ یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا، نواب صاحب فرنگی سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔(۲)

نواب کے پاس اس وقت بھی خاصی فوج تھی۔ ''امیر نامہ'' کے بیان کے مطابق صرف جمشید خاں شیخاواٹی میں دس بارہ ہزار سوار اور پیادے لئے بیٹھا تھا، لیکن نواب کے عزم وہمت پر اچانک ایسا ضعف طاری ہوا کہ کچھ بھی نہ کرسکا۔ ہندوستان میں آزادی کا وہ آخری طاقتور شہباز تھا، لیکن خود ہی اپنے بازو نچوا کر انگریزوں کے جال میں پھنس گیا۔ محمد عمر خاں، محمد ایاز خاں اور راجا بہادر لال سنگھ کی فوجیں انگریزوں کی طرف منتقل کر دی گئیں، جمشید خاں نے مصلحت سے انکار کر دیا، کرنل سکنر نے اسے شکست دے کر حوالگی پر مجبور کیا۔

اپنوں کی افسانہ طرازیاں

یہ حقیقی حالات کا نقشہ تھا، لیکن اپنوں نے اس کا حلیہ بگاڑنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ

(۱) وقائع ص:۳۱ (۲) ''وقائع'' ص:۳۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھی۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ نواب امیر خاں انگریزوں سے لڑ رہے تھے، توپیں اور بندوقیں چل رہی تھیں، سید صاحب اپنے خیمے میں تھے آپ نے گھوڑا تیار کرایا اور اس پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے، جہاں انگریز سپہ سالار اپنے مصاحبوں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اسے ساتھ لے کر اپنے خیمے میں آئے۔ بات چیت کے بعد انگریز سالار نے عہد کیا کہ میں ابھی نواب کے مقابلے سے ہٹ جاتا ہوں اور سرکار انگریزی کو اس بات پر مجبور کروں گا کہ وہ نواب سے صلح کر لے، اس کے بعد نواب اور انگریزوں میں جنگ نہ ہوئی اور صلح کی بات چیت شروع ہوگئی۔ (۱)

اس افسانے کے لئے تاریخ وسوانح کے قلمی یا مطبوعہ ذخیرہ میں اب تک مجھے سرسری اشارہ تک نہ مل سکا اور نہ عقلِ سلیم کے نزدیک اس کا کوئی پہلو قابلِ قبول ہے۔ مرزا حیرت نے اس سے بھی عجیب تر افسانہ تراشا۔ فرماتے ہیں کہ سید صاحب نے:

۱۔ امیر خاں کی ملازمت میں ایک ناموری کا کام یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں میں صلح کرادی۔

۲۔ لارڈ ہسٹنگز (گورنر جنرل) سید احمد کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا، دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہسٹنگز اور سید احمد صاحب۔

۳۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا، اور یقین دلایا تھا کہ انگریزوں سے لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے برا نہیں تو تمہاری اولاد کے لئے سمِ قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ (۲)

کیا سید شہید کے عزیز ترین نصب العین کی اس سے بھی بڑی تحریف ہوسکتی ہے، جو مرزا حیرت نے کی؟ سید صاحب نواب کو انگریزوں کے ساتھ ملنے سے روکتے رہے اور لڑائی کی ترغیب دیتے رہے، جب نواب نہ رکا تو صرف اسی بناء پر آپ نے نواب سے

(۱) تواریخ عجیبہ ص: ۱۴، ۱۵ (۲) حیاتِ طیبہ ص: ۲۹۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تعلق منقطع کر لیا۔ لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ سید صاحب نے صلح کرائی اور بڑی مشکل سے نواب کو شیشے میں اتارا۔ عجیب امر یہ ہے کہ مسٹمنکز سے نواب کی کوئی ملاقات نہ ہوئی، وہ ڈیوڈ آکٹر لونی سے ملا اور سید صاحب اس ملاقات کے وقت لشکر سے کوسوں دور بیٹھے تھے۔

انگریزی چالیں

انگریزوں نے سید صاحب کے کارناموں کو غلط بیانیوں کے گرد و غبار میں چھپانے کے لئے عجیب و غریب ہتھکنڈے اختیار کئے۔ ایک طرف سید کے ساتھ محبت و ارادت کے دعویداروں سے یہ پروپیگنڈا کرایا کہ وہ (سید صاحب) انگریزوں کے دوست اور محب تھے، اس طرح اس پاک نفس وجود کے داعیۂ جہاد کی آبرو مٹائی۔ پھر دوسرے لوگوں کو ابھارا کہ وہ سید کی تحریک اصلاحِ عقائد و اعمال کو بے سرو پا مطاعن کا ہدف بنائیں، اس طرح اس شہید کے کارنامۂ حیات کو ہر پہلو سے ملیامیٹ کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دشمنوں کے ہاتھوں کسی کا سرمشق مظلومیت بننا قطعاً تعجب انگیز نہیں، لیکن سید احمد شہید عالمِ انسانیت کے ان یگانہ مظلوموں میں سے ہیں جنہیں دوستوں اور محبوں نے دشمنوں سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم ان کے برابر نشانۂ بیداد بنانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

تاریخ مراجعت

اب صرف ایک معاملہ باقی رہ گیا اور وہ یہ کہ سید صاحب کب نواب سے رخصت ہو کر دہلی پہنچے؟ یہ معلوم ہے کہ انگریزوں کے ساتھ معاہدے کی تصدیق کے وقت سید صاحب راجستھان ہی میں تھے، اور نواب کی فرمائش پر صاحبزادہ محمد وزیر خاں کے ہمراہ دہلی آئے تھے۔ "منظورہ" میں ہے کہ صاحبزادہ محمد وزیر خاں دہلی پہنچے تھے تو گرمی کا موسم تھا، اغلب ہے وہ مئی یا جون ۱۸۱۸ء میں آئے ہوں (رجب یا شعبان ۱۲۳۳ھ)، یہی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کی تاریخ مراجعت ہے۔

صاحبزادہ صاحب کو حوض قاضی کے پاس بلند بیگ خاں کی حویلی میں اتارا گیا تھا، سید صاحب اجمیری دروازہ کے باہر سرائے میں ٹھہر گئے۔ اگلے روز شاہ عبدالعزیز سے ملنے گئے تو پچیس روپے بہ طور نذر پیش کیے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ مسجد اکبر آبادی میں اُترو، چنانچہ شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحیؒ، حافظ قطب الدین، شاہ محمد یعقوب، مولوی محمد یوسف پھلتی، مولوی وحید الدین اور کئی اور صاحبوں کو حکم دیا کہ سید صاحب کا سامان سرائے سے اُٹھا کر مسجد اکبر آبادی میں پہنچادیں۔ سید صاحب مسجد میں پہنچے تو پہلے دو رکعت نماز نفل ادا کی، پھر صحن میں آکر بیٹھے اور پانچ حجرے اپنے قیام کے لئے پسند فرمائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے رفیقوں میں اور بھی آدمی ہوں گے، آپ کے استاد شاہ عبدالقادر کئی برس پہلے واصل بحق ہو چکے تھے اور ان کی جگہ شاہ رفیع الدین مسجد میں درس دیتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

دعوتِ اصلاح کا آغاز

دہلی میں تشریف آوری

سید صاحب نواب امیر خاں سے الگ ہو کر تیسری مرتبہ دہلی میں وارد ہوئے تو ان کی خداداد صلاحیتیں کمال پر پہنچ چکی تھیں اور ذکر و سلوک کی ان تمام منزلوں سے گذر چکے تھے، جو اس مشرب کے اکابر کے لئے مخصوص سمجھی جاتی تھیں۔ ان کی ریاضتیں اور مجاہدے اس عہد میں بھی تعجب کی حد تک نادر و یگانہ تھے، جب کہ ان مشاغل کو رواجِ عام حاصل تھا۔ عمر کے عشرۂ چہارم میں تھے، جب انسان کے قویٰ بلوغ کی آخری حد پر پہنچ جاتے ہیں۔ سات آٹھ برس تک اس لشکر گاہ میں ایک ذمہ دار مشیر کے طور پر کام کر چکے تھے، جو اپنے وقت میں سیاسیاتِ ہند کا ایک ممتاز مرکز تھی اور جہاں بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ ہو سکتا تھا کہ ملک کے مستقبل کی تقدیر کس نہج و طریق پر جا رہی ہے۔

اسلام و شریعت کی محبت سے ان کے وجود کا رگ و ریشہ خلقاً معمور تھا، یہ بھی جان چکے تھے کہ ملک جس خوفناک انقلابِ احوال سے دوچار ہے، اگر اس کا رُخ بدلنے میں پوری طاقت و قوت سے کام نہ لیا گیا تو نہ مسلمانوں کی سیاسی برتری کے باقیات سلامت رہ سکیں گے اور نہ احیاء و تجدیدِ دین کے لئے کوئی قابلِ ذکر کام ہو سکے گا۔ وقت کے بعض عظیم المنزلت افراد سے بھی ان کے گہرے تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔

شاہ عبدالعزیز کا خواب

ایک روایت ہے کہ سید صاحب کے پہنچنے سے ایک ہفتہ پہلے شاہ عبدالعزیز نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک خواب دیکھا، جس کا مفاد یہ تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دہلی کی جامع مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ بے شمار خلقت ہر گوشے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار فرحت آثار کے لئے اُمڈی چلی آ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے شاہ صاحب کو دست بوسی کی سعادت سے شرف بخشا، پھر ایک عصا مرحمت کیا اور فرمایا: تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ جا، ہر کسی کا حال ہمیں سنا۔ جس کیلئے ہمارے ہاں سے حاضری کی اجازت ملے، اُسے اندر آنے دے۔

شاہ عبد العزیزؒ بیدار ہوئے تو اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے شاہ غلام علیؒ کے پاس خانقاہ میں پہنچے۔ انہوں نے کہا: سبحان اللہ! یوسفِ وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے! شاہ صاحب بولے: میں اس خواب کی تعبیر آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب کے سخت اصرار پر شاہ غلام علیؒ نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض وہدایت کا خاص سلسلہ آپ سے یا آپ کے کسی مرید سے جاری ہوگا۔ شاہ صاحبؒ بولے: میرے خیال میں بھی یہی تعبیر تھی۔ جب سید صاحب دہلی پہنچے تو شاہ صاحب کو یقین ہوگیا کہ جس سلسلۂ ہدایت کے اجرا کی بشارت خواب میں دی گئی تھی وہ خدا چاہے تو سید صاحب ہی ذریعے سے جاری ہو۔

آج کل مذاقِ فہم وفکر اس نوع کی بشارتوں کو بہ اذعانِ قلب قبول کرے یا نہ کرے، لیکن اس حقیقت سے کسی کو بھی غالباً اختلاف نہ ہوگا کہ جس سید کو قدرت نے اصلاح وتجدید کی عزیمت مندانہ دعوت کیلئے چنا تھا اس کی تمام صلاحیتیں بلوغ وپختگی کی آخری حد پر پہنچ چکی تھیں اور آغازِ کار میں توقف وانتظار کی کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی۔

اصلاح وتجدید کی اسکیم

سید صاحبؒ کا نصب العین اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بنایا جائے، جہاد فی سبیل اللہ کی اس روح کو زندہ کیا جائے جو قرنِ اول کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مسلمانوں کا طغرائے امتیاز (۱) تھی، اور ہندوستان میں خالص اسلامی حکومت کی بنیادیں استوار کی جائیں، جو آٹھ سو برس تک مسلمانوں کے زیرنگیں رہنے کے بعد تیزی سے اغیار کے قبضے میں جا رہا تھا۔ جب تک نواب امیر خاں آزاد رہا، سید صاحب نے اس کا دامن نہ چھوڑا، نواب نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا تو امید کا چراغ بھی گل ہو گیا اور سید صاحب کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ نصب العین کی خاطر تنظیم کا مستقل بندوبست کریں۔ مجھے یقین ہے کہ دہلی پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنے ذہن میں ایک نقشۂ تنظیم بنا چکے تھے، جسے جامۂ عمل پہنانے کی غرض سے وہ دہلی میں ٹھہر گئے اور ایک برس تک وطن کا رُخ نہ کیا، اسی سلسلے میں انہوں نے میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور وغیرہ کا دورہ کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے سوچے ہوئے نظام کی کامیابی کے امکانات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر لیں، پھر جہاں جائیں، اسی کے لئے اپنی زندگی کے گرانمایہ اوقات وقف رکھیں۔

وہ نہ کسی خطے کے رئیس تھے نہ ذخائر زر کے مالک تھے۔ نواب امیر خاں نے جن حالات میں کام شروع کر کے بڑی جمعیت فراہم کر لی تھی، وہ بھی باقی نہیں رہے تھے، اس لئے کہ انگریز ہندوستان کے بڑے حصہ پر قابض ہو چکے تھے۔ سید صاحب کے پاس دینی حمیت، جذبہ احیائے اسلامیت اور روحانی دولت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہی قدوسی جوہر تھے جن کے بل پر انہوں نے ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

ایک طرف مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح پیش نظر رکھی، دوسری طرف ان کے سینوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی حرارت پیدا کی۔ مسلمان اگر سچا مسلمان ہو تو ناممکن ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کی حرارت کا بے پناہ آتش کدہ نہ بن جائے، ناممکن ہے کہ اس کے بدن کا ہر قطرۂ خون راہ خدا میں بہنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت نہ سمجھے، یہی طریقہ

(۱) یہی خصوصیت تھی جس کی طرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفۃ الرسولؐ اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا کہ جو قوم خدا کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے وہ ذلت و خواری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا جسے سید صاحب سے چند سال بعد قفقاز کے شہرۂ آفاق مجاہد شیخ شامل نے اختیار کیا اور غازیوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو ربع صدی تک روس کی جابر طاقت سے ٹکراتی رہی۔ یہی طریقہ تھا جسے سید صاحب سے چالیس برس بعد شیخ محمد احمد سوڈانی نے اپنے وطن میں اختیار کیا اور نہایت قلیل مدت میں بے روح سوڈانیوں کو منظم کر کے حمیت اسلام اور جوشِ آزادی کی راہ میں ایک بے پناہ قوت بنا دیا۔

آغازِ بیعت

سید صاحبؒ کو دہلی پہنچے ہوئے زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ بیعت و طریقت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں، اکابر میں سے سب سے پہلے مولوی محمد یوسف پھلتی نے بیعت کی، جو شاہ ولی اللہ کے برادر اکبر شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے، اور اس وجہ سے ولی للّٰہی خاندان میں محسوب تھے۔ بیعت کے وقت سے آخری سانس تک مولوی محمد یوسف، سید صاحب کے خاص رفیق، معتمد علیہ مشیر، خزینہ دار اور داروغۂ کل بنے رہے۔ سید صاحب سرحد میں سوات کا دورہ کر رہے تھے، جب اس بزرگ ہستی نے انتقال کیا اور ''قطب لشکر اسلام'' کا لقب پایا۔

مولانا احمد اللہ ناگپوری کا بیان ہے کہ مولانا عبدالحیٔ اور شاہ اسماعیل نے مولوی محمد یوسف سے کہا تھا، پہلے آپ بیعت کریں مراقبہ و توجہ میں جو انوار و برکات حاصل ہوں، ان کی تفصیل ہمیں بتائیں پھر ہم بیعت کریں گے۔ مولوی صاحب موصوف نے بیعت کے بعد عقیدت و ارادت کو اس بلندی پر پہنچا دیا کہ ان کا رتبہ مولانا عبدالحیٔ اور شاہ اسماعیل سے برابر فائق و برتر رہا۔(۱)

(۱) منظورہ ص: ۵۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا عبدالحیٔ کی بیعت

مولانا عبدالحیٔ کی بیعت کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز انہوں نے اسرارِ صلوٰۃ اور حضورِ قلب کے متعلق شاہ عبدالعزیز سے گفتگو کی، شاہ صاحب نے فرمایا کہ تصوف و اخلاق کی کتابوں میں ان امور کی تشریح موجود ہے۔ مثال کے طور پر ''احیاء العلوم'' کو دیکھ لینا چاہئے، لیکن مرشدِ کامل کے بغیر حصولِ مرام مشکل ہے۔ ساتھ ہی سید صاحب سے رجوع کا مشورہ دیا۔(۱)

مولانا عبدالحیٔ نے سید صاحب کے پاس پہنچ کر وہی سوال کیا، آپ نے جواب میں پوری کیفیت بتاتے ہوئے فرمایا:

> مولانا صاحب! حصول ایں مقصد بہ گفتگو راست نمی آید، ہمیں نماز است کہ در بدوِ نبوت سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) را حضرت جبرئیل امین بحکم رب العالمین برائے تعلیم آں امامت فرمودہ اند۔ بیا، برخیز و تحریمہ دو رکعت نماز بہ اقتدائم بربند۔ مولانا علیہ الرحمۃ حسب الماموربہ عمل آوردہ تحریمہ دو رکعت نماز بہ اقتدائے آں عالی جناب بربستند۔ دریں مقام اکثر آں عالی مقام (مولانا عبدالحیٔ) بیان مے فرمودہ کہ آنچہ درآں دو رکعت یافتہ ام ہیچ گاہ در عمر خود نیافتہ ام۔(۲)

ترجمہ: مولانا صاحب یہ مقصد گفتگو سے حاصل نہیں ہوسکتا، یہی

---

(۱) مخزن احمدی ص: ۳۳، ۳۵۔ ''مخزن'' میں شاہ عبدالعزیز کی جگہ شاہ عبدالقادر کا نام مرقوم ہے، جسے مصنف یا ناقل کی لغزشِ قلم سمجھنا چاہئے۔ شاہ عبدالقادر ۲۲؍ جمادی الثانی ۱۲۲۸ھ (جون ۱۸۱۳ء) کو فوت ہو چکے تھے۔ جب سید صاحب امیر خاں کے لشکر میں تھے، شاہ رفیع الدین نے سید صاحب کے دہلی پہنچنے سے تھوڑی مدت بعد ۵؍ شوال ۱۲۳۳ھ (۸؍ اگست ۱۸۱۸ء) کو بہ عارضۂ ہیضہ وبائی انتقال کیا، یقیناً یہ گفتگو شاہ عبدالعزیز سے ہوئی۔ یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہئے کہ شاہ عبدالعزیز مولانا عبدالحیٔ کے پھوپھا تھے، شاہ صاحب ہی نے مولانا کو پڑھایا تھا، پھر اپنی بچی سے شادی کر دی تھی۔ (۲) مخزن احمدی ص: ۳۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نماز ہے جو حضرت جبرئیل امین نے رب العالمین کے حکم سے خود امام بن کر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز نبوت میں پڑھائی تھی۔ اٹھیے اور دو رکعت نماز میرے پیچھے پڑھئے۔ مولانا نے حسب ارشاد سید صاحب کی اقتداء میں دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں، وہ عمر بھر مجھے نہ مل سکیں۔

مولانا کرامت علی صاحب جون پوری نے اس بارے میں مولانا عبدالحیٔ کا جو بیان اپنی کتاب "نور علی نور" میں نقل کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحیٔ نے سلوک الی اللہ کے لئے شاہ عبدالعزیز سے درخواست کی تو آپ نے شاہ غلام علی کے پاس بھیجا، مقصد حاصل نہ ہوا تو فرمایا سید صاحب کے پاس جاؤ، چند روز بعد سید صاحب، مولانا عبدالحیٔ اور مولانا شاہ اسماعیل مدرسے میں سوئے، آدھی رات سے کچھ قبل سید صاحب نے پکارا تو مولانا عبدالحیٔ فرماتے ہیں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ فرمایا: جایئے اس وقت اللہ کے لئے وضو کیجیے، دو تین قدم چلنے کے بعد روک کر بار بار تین مرتبہ فرمایا۔ پھر کہا کہ اللہ کے لئے نماز پڑھیے۔

مولانا کہتے ہیں، مشاہدۂ جلال میں اس طرح غرق ہوا کہ کچھ ہوش باقی نہ رہا، روتے روتے آنسوؤں سے داڑھی تر ہوگئی۔ دو رکعت پڑھ چکا تو خیال آیا کہ فاتحہ نہیں پڑھی، پھر نیت باندھ لی۔ غرض اس طرح بار بار کسی واجب کے ترک کا خیال آتا تو میں نیت باندھ لیتا، کم وبیش سو رکعتیں اسی طرح پڑھیں، پھر استغفار پڑھنے لگا۔ صبح کی نماز کے بعد مولانا اسماعیل سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

شاہ اسماعیل کی بیعت

مولانا عبدالحیٔ بعد نماز سید صاحب سے اجازت لے کر گھر پہنچے اور پوری کیفیت شاہ اسماعیل کو سنائی، شاہ صاحب نے یہ سنتے ہی مولانا کو ساتھ لیا اور سید صاحب کے پاس پہنچ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے۔ آپ نے شاہ صاحب کو بھی مولانا عبدالحئیؒ کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی۔ اسی دن سے دونوں نے سید صاحب کا دامن اس مضبوطی سے تھام لیا کہ پھر جیتے جی الگ نہ ہوئے۔ ''انوار العارفین'' کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی اکٹھے امتحان کی غرض سے سید صاحب کے پاس پہنچے تھے اور نماز میں حضورِ قلب کے متعلق سوال کیا تھا، سید صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا: آج رات میرے حجرے میں آکر میرے پیچھے دو رکعت نماز ادا کیجئے۔ چنانچہ دو رکعت نماز سید صاحب کے ساتھ پڑھ چکنے کے بعد دو رکعتوں کی نیت باندھ لی، سید صاحب کی صحبت اور حقانی توجہ کی برکت سے ساری رات استغراق میں گزار دی۔ بس اس وقت سے ایسے معتقد ہوئے کہ پھر ساتھ نہ چھوڑا۔(۱)

ان کے بعد شاہ اسحاق، شاہ یعقوب، حکیم مغیث الدین، مولانا وجیہ الدین، حافظ معین الدین اور ان کے فرزندوں نے بیعت کی۔ یہ سب لوگ خصوصاً مولانا عبدالحئی، شاہ اسماعیل اور شاہ اسحاق علم و فضل کے ستون مانے جاتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کے سوا شہرت اور درجے میں کوئی ان سے فائق نہ تھا، خود شاہ صاحب موصوف مولانا عبدالحئی کو ''شیخ الاسلام'' اور شاہ اسماعیل کو ''حجۃ الاسلام'' فرمایا کرتے تھے۔ شاہ اسماعیل بھتیجے اور شاہ اسحاق نواسے تھے، اکثر بہ طور تحدیث نعمت یہ آیت پڑھا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ(۲)

ہر تعریف اس خدائے پاک کیلئے ہے جس نے بڑھاپے کے عالم میں مجھے اسماعیل و اسحاق عطا کیے۔

شہرتِ عام

ان اکابر علم کی بیعت نے وقت کے اکثر اصحاب کی توجہ سید صاحب کی طرف

---

(۱) انوار العارفین ص: ۵۱۹

(۲) یہ آیت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک پر جاری ہوئی تھی، جنہیں خدا نے بڑھاپے میں پہلے حضرت اسماعیل پھر حضرت اسحاق عطا کیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پھیر دی۔ دہلی، پھلت، بڈھانہ اور آس پاس کے تمام اقطاع وبلاد کی فضا آپ کی شہرت سے معمور ہوگئی، دور دور سے لوگ بیعت کے لئے دہلی پہنچنے لگے، جہاں جہاں یہ صدا پہنچی کہ شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحئی اور شاہ اسحاق نے سید احمد کی بیعت کرلی، وہاں کے لوگوں میں طلب وشوق کی بے تابی پیدا ہوگئی۔

یہی زمانہ ہے جب مختلف مقامات سے دعوت نامے سید صاحب کے پاس پہنچنے لگے کہ سب لوگ حاضر خدمت نہیں ہوسکتے، لطفاً خود تشریف لایئے اور فیض توجہ سے مشرف فرمایئے۔ گویا دعوتِ اصلاح اور تنظیم جہاد کی جو اسکیم سید صاحب نے اپنے ذہن میں سوچ رکھی تھی، اس پر عمل کا سازگار وقت آگیا تھا، اسی لئے انہوں نے وطن جانا ملتوی کیا اور اصل کام میں لگ گئے۔ اگرچہ اقربا کی طرف سے تقاضوں پر تقاضے آرہے تھے کہ جلد وطن پہنچئے۔

مقامِ محبوبیت

شاہ اسماعیل فرماتے ہیں کہ مجھے بیعت کئے ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے تھے، ایک روز شاہ عبدالعزیز کی خدمتِ والا درجت میں حاضر ہوا۔

انہوں نے پوچھا کہ میاں! سید کے فیض صحبت سے جو نعمتیں حاصل ہوئیں، ان کی کیفیت بیان کرو۔ میں نے عرض کیا کہ سید عالی تبار کے رتبے کا اندازہ میرے لئے مشکل ہے، البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے آپ پر خاص احسان فرمایا، جس کا شکر واجب ہے۔ آپ کو دو علم عطا ہوئے تھے، علم ظاہر کے حامل شاہ عبدالقادر تھے، علم باطن کی وراثت سنبھالنے کیلئے خدا نے سید صاحب کو کھڑا کردیا۔ یہ سن کر شاہ عبدالعزیز نے اپنے بارے میں کلماتِ عجز کہے، پھر فرمایا:

میاں! یہ بات سمجھنے کے لائق ہے، بارگاہ احدیت کے محب بہت ہیں، محبوب کمیاب ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں نے عرض کیا کہ جناب رسالت مآب حبیب رب العالمین تھے۔

فرمایا: مرتبہ محبوبیت مرتبہ رسالت کی طرح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہو۔

میں نے عرض کیا: مثلاً محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی۔

فرمایا: محبوبیت کا مرتبہ سید عبدالقادر جیلانی پر بھی ختم نہیں ہوا، محب ہمیشہ بلا و محنت اور رنج و کلفت میں مبتلا رہتے ہیں، اسکے برعکس محبوبوں کو کوئی تکلیف نہیں دیتا، بلکہ ان کی راحت و آرام کو دل و جان سے پسند کیا جاتا ہے۔ رب العالمین کے محبوں کو اکثر سرگردانی و پریشانی لاحق رہتی ہے، لیکن محبوبانِ بارگاہِ اقدس دنیا میں البسہ فاخرہ، اطعمہ لذیذہ اور خدم و حشم سے ممتاز رہتے ہیں، اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ انعام پاتے ہیں۔

شاہ اسماعیل فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز نے سید صاحب کا نام تو نہ لیا، لیکن تمام اشارے بداہۃً آپ کی طرف تھے۔(۱)

''توجہ'' کی کیفیت

شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیز جب ''توجہ'' دیا کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مہین بوندوں کی پھوار پڑ رہی ہے۔ لیکن سید صاحب کی ''توجہ'' کا انداز لوہاروں کی دھونکنی جیسا تھا۔ مولانا خواجہ احمد نے شاہ یعقوب سے سنا کہ سید صاحب جب ''توجہ'' دیتے تھے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل سید صاحب کے قلبِ صافی سے مضامین معرفت سن رہا ہے۔(۲)

---

(۱) منظورہ ص ۱۷

(۲) منظورہ ص: ۱۷-۱۸۔ میں نے توجہ پر دو وین اس لئے لگائے کہ مقصود وہ توجہ ہے جو مصطلح تصوف ہے۔ ہمارے عہد میں یہ مشرب و مذاق بڑی حد تک ختم ہو چکا ہے، اس لئے شاید اس بیان سے عام قارئین محظوظ نہ ہو سکیں، لیکن سید صاحب کی سیرت میں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، اگرچہ نظیری کا مصرعہ بار بار زبان پر آ رہا ہے: ز شیوہ ہائے سمندر پتنگ را چہ خبر۔

غالباً اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ دہلی کے ایک شخص نے جو "صوفی" کے لقب سے مشہور تھا، سید صاحب کی مخالفت میں نمایاں درجہ حاصل کر لیا۔ بعض اصحاب نے اسے بہت سمجھایا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک روز رواجِ عام کے مطابق خواجہ حافظ کے دیوان سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا:

کجاست صوفیِ دجال چشم ملحد شکل　　بگو بسوز کہ مہدیِ دیں پناہ رسید

یہ شعر دیکھتے ہی "صوفی" اپنی روش پر سخت نادم ہوا اور اسی وقت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر لی۔(۱)

ملائے بخارا کی تربیت

انہیں دنوں میں بخارا سے ایک شخص تحصیلِ فیوضِ باطنی کی غرض سے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا، اسے "ملا بخاری" کہتے تھے۔ سید صاحب بھی شاہ صاحب کے پاس بیٹھے تھے، اگرچہ ذکر و شغل اور دعوتِ اصلاح وارشاد کے لئے وقف تھے، لیکن ظاہری وضع سپاہیوں کی سی تھی، یعنی کٹار اور پستول وغیرہ کمر میں لگے رہتے تھے۔ شاہ صاحب نے ملائے بخارا کو سید صاحب کے سپرد کیا، ملا معاً بولا: "حضرت! یہ مرد سپاہی صورت مجھے کیا تعلیم دے گا؟" ساتھ ہی سید صاحب سے سوال کیا: "آپ نے کون کون سی کتاب پڑھی ہے؟" سید صاحب تو چپ رہے، شاہ صاحب بولے: "بھائی ملا!" آپ کو اس بات سے کیا مطلب؟ یہ جان لیجئے کہ میرے پاس رہ کر بارہ برس میں جو کچھ حاصل کرو گے، وہ سید کے پاس رہ کر بارہ دن میں مل جائے گا۔"

ملا صاحب چپ چاپ اُٹھے اور سید صاحب کے قریب اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں جا ٹھہرے، جو مراد لے کر آئے تھے چند ہی دن میں حاصل ہو گئی۔ سید

(۱) وحیدانی نشتر ص: ۲۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب نے بعد میں کئی مرتبہ کہا کہ ہم نے ملا جیسا شائق طالب خدا نہیں دیکھا، ملا بھی کہا کرتا تھا کہ سید جیسا مرشد شفیق کہیں نہ پایا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے ملا کو قے شروع ہو گئی۔ سید صاحب نے فوراً مٹی کا برتن سامنے رکھ دیا۔ برتن بھر گیا تو اپنا دامن پھیلا دیا، نہ ملا کی خدمت چھوڑی، نہ مسجد کا فرش خراب ہونے دیا، نہ کسی اور صاحب کو اس خدمت میں شریک کیا۔ بعد تکمیل سلوک ملا نے وطن جانے کی اجازت چاہی تو ساتھ ہی کہا کہ آپ سے مفارقت قطعاً گوارا نہیں، لیکن کیا کروں بار بار یہی خیال آتا ہے کہ جو نعمت حاصل کر چکا ہوں اس سے اقربا اور اہل وطن کو بھی فائدہ پہنچاؤں۔ سید صاحب نے اسے ایک ٹوپی، کرتا اور پاجامہ دیا، نیز برکت کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا:

مسجد کی چھت کی صفائی

اکبر آبادی مسجد جب سے بنی تھی، اس کی چھت صاف نہیں ہوئی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ چھت سطح زمین سے بہت بلند تھی، اور اس کے اوپر چڑھنا سہل نہ تھا۔ سید صاحب نے ایک روز فیصلہ کر لیا کہ یہ کام بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ دو دو تین تین سیڑھیاں رسوں سے باندھ باندھ کر اوپر پہنچنے کا انتظام کیا۔ سب سے پہلے خود اوپر گئے، پھاوڑے سے کوڑا کرکٹ ڈھیریوں کی شکل میں جمع کیا، پھر ٹوکریوں میں بھر بھر کر نیچے ڈالتے رہے اور صبح سے تیسرے پہر تک چھت بالکل صاف کر دی۔

بھائی کی تشریف آوری

سید صاحب دہلی پہنچ کر اصلاح و تنظیم کے کام میں مصروف ہو گئے، اقربا وطن میں انتظار کرتے کرتے تھک چکے تو آپ کے بھائی سید اسحاق اس غرض سے دہلی آئے کہ آپ کو ساتھ لے جائیں۔ بچھڑے ہوئے کم و بیش دس برس گذر چکے تھے، سید اسحاق کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اس مدت میں سید صاحب کمال فضائل اور فضائل کمال کے کس بلند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

درجے پر پہنچ چکے ہیں۔ جب دہلی میں دیکھا کہ خلق خدا بھائی پر والہ وشیفتہ ہے، خصوصاً ولی اللّٰہی خاندان کے اکابر کی عقیدت کے مظاہر نظر سے گذرے تو حیران رہ گئے۔

سید صاحب بھائی کے آنے سے پیشتر میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور وغیرہ کے دورے کا انتظام کر چکے تھے، اور دورہ ختم کیے بغیر وطن جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ جس کام کو وہ اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد سمجھ کر شروع کر چکے تھے، وہ پہلے ہی مرحلے میں معلق رہ جائے، اس لئے ساتھ نہ جا سکے، لیکن وعدہ فرما لیا کہ دورے کے بعد آ جاؤں گا۔ سید اسحاق نے اپنے ساتھی محسن خاں کو اس خیال سے سید صاحب کے پاس چھوڑا کہ بعد اختتامِ دورہ انہیں اصرار سے وطن لائے اور خود واپس چلے گئے۔

انہیں یقین تھا کہ بھائی کے ساتھ رفقاء کی بڑی جماعت ہوگی اور ان کی مہمان داری کے انتظامات خاص اہتمام کے محتاج تھے۔ سید صاحب نے رخصت کے وقت ساٹھ روپے اور ایک کاٹھیاواڑی بچھیرا بھائی کی نذر کیا۔(۱)

سید اسحاق کا بیان

سید اسحاق دہلی سے لکھنؤ پہنچے تو وہاں خاندان کے کئی افراد بہ سلسلہ ملازمت موجود تھے، انہوں نے سید صاحب کا حال پوچھا۔ سید اسحاق نے فرمایا:

> آج سید احمد کو وہ رتبہ حاصل ہے کہ میں اسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا، اپنی عمر میں نہ میں نے اس رتبے کا آدمی دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عنایت بے غایت سے ایسا علم باطنی عطا فرمایا ہے کہ تمام علماء وفضلاء دہلی ان کی طرف رجوع ہیں اور ان کی تقریر کے آگے دم نہیں مار سکتے۔ ہم سے مولویوں کا تو کیا شمار کہ ان کے آگے بولیں اور لب چون وچرا کھولیں۔(۲)

یہ اس بزرگوار کی شہادت تھی جو اپنے عہد میں بلحاظ علم وفضل علم اللّٰہی خاندان کا ممتاز

(۱) وقائع ص:۴۴ (۲) وقائع ص:۴۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترین فرد تھا۔ اقربا نے سمجھا کہ بھائی، بھائی کی ستائش میں سخن طرازی کر رہا ہے، سید اسحاق یہ کیفیت چہروں سے بھانپ گئے تو فرمایا:

> ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں، حقیقت یوں ہی ہے، اگرچہ وہ آپ لوگوں کے فہم میں نہ آئے۔ سید احمد آئیں گے اور انہیں دیکھو گے تو جانو گے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ حرف بحرف درست ہے۔''

جماعت اور اس کے مصارف

بیعت شروع ہونے کے تھوڑے دن بعد سید صاحب کے پاس مخلصوں کی ایک جماعت فراہم ہوگئی۔ یہ لوگ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، ان کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام آپ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ یہ اس تنظیم کی ابتدا تھی جس کے لئے آپ اپنی زندگی وقف کر چکے تھے۔

آپ کے خادمِ خاص میاں دین محمد کہتے ہیں کہ جاڑے کا موسم آیا تو حکم ہوا کہ میرے لئے ایک سفید دگلا، دو سپید دوہریں، دو سرمئی میرزائیاں، ایک لبادہ، دو سرمئی پگڑیاں اور چار جوڑے کپڑے (یعنی کرتے اور پاجامے) بنوا دو، جو بیس تیس لوگ ہمارے ساتھ ہیں، ان کے لئے جڑاول تیار کراؤ۔ ان سے دریافت کر دیکھو، جو چاہے ایک ایک دگلا اور ایک ایک دوہر بنوا لے، جو چاہے ایک ایک میرزائی اور ایک ایک لحاف تیار کرا لے۔ اکثر اصحاب نے دوہریں اور دگلے بنوائے بعض نے میرزائیاں اور لحاف پسند کئے، ان چیزوں کی تیاری پر اسی روپے صرف ہوئے۔(۱)

میاں دین محمد اور میاں عبداللہ اس زمانے میں تمام انتظامات پوشش و خورش کے ذمہ دار تھے، روپیہ انہیں کے پاس جمع رہتا تھا۔ بعض اوقات سید صاحب کو قرض لینے کی بھی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ مثلاً ایک موقع پر آپ اپنے ایک دوست شاہ میر سے دو سو روپے قرض لائے۔(۲) پھر نذر کے روپے آئے تو رقم واپس کر دی۔

(۱) وقائع ص: ۴۵ (۲) وقائع ص: ۴۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

دوآبے کا دورہ اور مراجعتِ وطن

طلبی کے خطوط

جو لوگ بیعت کر چکے تھے، وہ جہاں جہاں گئے، سید صاحب کیلئے محبت وعقیدت کی عام حرارت پیدا ہوگئی۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ سب طالبانِ حق دہلی نہ پہنچ سکتے تھے، اس لئے طلبی کے خطوط آنے لگے۔ یہ خطوط زیادہ تر میرٹھ، مظفر نگر اور سہارن پور سے آئے تھے۔ سید صاحب نے شاہ اسماعیل کی وساطت سے خطوط شاہ عبد العزیز کی خدمت میں پہنچا دیئے اور پوچھا کہ کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ضرور جایئے رخصت کے وقت اپنا خاص لباس عنایت فرمایا، جو سفید رنگ کا تھا، صرف دستار سیاہ تھی۔ (۱)

اس طرح اس علاقے کے دورے کا فیصلہ ہوا جسے میں نے دوآبہ کہا۔ اس لئے گنگا اور جمنا کے مابین ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوآبے کے نام سے موسوم رہا۔ دورے میں سید صاحب کے پیش نظر دو مقصد رہے، اول مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح، دوم اس بات کا اندازہ کہ دعوت جہاد کی پذیرائی کے امکانات کا کیا حال ہے۔ اسی پر ان کے پورے نقشۂ عمل کی کامیابی کا انحصار تھا۔

دورے کی عام کیفیت

اس دورے میں کم وبیش چھ مہینے صرف ہوئے۔ (۲) جن مقامات پر سید صاحب

(۱) مخزن احمدی ص ۳۹　(۲) وقائع ص ۴۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے، ان میں سے معروف یہ ہیں: غازی الدین نگر (غازی آبادی) مرادنگر، میرٹھ، سردھنہ، کاندھلہ، بڑھانہ، پھلت، مظفر نگر، دیوبند، گنگوہ، نانوتہ(۱)، تھانہ بھون، رام پور، لوہاری، سہارنپور (۲)، انبیٹھہ، متعدد کم معروف اور چھوٹے چھوٹے مقامات کے نام بھی روایتوں میں آئے ہیں مثلاً: شکارپور، ایسوبی، دانحل، تولی، پاکلی، ایڑنی، کھروی، بسوالی، چولی، بھوپاڑی، شیخ پورہ، املیا، سوہری، لاکہ نور، جالکانہ، بھڑسور۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں، جنکے ناموں کی صحت کے بارے میں بھی یقین کیساتھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض روایتوں میں نگینہ اور شیرکوٹ کے نام بھی آئے ہیں۔ مجھے اب تک ان کی صحت میں تامل ہے۔

رُفقائے سفر

سید صاحب دہلی سے روانہ ہوئے تھے تو کم وبیش بیس آدمی تھے، بعض کے نام بھی مذکور ہیں، مثلاً: حافظ قطب الدین، شیخ ولی محمد، شیخ صلاح الدین، (تینوں پھلت کے) شادل خاں گنج پوری، حسن شاہ پنجابی، سید ظہور احمد نگرامی، شیخ پیر الہ آبادی، میاں عبداللہ، مولوی محمد حسن، پیر محمد حجام اور محسن خان (دونوں رائے بریلی کے)، میاں دین محمد جو سید صاحب کا خادم خاص تھا، ساتھ نہیں گیا تھا، بعد میں اسے پیغام بھیج کر بلایا گیا تھا۔ مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل دہلی سے سید سے پہلے بڑھانہ چلے گئے تھے، انہیں حکم ہوا تھا کہ بڑھانہ ہی میں انتظار کریں۔ مولوی محمد یوسف کو بھی غالباً براہ راست پھلت بھیج دیا گیا تھا۔

موسم

دورہ یقیناً سردیوں میں ہوا، میرے اندازے کے مطابق سید صاحب نومبر ۱۸۱۸ء میں دہلی سے نکلے اور مئی میں واپس ہوئے۔ پھر مئی کے اواخر میں رائے بریلی روانہ ہوگئے۔ دورے کے سلسلے میں جو روایتیں میری نظر سے گذریں، ان میں سے بعض میں شو

(۱) تذکرۃ الرشید ص:۲:۲۷۲　(۲) بولی کی مسجد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بنانے کا ذکر آیا ہے اور گروعموماً سردیوں ہی میں بنایا جاتا ہے۔ ''وقائع'' کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ سید صاحب محرم ۱۲۳۴ھ میں سہارنپور میں تھے، نیز پورے دورے کو دورۂ سہارنپور بتایا گیا ہے۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ سید صاحب محرم ۱۲۳۴ھ میں دورہ شروع کر چکے تھے، اور خاصی مدت مختلف مقامات میں گزار کر سہارنپور پہنچے۔

مختلف مقامات میں مدتِ قیام

میری معلومات کے مطابق مختلف مقامات میں قیام کی مدت یہ تھی۔

غازی آباد	پانچ دن
میرٹھ	پندرہ دن
بڑھانہ	بارہ دن
پھلت	سترہ دن
دیوبند	دس دن

اکثر مقامات میں ایک ایک دو دو راتیں ٹھہرے، سردھنہ میں تین دن رہے، سہارنپور میں بھی خاصی مدت گزاری۔

قابلِ ذکر واقعات

دورے کے قابلِ ذکر واقعات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ضعوملی سے نکلے اور جمنا کو عبور کر کے ایک منزل راستے میں کی۔ غازی آباد میں تقریباً دو سو آدمیوں نے استقبال کیا۔ پہلے دن صرف چار آدمیوں نے بیعت کی۔ حافظ عبداللہ امام مسجد، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ رمضان اور عبدالشکور خاں۔ پھر طلب گارانِ فیض کا اتنا ہجوم ہوا کہ سید صاحب کو پانچ روز تک ذرا سی دیر آرام کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ ہری رام کشمیری وہاں تحصیلدار تھا، وہ بھی عوام کے جوشِ عقیدت سے اس درجہ متاثر تھا کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نیازمندانہ حاضر ہوا اور شیرینی کے علاوہ کچھ رقم بھی بہ طور نذر پیش کی۔

۲۔ مراد نگر میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم تھانیدار تھے، وہ برقندازوں سمیت بیعت سے مشرف ہوئے۔

۳۔ میرٹھ کے قاضی احمد اللہ (ابن قاضی حیات بخش) پچاس آدمیوں کے ساتھ استقبال کے لئے کئی میل باہر پہنچے ہوئے تھے، اور چار روز سے اسی طرح انتظار کر رہے تھے۔ وہاں پہلے سے اکابر نے باری باری دعوتوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سید صاحب زیادہ دن نہ ٹھہریں گے تو بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بیعت کرنے والوں میں سے ممتاز اصحاب یہ تھے: داروغہ محمد ارحم، منشی محمدی انصاری بردوانی، مولوی محمد بخش (پندرہ متوسلین کے ساتھ) مولوی خدا بخش، قدن خان، صدر الدین اور ان کے بھائی کریم بخش روئی والے، محمد تقی قصاب، جو انگریزی فوجوں میں گوشت کا بڑا ٹھیکیدار تھا۔ بعض نے شرینی پارچہ جات اور نقد کے کئی کئی خوان نذر میں پیش کیے۔ سید صاحب میرٹھ سے چلے تو اکثر اصحاب زار زار رو رہے تھے، یہ دیکھ کر آپ بھی آبدیدہ ہو گئے۔

۴۔ سردھنہ میں پچیس آدمی پیشوائی کی غرض سے راستے پر کھڑے تھے، سید صاحب سرائے میں ٹھہرے، سینکڑوں نے بیعت کی، ممتاز اصحاب یہ تھے: شیخ بلند بخت دیوبندی، منشی خواجہ محمد حسن پوری، حافظ امان اللہ، چھجے خان، نصر اللہ، پیر خاں، داراب خاں، ان میں سے بعض نے سید صاحب کے زیر قیادت جہاد میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے۔ سپاہیوں نے دعوت طعام پر اصرار کیا تو فرمایا: اس پر منظور کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہوں پکایا جائے، انہوں نے مان لیا، فرمایا: جو کی روٹی اور ماش کی دال کھاؤں گا، ایسی دعوت میں امیر و غریب سب شریک ہو سکتے ہیں۔

بڑھانہ اور پھلت

طلب فیض کی بے تابیوں کا یہ حال تھا کہ جدھر سے گذر ہوتا آس پاس کے دیہات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے لوگ جوق در جوق راستے پر آ بیٹھتے اور انتہائی شوق و الحاح سے عرض کرتے کہ کم از کم ایک وقت کی دعوت قبول فرمالیں۔ سید صاحب دعائے خیر فرماتے اور عذر کر دیتے، بعض مقامات پر عذر سے کام نہ چلا اور مجبوراً تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے رکنا پڑا۔ بڑھانہ میں مولانا عبدالحیٔ کے ہاں قیام کیا، مولانا شاہ اسماعیل، مولوی محمد یوسف، مولوی وحید الدین، شیخ سعد الدین، شیخ علاؤالدین پہلے سے موجود تھے۔ میاں جی نظام الدین چشتی، شیخ محمد حسن اور دوسرے اکابر نے بھی دعوتیں کیں۔ لیکن زیادہ تر مولانا عبدالحیٔ ہی کے ہاں کھانا پکتا رہا، وہ ہر روز غایت درجہ تکلف کرتے۔ سید صاحب تکلف سے روکتے تو کہتے: حضرت! آپ کی معمولی سی آسائش کیلئے میرا گھر بھی بک جائے تو اسے سعادت سمجھوں گا۔ ان کے صاحبزادے عبدالقیوم کمسن تھے، مولانا نے ان سے بھی تیمن کے طور پر بیعت کرائی۔

پھلت میں سید صاحب شیخ ولی محمد کے مکان پر ٹھہرے۔ یہ مکان شیخ صاحب کے عم حقیقی کمال الدین کا تھا، جن سے شاہ اسماعیل کی ہمشیرہ بی بی رقیہ کا پہلا نکاح ہوا تھا۔ حافظ کمال الدین کے دادا شاہ اسماعیل کے حقیقی نانا تھے، جن اصحاب نے دعوتیں کیں ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں: شیخ ولی محمد کے والد شیخ محمد فضیل، شیخ غلام محمد، محمد عارف، حافظ غلام علی، حافظ معین الدین، حافظ احمد الدین، عبدالعلی، حافظ محمد عثمان (برادر مولوی محمد یوسف) - یہی ایک مقام ہے جہاں کے متعلق روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ سید صاحب روزانہ ورزش کرتے تھے، بعض روایتوں میں تیراندازی کی مشق کا بھی ذکر ہے۔ کیا ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ پھلت پہنچنے تک سید صاحب کو دعوت جہاد کی پذیرائی کے لئے فضا کی سازگاری کا اندازہ ہو چکا تھا، لہٰذا اصلاحِ عقائد اور تزکیہ باطن کے ساتھ ساتھ استعدادِ جہاد کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔

باقی مقامات

پھلت سے نکلے تو مظفر نگر ہوتے ہوئے دیوبند پہنچے، دیوبند ہی سے املیا گئے۔ ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقامات میں قاضی نجم الدین نے پندرہ آدمیوں کے ساتھ، سید مقبول، مولوی شمس الدین، قاضی عظیم اللہ، شیخ رجب علی، ان کے فرزند منور علی، حافظ عبد اللہ، ان کے بھائی نظام الدین اور کریم الدین، ان کے والد امام بخش، کرامت حسین، محمد ماہ، شیخ چاند، مولوی فرید الدین، مولوی بشیر اللہ، سید محمد حسین وغیرہ اصحاب نے بیعت کی۔ گنگوہ میں مکلے کی سرائے میں قیام فرمایا تھا۔(۱)

نانوتہ میں جامع مسجد میں ٹھہرے تھے۔ ایک ارادتمند کا بیان ہے، میری آنکھوں میں اب تک وہ منظر پھر رہا ہے کہ سید صاحب جامع مسجد کے وسطی در میں کھڑے ہیں، اپنی دستار اتار کر ایک سرا اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور باقی دستار کو دونوں جانب سے طالبانِ فیض نے تھام لیا ہے۔ دستار کی شکل کنکھجورے کی سی معلوم ہوتی تھی۔(۲) انبیٹھہ میں میاں صابر بخش سجادہ نشین شاہ ابو المعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی۔(۳)

سہارنپور میں سید صاحب مسجد بونی میں ٹھہرے تھے، یہیں شاہ عبد الرحیم ولایتی سے ملاقات ہوئی، وہ بڑے پیر مانے جاتے تھے، سید صاحب کو دیکھا تو خود بھی بیعت کی اور مریدوں کو بھی بیعت کا حکم دیا۔ فرمایا کرتے تھے، ہمیں نہ نماز پڑھنا آتی تھی، نہ روزہ رکھنا آتا تھا، سید صاحب کی برکت سے ہم دونوں کام سیکھ گئے۔(۴) اس مقام پر دوسرے اصحاب کے علاوہ قصاب اور نور باف بہ تعدادِ کثیر فیض یاب ہوئے، مولوی شاہ رمضان رڑکی والے بھی سہارنپور میں بیعت ہوئے تھے۔ وہ بھی مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر سرحد پہنچے تھے۔ سہارن پور کے تحصیلدار دھونکل سنگھ نے بھی سید صاحب کی دعوت کی تھی۔ کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخش اور ان کے صاحبزادے بیعت ہوئے، مولوی محمد زکریا

(۱) ارواح ثلاثہ ص:۱۰۹۔ ایک روایت ہے کہ مولانا محمد قاسم کے خسر میاں وجیہ الدین نے بھی سید صاحب کی دعوت کی تھی۔

(۲) ارواح ثلاثہ ص:۱۰۹ (۳) ارواح ثلاثہ ص:۱۰۸ (۴) ارواح ثلاثہ ص:۱۱۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ابن مولوی عبد الخالق ابن مولوی شمس الدین ''شریعت کے لٹھ'' کے مصنف کی حیثیت میں بہت مشہور ہیں، انہوں نے پہلے سید صاحب کی ہجو میں شعر کہے، پھر بیعت ہوئے۔ بیعت کرنے والوں میں ایک مولوی محمد حسین بھی تھے، جو قاضی علاؤ الدین بگھروی کے بھائی تھے اور ایک سو دس سال کی عمر پائی۔

دورے پر تبصرہ

دورے سے مراجعت کے سفر کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی، یہ دورہ بہ ظاہر پیروں اور پیرزادوں کا سا تھا۔ یعنی سید صاحب مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھرتے رہے، ہر مقام پر دعوتیں بھی ہوئیں، توبہ وارشاد کی بیعت بھی لی جاتی تھی، عام پیروں کی طرح حلقے بنا کر ''توجہ'' بھی دی جاتی تھی، لیکن بعض خصوصیات میں یہ دورہ عام پیرزادوں کے دورے سے بالکل مختلف تھا، مثلاً باقاعدہ وعظ کہے جاتے تھے، جن میں بدعات ومحدثات کے رد وازالہ پر بہت زور دیا جاتا تھا، اسلامی احکام کے فضائل ایسے انداز میں سنائے جاتے تھے کہ جو سنتا دل وجان سے انہیں قبول کر لیتا۔ ان رسموں کو پورے اہتمام سے ختم کیا جاتا تھا جو مدت تک غیر مسلموں کی صحبت میں رہنے کے باعث مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی تھیں۔ غیر اسلامی نام بھی بدل دیے گئے، مثلاً امام بخش کا نام بدل کر امام الدین رکھ دیا گیا، خود سید صاحب کی توجہ اس درجہ پر تاثیر تھی کہ اکثر لوگ ایک ہی مرتبہ آپ کے حلقے میں بیٹھ کر دینی شیفتگی کے پیکر بن گئے۔

غرض سید صاحب کے قدم جہاں جہاں پہنچے رحمت ایزدی کی بارش سے ارواح وقلوب کی بنجر زمینیں شاداب وسیر حاصل بن گئیں۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (شیخ الہند مولانا محمود حسن مرحوم کے والد ماجد) فرماتے تھے کہ سید صاحب جن قصبات میں تشریف لے گئے، وہاں اب تک خیر وبرکت ہے۔ گویا وہ ایک نور مستطیل تھے کہ جدھر گئے وہ پھیل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیا۔ایک اور بزرگ مولانا محمد حسین فرماتے ہیں جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے وہاں وہاں خیر و برکت کے آثار پائے جاتے ہیں۔(۱)

اصل مدعا

اصل مدعا بہر حال یہی تھا کہ اصلاحِ عقائد و اعمال کا پیغام پہنچایا جائے، ساتھ ساتھ یہ دیکھا جائے کہ مسلمان اس بڑے کام کے لئے کس حد تک مساعدت پر آمادہ ہیں جو بدو شعور سے سید صاحب کے قلب و روح میں ایمان کی طرح متمکن تھا، یعنی اغیار کے تسلط کو ختم کرنے کیلئے جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز اور حکومتِ اسلامیہ کی تاسیس۔ اس نقطۂ نگاہ سے بھی سید صاحب کا دورہ بہمہ وجوہ کامیاب رہا۔ اسی طریقے پر دعوتِ احیاءِ اسلامیت دیتے ہوئے وہ رائے بریلی پہنچے، پھر اسی رنگ میں انہوں نے الٰہ آباد، بنارس، کان پور، لکھنؤ وغیرہ کے اطراف میں دورے کئے، یہاں تک کہ فدا کارانِ اسلام کی ایک قدوسی جماعت تیار ہو گئی اور مستقل جہاد کا آغاز ہو گیا۔

بعض اصحاب سے معلوم ہوا کہ شاہ عبد العزیز نے دو آبے کے دورے سے پیشتر جگہ جگہ خط بھی لکھ دیے تھے، اور پیغام بھی بھیج دیے تھے کہ سید صاحب ہمارے آدمی ہیں، ان کی تواضع میں کوتاہی نہ ہو۔ یہ یقیناً درست ہوگا، اس لئے کہ دورہ شاہ عبد العزیز کے مشورے سے شروع ہوا تھا، لیکن مختلف مقامات پر خدمتِ دین اور شیفتگیٔ اسلامیت کا جو جذبۂ صادقہ پیدا ہوا وہ خدا کے فضل و کرم کے بعد صرف سید صاحب کی روحانی برکات اور دلبستگیٔ احیائے اسلامیت کا کرشمہ تھا۔ شاہ عبد العزیز کے خطوط و پیغام مختلف حلقوں میں شناسائی کا ذریعہ ضرور بن سکتے تھے لیکن دل افروز نتائج و ثمرات صرف سفارشوں سے پیدا نہیں ہوتے۔

---

(۱) یہ بیانات مولانا سید عبد الحئی بریلوی کی کتاب "ارمغانِ احباب" سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قصدِ وطن

دورہ ختم کر کے دہلی پہنچے تو وطن جانے کیلئے تیار ہو گئے، اقربا سے بچھڑے ہوئے دس برس گذر چکے تھے اور سید صاحب اپنے بھائی سے وعدہ کر چکے تھے کہ دورے سے واپس ہوتے ہی آ جاؤں گا۔ سید اسحاق عزیز بھائی کے ساتھیوں کے لئے مہمانداری کے انتظامات کر رہے تھے کہ اچانک بیمار ہوئے اور ۷ رجمادی الاخری ۱۲۳۴ھ (۳ راپریل ۱۸۱۹ء) کو رہگرائے عالم بقا ہو گئے۔ اس زمانے میں سید عبد الرحمٰن، ہمشیر زادۂ سید صاحب کے سوا اقربا میں سے گھر پر کوئی موجود نہ تھا۔ سید عبد الرحمٰن ہی نے کفن دفن کا انتظام کیا، سید صاحب کو اسلئے فوراً خبر نہ بھیجی گئی کہ سب کو پہلے سے ان کی آمد کا یقین تھا۔

دہلی سے روانگی کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، مہینہ یقیناً شعبان کا تھا۔(۱) ساتھ کم سے کم پچاس اور زیادہ سے زیادہ بہتر تہتر آدمی ہوں گے۔(۲) دریائے جمنا کو عبور کر کے آگے بڑھے تو پہلے سخت آندھی آئی پھر بارش شروع ہو گئی۔ ہندون ندی پر پہنچے تو اس میں سیل آ گیا۔ رات کی تاریکی میں عبور کو قرین احتیاط نہ سمجھا گیا، اس لئے رات ندی کے کنارے پر گزاری، دوسرے دن غازی آباد پہنچ کر مسجد میں اترے جس کا امام حافظ عبد اللہ، آپ کا مرید تھا۔

سید اسحاق کے انتقال کی خبر

رات کا کھانا ابھی کھایا نہیں تھا کہ رائے بریلی سے بھگوان نام ایک قاصد آ پہنچا۔

(۱) ایک روایت میں ہے کہ ہفتے کے دن روانہ ہوئے، ایک دن پہلے یعنی جمعہ کو شاہ اسماعیل کے ہاں کھانے کی دعوت تھی۔ سید صاحب دہلی سے رائے بریلی گئے تو زیادہ تر مقامات میں صرف ایک ایک رات ٹھہرے، غالباً رام پور میں زیادہ قیام کیا۔ پورے سفر میں بیس پچیس دن سے زیادہ مدت نہ لگی ہوگی، رمضان کے چاند کی رات رائے بریلی پہنچ گئے تھے۔ شعبان ۱۲۳۴ھ میں ہفتے کا دن ۴، ۱۱، ۱۸ اور ۲۵ کو تھا، مطلب یہ ہے وہ ۴ رشعبان (۲۹ رمئی ۱۸۱۹ء) کو روانہ ہوئے ہوں، میں اسی کو درست سمجھتا ہوں۔

(۲) مخزن احمدی: ہفتاد و دو کس، وقائع: کم یا زیادہ پچاس آدمی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کے ساتھ ایک خط تھا، سید صاحب نے لے کر تھوڑا سا پڑھا، پھر لپیٹ کر میر مبارک علی مصطفیٰ آبادی کو دے دیا اور تاکید فرمادی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ آپ کا چہرہ خط پڑھتے ہی متغیر ہو گیا تھا، جب کھانے سے بھی انکار کر دیا تو ارادت مندوں نے وجہ پوچھی، اس وقت بتایا کہ بھائی فوت ہو گئے۔ یہ سنتے ہی سب رونے لگے، اس لئے بھی کہ سید اسحاق، سید صاحب کے بھائی تھے، اس لئے بھی کہ بلند پایہ عالم اور نیک کردار بزرگ تھے۔ چونکہ دہلی میں تعلیم پائی تھی اس لئے شاہ ولی اللہ کے خاندان سے فیض یاب علم ہونے والے اکثر اصحاب کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ محسن خاں، جسے سید اسحاق دہلی سے جاتے وقت سید صاحب کے پاس چھوڑ گئے تھے، دہاڑیں مار مار کر رو دیا، سید صاحب نے کمال ضبط سے فرمایا: ''بھائی صبر کر، اللہ تعالیٰ انہیں بخشے'' آخر شاہ اسماعیل نے سید صاحب سے عرض کیا کہ جب تک آپ کھانا نہ کھائیں گے ساتھیوں میں سے بھی کوئی نہ کھائے گا۔ چنانچہ آدھی رات کے قریب آپ نے چند نوالے کھائے۔ (۱)

غازی آباد سے چلے تو ہاپوڑ، گڑھ مکتیشر، امروہہ اور مراد آباد ٹھہرتے ہوئے (۲) رام پور پہنچے اور حاجی زین العابدین کے مکان پر ٹھہرے، وہاں تین چار دن یا اس سے بھی زیادہ قیام فرمایا۔

طریقۂ محمدیہ

ہندوستان میں اس وقت تصوف کے تین ہی طریقے عام طور پر رائج تھے: قادری، چشتی اور نقشبندی۔ نقشبندی طریقے کا ایک سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

(۱) میرا خیال ہے کہ ابتداء میں قاصد اس لئے نہ بھیجا گیا کہ سب کو آپ کے آنے کا انتظار تھا، جب تقریباً دو مہینے انتظار میں گذر گئے تو اطلاع بھیجی گئی اور قاصد غازی آباد میں سید صاحب سے ملا۔

(۲) گڑھ مکتیشر کی مسجد میں اترے تھے، امروہہ اور مراد آباد میں سرائے میں ٹھہرے۔ ایک روایت کے مطابق مراد آباد میں ایک مجذوب سے بھی ملے تھے اور ایک دن شکار بھی کھیلا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے انتساب کے باعث طریقہ مجددیہ کہلاتا تھا۔ سید صاحب ان طریقوں کے علاوہ "طریقہ محمدیہ" میں بھی بیعت لیتے تھے۔ رام پور میں اس طریقے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: طریقہ محمدیہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام صرف رضائے رب العالمین کے لئے کیا جائے، مثلاً محنت کا مقصد یہ ہو کہ انسان حلال روزی کما کر خود بھی کھائے اور اہل وعیال کو بھی کھلائے۔ استراحت شب کا مدعا یہ ہو کہ انسان جوف لیل میں اٹھ کر نماز تہجد ادا کرے اور نماز فجر اول وقت پڑھے۔ کھانا اس لئے کھایا جائے کہ جسم میں بقدر ضرورت طاقت بحال رہے تاکہ انسان خدا کے احکام مستعدی سے بجالائے، نماز پڑھے، روزے رکھے، حج کے لئے جائے، ضرورت پڑے تو جہاد کے لئے تیار ہو۔ غرض چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے میں مقصود احکام خداوندی کی بجا آوری اور مرضات باری تعالیٰ کی پابندی کے سوا کچھ نہ ہو۔ بالفاظ دیگر ہر فرد آیت مبارکہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا عملی نمونہ بن جائے۔

رام پور میں اس مرتبہ جن اکابر نے بیعت کی، ان میں نواب احمد علی والیٔ رام پور بھی تھے۔

سکھوں کے ساتھ جہاد کا معاملہ

بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ رام پور میں افغانوں نے آپ کو مسلمانوں پر سکھوں کے ظلم وستم کی داستانیں سنائی تھیں اور یہ داستانیں سن کر آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کر لیا۔ یہ محض سوانح نگاروں کے تخیل کا کرشمہ ہے، سید صاحب اس سے بہت پہلے جہاد کا پختہ فیصلہ کر چکے تھے، اور اس کی غرض وغایت یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کریں۔ رام پور میں سکھوں کے ظلم کی کہانیاں ضرور سنی ہوں گی، لیکن جہاد کا فیصلہ ان کہانیوں کی سماعت پر مبنی نہ تھا۔ سید صاحب کے نزدیک جہاد کا پہلا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہدف انگریز تھے، جو ہندوستان کے بہت بڑے علاقہ پر قابض ہو چکے تھے، سکھوں سے بھی جہاد ضروری تھا، لیکن وہ انگریزوں سے پہلے نہ آتے تھے، ان سے آغازِ جہاد اس لئے ہوا کہ سید صاحب نے جو مرکز تجویز فرمایا تھا اس میں سکھ سب سے پیشتر سامنے آ گئے۔ اس مسئلے پر مفصل بحث ان ابواب میں ملے گی جن میں سید صاحب کے موقفِ جہاد کو واضح کیا گیا ہے۔

رائے بریلی میں

رام پور کے بعد ایک مقام راستے میں ہوا، پھر سید صاحب بانس بریلی پہنچ کر جامع مسجد میں ٹھہر گئے۔ بریلی کے نواب کو علم ہوا تو وہ باصرار اپنے مکان پر لے گیا اور مع متعلقین بیعت کی، دوسرے اصحاب بھی بیعت سے مشرف ہوئے، جن میں سے ایک حسینی مخنث تھا۔ سید صاحب نے اس کا نام ہدایت اللہ رکھا، یہ حج و جہاد میں ساتھ رہا، اکوڑے کی جنگ میں اس نے چھ سات دشمنوں کو برچھی سے مارا تھا، اس کا ایک اور بھائی امامی نام تھا، جو نابینا ہو گیا تھا، بعد کی منزلوں میں سے شاہ جہان پور میں قیام کا ذکر صاحب انوار العارفین نے مجملاً کیا ہے، وہاں اس زمانے میں خلیل شاہ نام ایک بزرگ تھے، صاحبِ "انوار العارفین" لکھتے ہیں:

> درآں زمانہ کہ جناب سید احمد از دہلی در شاہ جہاں پور تشریف بردند، مولوی اسمٰعیل وآنجناب (سید صاحب) برائے ملاقات ایشاں (خلیل احمد شاہ) آمدند۔

اس سلسلے میں سید صاحب کی صحبت کے اثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خاص و عام کے دل میں ایسی ہمت پیدا کر دی کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بھائی نے بھائی کو، بیٹے نے ماں باپ کو، باپ نے بیٹے اور بیٹی کو، شوہر نے بیوی کو چھوڑا، اور سب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آپ کے ساتھ ہو گئے۔

آگے کے مقامات کا پورا حال معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا معلوم ہے کہ جس شام کو رائے بریلی میں رمضان المبارک کا ہلال دیکھا گیا، اسی شام کو برکاتِ اسلامی کا یہ بدرِ منیر دس برس کے بعد وطنِ مالوف کی فضا میں جلوہ افروز ہوا۔ یعنی شعبان کی انتیسویں تاریخ اور جون ۱۸۱۹ء کی تیئیسویں تاریخ کو۔

(۱) محسن خاں نے اس کا نام رمضانی بتایا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارہواں باب:

رائے بریلی میں زندگی

چھبیس مہینے کی سرگرمیاں

رائے بریلی پہنچنے کے بعد سے حج کیلئے روانہ ہونے تک سید صاحب نے دو برس اور دو مہینے (شعبان ۱۲۳۴ھ کی آخری تاریخ سے شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ تک) اصلاحی اور تبلیغ سرگرمیوں میں گزارے، مثلاً:

۱۔ اطراف وجوانب میں دورے کیے۔

۲۔ ملت کے مختلف طبقوں اور افراد کی باہمی کشمکش کو مٹا کر ان کے درمیان محبت و یکجہتی کے تعلقات استوار کیے۔

۳۔ غیر مشروع معاشرتی رسوم اور بدعات ومحدثات کو مٹایا۔

۴۔ رفیقوں اور ارادت مندوں کو جہاد کے لئے تیاری پر بہ طور خاص متوجہ کیا۔

۵۔ متفرق اصلاحی اور دینی کاموں کو پایۂ تکمیل پر پہنچایا۔

ان سرگرمیوں میں سے بعض کی تاریخیں معلوم ہیں، اکثر کا وقت متعین کرنے کے لئے کوئی قرینہ نہ مل سکا، لیکن یہ یقینی ہے کہ مندرجہ بالا تمام کام اسی چھبیس مہینے کی مدت میں انجام پائے، ہم انہیں مختلف ابواب میں بیان کریں گے۔

عام کیفیت

سید صاحب کے ساتھ بہ روایات مختلف پچاس یا بہتر آدمی دہلی سے آئے تھے، پندرہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سولہ آدمی گھر کے تھے، جن کا نان ونفقہ خود سید صاحب کے ذمے تھا، پھر بیعت کے لئے بہ کثرت آدمی آتے رہتے تھے، اور روزانہ کھانا کھانے والوں کا اوسط ایک سو سے کم نہ ہوگا۔ عین اسی زمانے میں قحط پڑ گیا اور غلہ بہت گراں ہو گیا۔(۱)

سید صاحب نہ کسی ریاست کے مالک تھے نہ جاگیردار تھے کہ اتنے آدمیوں کے کھانے کا بوجھ مستقل طور پر برداشت کر سکتے، تاہم وہ کبھی دل تنگ نہ ہوئے جو کچھ پکتا، سب کو برابر بٹھا کر کھلا دیتے۔

بعض اوقات عسرت اس حد تک پہنچ جاتی کہ مسجد اور گھر میں چراغ نہ جلتا، ارادت مند اس حالت میں بھی بالکل مطمئن رہتے، نہ کبھی کسی کے صبر وشکر میں فرق آیا، نہ رضا بالقضاء کے ماتھے پر شکن پڑی، نہ لب حرف شکایت سے آلودہ ہوا۔ مولوی محمد یوسف صاحب تمام امور کے ناظم تھے، انہیں کے پاس روپے رہتے تھے، کبھی صرف اتنے ہی پیسے ہوتے کہ تھوڑے سے چنے خریدے جا سکیں، انہیں جوش دے کر اور نمک ڈال کر سب کو دو دو گھونٹ پلا دیتے۔

یہ صورت حالات اگرچہ اختیاری نہ تھی، لیکن مجھے یقین ہے کہ جماعتی تربیت کے لئے اس سے گذرنا ضروری تھا۔ سید صاحب نے جس منزل میں قدم رکھا تھا وہ کمال عزیمت کی منزل تھی۔ عزیمت کو پختہ وپائدار بنانے کی شکل یہی ہے کہ انسان تنگیوں، سختیوں اور مشکلوں کا حد درجہ خوگر ہو جائے اور راحت وآسائش سے اس کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہ رہے۔ وہ پھولوں کو ٹھکرائے اور کانٹوں کو پیار کرے۔ وہ پانی سے دور بھاگے

(۱) مخزن احمدی ص: ۴۰۔ بعض سوانح نگاروں نے اسے ۱۸۶۱ء بکری کا قحط قرار دیا ہے، حالانکہ یہ قحط سترہ برس پہلے گذر چکا تھا، مجھے کسی ایسے قحط کا سراغ نہ مل سکا جو ۲۰-۱۸۱۹ء میں صوبجات متحدہ غرب وشمال کے بڑے حصے میں پھیلا ہو۔ ممکن ہے یہ مقامی قحط ہو، سید محمد علی صاحب مخزن احمدی" نے اسے "بلائے قحط غلائی بہ شدت" سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غلہ روپے کا پانچ سیر ملتا تھا، اس مرحوم کو کیا معلوم تھا کہ ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے جب روپے کا پانچ سیر غلہ انتہائی فراخی کا نرخ بن جائے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور آگ سے کھیلے۔ سختیاں اتفاقیہ پیش آگئی تھیں لیکن سید صاحب اپنی جماعت کی تربیت کے لیے جس ماحول کے طلب گار تھے، وہ یہی تھا اور ہمیں یہ ماننے میں تامل نہ ہونا چاہیے کہ قدرت نے خود بخود اس کا انتظام کر دیا تھا۔

سید محمد علی کا واقعہ

سید محمد علی صاحب ''مخزنِ احمدی'' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو دن تک ایک دانہ بھی حلق سے نہ اترا اور بارش کے تواتر کا یہ عالم، گویا آسمان کے تمام دریچے کھل گئے تھے۔ دور و نزدیک پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ رات ہوئی تو میں بستر پر جا پڑا، بھوک کی حالت میں نیند کب آسکتی تھی؟ کروٹیں لیتے لیتے رات کا ایک حصہ گذر گیا۔ آخر میں بے قرار ہو کر اُٹھا اور مسجد میں پہنچا، جہاں سید صاحب اور ان کے رفیق ذکر و شغل میں مصروف تھے، میں نے پوچھا کہ دوستو! کیا حال ہے؟ شاہ اسماعیل بولے: آیئے آپ بھی تجلّیٔ بے رنگی کا تماشا دیکھ لیجئے۔ سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر پہلو میں بٹھا لیا، مجلس کا حال دیکھا تو سب پر سرور و شادمانی طاری تھی، ہر فرد زمانے کے غم و اندوہ سے بالکل فارغ البال تھا۔

میں بے اختیار ہو کر رو پڑا، سید صاحب کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ گھر میں سب لوگ بھوک سے اس طرح بدحال ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ آپ تو صبر و تحمل کا پہاڑ ہیں اور ایسی مشقتیں بے تکلف برداشت کر سکتے ہیں، لیکن ہم لوگوں کی ہمت و طاقت جواب دے رہی ہے، خدا کے لئے حق قرابت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دعا فرمایئے کہ بارش تھمے اور ہم سیہ نصیبوں کی قوت لا یموت کا کچھ سر و سامان ہے۔

سید صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''بھائیو! اس آشفتہ حال کیلئے دعاء کرو'' چنانچہ سب دعاء میں مشغول ہوگئے۔ ایک گھڑی نہ گذری تھی کہ بادل چھٹ گئے اور چاند نکل آیا۔ سید صاحب اور ان کے تمام رفیق روتے ہوئے سجدۂ شکر میں گر گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

يَرْزُقُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

تھوڑی دیر بعد سئی ندی کے پار سے دو آدمیوں کی آواز آئی کہ کشتی بھیجو، سید صاحب خود مسجد سے باہر نکلے اور پوچھا: آپ کون لوگ ہیں؟ معلوم ہوا کہ سید صاحب کے ایک مرید، سید یاسین نے جو توپ خانے میں داروغہ تھا، کچھ روپیہ بطور نذر بھیجا ہے۔ کشتی بھیجی گئی، وہ آدمی آئے روپیہ سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے پورا روپیہ سید محمد علی کو دے کر فرمایا کہ کھانے کا انتظام فرمایئے۔ چنانچہ چاول اور دال منگوا کر کھچڑی پکائی گئی اور سب نے کھالی۔ سید صاحب نے فرمایا:

> ما تمام عمر بہ رزاقی رزاق مطلق خود نوعے اعتماد و اعتقاد داریم کہ اگر در فیافی ریگستان سندھ یا بوادی عرب کہ اصلاً مطلقاً آب و دانہ در آنجا مفقود است با جمیع ساکنان ہفت اقلیم منزل گزینیم، زیادہ از آبادانی در آں ویرانی بہ احسن وجوہ رزق موجود و مہیا خواہد گردید۔ (۱)

> **ترجمہ**: ہمیں اپنے رازقِ مطلق کی رزق رسانی پر اس درجہ اعتماد واعتقاد ہے کہ اگر سندھ کے ریگستانوں یا عرب کے بیابانوں میں بھی ہوں جہاں آب و دانہ کا ملنا ناپید ہے، اور ساتوں ولایتوں کے باشندے ہمارے ساتھ ہوں تو ان ویرانوں میں آبادیوں سے بڑھ کر رزق موجود ومہیا ہو جائیگا۔

اسی زمانے میں ایک مرتبہ کوڑا جہان آباد کے نواب نے پانسو روپے کی ہنڈی سید صاحب کی خدمت میں بھیجی۔

---

(۱) یہ "مخزنِ احمدی" کا بیان ہے۔ وقائع میں بھی یہ واقعہ درج ہے، صرف اتنے اختلاف کے ساتھ کہ شکایت سید محمد علی نے نہیں بلکہ سید عبد الرحمٰن نے کی تھی۔ میرے نزدیک "مخزنِ احمدی" کی روایت اس بارے میں "وقائع" کی روایت پر مرجح ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فراخیٔ رزق کی دعاء

ہم بتا چکے ہیں کہ سید علم اللہ شاہ عموماً دعاء کیا کرتے تھے کہ ان کے اخلاف کو زیادہ رزق نہ ملے۔ مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ دنیا داری کے مکروہات میں مبتلا ہو کر ذکرِ خدا سے غافل نہ ہو جائیں۔ خاندان میں تنگیٔ رزق کو سید علم اللہ شاہ ہی کی دعاء کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا۔

ایک روز خاندان والوں نے سید صاحب سے کہا کہ ہمارے لئے فراخیٔ رزق کی دعاء کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ضرور دعاء کروں گا، لیکن شرط یہ ہے کہ تمام افراد میرے ساتھ پختہ عہد و پیمان کر لیں کہ وہ اہل ہند کی گمراہیوں اور بدعتوں سے ہمیشہ دور رہیں گے۔ اہلِ خاندان نے یہ عہد کر لیا، پھر سید صاحب سید علم اللہ شاہ کے مزار پر جا کر دیر تک مشغولِ دعاء رہے۔

سید صاحب عصر کے بعد عموماً باہر نکل جایا کرتے تھے، سئی ندی کے کنارے بیٹھ جاتے اور پاؤں ندی کے پانی میں لٹکا لیتے۔ ایک روز ایک شخص ننگی تلوار کھینچے ہوئے آیا، بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سید صاحب پر قاتلانہ حملے کی نیت سے آیا ہے۔ حاجی نور محمد نے اسے پکڑ لیا اور اس کا گلا اس زور سے دبایا کہ قریب تھا اس کا دم نکل جائے۔ بعض ارادت مند زدو کوب کے ارادے سے اس پر پل پڑے۔ سید صاحب نے سب کو روک دیا، چاہا کہ اسے چھوڑ دیں۔ پھر خیال آیا کہ ممکن ہے حاکم پکڑ کر سزا دے۔ آپ نے حاکم کے پاس پیغام بھیج دیا کہ اگر اس کا ارادہ برا بھی تھا تو میں نے اسے معاف کر دیا، آپ بھی معاف کر دیں۔ حاکم نے اسے دو روز حوالات میں رکھا پھر سید صاحب کے پاس بھیج دیا کہ آپ جو سزا چاہیں دیں۔ سید صاحب نے اس کے لئے باقاعدہ رسد مقرر کر دی۔ چند روز بعد اس نے رخصت چاہی تو اسے کچھ روپے دیئے۔

عبادات

سید عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں اس زمانے میں قرآن حفظ کر رہا تھا۔ حضرت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تہجد کے لئے اٹھتے تو میں بھی اُٹھ کر حفظ میں مشغول ہو جاتا۔ آپ نماز کے بعد دعاء میں مشغول ہو جاتے اور اکثر شوق انگیز شعر پڑھتے۔ زیادہ تر خواجہ حافظ کے شعر ہوتے، مرزا بیدل کا یہ شعر بھی بار ہا سنا:

تو کریم مطلق و من گدا، چہ کنی جز ایں کہ بخوانیم
در دیگرے بنما کہ من بہ کجا روم چو برانیم

صبح کی اذان ہوتی تو مسجد میں تشریف لے جاتے۔ بعد نماز دن چڑھے تک آیات واحادیث کے بارے میں مذاکرات جاری رہتے۔

مراقبہ لوجہ اللہ

ایک روز میں سورہ روم کا یہ رکوع یاد کر رہا تھا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ○ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اب تم انسان ہو کر جابجا پھیل رہے ہو۔ اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف مائل ہو کر آرام حاصل کرو اور تمہارے درمیان مہربانی اور محبت پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں، ان کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہلِ دانش کے لئے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اسی کے نشانات میں سے ہے تمہارا رات اور دن میں سونا اور اس کے فضل کی تلاش کرنا۔ جو لوگ سنتے ہیں ان کے لئے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ تم کو خوف اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ پھر زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ (شاداب) کر دیتا ہے۔ عقل والوں کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب تم کو زمین سے نکلنے کے لئے آواز دے گا تو سب نکل پڑو گے اور آسمانوں اور زمینوں میں سب اسی کے مملوک اور اسی کے فرماں بردار ہیں، اور وہی ہے جو خلقت کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لئے بہت آسان ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں اس کی شان نہایت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

صبح کی نماز کے بعد مجھ سے پوچھا کہ رات کیا پڑھ رہے تھے؟ میں نے رکوع سنایا تو مولانا عبدالحئی اور شاہ اسماعیل سے فرمایا "مراقبہ لوجہ اللہ" کا مضمون یہی ہے۔

فرائضِ مصالحت

سید صاحب باہم جھگڑوں کشمکشوں کو ختم کرانے کی بہت کوششیں فرمایا کرتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے۔ محسن خان کا بیان ہے کہ تکیہ شریفہ سے ایک کوس پر کنواں تھا، جو ٹھنڈا کنواں مشہور تھا۔ ایک روز فرمایا کہ روزہ اسی کنوئیں پر چل کر کھولیں گے، چنانچہ افطار کا مختصر سا سامان لے کر وہاں پہنچ گئے۔ اس وقت خبر ملی کہ شہر میں فلاں فلاں کے درمیان لڑائی ہوگئی ہے اور اندیشہ ہے کہ یہ کہیں زیادہ نہ پھیل جائے۔ سید صاحب نے اسی وقت چار پانچ آدمیوں کو دوڑا دیا(۱) کہ جایئے اور لڑنے والوں میں صلح کرایئے، اگر وہ باز نہ رہیں تو کہئے کہ ہمیں مار ڈالئے۔ آپ بھائیوں کو تکلیف تو ضرور ہوگی۔ روزے سے ہو، گرمی کا موسم ہے، پیاس لگے گی، لیکن اس قسم کی مشقتیں برداشت کئے بغیر مراتب کمال پر پہنچنا میسر نہیں آسکتا۔ چنانچہ سب گئے اور لڑنے والوں میں صلح کرادی، سید صاحب اس پر بہت خوش ہوئے۔

سید صاحب جب تک باہر رہے باغوں میں آپ کا جو حصہ تھا وہ اقربا کھاتے رہے۔ مدت کے بعد رائے بریلی آئے تو اقربا نے باہم مشورہ کر کے آم کی پوری فصل آپ کے حوالے کردی، آپ نے تمام باغوں میں اپنے چوکیدار مقرر کئے۔ پھل پک گئے تو تڑوا کر سب کے سب عزیزوں میں بانٹ دیے۔

تعمیر مساجد

بعض عزیزوں نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ سید اسحاق فرمایا کرتے تھے، خدا وسعت دے گا تو مسجد بلند خاں (واقع لوہانی پور رائے بریلی) از سر نو بنواؤں گا۔ سید صاحب نے اپنے مرحوم بھائی کی خواہش پوری کرنے کیلئے اس کی تعمیر شروع کرادی، بہت سی اینٹیں لوگوں نے بطور نذر پیش کردیں کچھ سید صاحب نے خود خریدیں، اسی طرح ایک مسجد محلہ شیخاں میں شروع کرادی، تین مہینے میں دونوں مسجدیں مکمل ہوگئیں تو دونوں میں اپنے خرچ سے امام مقرر کئے۔ "مخزنِ احمدی" میں ہے:

(۱) روایت میں محسن خاں، محمود خاں، ابراہیم خاں، امام خاں اور شیخ لطافت کے نام آئے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

در تعمیر و عبادت خانہ کہ از خشت پختہ و گچ بود آں حضرت اکثر با اکثر رفقاء
در تحمیل خشت و آہک خود را معاف نمی داشتند، ہم چنیں جمالی و شہتیر و تختہ وغیرہ
لوازمات تعمیر ہیچ گونہ تقصیر نمے کردند۔(۱)

ان دونوں عبادت گاہوں کی تعمیر پکی اینٹوں اور چونے سے ہوئی، سید صاحب بھی اکثر اپنے رفیقوں کی طرح اینٹیں، چونا، کڑیاں، شہتیر اور تختے وغیرہ اٹھا کر معماروں کو دیا کرتے تھے۔

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

سید صاحب حلم کا پہاڑ تھے، قیام بریلی کے زمانے کا ایک واقعہ اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

پیر داد خاں، لوہانی پور کا ایک پٹھان تھا۔ ایک مرتبہ اس کی گائے سید صاحب کے باڑے میں گھس آئی، نگہبانوں نے گائے کو باڑے سے نکال کر دور تک بھگایا اور اتنا بھگایا کہ اس میں چلنے کی سکت نہ رہی۔ پیر داد خاں نے یہ سنا تو جوش میں آگیا اور سید صاحب کے پاس پہنچ کر اس نے درشت لہجے میں شکایت کی۔ آپکو یہ واقعہ معلوم نہ تھا، جب پوری کیفیت سنی تو فرمایا نگہبانوں نے بہت برا کیا، میں انہیں منع کر دوں گا، گائے کو نقصان پہنچا تو اس سے بہتر گائے معاوضے میں دیدوں گا، بھائی صاحب! خفگی چھوڑ دیجئے۔

اس وقت سید صاحب کے پاس کچھ آدمی بیٹھے تھے، ایک تورس آم اور ایک خربوزہ آیا ہوا تھا آپ نے آم تو ایک اور صاحب کو دے دیا، خربوزہ پیر داد خاں کو دینا چاہا تو اس نے غصے میں انکار کر دیا۔

سید عبد الرحمٰن، جو اس حکایت کے راوی ہیں، کہتے ہیں کہ میں گھر گیا ہوا تھا واپس

(۱) مولانا سید ابو الحسن علی نے لکھا ہے، تعمیر کے کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مسجدیں ۱۲۴۰ھ میں یعنی حج کے بعد اور ہجرت بغرض جہاد سے پیشتر تعمیر ہوئیں۔ (سیرت سید احمد شہید طبع چہارم ص:۱۵۳ حاشیہ)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آیا تو دیکھا کہ سید صاحب کے گھوڑوں کے خبر گیر غلام رسول رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا خاں صاحب کیا ہوا؟ انہوں نے سارا قصہ سنایا اور کہا کہ میں بے ادب پیر داد خاں کی سخت گوئی سن نہ سکا اور اسے جھڑک دینا چاہا، حضرت نے مجھے جھڑک کر پیچھے ہٹا دیا۔

اقربا کو تفہیم

شیخ امان اللہ جو اندرونِ قلعہ میں رہتے تھے، ایک بزرگ آدمی تھے انہوں نے بھی پیر داد خان کو سمجھایا، لیکن اس کا جوش فرو نہ ہوا۔ سید صاحب کے اہل خاندان میں سے سید علم الہدیٰ اور سید محی الدین کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہیں بھی پیر داد خاں کی درشت مزاجی پر بہت غصہ آیا، بولے ہم اس سے سمجھیں گے۔ سید صاحب نے یہ سنا تو فرمایا: چپ رہئے اسے کچھ نہ کہئے ایسا نہ ہو کہ وہ جمعہ اور جماعت چھوڑ دے۔ صبر کیجئے۔

سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے بھی جوش آ گیا اور جا کر سید صاحب سے عرض کیا کہ وہ مردک بے ادبی کر کے سلامت چلا گیا، میں ہوتا تو دیکھتا۔ آپ نے فرمایا: تو بچہ ہے، تجھے کیا معلوم۔ ایسا نہ ہو کہ تیری کسی حرکت کے باعث پیر داد خاں کا جمعہ اور جماعت فوت ہو جائے۔

گھر پہنچ کر معافی مانگی

پھر آپ نے معذرت کے لئے پیر داد خاں کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔ آپ روزانہ اپنی ہمشیر سے ملنے کے لئے قلعے جایا کرتے تھے، کئی لوگ ساتھ ہوتے، آپ ہمشیر سے ملنے کے بعد لوہانی پور گئے اور پیر داد خاں کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ اس نے سید صاحب کو دیکھا تو اندر زنانے میں چلا گیا، آپ گھوڑے سے اتر کر دروازے پر بیٹھ گئے اور فرمایا: خاں صاحب! آج تو خطا معاف کرائے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔ اس اثناء میں چند آدمی جمع ہو گئے، وہ پیر داد خاں کو ملامت کرتے ہوئے سید صاحب کے پاس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لائے، آپ نے معانقہ کیا، پھر کہا: خاں صاحب! خطا معاف کر دیجئے، اگر آپ کی گائے مر جاتی تو اس سے بہتر گائے خدمت میں پیش کرتا۔

پیر داد خاں کا معاملہ تو ختم ہو گیا، اس کے بھائی نور داد خاں نے سید صاحب کا حلم وانکسار اور پیر داد خاں کا کبر دیکھا تو اسی وقت بھائی سے علیحدگی اختیار کر لی، بولا: ایسے فرشتہ سیرت بزرگ کے ساتھ تکبر غضبِ الٰہی کا موجب ہے، نور داد خاں سید صاحب کا مرید ہو گیا، جہاد میں ساتھ رہا، بالاکوٹ کے معرکے میں دادِ شجاعت دے کر مرتبۂ شہادت پر فائز ہوا۔

جہاد کے لئے تیاری

سید صاحب رائے بریلی پہنچے تھے تو آپ کی اور ارادت مندوں کی عام مشغولیت ذکر و فکر اور مراقبے کے سوا کچھ نہ تھی، اگرچہ وقتاً فوقتاً جہاد کا ذکر بھی آتا رہتا تھا۔ صحیح تاریخ معلوم نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ رائے بریلی پہنچنے سے کچھ مدت بعد آپ نے حکم دے دیا تھا کہ تمام رفیق اور ارادت مند زیادہ وقت جنگی فنون کی مشق میں صرف کیا کریں۔

معلوم ہوتا ہے کہ رفقاء میں سے بعض کو اس حکم پر تعجب ہوا، اسلئے کہ ذکر و شغل کے عام طریقوں کو جنگی فنون کی مشق سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ چنانچہ مولوی عبد الرحیم کاندھلوی کے ذریعہ سے یہ معاملہ سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا:

> ان دنوں دوسرا کام اس سے افضل ہمارے در پیش ہے، اب اس کی طرف ہمارا دل مشغول ہے، یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے سامنے حال کی کچھ حقیقت نہیں ہے، اس واسطے کہ وہ کام یعنی علم سلوک اس کے (جہاد کے) تابع ہے۔ اگر کوئی تمام دن روزے رکھے، تمام رات زہد و ریاضت میں بسر کرے یہاں تک کہ نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آ جائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک ساعت دن یا رات کو بندوق اڑائے تاکہ مقابلۂ کفار میں بندوق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لگاتے وقت آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے مرتبہ کو ہرگز نہ پہنچے گا۔

مراقبوں کا صحیح وقت

مزید فرمایا:

اور وہ کام (سلوک) اس وقت کا ہے، جب اس کام (جہاد) سے فارغ البال ہو، اور اب جو پندرہ سولہ روز سے دوسرے انوار کی ترقی نماز یا مراقبہ میں زیادہ معلوم ہوتی ہے، وہ اسی کاروبار کے طفیل سے ہے۔ کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیر اندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڑ پیلتا ہے۔ اگر ہم اس کی (یعنی سلوک کی) اس وقت تعلیم کریں تو ہمارے یہ بھائی لوگ کام سے جاتے رہیں۔

پھر مولوی محمد یوسف پھلتی سے مخاطب ہوئے:

یوسف جی! آپ اپنے ہی حال کا خیال کریں کہ گردن ڈالے عالم سکوت میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی، کوئی کمل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرے میں گھسا ہوا ہے، کوئی جنگل میں جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کے کنارے گڑھا کھود کر بیٹھ جاتا ہے۔ ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا دشوار ہے۔ آپ ہمارے بھائیوں کو سمجھائیں کہ اب اسی کام (استعداد جہاد) میں دل لگائیں، ان کے واسطے بہتر یہی ہے، حاجی عبدالرحیم صاحب سے بھی مشورہ کر کے جواب دیجئے۔

اسلامیت کا حقیقی وظیفہ

اس ارشاد کا کوئی حصہ تشریح کا محتاج نہیں، اسلامیت کا وظیفہ کیا ہے، یہ کہ ہر حلقہ بگوش اسلام اپنے خالق و مالک کی راہِ رضا میں قائم و استوار رہے اور اس کے احکام و اوامر کو دنیا میں نافذ کرنے اور نافذ رکھنے کیلئے ہر وقت کوشاں نظر آئے۔ ذکر و سلوک کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غایت اس کے سوا کیا تھی کہ لوگوں کے دلوں میں دینی امور و معاملات کی محبت اس طرح جم جائے جس طرح نگینہ خاتم میں جم جاتا ہے، تا کہ وہ مرضات الٰہی کے تقاضے بہتر واحسن طریق پر پورے کر سکیں۔

عام لوگوں نے سلوک کا مقصد یہ سمجھ رکھا تھا کہ رات دن مراقبے میں بیٹھے بیٹھے انوار باطنی کے تماشے دیکھتے رہیں، حالانکہ دین کا نصب العین اعلائے کلمۃ الحق تھا، نہ کہ تماشا گری وتماشا بینی۔ جب اسلامیت کیلئے ہندوستان کی فضا حد درجہ تنگ ہو رہی تھی، اس موقع پر اصلی دینی کام یہی تھا کہ اس فضا کو اسلامیت کیلئے زیادہ کشادہ اور سازگار بنایا جاتا۔ یہی غرض مدنظر رکھتے ہوئے سید صاحب نے اپنے ارادت مندوں کو ذکر و مراقبہ سے ہٹا کر جہاد کی تیاری پر لگایا تا کہ عزم راسخ کے ساتھ اس کام کو پورا کر سکیں، جسے پورا کیے بغیر اس سرزمین میں اسلام آزاد نہیں رہ سکتا تھا۔

طبیب حاذق پہلے تنقیہ کرتا ہے، اس کے بعد اصل نسخہ دیتا ہے۔ سید صاحب نے بھی پہلے ارادت مندوں کے دل ذکر و مراقبہ میں استغراق کے ذریعے سے پاک کیے۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اصل کام کے سرانجام میں انہیں لگایا، اور اسے ذکر وفکر، سیر و سلوک اور مراقبہ وتوجہ سے بدرجہا افضل قرار دیا۔

باطنی ترقی کا بلند ترین مقام

ایک مرتبہ مولانا شاہ اسمٰعیل نے پرانے زمانے کے مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

> ہم پر بھی ایک زمانہ گذرا ہے کہ ہر ایک اللہ جل جلالہٗ کے ذکر میں مدہوش تھا، یہاں تک کہ کھانے اور لباس کا بھی کسی کو خیال نہ تھا اور نہ کسی اور شغل میں لذت محسوس ہوتی تھی۔

سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا:

> وہ منزل پیچھے رہ گئی، اس وقت لطف الٰہی نے ہمیں اس جانب متوجہ کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھا تھا، حالت یہ تھی کہ جو شخص سامنے آ کر بیٹھتا، مراتب باطنی میں آناً فاناً ترقی کرتا اور جو کیفیت دوسرے مقامات پر برسوں میں پیدا ہوئی ہے ہمارے حلقے میں گھڑیوں میں پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد بالاتر مرتبے کے لئے ہم پر وعظ و نصیحت کے دروازے کھل گئے، سلسلہ تبلیغ بھی اعلیٰ مراتب پر پہنچا اور یہ حقیقت مخالف وموافق پر روشن ہے، اب ہمیں کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے، جو (باطنی ترقی کا) سب سے اونچا پایہ ہے۔ یہ انبیائے اولوالعزم کا طریقہ اور اسوہ ہے۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔(۱)

اس طرح سید صاحب نے نواب امیر خاں سے الگ ہونے کے بعد تنظیم کی جو اسکیم سوچی تھی، اسے تربیت کے ساتھ معرضِ عمل میں لے آئے۔

صراطِ مستقیم

''صراطِ مستقیم'' کی تسوید قیامِ دہلی ہی کے دوران میں شروع ہو گئی تھی، جس کے کچھ اجزا شاہ اسماعیل نے لکھے۔ باقی مولانا عبدالحیؒ نے مرتب کئے۔ سید صاحب مضمون بتا دیتے، شاہ صاحب یا مولانا اس مضمون کو اپنے لفظوں میں لکھتے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مطالب میں پانچ پانچ مرتبہ ترمیمیں کرنی پڑیں، مولانا یا شاہ صاحب جو کچھ لکھ کر لاتے سید صاحب اگر اسے درست نہ سمجھتے تو اسقام واضح کر دیتے، ان کے ارشادات کی روشنی میں بعض مطالب کئی کئی مرتبہ لکھنے پڑے۔ میرا احساس ہے کہ اس کتاب کی تکمیل رائے بریلی پہنچ کر ہوئی یا کم از کم ردوبدل کا سلسلہ خاصی دیر بعد تک جاری رہا۔

(۱) منظورہ ص: ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرھواں باب:

نکاحِ بیوگان اور واقعہ نصیر آباد

نکاحِ بیوگان

قیامِ وطن کی اس مہلت میں سید صاحب نے احیاءِ سنت کے جو ممتاز کارنامے انجام دیے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے گھر سے نکاحِ بیوگان کا آغاز کیا۔

مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ میل جول میں جو معیوب اور سراسر غیر شرعی رسمیں اختیار کر لی تھیں، ان میں سے ایک رسم یہ تھی کہ کسی خاتون کا شوہر فوت ہو جاتا تو ضرورت کے باوجود دوسرا نکاح نہ کرتی اور ایسے نکاح کو نجابت و شرافت کے منافی سمجھا جاتا تھا، خصوصاً اونچے گھرانوں میں تو اس کا تصور بھی موجبِ ننگ تھا۔

اکبر و جہانگیر کے زمانے تک مسلمانوں میں یہ بری رسم نہیں آئی تھی، خود اکبر نے بیرم خاں کی بیوہ سلیمہ سلطان بیگم سے نکاح کیا، جو بادشاہ کی عمہ زاد بہن تھی اور سلیمہ سلطان بیگم زندگی کے آخری سانس تک شاہی محل کی ممتاز ترین ہستی سمجھی جاتی رہی۔ جہانگیر نے نور جہاں بیگم سے بہ حالتِ بیوگی ہی شادی کی تھی، اور اس وقت بیگم کی عمر کم و بیش چونتیس برس کی تھی، بعد میں حالت بدل گئی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جو ہندو اسلام کے حلقہ بگوش بنے، وہ اپنی بعض پرانی رسموں پر اہتمام سے قائم رہے اور ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ بیوہ عورتوں کے نکاحِ ثانی کو بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا، آہستہ آہستہ ان خاندانوں میں بھی یہ رسم پھیل گئی جو ظہورِ اسلام کے وقت سے مسلمان چلے آتے تھے۔

سید صاحب کے منجھلے بھائی سید اسحاق صاحب کی بیوہ جوان تھی، اس کا صرف ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بچہ تھا، سید اسماعیل، جس کی عمر بہ مشکل چھ سات برس کی ہوگی۔ سید صاحب نکاح بیوگان کا اجرا چاہتے تھے، احیاء سنت اور تجدید شیوۂ اسلامیت کے سلسلے میں وعظ و تبلیغ سے کہیں بڑھ کر فائدہ عملی اقدام سے پہنچ سکتا تھا، اس بنا پر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کے لئے تیار ہو گئے۔

دنیوی رشتے اور علاقۂ عبودیت

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز مولانا عبدالحئی نے وعظ میں اس آیت کی تفسیر فرمائی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ.

> نہ پاؤ گے تم ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور یوم آخرت پر، کہ وہ محبت کریں اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے، اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبے والے ہوں۔

اس سلسلے میں مولانا نے علم و مشیخت کے تمام ممتاز خاندانوں کے اعمال کو شریعت کی ترازو میں رکھ کر تولنا شروع کیا اور ایک ایک کی کمزوریاں کھول کھول کر بیان کر دیں، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ اور سید علم اللہ کے خانوادوں کی خلاف شرع باتوں کو بھی بے باکانہ واضح فرمادیا۔ سید صاحب بے تاب ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھے، دوزانو مولانا کے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا:

> میں خدا کا بندہ اور اس کے رسول پاک کا فرماں بردار ہوں، اس سے پہلے سہارنپور میں بھی میں نے مولانا سے کہا تھا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ برحق کی اطاعت میں عزیزوں، رشتہ داروں اور امیر و غریب کسی کا پاس نہ کروں گا، کسی کی خوشی و ناخوشی کو خاطر میں نہ لاؤں گا۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ محمد یعقوب (سید صاحب کے برادر اکبر سید ابراہیم کا فرزند) عزیز ہے، دنیا کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چیزوں میں سے وہ جو چاہے لے لے، لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام بجالانے میں اس کی رعایت بھی نہ کروں گا۔ میرے تمام رشتے دار صاف صاف سن لیں کہ جو اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری میں میرے شریک حال ہوں، حکموں کو پورا کرتے اور منع کی ہوئی باتوں سے دور رہنے میں کسی کے طعن وملامت کا خیال تک دل میں نہ لائیں، وہ میرے عزیز ہیں اور مجھے محبوب ہیں۔ اور جو اس کے لئے تیار نہ ہوں، ان کو میری طرف سے جواب ہے، اور مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ صاف کہتا ہوں جو اللہ کی راہ میں مستعد ہو وہی میرا ساتھی ہوگا، جسے یہ منظور نہ ہو وہ مجھ سے الگ ہو جائے۔(۱)

یہ سن کر مولانا عبدالحیٔ بولے: حضرت ہمیں آپ سے ایسی ہی امید تھی، اور اسی لئے ہم نے دوسرے مشائخ سے کنارہ کش ہو کر آپ کا دامنِ ہدایت تھاما۔

ایک خواب

اسی زمانے میں سید صاحب نے ایک خواب دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا پڑا ہے، اکثر لوگ اسے اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن گٹھا اتنا گراں بار ہے کہ اسے اٹھا نہیں سکتے۔ وہیں آپ کی بھاوج (اہلیہ سید اسحاق) بھی موجود ہیں آپ نے ان سے بہ کمال

(۱) سید صاحب کے ارشادات کا جو مکتوب ذخیرہ ہمارے پاس پہنچا ہے، اس میں یہ مضمون کئی مرتبہ آیا ہے، مثلاً جب آپ جہاد کے لئے سرحد پہنچ چکے تھے تو ازواج سندھ میں تھیں، (ان کے ساتھ دوسرے متعلقین کے علاوہ سیدہ زہرہ بی بی کی والدہ وجدہ مادری سیدہ سارہ) بھی تھیں۔ ایک مرتبہ سید صاحب کو علم ہوا کہ وہ گھر واپس جانا چاہتی ہیں تو بے توقف انہیں کہا کہ ان وساوس کو دل میں جگہ نہ دیجئے اور رضائے باری تعالیٰ کے خلاف ہرگز قدم نہ اٹھایئے۔ آخر میں فرمایا:

بر ضمیر منیر آشکار است کہ ایں بندہ ضعیف را آنچہ علاقہ با خورداں و بزرگاں می باشد، محض للہ فی اللہ می باشد۔ پس اگر احدے ازخورداں و بزرگاں مخالفت خدا ارالازم می گیرد، پس علاقہ او از دل اخلاص منزل ہم بدروی رود۔

(آپ پر واضح ہے کہ مجھے خاندان کے چھوٹوں یا بڑوں سے جو تعلق ہے صرف خدا کے لئے ہے اگر ان میں سے کوئی احکام خدا کے خلاف قدم اٹھائے گا تو میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے گی)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الحاح و تملق کہا کہ آؤ ہم تم اس پشتارے کو اُٹھا کر گھر لے چلیں، جلانے کے کام آئے گا، انہوں نے بھی اسے بھاری جان کر انکار کیا، جب آپ نے نہایت خوشامد سے کئی بار بہ تکرار کہا تو وہ راضی ہوئیں، پھر آپ اور وہ دونوں مل کر اٹھا لے گئے۔(۱)

سید صاحب کا معمول تھا کہ نمازِ صبح کے بعد مراقبہ کیا کرتے تھے۔ جس رات خواب دیکھا، اس کی صبح کی نماز کے بعد شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحیٔ کو خواب سنایا اور کہا اس کی تعبیر پر غور کیجئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہی بیان فرمائیں، آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا پھر کہا: خداوند تعالیٰ کے بعض حکم ایسے ہیں کہ لوگ انہیں بجالانا عار و ننگ جانتے ہیں، خصوصاً ہندوستان کے شرفاء و نجباء میں سے جو کوئی ان حکموں کو بجالاتا ہے، اسے مطعون کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک امر بیوہ عورت کے نکاحِ ثانی کا ہے۔

زندگی دو قسم کی ہے: روحانی اور جسمانی، دنیاوی طعام جسمانی زندگی میں معاون ہے، روحانی طعام حیاتِ روحانی و حیاتِ اخروی کا سبب ہے۔ ایندھن کھانے پکانے کے کام آتا ہے، معلوم ہوتا ہے اس خواب کا تعلق جسمانی اور اہلی زندگی سے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اور میری بھاوج اپنی زندگی کے سلسلے میں بیوہ کے نکاحِ ثانی کو از سرِ نو جاری کریں گے اور رواج عام دیں گے۔ میں پہلے اپنے گھر میں سنت کو جاری کروں گا، پھر اوروں کو حکم دوں گا، تاکہ اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ کی وعید میں داخل نہ ہو جاؤں (یعنی کیا تم دوسرے لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلائے بیٹھے ہو؟)

اقربا کے سامنے وعظ

چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے اور تمام رشتہ دار خواتین کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ اس

(۱) وقائع ص:۱۸۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں کہا:

اسلام یہ نہیں کہ انسان زبان سے کہے میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھا لے اور ختنہ کرالے، یا مسلمانوں کی مروجہ رسموں میں شریک رہے۔ اسلام یہ ہے کہ تمام احکام الٰہی کی تعمیل دل و جان سے کی جائے، یہاں تک کہ اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ذبح فرزند کا بھی اشارہ ہو تو اسے خوشی خوشی بجالائے۔ منہیات شرعی کا خیال بھی دل میں آئے تو چالیس روز تک استغفار کرے۔

انہیں احکام میں سے بیوہ کا نکاحِ ثانی بھی ہے، خصوصاً وہ بیوہ جو جوان ہو۔ افسوس کہ اس زمانے میں بیوہ کے نکاح ثانی کو شرک اور کفر کے برابر سمجھ لیا گیا ہے، اس پر عمل پیرائی کو نہایت درجہ قبیح و شنیع تصور کیا جاتا ہے۔ جو بیوہ نکاح کر لے اسے بہت ناز یبا الفاظ سے مطعون کیا جاتا ہے، یہ کوئی نہیں سوچتا کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے، یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، حضرت عائشہؓ کے سوا سب بیوہ تھیں۔

دوسرے روز پھر اسی مضمون کا وعظ فرمایا، ساتھ ہی اپنی خالہ صاحبہ سے (جو سیدہ ولیہ (۱) بیوہ سید اسحاق کی پھوپھی تھیں) کہا ہماری بھاوج کو جس طور سے ہو سکے، سمجھا کر راضی کیجئے کہ ہم سے نکاح کر لیں۔ یہ امر واسطے حظِ نفس کے نہیں چاہتا بلکہ محض ترویج سنت حضرت خیر الانامؐ مطلوب ہے۔

میرے گھر میں حسین و جمیل اور باعفت خاتون موجود ہے، میری خواہش صرف یہ ہے کہ اس سنت کا احیاء میرے گھر سے ہو۔

(۱) سیدہ ولیہ سید ابو اللیث کی صاحبزادی تھیں، جو سید صاحب کے حقیقی ماموں تھے۔ ان کی چار بہنیں تھیں (یعنی بنات شاہ ابو سعید جد مادری سید صاحب) خیر النساء اہلیہ سید محمد مستقیم بن سید محمد معین، صالحہ و مریم جو یکے بعد دیگرے سید محمد ولی سے بیاہی گئیں، بی بی تاجیہ والدہ سید صاحب، صالحہ کا انتقال غالباً پہلے ہو چکا تھا، سیدہ تاجیہ بھی فوت ہو چکی تھیں۔ معلوم نہیں خیر النساء اور مریم میں سے سید صاحب نے کونسی خالہ کے ذمے یہ کام لگایا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نکاح

سیدہ ولیہ ابتدا میں نکاح ثانی پر راضی نہ تھیں، سب عزیزوں کے اصرار اور سعی وکوشش کے بعد بہ نیتِ احیائے سنت راضی ہوئیں۔(۱) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب سے اقرار لے لیا تھا کہ کوئی اور نکاح ان سے اجازت لئے بغیر نہ کیا جائے گا، چنانچہ جب سرحد میں سید صاحب کو نکاحِ ثالث کی ضرورت پیش آئی تو اسے سیدہ ولیہ سے اجازت پر موقوف رکھا تھا۔ اور جب تک مکتوب کے ذریعے سے اجازت نہ آگئی، نکاح نہ کیا۔

غرض سیدہ ولیہ نکاح پر راضی ہو گئیں، ایک روز جانبین کی طرف سے خفیہ ایجاب وقبول ہوا، پھر نکاح کا اعلان کیا گیا۔ سید صاحب اس واقعہ کو زیادہ سے زیادہ مستحسن شکل میں عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے اس درجہ مشتاق تھے کہ سیدہ ولیہ سے کہا اپنے نکاحِ ثانی کی شیرینی اپنے ہاتھ سے تقسیم کیجئے اور سب سے بے تکلف کہئے کہ یہ میری نکاحِ ثانی کی شیرینی ہے، تاکہ خواتین کے دل سے اس بارے میں تنفر کی کدورت زائل ہو جائے اور وہ یقین کرلیں کہ یہ فعل عین سنت کے مطابق ہے، اس لئے اسے قابلِ عزت وستائش سمجھنا چاہئے۔

اعلانِ عام اور اثرات ونتائج

نکاح کے تمام مراحل طے ہو چکے تو سید صاحب نے دہلی، کلکتہ، رام پور اور تمام دوسرے مرکزی مقامات پر خط بھجوائے تاکہ لوگوں میں اس فعلِ حسن کی خوب اشاعت ہو۔(۲) شاہ اسماعیل نے ان خطوط کے مسودے مرتب کئے، نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف مقامات

(۱) "وقائع احمدیہ" میں ہے کہ انہیں راضی کرنے میں کئی مہینے لگ گئے۔ (ص:۱۸۶)

(۲) سید صاحب نے نکاح بیوگان کے متعلق ایک رسالہ بھی لکھوایا تھا، جو فارسی زبان میں تھا، اس کی ایک نقل میرے پاس موجود ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے شرفاء نے بے طوع و رغبت بیوہ خواتین کے نکاح کیے۔ اصل مسئلہ صرف ضرورت اور خواہش تک محدود تھا، لیکن چونکہ اس کی بندش کو معیارِ شرافت بنالیا گیا تھا، اس لیے بعض اولعزم اصحاب نے بندش کو محو کرنے اور اصل سنت کو رواج عام دینے کے شوق میں ضرورت کے بغیر بھی بیوہ خواتین کے نکاح کر دیے، آخر قسم کی ایک مثال شاہ اسماعیل کی ہمشیر بی بی رقیہ کا نکاح تھا۔

بی بی رقیہ شاہ اسماعیل سے بڑی تھیں، ان کی عمر پچاس سے اوپر ہو چکی تھی، وہ شیخ ولی محمد پھلتی کے چچا شیخ کمال الدین سے بیاہی گئی تھیں۔(۱) غالباً جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں، اگرچہ حد یاس کو پہنچ چکی تھیں اور انہیں نکاح کی ضرورت نہیں رہی تھی، لیکن شاہ اسماعیل کو احیاءِ سنت کے ثواب میں شریک ہونے کا اتنا شوق اور ایسا ولولہ تھا کہ بہن کو راضی کیا اور مولانا عبدالحئی سے ان کا نکاح کر دیا۔(۲)

نصیر آباد

نکاحِ ثانی کے علاوہ دوسرا قابلِ ذکر واقعہ نصیر آباد کا ہے، جو غالباً ۱۲۳۵ھ (اکتوبر ۱۸۱۹ء) میں پیش آیا۔ یہ قصبہ قاضی سید محمود کے زمانے سے سید صاحب کے اجداد کا وطن چلا آتا تھا، آپ کے بیشتر اقرباء وہیں رہتے تھے۔ اہلیہ اولیٰ سیدہ زہرہ بھی نصیر آبادی کی تھیں، پہلے وہاں کے تمام لوگ سنی تھے، لیکن جب اودھ برہان الملک کی جاگیر میں آیا تو والیٔ ملک کے مذہبی عقائد کا اثر آہستہ آہستہ عام لوگوں پر بھی پڑنے لگا۔ ۱۱۶۲ھ میں نصیر آباد

(۱) بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ بی بی رقیہ کا نکاح شاہ رفیع الدین کے بڑے صاحبزادے مصطفیٰ سے ہوا تھا۔ ارواحِ ثلاثہ میں اس صاحبزادے کا نام عبدالرحمن مرقوم ہے۔ میرے نزدیک صحیح بیان وہی ہے جو متن میں درج ہے، شیخ کمال الدین بی بی رقیہ کے حقیقی ماموں کے بیٹے تھے۔

(۲) یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ سیدہ ولیہ کے نکاح ثانی پر اس زمانے میں ایک تعریض آمیز نظم بھی لکھی گئی تھی۔ میں اس کے شعر مثالاً بھی یہاں درج نہیں کر سکتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں مولانا سید دلدار علی پیدا ہوئے جو آخری دور کے جلیل القدر مجتہد مانے گئے، شیعہ حضرات انہیں عام طور پر "غفران مآب" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔(۱) ان کے اثر ورسوخ اور وعظ وتلقین کے سبب سے اکثر گھرانوں نے شیعی عقائد قبول کر لئے۔ سید صاحب کے زمانہ میں نصیر آباد کے چار محلوں میں سے تین شیعہ ہو چکے تھے، اور صرف ایک محلہ سنیوں کا رہ گیا تھا، انتظامی اعتبار سے نصیر آباد سلون کے پرگنے میں شامل تھا اور سلون بادشاہ بیگم کی جاگیر میں تھا، جو بڑی سخت گیر خاتون تھیں۔(۲)

شیعہ سنی اختلاف

دین کی حقیقی روح مضمحل ہو جاتی ہے تو لوگوں میں تنگ نظری اور نارواداری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اصول ومبانی میں موافقت پر نظر رکھنے کے بجائے فروع وجزئیات میں اختلاف کو زیادہ اہم بنالیا جاتا ہے۔ شیعہ اور سنی حضرات کے درمیان بھی غلط تعصبات کی بناء پر اختلاف کی خلیج حائل ہو گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ مولانا سید دلدار علی صاحب کی امداد کے بھروسے پر نصیر آباد کے شیعہ حضرات نے سنیوں کو تنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور غور ومشورہ

---

(۱) مولانا سید دلدار علی مجتہد ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ (۳ مئی ۱۸۲۰ء) کو فوت ہوئے۔ قطعہ وفات کا آخری شعر یہ ہے:

سروش غیب ہماں وقت تا گہاں فرمود ستون دین بہ زمین اوفتاد وا ویلا

سید انشا نے انہیں کو ایک موقع پر عروس سلطنت کا جھومر کہا تھا، ان کے پانچ فرزند تھے، سید محمد، سید علی، سید حسین، سید مہدی اور سید حسین، یہ سب وقت کے نامور عالم تھے۔

(۲) بادشاہ بیگم سے مراد غازی الدین حیدر شاہ اودھ کی بیگم ہے، جو مبشر خاں مخبر کی بیٹی تھی، مبشر خاں شرف خاں کا فرزند اور خیر اللہ خاں، صمد بند محمد شاہی کا شاگرد تھا۔ غازی الدین حیدر شہزادگی میں بیگم کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو گیا، سعادت علی خاں نے یہ شادی منظور کر لی بعد میں غازی الدین حیدر بیگم کی ایک خواص "صبح دولت" پر مائل ہو گیا، جس سے نصیر الدین حیدر پیدا ہوا۔ بادشاہ بیگم نے صبح دولت کو مروا دیا، وہ بڑی مغلوب الغضب، خود رائے اور خود سر تھی۔ غازی الدین حیدر اس سے بہت خوفزدہ رہتا تھا، جب معتمد الدولہ آغا میر کو اقتدار حاصل ہوا تو بیگم نے اس کی مخالفت شروع کر دی، اس وجہ سے آغا میر نے اپنی بھلائی اسی میں جانی کہ بادشاہ اور بیگم کے تعلقات زیادہ سے زیادہ بگڑ جائیں۔ میر فضل علی جو بعد میں اعتماد الدولہ کے لقب سے نائب السلطنت بنا، بیگم کا معتمد علیہ کارندہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے بعد فیصلہ کیا کہ محرم کی آٹھویں تاریخ کو ایک جلوس نکالا جائے، جس کے شرکاء تبرا کہتے ہوئے سنیوں کے محلے سے گذریں، اگر وہ خاموش رہیں اور مرعوب ہو جائیں تو انہیں مزید دبانے کیلئے دوسرے اقدامات کی تجویزیں سوچی جائیں، اگر بگڑیں اور روکنا چاہیں تو انہیں بری طرح مارا جائے۔

چونکہ مجتہد صاحب کو حکومت میں بے حد اثر ورسوخ حاصل تھا اور وہ شیعہ حضرات کے ہم عقیدہ وہم وطن تھے، اس بناء پر کسی کو خفیف سا اندیشہ بھی نہ تھا کہ سنیوں کی فریاد درخورِ سماعت متصور ہوگی۔

سنیوں کی امداد طلبی

سنیوں کو اپنے شیعہ بھائیوں کی ان اسکیموں کا علم ہوا تو انہوں نے دب جانا گوارا نہ کیا، چونکہ تعداد میں بہت کم تھے، اس لئے اپنے سنّی عزیزوں اور ہمسایوں سے امداد کے طلب گار ہوئے۔ ۶ رمحرم کو نصیر آباد سے قاصد رائے بریلی پہنچا، جس نے سارے حالات سنائے۔ سید عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ سید صاحب مسجد میں بیٹھے تھے، آپ نے مختلف اصحاب سے مشورہ کیا، بعض نے کہا کہ اپنے عزیزوں کو ہر ممکن مدد دینی چاہئے، بعض نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس طرح حکومتِ وقت سے مقابلے کی صورت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے مدد سے احتراز کرنا چاہئے۔

سید صاحب نے خود غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا کہ ایک جماعت کو ساتھ لے کر نصیر آباد جائیں اور مصالحت سے اس فتنے کا سدباب کر دیں۔ جو گروہ شرارت سے باز نہ آئے اسے ہر ممکن سعی سے روکیں اور مظلوم کو ظالم کی دستبرد سے بچائیں۔ چنانچہ سید عبد الرحمٰن کو فوراً نصیر آباد بھیج دیا کہ سنی بھائیوں اور عزیزوں کو تسلی دیں، ۸ رمحرم تک ہم بھی پہنچ جائیں گے۔

غرض سید عبد الرحمٰن فوراً چلے گئے، ان سے پہلے وہاں کل اٹھائیس سنی مرد تھے، ان کو شامل کر کے انتیس مرد ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے انتظامات

سید صاحب نے روانگی کی تیاری کی تو اور لوگ خود بخود ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے، آپ نے گھر سے روپے منگوا بھیجے، لیکن نقد ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ زہرہ بی بی نے اپنے پاؤں کا زیور اتار کر دیدیا کہ اسے فروخت کر کے خرچ چلایا جائے۔ سیدہ ولیہ (زوجہ ثانیہ) کو علم ہوا تو فوراً پچیس روپے آپ کے پاس بھجوا دیے اور کہا کہ سیدہ زہرہ کا زیور واپس کر دیا جائے۔

آپ عصر کے وقت دائرے سے روانہ ہوئے، مغرب کی نماز جہان آباد کے قبرستان میں ادا کی، عشاء کی نماز پڑھ کر چلے اور اسی شب کو نصیر آباد پہنچ گئے۔ پچھتر آدمی ساتھ تھے، رات تالاب کے کنارے گزاری، صبح کی نماز کے بعد شہر میں داخل ہوئے۔ آپ کی ایک ہمشیر کی شادی نصیر آباد میں ہوئی تھی، پہلے اس کے مکان پر گئے پھر اہلیہ اولی کے والدین سے ملے، بعد ازاں جامع مسجد جا کر دوگانہ ادا کیا اور وہیں بیٹھ گئے۔(۱)

تمام ہمراہیوں کو تاکید فرما دی تھی کہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور دائرۂ اعتدال سے باہر قدم نہ رکھا جائے۔ مخالفوں میں سے اگر کوئی شخص زیادتی کر بیٹھے تو جواباً بھی مجادلے کی صورت پیدا نہ کی جائے۔ شیعہ حضرات کو پیغام بھیج دیا کہ ہمارے لوگ آپ کی طرف ہرگز نہیں آئیں گے، آپ خوشی سے تعزیہ داری کریں، کوئی مزاحم نہ ہوگا، مگر سابقہ دستور قائم رکھا جائے، یہی امر بنیادِ مصالحت بن سکتا ہے، کوئی نئی بات نہ کی جائے۔

بعض رواتیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محلے میں مورچہ بندی کے انتظامات کر لئے گئے تھے تاکہ اگر ان پر اچانک حملہ ہو جائے تو روک تھام کی جا سکے۔ سید عبدالرحمٰن کو قرابین دے کر ایک مکان پر بٹھا دیا گیا تھا، اور حکم تھا کہ خدانخواستہ حملہ ہوا تو پہلے قرابین

(۱) "وقائع" میں ہے کہ دیوان جی کی مسجد کے چبوترے پر تشریف فرما ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چلائی جائے، پھر بندوقیں استعمال کی جائیں۔

سعیٔ مصالحت

جب ذرا اطمینان ہو گیا تو شیعہ حضرات میں سے ایک معتبر و سربرآوردہ بزرگ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم یہاں بہ طور مہمان آئے ہیں، برادر پروری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر محلے میں سے ایک ایک بزرگ ملاقات کیلئے تشریف لائیں، اگر آپ کو تشریف آوری میں تأمل ہو تو ہمیں حاضر خدمت ہونے کی اجازت دی جائے۔ پیغام میں یہ بات بھی واضح فرمادی کہ اگر شیعہ حضرات کے نزدیک حضرات شہدائے کربلا کے ماتم و عزا کا حق اسی طریق پر ادا ہو سکتا ہے کہ وہ تمام محلوں میں جلوس لے کر پھریں تو اس پر بھی اعتراض نہ ہوگا، شوق سے پھریں، لیکن تبرا نہ کہیں۔

شیعہ حضرات سید صاحب کی آمد ہی کے باعث سخت رنجیدہ ہو چکے تھے، انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں جبراً تعزیہ داری سے روکا جا رہا ہے۔ اب ہم تعزیوں اور علموں کے ساتھ لکھنؤ جائیں گے اور حاکم وقت کے پاس فریاد کریں گے۔

یہ محرم کی آٹھویں تاریخ کے واقعات ہیں، چنانچہ شیعہ حضرات تعزیے اور جلوس لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ دو ہی منزل گئے ہوں گے کہ جائس کے پرچہ نویس نے سارے حالات تفصیل سے لکھ کر غازی الدین حیدر کے پاس بھیج دیے۔ شاہ نے وہ تحریر آغا میر نائب السلطنت کے حوالے کر دی۔

کار سازِ ما بہ فکرِ کارِ ما

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، نصیر آباد سلون کے پرگنے میں تھا اور یہ پرگنہ بادشاہ بیگم کی جاگیر تھا، بیگم اور آغا میر نائب السلطنت کے درمیان شدید دشمنی تھی، نائب السلطنت چاہتا تھا کہ موقع ملے تو بیگم کے منتظموں پر فتنہ و فساد کا الزام عائد کر کے جاگیر ضبط

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر لے۔ اسے اپنا مقصد پورا کرنے کا یہ خداداد موقع مل گیا تو فوراً فقیر محمد خاں رسالدار کو بلایا، جو سید صاحب کا مخلص مرید تھا اور کہا کہ اپنے اور محمود خاں کے رسالے کا ایک ایک دستہ بے تاخیر نصیر آباد بھیج دو، سب کے سر عسکر کو بارہ ہزار روپے دو اور کہو کہ موقع پر پہنچتے ہی اس قضیے کو جلد سے جلد ختم کرا دیا جائے۔ (۱)

انسداد فساد کے یہ خدا ساز اسباب تھے جو اچانک فراہم ہو گئے، اس اثناء میں نصیر آباد کے شیعہ حضرات لکھنؤ پہنچ گئے اور شکایت کی کہ سید احمد نے ہمیں علم اٹھانے سے روک دیا ہے، لیکن چونکہ صحیح حالات پہلے معلوم ہو چکے تھے، اور آغا میر بیگم کو شکست دینے پر تلا بیٹھا تھا، اس لئے اس نے شیعوں کی شکایت پر کوئی توجہ نہ کی۔

سید دلدار علی کی سعی

ایک روایت ہے کہ مولانا سید دلدار علی مجتہد خود آغا میر کے پاس پہنچے اور اس سے مدد چاہی۔ آغا میر نے کہا:

> حضرت آپ تشریف لے جائیں اور اپنے دولت کدے میں آرام سے بیٹھے رہیں، فتنے کی جو آگ آپ کی وجہ سے بھڑکی ہے اس کے شعلے آسمان تک پہنچ رہے ہیں، اگر اس کے اشتعال سے میں اور میرے آقائے محترم محفوظ رہیں اور ریاست کو کوئی گزند نہ پہنچے تو باقی عمر اس نعمت الٰہی کے شکر و سپاس میں بسر کر دوں گا۔ (۲)

آخر سید دلدار علی نے بھی شیعوں کو کہلا بھیجا کہ حالات بگڑ گئے ہیں، جس طور پر بھی

---

(۱) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالدار فقیر محمد خاں کو پہلے ہی تمام واقعات معلوم ہو چکے تھے۔ اس نے سعتہ لدولہ آغا میر سے ذکر کیا۔ آغا میر نے یہ قصہ بادشاہ تک پہنچایا تو بادشاہ نے انسداد فساد کے سارے اختیارات آغا میر کو سونپ دیے۔ اس کے بعد آغا میر نے پانسو سوار نصیر آباد بھیجے۔

(۲) ''مخزن احمدی'' ص:۵۱

ممکن ہو، صلح کر لینی چاہیے۔

اس اثناء میں یہ خبر باہر پہنچی تو اردگرد کے سنی حضرات جوق در جوق نصیر آباد پہنچنے لگے۔ سید صاحب نے سارے لوگوں کے خورد ونوش کا انتظام اپنے ذمے لے رکھا تھا، کم وبیش پانسو آدمی دو وقت کھانا کھاتے تھے۔ آخر آپ کو اعلان کرنا پڑا کہ اب کوئی بھائی آنے کی تکلیف نہ کریں۔

مصالحت

سرکاری رسالہ نصیر آباد پہنچا تو اس کے سرعسکر نے شیعہ اور سنی حضرات میں سے معتبر آدمی بلائے، سارے حالات سنے، پھر دونوں فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ کرایا جسکے مطابق طے ہوا کہ دیرینہ دستور ومعمول کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے، آئندہ کوئی گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی نہ کرے۔ محرم اور چہلم کے موقع پر علی الاعلان تبرا نہ کیا جائے۔

اس معاہدے پر فریقین کے ذمہ دار اصحاب کے علاوہ قاضی اور مفتی نے بھی دستخط کیے اس طرح دونوں فریق مطمئن ہو گئے۔ یہی سید صاحب کا حقیقی مدعا تھا، یہی غرض لے کر آپ رائے بریلی سے نصیر آباد پہنچے تھے۔

ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معتمد الدولہ آغا میر نے دو ہزار روپے سید صاحب کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے، لیکن آپ نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ اصل کام پر کوئی رقم خرچ نہیں ہوئی۔ سید صاحب ۸/محرم سے ۱۲/محرم تک نصیر آباد میں رہے اور تیرہویں کو رائے بریلی میں واپس گئے۔ (۱)

---

(۱) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چہلم کے موقع پر پھر ہنگامے کا اندیشہ ہو گیا اور سید صاحب کو دوبارہ نصیر آباد جانا پڑا۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں، معلوم ہوتا ہے بعض راویوں کو محرم اور چہلم کے واقعات میں اشتباہ پیدا ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واقعے کی اہمیت

سید ابوالحسن علی فرماتے ہیں کہ مولانا شاہ اسماعیل کے قول کے مطابق نصیر آباد کا واقعہ جہاد کا مقدمہ تھا، جس میں سید صاحب کی قیادت اور اسلامی صلاحیت کے جوہر سب سے پہلی مرتبہ عوام پر آشکارا ہوئے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ واقعہ حزم و تدبیر اور نظم وضبط کا ایک غیر معمولی مظاہرہ تھا، ایک طرف وہ غیر مناسب دباؤ ختم ہو گیا جو ایک فریق فراوانیٔ تعداد کی بناء پر دوسرے فریق کے خلاف عمل میں لانے کے درپے تھا، دوسری طرف انتہائی نازک حالات کے باوجود باہم کشمکش کی نوبت نہ آئی۔ سید صاحب کی وجہ سے حالات بگڑنے کے بجائے تدریجی اصلاح پذیر ہوتے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

تبلیغی دورے

اصلاح ودعوت

جن مختلف مشغولیتوں کا ذکر ہم گزشتہ دوبابوں میں کر چکے ہیں، ان کے علاوہ سید صاحب نے قیامِ وطن کی اس مہلت میں تبلیغی دورے بھی کئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ عام مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کی جائے اورانہیں جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی جائے۔ ان دوروں کا عام رنگ وہی تھا، جس کا نقشہ آپ کے سامنے میرٹھ، مظفرنگر، سہارنپور وغیرہ کے دورے میں پیش ہو چکا ہے۔ صحیح تاریخیں معلوم نہیں ہو سکیں، لیکن اتنا معلوم ہے کہ مختلف اوقات میں دومرتبہ سید صاحب کانپور کی طرف تشریف لے گئے، ایک مرتبہ الہ آباد، بنارس وغیرہ گئے، ایک مرتبہ لکھنؤ پہنچے۔ میں ایک باب میں متفرق مقامات کے حالات بیان کروں گا، ایک باب میں صرف لکھنؤ کے سفر کا حال لکھوں گا۔

شوق وطلبِ عام

داعیٔ حق کبھی اس بات کا منتظر نہیں رہتا کہ لوگ بلائیں تو انہیں پیغامِ حق سنانے کے لئے باہر نکلے۔ اس کا وظیفۂ حیات یہی ہوتا ہے کہ اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ دعوت وارشاد میں گزارے، جہاں تک پہنچنا اس کے امکان میں ہو، خود پہنچے اور ہر اندھیرے میں دعوت وتلقین کے چراغ جلا کر روشنی کا بندوبست کرے۔ سید صاحب کے دوروں کے سلسلے میں یہ حقیقت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ان سے کسبِ فیض کی آرزو حد درجہ عام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو چکی تھی اور جگہ جگہ سے دعوت نامے پہنچ رہے تھے۔ وہ بھی اس طرح کہ آدمی آتے اور بہ اصرار کہتے کہ ہمارے ہاں چلیے، چنانچہ "مخزنِ احمدی" میں کٹنہ، مہروڑہ، اہلادگنج، الٰہ آباد وغیرہ کے دعوت ناموں کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے۔(۱)

سید صاحب جب دورے پر نکلتے تو شوق وطلبِ عام کا یہ حال ہوتا کہ ایک میل کا فاصلہ بھی طے نہ کرنے پاتے اور گرد وپیش کے دیہات ومقامات سے سیکڑوں آدمی آ کر روک لیتے، پھر عجز والحاح سے اپنے ہاں لے جاتے۔ مثلاً جب الٰہ آباد کی طرف گئے، تو اگرچہ یہ مقام رائے بریلی سے صرف چار منزل پر تھا لیکن سید صاحب نے یہ فاصلہ بہ مشکل ایک مہینے اور چند روز میں طے کیا۔(۲)

سلون

جب الٰہ آباد و بنارس کے دورے پر نکلے تو "مخزنِ احمدی" کے بیان کے مطابق ایک سو ستر آدمی ہمراہ تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر نیاز مندوں کو ایک لمحے کے لئے بھی مفارقت گوارا نہ تھی۔ پھر جو لوگ بہ اصرار روکتے تھے، یہ جانتے ہوئے روکتے تھے کہ بہت بڑی مہمانداری کا بوجھ اٹھانا ہوگا، بایں ہمہ ان کے شوق کا جذبہ قطعاً افسردہ نہ ہوتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سید صاحب کیلئے عام لوگوں کے دلوں میں کس قدر والہانہ تڑپ پیدا ہو چکی تھی۔ اس دورے میں پہلا بڑا مقام سلون آیا، جہاں شاہ اشرف (۳) کا مزار تھا، شاہ کریم عطا (۴) اس مسند کے سجادہ نشین تھے، غالباً عرس کا موقع تھا اور وہاں

(۱) "مخزنِ احمدی" ص: ۵۲ (۲) مخزنِ احمدی ص: ۵۲

(۳) پیر شاہ اشرف سلونی کا انتقال ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں ہوا، یا اپنے عہد کے بلند رتبہ بزرگ تھے۔

(۴) شاہ کریم عطا نے سید صاحب کی شہادت سے دو برس بعد وفات پائی، ان کی تاریخ وفات یہ ہے۔

ڈوبا جو وہ نیّرِ درخشاں کریم تاریک ہوا جہاں بہ چشم احباب
چلائے نکال حق یہ اہل افلاک "جینہ ز جانے خویش قطب الاقطاب"

مصرع تاریخ کے عدد ۱۲۶۱ بنتے ہیں۔ ان میں سے حق کے تیرہ عدد نکال دیے جائیں تو ۱۲۴۸ھ تاریخ نکل آتی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڑے زور کی قوالی ہوتی تھی۔ مرید کورے گھڑے میں پانی بھر کر سر پر رکھ لیتے، اس حالت میں گاتے اور رقص کرتے۔

سید صاحب نے خود شاہ کریم عطا سے ملاقات کی اور کہا آپ درویش ہیں، دین کے ہادی سمجھے جاتے ہیں، آپ کی اجازت سے اس قسم کی خلاف شرع حرکتیں ہوتی رہیں تو عام لوگوں کیلئے یہ حجت و دستاویز بن جائیں گی۔ انصاف سے بتایئے کہ کیا ان کے لئے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی دلیل موجود ہے؟ شاہ کریم عطا صاحب نے جواب دیا کہ اس کا جواب دوسرے موقع پر دیا جائے گا۔

سید صاحب نے بعد میں مولانا عبدالحیٔ کو شاہ کریم عطا کے پاس بھیج دیا، مولانا نے چند لمحوں میں شاہ صاحب کو لاجواب کر دیا۔ انہوں نے پھر کہہ دیا کہ مزید گفتگو دوسرے موقع پر ہوگی، بعد میں سید صاحب کو پیغام بھیجا کہ صرف آپ سے مل کر بات چیت کی آرزو ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھا کہ کسی مرید نے شاہ کریم عطا کو بتا دیا تھا کہ سید صاحب زیادہ پڑھے لکھے نہیں اور انہیں گفتگو میں شکست دے لینا سہل ہوگا۔ سید صاحب یہ پیغام پاتے ہی خود گئے، چند لمحوں میں شاہ کریم عطا نے تمام خطاؤں کا اعتراف کر لیا اور اس عرس کے جلسے میں ساری غیر شرعی حرکات بند کر دیں۔

الہ آباد

سلون سے نکل کر سید صاحب خدا جانے کہاں کہاں ٹھہرے، ہمیں الہ آباد تک صرف اہلا دگنج، مانک پور اور کڑا کی منزلوں کا علم ہے، اہلا دگنج میں وہاں کے حاکم میرزا کاظم بیگ اور بہت سے لوگوں نے بیعت کی، راستے میں ایک روز ایک ایسے مقام پر ٹھہرے جو بے چراغ ہو چکا تھا۔ بڑی مشکل سے کھچڑی پکانے کا سامان فراہم ہوا، رکابیاں یا سینیاں ساتھ نہ تھیں، ایک کوئیں کی پختہ مینڈ کو دھو کر صاف کیا، کھچڑی اسی پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ڈال دی اور درویشانِ باخدا کا وہ قافلہ خوشی خوشی کھا کر ذکر و فکر میں مشغول ہو گیا۔

الہ آباد میں جائے قیام کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شاہ اجملؒ (۱) کے دائرے میں ٹھہرے تھے، جس کے متعلق ناسخ نے لکھا تھا:

ہر پھر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم ۔۔۔ آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ قیام دوسری جگہ ہوا تھا، لیکن شاہ اجملؒ سے بھی ملاقات کی تھی اور ان کے ہاں کھانا کھایا تھا۔

شیخ غلام علی

الہ آباد کے زمانۂ قیام میں بے شمار لوگوں نے بیعت کی، ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر شیخ غلام علی صاحب ہیں۔ شیخ صاحب وقت کے ممتاز امراء میں شمار ہوتے تھے، اودت نرائن مہاراجہ بنارس کی طرف سے عملدار تھے، مہرونڈہ اصلی وطن تھا۔ شیخ صاحب ان تمام اخلاقی امراض میں مبتلا تھے جو اس زمانے کے امراء میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں۔ سید صاحب سے ارادت مندی کا رشتہ استوار ہو گیا تو تمام غیر شرعی اعمال سے بہ اخلاصِ قلب توبہ کی، پھر ان کی پوری زندگی اسلامیت کے سانچے میں ڈھل گئی۔ ان کے پاس بیسیوں سنہری اور روپہلی حقے تھے، وہ سب تڑوا کر دریا میں بہا دیے۔ سید صاحب کے نیاز مندوں میں سے انفاق فی سبیل اللہ میں غالباً کوئی بھی شخص شیخ غلام علی کے درجے کو نہ پہنچ سکا۔ ایک راوی کا بیان ہے۔

(۱) ابوالفضل کنیت، ناصر الدین محمد اجمل نام، اپنے وقت کے اکابر اہلِ علم اور بزرگ اولیاء میں سے تھے۔ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۱ء) میں وفات پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی ملاقات کے لئے گئے تو دل میں طے کر لیا تھا کہ اگر اجمل ایک کو گڑ کا اور دوسرے کو شکر کا شربت پلائیں گے، تو سمجھ لیں گے کہ اہلِ کشف میں سے ہیں۔ شاہ صاحب نے دونوں مہمانوں کو گلے سے لگایا، پھر ملازم سے کہا کہ دو گلاس شربت لاؤ، ایک قند کا، دوسرا شکر کا۔ کیا کروں ان کی خواہش یہی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حضرت کے ایسے مخلص بے ریا اور محب باصفا تھے کہ میں نے آج تک (ان جیسا) نہیں دیکھا۔(۱)

شیخ صاحب نے بیسیوں ہدایا کے علاوہ ایک نہایت قیمتی قالین بھی سید صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ آپ شیخ صاحب کے پاس خاطر سے ایک مرتبہ اس پر بیٹھے، پھر ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کیا کہ میرے پاس لحاف نہیں، محترم سید صاحب نے وہی قالین اُٹھا کر اسے دیدیا۔

بنارس

الٰہ آباد سے نکلے تو مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے بنارس پہنچے۔(۲) وہاں مولوی عبدالقادر امیروں میں شمار ہوتے تھے، وہ سید صاحب کے دوست تھے، اس بناء پر ساتھیوں کا خیال تھا کہ غالباً وہیں قیام ہوگا، لیکن آپ نے فرمایا کہ مولوی عبدالقادر چونکہ ہمارے ہم طریق اور ہم مشرب نہیں، اسلئے انکے پاس ٹھہرنا مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ جماعت نے میسیر کی مسجد میں قیام کیا۔ خود سید صاحب رفیقوں کی ایک جماعت کے ساتھ پاس کی ایک شاہی مسجد میں مقیم ہوگئے، جو مدت سے بے آباد پڑی تھی، اور اس میں بہت کوڑا کرکٹ جمع ہوگیا تھا۔ سید صاحب نے اسے صاف کرا کے نئے سرے سے آباد کردیا۔(۳)

---

(۱) وقائع ص ۴۵۹

(۲) سفر بنارس کی ایک روایت میں ہے کہ جاڑے کا موسم تھا اور قطرہ افشانی ہورہی تھی، الٰہ آباد کے سلسلے میں بھی بیان ہوچکا ہے کہ ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کیا، میرے پاس لحاف نہیں۔ سید صاحب نے شیخ غلام علی کا نذر کردہ قیمتی قالین اُٹھا کرا سے دے دیا۔ میرا خیال ہے کہ ۱۲۳۵ھ کا جاڑا ہوگا، جو ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولی میں تھا، یعنی دسمبر ۱۸۱۹ء جنوری اور فروری ۱۸۲۰ء میں۔

(۳) "مخزن" میں ہے۔ در مسجد میسیر محل اقامت انداختند۔ لیکن چونکہ دوسری روایتوں میں پاس کی ایک شاہی مسجد میں قیام کا ذکر بھی آیا ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ دونوں مسجدوں میں ساتھیوں کی جماعت بٹ گئی ہوگی، جو یقیناً بہت بڑی تھی، اور ایک مسجد میں سب لوگ سما نہ سکتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بنارس میں سید صاحب تقریباً ایک مہینہ قیام فرما رہے، اس اثناء میں جن مردوں اور عورتوں نے بیعت کی ان کی تعداد دس پندرہ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ بنارس زربفت کا بہت بڑا مرکز تھا اور وہاں مسلمانوں میں سے زیادہ تر نوربافِ، کندی گر اور دھوبی رہتے تھے۔ مولانا عبدالحیٰ وعظ فرمایا کرتے تھے، ان لوگوں پر بہت اثر ہوا، ان کے پیروں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ ہر گھر سے چھ مہینے کے بعد مقررہ فتوح مل جاتی، پیر صاحب نماز اور روزہ وغیرہ اوامر کی معافی کے پروانے لکھ دیتے، سید صاحب کی برکت سے یہ تمام بدعملیاں ختم ہوگئیں اور لوگوں میں دینداری کا عام ذوق پیدا ہوگیا۔ بیعت کرنے والے اکابر میں شاہ عبداللہ شنگرفی اور میرزا کریم اللہ بیگ رئیس بھی تھے۔

وہاں تیموری شہزادے بھی رہتے تھے، ان میں سے بعض نے بیعت کی اور قیمتی پارچے بطور نذر سید صاحب کی خدمت میں گزرانے۔ آپ نے مولوی محمد یوسف پھلتی سے فرمایا کہ ان پارچوں کو فروخت کر کے گاڑھے اور گزی کے تھان خرید لو اور تمام ساتھیوں میں تقسیم کردو، تاکہ ضرورت کے مطابق کپڑے بنوالیں۔(۱)

''مخزنِ احمدی'' میں بنارس کے انگریز حاکم آگسٹس بروک کی مسلمان بیوی حیات النساء بیگم کی بیعت کا بھی ذکر ہے۔''وقائع'' میں بہ تصریح مرقوم ہے کہ اس بارے میں سید محمد علی صاحب کو شبہ ہوا، اس بی بی کی بیعت کا واقعہ سفر حج میں پیش آیا۔(۲) لہٰذا ہم اسے اسی موقع پر درج کریں گے۔

قیامِ بنارس کے دوران میں سید صاحب اپنے رفیقوں کو برابر تاکید فرماتے رہے کہ خوب ذکر کرو، یہ شہر کفر و شرک کے ظلمات سے لبریز ہے، اسے ذکرِ الٰہی کے انوار سے منور

---

(۱) مولوی مرتضیٰ خاں کا بیان ہے کہ ٹیپو سلطان کے شہزادوں نے بیعت کی تھی (تواریخ عجیبہ ص: ۴۴) لیکن مجھے اب تک ٹیپو سلطان کے کسی شہزادے کی اقامتِ بنارس کا علم نہیں ہو سکا، میرا خیال ہے کہ مولوی مرتضیٰ خاں نے تیموری شہزادوں کو ٹیپو سلطان کے شہزادے سمجھ لیا۔

(۲) ''وقائع'' ص: ۱۱۷

کردو۔

سلطان پور

بنارس سے نکلے تو مختلف مقامات میں ٹھہرتے ہوئے سلطان پور کی طرف تشریف لے گئے، وہاں غلام حسین خاں لشکر کے ساتھ مل گیا، وہ سرکار لکھنؤ کی طرف سے سلطان پور کا حاکم تھا۔ اس لشکر کے بہت سے آدمی پہلے سے سید صاحب کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، انہوں نے باصرار ٹھہرالیا اور بہت لوگوں نے بیعت کی۔ دو ہفتے لشکر میں ٹھہر کر آپ حسب معمول جگہ جگہ قیام کرتے ہوئے رائے بریلی پہنچ گئے، میرا اندازہ ہے کہ اس تبلیغی دورے میں کم از کم تین ماہ کی مدت صرف ہوئی ہوگی۔

پہلا دورہ کان پور

کان پور کی سمت میں سید صاحب نے دو مرتبہ دورہ کیا، پہلے دورے کے سلسلے میں مختص مورائیں میں قیام کے کچھ حالات معلوم ہیں، کان پور کے متعلق صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ آپ چھاؤنی میں (غالباً سید محمد یاسین کے مکان پر) ٹھہرے تھے، یہاں ایک انگریز کی مسلمان بیوی بڑی دولت مند تھی، اس کے اولاد نہ تھی، دو لڑکوں اور لڑکیوں کو پال لیا تھا، ایک لڑکی کی شادی مرزا عبدالقدوس سے کردی تھی، مرزا صاحب سید صاحب کے گہرے عقیدت مند بن گئے، لیکن آپ نے اس بی بی کی دعوت قبول نہ کی۔

قیامِ مورائیں کے دوران میں چار دوست، اللہ بخش خاں، شمشیر خاں، مہربان خاں اور شیخ رمضان آپ کی خدمت میں اکٹھے حاضر ہوئے، چاروں بڑے چھیلے اور کڑیل جوان تھے۔ سید صاحب نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: یہ بھائی ہمارے کام کے ہیں، پیرزادوں سے ہم کیا کام لے سکتے ہیں؟ (۱) ان چاروں نے بیعت کی اور سید صاحب

(۱) "وقائع" ص: ۳۱۳

کے ساتھ ہو گئے، سفر لکھنؤ میں بھی ہمرکاب تھے(۱)، حج سے بھی مشرف ہوئے۔

مہربان خاں سے ایک مرتبہ سید صاحب نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اور کام لے گا اور ان تین بھائیوں سے اور کام لے گا، لیکن چاروں کے کام اس کی رضامندی کے عین مطابق ہوں گے۔ سید صاحب نے جہاد کی نیت سے ہجرت کی تو چاروں ساتھ تھے، مہربان خاں سید صاحب کے اہل وعیال کی خدمت پر مقرر ہوئے، اور سندھ میں رہے، واقعہ بالاکوٹ کے کئی برس بعد سید صاحب کے اہل وعیال ٹونک آئے تو مہربان خاں بھی ساتھ تھے۔ ۱۲۷۴ھ تک زندہ تھے، باقی تینوں جواں مرد اس جماعت میں شریک تھے جس نے اکوڑہ سے جہاد کا آغاز کیا تھا۔ اللہ بخش خاں اس جماعت کے قائد تھے، تینوں اس جنگ میں شہید ہوئے۔

دوسرا دورہ

دوسری مرتبہ سید صاحب نے کان پور کے اطراف کا دورہ اس زمانے میں کیا جب حج کے لئے سفر کا ارادہ فرما چکے تھے اور اعلانِ عام کر دیا تھا کہ جو چاہے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ اگر کسی کے پاس خرچ نہ ہو تو میں ادا کر دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کان پور کے انگریز کی مسلمان بی بی نے اپنے داماد مرزا عبدالقدوس کو رائے بریلی بھیج کر سید صاحب کو بلوایا تھا۔

چنانچہ آپ رائے بریلی سے روانہ ہوئے تو پہلے بھور نام ایک بستی میں پہنچے جہاں والیٔ لکھنؤ کا ایک جیش ٹھہرا ہوا تھا، ان لوگوں نے روک لیا، پھر مورائیں، رنجیت پور، پڑھا، اور رنبیر پور وغیرہ مقامات میں دو دو تین تین دن قیام کا ذکر ملتا ہے، تفصیل کچھ نہیں بتائی گئی۔ اس کے بعد آپ گنگا کو عبور کر کے انگریز کی مسلمان بی بی کے مکان پر اُترے،

(۱) ایک روایت میں ہے کہ لکھنؤ میں جب معتمد الدولہ آغا میر نائب السلطنت نے دعوت کی تھی تو جن لوگوں کو شاہ اسماعیل نے سید صاحب کے باڈی گارڈ کی حیثیت میں ساتھ لیا تھا، ان میں اللہ بخش بھی تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیکن اترتے ہی مرزا عبدالقدوس سے کہہ دیا کہ ہمارے آدمیوں کو کھانا پکانے کی جگہ بتادی جائے، یعنی آپ اس بی بی کے ہاں سے کھانا کھانے پر راضی نہ ہوئے۔ مرزا عبدالقدوس نے عرض کیا کہ میرا اپنا کاروبار ہے، تجارت کرتا ہوں، وہی روپیہ آپ کی مہمانداری پر صرف ہوگا۔ اس کی دعوت آپ نے قبول فرمالی، لیکن جتنے دن ٹھہرے اکثر دعوتیں ہوتی رہیں اور مرزا عبدالقدوس کے ہاں سے بھی کھانا کھانے کی نوبت بہت کم آئی۔

مسلمان بی بی نے ایک موقع پر چار ہزار روپے آپ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے فرمایا فی الحال حج کیلئے جارہا ہوں، واپس آکر جب جہاد کو جاؤں گا تو جیسا مناسب ہوگا، کہلا بھیجوں گا۔ پھر بی بی نے ایک مکان نذر کیا جو اس زمانے میں بھی تیس چالیس ہزار روپے سے کم کی مالیت کا نہ تھا، سید صاحب نے فرمایا کہ میں اس مکان کو کیا کروں گا؟ حج کے لئے جارہا ہوں اور اپنا مکان بھی چھوڑ جاؤں گا۔ بی بی نے عرض کیا کہ میں تو اب دے چکی، آپ جو چاہیں کریں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ یہی بات ہے تو اسے مرزا عبدالقدوس کو دے دو، بی بی بولی کہ میں نے آپ کو دے دیا ہے، آپ جسے چاہیں دے دیں۔ چنانچہ سید صاحب نے وہ مکان مرزا عبدالقدوس کو دے دیا۔

اس زمانے میں کان پور کے دو قصاب بہت دولت مند اور صاحب اثر مانے جاتے تھے، ایک عبداللہ اور دوسرا اس کا بھائی، محمد تقی۔ محمد تقی پہلے بیعت کر چکا تھا، عبداللہ نے اب بیعت کی، ان دونوں کی وجہ سے کانپور کے بہت سے لوگ بیعت ہوئے، ان میں محمد بخش رفوگر اور اسکے بھائی حسین بخش کا بھی ذکر آتا ہے۔

مراجعت

کان پور سے سید صاحب منجھاؤں گئے، اصل میں قاضی حمایت اللہ نے اپنے بھائی کو بھیج دیا تھا کہ سید صاحب کو ساتھ لائے، وہاں مخنثوں کا ایک طائفہ رہتا تھا، جن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں سے بارہ تیرہ برس کا ایک لڑکا قاضی حمایت اللہ کے بھائی سے بہت مانوس تھا، اس نے بھی سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، عبداللہ بسم اللہ نام رکھا گیا، جہاد میں ساتھ تھا، اکوڑہ اور شیدو کی جنگوں میں شریک ہوا اور بڑی مردانگی سے لڑا۔ جنگ شیدو کے بعد مجاہدین چنگلئی (واقع خدو خیل) میں جا ٹھہرے تھے، وہاں بیمار ہو کر واصل بحق ہوا۔

منجھاؤں سے سید صاحب جہان آباد، کھجوہ اور فتح پور ہوتے ہوئے ڈلمؤ پہنچے، اس وقت تک مولانا عبدالحئی بھی کشتی کے ذریعے ڈلمؤ پہنچ گئے تھے، رات ڈلمؤ میں میاں عبدالصمد کے مکان پر گزاری دوسرے روز نمازِ ظہر سے قبل رائے بریلی پہنچ گئے۔(۱)

دعوتِ عزیمت

سید صاحب نے ایک ایسے کام کا ارادہ فرمایا تھا جو مقامِ عزیمت میں رسوخ واستحکام کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے تمام ارادت مندوں کو عزیمت کی تربیت دینے پر خاص توجہ مبذول تھی۔ غالباً اسی زمانے کا ذکر ہے کہ مولانا سید مظہر علی صاحب عظیم آبادی نے بیعت کی اور اپنے ہاں وعظ وتذکیر کے ذریعے سے مسلمانوں کو اتباع سنت پر آمادہ کرنے لگے۔ ایک موقع پر تعزیہ داری کو روک رہے تھے، خدا جانے کیا واقعات پیش آئے کہ ان پر تعزیہ شکنی کا الزام لگا، مقدمہ قائم ہوگیا اور گرفتار ہوئے۔ ایک دوست شیخ عیدا نے ضمانت دے کر رہا کرایا، مولانا رہائی پاتے ہی وطن سے بھاگے اور گورکھپور پہنچ گئے۔

سید صاحب سے ملنے کیلئے آئے اور آپ نے حالات سنے تو سخت ناراض ہوئے، مولانا سمجھے بیٹھے تھے کہ میں نے عشق دین میں وطن چھوڑا ہے، اس لئے ثواب کا مستحق ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا: آپ ثوابِ ہجرت کے امیدوار ہیں؟ حالانکہ آپ کی

---

۱) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گندہ بہار کا موسم تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیعت بھی ٹوٹ گئی، آپ کے جسم کو خفیف سی تکلیف بھی نہیں پہنچی اور دوسرے نیک مسلمانوں کو مصیبت میں اُلجھا کر نکل آئے، دوبارہ بیعت کیجئے اور فوراً واپس جایئے، وہاں جو کچھ پیش آئے اسے صبر و خوش دلی سے برداشت کیجئے۔

چنانچہ مولوی صاحب واپس گئے، حسنِ اتفاق سے ان کے خلاف مقدمہ ثابت نہ ہوسکا اور بری ہوگئے۔

یہی تربیت تھی جس نے تھوڑی ہی مدت میں سید صاحب کے پاس انسانیت کے وہ گرانمایہ گوہر جمع کردیے جن کی مثالیں اسلامی تاریخ کی اکثر صدیوں میں شاید ہی مل سکیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پندرھواں باب:

دَورۂ لکھنؤ

نائب السلطنت اَودھ کا دعوت نامہ

اب صرف دورۂ لکھنؤ کی داستان باقی رہ گئی، جس کے متعلق زیادہ روایات ملتی ہیں، اگرچہ وہ غیر مرتب ہیں اور اس غرض سے ضبطِ تحریر میں نہیں لائی گئی تھیں کہ پچاس سو برس بعد میں آنے والا شائقِ تحقیق ان سے حالات کا صحیح نقشہ مرتب کر سکے۔

ایک روایت میں ہے کہ الٰہ آباد اور بنارس کے دورے سے سید صاحب لوٹے تو چند روز بعد لکھنؤ کا قصد کر لیا گیا، تمام قرائن اسی کے مؤید ہیں۔ لیکن یہ جان لینا چاہئے کہ سید صاحب الٰہ آباد و بنارس کے دورے سے پیشتر کانپور کا پہلا سفر کر چکے تھے، ان کا دوسرا نکاح بھی ہو چکا تھا اور نصیر آباد کا واقعہ بھی پیش آ چکا تھا، جو معتمد الدولہ آغا میر نائب السلطنت اودھ سے سید صاحب کے تعارف کا ذریعہ تھا۔ صرف کانپور کا دوسرا دورہ سفرِ لکھنؤ کے بعد پیش آیا۔(۱)

''مخزن احمدی'' میں ہے کہ آغا میر نائب السلطنت نے خود لکھنؤ بلایا تھا، دعوت نامہ

---

(۱) وقائع احمدی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفرِ لکھنؤ ۱۲۳۴ھ میں ہوا، اس لئے کہ مفتی غلام حضرت کا انتقال اسی سال ہوا۔

تاریخ وفات:

مردہ مفتی غلام حضرت افسوس — کہ بود بہ شہر لکھنؤ حاکم شرع

سال تاریخ رحلت آں مرحوم — فرسود فرو کہ بود خادم شرع

۱۲۳۴ھ

(سیرت احمد شہید طبع چہارم ص: ۳۰۷ حاشیہ)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا مضمون یہ تھا۔

آوازۂ وعظ وتذکیر آں روشن ضمیر عالمگیر گردیدہ اگر بہ قدوم میمنت لزوم خود اہالی لکھنؤ را عموماً وایں مشتاق مستمند را خصوصاً بنوازند بعید از اخوت ومروت وفتوت نخواہد بود۔(۱)

ترجمہ : آپ کے وعظ وتذکیر کی شہرت زمانے بھر میں پھیل چکی ہے، اگر اہل لکھنؤ کو عموماً اور مجھ مشتاق وطلبگار زیارت کو خصوصاً تشریف آوری سے نوازیں تو یہ امر رشتہ برادری، مروت اور عالی حوصلگی سے بعید نہ ہوگا۔

دعوت نامہ کیوں بھیجا؟

معتمد الدولہ آغا میر کی طرف سے اس قسم کا دعوت نامہ اس زمانے میں بھی تعجب انگیز ہوگا، اور آج تو یہ بات کسی واقفِ حال کے خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ آغا میر نے شوق سے سید صاحب کو بلایا ہوگا۔ وہ سید صاحب کا ہم عقیدہ یا ہم مشرب نہ تھا، دین، ملک، قوم یا خلق خدا کی خدمت کے لئے اسکے پہلو میں کوئی جگہ نہ تھی، میرزا غالب سید صاحب کے اس سفر سے چند سال بعد کلکتہ جاتے ہوئے لکھنؤ بھی ٹھہرے تھے، اس زمانے میں بھی آغا میر ہی نائب السلطنت تھا، میرزا نے اس کے کردار واخلاق کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین وملک اور قوم کی خدمت تو رہی ایک طرف وہ شخص دنیاداریوں اور کام جوئیوں میں بھی چنداں عالی ہمت، بلند نظر اور دوراندیش نہ تھا، پھر اسے سید صاحب سے کیوں دل بستگی پیدا ہوئی؟ میرا خیال ہے کہ وہ واقعہ نصیر آباد کے سلسلے میں سید صاحب کے عزم وہمت کا اندازہ کر چکا تھا اور جانتا تھا کہ ان میں قیادت عامہ کے تمام جوہر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

یہ بھی اُسے معلوم تھا کہ عام لوگ جوشِ عقیدت میں پروانہ وار سید صاحب پر گرر ہے

(۱) مخزن ص:۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں، ایسی شخصیت کے ربط و ضبط سے آغا میر کیوں کر بے نیاز ہو سکتا تھا، جس کے نزدیک اپنی کارفرمائی کی حفاظت ہی زندگی کا پہلا اور آخری نصب العین تھی۔ سید صاحب کے کئی پرانے دوست اور رفیق لکھنؤ کی فوج میں بلند عہدوں پر مامور ہو چکے تھے، مثلاً فقیر محمد خاں آفریدی رسالدار اور عبد الباقی خاں قندھاری، آغا میر کو ان پر بہت بھروسہ تھا، ممکن ہے انہوں نے بھی نائب السلطنت کو سید صاحب کی طرف متوجہ کیا ہو۔

بہرحال دعوت نامہ آیا اور سید صاحب لکھنؤ گئے، لیکن دورانِ قیام میں حکومت یا آغا میر کی مہمانداری سے قطعاً فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ دوستوں اور عقیدت مندوں ہی نے قیام کا انتظام کیا، البتہ آغا میر کے ہاں دو دعوتیں ضرور کھائیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے دعوت نامہ بھیجنے کے بعد مہمانداری کا انتظام خود نہ کیا یا سید صاحب نے مقاصد تبلیغ کے پیش نظر مہمان بننا مناسب نہ سمجھا۔ یہ بھی واضح ہے کہ ملاقات کے بعد آغا میر کا جوشِ عقیدت نظر بظاہر ٹھنڈا پڑ گیا، اس لئے کہ پھر سید صاحب کے سلسلے میں اس کا ذکر نہیں آتا۔ اس پر تعجب نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ سید صاحب کسی درجے میں بھی آغا میر کے اغراض و اصولِ کار کے لئے مفید و سودمند نہیں ہو سکتے تھے، اور آغا میر کیلئے خلقِ خدا سے ربط و تعلق صرف ذاتی اغراض ہی کی پیش برد پر مبنی تھا۔

سفر

سید صاحب نے لکھنؤ کا ارادہ فرمایا تو خاصی بڑی جماعت ساتھ ہو گئی، جس کی تعداد اسی سے پونے دو سو تک بتائی جاتی ہے۔(۱) ان تمام اصحاب کا سامان چھکڑوں پر لادو دیا

(۱) سید عبد الرحمٰن کی روایت ہے کہ کل اسی آدمی ساتھ تھے۔ "مخزن احمدی" میں ان کی تعداد ایک سو ستر بتائی گئی ہے اور "وقائع" میں پونے دو سو۔ یا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ سید عبد الرحمن کی روایت میں سے سو کا عدد سہواً یا اتفاقیہ حذف ہو گیا یا یہ ماننا پڑے گا کہ رائے بریلی سے چلتے وقت کل اسی آدمی ساتھ تھے، بعد میں تعداد بڑھتی گئی، ارادت مندوں کا طریقہ یہ تھا کہ بیعت کے بعد کسب فیض کے لئے سید صاحب کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ خود سید صاحب اصحاب فراغت کو بہ نظر تربیت روک لیتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیا، لیکن سب کے لیے سواری کا انتظام نہ کیا گیا اور نہ ضروری تھا، ہاں سید صاحب کے لئے ایک یکہ لے لیا گیا تھا اور غالباً پوری جماعت کیساتھ ایک دو گھوڑے بھی تھے۔

سید صاحب کے چھوٹے بھانجے سید عبدالرحمٰن بھی ساتھ تھے، جو اس زمانے میں لکھنؤ میں کسی فوجی عہدے پر مامور تھے اور قندھاریوں کی چھاؤنی میں رہتے تھے۔ رائے بریلی سے سید صاحب نکلے تو پہلی منزل حسن گنج میں ہوئی، دوسری منزل کا نام نہیں بتایا گیا، لیکن وہ لکھنؤ سے قریب ہوگی۔ دوسری منزل پر عشاء ہی کے وقت سید عبدالرحمٰن کو حکم دے دیا گیا کہ:

> کچھ رات رہے سے تم آگے چل کر قندھاریوں کی چھاؤنی میں اپنے مکان کو صاف کروا کر فرش بچھوا رکھو اور کچھ بھونے ہوئے چنے، اور نمک مرچ، اور کچھ گڑ بھی تیار رکھنا۔(۱)

چنانچہ سید عبدالرحمٰن کچھ رات رہے ہی سے روانہ ہو گئے۔ سید صاحب صبح کی نماز کے بعد سوار ہوئے اور پہر دن چڑھے قندھاریوں کی چھاؤنی میں پہنچ گئے۔ سید عبدالرحمٰن کے مکان پر چنے، نمک، مرچ، گڑ وغیرہ چیزیں تیار تھیں، سب نے تھوڑے تھوڑے چنے چبائے پھر پانی پی کر کچھ دیر سو رہے۔ ظہر کی نماز کے بعد ملاقاتیوں کی آمد شروع ہوئی، ان میں سے پانچ چھ فوجی سردار بطور خاص قابل ذکر ہیں جنہوں نے ستر اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔(۲)

بارہ چودہ برس پیشتر سید صاحب لکھنؤ آئے تھے تو بالکل گمنام تھے، اب ان کی شہرت عظمت و تقدس سے اونچے اونچے ایوانوں میں گونج پیدا ہو چکی تھی، لیکن سادگی، بے تکلفی

---

(۱) ''وقائع'' ص: ۱۱۸

(۲) ان کے نام یہ ہیں: محمد حسن خاں (پانچ اشرفی)، فضیل اللہ خاں (چار اشرفی)، مصطفیٰ خاں بن حسن خاں (تین اشرفی)، عبدالرحیم خاں (تین اشرفی)، عبدالمعبود خاں (دو اشرفی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور فروتنی میں قطعاً فرق نہ آیا۔ دیکھئے! لکھنؤ میں ان کے دوست اور نیاز مند بھی موجود تھے، نائب السلطنت کی طرف سے دعوت بھی پہنچ چکی تھی، لیکن پہنچے تو نہ کسی کو خبر کی، نہ خود بخود کسی کے ہاں گئے۔ اپنے بھانجے کے مکان پر قیام کیا، چنے چبا کر وقت گزار لیا، لوگ خود آ کر دعوتوں کا انتظام کرنے لگے تو دعوتیں قبول فرمالیں۔

جائے قیام

سید صاحب لکھنؤ میں خاصی مدت تک ٹھہرے رہے، میری نظر سے جو روایتیں گذری ہیں، ان میں چھ یا سات جمعے وہاں ادا کرنے کا ذکر ہے۔ مولانا عبدالحئی ہر جمعہ کے بعد عموماً وعظ فرمایا کرتے تھے، جاتے ہی قندھاریوں کی چھاؤنی میں ٹھہرے تھے، پھر اسد علی بیگ کمیدان اور میرزا اشرف بیگ رسالدار آپ کو شہر میں لے گئے، اور اکبری دروازہ کے پاس میر مسکین کی حویلی میں ٹھہرایا۔ قیام گاہ یقیناً اچھی اور وسیع ہوگی، لیکن پاس کی مسجد بہت چھوٹی تھی، سید صاحب ایسی جگہ رہنا چاہتے تھے جہاں قریب وسیع مسجد ہو، تاکہ ساتھی بھی بہ اطمینان نماز ادا کرسکیں۔ چنانچہ مختلف روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ اسد علی بیگ کمیدان نے شیخ امام بخش تاجر کی نو تعمیر کوٹھی کا انتظام کرلیا، جو دریائے گومتی کے کنارے شاہ پیر محمد کے ٹیلے کی مسجد سے قریب تھی، چنانچہ سید صاحب اس میں منتقل ہوگئے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام رفیق کوٹھی میں ٹھہرے تھے لیکن خود سید صاحب شیخ امام بخش کے اس مکان میں قیام فرماتے جو یحییٰ گنج میں تھا۔

مولوی خرم علی بلہوری جب لکھنؤ میں سید صاحب سے ملے تو آپکا ڈیرا فقیر محمد خاں رسالدار کی قیام گاہ (واقع خیالی گنج) کے احاطے میں ایک خیمے میں تھا، ایک اور روایت میں ہے کہ سید صاحب امام علی خاں داروغہ شاہ لکھنؤ کے مکان میں ٹھہرے تھے۔

ان روایتوں میں تناقض نہیں، سید صاحب چونکہ ایک عرصے تک لکھنؤ میں قیام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرما رہے، یقین ہے کہ مختلف دوستوں یا ارادت مندوں کے اصرار کے باعث انہیں تھوڑے تھوڑے دن کئی جگہ ٹھہرنا پڑا ہوگا، جس راوی نے انہیں جہاں مقیم دیکھا، وہیں کا ذکر کر دیا۔ سمجھنا چاہئے کہ قیامِ لکھنؤ کے دوران میں سید صاحب ان تمام مقامات پر ٹھہرے ہوں گے، لیکن میرا خیال ہے کہ جماعت کے لوگ شیخ امام بخش تاجر کی کوٹھی ہی میں مقیم رہے اور جمعہ کی نماز برابر شاہ پیر محمد کے ٹیلے کی مسجد میں ہوتی تھی، جس کا نام مسجد عالمگیری تھا۔

دعوتیں

یقین ہے کہ قیامِ لکھنؤ کے دوران میں سید صاحب روزانہ یا اکثر کسی مرید یا دوست کے ہاں کھانے پر مدعو ہوتے تھے۔ بعض اوقات تمام رفیق ساتھ جاتے تھے، بعض اوقات صرف منتخب اصحاب کو دعوت دی جاتی تھی، جب کہیں دعوت نہیں ہوتی تھی تو جماعت میں عام دستور یہ تھا کہ ایک دیگ میں خشکہ پکایا جاتا اور دوسری میں دال۔ لکڑی کا ایک پیالہ بنوا لیا تھا جو پیمانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا، ہر شخص کو دو دو پیالے خشکہ مل جاتا اور تھوڑی تھوڑی دال دے دی جاتی۔ مساکین و فقرا بھی تقسیم کے وقت آ پہنچتے، افرادِ جماعت کے برابر انہیں بھی کھانا مل جاتا۔ جماعت والوں کی تو طبیعتیں ہی سید صاحب کی تربیت کے سانچے میں ڈھل کر ایسی بن چکی تھیں کہ انہیں جو کچھ مل جاتا خدا کی خاص نعمت سمجھ کر کھاتے اور کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی سراپا شکر بنے رہتے، لیکن بتایا گیا ہے کہ مساکین کو بھی اس دعوت شیراز میں اتنا مزا ملتا کہ وہ اونچے گھرانوں کے پُر تکلف کھانوں پر اس خشکے اور دال کو ترجیح دیتے تھے۔

جن اکابر کی دعوتوں کا ذکر روایتوں میں آیا ہے، ان میں سے مولانا عبدالرب فرنگی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محلی (۱)، مرزا حسن علی محدث (۲) معتمد الدولہ آغا میر نائب السلطنت اودھ، رسالدار فقیر محمد خاں آفریدی، عبدالباقی خاں قندھاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اصلاحی کام

لیکن ہمیں سب سے بڑھ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس دورے میں اصلاحی کام کس حد تک انجام پایا۔ مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کے اوقات گرامی کا بیشتر حصہ اصلاحی کاموں ہی میں صرف ہوتا تھا، بعض اوقات کھانا بھی وقت پر نہیں کھا سکتے تھے۔ مولانا عبدالحئی عموماً وعظ کہتے رہتے تھے، ہر ہفتے جمعہ کی نماز سے نمازِ عصر تک وعظ جاری رہتا، ہزاروں آدمی اس میں شریک ہوتے۔ کہتے ہیں کہ مولانا نے ان وعظوں میں سورۂ انبیاء کی تفسیر مکمل کردی، وہ ایک ایک پیغمبر کا اسوۂ حسنہ پوری تفصیل سے بیان فرماتے، ساتھ ساتھ بتاتے جاتے کہ خود ان کے عہد میں لوگوں کے اندر کیا کیا اخلاقی، اعتقادی اور عملی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، پھر ان خرابیوں کے ازالے پر توجہ فرماتے جو اہل

(۱) مولانا عبدالرب، ملا عبدالعلی بحرالعلوم کے چھوٹے صاحبزادے تھے، والد کے ساتھ رام پور اور بہار میں رہے، پھر مدراس چلے گئے، جہاں بحرالعلوم کو نواب محمد علی خاں والی کرناٹک نے بلا لیا تھا۔ درسی کتابیں والد سے پڑھیں، پھر نکاح کے لئے لکھنؤ آئے، والد کی وفات پر مولانا عبدالرب اپنے بھتیجے مولانا عبدالواحد (بن عبدالاعلیٰ بن بحرالعلوم) کے ساتھ مدراس گئے، اس وقت تک نواب نے ملا بحرالعلوم کی اسامی ایک اور صاحب کے حوالے کردی تھی، جسے ملازمت سے ہٹانا منظور نہ تھا، لیکن ملا صاحب کی تنخواہ نصف اس شخص کے نام لکھ دی اور نصف مولانا عبدالرب کے حوالے کردی۔ مولانا نے اپنے بھتیجے کو مدرس بنا دیا، خود دو سو روپے نواب مدراس کی سرکار سے اور پونے دو سو روپے سرکار انگریزی سے وظیفہ قبول کرلیا جو باقاعدہ ہر مہینے ریذیڈنسی کی معرفت انہیں لکھنؤ میں مل جاتا تھا، لکھنؤ ہی میں ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۷ء) میں وفات پائی۔

(۲) انہیں اس نام کے ایک دوسرے بزرگ سے امتیاز کی خاطر حسن علی صغیر کہتے ہیں۔ یحییٰ گنج میں رہتے تھے، میرک جمال الدین لقب تھا، بعض انہیں سادات علوی بتاتے ہیں اور بعض مغل۔ حدیث کی سند شاہ عبدالعزیز سے حاصل کی، پھر سیکڑوں آدمیوں کو حدیث پڑھائی، اپنی تحقیق سے شافعی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ۲۲ صفر ۱۲۵۵ھ (۱۱ مئی ۱۸۳۹ء) کو بہ عہد محمد علی شاہ والی اودھ فوت ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لکھنؤ میں عام طور پر رائج ہو چکی تھیں۔

ایک جمعہ میں اتنے آدمی آ گئے کہ وسعت کے باوجود مسجد میں ان سب کیلئے نماز ادا کرنا مشکل ہو گیا۔ سید صاحب نے حکم دیدیا کہ صفیں بالکل قریب قریب کھڑی ہو جائیں اور پیچھے والے لوگ آگے والوں کی پیٹھوں پر سجدے کریں، جگہ تنگ ہو تو ایسا کر لینا درست ہے۔ مولانا عبدالحئی نے وعظ میں سورۂ انبیاء کے پانچویں رکوع کی تفسیر بیان فرمائی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ ...... وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ، اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝

> اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے نیکی کی راہ عطا کی تھی اور ہم اس کے حال سے خبردار تھے، جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا ہیں یہ مورتیں، جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟...... اور لوط علیہ السلام کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے اس کو بچا نکالا اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کرتے تھے، اور وہ لوگ تھے بڑے نافرمان۔

راوی کا بیان ہے کہ اس تفسیر کے سلسلے میں مولانا نے تعزیہ داری، عرس، راگ، رنگ، گور پرستی، پیر پرستی، داڑھیاں منڈانا، لبیں بڑھانا، پٹے رکھنا، مسی لگانا، کبوتر اڑانا، مرغ لڑانا، سیٹی بجانا، پتنگ اڑانا اور اس قسم کی تمام باتوں کو سختی سے رد کیا۔ وعظ میں فرنگی محل کے علماء، مولانا سید دلدار علی مجتہد کے شاگرد اور دوسرے عمائد علم موجود تھے، سب پر سکتہ طاری تھا، اکثر زار زار رو رہے تھے۔

سید صاحب کا ارادہ ابتداء میں غالباً زیادہ ٹھہرنے کا نہ تھا، لیکن جب دیکھا کہ لوگ اصرار کر رہے ہیں اور یہ اندازہ بھی فرما لیا کہ امتدادِ قیام سے عوام کو فائدہ پہنچے گا تو ابتدائی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فیصلے کے خلاف قیام لمبا کر دیا۔

بیعت

اس موقع پر جن اکابر و عمائد نے بیعت کی ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر مندرجہ ذیل اصحاب ہیں:

مولانا محمد اشرف(۱)، مولوی سید مخدوم، مولوی امام الدین بنگالی، مولوی امام الدین لکھنوی،

مولوی عبد الباسط (شاگرد مولانا اشرف)، مولوی سید ابوالحسن نصیر آبادی (۲)، مولوی عبد اللہ فرنگی محلی، مولوی رحیم اللہ فرنگی محلی، مولوی نجیب اللہ بنگالی، شاہ یقین اللہ لکھنوی، مولوی حافظ عبد الوہاب (فرزند ارجمند شاہ یقین اللہ)۔

اسی موقع پر مولانا ولایت علی عظیم آبادی (۳) نے بیعت کی، یہ تعلیم کی غرض سے لکھنؤ آئے ہوئے تھے اور مولانا محمد اشرف کے پاس پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز استاد نے شاگرد کو سید صاحب کی کیفیت معلوم کرنے کیلئے بھیجا، جب انہوں نے واپس جا کر پورے حالات بیان کئے تو ملاقات کا شوق پیدا ہوا تخلیہ میں ملنے کے لئے وقت

(۱) قاضی نعمت اللہ خوش نویس کے فرزند تھے، ان کے بزرگوں میں سے کوئی صاحب لاہور سے لکھنؤ گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ مولانا محمد اشرف نے مولوی نور الحق فرنگی محلی اور سید مخدوم لکھنؤ سے علم حاصل کیا، تاج اللغات کی ترتیب میں شریک رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۹ء) میں بہ مرض ہیضہ وفات پائی اور اپنی مسجد واقع بھوانی ٹولہ کے حجرے میں دفن ہوئے۔

(۲) انہیں دادا ابوالحسن کہتے تھے۔ سید صاحب کے ساتھ سفر ہجرت کر کے سرحد پہنچے لڑائیوں میں شریک رہے، بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

(۳) پٹنہ کے ایک رئیس مولوی فتح علی کے صاحبزادے اور رفیع الدین حسین خاں کے نواسے تھے، جو بہار کے ناظم رہ چکے تھے، دنیوی جاہ و حشمت کی فراوانی میں پیدا ہوئے اور اسی حالت میں پرورش پائی، لیکن سید صاحب کے ساتھ تعلق پیدا ہوا تو حالت یکا یک بدل گئی، پھر زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کر دیا۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد انہیں نے جہاد کا علم از سر نو بلند کیا، ان کے مفصل حالات موقع پر بیان ہوں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقرر کرایا، استاد شاگرد دونوں پہنچے، سید صاحب نے دو گھنٹے تک وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر ایسے پر تاثیر انداز میں بیان فرمائی کہ استاد شاگرد دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا، اسی وقت دونوں نے بیعت کرلی۔

مولانا ولایت علی نے تعلیم چھوڑ دی اور سید صاحب کے ساتھ رائے بریلی چلے گئے۔ جماعت کے دوسرے آدمیوں کی طرح ہر کام میں برابر شریک رہتے تھے۔ مثلاً اینٹیں تھاپتے، گارا بناتے، جنگل سے لکڑیاں لاتے، فرصت پاتے تو شاہ اسماعیل صاحب سے پڑھتے۔

دو ہندو بھی سید صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، آپ نے ایک کا نام عبدالہادی اور دوسرے کا عبدالرحمٰن رکھا۔ رحیم بخش خیاط، احسان علی چوبدار اور عبدالستار عطار نے بھی بیعت کی، آخرالذکر سفر جہاد میں بھی ہمراہ تھا۔ مولوی نور احمد نگرامی (۱) نے مینڈو خاں (۲) رسالدار کے اہل لشکر کے طرف سے دعوت کی، جس میں مینڈو خاں کے بھائی عبداللہ بیگ خاں نے چار سو سواروں کے ساتھ بیعت کی۔

مینڈو خاں نے بھی بیعت کرلی تھی، اور اپنے لئے دعاء کرائی تھی، سید صاحب نے یہ شرط لگائی تھی کہ جو مسافر اس کی لین میں آجائیں ان کی مہمانداری کا حق ادا ہوتا رہے۔

حمزہ خاں رام پوری نے بھی اسی زمانے میں لکھنؤ پہنچ کر سید صاحب کی بیعت کی۔ تفصیل حمزہ خاں کے حالات میں ملے گی۔

---

(۱) مولوی نور احمد نگرامی سید صاحب کے ساتھ جہاد پر گئے، بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ انہوں نے سید صاحب کے حالات میں ایک کتاب "نور احمدی" کے نام سے مرتب کی تھی جس کی پوری روایتوں کی تصدیق سید صاحب سے کرلی تھی۔ یہ کتاب غالباً جنگ کے بعد بالاکوٹ کی آتش زنی میں جل گئی۔

(۲) مینڈو خاں، بہلل خاں رئیس دہلی کی اولاد میں سے تھے۔ لکھنؤ پہنچ کر متاجری کی بدولت بڑے صاحب ثروت بن گئے۔ پہلے رسالدار رہے، پھر خیر آباد اور بہرائچ کی علاقہ داری ملی، عبداللہ بیگ خاں ان کے بھائی تھے۔ مینڈو خاں کا عروج ختم ہوا تو خاندان کے افراد دہلی آگئے، پھر سلطنت آصفیہ میں ملازمت کا سلسلہ جاری ہوا، اس خاندان کے افراد میں سے ہمارے زمانے میں منظور احمد خاں نے بڑا عروج پایا، منظور جنگ کا خطاب ملا اور تعلق دار بن گئے تھے، تقسیم کے بعد فوت ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فاسقوں کی اصلاح

لکھنؤ میں چوروں اور فاسقوں کا ایک مشہور گروہ تھا، جس کے سرعسکر امان اللہ خاں تھے، ان کے بھائی سبحان خاں، مرزا ہمایوں بیگ، غلام حیدر خاں، صدو خاں اور غلام رسول خاں وغیرہ اس میں شامل تھے۔ یہ طمطراق کے ساتھ چوریاں کرتے اور جو کچھ ہاتھ آتا اسے عیش وعشرت میں اُڑاتے۔

ان میں سے غالباً امان اللہ خاں، سبحان خاں اور میرزا ہمایوں بیگ ایک روز شاہ پیر محمد کے ٹیلے کی مسجد میں وعظ سننے کیلئے آگئے۔ لوگوں کو ان کے جرائم پیشہ ہونے کا حال معلوم تھا، سید صاحب کو سب کچھ بتادیا۔ آپ نے بڑی ہی شفقت سے مصافحہ ومعانقہ کیا، عزت سے پاس بٹھایا، تھوڑی دیر بعد آپ نے پوچھا: آپ بھائی کیا کام کرتے ہیں؟ وہ جھوٹ بولنے کیلئے تیار نہ ہوئے، دو ایک مرتبہ سوال کا جواب ٹالا، پھر صاف صاف اپنا پورا حال بتادیا اور ساتھ ہی عرض کیا کہ ہم اسی وقت آپ کے ہاتھ پر تمام بری باتوں سے توبہ کرتے ہیں۔ یہ بھی بتادیا کہ ہم آپ کی شہرت سن کر محض دیکھنے کیلئے آگئے تھے، بیعت کا ارادہ نہ تھا لیکن آپ کے اخلاقِ عالیہ دیکھ کر آرزو پیدا ہوئی کہ کیوں نہ اپنی عاقبت درست کرلیں۔ سید صاحب نے ان سے بیعت لی، پھر ان کے دوسرے ساتھی بھی آکر بیعت ہوئے۔

سید صاحب جب رائے بریلی گئے تو امان اللہ خاں اور میرزا ہمایوں بیگ ساتھ ہوگئے، دوسرے اصحاب بھی جانا چاہتے تھے لیکن سید صاحب نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ ابھی اپنے مکان پر رہو، جب ہم جہاد کے لئے نکلیں گے تو ساتھ لے لیں گے۔ اس اثناء میں ان کے لئے فقیر محمد خاں رسالدار کے ہاں سے دس دس روپے ماہوار اس شرط پر مقرر کرادیے کہ چاہیں تو یہ لوگ گھر پر رہیں، چاہیں حاضر رہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چنانچہ ان میں سے امان اللہ خاں، مرزا ہمایوں بیگ اور غلام رسول خاں جہاد میں شریک تھے، آخرالذکر نے اکوڑہ کی جنگ میں شہادت پائی۔ امان اللہ خاں جنگ بالاکوٹ کے بعد ٹونک آ گئے تھے۔ میدان بالاکوٹ میں یہ آخری شخص تھے جنہوں نے سید صاحب کو زندہ دیکھا اور آپ کے آخری حالات کے بارے میں جتنی چشم دید روایتیں مہیا ہو سکیں، ان میں سے امان اللہ خاں کی روایت سب سے آخری ہے۔

معتمد الدولہ کی روش بدل گئی

ہم بتا چکے ہیں کہ معتمد الدولہ آغا میر نائب السلطنت اودھ ہی نے سید صاحب کو دعوت نامہ بھیج کر لکھنؤ بلایا تھا، یہاں ہزاروں آدمی آپ کے مرید بن گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں خاصی تعداد شیعہ حضرات کی تھی، اس وجہ سے اکابر کو تشویش لاحق ہوئی، سبحان علی خاں، تاج الدین حسین خاں(۱) اور بعض دوسرے حضرات نے سید صاحب کے وجود کو سلطنت اور امن عامہ کیلئے ایک بہت بڑا خطرہ بتا کر معتمد الدولہ کے پاس شکایت پہنچائی، اس نے چوبدار کی معرفت پیغام بھیج دیا کہ شیعہ حضرات کو حلقۂ ارادت میں داخل نہ کیا جائے۔ سید صاحب نے بے توقف جواب دیا کہ میں نصیحت کو روک نہیں سکتا، کسی پر جبر نہیں کرتا، جو آئے گا اسے پیغامِ حق سنانے میں کوتاہی نہ کروں گا۔

آغا میر جیسے مختار کل کے لئے یہ پیغام بالکل خلاف امید تھا اس نے پھر کہلا بھیجا کہ اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو مجھے بری الذمہ سمجھئے۔ سید صاحب نے پھر جواب دیا کہ میں عوام کو نامِ خدا کی تلقین کرتا ہوں، اگر تم لوگوں کا ارادہ فساد کا ہے تو اس کے ذمہ دار تم ٹھہرو گے، میں بالکل بے فکر ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ پروردگار لایزال کے حکم کے بغیر

---

(۱) سبحان علی خاں اور تاج الدین حسین خاں ذات کے کنبوہ تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلے سرکار انگریزی میں تحصیل دار تھے، سعادت علی خاں نے انہیں اپنے ہاں ملازم رکھا، بڑا عروج پایا، سبحان علی خاں آغا میر کا نائب بن گیا تھا بعد میں بھی برسر عروج رہا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجھے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

آغا میر نے تیسری مرتبہ فقیر محمد خاں رسالدار کو واسطہ بنایا اور کہا کہ سید صاحب کو سمجھاؤ ورنہ دو چار توپیں بھیج کر ان کی قیام گاہ کو مسمار کرا دوں گا۔ فقیر محمد خاں یہ پیغام لے کر آئے تو سید صاحب نے فرمایا:

آپ میرے قدیمی آشنا ہیں اور میرا حال جانتے ہیں، یہ بات مجھ سے نہ ہوگی کہ کلمۂ حق سے رک جاؤں، دو چار توپیں تو کیا چیز ہیں، میں تو سو توپوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ اگر مالکِ حقیقی میرا مددگار ہے تو مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

یہ حالات شاہی ملازموں سے سید صاحب کے مریدوں کو معلوم ہوئے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ ہم جاں نثاری کیلئے حاضر ہیں، لیکن آپ نے ان سے بھی کہہ دیا کہ بالکل امن چین سے بیٹھے رہو، مالکِ حقیقی کی حفاظت میرے لئے کافی ہے۔ فقیر محمد خاں رسالدار سے فرمایا:

اگر کہا جاتا کہ تم ہماری رعیت ہو، شہر سے چلے جاؤ تو اس میں کچھ عذر و حیلہ نہ ہوتا، ہم مان لیتے۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ کلمۂ خیر لوگوں کو تعلیم نہ کرو؟ یہ بات اسلام کے خلاف ہے، طالبِ خدا سنی ہو یا شیعہ، جو میرے پاس آئے گا، میں اس کو ضرور راہِ حق سکھاؤں گا۔ میرے جو مرید ہیں وہ بھی بے شک یکسو رہیں اور فساد کے وقت نواب کا ساتھ دیں، مجھے کوئی اندیشہ نہیں۔

یہ عزمِ راسخ دیکھ کر معتمد الدولہ خود بخود نرم ہو گیا۔ (۱)

---

(۱) بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد مشتاق ملاقات ہوا۔ لیکن یہ بیان اس وجہ سے قابل قبول نہیں کہ سید محمد علی کی روایت کے مطابق معتمد الدولہ نے خود دعوت بھیج کر سید صاحب کو لکھنؤ بلایا تھا، سید محمد علی نے دعوت نامے کا مضمون بھی لکھ دیا۔ جب تک کوئی مثبت قرینہ اس کے خلاف موجود نہ ہو، سید صاحب کے ابتدائی حالات کے بارے میں سید محمد علی کے بیانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ سید صاحب اور ان کے رفیقوں کا اثر و رسوخ دیکھ کر اور ارکانِ سلطنت کی طرف سے مسلسل شکایات سن کر معتمد الدولہ کی روش بدلی، پھر جب سید صاحب کے عزم و بے خوفی کا حال معلوم ہوا تو خاموش ہو گیا اور رفق و مدارات سے سید صاحب کو ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مرتبہ سید صاحب کو شہید کرنے کا انتظام کیا گیا اس انتظام کا ذمہ دار تاج الدین حسین خاں تھا، دونوں مرتبہ سازشیوں کو ناکامی ہوئی، جن آدمیوں کو قتل کے لئے بھیجا گیا تھا وہ سید صاحب کے مرید بن گئے۔

معتمد الدولہ کے ہاں دعوت

اس کے بعد معتمد الدولہ نے اپنے ہاں کھانے پر بلایا، سید صاحب اور ساتھیوں کے لئے پالکیاں، گھوڑے اور ہاتھی بھیجے۔ کھانا بہت پر تکلف تھا، اس دعوت میں فقیر محمد خاں رسالدار، مینڈو خاں رسالدار، تاج الدین حسین خاں اور سبحان علی خاں بھی شریک تھے۔ مذہبی گفتگو بھی ہوتی رہی، مثلاً سبحان علی خاں نے ''الحیاء شعبۃ من الایمان'' والی حدیث کا مطلب پوچھا۔ مولانا عبدالحیؒ نے پوری حدیث پڑھی، ایمان کی تمام شاخوں کی کیفیت بتائی۔ پھر بتاتے گئے کہ اصحاب ایمان کے اوصاف ونشانات کیا کیا ہیں، اور اربابِ کفر کی کون کون سی علامتیں ہیں۔ اسی سلسلے میں ان تمام اعتقادی اور عملی خرابیوں کو بے باکانہ کھول کر بیان کیا جو اس وقت اہل لکھنؤ میں رائج تھیں اور خود عمائدِ لکھنؤ بھی ان میں مبتلا تھے۔

سبحان علی خاں نے گفتگو کے دوران میں امیر معاویہؓ کے متعلق سوال کر دیا، مولانا شاہ اسماعیل نے اسکے جواب میں ایسی تقریر فرمائی کہ سبحان علی خاں دم بخود ہو کر بیٹھ گیا۔ سبحان علی خاں اور تاج الدین حسین خاں دونوں عقل ودانش اور علم وفضل میں یگانہ مانے جاتے تھے، معتمد الدولہ کو ان کی رائے اور خوش تقریری پر بڑا بھروسا تھا، لیکن مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیل کے سامنے دینی یا عقلی علوم میں وہ کیا ٹھہر سکتے تھے، معتمد الدولہ اتنا متاثر ہوا کہ کھانے کے بعد پانچ ہزار روپے بطور نذر پیش کئے، سید صاحب نے ہر چند معذرت کی، لیکن معتمد الدولہ نے قبول نذر پر اتنا اصرار کیا کہ سید صاحب نے فقیر محمد خاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے کہا کہ آپ لے کر اپنے پاس رکھ لیں۔ یہ وعدہ بھی فرمایا کہ رائے بریلی جانے سے پیشتر ایک مرتبہ پھر ملیں گے۔

رخصتی ملاقات میں سید صاحب نے ایک طرف معتمد الدولہ کو ان باتوں سے روکا جو رعایا پر ظلم کی حیثیت رکھتی تھیں، یہ فریضہ تبلیغ حق اور توصیہ خیر کی بجا آوری تھی، نیز ایک نہایت عمدہ، بلند اور قدآور گھوڑی معتمد الدولہ کو بطور تحفہ دی جس کے ساتھ بچہ بھی تھا۔ سید صاحب کا دستور تھا کہ وہ ارادت مندوں سے ہر قسم کی نذریں بے تکلف لیتے تھے، لیکن دوسرے آدمی اگر تحائف دیتے تھے تو یا تو انہیں قبول نہیں کرتے تھے، یا بدلے میں کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے، اگر چہ بہ لحاظ قیمت وہ کم پایہ ہی ہو۔ معتمد الدولہ نے عذر کیا اور کہا آپ تین چار گھوڑے خود میرے اصطبل سے پسند فرما کر لے جائیں، سید صاحب نے فرمایا کہ میں اور کچھ نہیں لوں گا، اور یہ گھوڑی آپ کو قبول کرنی ہوگی۔

جہاد شانِ ایمان ہے

سید صاحب کا عام انداز اگر چہ وہی تھا، جس پر اس وقت کے پیرزادے عمل پیرا تھے، لیکن اول خدمت دین اور اصلاح عقائد و اعمال کے جس جذبہ صادقہ سے آپ کا سینۂ صافی معمور تھا، وہ قرنوں سے کسی مصلح میں نظر نہیں آیا تھا۔ دوسرے سید صاحب ہر وقت تلوار، بندوق یا پستول باندھے رہتے تھے، تا کہ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ تازہ ہوتا رہے، پیرزادوں کا شیوہ و شعار یہ نہ تھا۔ ایک موقع پر عبدالباقی خاں قندھاری نے، جو سید صاحب کا مخلص معتقد تھا، عرض کیا کہ آپ کی ہر ادا محبوب و دلکش ہے، لیکن ایک بات ناپسند ہے، جو آپ کے خاندان والا شان کے شعار سے مطابقت نہیں رکھتی۔ آپ کو وہی زیب دیتا ہے جو آپ کے آباء واجداد کرتے آئے ہیں۔

سید صاحب نے پوچھا وہ کیا؟ عبدالباقی نے کہا تلوار اور بندوق باندھنا۔ یہ سب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسباب جہالت ہیں۔

یہ سنتے ہی سید صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

> خان صاحب! اس وقت آپ کو کیا جواب دوں؟ اگر آپ سوچیں تو یہی کافی ہے کہ یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائے تا کہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں، خصوصاً ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسباب سے کام لے کر تمام اشرار کو زیر کیا اور جہان میں دین حق کو روشنی بخشی۔ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو نہ تم ہوتے نہ ہم ہوتے، بالفرض ہوتے تو خدا جانے کس دین و ملت میں ہوتے۔ آپ نے یہ ایسا کلمہ زبان سے نکالا کہ خدا کے بھی گناہگار ہوئے اور اپنا بھی نقصان کیا۔

یوں تو سید صاحب کی پوری زندگی سراسر تبلیغ حق اور قیامِ شریعت کیلئے وقف ہو چکی تھی، لیکن اس زمانے میں دو باتوں پر خاص زور دیتے تھے، اول یہ کہ عورتیں شرک سے احتراز کریں، ظاہر ہے کہ عورتوں کی اصلاح پر پوری امت کی اصلاح کا مدار تھا، اس لئے کہ آئندہ نسلیں انہیں کی آغوش میں پرورش پانی تھی، دوسرے یہ کہ ہر مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کی نیت رکھے، اور اس مقصد عظیم کو کسی بھی وقت فراموش نہ کرے۔

مراجعت

سید صاحب کو بادشاہ سے ملنے کا موقع میسر آتا تو اسے بھی ضرور پیغامِ حق سناتے، لیکن معتمد الدولہ، سبحان علی خاں، تاج الدین حسین خاں وغیرہ ذی رسوخ درباریوں نے ملاقات کی صورت پیدا نہ ہونے دی۔ سید صاحب لکھنؤ سے نکلے تو پہلے دولت گنج میں قیام فرمایا، پھر حسن گنج ٹھہرتے ہوئے رائے بریلی پہنچ گئے۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ معلوم ہوا غازی الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ نے کہیں سے سید صاحب کا ذکر سن لیا اور ملاقات کا مشتاق بن گیا، چنانچہ پھر سید صاحب کی طلبی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خطوط پہنچے۔ اس مرتبہ آپ خود نہ گئے، مولانا عبدالحیٔ اور شاہ اسماعیل کو بیس پچیس آدمیوں کے ہمراہ بھیج دیا، یہ بزرگ تقریباً دو ہفتے لکھنؤ میں ٹھہرے رہے، انہیں روزانہ ایک رقم مہمان داری کے طور پر مل جاتی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ سے ملاقات کا سلسلہ مؤخر ہوتا جا رہا ہے تو واپس چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ اس مرتبہ بھی تاج الدین حسین خاں اور سبحان علی خاں نے مختلف تدبیروں سے ملاقات کو مشکل بنا دیا تھا، یہ ''وقائع'' کا بیان ہے، ''مخزنِ احمدی'' اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔

تعمیر مکان

لکھنؤ سے واپسی کے بعد ارادت مندوں اور ملاقات کے شائقوں کی اس درجہ کثرت ہوگئی کہ ایک مرتبہ سید صاحب مہمان خواتین کی زیادتی کے باعث کئی روز تک اپنے گھر بھی نہ جا سکے۔ اس بناء پر مہمانوں کیلئے ایک جداگانہ مکان بنانے کی ضرورت پیش آئی، ایک روز بیلچے اور کلند لے کر خود ایک گڑھے میں اُتر گئے، جس میں پانی تھا اور اینٹیں تھاپنے لگے۔ یہ دیکھتے ہی ارادت منداس کام میں لگ گئے اور پندرہ بیس روز میں پچاس ہزار اینٹیں تیار ہوگئیں۔ دو مہینے میں نیا مکان بن گیا جو بالکل کچا تھا۔ سید صاحب اپنے اہل وعیال کو اس نئے مکان میں لے آئے، جدی مکان مہمان عورتوں کے لئے وقف فرما دیا، مہمان مرد عموماً مسجد یا آس پاس کے حجروں میں ٹھہرتے تھے۔

مولانا ولایت علی تعلیم چھوڑ کر لکھنؤ سے سید صاحب کے ساتھ رائے بریلی پہنچ گئے تھے، وہ بھی تعمیر مکان میں عام ارادت مندوں کے برابر کام کرتے رہے۔ انہیں دنوں میں ان کے والد نے ایک آدمی کو ان کی تلاش میں رائے بریلی بھیجا، وہ اپنے ساتھ روپے اور کپڑے بھی لایا، مولانا ایک موٹا سیاہ تہ بند پہنے ہوئے گارے میں لت پت تھے۔ آدمی انہیں پہچان نہ سکا، جب لوگوں کے بتانے سے اس نے پہچانا تو مولانا کی حالت دیکھ کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زار زار رونے لگا، نقود و ملبوسات دے کر بولا کہ انہیں اپنے استعمال میں لائیے۔ مولانا سیدھے سید صاحب کی خدمت میں پہنچے، تمام چیزیں آپ کے سامنے رکھ دیں، چپ چاپ واپس چلے آئے۔

آدمی نے عظیم آباد واپس جا کر ساری کیفیت مولانا کے والد مولوی فتح علی کو سنائی تو وہ اپنے فرزند اصغر فرحت حسین کو لے کر خود رائے بریلی آئے اور سید صاحب کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

سید صاحب کے فیض صحبت کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ امیر گھرانوں کے نونہالوں کے دل میں خدمت دین کی سچی تڑپ پیدا ہوگئی، وہ دنیوی راحت و آسائش کی ہر متاع کو بے دریغ ٹھکرا کر محنت و مشقت، زحمت کشی و جاں فشانی کو عین راحت سمجھنے لگے، یہ اس پاک نفس سید کی تربیت تھی جس کی بدولت اکثر نیاز مند منزل عزیمت پر پہنچے۔ عزیمت کو مدار کار بنائے بغیر اس میدان میں اترنا بالکل خارج از بحث تھا، جس کی دعوت کا پرچم سید صاحب نے بلند کیا تھا، نظیری نے کیا خوب کہا ہے۔

جائے کہ عاشقان اند، اختر بہ عکس گردد
دل در بلا سعید است، سر در خطر مبارک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سولہواں باب:

عزمِ حج

غیر متوقع فیصلہ

سید صاحب نے نواب امیر خاں سے الگ ہو کر جہاد کیلئے جس مستقل تنظیم کا فیصلہ کیا تھا وہ اس حد تک پوری ہو چکی تھی کہ آپ ہندوستان سے ہجرت کر کے ایک آزاد مقام پر جا بیٹھتے، اس طرح اصل کام بھی شروع کر دیتے اور تنظیم کو بھی ساتھ ساتھ پورے اہتمام سے چلاتے جاتے۔ چنانچہ لکھنؤ سے مراجعت کے تھوڑی دیر بعد آپ نے اپنے رفقائے خاص یعنی شاہ اسماعیل، مولانا عبد الحیؒ اور بعض دوسرے اصحاب کو رائے بریلی سے رخصت فرمادیا تھا کہ اپنے خانگی معاملات کے انتظامات سے پوری فراغت حاصل کر لیں، تاکہ اطمینان و دلجمعی سے جہاد میں مشغول ہو سکیں۔ پھر اہل وعیال یا جائدادوں کی کوئی الجھن ان کی یکسوئی میں خلل انداز نہ ہو سکے، راہِ ہجرت میں قدم اٹھانے کا قطعی فیصلہ ہو چکا تھا، صرف اس امر کا انتظار تھا کہ جن اصحاب کو ساتھ جانا ہے وہ فارغ ہو کر پہنچ جائیں، اس اثناء میں اچانک آپ نے حج کا ارادہ فرمالیا۔

روایت ہے کہ ایک روز بعد نمازِ اشراق آپ مسجد تکیہ کی چھت پر چلے گئے، وہاں سے آواز دی کہ جتنے بھائی موجود ہوں سب چھت پر آجائیں۔(۱) ارادت مندوں نے

(۱) سید صاحب ارادت مندوں کو عموماً "بھائی" کہہ کر مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ گویا حق دوست اصحاب کی جو جماعت انہوں نے تیار کی تھی وہ سراسر اخوت و برادری پر قائم تھی، ان کے درمیان ایک ہی رشتہ تھا، اور وہ اسلام کا رشتہ تھا۔ جس نے خاندان، نسل یا دنیوی وسائل کے تمام امتیازات مٹا دیے تھے۔ مختلف افراد کو مخاطب فرماتے تو "بھائی" کے ساتھ ان لوگوں کے مخصوص القاب شامل کر لیتے مثلاً "خان بھائی" یا "شیخ بھائی"۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس حکم کی تعمیل کی، آگے پیچھے چھت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سید صاحب مسجد کی منڈیر پر جو گھٹنوں سے ذرا اونچی تھی، دونوں ہاتھ ٹیکے کھڑے ہیں اور سئی ندی کی طرف دیکھ رہے ہیں، پھر ارادت مندوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حج کو چلیں گے۔ اس پر سب کو تعجب ہوا، بعض نے عرض کیا کہ آپ نے تو ہجرت کا ارادہ کر رکھا تھا؟ فرمایا: اب مرضی الٰہی یہی ہے کہ پہلے حج کیا جائے۔

جو اصحاب اس موقع پر موجود تھے، ان کی تعداد معلوم نہیں، صرف مندرجہ ذیل کے نام روایت میں آئے ہیں: مولوی عبدالرحیم کاندھلوی، مولوی پیر محمد بانس بریلی کے، مولوی محمد قاسم پانی پتی، مولوی عبداللہ الٰہ آبادی اور میاں دین محمد جو سید صاحب کے خادمِ خاص تھے۔

ارادہ کیوں بدلا؟

سوال یہ ہے کہ یکایک ارادہ کیوں بدلا؟ کیوں ضروری سمجھا کہ آغازِ جہاد سے پہلے حج کرلیں؟ کیا جذبۂ ادائے فرض اس سلسلے میں محرک بنا تھا؟ یہ جذبہ بجائے خود کتنا ہی قابلِ قدر ہو، لیکن جس حد تک میں اندازہ کر سکا ہوں، سید صاحب کے مالی وسائل "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا" کے مطابق نہ تھے، اور آپ نے حج کیلئے صلائے عام کی جو صدا لگادی تھی، اسے تو اس شرط سے قطعاً کوئی مناسبت نہ تھی، پھر وہ کس وجہ سے یکایک اس طرف متوجہ ہو گئے؟

میرے نزدیک اس فیصلے کی وجہ یہ تھی کہ علمائے ہند کے ایک گروہ نے بحری سفر میں اندیشۂ ہلاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریضہ حج کے استقاط کا فتویٰ دیدیا تھا، سید صاحب لکھنؤ میں تھے، جب اس قسم کا فتویٰ انکے سامنے پیش ہوا تھا۔ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحیٔ نے سختی سے اسے رد کرتے ہوئے فرضیت کا اثبات فرمایا۔ ایک صاحب منشی خیرالدین نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اصل فتویٰ اور اس کا رد شاہ عبدالعزیز کے پاس بھیج کر آخری فیصلہ طلب کیا۔

اسی وقت سے یہ اہم معاملہ سید صاحب کے پیش نظر ہوگا، یہ سوچتے رہے ہوں گے کہ اس فتنے کے سدِ باب کی موثر ترین صورت کیا ہو سکتی ہے؟ نصوصِ شرعیہ کی بناء پر اس کا رد کیا جا سکتا تھا، اور کیا گیا لیکن اتنا ہرگز کافی نہ تھا، دینی حمیت کا چراغ بجھ رہا تھا، استعداد عمل ضعیف ہو چکی تھی، ایسی حالت میں بہانہ جو طبیعتوں کیلئے غلط اور بے سروپا سہارے بھی اور فرض سے کنارہ کشی کی بہت بڑی دستاویز بن سکتے تھے۔ غور و فکر کے بعد سید صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ خود حج کریں، مسلمانوں کو صلائے عام دیدیں کہ جس کا جی چاہے تیار ہو جائے، خواہ اس کے پاس خرچ ہو یا نہ ہو، میں اپنی ذمہ داری پر سب کو حرمین شریفین پہنچاؤں گا اور اللہ کے فضل و کرم سے حج کرا کے لاؤں گا۔

فتوے کا پس منظر

مسلمانوں کے عہد عروج و اقبال میں بھی یہاں سے ہزاروں لوگ حج کیلئے جاتے تھے، امراء کی یہ حالت تھی کہ جب دربار میں کسی کی ہوا اکھڑتی تو وہ حرمین کا راستہ لے لیتا، جو اس دنیا میں ہر مسلمان کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے۔ اس زمانے میں بحر ہند اور بحیرۂ عرب پر عرب جہاز رانوں کا قبضہ تھا، جب پرتگیز ان سمندروں پر چھا گئے تو حجاج کے لئے خطرات پیدا ہو گئے، اس لئے کہ پرتگیز اپنے وطن میں صدیوں تک مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے تھے، اور مسلم دشمنی ان کی فطرت میں رچی ہوئی تھی۔ مغلوں کے عہد میں انھوں نے اور انگریزوں نے کئی مرتبہ حاجیوں کے جہاز کو نقصان پہنچایا اور اس وجہ سے عبرت ناک سزائیں پائیں۔ جب مغلوں کی حکومت کمزور ہو گئی تو فرنگی چیرہ دستیوں میں بے باک ہو گئے۔ اس وجہ سے بعض مسلمان علماء کو عذر تراشیوں کا موقع مل گیا اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ سمندر کے سفر میں بعض وقت جہاز ڈوب بھی جاتے ہیں یا ڈبو دیے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جاتے ہیں لہٰذا امن طریق باقی نہ رہا، جو من جملہ شرائط حج ہے۔ جب یہ شرط فوت ہوگئی تو مشروط کی فرضیت بھی اصلی حالت پر قائم نہ رہی۔

عبرت ناک بے عزمی

جب مسلمان خوف غیر اللہ سے کاملاً آزاد تھے اور ان کے عزم وہمت کی شمشیر کے لئے خطرات وبہا لک سنگ فساں کا کام دیتے تھے تو ان کے سفینے ساتوں سمندروں کے سینوں پر رات دن بے تکلف دوڑتے پھرتے تھے۔ وہی تھے جو ایشیاء کا مال یورپ اور یورپ کا مال ایشیاء پہنچاتے تھے۔ وہی تھے جنھوں نے ساری دنیا کے لئے بحری تجارت کی راہیں کھولیں۔ وہی تھے جن کی قیادت میں واسکوڈی گاما افریقہ کے ساحل سے ہندوستان پہنچا۔ وہی تھے جو کولمبس کے بیڑے کو یورپ سے امریکہ لے گئے۔ لیکن جب ان پر زبوں عزمی وہمت کی بلا نازل ہوئی تو ان کا سارا زور کاوش احکام شریعت کو ساقط قرار دینے میں صرف ہونے لگا۔

مسلمانوں کے سامنے فرنگی تاجر آٹھ آٹھ دس دس ہزار میل کے چکر لگا کر ہندوستان، جزائر شرق الہند اور چین تک پہنچ گئے تھے، حالانکہ ان لوگوں کے سامنے کوئی دینی غرض اور کوئی مذہبی فرض نہ تھا، محض مال وثروت کی فراہمی ان کی جاں بازیوں کا مرجع تھی، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ اپنے ایک دینی رکن کی بجا آوری میں تین ہزار میل کے بحری سفر کی ہمت سے بھی محروم ہوگئے اور امکانی خطرات کے عذر کی بناء پر حج کی فرضیت کو ختم کردینا انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی نازیبا معلوم نہ ہوا۔

بے شک مشکلات موجود تھیں، خطرات میں کلام نہ تھا، لیکن دینی حمیت کا تقاضا یہ تھا کہ عزم وہمت کی بناء پر مشکلات کو دور کیا جاتا اور خطرات کی سنگینی کو توڑا جاتا، نہ یہ کہ مشکلات وخطرات کی وجہ سے اصل فرض کی جڑ پر اسقاط کا کلہاڑا رکھ دیا جاتا۔ بدر جہا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زیادہ خطرات کا ہجوم فرنگیوں کی حرص مال وزر کو افسردہ نہ کر سکا، لیکن ان مدعیانِ اسلام کے باب میں کیا عرض کیا جائے، جن کیلئے کمتر خطرات کا وجود ایک عظیم دینی فریضے کی بجا آوری میں عناں گیر ہو گیا، یہاں تک کہ انھیں عدمِ فرضیتِ حج کا فتویٰ تیار کرتے ہوئے بھی تامل نہ ہوا؟ تنہا اسی واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سید صاحب کے زمانے میں مسلمانوں کا دینی جذبہ کس درجہ پست وافسردہ ہو چکا تھا اور ان کے فکر و ہمت کا زریخ کس منزل پر پہنچ گیا تھا۔

شاہ عبدالعزیز کا فیصلہ

لکھنو والا فتویٰ اور شاہ اسماعیل و مولانا عبدالحیٔ کا رد جب آخری فیصلے کیلئے شاہ عبدالعزیز کے روبرو پیش ہوا تو انھوں نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

1 - علومِ دینیہ و عقلیہ میں اسماعیل اور عبدالحیٔ کا پایہ مجھ سے کم نہیں۔

۲ - جن لوگوں نے فریضۂ حج کو ساقط قرار دیا، انکے سامنے فتاویٰ کی دو چار مشہور کتابوں کے سوا کچھ نہیں، حالانکہ ان کتابوں کی سند ہرگز بلند نہیں اور جن معتبر کتابوں پر دین کا مدار ہے، ان سے یہ لوگ بہرہ وافر نہیں رکھتے۔

۳ - ان کے بیان کردہ حالات کی سند درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اور ان کے لگائے ہوئے حکموں پر عمل پیرا ہونا سراسر گمراہی کا موجب ہے۔

۴ - جن حضرات نے آج فرضیت حج کے اسقاط کا فتویٰ دے دیا ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کل نماز روزہ کی معافی کا حکم بھی نہ لکھ دیں گے؟ زکوٰۃ تو ان کے نزدیک بدرجۂ اولیٰ ساقط ہو گی۔

شاہ صاحب مرحوم نے تفسیر عزیزی میں بھی بسلسلہ تشریحات وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِيْ .... الخ مسئلے کے اس پہلو پر توجہ فرمائی تھی اور لکھا تھا:

ہر چند جہاز را گاہے نوبت بہ تباہی عارض شود، اما بیشتر اوقات بہ سلامت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

می رسد۔ پس او را خلاف امن طریق نتواں شمرد۔

ترجمہ : اگرچہ جہاز بعض اوقات ڈوب بھی جاتا ہے، لیکن چونکہ بالاکثر بسلامت منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے، اس لیے گاہ گاہ کی غرقابی کو امن طریق کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔

لیکن یہ صرف علمی اور نظری بحثیں تھیں اور اصل فتنے کے انسداد کیلئے ایک زبردست عملی اقدام کی ضرورت تھی۔ یہ اقدام ایک صاحب عزم قائد اور ایک بلند ہمت رہنما کی سبقت بالخیرات کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ سید صاحب کو خدا نے اپنے فضلِ خاص سے یہ اوصاف عطا کیے تھے، لہٰذا وہ نظر بہ بظاہر فقدانِ وسائل کے باوجود میدانِ عمل میں آ گئے۔ ان کے سوا کون ایسے اہم کام کا بیڑا اٹھا سکتا تھا؟

وسائل اور عمل

وسائل خود جمع نہیں ہوتے، انسان اپنے عزم و ہمت سے ان کی فراہمی کا انتظام کرتا ہے۔ مسلمانوں کو جب روم و ایران کی شاہنشاہیوں کے ساتھ بیک وقت جنگیں پیش آ گئی تھیں تو ان کے پاس کونسے وسائل تھے؟ اور جو تھے، ان کی حیثیت روم و ایران کے لاانتہائی خزائن کے سامنے کیا تھی؟ لیکن مسلمانوں کے عزم و ہمت کے مقابلے میں ان شاہنشاہیوں کے صدیوں کے اندوختے کچھ کام نہ دے سکے۔ قادسیہ، نہاوند اور یرموک کے معرکوں نے ہمیشہ کیلئے دنیا پر آشکارا کر دیا کہ فوجوں کے جنگل، مال و ثروت کے انبار اور اسلحہ کے لاانتہائی ذخائر انسانی عزم و ہمت کے سامنے ہیچ ہیں۔ روحِ ایمان کی کارفرمائی کو مادی ساز و سامان کی فراوانی ہرگز نہیں روک سکتی۔

یہ بڑے بڑے سپہ سالار، جنھوں نے کشور کشائی میں عالمگیر شہرت حاصل کی، کیا سارے سامان ماں کے پیٹ سے لے کر آئے تھے؟ بالکل معمولی حالت میں کام شروع کیا، اپنے عزم و ہمت اور خداداد صلاحیتوں کی بناء پر اتنے سامان فراہم کر لیے کہ ان کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نام سن کر ہر صاحب وسائل پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

سید صاحب اس حقیقت کو خوب سمجھ چکے تھے۔ انھیں خدا نے ایسی ہمت عطا فرمائی تھی جسے مشکلات کا کوئی ہجوم شکست نہیں دے سکتا تھا۔ ایسا عزم دیا تھا، جس میں خفیف سی لچک بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر وہ ایمان و اخلاص کی سچی روح سے لبریز تھے۔ انھیں مالک الکل کی ذات پاک پر پورا بھروسہ تھا، لہٰذا باوجود فقدانِ وسائل فتح باب حج کا جھنڈا اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے عزم و اخلاص کی برکت سے وسائل خود بخود فراہم ہوتے گئے، جیسا کہ آئندہ ابواب کے ملاحظے سے واضح ہوگا، اور جس دروازہ کو بے عزم علماء بند کرنے کے درپے تھے، وہ اس طرح کھل گیا کہ پھر کسی کو اسے بند کرنے کیلئے ہاتھ بڑھانے کا حوصلہ نہ ہوا۔

خطوطِ دعوت

بہرحال سید صاحب چونکہ فتح باب حج کی غرض سے اٹھے تھے، اس لئے یہ فرض ایسے طریقے پر بجالانے کا فیصلہ کرلیا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں اس کی اہمیت کا غلغلہ بلند ہو جائے اور خطراتِ طریق کے عذر تراشوں کا ہر فتوائے دجل اس غلغلے کی موجوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے تمام ارادت مندوں کو سید زین العابدین (ابن سید احمد علی، خواہرزادۂ سید صاحب) سے خط لکھوائے، جن کا مضمون یہ تھا:

> ہم واسطے ادائے حج کے بیت اللہ جاتے ہیں۔ جن جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو، انھیں اپنے ہمراہ لائیں۔ مگر یہ حقیقت ہر ایک پر واضح کردیں کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے، نہ خزانہ، محض اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے جاتے ہیں۔ اس کی پاک ذات سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہماری مراد پوری کرے گا اور جہاں کہیں راستے میں واسطے حاجت ضروری کے خرچ نہ ہوگا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے۔ جب بخوبی خرچ جمع ہو جائے گا
تب وہاں سے آگے کو روانہ ہوں گے۔ عورتیں اور ضعیف مرد جو مزدوری کے
قابل نہ ہوں گے، ڈیروں کی نگرانی پر رہیں گے، اور اس خرچ میں کمانے والے
اور ڈیروں پر رہنے والے سب برابر کے شریک ہوں گے۔

جن صاحبوں کو یہ خط بھیجے گئے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: مولانا عبدالحی (بڑھانہ)، مولانا شاہ اسماعیل (دہلی) مولوی وحید الدین، انکے بھائی حافظ قطب الدین اور ان کے والد حافظ معین الدین (پھلت)، مولانا وجیہ الدین، حافظ عبدالرب، حکیم مغیث الدین اور انکے بھانجے شہاب الدین (سہارنپور)، ملاّ دوندے (بھاڈپور)۔(۱)

اقربا کو دعوت

یہ تمام خطوط جان محمد پھلاسہ والے کے ہاتھ بھیجے گئے تھے، اس لئے بھی کہ اس زمانے میں ڈاک کا انتظام نہ تھا اور اس لئے بھی کہ قاصد ہر مکتوب الیہ پر سید صاحب کے عزم راسخ کی کیفیت پوری طرح واضح کر دے۔ تھوڑی ہی مدت میں تمام ارادت مندوں کی طرف سے جوابات آ گئے۔ ان میں سے ایک جواب یہ تھا:

بشارت نامہ ہدایت شمامہ آیا۔ نہایت معزز و ممتاز اور خوش دل و سرفراز فرمایا۔
کیفیت فیض طویت جو اس میں درج تھی، دریافت ہوئی۔ انشاء اللہ عن قریب حاضر
خدمت سراپا برکت ہونگے اور موافق ارشاد ہدایت بنیاد حضور پر نور وافر السرور کے
جو صاحب عازم بیت اللہ ہونگے، انھیں ساتھ لائیں گے۔

اس اثناء میں سید صاحب نے اپنے اقربا کو بھی دعوت عام دے دی، خواہ وہ تکیے میں رہتے تھے یا قلعہ میں، نصیر آباد میں تھے یا جائس میں۔ بلکہ رائے بریلی کے پٹھانوں

(۱) وقائع ص: ۲۱۷۔ روایت میں ہے کہ جس طرح حکیم مغیث الدین کی ذات بابرکت سے سہارنپور والوں کو ہدایت ہوئی تھی اسی طرح سے ملا دوندے کے سبب اطراف و نواح سہارنپور میں بے شمار لوگ راہ حق پر لگے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور عام مسلمانوں سے بھی کہا کہ جس جس کا جی چاہے تیار ہو جائے، خرچ کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔ زیادہ تر اقربا ابتدا میں متوقف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ علماء نے تو امن طریق نہ ہونے کے باعث اہل ثروت پر بھی حج فرض ہونے سے اختلاف کیا ہے، آپ کے پاس تو ایک دن کا خرچ بھی موجود نہیں۔ پھر کیوں عزیزوں کو خراب اور پریشان کرنے کے درپے ہیں؟ لیکن سید صاحب سب سے کہتے تھے کہ ساری تنگی رائے بریلی میں ٹھہرے رہنے تک ہے۔ یہاں سے نکلیں گے تو دیکھ لینا خدائے قدیر کس طرح ہر ضرورت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ بہر حال میں ہر شخص کو پہلے حرمین بھجواؤں گا اور خود سب کے آخر میں جاؤں گا۔ چند اقربا ابتدا ہی سے تیار تھے: سید محمد یعقوب (برادر زادہ سید صاحب) مع والدۂ ماجدہ، سید محمد علی، سید احمد علی، سید حمید الدین اور سید عبدالرحمن (خواہر زادگان سید صاحب) مع والدہ واہل وعیال۔ سید صاحب کی خالہ (سید محمد کی خوش دامن) سید محمد ظاہر، سید محمد عمر نصیر آبادی، میاں محمد قائم جائسی (سید صاحب کے ہم زلف)۔

ایک روایت میں ہے کہ سید محمد علی ابتدا میں تنہا تیار ہوئے تھے۔ سید صاحب انھیں ملاّ کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک روز پوچھا کہ بال بچوں کو کیوں ساتھ نہیں لیتے؟ سید محمد علی نے عذر پیش کیے تو فرمایا:

> بھائی! شاید موت کا ڈر ہے۔ بالفرض والتقدیر موت پیش بھی آ جائے تو نہیں سنا کہ مرگ انبوہ جشنے دارد؟ مع ہذا حج وعمرہ کا ثواب ملے گا نیز شرف شہادت، جس کا جویا ہر مسلمان ہے۔

اس کے بعد سید محمد علی بھی مع اہل وعیال تیار ہو گئے۔

عازمین کی آمد

سید صاحب جس زمانے میں کانپور کے دوسرے دورے سے رائے بریلی واپس جارہے تھے تو کوڑا میں شیخ ولی محمد اور شیخ عبدالحکیم (باشندگان پھلت) ملے اور بتایا کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا عبدالحیؒ تیس پینتیس اصحاب کے قافلے کے ساتھ آ رہے ہیں۔ انھیں تو تین روز کے نئے کان پور والوں نے روک لیا۔ ڈلموٗ کے گھاٹ پر عازمین حج کا یہ قافلہ سید صاحب سے ملا۔ رائے بریلی پہنچے تو اقربا کو یقین ہوا کہ حج کا ارادہ پختہ ہے، اس لئے کہ مولانا عبدالحیؒ قافلے کو لے کر پہنچ گئے تھے۔ انھیں دنوں میں مولانا شاہ اسماعیل کا خط ملا کہ حکیم مغیث الدین اور مولوی وجیہ الدین سہارنپوری، مولوی وحید الدین اور حافظ قطب الدین پھلتی وغیرہ عورت و مرد اڑھائی سو کا قافلہ جس میں خود میں بھی شامل ہوں، گڑھ مکتیسر کے گھاٹ سے کشتیوں پر سوار ہو چکا ہے۔ اس وقت سے سید صاحب نے سفر کا ضروری سامان ڈلموٗ بھیجنا شروع کر دیا، جہاں سے پورے قافلے کو لے کر کشتیوں پر کلکتہ روانہ ہونا تھا۔

اس زمانے میں اکثر لوگ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بے سروسامانی کا ذکر چھیڑ دیتے تھے۔ آپ نے ایک روز فرمایا: اگر آج والیٔ لکھنؤ اعلان کر دے کہ جس مسلمان کا جی چاہے حج کے لئے تیار ہو جائے، خرچ میں ادا کروں گا تو کیا لوگ اس اعلان پر یقین نہ کریں گے؟ ایک معمولی دنیوی حکمراں کے اعلان پر آپ لوگوں کو اتنا بھروسا ہے، جس کے وسائل بہرحال محدود ہیں، اور خدائے پاک کے فضل ورحمت پر تکیہ کرنے میں تامل ہے؟ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ کتنی افسوس ناک بات ہے۔ میں اگر عام مسلمانوں کو حج کی دعوت دیتا ہوں تو اسی رحیم وکریم خدا کی رحمت کے بھروسے پر دیتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس کی رحمت سے یہ کام پورا ہوگا۔

قافلہ

غرض تمام افراد زن و مرد رائے بریلی میں جمع ہو گئے۔ اس کے بعد جو قافلہ تیار ہوا، اس کی یہ کیفیت تھی:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شاہ اسماعیل اور اصحاب پھلت و سہارن پور	تقریباً ڈھائی سو
مولانا عبدالحیّ کا قافلہ	تقریباً چالیس افراد
سید صاحب کے اقربا	تقریباً چالیس افراد
رائے بریلی، دلمو، جائس نصیر آباد وغیرہ کے افراد	تقریباً ایک سو

اس طرح کم و بیش چار سو افراد کا قافلہ تیار ہو گیا، جو شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ (۳۰۔ جولائی ۱۸۲۱ء) کو پیر کے دن کامل بے سرو سامانی کی حالت میں رائے بریلی سے روانہ ہوا۔

نہ برگ و ساز کی پروا، نہ انتظارِ رفیق — یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
اگر خدا پہ بھروسا ہے، ہو یگانہ رواں — خدا سے بڑھ کے نہیں برگ و ساز کی توفیق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سترہواں باب:

سفر حج

(رائے بریلی سے الٰہ آباد تک)

روانگی

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سید صاحب کا قافلہ رائے بریلی سے ڈلمؤ روانہ ہوا، جہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کر کلکتہ جانا منظور تھا اور پورے قافلے میں کم وبیش چار سو افراد تھے۔ زیادہ تر مرد، ان سے کم تر عورتیں، ان سے کم بچے۔ عام شہرت ہو چکی تھی کہ سید صاحب بڑے قافلے کے ساتھ حج پر جا رہے ہیں اور جو ساتھ جانا چاہے اس کے خرچ کی ذمہ داری اٹھا رہے ہیں۔ اس وجہ سے واقعے نے بہت اہمیت اختیار کر لی تھی اور لوگ جوق در جوق دیکھنے کیلئے چلے آ رہے تھے۔

سید صاحب نے تمام انتظامی معاملات مولوی محمد یوسف پھلتی کے سپرد کر رکھے تھے۔ روانگی کے وقت مولوی صاحب کے پاس ایک سو سے کسی قدر زائد روپے تھے۔ سید صاحب نے ان میں سے بیشتر روپے فقراء و مساکین میں بانٹ دیے۔ سئی ندی کو عبور کر کے ایک باغ میں ٹھہرے اور مختلف اصحاب سے رخصتی ملاقات کی۔ ایک میل جا کر پھر ایک باغ میں ٹھہر گئے کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہوں، وہ بھی ساتھ مل جائیں۔ وہاں سے چلنے کا ارادہ فرمایا تو مولوی محمد یوسف کے پاس صرف سات روپے رہ گئے تھے۔ سید صاحب نے وہ بھی ان فقرا کو دلا دیے جنھیں پہلی تقسیم میں حصہ نہیں ملا تھا، پھر ننگے سر کھڑے ہو کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یوں دعا کی:

اے کریم کارساز! اتنی مخلوق اس ناچیز کے ہمراہ ہوگئی ہے۔ تو مجھ ناچیز پر اپنا لطف فرما۔ اپنے الطاف واکرام کی برکت سے ان سب کو بہ طریق احسن منزل مقصود پر پہنچا۔

اس طرح وہ برگزیدۂ بارگاہِ الٰہی بڑی جماعت کو ساتھ لے کر بالکل خالی ہاتھ حج کے لئے نکلا۔ ہزاروں روپے کا خرچ درپیش تھا، مگر اسے ایک لمحہ کے لئے بھی تشویش نہ تھی۔ خدائے عزوجل کے فضل ورحمت پر اس درجہ پختہ اور غیر متزلزل توکل کی مثالیں ہر دور اور ہر عہد میں نہیں مل سکتیں۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اسباب ظاہری کے کامل فقدان سے سفرِ حج شروع کرنے میں مصلحت تھی کہ اسکی فرضیت ساقط کرنے والوں کے اوہام ووساوس کی زیادہ مؤثر تردید ہو جائے۔

قافلے کا نقشہ

سید محمد علی نے ''مخزن'' میں قافلے کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ لوگوں میں عجیب وغریب باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک کہتا کہ میرے پاس صرف تین منزل کا خرچ ہے، دوسرا کہتا کہ میرے پاس تو اس کا ایک حبہ بھی نہیں، خدا جانے مجھ پر کیا گذرے۔ تیسرا کہتا کہ میں تو اس بات پر حیران ہو رہا ہوں کہ جن مساکین کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں، وہ منزل مقصود پر کیوں کر پہنچیں گے اور انھیں قوتِ لایموت کہاں سے ملے گی؟ سید صاحب کے ایک رفیق خاص نے یہ گفتگو سنی تو کہا: جس کریم مطلق کے خزانۂ غیب سے دنیا بھر کے مہمانوں کو، جو دوست دشمن کے گھر روزانہ اترتے ہیں، طرح طرح کے کھانے ملتے ہیں، کیا آپ لوگوں کو وہ اپنے انعام واکرام سے محروم رکھے گا؟ حالانکہ آپ اس کے خانۂ فیض کاشانہ کا ارادہ لے کر نکلے ہیں؟

موسم کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی بارش شروع ہو جاتی کبھی تیز دھوپ نکل آتی۔ راستہ کیچڑ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے پٹا ہوا تھا۔ جگہ جگہ نالے بہہ رہے تھے۔ رفیقانِ خاص میں سے کوئی پھسل کر گر پڑتا تو مالک حقیقی کا شکر ادا کرتا ہوا اٹھتا اور کہتا: باری تعالیٰ! تیرے احسان کے قربان جاؤں کہ تیری راہ میں گرا۔ اس طرح سے تیرے فضل لایزال کی برکت سے میری سابقہ ہرزہ گردیوں کی تلافی کا موقع پیدا ہو گیا۔ گویا خواجۂ شیراز کا یہ شعر سب کے جذبۂ حال کا ترجمان تھا:

در بیاباں گر ز شوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنش ہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

سید صاحب کی ہدایات

سید صاحب نے اس سفر کے سلسلے میں اپنے ساتھیوں کو وقتاً فوقتاً جو ہدایات فرمائیں، ان سب کا حصر مشکل ہے لیکن مندرجہ ذیل ہدایات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

کسی سے سوال نہ کرو۔ تقویٰ کو شعار بناؤ۔ پختہ ارادہ کرلو کہ مزدوری کریں گے۔ جو کچھ ملے گا، اس میں سے آدھا کھانے کے مصرف میں لائیں گے، آدھا زادِ راہ کے لئے بچائیں گے۔ میں اپنے حج کو ہمراہیوں کے حج پر مقدم نہیں کروں گا، اگر زادِ راہ کم ہوگی تو کلکتہ سے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیجتا جاؤں گا۔ جب سارے ساتھی چلے جائیں گے تو خود جاؤں گا، لیکن رب العالمین کی ذات پاک سے امید ہے کہ سب کے لئے سامانِ سفر بخوبی درست ہو جائے گا۔

اہل دلمؤ کو پہلے سے علم تھا کہ سید صاحب آنے والے ہیں۔ انھوں نے چند آدمی اس غرض سے رائے بریلی بھیج دیے کہ آپ کا کوچ ہوتے ہی جلد سے جلد خبر پہنچا دیں تاکہ ضرورت کے مطابق کھانے کا انتظام پہلے سے کرلیا جائے۔ ان آدمیوں نے بتایا کہ قلعہ قیام کے لئے خالی کر رکھا ہے۔ جگہ صاف کر کے فرش بچھا دیا ہے۔ پانی کے گھڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

موجود ہیں۔ مستورات وہاں ٹھہریں گی۔ مردوں کے لئے ٹھہرنے کا الگ سے انتظام ہے۔ سید صاحب نے اس اہتمام پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا، لیکن تاکید کردی کہ جب تک ہم دلمؤ میں داخل نہ ہو جائیں، کھانا نہ پکایا جائے اور ہمارا یا ساتھیوں کا جتنا اسباب پہنچے، اس کی پوری حفاظت کی جائے۔

سید صاحب مردوں کے ساتھ نکلے، زنانہ سواریاں ایک دوروز بعد روانہ ہوئیں۔ سید عبدالرحمٰن (خواہرزادۂ سید صاحب) کو ان کی حفاظت اور انتظامِ سفر کے لئے مقرر کردیا گیا تھا۔

دلمؤ میں قیام

جب دلمؤ دو میل کے فاصلے پر رہ گیا تو سید صاحب ایک باغ میں ٹھہر گئے، بستی کے لوگ پیشوائی کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان میں دو حقیقی بھائی بھی تھے، جن میں اس بناء پر جھگڑا ہو گیا کہ دونوں سید صاحب کی دعوت میں تقدم پر اصرار کررہے تھے۔ آپ کو معلوم ہوا تو دونوں کو بلا کر فرمایا کہ ہم دونوں کے ہاں باری باری دعوت کھائیں گے۔ پھر چھوٹے بھائی سے کہا کہ یہ آپ کے بڑے بھائی ہیں، ان کا آپ پر حق ہے۔ جو یہ کہتے ہیں وہی سہی۔ پہلے انھیں دعوت کرلینے دو۔ اس طرح مناقشہ ختم ہو گیا۔

سید صاحب پیر کے دن دلمؤ پہنچے تھے۔ متفرق سواریوں اور باربرداریوں کے بائیس روپے واجب الادا تھے۔ اس اثناء میں لوگوں سے نذریں ملتی رہیں۔ آپ نے بائیس روپے وہ ادا کیے تین روپے بطور انعام دیے۔ دلمؤ میں ٹھہر کر پانچ کشتیاں سو روپے فی کشتی کے حساب سے (غالباً بنارس تک) کرایے پر لیں اور سو روپے ان لوگوں کو بطور پیشگی دے دیے۔ بعد نماز جمعہ کشتیوں پر سوار ہوئے۔ گویا چار راتیں دلمؤ میں گزاریں۔

چونکہ سب ساتھی کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتے تھے، اس لئے سید صاحب نے قوی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھیوں کو الگ کر کے حکم دے دیا کہ وہ دریا کے کنارے کنارے پیدل چلیں۔ یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ مولانا شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحئی اور مولوی محمد یوسف پھلتی باری باری ان کے ساتھ چلیں۔

قیام لکھنؤ میں ایک مرتبہ بھی کھانا پکانے کی نوبت نہ آئی، اس لئے کہ مقامی لوگ شوق واصرار سے دعوتیں کرتے رہے، روزانہ مولانا عبدالحئی وعظ فرماتے تھے، جس میں توحید اور اتباع کتاب وسنت کی علاوہ حج وعمرہ کے فضائل تفصیل سے بیان کیے جاتے تھے۔

سید صاحب کا وعظ

ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا کا وعظ آپ لوگوں نے سنا، اب کچھ ہماری باتیں بھی سن لو۔ پھر جو کچھ زبانِ مبارک پر جاری ہوا، یہ تھا (میں نے پوری کوشش کی ہے کہ الفاظ بھی سید صاحب کے محفوظ رکھے جائیں):

> بھائیو! اگر آپ اپنا گھر بار چھوڑ کر اس نیت سے حج وعمرہ کے لئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو، تو لازم ہے کہ آپس میں ایسا اتفاق اور تعلق رکھیں جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں۔ سب بھائی ہر ایک کی راحت کو اپنی راحت اور ہر ایک کے رنج کو اپنا رنج سمجھیں۔ ایک دوسرے کے کاروبار میں بلا انکار حامی ومددگار رہیں۔ ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ وعار نہ جانیں، بلکہ عزت وافتخار سمجھیں۔ یہی کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے ہیں اور جب ایسے اخلاق آپ میں ہوں گے تو غیر لوگوں کو بھی شوق پیدا ہوگا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں، ان میں شامل ہونا چاہیے۔

برہانِ ربوبیت

> اللہ تعالیٰ کے فضل پر کامل بھروسا کریں۔ کسی مخلوق سے کسی چیز کی آرزو ہرگز نہ رکھیں۔ رزاق مطلق اور حاجت روائے برحق وہی پروردگار عالم ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بے حکم اس کے کوئی کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ دیکھو تو، جس وقت بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون اسے روزی پہنچاتا ہے؟ وہی بچے کو آسانی سے باہر لاتا ہے اور اس سے پہلے ماں کی چھاتیوں میں اس کی روزی تیار رکھتا ہے۔ پھر اسی کی تعلیم سے بچہ دودھ پیتا ہے۔ جتنا چاہے پی لیتا ہے۔ باقی دودھ مکھی، بال اور گرد و غبار سے بالکل محفوظ ماں کی چھاتیوں میں جمع رہتا ہے کہ بچہ جب چاہے تازہ تازہ پیے۔ یہ اسی پروردگارِ عالم کی روزی رسانی ہے، جو کچھ مدت بعد دودھ چھڑا کر اسے دوسری غذا کی تعلیم فرماتا ہے۔ اسی طور پر پرورش پا کر وہ بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے، جو روزی کسی کی تقدیر میں لکھی ہے، وہ بہرصورت بے شک وشبہ اسے پہنچے گی۔

قادرِ برحق

خود اپنی حالت پر نظر ڈالو۔ ایک معمولی آدمی ہم لوگوں کو کھانے کی دعوت دے جاتا ہے۔ وہ چاہے جھوٹ کہہ جائے لیکن اس پر اعتماد کر کے ہم اپنے گھر کھانا پکانے کی ممانعت کر دیتے ہیں۔ اگر غازی الدین حیدر والیٔ لکھنؤ وعدہ کرے کہ میرا فلاں امیر بیت اللہ شریف کو جاتا ہے، اس کے ہمراہ جو شخص جائے گا، اس کے زادِ راہ کا انتظام میرے ذمے ہوگا تو ہزاروں آدمی خوشی بہ خوشی جانے پر مستعد ہو جائیں گے۔ وعدہ خلافی کا شک وشبہ اپنے دل میں نہ لائیں گے۔ مجھ سے تو شاہنشاہِ عالم، قادرِ برحق، رزاقِ مطلق نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ اس سفر میں تیرے ساتھ ہوں گے، ان کے کھانے اور کپڑے کے متعلق تو کچھ اندیشہ نہ کر۔ وہ سب میرے مہمان ہیں اور وہ شاہنشاہ وعدے کا سچا ہے۔ وعدہ خلافی کا خفیف سا بھی احتمال نہیں۔ پھر میں کیوں کر سچ نہ جانوں اور کس بات کا اندیشہ کروں؟ وہ آپ سب بھائیوں کی پرورش کرے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شرطِ سفر

سو حاصل کلام یہ ہے کہ جن بھائیوں کو یہ سب باتیں منظور ہوں اور وہ میرے کہنے کو سچ جانتے ہوں، وہ تو میرے ساتھ چلیں۔ میں رنج وراحت میں ان کا شریک ہوں اور میری یہ باتیں اپنی عورتوں کو بھی سمجھا کر کہہ دیں۔ اگر انھیں یہ منظور نہیں تو ابھی مکان نزدیک ہے۔ وہ تکلیف سفر کی موقوف کریں۔ سفر میں ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت بھی پیش آتی ہے اور راحت بھی ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں اس غرض سے کھول کر بیان کر رہا ہوں کہ پھر کوئی بھائی کسی بات کا گلہ شکوہ زبان پر نہ لائے۔

مجھے عنایاتِ الٰہی سے قوی امید ہے کہ اس سفر باظفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا۔ ہزاروں لوگ جو شرک و بدعت اور فسق و فجور کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعارِ اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ پکے موحد اور متقی بن جائیں گے۔

دعائے فتح بابِ حرمین

میں نے اہل ہند کیلئے جنابِ الٰہی میں بہت دعا کی کہ:

"الٰہی! ہندوستان سے تیرے کعبے کی راہ مسدود ہے ہزاروں مالدار، صاحبِ زکوٰۃ مر گئے، مگر نفس و شیطان کے بہکانے سے اس بناء پر حج سے محروم ہو گئے کہ راستے میں امن نہیں۔ ہزاروں صاحبِ ثروت اب جیتے ہیں اسی وسوسے میں پڑ کر حج کے لیے نہیں جاتے۔ الٰہی! اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کرے، بے دغدغہ چلا جائے اور اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہے۔"

میری یہ دعاء اس ذاتِ پاک نے مستجاب فرمائی۔ ارشاد ہوا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جب توجہ کرے گا تو یہ راستہ علی العموم کھول دیں گے۔ جو مسلمان بھائی
زندہ ہیں وہ انشاء اللہ بچشم خود یہ سب کچھ دیکھ لیں گے۔(۱)

فتح بابِ حج سلطانوں اور فرمانرواؤں کا کام تھا، جنھیں اسباب و وسائل پر وسیع قدرت حاصل ہوتی ہے، لیکن اس دروازے کو کھولنے اور راستے کی ساری مشکلات کو بے حقیقت ثابت کرنے کا شرف سید صاحب ہی کو ملا، جن کے پاس اسلام کی بے میل محبت کے سوا کوئی متاع نہ تھی۔ اسی طرح بابِ جہاد بھی اربابِ سلطنت و حکومت ہی کے ذریعے سے کھل سکتا تھا، جو خیل و خدم اور ثروت و حشم کے مالک ہوتے ہیں، لیکن اس مقدس فریضے کو بھی بارہ صدیوں کے بعد منہاجِ نبوت پر قائم کرنے کی برتری صرف سید صاحب کو حاصل ہوئی:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ڈھئی ڈھمد ھمہ

۳ رذی قعدہ ۱۲۳۶ھ (۳ راگست ۱۸۲۱ء) کو سید صاحب ڈلمؤ سے روانہ ہوئے (۲) اگلا مقام ڈھئی ڈھمد ھمہ میں تجویز ہوا تھا جہاں کے شیخ مظہر علی صاحب سید صاحب کے مخلص مرید تھے، اور ڈلمؤ پہنچ کر دعوت دے گئے تھے۔ مغرب کی نماز کشتیوں پر پڑھی گئی۔ اندھیرا ہو گیا تو ڈھئی ڈھمد ھمہ کے گھاٹ کا پتہ نہ چل سکا اور کشتیاں آگے نکل گئیں۔ دریا چڑھاؤ پر تھا اور پانی کا زور تھا۔ جو استقبال کی غرض سے کنارے پر کھڑے تھے،

(۱) وقائع ایک نسخہ میں: ۳۲۷-۳۲۹ و دوسرا نسخہ ۳۳۲-۳۳۴۔

(۲) سید ابوالحسن علی نے تفصیل یوں بتائی ہے کہ پہلی کشتی میں رائے بریلی اور نصیر آباد کی مستورات سوار تھیں، دوسری میں پھلت، دہلی وغیرہ کی، تیسری میں لکھنؤ کی، چوتھی میں قافلے کے ضعیف و معذور اشخاص، پانچویں میں غالباً سید صاحب اور بعض دوسرے رفقاء تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انھوں نے آوازیں دیں۔ بڑی مشکل سے کشتیاں روکی گئیں اور خاصے فاصلے پر رسوں کے ذریعہ سے کھینچ کھینچ کر انھیں کنارے پر لگایا گیا۔ مستورات کشتیوں ہی میں رہیں اور ان کیلئے وہیں کھانا پہنچا دیا گیا۔ سید صاحب کیلئے پینس کا انتظام تھا۔ بستی میں پہنچے اور اگلے روز صبح سے ڈیڑھ پہر تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ روانگی کے وقت سید صاحب نے وعظ فرمایا۔ اس میں کہا:

> بھائیو! حاصل بیعت یہ ہے کہ تم لوگ جو شرک و بدعت کرتے ہو، تعزیے بناتے ہو، نشان کھڑے کرتے ہو، پیروں، شہیدوں کی قبریں پوجتے ہو، ان کی نذر و نیاز مانتے ہو، ان سب کاموں کو چھوڑ دو اور سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع و ضرر کا مالک نہ مانو اور اپنا حاجت روا نہ پہچانو۔ اگر یہ نہ کرو گے تو فقط بیعت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ڈگنڈگی

دھی وھمد ھمہ سے روانہ ہو کر کشتیاں ڈگنڈگی کے سامنے پہنچیں تو وہاں کا زمیندار شیخ محمد پناہ کنارے پر منتظر کھڑا تھا، اس نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ کئی روز سے مہمانی کا سامان تیار کر رکھا ہے اور گرد و نواح سے تین سو آدمی بیعت کی غرض سے غریب خانے پر جمع ہیں۔ سید صاحب نے وہاں بھی مقام کیا۔ بیعت کرنے والوں میں محمد پناہ کا لڑکا محمد کفاہ بھی تھا۔

غالباً اسی مقام پر شاہ عطا کریم سلونی نے ایک آدمی کے ہاتھ شیرینی بھیجی تھی۔

صبح کو ڈگنڈگی سے روانہ ہوئے۔ شام ہوگئی تو ملاحوں نے ایسی جگہ کشتیاں باندھیں، جہاں آس پاس کوئی بستی نظر نہیں آتی تھی۔ دریا کے کنارے کی زمین دور دور تک اس درجہ خراب تھی کہ کھانا پکانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس اثناء میں کالی گھٹا اٹھی، تیز ہوا چلنے لگی اور قطرہ افشانی شروع ہوگئی۔ سب نے سمجھ لیا کہ رات کھائے بغیر گزارنی ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اچانک دور مشعلیں نظر آئیں۔ سمجھا گیا کہ کچھ لوگ کشتیوں کی طرف آ رہے ہیں۔ پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ نیل کے انگریز تاجر نے اپنے مسلمان کارکنوں کے پاس خاطر سے پلاؤ کی دیگیں پکوا کر بھیجی ہیں اور خود گھوڑے پر ساتھ آیا ہے۔

کٹنہ

وہاں سے آگے بڑھے تو پیر نگر پر، جو مانک پور سے دو کوس ہے، دریا دو دھاروں میں جانا چاہتا تھا، لیکن اس طرف کے دھارے میں چونکہ پانی کم تھا اور رات کو اس میں کشتیاں چلانا مشکل تھا، اس لئے ٹھہر گئے۔ کچھ کھانا دعوت کا بچا ہوا تھا، وہ کھایا۔ ایک دیگ ارہر کی کھچڑی کی پکوائی گئی۔ صبح کے وقت چلے تو کٹنہ پہنچے اور آصف خاں رسالدار کے مکان پر قیام کیا۔ مستورات کے لئے حسب سابق کشتیوں پر ہی کھانا بھجوا دیا گیا۔ اس جگہ سے قریب ہی موضع کڑھ تھا جہاں کے مولوی یار علی نے فرضیت حج ساقط کر دینے پر قناعت نہیں کی تھی بلکہ سفر حج کی (معاذ اللہ) حرمت کا وعظ کہتا رہتا تھا۔

استدلال یہ تھا کہ سمندر کے سفر میں جہاز ڈوب جاتا ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو "لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" اس لیے مولوی یار علی علی الاعلان کہتا رہتا تھا کہ جو لوگ خطرات کے باوجود حج کیلئے جاتے ہیں، وہ قرآن پاک کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا عمل سراسر غلط ہے۔

شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی چالیس آدمی ساتھ لے کر کڑھ پہنچے۔ شاہ ابراہیم علی کی مسجد میں مولوی یار علی سے گفتگو کی اور بہ دلائلِ واضح اسے اور دوسرے مسلمانوں کو فرضیت حج کا معتقد بنایا۔

کیما، اوجھنی اور چیری

کٹنہ سے چل کر کشتیاں جہان آباد کے گھاٹ پر رکیں۔ وہاں سے تین کوس پر کیما

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک مقام تھا جہاں کے شیخ حسن علی پہلے سے سید صاحب کے مرید تھے اور آپ کو اپنے گاؤں ساتھ لے جانے کی غرض سے کٹنہ پہنچے ہوئے تھے۔ چنانچہ جہان آباد کے گھاٹ پر سید صاحب تین روز رکے رہے۔ اس اثناء میں مہمانداری کا سارا انتظام شیخ حسن علی نے اپنے ذمے رکھا۔ پھر اپنے چاروں بھائیوں اور مستورات کو لے کر حج کے ارادے سے ساتھ ہو گئے۔

جہان آباد سے آگے ایک مقام اوجھنی میں ہوا۔ وہاں کے زمیندار شیخ لعل محمد نے دعوت کی اور سیکڑوں آدمی مرید ہوئے۔ آگے بڑھے تو راستے میں ایک انگریز کی مسلمان بیوی نے دعوت کی غرض سے روکا۔ سید صاحب نے اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انگریز خود آیا اور عرض کیا کہ اس کی دعوت نہ مانیے لیکن میری دعوت قبول کر لینے میں تو تکلف نہ ہونا چاہیے۔ آپ نے انگریز کی دعوت قبول کر لی۔ دوسرے روز بستی کے لوگوں نے دعوت کی۔ وہاں سے چلے تو چار کوس کے فاصلے پر موضع اسرولی کے زمیندار محمد وزیر نے (جو اوجھنی کے شیخ لعل محمد کا خسر تھا) روک لیا۔ سید صاحب جن لوگوں سے بیعت لیتے تھے، انھیں خود نماز پڑھاتے تھے اور بعض آدمیوں کو دینی تعلیم پر مقرر کر دیتے تھے۔ اسرولی میں بھی یہ انتظامات کیے۔

اسرولی سے چلے تو الٰہ آباد کے مقابل گنگا سے دوسرے کنارے پر جھری نام ایک موضع میں ٹھہرے۔ وہاں آس پاس سے تین ہزار آدمی بیعت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ رات آپ نے جھری میں ہی گزاری۔ وہیں شیخ غلام علی الٰہ آبادی کے آدمی استقبال کے لیے پہنچ گئے۔

الٰہ آباد

اگلے روز الٰہ آباد پہنچے۔ گھاٹ پر شیخ غلام علی رئیس، محمد تقی اور ان کے بھائی عبداللہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قصاب، شاہ اجمل کے فرزند شاہ ابوالمعالی، قلعہ الٰہ آباد کے داروغہ بہشتی میاں، رنجیت خاں میواتی، مولوی کرامت علی صدر امین، حافظ اکرام الدین دہلوی، حافظ نجابت علی سوداگر، محمد حسین، عبدالقادر، شیخ سارنگ وغیرہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہ سب سید صاحب کے ارادت مند تھے۔ لیکن شیخ غلام علی نے ہر ایک سے کہہ دیا تھا کہ دورانِ قیامِ الٰہ آباد میں کوئی سید صاحب کو کھانے کی تکلیف نہ دیں۔ یہ احسان صرف میرے ذمے رہنے دیا جائے۔ ہاں اپنے مکان پر لے جا کر پان کھلائیں، عطر لگائیں، نذر پیش کریں۔ کھانا نہ کھلائیں۔ چنانچہ سید صاحب جب تک الٰہ آباد میں ٹھہرے رہے، پورے قافلے کی مہمانداری شیخ غلام علی ہی نے فرمائی، اور کس شان و اہتمام کے ساتھ؟ آج اسکی تفصیلات سن کر شاید اکثر لوگ سمجھیں گے کہ خیالی افسانہ بیان ہو رہا ہے۔ حالانکہ شیخ صاحب نے تواضع اور مدارات کا جو نمونہ پیش کیا، اس کی محض سرسری کیفیت ہم تک پہنچ سکی ہے۔

قیام وطعام

شیخ صاحب مہاراجہ اودت نرائن والی بنارس کے مختار تھے۔ انھوں نے سید صاحب کو ایک کوٹھی میں ٹھہرایا۔ باقی قافلے کے لئے مہاراجہ کی بارہ دری خالی کرائی۔ پورے قافلے کیلیے دونوں وقت کا کھانا، قیام گاہوں پر پہنچ جاتا تھا اور کیسا کھانا؟ ایک ایک وقت میں کئی کئی چیزیں تیار ہو کر آتیں۔ مثلاً قورما، پلاؤ، شیرمال، تازہ مٹھائی، خمیری روٹیاں۔ اس وقت تک ساتھیوں کی تعداد ساڑھے سات سو ہو چکی تھی، لیکن شیخ صاحب کے تکلف میں کوئی کمی نہ آئی۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ کم از کم ایک ہزار روپے روزانہ صرف کھانے پر صرف ہوتے تھے اور یہ اس زمانے کا خرچ ہے جب جنسیں بے حد ارزاں تھیں۔

نذریں

شیخ صاحب دن میں دو مرتبہ سید صاحب سے ملنے کے لئے آتے۔ ایک مرتبہ بعد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نمازِ ظہر، دوسری مرتبہ بعد نمازِ مغرب۔ دونوں مرتبہ بیش بہا نذریں ساتھ لاتے۔ مثلاً نہایت قیمتی پارچے، عمدہ بندوقیں، پستول اور تلواریں۔ بعض اوقات نقد روپیہ لے آتے۔ واقف کار اصحاب کا اندازہ ہے کہ بارہ پندرہ روز کے قیام میں شیخ نے اس طریق پر جو نذریں پیش کیں، وہ بحیثیت مجموعی بیس ہزار سے کم نہ ہوں گی۔

سید صاحب ہتھیاروں کو دیکھ کر فرماتے کہ شیخ بھائی ہم تو حج کے لئے جا رہے ہیں، وہاں ہتھیاروں کا کچھ کام نہیں۔ واپس آ کر جہاد کے لیے نکلیں گے تو لے لیں گے۔ شیخ صاحب عرض کرتے: ''حضرت! اول تو یہ معلوم نہیں کہ آپ کب اور کس جگہ سے علم جہاد بلند کریں گے۔ دوسرے خدا جانے میں اس وقت تک زندہ رہوں یا نہ رہوں اور یہ آرزو دل میں رہ جائے۔ ابھی لے لیجئے اور جہاں جی چاہے بطور امانت رکھوا دیجئے۔''

عازمین حج کی خدمت

اسی دوران میں شیخ صاحب نے ایک بڑا خیمہ اور بارہ چھوٹے خیمے نئے تیار کرا کے پیش کیے کہ سفر میں کام آئیں گے۔ قافلے کے ہر فرد کو ایک ایک جوڑی نئے جوتے، مردوں کو دو دو پاجامے، دو دو انگرکھے، دو دو ٹوپیاں اور ایک ایک چادر۔ مستورات کو دو دو پاجامے، دو دو کرتے اور دو دو دوپٹے دیے۔ سب کو سرِ عام ایک ایک روپیہ دیا۔ سید صاحب کے اقربا کی خدمت میں دس دس روپے فی کس پیش کیے۔ علماء کی خدمت میں ان کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق نذریں گزاریں۔

سید صاحب کے لئے روزانہ پانچ سو روپے یا کسی وقت کم یا زیادہ لے کر آتے۔ دونوں وقت کے کھانے کے ساتھ ایک سو چالیس روپے بھجواتے۔ ایک روز سید صاحب کی دونوں بیوی کو اسی اسی روپے دیے گئے۔ لطف یہ کہ جب نذریں پیش کرتے تو بڑی ہی انکساری سے تہی دستی کا اظہار فرماتے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رخصتی نذرانہ

رخصت کے وقت سید صاحب کی خدمت میں جو سامان لائے وہ بیس پچیس کشتیوں میں لگا ہوا تھا۔ اس میں مشروع، کمخواب، پشمینے، نینو، ڈھاکے کی ململ، محمودی، بنارسی اطلس وغیرہ کے تھان بھی تھے، اور کشمیری شال بھی۔ ان کے علاوہ ساڑھے چار ہزار روپے نقد تھے۔ دو نہایت خوبصورت مطلا اور مذہب قرآن مجید نذر کیے، ایک مکہ معظمہ کے لئے اور دوسرا مدینہ منورہ کے لئے۔ تمام اہل قافلہ کے لئے نو نو دس دس ہاتھ لمبے جامہ ہائے احرام تھے، جن میں ایک سو بیس تھان صرف ہوئے۔ دو سو چالیس تھان گاڑھے کے ان کے علاوہ تھے تاکہ متفرق ضروریات میں کام آئیں۔ سید صاحب کی بیبیوں یا اقربا کے لئے جو پارچے تیار کرائے ہوں گے، ان کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔

بقیہ نذرانے

باقی حضرات نے جو نذرانے پیش کیے ان کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ بے شبہ وہ شیخ غلام علی کے برابر مال و دولت کے مالک نہ تھے لیکن یقین ہے کہ ان کے نذرانے بھی خاصے وقیع ہوں گے۔ بعض روایتوں میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ شیخ غلام علی نے چونکہ کھانے کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا اور سب سے یہ کہہ دیا تھا کہ جو کچھ دینا ہو سید صاحب کی خدمت میں نقد پیش کر دیا جائے۔ (۱) اس وجہ سے مولوی کرامت علی صدر امین، شیخ محمد تقی، بستی میاں، رنجیت خاں، ان سب نے دو دو سو روپے سید صاحب کو دیے۔ حافظ نجابت علی، محمد حسین، عبدالقادر جوتوں کی تجارت کرتے تھے، ان سب نے مل کر دو سو روپے نذر گزارے۔ قلعے کی میگزین کے خلاصیوں نے بھی دو ہی سو روپے

(۱) ایک بیان ہے کہ دو مرتبہ کھانا باہر کھایا۔ ایک مرتبہ شاہ اجمل کے دائرے میں، دوسری مرتبہ قلعے میں بستی میاں کے ہاں (وقائع ص: ۲۵۲)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیے۔(۱) غرض یہ سب سید صاحب کے اخلاص و توکل کی برکت تھی کہ گھر سے خالی ہاتھ نکل پڑے اور الٰہ آباد سے روانگی کے وقت تک تمام اہل قافلہ کو ضرورت کی چیزیں مل گئیں۔ نیز سید صاحب کے پاس ہزاروں روپے جمع ہو گئے۔

اس ساری مدت میں کشتیوں کے کرایے یا ایک آدھ وقت کے کھانے کے سوا کچھ بھی خرچ کرنے کی نوبت نہ آئی۔

قیامِ الٰہ آباد کی عام کیفیت

قیامِ الٰہ آباد کی مدت کے بارے میں قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ ایک بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بارہ روز قیام کیا، دوسرے بیان میں بتایا گیا ہے کہ یہ مدت پندرہ روز سے بھی متجاوز تھی اور آپ نے وہاں تین جمعے پڑھے۔ پہلا جمعہ چوک کی مسجد میں ہوا۔ چونکہ جگہ تنگ تھی اور لوگ بہ کثرت آئے تھے، اس لیے باہر کپڑے بچھا بچھا کر شامل نماز ہوتے رہے۔ سید صاحب کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ آئندہ جمعہ شاہی مسجد میں ہوگا، جو قلعے کے سامنے تھی اور مدت سے بے آباد پڑی تھی۔ سید صاحب نے اسے خوب صاف کرایا اور بعد کے دو جمعے اسی مسجد میں ادا کیے بلکہ نماز بھی وہیں پڑھتے تھے۔ مولانا عبدالحیؒ حسب معمول وعظ کہتے تھے۔(۲)

موسم برسات کا تھا۔ دریا خوب زوروں پر تھا۔ نصف شہر میں پانی آ گیا تھا، بایں ہمہ لوگ بے تکلف بیعت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ جس روز سید صاحب قلعے میں گئے تھے، آپ نے دریا کی بہار بھی دیکھی۔ حد نگاہ تک پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ میگزین

---

(۱) وقائع میں ہے کہ مولوی کرامت علی نے سفید پارچے اور ریشمینے کے تھان اور چالیس روپے پیش کیے۔ شاہ اجمل کے ہاں سے پچاس روپے اور دو نہایت خوبصورت رضائیاں آئیں۔ قلعے والوں نے چالیس روپے نقد، ایک پستول ایک کرچ اور ایک ولایتی قالین پیش کیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کس بیان کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے۔

(۲) وقائع ص: ۲۵۲

میں مختلف قسم کی توپوں اور دیگر اسلحہ کا بھی معائنہ کیا۔

ایک خراب رسم کا ازالہ

مسلمانوں نے ہندوؤں کی صحبت میں کئی بری رسمیں اختیار کر لی تھیں یا یوں سمجھ لیجئے کہ جو ہندو مسلمان ہوئے، وہ اپنے ہاں کی بعض بری رسمیں بھی ساتھ لے آئے اور حلقۂ اسلام میں آنے کے بعد بھی انھیں نہ چھوڑا۔ ان میں سے ایک رسم یہ تھی کہ شادی، غمی کی مجلسوں میں دیہاتی لوگ کھانا پتروں پر کھلاتے۔ شہری لوگ اس غرض کے لئے مٹی کی رکابیاں استعمال کرتے۔ جو کھانا بچتا اسے بیکار پھینک دیتے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ الہ آباد سے کلکتہ تک یہ رسم عام طور پر رائج تھی۔ سید صاحب کو اس کا علم ہوا تو اسے سختی سے روک دیا۔ فرمایا کھانا نعمتِ الٰہی ہے۔ اسے یوں پھینکنا کمال بے ادبی ہے۔ چنانچہ جہاں آپ پہنچے، اس کا بھی ازالہ فرما دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھارہواں باب:

سفر حج

(الہ آباد سے ہوگلی تک)

بنارس سے روانگی

سید صاحب الہ آباد سے روانہ ہوئے تو تیز مخالف ہوا شروع ہوگئی تھی، اس کی وجہ سے کشتیوں کی رفتار کم ہوگئی، پہلے دن صرف آٹھ کوس کا فاصلہ طے ہوا اور سرسا نام ایک مقام میں قیام کیا۔ دوسرے روز ہوا کی شدت میں اور اضافہ ہوگیا اور ایک کوس سے زیادہ نہ چل سکے۔ تیسرے دن مرزا پور پہنچے جہاں شیخ عبداللطیف ناگوری اور شیخ شاہ محمد، سید صاحب کے ارادت مند تھے دونوں مشہور تاجر تھے۔ شیخ عبداللطیف کے متعلق تو بیان کیا گیا ہے کہ مختلف شہروں میں ان کی ستائیس تجارتی کوٹھیاں تھیں۔

مرزا پور کا پورا گھاٹ مال کی کشتیوں نے روک رکھا تھا اور سید صاحب کی کشتیوں کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ دستور یہ تھا کہ معزز اور نامور آدمیوں کی کشتیاں آتیں تو مال والے جگہ خالی کر دیتے۔ چنانچہ سید صاحب کیلئے جگہ خالی کرانے کے انتظامات شروع ہوئے۔ آپ نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ہم کسی کو تکلیف دے کر آرام حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ پھر روئی سے بھری ہوئی ایک کشتی کے مالک سے پوچھا کہ کیوں بھائی آپ کو مال اتارنے میں کتنی دیر لگے گی؟ اس نے کہا کہ مزدوروں کیلئے آدمی بھیج چکا ہوں، وہ آجائیں تو سامان اتار کر چلا جاؤں گا۔ سید صاحب نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ بھائیو! ہمت کرو اور اس کا سامان اتار دو۔ چنانچہ جوانوں نے تھوڑی ہی دیر میں پوری روئی بلا اجرت اتار کر کنارے پر رکھ دی اور کشتیاں ٹھہرانے کی جگہ خالی ہو گئی۔

مرزا پور میں قیام

مرزا پور والے کم سے کم ایک ہفتہ ٹھہرانا چاہتے تھے لیکن قافلے میں ہیضہ کی دبا پھوٹ پڑی، اور دو موتیں ہوئیں: ایک شیخ حسن علی کی لڑکی، دوسرے لکھنؤ کے ایک صاحب محمد ہاشم۔ اس وجہ سے سید صاحب نے تین روز سے زیادہ قیام نہ فرمایا۔ کھانے کا انتظام شاہ محمد نے اپنے ذمے رکھا۔ صرف ایک وقت کا کھانا سید صاحب نے بہ رکھا۔ وہاں کے سرسری حالات یہ ہیں:

۱- بہت سے مسلمانوں نے بیعت کی، جن میں ایک طوائف بھی تھی۔ وہ حج کے لیے تیار ہو گئی۔ شاہ اسماعیل نے اپنی بہن رقیہ بی بی سے کہا کہ اسے اپنے پاس بٹھائیں اور دین کی تلقین کریں۔

۲- وہاں خشت پزوں کی ایک جماعت رہتی تھی۔ وہ لوگ مسلمان تھے لیکن عام مسلمان ان کے ساتھ اچھوتوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ انھوں نے عقیدۃً سید صاحب کو کھانے پر بلایا۔ آپ نے دعوت خوشی سے قبول فرمائی۔ کھانا کھایا۔ انھوں نے نذر پیش کی تو واپس کر دی اور کہا کہ اول تو اس وجہ سے نذر نہیں لے سکتا کہ آپ بھائی غریب ہیں، دوسرے اگر میں نے نذر لے لی تو لوگ سمجھیں گے کہ صرف نذر کی خاطر کھانا کھایا۔ اور میں نے دعوت صرف اسلئے قبول کی تھی کہ مسلمانوں کے دل میں آپ کے متعلق جو غلط خیال بیٹھا ہوا ہے، وہ زائل ہو جائے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد ہی خشت پزوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ شروع ہوا۔

۳- رخصت کے وقت شیخ عبداللطیف نے چار ہزار روپے نقد پیش کیے۔ شیخ شاہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محمد نے چار یا پانچ سو روپے، بیس تھان ململ نینو اور مشروع کے اور اٹھارہ تھان گاڑھے کے نذر کیے۔ ایک اور صاحب نے اسی روپے اور چالیس تھان گاڑھے کے دیے۔ شیخ عبداللطیف والدہ کو ساتھ لیکر حج کیلئے تیار ہو گئے اور اپنے لئے ایک الگ کشتی کرایے پر لے لی۔

چنار گڑھ

مرزاپور سے روانہ ہوئے تو رات ایک ایسی جگہ ٹھہرنا پڑا، جہاں ہندوؤں کا مندر تھا۔ آس پاس اور کوئی آبادی نہ تھی۔ جن گنے ہوئے اوقات میں سید صاحب کے قافلے کو خود کھانا پکانا پڑا، ان میں سے ایک وقت یہ بھی تھا۔ دوسرے دن چنار گڑھ پہنچے، جہاں تین روز قیام ہوا۔ وہاں کم وبیش ایک سو آدمیوں نے بیعت کی اور پانچ دعوتیں ہوئیں: ایک تمباکو کے تاجر کی طرف سے، دوسری چاولوں کی منڈی کے چودھری کی طرف سے، تیسری شہر کے چودھری کی طرف سے، چوتھی قلعے کے سپاہیوں کی طرف سے اور پانچویں قلعے کے خلاصیوں کی طرف سے۔

چوتھے روز سید صاحب چنار گڑھ سے نکلے اور بنارس پہنچ گئے۔ میرے اندازے کے مطابق پورے سفر میں ایک مہینہ اور کچھ دن لگے۔ عید الاضحیٰ بنارس میں کی۔ چونکہ برسات کا زور ہو گیا تھا، اس لئے خلاف ارادہ وہاں بھی کم وبیش ایک مہینہ توقف فرمایا۔ میں بتا چکا ہوں کہ سید صاحب نے اپنے ساتھیوں میں سے مضبوط وتوانا آدمیوں کی ایک جماعت کو پیدل چلنے کا حکم دیا تھا۔ شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحئی اور مولوی محمد یوسف پھلتی باری باری اس جماعت کی قیادت فرماتے تھے۔ الٰہ آباد سے بنارس تک کے سفر میں شاہ اسماعیل نے فرض قیادت ادا کیا۔

بنارس میں قیام

ساتھیوں میں سے ایک جماعت نے کندی گروں کی مسجد میں قیام کیا، ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت مہیسر کی مسجد میں ٹھہری۔ سید صاحب کیلئے شیولال چوبے کی حویلی خالی کرا رکھی تھی، وہاں قافلے کی مستورات ٹھہریں۔ سید حمید الدین (خواہر زادہ سید صاحب) اپنے تمام اقربا کے ساتھ پاس کی ایک حویلی میں قیام فرما ہوئے، جو چھ روپے کرایے پر لے لی گئی تھی۔ سید صاحب بابو ساون سنگھ کی حویلی میں مقیم ہوئے۔

پہنچنے کے بعد پندرہ روز تک لگا تار بارش ہوتی رہی، لیکن دعوتوں کا سلسلہ اس زمانے میں بھی برابر جاری رہا اور ایک وقت بھی خود کھانا پکانے کی نوبت نہ آئی۔ عید کے موقع پر بہت سے جانور جمع ہو گئے تھے، تین روز تک برابر قربانیاں ہوتی رہیں۔ شہر کے خاصے بڑے حصے میں گوشت تقسیم ہوتا تھا۔

قیامِ بنارس کے دوران میں خلقِ خدا کی ہدایت و اصلاح کا جو عظیم الشان کام انجام پایا، اس کی تفصیلات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی اور ہر شخص کی خواہش پوری کرتے رہے بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ لالٹین لے کر راتوں کو بھی پھرتے تھے۔

تیموری شہزادوں میں سے مرزا ابلاقی اور مرزا حاجی خود ملنے کے لئے حاضر ہوئے۔ مرزا ابلاقی کے ہاں چار مرتبہ سید صاحب کو کھانے پر بلایا گیا۔ ان کا مکان تیلیا نالے پر تھا۔ مسلمانوں کے بعض گروہوں میں اختلاف چلا آ رہا تھا۔ سید صاحب نے ان کے درمیان "فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" کی پیروی میں صلح کرا دی۔ جو مسلمان ہسپتال میں بیمار پڑے تھے، انھوں نے پیغام بھیجا کہ ہم حاضری سے معذور ہیں، ہمیں بھی زیارت سے مشرف فرمایا جائے۔ چنانچہ ایک روز سید صاحب نے ہسپتال جا کر سب کو دیکھا اور ان کی مزاج پرسی کی۔

راج گھاٹ پر ٹکو نام کا ایک چمار رہتا تھا، وہ سید صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ آپ نے الٰہی بخش نام رکھا۔ بعد میں اس نے بڑا عروج پایا، لیکن اس کے مزید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حالات اس کتاب کے تیسرے حصے میں بیان ہوں گے۔

اسی زمانے میں حیات النساء بیگم کی طرف سے دعوت آئی، جس کا ذکر سید محمد علی صاحب مؤلف ''مخزن احمدی'' نے پہلے سفر بنارس میں کیا ہے۔ یہ خاتون پہلے ایک انگریز کے گھر میں رہتی تھی، بعد میں اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ سید صاحب کی خدمت میں چھ سات ہزار روپے کا مال پیش کیا لیکن آپ نے پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ رو پڑی اور عرض کیا کہ میں تو بری باتوں سے توبہ کر چکی ہوں، کیا میرے گناہ معاف نہیں ہو سکتے؟ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ کے پاس جو مال ہے، وہ خبیث ہے۔ میں صرف پاک اور حلال کمائی لے سکتا ہوں۔ بیگم کے مختار حکیم سلامت علی خان سید صاحب کے مرید و معتقد تھے، انھوں نے دس ہزار روپے کا انتظام کر کے بیگم کے نام پر تجارت شروع کر دی، جس میں بڑا نفع ہوا۔ جب سید صاحب جہاد کے سلسلے میں سرحد تشریف لے گئے تو اس مال طیب میں سے بیگم نے ایک بڑی رقم پیش کی۔ اس کا ذکر اس موقع پر آئے گا۔

زمانیہ

سید صاحب عید الاضحیٰ سے پہلے بنارس پہنچے تھے۔ ۱۰؍محرم ۱۲۳۷ھ (۷؍اکتوبر ۱۸۲۱ء) کو وہاں سے روانہ ہوئے۔ ڈلمؤ سے جو کشتیاں کرایے پر لی تھیں وہ بنارس تک تھیں۔ اگلے سفر کے لئے ایک بجرا اور چار کشتیاں پھر کرایے پر لے لیں۔ ۱۰؍محرم کو دن رہتے زمانیہ پہنچ گئے۔ وہاں دریا کے کنارے بچے کبڈی کھیلنے لگے۔ جوانوں نے بھی سید صاحب سے کبڈی کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا کہ ورزش تو بہتر ہے خصوصاً مجاہدین کے لئے اور اس نیت سے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے استعداد بڑھ جائے۔

زمانیہ میں سید صاحب دو راتیں ٹھہرے۔ آپ کے دوستوں میں سے ایک صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رستم علی خاں تھے، وہ اس زمانے میں ٹونک گئے ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا آپ کو اپنے گھر لے گیا۔ وہاں کے بہت سے پٹھانوں نے بیعت کی۔

زمانیہ کے لوگوں نے بتایا کہ قریب کے جنگل میں ایک مجذوب رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے پاس جانا چاہے تو پتھر مارتا ہے۔ سید صاحب اپنے بھانجے سید عبدالرحمٰن کو ساتھ لے کر اس سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے۔ قیام گاہ کے قریب پہنچے تو سید عبدالرحمٰن کو ٹھہرا دیا اور تنہا مجذوب کے پاس گئے۔ سید عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ مجذوب خوش الحانی سے یہ شعر پڑھ رہا تھا:

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب　　　　کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

پوری غزل اس نے کیف و مستی کے عالم میں پڑھی، پھر خواجہ حافظ کی اور غزلیں سنائیں۔ آخر میں پوچھا: کہاں کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ سید صاحب نے بتایا کہ حرمین شریفین۔ مجذوب بولا: کیا بیت المقدس، بغداد اور نجف و کربلا بھی جایئے گا؟ سید صاحب نے فرمایا:

"ایک ضروری کام درپیش ہے۔ بعد ادائے حج اس کی تدبیر کرنی ہے، اس لئے اور کہیں جانے کا ارادہ نہیں۔"

سید صاحب پانچ چھ گھڑی اس کے پاس رہے اور واپسی پر فرمایا کہ مجذوب بہت اچھا شخص ہے۔

غازی پور۔ چھپرا

تیسرے روز زمانیہ سے روانہ ہوکر غازی پور کے گھاٹ پر ایک مسجد کے پاس کشتیاں ٹھہرائیں اور وہاں کئی مقام کیے۔ غازی پور کے رئیس شیخ فرزند علی، سید صاحب کے مخلص مرید تھے۔ وہ مستاجری کے کام پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے مختار مرزا محی الدین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیگ کشمیری نے مہمانداری کی خدمت انجام دی۔ شاہ منصور عالم، منشی غلام ضامن اور قاضی محمد حسن کے ہاں بھی دعوتیں ہوئیں اور ان تمام حضرات نے مع اہل وعیال بیعت کی۔ ایک پیرزادے نے بھی دعوت کی۔ وہ کئی دیہات کا مستاجر تھا اور بڑے امیروں میں گنا جاتا تھا۔ لیکن بیعت نہ کی اور شادیوں کے بعض مراسم کے جائز و ناجائز ہونے کے متعلق سید صاحب سے گفتگو بھی کی۔

غازی پور سے روانگی عمل میں آئی تو باڑا میں آپ کو ٹھہرا لیا گیا۔ یہ گاؤں شیخ فرزند علی نے نیلام میں لے لیا تھا اور شیخ صاحب کا بیٹا محمد امیر وہیں تھا۔ اس نے نیز اکثر شرفاء وغرباء نے بیعت کی۔ سید صاحب نے شیخ علی خاں اور سردار خاں کو خلافت نامے دیے۔

باڑا سے چل کر بلیا میں ٹھہرے۔ یہ گاؤں بھی شیخ فرزند علی نے نیلام میں لے لیا تھا۔ بکسر پہنچے تو وہاں کے قاضی نے روک لیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اس طرح ہر مقام پر ٹھہرتے رہے تو بیت اللہ شریف پہنچنے میں بڑی دیر لگے گی۔ ہاں بیعت مقصود ہو تو میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جاتا ہوں۔ کشتیوں کو آگے جانے دو۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔ جہاں کشتیاں ٹھہری تھیں وہاں قاضی نے ایک دیگ پکوا کر بھجوادی۔ خود سید صاحب نے بکسر میں ہی کھانا کھایا۔

پھر آپ چھپرہ میں ٹھہرے۔ بہت سے لوگ پیشوائی کیلئے موجود تھے۔ وہاں کے ایک صاحب فرحت علی بڑے دیندار اور پرہیزگار تھے۔ سید صاحب ان کے مکان پر بھی گئے۔ یہاں تین چار طوائفیں چار یا پانچ روپے نذرانہ لے کر پہنچیں۔ سید صاحب نے ان کا نذرانہ قبول نہ کیا اور فرمایا کہ اپنے افعال بد سے توبہ کرو تو بیعت لے سکتا ہوں۔

داناپور

چھپرہ کے بعد داناپور میں منزل ہوئی۔ وہاں شیخ علی جان بڑے دولت مند آد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے۔ تجارت بھی کرتے تھے اور کشتی بانوں کے چودھری بھی تھے۔ انھوں نے پہلے سے سید صاحب کے استقبال کا سامان کر رکھا تھا۔ ان کی وضع سراسر ہندوانہ تھی۔ نام معلوم کیے بغیر کسی کو پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ یہ علی جان ہیں۔ وہ سید صاحب کو اپنے مکان میں لے گئے اور عرض کیا کہ کئی پیرزادوں کی خدمت کی مگر حالت نہ بدلی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بسم اللہ کر کے اخلاص سے بیعت کیجیے، حالت کا بدلنا خدا کے اختیار میں ہے۔ انھوں نے جو ہدایا سید صاحب کی خدمت میں پیش کیے، ان میں چھ سات کرسیاں بھی تھیں، جن میں دو بہت بیش قیمت تھیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہم مسافر ہیں، کرسیوں کو کہاں اٹھائے پھریں گے؟ اپنے ہی پاس رکھیے۔ جب شیخ صاحب نے بہت اصرار کیا تو ان کے پاسِ خاطر سے صرف ایک کرسی قبول کر لی۔

ان کے مکان کے پاس تعزیہ رکھنے کا ایک چبوترہ اور ایک امام باڑہ بھی تھا۔ سید صاحب سے بیعت کے بعد چبوترے کی جگہ مسجد تعمیر کرائی اور امام باڑہ مسافروں کے قیام کے لئے وقف کر دیا۔ سید صاحب جہاد کے لئے تشریف لے گئے تھے تو اطراف بہار کے عقیدت مندوں کی اعانتی رقوم شیخ غلام علی جان کے پاس ہی جمع ہوتی تھیں۔ گویا تحریک جہاد کا ایک مالی مرکز شیخ صاحب موصوف بھی تھے۔ ان کے نام سید صاحب کے مکاتیب بھی موجود ہیں۔

شیخ صاحب کے علاوہ داناپور کے ممتاز اصحاب میں سے صدر الدین قصاب نے بیعت کی۔ یہ شخص عام مسلمانوں خصوصاً مسافروں کی خدمت میں ہر لحظہ سرگرم رہتا تھا۔ سو پچاس آدمی روزانہ اسکے ہاں کھانا کھاتے تھے۔ غریب آدمیوں کے بچوں اور بچیوں کے نکاح اپنے خرچ سے کراتا۔ اولاد نہ تھی، عبدالرحیم نام ایک یتیم بچے کو متبنّیٰ بنالیا تھا۔ وہ بھی بہت نیک اور دیندار تھا۔ ایک وسیع باغ لگایا جس میں آم، نیبو، نارنگی، جامن کے درخت تھے۔ یہ باغ صرف مسافروں کے آرام و آسائش اور مہمانداری کیلئے وقف تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

داناپور کی چھاؤنی کے مسلمان بھی سید صاحب کو لے گئے اور سیکڑوں نے بیعت کی۔

پھلواری شریف

سید صاحب کے سفر حج کے متعلق جو مکتوبات کا ذخیرہ میری نظر سے گذر چکا ہے، اس میں ہر قسم کی تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن سفر مراجعت کے سوا پھلواری شریف جانے کے بارے میں اشارہ تک موجود نہیں۔ شاہ محمد وارث امام قادری پھلواروی سے معلوم ہوا کہ ان کے خاندانی کاغذات میں بہ تصریح مذکور ہے، سید صاحب پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ میں تشریف لائے۔ اس زمانے میں شاہ ابوالحسن فرد سجادہ نشین تھے اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ محمد امام کے ذمے واردین وصادرین کی خدمت ونگرانی تھی۔ انھیں علومِ عقلیہ ونقلیہ میں درجۂ امتیاز حاصل تھا۔ قیامِ داناپور کے دوران میں پہلے شاہ اسماعیل چند آدمیوں کے ساتھ آئے اور شاہ ابوالحسن فرد نیز بعض دوسرے اکابر علم سے مل کر واپس چلے گئے۔ پھر سید صاحب تشریف لائے۔ معلوم نہیں اور کون کون ساتھ تھے۔ صرف مولانا عبدالحیؒ اور مولوی عبدالحق کے نام کاغذات میں درج ہیں۔

سید صاحب نے کم از کم ایک وقت کا کھانا خانقاہ میں تناول فرمایا۔ کھانا تیار ہو رہا تھا تو بے تکلف باورچی خانے میں پہنچ گئے اور فرمایا کہ اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ شاہ ابوالحسن فرد کے والد ماجد شاہ نعمت اللہ بھی حیات تھے۔ ان سے دیر تک تخلیہ میں ملاقات رہی۔ آخر میں سید صاحب نے فرمایا کہ میں نے سمجھا تھا، یہاں کے بزرگ بھی عام مشائخ جیسے ہوں گے، لیکن انھیں اپنے خیال وگمان سے بالکل الگ پایا۔ الحمدللہ کہ یہ خانقاہ بدعات سے بالکل پاک ہے۔

حیات فرد مشمولہ دیوان میں بتایا گیا ہے کہ پہلے سید صاحب اور مولانا عبدالحیؒ آئے تھے۔ شاہ نعمت اللہ سے ملاقات کی اور دیر تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے۔ دوسرے دن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی آئے۔ شاہ صاحب سے ایک مسئلے کے متعلق مناظرے کی صورت بھی پیدا ہو گئی۔ آخر میں شاہ صاحب نے فرمایا: الحمد للہ میں نے اس خانقاہ کو بہ ہر طور بدعات سے پاک پایا۔ میرا مقصود کسی کا امتحان لینا نہ تھا، محض ملاقات کو آ گیا تھا۔(۱)

عظیم آباد

داناپور میں تین چار دن قیام کے بعد چلے تو عظیم آباد میں ٹھہرے۔ لوگ جا بجا گھاٹ دکھاتے گئے کہ جو پسند ہو، وہاں کشتیاں لگائی جائیں۔ عظیم آباد کے اگلے سرے پر ایک گھاٹ پسند فرمایا، یہاں کنارے پر نماز باجماعت کیلئے وسیع اور ہموار میدان موجود تھا۔ اسی جگہ کشتیاں ٹھہرائی گئیں۔(۲)

سید صاحب کی سواری کیلئے چینس موجود تھا۔ آپ شہر گئے۔ جامع مسجد میں نماز پڑھی، پھر مولانا عبدالحیؒ سے فرمایا کہ آپ وعظ کہیں۔ خود مولوی سید مظہر علی کے ساتھ ان کے مکان پر گئے۔ وہاں مولوی صاحب کے اہل و عیال، اقربا اور اہل محلہ نے بیعت کی۔

(۱) ملاحظہ ہو حیات فرد مشمولہ دیوان: ص ۴۸، ۴۹۔ سید ابوالحسن فرد ۲۰ رجب ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) کو پیدا ہوئے۔ ۲۳ محرم ۱۲۶۵ھ (۲۰ دسمبر ۱۸۴۸ء) کو وفات پائی۔ ان کا دیوان صرف ایک مرتبہ چھپا تھا۔ دفتر اول ص: ۲۰۲-۲۸۹ اور دفتر دوم ص: ۴۹۰۔ آخر میں حیات فرد شامل تھی۔ جس کے ۱۴۰ صفحات تھے۔ اب یہ مجموعہ بہت کمیاب ہے۔ دیوان میں غزلیات، قصائد و رباعیاں، مناقب، مثنوی وغیرہ ہیں۔

(۲) "حیات بعد المماۃ" میں ہے کہ عظیم آباد میں سید صاحب کا قافلہ گول گھر کے سامنے ٹھہرا تھا اور لین کے میدان میں جمعہ کی نماز ہوئی۔ مولانا شاہ اسماعیل نے وعظ فرمایا۔ میاں سید نذیر حسین دہلوی فرماتے تھے کہ "ہم اس وعظ و نماز میں شریک تھے۔ سارا میدان لین کا آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پہلی ملاقات سید صاحب اور مولانا شہید سے پٹنہ میں ہوئی تھی"۔ (ص: ۲۰۱)

ارمغان احباب میں مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ میں نے میاں سید نذیر حسین مرحوم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے پٹنہ میں سید صاحب کو دیکھا تھا۔ میں اس زمانے میں یوسف زلیخا پڑھتا تھا۔ سید صاحب کلکتہ سے آئے تھے۔ گویا میاں صاحب نے سید صاحب کو حج سے واپسی پر دیکھا تھا نہ کہ حج کیلئے جاتے وقت۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وہاں سے اٹھے تو مولوی الٰہی بخش صادق پوری کے مکان پر گئے۔ انکے دیوان خانے میں بے شمار لوگوں نے بیعت کی۔ انکے بڑے صاحبزادے کا نام احمد بخش تھا۔

بیعت کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ انھیں احمد اللہ کہا کرو۔ یہی مولانا احمد اللہ تھے جو آگے چل کر تحریک کا ایک بڑا مرکز بن گئے۔ اسی سلسلہ میں گرفتار ہوئے اور انڈیمان میں وفات پائی۔ شام کے وقت سید صاحب کشتیوں پر آگئے۔ گھاٹ پر بھی مشتاقانِ دید کا تانتا بندھا رہا۔

عظیم آباد میں کم وبیش آٹھ مقام ہوئے۔ وہاں ایک امیر لکھی میاں نے بیعت کی۔ مولانا ولایت علی کے والد ماجد مولوی فتح علی اور ان کے تمام اقربا بیعت ہوئے۔(۱) جن میں شاہ محمد حسین محلہ تمو ہیرہ والے بھی شامل تھے۔ شاکر جان کشمیری اپنی بی بی، بیٹے اور بیٹی کو لے کر حج کو نکلا تھا۔ عظیم آباد پہنچا تو خرچ ختم ہوگیا۔ سید صاحب نے اسے نیز اس کے بال بچوں کو ساتھ لے لیا۔ ایک ڈومنی بھی اپنے دولڑکوں اور لڑکی کے ساتھ تائب ہوکر حج کے لئے تیار ہوگئی۔ غرض آٹھ دن میں ہزاروں آدمی بیعت ہوئے۔

اسی مقام پر سید صاحب کو خیال آیا کہ کچھ پالیں تیار کرالینی چاہئیں، جو کشتیوں پر سائبان کا کام دیں اور کہیں ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئے تو جھونپڑیاں بنائی جاسکیں۔

(۱) اس سلسلے میں ایک غلط فہمی کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ مولوی فتح علی صاحب نے اپنے فرزند اکبر مولانا ولایت علی کے متعلق گزارش کی کہ وہ بڑا بدراہ ہے، دعا فرمایئے، خدا اسے راہ راست پر لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ مولانا ولایت علی نے لکھنؤ سے اپنے والد اور دوسرے اقربا کو لکھا تھا کہ سید صاحب سفر حج میں عظیم آباد سے گذر رہے ہیں، ان کی ذات بابرکات سے فائدہ اٹھانا چاہیے، لیکن انھوں نے کچھ پروا نہ کی۔ جب سید صاحب حج سے لوٹے تو مولانا ولایت علی تعلیم سے فارغ ہوکر عظیم آباد آچکے تھے۔ انھوں نے بھاگل پور میں سید صاحب کا استقبال کیا اور والد کے علاوہ تمام اقربا کو بیعت کرایا۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مولانا ولایت علی لکھنؤ میں بیعت ہوچکے تھے۔ ان کے والد اور دوسرے اقربا اس وقت بیعت ہوئے، جب سید صاحب حج کیلئے جاتے ہوئے عظیم آباد سے گذر رہے تھے۔ مولوی الٰہی بخش اور شاہ محمد حسین کو بھی مولانا ولایت علی کے خاندان سے بہت قریبی تعلق تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چنانچہ شیخ باقر علی دھمی دھمد ھمہ والے، رحیم بخش اور میاں عبداللہ نے بازار سے ٹاٹ خریدے جو بہت سستے تھے اور پالیں تیار کرالیں۔ ایک پال کیلئے ٹاٹ، رسیاں میخیں، بانس وغیرہ ایک روپے چھ آنے میں آئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہر کنبے کیلئے اسی قسم کی پالیں بنوالی جائیں۔ کھانا پکانے کے لئے توے، لوہے کے چولہے، پراتیں، گھڑے وغیرہ بھی خریدے گئے۔

تبت میں تبلیغ کا انتظام

عظیم آباد ہی میں سید صاحب کو تبتیوں کا ایک قافلہ ملا تھا، جسے آپ نے تبت میں ہی تبلیغ کا کام سونپا اور فرمایا کہ صبر اور استقامت کے ساتھ دین حق عام لوگوں تک پہنچاتے رہنا۔ اس راہ میں جتنی تکلیفیں پیش آئیں، انھیں خوشی خوشی برداشت کرلینا۔ خدا کے فضل سے امید ہے کہ نتیجہ بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ تبت گئے۔ پورے اہتمام سے اپنے کام میں مصروف رہے اور حق پرست مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت پیدا کرلی۔ ان لوگوں کے ذریعہ سے سید صاحب کی تحریک اصلاح تبت میں شائع ہوئی۔

روایتوں میں ہے کہ یہ لوگ حج کیلئے نکلے تھے اور خرچ نہ ہونے کے باعث عظیم آباد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگوں پر حج فرض نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لوٹ جائیں۔ لیکن یہ بات قیاس میں نہیں آتی، اس لئے کہ سید صاحب تو اکثر ان آدمیوں کو ساتھ لے جارہے تھے، جن پر حج فرض نہ تھا، اس لئے کہ وہ سفر کا خرچ ادا کرنے کے قابل نہ تھے، بلکہ خود سید صاحب بھی اسی زمرے میں شامل تھے۔ پھر تبتیوں کو کس طرح روک سکتے تھے؟ میرا خیال ہے کہ وہ حج کیلئے نہیں بلکہ تجارت کے لئے عظیم آباد پہنچے ہوں گے۔ ممکن ہے سید صاحب کے سامنے انھوں نے حج کا ارادہ ظاہر کیا ہو اور آپ نے ان سے تبت کے مفصل حالات سن کر فرمایا ہو کہ واپس جاؤ اور عام لوگوں کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسلام کے پابند بناؤ۔

بہر حال وہ چھ مرد تھے اور تین عورتیں۔ سید صاحب نے پچیس روپے راستے کے خرچ کے لئے دیے۔ ہر مرد کو ایک ایک کرتا، ایک ایک عمامہ اور ایک ایک تھان سوسی کا اور ہر عورت کو ایک ایک تھان سفید اور دو دو تھان سوسی کے عنایت فرمائے۔ نیز توحید وسنت کے اثبات اور شرک وبدعت کے رد میں کچھ آیات واحادیث بھی لکھوا کر دے دیں۔

متفرق حالات

قیامِ عظیم آباد کے مزید حالات یہ ہیں:

۱- مولوی الٰہی بخش کے ہاں دعوت ہوئی تو اس میں آٹھ نو سو آدمی شریک تھے۔

۲- بعض شیعہ حضرات نے انگریز حاکم کے پاس شکایت کی کہ سید صاحب انگریزوں کے خلاف جہاد کا ارادہ کیے بیٹھے ہیں اور ہم لوگ از روئے خیر خواہی یہ حقیقت آپ تک پہنچاتے ہیں، لیکن حاکم نے اس شکایت کو فرقہ وارانہ رقابت کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

۳- ایک نواب زادے کا نام قطب الدین تھا، وہ بست ہزاری کے لقب سے مشہور تھا۔ اس نے اہل وعیال کے ساتھ بیعت کی اور پانسو روپے، ایک سرخ دوشالہ، ایک کڑھا ہوا رومال، کئی تھان سفید، کئی تھان گل بدن اور مشروع کے، دو شیشیاں عطر کی، ایک ٹوکرا شیرینی کا، ایک پرانی اور نہایت قیمتی گجراتی تلوار، ایک انگریزی پستول، ایک بندوق، دو کمانیں اور دو ترکش پیش کیے۔

۴- ایک نواب زادہ سو روپے، سات اشرفیاں، پانچ تھان سفید اور دو بناری دوپٹے لایا۔ تیسرے نواب زادے نے پچاس پچاس روپے کے چار توڑے، ایک بناری دوپٹہ، ایک تھان کمخواب کا، چار پانچ تھان سفید اور ایک پیش قبض فولادی نذر کے طور پر حاضر کیا۔

۵- رحیم خاں افغان تاجر چرم نے مع اقربا واعزہ بیعت کی، جن میں رحیم خاں کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھتیجا اور داماد امیر خاں بھی شامل تھے، وہ ایک سو پچاس روپے کیلئے، اور ایک سو روپے ایک رومال میں بندھے ہوئے نیز سات آٹھ تھان لایا، جن میں سے کچھ سفید تھے، کچھ گل بدن اور مشروع کے تھے۔

۲- ایک اور تاجر عبدالرحمٰن نے بیعت کی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ شریعت کے حکموں پر چلو، مال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ دیا کرو، اقربا کے حقوق کا خیال رکھو، محتاج ہمسایوں کی دستگیری کرو، مسکینوں اور مسافروں کی خدمت کو ضروری جانو۔ خدا تمہارے مال میں برکت دے گا۔

اگلی منزلیں

عظیم آباد سے بندر ہوگلی تک کی منزلوں کا سرسری حال یہ ہے:

۱- باڑہ: یہاں اردگرد کی بستیوں سے بہت سے آدمی آئے ہوئے تھے جن میں سے خواجہ مولا بخش، خواجہ افضل علی، شیخ سوپن، واجد علی خاں اور اکرام الحق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سید صاحب نے کنارے پر جاجم بچھوا دی تھی اسی پر بیٹھ کر بیعت لیتے رہے۔ خواجہ مولا بخش یا کسی دوسرے صاحب نے آداب بندگی عرض کی۔ سید صاحب نے فرمایا یہ بری عادت ہے۔ لڑکا ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب سب کو "السلام علیکم" کہنا چاہیے۔ پھر خواجہ مولا بخش نے بیعت کیلئے خرمے منگانے چاہے۔ سید صاحب نے فرمایا: بیعت کے واسطے خرموں کے بالکل ضرورت نہیں اور بیعت کیا ہے؟ اپنے اللہ سے عہد کرنا کہ کوئی برا کام نہیں کریں گے۔ یہاں ایک صاحب شاہ گھسیٹا مرید ہوئے، جو بڑے ذی اثر اور بارسوخ تھے۔ سید صاحب نے انھیں کو خلافت نامہ دیا۔ ان کے ہاں کھانا بھی کھایا۔ شاہ صاحب نے دیگوں سے کھانا نکالنے کے لئے لکڑی کی ایک خوب صورت کشتی پیش کی جو سوا گز لمبی اور دس گرہ چوڑی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲- دوسری منزل ایک چھوٹی سی بستی کے پاس ہوئی۔ وہاں غریب لوگوں نے بیعت کی۔(۱)

۳- تیسری منزل مونگیر میں ہوئی۔ وہاں بھی زیادہ تر غریب لوگ بیعت کیلئے آئے۔

۴- چوتھی منزل بھاگلپور میں ہوئی۔ اس مقام کے قیام کا کچھ حال معلوم نہیں۔

۵- پانچویں منزل راج محل میں ہوئی، جہاں سے دریا دو شاخوں میں بٹتا ہے۔ ایک بڑی شاخ، جسے گنگا کہتے ہیں، آگے کو نکل جاتی ہے، دوسری شاخ جس کا نام بھاگیرتھی ہے اور جسے ہندو اصل گنگا سمجھتے ہیں، مرشد آباد و ہوگلی ہوتی ہوئی کلکتہ کے پاس سے گذرتی ہے۔

راج محل میں سید صاحب نے کئی مقام کیے۔ منشی محمدی انصاری سید صاحب کے ایک خاص مخلص مرید تھے اور آخر میں میر منشی بن گئے تھے، ان کا وطن راج محل سے دس بارہ کوس پر تھا۔ وہ سید صاحب کو بہ اصرار اپنے ہاں لے گئے۔ وہاں تمام اقربا نے بیعت کی، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: منشی شاہ محمد (والد منشی محمدی)، منشی رؤف الدین، منشی مخدوم بخش، منشی حسن علی، منشی فضل الرحمٰن، منشی عزیز الرحمٰن۔ اور لوگ بھی فیضیاب ہوئے۔ منشی شاہ محمد حج کیلئے تیار ہو گئے۔

۶- مرشد آباد: اس جگہ پر چار پانچ مقام ہوئے۔ زیادہ تر غریبوں نے فیض حاصل کیا۔

مرشد آباد کے بعد کٹوا (ضلع بردوان) میں مقام ہوا، پھر ہوگلی پہنچ گئے۔(۲)

---

(۱) باڑھ اور مونگیر کے درمیان ایک مقام سورج گڑھ بھی ہے۔ "حیات بعد الممات" میں ہے کہ سادات سورج گڑھ نے بھی دعوت کی تھی اور سید صاحب کے قافلے کو پندرہ روز ٹھہرایا تھا۔ روایتوں میں سورج گڑھ کے قیام کا ذکر مجھے نہیں ملا۔ ممکن ہے کہ سادات کی دعوت آپ نے منظور فرمائی ہو، لیکن پندرہ روز ٹھہرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

(۲) روایتوں میں ہے کہ "کئی روز" کے بعد، میرے اندازے کے مطابق دو یا تین دن لگے ہوں گے۔ لیکن کٹوا اور ہوگلی کے درمیان کسی مقام پر ٹھہرنے کا ذکر نہیں آیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انیسواں باب:

سفرِ حج

(قیامِ کلکتہ کے حالات)

منشی امین الدین احمد

سید صاحب ہوگلی میں ٹھہرے۔(۱) وہاں سے روانہ ہوئے تو تین چار کوس پر ایک مقام ہے، جسے اس زمانے کی عام اصطلاح میں "پرمٹ" کہتے تھے۔ وہاں کلکتہ جانے والی کشتیوں سے چنگی کا محصول لیا جاتا تھا۔ جب کوئی کشتی قریب پہنچتی تو پرمٹ والے نقارہ بجاتے۔ یہ کشتی ٹھہرا لینے کا انتباہ ہوتا۔ سید صاحب کی کشتیاں بھی ٹھہر گئیں۔ آپ نے قاضی احمد اللہ میرٹھی اور قاضی عبدالستار گڑھ مکٹیشری کو بھیجا۔ وہ پرمٹ والوں سے محصول کا فیصلہ کرآئے۔

اسی مقام پر کلکتہ سے ایک تیز رفتار کشتی میں، جسے پنس کہتے تھے، ایک صاحب آئے اور سید صاحب سے ملے۔ نام پوچھا تو بتایا: امین الدین۔ یہ منشی امین الدین احمد تھے، جو بنگال کے اونچے گھرانے کے فرد تھے، اور کلکتہ کے ممتاز امیروں میں گنے جاتے تھے۔ انگریزی کمپنی میں انھیں وکالت کا عہدہ حاصل تھا اور کمپنی کے پورے ہندوستانی علاقوں میں سے جتنے مقدمات کلکتہ کی مرکزی حکومت کے پاس پیش ہوتے تھے، سب منشی

(۱) وقائع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوگلی میں صرف ایک رات ٹھہرے۔ لیکن صاحب "مخزن احمدی" کا بیان ہے کہ تقریباً ایک ہفتہ قیام ہوا اور بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ صبح سے شام تک سید صاحب کے پاس تانتا بندھا رہتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب ہی کی وساطت سے پیش ہوتے تھے۔ ان کی ماہانہ تنخواہ مقرر نہ تھی لیکن حق وکالت کی رقم اتنی بن جاتی تھی کہ صاحب ''مخزن احمدی'' کے بیان کے مطابق ہر مہینے کے اختتام پر تیس چالیس ہزار روپے کی تھیلیاں ہاتھی پر لد کر ان کے گھر پہنچتی تھیں۔ بڑے فراخ حوصلہ اور مخیر تھے، کم وبیش چار پانسو طالب علموں کا خرچ اپنے ذمے لے رکھا تھا۔

انھوں نے بہت پہلے سید صاحب کو کلکتہ آنے کی دعوت دی تھی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ہم ہجرت کر کے جا رہے ہیں، کلکتہ نہیں آسکتے۔ جو لوگ بیعت کرنا چاہیں، وہ سب ایک جگہ جمع ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ کیلئے شریعت کے پابند ہو جائیں۔ جب سید صاحب نے حج کا ارادہ کیا تو منشی صاحب کو بھی لکھا کہ ہم کلکتہ آتے ہیں۔ موصوف نے شہر کے اندر ایک وسیع کوٹھی صرف سید صاحب کے قیام کیلئے خرید لی، جس میں تین تالاب تھے: ایک پانی پینے کیلئے، دوسرا نہانے کیلئے، تیسرا کپڑے دھونے کیلئے۔ مردوں کیلئے الگ کمرے تھے، ان کے علاوہ بہت سے زنانہ مکان تھے۔

قیام کا اقرار

منشی صاحب نے عرض کیا کہ شہر میں مختلف آدمیوں نے آپ کیلئے ٹھہرنے کا انتظام کر رکھا ہے۔ میں سب سے پہلے پہنچا ہوں، لہٰذا میرے ہاں قیام کا عہد فرمائیں۔ ضرورت کی سب چیزیں اس کوٹھی میں مہیا ہیں۔ کھانے کی بابت یہ عرض ہے کہ اگر کہیں آپ کی دعوت ہو تو اس میں ضرور تشریف لے جائیں۔ دعوت نہ ہو تو پورے قافلے کیلئے دونوں وقت کھانا میرے ہاں سے حاضر ہوگا۔ سید صاحب نے یہ دعوت قبول فرمالی۔

پھر منشی صاحب نے مولانا شاہ اسمٰعیل کے متعلق پوچھا۔ وہ دوسری کشتی میں تھے۔ مولانا عبدالحئی نے آدمی بھیج کر انھیں بلایا۔ سفری کپڑے پہن رکھے تھے، جو میلے ہو گئے تھے، کشتی سے اتر کر مولانا شاہ اسمٰعیل سید صاحب کے بجرے کی طرف آئے تو اہل قافلہ میں سے کسی نے اشارہ کیا: وہ مولانا آتے ہیں۔ منشی امین الدین احمد نے سمجھا کہ یہ کوئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور اسماعیل ہوں گے اور کہا کہ میں شاہ اسماعیل کو پوچھتا ہوں، جو شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے ہیں۔ جب انھیں بتایا گیا کہ یہی شاہ اسماعیل ہیں تو ان کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر منشی صاحب بے اختیار آبدیدہ ہو گئے اور دو چار قدم آگے بڑھ کر ادب سے استقبال کیا۔

منزل مقصود

منشی صاحب نے یہ خوش خبری بھی سنائی کی جو جگہ ٹھہرنے کیلئے تجویز کی گئی ہے، اس میں میٹھے پانی کی کوئی کمی نہیں۔ سید صاحب نے اس پر عجز و الحاح کے ساتھ بارگاہِ باری تعالیٰ میں دعاء کی۔ فارغ ہوئے تو فرمایا: میں نے کئی بزرگوں سے سنا تھا کہ کلکتہ میں میٹھے پانی کی قلت ہے۔ سفر میں کئی مرتبہ خیال آیا کہ مجھے تو لوگ پیر سمجھ کر شاید کہیں نہ کہیں سے میٹھا پانی لا ہی دیں گے، مگر اتنے مسلمان بھائی جو میرے ساتھ ہیں، ان کیلئے کیا انتظام ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ تشویش بھی جاتی رہی۔

سید صاحب روانہ ہوئے تو شیو رام پور میں ٹھہرے، جہاں آپ کے خلیفہ سید عبداللہ ابن سید بہادر علی رہتے تھے۔ وہاں بھی بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔ شیو رام پور سے چلے تو رات کے وقت کلکتہ میں بالو گھاٹ پر پہنچے۔ رات وہیں گزاری۔ صبح کو کشتیوں سے اترنے کا بندوبست ہوا۔(۱)

منشی صاحب کا اہتمامِ مہمانداری

منشی صاحب نے دریا کے کنارے بہت بڑی دری بچھوا دی تھی اور ہر قسم کی سواریاں بہ کثرت منگالی تھیں۔ مثلاً پینس، ڈولیاں، بگھیاں، کرانچیاں، ہوادار وغیرہ۔

(۱) شیو رام پور کو عام طور پر سرام پور کہا جاتا ہے۔ یہاں پادریوں نے بہت بڑا مطبع قائم کر لیا تھا۔ بائبل کا پہلا سلیس اردو ترجمہ اسی جگہ چھپا تھا۔ نیز پادریوں کے عام تبلیغی رسالے یہیں سے چھپ کر شائع ہوتے تھے۔ سید عبداللہ نے بھی یہاں ایک مطبع قائم کیا تھا جس میں شاہ عبدالقادر کا اردو ترجمہ قرآن اور سیکڑوں دینی کتابیں اہتمام کے ساتھ طبع ہوتی رہیں۔ سید عبداللہ نے سید صاحب کے قافلے کے ساتھ حج کیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بار برداری کیلئے چھکڑے موجود تھے۔ مزدور بھی خاصی تعداد میں جمع تھے۔ پہلے مستورات کو پردہ کر کے اتارا گیا اور قیام گاہ پر بھیج دیا۔ پھر مرد سوار ہوئے۔ سواریاں اتنی زیادہ تھیں کہ بہت سی خالی واپس کرنی پڑیں۔ منشی صاحب سید صاحب کو پینس میں سوار کرا کے پہلے اپنے مکان پر لے گئے، پھر قیام گاہ پر پہنچایا، جہاں تمام کمرے فرش سے آراستہ تھے اور ہر کمرے میں ضرورت کے مطابق پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ متعدد اکابر نے بھی اپنے اپنے ہاں ٹھہرانے کی درخواست کی، لیکن سید صاحب نے فرمایا کہ منشی امین الدین احمد کے ساتھ اقرار ہو چکا ہے، اس لئے معذور ہوں، البتہ دعوت قبول کرلوں گا۔

تین روز تک منشی صاحب کے ہاں سے نہایت پر تکلف کھانے آتے رہے۔ مثلاً قورمہ، شیرمال، باقر خانیاں، ماہی پلاؤ، بکرے کا پلاؤ۔ کئی قسم کے مربے اور اچار، کئی قسم کے میٹھے۔ سید صاحب کیلئے جو کھانا آتا، اس میں اور بھی کئی چیزیں ہوتیں۔ تیسرے روز آپ نے فرمایا کہ ہمارے لئے صرف ایک قسم کا کھانا آئے۔ انواع واقسام کے کھانوں کو اہل قافلہ میں تقسیم کرنا مشکل ہے اور ہم لوگ تکلفات کو اچھا نہیں سمجھتے۔ منشی صاحب نے سمجھا کہ شاید کھانا اچھا نہیں ہوتا اس لئے تکلفات میں مزید اہتمام واضافہ کر دیا۔

قافلے کی سادگی اور دیانت

آخر ایک روز خود سید صاحب نے خود منشی صاحب سے کہا کہ ہم لوگ تو ماش کی کھچڑی کھانے والے ہیں، آپ تکلف کیوں کرتے ہیں؟ بس سادہ غذا بھیج دیا کیجئے۔ منشی جی نے عرض کیا:

> حضرت! کیا فرماتے ہیں؟ میں کس لائق ہوں کہ پر تکلف کھانے بھیجوں؟ آپ کی خدمت گزاری میں تو جتنا بھی تکلف کیا جائے، تھوڑا ہے۔ میں نے کھانے کھائے بھی ہیں اور کھلائے بھی ہیں لیکن آپ جیسے حقانی، ربانی، خدا پرست، بے ریا بزرگ نہ آنکھ سے دیکھے اور نہ کان سے سنے۔ آپ اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقدمے کو یونہی رہنے دیں اور جو دال دلیا آتا ہے، اسے قبول فرماتے جائیں۔

سید صاحب نے فرمایا:

خدمت گزاری سے غرض اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔ جب کام اسراف اور ریا سے پاک ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لائق ہو۔ مال اسباب اللہ کا ہے ایک روز حساب دینا ہوگا۔ اس کو بے جا برباد نہ کرنا چاہیے۔ کھانے سے مقصود پیٹ بھرنا ہے۔ ایک قسم کا کھانا جب چاہیں بھیج دیا کریں۔

منشی صاحب نے پورا باغ سید صاحب کی نذر کر دیا تھا۔ اس میں نارنگی، چکوترے، سنگترے، کیلے، انار، امرود، ناریل، آم وغیرہ کے درخت تھے۔ انگور کی بیلیں بھی تھیں۔ اناس بھی تھے۔ سید صاحب کے رفیقوں کی تقویٰ شعاری کا یہ عالم تھا کہ خود پھل توڑنا تو رہا ایک طرف، جو پھل درختوں سے خود بخود گر جاتے انھیں بھی کوئی نہ اٹھاتا۔ ایسے تمام پھل سید صاحب کے پاس جمع ہوتے۔ آپ پورے قافلے میں تقسیم فرما دیتے۔ قافلے کے بعض افراد کے جوتے ٹوٹ گئے تھے، ''مخزن احمدی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی امین الدین احمد نے پہلے ہی دن ضرورت مندوں کو تین سو روپے کے جوتے اور ایک ہزار سے زیادہ کے کپڑے خرید دیے۔

ہدایتِ خلق

میرے اندازے کے مطابق سید صاحب صفر ۱۲۳۷ھ (نومبر ۱۸۲۱ء) میں کلکتہ پہنچے ہوں گے، گویا رائے بریلی سے کلکتہ تک کم و بیش ساڑھے تین یا پونے چار مہینے لگ گئے۔ پھر تقریباً تین مہینے کلکتہ میں ٹھہرے رہے۔ اس پوری مدت کا ایک ایک لمحہ ہدایت و ارشاد میں بسر ہوا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے ہزار آدمی بیعت سے مشرف ہوئے اور شریعت کے پابند بنے۔ سیکڑوں گھروں میں بے نکاح بیبیاں تھیں، ان کے نکاح

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر دیے۔ سیکڑوں مرد غیر مختون تھے۔ سید صاحب نے اپنی قیام گاہ میں ایک الگ جگہ مقرر کر کے ان کیلئے ختنوں کا انتظام کیا۔ سید محمد علی نے لکھا ہے:

ہر خطے اور ہر کشور سے ہزاروں بلکہ بے شمار مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اہل شرک و بدعت اور سرکش و گناہ گار اپنے برے اعمال سے توبہ کر کے مخلص مومنوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔

سید صاحب نے کلکتہ پہنچ کر مولانا عبدالحئی سے فرمایا تھا کہ اگرچہ ہم حج کی نیت سے آئے ہیں، لیکن خدا کے فضل سے امید ہے کہ اس شہر میں باب ہدایت اس طرح مفتوح ہوگا کہ دیکھنے والے حیران رہ جائیں گے۔

یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور اس کی تصدیق بعض انگریزوں کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً پرنسپ لکھتا ہے کہ ۱۸۲۲ء میں سید صاحب کلکتہ آئے اور مسلم آبادی بہت بڑی تعداد میں ان کی پیرو بن گئی۔ (۱)

شاہ اسحاق نے بیان فرمایا کہ سید صاحب کلکتہ پہنچے تو بہت سے مسلمانوں نے آپ کی ہدایت سے فائدہ اٹھایا اور آپ کے ارشادات کی برکت سے اس سرزمین میں خاص دینی رونق پیدا ہو گئی۔ (۲)

حاجی حمزہ علی خاں کہتے ہیں: آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا تھا کہ سید صاحب کو آرام کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا۔ سب لوگ شیرینی لاتے اور زیادہ تر تاشے ہوتے۔ لوگوں کے پاس خاطر سے سید صاحب کم از کم ایک دانہ ضرور چکھتے۔ اس طرح زبان مبارک پر آبلے پڑ گئے تھے۔ بیعت کا سلسلہ دو اڑھائی پہر دن چڑھے سے شروع ہو جاتا اور رات تک جاری رہتا۔ عورتیں بھی بہ کثرت آتیں اور تھوڑی دیر کے بعد کمرہ بھر جاتا۔

(۱) پرنسپ کی کتاب "رنجیت سنگھ" ص: ۱۴۶۔

(۲) رسالہ "احوال مولوی نصیر الدین"۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بہت سے غیر مسلم سید صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ کلکتہ اصلاً انگریزی بستی تھی۔ وہاں کی زندگی انگریزی رنگ میں رنگی جا چکی تھی۔ عورتیں بے پردہ ہوتیں۔ شراب بہ کثرت پی جاتی۔ سید صاحب کی وجہ سے مسلمانوں میں پردے کا رواج ہوا اور شراب کی دکانیں بے رونق ہو گئیں۔

جن لوگوں نے سید صاحب کی وجہ سے ہدایت پائی ان میں خود منشی امین الدین احمد کا ذکر بھی ضروری ہے۔ وہ اگرچہ بڑے مخیر تھے، لیکن دولت وثروت کی فراوانی سے جو عیوب عام طور پر پیدا ہو جاتے ہیں، ان سے پاک نہ تھے۔ عدالت سے فارغ ہو کر آتے تو سارا وقت عیش و عشرت میں گزارتے۔ خدا کے فضل سے وہ بھی سید صاحب کی توجہ سے بالکل بدل گئے اور تمام منہیات سے بہ اخلاص توبہ کر لی۔

ٹیپو سلطان کے شہزادے

ٹیپو سلطان کے خاندان کے افراد کلکتہ میں ہی میں رہتے تھے۔ ان میں سے بعض شہزادوں کے عقائد مولوی عبدالرحیم فلسفی کی صحبت میں بگڑ چکے تھے۔ مولوی عبدالرحیم گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام صاحب علی تھا۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے تعلیم پائی تھی۔ پھر فلسفہ و منطق میں توغل کے باعث ''دہری'' مشہور ہو گئے۔ شہزادوں نے محمد قاسم خواجہ سرا کو بھیج کر سید صاحب کو اپنے ہاں بلایا۔ شاہ اسماعیل مولوی عبدالرحیم کو جانتے تھے۔ انھوں نے بات چیت کر کے فلسفی کا ناطقہ بند کر دیا۔ اکثر شہزادوں اور بیگمات (۱) نے سید صاحب کی بیعت کر لی اور دعوت بھی کی۔

(۱) بعض صاحب نے لکھا ہے کہ یہ شہزادے دس دس یا رہ بارہ برس کے تھے۔ ممکن ہے یہ سلطان شہید کے پوتے ہوں۔ ان کے فرزندوں میں سے کوئی بھی دس یا بارہ برس کا نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان شہید ہوا اور سید صاحب ۱۸۲۲ء میں کلکتہ پہنچے تھے۔ اگر کوئی شہزادہ سلطان کے سال شہادت میں بھی پیدا ہوا ہوگا تو اس کی عمر تیئیس برس سے کم نہ ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڑے شہزادے(۱) نے، جسے اپنے علم کا گھمنڈ تھا، بحث ضروری سمجھی۔ سید صاحب کے علاوہ اس مجلس میں مولانا عبدالحئی، شاہ اسماعیل اور مولوی محمد یوسف بھی شریک تھے۔

شہزادے نے پہلے عربی میں تقریر کی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بھائی مادری زبان میں بات کرو، تاکہ سب لوگ آپ کی گفتگو سے فائدہ اٹھائیں۔ پھر وہ فارسی میں بولنے لگا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ عربی اور فارسی تقریروں سے آپ کا مبلغ علم حاضرین پر ظاہر ہوگیا۔ تکلف کی حاجت نہیں رہی۔ اب اردو میں فرمایئے، پھر اس نے قواعدِ منطقیہ اور دلائل کلامیہ کی رعایت سے تقریر شروع کی، جو واجب الوجود، رسالت اور قرآن کے بارے میں گوناں گوں شبہات پر مبنی تھی۔ شاہ اسماعیل فرماتے ہیں: میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ سید صاحب مجھے جواب کا حکم دیں گے، لیکن آپ نے خود تقریر شروع کردی۔ مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ کمپنی کو آپ نے دیکھا نہیں، تاہم اگر اس کا ملازم پیغام دے کہ کمپنی آپ کو بلاتی ہے تو اجابتِ حکم لازم ہوگی یا نہیں؟ شہزادے نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر سید صاحب نے فرمایا:

> سبحان اللہ! کمپنی پر دیکھے بغیر اتنا ایمان ہے کہ اپنی بے حرمتی کا بھی خیال نہیں، لیکن قرآن سے انکار ہے، جس کا دعویٰ ہے: "لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا" (اگر تمام جن اور انسان جمع ہوکر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو کبھی نہ لاسکیں گے، اگرچہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں) اس نبی اکرم صلعم سے انکار ہے جو روشن معجزات سے مؤید تھا اور ان میں سے ایک معجزہ خود قرآن بھی تھا۔ اب تک ہزاروں شاعر اور نثر نگار پیدا ہوئے، جو آپ سے زیادہ سامان والے تھے، انھوں نے جزیہ اور قتل گوارا کیا، لیکن ایک چھوٹی سی آیت بھی قرآن جیسی نہ لاسکے۔

(۱) مجھے کسی روایت میں شہزادے کا نام نہ مل سکا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ تقریر مصطلحاتِ کلام و منطق کی آلائش سے بالکل پاک تھی، لیکن سادگی اور دل کشی کی وجہ سے اس نے شہزادے کے پندارِ علم کو چند لمحوں میں ھَبَاءً منثوراً بنا کر رکھ دیا۔ چنانچہ وہ بھی اپنے غلط خیالات سے تائب ہوا۔ سید صاحب کو کھانے پر بلایا اور مع اہل و عیال بیعت کی۔

متفرق واقعات

قیامِ کلکتہ کے متفرق واقعات یہ ہیں:

۱- پیگو (برما) سے سید حمزہ سونا فروخت کرنے کیلئے کلکتہ آئے ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگوں کی داڑھیاں یا تو ہوتی نہیں یا بہت کم ہوتی ہیں۔ سید حمزہ کے غیر معمولی طور پر لمبی چوڑی داڑھی تھی۔ اس وجہ سے وہ حکام پیگو کے نزدیک بڑے معتبر سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح آپ کی اصلاحی تحریک کی صدا برما تک پہنچی۔

۲- بعض حاسدوں نے انگریزوں کے پاس شکایت کی کہ سید صاحب پہلے نواب امیر خاں کے لشکر میں نشان بردار تھا۔ نواب کمپنی سے مل گیا تو سید احمد نے پیری مریدی کا ڈول ڈالا اور اب انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہے۔ یہ محض بے علم ہے۔ اس شکایت پر کسی نے توجہ نہ کی۔

۳- پورتیا کا ایک برہمن کا لڑکا خواب دیکھ کر سید صاحب کے پاس پہنچا اور مسلمان ہوا۔ حج میں ساتھ رہا۔ جہاد میں بھی ہم رکابی کا آرزومند تھا لیکن سید صاحب کے سفر ہجرت سے پیشتر ہی فوت ہو گیا۔

۴- سلہٹ، چاٹگام اور دوسرے دور افتادہ علاقوں سے بھی لوگ آئے اور سید صاحب کی بیعت سے شرف پا کر صراطِ مستقیم پر قائم ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۵- مولوی امام الدین بنگالی، سید صاحب کے خاص عقیدت مند تھے۔ جہاد میں ساتھ رہے، حج میں بھی ساتھ تھے۔ وہ سدارام "نواکھالی(۱)" کے رہنے والے تھے۔ والدہ سے ملنے کی اجازت لے کر گئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ والدہ بھی حج کرنا چاہیں تو ساتھ لے آنا۔ وہ تو نہ آئیں، لیکن مولوی امام الدین کے ساتھ تیس چالیس آدمی سید صاحب کی زیارت اور بیعت کی نیت سے آ گئے۔

۶- ایک پیرزادے نے سید صاحب کو اپنے مکان پر بلایا۔ معلوم ہوا کہ وہ شریعت حقہ کا پابند نہیں لیکن سید صاحب اس کے مکان پر گئے۔ باہر کے دروازے سے مکان کے اندر تک اس نے فرش پر پگڑیاں بچھا رکھی تھیں اور عرض کیا کہ ان پر چلیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ پگڑیاں سر پر باندھنے کیلئے ہوتی ہیں، ہم ان پر سے نہیں چلیں گے۔ اس نے خود بیعت کی اور اپنے مریدوں سے کہا کہ جو سید صاحب کی بیعت نہ کرے گا وہ میری مریدی سے بھی خارج ہوگا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اپنے مریدوں سے آپ خود بیعت لیں۔ اس طرح جو بیعت ہوگی وہ ہماری بیعت سمجھی جائے گی۔

۷- بغداد کے ایک پیرزادے سید احمد ان دنوں کلکتہ آئے ہوئے تھے۔ انھیں اپنی بڑائی پر بہت فخر تھا۔ چاہتے تھے کہ سید صاحب خود آ کر ملیں۔ چنانچہ پیغام بھیجا کہ میں بیمار ہوں اسلیے آ نہیں سکتا اور ملاقات کا آرزومند ہوں۔ سید صاحب گئے۔ بات چیت کے دوران میں اس نے کہا کہ آپ اتنا بڑا قافلہ ساتھ لے کر جا رہے ہیں، اس کا خرچ کون دے گا؟ سید صاحب نے فرمایا: اگر انگریزوں کی حکومت چاہے تو کیا ہزاروں آدمیوں کو لاد کر جہاز یا کسی دوسرے ملک نہیں پہنچا سکتی؟ اگر یہ ہوسکتا ہے تو آپ کو شاہنشاہ عالم پناہ، پروردگار کائنات کے متعلق کیوں شک ہے، جسکے سامنے انگریز ادنیٰ محتاجوں سے بھی زیادہ محتاج ہیں؟ پھر فرمایا: انشاء اللہ ان سب کو کرایہ دے کر لے جاؤں گا۔

(۱) ان کے وطن کا نام حاجی پور بتایا گیا ہے۔ یہ سدارام کے آس پاس کوئی گاؤں ہونا چاہیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۸- سید صاحب کے بھانجے سید احمد علی صاحب کے اہل وعیال ساتھ آئے تھے، خود وہ بعض امور کے سرانجام کی غرض سے لکھنؤ میں ٹھہر گئے تھے۔ فارغ ہو کر کلکتہ پہنچے تو وہ پانچ ہزار روپے بھی ساتھ لائے جو سید صاحب نے فقیر محمد خاں رسالدار کے پاس امانت رکھوا دیے تھے۔ ستر روپے میں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کا بھی ایک نسخہ ساتھ لائے، جو سید عبداللہ شیو رام پوری کو بغرضِ طباعت دے دیا گیا۔

جہازوں کا انتظام

سید صاحب گھر سے خالی ہاتھ چلے تھے۔ راستے میں تحائف وہدایا کی شکل میں جو کچھ ملا، اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے کل رفقائے حج سات سو ترپن تھے۔ ان میں سے چھ سو ترانوے کا کرایہ ادا کیا گیا، باقی لوگ وقت کے عام طریقے کے مطابق مساکین میں محسوب ہوئے اور ان کا کرایہ نہ لیا گیا۔ ابتدا میں گیارہ جہازوں کا انتظام کیا گیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ پورے ساتھیوں کیلئے صرف دس جہاز کافی ہیں، اس لئے ایک جہاز چھوڑ دیا گیا۔ ابتدا میں فی کس سولہ روپے کرایہ طے ہوا تھا، بعد میں سامان وغیرہ کا کرایہ شامل کر کے بیس روپے فی کس وصول کیے گئے۔ اس طرح سید صاحب نے تیرہ ہزار آٹھ سو روپے کی رقم محض کرایہ میں دی۔

پورا قافلہ دس جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر جماعت ایک جہاز پر سوار ہوئی اور تمام جماعتوں کیلئے ایک ایک امیر مقرر ہو گیا۔ ذیل میں جہازوں، امیروں اور ناخداؤں (کپتانوں) کے نام نیز تعدادِ افراد درج ہے:(۱)

(۱) یہ نہ سمجھا جائے کہ پورے جہاز سید صاحب نے لے لیے تھے، ان جہازوں پر دوسرے مسافر بھی سوار تھے اور سامان بھی تھا۔ بعض میں سامان زیادہ تھا اور مسافر کم۔ راستے میں بھی جگہ جگہ سے مسافر ملتے گئے ہوں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نام جہاز	نام امیر جماعت	افراد کی تعداد	ناخدا یا کپتان
دریابیگی	سید صاحب	۱۵۰ (زیادہ تر اقربا)	سید عبدالرحمٰن
فتح الباری	مولوی عبدالحق	۷۰	عبداللہ بلال عرب
عطیۃ الرحمٰن	قاضی احمد اللہ میرٹھی	۶۷	محمد حسین ترک
غراب احمدی (یہ جنگی جہاز تھا اور اس پر سات توپیں تھیں)	مولوی وحید الدین و مولوی مغیث الدین	۵۰	احمد ترک
فتح الکریم	میاں دین محمد	۷۶	محمد حسین مسقطی
فیض ربانی	شاہ اسماعیل	۱۷۵	نام معلوم نہ ہو سکا
فیض الکریم	قاضی عبدالستار گروہ مکینشری	۵۰	نام معلوم نہ ہو سکا
عباسی	پیر محمد بانس بریلی کے	۴۰	نام معلوم نہ ہو سکا
تاج	قادر شاہ ہریانوی	۲۵	نام معلوم نہ ہو سکا
فتح الرحمٰن	محمد یوسف کشمیری	۵۰	نام معلوم نہ ہو سکا

مولانا عبدالحئی اور مولوی محمد یوسف پھلتی کے نام امیروں میں نہیں آئے۔ یہ دونوں سید صاحب کے ساتھ تھے۔

سامانِ خورونوش

کرایے کے علاوہ خورونوش کا انتظام ضروری تھا۔ چنانچہ چھ سو تین روپے آٹھ آنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے برتن یعنی دیگیں، دیگچے، دیگچیاں، لگن، کفگیر، چمچے، چولھے وغیرہ خریدے گئے۔ سات ہزار تین سو ستاسی روپے آٹھ آنے کی رقم رسد یعنی چاول، آٹا اور دال کی خرید میں صرف ہوئی۔ عورتوں کے لئے جہازوں میں پردہ دار جگہوں کا انتظام کیا گیا۔ اس پر مزید بارہ سو روپے خرچ آئے۔ گویا کل تیئس ہزار روپے صرف ہوئے۔ اس پاک نفس سید کی کرامت کا اس سے روشن تر ثبوت کیا ہو سکتا ہے جو خالی ہاتھ گھر سے نکلا تھا اور پورے ملک کے مسلمانوں کو حج کیلئے صلائے عام دیتا آیا تھا۔ یہ صرف کلکتہ سے حجاز تک کا خرچ تھا۔ خود جہاز میں ہزاروں روپے صرف ہوئے۔ پھر پورے قافلے کو اسی اہتمام کے ساتھ واپس لایا اور جب تک لوگ گھروں میں نہ پہنچ گئے، ان کے کھانے پینے کا پورا خرچ سید صاحب کے ذمے رہا۔

علاوہ بریں آپ وقتاً فوقتاً عام غرباء کو بھی رقمیں دیتے رہے۔ شیخ عبداللطیف مرزا پوری کا بیان ہے کہ کوئی لڑکے یا لڑکی کی شادی کیلئے امداد کی درخواست کرتا، کوئی کہتا کہ قرض دار ہوں، اس مصیبت سے نجات دلایئے، کوئی مسجد یا کنوئیں کے لئے رقم مانگتا۔ ان مدوں میں کم وبیش دس ہزار روپے خرچ ہوئے۔

سید صاحب کی سواری کا جہاز

سید صاحب نے اپنی سواری کے لئے "دریا بیگی" تجویز کیا تھا، جو پرانا جہاز تھا، اور اس کی رفتار بھی کم تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوگی کہ سید صاحب ساتھیوں کو بہتر جہازوں پر روانہ کرنا چاہتے تھے تاکہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اپنے لئے اچھا جہاز رکھ لیا۔ دوسری وجہ یہ ہوگی کہ اس کا ناخدا ہفتہ بھر بعد روانہ ہونا چاہتا تھا اور سید صاحب اپنے اوقاتِ عزیز کا ایک ایک لمحہ خلقِ خدا کی اصلاح میں صرف کرنے کے آرزومند تھے۔

شیخ غلام حسین کلکتہ کا ایک بڑا تاجر فخر التجار کے لقب سے مشہور تھا۔ اس نے ایک روز عرض کیا کہ آپ ''عطیہ الرحمن'' میں سوار ہوں، جو شاہی جہاز ہے۔ اس طرح آپ کی عزت بڑھے گی۔ یہ سن کر سید صاحب کا چہرہ متغیر ہو گیا فرمایا:

''یہ کیا بات کہی؟ عزت تو صرف خدا کی طرف سے ہے، بندے کی طرف سے نہیں۔ ہم دنیا کی قدر و منزلت کو سڑے ہوئے مردار کتے سے بھی بدتر جانتے ہیں''

یہ سن کر غلام حسین چپ ہو گیا۔

مولانا عبدالحئی کے والد مولانا ہبۃ اللہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ وہ کلکتہ میں بیمار پڑ گئے اور وہیں وفات پائی۔

کلکتے کے ہدایا

کلکتہ والوں کے تحائف و ہدایا کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا، اس کی سرسری کیفیت یہ ہے:

۱۔ منشی امین الدین: پانچ ہزار نقد، تین سو جوڑے جوتے، چار گٹھڑی کپڑے، ایک میں سفید تھان یعنی لٹھا، ململ وغیرہ۔ دوسری میں سوسی اور چھینٹ کے تھان، باقی گٹھڑیوں میں موٹا کپڑا۔ دو نہایت خوبصورت گھڑیاں، پانچ ہزار روپے اس غرض سے پیش کیے کہ ممکن ہے بعض اوقات سید صاحب کے رفقاء کو مزاج کے مطابق کھانا نہ ملا ہو اور انھوں نے پیسے خرچ کر کے بازار سے کھایا ہو۔ پانسو احرام دیے۔

۲۔ امام بخش سوداگر: تین سو روپے، بیس اشرفیاں، پندرہ تھان سفید اور چھینٹ کے، دو شیشیاں عطر کی جن میں پانچ پانچ تولے عطر تھا، ایک بنگلہ جسے سید صاحب نے باصرار واپس کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳- غلام حسین تاجر: چار جہاز پورے نذر کئے اور ان کے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی مہیا کر دیا۔ چونکہ انتظام ہو چکا تھا، اس لئے سید صاحب نے یہ نذر بہ شکریہ واپس کر دی۔ غلام حسین نے اپنے لڑکے کو ساتھ کر دیا۔ یقین ہے کہ بڑی رقم بھی ساتھ ہوگی۔ اس کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ ایک کوٹھی نذر کی، جو سید صاحب نے اسے واپس کر دی۔ مراجعت پر سید صاحب اسی کے یہاں ٹھہرے تھے۔

۴- شیخ رمضانی، سعد الدین ناخدا، منشی حسن علی اور امام بخش تاجر نے چار سو احرام پیش کیے اور عرض کیا کہ جو احرام پہلے پیش ہو چکے ہیں، عمرہ کے لئے باندھے جائیں، ہمارے احرام حج کے لئے استعمال کیے جائیں۔

۵- جس پیرزادے نے بیرونی دروازے سے مکان کے اندر تک سید صاحب کے لئے پگڑیاں بچھائی تھیں، اس نے سو روپے پیش کیے۔ اس درجے کی دوسری نذروں کا حساب پیش کرنا مشکل ہے۔

سید صاحب نے سوار ہونے سے پیشتر حکم دے دیا تھا کہ ساتھیوں میں سے جس جس کے پاس ایک جوڑا ہو اُسے تین جوڑے بنوا دیے جائیں، باقی لوگوں کیلئے کم از کم دو دو نئے جوڑوں کا انتظام کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک سو کیلئے دو دو جوڑے سلوا دیے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیسواں باب:

سفرِ حج

(حج و زیارت اور مراجعت)

روانگی

خورونوش کا سامان ہر جہاز پر رکھ دیا گیا۔ سید صاحب کے رفقاء کا جتنا سامان تھا اس کی پہچان یہ تھی کہ ہر تنگ پر ہندسوں میں "۱۲۷" لکھ دیے گئے ("سید احمد" کے اعداد از روئے ابجد) سارے جہاز یکے بعد دیگرے روانہ ہوئے۔ تمام کی تفصیل معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ "فتح الکریم" نے سب سے پہلے لنگر اٹھایا، جس میں امیر قافلہ میاں دین محمد تھے۔ "وقائع احمدی" میں زیادہ تفصیلات اسی جہاز کے متعلق ملتی ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ سفرِ حج کے متعلق زیادہ تر روایات میاں دین محمد کی تھیں اور وہ اپنے ہی جہاز کے حالات بالتفصیل بیان کر سکتے تھے۔ باقی جہازوں کے متعلق سنی سنائی باتیں بیان کی ہوں گی۔ اس کے بعد "تاج" چلا، پھر "غراب احمدی"، بعد ازاں "فیض ربانی" جس کے امیر مولانا شاہ اسماعیل تھے اور رفقاء کی سب سے بڑی جماعت اسی جہاز پر سوار تھی۔ "فیض ربانی" کے بعد "فتح الباری" نے لنگر اٹھایا۔

سید صاحب کا جہاز سب کے بعد روانہ ہوا۔ روانگی کے سرسری حالات یہ ہیں:

۱- منشی امین الدین نے سید صاحب کو اپنے گھر پر کھانا کھلایا اور آپ ظہر تک وہیں رہے۔ مستورات کو سب سے پہلے جہاز پر پہنچا دیا گیا۔ اکثر رفقاء بھی چلے گئے۔ سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب ظہر کے بعد روانہ ہوئے۔ چلتے وقت آپ نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ تھی: جو شخص کہے کہ سید احمد کی توجہ میں بڑی تاثیر تھی، اسے مفتری سمجھنا۔ یہ بات محض من جانب اللہ ہے۔ رخصت کے وقت اپنی سرمئی دستار منشی صاحب کے سر پر رکھ دی۔ اس وقت منشی صاحب پر بے حد رقت طاری ہوئی۔

۲- جس بگھی پر آپ روانہ ہوئے، آپ کے علاوہ سید عبدالرحمٰن، مولانا عبدالحئی، شیخ عبداللہ ابن شیخ غلام حسین تاجر اور منشی امین الدین احمد سوار تھے۔ سید محمد یعقوب اور مولوی محمد یوسف چلتی بگھی کے پیچھے کھڑے تھے۔ مسلم وغیر مسلم بہ کثرت مکانوں کی چھتوں پر بیٹھے روانگی کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔

۳- قلعے کے میدان میں نمازِ عصر پڑھائی۔ پھر سب سے مصافحہ کیا۔ بعض مساکین کو ایک ایک روپیہ عنایت فرمایا۔ اس طرح سات سو روپے خرچ ہوئے۔

۴- چاند پور گھاٹ پر کشتی کھڑی تھی، اس میں سوار ہوئے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر سب کو بہ آوازِ بلند السلام علیکم کہا۔ اکثر لوگ رو رہے تھے۔ ہزاروں دیر تک کشتی کے ساتھ ساتھ کنارے چلتے رہے۔ مغرب کے وقت ان سب کو رخصت کیا۔

۵- دستور یہ تھا کہ سمندر میں جزر کے وقت کشتیاں روک دیتے۔ اندھیرا ہوتے ہی جزر شروع ہوا تو سید صاحب اور ان کے رفقاء کی کشتیاں بھی کنارے پر لگ گئیں۔ وہاں اکثر دوستوں اور عزیزوں کے نام خط لکھوائے، جنھیں مولوی نصیر الدین دہلوی اور شیخ محمد ساکن ڈھئی ڈھمنڈھئی کے حوالے کیا گیا۔ وہ صرف سید صاحب کو رخصت کرنے کے لیے کلکتہ تک ساتھ آئے تھے، حج کے لیے جانے کا ارادہ نہ تھا۔

جہاز پر انتظامات

صبح کو گیلا کاچھی پہنچے۔ وہاں سے جہاز دو کوس پر تھا۔ جہاز پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آپ کی انا جمن بوا پر نزع کی حالت طاری ہے۔ آپ گھڑی بھر اس کے پاس بیٹھے رہے۔ وہ فوت ہوگئیں تو سید صاحب نے ناخدا سے اجازت لے کر میت کشتی پر سوار کرا کے کنارے پر پہنچائی اور جمن بوا کو وہاں دفن کیا۔ سہ پہر رات رہے جہاز نے لنگر اٹھایا۔

۱- جہاز پر معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد دعائے حزب البحر پڑھتے، پھر مولوی یوسف پھلتی سے سورۂ زخرف کا پہلا رکوع سنتے، بعد ازاں مختلف لوگ مذہبی باتیں پوچھتے۔ ظہر تک آرام فرماتے، بعد میں بھی نمازوں کے اوقات کے سوا مذہبی مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔

۲- سمندر کے سفر میں چونکہ اکثر ساتھیوں کو دوران سر اور قے کا عارضہ شروع ہوگیا تھا، اس لئے سید صاحب نے مولوی عبدالحئی سے مسئلہ پوچھ کر جمع بین الصلوتین کا اعلان فرمادیا۔

۳- بادل خاں پٹھان بڑا طاقتور جوان تھا۔ اس نے جہاز پر پہنچتے ہی اعلان کردیا کہ وضو کے لئے سمندر سے پانی نکالنے کی خدمت میرے حوالے کردی جائے۔ چنانچہ نماز کا وقت قریب آتا تو بادل خاں جہاز کے ایک کنارے پر ڈول لے کر کھڑا ہو جاتا اور جو جو لگن لے کر آتا اسے بھرتا جاتا، ساتھ ساتھ اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو کا ذکر بھی جاری رکھتے۔

۴- شیخ باقر علی ڈھی ڈھمڈھی والے نے کھانا پکانے کا کام سنبھال لیا۔ مزید چند اصحاب ان کی اعانت کیلئے تیار ہوگئے۔ سید صاحب کی جماعت کیلئے روزانہ دو دیگوں میں چاول پکتے اور ایک میں دال۔ بعض اصحاب کیلئے حسب ضرورت روٹی پکادی جاتی۔

ہر جہاز کے تفصیلی حالات ہمیں معلوم بھی نہیں اور معلوم ہوتے تو انھیں درج بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن یقین ہے کہ ہر جہاز ایک دوسرے کی خدمت اور دینداری کی ایسی ہی کیفیات سے معمور ہوگا، جس کا سرسری نقشہ ہم سید صاحب والے جہاز کے سلسلے میں اوپر بیان کرچکے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سمندر کا سفر

سیلون کے پاس سے گذر کر راس کماری (۱) کا چکر کاٹا۔ یہ مقام اس زمانے میں جہازوں کیلئے بہت خطرناک سمجھا جاتا تھا، اس لئے کہ بڑی تیز ہوائیں چلتی تھیں۔ آج کل بھی چلتی ہوں گی۔ لیکن اب جہاز رانی کا فن اور جہازوں کی مشینری، بہت ترقی کر چکی ہے۔ اس حصے سے بخیر و عافیت گذرنے کے بعد جہاز کے خلاصی بڑی خوشیاں مناتے۔ ڈھول گلے میں ڈال کر ناخدا (کپتان) سے انعام لیتے، پھر مسافروں سے پیسے وصول کرتے۔ راس کماری سے گذر کر سید صاحب کا جہاز ایلی (۲) میں ٹھہرا، پھر کالی کٹ میں۔ کالی کٹ میں سید صاحب کے پہنچنے سے پہلے آپ کی شہرت پہنچ چکی تھی اور لوگ کشتیاں لیے آپ کے منتظر تھے۔ چنانچہ آپ جہاز سے اتر کر کالی کٹ (۳) گئے۔ شہر کے وسط میں ایک تالاب تھا، اس کے بیچ میں مسجد تھی وہیں آپ نے قیام فرمایا۔

---

(۱) راس کماری کو روایات میں "قاف قمری" لکھا ہے۔ جو غالباً کیپ کامورن کی تعریب ہے۔

(۲) ایلی جنوبی و مغربی ہندوستان کی مشہور بندرگاہ ہے جو کہ کوچین کے جنوب میں واقع ہے۔ سید صاحب کے سوانح نگاروں نے اسے "الی" لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ پرانا اسلامی نام یہی ہو لیکن اسے آج کل ایلی کہتے ہیں۔

(۳) کالی کٹ کو کلی کوٹ لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ سید محمد علی مؤلف "مخزن احمدی" نے ان مقامات کے ذکر میں تقدم و تاخر کر دیا ہے، اس وجہ سے ان کا بیان پیچیدہ ہو گیا ہے، لیکن سید صاحب کی جماعت کے عام محرروں کی طرح سید محمد علی نے بھی دقت نظر اور استقصا و جزئیات کے کمالات کی نمائش نہایت مستحسن انداز میں کی ہے۔

مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ خط استوا سے متصل ہونے کے باعث اس مقام میں سردی بالکل نہیں ہوتی۔ غیر مسلم عورتیں اور مرد ننگے رہتے ہیں۔ ناکتخدائی کی علامت یہ ہے کہ ہر صبح کو غیر شادی شدہ لڑکیاں اپنے اندام پر پھول رکھ لیتی ہیں۔ بوڑھی عورتیں بعض اوقات کپڑے سے منہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ مسلمان ستر و حجاب کی سخت پابندی کرتے ہیں، ان کی عورتیں برقعے پہن کر نکلتی ہیں اور پانچوں وقت نماز مردوں کے ساتھ مسجد میں ادا کرتی ہیں۔ عقیدۃً یہ لوگ شافعی ہیں۔ ہاتھی سب کے پاس ہیں اور ہر قسم کے کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ مثلاً معماری کا کام کرنے والے کا ہاتھی مالک کو اینٹیں اور گارا سونڈ سے پکڑا تا رہتا ہے۔ مسجدیں پر رونق ہیں اور جھاڑ فانوس سے آراستہ۔ ..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کالی کٹ سے روانہ ہوئے تو جزائر لکادیپ کے مجمع میں سے گذرے۔ امنی(۱) سے پانی لیا۔ عقیدی(۲) کا بھی ذکر آیا ہے۔ پھر جزیرہ سقوطرہ کے پاس سے ہوتے ہوئے عدن پہنچے۔

عدن عرب کی پاک سرزمین کا پہلا خطہ تھا، جہاں سید صاحب نے قدم رکھا، اس لئے اترتے ہی دوگانہ شکر ادا کیا، پھر شہر میں گئے۔ دنبہ لے کر ذبح کرایا۔ سید عیدروس ان اطراف کے مشہور بزرگ گذرے ہیں، ان کا مقبرہ عدن میں ہے۔ سید صاحب اس مقبرے میں بھی گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک رات شہر میں گزاری۔ دوسری روایت میں ہے کہ تین راتیں رہے۔

عدن سے چلے تو باب المندب(۳) میں پہنچے۔ یہ مقام بھی جہازوں کے لئے خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ اس جگہ بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ عرب ملتے ہیں۔ عرب اور افریقہ کے خطے بالکل قریب آگئے ہیں۔ تنگنائے کے عین بیچ میں ایک پہاڑی جزیرہ (پیرم) ہے اور بڑی احتیاط سے گذرنا پڑتا ہے۔ ذرا جہاز بے قابو ہوا تو موجیں اسے اٹھا کر پہاڑی سے پٹک دیں۔ اس وقت پہر رات باقی تھی۔ جہاز کے خلاصیوں نے سید صاحب کو جگایا کہ اس موقع سے بخیر و عافیت گذرنے کے لئے دعا فرمائیں۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ..... مسافر اترتے ہی نکاح کر سکتے ہیں۔ نصف مہر پہلے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر مسافر جاتے وقت اہلیہ کو چھوڑنا چاہے تو باقی نصف مہر اور ایام عدت کا خرچ قاضی کے سامنے ادا کر دیتا ہے۔ اس طرح سیکڑوں بچے پیدا ہوتے ہیں، جنھیں باپوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ انھیں "ماپلا" یا "بچہ مادر" کہتے ہیں۔ میاں دین محمد کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم نائر عورتیں ننگی رہتی ہیں۔ بیاہی عورتیں لنگوٹی باندھتی ہیں۔ مسلمان عورتیں گھٹنوں تک تہبند اور لمبی آستینوں کی کرتی پہنتی ہیں۔ مچھلی، کیلا اور ناریل بہت ہوتا ہے۔ سیلون کے پاس مچھلی کے آٹے میں کھوپرا اور گھی ڈال کر ہنڈیاں بناتے دیکھا۔

(۱) امنی کا پورا نام امنی دیپ ہے۔ دیپ جزیرے کو کہتے ہیں یہ نام غالباً کسی عرب آبادکار کے نام پر رکھا گیا۔
(۲) عقیدی کا انگریزی تلفظ اگاتھی (AGATHE) ہے۔
(۳) "وقائع" میں اسے باب اسکندر لکھا ہے اور باب المندوب کے نام سے بھی مشہور ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بحیرۂ قلزم کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے سید زین العابدین بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت جہاز کے اگلے حصے پر جنگلا پکڑے کھڑے تھے۔ بار بار سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العلی العظیم پڑھ رہے تھے۔ پھر خواجہ حافظ کے دیوان سے بعض شوق انگیز اشعار پڑھنے لگے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسی حالت میں خدائے پاک کی عظمت کا بیان شروع کر دیا اور کئی گھڑیاں اسی کیفیت وذوق میں بسر فرمادیں۔

مخا میں قیام

عدن کے بعد جہاز یمن کی مشہور بندرگاہ مخا میں ٹھہرا۔ وہاں ایک مہینہ کا قیام اس وجہ سے ناگزیر ہو گیا کہ بہت سا سامان اتارنا تھا، نیز جہاز کا کپتان اپنے وطن "کلفاء" (حضرموت) جانا چاہتا تھا۔ حج میں چوں کہ چار پانچ مہینے باقی تھے۔ اس لئے ایک مہینے کے قیام میں مضائقہ نہ تھا۔ سید صاحب نے ایک حویلی کرایہ پر لے لی اور ہمراہیوں کے ساتھ اسی میں رہنے لگے۔ آپ کی جماعت کے جو جہاز پہلے آ چکے تھے، وہ بھی مخا میں ٹھہرتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔

سید صاحب نماز مخا کی جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ وہاں لوگ عام طور پر حوضوں میں ننگے نہاتے تھے، ان کی بے خبری یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک روز مولوی امام الدین بنگالی کو تہبند باندھے ہوئے ایک حوض میں نہاتے دیکھا تو انھیں پکڑ کر قاضی صاحب کے پاس لے گئے اور شکایت کی کہ اس شخص نے ہمارا حوض گندہ کر دیا ہے۔ سید صاحب نے قاضی کے پاس آدمی بھیجے اور اسے ننگے نہانے کی قباحتوں سے آگاہ کیا۔ اس طرح مولوی امام الدین کو مخمصے سے چھڑایا۔ قاضی نے حکم دے دیا کہ کم از کم ہندوستانی قافلے کے قیام تک کوئی شخص کسی حوض میں ننگا نہ نہائے۔

قیامِ مخا کے دوران میں معلوم ہوا کہ یمن کے شہرۂ آفاق عالم دین، قاضی محمد علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شوکانی نے ایک کتاب میں موضوع حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ سید صاحب نے مولانا عبدالحیٔ سے فرمایا کہ یہ کتاب حاصل کرنے کی تدبیر کیجیے۔ مولانا قاضی شہر کے پاس پہنچے۔ مخا میں تو کتاب کا کوئی نسخہ نہ مل سکا، لیکن قاضی نے کہا کہ آپ ایک خط لکھ دیں، میں صنعا بھیج کر کتاب منگا دوں گا۔ چنانچہ مولانا نے مفصل خط عربی میں لکھ کر قاضی کے حوالے کر دیا۔ اس طرح قاضی شوکانی کی کتاب سید صاحب کی وساطت سے ہندوستان پہنچی۔

جدہ

مخا سے چلے تو حدیدہ میں ٹھہرے۔ جہاں سید صاحب کے ایک ہندوستانی دوست قیام پذیر تھے۔ انھیں سید صاحب کی تشریف آوری کا علم ہو چکا تھا۔ جہاز پر آ کے ملے۔ آپ کی دعوت کی۔ سید صاحب نے چلتے وقت اس دوست کو ایک ولایتی تلوار، ایک سپرا اور ایک دو نالی بندوق عطا فرمائی۔

یلملم کے محاذ میں پہنچے تو پورے قافلے نے غسل کر کے عمرے کا احرام باندھا۔ دو رکعت نماز ادا کر کے سب سے پہلے سید صاحب نے "لبیک" کی صدا بلند کی۔ پھر پورے قافلے کی صدائے لبیک سے جہاز گونج اٹھا۔ سید صاحب دو گھڑی دعا میں مشغول رہے۔

جدہ پہنچے تو جو ہمراہی پہلے پہنچ چکے تھے ان میں سے اکثر مکہ معظمہ جا چکے تھے۔ کچھ لوگ سید صاحب کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حیدرآباد دکن کے دو بھائی، محمود نواز خاں اور سلطان حسین خاں بسلسلہ تجارت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ محمود نواز خاں سید صاحب کی شہرت سن کر بغرض زیارت جدہ آ گئے۔ سید صاحب کا خاندانی معلم بھی وہاں پہنچا ہوا تھا۔ اس کے پاس سید ابوالیث مرحوم (سید صاحب کے ماموں) کا مہری پروانہ موجود نہ تھا۔

سید صاحب چار دن جدہ میں ٹھہرے رہے۔(۱) اس اثناء میں اس مقام کی بھی

(۱) "مخزن احمدی" میں ہے پانچ دن۔ ص: ۹۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زیارت کی جو مزارِ حوا کے نام سے مشہور تھا۔ مولانا شاہ اسماعیل کو تصفیۂ محاصل کے لئے چھوڑ دیا اور خود روانہ ہو گئے۔ کلکتہ سے روانگی کے وقت مختلف جماعتوں کے امیروں کو کچھ رقمیں متفرق مصارف کیلئے دے دی گئی تھیں۔ جدہ میں ان رقموں کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دو ہزار ایک سو روپے زائد خرچ ہوئے۔ سید صاحب نے یہ رقم بھی ادا فرما دی۔

مکہ معظمہ میں داخلہ

جدہ سے چل کر ایک مقام حدہ میں کیا۔ پھر حدیبیہ(۱) میں ٹھہرے، جہاں بیعت رضوان ہوئی تھی۔ وہاں رفیقوں سمیت دیر تک دعاء میں مشغول رہے۔(۲) تیسرے روز چاشت کے وقت مکہ معظمہ میں پہنچ گئے۔

شہر میں داخلے کے دو راستے تھے، ایک اسفل مکہ کی طرف سے اور دوسرا اعلائے مکہ کی طرف سے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اعلائے مکہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ سید صاحب نے بھی یمن و تبرک کے طور پر یہی راستہ اختیار کیا۔ شعبان ۱۲۳۷ھ کی اٹھائیسویں تاریخ تھی۔ (۲۱ رمئی ۱۸۲۲ء) دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔(۳) سید صاحب حجون کی گھاٹی سے گذر کر جنت المعلیٰ میں پہنچے اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مزار پر دیر تک مصروفِ دعاء رہے۔ باب السلام سے حرم پاک میں داخل ہوئے۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی۔ زمزم پر پانی پیا۔ سعی کے بعد حلق کیا اور احرام کھولا۔ اس طرح گھر سے نکلنے کے بعد حرم پاک میں پہنچے

(۱) یہ مقام جدہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے حدِ حرم کے پاس ہے۔ آج کل حدیبیہ کے بجائے شمیسی کی شہرت زیادہ ہے۔ حدیبیہ اس کے قریب ہی تھا۔

(۲) مخزنِ احمدی میں ہے: برائے آمرزش جمیع قافلہ بکمال ابتہال و خضوع و خشوع بجناب رب العطایا مسئلت فرمودند۔

(۳) مخزنِ احمدی ص: ۹۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تک کل دس مہینے سفر میں بسر ہوئے۔ ایک مہینہ بنارس میں ٹھہرے، تین مہینے کلکتہ میں اور ایک مہینہ پٹنہ میں۔ باقی مقامات پر کہیں پندرہ روز قیام کیا، کہیں آٹھ روز، کہیں دو چار دن اور کہیں صرف ایک رات۔

سید صاحب مکہ معظمہ پہنچے تھے تو روزانہ خرچ کی یہ کیفیت تھی:

آٹا	تیس ریال
متفرق جنسیں	چھ ریال سے گیارہ ریال
لکڑی	تین ریال

آٹے کا بھاؤ گیارہ کیل فی ریال تھا۔ کیل تقریباً پونے دو سیر کا ہوتا ہے۔ گویا چودہ من پندرہ من آٹا روزانہ خرچ ہوتا تھا۔ کل خرچ اکتالیس ریال روزانہ تھا۔ آخری دور میں تو گھٹ کر پچیس ریال رہ گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ تھی کہ گوشت کے بجائے زیادہ تر دال پکتی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہوگی کہ ادائے حج کے بعد اکثر رفقاء مختلف جہازوں میں سوار ہو کر واپس آتے رہے۔

قیام گاہ اور عبادات

آپ کیلئے باب عمرہ کے پاس زین العابدین کی حویلی کرایے پر لی گئی تھی۔ رفیقوں کے ٹھہرنے کیلئے دوسرے مکانات کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ پہلے دن شیخ عبداللطیف مرزا پوری نے دعوت کی، جو سید صاحب سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ پھر لنگر جاری ہو گیا۔ شاہ اسماعیل نے جدہ سے چاول، آٹا اور دال وغیرہ چیزیں بھجوادی تھیں۔ گوشت بازار سے لیتے تھے۔ رمضان میں دونوں وقت گوشت پکتا رہا۔ پھر سید صاحب نے حکم دے دیا کہ روزانہ دال پکا کرے اور آٹھویں دن ایک مرتبہ گوشت پکایا جائے۔

ساری نمازیں حرم میں ادا کرتے تھے۔ نماز تراویح میں چوں کہ مختلف حفاظ اپنی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعتیں قائم کر لیتے تھے، اس لئے سماع قرآن میں سکون و یکسوئی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ سید صاحب نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک دوسری جماعتیں ہوں، سب بھائی آرام سے بیٹھے قرآن سنتے رہیں۔ جب دوسرے لوگ فارغ ہو جائیں تو اپنی جماعت کھڑی ہو۔ سید محمد (ابن سید ابو اللیث) روزانہ دو پارے قرآن سناتے تھے۔

نماز تراویح کے بعد سید صاحب ایک گدھے پر بیٹھ کر تنعیم چلے جاتے، جہاں سے حدِ حرم بہت قریب ہے۔ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آتے اور طواف کرتے۔ رات زیادہ ہوتی تو سعی و قصر کے بعد احرام کھولتے، پھر سحری کھاتے۔ اگر وقت کم ہوتا تو پہلے سحری کھاتے پھر سعی و قصر کرتے اور احرام کھولتے۔(۱) نماز فجر کے بعد اشراق تک طواف کرتے رہتے، پھر قیام گاہ پر آتے۔

۲۰ رمضان المبارک سے آپ حرمِ پاک میں معتکف ہو گئے۔ شوال کا چاند نکلنے پر اعتکاف سے باہر آئے۔ عید الفطر کے روز سید صاحب نے شیخ عمر بن عبد الرسول سے ملاقات کی۔ وہ اونچے پایے کے محدث اور بڑے تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ سلطان ترکی نے ایک مرتبہ ستر ہزار دینار اس غرض سے بھیجے کہ میری طرف سے حج کریں۔ آپ نے یہ رقم واپس کر دی اور فرمایا کہ میں سلطان کی طرف سے نیابۃً حج کر چکا ہوں۔ سید صاحب نے پانچ ریال شیخ عمر کی خدمت میں پیش کیے۔

عید کے دن اکابر میں سے جن اصحاب نے سید صاحب کی بیعت کی، ان کے نام یہ ہیں: شیخ مصطفیٰ امام حنفیہ، خواجہ الماس ہندی اور دوسرے خواجہ سرا شیخ شمس الدین، شیخ حسن آفندی۔

---

(۱) عام روایتوں میں ہے کہ روزانہ عمرہ ادا کرتے تھے۔ "مخزن احمدی" میں ہے کہ صرف دوشنبہ اور جمعہ کو ادا کرتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا اسماعیل کی والدہ

قافلے کے لوگ خدا کے فضل سے عموماً ہر آفت سے محفوظ رہے۔ صرف چند موتیں ہوئیں: ایک عنایت علی عظیم آبادی بیمار ہوئے اور سیلون کے قریب فوت ہو گئے۔ دوسرے عبدالغفار خاں بخاری نے وفات پائی۔ یہ دونوں جہاز فتح الکریم پر سوار تھے۔ سید صاحب کی انا جمن بوا دریا بقی پر سوار تھیں اور کلکتہ کے قریب ہی فوت ہوئیں۔ مولانا شاہ اسماعیل کی والدہ حج کے لئے آئی تھیں، وہ مکہ معظمہ پہنچ کر سخت بیمار ہو گئیں اور زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ شاہ صاحب کی دلی آرزو تھی کہ والدہ سید صاحب کی بیعت کر لیں۔ لیکن وہ فرماتیں کہ سید صاحب ہمارے خاندان کے مرید ہیں، میں ان کی بیعت نہیں کر سکتی۔ شاہ صاحب دعائیں کرتے رہتے تھے۔

ایک رات مرحومہ نے خواب دیکھا کہ آفتاب سوا نیزے پر آیا ہوا ہے، قیامت کی گرمی ہے، خلقِ خدا تشنگی سے بے تاب ہے اور دور دور تک نہ سایہ ہے، نہ پانی۔ ایک جگہ سایہ نظر آیا بے شمار خلقت اس سایہ میں شاداں وفرحاں تھی۔ پوچھا: یہ کون سا گروہ ہے؟ سید محمد علی جنھوں نے اس پورے واقعے کو نظم کر دیا تھا، فرماتے ہیں:

گفت ایں جملہ گروہ احمدی است ۔۔۔ سایۂ ظلِ فیض سرمدی است

تو از ایشاں شو کہ تا زی شاں شوی ۔۔۔ دور کن افکار تا ز ایشاں شوی

مرحومہ جاگیں تو بے تکلف سید صاحب کی بیعت کر لی۔ اسی بیماری میں فوت ہوئیں اور جنت المعلّٰی میں انہیں دفن کیا گیا۔

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی فرماتے ہیں: شیخ شمس الدین شطا، احمد پاشا سلطان مصر کے نائب شیخ حسن آفندی (ص: ۳۲۳) نیز علمائے مکہ میں سے شیخ عبداللہ سراج، سید محمد مغربی، حافظ بخاری مع قسطلانی، شیخ حمزہ محدث، شیخ احمد یمن ادریس، محمد علی ہندی، ملا بخاری، امام شیخ صالح شافعی، حنبلی مفتی اور واعظ شیخ علی سے برابر ملاقاتیں رہتی تھیں۔

ادائے حج

۸ ذی الحجہ کو حسب سنت حج کے لئے روانہ ہوئے۔ تمام مشاعر پر طویل دعائیں کیں۔ منیٰ میں خیمہ وسط مسجد خیف میں نصب کیا۔ غار مرسلات اور مسجد کبش میں بھی گئے۔ بیعت عقبہ کے مقام پر رفیقوں نے تجدید بیعت کی۔ سب سے لمبی دعائیں وقوف عرفہ کے دن جبلِ رحمت کے دامن میں کیں۔ ایک دعا یہ تھی کہ قافلے میں سے کوئی شخص "حاجی" لقب سے ملقب نہ ہو، اس لئے کہ حج ایک اسلامی فرض ہے، اسے بجالانے پر امتیازی لقب کیوں اختیار کیا جائے؟ اس مقام پاک اور یوم پاک کی برکات کے پیش نظر تمام رفقاء نے پھر بیعت کی۔ بعد غروب مزدلفہ میں آئے۔ کثرت ازدحام کے باعث قافلہ بکھر گیا۔ خود سیدہ زہرہ والدہ سائرہ بی بی کی سواری بھی الگ ہو گئی۔ چند رفیق ان کے ساتھ رہے۔ رمی جمرات کے بعد قربانی کی۔ ایک سے زائد بکرے سید صاحب نے صرف اپنے لئے خریدے تھے۔ تین روز منیٰ میں مقیم رہے۔ روزانہ قربانیاں کرتے اور بعد نمازِ عصر طواف کے لئے حرم پاک میں پہنچتے۔

مکہ معظمہ میں مشغولیتیں

غرہ محرم سے آپ نے محمد سعید عرب کی حویلی کرایہ پر لے لی تھی۔ سینکڑوں علماء، صلحا اور اشراف سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک صاحب سید محمد نام مغرب اقصیٰ کے تھے، جنھیں پوری صحیح بخاری مع شرح قسطلانی حفظ تھی۔ جاویوں اور بلغاریوں نے بھی بیعت کی۔

مولانا عبدالحیؒ نے حرم پاک میں مشکوٰۃ کا اور شاہ اسماعیل نے حجۃ اللہ البالغہ کا درس شروع کر دیا تھا۔(۱) مولانا نے اس اثناء میں سید صاحب کی کتاب "صراط مستقیم" کا

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی ایک قلمی یادداشت کی بنا پر فرماتے ہیں کہ درس مدینہ منورہ سے واپسی پر شروع ہوا تھا۔ واللہ اعلم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عربی میں ترجمہ کیا، جس کی نقلیں بعض اصحاب نے لے لیں۔(۱)

۱۲۳۷ھ کے حج میں قاضی شوکانی بھی آئے تھے اور شہر سے باہر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولانا عبدالحئی اور مولانا منصور الرحمٰن (ابو عبداللہ بن شیخ عبداللہ بن نواب جمال الدین انصاری دہلوی) نے قاضی شوکانی سے ملاقات کی تو انھوں نے "اتحاف" کا ایک نسخہ دونوں کو تحفۃً دیا۔

سید صاحب کی شانِ للّٰہیت

مکہ معظمہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جس سے سید صاحب کی شانِ للّٰہیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میاں عبداللہ نومسلم دہلوی سید صاحب کے خاص خادموں میں تھے اور کنبے کے افراد کی طرح رہتے تھے، ان کا اور اہل وعیال کا پورا خرچ سید صاحب کے ذمے تھا۔ سید صاحب کے گھر میں بچی پیدا ہوئی۔(۲) اہلیہ عبداللہ کی گود میں ایک لڑکا تھا۔ سید صاحب نے اہلیہ عبداللہ سے کہا کہ ہماری بچی کو بھی دودھ پلا دیا کرو۔ اس نے عرض کیا، میرا دودھ اتنا کم ہے کہ خود میرے بچے کو بھی بمشکل کفایت کرتا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہم دودھ بڑھانے کی دوائیں کھلائیں گے، اس نے پھر عرض کیا کہ میں ساری تدبیریں کر چکی ہوں، دودھ نہیں بڑھا۔ اگر بچی کو پلاؤں گی تو بچے کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، سید صاحب نے فرمایا کہ "فکر نہ کرو اور بچی کو دودھ پلا دیا کرو۔"

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ میاں عبداللہ نے اپنی اہلیہ سے یہ بات سنی تو پریشانی کی حالت میں مجھ سے ذکر کیا، میں نے کہا کہ بزرگوں کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، یاد

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی کے قول کے مطابق یہ ترجمہ شیخ حسن آفندی کی خاطر کیا گیا تھا۔

(۲) منظورہ نسخہ ٹونک میں بہ تصریح مذکور ہے: ہم درآں ایام (قیامِ مکہ معظمہ) جناب ممدوح (سید صاحب) را از بطن مخدومہ ممدوحہ دخترے تولد شد۔ میرے قیاس کے مطابق یہ بچی سیدہ ولیہ کے بطن سے تھی اور غالباً سفر میں ہی فوت ہوگئی۔ اس کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھو! حضرت بھی پسند نہ کریں گے کہ ان کی بچی سیر ہو اور آپ کا بچہ بھوکا رہے۔

ایک دو روز کے بعد سید صاحب کو احساس ہوا کہ عبادت میں پہلے کی سی لذت ومحویت باقی نہیں رہی۔ بڑے پریشان ہوئے، آخر یاد آ گیا کہ اہلیہ عبداللہ کو باصرار دودھ پلانے پر مجبور کیا۔ آپ نے فوراً چند مستورات کو ساتھ لیا اور اہلیہ عبداللہ کے پاس پہنچے، وہ گھبرا گئی، آپ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں ہم سے خطا ہوئی اور اب معافی مانگنے آئے ہیں۔ اللہ معاف کر دو۔ وہ رونے لگی، عورتوں کے سمجھانے پر اس نے کہا: معاف کیا۔ تین بار یہ الفاظ دہرا چکی تو سید صاحب نے اس کیلئے دعاء کی اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ ان کی دل جوئی میں کوتاہی نہ ہو۔

پھر آپ شیخ عبداللطیف کی قیامگاہ پر پہنچے، جہاں مولانا عبدالحیٔ، شاہ اسماعیل، حکیم مغیث الدین اور دوسرے اصحاب موجود تھے، یہاں عبداللہ کو بلا کر پاس بٹھایا، اس کے بعد وعظ فرمایا، جس میں قادر ذوالجلال کی بے نیازی کا ذکر کرتے ہوئے بندوں کی مساوات پر زور دیا۔ آخر ماجرا سنایا اور کہا کہ مجھ سے خطا ہوئی، اہلیہ عبداللہ سے معافی لے چکا ہوں، اب آپ سب کے روبرو عبداللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ عبداللہ کی زبان شدت گریہ سے بند ہو گئی، بولا تو یہ کہ ''میں فرماں بردار ہوں''۔ سید صاحب نے فرمایا: آپ میرے بھائی ہیں، مجھ سے تقصیر ہوئی، اللہ معاف کر دیں۔ اس نے کہا کہ اگر میرے کہنے ہی پر موقوف ہے تو میں نے جان ودل سے معاف کیا، اس پر سید صاحب نے میاں عبداللہ کے لئے بھی دعاء کی۔

مدینہ منورہ کا سفر

اواخر محرم میں مدینہ منورہ کا قصد فرمایا۔ (۱) ایک سو بیس اونٹ کرائے پر لئے۔

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل اس سفر میں ساتھ نہ جا سکے اور والدہ کی علالت کے باعث مکہ معظمہ میں قیام پر مجبور ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شغدف اور شبریاں خریدیں، تمام اسلحہ مکہ معظمہ میں چھوڑے، میدان طوئی میں دو روز قافلہ تیار ہوتا رہا۔ اس سفر کے سلسلے میں مندرجہ ذیل منازل کے نام آئے ہیں:

(۱) وادیٔ فاطمہ براہ سرف، جہاں ام المومنین حضرت میمونہ کا مزار تھا (۲) خلیص (۳) ایک بے آب جگہ (۴) دریائے شور کے پاس (۵) وادیٔ صفرا (۶) وادیٔ خیف (۷) ایک منزل جہاں کنوؤں کو خار بندی سے بند کر دیا گیا تھا (۸) ذوالحلیفہ۔

یہ کل آٹھ منزلیں ہوتی ہیں، لیکن جس راستے سے سید صاحب گئے وہ وہی تھا جسے ترکوں کے آخری زمانے میں "طریق سلطانی" کہتے تھے۔ اس راستے کی منزلیں کم از کم گیارہ تھیں، ظاہر ہے کہ بعض کے نام چھوٹ گئے، مثلاً وادیٔ فاطمہ اور خلیص کے درمیان ایک مشہور منزل عسفان ہے، جس مقام کو ایک بے آب جگہ بتایا گیا ہے وہ قضیمہ (عام لفظ قدیمہ) یا اس کے آس پاس ہونا چاہئے۔ دریائے شور کے پاس جو مقام بتایا گیا ہے وہ یقیناً رابغ ہے۔ رابغ اور وادیٔ صفرا کے درمیان میں ایک منزل ہونی چاہیے۔ بعد کے زمانے میں اس کا نام مستورہ تھا۔ وادیٔ صفرا مقامِ بدر سے ایک منزل جنوب میں ہے۔ ذوالحلیفہ وہی مقام ہے، جسے آج کل آبار علی کہتے ہیں، اور یہ مدینہ منورہ سے صرف چھ میل ہے۔

اگرچہ راستہ خاصا خطرناک بتایا جاتا تھا، لیکن سید صاحب نے ہتھیار مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ دیے تھے۔ (۱) اعلان کر دیا تھا کہ ہم ہر تکلیف کو جھیلیں گے، اور کسی کے خلاف ہاتھ نہ اٹھائیں گے۔ ایک مقام پر رہزن حملے کے لئے آگئے، سید صاحب نے تمام توانا آدمیوں کو چن کر چار جماعتوں میں بانٹا اور انہیں کو دائیں بائیں، آگے پیچھے کھڑا کر دیا، بیچ

(۱) "مخزن احمدی" میں ہے کہ عرب میں مشہور ہو چکا تھا، ہندوستان سے ایک سید ساڑھے سات سو کا قافلہ لے کر حج کیلئے آیا ہے اور سب کا خرچ خوراک و پوشاک اس نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اسکے پاس بہت مال ہے، اسلئے لٹیرے بدوؤں کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ سید صاحب نے یہ جانتے ہوئے فرمایا کہ ہم کوئی سامانِ مدافعت نہ لیں گے۔

میں عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو رکھا۔ اس اثناء میں شتر بانوں کے سردار نے بات چیت سے راہزنوں کو واپس کر دیا، یہ واقعہ ذوالحلیفہ سے پیشتر کی منزل میں پیش آیا۔(۱)

وادیٔ صفرا میں ایک بدو پستول بیچنے کے لئے آیا، سید عبد الرحمٰن نے کہا کہ ایسے پستولوں کی جوڑی ہو تو خرید لوں، بدو دوسرا بھی لے آیا، دس ریال میں سودا ہوا، مکہ معظمہ واپس آئے تو معلوم ہوا کہ یہ پستول احمد پاشا حاکم حجاز کے ہاں سے چرائے گئے تھے۔ سید صاحب نے پستول حاکم کے حوالے کر دیے۔ اس نے معاوضے میں اسلحہ خانے سے عمدہ پستولوں کی ایک جوڑی بھیج دی، وادیٔ صفرا میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب کی قبر کی زیارت کی، جہاں سے پانچ میل پر بدر تھا۔ چونکہ شتر بانوں میں سے اکثر بدو صفرا کے باشندے تھے، انہوں نے ایک دن قیام کی درخواست کی اور سید صاحب نے یہ منظور فرمالی۔

مدینہ منورہ میں ایک مہینہ

سید صاحب راستے میں سخت بیمار ہو گئے، بعض اوقات بیہوش ہو جاتے تھے، مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے تندرست ہو گئے۔ ذوالحلیفہ سے چل کر آدھی رات کو مدینہ منورہ میں پہنچے اور مناخہ میں اترے، پھر غسل کیا اور لباس بدلا، شہر کا دروازہ کھلا تو اندر گئے۔ باب السلام سے حرم پاک میں داخل ہوئے، شافعی امام کے پیچھے نماز صبح پڑھی۔ اشراق تک اوراد و وظائف میں مشغول رہے، بعد اشراق روضۂ منورہ کی زیارت کی۔

(۱) ''مخزن احمدی'' میں ایک اور واقعہ بھی مرقوم ہے، کہ جحفہ میں شتر بانوں اور اہل قافلہ کے درمیان اتفاقیہ جھگڑا ہوا، یہاں تک کہ بعض آدمیوں نے ایک دوسرے کے مکے بھی مارے اور باہم گتھم گتھا بھی ہوئے۔ شتر بانوں نے قافلے سے الگ ہو کر سنگ باری شروع کر دی، عورتیں اور بچے رونے لگے۔ سید صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو حزب البحر کا کچھ حصہ پڑھ کر دعا کی اور شتر بانوں کے سردار کو بلا کر ہیبت انگیز انداز میں فرمایا کہ سنگ باری بند کراؤ، پھر سید صاحب اور شتر بانوں کے سردار نے دونوں فریقوں کے زخمیوں سے معذرت کرا کے انہیں ٹھنڈا کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قیام کے لئے سید سمہودی کا مکان لے لیا تھا، جو حرم پاک کے پاس باب جبریل سے بالکل متصل تھا۔ اسی مکان میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے اور یہی مکان بعد میں شیخ الحرم کیلئے مخصوص ہو گیا تھا۔ سید صاحب نے آہستہ آہستہ حرم مدینہ کے تمام مآثر کی زیارت کی، مثلاً جنت البقیع، سیدنا حمزہ، جبل احد، مسجد قبلتین، مسجد قبا، بیر خاتم وغیرہ۔(۱)

اس زمانے میں ارباب حکومت نجدیوں سے بے حد بگڑے ہوئے تھے، ان کے ساتھ جنگ کو ختم ہوئے چند ہی سال گذرے تھے، اگر کوئی شخص موحدانہ عقائد کی اشاعت میں ذرا سرگرم معلوم ہوتا اور بدعات ومحدثات کے رد میں سختی سے کام لیتا تو اسے "وہابی" سمجھ کر مواخذے کا تختۂ مشق بنالیا جاتا تھا۔ سید صاحب کے ساتھیوں میں مولوی عبدالحق نیوتنوی بہت تیز مزاج تھے، وہ بعض مروجہ غیر شرعی مراسم کے رد وابطال میں ذرا تیزی سے کام لیتے تھے، جھٹ شکایت ہوئی کہ یہ "وہابی" ہیں، چنانچہ ان پر مقدمہ قائم ہو گیا۔ مولانا عبدالحیٔ نے ضمانت دے کر انہیں چھڑا لیا اور مقدمے کی جواب دہی کے موقع پر بھی مولانا ہی نے عدالت سے بات چیت کی، اس طرح مولوی عبدالحق رہا ہو گئے، مکہ معظمہ تک سید صاحب کے ساتھ رہے، پھر صنعاء چلے گئے اور قاضی شوکانی سے حدیث کی سند لے کر ہندوستان آئے۔

بیت المقدس جانے کا ارادہ بھی ہو گیا تھا، لیکن ہمراہیوں کا اضطراب دیکھ کر یہ ارادہ ترک کر دیا، اس لئے کہ سب کو ساتھ لے جانا مشکل تھا اور کسی کو پیچھے چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا۔(۲) مدینہ منورہ میں سردی تیز ہو گئی، شیخ عبداللطیف نے کمبل خرید کر سید صاحب کے ہمراہیوں کو چغے سلوا دیے۔

(۱) انکے علاوہ بھی مدینہ منورہ میں کئی مآثر بتائے جاتے ہیں، یقین ہے کہ سید صاحب ان تمام مقامات پر پہنچے ہونگے۔
(۲) سید عبدالرحمٰن نے ارادہ کر لیا تھا اور سید صاحب بھی جانے کے خواہاں تھے، بیعت کے لئے چالیس آدمی چن لئے گئے، لیکن اخوند محمد ظہیم نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مراجعت

اواخر محرم میں مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تھے، دس گیارہ دن سفر میں لگے، ایک مہینہ مدینہ منورہ میں گزار کر ۹ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو واپس ہوئے۔(۱) سید زین العابدین (ابن سید احمد علی) بہت بیمار ہو گئے تھے، سید عبدالرحمٰن کو ان کی خبر گیری کے لئے چھوڑ دیا۔ ایک رات ذوالحلیفہ میں گزاری، جہاں سے عمرے کا احرام باندھا، اس کے بعد صرف خلیص اور وادی فاطمہ کی منزلوں کا ذکر آتا ہے۔

ہمراہیوں میں سے جن جن کیلئے جہازوں پر جگہیں نکلتی آئیں، انہیں ہندوستان بھیجتے گئے، خود پہلے کی طرح حرم پاک میں مشغول عبادت ہو گئے۔

فرماتے ہیں ایک مرتبہ طواف میں خیال آیا کہ اہل وعیال ساتھ ہیں، اب ہندوستان کیوں واپس جاؤں، جو دارالحرب ہے؟ بہتر ہے کہ حرم پاک ہی میں بیٹھا رہوں، لیکن غیب سے اشارہ ہوا کہ تم یہاں بیٹھے رہو گے تو ہم اپنا کام کسی دوسرے سے لیں گے، اس پر واپسی کا ارادہ پختہ ہو گیا۔

رمضان شریف حرم ہی میں گزارا۔ ۱۵ / شوال (۲۵ / جون ۱۸۲۳ء) کو مکہ معظمہ سے چلے، اس وقت تک صرف اتنے ساتھی رہ گئے تھے، جن کے لئے چار جہاز کرائے پر لینے پڑے۔ "دریابقی" "ملک البحر" "عطیۃ الرحمٰن" اور "تاج" پندرہ روپے فی کس کرایہ ٹھہرا۔ "ملک البحر" کی رفتار سب سے کم تھی، سید صاحب نے اسی کو اپنے لئے منتخب کیا۔

(۱) نواب وزیر الدولہ نے "وصایا" میں لکھا ہے کہ سید صاحب مدینہ پہنچے تھے تو حرم کے پاس روضہ مقدسہ کے سامنے قیام کیا تھا، جس روز پہنچے تھے، اسی روز رات کو سخت بخار آیا، بیدار ہو گئے، اپنے مسکن کی کھڑکی میں، روضہ مقدسہ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی حالت میں زیارت سے مشرف ہوئے اور عرض کیا: حضور کے امتیوں میں سے شیخ غلام علی (الہ آبادی) نے ایک قرآن مجید بھیجا تھا کہ روضے پر تلاوت قرأت میں رہے، یہاں میں نے دیکھا کہ بہت سے قرآن موجود ہیں اور کوئی نہیں پڑھتا، حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو یہ نسخہ حرم پاک کے خدام میں سے الماس کو دے دوں، جو اسے باقاعدہ پڑھتا رہے گا، یہ اجازت مل گئی۔ (حصہ اول ص: ۲۹-۳۰)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ذی قعدہ کے آغاز میں جدہ سے روانہ ہوئے، مخا میں پھر ایک مہینہ ٹھہرنا پڑا، قربانی کے جانور مخا ہی سے خرید لئے تھے، اور عید الاضحیٰ جہاز ہی میں ہوئی۔ مخا سے چلے تو بارھویں روز ۲۰ ذی الحجہ (۱۶ اگست ۱۸۲۳ء) کو بمبئی پہنچ گئے۔ مولوی انس صاحب نے استقبال کیا، انہیں کی مسجد میں ٹھہرے جو محلہ میمن واڑہ میں تھی۔ اٹھارہ دن قیام رہا، روزانہ پر تکلف دعوتیں ہوتی تھیں، پلاؤ میں گھی بہت ڈالتے تھے، یہ وقت بھی کلکتہ کی طرح ہدایت وارشاد میں بسر ہوا۔

بمبئی سے چار آدمی ساتھ ہو گئے، جن میں سے ایک مولوی انس کے صاحبزادے تھے، وہاں سے چلے اور ساتویں دن الپی وارد ہوئے۔ غرض ۶ صفر ۱۲۳۹ھ (۱۲ اکتوبر ۱۸۲۳ء) کو کلکتہ پہنچ گئے۔

کلکتہ سے مونگیر

شیخ غلام حسین فخر التجار فوت ہو چکا تھا، اس کا فرزند حج میں سید صاحب کے ساتھ تھا اور غالباً آپ سے پہلے کلکتہ پہنچ گیا تھا۔ پینس پر سوار کر کے لے گیا اور اپنے باغ میں ٹھہرایا۔ لوگ پہلے کی طرح پھر کثرت سے زیارت کے لئے آنے لگے، اس مرتبہ بھی کلکتہ میں غالباً خاصی دیر قیام رہا، امتداد قیام کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے ساتھیوں کا جہاز ''عطیۃ الرحمٰن'' راستہ بھول گیا تھا، ایک مہینے تک اس کی کچھ خبر نہ ملی، اس اثناء میں سید صاحب دعائیں کرتے اور قنوت پڑھتے رہے۔ جب جہاز کی سلامتی کی خبر پہنچی تو سب کو بڑی خوشی ہوئی۔

کلکتہ سے واپسی کی منزلوں کے مفصل حالات معلوم نہیں، جو کچھ معلوم ہوا وہ ذیل میں درج ہے:

مرشد آباد کے دیوان غلام مرتضیٰ نے قافلے کو روک لیا اور اصرار کیا کہ میرے وطن (کہنہ) چلیے۔ جس بنگلے میں آپ کو ٹھہرانا منظور تھا اس کی محض درستی اور آرائش پر پانچ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہزار صرف کیے، اس کے باہر بڑا بازار لگوایا اور منادی کرادی کہ سید صاحب کے ہمراہی جو کچھ خریدیں، اس کی قیمت کا حساب رکھا جائے، میں خود پوری رقم ادا کردوں گا۔ روانگی کے وقت جو تحائف پیش کیے انکے بارے میں علم نہیں، صرف اتنا معلوم ہوا کہ ان تحائف میں سے عمدہ طمنچے اور سات دیدہ بانوں کی ایک نادر رومی بندوق تھی، جو آپ سے یار محمد خاں درانی نے مانگ لی تھی، پورنیا کی رانی نے بھی طلب کیا تھا، لیکن آپ جانہ سکے۔

مرشد آباد سے چلے تو منشی محمدی انصاری کے وطن بھی گئے، منشی صاحب کو گھر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے نکاح کیا، ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام محمد یحییٰ رکھا۔ جب معلوم ہوا کہ سید صاحب ہجرت کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو سب کچھ چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پھر جیتے جی ساتھ نہ چھوڑا۔ مونگیر میں نماز جمعہ ادا کی، یہ مقام اسلحہ سازی کے لئے مشہور تھا۔ سید صاحب نے بندوقیں اور طمنچے خریدے۔ یہاں سے چار نالیوں والی ایک بندوق بھی لی تھی۔

عظیم آباد سے الٰہ آباد

مونگیر سے چلے تو عظیم آباد میں ٹھہرے جہاں سے مولانا ولایت علی، شاہ محمد حسین اور سید کرامت اللہ پیشوائی کے لئے قصبہ باڑھ تک پہنچے ہوئے تھے۔ دس روز وہاں مقام ہوا، پھر آپ پھلواری تشریف لے گئے۔(۱) عظیم آباد سے چلے تو مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولوی طالب علی، شاہ محمد حسین، محمد حیات اور سید کرامت اللہ سامان لے کر ساتھ ہو گئے۔ آپ ڈھکیا، دانا پور، بھوج پور، بلسار، چھپرا، بکسر ہوتے ہوئے محمود آباد پہنچے، پھر یوسف پور جا کر شیخ فرزند علی غازی پوری کو دیکھا، جو یہیں رہتے، چھ روز وہاں قیام

(۱) سیرت سید احمد شہید میں پھلواری کے متعلق رودادات بہ سلسلہ مراجعت درج ہوئے ہیں جنہیں میں پہلے درج کر چکا ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کیا۔ اس اثناء میں جامع مسجد نئے سرے سے آباد ہوگئی، دانا پور میں شیخ علی جان کے مکان پر ایک شخص بہ ارادۂ قتل آیا تھا، لیکن سامنے آتے ہی سب کچھ بھول گیا اور پاؤں پر گر کر معافی مانگ لی۔

بنارس چند فرلانگ رہ گیا تو تیموری شہزادے استقبال کے لئے پہنچ گئے۔ یہاں ایک مقام پایاب تھا، لیکن پانی کا بہاؤ وہاں بہت تیز تھا، ہمراہیوں میں سے ایک صاحب وہاں اُتر پڑے، پاؤں نہ جما سکے اور بہہ نکلے۔ مختلف لوگ انہیں بچانے کے لئے دوڑے، ان میں سید صاحب بھی تھے، سب کے پاؤں اکھڑ گئے، صرف سید صاحب اپنی جگہ پر مضبوطی سے کھڑے رہے۔ اس اثناء میں سید عبدالرحمٰن کشتی لے کر پہنچ گئے اور سب کو اس میں سوار کرا کے کنارے لائے۔

بنارس میں اس مرتبہ صرف چند دن قیام رہا، مرزا پور میں شیخ عبد اللطیف اور دوسرے لوگوں نے دعوتیں کیں، وہیں شیخ غلام علی کے فرزند پیشوائی کے لئے پہنچے ہوئے تھے، اور شیخ صاحب کے حکم کے مطابق اسی مقام سے پورے قافلے کا خرچ انہوں نے اپنے ذمے لے لیا۔

مرزا پور سے آپ نے تکیے کی مسجد کے راستے اور گھاٹ کے لئے پتھر خریدے، نیز غریب ہمسایوں کے لئے بہت سی چکیاں تحفے کے طور پر لے لیں۔ الٰہ آباد تک قافلے کی ہر ضرورت شیخ غلام علی نے پوری کی۔ ان کے اجارے کے گاؤں دریا کے کنارے کنارے تھے، ہر گاؤں سے دال، چاول، گھی، مسالہ اور دوسری چیزیں دریا پر پہنچ جاتی تھیں۔ الٰہ آباد میں کئی روز قیام رہا۔ اس مرتبہ بھی شیخ صاحب کے ہاں پر تکلف کھانوں کی وہی بہتات تھی، جس کا نقشہ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

مرزا پور یا الٰہ آباد میں سید صاحب نے ایک روز نہایت مؤثر وعظ فرمایا، جس میں کہا: حج وعمرہ اور زیارت حرمین کی سعادت نصیب ہوئی، اب صرف یہ تمنا ہے کہ جان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

و مال جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کر دوں۔ حاضرین بھی زار زار رو رہے تھے اور خود سید صاحب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

الہ آباد سے رائے بریلی

الہ آباد سے آپ نے زنانہ سواریوں، بچوں اور ضعیفوں کو کشتیوں میں بیٹھا کر دریا کے راستے دلمئو بھیج دیا، خود گھوڑے پر سوار ہو کر رائے بریلی کا راستہ لیا۔ چنانچہ آپ شیخ غلام علی کے وطن مہر وندا میں ایک رات ٹھہرے، ایک منزل اہلا دگنج میں کی، مصطفیٰ آباد وغیرہ سے بھی گذرے۔ اس سفر میں طالب علی عظیم آبادی نے گھوڑے کی رکاب تھام رکھی تھی۔ سوئے اتفاق سے ان کے پاؤں میں لیموں یا کھٹے کا کانٹا چبھ گیا، ایک رفیق نے اپنی سواری کا گھوڑا ان کی خدمت میں پیش کیا تا کہ آرام سے منزل کٹ جائے، لیکن وہ بولے کہ کوئی صاحب تختِ رواں بھی دیں تو قبول نہ کروں گا۔

به راه عشق گر دریا خلد خار　　　نباید از رہش پرہیز کردن
که از خارش بسے گلہا شگوفہ　　　قدم بر خار باید تیز کردن

۲۹ رشعبان ۱۲۳۹ھ (۲۹ راپریل ۱۸۲۴ء) کو سید صاحب وطن پہنچے، گویا اس سفر میں دو سال اور دس مہینے صرف ہوئے۔ سید ابوالحسن علی لکھتے ہیں کہ اعزا اور اہل خاندان استقبال کے لئے موجود تھے:

> اکثر عزیزوں نے اہل قافلہ میں سے بہت سے لوگوں کو اسلئے نہ پہچانا کہ چہروں پر تازگی تھی، لباس عمدہ تھا۔ یہاں سے گئے تھے تو بالکل بے سروسامانی کی حالت میں۔(۱)

زنانہ سواریوں کے لئے دلمئو بہلیاں، میانے اور ڈولیاں بھیج دی گئیں، پورے

(۱) سیرت سید احمد شہید طبع سوم ص ۲۸۵

سفر حج میں ستر اسی ہزار روپے سے کم رقم صرف نہ ہوئی ہوگی، بلکہ مختلف چیزوں کی خرید اور مساکین کی امداد کی رقمیں شامل کی جائیں تو پوری رقم شاید ایک لاکھ تک پہنچ جائے۔ واپس آئے تو مہمانوں کی بہت بڑی جماعت ساتھ تھی، عام زائرین کا بھی تانتا بندھا رہتا تھا، سید صاحب سب کو کھانا کھلاتے تھے، کچھ مدت بعد بیت المال کا جائزہ لیا تو دس ہزار روپے موجود تھے۔

قصیدہ

سید صاحبؒ حج سے واپس آئے تو مولانا سید ابوالحسن نے ایک لمبا قصیدہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، جس کے اکثر اشعار تواریخ عجیبہ میں نقل ہوئے۔ یہ سید صاحبؒ کے خلفاء میں سے تھے اور سوات میں رہتے تھے۔ ذیل میں اس کے منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں۔(۱)

تشبیب

رہے اس نور سے پُر گنبد چرخ اخضر — جسکے لمعان سے ہے کند فرشتوں کی نظر
نہ اسے روشنیٔ شمس و قمر سے نسبت — نہ ملے برق اسے اور نہ کوئی اختر
جلوۂ طور کہوں یا کہ شب قدر کا نور — یا ترقی پہ ہوئی روشنیٔ تازہ سحر

....

کیا عجب ہے کہ اگر ہند کے نظارے کو — حور جنت سے چلی آئے نکل کر باہر

....

(۱) تواریخ عجیبہ میں اس کے کچھ اشعار چھوڑ دیے گئے تھے، مجھے پورا قصیدہ جناب محمد سلیم صاحب (پرنسپل شاہ ولی اللہ کالج منصورہ) کی مہربانی سے مل گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گُریز

تھا جو دل سے میں تفتیشِ سبب کے در پے　　کس کے انوار سے یارب ہے زمیں رشکِ قمر
یک بہ یک غیب سے آئی یہ ندائے ہاتف　　گوش سے پنبۂ غفلت کو ذرا باہر کر
اب تلک پہنچا نہیں مژدۂ جاں بخش تجھے؟　　جس سے شاداں ہیں ملک خوش ہے ہر اک جن و بشر
آیا ہے قافلہ حج کر کے وہ اس ملک کے بیچ　　جس میں ہر اک ہے ولی، عارف و نیکو منظر

سید صاحب کے ساتھی

انکے انوار سے روشن ہے زمیں تا بہ فلک　　انکی ہمت سے ہوئی دین کو سوزینت و فر
ہے ہر اک شخص وہاں آمرِ ہر معروف　　قامعِ بدعت و ناہیٔ اصولِ منکر!
ماحیٔ کفر ز دل، قاتلِ کفار ز جاں　　قاطعِ رسمِ زبوں، تابعِ حکمِ داور
ان میں ہر اک ہے، فرید اور وحید آوان　　حافظ و عالم و عادل، سخی و نیک نظر
ظاہر آراستہ بر ملتِ بیضائے نبیؐ!　　باطن اس طور کا پاکیزہ ہو جیسا گوہر
کذو کاوش نہ کسی میں نہ ریا و کینہ　　نہ حسد دل میں، نہ تکبر کسی کے اندر

سید صاحب

کیا کروں قافلہ سالار کا اسکے میں بیاں　　جسکے اوصاف ہیں تحریر و بیاں سے باہر
عادل و عالم و عابد، شہِ والا ہمت　　اشجع و افصح و ابلغ، سخی و نیک نظر
عاقل و فاضل و راحم، زکی و عالی طبع　　زاہد و متقی و صابر و زیبا منظر
ترک و تجرید و توکل میں فریدِ دوراں　　حلم اور خلق و دیانت میں وحیدِ اکبر
معدنِ لطف و حیاء، مجمعِ جود و ہمت　　مخزنِ عفت و الفت، شرفِ نوعِ بشر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بحر جود و کرم و گلشنِ عرفانِ نبیؐ — مشعلِ راہِ طریقت پہ حقیقت رہبر
صدق میں ثانی اثنینؓ کی مانند قوی! — جد اور جہد میں اسلام کے ثانی عمرؓ
شرم میں حضرت عثمانؓ سا جوں بحرِ حیا — اور صفِ جنگ میں ہم طرز علیؓ صفدر
سید صفدر و عالی نسب و زینتِ دیں — زیبِ اسلام و امامِ حق و عاجز پرور
سید احمد و عالی حسب و فخرِ زماں — رہبر راہِ شریعت خلفِ پیغمبرؐ
جس طرف دیکھیے تعمیر مساجد ہوگی — ہے ہر اک شخص کی تحقیقِ مسائل پہ نظر

کارِ اصلاح

آتی ہر سمت سے ہے بانگِ موذن کی صدا — جس کو سنیئے یہی کہتا ہے کہ اللہ اکبر
اس قدر عصر میں تیرے ہوئی افراطِ نماز — لاکھوں تیار ہوئے ملک میں چھوٹے منبر
قطع بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی — ہند سے رسمیں بری اٹھ گئیں ساری یکسر
دیکھیے جس کو سو کرتا ہے، کلام اللہ یاد — باندھی ہر شخص نے تہذیب و ہدایت پہ کمر

مولوی عبدالحیٔ اور شاہ اسماعیل

رکنِ دین مولوی عبدالحئی و شہ اسماعیل — فیض سے تیرے ہوئے کاملوں کے سرِ دفتر
تیری صحبت نے ملائک کی کری خاصیت — گو کہ ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم شکلِ بشر

سید صاحب

حق میں کفار کے ضیغم کی طرح ہے خونخوار — مومنوں کیلئے شفقت میں پدر سے بہتر
فخر ابنائے زماں، قبلۂ اربابِ صفا — کعبۂ اہلِ یقیں وادِ رسِ ہر مضطر
ذات سے تیری یتیموں کو بہت تقویت — زنِ بیوہ کے تو حق میں ہے سحابِ ممطر
تھا غضب ظلم کہ بیوہ نہ کرے عقدِ نکاح — کھولی یہ رسم زبوں رحمتِ حق ہو تجھ پر
جس میں راضی ہو خدا ہے وہی انکو منظور — آبرو کا نہ انہیں خوف نہ کچھ جی کا ڈر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکیسواں باب:

جہاد کے لئے دعوت و تنظیم

دعوتِ عام

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد سید صاحب ہمہ تن جہاد کے سروسامان میں مشغول ہو گئے، جس کیلئے وہ اپنی حیاتِ گرانمایہ وقف فرما چکے تھے۔ اس دور کی مشغولیتوں کا کوئی مرقع مجھے نہیں مل سکا، لیکن یقین ہے کہ ان کے داعی شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ دورے کرتے رہے ہوں گے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو غازی ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سرفروشانہ میدانِ عمل میں آئے، وہ سیکڑوں مختلف مقامات کے باشندے تھے، پھر سید صاحب سرحد چلے گئے تو اس کے بعد بھی جگہ جگہ سے لوگ تیار ہو ہو کر پہنچتے رہے، روپیہ بھی فراہم ہوتا رہا، یہ سب کچھ وسیع ترتیبات کے بغیر کیوں کر عمل میں آسکتا تھا؟

داعیوں کے سرخیل مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحیؒ تھے، یقین ہے کہ وہ اصلاحِ عقائد و اعمال کے لئے وعظ بھی کہتے ہوں گے، اور یہ اندازہ بھی کرتے ہوں گے کہ کون کون سی سعید ہستیاں عزم و ہمت سے دینِ حق کیلئے جاں بازی کی بھی تڑپ رکھتی ہیں۔ سیر و گشت کا حال صرف اس واقعے سے منکشف ہو سکتا ہے کہ شاہ اسماعیل کی کتاب "تقویۃ الایمان" پر کچھ اعتراضات سید عبداللہ بغدادی نے بھی کئے تھے۔ یہ اعتراضات شاہ صاحب تک پہنچے تو انہوں نے ۱۲۴۰ھ میں ایک جوابی خط بغدادی صاحب کو بھیجا، اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وقت شاہ صاحب کان پور میں تھے۔(۱)

جہاد کا مفہوم

''جہاد'' جہد سے ہے جس کے معنی ہیں محنت، مشقت، تعب اور کسی کام کیلئے سخت تکلیف برداشت کر لینے پر ہمہ تن آمادگی۔ اصطلاح شریعت میں جہاد کی تعریف یہ ہے:

استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھرًا و باطنًا.

دشمن کے حملے کی روک تھام کے لئے اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ ظاہراً و باطناً بے دریغ سعی کرنا۔

''ظاہراً'' یہ کہ دشمن لشکر لے کر چڑھ آئے تو شمشیر بکف ہو کر اس کی مدافعت میں لگ جانا اور اس وقت تک اطمینان کا سانس نہ لینا جب تک ہر خطرہ اور ہر خرخشہ بالکل محو نہ ہو جائے۔ اس کار حق میں جان بھی دینی پڑے تو اس کیلئے بے پروایانہ تیار ہو جانا، باطل کو مٹانے اور حق کو سربلند کرنے میں شب و روز لگے رہنا۔ ''باطناً'' یہ کہ اپنے نفس کو تمام ابلیسی قوتوں کی فسوں سازیوں اور معصیت و عدوان کی زیاں کاریوں سے بچائے رکھنا۔

اس سے ظاہر ہے کہ راہ حق میں فرد یا جماعت کی طرف سے جو سعی ہوتی ہے، سچائی کی سربلندی کیلئے جو قربانیاں کی جاتی ہیں، صداقت کی خاطر جو صعوبتیں اور اذیتیں صابرانہ برداشت کر لی جاتی ہیں، وہ سب جہاد ہیں۔ ظلمت زار باطل میں جن سرفروشوں نے حق کے نعرے لگائے، قیدیں کاٹیں، جائدادیں ضبط کرائیں، گولیاں کھائیں،

(۱) ملاحظہ ہو مجموعہ تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان مطبوعہ مطبع احمدی لاہور صفحہ ۱۶۷۔ اس مجموعے میں شاہ صاحب کا عربی مکتوب بھی بنام سید عبداللہ بغدادی موجود ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں: ''تم ھذا المکتوب حین کنت نزیلاً فی الکانفور سنۃ الف ومائتین واربعین'' شاہ اسمٰعیل اور مولانا عبدالحئی کے دوروں میں صرف تھوڑے دنوں کے لئے توقف ہوا اس لئے کہ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ (۵ جون ۱۸۲۴ء) کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے وفات پائی اور دونوں صاحبوں کو بہ سلسلۂ تعزیت دہلی میں ٹھہرنا پڑا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پھانسیاں پائیں، گھر بار ترک کیے، عزیزوں اور قریبوں سے دائمی مفارقت گوارا کی، وہ سب مجاہد تھے۔

سید صاحب کا اختصاص

سید صاحب بدوِ شعور سے زندگی کے آخری لمحے تک "جہاد فی سبیل اللہ" کے لئے وقف رہے، ان کی زبان برابر دین حق کی سربلندی کے لئے متحرک رہی، وہ جہاں پہنچے یہی آرزو لے کر پہنچے کہ اسلام صحیح شکل میں پوری عظمت وشان سے جلوہ گر ہو۔ انہوں نے لاکھوں گمراہوں کو طریق شریعت کے پابند بنایا اور ان کے سینوں میں عشق حق کے چراغ روشن کیے۔ بعض ارکانِ اسلام میں گوناگوں اوہام ووساوس کی بناء پر جو رخنے پیدا کر دیے گئے تھے، انہیں عزم وہمت سے بند کیا، پھر بلادِ اسلام کو اغیار کی دستبرد سے بچانے کے لئے وطن چھوڑا۔ عزیزوں سے دوری گوارا کی، راحت وآسائش کی زندگی کو ٹھکرا کر غربت کی مصیبتیں خوشی خوشی قبول کر لیں، زہرہ گداز صعوبتوں اور مشقتوں کے پہاڑ اس بے تکلفی سے اٹھا لئے گویا مقصودِ حیات یہی تھا، آخر اسی راہ میں جانِ عزیز قربان کر دی۔

وہ ہر مسلمان کے سینے میں دینِ حق کیلئے ایثار وقربانی کی یہی روح پیدا کر دینا چاہتے تھے، ہر کلمہ گو کو حقیقی معنی میں مجاہد فی سبیل اللہ بنا دینے کے آرزو مند تھے۔ ان کی آغوشِ تربیت میں جو جماعت تیار ہوئی اس کی ممتاز ترین خصوصیت یہی تھی کہ ایک ایک فرد زندگی کی ہر شئے کو قربان کر دینا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا تھا اور جب کوئی غازی شہادت پاتا تھا تو سب کہتے تھے کہ وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اس سرزمین کی پوری اسلامی تاریخ میں شیفتگیٔ حق کی ایسی مثال شاید ہی مل سکے۔ سید صاحب اس باب میں بالکل یگانہ نظر آتے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشآء۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مسلمانوں کی حالت

سید صاحب کی پیدائش سے پہلے ہی اس سرزمین میں مسلمانوں کی سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مغل حکومت کے کھنڈروں پر جن مسلمانوں نے نئی فرمانروائیوں کی بنیادیں رکھی تھیں، وہ بھی یا تو مٹ چکی تھیں، یا ضعف واضمحلال کے آخری درجے پر پہنچ چکی تھیں۔ غیر مسلموں کے اقتدار کا سیل ہر سمت سے بڑھا چلا آرہا تھا اور مسلمانوں کی کوئی سلطنت ایسی نہ تھی، جس کی رُوحِ حیات میں بالیدگی کی کوئی جھلک نمایاں ہوتی۔

مسلمان دینِ حق کے صراطِ مستقیم سے بہت دور جا پڑے تھے، عقائد واعمال کی تمام خرابیاں ان پر مسلط تھیں، اُمراء ورؤسا کے پیشِ نظر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان کی کامرانیوں اور عیش پسندیوں کیلئے ضروری وسائل فراہم ہوتے جائیں۔ ان مشاغل کے انجام سے وہ بالکل بے پرواتھے۔ عوام میں سے بیشتر کی حالت ایسی تھی، گویا بجلی گری اور وہ ہوش وحواس کھو بیٹھے یا خوفناک زلزلہ آیا اور وہ دہشت کے مارے بت بن کر رہ گئے۔ جنہیں کچھ احساس تھا انہیں تدارک کی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی تھی، مستقبل کی تاریکی کو تقدیر کا اٹل فیصلہ مان کر اس انتظار میں معطل بیٹھ گئے تھے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ اپنے وقت پر ہو کر رہے گا۔ جب سفینہ بھنور میں پہنچ جائے، اس کے بادبان پھٹ جائیں، لنگر ٹوٹ جائے، ناخدا ناپید ہو تو اہلِ سفینہ کیلئے بظاہر بچاؤ کی کونسی امید باقی رہ سکتی ہے؟ مسلمانوں پر یاس وناامیدی کی یہی حالت طاری تھی۔

سید صاحب سے پیشتر جتنے مجاہد پیدا ہوئے، ان میں سے دو نے دورِ زوال کی تاریکی کو روشنی سے بدلنے کی زبردست کوششیں کی تھیں: ایک حیدر علی، دوسرا اس کا فرزند ٹیپو سلطان، لیکن مخالف اسباب اس افراط سے فراہم ہوگئے تھے کہ ان مجاہدوں کی کوششیں کوئی مستقل نتیجہ پیدا نہ کرسکیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ آنے والی نسلوں کے لئے عزم وہمت اور ایثار وقربانی کی دو شمعیں روشن ہوگئیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تین راستے

یاس و نا امیدی کی اس تیرگی میں سید صاحب نے ہوش کی آنکھ کھولی، ان کے سامنے عمل کے تین راستے تھے:

۱۔ حق کو چھوڑ کر باطل سے رشتہ جوڑ لیا جائے۔

۲۔ حق کو چھوڑا نہ جائے، اور اس سلسلے میں جو مصیبتیں پیش آئیں انہیں صبر واستقامت سے برداشت کر لیا جائے۔

۳۔ باطل کا مقابلہ مردانہ وار کر کے ایسی صورت حال پیدا کرنے کی سعی کی جائے کہ حق کے لئے غلبۂ عام کی فضا آراستہ ہو جائے۔

پہلا راستہ زندگی نہیں موت کا راستہ تھا، دوسرے کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ آہستہ آہستہ سسک سسک کر اور تڑپ تڑپ کر جان دی جائے۔ صرف تیسرا راستہ غیرت وحمیت اور ہمت وعزیمت کا راستہ تھا۔ سید صاحب کو خدا نے غیرت وعزیمت کی دولت بدرجۂ وافر عطا کی تھی، انہوں نے آخری راستے ہی کو اپنے لئے زیبا سمجھا، اسی کو اختیار کیا، یہی ان کے وعظ وتلقین کا محور تھا، اسی کو ان کی دعوت وتبلیغ کا نصب العین سمجھنا چاہئے۔

روحِ دعوت

سید صاحب کے نزدیک مسلمانوں کی تمام مصیبتوں اور زیاں کاریوں کی علت العلل یہ تھی کہ وہ اسلام کے صراطِ مستقیم سے منحرف ہو چکے تھے، ان میں خدا کے دین کی سربلندی کیلئے کوئی تڑپ اور کوئی بے تابی باقی نہ رہی تھی، وہ روحِ جہاد سے خالی ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سید صاحب نے سیاسی عظمت وبرتری کو اپنا نصب العین نہ بنایا۔ صرف احیاءِ اسلامیت پر اپنی دعوت کی بنیاد رکھی اور وہ مدعیانِ اسلام کو سچے مسلمان بنانا چاہتے تھے، اور ان میں خدمتِ دین اور تکمیلِ مقاصدِ اسلامیت کی سچی لو لگانے کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خواہاں رہتے تھے۔ دورِ اول میں مسلمانوں کو جو عالمگیر برتری حاصل ہوئی تھی، وہ صرف خدمتِ دین کا ایک ثمرہ تھا، جن چیزوں کو ہم آج کل اسبابِ قوت سمجھنے کے عادی ہیں، ان میں سے کون سی چیز دورِ اول کے مسلمانوں کو حاصل تھی؟ لیکن اسلامیت کے لئے جذبۂ جہاد نے ان میں استحکام واستقامت کی وہ روح پیدا کر دی تھی کہ وقت کی پُر شکوہ سلطنتیں، اسبابِ حرب وضرب کی ہولناک فراوانیوں کے ساتھ مسلمانوں سے ٹکرائیں اور مٹی کے کھلونوں کی طرح یوں ریزہ ریزہ ہوگئیں کہ زمانے کو ان کے ٹکڑوں کا سراغ بھی نہ مل سکا۔ سید صاحب اسی عہدِ مسعود کی برکات زندہ کرنا چاہتے تھے۔ احیاء وتجدیدِ اسلامیت کا یہ مقامِ رفیع بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہوا، اور اس کے لئے بے باکانہ قربانیاں بہت کم نیک بختوں سے بن آئیں۔

یہ رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

راہِ مراد

سید صاحب اکثر عالمِ شوق میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اے آنکہ زنی دم از محبت — از ہستیِ خویشتن بہ پرہیز
بر خیزد بہ تیغ تیز بنشیں — یا از سرِ راہِ دوست برخیز

ان کا سازِ وجود مدت العمر اسی ترانے کیلئے وقف رہا، مسلمان آج جن پسپائیوں اور نگونساریوں پر پریشان ہیں، ان کا سبب بجز اس کے کیا ہے کہ ان میں اسلامیت کا جذبۂ صادقہ اور اس کیلئے پرخلوص جہاد کا ذوق وولولہ باقی نہیں رہا۔ اگر محض سروں اور جسموں کی گنتی کی جائے تو وہ روئے زمین کی کسی دوسری بھیڑ سے کم نہ ہوں گے۔ جب وہ راہِ خدا کے سچے مجاہد تھے تو زیادہ سے زیادہ چند لاکھ ہونے کے باوجود دنیا کی تمام بڑی بڑی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طاقتوں پر بھاری تھے۔ ان کا نام سن کر باطل کے آہنی حصاروں میں زلزلہ پڑ جاتا تھا، قوموں کی زندگی کا انحصار نیک ترین نصب العین کیلئے ولولۂ ایثار اور داعیۂ قربانی پر ہے، خوشا وہ قوم جس کا نصب العین صرف اعلائے حق اور رضائے خدا ہو، اور وہ اس کے لئے ہر ایثار و قربانی کے ولولوں سے معمور ہو۔

سید صاحب اسی راستے کے داعی تھے، ہر مسلمان میں یہی روح پیدا کرنا چاہتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے۔

گر نثار قدم یار گرامی نہ کنم
گوہر جاں بچہ کارے دگرم باز آید

حرمین سے واپسی کے بعد ہجرت تک ایک برس اور دس مہینے کی مدت انہوں نے اسی نصب العین کی اشاعت میں گزاری اور اسی کی بناء پر مجاہدین فی سبیل اللہ کی قدوسی جماعت تیار کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بائیسواں باب:

سکھ اور انگریز

جہاد کس کے خلاف؟

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ سید صاحب کس کے خلاف جہاد کی دعوت دے رہے تھے؟ آیا وہ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، جیسا کہ سوا سو سال سے سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے، اور وہ بھی محض اس بناء پر کہ پنجاب کی سکھ حکومت مسلمانوں پر بے پناہ ظلم کر رہی تھی۔
سید صاحب کا جو دعویٰ ان مکتوبات و اعلانات کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، تو وہ یہ ہے:

> ہرگاہ بلادِ اسلام در دست کفار لیام افتد بر جماہیر اہلِ اسلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً واجب و مؤکد می گردد کہ سعی و کوشش در مقابلہ و مقاتلہ آنہا بجا آرند تا وقتیکہ بلادِ مسلمین را از قبضہ ایشاں بر آرند و الّا آثم و گنہ گاری شوند و عاصی و ستمگار راز درگاہِ قبول مردود می گردند و از ساحت قرب مطرود۔(۱)

> **ترجمہ** : جب اسلامی بلاد پر غیر مسلم مسلط ہو جائیں تو عام مسلمانوں پر عموماً اور بڑے بڑے حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے خلاف مقابلہ و مقاتلہ کی کوششیں اس وقت تک جاری رکھیں جب تک اسلامی بلاد ان کے قبضے سے واپس نہ لے لئے جائیں، ورنہ مسلمان گنہ گار ہوں گے۔ ان کے اعمال بارگاہِ باری تعالیٰ میں مقبول نہ ہوں گے اور وہ خود قربِ حق کی برکتوں سے محروم رہیں گے۔

اگر سید صاحبؒ کے عملِ جہاد کی بناء یہی اصل تھی تو کیا عالمگیر اعظم کی وسیع سلطنت

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۵۵۔ مکتوب بنام شاہ بخارا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں سے صرف وہی حصہ مسلمانوں کے قبضے سے نکل کر غیر مسلمانوں کے قبضے میں گیا تھا، جو دریائے ستلج اور دریائے سندھ کے درمیان تھا، اور جس پر رنجیت سنگھ حکمراں تھا؟ کیا باقی پورے ملک پر مسلمان بدستور فرمانروا تھے؟ اس کا جواب ہر شخص نفی میں دے گا۔ اس سے بدرجہا بڑے اور اہم تر علاقے پر بلا واسطہ یا بالواسطہ انگریز مسلط تھے اور انہوں نے سب کچھ یا تو مسلمانوں سے چھینا تھا یا ان لوگوں سے لیا تھا جو کچھ مدت پیشتر مسلمانوں سے چھین چکے تھے۔ یہ تمام علاقے بے شائبۂ ریب "بلادِ اسلام" تھے۔ پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس واضح اساسی عمل کے ہوتے ہوئے سمجھا گیا اور سمجھایا گیا کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے۔

سکھ حکومت کی حقیقی حیثیت

سید صاحبؒ کے سوانح جن اصحاب نے لکھے، چونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ آپ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، اس لئے پس منظر کے طور پر ان سوانح نگاروں نے سکھوں کی تعدیاں جزواً جزواً بیان کیں۔ مثلاً یہ کہ اذان بند تھی، ذبیحہ گاؤ ممنوع تھا، مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی، جان، مال اور آبرو کی حرمت مٹ چکی تھی۔

سب مقامات پر نہیں تو پنجاب کے بعض مقامات پر یقیناً یہی حالت تھی اور غیر جانبدار مؤرخوں کی شہادتیں اس صورتِ حال کی مصدق ہیں۔ میں تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ پنجاب میں رنجیت سنگھ کے ماتحت جو "نظام" قائم ہوا تھا، اُسے حقیقتاً حکومت کا نام دیا ہی نہیں جا سکتا، وہ زیادہ سے زیادہ ایک فوجی غلبہ اور ایک عسکری تسلط تھا اور ایسے غلبہ و تسلط میں کبھی کوئی کام قاعدے اور ضابطے کی بناء پر انجام نہیں پاتا۔ حکومت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ حاکم و محکوم کے درمیان کم یا زیادہ ربط و تعلق ہو، جو ایک دوسرے کے لئے ہمدردی یا باہمی حقوق کی پاسداری پر مبنی ہو۔ زیرِ غور معاملہ میں نہ ربط

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تعلق تھا، نہ ہمدردی یا حقوق کی پاسداری کا کوئی ثبوت ملتا ہے، بلکہ حاکم ومحکوم میں حد درجہ نفرت اور بے اعتمادی موجود تھی۔ حاکموں کو یقین تھا کہ محکوم ہمیں کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتے، اس لئے وہ غصے اور غیظ میں محکوموں کو زیادہ سے زیادہ تنگ کرتے تھے، محکوم حاکموں کو اپنے اعمال کی شامت اور کفرانِ نعمت کی سزا سمجھتے تھے، نہ حاکموں کے دل ودماغ میں یہ سوچنے کی صلاحیت تھی کہ حلم وبردباری اور لطف ومحبت کے ذریعے سے دہکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے، نہ محکوم اتنے بے حس تھے کہ رات دن آگ کے شعلوں میں زندگیاں بسر کرنے کے باوجود سمجھ لیتے کہ وہ پھولوں سے کھیل رہے ہیں۔

رنجیت سنگھ کی آرزو ممکن ہے یہ ہو کہ اس فوجی غلبے کو ایک باقاعدہ حکومت کی ہیئت مل جائے، لیکن تنہا ایک شخص اس پورے ڈھانچے کی ذہنیت کیوں کر بدل سکتا تھا، جس کا ہر پُرزہ جوشِ انتقام کے سانچے میں ڈھلا تھا؟ پھر رنجیت سنگھ کی آرزو عمر بھر یہ رہی کہ اس کے دائرۂ اقتدار کی حدیں جلد سے جلد دور دور تک پھیل جائیں، یہ آرزو عسکریت کو بے لگام رکھے بغیر پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

غرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ بندہ بیراگی کے ماتحت جن غارت گر اور خونریز جتھوں نے پنجاب کی مختلف آبادیوں پر آفات کے سیل بہا دیے تھے، ان میں رنجیت سنگھ نے اک گونہ تنظیم پیدا کر دی تھی اور ان کے لئے ایک مرکز کا بندوبست ہو گیا تھا، لیکن ان جتھوں کے عادات وخصائل نہیں بدلے تھے، جبر وتصرف اور تصادم کی انہیں لت پڑ چکی تھی، جب باہر کسی ہدف تک نہ پہنچ سکے تو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔ پھر انگریزوں سے ٹکرا گئے، اور رنجیت سنگھ نے چالیس برس کی محنت سے جو کچھ بنایا تھا، اُسے چار پانچ برس میں تہس نہس کر کے بیٹھ گئے۔

پنجاب میں سکھوں کی تعدیوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ فی الجملہ درست ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ ظلم نہ ہوتے تو کیا سید صاحب اپنی پیش کردہ اصل کی بناء پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکھ حکومت سے تعاون کر لیتے ؟ جب کہ وہ بلادِ اسلامیہ پر غیر مسلموں کے تفسّس تسلط کو موجب جہاد مانتے تھے، اور اس میں کوتاہی کو اثم و معصیت سے تعبیر کرتے تھے؟ نیز کیا وہ بلادِ اسلامیہ پر انگریزوں کے قبضے کو گوارا کر سکتے تھے؟ ان سوالوں کا جواب غیر مشتبہ طور پر نفی میں ہے، پھر یہ خیال کہاں سے پیدا ہوا کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے؟

افسانہ طرازیاں

میں جہاں تک تحقیق کر سکا ہوں، سب سے پہلے سر سید احمد خاں مرحوم نے سید صاحبؒ کے جہاد کا رخ انگریزوں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف پھیرا۔ ولیم ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' چھپی تھی تو سر سید نے اس کی تہمت طرازیوں کے جواب میں ایک سلسلۂ مضامین ''پایونیر'' میں چھپوا دیا تھا، جو بعد میں الگ بھی چھپ گیا تھا، ان جوابی مضامین میں یہ بھی کہا گیا کہ سید صاحبؒ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، اور انگریزوں کے ساتھ جنگ سے اظہارِ برأت کر دیا تھا۔ (۱)

سر سید کا یہ بیان بہت کم لوگوں کی نظروں سے گذرا ہوگا، مولوی محمد جعفر تھانیسری مرحوم نے اسے پھیلا کر پیش کیا۔ فرماتے ہیں کہ جب سید صاحبؒ حج پر جا رہے تھے تو کلکتہ میں ایک روز شاہ اسماعیل نے وعظ کہتے ہوئے جہاد کا ذکر بھی کیا، ایک شخص نے برسرِ مجلس پوچھا کہ سرکار انگریزی کے خلاف جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ مولانا نے فرمایا:

> ایسی بے ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے، اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔ (۲)

---

(۱) مجھے اصل رسالہ نہ مل سکا، اس کا اردو ترجمہ محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اپنے رسالے ''اشاعت السنۃ النبویۃ'' میں شائع کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو اشاعت السنۃ جلد ۱۱ نمبر ۳۔

(۲) تواریخ عجیبہ ص: ۷۵۔ یہ بیان سر سید مرحوم کے بیان کا چربہ ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پھر لکھتے ہیں:

یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ (سید صاحبؒ) سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہو؟ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو، یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا۔ سید صاحبؒ نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے، سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا ہمارے غلبے کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی، بلکہ ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاءِ سنن سید المرسلینؐ ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں، پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔ (۱)

سید صاحب کا عقیدہ کیا تھا؟

مجھے اس "صحیح روایت" کا سراغ اب تک نہ مل سکا اور نہ اس کے فضولیات پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے مولوی محمد جعفر صاحب مرحوم کے نزدیک معاملے کی شرعی صورت وہی ہو جو انہوں نے بیان کی اور خود ہمارے زمانے میں اس فکر و عقیدہ کو بعض مدعیان

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۵۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تجدیدا پنے امتیازی وصف کی حیثیت میں پیش کرتے رہے، لیکن سید صاحب کا عقیدہ یہ نہ تھا جیسا کہ اس باب کے آغاز میں پیش کردہ اقتباس سے ظاہر ہے، اور آپ کے متعلق جو مکتوب ذخیرہ میری نظر سے گذرا ہے، اس میں مولوی محمد جعفر کے بیان کی تائید کے لئے بعید سا اشارہ بھی موجود نہیں۔

بلاشبہ ''اعلاء کلمۂ رب العالمین'' اور ''احیاء سنت سید المرسلین'' سید صاحب کے اہم ترین مقاصد تھے، لیکن ساتھ ساتھ وہ ''استخلاص بلاد المسلمین از دست کفرۂ متمردہ'' کے بھی داعی تھے۔ جس شخص کا نصب العین یہ ہو کہ اسلامی بلاد غیر مسلموں کے تصرف سے آزاد ہو جائیں وہ اشاعتِ توحید اور احیاءِ سنن کی آزادی پر اغیار کے تسلط کو کیوں کر قبول کر سکتا ہے؟ جب کہ جانتا ہے کہ جو آزادی اسے ملی ہے، وہ حاکموں کے رحم پر موقوف ہے۔

انگریزوں کے بارے میں سید صاحب کی رائے

محض یہی نہیں، سید صاحب کے مکاتیب میں صاف مذکور ہے کہ انگریز ہندوستان کو مسلمانوں کے قبضے سے نکالنے میں سب سے بڑھ کر ذمہ دار تھے۔ شاہ بخارا کے نام جو خط بھیجا تھا اس میں لکھتے ہیں:

> نصارائے نکوہیدہ خصال و مشرکین بد مآل بر اکثر بلاد ہندوستان از لب دریائے اباسین تا ساحلِ دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہ راہ باشد، تسلط یافتند و دامِ تشکیک و تزویر بعناد بر احمال دین رب خبیر برپا ساختند و تمامی آں اقطار بہ ظلمات ظلم و کفر مشحون گردانیدند۔(۱)

ترجمہ : نصاریٰ اور مشرکین ہندوستان کے بلاد پر دریائے سندھ سے ساحل بحر تک قابض ہو گئے، یہ اتنا بڑا ملک ہے کہ انسان پیدل چلے تو ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچنے میں چھ مہینے لگ جائیں۔ انہوں نے

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص:۵۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(نصاریٰ اور مشرکین نے) خدا کے دین کو ختم کرنے کیلئے تشکیک وتزویر کا جال پھیلایا ہے اوران تمام خطوں کو ظلم وکفر کی تیرگی سے بھر دیا ہے۔

مشرکین سے مراد مرہٹے اور سکھ ہو سکتے ہیں، لیکن نصاریٰ سے انگریزوں کے سوا کون مراد ہے؟

سید صاحب مومن تھے اور مومن کی فراست کیلئے خدا کا نور مشعلِ راہ کا کام دیتا ہے۔ وہ انگریزوں کی تدابیرِ تسلط کا صحیح اندازہ کر چکے تھے، اور جانتے تھے کہ کس طرح ہوشیاری اور عیاری سے وہ قدم جما کر اپنے تسلط کا جال پھیلاتے ہیں۔ شاہ بخارا کو لکھتے ہیں:

کفارِ فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار وہوشیار وحیلہ باز ومکار اند، اگر بر اہل خراسان بیایند بہ سہولت تمام جمیع بلاد آنہارا بدست آرند۔ باز حکومت آنہا بولایت آنجناب (یعنی بخارا) متصل گردد واطراف دار الحرب بہ اطراف دار الاسلام متحد شود۔(۱)

ترجمہ: جو فرنگی ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں وہ بے حد تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں۔ اگر اہلِ خراسان (افغانستان) پر چڑھائی کر دیں تو سہولت سے ان کے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ پھر ان کی حکومت کی حدیں آپ کی حکومت سے مل جائیں گی، دار الحرب اور دار الاسلام کے اطراف متحد ہو جائیں گے۔

سید صاحب نے انگریزوں کے سوا کسی دوسرے غیر مسلم کو اس درجہ خطرناک رنگ میں پیش نہ کیا اور گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی تاریخ کے اوراق سید صاحب کے فکر ونظر کی اصابت وحکمیت پر علی الاعلان گواہی دے رہے ہیں۔ پھر کس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، یا استخلاصِ بلادِ اسلام کے سلسلے میں سکھوں کو انگریزوں پر ترجیح دے سکتے تھے؟

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص: ۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے نیاز مندوں کا یقین

سید صاحب کے نیاز مندوں میں سے مجھے ایک بھی نہیں ملا جس کے نزدیک آپ کا مطمح نظر پورے ہندوستان کا استخلاص نہ تھا۔ میں صرف تین مثالیں پیش کروں گا:

۱۔ ہندوستان میں بعض افراد کو یہ خیال پیدا ہوا کہ سید صاحبؒ کے پاس جمعیت بہت کم ہے، یہ وسوسہ اور بعض دوسرے اعتراضات شاہ اسماعیل کے کانوں تک پہنچے تو آپ نے ایک مفصل مکتوب میں حقیقتِ حال واضح کی۔ اس میں لکھتے ہیں:

''کس شخص نے آپ کو بتایا کہ امامِ ہمام اسی قلیل جمعیت سے لاہور اور کلکتہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ وہ تو رات دن مسلمانوں کی جمعیت بڑھانے کی کوششیں فرما رہے ہیں۔'' لاہور سکھوں کا مرکز تھا، مگر کلکتہ سے سکھوں کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شاہ صاحب جانتے تھے کہ انگریزوں سے جنگ مسلمہ مقاصد میں داخل ہے۔

۲۔ سید صاحبؒ کے ایک خلیفہ سید قطب علی نقوی ساکن مجھوا میر (ضلع گورکھپور) تھے، ان کے فرزند سید جعفر علی نقوی سید صاحب کے منشی خانے میں کام کرتے تھے، بالاکوٹ کے بعد وطن واپس آئے تو ایک روز سید قطب علی نے اپنے فرزند سے کہا:

> آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ سید صاحب کے ذریعے سے اس سرزمین (ہندوستان) کو کفار نگونسار سے پاک کر دے گا، وہ اب دنیا میں باقی نہ رہے تو مجھے زندگی کی تمنا نہیں رہی۔ (۱)

۳۔ شیخ غلام علی الہ آبادی سید صاحب کے خاص ارادت مند تھے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کے لئے جاتے ہوئے شیخ صاحب سے ملے تو انہوں نے فرمایا:

> اب ہماری نظر لشکر اسلام (سید صاحب کے لشکر) کی فتح پر جمی ہوئی ہے، اور ہماری معاش کی اصلاح بھی اسی پر موقوف ہے۔ (۲)

(۱) منظورۃ السعداء (۲) منظورۃ السعداء

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الٰہ آباد اور مجھو امیر کے نیاز مندوں کی تمنائیں تنہا سکھوں کی شکست سے پوری نہ ہوسکتی تھیں، جن کی حکومت دریائے ستلج پر پہنچ کر ختم ہوجاتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تمام نیاز مندوں کو یقین تھا کہ سید صاحب پورے ہندوستان کے استخلاص کیلئے کھڑے ہوئے ہیں، اور انگریزوں سے جنگ ان کے مقاصد میں داخل ہے۔

مبنیٰ کیا تھا؟

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ سید صاحب کے نزدیک ہندوستان اسلامی حکومت کے زوال کے بعد دار الحرب بن چکا تھا، وہ اسے از سر نو دار الاسلام بنانا چاہتے تھے۔ نہ انگریزوں کی بے تعصبی یا بے ریائی کو اس سلسلے میں وجہ استثناء بناسکتے تھے اور نہ سکھوں کی نادانیوں اور ضبطِ تعصب میں ناکامیوں کو ابھار کر پیش کرنے سے اصل حقیقت پر کوئی اثر پڑسکتا تھا۔ جس شئے کو انگریزوں کی بے تعصبی کہا جاتا ہے، وہ ملک داری کی ایک مناسب تدبیر تھی۔ سکھ تدبیر و تدبر سے نا آشنا تھے، اس لئے اپنا تعصب انتہائی بدوضعی سے نمایاں کرتے رہے، انگریز مدبرانہ حکمرانی کے اصول سے آگاہ تھے، انہوں نے صرف انہیں امور کو اپنے ڈھنگ پر چلانا کافی سمجھا جو براہِ راست حکومت کے استحکام سے تعلق رکھتے تھے، باقی امور میں عوام کو آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن یہ آزادی عوام کی قوت و طاقت کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ انگریزوں کی رضامندی و اجازت پر مبنی تھی۔

پھر سید صاحب اہل و عیال کو ساتھ لے کر وطن سے نکلے تھے، اگرچہ انہیں سندھ میں چھوڑنا پڑا، آخری دور میں تاکیداً لکھ دیا کہ اگر ہماری زندگی خدا کی راہ میں ختم ہوجائے تو اہل و عیال کو ہندوستان نہ بھیجا جائے بلکہ حرمین پہنچادیا جائے۔

بہرحال سید صاحب کا جہاد نہ صرف پنجاب کیلئے تھا، نہ صرف سکھوں کے خلاف تھا، بلکہ پورے ہندوستان کیلئے تھا، اور اس میں انگریز بطورِ خاص آتے تھے۔ باقی رہا یہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امر کہ جہاد سرحد سے کیوں شروع کیا، جس کے ضمن میں سکھ پہلے آگئے، تو اس کے وجوہ ومصالح الگ بیان ہوں گے۔

روشن شہادتیں

پھر سید صاحب کی تحریرات میں ایسی روشن شہادتیں موجود ہیں جنہیں دیکھ لینے کے بعد اصل نصب العین کے متعلق شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ مثلاً:

۱۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ دور کے ملک سے آنے والے بیگانے اور سامان بیچنے والے تاجر مالکِ سلطنت بن گئے۔ جب ہندوستان کا میدان غیروں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے گا، تو میں مناصبِ ریاست وسیاست دوسروں کے حوالے کر کے الگ ہو جاؤں گا۔(۱)

۲۔ شہزادہ کامران والیٔ ہرات کو قیامِ جہاد کی تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں مجاہدین کو لے کر ہندوستان چلا جاؤں گا، میرا اصل مقصود ہندوستان پر جہاد ہے، یہ نہیں کہ خراسان میں توطن اختیار کرلوں۔(۲)

ظاہر ہے کہ سکھ نہ دور سے آئے تھے، نہ انہیں وطنیت کے لحاظ سے بیگانے قرار دیا جا سکتا تھا اور نہ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ یہ تینوں خصوصیتیں صرف انگریزوں میں تھیں۔ پھر ہندوستان کو غیروں سے پاک کرنے یا اسے اصل مقصود قرار دینے کا مطلب بجز اس کے کیا تھا کہ سید صاحبؒ انگریزوں کے خلاف جہاد کو بدرجہا زیادہ اہم سمجھتے ہیں، بلکہ ان کا نصب العین ہی یہ تھا۔ سکھوں سے جنگ اس لئے پیش آگئی کہ سرحد سے جہاد شروع ہوا تھا، وہاں سے انگریزی حکومت کے حدود تک پہنچنا سکھوں سے فیصلہ کئے بغیر ممکن نہ

۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۷۰

۲) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۴۰-۱۴۱۔ یہ بھی عرض کردوں کہ مکاتیب میں یہ مضمون بار ہا مختلف صورتوں میں آیا ہے، میں صرف بطور مثال ہی چند حوالے دے سکتا ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا، بلاشبہ وہ بھی اسلامی بلاد پر متصرف تھے اور ان سے جنگ ضرور پیش آئی۔

مولوی محمد جعفر کی لغزش

مولوی محمد جعفر تھانیسری سید صاحب کے خاص معتقدین سے وابستہ تھے، اس وابستگی کے باعث انہوں نے خوفناک تکلیفیں اٹھائیں، گھر بار لٹایا اور کم و بیش اٹھارہ سال کالے پانیوں میں بسر کیے۔ ان قربانیوں کے سامنے ہر شخص کی گردن احتراماً جھک جانی چاہیے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ سید صاحب کے نصب العین کو سمجھنے میں ان سے سخت لغزش سرزد ہوئی، اور حد درجہ افسوس اس بات پر ہے کہ اس غلطی کی توثیق کیلئے انہوں نے سید صاحب کی عبارتوں کو بدلا۔ یہ حقیقت اس باب کے ضمیمے سے واضح ہوگی۔

آخر میں اتنا عرض کردینا چاہیے کہ جس زمانے میں سید صاحب مصروف جہاد تھے، اسی زمانے میں ایک انگریز سیاح، جس کا نام میسن تھا، سرحد، افغانستان اور بلوچستان کے علاقوں میں پھر رہا تھا، اس نے سید صاحب کا نصب العین یہ بتایا:

> ''سکھوں کا استیصال اور پنجاب پر قبضہ، پھر ہندوستان اور چین پر تسلط۔''

گویا اس انگریز سیاح کو سید صاحب کے مقاصد کا اندازہ ان مسلمانوں سے بہتر تھا جو سید صاحب کے خاص معتقدین شمار ہوتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com
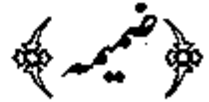
میرزا حیرت

میرزا حیرت کی کتاب ''حیات طیبہ'' اصلاً شاہ اسماعیل کے حالات میں ہے، آخر میں سید صاحب کے حالات بھی اختصاراً درج کیے ہیں۔ میں اس کتاب کی تاریخی حیثیت کے متعلق الگ ذکر کر چکا ہوں، اس میں شاہ اسماعیل کے دورۂ پنجاب کے حالات بڑی تفصیل سے مرقوم ہیں۔(۱) لیکن میں نے جب کبھی انہیں پڑھا، تاریخ سے کہیں زیادہ افسانے کا رنگ ان میں نمایاں نظر آیا۔ یہ دورہ اس زمانے میں ہوا جب سید صاحب امیر خاں کے لشکر کو چھوڑ کر دہلی نہیں پہنچے تھے۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں، سید صاحب کے ساتھ وابستگی سے پیشتر شاہ اسماعیل یا مولانا عبدالحی یا کسی دوسرے بزرگ کو تنظیم جہاد یا تحقیق احوال مسلمین کا چنداں خیال ہی نہ تھا، میرزا حیرت نے ان تفصیلات پر خاص زور اس لئے دیا کہ سید صاحب کے جہاد کا رخ کاملاً سکھوں کی طرف پلٹ جائے، وہ نواب امیر خاں اور انگریزوں کی صلح کو بھی سید صاحب ہی کی وساطت کا کرشمہ سمجھتے تھے۔ مجھے ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہیے کہ میرزا حیرت کا مرتبہ دورۂ پنجاب سراسر افسانہ ہے، جو اسلئے تیار کیا گیا کہ سید صاحب کے موقف جہاد میں تحریف کیلئے اچھا سامان فراہم ہو جائے۔

مولوی جعفر

مولوی محمد جعفر مرحوم نے تواریخ عجیبہ کے آخر میں سید صاحب کے جو منتخب مکاتیب شائع کیے ان کی عبارتیں بدل دیں۔ یہ حقیقت اصل مکاتیب اور مولوی محمد جعفر کے شائع کردہ مکاتیب کی عبارتیں سامنے رکھ لینے سے واضح ہو سکے گی۔

(۱) حیات طیبہ ص: ۱۰۷-۱۳۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اصل عبارت		تواریخ عجیبہ میں منقولہ عبارت
(۱) نصاریٰ نکوہیدہ خصائل و مشرکین بدمآل بر اکثر بلاد ہندوستان از لب دریائے اباسین تا ساحل دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہہ راہ باشد، تسلط یافتند (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۵۳)		(۱) سکھان نکوہیدہ خصائل و مشرکین بدمآل بر اکثر اقطاع غربی ہندوستان از لب دریائے اباسین تا دارالسلطنت دہلی، تسلط یافتند۔ (تواریخ عجیبہ ص: ۱۸۹، ۱۹۰)

اصل عبارت		تواریخ عجیبہ میں منقولہ عبارت
(۲) نہ با کسے از امرائے مسلمین منازعت داریم و نہ با کسے از رؤسائے مومنین مخالفت۔ با کفار لئام مقابلہ داریم، نہ با مدعیانِ اسلام۔ با دراز مویاں بلکہ سائر کفر جویاں مقاتلہ خواہیم نہ با کلمہ گویاں و اسلام جویاں، چنانچہ ایں معنی خاص و عام است۔ (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۹)		(۲) نہ با کسے از امرائے مسلمین، نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم و نہ ہیچ راہ منازعت کہ از رعایائے اوستیم و بہ حمایتش از مظالم برایا، چنانچہ ایں معنی معلوم خاص و عام است۔ (تواریخ عجیبہ ص: ۱۷۵)

اصل عبارت		تواریخ عجیبہ میں منقولہ عبارت
(۳) کفار فرنگ کہ بر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہوشیار اند و حیلہ ساز و مکار۔ (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۵۹)		(۳) کفار دراز مویاں کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہوشیار اند و حیلہ باز و مکار۔ (تواریخ عجیبہ ص: ۱۹۲)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اصل عبارت		تواریخ عجیبہ میں منقولہ عبارت
(۴) آیا ایں قوم از جملہ نصاریٰ ویہود یا مجوس وہنود اند کہ بالملت محمدیہ عداوت می دارند۔		(۴) بے شک آں قوم از جملہ مجوس یا سکھ یا ہنود اند کہ بالملت محمدیہ عداوت دارند۔
(مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص:۱۶۵)		(تواریخ عجیبہ ص:۲۱۲)

اصل ونقل کا فرق

اب آپ دونوں بالمقابل عبارتوں کے خط کشیدہ الفاظ سامنے رکھ کر اصل ونقل کا فرق ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پہلے اقتباس کے ابتدائی الفاظ میں 'نصاریٰ نکوہیدہ خصال' کی جگہ ''سکھان نکوہیدہ خصال'' لکھا گیا، پھر ''اکثر بلاد ہندوستان'' کی جگہ ''اکثر اقطاع غربی ہندوستان'' بنایا گیا اور آخر میں ''از لب دریائے اباسین تا ساحل دریائے شور'' کی جگہ ''از لب دریائے اباسین تا دارالسلطنت دہلی داخل کیا گیا۔ ''شش ماہہ راہ باشد'' حذف کر دیا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ سکھوں کی سلطنت دہلی تک نہیں جاتی تھی بلکہ اس سے دو سو میل شمال میں دریائے ستلج پر ختم ہو جاتی تھی، اور دہلی پر انگریز ۱۸۰۳ء سے قابض چلے آتے تھے۔

۲۔ دوسرے اقتباس میں ''نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم..... برایا'' والا پورا فقرہ اپنی طرف سے بڑھا دیا گیا اور یہ الفاظ ''تواریخ عجیبہ'' کے پہلے ایڈیشن اور بعد کے ایڈیشنوں میں جلی لکھوائے گئے۔

۳۔ تیسرے اقتباس میں ''کفار فرنگ'' کی جگہ ''کفار دراز مویان'' بنایا گیا۔

۴۔ چوتھے اقتباس میں ''آیا'' کی جگہ ''بے شک لکھا اور ''نصاریٰ ویہود'' کو حذف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر دیا۔

مبادا کسی کو شبہ ہو کہ یہ ترمیمات مکاتیب کے ناقل اول نے کیں، مولوی صاحب ان کے ذمہ دار نہ تھے، میں نے مکاتیب کے چھ قلمی نسخے بہم پہنچائے جو مختلف اوقات میں مکتوب ہوئے۔ ان سب میں اصل عبارت اسی طرح درج پائی، جس طرح میں نے بطور متن نقل کی، نیز ترمیمات میں صرف ''نصاریٰ'' اور ''کفار فرنگ'' کو حذف کرنے کا اہتمام بالکل واضح ہے۔ یہ اسی شخص کا کام ہو سکتا تھا جو سید صاحب کے جہاد کو ہر طرف سے ہٹا کر صرف سکھوں تک محدود کر دینے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا۔

سید صاحب کے متعلق قلمی ذخیروں تک چند افراد کے سوا کسی کو دسترس حاصل نہ تھی، تواریخ عجیبہ چھپی تو اس میں سید صاحب کے مقاصدِ جہاد کا حلیہ بالکل بگاڑ کر پیش کیا گیا تھا۔ عام اصحاب نے اسے مستند شے سمجھ کر قبول کر لیا، اس طرح اس پاک نفس مجاہد کبیر کے مقاصد ایک نہایت افسوس ناک غلط فہمی کا ہدف بنے۔ میں مانتا ہوں کہ جس زمانے میں ''تواریخ عجیبہ'' لکھی گئی سید صاحب کی تحریک انگریزوں کے عتاب کا مورد بنی ہوئی تھی، لیکن مولوی محمد جعفر صاحب مکاتیب کو چھوڑ سکتے تھے، انہیں تحریف شدہ شکل میں شائع کرنے کی کون سی مجبوری پیش آ گئی تھی؟ اور یہ حرکتیں ان لوگوں سے سرزد ہوئیں جو سید صاحب کے عقیدت مند تھے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ قَبْلِنَا.

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیئیسواں باب:

سلطنت یا اعلاءِ کلمہُ حق؟

ریاست طلبی کا وسوسہ

ہم دیکھ چکے ہیں کہ سید صاحب نے جہاد کے لئے مسلمانوں کی تنظیم شروع کی، وہ تمام مسلمانوں کو اسلامی جہاد کی روح سے معمور کر دینا چاہتے تھے، ان کی آرزو یہ تھی کہ خدا کا کلمہ بلند ہو، سید المرسلین ؐ کی سنتیں تازہ ہو جائیں، تمام اسلامی بلاد غیروں کے تصرف سے آزادی حاصل کر لیں۔ وہ صرف سکھوں سے نہیں بلکہ ان تمام غیر مسلم قوتوں سے لڑنا چاہتے تھے جو بلادِ اسلامی پر قابض ہو چکی تھیں، اور ان کے نزدیک انگریزوں کا خطرہ سب سے بڑا تھا۔ اب غور کرنا چاہیے کہ آیا وہ بلادِ اسلامی کو آزاد کرا کے اپنی حکومت کی طرح ڈالنا چاہتے تھے؟ اپنی فرماں روائی کی مسند آراستہ کرنے کے خواہاں تھے؟

ان سے پہلے جتنے آدمی معمولی حیثیت سے اُٹھ کر لاؤ لشکر کے مالک بنے تھے، وہ ملک یا ریاستیں سنبھال کر بیٹھ گئے تھے۔ ایک قریبی مثال نواب امیر خاں مرحوم کی تھی، جس کے ساتھ سید صاحب سات آٹھ برس گزار چکے تھے۔ اس مرحوم کا قدم بھی طلبِ جاہ وحشم سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ان مثالوں کی بناء پر مختلف قلوب میں وسوسہ پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا کہ سید صاحب بھی ملک و ریاست کے طلب گار ہیں۔ اس زمانے میں للّٰہیت اس درجہ کم یاب تھی کہ عام لوگ اس کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، جس طرح ہمارے زمانے میں نہیں کر سکتے۔ فکر و نظر کا پیمانہ ایسا بن گیا تھا کہ کسی شخص کی کوئی سرگرمی اور کوئی جدوجہد ذاتی اغراض کے لوث سے پاک نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پھر سب لوگ جانتے تھے کہ سید صاحب امیر خاں کے رفیق رہے، یہ بھی جانتے تھے کہ امیر خاں ٹونک کا مالک بن کر بیٹھ گیا، اکثر نے یہی سمجھا ہوگا کہ سید صاحب بھی اپنے لئے ایک جداگانہ ریاست پیدا کرنا چاہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنا مطمح نظر واضح کرنے کی ضرورت بار بار پیش آتی رہی، اور یہ مضمون آپ کے مکاتیب میں بیسیوں مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

صرف اعلاء کلمۃ الحق

میں پچھلے باب میں مکاتیب سے ایک اقتباس نقل کر چکا ہوں کہ سید صاحب کی آرزو کلمۂ حق کی سربلندی، سنن سید المرسلینؐ کے احیاء اور استخلاص بلاد اسلامیہ کے سوا کچھ نہ تھی۔ (۱)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ اگر اسلامی ملک آزاد ہو جائیں، ریاست و سیاست اور قضا و عدالت میں شرعی قوانین کو مدار عمل بنا لیا جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ خود مالک سلطنت بننے کے بجائے مجھے یہ پسند ہے کہ تمام اقطاع میں عادل فرمانرواؤں کی حکمرانی کا سکہ جاری ہو جائے۔

سلطنت ہفت کشور را بہ خیال ہم نمی آرم وقتیکہ نصرت دین واستیصال کفر و تمرد ین محقق گردید تیر سعی من بہ ہدف مراد رسید۔ (۲)

ترجمہ: میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا، جب نصرت دین کا دور شروع ہو جائے گا اور سرکشوں کے اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانۂ مراد پر جا بیٹھے گا۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ تمام سعادتوں کی بنیاد، تمام طاقتوں کی اصل اور تمام جاودانی سعادتوں کا مدار یہ ہے کہ خالق برتر کے ساتھ رشتۂ عبودیت استوار ہو جائے۔

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص ۵۵ (۲) مکاتیب شاہ اسماعیل ص ۵۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

استواری کا نشان یہ ہے اللہ تعالیٰ کی محبت عزیز داری کے تمام رشتوں پر برتری حاصل کر لے۔ سوال کیا جاسکتا ہے کہ پتہ کیوں کر چلے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت واقعی تمام رشتوں پر برتر ہوگئی ہے؟ فرماتے ہیں، اس محبت کی سب سے بڑی امتحان گاہ میدانِ جہاد ہے، جہاں کسی بندۂ خدا کے لئے اہل وعیال کے ترک، اخوان واوطان سے علیحدگی اور جان ومال کی قربانی کئے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں۔

پس اقدام در اقامت ذروۂ سنام اسلام (جہاد) اقوئی علامت غلبہ محبت حضرت خالق است بر جمیع مخلوقات لہٰذا در آیہ کریمہ: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ جہاد را با محبت خدا و رسولؐ در یک سلک منسلک گردانیدہ۔(۱)

ترجمہ : پس جہاد کے لئے قدم اٹھانا، جسے حدیث میں ذروۂ سنام اسلام کہا گیا ہے، اس بات کی قوی ترین علامت ہے کہ حضرت خالق کی محبت تمام مخلوقات کی محبت پر غالب ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے آیہ کریمہ قل ان کان اباؤ کم الخ میں جہاد کو خدا اور رسول کی محبت کے ساتھ ایک لڑی میں منسلک کیا گیا ہے۔

سید صاحب کی پوری زندگی اسی حقیقت کی زندہ دستاویز ہے کہ ان کے دل میں خالق کی محبت دنیا کے ہر رشتے پر ہمیشہ غالب رہی۔

طلبِ دنیا سے کامل براءت

سید صاحب نے وقت کے بادشاہوں یا ریاستوں کے مالکوں کو جتنے دعوت نامے

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص:۵۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھیجے ان میں صاف صاف لکھ دیا کہ میری آرزو رضائے باری تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں، نہ کوئی علاقہ لینا چاہتا ہوں نہ حکومت وجاگیر کا طلب گار ہوں، نہ جاہ و مال کا خواہاں ہوں، صرف ایک غرض، ایک مطلب اور ایک نصب العین میرے سامنے ہے، اور وہ یہ ہے کہ خدا کا کلمہ سربلند ہو اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تازہ ہو جائے:

> سو زبان سے خدائے تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں کہ مالکِ حقیقی کی اطاعت میں مشغول ہوں اور صرف اسی کی رضا مطلوب ہے۔ خدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لئے ہیں، دنیا و مافیہا سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور محض لوجہ اللہ علمِ جہاد بلند کیا ہے۔ مال و منال، جاہ و جلال، امارت و ریاست اور حکومت و سلطنت کی طلب سے کاملاً الگ ہو چکا ہوں، خدا کے سوا کسی کی جستجو نہیں رہی۔(۱)

امامت وسلطنت کا فرق

ایک مکتوب میں امامت وسلطنت کا فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام کا وظیفہ یہ ہوتا ہے کہ جہاد قائم کرے اور بغی وفساد کو مٹائے۔ امام یا اس کے ساتھیوں کو شہروں اور ملکوں پر تسلط بالذات مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ مستحقوں کو حکومت کی گدی پر بٹھا دیتے ہیں، اس کے برعکس منصبِ سلطنت کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ حکومت ملے، سلطنت بنے، علاقے اور ملک فتح ہوتے رہیں۔(۲)

> عالم السرائر والخفیات گواہ است بریں معنی کہ بردل اخلاص منزل ما ے جانب آرزوئے حصولِ خزائن بے شمار وتسلط بلاد وامصار یا طلب عزت ووجاہت وریاست یا فرمانروائی براقران واخوان یا اہانت روسا عالی مقدار از سلب سلطنت سلاطین والا تبار گاہے خطور ہم نہ کردہ، وسوسہ آں ہم ہم نہ رسیدہ۔(۳)

(۱) مکاتیب سید صاحب ص:۱۸ (۲) مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص:۳۸ (۳) مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص:۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: خفیہ باتوں کو جاننے والا خدا اس حقیقت پر گواہ ہے کہ میرے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گذرا کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ بے شمار خزانوں کا مالک بن جاؤں، شہر اور ولایتیں میرے قبضے میں آجائیں، عزت ووجاہت یا امارت وریاست مل جائے، اپنے بھائیوں اور ہمسروں پر حکمراں بن جاؤں، یا اونچے خاندان والے بادشاہوں کی سلطنتیں چھین کر ان کے لئے اہانت کا باعث بنوں۔

صرف احیاءِ دین

غرض سید صاحب کا مدعا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کلمۂ حق سر بلند ہو، رسول پاکؐ کی سنتیں تازہ ہو جائیں۔ اسی مدعا کے لئے انہوں نے وطن چھوڑا، اہل وعیال اور عزیزوں سے جدائی قبول کی، زندگی کے بہترین لیل ونہار جدال وقتال کی مصیبتوں میں گزارے اور یہ مدعا دنیا ومافیہا کی کسی غرض سے ملوث نہ ہونے دیا۔(۱) للّٰہیت کی یہ شان تھی کہ اس مدعا کی بھی محض تکمیل کے لئے مضطرب تھے، یہ غرض نہ تھی کہ ان کے ہاتھ سے پورا ہوتا ہے یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے:

تاج فریدوں وتختِ سکندر بہ جوے نمی شمارم ومملکت قیصر وکسریٰ بہ خیال هم نمی آرم، آرے ایں قدر آرزو دارم کہ ورا کثر افراد بنی آدم بلکہ در جمیع اقطار عالم احکام حضرت رب العالمین کہ مسمّٰی بہ شرعِ متین است، بلا منازعت احدے نافذ گردد، خواہ از دست من، خواہ از دست کسے دیگر، پس ہر حیلہ کہ باعث حصول دین متین باشد، بروئے کاری آرم وہر تدبیرے کہ مفید ایں مقدمہ باشد بجا می آرم۔(۲)

ترجمہ: تاج فریدوں اور تختِ سکندر میری نظروں میں جو کے

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۴۹-۵۰ (۲) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۵۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برابر نہیں ہے، قیصر و کسریٰ کی مملکت کا خیال تک دل میں نہیں لاتا، صرف یہ آرزو ہے کہ اکثر افراد بنی آدم بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العالمین کے احکام جاری ہو جائیں، جنہیں ہم شریعت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس بارے میں کسی کی طرف سے کشمکش کا امکان باقی نہ رہے۔ صرف اس کام کی تکمیل مقصود ہے، خواہ یہ میرے ہاتھ سے پورا ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے، جو حیلہ اس مدعا کے حصول کا باعث ہو سکتا ہے اسے بروئے کار لاتا ہوں اور جو تدبیر اس مقصد کے لئے مفید نظر آتی ہے اس سے کام لیتا ہوں۔

صحیح اسلامی نصب العین

مادی اغراض کی تیرگی کے موجودہ دور میں یہ باتیں یقیناً اجنبی معلوم ہوں گی، ہم لوگ انہیں ٹھیک ٹھیک ذہن نشین کر لینے کی صلاحیت بھی کھو چکے ہیں، لیکن سچے مسلمان کا نصب العین اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی نظریں صرف خدا کے احکام پر جمی ہوئی ہوں۔ وہ زندگی کی ہر متاع کو ان احکام کے پورا کرنے میں لگا دے اور اس غرض کے لئے طریقے بھی وہی اختیار کرے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔ اسلام یہ نہ تھا کہ چند مخصوص کلمے وقتاً فوقتاً دہرا دیئے، چودہ سو برس کی اسلامی تاریخ کے درخشاں واقعات کو اپنے لئے سرمایۂ فخر کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور عام اعمال میں صرف ذاتی اغراض کو محور بنائے رکھا، اسلام یہ تھا کہ ہر مدعی اسلام کی ہر حرکت و جنبش صرف رضائے باری تعالیٰ کے تابع ہو، اس کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا محض اللہ کے لئے ہو۔ وہ جئے تو اس لئے کہ اس کے حسن عمل سے خدا کے دین کی محبت والفت لوگوں کے دلوں میں بڑھے، مرے تو اس لئے کہ دنیا اس پاک مسلک پر چلنے لگے، جو خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا۔

سید صاحب کا نصب العین یہی تھا جو اسلام کے ابتدائی دور کے بعد کہیں قائم نہ رہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکا، اس لئے کہ محض ملک گیری اور کشور کشائی مقصودِ حقیقی بن چکی تھی۔ صرف اسی بات کو خدمت اسلام سمجھ لیا گیا تھا کہ بڑے بڑے خطوں پر قبضہ جما لیا جائے، اگرچہ کوئی بھی عمل خدا اور رسولؐ کے ارشادات کے عین مطابق نہ ہو۔

غور فرمایئے کہ کیا یہ نصب العین صرف سکھوں کے خلاف جہاد سے پورا ہو سکتا تھا؟ یا سکھ پنجاب کے مسلمانوں پر تعدیاں نہ کرتے تو یہ نصب العین خود بخود پورا ہو جاتا؟ یا انگریزوں نے اپنے مقبوضات میں اک گونہ رواداری برتی تو کیا ہم معاذ اللہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نصب العین پورا ہوتا رہا؟

کور ذوقاں داستانہا ساختند وسعتِ ادراکِ او نشناختند

للہیت کا یہ ایسا مقام ہے، جس میں سید صاحب کے امتیاز واختصاص کو کوئی دوسرا قائد نہ پہنچ سکا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوبیسواں باب:

شبہات واعتراضات کی حقیقت

جہاد فرضِ کفایہ ہے

خود سید صاحب کے زمانے میں ان پر جو اعتراضات ہوئے یا ان کے موقف کی تضعیف کے لئے جو شبہات پیش کیے گئے، ان پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

ایک گروہ نے اس بات کو لے لیا کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے، اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کام کیلئے کھڑی ہو جائے تو تمام مسلمانوں کی گردن سے بارِ فرض اتر جاتا ہے، اور سب میدانِ جہاد میں نکلنے کے مکلّف نہیں رہتے۔ لیکن سوچئے کہ کفایت کا مطلب کیا ہے، کفایت کے معنی ہیں "کافی ہونا" اس سے مراد یہ ہے کہ جس قوت سے جہاد درپیش ہو، اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی جماعت عقلِ سلیم کی بناء پر بظاہر کافی ہو، نہ یہ کہ ضرورت مثلاً دس ہزار مجاہدوں کی ہو اور صرف دو چار سو یا ہزار بارہ سو مسلمانوں کا میدانِ جہاد میں پہنچ جانا کافی سمجھ لیا جائے، باقی تمام مسلمان فرضِ کفایہ کو دستاویز بنا کر اطمینان سے گھروں میں بیٹھے رہیں۔

ملتان کے ایک غازی نے خود سید صاحب سے ایک مرتبہ یہی کہا تھا کہ ہمارے علماء جہاد کو فرضِ کفایہ قرار دیتے ہیں، سید صاحب نے یہی جواب دیا کہ کفایت سے مراد ہے مجاہد مسلمان موقع اور مقام کے لحاظ سے کافی ہوں، نہ یہ کہ صرف چند سو مسلمانوں کے قیام کو بلا لحاظ موقع ومحل کافی تصور کر لیا جائے۔

پھر معاملے کی صورت یہ نہ تھی کہ بلادِ اسلام محفوظ تھے اور سرحدوں پر اغیار کی متفرق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ٹولیوں سے جھڑپیں پیش آ رہی تھیں۔ معاملے کی صورت یہ تھی کہ بلادِ اسلام اغیار کے قبضے میں جا چکے تھے، اس موقع پر "فرضِ کفایہ" کا عذر کیا کام دے سکتا تھا؟ خود صحابہ کرامؓ کی مثالیں سامنے تھیں، جب اسلامی فتوحات کے علم جا بجا گڑ چکے تھے اور جہاد کی دعوت دی جاتی تھی، تو وہ بوڑھے بھی تلواریں لے کر نکل پڑتے تھے جن کی بھنویں ضعفِ پیری کے باعث آنکھوں پر گر رہی تھیں۔ ان سے جب کوئی کہتا کہ بڑھاپے میں مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو وہ جواب دیتے: انفروا خفافاً و ثقالاً کے فرمانِ خداوندی کے بعد بڑھاپے کا عذر کون پیش کر سکتا ہے؟

جامع الشروط امام کا معاملہ

دوسری ضروری بات جس پر بطور خاص زور دیا گیا، یہ تھی کہ جہاد کے لئے امام جامع الشروط ہونا چاہئے۔ بے شک امام کو بہتر سے بہتر اوصاف کا مالک ہونا چاہئے، لیکن ہمارے علماء نے شروط کی اہمیت میں مبالغہ کرتے کرتے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا کہ بعض ارباب علم نے بے تکلف فرما دیا کہ ہمارے زمانے میں جامع الشروط امام ناپید ہے، لہٰذا جہاد ہو ہی نہیں سکتا۔ گویا فریضۂ جہاد کی بجا آوری صرف جامع الشروط امام کے میسر آ جانے پر منحصر ہے ورنہ اسے ساقط العمل سمجھنا چاہئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

غور کیجئے کہ امام کے لئے جو شرطیں تجویز ہوئی تھیں، ان کی غرض و غایت کیا تھی؟ محض یہ کہ امامت کے وظائف احسن طریق پر پورے ہوں۔ حالتِ امن و جنگ میں مسلمانوں کے تمام انتظامی و دفاعی کام بہتر سے بہتر صورت میں پورے ہوتے رہیں۔ گویا شرطوں کا مقصود اصل وظائف کی بہتر بجا آوری تھی، نہ کہ انکے جوشِ اہتمام میں حقیقی فرائض ہی کو ختم کر کے بیٹھ جانا؟ پھر جب مسلم ہے کہ جہاد میں کفار و فساق سے بھی مدد لی جا سکتی ہے، غیر مسلم دشمن کے مقابلے میں غیر مسلم معاہد کو رفیق بنایا جا سکتا ہے، تو جامع

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الشروط امام کے انتظار میں مسلمانوں کا معطل بیٹھے رہنا کس بناء پر جائز مانا جا سکتا ہے؟

دَورِ انحاط کی مصیبتیں

حقیقت یہ ہے کہ جیسے جیسے مسلمان انحطاط کا شکار ہوتے رہے، ان کے فکر وعمل پر بھی انحطاط طاری ہو گیا۔ اس دور میں انہوں نے شاید ہی یہ کوشش کی ہو کہ حالات کو ہمت وقوت سے اپنے مطابق بنائیں، خود اپنے آپ کو حالات کے مطابق بناتے رہے۔ علماء کی پوری سعی وکاوش رخصتوں اور اجازتوں کی تلاش میں صرف ہوتی رہی، جو اُن کی بے چارگی کے لئے تسکین کا سہارا بن سکتی تھیں۔ معذرتیں اس لئے تراشی گئیں، شرائط امامت کی سختی اور سنگینی میں، اس وجہ سے مبالغہ کیا گیا کہ خود ان لوگوں میں اٹھنے اور بروئے کار آنے کی ہمت نہ تھی۔ بس انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ سب کو بٹھائے رکھیں اور ہاتھ پاؤں توڑ کر اس طرح سلا دیں کہ اُٹھنے کا خیال بھی دلوں میں باقی نہ رہے۔ جو کچھ ہونا چاہئے تھے، اس پر کسی کی نظر نہ تھی، جو کچھ پیش آ رہا تھا اس پر بے تکلف قناعت کر لینے کے وعظ فرماتے اور اسے مطابق شریعت ثابت کرتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حالات میں بگاڑ کی رفتار تیز تر رہی، پہلے پہل ہمارے علماء نے اصل مسئلے کو قائم رکھتے ہوئے شرطوں کو غیر ممکن ظاہر کرنے پر زور دیا، اس کے بعد جو لوگ آئے انہوں نے اصل مسئلے ہی کو ختم کر دینے کی بنیاد رکھ دی۔

حوصلے کے اضمحلال اور اہمیت کی نگونساری کے اس اندھیرے میں جس بزرگ ہستی نے عزیمت کا چراغ ہر مسلمان کے دل میں روشن کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اپنی جان بے دریغ قربان کر ڈالی، وہ سید احمد بریلوی تھے، اور احیاء وتجدید اسلامیت کا یہ درخشاں ترین کارنامہ ہے، جو اس بے نوا سید کے ہاتھوں انجام پایا۔ مسند درس پر معارف شریعت بیان کرنے والے بہت ہوئے، منبروں پر دین کے وعظ کہنے والوں کی بھی ہماری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملت میں کمی نہ رہی، لیکن جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ عمل میں بے پروایانہ کھڑے ہونے کا شرف سید احمد کے سوا کس کے حصے میں آیا؟

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدرِ تو نشناخت دریغ

تحریکِ جہاد کی تضعیف

سید صاحب اور ان کی جماعت پر ہندوستان میں جو اعتراضات ہوئے تھے وہ سرحد بھی پہنچ گئے تھے جب سید صاحب جہاد میں مشغول تھے۔ ان میں سے بعض کی کیفیت یہ تھی:

۱۔ سید صاحب اور انکے رفیقوں پر ذاتی اعتراضات، جنکی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

۲۔ سید صاحب کے پاس ساز و سامان کم ہے اور جس قوت سے مقابلہ درپیش ہے اس جیسی طاقت میسر نہیں۔

۳۔ بعض لوگ بیعت کر چکنے کے بعد منحرف ہو گئے، اس بناء پر باقی لوگوں کی استقامت بھی مشتبہ ہو گئی۔

ان اعتراضات کا مدعا بظاہر یہ نہ تھا کہ سید صاحب راہِ خدا میں جو کوششیں فرما رہے تھے، اسے تقویت پہنچے تاکہ اصل مقصد جلد سے جلد پورا ہو جائے۔ بظاہر محض یہ تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی کم ہو جائے۔

شاہ اسماعیل نے ایک مفصل مکتوب میں ان اعتراضات کا جواب لکھا، جسکے بعض مطالب اس غرض سے یہاں پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی جہاد کی ضرورت واہمیت اور سید صاحب کے موقف پر روشنی پڑتی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امام کے ساتھ قبائح کا انتساب

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اعتراضات کا جواب بھی اگرچہ جہاد کی ایک شکل ہے، لیکن ہمارے پاس تحریر و تقریر کے لئے وقت کہاں ہے؟ نماز کی تعلیم یقیناً ضروری ہے، لیکن جو شخص خود ادائے نماز میں مشغول ہو، تعلیم کیونکر دے سکتا ہے؟ پھر پہلے اعتراضات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> امام صاحب سے جن قبائح کا انتساب کیا جاتا ہے وہ سراسر باطل ہیں، ان میں سے ایک کا بھی انتساب درست نہیں۔۔ اور آپ کے ساتھیوں سے جو قبائح منسوب کیئے جاتے ہیں، ان میں سے بھی بیشتر خلاف حقیقت ہیں، لیکن اگر رفقائے امام کے متعلق ان قبائح کو بہ فرضِ محال تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے امامت میں کیا نقص واقع ہوسکتا ہے؟ اس کی مثال یہ ہے کہ امتیوں کے اعمال کی خرابیاں کبھی بھی نبی کی نبوت پر اثر انداز نہیں ہوئیں۔
>
> جو کچھ سید صاحب سے منسوب کیا جاتا ہے، اُسے بھی اگر درست مان لیا جائے تو امامت کے ثبوت و بقا میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ وہ باتیں زیادہ سے زیادہ مراتب ولایت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور مراتب ولایت، امامت کی شرطوں میں داخل ہی نہیں، بلکہ امامت قائم ہوجائے تو فسق بھی اس کے زوال کا موجب نہیں ہوسکتا، اگلے پچھلے فقہاء و متکلمین کی تحریرات اس کی شاہد ہیں۔

قوت میں مماثلت کا مسئلہ

دوسرے اعتراض یعنی منافقوں کی قوت کے برابر قوت نہ ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بقدر استطاعت سامان فراہم کرنا بلاشبہ ضروری ہے، خواہ مخالفوں کے برابر قوت ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید میں اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ فرمایا گیا ہے، (یعنی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جتنی قوت تمہارے بس میں ہو فراہم کرو) یہ نہیں کہا گیا کہ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اَعَدُّوْا لَكُمْ (یعنی جتنی قوت تمہارے مقابلے پر لائیں، اتنی ہی قوت تم بھی لاؤ) امام کے لئے ''وجودِ شوکت'' ضروری ہے، لیکن:

> اس کا مطلب یہ نہیں، امام کے جسم میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ وہ ایک لمحے میں مخالفوں کی سلطنتیں درہم برہم کر ڈالے اور یکہ وتنہا ان کے جنود وعساکر کو بکھیر کر رکھ دے۔ مطلب یہ ہے کہ امام کے پاس ساتھیوں کی ایسی جماعتیں فراہم ہو جائیں جن کے بل پر وہ ظاہر عقل کے اعتبار سے مخالفوں کی روک تھام کر سکے۔ سلاطین میں صاحب شوکت وہ ہوتا ہے جسکے ہمراہ نوکروں کا کثیر گروہ ہو، افغانوں کی اصطلاح میں صاحب شوکت اسے سمجھا جاتا ہے، جسکی قوم اور برادری وسیع ہو۔ شریعت کے نزدیک اس امام کو صاحب شوکت سمجھا جائے گا جسکے ہاتھ پر مسلمانوں کا کثیر گروہ بیعت امامت کر چکا ہو اور شریعت میں بیعت کا رشتہ ملازمت وقرابت کے رشتوں سے زیادہ قوی ہے۔

سید صاحب کی کیفیت

باقی رہا دشمنوں کی شوکت سے مماثلت کا معاملہ تو اس سے شرق وغرب کے تمام دشمنوں کی شوکت مراد نہیں ہو سکتی، اگلے پچھلے اماموں میں سے کسی کی بھی امامت بحال وبرقرار نہ رہے گی، صرف اتنا کافی ہے کہ بالفعل جن اعدا سے مقابلہ درپیش ہے، ان کے برابر شوکت حاصل ہو جائے:

> اتنی شوکت البتہ حاصل ہے جو پکھلی، ہزارہ اور پنجپھ کے ناظموں کی شوکت کے برابر ہو، اگر چہ رنجیت سنگھ اور کمپنی کی شوکت کے برابر نہ ہو۔(۱)
>
> اور کس شخص نے آپ لوگوں کو بتایا کہ امام ہماری اسی قلیل جمعیت سے

(۱) کمپنی سے مراد ایسٹ انڈیا کمپنی ہے، جس کے ہاتھ میں اس وقت ہندوستان کے بیشتر حصوں کی باگ ڈور تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لاہور اور کلکتہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ وہ تو رات دن مسلمانوں کی جمعیت بڑھانے اور شوکت کو ترقی دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ انہیں امید ہے کہ آہستہ آہستہ اسلامی شوکت عروج پائے گی اور یہ بات وقوع سے بعید نہیں، بلکہ ملتوں کے انقلاب میں اللہ کی یہی سنت جاری ہے کہ معمولی لوگوں میں سے ایک بے سروسامان آدمی اٹھتا ہے، آہستہ آہستہ رفیقوں کی جماعت فراہم کرتا ہے، تدریجاً اپنی شوکت کو اس حد تک بڑھا لیتا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہوں اور ذی حشم خانوں کی مملکتیں توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ مثلاً نادر شاہ وغیرہ۔ کتنی بے انصافی ہے کہ جو شخص محض طلب دنیا کیلئے کمر باندھتا ہے اس کے متعلق تو فتح ونصرت کا گمان کیا جاتا ہے اور اسی گمان کی بناء پر اس کا ساتھ دیا جاتا ہے، لیکن جو مردِ حق محض للہ، فی اللہ اور ابتغاءً لوجہ اللہ دین کی حمایت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے لئے فتح ونصرت کو مستبعد سمجھا جاتا ہے۔

حصولِ شوکت کا طریقہ

پھر فرماتے ہیں کہ مان لیجئے قوت والوں کے خلاف جہاد کیلئے زبردست قوت لازم ہے اور سید صاحب کو فی الحال یہ قوت حاصل نہیں، لیکن اس کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟

آیا کوئی امام ماں کے پیٹ سے بھی عساکر وجنود لے آیا ہے؟ آیا یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اقامتِ جہاد کی تیاری کرتا ہے تو فی الفور غیب سے اس کے لئے لاؤ لشکر اور اسبابِ حرب مہیا ہو جاتے ہیں؟ یہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ طریقہ یہی ہے کہ امام مقرر ہو، یہ کام تمام مسلمانوں کیلئے ذمے فرض ہے اور اس میں سستی یا اس سے پہلو تہی معصیت ہے۔ پھر امام وقت کے لئے قوت بہم پہنچانا مسلمانوں ہی کا فرض ہے، چاہئے کہ ہر مسلمان جماعت ہر سمت سے دوڑتی ہوئی اس کے پاس پہنچ جائے اور جس شخص کو جو سامان مل سکے اُسے لاکر امام کی خدمت میں پیش کر دے۔ "اعدّوا لهم ما استطعتم" اور "جاهدوا

باموالکم وانفسکم" میں مخاطب عام مسلمان ہیں، نہ کہ محض امراء و روٴسا۔

نمازِ جمعہ کی مثال

معترضین کو چاہیے کہ بقدرِ استطاعت سامان لے کر امام کے پاس پہنچ جائیں، کسی کے لیے دوسرے کا انتظار جائز نہیں۔ مثال کے طور پر نمازِ جمعہ کو لیجیے جو سب پر واجب ہے، جماعت کے بغیر یہ نماز ادا نہیں ہو سکتی اور انعقادِ جماعت امام کے بغیر ممکن نہیں:

لیکن اگر سب لوگ گھروں میں بیٹھے انتظار کرتے رہیں کہ جب امام آ جائے گا، جماعت صورت پذیر ہو جائے گی، ہم بھی شامل ہو جائیں گے تو آیا اس حالت میں نمازِ جمعہ فوت نہ ہو جائے گی اور ہر شخص معصیت میں گرفتار نہ ہوگا؟ اس لیے کہ نہ ارواحِ مقدسہ میں سے امام اترے گا، نہ فرشتوں کا گروہ اقامتِ جمعہ کے لیے جماعت مہیا کرے گا۔ طریقہ یہی ہے کہ اگر کوئی فرد تنہا بھی ہے تو گھر سے نکل کر مسجد میں پہنچے، جماعت موجود ہو تو اس میں شریک ہو جائے، موجود نہ ہو تو مسجد میں بیٹھ کر دوسروں کا انتظار کرے۔ اگر وہ مسجد کو خالی پا کر گھر لوٹ جائے گا تو نہ جماعت بنے گی اور نہ جمعہ قائم ہوگا۔

یہی حالت جہاد میں تہیۂ قوت کی ہے۔ امام دعوت دے رہا ہے، مسلمانوں کا فرض ہے کہ بے تامل اس کے پاس پہنچیں اور جتنی قوت درکار ہے، پوری کر دیں۔ یہ کون سی صورت ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے امام پر قلتِ قوت کا اعتراض کرتے رہیں، درآنحالیکہ قوت کی فراہمی خود ان کے ذمے ہے۔

مسلمان کیا تھے کیا ہو گئے

آخر میں شاہ صاحب کس دلسوزی سے لکھتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے رکنِ اعظم کو جڑ سے اکھاڑا جا رہا ہو اور جس شخص کے سینے میں ضعف و ناتوانی کے باوجود اسلامی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حمیت نے جوش مارا، اُسے طعن وملامت کا ہدف بنایا جائے؟ آیا یہ لوگ نصرانی یا یہودی یا مجوسی یا ہنود ہیں کہ ملتِ محمدیہ کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں؟ محمدیت کا مقتضا یہ تھا کہ اگر کوئی شخص ہنسی مذاق میں بھی جہاد کا نام لیتا تھا، تو مسلمانوں کے دل پھول کی طرح کھل جاتے تھے اور سنبل کی طرح تروتازہ ہو جاتے تھے۔ اگر دور دست مقامات سے بھی جہاد کا آوازہ غیرت مندانِ اسلام کے کانوں میں پہنچتا تھا تو وہ دیوانہ وار دشت و کہسار میں دوڑ پڑتے بلکہ شہباز کی طرح اڑنے لگ جاتے، آیا جہاد کے معاملے کو عظمتِ شان کے باوجود حیض ونفاس کے مسائل پڑھنے پڑھانے سے بھی کم تر سمجھ لیا گیا؟

بیعت کرنے کے بعد اس سے انحراف کرنے والوں کے مسئلے پر بحث کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ یہ امر خود انحراف کرنے والوں کیلئے موجب گناہ ہوگا۔ امام کی امامت کو اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ کیا یہ معلوم نہیں کہ محض نوکروں کی بے وفائی یا صوبیداروں اور سپہ سالاروں کی غداری کی بناء پر کسی بادشاہ یا فرمانروا کی بادشاہی ختم نہیں ہو جاتی؟

خلاصہ مطالب

جہاد کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا، اسکے مرکزی نکات پر پھر ایک مرتبہ نظر ڈال لیجئے:

۱۔ سید صاحب کے نزدیک اسلامی قوت کے زوال واضمحلال کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں میں روحِ اسلام اور روحِ جہاد باقی نہیں رہی تھی، یہی روح دوبارہ پیدا کرنا سید صاحب کا اصل مقصد تھا۔

۲۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ کلمۃ اللہ سر بلند ہو، سید المرسلینؐ کی سنتیں تازہ ہو جائیں اور بلادِ اسلامی کو غیر مسلموں کے تصرف سے آزاد کرا لیا جائے۔ انہیں اغراض کے پیش نظر انہوں نے جہاد کے لئے دعوتِ عام دے کر مسلمانوں کی تنظیم شروع کی تھی۔

۳۔ وہ صرف سکھوں سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بھی لڑنا چاہتے تھے، اس لئے کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بلادِ اسلامی کا بدرجہا بڑا حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا، نیز وہ انگریزوں کو زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔

۴۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سارے ہندوستان میں شریعتِ حقہ کی حکومت قائم کریں پھر اس نظام کو اقطارِ عالم میں پھیلائیں۔

۵۔ وہ اس کام کو صرف رضائے باری تعالیٰ کے لئے پورا کرنا چاہتے تھے، دنیوی مال و دولت یا جاہ و منصب یا حکومت و ریاست کا وسوسہ بھی ان کے دل میں نہیں گذرا تھا۔

۶۔ مسلمانوں نے سید صاحب کی تحریکِ جہاد سے اختلاف کیلئے جو عذر تراشے وہ ان کی بے ہمتی یا مقاصدِ دین سے ناآشنائی یا احکامِ دین کی تحریف پر مبنی تھے، اس لئے سراسر بودے اور بے بنیاد تھے۔

اب صرف ایک مسئلہ باقی رہ گیا اور وہ یہ کہ سید صاحب نے کن وجوہ سے سرحد کو مرکزِ جہاد بنایا اور اس طرح سکھوں کے ساتھ سب سے پہلے ٹکر ہوئی؟ اس معاملے پر آئندہ باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پچیسواں باب:

سرحد کو کیوں مرکز بنایا؟

سید صاحب کا بیان

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ سید صاحب نے مرکز جہاد کے لئے صوبہ سرحد کو کیوں منتخب کیا؟ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور رفیقوں سے طویل مشوروں کے بعد یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ ایک مرتبہ اہل سرحد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم آپ کے ملک میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آئے اور یہ سمجھ کر یہاں اترے کہ اس ملک میں مسلمان آباد ہیں ان سب کے اتفاق سے دین کا کام درست کریں۔

میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی ایسی مامون جگہ ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے جاؤں اور تدبیر جہاد کروں۔ باوجود اس وسعت کے کہ صدہا کروہ میں ملک ہند واقع ہے، کوئی جگہ لائق ہجرت میرے خیال میں نہ آئی، کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اس ملک (یعنی ہندوستان) میں جہاد کر، جو کچھ مال، خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہوں ہم دیں گے، مجھ کو منظور نہ ہوا، اس لئے کہ جہاد موافق سنت کے چاہئے، بلوا کرنا منظور نہیں۔

آپ کے اس ملک کے ولایتی بھائی (اہل سرحد) بھی وہاں حاضر تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کام کے لئے خوب ہے، اگر آپ وہاں چل کر کسی جگہ مقام پکڑیں تو لاکھوں مسلمانوں دل و جان سے آپ کے شریک ہوں گے، خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا سچ ہے بہتر یہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کے اتفاق سے جہاد کریں۔

ہندوستان کی حالت

اس سے ظاہر ہے کہ سید صاحب اولاً اس وجہ سے سرحد کی طرف متوجہ ہوئے کہ ہندوستان میں انہیں کوئی آزاد یا مامون مقام نظر نہ آیا، جسے مرکز بنائیں۔ اگرچہ ان کے ہندوستانی دوست چاہتے تھے کہ اسی ملک میں کسی جگہ بیٹھ کر جہاد شروع کیا جائے اور وہ ہر قسم کی امداد دینے کے لئے تیار تھے۔ ثانیاً اس وجہ سے سرحد کو پسند فرمایا کہ وہاں مسلمانوں کی بھاری جمعیت موجود تھی، اور وہ لوگ رزم و پیکار میں اونچی شہرت کے مالک تھے، نیز سکھوں کے حملوں کے باعث وہ تنگ تھے، اس لئے جلد سے جلد جہاد میں شمولیت پر آمادہ ہو سکتے تھے اور خود ان کو مدد دے کر اغیار کے حملوں سے محفوظ کر دینا بہت ضروری تھا۔

اس وقت کے ہندوستان کا نقشہ سامنے رکھا جائے تو سید صاحب کے بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ہندوستان یا تو براہِ راست انگریزوں کے ماتحت تھا یا ان ریاستوں پر مشتمل تھا جو سید صاحب کے ایامِ طفلی ہی میں اپنی آزادی کھو کر انگریزوں کی دست نگر بن چکی تھیں، ان علاقوں میں سے کسی ایک کو مرکز بناتے تو اسلامی جہاد نہ رہتا، بلکہ بلوا بن جاتا، نیز جیسیوں الجھنیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ مثلاً انگریز اپنی عیاری سے مختلف طبقات میں تفرقہ پیدا کر کے سید صاحب کی تحریک کو ختم کرا سکتے تھے، اردگرد کی قوتوں کو ابھار کر خلاف کھڑا کر دیتے تو سید صاحب کا مرکزِ جہاد ہندوستان کے سمندر میں ایک بے حقیقت جزیرہ بن کر رہ جاتا، جسے باہر سے کوئی کمک نہ پہنچ سکتی۔

جن حکومتوں کو ایک حد تک آزاد سمجھا جاتا تھا، ان میں بھی انگریز اپنے دخل کا دروازہ کھول چکے تھے، مثلاً امیرانِ سندھ کی حکومت اور ان میں سے کوئی شخص صاحب ہمت نہ تھا، کہ بے باکانہ سید صاحب کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتا۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس وقت تک سید صاحب کے پاس اتنی قوت فراہم نہ ہوئی تھی کہ براہ راست انگریزی قوت سے ٹکر لے سکتے، اس غرض کے لئے وسیع ترتیبات ضروری تھیں اور ان کے لئے وقت درکار تھا۔

سرحد کی کیفیت

صرف سرحد ہی ایک ایسا علاقہ تھا جسے سید صاحب تحریک جہاد کے ابتدائی دور میں بہترین امیدوں کے ساتھ مرکز بنا سکتے تھے، اس لئے کہ:

۱۔ سرحد کی پوری آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی، ہندوستانیوں کا عام تصور یہ تھا کہ اہل سرحد بڑے جنگجو اور جانباز ہوتے ہیں، وہ لوگ خلوص کے ساتھ حمایت پر آمادہ ہو جاتے اور سید صاحب کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق جہاد کرتے تو نہ محض ان کا ملک اغیار کی دستبرد سے محفوظ ہو جاتا، بلکہ پنجاب کو بھی آزاد کرایا جا سکتا تھا اور ہندوستان کی آزادی کے لئے نہایت مؤثر تدابیر اختیار کی جا سکتی تھیں۔

۲۔ وہ لوگ سکھوں کے ظلم و جور اور ہجوم و یورش کا ہدف بنے ہوئے تھے، ان کے جذبات مجروح تھے اور ایسے لوگوں کو بآسانی دفاع و ہجوم کے لئے منظم کیا جا سکتا تھا۔

۳۔ ان کی آزادی چھنی نہ تھی، چھن رہی تھی، لہٰذا انہیں غیروں کی دستبرد سے بچانا، ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ضروری تھا، جن کی آزادی بہت پہلے چھن چکی تھی۔

۴۔ سرحد کے شمال اور مغرب میں دور دور تک اسلامی آبادیاں تھیں، ان سے پوری امداد کی امید ہو سکتی تھی یا کم از کم مخالفت کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

۵۔ سرحد کے مرکز کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی کہ دشمن صرف اسی حصے میں حملہ کر سکتا تھا، جسے سید صاحب نے محاذِ جنگ بنایا تھا، اطراف و جوانب یا عقب سے حملے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۶۔ سید صاحب پنجاب میں پیش قدمی کرتے تو وہاں کے مسلمانوں کی اکثریت کے علاوہ مظلوم ہندو آبادی بھی خیر مقدم کرتی، نیز دائیں جانب سے بہاول پور، سندھ اور بلوچستان کی حکومتیں معاون بن سکتی تھیں۔

یہ تمام حقائق ہر شخص پر بہ ادنیٰ تامل واضح ہو سکتے ہیں، اگرچہ افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ سید صاحب کی توقعات پوری نہ ہوئیں، اہل سرحد کی تبرد آزمائی اور جنگجوئی کی شہرت بھی محض سراب ثابت ہوئی، ان کی اسلامی حمیت بھی چنداں پائدار نہ نکلی اور سید صاحب کی عزیمت، جو اسلامیانِ ہند کی دوازدہ صد سالہ تاریخ میں بہترین متاع کی حیثیت رکھتی تھی، اہل سرحد کے قبائلی اوضاع و اطوار کی نذر ہو گئی۔ لیکن ظاہر عقل کی بناء پر سید صاحب کا فیصلہ ہر اعتبار سے محکم اور صائب و پختہ تھا، جو کچھ بعد میں پیش آیا، اس کا علم قبل از وقت علام الغیوب کے سوا کسی کو نہ ہو سکتا تھا۔

مولوی محمد جعفر تھانیسری کا بیان

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ہے:

> براہ دور اندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے، نواب لفٹنٹ گورنر جنرل بہادر اضلاع شمالی و غربی کو بھی اس تیاری جہاد سکھوں کی اطلاع دی گئی تھی، جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو، ہم ایسی تیاری کرنے کے مانع نہیں ہیں۔(۱)

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اُسے پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی اطلاع کے لئے کوئی گنجائش تھی؟ یہ افسانہ بھی اسی غرض سے تیار کیا گیا جس غرض سے سید صاحب کے مکاتیب میں تحریفات کی جسارت کی گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سید صاحب کا وطن رائے

(۱) تواریخ عجیبہ ص: ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بریلی اس وقت انگریزی سلطنت میں شامل نہ تھا بلکہ سلطنت اودھ میں شامل تھا۔

جدید نظریہ

ہمارے زمانے میں ایک نیا نظریہ پیدا ہوا اور وہ یہ کہ انگریزوں نے حسن تدبیر سے کام لے کر سید صاحب کے جہاد کا رُخ سکھوں کی طرف پھیر دیا تھا، یہ رائے اسی صورت میں درست مانی جاسکتی ہے کہ سید صاحب پہلے ہندوستان میں بیٹھ کر عازم جہاد ہوتے، حالانکہ ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی حصے میں بیٹھ کر شرعی جہاد کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی، اور انہوں نے خود تمام پہلوؤں پر طویل و عمیق غور وفکر کے بعد مرکز کیلئے علاقہ سرحد تجویز کیا تھا۔ اس سلسلے میں سکھوں سے ٹکرانا گزیر ہوگئی، یہاں انگریزوں کے حسن تدبر یا حسن تدبیر کا موقع کہاں سے نکل آیا؟

حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب کے مقاصد وعزائم ہی نہیں بلکہ احوال وظروف سے بھی ناواقفی کے باعث لوگ نئی نئی قیاس آرائیاں کرتے رہے، اگرچہ سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ سید صاحب کے احوال سے آگاہی حاصل کی جاتی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھبیسواں باب:

سفرِ ہجرت (۱)

از رائے بریلی تا اجمیر

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق صد منزل است و منزل اول قیامت است

مالوفات کی قربانی

ایک برس اور دس مہینے دعوت وتہیہ جہاد میں بسر ہوئے۔ ۷ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (مطابق ۱۷ر جنوری ۱۸۲۶ء) کو دوشنبہ کے دن سید صاحب نے راہ ہجرت میں قدم رکھا اور اس سرزمین سے ہمیشہ کے لئے مفارقت اختیار فرمائی جس کے محبت پرور ماحول میں زندگی کی چالیس بہاریں گزاری تھیں، اور جس کے چپے چپے کے ساتھ قلبی وابستگی کے بیسیوں رشتے قائم تھے، یہ فریضۂ جہاد کی بجا آوری کا پہلا مرحلہ تھا۔

انسان کا دل مالوفات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، ماں باپ کی محبت، بال بچوں کی محبت، گھر بار اور مال ودولت کی محبت، احباب واقربا کی محبت، ان میں سے کون سا رشتہ ہے جسے بے تکلف بہ طیبِ خاطر توڑا جاسکتا ہے؟ لیکن ایک رشتہ اور بھی ہے جو ان سب پر فائق وبرتر اور مومنِ صادق کیلئے سب سے بڑھ کر جاذب وگہرا ہے۔ وہ ہے مرضاتِ الٰہی کا رشتہ، جس کی خاطر تمام دوسرے رشتہ ہائے محبت کو ایک لمحے کا توقف کئے بغیر توڑ دینا چاہئے۔ سرفروشانِ حق اس دشوار امتحان گاہ سے ہمیشہ کامگار وفائز المرام گذرے ہیں، ان کا دامنِ عبودیت راستے کے کانٹوں میں کبھی نہ الجھا، ان کے قلبِ صافی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آئینے پر علائقِ دنیا کی کوئی گرد کبھی نہ جمنے پائی۔

سید صاحب کی حالت

سید صاحب سراپا محبت تھے، ایک سلیم الفطرت انسان کی طرح ان کے دل میں بھی وطن اور اقربا کے لئے بڑی سے بڑی تڑپ موجود تھی، اگرچہ ان کا گھرانا دنیوی مال و جاہ کا کبھی طلب گار نہ ہوا، اور اس متاع کا سد کے لئے اس کے ہاتھ کبھی کسی کے سامنے نہ پھیلے، تاہم دینی و روحانی دولت مندی نے اس گھرانے کے لئے رفعتِ ذکر اور پذیرائی عامہ کے ایسے دروازے کھول دیے تھے، جو علم و فضل اور امر و حکم کی اونچی مسندوں پر بیٹھنے والوں کے لئے بھی باعث رشک تھے۔ خصوصاً سید صاحب کے لئے ارادت کا تو یہ عالم تھا کہ اکابر عز و عظمت اپنی ہر متاع عزیز اخلاص مندی سے دامن میں ڈالے ہوئے اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ یہ بزرگ حسنِ التفات و قبول سے اسے مشرف فرمائے۔

سید صاحب گھر بیٹھے راحت و فراغت کی ایسی زندگی بسر فرما سکتے تھے، جو اکثر حکمرانوں کو بھی نصیب نہ تھی۔ پھر کیوں انہوں نے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا اور کس وجہ سے اپنے لئے حد درجہ تکلیفوں، مشقتوں اور پریشانیوں کا راستہ پسند فرمایا؟ یہ سلطان فرض کا حکم تھا، یہ خدائے پاک کی خوشنودی کا عشق تھا، جس کی خاطر کنارہ کش ہوئے، گویا ان سے کبھی جان پہچان ہی نہ تھی:

آں کس کہ ترا بخواست جاں را چہ کند	فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی، ہر دو جہاں می بخشی	دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ.

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(اے پیغمبر) کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت، جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکان جو تمہیں پسند ہیں، غرض یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے، وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

سید صاحب عزم وہمت کا پیکر تھے، وہ اپنی زندگی رضائے باری تعالیٰ کیلئے وقف کر چکے تھے، انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو خدائے پاک کی رضا کے مطابق تھی، اگر اس میں مالوفات کا خون کئے بغیر قدم نہیں رکھا جا سکتا تھا تو سید صاحب خون کے اس دریا میں سے یوں گذر گئے گویا یہ فصل بہار کا طوفانِ رنگ تھا۔

زادِ راہ

راوی کہتے ہیں کہ روانگی سے پیشتر خادمہ کی معرفت تہ خانے میں سے رقم نکلوائی گئی تو دس ہزار روپے نکلے۔ سید صاحب نے ان میں سے پانچ ہزار بیبیوں کے حوالے کر دیے اور پانچ ہزار اپنے لئے رکھے۔ چھوٹی چھوٹی رقمیں تھیلیوں میں سلوائیں اور یہ تھیلیاں مختلف غازیوں کی کمروں میں باندھ دیں۔ جن غازیوں کو ساتھ لیا، ان کی تعداد پانسو اور چھ سو کے درمیان تھی۔ دیکھی شانِ عزیمت کہ پانچ ہزار روپے اور پانچ ساڑھے پانسو غازی لے کر اس ارادے سے گھر بار چھوڑ کر ہندوستان کی تطہیر کو پایۂ تکمیل پر پہنچایا جائے؟ اربابِ دانش وتدبیر کی نگاہوں میں یہ سروسامان کیا وقعت حاصل کر سکتا ہے؟ لیکن قوتِ عزم وایمان کے کرشمے دیکھئے کہ سرحد پہنچ کر کام شروع کیا تو ساڑھے چار برس تک پنجاب کی طاقتور حکومت کو معرضِ اضطراب میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ وہ ایک موقع پر پورا سرحدی علاقہ دے کر صلح کر لینے کے لئے تیار ہوگئی تھی۔ اگر اپنوں کی غرض

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پرستیاں رخنہ انداز نہ ہو جاتیں تو معاملہ اسی زمانے میں تکمیل کی آخری منزل پر پہنچ جاتا، ساز و برگ کی فرد مائیگی ارباب عزیمت کی عناں گیر کبھی نہ ہوئی، انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ساتھی کتنے ہیں، اور سامان کی مقدار کا درجہ کیا ہے، وہ ہمیشہ فرض کی پکار سن کر میدانِ عمل میں پہنچ جاتے ہیں، پھر جو کچھ پیش آتا ہے اسے صبر و شکر سے قبول کر لیتے ہیں۔

نہ برگ و ساز کی پروا، نہ انتظار رفیق	یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
اگر خدا پہ بھروسا ہے، ہو یگانہ رواں	خدا سے بڑھ کر نہیں برگ و ساز کی توفیق

اہل و عیال

سید صاحبؒ نے ہجرت کی تھی، اس لئے اہل و عیال کو بھی وطن سے نکال لینے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن انہیں اس وجہ سے ساتھ نہ لیا کہ راستے کے احوال و مشکلات کا کوئی اندازہ نہ تھا، نہ یہ معلوم تھا کہ جس مقام پر پہنچنا ہے، اس کی کیفیت کیا ہے۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ کوئی موزوں امن دستیاب ہوتے ہی اہل و عیال کو بلا لیں گے۔ اس وقت غالباً خیال نہ ہوگا کہ دونوں بیبیوں اور بچوں سے یہ آخری ملاقات ہے، قضا و قدر کا حکم یہی تھا کہ ۷؍ جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ کو بچھڑنے کے بعد پھر اس دنیا میں یکجائی نصیب نہ ہو۔ یہ سب کچھ ایک سرگزشت کی حیثیت میں پڑھ لینا شاید چنداں شاق نہ گذرے، لیکن اندازہ کر لینا چاہئے کہ اس مردِ حق کے حساس قلب کی کیا حالت ہوگی جو سراپا محبت تھا، مگر ایک ایک محبوب رشتے کو خدا کی راہ میں بے تکلف توڑ توڑ کر پھینک رہا تھا۔

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ سید صاحب پانچ ہزار روپے اس غرض سے ازواج کو دے گئے تھے کہ ان کے گزارے کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا اور انہیں بھی وطن چھوڑ کر غربت میں زندگی کے دن بسر کرنے تھے۔ سید صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد نیاز مندوں نے ازواج کی خدمت میں بطور خود بھی رقمیں پیش کی ہوں گی، جب ازواج

سندھ پہنچ گئیں اور انہیں لشکرِ اسلام کی عسرت کا علم ہوا تو بڑی بی بی صاحبہ نے دس ہزار روپے کی رقم ہنڈیوں کی شکل میں عیسیٰ خیل اور کالا باغ کے راستے حاجی بہادر شاہ خاں کے ہاتھ سید صاحب کے پاس بھیج دی، گویا پورا خاندان ایثار و قربانی میں سید صاحب کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔

جذبۂ ایثار و خدمت

ہجرت کی خبر روانگی سے بہت پہلے مشہور ہو چکی تھی، ہندوستان میں یہ اقدام اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل یگانہ تھا۔ ممکن ہے پہلے مختلف لوگوں نے وطن کی سکونت ترک کر کے اجنبی سرزمین میں سکونت اختیار کی ہو، لیکن جہاد کی نیت سے ہجرت کا عزم کسی نے نہ کیا تھا، اس لئے جہاں جہاں یہ اطلاع پہنچتی رہی، لوگ جوق جوق زیارت کے لئے تکیہ شریفہ میں آنے لگے۔ وہ سب، کچھ نہ کچھ بطور ہدیہ لاتے ہوں گے، لیکن ہمیں اس بارے میں یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ شیخ فرزند علی رئیس غازی پور، سید صاحب کے قدیمی نیاز مند تھے، وہ آئے تو دو خوبصورت گھوڑے، وردی کے بہت سے کپڑے اور چالیس جلد خوبصورت قلمی قرآن لے کر آئے، ساتھ اپنے فرزند عزیز شیخ امجد علی کو لائے، جو سید صاحب کے ساتھ گئے، جنگ اوتمان زئی میں "زندہ شہید" کا خطاب پایا، بالاکوٹ میں سید صاحب کے ساتھ شرف یابِ شہادت ہوئے۔

شیخ غلام علی رئیس الٰہ آباد کی شانِ عقیدت کے بعض واقعات سفرِ حج کے سلسلے میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ ہجرت کے موقع پر وہ آئے تو قسم قسم کے اسلحہ، خیمے، گھوڑے، کپڑوں کے تھان، کتابیں، قلمی قرآن مجید، برتن سید صاحب کیلئے پوشاکیں اور نقد روپیہ لائے، ایک خیمہ مسجد کی شکل کا خاص سید صاحب کیلئے تیار کرایا تھا، اُسے مع فرش نذر کیا۔ جب سنا کہ سید صاحب راجپوتانہ اور سندھ کے راستے سرحد جائیں گے اور اس راستے کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کنوؤں میں پانی بہت گہرا ہوتا ہے تو شیخ صاحب نے بیسیوں چھوٹے چھوٹے ڈولچے بنوائے، ان کیلئے لمبی رسیوں کا انتظام کیا اور یہ سب چیزیں غازیوں میں تقسیم فرمادیں۔

تاریخ ہجرت

جہاد کی غرض سے سید صاحب کی روانگی کی دو تاریخیں حکیم مومن خاں نے کہی تھیں:

جو سید احمد امام زماں واہل زماں — کرے ملاحدہ بے دین سے ارادۂ جنگ

تو کیوں نہ صفحۂ عالم پہ لکھے سالِ وغا — "خروج مہدی کفار سوز" کلکِ تفنگ

۱۲۴۲ھ

گلاب ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ — کہ فکرِ مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثر ہے

وہ کون امامِ جہان و جہانیاں احمد — کہ محض مقتدیٔ سنتِ پیمبر ہے

زمیں کو مہر فلک سے نہ کیوں ہو دعوائے نوری — کہ اس کا رایتِ اقبال سایہ گستر ہے

زبسکہ کام نہیں اُسے سوائے جہاد — جو کوئی اس سے مقابل ہے سو وہ کافر ہے

وہ بادشاہِ ملائک سپاہِ کوکبِ دیں — کہ نورِ شمس وقمر جس کی گردِ لشکر ہے

وہ شعلہ خصلت وکستاد سوز وکفر گداز — کہ جس کا نقشِ قدم مہرِ روزِ محشر ہے

وہ برقِ خرمنِ اربابِ شرک واہلِ ضلال — کہ شعلہ خوشۂ حاصل تو دانہ اخگر ہے

وہ قہرمانِ فلک توسن ونجوم حشم — کہ ترک چرخ غلام اسکا مہر چاکر ہے

وہ شاہ مملکتِ ایماں کہ جسکا سالِ خروج — "امام برحق مہدی نشاں، علی فر" ہے

ایک اور شاعر نے بھی روانگی کی تاریخ کہی تھی، اس کے شعر اچھے نہ سہی، لیکن یادگار کے طور پر اس کے شعر بھی محفوظ رہنے چاہئیں:

بہ عزمِ جہاد آں شہِ ملک و دیں — کہ شد احمدِ عصر نامش غریب

چو بر بست رختِ سفر شد سوار — گرفت از پس و پیش فوجِ حبیب

بہ بحر تفکر شدم غوطہ زن   درسال آں تا کہ گردد نصیب

بریدہ سرِ کفر و پائے عدو   بہ آہنگ راحت فزائے عجیب

سرد شئے ندارد از بامِ چرخ

کہ نصر من اللّٰہ فتح قریب

"نصرٌ من اللّٰہ فتحٌ قریب" کے اعداد میں سے کفر کا سر "یعنی کاف" اور عدو کے پاؤں یعنی "واؤ" کے اعداد منہا کر دیے جائیں تو صحیح تاریخ نکل آئے گی۔

روانگی

سید صاحب نے ۷ رجمادی الثانی کو خیمہ سئی ندی کے کنارے لگوایا، دن بھر دوستوں اور عزیزوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، رات کے وقت کشتی میں بیٹھ کر ندی کو عبور کیا اور دوسرے کنارے پہنچ کر شکرانے کے دو نفل پڑھے۔ شکرانے کا اس سے بڑا موقع کیا ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و خوشنودی کے راستے میں قدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور مالوفات کی کوئی شئے اس عزم کے سلسلے میں دامن گیر نہ ہوسکی۔ قرابت داروں میں سے عورتیں اور مرد رات بھر ندی کو عبور کر کے ملاقات کے لئے پہنچتے رہے، مفارقت سب پر شاق گذر رہی تھی، لیکن سید صاحب سکون و اطمینان کے ساتھ سب سے باتیں کرتے رہے، اگر چہ جانتے تھے کہ اس دنیا میں دوبارہ ملنے کی صورتیں صرف دو ہیں: اول یہ کہ تمام قرابت دار خود سید صاحب کی طرح ہجرت کی راہ اختیار کریں، دوم یہ کہ سرحد سے رائے بریلی تک ہندوستان اغیار سے پاک ہو جائے۔

جو مجاہدین ساتھ جا رہے تھے، انہیں سرسری طور پر چار جماعتوں میں بانٹ لیا تھا، پہلی جماعت خود سید صاحب کے ساتھ روانہ ہوئی۔ چار روز بعد دوسری جماعت نے اللہ بخش خاں مورانوی کے زیر قیادت سفر اختیار کیا۔ پھر تیسری جماعت کچھ وقفے کے بعد نکلی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور آخر میں چوتھی جماعت، اس طرح تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجاہدین روانہ ہوئے۔

۸- جمادی الثانی کو دلموٗ میں قیام فرمایا اور ۹- کو فتح پور میں اترے۔ شیخ غلام علی اور شیخ فرزند علی یہیں سے رخصت ہو کر چلے گئے تھے، لیکن شوق کی بیتابی چین نہیں لینے دیتی تھی۔ دوبارہ زیارت کیلئے فتح پور پہنچ گئے اور شیخ غلام علی نے پورے قافلے کی مہمانداری کا انتظام اپنے ذمے لے لیا۔

فتح پور سے چلے تو بہوا میں منزل کی، چلہ تارا کے گھاٹ سے جمنا کو عبور کیا پھر دو سر منڈا میں تین روز ٹھہرے، بعد ازاں جلال پور اور جالون ہوتے ہوئے گوالیار پہنچ گئے۔ (۱)

غالباً جالون میں یہ خبر پہنچی تھی کہ سید صاحب کے بھانجے سید حمید الدین کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے جس کا نام محمد سعید رکھا گیا اور سید حمید الدین سید صاحب کے ساتھ تھے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مردانِ راہِ حق رضائے باری تعالیٰ کے عشق میں کس اونچے مقام پر پہنچ گئے تھے، اور انہوں نے دنیوی علائق کے عزیز ترین رشتوں کو بھی بے تکلف اس عشق کی تابعیت میں دے دیا تھا۔

گوالیار

گوالیار میں سید صاحب کے کئی عقیدت مند موجود تھے، ان میں سے غلام حیدر خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو پہلے نواب امیر خاں کے ساتھ تھے، اور اسی زمانے میں سید صاحب کے گہرے دوست بن گئے تھے۔ جب نواب کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا تو غلام حیدر خاں مہاراجا سندھیا کے لشکر میں اونچے عہدے پر مامور ہو گئے۔ ان کے نام سید صاحب کا ایک مکتوب بھی مجموعۂ مکاتیب میں موجود ہے۔ راجا ہندو راؤ بھی سید صاحب کا بہت معتقد تھا، یہ دولت راؤ سندھیا کی مہارانی کا بھائی تھا، اس زمانے میں

(۱) اس سفر میں کالپی سے قریب ایک مقام "آٹا" میں بھی ٹھہرنے کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ریاست کا سارا انتظام ہندو راؤ ہی سے متعلق تھا، دولت راؤ بیمار تھا۔(۱)

گوالیار میں سید صاحب کو فتح علی خاں کے باغ میں ٹھہرایا گیا، مہاراجہ کی طرف سے مہمانداری کا پورا انتظام تھا۔ کئی مرتبہ ہندو راؤ نے دعوتیں کیں، ایک دعوت کی تفصیل راویوں نے یوں بیان کی ہے کہ مرہٹی کھانا پکوایا، شیر مال، پراٹھے، پلاؤ، تنجن، قلیہ، فیرینی، یاقوتی، کباب، پسندے، مرغ بریاں وغیرہ بھی تیار کرائے۔ سید صاحب اور بعض بلند پایہ ساتھیوں کے ہاتھ ہندو راؤ نے خود دھلوائے، کھانے کے بعد جو پان پیش کیے وہ سب ورقِ طلا میں ملفوف تھے، بہت سے تحائف خوانوں میں لگا کر نذر کیلئے لائے گئے، ان میں موتیوں کا ایک بیش بہا ہار اور دو چغے بھی تھے، جن پر زری کا نہایت عمدہ کام تھا۔

مہاراجا سے ملاقات

دولت راؤ بیماری کے باعث خود حاضر خدمت نہیں ہوسکتا تھا، اس وجہ سے سید صاحب کو محل میں بلایا۔ جو غازی آپ کے ساتھ گئے، انہیں محل کے ایک بڑے کمرے میں بٹھایا گیا، پھر ہندو راؤ سید صاحب کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے آپ کو مہاراجا کے کمرے میں لے گیا۔ بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، جن کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ راوی صرف اتنا بتاتے ہیں کہ مہاراجا نے عرض کیا: حضرت! سنا ہے آپ کی توجہ میں بڑی تاثیر ہے، لطفاً مجھے بھی اس سے سرفراز فرمایئے۔ سید صاحب نے بے توقف فرمایا کہ توجہ تقرب الی اللہ کی بناء پر مؤثر ہوتی ہے، کفر اور تقرب یکجا نہیں ہوسکتے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک قوت بخش غذا ہے، اگر تندرست اور صحیح البدن آدمی کھائے گا تو اس

(۱) دولت راؤ سندھیہ ریاست کا مالک تھا، وہ بعارضۂ استسقاء ۲۱ر جون ۱۸۲۷ء کو فوت ہوا۔ اس کی بیوی مہارانی بیجا بائی سرجے راؤ گھاٹکے کی بیٹی تھی، اور اپنے زمانے کی مشہور مہارانی تھی۔ ہندو راؤ بیجا بائی کا بھائی تھا، جس کے نام سے دہلی میں ہندو راؤ کا باڑہ مشہور ہے۔ رانی کی ذاتی جائداد تین کروڑ کی بیان کی جاتی ہے، اس کے بچہ کوئی نہ تھا، اور دستور کے مطابق اس نے جنکوجی سندھیہ کو متبنٰی بنا لیا تھا۔ ۱۸۶۳ء میں رانی فوت ہوئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی قوت بڑھے گی، لیکن اگر وہ ایک بیمار اور ضعیف الہضم آدمی کو دی جائے گی تو اسے سازگار نہ ہوگی۔

مہارانی پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی، اس نے عرض کیا کہ آپ ایک سال گوالیار میں قیام فرمائیں، تمام ساتھیوں کی مہمانداری ہمارے ذمے ہوگی۔ سید صاحب نے فرمایا: یہ ہو نہیں سکتا۔ پھر مہارانی نے کہا کہ اچھا اتنی مدت کے لئے ٹھہر جایئے کہ آپ کے لشکر کے لئے پورا سامان فراہم کیا جا سکے۔ سید صاحب یہ بات بھی نہیں مان سکتے تھے، اس اثناء میں نمازِ عصر کا وقت آ گیا، شیخ باقر علی نے اذان کہی، ہندو راؤ کے حکم سے فوراً سے آ گئے، جنہوں نے سب غازیوں کو وضو کرایا، سید صاحب نے نماز پڑھائی، پھر مہاراجا سے رخصت ہو کر چلے آئے۔

افغانستان کے شاہی خاندان کا ایک شہزادہ گوالیار میں ٹھہرا ہوا تھا، سید صاحب نے اس کیلئے مہاراجا سے پرزور سفارش کی۔ شہزادے نے درخواست کی کہ میری لڑکی کو نکاح میں لے لیجئے سید صاحب نے فرمایا مجھے نکاح کی ضرورت نہیں، البتہ میرے بھانجوں یا بھتیجوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح منظور ہو تو قبول کرتا ہوں۔ شہزادے نے یہ بھی قبول کرلیا، جب ٹونک سے سید صاحب نے اپنے بھانجے سید عبدالرحمٰن کو اس غرض سے رائے بریلی بھیجا تھا کہ اہل وعیال کو ساتھ لے آئے تو ایک خط اس شہزادے کے نام بھی لکھ دیا تھا، یہ خط راستے میں بھیگ کر خراب ہو گیا اور سید عبدالرحمٰن شہزادے سے ملے بغیر پہلے ٹونک پھر سندھ چلے گئے۔

غازیوں کی جماعتیں

غازیوں کی سرسری جماعت بندی روانگی سے پیشتر رائے بریلی میں کرلی گئی تھی، گوالیار پہنچ کر انہیں باقاعدہ پانچ جماعتوں میں تقسیم کیا۔ قیام وسفر میں ہر جماعت کو اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تقسیم کے مطابق عمل پیرا ہونے کا حکم ہو گیا، پانچوں جماعتوں کے الگ الگ سر عسکر مقرر فرما دیے، تقسیم یوں ہوئی:

۱۔ جماعتِ خاص: یہ جماعت قیام و سفر میں قلب لشکر سمجھی جاتی تھی اس کے سر عسکر مولوی محمد یوسف پھلتی قرار پائے، جو سید صاحب کے ساتھ شیفتگی میں سب پر فائق اور تمام امور کے مہتمم خاص تھے۔ خود سید صاحب بھی اسی جماعت کے ساتھ چلتے اور ٹھہرتے تھے۔

۲۔ مقدمۃ الجیش: یہ جماعت سب سے آگے رہتی تھی، اس کے سر عسکر شاہ اسماعیل مقرر ہوئے۔

۳۔ میسرہ: اس جماعت کے اصل سر عسکر سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب تھے، چونکہ انہیں بعض ضروری کاموں کے سرانجام کیلئے ٹونک میں چھوڑ دیا تھا، اس لئے شیخ بڈھن ان کی جگہ نیابۃً سر عسکر بن گئے۔

۴۔ میمنہ: اس جماعت کے سر عسکر امجد خاں رئیس لکھنؤ تھے۔

۵۔ ساقۃ الجیش: یہ جماعت چھکڑوں اور گاڑیوں کے ہمراہ چلتی تھی، سب سے پہلے روانہ ہو کر عموماً سب کے بعد منزل پر پہنچتی تھی، اسکے سر عسکر اللہ بخش خاں مورانوی تھے۔

سید صاحب نے یہ بھی ارشاد فرما دیا تھا کہ باربرداری کا انتظام شاہ اسماعیل اور سید محمد یعقوب باری باری کرتے رہیں، بعد میں جماعتوں کی تعداد بڑھ گئی۔ جو متفرق اصحاب شامل ہوتے تھے، انہیں امجد خاں کی جماعت میں رکھا جاتا تھا۔ جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں کو پہلے کہا جاتا تھا۔

گوالیار سے ٹونک تک

سید صاحب نے جمعہ کی دو نمازیں گوالیار میں ادا کیں، یعنی کم از کم دس بارہ دن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضرور ٹھہرے۔ سندھیا نے جو نذر پیش کی، اس کی پوری کیفیت معلوم نہیں، روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ تین گٹھے کپڑوں کے تھے، جنہیں دو دو آدمی اٹھاتے تھے، اور تین خریطے نقدی کے تھے۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو ایک ہفتے میں قرولی پہنچے، قیام کا ارادہ نہ تھا، لیکن کسمنڈی کے رئیس جلال الدین وہاں مقیم تھے، انہوں نے بہ اصرار ایک رات کے لئے روک لیا اور پورے لشکر کو کھانا کھلایا۔ پھر خوش حال گڑھ، داتولی، ٹھاڑی جھلائی ہوتے ہوئے چھ روز میں ٹونک پہنچ گئے۔ میرا اندازہ ہے کہ رائے بریلی سے ٹونک تک پورے سفر میں تقریباً ایک مہینہ صرف ہوا، اس لحاظ سے سید صاحب رجب کے آس پاس ٹونک پہنچے ہوں گے۔

ھنڈاڑی میں ایک فقیر نہایت نامناسب انداز میں لوگوں سے سوال کر رہا تھا، سید صاحب نے اسے بلوا کر ایسے پُرتاثیر انداز میں نصیحت فرمائی کہ اس نے فوراً بیعت کر لی اور مجاہدین میں شامل ہو گیا۔ پہلا نام معلوم نہیں، سید صاحب نے اس کا نام عبداللہ رکھا، اور محمد سعید خاں جہان آبادی کے جیلے میں داخل کر دیا۔ سرحد ہی میں اس نے شہادت پائی۔

قیامِ ٹونک

سید صاحب راجپوتانہ کے راستے سرحد جانے کا فیصلہ پہلے کر چکے تھے، یہ سنتے ہی نواب امیر خاں اور ان کے فرزند ارجمند نواب وزیر الدولہ نے بڑے اہتمام سے دعوت دے دی تھی، کہ ٹونک ضرور ٹھہریں۔ نظر باغ قیام کے لئے مقرر ہوا، سید صاحب کے پہنچتے ہی نواب صاحب اور ان کے فرزند گھوڑوں پر سوار ہو کر زیارت کے لئے آئے، عصر اور مغرب کی نمازیں سید صاحب کے ساتھ ادا کیں اور ایک مہینے سے زائد اپنے ہاں ٹھہرائے رکھا۔ سید صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں ایک نہایت عمدہ عربی گھوڑا نواب کو تحفے کے طور پر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس وقت تک اہل وعیال کو ٹھہرانے کے لئے کوموزوں مقام تجویز نہیں ہوا تھا، نواب امیر خاں کے اصرار پر فیصلہ کیا گیا کہ جب تک کوئی بہتر اور مستقل جائے سکونت تجویز ہو، اہل وعیال ٹونک میں ٹھہریں۔ چنانچہ سید صاحب نے سید عبدالرحمٰن (خواہر زادۂ سید صاحب) سید محمد یعقوب (برادر زادۂ سید صاحب) اور سید زین العابدین (ابن سید احمد علی خواہر زادۂ سید صاحب) کو وطن روانہ کر دیا کہ مستورات کو لے آئیں۔ یہ لوگ شوال تک رائے بریلی میں ٹھہرے رہے اور غالباً ذی قعدہ میں بریلی سے نکل کر اوائل ذی الحجہ میں ٹونک پہنچے۔ جب سید صاحب کا موکب شکار پور کے قریب تھا۔

یقین ہے کہ نواب امیر خاں نے اسلحہ اور دوسرے ساز وسامان کے علاوہ نقد روپیہ بھی خاصی مقدار میں سید صاحب کی نذر کیا ہوگا، مکاتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ روانگی کے وقت سید صاحب سے یہ اقرار بھی لے لیا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر مصارف کے لئے مجھے (نواب کو) اطلاع نہ دی گئی تو یگانگی کا معاملہ باقی نہ رہے گا۔(۱)

ہر مقام پر لوگ ذوق وشوق سے بیعت کرتے تھے، ٹونک کے بارے میں نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں:

> زمانے کہ آنحضرت بہ عزم جہاد توجہ فرمودند ودر دار الریاست والدم رونق افزا بودند، والدم ودیگر خلائق لاتعداد ولاتحصی بہ شرف بیعت مشرف گشتند۔(۲)

> **ترجمہ**: جب سید صاحب جہاد پر جاتے ہوئے میرے والد کے دار الریاست میں رونق افزا تھے تو میرے والد اور دوسرے بے شمار لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔

ٹونک سے نکل کر دریائے بناس کو عبور کیا اور گلوگھاٹ میں منزل ہوئی، پھر جھلانہ میں ٹھہرے۔ وصایا سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت کے وقت نواب امیر خاں اور نواب

(۱) مکاتیب سید صاحب ص: ۲۰۸ (۲) وصایا نصف ثانی ص: ۱۱۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وزیر الدولہ چار کوس تک ساتھ گئے۔(۱)

رسالدار عبدالحمید خاں

جھلانہ میں رسالدار عبدالحمید خاں کو ہدایت نصیب ہوئی، یہ بڑے بہادر اور جوانمرد تھے، ٹونک میں اچھا عہدہ مل گیا، بری صحبت میں بیٹھ کر فسق و فجور میں غرق ہو گئے، جھلانہ میں اپنے ایک اوباش رفیق کے ساتھ سید صاحب کا لشکر دیکھنے کیلئے راستے پر آ کھڑے ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لشکر کی عام حالت پر نظر پڑی تو استہزاء بھی کیا، سید صاحب نے انہیں دیکھا تو مسکرا کر فرمایا: "خان جیو! آپ بھی بیعت کر لیجئے۔" ساتھ ہی اپنا دست مبارک آگے بڑھا دیا۔ عبدالحمید خاں اور ساتھی پر ان چند لفظوں کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً بیعت کر لی، اسی لمحے سے پوری زندگی بدل گئی۔ ان کے ندیموں نے گمراہ کرنے کی ہر چند کوششیں کیں، لیکن عبدالحمید خاں راہِ حق پر جمے رہے، اور فیصلہ کر لیا کہ سید صاحب کا ساتھ دیں گے۔ ساتھیوں نے بہت روکا، لیکن وہ ملازمت چھوڑ کر سرحد پہنچے، تین برس سید صاحب کے ساتھ رہے، جنگ زیدہ کے بعد لشکر اسلام کے رسالدار بنا دیے گئے، مایار کی جنگ میں سخت زخم لگے، جن سے جانبر نہ ہو سکے، تورو میں انہیں دفن کیا گیا۔

ٹونک سے اجمیر تک چار منزلیں ہوئیں۔ نواب امیر خاں نے ایک بلند بالا گھوڑا چلتے وقت سید صاحب کو دیا تھا، آپ نے کئی مرتبہ کہا کہ یہ سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے گا، لیکن نواب صاحب فرماتے رہے کہ جو چیز نذر کر چکا ہوں اسے واپس نہ لوں گا۔ یہ گھوڑا اجمیر سے اگلی منزل پر پہنچ کر مر گیا۔

دادا ابوالحسن اور سید ابو محمد

اجمیر میں سید صاحب یقیناً چند روز ٹھہرے ہوں گے، وہاں مولوی سراج الدین اور

(۱) وصایا آصف ثانی ص: ۱۱۰

دوسرے عمائد نے بیعت کی۔

تکیہ شریف سے چلے تھے تو سید صاحب کے اقربا میں سے دو آدمی ساتھ تھے، ایک دادا ابوالحسن، دوسرے سید ابومحمد، جو سید صاحب کی زوجۂ اولیٰ زہرہ بی بی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ یہ دونوں نصیر آباد کے باشندے تھے، دلمؤ پہنچے تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ بھی جہاد کیلئے ساتھ جارہے ہیں؟ دونوں نے جواب دیا کہ نہیں، ہم تو صرف میاں صاحب(۱) کو چھوڑنے آئے ہیں۔ ایک دو منزل کے بعد پھر پوچھا تو اس وقت بھی یہی جواب دیا، ٹونک میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اب اجمیر قریب ہے، خیال ہے کہ اسے دیکھتے چلیں، لیکن اجمیر سے بھی واپس نہ ہوئے تو آشکارا ہوا کہ معیت کا پختہ ارادہ کر کے نکلے تھے، دونوں سرحد میں شہید ہوئے۔

مولانا عبدالحئی

اجمیر سے سید صاحب نے مولانا عبدالحئی کو بعض خاص کاموں کیلئے دہلی بھیج دیا۔ وہ کچھ مدت ٹھہر کر بلاوے پر دہلی سے پانی پت، کرنال، تھانیسر، ممدوٹ، بہاول پور وغیرہ کے راستے سرحد گئے۔ مولوی محمد جعفر مرحوم نے مولانا عبدالحئی کے اس سفر اور سید صاحب کے سفر ہجرت کو خلط ملط کرتے ہوئے لکھ دیا کہ سید صاحب اجمیر سے دہلی آئے، پھر پانی پت، کرنال وغیرہ کے راستے گئے،(۲) یہ صحیح نہیں ہے۔ سید صاحب نے اجمیر، مارواڑ اور سندھ کا راستہ اختیار کیا، جیسا کہ اگلے ابواب سے ظاہر ہوگا۔

منازل کے بارے میں ایک تحریر

سنی اوقاف دہلی کے ناظر سید محمد جعفر کے کتب خانے سے ایک تحریر ملی، جو حاجی صابر علی کے ذریعے سے شیخ غلام علی الٰہ آبادی کو بھیجی گئی تھی، وہ ذیل میں درج ہے:

(۱) خاندان کے لوگ سید صاحب کو میاں صاحب ہی کہتے تھے۔ (۲) تواریخ عجیبہ ص: ۳۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہر کہ خواہد کہ بہ لشکر سید احمد برسد ہمیں منازلہا اختیار کند انشاء اللہ تعالیٰ بہ آرام تمام خواہد رسید:

اول منزل ٹونک، مال پور (۱۲)، بھبولہ (۹)، کشن گڑھ (۹)، اجمیر (۸)، بریان (۱۲)، میرتھا (۸)، کھجوانہ (۱۰)، ناگور (۱)، علی (۷) از بلوشش (کذا) بر مکان چوبدار سنبولہ (۹)، بیکانیر بر مکان ریدار بخش (۸) کاناسر جلال سر (۸)، کیلتی (۸)، چھتر گڑھ، وسلی (۹)، بھوکرہ (۱۲)، بر مکان الٰہی بخش، اسیر گڑھ بہ مسجد، مژدہ (۸) خیر پور (۵)، بہاول پور (۱۲) از آنجا بہ ڈیرہ غازی خاں، از آنجا معلوم خواہد شد۔

> نوٹ: مقامات کے سامنے جو اعداد ہیں ان سے مراد یہ ہے کہ پہلے مقام سے یہ دوسرا مقام کتنے فاصلے (کوس) پر ہے۔
>
> محمد عمران قاسمی بگیانوی

گویا ٹونک سے اجمیر تک ۳۸ کوس اور پورا فاصلہ ۱۸۸ کوس ہوا۔ بعض مقامات میں قیام کی جگہیں بتادی گئیں۔ یہ بھی واضح کردیا گیا کہ بہاول پور سے ڈیرہ غازی خاں پہنچ جانا چاہئے، آگے کا راستہ بتانے والے لوگ وہاں موجود ملیں گے۔ لیکن واضح رہنا چاہئے کہ نہ یہ تحریر سید صاحب کی ہے اور نہ اسے سید صاحب کے منازل سفر میں شمار کیا جاسکتا ہے، ممکن ہے کہ کسی موقع پر کسی نیاز مند نے عازمین جہاد کی سہولت کیلئے یہ تحریر ہندوستان بھیج دی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی ترتیب و ارسال میں سید صاحب کا ایماء شامل ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ستائیسواں باب:

سفرِ ہجرت (۲)

از اجمیر تا شکار پور

در رہ منزلِ جاناں کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آں است کہ مجنوں باشی

اجمیر سے پالی

اجمیر سے پالی غالباً اڑتالیس کوس ہے۔(۱) اس زمانے میں سفر کی منزلیں یہ تھیں: تاگیلہ، گولی، چھوڑہ، کھوکھرہ، جاڈن اور پالی۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سید صاحب نے کونسا راستہ اختیار کیا اور کہاں ٹھہرے، صرف اتنا معلوم ہے کہ وسطِ رمضان میں آپ پالی میں تھے۔

پالی راجپوتانہ کا ایک بڑا تجارتی مرکز تھا، سید صاحب وہاں چار روز ٹھہرے رہے اور ۱۵-۱۶ رمضان کو روانہ ہوئے، وہاں دور نزدیک کے ہزاروں مردوں اور عورتوں نے بیعت کی تقریباً ایک سو آدمی روزے کی حالت میں گھروں سے چل پڑے کہ پالی پہنچ کر بیعت کریں۔ سید صاحب روانہ ہو چکے تھے، انہوں نے اگلی منزل پر پہنچ کر بیعت کی، سات آدمی دوسرے روز بھی ساتھ رہے۔

ایک بڑھیا اپنے گاؤں سے لمبی مسافت طے کر کے پالی پہنچی، سید صاحب نہ ملے تو وہ اپنے نواسے کو ساتھ لے کر پیچھے روانہ ہو گئی۔ کھٹیا گڑھ پہنچ کر بیعت کی اور پچاس روپے لشکر کی دعوت کے لئے پیش کئے۔

(۱) ایک روایت میں ہے: اجمیر از ٹونک چہل کروہ پالی از اجمیر پنجاہ کروہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پالی سے روانگی کے وقت پندرہ اونٹ اور تین چھکڑے (دو نواب امیر الدولہ کے اور ایک جماعت کا) کریم بخش گھانم پوری کے ہمراہ ٹونک بھیج دیے تھے، اسلئے کہ ریگ زار میں انہیں ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا۔ ایک ٹھیکہ دار ساتھ ہو گیا، جو ہر منزل پر مجاہدین کے لئے رسد کا انتظام کر دیتا اور ایک پیسہ فی روپیہ کمیشن لیتا۔

پالی سے سوراہا

پالی سے سوراہا تک یہ منزلیں ہوئیں:

۱۔ کھٹیا گڑھ

۲۔ سلاباس: یہ مقام جودھپور شہر سے چار کوس جنوب میں واقع ہے۔

۳۔ روپاباس: راستے میں خاردار جنگل سے گذرے، یہاں پانی کی بے حد قلت تھی، تین ہاتھ چوڑا ایک کنواں تھا، جس کا پانی ایک سو ہاتھ گہرا تھا اور سخت نمکین، لیکن چھ چھ کوس سے لوگ پانی کے لئے یہیں آتے تھے۔(۱)

۴۔ ارابو: سلاباس سے آٹھ کوس آگے، سید حمید الدین والیٔ جودھپور کی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس علاقے میں پانی کمیاب ہے، ایک کنواں تیار کرانے پر کم وبیش ایک ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں، لیکن جو کنوئیں موجود ہیں ان کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی اور صاف نہیں کرایا جاتا۔

۵۔ برسکری: ارابو سے آٹھ کوس پر ہے، یہاں ایک جھیل کے کنارے ٹھہرے، جو نصف کوس چوڑی اور پانچ کوس لمبی تھی اور اس کا پانی میٹھا تھا۔

۶۔ پانچ پودڑہ: ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے قیام کیا، یہاں بازار اور حویلیاں پختہ ملیں۔

---

(۱) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی رات روپاباس کے بعد لوناباس میں گذاری۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۷۔ تروڑ: راستے میں بالوترہ کو تین کوس پر بائیں ہاتھ چھوڑا اور ندی کے بہاؤ میں ٹھہرے، جس کا پانی اتنا نمکین تھا کہ جانوروں نے بھی اسے منہ نہ لگایا، مجبور ہو کر بہاؤ میں جا بجا دو دو تین تین ہاتھ گڑھے کھودے، تو بعض میں شیریں پانی نکل آیا۔

۸۔ چانڈرہ: راستے میں وحشت ناک خاردار جنگل سے گذرے، ریت اتنی زیادہ تھی کہ اس میں ایک کوس چلنے سے عام مسافت کے چار کوس کے برابر تکان ہوتی تھی۔ اس ریت کو مقامی اصطلاح میں "تھلی" (۱) کہتے ہیں یہاں بھی پانی بہت خراب ملا۔

۹۔ یامو: یہاں ایک پختہ کنواں مل گیا، جس پر حوض بنا ہوا تھا۔

۱۰۔ کوٹھدا بار: اس منزل کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

۱۱۔ باندرا: یہاں ایک گہرے تالاب کے عین کنارے پر ٹھہرے۔

۱۲۔ برسالہ: یہاں ایک گہرا کنواں تھا اور اس پر پختہ حوض بنا ہوا تھا، پانی نکالنے کیلئے ایک اجیر مقرر ہوا، آبادی پہاڑ پر تھی، ایسا پہاڑ سلا باس کے بعد پہلی مرتبہ نظر آیا تھا۔

۱۳۔ سوراہا: سوراہا میں شوال کا چاند دیکھا اور عید کے لئے ایک دن ٹھہرنا ضروری ہو گیا۔ ویسے بھی پالی سے آگے سوراہا تک مسلسل مسافت کے باعث لوگ بہت تھک گئے تھے اور انہیں ایک دن کیلئے آرام کا موقع دیدینا مناسب تھا، مجاہدین نے اس جگہ سید صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت جہاد کی، نیز حاضرین وغائبین کیلئے دعاء مانگی گئی۔

کھوسا بلوچ

مارواڑ کے اس حصے میں ڈکیتیوں اور غارت گریوں کا بڑا زور تھا، بلوچوں کے ایک قبیلے کو "کھوسا" کہتے تھے، یہ لوگ مختلف گروہ بنا کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ انگریزوں نے جب امیرانِ سندھ سے معاہدہ کیا تو اس میں ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ کھوسا بلوچوں

(۱) اس "تھلی" کو سندھ میں تھر (تھر پار کر) اور پنجاب میں "تھل" کہتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور دوسرے قزاقوں کے انسداد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ سید صاحب ۲؍شوال ۱۲۴۱ھ (۱۰؍مئی ۱۸۲۶ء) کو سوراہا سے بڑے تڑکے نکلے تو حفاظت کا پورا انتظام کرلیا تھا دو چار کوس پر جا کر نمازِ فجر کے لئے کھڑے ہو گئے تو پہریداروں نے دیکھا کہ تقریباً بائیس سوار اور چند پیادے دُور سے نمودار ہوئے۔ رہبر نے بتایا کہ یہ قزاق معلوم ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف تھوڑے سے آدمی سامنے آتے ہیں، باقی آس پاس چھپے رہتے ہیں، جب کسی قافلے سے لڑائی پیش آ جائے تو دوسرے لوگ بھی کمین گاہوں سے اچانک نکل آتے ہیں۔ سید صاحب نے حفاظت کے خیال سے سارے لشکر کو جنگی ترتیب میں آراستہ کرلیا، سواروں اور پیادوں کو دائیں بائیں ایک ایک تیر کے فاصلے پر متعین کر کے اونٹوں اور ضعیف آدمیوں کو بیچ میں لے لیا، اسی طریق پر پوری منزل طے کی۔

پاڑیوا سے کٹھیار

ظہر کے وقت پاڑیوا پہنچے، جسے مالیوا بھی کہتے ہیں، یہاں سخت ہراس پھیلا ہوا تھا، اس لئے کہ چند ہی روز پیشتر قزاق چراگاہ سے مویشی ہانک کر لے گئے تھے۔

اگلی منزلیں یہ تھیں۔

۱۔ برسالی: یہاں کے لوگوں نے لشکر کو دیکھ کر سمجھا کہ غارت گر آ گئے، اس پر وہ بہت پریشان ہوئے اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، نیز خاردار جھاڑیاں کاٹ کر کنوؤں میں ڈال دیں۔ سید صاحب نے آدمی بھیج کر انہیں مطمئن کر دیا۔ اس موضع میں کچے اور کم آب کوئیں تھے یہاں کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تھا اور ساری باتیں ترجمانوں کی وساطت سے ہوتی تھیں۔

۲۔ کھنسر: یہاں کے لوگ بھی لشکر کو قزاقوں کا جتھا سمجھ کر جنگ پر آمادہ ہو گئے، سید صاحب دو گولی کے فاصلے پر ٹھہر گئے اور شیخ باقر علی کو ترجمان کے ساتھ اظہار حقیقت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کیلئے بھیجا وہ لوگ بالکل مطمئن ہو گئے تو لشکر نے آگے بڑھ کر قیام کیا، یہاں تھوڑے فاصلے پر تقریباً پندرہ کنوئیں تھے، لیکن حالت یہ تھی کہ دو تین ڈول کھینچے جاتے تو پانی ختم ہو جاتا۔ پھر اسکے جمع ہونیکا انتظار کرنا پڑتا، آدمیوں نے گدلا پانی پیا، جانور پیاسے رہے۔

۳۔ کوار سر: اس منزل کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔

۴۔ اولون: یہاں بھی پانچ چھ کچے کنوے تھے، جو تھوڑا سا پانی نکالنے پر خشک ہو جاتے۔ غازیوں نے سید صاحب کے حکم سے نیا کنواں کھودنا شروع کیا، رات کے وقت پانی نکلا۔ آدمی پانی پی چکے تو جانوروں کو پلایا۔

۵۔ بڑاڑہ: یہاں بھی لوگ مستعدِ جنگ ہو گئے، بلکہ تین چار مرتبہ بندوقیں بھی چلیں، پھر شیخ باقر علی کو بھیج کر انہیں مطمئن کیا گیا، یہاں پانی کافی تھا، چونکہ آگے بارہ کوس تک کہیں پانی ملنے کی امید نہ تھی، اس لئے یہاں ایک روز قیام کیا۔

۶۔ کھہیار: تیسرے روز چار گھڑی رات گذر جانے پر روانہ ہوئے، ساری رات بے آب زمین پر چلتے رہے، چھ گھڑی دن چڑھے کھہیار پہنچے۔

کھہیار میں بھی پانی کی سخت تکلیف تھی، کچے کنوؤں کی وہی حالت کہ چند ڈول کھینچے اور پانی ختم، آدمی اور جانور پیاس سے مضطرب، ہر لحظہ اندیشہ کہ کہیں کھینچ تان میں باہم لڑائی نہ ہو جائے۔ اگر چہ دھوپ بہت تیز تھی، لیکن سید صاحب خود کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئے اور اپنی نگرانی میں آدمیوں اور جانوروں کو باری باری پانی پلوایا۔

سندھ میں داخلہ

کھہیار پر جودھپور کی سرحد ختم ہو گئی اور امیرانِ سندھ کی عملداری کا آغاز ہو گیا۔ سید حمید الدین (خواہرزادۂ سید صاحب) لکھتے ہیں: سندھ میں اتنے درویش دیکھے کہ شاید ہی کسی دوسرے اسلامی خطے میں ہوں۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ سادات وفقرا کی جیسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قدر و منزلت یہاں دیکھی، اس کی مثال شاید ہی کسی اسلامی مملکت میں مل سکے۔ ایک شخص نے عقیدت مندی سے گائے پیش کی، اسے ذبح کر کے گوشت لشکر میں تقسیم کیا گیا، ایک رات چپکا میں گزاری، جہاں پانی بافراط ملا، عمرکوٹ وہاں سے صرف تین کوس پر تھا، اور سید صاحب وہیں جانا چاہتے تھے۔

چنانچہ حاجی عبدالرحیم کو اجازت نامہ حاصل کرنے کیلئے قلعہ دار کے پاس بھیجا، سوء اتفاق سے قلعہ دار خود حیدرآباد گیا ہوا تھا، جو شخص اس کی جگہ کام کر رہا تھا اس نے حاجی صاحب سے ملاقات بھی گوارا نہ کی، اندر سے پیغام بھیج دیا کہ تمہارا سردار سید اور مسافر ہے، تو سیدھا حیدرآباد چلا جائے، اور قلعے سے کم از کم دو کوس دور رہے۔

اس بے اعتمادی اور خشک مزاجی کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ بارہ برس حکومتِ سندھ اور حکومتِ جودھپور کے درمیان عمرکوٹ کے بارے میں جھگڑا چلا آتا تھا، کئی مرتبہ باہم لشکر کشی ہو چکی تھی، جودھپور کی طرف سے ہر آنے والے قافلے کو سخت شبہات کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور انگریزوں کے بارے میں بھی فوجیوں کی رائے اچھی نہ تھی۔ سید صاحب کو بے سبب ان تمام شبہات کا ہدف بننا پڑا۔

قلعہ دار کا یہ پیغام ملا تو سید صاحب نے عمرکوٹ کو دو اڑھائی کوس بائیں ہاتھ چھوڑتے ہوئے کھاوڑہ میں قیام کیا، وہاں پھر قلعہ دار کا پیغام آیا کہ کوئی آدمی ہتھیار پہنے ہوئے شہر میں نہ آئے، نیز ایک رات سے زیادہ مقام نہ کیا جائے۔ سید حمیدالدین چند غازیوں کو لے کر خالی ہاتھ عمرکوٹ دیکھنے کے لئے گئے، جب قلعہ کے دروازے کے پاس پہنچے تو گولہ اندازوں اور بندقچیوں نے شور مچا دیا، انہیں تسلی تشفی دے کر شہر دیکھا اور واپس ہو گئے۔

پریشان کن حالات

پالی سے جو اونٹ کرائے پر لئے تھے، ان کی میعاد ختم ہوگئی، غلطی سے تین سرکاری اونٹ گم ہوگئے، ان کی بازیافت کے انتظار میں پورے لشکر کو ٹھہرانا قلعہ دار کے حکم کے منافی تھا، لہٰذا مولانا شاہ اسماعیل کو چالیس آدمیوں کے ساتھ کھاوڑہ میں چھوڑا اور باقی لشکر اگلے روز دومانہ میں قیام پذیر ہوا۔ پھر سالہ میں منزل کی جہاں مولانا شاہ اسماعیل بھی آملے، سالہ سے نکلے تو کاروتیں ٹھہرے۔ یہاں اگرچہ کھیتی باڑی اور سرسبزی خاصی تھی، لیکن کوئی مکان نظر نہ آیا۔ مرد، عورتیں، بچے سب جنگلی درختوں کے سایے میں زندگیاں گزار رہے تھے۔

کارو میں سید چورن شاہ ایک ممتاز بزرگ تھے، سید صاحب کے حکم سے سید حمید الدین اور سید اولاد حسن (والد ماجد نواب صدیق حسن خاں مرحوم) نے ان سے ملاقات کی، وہ سید صاحب سے ملاقات کیلئے آئے اور ایک بڑا بھینسا بطور نذر پیش کیا۔ انہیں سے معلوم ہوا کہ لوگ عام طور پر سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں، اسی لئے بدکتے ہیں۔ سید صاحب نے ایک بڑا اجل سید چورن شاہ کو اور ایک سلہٹی ڈھال اس کے لڑکے کو دی۔

سید چورن شاہ کو اندیشہ تھا کہ میرپور کا حاکم کہیں غلط فہمی میں سید صاحب کے ساتھ آمادۂ جنگ نہ ہوجائے، چنانچہ انہوں نے خود آگے جاکر حاکم کو بتادیا کہ یہ غازی ہندوستان سے ہجرت کرکے سندھ کو دارالسلام سمجھتے ہوئے آئے ہیں، ان کو شبہ کی نظروں سے دیکھنا سراسر نامناسب ہے۔

کارو سے چل کر راستے میں ایک مقام کیا، پھر میرپور میں ٹھہرے، علی مراد حاکم میرپور کو اگرچہ سید چورن شاہ نے سید صاحب کے صحیح حالات بتادیے تھے، لیکن اس کے دل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے وسوسے دور نہ ہوئے، اس وجہ سے خود ملاقات کیلئے نہ آیا، البتہ شیرینی کی دس ہانڈیاں بطور نذر سید صاحب کی خدمت میں بھیج دیں اور دو سوار رہبری کیلئے ساتھ کر دیے۔

میر پور سے تیسرے روز چل کر ٹنڈو والہ یار میں ایک گھڑی ٹھہرے، یہاں خربوزے نہایت عمدہ اور بہ کثرت ملے، وہاں امیرانِ سندھ کی طرف سے دو آدمی آئے اور پورے حالات دریافت کر کے حیدر آباد اطلاع بھیجی، وہاں سے حکم آیا کہ سید صاحب شوق سے تشریف لائیں، یہ گھر انہیں کا ہے۔ چنانچہ وہاں سے چل کر ایک منزل ٹنڈو جام بالہ میں کی، دوسری پھلیلی ندی کے مشرق کنارے پر، جسکے مغربی کنارے پر حیدر آباد واقع تھا۔

حیدر آباد میں استقبال

سید صاحب نے اطلاع کی غرض سے حاجی رحیم بخش اور سید عبد الرحیم ولایتی کو امیرانِ سندھ کے پاس بھیج دیا تھا، ان کی طرف سے سید صبغۃ اللہ ولایتی استقبال کے لئے آئے، وہ مکہ معظمہ میں سید صاحب کی بیعت کر چکے تھے، اور میر کرم علی امیر سندھ کے مصاحب بن گئے تھے۔ دریا اور شہر کے درمیان شہر سے تقریباً دو تیر کے فاصلے پر لشکر اسلام کو ٹھہرایا گیا، امیرانِ سندھ کی طرف سے شیرینی پیش ہوئی اور مہمانداری کی ہر ضروری جنس لشکر میں پہنچ گئی۔(۱) آم اور خربوزے بھی بڑی مقدار میں آئے۔

تیسرے روز جمعہ تھا۔(۲) حکامِ سندھ نے کہلا بھیجا کہ سید صاحب جمعہ کی نماز قلعہ میں ہمارے ساتھ ادا کریں۔ چنانچہ آپ آٹھ آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں گئے، میر صاحبان آپ سے مل کر بے حد خوش ہوئے، ہجرت و جہاد کا عزم دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ کہنے

(۱) تفصیل یہ بتائی گئی ہے، وخود نبچ مصری اور قند کے دونوں بیس بیس میر، چاول برنج تھی، دس کو سفند جنس خوردنی تھیں۔ دانہ دکا، دو تین پشتارے، آم اور خربوزے۔

(۲) سید صاحب ۵ ذی قعدہ کو اتوار کے دن حیدر آباد سے روانہ ہوئے، گویا دو جمعے حیدر آباد میں گزارے، اس حساب سے دو غالباً ۲۲ شوال کو بدھ کے دن حیدر آباد پہنچے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لگے کہ اہل و عیال کو حیدر آباد میں ٹھہرا دیجئے اور خود بھی کچھ مدت ٹھہر یئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اگر اب ٹھہر جاؤں گا تو سردیوں کا آغاز ہو جائے گا، اور اگلے سفر میں برف باری کی وجہ سے مشکلات پیش آئیں گی۔ امیروں نے ایک ہزار روپیہ، ایک بندوق اور ایک جوڑی طمنچوں کی پیش کی۔

یہ میر ٹالپور خاندان میں سے تھے، جو کلہوڑوں کے بعد ۱۷۸۳ء میں حکمرانیٔ سندھ کے منصب پر پہنچا تھا۔ ان میں سے بڑا میر فتح علی خاں تھا، جس نے زمان شاہ درانی سے فرمانِ سلطنت حاصل کیا تھا، پھر اپنے بھائیوں میر غلام علی، میر کرم علی اور میر مراد علی کو بھی شریکِ سلطنت کر لیا۔ یہ چاروں بھائی ''چار یار'' کہلاتے تھے، میر فتح علی خاں کا انتقال ۱۸۰۱ء میں ہوا، اور میر غلام علی کا ۱۸۱۰ء میں۔ ان کے بیٹے خالی مسندوں پر بیٹھ گئے۔

حیدر آباد میں بھی ہزار ہا لوگوں نے بیعت کی، ان میں سے بطور خاص قابلِ ذکر یہ ہیں۔

۱۔ میر اسماعیل شاہ جو حاکمانِ سندھ کے تحت نائب وزیر کے عہدے پر مامور تھا۔

۲۔ حافظ مولوی محمد یوسف جو گورنر بمبئی کی طرف سے دربار سندھ میں وکیل تھا، اس نے کئی مرتبہ دعوت کی اور گراں بہا ہدایا پیش کیے۔

۳۔ محمد یوسف خاں جو امرائے سندھ میں سے تھا۔

والیٔ بہاولپور کو دعوتِ جہاد

سید صاحب حیدر آباد میں تیرہ روز ٹھہرے، اس اثناء میں آپ نے دعوتِ جہاد کا ایک خط سید دین محمد قندھاری کے ہاتھ بہاول خاں والیٔ بہاول پور کے پاس بھیجا۔ والیانِ بہاول پور کے اجداد پہلے شکار پور کے پاس رہتے تھے، ان کے جد امجد کا نام داؤد تھا، اس وجہ سے پورا خاندان داؤد پوترہ کہلاتا تھا۔ ان میں سے بہاول خاں نے ہمت کر کے ایک خاصی بڑی ریاست پیدا کر لی، اس کا بیٹا سعادت خاں تھا، جس نے انگریزوں اور رنجیت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سنگھ سے معاہدے کیے۔ سعادت خاں کا بیٹا بہاول خاں تھا جس کے پاس سید صاحب نے دعوت نامہ بھیجا۔ میسن نے لکھا ہے کہ اس کی عمر میں پچیس برس کی تھی، اور بڑا خوبرو تھا، سید صاحب کے عزمِ جہاد کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ میسن کہتا ہے، مجھ سے رحمت خاں نے کہا کہ تم سید صاحب کے پاس چلے جاؤ۔(۱)

سید صاحب کی دعوت جہاد کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، لیکن اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سینے میں حمیت اسلام کی کتنی حرارت تھی اور وہ اس سے ہر فرزند توحید کے قلب وروح کو گرما دینے کے لئے کتنے بے تاب تھے۔ ان حالات کے سامنے آتے ہی مولانا روم کے یہ شعر بے اختیار یاد آجاتے ہیں:

من بہ ہر جمعیتے نالاں شدم — جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون من نہ جست اسرار من

حیدرآباد ہی میں میرزا امیر بیگ فرخ آبادی پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا، اور ایک گھوڑا بطور نذر پیش کیا۔(۲) میرزا صاحب نواب امیر الدولہ والئ ٹونک کے پاس ملازم تھے، ملازمت چھوڑ کر غازیوں میں شامل ہو گئے۔

حیدرآباد کے متعلق تاثرات

سید صاحب کو امید تھی کہ امیرانِ سندھ جہاد میں معیت کیلئے تیار ہو جائیں گے، لیکن اس عہد کی دوسری انجمن ہائے میری وسلطانی کی طرح یہ انجمن بھی افسردہ و بے روح نکلی۔ اس حالت میں انہیں حیدرآباد سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ وہ خیل وخدم کے پھیلاؤ یا

(۱) میسن کی کتاب India (ہندوستان) جلد اول ص:۱۴

(۲) روایت میں ہے کہ میرزا امیر بیگ فرخ آبادی ٹونک سے دو گھوڑے، ایک اونٹ، ایک یابو اور پانچ چھ ملازم لے کر پہنچا اور حیدرآباد میں سید صاحب سے ملا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امر و حکم کے داب و تمکنت کی تلاش میں نہیں نکلے تھے، ان زندہ و غیور قلوب کو جستجو کر رہے تھے، جن میں اسلامیتِ حقہ کی تڑپ موجود ہو، جو دینی برتری کی خاطر میدانِ جہاد کی صعوبتوں کو حاصلِ حیات سمجھنے کیلئے بیتاب ہوں۔ یہ متاعِ عزیز دستیاب نہ ہوئی تو امیرانِ سندھ کی مہمانداری میں ان کے لئے کونسی کشش باقی رہ گئی تھی؟ چنانچہ ۵/ ذی قعدہ کو حیدر آباد سے روانہ ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حکامِ حیدر آباد کی ملاقات سید صاحب کیلئے اس درجہ افسردگی زا ثابت ہوئی کہ اہل و عیال کو بھی حیدر آباد میں ٹھہرانے پر طبیعت راضی نہ ہوئی۔ چنانچہ سید حمید الدین اپنے ایک مکتوب میں جو حیدر آباد سے لکھا گیا تحریر فرماتے ہیں کہ اہل و عیال کو آنے کا حکم ابھی نہیں دیا جا سکتا، ممکن ہے شکار پور سے کوئی ہدایت بھیجی جائے۔

حیدر آباد سے پیر کوٹ

سید صاحب نے حیدر آباد سے دو کشتیاں اسی روپے کرایے پر لیں، ایک بجرہ امیرانِ سندھ نے عاریۃً دے دیا، سارا مال و اسباب ان کشتیوں میں رکھا، کمزور آدمیوں کو بھی ان میں بٹھا دیا۔(۱) توانا غازی گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ خشکی کے راستے روانہ ہوئے اور شمالی سمت میں سفر شروع ہو گیا۔ سید صبغۃ اللہ شاہ ولایتی اور مولوی محمد یوسف مشایعت کی غرض سے ساتھ ہو گئے، اگلی منزل یہ ہیں:

۱۔ کاٹھڑی: یہ مقام حیدر آباد سے تقریباً گیارہ میل ہے، اسی کے قریب ۱۸۴۳ء میں میانی کی جنگ ہوئی تھی جس میں سندھ کی عنانِ تقدیر انگریزوں کے ہاتھ آئی۔ مولوی محمد یوسف یہاں سے واپس ہو گئے، اس سفر میں سید صاحب کبھی فرزند علی غازی پور کے دیے ہوئے یابو پر سوار ہوتے اور کبھی سانڈنی پر۔

(۱) ان آدمیوں کی تعداد ایک سو چالیس بتائی گئی ہے۔ یقیناً وہ سب کمزور نہ ہوں گے، غالباً انہیں سے حاجی رحیم بخش کو خانگی خطوط دے کر ٹونک بھیجا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲۔ کھیو: اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ ہالہ(۱): اس جگہ سید نوح کا مزار تھا جو ۱۰۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ امیران سندھ کا خاندانی مقبرہ بھی اسی جگہ تھا۔

۴۔ کوٹ سید: یہ آج کل سید آباد کے نام سے مشہور ہے، ہالہ سے تقریباً گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

۵۔ لمبا کا کھمبا۔

۶۔ آں حتری: یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے، لیکن دریا میں پانی تیزی سے بڑھ رہا تھا، اس لیے لالوکوٹ میں ٹھہرے۔

۷۔ ملا کا بٹ: لالوکوٹ اور ملا کا بٹ کی منزل کو ایک سمجھنا چاہیے، دونوں میں تقریباً چھ سات میل کا فاصلہ ہے۔ سید صاحب نے پیادوں کو لالوکوٹ میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور ملا کا بٹ بھیج دیا۔ یہاں دھوپ اتنی تیز تھی کہ بعض ہمراہی ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔

۸۔ ہنگورجہ: پیادے یہاں ٹھہرے، لیکن اونٹ اور گھوڑے محراب پور بھیج دیے۔ ہنگورجہ میں سید ناصر الدین نے بیعت کی اور دو روز لشکر کو ٹھہرائے رکھا، دونوں دن کھانا اپنے پاس سے کھلایا۔

۹۔ رانی پور: یہاں سید صالح شاہ بغدادی ایک مشہور پیرزادے تھے، انہوں نے سارے لشکر کو کھانا کھلایا۔ اتفاق سے پیر سید صبغۃ اللہ راشدی بھی ایک سوار ادت مندوں کے ساتھ رانی پور آئے ہوئے تھے، سید صاحب ان سے ملنے کے بڑے مشتاق تھے، اس لیے کہ ان کے جذبۂ دینی کا عام شہرہ تھا۔ ملاقات ہوئی، سید صبغۃ اللہ شاہ کو ایک ضروری

(۱) ہالہ حیدرآباد سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ اب یہ دو قصبے ہیں، ہالہ قدیم اور ہالہ نو۔ نیا ہالہ ۱۸۰۸ء میں بنا تھا، جب دریا کی طغیانی کے باعث پرانے قصبے کی ہستی خطرے میں پڑ گئی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کام کے لئے ایک دن رانی پور میں ٹھہرنا پڑا، سید صاحب اور غازیوں کو انہوں نے اپنے بھائی کے ہمراہ آگے بھیج دیا۔

۱۰۔ ٹنڈو مستی خاں۔

۱۱۔ پیر جو گوٹھ یا پیر کوٹ: یہ سید صبغۃ اللہ شاہ راشدی کا وطن اور مرکز تھا۔

سید صبغۃ اللہ شاہ

پیر سید صبغۃ اللہ شاہ کے اجداد اسلام کے ابتدائی دور ہی میں حجاز سے نکل کر بغداد پھر سندھ پہنچ گئے تھے، ان میں سے پیر محمد مکی بہت مشہور ہوئے۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ ابتداء سے اس خاندان کا نشانِ امتیاز تھا، اس وجہ سے ہر دور میں یہ مرجعِ خلائق رہا۔ سید صبغۃ اللہ شاہ کے والد پیر محمد راشد کے عہد میں مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، ان کے متعدد فرزند تھے، جن میں سجادہ نشینی کے متعلق منازعت شروع ہوگئی۔ سید صبغۃ اللہ شاہ چونکہ سب میں ممتاز تھے، اس لئے وہی پیر بنے۔

اس خاندان کو عملی سیاسیات سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا، اور نہ اس کی ضرورت پیش آئی تھی، لیکن سید صبغۃ اللہ شاہ صاحب مسند نشین ہوئے تو ملکی حالات بہت بدل چکے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے حساس دل، عاقبت اندیش دماغ اور بصیر آنکھیں عطا کی تھیں، دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی دینی حمیت اور جماعتی تنظیم میں ضعف پیدا ہوتے ہی ان کی سیاسی قوت بھی معرضِ انحطاط میں آگئی ہے۔ ہندوستان کے ہر حصے میں مخالف عناصر مضبوطی سے جم چکے تھے اور سلطنت اسلامیہ کا ایک ایک عضو کٹ رہا تھا۔ پنجاب پر سکھ چند ہی برسوں میں چھا گئے تھے، سندھ کے لئے بھی سکھوں اور انگریزوں کی طرف سے شدید خطرہ پیدا ہو چکا تھا، پھر سندھ کی حکومت حقیقۃً طوائف الملوکی تھی، بعید سی بھی امید نہ تھی کہ یہ سفینہ زیادہ دیر تک طوفان کے ہولناک تھپیڑوں سے محفوظ رہے گا۔ لہٰذا انہوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے اپنے مریدوں کو ایسے طریق پر منظم کرنا شروع کر دیا کہ موقع پیش آتے ہی ان سے جانباز مجاہدین کے جیش تیار کیے جا سکیں۔ یہی ''حر'' تحریک کی ابتداء تھی۔

پیر سید صبغۃ اللہ کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سکھ حکومت سندھ کی جانب پھیلنے لگی تو پیر صاحب نے جہاد کا پختہ ارادہ کر لیا، جو وعظ فرماتے، اس میں جہاد کی فضیلتیں ضرور بیان کرتے، کچھ اور لاڑ کے مرید وعظ میں شامل نہیں ہو سکتے تھے، انہیں جہاد کے لیے تحریری دعوت نامے ارسال کیے۔

بہر حال پیر صبغۃ اللہ شاہ بڑی سلامت روی اور احتیاط سے دینی تحریک کے سلسلے میں سیاسی کام کی داغ بیل ڈال چکے تھے۔ ایک مخلص ناصر حق کی حیثیت سے پیر صبغۃ اللہ شاہ کیلئے یہی مناسب تھا کہ حتی الامکان سید صاحب کی حمایت ونصرت کیلئے تیار ہو جاتے، یہی انہوں نے کیا۔(۱)

سید حمید الدین کی شہادت

سید حمید الدین نے پیر صبغۃ اللہ شاہ کے متعلق لکھا ہے:

در تمام مملکت سندھ ہمچو او شیخے و مرشدے در زعم مرد مانِ ملک نیست۔ قریب سہ لک مریدانش از قوم بلوچ ہستند و بہ کمال جاہ و جلال و رجوعات خلائق خوش می گزرانند۔ در جود و کرم و اخلاص و مروت ہم شہرۂ آفاق۔

در خانہ سید مذکور کتب خانہ عجیب و غریب بنظر آمد کہ ہرگز در خانہ سلاطین و امراء نبودہ باشد۔ پانزدہ ہزار جلد نامی از کتب معتبرہ دراں موجود است۔ از آنجملہ صد دیوان فارسی بہ خط ولایت مطلّا۔ شصت و پنج جلد تفاسیر معتبرہ، پنج جلد مکرر از شاہ نامہ فردوسی سہ مع تصاویر و مطلّا، احادیث ہر قدر کہ مشہور اند مع

(۱) پیر سید صبغۃ اللہ شاہ کے خاندان کے حالات میں نے اس باب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیے ہیں۔ رانی پور میں سید صاحب سے ملاقات کا ذکر سید صبغۃ اللہ شاہ کے ملفوظات بھی موجود ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شروح و جامع الاصول و تیسیر الوصول سہ جلد مکرر احیاء العلوم وسہ جلد مکرر فتوحات مکیہ و ہر جلد شاہانہ۔

ترجمہ : باشندگانِ سندھ کے نزدیک سارے ملک میں اس جیسا شیخ و مرشد کوئی نہیں، تقریباً تین لاکھ بلوچ مرید ہیں، رجوع خلقِ عام ہے، جاہ وجلال میں زندگی گزار رہے ہیں۔ جود وکرم اور اخلاص و مروت میں بھی شہرۂ آفاق ہیں۔

ان کا کتب خانہ بڑا عجیب وغریب تھا، سلاطین اور امرا کے پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا۔ پندرہ ہزار جلد کتب معتبرہ اس میں موجود ہیں، سو دیوان فارسی کے ایرانی خط میں مطلا، پینسٹھ جلدیں معتبر تفسیروں کی، شاہنامہ فردوسی کے پانچ نسخے جن میں سے تین مصور و مطلا تھے۔ حدیث کی تمام مشہور کتابیں مع شروح، جامع الاصول، تیسیر الوصول، احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ کے تین تین نسخے اور سب جلدیں (حسنِ کتابت واہتمامِ صحافت کے اعتبار سے) شاہانہ۔

پیر کوٹ میں قیام

سید صاحب ۱۷ر ذی قعدہ (۲۴ر جون ۱۸۲۶ء) کو پیر کوٹ پہنچے تھے، پیر صبغۃ اللہ شاہ کے بھائیوں اور مریدوں نے لوازمِ مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دو گھڑی کے بعد خود پیر صاحب تشریف لے آئے، تین روز تک سارے لشکر کو خود کھانا کھلایا، پھر سید صاحب نے بہ اصرار انہیں روک دیا اور رسد بٹنے لگی۔ وہاں کشتیوں کے انتظار میں کم و بیش تیرہ روز ٹھہرے رہے، اسی مقام کو اہل وعیال کے قیام کیلئے پسند فرمایا۔(۱) وہیں سے دریائے سندھ کو کشتیوں کے ذریعہ سے عبور کر کے شکار پور کا قصد فرمایا۔

۲۶ر ذی قعدہ کو پیر صبغۃ اللہ شاہ کے حکم کے مطابق کشتیاں فراہم ہوگئیں اور ساز

(۱) سید صاحب کے اہل وعیال صفر ۱۲۴۲ھ (ستمبر ۱۸۲۶ء) میں سندھ پہنچے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وسامان دریا سے اتارا جانے لگا۔ ۳۰ ذی قعدہ تک سارا لشکر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اسی روز سید صاحب بھی پیر صاحب سے رخصت ہوئے۔ ۲۶ ذی قعدہ سے عبورِ دریا کا سلسلہ شروع ہوا، جو لوگ پہلے پار ہوئے وہ مدیجی میں خیمہ زن ہوگئے۔ سید صاحب نے ۳۰ ذی قعدہ (۶ جولائی) کو بروز جمعہ دریا عبور کیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔(۱) پیر کوٹ سے گاڑھے کے دو سو تھان مجاہدین کے کپڑوں کے لئے خریدے گئے تھے۔

پیر صاحب کے ساتھ سید صاحب کا سلسلۂ مکاتبت برابر جاری رہا۔ غالباً باہم یہ فیصلہ ہوا تھا کہ جب اچھے مرکز کا بندوبست ہو جائے تو پیر صاحب بھی وہاں پہنچ جائیں۔ بعد میں ایسے حالات پیش آئے کہ افغانستان و پشاور کا راستہ ایرانی سرداروں کے عناد کے باعث مخدوش ہو گیا۔ اس اثناء میں پیر صبغۃ اللہ شاہ بالکل تیار ہو گئے اور سید صاحب کو اس باب میں اطلاع بھیج دی گئی۔ ایک خط میں سید صاحب نے انھیں لکھا کہ آپ تمام مسلمانوں کو دعوت دیں۔ مخلصین کی ایک جماعت ساتھ لے کر سکھوں کی سرحد سے متصل محفوظ مقام پر بیٹھ جائیں اور جہاد شروع کر دیں۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ میرے اہل وعیال کو بھی کسی ایسی جگہ بٹھا دیں جو دشمن کی دسترس سے باہر ہو۔(۲)

جب سرحد میں سید صاحب کی بیعتِ امامت ہو چکی تو مختلف علاقوں میں نائب بھیجے گئے تھے، جو نیابۂ بیعت لینے کے مجاز تھے۔ محمد قاسم کو سندھ سے بھیجا گیا تھا۔ پیر صبغۃ اللہ شاہ کو لکھتے ہیں کہ سندھ میں نیابۂ بیعت لینے کے اہل صرف آپ تھے، لیکن چونکہ آپکے بھائی رقابت کے مرض میں مبتلا ہیں اسلئے اندیشہ ہے کہ وہ شاید اسی باعث امر مسنون کی بجا آوری سے محروم رہ جائیں۔ لہٰذا میں نے نیابت کیلئے دوسرے آدمی کو بھیج دیا۔(۳)

(۱) سید حمید الدین کا خط

(۲) ملاحظہ ہو مکتوب سید صاحب بنام پیر صبغۃ اللہ شاہ جو تواریخ عجیبہ کے ص ۲۱۸-۲۱۹ پر چھپ چکا ہے۔

(۳) منظورۃ السعداء ص: ۹۳۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب جب پنجتار سے راج دواری جانے والے تھے تو پیر صبغۃ اللہ شاہ کے نام ایک خط بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر ہماری زندگی جہاد ہی میں تمام ہو جائے تو ہمارے اہل وعیال کو حرمین شریفین پہنچادیں۔

پیر کوٹ ہی میں مولوی امام الدین بنگالی اور نواب امیر الدولہ کے بھیجے ہوئے ہرکارے پہنچے تھے، نیز سید صاحب نے غازیوں کے لئے گاڑھے کے دو سو تھان خریدے تھے، یہیں سے سید صبغۃ اللہ شاہ کابلی کو پندرہ روپے اور ایک دوشالہ دے کر رخصت کیا، نیز قاصد کو ٹونک بھیجا۔

پیر کوٹ سے شکار پور

عبور دریائے سندھ کے بعد پہلی منزل مدجی میں ہوئی، آگے راستے میں چھوٹی چھوٹی نہریں آتی تھیں اور لدے ہوئے اونٹوں کا ان سے گذرنا مشکل تھا، لہٰذا دو کشتیاں کرائے پر لیکر بھاری سامان ان کے ذریعے سے شکار پور پہنچا۔ مدجی کے بعد راکھا میں منزل ہوئی، اس دن بھی نہروں کے باعث سفر میں بڑی تکلیفیں پیش آئیں۔ تیسری منزل جیب کوٹ میں شاہ غلام محی الدین پیرزادہ سرہندی کے مہمان کی حیثیت میں ہوئی۔

پیر غلام محی الدین کے والد پشاور میں رہتے تھے، جب سکھوں نے پشاور کو خراب کیا تو وہاں سے نکل کر اہل وعیال کے ساتھ نواحِ شکار پور میں آگئے۔ یہاں حکامِ سندھ نے انہیں بڑی جاگیر دے دی۔ پیر صاحب حیدر آباد میں بھی سید صاحب سے مل چکے تھے، اسی وقت سے آرزو تھی کہ ان کو بھی مہمانداری کا شرف حاصل ہو، چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹوں پیر نظام الدین اور پیر فدا محی الدین کو لکھ دیا تھا، وہ دونوں منتظر بیٹھے تھے، باصرار گھر لے گئے اور لشکر کی خاطر داری کے علاوہ جانوروں کیلئے بھی چارہ دانہ مہیا کیا۔ چنانچہ سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب ایک رات حبیب کوٹ میں گزار کر شکار پور گئے۔(۱)

شکار پور میں قیام

یہ شہر پہلے شاہ شجاع بادشاہ افغانستان کے قبضے میں تھا جو اپنے بھائی محمود شاہ کے مقابلے میں شکست کھا کر پنجاب ہوتا ہوا انگریزوں کے پاس پہنچ چکا تھا، اور لدھیانہ میں مقیم تھا۔ سید صاحب کے پہنچنے سے تین برس پیشتر امیرانِ سندھ نے اس پر قبضہ جمالیا۔ سید صاحب پہنچے تو اہل شہر میں خدا جانے کس بناء پر افواہ پھیل گئی کہ شاہ شجاع نے ایک دستۂ فوج اس غرض سے بہ تبدیلِ لباس بھیج دیا ہے کہ خفیہ شکار پور پر قبضہ کر لے۔ اس پر اضطراب پیدا ہوا، حاکم شہر کو حکم دینا پڑا کہ سید صاحب کے غازی شہر میں داخل نہ ہوں۔

سید صاحب نے سید حمید الدین اور سید اولاد حسن قنوجی کو حاکم شکار پور کے پاس بھیج کر اطمینان کرا دینا ضروری سمجھا کہ ہمیں شاہ شجاع سے کوئی تعلق نہیں اور ہمارے متعلق دشمنی کا وسوسہ سراسر بے اصل ہے۔ حاکم نے جواب دیا کہ رعایا خوفزدہ ہے، لہٰذا جو شخص بازار میں آئے، اسے ہتھیار ساتھ نہ لانے چاہئیں۔ خوف جاتا رہے گا تو یہ پابندی دور کر دی جائیگی۔ سید صاحب نے یہ پابندی قبول کر لی، سب سے پہلے علماء و فضلاء ملاقات کے لئے آئے۔

حاکم میر اسماعیل کا بیٹا میر کاظم تھا، وہ بھی حاضر ہوا اور بڑی عقیدت و مدارات سے پیش آیا۔ روزانہ سید صاحب کے لئے پرتکلف کھانے بھیجتا جو دس بارہ آدمیوں کیلئے کافی ہوتے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی اپنے آدمیوں کے ذریعہ سے خرید کر دیتا۔ جب لوگوں

(۱) شکار پور ۱۶۱۷ء میں آباد ہوا تھا، اور اپنی جائے وقوع کے اعتبار سے بہت جلد مشہور تجارتی منڈی بن گیا۔ خشکی کے راستے جو مال ہندوستان آتا تھا اور ہندوستان سے باہر بھیجا جاتا تھا وہ سب اس منڈی سے گزرتا تھا۔ اس وجہ سے وہاں ہر ملک اور خطے کے لوگ آباد ہو گئے تھے، پشتو، سندھی، پنجابی، فارسی، اردو اور فوجی زبانیں وہاں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھیں۔

کا شک رفع ہو گیا تو شہر میں داخلے کی ممانعت بھی اٹھ گئی۔ سید صاحب کے ساتھی بھی شہر میں جانے لگے اور شہر کے شرفاء و عوام بھی کثرت سے سید صاحب کے پاس آنے لگے۔

سید صاحب عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے نکلے تو دو تین سو مجاہدین ہم رکاب تھے، اہل شہر نے خود درخواست کی کہ نماز میں امام سید صاحب ہوں۔ مجمع میں ہزار سے کم نہ ہوگا، سید صاحب نے جو خطبہ پڑھا وہ بے حد پر تاثیر تھا، خطبے کے بعد دعاء، مصافحہ اور معانقہ کے بعد آپ اس شان سے قیامگاہ کی طرف لوٹے کہ سعید الدین لکھتے ہیں کہ اس کا بیان مشکل ہے۔ سید صاحب نے عید کے دن تیرہ دنبے ذبح کیے۔

میر کاظم سید صاحب سے اس درجہ متاثر ہوا کہ خود بیعت کی اور ملازمت چھوڑ کر ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا، لیکن سید صاحب نے اس وقت اسے ساتھ لینا خلاف مصلحت سمجھا، البتہ پختہ عہد لے لیا کہ عند الطلب بہ دل و جان حاضر ہو جائے گا۔

شکار پور ہی میں سید صاحب نے غازیوں کو گاڑھے کے کپڑے بنوا دیے، سبحان اللہ! یہ اس قدوسی لشکر کی وردی تھی، جس میں وقت کے تاجداران علم و فضل اور بڑے بڑے ارباب جاہ و ثروت شریک تھے۔

شکار پور سے روانگی کے وقت سید صاحب نے ایک عمدہ گھوڑا میر کاظم کو دیا۔ میر نے ایک سانڈنی پیش کی، جو کابل تک سید صاحب کی سواری میں رہی۔

میرزا عطا محمد خاں کا بیان

سندھ کے سلسلے میں صرف ایک چیز رہ گئی اور وہ میرزا عطا محمد خاں کا روزنامچہ ہے، اس میں مرقوم ہے:

> سید صاحب جماعت مسلمین کے ساتھ آئے، امراء و مشائخ اور خواص و عوام کو دعوت جہاد دی، لیکن دوں ہمتی کے باعث کوئی تیار نہ ہوا، بلکہ مجاہدین کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قلتِ تعداد اور فرومائیگیٔ سامان کے پیشِ نظر وہ لوگ اس سارے معاملے کو محض
ایک فریب سمجھتے رہے۔ کوئی یہ کہہ دیتا کہ سید صاحب انگریزوں کے جاسوس ہیں۔

میرزا نے صرف پیر صبغۃ اللہ شاہ کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب نے اہل و عیال کو انہیں کے ہاں ٹھہرانے کا انتظام کیا۔

میر کاظم کے متعلق لکھا ہے کہ بیعت کی، عند انقلاب حاضری کا عہد بھی کیا، لیکن بھکار پور کی حکمرانی بے طرح دامن گیر ہوگئی اور کئی مرتبہ بلانے کے باوجود میر کاظم جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل نہ کر سکا۔(۱)

(۱) روزنامچہ میرزا عطا محمد خاں ص: ۲۰۷-۲۰۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راشدی خاندان کا شجرہ نسب ذیل میں درج ہے:

(جن ناموں کے سامنے نمبر لگے ہوئے ہیں، وہ ترتیب وار پیر پگاڑو یعنی اصحاب دستار ہیں)

پیر محمد بقا

پیر مرتضیٰ — پیر محمد سلیم — پیر عبد الاول — پیر محمد راشد

پیر محمد شاہ — پیر محمد یٰسین — (۱) پیر صبغۃ اللہ شاہ بانی تحریک "حر" — پیر ہدایت اللہ

(جد خاندان پیر جھنڈا)

پیر علی محمد — پیر شاہ مراد — پیر حیدر علی — پیر علی ذوالفقار — (۲) پیر کوہر اول — پیر عبد القادر

(۳) پیر حزب اللہ شاہ

پیر عنایت شاہ — پیر محمود شاہ — پیر علی سرور — پیر غلام مصطفیٰ شاہ — پیر علی شاہ — پیر علی اصغر — پیر علی مظفر — (۴) پیر علی کوہر ثانی — (۵) پیر شاہ مردان اول

پیر احمد شاہ (پیر غلام مصطفیٰ شاہ کے فرزند)

(۶) پیر صبغۃ اللہ ثانی

پیر یحییٰ شاہ — پیر شاہ — پیر سلطان شاہ — پیر حسام الدین — پیر احمد شاہ

(انکی شادی پیر حزب اللہ شاہ کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی)

پیر شیخ علی شاہ — پیر علی شاہ — پیر مہدی شاہ

(۷) پیر سکندر شاہ — پیر نادر شاہ

(اسے حروں نے شہید کروایا)

عرف شاہ مردان ثانی

سجادہ نشین حال

پیر چاند شاہ

پیر احمد شاہ — پیر حسام الدین راشدی — پیر علی محمد راشدی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیر صبغتہ اللہ شاہ اول پیر محمد راشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور دستار وراثت روحانی ان کے سر پر باندھی گئی، اس وجہ سے وہ "پیر پگاڑو" یعنی "صاحب دستار" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے بھائی پیر محمد یاسین جھنڈا یا علم لے کر دوسری جگہ چلے گئے اور "پیر جھنڈا" کے تلقب سے زبان زدِ خواص و عام ہوئے۔ ان کے اخلاف کو جمع و فراہمیٔ کتب کا خاص اہتمام رہا، چنانچہ "پیر جھنڈا" کا کتب خانہ سندھ کا نہایت نادر علمی ذخیرہ سمجھا جاتا ہے، ان کے جانشینوں میں سے پیر رشید الدین، پیر مرشد اللہ، پیر ضیاء الدین شاہ قابل ذکر ہیں۔

پیر صبغتہ اللہ شاہ کے بعد دستار وراثت پیر علی محمد کے سر پر بندھنے والی تھی، لیکن وہ علمی مذاق کے آدمی تھے اور خود اپنے ہاتھ سے اپنے بھائی پیر علی گوہر اول کو وارث بنادیا۔ پھر پیر حزب اللہ شاہ "پیر پگاڑو" ہے بنے۔ بعد ازاں پیر علی گوہر ثانی، پھر شاہ مردان یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے۔ پیر شاہ مردان کی وفات پر پیر صبغتہ اللہ شاہ ثانی کم عمر تھے، وہی سجادہ نشین قرار پائے، یہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن طبیعت کے بڑے سخت ودرشت تھے، پہلے ان کے خلاف ایک مرتبہ مقدمہ بنا اور قید کی سزا ہوئی، رہائی کے بعد انکے عہد میں حروں نے بدامنی شروع کی، جسکی وجہ سے پیر صبغتہ اللہ شاہ کو پہلے نظر بند کر کے وسطِ ہند بھیجا گیا، پھر انکے خلاف حیدرآباد میں مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا دی گئی۔

سید صاحب کے زمانے کا پیر کوٹ دریا کی دستبرد میں آگیا تو تقریباً پانچ میل ہٹ کر نیا کوٹ آباد ہوا، جہاں پیرانِ عظام کی نعشیں بھی لاکر دفن کی گئیں، یہاں کا کتب خانہ بھی بڑا نادر تھا، لیکن اب معلوم نہیں اس کا کیا حشر ہوا، صرف مسجد اور مقبروں والا احاطہ رہ گیا باقی ساری عمارتیں مسمار کردی گئیں، اب نئے سرے سے عمارتیں بنی ہیں۔

دس برس گذر جانے کے بعد پیر صبغتہ اللہ شاہ ثانی کے فرزند اکبر پیر سکندر شاہ مردانِ ثانی کے لقب سے زینت آرائے سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے جماعت میں عظیم الشان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اصلاحی کاموں کا آغاز کر دیا۔

ان پیروں کے ساتھ عوام کی عقیدت کے حالات بڑے حیرت انگیز ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ باہر نکلتے تھے تو عقیدت مند اپنی ساری دنیوی متاع ان کے قدموں میں ڈال دیتے تھے، اگر یہ ریل میں سفر کرتے تھے تو ہر جگہ کے مرید ریلوے لائن پر سارے اندوختے لے کر جمع ہو جاتے تھے۔

پیر صبغۃ اللہ شاہ اول کے صاحبزادوں میں سے پیر علی محمد بہت بڑے طبیب اور صاحبِ علم و فضل تھے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں انہیں سجادہ نشین بنایا جا رہا تھا، لیکن وہ اپنے بھائی کے سر پر دستار باندھ کر الگ ہو گئے اور املاک میں زمینیں اور کتابیں لے کر بیٹھ گئے۔ انہیں مطالعہ اور طب کے ذریعہ سے خدمتِ خلق کے سوا کوئی کام نہ تھا، اپنے ایثار اور علم و فضل ہی کے باعث دستار بند خاندان میں انہیں خاص اعزاز حاصل تھا۔ پیر حزب اللہ نے اپنی بہن کی شادی ان کے بیٹے پیر شاہ سے کر دی تھی، جن سے حامد شاہ پیدا ہوئے، یہ پیر حزب اللہ کے حقیقی بھانجے اور شاہ مردان و پیر علی گوہر ثانی کے عم زاد بھائی تھے۔ پیر حامد شاہ کے تین فرزند ہوئے، ان میں سے پیر محمد علی راشدی ابتدا سے پبلک کاموں میں سرگرم حصہ لیتے رہے ہیں، انگریزی بہت اچھی لکھتے ہیں، سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم کی رفاقت میں لیگ کی مجلس امور خارجہ کے سکریٹری تھے، اس زمانے میں انہوں نے لیگ کی قرارداد لاہور کے اصول کی بناء پر تقسیم ہند کی ایک اسکیم تیار کی تھی، نیز سندھ کی آزادی کے لئے بڑا ہی قابل قدر کام کیا۔ پاکستان بننے کے بعد سندھ میں وزیر بھی رہے، پاکستان کی طرف سے فلپینس اور چین میں خدماتِ سفارت بھی انجام دیں۔

پیر حسام الدین کو مطالعہ کا خاص شوق ہے اور قلمی و مطبوعہ کتابوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ انہوں نے جمع کر لیا ہے۔ پیر احمد شاہ زمینوں کی دیکھ بھال کا کام کرتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھائیسواں باب:

سفرِ ہجرت (۳)

از شکار پور تا کوئٹہ

صد بیاباں بگزشت و دگرے در پیش است

شکار پور سے جاگن

شکار پور سے آگے سارا سفر بلوچستان کے صحرائی اور پہاڑی علاقوں میں سے تھا، ان علاقوں سے گذرنا امن کی حالت میں بھی جان جوکھوں کا کام تھا اور جس زمانے میں سید صاحب جانے والے تھے، قزاقیوں کی گرم بازاری کے باعث حالت اتنی مخدوش ہو چکی تھی، کہ زیادہ سے زیادہ کرایہ دینے پر بھی اونٹ نہیں ملتے تھے۔ سید صاحب کے ساتھ جو اونٹ بار برداری کے لئے تھے، ان میں سے نصف سفر کی صعوبتوں کے باعث بے بس ہو چکے تھے۔ خاصی تگ و دو کے بعد بارہ اونٹ بہ مشکل مل سکے، جو کافی نہ تھے، اس لئے بہت سا سامان شکار پور میں فروخت کر دیا یا غریبوں میں بانٹ دیا۔ ان میں زیادہ تر تانبے اور پیتل کے برتن تھے۔

تیز گرمی شروع ہو چکی تھی، حدت و تپش بے پناہ، پانی اور سایہ کوسوں تک ناپید، پھر ہر لحظہ سموم کا خطرہ، ارادت مندوں نے بار بار التجائیں کیں کہ برسات تک سفر ملتوی رکھا جائے، وہ سب زیادہ سے زیادہ مدت تک مہمانداری کے لئے تیار تھے، لیکن مصیبت یہ تھی کہ اگر بلوچستان کے صحرائی علاقے میں سے گذرنے کیلئے موسم کی خنکی کا انتظار کیا جاتا تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کوئٹہ اور اس کے آگے کے کوہستانی علاقے میں برف پڑنے لگتی، جس میں بعض اوقات ہفتوں راستے بند رہتے، لہٰذا اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ سموم اور لو کا خطرہ برداشت کیا جائے۔ خدا کی رحمت کہ روانگی سے ایک روز پیشتر خلاف امید اور خلاف موسم اچانک غیر معمولی بارش ہوگئی، جس سے موسم کی حدت میں خاصی کمی آگئی۔

۱۴؍ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ (۲۰؍ جولائی ۱۸۲۶ء) کو سید صاحب شکار پور سے روانہ ہوئے، شہر کے اکابر، علماء، لشکری اور عوام چار کوس تک ساتھ گئے۔ چھ کوس پر جاگن(۱) میں پہلی منزل ہوئی۔ بارش روانگی سے ایک دن پہلے بھی ہوگئی تھی، راستے میں بھی ہوئی، جاگن پہنچنے کے بعد اس زور سے مینہ برسا کہ روجھان، برشوری اور مکھن بیلہ کے راستے میں سفر غیر ممکن ہوگیا، اس وجہ سے یہ سیدھا راستہ بیس کوس بائیں ہاتھ چھوڑ کر خان گڑھ کا رخ کرنا پڑا۔

سید انور شاہ امرتسری

سید صاحب جاگن میں اس وجہ سے چار روز ٹھہرے کہ سید انور شاہ امرتسری کا انتظار تھا، جن کی آمد کی اطلاع شکار پور ہی میں مل چکی تھی۔

سید انور شاہ امرتسر کے سادات عظام میں سے تھے، رنجیت سنگھ کے دربار میں بھی بہت محترم تھے، سکھ امرا اور عام لوگ بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ سکھوں کے کسی مذہبی پیشوا کا ایک عزیز ان کے پاس آتا جاتا تھا، اس نے مسلمان ہونا چاہا، سید انور شاہ

(۱) بمبئی کی انگریزی فوج کے کوارٹر ماسٹر جنرل نے سندھ، گجرات، کچھ، جودھپور وغیرہ کے راستوں اور منزلوں کے متعلق ایک مجموعہ معلومات ۱۸۲۶ء میں، یعنی سید صاحب کے سفر سے بیس برس بعد شائع کیا تھا۔ بعض منازل بلوچستان کے سلسلے میں اس کا حوالہ آگے بھی آئے گا، اس میں بتایا گیا ہے کہ جاگن میں صرف ساٹھ گھر ہیں اور چند دکانیں، پانی کے لئے پانچ کنوئیں ہیں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے چارہ بہ کثرت مل جاتا ہے، قافلے کے ٹھہرنے کی جگہ گاؤں کے جنوب مغرب میں ہے۔ (مجموعۂ مذکورہ ص: ۱۱۷)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے بے تکلف اسے کلمہ پڑھا دیا، کسی مفسد نے انور شاہ کی ناک کو بھی نقصان پہنچایا۔(۱) سید صاحب موصوف نے اس ظلم و جبر کے خلاف جہاد آرائی کا فیصلہ کرلیا، مفسدوں نے حکمراں طبقے کی امداد سے ان کے لئے گھر ہی میں اک گونہ نظر بندی کا بندوبست کرا دیا۔

تکیہ شریفہ میں جب جہاد کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے ارباب ہمت و حمیت کے متعلق خبریں منگائی جارہی تھیں، اس سلسلے میں سید انور شاہ کے حالات بھی معلوم ہوئے اور غالباً کسی ذریعے سے ان کے ساتھ ربط و تعلق بھی پیدا کرلیا گیا۔ جب سید صاحب نے ہجرت کی تو فتح پور سے حاجی یوسف کشمیری کو امرتسر روانہ کردیا کہ سید انور شاہ کو ساتھ لے کر سندھ پہنچ جائے۔

حاجی یوسف امرتسر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جو افسر سید انور شاہ کی نگرانی پر متعین تھا، وہ کسی بات پر ناراض ہوکر کام چھوڑ بیٹھا ہے، اور اس کی جگہ نیا آدمی مقرر نہیں ہوا۔ ممکن ہے حکومت نے نیا افسر مقرر کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی ہو، سید موصوف نے اس فرصت کو غنیمت سمجھا، اپنے پندرہ خادموں کو تین گھوڑے اور بار برداری کے اونٹ دے کر خفیہ خفیہ آگے بھیج دیا۔ پھر خود بھی چپ چاپ نکل کر ان سے مل گئے، اور ریاست بہاول پور کی سرحد میں داخل ہوگئے۔ بہاول پور میں ان کی ملاقات سید دین محمد قندھاری سے ہوئی، جنہیں سید صاحب نے دعوت نامۂ جہاد دے کر نواب بہاول خاں کے پاس بھیجا تھا، پھر یہ اکٹھے منزلِ مقصود کی طرف چلے۔ سید صاحب خود شکار پور میں زیادہ دن انتظار نہ کرسکے، البتہ اکبر خاں کو دس غازیوں کے ساتھ سید انور شاہ کے استقبال کے لئے چھوڑ گئے اور جاگن میں یہ لوگ سید صاحب سے ملحق ہوئے۔(۲)

(۱) "منظورہ" میں ہے: حسن چہرۂ زیبائش بہ نقصان سر بینی متغیر ساختہ (ص:۳۶۵)

(۲) سید انور شاہ جہاد میں شریک رہے، پھر معلوم نہیں کس کام کے لئے انہیں واپس بھیج دیا گیا۔ سید صاحب کے رفیقوں میں سے جو لوگ اکا دکا پنجاب کے راستے آتے جاتے رہے، ان میں سے بعض کے حالات سفر میں سید انور شاہ کا بھی ذکر آیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خان گڑھ سے بھاگ

سید صاحب جاگن سے براہ جانی درہ خان گڑھ گئے (۱) اور وہاں سے شاہ پور کا راستہ اختیار کر لیا، جو رودجہان، برشوری وغیرہ کے سیدھے راستے سے بیس بائیس کوس دائیں جانب تھا۔ یہ سارا راستہ صحرائی تھا، پہلی منزل آٹھ کوس کا فاصلہ طے کر کے ایک جوہڑ کے کنارے ہوئی جس میں برسات کا پانی جمع ہو گیا تھا، مزید دس کوس کا فاصلہ طے کر کے دوسری منزل بھی صحرا میں ہوئی، تیسرے روز شاہ پور پہنچے، اس سفر میں خان گڑھ کے زمیندار کا بھائی رہبر کے طور پر ساتھ رہا۔

شاہ پور میں محسن شاہ نام ایک سید رہتے تھے، جو بلوچوں کے بڑے محترم پیر تھے، انہوں نے رہبری کے لئے اپنے دو فرزند ساتھ کر دیے، شاہ پور سے بھاگ تک منزلوں کی کیفیت یہ ہے:

۱۔ **چھتر**: یہ مقام شاہ پور سے آٹھ کوس شمال میں ہے، اس کے پاس ہی ایک مقام **پھلیجی** ہے، آج کل ان دونوں مقاموں کا نام عموماً اکٹھا لیا جاتا ہے، یعنی **چھتر پھلیجی**، چھتر میں محراب خاں فرمانروائے بلوچستان کی طرف سے ملا محمد حاکم تھا، وہ بڑے تپاک سے ملا، اسی کی وساطت سے سید صاحب نے دعوت نامۂ جہاد محراب خاں کے پاس بھیجا، اگرچہ اہل و عیال کو پیر کوٹ میں ٹھہرانے کا ارادہ فرما چکے تھے لیکن خیال تھا کہ اگر اس سے بھی بہتر اور موزوں تر مقام مل جائے تو وہاں ٹھہرائیں، اس لئے محراب خاں کو بھی لکھا کہ ہمارے اہل و عیال کو اپنے پاس ٹھہرا لیں، تو بہ فراغت بال کاروبارِ جہاد

(۱) خان گڑھ اب نہیں رہا، یہاں ایک کچی گڑھی تھی جس کے اندر کھاری پانی کا کنواں تھا، باہر تین چار کنوئیں میٹھے پانی کے تھے۔ جنرل جان جیکب جب یہاں پہنچا تو اس نے اسے ایک اہم سرحدی مقام سمجھتے ہوئے چوکی بنائی، جلد وہاں ایک قصبہ آباد ہو گیا جس کا نام جیکب آباد رکھا گیا۔ آج کل یہ سندھ کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے، جیکب نے ۱۸۵۸ء میں وفات پائی اور وہ جیکب آباد ہی میں دفن ہوا۔ شکارپور سے یہ ۲۶ میل شمال میں ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں مشغول ہوں۔

۲۔ کھنہ بار: چھتر سے نکلے تو کھنہ بار میں ٹھہرے، ملا محمد ساتھ آیا اور لشکر کی ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کرادیں۔

۳۔ کھنہ بار سے نکلے تو دو کوس پر ندی آگئی، اونٹوں کو ندی میں سے گزارنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں اور سارا دن اسی کام میں گذر گیا، مجبور ہو کر رات وہیں گزاری۔

۴۔ شور: شور چودہ کوس پر تھا۔ اس کے پاس بھی ایک ندی بہتی تھی۔ سید صاحب نے کھنہ باروالی ندی کے تجربات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شور کی ندی کے گھاٹ میں جھاڑ کٹوا کر بچھوادیے، اس طرح اونٹ سہولت سے گذر گئے۔

۵۔ بھاگ: ۲۶/ ذی الحجہ (یکم اگست) کو سید صاحب بھاگ پہنچ گئے۔

بھاگ سے ڈھاڈر

بھاگ اس زمانے میں کچھی علاقے کا بہت بڑا قصبہ تھا، دو ہزار کے قریب مکان تھے اور کم وبیش ایک سو دس دکانیں تھیں، اب بھی اس کی آبادی خاصی بڑی ہے، لیکن سفر کے ذرائع بدل جانے کے باعث اسے پہلے کی سی اہمیت حاصل نہیں رہی۔

سید صاحب قصبے کے مشرق میں دروازے کے باہر ٹھہرے تھے، اور دو روز وہاں مقام رہا۔ حاکم علاقہ، قاضی، شرفاء، علماء اور عوام بڑی عقیدت سے ملے، حاکم نے سید صاحب کو پچاس ساٹھ غازیوں کے ساتھ دعوت طعام دی، خربوزے یہاں اتنے سستے تھے کہ ایک پیسے میں پندرہ بیس مل جاتے تھے۔ (۱)

۲۹/ ذی الحجہ کو بھاگ سے نکلے تو حاجی (۲) میں ٹھہرے۔ راستے کا ایک رئیس سید

(۱) روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ بھاگ میں ہر قسم کے میوے ملتے ہیں، اور نہایت عمدہ باغ ہیں۔ انار بے حد شیریں ہوتا ہے اور اتنا ہی بڑا جتنا قندھار کا انار ہوتا ہے، نیز ویسا ہی آبدار۔ انگور اور تربوز بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں۔

(۲) بعض نقشوں میں اسے "حاجی شہر" یا "حاجی کا شہر" لکھا ہے، سید صاحب کے ...... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

صاحب کو انتہائی اصرار سے اپنے مکان پر لے گیا اور پرتکلف کھانا کھلایا۔ حاجی سے نکلے تو ایڑی میں قیام کیا، یکم محرم الحرام ۱۲۴۲ھ کو سید صاحب ڈھاڈر پہنچ گئے، جو درۂ بولان کے جنوبی دہانے کا مشہور مقام ہے۔ قافلے پیدل جاتے آتے تھے تو ڈھاڈر کی اہمیت بہت بڑھی ہوئی تھی، جب ریل بن گئی تو ڈھاڈر کی جگہ سبی نے لے لی، اب وہاں خان قلات کا ایک محل ہے، جہاں وہ کچھ وقت گزارتا ہے۔

درۂ بولان کا سفر

ڈھاڈر سے درۂ بولان شروع ہوجاتا ہے، یہ سفر دو وجہ سے نہایت صعب اور خطرناک تھا، ایک تو راستے میں کھانے کی کوئی جنس میسر نہیں آتی تھی، دوسرے دونوں جانب بلند پہاڑوں کی دیواریں کھڑی تھیں، چور اور ڈاکو ان پہاڑوں کی کمین گاہوں سے نکل کر اچانک مسافروں پر حملے کر دیتے تھے۔ ڈھاڈر میں لوگ مہینوں اس انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ بڑا قافلہ بن جائے تو حفاظت کا پختہ انتظام کر کے قدم آگے بڑھائیں۔

سید صاحب نے چار روز کے لئے اشیائے خوردنی ساتھ لے لیں اور ۳ محرم الحرام کو درۂ بولان میں داخل ہوگئے۔ حفاظت کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قافلے کی ترتیب یوں رکھی، سب سے آگے بندوقچیوں کا دستہ، ان کے پیچھے اونٹ، پھر ضعیف آدمی، ان کے بعد باقی غازیوں کے دستے۔ سب سے آخر میں سید صاحب خود سواروں کے ساتھ چلے۔ درے کے پورے سفر میں یہ ترتیب برابر قائم رکھی۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ..... زمانے میں اس کے گرد فصیل تھی اور اڑھائی تین سو مکانات تھے، یہاں سے مٹھڑی جائیں تو سبی کے قریب پہنچ جاتے ہیں، ڈھاڈر جانا ہو تو ایڑی کا راستہ زیادہ موزوں ہے، حاجی اور بھاگ کے درمیان دس کوس کا فاصلہ ہے، بھاگ کے نزدیک فرمانروایان بلوچستان کے خاندان میں سے مصطفیٰ خاں اور رحیم خاں کے مقبرے ہیں نیز ایک پیر کا مقبرہ ہے جو وزیر فتح خاں بارک زئی کا مرشد تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

درۂ بولان کی منزلیں

اب درۂ بولان کی منزلوں کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ندی کے کنارے ببول کے ایک پرانے درخت کے آس پاس جس حد تک اندازہ کر سکا ہوں یہ مقام کھنڈلائی کے قریب ہوگا۔

۲۔ کیرتا: اس نام کے دو مقام آس پاس واقع ہیں: ایک شمالی کیرتا، دوسرا جنوبی کیرتا۔ سید صاحب کی منزل شمالی کیرتا میں ہوئی ہوگی، جو کھنڈلائی سے گیارہ میل ہے، اسے ایک چھوٹے سے قصبے کی حیثیت حاصل ہے، کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی ہے، اس لئے کہ پانی یہاں مستقل طور پر جاری رہتا ہے۔

۳۔ بی بی نانی: یہاں کوئی آبادی نہیں، بلند ٹیلے کے دامن میں ایک سیدہ کی قبر ہے، کہتے ہیں کہ یہ بی بی صاحبہ اپنے بھائی کے ساتھ درے میں سے گذر رہی تھیں، آس پاس کے بلوچوں نے حملہ کر دیا، بھائی حملہ آروں سے لڑتا ہوا تھوڑی دور نکل گیا، پیچھے سے بلوچوں کے دوسرے دستے نے بی بی صاحبہ پر یورش کر دی، وہ تنہا کیا کر سکتی تھیں؟ خدا سے دعاء کی کہ میری عفت کو بچا، اچانک پہاڑ میں شگاف پیدا ہوا سیدہ اس میں سما گئیں، پہاڑ پھر مل گیا، بلوچوں نے پاس ہی قبر بنائی۔ سیدہ کا نام معلوم نہیں، مقام کا نام بی بی نانی اس وجہ سے پڑا کہ بلوچ یہاں عام طور پر نان تقسیم کرتے ہیں۔ یہ مقام کیرتا سے نو دس میل کے فاصلے پر ہے، یہاں مغرب کی طرف سے ایک چشمہ آکر درۂ بولان میں ملا ہے۔ آج کل بی بی نانی کے قریب حکومت نے ایک چوکی بھی بنا دی ہے، جس میں پانچ سات سپاہی رہتے ہیں۔

۴۔ مچھ قدیم: سید حمید الدین نے اپنے خط میں اس مقام کا نام ''سرآب'' اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''سرکھجور'' لکھا ہے۔(۱) ممکن ہے پرانے زمانے میں اس مقام کو''سرآب'' اور ''سرکھجور'' بھی کہتے ہوں، مچھ قدیم موجودہ مچھ سے دو میل شمال میں ہے اور بی بی نانی سے تقریباً سولہ میل ہوگا۔ سربولان جہاں سے درے کا شمالی دہانہ شروع ہوتا ہے، مچھ قدیم سے پانچ میل ہے۔

۵۔ دشت بے دولت: اس مقام کو محض ''دشت'' (۲) بھی کہتے ہیں اور بعض اوقات ''دروازہ'' بھی، اس لئے کہ درۂ بولان کے شمال دروازے سے بالکل متصل ہے، اور پورے سفر کا یہی سب سے بڑھ کر دشوار گزار حصہ تھا، کیونکہ آخری چار پانچ میل کے علاقے میں دونوں طرف کے پہاڑ بالکل قریب آگئے ہیں اور بیچ میں ایک تنگ گلی رہ گئی ہے، اوپر سے اگر کوئی شخص پتھر بھی لڑھکا تا جائے تو بڑی فوج کو پریشان کرسکتا ہے، خود اسے کوئی گزند اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک کوئی دستہ گلی سے باہر آکر پہاڑ پر نہ چڑھ جائے۔

درے کی اہمیت

سید حمید الدین اس درے کی جغرافیائی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بالائے آں کوہ ہائے ہر دو جانب اگر صد کس با ساز جنگ بر سر مخالفت بکشیند لشکر لک سوار و پیادہ بہ ہر ساماں کہ بودہ باشد، محال گذر کردن ازاں راہ

---

(۱) ''سرآب'' کوئٹہ کے ریلوے لائن کا ایک اسٹیشن ہے، جو درۂ بولان سے گذر کر آتا ہے۔ ''سرکھجور'' بی بی نانی سے تین چار میل مغرب میں راستے سے ہٹا ہوا ہے۔ کوئٹہ جانے والے کے لئے بی بی نانی سے ''سرکھجور'' جانا خارج از بحث ہے۔ مچھ سے چند میل شمال مشرق میں ایک مقام ''سرِ دت'' ہے۔ یہ بھی راستے سے الگ ہے۔ بلوچی میں مچھ کے معنی ہیں کھجور اور یہاں ایک بڑے پتھر سے شیریں اور مصفّٰی پانی کے کئی چشمے پھوٹے ہیں جن پر لوہے کا ٹینک بنادیا گیا ہے اور یہیں سے پانی موجودہ مچھ میں لایا گیا ہے، اس لئے مچھ قدیم کو ''سرآب'' اور ''سرکھجور'' کہنا عجب تعجب انگیز نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بی بی نانی کے بعد سید صاحب نے یہیں قیام فرمایا۔

(۲) اس مقام کو دشت بے دولت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہاں نہ پانی ہے نہ سبزی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تنواندے(۱)

ترجمہ : اگر دونوں جانب کے پہاڑوں پر سو آدمی بھی سامانِ جنگ لے کر بیٹھ جائیں تو ایک لاکھ کے لشکر سوار و پیادہ کے لئے گذرنے کی کوئی شکل نہ رہے، اگر چہ وہ کتنے ہی سامان سے لیس ہو۔

اس کی تصدیق بعد کے انگریز مبصروں کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ریورنڈ ایلن، جو ۱۸۴۲ء میں شاہ شجاع کے معاون انگریزی لشکر کے ساتھ اس راستے سے گذرا تھا لکھتا ہے:

یہ لوگ (یعنی بلوچستان والے) بڑے ہی نادان تھے، جنہوں نے ایسے درے کے ہوتے ہوئے ہمیں اپنے ملک میں آنے دیا۔(۲)

کنولی لکھتا ہے:

اس درے کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو تفصیلاً بیان کر دینے سے بھی اسکے استحکام کا صحیح نقشہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی گھاٹی ہے جہاں بہادر آدمیوں کی ایک رجمنٹ کو بٹھا کر بڑی فوج کو کامیابی سے روکا جا سکتا ہے۔(۳)

کوئٹہ

درۂ بولان کی شمالی سمت میں نکلے تو بہت بلندی پر پہنچ گئے، ڈھاڈر میں گرمی کا یہ عالم تھا کہ دن کے وقت سایے سے باہر قدم رکھنا بھی مشکل تھا۔ درے کے اندر صرف اتنی سردی تھی کہ ایک چادر یا اس سے ذرا موٹے کپڑے کی ضرورت پڑتی تھی، دشت میں پہنچے تو سردی کے مارے سب کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا، مجھ سے ظہر کے وقت چلے

(۱) منظورہ ص:۶۲۵

(۲) مارچ تھرو سندھ اینڈ افغانستان (سندھ اور افغانستان میں سے کوچ) ص:۱۰۶

(۳) مارچ تھرو سندھ اینڈ افغانستان (سندھ اور افغانستان میں سے کوچ) ص:۱۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، دشت میں پہنچے تو رات قریب الختم تھی، صبح کی نماز سب نے تیمم کر کے پڑھی، وہاں سے چلے تو سرآب میں ٹھہرے، جو دشت سے سولہ میل تھا۔ سرآب سے کوئٹہ(۱) صرف آٹھ میل رہ گیا، اسی روز یا اگلے روز کوئٹہ پہنچ گئے۔

حاکم کوئٹہ نے سید صاحب اور غازیوں کی مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، دوران قیام میں روزانہ پر تکلف کھانے اور میوے بھیجتا رہا، بیعت بھی کی اور ساتھ جانے کے لئے بھی تیار ہو گیا۔ سید صاحب نے اسے روک دیا، اس لئے کہ اکا دکا ماموریں کو ساتھ لینا خلاف مصلحت تھا، اس طرح حاکموں کے دلوں میں وسوسے پیدا ہونے کا احتمال تھا اور سید صاحب خود حاکموں کو ساتھ ملانا چاہتے تھے۔ سید حمید الدین لکھتے ہیں:

درفرقۂ اُمراء ورؤسا ایں چنیں مرد دیندار و نیک کردار کمتر بہ نظر آمدہ۔

ترجمہ: امراء ورؤسا میں ایسا نیک کردار اور دیندار آدمی بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔

کوئٹہ سے دو کوس پر سادات کا ایک گاؤں تھا، ایک روز وہ لوگ آئے اور سید صاحب کو ایک سو غازیوں کے ہمراہ اپنے ہاں لے گئے۔

بلوچستان کی سرگزشت

بلوچستان پہلے افغانستان کے غلزئی بادشاہوں کے ماتحت تھا، جو صفویوں کے آخری دور میں ایران پر بھی قابض ہو گئے تھے، ان کی سلطنت کو نادر شاہ افشار نے ختم کیا۔ نادر کے قتل پر افغانستان و بلوچستان کو احمد شاہ درانی نے سنبھال لیا۔

بلوچستان کے حکمراں خاندان کا جد امجد میر عبداللہ غائیوں کا خاص رفیق تھا، اس کے تین بیٹے تھے، جن میں سے نصیر خاں اول بہت مشہور ہوا، اسی نے بلوچستان کو ایک

(۱) سید حمید الدین نے اس مقام کا نام "شال" لکھا ہے، اصل نام شال کوٹ تھا مخفف اسے شال کہتے تھے، جو اس وادی کا بھی نام ہے جس میں کوئٹہ واقع ہے۔ انگریزوں نے اسے کوئٹہ بنا دیا، وادی شال بارہ میل لمبی اور تین چار میل چوڑی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مستقل دولت بنایا۔ ۱۷۹۴ء میں نصیر خاں کی وفات پر اس کا بیٹا میر محمود خاں مسند نشین ہوا، اس کے عہد میں نصیر خاں کے بھائیوں کی اولاد نے بڑے فتنے بپا کیے، برسوں خانہ جنگی جاری رہی۔ اس دور میں اخوند ملا فتح محمد نے، جو نصیر خاں کا مشیر خاص تھا، بڑے خلوص و دیانت سے محمود خاں کا ساتھ دیا۔ ۱۸۱۶ء میں محمود خاں فوت ہوا تو محراب خاں حاکم بنا۔

سید صاحب محراب خاں کے پاس جہاد کا ایک دعوت نامہ چھتر سے بھیج چکے تھے، اس اثناء میں قندھار و بلوچستان کے درمیان حالت جنگ پیدا ہو گئی۔ عبداللہ خاں درانی قندھاری فوج لے کرے زئی پہنچ گیا، جو کوئٹہ سے تقریباً تیس کوس پر ہے۔ بلوچستان کی فوج اخوند فتح محمد کی سرکردگی میں مستورنگ پہنچ گئی۔ دعوت نامے کے جواب میں دیر ہو گئی، تو سید صاحب نے "دشت بے دولت" سے ایک وفد اخوند فتح محمدؒ کے پاس بھیج دیا، جو سید اولاد حسن قنوجی، حاجی بہادر شاہ خاں رامپوری، مولوی نظام الدین چشتی اور سید حمید الدین پر مشتمل تھا۔

اخوند نے بڑی گرم جوشی سے وفد کا استقبال کیا، دعوت نامے کے جواب میں تاخیر کی وجہ یہ بتائی کہ صورت جنگ درپیش ہے، اسی وقت ایک خاص قاصد مملکت بھیج دیا۔ وفد چونکہ فوری مراجعت کا متقاضی تھا، اس لئے اخوند نے خود ایک خط سید صاحب کے نام لکھ دیا کہ تین روز میں جواب کوئٹہ پہنچ جائے گا۔ دو سوار رہنمائی کے لئے وفد کے ساتھ کر دیے، ایک بار شتر سردے، تربوز اور خربوزے بھیجے۔

اخوند فتح محمد

سید حمید الدین اخوند فتح محمد کے متعلق فرماتے ہیں:

ایں چنیں کمتر کسے راعمر و اقبال دیانت و تقوی باہم یاری کنند۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ : ایسی مثالیں بہت کم دیکھی گئی ہیں کہ ایک شخص کو عمر و اقبال اور دیانت و تقویٰ بیک وقت اس پیمانے پر نصیب ہوئے ہوں۔

ایک سو بیس برس کی عمر ہو چکی تھی لیکن قویٰ ضعف و انحطاط سے محفوظ تھے۔ اس عمر میں بھی اخوند صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کی سرداری کرتے تھے۔ نادر شاہ کے پاس ملازم ہوئے تھے، پھر نصیر خاں اول کے وزیر رہے، میر محمود خاں کے زمانے میں تمام امور ملک داری کے کفیل بن گئے۔ محراب خاں نے بھی ان کا عہدۂ وزارت بحال رکھا۔(۱)

محراب خاں کی طرف سے یہ جواب کوئٹہ پہنچا:

شما بہ مہمے کہ ری روید تشریف ببرید در مقدمہ مطلوبۂ شما، بعد تصفیہ جنگ با مردم قندھار، ہر چہ مناسب متصور خواہد شد، بروئے کار خواہد آمد۔

ترجمہ : آپ جس مہم پر جا رہے ہیں تشریف لے جائیں۔ قندھاریوں کے ساتھ جنگ کا تصفیہ ہو جانے کے بعد جو کچھ مناسب سمجھا جائے گا، بروئے کار آ جائے گا۔

(۱) چند برس بعد اخوند فتح محمد کو محراب خاں کے دوسرے مشیر داؤد محمد نے بڑی بیدردی سے قتل کرا دیا، پھر اخوند کے بیٹے ملا حسن نے عجیب و غریب فتنہ انگیزیاں شروع کر دیں جن کے ضمن میں محراب خاں ناحق مارا گیا، لیکن یہ تفصیلات ہمارے پیش نظر موضوع سے خارج ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انیسواں باب:

سفرِ ہجرت (۴)

از کوئٹہ تا پشاور

ایں راہ بہ پائے تن بہ پایاں نہ رسد   تا جاں نہ زند قدم بہ جاناں نہ رسد

کوئٹے سے روانگی

محراب خاں کا جواب موصول ہو جانے کے بعد کوئٹہ میں ٹھہرے رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی، چنانچہ سید صاحب ۱۵ رمحرم الحرام ۱۲۴۲ھ (۲۲ راگست ۱۸۲۶ء) کو چل پڑے، حاکم کوئٹہ پچاس ساٹھ سواروں کو لے کر تین کوس تک ساتھ گیا، عام لوگ بھی ساتھ تھے۔ رخصت کے وقت حاکم پر رقت طاری ہوگئی، اخوند فتح محمد نے زبانی پیغام بھیجا تھا کہ سید صاحب قندھار و بلوچستان کے درمیان مصالحت کیلئے دعاء فرمائیں، اسی مقام پر سید صاحب نے بعجز والحاح سے دعاء کی اور سب کو رخصت فرمایا۔

کوئٹہ سے قندھار تک کی منزلیں یہ تھیں:

(۱) کیتر (۲) حیدر زئی (۳) سدوزئی، جسے بعض نقشوں میں شادی زئی بھی لکھا ہے، (۴) مے زئی (۵) کوژک تیر (۶) چوکی (۷) کاریز ملا فتح اللہ خاں (۸) ایک ویرانے میں منزل (۹) قلعہ حاجی یادہ حاجی (۱۰) کاریز ملا عبداللہ (۱۱) خوشاب (۱۲) قندھار۔

کوئٹہ تک کے سفر کا بیشتر حصہ عام مسافروں ہی کی حیثیت میں طے ہوا تھا۔ زیادہ تر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لوگوں کی یہ کیفیت رہی کہ یا تو سید صاحب کے ساز وسامان اور لشکر کی قلت کو دیکھتے ہوئے عزمِ جہاد کے متعلق وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے تھے، یا انہیں انگریزوں کا جاسوس سمجھ لیتے تھے۔ کوئٹہ سے قدم آگے بڑھا تو عوام کے جوشِ پذیرائی کا رنگ بالکل دوسرا ہو گیا، دور دور سے لوگ خربوزے وغیرہ لے کر راستے پر آ بیٹھتے تاکہ اس قدوسی لشکر کی زیارت سے برکت حاصل کریں۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، عورتیں تبرکاً بچوں کے سروں پر ہاتھ پھراتیں، ہر طرف سے سلام علیک، مرحبا اور "ستڑے موشے" کی صدا بلند ہوتی، سید صاحب سب کے لئے دعاء فرماتے۔

سید صاحب کا دستور یہ تھا کہ ہر مملکت میں داخل ہوتے ہی قریب کے ذمہ دار افسر کو اپنے مقاصد سفر سے آگاہ کر دیتے تاکہ کوئی اور وسوسہ نہ گذرے۔ عبداللہ خاں سپہ سالار عساکر قندھار کو بھی اطلاع بھیج دی، سید صاحب حیدرزئی پہنچے تو لوگوں نے اہتمام سے دعوت کی، وہیں عبداللہ خاں کا خط پہنچا کہ ےزئی آئیں، چنانچہ سید صاحب کو راستہ چھوڑ کر ادھر جانا پڑا۔ عبداللہ خاں بڑے تپاک سے ملا اور تین روز اپنے پاس ٹھہرائے رکھا، اس اثناء میں قندھار سے اجازت آ گئی، پھر سید صاحب روانہ ہوئے۔

ےزئی سے دس کوس پر کوہ توبہ کا درہ ہے، جسے کوژک تیر کہتے ہیں۔ عشاء کے وقت اس کے دامن میں پہنچے، پہاڑ کی چڑھائی بڑی سخت تھی، صعود و ہبوط کا کل فاصلہ اگرچہ چار کوس سے زیادہ نہ تھا، لیکن پورا دن اس میں لگ گیا اور شام کے وقت چوکی پہنچے۔ وہاں پانی کے دو تین چشمے تھے، اس مقام سے ایک راستہ سیدھا کابل جاتا تھا، دوسرا قندھار، سید صاحب نے قندھار والا راستہ اختیار کیا، اس لئے کہ حاکمانِ قندھار سے مل کر کابل جانا چاہتے تھے، مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہیں بھی جہاد کی دعوت پہنچا دیں۔

افغانستان کی سیاسی کیفیت

اب آگے بڑھنے سے پہلے افغانستان کی سیاسی حالت کا سرسری نقشہ سامنے رکھ لینا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چاہیے۔ افغانستان میں نئی حکومت کا آغاز احمد شاہ درانی سے ہوا، پھر اس کا بیٹا تیمور بادشاہ بنا، تیمور کے کئی بیٹے تھے، جن میں سے بعض کو مختلف علاقوں کی حکومتیں دے دی گئی تھیں، زمان شاہ نے تاج وتخت پر قبضہ کرلیا، وہ بڑا جوانمرد اور غیور تھا، اس کے بھائیوں میں سے محمود نے مخالفانہ چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔

زمان شاہ کے مشیروں میں سے پائندہ خاں بارک زئی بہت معزز ومقتدر تھا۔ اسے سرفراز خاں کا خطاب حاصل تھا۔ شاہ کے وزیر رحمت خاں (جسے بعد میں وفادار خاں کا خطاب دیا گیا) کو پائندہ خاں اور بعض دوسرے قدیمی سرداروں سے بے وجہ کاوش پیدا ہوگئی، اس نے غلط بیانیوں سے شاہ کو سب کا مخالف بنا دیا، اور ایک مرتبہ غصے میں شاہ نے پائندہ خاں اور بعض دوسرے قدیمی سرداروں کو قتل کرا دیا۔ پائندہ خاں کا قبیلہ بہت بڑا تھا، اور اس کے بائیس بیٹے تھے۔ وہ سب شاہ کے دشمن بن گئے۔ سب سے بڑا بیٹا فتح خاں بڑا بہادر اور زیرک تھا، اس نے شاہ محمود کے ساتھ ہوکر کابل پر چڑھائی کردی، زمان شاہ شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگا، جلال آباد کے قریب عاشق شنواری کے قلعے میں سستانے کیلئے ٹھہر گیا۔ عاشق نے اسے گرفتار کرادیا، محمود نے زمان شاہ کی آنکھوں میں سلائی پھرادی اور اسے قید کردیا۔

محمود بادشاہ بنا تو اس نے فتح خاں کو تمام امور کا کفیل بنا دیا۔ زمان شاہ کا ماں جایا بھائی شاہ شجاع مدت تک لڑتا رہا اور اسے اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ بالآخر پنجاب ہوتا ہوا لدھیانہ پہنچ گیا۔ زمان شاہ ایران چلا گیا۔ پھر حج کیلئے حجاز پہنچا، آخر وہ بھی لدھیانہ آگیا۔ انگریز اسے دو ہزار روپے وظیفہ دیتے تھے۔ ۱۸۴۵ء میں وفات پائی۔

ادھر محمود کے بیٹے کامران کو فتح خاں کا اقتدار پسند نہ آیا۔ اس نے موقع پاکر فتح خان کو قتل کرادیا۔ اس کے بھائی مختلف علاقوں کے حاکم تھے، وہ سب خودمختار بن گئے۔ صرف ہرات محمود وکامران کے پاس رہ گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارک زئیوں کی حکومت

پایندہ خاں کے قتل نے زمان شاہ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تھا، فتح خاں کے قتل نے سدوزئیوں کی بساط حکومت لپیٹ دی اور بارک زئی افغانستان کے بڑے حصے کے مالک بن گئے، انہوں نے سلطنت کو یوں تقسیم کیا:

قندھار:	پردل خاں، شیر دل خاں، رحمدل خاں، مہردل خاں، کہن دل خاں، یہ پانچوں بھائی ایک ماں کے بطن سے تھے۔
غزنی	میر محمد خاں
کابل	دوست محمد خاں
پشاور	یار محمد خاں
کوہاٹ	سلطان محمد خاں
ہشت نگر	سید محمد خاں

فتح خاں کے بعد عظیم خاں سب میں بڑا تھا اور اسی کو سب سے افضل مانا جاتا تھا، اس نے ۱۸۲۳ء میں نوشہرہ میں سکھوں سے سخت جنگ کی تھی، وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا حبیب خاں جانشین بنا، آخر دوست محمد خاں سب پر غالب آیا اور اس نے آہستہ آہستہ پورے افغانستان پر قبضہ جمالیا۔ یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں پشاور میں رہتے تھے، کبھی کبھی کابل بھی چلے جاتے تھے، سید صاحب کے ساتھ کشمکش یار محمد خاں ہی نے پیدا کی، یہی شخص ہے جسکی رخنہ اندازیوں کے باعث سید صاحب کیلئے قدم قدم پر خوفناک مشکلات پیدا ہوئیں۔ تمام بھائیوں میں سخت اختلافات تھے، سید صاحب نے ان اختلافات کو دور کرنے کی بے حد کوششیں کیں، لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ سید صاحب قلعہ حاجی پہنچے تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پُردل خاں کے بھائی شیر دل خاں(۱) کے انتقال کی خبر ملی، اسی وجہ سے بلوچستان کے ساتھ بھی صلح ہوگئی۔

قندھار میں قیام

کاریز ملا عبداللہ خاں میں پُردل خاں کی طرف سے ایک سردار پندرہ سواروں کے ساتھ استقبال کے لئے پہنچ گیا تھا، اسی کی معیت میں سید صاحب ۲۸ رمحرم (یکم ستمبر ۱۸۲۶ء) کو قندھار پہنچے۔ شہر پناہ کی جنوبی دیوار سے ہوتے ہوئے ایک باغ میں پہنچے جو ہراتی دروازے کے باہر شہر سے آدھ کوس کے فاصلے پر تھا، وہیں انہیں ٹھہرایا گیا۔ مہمانداری کے تمام انتظامات پہلے سے کردیے گئے تھے، کھانے پینے کی جنسیں موجود تھیں، شرفاء، علماء، اور عوام نے کئی میل باہر نکل کر استقبال کیا اور وہ قیامگاہ پر پہنچنے تک ساتھ رہے۔ دوسرے روز سید صاحب شیر دل خاں کی تعزیت کیلئے پُردل خاں کے پاس گئے، وہ بڑے تپاک سے ملا، بے سروسامانی کے باوجود سید صاحب کے عزمِ جہاد پر بے حد متحیر ہوا۔

اس اثناء میں لوگ جوق جوق سید صاحب کے پاس پہنچ کر جہاد میں ساتھ لیجانے کی درخواستیں کرنے لگے۔ رجوع خلق کا یہ رنگ دیکھ کر پُردل خاں پر سراسیمگی طاری ہوگئی، پہلے اس نے کوشش کی کہ شہر کے دروازوں پر لوگوں کو روکا جائے، یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی تو سید صاحب کے پاس پیغام بھیج دیا کہ لوگ شوقِ جہاد میں آپ کے ساتھ جانے کیلئے خاص جوش سے تیار ہو رہے ہیں، اور ہمارے انتظام میں خلل پیدا ہوگیا ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ جلد سے جلد کابل روانہ ہوجائیں، ورنہ ہمارے اور آپکے درمیان بے لطفی پیدا ہوجائیگی۔ یہ بھی کہلا بھیجا کہ جو لوگ جانے کیلئے تیار ہیں، انہیں روک دیجئے اور ساتھ

(۱) شیر دل خاں نے شدید تپ میں مبتلا ہوکر ۲۵ رمحرم الحرام ۱۲۴۲ھ (۲۹ راگست ۱۸۲۶ء) کو وفات پائی۔ سید صاحب تین روز بعد قندھار پہنچے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ لے جایئے۔ اس وجہ سے سید صاحب کو چھٹے روز قندھار سے نکلنا پڑا، اگر پُردل کی طرف سے رکاوٹ پیدا نہ ہوتی تو قندھار ہی سے سید صاحب بہت بڑا لشکر تیار کر لیتے۔

قندھار سے غزنی

قندھار سے غزنی تک کی منزلیں یہ تھیں:

(۱) کاریز حاجی عبداللہ (۲) قلعہ اعظم خاں (۳) دہ ملا نور محمد (۴) شہر صفا (۴) جلو گیر (۵) توت (۶) قلعہ رمضان خاں (۷) جلدک (۸) کوزم (۹) خاکر (۱۰) پشمل زئی (۱۱) قلعہ ملا نور محمد (۱۲) قلعہ ملا تاج محمد (۱۳) کاریز اتک (۱۴) مشکی (۱۵) نانی (۱۶) غزنی۔

اگرچہ سید صاحب نے پُردل خاں کی خواہش کے مطابق سب لوگوں کو محبت سے سمجھا بجھا کر روک دیا تھا، لیکن جب آپ قلعہ اعظم خاں میں پہنچے تو چار سو آدمی جہاد کے لئے تیار ہو کر آ گئے، ان میں علماء و شرفاء بھی تھے۔ ناچار سید صاحب نے اخوند ظہور اللہ کو پُردل خاں کے پاس بھیجا کہ سارے حالات بتا کر کہیں، اجازت ہو تو انہیں ساتھ لے جاؤں۔ پُردل خاں کو یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر سید صاحب ٹھہر گئے تو مزید لوگ تیار ہو جائیں گے، اس نے کہا کہ ان لوگوں کو بیشک لے جایئے، لیکن جلد سے جلد چلے جایئے۔ چنانچہ سید صاحب نے دو سو ستر آدمی چن کر ساتھ لے لئے اور سید دین محمد قندھاری کو ان کا سالار بنایا۔ یہ سید صاحب کے لشکر کی قندھاری جماعت تھی جس کے سالار بعد میں ملا لعل محمد قندھاری بنے۔ توت کے قریب شاہراہ پر دو فریقوں میں جنگ ہو رہی تھی، سید صاحب تھوڑا سا چکر کاٹتے ہوئے اس مقام سے بچ کر نکل گئے۔

خوانین غلزئی

قلعہ رمضان خاں سے جلدک جا رہے تھے کہ خوانین غلزئی کی جانب سے دعوت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نامہ ملا، انہیں سرداروں کے اجداد نے افغانستان کو پہلے پہل آزاد کرا کے ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی تھی، پھر انہوں نے ایران کے بڑے حصے کو بھی مسخر کر لیا تھا، نادر شاہ افشار نے انہیں شکستیں دے کر پہلے ایران سے نکالا، پھر قندھار و کابل پر بھی قبضہ کر لیا۔ نادر کے قتل پر قومی حکومت کی عنان درانیوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ سید صاحب نے غلزئی خوانین کی دعوت قبول نہ کی اور معذرت میں کہلا بھیجا کہ اگر دعوت قبول کر لوں تو غزنی، کابل اور پشاور کے حاکم خواہ مخواہ وسوسوں میں مبتلا ہو جائیں گے، ان لوگوں کو غلزئیوں پر بالکل بھروسا نہ تھا، اور ان سے جو ملتا تھا اسے بھی شک وشبہ کی نگاہوں سے دیکھنے لگتے تھے۔ جلدک پہنچے تو غلزئی سرداروں کی طرف سے دو سوار نیا دعوت نامہ لے آئے، سید صاحب نے دوبارہ معذرت کی اور مصلحتیں تفصیل سے لکھ بھیجیں، اس پر انہوں نے لکھا کہ ہم خود حاضر ہونے کا ارادہ کر رہے تھے، تا کہ اگر آپ ہمارے مہمان نہیں بن سکتے تو کم از کم ہم بیعت سے تو محروم نہ رہیں۔ گرامی نامہ پڑھ کر یہی فیصلہ کیا کہ ہماری حاضری سے آپ کے کارِ خیر میں بے وجہ الجھنیں پیدا ہوں گی۔ ساتھ ہی عرض کیا کہ آغازِ جہاد کی اطلاع جب ہمیں ملے گی چالیس پچاس ہزار سوار پیادے لے کر کوہستان کے راستے خدمتِ والا میں حاضر ہو جائیں گے۔(۱)

کوژم پہنچے تو شہاب الدین خاں ملا جس کے اجداد غلزئیوں کی بادشاہی کے زمانے میں وزارت پر فائز تھے، اس نے بھی سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بلاوا آتے ہی جہاں حکم ہوگا پہنچ جاؤں گا۔

(۱) خانخاناں ان خوانین میں سے ممتاز تھا۔ یہ عبدالرحیم کا فرزند اور شاہ حسین غلزئی کا پوتا تھا جس سے نادر شاہ نے قندھار چھینا تھا۔ شاہ حسین غلزئی شاہ محمود کا بھائی تھا، جس نے ایران کو فتح کیا تھا۔ خانخاناں کے نام سید صاحب کے مجموعہ مکاتیب میں کئی مکتوب ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حکام کابل وغزنی کے نام خطوط

مشکئی سے سید صاحب نے حاکم غزنی اور حاکم کابل کے نام خط بھیجے، جنہیں پہنچانے کے لئے ملا ظہور اللہ جہانگیراولاً تجویز ہوا، وہ ہندوستان میں رہ چکا تھا، اور ٹونک سے ساتھ آیا تھا۔ بیس آدمی اس کے ساتھ کردیے، مضمون یہ تھا:

ما زمرۂ مومنین ہندی در کفرستان ہندوستان بہ تنگ آمدہ بہ عزم جہاد ہجرت از وطن گزیدہ برائے دعوت مسلمین بناء بر اقامت آں رکن رکین جہت تائید ملت بیضاء حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ابتغاءً لمرضات اللہ ایں قدر مسافت دور ودراز طے نمودہ، در بلاد شمارسیدہ ہمیں طور منتہائے سرخود تا بہ دیار یوسف زئی کہ در حوالی پشاور است پیش نہاد خاطر ساختہ از راہ شہر ہائے شما خواہیم رفت۔ لازمہ دانائی ومروت ایں کہ چیزے توحش بہ خاطر نیاوردہ اجازت نامہ قبل از رسیدن ما فرستید کہ بلا وسوسہ از اں حدود بہ سمت مقصود بگذریم۔

ترجمہ: ہم ہندی مسلمانوں نے ہندوستان کے کفرستان سے تنگ آکر جہاد کے ارادے سے ہجرت کی، مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دیتے اور حضرت سید المرسلینؐ کی ملت بیضا کی تائید پر آمادہ کرتے ہوئے رضائے باری تعالیٰ کے شوق میں لمبی مسافت طے کرکے آپ کے بلاد میں پہنچ گئے ہیں۔ دعا یہ ہے کہ اسی طرح یوسف زئی میں پہنچ جائیں جو پشاور کے حوالی میں ہے، مروت ودانائی کا لازمہ یہ ہے کہ دل میں کسی قسم کا وسوسہ نہ لائیں، ہمارے پہنچنے سے پہلے اجازت نامہ بھیج دیں تاکہ ہم کھٹکے کے بغیر ان حدود سے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں۔

میر محمد خاں حاکم غزنی کو خط ملا، وہ دورہ کرتا ہوا ایک روز سید صاحب کی منزل کے قریب پہنچ گیا، پھر ضروری کام پیش آگیا اور اسے ملے بغیر واپس جانا پڑا۔ لہٰذا معذرت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کیساتھ لکھ بھیجا کہ تشریف آوری ہمارے لیئے انتہائی سعادت اور خوشی کا باعث ہوگی۔(۱)

سید صاحب غزنی پہنچے تو لوگوں نے جوش وخروش سے استقبال کیا، وہ دور دور تک راستے کے دونوں طرف کھڑے تھے، پہلے سے روضہ (۲) میں سید صاحب کے قیام کے لئے جگہ مقرر ہو چکی تھی، میر محمد خاں کا بیٹا باوجود آشوب چشم سید صاحب کے استقبال میں شریک ہوا، خود خان نے روضہ میں سید صاحب سے ملاقات کی۔

سید صاحب صرف دو روز غزنی میں ٹھہرے، اس اثناء میں کابل سے خیر مقدم کا خط آ گیا۔ ۲۵ رصفر ۱۲۴۲ھ (۲۸ رستمبر ۱۸۲۶ء) کو غزنی سے روانہ ہو کر ہفت آسیاب، شیخ آباد اور میدان ٹھہرتے ہوئے قلعہ قاضی پہنچے، جس کے بعد اگلی منزل کابل تھی۔ قلعہ قاضی میں مصلحتاً قیام رہا۔ ۲۹ رصفر کو وہاں ربیع الاول کا چاند دیکھا، یکم ربیع الاول کو قاضی قلعہ سے روانہ ہوئے۔ حاکم کابل کی طرف سے پہلے حاجی ملا مغی استقبال کے لئے آیا، جو سلطان محمد خاں کی فوج میں سردار تھا، اور بڑے سرداروں میں محسوب تھا، پھر سلطان محمد خاں نے اپنی طرف سے امین اللہ خاں کو وکیل بنا کر بھیجا۔ (۳) شہر ایک کوس رہ گیا تو خلقت کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا کہ چلنا بھی مشکل ہو گیا۔ سلطان محمد خاں اپنے بھائیوں اور پچاس سواروں کے ساتھ شہر کے دروازے پر منتظر کھڑا تھا، سید صاحب نمودار ہوئے تو خان اور

(۱) یہ بھی معلوم ہوا کہ ملا نور محمد شاغاسی سید صاحب کا پرانا معتقد تھا، سفر حج میں ساتھ تھا، وہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس گیا اور بغداد ہوتا ہوا واپس آیا۔ ملاقات کے لئے بریلی جا رہا تھا کہ خبر ملی کہ سید صاحب ہجرت فرما گئے، چنانچہ وہ گوالیار کی طرف پلٹا، آنا میں ملاقات ہوئی ٹونک تک ساتھ رہا، وہاں سے وطن آ گیا، جو نانی کے متصل تھا۔ چنانچہ وہ مع پسر و برادر ملاقات کے لئے حاضر ہو گیا۔ ملا مومن، عبد الرحمن خاں قندھاری کے مصاحبوں میں تھا، مدت تک لکھنؤ میں رہا، خیر آباد میں اس نے شادی کی تھی، ملاقات کے لئے پہلے تکیہ پھر قندھار پہنچا۔ شمل زئی سے دو تین کوس پر راستے میں بیٹھا تھا، سید صاحب چالیس سواروں کے ساتھ اس کے مکان پر گئے۔

(۲) روضہ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سلطان محمود غزنوی کا مقبرہ ہے، اس کے ساتھ ایک وسیع باغ ہے اور پاس آبادی ہے۔ یہ مقام موجودہ غزنی سے تین میل مشرق میں ہے۔

(۳) سلطان محمد خاں اس وقت کابل میں تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کے بھائی احتراماً گھوڑے سے اتر گئے اور معانقہ کیا۔ پہلے سید صاحب کو سوار کرایا، پھر خود سوار ہوئے۔

کابل میں قیام

سید صاحب کے قیام کے لئے پہلے سے وزیر فتح خاں کا باغ تجویز ہو چکا تھا اور آپ شہر سے گذر کر باغ میں پہنچ گئے۔

قیام کابل کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں، سید صاحب کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کم و بیش پینتالیس روز کابل میں ٹھہرے رہے (از یکم ربیع الاول تا ۱۵ ربیع الثانی) ایک کام یہ تھا کہ امرائے کابل کو جہاد میں ہر گونہ اعانت پر آمادہ کریں۔ دوسرا کام یہ تھا کہ بھائیوں میں اتفاق پیدا کر دیں، ان میں سخت اختلافات بپا تھے، جن کی وجہ سے ان کی قوت ایک دوسرے کے خلاف ہو رہی تھی اور سلطنت کا شیرازہ بکھرا جا رہا تھا۔ سید صاحب خود فرماتے ہیں:

> فقیر بنا بر امید ایں معنی کہ شاید بسعی من رفع منازعت و وقوع مصالحت صورت بندد، چہل و پنج روز تخمیناً در آں بلدہ اقامت نمود، آخر الامر چوں سعی خود را مفید ندید رخت اقامت از بلدۂ مذکورہ برکشید۔ (۱)

> **ترجمہ**: میں اس امید پر پینتالیس روز کابل میں بیٹھا رہا کہ شاید میری کوشش سے جھگڑا رفع ہو جائے اور مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ آخر جب دیکھا کہ میری سعی سودمند نہیں ہو سکتی تو وہاں سے رخت قیام اٹھا کر نکل پڑا۔

---

(۱) منظورہ ص: ۳۱۲۔ ایک عجیب و غریب بیان میری نظر سے گذرا یعنی سلطان محمد خاں اور دوست محمد خاں کے درمیان مصالحت کی کوئی صورت نہ بنی تو سلطان محمد خاں، قلندیوں اور بعض دوسرے سرداروں نے یہ تجویز پیش کی کہ دوست محمد خاں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جائے اور سید صاحب کو حکمران بنا کر سکھوں سے جنگ کی جائے۔ سید صاحب نے یہ تجویز منظور نہ کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سلطان محمد خاں کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کابل میں وعدہ کیا تھا کہ سید صاحب کو ایک خاص رقم برابر پہنچتی رہے گی۔(۱) سید محمد خاں نے بھی ایک خط میں ذکر کیا ہے کہ پشاور تک سید صاحب کو اسی نے پہنچایا تھا اور زرِ نقد کے علاوہ گھوڑے بھی پیش کیے تھے۔(۲)

سید صاحب کے عزمِ جہاد نے لوگوں میں خاص جوش اور شیفتگی پیدا کر دی تھی، لیکن وہ سامان و لشکر کی قلت دیکھ کر افسردہ ہو جاتے تھے۔ ایک روز دیوان حافظ سے فال نکالی گئی تو یہ شعر نکلا:

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب   تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

یہی شعر ایک مرتبہ رائے بریلی میں بھی نکلا تھا، جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

منزلِ مقصود

میرے اندازے کے مطابق سید صاحب ۲/ اکتوبر کو کابل پہنچے تھے، اگر پینتالیس روز وہاں ٹھہرے تو ۱۵ یا ۱۶ نومبر کو نکلے ہوں گے۔ پانچ روز میں پشاور پہنچ گئے، غالباً جلال آباد اور ڈکہ کا راستہ اختیار کیا ہوگا، اس راستے میں بھی لوگوں کا جوشِ پذیرائی انتہا پر پہنچا ہوا تھا جیسا کہ خود سید صاحب کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔(۳)

پشاور میں سید صاحب صرف تین دن ٹھہرے، پھر چارسدہ چلے گئے۔ بعد ازاں جہاد کا آغاز ہو گیا۔ اس کے حالات آئندہ ابواب میں بیان ہوں گے۔

---

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۱۳

(۲) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۲۱۴

(۳) منظورہ ص: ۲۱۶ سے سید صاحب کا بیان یہ ہے: درواثنائے ایں راہ ہم شوق سابق بلکہ زائد از آں از عوام مومنین مخلصین و اجتماع مسلمین صادقین پیش آمد۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ

اب آپ اس سفر پر ایک نظر پھر ڈال لیں جس میں کم و بیش دس مہینے بسر ہوئے، اور مسافت اڑھائی تین ہزار میل سے کم نہ ہوگی۔ رائے بریلی سے بندیل کھنڈ ہوتے ہوئے گوالیار اور ٹونک پہنچے، پھر راجپوتانہ کے بے آب و گیاہ ریگ زار طے کیے، جنوب مشرق سے سندھ میں داخل ہوئے تو شمال مغرب سے باہر نکلے، اس کے بعد بلوچستان کا صحرائی علاقہ، قیامت خیز گرمی، پھر خشک پہاڑ، خطرناک درے، دشوار گزار گھاٹیاں، اکثر کھانے کی تکلیف، پانی کی قلت، زیادہ تر متواتر سفر، بیشتر غازی پیدل، ان تمام مقامات میں سے سفر کی مشکلات کا اندازہ آج کے حالات کی بناء پر نہیں، بلکہ سوا سو سال پیشتر کے حالات کی بناء پر کرنا چاہیے۔

تاریخ ہند کے اوراق کو خوب کھنگال لو، پھر بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی جماعت مل سکتی ہے جس نے احیاءِ دین، اعلاءِ کلمۃ الحق اور آزادیٔ بلادِ مسلمین کے لئے ایسی صعوبتیں دلی عشق و شیفتگی کے ساتھ قبول کی ہوں، جس طرح سید صاحب کی جماعت نے قبول کیں؟

اس ساری مدت میں ایک شخص کی زبان پر بھی حرفِ شکایت نہ آیا، راحت و آسایش کو چھوڑ کر اذیتوں کے مواج سمندر میں کود پڑنے پر ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو پشیمانی نہ ہوئی۔ یہ تھی وہ قدوسی جماعت جسے سید صاحب نے چند برسوں میں تیار کیا، یہ تھی وہ جماعت جسے ہم سوا سو برس تک یا تو مجانین کا گروہ سمجھتے رہے یا دینداری کی رگ جوش میں آئی تو تکفیر کے تیر اس پر برسانے لگے، یا بہ درجۂ آخر اسے ناقابل توجہ قرار دے لیا، حالانکہ اس متاعِ عزیز کو ہزار سالہ اسلامیت ہند کا سر جوش سمجھنا چاہیے۔ اگر یہ متاع اپنے دامن سے نکال پھینکیں تو تاج و تخت یا مادی عظمت و جبروت کے لئے ایک ہنگامۂ مسلسل کے سوا ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے؟ اسی ہنگامے کی ہمہ سوز آگ آخر ہمارے تاج و تخت اور عظمت و جبروت کو بھی خاکستر بنا گئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسواں باب:

پنجاب وسرحد کا دَورِ مصائب

مغلوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب

اب آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ جس قوت سے سید صاحب کو سابقۂ جنگ پڑا، وہ کیوں کر معرضِ وجود میں آئی اور کن حالات میں پنجاب پر مسلط ہو کر اس نے سرحدی علاقوں پر تر کتازیں شروع کیں؟ نیز اس وقت سرحدی علاقوں کا نقشہ کیا تھا؟ یہ داستان اس وجہ سے بھی اختصاراً بیان کر دینی چاہئے کہ اس کے بغیر سید صاحب کے کام کی عظمت اور مشکلات کی وسعت وشدت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے بھی خاص توجہ کی مستحق ہے کہ اس میں عبرت وموعظت کا ذخیرۂ وافر موجود ہے۔

ہندوستان میں مغلوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب وہ خانہ جنگی تھی جس کے جراثیم ابتداہی سے موجود تھے۔ عالمگیر اعظم کی وفات کے بعد یہ اس درجہ عام ہو گئی تھی کہ کسی شہزادے کیلئے دریائے خون سے گذرے بغیر تخت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ امراء نے بھی مختلف شہزادوں کی پاسداری کو اپنے عروج کی سیڑھی بنا لیا تھا، اس طرح وہ خود بھی یکے بعد دیگرے خانہ جنگی کی آگ کا ایندھن بنتے رہے اور سلطنت کی عظمت وشوکت کو بھی بے پروائی سے اسی بھٹی میں جھونکتے گئے۔

اس مسلسل رزم وپیکار نے مرکز کو بالکل بیدم کر دیا اور سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ بعض صوبیداروں نے اپنے اپنے علاقوں میں خود مختاری کی بنیاد رکھ دی، نئی نئی قوتوں نے ابھر کر جگہ جگہ پاؤں جمانے کا بندوبست کر لیا۔ دکن میں مرہٹوں کا زور ہوا، پھر وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہندوستان کے بڑے حصے پر چھا گئے۔ پنجاب میں سکھوں نے جتھے بنا کر قتل وغارت کا سلسلہ جاری کر دیا، انگریزوں نے کرناٹک، بنگال، بہار اور اڑیسہ کو اپنے زیر اثر لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

بندا بیراگی

سکھوں کی منظم غارت گری کا آغاز بندا بیراگی سے ہوا۔ یہ شخص پونچھ کا رہنے والا تھا، بیراگی بن کر پھرتا پھراتا سکھوں کے دسویں اور آخری مذہبی پیشوا گرو گوبند سنگھ سے وابستہ ہو گیا۔ گرو جی ۱۷۰۸ء میں ناندیڑ (حیدر آباد دکن) میں فوت ہوئے تو بندا سکھوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر شمالی ہند میں آ گیا۔ شاہ عالم بہادر شاہ اس وقت راجپوتانہ کے فتنہ انگیزوں کی سرکوبی کر رہا تھا، بیراگی نے دہلی کے شمالی و مغربی علاقے میں جمعیت فراہم کی اور سرہند پر چڑھائی کر دی، جہاں عام روایت کے مطابق گرو گوبند سنگھ کے دو صاحبزادوں کو زندہ دیواروں میں چن دیا گیا تھا۔ سرہند کا حاکم دفو جدار مقابلے کے لئے نکلا، اتفاق سے ایک تیر اس کے حلق میں لگا اور وہ مارا گیا۔ فوج بکھر گئی، بیراگی نے شہر کے ساتھ جو سلوک کیا وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔ قتل عام شروع ہو گیا، یہاں تک کہ بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی نہ چھوڑی گئیں اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ صاحبزادوں پر ظلم کا ذمہ دار کوئی ہو، مگر بدلہ بے گناہ لوگوں یا مکانوں اور اینٹوں سے لیا گیا، جو کسی بھی صورت میں اصل فعل کے ذمہ دار نہ تھے۔

جان میلکم کا بیان

پھر یہ سیلِ ظلم وستم دریائے ستلج کو عبور کر کے شمالی سمت میں بڑھا، قتل وغارت اور آتش زنی کے سوا اس کا کوئی مشغلہ نہ تھا، جان میلکم نے لکھا ہے:

ہمیشہ یاد رہنے والی اس یورش کی تفصیلات بیان کرنا غیر ضروری ہے۔

> تمام روایتوں کے مطابق یہ بدترین لعنت تھی، جو کبھی کسی ملک کے لئے سرچشمۂ آزار بنی۔ نہایت درجہ وحشیانہ بربریت جن تعدیوں کی مرتکب ہو سکتی تھی، اور انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ جن بے دردیوں کی جانب رہنمائی کر سکتی تھی، وہ سب اس صوبے (پنجاب) کے تمام بدنصیب باشندوں پر پوری شدت سے نازل ہوئیں۔ جہاں جہاں ان یورشیوں کے قدم پہنچے صرف ان لوگوں کو زندہ چھوڑا گیا جنہوں نے سکھ دھرم قبول کر لیا اور سکھوں کی سی وضع قطع کے پابند ہو گئے۔(۱)

بادشاہ کی آمد

پھر بربریت کا یہ طوفان دریائے بیاس سے گذر کر بٹالہ جا پہنچا، وہاں کے لوگوں نے مردانگی سے بیراگی کا مقابلہ کیا، مگر شکست کھا گئے، اور سرہند کی داستانِ ظلم بٹالہ میں بھی پورے اہتمام سے دہرائی گئی۔ بٹالہ سے بیراگی کے لشکریوں نے لاہور کا رخ کر لیا، اگرچہ وہ لاہور کو فتح نہ کر سکے لیکن شالا مار باغ تک ہر خطے کو برباد کر ڈالا۔ بہادر شاہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو راجپوتانہ سے بجلی کی تیزی کے ساتھ پنجاب پہنچا، بیراگی کو بادشاہ کی آمد کا علم ہوا تو پہاڑوں میں جا چھپا، تعاقب میں فوج بھیجی گئی، جس نے بیراگی کو کئی شکستیں دیں۔ ایک مقام پر وہ شاہی فوج کے نرغے میں آ گیا لیکن بھیس بدل کر بچ نکلا، بادشاہ نے لاہور میں ٹھہر کر سارے برباد شدہ علاقے کو از سرنو آباد کرایا۔ ۱۷۱۲ء میں لاہور ہی میں وفات پائی، ساتھ ہی اس کے بیٹوں میں تاج و تخت کے لئے جنگ شروع ہو گئی۔ معز الدین اپنے تین بھائیوں کو مار کر جہاندار شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا، اس کا بھتیجا

(۱) میں نے شہادتیں پیش کرتے وقت اس امر کا خاص خیال رکھا کہ زیادہ تر ان لوگوں کے بیانات درج کروں جن کے متعلق جانبداری کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ جو ہندوستانی اقوام میں سے مسلمانوں کو سب سے برا سمجھتے تھے، کیونکہ مسلمانوں کو دبائے بغیر ان کی حکومت استوار نہیں ہو سکتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرخ سیر بن عظیم الشان عظیم آباد پٹنہ کا گورنر تھا۔ اس نے سادات بارہہ (عبداللہ خاں حسن علی اور امیر الامراء حسین علی) کو ساتھ ملا کر جہاندار شاہ سے بدلہ لینے کی ٹھان لی، اس خانہ جنگی نے بندا بیراگی کو پھر لوٹ مار شروع کرنے کا موقع دے دیا۔

عبدالصمد خاں دلیر جنگ

جہاندار شاہ صرف ایک برس بادشاہ رہا اور فرخ سیر سے شکست کھا کر مارا گیا۔ فرخ سیر نے بادشاہ بنتے ہی بیراگی کی گوشمالی پر خاص توجہ مبذول کی۔ اس مقصد کے لیے عبدالصمد خاں دلیر جنگ کو پنجاب کا گورنر بنایا، جو تورانی امیروں میں بڑا قابل اور دلیر تھا۔ دلیر جنگ نے تھوڑے ہی دنوں میں بیراگی اور اس کے سات آٹھ سو آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔ یہ قیدی پہلے لاہور لائے گئے، پھر انھیں دہلی بھیجا گیا۔ عام لوگ بیراگی کے ظلم وستم سے اس درجہ غیظ وغضب میں آئے ہوئے تھے کہ جہاں سے ان قیدیوں کے گذرنے کی خبر پہنچتی، مرد، عورتیں اور بچے سنگ وخشت لے کر راستوں پر آبیٹھتے۔ دہلی پہنچنے کے بعد یہ سب کیفر کردار تک پہنچے۔

بیراگی کو سزائے موت دینے سے پہلے پوچھا گیا کہ تو نے اتنے ظلم کیوں کیے اور بے گناہوں کو کس وجہ سے موت کے گھاٹ اتارا؟ اس نے جواب دیا کہ جب بندگانِ خدا کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے:

> منتقم حقیقی در مکافاتِ اعمال آنہا چوں من ظالمے را بے گمارد تا جزائے هر یکے در کنارش نہد، بعد ازاں مشکل شما مقتدراں را بر و تسلط دادہ او را بہ سزائے کردارش مے رساند۔ (۱)

ترجمہ: منتقم حقیقی سرکشوں کو ان کی بدعملیوں کی سزا دینے کے لئے مجھ ایسے ظالم کو مقرر کردیتا ہے۔ پھر تم ایسے طاقتوروں کو اس ظالم پر مسلط کر دیتا

(۱) سیر المتاخرین ص ۴۰۲

ہے، تا کہ اسے کیفر کردار کو پہنچائیں۔

مرکزی حکومت کی ابتری اور پنجاب کی حالت

فرخ سیر کی بادشاہی کا ابتدائی دور بہت اچھا تھا، پھر سادات بارہہ سے اختلافات شروع ہو گئے، جن کی وجہ سے وہ مارا گیا اور سید برادران سلطنت کے مختار کل بن گئے۔ وہ جس شاہزادے کو اپنے ڈھب کا پاتے شاہی تخت پر بٹھا دیتے، آخر شاہ عالم اول کے پوتے اور جہاں شاہ خجستہ اختر کے بیٹے روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے بادشاہ بنایا گیا، اس کے عہد میں مختلف امیروں نے مل کر سید حسن علی اور سید حسین علی کو ختم کیا۔

اس ساری مدت میں پنجاب نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ کے زیر نگرانی ہر آفت سے محفوظ رہا۔ نواب نے ۱۷۳۷ء میں وفات پائی تو اس کا قابل فرزند زکریا خاں گورنر بن گیا۔ ۱۷۳۹ء میں ایران سے نادر شاہ آندھی کی طرح آیا، اس کی یورش نے مغلوں کی مرکزی حکومت کا رہا سہا وقار بھی تباہ کر ڈالا اور جو نوادر دو سو برس سے دہلی کے خزانے میں جمع ہو رہے تھے، انہیں بھی جھاڑو سے سمیٹ کر ساتھ لے گیا۔ مرکزی حکومت کی ابتری نے فساد و انتشار کی رفتار بہت تیز کر دی اور مخالف قوتوں نے مغل سلطنت کو بازی گاہِ عام بنا دیا۔

پنجاب میں زکریا خاں کے بعد عبدالصمد خاں دلیر جنگ کا بھتیجا معین الملک گورنر بنا، اس نے سکھوں کا فتنہ بھی دبایا اور ابدالیوں کی ترکتازوں کے باوجود صوبے کا امن بھی بحال رکھا۔ وہ مرا تو آخری بند ٹوٹ گیا جو فتنوں کے سیل کو روکے کھڑا تھا، مرکز میں نظام الملک آصف جاہ کا پوتا عماد الملک مختار کل بن گیا اور پنجاب میں آدینہ بیگ برسر اقتدار آ گیا۔ آخری دور میں مغلوں کی تباہی کے یہ دو سب سے بڑے عامل تھے۔ عماد الملک نے مرہٹوں اور جاٹوں کو ذاتی اغراض کی پیش بُرد کے لئے سہارا دے کر کھڑا کیا، آدینہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیگ نے سکھوں کے غارت گر جتھوں کی تربیت و پرورش کو اپنا نصب العین بنالیا، احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں پر کاری ضرب لگائی۔ ۱۷۶۲ء میں سکھوں کو خوفناک سزا دی۔ سکھ اس تادیب کو "گھلو گھاڑا" کے نام سے یاد کرتے ہیں، یعنی نادیدہ آفت، مگر فتنوں کی آگ ایک مرتبہ سلگی تو پھر نہ بجھی۔

تھوڑی دیر بعد سکھوں کے غارت گر جتھے جنہیں مسلیں کہتے تھے، پنجاب میں جگہ جگہ قدم جما کر بیٹھ گئے، وہ عوام کو بھی لوٹتے اور آپس میں بھی لڑتے۔ ان میں سے تین مسلوں کے سردار لاہور پر قابض ہو گئے، شہر اور اس کے حوالی کو تین حصوں میں بانٹ لیا، جنوبی سمت میں نیاز بیگ تک سوبھا سنگھ کی حکومت تھی، مشرقی سمت میں کابلی مل کی حویلی تک کا علاقہ گوجر سنگھ کے ماتحت تھا، جس کے نام سے قلعہ گوجر سنگھ کا علاقہ منسوب ہے، باقی سارا شہر جس میں قلعہ اور شاہی مسجد وغیرہ شامل تھے، لہنا سنگھ کی تحویل میں آ گیا۔ یہی تین سکھ سالار تھے، جنہوں نے شالامار میں سے سنگ یشب کا قیمتی سائبان اٹھوایا اور چوبیس ہزار میں لاہور کے سنگ تراشوں کے ہاتھ بیچا۔

رنجیت سنگھ

اس عہد میں پنجاب کے باشندوں پر جو مصیبتیں نازل ہوتی رہیں ان کی داستان بڑی دردناک ہے۔ سکھوں کی ایک مسل شکور چکیہ مسل کہلاتی تھی، اس کے سالاروں میں چڑھت سنگھ اور مہاں سنگھ نے خاصی شہرت حاصل کر لی۔ مہاں سنگھ کا بیٹا رنجیت سنگھ تھا ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا، ابھی لڑکا ہی تھا کہ باپ کے مرنے پر مسل کا سردار بن گیا، عقلمند اور دور اندیش نوجوان تھا، احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ کی توپیں دریا میں گر گئی تھیں، انہیں نکلوا کر شاہ کی خدمت میں پیش کیا اور خوشنودی کا پروانہ لیا۔ پھر اہل لاہور سے خفیہ خفیہ ساز باز کر کے ۱۷۹۹ء میں نواں کوٹ کے چودھری محکم دین کی مدد سے لاہور پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قابض ہو گیا۔ بعد ازاں آہستہ آہستہ حسنِ تدبیر سے اپنا اختیار بڑھانے لگا۔ ۱۸۰۹ء میں انگریزوں کے ساتھ عہد نامہ کر لیا، جس میں دریائے ستلج رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے درمیان پکی حد بن گیا۔ جنوبی و مشرقی جانب سے بے فکر ہو کر رنجیت سنگھ نے شمال و مغرب میں پیش قدمی شروع کر دی۔ پنجاب میں کوئی قابلِ ذکر قوت تھی نہیں، چھوٹے چھوٹے رئیس یا زمیندار تھے، رنجیت سنگھ ایک ایک کر کے سب کو کھا گیا۔ افغانستان میں بھی خانہ جنگی کی آگ شعلہ زن تھی، جس کا ذکر ہم پہلے ذکر چکے ہیں، اس کی وجہ سے بھی رنجیت سنگھ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ کشمیر اور اٹک اسی خانہ جنگی کے باعث اسے ملے، یہ کہانی بڑی عبرت انگیز ہے۔

عطا محمد خاں اور اس کا بھائی جہاں داد خاں حکومتِ افغانستان کی طرف سے علی الترتیب کشمیر اور اٹک کے گورنر تھے، دونوں سرکشی پر آمادہ تھے، وزیر فتح خاں نے انہیں سزا دینی چاہی، جہاں داد خاں مطیع بنا رہا، فتح خاں نے پنجاب کے راستے کشمیر پر حملے کا ارادہ کیا اور رنجیت سنگھ سے بھی مدد مانگی۔ وعدہ یہ کیا کہ کشمیر کے مالِ غنیمت سے تیسرا حصہ سکھوں کو دیا جائے گا، سکھ اور افغان فوجیں پیر پنجال کے دامن میں پہنچیں تو راستے برف سے اٹے پڑے تھے، سکھ آگے نہ بڑھ سکے اور افغانوں نے بے تکلف پیش قدمی کر کے کشمیر لے لیا۔ چونکہ سکھ فوج سے کوئی مدد نہیں ملی تھی، اس لئے اسے حصہ بھی نہ دیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے یہ بات دل میں رکھی، وزیر فتح خاں واپس چلا گیا تو جہاں داد نے خفیہ خفیہ رنجیت سنگھ سے ساز باز کر کے پنجاب میں جاگیر لے لی اور اٹک کا قلعہ سکھوں کو دے دیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیر فتح خاں مارا گیا تو رنجیت سنگھ نے کشمیر پر بھی قبضہ کر لیا۔

صوبہ سرحد کی حالت

فتح خاں کے بعد عظیم خاں بارک زئیوں کا سردار بنا، اس کے بھائی یار محمد خاں، پیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محمد خاں، سلطان محمد خاں اور سید محمد خان پشاور میں رہتے تھے۔ رنجیت سنگھ نے اٹک سے آگے بڑھ کر پیش قدمی شروع کی تو یار محمد خاں نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور خراج دینے لگا، عظیم خاں کو اس پر سخت غصہ آیا وہ لڑائی کے ارادے سے نکلا، لیکن سوءِ اتفاق سے نوشہرہ کے پاس شکست کھائی اور صوبہ سرحد کو سکھوں نے پامال کر ڈالا۔

چاروں بارک زئی سردار سکھوں کے فرمانبردار بن گئے، متفرق خوانین کی حالت عجیب تھی وہ سکھوں کو دل سے پسند نہیں کرتے تھے، لیکن مقابلے کی ہمت نہ تھی، اور کہیں سے انہیں امداد مل نہیں سکتی تھی، سکھ عام طور پر گھوڑے اور باز خراج میں وصول کرتے تھے۔ جو خراج گزارتے تھے وہ اطمینان سے اپنے علاقے میں بیٹھے رہتے تھے، سکھ فوج آتی تو اس کے لئے رسد کا انتظام کر دیتے، جو خراج پر راضی نہ تھے وہ سکھوں کی یورش کے وقت اپنی جگہیں چھوڑ کر بال بچوں کے ساتھ پہاڑی علاقوں میں جا بیٹھتے، سکھ ان کے دیہات کو آگ لگا دیتے اور واپس چلے جاتے۔

خوانین میں سے جن لوگوں کو سید صاحب کے ساتھ براہ راست سابقہ پڑا، ان کے حالات یہاں الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ ان کی حیثیت ذرا اونچے درجے کے با اثر زمینداروں کی تھی۔ جہاں ان کا ذکر آئے گا وہیں ان کے مختصر حالات بیان کر دیے جائیں گے۔ ہزارہ کے عام حالات اور وہاں سکھوں کے داخلے کی سرگزشت اس موقع پر عرض کی جائے گی، جب سید صاحب نے مجاہدین کے جیش ہزارہ بھیجے تھے۔

سکھ راج کی کیفیت

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سکھ راج درحقیقت کوئی باقاعدہ اور منظم راج نہ تھا بلکہ ایک نوع کا عارضی فوجی غلبہ تھا، جسے رنجیت سنگھ نے منظم حکومت کی شکل دینے کا ارادہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضرور کیا ہوگا، لیکن نہ اُسے موقع مل سکا اور نہ وہ اپنی زندگی میں تصرفات سے باز رہ سکا۔ تصرفات کی آرزو اسی صورت میں پوری ہو سکتی تھی کہ عسکریت کو زیادہ سے زیادہ بے لگام رکھا جاتا۔

یہاں میں ان لوگوں کی تحریرات سے چند اقتباس پیش کروں گا جو مسلمان نہ تھے کہ ان پر طرف داری کا الزام عائد ہو سکتا، بلکہ فرنگی تھے، جنھوں نے سکھوں کے دوستداروں کی حیثیت میں پنجاب کو دیکھا تھا۔

جنرل فین انگریزی فوج کا سپہ سالار تھا، اسے کنور نونہال سنگھ کی شادی کے موقع پر نمائندے کی حیثیت میں لاہور بھیجا گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

> سکھ فوجیں جب نقل و حرکت میں ہوتی ہیں تو کھیتی باڑی کا کچھ خیال نہیں کرتیں، ان کا توپ خانہ اور رسالہ کھڑی فصلوں سے بے تکلف گذرتا ہے۔ (۱)

کیا یہ ان لوگوں کی کیفیت ہو سکتی ہے جو عوام کے محافظ اور ہمدرد ہوں؟ اس کے برعکس شاہ جہاں کا عہد سامنے لاؤ، جب اس کی سواری نکلتی تھی تو دو رویہ فوجی کھڑے ہو جاتے تھے، تا کہ کسی فصل کو خفیف سا نقصان بھی نہ پہنچے۔ جہاں سے اتفاقیہ نقصان کی اطلاع ملتی تھی فوراً اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔

انگریزوں سے سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد لاہور میں انگریز ریزیڈنٹ مقرر ہو گیا تھا، اس نے انگریز کارکنوں کی مدد سے انتظام کو بہتر بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ہربرٹ ایڈورڈس مروت گیا جہاں دیوان دولت رائے حاکم تھا، دیوان کے بارے میں ایڈورڈس لکھتا ہے:

> یہ شخص چاہتا ہے کہ دریائے سندھ کی اس سمت میں مختار کل رہے، لوگوں کو جتنا چاہے لوٹے، نہ کوئی غیر جانبدار ناظر موجود ہو اور نہ اس کی رپورٹ کی

(۱) فین: ہندوستان میں پانچ سال Five years in india

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جائے۔ مروت میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ
حکومت بے پروایانہ غارت گری کا ایک منظم سلسلہ ہے۔

۱۸۱۶ء میں محمد خاں حاکم لیہ و بھکر فوت ہوا، سکھوں نے اس کے جانشین احمد خاں سے خراج مانگا، اس نے انکار کیا تو سکھوں نے خان گڑھ اور محمود کوٹ کے قلعے لے لئے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ خراج کا مطالبہ پورا نہ ہونے کی بناء پر پیش قدمی اور تصرف جائز تھا، لیکن معاملہ یہاں پر ختم نہ ہوا، بلکہ:

پھولا سنگھ اکالی کو اجازت دے دی گئی کہ وہ مسلمان آبادی پر نہایت
گھناؤنے ظلم کرے اور انہیں حد درجہ مکروہ بے عزتیوں اور ذلتوں کا ہدف
بنائے۔(۱)

پھولا سنگھ اکالی نہنگ گروہ کا لیڈر تھا، جو لرزہ خیز ظلم وستم کی وجہ سے بے حد رسوا تھا۔ رنجیت سنگھ اسے اپنی فوج میں سب سے آگے رکھتا تھا تاکہ باقاعدہ فوج کے پہنچنے سے پیشتر آبادی پھولا سنگھ کے بے پناہ ظلم وجور سے مرعوب ہو جائے۔ یہ شخص ۱۸۲۳ء میں نوشہرہ کی جنگ میں مارا گیا۔

اکثر لوگوں کی روایتوں کے مطابق لاہور اس درجہ تباہ ہو چکا تھا کہ بہ مقابلہ سابق اس کی آبادی دسواں حصہ رہ گئی تھی۔ پشاور برباد ہو چکا تھا، اس کے عالی شان باغ ویران ہو چکے تھے۔

مزید بیانات

مورکرافٹ نے ۱۸۲۰ء میں سفر کیا تھا، وہ کشمیر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اس وقت کشمیر میں رنجیت سنگھ کی حکومت حد درجہ ظالمانہ ہے، کشمیریوں
کے پاس جو کچھ ہے وہ انتہائی بے دردی سے چھینا جاتا ہے۔ درانی بھی سخت

(۱) پنجاب گورنمنٹ ریکارڈ جلد پنجم ص ۱۰۶۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیٹرے تھے، لیکن ان کی غارت گری غیر منظم تھی، بہت سے لوگ ان کی بے پروائی کے باعث لوٹ مار سے بچ جاتے تھے۔ مگر رنجیت سنگھ نہایت منظم طریقے پر سب کو ظلم وغضب کی چکی میں پیستا ہے۔(۱)

عین اسی قسم کے خیالات وکٹر جیکماں نے اپنے خطوط میں ظاہر کئے ہیں۔ آرچ نے ۱۸۴۰ء میں سفر کیا تھا، وہ لکھتا ہے:

سکھوں کے مذہبی پیشواؤں یا اکالیوں میں (جن کی حیثیت جنونی قسم کے مذہبی فقیروں کی ہے) رواداری اور اعتدال بالکل ناپید ہے، اور مسلمان مجبور ہیں کہ اپنے مذہبی فرائض چھپ چھپ کر ادا کریں۔(۲)

بالکل یہی نقشہ آپ کو ہزارہ گزیٹر اور پشاور گزیٹر میں نظر آئے گا۔ مثلاً یہ کہ حکومت صرف دہشت انگیزی پر مبنی تھی۔(۳) یا دریائے اباسین یعنی سندھ سے وادی لوند خوڑ تک شاید ہی کوئی گاؤں ہو، جسے سکھوں نے لوٹا یا جلایا نہ ہو۔(۴)

یہ حکومت تھی جس سے سید صاحب کو جنگ پیش آئی، وہ نظم ونسق کے اعتبار سے کتنی ہی ناکام رہی ہو، لیکن فوجی طاقت وقوت اور وحشت وبربریت میں اپنی مثال آپ تھی۔ رنجیت سنگھ نے کئی فرنگیوں کو ملازم رکھ کر زبردست دستے تیار کئے تھے، ان فرنگیوں میں سے ونتورا اور ایلارڈ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو، مورکرافٹ حالات قیام کشمیر۔

(۲) ہندوستان میں سفر (Travels in india) جلد اول ص:۱۹۳

(۳) ہزارہ گزیٹر ص:۱۳۱

(۴) پشاور گزیٹر ص:۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکتیسواں باب:

چارسدہ میں قیام

چارسدہ کا قصد

سید صاحب نومبر ۱۸۲۶ء کے اواخر میں پشاور پہنچے تھے، وہاں تین یا چار دن ٹھہرے، وہ ہزاروں میل کی دشوار گزار مسافتیں طے کر کے اس غرض سے سرحد نہیں گئے تھے کہ کسی ایک مقام پر پڑاؤ ڈال کر بیٹھ جائیں اور انتظار کریں کہ حالات کس کروٹ بیٹھتے ہیں، پھر اپنے طریق عمل کا فیصلہ فرمائیں۔ وہ سارے علاقے کا دورہ کر کے عوام کو جہاد کے لئے جلد سے جلد منظم کر دینا چاہتے تھے، اسی لئے پشاور میں زیادہ قیام گوارا نہ کیا اور چارسدہ (۱) کا قصد فرمایا۔ چکنی کے گھاٹ سے دریائے لنڈے (۲) کو عبور کیا۔

عزم جہاد کی خاصی شہرت ہو چکی تھی، عام اہل سرحد آج بھی مجاہدانہ اوصاف وعزائم

(۱) راویوں نے اس مقام کا نام "ہشت نگر" لکھا ہے، جسے بول چال میں تخفیفاً "اشنغر" بھی کہتے ہیں، یہ دراصل اس پرگنے کا نام ہے جو نوشہرہ سے ابازئی تک دریائے سوات کے مشرقی کنارے پر واقع ہے، اور آج کل کی طرح سید صاحب کے زمانے میں بھی صوبہ سرحد کا ایک نہایت زرخیز خطہ تھا۔ اس میں آٹھ بڑی بستیاں تھیں، جن کی وجہ سے خطے کا نام ہشت نگر پڑا۔ ان میں سے پرانگ، چارسدہ، اتمان زئی، ترنگ زئی اور تنگی زیادہ ممتاز تھیں۔ سید صاحب کا لشکر چارسدہ میں اترا تھا، میں نے اسی وجہ سے چارسدہ کا نام لیا کہ ہشت نگر کے نام سے غلط فہمی کا اندیشہ تھا، پرانے زمانے میں اس مقام کا نام پشکلاوتی تھا اور علاقے کو گندھارا کہتے تھے۔

(۲) "ل" مضموم اور "ڈ" مفتوح۔ اس سے مقصود دریائے کابل ہے۔ پشتو میں لنڈے کے معنی ہیں چھوٹا اور مختصر۔ دریائے کابل کے کئی مقامی نام ہیں، پہاڑیوں سے نکلنے کے بعد دریائے سوات سے اتصال تک اسے "ناگمان" کہتے ہیں۔ نستا پر دریائے سوات اس میں مل جاتا ہے، وہاں اس کا نام لنڈے مشہور ہے۔ یہ اٹک کے سامنے دریائے اباسین یعنی سندھ میں مل جاتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو خاص قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس زمانے میں ان کی دینی حیثیت آج کل کے مقابلے میں ضرور بہتر ہو گی پھر اجنبیوں کی متواتر یورشوں کے باعث جینا ان کے لئے دوبھر ہو چکا تھا، اور وہ انتہائی بیتابی سے منتظر تھے کہ خدا کا کوئی بندہ عزیمت کا جھنڈا اٹھا کر سامنے آئے تو اس کے ساتھ ہو کر مصیبتوں سے نجات کی کوئی صورت پیدا کریں۔

سید صاحب کے سفر چارسدہ کی خبر ملی تو گذرگاہ کے حوالی کی بستیوں کے لوگ گروہ در گروہ زیارت کی غرض سے جمع ہوتے رہے، ان میں خواتین کی بھی کثیر تعداد تھی۔ سید صاحب اُونٹ پر سوار تھے، اس پر جھالر والا زین پوش پڑا ہوا تھا۔ راویوں کا بیان ہے کہ زائرین زین پوش کے تار نکال نکال کر بطور تبرک لے گئے، بلکہ اونٹ کی دُم کے بال بھی محفوظ نہ رہے۔ جنہیں ان تبرکات میں سے کوئی حصہ نہ مل سکا وہ اونٹ کے نقش ہائے پا کی خاک اُٹھا اُٹھا کر سر اور آنکھوں پر ملتے رہے۔

رات کے وقت یہ قدوسی لشکر چارسدہ پہنچا اور قصبے سے باہر قیام پذیر ہوا۔ مولوی محمد یوسف پھلتی سید صاحب کے داروغہ خاص، خزینہ دار اور رسد کے ناظم اعلیٰ تھے، ان کے ماتحت دو کارکن تھے۔ اجناس کی خرید میاں عبداللہ کے سپرد تھی، جو لشکر میں عبداللہ "دالیا" کے لقب سے مشہور تھے۔ اجناس کی تقسیم شیخ باقر علی عظیم آبادی (۱) کے حوالے تھی۔

لشکر کی معیشت و معاشرت

راویوں کا بیان ہے کہ چارسدہ پہنچنے پر کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا، نہ غلہ موجود تھا اور نہ خریدنے کے لئے روپیہ پاس تھا۔ اس لئے سید صاحب کے ارشاد کے مطابق چند مسی ظروف ایک بنئے کے پاس بطور کفالت رکھ کر جنس خریدی گئی۔ لشکر میں تقسیم رسد کا پیمانہ ایک تاملوٹ تھا، جس میں تین پاؤ غلہ آتا سماتا تھا۔ چارسدے میں پہلی رات جو جنس ملی وہ

(۱) شیخ باقر علی مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے عم زاد بھائی تھے، سلسلہ نسب یہ ہے: باقر علی، ابن مولانا بشارت علی، برادر مولانا فتح علی (والد ماجد مولانا ولایت علی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بہ سہم مساوی تقسیم ہوئی تو تین تین غازیوں کے حصے میں ایک ایک ٹالموٹ آیا، یعنی فی غازی ایک پاؤ جنس۔(۱) معیشت کی اس عسرت کے باوجود ہر فرد شاکر و شاد ماں تھا، جو لوگ گھروں کی راحت بار زندگیوں سے کنارہ کش ہو کر اس نیت سے دور دراز کی مسافت طے کر کے آئے تھے کہ اپنی جانیں راہِ خدا میں نثار کر دیں اور اسے اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، انہیں رسد کی قلت کیا پریشان کر سکتی تھی۔

کھانے سے فراغت ہوئی تو معمول کے مطابق پہریدار پہرے پر کھڑے ہو گئے، جن لوگوں کے ذمے رات کی گشت تھی وہ اپنے کاموں میں لگ گئے۔ دستور یہ تھا کہ ہر شب کے لئے کوئی لفظ دستک یا نشان (۲) کے طور پر مقرر ہو جاتا اور سب کو اس سے آگاہ کر دیا جاتا۔ پہریداروں کے ٹوکنے پر اگر کوئی شخص مقررہ لفظ نہ دہراتا تو سمجھ لیا جاتا کہ اجنبی ہے۔

سید صاحب کے ارشادات سے مستفیض ہونے کے اشتیاق میں اکثر مجاہدین آپ کے پلنگ کے اردگرد بیٹھ جاتے اور وہیں زمین پر سو رہتے۔ مولوی فتح علی فرماتے ہیں:

> حضرت کے پلنگ کے اردگرد اکثر لوگ آپ کی باتیں سننے کو رہا کرتے تھے، اور اس کثرت سے رہا کرتے تھے کہ کسی کا سر، کسی کا پیر، کسی کا پیٹ اور کسی کی پیٹھ، کسی کو کسی بات کا کچھ تکلف نہ تھا۔ جس نے جہاں کہیں جگہ پائی وہیں

(۱) یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ سید صاحب کے قصد چارسدہ سے بستی والے آگاہ نہ تھے، یہ چند من جنس کی خرید کے لئے بھی روپیہ موجود نہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ لشکر رات کے وقت دیر سے پہنچا ہوگا، بستی والوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ راستے میں منزل کر لی گئی اور صبح چارسدہ پہنچیں گے، اس لئے کھانے کا انتظام نہ کیا۔ جن لوگوں کے پاس روپیہ تھا وہ بھی پیچھے رہ گئے ہوں گے، سید صاحب کے ساتھ اس وقت سات سو کے قریب غازی تھے، اگر فی غازی ایک پاؤ جنس بٹی تو کل جنس چار پانچ من سے زیادہ نہ ہوگی۔ قرینہ یہی ہے کہ دیر سے پہنچے، روپے والے لوگ پیچھے ہوں گے اور سید صاحب نے اس خیال سے کفالت پر جنس لے لینے کا حکم دے دیا کہ روپے والے آ جائیں گے تو نقد روپیہ دے کر برتن واپس لے لئے جائیں گے۔

(۲) وقائع احمدی میں اسے "بولی" لکھا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بے تکلف سو رہا۔ سو اس رات کو (یعنی چارسدہ میں قیام کی پہلی رات کو) بھی یہی حال تھا۔(۱)

نماز و دعاء

پورا لشکر تہجد خواں تھا، سید صاحب تہجد کے لئے اٹھتے تو سب اُٹھ جاتے۔ چارسدہ میں پہلی رات تہجد سے فارغ ہوئے تو سید صاحب نے فرمایا: قبولِ دعاء کا وقت ہے، میں دعاء کرتا ہوں، سب بھائی مل کر آمین کہیں۔ پھر برہنہ سر ہو کر آپ نے دعاء کی، جس کے الفاظ راویوں کے بیان کے مطابق اس قسم کے تھے:

> اے پروردگار! تو بڑا قادر و بے نیاز ہے، ہم سب تیرے بندے محتاج و ناچار ہیں، سوا تیرے کوئی ہمارا حامی و مددگار نہیں، ہم سب تیری ہی رضا مندی کے واسطے اپنے شہر و دیار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، تو ہم سب پر اپنی رحمت کی نظر کر۔

سلسلۂ دعا دیر تک جاری رہا، ہمراہیوں کے حلقے سے محویت کے عالم میں برابر ''آمین'' کی صدا بلند ہوتی رہی۔

ذرا تصور فرمایئے، تہجد کا وقت، جہاد فی سبیل اللہ کا مقام، گھر بار چھوڑ کر ہزاروں میل پر بیٹھے ہوئے فدا کارانِ حق کا گروہ، جس میں ہر فرد جان قربان کرنے کا محکم عزم کئے بیٹھا تھا، اور اس امامِ ہمام کا خشوع و خضوع جس نے ظلمت زارِ ہند میں دینی حمیت کا چراغ از سرِ نو روشن کیا، پھر ''وقائع'' کے اس بیان پر تعجب کی کونسی گنجائش باقی رہ سکتی ہے کہ رحمتِ الٰہی نے ایسا جوش مارا، ہر شخص کا اور ہی حال ہو گیا، گویا سب پر ایک حالت فنا کی ساری و طاری تھی کہ بیان اس کا لکھنے میں نہیں آ سکتا۔(۲)

---

(۱) وقائع ص ۴۴۹۔ منظورہ میں ہے: از غایت بے تکلفی بستر جداگانہ وضعے کہ اہل دنیا را باشد نبود، بلکہ پائے یکے بہ سوئے سر دیگرے و پہلوئے کسے بخلاف جہت کردیدہ۔

(۲) وقائع ص: ۴۴۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کی عادت تھی کہ نماز تہجد کے بعد حاضرین کو کچھ دیر تک نصیحتیں فرماتے، پھر سو جاتے۔ چارسدہ میں بھی یہی ہوا، صبح کی نماز میں لشکریوں کے علاوہ بستی کے لوگ بھی شامل ہو گئے، سید صاحب نے پھر لمبی دعاء فرمائی۔

بیعت اور دعوتیں

ہشت نگر کا علاقہ اس وقت درانی سرداروں میں سے سید محمد خاں کی تحویل میں تھا، وہ چارسدہ کے بالا حصار میں رہتا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد زیارت کے لئے آیا اور بیعت سے مشرف ہوا۔ پھر لوگ اس کثرت سے بیعت کے لئے جمع ہو گئے کہ ایک ایک سے بیعت لینا مشکل ہو گیا۔ سید صاحب اپنا دوپٹا پھیلا دیتے، ایک سرا اپنے دست مبارک میں رکھتے اور دوپٹے کو لوگ پکڑ لیتے، اس طرح بیعت سے فراغت پائی۔ بعد میں کھانے کی دعوتیں مختلف افراد کی طرف سے پے بہ پے آنے لگیں۔ سید صاحب نے غازیوں کو تیس تیس چالیس چالیس کی جماعتوں میں بانٹ دیا اور داعیوں کی باریاں مقرر کر دیں تاکہ کسی کو دعوت قبول نہ کرنے کی شکایت نہ رہے۔

آپ تقریباً دو ہفتے چارسدہ میں ٹھہرے رہے، دونوں وقت غازیوں کی مختلف جماعتیں مختلف داعیوں کے ہاں کھانے کھاتیں۔ سید صاحب نے پہلے دن دوپہر کا کھانا سید محمد خاں کے ہاں کھایا، باقی دنوں کے متعلق یقینی و حتمی اطلاع نہ مل سکی، اغلب ہے اور اصحاب کے ہاں بھی گئے ہوں، میرا خیال ہے کہ سید محمد خاں نے بھی ایک مرتبہ کی دعوت پر قناعت نہ کی ہوگی۔ اس اثناء میں سید صاحب آس پاس کے دیہات کا دورہ بھی فرماتے رہے اور تدابیر جنگ کے بارے میں مشورے کرتے رہے۔

حسن تربیت کا ایک واقعہ

چارسدہ ہی میں ایک واقعہ پیش آیا، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سید صاحب کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فیضِ صحبت نے غازیوں کے مزاج و طبیعت کو کس درجہ بدل دیا تھا، اور وہ لوگ فضائل و اخلاق و اخوتِ اسلامی کے کس بلند مقام پر پہنچ گئے تھے، نیز سید صاحب کا طریق اصلاح کتنا دلکش تھا۔

غازیوں میں ایک شخص رسول خاں نام ملیح آباد کا باشندہ تھا اور نامی بانکوں میں شمار ہوتا تھا۔ عام بانکوں کی طرح طبیعت بڑی جوشیلی اور غصہ ور تھی، بات بات پر تلوار میان سے نکال لیتا تھا۔ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تو جوش اور غصہ باقی نہ رہا، جہاد کے لئے نکلا تو اپنے ایک بھتیجے کو بھی ساتھ لے لیا جس کی عمر گیارہ سال کی تھی، اس بچے کو تعلیم و تربیت کی غرض سے اپنے ایک رفیق اکبر خاں کے حوالے کر رکھا تھا۔

چارسدہ میں جو لوگ بیعت کے لئے آتے تھے وہ عموماً مٹھائی ساتھ لاتے تھے۔ رسول خاں کے بھتیجے نے اس مٹھائی میں سے ایک دو لڈو اجازت کے بغیر کھا لیے، اکبر خاں کو یہ بات معلوم ہوئی تو تادیباً بچے کے ایک تھپڑ مارا۔ رسول خاں نے یہ سنا تو ایک دم طبیعت جوش پر آ گیا اور حالتِ غیظ میں اکبر خاں کو بہت سخت سست کہا۔ ایک اور غازی نور خاں پاس کھڑا تھا، اس نے پورا واقعہ سید صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فوراً رسول خاں کو بلایا، بڑی خاطر داری سے پاس بٹھایا، پہلے مزاج پوچھا پھر شفقت بھرے انداز میں فرمایا:

> ہم نے سنا ہے کہ اکبر خاں نے آپ کے بھتیجے کو دھول ماری، سو آپ کو اس کا بڑا رنج ہوا، یہ بات آپ کو نہ چاہیے۔ انہوں نے اپنا لڑکا سمجھ کر تعلیماً مارا ہوگا۔

رسول خاں کا غصہ تو پہلے ہی فرو ہو چکا تھا اور اپنی اضطراری حرکت پر پشیمان بھی تھا، سید صاحب کا ارشاد سن کر عرض کیا:

> حضرت! جیسا میرا مزاج ہے آپ بھی جانتے ہیں اور اکثر لوگ بھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واقف ہیں کہ میں کسی کی سخت بات برداشت نہ کرسکتا تھا، جب سے میں نے آپ کی باتیں سنیں اور آپکے ہاتھ پر توبہ کی، تب سے جہالت اور شورہ پشتی میری اللہ تعالیٰ نے دور کردی، واللہ وہ جہالت اور شیطانیت نعوذ باللہ منہما ، جو مجھ میں ہوتی تو باوجود اسکے کہ آپکے لشکر میں اتنے لوگ ہندوستانی اور قندھاری وغیرہ بہادر اور شجاعت میں یکتائے زمانہ ہیں، مگر میں کسی کو خیال میں نہ لاتا اور سخت بات کا تلوار ہی سے جواب دیتا۔ سو میں نے تو سچے دل سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی ہے اور اکبر خاں میرے بھائی ہیں، بھتیجے کو مارا تو خوب کیا۔(۱)
یہ سن کر سید صاحب بہت خوش ہوئے اور رسول خاں کے لئے دعاء فرمائی۔

ایک مشتبہ آدمی کی گرفتاری

اسلامی لشکر میں کچھ اوپر دو سو قندھاری تھے، ان کی جماعت کے چند افراد ایک روز شمشیر خاں نام ایک آدمی کو پکڑ لائے ، اور کہا کہ یہ سکھوں کا جاسوس ہے، لہٰذا اسے قتل کردینا چاہئے۔ سید صاحب نے شمشیر خاں کو اپنے پاس ٹھہرالیا، نماز عشاء کے بعد تنہائی میں اس سے کہا کہ اپنا حال صحیح صحیح بتادو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرو۔ اس نے اقبال کرلیا کہ واقعی سکھوں نے مجھے جاسوسی کی غرض سے بھیجا ہے اور بدھ سنگھ بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ عبور کرکے خیر آباد میں داخل ہو چکا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بھائی! بدھ سنگھ سے جاکر کہہ دے کہ جس طرح تو اپنے آقا رنجیت سنگھ کا فرمانبردار ہے، اور اس کے حکموں کی تعمیل میں لگا ہوا ہے، اسی طرح ہم بھی اپنے مالکِ حقیقی کے فرمانبردار اور اس کے حکموں کے پابند ہیں۔ بدھ سنگھ کو خبر پہنچی کہ ایک سید ملک کو سکھوں کے تصرف سے نکالنے کا ارادہ لے کر ہندوستان سے آیا ہے، یہ بالکل درست ہے، ہم عنقریب اس سے جنگ کریں گے۔

(۱) وقائع ص: ۱۵۴، ۳۵۵

شمشیر خاں سید صاحب کی صورت دیکھتے ہی گرویدہ ہو چکا تھا گفتگو سنی اور طرز سلوک دیکھا تو بے تابانہ بیعت کے لئے تیار ہو گیا۔ ساتھ ہی عرض کیا کہ خدا نے چاہا تو میں بدھ سنگھ کے لشکر کا پورا حال معلوم کر کے آؤں گا اور خدمت والا میں پیش کر دوں گا۔ سید صاحب نے شمشیر خاں کو اللہ بخش خاں موررانوی کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ پہر رات باقی رہے تو اسے حفاظت کے ساتھ تین چار میل باہر لے جا کر چھوڑ دینا، جہاں چاہے چلا جائے۔(۱)

بدھ سنگھ سے جنگ کا فیصلہ

یہ خبر مل ہی چکی تھی کہ بدھ سنگھ خیر آباد پہنچ گیا ہے اور وہاں سے آگے بڑھنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ اس اثناء میں امیر خاں خٹک رئیس اکوڑہ چارسدہ پہنچا اور سید صاحب سے مل کر بدھ سنگھ کی آمد کی تصدیق کر دی، ساتھ ہی کہا کہ میرا بھتیجا خواص خاں سکھوں کے ساتھ مل گیا ہے، اگر بدھ سنگھ دریائے لنڈے کو عبور کر کے آگے نکل آیا تو سارے ملک سمہ (۲) میں قتل و غارت کا خوفناک طوفان امنڈ آئے گا، اور لوگ اپنے اہل وعیال کو بچانے کی سراسیمگی میں آپ کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ

(۱) یہ "وقائع" کا بیان ہے "منظورہ" میں ہے "ایں ہا اور ہر جماعت سیر کنانید او وقت ماندن پاسے از شب بہ حفاظت تمام تا سہ میل از لشکر رخصت باید نمود۔" ممکن ہے اس سے کسی دل میں وسوسہ پیدا ہو کہ سید صاحب اپنی نیک طبعی کے باعث فوجی مصالح کا خیال نہیں رکھتے تھے، مگر شمشیر خاں کو مختلف جماعتوں میں پھرا کر باہر نکال دینا کسی بھی مصلحت کے خلاف نہ تھا، اس طرح لوگ اس کی صورت سے واقف ہو جاتے اور لشکر میں پھر کر سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ سید صاحب کی جمعیت کم ہے، یہ حقیقت ہزاروں آدمیوں پر آشکارا تھی۔ سید صاحب کے ساتھ جو غازی آئے تھے ان کی تعداد ہر فرد کو معلوم تھی، لیکن کون خیال کر سکتا تھا کہ سید صاحب انہیں سات سو غازیوں کے بل پر سکھ حکومت سے لڑنے کا ارادہ کئے بیٹھے تھے؟ ان کی اسکیم تو یہ تھی کہ ایک موزوں مرکز مل جائے تو ہندوستان سے مجاہدین کو بلائیں، نیز سرحد کے مسلمانوں کو جلد سے جلد منظم کر کے میدان جنگ میں پہنچا دیں۔

(۲) سمہ پشتو زبان میں میدان کو کہتے ہیں اس سے مقصود وہ میدانی علاقہ ہے جو دریائے سندھ اور سرحد کی پہاڑوں کے درمیان ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیش قدمی کر کے بدھ سنگھ کو لنڈے کے پار ہی روک دیں۔ سید صاحب نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور ساتھ ہی فیصلہ ہو گیا کہ چارسدہ سے نکل کر نوشہرہ پہنچنا چاہئے جہاں سے بدھ سنگھ پر حملہ کر کے کاری ضرب لگائی جا سکتی تھی۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال کی سرگزشت کا ایک نہایت المناک باب یہ ہے کہ وہ جماعتی وقومی مقاصد سے بے پرواہو کر صرف انفرادی اغراض میں مبتلا ہو گئے تھے۔صوبہ سرحد کے اکثر رئیس گھرانے بھی اسی مرض کا شکار ہو چکے تھے، امیر خاں اور اس کے بھتیجے خواص خاں میں جھگڑا تھا، بھتیجا بے تکلف سکھوں سے مل گیا، امیر خاں جماعتی مقاصد کی خاطر نہیں بلکہ بھتیجے کے ساتھ دشمنی کے باعث سید صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دل سے سید صاحب یا ان کے مقاصد کا حامی نہ تھا، جیسا آگے چل کر معلوم ہوگا۔ خواص خاں کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا چاہئے کہ اگر وہ بدھ سنگھ کا خیر مقدم نہ کرتا اور اسے ہر ممکن امداد کا یقین نہ دلاتا تو سکھ لشکر بے تکلفی سے پیش قدمی نہ کرتا۔

نوشہرہ کا قصد

سید صاحب چارسدہ سے نکلے تو خویشگی (۱) پہنچے، جو چھوٹی سی بستی تھی، اور وہاں لشکر کے لئے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ سید صاحب نے غازیوں کو حکم دے دیا کہ نمازِ عشاء تک کلمہ توحید کا ورد جاری رکھیں، اطمینانِ قلب کے لئے ذکر الٰہی سے بڑھ کر کون سی چیز مفید ہو سکتی ہے؟ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.

قدرت کی کرشمہ فرمائی ملاحظہ ہو، اس اثناء میں کنارِ دریا کی بعض بستیوں کے لوگوں کو علم ہو گیا کہ سید صاحب خویشگی میں ٹھہرے ہیں، انہوں نے آٹا فراہم کر کے ایک کشتی میں بھرا، غازی عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو یہ کشتی خویشگی پہنچ گئی۔ اتنا سامان تھا کہ

(۱) خویشگی چارسدہ اور نوشہرہ کے درمیان ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غازیوں میں دو وقت کی رسد بانٹ کر بھی بچ رہا۔

اس وقت سید صاحب کے ہمراہی غازی پندرہ سو تھے: تقریباً پانسو ہندوستانی کچھ اوپر دو سو قندھاری کوئی آٹھ سو ملکی۔ اکثر ملکی اپنے گھروں سے کھانا کھا کر آئے تھے، بہت کم لوگ تھے جنہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا، انہیں غازیوں کے برابر رسد دے دی گئی۔ سید صاحب کے ہندوستانی غازیوں کی اتنی ہی جماعتیں تھیں جو گوالیار میں مرتب ہوئی تھیں، قندھاریوں کی جماعت الگ بن گئی تھی۔ یہ تصریح اس لئے ضروری معلوم ہوئی کہ بعض سوانح نگاروں نے جنگِ اکوڑہ کے وقت جماعتوں کی تعداد زیادہ بتائی ہے، حالانکہ زیادہ جماعتیں آگے چل کر بنی تھیں، ان کا ذکر موقع پر آئے گا۔

سید صاحب ۱۸ر دسمبر ۱۸۲۶ء (۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ) کو خویشگی پہنچے تھے، ۱۹ر دسمبر کو ڈیڑھ پہر دن چڑھے نوشہرہ (۱) میں وارد ہوئے۔ بدھ سنگھ اس وقت خیر آباد سے آگے بڑھ کر اکوڑہ (۲) میں داخل ہو چکا تھا جو نوشہرہ سے سات آٹھ میل جنوب میں دریائے لنڈے کے مغربی کنارے پر ہے۔ دشمن کے قرب کو پیش نظر رکھتے ہوئے سید صاحب نے حکم دے دیا کہ غازی کمریں نہ کھولیں اور کھانا کھا کر تیار رہیں۔

(۱) اس سے مقصود موجودہ چھاؤنی اور اس سے ملحقہ آبادی نہیں جو لنڈے کے مغربی کنارے پر ہے، پشاور والی ریل کا اسٹیشن بھی اسی طرف ہے۔ سید صاحب جس نوشہرہ میں وارد ہوئے تھے، اس سے مقصود پرانا شہر ہے، جو دریا کے مشرقی کنارے پر ہے۔ آج کل اسے نوشہرہ کلاں کہتے ہیں:۔ مقامات کی ترتیب یوں ہے، اٹک سے تین میل خیر آباد، وہاں سے چار پانچ میل جہانگیرا روڈ، جہانگیرا روڈ سے تین میل شیدو۔ اس سے آگے اکوڑہ، پھر نوشہرہ۔

(۲) اکوڑہ دریائے لنڈے کے مغربی کنارے پر ہے، یہ قبیلہ خٹک کے سردار اکوڑہ نے سولہویں صدی میں آباد کیا تھا، اس کے سامنے مشرقی کنارے پر مصری بانڈہ ہے، جو خوشحال خاں خٹک کا گاؤں تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تینتیسواں باب:

جنگِ اکوڑہ

طریق جنگ کا فیصلہ

نوشہرہ پہنچتے ہی سکھ لشکر کے حالات معلوم ہو چکے تھے، اس کی تعداد کم از کم سات اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار تک بتائی جاتی تھی (۱) اور مجاہدین کل ڈیڑھ ہزار تھے۔ سکھوں کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان موجود تھا، کم از کم آٹھ توپیں تھیں، مجاہدین میں سے سب کے پاس بندوقیں نہ تھیں۔ پھر ہندوستانی مجاہدین کے بارے میں یقین تھا کہ وہ جانبازی میں دریغ نہ کریں گے، قندھاریوں کی شجاعت و مردانگی کا بھی ایک حد تک اندازہ ہو گیا ہوگا۔ سرحدی مسلمانوں کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا کہ امتحان و آزمائش کی حالت میں کس حد تک ثبات اور استقامت کا ثبوت دے سکیں گے۔

یہ تمام حالات سامنے رکھ کر مشورہ کیا گیا کہ جنگ کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ سید

(۱) سید صاحب نے جو خط ہندوستان بھیجا تھا، اس میں سکھ لشکر کی تعداد ہفت ہزار سوار و پیادہ بتائی تھی۔ ظفر نامہ کنھیا لال، ظفر نامہ دیوان امرناتھ اور خلیف کی تاریخ پنجاب میں جنگ اکوڑہ کا کوئی ذکر نہیں، میں جس حد تک مختلف ذرائع سے معلوم کر سکا ہوں تعداد سات ہزار سے کم اور دس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ یہ حقیقت سب تسلیم کرتے ہیں کہ سید صاحب کی آمد نے ایک عام سراسیمگی پیدا کر دی تھی۔ دیوان امرناتھ لکھتے ہیں کہ بدھ سنگھ سندھانوالہ، سردار مان اٹاری، گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ پہلے وہاں بھیجے گئے تھے، بعد میں کنور شیر سنگھ، کنور کھڑک سنگھ اور جمعدار خوش حال سنگھ کو بھی ادھر ہی روانہ کر دیا گیا۔ (ظفر نامہ دیوان امرناتھ ص: ۱۸۲) مولوی محمد جعفر نے تعداد نو ہزار سے زیادہ لکھی ہے (ص: ۹۸) اور صاحب حیات طیبہ نے دس ہزار (ص: ۱۶۲) آخر الذکر نے شبخون کے لئے بھیجے جانے والے غازیوں کی تعداد دو ہزار بتائی ہے یہ بالکل غلط ہے، کیوں کہ سید صاحب کے پاس اس وقت کل ڈیڑھ ہزار آدمی تھے، اور ان میں سے شبخون کے لئے نو سو آدمی چنے گئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کی یہ پہلی جنگ تھی جس کے خوشگوار اور حوصلہ افزا نتائج پر سرحد میں کاروبارِ جہاد کی تنظیم موقوف تھی، اس لئے معاملے کے ہر پہلو کو خوب جانچا اور تولا گیا، آخر یہ رائے ٹھہری کہ سکھ لشکر پر شبخون مارا جائے۔ شبخون کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اپنی قوت کو کم سے کم گزند پہنچے اور دشمن کی قوت پر اچانک فوری ضرب لگا کر اسے ہراس زدہ بنا دیا جائے۔ ہراس زدگی کے علاوہ یہ اندازہ بھی کر لیا جائے کہ منظم جنگ کے لئے اس میں کتنی صلاحیت موجود ہے، سید صاحب کا فیصلۂ شبخون انہیں مقاصد پر مبنی تھا۔

اعلام و انتباہ

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب پیشتر ہی دربار لاہور کو ایک اعلام بھیج چکے تھے، اس میں تین صورتیں پیش کی گئی تھیں۔

۱۔ اسلام قبول کر لو تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور برابر کا درجہ حاصل کر لو گے، لیکن اس باب میں ہماری طرف سے جبر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ دین کا قبول یا عدمِ قبول ہر انسان کی مرضی پر موقوف ہے۔

۲۔ ہماری اطاعت اختیار کر لو اور جزیہ دو، اس حالت میں تمہارے اموال و نفوس کی حفاظت اسی طرح ہم پر واجب و لازم ہو جائے گی جس طرح ہم خود اپنے اموال و نفوس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

۳۔ دونوں باتیں منظور نہیں تو لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ، سارا یاغستان اور سارا اسلامی ہند ہمارے ساتھ ہے اور راہِ حق میں شہادت ہمیں اس درجہ عزیز و محبوب ہے کہ تمہیں شراب اتنی عزیز و محبوب نہ ہوگی۔

یہ روایت درست بھی مان لی جائے تو ظاہر ہے کہ لاہور کی حکومت ایک بے نوا سید کے انتباہ کو کب خاطر میں لا سکتی تھی؟ تاہم پورے یقین و وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اضطراب طاری ہو گیا ہوگا، خصوصاً اس وجہ سے کہ کہیں سرحد کے عوام سید صاحب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر یورشِ عام نہ کر دیں۔ اس حالت میں پنجاب کی اسلامی آبادی بھی جا بجا مقابلے پر کھڑی ہو جاتی اور رنجیت سنگھ کیلئے ایسی مشکلات پیدا ہو جاتیں کہ ان سے شاید ہی عہدہ برآ ہو سکتا۔ دفاع کیلئے علاقہ سرحد میں پیش قدمی کی علت نظر بہ ظاہر یہ تھی کہ اگر سکھ فوج اٹک میں بیٹھی رہتی تو سید صاحب کا پہلا حملہ اٹک اور حضرو پر ہوتا۔

شبخون کے لئے مجاہدین کا انتخاب

بہر حال شبخون کا فیصلہ کر لینے کے بعد تمام جماعتوں کے سالاروں کو حکم دے دیا گیا کہ چست و توانا غازیوں کی فہرست تیار کر کے پیش کریں تاکہ انہیں سامنے رکھ کر مناسب جیش منتخب کر لیا جائے۔ فہرستیں پیش ہوئیں تو سید صاحب نے نو سو آدمی چن لیے۔ بعض غازیوں کے نام قلم زد ہو گئے، ان میں جہان آباد (رائے بریلی) کا عبد المجید خاں آفریدی بھی تھا، اسے اس وجہ سے منتخب نہ کیا گیا کہ ان دنوں بخار میں مبتلا تھا اور خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ عبد المجید خاں کو یہ خبر ملی تو بے تابانہ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا: حضرت! میں کچھ ایسا بیمار تو نہیں کہ چلنے کی طاقت نہ ہو اور یہ پہلا محاربہ ہے، جس میں جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد رکھی جائے گی، میرا نام ضرور شامل فرما لیجئے تاکہ سبقت کی فضیلت سے محروم نہ رہ جاؤں۔ سید صاحب نے عبد المجید خاں کا ذوق و شوق دیکھ کر اس کی خواہش پوری کر دی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہمت میں برکت دے۔

اس واقعہ سے آپ پر اس قدوسی جماعت کے شرکاء کا جذبۂ سبقت بالخیرات واضح ہو سکتا ہے، جہاد کی فرضیت واہمیت کے معتقدوں کے نزدیک بھی رخصت واجازت کے عذر مسلّم ہیں۔ جو شخص واقعتاً بیمار تھا، اتنا بیمار کہ امامِ وقت نے اسے ادائے فرض کا مکلّف نہ سمجھا، اس کی معذوری میں کیسے کلام ہو سکتا تھا؟ لیکن سید صاحب نے اپنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھیوں میں خدمتِ حق کی ایسی والہیت پیدا کر دی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی سہولتوں اور رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کے برعکس ہر شخص کے دل میں عزیمت وسبقت کی شیفتگی موجزن تھی، عبدالمجید خاں آفریدی نے شبخون اکوڑہ کی شام کو سید صاحب کے کمالِ تربیتِ اسلامی کا سچا نمونہ پیش کر دیا۔

اس شبخون کی سالاری کے لئے اللہ بخش خاں مورانوی تجویز ہوا۔ سبحان اللہ! کتنی قابلِ رشک سعادت تھی جو اس مردِ مجاہد کے حصے میں آئی۔ ہندوستان میں اسلام کی برتری وفرمانروائی کی متاعِ عزیز لٹ جانے کے بعد اس کی بازیافت کیلئے رائے بریلی کے پاک نفس سید نے مجاہدات کا جو سلسلہ شروع کیا، اس میں سے پہلے معرکے کی سالاری کا تاج اللہ بخش خاں کے سر پر رکھا گیا: یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

ترتیبات وہدایات

سید صاحب نے نمازِ مغرب کے بعد اللہ بخش خاں سے فرمایا کہ آج جو شبخون مارا جا رہا ہے، اس کے قائد آپ ہوں گے۔ چند غازیوں کو لے کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلے جایئے، باقی غازی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں آہستہ آہستہ وہاں پہنچتے جائیں گے۔ اللہ بخش خاں اسی وقت چند رفیقوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر لنڈے کے مغربی کنارے پر پہنچا اور اپنے ساتھیوں کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

نوسو آدمیوں میں سے ایک سو چھتیس ہندوستانی تھے، تقریباً اتنی قندھاری، باقی اہلِ سرحد تھے۔ نمازِ عشاء کے بعد سید صاحب نے ان سب کو جمع کر کے فرمایا کہ آپ لوگ جس مقام پر جا رہے ہیں، وہاں پہنچنے میں سات آٹھ میل کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ جس بھائی میں اتنے سفر کی طاقت نہ ہو وہ رک جائے، اگر کسی کو بیماری وغیرہ کا عذر ہو تو بتادے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جب تمام مجاہدین اللہ بخش خاں کے پاس پہنچ گئے تو خان ممدوح پھر چند رفیقوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر رخصتی ملاقات کے لئے خیمہ گاہ میں پہنچا، یقین ہے کہ اسے پہلے سے اس قسم کی ہدایت ہو چکی ہوگی۔ اس وقت سید صاحب نے برہنہ سر ہو کر انتہائی عجز والحاح سے دعا فرمائی:

> اے کریم کارساز بندہ نواز! یہ تیرے بندے محض عاجز وخاکسار اور ضعیف وناچار ہیں۔ تیری ہی مدد کے امیدوار ہیں، تیرے سوا ان کا کوئی حامی ومددگار نہیں۔ یہ صرف تیری ہی رضامندی اور خوشنودی کو چاہتے ہیں تو ہی ان کی مدد کرنا۔

آدھی رات(۱) کے قریب یہ جماعت دریائے لنڈے کے مغربی کنارے سے، جہاں آج کل نوشہرہ چھاؤنی ہے، منزل مقصود کی جانب روانہ ہوئی۔ ”منظورہ“ میں ہے کہ روانگی سے پیشتر سب نے ایک دوسرے سے کہا سنا معاف کرا لیا، ہر ایک کی زبان پر تھا کہ خدا زندہ لائے گا تو پھر ملیں گے، ورنہ جنت میں ملاقات ہوگی۔

گر بہ مانیم زندہ بر دو زیم — جامۂ کز فراق چاک شدہ
ور بہ میریم عذر ما بہ پذیر — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

سید صاحب نے فرمایا تھا کہ روانگی سے پیشتر ہر شخص گیارہ گیارہ مرتبہ سورۂ قریش پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے، پھر قدم اٹھایا جائے۔(۲) اس ہدایت پر پورا عمل ہوا۔

لشکر گاہ کی کیفیت

سکھ لشکر اکوڑہ سے باہر کھلے میدان میں مقیم تھا، وقت کے عام رواج کے مطابق لشکر

(۱) روایات میں ہے ”پہر رات پر کچھ گھڑیاں بچی تھیں“۔

(۲) سید صاحب کے معمولات میں سے ایک خاص چیز یہ تھی کہ جنگ اور خطرے کے موقع پر سورۂ قریش گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کر لینے کی ہدایت فرماتے تھے۔ جن لوگوں کو سورۂ قریش یاد نہ ہوتی فرماتے کہ دوسرے پڑھ کر ان پر دم کر دیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گاہ کے ارد گرد خاردار درختوں کی شاخوں سے سنگھر بنا لیا گیا تھا۔(۱) خود سردار بدھ سنگھ سندھانوالیہ(۲) جو سالار لشکر تھا، رات کے وقت اکوڑہ میں چلا جاتا تھا۔ اگرچہ اس کا خیمہ لشکر گاہ میں نصب تھا۔

غازی جب سکھ لشکر گاہ سے تھوڑے فاصلے پر رہ گئے تو ایک نالہ ملا، جو اس وقت خشک ہوگا، اس لئے کہ صوبہ سرحد کے اس حصے کے نالوں میں صرف برسات کے موسم میں پانی بہتا ہے، غازی نالے کے بہاؤ میں ٹھہر گئے اور ایک آدمی کو آگے بھیج دیا گیا تاکہ لشکر گاہ کی عام کیفیت معلوم کر آئے۔(۳)

سید صاحب نے مولوی امیر الدین ولایتی کو مشیر کے طور پر ساتھ کر دیا تھا اور وہ بڑے صائب الرائے اور دانشمند بزرگ تھے، اور مقامی احوال و مصالح کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اللہ بخش خاں سے کہا کہ اگلا لائحہ عمل ابھی سے طے کر لینا چاہئے۔ اگر

(۱) میں نے اکوڑہ میں بن رسیدہ اشخاص سے سکھ لشکر کے قیام کی جگہ معلوم کرنی چاہی، کوئی کچھ نہ بتا سکا، سب نے یہی کہا کہ سکھ لشکر گاہ گاؤں کے جنوب میں تھی۔

(۲) بدھ سنگھ کو بعض سوانح نگاروں نے رنجیت سنگھ کا چچیرا بھائی لکھا ہے، سید صاحب نے جو پہلا مکتوب ہندوستان بھیجا تھا اس میں بھی "ابن عم رنجیت سنگھ" کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ بیان تفصیل کا محتاج ہے، سندھانوالے خاندان کے دعوے کے مطابق، ان کے پانچویں جد کا نام بھی بدھ سنگھ تھا، جس کے دو بیٹے تھے، نودھ سنگھ اور چندا سنگھ۔ اول الذکر کے اخلاف میں رنجیت سنگھ تھا (رنجیت سنگھ، بن مہاں سنگھ، بن چڑھت سنگھ، بن نودھ سنگھ) چندا سنگھ کی اولاد میں سے بدھ سنگھ تھا (بدھ سنگھ بن امیر سنگھ، بن دیدار سنگھ بن چندا سنگھ) اس طرح اگرچہ پانچویں پشت میں رنجیت سنگھ اور بدھ سنگھ کا نسب مل جاتا تھا، لیکن ابن عم کا جو عام مفہوم ہے، اس سے اس رشتہ داری کا کوئی تعلق نہ تھا۔ سندھانوالے خاندان کے افراد میں سے بدھ سنگھ کے بھائی لہنا سنگھ اور بھتیجے اجیت سنگھ نے ۱۸۴۳ء میں مہاراجا شیر سنگھ اور اس کے بیٹے پرتاپ سنگھ کو قتل کیا اور خود بھی مارے گئے۔ ۱۸۲۷ء میں لاہور میں ہیضے کی وبا اس شدت سے پھیلی تھی کہ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ اڑتالیس ہزار آدمی اس وبا کی نذر ہوئے۔ رنجیت سنگھ شہر سے نکل کر شاہدرہ میں جا بیٹھا، اس وبا میں بدھ سنگھ بیمار ہوا، مہاراجہ نے فقیر عزیز الدین اور بعض دوسرے اطبا کو علاج کیلئے بھیجا، لیکن بدھ سنگھ جانبر نہ ہو سکا۔ سکھ جرنیلوں میں وہ سب سے زیادہ شریف اور کاروان سمجھا جاتا تھا۔ راجہ سانسی کی جاگیر اسی کی اولاد کے قبضے میں ہے۔

(۳) وقائع میں ہے کہ یہ نالہ لشکر گاہ سے "پاؤ کوس" پر تھا، میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ لشکر گاہ کی جگہ متعین نہ ہو سکی، اور اس مقام پر نالے کئی ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملکیوں کو آگے رکھا جائے تو ان کی استقامت کا ابھی تک تجربہ نہیں ہوا، اگر وقت پر طرح دے جائیں گے تو جماعتی مقاصد کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اگر غازیوں کو آگے رکھا جائے تو وہ ہندوستانی ہوں یا قندھاری، سب مقامی حالات اور رستوں سے بالکل ناواقف ہیں۔

غور و فکر کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ غازی سب سے آگے رہیں، البتہ ملکیوں میں سے ایک باخبر آدمی ان کے ساتھ رہ کر رہبری کا فرض انجام دیتا رہے۔ وہیں مختلف گروہوں کے ذمے مختلف کام لگا دیے گئے تھے، مثلاً خیموں کی طنابیں کاٹنا، بندوقیں اور تلواریں چلانا، جنگی ضرورت کی چیزیں سمیٹنا یا تباہ کرنا۔

اس اثناء میں بھیجا ہوا آدمی حالات معلوم کر کے واپس آ گیا، پھر اسی کی رہبری میں مجاہدین آگے بڑھے اور تھوڑے عرصے میں لشکر کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں رہبر کے اندازے کے مطابق زیادہ تر سکھ لشکری غافل سوئے پڑے تھے۔

شبخون

راویوں کا بیان ہے کہ سکھ لشکر کے گھڑیال نے تین پہر تین گھڑیاں بجائیں، ساتھ ہی غازی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے سنگھر کو پھاند کر لشکر گاہ میں گھس گئے۔ جن لوگوں کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ خیموں کی طنابیں کاٹیں، وہ تیزی سے خیموں کو گرانے لگے، جن لوگوں کا فرض یہ قرار دیا گیا تھا کہ جنگی ضرورت کی چیزیں سمیٹیں، وہ اپنے کام میں لگ گئے، باقی لوگوں نے تلواروں اور بندوقوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ پوری لشکر گاہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ ایک سکھ پہریدار نے تکبیر کی آواز سنتے ہی بندوق سر کی۔ اس کی گولی مولوی باقر علی عظیم آبادی کے لگی، زخم کاری تھا، وہ بیٹھ گئے اور بولے "بھائیو! میرا کام تمام ہوا، اب مجھ سے ہتھیار لے لو، یہ اللہ کا مال ہے" اس ساتھ ہی ان کی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔ سید صاحب کی قدوسی جماعت میں وہ پہلے شہید تھے، گویا احیاء وتجدید اسلامیت کی راہ میں سب سے پہلی جانی قربانی عظیم آباد کے اس جلیل المنزلت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاندان کی طرف سے پیش ہوئی جو آگے چل کر سید صاحب کی جاری کردہ تحریک کا علمبردار بننے والا تھا، اور اس نے اپنی ہر متاع سبیل حق میں بے دریغ لٹادی۔

مولوی باقر علی کے پاس چار چیزیں تھیں: دو پستول، جن میں سے ایک کا نام ''بسم اللہ'' اور دوسرے کا نام عبداللہ تھا۔ ایک تلوار اور ایک بندوق، غازیوں نے دونوں پستول بھی لے لئے تلوار بھی لے لی، بندوق افراتفری میں ہاتھ نہ لگی۔

شبخون کی کامیابی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا تھا، لیکن اہل سرحد نے اپنی عادت کے مطابق اصل کام چھوڑ دیا اور متاع سمیٹنے لگے۔ کسی نے گھوڑا سنبھال لیا، کسی نے ہتھیار اٹھا لئے، کسی نے کپڑوں کی گٹھڑی باندھ لی۔ نہایت افسوسناک امر یہ ہے کہ جس شخص کے پاس مال غنیمت بہ اندازہ حمل و برداشت فراہم ہوتا گیا، وہ چپ چاپ مال اٹھا کر لشکر گاہ سے باہر نکلتا گیا تاکہ جلد سے جلد سمیٹی ہوئی دولت گھر پہنچا دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورش کی شدت و وسعت میں معتدبہ کمی آگئی۔

سکھوں نے پہلے سمجھا تھا کہ ہزاروں غازی بجلیاں بن کر آگرے ہیں۔ جب گولہ اندازوں نے رن مہتاب (۱) جلائی اور زور کھینچ کر اسے بلند کر دیا تو دور دور تک میدان روشن ہو گیا، اس وقت سکھوں کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ حملہ آوروں کی تعداد بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی اور قندھاری غازی ہی لشکر گاہ میں رہ گئے تھے، اہل سرحد میں سے زیادہ تر واپس جا چکے تھے۔

غازیوں کے کارنامے

غازیوں میں سے ایک ایک نے آٹھ آٹھ دس دس آدمیوں کو موت کی نیند سلا یا۔ عبدالمجید خاں آفریدی نے کمزوری کے باوجود چودہ آدمی قتل کئے پھر اس کی تلوار ٹوٹ

(۱) اس کی صحیح کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ قیاس یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے اندھیرے میں دور دور تک روشنی ہو جاتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئی۔ مولوی امیر الدین ولایتی کے پاس دو تلواریں تھیں، انہوں نے جھٹ ایک تلوار عبدالمجید خاں کو دے دی، اس سے بھی کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔(۱) پھر خود بھی جامِ شہادت پی کر "عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" کے انعام یافتہ گروہ میں شامل ہو گیا۔ یہ وہی جوانمرد تھا جسے بیمار ہونے کے باعث شبخون مارنے والے گروہ میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور اس نے بہ اصرار و الحاح اپنا نام شامل کرایا تھا۔

ہدایت اللہ کے پاس صرف برچھی تھا، اس نے برچھی سے سات آدمی گرائے۔ اللہ بخش خاں مورانوی امیر جیش، شمشیر خاں جمعدار، غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں شیخ ہمدانی، علی حسن خاں، شیخ بدھن، شیخ رمضانی، میرزا ہمایوں بیگ اور دوسرے غازیوں نے شجاعت کے حیرت انگیز جوہر دکھائے، یہاں تک کہ اکثر سکھ سراسیمہ وار بھاگ نکلے اور غازی توپوں کے قریب پہنچ گئے۔

بدھ سنگھ حملے کی اطلاع پاتے ہی لشکر گاہ میں پہنچا۔ نقارہ بجا کر بھاگتے ہوئے سکھوں کو جمع کر کے جوابی حملہ کیا تو غازی جو بہت تھوڑے رہ گئے تھے، ایک گوشے میں جمع ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت تک زیادہ سے زیادہ پندرہ غازی شہید ہوئے ہوں گے، اور سکھ لشکر کو سخت نقصان پہنچ چکا تھا۔ اللہ بخش خاں امیر جیش نے اب سنگھر کی طرف ہٹنا شروع کر دیا تاکہ اپنے تمام ساتھیوں کو باہر نکال کر خود بھی نکل جائے۔ راستے میں شیخ ہمدانی اور علی حسن خاں ایک جگہ کھڑے بندوقیں چلا رہے تھے، انہوں نے قرائن سے امیر جیش کے عزمِ مراجعت کو بھانپ لیا اور پکار اُٹھے۔

امیر المومنین نے آپ کو ہمارا سردار بنا کر بھیجا ہے، آپ دشمن کے مقابلے میں پیچھے کیوں ہٹتے جا رہے ہیں؟

یہ آوازہ نہ جنگی مصلحتوں کے مطابق تھا نہ شبخون کے مفہوم سے اسے کوئی مناسبت

(۱) منظورہ میں ہے: "از ایں ہم چند کس را کشتند"

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھی، بلکہ یہ محض تہور وحمیت کے بے پایاں طوفان کی ایک لہر تھی۔ اللہ بخش خاں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جس جیش کا سردار بنا کر اسے بھیجا گیا تھا، اس کے ایک حصے کو پیچھے چھوڑ کر سلامت نکل جائے، چنانچہ اس نے مراجعت کا خیال چھوڑ دیا اور جم کر اس لشکر سے باقاعدہ جنگ کرنے لگا جو اس کی پوری جماعت سے پچاس ساٹھ گنا تھا۔ جب تک دونوں گروہوں میں فاصلہ زیادہ تھا، بندوقیں چلتی رہیں، فاصلہ کم رہ گیا تو قرابینیں اور شیر بچے چلنے لگے، پھر تلواریں میانوں سے نکل آئیں، اللہ بخش خاں نے ایک چھوٹے سے گروہ کے ساتھ لے کر ایسا شدید حملہ کیا کہ سکھ فوج دور تک پیچھے ہٹ گئی، اس حملے میں خود بھی ہمراہیوں کے ساتھ خلعتِ شہادت پا کر جنت الفردوس میں پہنچ گیا۔

واپسی

یہ دیکھ کر باقی غازی آگے بڑھے لیکن اکبر خاں بہیلہ دار نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ اسی میدان میں آخری فیصلہ نہ ہوگا، اب واپس چلو، انشاءاللہ پھر لڑیں گے۔ صبح نمودار ہو رہی تھی، سکھوں کی سراسیمگی اسی سے ظاہر ہے کہ کسی کو ان کے تعاقب کا حوصلہ نہ ہوا، جو لوگ پہلے نکلے تھے، انہوں نے دریا پر وضو کر کے صبح کی نماز پڑھی، بعد میں آنے والے لوگوں نے تیمم کر کے فریضۂ صلوٰۃ ادا کیا۔

سید صاحب نے صبح ہی سے غازیوں کی ایک جماعت کو دریا کے مغربی کنارے پر کھڑا کر دیا تھا تاکہ اگر دشمن کی فوج غازیوں کے تعاقب میں آ رہی ہو تو اس کے مقابلے میں جم جائیں، اور شبخون مارنے والے غازی اطمینان سے دریا کو عبور کر لیں۔ زیادہ تر غازی صبح ہوتے ہی پہنچ گئے، باقی دو دو چار چار کی ٹولیوں میں عصر تک آتے رہے، جب تک سب جمع نہ ہو گئے، ان میں کسی نے دریا عبور نہ کیا۔ صرف زخمیوں کو لشکر گاہ میں پہنچا دیا گیا، جن کی مرہم پٹی کا فوری انتظام ضروری تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکوڑہ کی جنگ ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء) چہار شنبہ اور پنج شنبہ کی درمیانی رات میں سوا چار بجے سے چھ بجے صبح تک جاری رہی، سید صاحب نے تمام شہدا کے لئے دعائے مغفرت کی۔ شہدا کی فہرست اگلے دن مکمل نہ ہوسکی، اس لئے کہ کئی غازی راستہ بھول کر خدا جانے کہاں کہاں چلے گئے اور وہ پنج شنبہ اور جمعہ کی درمیانی رات میں نوشہرہ پہنچے۔

شہدا کے نام

اس جنگ میں چھتیس ہندوستانی غازی اور چھیالیس قندھاری غازی شہید ہوئے دونوں جماعتوں کے زخمیوں کی تعداد تیس اور چالیس کے درمیان تھی۔(۱) اہل سرحد میں غالباً کسی نے بھی شہادت نہ پائی اگر کوئی شہید ہوا تو اس کی کیفیت معلوم نہ ہوسکی، ہندوستانی شہدا کے نام یہ ہیں:

۱۔ اللہ بخش خاں، امیر ساقۃ العسکر و امیر شبخون (موراکین، ضلع اناؤ، یوپی)
۲۔ شمشیر خاں جمعدار (موراکیں، ضلع اناؤ، یوپی)
۳۔ شیخ رمضانی (موراکیں، ضلع اناؤ، یوپی)
۴۔ عبدالجبار خاں (موراکیں، ضلع اناؤ، یوپی)
۵۔ عبدالمجید خاں آفریدی (جہان آباد، رائے بریلی، یوپی)
۶۔ شیخ ہمدانی (خالص پور، ملیح آباد، یوپی)
۷۔ غلام حیدر خاں (خالص پور، ملیح آباد، یوپی)
۸۔ غلام رسول خاں (خالص پور، ملیح آباد، یوپی)

(۱) وقائع میں ہے: چھتیس چھتیس ہندوستانی اور چالیس پینتالیس قندھاری شہید ہوئے دونوں جماعتوں کے زخمی تیس چالیس تھے۔ میرے نزدیک منظورہ کا بیان درست ہے، جس میں ہندوستانی شہدا کی تعداد تعیین کے ساتھ "سی وشش" بتائی گئی ہے، اس کی تصدیق دوسرے ذریعے سے بھی ہوتی ہے، تفصیل آگے چل کر معلوم ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۹۔ اکبر خاں	(خالص پور، ملیح آباد، یوپی)
۱۰۔ منور خاں	(خالص پور، ملیح آباد، یوپی)
۱۱۔ علی حسن خاں	(کنتی، ضلع پرتاپ گڑھ، یوپی)
۱۲۔ شیخ معظم	(جگدیش پور، ضلع پرتاپ گڑھ، یوپی)
۱۳۔ کریم بخش	(بڑھانہ، ضلع مظفر نگر، یوپی)
۱۴۔ میاں جی احسان اللہ	(بڑھانہ، ضلع مظفر نگر، یوپی)
۱۵۔ فہیم خاں	(حسین پور، ضلع مظفر نگر، یوپی)
۱۶۔ سید محمد	(لوہاری، ضلع مظفر نگر، یوپی)
۱۷۔ عبدالرحمٰن	(شاملی، ضلع مظفر نگر، یوپی)
۱۸۔ شادل خاں	(خیر آباد، ضلع سیتا پور، یوپی)
۱۹۔ امام خاں	(خیر آباد، ضلع سیتا پور، یوپی)
۲۰۔ دین محمد	(کور ہرستانہ، ضلع سیتا پور، یوپی)
۲۱۔ عباد اللہ	(مئو، ضلع جھانسی، یوپی)
۲۲۔ اولاد علی	(ماڈھ، ضلع ہمیر پور، یوپی)
۲۳۔ میرزا ہمایوں بیگ	(لکھنؤ)
۲۴۔ جواہر خاں	(لکھنؤ)
۲۵۔ عبدالرزاق	(دیوبند، ضلع سہارن پور، یوپی)
۲۶۔ امام الدین	(رام پور، ضلع سہارن پور، یوپی)
۲۷۔ محمد کمال	(خرم پور، ضلع سہارن پور، یوپی)
۲۸۔ شیخ بڈھن	(وطن معلوم نہ ہوسکا غالباً یوپی)
۲۹۔ خدا بخش	(وطن معلوم نہ ہوسکا غالباً یوپی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۰۔ قاضی طیب (وطن معلوم نہ ہو سکا غالباً یوپی)

۳۱۔ غلام نبی (گوالیار)

۳۲۔ شیخ مخدوم (مسجد فتح پوری، دہلی)

۳۳۔ کریم بخش (مسجد فتح پوری، دہلی)

۳۴۔ شیخ باقر علی قاسم غلہ (صادق پور، عظیم آباد، بہار)

۳۵۔ سید عبدالرحمٰن (سندھ)

۳۶۔ حسن خاں (سندھ)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام سوانح نگاروں نے ہندوستانی شہدا کی تعداد سینتیس بتائی ہے، جو صحیح نہیں۔ اس عدد کی ابتدا مولوی محمد جعفر تھانیسری نے کی، ان سے دو غلطیاں سرزد ہوئیں: اول وہ نمبر ۳۳ (کریم بخش مسجد فتح پوری) کا نام اصل فہرست میں سے چھوڑ گئے۔ وجہ غالباً یہ ہوئی کہ انہوں نے کریم بخش بڑھانوی اور کریم بخش دہلوی کو ایک شخص سمجھ لیا۔ دوسرے انہوں نے برکت اللہ بنگالی اور حیات خاں بریلوی کو شہدائے اکوڑہ میں شامل کر لیا، حالانکہ وہ دونوں جنگِ بازار میں شہید ہوئے تھے، جو قصبہ حضرو پر شبخون سے دوسرے دن دریائے اباسین کے کنارے پیش آئی تھی، اور مولوی صاحب نے ان کی شہادت کا ذکر جنگ بازار کے سلسلے میں بھی کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سید صاحب نے جنگ بازار کے بعد جو پہلا مکتوب ہندوستان بھیجا تھا اس میں اکوڑہ اور بازار کے شہدا کی فہرست یکجا درج کر دی ہوگی، یہی فہرست سوانح نگاروں نے جنگ اکوڑہ کے سلسلے میں نقل کر دی۔

بہر حال جنگ اکوڑہ کے ہندوستانی شہدا چھتیس تھے نہ کہ سینتیس، قندھاری شہدا کے نام اس لیے معلوم نہ ہو سکے کہ ہندوستان میں ان کے ناموں کی فہرست بھیجنی بے معنی تھی،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور سید صاحب کے دفتر میں جو ریکارڈ تھا وہ جنگ بالا کوٹ میں نذرِ آتش ہو گیا۔ ہندوستانی غازیوں میں سے جو زخمی ہوئے ان میں سے مندرجہ ذیل کے نام معلوم ہو سکے۔

۱۔ سید رستم علی (چل گاؤں) ان کی پنڈلی میں گولی لگی تھی۔(۱)

۲۔ ابراہیم خاں خیر آبادی، ان کی کہنی پر گولی کا زخم تھا۔

۳۔ احمد (فتح پور ہسوہ) ان کے دونوں پاؤں مجروح ہو گئے تھے۔

۴۔ دکبر خاں، ان کی پشت پر تلوار کا زخم تھا۔

۵۔ امام الدین پانی پتی، ان کے سر پر تلوار لگی تھی۔

۶۔ پیر محمد

۷۔ شیخ ولی محمد پھلت (ضلع مظفر نگر)

۸۔ شیخ امجد علی غازی پور

۹۔ قاضی حمایت اللہ

۱۰۔ برہان الدین

۱۱۔ خدا بخش منجھاؤں

۱۲۔ حافظ عبدالوہاب لکھنوی، جو شیخ باقر علی کے بعد قاسم غلہ مقرر ہوئے۔

۱۳۔ حمزہ علی خاں لوہاری

۱۴۔ خدا بخش بناری

۱۵۔ حاجی عبداللہ

ان میں سے اکثر جنگ شیدو سے پیشتر تندرست ہو چکے تھے۔

سید صاحب کا مکتوب

''وقائع احمدی'' اور ''منظورۃ السعداء'' کے علاوہ جنگ اکوڑہ کے سرسری حالات سید

(۱) انہوں نے دوآبہ کے دورے میں بیعت کی تھی اور اس وقت عمر صرف پندرہ سولہ سال کی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کے دو خطوں میں مرقوم ہوئے: اول وہ خط جو پہلے پہل احوالِ جہاد کے متعلق ہندوستان بھیجا گیا، اس میں پشاور سے چارسدہ، پھر خویشگی اور نوشہرہ پہنچنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سکھ لشکر اکوڑہ میں تھا، جو نوشہرہ سے سات کوس ہے، بیچ میں دریائے لنڈے حائل ہے:

مصلحت وقت چناں اقتضا کرد کہ جمعے از مجاہدین صادقین شباشب از دریائے مسطور عبور کنانیدہ ...... بہ طریق شبخون روانہ ساختہ، چنانچہ مجاہدین محدوحین بہ شب بستم شہر جمادی الاولی ۱۲۴۲ ہجری قدسی ...... قریب صبح تاخت آوردند ...... درآخر ہماں شب برسر غافلین دفعۃً رسیدند و توپ وتفنگ را معطل کنانیدہ کار وبار بہ سیوف قاطعہ رسانیدند ...... بالجملہ بابے از ابواب فتوح برروئے مجاہدین مفتوح گردید۔(۱)

ترجمہ : مصلحت وقت کا تقاضا یہ ہوا کہ مجاہدین کی ایک جماعت کو راتوں رات دریا سے گزار کر شبخون کیلئے بھیجا جائے، چنانچہ اس جماعت نے ۲۰ر جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ کو حملہ کیا اور رات کے آخری حصے میں غافلوں پر جا گرے، توپیں اور بندوقیں معطل ہو گئیں اور تلواروں کی لڑائی ہوئی، بالجملہ مجاہدین کے لئے فتح کا ایک دروازہ کھل گیا۔

پھر امیر دوست محمد خاں کو ایک خط میں یہی حالات رقم فرمائے۔(۲) مولانا عبدالحیٔ سید صاحب سے چند ماہ بعد سرحد گئے تھے، انہوں نے بھی اپنے پہلے خط میں جنگِ اکوڑہ کا حال لکھا ہے۔ میرزا عطا محمد خاں شکار پوری کے روزنامچے میں بھی سید صاحب کے مکتوب کی بنا پر اس جنگ کا ذکر آیا ہے۔

۱) منظورہ ص: ۳۱۵-۳۲۰

۲) مکاتیب سید صاحب ص: ۲۸۲۔ اس میں لکھتے ہیں کہ سکھوں میں سے ایک ہزار بلکہ زیادہ آدمی مارے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنگِ اکوڑہ کے نتائج

اکوڑہ کا حملہ محض شبخون تھا، اگر بعض غازی جوشِ جماعت میں شبخون کے حدود سے تجاوز نہ کرتے تو یقین ہے کہ ان کا نقصان بہت کم ہوتا۔(۱) سکھوں کے نقصان کی نسبت روایات مختلف تھیں، ابتدا میں یہ افواہ تھی کہ کم وبیش ایک ہزار مارے گئے، سید صاحب نے اپنے مکتوب میں یہی تعداد درج کی۔ پھر امیر خاں خٹک نے اکوڑہ جا کر پوری تحقیقات کیں اور بتایا کہ مقتولین کی تعداد سات سو سے کم نہ ہوگی، مجروحین اس سے کہیں زیادہ تھے۔

بدھ سنگھ کے پائے ثبات میں سخت تزلزل پیدا ہوگیا، وہ اکوڑہ سے ہٹ کر شیدو پہنچ گیا، جو تین میل جنوب میں ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ دریائے اباسین کو عبور کر کے اٹک چلا جائے لیکن قلعہ دار اٹک نے یہ کہہ کر روکا کہ اگر سرحدی علاقے سے فوجیں ہٹا لیں تو اٹک خطرے میں پڑ جائے گا، اور سید صاحب عام سرحدیوں کو لے کر یورش کر دیں گے تو مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔ سکھوں میں سے ہر شخص کی زبان پر یہ بات تھی کہ ہم نے سید صاحب کے غازیوں جیسے جوانمرد نہ دیکھے، نہ سنے۔(۲) اہلِ سرحد پر فوری اثر یہ ہوا کہ وہ جوق در جوق سید صاحب کے پاس پہنچ کر بیعتِ جہاد کرنے لگے اور ان کے جھنڈے تلے لڑنے کو باعثِ فخر سمجھنے لگے۔ حق یہ ہے کہ اجنبی تسلط سے نجات حاصل کرنے کی یہ واحد امید گاہ تھی۔(۳)

---

(۱) مولانا عبدالحئی بھی اپنے خط میں فرماتے ہیں۔ حکم یہ تھا کہ حملہ کر کے پلٹ آئیں لیکن بعض برگزیدگانِ لشکر نے اس حکم کا پورا خیال نہ رکھا۔

(۲) یہ افواہ ان لفظوں میں بیان ہوئی کہ "سکھاں ایں چنیں مقاتلان دیدہ و شنیدہ نہ شدہ۔"

(۳) الفاظ یہ ہیں: بعد ظہور ایں واقعہ مسلمین ایں دیار فراہم شدن شروع کردند۔ یار محمد خاں نے سید صاحب کے بارے میں سکھ قلعہ دار اٹک کو مراسلہ بھیج دیا تھا کہ ہم افغان اور زمیندارانِ یوسف زئی ساتھ ہو گئے ہیں، اٹک اور خیرآباد کے تھانیدار بھی برابر عرضداشتیں بھیج رہے تھے تاکہ مزید کمک پہنچے۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے اپنے بیٹے کو حکم دے دیا کہ تو پخانہ، لشکر اور سرکردہ اصحاب کو لے کر اٹک جائے اور اس علاقے کا بندوبست کرے۔

تینتیسواں باب:

واقعہ حضرو اور جنگِ بازار

خوانین وعوام کا رجوعِ عام

اہلِ سرحد نے سید صاحب کی تحریکِ جہاد کے خیر مقدم میں اگرچہ بہ ظاہر ولولہ انگیز جوش وخروش کا اظہار کیا تھا، لیکن عملی تعاون کیلئے بہت کم لوگوں نے قدم بڑھائے تھے۔ ان کے تامل کی بڑی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ سید صاحب کے پاس جمعیت بہت کم تھی اور ساز وسامان بھی برائے نام تھا۔ اہلِ سرحد سمجھتے ہوں گے کہ جس قوت کا مقابلہ کابل وپشاور کے دونوں سردار باوجود فراوانیٔ وسائل نہ کر سکے، اس کے سیلِ اقتدار کو سید صاحب کا مختصر سا بے سر وسامان قافلہ کیوں کر پیچھے ہٹا سکے گا؟ لیکن جنگِ اکوڑہ نے اکثر قلوب کو تذبذب اور بے یقینی کی آلائشوں سے پاک کر دیا اور چھوٹے بڑے سید صاحب کے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہو گئے۔ ممتاز خوانین میں سے خادے خان (۱) رئیس ہنڈ (۲) نے سبقت

(۱) یہ فارسی کے نام شادی خاں کی پشتو شکل ہے۔

(۲) ہنڈ بہت پرانا مقام ہے، اس کے مختلف تلفظ ہیں: ہنڈ (کسرہ اول) ہنڈ (فتح اول) ہنڈ (بہ ضمہ اول) پرانے زمانے میں اسے "اوہنڈ" اور "ویہنڈ" بھی کہتے تھے۔ پشکلاوتی (چارسدہ) کے بعد ہنڈ ہی گندھارا (یعنی سمہ، سوات باجوڑ، بونیر وغیرہ علاقے) کا اہم مقام تھا۔ اٹک کی آبادی سے پہلے لوگ حضرو سے آگے بڑھ کر ہنڈ پر دریا کو عبور کرتے تھے۔ چینی سیاح ہوان چوانگ (ہیون سانگ) ہندوستان سے قیمتی نسخے لے کر واپس ہوا تھا، تو دریا کو عبور کرتے وقت کئی قیمتی نسخے ضائع ہو گئے تھے۔ ان کی نقلیں ہوان چوانگ نے ہنڈ ہی میں بیٹھ کر حاصل کی تھیں۔ سکندر نے بھی اسی جگہ سے دریا کو عبور کیا تھا۔ جلال الدین اکبر نے اس جگہ ایک مضبوط قلعہ بنوایا تھا جو اب تک باقی ہے۔ اٹک کو عروج ہوا تو ہنڈ کی اہمیت کم ہو گئی۔ یہ اٹک سے سترہ میل شمال مشرق میں دریائے سندھ کے اس کنارے پر ہے، جو سرحد کی جانب ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی، وہ اونچے درجے کا سردار تھا اور اہل سمہ میں سب سے باجبروت خان سمجھا جاتا تھا، اس کے بعد اشرف خاں رئیس زیدہ نے بیعت کی جو خادے خاں کا قریبی رشتہ دار تھا۔

سید صاحب ہنڈ میں

خادے خاں نے بیعت کے ساتھ ہی اصرار کیا کہ سید صاحب ہنڈ تشریف لے چلیں، وہاں آسائش کے تمام سامان بہ آسانی فراہم ہوسکیں گے۔ اس وقت تک مجاہدین کے لئے کوئی مرکز تجویز نہیں ہوا تھا، سید صاحب پشاور سے چارسدہ پہنچے، وہاں دو ہفتے گزار کر نوشہرہ گئے۔ جنگ اکوڑہ کے بعد بھی وہیں مقیم تھے، ہنڈ اگرچہ موزوں مرکز نہ تھا، اس لئے کہ عین سرحد پر واقع تھا، لیکن وہاں ایک مضبوط قلعہ موجود تھا، اور جہاد کے ابتدائی دور میں اس سے اچھا کام لیا جا سکتا تھا، نیز خادے خاں بہ اصرار ساتھ لے جا رہا تھا، کسی دوسرے مقام سے دعوت نہیں آئی تھی، اسلئے سید صاحب نے خادے خاں کی درخواست منظور فرمالی، تاکہ ایک جگہ بیٹھ کر تنظیم کا کام باقاعدہ شروع کردیں۔ زخمیوں کو آپ نے نوشہرہ سے اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ مولوی عبدالقیوم اور سید امانت علی کو ان کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمایا اور خود غازیوں سمیت نوشہرہ سے نکل کر مصری بانڈے میں ٹھہرے جو اکوڑہ کے عین سامنے دریائے لنڈے کے مشرقی کنارے پر ہے۔ وہاں سے نکلے تو تورڈھیر میں دو راتیں گزاریں، وہیں خادے خاں چالیس سواروں کے ساتھ پیشوائی کے لئے پہنچ گیا، ان کے ہمراہ سید صاحب ہنڈ پہنچے۔

اگرچہ ہندوستانی اور قندھاری غازیوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، لیکن اہل سرحد کی جمعیت بہت بڑھ گئی تھی، ہنڈ پہنچے تو سید صاحب کے قیام کیلئے موضع بازار تجویز کیا، جو ہنڈ کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر لب دریا واقع تھا۔ وہیں رؤسا و خوانین اور عوام بیعت کے لئے آنے لگے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خادے خاں

خادے خاں نے جس طرح سید صاحب کے خیر مقدم میں پہل کی، اسی طرح مخالفت میں بھی سبقت اسی کی طرف سے ہوئی۔ سرداروں کے علاوہ جو اشخاص سید صاحب کیلئے مشکلات پیدا کرنے کے باعث ہوئے، ان میں خادے خاں سب سے پہلے آتا ہے۔ طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ سید صاحب کی عقیدت میں ابتدائی جوش کی علت کیا تھی؟ آیا وہ واقعی مخلصانہ حاضر ہوا تھا اور جہاد فی سبیل اللہ میں سبقت کا درجہ حاصل کر کے عند اللہ ماجور ہونا چاہتا تھا؟ آیا وہ اس غرض سے سید صاحب کو ساتھ لے گیا تھا کہ سرحد پر سکھوں کی ترکتازوں کا پہلا اہم مقام ہنڈ تھا اور اسے امید تھی کہ سید صاحب ہنڈ میں رہیں گے تو سکھ حملہ کرتے ہوئے ہچکچائیں گے؟ آیا وہ سید کا مہمانداری بن کر سرحد کے رؤسا دخوانین میں درجۂ امتیاز حاصل کرنا چاہتا تھا؟ نیتوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، قرائن یہی ہیں کہ خادے خاں ابتدا میں مخلص تھا، مگر اس نے طبیعت ایسی پائی تھی کہ کسی دوسرے شخص کے اعتماد و اعتبار کی افزائش اسے گوارا نہ تھی۔ فتح خاں رئیس پنجتار اور اشرف خاں رئیس زیدہ زیادہ نیک، نرم طبیعت اور مخلص تھے، انہیں سید صاحب کے نزدیک معزز دیکھا تو خادے خاں کے دل میں اک گونہ رنج پیدا ہوا، پھر شرعی حکومت کے قیام پر خادے خاں کو ازروئے انصاف بعض تصرفات سے دست کش ہونا پڑا تو وہ سید صاحب کا دشمن بن گیا، یہ تفصیلات موقع پر پیش ہوں گی۔

حضرو پر چھاپے کی تجویز

سید صاحب بازار ہی میں مقیم تھے، جب حضرو پر چھاپے کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے کو سید صاحب کے مجاہدات سے اصلاً کوئی تعلق نہ تھا (۱) لیکن اس کے ضمن میں

(۱) افسوس کہ عام سوانح نگار اس بے تعلقی کا پورا اندازہ نہ کر سکے، اگرچہ سب نے لکھا کہ سید صاحب نے حضرو کے چھاپے میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک چپقلش پیش آگئی، اس لئے حضرو کے چھاپے کا کچھ حال بیان کردینا ضروری ہے۔

اہل سرحد اگرچہ جہاد کیلئے فراہم ہونے لگے تھے تاہم انہیں سید صاحب کی تحریک کے مقاصدِ عالیہ یعنی جہاد کے شرعی اصول وضوابط سے قطعاً آگاہی نہ تھی۔ ان کے نزدیک جہاد کا مضمون محض یہ تھا کہ جہاں جی چاہا چھاپا مارا، روپیہ یا سامان لوٹا اور چلے آئے۔ حضرو(۱) آج بھی بڑا تجارتی قصبہ ہے، سید صاحب کے زمانے میں شمالی ہند کی تجارت کا ممتاز مرکز تھا، اور وہاں دولت مند تاجر رہتے تھے۔ سکھوں سے اہل سرحد کی محاربت مدت سے جاری تھی اور ان کے علاقے میں کسی مقام پر چھاپا مارنا شرع وقانون کے اعتبار سے ناجائز نہ تھا۔ خود سکھوں کی بھی یہی حالت تھی کہ جب موقع پاتے حملے کرتے اور جو چیز ہاتھ لگتی اٹھا کر لے جاتے۔ سید صاحب دشمن کی جنگی قوت یا امن ونظم کو نقصان پہنچانے کیلئے تو چھاپے مار سکتے تھے، صرف لوٹ مار کی غرض سے چھاپے مارنا انہیں پسند تھا، نہ ان میں شرکت فرما سکتے تھے، اور نہ یہ چھاپے ان مقاصد کیلئے مفید تھے، جو سید صاحب کے پیش نظر تھے۔

سرحدیوں نے خود حضرو پر چھاپے کی اسکیم تیار کی، جب یہ اسکیم سید صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ کے ارشاد کے مطابق اخوند ظہور اللہ نے پشتو میں اہل سرحد پر واضح کردیا کہ ہندوستانی غازی اس ملک میں نووارد ہیں اور یہاں کے رسم وراہ سے واقف نہیں، نیز ان کی خاصی تعداد جنگ اکوڑہ میں شہید ومجروح ہو چکی تھی، لہٰذا وہ چھاپے میں شریک نہ ہوں گے۔ آپ لوگ تمام مراسم سے آگاہ ہیں، جو چاہیں کریں۔ چنانچہ ہندوستانی غازیوں میں سے ایک بھی اس چھاپے میں شریک نہ ہوا، قندھاریوں میں سے تیس چالیس آدمی تیار ہوگئے، سید صاحب نے اس شرط پر اجازت دی کہ کسی مسلمان کو

---

(۱) حضرو علاقہ چھچھ ضلع کیمبل پور کا مشہور مقام ہو دریائے اباسین سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے تمباکو کی بہت بڑی منڈی ہے اور یہاں کی نسوار پاک وہند میں اول درجے کی مانی جاتی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان کے ہاتھ سے گزند نہ پہنچے۔

چھاپا

غرض رات کے ابتدائی حصے میں اہل سرحد کی ایک بڑی جماعت نے، جن میں قندھاری بھی شامل تھے، کشتیوں، جالوں اور شناسوں(۱) کے ذریعے سے دریا کو عبور کیا، پھر جمع ہو کر حضرو پر بڑھے۔ وہاں ایک گڑھی تھی، جس میں سکھ سپاہی رہتے تھے۔ ایک توپ بھی تھی، چھاپے کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں، صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ قندھاریوں نے جاتے ہی گڑھی پر قبضہ کر لیا۔ اہل سرحد منڈی لوٹنے میں مشغول ہو گئے، جن لوگوں نے مقابلہ کیا وہ مارے گئے۔ خود سید صاحب کے اندازے کے مطابق مقتولین چار سو سے کم نہ ہوں گے۔(۲) طلوع سحر سے پہلے پہلے سب لوگ سامان اٹھا کر دریا کے کنارے پہنچ گئے۔

سید صاحب صبح کی نماز ادا فرما چکے تو ایک شخص نے نہایت عمدہ گھوڑا بطور نذر پیش کیا جو زیوروں سے مزین تھا، آپ نے گھوڑا اسی کو دے دیا، کچھ غازی بھی نماز سے فارغ ہو کر دریا کے کنارے جمع ہو گئے، انہوں نے دیکھا کہ دوسرے کنارے کے آس پاس اہل سرحد سامان کی گٹھڑیاں اٹھائے ہوئے قطار در قطار چلے آ رہے ہیں۔ قندھاری سب کے پیچھے تھے اور ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا، معلوم ہوتا ہے قندھاری ان کے پیچھے پیچھے چلے تاکہ عقب سے حملہ آوروں کی روک تھام کر سکیں۔

---

(۱) سرحد میں عبور دریا کے لئے کئی چیزیں استعمال ہوتی تھیں، ایک بڑا ٹوکرا ہوتا تھا، جسے چمڑے سے منڈھ دیا جاتا تھا، تاکہ پانی اس میں نفوذ نہ کر سکے۔ شناس مشکیزے کو کہتے ہیں، جس میں ہوا بھری جاتی ہے، لوگ اسے بغل میں دبا کر تیرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

(۲) مکاتیب سید صاحب ص: ۲۸۳

سکھ سواروں کی یورش

دفعۃً عقب سے پندرہ بیس سکھ نمودار ہوئے اور قندھاریوں پر بندوقیں سرکیں۔ قندھاری پاس کے خشک نالے میں مورچے پکڑ کر ٹھہر گئے اور گولیوں کا جواب گولیوں سے دینے لگے۔ سوار رک گئے، اہل سرحد نے یہ حالت دیکھی تو یورشیوں کے مقابلے میں قندھاریوں کا ساتھ دینے کے بجائے سامان اٹھا کر سراسیمہ وار دریا کی طرف دوڑ پڑے تا کہ جلد سے جلد پہنچ جائیں۔ جو لوگ دریا پر پہنچ چکے تھے، انہوں نے کشتیوں یا جالوں کا انتظار بھی نہ کیا، سامان کے ساتھ پانی میں کود پڑے، ان میں سے خاصی تعداد غرق ہوگئی، قندھاری پورے اطمینان و تنظیم سے دشمن کے سواروں کا مقابلہ کرتے رہے، اس اثناء میں مزید پانسو سکھ سوار موقع پر آپہنچے۔

اہل سرحد کیلئے زیبا یہ تھا کہ مال و اسباب کو چھوڑ کر پہلے دشمن کو بھگاتے، پھر دلجمعی سے کشتیوں یا جالوں میں بیٹھ کر دریا کو عبور کرتے۔ انہوں نے اس اہم مصلحت کو نظر انداز کر کے صرف سامان کو بچانے کا خیال رکھا، اس سراسیمگی میں بعض کی جانیں بھی گئیں اور سامان بھی گیا۔

سید صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو حکم دے دیا کہ تمام غازی ہتھیار باندھ کر کنار دریا پر پہنچ جائیں۔ خادے خاں سے کہا کہ اپنے آدمی قندھاریوں کی امداد کے لئے تیار کر دیجئے۔ سید انور شاہ امرتسری کو ان کا قائد مقرر کر کے ہدایت فرمادی کہ آپ فوراً دریا سے پار اتر کر قندھاریوں کو کمک پہنچائیں۔

غازیوں کی پامردی

سید انور شاہ پچاس ساٹھ آدمیوں کو لے کر کشتی کے ذریعے سے دریا کے پار پہنچے اور قندھاریوں کے برابر مورچے جما کر لڑنے لگے۔ اگرچہ سید صاحب نے غازیوں کو ساتھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جانے کا حکم نہیں دیا تھا، صرف یہ حکم تھا کہ وہ کنارِ دریا پر ٹھہرے رہیں، مگر بعض غازی جوشِ شجاعت میں اس خیال سے سید انور شاہ کے ساتھ ہو گئے کہ جب مقصود محض یہ تھا کہ قندھاریوں کو کمک پہنچانا ہے تو کیوں نہ اس سلسلے میں سبقت کا درجہ حاصل کریں۔ ان میں سے جن اصحاب کے اسمائے گرامی وقائع نگاروں نے محفوظ رکھے، وہ یہ تھے: حیات خاں بریلوی، شیخ فیض الدین بنگالی، شیخ برکت اللہ بنگالی، محمد صالح سندھی (۱) اور شیخ نظام الدین "اولیاء" اس گروہِ غزاۃ نے سکھوں پر زور زور سے باڑھیں ماریں اور تھوڑی ہی دیر میں انہیں بھگا دیا۔ غازیوں میں سے حیات خاں بریلوی اور شیخ برکت اللہ بنگالی شہید ہو گئے، شیخ فیض الدین بنگالی، محمد صالح سندھی اور شیخ نظام الدین "اولیاء" زخمی ہوئے۔

سکھ سوار بھاگ نکلے تو سید صاحب کے حکم سے غازیوں کیلئے کشتیاں بھجوا دی گئیں، وہ سوار ہو رہے تھے کہ سکھ سوار تھوڑی دور سے پلٹ آئے، اس مرتبہ شاہینیں بھی ان کے پاس موجود تھیں، جنکے گولے موضع بازار کی سمت کے کنارے پر آنے لگے۔ سید صاحب بھی دریا پر پہنچ گئے تھے، وہاں کوئی اوٹ نہ تھی، سکھوں کے گولے اور گولیاں پے بہ پے آ رہی تھیں، ہر غازی سید صاحب کیلئے فکر مند تھا، بعض نے بے تاب ہو کر عرض کیا کہ آپ پیچھے چلے جائیں، یا ہمیں آگے آنے دیں اور ہماری اوٹ میں قیام فرمائیں۔ سید صاحب نے اطمینان سے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا آپ سب بھائی میرے پیچھے ہو جائیں۔

غرض جب تک حملہ آور سکھ شکست کھا کر واپس نہ چلے گئے اور تمام غازی بازار نہ پہنچ گئے، سید صاحب دریا کے کنارے پر ٹھہرے رہے، اس کشمکش میں سارا دن گذر گیا، سید انور شاہ نے تمام غازیوں کے بعد دریا عبور کیا اور مغرب کے وقت بازار پہنچے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم پر جھگڑا

اہلِ سرحد جو مالِ غنیمت لائے تھے، خادے خاں نے بطور خود حکم دے دیا کہ وہ

(۱) "وقائع" میں ان صاحب کا نام "محمد صلاح" مرقوم ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سب ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ اسے سید صاحب کے فرمان کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ بعض لوگوں نے خان کا یہ حکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر گرم گفتاری بلکہ کشمکش کی صورت پیدا ہو گئی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، وہ لوگ اصول و مقاصدِ جہاد سے بالکل بے خبر تھے، ان کے سامنے مال فراہم کرنے کے سوا کوئی غرض نہ تھی۔ سید صاحب کیلئے اہل سرحد کے عادات و خصائل کا یہ دوسرا تلخ تجربہ تھا، پہلا تجربہ اکوڑہ کے شبخون میں ہو چکا تھا، اس طرح اندازہ ہو گیا کہ ان لوگوں کو ایک نظام میں لانا اور مقاصدِ جہاد کی تعلیم دینا کتنا ضروری ہے۔ اس موقع پر ختمِ نزاع کیلئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہے، اُسی کے پاس رہنے دیا جائے۔ چنانچہ سید صاحب نے اخوند ظہور اللہ کی معرفت خادے خاں کو پیغام بھیجا کہ اپنا حکم واپس لے لیجئے اور مالِ غنیمت کی ازسرِنو تقسیم کا سوال نظر انداز کر دیجئے، اس طرح جھگڑا ختم ہوا۔

سکھوں کی دوسری یورش

مولوی الٰہی بخش رام پوری فرماتے ہیں کہ حضرو کے چھاپے سے دو تین روز بعد پھر دو تین ہزار سکھ دریا کے بائیں کنارے پر جمع ہو گئے۔ ان کے پاس چھ شاہینیں تھیں، جنہیں ابتداء میں مخفی رکھا۔ جب غازی مقابل کے کنارے پر جمع ہو گئے تو اچانک شاہینیں چلنی شروع ہوئیں۔ سید صاحب نے کشتیوں کی فراہمی کا حکم دے دیا تاکہ غازی دریا سے پار اُتر کر سکھوں سے جنگ کریں۔ اشرف خاں رئیس زیدہ نے عرض کیا کہ اس سکھ لشکر سے مقابلے کی اجازت مجھے دی جائے، البتہ تھوڑے سے ہندوستانی غازی بطور ضمیمہ ساتھ کر دیجئے۔ سید صاحب نے پاسبانوں اور پہریداروں کے سوا سب غازیوں کو اشرف خاں کی معیت کا حکم دے دیا، اکثر سرحدی لوگ شاہینوں کے گولے دیکھتے ہی منتشر ہو گئے اور اشرف خاں کی کوئی سعی انہیں مجتمع نہ رکھ سکی۔ ایک گولہ سید مٹا سندھی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

ملکیوں میں نیک دل اور بہادر آدمی بھی تھے، ایک ملکی کمال مردانگی سے تنہا آگے بڑھا اور مشک بغل میں دبا کر بے تکلف دریا میں کود پڑا۔ اکبر خاں غازی کو سید صاحب نے ایک دستار عطا کر رکھی تھی، جو بہت قیمتی تحفہ تھا۔ غازی نے یہ دستار اپنے سر سے اتار کر ملکی مجاہد کے سر پر رکھ دی اور کہا کہ آج سید صاحب کی دستار کا مستحق تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اس کا پٹکا لے کر اپنے سر پر لپیٹ لیا، پچاس ساٹھ اور ملکی اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔(۱) انہوں نے وسطِ دریا سے سکھوں پر گولیاں چلائیں، مقابلے کا جوش وخروش دیکھ کر سکھ تیزی سے واپس چلے گئے۔

مولانا عبدالحئی اس وقت تک ہندوستان میں تھے، کئی مہینے بعد وہ سرحد پہنچے تو پہلی جنگوں کے حالات سنے۔ اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے بھی جنگِ بازار کا ذکر اجمالاً کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرو پر چھاپا مارنے والوں کو واپسی میں نکبت پہنچی، ان پر سکھوں نے حملہ کر دیا، بعض دریا میں غرق ہو گئے۔ غازیوں نے یہ دیکھا تو سید صاحب سے عرض کیا کہ کلمہ گو گروہ تلف ہو رہا ہے، جو کشتیاں ہمارے قبضے میں ہیں وہ اس وقت تک دوسرے کنارے پر نہیں پہنچائی جا سکتیں جب تک ہم ان کی حفاظت کیلئے اس طرف نہ کھڑے ہو جائیں۔ سید صاحب نے یہ درخواست قبول فرمالی اور تیاری کے بغیر غازیوں کو لے کر کنارۂ دریا پر جا کھڑے ہوئے، یہ دیکھتے ہی دشمن بھاگ گئے۔

---

(۱) روایت میں ہے "پنج و دشش خیک موزنا" خیک شناس کو کہتے ہیں یعنی ہوا بھرا مشکیزہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چونتیسواں باب:

بیعتِ امامتِ جہاد

ضرورتِ نظم و مرکزیت

اکوڑہ اور بازار کی لڑائیوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ اہل سرحد میں نظم و جمعیت قطعاً موجود نہیں اور نہ ان کے سامنے دینی مقاصد ہیں، وہ مال و اسباب کے والہ و شیفتہ تھے۔ سید صاحب کا ساتھ دیتے تو اس لئے نہیں کہ ان بلند اغراض کے لئے جانیں لڑائیں، جن کی خاطر آپ وطن عزیز سے نکل کر سرحد پہنچے تھے، محض مال کی غرض سے معیت اختیار کرتے، جب مال مل جاتا تو رزم و پیکار کی ہر مصلحت سے بے پروا ہو کر گھروں کی راہ لیتے، انہیں بھیڑ یا انبوہ تو کہا جا سکتا تھا "جماعت" نہیں کہا جا سکتا تھا، جس کے لئے مختلف افراد میں وحدتِ فکر و عمل اور وحدتِ مقصد ضروری ہے۔ اس قسم کے حالات کسی بڑے نصب العین کی تکمیل کے لئے کیوں کر سازگار سمجھے جا سکتے تھے؟ ضروری تھا کہ ان لوگوں کی تنظیم و تربیت کا بندوبست کیا جاتا، یہ کام ایک مرکز اطاعت و انقیاد کی تاسیس کے بغیر شروع نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پھر وہاں مختلف خوانین در وبست تھے، جن میں باہم رقابتیں بھی تھیں، جب تک ان کی رضامندی سے ایک مرکزی نظام کا بندوبست نہ ہو جاتا، انہیں ایک جھنڈے کے نیچے کیوں کر جمع کیا جا سکتا تھا؟ وہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوتے تو علاقہ سرحد کی آزادی کے تحفظ اور مقصود یہ بلادِ اسلامیہ کی بازیافت کیلئے نتیجہ خیز جدوجہد کی کیا امید ہو سکتی تھی؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فتح خاں پنجتاری کی بیعت

سید صاحب جنگ بازار کے بعد، ہنڈ کے شمال میں ایک تالاب پر مقیم ہو گئے تھے، وہیں علماء و خوانین اور عوام ملاقات و بیعت کے لئے آتے تھے۔ اسی مقام پر خدو خیل کے رئیس فتح خاں پنجتاری نے بیعت کی اور عرض کیا کہ پنجتاری تشریف لے چلیں۔ سید صاحب تیار ہو گئے، وہ فتح خاں کے اخلاص سے بھی متاثر ہوئے ہوں گے، پنجتار کو موقعیت کے لحاظ سے بھی زیادہ موزوں مرکز سمجھا ہوگا، اس لئے کہ وہ پہاڑوں کے بیچ میں محفوظ مقام تھا اور سکھوں کی عام یورش گاہوں سے ہٹا ہوا تھا۔ ہنڈ میں رہنا سید صاحب کو اس وجہ سے بھی مناسب نظر نہیں آتا تھا کہ یہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہو گیا تھا کہ بعض خوانین سے خادے خاں کے تعلقات خوشگوار نہیں اور وہ ہنڈ میں آنے سے ہچکچاتے تھے۔ خادے خاں کو سید صاحب کے قصدِ پنجتار کا علم ہوا تو اس نے بے تابانہ عرض کیا کہ میں فرمانبردار ہوں، آپ ہنڈ ہی میں قیام فرمائیں، جس جس خان یا رئیس کو بلانا منظور ہوگا، میں یہیں بلا لوں گا۔(۱)

فتح خاں پنجتاری اس وجہ سے خوانین سرحد میں ممتاز ہے کہ اس نے سید صاحب کے ساتھ جو عہدِ وفا باندھا تھا، اُسے نباہنے اور پورا کرنے میں سب پر فوقیت لے گیا، اگرچہ آخر میں ایک موقع پر اس کے قدم بھی ڈگمگا گئے، نیز اس کا مقام پنجتار برسوں سید صاحب کا مرکز بنا رہا اور آپ نے اپنی مجاہدانہ زندگی کے زیادہ تر اوقات اسی مرکز میں گزارے۔ اس کے بعد خوانین سرحد میں سے جس شخصیت نے سید صاحب کی اعانت و یاوری کا حق ادا کیا، وہ اشرف خاں رئیس زیدہ تھا۔ افسوس کہ اس کی عمر نے وفا نہ کی، اس کے بیٹوں میں سے فتح خاں اور ارسلان خاں برابر سید صاحب کے وفادار رہے۔

(۱) منظورہ ص: ۳۱۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فیصلہ امامتِ جہاد

علماء و خوانین کے ساتھ گفتگو برابر ہوتی رہتی تھی، کہ کاروبارِ جہاد کی تنظیم کے لئے کیا بندوبست کیا جائے۔ سید صاحب کی جماعت میں سے شاہ اسماعیل ان گفتگوؤں میں زیادہ تر حصہ لیتے رہے، اس مسئلے کے شرعی اور انتظامی پہلو خوب واضح ہو گئے تو علماء و خوانین سرحد نے یہ فیصلہ کیا کہ جہاد کیلئے ایک امیر یا امام کا انتخاب ضروری ہے، اور اس منصب جلیل کے لائق صرف سید صاحب ہیں۔ اس لئے بھی کہ ان میں امامت کی تمام شرطیں موجود ہیں، اور اس لئے بھی کہ وہی ہیں جن پر تمام رؤسا و خوانین اور علماء و عوام کے زیادہ سے زیادہ حصے کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۲ر جمادی الآخری ۱۲۴۲ھ (۱۱ر جنوری ۱۸۲۷ء) کو جمعرات کے دن ہنڈ کے تالاب کے کنارے "ساداتِ کرام" علماءِ عظام، مشائخ ذوی الاحترام، امرائے عالی مقام و سائر خواص و عوام نے سید صاحب کے ہاتھ پر امامتِ جہاد کی بیعت کر لی۔ اس سے اگلے روز (جمعہ کے روز) جمعہ کے خطبے میں سید صاحب کا اسم گرامی شامل ہو گیا، ہندوستانی غازی پہلے سے آپ کو "امیر المومنین" کہتے تھے کہ اہل سرحد نے آپ کو "سید بادشاہ" کا لقب دیدیا۔ سکھ بول چال اور خط و کتابت میں آپ کیلئے "خلیفہ صاحب" کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔

بیعت کی حیثیت

میں سید صاحب کی امامت اور امارت کے تمام پہلو قبل ازیں واضح کر چکا ہوں، ان مطالب کو دہرانے کی ضرورت نہیں، تاہم یہ حقیقت پھر ایک مرتبہ ٹھیک ٹھیک ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ امامت کے بعد سید صاحب کو صرف کاروبارِ جہاد کی تنظیم کے لئے مختار بنایا گیا تھا، رؤساء و خوانین کے عام امور ریاست و خانیت سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ دعوت کے ذریعے سے لوگوں میں جہاد کے جذبے کو ابھار سکتے تھے، انہیں دینی واجبات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سمجھا سکتے تھے، جن جن رئیسوں نے بیعت کی تھی، ضرورت کے مطابق ان سے امداد طلب فرما سکتے تھے۔ میدانِ جنگ میں سب لوگ ان کی تنظیمات قبول کرنے پر مجبور تھے، لیکن میدانِ جنگ سے باہر آتے ہی سب اپنے حلقوں میں بالکل آزاد تھے۔ موجودہ زمانے کی عام اصطلاح میں یوں سمجھ لینا چاہئے کہ جہاد کی غرض سے تمام عناصر کو یکجا رکھنے کے لئے یہ ایک نوع کی کنفڈریسی (یعنی عوام وخوانین ورؤسا کا وفاق واتحاد) بن گئی تھی، جس کے رئیس اعلیٰ سید صاحب تھے۔

بلاشبہ اس وفاق میں استحکام وپختگی کی وہ روح موجود نہ تھی جو ایک بلند پایہ نظام میں ہونی چاہئے، مگر یہ سروسامانِ جہاد کی ابتدا تھی، طوع ورغبت اور دعوت وارشاد پر انحصار کے سوا چارہ نہ تھا۔ اگر تمام خانیوں اور ریاستوں کو ختم کر کے سارے علاقوں کو ایک حکومت میں منضبط کرنے کا سوال اٹھایا جاتا تو فوراً باہمی رزم وپیکار کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور اصل مقصد کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہی پورے متاعِ عمل ختم ہو جاتی۔ سید صاحب فتح کی صورت میں مختلف رؤسا کے ساتھ عطائے ملک وجاگیر کے وعدے بھی فرماتے رہے، تالیفِ قلوب کا طریقہ یہی ہوسکتا تھا، لیکن آپ نے ہر وعدہ دو شرطوں سے مشروط رکھا: اول یہ کہ ملک وجاگیر پانے والے شخص کا نظامِ حکومت خالصۃً اسلامی ہوگا اور وہ اپنے حلقے میں شریعتِ حقہ کے احکام بالاہتمام رائج کرے گا۔ دوم یہ کہ مال وقوت کا ایک مناسب حصہ دواماً جہادِ عمومی کے لئے وقف رکھے گا۔

دعوتِ عام

اس انتظام کے بعد سید صاحب نے جہاد کیلئے دعوتِ عام کا انتظام کیا، تمام رؤسا واُمراء اور ملوک وسلاطین کو باقاعدہ خطوط ارسال کئے۔ بعض کے پاس سفارتیں بھیجیں، ہندوستان کے تمام دوستوں اور محبوں کو بھی خط لکھے، ایک خط میں فرماتے ہیں:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کام کا وقت سر پر آپہنچا ..... پس ہر راسخ الاعتقاد مومن اور ہر اطاعت گزار مسلم کیلئے لازم ہے کہ جس طور بھی ممکن ہو، فقیر کے پاس پہنچ کر جماعت مجاہدین میں منسلک ہو جائے، اگرچہ حق جل وعلا اپنی قدرت کاملہ سے خود اس مقدمے کو منزل اتمام پر پہنچائے گا۔ اس کا اپنا ارشاد ہے: کذالك حق علينا نصر المؤمنين اور دین محمدی کو اپنے دعوے کے مطابق تمام ادیان پر غلبہ عطا کرے گا، لیکن جو شخص اپنی جان اس معرکے میں حاضر کرے گا، وہ سعادت جاودانی پائے گا، اور جو آج اس مقدمے میں سستی اختیار کرے گا، وہ قیامت کے دن افسوس و ندامت میں مبتلا ہوگا۔

ایک اور خط میں فرماتے ہیں:

یہ محمود زمانہ اور یہ مبارک وقت مخلصوں کے اخلاص اور مومنوں کے یقین کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو بہار کو گل دبلبل کے تعلق میں اور برسات کو درختوں یا دوسری نباتات کے تعلق میں حاصل ہوتی ہے۔ اہل اخلاص کا اخلاص اور اہل یقین کا یقین عمل میں نمایاں ہونا چاہئے، جو پھول موسم بہار میں نہ کھلا اسے کانٹے کے برابر سمجھنا چاہئے، جو فصل برسات میں نہ اُگی اس کے درو کی امید ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانی چاہئے، جو درخت فصلِ ربیع میں سبز نہ ہوا، اُسے ہیزم خشک کی طرح جڑ سے کاٹ ڈالنے کے سوا چارہ کیا ہے؟

امامت اور بورڈ

سید صاحب کی امامت پر ان کے زمانے میں جو اعتراضات ہوئے تھے، میں ان کی حقیقت پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ہمارے عہد میں مولانا عبید اللہ مرحوم نے اعتراض کا بالکل نیا زاویہ نگاہ ایجاد فرمایا اور وہ یہ کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنے بعد ایک شخص میں امامت کی صلاحیت نہ پائی تو فرائض امامت کی بجا آوری کیلئے دو بورڈ مقرر فرما دیے۔ عسکری امور کے لئے سید احمد کو امیر، مولانا عبد الحیٔ اور شاہ اسماعیل کو مشیر بنایا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تنظیمی امور کے لئے شاہ محمد اسحاق کو امیر اور شاہ محمد یعقوب کو ان کا شریک قرار دیا۔(۱)

اس بنیادی توضیح کے ساتھ ساتھ مولانا فرماتے ہیں۔

۱۔ ہند میں سید صاحب کی امامت پر اجماع ہوا، وہی اختلاف کا سرچشمہ بن گیا۔(۲)

اگر معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم افغانوں کا امیر افغان کو بناتے اور اسے امیر شہید (سید احمد) کے بورڈ کا ممبر بنا دیتے۔(۳)

۲۔ مولانا عبدالحی جب تک زندہ رہے کوئی فتنہ نہ اُٹھا، اس لئے کہ سید احمد اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر سکتے تھے بلکہ اجتماعی فیصلہ حکومت کر رہا تھا۔(۴) مولانا موصوف کی وفات کے بعد تحریک میں بنیادی تغیر پیدا ہو گیا، ماورائے سندھ کا مرکز (سید صاحب کا مرکز) مستقل بن گیا، دہلی کے مرکز سے اس نے سرکشی اختیار کر لی۔ حزب ولی اللہ کی حکومت کا طریقہ بورڈ کی حکومت سے شخصی امامت (ڈکٹیٹر شپ) میں تبدیل ہو گیا، اس طرح امیر شہید (سید صاحب) امیر المومنین اور دنیائے اسلام کے مصلح خلیفہ مانے گئے۔(۵)

آخر میں فرماتے ہیں کہ سید صاحب کو کشف و کرامات کا مالک بنا کر ساری جماعت کا امام تسلیم کرایا گیا، حالانکہ اصل امام شاہ عبدالعزیز تھے، سید صاحب جماعت کے ایک سپاہی تھے، ان کی بزرگی میں مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل کا اشتراک ہے، شاہ اسحاق روپیہ بھیجتے تھے، یہ تمام اصحاب شاہ عبدالعزیز سے تربیت یافتہ تھے۔

یہ سارا کام امام عبدالعزیز کا تھا، انہوں نے آدمی تیار کئے، پروگرام بنایا اور کام

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص:۱۵۲-۱۵۳۔

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص:۱۶۵۔

(۳) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص:۱۶۵۔

(۴) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص:۱۵۶-۱۵۷۔

(۵) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص:۱۵۷-۱۵۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شروع کیا۔ پھر غلطیاں اس قدر ہوئیں کہ ان کا لازمی نتیجہ شکست تھا۔(۱)

حقیقتِ حال

ان اعتراضات پر مفصل بحث کی ضرورت نہیں اور ان کا مدار سراسر قیاس ہے، یا خواہش کہ ایسا ہونا چاہیے تھا۔ شاہ ولی اللہ کے پورے خاندان اور خود سید صاحب کے متعلق جو مکتوب مطبوعہ ذخیرۂ معلومات اب تک میری نظر سے گذرا ہے، اس میں محولہ بالا قیاس آرائیوں کیلئے بعید سا اشارہ بھی موجود نہیں اور خود مولانا ئے مرحوم نے بھی کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔

ذرا غور کیا جائے تو ان دعاوی کی بے حقیقتی خود بخود آشکارا ہو جاتی ہے، مثلاً:

۱۔ مئی ۱۸۱۹ء کے بعد سید صاحب اور شاہ عبدالعزیزؒ میں کوئی ملاقات نہ ہوئی یہاں تک کہ شاہ صاحب ۱۸۲۴ء میں واصل باللہ ہو گئے۔ اس سے دو برس بعد سید صاحب جہاد کیلئے نکلے، مجھے یقین ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی میں یہ فیصلہ بھی نہیں ہوا تھا، کہ جہاد کا آغاز کہاں سے ہو۔

۲۔ ۱۸۲۷ء میں بیعتِ امامت کا سارا انتظام شاہ اسمٰعیل نے کیا تھا، مولانا عبدالحئی چند ماہ بعد سرحد پہنچے تو انہوں نے بھی خوشی اور رضامندی سے اسے قبول کر لیا۔ گویا یہ ان کی آرزوؤں کے مطابق تھا، اگر یہ سب کچھ مولانا عبیداللہ کے قول کے مطابق شاہ عبدالعزیزؒ کے مقررات کے مطابق نہ تھا تو شاہ صاحب کی ہدایت کو پس پشت ڈالنے کے ذمہ دار اُن کے گھر کے دو آدمی تھے، جنہیں مشیر بنایا گیا تھا، نہ کہ سید صاحب۔

۳۔ عجیب بات یہ ہے کہ نہ سید صاحب کی امامت کی حیثیت وہ تھی جو مولانا نے فرض فرمائی، نہ امامت کی وجہ سے کوئی جھگڑا پیدا ہوا، نہ سید صاحب نے کبھی کسی معاملے

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص:۱۷۳-۱۷۴۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں خودرائی سے کام لیا۔ ان کے تمام کاموں کیلئے شروع ہی سے ایک مجلس شوریٰ موجود تھی، اس میں مولانا عبدالحئی، شاہ اسماعیل اور متعدد دوسرے ذی رائے اصحاب شامل رہے۔ ہر چھوٹی بڑی بات کے متعلق باہم مشورے ہوتے تھے۔

۴۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ روپیہ شاہ محمد اسحاق بھیجتے تھے، یوں کہئے کہ روپیہ جمع ہونے کے جو مرکز تھے، ان میں سے ایک مرکز دہلی میں تھا، جس کا ذمہ دار شاہ اسحاق کو بنایا گیا تھا۔ لیکن جگہ جگہ دوسرے مرکز بھی تھے، سید صاحب کے قاصد بھی وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے، جو روپیہ لے جاتے تھے۔ ہنڈیوں کے ذریعے سے بھی مختلف مرکزوں سے روپیہ بھیجا جاتا تھا۔ (۱)

۵۔ بلاشبہ ایک ہنڈی کا روپیہ سید صاحب کو وصول نہ ہوا تو شاہ اسحاق نے دعویٰ کر کے ڈگری حاصل کر لی۔ اس بنا پر نکتہ پیدا کیا گیا کہ اگر روپیہ روانہ کرنے کا انتظام شاہ صاحب کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو وہ نہ دعویٰ کر سکتے اور نہ ڈگری لے سکتے۔ (۲) دعویٰ کی بنا یہ نہ تھی کہ شاہ عبدالعزیز نے شاہ اسحاق کو روپیہ بھیجنے کا مختار بنا دیا تھا، اور یہ مختار نامہ انگریزی عدالت میں پیش کر کے ڈگری حاصل کی گئی تھی۔ بناء یہ تھی کہ روپیہ بھیجنے والے شاہ اسحاق تھے، ہنڈی یا منی آرڈر کا روپیہ یا تو مرسل الیہ کو ملنا چاہئے تھا یا مرسل کو واپس ہونا چاہئے تھا۔ اگر دوسرے لوگوں کی بھیجی ہوئی ہنڈیوں کا روپیہ بھی سید صاحب کو نہ ملتا تو وہ بھی دعویٰ کر کے ڈگریاں لے لیتے۔

مسئلہ تربیت

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ نہ شاہ عبدالعزیز نے بورڈ بنائے، نہ ان کی زندگی میں جہاد کی

(۱) مختلف مرکز ہی نہیں شہر اور قصبے بھی براہ راست روپے بھیجتے رہتے تھے۔ ''انوار العارفین'' میں مرقوم ہے: ۹ صفر ۱۲۴۳ھ کو مراد آباد کے مسلمانوں نے تین ہزار تیتر روپے آٹھ آنے ہنڈی کے ذریعے سے بھیجے۔ (ص: ۸۱۸)

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص: ۱۱۲

تنظیمات اس پیمانے پر پہنچی تھیں کہ وہ کوئی خاص مسلک تجویز فرمانا ضروری سمجھتے۔ مسئلۂ تربیت کو زیرِ بحث لانے کی ضرورت نہیں، دنیا جب سے بنی ہے، علوم ظاہر و باطن میں استادی اور شاگردی کا سلسلہ برابر چلا آتا ہے۔ شاہ عبد العزیز نے شاہ اسماعیل، مولانا عبد الحیٔ، شاہ اسحاق، شاہ یعقوب ہی نہیں، سیکڑوں اصحاب کی تربیت فرمائی۔ جو خاص صلاحیتوں کے مالک تھے، وہ بلند منزلت بن گئے۔ خود شاہ عبد العزیز کی تربیت شاہ ولی اللہ نے فرمائی، شاہ ولی اللہ کی تربیت شاہ عبد الرحیم نے فرمائی، پھر کیا ہر تربیت یافتہ کے فضائل، تربیت کنندہ کے حوالے کر دیے جائیں؟ سید صاحب نے یقیناً شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کے حسنِ تربیت سے فیض اٹھایا، لیکن خدا نے انہیں روحانی صلاحیت اور عزیمت کے جو جوہر عطا کیے تھے وہ ہر شخص کو نہ مل سکے، اس وجہ سے ہر شخص سید احمد نہ بن سکا۔

احکامِ دین کی تعلیم اور ان احکام کے نفاذ و اجرا کے لیے عملی اقدامات میں فرق ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دواؤں کے خواص و اثرات کی تحقیق و معرفت میں درجۂ کمال حاصل کر چکا ہو، مگر ان دواؤں سے موقع اور محل کے مطابق ٹھیک ٹھیک کام لینا اور خلقِ خدا کے لیے صحت و شفا کا بندوبست کرنا بالکل الگ کام ہے۔ شاہ صاحب زندگی بھر دین کی تعلیم دیتے رہے، اس دائرے میں ان کی فضیلت و رفعت کسی شرح کی محتاج نہیں، ان کے اکثر شاگرد محض تعلیم پا لینے یا تدریس کی مسندیں آراستہ کر لینے پر قانع رہے، سید صاحب نے علمِ دین حاصل کر لینے کے بعد اسے جا بجا نافذ کرنے اور بندگانِ خدا کو اس کا پابند بنانے کا بیڑا اٹھایا اور اس کارِ عزیمت میں اپنی ہر متاع بے دریغ قربان کر ڈالی۔ پھر ان کے فضائل کو کیوں دوسروں کے دامن میں ڈالنے کی سعی کی جائے؟

غیر ضروری اضطراب

مولانا عبید اللہ مرحوم دورِ حاضر کے ایک عظیم الشان مجاہد تھے، انہوں نے اپنی زندگی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملک کی آزادی کیلئے وقف کردی۔ پچیس برس جلاوطنی میں گزارے، شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے عمل کا ایک مستقل پروگرام مدوّن فرمایا۔ ان فضیلتوں سے کسی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ مولانا کو شاہ صاحب اور ان کے خاندان سے جو گہری عقیدت پیدا ہو گئی تھی، وہ بھی ہر مسلمان کیلئے افتخار کا گراں بہا سرمایہ ہے، لیکن مولانا کا نقطۂ نگاہ کچھ اس قسم کا بن گیا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے عہد مبارک سے اس وسیع سرزمین میں جو قابلِ ذکر علمی یا عملی کام ہوا وہ یا تو براہِ راست شاہ صاحب کے بلند منزلت خاندان نے کیا یا اس کی تجویز سے تکمیل تک سب سے بڑا حصہ اس خاندان کا تھا۔ اس نقطۂ نگاہ کی اندھا دھند توثیق کون کر سکتا ہے؟

یقیناً تعلیمِ دین میں شاہ صاحب کے خاندان کی حیثیت نظامِ شمسی کی تھی، جس سے آسمانِ ہند کے ہزاروں چاند تارے مستنیر ہوئے، بلکہ روشنی کی کرنیں ہندوستان سے باہر بھی پہنچیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو ہر فضیلت سے محروم کر دیا جائے۔ خصوصاً سید احمد بریلوی نے فضائلِ عمل اور مکارمِ خدمتِ اسلام و مسلمین میں جو مقامِ عزیمت حاصل کیا، اس کے اعتراف میں تذبذب کس بنا پر مناسب ہے؟ ولی اللّٰہی خاندان کیلئے اس کے اپنے فضائل بس کرتے ہیں، دوسروں کے فضائل اس خاندان کے دامن میں ڈالنے کا اضطراب بالکل غیر ضروری ہے۔(۱)

(۱) یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض سوانح نگاروں نے بیعتِ امامت و جہاد اور بیعتِ اقامتِ شریعت کو خلط کر دیا ہے، حالانکہ یہ دونوں بیعتیں الگ الگ موقعوں پر ہوئی تھیں، اور ان میں کم و بیش دو سال دو مہینے کا فصل ہے۔ بیعتِ اقامتِ شریعت کا ذکر موقع پر آئے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پینتیسواں باب:

اجتماعِ جیوشِ اسلامیہ

اہلِ سرحد کا جوش و خروش

بیعتِ امامت کے بعد سرحد کے خوانین، رؤسا اور عوام نے گروہ در گروہ اور فوج در فوج بیعتِ جہاد شروع کر دی۔ وہ سکھوں کی ترکتازوں سے تنگ آئے ہوئے تھے، انکے گاؤں وقتاً فوقتاً نذرِ آتش ہوتے رہتے تھے۔ خود انہیں آئے دن گھربار چھوڑ کر بال بچوں کے ساتھ پہاڑوں میں پناہ لینی پڑتی تھی۔ اس حالتِ اضطراب کو ختم کرنے کی شکل یہی تھی کہ وہ جم کر سکھوں کا مقابلہ کرتے اور ثبات واستقامت سے ان کی قوت پر کاری ضرب لگاتے۔ اس غرض کیلیے ایک مرکز درکار تھا، سید صاحب کی ذات بابرکات سے یہ ضرورت پوری ہوگئی تو وہ اطراف واکناف سے آ آکر بیعت کرنے لگے۔ میرزا اعظم محمد خاں نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ بیعت کے بعد ہر شخص زبانِ حال سے یہ ترانہ گاتا تھا:

ماسبک روحاں بہ امیدِ شہادت زندہ ایم
پیشِ ما ذکرِ حیاتِ جاوداں باشد گراں

سردارانِ پشاور کی عرضیاں

سردارانِ پشاور میں سے سلطان محمد خاں اور سید محمد خاں پہلے سید صاحب کی بیعت کر چکے تھے، یار محمد خاں اور پیر محمد خاں کی بیعت کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا۔ ان کی طرف سے اب اطاعت وفرمانبرداری کی عرضیاں پہنچیں۔ اہلِ سرحد کو ان عرضیوں کا علم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوا تو اکثر نے سید صاحب سے عرض کیا کہ ان کا اظہار اطاعت مکر و فریب پر مبنی ہے، اور ان پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ یہ اپنے سگے بھائیوں یعنی وزیر فتح خاں اور عظیم خاں سے بھی دغا کر چکے ہیں، کسی دوسرے کو ان سے وفا کی کیا امید ہو سکتی ہے؟(۱) خصوصاً یار محمد خاں کے بارے میں سب کی رائے بالا تفاق یہ تھی کہ غدر و خیانت اس کا عام شیوہ ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہادیٔ مطلق ہے، وہ ایک دم میں فاسق کو متقی بنا دیتا ہے، جب یہ شخص ہماری شرکت کا دم بھرتا ہے تو ہمیں اس پر بھروسا کرنا چاہیے۔

دل کا حال خدائے علیم کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اگر وہ دغا کرے گا تو اپنے واسطے کرے گا، ہمارا کیا بگاڑے گا۔(۲)

سرداروں کے خصائل

یار محمد خاں کے متعلق اہل سرحد کی رائے میری معلومات کے مطابق بالکل درست تھی، سلطان محمد خاں یقیناً اس سے زیادہ مخلص تھا لیکن وہ عزم و ہمت کا آدمی نہ تھا۔ جو لوگ اس سے ملے وہ لکھتے ہیں کہ خوش پوشی اور خوش نوشی سے اسے بہت محبت تھی، ایسے لوگوں میں ماحول اور گرد و پیش کے عام اثرات سے اوپر اٹھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جب سلطان محمد خاں ان اثرات سے دب گیا تو اس نے بھی سید صاحب کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس سے پیشتر یار محمد خاں کر چکا تھا۔ پیر محمد خاں کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ اسے فوجی امور سے خاص دلچسپی تھی اور وہی عسکری صلاحیت کے اعتبار سے سب بھائیوں میں ممتاز تھا۔ سید محمد خاں کی حیثیت بالکل معمولی تھی۔

مختلف مؤرخوں کے بیانات

درانی سردار (خصوصاً یار محمد خاں) اگر دل سے سید صاحب کی معیت پر آمادہ نہ تھے

(۱) منظورہ ص:۳۲۱ (۲) وقائع ص:۸۵۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تو وہ معیت سے الگ بھی نہیں رہ سکتے تھے، اس لئے کہ سرحد کے عام خوانین ورؤسا سید صاحب کے پاس پہنچ رہے تھے۔ دیوان امرناتھ نے لکھا ہے کہ یار محمد خاں نے جب دیکھا کہ لوگ پروانہ وار سید صاحب کی طرف دوڑے جا رہے ہیں اور ملک میں خرابی پیدا ہو رہی ہے تو مصلحتاً خود بھی مرید بن گیا۔ میسن (۱) کہتا ہے:

> یوسف زئیوں کو میدانِ کارزار میں لا کھڑا کرنے میں سید صاحب کو جو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، اس نے سردارانِ پشاور کو سید صاحب کے ساتھ مذاکرت و مکاتبت پر راغب کر دیا ...... سید صاحب کا ساتھ دینے والے بے شمار گروہ تھے، ان کی فیروز مندی اگرچہ یقینی نہ تھی تاہم غیر اغلب بھی نظر نہیں آتی تھی۔ (۲)

سید صاحب کا طرزِ عمل

ان پر سید صاحب کا اعتماد بھی درست ثابت نہ ہوا، مگر آپ سوچیں خاص اس موقع پر اعتماد کے سوا چارہ کیا تھا؟ سید صاحب نفیرِ عام کے داعی تھے، جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہہ رہے تھے، ان میں سے کسی کو روکیں بناء پر کر سکتے تھے؟ یہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ فلاں کا تعاون منظور ہے، فلاں کا منظور نہیں۔ خصوصاً ان بھائیوں میں تفرقہ غیر ممکن تھا، اگر یار محمد خاں کے تعاون کو قبول نہ کرتے تو دوسرے بھائیوں سے تعاون کی کیا امید ہو سکتی تھی؟ اگر ان سب کو چھوڑ دیتے تو کیا وہ اہل سرحد کے تعاون میں خلل انداز نہ ہوتے اور سکھوں کے ساتھ خفیہ ساز باز کر کے سید صاحب کیلئے دو جانب سے خطرات پیدا نہ کر دیتے؟ پھر انہیں سرداروں کے بھائی افغانستان کے بڑے حصے پر مسلط تھے، ان سے

(۱) ظفر نامہ دیوان امرناتھ ص: ۱۷۵۔ عمدۃ التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یار محمد خاں خفیہ خفیہ سید صاحب کی سرگرمیوں کے متعلق دربارِ لاہور کو اطلاعیں پہنچا رہا تھا، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو دفتر دوم ص: ۳۵۰
(۲) میسن جلد سوم ص: ۷۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اعانت وامداد کی کیا امید ہو سکتی تھی؟ حالات و مصالح کے اعتبار سے وہی طریق عمل درست تھا، جو سید صاحب نے اختیار کیا۔ آگے چل کر غدر و خیانت کے جو واقعات پیش آئے ان کا اندازہ قبل از وقت کوئی نہیں کر سکتا تھا، اور غدر و خیانت کا ارتکاب تنہا ان سرداروں ہی کی طرف سے نہ ہوا، خادے خاں بھی اسی مسلک پر چلا، جس کے گھر میں بیعتِ امامت ہوئی تھی، اور جو سید صاحب کی مہمانداری میں پیش پیش تھا۔

درحقیقت سید صاحب جانتے تھے کہ اہل سرحد عموماً تذبذب اور بے یقینی کے مرض میں مبتلا ہیں، یہ مرض سکھوں کے مقابلے میں احساسِ کمتری سے پیدا ہوا تھا اور احساسِ کمتری اسی صورت میں زائل ہو سکتا تھا کہ سرحدیوں کی قوت کو منظم کر کے سکھوں پر کاری ضربیں لگائی جاتیں۔ جہاد میں ابتدائی فیروز مندی کے بعد غدر و خیانت کے امکانات خود بخود کم ہو جاتے، لیکن اس موقع پر بعض کے رد اور بعض کے قبول سے تنظیم کا پورا سلسلہ مختل ہو جانے کا شدید خطرہ موجود تھا۔ سید صاحب نے اہون البلیتین کو قبول کیا، دانشمندی اور مصلحت اندیشی کا راستہ یہی تھا۔

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم یار محمد خاں سید صاحب کی معیت میں مخلص نہ تھا، گردوپیش کے حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا، اگر وہ الگ تھلگ بیٹھا رہتا اور سید صاحب عوام اہل سرحد کی امداد سے سکھوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیتے تو درانیوں کی سرداری خود بخود ختم ہو جاتی۔

گدڑی شہزادہ

اس زمانے میں جو لوگ بیعت کیلئے آئے، ان میں ایک صاحب گدڑی شہزادہ کے لقب سے مشہور تھے۔ وقائع میں انہیں ایک ''جلیل القدر پیرزادہ'' بتایا گیا ہے۔(۱)

(۱) وقائع ص: ۸۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سردار سید محمد خاں نے اپنے ایک مکتوب میں انہیں "صاحبزادہ گودڑی" کہا ہے۔(۱)
شہزادہ صاحب یا صاحبزادہ صاحب نے خلوص سے بیعت کی اور کہا:

"میں خالصۃً لوجہ اللہ حاضر ہوا ہوں، آج کے بعد آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔"

یہ شہزادہ اہلِ سرحد کے ان مردانِ حق میں سے ہے جنہوں نے اپنا عہد جان کے ساتھ نباہا۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ**.

اطاعت و رفاقت کا عہد کر لینے کے بعد سردارانِ پشاور نے لشکر اور توپ خانے کے ساتھ پشاور سے نوشہرہ کا رُخ کیا۔ جب "سرہائی" پہنچے، جہاں سے نوشہرہ پانچ کوس رہ جاتا ہے تو ہنڈ اطلاع بھیجی۔ سید صاحب نے پانسو آدمی ساتھ لیے اور سرداروں کی ملاقات کیلئے نوشہرہ پہنچ گئے۔ فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں رئیس زیدہ، خادے خاں رئیس ہنڈ اور گودڑی شہزادہ بھی ہم رکاب تھے۔ دو یا تین روز نوشہرہ میں باہم مشورے ہوتے رہے، پھر گودڑی شہزادے کو یار محمد خاں نے روک لیا، سید صاحب اور باقی اصحاب ہنڈ چلے آئے۔ اسی ملاقات میں فیصلہ ہوا کہ متحدہ قوت سے سکھوں پر یورش کی جائے، چنانچہ واپسی پر فتح خاں، اشرف خاں اور خادے خاں نے اپنے اپنے حلقوں میں جہاد کی دعوتِ عام کا انتظام کر دیا۔

سید صاحب کے لشکر کی معیشت

ان دنوں ہندوستانی غازیوں کے لشکر میں سامانِ معیشت کی بے حد قلت تھی، سید

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۲۱۳۔ افسوس کہ ان کا نام اور حال کہیں سے معلوم نہ ہو سکا، بعض اصحاب نے بتایا کہ گودڑی یا گدڑی افغانستان کا ایک علاقہ ہے، جہاں کے یہ پیرزادے تھے۔ یا ایک قوم ہے، جس کے یہ معزز فرد تھے۔ کابل میں ایک مسجد گودڑی بھی ہے، جو گودڑی قوم نے بنائی۔ ایک بیان سے معلوم ہوا کہ یہ مجدد الف ثانیؒ کے خاندان سے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب نے چلتے وقت جو روپے ساتھ لیے تھے وہ غالباً ختم ہو چکے تھے۔ جن رقموں کا انتظار تھا وہ پہنچی نہیں تھیں، کسی پر بوجھ ڈالنا یا سوال کرنا سید صاحب کی عادت شریف، طبیعت اور شانِ تربیت کے خلاف تھا۔ کبھی کبھی ضرورت کے مطابق کھانا مل جاتا، اکثر فاقے کرنے پڑتے یا ساگ پات کھا کر گزارہ کر لیا جاتا۔(۱) یہ حالتِ عسرت کئی مہینے جاری رہی، لیکن سب بالکل مطمئن تھے، کسی کی زبان پر حرفِ شکایت نہ آیا۔ کچھ آدمی بیمار ہو گئے، سید صاحب نے انہیں پنجتار بھیج دیا۔ جو لوگ جنگ اکوڑہ میں زخمی ہوئے تھے اور انہیں نوشہرہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا، وہ وہیں رہے۔ اہل نوشہرہ نے ان کی خدمت گزاری اس شان سے کی کہ راوی بتاتے ہیں، ان کے اقربا بھی پاس ہوتے تو اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتے۔ سید صاحب نے اہل نوشہرہ کے لیے دعا فرمائی۔

ہنڈ ہی سے احوالِ جہاد کے متعلق پہلا مکتوب ہندوستان بھیجا گیا، جس میں اکوڑہ، حضرو اور بازار کے واقعات بیان کیے گئے۔ یہیں سے بیعتِ امامت کی اطلاع کے ساتھ ساتھ جہاد کے دعوت نامے جا بجا ارسال کیے گئے۔

بدھ سنگھ کا خط

سید صاحب ہنڈ ہی میں تھے کہ بدھ سنگھ کی طرف سے ایک خط ملا جس میں حضرو پر چھاپے کے متعلق طعن و تعریض سے کام لیا گیا تھا، مثلاً یہ کہ آپ دور سے شہادت کا شوق لے کر آئے تھے، میدان میں آ کر مقابلہ کرنا تھا، حضرو کے غریب بیوپاریوں پر چھاپا مارنا کہاں کی مردانگی تھی؟ سید ہو تو سامنے آ کر لڑو، چھپ چھپ کر تاخت و تاراج کیوں کرتے ہو۔

ہم بتا چکے ہیں کہ سید صاحب کو حضرو کے چھاپے سے براہِ راست تعلق نہ تھا اور بدھ

(۱) منظورہ میں ہے: گاہے لوبت بہ سیری می رسید و اکثر بہ فاقہ می گزشت یا بخوردن حشیشات تر و قناعت میکردند۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سنگھ کی تعریضات بالکل بے محل تھیں۔ حالتِ جنگ میں دشمن کی قوت کو ہر ممکن طریقے سے گزند پہنچانا اور اس کے نظامِ حکومت کو مختل کرنے کی تدبیریں عمل میں لانا قطعاً باعثِ اعتراض نہ ہوسکتا تھا۔ اس خط سے صاف ٹپکتا تھا کہ اکوڑہ اور حضرو کی تاختوں نے بدھ سنگھ کو سراسیمہ کردیا تھا اور سراسیمگی نے طعن وتعریض کا جامہ پہن لیا۔

سید صاحب کا جواب

سید صاحب نے ۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ (۱۴ رجنوری ۱۸۲۷ء) کو ہنڈ سے اس خط کا جواب بھیجا، جس کے ضروری حصے اس خیال سے یہاں درج کیے جاتے ہیں کہ یہ جواب بھی سید صاحب کے مقاصد وعزائم کا ایک نہایت عمدہ مرقع ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہلِ حکومت وریاست سے کشمکش کی کئی غرضیں ہوسکتی ہیں، مثلاً جاہ ومال کی محبت یا محض شجاعت وشہامت کی نمائش۔ میرا مقصود یہ ہے کہ:

> دینِ محمدی کی نصرت میں اپنے مولا کا حکم بجالاؤں، جو مالکِ مطلق اور بادشاہِ برحق ہے۔ خدائے عزوجل گواہ ہے کہ اس ہنگامہ آرائی سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں، نہ اس میں کوئی نفسانی غرض شامل ہے، ایسی غرض نہ کبھی زبان پر آئی ہے، نہ دل میں گذری ہے۔ دینِ محمدی کی نصرت کے لئے جو کوشش کسی صورت میں بھی ممکن ہوگی، ضرور بجالاؤں گا، اور جس تدبیر کو بھی مفید پاؤں گا، اُسے لازماً اختیار کروں گا۔ انشاء اللہ زندگی کے آخری سانس تک اسی سعی میں مشغول رہوں گا، پوری عمر اسی کام میں صرف کردوں گا، اور جب تک زندہ ہوں اس مقصد کے لئے تگ ودو جاری رکھوں گا، جب تک سر گردن پر سلامت ہے اس میں یہی سودا سمایا رہے گا، اور جب تک پاؤں تابِ رفتار سے محروم نہیں ہوجاتے اسی راستے پر چلتا جاؤں گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شانِ عزیمت

آگے چل کر فرماتے ہیں:

مفلس بن جاؤں یا دولت مند، منصب سلطنت پر پہنچ جاؤں یا کسی کی رعیت بن جاؤں، بزدلی کی تہمت لگے یا شجاعت کی ستائش کی جائے، میدانِ جہاد سے کامیاب ہو کر زندہ لوٹوں یا شہید ہو جاؤں، اگر میں دیکھوں میرے مولا کی رضا اس میں ہے کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تنہا میدانِ جنگ میں آؤں تو خدا کی قسم! دل وجان سے تنہا سینہ سپر ہو جاؤں گا، اور لشکروں کے ہجوم میں گھستے وقت دل میں ذرا سا بھی کھٹکا نہ ہوگا۔

مجھے نہ بہادری جتانا مقصود ہے، نہ ریاست حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا ثبوت یوں مل سکتا ہے کہ (سکھوں کے) بڑے بڑے سرداروں اور رئیسوں میں سے جو شخص دینِ محمدی کو قبول کر لے، میں سو زبان سے اس کی مردانگی کا اعتراف و اظہار کروں گا اور ہزار جان سے اس کی سلطنت کی ترقی چاہوں گا...... جب آپ اپنے حاکم کے احکام کی تعمیل میں کوئی عذر وحیلہ روا نہیں رکھتے، حالاں کہ وہ آپ جیسا انسان ہے بلکہ آپ کی برادری میں سے ہے تو میں احکم الحاکمین کے فرمانوں کی بجا آوری میں کیونکر عذر کر سکتا ہوں، حالانکہ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے اور سارے جہاں اسی نے بنائے ہیں۔(۱)

لشکروں کی فراہمی

بیعتِ امامت کے بعد کم وبیش دو مہینوں میں اسی ہزار سرحدی عوام جہاد کے لئے فراہم ہو گئے، سردارانِ پشاور کا لشکر اس سے الگ تھا۔ اس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی تھی، اور اس کے ساتھ آٹھ توپیں تھیں۔ اتنا بڑا لشکر سرحد میں پہلے کبھی جمع نہیں ہوا تھا،

(۱) منظورہ ص: ۳۳۳ و مجموعہ مکاتیب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میسن نے کثرتِ تعداد ہی کی بنا پر لکھا ہے کہ سید صاحب کی کامیابی یقینی نہیں تو کم از کم غیر اغلب نہ تھی۔ بے شک ان لوگوں نے باقاعدہ فوجی تربیت نہیں پائی تھی، لیکن اس موقع پر جا بجا فوجی چھاؤنیاں بنا کر تربیت گاہیں کھولنے کا نہ وقت تھا، نہ سروسامان تھا۔ سید صاحب اس وقت یہی کر سکتے تھے کہ خود ہر قربانی کے لئے تیار ہو جائیں اور سب کو اس مسلک پر کاربند ہونے کی دعوت دیں، موقع اور محل تدبیر آرائیوں کا نہ تھا، بلکہ شجاعت اور مردانگی کا تھا، شجاعت اور مردانگی ہی کے بل پر تدبیر آرائیوں کے وسائل پیدا ہو سکتے تھے۔ اسی ہزار کی فراہمی میں سب سے بڑا حصہ فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں اور خادے خاں کا تھا، دوسرے خوانین ورؤسا نے بھی سعی فرمائی، جن میں سے امیر احمد خاں باجوڑی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان میں ہر گروہ کا نشان الگ الگ تھا، اور بڑے بڑے نشان ایک ہزار سے کم نہ ہوں گے۔

سید صاحب نے اپنے ڈیروں کی نگرانی کیلئے چوکیدار مقرر کیے۔ مارچ کے پہلے ہفتے میں ہنڈ سے نکل کر ایک یا دو دن ''جلسی'' میں ٹھہرے، ایک رات مصری بانڈہ میں گزاری، پھر نوشہرہ پہنچ گئے جہاں سے بدھ سنگھ پر یورش منظور تھی۔ وہ شیدو میں خیمہ زن تھا جو اکوڑہ سے چار میل جنوب میں ہے۔ بدھ سنگھ کی فوج میں پینتیس ہزار سے کم نہ تھی، اس کے پاس ساز وسامان بہت زیادہ تھا، تیز سوہن لال کے بیان کے مطابق ''راجا سوچیت سنگھ، راجا گلاب سنگھ'' اور دوسرے سرکردگان عالیشان اس کے ساتھ تھے۔

۱۸۲۳ء کی جنگ نوشہرہ کے بعد یہ پہلی لڑائی تھی، جس میں اہل سرحد سکھوں کے مقابلے پر آئے اور سید صاحب کے غازیوں کی بھی سکھوں سے یہ پہلی زود رزو ٹکر تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھتیسواں باب:

جنگِ شیدو

مقامِ جنگ

شیدو(۱) صوبہ سرحد کا مشہور گاؤں ہے، اتنا بڑا ہے کہ اسے گاؤں کے بجائے چھوٹا قصبہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ اکوڑہ سے تقریباً چار میل جنوب میں ہے، یعنی اٹک کی سمت میں جو تیلی سڑک اس کے پاس مشرقی سمت میں ہے، اسی جانب تھوڑے فاصلے پر دریائے لنڈے بہتا ہے، ریل کی لائن مغربی سمت میں ہے۔ سید صاحب کے زمانے میں یہ گاؤں موجود جگہ کے بجائے مشرق میں دریا کے قریب آباد تھا، دریا میں طغیانی آئی تو گاؤں کی جگہ بدلنی پڑی۔ ایک مرتبہ پھر طغیانی ہی کی وجہ سے نقلِ مقام کی ضرورت پیش آئی۔ گویا موجودہ گاؤں تیسری جگہ واقع ہے۔ جس لڑائی کا ذکر اس باب کا طرازِ عنوان ہے، وہ اس وقت ہوئی تھی جب گاؤں پہلی جگہ آباد تھا۔ اس کے بچے کچھے آثار یا پرانے قبرستان کے نشان اب تک دریا کے کنارے دکھائی دیتے ہیں۔

گاؤں کے مغرب میں میل ڈیڑھ میل پر خٹک کی پہاڑیاں ہیں، ان پہاڑوں کے دامن سے دریا تک زمین برابر ڈھالواں ہوتی چلی گئی ہے، جابجا نالوں کے بہاؤ ملتے ہیں، جو پہاڑوں کی سمت سے آکر دریا میں ملتے ہیں، برسات ہوجائے تو ان میں زور

---

(۱) میسن نے اس مقام کا نام "سیدوالا" لکھا ہے (مختلف سفروں کا بیان) جلد اول ص ۱۳۳ {Narrative of varidus Journeys} "منظورہ" اور "وقائع" میں اسے "سیدو" بتایا گیا ہے جو بہ ظاہر "سیدو والا" کا مخفف ہے، لیکن میں نے وہ تلفظ اختیار کیا جو پٹھانوں میں متداول ہے۔ "عمدۃ التواریخ" میں اسے شیدو ہی لکھا گیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے پانی بہنے لگتا ہے، لیکن جلد خشک ہو جاتا ہے۔

سکھوں کی لشکر گاہ، میری تحقیق کے مطابق گاؤں کے جنوب مغرب میں تھی، شاید اس جگہ کے قریب ہو جہاں آج کل گاؤں آباد ہے۔ لشکر گاہ کے اردگرد حفاظت کے لئے خاردار جھاڑیوں سے سنگھر بنائی گئی تھی۔

نوشہرہ میں انتظامات

یقینی طور پر تو معلوم نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ سید صاحب نوشہرہ میں بھی ایک دو دن ضرور ٹھہرے ہوں گے۔ جنگ اکوڑہ کے زخمیوں میں سے بعض اس وقت تک بھی صحت یاب نہیں ہوئے تھے، مولوی عبدالقیوم اور سید امانت علی ان کی تیمارداری پر مامور تھے، انہوں نے جنگ اکوڑہ سے جنگ شیدو تک ایک دن کیلئے بھی نوشہرہ نہیں چھوڑا تھا، سوءِ اتفاق سے شیخ امجد علی غازی پوری نوشہرہ پہنچ کر بیمار ہو گئے، سید صاحب نے ان کی تیمارداری کے لئے مولوی فتح علی کو مقرر کر دیا۔ مولوی عبدالقیوم سے فرمایا کہ ہم تو اب دریا کے پار جائیں گے اور جب خدا لائے گا آئیں گے۔ آپ اونٹوں کے چار پانچ کجاوے جلد تیار کرا لینا، معلوم نہیں کیا سانحہ پیش آ جائے، شاید معذوروں کو محفوظ تر مقام پر بھیجنے کی ضرورت پڑے۔

سرداران پشاور پہلے سے دریا کے مغربی کنارے پر تھے، اُدھر ہی سے سکھوں کی لشکر گاہ پر پیش قدمی کرنا منظور تھا۔ اہل سرحد کے لشکر بھی دریا کو عبور کر کے ادھر ہی پہنچ گئے۔ اور درانی لشکر کے قریب ڈیرا جما لیا۔ سید صاحب بھی اپنے غازیوں کے ساتھ دریا عبور کر کے دوسری طرف چلے گئے۔

لشکر و لشکر گاہ کی کیفیت

جس وقت سے سید صاحب نے دریا عبور کیا تھا، اسی وقت سے آپ کیلئے دونوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وقت کا کھانا اور میوہ یار محمد خاں بھیجتا تھا۔ نذر محمد کشمیری اور اس کا بھائی ولی محمد، سردار کی طرف سے مہمانداری کے منتظم تھے، وہی کھانا خوانوں میں لگا کر لاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوشہرہ کے سامنے مغربی کنارے پر بھی ایک دو روز مقام ہوا، مختلف لوگ جاتے آتے تھے۔ مولوی فتح علی فرماتے ہیں۔

> ایک روز حاجی عبد اللہ صاحب جو مولانا محمد اسماعیل صاحب کی جماعت میں تھے، اس پار لشکر میں حضرت کے پاس گئے، پھر جب وہاں سے نوشہرہ میں آئے، میں نے پوچھا کہ بھائی صاحب کہو لشکر کا کیا حال ہے؟ کہا: سب طرح سے خدا کا فضل ہے، مگر حضرت (علیہ الرحمۃ) کی طبیعت فیض طویت قدرے علیل سی ہے۔(۱)

لشکر کے کوچ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مولوی فتح علی کہتے ہیں کہ نوشہرہ بلند زمین پر واقع ہے اور جس طرف لشکر تھا وہ زمین نشیب میں ہے۔ صبح کے وقت شیدو کی طرف سے کوچ شروع ہوا:

> ہم لوگ اس پار (یعنی نوشہرہ کی جانب سے) اچھی طرح دیکھتے تھے، لشکر میں قریب ایک لاکھ کی جمعیت تھی اور کوئی آٹھ دس ہزار فقط نشان تھے۔ کیونکہ اس ملک کا دستور ہے کہ اگر دس بارہ آدمی کی جماعت ہے تو اس میں بھی ایک نشان ضرور ہوتا ہے، اور اگر پانچ سات آدمی کی جماعت ہے تو اس میں بھی ایک نشان ہوتا ہے۔ بڑی جماعتوں میں تو کئی کئی نشان ہوتے ہیں۔ الغرض ملکی لوگ دف بجاتے اور چار بیت گاتے، ننگی تلواریں ہلاتے اور اچھلتے کودتے جاتے تھے۔ جب جاتے جاتے موضع اکوڑہ کوس یا ڈیڑھ کوس رہا تو وہاں تمام لشکر نے ڈیرا کیا اور وہ تمام ڈیرے خیمے اپنے لشکر کے ہم لوگ نوشہرہ سے دیکھتے

(۱) وقائع ص: ۱۴۳

تھے۔(۱)

سید صاحب کی علالت

پڑاؤ پر پہنچتے ہی باہم مشورہ کر کے فیصلہ کر لیا گیا کہ صبح کو لڑائی ہوگی۔ سید صاحب کی طبیعت تو اسی وقت سے ناساز ہوگئی تھی جب سے آپ یار محمد خاں کے اصرار پر اس کے ہاں کا کھانا کھانے لگے تھے۔ صبح جنگ سے پیشتر کی رات کو سردار کے ہاں سے کھچڑی اور گنڈیریاں آئیں، آپ نے کھچڑی کھائی اور چند گنڈیریاں چوسیں، کچھ دیر بعد طبیعت بگڑ گئی، اچانک غشی طاری ہو جاتی، کسی وقت افاقہ معلوم ہوتا۔ رات میں تکلیف بڑھ گئی، قے اور استفراغ شروع ہو گئے دو تین گھڑی رات رہے لڑائی کی تیاری کا نقارہ بجا اور مولانا اسماعیل سید صاحب کے خیمے میں آئے تو آپ کو بے ہوش پایا۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو عرض کیا کہ لڑائی کے لئے نکلنے کا وقت آ گیا، سردار یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لئے ہاتھی بھیجا ہے۔ فرمایا: ہمارا سفید گھوڑا جو فتح خاں پنجتاری نے ہم کو دیا ہے، شادل خاں کنج پوری سے کہو کہ اس پر سوار ہو کر فتح خاں کے پاس جائیں، باقی ہندوستانی سب کے سب ہمارے ساتھ رہیں۔

سید صاحب چونکہ بار بار بے ہوش ہو جاتے تھے، اس لئے سوار ہونے میں توقف ہوا۔ اس اثناء میں یار محمد خاں کی طرف سے پے در پے قاصد آتے رہے، تکلیف ہی کی حالت میں آپ ہاتھی پر سوار ہوئے۔ مولانا اسماعیل ساتھ ہودے میں بیٹھے، اس لئے کہ سید صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی۔

---

(۱) وقائع ص: ۶۴۲-۳۔ نوشہرہ سے اکوڑہ اگرچہ آٹھ میل ہے اور لشکر کی قیام گاہ چھ میل سے کم نہ ہوگی، لیکن ظاہر ہے لشکر بہت بڑا تھا اور قیام کے لئے وسیع جگہ گھیری ہوگی۔ ممکن ہے بعض خیمے صرف تین چار میل کے فاصلے پر ہوں، علاقہ میدانی ہے، اس لئے مولوی فتح علی نے کہا کہ ڈیرے خیمے نوشہرہ سے نظر آتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لشکر کی صف آرائی

جس حد تک میں تحقیق کر سکا ہوں، اسلامی لشکر کی صف آرائی کا نقشہ یہ تھا:

۱۔ یار محمد خاں اپنے لشکریوں کو لے کر خٹک کی پہاڑیوں سے متصل پرا باندھ کر کھڑا ہو گیا، اس کا رخ سکھ لشکر گاہ کی طرف تھا، جو یار محمد خاں کی جائے قیام سے مشرق میں تھی۔(۱)

۲۔ یار محمد خاں کے بائیں ہاتھ سلطان محمد خاں کا لشکر تھا۔

۳۔ سلطان محمد خاں کے بائیں ہاتھ پیر محمد خاں فوج لئے کھڑا تھا۔

۴۔ پیر محمد خاں کے بائیں ہاتھ فتح خاں پنجتاری، خادے خاں ہنڈ، اشرف خاں زیدہ، امیر احمد خاں باجوڑی اور دوسرے خوانین سمہ کے لشکر تھے۔

۵۔ سید صاحب کے غازی خوانین سمہ کے لشکر کے پاس تھے۔

۶۔ گوڈڑی شہزادہ اپنے غازیوں کے ساتھ شیدو گاؤں میں تھا۔

گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ اسلامی لشکر خٹک کی پہاڑیوں سے دریائے لنڈے تک ہلالی شکل میں صف بستہ تھا۔ مختلف جیشوں کے درمیان تھوڑا تھوڑا فاصلہ بھی ہو گا اور ہر جیش کی کئی کئی صفیں تھیں۔

لڑائی کا آغاز

سکھ لشکر گاہ اور اسلامی جیوش کے درمیان ایک خشک نالہ تھا، سکھوں نے توپیں لشکر گاہ میں مناسب جگہ پر نصب کر رکھی تھیں اور ان کے چند جیشوں نے آگے بڑھ کر نالے میں چار مورچے بنا لئے تھے۔ لڑائی ہوتے ہی ان مورچوں سے اسلامی لشکر پر گولیاں برسنے

(۱) ایک روایت ہے: اس کنارہ گیری کو دیکھ کر بعض خوانین سمہ نے لڑائی سے پیشتر ہی سید صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ یار محمد خاں کے دل میں کھوٹ ہے ورنہ اسے دامن کوہ میں کھڑا ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لگیں اور لشکر گاہ سے توپوں کے گولے دنادن آنے شروع ہو گئے۔

سلطان محمد خاں، پیر محمد خاں، فتح محمد خاں پنجتاری اور دوسرے مجاہدوں نے جو گھوڑوں پر سوار تھے، باگیں اٹھائیں اور بجلی کی سرعت سے نالے والے مورچوں پر حملہ آور ہوئے۔ امیر احمد خاں باجوڑی سید صاحب سے بہت قریب تھے، اس نے پانسو سواروں اور پیادوں کو تیار کیا اور سید صاحب سے یورش کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا: "فی امان اللہ"۔ غرض اس یورش سے نالے کے سارے مورچے فتح ہو گئے، زیادہ تر سکھ سپاہی مارے گئے، باقی جانیں لے کر فرار ہو گئے، اسلامی لشکر ایک بڑی آفت سے محفوظ ہو گیا۔ اس مدت میں یار محمد خاں اپنی سپاہ کے ساتھ بے حس و حرکت کھڑا رہا، نہ یورش میں شریک ہوا، نہ لڑائی میں کوئی حصہ لیا۔

جو سکھ نالے کے مورچے چھوڑ کر بھاگے تھے، وہ پیچھے ہٹ کر ایک اور جگہ اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ سمہ کے غازیوں نے اس اوٹ پر بھی ہلّہ بول دیا اور دشمن کو جاروب کی طرح صاف کرتے ہوئے سکھ لشکر گاہ کی سنگھر کے پاس پہنچ گئے۔ اس اثناء میں گوڑی شہزادہ اپنے مجاہدوں کو لے کر گاؤں سے نکلا اور ہر رکاوٹ بہ زور ہٹاتا ہوا سکھ لشکر گاہ میں گھس گیا۔ غازیانِ سمہ اور گوڑی شہزادے کی یورش نے سکھوں میں ہل چل مچا دی اور ان کی توپیں بھی بند ہو گئیں۔ اب بظاہر اسلامیوں کی فتح میں شبہ باقی نہیں رہا تھا، بلکہ ایک شخص نے سید صاحب کو فتح کی مبارک باد بھی دے دی۔ آپ کی کیفیت وہی تھی، کبھی ہوش آ جاتا اکثر بے ہوش رہتے۔ مولانا اسماعیل آپ کی دیکھ بھال میں اس درجہ مصروف تھے کہ انہیں لڑائی کے دم بہ دم حالات کا بھی پورا علم نہ تھا۔

یار محمد خاں کی حرکت

مقدمات فتح نمایاں ہو چکے تھے کہ سردار یار محمد خاں کی ایک رنج افزا حرکت نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اچانک فتح کو مصیبت خیز شکست میں بدل دیا۔ روایتوں میں اس کی تفصیل کے متعلق جزوی اختلاف ہے، لیکن اصل حرکت پر سب متفق ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ سکھ لشکر گاہ سے ایک گولہ یار محمد خاں کے لشکر کی طرف آیا، جس سے کئی سوار اڑ گئے اور وہ گھبرا کر بھاگ نکلا۔ دوسری حکایت یوں ہے کہ یار محمد خاں کے لشکر سے دو آدمی سکھوں کی طرف آئے، بات کر کے واپس گئے تو یار محمد خاں نے باگ اٹھائی اور چل دیا۔ ان میں سے کسی روایت کو صحیح سمجھ لیجیے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ یار محمد خاں نے لڑائی میں قطعاً حصہ نہ لیا، پھر جب سکھوں کی جمعیت ریزہ ریزہ ہو رہی تھی تو اس بے ورد نے راہ فرار اختیار کی، بلشکری بھی ساتھ ہی کافور ہو گئے۔

محض یہی نہیں بلکہ ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں نے اس فرار کی خوب اشاعت کی، مختلف لشکروں میں پھر پھر کر اور پکار پکار کر اعلان کیا کہ یار محمد خاں بھاگ گیا۔ یہ سنتے ہی سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں بھی اپنے لشکروں کیساتھ بے تحاشا اٹھ دوڑے، غازیانِ سمہ نے یہ شور سنا تو سوچے سمجھے بغیر انہوں نے بھی راہ گریز اختیار کی۔ پھر پریشانی اور بے ترتیبی کا یہ عالم تھا کہ جس نے فرار کا لفظ سنا اٹھ بھاگا، اور جس طرف رخ ہوا نکل گیا۔

گوڈڑی شہزادے کی شہادت

جو غازی یورش کر کے سکھ لشکر گاہ تک چلے گئے تھے یا خار بندی سے گذر کر لشکر گاہ کے اندر پہنچ گئے تھے، انہوں نے اپنے پیچھے فرار کا نقشہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انہیں یقیناً معلوم نہ ہوگا کہ کیا صورت پیش آئی۔ میرا خیال ہے کہ اسی عالم حیرت میں وہ پیچھے ہٹے، سکھوں کے ایک جیش نے درانیوں کا تعاقب کیا، دوسرے نے سمہ والوں کا پیچھا کیا، باقی کوئی گروہ نہ ٹھہر سکا، صرف گوڈڑی شہزادے نے بھاگنا گوارا نہ کیا، سکھ لشکر گاہ سے پیچھے ہٹ کر شیدو گاؤں میں مورچہ قائم کر لیا۔ سکھوں نے پورا زور لگایا، لیکن بہادر شہزادے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے مقابلہ نہ چھوڑا۔

جب شیدو پر سکھوں کا ہجوم بہت بڑھ گیا تو شہزادہ لڑتا ہوا قدم بہ قدم گاؤں سے باہر نکلا۔ ایک ایک ساتھی شہید ہوتا رہا اور شہزادہ پیچھے کی طرف ہٹتا گیا، جب قبرستان میں پہنچا تو خود بھی خونِ شہادت میں تیرتا ہوا مالک حقیقی کے دربار میں پہنچ گیا۔ یاد ہوگا کہ ڈیڑھ دو مہینے پیشتر سید صاحب کی بیعت کی تھی تو کہا تھا آپ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا۔ شیدو کے میدان میں اس صادق العہد نے اپنے اس پیمان پر خونِ شہادت سے مہر لگا دی۔ ادائے فرض کی سرخروئی کا یہی درجہ علیا ہے، جو ہر مسلمان کا نصب العین ہونا چاہیے۔

''منظورہ'' میں ہے:

شجاعتِ رستمانہ نمودہ تنہا بسیارے را بے سر ساخت ...... و با جماعت خود کانھم بنیان مرصوص قدم فشردہ داد شجاعت داد و ثمنِ جنت گرفتہ جاں بہ جاں آفریں سپرد۔

ترجمہ: رستمانہ شجاعت سے کام لیتے ہوئے بہت سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ..... اپنی جماعت کے ساتھ جو استقامت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی حیثیت رکھتی تھی، قدم جما کر دادِ شجاعت دی اور جنت لے کر جان جاں آفریں کے حوالے کی۔

جنگ کی تاریخ

یقیناً شہزادہ اور اس کے ساتھی جنت میں مراتب عالیہ پر فائز ہوئے اور راہِ حق کے پاک نفس شہیدوں سے بڑھ کر جنت کا حقدار کون ہو سکتا تھا، لیکن مقصودِ حقیقی جنت سے کہیں بڑھ کر یہ تھا کہ خدائے پاک کی رضا و خوشنودی حاصل کریں۔

کسی سوانح نگار نے نہیں بتایا کہ شیدو کی جنگ کس تاریخ کو ہوئی ''عمدۃ التواریخ'' میں ہم اپنا گمان درج ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب ایک مقام پر اس جنگ کی اجمالی کیفیت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجاہدین اخیار ایک سے زیادہ مرتبہ سکھوں پر مظفر و منصور ہوئے، لیکن چند منافقوں کی مداخلت کے باعث انہیں گزند پہنچا۔ الحمد للہ کہ مومنوں کی ہمت عالیہ میں قصور و فتور کو راہ نہ ملی۔(۱)

سید صاحب کو زہر دینے کا معاملہ

اب سب سے پہلے ہمیں دو سوالوں پر غور کر لینا چاہیے:

۱۔ آیا یار محمد خاں نے واقعی سید صاحب کو زہر دیا؟

۲۔ آیا یار محمد خاں نے سکھوں سے خفیہ ساز باز کر لیا تھا؟ آیا ساز باز ہی کی وجہ سے وہ اچانک بھاگ نکلا اور اس طرح فتح شکست میں تبدیل ہو گئی؟

سید صاحب کو زہر دیے جانے کی روایات تواتر تک پہنچ چکی ہیں، خود سید صاحب اور شاہ اسماعیل کے مکاتیب میں بھی اس واقعہ کا ذکر آیا ہے۔(۲) پھر اس حادثے کے بعد سید صاحب کے جسم پر پھوڑے نکل آئے۔ اطباء نے بالاتفاق انہیں زہر کا اثر قرار دیا اور معالجے کے سلسلے میں نکاح پر خاص زور دیا۔ چنانچہ بالآخر سید صاحب کو مجبور ہو کر تیسرا نکاح کرنا پڑا، جس کی کیفیت آگے چل کر بیان ہوگی۔

محض یہی نہیں بلکہ جنگ شیدو سے کچھ مدت بعد سید صاحب نے یوسفزئی و سوات کا دورہ کیا تھا تو منگورہ میں نذر محمد اور ولی محمد مل گئے تھے، جو یار محمد خاں کے ہاں خانسامے رہ چکے تھے اور وہی سید صاحب کیلئے کھانا لاتے تھے۔ زہر دینے کا واقعہ اس درجہ عام ہو چکا

---

(۱) مکاتیب شاہ صاحب ص: ۳

(۲) مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے مکاتیب سید صاحب ص: ۱۵۴ و مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۹۲۔ نواب وزیر الدولہ کو لکھتے ہیں: جنگ میں مومنوں کو گزند پہنچا، (این فقیر) در مرضے صعب کہ آں را از آثار سم تشخیص نمودند مبتلا گردید (اور یہ فقیر بھی ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گیا جسے تشخیص کرنے والوں نے زہر کا نتیجہ قرار دیا)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا کہ لوگوں نے دونوں کو پہچان کر گرفتار کر لیا اور سزا دینے پر آمادہ ہو گئے۔ سید صاحب نے انہیں چھڑا کر روانہ کیا، راستے میں پھر پکڑے گئے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں ایک جھونپڑی میں ڈال دیا گیا۔ اتفاق سے سید صاحب کا گزر اُدھر سے ہوا، پہریدار نے عرض کیا کہ جن لوگوں نے آپ کو زہر دیا تھا، ہم نے انہیں پکڑ لیا ہے اور اپنے خان کو بلایا ہے تا کہ انہیں سزا دے۔ خان بھی پہنچ گیا اور سید صاحب سے عرض کیا کہ آپ تشریف لے جائیں، ہم انہیں قتل کریں گے۔ سید صاحب نے بہ مشکل انہیں چھڑا کر ساتھ لیا، جب اندھیرا ہو گیا تو فرمایا کہ زہر دینے کا راز کھل کر جگہ جگہ پھیل گیا ہے، بہتر یہ ہے کہ یہاں سے کسی دوسری سمت نکل جاؤ۔ (۱)

گویا محض سید صاحب کے ساتھیوں ہی کو نہیں بلکہ سرحد کے عوام کو بھی اسی زمانے میں معلوم ہو چکا تھا کہ سید صاحب کو زہر دیا گیا، اور جن لوگوں نے زہر دیا، ان کے نام بھی معلوم تھے۔

''عمدۃ التواریخ'' کی شہادت

رنجیت سنگھ نے بھی سلاطین کی طرح اپنے دربار کا روزنامچہ مرتب کرنے کا حکم دے دیا تھا، یہی روزنامچہ بعد میں ''عمدۃ التواریخ'' کے نام سے چھپا۔ اس میں ہے:

منقول السنۂ باشندگان آں روئے آب اٹک است کہ عالی جاہ یار محمد خاں بہ پاس ارتباط و اتحاد سرکار دولتمدار (رنجیت سنگھ) در چنین اشتعال نوائر جدال وقتال احمد شاہ را شربت شیریں سم قاتل نوشانیدہ وقرار بہ فرار دادند تمامی لشکریاں نیز بہ متابعت او پرداختند۔ (۲)

ترجمہ: اٹک پار کے لوگوں کا بیان ہے کہ جب جنگ کی آگ بھڑکی تو یار محمد خاں نے رنجیت سنگھ کے ساتھ ربط واتحاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے

(۱) یہ تمام حالات وقائع میں تفصیل سے مرقوم ہیں۔ (۲) ''عمدۃ التواریخ'' دفتر دوم ص: ۴۴۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کو زہر دے دیا اور خود بھاگ نکلنے کی ٹھان لی، اس کا لشکر بھی ساتھ ہی فرار ہو گیا۔

زہر دینے کا واقعہ ثابت ہو جانے کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ سب کچھ سکھوں سے ساز باز کے بعد عمل میں آیا۔ میرا خیال ہے کہ ساز باز لڑائی شروع ہونے سے پیشتر پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اسی وجہ سے یار محمد خاں نے میدانِ جنگ میں ایسے مقام پر فوج کھڑی کی، جہاں سے وہ بسہولت تمام فرار ہو سکتا تھا، نیز جنگ میں اس نے کوئی حصہ نہ لیا۔ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں اس معاملے میں آخری وقت تک بے خبر رہے۔

انگریزوں کے بیانات

اب آخر میں اس جنگ کے متعلق انگریزوں کے بیانات سن لیجئے" پشاور گزیٹر" میں ہے: سید صاحب یہ غرض لے کر نوشہرہ پہنچے تھے کہ آگے بڑھ کر اٹک کا محاصرہ کر لیں، لیکن ہری سنگھ نے بدھ سنگھ کو بھاری فوج دے کر مجاہدین کے مقابلے کیلئے شیدو بھیج دیا اور خود بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ دریائے اٹک پر موجود رہا۔

> سید نے بدھ سنگھ کی فوج کو گھیر کر سخت بدحال کر دیا، آخر وہ لڑنے کیلئے تیار ہو گیا، اس نے درانی سرداروں کو بتا دیا کہ اگر سید کی اعانت سے الگ تھلگ رہو گے تو تمہارے علاقوں پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی بتا دیا کہ رنجیت سنگھ خود آ رہا ہے، اگر سید کا ساتھ دیا اور لڑائی میں حصہ لیا تو تمہارا جو حشر ہوگا وہ کسی شرح کا محتاج نہیں۔
>
> سرداروں پر، جن کا سرخیل یار محمد خاں تھا، اس انتباہ کا خاطر خواہ اثر ہوا، وہ لڑائی کے شروع ہوتے ہی بھاگ نکلے۔ یار محمد خاں سب سے آگے تھا، اس غدر و خیانت نے مطلوب نتیجہ پیدا کر دیا، سکھ سپاہیوں نے مسلمانوں کو بھاری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نقصان پہنچا کر شکست دی۔(۱)

پیجٹ اور میسن کی کتاب میں بھی حرفاً حرفاً یہی مرقوم ہے، صرف اس اضافے کے ساتھ کہ:

> یار محمد خاں کو اس غداری سے کوئی فائدہ نہ پہنچا، رنجیت سنگھ نے خراج کی رقم دگنی کر دی، مسجدوں کی بے حرمتی کی، ملک کو لوٹا اور آخر کار وہ یار محمد خاں کے بیٹے کو یرغمال میں لے کر واپس ہوا۔(۲)

میسن نے ''کلکتہ ریویو'' میں بھی ایک مضمون لکھا تھا جس کا مفاد یہ ہے کہ سید صاحب نے بدھ سنگھ کو سیدوالا میں گھیر لیا، وہ کئی روز تک تذبذب میں پڑا رہا، اس اثناء میں درانی سرداروں سے نامہ و پیام کا سلسلہ پیدا کیا، انہیں یقین دلایا کہ اگر لڑائی سے الگ رہو گے تو سرکار والا (رنجیت سنگھ) سے سفارش کروں گا اور سید کے ساتھ مل جانے کا جرم معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر حصہ لیا اور مجھے تباہ بھی کر دیا تو اس سے عام حالات پر کوئی اثر نہ پڑے گا، ہماری سرکار بڑی زور آور ہے، اور بہت بڑی فوج میری کمک کے لئے پہنچ رہی ہے۔ اس دھمکی نے سرداروں پر گہرا اثر ڈالا:

> ''لڑائی کے دن وہ اپنے رسالے اور توپ خانے کے ساتھ آگے کھڑے تھے، پھر اچانک پیچھے بھاگے۔ یار محمد بھاگنے میں پیش پیش تھا اور ساتھ ساتھ زور زور سے چلا رہا تھا، شکست، شکست۔''

برنز بھی بخارا جاتے ہوئے اس مقام سے گذرا تھا اور اس نے اپنی کتاب ''سیاحت بخارا'' میں جنگ شیدو کا ذکر کیا ہے۔(۳) لیکن جو حالات بیان کئے ہیں وہ غیر مستند ہیں

(۱) پشاور گزیٹر

(۲) ''پیجٹ اینڈ میسن'' ص:۸۰۔ عمدۃ التواریخ کا بیان ہے کہ یار محمد خاں نے اپنے بیٹے کو ایشر سنگھ، خوشحال سنگھ، دھنا سنگھ ملوئی اور دیوان بھوانی داس کے پاس بھیج دیا تھا، ساتھ چند گھوڑے بھی بطور نذر بھیجے تھے۔

(۳) جلد دوم ص:۳۰۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مثلاً اس نے سکھوں کی فوج صرف آٹھ ہزار بتائی ہے اور اسلامی فوج کو ڈیڑھ لاکھ پر پہنچا دیا ہے۔

غداری کے اسباب

بہر حال ان لوگوں کے سامنے لڑائی کی واضح کیفیت نہ تھی، لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ سکھوں نے جنگ شروع ہونے سے پیشتر درانی سرداروں کو یا کم از کم یار محمد خاں کو ساتھ ملا لیا تھا، اور میدانِ جنگ میں فوج آراستہ کرنے سے پیشتر یار محمد دل میں پختہ ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ اسے بھاگنا ہے، نیز اپنے بھائیوں بلکہ تمام اہلِ سرحد کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔ اگر وہ سید صاحب کے ساتھ شامل نہ ہوتا تو شاید سکھوں کے عتاب سے محفوظ رہتا، شامل ہونے کے بعد اپنے نامۂ اعمال سے دھبے کو دھونے کی شکل یہی تھی کہ اسلامی مقاصد کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا کر سکھوں کی خوشنودی حاصل کرتا۔ یہی اس نے کیا۔ سید صاحب کو زہر دیا، پھر جب فتح کے اسباب نمایاں ہو گئے تو اپنی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم کے مطابق اسے شکست سے بدلا۔

ہم پہلے میسن کی زبان سے بتا چکے ہیں کہ اہلِ سرحد کو اپنے گرد جمع کر لینے میں سید صاحب کی غیر معمولی کامیابی نے اسے ارادت مندی پر آمادہ کر دیا تھا۔ میسن ہی نے لکھا ہے کہ جب یار محمد خاں نے دیکھا کہ سید صاحب نے حاکمانہ حیثیت حاصل کر لی ہے تو اسکے دل میں وسوسے پیدا ہو گئے، اور اس نے سکھوں کے ساتھ نامہ و پیام شروع کر دیا۔

لیکن سید صاحب نے قطعاً حاکمانہ حیثیت اختیار نہیں کی تھی، ہنڈ کی بیعت امامت جہاد کے لیے تھی، یار محمد خاں اس بیعت کے بعد سید صاحب کے ساتھ شامل ہوا تھا، شیدو میں بھی سید صاحب صرف امامِ جہاد تھے، حاکم نہ تھے۔ پھر یار محمد خاں کے دل میں وسوسے پیدا ہونے کی کونسی وجہ تھی؟ سید صاحب اگر حاکم بھی بن جاتے تو ان کی حکومت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یار محمد خاں کیلئے اس درجہ مذموم تو نہ ہونی چاہیے تھی کہ وہ رنجیت سنگھ کی تابعیت اور سرحد پر سکھوں کے تسلط کو ترجیح دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

سکھ دربار کا جشن

یہ فتح سکھ دربار کے نزدیک اتنی عظیم الشان تھی کہ اس کی خوشی میں توپیں سر کی گئیں اور شہر میں چراغاں کا حکم دیا گیا۔(۱)

دیوان امرناتھ لکھتے ہیں:

چراغاں در لاہور وتمامی ممالک محروسہ شد وسرکار والا ہزارہا بر محتاجین وفقرا ایثار کردہ جشن شاہانہ فرمودند۔(۲)

ترجمہ: لاہور اور تمام سکھ مقبوضات میں چراغ جلائے گئے۔ رنجیت سنگھ نے شاہانہ جشن منایا۔ ہزاروں روپے محتاجوں اور فقیروں میں بانٹے گئے، اور شاہانہ جشن منایا گیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سید صاحب کی تحریک جہاد نے سکھوں پر کس درجہ سراسیمگی طاری کر دی تھی، اور فتح کو انہوں نے کتنی اہمیت دی۔ یار محمد خاں سے پامردی کی امید تو شاید ہو ہی نہیں سکتی تھی، لیکن اگر وہ غدر وخیانت سے دور رہتا اور غازیوں میں ابتری پیدا نہ کرتا تو بدھ سنگھ شیدو میں شکست کھا جاتا۔ اس کی فوج کٹ جاتی، ساز وسامان جنگ غازیوں کے ہاتھ لگتا اور ان کا دوسرا قدم حصار اٹک پر پڑتا۔ افسوس کہ یار محمد خاں کی نالائقی نے ان تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ دُرّانی سردار اس وقت سے مستقل طور پر سکھوں کی تابعیت میں چلے گئے، اور سید صاحب کی مساعیٔ جہاد میں شدید رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔ اس سلسلے میں اہل سرحد کو جن ظلموں کا ہدف بننا پڑا، ان کے زخم

(۱) عمدۃ التواریخ دفتر دوم ص: ۳۴۱

(۲) ظفر نامہ دیوان امرناتھ ص: ۱۸۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سوا سو سال گذر جانے کے بعد بھی کاملاً مندمل نہیں ہوئے۔

غازیوں کا نقصان

کسی نے یہ نہیں لکھا کہ لڑائی کتنی دیر جاری رہی اور غازیوں کا کس قدر نقصان ہوا۔ ہندوستانی غازیوں میں سے جو اصحاب نوشہرہ میں تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ پہر دن چڑھا ہوگا، جب توپوں اور شاہینوں کے چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پہر ڈیڑھ پہر تک جاری رہنے کے بعد یہ آوازیں موقوف ہوگئیں، ہم ظہر کی نماز پڑھ چکے تو کسی نے بتایا کہ پیادوں اور سواروں کا غول آیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ گھمسان کی لڑائی ڈیڑھ پہر سے زیادہ نہ ہوئی، دیوان امرناتھ نے لکھا ہے کہ چھ ہزار غازی مقتول ہوئے۔(۱) یہ پاک اور قیمتی خون صرف یار محمد خاں کی خیانت کے باعث رائیگاں بہا۔

---

(۱) ظفرنامہ ص:۱۸۱

سینتیسواں باب:

سفرِ چنگلئی

شاہ اسماعیل کا انہماک

فتح و فیروز مندی کے آثار نمودار ہو جانے کے بعد یکایک شکست کے اسباب پیدا ہو جانا بالکل غیر متوقع تھا۔ مولانا شاہ اسماعیل سید صاحب کی سواری کے ہاتھی کو غالباً ایسی جگہ لے گئے تھے، جہاں سے لشکروں کی آویزش گاہ اتنے فاصلے پر تھی کہ لڑائی کی لحظہ بہ لحظہ کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ سید صاحب پر پے در پے بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے، مولانا انہیں سنبھالنے کے تردد میں بھی بہت منہمک ہوں گے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ درانیوں اور ان کے ساتھ اہل سمہ کے فرار کو دیکھ کر مہاوت نے مولانا سے عرض کیا، مسلمانوں کو شکست ہوئی، اب جلد سے جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جانا چاہیے۔ مولانا نے حیران ہو کر پوچھا چہ می گوئی؟ مسلمانان فتح یاب اند۔ (تو کیا کہتا ہے؟ مسلمان تو کامیاب ہیں) جب اس نے بتایا کہ درانی بھاگ گئے اور اہل سمہ نے ان کی پیروی میں میدان چھوڑ دیا تو مولانا کو پہلی مرتبہ حقیقت حال کا علم ہوا۔

شاہ صاحب کی شانِ ایثار

اس وقت سید صاحب بے ہوش تھے، ہاتھی کو تیز چلایا گیا۔(۱) سارے لشکر اسلام

(۱) اس ہاتھی کے متعلق راویوں اور سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ لنگڑا تھا۔ چونکہ یار محمد خاں سکھوں سے ساز باز کر چکا تھا، اس لئے اس نے دانستہ لنگڑا ہاتھی سواری کے لئے پیش کیا۔ لیکن مجھے یقین ہے ...... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں چونکہ یہی ایک ہاتھی تھا، اس لئے بہت نمایاں ہوگا اور یار محمد خاں نے سکھوں کو بتا دیا ہوگا کہ سید صاحب ہاتھی پر سوار ہیں، اس لئے ایک سکھ جیش نے ہاتھی کے تعاقب کا خاص اہتمام کیا۔ مولانا نے یہ دیکھا تو سید صاحب کو ہاتھی سے اتار کر گھوڑے پر سوار کرا دیا، اور خود ہاتھی ہی پر رہے۔ مقصود یہ تھا کہ تعاقب کرنے والے سکھ اس خیال سے ہاتھی کے پیچھے لگے رہیں کہ سید صاحب اس پر سوار ہیں، اس اثناء میں سید صاحب کو خطرے کے مقام سے دور نکل جانے کا موقع مل جائے۔(۱) مولانا کی یہ جاں نثاری اور فداکاری ان کے اعمالِ حسنہ کا ایک نہایت شاندار واقعہ ہے۔ جب اندازہ فرمالیا کہ سید صاحب دور نکل گئے تو مولانا بھی ہاتھی سے اُتر گئے، جو غازی آپ سے قریب تھے اُنہیں ساتھ لیا اور پیدل پشاور کی طرف روانہ ہوگئے۔(۲)

فرار و انتشار کی حالت میں راہ و مقام کا کسے خیال ہوسکتا تھا۔ ہندوستانی غازی بھی

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ: کہ راویوں کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی، اور سوانح نگاروں نے اس روایت کی اصلیت پر غور نہ فرمایا۔ اگر ہاتھی لنگڑا ہوتا تو مولانا شاہ اسماعیل جیسے بالغ نظر، دور اندیش اور دقیقہ سنج بزرگ سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی تھی، اور ہاتھی پر سوار ہونا لوازمِ جنگ میں سے نہ تھا کہ بدرجہ مجبوری لنگڑے ہاتھی ہی کی سواری قبول کرلی جاتی۔ میں جس حد تک اندازہ کرسکا ہوں، سید صاحب کو ہاتھی پر اس وجہ سے سوار کرنا پڑا کہ وہ سخت بیمار ہوگئے تھے، اور جنگ میں ان کا شامل ہونا ضروری تھا، اگر وہ کسی کی اعانت کے بغیر گھوڑے پر سوار رہ سکتے تو کبھی ہاتھی پر سوار نہ ہوتے۔ ممکن ہے جنگ میں ہاتھی کے پاؤں کو خفیف سا گزند پہنچا ہو یا اس کی سستی رفتار سے بعض لوگوں کو لنگڑے پن کا دھوکا ہوا ہو، لیکن سید صاحب کی سواری کے وقت وہ قطعاً لنگڑا نہ ہوگا۔

(۱) وقائع میں ہے: لعل ہان نے جب دیکھا کہ سکھوں کے سوار بندوقیں چلاتے ہوئے پیچھے آرہے ہیں تو مولانا سے کہا کہ آپ کی خیر خواہی کے خیال سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت کو گھوڑے پر سوار کرکے چند آدمیوں کے ہمراہ پہاڑ کی طرف جو ایک گاؤں ہے، اُدھر کو روانہ کردیجئے۔ آپ باقی جمعیت کے ہمراہ اسی ہاتھی پر سوار رہیے۔ (ص: ۴۶۶)

(۲) ایک روایت میں ہے کہ پہلے اونٹ پر سوار کرایا گیا، پھر گھوڑے پر۔ شیخ کریم بخش فرماتے ہیں کہ مولانا نے سید صاحب کو رخصت کرتے وقت ساتھیوں کو کہہ دیا تھا کہ آپ سید صاحب کو پہاڑ کی طرف لے چلیں، میں دوسرے راستے سے پہنچ جاؤں گا۔" منظورہ" میں ہے کہ پانچ چھ آدمی سید صاحب کے ساتھ تھے، جن میں سے تین کے نام یہ ہیں: شیخ صلاح الدین پھلتی، مولوی امیر الدین ولایتی اور سید عبدالرزاق۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ چند آدمی سید صاحب کے ساتھ تھے۔ ایک جماعت مولانا شاہ اسماعیل کی معیت میں تھی۔ ایک گروہ اکوڑہ پہنچ گیا، جہاں غازیوں کی لشکر گاہ تھی۔ ایک غازی کا بیان ہے کہ ہم وہاں پہنچے تو لوٹ کا منظر رونما تھا۔ جو اسباب اٹھانے کے قابل تھا ملکی لوگ سراسیمگی کی حالت میں اٹھا کر بھاگے جا رہے تھے۔

سید صاحب کا سفر

سید صاحب پہلے سر کے گھاٹ پر پہنچے۔ ہمراہیوں نے آپ کو گھوڑے سے اتارا اور زین پوش بچھا کر اس پر لٹا دیا۔ پھر پتھر پر پتھر مار کر شعلہ پیدا کیا اور آگ جلائی، تاکہ سردی زائل ہو جائے۔ سید عبدالرؤف شاہ نے گاؤں والوں کو جالا لانے کے لئے آواز دی۔ وہ لوگ یوں سکھوں کی ترکتاز کے خوف سے گاؤں چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے، جالا کون لاتا؟ ناچار سید صاحب کو سوار کر کے آگے بڑھے اور اس گھاٹ پر پہنچے جہاں دریائے ناگاں، دریائے سوات سے ملا ہے۔ وہاں صرف ایک کشتی تھی اور دریا کو عبور کرنے والے آدمی بہت زیادہ تھے۔ پھر ان لوگوں پر اس درجہ اضطراب طاری تھا کہ کشتی کنارے پر پہنچنے نہیں دیتے تھے، دریا میں گھس پڑتے اور سوار ہو کر کنارے کی طرف لے جاتے۔

شیخ صلاح الدین پھلتی، سید صاحب کو گھوڑے ہی پر دریا میں لے گئے تاکہ پہلے سوار ہو جائیں۔ اتفاق سے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور سید صاحب پانی میں گر گئے۔ اس اثناء میں اشرف خان رئیس زیدہ پہنچ گیا، وہ کشتی کے پاس نیزہ تان کر کھڑا ہو گیا، جو شخص قریب آتا اُسے نیزے سے پیچھے ہٹا دیتا۔ اس نے پہلے سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کو سوار کرایا اور دریا سے پار اُتارا، جو لوگ رہ گئے وہ دوسرے گھاٹ سے پار اُتر کر باجوڑ میں سید صاحب سے ملحق ہوئے۔(۱)

(۱) وقائع میں ایک روایت ہے کہ تورو کے دو آدمی لڑائی سے اپنے گاؤں پہنچے تو باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا شاہ اسماعیل پشاور پہنچے۔ شہر سے باہر ٹھہر کر کھانا منگایا۔ سلطان محمد خاں کو ان کے آنے کا علم ہوا تو پیغام بھیجا کہ میرے بھائی یار محمد خاں کو آپ لوگوں سے سخت عداوت ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ جلد چلے جائیں۔ چنانچہ شاہ صاحب زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور بابڑہ میں سید صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

باقی منزلیں

دریا سے پار اترنے کے بعد کی منزلوں کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ ''وقائع'' کا کہنا ہے کہ چار سدہ کے سادات سید صاحب کو لے گئے۔ اس وقت آپ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اور آپ اکثر بے ہوش رہتے تھے۔ جب ہوش آتا اور مولانا حال پوچھتے تو فرماتے: ''اللہ کا شکر ہے، اندیشہ نہ کیجیے، خدا مجھے بچا لے گا'' پھر سادات نے آپ کو جلالہ اور مجھی کے راستے پلئی اور وہاں سے باغ پہنچا دیا۔

''منظورہ'' کا بیان ہے کہ بابڑہ پہنچے تو سید صاحب پر زہر کا اتنا اثر ہو چکا تھا کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے، لہٰذا چار پائی پر لٹا کر چار آدمیوں نے اٹھایا۔ ڈاگئی ہوتے ہوئے گوجر گڑھی گئے جہاں لوگوں نے بہ اصرار روک لیا۔ ان سے کہا گیا کہ درانی سید صاحب کے دشمن ہیں، مبادا اس مہمانداری کی پاداش میں تمہیں گزند پہنچائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم درانیوں سے خود سمجھ لیں گے۔ گوجر گڑھی میں غالباً ایک رات

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ۔۔۔ بہادر خاں رئیس تورو نے ان سے سید صاحب کا حال پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ آدمی سید صاحب کو چار پائی پر اٹھائے ہوئے گھاٹ پر پہنچے تو وہاں ملکیوں اور درانیوں کا ہجوم تھا اور وہ سید صاحب کی چار پائی کشتی پر نہیں رکھنے دیتے تھے۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ یار محمد خاں نے اس غرض سے درانیوں کو گھاٹ پر بھیجا ہے کہ سید صاحب کو پار نہ اترنے دیں۔ اس اثناء میں سکھ آ پہنچیں گے اور وہ سید صاحب کو گرفتار کر لیں گے۔ پھر شاہ اسماعیل گھاٹ پر آ پہنچے، انہوں نے چار پائی کشتی پر رکھوا لی۔ اس طرح سید صاحب پار اترے۔ میرے نزدیک وہی روایت صحیح ہے جسے متن میں نقل کر چکا ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گزاری، وہاں سے نکلے تو موضع محب ہوتے ہوئے سرخ ڈھیری (۱) پہنچے، وہاں کے ملک فیض اللہ خاں نے سید صاحب کی چارپائی اٹھانے کیلئے بارہ قوی آدمی مہیا کر دیے، یوں آپکو پہلے باغ پہنچایا گیا، جو درے کے عین دہانے پر واقع ہے، پھر چنگلئی لے گئے۔

میرے نزدیک ''منظورہ'' کا بیان زیادہ قرین صحت ہے، اس لئے کہ چارسدہ سے جلال اور مجھی جانے میں میری معلومات کے مطابق بڑا چکر کاٹنا پڑتا ہے۔ سید صاحب اس وقت سخت تکلیف میں تھے، نیز انہیں جلد سے جلد محفوظ مقام پر پہنچانا ضروری تھا، اس لئے میرا خیال ہے کہ زیادہ لمبا اور چکر والا راستہ اختیار نہ کیا ہوگا، تاہم دشمن کے تعاقب سے محفوظ رہنے کے لئے قریبی راستہ چھوڑ کر طویل راستہ اختیار کر لینا خارج از قیاس نہیں سمجھا جا سکتا۔

سید صاحب کے رفقاء

میں عرض کر چکا ہوں کہ سید صاحب کے رفقاء شیدو کے میدان ہی میں بکھر گئے تھے، چند اصحاب سید صاحب کے ساتھ رہے، ایک جماعت مولانا اسماعیل کے ساتھ تھی، جو میری معلومات کے مطابق باڑہ میں سید صاحب سے مل گئے۔ کچھ لوگ شیدو سے نوشہرہ پہنچ گئے، وہاں پہلے سے زخمی اور بیمار غازیوں نیز ان کے تیمارداروں کی ایک جماعت موجود تھی، انہیں پیغام بھیج دیا ہوگا کہ نوشہرہ کو چھوڑ دو۔ تندرست غازیوں نے کجاوے اونٹوں پر باندھے، خچر اور ٹٹو بھی تیار کیے، سب سے پہلے ان لوگوں کو سوار کیا گیا جو چلنے پھرنے سے بالکل معذور تھے، انہیں تورو پہنچا کر سواریاں واپس آئیں تو باقی بیماروں کو سوار کیا گیا، تندرست لوگ پیدل تورو پہنچ گئے۔ زخمیوں اور بیماروں میں سے مندرجہ ذیل اصحاب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

---

(۱) روایتوں میں اسے سرڈھیری لکھا گیا ہے "سر" اصل میں سور ہے (بروزن قبر) پشتوں میں بہ معنی "سرخ" آج کل اسے عام طور پر "سرخ ڈھیری" کہتے ہیں، اس لئے میں نے مروج نام اختیار کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ شیخ ولی محمد پھلتی۔ ۲۔ شیخ امجد علی غازی پور۔ ۳۔ قاضی حمایت اللہ۔
۴۔ قاضی برہان الدین۔ ۵۔ ابراہیم خاں خیر آبادی۔ ۶۔ خدا بخش جھانوی۔
۷۔ عبدالوہاب لکھنوی قاسم غلہ۔ ۸۔ حاجی حمزہ علی خاں ۹۔ سید رستم علی چل گاؤں
۱۰۔ خدا بخش چار نالی بندوق والے۔ ۱۱۔ حاجی عبداللہ (مولانا اسمٰعیل کی جماعت کے)۔

مولوی فتح علی فرماتے ہیں کہ دیر تک اناج کا ایک دانہ بھی میسر نہ آ سکا، پھر جوار ملی جو خود بھی کھائی اور گھوڑوں کو بھی کھلائی۔ تورو پہنچے تو وہاں کے رئیس بہادر خاں نے مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، جانور بھوکے تھے، خان نے کہا کہ انہیں ہمارے گیہوں کے کھیتوں میں چھوڑ دیا جائے۔ سب لوگ سید صاحب کی بابت پوچھتے تھے، چونکہ تورو بھی خطرے میں تھا اور افواہ تھی کہ سکھ اس طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں، اس لئے وہاں ٹھہرے رہنا خلاف مصلحت تھا، چنانچہ نکل پڑے۔(۱) ڈاگئی میں مولوی مظہر علی اور خیر اللہ سے ملاقات ہوئی وہ ضعف اور تکان کے باعث سید صاحب کے قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے، ان سے سید صاحب کے چنگلئی جانے کا حال سنا تو سب کو اطمینان ہو گیا۔

ڈاگئی میں مصری باغڑہ، دوڈھیر، لہاور، جلسئی، کنڈوہ وغیرہ کے مہاجرین بھی موجود تھے، وہاں کے خان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ سکھوں کو ان لوگوں کی موجودگی کا علم ہوگا تو ضرور یورش کریں گے۔ اس لئے سب سے کہا کہ جلد نکل جاؤ، لیکن شدید بارش ہو رہی تھی اور رات کی تاریکی میں ان لوگوں کیلئے سفر کی کوئی صورت نہ تھی اور وہ راستے سے بالکل ناواقف تھے، مجبوراً بھوکے پیاسے رات گزاری اور علی الصباح بارش ہی میں روانہ ہو گئے۔ اڑھائی کوس گئے ہوں گے کہ مطلع صاف ہو گیا، تو اکئی ہوتے ہوئے شیخ جانا پہنچے۔ ایک رات وہاں گزاری، ایک رات دامنِ کوہ کے ایک گاؤں میں بسر کی، پھر بعض

(۱) ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ بعض غازی تورو ہی میں رہے، ان میں سے سید حمید الدین خواہر زادہ سید صاحب نیز سید ابوالقاسم اور سید موسیٰ (صاحبزادگان سید احمد علی برادر سید حمید الدین) کے اسمائے گرامی بتصریح موجود ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پنجتار میں ٹھہر گئے، بعض چنگلئی میں سید صاحب کے پاس چلے گئے۔ غازیوں کی متفرق ٹولیاں کئی روز تک آہستہ آہستہ پہنچتی رہیں۔

قیامِ چنگلئی

چنگلئی میں سید صاحب اور بعض دوسرے غازیوں کے لئے کچھ مکان خالی کرا لئے گئے تھے، باقی غازی حجروں اور مسجدوں میں ٹھہر گئے اور آٹھ روز تک سید صاحب پر بے ہوشی کے دورے پڑتے رہے۔ جب طبیعت بحال ہوگئی تو جنگ اور بعد کی مصیبتوں کا پورا حال سنا، اس وقت آپ نے پنجتار اور تورو کے غازیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔

راہِ اخلاص وایثار میں انسان کیلئے بعض اوقات امتحان کے نہایت کٹھن مرحلے پیش آجاتے ہیں، جن میں عزم وہمت کو تزلزل سے محفوظ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ سید صاحب نے کس طرح صرف اسلام و مسلمین کی بہتری کے لئے قربانی کی منزل میں جانبازانہ قدم رکھا تھا اور کس طرح ایک حق ناشناس فرد یا گروہ کی نااتفاقی کے باعث فتح شکست میں بدل لی۔ ہزاروں مسلمانوں کا قیمتی خون لاحاصل بہا، سرحد کی مختلف آبادیوں کو اور خود سید صاحب نیز ان کی جماعت کو خوفناک آفتوں سے سابقہ پڑا۔ اس نازک امتحان سے وہی لوگ محفوظ و مامون گذر سکتے ہیں، جن کے ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوں، سید صاحب نے سارے حالات سن کر فرمایا:

> یہ جو کچھ حال ہم پر اور سب بھائیوں پر گذرا، کچھ جناب الٰہی میں ہم لوگوں سے خطا اور بے ادبی ہوئی ہے، اسی کا یہ بدلا ہے، اور یہ بھی ایک امتحان تھا، وہ سبحانہ تعالیٰ ایسی ایسی آزمائشوں پر ہم کو اور ہمارے مجاہدین بھائیوں کو ثابت قدم رکھے اور ہماری تکلیفوں کو ساتھ راحت کے بدل دے اور ان لوگوں نے جو ہم کو زہر دیا سو یہ بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں، یہ بھی ایک سنت حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم سے ادا ہوئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارگاہِ الٰہی میں دعاء

پھر ننگے سر ہو کر عجز والحاح سے جناب باری میں دعاء کرنے لگے:

الٰہی! ہم سب تیرے بندے ذلیل وخاکسار اور عاجز وناچار ہیں، سوا تیرے کوئی ہمارا حامی ومددگار نہیں۔ محض تیرے ہی فضل وکرم کے امیدوار ہیں، ہم تیرے امتحان وآزمائش کے قابل نہیں ہیں، ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ، اپنی رحمت سے معاف کر اور ہم کو اپنے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ۔ جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں، ان کو ہدایت کر۔

اس قسم کے الفاظ دیر تک آپ کی زبان پر جاری رہے، پھر آپ نے غازیوں کو تسلی دی اور فرمایا: بھائیو! گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل وکرم کرے گا۔(۱)

مقامِ رضا میں عزیمت کا نقشہ

اسے کہتے ہیں للٰہیت اور یہ ہے عزیمت وسبقت فی الخیرات کا حقیقی عملی نقشہ۔ صرف اللہ کی رضا کے لئے خاندان ووطن کے ہر محبوب پیوند کو بے تکلف قطع کیا، ہزاروں میل کا دشوار گزار راستہ طے کر کے ایک اجنبی سرزمین میں پہنچے۔ صرف اللہ کی رضا کے لئے جہاد کا علم بلند کیا اور دعوت وارشاد سے ایک لاکھ فرزندانِ توحید کو اس کے نیچے جمع کر دیا۔ صرف اللہ کی رضا کے لئے نہایت طاقتور دشمن کے مقابلے میں سر بکف جا کھڑے ہوئے اپنوں نے جو بظاہر ارادت مندی کے ساتھ بیعت وامامت کر چکے تھے، دشمن سے ساز باز کر کے زہر دے دیا۔

اپنوں کی خیانت کے باعث فتح شکست میں تبدیل ہوئی پھر صدہا نادیدہ وناشنیدہ مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں قیام اور خور ونوش کے

(۱) وقائع ص: ۷۲۱،۷۲۲ تا ۷۲۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسباب بھی بقدر کفایت میسر نہ تھے، لیکن پاک نفسی کا یہ رنگ ہے کہ ہر اختلاف کو اپنے نفس کی خطا، اپنے عمل کی کوتاہی اور اپنی تدبیر کی درماندگی سے منسوب کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے صراط مستقیم پر چٹان کی طرح جمے کھڑے ہیں۔ قدم میں لرزش، حوصلے میں لغزش یا دل میں تذبذب کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس ترازو میں ہم اپنے ایمان باللہ، اپنی حمیتِ دین اور اپنی شانِ اخلاص کو تولیں تو نتیجہ کیا نکلے گا؟

پھر اس سے بڑھ کر بدبختی اور حرماں نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ سیکڑوں مسند نشینانِ شریعت اور سیکڑوں سجادہ گسترانِ طریقت سوا سو برس تک اس بزرگ مجاہد اور اسکی قدوسی جماعت کو ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر گوناگوں ملام و مطاعن کا ہدف بناتے اور حب اسلام ہی نہیں بلکہ اسلام کو بھی محل نظر بتاتے رہے؟ ہم سب نے ان مطاعن کو اس شوق و لذت سے سنا گویا یہ حفظِ دین کیلئے نیکی اور پارسائی کا یگانہ کارنامہ تھا:

لِمِثْلِ هٰذَا يذوبُ القلبُ مِنْ كَمَدٍ
اِنْ كانَ فِي القلبِ اِسْلامٌ وَاِيْمانُ

ابتلا پر ابتلا

ابتلا و آزمائش کا دور شیدو کی جنگ پر ختم نہ ہوا، بلکہ چنگئی پہنچ جانے کے بعد بھی بدستور قائم رہا۔ سید صاحب تندرست ہو گئے، ایک طرف اکثر غازی ناسازگاری آب وہوا کے باعث بیمار پڑ گئے، اور روزانہ ایک ایک، دو دو، تین تین فوت ہونے لگے، دوسری طرف معاش کی تنگی انتہا کو پہنچ گئی۔ مولوی فتح علی فرماتے ہیں کہ سیکڑوں میں سے چھ سات تندرست رہے ہوں گے، اور ان کی حالت یہ تھی کہ دن رات کا ایک ایک لمحہ بیماروں کی تیمارداری اور دوا دارو میں صرف ہونے لگا۔ سید رستم علی (ساکن چل گاؤں) اکوڑہ میں زخمی ہوئے تھے، دو اڑھائی مہینے نوشہرہ میں صاحب فراش رہے، چنگئی پہنچنے پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان کی صحت پوری طرح بحال نہیں ہوئی تھی، تاہم تنہا چالیس بیماروں کی تیمارداری کا بوجھ اٹھالیا اور حتی المقدور کسی کو بھی ذرا سی تکلیف نہ ہونے دی۔

عسرت کا یہ حال کہ ہر شخص کو روزانہ مٹھی بھر جوار ملتی تھی، تندرست غازی اسے پیس کر روٹیاں پکاتے اور کھا لیتے۔ بیماروں کے لئے پانی میں اُبال کر آش بنا دیتے۔ جب مٹھی بھر جوار بھی نہ ملتی تو یہ لوگ باہر جنگل میں نکل جاتے اور ایسی جڑی بوٹیاں تلاش کرتے یا درختوں کے ایسے پتے توڑ لاتے جو کھانے میں بدمزہ نہ ہوتے اور پانی میں جوش دینے سے گل جاتے، انہیں چیزوں کو بڑی بڑی ہانڈیوں میں ابالتے اور نمک ڈال کر خود بھی کھاتے، مریضوں کو بھی کھلا دیتے۔ یہ تو غذا کی کیفیت تھی اور دوا؟ سرحد کے جنگلوں میں ایک بوٹی ہوتی ہے جسے پشتو میں "تروکہ" اردو میں "چرپتیا" اور فارسی "سہ برگہ" کہتے ہیں۔ ذائقے میں ذرا ترش ہوتی ہے، اسے پیس کر پانی میں پکاتے اور نمک ڈال کر مریضوں کو پلا دیتے، یہ ان خاصانِ بارگاہ الٰہی کا "کونین مکسچر" تھا، جو اپنی جانیں اسلام و مسلمین کی سربلندی کے لئے قربان کر دینے کا حلف اٹھا چکے تھے۔

دل خوں شد و شرطِ جاں گدازی ایں است
در حضرت تو کمینہ بازی ایں است

بایں ہمہ ہیچ دم نمی آرم زد
شاید کہ ترا بندہ نوازی ایں است

رضا بہ قضا

لیکن سب اپنے مالک و مولا کی رضا پر دل سے صابر و شاکر تھے۔ سب کی آرزو یہ تھی کہ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کے مقامِ بلند سے نیچے نہ گریں۔ خدا ان سے یقیناً راضی تھا، اس لئے کہ ان کے تمام اعمال مسلکِ رضا کے عین مطابق تھے، لیکن وہ بھی خدا سے راضی تھے۔ جن حالات کو ہم تکلیف و مصیبت سے تعبیر کرتے ہیں، ان لوگوں کیلئے وہ بھی سراپا رحمت و آسودگی کا پیغام تھے، اسلئے کہ خدائے پاک نے اپنی حکمت بالغہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے ان کیلئے یہ حالات پسند فرمائے۔ رضا کا مضمون یہی ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ پیش آئے اُسے خوش دلی سے قبول کیا جائے۔ حافظ نے اس مقام میں کیا خوب کہا ہے:

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اہلِ صادق پور کی شانِ ایثار

اس زمانے میں جن اصحاب نے وفات پائی، ان سب کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ ان میں سے صرف دو کے نام مجھے مل سکے۔ ایک مولوی طالب علی، عرف طالب حسین، دوسرے عبداللہ بسم اللہ۔ مولوی طالب علی مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے چھوٹے بھائی تھے، صرف اٹھارہ انیس برس کے جوان، شیدو کی جنگ میں شریک تھے، ورمِ جگر دطحال میں مبتلا رہ کر چنگلئی میں فوت ہوئے۔ اللہ اکبر اہل صادق پور (عظیم آباد) کی شانِ ایثار فی اللہ کتنی بلند ہے، سرحد میں کہاں ان کے شہدا موجود نہیں؟ مولانا ولایت علی کے عم زاد بھائی مولوی باقر علی، سید صاحب کی جماعت کے پہلے شہید تھے، وہ اکوڑہ میں دفن ہوئے۔ ایک حقیقی بھائی مولوی طالب علی کو چنگلئی کی زمین پسند آئی، دوسرے حقیقی بھائی مولانا عنایت علی نارنجی اور منگل تھانہ میں لڑتے ہوئے ستھانہ سے اوپر چنئی کے پہاڑوں میں جا سوئے۔ خود مولانا ولایت علی ستھانہ کی مجاہد خیز خاک میں آسودۂ خواب ہیں، ان کے فرزندوں میں سے مولانا عبداللہ نگرئی میں دفن ہوئے اور مولانا عبدالکریم اسمست میں اور اخلاف و اقربا خدا جانے کہاں کہاں بکھرے پڑے ہیں۔

پھر ان مردانِ حق نے علاقہ سرحد پر قناعت نہ کی بلکہ خلیج بنگال کے ان ٹاپوؤں میں بھی شہادت کے جھنڈے جا گاڑے، جنہیں عام طور پر "کالے پانی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مولانا احمد اللہ اور مولانا یحییٰ علی انڈیمان کے دو مختلف جزیروں میں سوئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پڑے ہیں، گویا صادق پور والوں کے دل میں آرزو تھی کہ یوم النشور آئے تو حتی المقدور کوئی خطۂ ارضی ایسا نہ رہے، جہاں سے ان کے شہدا مالکِ حقیقی کی حمد وثناء کے ترانے گاتے ہوئے نہ اٹھیں:

خیزند چوں زخاکِ شہیدانِ ما بہ حشر — در محشر آوریم دو عالم سپاہ را

عبداللہ بسم اللہ

عبداللہ بسم اللہ ختکوں کے طائفے میں شامل تھے۔ سید صاحب کی زیارت نصیب ہوئی تو فطری سعادت کی برکت سے بیعتِ توبہ کر لی۔ پھر مرشد کا دامن ایسا تھاما کہ تادمِ واپسیں الگ نہ ہوئے۔ شیدو کی جنگ میں شریک تھے، چنگلئی میں وفات پائی۔ راویوں کا بیان ہے کہ جوان ہی تھے:

بافلک گویم کہ آرام نگر — دیدۂ آغاز و انجام نگر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ

سید صاحب کے ساتھ جو غازی گئے تھے، ان کی تعداد میرے اندازے کے مطابق پانچ سو اور چھ سو کے درمیان تھی، ایک جماعت قندھاریوں کی راستے میں مل گئی تھی، ٹونک اور دوسرے مقامات سے بھی اکاذ کا غازی شامل ہو گئے تھے، ان سب کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ دورانِ قیامِ چمکنی میں جو غازی سید صاحب کے ساتھ تھے، ان میں سے جن جن اصحاب کے نام مولوی فتح علی عظیم آبادی کو یاد تھے، ان کی ایک فہرست انہوں نے بعد میں مرتب کر دی تھی، میں نے اُسے سامنے رکھ کر ترتیب کے ساتھ ایک نئی فہرست تیار کر دی ہے، جو ذیل میں درج ہے:

(۱) سید حمید الدین (خواہر زادہ سید صاحب)

(۲) سید حسن مثنیٰ عرف سید موسیٰ (سید احمد علی خواہرزادہ صاحب کا صاحبزادہ)

(۳) سید ابو القاسم (سید احمد علی خواہر زادہ صاحب کا صاحبزادہ)

(۴) سید ابو محمد نصیر آبادی

(۵) سید داداابوالحسن نصیر آبادی

(۶) سید اسماعیل رائے بریلی

(۷) شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلی

(۸) شیخ احمد اللہ (۷ کے بھائی)

(۹) عبدالرحمٰن خاں رائے بریلی

(۱۰) محمد سعید خاں رائے بریلی

(۱۱) خدا بخش جنگی رائے بریلی

(۱۲) مہربان خاں رائے بریلی

(۱۳) دین محمد چلتی رائے بریلی

(۱۴) اکبر خاں رائے بریلی

(۱۵) نور داد خاں یک رائے بریلی

(۱۶) حافظ الٰہی بخش رائے بریلی

(۱۷) عنایت اللہ رائے بریلی

(۱۸) نور بخش جراح رائے بریلی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۱۹) رحیم بخش رائے بریلی
(۲۰) حاجی جانی رائے بریلی
(۲۱) مولانا شاہ اسماعیل دہلوی
(۲۲) مولانا محمد یوسف پھلت
(۲۳) شیخ ولی محمد پھلت
(۲۴) میاں محی الدین پھلت
(۲۵) سعد الدین پھلت
(۲۶) عماد الدین پھلت
(۲۷) ضیاء الدین پھلت
(۲۸) صلاح الدین پھلت
(۲۹) ناصر الدین پھلت
(۳۰) عبد الحکیم پھلت
(۳۱) عبد الواحد پھلت
(۳۲) محمد حسن پھلت
(۳۳) عبد الرؤف پھلت
(۳۴) عبد الرحمٰن پھلت
(۳۵) مولانا ولایت علی عظیم آباد
(۳۶) میر امام علی عظیم آباد
(۳۷) واجد علی عظیم آباد
(۳۸) محمدی عظیم آباد
(۳۹) سید کرامت اللہ عظیم آباد
(۴۰) حاجی ولی اللہ عظیم آباد
(۴۱) عبد الواحد عظیم آباد
(۴۲) نبی حسین عظیم آباد
(۴۳) طالب علی (برادر مولانا ولایت علی) عظیم آباد
(۴۴) مظہر علی عظیم آباد
(۴۵) عبد القادر عظیم آباد
(۴۶) عبد الرحیم عظیم آباد
(۴۷) فتح علی عظیم آباد
(۴۸) مولوی امام الدین بنگال
(۴۹) ظہور اللہ بنگال
(۵۰) لطف اللہ بنگال
(۵۱) طالب اللہ بنگال
(۵۲) فیض الدین بنگال
(۵۳) قاضی مدنی بنگال
(۵۴) مولوی محمدی انصاری (برادر مولوی محمد علی) (میر منشی سید صاحب) بنگال
(۵۵) شکر اللہ لکھنؤ
(۵۶) امان اللہ لکھنؤ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۵۷) قادر بخش ۱ لکھنؤ	(۵۸) قادر بخش ۲ لکھنؤ
(۵۹) عبدالکریم لکھنؤ	(۶۰) محمود خاں لکھنؤ
(۶۱) عبدالخالق غازی پور	(۶۲) کریم اللہ غازی پور
(۶۳) خدا بخش غازی پور	(۶۴) غازی خاں غازی پور
(۶۵) مظہر علی غازی پور	(۶۶) میاں گدڑی غازی پور
(۶۷) میاں لاہوری غازی پور	(۶۸) امجد علی (فرزند مولوی فرزند علی رئیس) غازی پور
(۶۹) شیخ درگاہی غازی پور	(۷۰) حاجی زین العابدین رام پور
(۷۱) نعیم خاں رام پور	(۷۲) حاجی عبداللہ رام پور
(۷۳) پیر خاں رام پور	(۷۴) میاں خدا بخش رام پور
(۷۵) میاں الٰہی بخش (برادر ۷۴) رام پور	(۷۶) رحمت خاں رام پور
(۷۷) پیر خاں مورائیں	(۷۸) عمر خاں مورائیں
(۷۹) منگل خاں مورائیں	(۸۰) عبدالجبار خاں مورائیں
(۸۱) خیریت خاں مورائیں	(۸۲) خدا بخش مورائیں
(۸۳) رمضانی خاں مورائیں	(۸۴) عبدالسبحان خاں مورائیں
(۸۵) فقیر اللہ مورائیں	(۸۶) شیخ رمضانی مورائیں
(۸۷) کریم بخش بنارس	(۸۸) احمد بنارس
(۸۹) عبدالمنان بنارس	(۹۰) خدا بخش بنارس
(۹۱) حافظ جانی پانی پت	(۹۲) حافظ مانی پانی پت
(۹۳) حافظ محب اللہ خاں پانی پت	(۹۴) دینا شاہ پانی پت
(۹۵) حافظ امام الدین پانی پت	(۹۶) پیر محمد پانی پت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۹۷) حافظ عبدالکریم پانی پت
(۹۸) قاضی عنایت اللہ منجھاؤں
(۹۹) برہان الدین منجھاؤں
(۱۰۰) شیخ عبدالوہاب منجھاؤں
(۱۰۱) خدا بخش منجھاؤں
(۱۰۲) نور محمد فتح پور
(۱۰۳) احمد اللہ فتح پور
(۱۰۴) عبدالرحیم فتح پور
(۱۰۵) حمزہ علی خاں لوہاری
(۱۰۶) عبدالحکیم خاں لوہاری
(۱۰۷) کریم بخش گھاٹم پور
(۱۰۸) کریم بخش (وطن نامعلوم)
(۱۰۹) حاجی یوسف کشمیری
(۱۱۰) پیر خاں دکنی
(۱۱۱) شیخ منور قدوائی
(۱۱۲) مولوی امیر الدین ولایتی
(۱۱۳) سید انور شاہ امرتسری
(۱۱۴) عبداللہ احمد آبادی
(۱۱۵) فقیر اللہ احمد آبادی
(۱۱۶) شیخ عبدالرحمٰن خیر آبادی
(۱۱۷) امام الدین بمبئی
(۱۱۸) محمدی بمبئی
(۱۱۹) عبداللہ گجراتی
(۱۲۰) حاجی عبدالرحیم ولایتی
(۱۲۱) سید رستم علی چل گاؤں
(۱۲۲) کریم بخش خیاط فیض آباد
(۱۲۳) عبداللہ فیض آباد
(۱۲۴) الٰہی بخش فیض آباد
(۱۲۵) حافظ ولی محمد (وطن نامعلوم)
(۱۲۶) حافظ اللہ یار (وطن نامعلوم)
(۱۲۷) حافظ میر خاں (وطن نامعلوم)
(۱۲۸) مولوی سعد اللہ (وطن نامعلوم)
(۱۲۹) مولوی عباد اللہ (وطن نامعلوم)
(۱۳۰) عبدالرحمٰن مدراسی
(۱۳۱) بادل خاں (وطن نامعلوم)
(۱۳۲) واصل خاں (وطن نامعلوم)
(۱۳۳) ارادت خاں (وطن نامعلوم)
(۱۳۴) ابراہیم خاں (برادر ۱۳۳)
(۱۳۵) نہال خاں
(۱۳۶) مستقیم خاں
(۱۳۷) غازی الدین
(۱۳۸) شیخ امام علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۱۳۹) محمد حسن حنفی (۱۴۰) لعل محمد
(۱۴۱) لکھمیر جگدیش پور (۱۴۲) منصب خاں
(۱۴۳) شیخ رحم علی (۱۴۴) مرزا امانت علی
(۱۴۵) عبداللہ والیا (۱۴۶) عبدالرزاق نگرامی
(۱۴۷) نور احمد (مؤرخ اسلام) نگرامی (۱۴۸) ابراہیم خاں
(۱۴۹) شادل خاں (۱۵۰) میاں جی نظام الدین چشتی
(۱۵۱) ظہور اللہ (۱۵۰ کا بھائی) (۱۵۲) نظام الدین اولیاء
(۱۵۳) حاجی رحیم بخش (۱۵۴) شیخ حسن علی
(۱۵۵) عبدالقادر (برادرزادہ ۱۵۴) (۱۵۶) امجد خاں گنگوہی
(۱۵۷) دین محمد (۱۵۸) عبدالقیوم
(۱۵۹) شیخ امیر اللہ تھانوی (۱۶۰) شیخ کرامت اللہ
(۱۶۱) قنبر (۱۶۲) نصیر الدین منگلوری
(۱۶۳) بخش اللہ خورد (۱۶۴) سید جمعیت علی
(۱۶۵) فرجام (خادم سید صاحب) (۱۶۶) عبدالرحیم حجام
(۱۶۷) فیض اللہ شیدی (۱۶۸) میرزا امیر بیگ
(۱۶۹) نظام الدین خاں (۱۷۰) سید صادق علی
(۱۷۱) شیخ بلند بخت دیوبندی (۱۷۲) مراد خاں خورجوی
(۱۷۳) بخش اللہ خورجوی (۱۷۴) شیخ نصر اللہ خورجوی
(۱۷۵) عبدالرحیم (۱۷۶) مخدوم بخش
(۱۷۷) نور سندھی (۱۷۸) رحمت خاں رام پوری
(۱۷۹) محمد حسین سہارن پوری (۱۸۰) کریم بخش سہارن پوری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۱۸۱) پیر محمد قاصد
(۱۸۲) لعل محمد قندھاری
(۱۸۳) ملا عزت
(۱۸۴) ملا قطب الدین ننگرہاری
(۱۸۵) ملا بازار
(۱۸۶) ملا جمعہ
(۱۸۷) خان بہادر خاں
(۱۸۸) خیر اللہ خاں غزنوی
(۱۸۹) ملا گلزار
(۱۹۰) اللہ بخش
(۱۹۱) خضر خاں
(۱۹۲) قلندر
(۱۹۳) نور محمد
(۱۹۴) محمد
(۱۹۵) ملا نور خاں
(۱۹۶) احمد
(۱۹۷) ملا علی خاں
(۱۹۸) مومن خاں
(۱۹۹) سید دین محمد
(۲۰۰) عبداللہ بسم اللہ

ان میں اکوڑہ نیز بازار وغیرہ کے شہدا شامل کر لیے جائیں تو میرے اندازے کے مطابق دو سو باون نام بنتے ہیں، باقی اصحاب کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ آگے چل کر بعض ایسے نام آئے ہیں جو اس فہرست میں نہیں ملتے اور اس وقت تک ہندوستان سے غازیوں کے قافلے نہیں آئے تھے، ممکن ہے ان لوگوں کے نام مولوی فتح علی کو یاد نہ رہے ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اڑتیسواں باب:

بونیر وسوات کا دورہ

دورے کا آغاز

چنگئی میں سید صاحب تقریباً ایک مہینہ ٹھہرے رہے، پھر دعوت جہاد کی غرض سے بونیر وسوات کے دورے کا ارادہ فرمایا۔ بیمار غازیوں کی دیکھ بھال کا کام شیخ ولی محمد پھلتی کے حوالے کیا اور فرمایا کہ جو بھائی تندرست ہوتے جائیں، انہیں ہمارے پاس بھیجتے جائیں۔ خود غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بونیر کی جانب روانہ ہوئے۔(۱) چنگئی اور وادی چملہ کے درمیان ایک بلند پہاڑ ہے، اس کی چوٹی پر پہنچے تو ننگے سر ہو کر دیر تک دعا میں مشغول رہے، پھر فرمایا: امید ہے بارگاہ باری تعالیٰ میں ہماری دعا قبول ہو اور تکلیف دور ہو جائے۔

پہاڑ سے اتر کر ظہر کے وقت کوگا پہنچے، جو درۂ امبیلہ کے قریب وادی چملہ کا ایک مشہور گاؤں ہے، اور وادی کے جنوبی و مغربی گوشے میں واقع ہے۔ امبیلہ وادی کے شمالی و مغربی گوشے میں کوگا سے تین چار میل کے فاصلے پر ہوگا، اتنی ہی دور ناواگئی ہے، جو پہلے بھی ممتاز مقام تھا۔ آج کل چملہ تحصیل کا مستقر ہے۔

میرا خیال ہے کہ دورہ شروع کرنے سے پیشتر چملہ اور بونیر کے اکابر کو پیغامات بھیج دیئے گئے ہوں گے، اسلئے کہ ناواگئی سے سید حسن رسول ایک بڑی جماعت کے ساتھ سید صاحب کی زیارت کیلئے کوگا پہنچ گئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ رات وہیں ٹھہرے،

(۱) میرے اندازے کے مطابق یہ سفر اول اپریل میں شروع ہوا ہوگا، رمضان شریف کا مہینہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انہوں نے بیان کیا کہ ہماری بستی (ناواگئی) میں محب اللہ خاں نام ایک مجذوب رہتا ہے جس نے کبھی لباس نہیں پہنا، آج صبح لوگوں نے دیکھا کہ مسجد کا بوریا لے کر اس نے تہمد کے طور پر لپیٹ لیا، لوگوں نے سبب پوچھا تو اس نے کہا: آج اس ضلع میں ایک "آدمی" آرہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا مبادا وہ اچانک پہنچ جائے، مجھے برہنہ دیکھ لے تو بڑی ندامت ہوگی۔ لوگوں نے کہا: کیا ہم آدمی نہیں ہیں؟ جواب ملا: تم میں ویسا آدمی کوئی نہیں۔

کوگا میں سید صاحب چار روز ٹھہرے۔ گرد و نواح سے خوانین ورؤسا برابر ملنے کیلئے آتے رہے۔ کھانے کا یہ طور تھا کہ جو شخص سید صاحب کو دعوتِ طعام دیتا تو عرض کر دیتا کہ اتنے آدمی ساتھ لائیے، باقی غازیوں کو بستی کے لوگ چار چار پانچ پانچ کی تعداد میں اپنے ساتھ لیجاتے، مہمانوں کیلئے چارپائیاں اور بستر بھی میزبان ہی مہیا کرتے۔ (۱)

تختہ بند

کوگا سے بونیر جانے کا راستہ امبیلہ کے پاس سے ہے، وادیٔ چملہ کی شمالی حد گرو پہاڑ ہے، اسے عبور کر لیا جائے تو بونیر شروع ہو جاتا ہے۔ بونیر میں پہلا مقام دامن کوہ کی ایک بستی میں ہوا، جس کا نام راوی کو یاد نہ رہا، وہیں سید میاں ساکن تختہ بند آگئے اور عرض کیا کہ ہمارے ہاں بستی بستی کی پتنہ داری ہے، اور کوئی شخص دوسری پتنہ داری میں جا نہیں سکتا، کوگا چونکہ میری پتنہ داری سے باہر ہے، اس لئے میں آنہ سکا۔

دوسرے روز سید میاں آپ کو تختہ بند لے گئے، وہاں بھی آپ چار روز ٹھہرے

(۱) سرحد میں اب بھی مہمانداری کا یہی دستور ہے، اکا دکا مہمانوں کی تواضع کے لئے باریاں مقرر ہیں، کوئی مہمان آجائے، باری والا شخص خود اس کے پاس پہنچ کر طعام وقیام کا بندوبست کرے گا۔ زیادہ مہمان آجائیں گے تو دعوت اجتماعی صورت اختیار کرلے گی۔ میں نے تو یہ دیکھا کہ کھانے کے وقت آپ کسی گاؤں میں پہنچ جائیں، غیر ممکن ہے کہ جو لوگ راستے میں ملیں وہ کھانے پر اصرار نہ کریں۔ چملہ، بونیر اور سوات میں یہ دستور دیکھا کہ صبح کی چائے کے ساتھ ہر مہمان کیلئے ایک بھنا ہوا مرغ اور ایک پراٹھا ضرور آتا ہے، خواہ میزبان غریب ہو یا امیر، ممکن ہے سید صاحب کے زمانے میں بھی یہی دستور ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہے، ملحقہ علاقے کے خواتین وعوام نے بیعت کی۔(۱) سب نے اقرار کیا کہ ہم جان ومال سے آپ کے فرمانبردار ہیں، جو آپ فرمائیں گے بسروچشم اسے بجالائیں گے۔ مولوی فتح علی بیان کرتے ہیں کہ خواتین اور رؤسا کے آجانے سے کھانا کھانے والوں کی تعداد پانچ چھ سو پر پہنچ گئی تھی، سید میاں نے چاروں دن تنہا پوری جمیعت کی مہمانداری کی۔ سرحد آزاد کے دساتیر میں سے ایک عجیب وغریب دستور یہ بھی تھا کہ سادات کی بستی میں کوئی خان نہیں رہتا تھا اور کتنے ہی مہمان آجائیں، سادات کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص انہیں کھانا کھلانے کا مجاز نہ تھا۔

چنہ داری یعنی گروہ بندی اس علاقے کی سب سے بڑی مصیبت تھی۔ سید صاحب نے اپنے دل میں یہ فیصلہ فرمالیا تھا کہ اس مصیبت کو ہر جگہ سے دور کریں گے، چنانچہ سید میاں سے کہا کہ جب ہم سوات کے دورے سے واپس آئیں گے تو انشاء اللہ سب گروہوں کے درمیان صلح کرادیں گے۔

الئی، تورسک اور جوڑ

مولانا شاہ اسمٰعیل اور شیخ سعد الدین پھلتی تختہ بند میں بیمار ہوگئے، سید صاحب نے انہیں بحالی صحت کیلئے وہیں چھوڑ دیا اور خود علاقہ سوات کا رُخ کرلیا۔ تختہ بند سے نکل کر آپ نے ایک مقام الئی میں کیا، جو بالا بوتیر میں سالارزئی قبیلے کا بڑا گاؤں ہے، یہاں اس زمانے میں تین مسجدیں تھیں اور ان کے ساتھ تین حجرے تھے۔ نواب امیر خاں والئ ٹونک کے اجداد اسی علاقے کے رہنے والے تھے، جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ نواب سید صاحب کے عقیدت مندوں میں ہے تو بہت خوش ہوئے، زیادہ گرمجوشی سے عقیدت کا اظہار کرنے لگے۔ الئی سے تورسک کے لوگ بہ اصرار لے گئے، ایک رات ان کے

(۱) "وقائع" میں ہے کہ سید میاں اور ان کی برادری والوں کے علاوہ دواڑھائی سو آدمیوں نے بیعت کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہاں ٹھہرے، اسی طرح ایک رات جوڑ میں قیام کیا۔(۱)

جوڑ سے نکلے تو کوہ کڑاکڑ آگیا جو سوات اور بونیر کے درمیان حدفاصل ہے، اور بڑا دشوار گزار پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی پر پہنچ جائیں تو دونوں طرف بونیر و سوات کی بستیاں دور دور تک نظر آتی ہیں، کڑاکڑ سے سوات کی جانب اُترتے ہی ایک بستی ملتی ہے، جس کا نام ناواگئی ہے۔ راویوں نے اسے "شافعیوں کی بستی" لکھا ہے، غالباً اس لئے کہ سوات یا سرحد میں یہی ایک بستی ہے، جس میں شافعی رہتے ہیں۔

بری کوٹ، تھانہ اور چکدرہ

سید صاحب نے ناواگئی میں قیام نہ فرمایا اور سیدھے بری کوٹ (۲) تشریف لے گئے۔ معلوم نہیں وہاں ایک رات ٹھہرے یا زیادہ، اس مقام پر حاجی ولی اللہ رحیم بخش بیمار ہوگئے۔ سید صاحب نے انہیں خان بری کوٹ کے پاس چھوڑا اور خود تھانہ (۳) تشریف لے گئے، اس جگہ دو مقام کیے، پھر دریائے سوات کو عبور کر کے چکدرہ (۴) چلے گئے جو تھانہ سے جنوب مشرق میں دریا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس جگہ بھی دو ہی روز قیام کیا، ان تمام مقامات پر عوام وخواص میں سے کثیر تعداد نے بیعت کی، ہر شخص یہی اقرار کرتا کہ خدا کی راہ میں جہاد کیلئے ہمہ تن حاضر ہوں۔

سید صاحب چکدرہ ہی میں تھے کہ سید گل بادشاہ پشاوری نے ایک جھپان آپ کی

(۱) میں نے یہ مقام دیکھے ہیں۔ بڑے بڑے گاؤں ہیں۔ مکان سب مٹی کے ہیں۔ میں جس زمانے میں گیا، گرمی کا موسم تھا، فصلیں کٹ چکی تھیں اور کھیت خالی پڑے تھے۔ اس لئے منظر بے رونق سا تھا، لیکن کھیتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ فصل خوب ہوتی ہے۔ جَوڑ (جیم مفتوح، واؤ مشدد دو مضموم) کو وقائع میں جوہڑ لکھا ہے۔ صحیح تلفظ وہی ہے جو میں نے اختیار کیا۔

(۲) بری کوٹ آج کل سوات میں غلے کی بہت بڑی منڈی ہے (پرگنہ ناخیل سوات)۔

(۳) تھانہ پہلے علاقہ سوات میں شامل تھا (پرگنہ خان خیل) آج کل پاکستان میں ہے۔ بہت بڑا مقام ہے۔

(۴) منظورہ اور وقائع میں اسے "چک دراز" لکھا ہے، ممکن ہے اصل نام یہی ہو، کثرت استعمال سے چکدرہ رہ گیا ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سواری کے لئے بھیج دیا۔ سید گل بادشاہ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سید صاحب دورے پر نکل پڑے ہیں اور فلاں وقت تک سوات پہنچ جائیں گے۔ جھپان کے ساتھ چار کہار تھے، چاروں کو سید گل بادشاہ نے دو مہینے کی تنخواہ اپنے پاس سے دیکر تاکید کر دی تھی کہ دو وقت کے کھانے کے سوا سید صاحب پر کوئی بوجھ نہ ڈالا جائے، دورۂ سوات میں جھپان سید صاحب کے ساتھ رہا۔

نمازِ عید

چکدرہ سے سید صاحب اوچ(۱) تشریف لے گئے، اس لئے کہ وہاں کے سیدوں نے ایک وفد چکدرہ بھیج دیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ سید صاحب کو ساتھ لے آئیں۔ سید عبدالقیوم نے بڑے اہتمام سے دعوت کی اور دوسرے ہدایا کے علاوہ ایک بھینسا سید صاحب کی نذر کیا، جو اتنے غیر معمولی ڈیل ڈول کا تھا اور اس درجہ موٹا تازہ تھا کہ ہاتھی کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی مقام پر مولوی محمد یوسف پھلتی بیمار ہوئے، جو سید صاحب کے خزینہ دار، معتمد خاص اور لشکر اسلام کی رسد کے ناظم اعلیٰ تھے۔ اوچ میں کوئی گرام کے سادات کی طرف سے دعوت پہنچ چکی تھی، سید صاحب ادھر روانہ ہوئے تو مولوی محمد یوسف پھلتی کو جھپان پر سوار کر کے ساتھ لے لیا۔

کوئی گرام میں چار روز قیام کیا، لیکن اس طرح کہ دن کے وقت آس پاس کی بستیوں میں تشریف لے جاتے، رات کوئی گرام میں گزارتے۔ اسی جگہ عید الفطر ۱۲۴۲ھ (۲۷ اپریل ۱۸۲۷ء) کا چاند دیکھا اور نماز عید کوئی گرام ہی میں ادا فرمائی۔ ہجرت کے بعد پہلی عید الفطر پالی اور اور عمر کوٹ کے درمیان ہوئی تھی، دوسری علاقہ سوات میں۔ ذرا

(۱) اوچ دو ہیں، جنہیں عام بول چال میں "اوچوں" یا "وچوں" (بہ حذف الف) (پرگنہ اون زئی) کہتے ہیں۔ دونوں پاس پاس ہیں، سید صاحب پہلے ایک بستی میں ٹھہرے تھے پھر کوئی گرام ہوتے ہوئے بر سوات (سوات بالا) کی طرف گئے تو جاتے جاتے دوسری بستی میں ٹھہرے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نقشے پر ایک نظر ڈالئے کہ کہاں رائے بریلی ہے کہاں مارواڑ کے ریگ زار کا مغربی حصہ اور کہاں سوات۔ وطن و مرز بوم کی محبت سے کس انسان کا دل خالی ہوتا ہے؟ لیکن جن داعیانِ حق کو خدائے عز و جل اپنی خوشنودی و رضا کے مسلک پر قیام و ثبات کی توفیق عطا فرماتا ہے، ان کی نظروں میں دنیا کا ہر محبوب رشتہ مالک حقیقی کی رضا کے سامنے تنکے سے زیادہ بے حقیقت اور خاک کی چٹکی سے زیادہ بے وقعت رہ جاتا ہے۔ وطنیت کا رشتہ و محبت جب مالک الملک کی رضا کے تابع ہو جائے تو اسی وقت انسان کے سازِ وجود سے یہ دلکش ترانہ اٹھتا ہے کہ

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

کوٹی گرام ہی میں ہندوستان سے غازیوں کا پہلا قافلہ پہنچا، جس کے قافلہ سالار مولوی قلندر تھے۔ چونکہ ساتھیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، اس لئے سید صاحب نے انہیں کئی جماعتوں میں تقسیم کر کے مختلف بستیوں میں بھیج دیا تھا، تاکہ ایک ہی مقام پر سب کی مہمانداری کا بوجھ نہ پڑے۔ اس وقت تک مولانا شاہ اسماعیل بھی تندرست ہو کر تختہ بند سے سوات پہنچ گئے تھے۔

عید کے بعد ایک روز سید صاحب کوٹی گرام میں ٹھہرے رہے تو تیسرے دن برسوات (سوات بالا) کے قصد سے نکلے اور پہلا مقام اوچ کی دوسری بستی میں کیا، پھر ایک اور موضع میں پہنچے جس کا نام معلوم نہ ہو سکا، وہاں قاضی احمد اللہ میرٹھی کا قافلہ سید صاحب سے آملا۔

مولوی محمد یوسف کی وفات

مولوی محمد یوسف پھلتی باوجود علالت ساتھ تھے، نہ ان کو سید صاحب سے مفارقت گوارا تھی اور نہ سید صاحب انہیں الگ رکھنا پسند فرماتے تھے۔ ان کی علالت روز بروز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڑھتی گئی، سید صاحب جہاں جاتے وہاں دعوتِ جہاد اور اصلاحِ عقائد و اعمال کے علاوہ مختلف گروہوں کے اختلافات مٹانے کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اوچ سے نکلے ہوئے تیسرا دن تھا کہ ایک موضع کے لوگوں نے آپ کو روک لیا اور عرض کیا کہ ساتھ کے گاؤں والوں سے ہماری کشمکش چلی آ رہی ہے، آپ صلح کرا دیں۔

سید صاحب کے زیادہ تر ساتھی آگے کے ایک بڑے گاؤں میں پہنچ گئے، سید صاحب مسجد میں بیٹھ گئے اور اخوند ظہور اللہ کے ذریعے سے دوسرے گاؤں کے لوگوں کو بلا کر صلح کی بات چیت شروع کر دی، اسی حالت میں میاں دین محمد نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مولوی محمد یوسف بڑی تکلیف میں ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا: بھائی! بارگاہِ الٰہی میں دعا کیجئے اور ان کی خدمت میں حاضر رہیے۔

مجمع میں پاس کے گاؤں کا ایک آدمی بھی موجود تھا، اس نے کہا کہ ہمارے ہاں دو تین آدمی طبابت کرتے ہیں، مولوی صاحب کو ان کے ہاں بھیج دیجئے۔ سید صاحب بولے: ''صحت و بیماری اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔'' لوگوں نے کہا کہ علاج کرانا ضروری ہے، اجازت دیجئے کہ مولوی صاحب کی چارپائی کو اٹھا کر اس گاؤں میں لے جائیں۔ سید صاحب نے اجازت دے دی، میاں عبدالقیوم بھی ساتھ گئے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے بیماری کی شدت کے عالم میں کہا کہ میرا دل نان پیاز کھانے کو چاہتا ہے اور تھوڑی سادہی بھی لاؤ، تیمارداروں نے عرض کیا کہ کھچڑی تیار ہے اور آپ کو کھچڑی ہی کھانی چاہئے۔ مولوی صاحب بولے کہ میں تو صرف نان پیاز کھاؤں گا، چنانچہ یہ غذا دے دی گئی۔

جب ان کی چارپائی پاس کے گاؤں میں پہنچی تو طبیعت اس درجہ بگڑ گئی کہ بظاہر جانبری کی کوئی امید نہ رہی، اس حالت میں طبیب کیا کرتے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ اب جس طور بھی ممکن ہو، مجھے جلد سے جلد حضرت کی خدمت میں پہنچاؤ تاکہ جان دے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے پہلے ان کی زیارت کا شرف حاصل کرلوں۔ اس وقت چار پائی اٹھانے والے آدمیوں کی تلاش شروع ہوگئی، فصل کے درد کا موسم تھا، لوگ باہر کھیتوں میں تھے، ان کے آنے میں دیر ہوگئی، مولوی صاحب نزع کی حالت کو پہنچ گئے، فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ سہارا دے بٹھا دیا گیا، اسی حالت میں اس پاک نفس مجاہد کی روح عالم علوی میں پہنچ گئی۔

قطب لشکرِ اسلام

امجد خاں کنتوی کا بیان ہے کہ سید رستم علی چل گانوی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ دردناک خبر سید صاحب کے پاس لائے، آپ اس وقت تک مسجد میں بیٹھے تھے۔ سنتے ہی اناللہ پڑھا، تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

> یہ دنیا بڑی سخت جگہ ہے، جو یہاں سے ثابت قدم گیا وہی خوش نصیب ہے۔

یہ اشارہ تھا کہ مولوی محمد یوسف صاحب اس دنیا سے ثابت قدم گئے۔ سید صاحب دیر تک مولوی صاحب کے اوصاف بیان فرماتے رہے، اہل پھلت میں سے شیخ ضیاء الدین، شیخ صلاح الدین، شیخ عبدالحکیم، شیخ ناصر الدین، حافظ ناصر الدین اور حافظ عبدالرحمٰن کو میت لانے کیلئے بھیجا گیا، اہل سرحد مردوں کو عموماً ان قبرستانوں میں دفن کرنا افضل سمجھتے تھے جہاں کسی مشہور بزرگ کی قبر ہوتی تھی۔ عرض کیا کہ مولوی صاحب کو یہیں دفن کرنے کی اجازت دیجئے، سید صاحب نے فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب خود ولی اللہ تھے، ان کی میت لے آیئے۔

میت آئی، قاضی احمد اللہ نے غسل و کفن کا انتظام کیا، سید صاحب نے جنازے کی نماز پڑھائی، پھر مولانا شاہ اسماعیل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> یوسف جی اس لشکر اسلام کے قطب تھے، آج لشکر قطب سے خالی ہوگیا۔ وہ بڑے قانع، زاہد، متوکل، مستقیم الحال اور مستقل مزاج تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ الفاظ زبان مبارک پر جاری تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سید صاحب اور شاہ اسماعیل نے لشکر اسلام کے اس مایۂ ناز وجود کی میت لحد میں اتاری۔(۱)

(۱) تمام سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ مولوی محمد یوسف کا انتقال کوئی گرام میں ہوا، جو دیر و چترال والی سڑک پر ملاکنڈ سے پندرہ میل آگے ہے، یہ صحیح نہیں۔ مولوی صاحب ایک چھوٹے سے گاؤں میں فوت ہوئے (منظورہ میں ہے "دردہ خورد") اور دوسرے چھوٹے سے گاؤں میں دفن ہوئے، جو اوچ اور بھانڈہ کے درمیان ہوگا۔ کوئی گرام کا نام اس سلسلے میں خدا جانے کس طرح مشہور ہوگیا؟

مولوی محمد یوسف حقیقتاً بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، ان کے مفصل حالات بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ (۲) مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اسماعیل سے پیشتر بیعت کی تھی۔ "منظورہ" میں ہے کہ ان کا مرتبہ دونوں صاحبوں سے بلند تھا، دونوں کی آرزو تھی کہ ہمیں بھی مولوی محمد یوسف کا مقام نصیب ہو۔ رمضان میں ہر روز ایک مرتبہ قرآن شریف ضرور ختم کر لیتے۔ کچھ حصہ تراویح میں سناتے اور باقی تہجد میں پڑھتے، ویسے بھی قضائے حوائج بشریہ کے سوا قرآن ہر وقت ان کی زبان پر جاری رہتا تھا۔

بر سوات کا دورہ

جس موضع میں مولوی محمد یوسف کو دفن کیا گیا، اسی میں عبدالحمید خاں، شیر خاں، رستم خاں، شیخ رمضان اور شیخ لکھو کا قافلہ سید صاحب کے پاس پہنچا۔ سید صاحب وہاں سے نکلے تو ایک رات بھانڈہ میں گزاری، وہاں منگورہ (۲) کے اخوند میر پہنچ گئے، سید صاحب کو منگورہ میں لے آئے، اور تین روز اپنے پاس رکھا۔ اسی جگہ نذر محمد اور ولی محمد کشمیری ملے، جو پہلے یار محمد خاں کے پاس ملازم تھے۔ سید صاحب کو انہیں کے ذریعہ سے زہر دیا گیا تھا۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سید صاحب نے دو مرتبہ انہیں سزائے قتل سے بچایا،

(۱) یہ حالات آپ کو اس کتاب کے تیسرے حصے میں ملیں گے۔

(۲) بھانڈہ دریائے سوات کے مغربی کنارے پر پرگنہ نیکی خیل میں ہے، اور منگورہ مغربی کنارے پر پرگنہ بابوزئی میں۔ یہی مقام آج کل سوات کا مرکزی مقام ہے، اس کے قریب ہی سیدو میں والیٔ سوات رہتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رخصت کے وقت اخوند میر نے دو سیاہ لنگیاں ریشمی کنارے کی اور ایک سبز گھوڑا اور ہزار روپیہ بطور نذر پیش کیا۔ سید صاحب نے ایک لنگی اور گھوڑا قاضی مدنی کو دیدیا۔

منگورہ سے روانہ ہوئے تو ایک رات منگلور (پرگنہ بابوزئی) میں گزاری، دوسرے روز چار باغ (پرگنہ متوزئی) میں پہنچے۔ چار باغ آج کل بھی بڑا قصبہ ہے۔ سید صاحب کے زمانے میں بھی آبادی خاصی وسیع تھی۔ مسجدیں نہایت اچھی، سایہ دار درختوں کی قطاریں اور نہریں۔ اہل قصبہ نے نقاروں سے سید صاحب کا استقبال کیا۔ مجاہدین مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مختلف اصحاب نے ایک ایک گروہ کی میزبانی سنبھالی۔ چار باغ والے چاہتے تھے کہ سید صاحب ایک مہینہ ان کے ہاں گزاریں، لیکن سید صاحب تین دن سے زیادہ وقت نہ نکال سکے۔

چار باغ سے گلی باغ گئے۔ اس وقت لوگوں کے ذوقِ عقیدت کا یہ رنگ تھا کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی مقامات سے دعوت نامے آجاتے تھے، بلکہ لے جانے کے لئے جماعتیں پہنچ جاتی تھیں۔ سید صاحب چار باغ ہی میں تھے کہ ایک بستی کے لوگ عہد لے گئے کہ آپ گلی باغ جائیں گے تو ان کے ہاں قدوم فرمائیں گے۔ سید صاحب خود تو نہ جا سکے، لیکن اپنے بھانجے سید حمید الدین، شیخ جلال الدین (برادر عم زاد مولانا عبدالحیٔ) اور مولوی عبدالقیوم، صاحبزادہ مولانا عبدالحیٔ) کو بھیج دیا۔ چند آدمی ساتھ کر دیے۔ گلی باغ والوں نے سوا کوس باہر نکل کر استقبال کیا اور اس شان سے گاؤں میں لے گئے کہ آپ کی سواری کے آگے آگے لوگ پشتو زبان میں مدحیہ اشعار گاتے جاتے تھے، یہاں دو راتیں بسر کیں۔ ایک روز نماز عشاء کے بعد آپ لیٹے ہوئے تھے، ساتھیوں نے علماء ہند کا ذکر شروع کر دیا، سید صاحب نے فرمایا: ہمیں مولانا عبدالحیٔ کی ملاقات کا بڑا اشتیاق ہے، خدا چاہے تو عنقریب ان سے اسی ملک میں ملاقات ہوگی۔

گلی باغ سے آپ نے خونہ کا قصد فرمایا۔ راستے میں خواجہ خیل کے لوگوں نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باصرار روک لیا۔ اس بستی کے لوگوں نے آپ سے سلیمان شاہ والیٔ کاشکار (۱) کا ذکر کیا کہ وہ بڑا دیندار ہے، اور اس کے دل میں جہاد کا بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ یہ بھی کہا کہ آپ اس کے پاس تشریف لے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ خواجہ خیل سے خونہ گئے، وہاں کے پیرزادوں نے پرجوش استقبال کیا، سید صاحب کو اپنے مکان میں اُتارا، باقی سب غازی خانقاہ میں ٹھہرے۔ وہیں سے آپ نے غور و مشورہ کے بعد اخوند فیض محمد کو سفیر بنا کر سلیمان شاہ کے پاس بھیجا۔ ایک نہایت نفیس قلمی قرآن مجید، ایک جوڑی پستول اور ایک قیمتی پیش قبض بطور تحائف دیدیئے۔

خونہ سے نکلے تو اشالہ (۲)، ورشت خیل (۳) اور بھانڈہ ہوتے ہوئے چار باغ پہنچ گئے، اس سلسلے میں خنجرہ اور شکر درہ کے نام بھی ملتے ہیں۔

---

(۱) کاشکار سے مراد چترال ہے، اس لفظ کا املا مختلف ہے، مثلاً کاشکار، کاشقار، قاشقار اور کاس گار۔ وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، مثلاً کاش، ایک دیو تھا جو اس جگہ رہتا تھا، چونکہ چترال کی حیثیت بلند پہاڑوں کے درمیان ایک غار کی سی ہے، اس لئے ملک کا نام کاش غار پڑ گیا۔ یا کاس بمعنی پیونہ، گار بمعنی برف، چونکہ یہاں برف زیادہ پڑتی ہے، اسلئے یہ نام مشہور ہوا۔ موجودہ چترال کے قریب ہی تک کاشکار نام ایک بستی کا ذکر نقشوں میں ملتا ہے، چترال کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ اصل لفظ چترار تھا "چتر" چترالی زبان میں چمن کو کہتے ہیں۔ چترار بمعنی چمن زار۔ چونکہ راویوں نے اس کا نام کاش غار سنا تھا، اس لئے بیان کرتے وقت کبھی کبھی کاشغر بھی بولتے رہے، عام لوگوں نے اسے معروف کاشغر سمجھ لیا، جو یارقند کے پاس ہے۔ غلط فہمی اس حد تک پہنچ گئی کہ مولانا سید ابوالحسن علی کے بیان کے مطابق سید صاحب کی چھوٹی بی بی کے اخلاف بھی اپنے مادری سلسلے کو معروف کاشغر ہی کی طرف منسوب کرتے رہے۔ بی بی صاحبہ نے بھی کبھی کاش غار اور کاشغر میں فرق واضح نہ فرمایا، ہوسکتا ہے انہیں علم ہی نہ ہو کہ یہ مختلف خطے ہیں۔

(۲) اشالہ، فتح پور اور خواجہ خیل کے درمیان ہے۔

(۳) ورشت خیل یا ورش خیل دو ہیں، ایک بالا (بر) دوسرا زیریں (کز)۔ اس علاقے میں غلے کی ارزانی کا یہ حال تھا کہ ایک روز امجد علی خاں نے ایک پیسے کا آٹا خریدا تو سوات کے اوزان کے مطابق سات سیر ملا، جو ہمارے اوزان کے مطابق ساڑھے تین سیر تھا۔ ایک روپے کے پیسے اڑتالیس ملتے تھے۔ یعنی ایک روپے کا آٹا خریدا جاتا تو ہمارے حساب سے چار من آٹھ سیر ملتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفرِ مراجعت

چار باغ میں پہنچے تو خبر ملی کہ مولانا عبدالحئی چکدرہ آ گئے ہیں، سید صاحب نے اپنی سواری کا جھپان ان کیلئے بھیج دیا، پھر خود کنارِ دریا تک استقبال کیلئے آئے۔ معانقے کے بعد مولانا نے آپ کا ہاتھ چوما، چار باغ ہی میں ذی الحجہ کا چاند دیکھا، اس وقت ارادہ فرمالیا کہ عید کی نماز چنگئی میں ادا کریں۔

چار باغ سے نکلے تو ایک رات منگورہ میں بسر کی، وہاں دو رئیسوں نے کھانا تیار کرالیا اور ہر ایک کو اصرار تھا کہ سید صاحب پہلے اس کے ہاں کھانا کھائیں، آپ نے دونوں کے مکانوں کے درمیان ایک جگہ تجویز کر کے دونوں کے ہاں سے کھانا منگالیا، اس طرح تقدم وتاخر کا جھگڑا ختم کیا۔ منگورہ سے آپ ہوڈی گرام (۱) پہنچے، اسی جگہ میں میاں مقیم رام پوری کا قافلہ ملا، بعد کی منزلیں یہ ہیں:

۱۔ ناواگئی یعنی شافعیوں کی بستی دامن کڑاکڑ میں۔

۲۔ خوزؔ۔

۳۔ تورسک کے راستے باچا جہاں آپ نے سید علی ترمذی غوث بونیر کے مزار کی زیارت کی۔ اس کے اردگرد کمر سے اونچی سنگین دیوار تھی، صحن میں زیتون کے درخت تھے، سید صاحب نے بعد میں فرمایا کہ یہ بڑے رتبے والے بزرگ اور صاحب ہدایت تھے، ان کی روح سے ملاقات ہوئی، کمالِ محبت واخلاص سے میرا ہاتھ پکڑا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ (۲)

---

(۱) اصل نام سرنا نباوڈے گرام تھا۔

(۲) سید علی ترمذی غوث بونیر بابر کے عزیزوں میں تھے۔ جنگ پانی پت کے بعد امیری چھوڑ کر فقیر ہو گئے، سرحد میں تبلیغ واشاعتِ اسلام کے لئے زندگی وقف فرمادی۔ انہیں کی کوششوں سے اہلِ سرحد میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ ستھر (افغانستان) سے وادی کا نام تھا۔ زیادہ تر سادات آپ ہی کے اخلاف باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

۴۔ باچا سے شل بانڈی گئے، جہاں سید عبدالوہاب عرف عبدل بابا(۱) کے مزار پر فاتحہ خوانی کی، اس روز ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ تھی (۲ رجولائی ۱۸۲۷ء) رات وہاں نہ رہے، خان کے اصرار پر دوپہر کا کھانا کھایا۔

۵۔ برندو ندی کو عبور کر کے تختہ بند پہنچے، یاد ہوگا کہ جاتے وقت مولانا اسماعیل اور شیخ سعد الدین کو بوجہ علالت تختہ بند میں چھوڑ گئے تھے۔ مولانا تو صحت یاب ہو کر سوات میں سید صاحب سے جا ملے، سعد الدین کی طبیعت بحال نہ ہوئی، انہوں نے سید صاحب کی غیر حاضری میں تختہ بند ہی میں وفات پائی۔

۸ر ذی الحجہ کی رات کوگا میں گزاری، جہاں سید حسن رسول بھی پانچ سات آدمی لے کر ملاقات کے لئے آگئے تھے۔

۹ر کی صبح کو کوگا سے چلے، ظہر کی نماز پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر ادا کی اور دیر تک دعاء میں مشغول رہے۔ وہیں شیخ ولی محمد پھلتی، مولوی الٰہی بخش رام پوری، شیخ نظام الدین اولیاء اور چنگلئی کے بعض دوسرے غازیوں نے شرف زیارت حاصل کیا۔ فتح خاں استقبال کے لئے بستی سے سوا کوس باہر پہنچا ہوا تھا، شام تک آپ پنجتار پہنچ گئے۔

اس دورے کے نتائج و برکات کی سرسری کیفیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ سید صاحب جہاں جہاں گئے لوگوں کے دینی ذوق میں تازگی و بالیدگی پیدا ہوگئی۔ ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح و درستی کا بندوبست ہوگیا، ان میں اسلامی مقاصد کیلئے سعی وجہد کا جذبہ جاری وساری ہوگیا۔ نئی زندگی آگئی جس میں اسلامیت سب سے بڑھ کر

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ۔۔۔۔ میں سے ہیں۔ آپ کے صرف ایک فرزند تھے، سادات ستھانہ انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔ سید جمال الدین افغانی بھی اسی خاندان میں سے تھے، مفصل حالات میری کتاب "تاریخ سادات ستھانہ" میں ملیں گے۔ باچا بادشاہ کا پشتو تلفظ ہے، سید علی کا مزار جس جگہ ہے، اس کا نام ابتدا میں غالباً مزار سید بادشاہ ہوگا، بول چال میں باچا رہ ہوگیا۔

(۱) سید عبدالوہاب عرف عبدل بابا سید علی ترمذی کے پوتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نمایاں تھی۔ وہ مختلف گروہوں میں منقسم اور چند داریوں میں مبتلا تھے، سید صاحب نے ان کے لئے قومیتِ صالحہ کا سانچا تیار کر دیا، دشمنیاں مٹ گئیں اور وہ بھائی بھائی بن گئے۔ ان کی جو قوتیں باہمی رزم و پیکار میں صرف ہو رہی تھیں، ان میں ایک مرکز کے تابع ہو کر بلند اسلامی اغراض کیلئے کارکردگی کی صلاحیت اُبھر آئی۔ خود سید صاحب میاں یقین اللہ شاہ لکھنوی کو جنگِ شیدو کا مجمل حال سناتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اس حادثے کے بعد فقیر نے یوسف زئی کے مختلف اضلاع مثلاً چملہ، بونیر اور سوات کا دورہ کیا اور ان بستیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامتِ جہاد وازالۂ فساد کی ترغیب دی۔ افغانوں کے متعدد گروہوں مثلاً آفریدیوں، مہمندوں، خلیلوں وغیرہ کو تحریری دعوت نامے بھیج کر اس سعادت عظمٰی کے حصول اور اس عبادتِ کبرٰی کی بجا آوری پر متوجہ کیا۔ الحمد للہ مومنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کر لیا.............

پھر فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ چند روز میں اہل کفر و ضلال کے ساتھ قتال شروع ہوگا اور خدا کے فضل سے قوی امید ہے کہ دین حق تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آئے گا۔ آپ منافقوں کی بے بنیاد باتوں کا اعتبار نہ کریں اور جمعیتِ خاطر سے دین کی نصرت کے لئے دعاء کرتے رہیں۔

> ہر چند ہر کام میں فاعل مختار صرف خدا کی ذات ہے، اور صحیح العقیدہ مومن پر لازم ہے کہ تمام کاموں میں رب العباد کی کارسازی پر دل و جان سے یقین رکھے، لیکن حکم شرع کی بناء پر جمع اسباب کیلئے بھی سعی ضروری ہے۔ پس اس حکم شرعی کے مطابق اسلامی لشکروں کی فراہمی کے لئے قدرے سعی کی گئی، الحمد للہ کہ یہ سعی و اتمام کو پہنچی اور مومنین افاغنہ میں سے بہت سی قوموں نے جن میں ہر ایک کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچتی ہے، اس فقیر کا ساتھ دینے پر اتفاق کر لیا اور اس عاجز کی اطاعت مان لی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

والیٔ چترال کا جواب

سید صاحب ابھی سوات ہی میں تھے کہ سلیمان شاہ والیٔ چترال کا جواب آ گیا، جس میں یقین دلایا تھا کہ میں ہر اعانت کیلئے تیار ہوں اور گلگت کے راستے آپ سے آملوں گا۔ اس زمانے میں بدخشاں سے آدینہ خاں نام ایک صاحب سید صاحب کی آمد کا شہرہ سن کر اشغال طریقت سیکھنے کیلئے آئے تھے، ان سے سلیمان شاہ کے مزید حالات معلوم ہوئے۔ آدینہ خاں واپس جانے لگے تو سید صاحب نے سلیمان شاہ کو اور ایک مکتوب بھیجا، اس مرتبہ شیخ نظام الدین کو سفارت کی خدمت سپرد کی، وہ آدینہ خاں کے ساتھ چترال گئے، اس طرح باقاعدہ خط و کتابت جاری ہو گئی۔ ہر خط کے ساتھ فریقین تحائف بھی بھیجتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اُنتالیسواں باب:

دعوتِ جہاد

مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوششیں

یوں تو سید صاحب کی پوری زندگی دعوتِ حق کے لئے وقف تھی، لیکن سرحد پہنچنے کے بعد انہوں نے جہاد کیلئے نفیر عام کی جو مساعی فرمائیں، ان کا جائزہ ذرا تفصیل سے لے لینا چاہئے۔ اس کے بغیر سید صاحب کے علوِ ہمت، جوشِ حمیتِ دین، شیفتگی اسلامیت اور بے پناہ جذبۂ اعلاءِ کلمۃ اللہ کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ کس طرح ڈیڑھ مہینے کی قلیل مدت میں انہوں نے یوسف زئی کے میدانی علاقے میں ایک ہمہ گیر حرارت پیدا کر دی تھی، جس کی بناء پر ایک لاکھ آدمی شیدو کے میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ افسوس کہ یہ اجتماع یار محمد خاں کی نالائقی کے باعث مطلوب نتیجہ پیدا نہ کر سکا۔ پھر سید صاحب نے ان تمام گروہوں، قوموں، جماعتوں، قبیلوں یا ان کے سلاطین وملوک وخوانین کو دعوت نامے بھیجے، جن کے نام انہیں معلوم ہو سکے اور جن تک رسائی ان کی حدِ وسع میں تھی۔ جن کو خطوط بھیجنے کافی سمجھے، خطوط ارسال کئے، جن کے پاس سفیروں کا بھیجنا مناسب نظر آیا، ان کے پاس سفیر بھیجے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ سفرِ ہجرت میں روابط پیدا ہو چکے تھے، ایسے بھی تھے جن سے قطعاً شناسائی نہ تھی۔

سلاطین وفرماں روا

سید صاحب کے تمام مکاتیب اور دعوت نامے محفوظ نہیں رہے، صرف اُن کا ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حصہ باقی ہے۔ میں یہاں پہلے ان سلاطین اور فرمانرواؤں کی فہرست درج کرتا ہوں، جن کے ناموں کے مکاتیب محفوظ رہ گئے، اس کے بعد امراد خوانین کی فہرست دوں گا، پھر یہ بتاؤں گا کہ تحریری دعوت ناموں کے علاوہ سید صاحب نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے اُبھارنے اور منظم کرنے کے سلسلے میں کیا کیا کارنامے انجام دیے۔

سلاطین اور فرمانرواؤں کی فہرست یہ ہے:

۱۔ امیر دوست محمد بارک زئی فرمانروائے کابل۔

۲۔ یار محمد خاں والیٔ پشاور۔

۳۔ سلطان محمد خاں والی کوہاٹ و بنوں۔

۴۔ سید محمد خاں والی ہشت نگر۔

۵۔ شاہ محمود درانی والی ہرات۔

۶۔ شہزادہ کامران ولی عہد ہرات۔

۷۔ زمان شاہ درانی۔ یہ بلند ہمت بادشاہ اگرچہ معزول و مکحول ہو کر لدھیانہ پہنچ گیا تھا، لیکن سرحدات میں اُسے بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا، اس لئے سید صاحب نے اسے بھی نظر انداز نہ کیا۔

۸۔ نصر اللہ بادشاہ بخارا۔

۹۔ مراد بیگ حاکم قندز۔

۱۰۔ سلیمان شاہ والیٔ چترال۔

۱۱۔ سکندر جاہ فولاد جنگ، آصف جاہ ثالث، فرمانروائے دولت آصفیہ۔

۱۲۔ احمد علی فرمانروائے رام پور۔

۱۳۔ حافظ الملک رکن الدولہ محمد بہاول خاں عباسی نصرت جنگ فرمانروائے بہاول پور۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیرانِ سندھ، محراب خاں، حاکم بلوچستان اور حاکمانِ قندھار وغزنین کو سفر ہجرت میں کارِ حق کے ساتھ تعاون کی دعوت دے چکے تھے، مجھے یقین ہے کہ بعد میں بھی ان سب کو یا ان میں سے بعض کو ضرور مکاتیب بھیجے ہوں گے، اگرچہ وہ خطوط محفوظ نہ رہ سکے۔

اُمرا و خوانین

امرا و خوانین کی فہرست بہت طویل ہے:

۱۔ حبیب اللہ خاں بارک زئی فرزند عظیم خاں۔

۲۔ احمد خاں بن لشکر خاں (رئیس ہوتی) معتمد یار محمد خاں۔

۳۔ یار محمد خاں کے لشکر کے درانی اور غلزئی سردار۔

۴۔ مولوی عبدالکریم مشیر سلطان محمد خاں۔

۵۔ شاہ پسند خاں وزیر شاہ محمود۔

۶۔ حاجی خان کاکڑ۔

۷۔ شہزادہ محمود بخت۔

۸۔ شہزادہ میر غلام حیدر خاں۔

۹۔ خانخاناں غلزئی نبیرہ شاہ حسین غلزئی۔

۱۰۔ یار محمد خاں غلزئی ساکن میدان۔

۱۱۔ طرہ باز خاں غلزئی ساکن میدان۔

۱۲۔ شیر محمد خاں غلزئی ساکن مرغہ۔

۱۳۔ نعمت اللہ خاں غلزئی ساکن مرغہ۔

۱۴۔ تاج خاں غلزئی ساکن کشتوار۔

۱۵۔ رحمت خاں غلزئی ساکن کشتوار۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۶۔ بختیار خاں غلزئی ساکن غزنین۔

۱۷۔ سبحان خاں غلزئی ساکن غزنین۔

۱۸۔ لودی خاں ساکن کابل۔

۱۹۔ عبداللہ خاں غلزئی ساکن رزیلی۔

۲۰۔ سید گل شاہ ساکن سرودہ۔

۲۱۔ پایندہ خاں تنولی والیٔ اسب و دربند۔

۲۲۔ سربلند خاں تنولی رئیس شنکوی۔

۲۳۔ ناصر خاں رئیس بھٹ گرام۔

۲۴۔ حسن خاں رئیس پچوں۔

۲۵۔ راجا زبردست خاں رئیس مظفر آباد۔

۲۶۔ راجا نجف خاں رئیس خان پور۔

۲۷۔ عجب خاں۔

۲۸۔ فیض اللہ خاں مہمند ساکن ہزار خانی۔

۲۹۔ رؤسائے غوں و داماں (جن کی تعداد معلوم نہ ہو سکی)

۳۰۔ نور محمد خاں۔

۳۱۔ خان زماں خاں رئیس کنگر۔

۳۲۔ امیر عالم خاں رئیس باجوڑ۔

اس فہرست میں ایک ہندو بھی ہے، یعنی راجا ہندو راؤ مختار مہاراجا گوالیار، اسے سید صاحب سے جس درجہ عقیدت تھی اس کا اظہار پہلے ہو چکا ہے۔ سید صاحب نے اسے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ جو اصحاب خدمت دین کے لئے یہاں آرہے ہیں، ان کے بچوں کی نگرانی اور گزارے کے بندوبست میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہندوستان یا سرحد کے عام علماء واکابر کو جو دعوت نامے برابر آتے رہے، ان کا تفصیلی ذکر میں یہاں نہیں کروں گا۔ آپ ان فہرستوں کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ آیا مملکت سندھ سے سرحد کشمیر تک پورے علاقے کا ایک بھی قابل ذکر فرد تھا، جس کے کان تک سید صاحب نے دین کی پکار نہ پہنچائی ہو؟

داعیانِ دین کا تقرر

اس کے علاوہ سید صاحب نے اپنے خاص آدمی مختلف ہندوستانی علاقوں میں دعوتِ دین کیلئے مقرر فرمائے، جو عقائد واعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ سید صاحب کی تحریکِ جہاد کیلئے روپے کی فراہمی کے علاوہ غازیوں کو تیار کرتے تھے۔ مثلاً:

ا۔ مولانا سید محمد علی صاحب رام پوری کو حیدر آباد دکن بھیجا اور ان کے ساتھ تین آدمی مقرر کئے: عنایت اللہ خاں، عبداللہ اور نعیم خاں۔ ان کا ایک فرض یہ بھی قرار دیا تھا کہ غازیوں کے لئے ہندوستان سے سرحد پہنچنے کے مناسب راستے کا انتظام کر دیں، جس میں کسی منزل پر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ مولانا سید محمد علی نے خود کالاباغ اور ڈیرہ اسماعیل خاں کا راستہ اختیار کیا، ڈیرہ کے نواب پر چونکہ اعتماد نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے سید محمد علی نے ایک آدمی کو مناسب مقام پر بٹھادیا، وہ غازیوں کو ڈیرہ سے اوپر اوپر جانے کی تاکید کرتا رہتا تھا۔

یہ انتظام کر کے مولانا سید محمد علی نے نواب کے لشکر میں جا کر وعظ کیا۔ کشتی میں بیٹھ کر ڈیرہ غازی خاں پہنچے، پھر خشکی کے راستے پیرکوٹ گئے، جہاں سید صاحب کے اہل وعیال مقیم تھے۔ بعد ازاں کراچی سے جہاز پر بیٹھ کر بمبئی اور وہاں سے حیدر آباد تشریف لے گئے۔ جب سید صاحب نے مولانا ولایت علی کو حیدر آباد بھیج دیا تو سید محمد علی حکم کے مطابق مدراس چلے گئے۔ مدراس میں ان کے تبلیغی اور اصلاحی کارنامے تفصیلاً بیان کرتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا یہ محل نہیں۔

۲۔ کچھ دن بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو حیدر آباد کے لئے مقرر فرمایا۔ مولانا بھی کالا باغ اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے راستے حیدر آباد سندھ پہنچے۔ وہاں مسئلہ امامت پر فارسی میں ایک رسالہ لکھا، جس کی نقلیں قندھار و کابل وغیرہ بھیجی گئیں۔ سندھی زبان میں اس کا ترجمہ کرا کے خوب پھیلایا، پھر حیدر آباد دکن چلے گئے، ان کے ساتھ بھی تین ہی آدمی تھے: عبدالقادر، عبدالواحد اور کرامت اللہ۔

۳۔ مولانا عنایت علی عظیم آبادی کو بنگال بھیجا گیا۔

۴۔ مولانا محمد قاسم پانی پتی بمبئی میں دعوت وتبلیغ پر مامور ہوئے۔

۵۔ مولانا سید اولاد حسن قنوجی (والد نواب صدیق حسن خاں) اور سید حمید الدین (خواہر زادہ سید صاحب) یوپی کے مختلف حصوں میں تبلیغ وتنظیم کے لئے بھیجے گئے۔

۶۔ میاں دین محمد اور میاں پیر محمد نیز متعدد دوسرے اصحاب کا کام صرف یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں خطوط پہنچاتے اور وہاں سے روپیہ لاتے رہیں۔

غازیوں کی حالت

میں بتا چکا ہوں کہ سید صاحب دورے پر روانہ ہوئے تھے تو بہت سے غازی بیمار تھے، معاش کی تنگی کا ذکر بھی کر چکا ہوں۔ جو غازی فوت ہوئے، ان کے کفن کے لئے بھی کپڑا میسر نہ تھا۔ شیخ ولی محمد یا تو انہیں کی چادریں اُڑھا دیتے یا جا جم کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر اس کام میں لاتے۔ جب پریشانی بہت بڑھ گئی تو ایک سندھی بندوق بنئے کے پاس گروی رکھ کر جنس لینی چاہی، یہ بندوق ایک صاحب نے گیارہ سو روپے میں خرید کر سید صاحب کی نذر کی تھی، لیکن بنیا اسے لینے پر راضی نہ ہوا اور دو وقت فاقے میں گذر گئے۔ سید صاحب کے ذخیرۂ پارچہ جات میں کچھ پگڑیاں تھیں، ان میں سے ایک پگڑی سات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روپے میں فروخت کی اور اس رقم سے غلہ خرید کر دو تین دن گزارے، جب فتح خاں پنجتاری کو کسی ذریعے سے ان حالات کی اطلاع ملی تو اُس نے بقدر ضرورت غلے کا انتظام کر دیا۔(۱)

عیدِ اضحیٰ

سید صاحب عید سے ایک دن پہلے پنجتاری پہنچے تھے، ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ کو آپ نے دو اونٹوں کی قربانی دی اور وہ بھینسا بھی ذبح کیا جو سید عبدالقیوم نے اوچ (سوات) میں سید صاحب کی نذر کیا تھا، اور جسے غازی اپنے ساتھ پنجتار لائے تھے۔ راوی لکھتے ہیں کہ اس میں سے اٹھارہ من گوشت نکلا، اس وقت قندھاریوں کے علاوہ سات سو ہندوستانی غازی سید صاحب کے پاس تھے، ان سب میں گوشت تقسیم ہوا، جو بچ رہا وہ ملکیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

جو قافلے ہندوستان سے آئے تھے وہ سب اپنے ساتھ نقد روپیہ بھی لائے ہوں گے، اس وجہ سے لشکر اسلام میں پھر کشائش پیدا ہوگئی اور معمول کے مطابق ہر غازی کو ایک ایک تا ملوث گندم اور دو دو مٹھی دال بٹنے لگی۔ اس زمانے میں غلے کی خرید کا کام محمود خاں لکھنوی اور عبداللہ کے ذمے تھا، تقسیم پر مولوی عبدالوہاب اور امانت علی مامور تھے۔

اسلامی سادگی اور محنت

پنجتار میں پن چکیاں بھی تھیں، لیکن بارش نہ ہونے کے باعث نالے میں پانی خشک ہوگیا، اس لئے پن چکیاں بند ہوگئیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ جو بھائی چاہے اجرت

(۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی عسرت میں بھی غازیوں نے کبھی کسی سے درخواست نہ کی اور نہ اپنا حال کسی پر ظاہر کیا، البتہ اگر کسی نے بطوع و رغبت امداد کا انتظام کر دیا تو اُسے خوشی سے قبول کر لیا۔ یہ خصوصیت آپ کو ہر موقع پر نمایاں نظر آئے گی۔ یہ سید صاحب کی تربیت کا کرشمہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دے کر گاؤں میں کسی سے غلہ پسوا لے، چاہے خود پیس لے۔ چنانچہ اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ چکیاں بھی خرید لی گئیں۔

ایک روز سید صاحب پھرتے پھراتے اپنی جماعت کی طرف نکل گئے، جس کے نائب سالار شیخ ولی محمد تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مولوی الٰہی بخش رام پوری اپنے ہاتھ سے آٹا پیس رہے ہیں۔ سید صاحب بے تکلف ان کے سامنے بیٹھ گئے اور ساتھ ہتا پکڑ کر ایک سیر آٹا پیس دیا۔

جو جگہ نماز کے لئے مخصوص کر لی تھی وہ محض ایک احاطہ تھا۔ نہ چھت تھی، نہ فرش، نماز پڑھتے وقت غازیوں کو کنکر چبھتے تھے۔ ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ درانتیاں لے کر چلو جنگل سے گھاس کاٹ لائیں، چنانچہ آپ سب کو لے کر گئے، خود بھی برابر گھاس کاٹتے رہے۔ اتنی گھاس آ گئی کہ مسجد کے فرش پر ایک فٹ موٹی تہ بچھا دی گئی، اسی طرح چند روز کے بعد چھپر بنا کر چھت کا انتظام کر لیا۔

''منظورہ'' میں ہے:

حضرت کی تعلیم کے مطابق کسی کو کسی کام میں عار نہ تھی، سب اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے، اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے، جنگل سے لکڑی لاتے، چکی پیستے، بیماروں اور معذوروں کی قے اور نجاست اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر باہر پھینکتے۔ جو لوگ بعد میں آئے انھوں نے پہلوں کو دیکھ کر سبق حاصل کیا۔ لشکر بھر کی زبان فحش و دشنام سے بالکل محفوظ تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگزشت

تحریک سید احمد شہیدؒ

جلد دوم

المعروف بہ "سید احمد شہید" حصہ دوم

تالیف

حضرت مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ

حسب ایماء

حضرت مولانا شمس الحق صاحب قاسمی، ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جملہ حقوق کتابت بحق ناشر محفوظ ہیں

تصریحات

نام کتاب	تحریک سید احمد شہیدؒ جلد دوم
مؤلف	مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ
تصحیح	مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی
تعداد صفحات	۲۵۲
باہتمام	شمشیر احمد قاسمی (دیوبند)
کتابت	عمران کمپیوٹرس مظفرنگر (PH: 09219417735)
سن اشاعت	جنوری 2008

ملنے کے پتے

- دارالکتاب دیوبند
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
- فیصل پبلی کیشنز دیوبند
- فردوس کتاب گھر بھنڈی بازار ممبئی
- نیو سلور بک ایجنسی بھنڈی بازار ممبئی
- کتب خانہ حسینیہ دیوبند
- زمزم بک ڈپو دیوبند
- توحید بک ڈپو پھول پور اعظم گڑھ
- مولانا عبدالسلام خاں قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، بھنڈی بازار ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فہرست عنوانات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عنوان	صفحہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سطورِ اولین

بسم اللّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم القیامۃ۔

مجاہد کبیر حضرت مولانا ومقتدانا سید احمد شہید رحمہ اللہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا وہ آفتاب نیم روز اور مینارۂ نور ہیں جن کی مثال گذشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ کی بازیابی اور پرچم اسلام کی بلندی کے لئے آپ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں اور مشعلِ راہ ہیں۔

مجھے آپ کی زندگی کے قیمتی لمحات اور مجاہدات پر روشنی ڈالنا مقصد نہیں، کہ یہ کام ضخیم مجلدات کا متقاضی ہے اور الحمدللہ اب تک ہزاروں صفحات اس حکایت لذیذ اور روح پرور داستان میں مرقوم ہو کر تاریخ کا روشن باب بن چکے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ دو ضخیم جلدیں ''سیرت سید احمد شہید'' گذشتہ تقریباً نصف صدی سے اہل علم وفدا کارانِ اسلامیت سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب ''سید احمد شہید'' حضرت مولانا غلام رسول مہر کے اعجاز رقم قلم کا شاہکار ہے۔ یہ دراصل مولانا مہر کے اس ''زریں سلسلہ'' کی پہلی کڑی ہے جو انھوں نے حضرت سید احمد شہید، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کے حالات ومجاہدانہ کارناموں کے بیان میں مرتب کی ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول مہر کی تحریر فرمودہ کتابوں (سید احمد شہید اول- دوم، جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین) تقریباً ایک صدی کی تاریخ ہے جو مجاہد کبیر، ان کی تحریک اور ان کے جانباز رفقاء کے حالات ومجاہدات اور خدمات کو منظر عام پر لانے میں نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہیں۔ یہ ایسی تاریخ ہے جس میں تاریخ نویس خود اس تاریخ کا ایک حصہ اور مشاہد محسوس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مولانا مہر نے ان کتابوں کو صرف داستان برائے داستان اور حکایات وروایات اور کتابوں کی مدد سے مرتب نہیں کیا بلکہ بذاتِ خود ان تمام مواضعات، متعلقہ منازل، مقامات جنگ و جہاد، مشاہد اور رہ گذروں کا مشاہدہ کیا، برسوں ان علاقوں کی دشت نوردی اور بادیہ پیمائی کی جہاں ان مبارک نفوس کے قدم پڑے، جہاں انھوں نے اس بلند مقصد کے لئے لیل ونہار گزارے، جہاں انھوں نے جہادِ آزادی اور سربلندیٔ اسلام کے لئے اپنی ذہنی، روحانی اور جسمانی تمام صلاحیتیں صرف کیں اور حد یہ ہے کہ بیشتر نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی، یعنی جامِ شہادت نوش کر کے اُس حیاتِ جاودانی سے سرفراز ہوئے جو عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کے پروانۂ خاص کا حقدار بناتی ہے۔

مولانا مہر کا اسلوب بیان ادبیت ودلکشی اور جاذبیت ومحویت سے ایسا پُر ہے جس سے مطالعہ کنندہ نہ صرف اپنے آپ کو ان مقامات میں موجود محسوس کرتا ہے بلکہ اپنے اندر اعلائے کلمۃ اللہ اور سربلندیٔ اسلام کیلئے ایک جذبہ جوش مارتا ہوا پاتا ہے۔ انھوں نے اس تاریخ کو برسہا برس کی محنت سے لکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید کے اس مشن اور تحریک میں خود ڈوب کر اور اس میں خود کو محو کر کے لکھا ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ وہ ان فدایانِ اسلام کی خدماتِ عالیہ اور جذبۂ مقدس کو سلامِ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ کتابیں (سید احمد شہید، جماعتِ مجاہدین، سرگزشتِ مجاہدین) پچھلے کافی عرصہ سے ہندوستان میں نایاب ہو چکی تھیں، میری ایک عرصہ سے خواہش تھی یہ سیریز شائع ہو کر اہل علم اور شائقین حضرات کے لئے دستیاب ہونی چاہئے۔ کیونکہ بقول مولانا غلام رسول مہر، اگر اس عظیم تحریک کو تاریخ ہند سے نکال دیا جائے تو پھر اسلامی جدوجہد کے حوالہ سے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے؟ ہمیں اپنے اسلاف کرام کے ان مجاہدانہ کارناموں کی سرگزشت کو ہمیشہ اپنے سینوں سے لگا کر رکھنے اور مواقع وحالات کے مطابق ان کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیز محترم مولانا شمشیر احمد قاسمی نے میری خواہش واصرار پر اس کام کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیڑا اٹھایا۔ پرانے ایڈیشنوں میں اغلاط بھی تھیں، ساتھ ہی کتابت میں یکسانیت اور جاذبیت بھی نہ تھی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ از سرِ نو کتابت کرا کر اس سیریز کو نئی آب و تاب کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جائے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اب اس سیریز کو ایک نیا نام دیا گیا ہے یعنی ''تحریکِ سید احمد شہیدؒ '' جو چار جلدوں پر مشتمل ہوگی، ٹائٹل اور اندر صفحات کے بالائی حصہ پر اس نئے نام کے ساتھ ساتھ پرانے ناموں کو بھی باقی رکھا گیا ہے۔

میں جناب مولانا شمشیر احمد قاسمی کو مبارکباد دیتا ہوں اور ساتھ میں مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی کی تصحیح کی خدمت کو سراہتے ہوئے دعا گو ہوں کہ ربِ کریم ہمیں بھی ان پاک نفوس کے جذبۂ اسلامیت اور عشقِ الٰہی کا کوئی حصہ اور حصہ نصیب عطا کر کے اپنی راہ و رضا پر چلنے توفیق ارزانی کرے اور اس فرشتہ صفت جماعت کی معیت نصیب فرمائے، آمین

الراقم

شمس الحق قاسمی

مکتبہ الحق (ممبئی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عرضِ ناشر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین وصحبہ اجمعین۔

مقامِ مسرت ہے کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وخدمات، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کی سرگزشت پر مشتمل یہ عظیم سیریز کتب (سید احمد شہید ہر دو جلد، جماعت مجاہدین، سرگزشت مجاہدین) جدید عنوان "تحریک سید احمد شہید" کے ساتھ شائع کرنے کی مجھے ایسے موقع پر سعادت حاصل ہو رہی ہے جب کہ ملک میں جدوجہد آزادیٔ ہند کی ڈیڑھ سوسالہ سالگرہ حکومتی سطح پر بڑے جوش وخروش سے منائی جارہی ہے۔ لیکن اس میں ہمارے اسلاف کرام کی قربانیوں کو جس طرح نظر انداز کیا جارہا ہے وہ نہ صرف افسوسناک اور قابل مذمت ہے بلکہ ملت کے رہنماؤں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے لئے ایک تازیانہ بھی ہے۔ جو زمانہ کے جدید تقاضوں کی تفہیم، ان سے حصولِ مقصد کے امکانات اور مقابل ومخالف طاقتوں کے خلاف صف آرا اور متحد ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ انھیں بتارہا ہے ۔

اٹھو کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

حقیقت تو یہ ہے ہمیں پیش قدمی کرتے ہوئے خود اپنے اسلاف کرام کی خدمات اور قربانیوں کو منظر عام لانے کیلئے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں اور اپنے اسٹیج سے ان لوگوں کو اپنے بزرگوں کی مدح سرائی کے لئے مجبور کرنا چاہیے تھا، جن کے تغافل کا ہم آج رونا رو رہے ہیں۔

آزادیٔ ملک وملت اور سربلندیٔ اسلام کے لئے سرفروشانہ جدوجہد اور اہالیانِ اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیابی کی کوشش میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے جانباز رفقاء کا جو حصہ ہے، ان کی جو روشن خدمات ہیں، یہی اس سیریز کا موضوع ہے۔

اس سیریز کی چار ضخیم جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، ان کی کمپیوٹر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کتابت میں ایک اہم مسئلہ تصحیح کا تھا، چونکہ کمپیوٹر کتابت میں اغلاط رہ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ وہ عجیب وغریب شکل اور الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہیں۔

اس مشکل کا حل رب کریم نے اس طرح نکالا کہ جناب مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس اہم اور تاریخی سلسلہ کی کتابت وتصحیح کی ذمہ داری لے کر ایک طرح سے ہمارے لئے اس اہم مرحلہ کو آسان بنادیا۔ مولانا موصوف تصنیف تالیف اور تصحیح وترجمہ میں اپنی ایک شناخت قائم کر چکے ہیں، فرید بک ڈپو دہلی سے ان کی تصحیح کردہ وترتیب دادہ متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

گذشتہ سال حکیم الاسلام عالمی سیمینار کے موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تالیفات ومضامین کا حسین مرقع سات جلدوں میں ان کا مرتب کردہ شائع ہو کر اہل علم وقدرداں حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، ان کتابوں کا اجراء متعدد علمائے کرام کے ہاتھوں مذکورہ سیمینار میں ہوا تھا۔

ایک قابل لحاظ کام یہ کیا گیا ہے کہ سابق ایڈیشنوں میں فہرست نامکمل تھی، صرف ابواب کے صفحات کی نشاندہی کی گئی تھی، موجودہ ایڈیشن میں تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے، یہ یقیناً بڑی محنت کا کام ہے۔ جس سے ایک ہی نظر میں کتاب کے تمام مندرجات پوری طرح سامنے آجاتے ہیں۔

بہرحال مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس سلسلہ کتب کی کتابت وتصحیح کی خدمت انجام دے کر ہمارے لئے اس سلسلہ کی اشاعت کو کافی حد تک آسان بنادیا۔

اس کتاب کو مولانا غلام رسول مہر نے جس جانفشانی سے مرتب کیا تصنیف وتالیف کی دنیا میں وہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ اللہ رب العزت کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی اہم کتابوں کی سیریز کی اشاعت کی توفیق سے نوازا۔ وما توفیقی الا باللہ

شمشیر احمد قاسمی

سنائل کتاب گھر دیوبند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت

سید احمد شہیدؒ

حصہ دوم

مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلویؒ کے مفصل سوانح حیات اور ان کی
تحریکِ احیائے دین کی مکمل سرگزشت

مولانا غلام رسول مہرؔ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

ہزارہ کا محاذِ جہاد

ہزارہ کی سرگزشت

اگرچہ ہزارہ ابدالیوں کے عہد اوج وعروج میں افغان سلطنت کا ایک جز تھا اور کشمیر کے راستے پر واقع ہونے کے باعث اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی، لیکن افغان حکمرانوں نے مقامی خوانین ورؤسائے ہزارہ کے انتظامی معاملات میں کبھی مداخلت نہ کی، بلکہ اس علاقے کے لئے کبھی گورنر بھی مقرر نہ کیا، صرف تھوڑے سے میدانی علاقے سے انھیں براہِ راست مالیہ وصول ہوتا تھا، جو عاملِ اٹک کی تحویل میں تھا۔ باقی تمام مقامات میں متفرق رؤسا عملاً خود مختار تھے۔

ابدالیوں کی مصلحت صرف یہ تھی کہ امن قائم رہے اور کشمیر کا راستہ مخدوش نہ ہو۔ اس مصلحت کی حفاظت میں رؤسائے ہزارہ نے کبھی تامل نہ کیا، بڑے بڑے سردار کشمیر جاتے یا وہاں سے لوٹتے تو مختلف رؤسا اپنے اپنے علاقوں میں ان کے لئے مہمانداری کا انتظام کر دیتے۔ دریا سے گذرنے کے لئے کشتیاں بہم پہنچا دیتے، کبھی کبھی تحائف کی صورت میں نذریں بھی پیش کر دیتے۔ ابدالی اس صورت حال پر بالکل مطمئن تھے، رؤسا میں کشمکش کا کوئی واقعہ پیش آجاتا تو ابدالی اس کا تصفیہ کر دیتے، ضرورت کے وقت اپنی فوج کے لئے تنخواہ دار آدمی لے لیتے۔

جب سدوزئیوں اور بارک زئیوں کی باہمی خونریزیوں کے باعث افغان سلطنت کا پرچم اقبال سرنگوں ہوگیا تو رؤسائے ہزارہ نے رسمی تابعیت سے بھی آہستہ آہستہ بے پروائی اختیار کر لی اور تمام گروہوں نے اپنی مستقل سرداریوں کی داغ بیل ڈال دی،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان میں زیادہ ممتاز یہ تھے: نجیب اللہ خاں ترین، جعفر خاں گکھڑ، گلشیر خاں تنولی، ہاشم خاں ترک، سعادت خاں سواتی اور اس کا بیٹا حبیب اللہ خاں۔

سکھوں کی آمد

اچانک ایک واقعہ پیش آ گیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے آزاد سرحدی علاقے میں انوکھا نہ تھا۔ لیکن اس کی وجہ سے ہزارہ میں ایک نئی قوت کیلئے قبض و تصرف کے دروازے کھل گئے، پھر اہل ہزارہ پر ہولناک مصیبتیں آئیں اور تیس پینتیس برس تک ان کا خون پانی کی طرح بہتا رہا، یہ داستان حد درجہ درد انگیز ہے اور اس کی اجمالی کیفیت یہ ہے۔

مانک رائے (۱) کے ترک رئیس ہاشم خاں نے کمال خاں ترک کو قتل کر دیا، محمد خاں ترین مقتول کے وارثوں کا مددگار بن گیا اور ہاشم خاں کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس نے تشویش و اضطرار کے عالم میں راولپنڈی کے سکھ گورنر مکھن سنگھ سے مدد مانگی، وہ فی الفور پانسو سوار لے کر ہزارہ پہنچ گیا، اور سرائے صالح میں قلعہ تعمیر کر کے میدانی علاقے سے بالجبر خراج وصول کرنے لگا۔

اس بلائے ناگہانی نے خوانین ہزارہ کی آنکھیں کھول دیں، انہوں نے چپکے چپکے اکٹھے کا بندوبست کیا۔ دوڑ ندی کے کنارے شاہ محمد کے مقام پر مکھن سنگھ کو شکست دی اور وہ مارا گیا، سکھ فوج سرائے صالح کو چھوڑ کر اٹک کے سکھ گورنر حکما سنگھ چمنی کے پاس پہنچ گئی، حکما سنگھ نے اہل ہزارہ کی تادیب کے لئے لاہور سے کمک منگائی، جس کا سالار دیوان رام دیال تھا۔ ترینوں، اوتمان زئیوں اور مشوانیوں نے متحد ہو کر اس فوج کو کوہ گنگر کے دامن میں ناڑا نام مقام پر شکست دی، رام دیال اس لڑائی میں مارا گیا۔

اس کے بعد امر سنگھ مجیٹھہ کو ہزارہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے نرمی اور ملائمت کی پالیسی اختیار کی۔ ایک کش مکش میں وہ بھی مارا گیا، پھر کنور شیر سنگھ اور اس کی نانی مائی سدا

(۱) دوڑ ندی کے کنارے ایک بڑا گاؤں ہے، ترک پہلے پورے ہزارہ کے سردار تھے، رفتہ رفتہ ان کی قوت گھٹتی گئی اور صرف چند دیہات میں ان کی ذمہ داریاں رہ گئیں۔ ان میں سے ایک مانک رائے بھی تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کور ہزارہ پہنچے، سدا کور نے محمد خاں ترین کو منہ بولا بیٹا بنا کر ساتھ ملا لیا اور تربیلہ میں ایک گڑھی کی بنیاد رکھی۔

ہری سنگھ نلوہ

سدا کور کی پالیسی کامیاب ہو رہی تھی کہ اچانک ہری سنگھ نلوہ ہزارہ کے اسٹیج پر نمودار ہوا۔ یہ شخص معمولی حیثیت سے اُٹھ کر سکھ فوج میں جرنیل بنا تھا، ظلم و تشدد اور سنگ دلی کی وجہ سے سکھوں میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ رنجیت سنگھ نے اسے کشمیر کا گورنر بنا دیا، پھر شکایتیں پہنچیں کہ ہری سنگھ نے روپے میں بہت تغلب کیا ہے، رنجیت سنگھ نے حساب کتاب کی غرض سے لاہور بلایا تو اُسے خیال ہوا کہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دیے بغیر محاسبے اور باز پرس سے بچنا محال ہے۔ چنانچہ اس نے ہزارہ کو مسخر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ سات ہزار منظم فوج کے ساتھ مظفر آباد اور گڑھی حبیب اللہ خاں کے راستے ہزارہ میں داخل ہوا۔ مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے درمیان درۂ مانگل میں پہنچا تو جدون اور تنولی راستہ روکے کھڑے تھے۔ خونریز جنگ ہوئی۔ ہزارہ کے بے قاعدہ لشکر سکھوں کی منظم فوج کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ہری سنگھ نے اپنی عادت کے مطابق ایک ایک جدون کے گھر سے چار چار پانچ پانچ روپے تاوان وصول کیا۔ چونکہ کئی مرتبہ کی شکستوں کے بعد سکھوں کو فتح حاصل ہوئی تھی، اس لئے رنجیت سنگھ، ہری سنگھ کے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا، نہ صرف محاسبہ چھوڑ دیا، بلکہ اسے ہزارہ کا گورنر بنا دیا۔

محمد خاں ترین مائی سدا کور کا بیٹا بن کر لاہور پہنچ گیا تھا، ہری سنگھ نلوہ نے پچیس ہزار روپے دے کر اسے رنجیت سنگھ سے لیا، پھر اس غریب کو قید خانے میں کھار کی روٹی کھلا کھلا کر مار ڈالا، رنجیت سنگھ کو جو رقم دی تھی وہ بھی تاوان لگا کر گھر گھر سے وصول کر لی۔ اگرور، کورنش اور تکیری کی وادیوں پر بھی حملے کئے اور گاؤں جلائے، خصوصاً سر بلند خاں پلال

تنولی کے مرکز شنگڑی کو تو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔ اسکے فرزند شیر خاں کو پھانسی دیدی، سکندر پور کے قریب ہرکشن گڑھ کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اس کے آس پاس نئی بستی آباد ہو گئی، اسی بستی کو بعد میں ہری پور کہنے لگے اور یہی تحصیل ہری پور کا صدر مقام ہے۔

سردارانِ ہزارہ سید صاحب کی خدمت میں

یہ حالات تھے، جب سید صاحب یوسف زئی پہنچے اور ان کی جہاد آرائی کی بدولت سرحدی علاقوں کی یاس افزا تاریکی میں امید کی ایک نئی کرن چمکی، ان تمام تباہ حال خوانین ورؤسا سید صاحب کے دامن میں پناہ لینے لگے۔ سرحد میں تشریف فرمائی کے بعد دو تین مہینوں میں مندرجہ ذیل رؤسا نے آپ سے رابطہ عقیدت استوار کر لیا۔

۱۔ سربلند خاں پلال تنولی، ہری سنگھ کی دراز دستیوں کے باعث جلا وطن ہو چکا تھا، اس نے امداد کے لئے ایک عریضہ لکھا اور قاصد کے ساتھ ایک سبز رنگ گھوڑا بطور نذر بھیجا، سید صاحب نے یہ گھوڑا شیخ امجد علی غازی پوری کو دے دیا، جن کا گھوڑا مر چکا تھا۔

۲۔ حبیب اللہ خاں سواتی گڑھی والا، اس کا باپ سعادت خاں اپنے وقت میں اس درجہ معزز و محترم تھا کہ تمام اہل ہزارہ اپنے تنازعات میں اسی کو حَکَم بناتے تھے۔ حبیب اللہ خاں کے بیٹے کو سکھوں نے اسی کی گڑھی میں محصور کر رکھا تھا، اس نے سید صاحب کے پاس درخواست بھیجی کہ میرے بیٹے کو محصوری سے نجات دلانے کا بندوبست فرمائیں۔

۳۔ مظفر آباد کے سلطان زبردست خاں اور سلطان نجف خاں کا وکیل اطاعت کے معروضے لایا، ان میں یہ بھی مرقوم تھا کہ اگر حضرت ہمارے وطن میں قدم رنجہ فرمائیں تو جہاد فی سبیل اللہ کا کام احسن طریق پر انجام پائے گا۔

۴۔ اگرور کے خان عبدالغفور خاں نے اپنے بھائی کمال خاں کے ہاتھ اطاعت نامہ بھیجا، کمال خاں نے خود اصالۃً اور اپنے بھائی کی طرف سے وکالۃً بیعت کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۵۔ امان اللہ خاں، خان خیل اور اس کا بیٹا عنایت اللہ خاں سکھوں کی دراز دستیوں سے تنگ ہو کر عشرہ (علاقہ امب) میں پناہ گزیں تھے، وہ سید صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

۶۔ ناصر خاں بہت گرامی (علاقہ تندھیاڑ) نے پہلے عریضۂ فرمانبرداری بھیجا، پھر خود سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔

۷۔ سردار پائندہ خاں تنولی والیٔ امب کے کئی علاقے ہری سنگھ نے دبا لئے تھے، اس نے بھی اطاعت نامہ بھیجا۔ سردار موصوف کے تفصیلی حالات سید صاحب کو ملا شاہ سید ساکن چیڑ سنگ (علاقہ تندھیاڑ) سے معلوم ہوئے تھے، چونکہ وہ قلتِ وسائل کے باوجود سکھوں سے برابر لڑ رہا تھا، اس لئے سید صاحب کے دل میں اس کے متعلق بہت اچھا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ جب ایک مجلس میں بعض لوگوں نے پائندہ خاں کو ناقابل اعتماد قرار دیا تو سید صاحب نے فرمایا: وہ بڑا نامی بہادر اور شجاع سردار ہے، اس کے خلاف بری بات نہ کہنی چاہئے۔ ہدایت وضلالت اللہ کے اختیار میں ہے۔

علاقہ ہزارہ کے بڑے بڑے سردار یہی تھے، ان کو منظم ومتحد کر کے اول ہزارہ میں سکھوں کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کیا جا سکتا تھا، دوسرے کشمیر کی طرف پیش قدمی کا راستہ صاف ہوتا تھا اور سلیمان شاہ والیٔ چترال لکھ ہی چکا تھا کہ اگر سید صاحب کشمیر کا رُخ کریں تو میں فوج لے کر گلگت کے راستے اعانت کیلئے پہنچ جاؤں گا۔(۱) ان مقاصد ومصالح کے پیش نظر سید صاحب پکھلی (ہزارہ) کی طرف انتظام جہاد کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کے لئے معاً تیار ہو گئے۔

(۱) سلیمان شاہ کے مکتوب کا متعلقہ حصہ یہ تھا کہ اگر کشمیر کی طرف توجہ فرمائیں تو "انشاء اللہ تعالیٰ ایں خادم سادات وعلماء وفقراء ہر وقتے کہ اعلام فرمانید در مقدمہ ملک مذکور (کشمیر) شریک می شوم کہ بہ مایاں قریب است، راہ لسپ بہ حدود کشمیر بہ مایاں میسر است، ہر خدمتے کہ بہ طرف کشمیر بودہ باشد، آمادہ ایم۔" (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۲۴۰)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قبولِ دعوت کا شاندار دور

سید صاحب کی دعوت جہاد کے قبول و پذیرائی کا یہ نہایت شاندار دور تھا، ہندوستان سے مجاہدین کے قافلے پہنچنے لگے تھے، چملہ، بونیر اور سوات کے قبائل رفاقت کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ خلیل، خٹک، آفریدی، ہشتنواری، ہنگر ہاری، مہمند وغیرہ قبائل کو اٹھانے کا پورا بندوبست ہو چکا تھا، اور ان میں سے بعض ممتاز اصحاب سید صاحب کے پاس پہنچ گئے تھے۔ افغانستان کے غلزائی روساصرف اس بات کے منتظر تھے کہ سید صاحب کوئی ایسا مقام تجویز فرمادیں، جہاں سے معرکہ آرائی شروع کر کے آپکے ساتھ جلد سے جلد اتصال پیدا کیا جاسکے۔ یار محمد خاں کی غداری کے باعث اگرچہ خودسمہ کے اندر کاروبارِ جہاد میں رخنہ پیدا ہو چکا تھا، اور اس کی اصلاح و درستی کے امکانات بہت کم نظر آتے تھے، لیکن اس کے بھائی سلطان محمد خاں اور سید محمد خاں برابر اطاعت کا اظہار کر رہے تھے، وہ یار محمد خاں کی حرکت پر رنجیدہ بھی معلوم ہوتے تھے، باقی خوانین سید صاحب کے ساتھ تھے۔ ہزارہ کے علاوہ راہ کشمیر کے دوسرے اکابر بھی سراپا عقیدت واشتیاق بنے ہوئے تھے۔

سید صاحب ہندوستان سے چلے تھے تو اگرچہ خاصی دلکشا امیدوں سے ان کا قلب صافی معتمد تھا لیکن سازگار ترین حالات میں بھی انہیں تھوڑی مدت کے اندر ایسے ممکنات کامیابی کے پیدا ہونے کا خیال نہ تھا، افغانستان سے انتہائے کشمیر تک پورے علاقے میں حیات تازہ کی لہریں جوشاں ہو گئی تھیں۔

سید صاحب نے تمام روسائے پکھلی کو لکھ بھیجا کہ مجاہدین کے جیش جلد پہنچیں گے، آپ لوگ تیار رہیں۔ ان سرداروں کی عملداری میں سے مجاہدین کو گذرنا ہے، وہ ضرورت کی چیزیں مہیا کر دینے کا خیال رکھیں۔

پکھلی کے لئے لشکر

جب پکھلی کی جانب لشکر بھیجنے کی تجویز پختہ ہو گئی تو سید محمد مقیم رام پوری نے اپنی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خدمات پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم یہاں آرام کی غرض سے نہیں آئے، یہ آرزو لے کر آئے ہیں کہ خدا کی راہ میں جہاد کریں اور ہر قسم کی مشقتیں اٹھائیں۔ میرا قافلہ ضروری ساز و سامان سے لیس ہے، تمام مجاہدین آزمودہ کار ہیں، لہٰذا ہمیں اس مہم پر ضرور بھیجا جائے۔(۱)

سید محمد مقیم کے قافلے میں چالیس پچاس غازی تھے، سید صاحب نے ایک سو مجاہد دوسری جماعتوں سے منتخب کیے، ڈیڑھ سو آدمیوں کے اس لشکر کا سالار شاہ اسماعیل کو بنایا، مولوی خیر الدین شیر کوٹی (۲) اور ملا شاہ سید چیز منگی بھی اس میں شامل تھے، بلکہ شاہ اسماعیل کے مراسلوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد مقیم اور ملا شاہ سید کو اس لشکر میں نیابت کا درجہ حاصل تھا۔ (۳) فتح خاں پنجتاری رہنما کی حیثیت میں ساتھ گیا امب کے قریب اس کا بھی ایک گاؤں تھا۔

اس لشکر کیلئے گولی بارود کے علاوہ بانس کے پانچ سات سو نل بھی دیدیے گئے تھے، جو ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت لمبے تھے، ان میں بارود بھری ہوئی تھی، ان نلوں کو آگ دے کر دشمن پر پھینکتے تھے، انہیں اس زمانے کے ہینڈ گرینیڈ سمجھنا چاہیے۔ جس مقام کو آگ لگانی منظور ہوتی، وہاں یہ نل بہت کام دیتے تھے۔ رخصت کے وقت سید صاحب نے عادت شریفہ کے مطابق ننگے سر ہو کر دعا فرمائی اور سب کے ساتھ مصافحہ کیا۔

---

(۱) منظورہ ص: ۳۶۳

(۲) مولوی خیر الدین شیر کوٹی سید صاحب کے معتمد علیہ رفیق تھے، جنگ و سیاست دونوں میں ان کا پایہ بہت بلند تھا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس قافلے کے ساتھ سرحد پہنچے تھے، ان کا ذکر پہلی مرتبہ ہزارہ کی جنگ زنگلہ میں آیا ہے۔

(۳) شاہ اسماعیل کی تحریرات میں مہم ہزارہ کے متعلق مجھے پانچ مراسلے ملے۔ ابتدائی دو مراسلے خود شاہ صاحب، سید محمد مقیم اور ملا شاہ سید تینوں کی طرف سے ہیں۔ (مکاتیب شاہ صاحب ص: ۲۰۸ و ص: ۲۱۲) تیسرا مراسلہ شاہ صاحب اور سید مقیم کی طرف سے ہے۔ (مکاتیب ص: ۲۱۳) اس وقت ملا شاہ سید دعوت جہاد کے سلسلے میں کہیں گئے ہوئے تھے، باقی دو مراسلے صرف شاہ صاحب کی طرف سے ہیں۔ (مکاتیب ۲۱۶، ۲۱۷) اس وقت سید محمد مقیم کو بھی مولانا نے ایک مقام پر بھیج دیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

شاہ اسماعیل کی تنظیمی سرگرمیاں

مجاہدین کا سفر

مولانا شاہ اسماعیل نے پنجتار سے نکل کر پہلی رات ٹوپی میں گزاری اور دوسری رات کھتل میں بسر فرمائی۔ کھتل سے لشکر کو سید صاحب بھیج دیا، خود ملا شاہ سید اور چند ساتھیوں کے ہمراہ ستھانہ چلے گئے، جو راستے سے کسی قدر ہٹا ہوا تھا۔ ستھانہ میں اس وقت کھمل اور اخون خیل کے اکابر جمع تھے، سید اعظم شاہ اور سید اکبر شاہ والیان ستھانہ نے پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ وہاں پورے مجمع کے سامنے مولانا نے وعظ کہا، جس کا موضوع جہاد تھا، اور سید صاحب کی طرف سے بیعت لی۔ آپ کی خواہش تھی کہ تمام لوگ اب چلے چلیں، انہوں نے عذر کیا اور کہا کہ اب جانا مشکل ہے، پھر جب آپ بلائیں گے تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔ اخوندزادہ اسماعیل البتہ ساتھ ہو گئے، جو مولانا کے بیان کے مطابق سب میں ''مشارالیہ'' تھے۔

سید اکبر شاہ پکھلی کے تمام رئیسوں اور سرداروں کے حالات سے بخوبی واقف تھے، انہوں نے خلوت میں مولانا کو بتایا کہ ان میں سے اکثر نفاق پیشہ ہیں، مقابلہ ہو گا تو آپ کو لڑائی میں تنہا چھوڑ کر تماشا دیکھیں گے، فتح حاصل ہو گی تو چیلوں اور گدھوں کی طرف مال غنیمت پر گریں گے، شکست ہو گی تو بالا بالا گھروں کو بھاگ جائیں گے، ممکن ہے عنایت اللہ خاں (خان خیل)، عبدالغفور خاں (اگروری)، کمال خاں (اگروری) اور ناصر خاں (بھٹ گرامی) وفادار رہیں۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ رائے حرفاً

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حرفاً درست تھی، لیکن جو فداکارانِ حق تمام مسلمانوں کو منظم کر کے میدانِ عمل میں لا کھڑا کرنے کیلئے مضطرب تھے، وہ اس کے سوا کیا کر سکتے تھے کہ ہر ایک کے پاس پہنچیں، ہر ایک کے کان میں خدا و رسول کی آواز پہنچائیں اور ہر ایک کو دین کی خدمت پر متوجہ کریں۔ وہ دعوتِ اشتراک و تعاون میں تفریق کیوں کر گوارا کر سکتے تھے۔ اگر ایسا کرتے تو خود اپنے مقصد و نصب العین کی راہ میں گوناگوں رکاوٹیں پیدا کرنے کے ذمہ دار ٹھہرتے۔ ان کے لئے صحیح راستہ یہی تھا کہ ہر ایک کے پاس پہنچتے، ہر ایک کو ساتھ ملانے کی کوشش کرتے اور صاف صاف بات یہ ہے کہ مذبذبین کا تذبذب اس وقت تک ختم نہیں ہوتا، جب تک معاملہ یک سونہ ہو جائے۔ اہلِ حق ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں، جن لوگوں کی حمیت کمزور ہوتی ہے وہ عموماً اس وقت تک میدانِ عمل میں آنے سے کتراتے ہیں، جب تک کامیابی کے امکانات بالکل واضح اور روشن نہ ہو جائیں۔ عالمِ انسانیت کی جو سرگزشت ہمارے سامنے کھلی پڑی ہے، اس سے ہمیں ہر قدم پر یہی سبق ملتا ہے۔

مولانا اسماعیل امب میں

بہر حال مولانا شاہ اسماعیل تھانہ سے فارغ ہو کر رات کے وقت امب پہنچے، سردار پائندہ خاں نے بستی سے باہر نکل کر استقبال کیا اور اپنے مکان سے دور مجاہدین کیلئے فرودگاہ مقرر کی۔(۱) صبح اٹھ کر شاہ صاحب نے گرد و پیش کے نقشے کا جائزہ لیا فرماتے ہیں:

---

(۱) منظورہ میں ہے: "تا عشرہ استقبال نمود و در مسجد فرود کش کنانید" ممکن ہے مجاہدین کے پہنچنے پر پائندہ خاں استقبال کے لئے عشرہ پہنچ گیا ہو اور جب معلوم ہوا کہ مولانا شاہ اسماعیل تھانہ میں رک گئے تو واپس چلا گیا ہو، خود مولانا اسماعیل کا استقبال امب سے باہر نکل کر ہو، جیسا کہ خود مولانا کے بیان سے ظاہر ہے۔ مولانا تفنن کے طور پر فرماتے ہیں کہ "الحرم سوء الظن" کے قول ماثور کی بنا پر مجاہدین کو اپنے مکان سے دور ٹھہرایا، پرانا امب ۱۸۴۱ء کی طغیانیٔ سندھ میں بالکل برباد ہو گیا تھا اور اس کی جگہ یا اس سے قریب دوبارہ ایک گاؤں آباد ہوا۔ پائندہ خاں نے اپنے لئے اس سے کم میل شمال میں ایک نیا امب بنا لیا، اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ امب قدیم میں مولانا پہنچے تھے، تو اس میں پائندہ خاں کا مکان کہاں تھا اور مجاہدین کی فرودگاہ کس جگہ تھی، یا اگر مجاہدین کو مسجد میں ٹھہرایا گیا تو وہ کس مقام پر تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دریائے سندھ کے ایک کنارے پر (مغربی کنارے پر) امب واقع ہے، دوسرے کنارے (مشرقی کنارے) پر سکھوں کے چھوٹے قلعے بنے ہوئے ہیں اور (سلسلۂ کوہ میں) یکے بعد دیگرے تنگ و دشوار گزار گلیاں ہیں، خود ہم فدائیوں کی پناہ گاہ کے سامنے بھی تقریباً ایک گولی کے فاصلے پر گڑھی نظر آتی ہے۔(۱)

ہزارہ پہنچ کر جس اسکیم پر کار بند ہونا منظور تھا، وہ غالباً پنجتار ہی میں سید صاحب کے سامنے مکمل کر لی گئی تھی۔ اس میں یہ بھی طے کر لیا گیا ہوگا کہ پائندہ خاں کو ساتھ لے کر دریا کے مشرقی کنارے پر پیش قدمی کی جائے گی اور جو علاقے سکھوں کے اثر اقتدار سے محفوظ تھے، ان میں مسلمانوں کو منظم کر کے سکھ عملداروں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا جائے گا۔ امب پہنچ کر پائندہ خاں کے ساتھ مولانا نے بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ وہ دریا کے مشرقی کنارے پر جانے اور مجاہدین کا ساتھ دینے کیلئے تیار نہیں، معلوم نہ ہو سکا کہ خان نے مساعدت سے احتراز کے لئے کیا وجوہ پیش کئے، ممکن ہے وہ اس وجہ سے توقف میں پڑا ہو کہ مولانا کے ساتھ مجاہدین بہت کم تھے، پائندہ خاں ہی نہیں بلکہ اس عہد کے تمام رؤسا کی نظریں صرف ظواہر پر تھیں، جب وہ دیکھتے تھے کہ سید صاحب کے پاس آدمی کم ہیں اور ساز و سامان نہ ہونے کے برابر ہے، تو اس وہم میں پڑ جاتے کہ یہ معمولی سی قوت سکھوں کے مقابلے سے کیوں کر عہدہ برآ ہو سکے گی، اس لئے کھل کر بے باکانہ مخالفت میں مشاغل ہو جاتے۔ حالانکہ صحیح راہ عمل یہ تھی کہ اصل نصب العین کو پیش نظر رکھ کر جانبازانہ مساعدت کرتے اور جن چیزوں کی کمی محسوس کرتے تھے، ان کی تلافی میں ساعی ہو جاتے۔

(۱) یہ غالباً قادر آباد کی طرف اشارہ ہے، جو پہلے اہم مقام تھا اور اب موجود نہیں۔ اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ مجاہدین کی فرودگاہ امب کے مشرقی کنارے پر دریا کی سمت میں تھی، اور پائندہ خاں کا مکان یقیناً بستی کے متعلق مغربی کنارے پر ہوگا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پائندہ خاں کی افسردگی دیکھ کر شاہ صاحب نے ارادۂ اقدام ترک نہ کیا، سید صاحب کا حکم بھی یہی تھا کہ اگر پائندہ خاں موافقت میں متوقف ہو تو اس حالت میں بھی قدم جلد سے جلد آگے بڑھایا جائے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ جس جگہ پہنچنا تھا وہ دریا کے مشرقی کنارے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی، اگر امب ہی سے دریا کو عبور کیا جاتا تو دشمن کے ساتھ جھڑپ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ مولانا آغازِ جنگ سے پیشتر باحمیت مسلمانوں کی تنظیم ضروری سمجھتے تھے، لہٰذا امب سے اس گھاٹ کا رُخ کر لیا جو تین کوس شمال میں تھا۔(۱) یہ چھتر بائی کا گھاٹ تھا۔

روانگی سے پیشتر مولانا نے عیسیٰ زئی، جدون، امان زئی، اوتمان زئی اور چج ہزارہ کی طرف داعی بھیج دیے۔ اپنے خطوط کے علاوہ سید صاحب کے مہری اعلام نامے بھی ان کو دیے۔

عبورِ دریا اور پیش قدمی

چھتر بائی میں صرف ایک جالہ تھا، جس میں صرف تھوڑے سے آدمی سوار ہو سکتے تھے۔ امید نہ تھی کہ دن بھر میں پورے مجاہدین دوسرے کنارے پر پہنچ سکیں گے اور مولانا کو یہ منظور نہ تھا کہ رات اس حالت میں آ جائے جب نصف مجاہدین ایک کنارے پر اور نصف دوسرے کنارے پر ہوں، اس لئے مجاہدین کی ایک جماعت کو چھتر بائی سے بھی اُوپر کے ایک گھاٹ پر بھیج دیا جہاں دو جالے تھے، دونوں جماعتوں نے رات مغربی کنارے پر بسر کی، صبح دریا سے گذر کر اکٹھے ہوئے اور بروٹی ہوتے ہوئے نکا پانی پہنچ گئے۔ پائندہ خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو اس غرض سے ساتھ کر دیا تھا کہ غازیوں کی مہمانداری میں کوتاہی نہ ہو۔

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص:۲۱۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نکا پانی سے بھی مولانا شاہ اسماعیل نے گرد و پیش کے تمام مقامات پر جہاد کے دعوت نامے بھیج دیے۔ مختلف علماء نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر ابھی جہاد شروع کرنے کا ارادہ ہو تو سات آٹھ سو آدمی تیار ہیں، مولانا نے فرمایا: ابھی ضرورت نہیں، وقت آئے گا تو بلا لیں گے، ہاں مجاہدین کو تیار کرنے کا کام جاری رکھا جائے۔

نکا پانی سے شیر گڑھ پہنچے۔(۱) مولانا کی دقیقہ سنجی اور امعانِ نظر کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ایک ایک چیز اور ایک ایک مصلحت پر گہری نظر تھی۔ چونکہ راستہ سنگلاخ پہاڑیوں میں سے تھا اور میدانی علاقے کے باشندے اُسے بہ آسانی طے نہیں کر سکتے تھے، اس لئے سید صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ اس طرف صرف آزمودہ کار غازی بھیجے جائیں، جو طُولِ مسافت میں ہر قسم کی مشقتیں ضبط و صبر کے ساتھ برداشت کر سکیں، سواری کے عادی یا محتاج نہ ہوں اور انہیں امام کی نسبت انقیادِ کلی اور اذعانِ جبلی کا مرتبہ حاصل ہو۔ ساتھ ہی گزارش کی کہ غازیوں کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے ایک ایک دو دو تین تین روز کے وقفے سے بھیجا جائے۔

اس میں کئی مصلحتیں تھیں، مثلاً: چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے لئے دریا سے پار اترنا آسان تھا، کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرنے میں دقت پیش نہ آ سکتی تھی، تھوڑے تھوڑے وقفے سے جیش آتے رہتے تو عام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب ہوتی اور ان پر یہ اثر پڑتا کہ پیچھے بہت بڑا لشکر ہو گا جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر آ رہا ہے، اس لئے حوصلہ مندی سے ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے، دشمن ہر دوسرے تیسرے روز لشکروں کی آمد کا ذکر سنتے رہتے تو ان پر دہشت اور ہیبت طاری ہوتی۔

---

(۱) بروئی، نکا پانی اور شیر گڑھ سابق ریاست امب کے مقامات ہیں، یہ سب دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر آباد۔

مجاہدین اگرور میں

شیر گڑھ میں پایندہ خاں کے جمعدار، جانو نام نے مجاہدین کی مدارات پورے اہتمام سے کی، لیکن وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا گیا، اور مولانا اگرور کی طرف روانہ ہو گئے۔ عبدالغفور خاں رئیس اگرور کو پہلے سے خبر بھیج دی گئی تھی، اس کا بھائی کمال خاں راستے میں استقبال کے لئے موجود تھا، خود عبدالغفور خاں اس وجہ سے نہ آ سکا کہ بیمار ہو گیا تھا۔ مولانا نے رات کلکئی میں بسر کی اور اگلے روز عبدالغفور خاں کی جائے اقامت پر پہنچے، جہاں احمد خاں پکھلی والا، حیدر شاہ ابن عم سید محمد علی شاہ (جسے پکھلی کے تمام خوانین کا سرخیل سمجھا جاتا تھا) اور ارسلان خاں برادر زادۂ عبدالغفور خاں بھی بہ سلسلہ زیارت آئے ہوئے تھے، ان سب نے مولانا کے ہاتھ پر سید صاحب کی امامت کی بیعت کی۔

اب مولانا صاحب نے یہ سوال اُٹھایا کہ غازیوں کے قیام کے لئے کوئی مناسب گڑھی تجویز کر دی جائے۔ عبدالغفور خاں کی تین گڑھیاں تھیں: چھتر گڑھی، جسی کوٹ شمد زد۔ چھتر گڑھی اس کے قبضے میں نہ تھی، گڑھی جسی کوٹ محاذِ جنگ سے دور تھی، گڑھی شمد زہ کو موزوں سمجھ کر تجویز کر دیا گیا۔ مولانا یہ وعدہ لے کر کلکئی چلے آئے کہ کمال خاں اگلی صبح کو خود کلکئی پہنچ کر غازیوں کو شمد زہ میں بٹھا دے گا، ملا شاہ سید کو ان قبیلوں میں ترغیب جہاد کے لئے بھی بھیج دیا گیا جو اگرچہ والیٔ اگرور کی برادری میں تھے، لیکن اس کے تابع نہیں تھے۔

اخوندزادہ ملا محمد اسماعیل کو اطراف میں دعوتِ جہاد کی غرض سے بھیجا گیا تھا، کلکئی میں ان کی طرف سے پیغام پہنچا کہ جب تک اور لشکر نہیں آئے گا، یہاں کے لوگ جہاد میں رفاقت کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ پھر سید محمد نصیر بیچ بہاری کی طرف سے بھی جواب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آیا کہ مزید غازی بلائے جائیں، خصوصاً بونیر والوں کو کمک پر آمادہ کیا جائے، اس صورت میں یہاں بہت آدمی جمع ہو جائیں گے، جب تک یہ نہ ہوگا، پکھلی سے قابل ذکر امداد کی امید نہ رکھنی چاہئے۔

سید محمد علی شاہ اور ناصر خاں کے خط آئے تو ان میں لکھا تھا کہ غازی فی الحال اگرور میں ٹھہرے رہیں، بظاہر ان کی غرض یہ تھی کہ جب تک انہیں کامیابی کا قطعی یقین نہ ہو جائے دشمنوں سے پیوند کے انقطاع کیلئے قدم نہ اٹھایا جائے۔ مولانا شاہ اسماعیل نے پھر عبدالغفور خاں اور بعض دوسرے رئیسوں مثلاً ارسلان خاں، احمد خاں، سید حیدر شاہ وغیرہ سے مفصل گفتگو فرمائی اور یہ اثر لے کر اُٹھے کہ ان لوگوں کی ساری مدارات محض زبانی جمع خرچ تک محدود ہے۔ ایمانی غیرت، اسلامی حمیت، اخلاص اور فرمانبرداریٔ احکامِ خداوندی کا ایک ذرّہ بھی ان کے دل میں موجود نہیں، وہ صرف حطامِ دنیوی کے خواہاں ہیں۔

پریشانی در پریشانی

مولانا کلکی واپس پہنچے تو ایک نئی پریشانی رونما ہوئی۔ لشکر مجاہدین کے خزینہ دار نے جو رقم ساتھ لی تھی، اس میں روپے بھی تھے، اشرفیاں بھی تھیں۔ روپے خرچ ہو گئے تو اشرفیوں کو بھنانے کی کوشش کی۔ اہل اگرور کو ان کا نرخ معلوم نہ تھا اس لئے اشرفیاں لے کر غلہ دینے سے انکار کر دیا۔ اشرفیوں کے روپے باہر ہی سے منگائے جا سکتے تھے، لیکن اس وقت تک ادھار غلہ اسی صورت میں مل سکتا تھا کہ رؤسا میں سے کوئی ایک بنیوں کو اشارہ کر دیتا، ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر مجاہدین حبیب اللہ خاں کی تائید پر آمادہ ہوں تو ان کے لئے ہر سہولت کا بندوبست کر دیا جائے، اگر آمادہ نہ ہوں تو کچھ نہ کیا جائے۔ مولانا شاہ اسماعیل مجاہدین کو صرف حبیب اللہ خاں کی تائید کے لئے استعمال نہیں کر سکتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، اس بات کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ حبیب اللہ خاں کا مقصد پورا ہو جائے تو معطل ہو کر بیٹھ جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کاروبار جہاد کا سروسامان ہو جائے، اس غرض کے لئے مستقل تنظیمات کے خواہاں تھے۔

اس پریشانی میں دوروز تک رزق و معیشت کی اتنی تنگی رہی کہ لشکر اسلام میں سے اکثر آدمی خصوصاً اہل رام پور مضطرب ہو گئے۔ بعض نے واپسی کا مشورہ دیا، سید محمد مقیم اپنی جبلی شجاعت کی بنا پر اصرار کرنے لگے کہ فوراً لڑائی چھیڑ دینی چاہیے، مولانا نے حسن تدبیر سے انہیں روکے رکھا اور خواجہ محمد (حسن پوری) کو اشرفیاں دے کر سربلند خاں کے پاس بھیج دیا کہ ان کے ذریعے سے روپے لے آؤ۔

سربلند خاں سے ملاقات

یہ حالت تھی جب ارسلان خاں اہل اگرور کی ایک جمعیت لے کر آیا اور اس نے کہا کہ میں تو حبیب اللہ خاں کی امداد کے لئے جاتا ہوں، اگر آپ لوگوں میں سے بھی کسی کو جہاد کا شوق اور ایک مظلوم مسلمان کی اعانت کا خیال ہو تو تیار ہو جائے۔ اس کا خرچ میں برداشت کروں گا۔ سید محمد مقیم اور کئی لوگ تیار ہو گئے اور مولانا سے اجازت مانگی، اگرچہ انہیں اجازت دینا مولانا کے نزدیک مصلحت وقت کے خلاف تھا، لیکن سید صاحب نے روانگی کے وقت تاکید فرمادی تھی کہ ان کی دلداری میں کوتاہی نہ ہو، لہٰذا مولانا نے اجازت دے دی۔ خود ان کے پاس صرف چالیس غازی رہ گئے، باقی سب ارسلان خاں کے ساتھ چلے گئے۔ مولانا ان غازیوں کو لے کر جسی کوٹ تشریف لے گئے، جو ارسلان خاں کی جائے اقامت تھی۔

اب مولانا نے سربلند خاں تنولی سے ملنے کا ارادہ فرمایا چنانچہ اخوندزادہ محمد اسماعیل، ملا شاہ سید چیڑ منگی اور چند غازیوں کو ساتھ لے کر سربلند خاں کے پاس پہنچ گئے، جو سکھوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی چیرہ دستیوں کے باعث اپنا وطن چھوڑ کر شاہی خان کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ملا شاہ سید کے بھائی ملا رحمت اللہ بھی موجود تھے، مولانا نے دو دن اور دو راتیں سر بلند خاں کے پاس گزاریں۔ اس کے علاوہ شاہی خاں اور اسکے بھائیوں سے مفصل باتیں کیں اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سر بلند خاں کا اصل مقصود پائندہ خاں تنولی کی بیخ کنی ہے، اگر مجاہدین کو سکھوں پر غلبہ حاصل ہو جائے تو یہ تمام لوگ ساتھ ہو جائیں گے، ورنہ کوئی قدم نہ اٹھائیں گے، البتہ محمد علی شاہ ساتھ دینے کیلئے تیار ہو جائے تو یہ بھی معیت اختیار کر لیں گے۔

مولانا کی رائے

پائندہ خاں اور سر بلند خاں میں پشتوں سے خاندانی دشمنی چلی آرہی تھی، اس لئے سر بلند خاں کے نزدیک اصل شئے یہی تھی کہ اس کے دیرینہ دشمن کو ختم کیا جائے، مولانا کے پیش نظر یہ امر تھا کہ تمام مسلمانوں کو سکھوں کے مقابلے کیلئے متحد کریں، وہ مختلف خوانین کی ذاتی دشمنیوں کا آلۂ کار کیوں کر بن سکتے تھے؟ انہوں نے سید صاحب کو لکھا:

۱- دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر پائندہ خاں کی حکومت ہے۔ گھاٹ اسکے قبضہ میں ہیں، اگرور اسکے تابع ہے، اگر اس سے رشتہ منقطع کر لیا جائے تو غازیوں کے لئے آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

۲- پائندہ خاں تمام خوانین ہزارہ سے حشمت و شوکت میں بڑھا ہوا ہے۔ اسے مخالف بنا کر بعض دوسرے خوانین کی موافقت حاصل کرنا بالکل غلط ہوگا۔

۳- پائندہ خاں، حبیب اللہ خاں اور خوانین اگرور کے درمیان رشتۂ اتحاد قائم ہے اور ہمارے غازی حبیب اللہ خاں کی امداد کے لئے گئے ہوئے ہیں اگر ان لوگوں کو علم ہو جائے کہ ہمارے اور پائندہ خاں کے درمیان رابطۂ اتحاد منقطع ہو چکا ہے تو غازیوں کو مضرت پہنچانے کے درپے ہو جائیں یا کم از کم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان کی موافقت سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔

۲- زبردست خاں حوالی کشمیر کے بڑے رؤسا میں سے ہے، وہ حبیب اللہ خاں کا قدیمی دوست ہے، ممکن ہے حبیب اللہ خاں کے ذریعے سے زبردست خاں کے ساتھ ربط وضبط پیدا ہوجائے۔

غرض پائندہ خاں کے ساتھ دوستی کا رشتہ منقطع کرنا اصولاً بھی غیر مناسب تھا اور مختلف مصالح وقت کے بھی خلاف تھا، اس لئے مولانا اس پر راضی نہ ہوئے۔

خوانین ہزارہ کی حالت

خوانین ہزارہ میں سے بعض کی کیفیت اُوپر پیش کی جاچکی ہے، مولانا نے سربلند خاں، سعادت خاں، احمد شاہ خاں، احمد خاں، شاہی خاں وغیرہ سے ملاقاتیں کیں۔ ناصر خاں، حسن علی خاں اور محمد علی شاہ سے نہ مل سکے، لیکن سب کے متعلق اپنا تاثر یہ بیان فرمایا کہ بحالت موجودہ ان سے لشکرِ اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، یہ اس وقت تک مجاہدانہ اقدام کے لئے تیار نہ ہوں گے جب تک اہلِ اسلام کا غلبہ نمایاں نہ ہوجائے۔

بالآخر مولانا ضلع ٹیکری کے ایک مقام "جویاں مستور" میں ٹھہر گئے۔ سید محمد خاں علی شاہ اور ناصر خاں کو ایک ایک خط سربلند خاں سے لکھوایا، خود بھی انہیں اور ان کے اعزہ کو اپنے آدمی کے ہاتھ خطوط ارسال کئے۔ ملا عصمت اللہ کو دیشی قوم کے پاس دعوتِ جہاد کے لئے بھیجا، ایک شخص کو سادات کوائی (کاغان) کی طرف روانہ کیا۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ خدا کے فضل سے حصولِ مقصود کی امید ہے، لیکن ان اضلاع میں لشکر بھیجنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، یہ قدم وقت سے پہلے اُٹھالیا گیا، بہتر یہ تھا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر آتا، تمام دیہات میں پھر پھر کر جہراً اور سراً دعوتِ جہاد دیتا، جب رؤسا تیار ہوجاتے تو لشکر کی جگہ متعین کرکے غازیوں کو یہاں بلاتا۔ یا یہ مناسب تھا کہ زبردست لشکر بھیج کر تمام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوانین ورؤسا کی موافقت سے قطع نظر کرتے ہوئے سکھوں سے جنگ کی جاتی۔ خیر جو کچھ واقع ہوا، اسی کو باعث خیر سمجھنا چاہیے۔ اگر سید محمد مقیم کامیاب واپس آئے تو امید ہے کہ حصول مقصد کی صورت جلد پیدا ہو جائیگی، ورنہ کچھ دیر لگے گی۔ اس موقع پر واپس آجانا بھی مضر ہے اور تامل و تدبیر کے بغیر کام میں ہاتھ ڈالنا خلاف مصلحت ہے۔(۱)

ملا محمد اسماعیل اخوندزادہ

مولانا نے اپنے مراسلات میں اخوندزادہ ملا محمد اسماعیل کو بار بار سراہا ہے۔ ان کے علم وفضل، اخلاص وتقوی، عقل ودانش، حسن تدبیر اور اصابت رائے کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں:

> ملا اسماعیل اخوند زادہ نہایت ہوشیار و دیانت دار ہیں اور مشاورت ومصالحت میں پختہ کار، وہ ان اطراف کے تمام فضلا کے پیشکار ہیں اور جملہ خوانین کے معتمد۔ دین کے کام میں بجاں مصروف ہیں اور تالیف وترغیب میں بدل مشغول۔ ان کے نام تحسین وآفرین کا ایک شقہ بھیجا جائے۔

یہ شقہ یقیناً بھیجا گیا ہوگا، لیکن سید صاحب کے مکاتیب کا جو مجموعہ محفوظ رہ سکا، اس میں شامل نہ ہو سکا دوسری سیکڑوں تحریروں کی طرح وہ بھی ضائع ہو گیا۔

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۲۲۱-۲۲۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

ڈُمگلہ اور شنکیاری کے معرکے

ڈُمگلہ پر یورش کی شہرت

مولانا شاہ اسماعیل نے مقدمات جہاد کی ترتیب کے سلسلے میں جو کچھ کیا وہ گزشتہ باب میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے، اس کے بعد معلومات کے ذخائر میں دفعۃً ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ ڈمگلہ اور شنکیاری کی لڑائیاں کس بنا پر پیش آئیں، قیاس سے کام لئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

پچھلے باب میں ہم بتا چکے ہیں کہ غازیوں کی ایک جماعت ارسلان خاں کے ساتھ روانہ ہوگئی تھی، جو حبیب اللہ خاں کے بیٹے کو سکھوں کے محاصرے سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ مولانا کے پاس صرف چالیس غازی رہ گئے تھے، یہ لوگ گڑھی جسی کوٹ میں مقیم تھے، خود مولانا چند آدمیوں کے ساتھ علاقہ تکری کے مقام ”جوریاں مستور“ میں چلے گئے تھے اور عبداللہ خاں کو غازیوں کا سر عسکر مقرر کر گئے تھے۔

اس اثناء میں مشہور ہو گیا کہ غازی ڈمگلہ پر حملہ کرنے والے ہیں، جو میدان پکھلی سے مشرق مائل بہ شمال واقع ہے۔ اسکے فتح ہو جانے سے مظفرآباد و کشمیر کی طرف پیش قدمی کا راستہ کھل سکتا تھا، ہری سنگھ نلوہ حاکم ہزارہ نے پھول سنگھ کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ ڈمگلہ کی حفاظت کیلئے بھیج دیا، پھر آس پاس کی گڑھیوں سے مزید تین ہزار سکھ پھول سنگھ کی کمک کیلئے روانہ کر دیے، اس افراتفری میں اس گڑھی کا محاصرہ بھی اٹھا لیا گیا، جس میں حبیب اللہ خاں کا بیٹا محصور تھا۔ اس طرح خوانین ہزارہ کا فوری مقصد پورا ہو گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شبخون کا فیصلہ

ڈمگلہ میں سکھوں کے اجتماع کی خبر سن کر مولانا نے مناسب نہ سمجھا کہ ان پر ضرب لگائے بغیر پیچھے ہٹ جائیں۔ انہیں یہ امید بھی ہو گی کہ ممکن ہے، اس سربازانہ اقدام سے خوانین ورؤسائے ہزارہ کا سویا ہوا جذبۂ غیرت بیدار ہو جائے اور وہ قلت وسائل کی بنا پر تذبذب کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس سے باہر نکل کر بے باکی کے ساتھ اعانت کے لئے تیار ہو جائیں۔ دعوتِ جہاد کو عوام تک پہنچانے کا بھی یہ ایک نہایت مؤثر طریقہ تھا۔ لیکن سکھوں کی فوج بہت زیادہ تھی، اس لئے شبخون مارنے کا فیصلہ کیا، خود مولانا شنکیاری کے قریب ٹھہر گئے، جو ڈمگلہ سے تین میل پر درۂ بھوگڑ منگ کے سامنے ایک مشہور مقام ہے، وہاں کی گڑھی میں سکھوں کا ایک جیش رہتا تھا، سید محمد مقیم رام پوری کو ایک سو غازیوں کا سالار بنا کر ڈمگلہ پر یورش کے لئے بھیج دیا۔ چودہ پندرہ سو ملکی بھی ان غازیوں کے ساتھ شامل ہو گئے، مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو سید محمد مقیم کا مشیر د نائب بنا دیا، گولی بارود کے علاوہ بھرے ہوئے تل بھی غازیوں کو دیدیے۔ فرمادیا کہ سکھ لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر پہلے تل اندر پھینک کر انھیں منتشر کیا جائے۔ کچھ چارپائیاں بھی ساتھ لے لیں تاکہ لشکر گاہ کی خاربندی کے ساتھ کھڑی کر کے بہ آسانی اندر پہنچ سکیں۔

جنگ

سید محمد مقیم منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئے، ڈمگلہ اگرچہ دور نہ تھا لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے صرف تین چار سو ملکی رہ گئے، باقی سب اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ سید موصوف صاحب عزم و ہمت تھے، اپنے رفیقوں کی اس خلاف توقع تقلیل سے بالکل پریشان نہ ہوئے، لشکر گاہ کے پاس پہنچ کر پہلے بارود بھرے تل پھینکے، پھر چارپائیاں خاربندی سے لگا دی گئیں اور سب سے پہلے جس شخص نے لشکر گاہ میں قدم رکھا وہ ان غازیوں کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بہادر رسالدار محمد مقیم تھا۔ پورے زور سے نعرۂ تکبیر لگا کر حملہ کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ سکھ غول غول بن کر کئی جگہ جمع ہو گئے، ہم لوگ تل داغ داغ کر پھینکتے تو بکھر جاتے، پھر ہم قرابینیں مارتے ہوئے ان پر ہلہ کرتے، سید محمد مقیم اور ان کے ساتھیوں نے جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ منظورہ کے بیان کے مطابق رستم و اسفندیار کی داستانیں فراموش ہو گئیں۔

> وہ لوگ اس طرح سکھوں کے ہجوم میں گھستے تھے جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے، تین چار ہلوں میں انہیں (سکھوں کو) لشکر سے باہر نکال دیا۔(۱)

جو ملکی اِدھر اُدھر چھپ گئے تھے، اب وہ بھی آپہنچے، لیکن انہوں نے لڑائی میں کوئی حصہ نہ لیا اور مال و اسباب اُٹھا کر بھاگنے لگے۔ سکھوں نے پھونس کے چند چھپروں کو آگ لگا دی، آگ بھڑکی تو ماحول دُور دُور تک روشن ہو گیا اور لشکر گاہ کے اندر کی ایک ایک چیز نظر آنے لگی۔ اس وقت سکھوں کو معلوم ہوا کہ لڑنے والے غازی بہت کم ہیں اور ملکی لوگ صرف مال اُٹھا اُٹھا کر بے ترتیبی سے نکلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر منظم ہو ہو کر مقابلے کے لئے آنے لگے۔

مراجعت

مولوی خیر الدین نے یہ حالت دیکھی تو مشورہ دیا کہ اب نکل جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب خود ایک جماعت کو لے کر سکھوں کا مقابلہ کرنے لگے، باقی غازیوں کو حکم دیا کہ اطمینان سے باہر نکل جاؤ اور زخمیوں کو اٹھا لو، چھ سات زخمیوں کو اُٹھا لیا گیا، دو کی حالت نازک تھی، اول عبدالخالق محمد آبادی، دوم سید لطف علی۔ ان دونوں نے خود کہا کہ ہمارے ہتھیار لے لو اور اُٹھانے کی تکلیف گوارا نہ کرو، ہمیں اسی میدان میں جان دے دینا پسند ہے۔

---

(۱) منظورہ ص: ۴۴۸

جب سارے غازی نکل گئے تو مولوی خیر الدین بھی قدم بہ قدم پیچھے ہٹتے ہٹتے باہر نکل گئے، سکھوں پر اتنی ہیبت طاری تھی کہ کسی کو سنگھر سے باہر نکل کر تعاقب کی ہمت نہ ہوئی۔ اس شبخون میں چند غازی شہید ہوئے، جن میں سے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے، یعنی وہی دو جنہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اسی میدان میں جان دے دینا پسند ہے۔ چند زخمی ہوئے، ان میں سے ایک سالار لشکر سید مقیم تھے، جن کی ٹانگ پر تلوار لگی تھی۔ سکھ مقتولین کی تعداد ایک روایت کے مطابق دو سو اور ایک روایت کے مطابق تین سو تھی۔ ''وقائع'' میں یہ تعداد ''قریب تین سو کے'' بتائی گئی ہے۔

جنگِ شنکیاری

اِدھر غازیوں کی بڑی جماعت شبخون کے لئے ڈمگلہ آئی ہوئی تھی، اُدھر مولانا کو شنکیاری کے پاس اچانک جنگ پیش آ گئی۔ مولانا کے ساتھی دو فاقے کاٹ چکے تھے، کسی قدر غلہ ملا تو وہ کھانے کے انتظام میں لگ گئے۔ بعض کھا چکے تھے، بعض کھا رہے تھے اور بعض ابھی پکانے ہی میں مصروف تھے کہ اچانک سکھوں کا ایک گروہ گڑھی شنکیاری سے باہر نکلا۔ مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوار کاٹنے کی غرض سے نکلے تھے، مولانا نے دُور سے دیکھا تو سمجھے کہ جنگ کی غرض سے آئے ہیں، فوراً غازیوں کو حکم دے دیا کہ مورچے پکڑ کر بیٹھ جاؤ، شاہینیں اور بندوقیں چلنے لگیں، سکھ نزدیک پہنچ گئے تو غازی قرابینیں مارنے لگے، بالکل پاس آ گئے تو تلواریں نکال لیں۔ تھوڑی ہی دیر میں سکھ بھاگ نکلے۔ زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ ایک بولا: ''یہ تو بہت تھوڑے آدمی ہیں بھاگے کیوں جا رہے ہو؟'' چنانچہ وہ پھر پلٹے۔ اس وقت مولانا کے ساتھ صرف بارہ آدمی تھے، لیکن ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ ''وقائع'' کا بیان ہے کہ مارے تلواروں کے لاش پر لاش بچھا دی، کئی سکھ مولانا کے ہاتھ سے قتل ہوئے، وہ پھر بھاگے تو گڑھی میں پہنچ کر دم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیا، اس لڑائی میں دو اڑھائی سو سکھ مارے گئے۔(۱) غازیوں میں سے چھ سات شہید اور نو دس زخمی ہوئے۔

مولانا کی عزیمت

سکھوں کی گولیاں مینہ کی طرح برستی رہیں، مولانا کی قبا چھلنی ہوگئی، لیکن نہ آپ میدان سے ہٹے، نہ مورچے کی پناہ لی اور نہ جنگ روکی۔ امجد خاں نے خود مولانا کی زبان سے سنا کہ شنکیاری کی جنگ میں سکھ ہم سے بہت قریب آگئے تھے۔ ایک سکھ تلوار لے کر میری طرف بڑھا، میں نے گولی سے اُسے ٹھنڈا کر دیا، پھر بندوق بھرنے لگا۔ اس اثناء میں دوسرا سکھ آگیا، اسے بھی مار دیا۔ تیسری مرتبہ بندوق بھر رہا تھا تو میری انگلی پر گولی لگی اور ہاتھ بندوق کے پیالے سے ہٹ گیا، میں نے اس حالت میں بھی بندوق چلادی، ایک اور سکھ مارا گیا۔ چوتھی مرتبہ بندوق بھرنے کا ارادہ کیا تو بارود لہو سے تر ہوگئی، چوتھا سکھ مجھ پر حملے کی غرض سے بڑھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اب زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں، میں نے خالی بندوق کا منہ اس کی طرف پھیر دیا، وہ گھبرا کر بھاگ گیا۔

مولانا اپنی زخمی انگلی کو (جو چھنگلی تھی) دکھا کر مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری "انگشتِ شہادت" ہے۔ سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ بہترین انگشتِ شہادت ہے۔ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ قبول کرے، ورنہ بہت سی ضربیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔

ہزارہ سے واپسی

ڈمگلہ اور شنکیاری کے معرکوں نے سکھوں پر سخت سراسیمگی طاری کر دی تھی۔ کمال خاں اور ناصر خاں نے مولانا سے کہا کہ اب آپ اگرور تشریف لے چلیں تا کہ وہاں اطمینان

(۱) منظورہ ص: ۴۴۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے مزید اقدامات کی تجویزیں سوچی جائیں۔ چنانچہ مولانا شنکیاری، بفہ، خاکی، بیرکھنڈ، ملک پورہ وغیرہ کے پاس سے گذرے۔ جب سکھوں کی گڑھی قریب آتی تو حکم دیتے کہ زور زور سے نقارہ بجاؤ تاکہ اگر کوئی مقابلہ کرنا چاہے تو باہر نکل کر حوصلہ نکال لے۔

اوگی پہنچ کر مولانا آٹھ روز ٹھہرے رہے، ارادہ یہ تھا کہ مناسب موقعوں پر غازیوں کو بٹھا کر سکھوں کی گڑھیوں پر شبخونوں کا لامتناہی سلسلہ جاری کر دیں۔ اس اثناء میں سید صاحب کا فرمان آ گیا کہ ہندوستان سے غازیوں کے بہت سے قافلے پہنچ گئے ہیں، آپ تشریف لے آئیں، چنانچہ مولانا کلکئی، شیر گڑھ، نکا پانی اور بروٹی ہوتے ہوئے دریا پر پہنچ گئے۔ در بند بروٹی سے قریب تھا، جہاں سکھوں کی گڑھی تھی، کچھ غازی جنگل سے لکڑی لائے، پن چکیوں پر آٹا پسوایا، سکھ انہیں دیکھتے ہی اونچے ٹیلوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے گولیاں چلانے لگے۔ عبورِ دریا کے بعد مولانا امب، ستھانہ، کھبل اور نوپلی ٹھہرتے ہوئے، پنجتار پہنچ گئے۔ ماہ ستمبر ۱۸۲۷ء میں مولانا ہزارہ گئے تھے، اسی مہینے یا اکتوبر میں ڈمگلہ اور شنکیاری کے معرکے پیش آئے۔(۱)

(۱) ''وقائع'' میں ہے کہ مولانا نوپلی پہنچے تو ارد گرد کے خوانین اور مرد زنوں کے علاوہ اخوند سید میر (ملا صاحب کوٹھا) بھی چند مسائل کی تحقیق کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے تمام مسائل اخوند ممدوح کے اطمینان کے مطابق حل کر دیے۔ رات اخوند صاحب نے مولانا ہی کے پاس گزاری، پھر مولانا نوپلی سے جھنڈ ابوکا گئے، جو فتح خاں پنجتاری کی عملداری میں تھا۔ تو تالی وارد ہوئے تو پنجتار سے پچاس ساٹھ آدمی پیشوائی کیلئے آئے ہوئے تھے، سید صاحب پنجتار سے نکل کر بیر کے باغ تک پہنچ چکے تھے، جو تو تالی سے ذرا آگے تھا۔ (ص: ۵۰۰)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

غازیوں کے قافلے

غازیوں کا انتظام

سید صاحب ہجرت فرما کر نکلے تو آپ کے ساتھ صرف پانچ چھ سو غازی تھے، لیکن یہ وسوسہ نہ پیدا ہونا چاہئے کہ صرف اسی مختصر سی جماعت کے بل پر پنجاب کی تسخیر اور ہندوستان کی تطہیر کو پایۂ تکمیل پر پہنچا دینے کا خیال تھا۔ آپ نے روانگی سے پیشتر ہندوستان کے مختلف حصوں میں غازیوں کی جماعتیں تیار کر لی تھیں، ان سب کو ساتھ لے کر نکلنا خلاف مصلحت تھا، اس لئے کہ اول یہ معلوم نہ تھا، جہاں مرکز بنا کر بیٹھنا ہے، اس کے حالات کیا ہیں، دوسرے ہزاروں آدمیوں کو ساتھ لے جانے میں قوی اندیشہ تھا کہ راستے کی تمام حکومتوں کے دل میں گوناگوں شبہات پیدا ہو جائیں گے۔ مزاحمت کی صورت پیدا ہو جانا غیر اغلب نہ تھا۔ تیسرے راستہ ایسا اختیار کیا تھا، جہاں کوسوں تک پانی بہت کمیاب تھا اور غلہ ملنا بھی سخت مشکل تھا، اور پریشان کن حالات کے پیش نظر آپ نے تھوڑے آدمی ساتھ لئے، باقی اصحاب سے فرمایا کہ بلاوے کا انتظار کریں، جب سرحد میں امامت کی بیعت ہوگئی اور سید صاحب کو قائد و پیشوائے جہاد مان لیا گیا تو تمام مقامات پر اطلاع بھیج دی گئی کہ اب بے تکلف چلے آؤ، سید صاحب نے مختلف حصوں میں داعی بھی بھیج دیے کہ غازیوں کی ترتیب وارسال اور وسائل جہاد کی فراہمی کا کام انجام دیتے رہیں، ان داعیوں کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ابتدائی قافلوں کی آمد

سید صاحب اضلاع سوات کا دورہ فرما رہے تھے، جب غازیوں کے قافلے سرحد پہنچنے لگے۔ ان کی کیفیت یہ ہے:

۱۔ مولوی قلندر کا قافلہ، جو کوٹی گرام میں سید صاحب کے پاس پہنچا تھا، اس میں غالباً اسی غازی تھے۔

۲۔ قاضی احمد اللہ میرٹھی کا قافلہ، اس میں ستر غازی تھے اور یہ اس زمانے میں پہنچا تھا جب سید صاحب اوچ (سوات) میں تھے۔

۳۔ رسالدار عبدالحمید خاں کا قافلہ، عبدالحمید خاں نواب امیر الدولہ والی ٹونک کے پاس ملازم تھے، من چلے آدمی تھے، اس عہد کے عام فارغ البال لوگوں کی طرح زندگی رنگینیوں میں گذر رہی تھی۔ سید صاحب کو دیکھا تو فطری سعادت کا جذبہ بیدار ہوا، بیعت کی اور اسی وقت سے پورا نقشۂ حیات بدل گیا۔ ملازمت چھوڑ کر ہجرت پر آمادہ ہوئے، جو رفیق مساعدت پر آمادہ ہوئے انہیں ساتھ لے کر سید صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے رفیقوں میں سے پانچ کے نام معلوم ہیں، شیر خاں، رستم خاں، مستقیم، شیخ رمضان، شیخ مکھو۔ اس قافلے کے ساتھ صاحبزادہ محمد وزیر خاں ولی عہد ریاست ٹونک نے ایک گھوڑا بھی سید صاحب کے لئے بھیجا تھا جس کے لئے زریں زین پوش تیار کرایا تھا۔

۴۔ مولوی محمد رمضان رزکی والے کا قافلہ، اس میں ایک سو غازی تھے اور یہ بھانڈہ (سوات) میں سید صاحب سے ملا تھا۔

۵۔ مولانا عبدالحئی کا قافلہ، یہ چار باغ میں سید صاحب سے ملاقی ہوا، اس کے افراد کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔

۶۔ سید محمد مقیم رام پوری کا قافلہ، اس میں چالیس غازی تھے، تمام جوان شجاع اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حد درجہ پرہیزگار۔ تمام قافلوں کے متعلق معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس راستے سے سرحد پہنچے، اور کن کن مقامات سے گذرتے ہوئے سوات گئے۔ مولانا عبدالحئی کا قافلہ بہاول پور، سندھ، بلوچستان اور افغانستان کے راستے گیا تھا، ان قافلوں کے ساتھ روپیہ اور ساز وسامانِ جنگ بھی پہنچتا رہا۔ محمد مقیم کے قافلے کے متعلق تو تصریحاً مذکور ہے کہ نقد روپے کے علاوہ اس کے ساتھ قرابینیں اور حرب وضرب کی دوسری چیزیں بھی تھیں۔

مزید قافلے

سید صاحب دورۂ سوات سے فارغ ہوکر پنجتار پہنچ گئے تو مزید قافلے آئے، جن میں سے مندرجہ ذیل کے نام مجھے مختلف روایتوں سے معلوم ہوسکے۔

۱۔ سید احمد علی بریلوی خواہرزادۂ سید صاحب کا قافلہ۔

۲۔ مولانا عنایت علی عظیم آبادی، برادر مولانا ولایت علی کا قافلہ۔

۳۔ مولوی قمرالدین عظیم آبادی کا قافلہ۔

۴۔ مولوی عثمان علی کا قافلہ۔

۵۔ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کا قافلہ۔

۶۔ مولوی خرم علی بلہوری (ناظم جہادیہ فارسی واُردو ومصنف کتب عدیدہ) کا قافلہ۔

۷۔ مولوی عبدالقدوس کان پوری کا قافلہ۔

۸۔ مولانا سید محمد علی رام پوری کا قافلہ۔

۹۔ مولوی باقر علی کا قافلہ۔

۱۰۔ مولوی عبداللہ امروہہ والے کا قافلہ۔

۱۱۔ حافظ قطب الدین پھلتی کا قافلہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۲۔ مولوی عبدالحق (نیوتنہ) کا قافلہ۔

۱۳۔ مولوی محبوب علی دہلوی کا قافلہ۔

۱۴۔ حکیم محمد اشرف دہلوی کا قافلہ۔

۱۵۔ میرن شاہ نارنولی کا قافلہ۔

ان میں سے کسی کے افراد کی تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہندوستان کے کسی ایک مقام پر جمع ہو کر اکٹھے چلے یا یکے بعد دیگرے الگ الگ نکلتے رہے۔ سکھر کے پاس انہوں نے دریائے سندھ کو عبور کیا، پھر ڈیرہ غازی خاں، ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور کالا باغ ہوتے ہوئے علاقہ خٹک میں پہنچے تو درانیوں نے روک دیا اور دو مہینے تک کنڈ وہ میں پڑے رہے۔

سدِ طریق کی سرگزشت

درانیوں میں سے یار محمد خاں اسی وقت سے سید صاحب کا دشمن بن گیا تھا، جب سے شیدو کی جنگ میں اس نے غداری کا ارتکاب کیا تھا، لیکن سلطان محمد خاں نے مکاتبت کا سلسلہ جاری رکھا اور برابر عقیدت و نیاز کے دعوے کرتا رہا۔ سید صاحب نے اسے لکھا کہ غازیوں کے قافلے کیوں روکے گئے تو جواب آیا کہ سکھ جنگِ شیدو کے بعد یار محمد خاں کے فرزند محمد حسن خاں کو ناظر مراد علی کے ساتھ بطور یرغمال لاہور لے گئے تھے، مہینوں کی کوشش کے بعد رنجیت سنگھ ان کی رہائی پر رضامندی ہوا، عین اس اثناء میں لاہور خبر پہنچ گئی کہ غازیوں کے قافلے پشاور کے اطراف سے گذر کر سید صاحب کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ رنجیت سنگھ یہ سنتے ہی بگڑ بیٹھا اور محمد حسن خاں کو بلا کر دھمکی دی کہ اپنے باپ اور چچا کو لکھو، اگر غازیوں کو فوراً نہ روک دیا گیا تو تمہیں عذاب کے شکنجے میں کس دوں گا۔ محمد حسن نے یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں کو لکھا کہ جب تک غازیوں کے قافلے نہ روکے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جائیں گے میرے لئے مخلصی کی کوئی شکل نہ بنے گی۔ یار محمد خاں نے پریشان ہو کر تمیں سواروں کو ظاہرداری کے طور پر حد اجا خیل (۱) تک دیکھ بھال کا حکم دے کر رنجیت سنگھ کو اس انتظام کی اطلاع دے دی، ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ اب تک غازیوں کا کوئی گروہ نظر نہیں آیا۔

گویا سلطان محمد خاں کے نزدیک روک تھام کے انتظامات کا مدعا محض یہ تھا کہ رنجیت سنگھ مطمئن ہو کر محمد حسن خاں اور ناظر مراد علی کو رہا کر دے۔ آخر میں اس نے یہ بھی لکھا کہ میرے اور یار محمد کے تعلقات اچھے نہیں رہے، میں نے اس کے مقرر کیے ہوئے سواروں کو واپس بلا لیا ہے اور اپنے آدمی مقرر کر کے خفیہ طریق پر تاکید کر دی ہے کہ سید صاحب کے غازیوں کو سلامتی سے گذر جانے میں حتی الامکان امداد دیں۔ (۲)

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدا میں غازیوں کو روکنے کا کوئی انتظام نہ تھا، اور جو قافلے سوات میں سید صاحب کے پاس پہنچے تھے، انہیں رکنا نہیں پڑا تھا۔ اغلب ہے محمد حسن خاں کی طرف سے اطلاع آنے پر سد طریق مناسب سمجھا گیا ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ سلطان محمد خاں نے اپنے آدمیوں کو غازیوں کی اعانت کا حکم دے دیا تھا، اس لئے کہ ۱۴ر محرم الحرام ۱۲۴۳ھ (۷ر اگست ۱۸۲۷ء) تک قافلے کنڈ وہی میں رکے بیٹھے تھے۔ اسی شدید رکاوٹ کی بنا پر مولوی محبوب علی نے سید صاحب کو لکھا تھا کہ کافروں کو چھوڑ کر پہلے ان ''کلمہ گو کافروں'' (یعنی درانی سرداروں) کا فیصلہ کیجئے۔ (۳)

(۱) اجا خیل پشاور سے نو کوس ہے، بظاہر یہ بیان درست بھی ہو تو قافلوں کو روکنے کا مطلب یہ تھا کہ سکھوں کے خلاف جو بھی سعی و جہد شروع ہوئی ہے اسے برباد کر دیا جائے۔

(۲) مکتوب شاہ اسماعیل ص: ۱۱۵۔ سلطان محمد خاں کا یہ خط ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کا مرقومہ ہے (۱۸ر جولائی ۱۸۲۷ء)۔

(۳) مکتوبات شاہ اسماعیل ص: ۱۹۸، ۱۹۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے انتظامات

آخر سید صاحب نے ملا قطب الدین ننگرہاری، مرزا احمد گل بیگ اور ارباب بہرام خاں کو ان قافلوں کے لانے پر مامور فرمایا۔ ارباب کے پاؤں میں چھالے نکل آئے تھے اور وہ چلنے سے بالکل معذور تھے، اس لئے خود نہ جاسکے اور اپنے آدمیوں کو بھیج دیا۔ "وقائع" میں ہے کہ میاں دین محمد کو اس کام پر مقرر فرما کر حکم دے دیا تھا کہ جسے چاہو اپنے ساتھ لے لو۔ چنانچہ انہوں نے شیخ ولی محمد پھلتی، شیخ نصر اللہ خورجوی، ملا قطب الدین ننگرہاری، ملا علی خاں اور چند ولایتیوں کو ساتھ لے لیا، جو غالباً ارباب بہرام خاں کے آدمی تھے۔

غرض یہ لوگ دریائے لنڈے پر پہنچے، کشتی والوں سے مل کر قافلوں کو گزارنے کا معاملہ طے کیا۔ نشانی یہ بتادی کہ جو شخص تمہارا ہاتھ پکڑ لے، سمجھ لینا کہ ہمارا آدمی ہے، اور اس کے ساتھ جتنے لوگ ہوں انہیں پار اتار دینا۔

ان انتظامات کی اطلاع سید صاحب کو بھیج کر منتظمین لکار بابا(۱) کی زیارت گاہ پر پہنچے، جہاں مولوی عنایت علی عظیم آبادی، سید احمد علی بریلوی اور حافظ قطب الدین پھلتی ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولوی عنایت علی فوراً ایک رفیق کے ہمراہ پنجتار روانہ ہوگئے، باقی قافلوں کی روانگی کا انتظام تدریجاً عمل میں آیا، سب کو تاکید کردی گئی تھی کہ نوشہرہ میں قیام نہ کیا جائے۔

---

(۱) حضرت لکار باباؒ سرحد کے عالی منزلت اولیا میں سے تھے، عام طور پر حضرت کاکا صاحبؒ کے لقب سے مشہور ہیں، ان کی زیارت نوشہرہ سے قریب ہے اور زیارت کاکا صاحب کہلاتی ہے۔ ان کی اولاد کو کاکا خیل کہتے ہیں۔ وقائع میں مرقوم ہے کہ قافلوں کو پار اتارنے کے لئے حضرت کاکا صاحبؒ کے اخلاف سے بھی مدد مانگی گئی تھی، لیکن انہوں نے درانیوں کے خوف کی وجہ سے تامل کیا، پاس کی بستی والوں نے بڑے جوشِ عقیدت سے امداد کا پورا انتظام کردیا۔ (ص: ۵۰۲)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

درۂ پنجتار میں اِستقبال

دوسرے یا تیسرے دن تمام قافلے درۂ پنجتار میں پہنچ گئے، سید صاحب استقبال کے لئے درے میں پہنچنے کا ارادہ کئے بیٹھے تھے، آپ کی سواری کے لئے وہ سبزہ رنگ گھوڑا تیار کیا گیا، جو سید محمد خاں دُرّانی نے نذر کیا تھا اور غالباً سید صاحب کی اجازت کے بغیر نیاز مندوں نے اس پر مخمل کا وہ زین پوش ڈال دیا تھا جو صاحبزادہ محمد وزیر خاں نے رسالدار عبدالحمید خاں کے ہاتھ بھیجا تھا، اس پر زری کا نہایت عمدہ کام تھا۔

سید صاحب پیادہ نکل پڑے اور پگڈنڈی سے درے میں پہنچ گئے۔ گھوڑا عام راستے سے کوتل آیا، مولوی محبوب علی نے گھوڑے پر زرّیں زین پوش دیکھا تو راستے میں دو مہینے رکے رہنے کے باعث غصے اور تلخی کی جو آگ دل میں سلگ رہی تھی وہ ایک دم بھڑک اٹھی معاً طعن آمیز انداز میں بولے: سبحان اللہ! گھوڑے پر زرّیں زین پوش ہے، جہاں ایسا امیرانہ ٹھاٹھ ہو، وہاں دیکھنا چاہئے انجام کیسا ہو۔(۱)

یہ اس غلط فہمی کی ابتدا تھی، جو بڑھتے بڑھتے اس حد پر پہنچ گئی کہ مولوی صاحب تیز بعض دوسرے اصحاب سید صاحب کی معیت چھوڑ کر واپس چلے گئے اور طویل وصبر آزما سفر کے بعد مقامِ جہاد پر پہنچ کر اس عظیم الشان کارِ حق کے ثمرات و برکات سے محروم رہ گئے۔

سید صاحب نے تمام غازیوں سے مصافحہ و معانقہ فرمایا، بڑے اعزاز و اکرام سے انہیں پنجتار لے گئے۔ اطمینان و مسرت کا اس سے بڑھ کر کیا موقع ہوسکتا تھا کہ چند برس کی محنت و جانکاہی سے وہ انتظامات بارآور ہونے لگے، جو ملک کی آزادی اور تطہیر کے لئے بے سروسامانی کی حالت میں شروع کئے گئے تھے۔ عالمگیر کی وفات کے بعد جو کام وقت کے سلاطین و امراء بہ استثناء چند انجام نہیں دے سکے تھے، حالانکہ ان کے پاس ہر قسم کے وسائل موجود تھے، اس کام کے سرانجام کا بندوبست ایک بے نوا سید نے اپنے وطن

---

(۱) وقائع ص:۵۰۲

سے اڑھائی ہزار میل کے فاصلے پر اجنبی سرزمین میں بیٹھ کر کر لیا۔ جگہ جگہ سے راہ حق کے سرفروش علم جہاد کے نیچے جمع ہونے لگے۔ لیکن مسلمانوں کی قسمت میں امتحان و ابتلا کے کئی مرحلے ابھی باقی تھے اور یہ تدبیر بھی فائز المرامی کا ناصیۂ جمال دکھا کر توقف کے نقاب میں مستور ہو گئی۔

مولوی محبوب علی کا معاملہ

مولوی محبوب علی نے پنجتار پہنچ کر اپنا خیمہ الگ نصب کیا، پھر سید صاحب کے پاس پہنچے تو ظاہر ہوا کہ ہر چیز سے غیر مطمئن ہیں۔ انہیں پہلا اعتراض یہ تھا کہ درانی سرداروں کے ساتھ مصالحانہ روش اختیار کرنا غیر مناسب ہے۔ سید صاحب نے صلح حدیبیہ کی مثال دے کر وسیع مصلحتیں واضح فرمائیں۔ پھر مولوی صاحب نے یہ اعتراض کر دیا کہ سید صاحب امام ہو کر امتیاز پیدا کر رہے ہیں۔ نفیس لباس پہنتے ہیں، لذیذ کھانے کھاتے ہیں، اس کے برعکس مجاہدین چکیاں چلاتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں اور پاؤ پاؤ بھر غلہ پاتے ہیں۔ یہ اعتراضات بے جا تھے، اس لئے کہ سب کو معلوم تھا سید صاحب وہی معمولی لباس پہنتے ہیں جو ہندوستان میں پہنتے تھے، اور اس لباس پر بھی بیت المال کے روپے سے کبھی ایک حبہ صرف نہ ہوا۔ سید صاحب کے بعض ہندوستانی عقیدت مند جماعت کے لئے تحائف بھیجنے کے علاوہ آپ کے لئے کپڑے سلا کر بھیجتے رہتے تھے، ان میں سے وقتاً فوقتاً ضرورت مند غازیوں کو بھی کپڑے دیے جاتے تھے۔ امرا نے جو بیش قیمت عبائیں سید صاحب کی نذر کی تھیں، وہ آپ نے کبھی نہ پہنیں اور سرحدی سرداروں مثلاً سلطان محمد خاں، سید محمد خاں وغیرہ کو دے دیں۔ غلہ بھی سید صاحب کو عام غازیوں کے برابر ملتا تھا، البتہ مہمانوں کیلئے الگ غلہ ضرورت کے مطابق لے لیا جاتا تھا۔ بعض اوقات ان مہمانوں کے اکرام کی خاطر اچھا کھانا بھی پکوانا پڑتا تھا اور سید صاحب ان کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب نے تمام اعتراضات کو تحمل سے سُنا۔ مولوی صاحب کی دل جوئی اور رفعِ شبہات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آخر میں فرمایا کہ غلے کا انتظام آپ خود سنبھال لیں اور مہمانوں کے ساتھ آپ ہی کھانا کھایا کریں۔(۱)

"منظورہ" سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے سید صاحب کی امامت میں بھی قدح شروع کر دی تھی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ یہ بارِ گراں رکھ دیا گیا، اگر آپ کے نزدیک میں اس کے قابل نہیں تو آپ عالم ہیں، سید ہیں، مہاجر ہیں، یہ کام خود سنبھال لیں، مجھے سرداری کی خواہش نہیں، صرف اس کام کا انصرام مطلوب ہے، خواہ مجھے کوئی حیثیت دی جائے۔

فتنۂ تفرقہ

غرض مولوی صاحب کی روش نے تفرقے کی ایک عجیب و غریب فضا پیدا کر دی۔ وہ سید صاحب پر معترض تھے۔ ان کے جو ساتھی مولانا اسماعیل کے معتقد تھے انہوں نے خود مولوی محبوب علی پر اعتراضات شروع کر دیے کہ آپ جہاد کا وعظ کہہ کہہ کر ہم سب کو یہاں لائے، اب کون سی بات خلافِ شرع و سنت دیکھی کہ اعتراض کے تیروں کا ترکش بن گئے؟ جو لوگ مولوی صاحب کے ہم خیال تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ مولوی

(۱) وقائع میں ہے کہ مہمانوں کو کھلانے کی کئی صورتیں تھیں مثلاً اگر مہمان سویرے آجاتے تو سید صاحب ایک ایک دو دو چار چار آدمیوں کو مختلف جماعتوں میں بھیج دیتے اور وہ جماعتوں کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اگر بڑے مولوی یا خان آجاتے تو سید صاحب کے لئے تحائف میں وقتاً فوقتاً جو مرغ، انڈے، چاول وغیرہ آتے، وہ سب ان معزز مہمانوں کے صرف میں لائے جاتے۔ کھانا پک چکنے کے بعد مہمان آجاتے تو ان کی تعداد کے مطابق غازیوں کے کھانے کی مقدار فی کس گھٹا دی جاتی، مثلاً آدھ سیر کھانا فی کس پکا تو تقسیم میں سب کو پاؤ پاؤ بھر ملا، ایسا بھی ہوتا کہ سید صاحب خود کچھ نہ کھاتے، مہمانوں کو کھلانے کے بعد بچ تو چند نوالے کھا لیتے، ورنہ کسی جماعت کے ساتھ بیٹھ کر جو کچھ ہوتا نوش فرما لیتے۔ سید صاحب نے مولوی محبوب علی صاحب کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا تھا، لیکن جب مولوی صاحب نے سید صاحب کے کھانے کی کیفیت معلوم کر لی تو کہا کہ ہم سے ہر روز بھوکا نہیں رہا جاتا۔ (ص: ۵۰۳، ۵۰۴)

صاحب سید صاحب کے شریکِ طعام ہونے سے بھی گریزاں ہیں تو کہنے لگے کہ پہلے سید صاحب پر نفیس کھانے کا التزام تھا، اب دو ہی دن میں گھبرا کیوں گئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں آباد کے تر لقمے یاد آتے ہیں۔

مولوی محمد حسن کی گفتگو

مولوی صاحب نے ایک قدم آگے بڑھا کر غازیوں سے کہنا شروع کیا کہ گھر واپس چلو اور اقارب کے جو حقوق تم پر ہیں انہیں بجالاؤ، یہاں رہ کر ان کے اتلاف کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لو۔ غازیوں نے عرض کیا کہ ہم تو یہاں جہاد کی غرض سے بیٹھے ہیں، مولوی صاحب نے کہا: جہاد کہاں ہے؟ تم نے کون سے دن کسی کافر کو مارا ہے؟ کون سے ملک میں تمہارا دخل ہوا ہے؟ یہاں صرف کھانا پکانے کی فکر میں رہتے ہو۔

آخر ایک روز مولوی محمد حسن نے پوچھا کہ حضرت! آپ کس دلیل سے غازیوں کے قیام کو لغو ٹھہراتے ہیں؟ مولوی محبوب علی نے کہا کہ آخر یہاں کس کافر سے جنگ درپیش ہے؟ مولوی حسن نے جواب دیا کہ جنگ کو قتال کہتے ہیں، اور اس کا موقع گاہے گاہے آتا ہے، جہاد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سعی کی جائے، یہاں لوگ اس کام میں مصروف ہیں، آپ ان کے فعل کو عبث قرار دیتے ہیں؟ اگر کسی روز کفار سے مقابلہ پیش آجائے اور آپ دہلی میں ہوں تو کونسی کرامت سے راہِ دور دراز طے کرتے ہوئے، اس میں شریک ہوسکیں گے؟ مولوی صاحب یہ سن کر لاجواب ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنک مزاج بزرگ تھے، سفر کی صعوبتوں اور راہِ حق کی مشقتوں کا پورا اندازہ نہ تھا۔ کنڈوہ میں رُکے رہنے سے جو ملال و کبیدگی پیدا ہو چکی تھی، وہ ان کے تمام افکار و عقائد کو بے طرح متاثر کر گئی۔ نہ حالات پر صبر کے ساتھ غور و فکر کی صلاحیت باقی رہی اور نہ کسی نیک دل بزرگ کی نصیحت ان پر اثر انداز ہو سکی۔ مولانا شاہ اسماعیل اس زمانے میں پکھلی گئے ہوئے تھے، انہیں یہ حالات معلوم ہوئے تو متواتر خط لکھے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہے کہ مولوی صاحب کو میری واپسی تک روکا جائے، لیکن شاہ صاحب کی تشریف آوری سے تین روز قبل مولوی محبوب علی صاحب کسی کو اطلاع دیے بغیر رات کے وقت اچانک پشاور روانہ ہو گئے۔

مراجعت کے اثرات

ان قافلوں میں سے میرن شاہ نارنولی تیسرے ہی دن واپس چلے گئے، چکنی پہنچ کر بیمار پڑے اور وہیں وفات پائی۔ یہ واقعہ یقیناً تعجب انگیز ہے کہ ہزاروں میل کی دشوار گزار مسافت قطع کر کے جہاد کی نیت سے پنجتار پہنچے، لیکن اس کے ثواب عظیم سے محرومی گوارا کرتے ہوئے، مرکزِ جہاد سے تھوڑے فاصلے پر بہ عالمِ غربت جاں بحق ہوئے، اجتہادی غلطی کی یہ کتنی افسوس ناک اور عبرت خیز مثال ہے۔

کچھ دن بعد مولوی محبوب علی صاحب بھی چلے گئے اور بخیر و عافیت دہلی پہنچے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے تک زندہ تھے۔ ''ارواحِ ثلاثہ'' میں ہے کہ جن علماء نے اس ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا، مولوی صاحب نے ان سے اختلاف کیا تھا اور فتوے پر مُہر ثبت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انگریزوں نے انہیں گیارہ گاؤں بطور انعام معافی دینے چاہے، مولوی صاحب نے پروانۂ معافی لے کر چاک کر ڈالا اور کہا کہ میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں کیا تھا، میرے نزدیک مسئلہ یونہی تھا۔ (۱)

حکیم محمد اشرف دہلوی بھی واپس چلے گئے، ان لوگوں کی واپسی کا اثر ہرگز اچھا نہیں ہو سکتا تھا، خصوصاً اس وجہ سے کہ اپنی واپسی کو حق بہ جانب ثابت کرنے کیلئے یہ بزرگ انتظاماتِ جہاد کے بارے میں کوئی مستحسن کلمہ زبان پر نہیں لا سکتے تھے۔ چنانچہ اس وجہ سے مختلف حلقوں میں بددلی اور افسردگی پیدا ہوئی اور دیر تک قافلوں کی آمد رکی رہی،

(۱) ''ارواحِ ثلاثہ'' ص: ۲۱۶۔ بعض اصحاب نے اس انعام کو میدانِ جہاد سے مراجعت کا صلہ ظاہر کیا ہے، یہ صحیح نہیں۔ یہ انعام ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں فتوائے جہاد پر دستخط نہ کرنے کا صلہ تھا، مدعیانِ جہاد سے مراجعت کا صلہ دینے کی انگریزوں کو کیا ضرورت تھی؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہاں تک کہ سید صاحب نے بہ حالت مجبوری بعض رفقاء کے مشورے کے مطابق تنخواہ دار سپاہی بھرتی کیے۔ تنخواہ دار سپاہیوں کی بھرتی یقیناً غیر مناسب نہ تھی، لیکن اس کے لئے بقدر ضرورت وسائل موجود نہ تھے۔ اس لئے نہ وسیع پیمانے پر سپاہی بھرتی کیے جاسکے، نہ تنخواہ دار سپاہ کا سلسلہ زیادہ دیر تک باقی رہ سکا۔ خاصی مدت کے بعد سید صاحب کے نیاز مندوں خصوصاً شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کی کوششوں سے غلط فہمیوں کے بادل چھٹے تو پھر قافلے پہنچنے لگے۔

آخری دَور کے قافلے

آخری دور کے تمام قافلوں کا حال معلوم نہ ہوسکا، صرف مندرجہ ذیل کا سراغ مختلف روایتوں میں مل سکا۔

۱۔ مولوی محمد اسحاق گورکھپوری کا قافلہ، اس میں صرف پانچ آدمی تھے، خود شیخ صاحب، شیخ برکت اللہ، پیر محمد، امام خاں سہسرامی اور شرف الدین شاہ جہان آبادی۔ چونکہ یہ بہت تھوڑے آدمی تھے اور کوئی خاص سامان بھی ساتھ نہیں لے گئے تھے، اس لئے سکھوں کی حکومت سے گذرتے ہوئے سرحد پہنچے۔

۲۔ مولوی جعفر علی نقوی کا قافلہ، اس میں اُنیس آدمی تھے، یہ قافلہ گورکھپور سے چلا اور سارے یوپی کو طے کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ پھر انبالہ، پٹیالہ، ممدوٹ، بہاول پور، تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خاں) اور کالا باغ ہوتا ہوا پہلے پنجتار گیا، بعد ازاں امب میں سید صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس کے سفر کی تفصیل مولوی سید جعفر علی نقوی کے ذاتی حالات میں ملے گی۔ مولوی صاحب سید صاحب کے منشی خانے میں بطور محرر کام کرتے رہے، واقعہ بالاکوٹ کے بعد گھر پہنچے، پھر نواب وزیر الدولہ کے کہنے پر سید صاحب کے حالات میں تاریخ احمدی لکھی، جس کا نام ''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء'' ہے۔ زیر مطالعہ کتاب میں اس کے حوالے جابجا ملتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ حاجی وزیر خاں پانی پتی کا قافلہ، اس میں مندرجہ ذیل اصحاب شریک تھے: غلام رسول خاں ملتانی، محمد بخش گولہ انداز، احمد خاں قاصد اور علیم الدین برادر مولوی امام الدین بنگالی۔ کالا باغ میں یہ قافلہ سید جعفر علی نقوی کے قافلے سے ملحق ہو گیا تھا۔

۴۔ مولوی محمد رمضان کا قافلہ، یہ اس زمانے میں پہنچا تھا جب سید صاحب امب میں مقیم تھے۔ اس میں تقریباً پچاس آدمی تھے۔

ہنڈیاں

بالکل ابتداء میں ہندوستان سے بے واسطۂ قاصد روپیہ منگانے کا کوئی انتظام نہ تھا، جو غازی جہاد کی نیت سے آتے تھے وہ روپیہ لے آتے تھے۔ سرحد پہنچنے کے بعد سید صاحب نے ہنڈیوں کے ذریعے سے روپیہ منگانے کا انتظام فرمالیا، اور اس بارے میں ہندوستان اطلاعات بھیج دیں۔ پہلے پہل ہنڈیاں پشاور کے ساہوکاروں سے بھنائی جاتی تھیں۔ پشاور چونکہ بڑا تجارتی مقام تھا، اس لئے وہاں کے ساہوکاروں نے ہندوستان کے ہر حصے سے تعلقات پیدا کر رکھے تھے۔ جب درانیوں کے ساتھ تعلقات بہت بگڑ گئے اور انہوں نے پشاور کے ساہوکاروں کو سید صاحب کے ساتھ روابط داد وستد رکھنے سے منع کر دیا تو منارہ کے ساہوکاروں سے رابطہ پیدا کر لیا گیا۔

منارہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ہنڈ سے قریب واقع تھا، سید صاحب کے زمانے میں خاصہ بڑا تجارتی مرکز ہوگا۔ ۱۸۷۱ء کی طغیانی سندھ میں تباہ ہو گیا۔ اس مقام کے دو ساہوکاروں کا نام سید صاحب کے تذکروں میں آیا ہے، ایک کا نام موتی تھا، دوسرے کا سنتو۔ یہ غالباً بھائی تھے، اور بارہ روپے فی صد منی لیتے تھے، یعنی ایک سو روپے کی ہنڈی کے اٹھاسی روپے دیتے تھے۔ یہ لوگ حضرو کے ساہوکاروں کے ذریعے سے ہنڈیوں کا روپیہ وصول کرتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

خہر میں قیام

علاقہ سمہ میں دورے کی تجویز

سید صاحب بونیر اور سوات کا دورہ فرما چکے تھے، مولانا اسماعیل ہزارہ کے مختلف حصوں میں جہاد کا پیغام پہنچا چکے تھے، ارباب بہرام خاں تہکالی سید صاحب کی خدمت میں پہنچے تو عرض کیا: پنجتار میں کوئی خاص مشغولیت تو ہے نہیں، اگر مناسب سمجھیں تو گرد ونواح کے علاقے کا دورہ فرمائیں۔ لوگوں میں گروہ بندیاں اور پٹہ داریاں ہیں، نیز ان میں جاہلیت کی رسمیں پھیلی ہوئی ہیں، آپ کے وعظ ونصیحت سے سچی اسلامیت کی روح بیدار ہوگی اور عداوتیں مٹ جائیں گی۔

سید صاحب کو یہ مشورہ بہت پسند آیا، چنانچہ آپ نے بیماروں اور معذوروں کو پنجتار میں چھوڑا، باقی غازیوں کو ساتھ لے کر دورہ شروع کر دیا۔

ارباب بہرام خاں اپنی حق پسندی اور دین داری کی وجہ سے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ پنجتار کے قریب موضع مہر علی میں رہتے تھے، وہیں سے بیس پچیس سواروں کے ساتھ سید صاحب کے پاس پہنچے تھے، ایک سبزہ رنگ گھوڑا بطور نذر پیش کیا، جس کا نام اژدر تھا۔ سید صاحب کے سرحدی رفقاء میں ارباب موصوف کا رتبہ بہت بلند ہے۔ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ سید اکبر شاہ ستھانوی کے سوا اکابر سرحد میں سے کوئی بھی اخلاص، تدبر، وفا کیشی اور ایثار وحق کوشی میں ارباب مرحوم کے برابر نہ تھا۔ جب سے سید صاحب کا دامن پکڑا، تادمِ مرگ نہ چھوڑا اور سید صاحب کے ساتھ ہی بالاکوٹ میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہادت پائی۔

دَورے کی کیفیت

سید صاحب پنجتار سے نکلے تو پہلے شیوہ پہنچے، جہاں کے رئیس آنند خاں نے خلوص کے ساتھ استقبال کیا، سید صاحب کو اپنے مکان میں ٹھہرایا، غازیوں کو مسجدوں اور حجروں میں اُتارا۔ پھر علاقہ سرحد کے عام شیوے کے مطابق اہل شیوہ دو دو چار چار غازیوں کو مہمان بنا کر لے گئے، اس مقام میں سید صاحب دو روز ٹھہرے، لوگوں کو آپ کے مواعظ سے بڑا فائدہ پہنچا اور اکثر بیعت سے مشرف ہوئے۔

وہیں چار گلئی کا رئیس منصور خاں پہنچ گیا اور سید صاحب کو غازیوں سمیت اپنے گاؤں لے گیا۔ راستے میں موضع مہر علی سے گذرے، ارباب بہرام خاں کے اہل وعیال وہیں تھے، انہوں نے تمام اصحاب کے لئے ناشتے کا انتظام کیا۔ آگے بڑھے تو موضع مخی کے لوگ راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور ایک رات اپنے ہاں ٹھہرایا۔ چار گلئی میں عام باشندوں کے علاوہ محمود خاں رئیس تنگی نے بھی بیعت کی، اسے درانیوں نے جلاوطن کر رکھا تھا، اور وہ منصور خاں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ چار گلئی میں سید صاحب تین روز ٹھہرے۔ بعد کے دَورے کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

مقام	مدتِ قیام
امان زئی	چار دن
اسماعیلہ	ایک شب
کالو خاں	ایک شب
تلانڈی	ایک شب
شیخ جانا	ایک شب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پندرہ سولہ روز دورے میں گزار کر سید صاحب پنجتار واپس ہوئے۔ دوسری مرتبہ نکلے تو شیوہ، مچئی، چارگلئی ہوتے ہوئے کاٹ لنگ اور لوند خوڑ کے راستے شاہ کوٹ تشریف لے گئے، وہیں سے سید حمید الدین (خواہر زادۂ سید صاحب)، سید ابوالقاسم (ابن سید احمد علی خواہر زادۂ سید صاحب) اور شادی خاں گنج پوری کو ہندوستان بھیجا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کوٹ میں کئی دن گزارے، الا ڈنڈ کا رئیس عنایت اللہ خاں خود شاہ کوٹ پہنچا اور ساتھ لے جانے پر مصر ہوا، چنانچہ سید صاحب ملاکنڈ کی گھاٹی سے گذر کر پہلے درگئی پہنچے، جو شمال مغرب میں علاقہ سمہ کا آخری مقام ہے، پھر دو سو غازیوں کے ساتھ خمر تشریف لئے گئے۔ بعد میں عنایت اللہ خاں کے مشورے سے باقی غازیوں کو بھی خمر (۱) میں بلا لیا۔ صرف پیر خاں مورانوی درگئی میں رہ گئے، اس لئے کہ لشکر اسلام کے اونٹ وہیں تھے اور درگئی میں اونٹوں کے چرانے کا انتظام بہت اچھا تھا۔

قیامِ خمر

خمر میں سید صاحب پہلے بڑی مسجد میں اُترے اور باقی مجاہدین کو دوسری مساجد یا ان کے ملحقہ حجروں میں اتارا گیا۔ چند روز کے بعد ملا کلیم اخوندزادہ، سید صاحب کو مسجد سے اُٹھا کر اپنے مکان پر لے گئے۔

صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ سید صاحب جمادی الاخریٰ ۱۲۴۳ھ (دسمبر ۱۸۲۷ء) میں خمر پہنچے تھے اور جمادی الاخریٰ ۱۲۴۴ھ (دسمبر ۱۸۲۸ء و جنوری ۱۸۲۹ء) تک وہیں قیام فرما رہے۔ منظورہ میں ہے: "زائد از یک سال قیام داشتند۔"

(۱) خمر اصل میں فارسی کے لفظ شہر کی پشتو شکل ہے۔ اس کا ایک تلفظ "خار" بھی ہے، یہ دریائے سوات کے مشرقی کنارے پر سوات زیریں کا مشہور مقام ہے، موجودہ سڑک سے ذرا ہٹا ہوا ہے۔ سید صاحب کے سوانح میں اس مقام کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے کہ یہ تقریباً ایک برس مجاہدین کا مرکز رہا اور مولانا عبدالحی نے اسی مقام پر وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گویا ۱۲۴۳ھ کا ماہ رمضان اور دونوں عیدیں خمر ہی میں گزاریں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنجتار کو چھوڑ کر خمر میں کیوں اتنی دیر تک قیام کیا، یہاں تک کہ وہ مقام نظر بہ ظاہر مستقل مرکز بن گیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ سید صاحب درانیوں کا فرخشہ ختم کرنے کا فیصلہ فرما چکے تھے، اور اس کی بہترین تدبیر یہی تھی کہ پشاور کے آس پاس کے خوانین وعوام کو راہِ راست پر لاتے۔ اس غرض کے لئے خمر موزوں ترین مقام تھا، درانی کاروبارِ جہاد میں بے طرح رکاوٹ کا باعث بن گئے تھے اور ہر وقت خوانین کو سید صاحب کے خلاف ابھارتے رہتے تھے۔ سکھ انہیں کی وجہ سے بے تکلف علاقہ سرحد میں داخل ہو کر مسلمانوں کو ظلموں کا ہدف بنانے میں سرگرم تھے، ہندوستان سے غازیوں کی آمد کا راستہ بھی انہیں نے روک رکھا تھا۔

خمر اگرچہ مستقل قیام گاہ بن گیا تھا، لیکن سید صاحب کا اصل مقصد یہ تھا کہ عوام میں دعوتِ جہاد اور تنظیم کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ اس غرض کیلئے آپ نے دورے شروع کر دیے۔ کئی بستیوں میں گئے، ایک ایک دو دو دن قیام کیا۔ روایتوں میں صرف دو مقامات کے نام تصریحاً آئے ہیں، ایک ڈھیری جو خمر سے دواڑھائی کوس کے فاصلے پر ہے، دوم برم گولہ(۱) جہاں سید صاحب چار روز مقیم رہے۔

مولانا عبدالحئیؒ کی وفات

قیامِ خمر کا ایک نہایت رنجیدہ واقعہ مولانا عبدالحئیؒ کی وفات ہے، مولانا بہت بوڑھے تھے، بواسیر کا مرض پہلے سے تھا۔ قیامِ خمر کے زمانے میں شدید دورہ ہوا، علاج میں کوئی کوتاہی نہ ہوئی لیکن جو دوا دی جاتی، مفید نہ پڑتی۔ کمزوری روز بروز بڑھتی گئی، یہاں تک

(۱) اس نام کے دو مقام ہیں، ایک "کیابرم گولہ" دوسرا "بٹ برم گولہ"۔ یہ دونوں خمر کے سامنے دریائے سوات کے مغربی کنارے سے کسی قدر ہٹے ہوئے ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ وقتاً فوقتاً بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ سید صاحب روزانہ عیادت کے لئے مولانا کی قیام گاہ پر جاتے، ایک روز آپ گئے تو بے ہوشی سے افاقہ ہوتے ہی مولانا نے آنکھیں کھولیں اور سید صاحب کو پہچان لیا۔ آپ نے مزاج پوچھا تو بولے: ''نہایت تکلیف ہے، آپ میرے لئے دعا فرمائیں اور میرے سینے پر پاؤں رکھ دیں، شاید اس کی برکت سے میری مشکل آسان ہو جائے اور اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ سید صاحب نے فرمایا: ''مولانا! آپ کا سینہ علوم کتاب و سنت کا گنجینہ ہے، میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔'' پھر پاس بیٹھ گئے اور سینے پر ہاتھ رکھا، جس سے کسی قدر تسکین ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد چند بار ''اللہ رفیق الاعلیٰ'' ''اللہ رفیق الاعلیٰ'' کہا اور روح جسد عنصری کو چھوڑ کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئی۔

اوائل ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ میں پہنچے تھے اور چار باغ (سوات) میں سید صاحب سے ملے تھے۔ ۸ر شعبان (۱) ۱۲۴۳ھ (۲۴ر فروری ۱۸۲۸ء) کو رحلت فرمائی۔ مولوی محمد یوسف پھلتی قطب لشکر اسلام کی وفات کے بعد مولانا عبدالحئی کا انتقال غازیانِ اسلام کے لئے دوسرا نہایت غم انگیز حادثہ تھا، مولانا کے اکلوتے فرزند مولوی عبدالقیوم ساتھ تھے، سید صاحب نے از روئے فرط شفقت انہیں سینے سے لگا لیا اور بہت تسلی دی۔

(۱) منظورہ میں ہے: ''در آخر عشرۂ رجب رحلت فرمودند''۔ ''وقائع'' میں مولوی فتح علی کی روایت بھی اسی مضمون کی ہے، لیکن سید احمد علی نے نواب وزیر الدولہ کو اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع دیتے ہوئے تعین کے ساتھ تاریخ وصال ۸ر شعبان لکھی ہے۔ مولانا کے وصیت نامے کی تمہیدی عبارت یوں ہے: جناب ہدایت مآب، زبدۂ اسلاف، قدوۂ اخلاف، پیشوائے اصحاب شریعت رہنمائے ارباب طریقت، عالم ربانی، عامل حقانی، مقبول بارگاہ رب قوی، مولانا عبد الحئی بتاریخ ہشتم شہر شعبان سنہ یک ہزار و دو صد و چہل و سہ در قریہ ''عماز'' ضلع سوات یوسف زئی، بہ تقدیر ربانی ..... ازیں جہان فانی بہ دار البقاء جاودانی شتافتند۔ گویا اس میں بھی تاریخ وفات ۸ر شعبان ہی بتائی گئی ہے۔ بہر حال دونوں تاریخوں میں صرف نو دس دن کا فرق ہے اور یہ فرق چنداں اہم نہیں، میرے نزدیک ۸ر شعبان ہی مستند ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تجہیز و تکفین

مولانا شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسن، قاضی علاؤ الدین بگھروی، میاں جی چشتی اور میاں جی محی الدین میت کے غسل میں لگ گئے۔ سید صاحب مولانا کے فضائل و محاسن بیان فرماتے رہے۔ "وقائع" کے بیان کے مطابق اس قسم کے الفاظ فرمائے: "مولانا دین کے ایک رکن تھے اور بڑی برکت والے شخص تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا، جو مرضی مالک کی۔" آنکھوں سے برابر آنسو بہہ رہے تھے۔

جنازہ اٹھانے والوں میں خود سید صاحب بھی تھے، آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اہل خبر کے علاوہ سات سو غازیانِ اسلام اس نماز میں شریک تھے۔ اس رتبۂ اختصاص پر کسے رشک نہ آئے گا کہ وقت کا امامِ جہاد نمازِ جنازہ میں پیش امام تھا اور دوسرے اصحاب کے علاوہ سات سو غازی شریک نماز و دعاء تھے۔ جن میں سے ہر فرد اپنی جان راہِ خدا میں نذر کیے بیٹھا تھا۔ خبر کے جنوب مشرق میں ایک تیر کی زد پر قبرستان تھا، جہاں لشکر مجاہدین کے اس مایۂ ناز شیخ الاسلام کو آغوشِ لحد میں سلایا گیا۔ بڑھانہ (ضلع مظفر نگر) میں پیدا ہوئے، دہلی میں فضل و کمال کی منزلیں طے کیں، ہندوستان کو از سر نو اسلام کے زیر نگیں لانے کی شیفتگی میں سرحد پہنچے، سوات میں آخری آرام گاہ پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وفات سے پیشتر مولانا نے سید صاحب اور بعض دوسرے اصحاب کی موجودگی میں، جن میں سے مولانا شاہ اسماعیل، حکیم محمد اشرف خاں دہلوی، شیخ نظام الدین بڑھانوی، قاضی علاؤ الدین بگھروی اور حافظ محمد صابر تھانوی کے اسمائے گرامی مذکور ہوئے، ایک وصیت نامہ لکھوایا تھا، جس کے مطابق تمام مملوک اشیاء اور ولایت بنات و ابنا میں اپنے تمام حقوق تصرف اپنی اہلیہ یعنی والدۂ مولوی عبدالقیوم کے حوالے کر دیے تھے۔ (۱)

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۲۸-۱۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی عبدالقیوم اور دوسرے اقربا

مولانا عبدالحئی کے صاحبزادے، مولوی عبدالقیوم، سید صاحب کے ساتھ سرحد پہنچے تھے۔ مولانا کے انتقال کے وقت سے سید صاحب مولوی عبدالقیوم کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے، ان کے دو ماموں بھی لشکر اسلام میں تھے: ایک شیخ جلال الدین، دوسرے شیخ صلاح الدین۔ مولانا کی وفات سے آٹھ روز بعد شیخ جلال الدین نے عرض کیا کہ مولانا کے انتقال کی خبر والدۂ عبدالقیوم کو ملے گی تو بہت رنج ہوگا، بہتر یہ ہے کہ میں عبدالقیوم کو وطن پہنچا دوں۔ سید صاحب کو یہ تجویز پسند نہ تھی لیکن شیخ جلال الدین کا اصرار وابرام دیکھ کر اجازت دے دی۔

سید احمد علی نے مولانا کے انتقال کی اطلاع صاحبزادہ محمد وزیر خاں ولی عہد ریاست ٹونک کو بھیجی تو بالکل بجا لکھا کہ مولانا کا غم مفارقت ایسا نہیں جو ایک شخص یا چند اشخاص تک محدود ہو۔ یہ عام ماتم ہے، چاہیے کہ ہر مسلمان بھائی دوسرے سے تعزیت کرے۔ ساتھ ہی تحریر فرمایا کہ مولانا کی دو اہلیہ ہیں (۱) ایک دہلی میں (ہمشیر مولانا شاہ اسماعیل) دوسری بڑھانہ میں، دونوں جگہ خدمت کا بندوبست کر دیا جائے۔

مولانا کے ایک عم زاد بھائی مولوی احمد اللہ ناگپوری (۲) تھے، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں تھا۔

خط و کتابت جاری تھی، جب مولانا سرحد چلے آئے تو مولوی احمد اللہ کمر ہمت باندھ کر زیارت کی نیت سے ٹونک ہوتے ہوئے سرحد پہنچ گئے۔ چند آدمی بھی آپ کے ساتھ

(۱) اس سے ظاہر ہے کہ مولانا کی تین شادیاں ہوئی تھیں، پہلی شاہ عبدالعزیز کی صاحبزادی سے، جس کے انتقال پر دوسری شادی بڑھانہ پھلت میں کی، اسی بی بی کے بطن سے عبدالقیوم پیدا ہوئے۔ تیسری شادی اس وقت شاہ اسماعیل کی بہن بی بی رقیہ سے ہوئی، جب نکاح بیوگان کی تحریک چلی تھی۔

(۲) ''وقائع'' میں انہیں مولانا کا علاتی بھائی لکھا ہے یعنی والد ایک اور والدہ دو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، لیکن مولانا کی وفات سے تین چار روز بعد خمر میں وارد ہوئے، درگئی میں یہ جانگزا خبر سن چکے تھے، ان کے رنج و قلق کا اندازہ کون کرسکتا ہے جنہوں نے صرف اشتیاقِ دیدار میں اتنا لمبا اور کٹھن سفر اختیار کیا تھا۔ خمر پہنچے تو کہا: مجھے بڑا اشتیاق تھا کہ بھائی صاحب سے ملوں گا، لیکن مرضی الٰہی یہ ہوئی کہ عالم ناسوت میں ملاقات نہ ہو۔ علاوہ بریں تیراندازی، چابک سواری اور کشتی کے فنون میں اُستادِ کامل تھے۔ جانوروں کے علاج میں بڑا کمال حاصل تھا۔ دعوتِ اسماء میں بھی خاص دسترس تھی، بیعت کے بعد سید صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا اور بالاکوٹ کے معرکے میں شہید ہوئے۔

متفرق واقعات

قیامِ خمر کے زمانے میں ایک مرتبہ غازیوں کو سخت عسرت سے سابقہ پڑا، گنے کا موسم تھا، زمیندار مزدوری دے کر گنے چھلواتے تھے۔ غازی بھی سید صاحب سے اجازت لے کر اس کام میں لگ گئے، انہیں نقد اجرت کے علاوہ فی کس آٹھ آٹھ دس دس گنے مل جاتے تھے۔ چونکہ وہ بڑے دیانت کیش اور پاک باز تھے، اس لیے سارا کام خلوص ومحنت سے انجام دیتے تھے اور ذرا سا نقصان بھی انہیں گوارا نہ تھا، اس طرح زمینداروں کو بڑا فائدہ پہنچا۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے، ایک روز سرکاری خزانے میں اتنا ہی غلہ تھا کہ صرف سید صاحب کے لئے کھچڑی تیار ہوسکتی، آپ نے تناول فرمانے سے انکار کردیا اور کہا کہ جب تک غازیوں کے لئے انتظام نہ ہو میں خود کیوں کر کھا سکتا ہوں؟ آخر ایک پیش قبض کی کفالت پر بنئے سے چاول خریدے گئے، سب کے لئے کھچڑی تیار ہوگئی تو سید صاحب نے بھی کھائی۔

ہندوستان سے ہنڈیاں آنے لگی تھیں اور انہیں منارہ کے ساہوکاروں سے بھنایا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جاتا تھا، سید صاحب نے معاش کی تنگی دیکھ کر اپنے بھانجے سید احمد علی کو پچیس سواروں کے ساتھ منارہ بھیج دیا کہ ضرورت کی چیزیں ساہوکاروں سے قرض لے آئیں، چنانچہ وہ پانسو روپے کا کپڑا اور پانسو نقد لے آئے دو روز بعد ہنڈیاں آگئیں تو قرض ادا کر دیا گیا۔

غازیوں کے زہد و تقویٰ سے ہر شخص متاثر تھا، ایک مرتبہ ملا کلیم اخوند زادہ نے خود گاؤں کی عورتوں کو آپس میں باتیں کرتے سنا کہ سید بادشاہ کے ساتھی یا تو خلقاً خواہشات نفس سے محروم ہیں یا اولیاء ہیں۔ یہ ان چکیوں پر آٹا پسوانے آتے ہیں، لیکن کیا مجال کہ آج تک کسی غازی کی نگاہ عورت کی طرف اُٹھی ہو۔ ملا کلیم نے کہا وہ واقعی اولیاء ہیں اور یہ سید صاحب کی صحبت و تربیت کا اثر ہے کہ خلافِ شرع بات ان کے دل میں خطور ہی نہیں کرتی۔

ایک مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ غازیوں سے قواعد اور چاند ماری کرائی جائے۔ چنانچہ میر عبد الرحمٰن جھالوی(۱) حافظ امام الدین سلام پوری اور بعض دوسرے حضرات ان غازیوں سے نشانے کی مشق کرانے لگے، جن کے پاس توڑے والی بندوقیں تھیں۔ حاجی عبد اللہ رام پوری، مولوی امام علی عظیم آبادی، شیخ خواہش علی غازی پوری، شیخ بلند بخت دیوبندی، شیخ نصر اللہ خورجوی اور اکبر خاں نے ان غازیوں کی تربیت کا کام سنبھال لیا، جن کے پاس چقماقی بندوقیں یا قرابینیں تھیں۔ اڑھائی مہینے تک یہ سلسلہ جاری رہا، سید صاحب نے مشاقی کے کمالات دیکھ کر بڑی تحسین فرمائی، لیکن ساتھ ہی کہا کہ اپنی مشاقی پر نازاں نہ ہونا، فتح صرف خدا کے فضل پر موقوف ہے۔

اس زمانے میں ایک دستور یہ تھا کہ لوگ چھرّے منہ میں بھر لیتے تھے اور بندوق بھرتے وقت تھوڑے تھوڑے منہ سے نکال نکال کر ڈالتے جاتے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا اس میں بڑی مضرتیں ہیں، مثلاً یہ کہ بندوق گرم ہو جائے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ بارود

(۱) جھالو ضلع بجنور میں ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھرتے وقت آگ نہ پکڑ لے، ایسی حالت میں منہ سے چھرّے نالی میں ڈالنا خالی از خطرہ نہیں۔ بارود جل اٹھے تو جان کا نقصان ہو۔ دوسرے اگر چھرّے منہ میں ڈالے جائیں تو میدان میں تکبیر نہیں کہی جا سکے گی، چنانچہ لشکر اسلام میں یہ طریقہ بالکل بند کر دیا۔

سید محمد حبان

قیامِ خمر ہی کے دوران میں مولوی سید محمد حبان، سید صاحب کی خدمت میں پہنچے تھے، یہ کانڑ اغور بند کے باشندے تھے۔ بہت بڑے عالم، ذکی الطبع، غیور اور خوش تقریر تھے۔ غالباً ہندوستان میں رہ کر علم حاصل کیا تھا اور کچھ مدت کلکتہ میں بھی گزار چکے تھے، سید صاحب سے عرض کیا کہ میں آسودہ حال ہوں، روپیہ پیسہ خدا نے دے رکھا ہے، کسی چیز کی احتیاج نہیں، صرف خدا کے لئے آیا ہوں۔ اگر اپنے دل کو متاثر دیکھوں گا تو بیعت کروں گا، ورنہ واپس چلا جاؤں گا۔ سید صاحب نے فرمایا بیعت کیجئے اللہ برکت دے گا، بیعت کے بعد سید محمد حبان گویا ہوئے کہ میں اندھا تھا بصیر ہو گیا، کافر تھا مسلمان ہو گیا۔ سید صاحب نے فرمایا: یوں کہئے کہ پہلے ہی مسلمان تھا، اب ایمان ترقی کر گیا۔ سید حبان نے کہا کہ میں اب نئے سرے سے مسلمان ہوا ہوں، اگلی عمر یونہی برباد ہوئی۔

سید اکبر شاہ اور ارباب بہرام خاں کے بعد سرحدیوں میں سے یہ تیسرے بلند پایہ بزرگ تھے، جو سید صاحب سے وابستہ ہوئے۔ بیعت کے بعد اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت دین کے لئے وقف فرما دیا اور دمِ واپسیں تک سید صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بیعتِ اقامتِ شریعت کے بعد سید صاحب نے انہیں قاضی القضاۃ مقرر کر دیا تھا، اس لئے انہیں عام طور پر قاضی سید محمد حبان کہتے تھے، مردان کی جنگ میں شہید ہوئے۔

تیسری شادی

جنگِ شیدو کے موقع پر سید صاحب کو زہر دیا گیا تھا، اس سے بہ فضلِ ایزدی جان تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بچ گئی لیکن آپ کے جسم پر اس کا اثر قائم رہا۔ آخر سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا، بہت علاج کیا، افاقے کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اطباء نے یہ تجویز کیا کہ آپ نکاح کرلیں، سید صاحب کو نکاح میں تامل تھا، اس لئے کہ دو بیبیاں موجود تھیں، جو انتظامات کے مطابق آپ کے بعد رائے بریلی سے ٹونک اور وہاں سے پیر کوٹ (سندھ) پہنچ گئی تھیں۔ جب دیکھا کہ بیبیوں کو لانے کی کوئی صورت مستقبل قریب میں بن نہیں سکتی اور مضرت بڑھ رہی ہے تو نکاح کی اجازت طلب کی۔(۱) وہاں سے اجازت آگئی تو پہلے کن گلی کی ایک سیدہ سے نکاح کا خیال ہوا جو سید علی غوث بونیر کے خاندان سے تھیں، پھر رفیقوں نے یہ مشورہ دیا کہ سلیمان شاہ والیٔ چترال نے جو لڑکی آپ کی خدمت میں بھیجی تھی، اس سے نکاح کرلیا جائے۔ اس لڑکی کے حالات دریافت کئے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سادات میں سے ہے، والد کا نام نواب شاہ اور والدہ کا نام خدیجہ ہے۔ دو بھائی بھی ہیں، جن میں سے ایک کا نام نجف علی شاہ اور دوسرے کا احمد علی شاہ ہے۔(۲)

پورا اطمینان ہوگیا تو ان سیدہ سے، جن کا نام فاطمہ تھا، سید صاحب نے نکاح

(۱) روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ سید صاحب نے سیدہ ولیہ ام اسمٰعیل سے نکاح کرتے وقت عہد کیا تھا کہ ان کی اجازت کے بغیر اور نکاح نہ کروں گا، اس وجہ سے اجازت ضروری تھی۔ یہ درست ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ ازواج کی دلداری کے لئے دونوں سے اجازت منگوائی ہوگی۔

(۲) سید صاحب کے ایک نسب نامے میں مرقوم ہے کہ سیدہ فاطمہ کا ایک بھائی ان سے ملنے کے لئے ٹونک آیا تھا اور اس کا نام قربان علی تھا۔ ممکن ہے یہ تیسرا بھائی ہو اور سیدہ کے چلے آنے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ میرے عزیز دوست سید غلام حسن شاہ صاحب کاظمی نے اس سلسلے میں بہت چھان بین کی، معلوم ہوا کہ فاطمہ یقیناً سیدہ تھیں، اور حضرت امام موسیٰ کاظم کی نسل سے تھیں، مگر ان کا خاندان عقائد کے لحاظ سے اسمٰعیلی مولائی تھا، ایک جنگ میں جو مہتر محترم شاہ والی چترال اور مہتر سلیمان شاہ والی یاسین و مستوج کے مابین ہوئی تھی، سیدہ گرفتار ہوکر مہتر سلیمان شاہ کے پاس پہنچیں۔ مہتر سلیمان شاہ نے انہیں سید صاحب کے پاس بھیج دیا۔ سیدہ کا خاندان بلاشبہ اسمٰعیلی تھا، لیکن وہ خود نہ ابتداء میں تعلیم یافتہ تھیں، نہ غالباً انہیں دین کے متعلق چنداں آگاہی تھی۔ سید صاحب کے پاس پہنچ جانے کے بعد آپ ہی کے مقرر کئے ہوئے اساتذہ سے علم دین حاصل کیا اور آپ ہی کی بابرکت صحبت میں دینی تربیت پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرلیا۔ سید احمد علی بریلوی، مولانا شاہ اسماعیل اور شیخ ولی محمد کے روبرو، میاں جی چشتی نے خطبۂ نکاح پڑھا اور ایجاب وقبول کرایا۔

خمر میں ایک بڑی بی رہتی تھی، شوہر فوت ہو چکا تھا، اس نے جو مال واسباب چھوڑا تھا وہ اس کے بھائی اور بھتیجے اٹھا لے گئے۔ بڑی بی کے اولاد نہ تھی، محنت کر کے گزارہ کرتی تھی، وہ ایک روز سید صاحب کے لئے کھانا پکا لائی اور اپنا حال سنا کر زاروقطار رونے لگی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اماں! میں تیرے لئے بہت دعاء کروں گا، اپنے دل میں غمگین نہ ہو، صبر کر، اگر تیرے کوئی بیٹا نہیں تو مجھے اپنے بیٹے کی جگہ سمجھ لے، میں تجھے ماں کے برابر سمجھتا ہوں، ہر ممکن خدمت کرتا رہوں گا۔

پشتو میں ماں کو "ابئ" کہتے ہیں۔ بڑی بی اتنی خوش ہوئی کہ ہر شخص سے فخریہ کہتی: سید بادشاہ نے مجھے "ابئ" کہا ہے۔ غازی بھی اسے ابئ کہتے تھے۔ نکاح کے بعد سید صاحب نے ابئ کو بی بی صاحبہ کی رفاقت کے لئے اپنے گھر میں بلا لیا۔ واقعہ بالاکوٹ کے کئی برس بعد بی بی صاحبہ سرحد سے پیرکوٹ اور وہاں سے ٹونک پہنچیں تو "ابئ" ان کے ساتھ تھی۔ ۱۲۷۴ھ (۵۸-۱۸۵۷ء) میں وقائع زیر ترتیب تھی تو اس وقت تک "ابئ" زندہ تھی۔ غالباً ٹونک میں فوت ہوئی۔

سیدہ کی تعلیم

سید صاحب نے نکاح کے بعد سیدہ فاطمہ کی تعلیم کا انتظام فرمایا تا کہ وہ دینی مسائل سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھایا گیا۔ اس کام کے لیے میاں غلام محمد سہارنپوری کو مقرر کیا۔ یہ بہت بوڑھے تھے۔ اپنے فرزند مولوی سعادت علی کو، جو لشکر اسلام میں شریک تھے، دیکھنے اور ساتھ لیجانے کیلئے سرحد پہنچے تھے۔ سید صاحب کی صحبت میں بیٹھے تو خود بھی واپس جانے کا خیال دل سے نکل گیا۔ بڑھاپے کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باعث جہاد میں شریک نہ ہو سکتے تھے، اس لئے سید صاحب نے انھیں سیدہ فاطمہ کی تعلیم پر لگا دیا۔

قاضی علاؤ الدین پھلروی مولانا عبدالحیٰ کے شاگرد تھے، وہ شعر بھی کہتے تھے۔ سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ ضروری دینی مسائل سادہ اور سلیس اُردو میں نظم کر دیجئے تاکہ لوگ انہیں آسانی سے یاد کر لیا کریں۔ انہوں نے یہ کام شروع کر دیا، لیکن تکمیل سے پہلے شہید ہو گئے۔ قاضی صاحب نے جو نظم شروع کی تھی، اس کے ابتدائی اشعار یہ تھے۔

کروں حمد اس ذاتِ بے عیب کی غنی و صمد عالم الغیب کی
جو محتاج ہرگز کسی کا نہیں اسی کے ہیں محتاج سب ہر کہیں

خدمت دین میں سید صاحب کے اختصاص و امتیاز کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے پاس جس علم و فن کا کوئی آدمی آیا، اس کے ذمے مناسب حال دینی کام لگا دیا۔ مولوی خرم علی بلہوری نے فارسی اور اردو میں فضائل جہاد نظم کر دیے، یہ نظمیں جنگوں میں اراجیز کے طور پر پڑھی جاتی تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

جنگِ اوتمان زئی

دُرّانی سرداروں کی کیفیت

آپ دیکھ چکے ہیں کہ دُرّانی سرداروں کی عداوت روز بہ روز زیادہ تیز و شدید ہوتی گئی، ان کے تعلق کا آغاز حسن عقیدت اور بیعت امامت سے ہوا تھا، جنگ شیدو میں وہ سکھوں کے آلۂ کار بن گئے اور انہیں کی غیر شایاں حرکات کے باعث فتح شکست میں بدلی۔ اس وقت یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید سکھوں کی تہدیدات نے انہیں ہراساں کردیا ہوگا، جو لوگ یقین و ایمان کی پختگی سے بہرہ مند نہ ہوں اور ان کے قلب و روح میں کسی بلند نصب العین کی حرارت موجزن نہ ہو، ان سے ایسی لغزشیں سرزد ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ترکِ رفاقت کو اپنے لئے مفید سمجھا، لیکن وہ اس منزل پر رُکے نہیں، بلکہ ہندوستان سے سرحد پہنچنے والے غازیوں کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے، اور پشاور کے تمام ساہوکاروں کو ہدایت کردی کہ سید صاحب سے کوئی سروکار نہ رکھیں، یہاں تک کہ ان کی ہنڈیوں کا روپیہ بھی نہ دیں، حالانکہ یہ کاروبار وہ اپنے نفع کے خیال سے کرتے تھے۔ تیسرا قدم یہ اٹھایا کہ ان تمام رئیسوں اور سرداروں کے وہ دشمن بن گئے جو سید صاحب سے عقیدت رکھتے تھے، اور ناحق کوشی میں درانیوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان سرداروں اور رئیسوں کو اتنا تنگ کیا گیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر باہر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ مثلاً ارباب بہرام خاں تہکالی، ان کا بھائی جمعہ خاں، عالم خاں رئیس اوتمان زئی، رسول خاں رئیس جلالہ اور محمود خاں رئیس تنگی، اکادکا غازیوں اور سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے قاصدوں کو بھی تنگ کرنے کی شکایتیں بار بار پہنچیں۔

برائی کے تین ہی درجے ہیں چوتھا کوئی نہیں۔ اول برائی کو برائی سمجھنا لیکن کیے جانا۔ دوم برائی کرنا اور اس کا احساس نہ رکھنا۔ سوم برائی کو اس رنگ میں اختیار کر لینا گویا وہ بڑی ہی نیکی اور کارِ خیر ہے۔ درانی سردار یہ تینوں منزلیں طے کر چکے تھے، سید صاحب خمر کی طرف جا رہے تھے تو اس موقع پر درانیوں نے ایک لشکر مقابلے کے لئے بھیج دیا تھا، لیکن سید صاحب طرح دے کر نکل گئے۔

پشاور پر پیش قدمی کی تجویز

ایک روز عالم خاں، رسول خاں، ارباب بہرام خاں اور جمعہ خاں کے آدمی یہ خبر لائے کہ درانیوں کا لشکر دریائے لنڈے کو عبور کر کے اوتمان زئی پہنچ چکا ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ مناسب موقع پائے تو سید صاحب سے جنگ کرے۔ سب نے عرض کیا کہ یہ خبر مصدقہ ہے، اس لشکر کے آگے بڑھنے کا انتظار کرنے کے بجائے بہتر یہ ہوگا کہ آپ خود اوتمان زئی پر پیش قدمی کریں، پھر پشاور پہنچیں۔

سید صاحب کو یہ تجویز قبول کرنے میں توقف تھا۔ توقف کیوں نہ ہوتا؟ وہ اس غرض سے سرحد نہیں پہنچے تھے کہ اصل کام چھوڑ کر مقامی خوانین ورؤسا کے جھگڑوں میں الجھ جائیں۔ یہ غرض لے کر پہنچے تھے کہ سب کو غفلت و سرگشتگی کے خواب سنگین سے بیدار کر کے اسلامیت کا حق ادا کرنے پر آمادہ کریں، اسی پر ملت کی عمومی بہتری اور ہندوستان کی تطہیر موقوف تھی۔ اسی کے ساتھ خود ان خوانین ورؤسا اور ان جیسے تمام ہندوستانیوں کی دنیوی مصلحتیں وابستہ تھیں، اس سلسلے میں ترکِ رفاقت کو ایک حد تک گوارا کیا جا سکتا تھا لیکن مخالفت کیوں کر برداشت کی جا سکتی تھی؟ ایک مسلمان فرائض دین کی بجا آوری میں قاصر رہے تو اسے یقیناً اچھا نہ سمجھا جائے گا، لیکن جو شخص یہ فرائض بجالانے والوں کا دشمن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بن جائے اور ان کی پوری سرگرمیوں کو بے اثر بنا دینے کے درپے ہو جائے، اسے اپنا سمجھنے کی کونسی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

تاہم سید صاحب آخری قدم اٹھانے سے پیشتر ہر پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہتے تھے، انہوں نے تمام خوانین و علماء کو جمع کر کے سردارانِ پشاور کی فتنہ انگیزیاں بے کم و کاست بیان فرما دیں اور فیصلہ انہیں پر چھوڑ دیا۔

خوانین و علمائے سرحد کا فیصلہ

فیصلہ کرنے والوں میں سے جن اصحاب کے اسماء کا علم ہو سکا، وہ یہ ہیں: بہرام خاں، جمعہ خاں (تہکالی)، عنایت اللہ خاں (الا ڈنڈ) زید اللہ خاں (خہر) محمود خاں (گھڑیالی) منصور خاں (چارگلئی) مولوی سید محمد حبان (کانزا غور بند)، مولوی عبدالرحمٰن (تورو)، ملا کلیم اخوندزادہ (خہر) ان اصحاب نے غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا کہ سردارانِ پشاور نے امامت قبول کر لینے کے بعد بغاوت کا راستہ اختیار کیا، ان کا خون مباح ہے اور ان کے ساتھ جنگ ناگزیر ہو گئی ہے۔ علماء نے پشاور پر لشکر کشی کو اس وجہ سے بھی جائز قرار دیا کہ جو علاقے سردارانِ پشاور کے تصرف میں ہیں، وہاں ظلم و فسق کی گرم بازاری ہے اور رسومِ جاہلیت کا زور ہے۔ ان علاقوں کی پیشانی پر اسلامیت کا نقش بٹھانے کی یہی تدبیر ہے کہ حملہ کیا جائے۔

اس فیصلے کے بعد نقشۂ عمل تیار کیا گیا، مقصود حقیقی وہ فوج نہ تھی جو اوتمان زئی پہنچی ہوئی تھی، غرض یہ تھی کہ پشاور کو لے لیا جائے تاکہ وہ سرچشمہ بند ہو جائے، جس سے نفاق و عداوت کی سوتیں بار بار پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں۔ اس کے بغیر سرحد میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مستحکم محاذ قائم کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک جماعت کو خیبر کی سمت بھیجا جائے، یہ جماعت وعظ و تبلیغ سے ادھر کے قبائل کو اٹھا کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پشاور پہنچنے اور پشاور و کابل کے درمیان اتصال و تعلق کا رشتہ کاٹ دے، دوسری جماعت شمالی سمت سے اوتمان زئی کے راستے اقدام کرے۔

داعیانِ خیبر

سید صاحب نے خیبر کی سمت ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی جمعہ خاں کو بھیجا اس لئے کہ انہیں قبائل خیبر میں خاص اثر ورسوخ حاصل تھا۔ پچاس ساٹھ آدمی ان کے ساتھ کر دیے، ان میں سے اکثر ارباب ہی کے آدمی ہوں گے۔ ہندوستانیوں میں سے سید احمد علی (خواہرزادہ سید صاحب) مولوی مظہر علی عظیم آبادی، شیخ ولی محمد پھلتی، شیخ علی محمد دیوبندی، مولوی محمد حسن رام پوری اور مولوی نصیر الدین منگلوری کے اسمائے گرامی کا ہمیں علم ہے، سید احمد علی کو اس جماعت کا امیر اور مولوی محمد حسن کو نائب امیر و مشیر مقرر کیا گیا۔ اہل خیبر کے نام ایک اعلام نامہ بھی تیار کر کے دے دیا گیا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ مجاہدین کی اعانت و رفاقت ایمان و اتقیاد کی علامت ہے، ان سے الگ رہنا نفاق و فساد کا نشان ہے۔ بغی و طغیان کا دائرہ اتنا پھیل چکا ہے کہ انہیں ختم کئے بغیر جہاد ممکن نہیں رہا، لہٰذا منافقوں کے مقابلے کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور اسے جہاد کا اعلیٰ مرتبہ سمجھو۔

سید صاحب نے عادتِ شریفہ کے مطابق ان اصحاب کو رخصت کرتے وقت بڑے عجز و الحاح سے بارگاہِ الٰہی میں دعاء کی۔ چند روز کے بعد اطلاع آ گئی کہ حالات سازگار ہیں، مہمند اور خلیل نے دعوت قبول کر لی ہے اور سعادت خاں لال پوری مجاہدین کی رفاقت کیلئے تیار ہو گیا ہے۔ یہ شخص درۂ خیبر کے مغربی کنارے پر رہتا تھا۔ سید صاحب جب کابل سے پشاور آ رہے تھے تو اس نے عقیدت کے ساتھ بیعت کی تھی اور اپنے عہد پر پکا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کی روانگی اور فیصلہ شبخون

یہ اطلاع مل جانے کے بعد سید صاحب بھی تیار ہو گئے، جو لوگ کمزور تھے انہیں خمر میں بی بی صاحبہ کے پاس چھوڑا۔ میاں جی غلام محمد سہارن پوری کو وہاں کے تمام امور کا منصرم بنایا، خود باقی غازیوں کو لے کر نکلے۔ عنایت اللہ خاں، زید اللہ خاں، رسول خاں اور عالم خاں ساتھ تھے، درگئی اور موسیٰ گڑھی ہوتے ہوئے ٹوٹئی پہنچ گئے۔ (۱)

خانِ ٹوٹئی نے سید صاحب اور غازیوں کے لئے مناسب قیام گاہیں تجویز کردیں، وہاں تقریباً ایک مہینہ قیام رہا۔ اس اثناء میں سوات وسمہ کے تمام خوانین کو اطلاع بھیج دی گئی۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کون کون سید صاحب کی اعانت کے لئے آیا، صرف انبالی خاں رئیس سوات بالا کا نام معلوم ہو سکا۔

ٹوٹئی ہی میں یہ فیصلہ ہوا کہ اوتمام زئی پر شبخون مارا جائے، چنانچہ ضرورت کے مطابق لشکر میں ساز وسامانِ جنگ تقسیم کردیا گیا۔ ہر غازی کو ایک ایک سیر آٹا، ایک ایک پاؤ گھی اور ایک ایک پاؤ گڑ دے دیا گیا تاکہ سب روغنی روٹیاں تیار کرلیں جو تین چار وقت کام دیں۔

اس وقت سید صاحب کے خزانے میں تیس پینتیس ہزار روپے نقد جمع تھے، سارا روپیہ ساتھ لے جانا مناسب نہ تھا، پانچ ہزار روپے الگ کر کے چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں بھر لئے گئے اور یہ تھیلیاں مختلف غازیوں کی کمروں میں باندھ دی گئیں۔ سب کو تاکید کردی کہ اگر کسی بھائی کو حادثہ پیش آئے تو دوسرا بھائی اس کی کمر سے تھیلی کھول کر اپنی کمر میں باندھ لے، باقی سارا روپیہ ایک محفوظ مقام پر دفن کردیا گیا۔

---

(۱) تمام روایتوں میں درگئی کے بعد موسیٰ گڑھی کا ذکر ہے۔ خان غلام محمد خاں رئیس لوند خوڑ نے بتایا کہ موسیٰ گڑھی کوئی مقام نہیں اس مقام کا نام موسیٰ میانہ ہے، اس کے پاس ایک گڑھی تھی جسے گڑھی عثمان خیل کہتے تھے، اب وہ موجود نہیں۔ موسیٰ میانہ درگئی سے چار میل ہے اور ٹوٹئی وہاں سے سات آٹھ میل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ابتدا ہی میں طے کر لیا گیا تھا کہ ایک جماعت آگے جائے، اس کے امیر مولانا شاہ اسماعیل ہوں، دوسری جماعت سید صاحب کی معیت میں پیچھے پیچھے چلے۔

غازیوں کی پریشانیاں

''منظورہ'' میں ہے کہ عصر کے وقت ٹوپی سے نکلے، باہر نالے پر پہنچ کر سید صاحب نے نماز عصر پڑھائی۔ دعاء کے بعد مولانا اسماعیل کی جماعت کو رخصت کیا اور ایک ایک غازی سے مصافحہ فرمایا۔ ''وقائع'' میں ہے کہ ٹوپی سے اڑھائی تین کوس پر ایک گھاٹی ہے، جہاں غازیوں کا چور پہرہ رہتا تھا۔ مولانا شاہ اسماعیل مغرب کے وقت وہاں پہنچے، پھر سید صاحب بھی پہنچ گئے اور نالے پر وضو کر کے مغرب و عشاء کی نمازیں ادا کی گئیں۔ مولانا پہلے روانہ ہوئے رہبر ساتھ تھا، سید صاحب کچھ دیر رکے رہے اور بعد میں روانہ ہوئے۔ چلتے وقت نالے سے پانی مشکیزوں میں بھر لیا گیا۔

آگے میدانی علاقہ تھا، رات کے اندھیرے میں رہبر راستہ بھول گیا اور ساری رات لشکر کو دائیں بائیں لیے پھرا، یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور دھوپ تیز ہوگئی۔ جو پانی ساتھ تھا وہ رات رات میں ختم ہو چکا تھا، دن کی روشنی ہوئی تو معلوم ہوا کہ کوسوں تک آبادی یا پانی کا نشان نہیں اور نہ یہ معلوم کہ منزل مقصود کتنی دور ہے۔ ابتدا میں لوگوں کو شبہ ہوا کہ رہبر نے دھوکا دیا۔ دراصل اس کا کوئی قصور نہ تھا، اس نے بڑی دانش مندی اور دور اندیشی سے کام لے کر اپنا اعتماد بھی بحال رکھا اور لشکر کو بھی ایک خوفناک مصیبت سے بچالیا۔ روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک جگہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا، کچھ دیر سوچتا رہا، پھر ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کیا جو دو اڑھائی کوس پر تھا، اور بولا کہ وہاں پانی ملے گا، اس ٹیلے پر پہنچے تو نہ پانی ملا، نہ کوئی آبادی تھی۔ پھر اس نے دوسرے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا، وہاں پہنچے تو رہبر نے صاف صاف بتادیا کہ میں نے آپ لوگوں کا دل رکھنے کے لئے یہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تدبیر کی تھی، اب دو میل پر جو ٹیلہ ہے وہاں پانی بھی ملے گا، دودھ اور چھاچھ بھی ملے گی۔ اگر پہلے ہی چھ سات کوس کا فاصلہ بتا دیتا تو اکثر لوگ ہمت ہار بیٹھتے، میں تھوڑا تھوڑا فاصلہ بتا کر آپ کو چار پانچ کوس لے آیا، اب ذرا ہمت کر کے باقی دو میل بھی طے کر لیجئے۔

جو غازی زیادہ قوی تھے وہ رہبر کو لے کر جلد پہاڑ پر پہنچے، وہاں سے پاکھال پانی سے بھر کر بیلوں اور گدھوں پر لاد کر لے آئے، پس ماندہ اور کمزور غازیوں نے پانی پی لیا تو تازہ دم ہو گئے۔ پہاڑ پر پہنچے تو وہاں گوجروں نے دودھ اور چھاچھ سے سب کی تواضع کی۔ اس رات میں جن غازیوں کو نہایت سخت مصیبتوں سے سابقہ پڑا، ان میں شیخ حسن علی، پیر مبارک علی جھنجھانوی، رحم علی اور خدا بخش لکھنوی کے نام خاص طور پر مذکور ہوئے ہیں۔

جلالہ میں قیام

پہاڑ پر پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو چکی تھی، مولانا وہیں ٹھہر گئے۔ عصر اور مغرب کے درمیان سید صاحب دو اڑھائی سو سواروں اور پیادوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ غازیوں کی تکلیف کا حال سنا تو سب کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہ بھی الٰہی امتحانوں میں سے ایک امتحان تھا، اسے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے والوں کے لئے رحمت و مغفرت کی بشارت ہے۔ پھر اس پر تاثیر انداز میں دعا کی کہ غازیوں کے آنسو نکل آئے اور آلام و مصائب کی ساری کوفت دھل گئی۔ (۱)

جوش حمیت میں سب نے درخواست کی کہ اوتمان زئی پر پیش قدمی کی اجازت دی جائے، لیکن سید صاحب نے فرمایا کہ آج رات یہیں آرام کرو۔ اگلے روز وہاں سے روانہ ہو کر جلالہ میں قیام کیا، جو ٹوپی سے پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں سے پانی

(۱) وقائع میں ہے: وقتے دریائے محبت الٰہی نے جوش مارا اور آپ برہنہ سر ہو کر جناب الٰہی میں دعا کرنے لگے اور طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے اور گوہر اشک سے دامن بھرنے لگے، اور وہ وہ الفاظ تعریف میں اللہ تعالیٰ کی اپنی زبان گوہر افشاں پر لاتے تھے کہ خامہ بریدہ زبان تحریر کیفیت ان کی سے عاجز ہے۔ (ص: ۵۴۱)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے لئے بطکیں لے لیں اور سب غازیوں میں تقسیم کردیں۔ دو جاسوس بھیج دیے کہ اوتمان زئی کے حالات معلوم کرآئیں، انہوں نے واپس آکر بتایا کہ درانیوں کی چار ہزار فوج اوتمان زئی میں موجود ہے اور اس کے ساتھ دو توپیں ہیں۔ راستے میں بھی پانی سے بھرے ہوئے بڑے بڑے برتن رکھوا دیے۔ لمبا اور کٹھن سفر تھا، اس لئے قوی غازیوں کو چن لیا گیا، وہ دو وقت کی روٹی تیار کر کے عصر سے پہلے تیار ہو گئے۔ سید صاحب نے ظہر کی نماز کے ساتھ ہی حکم دے دیا تھا کہ غازی عصر سے پہلے پہلے جلالہ کے باہر ندی پر پہنچ جائیں، نماز وہیں ادا کی جائے گی، چنانچہ ندی پر خود نماز پڑھائی اور دعاء کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔

کامیاب حملہ

سفر چونکہ لمبا تھا لہٰذا مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کرنے کیلئے تو ٹھہرے، لیکن کھانا کھانے کیلئے ٹھہرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ چنانچہ غازیوں نے چلتے چلتے کھانا کھایا اور بطکوں سے پانی پی لیا۔ جب بطکیں خالی ہوتی تھیں تو راستے کے برتنوں سے پانی لے کر بھر لیتے تھے۔ اوتمان زئی کے قریب پہنچ کر لشکر کے دو حصے کئے، ایک جماعت کو مولانا کی سرکردگی میں لشکر پر شبخون مارنے کا حکم دے دیا گیا، دوسرے حصے کو سید صاحب نے اپنی کمان میں رکھا، اس کا وظیفہ یہ ٹھہرا کہ اگر درانی سپاہی لشکر گاہ سے بھاگ کر بستی میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو انہیں روکا جائے۔ سید صاحب نے تمام غازیوں کو تاکید فرمادی کہ جو لڑے اس سے لڑو، جو پناہ مانگے اسے بے توقف پناہ دو۔

مولانا منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ درانی لشکر گاہ ایک گولی کے فاصلے پر رہ گئی تو اپنے ساتھیوں کو تاکید فرمادی کہ جب تک میں گولی نہ چلاؤں کوئی نہ چلائے۔ درانی لشکر کے چوکیدار نے دُور سے دیکھ کر آواز دی کہ کون ہے؟ مولانا خاموش رہے، پھر آواز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دی، مولانا نہ بولے۔ جب تیسری آواز پر بھی جواب نہ ملا تو اس نے گولی چلا دی اور شور مچاتا ہوا لشکر گاہ کی طرف بھاگا کہ سید بادشاہ کے غازی آ گئے۔

مولانا نے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر حملے کا حکم دیا، خود سب سے آگے تھے۔ درانی گولہ انداز نے توپ داغنی چاہی، مولانا ساتھیوں سمیت زمین پر بیٹھ گئے۔ توپ چلی اور گولہ غازیوں کے سروں کے اوپر سے نکل گیا۔ پھر مولانا نے اس تیزی سے حملہ کیا کہ دوسری مرتبہ گولہ چلنے سے پہلے پہلے توپچیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور توپ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثناء میں سارے درانی بھاگ نکلے اور لشکر گاہ کو چھوڑ کر ایک ٹیلے پر پناہ گزیں ہو گئے۔

دن بھر لڑائی

سید صاحب کو اطلاع ملی تو اس فتح پر بارگاہِ الٰہی میں دوگانۂ شکر ادا کیا۔ توپیں اس ٹیلے کے سامنے نصب کرا دیں، جن پر درانی جمع ہو گئے تھے۔ غازیوں کو دو حصوں میں بانٹ کر صبح کی نماز ادا فرمائی۔ خیال تھا کہ درانی جمع ہو کر حملہ کریں گے۔ سید صاحب نے جا بجا چار مورچے بنوا کر غازیوں کو ان میں بٹھا دیا اور اس تواتر سے باڑھیں مارنے کی تاکید کر دی کہ درانیوں کو اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود توپ کھنچوا کر ایک اونچی جگہ لائے، بھروائی، خود شست باندھی اور میرزا حسین بیگ کو حکم دیا کہ اب گولے پھینکو، پہلے ہی گولے سے دو سوار اُڑ گئے۔ درانی ٹیلے سے اُتر کر پیچھے کی طرف جا بیٹھے۔

دن بھر لڑائی جاری رہی، خدا کے فضل سے کسی غازی کے خراش تک نہ آئی، پاس تالاب تھا، غازی اسی پر وضو کرتے اور دو جماعتوں میں بٹ کر نمازیں پڑھتے رہے۔ مغرب کے وقت درانیوں کی طرف سے گولیوں کی شدید بارش شروع ہو گئی، اس وقت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تک شاہینیں بھی انہوں نے فراہم کر لی تھیں۔ اب یہ تجویز پیش ہوئی کہ دشمن پر بائیں جانب سے حملہ کیا جائے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ میرزا حسین بیگ نے توپ سے گولے پھینکنے شروع کیے۔ درانیوں کے نقصانِ جانی کا حال تو معلوم نہ ہو سکا لیکن پھر ان کی شاہینوں سے کوئی گولہ نہ آیا۔

صورتِ حال میں تغیر

یہ حالات تھے جب اچانک اور بالکل غیر متوقع طور پر تکمیل فتح میں رکاوٹ کے اسباب پیدا ہو گئے۔ سید عبد الرؤف بابڑے والے نے عصر کے وقت سید صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا تھا کہ مجھے عالم خاں رئیس اوتمان زئی کی نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے۔ سید صاحب نے سمجھا کہ شاید عبد الرؤف کو غلط فہمی ہوئی، لیکن تھوڑی دیر بعد عالم خاں خود آیا اور پگڑی اُتار کر سید صاحب کے قدموں پر رکھتے ہوئے بولا: میرا لڑکا قابو میں نہیں رہا اور میرے آدمیوں کو لے کر درانیوں سے جاملا ہے۔

یہ شخص پشاور پر پیش قدمی کی تحریک میں پیش پیش تھا، خود سید صاحب کو اوتمان زئی لایا تھا، جب معاملہ یکسوئی کے قریب پہنچا تو وہ بدا میں پڑ گیا۔ حقیقتِ حال کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے درانیوں نے دھمکیاں دے کر بیٹے کو ساتھ ملا لیا ہو یا کہہ دیا ہو کہ عالم خاں کو چھوڑ دو اور خود مسندِ خانی سنبھال لو۔ مان لیجیے کہ عالم خاں کو بیٹے پر کوئی اختیار نہیں رہا تھا، لیکن خود اس کیلئے تو فرض کا راستہ بالکل صاف وہموار تھا، افسوس کہ وہ بھی استقامت سے محروم ہو گیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ خان بھائی! مجھے آپ کے بیٹے یا کسی دوسرے شخص کی پروا نہیں، میرے لئے خدا کافی ہے۔

عین اسی وقت مولوی نصیر الدین منگلوری، ارباب بہرام خاں اور سید احمد علی کی طرف سے یہ پیغام لائے کہ ابتدا میں سمت خیبر کے قبائل مجاہدین کی اعانت پر متفق ہو گئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، پھر ان میں تفرقہ پڑ گیا اور وہ درانیوں کے طرف دار بن گئے۔ گویا پشاور پر پیش قدمی کی دونوں تدبیریں کامیابی کے قریب پہنچ کر ناکام ہو گئیں۔ اس کے بعد جنگ جاری رکھنا بالکل عبث تھا، احسن صورت یہی تھی کہ مجاہدین کو لے کر سید صاحب واپس چلے جائیں اور کسی دوسری مہلت کا انتظار فرمائیں۔

مراجعت کی تدبیر

عین میدانِ جنگ سے غازیوں کو بحفاظت ہٹا کر لے جانا سہل نہ تھا۔ آپ نے تھوڑے سے غازیوں کو مورچوں میں بٹھا دیا، باقی سب کو حکم دیدیا کہ وہ درختوں کے اس جھنڈ میں جمع ہو جائیں جو اوتمان زئی سے پاؤ کوس کے فاصلے پر تھا۔ بستی والوں نے سمجھا کہ سید صاحب درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ کر دشمن پر شبخون مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس اثناء میں خبر ملی کہ یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں کا بھائی سید محمد خاں کمک لے کر اوتمان زئی پہنچ رہا ہے، یہ خبر غالباً عالم خاں نے پہنچائی تھی، ممکن ہے اس نے خیر خواہی کی ہو، ممکن ہے اسے خیال ہو کہ سید صاحب درانیوں کی کمک کا حال سنیں گے تو جلد واپس جانے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ سید صاحب نے یہ سنا تو فرمایا: خان بھائی! آپ باطمینان اپنے مکان پر بیٹھے رہیں، ہم سید محمد خاں کی فوج پر بھی شبخون ماریں گے۔ عالم خاں نے فوراً درانیوں سے کہلا بھیجا کہ ہوشیار ہو جاؤ، سید بادشاہ کا چھاپا تمہاری کمکی فوج پر آتا ہے، عجب نہیں تم پر بھی آ پڑے۔(۱)

(۱) راویوں نے اسے عالم خاں کی بے وفائی کا ثبوت بنا کر پیش کیا ہے۔ بلاشبہ سید صاحب کی کسی بات کو دشمن تک پہنچانے اور اسے قبل از وقت ہوشیار کر دینے کو وفاداری نہیں، بے وفائی ہی کہنا چاہیے۔ لیکن معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سید صاحب یہی چاہتے تھے، عالم خاں نے درانیوں کو آگاہ کر دیا تو وہ سید صاحب کے تعاقب کی تدبیریں اختیار کرنے کے بجائے اپنے حفظ و دفاع میں لگ گئے۔ اس طرح سید صاحب کو اطمینان کے ساتھ دور نکل جانے کی مہلت مل گئی۔ مجھے یقین ہے سید صاحب نے شبخون کا عزم اسی خیال سے بے تکلف عالم خاں کے سامنے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اسے درانیوں تک پہنچا دے، ورنہ اصلاً وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ اسے اپنی جنگی تدبیروں سے آگاہ کیا جاتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واپسی

اکثر غازی درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے تو سید صاحب نے پچاس آدمی روک لیے باقی سب کو مولانا شاہ اسماعیل کی سرکردگی میں جلالہ بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مورچوں والے غازیوں کو بھی سید ابو محمد کے ذریعے سے بلوالیا۔ وہ سب آگئے تو خود سید صاحب واپس ہوئے۔ چار پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے ایک مناسب مقام پر تین چار گھڑی ٹھہرے رہے تاکہ اگر درانی تعاقب میں آرہے ہوں تو ان کو روکا جائے، صبح صادق نمودار ہوئی تو آپ رہگرائے جلالہ ہوئے۔

انتہائی احتیاط کے باوجود بعض غازی پیچھے رہ گئے۔ رات کی تاریکی میں انہیں سید صاحب کا پیغام نہ مل سکا اور وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر درختوں کے جھنڈ میں نہ پہنچے۔ یہ آٹھ دس آدمی تھے، جن میں سے شیخ امجد علی غازی پوری، حافظ رحیم بخش الہ آبادی اور حافظ عبداللطیف نیوتنوی (برادر مولوی عبدالحق) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے ساتھ ایک ہندو راجا رام نام بھی تھا، جو بیسواڑہ (نزد سلون) کا باشندہ تھا۔ اس نے اپنا قصہ یوں بیان کیا کہ میں مورچے میں سو گیا تھا، آنکھ کھلی تو کسی کو نہ پایا، بستی میں جا کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ تمام غازی اس فوج پر شبخون مارنے کے لئے گئے ہیں، جو دو آبہ کی طرف سے کمک کے طور پر آرہی تھی۔

میں یہ سن کر توپوں کے پاس پہنچا، اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا دشمن توپیں لے جائیں۔ ان میں گولے بھر بھر کر چلانے لگا، اسی حالت میں صبح ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ اگر شبخون مارا جاتا تو بندوقوں کی آواز آتی، پھر بستی میں گیا تو وہاں شیخ امجد علی اور حافظ رحیم بخش مل گئے، وہ بھی چھاپے کی خبر سن کر بہ اطمینان بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ دن نکل آیا ہے، یہاں سے چل دینا ہی بہتر ہے، چنانچہ ہم نکلے، راستے میں جو آدمی ملے انہیں ساتھ لیتے آئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب نے راجا رام کی بہادری اور حسنِ تدبیر کی ستائش فرمائی۔ شیخ امجد علی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ شیخ بھائی ہمارے ''زندہ شہید'' ہیں، جس نے شہید کو نہ دیکھا ہو انہیں دیکھ لے۔ اسی وقت سے شیخ امجد علی ''زندہ شہید'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

درانی رات بھر شبخون کے خوف سے کانپتے رہے، دن نکل آیا تو بستی والوں نے بتایا کہ غازی چلے گئے، تاہم انہیں پہر دن چڑھے تک بستی کے قریب آنے کی ہمت نہ ہوئی، یہی سمجھتے رہے کہ غازی کہیں چھپے بیٹھے ہیں۔

سید صاحب عصر کے وقت جلالہ سے رخصت ہوئے اور نوٹمی کا راستہ چھوڑ کر ایک رات درگئی میں بسر فرماتے ہوئے خمر پہنچ گئے۔ آٹھ دس روز بعد غازیوں کی ایک جماعت کو نوٹمی بھیج کر دفن کیا ہوا روپیہ منگالیا، ان غازیوں کے نام یہ ہیں: سید رستم علی چلگانوی، کریم بخش سہارن پوری، حاجی عبداللہ، خدا بخش مچھانوی، شیخ بلند بخت دیوبندی، شیخ علی محمد دیوبندی، شیخ حفیظ اللہ دیوبندی، کریم بخش پنجابی، نظام الدین اولیاء، شیخ نصرت بانس بریلوی چراغ علی پٹیالوی، پیر خاں موراتوی، سلو خاں، فتح خاں، مراد خاں، بخش اللہ خاں، ولی داد خاں، اللہ داد خاں، شیخ نصر اللہ، میاں الٰہی بخش رام پوری اور ارباب جمعہ خاں، مولانا شاہ اسماعیل اس جماعت کے امیر تھے۔

تنخواہ دار فوج

قیامِ خمر میں سید صاحب خوانین کے تنازعات کو ختم کر کے ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتے رہے، مولوی محبوب علی کی واپسی کے بعد ہندوستان سے قافلوں کی آمد رک گئی تھی، اس لیے سید احمد علی، منشی خواجہ محمد، شیخ بلند بخت، اخوند عصمت اللہ، اخوند ظہور اللہ، شیخ علی محمد، اخوند گل پشاوری، مولوی سید حبان وغیرہ کے مشورے سے تنخواہ دار فوج بھرتی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اخوند ظہور اللہ دو سو آدمی بھرتی کر کے کاٹ لنگ پہنچ گئے، دو ماہ بعد یہ طے ہوا کہ ابھی تنخواہ دار فوج رکھنے کا وقت نہیں آیا۔ سید صاحب اس وقت پنجتار جانے کا فیصلہ فرما چکے تھے اور بی بی صاحبہ کو بونیر کے راستے پنجتار بھیج دیا تھا۔ آپ نے ملازموں کو دو ماہ کی تنخواہ دے دی، پھر ان کے روبرو فضائل جہاد پر وعظ کہا، ان میں سے چالیس آدمی غازیوں میں شامل ہو گئے، ان کے سرخیل میرزا احمد بیگ پنجابی تھے۔(۱)

خیبر سے سید احمد علی اور ارباب بہرام خاں جلالہ میں سید صاحب کے پاس پہنچ گئے تھے، تفصیلی حالات سن کر آپ نے فرمایا:

> اس ملک کے رئیسوں کا یہی حال ہے کہ اپنے عہد و پیمان کے پکے نہیں ہیں، کبھی کسی کی طرف کبھی کسی کی طرف۔

(۱) منظورہ میں ہے کہ دین محمد ہندوستان سے خط اور ہنڈیاں لے کر آیا تو اس نے سید صاحب سے عرض کیا کہ کوئی ملک ابھی تک آپ کے ہاتھ نہیں آیا، اس لئے تنخواہ دار سپاہ رکھنا مناسب نہیں۔ مولانا شاہ اسماعیل، ارباب بہرام خاں، قاضی احمد اللہ میرٹھی، مولوی محمد حسن اور منشی خواجہ محمد نے میاں دین محمد کی رائے سے اتفاق کیا۔ سید صاحب نے منشی محمدی انصاری میر منشی کو حکم دیا کہ سب کی تنخواہیں ادا کر دی جائیں۔ پھر ان سے پوچھا: آپ لوگوں نے اپنا حق لے لیا؟ اس کے بعد فضائل جہاد پر یوں وعظ فرمایا:

جو شخص ملازم ہو کر جہاد کرتا ہے، اسے بھی ثواب ملتا ہے، لیکن جو خوش نصیب خالصاً لوجہ اللہ جہاد کرتے ہیں ان کے درجے کو کوئی نہیں پہنچتا۔ جو غازی ہمارے ساتھ ہیں، وہ سب اپنے گھروں میں کھاتے پیتے اور خوش حال تھے، کئی بیش قرار ملازمتیں چھوڑ کر آئے۔ کئی جاگیروں، زراعتوں اور تجارتوں کو ترک کر کے آئے۔ یہاں ہمارے پاس صرف اللہ کے لئے رہتے ہیں۔ فقر و فاقہ سہتے ہیں اور خوش و خرم رہتے ہیں، رضا بر رضا ہیں، اگر اسی طرح تم بھی رہو تو ہم حاضر ہیں۔

یہ وعظ سن کر میرزا احمد بیگ اور ان کے چالیس ساتھی غازیوں میں شامل ہو گئے۔ روایت سے یہ بھی واضح ہوا کہ سید صاحب کے لشکر میں ہر فرد رائے دینے کا مجاز تھا، حتیٰ کہ قاصد بھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

بیعتِ شریعت

بیعتِ اقامتِ شریعت کا فیصلہ

سید صاحب جب سرحد تشریف لائے تھے تو آپ کو یقین ہوگا کہ شرع شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیت پر فدا کاری میں اہل سرحد، مسلمانانِ ہند سے فائق و برتر ہیں، لیکن یہاں پہنچ کر تقریباً دو برس تک ایک ایک طبقے کے احوال و مراسم دیکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رسمی ہے۔ یقیناً اہل سرحد بھی اس وقت محض نام کے مسلمان رہ گئے تھے (الا ماشاء اللہ)، عملاً ان کی پوری زندگی جاہلیت کے الواث سے آلودہ تھی۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ سروسامانِ جہاد کے ساتھ ساتھ انہیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے، اس کے بغیر وہ اہم دینی مقاصد کیلئے کیا کام کر سکتے تھے؟ چنانچہ قیامِ خمرعی کے دوران میں فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ امامتِ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب سے اقامتِ شریعت کی بیعت بھی لی جائے۔ پٹھانوں کی اصلاح و تنظیم کے سلسلے میں یہ دوسرا قدم تھا۔ سید صاحب نے خود ایک موقع پر فرمایا کہ جو لوگ کمالِ اخلاص سے خدائے ذوالجلال کی اطاعت میں جان و مال فدا کرنے پر آمادہ ہوں اور اسی کو دارین میں سرخروئی کا باعث سمجھیں، وہ کم ہوں یا زیادہ، انہیں کو مجاہدین ابرار کا درجہ حاصل ہوگا، اور انہیں سے نصرتِ دین کا کارِ اہم سرانجام کو پہنچے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مذموم مراسم کا نقشہ

افغانوں میں جو برائیاں عام ہو چکی تھیں ان سب کو تفصیل سے بیان کرنا مشکل ہے، جن مذمومات کا ذکر مختلف مقامات پر سید صاحب کی سیرت کے مآخذ میں آیا ہے، ان کی سرسری کیفیت ذیل میں درج ہے۔

۱۔ لوگ احکامِ شریعت کی پیروی سے بالعموم بے پروا تھے، ان کے تمام معاملات کی باگ ڈور ملاؤں کے ہاتھ میں تھی اور ملاؤں کی اعتقادی و عملی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ پھر بعض بڑے بڑے رئیس ملاؤں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے صواب دید کی بنا پر جو قدم اٹھا لیتے، ملا لوگ از روئے شریعت اسی کو حق بہ جانب ثابت کر دیتے۔

۲۔ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے گناہوں کا کفارہ یوں ادا کیا جاتا کہ ملاؤں کی جماعت بیٹھ جاتی، قرآن شریف کا نسخہ اور کچھ رقم دست بہ دست پھرائی جاتی اور آخر میں دونوں چیزیں پوری جماعت کے حوالے کر دی جاتیں، اس عمل کو سرحد کی اصطلاح میں ''اسقاط'' کہتے تھے، یعنی متوفی کے گناہوں کو ختم کرنے کا عمل۔

۳۔ لڑکیوں کے نکاح کیلئے گراں قدر رقمیں لینے کا دستور تھا، کئی مرد روپیہ فراہم نہ کر سکنے کے باعث نکاح سے محروم رہ جاتے اور لڑکیاں والدین کے ہاں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاتیں۔

۴۔ ایک دستور یہ تھا کہ نکاح کے وقت اگر کچھ روپیہ دولھا کے ذمے رہ جاتا تو اس کے ادا نہ ہونے تک دلھن کو رخصت نہ کیا جاتا۔ ہزاروں لوگ صرف اس روپے کی فکر میں محنت مزدوری کے لئے دور دور نکل جاتے اور سالہا سال باہر گزار دیتے، لڑکیاں بیچاری والدین کے گھروں میں بیٹھی رہتیں۔

۵۔ گروہ بندی اور پرہ جنبہ نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ کسی کو حق و ناحق کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تمیز باقی نہیں رہی تھی۔ ہر شخص صرف اپنے گروہ اور اپنے جتھے کی طرفداری کو زندگی کا نصب العین بنالیتا، اگرچہ اس کی کارروائیاں کتنی ہی ناواجب و ناجائز ہوتیں۔

۶۔ ازواجِ میت بھی عام ترکے کی طرح متوفی کے بھائی بندوں میں تقسیم ہو جاتیں۔

۷۔ پاسِ قول اور ایفائے عہد سے وہ لوگ یک قلم بے پروا ہو چکے تھے، آج وعدہ کرتے، کل انتہائی بے تکلفی سے اُسے توڑ ڈالتے۔ اسکی کئی مثالیں ہم پیش کر چکے ہیں۔

۸۔ حقیر دنیوی فوائد کے لئے دینی اور قومی مصالح کو قربان کر دینے میں انہیں کوئی باک نہ تھا۔

۹۔ چار سے زیادہ نکاحوں کا رواج تھا۔

۱۰۔ لڑکیاں حق وراثت سے محروم تھیں۔

۱۱۔ حریر پوشی، شراب نوشی اور بعض دوسرے مناہی کے ارتکاب میں وہ اتنے بے باک تھے کہ علانیہ اس قسم کی حرکتوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

۱۲۔ بلوائیوں، ڈاکوؤں اور چوروں کی حیثیت میں لوگوں کا مال و اسباب لوٹنے اور شرعی جہاد کرنے میں ان کے نزدیک کوئی تمیز نہ تھی۔ وہ ہر اس فعل کو جہاد سمجھ لیتے تھے جس سے انہیں فائدہ پہنچے، اگرچہ وہ کتنا ہی ناجائز ہو۔

فتح خاں اور اشرف خاں کے خطوط

''منظورہ'' میں ہے کہ سید صاحب اوتمان زئی کی جنگ سے خبر واپس پہنچے تو فیصلہ فرمالیا کہ اہل سرحد میں ہر گروہ کو شرع ربانی کے احکام قبول کر لینے اور افغانی رسوم ترک کر دینے پر آمادہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جہاد اسی صورت میں تائید آسمانی کے نزول کا باعث بن سکتا ہے کہ سب لوگ حقیقی معنی میں مسلمان بن جائیں، جو کچھ کریں خدا کی رضا کیلئے کریں، اسی صورت میں اطاعت امام کی حقیقت سے وہ آگاہ ہو سکتے ہیں، اسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صورت میں بدعات و منکرات اور معصیت تمام سے پاک ہو کر خدا اور رسولؐ اور اولی الامر کی فرمانبرداری کا حق ادا کر سکتے ہیں، اسی صورت میں کاروبار جہاد مستحکم و استوار ہو کر مطلوب نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔(۱)

منفرداً ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا تھا اور ان آدمیوں میں مخلصوں کی تعداد بھی کم نہ تھی، لیکن اصل غرض انفرادی قبول و پذیرائی سے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے، اس مقصد کے لئے علماء و اکابر کا اجتماع ضروری تھا۔ سید صاحب نے دعوتِ عام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، لیکن ساتھ ساتھ اس امر پر بھی غور فرما رہے تھے کہ اجتماع کیلئے کون سی جگہ زیادہ موزوں ہوگی۔ اس اثناء میں فتح خاں رئیس پنجتار اور اشرف خاں رئیس زیدہ کی طرف سے خطوط پہنچے کہ آپ نے خمر میں خاصا وقت گزارا اور بظاہر کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا، سوات کے عوام یقیناً بہت مخلص و مستعد ہیں، لیکن خوانین مرض نفاق میں مبتلا ہیں، بہتر یہ ہے کہ ہمارے ہاں تشریف لائیں، ہم جان و مال سے اطاعت کا اقرار کرتے ہیں اور عام لوگوں کی آواز بھی یہی ہے کہ آپ آئیں تو آپ کی قیادت میں اسلامی و قومی فرائض کی بجا آوری کا سروسامان کریں۔ اشرف خاں کے خطوط میں خادے خاں رئیس ہنڈ کیساتھ منازعت کا ذکر بھی تھا اور سید صاحب ہی کے ذریعے سے اس نزاع کے ختم ہونے کی امید تھی۔

پنجتار کے لئے روانگی

چنانچہ سید صاحب نے پنجتار کے ارادے سے رختِ سفر باندھ لیا، خمر میں ٹھہرے رہنا اس وجہ سے چنداں ضروری نہیں رہا تھا کہ سردارانِ پشاور کے خلاف مستقبل قریب میں اقدام کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا، اور بیعتِ اقامتِ شریعت کو عام اہلِ سرحد خوانین

(۱) منظورہ ص۔۴۴۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وعلماء کے اتفاق سے قبول کر لیتے تو نتیجہ خیز اقدامات کا بہتر سے بہتر سامان مہیا ہو جانے کی امید تھی۔ اس صورت میں سردارانِ پشاور یا دوسرے مذبذبین ومخالفین کا فیصلہ بھی سہل معلوم ہوتا تھا۔ بی بی صاحبہ کو بونیر کے راستے پنجتار بھیج چکے تھے، خودخمر سے نکلے تو درگئی کے ٹیلے سے گذر کر ایک تالاب پر ٹھہرے، وہاں شیر علی (ساکن شیر پور ضلع پٹنہ) نے وفات پائی۔ دوسرا مقام لوندخوڑ میں اور تیسرا کاٹ لنگ میں ہوا۔ پھر آپ چارگلئی کو جانب چپ چھوڑتے ہوئے مجی پہنچے، بعد ازاں شیوہ میں ٹھہرے، آنند خاں اور اس کے بھائی مشکار خاں نے سید صاحب کو بستی میں ٹھہرایا، غازیوں کیلئے بستی سے سوا سو قدم کے فاصلے پر زیتون کے جنگل میں قیام کا انتظام کیا۔ شیوہ سے بہت تڑکے روانہ ہوئے، نماز فجر سلیم خاں میں ادا کی، پھر پنجتار چلے گئے۔ فتح خاں نے بستی سے باہر نکل کر باہر کے باغ کے پاس استقبال کیا۔ (۱)

دعوتِ عام

سید صاحب نے پنجتار پہنچتے ہی بیعتِ شریعت کے لئے دعوتِ عام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آپ مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے اور علماء واکابر کو جمع کر کے پابندیٔ احکامِ اسلام کی ہدایت کرتے۔ مثلاً ایک مرتبہ ڈاگئی گئے، جو مندن قبیلے کی ایک شاخ کا بڑا مرکز تھا، وہاں کم وبیش دو سو عالم جمع تھے۔ ان میں سے مولانا نیاز محمد ممتاز ترین تھے۔ پھر مندن قوم کی دوسری شاخ کے مرکز باجا بام خیل میں گئے، وہاں بھی اردگرد کے عوام اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان دوروں کے ذریعے سے فضا سازگار بن گئی، فتح خاں پنجتاری سے بھی صاف صاف فرما دیا کہ اگر نظامِ شریعت کو بہ انشراحِ خاطر قبول نہ کیا تو میں پنجتار

(۱) سید صاحب کی شہادت کے بعد پنجتار پر خوفناک آفتیں نازل ہوئیں، جن کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہاں تک کہ نہ وہ بستی باقی رہی، نہ اس کے باغات یا دوسرے متعلقات کا کوئی نشان باقی رہا، ساٹھ برس تک اس مقام پر نہ کوئی مکان تھا، نہ کوئی شخص وہاں رہتا تھا۔ اب نہیں پتہ پایا جا سکتا کہ یہ کا باغ کس جگہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں نہ رہ سکوں گا۔ اگر مجھے ٹھہرانا منظور ہے تو تمام غیر شرعی رسوم سے دست کش ہو جایئے اور شریعت کے احکام منظور کر لیجئے۔ جو مال غیر مشروع طریق پر آپ کو ملتا ہے، اسے بھی ٹھکرا دیجئے اور معاش کیلئے صرف رازقِ مطلق کے فضل و کفالت پر بھروسہ کیجئے۔ (۱)

اجتماعِ عظیم

دوروں اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے قبولِ عام کا جذبہ بیدار ہو گیا تو فیصلہ ہوا کہ پنجتار میں اجتماعِ عظیم منعقد کیا جائے، جس میں سرحد کے ہر حصے سے علماء و خوانین شریک ہوں۔ یکم شعبان ۱۲۴۴ھ (۶ رفروری ۱۸۲۹ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا، خوانین و اکابر کے علاوہ دو ہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے، اتنے ہی ان کے تلامذہ تھے۔ (۲) اشرف خاں رئیس زیدہ اور خادے خاں رئیس ہنڈ بھی اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ سب کے لئے کھانے کا انتظام سید صاحب نے فرمایا۔

پیش نظر معاملہ پہلے ہی ہر ایک پر واضح تھا، اس اجتماع میں سید صاحب نے ایک افتتاحی تقریر فرمائی۔ پھر فتح خاں پنجتاری سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر آپ ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مان لیجئے، ورنہ اتحاد کا رشتہ کٹ جائے گا اور ہمیں یہاں سے نکل جانا پڑے گا۔

آپ نے بڑے اخلاص کے ساتھ ہمیں سوات سے بلایا، میں خدائے عزوجل کا ایک عاجز بندہ ہوں، میری آرزو اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب لوگ احکامِ الٰہی کے فرمانبردار بن جائیں۔

اگر شما رانی الحقیقت خدمتِ دین منظور است، پس احکامِ شرعی بے کم وکاست قبول نمائید۔

---

(۱) منظورہ ص: ۴۴۷

(۲) منظورہ ص: ۴۴۶۔ بعض مکاتیب میں ہے: قریب ہزار علماء و طلبہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ : اگر آپ کو واقعی دین کی خدمت منظور ہے تو پہلے خود شرعی احکام بے کم و کاست قبول کر لیجئے۔

فتح خاں نے تھوڑا تامل کیا پھر کہا کہ اگر چہ یہ امر نہایت مشکل ہے، مال و جاہ کا ترک لازم ہوگا، ذرائع معاش جاتے رہیں گے، صد ہا برس کے مراسم ترک کرنے کے باعث افغانوں کے ساتھ اختلافات بھی رونما ہو جائیں گے، لیکن میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور اس کی کفالت پر تکیہ کرتے ہوئے، اس حکم کو بہ دل و جان قبول کرتا ہوں۔

سید صاحب خود مجمع میں سے اٹھ گئے، علماء آپس میں مشورے کرتے رہے، آخر اس فیصلے پر پہنچے کہ نظامِ شرعی کا قیام لازم ہے۔ نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر اقامت شریعت کیلئے بیعت کی اور سب نے مہری بیعت نامے آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ علماء کے بیعت نامے عربی میں تھے اور خوانین کے فارسی میں۔(۱)

استفتاء اور اس کا جواب

بیعت کے بعد ایک استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس کا مضمون یہ تھا کہ اگر کوئی شخص امام کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد خدمت دین اور اجرائے شرع مبین کے سلسلے میں امام کے کسی حکم کو رد کر دے اور مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے، بلکہ جدال و قتال میں بھی متامل نہ ہو تو اس کے متعلق اور اس کے

(۱) پنجتار اونچی جگہ واقع ہے، اس کے مغرب میں ایک نالہ بہتا ہے، جس کا بہاؤ بہت گہرائی میں ہے۔ اس نالے کے مغربی کنارے پر شیشم کے درختوں کا ایک جھنڈ تھا، وہیں سید صاحب اور غازی جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرتے تھے۔ اسی مقام پر اجتماع ہوا تھا اور اسی جگہ بیعت لی گئی تھی۔ ۱۸۵۸ء میں پنجتار کو انگریزوں نے تباہ کیا تو درختوں کا یہ جھنڈ بھی باقی نہ رہا، اب اس مقام پر ببول اور پھلاہی کے درخت اگ آئے ہیں اور آس پاس ریت ہی ریت ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ نالے میں کئی مرتبہ طغیانی آئی، اس میں وہ زمین بھی بہہ گئی جہاں سید صاحب اور ان کے غازیوں کے زمانے میں نماز ہوتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھیوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ علماء نے غور و فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا، اس کے مطالب کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ اثباتِ امامت کے بعد حکمِ امام سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔

۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام کے حکم بزور مخالفوں پر نافذ کریں۔

۳۔ اس معرکے میں لشکرِ امام سے جو شخص قتل ہوگا وہ شہید و نجات یافتہ سمجھا جائے گا، اور لشکرِ مخالف کے مقتولین مردود و ناری متصور ہوں گے۔ ان کی حالت اکثر فاسقوں مثلاً زانیوں اور سارقوں سے بھی بدتر ہوگی۔ اس لئے کہ فاسقوں کے جنازے کی نماز واجب ہے، لیکن ان مخالفوں کے جنازے کی نماز بھی جائز نہیں۔ اس فتوے پر علمائے سرحد میں سے مندرجہ ذیل پچیس اصحاب کے دستخط تھے: ملا نیاز محمد، ملا ولی محمد، ملا محمد اسماعیل، اخوندزادہ سعد اللہ، ملا ستار خاں، سید علی، اخوند شاہ ولی خاں، اخوند محمد غلام، ملا محمد عظیم، اخوند کرم، ملا عباد، ملا سید احمد، ملا محمد عرفان، ملا عبد اللہ، ملا پیر محمد، اخوند محمد زعفران، اخوند اکبر شاہ، اخوند محمد وصال، ملا عبد الرحمٰن، اخوند ولی محمد، اخوند عبد الغفور، اخوندزادہ محمد گل، اخوند صفی اللہ۔

اصلاحِ عام

غالباً ۱۵؍شعبان ۱۲۴۴ھ کو جمعہ کے دن (۲۰؍فروری ۱۸۲۹ء) پھر ایک اجتماع ہوا جو فتح خاں کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعتِ شریعت کی ترغیب دی اور انہوں نے بہ طیبِ خاطر نظامِ اسلامی کی پابندی قبول کر لی۔ پھر مختلف علاقوں کے لئے سید صاحب نے قاضی مقرر فرما دیئے۔ مولوی سید محمد حبان کو قاضی القضاۃ بنایا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیا۔(۱) ملا قطب الدین ننگرہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا اور تیس تفنگچی ان کے ساتھ مقرر ہو گئے، وہ قریہ قریہ اور دیہ بہ دیہ دورہ کرتے رہتے، جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے، اس کا انسداد کرتے۔

راویوں کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کر لی۔ چندہ داریاں ٹوٹ گئیں، مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے، اگر ملا قطب الدین کے آدمی دوسرے کام سے بھی کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والے دوڑے ہوئے آتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہا۔

اشرف خاں، فتح خاں اور خادے خاں کا بیعت نامہ

اشرف خاں، خادے خاں اور فتح خاں نے مشترکہ بیعت نامہ سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا، اس کے اہم اجزا یہ تھے۔

۱۔ ہمارے قبائل میں جو مراسم خلاف شریعت رائج ہیں، ہم ان سب سے دست بردار ہو کر احکامِ شرعی قبول کرتے ہیں۔

۲۔ ہم نے نظامِ شرع کے اجرا کے لئے سید صاحب کو بہ رضا و رغبت اپنا امام بنایا ہے اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے۔

۳۔ ہم پہلے بھی بیعت کر چکے تھے، اب علماء کے رو برو اس کی تجدید کی ہے۔

حضرت سے درخواست ہے کہ ہمارے لئے دعائے استقامت فرماتے رہیں تا کہ ہمارا

---

(۱) بعض اصحاب نے لکھا کہ ملا سید امیر (ملا صاحب کوٹھا) کو قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا، یہ صحیح نہیں۔ ملا صاحب ممدوح کے نام ۱۵/شعبان ۱۲۴۴ھ کو جو قضا نامہ صادر ہوا تھا، اس میں صاف مرقوم ہے کہ صاحب موصوف کو "قریہ کوٹھا ضلع لوتمان زئی کے لئے منصبِ قضا پر مقرر کیا گیا" اسی طرح ملا مفتی اللہ شیوہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے، قاضی القضاۃ ملا سید محمد حبان تھے، جو اپنی شہادت تک اس عہدے پر مامور رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جینا اور مرنا قانونِ اسلام اور سنت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔

بیعتِ شریعت کی برکات

بیعت اقامت شریعت کے برکات وحسنات کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے آج ہمارے سامنے پورے واقعات کا نقشہ نہیں، صرف متفرق روایتیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر بیعت سے تین ماہ بعد فتح خاں پنجتاری کے سوار گردوپیش کے علاقے کا دورہ کر رہے تھے، گڈھ اور پنج پیر میں انہیں تقریباً ایک سو مویشی ادھر اُدھر پھرتے نظر آئے اور انہیں ہانک کر پنجتار لے گئے۔ جاتے ہی خان کو اس واقعے کی اطلاع دی، اس نے فوراً گڑھ اور پنج پیر کے باشندوں کو خط لکھا کہ میرے سواروں سے غلط فہمی کی بنا پر یہ حرکت سرزد ہوئی، ہم لوگ قدیم افغانی مراسم اور جاہلیت کے معمولات سے تائب ہو چکے ہیں۔ آپ لوگوں سے عرض ہے کہ بے تکلف آئیں اور اپنے جانور لے جائیں۔

> از ضمان مال خود بہ زودی گردن ایں جانب را خلاص کنید کہ وقت موت کسے را معلوم نیست، مبادا ایں جانب را ساعت موت برسد و دریں مظلمہ گرفتار ماند۔(۱)

> **ترجمہ** : مجھے اس مال کے بارِ ضمانت سے جلد از جلد سبک دوش فرمایئے، موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، مبادا میرے چل چلاؤ کا وقت آ جائے اور اس ظلم میں گرفتار رہوں۔

یہی افغان تھے جو بیعت شریعت سے پہلے اس قسم کے تصرفات کو اپنا قومی حق سمجھتے تھے، اور پورے علاقہ سرحد میں اخذ وسلب کے ایسے واقعات کا بازار گرم تھا۔

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل ص:۱۴۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجرموں کو سزائیں

افغانوں کا عام شیوہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص ارتکاب جرم کے بعد بھاگ کر دوسرے گاؤں میں چلا جاتا تو وہاں کے لوگ اس کی حفاظت کے ذمہ دار بن جاتے۔ پھر حاکم بھی لشکر لے کر چڑھائی کر دیتا تو اسے حوالے نہ کرتے اور مجرم کی ناواجب طرف داری میں صرف اموال ونفوس کو مقتضائے غیرت وحمیت سمجھتے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات پیش آ چکے تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ مظلوموں کے طرفدار، مجرموں کو پناہ دینے والوں کی ایذا میں کوشاں رہتے، اس طرح تمام آبادیوں میں رزم وپیکار کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ سید صاحب نے تمام دیہات میں آدمی بھیج کر اس نوع کے پناہ گیر مجرموں کی فہرستیں تیار کرائیں۔ پھر جگہ جگہ اپنے آدمی بھیج کر مجرموں کو پکڑ وا منگایا اور سب کو شرعی سزائیں دے کر تمام متنازعات ختم کر دیے۔ چونکہ پناہ گیری کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی، اس لئے جگہ جگہ سے جرائم کا استیصال ہو گیا۔

مانیری کا واقعہ

اس سلسلے میں مانیری کا واقعہ خاص توجہ کا محتاج ہے۔ مانیری درۂ پنجتار سے باہر صوابی کے قریب ایک بڑی بستی ہے۔ ''منظورہ'' کے بیان کے مطابق سید صاحب کے زمانے میں تنہا اس بستی کے ایک ہزار تفنگچی تھے اور ان کے جو ہم قوم آس پاس کے دیہات میں آباد تھے، ان میں سے بھی لڑنے والوں کی تعداد چھ ہزار سے کم نہ ہو گی۔

سید صاحب سے نو برس پیشتر اس بستی کے مختلف افراد میں کشمکش بپا ہوئی اور اس میں بعض مالکان اراضی نکل کر دوسرے مواضع میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، ان کی زمینیں غصب کر لی گئیں، مخرجین نے باہر سے کمک کا بندوبست کر کے بستی پر حملہ کیا، لیکن شکست کھا گئے، اس وقت سے کشت وخون کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ مخرجین جب موقع

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پاتے چڑھائی کر دیتے۔ اہل مانیری کو حالات سازگار ملتے تو وہ بھی جوابی یورشوں میں تامل نہ کرتے۔ نوّے برس کے ہنگامۂ حرب وضرب میں کم وبیش چار ہزار آدمی مارے گئے، مالی نقصان کا حساب ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بیعتِ اقامتِ شریعت کے بعد سید صاحب نے مانیری اور آس پاس کے تمام خوانین کو بلا کر پورے حالات دریافت کئے۔ جب معلوم ہو گیا کہ مخروجین مظلوم ہیں تو آپ نے حکم دیدیا کہ زمینیں ان کے حوالے کر دی جائیں، اہل مانیری خود بھی بڑے سرکش تھے اور خادے خاں رئیس ہنڈ ان کا طرف دار تھا، جو خوانین سمہ میں بڑا جابر اور طاقتور سردار مانا جاتا تھا۔ انہوں نے سید صاحب کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور عذر یہ پیش کیا کہ افغانوں کا مسلمہ دستور اس کے خلاف ہے۔ دستور یہ ہے کہ جب کسی مغصوبہ مال کے سلسلے میں کشت وخون تک نوبت پہنچ جائے تو اصل مالک کا حقِ بازیافت زائل ہو جاتا ہے، اور ہمارے تصرف کے بعد تو چار ہزار آدمیوں کا خون بہہ چکا ہے، پھر ہم زمینیں اصل مالکوں کو کیوں کر دے سکتے ہیں؟

سید صاحب نے مجبور ہو کر علماء سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے فتویٰ دیا کہ اہل مانیری کا خون مباح ہے۔ سید صاحب نے لڑائی کا حکم دے دیا۔ جو فوج مانیری پہنچی، اس میں ہندوستانیوں کے علاوہ فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں رئیس زیدہ اور قوم متدن کے جوان بھی شریک تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اہل مانیری پریشان ہو گئے اور پوری زمینیں اصل مالکوں کو دے دیں، اس طرح نوّے برس کا سلسلۂ کشت وخون منقطع ہوا۔

خادے خاں کی برگشتگی

یہ بڑی مبارک ساعت تھی، جس میں اہل سرحد کے تمام منازعات کا استیصال شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اسی وقت سے خادے خاں اور سید صاحب کے درمیان ملال

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وکدورت کا ایک پردہ حائل ہو گیا، جس نے انجام کار خادے خاں کو سید صاحب کی تحریک خدمتِ دین کا جانی دشمن بنا دیا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ خادے خاں کے جذباتِ عقیدت میں جنگ شیدو کے بعد ہی افسردگی پیدا ہونے لگی تھی، شاید اس لئے کہ سید صاحب ہنڈ کے بجائے پنجتار کو مرکز بنانے کا فیصلہ فرما چکے تھے اور خادے خاں کو یہ پسند نہ تھا کہ اس کا رقیب فتح خاں سید صاحب کی نظروں میں مدارِ اعتماد بنے، یا شاید اس لئے کہ سید صاحب للّٰہیت کے جس مسلک پر گامزن تھے، وہ خادے خاں کی فہم سے بالا تھا۔

جب سید صاحب خہر میں تھے تو فتح خاں اور اشرف خاں کی طرف سے برابر عقیدت کے معروضے پہنچتے رہے، خادے خاں کی جانب سے کوئی عقیدت نامہ نہ بھیجا گیا، بایں ہمہ سید صاحب نے اس کے ساتھ تعلق منقطع نہ کیا۔ بیعتِ اقامتِ شریعت میں بھی اسے بلایا، تمام مشوروں میں شریک رکھا اور اظہارِ اطاعت میں وہ فتح خاں کا شریک رہا۔ واقعہ مانیری کے بعد وہ سید صاحب سے بگڑ بیٹھا، یعنی احکامِ شریعت کی پیروی کا اقرار کر لینے کے باوجود افغانیت اور اس کے جاہلانہ مراسم پر وہ بدستور قائم رہا۔

ایک سوال

اب صرف ایک سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ کہ آیا بیعتِ اقامتِ شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیاراتِ فرمانروائی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بیعتِ امامت نے سید صاحب کو نظمِ قوائے جہاد کا مجاز بنایا تھا، بیعتِ اقامتِ شریعت کے رو سے وہ احکامِ شرعی کا مرکز بن گئے، رؤسا و خوانین کے اختیارات پر صرف اس حد تک پابندیاں عائد ہوئیں، جواز روئے شریعتِ حقہ ضروری تھیں، لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

مرکز پنجتار

سرگزشت پنجتار

پنجتار خدو خیل کا مرکزی مقام ہے، جو ضلع مردان کے شمالی و مغربی گوشے سے متصل ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ سید صاحب پہلے پہل جنگ شیدو کے بعد اس علاقے میں پہنچے تھے اور دورۂ سوات کے بعد انہوں نے پنجتار میں سکونت اختیار کی تھی، پھر خہر چلے گئے اور دیر تک مقیم رہے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو پنجتار کو مستقل مرکز بنالیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مرکز کے حالات بھی بیان کر دیے جائیں۔

ابتداء ہی میں عرض کر دینا چاہئے کہ جس پنجتار نے سید صاحب کے ساتھ شرف انتساب سے شہرت کے ایوانوں میں جگہ پائی، جس کے در و بام میں اس پاک نفس داعیٔ حق کی حیات مہاجرت کے بیشتر اوقات صرف ہوئے، وہ مدت ہوئی مٹ چکا ہے، فتح خاں کی وفات پر اس کا بیٹا مقرب خاں خدو خیل کا سردار بنا، اگر چہ پنجتار کو مجاہدین برسوں پیشتر چھوڑ چکے تھے، لیکن سرحد میں جا بجا ان کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ ۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے ان تمام مقامات کو تباہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا جو مجاہدین کے مامن رہ چکے تھے، یا بن سکتے تھے۔ اس سلسلے میں پنجتار پر بھی چڑھائی ہوئی، تو تالی کے باشندے مقرب خاں سے بگڑے بیٹھے تھے وہ انگریزی فوج کے ہراول بن گئے۔ مقرب خاں چنگئی چلا گیا، پنجتار کو خالی کر دیا گیا، تو تالی کے باشندوں نے انگریزوں کی ہدایت کے مطابق خالی مکانوں کو آگ لگادی، دیواریں باقی رہ گئی تھیں، انگریزوں نے پاس کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک ٹیلے پر جس کا نام برہ مند (یا برہ مان) ہے، توپیں لگا کر دیواروں کو بھی تہس نہس کر ڈالا اور پنجتار کی جگہ ملبے کے ڈھیر رہ گئے۔ باغ ویران ہو گئے، درخت جلا دیے یا کاٹ ڈالے اور حکم دیدیا کہ وہاں دوبارہ کوئی مکان نہ بنے۔ تو تالی کے بعض لوگوں نے مختلف زمینوں پر قبضہ کرلیا، وہ کھیتی باڑی کرتے تھے، لیکن انکی سکونت تو تالی ہی میں تھی۔

نئے سرے سے آبادی

ساٹھ برس گذر گئے اور پنجتار کے مقام پر ایک جھونپڑی بھی نہ بن سکی۔ ۱۹۱۸ء میں سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے، جو اس زمانے میں ریاست امب کے وزیر تھے، احیائے اسلامیت کے اس مرکز کو نئے سرے سے آباد کرنے کا ارادہ فرمایا۔ وہ خود امب کی فوج کے ساتھ پنجتار پہنچے، اس وقت تو تالی کا ایک شخص عبدالرحمٰن، زمینوں پر قابض تھا، سید عبدالجبار شاہ نے اس سے زمینیں واگزار کرائیں اور فتح خاں کے دوسرے اخلاف بھی آہستہ آہستہ وہاں پہنچ گئے اور پرانے مکانوں کے ملبے پر پھر ایک مختصر سی آبادی صورت پذیر ہوئی۔ میں نے ستمبر ۱۹۴۹ء میں اسے دیکھا تھا، یہ آبادی قدیم کے صرف شمالی و مغربی گوشے تک محدود ہے اور شکست وریخت کے آثار گرد و پیش وسطے نمایاں ہیں کہ پنجتار فی الجملہ کھنڈروں کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق احوال کی مشکلات

ان حالات میں پرانی آبادی کی وسعت و کیفیت کا سراغ ٹھیک ٹھیک لگا لینا سہل نہیں، پنجتار کے مکانوں کی حیثیت عہد قدیم کے تاریخی شہروں جیسی نہ تھی، جن کے نقشے آثار کی کھدائی سے تیار کر لئے گئے۔ معمولی حیثیت کے مکان تھے، انہدام کے بعد ساٹھ برس تک وہاں کسی کو جھونپڑی تک بنانے کی اجازت نہ دی گئی تو اصل آبادی کی سطح پر ملبہ خاصی دبیز تہ کی شکل میں جم گیا۔ اس وجہ سے یقینی طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے زمانے کا پنجتار کیسا تھا، تاہم مجھے جو معلومات مختلف روایتوں سے مل سکیں، انہیں اپنے خیال کے مطابق بہ صورتِ مرتب پیش کر دینا چاہتا ہوں۔

ممکن ہے یہ معلومات آئندہ کے لئے اربابِ تحقیق کو ایک مشعل کا کام دے سکیں اور ان کی روشنی میں مزید تفصیلات کا کھوج لگایا جا سکے۔ اگر کوئی نئی بات معلوم نہ بھی ہو سکے تو یہ نقشہ تو بہر حال محفوظ ہو جانا چاہئے، جو اگرچہ ایک حد تک قیاس کے موقلم سے تیار ہوا ہے، تاہم اس کے متعلق بنیادی معلومات مستند روایات سے حاصل کی گئی ہیں اور احیاءِ اسلامیت کی سرگزشت میں اس مقام کو جو بلند حیثیت حاصل ہے، اس کا مقابلہ پاکستان و ہند کے اکثر شہر نہیں کر سکتے، جن کی عظمت کے افسانے عام تاریخوں کے صفحات کی زینت ہیں۔

موقع اور محل

پنجتار پہاڑوں کے بیچ میں خاصا محفوظ مقام ہے۔ یہ ایک نالے کے مشرقی کنارے پر واقع ہے، جو شمالی سمت سے بہتا ہوا آیا ہے اور تو تالی کے پاس پہاڑوں سے باہر نکلا ہے۔ پھر سوابی، بیچ پیر اور زیدہ ہوتا ہوا ہنڈ سے ذرا آگے بڑھ کر دریائے سندھ میں مل گیا ہے۔ عام لوگ اسے نالہ کہتے ہیں، اہل علم ''درۂ خدو خیل'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، میدانی علاقے میں اس کا نام ''بدرئی'' ہے۔(۱)

عام پہاڑی نالوں کی طرح بدرئی میں بھی اطراف سے نالے آ آ کر ملے ہیں، مثلاً ایک نالہ پنجتار کے مشرق سے آیا ہے اور آبادی کے شمالی و مغربی گوشے میں بدرئی میں گرا ہے، اسی کی ایک شاخ پنجتار کی زمینوں کے جنوبی حصے سے گذرتی ہوئی نیچے آ کر بدرئی

(۱) پشتو میں نالے کو ''درہ'' بھی کہتے ہیں اور ''خوڑ'' بھی (بروزن گھر)۔ تو تالی کے ایک عالم سے معلوم ہوا کہ علاقہ خدو خیل سے متصل کی میدانی آبادیوں کی زبان میں ''بدرئی'' کے معنی بھی نالے کے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو ''بدرئی'' کو معرفہ نہیں بلکہ نکرہ سمجھنا چاہئے۔

میں شامل ہوئی ہے، اس طرح پنجتار ایک مثلث جزیرہ بن گیا ہے۔

آبادی کا مقام اور اس سے متصل زمینیں، اطراف کے مقامات سے ڈیڑھ دو سو فٹ بلند ہوں گی، مواقع اور محل کی اس توضیح کو سامنے رکھا جائے تو خیال ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں جن وسائل تحفظ کو خاص اہمیت حاصل تھی چونکہ وہ پنجتار میں بوجہ اتم مہیا ہے، شاید اسی لئے یہ مقام خدو خیل کا مرکز بنا۔

عام حالات

وجہ تسمیہ کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے، مختلف اصحاب نے بتایا کہ اس مقام کو چونکہ آس پاس کی پانچ آبادیوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس وجہ سے پنجتار کہنے لگے۔(۱) پنجتار سے میل ڈیڑھ میل شمال میں قاسم خیل بدرئی کے مشرقی کنارے پر، جنوب مغرب میں بدرئی کے غربی کنارے پر غور غشتی، اس کے قریب جنوب مغرب میں سنگ ٹمبی، مزید جنوب میں کلی کلی۔ سنگ ٹمبی اب باقی نہیں رہا صرف اس کا نشان رہ گیا ہے۔

پنجتار کے مشرق اور جنوب میں ہموار کھیت ہیں، جنوبی و مغربی حصے میں پہلے ایک باغ تھا جسے دیوان شاہ کا باغ کہتے تھے، اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس کے قریب ہی پنجتار کا قبرستان تھا۔ جو غازی زمانۂ قیام پنجتار میں فوت ہوتے رہے، وہ سب اسی قبرستان میں دفن ہوئے، اب اس مقام پر توت کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آتا ہے۔

پنجتار کے شمال میں کوئی آدھ میل کے فاصلے پر نالے کے مشرقی کنارے پر ایک ٹیلہ ہے جو اوپر سے ہموار ہے۔ یہاں سید صاحب نے توپیں رکھوائی تھیں، پاس ہی ایک مکان توپچیوں کے رہنے کیلئے، نیز ایک میگزین بنوادیا تھا، آبادی کے مغرب میں نالے

(۱) ضلع ہزارہ میں ایک مقام "ستار" بھی ہے اور ایک "دوتار" بھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے گذر کر ایک جگہ آتی ہے، جہاں پہلے شیشم کے درخت تھے، یہیں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی تھیں، اسی جگہ بیعت شریعت کے لئے اجتماع منعقد ہوا تھا۔

میں سرسری طور پر بتا چکا ہوں کہ اب شیشم کے درخت باقی نہیں رہے، ببول وغیرہ کے درخت اُگ آئے ہیں، اور آس پاس کی زمین میں ساری ریت ہی ریت نظر آتی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ نالے میں ایک مرتبہ سخت طغیانی آئی تھی، جس میں زمین بہہ گئی۔ پانی کم ہوا تو ریت رہ گئی، اس جگہ سے پہاڑ کی مغربی دیوار تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ہوگی، مقابل کے ٹیلے کو مقامی لوگ "مسلے" کہتے ہیں، اسی میدان میں گھوڑ دوڑ ہوتی تھی، اسی جگہ غازی نیزہ بازی، چاند ماری اور قواعد کرتے تھے۔

گردوپیش

درے کے دہانے سے پنجتار کا فاصلہ چار میل ہوگا، آنے جانے کا عام راستہ نالے کے ساتھ ساتھ ہے، لوگ پہلے پیدل یا گھوڑوں پر جاتے تھے، اب پنجتار کے سامنے تک موٹر بھی چلی جاتی ہے، لیکن موضع چونکہ بلندی پر واقع ہے، اس لئے بدرئی کے مغربی کنارے پر موٹر سے اُتر کر باقی فاصلہ پیدل طے کرنا پڑتا ہے۔

پنجتار کے جنوب میں خلی کلی کے سامنے ایک ٹیلہ آس پاس کے پہاڑی علاقے سے چند سو فٹ بلند ہو گیا ہے، اس کا مقامی نام برہ مند (برہ مان یا بہرہ مان) کی ڈھیری ہے۔ اسی پر انگریزوں نے ۱۸۵۸ء میں توپیں نصب کر کے پنجتار کو تباہ کیا تھا، اس سے تھوڑے فاصلے پر مشرق میں ایک اور پہاڑ ہے، جو آس پاس کی سطح سے بلند ہے، اسے رانی کوٹ کا ٹیلہ کہتے ہیں۔ برہ مند کے جانب جنوب دہانۂ درہ کے مشرقی گوشے میں تو تالی ہے۔ رانی کوٹ اور برہ مند کے بیچ میں سے ایک پگڈنڈی بھی تو تالی سے پنجتار جاتی ہے، لیکن اس سے صرف پیدل جا سکتے ہیں، تو تالی کے قریب بھی ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے، اس پر چڑھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر دیکھیں تو پنجتار کا ایک ایک مکان صاف نظر آتا ہے۔ تو تالی سے جنوب میں مانیر اور جنوب مشرق میں ڈاگئی ہے۔ نقشہ سامنے رکھ کر ان مقامات کو بہ غور دیکھ لینا چاہئے تاکہ اس سلسلے کے تمام حالات کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔

پرانی آبادی کی کیفیت

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، پرانی آبادی ''جزیرۂ پنجتار'' کے شمالی و مغربی گوشے میں تھی۔ مجاہدین جب پہلے پہل پنجتار پہنچے تو فتح خاں نے ان کیلئے کئی مکان خالی کرا دیے تھے، کچھ غازی اپنے ساتھیوں سمیت ان مکانوں میں ٹھہر گئے، جنہیں مکان نہ مل سکے، انہیں مختلف آبادیوں میں ٹھہرایا گیا یا وہ خیموں اور چھپروں میں رہتے تھے۔ بعد میں سید صاحب نے پنجتار کی آبادی کے جنوب میں مجاہدین کے لئے ایک نئی آبادی کا انتظام کر لیا، وہاں ایک مسجد بھی بنائی، اس آبادی، مسجد اور ساتھ کے کنوئیں کے آثار اب تک موجود ہیں۔ فتح خاں نے اپنے لئے پنجتار میں ایک مکان محفوظ رکھا تھا، لیکن وہ زیادہ تر باہر رہتا تھا۔

پوری آبادی کے ارد گرد سنگین فصیل تھی، جسکے چاروں کونوں پر چار برج تھے، فصیل کے طول و عرض کی نسبت مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا، اس کا دروازہ مشرقی دیوار میں تھا۔

ابتدائی سکونت کا نقشہ

ابتدا میں سید صاحب شمالی و مشرقی برج میں مقیم ہوئے، اس کے قریب ہی آپ کی جماعت کے افراد رہتے تھے، جس کا نام جماعتِ خاص تھا۔ برج کے سامنے جو میدان تھا، اس میں ایک چھپر ڈال لیا گیا تھا، اس میں سید صاحب کا پلنگ بچھا رہتا تھا۔ اس کے آس پاس سید اسماعیل بریلوی اور شیخ عبدالحکیم پھلتی کے ڈیرے تھے، جو جماعت خاص کے آدمی تھے۔ غالباً اسی چھپر میں سید صاحب ملاقاتیں کرتے تھے اور اسی میں مجالس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شوریٰ منعقد ہوتی تھیں۔ شمالی و مغربی برج میں سید صاحب کا باورچی خانہ اور اس کے پاس ہی غلے کا گودام تھا۔

دونوں برجوں کے درمیان مکانوں کی ایک قطار تھی، جن میں مشرقی سمت سے مغربی سمت تک مندرجہ ذیل اصحاب رہتے تھے۔

۱۔ مولوی وارث علی بنگالی، جو بڑے جید عالم اور پرہیزگار بزرگ تھے۔

۲۔ مولوی امام الدین بنگالی، جو باعمل عالم اور بے مثال صوفی تھے۔

۳۔ سید احمد علی بریلوی، جو سید صاحب کے خواہرزادہ تھے۔

۴۔ سید ابو محمد نصیر آبادی، جو سید صاحب کے اقربا میں سے تھے۔

۵۔ دادا سید ابوالحسن نصیر آبادی، علمدار لشکر اسلام، یہ بھی سید صاحب کے اقربا میں سے تھے۔

۶۔ سید حسن مثنیٰ عرف سید موسیٰ، ابن سید احمد علی۔

سید احمد علی کے مکان کے جنوب میں امان اللہ خاں لکھنوی کا مکان تھا۔ اس سے جنوبی اور مشرقی سمت میں جو مکان تھے ان میں حافظ جانی، حافظ بانی، قاضی حمایت اللہ، قاضی برہان الدین اور شیخ عبدالوہاب رہتے تھے۔ مشرقی دروازے کے ساتھ ہی جنوبی سمت میں مسجد تھی، اس کے پاس قاضی احمد اللہ ناگپوری کا مکان تھا، جنوبی و مشرقی برج میں مولانا شاہ اسماعیل رہتے تھے اور جنوبی و مغربی برج میں مولوی مظہر علی۔ باورچی خانے کے جنوب میں فصیل کی مغربی دیوار سے ملا ہوا فتح خاں کا مکان تھا، اس کے قریب مشرق میں مسجد تھی، جو اب تک موجود ہے۔ فتح خاں کے مکان اور مسجد کے جنوب میں پیر خاں مورائیں کی قیامگاہ اور خشی خانہ تھے، اسی جگہ قاضی احمد اللہ میرٹھی مقیم تھے۔ گودام کے پاس فتح خاں کے مکان میں شیخ ولی محمد پھلتی مع جماعت رہتے تھے، وہی توشہ خانے کے ناظم تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیرونی آبادی

جس حد تک میں تحقیق کر سکا ہوں، مشرقی دیوار کے باہر شتر خانہ اور اصطبل تھا۔ سید صاحب کی فرودگاہ کے سامنے مشرقی سمت میں فصیل سے باہر ابراہیم خاں خیر آبادی اور ان کے بھائی امام خاں اپنے اپنے بہلوں سمیت رہتے تھے۔ ان سے متصل شیخ حسن علی اپنے بیٹے اور بھائیوں سمیت مقیم تھے، یہ دونوں خاندان ایسے تھے، جن میں کے ہر فرد نے اس دنیا کی ہر چیز راہِ حق میں قربان کر دی تھی۔ تفصیل اس کتاب کی تیسری جلد میں ملے گی۔ انکے قریب ہی صوفی نور محمد بنگالی، مولوی خیر الدین شیر کوٹی اور شیخ صلاح الدین پھلتی کے ڈیرے تھے۔

باقی غازیوں کی فرودگاہوں کا نقشہ یہ تھا۔

۱۔ میرزا احمد بیگ پنجابی اپنے ہمراہیوں سمیت درختوں کے اس جھنڈ میں رہتے تھے، جہاں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی تھیں۔

۲۔ ارباب بہرام خاں، ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں اور بھتیجا محمد خاں اہل وعیال سمیت شہتوت کے اس باغ میں مقیم تھے، جو پنجتار کے جنوب مغرب میں ایک تیر کی زد پر تھا۔

۳۔ حاجی زین العابدین خاں اپنے ہمراہیوں اور چند قندھاریوں سمیت قاسم خیل میں تھے۔ بعد ازاں مولوی احمد اللہ ناگپوری اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی نے سید صاحب کے ارشاد کے مطابق قاسم خیل میں گولے ڈھالنے کا ایک کارخانہ بنالیا تھا، جس میں ڈیڑھ سیر، تین سیر اور پانچ سیر کے گولے ڈھلتے تھے۔

۴۔ حاجی حمزہ علی خاں ساکن لوہاری کے رفقاء غور غشتی میں تھے، اسی گاؤں کے جنوبی حصے میں مولوی نصیر الدین منگلوری مع جماعت رہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۵۔ قندھاری جماعت سنگ ہٹی میں تھی، اس جماعت کے چار بڑے سردار تھے: ملا لعل محمد، ملا قطب الدین، ملا نور محمد اور ملا عزت۔

۶۔ متفرق قندھاری حلی گلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

۷۔ متفرق ہندوستانی پنجتار کے اندر مکانوں میں یا باہر چھپر ڈال کر جابجا مقیم ہو گئے تھے۔

نئی آبادی

جو اصحاب باہر چھپروں یا خیموں میں رہتے تھے، انہیں دھوپ اور بارش میں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ اس وجہ سے سید صاحب نے آہستہ آہستہ سب کیلئے مکان بنا دینے کا فیصلہ فرمالیا۔ آپ ایک روز نالے سے واپس ہوتے وقت دو پتھر اٹھالائے، غازیوں نے یہ وطیرہ اختیار کرلیا کہ جو شخص باہر جاتا وہ کم سے کم دو پتھر ضرور لے آتا۔ تھوڑے دنوں میں ایک بڑا انبار جمع ہو گیا۔ سب سے پہلے سید صاحب کیلئے گارے سے دس ہاتھ لمبا دالان بنایا گیا، جس میں قبلہ رخ تین دروازے تھے، یہ مکان غالباً آبادی کے جنوب میں تھا، اس کے سامنے چھپر کا سائبان بنا دیا گیا۔ اسی طرح دوسرے غازیوں کے لئے مکان بن گئے۔ اس نئی آبادی میں بھی ایک مسجد بنالی گئی اور ایک کنواں کھود لیا گیا، مسجد اور کنوئیں کے نشانات اب تک پنجتار کی موجودہ آبادی کے جنوب میں موجود ہیں۔ ان مکانوں میں وہ لوگ منتقل ہو گئے جو پہلے چھپروں اور ڈیروں میں رہتے تھے، یا جن کے لئے آبادی کے اندر جگہ ناکافی تھی۔ فصیل کے شمالی و مشرقی برج میں بھی سید صاحب وقتاً فوقتاً استراحت فرمایا کرتے تھے بستی سے خاصے فاصلے پر مشرق میں بارود کا میگزین بنا دیا تھا، پاس ہی بارود سازی کا کارخانہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نظامِ رسد

جب تک عشــــر کی باقاعدہ تحصیل کا انتظام نہیں ہوا تھا، غازی یا تو اپنے ہاتھ سے غلہ پیستے تھے یا اُجرت دے کر پسوا لیتے تھے۔ بعد میں غلے کی فراوانی ہوگئی تو موضع مینئی میں پانچ پن چکیاں سید صاحب نے اپنے انتظام میں لے لیں اور سید حامد علی جھنجھانوی کو پچیس تیس غازیوں کا سردار بنا کر مینئی میں بھیج دیا۔ وہاں کے خان نے ان کیلئے تین مکان خالی کرا دیے، ایک میں غلہ جمع رہتا، دوسرے میں آٹا اور تیسرے میں غازی رہتے تھے۔ گندم کی پسوائی ایک سیر دس چھٹانک فی من اور مکی کی پسوائی اڑھائی سیر فی من مقرر ہوگئی۔ پنجتار سے غلہ اونٹوں اور خچروں پر لاد کر مینئی بھیج دیا جاتا اور وہاں سے آٹا پس کر آجاتا۔

ابتداء میں ہر غازی کی مقررہ رسد روزانہ تین پاؤ آٹا اور مٹھی بھر دال تھی، اوقاتِ عسرت میں تناسب سے مقدار گھٹا دی جاتی۔ جب عشر کا غلہ باقاعدہ وصول ہونے لگا تو یومیہ رسد ایک سیر کردی گئی۔ سید صاحب اپنے لئے بھی عام غازیوں کے برابر رسد لیتے تھے، لیکن چونکہ آپ کے پاس مہمان آتے تھے، اس لئے کھانے کا انتظام الگ کرنا پڑا، جتنے مہمان آتے فی کس کے حساب سے اتنی ہی زائد رسد لے لیتے۔

متفرق اُمور

جماعت متعدد بہیلوں میں منقسم تھی، ہر بہیلے میں کم سے کم بیس اور زیادہ سے زیادہ پچیس آدمی ہوتے تھے۔ پورے بہیلے کے آدمیوں کا کھانا ایک جگہ پکتا، جب تک مینئی میں آٹا پسوانے کا انتظام نہیں ہوا تھا، بہیلے کے چار آدمی روزانہ باری باری آٹا پیستے، چار آدمی باری باری کھانا پکاتے۔ باقی ندی سے پانی لادیتے، لکڑیاں جنگل سے لائی جاتی تھیں۔ عام دستور یہ تھا کہ بہیلہ دار فارغ آدمیوں کو لے کر جنگل میں چلا جاتا، سب کلہاڑیوں سے لکڑی کاٹتے اور پشتارے بنا کر لے آتے، ایک ایک وقت میں بارہ بارہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودہ چودہ پشتارے آجاتے، جو کئی دن کے لئے کفایت کرتے۔

سید صاحب کے باورچی خانے کا انتظام قادر بخش گنج پوری کے حوالے تھا۔ جب اس باورچی خانے کا ایندھن ختم ہونے لگتا تو سید صاحب صبح کی نماز کے بعد لشکر کے ان تمام آدمیوں کو ساتھ لے لیتے جو کام کاج سے فارغ ہوتے۔ خود بھی برابر لکڑیاں کاٹتے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی تھک کر تھوڑی دیر کیلئے ستانے لگتے، لیکن سید صاحب متواتر لکڑیاں کاٹنے میں لگے رہتے۔ اس طرح ایک وقت میں کئی روز کے لئے ایندھن آجاتا، اگر کسی دن کھانا پک چکنے کے بعد مہمان آجاتے تو سید صاحب مختلف بھیلوں سے تھوڑا تھوڑا کھانا منگا لیتے۔ بعض اوقات خود کچھ نہ کھاتے یا کسی بھیلے میں چلے جاتے اور جو پکا ہوتا نوش فرما لیتے۔

تقسیم لباس کا یہ دستور تھا کہ سال بھر میں ہر غازی کو دو جوڑے جوتے اور تین جوڑے کھادی کے موٹے کپڑے ضرور ملتے تھے، اگر کسی کے کپڑے جلد پھٹ جاتے یا گم ہو جاتے تو اُسے نئے کپڑے دیدیے جاتے۔ سردیوں کیلئے ہر ایک کو ایک دگلہ یا میرزئی اور ایک ایک دوہر دی جاتی تھی۔ ہر جمعرات کو کپڑے دھونے کے لئے سراسر دو دو چکیاں صابن کی دی جاتیں۔

زندگی کا طریق

غازیوں کی زندگی حد درجہ سادی تھی، وہ ہر کام کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ سید صاحب کی صحبت سے ان کے اخلاق میں اسلامیت کی پکی جلا پیدا ہو چکی تھی، ہر غازی کے نزدیک اپنے بھائیوں کی خدمت مقتضائے اسلامیت تھی، چنانچہ جو غازی کپڑے دھونے کیلئے جاتا، وہ اپنے ایک دو ساتھیوں کے کپڑے بھی ساتھ لے جاتا۔ سید صاحب سبقت بالخیر کے سلسلے میں اپنی زندگی کے واقعات بیان کرتے رہتے، مثلاً کئی مرتبہ فرمایا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ جب ہم نواب امیر الدولہ کے لشکر میں تھے تو کپڑے دھونے کے وقت اپنے پانچ سات ساتھیوں کے میلے کپڑوں کا بھی گٹھا باندھ کر لے جاتے، ساتھی ہر چند نہیں نہیں کرتے، لیکن ہم ایک نہ سنتے۔

کسی چھوٹے یا بڑے کو کسی کام سے عار نہ تھی، میاں جی نظام الدین چشتی لشکر کے بزرگ آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ایک موقع پر غازی کھانا کھا رہے تھے کہ اندھیرا ہوگیا، میاں جی فوراً مشعل روشن کر کے کھڑے ہوگئے، غازیوں نے ان کی بزرگی کے پیش نظر عرض کیا کہ تکلیف نہ اٹھائیں، میاں جی بولے: اگر یہ خدمت موجب ثواب ہے تو مجھے اس سے محروم کیوں رکھنا چاہتے ہو؟

سید صاحب کے ارشادات

سید صاحب اکثر فرماتے:

ہمارے جو بھائی محض خدا کے واسطے نیت خالص سے چکی پیستے ہیں، کھانا پکاتے ہیں، لکڑی لاتے ہیں، گھاس کھودتے ہیں، کپڑے سیتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے ہیں اور اسی طور کے سب کام کرتے ہیں، تو یہ سب عبادت میں داخل ہیں اور یہ کام کرنے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں، اور سب اولیاء اللہ ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں۔ جتنے موافق شرع کام ہیں، کسی کے کرنے میں عار نہیں ہونی چاہئے اور ان سب کا اجر خدائے تعالیٰ کے ہاں سے ملنا یقینی ہے...... یہ ہمارے بھائی مسلمان باایمان اپنے گھر بار، خویش وتبار، عیش وآرام کو ترک کر کے محض واسطے خوشنودی پروردگار کے اور اتباع رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے آئے اور یہ سب ہمارے نزدیک گوہر نایاب اور لعل بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھنٹ کر آئے ہیں، ان کی قدر ومنزلت ہم جانتے ہیں، ہر کوئی نہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہچاننا۔(۱)

اس قسم کے کلمات فرمانے کے بعد عجز والحاح سے دعاء کرتے کہ خداوند! ہمیں اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو اپنے صراط مستقیم پر حضرت خیر الانامؐ اور صحابہ کرامؓ کے قدم بہ قدم ثابت وقائم رکھ۔

مولوی عبدالوہاب کا واقعہ

مولوی عبدالوہاب لکھنوی کمزور ونحیف آدمی تھی اور مختلف عوارض میں مبتلا تھے۔ سید صاحب نے پنجتار میں انہیں قاسم رسد مقرر فرمادیا، قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، تقسیم رسد کے ساتھ ساتھ قرآن بھی پڑھتے جاتے۔ مولوی صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ جو پہلے آتا، اسے پہلے دیتے، جو بعد میں آتا بعد میں دیتے۔ بڑے چھوٹے کا امتیاز ہرگز روانہ رکھتے۔

ایک روز مولوی امام علی عظیم آبادی، جو نو وارد تھے، رسد لینے کے لئے آئے، وہ قوی اور جسیم آدمی تھے۔ چونکہ جماعت کے طریقے سے ناواقف تھے اس لئے اصرار کیا کہ پہلے مجھے رسد دیجئے۔ مولوی عبدالوہاب نے فرمایا کہ باری سے ملے گی، انہوں نے غصے میں مولوی صاحب کو دھکا دے دیا اور وہ آٹے پر گر پڑے۔ کچھ قندھاری بھی وہاں موجود تھے، وہ امام علی کو مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مولوی عبدالوہاب نے انہیں روک دیا اور کہا: امام علی میرا بھائی ہے، دھکا دیا تو مجھے دیا، آپ لوگ کیوں جوش میں آگئے؟

شدہ شدہ یہ بات سید صاحب کے تک پہنچی، آپ نے مولوی عبدالوہاب کو بلا کر پوچھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ امام علی نیک بخت آدمی ہیں، وہ رسد لینے آئے تھے، باری ان کی نہ تھی، انہوں نے جلدی کی اور مجھے دھکا لگ گیا، کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ جب لوگوں نے مولوی صاحب کے عفو وتحمل کی یہ داستان امام علی کو سنائی تو وہ بہت پشیمان ہوئے، خود سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی زیادتی کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ

---

(۱) وقائع ص: ۹۱۷-۹۱۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب سے میرا جرم معاف کرا دیجئے۔

یہی اسلامی اخوت کے یہ دلکش مناظر جماعت مجاہدین میں عام تھے۔ انہیں سے سید صاحب کی شانِ تربیت کا نقشہ معلوم ہو سکتا ہے۔

سید محمد اسحاق گورکھپوری کا واقعہ

غازیوں کی للّٰہیت و اخلاص کا اندازہ شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کے واقعہ سے ہوگا۔ شیخ صاحب کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، ان کے لئے معاش کا کوئی انتظام نہ تھا، لیکن حمیت دین کے جوش میں وہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر سید صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

ایک مرتبہ مولانا شاہ اسماعیل نے وعظ میں "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ" کی تفسیر بیان فرمائی۔ شیخ محمد اسحاق مجلس وعظ کے بعد اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے لیٹ گئے، کھانے میں بھی شریک نہ ہوئے، سید صاحب نے پاس بٹھا کر کیفیت پوچھی تو صرف اتنا عرض کیا: "میری کم نصیبی ہے کہ آپ جیسے شیخ کامل کی صحبت میں بھی گمراہ ہی رہا۔" پھر سید صاحب نے مولانا سے وعظ کا موضوع دریافت کر کے شیخ اسحاق سے بات چیت فرمائی، اس وقت شیخ نے عرض کیا کہ مولانا کے وعظ سے حقیقت منکشف ہوئی کہ جس دل میں خدا کی محبت ماسوا پر غالب نہ ہو، وہ ایمان کی لذت سے محروم ہوتا ہے۔ میرے دل سے بیوی بچوں کا خیال جدا نہیں ہوتا، کئی تدبیریں کر چکا ہوں لیکن ناکام رہا۔ اگر ہو سکے تو یہ خیال دل سے نکال دیجئے۔

مولانا نے پوچھا: آیا یہ ممکن ہے کہ بیوی بچوں کی محبت کے جوش میں لشکر اسلام کو چھوڑ کر وطن چلے جاؤ؟ شیخ نے کہا یہ ممکن نہیں۔ مولانا نے فرمایا: پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے دل میں خدا اور رسولؐ کی محبت بیوی بچوں کی محبت پر غالب ہے۔ اس کے بعد شیخ نے کھانا کھایا۔(۱)

(۱) منظورہ ص: ۱۱۰۶، ۱۱۰۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فتح خاں پنجتاری کے اخلاف
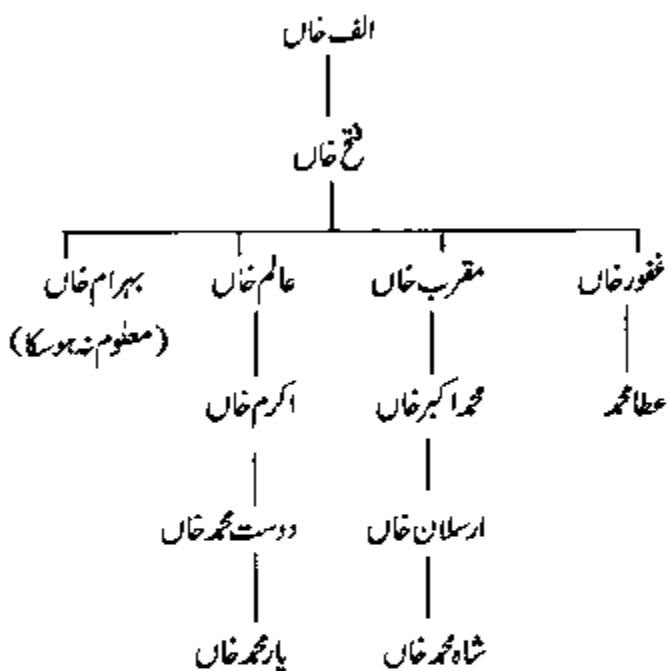
(ان میں سے عطا محمد خاں ابن غفور خاں، دوست محمد خاں ابن اکرم خاں اور یار محمد خاں ابن دوست محمد خاں سے میں پنجتار میں ملا تھا۔)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

خادے خاں کا انحراف

خادے خاں کی غلط اندیشی

خادے خاں علاقہ سرحد کا غیور و جسور رئیس تھا، سید صاحب کے ساتھ اظہارِ عقیدت میں سبقت کا شرف حاصل کیا، آپ کو مہمان بنا کر اپنے ہاں لے گیا اور وہیں امامتِ جہاد کی بیعت ہوئی، لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ سید صاحب کی مخالفت میں بھی پہل اسی سے ہوئی، اس انحراف کے مندرجہ ذیل وجوہ ذہن میں آتے ہیں:

۱۔ اس کی طبیعت ضدی اور خود پسند تھی، افغانی مراسم کو وہ اسلامی تقاضوں پر ترجیح دیتا تھا۔

۲۔ فتح خاں پنجتاری اور اشرف خاں رئیس زیدہ کو وہ رقیب سمجھتا تھا، سید صاحب چونکہ اول الذکر دونوں رئیسوں کو بہت اچھا سمجھتے تھے، اس وجہ سے خادے خاں کے دل میں اک گونہ برگشتگی پیدا ہوگئی جو برابر بڑھتی رہی۔

۳۔ ہنڈ کو چھوڑ کر پنجتار کو مرکز مجاہدین بنا لینے کے باعث فتح خاں پنجتاری کا اعزاز بہت بڑھ گیا، خادے خاں کو یہ اعزاز قطعاً پسند نہ تھا۔

۴۔ سب سے آخر میں مانیری کے واقعہ نے اسکی آتشِ غیظ کو ہوا دے کر بھڑکا دیا۔ مانیری کی زمینوں کو بیعتِ شریعت کے بعد جن لوگوں کے قبضے سے نکال کر اصل مالکوں کے حوالے کیا گیا تھا، وہ خادے خاں کے طرفدار اور ہم نوا تھے، اور خان اپنے طرفداروں کی سبکی اور بے عزتی کو اپنی سبکی اور بے عزتی سمجھتا تھا۔ یہ حق شناسی کی ذہنیت نہ تھی بلکہ طریق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جاہلیت کی پیروی تھی، غرض وہ آہستہ آہستہ مخالفت میں زیادہ جری اور دلیر ہوتا گیا۔

سکھوں سے سازباز

ابتدا میں وہ ہندوستان سے آنے والے اکادکا غازیوں کو تنگ کرنے لگا، غازی بھیس بدل کر پنجاب میں سے گذرتے اور ہنڈ کے گھاٹ سے دریا عبور کر کے سرحد پہنچتے تھے۔ خادے خاں کے آدمی انہیں گرفتار کر لیتے، ان کے پاس جو کچھ ہوتا چھین لیتے، پھر دریا میں غوطے دے کر دوسرے کنارے پر پہنچاتے۔ بعض غازیوں کو اس شرط پر چھوڑا گیا کہ جو مال خادے خاں کے آدمی لے چکے تھے، اسے بحل کر دیا جائے۔ سید صاحب کے پاس پے در پے شکایتیں پہنچیں لیکن آپ صبر کیے بیٹھے رہے، مظلوم غازیوں سے بھی فرماتے کہ صبر کرو اور اپنی تمام شکایتیں اللہ کے حوالے کر دو۔

پھر مانیری اور آس پاس کے مقامات سے رپورٹیں آئیں کہ خادے خاں کے سوار مویشی ہانک کر لے جاتے ہیں اور پکی فصلیں کاٹ لیتے ہیں۔ سید صاحب نے ان رپورٹوں پر بھی برابر صبر کیا اور یہی کوشش فرماتے رہے کہ خادے خاں کو مخالفت میں آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے۔

جس زمانے میں سید صاحب خمر میں تھے، خادے خاں نے اشرف خاں رئیس زیدہ سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، بلکہ رئیس زیدہ کی بعض زمینوں پر زبردستی قبضہ کر لیا حالانکہ دونوں ہم خاندان تھے اور ان میں گہری رشتہ داری تھی۔ یعنی اشرف خاں کی صاحبزادی خادے خاں کی بیوی تھی اور خادے خاں کی ہمشیر اشرف خاں کے بیٹے مقرب خاں سے بیاہی ہوئی تھی، سید صاحب پنجتار پہنچے تو اشرف خاں کے بھائی لطف اللہ خاں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ہمارے امام ہیں، اس ظلم و چیرہ دستی کا ازالہ فرمائیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لڑائی

سید صاحب ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا تدبیر اختیار فرمائیں، اس اثناء میں اطلاع ملی کہ خادے خاں لڑائی کا پورا بندوبست کر چکا ہے اور اشرف خاں پر حملہ ہونے والا ہے۔ سید صاحب نے شاہ اسماعیل کو پونے دو سو غازیوں کے ساتھ بھیج دیا کہ بیچ میں پڑ کر لڑائی رکوا دیں، پھر مستقل مصالحت کا انتظام فرمائیں۔ شاہ صاحب سلیم خاں ٹھہرتے ہوئے ماتیری پہنچے، تو شاہ منصور کی طرف سے گولیوں کی آواز آئی، آپ جلد سے جلد آواز کے نشان پر گئے تو دیکھا کہ اشرف خاں لشکر سمیت زیدہ واپس جا رہا ہے۔ پوچھا: "خان بھائی! یہ لڑائی کیسی؟ ہم تو حضرت کے مطابق مصالحت کی غرض سے آئے تھے۔" اشرف خاں نے بتایا کہ ہم تو سید بادشاہ کے حکم کے مطابق اپنی گڑھی میں بیٹھے تھے، سورج نکلتے ہی خادے خاں کا لشکر میدان میں آ گیا، مجبوراً ہمیں بھی دفاع کی غرض سے نکلنا پڑا، ہم اپنی حد پر نہیں پہنچے تھے کہ خادے خاں کے آدمی بندوقیں چلانے لگے، ہمیں بھی جواب دینا پڑا، تھوڑی دیر لڑائی جاری رہی پھر خادے خاں کے آدمی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہم واپس آ گئے۔ خدا کے فضل سے ہمارا کوئی بھی آدمی زخمی نہیں ہوا۔

اشرف خاں کی وفات

اشرف خاں گھوڑے پر سوار تھا اور بشاشت و شادمانی کی فراوانی میں گھوڑے کو کداتا ہوا جا رہا تھا، شاہ منصور کے قریب پہنچا تو گھوڑا اچانک سیخ پا ہو گیا۔ پھر اس طرح گرا کہ اشرف خاں نیچے تھا اور گھوڑا اوپر۔ زین کا ہرنا خان کے سینے میں گڑ گیا، گھوڑے کے نیچے سے اسے نکالا گیا تو بے ہوش تھا تھوڑی دیر میں واصل بہ حق ہو گیا۔ اس ناگہانی حادثے نے سب کو حزن و ملال کا پیکر بنا دیا، وہ بہت نیک بخت، سخی اور خوش اخلاق رئیس تھا، سید صاحب کے ساتھ اسے دلی محبت و عقیدت تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میت کو چارپائی پر ڈال کر زیدہ لے گئے۔ خادے خاں بھی یہ خبر سن کر زیدہ پہنچا اور نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ تدفین سے فارغ ہو کر تعزیت و دعاء کیلئے مسجد میں جمع ہوئے، شاہ اسماعیل نے مرحوم کے محامد و فضائل بیان فرمائے، پھر مغفرت کے لئے دعاء مانگی۔

جانشینی کا فیصلہ اور خادے خاں

مولانا ایک رات زیدہ میں گزار کر پنجتار گئے، تیسرے روز فتح خاں پنجتاری زیدہ پہنچا، جہاں خان مرحوم کی جانشینی کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اشرف خاں کے تین بیٹے تھے: مقرب خاں، فتح خاں اور ارسلان خاں۔ ان میں سے فتح خاں سب سے لائق، دانش مند اور دیندار تھا، اور اشرف خاں نے اسی کو جانشینی کے لئے نامزد کیا تھا، تمام خوانین نے اسی کو خانی و سرداری کی دستار بندھوائی، خادے خاں کو اس فیصلے سے بھی اختلاف تھا، وہ چاہتا تھا کہ مقرب خاں کو سردار بنایا جائے جو اس کا بہنوئی تھا۔ یہ واقعہ خادے خاں کے لئے رنجش کا تازہ سبب بن گیا۔ سرحد میں اسے کہیں سے دوستی اور اعانت کی امید نظر نہ آئی تو خفیہ خفیہ سکھوں سے رشتہ موافقت پیدا کر لیا۔ اس کے دل میں مدت سے اجتماعیت و انفرادیت یا اسلامیت و افغانیت کی کشاکش جاری تھی، اب وہ فیصلہ کن مرحلے پر پہنچ گئی۔ خادے خاں خاصی دیر تک لڑکھڑاتا رہا، آخر سنبھلنے کے بجائے گر گیا اور ایسی جگہ گرا جہاں اسلامیت کے کسی منتسب کے لئے اطمینان و مسرت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

سکھوں کی آمد

سکھ وقتاً فوقتاً لشکر لے کر علاقہ سرحد میں پہنچ جاتے تھے، وہ مسکین دیہاتیوں پر سخت ظلم کرتے، خوانین و رؤسا سے گھوڑے، باز اور شکاری کتے خراج میں لیتے، اب کے جنرل ونتورا حضرو پہنچا تو خادے خاں نے خود حضرو حاضر ہو کر ایک گھوڑا، ایک باز اور ایک شکاری کتا بطور نذر پیش کر کے سکھ حکومت کا طوقِ فرمانبرداری اپنے گلے میں ڈال لیا۔ پھر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دنتورا کو ترغیب دی کہ دریا کو عبور کر کے سمہ میں پہنچو گے تو باقی روسا بھی خراج ادا کر دیں گے۔ ماتیری پر مجھے قبضہ دلا دو گے تو خاصی رقم معاوضے میں دوں گا۔

دنتورا محتاط آدمی تھا، اس نے خادے خاں کے بھائی امیر خاں کو یرغمال میں لے کر پیش قدمی کی۔ خادے خاں نے مقرب خاں ابن اشرف خاں کی طرف سے بھی گھوڑا اور باز پیش کر کے اسے زیدہ کا رئیس تسلیم کرالیا۔ مقرب خاں دل سے سید صاحب کا عقیدت مند تھا، فوراً قاصد بھیج کر پورے حالات سید صاحب کے گوش گزار کر دیے۔ یہ بھی عرض کیا کہ میں نے جو کچھ کیا، مجبوری کی حالت میں کیا۔ مقرب کے اخلاص کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دم بہ دم سکھ لشکر کے بارے میں صحیح اطلاعات سید صاحب کو پہنچاتا رہا۔

دنتورا کا خط

خادے خاں نے دنتورا سے کہہ کر ایک پروانہ فتح خاں پنجتاری کے نام بھی بھجوایا جو خراج کے مطالبے پر مشتمل تھا۔ فتح خاں نے جواب دیا کہ ہم نے نہ کبھی خراج دیا اور نہ دیں گے، تمہیں اپنی فوج پر اعتماد ہے تو جو چاہو کرو۔

خادے خاں تو ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا، دنتورا سے کہا کہ خان پنجتار کا یہ جوش وخروش اور دم خم سید بادشاہ کے بل پر ہے۔ دنتورا نے خود سید صاحب کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ عالی خاندان، سید، حاجی حرمین، غازی اور ولی ہیں، آپ کی برکت سے اس ملک میں شر وفساد کم ہو رہا ہے لیکن یہ ملک راجہ رنجیت سنگھ کے قلمرو میں داخل ہے، خوانین باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے، آپ کی تشریف آوری کے بعد باغی ہو گئے، آپ انہیں مہاراجا کی اطاعت کا حکم دیں، نیز لکھیں کہ کس غرض سے اس ملک میں آئے ہیں، جواب وکیل کی معرفت روانہ کریں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کا جواب

سید صاحب نے جواب میں لکھا ہے کہ جس طرح آپ اپنے حاکم کے تابع فرمان ہیں، اسی طرح ہم اپنے خدا کے فرمانبردار ہیں، جو زمین و آسمان کا مالک برحق ہے۔ اس احکم الحاکمین نے جو احکام بھیجے ہیں، انہیں بجالاتا ہوں، سب کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، جو اسے قبول کرلے وہ میرا بھائی ہے۔ آپ اہل کتاب ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ جو دعوت آپ کو دے رہا ہوں وہ آپ کے آقا کے لئے بھی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ملک خالصہ جی کا ہے، یہ دعویٰ محض بے دلیل ہے۔ حقیقتاً مشرق سے مغرب تک سارا ملک خدا کا ہے، پھر ملکیت کے اعتبار سے یہ ملک مسلمانوں کا ہے، میرا ارادہ بھی آپ سے مخفی نہیں، یہاں سمجھ بوجھ کر ہی آیا ہوں، آپ مسلمانوں کو تباہ کررہے ہیں، اگر اسلام قبول کرلیں تو ملک آپ کے پاس رہے گا، ورنہ میں آپ سے جہاد جاری رکھوں گا۔

''وقائع'' کا بیان ہے کہ مولوی خیرالدین شیرکوٹی کو وکیل بنا کر سید صاحب نے دنتورا کے پاس بھیجا۔ مولوی صاحب نے مکتوب کے تمام مطالب کو تفصیل سے دہرایا اور ہر اعتراض کا شافی جواب دیا۔ دنتورا تلخ ہوکر بولا تو مولوی صاحب نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ آخر میں کہہ دیا کہ آپ کو اپنے لشکر پر ناز ہے تو ہمارا بھروسا اللہ پر ہے۔ اس کا لشکر سب سے زیادہ قوی ہے اور ہمیشہ سب پر غالب رہا ہے۔

دنتورا کی واپسی

مولوی صاحب دنتورا سے مل کر پنجتار پہنچے اور ساری گفتگو تفصیلاً سید صاحب کو سنادی۔ چونکہ پنجتار پر حملے کا اندیشہ تھا اس لئے سید صاحب نے مولوی خیرالدین کو تین سو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غازیوں کے ساتھ درے کی حفاظت کے لئے بھیج دیا، وہ درے سے باہر نکل کر خیمہ زن ہوئے، دنتورا کی فوج مغربی جانب کے میدان میں اُتری ہوئی تھی، دونوں فوجوں میں دو اڑھائی کوس کا فاصلہ تھا۔

غازیوں کے شبخون کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مانیری اور صوابی کے باشندے سکھ لشکر کی وجہ سے پریشان تھے، غازیوں کا لشکر آ گیا تو اطمینان کے ساتھ ارد گرد کے مواضع میں پھرنے لگے، سکھ لشکریوں نے سمجھا کہ شاید شبخون کے لئے پخت وپز ہو رہی ہے، ان پر سراسیمگی طاری ہو گئی، دنتورا نے یہ حالت دیکھ کر فوج کو واپسی کا حکم دے دیا، وہ لوگ اس افراتفری میں واپس گئے کہ خاصا سامان بھی پیچھے چھوڑ گئے۔(۱)

(۱) عام سوانح نگار پنجتار پر صرف ایک حملے کا ذکر کرتے ہیں، میری تحقیق یہ ہے کہ دنتورا دو مرتبہ حملے کے لئے آیا۔ تمام روایات کو سلجھانے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں، افسوس کہ سکھ لشکر کی ہر نقل وحرکت کے صحیح حالات معلوم نہ ہو سکے، نہ قطعی فیصلے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہر حال جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں اسے پیش کر دیا ہے، حقیقت حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

تسخیر اٹک کی تجویز

بیعتِ شریعت کی برکات

بیعتِ شریعت نے پورے علاقے میں دینی فضا پیدا کرنے کا سروسامان کر دیا تھا، ملا قطب الدین ننگرہاری بہ سلسلہ وظائف احتساب دیہات کا دورہ کرتے رہتے تھے، خود سید صاحب بھی خوانین ورؤسا کی دعوت پر مختلف مقامات میں تشریف لے جاتے تھے، پٹھانوں کا ایک بہت بڑا مرض تفرقہ تھا، جس نے ان کی جماعتی زندگی کی بنیاد متزلزل کر رکھی تھی۔ معمولی باتوں پر وہ لڑ پڑتے، پھر ہر فریق کی کوشش یہ ہوتی کہ گاؤں یا اقوام کے زیادہ سے زیادہ افراد اپنے ساتھ ملا لے، اس طرح معمولی مناقشتوں کی بنا پر جگہ جگہ مستقل جنگی محاذ بن گئے تھے۔

سید صاحب جہاں تشریف لے جاتے، پرانی مناقشتوں کی تحقیقات کر کے شرعی فیصلے صادر فرما دیتے، خدو خیل کے علاقے میں فتح خاں پنجتاری اور اس کے بھائی ناصر خاں کے درمیان شدید عداوت پیدا ہو چکی تھی، اور ناصر خاں نے چنگلئی میں بیٹھ کر ارد گرد کے خوانین کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، یہاں تک کہ فتح خاں کے لئے پنجتار سے قدم باہر رکھنا مشکل ہو گیا۔ سید صاحب نے ان دونوں بھائیوں میں بھی صلح کرا دی۔

اٹک پر حملے کی تجویز

اس زمانے میں اٹک سے خیر الدین نام ایک شخص بار بار پنجتار آیا، وہ دو تین دن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ٹھہرتا، تخلیہ میں سید صاحب سے بات چیت کرتا اور واپس چلا جاتا۔ اس وقت کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ اس کی غرض وغایت کیا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے اٹک کا قلعہ سید صاحب کے حوالے کر دینے کی ایک اسکیم سوچی تھی اور اس سلسلے میں تفصیلات طے کرنے کی غرض سے آتا تھا۔

اٹک کا قلعدار خزانہ مل نام ایک شخص تھا، خیر الدین وہاں کے معززین میں سے تھا آہستہ آہستہ اس نے تمام اندرونی معاملات کی کیفیت معلوم کرلی۔ جب اُسے یقین ہوگیا کہ قلعے پر قبضہ کرلینا مشکل نہیں تو شہر اٹک کے ان مسلمانوں سے بات چیت کی، جن کی اسلامی حمیت پر بھروسا کیا جاسکتا تھا۔ سب نے خیر الدین کی رائے سے اتفاق کیا، لیکن کہا کہ باہر سے کمک حاصل کیے بغیر اس کام کا سرانجام کو پہنچنا مشکل ہے، باہر سے سید صاحب کے سوا کون مدد دے سکتا تھا؟ جوانمرد خیر الدین نے اس خفیہ سفارت کی خدمت اپنے ذمے لے لی۔

اٹک اس زمانے میں نہایت اہم مقام تھا، اسے قبضے میں لے لینے کے بعد پنجاب میں پیش قدمی کے لئے ایک نہایت موزوں مرکز مل جاتا، یہ بھی یقین تھا کہ اٹک لے لینے کے بعد ایک طرف اہل سرحد زیادہ سرگرمی سے کاروبار جہاد میں اعانت کے لئے تیار ہوجائیں گے، دوسری طرف مسلمانان پنجاب کے حوصلے بڑھ جائیں گے، اور سکھ حکومت میں تزلزل کا اچھا بندوبست ہوجائے گا۔ لیکن معاملہ ایسا نہ تھا کہ تنہا ایک فرد کی روایت پر بھروسہ کرکے آخر اقدام کا فیصلہ کرلیا جاتا، چنانچہ سید صاحب نے مولوی امام الدین بنگالی والے کو دو غازیوں کے ساتھ بہ تبدیل لباس اٹک بھیج دیا، دس روز میں انہوں نے پورے حالات تحقیق کیے اور پنجار پہنچ کر خیر الدین کی ایک ایک بات کی تصدیق فرمادی۔ (۱)

(۱) بعض روایتوں میں ہے کہ مولوی امام الدین کو زیادہ مرتبہ اٹک بھیجا گیا اور وہ ہر مرتبہ دس دس بیس بیس روز وہاں گزارتے رہے، میرے نزدیک یہ روایتیں غلط فہمی پر مبنی ہیں، اس لئے کہ اٹک کا واقعہ بیعت و شریعت سے تھوڑی دیر بعد پیش آیا اور محض تحقیق احوال میں دو تین مہینے کی مدت بسر کردینا قرین قیاس نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب نے اسی وقت پانسو روپے کی رقم خیر الدین کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ ضروری سامان اور ہتھیار خرید لیجئے، سب سامان مکمل ہو جائے تو ہمیں اطلاع بھجوا دیجئے۔

غازیوں کا ارسال

سید صاحب اس کے بعد خود دورے پر روانہ ہو گئے اور جگہ جگہ ٹھہرتے ہوئے گڑھی امان زئی پہنچے، وہیں خیر الدین نے خود یہ اطلاع پہنچائی کہ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں، مسلمانانِ اٹک میں سے پانسو آدمی ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں، جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے، انہیں ہتھیار لے دیئے ہیں، قلعے پر حملے کے لئے سیڑھیاں اور رسّے درکار تھے، یہ چیزیں بھی مہیا کر لی گئی ہیں۔ میں اپنے بھائی کے علاوہ سید جمیل شاہ، ان کے بہنوئی سید محبوب شاہ، فتح شیر خاں اور ان کے بھائی منگا خاں، محمود، قادر بخش، محمد بخش وغیرہ سے کہہ آیا ہوں کہ فلاں رات برات کے استقبال کے بہانے دریا کے کنارے فلاں مقام پر پہنچ جائیں، وہیں غازیوں کو لے آؤں گا۔ گویا تجویز یہ تھی کہ غازی باہر سے برات کی شکل میں اٹک میں داخل ہوں اور اندر پہنچ کر مسلمانانِ اٹک کی امداد سے قلعے پر قبضہ کر لیں۔

سید صاحب نے تقریباً ستر چست و چالاک غازی منتخب کئے، ارباب بہرام خاں کو ان کا امیر بنا کر اٹک بھیج دیا اور فرمایا کہ اگر خدانخواستہ ارباب کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو حاجی بہادر شاہ خاں کو اور ان کے بعد امام خاں خیر آبادی کو امیر بنایا جائے۔ پھر غازی جسے چاہیں امیر مقرر کر لیں۔ اخوند ظہور اللہ جہانگیرا کے تھے، جو اٹک سے قریب ہے، ان اطراف کے حالات سے پوری طرح واقف تھے، انہیں غازیوں کی رہبری کے لئے ساتھ کر دیا، ان سب نے دو دو وقت کی روٹیاں پکا لیں، چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں روانہ ہو گئے اور باہر جا کر مقررہ مقام پر مل گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھید کھل گیا

گڑھی امان زئی سے پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر جلسی ہے۔ غازی جلسی سے دو کوس پر ہوں گے کہ صبح ہو گئی۔ ادائے نماز کے بعد سب چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر کر اِدھر اُدھر چھپ گئے، سارا دن اسی حالت میں گزارا، عشاء کے وقت پھر منزل مقصود کی جانب روانہ ہوئے۔ جہانگیرا کے گھاٹ پر پہنچے تو سید جمیل شاہ، سید محبوب شاہ، فتح شیر خاں، محمود اور قادر بخش انتظار کر رہے تھے۔ عبور دریا کے لئے جالے موجود تھے، عین اس حالت میں محمد بخش شناس پر سوار ہو کر آ پہنچا اور اس نے بتایا کہ ہمارے ایک ساتھی نے راز فاش کر دیا، تیز خادے خاں کی طرف سے ایک قاصد پہنچ گیا، جس نے بتا دیا کہ سید صاحب کے غازی اٹک پر حملہ کرنے والے ہیں، قلعہ دار نے مقابلے کیلئے پوری تیاری کر لی ہے اور کئی مسلمان گرفتار ہو چکے ہیں۔ (۱)

اس اطلاع کے بعد قدم آگے بڑھانے کی کوئی صورت نہ تھی، اور ٹھہرے رہنا بے سود تھا۔ اس لئے ارباب نے غازیوں کو واپسی کا حکم دے دیا، مولوی خیر الدین اور دوسرے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔ (۲) پہلے کی طرح دن چھپ چھپا کر گزارا، پھر امان زئی پہنچ کر سارے حالات سید صاحب کے گوش گزار کر دیے۔

جو لوگ اٹک میں گرفتار ہوئے تھے، ان میں سے بعض کو موت کی سزا دی گئی، بعض کو قید کر دیا گیا۔ ان میں سے منگا خاں نے پیر ظہور شاہ نام ایک درویش کے ذریعے سے رہائی

(۱) وقائع میں ہے کہ مخبر نے لالہ خزانہ مل قلعہ دار کو بتایا کہ جو لوگ برات کے استقبال کی اجازت لے کر گئے ہیں وہ سید صاحب کے غازیوں کو لائیں گے۔ خزانہ مل کو یقین نہ آیا مخبر نے کہا کہ ان کے گھروں کی تلاشی لے لیجئے، اگر وہاں سے ہتھیار، سیڑھیاں اور رسے مل جائیں تو میں سچا، ورنہ مجھے توپ دم کرا دیجئے۔ عین اس حالت میں خادے خاں کا قاصد پہنچ گیا، خزانہ مل نے تلاشی لی اور سارا سامان مل گیا۔

(۲) روایتوں میں خیر الدین کے نام کی تصریح ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسرے لوگ بھی ساتھ رہے ہوں گے، اگر وہ لوٹ آتے تو گرفتار ہو جاتے، پھر قتل کئے جاتے یا قید کی سزا پاتے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پائی۔ مولوی خیر الدین کے بال بچوں کو بھی بعد میں رہا کر دیا گیا اور وہ پنجتار پہنچ گئے۔

سید عبدالجبار شاہ کا بیان

واقعۂ اٹک کے متعلق سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے اپنی کتاب ''عبرۃ لاولی الابصار'' میں مستند خاندانی روایات کی بنا پر لکھا ہے کہ اخوند سید امیر عرف ملا صاحب کوٹھا کے جد امجد طریق مجددیہ کے شیخ تھے۔ اٹک میں انگریزوں کا ایک خاندان ان کا مرید تھا، اس خاندان نے یورش اٹک کو کامیاب بنانے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا تھا، سیڑھیاں اور رسے انہیں کے ہاں رکھے گئے تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خادے خاں کو اس تجویز کا حال کہاں سے معلوم ہوا؟ سید عبدالجبار شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اخوند عبدالغفور، جو بعد میں اخوند صاحب سوات کے لقب سے مشہور ہوا (موجودہ والیٔ سوات کا پردادا)، اس زمانے میں بیکی (۱) کے قریب دریائے سندھ کے کنارے ایک غار میں رہتا تھا، یہاں اس نے بارہ برس چلہ کشی میں گزار دیے تھے۔ ملا صاحب کوٹھا سے اس کا گہرا تعلق تھا، سید صاحب کے پاس بھی آتا جاتا تھا، اسے اٹک پر یورش کی تجویز کا علم ہو گیا تھا۔

زہد و ریاضت کی وجہ سے خادے خاں کو بھی اخوند عبدالغفور کے ساتھ عقیدت تھی، اخوند کو علم نہ تھا کہ خادے خاں سید صاحب سے منحرف ہو چکا ہے۔ باتوں باتوں میں اخوند نے یورش اٹک کی تجویز کا ذکر خادے خاں سے کر دیا، خان نے یہ اطلاع پاتے ہی ایک تیز سوار ہری سنگھ نلوہ حاکم ہزارہ کے پاس بھیج دیا، اس نے خزانہ مل کو حکم دے دیا کہ رنگریزوں کی گھروں کی تلاشی لی جائے۔ سامان برآمد ہو گیا، رنگریز گرفتار کر لئے گئے، بعد میں انہیں موت کی سزا ملی۔

(۱) ہنڈ کے قریب ایک گاؤں ہے میں اسے دیکھ نہ سکا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اخوند کو اپنی بے احتیاطی کے نتائج الیمہ کا علم ہوا تو اس درجہ ندامت لاحق ہوئی کہ وہ فوراً بیکی کو چھوڑ کر کسی نامعلوم مقام پر چلا گیا، کئی برس کے بعد زیارت غلاماں میں اس کا سراغ ملا۔ ملا صاحب کوٹھا کے ساتھ اخوند کی عداوت بھی اسی وقت سے شروع ہوئی، انجام کار ملا صاحب پر "وہابیت" کا الزام لگایا اور انہیں بڑی مصیبتوں میں اُلجھائے رکھا۔

مسلمہ حقائق

میں اس روایت کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ:

۱۔ اٹک پر حملے کی اطلاع سکھوں کو خادے خاں نے پہنچائی تھی۔ (۱)

۲۔ اخوند سوات اس زمانے میں بیکی میں مقیم تھا اور خادے خاں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ (۲)

۳۔ اسی واقعے کے بعد اخوند نے بیکی کو چھوڑا۔

ان حالات میں اغلب ہے یہ روایت درست ہو، خصوصاً اس لیے کہ خادے خاں کو اٹک پر حملے کی تجویز کا علم اخوند صاحب کے سوا اور کسی ذریعے سے ہو ہی نہ سکتا تھا۔

مجلس شوریٰ

سید صاحب امان زئی سے شیخ جانا ہوتے ہوئے پنجتار پہنچے تو چھ سات روز کے بعد مجلس شوریٰ منعقد کی، جس میں مولانا شاہ اسماعیل، سید احمد علی، ارباب بہرام خاں،

(۱) اے جنرل رپورٹ آن دی یوسف زئی (انگریزی) مصنفہ بیلیو ص: ۷۸ مطبوعہ ۱۸۶۴ء)

(۲) اے جنرل رپورٹ آن دی یوسف زئی (انگریزی) مصنفہ بیلیو ص: ۷۸ مطبوعہ ۱۸۶۴ء)

بیلیو نے لکھا ہے کہ سید صاحب نے اخوند سوات کے ذریعے سے خادے خاں کو بلایا تھا، جب وہ آ گیا تو موقع پا کر اسے قتل کرا دیا۔ اس وجہ سے اخوند کو سخت ندامت ہوئی اور اسے روپوش ہونا پڑا۔ یہ بیان سراسر غلط ہے، نہ خادے خاں کو اخوند کے ذریعے سے بلایا گیا نہ بلا کر قتل کیا گیا۔ سید صاحب نے ہنڈ پر باقاعدہ یورش کی تھی جس میں خادے خاں لڑتا ہوا مارا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی محمد حسن، فتح خاں پنجتاری اور بعض دوسرے اکابر شریک تھے۔ آپ نے فرمایا:

آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم لوگ اتنی مدت سے اس ملک میں واسطے جہاد فی سبیل اللہ آئے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی ریاست سمجھ کر یہاں اُترے ہیں، فقط اس نیت سے کہ سب مسلمان بھائیوں کے اتفاق سے دین اسلام کا کام درست ہو، لیکن یہاں کے مسلمان بھائیوں کی نااتفاقی کا یہ حال ہے کہ اگر ہم کوئی صورت کفار کو زیر کرنے کی نکالتے ہیں تو انہیں مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک ان کا حامی بن کر بیچ میں حارج ہو جاتا ہے اور ان کو خبر دے دیتا ہے۔

چنانچہ ایک سردار یار محمد خاں کہ اس کا فساد آپ سب جانتے ہیں شیدو کی لڑائی میں اسی نوے ہزار آدمی ہماری طرف سے جمع تھے، اس کی شرارت سے لڑائی میں شکست ہوگئی اور جمعیت مسلمانوں کی پراگندہ ہوگئی۔

دوسرا ان میں سے خادے خاں ہے کہ چند مہینے سے کیسی کیسی حرکتیں بے جا کرنی شروع کی ہیں۔ چنانچہ آپ کو خود معلوم ہے کہ جو غازی ہندوستان سے واسطے جہاد فی سبیل اللہ کے ارادہ کرتا ہے، سکھوں کے ملک سے تو سلامت چلا آتا ہے، لیکن اس (خادے خاں) کے ہاں سے کسی طور سلامت نہیں پہنچتا۔ کسی کو لوٹ کر دریائے اباسین میں غوطے دلاتے ہیں کسی کا مال واسباب چھین کر بہ زور بخشواتے ہیں اور سردار اشرف خاں مرحوم پر جو انہوں نے فوج کشی کی فقط اس عداوت سے کی کہ خان مرحوم ہم سے موافق تھے، اس کے بعد یہ فساد کیا کہ دنتوڑ اکوچڑھالائے، اس میں حتی المقدور انہوں نے تو درگزر نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے اس کو دفع کیا۔

اس کے بعد ایک تازہ فساد یہ کیا کہ ادھر سے اٹک پر ہمارا چھاپا چلا اور ادھر سے خادے خاں نے اپنا آدمی بھیج کر قلعہ دار کو خبر کر دی۔ اس طور کے اور بھی بہت سے فساد انہوں نے کئے ہیں۔ ابھی دیکھا چاہئے کہ یہ کیا کیا فساد کریں اور انہوں نے جو شرارتیں ہمارے ساتھ کی ہیں ان کی کدورت اصلاً

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہمارے دل میں نہیں ہے، جو کچھ کیا اپنے واسطے کیا، وہ جانیں ان کا خدا جانے۔
جیسا کرے گا ویسا پاوے گا، اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ مسلمانوں میں اتفاق
ہو جائے، جسکے سبب سے کچھ اللہ تعالیٰ کا کام نکلے، دین اسلام کی ترقی ہو۔(۱)

اجتماع کا انتظام

یہ تقریر سن کر سردار فتح خاں نے عرض کیا کہ آپ ملک سمہ کے سادات وعلماء وخوانین کو بلائیں اور بطور نصیحت یہی باتیں ان سے فرمائیں، وہ سب آپ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ یہاں کے رئیس ہیں، اس لئے آپ ہماری طرف سے دعوت نامے بھیجیں۔

چنانچہ جمعہ کا دن مقرر کر کے جگہ جگہ آدمی دوڑا دیے گئے۔ ''منظورہ'' کا بیان ہے کہ تین ہزار سے زیادہ آدمی جمع ہوئے۔(۲) پنجتار کی پانچوں بستیوں نے مل کر دعوت کا انتظام کیا، ضرورت کے مطابق تمام جنسیں مولانا شاہ اسمٰعیل کے پاس پہنچادی گئیں، اس لئے کہ کھانا تیار کرانے کے مہتمم وہی تھے۔

''وقائع'' میں ہے کہ دس من گوشت، آٹھ من گھی (۳) اور پندرہ سولہ من آٹا خرچ ہوا۔ سید صاحب نے حکم دے رکھا تھا کہ طلوع آفتاب سے پیشتر کھانا تیار ہو جائے تاکہ

---

(۱) وقائع ص: ۱۰۷۵-۱۰۷۶- میں نے اس تقریر کو بجنسہ لے لیا اس لئے کہ اس میں سید صاحب کے انداز گفتار کی زیادہ سے زیادہ جھلک نظر آتی ہے، لیکن خطاب میں ''تم'' کی جگہ ''آپ'' بنا دیا ہے، کیونکہ سید صاحب کسی کو بھی ''تم'' سے خطاب کرنے کے عادی نہ تھے۔ وہ اپنے مریدوں اور نیاز مندوں کو بھی ہمیشہ بھائی کہہ کر پکارتے تھے، شیخ بھائی، سید بھائی، خان بھائی۔ صرف مولانا شاہ اسمٰعیل کو ''میاں صاحب'' کہتے تھے کہ یہ ان کا خاندانی لقب تھا۔

(۲) ''وقائع'' میں ہے دس گیارہ سو۔ سامان دعوت کی مقدار کے پیش نظر ''منظورہ'' کا بیان زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔

(۳) دس من گوشت کے ساتھ آٹھ من گھی پر تعجب نہیں ہونا چاہئے، سرحد میں پر تکلف تواضع کا طریقہ اب بھی یہی ہے کہ مہمان کے پیالوں یا رکابیوں میں شوربا ڈال چکنے کے بعد گھی لوٹوں میں بھر بھر کر ڈالتے ہیں، اس طرح گوشت پکانے کے علاوہ بھی گھی خاصی مقدار میں خرچ ہوتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مہمان پنجتار پہنچتے ہی کھانا کھا کر اصل کام کے لئے فارغ ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عام وعظ و تذکیر کے علاوہ سید صاحب کی ایک خاص غرض یہ بھی تھی کہ خادے خاں کو پھر ایک مرتبہ سمجھا کر راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جائے، اور اگر یہ تفہیم بھی بے سود رہے تو علماء سے فتویٰ حاصل کیا جائے کہ ایسے شخص کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔

شیشم کے درختوں کے نیچے نماز جمعہ ادا کی گئی، قاضی احمد اللہ میرٹھی نے خطبہ پڑھا، نماز کے بعد سید صاحب خطبے کیلئے اٹھے، قابل اخوندزادہ کو برابر کھڑا کر لیا، وہ ہندوستانی، پشتو، فارسی وغیرہ بہت سی زبانیں جانتے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں ہندوستانی میں تقریر کروں گا، جس بھائی کو کسی بات کے سمجھنے میں دقت محسوس ہو وہ قابل اخوندزادہ سے دریافت کر لے۔

سید صاحب کا خطبہ

حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا:

آپ سب بھائی جانتے ہیں کہ دنیا میں لوگ اپنی معاش اور میراث کے حاصل کرنے میں کیسی کیسی کوشش اور جانفشانی کرتے ہیں اور طرح طرح کی محنت اور تکلیف اٹھاتے ہیں، بلکہ اس رنج کو راحت جان کر ہرگز نہیں گھبراتے۔ فقط اس خیال سے کہ اگر وہ معاش و میراث ہاتھ لگے تو چین سے کھاویں اور یہ امر موہوم ہے، اگر یہ موافق خواہش کے حاصل ہوا تو بہا و الا کچھ نہیں۔

واسطے حاصل کرنے دولتِ دین کے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے، جسکے باعث فلاح دنیا اور آخرت کی، ترقی اسلام اور رضامندی رب انام کی حاصل ہوتی ہے، اور یہ امر ہر حال میں مقدم ہونا چاہئے، سو اس سے لوگ غافل ہیں۔

مجھ کو جناب باری نے ارشاد ہوا کہ دار الحرب ہند سے ہجرت کر کے دار الامان میں جا اور کفار سے جہاد فی سبیل اللہ کر۔ سو میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مامون ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے جاؤں اور تدبیر جہاد

کروں، باوجود اس وسعت کے کہ صدہا کوس میں ملک ہند واقع ہے، کوئی جگہ لائق ہجرت کے میرے خیال میں نہ آئی۔

کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اسی ملک میں (یعنی ہندوستان میں) جہاد کرو، جو کچھ مال، خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہو ہم دیں گے، مجھ کو منظور نہ ہوا، اس لئے کہ جہاد موافق سنت کے چاہئے، بلوا کرنا منظور نہیں تھا۔

آپ کے اس ملک کے ولایتی بھائی بھی وہاں حاضر تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس امر کے واسطے بہت خوب ہے، اگر آپ وہاں چل کر کسی جگہ قیام پکڑیں تو لاکھوں مسلمان وہاں کے جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے۔ خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے، ہتک حرمت اہل اسلام کی کرتا ہے۔ جب اس کی فوج کے لوگ اس ملک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتی تباہ کرتے ہیں، مال و اسباب لوٹتے ہیں بلکہ عورتوں، بچوں کو پکڑ لے جاتے ہیں اور اپنے ملک پنجاب میں بیچ ڈالتے ہیں اور اپنے ملک پنجاب میں تو وہ...... مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے اور مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں اور گاؤکشی کا تو کیا ذکر، جہاں سنتے ہیں کہ کسی مسلمان نے گائے ذبح کی، اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ سچ ہے، بہتر یہ ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کفار سے جہاد کریں۔

علماء سے بالخصوص مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا:

آپ لوگوں نے ہمیں جگہ دی، ہمارے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی، آپ کے مشورے کے مطابق اس مقام سے جہاد شروع ہوا، اب آپ مسائی جمیلہ سے دست کش ہو رہے ہیں، حالانکہ آپ کو وارث الانبیاء کہا گیا ہے، اس کا سبب کیا ہے؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب نے اس سلسلے میں کئی مثالیں بھی دیں، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، دل میں حمیت اسلام کا دریا موجزن تھا۔ لوگ بھی یہ پُر تاثیر تقریر سن کر رونے لگے، اس کے بعد دعا فرمائی اور کہا کہ اب مولانا اسماعیل جو کچھ فرمائیں اسے بھی سن لیجئے۔ اگر کسی کے دل میں شک ہو تو اسے صاف کر لیا جائے۔

مولانا شاہ اسماعیل کی تقریر

پھر آپ مجلس سے اُٹھ کر قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور مولانا شاہ اسماعیل نے تقریر شروع کی۔ اس کا عنوان تھا: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" الخ آپ نے اس آیت کریمہ کی مفصل تفسیر فرمائی، پھر علماء سے پوچھا کہ آیا اس کی رو سے امام کی اطاعت ضروری نہیں؟ سب نے کہا کہ ضروری ہے۔ مولانا نے پھر سوال کیا کہ عاصی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ سب نے جواب دیا کہ وہ باغی ہے، پھر مولانا نے بغاوت کے سلسلے میں شرعی احکام کے متعلق استفتاء پیش کیا، سب نے فتویٰ دیا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے اور فتوے پر مہریں ثبت کر دیں۔

بعد ازاں مولانا نے علماء سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> سارا قصور آپ کا ہے، اس ملک کے تمام خوانین آپ کے تابع فرمان ہیں، لیکن آپ لوگ اظہارِ حق میں مداہنت سے کام لیتے رہے ہیں، ورنہ یہ خرابی پیدا نہ ہوتی۔

پھر آپ نے دردِ دل سے دعاء کی، سب لوگ اس میں شریک رہے، لیکن خادے خاں مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کے فتوے کی روشنی میں اسے اپنے اعمال کی بدوضعی اور مشئومیت کا پورا احساس ہو گیا تھا، اس وجہ سے وہ حد درجہ مشوش و پریشان تھا۔ ممکن ہے اس نے سمجھ لیا ہو کہ فتویٰ صرف اسی کے لئے تیار ہوا ہے، لیکن ضد اور ہٹ اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی اور متنبہ ہونے کے بجائے وہ اپنی روش میں اور بھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

منصلب ہوگیا۔

عصر کی نماز سید صاحب ہی نے پڑھائی۔ اس کے بعد اکثر مہمان رخصت ہوگئے، جو شب بھر کے لئے ٹھہر گئے یا ٹھہرا لئے گئے، ان میں خادے خاں بھی تھا۔

خادے خاں سے بات چیت

رات کے وقت سید صاحب نے خادے خاں کو اپنے پاس بلا کر فرمایا:

خان بھائی! آپ ہی نے ہم کو اس ملک میں ٹھہرایا تھا اور آپ ہی ہمارے انصار بھی سب سے پہلے بنے تھے۔ آج اس مجلس علماء کی مشورت سے منحرف ہو کر اٹھ گئے، یہ بات آپ کی دانشمندی سے نہایت بعید تھی۔ آپ کو لازم تھا کہ اگر کوئی اور منحرف ہو کر اٹھتا تو اس کو سمجھاتے، نہ کہ خود سبقت کرتے۔ آپ کو لائق ہے کہ جس بات پر علماء نے اتفاق کیا ہے، اس کی مخالفت نہ کریں، اسی میں دین و دنیا کی بہتری ہوتی ہے، اور اس کے خلاف میں دنیا و عقبیٰ دونوں کی خرابی ہے۔ ہم آپ کی خیر خواہی کی راہ سے کہتے ہیں، ماننا نہ ماننا آپ کا اختیار ہے۔

خادے خاں نے جواب میں کہا:

حضرت ہم پختون (پٹھان) لوگ کاروبار ریاست کا رکھتے ہیں اور یہ مشورہ ملاؤں نے مل کر کیا ہے، یہ لوگ ہمارے یہاں اسقاط اور خیرات کے کھانے والوں میں ہیں، کاروبارِ ریاست میں ان کو کیا شعور؟ ان کا جو مشورہ ہمارے ذہن میں آتا ہے اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور جو سمجھ میں نہیں آتا اسے نہیں مانتے۔ ان کی صلاح اور مشورت کی ہمیں کچھ پروا نہیں، خود ہماری قوم اور جمعیت بہت ہے، کسی طور ہم پر ان کا دباؤ نہیں، یہ ہمارے تابع ہیں، ہم ان کے تابع نہیں ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کا خاصہ تھا کہ اگر کسی دوست اور عزیز کی زبان سے کوئی بات ایسی نکل جاتی جس کا اثر خدا اور رسولؐ کے احکام و اوامر کی حرمت پر پڑتا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ خادے خاں کا جواب سنتے ہی چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا، لیکن آپ نے تحمل سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

علماء وارث الانبیاء ہیں، ان کی شان میں ایسا کلام کمال نادانی ہے۔ یہ لوگ دین اور سنت سید المرسلینؐ سے واقف ہیں، کتاب و سنت کے مطابق جو کچھ کہیں مسلمان کو اس سے مجال انکار نہیں۔

خادے خاں: ہم لوگ پختون بے علم ہیں، ہماری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔

سید صاحب: ہم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا، اب اخیر میں ایک بات سن لیں، آپ نے حد شریعت سے قدم باہر نکالا، صرف اس خیال سے کہ آپ ملک کے خان ہیں، قوم و جمعیت کے مالک ہیں، کوئی کیا کر سکے گا؟ یہ محض گمراہی اور شیطان کا فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا قادر ہے، اس نے کروڑوں پیدا کئے اور کروڑوں کو نابود کر ڈالا، کیا معلوم کہ کسی صبح آپ کی آنکھ کھلے تو انتظام کی باگ کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔

نماز عشا کے بعد وہ اپنی قیامگاہ پر چلا گیا، صبح کے وقت رخصت ہو رہا تھا تو سید صاحب نے پھر فرمایا: ہم نے اتنا سمجھایا، مگر آپ کے خیال میں نہ آیا۔ اب ہم ناچار ہیں، آپ جائیں۔

وہ چپ چاپ رخصت ہو گیا، سید صاحب بڑا افسوس کرتے رہے کہ ایسا ہوشیار اور دانا شخص جو سب سے پہلے ہماری نصرت کے لئے کھڑا ہو کر انصار سابقین میں شامل ہوا، اسی نے سب سے پہلے بغاوت کا علم بلند کیا۔(۱)

(۱) میں نے یہ تقریریں اور سوال و جواب زیادہ تر "وقائع" سے لئے ہیں، لیکن ان میں بعض ٹکڑے "منظورہ" سے بھی لے کر شامل کر دیے ہیں، جو وقائع میں نہیں تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

جنگ پنجتار

دنتورا کی دوبارہ آمد

سید صاحب سے لڑے بغیر دنتورا کی سراسیمگی اور مراجعت نے اسکی شہرت کا دامن داغدار کر دیا تھا۔ دربار لاہور میں اس پر ناراضی کا اظہار ہوا۔ بعض لوگوں نے بے تکلف یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ خلیفہ صاحب (۱) کے ساتھ مل گیا ہے، لہٰذا پھر پنجتار پر پیش قدمی ضروری ہو گئی۔ (۲) خادے خاں پہ دستور اس کا معاون و رفیق تھا، اس کی آرزو یہ تھی کہ مقرب خاں زیدہ کا رئیس مان لیا جائے اور مانیری پر اس کے حلیفوں کا قبضہ ہو جائے۔

ایک روز مقرب خاں نے اپنے خاص آدمی کے ذریعے سے سید صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ چند روز کیلئے پنجتار چھوڑ کر چنگئی چلے جائیں، دنتورا واپس چلا جائے گا تو آ جائیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں، ہم خدا کی رضا کیلئے بہ غرض جہاد نکلے ہیں دشمن کے مقابلے میں جُٹنا ہمارے لئے حد درجہ مکروہ ہے، البتہ اگر فتح خاں کو مضرت کا

(۱) سکھ سید صاحب کو خلیفہ صاحب ہی کہتے تھے۔

(۲) اس مقام پر روایتوں میں بڑی پیچیدگی ہے۔ "وقائع" میں ہے کہ جنگ پنجتار کے بعد رمضان کا چاند ہوا، سال درج نہیں۔ اگر اسے رمضان ۱۲۴۴ھ سمجھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ۱۵ر شعبان ۱۲۴۴ھ کو بیعت اقامت شریعت کے بڑے اجتماع کے بعد چند روز میں اٹک کا واقعہ پیش آیا، امان زئی کا دورہ بھی ہوا، پنجتار پر پہلی مرتبہ پیش قدمی کے بعد دنتورا لوٹا اور دوبارہ بھی آ گیا۔ رمضان ۱۲۴۵ھ ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ اس زمانے میں سید صاحب امب کی طرف تھے۔ "منظورہ" میں ہے کہ جنگ پنجتار اواخر ذی قعدہ میں ہوئی، سال اس میں بھی درج نہیں۔ میرے نزدیک "منظورہ" کا بیان درست ہے، یہ جنگ اواخر ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ (اوائل جون ۱۸۲۹ء) میں ہوئی، گویا دنتورا پہلی پیش قدمی سے مہینے ڈیڑھ مہینے بعد دوبارہ اس حصے میں پہنچ گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اندیشہ ہو تو ہم اس مکروہ کو بھی گوارا کرلیں گے۔ آخری فیصلے کا حقدار وہی ہے۔ اس لئے کہ ہم اس کی جگہ میں بیٹھے ہیں اور اس جگہ میں اس کی رائے کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھیں گے۔ فتح خاں نے یہ سنا تو فرمایا کہ میں خلوصِ نیت سے سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کرچکا ہوں، اب کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتا۔(۱)

دفاعی انتظامات

سید صاحب فتح خاں کے جواب پر بہت خوش ہوئے اور پوری سرگرمی سے حفظ و دفاع کے انتظامات میں مصروف ہوگئے۔ سب سے پہلے فتح خاں سے فرمایا کہ سرحد آزاد کے تمام علماء و خوانین کو خط لکھئے۔ ان کا مضمون یہ تھا کہ پنجتار، چملہ و بونیر کا دروازہ ہے، یہ دشمن کے قبضے میں چلا جائے گا تو چملہ و بونیر محفوظ نہ رہ سکیں گے، آؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر دشمن کو درۂ پنجتار میں روکو۔ ان خطوط کا اثر بہت اچھا ہوا، مختلف حصوں سے جنگی دستے پنجتار پہنچنے لگے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے، پنجتار پہنچنے کے دو راستے تھے، اول درے کا راستہ، دوم وہ پگڈنڈی جو توتالی سے سیدھی آتی تھی اور پنجتار کے سامنے درے میں داخل ہوتی تھی، جہاں غازی جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرتے تھے۔ بڑا لشکر اور بھاری ساز وسامان صرف پہلے راستے سے لایا جاسکتا تھا، پگڈنڈی سے چھوٹے چھوٹے دستے پیدل آسکتے تھے۔ سید صاحب نے دونوں کی حفاظت کے لئے دیواریں تعمیر کرانے کا فیصلہ کیا، ان کے دو فائدے تھے، ایک یہ کہ دشمن دیواروں کو توڑے بغیر اندر نہیں آسکتا تھا۔ دوسرے ان دیواروں کی اوٹ میں بیٹھ کر غازی اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔

(۱) "منظورہ" میں ہے: من مال و جانِ خود را دخان و مان خود را فی سبیل اللہ باختیار امیر المومنین دادہ ام...... بارہا با مجاہدین با کفار منازعت و جنگ کردم ...... حالانکہ حق جل وعلا ایں ست حقہ قائم گردانید در باب جہاد بر اصل شرع رب العباد مفتوح گردید، صد حیف کہ دریں وقت از جنگ کفار پہلو تہی کنم۔ بسم اللہ، حضور مستعد مقابلہ و مقاتلہ شوم۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دونوں دیواروں کی جگہیں خود سید صاحب نے موقعے اور ماحول کی مناسبت کے مطابق تجویز کیں۔

دو دیواریں

پہلی دیوار علی کلئی کے سامنے بنائی، یہ قد آدم اونچی اور چار ہاتھ (یعنی چھ فٹ) چوڑی تھی۔ یہ دیوار دائیں اور بائیں جانب کے پہاڑوں سے ملادی گئی تھی، اور راستہ بالکل روک دیا تھا۔(۱) یہ پوری دیوار فتح خاں کے ہم قوموں نے بنائی تھی، سید صاحب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے اس میں غازیوں کی چار جماعتوں کے لئے چار چوکیاں مقرر کردیں: دو چوکیاں قندھاریوں کے لئے تھیں اور دو ہندوستانیوں کے لئے۔ چار چور پہرے لگائے: دو دائیں جانب کے پہاڑ پر اور دو بائیں جانب کے پہاڑ پر۔ ان لوگوں کو حکم تھا کہ جب دشمن کی آمد کا یقین ہو جائے تو پیچھے کے غازیوں کو خبردار کرنے کے لئے بندوقیں سر کر کے ان سے آملنا۔ فتح خاں کے سواروں کو اس حصے میں شب گردی کے لئے مامور فرمایا۔

دوسری دیوار پنجتار کے سامنے اس جگہ کے قریب بنائی گئی جہاں غازی جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ اولاً پگڈنڈی سے آنے والوں کیلئے روک تھی، ثانیاً درے کے اندر دوسرے زبردست مورچے کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ پوری دیوار ہندوستانی غازیوں نے بنائی، اس کا طول چالیس پچاس گز (سوا سو ڈیڑھ سو فٹ) ہوگا، سید صاحب نے اس دیوار کے مختلف حصے غازیوں کی مختلف جماعتوں میں بانٹ دیے اور خود بھی ان کے ساتھ کار تعمیر میں برابر شریک رہے۔

---

(۱) میرے دل میں یہ شبہ تھا کہ نالے میں دیوار کیوں کر بنی ہوگی؟ سید عبدالجبار شاہ مرحوم نے بتایا کہ گرمیوں میں نالے کا پانی بعض حصوں میں بالکل خشک ہو جاتا ہے۔ اگر تھوڑا سا پانی بہتا بھی ہوگا تو اس کے گذرنے کے لئے دیوار میں چھوٹی چھوٹی موریاں چھوڑ دی ہوں گی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دشمن کی آمد

دیواریں بن چکنے کے بعد دوسرے یا تیسرے دن شب گرد سواروں نے نماز فجر کے وقت اطلاع دی کہ دشمن کا لشکر درے کے سامنے پہنچ گیا ہے۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی سید صاحب نے غازیوں کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور پنجتار کے سامنے والی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ دن کا اُجالا ہوا تو صوابی اور مانیری کی طرف سے دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے، معلوم ہوا کہ سکھوں نے عادت و معمول کے مطابق دیہات سے گذرتے وقت مختلف مکانوں کو آگ لگا دی۔ موضع سلیم خاں درے کے دہانے پر تھا، وہ بھی آتش زنی سے محفوظ نہ رہا۔

سید صاحب نے میرزا احمد بیگ پنجابی کو ایک سو غازیوں کے ساتھ طلی تلکی والی دیوار کی طرف یہ حکم دے کر بھیج دیا کہ چاروں چور پہروں کے آدمیوں کو واپس کر دیجیے، سکھ درے کے اندر آ جائیں تو دائیں جانب پہاڑ پر چڑھ جائیے اور مقابلہ نہ کیجیے۔ جب ان کا پورا لشکر آگے بڑھ کر غازیوں کے ساتھ پیکار میں مصروف ہو جائے تو عقب سے ان پر حملہ کیجیے۔ فتح خاں نے بھی اپنے چالیس پچاس آدمی میرزا احمد بیگ کے ساتھ کر دیے، باقی آدمیوں کو سید صاحب کے حکم کے مطابق بائیں جانب کے پہاڑ پر بھیج دیا۔ پھر دونوں دیواروں کے درمیان دونوں جانب کے پہاڑوں پر جا بجا چملہ و بونیر کے آدمیوں کو بٹھا دیا، صرف غازیوں کو میدان میں سکھ لشکر کے مقابلے کیلئے رکھا، پہاڑوں پر بیٹھنے والے تمام مجاہدوں کو حکم تھا کہ سکھوں کی پیش قدمی کے وقت مزاحمت نہ کریں، جب غازیوں سے ان کی جنگ شروع ہو جائے تو ہر طرف سے ان پر ہلہ بول دیں۔

موت کی بیعت

سید صاحب اس دیوار کے پاس بیٹھے تھے جو غازیوں کی نماز گاہ کے قریب تھی،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غازیوں کے علاوہ علماء وسادات وخوانین میں سے جو لوگ آئے تھے، وہ بھی آپ کے پاس تھے۔ کل اصحاب نو سو کے قریب ہوں گے۔ دشمن کی جمعیت دس ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی تھی، اس کے پاس ساز وسامان کی بھی فراوانی تھی، اس بنا پر مقابلے میں انتہائی ہمت واستقامت درکار تھی۔ مولانا شاہ اسماعیل نے موقعے اور محل کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ سب غازی سید صاحب کے دست مبارک پر موت کی بیعت کریں۔ چنانچہ مولانا نے پہلے بیعتِ رضوان کی آیت پڑھی، پھر اس بیعت کے فضائل نہایت مؤثر ودل نشیں انداز میں بیان فرمائے۔ آخر میں کہا:

اس وقت سب صاحب جو حاضر ہیں، حضرت امیر المومنین کے دست مبارک پر اس نیت خالصہ سے بیعت کریں کہ انشاء اللہ زندہ جان آج ہم مقابلۂ کفار سے نہ ہٹیں گے۔ یا ان کو مار کر فتح پائیں گے، یا اسی میدان میں شہید ہو جائیں گے۔ اس میں جو صاحب بہ مشیت ایزدی شہید ہوں گے، شہادت کبریٰ کا درجہ پائیں گے، اور جو زندہ بچیں گے وہ اعلیٰ مراتب کے غازی ہوں گے۔(۱)

سب سے پہلے مولانا نے بیعت کی، پھر وہ غازی اس سے مشرف ہوئے جو سید صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ سب غازی آپ تک پہنچ نہیں سکتے تھے، اس لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ جن غازیوں نے سید صاحب کے دستِ مبارک میں ہاتھ دے رکھے تھے، متصل غازیوں نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ لیے، اسی طرح آخر تک یہ سلسلہ قائم

(۱) یہ "وقائع" کی روایت ہے۔ "منظورہ" میں ہے کہ بیعتِ موت جنگ سے دو روز پیشتر ظہر کی نماز کے بعد یا عصر کے وقت لی گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے اس کا موزوں ترین وقت وہی تھا جب کہ دشمن سے مقابلہ ہونے والا تھا۔ مولانا کی تقریر میں "آج" کے لفظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔
جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں، یہ تحریک مولانا نے پیش کی تھی۔ سید صاحب کے منشیوں کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تحریک سید صاحب نے فرمائی تھی۔ دونوں روایتوں میں توافق یوں ہو سکتا ہے کہ تجویز سید صاحب کی ہوگی اور اسے پیش مولانا شاہ اسماعیل نے کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر کے بیعت کی گئی۔

بیعت کے بعد سید صاحب نے ننگے سر ہو کر بہ عجز والحاح دعا کی:

الٰہی! ہم تیرے بندے عاجز و ناچار صرف تیری مدد کے امیدوار ہیں، ہم پر ان کافروں کو تسلط نہ دے اور ہم کو ان کے شر سے بچا۔ اگر تیری مشیت ازلی میں لانا ہی منظور ہے تو ہم عاجزوں اور ضعیفوں کو صبر اور استقامت عطا کر، ان کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ اور ان پر فتح یاب کر۔

شانِ للّٰہیت

راوی کہتا ہے کہ اس دعا کی تاثیر و برکت سے سب پر اور ہی عالم طاری ہو گیا۔ ہر ایک اپنی ہستی سے گذر چکا تھا، تمام بھائی کمال تپاک اور اشتیاق سے ایک دوسرے کے گلے مل مل کر خطائیں معاف کرانے لگے۔ دنیوی علائق کا ہر نقش ان کے صفحاتِ قلوب سے محو ہو چکا تھا۔

ایک دوسرے کو وصیت کرتے تھے، تو یہ نہیں کہ ہمارے بال بچوں کا خیال رکھنا یا اقربا کو سلام پہنچانا یا ہماری جائیدادوں کو سنبھالنا اور یادگاریں قائم کرنا۔ حاشا! ثم حاشا!! وہ قدوسی رضائے باری تعالیٰ میں اس طرح گم ہو چکے تھے کہ عالم ناسوت کے ساتھ گویا ان کا رشتہ ہی باقی نہیں رہا تھا۔ سب کی زبانوں پر صرف ایک توصیہ اور ایک پیام تھا اور وہ یہ کہ بھائیو! ہم شہید ہو جائیں یا زخموں سے چور ہو کر گر پڑیں، ہمیں اٹھانے یا سنبھالنے سے بے پروا ہو کر فرصت و مہلت کے ہر لمحے کو صرف آگے بڑھنے، لڑائی جیتنے اور دشمن کو مار بھگانے کے لئے وقف رکھنا۔

اللہ اللہ للّٰہیت کے یہ گہر ہائے شب چراغ تھے، جنہیں سید صاحب آج سے صرف سوا سو برس پیشتر ظلمت زارِ ہند سے نکال کر سرحد لے گئے تھے کہ شاید ان کی جلا سے یہ سرزمین از سرِ نو منور ہو جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کا مقام

یہاں مسلمان ہزار برس تک اس شان و شکوہ اور اس جاہ و جلال سے فرمانروا رہے کہ اس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں شاذ ہی مل سکیں گی۔ اس بوقلموں مرقعے میں رنگ برنگ تصویریں نظر آتی ہیں، بالکل ابتدائی ورق کھولئے تو سترہ برس کا ایک عرب نوجوان سامنے آتا ہے، جس نے پانچ سات ہزار غازیوں کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کو شکست دے کر سندھ اور ملتان پر اسلامیت کا گہرا نقش جمایا۔ یہ محمد بن قاسم ثقفی تھا۔ اس کے بعد غزنوی کی ترکتازیوں، غوری کی سلطنت آرائیوں اور خلجی کی کشور کشائیوں کے ہنگامے یکے بعد دیگرے رونما ہوتے ہیں اور ہر نقش و اثر کی دلفریبی کا یہ عالم ہے کہ:

کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جاست!

پھر مختلف رنگوں کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں، کوئی تلوار کا دھنی ہے اور اسی کے بل پر سلطنتیں پیدا کر لیتا ہے۔ کسی کو خدمتِ خلق سے دلچسپی ہے اور وہ اپنے اوقاتِ گراں مایہ کا بیشتر حصہ، آبادی و عمران ہی کے وسائل فراہم کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ آخر میں فرغانہ کا ایک مجاہد نظر آتا ہے، جسے اقربا و اعدا نے وطن میں ٹھہرے رہنے کی مہلت نہ دی، وہ کابل پہنچتا ہے، پھر ہندوستان آ کر ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھ دیتا ہے، جس کی عظمت وہیبت کے جلوے سرگزشتِ عالم میں یگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ظہیر الدین بابر تھا، جس کے جانشینوں نے ہندوستان کو شہرت و عزت کے اس مقامِ بلند پر پہنچا دیا جو اُسے نہ پہلے کبھی نصیب ہوا تھا اور نہ غالباً دوبارہ نصیب ہو گا۔

ان میں سے کون سی تصویر ہے جس کی دلکشی اور نظر افروزی پر سینے میں فخر و مباہات کا دریا جوشاں نہیں ہوتا؟ لیکن کیا آپ کو اس پورے مرقعے میں کوئی ایسا خاکہ بھی ملتا ہے، جو سید احمد شہید کے مجاہدوں نے جنگ پنجتار کے روز بیعتِ موت سے پیش کیا؟ بلاشبہ سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کے مرقعے میں تاج محل، لال قلعہ، تخت طاؤس اور کوہ نور یا دریائے نور کی تلاش بے سود ہوگی، ایسے بڑے بڑے لشکر بھی نظر نہیں آئیں گے، جن کے علم اٹھتے تھے تو فضا اپنی ساری پہنائیوں کے باوجود تنگ نظر آتی تھی، رزم و پیکار کے ایسے طوفان بھی نہیں ملیں گے، جن میں سلطنتوں کے شیرازے بکھر بکھر کر جمے، تاج و تخت ریزہ ریزہ اور پاش پاش ہوکر نئے سرے سے استوار ہوئے، لیکن اس خاکے میں وہ سرمدی دولت بدرجۂ کمال موجود ہے جس سے پہلے خاکے بڑی حد تک خالی نظر آتے ہیں۔ وہ ہے للّٰہیت کی دولت، وہ ہے رضائے باری تعالیٰ کی دولت، وہ ہے جذبۂ سربلندیٔ اسلام کی دولت۔

ایسے سلاطین کی کمی نہیں جنہوں نے اپنوں اور دوسروں کے خون سے صرف اس لئے ہولی کھیلی کہ روئے زمین کے بڑے حصے پر اپنی حکمرانی کے تخت بچھالیں، لیکن اپنے خونِ حیات کے ہر قطرے کو صرف اسلام کی راہ میں بہادینے کی قدوسیت ہر جگہ نہیں مل سکتی اور معاوضے میں نہ تاج و تخت کی آرزو ہے، نہ حکومت و سلطنت کی۔ نہ شہرت کا خیال ہے، نہ شجاعت و جوانمردی کے لئے تحسین کی طلب ہے۔ نہ یہ ہوس ہے کہ کوئی یادگار قائم ہو یا ایسا عالی شان مقبرہ بنے، جس کی زیارت کے لئے دنیا کے ہر حصے سے لوگ شدرحال کر کے آئیں۔ اول و آخر ایک ہی طلب اور ایک ہی آرزو ہے اور وہ یہ کہ کلمۂ حق سربلند ہو، دنیا کا ہر گوشہ اسلام کے پیغام کا عملی مرقع بن جائے۔ جو آنکھیں اسلامیت کو عالمگیر لشکروں، عدیم المثال تخت گاہوں اور جاہ و جلال کے ہیبت انگیز سامانوں میں دیکھنے کی عادی ہو چکی ہیں، انہیں درویشوں اور مسکینوں کے داعیۂ اسلامیت کا صحیح اندازہ خدا جانے کب ہوگا۔

جنگی پوشاک

بیعت موت کے بعد سید صاحب نے اسی مقام پر جنگی پوشاک پہنی اور ہتھیار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لگائے، ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ سپید پاجامہ۔

۲۔ سرمئی ارخالق، جس میں سرخ تافتے کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔

۳۔ آبی پٹکا۔

۴۔ کانگریزی دستار۔

۵۔ سازاور سینگڑا کیتھی کا۔

۶۔ انگریزی پستولوں کی جوڑی جن میں سابری تسمے لگے ہوئے تھے۔

۷۔ ولایتی فولاد کی ایک چھری جو شیخ غلام علی الہ آبادی نے نذر کی تھی، اس کا تسمہ بھی سابری تھا۔

۸۔ ایک تلوار جس میں الٹی کٹوری کا سنہرا قبضہ لگا ہوا تھا، اس کا پرتلہ کا کمر کا تھا، یہ ارباب بہرام خاں کی نذر تھی۔

۹۔ بڑے تیر کی رائفل جو دیوان عنایت اللہ (ساکن موضع سالار ضلع مرشد آباد) نے شیخ باقر علی کے ہاتھ تکیہ شریف (رائے بریلی) بطور نذر بھیجی تھی۔

نشان

لشکر میں تین نشان تھے:

۱۔ صبغۃ اللہ: یہ جماعت خاص کا نشان تھا اور دادا ابوالحسن کے پاس رہتا تھا، جو جماعت خاص کے علمدار تھے۔ اس پر پارہ الٓمٓ کا آخری رکوع سرخ ریشم سے کڑھا ہوا تھا۔ یہ نشان صرف اس لڑائی میں جاتا تھا جس میں سید صاحب بہ نفس نفیس شریک ہوتے تھے۔

۲۔ مطیع اللہ: یہ ابراہیم خاں خیرآبادی کے پاس تھا، اس پر سورۂ بقرہ کا آخری رکوع سرخ ریشم سے کڑھا ہوا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ فتح اللہ: اس پر سورۂ صف کی یہ آیتیں سرخ ریشم سے کڑھی ہوئی تھیں:
"یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ" الخ۔ یہ نشان پہلے محمد بن عرب کے پاس تھا، پھر فرج اللہ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

تینوں نشان اس وقت لشکر میں موجود تھے۔ سید صاحب غازیوں کو لے کر دیوار کے پاس گئے، جماعتوں کو جا بجا ٹھہرا دیا تیز تاکید فرما دی کہ جب تک ہم بندوق نہ چلائیں کوئی بھائی نہ بندوق چلائے۔ نہ دیوار پھاند کر آگے بڑھے، پھر صفوں کے آگے چہل قدمی کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے کہ جس بھائی کو سورۂ قریش یاد ہو، گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کر لے، جسے یاد نہ ہو دوسرا بھائی پڑھ کر اس پر دم کر دے۔ اس سے فارغ ہو کر اپنی رائفل دیوار سے لگا دی اور متوجہ الی اللہ ہو گئے۔

دنتورا کی نقل وحرکت

دنتورا سلیم خاں سے آگے بڑھ کر توتالی کے برابر پہنچا۔ وہیں اس نے کھانا کھایا پھر توتالی کے ٹیلے پر چڑھ کر دوربین سے پنجتار اور آس پاس کے مقامات کو بہ غور دیکھا۔ اگرچہ غازی سرحدی مجاہدوں سمیت اڑھائی تین ہزار سے زیادہ نہ تھے۔(۱) لیکن انہیں پہاڑوں پر اس ترتیب سے بٹھا دیا گیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا درے کے دونوں جانب کے ٹیلے غازیوں سے بھرے پڑے ہیں، اس پر دنتورا شش و پنج میں پڑ گیا، اس اثناء میں خادے خاں نے توتالی کے بعض مکانوں کو آگ لگوا دی۔

پھر دنتورا نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا، چنانچہ ابتدائی دستے پہلی دفاعی دیوار کے پاس پہنچ کر اسے ڈھانے لگے۔ سید صاحب نے سواروں کو پیش قدمی کا حکم دیا اور میرزا حسین بیگ سے فرمایا کہ شاہینوں سے دشمن پر گولے پھینکے جائیں، جو غازی دائیں

(۱) ایک روایت کے مطابق پانچ ہزار۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بائیں جانب کے پہاڑوں پر بیٹھے تھے، وہ عین اس موقع پر نیچے اترنے لگے تاکہ ایسے مقامات پر پہنچ جائیں جہاں سے دشمن پر موثر حملہ ہو سکے۔ اس حالت میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ پہاڑوں کا ایک ایک پتھر حرکت میں آ گیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر دنتورا کو یقین ہو گیا کہ درے کے اندر جا کر لڑنے سے فوج کو سخت نقصان پہنچے گا، ساتھ ہی اس نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا، غازیوں نے درے کے دہانے تک دشمن کا تعاقب کیا۔

ایک روایت ہے کہ خادے خاں نے دنتورا کو یقین دلا رکھا تھا کہ پنجتار میں غازیوں کی تعداد بہت معمولی ہے، دنتورا کو جب پہاڑوں پر آدمی ہی آدمی نظر آئے تو خادے خاں پر خفا ہوا۔

ادائے شکر

سید صاحب کو دنتورا کی واپسی کی خبر ملی تو نالے ہی پر دوگانہ شکر ادا کیا، پھر پنجتار تشریف لے گئے۔ جب خبر مل گئی کہ دنتورا دریائے سندھ سے گذر کر پنجاب پہنچ گیا ہے تو چملہ اور بونیر سے جو لوگ امداد کے لئے بلائے تھے، فتح خاں نے انہیں رخصت کر دیا۔

اس لڑائی میں غازیوں کے خراش تک نہ آئی، سکھوں کے دو آدمی مارے گئے، خادے خاں نے مانیری پر قبضہ کر لیا تھا، جب دنتورا واپس چلا گیا تو مانیری کے باشندوں نے خادے خاں کے آدمیوں کو مار مار کر بھگا دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارھواں باب:

تنگی پر شبخون

خادے خاں کی اصلاح کیلئے ایک اور کوشش

خادے خاں کی روش حد درجہ یاس انگیز ہو چکی تھی، لیکن سید صاحب کو اس کی مخالفت میں قدم اٹھاتے ہوئے بار بار تامل ہوتا تھا، حقیقی مصلح کی حیثیت میں آپ چاہتے تھے کہ خان انحراف کا راستہ ترک کر کے کاروبارِ دین میں معاون بن جائے یا کم از کم مخالف نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے ایک معتبر قاصد ہنڈ بھیج کر اسے پنجتار بلایا۔ اس نے جواب دیا کہ میں پنجتار نہیں آ سکتا، سلیم خاں میں مل سکتا ہوں۔ سید صاحب اس کیلئے بھی تیار ہو گئے اور تین سو غازیوں کو لے کر سلیم خاں پہنچ گئے۔ خادے خاں چوتھے پانچویں دن ساٹھ سوار اور چار سو پیادے لے آیا۔ ملاقات کی جگہ مقرر ہوگئی، سید صاحب جانے لگے تو دوسرے اصحاب کے علاوہ مولانا شاہ اسمٰعیل نے اختلاف کیا اور خود جانے کی اجازت مانگی۔

چنانچہ مولانا ایک سو غازیوں کو لے کر مقامِ ملاقات کی طرف روانہ ہوئے، متورو کے مولوی عبدالرحمٰن، اخوندزادہ قابل اور ڈاگئی کے ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے۔ تھوڑا فاصلہ رہ گیا تو آپ نے تینوں ساتھیوں کو خادے خاں کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا کہ تین چار آدمی لے کر مولانا آجائیں، اب غازی مولانا کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، انہوں نے کہا کہ خادے خاں دغاباز آدمی ہے، ہم آپ کو تین چار آدمیوں کے ساتھ نہ جانے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیں گے۔ مولانا نے ان سب کو سمجھا کر مطمئن کیا اور فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور کسی بات کا اندیشہ نہیں، ملاقات سے مقصود یہ ہے کہ خادے خاں کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لایا جائے۔

ملاقات اور گفتگو

بہرحال میدان میں خادے خاں سے ملاقات ہوئی، بات چیت کی کیفیت خلاصۃً یہ تھی:

مولانا: خان بھائی! آپ سے یہ امید نہ تھی کہ سکھوں کو مسلمانوں پر چڑھا لائیں گے، اور ان کے ساتھ ہو کر اپنے بھائیوں سے جنگ کریں گے۔ یہ بہت برا کیا، بغاوت کا ثبوت فراہم کر دیا، آپ نے بغاوت پر کیوں کمر باندھ لی ہے؟ اب بھی خیر اسی میں ہے کہ سکھوں کی مشارکت سے توبہ کیجئے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے، شریعت کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، وہ آپ کے گناہ معاف کر دے گا۔ ورنہ دنیا اور آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

خادے خاں: مولانا! خفا نہ ہوں، ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، سید بادشاہ کی طرح ملا مولوی نہیں۔ ہمارا طریقہ جدا ہے، ان کا راستہ جدا۔ سید بادشاہ کی شریعت پر ہم پٹھان لوگ کیوں کر چل سکتے ہیں؟ سید بادشاہ کیوں ہمارے درپے ہیں؟ ہمارے حق میں جو کچھ ان سے ہو سکے درگذر نہ کریں۔

کمال مایوسی

یہ کامل مایوسی کا پیغام تھا، اگر اس کے رنج وملال کی کوئی معقول وجہ ہوتی تو سید صاحب اس کی تلافی کے لئے ہمہ تن تیار تھے۔ تالیفِ قلب کے سلسلے میں اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعایت بھی فرما سکتے تھے، لیکن اس بنیاد کے انہدام پر کیوں کر راضی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو سکتے تھے جس پر سید صاحب کی ساری تحریک قائم تھی؟ شریعتِ حقہ کی جگہ افغانیت اور پختونیت کے تقاضوں کا ساتھ کیوں کر دے سکتے تھے؟

بے شک خادے خاں بہت بڑا رئیس تھا اور اس کے مرکز کو جائے وقوع کے اعتبار سے خاص اہمیت حاصل تھی۔ اگر اسے سکھوں کی مشارکت سے الگ کر لیا جاتا تو سکھ لشکروں کے لئے میدانی علاقے پر بے تکلف چڑھ آنا سہل نہ رہتا۔ اس کیلئے مصالح وقت کے اعتبار سے ہر قیمت ادا کی جا سکتی تھی، لیکن یہ کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا کہ اس کے پاسِ خاطر سے شریعت کی جگہ افغانیت کے مراسم و مروجات کو مدارِ کار بنا لیا جائے؟ اور ایک دعویدارِ اسلام کی زبان سے یہ کلمہ کس درجہ جسارت و بے باکی پر مبنی تھا کہ ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، ملا مولوی نہیں، اور ہم شریعت پر نہیں چل سکتے۔ خادے خاں کے دل و دماغ پر پختونیت اس درجہ غالب تھی کہ ہر سعیٔ تفہیم اسے قریب تر لانے کے بجائے دُور ہٹاتی گئی، اس کے بعد مجبوراً اس کے باب میں قطعی فیصلہ کرنا پڑا، جس کی تفصیل آگے چل کر معلوم ہوگی۔

خوانین میں مصالحت

چند روز بعد سُدّم سے مبین خاں اور اس کا بھائی امیر خاں سید صاحب کے پاس پہنچے اور منصور خاں رئیس چارگلی کے خلاف شکایت کی۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں برادری کا دستور یہ ہے کہ جب باہمی تقسیم میں دو بھائی دو مختلف گاؤں لے لیں اور ان کی آمدنی میں تفاوت ہو تو سال دو سال کے بعد قبضہ و تصرف میں مبادلہ ہوتا رہتا ہے، تاکہ حصہ داری از روئے انتفاع برابر ہو جائے۔ منصور خاں چونکہ زور آور ہے، اس لئے بدل پر راضی نہیں ہوتا۔ سید صاحب فیصلے کیلئے دورے پر نکلے، فتح خاں کو پنجتار سے اور آخند خاں، مشکار خاں کو شیوہ سے ساتھ لیا۔ گڑھی امان زئی میں پہنچ کر گرد و پیش کے خوانین کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بلایا، پورے حالات معلوم کر لینے کے بعد فریقین منازعت کو بلا کر فرمایا کہ آپ راضی ہوں تو ہم خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق فیصلہ کر دیں؟ جب انہوں نے رضامندی کا اظہار کر دیا تو آپ نے منصور خاں کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا۔ منصور خاں نے اسے بہ دل و جان منظور کر لیا۔ پھر سید صاحب گھڑیالہ (یا گھڑیالی) اور چارگلی ٹھہرتے ہوئے منڈم تشریف لے گئے۔

اسماعیل زئی اور دولت زئی

اہل سمہ میں دو قبیلے بڑے زور آور، پختگیٔ قول و عہد میں مسلم جمہور اور صداقت و وفاداری میں زبان زد و مشہور تھے۔ ایک اسماعیل زئی، دوسرا دولت زئی۔ وہ بیعت شریعت میں شامل نہیں ہوئے تھے، ملا قطب الدین ننگرہاری دورودیر کرتے ہوئے ان کے دیہات میں بھی پہنچ گئے اور حسب عادت بڑی صاف گوئی سے انہیں شریعت کے احکام سے آگاہ کیا۔ ان قبیلوں کے ملاؤں اور مولویوں کو اجراء قانونِ شریعت سے اس لئے اختلاف تھا کہ اول عشر ملاؤں کو ملنے کے بجائے امام کے پاس جمع ہوتا، دوسرے غیر شرعی مراسم خصوصاً رسم اسقاط سے انہیں جو مالی منفعت حاصل تھی اس کا دروازہ بند ہو جاتا۔ ملا قطب الدین ان حقائق سے آگاہ تھے، اس لئے سب باتیں کھول کر بیان کیں۔ اس سلسلے میں ملاؤں اور مولویوں کی غلط اندیشیوں اور غلط کاریوں کو بھی واضح کیا۔ آخر میں فرمایا: تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو، حالانکہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جو شخص بیعت امامت کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا، اور امام تمہارے درمیان موجود ہے، نیز اسقاط شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور خدا کے نزدیک یہ قطعاً مقبول نہیں۔

ان لوگوں نے ملاؤں کو بلا کر کہا کہ مولوی قطب الدین سے مذاکرہ کرو، وہ مذاکرہ کیا کرتے؟ شرمندگی اور ندامت کے ساتھ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے خاموش

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو گئے۔ لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ ایک وفد سید صاحب کو بلانے کے لئے بھیج دیا، سید صاحب تشریف لے گئے، ان سب سے اقامتِ شریعت کی بیعت لی اور ان کے باہمی جھگڑے ختم کر دیے۔

اہلِ تنگی کا دعوت نامہ

اس قسم کے واقعات نے مختلف مقامات کے افغانوں کو سید صاحب کی طرف مائل کر دیا اور سرداران پشاور کی رعایا میں سے بعض افراد آ کر التجائیں کرنے لگے کہ لشکر اسلام کا ایک حصہ ہمارے ہاں بھیج دیجئے، ہم ہر ممکن خدمت بجا لائیں گے۔

ان دنوں میں مولوی امیر الدین ولایتی سید صاحب سے مشورے کر کے کبھی کبھی تنگی (۱) جایا کرتے تھے اور وہاں سے بھی دو تین مرتبہ چار چار پانچ پانچ آدمی آتے۔ ان مشوروں کا حال کسی کو معلوم نہ تھا۔ ایک روز خود سید صاحب نے بعض خوانین سے ذکر کیا کہ تنگی سے ہمارے پاس کئی آدمی آ چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب سے ہماری بستی میں درانیوں کا عمل دخل ہوا ہے، ہم مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ ہمیں بہت تنگ کرتے ہیں، ہم نے بڑی کوشش سے بستی کے تمام لوگوں کو ہم رائے بنایا ہے، اگر آپ کچھ غازی بھیج دیں تو بستی پر آپ کا قبضہ کرا دیں گے۔ اس طرح پشاور کا راستہ کھل جائے گا۔

یہ بیان فرما کر سید صاحب نے خوانین سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟

سب نے غور و فکر کے بعد اس تجویز پر پسندیدگی ظاہر کی۔ سید صاحب نے تین سو غازیوں کا لشکر تیار کیا اور مولانا شاہ اسماعیل کو امیر بنا کر تنگی بھیج دیا، ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین ولایتی بھی ساتھ تھے۔

(۱) تنگی ہشت نگر کے علاقے میں ہے، پشاور کے شمال میں تقریباً ۲۹، ۳۰ میل کے فاصلے پر ہوگا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رخنہ اندازی

تنگی سدم سے بیس بائیس کوس ہوگا، عشاء کے وقت غازی روانہ ہوئے، پورا فاصلہ ایک مسافت میں طے نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے صبح ہوئی تو ایک نالے پر ٹھہر گئے۔ تنگی کے دو آدمیوں کو عصر کے وقت آگے بھیج دیا کہ اپنے ہمسروں کو خبر کردیں، خوب اندھیرا ہوگیا تو پھر روانہ ہوئے۔ جب تنگی پاؤ کوس پر رہ گیا تو غازیوں کو روک کر گاؤں کے ان آدمیوں کو بھیجا گیا، جو لشکر کے ساتھ تھے۔ تیس چالیس قدم کے فاصلے پر انہیں چار زرہ پوش سوار ملے، ان سے بات چیت کر کے واپس آئے تو مولانا، ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین کو ساتھ لے گئے۔ اس وقت یہ راز کھلا کہ ایک گروہ پہلے فیصلے سے پھر گیا ہے، اس نے درانیوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ان حالات میں اگر بستی پر حملہ کیا گیا تو ان لوگوں کو خوفناک مصیبتوں سے سابقہ پڑے گا جو خلوص کے ساتھ درانیوں کے خلاف کوششیں کرتے رہے۔

مولانا کو طبعاً اس صورت حالات پر سخت رنج ہوا، میاں دین محمد نے کہا کہ تنگی والوں کی مشکیں کس لینی چاہئیں۔ محمد عرب بھی انہیں سخت سزا دینا چاہتے تھے، لیکن بہرام خاں اور مولوی امیر الدین نے جو سرحد کے اوضاع و رسوم سے پوری طرح واقف تھے، سب کو روک دیا اور ان لوگوں کو بہ خیر و عافیت بستی میں جانے کی اجازت دے دی۔

لشکر واپس ہوا تو اسی نالے پر پڑاؤ کیا، جہاں پہلا دن گزارا تھا۔ برسات کا موسم تھا، غازیوں کی ایک جماعت پار اتر گئی تو نالے میں اچانک زور کا پانی آگیا اور عبور ممکن نہ رہا۔ چنانچہ سب غازی ایک دن اور ایک رات وہیں ٹھہرے رہے۔ جب پانی پایاب ہوا اور بقیہ غازی پار اترے تو لشکر سدم پہنچا۔ تنگی کا واقعہ ۱۵ محرم ۱۲۴۵ھ (۱۷ جولائی ۱۸۲۹ء) کو پیش آیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرہواں باب:

جنگِ ہنڈ

دور کاوشیں

بیعت شریعت اور جنگ پنجتار کو سید صاحب کی تحریک میں بہ اعتبار تاثیر و نفوذ خاص اہمیت حاصل ہے۔ جن لوگوں میں سعادت کا جوہر موجود تھا وہ اقامت شریعت کی برکات وحسنات سے متاثر ہوئے، جن کی نظریں کسی تحریک کے معنوی ثمرات پر نہیں بلکہ صرف اس کی صلاحیت استقامت اور استعداد دفاع پر ہوتی ہیں، ان کیلئے یہ واقعہ جالب توجہ ہوا کہ جنگ پنجتار میں غازیوں کی چھوٹی سی جماعت نے سکھوں کی بہت بڑی فوج کو ناکام مراجعت پر مجبور کر دیا۔ اس وجہ سے ان طبقات میں بھی بیعت و اطاعت کی رغبت پیدا ہو گئی، جو ابھی تک سید صاحب سے الگ تھے، لیکن اس راستے میں دو بڑی مشکلیں کھڑی ہو گئی تھیں، اول سرداران پشاور خصوصاً یار محمد خاں، دوم خادے خاں رئیس ہنڈ۔

یار محمد خاں

یار محمد خاں نے جنگ شیدو کے وقت سے سید صاحب کی مخالفت کو شعار خاص بنا لیا تھا، اور وہ سکھوں کا معین و رفیق بن گیا۔ ابتداء میں وہ چھپ چھپ کر مزاحمت کے اسباب پیدا کرتا رہا، لیکن کچھ عرصے کے بعد کھلم کھلا میدانِ مقابلہ میں آ گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس اثناء میں سکھوں کی طرف سے پے بہ پے اس کی تذلیل بھی ہوتی رہی، کبھی اس کے بیٹے کو یرغمال میں پکڑ کر لاہور لے گئے، کبھی خراج بڑھا دیا اور کبھی ''لیلیٰ'' نام گھوڑی کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طلب کے سلسلے میں پشاور پر چڑھائی کر دی۔ لیکن تازیانہ تذلیل کی پیہم ضربیں بھی یار محمد خاں کی حس غیرت وحمیت کو بیدار نہ کر سکیں اور وہ جس غلط راستے پر پڑ چکا تھا، تادم واپسیں اسی سے چمٹا رہا۔

خادے خاں

خادے خاں کی حیثیت اس سے مختلف تھی، وہ ایک حد تک رقیبانہ جذبات کے زیر اثر سید صاحب سے برگشتہ ہوا تھا۔ یعنی اسے یہ منظور نہ تھا کہ سید صاحب خان زیدہ کو اس سے بہتر سمجھیں، حالانکہ ہر شخص کو بہتر یا کم تر سمجھنے کا انحصار اصلاً اس کے اعمال پر ہوتا ہے۔ نیز اسے یہ منظور نہ تھا کہ سید صاحب ہنڈ کو چھوڑ کر پنجتار کو مرکز بنائیں، اور اس طرح خادے خاں کے بجائے فتح خاں کو اس تحریک میں مرکزی حیثیت مل جائے۔ پھر مانیری کے واقعے نے اسکی "افغانیت" اور "اسلامیت" کے درمیان سخت کشمکش پیدا کر دی، جس میں "افغانیت" غالب آئی اور وہ بھی سید صاحب سے کٹ کر سکھوں کا معاون بن گیا۔

تین راستے

سمہ تحریک جہاد وتحریک اقامت شریعت کا مرکز تھا، اب اس کے لئے دو جانب سے خطرے پیدا ہو چکے تھے۔ شمال ومغرب میں سرداران پشاور کی طرف سے اور جنوب میں خادے خاں کی طرف سے۔ تنگی سے بے نیل مرام مراجعت کے بعد غازیوں کے لئے عمل کے تین راستے رہ گئے تھے۔

۱۔ موت پر بیعت کر کے سرداران پشاور سے لڑیں، اس لئے کہ ان کی قوت غازیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔

۲۔ خادے خاں کی سرکوبی کریں اور اس کا خرخشہ مٹا دیں۔

۳۔ سمہ کو چھوڑ کر پکھلی چلے جائیں اور وہاں نیا مرکز پیدا کریں جو کم از کم اپنوں کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مصیبت خیز دراندازیوں سے محفوظ ہو۔

نئے مرکز کی تاسیس میں تامل کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی، لیکن سردارانِ پشاور اور خادے خاں کا مقابلہ کیے بغیر نکل جانے کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا کہ جن لوگوں کو دو اڑھائی برس کی کوششوں سے ایک نظام کے ماتحت لانے کا مناسب انتظام کیا تھا اور جو سید صاحب کی معیت میں دونوں مخالف قوتوں کے غیظ وعتاب کا مرجع بن چکے تھے، وہ بے یار ومددگار رہ جاتے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوتا کہ نئے مرکز میں بھی مختلف لوگ جب چاہتے، ذاتی اغراض کے جنون میں ویسی ہی مشکلات پیدا کر دیتے، جیسی سمہ میں پیدا ہوگئی تھیں۔ لہٰذا سید صاحب کے لیے حفظ ودفاع میں لڑنا بالکل ناگزیر ہوگیا تھا، لڑائی سردارانِ پشاور اور خادے خاں سے یکے بعد دیگرے ہی ہوسکتی تھی۔

باطل کی دو صورتیں

جن لوگوں کی نظریں بالعموم ظاہری وسطحی حالات سے متاثر ہو جاتی ہیں، ان کے اطمینان کے لیے یہ حقیقت واضح کر دینا ضروری ہے کہ اہل حق کی لڑائی ذاتی اغراض، شخصی مقاصد اور انفرادی مصالح کی نجاستوں سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ ان کا مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ باطل کو مٹا کر حق کے لیے غلبہ وتفوق کا بندوبست کریں۔ باطل کی دو صورتیں ہیں: ایک جلی، دوسری خفی۔ جلی وہ ہے جو اپنے ظاہر وباطن میں کسی بحث ودلیل یا تشریح وتوضیح کا محتاج نہ ہو، خفی وہ ہے جس کے ظاہر پر باطل کا حکم لگانے کی کوئی وجہ نہ ہو، تاہم اس کے فعل وعمل کی ہر صلاحیت حق کے بجائے باطل کے رسوخ وبرتری کی خاطر وقف ہو جائے اور اس طرح صورۃً نہیں تو معناً اور ظاہراً نہیں تو باطناً وہ باطل کے حکم میں داخل سمجھا جائے۔ ان حالات کے پیش نظر اہل حق کے لیے فیصلہ وتحکیم میں یقیناً امتیاز واستثناء کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور باطل کی ہر قوت سے لڑنا پڑتا ہے۔ اگرچہ لڑائی کتنی ہی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ناپسند ہو۔

یہی حالت سید صاحب کو پیش آئی جس سے بچنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا۔ لیکن حالات کے بے پناہ سیل کا بہاؤ نہ رکا اور جو کچھ پیش آیا اس پر جتنا بھی افسوس اور رنج کیا جائے بالکل بجا ہوگا۔ لیکن اس سلسلے میں سید صاحب کے فیصلے وتحکیم کا دامن ہر داغ سے کاملاً پاک ہے۔ جب اس قسم کے اسباب پیش آئیں گے شریعت حقہ اور مصالح ملیہ کا حکم بہر حال وہی ہوگا، جس پر سید صاحب عمل پیرا ہوئے۔

ہنڈ پر حملے کی تیاری

غرض غور و مشورہ کے بعد یہ تجویز قرار پائی کہ سب سے پہلے خادے خاں کا خرخشہ مٹایا جائے۔ اول اس لئے کہ بار بار تفہیم و انتباہ کے باوجود وہ مخالفت میں زیادہ سرگرم ومصلب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سکھوں کو ترغیب دے دے کر ایک سے زیادہ مرتبہ اہل سمہ کے لئے مصیبتیں پیدا کرنے میں بھی متامل نہ ہوا۔ دوم اس لئے کہ اس کا مقام (ہنڈ) جائے وقوع کے اعتبار سے بڑا اہم تھا اور سکھ اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ سوم اس لئے کہ اگر خادے خاں کو چھوڑ دیا جاتا تو اجرائے شریعت کا جو بندوبست کیا گیا تھا، وہ دوسرے حصوں میں بھی مختل ومضطرب ہو جاتا، اس لئے کہ سب پرسش واحتساب سے بے پروا ہو جاتے۔(۱)

ہنڈ پر حملے کا فیصلہ ہو چکا تو تیاری کے لئے سید صاحب نے سدم میں بستی کے کنارے پر ایک حویلی خالی کرائی جس میں اخفاء کی مصلحتیں بہتر طریق پر پوری ہو سکتی تھیں۔ وہاں آپ نے چیڑ کی لکڑی قلابے اور سیڑھیاں بنوائیں تمام جماعتوں میں سے پانسو آزمودہ کار غازی چنے، مولانا شاہ اسماعیل کو ان کا امیر اور ارباب بہرام خاں کو نائب

(۱) "منظورہ" میں خود سید صاحب کی ایک تحریر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خان ہنڈ کی مثال نے بعض شریروں کو اس درجہ دلیر و جری بنا دیا تھا کہ وہ برملا کہتے تھے، خان ہنڈ نے شریعت قبول نہ کی: با او چہ شد کہ با ما خواہد شد۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر بنایا۔ لیکن امیر اور نائب امیر کے سوا (جو مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن تھے) کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس طرف جانا مقصود ہے۔ رخصت کے وقت سید صاحب نے مولانا سے علی الاعلان صرف یہ کہا کہ "آپ گڑھی امان زئی ہو کر جائیں، ہم بھی آپ کے پیچھے پنجتار آتے ہیں" ساتھ ہی باورچی خانہ کا سامان خچروں پر لدوا کر بھیج دیا۔ سیڑھیاں اور قلابے شلیتوں میں لپیٹ کر اونٹوں پر سوار کرا دیے۔ ارباب بہرام خاں کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا، اس طرح عوام اور غازی یہی سمجھتے رہے کہ پنجتار جانا منظور ہے۔

سفر کی صعوبتیں

مولانا، بازار (سدم) سے گڑھی امان زئی ہوتے ہوئے ترکئی پہنچے، ارباب بہرام خاں پہلے شیوہ گئے پھر ترکئی میں مولانا سے جا ملے۔

ترکئی سے ہنڈ گیارہ بارہ کوس پر تھا، مولانا نے غازیوں کو ضرورت کے مطابق رسد دے کر تاکید فرمادی کہ جلد سے جلد دو وقت کا کھانا تیار کر لیں۔ مغرب کے بعد ترکئی سے نکل کر پہلے پنجتار کی جانب گئے، تاکہ اہل ترکئی میں سے بھی کسی کو شبہ پیدا نہ ہو کہ کسی دوسری طرف جا رہے ہیں۔ دو کوس پر نماز عشاء ادا کی، پھر جن کے پاس گھوڑے اور ٹٹو تھے انہیں پنجتار بھیج دیا اور خود ہنڈ کی جانب اس علاقے میں نکل پڑے جہاں دور دور تک کوئی آبادی نہ تھی۔(۱)

اندھیری رات اور میدانی علاقہ، وہاں سے ہنڈ سات کوس، نہ آبادی کا سراغ، نہ

(۱) "وقائع" میں ہے کہ مولانا بازار سے گڑھی امان زئی پہنچے (آٹھ کوس) اور تین چار روز تک وہاں بعض انتظامات کی تکمیل میں مصروف رہے۔ پھر سید صاحب سے دوبارہ اجازت لے کر ترکئی آگئے (سات کوس)، بظاہر ارخ اگرچہ پنجتار ہی کی طرف تھا اور اعلان بھی یہی تھا کہ پنجتار جا رہے ہیں، لیکن ترکئی میں خان ہنڈ کے دوست بھی رہتے تھے، انہیں شبہ ہو سکتا تھا، اس لیے ترکئی سے با اہتمام خاص پنجتار کا رخ کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سمت و جہت کا پتہ۔ خادے خاں کے ایک عم زاد بھائی، محمد بیگ خاں (۱) کو خان کے خلاف خون کا دعویٰ تھا، وہ رہبری کے لئے ساتھ تھا، لیکن تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ بھی راستہ بتانے سے معذور ہوگیا۔ اگست (۲) کا مہینا، شدید گرمی کا موسم، قدم قدم پر پیاس لگتی، ان سب مصیبتوں اور زحمتوں پر مستزاد یہ پریشانی کہ اگر صبح ہونے سے پہلے پہلے ہنڈ نہ پہنچے تو اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ چلتے چلتے کافی رات گذر گئی تو یہی مناسب سمجھا گیا کہ کسی ایسے مقام کی طرف نکل جانا چاہئے، جہاں صبح ہونے سے پہلے پہلے جا چھپیں، اور سارا دن اخفا میں گزار کر اگلی شب میں حملے کی تدبیر کریں۔ اس مصلحت کے پیش نظر غازیوں کی کئی ٹولیاں ایک دوسرے سے الگ ہوگئیں۔

آخر خود مولانا نے ایک جگہ ٹھہر کر توکلاً علی اللہ ایک سمت مقرر کی اور ادھر چل پڑے۔ پھر ایک آدمی مل گیا جو ہنڈ کے راستے سے بخوبی واقف تھا، اس طرح صبح کاذب کے وقت مولانا تقریباً ڈیڑھ سو غازیوں کے ہمراہ اس تالاب پر پہنچ گئے جو ہنڈ سے ایک گولی کی زد پر تھا، واقعہ حضرو کے بعد سید صاحب اسی جگہ ٹھہرے تھے، بیعت امامت جہاد بھی اسی مقام پر ہوئی تھی۔

حملے کی نئی اسکیم

اب بقیہ غازیوں کا انتظار ہونے لگا، زیادہ تر اسلئے کہ سیڑھیاں بھی انہیں کے پاس تھیں اور سیڑھیوں کے بغیر قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اندر پہنچنا غیر ممکن تھا۔ (۳) جب

---

(۱) ''منظورہ'' میں محمد بیگ خاں کو خادے خاں کا عم لکھا ہے: یکے از اقربا و والی ہنڈ محمد بیگ خاں نام عم او بود۔ (ص: ۵۱۳)

(۲) ہنڈ پر حملہ، ۷ صفر ۱۲۴۵ھ (۸ اگست ۱۸۲۹ء) کو ہوا تھا۔

(۳) سید عبدالجبار شاہ ستھانوی نے اس سلسلے میں بابا بہرام خاں تنولی کا بیان پیش کیا ہے، جو خود حملہ ہنڈ میں غازیوں کے ساتھ تھے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ مولانا محض اخفا کی غرض سے پہلے گڑھی لمان زئی پھر ترکئی گئے۔ پانی کی مشکیں ساتھ لے لی تھیں، اس لئے کہ سامنے بے آب بیابان تھا، جو بخیریت نکل لیا ...... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان کا کوئی نشان نظر نہ آیا اور ادھر صبح صادق نمودار ہونے لگی تو مولانا نے حملے کو ملتوی کرنے کی بجائے نئی اسکیم بنائی، جس میں سیڑھیوں کی بھی ضرورت نہ تھی۔ سیڑھیاں آ بھی جاتیں تو بیکار تھیں، اسلئے کہ صبح ہو چکی تھی اور دیواروں پر چڑھ کر حملے کا وقت گذر چکا تھا۔

مولانا نے ڈیڑھ سو غازیوں کو پانچ دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ اپنے پاس رکھا اور چار دستے شیخ ولی محمد کے حوالے کر کے حکم دے دیا کہ انہیں قلعے کے دروازے سے باہر دونوں طرف گنے کے کھیتوں میں مناسب مقامات پر بٹھا دیجئے۔ جب دروازہ کھلے تو فوراً بندوق چلا کر اندر داخل ہو جایئے، ہم بھی بندوقوں کی آواز سنتے ہی پہنچ جائیں گے۔ شیخ نے تین دستے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک سمت کے کھیتوں میں بٹھا دیے چوتھے دستے کو خود لیکر کھیت کے اس گوشے میں جا بیٹھے، جو دروازے سے عین متصل تھا۔

یہ انتظامات ہو چکے تو قلعے میں سے پہلے ایک گدھے کے بولنے کی آواز آئی، پھر مسجد میں اذان ہوئی، بعد میں ایک شخص نے قلعے کے اندر سے آکر چوکیدار سے کہا کہ دروازہ کھول دو۔ وہ بولا کہ سید بادشاہ کے چھاپے کی خبر تھی، دروازہ خان کے حکم کے بغیر نہ کھولوں گا۔ (۱) اس شخص نے کہا کہ اب تو نماز فجر کی اذان بھی ہو گئی، چھاپا آتا تو رات کو آتا، اب کیا آنے گا؟ چوکیدار نے پھر بھی احتیاط کے طور پر ایک آدمی سے کہا کہ کوٹھے پر چڑھ کر ادھر اُدھر دیکھ لے۔ چنانچہ دیکھا گیا، لیکن نظر کیا آ سکتا تھا۔ مولانا اپنے دستے کے ساتھ تالاب کے پاس چھپے بیٹھے تھے، باقی غازی گنے کے کھیتوں میں مستور تھے۔ (۲)

گذشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ . . . اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا۔ باقی غازی اس کے مغربی گوشے میں سے ہو کر صبح کے وقت ہنڈ پہنچے، نیز مولانا کے ساتھ صرف تین آدمی تھے۔ ملاحظہ فرمایئے (عبرۃ اولی الابصار ص ۲۳۶)

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنڈ والوں کو صحیح وقت اور تاریخ یورش کا علم ہو یا نہ ہو، لیکن یہ اندیشہ ضرور تھا کہ سید صاحب یورش کریں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ پہلے ۱۰ صفر کی تاریخ طے کی تھی، پھر تین دن پہلے حملہ کر دیا، بہرحال حملے کی شہرت ضرور تھی۔

(۲) بابا بیرم خان تولی کا بیان ہے کہ مولانا نے کل ۳۵ قراولین دار بھیجے تھے۔ باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قلعے کے دروازے پر قبضہ

شیخ ولی محمد چونکہ بالکل پاس تھے، اس لئے ساری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر دروازہ کھلا اور وہ شخص اس سمت میں نکل گیا جدھر کوئی غازی نہ تھا۔ پھر ایک کسان ہل کندھے پر رکھے اور بیلوں کی جوڑی ساتھ لئے نکلا اور اس راستے پر ہولیا جو کھیتوں کے بیچ میں تھا، وہ تین دستوں کے پاس سے گذر گیا جو تھے کے روبرو پہنچا تو اتفاقاً اس کی نظر کسی غازی پر پڑگئی۔ دیکھتے ہی اس نے شور مچانا چاہا، عبداللہ خاں رام پوری نے بجلی کی تیزی سے لپک کر ایسا وار کیا کہ آواز نکلنے سے پیشتر ہی اس کا کام تمام ہو گیا۔

عین اسی وقت شیخ ولی محمد کمین گاہ سے نکل کر دروازے میں جا گھسے اور دو چار ہی لمحوں میں وہاں اپنا بندوبست کر لیا۔ ملا قطب الدین نے فوراً قرابین چلا دی، جس کی آواز سنتے ہی مولانا اپنے دستے کو لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے شیخ ولی محمد کے پاس پہنچ گئے۔ اس اثناء میں بچھڑے ہوئے غازیوں کی ایک جماعت بھی قریب آگئی تھی، ان کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

مولانا نے پہنچتے ہی بہ آواز بلند اعلان کرا دیا کہ جو شخص دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا، مارا جائے گا۔ جو لوگ اپنی جگہوں پر چپ چاپ بیٹھے رہیں گے اور کسی معاندانہ حرکت میں حصہ نہیں لیں گے، انہیں کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے گا۔ ہم صرف خادے خاں کے لئے آئے ہیں اور کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ سب لوگ دم بخود ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ محمد بیگ خاں غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ خادے خاں کے مکان کی طرف گیا۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ۔ "منظورہ" میں بھی یہی ہے کہ: مولانا صاحب بست و پنج نفر قرابین چیاں و تفنگ چیاں چقماقی را کہ بہ چابک دستی و چالاکی ممتاز لشکر بودند ازاں روانہ نمودند کہ شبانہ نزدیک دروازہ قلعہ بہ کمال ہوشیاری خفیہ۔

بر سید۔ ص: ۵۱۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خادے خاں کا قتل

بعض لوگوں نے ایک رات پہلے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ سید بادشاہ کا لشکر حملے کے لئے آنے والا ہے، خبردار رہو۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا اور بولا کہ نامرد لوگ اپنی عورتوں سے باتیں سن سن کر مجھے سنانے کے لئے آجاتے ہیں:

سید چیست کہ ارادہ ایں طرف نماید؟ یک بیچارہ فقیر محتاج نانِ خود است۔

ترجمہ : سید کی کیا ہستی ہے کہ اس طرف کا ارادہ کرے؟ وہ بیچارہ فقیر خود اپنی روٹی کے لئے بھی محتاج ہے۔

اسے یقین تھا کہ اس پر حملہ ہوگا تو راستے کے اہل دیہات پہلے خبر پہنچا دیں گے۔ علی الصباح قرابینوں کی آواز نے اسے جگایا تو مبہوت رہ گیا، اپنے آدمیوں کو کمربندی کا حکم دیا، لیکن وہ سب تو پہلے ہی اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے تھے۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا، اس کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے اور کسی ایک کی توثیق یا ترجیح کا کوئی ذریعہ نہیں۔ "منظورہ" کا بیان ہے کہ خادے خاں نے اپنے اہل خانہ کو سادات کے مکان پر بھیج دیا، اس لئے کہ سادات اور ملاؤں کے مکانات پٹھانوں میں جائے امن سمجھے جاتے تھے اور سخت سے سخت دشمن بھی ان کے مکانوں میں کسی کو آزار نہیں پہنچاتے تھے۔ پھر اپنا مال سمیٹنے لگا۔ غازی پہلی مرتبہ اس کے مکان میں داخل ہوئے تو کچھ سراغ نہ ملا، دوسری مرتبہ تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچے تو وہ چھت پر چڑھ کر اضطرار کے عالم میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔(۱) غازیوں نے پے بہ پے بندوقیں سرکیں اور وہ مارا گیا۔ اس وقت تک دو سو مزید غازی ہنڈ پہنچ چکے تھے، باقی دو گھڑی دن چڑھے آ گئے۔(۲) اس کا مال و اسباب معلوم نہیں کہاں گیا اور کون لے گیا۔

(۱) "منظورہ" میں ہے: دو سہ بار حملہ کردند۔ (۲) "منظورہ" ص: ۵۱۸،۵۱۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''وقائع'' میں ہے کہ غازیوں کے جھپنے کی اطلاع پا کر خان نے تلوار باندھی، پستول کی جوڑی لی اور کوٹھے پر چڑھ کر پکارنے لگا کہ جلد نقارہ بجاؤ اور مقابلے کے لئے کمریں باندھ لو۔ اس اثناء میں چار غازیوں نے جوڑ کر بندوقیں ماریں، خدا جانے کس کی گولی لگی کہ وہ اپنی جگہ سے اچھل کر دھم سے زمین پر آ گرا۔ محمد بیگ خاں نے آگے بڑھ کر کئی مرتبہ تلوار کے وار کئے اور اس کا کام تمام کر ڈالا۔(۱)

بابا بہرام خاں تنولی فرماتے ہیں کہ قلعہ کے دروازے پر قبضہ ہو گیا تو خادے خاں گھوڑے پر سوار آ رہا تھا اور اپنے آدمیوں کو مقابلے کے لئے اٹھا رہا تھا اسی حالت میں وہ قرابینوں سے مارا گیا۔(۲)

قلعے میں غازیوں کا حسنِ انتظام

خان کے مارے جانے کے بعد مولانا نے اس کے مکان کے باہر جماعت خاص کا پہرہ لگا دیا تا کہ کوئی شخص اندر نہ گھسنے پائے۔ پھر شیخ ولی محمد، ارباب بہرام خاں اور چار پانچ ممتاز ملاؤں کو بھیجا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر خواتین کو تسلی دیں اور کہیں کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، خود انہیں کوئی آزار نہیں پہنچے گا۔ خان کا بڑا بیٹا شور وغل میں کہیں بھاگ گیا تھا، چھوٹا بیٹا بھوسے والی کوٹھڑی میں چھپا ہوا ملا، اسے بہ حفاظت تمام زنانے میں پہنچا دیا

(۱) ''وقائع'' ص ۱۱۲

(۲) سید عبد الجبار شاہ کی کتاب ''عبرۃ لاولی الابصار'' ص ۲۳۶: بیلیو (Bellew) نے خدا جانے کس بنا پر لکھ دیا کہ سید صاحب نے خادے خاں پر حملہ کیا، جب کامیاب نہ ہوئے تو اخوند سوات کے ذریعے سے صلح کی کوشش شروع کر دی۔ اخوند سوات نے اسے بلایا۔ جب وہ محافظوں سے الگ ہوا تو سید صاحب نے اسے قتل کرا دیا اور خود پنجتار چلے گئے۔ یہ بیان سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ میرا خیال ہے کہ بیلیو نے یہ بات مقامی آدمیوں سے سنی، جو غرض مندوں کی پھیلائی ہوئی جعلی کہانیوں کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ میں بالا کوٹ اور بعض دوسرے مقامات پر ایسے کئی افسانے سن چکا ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیا۔ قلعے میں عام اعلان ہو گیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر باہر نہ نکلے اور نہ بھاگنے کی کوشش کرے، سب کو امن ہے۔ خادے خاں کی لاش چارپائی پر ڈال کر اس کے مکان کے پچھواڑے میں ایک حجرے کے اندر رکھوادی گئی۔

فتح ہنڈ غازیوں کی حیرت انگیز صلاحیت، تحمل شدائد، وفورِ عشق مقاصد، کمال تدبر وحسن تدبیر اور یگانہ جرأت و مردانگی کا ایک درخشاں کارنامہ ہے۔ خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ اتنا بڑا قلعہ فتح ہو گیا، ایک بہت بڑا خطرہ ختم ہو گیا، لیکن خادے خاں اور اس کسان کے سوا جو راستے میں مارا گیا تھا، اہل ہنڈ میں سے کسی کے خراش تک نہ آئی اور نہ ایک دمڑی کا مال لٹا۔ سید صاحب حسبِ قرار داد سدم سے گھڑیالی پہنچ چکے تھے، وہیں ان کے پاس مژدۂ فتح بھیج دیا گیا۔

خان کی تدفین

خان کے گھر کی خواتین اپنے کپڑے، زیور اور نقد روپیہ لے کر پڑوس میں ایک ملا کے مکان پر چلی گئیں اور باقی اثاث البیت کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ چند گھنٹوں کے بعد خادے خاں کے بھائیوں امیر خاں اور غلام خاں (۱) کی طرف سے پیغام آیا کہ خان کی لاش اور اس کے اہل وعیال کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ خان کی لاش جس وقت چاہو لے جاؤ اور جہاں چاہو دفن کرو، لیکن اہل وعیال کو امیر المومنین کی اجازت کے بغیر نہیں بھیجا جا سکتا۔ آخر غلام خاں اور امیر خاں نے لاش اٹھوائی اور قلعہ ہنڈ سے آٹھ نو سو قدم کے فاصلے پر آبائی گورستان میں اسے دفن کر دیا۔ مولانا نے تاکیدی حکم دے دیا تھا کہ کوئی غازی ان سے متعرض نہ ہو۔

(۱) "منظورہ" میں غلام خاں کو بھائی نہیں بلکہ ایک قریبی رشتہ دار اور مشیر لکھا ہے۔ (ص: ۵۲۱)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اقربا کی دو عملی

اس کے بعد پھر روایتوں میں جزوی اختلاف ہے۔ ''وقائع'' کا بیان ہے، مولانا نے سید صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا تھا کہ خادے خاں کے بھائی اس کے اہل وعیال کو لے جانا چاہتے ہیں، اس پر سید صاحب نے اجازت دے دی، لیکن ''منظورہ'' میں ہے کہ خادے خاں کے بھائی ملکی خوانین کو ورغلانے اور برانگیختہ کرنے لگے تھے، اور سید صاحب کے خلاف جوڑتوڑ میں مشغول ہو گئے تھے، اس وجہ سے مولانا کی رائے ہوئی کہ اہل وعیال کو ان کے حوالے نہ کیا جائے، اب ان کی شرارتوں کا یہ عالم ہے تو اہل وعیال کی رہائی کے بعد خدا جانے کیا کریں۔

زیدہ کا رئیس مقرب خاں اگرچہ سید صاحب کا عقیدت مند مرید تھا، لیکن خادے خاں کے ساتھ اس کی دوہری رشتہ داری تھی۔ خان کی بہن اس کی بیوی تھی، اور اس کی بہن خان کی بیوی تھی، لہٰذا وہ بھی اسی بات پر زور دے رہا تھا کہ اہل وعیال کو رہا کر دیا جائے اور ہنڈ کی ریاست امیر خاں کو دے دی جائے۔ سید صاحب نے اس کے پاسِ خاطر سے لکھ بھیجا کہ خادے خاں کے اہل وعیال کو رہا کر دیا جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

از ہنڈ تا زیدہ

آتش فتنہ کا اشتعال

خادے خاں کے اقربا ایک طرف خان کے اہل و عیال کی رہائی کے لئے التجائیں کر رہے تھے، دوسری طرف آس پاس کے دیہات میں پھر پھر کر لوگوں کو اکسا رہے تھے کہ خان کے خون کا بدلہ لینے میں امداد دو۔ وہ مقرب خان کے پاس بھی پہنچے، جو رشتہ داری کے باعث خادے خاں کے قتل پر رنج و غم میں ان کا شریک تھا، لیکن مخالفانہ سرگرمیوں کا قطعاً روادار نہ تھا، بلکہ اس نے صاف کہہ دیا کہ پوچھے بغیر میرے پاس چلے آنا بالکل نامناسب تھا، مخالفت کا طریقہ غلط ہے، اگر اسے چھوڑ دو تو میں سید صاحب کے پاس جا کر تمہارے قلعے اور خان کے اہل و عیال کی رہائی کے لئے بھی کہہ سکتا ہوں۔(۱)

اس اثناء میں سید صاحب نے حکم بھیج دیا تھا کہ خان کے اہل و عیال کو چھوڑ دیا جائے، مقرب بھی بار بار اسی بات پر زور دے رہا تھا، مولانا نے ایک خط میں تمام مصلحتیں بہ طریق مرموز لکھیں جن کا مطلب سید صاحب کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، اور یہ خط

---

(۱) ایک روایت ہے کہ سید صاحب نے مقرب خان کو کہلا بھیجا تھا کہ یکسو ہو جاؤ، یا ہمارا ساتھ دو یا مخالفت کا اعلان کردو۔ اسلام کی خیر خواہی میں پدر و مادر اور فرزند و برادر کی جانب داری جائز نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں حضور کا فرمانبردار ہوں نہ کہ خان ہنڈ کا۔ خادے خاں کے بھائیوں نے مقرب خاں سے کہا کہ یہ ہماری قوم ہمارا ساتھ دو، مقرب کے بھائی فتح خاں نے دندان شکن جواب دیا کہ خان ہنڈ ہمارے باپ کا دشمن تھا اور سید صاحب کا بھی دشمن تھا، تم لوگ دین کے بھی دشمن ہو اور ہمارے باپ کے بھی دشمن ہو۔ مقرب خاں ہمارا بھائی ہے، اگر وہ تمہارا ساتھ دے گا تو ہم اس سے بھی بیزاری کا اعلان کر دیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقرب خاں کے حوالے کر دیا کہ سید صاحب کو پہنچا دیا جائے۔ مقرب خاں نے اُسے اپنے منشی سے پڑھوایا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا، وہ وہمی طبیعت کا آدمی تھا، دل میں وسوسہ بیٹھ گیا کہ مولانا نے مرموز طریق پر اس کی شکایتیں لکھ دی ہیں۔ بس یہ سمجھتے ہی زیدہ کو چھوڑ کر کسی سمت نکل گیا۔ آخر اس کے بھائی فتح خاں نے سید صاحب کی اجازت سے زیدہ کی ریاست سنبھال لی۔

مولانا نے دوسرا خط ملا شاہ سید چیڑ منگی کے ہاتھ پنجتار روانہ کیا، اس کا مضمون یہ تھا کہ خادے خاں کے بھائی خوانین کے پاؤں پر پگڑیاں رکھ کر اور خوشامدیں کر کر کے کہہ رہے ہیں کہ ہمارا بھائی مارا گیا، ریاست چھن گئی، ہماری امداد کرو، سید بادشاہ نے آج ہم سے جو معاملہ کیا ہے، وہی کل تم سے بھی کریں گے، نیز وہ ہر روز حملے کی نیت سے ہنڈ سے کوس دو کوس کے فاصلے پر آتے رہتے ہیں، آپ کے پاس جو شاہ نشیں ہیں وہ بہ حفاظت یہاں بھیج دیں تو مناسب ہوگا۔

غازیوں پر اچانک حملہ

سید صاحب نے ۱۲ر صفر ۱۲۴۵ھ (۱۳ر اگست ۱۸۲۹ء) کو دو شاہ نشیں خچروں پر لدوا کر دس آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرما دیں۔ ان میں ایک کالے خاں شاہین چی تھا۔ ملا شاہ سید بھی ساتھ ہی لوٹے، رات شاہ منصور میں گزاری جو ہنڈ سے چار کوس پر ہے، وہیں سے کسی نے امیر خاں (برادر خادے خاں) اور غلام خاں کو خبر بھیج دی اور وہ پچیس تیس سوار لے کر ہنڈ سے آدھ کوس کے فاصلے پر گھات میں جا بیٹھے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ ہنڈ کے برجوں سے کسی نے ان سواروں کو دیکھ لیا تھا، یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ امیر خاں کے آدمی ہیں، اس پر بعض غازیوں نے کہا بھی کہ ہمارے آدمی شاہ نشیں لا رہے ہیں، یہ لوگ کہیں ان پر حملہ نہ کر دیں، لیکن دوسروں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے کہا یہ یونہی پھرتے رہتے ہیں، حملہ کیا کریں گے۔ بہر حال اسی حیص بیص میں دو گھڑی کا وقت گذر گیا۔

شاہیوں والے غازی شاہ منصور سے نکل کر امیر خاں کی کمین گاہ کے پاس پہنچے تو اچانک ان پر حملہ ہو گیا۔ باقی لوگ تو مقابلہ کرنے لگے، بارہ برس کے ایک لڑکے نے دوڑ کر ہنڈ خبر پہنچائی۔ قلعے سے ایک جماعت فوراً اپنے بھائیوں کی امداد کے لئے نکل پڑی۔ یہ لوگ موقع پر پہنچے تو دیکھا کہ امیر خاں واپس جا چکا ہے، دس یا چودہ غازیوں (۱) میں سے دو تین میں قدرے دم ہے، باقی جا بجا بے دم پڑے ہیں۔ کالے خاں سسک رہا ہے، اس نے بتایا کہ حملے کے بعد شاہیوں کو بچانے کی کوئی شکل نظر نہ آئی تو میں نے انہیں کوئیں میں ڈال دیا، پہلے بندوقیں چلتی رہیں، پھر تلواروں کی نوبت آئی، ملا شاہ سید نے کئی آدمیوں کو مارا، اور زخمی کیا۔ جب ان پر ہجوم ہوا تو وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے کوئیں میں جا گرے، دشمنوں نے اوپر سے دو تین پتھر ڈال دیے۔ پانچ چھ سوار بندوقوں سے مارے گئے، دس بارہ زخمی ہوئے، پھر وہ اپنے مقتولوں کو اٹھا کر چلے گئے۔ یہ داستان سنا کر کالے خاں بھی جاں بحق ہو گیا۔ (۲)

کوئیں سے ملا شاہ سید کی لاش نکالی گئی، چیڑ منگ (درہ تندھیاڑ) کے رہنے والے تھے۔ ابتدا ہی سے سید صاحب کے خاص رفیقوں میں شامل ہو گئے تھے۔ پکھلی کی سمت مجاہدین کا جو پہلا لشکر مولانا شاہ اسماعیل کی قیادت میں گیا تھا، اس میں معاون وشیر خاص کے عہدے پر مامور تھے۔ ان کی نعش اور باقی شہیدوں کی لاشیں چارپائیوں پر ڈال کر ہنڈ لے آئے اور وہیں ان فدا کارانِ راہِ حق کو آغوشِ خاک میں سلا دیا گیا۔

---

(۱) ایک روایت ہے کہ چودہ آدمی تھے، جن میں سے صرف ایک ہندوستانی تھا۔

(۲) "منظورہ" میں ہے کہ سب متاسف تھے، پہلے کیوں نکلے۔ پھر بولے، آنچہ مشیت ایزدی است لابد و ناگزیر شدنی است۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقرب کا فرار اور فتح خاں کی سرداری

اس واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے مولانا نے پھر سید صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ خادے خاں کے اہل وعیال کی رہائی فی الحال خلاف مصلحت ہے۔ ہنڈ میں جتنے غازی تھے، ان سب نے مولانا کی رائے سے اتفاق کیا۔ مولانا اور سید صاحب کی رائے میں اختلاف کا سبب یہ ہوا کہ مولانا گرد و پیش کے حالات اور اپنے موقف کی مشکلات سے آگاہ تھے، یہ سب باتیں سید صاحب کو تفصیلاً معلوم نہ تھیں۔ ان کے سامنے یہ چیز تھی کہ خادے خاں کا قصہ طے ہوگیا، اب اس کے ضمن میں مفسدوں کو شورش انگیزی کا موقع کیوں دیا جائے؟

مقرب خاں زیدہ کو چھوڑ کر نکل گیا تھا، فتح خاں نے ریاست کی عنان ہاتھ میں لیتے ہی تمام خوانین ورؤسا کو خطوط بھیجے کہ امیر خاں اور غلام خاں مفسد و باغی ہیں، جو شخص ان کی جماعت میں شریک ہوگا، اس کا انجام بھی خادے خاں کا سا ہوگا۔ ان خطوط کے جواب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں بھائی ہر خان ورئیس کے پاس پہنچ کر خادے خان کے خون کے فریادی ہوئے، لیکن سب نے ان کی اعانت سے صاف انکار کردیا۔ اس طرح فتح خاں کے رئیس بننے سے غازیان ہنڈ کی مشکلات ایک حد تک دور ہوئیں۔

فتح خاں (رئیس زیدہ) نے سید صاحب کی خدمت میں بھی عرض کیا کہ زیدہ ہنڈ سے صرف دو کوس کے فاصلے پر ہے، آپ تشریف لے آئیں تو شرارت وسرکشی کا ہر فتنہ خود بخود فرو ہوجائے گا، چنانچہ سید صاحب پنجتار کو چھوڑ کر زیدہ پہنچ گئے۔

سید صاحب کی خواہش

سید صاحب کی رائے یہ تھی کہ اگر امیر خاں یا خادے خاں کا کوئی دوسرا رشتہ دار بیعت کرلے اور احکامِ شریعت کی پابندی کا قول دیدے تو ہنڈ کو اس کے حوالے کردیا جائے۔ لیکن امیر خاں دورُخی پالیسی پر کار بند تھا، وہ سید صاحب کی خدمت میں التماسیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کررہا تھا کہ مجھے تمام شرطیں منظور ہیں، ادھر خوانین ورؤسا کی طرف سے اطلاعیں آرہی تھیں کہ وہ بھائی کے خون اور خاندان کی مظلومیت کا واسطہ دے کر انہیں ساتھ ملانے کیلئے کوشاں ہے۔ اسی سعی وکوششوں کے سلسلے میں وہ پشاور بھی پہنچ گیا۔ وہاں سے ملا شاہ گل نے خبر بھیجی کہ بارہ ہزار روپے دیکر اس نے یار محمد خاں کو اپنی حمایت پر راضی کرلیا ہے، حملے کی تیاریاں شروع ہیں اور حاجی خاں کاکڑ کو کچھ سوار اور پیادے دے کر بطور مقدمۃ الجیش بھیجا جارہا ہے۔(۱) یار محمد خاں صرف توپوں کے ڈھل جانے کا منتظر بیٹھا ہے۔

---

(۱) حاجی خاں کاکڑ اپنے عہد کا ایک عجائب کار شخص تھا۔ پشین (بلوچستان) کا رہنے والا تھا اور اس کا اصل نام تاج محمد تھا (ابن عطا محمد)۔ ابتدا میں بھیڑیں چراتا تھا، پھر رستم خاں کی مسجد میں تھوڑی تعلیم پائی اور عزیز اللہ خاں کاکڑ کے پاس ملازم ہوگیا وہ بڑا ہوشیار آدمی تھا، اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے بہت فریب آتے ہیں لیکن تاج محمد (حاجی خاں کاکڑ) وہ سب جانتا ہے، علاوہ بریں اسے ایک ایسا فریب بھی یاد ہے، جو سب کا توڑ بن سکتا ہے۔

تاج محمد ملازمت چھوڑ کر پیادہ حج کو چلا گیا۔ واپس آیا تو مختلف رئیسوں کے پاس ملازم رہا، جس کے ملازم ہوتا اسے کچھ مدت بعد کوئی نہ کوئی فریب دے کر دوسرے کے پاس چلا جاتا۔ آخر وزیر فتح خاں بارک زئی کے پاس پچاس سواروں کا افسر بن گیا، ہرات میں اس کے ساتھ بھی فریب کیا، بعد میں کافر قلعہ کی جنگ میں اس بہادری سے لڑا کہ فتح خاں کے دل سے فریب کا رنج بھلا دیا۔ پھر کامران کا پیش خدمت بن گیا، وہاں سے شیر دل کے پاس قندھار آ گیا۔ اس کے رازوں سے دوست محمد خاں کو آگاہ کر کے پانسو سواروں کا افسر اور بامیان کا گورنر بن گیا۔ غالباً اسی زمانے میں اسے حاجی خاں کا خطاب ملا، دوست محمد خاں اکثر کہا کرتا تھا کہ ”حاجی خاں بڑا اچھا آدمی ہے، لیکن ملک میں سب سے بڑا کتا (سگ) ہے۔“

پھر دوست محمد خاں کے پاس سے پشاور چلا آیا، پشاور سکھوں کے قبضے میں چلا گیا تو حاجی خاں دوبارہ دوست محمد خاں کے پاس پہنچ گیا۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر خاں نے ہری سنگھ کے خلاف درۂ خیبر میں جو جنگ کی تھی، اس میں حاجی خاں بھی اکبر خاں کے ہمراہ تھا، لیکن اسی زمانے میں اس نے سکھوں سے چالیس ہزار روپے لے کر ان کی امداد شروع کردی تھی۔ پھر رحمدل کے پاس قندھار چلا گیا۔ بعد میں اس کے بھائی کہن دل سے جاملا۔ انگریز شجاع الملک کو لے کر افغانستان پر بڑھے تو شاہ کا طرف دار بن گیا اور نصیر الدولہ خطاب پایا۔ پھر شاہ کے خلاف دوست محمد خاں کی امداد کی، اس کا انجام غالباً اچھا نہ ہوا۔ سید صاحب نے اسے بھی ایک مرتبہ جہاد کی دعوت دی تھی، جب وہ دوست محمد خاں کے پاس تھا۔ یہ دعوت نامہ سید صاحب کے مجموعہ مکاتیب میں موجود ہے، کاکڑ اس کی قوم کا نام ہے۔ ”منظورہ“ میں حاجی خاں کا نام نہیں دیا صرف یہ مرقوم ہے کہ ”معتمد خود را باسہ صد سوار زن و باچار سرداران کلاں پیش خیمہ فرستاد۔“

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یار محمد خاں کے مقاصد

اس اطلاع کے کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ حاجی خاں کاکڑ ہریانہ پہنچ گیا، جو امیر خاں کا مرکز تھا۔ یار محمد خاں کے سامنے اس لشکر کشی میں کئی فائدے تھے، مثلاً: اسے بارہ ہزار کی رقم ایک مشت ملی تھی اور اس عہد میں یہ خاصی وسیع رقم تھی۔ وہ سید صاحب کو دشمن سمجھتا تھا اور اب خادے خاں کے بھائیوں اور ان کے ہم قوموں کی معیت میں اس دشمن کو ختم کرنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سید صاحب ختم ہو جائیں گے تو سمہ کے سارے خوانین خود اس کی تابعیت قبول کر لیں گے، یوں اس کی سرداری کا حلقہ بہت وسیع ہو جائے گا۔(۱) ایک خیال یہ بھی ہوگا کہ جن غازیوں نے خادے خاں جیسے باجبروت رئیس کو اتنی آسانی سے ختم کر ڈالا، وہ اسے بھی نہ چھوڑیں گے، لہٰذا انہیں فرصت ومہلت نہ دینی چاہیے، بلکہ جلد سے جلد مٹا دینا چاہیے۔

غازیوں سے چپقلشیں

حاجی کاکڑ ہریانہ پہنچ گیا تو غازیوں کے ساتھ پے در پے چپقلشیں ہونے لگیں۔ ایک روز حاجی اور امیر خاں چھ سات سو سوار لے کر ہنڈ کی طرف بڑھے۔ قلعہ کا جنوبی دروازہ دریا کی سمت تھا، اس سے ڈیڑھ دو سو قدم کے فاصلے پر کچھ ٹیلے تھے۔ مولانا نے ڈیڑھ سو غازی ان میں چھپا دیے اور کہہ دیا کہ جب سوار قلعہ کے پاس آ جائیں اور ہم لوگ ان پر بندوقیں اور شاہینیں مارنے لگیں تو کمین گاہ سے نکل کر ان پر حملہ کر دینا، اس سے پیشتر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلنا۔

سوار آئے، پہلے ان پر شاہینوں سے گولے پھینکے گئے، وہ نہ رُکے۔ پھر بندوقوں کے فائر شروع ہوئے اس اثناء میں کمین گاہ والوں نے ایک ایسی باڑھ ماری کہ سب سوار

(۱) "منظورہ" ص:۵۲۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

منتشر ہو کر ہریانہ کی طرف بھاگ گئے، اس چپقلش میں غازیوں یا مخالفوں میں سے نہ کوئی مارا گیا اور نہ زخمی ہوا۔

مزید تین مرتبہ اس قسم کے واقعات پیش آئے۔ ایک روز امیر خاں اڑھائی تین ہزار کی جمعیت لیکر آ گیا، مولانا نے قلعے کی جنوبی سمت میں غازیوں کو کمین گاہ میں بٹھا دینے کے علاوہ شمالی سمت میں بھی دو اڑھائی سو قدم کے فاصلے پر کمین نشینی کا انتظام کر دیا۔ شیخ بلند بخت دیوبندی کو شمالی کمین گاہ کے ڈیڑھ سو غازیوں کا کمانڈار بنایا، خود قلعے میں رہے اور دونوں کمین نشیں لشکروں کو ہدایت کر دی کہ جب تک دشمن قریب نہ آ جائے حرکت نہ کرنا۔ چنانچہ یہ سوار قریب آئے تو مولانا نے قلعہ سے نکل کر نعرۂ تکبیر کے ساتھ ایسا سخت حملہ کیا کہ وہ بے تحاشا بھاگ نکلے۔ غازی آدھ میل تک ان کے تعاقب میں گئے۔ (۱)

ہندوستانی غازیوں کی چابک دستی

غازیوں کے پاس دس اونٹ تھے، جنہیں چرنے کیلئے روزانہ باہر بھیجا جاتا تھا، بیس تیس بندوقچی ان کی حفاظت کیلئے جاتے تھے۔ ایک روز کنڈوہ کی طرف سے، جو ہنڈ اور زیدہ کے درمیان شمال مائل بہ غرب واقع ہے، بندوقوں کی آواز آئی۔ مولانا دریافت احوال کیلئے قلعہ کے دروازے سے باہر نکلے، جب کچھ معلوم نہ ہو سکا تو وہیں بیٹھ گئے۔ دوسرے غازی اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اس اثناء میں برجوں والے غازیوں نے دیکھا کہ اطراف سے دشمن کے سوار چلے آ رہے ہیں اور وہ حوالیٔ قلعہ کو میدانِ قتال بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اطلاع مولانا کو ملی تو آپ نے خود نقارہ بجا کر غازیوں کو تیاری کا حکم دے دیا لیکن سخت تاکید کر دی کہ کوئی باہر نہ نکلے، صرف ایک جماعت کو دروازے سے نکال کر مکئی اور گنے کے کھیتوں میں چھپا دیا اور فرمایا کہ جب دشمن قریب آ جائے تو باڑھ ماری جائے۔

(۱) "وقائع" ص: ۱۱۲۲ و ۱۱۲۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجاہدین گھات میں بیٹھے رہے، لیکن جب دشمن کو دیکھا تو جوشِ تہور میں مولانا کے فرمان کو فراموش کر بیٹھے اور باہر نکل کر دو بدو جنگ کرنے لگے۔ چونکہ ان کی تعداد کم تھی اس لئے نرغے میں آگئے، اس وجہ سے ان کو کمک پہنچانا ضروری ہو گیا۔

مولانا نے تین سو غازیوں کو باہر بھیج دیا، ان کی چابکدستی اور مہارت جنگ کا یہ عالم تھا کہ جب تک دشمن کی طرف سے ایک مرتبہ گولیوں کی باڑھ آتی، مجاہدین کئی مرتبہ بندوقیں چلاتے۔ یار محمد خاں کے آدمی پیچھے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ ہندوستانی تو ایک بلا ہیں، کس قیامت کی آگ برساتے ہیں، اپنے بندوقچیوں کو دیکھو، جب تک وہ ایک فائر کرتے ہیں ہندوستانی بے شمار فائر کر جاتے ہیں۔(۱)

آخر خود یار محمد خاں کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا، وہ نوشہرہ میں تھا کہ سید صاحب نے مولانا کو ہنڈ سے اپنے پاس بلا لیا۔ مولانا مظہر علی عظیم آبادی قلعے کی فوج کے افسر اعلیٰ، پیر خاں مورائیں اور میرزا احمد بیگ پنجابی ان کے مشیر مقرر ہوئے۔

یار محمد خاں ہریانہ پہنچا تو اس کے پاس تو دس ہزار آدمیوں، چھ توپوں کے علاوہ شاہینیں اور اونٹ بھی تھے، ایک ہاتھی بھی تھا۔ سلطان محمد خاں نے اسے بہت روکا، یہ بھی بتایا کہ سید صاحب کو زیر کرنے کیلئے دنتورا اتنا بڑا لشکر لے کر آیا، لیکن زیر نہ کر سکا، کیوں خواہ مخواہ بلا میں پڑتے ہو؟ لیکن یار محمد خاں نہ رکا، یا سمجھ لیجئے کہ گردشِ تقدیر نے اسے نہ رکنے دیا اور اسے کشاں کشاں انجام گاہ پر لے آئی۔

ایک دردناک حادثہ

اس عہد کا ایک دردناک واقعہ بھی سن لیجئے۔

(۱) "منظورہ" ص ۵۳۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالرحیم نومسلم منشی محمدی انصاری کا رفیق تھا۔ منشی صاحب نے اپنی بندوق اسے دے کر تاکید کر رکھی تھی کہ اگر اچانک جنگ چھڑ جائے تو اسے جلد میرے پاس پہنچا دینا۔ عبدالرحیم ایک روز اونٹ چرانے چلا گیا، پیچھے جنگ شروع ہوگئی۔ منشی صاحب اس کے انتظار میں بیٹھے تھے، بہادر عبدالرحیم جوشِ حمیت میں خود شریک جنگ ہوگیا اور بندوق کا چقماق گم کر بیٹھا۔ بھاگا بھاگا قلعہ میں آیا، منشی صاحب نے بندوق لے کر خود جنگ میں جانا چاہا، اس کیلئے موزوں چقماق نہ ملا تو ایک پرانا مستعمل ٹکڑا اٹھا کر لگا لیا۔ منشی صاحب کا خیال تھا کہ بندوق خالی ہے۔ عبدالرحیم نے بھی کچھ نہ بتایا، منشی صاحب نے بندوق کی لبلبی دباری تاکہ نئے چقماق کی درستی کا اندازہ ہو جائے۔ اس چقماق کے چار ٹکڑے ہوگئے، منشی صاحب نے ان میں سے بڑا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ لگایا اور عبدالرحیم سے فرمایا کہ اگر یہ ٹکڑا آگ دے گیا تو فی الحال اسی سے کام لوں گا۔

عبدالرحیم یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، جانتا تھا کہ بندوق بھری ہوئی ہے، اگر چقماق آگ دے گیا تو گولی چلے گی، لیکن تقدیر کی بات وہ اب بھی چپ رہا۔ منشی صاحب نے دوبارہ لبلبی دبائی، ادھر لبلبی دبی ادھر چقماق سے شعلہ نکلا۔ بھری ہوئی بندوق چلی اور گولی عبدالرحیم کے شانے سے نیچے کی ہڈی کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ دوسرے دن (بروز جمعہ ۲۷ رصفر ۱۲۴۵ھ، مطابق ۲۶ راگست ۱۸۲۹ء) اسی صدمے سے عصر کے وقت عبدالرحیم کا انتقال ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس لڑائی کا ذکر اوپر آیا وہ صرف ایک روز پہلے یعنی ۲۶ رصفر مطابق ۲۵ راگست کو ہوئی تھی۔

منشی محمدی کو اس واقعہ کا بڑا قلق تھا، لیکن بہادر و نیک دل عبدالرحیم سکراتِ موت میں بھی باربار منشی صاحب کو تسلی دیتے ہوئے کہتا رہا: بھائی صاحب! رنج و غم نہ کریں، آپ نے مجھے نہیں مارا آپ کو کیا معلوم تھا کہ بندوق بھری ہوئی ہے؟ میں بتا نہ سکا۔ جو کچھ پیش آیا، وہ تقدیری معاملہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پندرھواں باب:

جنگِ زَیدہ

یار محمد خاں کی تدبیریں

یار محمد خاں نے ہریانہ پہنچتے ہی زور شور سے توپیں چلانے کا حکم دے دیا۔ اہل سمہ توپوں سے بہت خائف تھے۔ یار محمد کی غرض یہ تھی کہ جو لوگ سید صاحب کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں، وہ توپوں کی آواز سن کر رُک جائیں، یا پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔ یوں دورانِ جنگ میں اندیشہ ہی نہ رہے گا کہ وہ کسی موقع پر سید صاحب کی اعانت کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ یہ تدبیر خاصی کامیاب ہوئی۔ اکثر ملکی لوگ گھر چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے اور سید صاحب کے ساتھ رؤسا میں صرف فتح خاں پنجتاری، فتح خاں والی زیدہ، اس کا بھائی ارسلان خاں یا ان کے کچھ عزیز اور متفرق لوگ رہ گئے۔

پھر یار محمد خاں نے زیدہ سے تھوڑے فاصلے پر بدرئی ندی کے کنارے ڈیرہ جمایا، غازیوں نے مقابلے پر صف بندی کر لی جو زیدہ سے شاہ منصور تک پہنچی ہوئی تھی۔ دفعۃً یار محمد خاں کے لشکر سے پانسو سوار الگ ہو کر غازیوں کی صف بندی کے دائیں جانب بڑھے، خیال ہوا کہ شاید وہ عقب میں پہنچنا چاہتے ہیں، لیکن وہ دریا کے کنارے کنارے کالا ڈورہ، صوابی اور مانیری کی طرف نکل گئے اور راستے میں کچھ مویشی پکڑ لئے، پھر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ساتھ ملانا چاہا، مانیری والوں نے اس زور سے ان پر حملہ کیا کہ وہ بھاگ نکلے اور مویشی بھی چھوڑ گئے۔ سید صاحب نے فتح خاں کے پچیس تیس سوار بھیج کر تمام مویشی اصل مالکوں کو لوٹا دیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کے ساتھ ہی یار محمد خاں کے کچھ آدمیوں نے قلعہ ہنڈ کے سامنے جا بجا دمدمے بنانے کی تیاری کی، مقصود یہ تھا کہ توپیں لگا کر قلعے پر گولے برسائیں۔ مولوی مظہر علی عظیم آبادی نے ایسی باڑھ ماری کہ خان کے سب آدمی بھاگ گئے۔

پیامِ مصالحت

اس اثناء میں چار ملا گھوڑوں پر سوار یار محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیغام سید صاحب کے پاس لائے۔ مضمون یہ تھا کہ آپ زیدہ سے پنجتار چلے جائیں اور ہنڈ خالی کر دیں، ورنہ توپیں لگا کر زیدہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائیگی اور غازیوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا جائے گا۔ "وقائع" کے بیان کے مطابق سید صاحب نے فرمایا:

> یار محمد خاں کو ہماری طرف سے بعد سلام کہنا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہندوستان سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے ملک میں آئے ہیں، صرف اس لئے کہ سب بھائیوں کو متفق کر کے جہاد کریں تا کہ دین اسلام ترقی کرے اور قوت پکڑے۔ آپ بھی مسلمان رئیس، والیٔ ملک اور نامور ہیں، آپ کو بھی لازم ہے کہ ہمارا ساتھ دیں، نہ کہ کافروں اور باغیوں کے حامی اور طرفدار بن کر ہم سے لڑیں۔ ہم نے خادے خاں کو جو قتل کیا اور اس کا قلعہ چھین لیا تو وہ ہمارے ہاتھ پر بیعت امامت کر کے باغی ہو گیا تھا اور کئی بار سکھوں کو مسلمانوں پر چڑھا لایا تھا۔ اپنی دانست میں اس نے ہماری خونریزی اور بدخواہی میں کوتاہی نہ کی، مگر اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر تھا، اس نے ہم لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ اب آپ اس باغی کے خون کا دعویٰ لے کر ہم سے لڑنے آئے ہیں، یہ حرکت آپ کی شان سے بعید ہے۔ واجب ہے کہ آپ اس بات سے توبہ کریں، خدا سے ڈریں، اپنے ملک کو چلے جائیں اور دائرۂ اسلام سے قدم باہر نہ دھریں۔ حد شریعت سے تجاوز نہ فرمادیں، نہ مانیں گے تو دنیا میں رسوا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وشرمسار اور قیامت کے دن عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔(۱)

سید صاحب نے یہ جواب دے کر ملا صاحبان سے کہا کہ پہر چھ گھڑی میں اس کا جواب لا دیجئے۔ وہ مقررہ وقت پر نہ آئے تو سید صاحب نے اپنی طرف سے چار آدمیوں کو بھیج دیا، ایک قابل اخوند زادہ ساکن منگل تھانہ، دوسرا مولوی عبدالرحمٰن تورو، تیسرا ملا صاحب ڈاگئی اور چوتھا ملا صاحب گبائی۔ منشی خواجہ محمد اور چار قراچین دار ساتھ کر دیے تاکید فرمادی کہ ان پانچوں غازیوں کو سردار کے لشکر سے ورے ٹھہرا دینا۔

یار محمد خاں نے سید صاحب کے پیغام مصالحت کا نہایت درشت جواب دیا، آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اب کوئی شخص صلح کا پیام لایا تو اس کا سر اڑا دوں گا۔(۲) سید صاحب نے اسی وقت حکم دیدیا کہ تمام غازیوں کو باہر کے موروچوں سے بستی میں بلا لیا جائے۔

قلندر کا واقعہ

لشکر اسلام میں ایک مجذوب درویش رہتا تھا جسے سب "قلندر" کہتے تھے۔ اسے پکی پکائی روٹی دی جاتی تھی، وہ پھرتا پھراتا درانیوں کے لشکر میں چلا گیا۔ واپس آیا تو دونوں کانوں سے خون بہہ رہا تھا۔ غازیوں نے سبب پوچھا تو بولا: بھائیو! میرا خون بہہ چکا ہے، اب تمہارا خون نہیں بہے گا۔ سید صاحب نے حالات پوچھے تو اس نے بتایا کہ مجھے یار محمد خاں کے پاس لے گئے تھے اور وہاں یوں سوال و جواب ہوئے۔

یار محمد: تم کہاں رہتے ہو اور ہمارے لشکر میں کیا دیکھتے پھرتے ہو؟

(۱) "وقائع" ص: ۱۸۲۷۔ "منظورہ" میں ہے کہ سادات میں سے ایک شخص صلح کا ایلچی بن کر آیا تھا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ صلح بہر حال بہتر ہے لیکن یہ تو دیکھا جائے کہ کشمکش کا سبب کیا ہے؟ ہماری کوئی ذاتی غرض نہیں، صرف یہ چاہتے ہیں کہ مخالف لوگ خدا اور رسولؐ کے احکام قبول کر لیں۔ وہ مسلمان ہیں، ان کے لئے یہی زیبا ہے۔ یہ ایلچی کئی مرتبہ آیا گیا، یہاں تک کہ شام ہو گئی اس پر مجاہدین کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا کہ دشمن نے صلح کا دام فریب صرف اس غرض سے بچھایا ہے کہ رات اطمینان سے گزارے۔

(۲) "منظورہ" ص: ۵۴۰

قلندر: میں مسلمانوں کے لشکر میں رہتا ہوں۔

یار محمد: یہ لشکر بھی تو مسلمانوں کا ہے۔

قلندر: نہیں، یہ باغیوں کا لشکر ہے۔

یار محمد: (خفگی کے لہجے میں) ادھر اُدھر کیا دیکھتا پھرتا تھا؟

قلندر: مسلمانوں کا مال واسباب۔

یار محمد: تو اس لشکر کو باغیوں کا بتاتا ہے، تو اس کا مال کن مسلمانوں کا ہے؟

قلندر: یہ سب انہیں مسلمانوں کا ہے جن کے لشکر میں میں رہتا ہوں۔

یار محمد: ایسی بات منہ سے نہ نکال، ہمارے لئے دعاء کر، ورنہ مارا جائے گا۔

قلندر: میں موت سے نہیں ڈرتا، دعاء انہیں مسلمانوں کے لئے کروں گا، تیرے لئے نہیں کرسکتا، تو باغی ہے اور باغیوں کا ساتھی۔

سردار نے حکم دیا کہ اسے قتل کردو، مصاحبوں نے کہا کہ یہ تو دیوانہ ہے، جو منہ میں آتا ہے بکتا پھرتا ہے۔ اس بیچارے کو سزا دینا مناسب نہیں۔ یار محمد نے کہا کہ اچھا اس کے ہاتھ اور ناک کاٹ دو، مصاحبوں نے پھر نرمی کی درخواست کی، سردار نے کہا کہ اچھا اس کے کان کاٹ کر رخصت کردو، اس پر عمل ہوا۔

سید صاحب یہ سن کر دیر تک سکوت میں رہے پھر فرمایا: وہ بڑا بے درد ہے، تمہارا بدلہ منتقم حقیقی لے گا۔ نور بخش جراح کو حکم دیا کہ قلندر کی مرہم پٹی کردو۔

لشکروں کی کیفیت

اسی وقت مغرب کی اذان ہوئی، بعد نماز سید صاحب نے دعاء فرمائی:

الٰہی! تو بڑا قادر، کارساز اور عاجز نواز ہے۔ ہم تیرے بندے عاجز و ناچار تیرے فضل و کرم کے امیدوار ہیں۔ تو ہی ہم عاجزوں کا حامی و مددگار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے۔ دشمنوں کے شر و فساد سے ہم لوگوں کو محفوظ و مامون رکھ اور اپنی مدد سے
ناتوانوں کو ان پر مظفر و منصور کر۔

غازیوں اور درانیوں کے لشکروں کا موازنہ کرتے ہوئے صاحب ''منظورہ'' نے کیا خوب لکھا:

> ایک طرف کمالِ شوکت و قوت کا مظاہرہ تھا، دوسری طرف رب العزت کی اعانت پر نظر تھی۔ ایک طرف عساکر و توپ خانہ کا غرور، دوسری طرف قادر یگانہ کی قوت کے بھروسے پر دل مطمئن۔ سردار کی فوج شکوہ و جلال میں اصحابِ فیل کے مثیل تھی، غازی عجز و ناتوانی کے پیش نظر ربِ ابابیل سے مدد کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ مخالفوں میں لشکر جالوت کا سا تبختر نمایاں تھا، مجاہدین کے دل قصہ طالوت سے فرحاں تھے۔

جنگ کے مشورے

''وقائع'' کا بیان ہے کہ نماز مغرب کے بعد سید صاحب نے اپنے خاص رفیقوں سے جنگ کے بارے میں صلاح پوچھی، مختلف تجویزیں پیش ہوئیں، لیکن کسی بھی تجویز پر طبیعت میں انشراح پیدا نہ ہوا۔ آخر سید صاحب نے فرمایا کہ بھائیو! ہر بات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، صبح کو بستی کے کنارے قبرستان والے میدان میں مقابلہ ہوگا، پھر یا تو اللہ تعالیٰ ہمیں فتح عطا کرے گا یا اسی جگہ ہم سب شہادت پائیں گے۔ مولانا سے فرمایا کہ شہر پناہ میں مناسب مقامات پر پہروں کا انتظام کر دیجئے، باقی سب بھائی آرام کریں، لیکن کمریں باندھے رہیں۔

''منظورہ'' میں ہے کہ درانیوں کی تعداد چونکہ غازیوں سے بہت زیادہ تھی اور ان کے پاس سازو سامانِ جنگ بھی بہت اچھا تھا، اس لئے مشیروں نے عرض کیا کہ شبخون کی اجازت دی جائے، اگر دشمن لشکر کے لوگ غافل ہوں گے تو ہم انہیں ماریں گے، اگر وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غافل نہ ہوئے اور لڑائی چھڑ جائے گی تو اس کیلئے بھی رات ہی کا وقت بہتر ہے، جس میں غازیوں کو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا مشاہدہ پریشان نہ کرے گا۔ لیکن اس وقت تک گفتگوئے صلح کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی، اس وجہ سے سید صاحب نے اجازت نہ دی۔ آخر یار محمد خاں کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ اب کوئی شخص صلح کی تجویز لے کر آیا تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ اس وقت سید صاحب نے شبخون کا حکم دے دیا، اسی لئے باہر کے مورچوں کے غازیوں کو بستی میں بلا لیا گیا تھا۔

آخری حکم

''وقائع'' کے بیان کے مطابق سید صاحب نے نمازِ عشاء کے بعد کھانا کھایا، مولانا بھی ساتھ بیٹھے، فارغ ہو کر مولانا سے فرمایا کہ آپ اب آرام کریں، گویا اس وقت تک صبح کے وقت قبرستان کے میدان میں جنگ کرنے کی تدبیر پکی تھی، تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد آپ اُٹھے اور آواز دی کہ کوئی ہے؟ حافظ صابر تھانوی حاضر ہوئے تو فرمایا: میاں صاحب (مولانا شاہ اسماعیل) کو بلا لایئے۔ مولانا آئے تو فرمایا کہ شبخون کی تدبیر بہت مناسب ہے، آپ بستی سے باہر گڑھی میں ٹھہریں، ہم وہیں آدمیوں کو بھیجتے ہیں۔ (۱) بعض بیانات میں بتایا گیا ہے کہ یار محمد کے لشکر میں ایسے اصحاب بھی تھے جو سید صاحب کے ساتھ دلی خلوص رکھتے تھے، مثلاً ارباب فیض اللہ خاں مہمند ہزار خانی، ارباب جمعہ خاں، (برادر ارباب بہرام خاں) وہ مجبوراً سردار کے ساتھ آئے تھے، انہوں نے عبدالحلیم نام ایک شخص کے ہاتھ خفیہ پیغام بھیجا کہ صبح زیدہ کو توپوں سے تباہ کر ڈالنے کا فیصلہ ہو چکا ہے، آپ اس وقت جو تدبیر فرما سکیں، اس میں توقف نہ فرمائیں۔ (۲)

---

(۱) ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ مجھے ابھی جناب الٰہی سے اشارہ ہوا کہ دشمن تدبیر کر رہے ہیں تو کیوں اپنی تدبیر سے غافل ہے؟

(۲) بعض اصحاب نے حاجی خاں کاکڑ کو بھی انہیں مخلصین میں شمار کیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا گڑھی میں پہنچ گئے، سید صاحب نے تھوڑی دیر میں تین سو غازی اور چار سو ملکی ان کے پاس بھیج دیے۔(۱) حسب معمول سب سے فرمایا کہ گیارہ گیارہ مرتبہ سورۂ قریش پڑھ کر دم کر لو۔

سواروں سے مڈبھیڑ

مولانا نے غازیوں کو گڑھی سے نکال کر میدان میں کھڑا کیا۔ دیر تک ننگے سر ہو کر دعاء کرتے رہے، پھر ایک رہبر کے پیچھے پیچھے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ درانیوں کا لشکر اگرچہ دور نہ تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غازی سیدھے جانے کے بجائے کوس ڈیڑھ کوس کا چکر کاٹ کر گئے تھے، اس وجہ سے ذرا دیر ہو گئی۔ اخفا کی یہ کیفیت تھی کہ جن لوگوں کے پاس توڑے دار بندوقیں تھیں، انہیں حکم دے دیا گیا تھا کہ توڑوں کو اس وقت تک مٹھیوں میں چھپائے رکھیں جب تک بندوقیں سر کرنے کی نوبت نہ آئے۔ چلتے چلتے ایک سو سوار ہند کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔(۲) غازی ان پر گولیاں چلانا چاہتے تھے، مولانا نے سب کو روک دیا۔

سوار عین سامنے پہنچ گئے تو انہوں نے غازیوں کو دیکھ لیا، ایک نے پشتو میں پوچھا: سوکے؟" (یعنی کون ہو؟) شیخ علی محمد دھنی (دیوبندی) بے تکلف پشتو بولتے تھے، انہوں نے جواب دیا: "اخپل" (یعنی اپنے ہی لوگ ہیں) ۔سوار نے پھر پوچھا: کم جائے راغلے؟ (کہاں سے آئے ہو؟) شیخ نے جواب دیا: لـــخـکـر اوتمان زئی (اوتمان زئی

(۱) "منظورہ" میں ہے: مجاہدین ہندوستانی وقندھاری ودیگر مخلصین اہل دیار ششں بلکہ صد، نہایت ہشت صد نفر سوار و پیادہ خواہند بود۔

(۲) "وقائع" میں ہے چار پانچ سو۔ میرے نزدیک "منظورہ" کا بیان صحیح ہے، ویسے رات کا وقت تھا، راویوں نے تخمینہ پیش کیا۔ صحیح تعداد کسی کو معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ "منظورہ" میں یہ بھی ہے کہ پہلے ایک چوبدار مشعل لیے نظر آیا، اس نے غازیوں کو دیکھ کر خوف سے مشعل بجھا دی، غازی آگے بڑھے تو سوار دکھائی دیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے لشکر آیا ہے)۔ یہ سن کر ایک سوار قریب آیا۔ غازیوں کو پہچان کر شور مچاتا ہوا بھاگا:
''داغازیاں دے'' ''داغازیاں دے'' (یہ غازی ہیں، یہ غازی ہیں)۔ باقی سوار بھی بھاگے، غازیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے حملہ کر دیا، لشکر گاہ کے قریب پہنچے تو توپخانے کی مہتابی روشن ہوئی اور توپیں چلنے لگیں۔ ان کی آواز سن کر ملکی لوگ سراسیمگی میں زیدہ کی جانب لوٹ پڑے۔ مولوی امیر الدین ولایتی بھی انہیں میں تھے، انہیں غالباً کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا صورت پیش آئی۔ (۱)

جنگ کی کیفیت

مولانا نے گڑھی سے نکلتے ہی اپنے غازیوں اور ملکی لشکریوں کی ٹولیاں الگ الگ بنادی تھیں، اپنے غازیوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا اور پہلے سے بتادیا تھا کہ حملہ اس جگہ کیا جائے گا جہاں توپیں اور شاہینیں ہیں۔ توپوں سے گولے چھوٹنے لگے تو مولانا نے اپنے غازیوں کی ایک جماعت کو توپوں کی دائیں جانب، دوسری کو بائیں جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ تیسری جماعت کو لے کر خود عین سامنے سے پیش قدمی کی، گولے برابر آرہے تھے، دو مرتبہ پہلے فائر ہوا تھا، تین مرتبہ بعد میں ہوا۔ اس اثناء میں مولانا نے پانچ توپوں پر قبضہ کر لیا، چھٹی توپ وہاں سے کسی قدر فاصلے پر کنڈہ کی جانب تھی، وہ تیزی کے ساتھ فائر ہونے لگی، مولانا نے چالیس پچاس بندوقچیوں اور قرابین چیوں کو اس کے عقب سے حملے کے لئے بھیج دیا، دو گولہ انداز گرفتار ہو گئے، تیسرا بھاگ گیا اور وہ توپ بھی قبضے میں آگئی۔ گویا درانی لشکر کا سب سے کارگر اور دہشت انگیز سامانِ جنگ غازیوں کے ہاتھ آگیا۔

(۱) ''منظورہ'' میں ہے کہ غازی، سواروں کے پیچھے پیچھے ہو لئے، کسی غازی نے اچانک گولی چلادی۔ گولی کی آواز سن کر سوار بھاگے اور غازی ان کے پیچھے لشکر گاہ میں جا پہنچے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس اثناء میں یار محمد خاں کا ایک مصاحب پکڑا گیا، جس کی پشت پر تلوار لگی۔ اس سے اور دوسرے اسیروں سے یار محمد خاں کا پتا پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کنڈو والی توپ کے پاس تھا، اس کے گولی لگی اور ساتھی اسے اٹھا کر لے گئے۔

اس توپ سے چند فائر کرنے کے بعد غازیوں نے لشکرگاہ میں پھر پھر دیکھنا شروع کیا تو زیادہ تر خیمے خالی پائے۔ بعض خیموں سے دو دو چار چار آدمی سراسیمہ وار بھاگ رہے تھے، بعض لوگ یار محمد خاں کی امداد کے لئے ادھر اُدھر سے جمع کیے گئے تھے، انہوں نے پانسہ پلٹتے دیکھا تو جو مال ہاتھ لگا اٹھا کر اپنے گھروں کو فرار ہو گئے۔

اگرچہ فتح حاصل ہو چکی تھی لیکن اندیشہ تھا کہ یار محمد خاں کہیں پلٹ کر حملہ نہ کر دے، مولانا نے حکم دے دیا کہ غازی توپوں سے ادھر اُدھر نہ ہوں۔ اس اثناء میں مولانا مظہر علی عظیم آبادی اور پیر خاں مورائیں ہنڈ سے ستر اسی غازیوں کے ساتھ آ گئے، انہوں نے بتایا کہ یار محمد خاں کے لشکری ہمارے پاس سے بھاگے جا رہے تھے۔ ہم نے بھی ان پر گولیاں چلائیں، مولانا نے فرمایا کہ اس نازک موقع پر قلعے کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہئے تھا، آپ واپس چلے جائیں۔

یار محمد کا انجام

مولانا نے مال غنیمت جمع کرایا تو مندرجہ ذیل چیزیں تھیں: ایک ہاتھی، ساٹھ ستر اونٹ، کچھ کم تین سو گھوڑے، چھ توپیں، پندرہ سولہ شاہینیں، تلواروں اور بندوقوں کا شمار نہ تھا، بلکہ لوگ جو مال اٹھائے لئے جا رہے تھے، اسے حسن تدبیر سے واپس لیا، بستر اور خیمے سب محفوظ پڑے تھے۔ اکثر لوگ جوتے بھی چھوڑ گئے تھے، پلاؤ کی دیگیں تیار پڑی تھیں، منوں خشک میوہ موجود تھا، بعض خیموں سے مستورات نکلیں، جنہیں سردار کے لشکری عیش رانی کی غرض سے زبردستی پکڑ لائے تھے، انہیں مولانا نے فوراً انکے گھروں میں بھیج دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یار محمد خاں کے کاری زخم لگا تھا، اسے بہ مشکل گھوڑے پر سوار کر کے میدان سے باہر پہنچایا گیا۔ وہ ہریانہ اور دوڑ ھیر کے درمیان لہادر میں یا اس کے آس پاس فوت ہوا، میت کو پشاور پہنچا کر دفن کیا گیا۔ اس یورش میں یار محمد خاں کے تین سو ساتھی مارے گئے، جن میں سے سات بڑے سردار تھے، ایک ہزار کے قریب گھوڑے ان ملکیوں کے قبضے میں چلے گئے، جنہیں یار محمد خاں نے دھکا کر ادھر اُدھر سے اپنے لشکر میں شامل کر لیا تھا۔

کارنامے کی حیثیت

غازیوں میں سے دو شہید ہوئے: ایک محمد حسن جن کے سینگڑے میں اتفاقیہ آگ لگ گئی اور وہ جل گئے، دوسرے نور محمد۔ چار غازی زخمی ہوئے: ایک کے ہاتھ پر تلوار لگی اور چار انگلیاں کٹ گئیں، صرف انگوٹھا باقی رہ گیا، دیندار خاں کے دائیں مونڈھے پر تلوار کا زخم آیا، میرزا وزیر بیگ کے ہاتھ پر تلوار لگی، شیخ علی محمد دہلی کے سر پر تلوار کا زخم آیا۔(۱)

اتنے تھوڑے نقصان کے ساتھ اتنے کثیر الانفار اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس لشکر کو ایسی سخت شکست دینا یقیناً ایک عظیم الشان کارنامہ تھا، جسے بڑے بڑے جرنیلوں کی بہترین فتوحات کے مقابلے میں بے تکلف فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مولانا شاہ اسماعیل کی یگانہ صلاحیتِ قیادت اور مہارتِ فنونِ حرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

زیدہ کے حالات

مولانا میدانِ جنگ میں مالِ غنیمت کی فراہمی اور فہرستوں کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ فتح کی خبر زیدہ بھیجی تو یہ حیرت انگیز اطلاع ملی کہ سید صاحب پنجتار روانہ ہو گئے، ہوا یہ کہ غازی شبخون کے لیے روانہ ہوئے تو سید صاحب مسجد میں جا بیٹھے اور بڑی دیر تک دعا کرتے رہے۔ پھر گڑھی کے برج میں پہنچے، دیر تک گولیوں کی آواز نہ آئی، سید

(۱) "منظورہ" میں ہے: چار نفر بہ درجہ شہادت معزز و سرفراز گشتند۔

صاحب دوبارہ دعاء میں مشغول ہو گئے۔ چند مرتبہ توپیں چلنے کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ اس اثناء میں وہ ملکی لوگ پہنچ گئے جو میدانِ جنگ سے خواہ مخواہ بھاگ گئے تھے، انہوں نے بتایا کہ سب غازی شہید ہو گئے۔(۱) یہ خبر سن کر ہر دل پر غم والم کی گھٹائیں چھا گئیں، فتح خاں پنجتاری نے سید صاحب سے عرض کیا کہ آپ پنجتار تشریف لے چلیں، آپ سلامت ہیں تو خدا پھر سامان درست کر دے گا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ خان بھائی! ذرا توقف کریں، تعجیل مناسب نہیں، اللہ کے فضل سے ہمیں فتح کی امید ہے۔

سید احمد علی نے کہا کہ آپ کس دلیل سے فتح کی امید ظاہر کرتے ہیں؟ سید صاحب نے جواب دیا کہ پہلے توپیں اور بندوقیں چلی تھیں تو شعلہ ہائے رنجک ست مخالف میں تھے، اور شعلہ ہائے کارتوس ہماری جانب، دوسری مرتبہ معاملہ برعکس نظر آیا، اس سے ظاہر ہے کہ پہلے توپیں درانیوں کے قبضے میں تھیں، پھر غازیوں کے قبضے میں آگئیں، لیکن فتح خاں اور سید احمد علی اصرار کرتے رہے، پھر سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر برج سے اُتارا اور ساتھ لے کر یہ کہتے ہوئے پنجتار کی جانب روانہ ہو گئے کہ اگر فتح ہماری ہے تو پھر بھی نکل جانے میں قباحت نہیں، دوبارہ واپس آسکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں چلنا ہی قرین احتیاط ہے۔ سید صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اگر غازیوں کی شہادت کا بیان درست ہے تو ہم تھوڑے غازیوں کو لے کر کہاں جائیں گے، بہتر یہ ہے خدا کے بھروسے پر یہیں بیٹھیں، جو کچھ منظور ہوگا ہو رہے گا، لیکن یہ بات کسی نے نہ سنی۔

---

(۱) "وقائع" میں ہے کہ یہ خبر مولوی امیر الدین ولایتی نے دی تھی، لیکن مولوی صاحب ممدوح بڑے متقی، دیندار، مخلص، شجاع اور سید صاحب کے معتمد علیہ تھے۔ ان کے ساتھ اس قسم کی غیر محقق بات منسوب نہیں کی جاسکتی۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ملکی لوگ میدان چھوڑ کر آگئے تھے، انہوں نے اپنی مراجعت کو معقول ظاہر کرنے کے لئے یہ داستان وضع کر لی، مولوی امیر الدین چونکہ ان میں شامل تھے، اس لئے ممکن ہے مختلف لوگوں کے بیانات کی بنا پر غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ "منظورہ" میں ہے: ولایتیاں کہ وقت مقابلۂ درانیاں گریختہ بودند، بہ لحاظ بے سامانی مومنین بہ ظن فاسد خود خبر دروغ شکست مومنین رسانیدند۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفر مراجعت

مولانا نے سید عبدالرؤف بابڑہ والے اور مومن قیصری کو بھیجا اور سید صاحب کو مانیری سے واپس بلایا۔ دیر کے بعد مال اسباب لے کر زیدہ کی طرف چلے۔ آگے آگے چار توپیں تھیں، پچاس ہندوستانی غازی اور سارے ملکی ان کے ساتھ تھے، دو توپیں سب سے پیچھے تھیں، بیچ میں مال سے لدے ہوئے گھوڑے، خچر اور اونٹ تھے۔ جو قیدی پکڑے گئے تھے، وہ بھی ساتھ تھے۔ غازیوں کے جیش دائیں بائیں جا رہے تھے، سید صاحب شاہ منصور پہنچے تو مولانا خود پیشوائی کے لئے باہر نکلے، سید صاحب نے گھوڑے سے اتر کر فرط محبت سے مولانا کو سینے سے لگا لیا۔

غازیوں میں سے ایک صاحب ''نواب'' کے لقب سے مشہور تھے۔ خیر میں سید صاحب کے پاس پہنچے تھے، اس تلقب کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا: آؤ نواب بھائی: انہوں نے عرض کیا کہ حضرت نے مجھے نواب تو بنا دیا، اب سواری کیلئے ہاتھی دیجئے۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی رحمت سے یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جنگ زیدہ میں جو ہاتھی ملا تھا، مولانا نے ''نواب'' کو اس پر سوار کر کے پیشوائی کے لئے پہلے بھیج دیا تھا۔ ''نواب'' نے خود عرض کیا کہ آپ کی دعاء سے ہاتھی بھی مل گیا۔

چوتھے روز سید صاحب پنجتار روانہ ہوئے۔ کالا درہ، صوابی، مانیری، سلیم خان، خلی کلی، سنگ جنی اور غور غشتی ہوتے ہوئے گئے۔ ہر موضع میں کچھ روپے بطور انعام تقسیم فرمائے۔

جنگ زیدہ کی تاریخ

اب ایک سوال رہ گیا کہ جنگ زیدہ کس تاریخ کو ہوئی؟ ''منظورہ'' میں ہے کہ ربیع

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الاول کی پندرھویں تاریخ (۱۲۴۵ھ) اور ہفتے کا دن تھا، دو گھڑی دن چڑھا تھا کہ مخالف لشکر نمودار ہوا۔ تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے کا دن یا ۵ ربیع الاول کو تھا یا ۱۲ کو، اس بنا پر ۵ ربیع الاول کی تاریخ تو قبول کی جا سکتی ہے، ۱۵ درست نہیں سمجھی جا سکتی۔

سید صاحب نے جنگ زیدہ کے بعد پشاور کے بعض مشہور علماء کو ایک مکتوب بھیجا تھا، جس پر ۱۰ ربیع الاول کی تاریخ ثبت ہے۔ اس میں خادے خاں اور یار محمد خاں دونوں کے یکے بعد دیگرے قتل کا ذکر ہے۔(۱) ایک اعلام سلطان محمد خاں کو بھی ارسال فرمایا تھا اس پر ۸ ربیع الاول مرقوم ہے۔(۲) اس میں بھی جنگ زیدہ کا ذکر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ ۵ یا ۶ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ (۴ یا ۵ ستمبر ۱۸۲۹ء) کو ہوئی۔

اہم کاغذات

مال غنیمت میں یار محمد خاں کے کچھ کاغذات بھی ملے تھے، جن میں رنجیت سنگھ کا ایک فرمان تھا، اس کا مضمون یہ تھا۔

۱۔ غازیوں پر لشکر کشی کی جائے۔

۲۔ لیلیٰ، مروارید، سیہ کہار غیرہ گھوڑے دنتورا کے حوالے کر دیے جائیں۔ (یہ تینوں گھوڑے سلطان محمد خاں کے تھے اور اس عہد میں اپنی خوبصورتی اور تیز رفتاری کے باعث دور دور مشہور تھے۔ لیلیٰ کی قیمت ساٹھ ہزار روپے بتائی جاتی تھی)۔

۳۔ سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کو جلد سے جلد ملک سے نکال دیا جائے۔

۴۔ ہنڈ کو خادے خاں کے متعلقین کے حوالے کر دیا جائے۔

اگر ان تمام ہدایات کی تعمیل نہ ہوئی تو مجھے خود لشکر لے کر آنا پڑے گا۔(۳)

ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یار محمد خاں اپنی غلط اندیشی کے باعث کس نوع کے

(۱) "منظورہ" ص ۵۲۸ (۲) مکاتیب شاہ اسماعیل ص ۲۰۵ (۳) مکاتیب شاہ اسماعیل ص ۲۰۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نازیبا مقاصد کے لئے وقف ہو چکا تھا اور سکھوں کی نظروں میں اس نے اور خادے خاں نے جو اعتبار حاصل کیا تھا، اس کیلئے کس طرح انہیں اسلامیت کے تقاضوں سے یک قلم بے پروائی اختیار کرنی پڑی تھی۔

ملکیوں کو تفہیم

پنجتار پہنچتے ہی سید صاحب نے سب سے پہلے مسجد میں جا کر دوگانہ شکر ادا کیا، پھر قیامگاہ پر گئے۔ تھوڑے دن بعد جنگ ہنڈ اور جنگ زیدہ کا پورا مال غنیمت آ گیا۔ سید صاحب نے ایک روز وعظ میں لوٹ مار کی برائیاں بھی واضح کیں، فرمایا:

> لوٹ بہت بری چیز ہے، در حقیقت یہ اسلام کی بدخواہی ہے، جہاد بارگاہ الٰہی میں مقبول ہے، اس وجہ سے گناہ بخشے جاتے ہیں، لیکن لوٹ اور وہ بھی عین معرکے کے وقت، قوت اسلام کی شکست کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ سے تمام نیک اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ یہ وعظ سن کر مختلف ملکیوں نے اپنے گھروں سے ایک سو ستائیں گھوڑے لا کر پیش کر دیے۔ سید صاحب نے ان کے اس طریقے کی تحسین فرمائی۔

مال غنیمت کی تقسیم

جب پورا مال غنیمت پنجتار پہنچ گیا تو سید صاحب نے توپیں، شاہینیں بندوقیں، تلواریں، تیغے اور ڈیرے خیمے پورے مال سے الگ کر کے بیت المال میں داخل کر دیے۔ باقی مال کی قیمت کا اندازہ کر لینے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جتنی قیمت بنے اس کے چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیے جائیں، ایک حصہ بیت المال میں رہے۔ غازیوں کے حصے میں سے سواروں کو دوہرا حصہ دیا جائے، پیادوں کو اکہرا۔ کل تخمینہ بائیس تیئس ہزار کا کیا گیا، ملکی لوگ اپنے حصے لے کر چلے گئے، ہندوستانی غازیوں نے عرض کیا کہ ہم تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیت المال سے لے کر کھاتے ہیں، بیت المال ہی سے کپڑا اور دوسری ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ہم حصہ لے کر کیا کریں گے؟ یہ بھی بیت المال میں داخل فرمالیجئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ جو بھائی خوشی سے اپنا حصہ بیت المال کو دیں گے، اس کا ثواب جدا پائیں گے۔ اکثر نے اپنا حصہ لوٹا دیا، بعض اصحاب نے صرف وہ چیزیں رکھ لیں جن کی انہیں فوری ضرورت تھی۔

یار محمد خاں کے قتل کے بعد سلطان محمد خاں کی حالت اتنی نازک ہوگئی تھی کہ سید صاحب چاہتے تو زیدہ سے نکل سیدھے پشاور پہنچ جاتے۔ چونکہ سلطان محمد خاں کبھی کبھی اخلاص و ارادت کا اظہار کرتا رہتا تھا، اس لئے سید صاحب نے فرمایا کہ اس پر اعلام کے بغیر حملہ نہیں کریں گے۔

سلطان محمد خاں کی پریشانیاں

سلطان محمد خاں سخت کشمکش میں مبتلا تھا، ایک طرف یہ خطرہ تھا کہ سید صاحب پشاور پر چڑھائی نہ کردیں، دوسری طرف رنجیت سنگھ کی طرف سے بار بار ''لیلیٰ''، ''مرواریدؔ'' اور ''سبھ کہار'' نام گھوڑوں کے لئے تقاضے ہو رہے تھے اور یہ مطالبہ مانے بغیر اس کے شر سے محفوظ رہنا مشکل تھا۔ سلطان محمد گھوڑے دینے پر راضی نہ تھا، خصوصاً لیلیٰ (جو غالباً گھوڑی تھی) اسے بہت عزیز تھی۔ فتح علی پاشا بادشاہ ایران نے اس کے لیے ساٹھ ہزار روپے پیش کیے تھے، لیکن سلطان محمد خاں نے اس قیمت پر بھی دینے سے انکار کردیا تھا، اب ہراس زدگی کے عالم میں ''لیلیٰ'' اور ''مروارید'' دونوں سکھوں کے حوالے کرنے پڑے۔ ''سبھ کہار'' جنگ زیدہ میں یار محمد کے ساتھ تھا، جب شبخون کی وجہ سے افراتفری مچی اور مختلف لوگ مال و اسباب لوٹنے لگے، تو خٹک قوم کے ایک فرد بخت خاں نے یہ گھوڑا سنبھال لیا اور لے کر میدان سے نکل گیا۔ چونکہ اُسے معلوم تھا کہ رنجیت سنگھ اس کا بہت آرزومند ہے، اس لئے بڑی قیمت لے کر یہ گھوڑا اٹک پہنچا دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یار محمد خاں اور خادے خاں کے مارے جانے سے سید صاحب کی تحریک دو بڑے خطروں سے فی الوقت محفوظ ہوگئی۔ یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان حیرت انگیز فتوحات پر دوستوں کے حوصلے بڑھ گئے، دشمنوں، مخالفوں اور مذبذبوں کے دلوں پر رعب چھا گیا۔

جنگی فنون کی مشق

ورزش اور مختلف فنونِ حرب کی تعلیم کا زیادہ اہتمام اسی زمانے میں ہوا، نمازگاہِ جمعہ وعیدین کے پاس جو میدان تھا، اس میں اسپ سواری، نیزہ بازی، نشانہ بندی، شمشیرزنی وغیرہ کی باقاعدہ مشق ہوتی تھی۔ مختلف فنون کیلئے الگ الگ اکھاڑے بن گئے تھے، مثلاً:

۱۔ پھری گدکا اور رستم خانی: اس اکھاڑے کی ساری تعلیم شیخ عبدالوہاب اور خدا بخش ساکن منجھاؤں کے زیر اہتمام ہوتی تھی۔

۲۔ امردج: یہ اکھاڑہ میرزا احمدی بیگ شاہ جہان آبادی نے قائم کیا تھا۔

۳۔ غفورخانی: اس اکھاڑے کے استاد سید لطف اللہ اور امام الدین رامپوری تھے۔

۴۔ الپنی: اس فن کے استاد رجب خاں تھے۔

اسپ دوانی اور نشانہ بازی کی مشقیں الگ ہوتی تھیں۔

رسالدار کی تجویز

ایک روز سید صاحب اپنی قیامگاہ میں تشریف فرما تھے، مولانا شاہ اسماعیل، ارباب بہرام خاں، سردار فتح خاں پنجتاری، سید احمد علی بریلوی پاس تھے۔ فرمایا: ہمارا خیال ہے اب کسی کو رسالدار مقرر کردیں۔ سید احمد علی نے فوراً کہا کہ حمزہ علی خاں لوہاری والے اس کام کے لئے بہت موزوں ہیں، وہ بڑے ہوشیار اور بردبار آدمی ہیں۔ مولانا شاہ اسماعیل نے عبدالحمید خاں کا نام پیش کیا اور ارباب بہرام خاں نے مولانا کی تائید فرماتے ہوئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہا کہ عبدالحمید خاں واقعی فن سپہ گری میں بڑے ہوشیار، تجربہ کار اور بہادر ہیں۔

سید احمد علی نے کہا کہ ان اوصاف کا سب اعتراف کرتے ہیں، لیکن وہ مزاج کے بڑے تند ہیں اور بات بات پر ناخوش ہو جاتے ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مجھے میاں صاحب (مولانا شاہ اسماعیل) اور ارباب صاحب کی تجویز بہتر معلوم ہوتی ہے۔

اگلے روز سید صاحب نے مولانا، ارباب، سید احمد علی، شیخ عبدالحکیم، شیخ ولی محمد وغیرہ کو جمع کیا، پھر عبدالحمید خاں کو بھی بلایا اور فرمایا: خان بھائی! ہم کئی روز سے کسی کو رسالدار مقرر کرنا چاہتے تھے، تو ہم نے آپ کو یہ عہدہ دیا، آپ ان بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم دیتے رہیں۔

عبدالحمید خاں نے عذر کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! میں فرمانبردار ہوں، لیکن میرا مزاج ذرا تند ہے اور یہ امر اختیاری نہیں کہ چھوڑ دوں۔ شاید بھائیوں کو میری افسری گراں گذرے، یہ کام خدا کے واسطے ہے اور عام رئیسوں کی سی فوج کا نہیں۔ سید صاحب نے سراپا شفقت بن کر فرمایا: خان بھائی! آپ اس کا اندیشہ نہ کریں، ہم دعاء کریں گے، امید ہے اللہ تعالیٰ مزاج کی تیزی دور کر دے۔

اہم تقرر

پھر اپنا عمامہ دست مبارک سے عبدالحمید خاں کے سر پر باندھا اور فرما دیا دوشالہ اور رومال دونوں میں سے جو پسند ہو لے لیجئے۔ خان نے رومال لے لیا، ایک سروہی سنہری قبضے کی جو خود ان دنوں باندھتے تھے، اس کا پرتلہ سابری تھا، خان کے گلے میں ڈال دی۔ یہ سروہی نواب امیر الدولہ نے سید صاحب کو نذر میں دی تھی اور نواب کو یہ راجا مان سنگھ والیٔ جودھ پور سے ملی تھی۔ ایک تلوار عنایت کی اور گھوڑا دے دیا جو نواب وزیر الدولہ نے ٹونک سے عبدالحمید خاں کے ہاتھ سید صاحب کیلئے بھیجا تھا، پھر برہنہ سر ہو کر دعاء کی کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ کفار پر کامیابی عطا کرے۔

رسالدار عبدالحمید خاں نے ایک اشرفی اور پانچ روپے بطور نذر پیش کئے، پھر وہاں سے نکل کر سیدھے مسجد میں گئے اور شکرانے کے دو نفل پڑھے۔

جنگ زیدہ کے بعد یہ عہدہ قائم ہوا اور سب سے پہلے عبدالحمید خاں نے اس پر تقرر کا شرف حاصل کیا۔ وہ شہید ہوئے تو حمزہ علی خاں کو رسالدار بنایا گیا۔ عبدالحمید خاں کے اخلاق وفضائل کی تفصیل کا یہ مقام نہیں بلاشبہ انکے مزاج میں ذرا تیزی تھی لیکن سب راوی متفق ہیں کہ رسالدار بننے کے بعد حلم، بردباری اور سلامت مزاج کا پیکر بن گئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سولھواں باب:

تربیلہ، ستھانہ اور امب

تربیلے پر حملے کی دعوت

ہزارہ میں محاذ جنگ قائم کرنے کی سعی سید صاحب نے ۱۸۲۷ء میں فرمائی تھی، لیکن حالات ایسے پیش آ گئے کہ اچانک وہاں سے لوٹنا پڑا۔ تاہم ہزارہ سید صاحب کی نگاہوں سے کبھی اوجھل نہ ہوا، انہیں صرف یہ انتظار تھا کہ سمہ میں قدرے اطمینان کی شکل پیدا ہو جائے تو ہزارہ پر توجہ کریں۔ جنگ ہنڈ و زیدہ کے بعد خان زمان مشوانی رئیس گنگر نے ایک عریضہ اپنے ایک عزیز کے ہاتھ بھیجا کہ تربیلہ (۱) سکھوں سے خالی پڑا ہے، اگر آپ غازیوں کی ایک جماعت کو کھبل (۲) بھیج دیں تو میری قوم (مشوانی) پختہ ارادہ کر چکی ہے کہ فوراً تربیلہ پر ہلہ بول کر اس اہم مقام کو قبضے میں لے لیا جائے اور خود تربیلہ کے مسلمان اس تجویز پر متفق ہیں، وہ ہماری پوری امداد کریں گے۔

خان زمان خاں سید صاحب کے اخلاص مندوں میں سے تھا، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اب کے خود اس طرف تشریف لے چلیں۔ چنانچہ زمان خاں کو لکھ دیا گیا کہ مجاہدین

(۱) تربیلہ کسی ایک بستی کا نام نہیں بلکہ ایک مقام کی چھوٹی بستیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس مقام پر سرن ندی دریائے سندھ میں ملتی ہے، پہلے یہاں شیشم کا گھنا جنگل تھا جو ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہہ گیا، اب تربیلہ میں کم و بیش گیارہ مواضع یا اطراف ہیں، جن کے نام یہ ہیں: تربیلی، ستھانہ، گوجرہ، ناملی، بیہرا، مورتی، باندی یا گدڑ باندی، ڈموں، تندول، جہاز، جھنو۔

(۲) کھبل دو ہیں، جو ایک دوسرے کے پاس پاس ستھانہ سے چھ میل جنوب میں تربیلہ کے عین متصل دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جلد پہنچیں گے، آپ تیار رہیں۔ پانچ چھ روز کے بعد سید صاحب نے ڈیڑھ سو سوار تین سو پیادے اور چھ یا آٹھ شاہینیں ساتھ لیں اور تربیلہ کی تسخیر کے لئے نکل پڑے۔ جو غازی پنجتار میں رہے، ان پر مولوی احمد اللہ ناگپوری کو امیر بنا دیا گیا۔

سید صاحب کی روانگی

پنجتار سے نکل کر دو روز مینئی میں رہے، جہاں غازیوں کے لئے پن چکیوں پر آٹا پستا تھا، وہاں پن چکیوں کا معائنہ کیا۔ سید حامد علی کو ہدایت فرمائی کہ جو غازی کھبل کی طرف جا رہے ہیں ان کی رسد وہاں بھیجی جائے، پھر گیارہ باڑہ پہنچے۔(۱) بھوڑ کے گھاٹ سے پچاس ساٹھ قندھاریوں کو پار اتار کر خان زمان خاں کے پاس گنگر بھیج دیا، اور خود باقی غازیوں کے ساتھ کھبل پہنچ گئے۔

سکندر پور (۲) سے جو راستہ تربیلہ آتا ہے، اس سے ذرا ہٹ کر تربیلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر بہادر کوٹ (۳) ایک مقام ہے۔ سید صاحب کے زمانے میں یہاں مضبوط قلعہ تھا، جس میں ہری سنگھ پانچ ہزار فوج لئے بیٹھا تھا۔ خان زمان خاں نے دو سو آدمی بہادر کوٹ کا راستہ روکنے کے لئے مقرر کر دیے، خود غازیوں اور اپنے آدمیوں کو لے کر تربیلہ پر حملہ کیا اور سارے خطے پر قبضہ جما لیا، صرف ایک گڑھی (۴) باقی رہ گئی، جس میں سوا سو سکھ فوجی تھے، اس کا محاصرہ ہو گیا، ارد گرد مورچے بن گئے اور فریقین

(۱) بھوڑ سمہ کے انتہائی مشرقی گوشے میں ٹوپی سے آگے دریا کے کنارے پر واقع ہے، اسے پکھلی کی جانب سے سمہ میں داخل ہونے کا دروازہ سمجھنا چاہئے۔

(۲) سکندر پور اس زمانے میں ہزارہ کا مشہور مقام تھا اور ہری پور موجود ہی نہ تھا۔ ہری سنگھ نلوہ نے اپنی گورنری کے زمانے میں سکندر پور کے پاس ایک گڑھی بنائی جس کا نام ہرکشن گڑھ رکھا، اس کے پاس بستی بس گئی جو ہری پور کے نام سے مشہور ہوئی۔ سکندر پور اب بھی موجود ہے اور اسے ہری پور کا ایک حصہ سمجھنا چاہئے۔

(۳) یہ مقام اب بھی موجود ہے لیکن آج اس کی کوئی اہمیت نہیں، نہ وہاں کوئی قلعہ ہے۔

(۴) کہتے ہیں یہ گڑھی پہاڑ اور دریا کے درمیان اس جگہ تھی جہاں آج کل تھانہ ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں آتش باری شروع ہوگئی۔

سکھوں کی آمد

عین اس حالت میں معلوم ہوا کہ ہری سنگھ کو تربیلہ پر شبخون کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ بہادر کوٹ سے فوج لیکر آ رہا ہے۔ جن لوگوں کو اس کا راستہ روکنے پر مامور کیا گیا تھا، وہ باجود قلت تعداد چار گھنٹے تک مقابلہ کرتے رہے، جب کثیر فوج کی روک تھام سے عاجز رہ گئے تو آس پاس کے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور ہری سنگھ آگے نکل گیا۔ اسکے بعد تربیلہ پر قابض رہنے کی کوئی شکل نہ تھی۔ خان زمان خاں نے اپنے آدمیوں کو آس پاس کے پہاڑوں پر بھیج دیا اور غازیوں کو کشتیوں میں بٹھا کر سید صاحب کے پاس کھبل پہنچا دیا۔

ہری سنگھ کے سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور غازیوں پر گولیاں چلانے لگے، سید صاحب یہ سارے حالات مقابل کے کنارے پر کھڑے دیکھ رہے تھے، آپ نے معا عبداللہ جمعدار، شیخ وزیر اور میرزا حسین بیگ کو حکم دے دیا کہ شاہین لگا کر سکھوں پر گولے برساؤ۔ غازیوں کی ایک جماعت دریا کے کنارے گھات پکڑ کر بیٹھ گئی، جب سکھ ان کی زد میں آئے تو غازیوں نے گولیوں کی بارش شروع کردی۔ سکھ اولاً ٹھٹک کر ٹھہر گئے، پھر تھوڑی دیر مقابلے کے بعد لوٹ گئے، فتدھاری غازی بہ اطمینان کھبل پہنچ گئے۔

متفرق چپقلشیں

کھبل کی جانب سے شاہینیں برابر چل رہی تھیں، سوءِ اتفاق سے ایک شاہین پھٹ گئی میرزا احمد بیگ چند قدم کے فاصلے پر بیٹھے تھے، ایک ٹکڑا ان کی پنڈلی میں لگا، جس سے ہڈی ٹوٹ گئی، چارپائی پر ڈال کر انہیں گاؤں پہنچایا گیا۔ سید صاحب نے نور بخش جراح سے مرہم پٹی کرائی۔

سکھ فوج سرن ندی کے کنارے ٹھہری رہی، دوسرے روز غازی ظہر کی نماز سے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فارغ ہوئے تو تین چار سو سکھ سوار کھبل کے محاذ میں نمودار ہوئے۔ سید صاحب کے حکم سے ٹیکری پر شاہینیں نصب کر کے گولہ باری شروع کر دی گئی۔ دو سوار مارے گئے، باقی پھر تیزی سے واپس چلے گئے۔

یہ غالباً دسمبر ۱۸۲۹ء کا زمانہ تھا جب کہ ان حصوں میں سخت سردی ہوتی ہے اور دریا کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے سید صاحب نے غازیوں میں اعلان کر دیا تھا، اگر کسی بھائی کو غسل کی حاجت ہو اور گرم پانی نہ مل سکے تو ازالۂ نجاست کے بعد تیمم کر کے نماز ادا کرے، ایسا نہ ہو کہ ٹھنڈے پانی میں غسل موجب مضرت بن جائے۔

تیسرے دن سکھ رات کی تاریکی میں دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر چھپ کر بیٹھ گئے، صبح کے وقت غازی اور عام مسلمان وضو کے لئے دریا پر پہنچے تو سکھوں کی گولیاں آئیں لیکن کسی غازی کو گزند نہ پہنچا۔ کھبل کی طرف سے شاہینیں چلنے لگیں چند سکھ مقتول ہوئے، باقی بھاگ گئے۔ تربیلہ سے ایک ملکی آیا تو اس نے بتایا کہ دو تین روز کی لڑائیوں میں دس گیارہ سکھ مارے گئے اور ان سے زیادہ زخمی ہوئے۔

پنجاب کے ایک شاہین چی نے بھری ہوئی شاہین کو خالی سمجھ کر اس میں مزید گولی بارود بھر لی، شاہین چلائی تو وہ پھٹ گئی، ایک ٹکڑا اس بیچارے کی کنپٹی پر لگا اور اندر گھس گیا۔ اس صدمے سے اس مرحوم نے دو تین گھڑی بعد وفات پائی۔

ساداتِ ستھانہ

سید صاحب ابھی کھبل ہی میں تھے کہ سید اکبر شاہ ستھانوی اپنے بھائی سید اصغر شاہ اور بعض دوسرے عزیزوں (مثلاً سید نور جمال ساکن منڈی اور سید کامل شاہ) کو ساتھ لے کر ملاقات کے لئے پہنچے۔ ان ساداتِ کرام کے ساتھ مکاتبت مدت سے جاری تھی، اور ان کے اخلاق کریمہ کی وجہ سے سید صاحب اور تمام غازیوں کے دل میں ان کے لئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاص عزت پیدا ہو گئی تھی۔ مولوی سید جعفر علی نقوی فرماتے ہیں:

اخلاقِ کریمہ ایں سادات خصوصاً سید اکبر شاہ بیروں از بیان است ودفا از ابتدا تا انتہا یکساں نمودند۔(۱)

ترجمہ : ان سادات خصوصاً سید اکبر شاہ کے اخلاقِ کریمہ دسترس ذکر و بیان سے باہر ہیں۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک وہ اخلاص ووفا میں برابر ثابت قدم رہے۔

"وقائع" میں ہے:

سید اکبر شاہ کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کا بیان کہاں تک کروں۔جس نے ان کو دیکھا ہے اور ان کی صحبت اٹھائی ہے وہی خوب واقف ہے کہ ایسا خوش خلق، خندہ رو، کشادہ پیشانی، سلیم الطبع، سلیم المزاج، سخی، شجاع، صاحب تدبیر، صاحب دل، راست گفتار اور حضرت امیر المومنین کا مخلص بے ریا اور محبِ باوفا اور معتقدِ صادق کوئی رئیس اس ولایت میں نہ تھا۔(۲)

ان بیانات کا ایک ایک حرف درست ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ جو کچھ بیان ہوا حقیقت حال اس سے کہیں زیادہ ہے۔ سرحد میں یہی ایک خاندان ہے جس کے ہر فرد کا ایک ایک لمحہ سید صاحب کے ساتھ ابتدائی تعلق سے لے کر ان کی شہادت تک بے توقف اخلاص ومحبت کے ساتھ تمام دینی مقاصد کی اعانت کے لئے وقف رہا، اور یہی ایک خاندان ہے جس نے سید صاحب کی شہادت کے بعد اپنی جانوں اور مالوں کو بالکل بے غرضانہ اور بے دریغ مجاہدین کی خدمت کے لئے وقف کیا، یہاں تک کہ ان سادات کو پشتوں کے وطن ستھانے سے بھی محروم ہونا پڑا، پھر وہ چھتیس میل پہاڑوں میں ملکا نام ایک مقام پر جا بیٹھے، وہاں سے بھی محروم ہوئے اور اس دنیا میں نام نیک کے سوا کوئی متاع باقی نہ رکھی۔ پھر اسی خاندان کے ایک فردِ جلیل سید عبد الجبار شاہ صاحب ستھانوی نے اپنے

(۱) "منظورہ" ص:۵۸۸ (۲) "وقائع" ص:۱۱۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اجداد کرام کی ویران سکونت گاہوں کے نشان از سر نو قائم کیے۔ ستھانہ کم و بیش پچاس برس تک صفحۂ ہستی سے محو رہنے کے بعد دوبارہ آباد ہوا۔ سید صاحب کی ذات گرامی اور ان کی مقدس دینی تحریک کی برکات، اعزاز و احترام میں آج بھی سادات ستھانہ کے گھرانے کا پرچم سرحد میں سب سے اونچا ہے۔

ستھانہ کی سرگزشت

پہلے مجملاً بتایا جا چکا ہے کہ یہ سادات کرام سید علی ترمذی غوث بنیر کے اخلاف میں سے تھے۔ سید اکبر شاہ کے جد امجد سید ضامن شاہ اپنے آبائی وطن تختہ بند سے نکل کر دہلی گئے، راستے میں پکھلی کے ایک افغان سردار نے اپنی صاحبزادی ان سے بیاہ دی۔ دہلی سے ان کو نوشہرہ کا علاقہ جاگیر میں ملا، لیکن آپ آزاد منش اور سیر چشم تھے، اس جاگیر کو بے توقف دوسروں کے حوالے کر دیا۔ اوتمان زئیوں نے انہیں ستھانہ کی اراضی دے دیں، جہاں ایک آبادی قائم کی، پکھلی بلکہ پورا ہزارہ ان کا معتقد و مخلص تھا۔ شجاعت اور خدا دوستی کے لحاظ سے اپنے عہد میں یگانہ تھے، پکھلی میں دورے پر گئے ہوئے تھے، یقہ میں اچانک وفات پائی، میت کو ستھانہ لا کر دفن کیا گیا۔

ان کے دو فرزند تھے: سید شاہ مردان اور سید شاہ گل عرف شاہ جی۔ سید شاہ مردان والد کی وفات کے بعد نوجوانی ہی میں واصل بحق ہو گئے۔ سید شاہ گل کی شادی گندف میں سید شیر شاہ کی صاحبزادی سے ہوئی، جو ان کا ہم خاندان تھا، گندف اور ستھانہ کے درمیان رشتہ داریوں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

سید اکبر شاہ

سید شاہ گل بڑے عابد و زاہد اور صلح کل بزرگ تھے۔ اپنے پیچھے چھ فرزند چھوڑے: سید اعظم شاہ، سید اکبر شاہ، سید عمر شاہ، سید عمران شاہ، سید اصغر شاہ اور سید شاہ مدار۔ ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں سے ہر ایک اپنے خاندان کی عزیز ترین متاع یعنی فضائل اخلاق، دینداری، محبت واخلاص اور راہِ حق میں ایثار وقربانی کا پیکر تھا۔ سارے بھائیوں میں باہم انتہائی محبت تھی، لیکن سید اکبر شاہ درخشاں ستاروں کی اس انجمن میں بدرِ منیر کی حیثیت رکھتے تھے۔

سید اعظم شاہ سب سے بڑے تھے، ان کی شادی احمد علی خاں پلال کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، جو صوبہ خانی تنولیوں کا رئیس تھا۔ یہ صاحبزادی نواب خاں رئیس ہندول تنولی کی حقیقی بھانجی تھی، اور اس کی دوسری بہن سردار پائندہ رئیس امب ودربند کی بیگم تھی۔ رشتہ داریوں کی اس سرسری تفصیل سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ساداتِ ستھانہ کا خاندان دنیوی وجاہت میں بھی اس عہد کے بلند ترین گھرانوں میں شمار ہوتا تھا، اور دینی وجاہت میں تو نہ پہلے علاقہ سرحد میں کسی کو اس کی ہمسری نصیب ہوئی اور نہ بعد میں کوئی اس کے رتبۂ عالی پر پہنچ سکا۔

سید شاہ گل کی وفات کے بعد قاعدے کے مطابق دستارِ قیادت سید اعظم شاہ کے سر پر رکھی گئی لیکن کچھ مدت بعد سید اعظم نے بہ طیب خاطر یہ اعزاز سید اکبر شاہ کے حوالے کردیا، تاہم ان کا اعزازِ بزرگی بدستور قائم رہا، بلکہ ان بھائیوں کے باہمی تعلقات کے محبت وگرمجوشی کو دیکھتے ہوئے ان کے درمیان چھوٹے بڑے کا امتیاز پیدا کرنا ہی غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ستھانہ میں مشورے

سید اکبر شاہ ملاقات کے بعد خواہاں ہوئے کہ سید صاحب ستھانہ تشریف لے چلیں اور کہا کہ ستھانہ سے یہی ارادہ لے کر گھر سے نکلا تھا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ سید بھائی! انشاء اللہ کل چلیں گے۔

اس اثناء میں سید حسن شاہ اور شاہ ماجعدار سردار پائندہ خاں کی طرف سے آرزو دے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملاقات کا پیغام لے کر پہنچ گئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہم پہلے اکبر شاہ کے ساتھ ستھانہ جانے کا وعدہ کر چکے ہیں، اپنے خان سے جا کر کہو کہ ہم ستھانہ میں ٹھہریں گے، پھر جو کچھ وہ فرمائیں اس کے متعلق ستھانہ ہی میں ہمیں اطلاع دے دینا۔

چنانچہ سید صاحب دوسرے روز ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ ستھانہ چلے گئے، باقی سب کو کھنگل میں چھوڑ دیا۔ سید اکبر شاہ کے سارے بھائی انتہائی محبت و عقیدت سے ملے، ان کی والدۂ ماجدہ بھی زندہ تھیں۔ سب نے بیعت کی۔ سید اکبر شاہ نے سارے لشکر کے لئے پلاؤ پکوایا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو الگ بیٹھ کر پاینده خاں سے ملاقات کے متعلق مشورہ کیا، جس میں سید صاحب اور سید اکبر شاہ کے علاوہ صرف مولانا شاہ اسمٰعیل اور منشی خواجہ محمد شریک تھے۔

سید اکبر شاہ نے جو کچھ مولانا شاہ اسمٰعیل سے ۱۸۲۷ء میں کہا تھا، اسے پھر دہرایا یعنی یہ کہ یہاں لوگوں میں عہد کی پابندی اور اخلاص و وفا بہت کم ہے اور سردار پاینده خاں بھی اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں۔ (۱) مزید کہا کہ ہمارے عزیزوں میں سید نادر شاہ ایک بزرگ اور جہاندیدہ آدمی ہیں۔ وہ پاینده خاں کے والد کے زمانے سے ریاست امب کے مشیر ہیں، انہیں منڈی سے بلا لیتا ہوں تا کہ آپ کو زیادہ صحیح مشورہ مل جائے۔ سید صاحب خود منڈی جانے کے لئے تیار تھے، لیکن سید اکبر شاہ نے نادر شاہ اور ان کے بھائی کو ستھانہ بلا لیا۔

تنولیوں کی داستان

پاینده خاں تنولی کے دل و دماغ کی صحیح کیفیت اسی صورت میں واضح ہو سکتی ہے کہ وہ فضا اور ماحول آنکھوں کے سامنے آجائے، جس میں اس نے تربیت پائی۔ اس سلسلے

(۱) "منظورہ" ص: ۵۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں تنولیوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

تنولی دو گروہ تھے: ایک پلال اور دوسرا ہندوال۔ پلالوں کی ریاست ہزارہ سے کر پلیاں تک تھی اور ہندوال اگرور سے دربند اور وہاں سے تین میل جنوب تک کے مالک تھے۔ ریاست کا منصب سب سے پہلے پلالوں نے حاصل کیا، جن میں سے اول صوبہ خاں رئیس بنا، پھر اس کا بیٹا سرفراز خاں بعد ازاں گل شیر خاں۔ ہندوالوں میں سب سے پہلے ہیبت خاں نے بلند حیثیت حاصل کی اور گلی بدر ہال کو اپنا مرکز بنایا، پھر دونوں گروہوں میں لڑائیاں چھڑ گئیں، صلح اس بات پر ہوئی کہ ہیبت خاں کی صاحبزادی گل شیر خاں کے فرزند احمد علی خاں سے بیاہ دی جائے، اور گل شیر خاں کی صاحبزادی کی شادی ہیبت خاں کے خلف اکبر ہاشم علی خاں سے ہو جائے۔ یہ انیسویں صدی کے اوائل کے واقعات ہیں۔ ان رشتہ داریوں کے بعد آپس میں اختلاف کا کیا اندیشہ تھا؟ لیکن گل شیر خاں اور ہیبت خاں کی وفات کے بعد جب دونوں ریاستوں کے مالک بالترتیب احمد علی خاں اور ہاشم علی خاں بنے تو اول الذکر کی بے چین طبیعت امن و صلح پر مطمئن نہ رہ سکی، اس لیے دوبارہ لڑائی چھڑ گئی، جس میں خود اس نے سخت شکستیں کھائیں۔

بدقسمتی سے وہ اپنے دوسرے عزیزوں کو دشمن بنا چکا تھا، جب اسے بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہ دی تو اپنے بہنوئی ہاشم علی خاں سے صلح کا طریق یہ سوچا کہ اپنی بہن کو بلا لیا، اور اسے اطمینان دلا کر ہاشم علی خاں کو پیغام بھیجا کہ وہ برادرانہ آئے اور اپنی اہلیہ کو لے جائے۔ ہاشم علی خاں انتہائی صاف دل تھے صرف چالیس آدمی لے کر گیا، جو اس عہد کے رئیسوں کے ساتھ عموماً رہتے تھے۔ احمد علی خاں نے اسے اپنے قلعہ میں قتل کر دیا اور لاش بیوہ بہن کے ہمراہ گلی بدر ہال بھیج دی، جہاں ہاشم علی خاں کا چھوٹا بھائی نواب خاں مقیم تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواب خاں

نواب خاں فی الفور انتقام کیلئے تیار ہوگیا، احمد علی خاں درۂ تندھیاڑ کی طرف بھاگا، جہاں اس کے ایک عزیز سربلند خاں نے اسے پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ اس کی دو لڑکیاں تھیں، ایک کی شادی سید اعظم شاہ تھانوی سے ہو چکی تھی، دوسری اپنی والدہ (ہمشیرہ نواب خاں) کے ساتھ سربلند خاں کی قید میں تھی۔ نواب خاں نے انہیں قید سے رہائی دلائی، ہاشم علی خاں کی بیوہ سے خود شادی کر لی اور بڑے اطمینان سے ریاست کا کاروبار انجام دینے لگا۔

سوء اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ نواب خاں بھی مصائب کا ہدف بن گیا۔ کشمیر سے سردار عظیم خاں کی والدہ کا مال جا رہی تھی، نواب خاں کے آدمیوں نے اس کا کچھ مال لوٹ لیا، عظیم خاں نے جوشِ انتقام میں نواب خاں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور راستے میں اسے دریائے لنڈے میں غرق کرا دیا۔

پائندہ خاں اس وقت سولہ سترہ برس کا ہوگا، وہ بھی والد کے ساتھ گرفتار ہوا تھا لیکن نواب خاں نے ایک حیلے سے اس کیلئے رہائی کی صورت پیدا کر دی اور تاکیداً وصیت کی کہ کبھی کسی سردار یا حاکم یا رئیس سے صاف دلی کے ساتھ نہ ملنا۔ کسی پر بھروسا نہ کرنا اور سب سے الگ تھلگ رہنا۔

پائندہ خاں

سید نادر شاہ نے بتایا کہ پائندہ خاں کی تربیت ابتدا ہی سے شکوک و بے اعتمادی کی فضا میں ہوئی۔ دورِ مصائب میں حسن زئیوں اور مدا خیلوں کے علاوہ ساداتِ ستھانہ اور الف خاں پنجتاری (والد فتح خاں) نے اس کی امداد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، لیکن پائندہ خاں نے قدم جماتے ہی الف خاں سے عشرہ، حسن زئیوں سے چھتربائی اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مداخیلوں سے بھیت گلی کے علاقے چھین لئے۔ ستھانہ بھی لینا چاہتا تھا لیکن اکبر شاہ اور اس کے بھائیوں کا نصیب یاور تھا، اس لئے پائندہ کامیاب نہ ہوا۔

اس نے خود مجھ سے کئی بار ذکر کیا کہ والد کی وصیت کے مطابق میرا دل کبھی کسی رئیس یا حاکم سے صاف اور مطمئن نہیں ہوا، بایں ہمہ آپ کے نزدیک پائندہ خاں سے ملاقات ضروری ہے تو یہاں سے آدھے کوس پر کھڑی ہے، پائندہ خاں کو اس مقام پر بلا لیجئے، اس کا دل صاف ہوگا تو بے توقف چلا آئے گا۔

سید صاحب کا ارشاد

سید صاحب نے نادر شاہ کی تکلیف کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ عقل کی رو سے آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔

جو سردار اور رئیس جاہ طلب اور دنیادار ہیں، ان سب کا یہی برتاؤ ہے، ان کو اول خطرہ اپنی جان کا ہوتا ہے، دوسرا زوال ریاست کا۔ ہمارا معاملہ تو خواہ دین کا ہو یا دنیا کا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر موقوف ہے۔ اس کی رضا کے کام میں جان و مال صرف کرنا سعادت ابدی سمجھتے ہیں۔ کوئی ہم سے دغا اور فریب کرے گا تو ہمارا دین بگاڑے گا نہ ایمان۔ اس کا عوض وہ اللہ سے پاوے گا، ہم کو خطرہ کس بات کا ہے؟ ہم پائندہ خاں سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ رئیس، خان اور مرد آدمی ہے، اگر وہ ہم سے موافق ہو جائے تو اس کے عمل میں سے ہو کر ہمارے لئے راستہ کشمیر کا صاف ہو جائے اور لوگ بے دغدغہ آنے جانے لگیں۔ کھڑی پر بلانے سے ممکن ہے وہ بدگمان ہو جائے۔ (۱)

(۱) "منظورہ" میں ہے کہ سید صاحب نے فرمایا: ہر چند سخن ہمچنیں است کہ آں برادر (سید نادر شاہ) بیان فرمودند، اما از طرف جائے مقرر نمودن ضرور نہ دارد، ہر چہ کہ دل او بخواہد ملاقات نماید۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید نادر شاہ نے کہا کہ حضرت اگر خالصۃً للہ یہی نیت ہے تو بہر صورت آپ کا فائدہ ہے، نقصان کسی طور کا متصور نہیں۔(۱)

ملاقات کا فیصلہ

پائندہ خاں کے متعلق سید صاحب کی رائے بھی درست تھی، سید اکبر شاہ اور سید نادر شاہ نے جو کچھ کہا تھا وہ بھی صحیح تھا۔ خان یقیناً بہادر، بلند ہمت اور باتدبیر رئیس تھا، اس کی ریاست ایسے موقع پر واقع تھی کہ مشرقی سمت میں یعنی ہزارہ یا کشمیر کی طرف کوئی تحریک اس کی سرگرم اعانت کے بغیر شروع نہیں ہو سکتی تھی اور اس کی شجاعت و اولوالعزمی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ سب سردار سکھوں سے دب گئے، لیکن وہ ہزاروں مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود بدستور مقابلے پر جما رہا۔

یہ بھی درست ہے کہ اس کے والد کی وصیت جس موقع پر اور جن حالات میں ہوئی تھی، وہ بڑے درد انگیز تھے، اور اس وصیت کا نقش اس کے دل پر اس طرح جما کہ پھر وہ کسی پر بھروسے کا اہل نہ رہا۔ اس کی طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ شکوک سے لبریز اور غیر مطمئن قلب کے آئینے میں اسے ساری دنیا سراسر مکر وفریب نظر آتی تھی۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی کوتاہی تھی، جس نے اسے بعض اہم اسلامی خدمات میں بھی تعاون سے باز رکھا۔ لوگوں کی نظروں میں صرف یہ کوتاہی تھی، سید صاحب کے سامنے اس کے محاسن بھی تھے۔ انہیں امید تھی کہ ممکن ہے اللہ کے فضل سے اس کا دل شک وریب کے زنگ سے پاک ہو جائے۔

غرض ملاقات کا فیصلہ ہو جانے کے بعد پائندہ خاں کے وکیل آئے تو انہوں نے پیغام دیا کہ خان عشرہ میں ہے، وہیں دریا کے کنارے بڑ کے نیچے ملاقات ہوگی۔ تھوڑے سے آدمی ساتھ لے کر آپ تشریف لے آئیں۔ سید صاحب نے یہ دعوت قبول فرمائی۔

(۱) ''وقائع'' ص: ۱۱۹۲-۱۱۹۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سترہواں باب:

پایندہ خاں کی فرمانبرداری اور سرکشی

سید صاحب کو اندازہ ہو چکا تھا کہ پایندہ خاں کی شکی طبیعت اس کیلئے وجہ مصیبت بنی ہوئی ہے، اس کا علاج یہی تھا کہ راہ و رسم پیدا کر کے عملاً اسے یقین دلایا جاتا کہ شکوک واوہام میں مبتلا رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب ملاقات کا وقت اور مقام طے ہو گیا تو سید صاحب نے مولانا شاہ اسماعیل سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ زیادہ آدمی نہ جائیں، تاکہ خان کے دل میں سوءظن نہ پیدا ہو۔ مولانا نے عرض کیا کہ ستھانہ میں سب آدمیوں کو روکنے کی ضرورت نہیں، جائے ملاقات سے تھوڑے فاصلے پر جن جن کو چاہیں روک دیں اور جن جن کو چاہیں ساتھ لے لیں۔ سید صاحب کی معیت کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب تجویز ہوئے:

۱۔ مولانا شاہ اسماعیل	۲۔ منشی خواجہ محمد (حسن پوری)
۳۔ مولوی امام الدین بنگالی	۴۔ شیخ شرف الدین بنگالی
۵۔ شیخ ناصر الدین پھلتی	۶۔ شیخ عبدالرؤف پھلتی
۷۔ زبردست خان رائے بریلوی	۸۔ شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی
۹۔ حافظ صابر تھانوی	۱۰۔ حافظ عبدالرحمٰن پھلتی
۱۱۔ شیخ عنایت اللہ (منڈھیاؤں ضلع بنارس)	۱۲۔ شیخ عبدالرحمٰن خیرآبادی

مولانا نے بہ نظر احتیاط چوبیس آدمیوں کو بطور خود منتخب کر کے حکم دے دیا کہ دریا کنارے کی اوٹ میں مقام ملاقات کے قریب پہنچ جاؤ اور وہاں جا کر اوٹ میں تیار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھڑے رہو۔ اگر خان یا کسی دوسرے آدمی کی طرف سے مخالفانہ حرکت کا ذرا سا بھی احساس ہو تو بجلی کی تیزی سے حضرت کے پاس پہنچ کر انہیں اپنی حفاظت میں لے لینا۔ ان اصحاب کے نام ذیل میں درج ہیں:

۱۔ شیخ علی محمد دیوبندی
۲۔ ابراہیم خاں خیرآبادی
۳۔ امام خاں خیرآبادی
۴۔ محمد خاں خیرآبادی
۵۔ گلاب خاں دوآبہ گنگ و جمن
۶۔ محمود خاں لکھنوی
۷۔ کریم بخش بنارسی
۸۔ چراغ علی رامپوری
۹۔ شیخ نجم الدین رام پوری
۱۰۔ حاجی عبداللہ رام پوری
۱۱۔ شیخ نصرت بانس بریلوی
۱۲۔ مراد خاں خورجوی
۱۳۔ بخش اللہ خاں خورجوی
۱۴۔ ولی داد خاں خورجوی
۱۵۔ شیخ نصر اللہ خورجوی
۱۶۔ سید ظہور اللہ بنگالی
۱۷۔ سید لطف اللہ بنگالی
۱۸۔ قاضی مدنی بنگالی
۱۹۔ ملا بازار قندھاری
۲۰۔ ملا عزت قندھاری
۲۱۔ ملا عمر خاں قندھاری
۲۲۔ ملا لعل محمد قندھاری
۲۳۔ پیر خاں پھلکیت
۲۴۔ شیخ علی عظیم آبادی (۱)

اس احتیاطی تدبیر کا علم غالباً سید صاحب کو بھی نہ تھا، عجیب بات یہ ہے کہ پائندہ خاں نے بھی مقامِ ملاقات سے ایک گولی کی زد پر دامن کوہ میں، جہاں غزاسکا کا جنگل تھا، پانسو پیادے چھپا رکھے تھے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ (۲)

(۱) بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ چوبیس آدمی سید صاحب کے ساتھ گئے تھے، جس مقام پر جا کر ٹھہرے مولانا نے وہاں سے انہیں دریا کے کنارے ٹھہرنے کے لئے بھیج دیا۔

(۲) عشرہ و ستھانہ سے تقریباً تین میل شمال میں ہوگا، پرانے سب اور عشرہ کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ تھا، اب ان مقامات پر دریا کے کنارے اوٹ کی کوئی جگہ نہیں۔ ۱۸۳۱ء کی طغیانی میں دریائے سندھ ... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ملاقات

سید صاحب ظہر کی نماز پڑھ کر تیار ہوئے، کمر میں تلوار اور تمنچہ باندھا اور ہاتھ میں برچھا لیا۔ سواری کے لئے عبدالحمید خاں رسالدار کا گھوڑا طلب فرمایا۔ پہاڑ سے گذر کر عشرہ کے قریب پہنچے تو پاندہ خاں کے وکیل پیشوائی کے لئے موجود تھے، انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ آدمی زیادہ ہیں ۔ سید صاحب نے سب کو روک دیا اور صرف بارہ آدمی ساتھ لئے جو پہلے سے تجویز ہو چکے تھے۔ جب مقامِ ملاقات پچاس ساٹھ قدم رہ گیا تو مزید دس آدمیوں کو روک دیا، صرف مولانا شاہ اسماعیل اور خواجہ محمد ساتھ رہے۔

عشرہ سے باہر نکل کر دریا کی جانب دامن کوہ میں بڑ کا ایک بھاری درخت تھا، اس کے نیچے عمدہ چبوترہ بنا ہوا تھا، پاندہ خاں کے وکیل سید حسن شاہ نے اس پر فرش بچھا کر سید صاحب کو بٹھایا، خان ایک گولی کے فاصلے پر کھڑا تھا، اس نے زرہ، چار آئینہ اور خود پہن رکھا تھا، صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ سید صاحب بیٹھ گئے تو خان پہنچا، مصافحہ و معانقہ اور مزاج پرسی کے بعد سید صاحب نے فرمایا:

> خان بھائی! آپ کسی بات کا اندیشہ نہ کریں، آپ ہمارے بھائی ہیں، ملاقات کی غرض محض یہ ہے کہ ہم اپنے پروردگار کا حکم جاری کر سکیں، آپ کی عملداری سے کشمیر کا راستہ ہے، دریائے اباسین کی کشتیاں آپ کے قبضے میں

گذشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ... کے اردگرد کی زمین تیرہ تیرہ گز گہرائی میں کھد گئی تھی، لہٰذا ان مقامات کے جس نقشے کا ذکر متن میں ہے، اسے آج کل موقع پر تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ ستھانہ اور عشرہ کے درمیان ایک کھڑی بھی تھی یعنی پہاڑ کی ایک کم بلند دیوار عین دریا کے کنارے تک پہنچی ہوئی تھی اور آنے جانے والے اس کے اوپر سے گذرتے تھے، اس وجہ سے دریا کے کنارے کنارے ستھانہ سے عشرہ جانا سہل نہ تھا، فرمانروائے امب نے اس کھڑی کو کٹوا دیا اور آج کل یہ راستہ ہموار ہے۔ ستھانہ سے عشرہ جانے کا ایک راستہ پہاڑ سے بھی تھا، سید صاحب ملاقات کے لئے اسی راستے سے گئے تھے، جائے ملاقات کے سلسلے میں بڑ کے جس درخت کا ذکر ہے وہ بھی ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہہ گیا تھا۔ بعد میں اس کی جگہ نیا بڑ لگا دیا گیا، وہ آج کل موجود ہے۔ اس سے جائے ملاقات کا نشان مل سکتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لوگ اللہ تعالیٰ کے کاروبار کے لئے آپ کی عملداری میں سے آئیں جائیں تو کوئی ان کا حارج اور مزاحم نہ ہو۔ اگر آپ بھی للہ فی اللہ اس کار خیر میں شریک رہیں گے تو اللہ تعالیٰ دین اور دنیا میں فلاح اور خیر عطا کرے گا۔

پائندہ خاں نے عرض کیا کہ آپ پیر و مرشد اور امام ہیں اور ہم مطیع و فرمانبردار، جو کچھ آپ فرماتے ہیں، مجھے منظور ہے۔

خان کی پریشانی

سید صاحب چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعے سے طریق کار کے متعلق مزید تفصیلات طے کر لیں، لیکن پائندہ خاں ڈرا ہوا تھا اور اس کی روش سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ملاقات کو جلد سے جلد ختم کرنا چاہتا ہے۔ سید صاحب نے اس کے لئے ایک دستار رومال میں بندھوا کر ساتھ لے لی تھی، چاہتے تھے کہ اپنے دست مبارک سے دستار اس کے سر پر باندھیں، لیکن اس نے رومال سمیت دستار اٹھائی اور عرض کیا کہ مکان پر جا کر باندھ لوں گا۔

اس اثناء میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ پائندہ خاں کے سوار باگیں اٹھائے آ رہے ہیں، غازیوں کی جو جماعت دریا کے کنارے متعین تھی وہ تیزی سے جائے ملاقات پر پہنچ کر سید صاحب اور پائندہ خاں کے گرد حلقہ بنا کر کھڑی ہو گئی۔ پائندہ خاں پر اور بھی گھبراہٹ طاری ہو گئی، لیکن سید صاحب نے اسے تسلی دی۔ آخر میں فرمایا:

خان بھائی! آپ خدا کیلئے ہم سے مل رہے ہیں، کار خیر میں شرکت کر لیجئے، آپ کی عملداری سکھوں کی سرحد سے ملی ہوئی ہے، ہم آپ کو ایک ضرب توپ اور ایک ہاتھی دیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملاقات ختم ہوگئی، دن تھوڑا رہ گیا تھا، سید صاحب فیصلہ فرما کر گئے تھے کہ خان روکے گا تو عشرہ میں رات گزار لیں گے، لیکن پائندہ خاں نے ایک مرتبہ بھی نہ کہا کہ ٹھہر جائیے۔ بلکہ کہا: میں دعوت کا سامان ستھانہ پہنچادوں گا، گویا چاہتا تھا کہ سید صاحب تشریف لے جائیں۔ عشاء کے وقت سید صاحب ستھانہ پہنچے، اس وقت پائندہ خاں کی طرف سے دو اونٹ آئے، ایک پر باریک چاول لدے ہوئے تھے، دوسرے پر دو مٹکے شہد کے اور دو مٹکے گھی کے تھے۔(۱)

مراجعت

ستھانہ سے سید صاحب نے لشکر کے بڑے حصے کو مولانا کے ہمراہ کھتل بھیج دیا، خود چنئی (۲) تشریف لے گئے، جہاں ایک ملا سے ملاقات منظور تھی، وہ اصلاً مانسہرہ کا تھا، لیکن جب وہاں سکھوں کا عمل دخل ہوا تو ہجرت کر کے آزاد علاقے میں پہنچ گیا، اس ملا سے مل کر سید صاحب بہت خوش ہوئے، تین راتیں اس کے پاس گزاریں۔

چنئی میں آپ کو اچانک یہ خبر ملی کہ درانیوں نے موقع پا کر قلعہ ہنڈ پر حملہ کیا اور غازیوں کی جو جماعت وہاں موجود تھی، اس سے قلعہ خالی کرالیا۔ اب وہ پنجتار پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی آپ نے مولانا کو لکھا کہ جلد سے جلد گندف (۳) میں ملئے۔ چنانچہ مولانا سے گندف میں ملاقات ہوئی تو فیصلہ فرمایا کہ پنجتار جانا ضروری ہے، جھنڈا بوکا پہنچے تو فتح خاں پنجتاری استقبال کے لئے موجود تھا۔

پنجتار پہنچ کر شیشم کے درختوں میں آپ نے ظہر کی نماز ادا کی، بہت سے ملکی ملاقات

(۱) "وقائع" میں ہے کہ چاول خچر پر لدے ہوئے تھے، گھی اور شہد کے مٹکے مزدوروں کے سر پر تھے۔

(۲) چنئی ستھانہ کے پیچھے پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔

(۳) یہ گندف پہاڑوں کے بیچ میں چنئی سے پنجتار کے راستے پر واقع ہے، دوسرا گندف تربیلہ سے آگے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے سے ذرا ہٹا ہوا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے لئے آئے ہوئے تھے۔ وہاں سرداران پشاور کے عزمِ پنجتار کا ذکر چھڑا تو سید صاحب نے برسرِ مجلس فرمایا: وہ کیا کریں گے؟ میرے پاس پانسو گھوڑے ہیں، غازیوں کو دور دراز کی رسید دیکر ایک ایک گھوڑے پر دودو کو سوار کر کے بھیج دوں گا تو پشاور سے ادھر دم نہ لیں گے۔ یہ خبر سرداروں تک پہنچ گئی تو وہ سب مخالفانہ تدبیروں سے دست کش ہو کر پشاور کی حفاظت کے انتظامات میں لگ گئے۔

ہنڈ پر حملہ

سلطان محمد خاں کے متعلق تو معلوم ہو چکا ہے کہ سید صاحب کے خلاف اقدام میں اسے یار محمد خاں سے اتفاق نہ تھا، لیکن اس کی اور یار محمد خاں کی والدہ بار بار زور دے رہی تھی کہ بھائی کے خون کا بدلہ لو، بلکہ ایک موقع پر والدہ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تم نے کچھ نہ کیا تو میں خود باہر نکل کر فریادی بنوں گی اور سب لوگوں کو اٹھا کر سید پر چڑھائی کرادوں گی۔ جب سید صاحب کھبل اور ستھانہ کی طرف چلے گئے تو سلطان محمد خاں نے سمجھا کہ والدہ کی خواہش کو پورا کرنے کا اچھا موقع نکل آیا ہے، چنانچہ اس نے فوج لے کر ہنڈ پر حملہ کر دیا، قلعے میں صرف ساٹھ غازی تھے، اخوند ظہور اللہ جہانگیرے والے ان کے افسر اور محمد خاں پنجابی اخوند کے نائب تھے۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، محاصرہ کئی دن جاری رہا۔ سلطان محمد خاں کی فوج کا ایک فرنگی افسر محاصرے کا مہتمم تھا۔(۱) اس نے ایک روز غازیوں کو پیغام بھیجا کہ مقابلہ بے سود ہے، باہر سے کمک پہنچ نہیں سکتی بلکہ کمک کے لئے پیغام بھی بھیجنا مشکل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ قلعہ حوالے کر دو، میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اسلحہ سمیت عزت سے نکال دوں گا۔

غازیوں نے یہ شرط قبول کر لی، قلعہ حوالے ہو گیا تو سلطان محمد خاں غازیوں کو ساتھ

(۱) روایتوں میں اس کا نام کہیں نہیں بتایا گیا ہے، مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ انگریز تھا یا فرانسیسی یا اطالوی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لے کر پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ فرنگی افسر سے کہا کہ خٹک کے علاقے میں پہنچ کر انہیں رخصت کر دیا جائے گا۔ جب غازیوں سے ہتھیار لے کر انہیں قیدی بنا لیا گیا تو فرنگی افسر کو بدعہدی پر سخت رنج ہوا، اور وہ سلطان محمد خاں کو چھوڑ کر نوشہرہ چلا گیا۔

غازیوں کی جوانمردی

اب سلطان محمد خاں روزانہ مجلس میں بڑ مارنے لگا کہ تمام غازیوں کو پشاور لے جا کر بھائی کی قبر پر ذبح کروں گا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب مرنا ہی ہے تو لڑ کر کیوں نہ مریں۔ چارسدہ پہنچے تو انہیں ایک کمرے میں بند کر کے پہرے لگا دیے گئے، ایک غازی کے پاس چھری رہ گئی تھی، رات کے وقت اس چھری سے کام لے کر مکان کے پچھواڑے میں نقب کا بندوبست کیا گیا۔ جب آدمی کے لئے بے تکلف نکل جانے کا راستہ بن گیا تو ہر غازی نے دیوار سے لگے ہوئے، پتھروں میں سے دو دو اٹھا لئے اور بے باکانہ باہر نکل پڑے۔ بعض لوگوں نے انہیں دیکھ کر شور مچایا کہ سید کے غازی شبخون مارنے کے لئے آ پہنچے۔ اس سے سلطان محمد خاں کی سپاہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ غازی اس خداداد مہلت سے فائدہ اٹھا کر تین فرسنگ نکل گئے۔

اب یہ مشورہ ہوا کہ کہاں جائیں۔ بعض نے کہا کہ امیر المومنین کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے، قلعے کی حوالگی نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا، اب حضرت کو کیا منہ دکھائیں؟ لیکن محمد خاں پنجابی نے کہا کہ بھائیو! ہمارا جینا اور مرنا حضرت کے ساتھ ہے، کچھ بھی ہو ہمیں وہیں جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ بیس غازیوں کو لے کر پنجتار پہنچ گئے۔ سید صاحب نے ان کی مردانگی کی داد دی اور پنجتار آنے کے فیصلے پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

سلطان محمد خاں نے ہنڈ کو خادے خاں کے بھائی امیر خاں کے حوالے کر دیا، اسے تنہا قلعے سنبھالے رکھنا مشکل نظر آیا تو سکھوں سے مدد مانگی۔ سکھوں نے سات سو آدمی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہنڈ بھیج دیے، جب قاضی سید محمد حبان علاقہ سمہ کا دورہ کرتے ہوئے ہنڈ پہنچے تو سکھ قلعے کو خالی کر گئے، اس بارے میں تفصیلی حالات موقع پر بیان ہوں گے۔

سید صاحب کے عزائم

پاینده خاں سے ملاقات کے بعد سید صاحب فوراً پنجتار نہیں آنا چاہتے تھے، اسی لئے لشکر کو کھبل میں ٹھہرنے کا حکم دے دیا تھا کہ جلد سے جلد پکھلی میں پیش قدمی کی جائے۔ پنجتار پر حملے کے خطرے کی اطلاع پا کر لوٹنے پر مجبور ہوئے۔ جب اطمینان ہوگیا کہ سردارانِ پشاور کسی فوری اقدام کی ہمت نہیں رکھتے تو پھر پکھلی میں محاذِ جنگ پیدا کرنے کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ اس اثناء میں ناصر خاں بھٹ گرامی، سربلند خاں تنولی، کمال خاں اگروری، امان اللہ خاں عشرہ والے، مدد خاں (برادر پاینده خاں) راجا زبردست خاں مظفر آبادی کے عرائض بھی پہنچ گئے کہ ہم اعانت کے لئے ہمہ تن حاضر ہیں۔ چنانچہ سید صاحب نے غازیوں کے ایک جیش کو مقدمے کے طور پر مولانا شاہ اسماعیل کی قیادت میں بھیج دینے کا فیصلہ فرمایا اور ان سے کہہ دیا کہ جیسے حالات پیش آئیں، ان کے مطابق آیندہ کے لئے پروگرام بنالیا جائے۔ مولانا خیر الدین شیر کوٹی کو شاہ اسماعیل کا نائب بنایا گیا۔

پاینده خاں کی مزاحمت

شاہ صاحب نے ستھانہ پہنچ کر پاینده خاں کو اطلاع دی کہ ہم امیر المومنین کے حکم سے پکھلی جا رہے ہیں، آپ کشتیاں تیار رکھیں۔ خان کی طرف سے بالکل خلاف توقع یہ جواب آیا کہ میں امیر المومنین کا فرمانبردار ہوں، لیکن اگر آپ میری ریاست میں سے گذریں گے تو ہری سنگھ (ہزارہ کا سکھ گورنر) مجھے تنگ کرے گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زبان سے اقرار اطاعت اور عمل میں صریح نافرمانی کا یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر شاہ صاحب حیران رہ گئے۔ بلاشبہ سکھوں کی طرف سے آزار کا اندیشہ غیر معقول نہ تھا، لیکن پائندہ خاں تو ابتدا سے سکھوں کے خلاف لڑ رہا تھا اور اس نے مصالحت منظور نہیں کی تھی، بلکہ سکھوں نے اس کے کچھ علاقے بھی دبا رکھے تھے۔ جو شخص بجائے خود سکھوں کا مخالف تھا اسے سید صاحب کی اعانت کے سلسلے میں سکھوں کی طرف سے مخصوص آزار کا کیا خوف ہوسکتا تھا؟ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ سید صاحب نے ملاقات کے دوران میں اس سے صرف ایک رعایت طلب کی تھی اور وہ یہ کہ آمد ورفت میں غازیوں کے لئے سہولت پیدا کی جائے۔ اس رعایت کو وہ ظاہراً بہ دل وجان قبول کر چکا تھا، اس وقت اسے سکھوں کی طرف سے اندیشۂ آزار کا خیال کیوں نہ آیا؟

شاہ صاحب نے دوبارہ لکھا کہ آپ ایک طرف امیر المومنین کی فرمانبرداری کے دعویدار ہیں، دوسری جانب سکھوں کے خوف سے ہمارا راستہ روک رہے ہیں، حالانکہ سکھوں سے آپ کے تعلقات بدستور معاندانہ ہیں، یہ کیسی فرمانبرداری ہے؟ اگر آپ اپنے علاقے میں سے عبورِ دریا کی اجازت کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں تو ہم کسی دوسرے گھاٹ سے گذر جائیں گے، لیکن اس حالت میں بھی بھیٹ گلی سے گذرنا ناگزیر ہے، جو آپ کی عملداری میں شامل ہے۔ اس گذرہی کی اجازت دے دیجئے۔ پائندہ خاں نے جواب دیا کہ امب ہو یا بھیٹ گلی، میرے علاقے میں سے ہرگز نہ گذریے، ورنہ لڑائی ہوجائے گی۔

تفہیم کی مساعی

شاہ صاحب خودستھانہ میں ٹھہر گئے، سید صاحب کو پورے حالات لکھ بھیجے اور پوچھا کہ اب کیا حکم ہے؟ سید صاحب نے پکھلی کے ان اصحاب سے مشورہ کیا جو آپ کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پاس موجود تھے۔ انہوں نے عرض کہ رُکنا خلافِ مصلحت ہے، پیش قدمی کا حکم دیجئے اور خود بھی ادھر ہی تشریف لے چلئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ لڑائی اچھی معلوم نہیں ہوتی، کشمیر کی طرف جانا بھی ضروری ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ میاں صاحب (مولانا شاہ اسماعیل) کو بغرض مشورہ بلالیا جائے، نیز پاینده خاں کو للہ فی اللہ سمجھایا جائے، اگر وہ مان گیا فہو المراد، ورنہ جیسا کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔(۱)

شاہ صاحب آئے تو سید صاحب نے فرمایا کہ ہم جس بات کا ارادہ کرتے ہیں، یہاں ایک نہ ایک مسلمان حارج ہو جاتا ہے اور وہ کام نہیں ہونے پاتا۔ مشورے کے بعد سید صاحب نے خود پاینده خاں کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم کارو بارِ دین کے لئے آپ کی عملداری میں سے گذر کر جانا چاہتے ہیں، ہمارے ساتھ شرکت کیجئے۔ اگر شرکت ممکن نہ ہو تو کم سے کم مزاحمت نہ کیجئے، یہ بھی آپ کا احسان ہوگا۔(۲) اس کا جواب بھی وہی آیا کہ میں فرمانبردار ہوں لیکن اس راستے سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا، اگر آپ زور و قوت سے کام لیں گے تو لڑائی ہو جائے گی۔

اس کے بعد قدم آگے بڑھانے کے سوا چارہ نہ رہا۔ مسلمانوں کی کتنی کم نصیبی تھی کہ سید صاحب نے سمہ میں جہاد کا جو انتظام کیا تھا وہ سردارانِ پشاور اور رئیس ہنڈ کی وجہ سے متوقع نتائج پیدا نہ کر سکا۔ کشمیر کی سمت پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو پاینده خاں راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ لطف یہ کہ وہ سید صاحب کی فرمانبرداری کا دعویدار تھا اور سکھوں کے ساتھ

(۱) یہ "وقائع" کا بیان ہے۔ ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ مولانا کو بلایا نہیں تھا بلکہ خط لکھ دیا تھا کہ پیش قدمی میں عجلت نہ کریں اور پاینده خاں کو نرمی سے سمجھائیں۔ "منظورہ" کی عبارت ہے: "بذریعہ خط آں جناب مولانائے ممدوح حاضر پنجتار گردیدند۔" گویا اس سے "وقائع" کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۲) خط کی عبارت یہ تھی: "لشکر ما بہ سمت کشمیر می رود۔ راہ از ملک شما است و بجز تائید دین دیگر غرض ما نیست پس شما کہ دعوائے تابعداری ما مے کنید، مے باید کہ خود شریک حال ما باشید والا از رفتن آں طرف مزاحم نہ شوید۔ خیر دنیا و دین شما در ہمیں است۔"

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کی جنگ جاری تھی۔

سید صاحب چھتّی میں

سید صاحب نے توپوں کو محفوظ مقام پر دفن کرایا۔(۱) بی بی صاحبہ اور بعض دوسرے غازیوں کی خواتین کو دکھاڑہ بھیج دیا، جو پنجتار سے اڑھائی تین کوس پر پہاڑوں میں زیادہ محفوظ مقام تھا۔ سید احمد علی اور رسالدار عبدالحمید خاں سے فرمایا کہ کھبل ہوتے ہوئے، پیر خاں کی جماعت کو ساتھ لے کر ستھانہ پہنچ جائیں، چنانچہ وہ ٹوپی اور کھبل ہوتے ہوئے ستھانہ گئے تو معلوم ہو گیا کہ پائندہ خاں لڑائی کی تیاری میں مشغول ہے۔ یہ اطلاع سید صاحب کو بھیج دی، سید اکبر شاہ نے دو روز تک پورے لشکر کی مہمانداری کی، پھر رسد بٹنے لگی، سید صاحب پابئی ٹھہرتے ہوئے، چھتّی پہنچے تو آپ کے ساتھ مندرجہ ذیل اصحاب بھی تھے:

شاہ اسماعیل، ارباب بہرام خاں، مولوی محمد حسن (رام پور منہاران)، شیخ ولی محمد پھلتی، شیخ عبدالحکیم پھلتی، ملا لعل محمد قندھاری، اخوند قطب الدین قندھاری، ملا عزت قندھاری، شیخ بلند بخت دیوبندی، شیخ علی محمد دیوبندی، صوفی نور محمد بنگالی، مولوی وارث علی بنگالی، مولوی امام الدین بنگالی، مولوی خیر الدین شیرکوٹی، سید اسماعیل رائے بریلوی، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، مولوی عثمان علی عظیم آبادی، مولوی باقر علی عظیم آبادی، جعفر خاں ترین، میرزا احمد بیگ پنجابی، حاجی عبداللہ رام پوری، حافظ امام الدین رام پوری، امام خاں خیرآبادی، ابراہیم خاں خیرآبادی، حافظ مصطفیٰ کاندھلوی (نبیرۂ مفتی الٰہی بخش)

---

(۱) اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ پہلے مولوی احمد اللہ سے فرمایا کہ توپوں کو ٹیلے سے اتار کر پنجتار لے آئیں، مقام دفن خاص اصحاب کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ توپوں کو چرخوں سے اتارا اور اونٹوں پر لاد کر دفن کے مقام پر لے گئے، جن آدمیوں سے اتارنے چڑھانے میں مدد لی گئی، ان سے اخفا کا حلف بھی لیا گیا تھا اور ان کی آنکھوں پر پٹی بھی باندھ دی گئی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قاضی علاؤ الدین بکھروی، میانجی چشتی بڑھانوی، خواجہ محمد حسن پوری، قاضی احمد اللہ میرٹھی، قاضی حمایت اللہ تھانوی، قاضی برہان الدین تھانوی، امان اللہ خاں خان خیل (عشرہ)، ناصر خاں بھٹ گرامی، قاضی سید محمد حبان، مدد خاں (برادر پائندہ خاں)۔

چنگی میں پہنچ کر شاہ اسماعیل کو لشکر کا امیر بنایا، ان سے کہا کہ آپ لڑائی میں پہل نہ کریں، فریق مخالف پیش دستی کرے تو آپ حفاظت کے لئے جو مناسب سمجھیں، عمل میں لائیں۔ پھر سارے قافلے کو دعائے خیر کے بعد مداخیل کی جانب روانہ کیا۔ مدعا یہ تھا کہ پائندہ خاں پر جنوب اور شمال مغرب دونوں سمتوں سے دباؤ ڈالا جائے، خود سید صاحب کے پاس صرف ساٹھ غازی رہ گئے۔

مولانا کی روانگی

شاہ اسماعیل نے چنگی سے رخصت ہو کر پہلا مقام گھائی میں کیا، جہاں کے باشندوں نے دستور کے مطابق کھانا کھلایا۔ مدد خاں ساتھ تھا، راستے میں باڑہ نام ایک بستی آتی تھی، جو پائندہ خاں کی عملداری میں تھی، اگرچہ اس کے کنارے کنارے جانا تھا لیکن اندیشہ تھا کہ پائندہ خاں کے آدمی تعرض نہ کریں، اس لئے مدد خاں کو پہلے سے باڑہ میں بھیج دیا گیا کہ لوگوں کو سمجھا دیا جائے، پھر شاہ صاحب ڈگوہ پہنچ گئے، اس وقت مقامی خوانین میں سے مندرجہ ذیل اصحاب آپ کے ساتھ تھے:

۱۔ رحمت خاں، رئیس تگرئی۔ ۲۔ سرور خاں، رئیس مداخیل

۳۔ غلام خاں، رئیس مداخیل۔

شاہ صاحب نے دو سو غازی ڈگوہ میں چھوڑے، خود باقی غازیوں کو لے کر فرو سے چلے گئے، جو ڈگوہ سے کوس سوا کوس کے فاصلے پر تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھارہواں باب:

عشرہ اور امب کی جنگیں

مقامات کا نقشہ

اب سب سے پہلے مقامات کا نقشہ سامنے رکھ لینا چاہئے، جس کے بغیر فریقین کی جنگی تدابیر کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔

۱۔ امب اور ستھانہ دونوں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ہیں، پہلے یہ موجودہ سطح سے بارہ تیرہ گز بلندی پر واقع تھے، ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں زمین کھد گئی، امب آج کل چھوٹا سا گاؤں ہے، اسے امب قدیم کہتے ہیں۔ طغیانی کے بعد پائندہ خاں نے دو تین میل شمال میں نیا امب آباد کر لیا تھا، اس کا نام امب جدید ہے۔ پرانے امب اور ستھانہ کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہوگا۔

۲۔ عام پہاڑی علاقوں کی طرح اس مقام کے پہاڑوں میں بھی جا بجا چھوٹے بڑے نالے بہتے ہیں، نالوں کی گذرگاہیں ہی راستوں کا کام دیتی ہیں۔ ایک بڑا نالہ مہابن سے نکل کر مختلف مقامات کے چکر لگاتا ہوا امب اور ستھانہ کے عین وسط میں پہاڑ سے باہر نکل کر دریا میں ملا ہے، اس کا نام ''بھیٹ گلی'' ہے۔ یہ بارہ تیرہ میل سے کم لمبا نہ ہوگا۔

۳۔ بھیٹ گلی کے آغاز میں اس کے مغربی کنارے پر ڈیگوہ ہے اور اس سے دو تین میل نیچے فروسہ دریا میں داخل ہونے کے مقام پر، ٹیلے کے اوپر عشرہ آباد ہے، اس کا فاصلہ امب اور ستھانہ سے یکساں ہے۔

۴۔ عشرہ کے مقابل بھیٹ گلی کے مغربی کنارے پر درے کے اندر ایک اونچا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ٹیلہ ہے، جس کی حیثیت ایک برج کی سی ہے، یہ بارہ سو فٹ اونچا ہوگا، اس کا نام کوہ کنیر ڑی ہے، اور اس پر کنیر ڑی نام گاؤں آباد ہے۔

۵۔ عشرہ سے متصل شمالی جانب ایک اور اونچا ٹیلہ ہے، اس پر بھی ایک بستی آباد ہے، جس کا نام کوٹلہ ہے۔

۶۔ دریا کی جانب سے عشرہ کے مقام پر پہاڑوں میں داخل ہوں تو بھیٹ گلی سے ہوتے ہوئے فردسہ اور دیگرہ پہنچتے ہیں۔

۷۔ امب کے عین پیچھے ایک گلی ہے، جس سے ہوتے ہوئے بھیٹ گلی میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اسے گلنگوی کہتے ہیں۔ گلنگوی کا جو سرا بھیٹ گلی سے ملتا ہے، اس جگہ گوجر ہٹیاں نام بستی آباد ہے، دوسرا سرا امب کے سر پر ہے، یہاں بھی پیدل آ جا سکتے ہیں۔

فریقین کی فوجیں

اب فریقین کے فوجوں کا نقشہ پیش نظر لایئے:

۱۔ غازیوں کی بڑی فوج ستھانہ میں تھی، اس کے سپہ سالار سید احمد علی (خواہر زادہ سید صاحب) تھے اور نائب سالار رسالدار عبدالحمید خاں۔

۲۔ پورے محاذ کی فوج کے سپہ سالار اعظم مولانا شاہ اسماعیل تھے، جو فردسہ میں مقیم تھے۔

۳۔ شاہ اسماعیل نے دو سو غازیوں کو دیگرہ میں ٹھہرا رکھا تھا، قندھاری غازی فردسہ سے نیچے بر جانب امب مقیم تھے۔

۴۔ پاینده خاں کا مرکز امب میں تھا وہیں اس کی فوج رہتی تھی، لیکن فوج کا ایک حصہ اس نے عشرہ میں متعین کر رکھا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنگی اسکیمیں

پائندہ خاں کی اسکیم یہ تھی کہ کچھ سپاہی بھیج کر کوہ کنیر ڑی پر مورچے قائم کر لئے جائیں۔ اس طرح عشرہ کے لئے حفاظت کا پورا بندوبست ہو سکتا تھا، نیز ستھانہ، فردسہ اور دیگروہ میں بیٹھے غازیوں کے درمیان رشتۂ اتصال منقطع کیا جا سکتا تھا، لیکن پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں اور دوسرے مقامی خوانین سے پورے حالات معلوم کر کے مولانا کوہ کنیر ڑی کی اہمیت کا اندازہ فرما چکے تھے، اس لئے انہوں نے غازیوں کی ایک جماعت کو اس پر قبضے کی غرض سے بھیج دیا۔ ارباب بہرام خاں تہکالی کو اس کا امیر بنایا، ساتھ ہی فرمایا کہ اگر ارباب کو کوئی ناگوار حادثہ پیش آ جائے تو شیخ بلند بخت دیوبندی امیر بنیں، ان کے بعد مولوی امیر الدین پھر امام خاں خیرآبادی، امام خاں کے بعد غازی جسے چاہیں امیر بنالیں۔ مدد خاں کو اس جماعت کے ساتھ بھیجا۔

اس جماعت کو حکم دے دیا کہ کنیر ڑی پر قبضہ کر لینے کے بعد عشرہ کی جانب اترا جائے۔ سید احمد علی کو ستھانہ حکم بھیج دیا کہ صبح غازیوں کو لے کر عشرہ کے میدان میں پہنچیں، خود فردسہ سے پیش قدمی کا ارادہ فرمایا۔

اب آپ غور فرمائیں کہ مولانا کی جنگی اسکیم کتنی عمدہ تھی، اگر پائندہ خاں عشرہ کی جانب بڑھتا تو مولانا گلنگو ی کے راستے امب پہنچ سکتے تھے۔ اگر وہ خود گلنگو ی کے راستے فردسہ پر پیش قدمی کرتا تو ستھانہ کی فوج عشرہ اور امب پر قابض ہو جاتی۔ اگر وہ امب میں بیٹھا رہتا تو مولانا جنوب اور شمال مغرب دو سمتوں سے امب پر بڑھتے۔ (۱)

(۱) جو لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ غازی محض علمائے دین تھے اور انہیں فنون حرب سے چنداں آگاہی نہ تھی، وہ محض اس جنگی نقشے کو دیکھ کر اندازہ فرما سکتے ہیں کہ غازیوں کی مہارت حربیات کا درجہ کتنا بلند تھا، سید عبد الجبار شاہ ستھانوی کو میں نے یہ تفصیلات سنائیں تو انہوں نے فرمایا کہ جو مقاصد مولانا کے سامنے تھے، ان کے حصول کے لئے اس سے بہتر نقشہ ذہن میں نہیں آ سکتا۔ بڑے سے بڑا جرنیل بھی ان مقاصد کے لئے وہی نقشہ جنگ بنائے گا، جو مولانا نے بنایا۔

فریب صلح

پائندہ خاں کو کھیر ڑی پر غازیوں کے قبضے کی اطلاع ملی تو اسے معلوم ہو گیا کہ اب ان کی دوہری زد سے بچنا مشکل ہے، گھبرا کر اس نے صلح کا جال بچھایا۔ مولانا کو پیغام بھیجا کہ میں تو فرمانبردار ہوں جو گستاخی ہوئی اس پر نادم ہوں، بہ صدق دل توبہ کرتا ہوں آپ بھی میرا قصور معاف فرمادیں۔ صبح پانچ سات غازی لیکر بانڈہ تشریف لے آئیں۔(۱) میں بھی وہیں پہنچ جاؤں گا، پھر بات چیت کر کے آخری فیصلہ کرلیا جائے گا۔

مولانا اس پر بے حد خوش ہوئے، اس لئے کہ وہ پائندہ خاں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے، سید صاحب کا حکم بھی یہی تھا، ساتھ ہی آپ نے ایک حکم کوہ کھیر ڑی کے غازیوں کو بھیج دیا کہ پہاڑ پر ہوشیار بیٹھے رہیں اور روانگی ملتوی کردیں۔ اگر روانہ ہو چکے ہوں تو واپس چلے جائیں اور ستھانہ میں ٹھہریں۔

سید احمد علی روانہ ہو چکے تھے، سپہ سالار اعظم کا حکم راستے میں ملا، انہوں نے وہیں سے گھوڑے کی باگ پھیر لی، رسالدار عبدالحمید خاں اور سید اکبر شاہ ستھانوی دونوں کی رائے تھی کہ مولانا کو جو خط پائندہ خاں نے بھیجا ہے وہ فریب پر مبنی ہے، اور پلٹنا نہیں چاہئے بلکہ عشرہ کے میدان میں پہنچ جانا چاہئے۔ اس لئے کہ پائندہ خاں کے لشکر کی تیاری صاف نظر آتی تھی، لیکن سید احمد علی نے فرمایا: میں سپہ سالار اعظم کے حکم سے مجبور ہوں، وہی کروں گا جو انہوں نے فرمایا ہے۔(۲)

(۱) یہ مقام فردوس سے قریب، امب کی سمت ہے۔

(۲) روایت میں ہے کہ سید اکبر شاہ نے فرمایا: میں اس معاملے میں پائندہ خاں کے فریب کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنے ہاتھ کو۔ واپس نہ چلیں، دو چار گھڑی اس مقام پر ٹھہرے رہیں حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی۔ سید احمد علی نے جواب دیا: بھائی سید اکبر! آپ بجا فرماتے ہیں، میرے خیال میں بھی یہی بات ہے، مگر کیا کروں امر اطاعت سے ناچار ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فریب کھل گیا

غرض پائندہ خاں کے فریب صلح کے باعث غازیوں کے ہر جیش کی ساری جنگی تدابیر معطل ہو گئیں۔(۱) اگلے روز مولانا دس بارہ آدمیوں کے ساتھ بانڈہ جانے کیلئے تیار ہو گئے، جہاں پائندہ خاں نے بھیت گلی کے رحمت خاں کو اس غرض سے بٹھا رکھا تھا کہ جس طور بھی ممکن ہو مولانا کو گرفتار کر لیا جائے۔ شیخ ولی محمد اور قاضی سید محمد حبان نے مولانا کو روک دیا اور کہا کہ ہم اتنے تھوڑے آدمیوں کے ساتھ آپ کو نہ جانے دیں گے، اگر پائندہ خاں بانڈہ پہنچ جائیگا تو آپ بھی چلے جائیں، ورنہ ہم سب آپکے ساتھ جائیں گے۔

پائندہ خاں نے رحمت خاں کو بانڈہ بھیج کر اپنا پورا لشکر تیار کر لیا، اس میں تقریباً ایک ہزار پیادے اور دو سو سوار تھے۔ کچھ متفرق لوگ بھی میں شامل ہو گئے تھے۔ اس نے تین زنبورکیں اونٹوں پر سوار کرائیں، گھوڑے پر نقارہ رکھوایا۔ یہ لشکر لے کر امب سے روانہ ہوا، پیادے عشرہ میں داخل ہو گئے، سوار ستھانہ کی جانب رُخ کر کے میدان میں کھڑے ہو گئے۔ کوہ کنیر ڑی کے غازی بلندی سے یہ پورے حالات دیکھ رہے تھے، مولانا کی طرف سے اطلاع مل چکی تھی کہ پائندہ خاں صلح پر آمادہ ہے، غازیوں کے سامنے جنگ کا نقشہ پیش ہو رہا تھا، مدو خاں کی بھی رائے تھی کہ پائندہ خاں نے دغا کی۔

کوہ کنیر ڑی پر حملہ

خان کو جب یقین ہو گیا کہ آمادگی صلح کے اظہار نے ڈیگوہ، فروسہ اور ستھانہ کے غازیوں کو مطمئن کر کے بٹھا دیا ہے، تو اس نے سوچا کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کوہ

(۱) پائندہ خاں کی آمادگی صلح کو بے توقف قبول کر لینے پر تعجب نہیں ہونا چاہئے، نہ یہ غلط فہمی مناسب ہوگی کہ غازی بہت سادہ لوح تھے، انجانی مجبوری کی مہلت میں جنگی تدابیر اختیار کرنی پڑیں تھیں، جب دیکھا کہ مقاصد بلا جنگ پورے ہو سکتے ہیں تو خطرات سے بالکل بے پروا ہو کر صلح پر راضی ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھیر ڑی کے غازیوں کو ختم کر دینا چاہئے اور اس پہاڑ پر قبضہ کر لینے کے بعد دوسرا قدم اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ دفعتہ اس کے پیادے اور سوار دو دو گروہوں میں بٹ گئے، سواروں کا ایک غول کھیر ڑی سے آگے بڑھ کر بھیٹ گلی میں فروسہ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، دوسرا غول ستھانہ کے راستے پر جم گیا۔ پیادوں کے ایک گروہ نے کھیر ڑی کے دائیں جانب سے پیش قدمی شروع کی، دوسرے نے بائیں جانب سے۔

کھیر ڑی کے غازیوں کو آٹا نہیں ملا تھا، صرف مکئی میسر آئی تھی۔ بعض مکئی بھون چکے تھے، بعض بھون رہے تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی کھانے سے فراغت پائی اور نماز ادا کر کے مقابلے کیلئے تیار ہو گئے۔ مصیبت یہ تھی کہ پیش آمدہ حالات کی اطلاع نہ فروسہ بھیج سکتے تھے اور نہ ستھانہ، اس لئے کہ سارے راستے بند ہو گئے تھے۔

جنگ

پایندہ خاں کے آدمی کھیر ڑی کے دونوں جانب سے اوپر چڑھنے لگے، غازی انہیں قدم قدم پر روکتے رہے، ابتدائی حملے ہی میں چھ غازی شہید ہو گئے، جن میں سے صرف چار کے نام معلوم ہو سکے: سید ظہور اللہ بنگالی، فیض الدین بنگالی، حاجی عبداللہ رام پوری اور سید مدد علی۔ غازیوں کی پوزیشن لحظہ بہ لحظہ نازک ہو رہی تھی، غور و فکر کے بعد مدد خاں نے یہ تجویز پیش کی کہ اجازت ہو تو میں بیس غازی لے کر چوٹی پر پہنچ جاؤں وہاں مورچے جما کر پایندہ خاں کے آدمیوں کو اوپر چڑھنے سے روکنا سہل ہو گا۔ ارباب بہرام خاں نے حسب عادت فرمایا: بسم اللہ۔

اس اثناء میں سید دلاور علی کے گولی لگی، وہ گرے تو غازیوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ نیچے پایندہ خاں کے آدمی پاؤں پکڑ کر کھینچنے لگے۔ امام خاں خیر آبادی نے ذرا آگے بڑھ کر بندوق سر کی معاً ایک گولی ان کی کنپٹی میں لگی اور وہ وہیں شہید ہو گئے، بڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شجاع اور باتدبیر غازی تھے۔ مولانا شاہ اسماعیل نے جنگ کے بعد فرمایا کہ دشمن کے ساتھ رزم و پیکار کے لیے انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں، بعض صاحب تدبیر ہوتے ہیں، بعض شجاع و دلاور، بعض دونوں خصوصیتوں کے جامع ہوتے ہیں، یعنی مدبر بھی اور شجاع بھی۔ محض باتدبیر لوگ ہمیں اس مقام پر کام نہیں دے سکتے، اس لیے کہ یہ مقام شجاعت کا ہے نہ کہ تدبیر کا۔ منشی محمدی انصاری بولے: امام خاں دونوں خصوصیتوں کے حامل تھے اور شیخ ولی محمد میں بھی دونوں جوہر موجود ہیں۔

غیبی امداد

امام خاں کی شہادت غازیوں کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی، بہ ظاہر لڑائی کا رنگ بگڑ گیا تھا۔ شیخ بلند بخت دیوبندی نے ارباب سے عرض کیا کہ آپ اپنی جگہ پر جمے رہیں اور مجھے اجازت دیں تو کچھ تدبیر کروں۔ ارباب نے فرمایا: بسم اللہ۔ شیخ چند غازیوں کو لے کر مولوی خیر الدین شیرکوٹی کے مورچے پر پہنچے، جو کنیر ڑی کے بائیں جانب تھا، انہیں امام خاں کی شہادت کی خبر دی۔ ساتھ ہی کہا کہ کچھ غازی میں لایا ہوں کچھ آپ لیں اور پہاڑ سے نیچے اُتر کر پہلو سے پائندہ خاں کے لشکر پر حملہ کریں۔ مولوی صاحب تیار ہو گئے، چنانچہ دونوں نے نیچے اُتر کر حملہ کیا۔ اس اثناء میں نالے کی جانب سے قرابینیں چلنے کی آواز آئی۔ تھوڑی دیر میں قندھاری غازی نمودار ہوئے، پائندہ خاں کے جو سوار فروسہ کا راستہ روکے کھڑے تھے وہ بھاگ نکلے۔ ساتھ ہی وہ پیادے بھی میدان چھوڑ کر فرار ہو گئے جنہوں نے دو جانب سے کنیر ڑی پر حملہ کر رکھا تھا۔

قندھاریوں اور بعض دوسرے اصحاب کے وہاں پہنچنے کا قصہ یہ ہے کہ شیخ ولی محمد نے کنیر ڑی کی طرف سے گولیوں کی آواز سنی تو مولانا سے عرض کیا کہ یہ تو جنگ کا نشان ہے، مولانا بولے کہ تنولی یونہی گولیاں چلایا کرتے ہیں، شیخ کو اطمینان نہ ہوا، وہ قاضی سید محمد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحبان کو ساتھ لے کر فردوسہ سے نیچے مولوی نصیر الدین کے پاس پہنچے، جن کے ساتھ پچاس ساٹھ پنجابی غازی تھے، پاس ہی قندھاری غازی ٹھہرے ہوئے تھے۔ شیخ ان سب کو لے کر گولیوں کی آواز پر چل پڑے، اس طرح خدا نے اپنی رحمت سے غازیان کنیر ڑی کے لئے کمک کا بندوبست کر دیا۔

عشرہ اور کوٹلہ پر قبضہ

پایندہ خاں اب تک عشرہ میں تھا اور اپنے آدمیوں کو للکار للکار کر لڑائی کا حوصلہ دلا رہا تھا۔ سواروں اور پیادوں کو بھاگتے دیکھا تو خود بھی عشرہ کو چھوڑ کر امب کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس کے بچے کھچے آدمی اب زور شور سے پکار پکار کر کہہ رہے تھے: "خان جل گیا رے" یعنی خان چلا گیا۔ جس کے کان میں یہ آواز پڑی وہ معاً بھاگ نکلا، غازیوں نے تھوڑی دیر میں عشرہ پر قبضہ جما لیا۔

پایندہ خاں کے لشکریوں میں عظیم موتراش بڑا نشانچی تھا، اس نے خان سے پچیس گولیاں لی تھیں اور کہا تھا کہ جنگ کے بعد اتنے ہی غازیوں کی لاشیں گن لینا۔ بھاگڑ پڑی تو وہ بھی جان بچا کر نکلا، اس نے بڑے گھیرے والی شلوار پہن رکھی تھی۔ ایک کھیت کی خاربندی سے کودا، شلوار کا پائینچا خاربندی میں اُلجھ گیا اور وہ اوندھے منہ گرا، جو غازی تعاقب میں آ رہے تھے انہوں نے تلواریں مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

عشرہ پر قبضہ ہو گیا لیکن کوٹلہ میں پایندہ خاں کے آدمی بیٹھے زور شور سے گولیاں چلا رہے تھے۔ شیخ ولی محمد نے غازیوں سے کہا بھائیو! اب کوٹلہ کا بھی فیصلہ کر لو۔ غازی شیروں کی طرح حملہ آور ہوئے۔ کوٹلہ چند لمحوں میں خالی ہو گیا۔ اس سلسلہ میں چند غازی زخمی ہوئے۔ خدا بخش رام پوری کو پنڈلی میں گولی لگی۔ حافظ صابر تھانوی کا ہاتھ زخمی ہوا۔ عبدالقادر بنگالی کے مونڈھے پر زخم آیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ ولی محمد کوٹلہ سے پہاڑ کے اوپر اوپر امب کے قریب پہنچ گئے، پایندہ خاں انہیں دیکھتے ہی امب کو چھوڑ کر چھتر بائی چلا گیا، جو چند میل شمال میں تھا۔

ستھانہ کے غازی

شیخ ولی محمد گولیوں کی آواز سن کر کنیر ڑی کی طرف آئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف غازیانِ کنیر ڑی کو شدید مخمصے سے نجات ملی بلکہ عشرہ اور کوٹلہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ جو غازی ستھانہ میں بیٹھے تھے وہ بھی برابر گولیوں کی آواز سن رہے تھے، عبد الحمید خاں رسالدار نے سید احمد علی سے کہا کہ لڑائی شروع ہو چکی ہے اور ہمیں جلد سے جلد پہنچنا چاہیے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ سید احمد علی کو بھی مولانا شاہ اسماعیل کی طرح یہی خیال آیا کہ تولی یونہی گولیاں چلایا کرتے ہیں، کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہوگا، گولیوں کی آواز بدستور جاری رہی یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ رسالدار نے پھر عرض کیا کہ ہمارے بھائی کٹ رہے ہیں، ہمیں جلد سے جلد موقع پر پہنچ کر امداد دینی چاہیے، بلکہ گھوڑے پر سوار ہو کر باگ اٹھائی، دوسرے لوگ بھی ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن سید احمد علی نے آگے بڑھ کر رسالدار کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور مولانا کا امتناعی خط کھول کر سامنے کر دیا۔ رسالدار مجبوراً گھوڑے سے اتر پڑا اور کہا: سید احمد علی! تعجب کی بات ہے، نہ آپ خود چلتے ہیں، نہ ہمیں جانے دیتے ہیں۔ وہاں جو غازی تلف ہوں گے، ان کے بارے میں جو مواخذہ ہوگا آپ جانیں، یہ کہہ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

مغرب کے قریب شیخ ولی محمد کا بھیجا ہوا قاصد عشرہ سے آیا، اس نے لڑائی کی کیفیت بتائی، یہ بھی بتایا کہ عشرہ فتح ہو چکا تھا، امید ہے اب تک کوٹلہ بھی فتح ہو گیا ہوگا۔ اسی وقت سب عشرہ روانہ ہو گئے، مغرب کی نماز ستھانہ کی کھڑی سے گذر کر ادا کی، عین اسی وقت شیخ کا ایک قاصد فردوسہ میں مولانا کے پاس بھی پہنچ گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امب کی حوالگی

شیخ ولی محمد مغرب کے وقت امب پہنچ گئے تھے، پائندہ خاں اپنے آدمیوں کی صلاحیت مزاحمت سے اتنا مایوس ہو چکا تھا کہ چھتر بائی سے نکل کر دریا کے پار بروئی چلا گیا۔ ستھانہ کے غازیوں نے عشاء کی نماز عشرہ میں ادا کی، پھر سید احمد علی اور سید اکبر شاہ ستھانوی کچھ آدمیوں کے ساتھ امب چلے گئے۔ رسالدار عبد الحمید خاں جانے کے لئے بہت مضطرب تھا لیکن اسے یہی حکم ملا کہ رات عشرہ میں گزارو اور صبح امب پہنچو۔

مدد خاں کے آدمیوں نے امب پہنچ کر بعض مکانوں کو آگ لگا دی، شیخ ولی محمد اس حرکت پر سخت خفا ہوئے، اپنے آدمیوں کو آگ بجھانے کا حکم دیا اور مدد خاں کے آدمیوں کو تاکید کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا یہ سکھوں کا شیوہ ہے، مسلمانوں کے لئے ایسی حرکتیں ہرگز زیبا نہیں۔

مولانا کو یہ پیغام بھی بھیج دیا گیا تھا کہ رات کو سفر کی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں، صبح کو تشریف لے آئیں۔ سید صاحب کو چنگئی میں مفصل حالات لکھ بھیجے، بستی پر قبضہ ہو چکا تھا، گڑھی میں پائندہ خاں کے آدمی موجود تھے، مولانا طلوع آفتاب کے ساتھ پہنچ گئے، اس وقت گڑھی سے صلح کا جھنڈا بلند ہوا۔ مولانا نے شیخ ولی محمد اور شیخ بلند بخت کو آٹھ غازیوں کے ساتھ بھیجا کہ پوچھنے وہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے امان طلب کی اور کہا کہ ہمیں اپنا سامان اور ہتھیار لے کر نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ مولانا نے ان لوگوں کو ذاتی مال لے جانے کی اجازت دے دی، دروازہ کھلا، مولانا نے پورے سامان کا جائزہ لیا پھر پائندہ خاں کے آدمیوں کو جو تقریباً دو سو تھے، کشتیوں پر سوار کر کے دریا کے پار بھیج دیا۔ امب میں غازیوں کا بندوبست جاری ہو گیا، لشکر میں باقاعدہ رسد بٹنے لگی زخمیوں کو عشرہ میں رکھا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھتربائی

پایندہ خاں ایک توپ دریا میں ڈلوا گیا تھا اسے نکلوا کر گڑھی کے دروازے پر رکھا گیا۔ اس اثناء میں خبر ملی کہ چھتر بائی کی گڑھی (۱) بھی خالی ہو چکی ہے۔ مولانا نے رسالدار عبدالحمید خاں کو فوراً چھتر بائی پہنچنے کا حکم دے دیا، خود اسب کے ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر ادھر گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ تخلیہ کی اطلاع درست تھی، لیکن چونکہ غازی اطلاع نہ ملنے کے باعث جلد نہ پہنچ سکے، اس لئے پایندہ خاں کے آدمی دوبارہ گڑھی میں جم کر بیٹھ گئے۔

اسب سے چھتر بائی کے دو راستے تھے: ایک زیریں راستہ جو دریا کے کنارے کنارے جاتا تھا، دوسرا پہاڑی راستہ۔ رسالدار عبدالحمید خاں پہاڑی راستے سے گئے، مولانا نے زیریں راستہ اختیار کیا۔ گڑھی سے ایک گولی کے فاصلے پر دروازے کے بالمقابل ٹھہر گئے اور دریا کی سمت چھوڑ کر گڑھی کے تینوں جانب مورچے بنا لینے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جابجا آٹھ مورچے بنا لئے گئے: تین شمالی و مغربی کونے میں، تین جنوبی و مغربی کونے میں، دو جنوبی سمت میں جدھر گڑھی کا دروازہ تھا، محاصرہ اگرچہ بڑا سخت تھا، لیکن گڑھی کے فتح ہونے کی کوئی صورت نہیں بنتی تھی، مولانا نے اسب سے توپ منگا کر گولہ باری بھی کی، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، آخر یہ سارے حالات سید صاحب کو لکھ بھیجے کہ آپ اسب پہنچ جائیں اور گڑھی کو مسخر کرنے کی کوئی تدبیر فرمائیں۔

پنجتار سے توپیں منگائی گئیں

سید صاحب نے اسب پہنچ کر فیصلہ کیا کہ چھتر بائی پر حملے کے لئے پنجتار سے توپیں

---

(۱) چھتر بائی کی بستی ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہہ گئی، پھر اس کی جگہ کوئی بستی آباد نہ ہوئی۔ اس بستی کا نشان اب تک بتایا جاتا ہے، اسب قدیم سے پانچ میل شمال میں دریا کے مغربی کنارے پر یہ واقع تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

منگا لینی چاہئیں۔ چنانچہ آپ نے شیخ بلند بخت دیوبندی کو پچیس تیس غازیوں کے ساتھ چھتر بائی سے بلالیا، اور ضروری ہدایتیں دے کر پنجتار بھیج دیا۔ شیخ تھانہ سے درہ برگ(۱) کے راستے گندف اور پابئی ہوتے ہوئے پنجتار پہنچے، دو غازیوں کو (امام الدین اور عنایت اللہ خاں تو تالی والے) اس غرض سے گندف چھوڑ گئے کہ خان گندف سے مدد لے کر درے کا راستہ خوب درست کرالیں تاکہ اونٹ توپیں لے کر آسانی سے گذر سکیں۔ پنجتار پہنچ کر دفن شدہ توپیں نکلوائیں، دکھاڑا سے قوی اونٹ منگائے، توپیں لاد کر امب لے گئے، سید صاحب کے حکم سے میرزا حسین بیگ، شیخ ہمدانی اور شیخ مولا بخش نے انہیں چرخوں پر چڑھا کر گڑھی کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس اثناء میں رن گڑھ تیار کرانے کا بھی حکم ہو گیا۔

ایک افسوسناک واقعہ

سید صاحب نے فرمایا تھا کہ حملے میں عجلت نہ کی جائے اور محاصرہ جاری رہے۔ اچانک وہاں ایک افسوسناک واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ غازی اپنے اپنے مورچوں میں بیٹھے تھے، ایک روز حافظ عبداللطیف نے بطور خود مورچوں میں پھر پھر کر غازیوں سے کہہ دیا کہ نماز عصر کے بعد گڑھی پر حملہ ہوگا۔ مولانا اس سے قطعاً بے خبر تھے، حالانکہ وہی سالار لشکر تھے اور ان کے حکم کے بغیر کوئی حملہ ہو نہیں سکتا تھا۔ غازیوں نے سمجھا کہ حافظ عبداللطیف نے مولانا کے حکم کے مطابق پیغام پہنچایا ہوگا، اس لئے وہ بالکل تیار ہو گئے۔

گڑھی کے اردگرد دوہری خاربندی تھی، پھر دور دور تک میدان میں کانٹے بو دیے گئے تھے۔ اچانک غازیوں نے حملہ کیا، حافظ عبداللطیف خود تکبیر کہتے ہوئے سب سے

---

(۱) یہ درہ کیا اور ہاتی ذوحیری (نزد تھانہ) کے درمیان ہے، برگ بروزن چلک ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آگے تھے۔ کانٹوں اور خار بندیوں سے گذرتے ہوئے دیواروں کے پاس پہنچے تو سیڑھیوں کی ضرورت پڑی، جو مولانا کے خیمے میں تھیں۔ مولانا حیران کہ حملہ کس کے حکم سے ہوا، سیڑھیاں دے دیں، انہیں دیواروں سے لگایا تو چھوٹی نکلیں اور غازی اوپر نہ پہنچ سکے۔ تاریکی پھیلی تو ناچار انہیں واپس ہونا پڑا، چند غازی شہید ہوگئے۔ ان میں شیخ بلند بخت کے بھائی شیخ علی محمد بھی تھے، کئی غازی زخمی ہوئے، مثلاً نہال خاں کے ہاتھ کی چار انگلیاں کٹ گئیں، اخوند زعفران کے سینگڑے میں آگ لگ گئی اور ان کا جسم جگہ جگہ سے جل گیا، ملا گلزار قندھاری کے بازو میں گولی لگی۔ رحیم بخش بنارسی کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان زخم آیا۔

غازیوں کی شانِ ایثار

جب مولانا کو معلوم ہوا کہ حافظ عبداللطیف نے بطور خود یہ حکم دیدیا تھا تو انہیں سخت ملامت کی اور فرمایا کہ شہیدوں اور زخمیوں کے نقصان کی ذمہ داری تم پر ہے۔ پھر سارا واقعہ تفصیل سے سید صاحب کو لکھ بھیجا۔ آپ نے بھی حافظ عبداللطیف کو بہت ڈانٹا۔(۱)

شیخ بلند بخت کو گندف میں معلوم ہو چکا تھا کہ غازیوں نے گڑھی پر یورش کی جو ناکام رہی۔ ستھانہ پہنچے تو بھائی کی خبر ملی، اس پیکر صبر نے فرمایا: الحمدللہ ہمارا بھائی جو مراد لے کر آیا تھا، وہ پوری ہوگئی۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب کرے۔

شیخ اب پہنچے تو سید صاحب نے انہیں محبت سے پاس بٹھایا، کچھ دیر خاموش رہے، پھر شہید بھائی کی تعزیت کرتے ہوئے تسلی دی، آخر میں فرمایا:

---

(۱) حافظ عبداللطیف بڑے مخلص غازی تھے، لیکن من چلے تھے، میرا خیال ہے انہیں یقین تھا کہ گڑھی ایک یورش سے فتح ہو جائے گی اور محاصرے کو طول دینا مناسب نہیں۔ سید صاحب کے ارشاد کے بعد مولانا کو حملے پر راضی کرنا غیر ممکن تھا، اس لئے بطور خود ایک اسکیم طے کر کے حملہ کرادیا۔ سوچا ہوگا کہ گڑھی فتح ہو جانے کے بعد اس خود رائی پر چنداں باز پرس نہ ہوگی اور قصور معاف کرالیا جائے گا۔ یہ حرکت یقیناً سخت نامناسب تھی لیکن ان کی نیت پر شبہ کی کوئی وجہ نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آپ کے بھائی جس مراد کو لے کر اللہ کی راہ میں وطن سے نکلے تھے وہ
پوری ہوئی۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کی راہ میں صرف کر دے اور ہم
سب سے راضی ہو۔ یہی ہم سب بھائیوں کی مراد ہے۔

یہ تھی روحِ ایثار و فدا کاری جو سید صاحب کے فیضانِ صحبت میں پیدا ہوئی۔ شیخ نے وہی کلمات کہے جو سید صاحب کی زبان مبارک پر جاری ہوئے۔ بھائی کسے عزیز نہیں ہوتا؟ اور پھر ایسا بھائی جو دنیا میں خیر و سعادت کا قابلِ فخر پیکر تھا، وطن سے دور، عزیزوں سے الگ اور اقربا سے مفارقت کی حالت میں موت آئی، ہم لوگوں نے زندگی کے جو تصورات قائم کر رکھے ہیں، شیخ بلند بخت ان سے فارغ نہ تھے۔ انہیں بھی ہر رشتہ ویسا ہی عزیز تھا، جیسا ہمیں عزیز ہے۔ لیکن ایک بلند تر جذبے اور رفیع تر نصب العین نے ان کی تمام محبتوں اور علاقہ بندیوں کو دوسرے ہی سانچے میں ڈھال دیا تھا۔

ذرا اپنے اسلام کا موازنہ ان بلند ہمت غازیوں کے اسلام سے کیجئے، ہمارے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے یا انگلی میں ہلکی سی خراش آ جائے تو درد سے بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں پر برچھیاں چلتی تھیں، لیکن صبر سے جھیلتے تھے۔ اس لئے کہ جانتے تھے راہِ حق و صداقت میں قربانیوں سے مفر نہیں اور مومن صادق وہی ہے جس کا رشتہ رضائے باری کے تابع ہو۔ کیا یہی لوگ نہ تھے، جن پر ہندوستان کے بعض مسند آرایانِ علوم دین سوا سو برس تک گوناگوں مطاعن کے تیر پھینک پھینک کر سمجھتے رہے کہ دینِ حق اور سنت خواجۂ بدر و حنین صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ و احیاء کا حق ادا ہو رہا ہے؟

گر دہم شرح ستم ہائے عزیزاں غالب
رسم امید ہمانا ز جہاں بر خیزد

غازی کھبل بائی میں

سید صاحب نے اس حادثے کے بعد حکم بھیجا کہ غازی چھتر بائی کا محاصرہ چھوڑ کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھبل بائی (۱) پہنچ جائیں اور وہاں قیام کریں۔ مولانا نے پہلے اڑھائی سو غازیوں کو مورچوں میں چھوڑا، باقی اصحاب کو کھبل بائی بھیج دیا، پھر خود باقی غازیوں کو لے کر اس طور روانہ ہوئے کہ دشمن ہجوم نہ کر سکے۔ پائندہ خاں کے آدمی دریا پار سے بھی گولیاں چلا رہے تھے، گڑھی کی فوج بھی حوصلہ پا کر یورش پر آمادہ تھی، ایک جمعدار کی کلائی پر اس زور سے گولی لگی کہ مولانا نے جو پاس کھڑے تھے، چٹاخ کی آواز سنی۔ اس بہادر نے کچھ خیال نہ کیا، رومال نکال کر کلائی پر باندھا اور مقابلہ کرتا رہا۔ بڑی احتیاط اور تدبیر سے غازیوں کو سلامت نکال کر لائے۔ مولانا بہ وجہ ضعف پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتے تھے، ایک قندھاری غازی نے انہیں پشت پر سوار کر کے اوپر پہنچایا۔ کھبل بائی میں ڈیرے لگ گئے، پہرے کھڑے ہو گئے، اس جگہ غازیوں نے کئی مہینے گزارے۔

پائندہ خاں کی اطاعت

جب پائندہ خاں کو معلوم ہو گیا کہ سید صاحب نے پنجتار سے توپیں منگائی ہیں، رن گڑھ بھی تیار ہو گئے ہیں تو اس نے سید حسن شاہ اور منشی محمد غوث کو وکیل بنا کر بھیجا تا کہ صلح ہو جائے، اور وہ یرغمال میں اپنا اکلوتا بیٹا بھی دینے کیلئے تیار ہو گیا۔ سید صاحب نے پہلے سید احمد علی کو بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ بروئی بھیجا، پائندہ خاں نے بڑے خلوص سے استقبال کیا لیکن کہا کہ لشکر کھبل بائی سے ہٹا لیا جائے۔ پھر شیخ ولی محمد، مولوی خیر الدین شیرکوٹی اور مولوی محمد حسین پائندہ خاں کے پاس سفیر بن کر گئے اور سید صاحب کی طرف سے یہ پیغام پہنچایا کہ ہمیں نہ چھتر بائی سے غرض ہے نہ اس کے بیٹے کو یرغمال میں لینے کا شوق ہے، ہمیں تو اپنے پروردگار کے کام سے کام ہے۔ اگر پائندہ خاں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار بن جائے تو ہمارا بھائی ہے۔

(۱) یہ مقام چھتر بائی سے دو، اڑھائی میل جنوب میں تھا۔ ۱۸۹۰ء کی طغیانی میں اس کا نشان بھی مٹ گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ لوگ واپس آئے تو پائندہ خاں نے اپنے بیٹے کو بھی بھیج دیا، وہ کئی روز لمب میں رہا، جاتے وقت مدفون مال نکال کر لے گیا۔ ۲۷ رشوال ۱۲۴۵ھ (۱۹ رمارچ ۱۸۳۱ء) کو ایک اعلام سید صاحب نے شائع فرمایا کہ اگر پائندہ خاں اپنے عہد کے مطابق مددخاں کا علاقہ اور مال اس کے حوالے کر دے تو گلی بدرہال کی خانی اور نمبرداری پائندہ خاں کے لئے مسلم رہے گی۔

شرائط صلح

۲۹ رذی قعدہ کو ایک اور اعلام شائع ہوا، جس کا مفاد یہ تھا کہ اگر پائندہ خاں خدمت دین کا راستہ اختیار کر لے، منافقوں اور کافروں سے موافقت ترک کر دے، لشکر اسلام اور مسلمانوں کی بدخواہی سے تائب ہو جائے، اپنے بھائی مددخاں کے حقوق ادا کر دے، خان اگرور کا ملک چھوڑ دے تو وہ ہندوال تنولیوں کی سرداری پر قائم رہے گا اور کشمیر و پشاور کی فتح کے بعد اسے تیس ہزار کی جاگیر کشمیر میں اور دس ہزار کی جاگیر پشاور میں دی جائے گی۔ اسی تاریخ کو پائندہ خاں نے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھا:

۱۔ مجھ سے جو قصور سرزد ہوئے، ان پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

۲۔ شرع مبین کی خدمت و اتباع اور حضرت امیر المومنین کی امامت کو بہ دل قبول کرتا ہوں۔

۳۔ کبھی کفار کا ساتھ نہ دوں گا، نہ ان سے کوئی واسطہ رکھوں گا۔

۴۔ مددخاں کے تمام حقوق ادا کر دوں گا۔

۵۔ کلکئی کے سوا اگرور کا سارا علاقہ چھوڑ دوں گا۔

۶۔ پلال تنولیوں کے ملک و ریاست سے کوئی غرض نہ رکھوں گا۔

۷۔ بالفعل ایک سو ساٹھ سوار مع شاہین برخوردار جہاں داد (پسر پائندہ خاں) کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہمراہ ملک سمہ میں بھیجوں گا۔

۸۔ دو ہزار پیادوں کا لشکر اکبر علی کے ہمراہ کشمیر روانہ کروں گا۔

۹۔ اگر ان امور کے خلاف کروں تو میری جان اور مال مسلمانوں کے لئے حلال ومباح ہوں گے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پاینده خاں کو صلح پر آمادہ کرنے کا کام قاضی سید محمد حبان نے پورا کیا تھا۔ انہوں نے بڑی بے باکی سے گفتگو کی، یہ طے کرایا کہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے کا ملک جو غازیوں نے فتح کیا ہے، ان کے قبضے میں رہے۔ مشرقی سمت کا ملک پاینده خاں کے پاس رہے، بشرطیکہ خدمت دین اور رفاقت مجاہدین میں کوتاہی نہ کرے اور اپنے بھائی کے حقوق ادا کرے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انیسواں باب:

جنگ پھولڑہ

پیش قدمی کے مقدمات

سید صاحب اسب کی طرف اس غرض سے آئے تھے کہ سکھوں کے خلاف پکھلی میں محاذ قائم کریں اور گرد و پیش کے مسلمان امراء و عوام کو لے کر کشمیر کو سکھوں کے قبضے سے نجات دلائیں۔ جنگ بالکل ناخواستہ پیش آگئی جب کہ پائندہ خاں راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، اسب و عشرہ پر قبضے کے بعد سید صاحب نے آگے بڑھنے کی تدبیریں اختیار فرمالیں۔ سلیمان شاہ والیٔ چترال (کاشکار) دو برس پیشتر قول دے چکا تھا کہ اگر کشمیر کی طرف رُخ کریں تو میں گلگت کے راستے امداد کیلئے پہنچ جاؤں گا۔ کوائی (وادیٔ کاغان) کے سید ضامن شاہ سے بھی تعلق پیدا ہو گیا تھا، وہ کشمیر کے پہلو میں تھا، اس بناء پر پورے حالات سے اسے آگاہی تھی۔ وہ خود ملاقات کی غرض سے سید صاحب کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ کشمیر کے گورنر دیوان رام دیال کے خلاف بے شمار شکایتیں والیٔ لاہور کے پاس پہنچی تھیں، اسے لاہور بلالیا گیا ہے، فی الحال کشمیر میں کوئی شخص گورنر مقرر ہو کر نہیں آیا، اگر اس جانب جلد پیش قدمی کی جائے تو کامیابی یقینی ہے۔

شوال ۱۲۴۵ھ (اپریل ۱۸۳۰ء) میں سید صاحب نے میاں جی نظام الدین چشتی اور منشی خواجہ محمد (حسن پوری) کو مظفر آباد کی جانب کھکھا بمبا نام قبیلوں میں دعوت و ارشاد کی غرض سے بھیج دیا، وہاں کے بہت لوگ میاں جی صاحب کے مرید بن گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قادر آباد کا غیر مسلم قلعدار

قادر آباد(۱) کی گڑھی عشرہ کے عین سامنے دریا کے مشرقی کنارے پر واقع تھی، جس کا قلعدار رام سنگھ (یا رام سکھ) سید صاحب کا ہم وطن تھا۔ عشرہ کے لوگ گھاس کھودنے کیلئے دریا کی طرف نکلتے تھے اور قادر آباد کے باشندے پن چکیوں پر آٹا پسوانے کیلئے جاتے تھے۔ اگرچہ دریا بیچ میں حائل تھا لیکن کبھی کبھی گولیاں چل جاتی تھیں۔ رام سنگھ کو سید صاحب کے خاندان کی عزت و شرف کا حال بخوبی معلوم تھا، اس وجہ سے وہ ان کشمکشوں کو روکنا چاہتا تھا۔ ایک روز خفیہ خفیہ کشتی پر سوار ہو کر عشرہ میں مولوی مظہر علی عظیم آبادی کے پاس پہنچا اور کہا کہ باہم فیصلہ کر لیجئے۔

میں اپنے آدمیوں کو تاکید کردوں گا کہ آپ کے کسی آدمی کو نہ چھیڑیں۔ آپ اپنے آدمیوں کو تاکید فرما دیں کہ میرے آدمیوں کو آزار نہ پہنچائیں۔ وہ سید صاحب کو خط بھی لکھتا رہتا تھا، جن میں سے صرف ایک محفوظ رہ گیا، اس پر ۲۱ شعبان ۱۲۴۵ھ کی تاریخ ثبت ہے۔(۲) اپنے ہاں کے مسلمانوں کو خود سید صاحب کی بیعت کیلئے وقتاً فوقتاً اسپ بھیجتا رہتا تھا۔ منشی محمدی انصاری خوش طبعی کے عالم میں فرمایا کرتے تھے، عجیب بات ہے کہ خود کافر ہے، لیکن مسلمانوں کو راہ راست دکھاتا ہے۔

پھولڑہ پر یورش کا فیصلہ

اس زمانے میں ملکی لوگ خصوصاً تنولی دریا سے گذر کر تین تین چار چار میل سکھ علاقے میں نکل جایا کرتے تھے۔ ان ترکتازوں سے مقصود یہ تھا کہ سکھوں کا قائم کردہ نظم

(۱) قادر آباد ۱۸۳۱ء کی طغیانی میں بہہ گیا تھا، پھر اس جگہ نئی آبادی نہ بنی۔ سن رسیدہ لوگوں سے اس کی جگہ کا نشان اب بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو مجموعہ مکاتیب مولانا شاہ اسماعیل ص: ۲۷۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ونسق درہم برہم ہو جائے اور وہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹ جائیں۔ لیکن اس سلسلے میں منظم اقدام لازم تھا، سید صاحب جلد کشمیر پہنچنا چاہتے تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ فاصلہ زیادہ ہے، لوگ نفاق پیشہ ہیں اور پہلے بیچ کے اہم مقامات پر قبضہ جمالینا چاہئے۔

غالباً ماہ شوال ۱۲۴۵ھ کے آخر یا ماہ ذی قعدہ کے اوائل میں مدد خاں ہندوال اور سر بلند خاں پلال نے یہ تجویز پیش کی کہ اب غازیوں کو پھولڑہ پر بڑھنا چاہئے، جو ضلع ہزارہ کے تنولی علاقے کا مرکز تھا۔(۱) سید احمد علی، سید اکبر شاہ ستھانوی، ارباب بہرام خاں، مولوی محمد حسن (رام پور منہاران) شیخ ولی محمد پھلتی نیز دوسرے اکابر نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ کسے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا جائے؟ سید احمد علی بولے کہ میں یہ ذمہ داری قبول کرنے کیلئے تیار ہوں، بشرطیکہ مجھے ساتھیوں کے انتخاب کی اجازت دی جائے۔ سید احمد علی کی زبان سے پہلے کسی موقع پر ایسی بات نہیں نکلی تھی اور انہیں بھیجنے کا سید صاحب کو خیال بھی نہ تھا، لیکن جب وہ خود تیار ہو گئے تو اجازت دیدی۔

سید صاحب نے سواری خاصہ کا گھوڑا سید احمد علی کو دیا۔(۲) سیاہ قبا بھی دی جو آپ نے ۲۷ رمضان کی شب کو عبادت کرتے وقت پہن رکھی تھی۔ جن غازیوں کو معیت کے لئے منتخب کیا، انہیں تیاری کا حکم دے دیا۔ اپنی بندوق کے لئے چقماق سید احمد علی نے اپنے فرزند سید حسن مثنیٰ عرف سید موسیٰ سے لیا۔

---

(۱) تاریخ تصریحاً مرقوم نہیں۔ میرے قیاس کے مبانی یہ ہیں: اول پھلولی پر پیش قدمی کے دوران میں مختلف لوگوں کو جو امان نامے دیے گئے، ان پر ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ درج ہے۔ دوسرے مولوی سید جعفر علی نقوی رمضان ۱۲۴۵ھ میں امب پہنچے تھے، تھوڑے ہی دنوں میں ان کی صلاحیتیں سب پر آشکارا ہو گئیں۔ سید احمد علی نے انہیں پھولڑہ ساتھ لے جانا چاہا تو سید صاحب نے فرمایا کہ وہ دور سے آئے ہیں، سفر کی ماندگی ابھی باقی ہو گی، کسی دوسرے بھائی کو لے لیجئے۔ تیسرے سید احمد علی جاتے وقت ایک سیاہ قبا سید صاحب سے عاریۃً لے گئے تھے، جو آپ نے (سید صاحب نے) ۲۷ رمضان ۱۲۴۵ھ کی شب میں عبادت کرتے وقت پہنی تھی۔

(۲) اس کا نام اژدر تھا، یہ ارباب بہرام خاں نے بطور نذر سید صاحب کو دیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لشکر اسلام کی پیش قدمی

پورے لشکر کو ایک گھاٹ سے دریا کے پار اُتارنے میں بہت وقت صرف ہوتا، نیز اندیشہ تھا کہ سکھوں سے کنارۂ دریا ہی پر مڈ بھیڑ نہ ہو جائے، اس لئے لشکر کو تین حصوں میں بانٹ کر الگ الگ گھاٹ سے پار اترنے کا حکم دیا گیا۔ ایک حصہ کا سردار محمد خاں تھا، جو پہلے اٹک میں سکھوں کے ہاں ملازم تھا، پھر ملازمت چھوڑ کر سید صاحب کے پاس آ گیا۔ میر فیض علی گورکھپوری کو محمد خاں کا مشیر مقرر کیا گیا۔ دوسرے حصہ کا سردار سید نور الحسن تھا، جسے اہل لشکر بالعموم "ماما نور الحسن" کہتے تھے۔ تیسرا حصہ براہ راست سید احمد علی کی سالاری میں تھا۔

محمد خاں کا لشکر کر پلیاں کے گھاٹ سے پار اُترا، جو لسب کے سامنے تھا۔ اس حصے میں سکھوں کی طرف سے مزاحمت کا قوی اندیشہ تھا، اس لئے کنارۂ دریا پر دو توپیں محفوظ جگہ نصب کر دی گئیں۔ جب کر پلیاں کی گڑھی سے گولیاں آئیں تو محمد خاں کے حکم سے چکر توپ چلائی گئی، کسی سکھ کو گڑھی سے باہر نکلنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ محمد خاں کا پورا لشکر تین پھیروں میں سلامت پار اُتر گیا۔ سید نور الحسن کا لشکر غالباً ستھانہ کے گھاٹ سے بلا مزاحمت پار اُتر گیا۔ سید احمد علی نے بھی کر پلیاں کے گھاٹ سے دریا عبور کیا، مولوی محمد حسن رام پوری سید احمد علی کے مشیر خاص تھے، مقامی خوانین میں سے مدد خاں ہندوال سر بلند خاں پلال، امام اللہ خاں خان خیل اور جعفر خاں ترین بھی سید احمد علی ہی کے ہمرکاب تھے، ہر ایک کے ہمراہ تیس تیس چالیس چالیس آدمی تھے۔(۱)

---

(۱) اس لشکر کے شرکا میں سے بعض اور اصحاب کے نام بھی مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ مثلاً سید عبد الرزاق نگرامی (برادر سید نور احمد مؤرخ اسلام)، مولوی کریم بخش سہارن پوری، رحیم بخش جراح شاملی کے، عبد الکریم عظیم آبادی، زبردست خاں رائے بریلوی، کالے خاں، جو چھروں کے محافظ تھے۔ بعض کے نام آگے چل کر آئیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پھولڑہ کا موقع

پھولڑہ پہاڑوں کے حلقے میں ہے، دامن کوہ کی زمین اونچی ہے اور اسی پر بستی آباد ہے۔ نیچے میدان میں کھیتی باڑی ہوتی ہے، مانسہرہ سے یہ دس میل ہوگا۔ سرن ندی بستی کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے سے گذرتی ہے، اس کے دونوں کنارے اتنے اونچے ہیں کہ ان پر کھڑے ہو جائیں تو مانسہرہ کی طرف چار میل تک ہر چیز بخوبی دکھائی دیتی ہے۔ بستی کے پاس سے ایک نالہ گذرتا ہے، جس کا نام ''ٹھنڈا بہن'' ہے۔ اس سے پن چکیاں بھی چلتی ہیں اور کھیتوں کو پانی بھی ملتا ہے۔ مانسہرہ جانے والا راستہ مشرقی سمت میں ہے، اس کے علاوہ دو راستے جنوبی سمت میں ہیں: اول ترپی اور خیل کا راستہ، دوسرا گنڈوال کا راستہ۔ دونوں راستوں پر قبرستان ہیں۔

پھولڑہ بعد میں مدد خاں کو بطور جاگیر مل گیا تھا، اس کے اخلاف دیر تک اس پر قابض رہے۔ حال میں اس کا انتظام حکومت سرحد نے سنبھال لیا ہے۔ مقامی خان اس قبرستان میں دفن ہوتے تھے، جو گنڈوال سے آنے والے نالے کے کنارے پر ہے۔ سید احمد علی کو بھی یہیں دفن کیا گیا، باقی شہداء اس گنج شہیداں میں دفن ہوئے جو ترپی اور خیل کے راستے پر ہے۔(۱)

سید احمد علی نے پھولڑہ جانے کیلئے غالباً وہ راستہ اختیار کیا تھا جسے آج کل لساں کا راستہ کہتے ہیں (۲) وہ شاہ کوٹ سے لساں پہنچے اور اس پر قبضہ جماتے ہوئے پھولڑہ میں داخل ہو گئے۔ راستے میں کہیں جدال و قتال کی نوبت نہ آئی، بستی سے باہر مانسہرہ والے

(۱) میں پھولڑہ کو نہ دیکھ سکا۔ یہ تفصیلات مختلف اصحاب سے معلوم ہوئیں، کہہ نہیں سکتا کہ میں انہیں ٹھیک ٹھیک بیان کر سکا ہوں یا نہیں۔

(۲) لساں پھولڑہ کے قریب ایک مقام ہے جو میدان میں واقع ہے، چونکہ راستہ اس میں سے گذرتا ہے اس لئے لساں کا راستہ نام پڑ گیا۔ پہاڑوں میں اس کا مدخل عشرہ کے سامنے ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راستے کی جانب خیمہ زن ہوئے۔ محمد خاں اور سید نورالحسن مختلف راستوں سے پہلے پھولڑہ پہنچ کر میدان میں مقیم ہو گئے تھے۔ مقامی خوانین نے بستی میں قیام کیا۔

پاینده خاں کا اضطراب

پاینده خاں کے ساتھ اس وقت تک صلح نہیں ہوئی تھی، اسے غازیوں کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو بروٹی سے نکل کر شیر گڑھ کی طرف بھاگا۔ سید صاحب کو یہ خبر ملی تو آپ نے مولانا شاہ اسماعیل کو غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بروٹی بھیج دیا، وہ بروٹی پہنچے تو پاینده خاں شیر گڑھ سے اگرور چلا گیا، اسے غالباً یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر ایک طرف سے مولانا اور دوسری طرف سے سید احمد علی بڑھتے ہوئے شیر گڑھ پہنچ گئے تو بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ مولانا بروٹی سے نکا پانی اور شیر گڑھ ہوتے ہوئے پہلے شنگلئی، پھر شمدرہ پہنچ گئے۔ پاینده خاں فرار کے اضطراب میں اپنے اہل وعیال کو شنگلئی میں ارسلان خاں (برادر زادہ خان اگرور) کے پاس چھوڑ گیا، ان کے ساتھ مال واسباب کے علاوہ دس بارہ ہزار روپے بھی تھے۔ مولانا نے سارا مال واسباب اور روپے ارسلان خاں کے حوالے کر دیے، اہل وعیال کو بھی اسی کے پاس چھوڑا کہ جس طرح مناسب سمجھے، انہیں خان کے پاس پہنچا دے۔

شبخون کی افواہ

بعض روایتوں میں ہے کہ پھولڑہ پر غازیوں کی پیش قدمی کی خبر پاینده خاں نے مانسہرہ بھیجی تھی۔ ممکن ہے یہ درست ہو، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اتنی بڑی فوج کا مختلف راستوں سے گذر کر آگے بڑھنا کسی حال میں بھی سکھوں سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ پاینده خاں کے علاوہ بھی سیکڑوں آدمی سکھوں تک ہر قسم کی خبریں پہنچا رہے تھے۔

سید احمد علی کو پھولڑہ پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ مانسہرہ میں ہری سنگھ نلوہ غازیوں پر شبخون مارنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی موصوف نے مانسہرہ والے راستے پر پہرے بٹھا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیے اور انہیں تاکید فرمادی کہ جب خطرہ نظر آئے تو فوراً بندوقیں سر کر دینا، ہم مقابلے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ دو راتیں غازیوں نے آنکھوں میں گزار دیں، جب کوئی نہ آیا تو انہیں خیال ہو گیا کہ شبخون کی افواہ کسی نے خواہ مخواہ اڑا دی۔ اس وجہ سے چوکی پہرے بھی چنداں چوکس نہ رہے اور پیش بندی کے انتظامات میں بھی پہلا اہتمام ختم ہو گیا۔

غازیوں کے ڈیروں کا مقام

سید صاحب نے سید احمد علی کو روانگی کے وقت جو وصیتیں فرمائیں تھیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ کسی بھی حالت میں دامن کوہ نہ چھوڑنا۔ آپ پھولڑہ پہنچے۔ وہاں محمد خاں اور میر فیض علی کا ڈیرہ دامن کوہ سے فاصلے پر میدان میں دیکھا تو فرمایا میدان سے اُٹھ کر دامن کوہ میں ٹھہرنا چاہیے۔ میر فیض علی نے کہا کہ ہم جہاں ٹھہرے ہیں وہاں آس پاس مورچے بنا لیے ہیں۔ اب انہیں پیچھے ہٹانا مناسب نہ ہوگا۔ آپ بھی وہیں چلیں۔ میدان خاصا وسیع ہے۔ یہ سنا تو سید احمد علی کو سید صاحب کی وصیت بالکل فراموش ہو گئی اور وہ بھی دامن کوہ سے فاصلے پر میدان میں ڈیرہ لگا کر بیٹھ گئے۔ سید نور الحسن کا ڈیرہ بھی میدان میں ہی تھا۔

جنگ

غرض دو دن گذر گئے، تیسرے دن صبح کے وقت اذان ہوئی، غازی نماز کی تیاری میں لگ گئے۔ بعض وضو کر رہے تھے اور بعض سنتیں پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً پہریداروں کی بندوقیں سر ہوئیں۔ یہ سکھ لشکر کی آمد کا پہلا اعلان تھا۔ چونکہ وہ سب سوار تھے، اس لئے تیزی سے آ رہے تھے۔ درے کے پہرے پر زیادہ تر ملکی لوگ تھے، وہ درے سے ہٹ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے، مقابلہ کرنا بھی چاہتے تو کر نہیں سکتے تھے، سکھ سوار بگٹٹ میدان میں پہنچ گئے۔ اس طرح غازیوں کو اچانک لڑائی پیش آ گئی جس کا انہیں خواب و خیال بھی نہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا، اور وہ دور دور تک میدان میں بکھرے پڑے تھے۔

سید احمد علی فوراً قبلہ رو کھڑے ہو کر دعاء میں لگ گئے، ساتھیوں کو بھی پکار کر کہا کہ دعاء میں شامل ہو جاؤ۔ دعا ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ سکھ سوار سر پر آ پہنچے۔ انہوں نے پہلے سے ایک اسکیم طے کر لی تھی، میدان میں پہنچتے ہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں اِدھر اُدھر بکھر گئے، یہ دیکھ کر غازی بھی ان کے تعاقب میں دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں منقسم ہو گئے۔ غازیوں کے اس انتشار کو دیکھ کر سکھ سوار تیزی سے اکٹھے ہو گئے اور ایک ایک ٹکڑی کو یکے بعد دیگرے ہدفِ جرح و قتل بنانے لگے۔ غازی چونکہ پیدل تھے اس لئے جلد مجتمع ہو کر ان کے مقابلے پر جم نہیں سکتے تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ جا بجا شہادت پا کر بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئے۔

تاریخ تنولیاں کا بیان

سید مراد علی بن سید عنایت علی متوطن علی گڑھ سرحد میں "چوک منشی" بن گئے تھے اور انہوں نے خاصی مدت دربند کی چوکی میں گزار دی۔ ۱۸۷۸ء میں تاریخ تنولیاں مرتب کی جو مطبع کوہ نور میں چھپی۔ اس میں سید مراد علی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ تنول میں سید صاحب کی حکومت چھ مہینے تک بلا خرخشہ جاری رہی، ایک فصل کے محاصل بھی لے لئے گئے۔

۲۔ پایندہ خاں نے ہری سنگھ نلوہ کو امداد کیلئے خط بھیجا۔ ہری سنگھ نے سوچا کہ دونوں دشمن ہیں، خلیفہ صاحب (سید صاحب) علاقہ تنول فتح کر چکے ہیں اور اب ان کی توجہ پکھلی کی طرف منعطف ہو گی، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ پایندہ خاں کو امداد دے کر دونوں کو لڑا یا جائے۔ چنانچہ اس نے جواب میں لکھا:

نہیں ہے کمک سے تری انحراف ولے بات سن لے مری صاف صاف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ اپنے جہاں داد فرزند کو	یہاں بھیج دے مدت چند کو
بہ رسم گرد وہ رہے میرے پاس	کہ ہم تم رہیں روز و شب بے ہراس
یقیں جاننا جب وہ آیا یہاں	اسی وقت کردوں گا لشکر رواں
پسر کو نہ بھیجا اگر اے نامدار	تو پھر کس کی فوج اور کہاں اعتبار

آخر میں یہ بھی لکھا کہ جہانداد خاں آجائے تو پھولڑہ کو آزاد کرادوں گا۔

۳۔ پائندہ خاں نے اپنے بیٹے جہانداد خاں کو بطور یرغمال ہری سنگھ کے پاس بھیج دیا تو اس نے دو جنگی پلٹنیں مع سامان حرب پائندہ خاں کے پاس بھیج دیں، خود مہا سنگھ اور فوج کثیر کے ساتھ شباشب پھولڑہ روانہ ہوا تا کہ غازیانِ ہند سے جنگ کرے۔

۴۔ سید احمد علی نے سر بلند خاں پلال، مدو خاں تنولی اور محمد عباس اتالیق کے مشورے کے مطابق دریائے سرن کی ناکہ بندی کی۔

۵۔ وہیں جنگ ہوئی اور ہندوستانی غازیوں نے دو مرتبہ مہا سنگھ کو مع لشکر پسپائی پر مجبور کردیا، کچھ سکھ اس معرکے میں کام آئے۔

۶۔ یہ حالت دیکھ کر ہری سنگھ غضبناک ہوا اور اس نے خود حملہ کردیا، بوجہ ہجوم وغلبہ سکھاں غازی دریائے سرن سے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔

۷۔ اب مشیروں یعنی سر بلند خاں، مدو خاں اور محمد عباس نے بالاتفاق سید احمد علی کو مشورہ دیا کہ ہٹ جانا مناسب ہے، پھر کوئی تدبیر کریں گے، مگر سید احمد علی نے انکار کردیا۔

۸۔ سکھوں کا لشکر سواروں اور پیادوں کو ملا کر چار ہزار سے کم نہ ہوگا، ہندوستانی کل پانسو تھے۔ سکھوں نے انہیں چاروں طرف سے نرغے میں لے لیا اور سب شہید ہوئے، سکھ مقتولین کی تعداد ایک ہزار تھی۔(۱)

---

(۱) تاریخ تنولیاں مطبوعہ مطبع کوہ نور ص: ۵۱، ۵۲۔ بلاشبہ غازیوں کا بڑا نقصان ہوا لیکن یہ صحیح نہیں کہ سب شہید ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہداء

روایت ہے کہ سکھوں کے آنے کی ابتدائی اطلاع پاتے ہی بعض غازیوں نے سید احمد علی کو مشورہ دیا تھا کہ پیچھے ہٹ کر بستی کے قریب پہنچ جایئے، یا دامن کوہ میں ہو جایئے، سکھ خود بے بس ہو کر لوٹ جائیں گے۔ لیکن سید احمد علی نے فرمایا کہ اب انکے مقابلے میں سے ہم ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتے، جو کچھ پیش آنے والا ہے یہیں دیکھ لیں گے۔

حملہ بالکل اچانک ہوا اور غازیوں کو تیغ و تفنگ کا ہدف بنا کر سکھ اس تیزی سے واپس چلے گئے کہ خوانین ان کے ہوتے ہوئے بستی سے نکل کر میدان تک نہ پہنچ سکے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کل کتنے غازی شہید ہوئے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

سید احمد علی رائے بریلوی امیر لشکر، محمد خاں خیر آبادی (برادر امام خاں شہید کوہ کنیر ژی) سید عبدالرزاق نگرامی، مولوی کریم بخش سہارن پوری، رحیم بخش جراح، میرزا عبدالقدوس کشمیری، امام خاں سہسرامی، فیض الدین بنگالی، شیخ برکت اللہ گورکھپوری، میر فیض علی گورکھپوری، مولوی محمد حسن (رام پور منہاران)، میر احمد علی بہاری۔

راہِ حق کے ان فدا کاروں کی شانِ شجاعت کے بارے میں کیا عرض کیا جائے؟ ہمارے پاس اس خونچکاں داستان کے صرف چند اوراق پہنچے ہیں، ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رائے بریلی کے بے نوا سید کی آغوشِ صحبت میں کیسے لوگ تیار ہوئے تھے، جن کی نظیر مسلمانانِ ہند کی ہزار سالہ تاریخ شاید ہی پیش کر سکے۔

سید احمد علی اور میر فیض علی

سید احمد علی امیر لشکر اور میر فیض علی گورکھپوری یکجا تھے، دونوں اپنی جگہ جمے ہوئے مردانگی سے لڑتے رہے۔ جیسیوں کو ٹھنڈا کیا، سید احمد علی کا سنگ چقماق خراب ہو گیا اور بندوق سے کام لینے کی کوئی صورت نہ رہی تو خالی بندوق ہاتھ میں لے کر لٹھ کے طور پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

استعمال کرنے لگے۔ اس طرح بھی کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا، آخر نیزوں، تلواروں اور گولیوں کے زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ گرتے ہی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔ غور فرمایئے کہاں رائے بریلی اور کہاں پھولڑہ! پھر اہل وعیال کہیں، بھائی اور دوسرے اقربا کہیں، دو فرزند ہندوستان میں، ایک جگر بند امب میں، تنہا پھوڑہ میں جان دی۔ وقتِ رخصت نہ کسی عزیز کا چہرہ دیکھا نہ اپنا چہرہ کسی کو دکھایا، نہ کسی کی بات سنی نہ اپنی بات سنائی۔ نہ اس مبارک ساعت میں ایسا کوئی خیال دل میں گذرا۔ وہ جلیل المنزلت ماموں بھی دور بیٹھا تھا جس کی دعوتِ حق نے جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو سے دل کا گوشہ گوشہ معمور کر دیا تھا۔

راویوں نے بیان کیا ہے کہ بے شمار زخم لگے تھے لیکن سب جسم کے اگلے حصے میں تھے، پچھلے حصے میں خراش تک نہ آئی تھی۔ جن بزرگانِ ملت نے سو سو سال تک سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کو ناقابلِ ذکر طعنوں کا ہدف بنائے رکھا، ان میں سے کتنے ہیں جن کی سرگزشتہائے حیات میں کلمۂ حق کی سربلندی کیلئے اس نوع کے ایثار کی خفیف سی بھی جھلک مل سکتی ہے؟

میر فیض علی گورکھپور کے ایک رئیس ذوالفقار علی خاں کے فرزند ارجمند تھے۔ نقشی خانے میں کام کرتے رہے۔ سید صاحب نے ایک مرتبہ نقشیوں کو بھاری بوجھ اٹھانے سے معاف کر دیا تھا، لیکن میر فیض علی نے اس معافی سے قطعاً فائدہ نہ اٹھایا اور احتیاباً سب کے برابر جسمانی محنت کرتے رہے، وہ سید احمد علی کے ساتھ شہید ہوئے۔

مولوی محمد حسن، میرزا عبدالقدوس اور رحیم بخش جراح

مولوی محمد حسن اور رحیم بخش جراح کو سید احمد علی کی شہادت کا علم ہوا تو گھمسان کے رن میں گھس کر مردانگی سے لڑتے ہوئے قربان ہو گئے۔ ''منظورہ'' میں ہے کہ مولانا شاہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسماعیل کے بعد لشکر اسلام میں عجز، حلم، خاکساری اور قابلیت میں کوئی غازی مولوی محمد حسن کا ہمسر نہ تھا۔(۱)

میرزا عبدالقدوس کشمیری اگرچہ پیدل تھے، لیکن دیر تک سواروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب کوئی سکھ گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کی طرف آتا تو اس کے قریب پہنچتے ہی بجلی کی سرعت سے گھوڑے کی باگ پکڑ لیتے، ساتھ ہی تلوار سے سوار کا سر اڑا دیتے۔ کوئی سوار نیزہ لے کر حملہ کرتا تو اگر اس کا نیزہ دائیں جانب ہوتا، میرزا صاحب اچھل کر بائیں جانب ہو جاتے، نیزہ بائیں جانب ہوتا تو دائیں جانب ہو جاتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ پہلے سوار کا نیزہ کاٹا، پھر اس کا سر قلم کیا۔ اس طرح کئی سواروں کو موت کے گھاٹ اتارا، آخر خود بھی جامِ شہادت پی کر زندۂ جاوید گروہ میں شامل ہو گئے۔

میر احمد علی، امام خاں اور برکت اللہ

میر احمد علی بہاری نہایت خوشرو اور سرو قامت جوان تھے، بڑے دلیر و جوانمرد۔ تلوار اور بندوق چلانے میں انہیں یکساں مہارت تھی۔ بہت سے سکھوں کو موت کے گھاٹ اتارا، آخر سواروں کے ایک گروہ نے انہیں نرغے میں لے لیا۔ بولے: ٹھہر جاؤ۔ میں بھاگ نہیں جاؤں گا، مجھ پر گولی نہ چلاؤ اور ذرا میری شمشیر زنی کا رنگ دیکھ لو۔(۲) پھر خاصی دیر تک تنہا تمام سواروں سے لڑتے رہے، جس پر ان کی تلوار پڑ جاتی، یا تو سر قلم ہو جاتا یا بازو کٹ جاتا یا پاؤں اڑ جاتا۔ آخر ایک سکھ نے انہیں گولی سے شہید کر ڈالا۔

امام خاں سہرامی کئی سکھوں کو مار کر گرے۔ شیخ برکت اللہ نے بڑے کمالات دکھائے، پھر ان کے سینگڑے میں آگ لگ گئی، جس سے سارا جسم جل گیا، اسی حالت

(۱) "منظورہ" ص ۹۷۰
(۲) "منظورہ" میں ہے: شمارا قسم آفریدہ و شناسند کہ کیے بر من تفنگ سر نہ سازد، باز ہنر شمشیر زنی ما بہ بینید ص: ۹۷۷

میں انہیں شہید کر ڈالا گیا۔

ایک غازی کے پاس لکڑیاں کاٹنے والے کلہاڑے کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ وہ ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا، جو سکھ سوار قریب سے گذرتا، کلہاڑے سے اس کا سر اڑا دیتا، ایک گھوڑے کے پٹھے پر کلہاڑا پڑا اور گوشت میں گڑ گیا۔ گھوڑا چند قدم پر جا کر گرا، میر احمد علی بہاری اس وقت تک زندہ تھے، انہوں نے سوار کا سر اڑا دیا۔

اژدر اور محمد خاں

سید احمد علی کی شہادت کے بعد اژدر گھوڑے کو سکھوں نے پکڑ لیا اور اسے ساتھ لے چلے۔ محمد خاں خیر آبادی نے یہ دیکھا تو غازیوں کو پکار کر کہا کہ بھائیو! یہ امیر المومنین کی سواری کا گھوڑا ہے، اسے دشمن کے قبضے میں نہ جانے دو۔ یہ کہتے ہی تنہا سکھوں کے گروہ پر حملہ کر دیا، جس جس غازی کے کان میں یہ آواز پہنچی وہ بھی محمد خاں کی معیت کے لئے دوڑ پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں اژدر کو چھڑا کر لے آئے، سکھوں نے دوبارہ جمع ہو کر حملہ کر دیا، اس حملے میں اژدر بھی مارا گیا، محمد خاں بھی شہید ہو گئے۔

اس اثناء میں جو غازی میدانِ جنگ سے ذرا فاصلے پر تھے، وہ پاس کے ٹیلوں پر چڑھ کر گولیاں چلانے لگے۔ ادھر بستی سے خوانین کا لشکر نکلا، یہ صورت دیکھی تو سکھ جس تیزی سے آئے تھے، اسی تیزی سے واپس چلے گئے۔ ''منظورہ'' میں ہے کہ مسلمانوں کا جو مال واسباب لوٹ کر لے جارہے تھے، وہ بھی چھوڑ گئے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کتنے سکھ مارے گئے، لیکن اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ غازیوں کے مقابلے میں ان کا نقصان جانی بہت زیادہ تھا۔

غلط بیانات

''وقائع'' میں ہے کہ جنگ پھولڑہ کے بعد سکھوں نے بستی میں آگ لگا دی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میرے نزدیک یہ روایت غلط فہمی پر مبنی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سکھ بستی تک پہنچے ہی نہ تھے، میدان ہی سے واپس ہو گئے تھے۔ اس جنگ میں غازیوں کا نقصان بلاشبہ بہت ہوا، لیکن اسے لشکر اسلام کی شکست اور سکھوں کی فتح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ غازی بدستور میدانِ جنگ میں موجود تھے، سکھ واپس چلے گئے تو غازیوں نے اطمینان کے ساتھ اپنے شہیدوں کو دفن کیا۔

ہزارہ گزیٹر(۱) میں ہے کہ ۱۸۲۸ء میں ہری سنگھ کی لڑائی پھولڑہ میں ہندوستانی مجاہدوں سے ہوگئی، ہندوستانیوں کے ساتھ دو ہزار اہل ہزارہ بھی تھے، وہ لڑائی چھڑتے ہی بھاگ گئے، غازی ایک ایک کر کے کٹ گئے، ان میں سردار لشکر سید احمد علی شاہ بھی تھے، جو خلیفہ سید احمد کے بھانجے تھے۔

یہ بیان سراسر غلط ہے، نہ جنگ پھولڑہ کی تاریخ درست ہے نہ غازیوں کو شکست ہوئی، نہ ایک ایک غازی کٹا، نہ ان کے ساتھ دو ہزار اہل ہزارہ تھے۔

غم نامہ شہادت

پھولڑہ سے جو قاصد لڑائی کی خبریں لے کر بھیجا گیا تھا وہ دریا سے پار اترا تو سید صاحب نے اسے دور سے دیکھ لیا۔ قاصد پہلے میاں عبدالقیوم کو ملا، وہ سید احمد علی کی شہادت کی خبر سنتے ہی وفورِ غم واندوہ سے زمین پر بیٹھ گئے۔ سید صاحب نے فرمایا: ''قاصد کو جلد بلاؤ، وہ کیسی خبر لایا جسے سنتے ہی میاں عبدالقیوم زمین پر بیٹھ گئے۔'' قاصد پہنچا۔ محبوب بھانجے کی شہادت کی خبر سنی تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھتے ہوئے فرمایا: ''الحمد للہ، وہ جو مراد لے کر آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مراد کو پہنچایا۔'' پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر آنسو پونچھ ڈالے۔

(۱) ہزارہ گزیٹر، مطبوعہ ۱۹۰۷ء (ص: ۱۳۰)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''منظورہ'' میں ہے: جب قاصد نے بیان کیا کہ شمشیر و نیزہ کے تمام زخم سید احمد علی کے چہرے پر لگے تو پھر آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ''الحمد للہ'' ''الحمد للہ'' کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

سید احمد علی اگرچہ بھانجے تھے لیکن سید صاحب ہمیشہ انہیں ''بھائی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ عمر میں وہ سید صاحب سے دو برس بڑے تھے، ماموں بھانجے میں رضاعت کا رشتہ بھی تھا۔ تمام بھانجوں میں سے ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ اس لئے کہ سید احمد علی بڑے ہی پاک طینت، پاک سیرت اور فدا کار حق و صداقت تھے۔ صلائے دعوت پاتے ہی اپنے دو جگر بندوں، ابوالقاسم اور موسیٰ کو سید صاحب کے ساتھ بھیج دیا، پھر خود آ گئے۔ سید صاحب نے ابوالقاسم کو کار خاص کے لئے ہندوستان بھیج دیا، موسیٰ بلند منزلت باپ کے بعد خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔

پسماندگانِ شہدا کی دلداری

سید صاحب دیر تک چپ بیٹھے رہے، نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد گڑھی میں چلے گئے۔ عشاء کی نماز ہو چکی تو سید موسیٰ (ابن سید احمد علی شہید) ابراہیم خاں (برادر محمد خاں شہید) نور بخش جراح (برادر رحیم بخش جراح شہید) اور دوسرے شہدا کے عزیزوں کو بلا کر دیر تک تسلی و تشفی دیتے اور نصیحتیں فرماتے رہے۔ پھر سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ سید صاحب کا عام طریقہ یہی تھا کہ شہدا کے اقربا کو کم از کم ایک وقت کا کھانا اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔

مولانا شاہ اسماعیل کو سید احمد علی کے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو انہوں نے بھی پیش قدمی ملتوی فرما دی۔ اس لئے کہ جس نظام کے مطابق غازی ہزارہ میں بڑھے تھے، اس میں کچھ عرصے کیلئے تعطل ناگزیر ہو گیا تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے انہیں واپس بلالیا تھا، وہ آس پاس کے خوانین سے خدمت دین اور رفاقت مجاہدین کا عہد لیتے ہوئے واپس ہو گئے۔

پائندہ خاں اور خوانین اگرور

یہاں اجمالاً یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ مولانا کی مراجعت کے بعد پائندہ خاں پھر اگرور سے شیر گڑھ پہنچ گیا، اور اس نے ارسلان خاں سے مال واسباب اور متعلقین کی واپسی کا مطالبہ کیا، متعلقین میں اسکی ہمشیر بھی تھی۔ جس کی نسبت ابتدا میں عبدالغفور خاں والی اگرور سے ہو گئی تھی۔ لیکن جب پائندہ خاں طاقتور بن گیا تو شادی سے انکار کر دیا۔ ارسلان خاں کی والدہ نے کہا کہ یہ لڑکی تو نہیں بھیجی جا سکتی، باقی چیزیں اور تمام متعلقین واپس کر دیے جائیں۔

چنانچہ پائندہ خاں کی ہمشیر کا نکاح عبدالغفور خاں سے ہو گیا۔ یہی امر اسب و اگرور کے درمیان انتہائی دشمنی کا باعث بن گیا۔ پائندہ خاں نے اس کے بعد ارسلان خاں کو بظاہر محبت سے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اپنی خیر خواہی کا انعام لے جاؤ۔ وہ موضع بجنا میں پائندہ خاں کا روپیہ لے کر پہنچا تو اس مسکین کو قتل کر دیا۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد پائندہ خاں کی اسی دشمنی کے باعث عبدالغفور خاں اور اس کا بھائی کمال خاں بھی مارے گئے۔ تفصیلات موجودہ کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیسواں باب:

امب میں قیام کے حالات

دینی احکام کا اجرا

امب کو مرکز بنا کر مشرقی سمت میں پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا گیا تو سید صاحب نے بی بی صاحبہ اور دوسری خواتین کو بھی دکھائزہ سے بدلیا۔ اس زمانے میں بیسیوں افراد کو امان نامے اور بہ شرط خدمت دین عطا نامے لکھ کر دیے گئے، جن میں سے بعض مکاتیب میں محفوظ ہیں۔(۱)

علاقے کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی شرعی قوانین جاری ہو گئے۔ حافظ عبداللطیف کو احتساب پر مقرر کر دیا گیا، جو مرد نماز نہیں پڑھتے تھے امان خاں گنج پوری حسب احکام قاضی تازیانے لگاتے تھے۔ عورتوں کو خود سید صاحب حرم میں لے جا کر سزا دیتے تھے۔ راویوں نے لکھا ہے کہ قیامِ امب کے زمانے میں صرف دو عورتوں کو تازیانوں کی سزا دی گئی، ایک تارکِ صلوٰۃ تھی، دوسری نوپی سے آئی تھی اور اس نے اپنے آپ کو بیوہ ظاہر کیا تھا، لیکن تحقیق پر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر موجود ہے۔ سید صاحب نے خود حرم میں اسے سیڑھی سے بندھوا کر تازیانے لگائے۔

اخوند عصمت اللہ سید صاحب کے معتمد علیہ مشیر تھے، ایک روز معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ نے ایک ملکی عورت کو طعنہ دیا کہ تو نے کالے کلوٹے ہندی سے شادی کر لی، سید صاحب اس پر بہت خفا ہوئے اور بہت سے آدمیوں کے روبرو اخوند سے فرمایا کہ اپنی

(۱) مکاتیب شاہ اسماعیل از ص۔ ۲۵۸-۲۶۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اہلیہ کو ایسی حرکات سے روکئے، جو زوجین میں تکدر و تفریق کا باعث ہو سکتی ہیں۔ یہ کار شیطان ہے۔ ورنہ میں اسے سزا دوں گا۔

اصلاحِ اخلاق

اس حصہ ملک میں عام رواج یہ تھا کہ لوگ دریا پر ننگے نہاتے تھے، سید صاحب نے حکم دے دیا کہ جو شخص ننگا نہاتا ہوا پکڑا جائے اس سے آٹھ آنے جرمانہ وصول کیا جائے، بعد میں جرمانے کی جگہ تازیانے کی سزا مقرر ہو گئی۔

قاضی سید محمد حبان ایک موقع پر کھبل گئے تو ایک شخص نے بڑے شوق سے تازہ مچھلی پکڑ کر قاضی صاحب کو کھلائی۔ اتفاق سے دوسرے یا تیسرے روز وہ ننگا نہاتا ہوا پکڑا آیا اور مقدمہ قاضی صاحب کے روبرو پیش ہوا۔ جرم ثابت ہو گیا تو قاضی صاحب نے حسب ضابطہ آٹھ آنے جرمانہ کر دیا۔ وہ جوش میں بولا کہ مچھلی معاف نہیں کروں گا، قاضی صاحب نے بے تکلف فرمایا کہ مچھلی ہضم ہو چکی، اب تمہاری معافی کی احتیاج نہیں، لیکن جو ضابطہ جاری ہے وہ نہیں ٹل سکتا۔

جانوروں کی چرائی میں فصلوں کے نقصان کی شکایتیں موصول ہونے لگیں تو مختلف جانوروں کے لئے جرمانے مقرر کر دیے گئے۔ مثلاً بھینس چر جائے تو دو آنے وصول کئے جائیں گے، گائے، گھوڑا، یابو یا گدھا چر جائے تو ایک آنہ۔ بکری چر جائے تو دو پیسے، لیکن اس طرح فصل کے مالک کو جو نقصان پہنچ جاتا تھا اس کی تلافی نہیں ہو سکتی تھی، لہٰذا حکم دے دیا گیا کہ ہر نقصان کا صحیح اندازہ کر کے مالک کو پورا تاوان دلایا جائے۔

پھلیلہ ڈاکو

پھلیلہ نام ایک شخص ٹوپی کا رہنے والا، بڑا ظالم و مردم آزار تھا۔ لوگ اس کے ہاتھ سے اتنے تنگ آ گئے کہ اتفاق کر کے اسے بستی سے نکال دیا، وہ سکھوں کے پاس چلا گیا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انہوں نے دریا کے کنارے اس کیلئے ایک برج بنا دیا، پچاس ساٹھ آدمی ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ جب موقع پاتا دریا سے گذر کر مسلمانوں کے دیہات میں ڈاکے ڈالتا، ایسے موقع پر اس کے ساتھ سو سو آدمی ہوتے تھے۔

دریائے سندھ کے وسط میں ایک جزیرہ تھا، جسے تھاہائی کا بیلہ کہتے تھے، اس میں مشوانی لوگ آباد تھے۔ جس زمانے میں مکھن سنگھ ہزارہ کا گورنر تھا، بھلیلہ نے اس کی اجازت سے اس بیلے پر ڈاکہ مارا، سکھ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ مشوانیوں نے سخت مقابلہ کیا اور بھلیلہ کے ساتھیوں میں سے تقریباً اسی مارے گئے، ان میں سے پندرہ سولہ سکھ تھے، مقتولوں میں بھلیلہ کا بھائی احمد علی بھی شامل تھا، لیکن بیلے اور بستی پر بھلیلہ کا قبضہ ہو گیا اور اس نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس جگہ سے وہ توپی، مینئی، منارہ کھلل اور ارد گرد کے تمام بڑے بڑے مقامات پر یورشیں کرتا رہتا تھا۔ جب سید صاحب امب تشریف لائے تو لوگوں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں اس کے تدارک کی درخواست کی۔

سید صاحب کی سعی مشکور

سید صاحب نے اسے ایک خط لکھا کہ آپ مسلمان ہیں، اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، آپ کیلئے یہ کیونکر زیبا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو لوٹیں اور ایذائیں دیں؟ ہمارے پاس آ جائیں، آپ کی زمینیں بھی دلا دیں گے اور بستی میں از سرِ نو آباد بھی کرا دیں گے۔

یہ دعوت نامہ پڑھتے ہی اس کی سوئی ہوئی اسلامی حمیت جاگ اٹھی اور وہ اپنے پچاس آدمیوں کو لے کر سید صاحب کے پاس امب پہنچ گیا۔ تین گھوڑے، تین تلواریں اور تین بندوقیں بطور نذر پیش کیں۔ سید صاحب نے ایک سبز دوشالہ، بہت سے کپڑے اور نقد روپیہ دیا نیز اس کے تمام ساتھیوں کو ایک ایک دستار اور ایک ایک لنگی عطا کی۔ ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سب نے بیعت کر لی، پھر آپ نے ٹوپی کے رئیسوں کو بلا کر بھلیلہ کا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا اور اس کے تمام حقوق دلا دیے۔ کھبل کے پاس ایک بے چراغ گاؤں تھا جو ٹوپی، گندف اور گیارہ باڑہ والوں کی مشترکہ ملکیت میں تھا، سید صاحب کے ارشاد پر سب نے وہ گاؤں بھلیلہ کو دے دیا، اس طرح ایک مسلمان گمراہی سے بھی محفوظ ہو گیا اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بھی امن مل گیا۔

سکھوں کے قافلۂ رسد پر حملہ

کچھ مدت کے بعد بھلیلہ کو معلوم ہوا کہ سکھوں کی رسد سکندر پور سے در بند جا رہی ہے، اس نے سید صاحب کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ اجازت ہو تو تماشا دکھاؤں۔ میں رسد کے قافلے پر حملہ کروں گا، کسی امداد کی ضرورت نہیں، البتہ اگر کوئی خاص مشکل پیش آ جائے اور سکھوں کا دباؤ ہم پر بڑھ جائے تو توپیں چلا کر ہماری اعانت فرما دیجئے۔ چنانچہ وہ دریا سے پار اترا اور اپنے آدمیوں کو لے کر ایک نالہ میں بیٹھ گیا۔ سید صاحب نے چند غازیوں کو دیکھ بھال کے لئے عشرہ کے اوپر کو ٹلے میں بٹھا دیا، جہاں سے سب کچھ نظر آتا تھا۔

رسد بیلوں، خچروں اور گدھوں پر لدی ہوئی تھی اور اس کی حفاظت کے لئے پانسو سکھ ساتھ تھے۔ بھلیلہ نے اچانک گھات سے نکل کر حملہ کیا، چودہ سکھ مارے گئے، باقی رسد کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پورا سامان بھلیلہ کے قبضے میں آ گیا۔ اس چپقلش میں اس کے تین ساتھی مارے گئے، اس کے امراہیوں میں سے ایک شخص شیخ محمد غازیوں میں شامل ہو گیا اور واقعہ بالاکوٹ کے بعد غالباً شیخ ولی محمد کے ساتھ ٹونک چلا آیا۔ محلّہ قافلہ میں رہا اور غالباً ٹونک ہی میں فوت ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھیتی باڑی

غازی امب آئے تھے تو اشیائے خوردنی کی تنگی تھی، اس لئے کہ گندم کی فصل پکی نہیں تھی، چنانچہ سرکاری اونٹ دور دور سے جا کر غلہ لاتے تھے۔ سید صاحب نے عام اعلان کر دیا کہ جو لوگ امب چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں وہ واپس آ جائیں اور اپنی فصلیں سنبھال لیں۔ جو لوگ نہ آئے، سید صاحب نے ان کے کھیت غازیوں کے حوالے کر دیے۔ کچھ دنوں تک غازی بالیں بھون بھون کر کھاتے رہے، فصل پک گئی تو کاٹ کر غلہ نکالا، غلہ ابھی باہر پڑا تھا کہ اچانک بارش آ گئی۔ سید صاحب نے سب غازیوں کو حکم دے دیا کہ گٹھریاں باندھ باندھ کر غلہ اٹھالائیں، خود بھی عام غازیوں کی طرح بوجھ ڈھوتے رہے۔

گڑھی کے شمال میں دریا کے کنارے کچھ زمین غیر مزروعہ پڑی تھی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اس میں تربوز بو دیے جائیں۔ اکثر غازیوں نے اپنے اپنے کھیت الگ کر لئے اور کم و بیش دس بیگھے زمین میں تربوز بوئے۔ فصل خوب ہوئی، ایک فصل ہو چکی تو سید صاحب نے فرمایا کہ بیلیں جڑ سے نہ اکھاڑی جائیں، پھر آپ پنجتار تشریف لے گئے، فصل دوبارہ بھی خوب ہوئی، شیخ ولی محمد اور شیخ بلند بخت نے بہت سے تربوز خچروں اور اونٹوں پر لاد کر پنجتار بھیجے۔

آم

دریا کے کنارے آم(۱) کا ایک بھاری درخت تھا۔ سید صاحب نے پوچھا یہ پھلتا بھی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب یہاں دیانت دار حاکم تھے تو پھلا کرتا تھا، اب مدت سے بے ثمر چلا آتا ہے۔ فرمایا اگر یہی بات ہے تو ہم

(۱) غالباً اسی کی وجہ سے اس مقام کا نام امب پڑ گیا، پنجاب اور ہزارہ کی بولی میں آم کو "امب" کہتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پروردگار سے اس کی ثمرداری کے لئے دعا کریں گے۔ ہمارے غازی بھائی اپنے گھربار اور خویش وتبار کو چھوڑ کر صرف اللہ کی رضا کے لئے یہاں آئے ہیں، کیا عجب ہے ان کی نیک نیتی کی برکت سے یہ درخت پھل دینے لگے۔

بعد نماز مغرب آپ نے درخت کے پاس جا کر ننگے سر بہ کمال عجز والحاح دعا کی، میاں جی سید محی الدین پھلتی قرآن پڑھایا کرتے تھے، ان سے فرمایا کہ کل سے اپنے شاگردوں کو اسی درخت کے نیچے بیٹھ کر درس دیا کریں۔

اللہ کے فضل سے آم خوب پھلا اور غازی کیریوں کی چٹنی کھانے لگے۔ پھر سید صاحب پنجتار چلے گئے تو شیخ ولی محمد نے درخت پر پہرے لگا دیے، آم ٹپکے تو بی بی صاحب کو کھلائے اور پال ڈال کر کئی ٹوکرے سید صاحب کے پاس پنجتار بھیجے۔ حضرت نے بھی کھائے اور غازیوں کو بھی کھلائے۔

دو حادثے

گڑھی کے دروازے پر ایک برج تھا جو بارش میں ٹپکنے لگا، اس میں دس بارہ غازی رہتے تھے، باقی سب تو دوسرے مکانوں میں چلے گئے لیکن داؤد خاں، حفیظ اللہ دیوبندی اور پیر خاں شاہ جہاں پوری وہیں رہے۔ برج سے مٹی گرنے لگی تو حفیظ اللہ اور پیر خاں بھی نکل گئے، داؤد خاں بیمار تھے، انہیں بھی نکالنا چاہا، وہ بولے کہ میں تکلیف میں ہوں، یہیں پڑا رہنے دو، برج گرنے والا نہیں کہ کوئی خطرہ ہو۔ سوءِ اتفاق سے برج اچانک گر گیا، سید صاحب کو خبر ملی تو فوراً غازیوں کو لے کر ملبہ ہٹایا۔ داؤد خاں زندہ نکل آئے، انہیں دھنی ہوئی روئی میں رکھا، لیکن ڈیڑھ دو پہر کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح قلعہ امب کے جنوبی ومغربی گوشے میں ایک برج تھا، جس کا کچھ حصہ گر گیا اور دو آدمی دب گئے۔ سید صاحب فوراً خود کدال لے کر مٹی ہٹانے لگے، چونکہ برج

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے بقیہ حصوں کے بھی گر جانے کا اندیشہ تھا اس لئے بعض لوگوں نے آپ کو روکنا چاہا، لیکن آپ ہر خطرے سے بالکل بے پروا ہو کر کام میں لگے رہے اور ایک آدمی جو اٹک کا باشندہ تھا، سلامت نکل آیا۔ فرمایا: ''اگر میں آپ کے روکنے سے رک جاتا تو ایک مسلمان کی جان بچانے کے ثواب سے محروم ہو جاتا۔(۱)

دریا سے پانی لانے کا واقعہ

ایک رات بارش ہو رہی تھی کہ مداخیلوں اور حسن زئیوں کے دس آدمی بے وقت آ گئے، سید صاحب نے انہیں عزت سے ٹھہرایا۔ میاں عبداللہ سے کہا کہ ان کے لئے کھانا تیار کرائیے۔ میاں صاحب نے باورچی خانہ میں دیکھا تو پانی نہیں تھا، نیز عرض کیا کہ دونوں سقے بیمار ہیں، آپ نے فرمایا کہ کوئی بھائی دو چار مشکیں دریا سے لے آئے۔ غازی بالعموم اس قسم کے مواقع پر سبقت کے درپے رہتے تھے، لیکن اس روز سوءِ اتفاق سے سب اپنی اپنی جگہ سمجھتے رہے کہ کسی ایک بھائی نے اس حکم کی تعمیل کر دی ہوگی۔ تھوڑی دیر کے بعد میاں عبداللہ نے پھر عرض کیا کہ پانی ابھی تک نہیں آیا۔ سید صاحب نے فرمایا مشک لے آیئے، مشک آ گئی تو آپ بسم اللہ کہہ کر اٹھے اور مشک کندھے پر ڈال کر دریا کی طرف چل پڑے۔(۲) یہ دیکھ کر تمام غازی بے تابانہ اٹھے، مشک، پکھال، ڈول، بدھنا، گھڑا جو چیز جسے ملی لے کر سید صاحب کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ دریا ایک کوس کی زد پر تھا، اس سارے فاصلے میں آدمیوں کا تار بندھ گیا۔

---

(۱) ''منظورہ'' ص ۶۶۔

(۲) یہ دقائع کا بیان ہے۔ منظورہ میں ہے کہ مولانا شاہ اسماعیل پاس بیٹھے تھے، ان سے فرمایا چلو پانی لائیں۔ مولانا مشک نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن کہا کہ چند سبو تو ضرور لے آؤں گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اطاعتِ امام

واپس آکر سید صاحب نے حمد وثناء کے بعد اطاعت امام کا مضمون چھیڑا، اور فرمایا کہ ہمارے بعض بھائی:

اب تک اطاعت کا مضمون نہیں سمجھے ہیں اور دعوٰی للّٰہیت کا کرتے ہیں۔ بھائیوں کو اس بات کا خیال ضرور کرنا چاہئے کہ جو کام کریں خالص اللہ تعالٰی کی رضامندی اور اطاعت سمجھ کر کیا کریں، کسی آدمی کی رواداری اور خوشامد کا خیال نہ کریں۔

جب میں نے کہا کہ کوئی جا کر پانی لے آئے، اپنی سادہ مزاجی اور غفلت طبیعت سے کوئی نہ گیا اور جب میں مشک لے کر چلا تو ہر ایک میری خاطر داری سے ساتھ ہولیا، سو ایسی بات نہ چاہئے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ سب بھائی یہاں اللہ تعالٰی ہی کے واسطے آئے ہیں، بہ مقتضائے بشریت ایسی بات ہو جاتی ہے، مگر اس کو خیال میں رکھنا چاہئے۔(۱)

ممکن ہے کسی صاحب کے دل میں خیال پیدا ہو کہ ایک یا زیادہ غازیوں کا نام لے کر کیوں حکم نہ دیا؟ ''منظورہ'' کا بیان ہے:

آں جناب را منظور بود کہ حکم علی العموم باشد و مسلماناں براں سبقت کنند بالخصوص کسے را حکم دادہ نہ شود۔(۲)

ترجمہ : سید صاحب کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات رہی کہ حکم علی العموم دیا جائے تاکہ ہر مسلمان اس کی تعمیل میں سبقت و پیش قدمی کرے اور تخصیص وتعیین کے ساتھ کسی کو حکم نہ دیا جائے۔

---

(۱) وقائع ص:۱۲۸۹–۱۲۹۰

(۲) ''منظورہ'' ص:۴۳۰ ۔

لاہوری سائیس اور عنایت اللہ کا معاملہ

قاضی مدنی بنگالی کا سائیس لاہوری، غازی پور کا باشندہ تھا، شکل وصورت چنداں اچھی نہ تھی، لیکن حسن اخلاق میں اس کا پایہ بڑا بلند تھا۔ عنایت اللہ ساکن منڈھیاؤں شجاعت خاص کا آدمی اور سید صاحب کے ابتدائی ہمراہیوں میں تھا، حج بھی ساتھ کیا تھا اور حضرت کو اس سے بڑی محبت تھی۔ وہ لاہوری کے ڈیرے سے ایک طاس آٹا گوندھنے کے لئے اٹھا لایا۔ ابھی آٹا گوندھا نہ تھا کہ لاہوری نے آکر پوچھا طاس پوچھے بغیر کیوں لائے؟ عنایت اللہ ذرا تند مزاج تھا، بولا:

''طاس سرکاری ہے تمہارا کیوں کر ہوا؟''

لاہوری: بے شک سرکاری ہے لیکن قاضی مدنی کی تحویل میں ہے، انہوں نے ہمیں سونپ رکھا ہے۔ ایک تو بغیر پوچھے طاس لے آئے، اس پر گرم ہوتے ہو؟ ہم طاس لے جائیں گے۔

لاہوری نے آٹا کپڑے میں ڈالا اور طاس اٹھالیا۔ عنایت اللہ نے دو گھونسے رسید کردیے اور طاس چھین لیا۔ لاہوری گر پڑا، آواز سن کر لوگ آگئے، اُسے اٹھایا، پانی پلایا اور تسلی دی۔ سید صاحب کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو دونوں کو بلا کر حالات پوچھے، عنایت اللہ نے انتہائی راست گفتاری سے لاہوری کے بیان کی حرفاً حرفاً تصدیق کردی، سید صاحب عنایت اللہ کی حرکت پر کمال ناخوش ہوئے اور فرمایا:

> آپ اپنے دل میں سمجھتے ہوں گے کہ ہم سید کے پرانے رفیق ہیں، اس کے پلنگ کے پاس ہمارا پہرہ رہتا ہے۔ یہ خیال نہ آیا کہ آپ یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں اور کام ایسے نکمے کرتے ہیں؟ ہمارے نزدیک آپ اور لاہوری بلکہ سب بھائی برابر ہیں، قاضی کا سائیس جان کر اور کم رو دیکھ کر مارا، سخت غلطی کی، کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پھر حافظ صابر تھانوی اور شرف الدین بنگالی سے فرمایا کہ مقدمہ قاضی سید حبان کے پاس لے جایئے، زیادتی عنایت اللہ کی ہے۔

مقدمہ قاضی کی عدالت میں

عنایت اللہ پھلت والوں کی جماعت میں تھا، وہ سب بہت پریشان ہوئے لاہوری کی منت سماجت کرنے لگے کہ عنایت اللہ نے برا کیا، لیکن لاہوری نہ مانا اور بولا: بھائیو! اب تو امیر المومنین نے جو فرمایا ہے وہی ہوگا، یعنی مقدمہ قاضی صاحب کے پاس جائے گا۔

قاضی صاحب مسجد میں بیٹھے تھے، گھڑی ڈیڑھ گھڑی دن باقی تھا، آپ نے فریقین کے بیانات سنے پھر کہا کہ اب تو دیر ہوگئی ہے، کل بعد نماز اشراق اس مقدمے کا فیصلہ سنایا جائے گا۔

عنایت اللہ کی زیادتی میں کسی کو بھی شبہ نہیں رہا تھا، لیکن سب کی آرزو تھی کہ لاہوری معاف کردے۔ شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی نے قاضی صاحب سے کہا کہ کسی طرح لاہوری کو راضی کرنے کا انتظام کردیجئے۔

دوسرے دن قاضی صاحب نے عنایت اللہ کو بہت ملامت کی اور کہا کہ تم نے بہت بری حرکت کی جو مستوجب سزا ہے، پھر لاہوری سے مخاطب ہوکر کہا:

> بھائی صاحب! تم بہت نیک بخت اور باشعور آدمی ہو، سب ہندوستان سے اپنا اپنا گھر بار اور خویش و تبار چھوڑ کر محض واسطے جہاد فی سبیل اللہ کے آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے۔ کارخانۂ دنیا تو واسطے چند روز کے مانند خواب و خیال کے ہے، سراسر بے اصل اور بے بنیاد، عنایت اللہ تمہارا بھائی ہے اور اس سے بہ سبب شامت نفس کے یہ قصور ہوگیا، معاف کرو، اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجر پاؤ گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لاہوری کی شانِ اخوت

لاہوری نے عرض کیا کہ قاضی صاحب! اگر میں عنایت اللہ کو معاف کر دوں تو اجر پاؤں، عوض لے لوں تو برابر، گناہ تو نہیں؟ فرمایا: نہیں۔ لاہوری نے کہا: میں تو اپنا حق چاہتا ہوں۔

قاضی صاحب نے چند لمحے سکوت کیا پھر فرمایا کہ بھائی لاہوری حق تمہارا تو یہ ہے کہ عنایت اللہ کے اسی جگہ دو گھونسے مارو۔

لاہوری بولا: جو بھائی حاضر ہیں گواہ رہیں کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا، لیکن ہم نے اسے رضائے الٰہی کے لئے چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر عنایت اللہ کو اپنی چھاتی سے لگا لیا۔

اس واقعہ پر سب بے حد خوش ہوئے۔ سید صاحب نے بھی لاہوری کو پاس بٹھا کر کہا کہ آپ نے بڑے دیندار مردوں کا کام کیا۔

ایک لطیفہ

گڑھی کے جس مکان میں سید صاحب رہتے تھے، اس کے سامنے شیشم کا ایک بڑا درخت تھا۔ پاس کے دالان میں جن غازیوں کے بستر تھے، ان میں شیخ منور علی قدوائی بھی تھے، کسی کے لئے جگہ مقرر نہ تھی، جو جہاں چارپائی ڈال لیتا، سو رہتا۔

ایک روز شیخ منور علی کہیں گئے ہوئے تھے، وہ جس جگہ روزانہ چارپائی بچھاتے تھے، وہاں ان کی غیبت میں کسی دوسرے غازی نے بچھالی۔ شیخ صاحب آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو میری جگہ تھی، جواب ملا کہ جگہ مقرر تو ہے نہیں، میں خالی جگہ پا کر سو گیا، اب آپ کو جہاں جگہ ملے انتظام فرما لیجئے۔

شیخ صاحب کے دل میں خدا جانے کیا سمائی کہ فوراً چارپائی کو ایک رسا باندھا، اس کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک سرا پکڑ کر درخت پر چڑھ گئے۔ اوپر کھینچ کر چارپائی ایک شاخ پر جمائی، رسے سے اسے باندھ کر وہیں لیٹ گئے۔ اب سب غازیوں نے اٹھ کر منت سماجت سے انہیں راضی کرنا چاہا، مگر وہ غصے میں تھے، نہ مانے۔ سید صاحب باہر تشریف لائے تو معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا، آپ نے پوچھا: شیخ بھائی آپ نے چارپائی درخت پر کیوں بچھائی؟ عرض کیا: "حضرت اب میرے لئے زمین پر جگہ نہیں رہی، آج آسمان کی طرف پہلی منزل ہوئی ہے، کل جو کچھ پیش آئے گا دیکھ لوں گا۔"

یہ لطیفہ سن کر سب بے اختیار ہنس پڑے۔ سید صاحب نے فرمایا: شیخ بھائی! اتر آیئے، آپ کیلئے زمین ہی پر جگہ نکل آئے گی۔ چنانچہ وہ اتر آئے اور سید صاحب نے ان کی چارپائی ایک جگہ ڈلوادی۔

حقِ سیادت

ایک روز سکھ علاقے کے ایک آدمی نے آکر سید صاحب سے خیرات مانگی۔ آپ نے اسے جہاد کی ترغیب دی، وہ بولا: میں ضعیف ہوں اور اندیشہ ہے کہ سکھ میرے بال بچوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ آپ نے فرمایا: ہم اپنا لشکر بھیج کر آپ کے اہل وعیال کو یہاں منگا لیتے ہیں کہ اطمینان ہو جائے۔ اس نے کہا: اس طرح جانیں تلف ہوں گی اور اگر دشمن کامیاب رہا تو مصیبت پیش آئے گی۔ بالآخر سید صاحب نے فرمایا کہ اسے دو روپے دے دیئے جائیں۔ یہ حکم سن کر اس نے کہا کہ میں سید ہوں، زیادہ رقم ملنی چاہئے، یہ سنتے ہی سید صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا، فرمایا:

> وقتیکہ بہ شما کارے فرمودم کہ بہ دیگراں واجب و بہ سادات اوجب است، عذر کردید، اکنوں برائے یک دو روپیہ سیادت خود را می فروشید۔ ایں عجب است کہ شخصے برائے بجا آوردن احکام الٰہی اظہار سیادت خود نہ کند اگرچہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اقدام وسبقت در امور عبادت شایان سیادت است و در مقام طمع اظہار سیادت خود ے نماید۔

ترجمہ : جب میں نے ایک ایسے کام کے لئے کہا جو دوسروں کے مقابلے میں سادات پر بہ درجہ اولیٰ واجب ہے، تو عذر کرتے رہے، اور اب ایک دو روپے کی خاطر سیادت کو فروخت کرنے لگے۔ یہ عجیب بات ہے کہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں سیادت کا اظہار نہ کیا حالانکہ امورِ عبادت میں سبقت واقدام شایانِ سیادت ہے، لیکن طمع کی خاطر سیادت جتانے لگے۔

پائندہ خاں کی زنبورکیں

پائندہ خاں جب بروٹی کو چھوڑ کر اگرور چلا گیا تھا تو اطلاع ملی کہ اس کی چھ زنبورکیں بروٹی سے آگے راستے میں پڑی ہیں۔ شیخ بلند بخت کو حکم ہوا کہ ان زنبورکوں کو لانے کا انتظام کیجئے، وہ شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کی تلاش میں آئے، سید جعفر علی نقوی نے بتایا کہ شیخ صاحب گھی خریدنے کے سلسلے میں دن بھر فروسہ کی طرف پھرتے رہے، شام کو واپس آئے تھے، نمازِ عشاء جلد پڑھ کر سو گئے ہیں۔ کہتے تھے کہ بہت تھک گیا ہوں، طبیعت بھی اچھی نہیں، مجھے نہ جگانا۔ ساتھ ہی کہا کہ اگر کوئی ضروری کام ہو تو مجھے فرمایئے۔

شیخ صاحب نے فرمایا کہ کام بڑا اہم ہے، یا تو شیخ صاحب اسے انجام دے سکتے ہیں یا آپ خود تیار ہو جائیں، اور کسی کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ سید جعفر علی تیار ہو گئے، شیخ بلند بخت نے کہا کہ اپنی جماعت میں سے چار پانچ آدمی لے لیجئے، چالیس آدمی میں دیتا ہوں، انہیں لے کر آدھی رات سے قبل چھتر بائی میں مولانا خیر الدین شیرکوٹی کے پاس پہنچ جایئے۔ وہ زنبورکیں لانے کے متعلق جو مشورے دیں، ان پر عمل کیجئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی جعفر علی نقوی کی عزیمت

چنانچہ سید جعفر علی اسی وقت روانہ ہو کر چھتر بائی پہنچ گئے۔ مولوی خیر الدین نے فرمایا کہ صرف پانچ آدمی آپ لے لیجئے اور چھٹا رہبر میں دیتا ہوں، سید جعفر علی کے علاوہ چار اصحاب کے نام یہ تھے: امام خاں، الہ داد خاں، پیر محمد خاں اور شرف الدین۔

یہ چھ آدمی جالے میں بیٹھ کر دریا سے پار اترے اور ایک گاؤں میں پہنچے۔ رہبر نے گاؤں والوں کو آواز دی اور سید جعفر علی کے کہنے کے مطابق بتا دیا کہ یہ امیر المومنین کے آدمی ہیں، پائندہ خاں کے تعاقب میں جا رہے ہیں اور آدمی بھی آ رہے ہیں۔ چپ چاپ بیٹھے رہو اگر معاندانہ حرکت کی تو گاؤں نذر تاراج ہو جائے گا۔

وہاں سے سخت گھاٹیوں کو طے کرتے ہوئے یہ ایک مقام پر پہنچے جہاں اونٹ اور زنبورکیں تھیں۔ پائندہ خاں کے آدمی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ چھ زنبورکیں بتائی گئی تھیں، لیکن انکے پاس صرف چار تھیں۔ بقیہ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک چھتر بائی ہی میں ہے اور ایک بگڑ گئی، اسے مرمت کے لئے پاس کے گاؤں میں دے آئے ہیں۔

سید جعفر علی نے پائندہ خاں کے آدمیوں کو بتایا کہ جو کچھ تم کو خان سے ملتا تھا، وہی ہم دیں گے، ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔ کہنے لگے ہم حقہ پیتے ہیں، سید جعفر علی نے بتایا کہ حقہ کشی پر کسی کو سزا نہیں دی جاتی، البتہ ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ لیکن بھنگ وغیرہ مسکرات کے لئے سزا ہے۔ غرض انہیں راضی کر کے چاروں زنبورکیں اونٹوں پر سوار کرائیں، پانچویں کیلئے دو آدمی اس گاؤں میں بھیج دیے جہاں وہ مرمت کیلئے دے رکھی تھی۔

چھتر بائی کا گھاٹ دربند سے قریب تھا جہاں سکھوں کی چوکی تھی، سید جعفر علی نے حکم دیا کہ اگر سکھوں کی گڑھی سے کوئی باہر نکلے تو فوراً زنبورکیں سر کی جائیں۔ گھاٹ پر پہنچے تو مولوی خیر الدین شیر کوٹی سامنے کے میدان میں نماز عید الاضحیٰ ادا کر رہے تھے، نماز سے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فارغ ہو کر انہوں نے جالے بھیجے تو سب لوگ سوار ہو کر چھتر بائی پہنچے۔ رات بھر سخت زحمتیں برداشت کی تھیں، سید جعفر علی کو بخار آ گیا لیکن بیماری کی حالت میں بھی چھتر بائی میں نہ رکے اور امب پہنچ کر زنبورکیں پیش کر دیں۔

غازیوں کی شانِ سبقت بالخیرات

غازیوں کے ایثار اور جذبۂ سبقت بالخیرات کا اندازہ فرمایئے کہ اتنی سخت مشقت کا کام تھا، جس میں ہر قدم پر جان کا خوف تھا، لیکن یہ کام بہ طیب خاطر اپنے ذمے لے لیا اور شیخ محمد اسحاق کو زحمت نہ دی، اگرچہ حکم ان کے نام تھا۔ شیخ محمد اسحاق بیدار ہوئے اور سارے حالات سے تو سخت ناراض ہوئے۔ سید جعفر علی سے بار بار جھگڑتے تھے کہ جب حکم میرے نام تھا تو مجھے کیوں نہ جگایا اور خود کیوں اس کام کو سنبھال بیٹھے؟

اسی طرح جب پھولڑہ لشکر بھیجا جا رہا تھا تو سید احمد علی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ میر فیض علی گورکھپوری کو میرے ساتھ نہ بھیجا جائے، وہ تجربہ کار منشی ہیں اور مرکز میں ہر وقت ان کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ سید جعفر علی نقوی کو بھیج دیجئے۔ سید صاحب نے دونوں کو بلا کر فرمایا کہ جو بھائی چاہے، چلا جائے۔ دونوں نے عرض کیا کہ جسے حکم ہو، جانے کے لئے تیار ہے۔ بالآخر سید صاحب نے میر فیض علی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کا یہ بھائی دور سے آیا ہے، سفر کی ماندگی ابھی تک باقی ہوگی، مناسب یہ ہے کہ آپ چلے جائیں۔ عرض کیا: بسر وچشم۔ چنانچہ میر فیض علی چلے گئے اور پھولڑہ میں سید احمد علی کے ساتھ شہید ہوئے۔

شاہ اسماعیل کا واقعہ

سید صاحب، مولانا شاہ اسماعیل اور دوسرے اکابر کا عام شیوہ تھا کہ خود شدائد کی برداشت میں پیش قدمی کرتے اور اس طرح دوسروں کو ترغیب وتعلیم دیتے۔ سید جعفر علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نقوی بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر سکھوں نے چھتر بائی کا قصد کیا، ایک زنبورک کو امب سے چھتر بائی پہنچانا منظور تھا، مولانا نے مجھے طلب فرمایا اور کہا آؤ اسے اٹھائیں، اٹھائی اور سینے تک پہنچی تو مولانا نے اپنے کندھے پر رکھوانی چاہی، میں نے عرض کیا کہ بھاری ہے، مجھے اٹھانے دیجئے۔ فرمایا: مصلحت یہی ہے کہ میرے کندھے پر رکھو، اس حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ بوجھ کی زیادتی سے مولانا کے پاؤں لڑکھڑانے لگے، آس پاس کے لوگوں نے دیکھا تو بھاگے آئے اور زنبورک سنبھال لی، مولانا نے فرمایا کہ تین کوس کا فاصلہ طے کرنا ہے، باری باری اٹھاؤ۔

منشی مہتاب رائے کی حق گوئی

ہری سنگھ کے مشیروں میں ایک صاحب منشی مہتاب رائے بڑے مہذب، وضع دار اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ زمانہ قیام امب میں معلوم ہوا کہ ایک روز کسی نے ہری سنگھ کی مجلس میں سید صاحب کا نام بے تمیزی سے لیا، یہ سنتے ہی منشی مہتاب رائے نے ہری سنگھ سے کہا: ''اب آپ کی مجلس شرفا کے قابل نہیں رہی، اس میں رذیل گھس آئے ہیں، جو شرفا کا نام کمینگی سے لیتے ہیں۔ اگر ایسی باتیں ہوتی رہیں تو میں نوکری چھوڑ دوں گا اور سید صاحب کے پاس چلا جاؤں گا، جو میرے ہم وطن ہیں۔''(۱)

ہری سنگھ معاً متنبہ ہوا اور منشی مہتاب رائے کو سراہتے ہوئے بولا: لڑنا بھڑنا سپاہیوں کا کام ہے، لیکن فحش و دشنام پاجیوں اور رذیلوں کا شیوہ ہے۔ یاد رکھو ہماری مجلس میں آئندہ کوئی شخص خلیفہ صاحب کا نام بے تمیزی سے نہ لے۔

ہری سنگھ ایک مرتبہ سکندر پور سے تنول کے دورے پر نکلا، پانچ ہزار آدمی ساتھ

(۱) ''منظورہ'' کے الفاظ یہ ہیں: مجلس سرکار شا مجلس شرفا نیست۔ مردم اراذل در حضور مجلس ے مانندو نام سادو شرفا بہ بے تمیزی بر زباں ے آرند و سلکی خود اظہاری نمایند۔ اگر کسے خاک برآفتاب ے انداز در روئے خود را آلودہ ے سازد۔ (ص ۶۰)

تھے۔ قادر آباد میں ٹھہرا پھر ہزار بارہ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر کر پلیاں کے عقب سے در بند گیا، چھتر بائی پر کچھ گولے بھی پھینکے۔ واپس ہوا تو میرزا حسین بیگ نے اس کے سواروں پر تاک کر گولے مارے، پہلے گولے سے ایک سوار اڑ گیا، دوسرے گولے سے ہری سنگھ کا چتر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا پھر سارے سکھ پراگندہ ہو گئے۔

کاروبارِ جہاد اور ملاؤ سادات

سید عبدالرؤف ساکن بابزہ (ضلع ہشت نگر) نے ایک روز سید صاحب سے شکایت کی کہ میں گھر چلا گیا تھا، واپس آیا تو مولانا نے مجھ پر سخت عتاب فرمایا۔ مولانا بھی اس وقت موجود تھے، وہ بولے: دنیا داروں کے نوکر بھی افسر سے اجازت لئے بغیر ادھر اُدھر نہیں ہوتے، یہ کیوں بے اجازت چلے گئے؟

پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> تجویز عہدہ کہ فلاں کس قابل فلاں کار است ایں امر امام رامی سزد، اما کسانیکہ ہمراہ ما خواہند بود ما در گرفتن کار و بار جہاد، مولوی باشد خواہ ملا رعایت نخواہیم کرد، زیرا کہ تمام کاروبار لشکر اسلام عبادت است ودر کار عبادت ملا وسادات را مسابقت تمام مے باید۔ پس شکایت من از ایشاں عبث محض قابلِ شکایت خود شاں اند کہ بے اجازت امیر بہ خانہ خود رفتند۔
>
> **ترجمہ:** عہدے کی تجویز کرنا یعنی یہ فلاں شخص فلاں کام کے لائق ہے، یہ امام ہی کو زیبا ہے۔ لیکن جو لوگ میرے ساتھ ہوں گے مولوی ہوں یا ملا، میں ان سے کام لینے میں رعایت نہ کروں گا۔ لشکر اسلام کا سارا کاروبار عبادت ہے اور عبادت میں ملاؤں اور سیدوں کو سبقت کرنی چاہئے۔ پس میرے بارے میں ان کی شکایت بالکل بے اصل ہے، بلکہ شکایت ان سے ہونی چاہئے کہ امیر کی اجازت کے بغیر گھر چلے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک دلچسپ مناظرہ

ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ بعض دل دیوانے ہوتے ہیں، مجھے بہشت کی بھی خواہش نہیں، محض اللہ کی رضا پر نظر ہے۔ چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے راضی رہے، خواہ بہشت سے جدا رکھے۔ خواہ بہشتیوں کا خدمت گزار بنائے، میرا دل تو رضا سے وابستہ ہے۔

مولانا نے یہ سن کر کہا کہ یہ بڑا اونچا مرتبہ ہے، لیکن بہشت سے بے پروائی کا ذکر زبان پر نہ لائیں۔ اس لئے کہ بہشت سے مراد حق اور دوزخ سے مراد باطل ہے، پس مومن کیلئے حق سے بے پروائی مناسب نہیں۔

سید صاحب: میاں صاحب! جب خدا راضی ہوگا تو بندے کو خود بہشت میں بھیجے گا۔ اصل بہرحال اس کی رضا ہے، بہشت محض رضا کی ایک شاخ ہے۔

مولانا: ایسا نہیں بلکہ بہشت کی بہترین شاخوں میں سے رضا ایک شاخ ہے۔

مولوی عبدالوہاب قاسم نے معاً یہ آیت پڑھی:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ. وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورہ توبہ)

ترجمہ: مومن مردوں اور عورتوں کیلئے اللہ کی طرف سے (نعیم ابدی کے) باغوں کا وعدہ ہے، جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ان سب سے بڑھ کر نعمت یہ کہ اللہ کی خوشنودی کا ان پر نزول ہوگا، اور یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

اور کہا کہ اس سے ظاہر ہوا کہ رضا دوسری چیز ہے، جس کا ایک ثمرہ بہشت بھی ہے۔

مولانا: چونکہ بہشت کی بہترین شاخ رضا ہے، اس لئے اسے شرف و برتری کے باعث الگ بیان کیا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب: میں تو نہ تکلیف کا خواہاں ہوں نہ راحت کا، دل سراسر رضا کے خیال سے لبریز ہے۔

تفسیر ''صبر''

مولانا نے ایک روز صبر کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور نفسانی۔ بدنی کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک فعلی دوسری انفعالی۔ فعلی یہ ہے کہ انسان اعمال شاقہ بہ طیب خاطر ادا کرے، انفعالی یہ کہ اگر اس پر شدائد و مصائب آئیں تو ثابت قدم رہے۔ نفسانی کے بہت سے پہلو ہیں مثلاً:

۱۔ اگر انسان بطون و فروج کی شہوتوں سے محفوظ رہے تو اسے عفت کہتے ہیں۔

۲۔ اگر طلب فضول سے پرہیز کرے تو اسکا نام زہد و قناعت ہے۔

۳۔ اگر مصیبت کے وقت جزع فزع کرے تو یہ معروف صبر ہوگا۔

۴۔ اگر حالت جنگ میں فرار سے باز رہے تو اسے شجاعت کہا جائے گا، یہ بھی صبر نفسانی ہی کا ایک پہلو ہے۔

۵۔ اگر غضب کی حالت میں انسان دوسرے کو مارنے یا برا بھلا کہنے سے باز رہے تو یہ حلم ہوگا۔

۶۔ کسی مہم کے سرانجام میں تحیر و اضطراب سے محفوظ رہنے کو وسعت حوصلہ قرار دیں گے۔

۷۔ اظہار اسرار میں ضبط و صبر کو راز داری سے تعبیر کریں گے۔

اس طرح ثابت کر دیا کہ انسان کے اکثر محاسن و فضائل دراصل صبر ہی کے مختلف شیون و مظاہر ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ داراب کا واقعہ

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ میں ایک روز سید صاحب کے پاس بالا خانے میں تھا، شیخ داراب میری تلاش میں نکلے، مغرب کے بعد ذرا اندھیرا ہو چکا تھا، انہیں معلوم نہ تھا کہ راستے میں ایک کوٹھری کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ سیدھے آئے اور نیچے گر گئے، سید صاحب نے گرنے کی آواز سنی تو عجلت سے باہر تشریف لائے اور پوچھا: ''بھائی! کون ہے؟'' شیخ نے آواز دی کہ داراب ہوں اور فلاں افسر کے ہمراہیوں میں سے ہوں۔ پھر پوچھا: ''بھائی! چوٹ تو نہیں لگی؟'' داراب نے عرض کیا کہ آپ کی دعا سے محفوظ رہا۔

حروف مقطعات اور مسئلہ عشر

قابل اخوندزادہ نے ایک روز مولانا شاہ اسماعیل سے حروف مقطعات کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فوراً یہ آیت تلاوت فرمادی:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَايَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ. (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: پس جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ (محکم آیتوں کو چھوڑ کر) متشابہ ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اس غرض سے کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی تاویل معلوم کریں، حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مسئلہ عفوِ حقوق

حسن زئی ایک موقع پر آئے اور سید صاحب سے عفو عشر کی درخواست کی، آپ نے غالباً بغرض تالیف قلوب یہ درخواست قبول فرمالی۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو مولانا نے رؤسائے قوم کو طلب کر کے فرمایا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عشر مثل زکوٰۃ وخمس من جملہ حقوق است و امام را در معاف نمودن آں اختیار نیست بلکہ اگر خود امام زراعت کند عشر از غلہ او در بیت المال رسانیدن واجب شود۔

ترجمہ : عشر بھی خمس و زکوٰۃ کی طرح منجملہ حقوق شرعی ہے اور امام کو اس کی معافی کا اختیار نہیں، بلکہ امام بھی اگر زراعت کرے گا تو لازم ہوگا کہ غلے کا عشر بیت المال میں پہنچائے۔

جب ان پر ثابت ہو گیا کہ یہ شرعی امر ہے اور معاف نہیں ہو سکتا تو انہوں نے قبول کر لیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکیسواں باب:

سکھوں کا پیغامِ مصالحت

پیغامِ مصالحت

رنجیت سنگھ کو ابتدا میں خیال ہوگا کہ سید صاحب بھی ویسے ہی جاہ طلب آدمی ہیں جیسے مغلوں کے زوال پر ہندوستان میں جا بجا پیدا ہو گئے تھے، اور ان میں سے بعض نے ریاستیں بھی قائم کر لی تھیں۔ خود رنجیت سنگھ بھی انہیں میں سے تھا، اس وجہ سے اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ دو چار شکستوں کے بعد وہ دل برداشتہ ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ سید صاحب جس طرف جاتے ہیں فضا کو جلد از جلد سازگار بنا کر زبردست جنگی محاذ پیدا کر لیتے ہیں، نیز اسے غازیوں کی بے غرضی، شانِ ایثار اور راہِ حق میں بے مثال شجاعت کا صحیح اندازہ ہو گیا تو اس نے صلح کے ذریعے سے سید صاحب کو رام کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک فوج کنور شیر سنگھ، دنتورا اور ایلارڈ کے زیرِ سرکردگی علاقہ میں سرحد میں بھیج دی، فوج کے ساتھ ہی ایک سفارت بھی سید صاحب کی خدمت میں اسب پہنچ گئی، جو وزیر سنگھ اور فقیر عزیز الدین پر مشتمل تھی۔ (۱) سفیر یہ پیغام لائے کہ مہاراجہ ماورائے دریائے سندھ کا پورا علاقہ حوالہ کرنے کیلئے تیار ہے، بشرطیکہ اس پر قناعت کی

---

(۱) رواتیوں میں ہے کہ وزیر سنگھ، رنجیت سنگھ کے اقربا میں سے تھا، مجھے اس کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ فقیر عزیز الدین، حضرت عبداللہ المومن انصاری کے اخلاف میں سے تھے، اسی بزرگ کی اولاد میں میرے عزیز دوست حکیم احمد شجاع ہیں جو علم و فضل میں شہرتِ عام کے باعث تعارف کے محتاج نہیں۔ فقیر عزیز الدین، رنجیت سنگھ کے طبیب خاص، مشیر، معتمد اور کفیل امور خارجہ تھے، انکی گفتگو بڑی دلکش ہوتی تھی۔ ان کے دو حقیقی بھائی، فقیر نور الدین اور فقیر امام الدین بھی سکھوں کے عہد میں بلند عہدوں پر فائز تھے، فقیر عزیز الدین کے دو صاحبزادے تھے، شہاب الدین اور چراغ الدین۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جائے اور دریا کے مشرقی و جنوبی کناروں کے علاقوں پر حملے ترک کر دیے جائیں۔ رنجیت سنگھ نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ خلیفہ صاحب فقیر ہیں، میں امیر ہوں، امیروں کا فرض ہے کہ فقیروں کی خدمت کریں، فقیروں کا کام دعا گوئی ہے۔ اگر خلیفہ صاحب زیادہ قصد کریں گے تو حریص اور دنیادار سمجھے جائیں گے، نیز یہ امر لڑائی کا موجب بنا رہے گا، جس میں فریقین کا نقصان یقینی ہے۔

وکیل بھیجنے کا فیصلہ

سید صاحب نے سفیروں کی مدارات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا۔ ان کے ساتھ گفتگو کی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ قرائن یہ ہیں کہ سید صاحب نے اپنے مقاصد تفصیل سے بیان فرما دیے ہوں گے، پھر فیصلہ ہوا کہ آپ اپنے وکیل کنور شیر سنگھ، دنتو را اور ایلارڈ کے پاس گفتگو کے لئے سمہ بھیج دیں۔ اس کی ضرورت غالباً یوں پیش آئی کہ سفیر چاہتے تھے کہ سید صاحب کا نقطۂ نگاہ کنور اور بڑے سالاروں کے ذریعے سے بھی رنجیت سنگھ تک پہنچ جائے۔

سید صاحب نے سفیروں کو عزت کے ساتھ رخصت کیا، روایتوں میں ہے کہ وزیر سنگھ سید صاحب کے پاکیزہ اوضاع و اطوار اور پاکیزہ افکار دیکھ سن کر مسلمان ہو گیا۔ مصلحۃً اس نے اپنا اسلام مخفی رکھا، ہر نازک موقع پر وہ سید صاحب کو خیر خواہانہ ضروری خبریں بھیجتا رہا، اکا دکا آنے والے غازیوں کی بھی امداد کرتا رہا۔

سید صاحب نے اپنی طرف سے مولوی خیر الدین شیر کوٹی (۱) اور حاجی بہادر شاہ خاں کو وکیل بنا کر پنجتار بھیج دیا تا کہ وہاں سے سمہ جا کر شیر سنگھ، دنتو را اور ایلارڈ سے

(۱) "منظورہ" میں ہے کہ شروع میں سید صاحب کو مولوی شیر کوٹی کا خیال نہ تھا، اچانک وہ سامنے آ گئے تو سید صاحب نے فرمایا: مولانا آپ کا خیال مجھے بالکل نہیں رہا تھا، تین روز سے حاجی بہادر شاہ کو ضروری باتیں بتا رہا ہوں اور دل مطمئن نہیں، آپ جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملاقات کریں۔ خرچ راہ کے لئے انہیں دس روپے بیت المال سے دیے گئے، آپ نے بڑی بڑی سفارتوں کے حالات پڑھے اور سنے ہوں گے، ان کے مقابلے میں سید صاحب جیسے درویش باصفا کی سفارت بظاہر آپ کی نظروں میں کیا جچے گی، جس کے خرچ کے لئے کل دس روپے کافی سمجھے گئے؟ تاہم ان درویش سفیروں کی شانِ اداءِ فرائض سب سے ممتاز نظر آئے گی۔

ملاقات

مولوی خیر الدین اور حاجی بہادر شاہ خاں نے پنجتار سے سلیم خاں پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع سکھ لشکر میں بھیج دی، وہاں سے پانچ سوار پیشوائی اور رہنمائی کے لئے آئے، لشکر میں پہنچے تو ان کے لئے جو قیامگاہ تجویز ہو چکی تھی وہاں اُترے۔ چاول، آٹا، گھی، بکرا اور بیس روپے بطور دعوت ان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ دوسرے روز وزیر سنگھ انہیں دنتورا اور ایلارڈ کے پاس لے چلنے کی غرض سے آیا۔ دنتورا نے کہہ دیا تھا کہ سفیر چاہیں تو ہتھیاروں سمیت آئیں۔ اس ملاقات میں ایلارڈ کے علاوہ وزیر سنگھ اور فقیر عزیز الدین بھی دنتورا کے پاس موجود تھے۔ ایک اخبار نویس اس غرض سے بلا لیا گیا کہ گفتگو کی تفصیل لکھتا جائے۔ دنتورا بے تکلف فارسی بولتا تھا، اس نے سب سے پہلے پوچھا کہ آپ دونوں صاحبوں میں سے علومِ دین کا زیادہ ماہر کون ہے؟ حاجی بہادر شاہ خاں نے مولوی خیر الدین کی طرف اشارہ کیا۔ دنتورا نے کہا کہ میں کچھ علمی گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی خیر الدین بولے کہ اگر دینی گفتگو منظور ہے تو سخت جواب سے رنجیدہ نہ ہوں۔ دنتورا نے کہا کہ جو مناسب سمجھیں کہیں، لیکن گفتگو عالمانہ ہونی چاہیے، میں خود بھی مذہب اسلام کا مطالعہ کر چکا ہوں اور اسلامی تاریخ کی کتابیں بھی دیکھ چکا ہوں۔(۱)

(۱) روایتوں میں ہے کہ دنتورا زراجوان تھا اور ایلارڈ قدرے معمر۔ دورانِ ملاقات میں ایلارڈ زیادہ تر خاموش رہا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غلط فہمی کا ازالہ

اس کے بعد یوں گفتگو ہوئی:

دنتورا: ہمارا ڈیرہ جب حضرو میں تھا تو ایک فقیر صورت آدمی ہمارے پاس آیا تھا، کہتا تھا کہ میں خلیفہ صاحب کا آدمی ہوں، اس نے تجویز پیش کی تھی کہ اگر مہاراجا رنجیت سنگھ علاقہ یوسف زئی کی مال گزاری خلیفہ صاحب کی معرفت وصول کر لیا کریں تو فوج کشی کی ضرورت نہ رہے اور ملک تاخت وتاراج کا ہدف نہ بنے۔ یہ تجویز مجھے پسند آئی، اسلئے کہ اس میں فریقین کی بھلائی ہے، کیا یہ درست ہے؟

مولوی خیر الدین: یہ بالکل غلط ہے، معلوم نہیں وہ کون شخص تھا، اس نے افسوسناک سخن سازی سے کام لیا۔ ہمارے حضرت کو کفار کا فرمانبردار بننے اور انہیں مالیہ دینے سے کیا واسطہ؟ وہ ملک وجاگیر کے لئے اس دور دست سرزمین میں نہیں آئے۔

ارکانِ اسلام

دنتورا: اگر ملک وجاگیر کی طمع نہیں تو بے سروسامانی کے باوجود اس فرمانروا سے جنگ کا قصد کیوں رکھتے ہیں، جو خزائن وممالک کا مالک ہے، اور جس کے جھنڈے تلے بہت بڑا لشکر جمع ہے؟

مولوی صاحب: آپ نے سنا ہوگا کہ امیر المومنین ہندوستان میں بڑی عزت ووجاہت کے مالک ہیں، لاکھوں آدمی ان کے مرید ہیں۔ وہاں امیروں کی طرح عیش وآرام کی زندگی میسر تھی، اسے چھوڑ کر پہاڑوں میں سرگردانی کی ضرورت نہ تھی، انہیں ہر قسم کی راحت حاصل تھی۔ حکام ان کی توقیر کرتے تھے، اس زندگی سے کنارہ کش ہو کر اس کوہستان کے اندر رات دن محنت ومشقت برداشت کرنا اور بے سروسامانی کے باوجود ایک قوی اور صاحب ملک وفوج دشمن کے مقابلے کا ارادہ رکھنا کسی بھی عقلمند کے نزدیک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بے سبب نہیں ہوسکتا۔

غور سے سنئے! سبب یہ ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں، جنہیں بجالانے کی اشد تاکید ہے۔ اول نماز جو ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، یہی حالت روزے کی ہے۔ زکوٰۃ صرف دولت مندوں کے لئے ہے، جب ان کے مال پر ایک سال گذر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں دے دینا چاہئے۔ حج ان تینوں سے زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ یہ عبادت صاحب استطاعت کو عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا کرنی پڑتی ہے، لیکن اس میں سمندر کے سفر کی تکلیفیں ہیں، جان کیلئے خطرات و مہالک ہیں، گھر بار سے جدا ہونا پڑتا ہے، دوسرے شدائد بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے اکثر مالدار بھی اس رکن کی بجا آوری میں سستی کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے حضرت نے بے سروسامانی کے باوجود سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ حج کیا اور ہزاروں روپے خرچ کئے۔ کسی مالدار میں بھی آج ایسی ہمت نہیں۔

دنتورا: بے شک موجودہ زمانے میں اس طرح کسی نے حج نہیں کیا۔

جہاد فی سبیل اللہ

مولوی صاحب: جہاد حج سے بھی مشکل تر عبادت ہے، یہ عبادت محض مال کی کثرت کے بل پر بھی ادا نہیں ہوسکتی۔ ہاں اللہ کی توفیق شامل حال ہو تو سب کچھ ممکن ہے، مشکلات کی وجہ سے عبادت جہاد کا ثواب بھی سب سے زیادہ ہے، اس لئے کہ اس عبادت میں جان و مال اور عیال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ جہاد محض ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر فرض نہ تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام وغیرہ پر بھی فرض تھا۔ یہ حقیقت آپ پر تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دنتورا: بے شک۔

مولوی صاحب: ہمارے حضرت خدا کی عنایت سے بارگاہ الٰہی کے مقبول، صاحب ارادہ اور صاحب عزم ہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ عبادت بھی ادا فرمائیں۔ اس کی دو شرطیں ہیں: اول وجودِ امام جسے عرف میں سردار کہا جاتا ہے۔ دوم جائے امن۔ ہندوستان میں جائے امن نہ تھی، سنا جاتا تھا کہ قوم یوسف زئی کو سکھوں سے جہاد درپیش ہے اور انکے پاس سردار نہیں، لہٰذا ہمارے حضرت چھ سو آدمیوں کے ساتھ یہاں تشریف لے آئے۔ یہاں کے مسلمانوں کو ترغیب و تحریص سے اس کارِ خیر پر آمادہ کیا، حضرت کے دستِ مبارک پر بیعتِ امامت ہوئی، اسی دن سے سب آپ کو امام، امیر المومنین یا خلیفہ کہنے لگے۔

یہ بھی سمجھ لیجیے کہ جہاد کا مطلب جنگ اور ملک گیری نہیں، اس لفظ کے معنی ہیں اپنی طاقت و قوت کے مطابق اعلاءِ کلمۃ اللہ میں سعی و کوشش۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ امام کا سامان اعدا کے برابر ہو، ہاں یہ ضروری ہے کہ دین کی ترقی میں انتہائی سعی کی جائے، اس سلسلے میں اگر جنگ بھی پیش آجائے اور مصلحت کا اقتضا یہی ہو تو حرب و ضرب میں بھی توقف نہ کیا جائے۔ لیکن اصل مطلب محض ترقی دین ہے، فتوحات اس کا محض ثمرہ ہیں۔ سب سے بڑی فتح یہی ہے کہ انسان زندگی بھر مجاہد فی سبیل اللہ بنا رہے۔ غازیوں کے درجے قرآن مجید میں واضح کر دیے گئے ہیں، اگر وہ شہید ہو جائیں تو اس رتبے پر پہنچ جاتے ہیں کہ رسالت کے بعد اس سے بڑا رتبہ کوئی نہیں، اگر فتح پائیں اور ملک ہاتھ آئے تو نورٌ علیٰ نور۔

سامان اور بے سامانی

دنتورا: بے شک آپ کے مذہب میں جہاد اور شہادت کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب: یہ عجیب بات ہے کہ ابھی آپ مان چکے ہیں کہ دوسرے پیغمبروں نے بھی جہاد کیا، پھر "آپ کے مذہب" کی قید کا کیا مطلب؟ کہنا چاہئے کہ اس عبادت کا درجہ سب پیغمبروں کے نزدیک بہت اونچا ہے۔

دنتورا: میں مانتا ہوں، لیکن یہ بات خلاف عقل ہے کہ ایک ایسا آدمی یہ ارادہ کرے، جس کے پاس نہ فوج ہے نہ توپیں ہیں۔ نہ مال ومتاع ہے، نہ ملک ہے۔

مولوی صاحب: اہل دنیا کو فوجوں، توپوں اور خزانوں پر اعتماد ہے، ہمارا بھروسا صرف خدائے قادر وتوانا کی قدرت وقوت پر ہے۔ نہ ہمیں فتح کا دعویٰ ہے اور نہ شکست کا غم۔ یہ دونوں چیزیں خدائے قادر کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ.

بسا اوقات چھوٹے گروہوں نے خدا کے حکم سے بڑے گروہوں پر غلبہ پایا۔

اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو تاریخ دانی کا دعویٰ غلط ہے، اس لئے کہ تاریخوں سے ثابت ہے بہت سی جبار وسرکش قوتیں فقیروں اور کمزوروں کے ہاتھ سے پامال ہوئیں، خصوصاً پیغمبروں کو ہر جگہ ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ ان میں سے کسی کے پاس خزانہ یا توپیں یا فوجیں نہ تھیں، اپنے مسکین وفقیر ہمراہیوں میں سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں لے کر اٹھے اور بڑے بڑے جابروں کے سر توڑ ڈالے۔ تابعوں نے بھی ان کی پیروی میں بڑی بڑی سلطنتوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

ایلارڈ: ایسا نہیں ہوسکتا کہ بے سروسامان اہل سامان پر اور بے سلاح ارباب سلاح پر غالب آجائیں۔

دنتورا: (ایلارڈ سے) مولوی صاحب سچ فرماتے ہیں کہ بڑے چھوٹوں کے ہاتھ سے بھی تباہ ہوتے رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تجویز مصالحت

(پھر دھنتو را مولوی صاحب سے مخاطب ہوا) ہم بات کچھ کر رہے تھے بیچ میں اور ذکر چھڑ گیا، ہمیں خلیفہ صاحب سے محبت ہے، جس کی وجہ سے سرکار خالصہ میں بدنام ہو گئے ہیں، یہ محبت جنگ کے موقع پر کسی کام نہ آئے گی؟

مولوی صاحب: یہ درست ہے کہ آپ اپنی سرکار میں نمک حرام ٹھہریں گے۔

دھنتو را: میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تحائف وہدایا کی رسم جاری ہو جائے، پہلے میں کوئی چیز بھیجتا ہوں پھر خلیفہ صاحب بھیجیں تاکہ مجھے واپس جانے کیلئے عذر ہاتھ آجائے، بعد میں خلیفہ صاحب یوسف زئیوں کے باب میں جو چاہیں کریں، اس ملک پر خالصہ فوج نہیں آئے گی۔

مولوی صاحب: ہمارے حضرت صاحب کو آپ کی دوستی اور محبت سے کوئی غرض نہیں، اگر آپ کو غرض ہے تو پہلے خود سلسلہ جنبانی کریں۔ ہمارے حضرت بڑے عالی حوصلہ اور بلند ہمت بزرگ ہیں۔ آپ کے تحائف کے معاوضے میں ضرور تحائف بھیجیں گے، مگر ان کی سرکار کے تحفے کیا ہیں؟ کسی کو سربند کلاہ یا جبہ عنایت فرما دیا، حضرت کے پاس عمدہ ہتھیار بھی ہیں، ممکن ہے کوئی ہتھیار بھیج دیں۔

دھنتو را: ہمیں سربند و کلاہ وسلاح کی حاجت نہیں، ہاں گھوڑا مرحمت فرمائیں تو بات بھی ہے۔

مولوی صاحب: میں آپ کا مطلب سمجھ گیا، گھوڑا ہم کبھی نہ دیں گے۔(1)

---

(1) سکھوں کا عام دستور تھا کہ اہل سرحد سے گھوڑے، باز اور شکاری کتے خراج میں لیتے تھے، اور گھوڑا دے دینے کو نشانِ اطاعت سمجھا جاتا تھا۔ دھنتو را بہ لطائف الحیل گھوڑا لے کر سید صاحب کو دربار لاہور کا مطیع ثابت کرنا چاہتا تھا۔ مولوی صاحب پر یہ حقیقت آشکارا تھی اس لئے بہ شد و مد انکار کیا۔ بونڑے کے چاول بہت مشہور تھے، سکھ یہ چاول بھی کثیر مقدار میں دورانی سرداروں سے سال بہ سال وصول کرتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دنتورا: اپنی طرف سے انکار نہ کیجئے، خلیفہ صاحب کو لکھئے وہ بڑے عاقل اور معاملہ فہم ہیں، امید ہے اس بات کو خوشی سے مان لیں گے۔

گھوڑا کیا گدھا بھی نہیں دے سکتے

اس موقع پر فقیر عزیز الدین اور حاجی بہادر شاہ خاں نے بھی مولوی خیر الدین سے کہا کہ جرنیل صاحب کی یہ تجویز مان لینے میں مضائقہ نہیں۔ لیکن مولوی صاحب بولے: ''جو شخص ملک وجاگیر کا طلب گار ہو، اس کے لئے یہ چیز اچھی ہوگی، جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کی نیت سے نکلا ہے، اس کیلئے یہ بہت بری ہے۔ چنانچہ جو شخص نماز، روزہ یا دوسرے نیک کام محض خلق خدا میں بزرگی حاصل کرنے کی غرض سے کرتا ہے وہ کام اس شخص کیلئے عذاب وخسران کا باعث بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جہاد بھی فسادِ نیت سے باعث وبال ہو جاتا ہے کہ ہم نے انہیں امام بنایا ہے اور امام کے بغیر جہاد ہو نہیں سکتا، لیکن جو شئے ثوابِ جہاد میں افساد کا باعث ہے، اس سے انکار میں ہم اور حضرت برابر ہیں۔

دنتورا نے دو تین مرتبہ اصرار کیا، مولوی صاحب بولے کہ اصرار بے سود ہے، ہم آپ کو گھوڑا کیا گدھا بھی نہیں دے سکتے۔ آپ سے خراج وجزیہ لینے کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں، آپ کو کس طرح دیں؟

ختم ملاقات

دنتورا: اچھا اگر خلیفہ صاحب باوجود بے سروسامانی مہاراجہ جیسے صاحب لشکر وجاہ وحشمت کے مقابلے میں کامیاب ہو جائیں گے تو ہم ان کی اطاعت قبول کر لیں گے۔

مولوی صاحب: میں حضرت کا حال آپ سے کیا کہوں؟ آپ نے انہیں دیکھا نہیں، اگر ایک دفعہ مل لیں تو یقین ہے کہ ان کی باتیں سن کر آمنا وصدقنا کے سوا کچھ آپ کی زبان پر نہ آئے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دنتورا: اچھا! اگر آپ یہ تجویز لکھ کر خلیفہ صاحب کے پاس نہیں بھیج سکتے تو زبانی بات کرلیں۔

مولوی صاحب: اطمینان رکھیے ایک ایک بات حضرت کی خدمت میں پہنچے گی۔

دنتورا: جو جواب دیں ہمیں حضرو کے مقام پر پہنچا دیا جائے۔

مولوی صاحب: جواب بھیجنا میرے اختیار میں نہیں، یہ حضرت کے اختیار میں ہے۔

دنتورا: جو کچھ آپ نے ہمارے سامنے بیان کیا ہے، کیا آپ ہمارے کنور صاحب (شیر سنگھ) کے سامنے بھی بیان فرمائیں گے۔

مولوی صاحب: انشاءاللہ تعالیٰ مع شے زائد۔

قصدِ حملہ اور مراجعت

مولوی صاحب پنجتار ہوتے ہوئے امب پہنچے اور مفصل گفتگو سید صاحب کو سنائی۔ جب اس بات پر پہنچے کہ ہم گھوڑا کیا گدھا بھی نہیں دیں گے، تو سید صاحب نے خوش ہو کر فرمایا: اسی غرض سے میں نے آپ کو بھیجا تھا، دوسرے شخص سے ایسی صاف گوئی ممکن نہ تھی۔ سید صاحب نے جواب بھیجنے کے متعلق مشورہ طلب فرمایا تو مولوی صاحب نے کہا کہ فضول باتوں کے جواب کی ضرورت نہیں، اسی وجہ سے میں نے جواب بھیجنے کا اقرار نہیں کیا تھا۔

اب صرف دو سوال رہ گئے، اول یہ کہ گفتگو کب ہوئی؟ میرا اندازہ ہے کہ یہ مئی ۱۸۳۰ء میں ہوئی۔ دوم یہ کہ دنتورا جب پہلے مولوی خیر الدین سے مل چکا تھا تو گفتگو میں سابقہ معرفت کا حوالہ کیوں نہ دیا؟ میرا خیال ہے کہ یہ فروگزاشت راوی سے ہوئی، جس نے صرف خاص مطالب کا بیان کافی سمجھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بائیسواں باب:

سمہ میں انتظامِ عشر

قاضی سید محمد حبان کی تجویز

پایندہ خاں سے مصالحت کی صورت پیدا ہوگئی تو قاضی سید محمد حبان نے یہ تجویز پیش کی کہ علاقہ سمہ میں سرکشی کے آثار نمودار ہیں۔ جن لوگوں نے خود بخود اداے عشر کا اقرار کیا تھا وہ بھی بے پروا ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کچھ لشکر میرے ہمراہ کر دیں تو میں وعظ ونصیحت سے سارے اہل سمہ کو حلقہ بگوش بنا دوں، جو نہ مانیں انہیں بہ زور راضی کروں، لیکن شرط یہ ہے کہ مجھے اس لشکر کا امیر بنا کر پورے اختیارات دیدیے جائیں۔ اس لئے کہ میں مقامی آدمی ہوں اور اپنے اہل وطن کی طبیعت ومزاج کو خوب جانتا ہوں، ایسا آدمی یہاں اور کوئی نہیں۔ مولانا شاہ اسماعیل کو میرے ساتھ کر دیں تاکہ اگر مجھ سے نادانستہ کوئی فعل خدا اور رسولؐ کی رضا کے خلاف سرزد ہونے لگے تو مولانا روک دیں۔

قاضی صاحب کی روانگی

سید صاحب کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔ پکھلی کی سمت پیش قدمی رک گئی تھی اور معلوم نہ تھا کہ کب تک حالات سازگار ہوں۔ اس اثناء میں سمہ کے اندر نظامِ شریعت کو مستحکم بنا لینا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے تین سو سوار اور اڑھائی سو پیادے قاضی صاحب کے ساتھ کر دیے۔(۱)

---

(۱) "منظورہ" میں ہے: قریب شش صد سوار و پیادہ ونقارہ شتری وزنبورک ہمراہ کردہ شد۔ ایک روایت میں ہے کہ پایندہ خاں نے بھی کچھ آدمی ساتھ کر دیے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سب کو ہدایت فرمادی کہ قاضی صاحب کے احکام بہ دل و جان مانیں، چھ ضرب زنبورکیں بھی دے دیں، ایک اونٹ پر نقارہ تھا، مولانا شاہ اسماعیل کے علاوہ رسالدار عبدالحمید خاں کو قاضی صاحب کے ساتھ کر دیا۔ رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ یہ کام خدا اور رسول کا ہے، ایسا نہ ہو کہ اس میں نفس کی خواہش دخیل ہو جائے۔

قاضی صاحب گندف ہوتے ہوئے پا بنی پہنچے۔(۱) غازی جہاں جہاں ٹھہرے دستور کے مطابق لوگوں نے کھانا بھی کھلایا اور گھوڑوں کے لئے چارے کا انتظام بھی کر دیا۔ چارے کا طریقہ یہ تھا کہ ہر شخص کے ہاں سے باری باری ایک بوجھ کاٹا جاتا۔ ایک کھیت والے نے کہا کہ میری باری ہو چکی ہے، کالا باغ کے دو غازی گل شیر خاں اور شہباز نہ رکے، رسالدار تک یہ بات پہنچی تو سخت خفا ہوئے بلکہ گل شیر کے کندھے پر اُلٹی تلوار ماری، پھر لوگوں نے انہیں روک دیا۔

پنجتار پہنچ کر دیوان شاہ کے باغ میں اُترے۔ دو روز تک فتح خاں نے مہمانداری کی، پھر ارد گرد غلے کے لئے حکم بھیج دیا گیا اور دستور کے مطابق رسد تقسیم ہونے لگی۔

خوانین کا اتفاق

ایک روز قاضی صاحب نے فتح خاں سے کہا کہ سکھوں نے سمہ کا جو علاقہ دبا رکھا ہے، ہماری غرض یہ ہے کہ اسے آزاد کرائیں۔ فتح خاں نے کہا کہ میں تو فرمانبردار اور ہر حال میں شریک کار ہوں، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ ان تمام خوانین سے بھی مشورہ کر لیا جائے، جو سکھوں کے تصرفات کی وجہ سے اپنے وطن چھوڑ کر باہر بیٹھے ہیں۔ مثلاً زیدہ کے خان فتح خاں اور ارسلان خان، کھلابٹ کے خان ابراہیم خاں اور اسماعیل خاں، مرغز کے خان سرفراز خاں وغیرہ۔ وہ اگر اس بارے میں متفق ہو جائیں تو اصل مدعا آسانی

(۱) ایک روایت ہے کہ گیارہ بازو کے راستے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے پورا ہو سکے گا۔

ملاؤں سے گفتگو

چنانچہ تمام مہاجر خوانین کو خط لکھوائے گئے، سب نے قاضی صاحب کی تجاویز سے اتفاق کیا۔ پھر انہوں نے اپنی بستیوں کے ملاؤں اور عالموں کو بھی بلا کر بات چیت کی۔ جب سب ایک رائے پر متفق ہو گئے تو فتح خاں نے کہا کہ میں تو اپنی قوم سے قاضی صاحب کو عشر دلانے کا فیصلہ کر چکا ہوں، آپ کو بھی چاہئے کہ جب اپنے علاقوں پر قابض ہو جائیں تو باقاعدہ ادائے عشر کا انتظام کریں۔ یہ تجویز خوانین نے تو بخوشی قبول کر لی، لیکن ملاؤں میں کچھ قیل وقال شروع ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ عشر کی رقمیں ملاؤں کو ملتی تھیں اور نئے انتظام کی رو سے اصل زد براہ راست انہیں پر پڑتی تھی، لہٰذا وہ متذبذب تھے۔

مولانا شاہ اسماعیل اور قاضی حبان نے دوسرے دن ملاؤں اور عالموں کو جمع کر کے مفصل گفتگو کی، مستند کتابوں سے ثابت کیا کہ عشر صرف امام کا حق ہے، ملاؤں کا دعویٰ اس بارے میں بالکل غلط اور بے دلیل ہے۔ انہیں اس کار خیر میں معاون و مددگار رہنا چاہئے، نہ کہ رکاوٹ پیدا کریں۔ وہ بظاہر تو مان گئے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دل سے اس پر راضی نہ تھے، یہی نفاق آمیز صورت حال آئندہ چل کر ہولناک واقعات کی صورت اختیار کر گئی۔

جو روایتیں میری نظر سے گذری ہیں، ان میں کہیں اشارہ تک نہیں کیا گیا کہ مولانا شاہ اسماعیل یا قاضی سید حبان نے ملاؤں اور عالموں کے گزارے کی کوئی دوسری صورت تجویز کر دی تھی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ انہوں نے عشر وصول کرنے کے بعد بیت المال سے ان کے لئے مشاہروں کا انتظام سوچ لیا ہوگا۔ یہ بات خیال میں نہیں آتی کہ اس گروہ کو صدیوں کے وسائل معاش سے محروم کر کے تسکین وتلافی کے لئے کوئی متبادل ذریعہ تجویز نہ کیا ہو۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ سرحدی ملاؤں اور عالموں کے دلی اختلاف کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اولین سرچشمہ یہی واقعہ بنا۔

یہ مقدمات مکمل ہو گئے تو قاضی صاحب نے علماء اور خوانین کو اس نصیحت کے ساتھ رخصت کیا کہ اپنی اپنی بستیوں کے ہر ملک، خان اور عالموں کو سکھوں کی اطاعت سے نکال کر غازیوں کے شریکِ حال ہو جانے کی ترغیب دو، اگر وہ مان جائیں تو خیر، ورنہ ہم خود سمجھائیں گے۔

دورہ شروع ہو گیا

اسی طرح تھوڑی سی مدت میں پیش نظر مقاصد کی اشاعت کا کاروبار بظاہر وسیع پیمانے پر جاری ہو گیا اور کم سے کم وقت میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود قاضی صاحب کو تفہیم و تذکیر کے لئے کہاں کہاں جانا پڑے گا۔

علماء و خوانین نے اپنے اپنے حلقوں میں کیا کیا؟ یہ معلوم نہیں، لیکن تیسرے چوتھے روز ملا صاحب کوٹھا کا ایک خط قاضی صاحب کو ملا، جس کا مفاد یہ تھا کہ اگر آپ سمجھتے ہیں یہاں کے لوگ محض وعظ و نصیحت سے سیدھے راستے پر آ جائیں گے، اور صلح و مدارات سے احکامِ خدا اور رسولؐ کے روبرو جھک جائیں گے، تو یہ دشوار ہے۔ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ زور و قوت سے انہیں مغلوب کیا جائے۔ یہ اطلاع بھی دے دی کہ کھلابٹ کے لوگ آپ کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

قاضی صاحب نے یہ خط خوانین کو سنایا، پھر خود تجویز پیش کی کہ ہمیں فوراً کھلابٹ پہنچ جانا چاہئے اور مخالفوں کو فراہمیٔ قوت کی مہلت نہ دینی چاہئے۔ چنانچہ قاضی صاحب تیسرے روز کھلابٹ کی طرف روانہ ہو گئے، جو پنجتار سے تقریباً سات کوس تھا۔ اس وقت تک آپ کے ساتھ ہندوستانی اور ملکی غازی ملا کر ساڑھے نو سو افراد ہوں گے، ساڑھے چار سو سوار اور پانسو پیادے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ٹوپی سے چار میل جنوب اوتمان نامہ میں اطلاع ملی کہ دو تین ملا مخالفت میں کام کرر ہے ہیں، ایک ٹوپی کے آس پاس کا باشندہ تھا، دوسرا شیخ جانا کا اور تیسرا تواکلئی کا۔ قاضی صاحب انہیں سمجھا کر راہ راست پر لائے، بری رسمیں بند کرادیں، روپے لے کر نکاح کرنے کا سلسلہ ختم کردیا اور باہمی عداوتیں مٹادیں۔

کھلابٹ سے ایک کوس پر نماز ظہر ادا کی، جب بستی پاؤ کوس پر رہ گئی تو قاضی صاحب نے حکم دے دیا کہ سب ٹھہر جائیں، پھر رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ آپ یہاں تیار کھڑے رہیں، ہم پیادوں کو لے کر آگے بڑھتے ہیں، جب ہماری طرف سے بندوق چلے تو فوراً باگیں اٹھا کر بستی کی جنوبی سمت سے حملہ کردیں۔

قاضی صاحب نے شمالی سمت میں ایک ٹیلے پر زنبورک لگا کر گولہ باری شروع کردی۔ اس اثناء میں رسالے کے ایک سوار موسیٰ خاں کو پیشاب کی حاجت ہوئی، وہ اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھا، گھوڑے کی باگ پاؤں کے نیچے دبا کر پیشاب کے لئے بیٹھ گیا، دفعۃً گھوڑا بھڑکا اور اس کی باگ پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ وہ گاؤں کی طرف بھاگا، رسالدار نے آواز دی کہ لینا جانے نہ پائے۔ دو دو چار چار سوار اس کے تعاقب میں نکلنے لگے، قاضی صاحب نے سمجھا کہ سواروں نے ہلّہ بول دیا، چنانچہ انہوں نے بھی گولہ باری چھوڑ کر حملہ کردیا۔ اس طرح ایک معمولی سا واقعہ کامیاب یورش کی شکل اختیار کر گیا۔ پیادہ فوج بستی میں داخل ہوگئی، سواروں کا مقابلہ صرف دو آدمیوں نے کیا اور دونوں مارے گئے۔ غازیوں میں سے کسی کے خراش تک بھی نہ لگا اور کھلابٹ فتح ہوگیا۔ بعد میں معلوم ہوا وہاں مقابلے کے لئے پانچ ہزار آدمی فراہم تھے۔

صلح و اطاعت

کھلابٹ کے اصلی خان ابراہیم خاں اور اسماعیل خاں تھے، قاضی صاحب نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ابراہیم خاں کو خانی کی مسند پر بٹھایا، چار سوار اس کی حفاظت کے لئے مقرر کئے۔ اسماعیل خاں کو اپنے ساتھ رکھا اور مرغز پہنچے، جو کھلا بٹ سے ایک میل پر تھا۔ مرغز کے لوگ مجاہدین کے آنے کی خبر سنتے ہی مطیع ہو گئے، وہاں جس غاصب نے خانی پر قبضہ کر رکھا تھا، وہ بھاگ گیا۔ قاضی صاحب نے مرغز کو وہاں کے اصلی خان سرفراز خاں کے حوالے کر دیا، چار سوار اس کی حفاظت کیلئے بھی چھوڑے اور خود ٹھنڈ کوئی کی طرف روانہ ہو گئے۔

ٹھنڈ کوئی اور اس کے بعد کدا میں بھی مرغز کی سی صورت پیش آئی، یعنی دونوں بستیوں کے لوگوں نے بے چون و چرا فرمانبرداری کا عہد کر لیا۔ مغرب کی نماز قاضی صاحب نے زیدہ اور کدا کے درمیان ایک نالے پر ادا کی اور وہیں مع لشکر ٹھہر گئے۔ اسی جگہ پنج پیر کے خان نے خود آ کر اطاعت کا اقرار کیا، اس طرح ایک دن میں کھلا بٹ، مرغز، ٹھنڈ کوئی، کدا اور پنج پیر زیر فرمان آ گئے۔

رسالدار کی تجویز

ہنڈ وہاں سے تقریباً تین کوس کے فاصلے پر تھا۔ رسالدار عبدالحمید خاں نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں اپنے سوار اور چار ضرب زنبورک لے کر ہنڈ چلا جاؤں، اگر حالات سازگار دیکھوں گا تو وہیں ٹھہر جاؤں گا۔ صبح کے وقت آپ بھی پیادوں کو لے کر آ جائیں۔ اگر دیکھوں گا کہ ٹھہرنا مناسب نہیں تو چلا آؤں گا۔

مولانا اور قاضی صاحب دونوں نے اس تجویز کو پسند فرمایا، چنانچہ رسالدار بے توقف ادھر روانہ ہو گیا۔ جب ہنڈ ایک گولی کے فاصلے پر رہ گیا تو چند گھوڑے زور سے ہنہنائے، تھوڑی دیر بعد قلعے کے چاروں برجوں پر اتنی روشنی ہوئی کہ ارد گرد کی ہر شے دور دور تک صاف نظر آنے لگی۔ رسالدار نے سواروں کو وہیں روک دیا، پھر آہستہ آہستہ انہیں جنوبی سمت میں تالاب کے کنارے کی اوٹ میں پہنچا دیا، وہاں زنبورک لگا کر قلعے پر چار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچ گولے پھینکے۔ بعد ازاں سارے سوار قاضی صاحب کے پاس لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔

ہنڈ پر قبضہ

صبح صادق نمودار ہوئی تو دو آدمیوں نے آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ ہنڈ خالی پڑا ہے، آپ قلعے کے انتظام کے لئے وہاں تشریف لے چلیں۔ پھر ایک ملا آیا اور اس سے ہنڈ کے تخلیے کی تصدیق ہوگئی۔ تخلیے کی تفصیل یہ ہے کہ کھلابٹ، مرغز، ٹھنڈ کوئی، کدا اور پنج پیر کے مطیع ہو جانے کی خبریں ہنڈ پہنچیں تو وہاں جو سکھ فوجی بیٹھے تھے، بہت پریشان ہوئے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ اب ساری بستیوں کے مسلمان متحد ہو کر ہنڈ پر چڑھائی کر دیں گے، اور بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے آہستہ آہستہ سارا ضروری سامان اٹھا کر دریا کے کنارے پہنچایا، پھر کشتیوں میں بیٹھ کر واپس چلے گئے، وہ تقریباً سات سو آدمی تھے۔

مجاہدین ہنڈ پہنچے تو وہاں رسد بہ مقدارِ کثیر جمع تھی، مثلاً گیہوں کے تین کوٹھے، آٹے کے دو کوٹھے، ان کے علاوہ گھی، گڑ اور میوے کے بہت سے کنستر اور بوریاں تھیں۔

قلعہ ڈھانے کی تجویز

ہنڈ کا قلعہ بہت مستحکم اور جائے وقوع کے لحاظ سے بڑا اہم تھا۔ کہتے ہیں کہ اکبر کے زمانے میں اسے بیربل نے تعمیر کرایا تھا، چونکہ یہ دریائے سندھ کے بڑے گھاٹ پر واقع تھا، اس لئے اس کے استحکام کا خاص اہتمام کیا گیا۔ قاضی صاحب نے مولانا شاہ اسماعیل، فتح خاں پنجتاری، فتح خاں اور ارسلان خاں (زیدہ)، اسماعیل خاں (کھلابٹ) اور رسالدار عبدالحمید خاں کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ اسے منہدم کر دینا چاہئے، اگر یہ باقی رہا تو فسادات کا سرچشمہ بنا رہے گا۔

خادے خاں کے بھائی کبھی خود قلعے میں بیٹھ کر ارد گرد کی بستیوں کو لوٹتے تھے، کبھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکھوں کو لا کر اس میں بٹھا دیتے تھے۔ چونکہ قلعہ بہت مضبوط تھا، اس لئے کسی کو ان پر حملے کا حوصلہ نہ تھا۔ انہدام کا فیصلہ ہوتے ہی مانیری، صوابی، کالا درہ، شاہ منصور، پنج پیر، زیدہ، کدد، ٹھنڈ کوئی، کھلابٹ، مرغز، یاجا، بام خیل، منارہ، کندوہ وغیرہ دیہات سے کم وبیش پانچ ہزار آدمی بلا لیے گئے، وہ پھاوڑے کدال لیکر آئے اور سات روز تک قلعے کو ڈھانے میں لگے رہے۔ جب دیکھا کہ اس کا ڈھانا سخت مشکل ہے تو ارادہ ترک کر دیا۔ (۱)

توسیع حلقہ اطاعت

اس کے بعد قاضی صاحب نے فتح خاں پنجتاری، اسمٰعیل خاں کھلابٹ، فتح خاں اور ارسلان خاں زیدہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا:

> یہ ملک فضلِ الٰہی اور امیر المومنین کی دعاء سے سکھوں کے قبضے سے چھوٹا مستحق لوگ اپنے حق کو پہنچے اور عشر شرعی سب نے قبول کیا۔ اب خلاصہ تقریر کا یہ ہے کہ فتح خاں اور ارسلان خاں دونوں بھائی زیدہ کو آباد کریں، نیز اس قلعے (ہنڈ) کو بخوبی زیرِ نظر رکھیں۔ چونکہ قوم رزڑ اب تک پھری ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اسے سیدھا کرنا ضروری ہے، اس لئے ہم غازیوں کو لے کر اس طرف کو جائیں گے۔

قاضی صاحب ہنڈ سے زیدہ گئے، دو روز وہاں گزارے پھر شیوہ پہنچ گئے۔ بستی کے باہر مغربی جانب درختوں کا ایک جھنڈ تھا، وہاں ٹھہرے۔ آنند خاں اور مشکار خاں نے معمول کے مطابق لشکر کو کھانا کھلایا اور جانوروں کے لئے دانے چارے کا بندوبست کیا۔

---

(۱) "وقائع" میں ہے کہ آٹھ دس روز تک بلاناغہ کھودا گیا، سو کی طرف کی منڈیر ایک ہاتھ بھر کھدی اور کسی طرف سے ایک بالشت۔ کھودنے والے تھک آ گئے اور ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ اس لئے کہ وہ زمیندار تھے، سنگ تراش نہ تھے، ورنہ کچھ تو کھد جاتا، لیکن اس کی ہیئت اور رونق بگڑ گئی۔ (ص: ۱۳۴۴) "منظورہ" میں ہے: بسعی و زور بسیارے از مردم چیزے نقصان آنگ نسودہ شد۔ چنانچہ امیر خاں برادر خادے خاں از اں طرف دریا آں را خراب و بے رونق دید و بسیار گریست۔

وہیں تو اکھٹی اور بھیج جاتا کے آدمیوں کو بلایا گیا، ان کا جواب آیا کہ فصل کے درو کا موسم ہے، ہم بہرصورت فرمانبردار ہیں، لیکن عشر کی تکلیف سے ہمیں معاف رکھا جائے۔ قاضی صاحب یہ جواب سن کر سخت خفا ہوئے اور بولے جب تک ان پر شریعت کا تازیانہ نہیں پڑے گا، یہ سیدھے نہیں ہوں گے۔ چنانچہ سید صاحب کے پاس قاضی صاحب نے مزید آدمیوں کے لئے درخواست بھیجی۔ وہاں سے مولوی مظہر علی ایک سو غازیوں کے ساتھ امداد کے لئے آگئے۔

ایک لطیفہ

ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ قاضی سید محمد حبان نے ایک روز وعظ میں فرمایا کہ اہل رسوم خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں، شریعت کا حکم انہیں سنایا جائے تو نہیں مانتے، وہ لوگ عملاً کافر ہیں۔

قاضی صاحب کا ایک شاگرد اس پر پکا ہو گیا، لیکن جب اس نے ایک روز ایک شخص سے یہ بات کہی تو وہ بولا کہ قاضی حبان جھوٹ کہتا ہے۔ یہ بات قاضی صاحب تک پہنچی تو انہوں نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ کیا واقعی تو نے کہا کہ قاضی حبان نے جھوٹ بولا؟ وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا ایسا تو نہیں کہا، البتہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ اہل رسوم کافر نہیں۔ قاضی نے پوچھا کس کتاب میں؟ اس نے جواب دیا: ''منیۃ المصلی'' میں۔

قاضی صاحب یہ سنتے ہی جوش میں آگئے، اسے زمین پر گرا کر گھونسوں سے مارنے لگے کہ نامعقول پڑھتا ہے منیۃ المصلی اور مسئلہ بیان کرتا ہے اہل رسوم کا۔ جن کتابوں میں اہل رسوم کے مسائل ہیں وہ تو تیرے استادوں نے بھی نہ پڑھی ہوں گی، توبہ کر کے کلمہ پڑھے گا تو تجھے چھوڑوں گا۔ چنانچہ کلمہ پڑھوا کر چھوڑا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

احمد خاں کمال زئی کا انحراف

بہر حال قاضی صاحب نے چند روز میں شیوہ، چارگلئی، سدم، گھڑیالی، نواکلئی، شیخ جانا، اسماعیلہ، امان زئی وغیرہ کے لوگوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا اور کہا کہ آپ بھائیوں نے بہ رضا و رغبت عشر دینا منظور کیا تھا، پھر خود ہی موقوف کر دیا، اب بتاؤ کیا مرضی ہے۔ بعض لوگ چاہتے تھے کہ وہیں انکار کر دیں، لیکن اکثریت نے کہا کہ ہمیں باہم مشورہ کر لینے دیجئے۔ بعد مشورہ انہوں نے متفقہ فیصلہ قاضی صاحب کے پاس پہنچا دیا کہ ہم نے ادائے عشر اور اعانت مجاہدین کا جو عہد و پیمان کیا تھا، دل سے اس کے پابند ہیں، کاٹ لنگ اور لوند خوڑ کے لوگوں نے بھی سب شرطیں مان لیں۔

ہوتی مردان کے رئیس احمد خاں کو بھی بلایا گیا۔(۱) اس کی طرف سے جواب آیا کہ آٹھویں روز ملاقات کروں گا۔ قاضی صاحب نے سمجھا کہ شاید اسے کوئی ضروری کام ہوگا۔ اس اثناء میں گوجر گڑھی کے ایک غازی اخوند خیر الدین آئے اور بتایا کہ احمد خاں اپنے بھائی رسول خاں کو نائب بنا کر خود درانیوں سے فوجی مدد لینے کے لئے پشاور چلا گیا ہے، دو تین روز میں پے در پے اس خبر کی تصدیق ہوتی رہی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ان حالات میں مردان کو بہ زور مسخر کر لینے کے سوا چارہ نہیں، چنانچہ سب کے مشورے سے مردان پر پیش قدمی کا فیصلہ ہو گیا۔ غازیوں کو حکم دے دیا گیا کہ دو روز کے لئے روغنی روٹیاں پکا کر تیار ہو جائیں۔

ناظموں کا تقرر

مناسبت مضمون کا تقاضا یہ ہے کہ انتظام عشر کے سلسلے میں جو اصحاب مختلف مقامات

(۱) مجھے معلوم ہوا کہ احمد خاں کے کئی بھائی تھے اور احمد خاں کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا تھا، میری معلومات کے مطابق "ہوتی" کی سرداری اس کے بھائی محمد خاں کو مل گئی، دونوں کے اختلاف کا سرسری نقشہ یہ ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے لئے مقرر ہوئے، ان کی فہرست بھی یہاں درج کر دی جائے۔ اگرچہ یہ تقررات جنگِ مردان کے بعد عمل میں آئے:

ناظم	علاقہ
حاجی بہادر شاہ خاں	تہ، امان زئی (یعنی گڑھی امان زئی اور آس پاس کا علاقہ)
حاجی محمود خاں رام پوری	ضلع سدم
مولوی نصیر الدین منگلوری	ہپ او تمان نامہ (یعنی ٹوپی، مینئی، گندف، باجا، بام خیل، پابنئی، کھلابٹ، سرغز، دونوں منارے، کدا، زیدہ، پنج پیر، شاہ منصور، کنڈوہ، ہنڈ)
فتح خاں پنجتاری	خدو خیل

(۱) مجھے معلوم ہوا کہ احمد خاں کے کئی بھائی تھے اور احمد خاں کو کوئی بھی اچھا نہ سمجھتا تھا۔ میری معلومات کے مطابق ہوتی کی سرداری اس کے بھائی محمد خاں کو مل گئی۔ دونوں کے اخلاف کا سرسری نقشہ یہ ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com
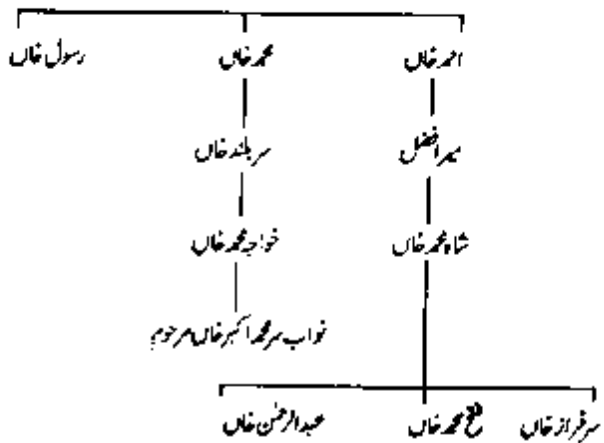
ہر شخص کے ساتھ کچھ غازی مقرر ہو گئے۔ مولوی نصیر الدین کے ساتھ تیس یا چالیس غازی تھے، رسالدار کو حکم دے دیا گیا کہ دیہات میں دورہ کرتے رہیں۔ مندرجہ ذیل اصحاب کی مجلس شوریٰ بنادی گئی:

شیخ عبدالحکیم پھلتی، شیخ ناصرالدین پھلتی، شیخ ضیاء الدین پھلتی، حافظ عبدالرحمٰن پھلتی، شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی، نورداد خاں (لوہانی پورہ، رائے بریلی) عبدالحکیم خان (لوہاری)، ملا عزت قندھاری، ملا نور قندھاری، ملا قطب الدین قندھاری، عبدالغفار قندھاری، ملا لعل محمد قندھاری۔

رسالدار کی حق شناسی

سید صاحب کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ عوام کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، اس لئے یہ تجویز پیش کی کہ آٹھ آٹھ دس دس سوار مختلف علاقوں میں بکھر جائیں۔ رسالدار کو اس تجویز سے بدیں وجہ اختلاف تھا کہ لشکر بکھر جائے گا تو ضرورت کے وقت اسے یکجا کرنا مشکل ہوگا۔ خود دوروں میں اس درجہ احتیاط کا طریقہ اختیار کیا کہ ہر بستی سے پاؤ کوس باہر ٹھہر جاتے، وہیں بعض اکابر کو بلا کر حالات پوچھ لیتے، اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو اسی جگہ منگا لیتے۔ سواروں کو بستی میں جانے یا کوئی چیز مانگنے کی سخت ممانعت تھی۔

ایک مرتبہ شیخ لکھمیر نے ڈاکئی میں کسی سے چھاچھ مانگ لی، رسالدار تک یہ بات پہنچی تو بہت ناراض ہوئے۔ خود بستی والوں نے کہا کہ معمولی معاملہ ہے، لیکن رسالدار نے شیخ لکھمیر سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ رہنا منظور ہے تو تمام ضابطوں کی پابندی لازم ہوگی، پابندی منظور نہیں تو جایئے امیر المومنین کے پاس چلے جایئے۔

ایک مرتبہ منارہ خورد سے پیغام آیا کہ عشر کی جنس منگا لیجئے، رسالدار نے مستقیم خاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور سلطان خاں کو بھیج دیا۔ انہوں نے جنس لدوائی، ناشتا کر کے چلنے لگے تو کسی سے شکر مانگی، اس نے کہا کہ شکر نہیں گڑ موجود ہے، ابھی لائے دیتا ہوں۔ ان پر نفسانیت غالب آگئی، ناراضی کے جوش میں رسالدار کے پاس گاؤں والوں کے خلاف اُلٹی سیدھی باتیں کہیں۔ رسالدار کو سخت غصہ آیا، آدمی بھیج کر کیفیت پوچھی، حقیقت حال معلوم ہوئی تو حیران رہ گئے۔ مستقیم خاں اور سلطان خاں نے اپنی غلطی کا اقرار کرلیا، بایں ہمہ رسالدار نے ان کے بیس بیس تازیانے لگوائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیئیسواں باب:

جنگِ مردان

مردان کی جانب پیش قدمی

مردان پر حملہ کے لئے تیاری کا حکم دینے کے بعد قاضی سید محمد حبان نے دو ملکی آدمیوں کو صحیح حالات معلوم کرنے کیلئے بھیج دیا۔ وہ خبر لائے کہ ہوتی کی گڑھی میں بیس پچیس اور مردان کی گڑھی میں تیس چالیس آدمی ہوں گے۔ رسول خاں موجود ہے اور احمد خاں پشاور گیا ہوا ہے۔ حملے کا اس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا؟ اگر انتظار کیا جاتا تو درانیوں کا لشکر آجاتا۔

بہرحال غازی حسب الحکم دو روز کیلئے روغنی روٹیاں پکا کر تیار ہو گئے۔ نمازِ عشاء کے بعد قاضی صاحب نے ننگے سر ہو کر کمال گریہ وزاری سے دعاء کی اور مردان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو ملکی مردان سے پہلے خبریں لے کر آئے تھے انھیں رہبر بنا لیا۔ پیادے آگے تھے اور سوار پیچھے۔ گمریالی کے میدان میں گھوڑوں نے خلافِ معمول زور سے ہنہنانا شروع کیا۔ روکنے کی ہر چند کوشش کی، مگر وہ نہ رکے۔ جب مردان صرف ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو نقارہ بجنے کی آواز آئی۔ یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ دشمن کو حملے کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ مقابلے کیلئے تیار ہو چکا ہے یا تیار ہو رہا ہے۔

قاضی صاحب نے سارے لشکر کو ٹھہرا کر اکابر سے مشورہ کیا۔ مولانا شاہ اسماعیل اور رسالدار عبدالحمید خاں نے کہا کہ قاضی صاحب! یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا ہے، اب پیچھے ہٹنا مناسب نہیں۔ اگر دشمن خبردار ہو چکا ہے اور شبخون کی صورت باقی نہیں رہی تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مضائقہ نہیں، ہم دن کے وقت لڑائی کریں گے۔ امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح وظفر سے سرفرازی بخشے گا۔

حملے کی اسکیم

قاضی صاحب اس مشورے پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میرے دل میں بھی یہی بات تھی۔

رہبروں کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ پورے حالات دیکھ کر مزید خبریں لائیں اور بسم اللہ کہہ کر قدم آگے بڑھانے کا حکم دے دیا۔ جب ہوتی آدھ کوس پر رہ گیا تو مخبروں کا انتظار کرنے لگے۔ بستی میں نقارہ زور سے بج رہا تھا۔ لوگوں کا شور وغل بھی سنائی دیتا تھا۔ غازیوں کے گھوڑے بدستور ہنہنار ہے تھے۔ اس اثناء میں مخبر خبر لائے کہ ہوتی کی گڑھی سے گولی کی زد کے فاصلے پر بہ سمت جنوب کھلیان ہیں۔ وہاں چالیس پچاس آدمی بندوقیں لیے بیٹھے ہیں۔ بستی کے دروازے پر بھی کافی جمعیت ہے۔ البتہ گڑھی سے مغربی سمت کا میدان بالکل خالی ہے اور شمالی سمت میں بھی کوئی نظر نہیں آتا۔

قاضی صاحب نے مولوی مظہر علی عظیم آبادی سے کہا: آپ جیش کو لے کر کھلیانوں کی طرف جائیں۔ رسالدار عبدالحمید کو حکم دیا کہ سواروں کو لے کر مغربی جانب کے میدان میں پہنچ جائیں۔ جب کھلیانوں کی سمت سے بندوقوں کی آواز آئے تو نقارہ بجاتے ہوئے بستی پر حملہ کر دیں۔ خود دروازہ کا قصد کیا، جہاں دشمن کی بھاری جمعیت کی اطلاع ملی تھی۔ ملکیوں کو قاضی صاحب نے صف اول میں رکھا اور ہندوستانیوں کو صف دوم میں۔ دعاء کے بعد تینوں جیش اپنے مقامات کی طرف روانہ ہو گئے۔

مولوی مظہر علی کی شانِ صبر وہمت

مولوی مظہر علی صاحب چپ چاپ کھلیانوں کے قریب پہنچے تو ادھر سے ایک باڑھ آئی، اس کے ساتھ ہی مولوی صاحب نے ہلہ بول دیا۔ یہ اس زور کا تھا کہ کھلیانوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

والے بندوقچی بھاگ نکلے۔ مولوی صاحب ذرا آگے بڑھے تو ان کی ران کے بالائی حصے میں گولی لگی، جس کے باعث وہ زمین پر گر پڑے۔(۱) لیکن اس شیر دل مجاہد نے اپنی تکلیف کسی پر ظاہر نہ ہونے دی کہ مبادا غازیوں کے اقدام میں توقف ہو جائے، اور بعض بھائی اپنے محبوب سردار کو سنبھالنے کی بے تابی میں اصل کام سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ مولوی صاحب سنبھل کر زمین پر بیٹھ گئے، جو غازی پاس سے گذرتا وہ حال پوچھتا، بلند آواز سے فرماتے: "تم چلو میں ابھی آتا ہوں"۔ بلند آواز سے اس لئے کہ کسی کو زخمی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ غالباً پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے، جسے نکالنے کی غرض سے دم بھر کے لئے ٹھہر گئے ہیں۔ رات کی تاریکی میں کسی کو نظر بھی نہیں آسکتا تھا کہ ان پر کیا گذر چکی ہے۔ مولانا شاہ اسماعیل ان کے پاس پہنچے اور حال پوچھا تو بولے: آپ میرا خیال نہ فرمائیں۔ پہلے گڑھی کا فیصلہ کرلیں فتح حاصل ہو جائے گی تو دیکھ لیجئے گا کہ میں کس حال میں ہوں۔

ہوتی پر حملہ

بہرحال مولوی مظہر علی کا جیش کھلیانوں سے آگے بڑھ کر دروازے پر پہنچا۔ ادھر سے قاضی صاحب بھی آگئے اور سب متفقہ طور پر ہلہ کر کے بستی میں داخل ہو گئے۔ اس اثناء میں گڑھی کے اندر سے آواز آئی کہ "بھائیو! تم میں ہندوستانی بھی ہیں؟" جب پوچھا گیا کہ مدعا کیا ہے تو آواز آئی کہ آپ لوگوں کے قول وقرار کی سچائی زمانے بھر پر آشکارا ہے، ہم امان چاہتے ہیں۔ اس طرح انیس بیس آدمی گڑھی کی دیوار پھاند کر سواروں کی پناہ میں آگئے۔

مردان پر ہجوم

غازی دوسری سمت سے گڑھی کے اندر داخل ہو چکے تھے، مولانا اور قاضی صاحب

---

(۱) یہ "منظورہ" کا بیان ہے۔ "وقائع" میں ہے کہ گولی مولوی صاحب کی کمر میں لگی تھی اور گوشت میں رہی، کسی ہڈی کو نقصان نہ پہنچا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملا نور محمد قندھاری کو پچیس آدمیوں کے ساتھ ہوتی کے انتظام کیلئے چھوڑ کر مردان جا چکے تھے۔ جب سواروں کو اس واقعے کا علم ہوا تو وہ بھی مردان کی طرف چلے گئے۔ ہوتی اور مردان کے درمیان انہوں نے صبح کی نماز ادا کی۔

مردان میں بندوقیں چل رہی تھیں، سوار بستی کے باہر مولانا شاہ اسماعیل کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، تا کہ باہر سے کوئی کمک اندر نہ جا سکے۔ قاضی صاحب پیادوں کے ساتھ گڑھی کی تسخیر میں مصروف تھے، اس اثناء میں چار ملکی آدمی مولانا مظہر علی کو چار پائی پر ڈال کر لائے۔ وہیں مولانا نے ان تمام آدمیوں کو رہا کر دیا، جنہیں سوار ہوتی کی گڑھی سے امان دے کر ساتھ لائے تھے اور فرمایا کہ مسلمان کی جان، عزت اور مال ہر مسلمان پر حرام ہے، سوائے اس حالت کے کہ وہ باغی یا محارب ہو۔

قاضی حبان کی شہادت

دو گھڑی دن چڑھا ہوگا کہ چار پانچ آدمی بستی سے دوڑے آئے اور مولانا کو یہ غم انگیز خبر سنائی کہ قاضی سید محمد حبان شہید ہو گئے۔ تفصیل یہ بتائی کہ بستی میں گھسے تو گڑھی والوں کی گولیاں غازیوں پر برسنے لگیں، اس وجہ سے غازی خانہ بخانہ ہو کر گڑھی کی جانب بڑھنے لگے۔ وہ جس گھر میں گھستے، اس کی دیوار توڑ کر گڑھی سے قریب تر ہو رہے تھے، ایک دیوار توڑی تو سامنے چوڑی گلی آ گئی، جہاں دشمن کی گولیاں مینہ کی طرح برس رہی تھیں، چار پانچ غازی تیزی سے سلامت نکل گئے، پھر ایک ملکی کے گولی لگی اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرے ریلے میں بھی کچھ بچ نکلے، اور ایک نے شہادت پائی۔ پھر ایک ہندوستانی غازی شہید ہوا، اس پر قاضی صاحب خود چند آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے، ان کے سارے ساتھی بچ نکلے لیکن قاضی صاحب کے سر میں گولی لگی، ساتھ ہی دم پورا ہو گیا۔

مولانا نے یہ خبر سنتے ہی انا للہ...... کے بعد فرمایا: ''الحمد للہ قاضی القضاۃ نے اپنی دلی مراد پالی۔'' لیکن اس واقعہ کو علی الاعلان بیان نہ کرو تا کہ دشمنوں پر یہ ظاہر نہ ہو کہ لشکر کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر شہید ہو گیا۔

سرحد کا مخلص ترین عالم

قاضی صاحب کی شہادت کا واقعہ حقیقتاً بہت المناک تھا، وہ بڑے دیندار اور مخلص مجاہد تھے۔ سرحدی علماء میں جتنے لوگ سید صاحب کے رفیق اور ارادت مند بنے، ان میں سے ایک بھی علم و فضل، غیرت و حمیتِ دین اور زہد و تقویٰ میں ان کا مثیل نہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ میں بڑے جری اور بے باک تھے۔ سمہ میں انہیں کی ہمت و کوشش سے عشر کا پختہ انتظام ہوا تھا، وہ کانڑا غور بند کے رہنے والے تھے، اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے فارغ البال بلکہ امیر گھرانے کے فرد تھے۔ محض اللہ کے لئے سید صاحب کی خدمت میں پہنچے، پھر آپ کا دامن اس مضبوطی سے پکڑا کہ تا دمِ واپسیں نہ چھوڑا۔ ان کے ایک حقیقی بھائی بھی ساتھ تھے، وہ جنگِ مردان کے بعد قاضی صاحب کی میت کو اپنے وطن لے گئے اور وہیں انہیں دفن کیا۔

مردان کی حوالگی

مولانا نے رسالدار عبدالحمید خاں کو حکم دیا کہ چالیس پچاس سواروں کو بستی میں بھیج دیجئے وہ گھوڑے چھوڑ دیں، شاہینیں لے کر پیدل جائیں اور شاہینوں سے گڑھی کے برجوں کو خالی کرائیں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ گڑھی مردان کے چھ برج تھے، سب پر گولہ باری شروع ہوگئی، دو شاہینیں صرف اس برج کے خلاف لگائی گئیں جس کی گولیوں سے قاضی سید حبان اور دوسرے غازی شہید ہوئے تھے۔

بہر حال شاہینوں نے دشمن کا عزمِ مزاحمت مضمحل کر کے رکھ دیا، گڑھی کے پانچ برجوں پر خاموشی چھا گئی، صرف ایک باقی رہ گیا جس سے گولیاں آ رہی تھیں۔ اس اثناء میں ملا لعل محمد قندھاری اس برج کے نیچے پہنچ گئے اور بہ آوازِ بلند پشتو میں پکارے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''اندر پائی راوڑا، اندر پائی راوڑا''

یعنی سیڑھی لاؤ، سیڑھی لاؤ۔

حالانکہ کوئی سیڑھی پاس نہ تھی۔ یہ سن کر برج والوں پر ہراس طاری ہو گیا اور انہوں نے حوالگی کی درخواست پیش کر دی۔ قرارداد کے مطابق پہلے ہتھیار نیچے پھینک دیے، پھر ایک ایک کر کے اتر آئے۔

مولانا شاہ اسماعیل سے متعلق بیان ہے کہ جنگ کے بعد آپ نے دو غازیوں کے کارناموں کو بڑا قابل قدر بتایا، اول مولوی مظہر علی صاحب جن کی مجروحیت کا واقعہ عرض کیا جا چکا ہے، دوم ملا لعل محمد قندھاری، جنکے حسن تدبیر سے گڑھی کا آخری برج خالی ہوا۔

مولانا کے انتظامات

جب ساری مزاحمت ختم ہو گئی تو احمد خاں کا بھائی رسول خاں بھی گڑھی کے تہ خانے سے باہر نکل کر امان کا خواستگار ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اثناءِ جنگ میں مجر استتار رہا تھا، مولانا شاہ اسماعیل نے جو قاضی سید محمد حبان کی شہادت کے بعد امیرِ لشکر بن گئے تھے، فرمایا کہ اپنے تمام آدمی لیکر گڑھی سے باہر نکل جاؤ، تمہیں امان دی جاتی ہے، تمہارا اور ساری رعایا کا مال و اسباب بالکل محفوظ رہے گا اور کوئی غازی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیگا۔ لیکن احمد خاں کے مال و اسباب میں سے کوئی چیز نہ چھیڑنا، وہ باغی ہے اور اسکی ہر چیز لے لی جائے گی۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو رسول خاں کو خانی کی مسند پر بٹھا دیا گیا، شہدا کو مردان ہی میں دفن کیا گیا، حملے کے دوران میں جو مال غازیوں کے ہاتھ آیا تھا وہ سارا مالکوں کو لوٹا دیا گیا اور فرمایا کہ امان دینے کے بعد کسی کا مال و اسباب لینا حرام و ناروا ہے۔ ہمارے تمام مسلمان بھائی یہ مسئلہ یاد رکھیں۔ بعد ازاں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب عاجز بندوں سے اپنی رضا کے کام لے، توفیقِ خیر دے اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امان زئی، پنجتار اور امب

اس روز ہوتی میں مقام کیا۔ سو سوار احمد خاں کا سامان جمع کرنے کے لیے مقرر کر دیے۔ اگلے دن ظہر کے وقت روانہ ہو کر مغرب کی نماز گڑھی امان زئی میں ادا کی۔ سوار اور اکثر پیادے بستی کے باہر نالے پر اترے۔ خود مولانا نے سرور خاں کی مسجد میں قیام کیا جو بستی کے ایک کنارے پر تھی۔ وہاں تین روز ٹھہرے، آس پاس کے خوانین ملاقات کے لیے آئے۔ مولانا نے اس جگہ بھی قاضی سید محمد حبان کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اسی موقع پر حاجی بہادر شاہ خاں کو گڑھی امان زئی میں تحصیلِ عشر کا کام سپرد کیا اور چندرہ آدمی ان کے ساتھ مقرر کر دیے۔ پھر سدم پہنچ کر حاجی محمود خاں کو وہاں کا تحصیل دار بنایا، بعد ازاں شیوہ ہوتے ہوئے پنجتار تشریف لے گئے۔

چند روز کے بعد سید صاحب کی طرف سے بلاوا آ گیا تو زخمیوں اور بیماروں کو پنجتار میں چھوڑا اور پہلی منزل کالا درہ کے پاس نالے پر کی، پھر کوٹھا اور کھبل ہوتے ہوئے امب پہنچ گئے اور سید صاحب کی خدمت میں انتظامِ عشر، جنگِ مردان اور شہادتِ قاضی حبان کی تفصیلات پیش کیں۔ سید صاحب بھی قاضی القضاۃ کی شہادت پر بیحد متالم ہوئے۔ (۱)

(۱) یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ہوتی اور مردان کی حیثیت اب بالکل بدل چکی ہے۔ سید صاحب کے زمانے میں ان مقامات کی جو حالت تھی وہ موجودہ سے بالکل مختلف تھی۔ اب یہ دونوں مقام مل کر ایک بڑا شہر بن گئے ہیں۔ مرحوم خان اکبر خاں (ہوتی) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوانین ہوتی کے مورثِ اعلیٰ کا نام محمد خاں تھا، پھر اس خاندان میں لشکر خاں نے بلند حیثیت حاصل کر لی، اس کے پانچ لڑکے تھے۔ بڑا احمد خاں تھا، اس کا چلن اچھا نہ تھا، اس لیے لشکر خاں نے از روئے وصیت اسے محروم کر دیا تھا اور اپنے دوسرے بیٹے محمد خاں کو جانشین بنایا تھا۔ احمد خاں کی رشتہ داری اہلیہ کی جانب سے سلطان محمد خاں کے ساتھ تھی۔ محمد خاں کا شجرہ یوں ہے:

محمد خاں
|
سربلند خاں
|
خواجہ محمد خاں
|
نواب سر اکبر خاں

چوبیسواں باب:

سردارانِ پشاور کا نیا فتنہ

سلطان محمد خاں

جنگِ زیدہ کے بعد سید صاحبؒ کی دلی خواہش یہ تھی کہ سلطان محمد خاں کے ساتھ دوستی کے تعلقات استوار ہو جائیں اور یار محمد خاں کی افسوسناک حرکات کے باعث جو ناگوار حالات پیش آ گئے تھے، ان کی تلخیاں مٹ جائیں۔ معلوم ہے کہ سلطان محمد خاں خود اپنے بھائی کی حرکات کو ناپسند کرتا تھا، لیکن وہ کمزور طبیعت کا آدمی تھا، اس کی والدہ بار بار طعنے دے رہی تھی کہ ایک فقیر نے تیرے بھائی کو مار ڈالا، تو لاؤ لشکر کا مالک ہونے کے باوجود بدلہ نہیں لے سکا۔ پہلے والدہ ہی کے طعنوں نے اس سے ہنڈ پر حملہ کرایا تھا، پھر پنجتار کا قصد کیا، جب معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ کے غازی پشاور پر شبخون مارنے میں بھی تامل نہ کریں گے تو خوفزدہ ہو کر بیٹھ گیا۔

سید صاحبؒ امب کی طرف گئے تو اس کی والدہ اور مشیروں نے مخالفت پر اُبھارا۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اب تک اس کی تمام معاندانہ حرکات میں نیم دلی صاف نمایاں رہی، اس کا کوئی بھی اقدام یار محمد خاں کی طرح متصلب دشمن کا اقدام نہ تھا کہ اس کا دل زہرِ عناد سے لبریز ہو، بلکہ ایسے آدمی کا اقدام تھا جسے خواہش و آرزو کے خلاف کسی کام پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

احمد خاں کمال زئی کی حرکت

اس اثناء میں احمد خاں کمال زئی کا واقعہ پیش آ گیا جس نے ادائے عشر کے عہد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

و پیمان کو بالائے طاق رکھا اور ہر اقرار سے منحرف ہو گیا۔ باز پرس ہوئی تو فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے پشاور پہنچ گیا، اس پر جنگ مردان پیش آئی جس میں قاضی سید محمد حبان شہید ہوئے اور رسول خاں کو خانی کی مسند پر بٹھایا گیا۔ یار محمد خاں اور خادے خاں کے خون کا بدلہ لینے کی آگ آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگی تھی، احمد خاں نے اسے مشتعل کرنے کے لئے نیا ایندھن فراہم کر دیا۔

سلطان محمد خاں اور اس کے بھائیوں کی مجالس میں پھر اس قسم کی باتیں شروع ہو گئیں کہ اگر اسی طرح یکے بعد دیگرے ایک ایک رئیس کی امارت وخانی کے دیے گل ہونے لگے تو خود درانی سرداروں کی ریاست کا چراغ کب تک روشن رہ سکے گا؟ چنانچہ سلطان محمد خاں، اس کے بھائیوں سید محمد خاں اور پیر محمد خاں نیز اس کے بھتیجے حبیب اللہ خاں (ابن عظیم خاں) نے متفق الرائے ہو کر ایک لشکر فراہم کیا اور احمد خاں کمال زئی کی امداد کو دستاویز بنا کر سید صاحبؒ سے لڑنے کیلئے چمکنی پہنچ گئے۔ رسالدار عبد الحمید خاں کو دیہات کا دورہ کرتے ہوئے یہ اطلاعات ملیں، وہ پنجتار پہنچے تو حاجی بہادر شاہ خاں نے امان زئی سے اس بارے میں مفصل روئیداد بھیج دی۔ فتح خاں پنجتاری اور دوسرے غازیوں نے مشورہ کر کے پورے حالات سید صاحب کو لکھ بھیجے، ساتھ ہی درخواست کی کہ آپ کا بہ نفس نفیس تشریف لے آنا مناسب ہوگا۔

سید صاحب کے انتظامات

سید صاحب امب سے پنجتار جانے کیلئے تیار ہو گئے، روانگی سے پیشتر آپ نے مندرجہ ذیل انتظامات فرمائے:

۱۔ قلعہ امب کا انتظام شیخ بلند بخت دیوبندی کے حوالے کیا، لیکن تمام انتظامات میں سید اکبر شاہ تھانوی کو اس طرح شریک رکھا، گویا ان کی حیثیت شریک منتظم کی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲۔ قلعے سے باہر جتنا اسلامی لشکر تھا، اس کا امیر و سالار اعظم مولانا شاہ اسماعیل کو بنایا، شیخ ولی محمد پھلتی کو ان کا مشیر نامزد کیا۔ سید جعفر علی نقوی اس سمت میں میر منشی کے منصب پر مامور ہوئے۔

۳۔ چھتر بائی کے قلعہ دار مولوی خیر الدین شیر کوٹی تھے، حافظ مصطفٰی کاندھلوی کو ان کا نائب بنایا۔ اسب میں پچاس کے قریب مستورات تھیں، ان میں سید صاحب کی بی بی صاحبہ بھی تھیں، انہیں اور بچوں کو وہیں چھوڑا۔ چند مقام ستھانہ میں کیئے، چند روز کھتبل میں ٹھہرے۔ غازیوں کے بڑے حصے کو منگی کے راستے پنجتار بھیج دیا، خود تھوڑے سے غازیوں کے ساتھ منارہ کلاں گئے، جہاں حافظ دراز نام ایک مجذوب سے ملاقات منظور تھی۔ اس مجذوب کا ایک شیوہ بے حد عجیب تھا، وہ روزانہ دریائے سندھ میں نہانے جاتا اور اس مقام پر نہاتا جہاں پانی کی دھار بے حد تیز رہتی تھی، یہاں تک کہ کسی توانا آدمی کو بھی وہاں جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ مجذوب بہ اطمینان جاتا، اپنی لاٹھی پانی میں گاڑ کر اس پر کپڑے رکھتا، خوب دلجمعی سے نہا کر واپس آتا۔ اسے وہی جگہ پسند تھی۔

منارہ سے سید صاحب چلے تو کھلابٹ اور مرغز کے بیچ میں سے نکلے، دونوں بستیوں کے سرداروں نے کھانے کیلئے اصرار کیا۔ سید صاحب نے معذرت کر دی کہ کار ضروری در پیش ہے۔ تو تالی میں فتح خاں پنجتاری نے استقبال کیا، عصر کی نماز پنجتار کے سامنے نالے پر ادا کی۔ رسالدار عبدالحمید خاں دورے پر نکلے ہوئے تھے، انہیں حکم بھیج دیا کہ ضروری تیاری کر لیں اور جتنی رقم مطلوب ہو، حاجی بہادر شاہ خاں سے لے لیں۔

مخالفوں کے ہنگامے

پنجتار پہنچ کر درانیوں کے بارے میں مشورہ کیا تو سب نے یہ رائے دی کہ لشکر لے کر گڑھی امان زئی یا تو رو تک جانا چاہیے، اگر درانی اپنا لشکر واپس لے جائیں تو خود بھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واپس آجانا چاہئے، اگر آگے بڑھیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ جنگ ہوگی۔

سید صاحب پنجتار آئے تو خبر پہنچی کہ پائندہ خاں اور سکھ امب و عشرہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ قادر آباد کے قلعدار رام سنگھ (یا رام سکھ) نے غازیوں کے ساتھ خفیہ خفیہ سمجھوتا کر لیا تھا، جب ہری سنگھ لشکر لے کر اس طرف آیا تو رام سنگھ نے بھی پیغام بھیج دیا کہ اب میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں رہا کہ کبھی کبھی گولیاں چلواتا رہوں، چنانچہ قادر آباد اور دریا پار کی دوسری سکھ گڑھیوں سے گولیاں آنے لگیں۔ مولانا بھی جواب میں توپیں لگا کر گولے پھینکنے لگے۔ ایک روز غازی عشرہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ چند گولیاں مسجد کی دیواروں میں آ کر لگیں، مولانا کے حکم سے خدا بخش نے ایک جزائل مسجد کے ستون سے باندھ کر گولے پھینکے۔

مولانا اس زمانے میں ہر جمعہ کے وعظ میں سورۂ فتح کی تفسیر رکوع بہ رکوع سنایا کرتے تھے، آخری رکوع کی تفسیر سنا رہے تھے کہ سکھوں کی طرف سے گولیاں چلیں۔ مولانا نے غازیوں کو بکھر جانے کا حکم دیا اور جن غازیوں کے پاس رائفلیں یا لمبی زد کی بندوقیں تھیں، انہیں حکم دیا کہ گولیاں چلائیں۔ دریا کے کنارے اور قلعہ امب کے پاس مناسب مقامات پر مورچے بھی بنا لئے تھے، قلعے کے شمال میں ایک خندق کھودی گئی جس کی کھدائی میں خود مولانا بھی شریک رہے۔ چھتر بائی کے لئے سب سے بڑھ کر خطرہ تھا، پائندہ خاں حملہ کرتا تو چھتر بائی ہی پر کرتا، شیخ ولی محمد روزانہ صبح کو سو سوا سو غازی لے کر چھتر بائی جاتے، دن وہاں گزارتے رات کی تاریکی میں واپس آجاتے۔

سید صاحب کا فرمان

یہ حالات دیکھ کر سید صاحب نے فرمان بھیجا کہ عورتوں اور بچوں کو امب سے نکال کر ستھانہ پہنچا دیا جائے۔ مولانا کے نزدیک یہ طریقہ مناسب نہ تھا، اندیشہ تھا کہ اس طرح

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اردگرد کے علاقے میں سراسیمگی پھیل جائے گی اور لوگ سمجھیں گے کہ غازی ڈر گئے ہیں، چنانچہ مولانا نے لکھ بھیجا کہ تھانہ امب سے زیادہ محفوظ نہیں اور میں مسلمانوں میں ہراس نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ اس وقت سکھوں پر ہراس طاری ہے، لاہور سے گورنر کشمیر کے نام فرمان پہنچا ہے کہ خلیفہ صاحب سے ڈرتے رہو اور کشمیر کے راستوں کی خوب حفاظت کرو، جس طرح ملکیوں نے خلیفہ صاحب کو امب پہنچایا، ایسا نہ ہو کہ اسی طرح انہیں کشمیر پہنچادیں۔(۱)

سید صاحب نے دوبارہ لکھا کہ سید اکبر شاہ سے مشورہ کر لیجئے۔ مولانا نے مشورہ کیا اور لکھا کہ میں اپنی پہلی رائے پر قائم ہوں، حکم واختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے خیر خواہی کی بنا پر اپنی رائے بے تکلف عرض کردی، اس لئے کہ آپ اکثر مجھ سے مشورہ فرماتے رہتے ہیں، لیکن اگر آپ کا حکم بحال رہے تو لاریب اس کی تعمیل ہوگی۔

> اگر از ارسال زناں خصوصاً حرم محترم آنجناب نقصانے در شوکت اسلام راہ خواہد یافت جواب دہی آں عند اللہ بہ ذمہ آنجناب خواہد افتاد۔ ایں قدر بالیقین باید دانست کہ وقتیکہ سر برتن ہائے سہ صد مردم خواہد بود، آں وقت خدا نخواستہ نوبت بہ حرم محترم آنجناب خواہد رسید۔(۲)
>
> **ترجمہ**: اگر عورتوں خصوصاً آنجناب کے حرم محترم کو (امب سے نکال کر تھانہ) بھیجنے کے باعث شوکت اسلام کو نقصان پہنچا تو اس کیلئے خدا کے پاس آپ جواب دہ ہوں گے۔ یہ بھی یقین رکھئے کہ جب تک تین سو غازیوں کے سر بدنوں سے الگ نہ ہو جائیں گے، خدانخواستہ آپ کے حرم محترم تک نوبت نہ آسکے گی۔

سید صاحب نے یہ تحریر دیکھی تو فرمایا کہ یہ تو میرے بھانجے سید احمد علی جیسی تحریر

(۱) ''منظورہ'' ص ۸۳۲۔ (۲) ''منظورہ'' ص: ۸۳۲

ہے، جو سچی بات کہنے میں مراعات ادب کی بھی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔(۱)

دو تصریحات

سید صاحب کے فرمان اور مولانا شاہ اسماعیل کے واشگاف جواب کے سلسلے میں دو باتوں کی توضیح ضروری ہے:

۱۔ سید صاحب کا فرمان اپنی بی بی کی حفاظت کے خیال پر مبنی نہ تھا، اگرچہ خواتین کی حفاظت بہرحال ضروری تھی۔ جو بزرگ ہستی اس دنیا کی ہر متاع راہِ حق میں لٹا دینے پر ہمہ تن تیار تھی اس کے متعلق اس قسم کا وسوسہ بھی گناہ ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر حملہ ہوا تو عورتوں اور بچوں کی موجودگی غازیوں کیلئے دورانِ جنگ میں موجب تشویش و اضطراب بنی رہے گی، اور وہ یکسو ہو کر فرائض فداکاری بجا نہ لا سکیں گے۔

۲۔ مولانا کی تحریر منافی مراعاتِ ادب نہ تھی، سچی بات کو چھپانا یا حقیقت حال کے اظہار میں متامل ہونا اصولاً غلط اور ادائے فرائض میں کوتاہی کا نشان ہے۔ ادب کا مفہوم یہ نہیں کہ انسان کسی بزرگ کے حکم کو خلاف مصلحت جانتے ہوئے ادائے فرض سے بچ نکلنے کی دستاویز بنا لے۔ سید صاحب کا ادب کیوں ضروری تھا؟ اس لئے کہ اہم دینی فرض کی بجا آوری کی خاطر انہیں قائد و امام مانا گیا تھا، لہٰذا ہر معاملے میں اصل فرض کی مصلحتیں ہی مدار کار تھیں اور شخصیت امام کے ادب کا تقاضا ہرگز یہ نہ تھا کہ اس کی مصلحتیں واضح کرنے میں تامل کیا جاتا۔ مولانا نے یہی کیا اور سید صاحب نے اپنے عمل سے اس پر مہر تصدیق لگائی، قولاً اس کی تحسین فرمائی۔ ہمارے ہاں ادب کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی بزرگ شخصیت کی زبان پر جو کچھ جاری ہو، بے چون و چرا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھا جائے، اگرچہ وہ کتنا ہی غلط ہو۔

(۱) ''منظورہ'' ص:۸۳۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سلطان محمد خاں کو خط

سید صاحب نے حکم دے دیا تھا کہ ہر ضلع کا غلۂ عشر مرکزی مقام پر جمع ہو جائے اور مختلف دیہات میں نہ بکھرا رہے۔ پھر چار سو غازیوں کے ساتھ پنجتار سے نکلے، شیوہ اور اسماعیلہ ہوتے ہوئے گڑھی امان زئی پہنچ گئے اور احمد خاں کاکا کی مسجد میں قیام فرمایا۔ وہیں اطلاع ملی کہ درانیوں کا لشکر چمکنی سے چل کر چار سدہ ہوتا ہوا اوتمان زئی پہنچ گیا ہے۔ یہ عزمِ جنگ کا واضح اعلان تھا۔ فتح خاں پنجتاری اور منصور خاں (چار گنئی) نے مشورہ دیا کہ اب گڑھی امان زئی میں ٹھہرے رہنے کے بجائے تورو میں پہنچنا چاہیے۔

سید صاحب نے اس موقع پر سلطان محمد خاں کو ایک دردانگیز خط لکھا جس میں دیرینہ تعلقات کی یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہم مسلمان محض خدمت دین اور احیائے سنن سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غرض سے وطن چھوڑ کر آئے تھے، کلمہ گویوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے، مسلمانوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے، یار محمد خاں کو اپنے لاؤ لشکر پر ناز تھا، وہ بلاوجہ ہم پر چڑھ آیا۔ ہر چند سمجھایا، نہ سمجھا۔ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ ہم ویسے ہی عاجز و ناچار ہیں، ہمارا مولا پہلے کی طرح اب بھی مالک الملک اور قادر و مختار ہے، ہم لوگوں سے ڈرنے کی کچھ ضرورت نہیں لیکن خدا کی بطشِ شدید سے ڈرتے رہنے۔

اوست سلطاں ہرچہ خواہد آں کند — عالمے را در دمے ویراں کند
ہست سلطانی مسلم مر ورا — نیست کس را زہرۂ چون و چرا

احمد خاں کمال زئی کی خطا کاری بھی واضح فرمائی۔ یہ خط تورو کے عبدالرحمٰن کے ہاتھ بھیجا اور لکھا کہ باقی حالات قاصد کی زبانی معلوم ہوں گے۔

مزید نامہ و پیام

لیکن جو لوگ سلطان محمد خاں کو پشاور سے اٹھا کر لائے تھے، وہ اوتمان زئی پہنچ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جانے کے بعد کیونکر اسے صحیح راستے پر آنے کا موقع دے سکتے تھے؟ سلطان محمد خاں کے ہاتھ سے خیر خواہیٔ اسلام کی حبل المتین نکل چکی تھی اور وہ ہر دینی و قومی مصلحت کی طرف سے آنکھیں بند کر چکا تھا۔ اس کا جواب سراسر واہی طعنوں کا مرقع تھا، مثلاً یہ کہ جہاد کی باتیں ابلہ فریبی کا کرشمہ ہیں، تم لوگوں کا عقیدہ برا اور نیت فاسد ہے۔ بظاہر فقیر بنے بیٹھے ہو، دل میں امارت کی ہوس ہے، ہم نے خدا کے نام پر کمر باندھ لی ہے کہ تمہیں قتل کریں تا کہ زمین تمہارے وجود سے پاک ہو جائے۔ ملا عبدالرحمٰن نے زبانی بھی بتایا کہ جو حالات میں دیکھ آیا ہوں، ان کے پیش نظر صلح کی کوئی امید نہیں۔

سید صاحب نے بردباری سے کام لیتے ہوئے اجراءِ نامہ و پیام اور رفع خصومت کا ایک پہلو نکال لیا۔ دوبارہ لکھا کہ آپ کی زبان سے خدا کا نام سن کر بڑی خوشی ہوئی، مہربانی فرما کر یہ تو بتا دیجئے کہ ہمارے اعمال میں آپ کو کون سی چیز احکم الحاکمین کے امر و رضا کے خلاف نظر آئی؟ اگر آپ کچھ بتا دیں تو ہم اس سے تائب ہو جائیں گے اور آپ کو لشکر کشی کی ضرورت نہ رہے گی۔

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

خدا کے نام پر کمر باندھنے کا مدعا یہی ہو سکتا تھا کہ جن لوگوں سے جنگ مقصود ہے ان کے اعمال میں کوئی چیز باری تعالیٰ کی رضا کے خلاف موجود ہے۔ پھر جب وہ خود اسے چھوڑنے کا اقرار کر رہے تھے تو لڑائی کی کیا ضرورت تھی؟ صرف خلاف شریعت بات یا باتیں بتا دینی چاہیے تھیں، لیکن سلطان محمد خاں الزام تراشی کے جواب میں کونسی چیز پیش کر سکتا تھا؟ کیا بتاتا؟ کیا کہتا؟ کیا یہ کہتا کہ مسلمانانِ سرحد کو احکامِ شریعت حقہ کا پابند بنانا رضائے ایزدی کے خلاف ہے؟ یا یہ کہتا کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانے کی کوشش مقاصد اسلامی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اسے ترک کر دینا چاہیے؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یا یہ کہتا کہ افغانیت کے جاہلانہ رسوم کا انسداد تقاضائے ایمانی کے منافی ہے؟ وہ بالکل لاجواب ہوگیا اور صرف یہ پیغام بھیج سکا کہ اس خط کا جواب شمشیر وسناں سے دیا جائیگا۔

اندازہ فرمائیں کہ یہ حالات دیکھ کر اس پاک باطن اور پاک نفس سید کے دل پر کیا گذری ہوگی، وہ اور ان کے رفیق گھربار، اقرباء اور راحت بار زندگیاں چھوڑ کر اس غرض سے سرحد پہنچے تھے کہ اسلام کا پرچم سربلند ہو، مسلمان مصیبتوں سے نجات پائیں، ان کا اعزاز واکرام، ان کی آزادی، ان کی اسلامیت بحال ہو جائے۔ لیکن خود دعویداران اسلام ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ان لوگوں کی جو تلواریں اور جو تیرے غیر مسلموں کے خلاف نہ چل سکے، وہ ان مجاہدین اسلام کے خلاف پے بہ پے اچھلنے لگے، جو اپنے خونِ حیات کا آخری قطرہ مسلمانوں کی صلاح وفلاح کے لئے بہادینے کا عزم لئے سرحد پہنچے تھے۔

اسلامی ہند کی تاریخ کا دردناک ترین منظر

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں ایک دو نہیں بیسیوں واقعات موجود ہیں کہ مسلمانوں نے جوع الارض کی خاطر مسلمانوں کے گلے کاٹے۔ کلمہ گویوں نے کلمہ گویوں کا خون بہایا۔ لیکن ایسی مثال آپ کو شاید ہی مل سکے کہ دعویداران اسلام نے ان غازیوں کو خونریزی وخوں آشامی کا ہدف بنایا، جنہیں رضائے حق کے سوا دنیا وآخرت کی کوئی چیز مطلوب نہ تھی۔ جن کے دلوں میں صرف ایک آرزو اور ایک تڑپ تھی کہ مسلمان سچے مسلمان بن جائیں، عزت وسربلندی کی زندگیاں بسر کریں، کوئی معاند انہیں آزار نہ پہنچا سکے، کسی بدخواہ کا ہاتھ ان کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کرسکے، یہ مکروہ اور گھناؤنا کام صرف پشاور کے درانی سرداروں نے اپنے لئے پسند کیا:

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام وایمان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سلطان محمد خاں نے سید صاحب کو یہ طعنہ بھی دیا تھا کہ تم لوگ شبخون مارتے ہو، دن کے وقت لڑو تو تمہاری بہادری اور مردانگی کا بھرم کھل جائے۔ سید صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم آپ سے یا کسی مسلمان سے نہ دن کو لڑنا چاہتے ہیں، نہ رات کو۔ البتہ اگر آپ زیادتی اور تعدی پر تلے رہیں گے تو ہم مجبور ہوں گے۔ ہمیں امید ہے خدا نے جس طرح آپ کے بھائی پر ہمیں رات کو فتح عطا کی تھی، اسی طرح آپ پر دن کو فتح یاب کرے گا۔ خدا سے ڈریے اور ناحق پر اصرار نہ کیجئے۔

سید صاحب کا یہ قول بھی حرف بہ حرف پورا ہوا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

مولانا کی تشریف آوری

غرض سید صاحب گڑھی امان زئی سے تورو پہنچ گئے، مولانا اسماعیل کو بھی اسب سے بلالیا۔ منشی محمدی انصاری نے اپنی طرف سے مولانا کو لکھ بھیجا کہ اپنی تشریف آوری کی خبر کو شہرت دیجئے، اسلئے کہ آپکی شجاعت اس دیار کے خاص وعام پر روشن ہے۔ کیا عجب ہے کہ دشمن آپکا نام سنکر مرعوب ہو جائیں اور اسی طرح مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔

مولانا نے اسب کے سارے معاملات شیخ بلند بخت دیو بندی کے حوالے کیے، خود شیخ ولی محمد اور دو سو غازیوں کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ کشتیاں اسب کے بجائے ستھانہ میں پہنچادیں، دوپہر کا کھانا ستھانہ میں کھایا، رات کھبل میں گزاری، جہاں پیر محمد مورائیں کی جماعت موجود تھی۔ اس میں سے بھی ستر غازی ساتھ لیے۔ توپی، پنج پیر اور دھوبیاں ہوتے ہوئے تورو پہنچ گئے۔ راستے کے خوانین وعلماء بھی اپنے آدمی لے کر ساتھ ہو گئے تھے، ان میں سے اخوند سید امیر صاحب (ملا صاحب کوٹھا) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سید صاحب نے تورو سے باہر نکل کر استقبال کیا اور تمام غازیوں سے معانقہ فرمایا۔

غازیوں کے درجات

راوی کہتے ہیں کہ ایک روز سید صاحب اپنے مخلص فداکاروں کے گروہ میں تشریف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرماتے تھے، باتیں کرتے کرتے فرمایا: ہمارے جو بھائی یہاں بیٹھے ہیں، بارگاہ الٰہی کے ستودہ ہیں، اور رحمت نامتناہی کے مورد۔ میں اگر ان کے ایمان پر سوگند شرعی کھاؤں تو انشاء اللہ حانث نہ ہوں گا اور اگر ان کی مقبولیت پر قسم اٹھاؤں تو وہ جھوٹی نہ ہوگی۔(۱)

ایمان کی پختگی اور اخلاص و برگزیدگی کے استحکام کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ اس دنیا کی ہر شئے رضائے خدا کے لئے وقف کر چکے تھے اور زندگی کے ہر محبوب رشتے کو اسلام کی سربلندی کے لئے توڑ چکے تھے۔

ایک انوکھا واقعہ

تورو میں اتفاقیہ ایک واقعہ پیش آگیا، جس سے سید صاحب کی دینی عظمت واخلاص کا ایک دلکش منظر سامنے آتا ہے۔ آپ کے باورچی خانے کا انتظام مولوی عبدالقیوم کے سپرد تھا، قادر بخش گنج پوری کھانا پکاتا تھا، جو پخت و پز میں یگانہ استاد مانا جاتا تھا۔ میاں عبداللہ اور بعض دوسرے اصحاب وقتاً فوقتاً قادر بخش کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے۔

ایک روز گوشت کی ہنڈیا چولھے پر تھی اور اس میں پانی کم رہ گیا تھا کہ مغرب کا وقت آگیا۔ قادر بخش نے میاں عبداللہ سے کہا کہ ذرا خیال رکھنا میں نماز کی تیاری کرلوں، اذان ہوئی میاں عبداللہ نے آگ چولھے سے باہر نکال دی اور خود بھی نماز میں شریک ہوگئے۔ اس اثناء میں گوشت کو داغ لگ گیا، قادر بخش نماز سے فارغ ہو کر آیا تو داغی بوٹیاں الگ کیں، شوربا پک کر سید صاحب کے سامنے آیا تو اس میں جلنے کی بو باقی تھی۔ آپ نے پوچھا: آج کیسا پکایا کہ داغ کھا گیا، قادر بخش نے کہا کہ میں نماز کے لئے اٹھا اور میاں عبداللہ سے کہا کہ ہنڈیا کا خیال رکھنا، وہ بھی نماز کیلئے چلے گئے اور ہنڈیا چولھے سے نہ اتاری، اس طرح داغ لگ گیا۔ آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ آپ اس کے

(۱) منظورہ ص: ۸۴۷

سپرد کر گئے، اس "مردود" نے خبر نہ لی اور گوشت کھانے کے قابل نہ رہا۔ چنانچہ آپ نے دال سے روٹی کھائی۔

انتباہ اور معافی

اس موقع پر میاں جی نظام الدین چشتی، قاضی علاؤ الدین، مولوی وارث علی، مولوی امام الدین، حافظ صابر وغیرہ موجود تھے۔ سب چپ رہے، لیکن عشاء کی نماز کے لئے نکلے تو آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت کی زبان سے عادت شریف کے خلاف نادانستہ سخت لفظ نکل گیا، اس کی اطلاع آپ کو ضرور کرنی چاہئے۔ آپ خود کئی مرتبہ فرما چکے ہیں کہ میں بشر ہوں، اگر کسی وقت کچھ بے جا اور خلاف شریعت بات میری زبان سے صادر ہو تو ضرور مجھے آگاہ کرنا، ورنہ قیامت کے روز سب کا دامن پکڑوں گا۔

نماز سے فارغ ہو کر ڈیرے پر آئے تو میاں جی نظام الدین چشتی نے یاد دلایا کہ آپ نے میاں عبداللہ کو آج "مردود" کہا، یہ کلام کسی مسلمان کو کہنا کیسا ہے؟ آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا، پھر کہا کہ یہ لفظ کسی مسلمان کو نہ کہنا چاہئے۔ میری زبان سے بے اختیاری میں نکل گیا، سخت قصور ہوا۔ پھر آپ نے میاں عبداللہ کو بلایا اور پاس بٹھا کر کہا کہ بھائی ہم آپ کے قصوروار ہیں، غصے میں نادانستہ سخت لفظ زبان سے نکل گیا، للہ معاف کر دیجئے۔ میاں عبداللہ کو ذرا اونچا سنائی دیتا تھا، اس نے سمجھا کہ شام والے واقعہ کا ذکر ہے۔ بولا: حضرت! آپ کا سالن مجھ سے جل گیا ہے، سخت نادم ہوں، مجھے معاف فرما دیجئے۔ سید صاحب نے بلند آواز سے دوبارہ کہا کہ آپ کی کچھ خطا نہیں، خطا میری ہے، مجھے معاف کر دو۔ میاں عبداللہ نے سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں نے معاف کیا، آپ میرے لئے دعا فرمایئے، خدا مجھے معاف کرے۔ سید صاحب نے پھر بہ آواز بلند فرمایا کہ بھائیو! میں اپنی خطا سے توبہ کرتا ہوں، اس کے بعد دیر تک وعظ فرماتے رہے، مولانا شاہ اسماعیل آئے تو خود پورا واقعہ اور اپنے معافی مانگنے کا حال انہیں سنایا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پچیسواں باب:

جنگِ مایار (۱)

میدانِ جنگ

سید صاحب اس وجہ سے گڑھی امان زئی کو چھوڑ کر تورو پہنچے تھے کہ درانیوں کا رخ مردان کی طرف تھا اور وہ لڑائی پر تلے ہوئے نظر آتے تھے۔ تورو مردان سے چار میل جنوب میں ہوگا، دونوں کے عین وسط میں مایار ہے، جس کی مغربی سمت کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی تھی، لہٰذا یہ مایار کی جنگ کہلائی۔ بعض اصحاب نے اسے ضلع تورو کی جنگ کہا۔(۱) یقیناً اس لئے کہ مایار کے مقابلے میں تورو زیادہ مشہور و ممتاز مقام تھا، اور میدانِ جنگ سے قریب واقع تھا، یا اس لئے کہ سید صاحب نے جنگِ مایار کے لئے تورو کو بوجہ قرب مرکز بنایا تھا۔

سید صاحب خود تو غازیوں کے بڑے جتھے کیساتھ تورو میں مقیم ہوئے قندھاریوں اور ننگرہاریوں کی ایک جماعت کو گڑھی مایار میں بٹھادیا، درانی اگر ہوتی مردان سے تورو پر پیش قدمی کرتے تو مایار کے غازی انہیں روک سکتے تھے، جا بجا پہروں کا انتظام بھی کر دیا۔

پہلی جھڑپ

مولانا شاہ اسماعیل کے پہنچنے سے دوسرے دن سید صاحب کے طلایہ گرد سواروں نے اطلاع دی کہ درانیوں کی فوج گڑھی مایار پر حملے کے ارادے سے نکلی ہے، سید

(۱) وصایائے نواب وزیر الدولہ مرحوم حصہ دوم ص: ۱۷

صاحب اس وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے:

"اللہ تعالیٰ کا کارخانہ دیکھیے، ہم ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے کہ مسلمانوں کو متفق کر کے کافروں سے جنگ کریں، بڑے افسوس کی جگہ ہے کہ کفار تو درکنار یہ مسلمان ہی ہمارے مخالف اور دشمن جانی بن گئے اور ہم سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم تو ہرگز نہیں چاہتے کہ ان سے لڑیں۔ چنانچہ سلطان محمد خاں کو بارہا سمجھایا، لیکن نفس و شیطان نے اس کو شر و فساد پر اس درجہ آمادہ کر دیا کہ کچھ اس کے ذہن میں نہ آیا۔ خیر مشیت اگر یونہی ہے تو ہم ناچار ہیں، جو کچھ ہوگا دیکھ لیں گے۔"

درانیوں کے نکلنے کی خبر سنتے ہی سید صاحب نے شتری نقارہ بجا کر کوچ کا حکم دے دیا۔ میدان میں پہنچے تو خضر خاں مایار سے یہ خبر لایا کہ درانیوں نے کچھ آدمی بھیج کر گڑھی پر گولیاں چلوائی تھیں، جب گڑھی سے جواب میں باڑھیں ماری گئیں تو درانی واپس چلے گئے۔ سید صاحب دیر تک میدان میں ٹھہرے رہے کہ ممکن ہے درانیوں کی مراجعت جنگی چال پر مبنی ہو اور بے خبر پا کر وہ دوبارہ حملہ کر دیں، جب یقینی طور پر اطلاع مل گئی کہ فوری حملے کا کوئی اندیشہ نہیں تو سید صاحب پہروں کا انتظام کر کے تورو چلے آئے۔

صبح جنگ

آپ نے حکم دے دیا تھا کہ پیادوں اور سواروں میں سے باری باری آدھے سوئیں اور آدھے جاگتے رہیں۔ اس حکم پر پورے اہتمام سے عمل ہوا۔ دوسرے روز نماز فجر ادا کرنے کے بعد سید صاحب نے ننگے سر ہو کر عاجزی سے دعا کی۔ پھر غازی کھانا پکانے میں لگ گئے، عین اس حالت میں ملا لعل محمد قندھاری کے ایک آدمی نے یہ خبر پہنچائی کہ درانی فوج میں کوچ کا پہلا نقارہ بج چکا ہے، اس کے پیچھے مایار سے ایک اور آدمی آ گیا کہ درانی فوج میں دوسرا نقارہ بھی بج چکا ہے۔ غازی کھانے سے بے پروا ہو کر فوراً تیار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو گئے، اس وقت سید صاحب کے پاس مندرجہ ذیل ملکی خوانین وعلماء موجود تھے:

۱۔ فتح خاں (پنجتار) ۲۔ منصور خاں (گھڑیال) ۳۔ آنند خاں (شیوہ)
۴۔ مشکار خاں (شیوہ) ۵۔ اسماعیل خاں (کلابٹ) ۶۔ سرور خاں (امان زئی)
۷۔ خواص خاں (اکوڑہ خٹک) ۸۔ شہباز خاں (اکوڑہ خٹک برادرزادہ خواص خاں)
۹۔ فتح خاں (زیدہ) ۱۰۔ دلیل خاں (تورو) ۱۱۔ تسیم خاں (لونڈخوڑ) ۱۲۔ قاضی
سید امیر (کوٹھا) ۱۳۔ ملا بہاء الدین (ٹوپی) ۱۴۔ ملا باقی (ڈاگئی)۔

فریقین کی جنگی قوت

میں جس حد تک تحقیق کر سکا ہوں درانی فوج اس وقت بارہ ہزار تھی۔ چار ہزار پیادے اور آٹھ ہزار سوار۔ ان کے پاس دو بڑی اور چار چھوٹی توپیں تھیں، سید صاحب کے پاس غازیوں کے علاوہ ملکی آدمی بھی تھے، ان سب کی مجموعی تعداد ساڑھے تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، سوار صرف پانسو تھے توپ کوئی نہ تھی، سید صاحب لڑنے کے خواہاں بھی نہ تھے اور انہیں لڑائی کا خیال بھی نہ تھا۔ جب لڑائی ناگزیر ہو گئی تو اب کے محاذ سے توپیں اٹھوا کر لانے کا کوئی موقع ہی نہ رہا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سید صاحب نے اس امر کو مشرقی خطِ دفاع کی مصلحتوں کے خلاف سمجھا ہو۔(۱)

مایار اور تورو کے درمیان نالہ بہتا ہے جس کا نام "کھلپانی" ہے۔ سید صاحب نے پیادوں کی صف بندی شروع میں کر دی تھی، نالہ عبور کرتے وقت صف بندی قائم نہ رہ

(۱) "وقائع" میں ہے کہ درانی فوج تخمیناً بیس ہزار تھی اور سید صاحب کے پاس ملکیوں سمیت بارہ ہزار آدمی تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مبالغہ آمیز شنید یا سرسری تخمینہ ہے، اس کے مقابلے میں مجھے "منظورہ" کا بیان زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ "وقائع" میں یہ بھی ہے کہ مایار کی طرف بڑھتے ہی توپوں کے گولے آنے لگے تو اکثر ملکی ادھر اُدھر چھپ گئے اور سید صاحب کے ساتھ تخمیناً دو ہزار آدمی رہ گئے۔ خوانین نے ایک لمحہ کے لئے بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ جعفر نے لکھا ہے کہ پیادے پانسو تھے اور سب کے سب ہندوستانی تھے۔ سوار پندرہ سو تھے، اور ان میں زیادہ ملکی تھے، یہ بیان بھی صحیح نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکی۔ پانی کمر تک آیا، دوسرے کنارے پر پہنچ کر صفیں پھر درست کر لی گئیں۔ تین صفیں تھیں، اگلی اور پچھلی صف میں ہندوستانی غازی تھے، بیچ کی صف میں ملکی تھے۔ سواروں کو پیادوں کی صفوں کے بائیں جانب پیچھے رکھا تھا، ان سے آگے شاہین داروں کا جیش تھا، جس کے سر عسکر شیخ عبداللہ رام پوری تھے۔ سواروں کو تاکید کر دی گئی تھی کہ جب تک حکم نہ ہو قطعاً حملہ نہ کریں۔ قندھاری اور ننگر ہاری یا تو مایار میں تھے، یا چھلپانی کے کنارے جا بجا پہروں پر۔ غازیوں نے پیش قدمی کی تو ندی والے غازی بھی ساتھ مل گئے ہوں گے۔

کالے خاں شمس آبادی

شمس آباد مئو کے کالے خاں ایک نہایت مخلص غازی تھے، کئی لڑائیوں میں شریک رہے، چھتر بائی پر جو حملہ حافظ عبداللطیف نے بطور خود کرادیا تھا، اس میں بھی شامل تھے۔ یاد ہوگا کہ اس حملے میں سیڑھی بھی استعمال کی گئی تھی جو چھوٹی تھی، اتفاق سے جو غازی اس سیڑھی پر سب سے پہلے چڑھا اس کا قد چھوٹا تھا۔ اول سیڑھی چھوٹی، دوسرے غازی کا قد چھوٹا، چھتر بائی کی دیوار تک پہنچنا مشکل ہوگیا اور حملہ ناکام رہا۔ کالے خاں خوب لمبے قد کے تھے، انہیں خیال ہوا کہ اگر میں پہلے چڑھتا تو ہاتھ بڑھا کر منڈیر پکڑ لیتا اور میرے چڑھ جانے کے بعد دوسرے غازیوں کے لئے اوپر جانے کی کوئی صورت نکل آتی۔ بس اسی واقعہ سے دل برداشتہ ہوکر واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ غازیوں نے بھی سمجھایا، سید صاحب نے بھی نصیحت فرمائی، کالے خاں پر کچھ اثر نہ ہوا۔

لاہور یا امرتسر میں ان کا ایک پرانا رفیق ملا، اس نے سارا قصہ سن کر کہا کہ ہم تو سید صاحب کے پاس پہنچنے کیلئے دعائیں مانگ رہے ہیں، تم بڑے کم نصیب ہو کہ انہیں چھوڑ کر چلے آئے۔ کالے خاں پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً ایک یابو خریدا اور واپس ہوگئے، سید صاحب امب سے پنجتار آگئے تھے کہ کالے خاں بھی پہنچ گئے۔ جاتے ہی عرض کیا کہ یابو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کسی بھائی کو دے دیجیے، میں سارا وقت آپ ہی کی خدمت میں گزارنا چاہتا ہوں۔ سید صاحب نے ان سے وعدہ فرمایا کہ جنگ ہوئی تو گھوڑا دوں گا، چنانچہ جنگِ مایار کے دن عبداللہ والیا کا گھوڑا کالے خاں کو دے دیا۔ انھوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو بولے کہ ضرورت پڑی تو اپنا سر بھی دشمن کی توپ کے منھ میں دے دوں گا۔

پیادوں اور سواروں میں ادل بدل

مولوی فتح علی سواروں میں شامل تھے، اچانک انھیں خیال آیا کہ مقابلہ بڑا سخت ہے، خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں پیادوں میں شامل ہو جاؤں تا کہ سید صاحب کے پاس رہوں، چنانچہ فوراً خدمت والا میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں سواری کے فن میں زیادہ مشاق نہیں، میرا گھوڑا کسی ایسے بھائی کو دے دیجیے جو میدان جنگ میں اس سے بہتر کام لے سکے اور ساتھ ہی میرے بھیلے دار سید اسمٰعیل رائے بریلوی سے فرما دیجیے۔ سید صاحب نے مولوی فتح علی کی درخواست منظور فرمائی، پھر سب غازیوں کو حکم دے دیا کہ جو بھائی سواری میں زیادہ طاق نہ ہو، وہ اپنا گھوڑا دوسرے کو دے دے، چنانچہ فتح علی عظیم آبادی کے علاوہ، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، مولوی قمر الدین عظیم آبادی، مولوی عثمان علی عظیم آبادی اور مولوی مدد علی غازی پوری نے گھوڑے چھوڑ دیے۔ ان کے گھوڑے، بہادر خاں بناری، شمشیر خاں بناری، حسن خاں بنارسی، دین محمد عظیم آبادی اور عبداللہ خاں (وطن معلوم نہیں) کو دیدیے گئے۔

سید صاحب کا لباس

سید صاحب نے اس روز جو لباس زیب بر کیا اور جو ہتھیار لگائے ان کی تفصیل راویوں نے یہ بتائی ہے: چندیری کی سفید دستار، باوامی گُمٹی کا سفید پاجامہ، بہت باریک چکن کا دوہرا انگرکھا، کمر میں سفید پٹکا، اس کے اوپر سرخ کناروں اور سیاہ دھاریوں کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پشاوری لنگی۔ لنگی کے سوا تمام پارچے شیخ غلام علی الہ بادی کے نذر کیے ہوئے تھے، وہ وقتاً فوقتاً سید صاحب کے لئے خاص جوڑے تیار کرا کرکے بھیجتے رہتے تھے، تپنچوں کی ہشت پہلو ولایتی جوڑی، فولادی چھری، جس کا دستہ شیر ماہی کا تھا اور میان کیمختی سا تھ لی، آپ کے ہمراہ دونوں بازوؤں پر آپ کے دو رفل بردار تھے، ایک حافظ صابر تھانوی، دوسرا اشرف الدین بنگالی۔ ایک ولایتی رفل تھوخان قندھاری نے لکھنؤ میں بصورت نذر پیش کی تھی، دوسری رفل آپ عرب سے خرید کر لائے تھے۔

جنگ کا آغاز

درانی ہوتی سے نکلے تو انہوں نے گذرگاہ عام پر ایک جگہ دائیں بائیں دو نیزے گاڑے اور دروازہ سا بنالیا۔ بیچ میں قرآن شریف لٹکا دیا، تمام پیادوں اور سواروں کو اس کے نیچے سے گزارا۔ یہ گویا ایک قسم کا حلف تھا کہ وہ جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے سید صاحب کے غازیوں پر توپوں سے گولوں کی بارش کریں، اس کے ساتھ ساتھ پیادے گڑھی امازئی پر حملہ کر دیں، اور سوار غازیوں کے جیوش کو درہم برہم کر ڈالیں۔ سید صاحب نے مخطوبنی سے گذر کر صف بندی کی، آگے بڑھے تو درانی توپوں کے گولے پے بہ پے آ رہے تھے، کالے خاں شمس آبادی سبزہ رنگ گھوڑے پر سوار سب سے آگے تھے، سب سے پہلے سقائے لشکر اسلام شہید ہوا، جو ندی سے مشکیزے میں پانی بھر بھر کر غازیوں کو پلاتا تھا۔

صرف میدانی تھا اور چھپنے یا مورچہ پکڑنے کی کوئی جگہ نہ تھی، اس اثناء میں ایک گولہ آیا اور کالے خاں سے تھوڑے فاصلے پر گرا۔ پھر اچھلا اور بہادر غازی کے پہلو میں لگا۔ ان کے مہلک زخم لگا۔ سید صاحب نے سنا تو فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ساتھ ہی حکم دیا کہ انہیں اٹھا کر امازئی پہنچا دیا جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قلندر کابلی بھی ساتھ تھا۔ وہ جب خوش ہوتا تو بڑی دلکش لے میں "مرحبا سید مکی مدنی العربی" گایا کرتا تھا۔ صفوں میں سے چار قدم آگے اچھلتا کودتا اور گاتا جا رہا تھا، ایک گولہ اس کے قریب آ کر گرا، گرد و غبار کا ایسا طوفان اُٹھا کہ قلندر نظروں سے اوجھل ہو گیا، سب سمجھے کہ اس نے شہادت پائی۔ غبار چھٹا تو کیا دیکھتے ہیں کہ قلندر دلق کا ایک سرا پکڑے بے تکلفی سے سر کے گرد گھما رہا ہے اور وفورِ مسرت سے ناچ رہا ہے۔ مایار تک پہنچتے پہنچتے چند غازی شہید ہوئے۔

رجز خوانی

دو غازی "رجز خوانی" کر رہے تھے: ایک امان اللہ خاں ملیح آبادی، دوسرے شیخ ریاست علی موہانی۔ امان اللہ اگرچہ خاصے سن رسیدہ تھے لیکن ہمت و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ بزدل بھی انکی باتیں سن سن کر شیر دل بن جاتے، انکی لے بڑی پر تاثیر تھی شیخ ریاست علی بھی بڑے خوش گلو تھے، مولوی خرم علی بلہوری کا منظوم جہادیہ پڑھتے جا رہے تھے:

جسکے پیروں پہ گرے گرد صفِ جنگ جہاد　　وہ جہنم سے بچا، نار سے ہے وہ آزاد
اے برادر تو حدیث نبویؐ کو سن لے　　باغِ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے
جو مسلمان رہِ حق میں لڑا لحظہ بھر　　روضۂ خلد بریں ہو گیا واجب اس پر
آج جو اپنی خوشی جان خدا کو دو گے　　پھر تو کل شوق سے جنت کے مزے لوٹو گے(۱)

"منظورہ" کا بیان

اسی طرح غازی مایار کے باغ تک پہنچ گئے جو غالباً بستی کے جنوب مشرق میں تھا،

(۱) مولوی خرم علی نے فضائل جہاد کی آیات و احادیث فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں بطریق مثنوی نظم کر دی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ نظمیں عام طور پر پڑھی جاتی تھیں۔ روایتوں میں اردو نظم کے پڑھے جانے کی تصریح صرف جنگ مایار کے ذکر میں ہوئی ہے، میں نے اس باب کے آخر میں جہادیہ (اردو) کو بطور ضمیمہ درج کر دیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کے بعد جنگ کی تفصیلات کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ "منظورہ" کا بیان ہے کہ پیادوں کی صفوں میں صرف سید صاحب گھوڑے پر سوار تھے، ایک غازی نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور ادب سے عرض کیا کہ یا تو گھوڑے سے اُتر جائیے۔ آپ سب میں نمایاں ہیں مبادا دشمن تاک کر آپ پر گولے پھینکے۔ سید صاحب فوراً اتر گئے اور گھوڑا ایک غازی کو دے کر سواروں میں شامل ہونے کا حکم دے دیا۔ پھر فرمایا کہ سب سے پہلے توپوں پر قبضہ کرنا چاہیے۔ اس غرض کے لئے دوڑ کر توپوں کے مقام پر پہنچنا مناسب نہیں۔ دوڑنے میں سانس پھول جاتا ہے۔ صف بندی قائم رکھتے ہوئے تیز پیش قدمی لازم ہے۔

جب توپیں ایک گولی کے فاصلے پر رہ گئیں تو ایک گولہ غازیوں کے عین سامنے گرا، اس سے میاں جی محی الدین کی ایڑی زخمی ہوگئی، اسی زخم کے باعث وہ کچھ مدت بعد پنجتار میں فوت ہوئے۔ سید صاحب تکبیر پڑھتے ہوئے بدستور آگے بڑھتے گئے، صفوں کا نظم بھی باقی رہا، ایک گولہ صفوں میں گرا جس سے تین غازی شہید ہوئے۔ اس اثناء میں ایک توپ کے پائے ٹوٹ گئے اور وہ چرخ سے نیچے گر پڑی۔ غازی قریب پہنچ گئے تو درانی توپچی بھاگ نکلے، غازیوں نے توپوں پر قبضہ کرلیا تو درانی سواروں نے شدید حملہ کردیا۔ پے بہ پے ان کے کئی گروہ آئے لیکن تھوڑی دیر میں سب درہم برہم ہوکر بھاگ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ معلوم ہوتا تھا کھیاں تھیں، جو بار بار شیروں پر گرتی تھیں اور غائب ہوجاتی تھیں۔(۱)

(۱) معمول کے مطابق سید صاحب نے جنگ چھڑنے سے پیشتر فرمایا تھا کہ جس بھائی کو سورۂ قریش یاد ہو گیارہ مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلے، نیز یہ دعا پڑھے: اللّٰھم اھزمھم وزلزل اقدامھم وشتت شملھم وفرّق جمعھم وخرّب بنیانھم وخذھم اخذ عزیز مقتدر (یہ دعا سید صاحب ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''وقائع'' کا بیان

''وقائع'' کا بیان زیادہ مفصل اور واضح ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ درانی فوج کے چار غول تھے: ایک پیادوں کا اور تین سواروں کے۔ کالے خاں کے زخمی ہونے کے بعد سید صاحب نے ننگے سر ہو کر بہ کمال عجز و زاری جناب باری میں دعاء کی کہ الٰہی! ہم عاجز اور ضعیف بندے ہیں۔ تیرے سوا اور کوئی حامی و مددگار نہیں جو ہم کو بچائے۔ ہم نے بہتیرا ان کو سمجھایا کہ ہم مسلمانوں سے نہ لڑو مگر وہ نہ مانے، تو دانا و بینا ہے۔ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اگر تیرے علم میں ہم حق پر ہوں تو ہم ضعیفوں کو فتح یاب کر اور اگر وہ حق پر ہوں تو ان کو فیروز مندی عطا فرما۔

اس اثناء میں سواروں کا ایک غول باگیں اٹھائے تیزی سے آیا، سب کی زبان پر تھا: ''سید کجاست؟ سید کجاست؟'' (سید کہاں ہے؟ سید کہاں ہے؟) سید صاحب کا حکم تھا کہ کوئی بھائی ہماری اجازت کے بغیر بندوق نہ چلائے۔ سوار جب چالیس پچاس قدم کے فاصلے پر رہ گئے تو سید صاحب نے رفل اٹھائی اور بلند آواز سے تکبیر کہہ کر سر کی، ساتھ ہی غازیوں نے باڑھ ماری، پھر تو انہیں بھر ماریوں پر دھر لیا۔ قرابین چی قرابینیں مار تے تھے، بندوقچی بندوق تلواروں اور گنڈاسوں والے اپنے ہتھیاروں سے کام لے رہے تھے۔ درانی سوار لوٹے تو سید صاحب نے فرمایا کہ اب ہمارے سوار تعاقب کریں لیکن سید صاحب کے سوار پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے۔

سواروں کا انتشار

درانی سواروں نے حملہ کیا تو چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سید صاحب غازیوں سمیت ان کے نرغے میں آ گئے ہیں۔ اس وقت حاجی عبد الرحیم خاں، جو سید صاحب کے خاص جاں نثاروں میں سے تھے، بے تاب ہو گئے۔ آس پاس کے رفیقوں سے کہا کہ اگر حضرت نہ رہے تو ہماری زندگی کس کام آئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گی۔ آؤ ان پر دائیں جانب سے بلہ کریں۔ یہ کہتے ہی باگیں اٹھا کر سرپٹ چل دیے۔ آس پاس کے سوار بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

رسالدار عبدالحمید خاں نے دیکھا تو سمجھے کہ حملے کا حکم ہو گیا، چنانچہ وہ بھی پورے رسالے کو لے کر بڑھے، ان کا حملہ بڑا سخت تھا، لیکن سوار بکھر گئے۔ بعض اکا دکا دشمنوں میں گھر کر شہید یا زخمی ہوئے، بعض پیچھے ہٹتے ہٹتے دور تک نکل گئے۔ سواروں میں سے ارباب بہرام خاں اور فتح خاں پنجتاری اپنے آدمیوں سمیت جگہ پر جمے رہے، انہوں نے سید صاحب کے حکم کے مطابق حملہ کرنا چاہا لیکن چونکہ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے انہیں روک دیا گیا۔

توپوں پر یورش

اس موقع پر مولانا شاہ اسمٰعیل نے شیخ ولی محمد سے کہا کہ اب توپوں پر قبضہ کرنا چاہئے، چنانچہ وہ ڈیڑھ سو غازیوں کو لے کر بھگے والے سواروں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اس اثناء میں توپچی اپنے سینے لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مولانا نے توپوں پر قبضہ کر لیا۔ نواب خاں لنگری گھنے والے کے پاس ایک لٹھ سینے جیسا تھا، اسے لے کر توپ بھری، شیر محمد خاں سے توڑا لے کر درانیوں پر داغی، چار مرتبہ فائر کیے تو درانی منتشر ہو گئے۔ پھر سید صاحب نے مولانا کو اپنے پاس بلایا، مولانا توپیں کھینچتے ہوئے سید صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

درانیوں کا دوسرا حملہ

درانی سواروں کا ایک غول تتر بتر ہو چکا تھا، مولانا اور شیخ ولی محمد توپوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ اس اثناء میں درانیوں کے دوسرے غول نے حملہ کر دیا، وہ بھی پہلے غول کی طرح ''سید کجاست؟'' ''سید کجاست؟'' کہتے ہوئے آئے۔ سید صاحب کے پاس اس وقت زیادہ سے زیادہ پانسو غازی ہوں گے، آپ کے رفل بردار باری باری بندوقیں بھر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھر کر دے رہے تھے اور آپ داہنے بازو والے کی بندوق دائیں جانب اور بائیں بازو والے کی بائیں جانب پر رکھ کر چلاتے جاتے تھے۔ ہر فائر کے بعد فرماتے: "سید ہمیں است"۔ تھوڑی دیر میں یہ غول بھی بکھر گیا اور میدان صاف ہو گیا، کچھ غازی انکے تعاقب میں ادھر ادھر نکل گئے، سید صاحب کے پاس صرف پچاس ساٹھ کی جمعیت رہ گئی۔

تیسرا حملہ

اس اثناء میں چھ سات سو سواروں کا ایک اور ریلہ آ گیا۔ سید صاحب دوسری طرف مشغول تھے، ایک غازی نے خبردار کرنے کے لئے پکار کر کہا: حضرت ادھر سے ریلہ آ رہا ہے۔ دوسرے غازیوں نے روک دیا کہ حضرت کا ذکر نہ کرو، دشمن کو خبر ہو جائے گی، اس غول کو بھی ناکام و نامراد بھاگنا پڑا۔ جب سارا درانی لشکر بندوقوں کی زد سے باہر نکل گیا تو آتش باری موقوف کی۔ پہلے حملے چونکہ بڑے بڑے غولوں نے کئے تھے، اس لئے گرد و غبار کی وجہ سے فضاء پر تاریکی سی چھا جاتی رہی۔ تیسرے حملے کے سوار چونکہ کم تھے، اس لئے غبار زیادہ نہ اڑا۔ سید صاحب کی ہر گولی سے سوار گرتا اور گھوڑا بھاگ جاتا۔

آخری حملے کے متعلق "منظورہ" کا بیان یہ ہے کہ درانیوں کا ایک رسالہ غازیوں کے سواروں کا تعاقب کرتا ہوا تورو کی طرف نکل گیا، وہ واپس ہوا تو اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ لڑائی کا نقشہ منقلب ہو چکا ہے۔ وہ غازیوں کو اپنے آدمی سمجھتے ہوئے بے تکلف چلے آئے، قریب پہنچے اور غلط فہمی دور ہوئی تو پیچھے ہٹے۔ غازیوں نے ان پر حملہ کر دیا، توپیں آ گئیں تو سید صاحب نے خود شست دیکھ کر چند فائر کرائے، ان کی وجہ سے بھی درانی خائف ہو کر جلد بھاگ گئے۔

مولانا خطرے میں

مولانا شاہ اسماعیل کی انگلی پر جب سے شنکیاری میں زخم لگا تھا وہ جلد جلد بندوق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس حملے میں بھی کئی درانی سواروں کو انہوں نے مار گرایا، پھر ایک سوار ان کے بالکل قریب آ گیا، وہ بندوق بھر نہ سکے۔ خود بعد میں فرماتے تھے کہ شہادت کا یقین ہو گیا۔ اس اثناء میں حافظ وجیہ الدین پھلتی کی نظر پڑی، انہوں نے فوراً سوار پر بندوق سر کی وہ گولی لگتے ہی گرا، اس طرح مولانا کی جان بچی۔ اگر دو چار لمحے کی بھی تاخیر جاتی تو مولانا کا زندہ بچنا بظاہر بالکل مشکل تھا۔

بہت سے درانی سوار مارے گئے ان میں اسرائیل خاں بھی تھا جو پہلوانی میں بہت مشہور مانا جاتا تھا اور نشانچی بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ یار محمد خاں کی شادی اس کی بہن سے ہوئی تھی، غالباً سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں کے ساتھ بھی رشتہ تھا۔ شیخ ولی محمد فرماتے تھے کہ اس پر میں نے اور بعض دوسرے غازیوں نے ایک دم گولیاں چلائیں، معلوم نہیں وہ کس کی گولی سے ہلاک ہوا۔

جنگ کا خاتمہ

میدان درانیوں سے صاف ہو چکا تھا، سلطان محمد خاں دن کے وقت لڑائی کا طلب گار تھا، اس کی یہ طلب پوری ہو چکی تھی۔ سید صاحب دیر تک میدان میں ٹھہرے رہے کہ مبادا درانی پھر پلٹ کر حملہ کر دیں۔ غازیوں نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا، گرمی کا موسم پیاس لگی ہوئی تھی، میدان میں ایک چھوٹا سا تالاب تھا، اسی کا گرم پانی پیتے رہے، پھر مایار کی عورتیں گھڑوں اور بدھنوں میں پانی لے آئیں۔ جب اطمینان ہو گیا کہ اب درانی نہیں آئیں گے تو سید صاحب مایار کی مشرقی سمت کے باغ میں جا ٹھہرے، چہرے پر گرد و غبار کی دبیز تہ جمی ہوئی تھی۔ ارباب بہرام خاں نے رومال نکال کر پونچھنا چاہا تو فرمایا:

> ”خان بھائی! ابھی ٹھہر جایئے یہ غبار بڑی برکت والا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔“

جن غازیوں کے پاس روٹی تھی، انہوں نے روٹی کھائی، بعض نے ستو گھول کر پی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لئے۔ پھر مایار سے کچھ روٹیاں آگئیں۔

زخمیوں اور شہیدوں کے متعلق ہدایات

سید صاحب نے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو حکم دیا کہ چند غازیوں کو ساتھ لے کر پورے میدان میں پھریں، زخمیوں کو پہلے مایار پھر تورو پہنچائیں اور شہیدوں کو دفنانے کا انتظام کریں۔ گھوڑے بھی زخمی پڑے تھے، سید صاحب نے فرمایا کہ جن گھوڑوں کے زخم زیادہ سخت نہ ہوں اور ان کا علاج ہو سکے، انھیں پکڑ کر تورو لے چلو۔ جن کا علاج نہ ہو سکتا ہو، انھیں ذبح کر ڈالو۔

مولوی مظہر علی صاحب نے پھر پھر کر تمام لاشیں جمع کرائیں، غازیوں کی کل اٹھائیس لاشیں انھیں ملیں، جنھیں دو قبروں میں دفن کرایا۔ اتنی لاشیں درانیوں کی تھیں، ان کی تدفین ملکیوں کے ہاتھ سے عمل میں آئی، زخمیوں کو تورو پہنچا دیا۔ سید صاحب نے ظہر کی نماز مایار کے باغ میں پڑھی۔(۱) پھر آپ تورو تشریف لے گئے۔

بقیہ لاشیں

جو غازی مایار اور تورو کے درمیان شہید ہو کر گرے تھے ان کی لاشیں تورو پہنچا دی گئیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنھیں زندہ اٹھایا گیا لیکن صرف رمق باقی تھی اور جلد جاں بحق ہو گئے، ان کے نام "منظورہ" کے بیان کے مطابق یہ ہیں:

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن ساکن تورو، جو ابتدا سے سید صاحب کے ساتھ رہے، بارہا سفارتی خدمات انجام دیں، ان کا سر تن سے الگ ہو چکا تھا۔

۲۔ شیخ عبدالحکیم پھلتی، ان کا سر بھی تن سے الگ تھا۔ بڑی مشکل سے سر ڈھونڈ کر لائے اور تن سے ملا دیا گیا۔

(۱) "منظورہ" میں ہے کہ میدان جنگ میں تالاب کے پاس پڑھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ کریم بخش گھانم پوری، ادھر لڑائی شروع ہوگئی ادھر انہوں نے جلدی جلدی اپنے ساتھیوں کیلئے روٹیاں پکار کر کمر میں باندھیں اور میدان جنگ کی طرف چلے۔ راستے میں درانی سوار سید صاحب کے سواروں سے لڑتے بھڑتے آرہے تھے، کریم بخش ان میں گھر گئے، کسی نے تلوار مار کر انہیں شہید کر ڈالا۔

۴۔ فضل الرحمٰن بردوانی۔

۵۔ لعل محمد: ان کا وطن معلوم نہ ہوسکا، یہ سید صاحب کے باورچی خانے سے متعلق تھے۔

۶۔ حاجی عبدالرحیم پھلتی والے۔

۷۔ شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی، یہ سخت زخمی ہوئے تھے، تورو لا کر ان کے زخم سیے گئے، کچھ باتیں بھی کیں، پانی بھی پیا، پھر جاں بحق ہوگئے۔ غازیوں میں سے یہی تھے جنہیں غسل بھی دیا گیا اور کفن بھی پہنایا گیا۔

۸۔ میر رستم علی چل گانوی، ان کو اٹھا کر لایا گیا تو سسک رہے تھے، راستے میں یا تورو پہنچ کر فوت ہوئے۔

۹۔ سید ابو محمد نصیر آبادی۔ ان کے مفصل حالات آگے چل کر بیان ہوں گے۔ دو اور صاحب تھے، جن کے نام راوی کو یاد نہ رہے۔

تورو میں تدفین

شاہ اسماعیل نے تورو سے باہر شمالی و مشرقی کونے میں ایک بڑی قبر کھدوائی اور تمام لاشوں کو مندرجہ ذیل ترتیب سے رکھا: سب سے آگے قبلہ رخ حاجی عبدالرحیم پھلتی والے، ان کے ساتھ سید ابو محمد نصیر آبادی، پھر میر رستم علی، شیخ عبدالحکیم پھلتی، فضل الرحمٰن مولوی عبدالرحمٰن ساکن تورو، کریم بخش اور باقی حضرات۔ سب کے بعد عبدالرحمٰن رائے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بریلوی کی لاش رکھی گئی، جنہیں کفن بھی پہنایا گیا تھا۔ باقی تمام اصحاب کو بلا غسل و کفن ان کے لباسوں میں بہ دستور رکھ دیا گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کے عماموں کا ایک سرا لے کر منہ ڈھانپ دیے جائیں۔

بعد تدفین مولانا نے غازیوں سمیت دیر تک شہدا کے لیے مغفرت کی دعا کی، سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ہر ایک کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ یہ بھائی تو جس مراد کو آئے تھے حاصل ہو گئی، خدا ہم لوگوں کو بھی اسی طرح شہادت نصیب کرے۔

دعاء

تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذان ہوئی، سید صاحب نے خود نماز پڑھائی، پھر عجز والحاح سے دعاء کی کہ:

اے ہمارے پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ یہ سب لوگ محض تیری خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے اپنے گھر بار، خویش و تبار، اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کر یہاں آئے تھے، اور صرف تیری راہ میں انہوں نے اپنی جانیں صرف کیں۔ ان کے گناہوں کو اپنے دامن رحمت میں چھپا لے، فردوس میں جگہ دے اور ان سے راضی ہو۔ ہم جو چند ضعفا اور غربا تیرے عاجز بندے باقی ہیں، ان کو بھی اپنی رضامندی اور خوشنودی کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارے سینوں میں شیطانی خطرات اور نفسانی وساوس خطور کرتے ہیں، ان کو دور کر دے۔ دلوں کو اپنے اخلاص و محبت سے معمور رکھ۔ اپنے دین کو قوت اور ترقی بخش۔ جو لوگ اس دین کے دشمن اور بدخواہ ہیں، انہیں ذلیل و رسوا کر۔ جو مسلمان شریعت کے راہِ راست سے ہٹ کر بادیۂ ضلالت میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں، انہیں ہدایت دے اور پکے مسلمان بنا دے، تا کہ اس کار خیر میں جان و مال اور اہل و عیال سے شریک ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھبیسواں باب:

جنگِ مایار (۲)

غازیوں کی شجاعت کے چند مناظر

جنگ مایار کے بارے میں ہمیں جو کچھ معلوم ہو سکا، اسے گزشتہ باب میں ترتیب کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ لیکن بعض غازیوں کے ایثار و شجاعت کی کچھ تفصیلات بھی مختلف روایتوں میں بیان ہوئی ہیں، جنہیں اس غرض سے پیش کرنا ضروری ہے کہ اس سے آپ کو سید صاحب کی شانِ تربیت اور درجۂ مردم گری کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔ یہ جاننے کا موقع مل جائے گا کہ اب سے صرف سوا سو سال پیشتر رائے بریلی کے ایک مسکین سید نے اس سرزمین سے انسانیت کے کیسے کیسے روشن چاند اور ستارے جمع کر کے رضائے خدائے قدوس کی راہ میں کھڑے کر دیے تھے۔ یہ بھی واضح ہو سکے گا کہ جہاد فی سبیل اللہ اتنا سہل اور آسان نہیں جتنا کہ آج کل کے مدعیانِ دین و سیاست نے سمجھ رکھا ہے، اور وقتاً فوقتاً تقریروں میں اس کا ذکر فرما کر سمجھ لیتے ہیں کہ وظیفہ ادا ہو گیا اور سامعین اللہ اکبر کے نعرے لگا کر بجا آوری فرض سے سبک دوش ہو جاتے ہیں۔

کیا عجب ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کرنے والے خوش نصیبوں کی یہ چند داستانیں عبرت و تنبہ حقیقی کا دعوت نامہ بن جائیں۔ وما ذالك على الله بعزيز. فذكر ان الذكرى تنفع المومنين۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کالے خاں شمس آبادی

کالے خاں شمس آبادی کے حالات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یعنی ایک مرتبہ روٹھ کر چلے گئے، چونکہ فطرت سعید تھی، اس لئے راستے سے لوٹ آئے۔ مایار کی جنگ میں گھوڑا اپا کر سب سے آگے نکل گئے۔ چھلا پانی سے گذرنے کے بعد غازیوں کی صفیں پھر پھر کر درست کر رہے تھے کہ گولہ لگا، بری طرح زخمی ہو کر گرے تو سید صاحب کے حکم سے انہیں مایار کی مسجد کے حجرے میں لے گئے۔ ان پر جانکنی کی حالت طاری تھی، لیکن جب لب کھلتے تو تیمارداروں سے پوچھتے: "بھائیو! لڑائی کا کیا حال ہے؟" درانیوں کے پہلے اور دوسرے حملے کے دوران میں انہیں بتایا گیا کہ ابھی جنگ جاری ہے اور فریقین ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں۔ یہ سن کر چپ رہے اور اللہ اللہ کہتے رہے۔

جب درانیوں کا آخری غول بھی شکست کھا کر میدان میں سے بھاگ نکلا اور بتایا گیا کہ بھائی کالے خاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت کو فتح یاب کیا تو یہ بشارت سنتے ہی بولے: "الحمد للہ"۔ بس ساتھ ہی دم نکل گیا۔ کتنی قابل رشک زندگی تھی، جس میں آخری سانس تک زبان پر خدا کا ذکر تھا اور دل میں اس کے سوا کوئی آرزو نہ تھی کہ راہِ حق کے غازیوں کی فتح کا مژدہ سن لیں، اور کتنی قابلِ رشک موت تھی کہ دم رضائے خدا میں پورا ہوا۔

راویوں نے لکھا ہے کہ شروع میں ٹھوڑی منڈاتے تھے، سید صاحب نے کبھی نہ ٹوکا اور عادت شریفہ یہی تھی کہ بات بات پر ٹوکتے نہ تھے، اور جزئیات میں لوگوں کو حسن تربیت سے پابند شریعت بناتے تھے۔ ایک روز کالے خاں نے ٹھوڑی منڈائی۔ اتفاق سے سید صاحب ان کے پاس سے گذرے، اچانک کالے خاں کی ٹھوڑی دست مبارک سے پکڑ کر فرمایا: خان بھائی! آپ کی ٹھوڑی کیا چکنی چکنی ہے۔ کالے خاں چپ رہے، آٹھویں دن حجام خط بنانے کے لئے آیا تو اسے لوٹا دیا کہ اب میری ٹھوڑی کو حضرت کا ہاتھ لگ چکا ہے، تیرا ہاتھ نہ لگنا چاہئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید ابو محمد نصیر آبادی

سید ابو محمد سید صاحب کے ہم خاندان تھے، آپ کی پہلی بی بی سیدہ زہرہ سے قریبی رشتہ تھا۔ لشکر اسلام میں شامل ہونے کا حال ہم بہ سلسلہ سفر ہجرت بیان کر چکے ہیں، بڑے خوبرو جوان تھے۔ نصیر آباد کے بانکوں میں شمار ہوتے تھے۔ برسوں لکھنؤ میں اہل اللہ کیوان کی بٹالین میں ملازم رہے، سپہ گری کے علاوہ مختلف فنون میں طاق تھے، جنگ مایار کے لئے نکلنے لگے تو گھوڑا تھان پر چھوڑ کر سید صاحب کے پاس پہنچے اور بولے:

میاں صاحب(۱) جس روز سے میں آپ کے ساتھ گھر سے نکلا ہوں، یہی سمجھتا رہا کہ آپ میرے عزیز اور رشتہ دار ہیں، آپ کو عروج ہوگا تو میرے لئے بھی ترقی اور بہبود کی صورت بنے گی، نہ میں خدا کے واسطے ساتھ رہا اور نہ ثواب جان کر کسی لڑائی میں شامل ہوا۔ اب میں اس فاسد خیال سے توبہ کرتا ہوں، رضائے باری تعالیٰ کیلئے از سر نو بیعت جہاد کیلئے حاضر ہوا ہوں، آپ مجھ سے بیعت لیں اور دعاء کریں کہ خدا اس نیت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے۔

سید صاحب نے بیعت لی اور دعاء کی، سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دعاء سے فراغت کے بعد سید ابو محمد نے سید صاحب سے مصافحہ کیا اور گھوڑے کی طرف چلے تو ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ بسم اللہ کہہ کر دایاں پاؤں رکاب میں رکھا تو باآواز بلند پکار کر کہا: بھائیو! گواہ رہنا، اب تک ہم صرف شان وشوکت اور خواہش کے لئے سوار ہوتے تھے۔ خدا کا اس میں کچھ واسطہ نہ تھا، مگر اس وقت ہم محض خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کے لئے بہ نیت جہاد سوار ہوتے ہیں۔

شہادت

چھیدا ان کے گھر کا آدمی تھا، وہ کہتا ہے کہ جب درانیوں نے ہمارے سواروں پر

(۱) سید ابو محمد ہی نہیں بلکہ خاندان کے تمام لوگ سید صاحب کو "میاں صاحب" ہی کہہ کر پکارتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یورش کی اور ہمارے سوار پیچھے ہٹے تو سید ابو محمد بھی چلے، کچھ دور جا چکے تھے کہ میں درانی سواروں میں گھر گیا، گھبرا کر انہیں مدد کیلئے آواز دی، انہوں نے آواز سنتے ہی باگ موڑی اور آ کر درانی سواروں سے لڑنے لگے۔ میں موقع پا کر نکل گیا اور وہ لڑتے رہے، میں دور سے دیکھ رہا تھا، دو سواروں کو انہوں نے مارا، پھر خود بھی زخم کھا کر گھوڑے سے گر گئے۔

قاضی گل احمد الدین پوٹھوواری کا بیان ہے کہ میں موضع شیوہ سے سوار ہو کر سید صاحب کے پاس تورو جا رہا تھا، توپوں کی آواز سنی تو میں نے جانا کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ لڑائی میں شریک ہونے کی غرض سے گھوڑے کو ایڑ لگائی، مایار پہنچا تو درانی شکست کھا کر میدان سے جا چکے تھے۔ مولوی مظہر علی صاحب کو مجروحین و شہدا کی لاشیں اٹھوانے کا حکم ہوا، سید صاحب نے مجھے بھی فرمایا کہ مولوی صاحب کے ساتھ جاؤ۔ میں نے میدان میں پھرتے پھرتے ایک جگہ سید ابو محمد کو زخمی پڑے ہوئے دیکھا۔ زخم ایسے کاری کہ جان تو ان میں تھی، لیکن ہوش حواس بجا نہ تھے۔ میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا! ''سید ابو محمد! حضرت امیر المومنین کو فتح حاصل ہوئی۔'' وہ ہونٹ چاٹ رہے تھے اور ''الحمد للہ'' ''الحمد للہ'' کہہ رہے تھے۔ مجھے کچھ جواب نہ دیا، میں نے ساتھیوں کو آواز دی، کمبل میں رکھ کر انہیں اٹھایا، کچھ دیر بعد جاں بحق ہو گئے۔

عبد الرحمٰن دکنی

عبد الرحمٰن دکنی سواروں میں تھے، یہ اعلیٰ درجے کے پھکیت اور بھرمار تھے۔ جب سید صاحب کے سوار درانیوں کے ہجوم میں بکھر کر پیچھے ہٹے تو عبد الرحمٰن اپنی جگہ پر جمے ہوئے ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ کچھ دیر تک گھوڑے پر بیٹھے بندوق کے فائر کرتے رہے، پھر اتر بیٹھے اور پیدل ہو کر قواعد بھرماری سے بندوق مارنے لگے۔ آٹھ نو درانی سواروں نے انہیں نرغے میں لے لیا، آخر بہادر عبد الرحمٰن نے بندوق چھوڑ کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تلوار سنبھال لی، تنہا نو دس سواروں کا مقابلہ اس خوبی سے کرتے رہے کہ اکثر کو زخمی کیا اور خود محفوظ رہے۔ ایک درانی سوار نے تاک کر پیچھے سے نیزہ مارا، یہ گرے تو اس نے تلوار سے سر قلم کر ڈالا۔

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری

شیخ محمد اسحاق پیدل تھے، ایک درانی سوار نیزہ تان کر آپ کی طرف بڑھا۔ نیزے کا رخ سینے پر تھا، شیخ دائیں جانب جھک گئے، نیزہ بائیں شانے پر پڑا اور انی ٹوٹ کر اندر رہ گئی۔ اس حالت میں بھی شیخ نے تلوار مار کر حملہ آور کا سر تن سے الگ کر دیا۔ پھر اور درانی آ گئے اور ہر طرف سے شیخ پر تلواریں پڑنے لگیں۔ ایک ضرب سے دستار کٹ گئی اور سر پر گہرا خط بن گیا، ایک اور وار سے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں، بے بس ہو کر شیخ نے اپنی رائفل سعدی خاں کو دے دی، تلوار ایک اور غازی کے حوالے کی جس کے پاس تبر کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا، اور خود مایار کی طرف لوٹ پڑے۔ راستے میں دیکھا کہ میاں جی محی الدین کی ایڑی زخمی ہے اور وہ چلنے سے معذور ہیں، شیخ نے اپنے انگشت بریدہ ہاتھ کا سہارا دے کر انہیں اٹھایا اور آہستہ آہستہ ساتھ لے کر چلے، تھوڑی دور گئے تھے، غش کھا کر گر پڑے، ہوش آیا تو پھر اٹھے اور میاں جی کو پہلے کی طرح سہارا دے کر ایک درخت کے سایے میں پہنچایا، پھر چلنے کی سکت نہ رہی اور لیٹ گئے۔

ارشادِ نبویؐ کی تصدیق

سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ ختم جنگ کے بعد میں ان کے پاس پہنچا تو سب سے پہلے یہ پوچھا کہ لڑائی کا نتیجہ کیا نکلا؟ میں نے فتح کا مژدہ سنایا تو بہت خوش ہوئے اور بولے: ''آؤ بھائی، گلے سے لگ جاؤ۔''

دیکھئے اس حالت بے چارگی میں بھی نہ اپنی تکلیف کا کوئی خیال تھا، نہ یہ خیال تھا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ بال بچوں کے لئے کوئی وصیت کردیں۔دل و دماغ پر صرف ایک آرزو چھائی ہوئی تھی کہ جس مقصد کے لئے گھربار چھوڑا، وہ پورا ہوا یا نہ ہوا۔

تھوڑی دیر بعد پھر بولے کہ بھائی حدیث نبویؐ برحق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شہیدوں کے سکرات موت کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کو چیونٹی کاٹے، میرا جسم شدید زخموں سے چور ہے، بائیں شانے میں نیزے کی انی ٹوٹی ہوئی ہے، سر پر گہرا زخم ہے، ہاتھ کی انگلیاں کٹ چکی ہیں، لیکن تکلیف اتنی ہے کہ جیسے انگلی میں کانٹا چبھ گیا ہو۔

شیخ امیر اللہ تھانوی

شیخ امیر اللہ تھانوی کی ران اور دایاں بازو بری طرح زخمی ہو چکے تھے، آپ نے خون آلود تلوار بائیں ہاتھ میں لے لی اور پھر پکڑ کر پوچھنے لگے کہ یہ کسے دوں؟ اسے دوں گا جو آج اس کا حق ادا کر سکے۔

توروپہنچے اور زخموں کی مرہم پٹی ہونے لگی تو نور بخش جراح نے مزاحاً کہا: شیخ صاحب آپ ہمیشہ کہتے رہتے تھے کہ یہاں آئے تو کیا حاصل کیا، ابھی تک نکسیر بھی نہیں پھوٹی، بتائیے اب نکسیر پھوٹی یا نہیں؟ فرمایا: ''الحمد للہ، اللہ تعالیٰ قبول کرے۔''

رسالدار عبدالحمید خاں

رسالدار عبدالحمید خاں کو بلا حکم حملے کی اجازت نہ تھی، جب حاجی عبدالرحیم خاں نے سید صاحب کے ساتھ محبت وعقیدت کے جوش میں خود حملہ کردیا اور ان کے آس پاس کے سوار بھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے پیچھے چلے تو مولوی احمد اللہ ناگپوری، محمد سعید خاں عظیم آبادی، قاضی مدنی وغیرہ جو رسالدار کے قریب کھڑے تھے، سمجھے کہ حملے کا حکم ہو چکا ہے، اس پر رسالدار نے بھی حملہ کردیا۔ ان کے پاس دو گھوڑے تھے: ایک سبزہ رنگ، دوسرا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سمند۔ دونوں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

جنگِ مایار کے دن سمند کی باری تھی، جس طرف باگ اٹھا کر جاتے، صفوں کو چیر کر رکھ دیتے۔ پاس کے لوگوں نے بعد میں بیان کیا کہ بار بار کہتے تھے: کاش! آج سبزہ گھوڑے کی باری ہوتی تو دل کا ارمان نکل جاتا۔ تین چار مرتبہ ساتھیوں کو لے کر درانیوں میں گھسے اور تلواریں مارتے ہوئے ان کی صفوں سے پار نکل گئے۔ رسالدار کے بھی کئی ہلکے سے زخم لگے، لیکن آپ نے کچھ خیال نہ کیا اور برابر حملے کرتے رہے۔ جب زخموں سے چور ہو گئے تو گھوڑے سے گر پڑے، جسم ذرا فربہ تھا، زرہ کی کڑیاں گوشت میں گھس گئی تھیں۔ راوی کا بیان ہے کہ انہیں میدان سے اٹھا کر مایار لائے تو جس کی نظر محبوب رسالدار پر پڑتی، بے اختیار اشکبار ہو جاتا، لیکن خود رسالدار بالکل صابر و شاکر تھا۔ ایک مرتبہ بھی تکلیف کا کوئی کلمہ زبان پر نہ آیا، پھر تورو میں وفات پائی۔ (۱)

سید موسیٰ

سید موسیٰ (جن کا دوسرا نام سید حسن مثنیٰ تھا) سید احمد علی شہید پھولڑہ کے صاحبزادے تھے۔ جب سے ان کے والد شہید ہوئے تھے، بہت غمگین رہتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے دوستوں اور آشناؤں سے کہا کرتے تھے کہ اگر کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ بیچ کھیت کے مجھے دیکھ لینا، میں بھی لڑ کر شہید ہو جاؤں گا۔

سید صاحب کو بھی اپنے شہید بھانجے کے جگر بند کی یہ کیفیت معلوم تھی۔ وہ سواروں میں تھے، جب لشکر تورو سے مایار کی طرف چلا تو سید صاحب نے سید موسیٰ سے فرمایا کہ اپنا گھوڑا کسی بھائی کو دے دو اور خود ہمارے ساتھ پیادوں میں رہو۔ عرض کیا کہ آپ مجھے

(۱) ایک روایت میں ہے کہ تورو سے انہیں پنجتار پہنچا دیا گیا تھا اور وہاں فوت ہوئے۔ سبز رنگ گھوڑے کو انہوں نے خوب سدھا رکھا تھا وہ برچھی، تلوار، بندوق پر خوب لگا ہوا تھا۔ سمند گھوڑا سید صاحب نے انہیں رسالدار بناتے وقت عطا کیا تھا، حملے کے وقت سبزہ رنگ گھوڑا ان کے سائیس کے پاس تھا، جس کا دم کالیا تھا۔

سواروں ہی میں رہنے دیں، میں رسالدار صاحب کے پاس رہوں گا۔ سید صاحب نے ان کی خواہش دیکھ کر اجازت دیدی۔ جب سواروں نے بلّہ کیا تو یہ بھی ساتھ تھے، مردانگی سے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور خوب لڑے، آخر زخموں سے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے، کئی زخم سر میں لگے اور بے بس ہو کر گر گئے۔ خادے خاں قندھاری انہیں پشت پر اٹھا کر سید صاحب کے پاس لائے، انہیں جو غازی دیکھتا بے اختیار رو پڑتا۔

خادے خاں کا بیان

خادے خاں قندھاری کہتے ہیں کہ میں زخمیوں اور شہیدوں کو تلاش کر رہا تھا، ایک جگہ دور سے سنا کہ کوئی اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ نزدیک جا کر دیکھا تو سید موسیٰ کو پایا، سر کے زخموں سے خون بہتے بہتے آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ میں نے کہا: ''اٹھا کر لے چلوں؟'' پوچھا: ''کون ہے اور فتح کس کی ہوئی؟'' میں نے نام بتایا اور عرض کیا کہ سید بادشاہ کو خدا نے فتح دی۔ یہ سن کر بولے: ''الحمد للہ'' اور کسی قدر ہوشیار بھی ہو گئے۔ ساتھ ہی کہا: ''لے چلو'' چنانچہ میں پشت پر سوار کر کے لے آیا، سید صاحب نے فرمایا کہ انہیں دیار کی مسجد کے حجرے میں لے جاؤ۔ احمد سندھی اور الٰہی بخش کوزہ پشت ان کے خاص رفیق تھے، انہیں تیمارداری کے لئے ساتھ بھیج دیا، پھر دوسرے زخمیوں کے ساتھ انہیں بھی تورو پہنچا دیا گیا۔

سید صاحب کے ارشادات

تورو میں سید صاحب شہید بھانجے کے بہادر جگر بند کو دیکھنے گئے تو فرمایا: یہ فرزند توفیقِ الٰہی سے بڑا بہادر نکلا، مالکِ حقیقی کا حق خوب ادا کیا۔ پھر سید موسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> بیٹا! لکھنؤ میں دیکھا ہو گا کہ لوگ شیطان کے اکسانے سے فاحشہ عورتوں کے لئے یا کسی کے سامنے متکبرانہ کھانس کر یوں ہی لڑائی چھیڑ لیتے ہیں، اور اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں اپنے ہاتھ پاؤں کھو بیٹھتے ہیں، اس طرح ان کا ثمرہ دنیا میں حمیت جاہلیت اور عقبیٰ میں عذاب الیم ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں راہِ مولیٰ میں کام آئے، خدا نے تمہاری مساعیٔ جمیلہ کو مشکور فرمایا۔

اب اگر دیکھو کہ کوئی شخص خوش رفتار گھوڑے پر سوار، اسے دوڑاتا کدانا ہوا لے جا رہا ہے تو کبھی یہ حسرت دل میں نہ لانا کہ میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ تمہارے ہاتھ پاؤں بارگاہِ ربانی میں قبول ہوئے خوش نصیب ہیں وہ ہاتھ پاؤں جو رضائے مولا میں قربان ہوں اور اس ذات پاک کی خاطر کٹیں جو جہانوں کی پناہ گاہ ہے۔ اگر کسی کو شمشیر برہنہ کے ساتھ پٹہ بازی کرتے ہوئے دیکھو تو یہ غم دل میں نہ لانا کہ میرے ہاتھ پاؤں ہوتے تو ایسے ہی جوہر دکھاتا۔ تمہارے دست و پا کو بڑا رتبہ ملا، ان زخموں کے عوض میں ثواب عظیم حاصل ہوا۔ سالم ہاتھ پاؤں والے کو ہر روز مظنۂ گناہ درپیش ہے، تمہارے جوارح کو پروردگار حکیم کی بارگاہ میں بہت شاندار اجر ملا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے بازو جنگِ موتہ میں کٹ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بہشت بریں میں انہیں ذی الجناحین کے لقب سے مشرف فرمایا اور زمرد جنت سے دو بازو عطا کر کے طیور بہشت میں جگہ دے دی۔

سید موسیٰ کی شانِ صبر

سید موسیٰ نے صابرانہ عرض کیا: میں ہزار زبان سے اللہ کی رضا پر راضی اور شاکر ہوں۔ الحمدللہ کہ میری ہستی نیک ترین عبادت میں صرف ہوئی، خدا اسے قبول کرے، لیکن آپ سے ایک آرزو ہے:

ہر روز خود تکلیف اٹھا کر اپنے جمال مبارک سے آنکھیں منور فرماتے رہئے۔ میں معذور ہو چکا ہوں، خود آپ کی مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اس کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سوا نہ مجھے کوئی رنج ہے اور نہ حسرت۔(۱)

سبحان اللہ، آج سے صرف سو برس پیشتر انسانیت کے یہ بے بہا گوہر اسی سرزمین کی سطح پر موجود تھے۔ کون سی قوم ہے جو ایسے افراد کے وجود کو اپنے تاج عزت اور اکلیل عظمت کے لیے باعث ہزار افتخار جاننے میں تامل کرے گی؟ لیکن ہم میں سے سیکڑوں، ہزاروں اصحاب نے یہ پوری مدت ان فداکارانِ حق کے خلاف طعن و ملامت کے نئے نئے خدنگ تیار کرنے میں بسر کردی: اِنَّ ھٰذا من اعاجیب الزّمن.

ایک ملکی غازی

ایک ملکی نوجوان چودہ پندرہ برس کا ہوگا، اس کے پاس نہ نیزہ تھا نہ تلوار اور نہ بندوق۔ سید صاحب نے کچھ گنڈاسے سوار رکھے تھے، جن کی نوکیں، ذرا خمدار تھیں، بڑے تیز تھے، ان میں لمبے دستے لگوا دیے تھے۔ جس غازی کو کوئی ہتھیار نہ مل سکتا، اسے گنڈاسے دیدیے جاتے۔ ملکی لوگ انھیں ''کفر چیٹ'' کہتے تھے۔ جنگ مایار کے دن اس نوجوان کو بھی کفر چیٹ مل گیا تھا۔ دشمن کا جو سوار قریب آتا وہ پورے زور سے کفر چیٹ کا وار کرتا۔ ایک سوار کے کفر چیٹ لگا تو اس کی خمدار نوک زرہ کی کڑی میں اٹک گئی، سوار بھاگا، نوجوان دونوں ہاتھوں سے دستہ پکڑے پیچھے پیچھے جا رہا تھا اور پکار پکار کر کہہ رہا تھا: زما کفر چیٹ یوڑ، زما کفر چیٹ یوڑ (یعنی یہ شخص ہمارا کفر چیٹ لئے جا رہا ہے) یہ سن کر کئی غازیوں نے سوار پر بندوقیں سر کیں، وہ گرا تو نوجوان نے کفر چیٹ مار کر اس کا سر الگ کر دیا۔

(۱) ''منظورہ'' ص: ۸۷۴-۸۷۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

للّٰہیت

پھر آپ غازیوں کی للّٰہیت پر ایک نظر ڈالئے، صرف ساڑھے تین ہزار کے قافلۂ حق نے باوجود بے سروسامانی بارہ ہزار کے لشکر کو شکستِ فاش دی، جو ہر قسم کے سامان سے لیس تھا۔ لیکن کسی شخص کے دل میں احساس تک نہ تھا کہ یہ ان کے اپنے کمالِ شجاعت کا نتیجہ ہے۔ سب یہی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قوت وقدرت سے زور آوروں پر فتح عطا کی، جو ملک وخزائن کے مالک تھے۔ اطمینانِ قلب کا یہ حال تھا کہ زدوخوردِ جنگ میں غازی اس طریق پر شریک ہوئے جیسے لوگ کسی کے ہاں دعوتِ طعام کے لئے جاتے ہیں۔(۱)

مرہم پٹی

تورو پہنچ کر زخمیوں کی مرہم پٹی شروع ہوئی۔ نور بخش اور عبدالرحیم دونوں جراح موجود تھے، دوسرے آدمی انکی امداد کیلئے حاضر ہوگئے، لیکن زخمیوں کے زخم سینے، دوا پکانے اور لگانے میں آدھی رات بسر ہوگئی۔ خود سید جعفر علی نقوی نے چراغ پکڑ کر مولوی احمد اللہ ناگپوری اور شیخ محمد اسحاق کی مرہم پٹی کرائی۔ اکثر غازیوں نے سارا دن کچھ نہیں کھایا تھا دن بھر کی تگاپو سے تھک کر چور ہو چکے تھے، کئی تورو پہنچ کر کھائے پئے بغیر ہی سو گئے۔

اس جنگ نے درانیوں پر اتنا ہراس طاری کر دیا تھا کہ بعد میں سید صاحب پشاور پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ بعض آدمی جو جنگِ مایار سے بچ کر آئے تھے، رات کو دو دو تین تین مرتبہ ڈر کر چونک اٹھتے تھے۔

---

(۱) ''منظورہ'' ص: ۸۴۳-۸۴۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ

رسالہ جہادیہ

اس نظم کے سلسلے میں شعریت کا چنداں خیال نہ رکھنا چاہیے، صرف شاعر کے جوشِ حمیت، حسن جذبات اور آرزوہائے ترقی اسلام کو دیکھنا چاہیے۔

بعد تحمیدِ خدا، نعت رسولِ اکرمؐ
یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم

واسطے دین کے لڑنا، نہ پئے طمعِ بلاد
اہلِ اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہے جو قرآن و احادیث میں خوبیٔ جہاد
ہم بیاں کرتے ہیں تھوڑا سا، اسے کرلو یاد

فرض ہے تم پہ مسلمانوں جہادِ کفار
اس کا سامان کرو جلد، اگر ہو دیندار

جسکے پیروں پہ پڑے گردِ صفِ جنگِ جہاد
وہ جہنم سے بچا، نار سے ہے وہ آزاد

جو مسلمان رہِ حق میں لڑا لحظہ بھر
روضۂ خلد بریں ہوگیا واجب اُس پر

اے برادر تو حدیثِ نبوی کو سن لے
باغِ فردوس ہے تلواروں کے سایے کے تلے

دل سے اس راہ میں پیسہ کوئی دیوے گا اگر
سات سو اس کو خدا دیوے گا روزِ محشر

اور اگر مال بھی خرچا دلگائی تلوار
پھر تو دیوے گا خدا اسکے عوض سات ہزار

جو کہ مال اپنے سے غازی کو بنادے اسباب
اسکو بھی مثلِ مجاہد کے خدا دے گا ثواب

جو نہ خود جاوے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال
اس پہ ڈالے گا خدا پیشتر از مرگ وبال

جو راہِ حق میں ہوے ٹکڑے، نہیں مرتے ہیں
بلکہ وہ جیتے ہیں، جنت میں خوشی کرتے ہیں

زندگی بھر کے گناہِ شہدا مٹتے ہیں
کیوں نہ ہو؟ راہِ خدا اُنکے تو سر کٹتے ہیں

فتنۂ قبر و غم صور و قیامِ محشر
ایسے صدموں سے شہیدوں کو نہیں کچھ بھی خبر

حق تعالٰی کو مجاہد وہ بہت بھاتے ہیں
مثلِ دیوار جو صف باندھ کے جم جاتے ہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اے مسلمانو! سنو تم نے جو خوبیٔ جہاد — چلو اب اسکی طرف، مت کرو گھر بار کو یاد

مال و اولاد کی جورو کی محبت چھوڑو — رہِ مولیٰ میں خوش ہو کے شتابی دوڑو

مال و اولاد تری قبر میں جانے کے نہیں — تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے بچانے کے نہیں

گر پھرے جیتے تو گھر بار میں پھر آؤ گے — اور گئے مارے تو جنت میں چلے جاؤ گے

دین اسلام بہت سست ہوا جاتا ہے — غلبۂ کفر سے اسلام مٹا جاتا ہے

پیشوا لوگ اسی طور نہ کرتے جو جہاد — ہند پھر کس طرح اسلام سے ہوتا آباد

زورِ شمشیر سے غالب رہا اسلام مدام — سستی اگلے جو کہیں کرتے تو ہوتا گمنام

کب تلک گھر میں پڑے جوتیاں چٹخاؤ گے — اپنی سستی کا بجز افسوس نہ پھل پاؤ گے

اب تو غیرت کرو نامردی کو چھوڑو یارو — سید احمد کو ملو جلد سے، کافر مارو(۱)

بارہ سو سال کے بعد ایسے ارادے والا — ہوا پیدا ہے مسلمانو، کرو شکر خدا(۲)

تھے مسلمان پریشان بغیر از سردار — ہوا سردار ہے از آلِ رسولِ مختار(۳)

بات ہم کام کی کہتے ہیں سنو اے یارو — وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو

حضرت مولوی اب طاق میں رکھ دیجئے کتاب — لیجئے تلوار و میدان کو چل دیجئے شتاب

وقتِ جانبازی ہے تقریروں کو مت اب چھانو — غیر شمشیر کسی سمت کو دل مت تانو

ہادیٔ دین ہو تم، تم کو ہے سبقت لازم — تم چلو گے تو بہت ساتھ چلیں گے خادم

اے گروہِ فقراء نفس کشی کے استاد — عملِ نفس کشی کون ہے بہتر ز جہاد

(۱) اس کے آگے ایک اور شعر دیکھا:

بارہ سو سال کے بعد آئی یہ دولت آگے — حیف اس دولت بیدار سے مؤمن ہوگے

(۲) اس کے بعد ایک اور شعر بعض نسخوں میں دیکھا:

تھے مسلمان پریشان بغیر از اسباب — شکر سب تو نے دیا اے مرے رب الارباب

(۳) اس سے آگے ایک اور شعر تھا:

یعنی اسباب لڑائی کہ جو تھا درکار — سب دیا تو نے ہمیں اور دیا پھر سردار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مت گھسو کونے میں اے پیر جی مانند چچا
چھوڑو اب چلہ کشی وقتِ جہاد آ پہنچا

اے جوانانِ اسد حملہ و رستم قوت
کام کس دن کو پھر آوے گی تمہاری جرأت

اُن کا سر کاٹ لیا یا کہ کٹا اپنا سر
دونوں صورت میں جو سمجھو تو تمہیں ہو بہتر

یعنی گر مار لیا ان کو تو پھر بن آئی
اور گئے مارے تو پھر خاص شہادت پائی

ایک دن تجھ سے یہ دنیا کا مزا چھوٹے گا
لشکرِ موت ترا ملکِ بدن لوٹے گا

دوستو جب تمھیں مرنا ہی مقرر ٹھہرا
پھر تو بہتر ہے کہ جاں دیجیے در راہِ خدا

سیکڑوں جنگ میں جاتے ہیں تو پھر آتے ہیں
سیکڑوں گھر میں بھی رہتے ہیں تو مر جاتے ہیں

موت کا وقت معین ہے تو سن اے غافل
پھر بھلا موت سے ڈرنے سے تجھے کیا حاصل؟

جب تلک موت نہیں ہے تو نہیں مرتے ہیں
موت جب آئی تو گھر میں بھی نہیں بچتے ہیں

تم اگر ڈرتے ہو تکلیف سفر سے، نہ ڈرو
مرد ہو خطرہ و آلام کو دل سے کھو دو

جیسی عادت کرے انسان، سو ہو سکتا ہے
عیش و آرام کی عادت کو بھی کھو سکتا ہے

طمع دنیا کے لئے دیکھو ہزاروں یہ سپاہ
چھوڑ گھر سر کو کٹاتے ہیں، نہیں کرتے آہ

ہے عجب یہ کہ مسلمان بھی کہلاتے ہو
جھوٹے حیلے رہِ اللہ میں بتلاتے ہو

تم تو اس طور سے دنیا میں بہت بھول گئے
جورو لڑکوں کی محبت میں خدا بھول گئے

جورو لڑکوں کیلئے گھر میں چھپوگے کب تک؟
پنجۂ موت سے بتلاؤ بچوگے کب تک؟

آج اگر اپنی خوشی، جان خدا کو دوگے
پھر تو کل چین سے جنت میں مزے لوٹوگے

چھوڑ دوگے لذتِ دنیا کو اگر بہر خدا
پھر تو جنت میں ہمیشہ ہی اڑاؤگے مزا

سر پٹک، پیر رگڑ گھر میں کا مرنا بہتر؟
یا رہِ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر؟

گر رہِ حق میں نہ دی جان تو پچھتاؤگے
اور پیمبر کو یہ منہ کیا بھلا دکھلاؤگے

ایک ہے شرط کہ تم مانو بہ دل حکم امام
ورنہ تلوار لگانا بھی نہیں آوے گا کام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جو کہ خود رائی سے لڑنے لگے در راہِ جہاد — انکا ناحق بہا خوں اور ہوئی محنت برباد
خوب اللہ و محمدؐ کو جو پہچانتے ہیں — اپنے سردار کے کہنے کو بہ دل مانتے ہیں
اہلِ ایمان کو کافی ہے دلا اتنا پیام — اب مناجات سے بہتر ہے کہ ہو ختم کلام
اے خداوندِ سماوات و زمیں، ربِ عباد — اب مسلمانوں کو دے جلد سے توفیق جہاد
اپنا دے زور، مسلمانوں کو زور آور کر — وعدۂ فتح جو ہے ان سے، اسے پورا کر

ہند کو اس طرح، اسلام سے بھر دے اے شاہ
کہ نہ آوے کوئی آواز بجز اللہ اللہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ستائیسواں باب:

پشاور کی جانب اقدام

مردان جانے کا حکم

فتح مایار کے بعد سید صاحب نے اپنے رفقاءِ خاص سے آئندہ طریق کار کے متعلق مشورہ کیا۔ اس مشورے میں مولانا شاہ اسماعیل، شیخ ولی محمد، خواجہ محمد (حسن پوری) مولوی مظہر علی (عظیم آبادی)، ارباب بہرام خاں، فتح خاں پنجتاری وغیرہ شریک تھے۔ غور وخوض کے بعد فیصلہ ہوا کہ پشاور پر پیش قدمی ضرور ہونی چاہیے۔ ادھر مردان سے چند ملا صاحبان آئے، انھوں نے درانیوں کے بارے میں بتایا کہ جنگ سے پیشتر لاف وگزاف اور فواحش کے ارتکاب میں غرق تھے، اب سب کچھ چھوڑ کر سراسیمگی کی حالت میں فرار ہو گئے ہیں۔ ان کا متروکہ مال موجود ہے۔ سید صاحب نے اس مال کو سنبھالنے کی غرض سے مولانا شاہ اسماعیل کو فوراً ایک سو آدمیوں کے ساتھ مردان بھیج دیا۔

واضح رہے کہ ایسے غازی بھی تھے جنھوں نے چوبیس تیس گھنٹے سے کچھ نہیں کھایا تھا، نہ آرام کیا تھا، لیکن مولانا نے اتنا توقف بھی مناسب نہ سمجھا کہ سب غازی کھانا کھالیں۔ مولوی جعفر علی نقوی کو بھی مولانا کے ساتھ جانے کا حکم ملا تھا، وہ اپنی حالت بتاتے ہیں کہ میں نے رات کو کچھ نہیں کھایا تھا، دن کے وقت ایک خشک ٹکڑا ملا، اسی کو کھا کر پانی پی لیا۔ مولانا سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو جلدی جلدی دو تو اسے کھالوں۔ انھوں نے فرمایا کہ روٹی ساتھ لے لو، تو روسے باہر نکل کر کھانا۔ درانیوں کے خیمے اور اسلحے وغیرہ پڑے ہیں، اگر انھیں کوئی نقصان پہنچا تو بستی والے پکڑے جائیں گے، دوہری پریشانی پیدا ہوگی:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اول نقصان مال، دوم شبہات کی بنا پر لوگوں کی گرفتاریاں اور ان پر سختی۔

مردان کے حالات

غرض مولانا ہوتی کے قریب پہنچے تو وہاں کی گڑھی سے گولیاں آئیں، اس پر مولانا نے حکم دے دیا کہ ہر غازی اپنے چاروں طرف چار چار قدم کا فاصلہ چھوڑ کر چلے، پھر گڑھی کے جنوبی دروازے کے پاس سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ مردان سے باہر مغربی سمت میں ایک باغ تھا، جس میں بڑے بڑے درخت تھے اور اس کی زمین ذرا نشیبی تھی، اس میں جا بیٹھے۔ گڑھی مردان کے برجوں سے گولیاں آنے لگیں، لیکن مولانا نے بیٹھنے کے لئے ایسی جگہ تجویز فرمائی تھی کہ کسی غازی کو نقصان کا اندیشہ نہ تھا۔

ایک گھڑی کے بعد گولیاں مدھم پڑ گئیں اور چند ملا صاحبان حاضر ہو کر مولانا کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ حکم ہو تو کھانا لائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ باقی غازیوں کو زہر آلود کھانا کھلا کر ختم کر دیں؟ خبردار ہو جائیے، جو توپیں درانیوں سے غنیمت میں ملی ہیں، انھیں ابھی منگا لیتا ہوں، ان کے آتے ہی گڑھی کو مسمار کر ڈالوں گا۔ ملاؤں نے معذرت کی اور کہا کہ یہ احمد خاں کے آدمیوں کا کام ہے جو جاہل ہیں، انھیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ لڑائی کے بغیر گڑھی حوالے کر دی تو خان نمک حرامی کا طعنہ دے گا۔ ادھر مولانا نے سید صاحب کے پاس آدمی بھیج کر شاہینیں منگا لیں۔ ادھر جب بستی والوں کو معلوم ہوا کہ توپیں آ رہی ہیں تو بے تابانہ صلح کے خواستگار ہوئے۔ احمد خاں کے بھائی رسول خاں نے پیغام بھیجا کہ میں فرمانبردار ہوں، البتہ درانیوں کی آمد کے باعث بے بس ہو گیا تھا۔

مصالحت

غرض رسول خاں نے اس شرط پر صلح کی پیش کش کی کہ غازی قصبے سے باہر ٹھہریں،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اندر داخل نہ ہوں۔ مولانا نے یہ شرط منظور فرمالی، لیکن کہا کہ حضرت امیر المومنین دوران قیام مردان میں گڑھی میں ٹھہریں گے اور مولوی عبدالوہاب قاسم غلہ ہمراہیوں سمیت مسجد میں قیام کریں گے۔ اس کے بعد مرزا احمد بیگ پنجابی کو پچاس غازیوں کے ساتھ گڑھی پر قبضہ کرنے کیلئے بھیج دیا اور تاکید کردی کہ تمام برجوں پر پہرے بٹھا کر بندوقیں چلادینا تاکہ معلوم ہوجائے کہ قبضہ مکمل ہوچکا ہے۔ اس اثناء میں ارباب بہرام خاں شاملنس لے کر مردان پہنچ گئے۔

مولانا نے رسول خاں کو سید صاحب کی خدمت میں تورو کی طرف بھیج دیا۔ اس کے ساتھ اپنے جو سوار بھیجے، انھیں تاکید کردی کہ حضرت کو صلح کی شرطوں سے آگاہ کردینا۔ پھر نجابت علی سوار نے سید صاحب کی روانگی کی خبر پہنچائی تو مولانا نے ملا فیض محمد کو آگے بھیج دیا کہ حضرت سے عرض کریں، آپ قصبے سے باہر تشریف رکھیں، اندر تشریف نہ لائیں، صلح کی شرط یہی ہے۔ آپ کیلئے آبادی سے باہر شمال مغرب میں مناسب فرودگاہ تجویز ہوچکی ہے، قصبے سے باہر ادھر تشریف لے جائیں۔

سید صاحب کی روانگی

سید صاحب نے روانگی سے پیشتر تورو سے توپیں اور دوسرا فالتو سامان پنجتار بھیج دیا۔ جن غازیوں کے سخت زخم لگے تھے، انھیں بھی پنجتار روانہ کردیا۔ نور بخش جراح کو ان کے ساتھ بھیجا۔ جن کے زخم ہلکے تھے، انھیں ساتھ لے لیا۔ حاجی جانی امیٹھوی بہت ماہر جراح تھے، وہ پہلے سے پنجتار میں موجود تھے، جن زخمیوں کو پنجتار بھیجا گیا ان کے نام یہ ہیں: سید موسیٰ، عبدالکریم خاں (ساکن آنولہ) نور محمد اور ان کے بھائی حاجی چاند (ناگور، بنگال) اللہ بخش بانچتی، میاں جی محی الدین پھلتی، محمد سعید خاں رائے بریلوی، قاضی مدنی، مولوی عبدالحکیم بنگالی، مولوی احمد اللہ ناگپوری، عبدالرحمٰن دکنی، اعتباری، پیر محمد پانی پتی،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری۔ جن زخمیوں کو ساتھ لیا تھا وہ یہ تھے: سید اسماعیل رائے بریلوی، شیخ نصر اللہ خورجوی، امام الدین پانی پتی، کریم بخش پنجابی، اسماعیل خاں خان پوری، بعض کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

سید صاحب چلے تو آگے پیچھے سواروں اور پیادوں کا ہجوم تھا، ملکی لوگ اپنے طریقے کے مطابق تلواریں بے نیام کیے، ناچتے اور اچھلتے کودتے جا رہے تھے۔ نہ وہ سوار سید صاحب تک مولانا کا پیغام پہنچا سکے جو رسول خاں کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ نہ ملا فیض محمد کو سید صاحب تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر آئی۔ مولانا کے نزدیک شرطِ صلح کی پابندی بھی لازم تھی اور احتیاط کے خیال سے یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ گڑھی اور قصبے کے کونے کونے کی چھان بین کر لینے کے بعد سید صاحب کو اندر بلائیں۔

غازیوں کا پاسِ عہد

سید صاحب شرطِ صلح سے بے خبر تھے، مولانا اس بات پر مطمئن تھے کہ دو مرتبہ پیغام بھیج چکے ہیں۔ وہ مغربی سمت کے باغ میں تھے، جب ایک شخص بھاگا بھاگا پہنچا اور بتایا کہ آپ کا لشکر قصبے کے اندر داخل ہو گیا۔ مولانا کو یقین نہ آیا، فرمایا: ممکن ہے کوئی آدمی بھول کر اندر آ گیا ہو، فکر نہ کرو، کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر چند آدمی آئے اور کہا آپ کے لشکر نے بدعہدی کی اور قصبے میں گھس آیا۔ یہ سنتے ہی مولانا غصے میں آ گئے، تلوار گلے میں ڈالی، ڈنڈا ہاتھ میں لیا، نجابت علی سوار کا گھوڑا تیار کھڑا تھا، اس پر سوار ہو کر دوڑاتے ہوئے قصبے میں پہنچے۔ مشرقی دروازے کے قریب ایک سوار ملا، اس سے پوچھا تم کیوں اندر آئے؟ جاؤ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔ پھر ایک پیادہ ملا جس نے چارپائی سر پر اٹھا رکھی تھی۔ مولانا نے اسے سخت سست کہا، بلکہ دو ڈنڈے بھی رسید کیے، دو چار اور غازیوں کو بھی ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکالا۔ سید جعفر علی نقوی جنوبی دروازے کی طرف بھاگے اور وہاں پہنچ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر غازیوں کو روکا۔

سید صاحب اور مولانا

اس اثناء میں مولانا کو خبر ملی کہ خود سید صاحب اندر آ گئے، مولانا غصے کی حالت میں ادھر چلے اور جاتے ہی عرض کیا:

جناب خود خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے، لشکر اسلام میں سے ایک آدمی کے عہد کا ایفا بھی امام اور پورے لشکر پر واجب ہو جاتا ہے۔ مجھے آپ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا، لیکن آپ نے میرے عہد کا بھی خیال نہ رکھا اور قصبے میں داخل ہو گئے؟ یہ لشکر ہے، اسے میدان میں ٹھہرنا چاہیے، پیرزادوں کا قافلہ نہیں کہ قصبے میں گھس آئے۔(۱)

یہ ''منظورہ'' کا بیان ہے۔''وقائع'' میں ہے کہ مولانا قصبے میں مختلف مقامات کی تلاشی لے رہے تھے کہ کہیں بارود تو نہیں بچھا دی گئی، اس اثناء میں کسی ملکی نے سید صاحب سے کہہ دیا کہ مولانا آپ کو قصبے میں بلاتے ہیں۔ سید صاحب آ گئے، مولانا نے بہ حالت غیظ کہا کہ آپ نے فرمایا تھا بلانے پر اندر آئیں گے، نہ میں نے آپ کو بلایا، نہ آپ نے مجھ سے پچھوایا۔ رعایا کا سامان باہر نکلوایا جا رہا ہے، اگر کوئی شے گم ہو جائے تو نقض عہد ہو، بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں، یہ بات بہ تکرار کہی، سننے والوں کو اس کا انداز پسند نہ آیا، لیکن کسی نے دم نہ مارا۔

سید صاحب پیکر علم تھے، فرمایا: مجھ سے کہا گیا تو آیا، ورنہ کاہے کو آتا۔ میں ابھی جاتا ہوں، یہ فرما کر مشرقی دروازے سے باہر نکلے اور ندی کے مشرقی کنارے پر توت کے درختوں کے سایے میں جا بیٹھے۔

مولانا کو جب شیخ ولی محمد کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب کو کوئی پیغام بھی نہیں پہنچا

(۱) ''منظورہ'' ص: ۸۸۴،۸۸۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا تو سارے انتظامات سے فارغ ہو کر حضرت کی خدمت میں پہنچے اور سر جھکا کر سامنے دو زانو جا بیٹھے۔ اس وقت سید صاحب نے اہل قصبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے میاں صاحب (۱) سے ہماری شکایت کی اور ہم سے ناراض کر دیا۔ ہمارے لشکری کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے یا سونے کیلئے چارپائیاں لے لیتے ہیں یا پکانے کیلئے ہنڈیاں، جاتے ہیں تو ہر چیز مالکوں کو لوٹا جاتے ہیں۔ پھر مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے آپ کے عہد کی اطلاع کسی نے نہ دی، ورنہ ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ مولانا نے ادب سے حقیقتِ حال عرض کی، اہل قصبہ نے لشکر اسلام کے سرداروں کی حق شناسی کا یہ رنگ دیکھا تو بہت معذرت کی اور خود بہ اصرار سید صاحب کو گڑھی میں لے گئے۔

پیش قدمی

سید صاحب نے رسالدار عبد الحمید خاں کی جگہ حمزہ علی خاں لوہاری والے کو رسالداری کا عہدہ دے دیا تھا، حاجی بہادر شاہ خاں کو ایک سو آدمیوں کے ساتھ مردان میں چھوڑا، بعض زخمیوں کو بھی ان کے حوالے کیا۔ اس اثناء میں مختلف خوانین مع لشکر لیکر پہنچ گئے۔ ملا کر چھ سات ہزار نبرد آزما جمع ہو گئے۔ نمازِ عصر کے بعد اس لشکر کے ساتھ پشاور کی جانب کوچ کیا، مغرب وعشاء کی نمازیں راستے میں ادا کیں، سارا سفر میدانی علاقے میں سے تھا، راستے میں ایک کنوئیں پر پانی پیا تھوڑی دیر آرام کر کے وہیں فجر کی نماز پڑھی، پاس کے ایک گاؤں والے تواضع کیلئے چھاچھ لے آئے، ایک گھڑی دن چڑھا تھا کہ سید صاحب چارسدہ پہنچ گئے۔

اہل چارسدہ نے مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، وہاں سے پشاور پندرہ سولہ میل تھا لیکن دریا سے گذرنے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ درانی جاتے جاتے ساری کشتیاں

(۱) جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، سید صاحب مولانا کو ہمیشہ "میاں صاحب" کہہ کر پکارتے تھے، اور یہی مولانا کا خاندانی لقب تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ڈبو گئے تھے یا توڑ کر چلا گئے تھے، دور دور تک کوئی کشتی نہ مل سکی تو فیصلہ کیا کہ تنگی پہنچیں جہاں سے دریا کو کشتی کے بغیر عبور کر لینا ممکن تھا۔

منزلیں

چارسدہ سے تنگی، وہاں سے مٹ اور شب قدر ہوتے ہوئے مچنی پہنچے، راستے میں ہر مقام پر لوگ درانیوں کی شکایتیں لے کر آتے اور کہتے کہ وہ ہم سے پیداوار کا نصف حصہ لیتے تھے اور انتظام کا سارا خرچ بھی ہم پر ڈالتے تھے۔ اس طرح بہ مشکل ایک تہائی آمدنی ملتی تھی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ فی الحال ہمیں ایک تہائی دیتے جانا، اسی میں سارا خرچ بھی چلائیں گے۔ جن لوگوں کے پاس سندیں تھیں، انھیں بحال رکھا، اس سلسلے میں ترنگ زئی کے رسول خاں کی سند کا ذکر خاص طور پر آیا ہے۔

مچنی سے ناگماں کو عبور کرنے کے لئے کشتی بانوں کے ساتھ دو سو روپے اجرت کے طے ہوئے۔ سید صاحب نے میر عبدالرحمٰن عرف رحمٰن علی، ملا قطب الدین ننگرہاری اور ملا لعل محمد قندھاری کی جماعتوں کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ دریا کے دوسرے کنارے پر اپنے مورچے بنا لیں اور اگر دشمن بہ سلسلہ عبوری حملہ کرے تو اسے روک سکیں، سواروں نے گھوڑوں کو تیرا کر پار اتارا، جو لوگ تیرنا نہیں جانتے تھے انھوں نے گھوڑے تیراکوں کے حوالے کر دیے۔ فرج اللہ عرب نے جو لشکر اسلام کا ایک نشان بردار تھا، سترہ گھوڑوں کو پار پہنچایا، درانی ایک مرتبہ قریب پہنچے لیکن انھیں حملے کا حوصلہ نہ ہوا اور واپس چلے گئے۔

کھانے کی تنگی

مچنی کی آبادی اس زمانے میں جھونپڑیوں پر مشتمل تھی، ہر جھونپڑی الگ الگ۔ مولانا نے دیکھا تو مزاحاً فرمایا کہ انھیں خدائے تعالیٰ نے دوزخ میں بھیجا تو یہ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہوں گے۔ ان کا گزارا صرف نان ونمک اور دودھ پر تھا، ایک ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پتھر پر لڑ کر مر جاتے تھے۔

مچنی میں سید صاحب نے دو مقام کیے، ایک روز غلہ نہ مل سکا تو ایک گائے ذبح کی، اس کا گوشت کسی کو ملا کسی کو نہ ملا۔ غلہ آیا تو سب سے پہلے ان لوگوں کو بھیجا گیا جو دریا کے دوسرے کنارے پر گذرگاہ کی حفاظت کیلئے بھیجے گئے تھے، باقی لشکر انتظار میں رہا۔ سید صاحب کیلئے کھانا پک کر آیا تو فرمایا: معاذ اللہ میں تنہا کھاؤں اور باقی بھائی فاقے میں رہیں؟ یہ کبھی نہ ہوگا۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا، آپ نے انکار فرما دیا۔ جب غلہ آیا، سب میں تقسیم ہوا اور سب کھانا پکا چکے تو آپ نے بھی کھایا۔ (۱)

دریا سے گذر کر آپ ریگی پہنچے جو ارباب بہرام خاں کی قوم یعنی خلیل کا گاؤں تھا، وہاں ارباب جمعہ خاں آ گئے اور یہ خبر پہنچائی کہ درانی پشاور کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے ہیں، اہل و عیال کو انھوں نے کوہاٹ بھیج دیا ہے۔ وہاں سے گٹ فروسہ میں گئے جس کے قریب پیر تاریک کی قبر تھی۔ (۲) وہیں ارباب فیض اللہ خاں مہمند ساکن ہزار خانی سلطان محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر حاضر ہوا۔

(۱) "منظورہ" ص: ۸۸۸۔ ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ قندھار کا ایک پکی پکائی روٹی لیتا تھا، غلے کی تنگی دیکھ کر بولا کہ مجھے آٹا دو، اسے آٹا دے دیا گیا تو لے کر سید صاحب کے پاس پہنچا کہ اسے کیا کروں۔ سید صاحب نے فرمایا اس سے روٹی پکوا لو۔

(۲) اس کا نام بایزید تھا۔ تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آیا، جالندھر میں شادی کی، پھر ایک نیا مذہب پیدا کیا اور اپنا نام پیر روشن رکھا۔ دیندار لوگوں نے اسے پیر تاریک کا خطاب دیا۔ اخوند درویزہ نے اس کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے بڑی ہمت کی۔ آخر بایزید بری حالت میں مرا۔ اس کے بیٹوں نے فتنہ اٹھایا، وہ بھی مارے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھائیسواں باب:

درّانیوں سے مصالحت

پیغامِ مصالحت

سلطان محمد خاں نے ارباب فیض اللہ خاں کو مشورے کیلئے بلایا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ مصالحت قرین صواب ہے۔ جب میدانی علاقے میں جنگ نہ ہو سکی تو اب شہر میں لڑنے کی کون سی صورت ہے؟ اس پر سلطان محمد خاں کے بھائی جوش میں آگئے اور بولے کہ ہم کبھی صلح کے لئے تیار نہیں ہو سکتے، بلکہ برابر لڑتے رہیں گے۔ لیکن سلطان محمد خاں نے تمام حالات پر غور و فکر کے بعد ارباب ہی کے مشورے کو پسند کیا، چنانچہ ارباب نے سید صاحب کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ سلطان محمد خاں توبہ کیلئے تیار ہے، اس کی تقصیریں معاف کر دیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی کافر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہے کہ میں ایمان لانا چاہتا ہوں تو کیا اسے حلقۂ اسلام میں داخل نہیں فرمائیں گے؟ میں تو مسلمان ہوں اور مسلمان زادہ ہوں، پھر میری خطاؤں پر خطِ عفو کھینچنے میں کیوں تامل ہے؟ میرا ملک مجھے دے دیجئے، مدت العمر اطاعت گزار رہوں گا۔

ارباب نے یہ بھی کہہ دیا کہ صلح کا محرک میں ہوں، میرے نزدیک قومی مصلحت صلح ہی کی متقاضی ہے۔ درانیوں سے بھی میرا پرانا تعلق ہے، آپ کی خدمت میں بھی ارادت کا شرف حاصل ہے۔ بے شک آپ فتح حاصل کر چکے ہیں، لیکن سرداروں کے پاس اب بھی خاصا لشکر اور ساز و سامان ہے، اگر صلح نہ ہوئی تو اندیشہ ہے کہ باہمی رزم و پیکار کا لاانتہا سلسلہ جاری ہو جائیگا اور جو مقصد ہم سب کو عزیز ہے وہ یقیناً خطرے میں پڑ جائیگا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کا جواب

یہ گفتگو فارسی میں ہوئی تھی، غازیوں میں سے جو اصحاب فارسی جانتے تھے، انھیں یہ باتیں اچھی معلوم نہ ہوئیں لیکن سید صاحب عادت شریفہ کے مطابق انتہائی نرمی اور ملائمت سے جواب دیتے رہے، آپ نے فرمایا:

ہم دین کی تائید کے لئے یہاں آئے تھے، مسلمانوں کو کاروبار جہاد میں شریک کرنے کی کوشش کی، آپ کے سردار نے کج فہمی سے کام لیتے ہوئے ہمارا ساتھ چھوڑ کر غیر مسلموں سے اتفاق کرلیا۔ اس کے بڑے بھائی نے خواہ مخواہ ہمارے ساتھ جنگ کی اور اپنی جان گنوائی۔ پھر ہم نے آپ کے سردار کو خطوں کے ذریعے سے نصیحت کی کہ وہ دین اسلام کی حمایت کے لئے تیار ہو جائے اور غیر مسلموں کا ساتھ چھوڑ دے، یہ نصیحت اس پر اثر انداز نہ ہوئی اور جنگ کی نوبت آئی، خدا کی مدد سے اسے شکست ہوئی اور ہمارا لشکر اس کے تعاقب میں یہاں تک پہنچ گیا۔

گویا جو امور درانیوں کے خلاف جنگ کا باعث ہوئے تھے، وہ انتہائی صفائی سے پیش کر دیئے۔ ارباب نے کہا کہ میں وکیل بن کر صلح کرا رہا ہوں، اگر سلطان محمد خاں اور اس کے بھائی اس کے بعد بھی اپنے پرانے وطیرے پر قائم رہے تو ارباب بہرام خاں کی طرح میں بھی ان کی رفاقت چھوڑ دوں گا اور آپ کے ساتھ مل جاؤں گا۔

آخری فیصلہ

اس روز کوئی فیصلہ نہ ہوسکا اور ارباب فیض اللہ خاں واپس چلا گیا۔ عصر کے وقت آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا گئی، ساتھ ہی خبر ملی کہ درانیوں کا لشکر جہ کال میں جمع ہو چکا ہے اور غازیوں سے لڑنے کیلئے آرہا ہے۔ غازی مسلح ہوکر اپنی لشکر گاہ کے جنوبی و مغربی گوشوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں کھڑے ہوگئے، درانی انھیں راستوں سے آسکتے تھے، یکا یک تیز ہوا چلی اور گھٹا چھٹ گئی۔ پھر اطلاع پہنچی کہ درانی شام کے وقت تہکال کو خالی کرکے واپس چلے گئے، اس لئے کہ انھیں غازیوں کے شبخون کا خوف تھا۔

دوسرے روز غازی تہکال پہنچ گئے، ارباب فیض اللہ خاں نے دوبارہ حاضر ہوکر سلطان محمد خاں کی طرف سے عجز واطاعت کا اظہار کیا۔ سید صاحب نے فرمایا:

جایئے، میں نے ملک اسے دے دیا، شرط یہ ہے کہ وہ برے افعال سے خلوص کے ساتھ توبہ کرے، غیر مسلموں کی اعانت سے دست کش ہوجائے اور جب ہمیں غیر مسلموں سے مقابلے کی نوبت آئے تو جان ومال اور لشکر سے ہمارا ساتھ دے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سید صاحب نے اچانک ارباب کی رائے قبول کرلی، انھوں نے معاملے کے تمام پہلوؤں پر خوب غور کیا ہوگا، ممکن ہے بعض رفیقوں سے مشورہ بھی کیا ہو، تاہم یقین ہے کہ ارباب کے آنے سے پیشتر وہ قطعی فیصلہ کرچکے تھے کہ اگر مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو بحکم اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اس کا خیر مقدم کریں گے۔

پشاور میں داخلہ

ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہم فاتحانہ نہیں بلکہ بطور مہمان پشاور جائیں گے اور سردار سے عہد وپیمان مستحکم کرکے واپس چلے جائیں گے۔ درانی چاہتے تھے کہ سید صاحب پشاور نہ جائیں، انھیں خیال ہوگا کہ اگر ایک مرتبہ پشاور میں داخل ہوگئے تو ممکن ہے پھر اسے چھوڑنے پر راضی نہ ہوں۔ اس بناء پر فیض اللہ خاں کی آمد ورفت جاری رہی، تہکال پہنچنے سے تیسرے دن درانیوں نے رضامندی کا اظہار کیا، ظہر کے وقت غازی پشاور کی طرف روانہ ہوئے۔ پیادے سب سے آگے تھے، سوار سب سے پیچھے۔ سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب پیادوں کے ساتھ سبزہ رنگ گھوڑے پر سوار تھے، ہر جماعت کے ساتھ اس کا نشان تھا، بندوقچیوں نے فتیلے روشن کر لئے تھے کہ مبادا اتفاقیہ کوئی ناگوار صورت سامنے آ جائے۔ روانگی سے پیشتر سید صاحب نے عاجزی کے ساتھ دعا کی، عصر اور مغرب کی نمازیں راستے میں ادا کیں، کابلی دروازے سے شہر میں داخل ہوئے۔

سید صاحبؒ کی قیام گاہ

سید صاحب کے قیام کیلئے پہلے سے سرائے گورکھتری تجویز ہو چکی تھی، جس کی حیثیت قلعے کی سی تھی۔ اس کے جنوبی و مغربی گوشے میں ایک تہ خانہ دار دو منزلہ حویلی تھی، جس میں تین طرف اکہرے اور ایک طرف دوہرے دالان تھے۔ اس حویلی میں سید صاحب ٹھہرے، مشرقی جانب کی کوٹھری میں آپ کا پلنگ بچھایا گیا، باقی دالانوں میں جماعت خاص کے آدمی مقیم تھے۔ اس جماعت خاص کے چار بہیلوں سے آٹھ آدمی سید صاحب کی خواب گاہ پر باری باری پہرہ دیتے تھے، ان میں سے دو آدمی سید اسماعیل رائے بریلی والے کے بہیلے میں سے تھے، دو مولوی امام الدین بنگالی کے بہیلے میں سے، دو مولوی عبدالحکیم پھلتی کے بہیلے میں سے اور دو مولوی صلاح الدین پھلتی کے بہیلے میں سے(۱) آپ نے حویلی میں پہنچ کر سب سے پہلے دعا کی۔

حویلی کے دروازے کے سامنے جو مکان تھا، اس میں مولانا شاہ اسماعیل ساتھیوں کے ہمراہ اُترے۔ حویلی کی پشت پر اس سے ملا ہوا جو مکان تھا، اس میں شیخ ولی محمد پھلتی نے مع جماعت قیام کیا۔ ارباب بہرام خاں سرائے کے دروازۂ کلاں میں اقامت پذیر ہوئے۔ جو لوگ سید صاحب سے ملنے کیلئے آتے، وہ پہلے ارباب سے ملاقات کرتے۔ خوانین سمہ سرائے کے مشرقی دروازے کے باہر مختلف مکانوں میں اُترے۔ فتح خاں

(۱) اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اس وقت جماعت خاص کے چار بہیلے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(پنجتاری)، فتح خاں (زیدہ) اور ابراہیم خاں (کھلابٹ) دروازے کی جانب جنوب، منصور خاں (چاگلئی)، اسماعیل خاں (اسماعیلہ)، مشکار خاں اور آنند خاں (شیوہ) اور سردار خاں (امان زئی) دروازے کے جانب شمال، ارباب جمعہ خاں (برادر ارباب بہرام خاں) کو کابلی دروازے کے باہر ٹھہرایا گیا۔

غازیوں کی حق شناسی

سید صاحب نے پشاور میں داخل ہونے سے پہلے سب غازیوں پر واضح فرما دیا تھا کہ ہم بہ طور مہمان جا رہے ہیں، اس لئے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ غازی بھوکے تھے، لیکن امام کے حکم کی پابندی میں کھانے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا، رات اسی حالت میں گزار دی، صبح بازار سے کھجوریں خرید کر سب کو ناشتے کیلئے دیں، پھر ارباب بہرام خاں نے بنیوں کو بلا کر رسد کا انتظام کیا۔ گھوڑے اور اونٹ بھی رات بھر بھوکے رہے، صبح کو ان کے چارے کیلئے تگ و دو شروع ہوئی۔ اس وقت ارباب فیض اللہ خاں نے بتایا کہ آس پاس کے کھیت سرکاری ہیں، ان سے مکئی کاٹ کر کھلائی جائے۔ غازیوں نے کاشتکاروں کو بلا کر فصل تقسیم کرائی، پھر جانوروں کیلئے چارہ لائے۔

سرائے کے بعض کوٹھوں کی منڈیریں خراب ہو چکی تھیں، سید صاحب نے غازیوں کو حکم دے دیا کہ سب منڈیروں کی مرمت کر دیں۔ جس مکان میں ارباب بہرام خاں ٹھہرے ہوئے تھے، اس کی ایک دیوار شکستہ تھی، سید صاحب نے اسے بھی درست کرا دیا۔ سرائے کے جنوبی و مغربی کونے میں ایک مسجد تھی، جو صاف نہ تھی، سید صاحب نے اس کی صفائی کرا دی اور وہیں نماز پڑھنے لگے۔

اگرچہ احتیاطاً اعلان کر دیا گیا تھا کہ داخلے کے وقت سب لوگ دکانیں بند کر دیں، لیکن چونکہ اکثر لوگوں کو معلوم تھا کہ غازی کسی چیز کو نہیں چھیڑتے، اس لئے دکانیں عام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طور پر کھلی رہیں۔ بعض دروازوں میں چراغاں کا انتظام تھا، ہزاروں مرد و زن کوٹھوں پر جمع تھے، غازیوں کی نظریں نیچی تھیں، سب خدا کی حمد وثناء اور شکر کے پیکر بنے ہوئے تھے، سرائے کے دروازے پر پہنچ کر بعض نے بندوقیں سر کرنی چاہیں، سید صاحب نے انھیں منع فرما دیا۔ ارباب بہرام خاں نے سید صاحب کے حکم سے یہ اعلان بھی کر دیا کہ سب لوگ اطمینان سے اپنا کاروبار جاری رکھیں، کسی کو قطعاً کوئی آزار نہ پہنچے گا اور ایک حبے کا بھی نقصان نہ ہوگا، البتہ بھنگ خانے اور فواحش خانے بالکل بند ہو جانے چاہئیں۔

گفتگوئیں اور مشورے

اگرچہ مصالحت کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن باقاعدہ عہد نامہ نہیں ہوا تھا۔ سید صاحب پشاور پہنچے تو اس بارے میں بات چیت شروع ہوگئی، پہلے کی طرح اب بھی ارباب فیض اللہ خاں ہی درانیوں کی طرف سے وکیل تھے، ان کی تجویز تھی کہ:

۱۔ چالیس ہزار روپے سید صاحب کی خدمت میں پیش کیے جائیں: بیس ہزار پشاور میں، دس ہزار چارسدہ میں اور دس ہزار پنجتار پہنچنے پر۔

۲۔ اطاعت اور اعانت فی الجہاد کا پختہ اقرار کیا جائے۔

سلطان محمد خاں ان شرطوں پر راضی تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے پیر محمد خاں اور حبیب اللہ خاں کو یہ منظور نہ تھیں۔ ارباب نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تو انھیں شرطوں پر فیصلہ کرا سکتا ہوں، اگر یہ منظور نہیں تو گفتگو کو ختم سمجھنا چاہیے۔ اس پر وہ جھک گئے۔ سید صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فرمایا:

> ہماری نیت تو محض یہ ہے کہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر متفق کریں، کفر مغلوب ہو جائے، مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو، دین اسلام ترقی کرے، نہ ہمیں پشاور سے غرض ہے نہ کابل سے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان گفتگوؤں کے دوران میں سید صاحب وقتاً فوقتاً خوانین سمہ کے علاوہ مولانا شاہ اسماعیل، مولوی مظہر علی، شیخ ولی محمد، ملا لعل محمد قندھاری، ملا قطب الدین ننگرہاری اور ارباب بہرام خاں تہکالی سے مشورے بھی کرتے رہتے تھے۔

مسئلہ حوالگیٔ پشاور

جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا، سید صاحب کے تمام رفقاء خاموش تھے، جب انھیں معلوم ہو گیا کہ پشاور کو درانیوں کے حوالے کر دینے کا فیصلہ ہو گیا ہے تو بعض مخلصوں کے دل میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ ان کے سامنے درانیوں کی بدعہدیاں اور خود غرضیاں تھیں، وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ مجبور ہو جائیں تو ہر شرط قبول کر لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جب مطلب نکل جائے تو انھیں نہ خدا اور رسولؐ کا خوف رہتا ہے، نہ دنیا کی شرم۔ ان سب نے مولانا شاہ اسماعیل کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت کو اس ارادے سے روکا جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں، خود کچھ نہیں کہوں گا، البتہ مجھ سے پوچھا جائے گا تو جو کچھ رائے ناقص میں آئے گا، عرض کر دوں گا۔ آپ حضرات کو جو کچھ کہنا ہے، براہِ راست امیر المومنین سے کہو۔

ہندوستانی غازیوں کے علاوہ خوانین سمہ، غازیانِ قندھار و ننگرہار اور ملکی لوگوں کو بھی حوالگیٔ پشاور سے اختلاف تھا۔ چنانچہ فتح خاں پنجتاری، اسماعیل خاں، جعفر خاں ترین، ملا لعل محمد، ملا قطب الدین، ملا نور محمد، ملا عزت وغیرہ ارباب بہرام خاں کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت کو اس مصلحت سے روکا جائے، اس پر نہ اہل لشکر راضی ہیں، نہ اہل شہر۔ ارباب نرم دل آدمی تھے، انھوں نے سب کو تسلی دی کہ ہم ضرور حضرت سے بات کریں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کا ارشاد

چنانچہ ارباب نے سید صاحب سے بات کی، درانیوں کے ظلم و ستم اور بد عہدیاں ایک ایک کر کے جتائیں۔ یہ بھی عرض کیا کہ سب کو سرداروں کے مکر و فریب کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دیں، نیز اکثر لوگ خصوصاً مردانِ دو آبہ اس مصالحت کے سخت خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے شاہ زماں اور شاہ شجاع سے کیا سلوک کیا کہ آپ کو بھلائی کی امید ہو؟ سید صاحب نے فرمایا:

> خان بھائی! اگر موت یونہی لکھی ہے تو میں ناچار ہوں، بے شک سردار کی مکاری اور غداری کا مجھے غم ہے، لیکن ہم گھر بار چھوڑ کر اس نیت سے یہاں آئے ہیں کہ وہ کام کریں جس میں پروردگار کی خوشنودی اور رضا مندی ہو۔ مخلوق کی خوشی اور ناخوشی سے کچھ غرض نہیں۔ نادان سمجھتے ہیں کہ ملک گیری اور دنیا طلبی ہمارا مقصد ہے، حالانکہ حب و بغض محض للہ فی اللہ ہے، اس جہاد میں نہ نفسانیت ہے نہ جنبہ داری۔ باقی رہا رعایا کی خرابی اور تکلیف کا معاملہ تو اول تو رعایا کو آرام دینا ویسے ہی سب کا فرض ہے، پھر جب ہم خود ان سرداروں کو حاکم بنا کر بٹھا دیں گے تو امید ہے کہ کسی پر سختی اور تعدی نہ ہوگی۔
>
> رضائے حق کے سامنے ہفت اقلیم کی تاجداری ہیچ ہے، اب سلطان محمد خاں تائب ہے، دل کا حال خدا جانے، حکم شریعت کا مدار تو ظاہر پر ہے، ہم کیوں اس کا عذر نہ مانیں؟ ہمارے پاس اس پر کون سی دلیل اور حجت ہے؟ اگر کوئی دیندار اور خدا پرست عالم دلیل شرعی سے سمجھا دے کہ ہماری رائے غلط ہے تو ہم مان لیں گے۔(۱)

(۱) ایک روایت میں سید صاحب کا ارشاد یوں منقول ہے: ہمارا بھروسا نصرِ حقیقی پر ہے، اس مالک الملک نے سرداروں کی کثرت تعداد و کثرت سامان کے باوجود ہمیں غلبہ عطا کیا۔ اگر وہ لوگ ہم فقیروں کی طرف سے ان مراعات کے باوجود غدر کریں گے تو خدا اس پر قادر ہے کہ تعزیراً انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ ..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ ارشاد سن کر سب کے آنسو نکل آئے، ارباب نے عرض کیا، مجھ سے غلطی ہوئی، معافی چاہتا ہوں، آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔

ارباب کی پیشکش

ایک روایت ہے کہ (غالباً خود عرض کرنے سے پہلے) ارباب بہرام خاں نے کسی ذریعے سے عرض کرایا تھا کہ ملک کسی کو دینا ہی ہے تو مجھے عنایت فرمائیں:

۱۔ میں اس کی حفاظت کروں گا، سردار لشکر لے کر آئیں گے تو امیر المومنین سے مدد طلب کیے بغیر ان کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ میری قوم خاصی بڑی ہے، اس کی امداد میرے لئے کافی ہوگی۔

۲۔ چار ہزار سپاہی ملازم رکھ کر حضرت کے ہمرکاب کردوں گا، ان کی تنخواہ اور خرچ کا سارا بوجھ مجھ پر ہوگا۔

۳۔ میں اس اعزاز کو دینی خدمات کا ذریعہ بنانا چاہتا ہوں نہ کہ دنیوی عیش کا، میں اہل ملک کے حالات و عادات سے واقف ہوں، عام لوگ مجھ سے راضی ہیں۔

سید صاحب نے یہ سنا تو مسکراتے ہوئے فرمایا:

> ارباب نے ہمارا مقصد نہیں سمجھا، ہمارے اور ارباب کے درمیان قطعاً مغایرت نہیں، ملک کو ارباب کے حوالے کرنے کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ اس پر ہم نے اپنا قبضہ بحال رکھا۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ: پھینکے اور دنیوی فلاح سے بھی ان کی امید منقطع ہو چکی، نیز ہمیں اپنے پروردگار کے نام کا ادب ہے جس کا وسیلہ لکھوں سے ڈھونڈا اور از سر نو توبہ کا اظہار کرنے لگے۔ دنیا پر ہمارا حسن نیت بھی آشکار ہو جائے گا، ہم نے محض فی اللہ اس عبادت (جہاد) کا بار گراں اٹھایا ہے، ان نادانوں نے الا ماشاء اللہ محض ان فاسد کی بناء پر سمجھ رکھا ہے کہ ہم ملک و جاہ کے طالب ہیں۔ (منظورہ ص: ۹۳۱)

بعض روایتوں میں سید صاحب کا جواب یوں مرقوم ہے: سردار اطاعت کا اقرار کرتا ہے، عذر نہ مانیں تو کیا کریں، شریعت کا حکم ظاہر پر لگتا ہے، ہم اس سے وہی معاملہ کریں گے جو ظاہر شریعت کے مطابق ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ظاہر ہے کہ سید صاحب کی یہ رائے یقیناً درست تھی۔

ایک سیٹھ کا معروضہ

پشاور میں بدھ رام نام ایک مشہور سیٹھ تھا، وہ سید صاحب کی خدمت میں آیا تو نقد روپے کے علاوہ انگور، انار، پستہ، بادام، ناشپاتی اور بہی کی ٹوکریاں اور تھیلے لایا۔ اس نے بھی یہی کہا کہ پشاور کو نہ چھوڑیے، روپے کی ضرورت ہو تو جتنا درکار ہو، اس کا انتظام میں کر دیتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ زمیندار اور کاشتکار ہی نہیں بلکہ تاجر اور دوکاندار بھی حالات کی ابتری کے باعث پریشان تھے۔ سب دیکھ چکے تھے کہ سرداروں کے ہوتے ہوئے کئی مرتبہ سکھوں نے یورشیں کیں اور جو کچھ مل سکا جبراً اٹھا کر لے گئے۔ خود سرداروں کی یہ حالت تھی کہ جب اطمینان سے بیٹھنے کا موقع پاتے، دیہاتیوں اور شہریوں کو ہر ممکن ذریعے سے لوٹتے۔ سید صاحب اور ان کے غازیوں کی حق شناسی معروف عوام تھی، اس لیے سب چاہتے تھے کہ معاملات کی باگ ڈور براہِ راست ان کے ہاتھ میں رہے تا کہ بیرونی یورشوں کا بھی سدباب ہو اور اندرونی اخذ و سلب کا دروازہ بھی بند ہو جائے۔

سید صاحب نے بدھ رام کی باتیں سن کر فرمایا:

> یہ مشورہ ملک گیروں کے کام کا ہے، ہم ان حاکموں میں سے نہیں ہیں، جو خطا کار عذر کرے اور معافی مانگے، اسے معاف کر دینا چاہیے۔

زمان شاہ درانی کی رائے

سید جعفر علی نقوی واقعۂ بالاکوٹ کے بعد جب وطن آئے تھے تو لدھیانہ میں زمان شاہ درانی سے بھی ملے تھے، شاہ نے دورانِ گفتگو میں ان سے کہا:

وقتیکہ آں جناب آں ملک (پشاور) را بہ حرام نمکاں (سرداران پشاور)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دادند، دل ما از بس رنجید، دانستیم کہ حضرت امیر المومنین مسلمان کامل اند کہ در فریب منافقاں در آمدہ، آں ملک را بہ آنہا دادند و آں منافقاں خانۂ سلطنت ما بدولت خراب ساختند، با دیگرے چہ وفا خواہند کرد؟ قابل عطائے آں ملک ما بودیم، بہ تقدیر الٰہی آں وقت وکیل ما حاضر نہ بود، خیال ما از خاطر مبارک امیر المومنین ذاہل شد۔(۱)

ترجمہ: جب سید صاحب نے وہ ملک (پشاور) ان نمک حراموں کو دے دیا تو ہمیں سخت رنج ہوا، ہم نے سمجھ لیا کہ حضرت امیر المومنین کامل مسلمان ہیں، ان منافقوں کے فریب میں آ گئے اور ملک انھیں دے دیا، ان منافقوں نے ہماری سلطنت تباہ کر ڈالی، دوسرے کے ساتھ یہ کیا وفا کر سکتے تھے؟ یہ ملک ہمیں ملنا چاہیے تھا، تقدیر الٰہی سے ہمارا وکیل اس وقت حاضر نہ تھا اور امیر المومنین ہمارا خیال بھلا چکے تھے۔

معاملے کی حقیقت

غرض پشاور کی حوالگی سے سید صاحب کے زمانے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا اور ہمارے زمانے میں بھی مولانا عبید اللہ مرحوم سندھی نے سید صاحب کے اس عمل کو ہدف اعتراض بنایا۔ میں جس حد تک تحقیق کر سکا ہوں ہندوستانی غازیوں میں سے حافظ امام الدین رام پوری کے سوا کسی کو اختلاف باقی نہیں رہا تھا، سید صاحب کا نقطۂ نگاہ سنتے ہی سب مطمئن ہو گئے، مولانا شاہ اسماعیل نے نہ اس وقت اپنی رائے ظاہر کی اور نہ بعد میں کچھ فرمایا۔ منشی محمدی انصاری ابتدا سے سید صاحب کی رائے کو بہ ہمہ وجوہ درست و محکم مانتے تھے اور آخر وقت تک ان کا عقیدہ یہی رہا۔ ارباب بہرام خاں کو حقیقت حال کا علم ہو گیا تو اعتراف کر لیا کہ جو تجویز انھوں نے پیش کی تھی، وہ غلط تھی۔

(۱) "منظورہ" ص: ۱۲۲۷۔ اصل رائے بھی غلط ہے اور استدلال بھی قطعاً صحیح نہیں، تفصیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سارے حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ سید صاحب کا فیصلہ بالکل درست تھا:

۱۔ وہ سرحد اس غرض سے نہیں گئے تھے کہ مقامی رئیسوں اور امیروں کی گدیاں تہ و بالا کریں، ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کو متحد کر کے راہِ حق پر لگائیں۔

۲۔ مسلمانوں سے جنگ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی، جو کش مکش ناخواستہ پیش آگئی وہ اس درجہ ناگزیر ہوگئی تھی کہ سید صاحب کے لئے امر حق کو ترک کیے بغیر اس سے بچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا تھا۔

۳۔ پشاور پر پیش قدمی کی غرض یہ نہ تھی کہ پشاور اور گرد و نواح کا علاقہ لے لیا جائے، اصل غرض یہ تھی کہ سلطان محمد خاں اور اس کے بھائی مخالفت کا راستہ چھوڑ کر موافقت اختیار کر لیں۔ جنگ مایار سے پیشتر بھی سید صاحب نے اپنا سفیر بھیج کر سلطان محمد خاں کو راہِ راست پر لانے کی سعی فرمائی تھی۔ اگر مقصود قبض و تصرف ہوتا تو مصالحت پر بار بار زور دینے کی کیا ضرورت تھی؟

۴۔ جب سلطان محمد خاں اور اس کے بھائی توبہ کا اقرار کر رہے تھے اور سید صاحب کی تمام شرطوں کو قبول کرنے پر آمادہ تھے تو مصالح قومی کا تقاضا یہی تھا کہ انھیں ساتھ ملا کر قدم آگے بڑھایا جاتا، حق و انصاف کا حکم بھی یہی تھا، قرآن مجید کی رہنمائی بھی یہی تھی: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔

۵۔ اگر سید صاحب پشاور لے کر بیٹھ جاتے یا اس کا انتظام ارباب بہرام خاں کے حوالے کر دیتے تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکلتا کہ درانیوں اور سید صاحب کے درمیان لامتناہی سلسلۂ جنگ جاری ہو جاتا، جیسا کہ اس سے پیشتر سدوزئیوں اور بارک زئیوں میں یا دونوں برادریوں کے مختلف گروہوں میں جاری تھا، اور سید صاحب کی ساری فرصت انھیں مجادلات کی نذر ہو جاتی۔ یہ بھی بعید نہ تھا کہ ایک طرف سے کابل کی قوت، دوسری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طرف سے پنجاب کی قوت سلطان محمد خاں کی امداد کے لیے پہنچ جاتی اور نہ صرف سید صاحب پستے، بلکہ پورا سرحد پامال ہوتا۔ اس وقت یہ فرمایا جاتا کہ سید صاحب نے سلطان محمد خاں کی طرف سے اطاعت کی پیش کش قبول نہ کرنے میں سخت غلطی کی۔

۴۔ پشاور لے کر بیٹھ جاتے تو ساری دنیا یہ کہتی کہ سید صاحب ملک گیری کی غرض سے سرحد آئے تھے، جمع کلمۂ مسلمین اور جہاد پیش نظر نہ تھا، حالانکہ آپ کی دعوت کا ایک بنیادی نکتہ یہ تھا کہ سب کچھ للہ فی اللہ کر رہے تھے، کوئی دنیوی غرض یا حب منصب پیش نظر نہیں تھی اور یہ دعویٰ سراسر خلوص پر مبنی تھا۔

صحیح راہِ عمل

غرض جس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے، سید صاحب کا فیصلہ بالکل درست تھا۔ انھوں نے خادے خاں کو سمجھایا، وہ نہ مانا تو لڑائی ہوئی اور خادے خاں مارا گیا۔ پھر ساتھ ہی سید صاحب ہنڈ کو خادے خاں کے بھائی امیر خاں کے حوالے کرنے پر آمادہ تھے، لیکن اس کی دورخی پالیسی نے بات نہ بننے دی۔ پھر یار محمد خاں کو سمجھایا، وہ نہ سمجھا، لڑائی ہوئی اور یار محمد خاں مارا گیا۔ اگر پشاور لینا منظور ہوتا تو سید صاحب زیدہ سے سیدھے پشاور پر پیش قدمی نہ کر دیتے؟ لیکن انھوں نے یہ نہ کیا بلکہ سلطان محمد خاں کو سمجھاتے رہے، اس نے بھی لڑائی ضروری سمجھی بلکہ پشاور سے مردان پہنچ کر سید صاحب پر باقاعدہ حملہ کیا، مجبوراً سید صاحب کو لڑنا پڑا۔

جب سلطان محمد خاں کی طبیعت درست ہوگئی اور اس نے بیعت واطاعت اور اعانت فی الجہاد پر آمادگی ظاہر کی تو لڑائی جاری رکھنے کی کون سی وجہ ہو سکتی تھی؟ اگر بعد کے حالات توقع اور امید کے خلاف پیش آئے تو اس بنا پر سید صاحب کے فیصلۂ حوالگیٔ پشاور اور سعیٔ اصلاح بین المسلمین کو کس بنا پر ہدفِ اعتراض بنایا جا سکتا ہے؟ کسی کا دل چیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر دیکھنا اور اس پر خلوص یا عدم خلوص کا حکم لگانا خارج از بحث ہے۔ فیصلہ بہر حال ظاہر حالات اور اقرارات ہی کی بناء پر ہوگا۔ یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں کے متعلق تو شروع میں بھی سب کہتے تھے کہ وہ قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتے، لیکن خادے خاں کے خلاف تو ایک شخص کی زبان بھی نہیں کھلی تھی؟ پھر اس نے موافقت کے بعد مخالفت اور اطاعت کے بعد بغاوت کا جو اقدام کیا، اس کے باب میں کیا کہا جائے گا؟ باقی خوانین میں سے بھی عملاً سب ایک رویے پر نہ رہے، کیا سید صاحب ان میں سے کسی کے دعوائے اطاعت کو رد کر سکتے تھے؟ نظم عساکر اور ملک داری کے معاملات میں کم حوصلگی سے کام نہیں چل سکتا، سید صاحب خدا کے فضل سے کم حوصلہ نہ تھے، انھوں نے جو مسلک اختیار کیا وہی درست تھا۔ بلاشبہ اس میں مضرتوں کے احتمالات بھی موجود تھے اور کس مسلک کو ایسے احتمالات سے کاملاً محفوظ قرار دیا جا سکتا ہے؟ لیکن دوسرا راستہ یقینی مضرتوں کا تھا، سید صاحب اسے کسی بھی حالت میں اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا عبید اللہ مرحوم کا اعتراض

مولانا عبید اللہ مرحوم کے اعتراض پر بحث کی ضرورت نہیں، انہیں سید صاحب کی امامت سے بھی اختلاف تھا، فرماتے ہیں:

> جس دن سے امیر شہید افغانوں کے امیر بنے، اسی وقت سے بغاوت کی چنگاری اجتماع میں چمکتی رہی۔ اگر معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم افغانوں کا امیر افغانوں کو بناتے اور اسے امیر شہید کے بورڈ کا ممبر بنا دیتے۔(۱)

حوالگی پشاور کے متعلق لکھتے ہیں کہ "حزب ولی اللہ" کو ایک صوبے کی حکومت مل گئی تھی، لیکن امیر شہید نے واپس کر دی:

(۱) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص: ۱۲۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس موقع پر جماعت مجاہدین کے خواص و امام سب متفق الکلمہ تھے کہ یہ فیصلہ غلط ہے، مولانا اسماعیل اور ہندوستانی اور افغانی اہل الرائے نے پورا زور صرف کیا کہ امیر شہید یہ غلطی نہ کریں، مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی۔(۱)

یہ دونوں رائیں متضاد ہیں، سلطان محمد خاں کے اقرار اطاعت و اعانت پر پشاور کو اس کے حوالے کر دینے کا مطلب یہی تھا کہ سید صاحب نے "افغانوں" کا امیر "افغان" کو مان کر اسے اپنے "بورڈ" کا ممبر بنالیا۔ لیکن مولانا کو یہ بھی منظور نہ ہوا، یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا اسماعیل یا افغانی و ہندوستانی اہل الرائے یا جماعت مجاہدین کے خواص و عوام سید صاحب کے فیصلے کو غلط قرار دینے میں متفق الکلمہ تھے۔ بلاشبہ متفرق اصحاب کو ابتدا میں اس سے اتفاق نہ تھا، لیکن سید صاحب کے ارشادات سنکر سب اس سے متفق ہو گئے۔ میرے علم کے مطابق صرف حافظ امام الدین رامپوری کو آخری وقت تک اس سے اختلاف رہا، مولانا شاہ اسماعیل سے ایک حرف بھی منقول نہیں جسے دلالۃً بھی سید صاحب کے فیصلے سے اختلاف کی تائید میں پیش کیا جا سکے۔ پھر مولانا کے اختلاف کی بنیاد دور حاضر کے سیاسی اوضاع و اطوار ہیں، لیکن سید صاحب کی تحریک کا مبنیٰ دین کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۱) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص:۱۶۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انتیسواں باب:

پشاور میں مشغولیتیں

سرداروں کا پیغام

مراتب صلح طے ہو چکے تو ارباب فیض اللہ خاں یہ پیغام لائے کہ سردار سید صاحب سے ملاقات کے آرزومند ہیں تاکہ بے واسطہ بیعت کر لیں۔ سید صاحب نے حسب عادت شریفہ یہ معاملہ اپنی مجلس شوریٰ میں پیش کیا، وہاں فیصلہ ہوا کہ پہلے مولانا شاہ اسماعیل سلطان محمد خاں سے ملیں، پھر سید صاحب سے ملاقات کا وقت اور مقام طے کر لیا جائے۔ ارباب فیض اللہ خاں نے عرض کیا کہ میری بستی ہزار خانی (۱) ابتدائی ملاقات کے لئے بہت موزوں ہے۔ مولانا اس کے لئے تیار ہو گئے، جو غازی مولانا کے ساتھ جانے کے لئے منتخب ہوئے ان کے نام یہ ہیں: حافظ وجیہ الدین (باغپت)، انور خاں، شیر محمد خاں، خدا بخش رام پوری، مولوی لعل محمد خاں، سید چراغ علی (پٹیالہ)، محمود خاں (پٹیالہ)، محمود خاں (انبالہ) طالب خاں (بنارس)، فتح علی (عظیم آباد) کریم بخش (بنارس)، سلو خاں (دیوبند)، ولی داد خاں، نصر اللہ خاں (خواجہ) کریم بخش شیر انداز خاں پنجابی، نظام الدین "اولیا"، احمد کشمیری، شیخ نصرت (بانس بریلی)، کریم بخش (سہارن پور)، مستقیم خاں (جہان آباد)، نور محمد (قندھار) خان بہادر اور مستقیم۔

مولانا سے ملاقات

اگرچہ مولانا کو سید صاحب نے گھوڑا دے رکھا تھا، لیکن آپ کی عادت تھی کہ اکثر

(۱) یہ بستی پشاور کے قریب ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیدل چلتے اور اپنے گھوڑے پر کسی دوسرے بھائی کو سوار کرا دیتے۔ نیت یہ ہوتی تھی کہ خدا کا کام ہے، اس کے سرانجام میں جتنی زیادہ مشقتیں برداشت کریں گے اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ ہزارخانی بھی پیدل گئے، سلطان محمد خاں کی خواہش تھی کہ مولانا سے گڑھی میں ملاقات ہو اور میں دروازے تک استقبال کے لئے جاؤں، لیکن ارباب نے گڑھی کے دروازے کے سامنے باغ میں فرش بچھوا کر ملاقات کا انتظام کیا۔ مولانا نے پندرہ سولہ غازیوں کو اس مقام پر ٹھہرا دیا، جہاں سے سلطان محمد خاں کا لشکر آ سکتا تھا، خود جائے ملاقات پر پہنچ گئے(۱) شام ہو چکی تھی اور چاند نکل آیا تھا، ارباب نے ایک شمع روشن کی، ایک مشعلچی کو مشعل دے کر کھڑا کر دیا، سلطان محمد خاں آیا اور مولانا سے معانقہ کیا، فارسی میں باتیں ہوتی رہیں، سردار نے نیابۃً مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی، نیز اقرار کیا کہ دین کی خدمت میں سرگرم رہوں گا اور غازیوں کی اعانت میں بھی کوتاہی نہ ہوگی۔

اس اثناء میں بندوق چلنے کی آواز آئی، سردار کا رنگ فق ہو گیا، اس نے گھبرا کر پوچھا: "خیر باشد، خیر باشد" مولانا دلجمعی سے بیٹھے رہے اور فرمایا: آپ بالکل نہ ڈریں، ارباب سے کہا کہ کاکا! دیکھو کیا معاملہ ہے؟(۲) تھوڑی دیر میں ایک شخص پکڑا آیا، وہ خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میری بندوق بھری ہوئی تھی اور انگلی لبلبی پر تھی، پاس کے ایک شخص کا ہاتھ میرے بازو پر لگا اور بندوق چل گئی۔

پہلی ملاقات معمولی بات چیت پر ختم ہو گئی، مولانا نے اجازت لی، ارباب نے عرض کیا کھانا کھا کر جائیے۔ مولانا نے فرمایا: میرا جلد چلے جانا ہی مناسب ہے، ارباب نے چار بہنگیوں پر کھانا پشاور بھجوا دیا۔ سردار نے کہا کہ کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں، دوسرا دن جمعہ کا تھا، اسے چھوڑ کر ہفتے کا دن دوسری ملاقات کیلئے مقرر ہو گیا۔ مولانا نے پشاور

---

(۱) راویوں نے لکھا ہے کہ اس موقع پر مولانا کے پاس دو ہتھیار تھے تلوار اور بندوق۔

(۲) ارباب بن ارسید و شخص تھا سب اسے کاکا (یعنی چچا) ہی کہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہنچ کر کھانا ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا۔ صبح کو سید صاحب کی خدمت میں ملاقات کی کیفیت عرض کی، جس میں بتایا کہ پچاس ہزار روپے دیتے ہیں: تیس ہزار پشاور میں، دس ہزار چارسدہ میں اور دس ہزار پنجتار پہنچنے کے بعد۔(۱)

ہفتے کے دن مولانا دوبارہ ہزار خانی گئے، اس ملاقات میں سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے ملنے کی آرزو ظاہر کی، مولانا نے فرمایا کہ یہ بات خود حضرت کی رائے پر موقوف ہے، ان سے پوچھ کر بتا دیا جائے گا۔ اس مرتبہ بھی ہزار خانی سے کھانا مولانا کے ساتھ پشاور بھیجا گیا۔

سید صاحب سے ملاقات

سید صاحب سے ملاقات کے لئے پشاور اور ہزار خانی کے درمیان کا میدان تجویز ہوا، یہ بھی کہہ دیا گیا کہ سردار اپنا لشکر لے کر آئے اور سید صاحب کا لشکر ساتھ آئے گا۔ مولانا اور ارباب نے ایک روز پیشتر احتیاطاً پورے میدان کا معائنہ کیا، سید صاحب نے روانہ ہوتے وقت اخوند درویزہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی، ظہر کی نماز میدان میں ادا فرمائی۔ جب جائے ملاقات سو۔سوا سو قدم کے فاصلے پر رہ گئی تو لشکر کو روک دیا اور صرف بیس آدمی لے کر آگے بڑھے۔ مولانا شاہ اسماعیل اور ارباب بہرام خاں سید صاحب کے آگے آگے تھے، تھوڑی دور جا کر باقی آدمیوں کو بھی ٹھہرنے کا حکم دے دیا، صرف مولانا اور ارباب بہرام خاں ساتھ رہے۔ سلطان محمد خاں کے ساتھ ارباب فیض اللہ خاں اور مردان علی آئے، تقریباً آدھ گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔

---

(۱) "منظورہ" میں ہے کہ پہلے دن مولانا ملاقات کے لئے پہنچے تو سلطان محمد خاں غازیوں کو دیکھ کر ڈر گیا اور ملاقات کے لئے نہ آیا۔ دوسری شام کو ملاقات ہوئی۔ سنا ہے کہ اسے کسی نے بتا دیا تھا کہ غازیوں نے ایک پوشیدہ مقام پر توپ لگا رکھی ہے، مولانا کے کان تک یہ افواہ پہنچی تو فرمایا: یہ لوگ کیسے نادان ہیں، اتنا نہیں سوچتے کہ توپ لگا رکھی ہو تو آخر میں بھی تو سلطان محمد خاں کے ساتھ اڑوں گا، میرے نزدیک صحیح روایت وہی ہے جو متن میں درج ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس ملاقات میں سلطان محمد خاں نے ایک فتویٰ یا محضر خریطے سے نکال کر سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا، اس پر بہت سی مہریں ثبت تھیں۔ محضر میں خوانین سمہ سے خطاب تھا، مضمون یہ تھا کہ سید احمد چند عالموں کو اپنے ساتھ ملا کر تھوڑی سی جمعیت کے ہمراہ افغانستان گئے ہیں، وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ ان کا فریب ہے، وہ ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف ہیں، ایک نیا دین انہوں نے نکالا ہے، کسی ولی یا بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو برا کہتے ہیں۔ انگریزوں نے انہیں تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے، ان کی باتوں میں نہ آنا، عجب نہیں تمہارا ملک چھنوا دیں۔ جس طرح بھی ہو سکے، انہیں تباہ کرو، اگر اس باب میں غفلت اور سستی برتو گے تو پچھتاؤ گے اور ندامت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔

صحیح یا غلط، سلطان محمد خاں کا عذر یہ تھا کہ ہم لوگ اس محضر کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ سید صاحب نے محضر دیکھ کر صرف اتنا فرمایا کہ یہ سراسر بہتان ہے اور اسے شاہ اسماعیل کے حوالے کرتے ہوئے تاکید فرمادی کہ کسی کو نہ دکھائیں، ممکن ہے غازیوں میں سے کوئی بھائی اسے دیکھ کر جوش میں آجائے اور کوئی غیر مناسب حرکت کر بیٹھے۔

سلطان محمد خاں نے تاوان کا مسئلہ چھیڑا، سید صاحب نے فرمایا: آپ ہمارے بھائی ہیں، تاوان یا جرمانے کا کوئی معاملہ اب باقی نہیں رہا، اس پر ملاقات ختم ہوگئی۔

محضر کا مسئلہ

کچھ معلوم نہیں کہ فتویٰ یا محضر کہاں تیار ہوا؟ کس نے تیار کرایا اور کس ذریعے سے سلطان محمد کے پاس پہنچا؟ چونکہ اس میں سید صاحب پر تہمت لگائی گئی تھی کہ وہ انگریزوں کے فرستادہ اور مخبر ہیں، اس لئے اغلب ہے یہ لاہور میں رنجیت سنگھ کے کہنے پر تیار ہوا ہو اور اسی کے ذریعے سے سلطان محمد خاں کے پاس پہنچا ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شاہ اسماعیل کے مجموعہ مکاتیب میں دو مکتوب ایسے ہیں جو پشاور کے دس علماء کے نام بھیجے گئے۔(۱)

پہلا ۹ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۲۹ء) کو، دوسرا ۱۷ شوال ۱۲۴۵ھ (۱۱ اپریل ۱۸۳۰ء) کو۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء کی طرف سے سید صاحب اور آپ کے رفقا پر کئی الزام لگائے گئے تھے، مثلاً:

۱۔ سید صاحب اور آپ کے رفقاء الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں، ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں، نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذاتِ جسمانی کے جویا۔

۲۔ وہ ظلم و تعدی کے خوگر ہیں۔

۳۔ بلا وجہ شرعی مسلمانوں کے اموال و نفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

---

(۱) ان علماء کے نام اور مختصر حالات ذیل میں درج ہیں:

۱- مولانا حافظ محمد احسن بن محمد صدیق، معروف بہ حافظ دراز پشاوری، متبحر عالم، علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے، سرحد سے سمرقند تک ان کے علم کا چرچا تھا۔

۲- مولانا محمد عظیم: علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت، صحاح ستہ کے اسانید زبانی یاد تھے۔ روتے بہت تھے، آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ جب اخوند سید امیر عرف ملا صاحب کوٹھا پر معاندوں نے کفر کا فتویٰ لگایا تو انہوں نے علی الاعلان خلاف رائے دی۔ ملا صاحب کوٹھا انہیں کے شاگرد تھے۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۵ھ (۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء) کو وفات پائی۔

۳- مولانا غلام حبیب: بڑے عالم تھے، انہوں نے ملا صاحب کوٹھہ کے خلاف فتویٰ تکفیر کی مخالفت کی تھی، ان کے فرزند مولانا غلام جیلانی مرحوم نے کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور کو دے دیا تھا۔

۴- مولانا مفتی محمد احسن بن مولانا مفتی محمد احمد، متبحر عالم تھے، مکان محلہ کوٹلہ رشید خاں علاقہ گنج پشاور میں تھا۔

۵- مولانا مفتی حافظ احمد۔

۶- مولانا عبدالمالک اخوندزادہ۔

۷- مولانا مراد اخوندزادہ۔

۸- مولانا قاضی سعد الدین۔

۹- مولانا قاضی مسعود۔

۱۰- مولانا عبداللہ اخوندزادہ۔ علماء کے حالات مجھے مولانا عبدالرحیم مرحوم پوپلزئی سے معلوم ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۴۔ سید صاحب انگریزی رسالے میں ملازم تھے، مولانا اسماعیل اور بعض دوسرے لوگوں نے انہیں مہدی موعود قرار دیا، انگریزوں نے انہیں ملک سے نکال دیا۔

۵۔ وہ مکہ معظمہ پہنچے، وہاں سے براہِ مسقط و بلوچستان قندھار گئے۔

۶۔ خادے خاں کو ملا عبدالغفور (اخوند سوات) کے ذریعے سے صلح کے بہانے بلایا اور قتل کرادیا۔

۷۔ وہ افغانوں کی لڑکیوں کو جبراً "جدید الاسلام" ہندوستانیوں کے حوالے کرتے ہیں۔

ان الزامات کی تردید میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ سراسر بے اصل ہیں، ممکن ہے یہ الزامات بھی اسی محضر سے ماخوذ ہوں جو سلطان محمد خاں نے پیش کیا۔

متفرق واقعات

قیامِ پشاور کے متفرق واقعات بھی سن لیجئے:

۱۔ جمعہ، مسجد مہابت خاں میں ادا کیا جاتا تھا، مولوی مظہر علی عظیم آبادی نے خطبوں میں سورۂ صف کی تفسیر بیان کی، لوگوں نے بے حد پسند کی اور مولوی صاحب اہل پشاور میں بہت ہر دلعزیز ہوگئے۔ چنانچہ جب قاضی کے تقرر کا معاملہ سامنے آیا تو مولوی صاحب موصوف کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے علاوہ یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ اہل پشاور انہیں پسند کرتے تھے۔

۲۔ ابھی درانیوں کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ خواص خاں خٹک پانسو سوار لے کر حاضر ہوا اور بولا کہ سکھوں نے ہمارا ملک خراب کر ڈالا، دریائے سندھ کے دونوں طرف میری قوم آباد ہے، ان کا علاقہ مجھے جاگیر میں دے دیجئے، سکھوں کو روکنے کا ذمہ اٹھاتا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ابھی مصالحت کی بات چیت ہو رہی ہے، اگر یہ کامیاب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ ہوئی تو آپ سے معاملہ کرلیا جائے گا۔

۳۔ حافظ عبداللطیف اور خضر خاں قندھاری کو حکم دیا گیا کہ شہر میں پھر پھر کر لوگوں کو نماز کی تلقین کیا کریں۔ حافظ کی ملاقات ایک روز ملا عظیم اخوندزادہ سے ہوگئی جو سلطان محمد خاں کا استاد تھا، اس سے پوچھا کہ حضرت سے ملاقات کیوں نہ کی؟ اب چلو۔ ساتھ لے کر چلے تو راستے میں پوچھا کہ درّانیوں نے مجاہدین کی تکفیر کا جو فتویٰ تیار کرایا تھا، کیا آپ نے بھی اس پر دستخط کیے تھے؟ اخوندزادہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مہر ان کے سامنے پھینک دی تھی۔ حافظ نے کہا آپ عالم ہیں، کیا مسلمانوں خصوصاً مجاہدین کی تکفیر آپ کیلئے زیبا تھی؟ قیامت کے دن اس کی سزا کبائر سے بڑھ کر ہوگی، بہتر یہ ہے کہ اسی دنیا میں سزا تجویز کرلیجئے۔ پھر ان کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیے۔ ارباب بہرام خاں نے دیکھا تو بہت ناراض ہوئے۔ سید صاحب تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا ابھی حافظ کو پکڑ کر لاؤ، اخوندزادہ کو عزت سے پاس بٹھایا اور کہا کہ مجھے کسی عالم سے عداوت نہیں۔ پھر مولانا کی سفارش پر حافظ عبداللطیف کا قصور معاف ہوا۔ اخوندزادہ نے خود بھی معافی دے دی۔(۱)

۴۔ سید بادشاہ گل، سید صاحب کے پرانے دوست تھے، لیکن وہ ملاقات کے لئے نہ آئے۔ کہتے تھے کہ سلطان محمد مجھے جبراً اپنے ساتھ جنگ مایار میں لے گیا تھا، میں روسیاہ ہوں، اب کس منہ سے ملاقات کروں؟ سید صاحب نے اپنا خاص آدمی بھیج کر بلایا اور فرمایا کہ آپ دل سے راضی نہ تھے تو مضائقہ نہیں، لیکن وہ نہ آئے۔

(۱) ایک روایت میں ہے کہ جب سید صاحب نے فرمایا کہ پکڑ کر لاؤ اور ارباب بہرام خاں نے حافظ کو دیکھا تو کہا کہ معلوم نہیں کیا سزا ملے۔ حافظ بولے: وہ ہمارے پیر و مرشد ہیں، ان کی سزا بسر و چشم منظور ہے، لیکن ملا جی کے ہاتھ میں اول کہاں ہوں جانا ہے، جوش تو نکال لیا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مراجعت

صلح کی شرطیں طے ہو گئیں اور ملاقاتیں ہو چکیں تو سید صاحب نے مولوی مظہر علی کو پشاور کا قاضی مقرر کیا۔ مولوی قمر الدین عظیم آبادی (۱) اور چند اور غازیوں کو ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا، پھر سید صاحب جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ ارباب فیض اللہ خاں نے ہزار خانی میں دعوت کا انتظام کیا اور پورے لشکر کیلئے دنبوں کا پلاؤ پکوایا۔ سید صاحب دوپہر کے وقت ہزار خانی پہنچے، عصر کے وقت وہیں سے براہ مردان پنجتار روانہ ہو گئے۔

مغرب کے وقت چکنی پہنچے، جہاں شیخ عمر نام ایک بزرگ کا مقبرہ تھا، ان کی اولاد میں سے ایک بی بی مقبرے کی متولیہ تھی۔ اس نے پورے لشکر کیلئے کھانا پکوایا، کھچڑی بھی تھی، گوشت بھی اور تنوری روٹیاں بھی۔ بعد نماز مغرب کشتیوں پر دریا کو عبور کیا اور چارسدہ پہنچ گئے، وہاں سے مولوی مظہر علی کو رفقاء سمیت رخصت کر دیا۔

مسئلہ انتظام عشر

چارسدہ میں انتظامِ عشر کا مسئلہ پیش ہوا، پہلے اس کام پر حاجی بہادر شاہ خاں اور حاجی محمود خاں کو مقرر کیا گیا تھا، مولانا شاہ اسماعیل کی رائے تھی کہ یہ نیا کام ہے اور دونوں صاحب ناواقف ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ کسی مدبر، واقف کار اور متحمل مزاج آدمی کو یہ کام سونپا جائے۔ غور و فکر کے بعد مولوی خیر الدین شیر کوٹی کا نام تجویز ہوا، وہ چھتر بائی میں تھے، فوراً حکم بھیج دیا گیا کہ گڑھی کا انتظام حافظ مصطفیٰ کاندھلوی کے حوالے کر کے خود چلے آئیے۔ حاجی بہادر شاہ خاں اور حاجی محمود خاں نے عرض کیا کہ اگر ہم اطمینان کے مطابق کام نہ

(۱) مولوی قمر الدین، مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے ماموں رکن الدین حسین (بن رفیع الدین حسین ناظم بہار) کے فرزند تھے، ان کی شادی مولوی الٰہی بخش مرحوم کی صاحبزادی حمیلۃ النساء سے ہوئی تھی، وہ بارہ برس کی ہوئی تھی کہ مولوی قمر الدین جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ پشاور میں ان کی شہادت کے بعد حمیلۃ النساء کا نکاح ثانی مولانا ولایت علی سے ہوا، مولانا کے سب سے چھوٹے بیٹے شمس العلماء مولانا محمد حسن (تاریخ حمیلۃ النساء ہی کے بطن سے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر سکتے تو بے شک ہٹا دینا مناسب تھا، لیکن کام دیکھے بغیر ہی معزول کر دینا ہمارے لئے باعثِ خفت ہے۔ مولانا بے توقف بولے: بے شک مروت کا تقاضا یہی ہے، لیکن پیشِ نظر کام میں سرگرمی اور بہادری کی ضرورت نہیں، ہوشیاری اور تجربہ کاری کی ضرورت ہے، جس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی اسے خوانین سمہ کبھی عشر نہ دیں گے۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ جب تک مولوی خیر الدین نہ پہنچیں، حمزہ علی خاں رسالدار کو شیوہ میں ٹھہرا دیجئے تاکہ ان دونوں کا ہاتھ بٹاتے رہیں۔

اصلاحِ معاشرت

سید صاحب چارسدہ سے روانہ ہوئے تو گڑھی امان زئی میں ٹھہرے، وہاں کا کا احمد خاں ایک سن رسیدہ شخص تھا، اس نے عرض کیا کہ یہاں لڑکیوں کی شادیاں گرانقدر رقمیں لے کر کی جاتی ہیں، رقمیں مقرر کر کے نکاح کر دیے جاتے ہیں، جب تک دولہا کی طرف سے رقم پوری نہیں ہو جاتی، دلہنوں کی رخصتی عمل میں نہیں آتی، وہ گھروں میں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ سنا ہے خود عورتوں نے بھی سید صاحب کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ آپ سب کی اصلاح فرماتے ہیں، ہمارے حالِ زار پر بھی توجہ مبذول فرمائیے۔

سید صاحب نے حسبِ عادتِ شریفہ اگلے روز بستی والوں کو بلا کر وعظ و نصیحت فرمائی، لوگوں نے آپ کا حکم قبول کر لینے کا اقرار کیا، تو فرمایا کہ جن لڑکیوں کے نکاح ہو چکے ہیں اور ان کے شوہر چار چار کوس کے اندر ہیں، انہیں آٹھ روز کے اندر اندر رخصت کر دیا جائے۔ جن لڑکیوں کے شوہر دور گئے ہوئے ہیں، ان کی رخصتی کے لئے ایک ماہ کی مہلت مناسب ہوگی۔ جو شوہر غیر ممالک میں ہیں، ان کی بیویوں کو تین ماہ میں شوہروں کے گھر بھیج دیا جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا کا واقعہ

گڑھی امان زئی میں سید صاحب نے دس بارہ مقام کیے، ایک روز درانیوں کی طرف سے ایک لڑکا انگور اور سردے بطور پیش کش لایا۔ سید صاحب نے اسے انگرکھا اور بعض دوسرے پارچہ جات بہ طور خلعت دیے۔ اس نے کہا کہ میں تو افغانی پارچے لوں گا۔ سید صاحب بالا خانے پر تھے، اوپر جانے کی سیڑھی لکڑی کی تھی، وہ سیڑھی پر کھڑا ہوگیا اور اس طرح چڑھنے اترنے والوں کا راستہ رک گیا، اسے نرمی سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تو وہ زور زور سے رونے لگا۔ مجبور ہو کر مولانا شاہ اسماعیل نے اس کے دو تین طمانچے مارے۔ ایک مرتبہ مولانا کا ہاتھ سیڑھی میں لگا، لکڑی کا ایک باریک ریشہ ہتھیلی میں چبھا اور خون جاری ہوگیا۔ عین اس حالت میں سید صاحب باہر نکل آئے، مولانا کے ہاتھ پر نگاہ پڑی تو پوچھا: میاں صاحب! یہ خون کیسا؟ مولانا سر جھکائے خاموش کھڑے رہے، منشی محمدی انصاری نے مختصراً واقعہ عرض کیا۔ سید صاحب نے فرمایا: ”میاں صاحب! آپ کا غصہ ان دنوں بڑھ رہا ہے، اسے دور کرنا چاہیے۔“

بعد میں مولانا منشی خانے میں گئے تو منشی محمدی سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج بڑی ندامت ہوئی، بے شک امیر المومنین نے سچ فرمایا۔ منشی جی نے کہا کہ مولانا عبدالحئیؒ کو بھی غصہ آتا تھا، لیکن مجھے یاد ہے کہ وہ کبھی جادۂ شرع سے ادھر اُدھر نہ ہوئے۔ غصے کے باوجود دلائل شرعیہ ان کی تمام باتوں پر غالب رہتے تھے، لیکن آپ کو غصہ آتا ہے تو زبان پر بھی قابو نہیں رہتا۔

مولانا حقانی و ربانی آدمی تھے، اپنے عیوب کا صاف اقرار کر لیتے تھے، بولے: بھائی صاحب! مولانا عبدالحئیؒ کا غصہ ”آورد“ ہوتا تھا، وہ امور شرعیہ پر بہ قصد و ارادہ غصہ لاتے تھے، لہٰذا شریعت سے تجاوز کا کون سا موقع تھا، میرا غصہ ”آمد“ ہے، جب آتا ہے تو عقل و ہوش پر غلبہ پا لیتا ہے، زبان کیا کسی عضو پر بھی قابو نہیں رہتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قاضی القضاۃ کا تقرر

سید صاحب گڑھی امان زئی سے ڈاگئی پہنچے تو مولوی خیر الدین شیر کوٹی آ گئے انہوں نے عرض کیا کہ مجھے جس بستی میں اترنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے لوگوں کو قاضیوں کا شکوہ گزار پایا۔ وہ بعض اوقات معمولی خطاؤں پر زیادہ جرمانہ لے لیتے ہیں۔ سید صاحب نے خود مولوی صاحب کو قاضی القضاۃ بنانا چاہا، موصوف نے معذرت کردی۔ سید صاحب نے اصرار فرمایا تو مولوی صاحب بولے، اصرار سے مجھے گناہ گار نہ بنائیں، میں اس خدمت کو قبول نہ کروں گا، عدالتی اور مالی کاموں میں اکثر لوگوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

پنجتار پہنچے تو سید صاحب نے مولوی محمد رمضان کو قاضی القضاۃ مقرر فرمادیا، کاٹ لنگ، لوندخوڑ اور ڈاگئی وغیرہ کے انتظامات مولوی خیر الدین شیر کوٹی کے حوالے کیے، قندھاری اور ہندوستانی غازیوں کی ایک جماعت ان کے ہمراہ کردی۔ ان میں سے سید جعفر علی نقوی، میاں ضیاء الدین پھلتی، حافظ وجیہ الدین باغپتی اور کریم بخش دہلوی کے نام روایتوں میں مذکور ہیں۔

سفارتِ باجوڑ

اس اثناء میں خان باجوڑ کی طرف سے سفیر آ گئے، انہوں نے فتح پشاور پر مبارک باد عرض کرتے ہوئے درخواست کی کہ ہمارے ہاں بھی احکام شریعت کے اجرا کا بندوبست فرمادیجیے۔ سید صاحب نے مشورے کے بعد مولانا اسماعیل کو ایک سو غازیوں کے ساتھ باجوڑ بھیج دیا، مولانا اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی پنجتار سے اکٹھے روانہ ہوئے، پہلا مقام گڑھی امان زئی میں کیا، دوسرا لوندخوڑ میں۔

لوندخوڑ میں دو رئیس قابلِ ذکر تھے: اول نسیم خاں، دوم حافظ پشم، جس کا نام مولانا نے حافظ ریشم مقرر کرلیا تھا۔ وسط دیہ میں ایک بلند، وسیع اور خوبصورت مسجد تھی، مولانا

اس میں ٹھہرے وہیں کاٹ لنگ کے خوانین حاضر ہو گئے۔ ایک روز مولانا نے بستی والوں کی درخواست پر فارسی میں وعظ فرمایا، اخوند فیض محمد نے اس کا ترجمہ پشتو میں کیا۔

مولانا نے روانگی سے پیشتر مولوی خیر الدین کو نصیحت فرمائی کہ نسیم خاں رواداری آدمی معلوم ہوتا ہے، اس کے ساتھ ظاہرداری خوب نبھائی جائے۔ حافظ با اخلاص ہے، اس کے ساتھ محبت کے تعلقات بڑھائے جائیں، لیکن یہ امر نسیم خاں پر ظاہر نہ ہونے پائے۔

حافظ سے علمی گفتگو

حافظ اگرچہ نابینا تھا، لیکن فقہ و اصول کا ماہر تھا، مولانا نے ایک روز تفریحاً اس سے علمی گفتگو فرمائی۔ پوچھا: حافظ صاحب افغانوں میں جو "اسقاط" رائج ہے، یعنی نماز کا فدیہ، اس کی بنیاد کیا ہے؟

حافظ: قیاس۔

مولانا: مقیس علیہ کیا ہے؟

حافظ: مسئلہ شیخ فانی در باب فدیہ صوم۔

مولانا: یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ دونوں کا حکم یکساں نہیں۔ قیاس کی تعریف شرع کے رو سے حمل النظیر علی النظیر ہے۔ "اسقاط" اس پر ٹھیک نہیں اترتا، اس لئے کہ مسئلہ صوم، مسائل صلوٰۃ سے الگ ہے، نماز میں قصر ہے، روزے میں قصر نہیں، بلکہ قضا ہے۔ حائضہ و نفسہ کو نماز معاف ہے، روزہ معاف نہیں۔

حافظ: خیر، آپ اسے صدقہ سمجھ لیں، جو بہر حال مردے کے لئے مفید ہے۔

مولانا: مجھے اسقاط پر اعتراض ہے، صدقے پر نہیں۔ صدقے میں حساب کی حاجت نہیں۔

حافظ: اس میں قباحت کیا ہے؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا: اول یہ اصولِ اربعہ سے باہر ہے، اس لحاظ سے بدعت ہے۔ دوم بعض مقامات پر اموالِ موتیٰ کے وارث یتیم ہوں گے، آپ لوگوں نے رواجاً اسے لازم قرار دے لیا ہے اور اس کا ترک بعض کے نزدیک مثل ترک فرائض ہے، یتامیٰ کے مال میں بدوں وصیت تعرض ہوگا اور استعمال بے جا۔ اس لحاظ سے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا کا مورد۔ سوم جب رکعتوں پر صدقہ مقرر ہوگیا تو آپ کو حق حاصل نہ ہوگا کہ تارک الصلوٰۃ پر احتساب جاری کریں، اس طرح یہ قاعدہ مسقطِ صلوٰۃ ہوا۔

رکاوٹ

مولانا سوات کے راستے باجوڑ جانا چاہتے تھے، خہر سے ملا کلیم اور سید عمران لوند خوڑ پہنچ گئے اور بتایا کہ سوات کے لوگ مزاحمت کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ عنایت اللہ خاں رئیس الاڈنڈ ان کا سرخیل ہے۔ چونکہ اہل سوات اور اہل باجوڑ میں سخت دشمنی تھی، اسلئے عنایت اللہ خاں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ مولانا شاہ اسمٰعیل باجوڑ سے لشکر لے کر سوات پر چڑھائی کریں گے، یہ سنتے ہی لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ مولانا کو باجوڑ نہ جانے دیں گے۔

خہر پہنچ کر مولانا نے لوگوں کو بہت سمجھایا، لیکن عنایت اللہ خاں راضی نہ ہوا، بلکہ آخر میں اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ جب خان باجوڑ بھی نفاذِ احکام شریعت میں آپ کا ساتھی بن جائے گا تو پھر ہم کو بھی انھیں احکام کی اطاعت پر مجبور ہونا پڑے گا۔ ہم سے عشر لیا جائے گا جو ہم پر گراں گذرتا ہے۔ لہٰذا ہم آپ کو ہرگز باجوڑ نہ جانے دیں گے۔ اگر آپ نے ہم پر عشر نافذ کر دیا تو اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری سرزمین میں چلے جائیں گے۔

مولانا نے فرمایا: میں نے تمہارے سوا ایسے مسلمان آج تک کہیں نہیں دیکھے، جن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر "شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ" کا ٹھیک ٹھیک اطلاق ہوتا ہو، لیکن کیا کروں امیر المومنین کا حکم یہی ہے کہ تم سے قتال نہ کیا جائے۔

مراجعت

خمر سے آٹھ کوس پر ایک گاؤں تھا، وہاں سے پیغام آیا کہ ہم احکام شریعت قبول کرنے کیلئے ہمہ تن تیار ہیں، مولانا ہمارے گاؤں تک پہنچ جائیں۔ پھر ان کی اور غازیوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہم بن جائیں گے، اور بے دغدغہ باجوڑ تک پہنچا دیں گے۔ مولانا اس تجویز کو قبول کر لیتے، لیکن اول سید صاحب نے تاکید فرما دی تھی کہ لڑائی نہ کی جائے، سب کو نرمی اور ملائمت سے سمجھایا جائے۔ دوم آگے بڑھنے کی صورت میں آٹھ کوس تک قدم قدم پر جنگ ناگزیر نظر آتی تھی، اور یہ حقیقت واضح تھی کہ مولانا کے پاس غازی بہت کم تھے۔ سوم اگر مولانا نکل بھی جاتے تو سید صاحب کے ساتھ سلسلۂ مواصلت اور رابطۂ نامہ و پیام بالکل منقطع ہو جاتا۔

آخر مولانا نے تمام حالات تفصیلاً سید صاحب کو لکھ بھیجے، وہاں سے حکم آیا کہ جلدی نہ کیجئے، خدا کارساز ہے، یہاں بہتر صورت پیدا ہو جائیگی تو اہل سوات کی اصلاح بھی کر لیں گے۔ فی الحال مناسب یہی ہے کہ آپ واپس آ جائیں۔ چنانچہ مولانا خمر ہی سے سید صاحب کے پاس چلے گئے اور باجوڑ تک نہ پہنچ سکے۔(۱)

---

(۱) الیگزنڈر گارڈنر نے اپنے حالات میں لکھا ہے کہ میں نے امیر عالم خاں والیٔ باجوڑ کے ہاں مولانا شاہ اسمٰعیل کی تقریر سنی تھی، اس سے لوگوں میں اتنا جوش پیدا ہوا کہ میں نے بھی طے کر لیا کہ مولانا کے پیر و مرشد سے مل جاؤں، ان جیسے لوگ میرے پاس ہوں گے تو میری خدمات کی بہت قدر ہوگی۔ (الیگزنڈر گارڈنر ص:۱۶۹)

مولانا کا زور تقریر اور تاثیر دلپذیری بالکل مسلم ہے، لیکن وہ باجوڑ جا ہی نہ سکے، پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ گارڈنر امیر عالم خاں باجوڑی کے ہاں مولانا کی تقریر سنتا؟ یہ بیان بالکل بے سروپا ہے، اسی طرح گارڈنر کا یہ بیان بھی بے اصل ہے کہ امیر عالم خاں باجوڑی نے مجھے تین سو آدمی دے کر سید صاحب کی امداد کے لئے بھیجا اور میں بالاکوٹ گیا، دیکھا تو جنگ شروع تھی۔ میرے سامنے سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل شہید ہوئے۔

تیسواں باب:

خوفناک سازش کا جال

روشن امیدیں

سلطان محمد خاں کے بعد درۂ خیبر سے اب تک پورے علاقۂ سرحد کے وسائل سید صاحب کی دسترس میں آ گئے تھے، مخالف عناصر ختم ہو چکے تھے، اب اطمینان سے ایک زبردست لشکر منظم کر کے سکھوں پر کامیاب یورش کے بہترین امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اگر سید صاحب کشمیر کی طرف پیش قدمی کرتے تو سلیمان والیٔ چترال زیادہ سے زیادہ امداد کے لئے تیار تھا اور کشمیر پر سکھوں کا قبضہ و تصرف خاصا کمزور نظر آ رہا تھا، جسے ختم کر دینا مشکل نہ تھا۔ پنجاب کی طرف بڑھتے تو غلزئی قبیلہ کے سردار ساتھ دینے پر آمادہ تھے، جو بنوں ہوتے ہوئے سید صاحب سے مل جاتے، ابتدائی کامیابی کے بعد سندھ کو بھی رفاقت پر آمادہ کر لینے کے قوی امکانات موجود تھے۔ سلطان محمد خاں کو جو علاقہ واپس کیا گیا تھا، اس کی زرخیزی اور سیرابی کا اندازہ اسی سے کر لیجئے، کہ ارباب بہرام خاں اسے سنبھال کر حفظ و دفاع کی پوری ذمہ داریاں قبول کرنے کے علاوہ چار ہزار غازیوں کا جیش اپنے خرچ پر مستقلاً سید صاحب کی رکاب میں دے دینے کا اقرار کر رہا تھا، اس علاقے کی آمدنی بدنظمی کی حالت میں بھی دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ سید صاحب جب سے سرحد پہنچے تھے، سازگار حالات کا ایسا روشن دور کبھی نہ آیا تھا۔

حسرت و افسوس

لیکن افسوس کہ خود مسلمانوں کی کج اندیشی، غرض پرستی اور ناحق کوشی کے باعث ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیدوں کی روشنی دیکھتے دیکھتے گل ہوگئی، بلکہ ان کی جگہ اشکہائے حسرت اور نالہائے غم باقی رہ گئے۔ تین چار برس کی جانفشانیوں سے جو کام سرانجام کو پہنچے تھے، وہ برباد ہوگئے، بہت سے غازی کا ملاً بے خبری کے عالم میں خاک وخون میں تڑپے، حکمرانی سے محرومی کے بعد اسلامیانِ ہند میں سے غیرت وحمیت حق کی جو بہترین اور عزیز ترین متاع جمع کی گئی تھی، وہ یوسف زئی کے میدانی علاقے میں جا بجا لٹ گئی۔ سید صاحب اپنے چار سالہ مرکز کو چھوڑ کر کسی دوسری کارگاہ کی تلاش میں نکلنے پر مجبور ہوئے، ابھی کسی جگہ جم کر بیٹھنے نہ پائے تھے کہ خلعتِ شہادت سے سرفرازی پا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

سرداروں اور ملاؤں کی سازش

سردارانِ پشاور جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت سے انہوں نے خفیہ خفیہ سازش کا بندوبست شروع کر دیا تھا۔ جگہ جگہ ان کے قاصد دوڑنے لگے تا کہ ڈھب کے آدمی ساتھ ہو جائیں اور سید صاحب کے بکھرے ہوئے غازیوں کو ایک ہی وقت میں جا بجا شہید کر دیا جائے۔

سرحدی پٹھان صدیوں سے قبائلی طریقوں کے خوگر چلے آتے تھے، جو چیزیں مرورِ زمان سے ان کی زندگی کا لاینفک جزو بن چکی تھیں، انہیں وہ شرعی احکام کی طرح مان رہے تھے، اوران کا ترک گوارا نہ تھا۔ کلمۂ توحید پر وہ بے شک ثابت قدم تھے، اسلام کے ساتھ محبت بھی تھی، لیکن اسلامی نظم وجمعیت سے یا تو وہ کبھی شناسا ہی نہ ہوئے تھے، یا سمجھ لیجیے کہ ایسے تمام نقوش بالکل مٹ چکے تھے۔ سید صاحب نے انہیں ضروریاتِ دین سے آگاہ کیا تو ان میں اصلاح کی ایک رو چلی، بیعت بھی کر لی لیکن اس بیعت کا مطلب ان کے نزدیک صرف یہ تھا کہ نماز ادا کرتے رہیں گے، روزے بھی رکھیں گے اور پیداوار میں سے کچھ حصہ ملاؤں کے بجائے سید صاحب کو دیتے رہیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جب ہر مقام پر باقاعدہ تحصیل دار مقرر ہو گئے اور ان کے ساتھ حساب کتاب کے لئے محرر بیٹھ گئے تو یہ امر بعض لوگوں خصوصاً ملاؤں پر بہت شاق گذرا۔ بے خبر اور سادہ لوح پٹھانوں کے اسلام کی باگ ملاؤں ہی کے ہاتھ میں تھی، انہوں نے خفیہ خفیہ سید صاحب کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور پٹھانوں کو اسلام کے نام پر اسلام کے خلاف مشتعل کرنے لگے۔ سید صاحب نے پٹھانوں کی مجلسی اور اخلاقی اصطلاحات کا کام سرگرمی سے جاری کیا تو ملاؤں کو اشتعال انگیزی کا ایک موثر حربہ مل گیا، وہ پٹھانوں سے کہنے لگے کہ دیکھو اب تو تمہارے ناموس بھی محفوظ نہیں رہے، یہ حالات سردارانِ پشاور کے لئے عین حسب مراد تھے، انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور خود غرض ملاؤں کے ذریعے سے پورے علاقے میں سازش کا وسیع جال بچھا دیا۔

دینی حربہ

ہم پہلے ایک محضر کا ذکر کر چکے ہیں، جو سلطان محمد خاں نے ملاقات کے وقت سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں اس محضر نے گمراہ کیا۔ اس میں سید صاحب اور ان کے رفقاء کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ کسی بھی مذہب کے پابند نہیں، اور انہوں نے ایک نیا دین نکالا ہے۔

پٹھانوں کے دل تو شرعی پابندیوں پر راضی نہ تھے، لیکن سید صاحب کے خلاف قدم اٹھاتے ہوئے انہیں یہ اندیشہ ضرور پریشان کر رہا تھا کہ یہ مخالفت کہیں خدا کی طرف سے وبال کا سرچشمہ نہ بن جائے۔ اس موقع پر سلطان محمد خاں نے محضر ملاؤں کے حوالے کر دیا، ملاؤں نے یہی محضر دکھا دکھا کر پٹھانوں کو اطمینان دلایا کہ سید صاحب کی مخالفت حقیقت میں دین کی بہت بڑی خدمت ہے، اور اس کیلئے خدا کی بارگاہ سے اجر وثواب ملے گا۔ اس طرح سازش کی کامیابی کے لئے سازگار فضا مہیا کر لی گئی۔ ظاہر ہے کہ جب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک چیز ناگوارِ خاطر ہو اور اس کی مخالفت کے لئے دینی سہارا بھی مہیا کر دیا جائے تو مخالفت میں کیسے تامل ہوگا؟

مقامی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں نے ایک لڑکی کے کان چیر کر اور سر ننگا کر کے اسے فریادی کی حیثیت میں جگہ جگہ پھرایا تھا، پٹھانوں کے نزدیک فریاد کی یہ انتہائی دردانگیز صورت سمجھی جاتی تھی۔

حقیر اغراض کیلئے اسلام دشمنی

غرض مختلف اغراض ومصالح نے مختلف افراد و جماعت کو ایک مرکز پر جمع کر دیا، ان سب کا مقصد کیا تھا؟ یہ کہ سید صاحب جانبازانِ حق کے جس قدسی قافلے کو لے کر ہزاروں میل کی منزلیں طے کر کے اس نیت سے سرحد پہنچے تھے کہ اسلام کی عزت، دین کی حمیت اور مسلمانوں کی آزادی کا پرچم بلند کریں، اس قافلے کو بے خبری کی حالت میں ذبح کر ڈالا جائے۔ سب کے سامنے حقیر ذاتی اغراض تھیں، سردار چاہتے تھے کہ وہ جس علاقہ پر حکمراں ہیں، اس میں شرعی محاسبے کا کوئی سوال پیدا نہ ہو اور وہ جو چاہیں کرتے رہیں۔ عام لوگوں کی غرض یہ تھی کہ ان کے قبائلی معمولات میں کوئی خلل نہ پڑے، اگرچہ وہ معمولات اسلام کے کتنے ہی خلاف ہوں، اور اگرچہ ان کی وجہ سے آزادی اور اسلامیت پامال ہوتی رہے۔ ملاؤں کی غرض یہ تھی کہ وہ حسب سابق عوام سے پیسے بٹورتے رہیں، اگرچہ اس ضمن میں شریعتِ حقہ اسلامیہ کی جگہ رسومِ جاہلیت فروغ پائیں، ان اغراض کو کوئی مسلمان کس بناء پر جائز و بجا سمجھ سکتا ہے؟

ملک گیری کیلئے مسلمان آپس میں خونریز جنگیں بھی کرتے رہے تھے، اور اسلامی تاریخ کے صفحات سے برادرکشی کا لہو بھی برابر ٹپک رہا ہے، لیکن سردارانِ پشاور، اہلِ سرحد اور ان کے حق ناشناس ملاؤں نے جن حد درجہ حقیر اور دینی لحاظ سے سراسر شرمناک اغراض کیلئے غازیانِ اسلام کے خلاف سازش کی، اس کا تصور آج بھی قلب وروح پر لرزہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طاری کر دیتا ہے۔ آہ! کہ یہ سب لوگ مسلمان تھے اور مسلمان ہونے پر فخر کرتے تھے، اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ جہل و بے خبری میں انہوں نے اسلام کے ساتھ کھلی ہوئی دشمنی کو دوستی سمجھ لیا۔

یہ زہرہ گداز اقدام مقدر ہو چکا تھا، قضا و قدر کا فیصلہ یہی تھا کہ ہندوستان کی اسلامی حمیت کا ایک مایہ ناز قافلہ اسی سرزمین میں لٹے، جس کی مظلوم اسلامیت کو اعدا کی ہولناک چیرہ دستیوں سے نجات دلانے کیلئے وہ سیکڑوں روح فرسا مرحلوں سے گذر کر آیا تھا اور جس کی آزادی کی خاطر اس قافلے کے افراد نے بے دریغ اپنا خون بہایا تھا، اور اسے پورا کئے بغیر وہ اپنے اصل نصب العین یعنی آزادیٔ ہند کے لئے بھی کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔

فتنے کی ابتدا

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سید صاحب اور سرداران پشاور کے درمیان مصالحت ارباب فیض اللہ خاں نے کرائی تھی، ارباب نے سید صاحب سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر اب کے سرداروں کی طرف سے کوئی بے جا حرکت یا بے عنوانی سرزد ہوئی تو ان کا ساتھ چھوڑ کر غازیوں کی معیت اختیار کر لوں گا۔ مصالحت سے تھوڑے ہی دن بعد اس نے بھانپ لیا کہ سرداروں کی نیت صاف نہیں، جب اسے مخالفانہ توڑ جوڑ کی اطلاعات ملیں تو صاف دلی سے مولوی مظہر علی صاحب قاضی پشاور کو آگاہ کر دیا کہ ان لوگوں کی نیت میں فتور ہے، یہ غدار بغاوت کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ آپ امیر المومنین کو اطلاع دے کر اپنے لئے مناسب احکام لے لیں۔(۱)

(۱) مولوی صاحب نے سید صاحب کو اطلاع دی تھی کہ ارباب نے ایک معتبر آدمی کی زبان سے حالات سن کر مجھے بتایا کہ سردار غدر پر آمادہ ہیں، نیز کہا تھا کہ اگر سردار مجھے اپنے پاس بلائیں تو آپ کو (مولوی صاحب کو) اس مجلس میں نہیں جانا چاہئے، اگر وہ آپ کو بلائیں تو میں نہیں جاؤں گا۔ (منظورہ ص: ۹۶۴)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب نے مناسب سمجھا کہ عجلت کے بجائے خود حالات کا پورا اندازہ کرنے کے بعد سید صاحب کو لکھیں۔ اس اثناء میں ایک روز سلطان محمد خاں نے انہیں بلایا، وہاں کچھ علماء جمع تھے، یار محمد خاں کے قتل کی باتیں ہو رہی تھیں، مولوی مظہر علی صاحب کے پہنچتے ہی سلطان محمد خاں نے پوچھا کہ میرے بھائی (یار محمد خاں) کو کیوں مارا گیا؟ مجلس کے ہر فرد نے جوش و خروش سے یہی سوال دہرایا۔ مولوی صاحب نے اطمینان سے جواب دیا کہ شور مچانے سے کچھ فائدہ نہیں، اطمینان سے سوال کرو اور ایک ایک بات کا جواب سنتے جاؤ۔ پھر مختلف سوالوں کے جواب میں بتایا کہ خادے خاں اور یار محمد خاں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے کمر باندھی، امیر المومنین نے ہر چند سمجھایا، خان پر کچھ اثر نہ ہوا، لہٰذا جو کچھ پیش آیا، اس کے ذمہ دار امیر المومنین نہیں ہو سکتے؟

غلط بیانیاں

پھر مولوی صاحب سلطان محمد خاں سے مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ اگر آپ کے دل میں اس معاملہ کے متعلق کوئی خلش تھی تو امیر المومنین کی بیعت سے پیشتر اس کا ازالہ کیوں نہ کرالیا؟ سردار نے جواب دیا کہ اس وقت ہمارے علماء سید صاحب کے خوف سے پہاڑوں میں جا چھپے تھے اور ہمیں کچھ معلوم نہ تھا۔ تحقیقات کے بغیر بیعت کرلی نیز یار محمد خاں کو اس وجہ سے خادے خاں کے انتقام کے لئے کھڑا ہونا پڑا کہ خادے خاں نے یار محمد خاں کے ہاتھ پر سرداری کی بیعت کی تھی۔ (۱)

یہ دونوں باتیں غلط تھیں، اس لئے کہ یار محمد خاں کا استاذ اخوند محمد عظیم، سید صاحب کے قیام پشاور کے وقت شہر میں موجود تھا اور اس نے سید صاحب سے ملاقات بھی کی تھی، نیز یار محمد خاں کے قتل کے سلسلے میں علماء سے کیا پوچھنا تھا؟ کیا یہ کہ وہ قتل جائز تھا یا ناجائز؟

(۱) یہ تمام حالات مولوی مظہر علی صاحب نے ایک مکتوب کے ذریعے سے پنجتار پہنچا دیے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس بارے میں سلطان محمد خاں مہینوں پہلے نہ محض علماء سے بلکہ اپنی مجلس کے ہر آدمی سے باتیں کر چکا تھا، پھر اس نے سید صاحب سے کیوں سب کچھ پوچھ نہ لیا؟

امر دوم کی حقیقت یہ ہے کہ اگر خادے خاں نے سید صاحب کے ورود سرحد سے پہلے یار محمد خاں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو یار محمد خاں نے اس وقت یہ مسئلہ کیوں نہ اٹھایا جب خادے خاں سید صاحب کو اپنے ساتھ ہنڈ لے گیا تھا، اور وہاں اپنے زیر اہتمام خوانین و عوام کو بلا کر بیعت کی تھی؟ اس بیعت کے بعد خود یار محمد خاں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، وہ اور خادے خاں دونوں سید صاحب کے زیر قیادت جنگ شیدو میں شریک ہوئے۔ زیدہ کی جنگ سے پیشتر سید صاحب نے صلح کے لئے کوشش فرمائی تھی تو اس موقع پر بھی یار محمد خاں نے کبھی یہ نہ کہا کہ خادے خاں اس کا ماتحت ہے اور ماتحت کے خون کا بدلہ اس کے ذمے ہے۔ وہ بارہ ہزار روپے لے کر خادے خاں کے بھائی، امیر خاں کی امداد کے لئے گیا تھا۔

مولانا شاہ اسماعیل کا مکتوب

مولوی مظہر علی کی طرف سے یہ روئیداد پنجتار پہنچی تو مولانا شاہ اسماعیل نے سید صاحب کے حکم سے ایک مفصل مکتوب مولوی صاحب کے نام بھیج دیا جو مندرجہ ذیل مطالب پر مشتمل تھا:

۱۔ جن لوگوں نے یہ سوال اٹھائے وہ یا تو عالم نہیں، اس لئے انہیں لائق خطاب نہیں سمجھا جا سکتا یا ان کا مقصود تحقیق نہیں، صرف مکابرہ اور فتنہ انگیزی ہے۔

۲۔ خان ہنڈ نے بیعت کے بعد بغاوت کی اور کفار سے مدد لی، لہٰذا اس کے خلاف باغی کا سلوک کیا گیا۔

۳۔ حضرت امیر المومنین نے اس کے وارثوں کو بہت سمجھایا، لیکن وہ نہ مانے اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بغاوت کے مسلک پر قائم رہے۔

۴۔ یار محمد خاں نے باغی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے امام کے خلاف اقدام کیا، یہ فعل شریعت حقہ کے سراسر خلاف تھا۔

۵۔ اس نے ظلم میں ابتدا کی اور بادی بالظلم کا معاملہ شرعاً محتاجِ تصریح نہیں۔

۶۔ سلطان محمد خاں، یار محمد خاں کے نقش قدم پر چلا، لڑائی میں شکست کھا کر تائب ہوا اور اطاعت گزار بنا۔ اب اس کی طرف سے جو سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، وہ سراسر بے محل اور تعجب انگیز ہیں۔

مسئلہ نفاق

ایک اعتراض یہ کیا گیا تھا کہ مشکوٰۃ کی ایک روایت کے رو سے نفاق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد ختم ہو گیا، لہٰذا سرداروں کو منافق کہنا جائز نہیں۔ مولانا نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اسے اگر ظاہر پر حمل کریں تو یہ متعدد آیتوں اور حدیثوں سے متعارض ہوگا۔ مثلاً ایک آیت میں کفار کی دوستی کو مدارِ نفاق قرار دیا گیا ہے اور یہ فعل کسی زمانے سے مختص نہیں۔ ایک آیت میں خدا سے فریب، نماز میں تکاسل، عبادت میں ریا اور قلتِ ذکرِ الٰہی کو نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں: جھوٹ، خیانت اور عہد شکنی، یہ باتیں بھی کسی خاص وقت یا زمانے کیلئے نہیں۔

غرض زیرِ غور قول کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ زمانہ رسالت میں منافقوں کا علم وحی کے ذریعے سے ہو جاتا تھا اب وہ ذریعہ باقی نہیں رہا، اب ہم صرف علامتوں کی بنا پر حکم لگا سکتے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر زمانۂ رسالت میں وحی کے ذریعے منافقین کی قطعی تعیین ہو جاتی تھی، اب تعیین قطعی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں، نہ یہ کہ نفاق ناپید ہو گیا یا کسی میں نفاق کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

علامتیں پائی جائیں تو اسے منافق قرار نہیں دینا چاہئے۔

مولانا نے آخر میں لکھ دیا کہ ان معاملات کے متعلق خود گفتگو چھیڑنے کی ضرورت نہیں، اگر کوئی شخص یہ سوال اٹھائے تو اسے نرمی سے جواب دیں، مباحثے کی نوبت آئے تو ہماری تحریر حوالے کر دیں اور خود ساتھیوں کو لے پنجتار چلے آئیں۔(۱)

مخلصین کی اطلاعات

جس روز قاصد مولانا اسماعیل کا مندرجہ بالا مکتوب لے کر پشاور روانہ ہوا، اسی روز شیخ حسن علی کا بھائی عبدالعزیز دکھاڑا سے پنجتار پہنچا اور عرض کیا کہ مسجد دکھاڑا کے امام سید محمد اصغر کو خوانین سمہ کی ایک سازش کا علم ہوا ہے، جس کا مدعا یہ ہے کہ سید صاحب کے جو غازی دیہات میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں، ان پر رات کے وقت اچانک حملہ کر کے شہید کر ڈالا جائے۔(۲)

سید صاحب کو اپنی پاک نفسی کی بنا پر یقین نہ آیا اور فرمایا:

شیخ بھائی! یہ بات خیال میں نہیں آتی، غلط سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس ملک میں رئیس اور خوانین ہمارے موافق ہیں، ہم کو ان سے ہرگز ایسی امید نہیں۔ غالباً ہمارے اور ان کے درمیان نااتفاقی ڈالنے کیلئے یہ خبر اڑائی گئی ہوگی۔

شیخ عبدالعزیز نے خود یہ بات اپنے بھائی سے سنی تھی تو کہا تھا کہ غلط معلوم ہوتی ہے، کہیں مسلمان بھی مسلمانوں سے ایسی دغابازی کر سکتے ہیں؟ لیکن شیخ حسن علی نے کہا کہ سید محمد اصغر بھروسے کا آدمی ہے، وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا، تم جا کر یہ اطلاع پنجتار پہنچا آؤ۔

(۱) یہ مکتوب پنجتار سے ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۵ھ (یکم نومبر ۱۸۳۰ء) کو پشاور بھیجا گیا۔

(۲) شیخ حسن علی ان کے بھائی عبدالعزیز اور عبدالباقی نیز ان کا بھتیجا عبدالقادر اس زمانے میں سید صاحب کے حکم کے مطابق دکھاڑا میں مقیم تھے، جو پنجتار سے اڑھائی کوس شمال مشرق میں ہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اطلاع دینے والوں میں تورسک (علاقہ بونیر) کا ایک شخص محسن خاں بھی تھا، جسے کوہ کڑہ پر آگ جلانے کے نشان کی اطلاع ایک دوست سے ملی اور اس نے خود پنجتار جا کر غازیوں کو متنبہ کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ نے واپس جا کر اپنے بھائی اور سید محمد اصغر کو سید صاحب کی رائے سنادی تو انہیں بڑا افسوس ہوا، سید محمد اصغر نے دوبارہ شیخ صاحب کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میری اطلاع غلط نہیں، ضروری ہے کہ تمام غازیوں کو فی الفور پنجتار بلالیا جائے اور اس معاملے میں دیر بالکل نہ کی جائے۔ شیخ عبدالعزیز نے دوبارہ حاضر ہو کر معروضہ پیش کیا، سید صاحب نے از راہِ شفقت ان کی پیٹھ تھپکتے ہوئے فرمایا:

> بھائی! یہ بات غلط ہے، سمہ کے خوانین اور ملک ہمارے دوست ہیں، شاید کسی مفسد نے یہ خبر اس غرض سے مشہور کی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے۔ آپ جائیں اور اپنے گھر میں دل جمعی سے بیٹھیں۔(۱)

شیخ عبدالعزیز دوبارہ دکھاڑا پہنچے اور سید محمد اصغر کو سید صاحب کی گفتگو سنائی تو فرطِ قلق سے اس پیکر اخلاص کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ بولا: میری اس بات کو یاد رکھنا، دو تین روز میں حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔(۲)

آتش بغاوت کے ابتدائی شعلے

صحیح تاریخ معلوم نہیں مہینہ نومبر کا تھا کہ منشی امام الدین بمبئی والا پشاور سے آدھی رات کو پنجتار پہنچا۔ محمد امیر خاں قصوری کی روایت ہے کہ میں پہرے پر کھڑا تھا، امیر المومنین برج کے کوٹھے پر محوِ آرام تھے، ایک سوار نے آواز دی۔ میں نے پوچھا کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ جواب ملا: امام الدین بمبئی والا ہوں اور پشاور سے آیا ہوں۔ حضرت کو ابھی اطلاع دو۔

---

(۱) یہ "وقائع" کی روایت ہے۔ "منظورہ" میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ایں مردم وفا تی با ما نسبتے دارند۔ ایں فن غلط خواہد بود۔ (منظورہ ص: ۹۷۴، ۹۷۵)

(۲) "وقائع" میں ہے کہ سید محمد اصغر نے تیسری مرتبہ شیخ حسن علی کو بھیجا، لیکن سید صاحب نے نیک طبعی کی بنا پر اسے دشمنوں کی افسانہ طرازی قرار دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کو اطلاع ہوئی تو برج کی کھڑکی کھول کر پوچھا: کیا بات ہے؟ عرض کیا گیا کہ امام الدین منشی والا پشاور سے آیا ہے، فرمایا: خیر ہے! پھر اسے اوپر بلا لیا۔ پاس پہنچتے ہی اس نے بتایا کہ سرداروں نے مولوی مظہر علی صاحب اور ان کے ساتھی غازیوں، نیز ارباب فیض اللہ خاں کو شہید کر ڈالا۔ میں اپنی تلوار صیقل گر سے لینے گیا تو راستے میں ایک شخص نے مجھے الگ لیجا کر واقعہ شہادت بتایا اور کہا کہ فوراً بھاگ جاؤ ورنہ تم بھی مارے جاؤ گے۔ میں وہاں سے نکلا، ہزار خانی سے گھوڑا لیا، اس پر زین بھی نہ ڈالی، دریا کو عبور کر کے حمزہ علی خاں رسالدار کے پاس پہنچا، ان سے دوسرا گھوڑا لیکر یہاں آیا ہوں۔ (۱)

شہادت کی تفصیل صرف اس قدر معلوم ہو سکی کہ سلطان محمد خاں نے مولوی صاحب کو مشورے کے بہانے ایک کوٹھری میں بلایا، وہاں پہلے سے چند آدمی تلواریں سنبھالے کھڑے تھے۔ جونہی مولوی صاحب کوٹھری میں پہنچے، ان پر ایک دم تلواریں پڑیں اور وہ واصل بہ حق ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کو بعد میں شہید کر ڈالا گیا۔ منشی امام الدین اس وجہ سے بچ گیا کہ قیامگاہ پر موجود نہ تھا، ارباب فیض اللہ خاں کو اس وجہ سے جامِ شہادت پلایا گیا کہ وہ مرحوم قول کا سچا اور عہد کا پکا تھا، سرداروں کی کمینہ حرکتوں کو مذموم جانتا تھا۔ ان کی سنگ دلی اور محسن کشی ملاحظہ ہو کہ جس شخص نے انہیں ریاست واپس دلائی تھی، اسے بھی بے تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یقیناً اس اندیشے کی بنا پر کہ اگر ارباب نے اپنے دعوے کے مطابق غازیوں کا ساتھ دیا تو سازش ناکام ہو جائے گی۔

غازیوں کی کیفیت

غازی اس وقت مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے تھے، میں جہاں تک معلوم کر سکا ہوں، نومبر ۱۸۳۰ء میں یہ کیفیت تھی:

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۱۵۱ تا ۱۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ ایک جماعت شیخ بلند بخت دیوبندی کی ماتحتی میں امب میں مقیم تھی۔

۲۔ ایک جیش حافظ مصطفیٰ کاندھلوی کی سرکردگی میں گڑھی چھتر بائی کی حفاظت کررہا تھا۔

۳۔ ایک جماعت مولوی خیر الدین شیرکوٹی کے ساتھ لوند خوڑ میں تھی۔

۴۔ ایک جماعت پیر خاں مورائیں کے ساتھ کھبل میں بیٹھی تھی۔

۵۔ ایک جماعت مولوی نصیر الدین منگلوری کے زیر سرکردگی ٹوپی میں تھی۔

۶۔ حاجی حمزہ علی رسالدار سواروں اور شاہین خانے کے ساتھ شیوہ میں تھے، وہی مقام ان کا مستقل مرکز تھا۔

۷۔ مولوی حامد علی جھنجھانوی کم وبیش تیس غازیوں کے ہمراہ میٹی میں تھے، جہاں پن چکیوں پر غازیوں کے لئے آٹا پِستا تھا۔ اس وجہ سے میٹی غازیوں کی رسد کا ایک مرکز بن گیا تھا۔

۸۔ خود سید صاحب پنجتار میں تھے، آپ کے ساتھ بھی غازیوں کی خاصی بڑی جماعت تھی۔

۹۔ کچھ مجروح اور بیمار دکھاڑا میں تھے جن کی خدمت پر کئی غازی مامور تھے، غالباً سید صاحب کی بی بی اور دوسری مستورات بھی وہیں تھیں۔

باقی غازی دو دو چار چار کر کے مختلف دیہات میں منتشر تھے۔ انکا ذکر آگے آتا ہے۔

طلبی کا فرمان

سید صاحب نے منشی امام الدین کی بات سنتے ہی مولانا شاہ اسماعیل، شیخ ولی محمد پھلتی، منشی محمدی انصاری اور دوسرے مشیروں سے مشورہ کیا۔(۱) قرار پایا کہ تمام غازیوں

(۱) مولوی سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ منشی خانہ مسجد کے جنوب میں تھا، منشی محمدی انصاری آدھی رات کے وقت بلائے گئے تھوڑی دیر بعد واپس آکر انہوں نے یہ المناک واقعہ سنایا تو فرطِ قلق سے کسی کو نیند نہ آئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو طلبی کا پیغام بھیج دیا جائے، یہ پیغام اسی وقت بھیج دینا چاہیے تھا، لیکن شیخ ولی محمد نے عرض کیا کہ رات کے وقت قاصدوں کا بھیجنا مناسب نہ ہوگا، صبح انتظام کر لیا جائے گا۔

صبح ہوئی تو سید اسماعیل رائے بریلوی کو حکم ملا کہ سید صاحب کی سواری کے گھوڑے پر شیوہ پہنچیں، وہاں مولوی محمد رمضان اور دوسرے غازیوں کو بہ صیغۂ راز یہ خبر سنا دیں اور کہہ دیں کہ سب عجلت کے ساتھ پنجتار آجائیں۔ حمزہ علی خاں کو تاکید کر دی جائے کہ دو دو چار چار سوار مختلف دیہات میں بھیج کر سب غازیوں کو مراجعت کا پیغام پہنچا دیں، مولانا شاہ اسماعیل نے توپیں مسجد کے جنوبی و مغربی گوشے میں نصب کرا دیں۔(۱)

گڑھی امان زئی کا ایک شخص نصر اللہ خاں اس وقت پنجتار میں تھا، وہ سازش میں شریک تھا اور غالباً مخبری کی غرض سے پنجتار پہنچا ہوا تھا۔ غازیانِ پشاور کی شہادت کا واقعہ راتوں رات پنجتار میں سب کو معلوم ہو چکا تھا، اس فیصلے کا بھی علم ہو گیا تھا کہ غازیوں کو بہ تاکید بلا لیا گیا ہے، نصر اللہ فوراً روانہ ہو گیا اور ہر بستی کے لوگوں کو بتا گیا کہ جس کام کے لیے پرسوں رات کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اسے کل رات ہی پورا کر لینا چاہیے۔ اگر یہ نہ ہوا تو غازی سلامت نکل جائیں گے اور سازش بالکل بے نتیجہ رہے گی۔(۲)

فیصلۂ قضا و قدر

بہرحال سید اسماعیل رائے بریلوی شیوہ پہنچے تو حاجی حمزہ علی خاں نے سوار مختلف دیہات میں بھیج دیے، ان کے ذریعے سے یہی پیغام بھیجا جا سکتا تھا کہ جلد سے جلد پنجتار پہنچو۔ اصل واقعہ بتانا قرینِ مصلحت نہ سمجھا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ غازیوں کو فوری روانگی کا

---

(۱) مسجد کی تفصیل کسی روایت میں نہیں بتائی گئی، یعنی آیا اس سے پنجتار کے اندر کی مسجد مراد ہے، یا وہ جگہ جہاں غازی جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ میرا خیال ہے کہ اس سے آخر الذکر مقام مراد ہے۔

(۲) "منظورہ" میں ہے: در دیہات ہمہ جا کہ رسید، در گوش ہمہ راز داران خود ایں افسوں دمید کہ کارے کہ موعد آں پہ شب پس فردا است فردا اگر نہ کنید کار از دست خواہد رفت۔ (ص: ۹۷۷)

احساس نہ ہوا، اکثر نے سمجھا کہ شاید پشاور پر دوبارہ حملہ ہونے والا ہے اور لشکر تیار ہو رہا ہے، اس وجہ سے وہ اپنے دیہاتی دوستوں اور شناساؤں سے بے اطمینان وداعی ملاقاتیں کرتے رہے، ان ملاقاتوں میں دیہاتیوں کو غازیوں کے اوقاتِ روانگی کا بھی علم ہو گیا، حالانکہ اسے مخفی رکھنا بے حد ضروری تھا۔

اب واقعات پر پھر ایک دفعہ نظر ڈال لیجیے۔

۱۔ مولوی مظہر علی کو ارباب فیض اللہ خاں نے بہت پہلے بتا دیا تھا، وہ اس انتظار میں رہے کہ خود سارے حالات کا اندازہ کر کے اطلاع بھیجیں، ایسا نہ ہو کہ عجلت میں کوئی غیر محقق بات سید صاحب تک پہنچانے کے مرتکب ہوں۔

۲۔ سید محمد اصغر امام مسجد دکھاڑا نے دو یا تین مرتبہ تاکیدی پیغامات بھیجے، سید صاحب سمجھتے رہے کہ یہ مخالفوں کی سخن سازی ہے۔

۳۔ واقعۂ پشاور کی اطلاع رات کو مل گئی تھی، اسی وقت قاصد جا بجا روانہ ہو جاتے اور غازیوں کو بے توقف بلا لیا جاتا تو وہ محفوظ رہتے۔ اسے شیخ ولی محمد نے خلافِ مصلحت قرار دے کر توقف میں ڈالا۔

۴۔ سید اسماعیل رائے بریلوی اگر سواروں سے کہہ دیتے کہ بلاوے کے ساتھ اصل واقعہ کی طرف اشارہ بھی کر دینا تو غازی روانگی میں تاخیر نہ کرتے اور حفاظت کے لیے چوکس ہو جاتے۔

۵۔ نصر اللہ خاں گڑھی امان زئی والے کو پنجتار میں روک لیا جاتا تو وہ اہلِ سمہ کو یہ اطلاع نہ دے سکتا کہ موعدِ قتل کو ایک رات مقدم کر لو۔

بہرحال عزیزِ علیم کی تقدیر پوری ہو کر رہی، اگر یہ ناشدنی سانحہ پیش نہ آتا تو دعویٰ کرنا بے شک مشکل ہے۔ لیکن اس حقیقت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ اسلامیانِ ہند کی گزشتہ سوا سو برس کی سرگزشت کا رنگ بالکل مختلف ہوتا:

یک کاشکے بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکتیسواں باب:

مشہد اکبر (۱)

بہ جرم عشق توام مے کشند غوغائے است
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائے است

سرداران پشاور اور اہل سمہ کی سازش سے جس دردانگیز مقتل کا انتظام ہوا، اس کے پورے حالات ہمارے سامنے نہیں آئے، لیکن جو کچھ معلوم ہوسکا اسے بیان کردینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہماری بدبختیوں کی یہ خونچکاں داستان بھی سننے اور عبرت کی غرض سے یاد رکھنے کے قابل ہے۔

مولوی محمد جعفر مرحوم تھانیسری نے بالکل صحیح فرمایا کہ قلم اس واقعہ محزنہ کی تفصیل لکھنے پر جرأت نہیں کرتا۔(۱) لیکن سوانح نگار کے لئے اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ جو کچھ پیش آیا اسے بہر حال بیان کردے، اگرچہ وہ کتنا ہی المناک اور کتنا ہی حزن افزا کیوں نہ ہو۔ بدبختی اور سیہ نصیبی کا اس سے زیادہ قلق انگیز واقعہ کیا ہوسکتا ہے کہ جو جانبازانِ راہِ حق، عزت و حرمتِ اسلام کی تڑپ سے بے تاب ہوکر اور اپنے گھروں کی راحت افروز زندگیوں کو ٹھکراتے ہوئے مہاجر الی اللہ بن کر سرحد پہنچے تھے، تاکہ پہلے اہل سرحد کو اغیار کی ترکتازیوں سے نجات دلائیں، ان کی آزادی کو بچائیں اور اسلام کی برکتوں سے مالا مال کردیں، پھر پورے ملک کے مسلمانوں کو محکومی کی ذلت سے باہر نکالیں، وہ غیروں نہیں بلکہ خویشوں کے ہاتھوں ذبح و قتل کا نشانہ بنے۔ جو غازی اپنی جانیں مسلمانوں کے

(۱) تواریخ عجیبہ ص: ۱۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امن و اطمینان اور راحت و آسائش کے لئے بے دریغ قربان کر رہے تھے، وہ مسلمانوں کی تلواروں سے خاک و خون میں تڑپے۔ جس سرزمین میں مشہدِ اکبر پیش آیا، اگر اس کے ذروں کو آج طاقتِ گویائی مل جائے تو کتنے دل اس داستانِ غم کی تاب لا سکیں گے؟

اسماعیلہ

مولوی مظہر علی کی شہادت کے بعد غازیوں پر حملوں کا آغاز موضع اسماعیلہ سے ہوا۔ حاجی بہادر شاہ خاں سید صاحب سے مل کر گڑھی امان زئی جا رہے تھے، اسماعیلہ پہنچے تو لوگوں نے بہ اصرار ایک رات کے لئے ٹھہرا لیا۔ اہل اسماعیلہ ہی نہیں، ساری رزڑ قوم کو حاجی صاحب سے خاص عقیدت تھی، وہ ٹھہر گئے، انہیں پر تکلف کھانا کھلایا اور عشاء کی نماز میں امام بنایا۔ جب وہ پہلی رکعت کے سجدے میں گئے تو موضع کے خان، اسمٰعیل خاں نے تلوار سے ان کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس مرحوم کی روح پاک سبحان ربی الاعلیٰ کے ذکر میں ڈوبی ہوئی اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔(۱) سبحان اللہ! کیا موت تھی جس پر تقویٰ اور شب بیداری کی سیکڑوں زندگیاں بے تکلف قربان کی جا سکتی ہیں۔

”خندروس کوبی“

حاجی بہادر شاہ خاں کی شہادت کے ساتھ ہی اسماعیلہ میں نقارہ بجا۔ اس کی آواز سن کر بستی بستی نقاروں کا تار بندھ گیا، قرارداد کے مطابق یہ اس امر کا اعلان تھا کہ جو کچھ باہم طے کر چکے تھے، اس پر عمل کا وقت آ گیا۔ بعض مقامات کے غازیوں نے نقارہ کوبی کو غیر معمولی فعل سمجھ کر وجہ پوچھی تو بے دردوں نے بتایا کہ ”خندروس کوبی“ (جوار کوٹنے) کے لئے لوگوں کو جمع کرنا منظور ہے، تاکہ جلد سے جلد اس کام سے فارغ ہو جائیں۔ پھر عشر حضرت امیر المومنین کے پاس پہنچا دیں۔ اصل میں ”خندروس کوبی“ پہلے سے ایک

(۱) منظورہ ص: ۹۸۰، ۹۸۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اصطلاح مقرر کرلی تھی، جس سے مراد غازیوں کا قتل تھا، لیکن غازی بیچارے اس اصطلاح کے حقیقی مطلب سے کیوں کر آگاہ ہو سکتے تھے؟

موضع شیوہ

موضع شیوہ رسالدار کا مرکز تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے وہ سواروں کو مختلف دیہات میں بھیج کر روانہ ہو گئے اور غازیوں کو صحیح حالات کی اطلاع دیے بغیر پنجتار پہنچنے کی تاکید کر کے چلے گئے۔ وہاں کے خوانین میں سے آنند خاں اور مشکار خاں سید صاحب کے سچے عقیدت مند تھے، اور آخر تک عقیدت مند رہے۔ جو غازی شیوہ میں تھے، ان میں سے حافظ عبداللہ، شیخ ناصر الدین، مولوی محمد رمضان اور شیخ گلاب کے سوا کسی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، سید امیر علی اور حافظ عبدالعلی پھلتی (بن حافظ قطب الدین) عشر کی تحریر پر مامور تھے، اور اس سلسلے میں دیہات کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ وہ بھی اتفاقیہ شیوہ پہنچ گئے۔ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں خطرے کا کچھ نہ کچھ احساس تھا، نقارے کی آواز سنی تو بھانپ گئے کہ شرارت ہونے والی ہے۔

سید امیر علی کے پاس بیت المال کا پانچ ہزار روپیہ جمع تھا، انہیں سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ اس روپے کو پنجتار پہنچا دینا لازم ہے، چنانچہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور حافظ عبدالعلی کو ساتھ لے کر گاؤں کے باہر پہنچ گئے۔ پھر حافظ صاحب یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ میں اس نازک وقت میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا، آپ کے پاس بیت المال کی امانت ہے، گاؤں سے باہر آچکے ہیں، آپ چلے جائیں۔ سید امیر علی نے گھوڑا سرپٹ ڈال دیا، راستے میں انہیں ایک جانب ذرا فاصلے پر مفسدوں کا گروہ نظر آیا، لیکن ان میں سے کوئی بھی قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گاؤں کا محاصرہ

بقیہ غازی ہتھیار سنبھال کر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے، اسی وقت آنند خاں اور مشکار خاں دوڑے ہوئے مولوی محمد رمضان کے پاس پہنچے اور بہ منت التماس کی کہ ہمارے ہاں چلے چلئے وہاں کسی کو آپ پر حملے کا حوصلہ نہ ہوگا۔ مولوی صاحب نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس وقت محافظ حقیقی کی حفاظت کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں، اگر یہ لوگ ہمیں ختم کر دینے ہی پر تلے بیٹھے ہیں تو ہم سے بھی اپنے بچاؤ کے لئے جو کچھ ہو سکے گا، اس میں توقف نہ کریں گے۔

گاؤں والوں نے پورے گاؤں کا محاصرہ کر لیا تھا اور باہر نکلنے کے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیے تھے، غازی باہم یہ طے کر کے بیٹھ گئے کہ رات بھر نگہبانی کا بندوبست جاری رہے، دن نکلنے گا تو کسی نہ کسی تدبیر سے محاصرے کو توڑ کر پنجتار چلے جائیں گے۔

شیخ گلاب کا بیان

فیصلے کے مطابق صبح باہر نکلے اور جنگ کرتے ہوئے پنجتار کی طرف چلے، لیکن چند آدمی سیکڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ گاؤں کی ندی تک پہنچتے پہنچتے ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے، صرف شیخ گلاب زندہ بچے، جو پیش آمدہ حالات کے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بے طرح زخمی ہو کر گر پڑا، مفسدوں نے ہتھیار اتار لئے اور مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے، کچھ دیر کے بعد ایک ملا آیا، اس وقت میرے حواس بحال ہو چکے تھے، لیکن اٹھنے کی ہمت نہ تھی، ملا کو میرے حال پر رحم آیا، وہ بستی سے دو آدمیوں کو لایا اور چارپائی پر ڈال کر اپنے گھر لے گیا۔ ایک دن اور ایک رات میری تیمارداری کی، پھر دو آدمیوں سے میری چارپائی اٹھوا کر پنجتار پہنچا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حافظ عبدالعلی

حافظ عبدالعلی کو سید امیر علی کے ساتھ نکل جانے کا موقع مل گیا تھا، لیکن اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور واپس جا کر اپنے مصیبت زدہ بھائیوں میں شامل ہو گئے۔ شیوہ عی میں گاؤں اور ندی کے درمیان کسی جگہ شہادت پائی۔ سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ حافظ صاحب جنگ پھولڑہ میں بھی شریک تھے، وہاں سے سلامت اسب پہنچے تو اپنے خاص رفیقوں کی مجلس میں بار بار حسرت سے کہا کرتے تھے کہ شہادت نصیب نہ ہوئی، کیا معلوم تھا کہ ان کی شہادت غیروں کے ہاتھ سے نہیں بلکہ اپنوں کے ہاتھ سے مقدر تھی۔

غازی محمد حسین ترکئی میں تھے، مولوی امیر الدین اور ریاست علی موہانی یار وسین میں، یہ بھی اسی ہنگامے میں شہید ہوئے لیکن شہادت کی تفصیل بیان کرنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا حالات پیش آئے اور کس طور انہیں سعادت شہادت نصیب ہوئی۔

ترلانڈی

موضع ترلانڈی کے متعلق لکھمیر خاں کا بیان ہے کہ گاؤں والوں نے راتوں رات باہر جانے کے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیے تھے، غازیوں کو اس ناکہ بندی کا علم نہ تھا، خود لکھمیر خاں کو غسل کی حاجت تھی، بڑے تڑکے اٹھے اور ندی کا رخ کیا۔ ایک آدمی نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ بتایا: غسل کیلئے ندی پر جا رہا ہوں، دوسرے نے کہا: ''جانے دو'' ان کا خیال غالباً یہ ہوگا کہ یہ غسل کے بعد واپس آئے گا تو خود بخود مارا جائے گا۔ ابھی تڑکے ہی ہنگامہ برپا ہوا تو دوسرے غازی متنبہ ہو جائیں گے۔

غسل کرتے کرتے اجالا ہو گیا، لکھمیر صرف پاجامہ پہن کر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، اس اثناء میں دو آدمی آئے، ایک نے ان کی تلوار اٹھائی، دوسرے نے کپڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سنبھال لئے۔ سلام پھیر کر دیکھا تو سمجھے کہ خوش طبعی کر رہے ہیں، اچانک ایک نے زور سے مکا مارا اور دھکا دیا، پھر دونوں نے ایک ایک ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے گاؤں کی طرف لے چلے۔

لکھمیر خاں کی صاف گوئی

ان آدمیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ کیوں خواہ مخواہ تکلیف اٹھائیں یہیں اس کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ دوسرا بولا کہ نہیں، اسے بھی وہیں لے جا کر ماریں گے جہاں اسکے ساتھی مرے پڑے ہیں۔ یہ بات سن کر لکھمیر کو اندازہ ہو گیا کہ گاؤں میں کیا کچھ پیش آچکا ہے، اور ان کے ساتھیوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ صاف گوئی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

> یہ بات سنتے ہی میرے دل پر خوف مستولی ہو گیا اور یقینی موت نظر آنے لگی۔ اس وقت اللہ نے مجھے ہمت دی، پورا زور لگا کر ایک جھٹکا مارا اور ہاتھ چھڑا کر سر توڑ بھاگا۔ انہوں نے پیچھا کیا لیکن مجھے پکڑ نہ سکے، پھر سواروں سے جا کر کہا کہ وہ شخص بھاگ گیا ہے، اسے پکڑو۔ چنانچہ ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پیچھے آیا، وہ ندی کے پاس پہنچا تو اتفاق سے اس کا گھوڑا دوسری سمت بھاگ نکلا، سوار میرا پیچھا چھوڑ کر گھوڑے کے تعاقب میں چلا گیا اور میں پیچتار چلا آیا، جن دیہات میں شور تھا ان سے دور دور ہی رہا۔

کچھ معلوم نہیں کہ ترلانڈی میں کتنے غازی تھے۔ ''وقائع'' میں ہے کہ پانچ سوار رہتے تھے، تین ایک حجرے میں دو ایک حجرے میں۔(۱) پیادوں کے بارے میں علم نہ ہو سکا۔

مینئی

مینئی میں غازیوں کے لئے آٹا پستا تھا۔ وہاں غلے اور آٹے کے گودام قائم ہو گئے

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص: ۲۵۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے۔ میر حامد علی جھنجھانوی اس کاروبار کے مہتمم تھے اور بیس پچیس غازی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ مولوی خدا بخش رام پوری بھی انہیں میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بیمار تھا، ایک سوار آیا، حاجی فاضل پشاوری بھی اس کے ساتھ تھا۔ سوار نے مولوی مظہر علی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر سنائی، ساتھ ہی میر حامد علی سے کہا کہ حضرت نے ہر جگہ سے غازیوں کو پنجتار بلا لیا ہے، آپ کو حکم ہے کہ جتنا آٹا موجود ہو وہ اور ہمراہیوں کو لے کر چلے آئیں، میں دوسرے دیہات کے غازیوں کو بھی خبر پہنچانے جا رہا ہوں۔

اتفاق یہ کہ میر حامد علی اپنے سارے اونٹ اور خچر غلہ لانے کے لئے گندف بھیج چکے تھے، انہوں نے فوراً حاجی فاضل کو گندف بھیج دیا کہ اگر غلہ لادا بھی جا چکا ہو تو اسے اتروا کر جانور جلد واپس لے آئیں۔ ظہر اور عصر کے درمیان حاجی صاحب جانور لے کر میتی پہنچ گئے اور اپنے ساتھ کرایے کے گدھے اور خچر بھی لے آئے۔ شام تک آٹا بوریوں میں بھر لیا گیا۔ عشاء تک تمام غازی کھانے سے فارغ ہو گئے۔

پنجتار میں ورود

روانگی کی تیاری مکمل ہو چکی تو میر حامد علی نے میتی کے خان معز اللہ خاں کو بلایا، اس کا بھائی شاہ ولی خاں آیا اور بتایا کہ میرا بھائی پنجتار گیا ہوا ہے، میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ میر صاحب نے کہا کہ مجھے حکم آیا ہے کہ آٹا پنجتار پہنچاؤں، جتنا لے جا سکتا ہوں لے جا رہا ہوں، باقی آٹے اور غلے کی حفاظت آپ کے ذمے ہے۔ ہمارے تین آدمی یہاں رہیں گے، ان کی حفاظت کیجئے۔

عشاء کے بعد میر حامد علی روانہ ہوئے، جھنڈا بوکا اور تو تالی ہوتے ہوئے پنجتار پہنچ گئے۔ سید صاحب نے ایک بڑی جماعت کے ساتھ پنجتار کے جنوبی دروازے پر استقبال کیا، اس قافلے میں کل ستائیس غازی تھے، اسی روز دوپہر کے وقت مولوی نصیر الدین منگلوری اپنے ساتھیوں کو لے کر ٹوپی سے آ گئے، حکم کے مطابق چلے آئے تھے، اگر چہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ٹوپی میں کوئی خطرہ نہ تھا، اس لئے کہ یہ علاقہ سازش میں شریک نہ تھا۔

گودام اور اس کے نگہبان

میر حامد علی نے جن تین آدمیوں کو نگہبانی کے لئے چھوڑا تھا، ان میں سے صرف دو کے نام معلوم ہیں: ایک خدا بخش رام پوری، جو بیمار تھے، دوسرے داؤد خاں خورجوی۔ گودام کے دو بڑے کمرے تھے، ایک میں غلہ اور آٹا رہتا تھا، دوسرے میں غازی مقیم تھے۔ اس کا احاطہ بہت وسیع تھا، اسی رات کھبل سے پیر خاں مورائیں پینتیس غازیوں کے ساتھ پہنچ گئے اور شاہ ولی خاں کی مسجد میں اترے، ان کی طرف سے رمضان یہ پیغام لے کر آیا کہ پینتیس آدمیوں کی رسد دے دی جائے، داؤد خاں نے رسد تول دی، غازیوں نے کھانے سے فارغ ہو کر وہیں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

انتباہ اور حملہ

اس وقت تک غازیوں کے خلاف سازش کی خبر عام ہو چکی تھی، ایک نیک دل ملا نے پیر خاں کو بہ صیغہ راز یہ خبر پہنچائی اور مشورہ دیا کہ یہاں سے فوراً نکل جائیے۔ یہ غازی لمبی منزل طے کر کے پہنچے تھے اور پیش آنے والے حالات کا انہیں قطعاً اندازہ نہ تھا، بولے: ذرا ستا لیں پھر روانہ ہو جائیں گے۔ ملا بیچارے نے دلسوزی سے کہا کہ میں نے سمجھا دیا، اب آپ مختار ہیں۔ غازیوں نے کچھ خیال نہ کیا اور اطمینان سے سو گئے۔

ان میں سے دو آدمی مسجد سے نکل کر گودام میں پہنچ گئے: ایک یوسف علی خاں فرزند حسن علی خاں ساکن دربند، دوسرے حبیب خاں بوتیروال۔ اس طرح گودام میں پانچ غازی جمع ہو گئے اور مسجد میں تینتیس غازی رہے۔ گودام والوں نے باہم فیصلہ کیا کہ چار سو جائیں ایک پہرہ دے۔ یکایک گولی چلی، خدا بخش رام پوری نے پوچھا: پہرے پر کون ہے؟ معلوم ہوا داؤد خاں ہے۔ پوچھا: گولی کدھر سے آئی، جواب ملا: قبلے کی سمت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے۔ پھر دوسری گولی چلی، خدا بخش نے ساتھیوں کو ہوشیار کیا، باہر صحن میں نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہ صرف گودام کا محاصرہ ہو چکا ہے بلکہ پچھواڑے سے بعض لوگ چھت پر پہنچ چکے ہیں۔

گودام کے غازیوں کی کیفیت

گودام کے غازیوں میں سے یوسف علی خاں اور حبیب خاں کے پاس تلواریں بھی تھیں، بندوقیں بھی۔ مولوی خدا بخش کے پاس صرف تلوار تھی اور داؤد خاں کے پاس صرف نیزہ تھا۔(۱) پانچویں رفیق کے پاس صرف لاٹھی تھی۔

خدا بخش کا بیان ہے کہ چھت پر سے پتھر برسنے لگے، داؤد خاں نے ایک آدمی کی طرف نیزہ تانا، اس نے کوٹھے پر سے نیزہ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا، سب غازی کمرے میں گھس گئے اور اندر سے کنڈا لگا لیا۔ بلوائی صحن کی دیواریں پھاند کر اندر گئے۔ گودام کے کمرے کا قفل توڑا اور رسد لوٹنے لگے۔ جس کمرے میں ہم تھے، اس کے پچھواڑے سے دیوار میں نقب لگانے کی آوازیں آئیں۔ ہم نے طے کیا کہ باہر نکلیں۔ دروازہ کھولا۔ بلوائی لوٹ میں لگے ہوئے تھے، میرے چاروں ساتھی صحن کے دروازے کی طرف بڑھے۔ میں بیماری کے باعث کمزور ہو گیا تھا اور زیادہ نہ چل سکتا تھا۔ کھسکتا کھسکتا صحن کے اس حصے میں پہنچا، جہاں دیوار کے ساتھ لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ڈھیر پر سے ہوتا ہوا دیوار پر جا بیٹھا، دوسری طرف ایک ملا کا گھر تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ملا میرے ساتھی داؤد خاں کو لایا اور اپنی اندھی والدہ سے کہا کہ اسے کہیں چھپا دو، میں پھر باہر جاتا ہوں، شاید کوئی اور مظلوم مل جائے اور اسے بچا کر لے آؤں۔

(۱) ''وقائع'' میں ہے کہ داؤد خاں کے پاس بندوق بھی تھی اور اس کا فتیلہ روشن دیکھ کر مفسد چھت پر چڑھ گئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملا کی نیک دلی

یہ سن کر میری ڈھارس بندھی، تلوار میان میں کی، کالے کمبل میں لپٹا ہوا آہستہ آہستہ ملا کے گھر میں اتر گیا اور صحن میں توت کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ اس اثناء میں ملا کی بیوی باہر نکلی، وہ کہہ رہی تھی کہ اس گاؤں کے لوگ کافر ہو گئے ہیں اور بیچارے غازیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑی، پوچھا: ہندوستانی ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، وہ مجھے بھی اندر اس جگہ لے گئی جہاں داؤد خاں پہلے سے موجود تھا، پھر یوسف علی خاں کو ملا لے آیا۔

اس طرح رات کو تو بچ گئے، لیکن یہ اندیشہ لگا رہا کہ صبح ہونے پر دیکھئے کیا پیش آئے۔ ملا نے داؤد خاں اور یوسف علی خاں کو صبح ہونے سے پہلے پہلے باہر بھیج دیا، خدا بخش بیمار ہونے کے باعث جا نہیں سکتے تھے، صبح ہوئی تو بلوائیوں نے خانہ تلاشی شروع کی۔ ملا کے گھر پہنچے تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ میرے پاس تین غازی تھے، دو چلے گئے، تیسرا بیمار ہے، اسے ہرگز نہ دوں گا۔ اگر زور سے کام لو گے تو میں بھی اپنے ساتھیوں کو بلا کر لڑائی کروں گا، اس طرح خدا بخش کی جان بچی۔

یوسف علی خاں

یوسف علی خاں آٹھ دس برس کا ہوگا، جب اس کا باپ حسن علی خاں، سکھوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوا۔ ماں نے شہید کی اکلوتی نشانی کو ناز و نعمت سے پالا، سن بلوغ کو پہنچا تو سید صاحب کی بیعت کر کے غازیانِ اسلام میں داخل ہو گیا۔ بے درد قاتلوں کے نزدیک انسانیت اور اسلامیت کے ایسے گراں بہا گوہروں کی بھی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، ان پر ایک جنون سوار تھا اور جنون کی حالت میں ہر فدا کارِ حق کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گئے تھے۔ فکر و نظر کی عجائب کاریاں ملاحظہ فرمایئے کہ جو تلواریں غیروں کے ظلم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وتعدی کو روکنے کے لئے نہ اٹھیں، جو تلواریں مسلمانوں کی مظلومیت ختم کرنے کے لئے بلند نہ ہوئیں، جو تلواریں امن، ناموس اور آزادی کے بچاؤ کے لئے بے نیام نہ ہوئیں، وہ ان لوگوں کی گردنوں پر بے دریغ چلنے لگیں جو کلمۂ حق کی سربلندی کیلئے جانیں ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے۔

یوسف علی خاں نے ملا سے کہا کہ مجھے زیدہ کے راستے پر ڈال دیجئے، وہاں فتح خاں خان خیل میرا ہم قوم اور دوست ہے، اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ داؤد خاں بوڑھے تھے، وہ اپنے ایک دوست مدد خاں کے پاس چلے گئے، جو حاجی خیل میں تھا۔

مسجد پر یورش

اب پیر خاں اور ان کے ساتھیوں کا حال سنئے جو تھکے ماندے آئے تھے، اور تھوڑی دیر آرام کی غرض سے مسجد میں ٹھہر گئے تھے۔ راتوں رات اس مسجد کے گرد گھیرا ڈال لیا گیا، علی الصباح لڑائی شروع ہوگئی۔ خدا بخش رام پوری نے اپنی پناہ گاہ سے ملا کو بھیجا کہ ان کی خبر لائیے۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ ابھی جنگ ہو رہی ہے، غازیوں کے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں، بلوائی چھتوں پر بھی بندوقیں اور پتھر لئے بیٹھے ہیں۔ غازیوں کی گولیاں ان تک نہیں پہنچتیں۔

غازیوں کے پاس مقابلے کے لئے سامان نہ رہا تو مسجد کے اندر چلے گئے، کسی کو ان کے قریب جانے کی جرأت نہ تھی، آخر بلوائیوں نے فیصلہ کیا کہ مسجد کو آگ لگا دی جائے یا اسے ڈھا دیا جائے۔ پھر چند علماء اور سید آگئے، انہوں نے بلوائیوں سے کہا کہ غازیوں کو کیوں مارتے ہو؟ یہ حاجی مہاجر ہیں تمہارا انہوں کیا بگاڑا ہے؟ بعض عورتوں نے بھی اس ظلم کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ بستی میں جو ہندو رہتے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ تمہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روپے چاہئیں تو ہم سے لے لو اور ان غازیوں کو ہمارے حوالے کردو۔ ہم انہیں سید بادشاہ کے پاس پہنچادیں گے۔ شاہ ولی خاں (برادر معز اللہ خاں رئیس میلی) بھی دوڑا آیا اور بولا میں اپنی مسجد کو نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔ بلوائیوں نے کسی کی نہ سنی اور مسجد کو آگ لگانے کا فیصلہ ہوگیا۔

کربلا زار

غازی یہ سب باتیں سن رہے تھے، جب انہیں یقین ہوگیا کہ خانۂ خدا میں بھی امن سے بیٹھے رہنے کی کوئی صورت نہیں رہی تو تلواریں سونت کر باہر نکل آئے۔ پیر خاں غالباً سب سے آگے تھے، اتفاق سے انہوں نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑے۔ ایک جوان نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، پوری جماعت بہ جانب مشرق روانہ ہوگئی، ان کے پاس کوئی نہیں آتا تھا، بلوائی ان کا چھوڑا ہوا مال واسباب لوٹنے لگے۔ غازی ندی پر پہنچ گئے، رات بھر کے پیاسے تھے، بے اختیار پانی پر لپکے، اس اثناء میں ایک ہجوم عظیم ان کے سر پر پہنچ گیا، غازی ندی کے بہاؤ میں تھے، ان پر پتھروں اور نیزوں اور تلواروں کی بارش شروع ہوگئی، صرف آٹھ آدمی بچ کر اِدھر اُدھر نکل سکے، پچیس یا چھبیس اسی ندی میں ابدی نیند سوگئے۔

حبیب خاں بونیروال

حبیب خاں بونیروال سولہ برس کا نوجوان تھا، وہ گودام سے نکلا تو سیدھا مسجد میں پہنچا اور اپنے ساتھیوں میں شامل ہوگیا۔ بلوائی اسے بار بار آوازیں دیتے تھے کہ تم ہمارے پاس چلے آؤ، کوئی گزند نہ پہنچائیں گے، لیکن اس جوانمرد کی زبان سے ہر مرتبہ یہی جواب نکلتا:

> مجھے تمہارے ساتھ جینا منظور نہیں، غازیوں کے ساتھ درجۂ شہادت پانا میرے لئے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس طرح خدائے قدیر کی بارگاہ میں اعلیٰ مرتبہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملے گا۔

جب غازی مسجد سے باہر نکلے تو ایک بلوائی نے حبیب خاں کے سر پر تلوار مارنی چاہی، دوسرے نے اسے روک دیا، بالاکوٹ کے معرکے تک یہ عالی قدر مجاہد غازیوں کے ساتھ رہا۔

خدا بخش رام پوری جس ملا کے گھر میں تھے، اس نے بتایا کہ اصل شرارت معز اللہ خاں کی ہے، جو خود تو تالی میں بیٹھا ہے اور جگہ جگہ آدمی بھیج کر بلوے کرائے۔ پیر خاں کے متعلق یہ افواہ مشہور کی کہ اس کے پاس بہت بڑی رقم ہے، بلوا ہو چکا تو واپس آیا اور ریاکاری کے طور پر کہتا رہا کہ میں ہوتا تو کبھی کچھ نہ ہونے دیتا۔ بعد ازاں ندی کے پاس پہاڑ کے دامن میں بڑا گڑھا کھدوا کر غازیوں کی لاشیں دفن کرائیں، معلوم نہیں اس گنج شہیداں کا کوئی نشان اب تک باقی ہے، یا نہیں۔

ظلم کی تیرگی میں نیکی کی کرنیں

ایک ملا کی نیک دلی کے واقعات ہم پہلے بتا چکے ہیں، میٹئی میں ایک اور صاحب بھی تھے، جنہوں نے دو غازیوں کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی: ایک سید حیدر علی کاکوری تھے، دوسرے کا نام معلوم نہیں اور اسے ''شاہ جی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اس نیک دل بزرگ کا نام سید محمد تھا، خدا بخش رام پوری کا حال معلوم ہوا تو اسے بھی ملا کے گھر سے اپنے گھر لے گیا، سید حیدر علی کا پاؤں سخت زخمی تھا اور وہ چلنے سے معذور تھے، انہیں اپنے پاس رکھا۔ خدا بخش رام پوری اور ''شاہ جی'' کو ملا صاحب کوٹھا کے پاس پہنچا دیا جہاں چار اور غازی تھے، پھر ملا صاحب نے اپنے پانچ شاگردوں کی حفاظت میں انہیں پنجتار بھیج دیا۔

غازیوں کا داعیۂ قربانی

آپ نے اہل سمہ کی شقاوت و سنگ دلی کے لرزہ خیز مناظر دیکھ لئے، اب غازیوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لی ہمت، للّٰہیت اور داعیۂ قربانی کا نقشہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

میٹئی کے سید محمد ایک روز مولوی خدا بخش سے باتیں کر رہے تھے، غازیوں کی خلوصیت کا ذکر چھڑ گیا تو بے اختیار اشکبار ہو گئے۔ خدا بخش نے کہا:

> ہم شوقِ شہادت ہی لے کر اس دور دست مقام پر آئے تھے، جو لوگ شہید ہوئے وہ مراد کو پہنچ گئے جو باقی ہیں ان کی آرزو بھی یہی ہے کہ راہِ حق میں جانیں دیدیں، اللہ تعالیٰ ہمارے امام کو سلامت رکھے، ان شاء اللہ ان کی برکت سے پھر جہاد کا سامان ہو جائے گا۔

یعنی:

من و دل گر فدا شدیم چہ باک
غرض اندر میاں سلامت اوست

سید صاحب کی سعیٔ جہاد

مولوی خدا بخش ملا صاحب کوٹھا کے پاس تھے کہ وہاں بھی ایک روز ایسی ہی گفتگو چھڑ گئی، مولوی صاحب نے کہا:

> جو لوگ شہید ہوئے وہ گھر سے یہی ارادہ لے کر آئے تھے، لیکن ہر شخص کا خیال تھا کہ کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نصیب ہوگا، یہ خیال نہ تھا کہ اسلام کے مدعی اس سلسلے میں کفار کی نیابت کریں گے۔

پھر مولوی صاحب نے مثال بیان کی کہ ایک عالی جاہ بادشاہ نے ایک شخص کو باغ کا داروغہ بنایا، وہ دل و جان سے باغ کی خدمت کرتا تھا، ہر درخت کو پانی دیتا، سارا باغ سرسبز و شاداب ہو کر بار آور ہوا اور سال بہ سال پھل دینے لگا۔ اچانک نمک حراموں نے موقع پا کر درخت کاٹ ڈالے اور باغ کو ویران کر دیا۔

اس مثال میں سید صاحب کی سعیٔ جہاد اور اس میں اہلِ سمہ کی غلط اندازی کی کتنی صحیح، عمدہ اور عبرت انگیز تصویر کھینچی گئی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بتیسواں باب:

مشہد اکبر (۲)

سرِ گلہ اختصار مے باید کرد یک کار ازیں دو کار مے باید کرد
یا سر بہ رضائے دوست می باید داد یا قطع نظر ز یار مے باید کرد

مولوی خیر الدین شیر کوٹی

ہم بتا چکے ہیں کہ سلطان محمد خاں سے صلح کے بعد مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو لوند خوڑ میں متعین کر دیا گیا تھا، کاٹ لنگ اور آس پاس کے دوسرے مواضع بھی انہیں کی تحویل میں تھے۔ مولوی صاحب کے ساتھ کم و بیش ستر ہندوستانی اور قندھاری غازی تھے، انہیں تین جماعتوں میں بانٹا۔ قندھاریوں کو گاؤں کی شمالی مسجد میں ٹھہرایا، دوسری جماعت کو میر عبد الرحمن کی سرداری میں وسطِ دہ کی مسجد میں بٹھایا، تیسری جماعت اپنے ساتھ رکھی اور جنوبی مسجد میں مقیم ہوئے۔ لوند خوڑ اس زمانے میں بہت بڑا گاؤں بلکہ قصبہ تھا، اس کے اردگرد ندیاں بہہ رہی تھیں، جن کی وجہ سے حفاظت کا قدرتی سامان ہو گیا۔ قصبے میں کم و بیش ایک سو دکانیں جیوں کی تھیں اور چھ ملک تھے۔

مولوی صاحب نے حسنِ تدبیر سے تمام لوگوں میں ہر دلعزیزی پیدا کر لی اور وعظ و تذکیر سے انہیں شریعت کے پابند بنا دیا۔ تمام ملکوں کو جمع کر کے کہا کہ خود اپنے اپنے حلقے میں اجراءِ احکامِ الٰہی کے لئے سبقت کرو، مجھے مداخلت پر مجبور کیا تو آپ لوگوں کی برتری زائل ہو جائیگی۔ جو کام ضروری ہیں، ان میں آپ ہی لوگوں کا فائدہ ہے، مثلاً نماز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روزے کی پابندی، عشر کی ادائیگی، بالغ لڑکیوں کا نکاح اوران کی رخصتی میں عجلت ۔ ملک مولوی صاحب کے طرزِ عمل سے اتنے خوش ہوئے کہ سب مخلص معتقد بن گئے ۔

حادثۂ پشاور کی اطلاع

اس اثناء میں نور محمد قندھاری گڑھی امان زئی سے ایک خط لایا جس میں حادثۂ پشاور کی کیفیت درج تھی، یعنی یہ کہ مولوی مظہر علی صاحب، ان کے ساتھی غازی اور ارباب فیض اللہ خاں کو شہید کر ڈالا گیا۔ مولوی صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ لوند خوڑ سے امان زئی پہنچ جائیں تاکہ دونوں مقامات کے غازی یکجا بیٹھ کر نا سازگار حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ مولوی صاحب کو یہ تجویز پسند نہ آئی، اس لئے کہ فتنہ و ہنگامہ کے دوران میں گڑھی امان زئی تک پہنچنا دشوار تھا، راستے میں قدم قدم پر لڑائی کا خطرہ تھا اور غازیوں کے پاس بقدرِ کفایت سامانِ جنگ نہ تھا۔ اسی روز دو پہر کے وقت سید صاحب کا فرمان پہنچ گیا کہ کارِ ضروری درپیش ہے، آپ قاضی موضع کو قائم مقام بنا کر اور ایک ملک کو ساتھ لے کر پنجتار پہنچ جائیں۔

رفیقوں سے مشورہ اور ہدایات

مولوی صاحب نے اپنے تمام رفیقوں کو جمع کر کے سارے حالات بے کم و کاست سنا دیے، پھر کہا کہ آپ مجھے اپنا سردار سمجھتے ہیں، وقت بے حد نازک ہے، اس میں استقامت کی اشد ضرورت ہے۔ میری صرف ایک درخواست ہے کہ جو کچھ کہوں، اس پر بے چون و چرا عمل کرتے جائیں اور عقل دینے کی کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ جن حالات سے ہمیں سابقہ پڑا ہے، اس میں مختلف مشوروں سے طبیعت پراگندہ ہوتی ہے اور استقامت میں ضعف آتا ہے۔ اگر مجھ سے خدانخواستہ کوئی فعل خلافِ مصلحت سرزد ہوگا تو اس کیلئے عنداللہ جواب دہ ٹھہروں گا۔ آپ لوگ ہوشیار ہو جائیں، ہتھیاروں کو ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لمحہ کے لئے بھی بدنوں سے الگ نہ کریں۔ ہمارے جو بھائی شہید ہوئے، غفلت میں شہید ہوئے۔ ہم ستر آدمی ہیں، جب تک سیکڑوں کو نہ مارلیں گے اپنا خون زمین کے حوالے نہیں کریں گے۔

میں مصلّے پر بیٹھ کر ملکوں کو بلاتا ہوں، دو بندوقچی بندوقیں بھر کر میرے پیچھے کھڑے ہو جائیں، چار قرابین دار صحن مسجد کے نیچے رہیں۔ اگر ملک اپنے آدمیوں کو لے کر یورش کریں اور لڑائی چھڑے تو سب سے پہلے ملکوں کو مارا جائے، اگر وہ مسجد میں آ جائیں تو حتی الامکان انہیں باہر نہ نکلنے دیا جائے۔

ملکوں کی آمد

مولوی صاحب خود مصلّے پر بیٹھ گئے کچھ آدمی تحصیل زر کیلئے بازار میں بھیج دیے، کچھ آدمی ملکوں کو بلانے کیلئے ارسال کر دیے۔ تحصیل زر کا حکم سن کر ایک غازی نے کہا: مولوی صاحب! یہ کیا غضب کر رہے ہیں، تحصیل زر کا یہ کونسا موقع ہے؟ مولوی صاحب بولے میں نے کہا نہیں تھا کہ مجھے عقل دینے کی کوشش نہ کرنا، جو کچھ کہوں کرتے جانا؟ (۱)

ملک آئے تو مولوی صاحب انہیں مسجد کے اندر لے گئے اور سید صاحب کے فرمان سے مطلع کرتے ہوئے کہا کہ یقینی طور پر تو معلوم نہیں، کونسا ضروری کام درپیش ہے۔ میرا خیال ہے کہ مداخلیوں پر لشکر کشی کا فیصلہ ہو چکا ہے اور مجھے پنجتار ہوتے ہوئے گڑھی چھتربائی پہنچنا چاہیے، جو میرا اصل مقام ماموری ہے، تاکہ مجاہدین کیلئے رسد اور دوسری ضروری چیزوں کا انتظام کر سکوں۔ آپ لوگ جس ملک کو میرے ساتھ بھیجنا چاہیں، اس کا فیصلہ ابھی کر لیں۔

(۱) اس تدبیر کا مدعا یہ تھا کہ گاؤں والوں پر ثابت ہو جائے کہ غازی نہ ہراساں ہوئے نہ ان کے عام انتظامات میں کوئی فرق آیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انتظامات

ملکوں نے فیصلہ کیا کہ ملک صدر الدین ساتھ جائے، مولوی صاحب نے اسے مسجد ہی میں روک لیا۔ عصر سے مغرب تک ایک سو پچیس روپے عشر کے جمع ہوئے، پھر مولوی صاحب نے سارے انتظامات قاضی کے حوالے کئے، روانگی سے پہلے:

۱۔ جمع شدہ غلے کا بڑا حصہ ملکوں میں بانٹ دیا، صدر الدین کو دوہرا حصہ دیا، جو غلہ باقی بچا وہ پورا قاضی کے حوالے کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اگر ہم زندہ رہے تو واپس لے لیں گے، مارے گئے تو سارا غلہ آپ کا ہوگا۔

۲۔ اطلاع ملی کہ وسط دیہ کی مسجد کے سامنے کچھ لوگ بہ ارادۂ فساد جمع ہو رہے ہیں، مولوی صاحب دو آدمی لے کر اس مسجد میں پہنچے، دیکھا تو واقعی مسجد کے ایک جانب چالیس پچاس بندوقچی بیٹھے تھے۔ ان سے بے باکانہ کہا کہ یہ تماشہ کی جگہ نہیں، یہاں کیوں آئے؟ لڑنے کی خواہش ہے تو یقین رکھو کہ بری طرح مارے جاؤ گے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوں گے، خیر اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔ اپنے غازیوں سے کہا کہ ہتھیار سنبھال لو، ان لوگوں کی نیت بری معلوم ہوتی ہے۔ مولوی صاحب کی یہ بے باکی دیکھ کر وہ لوگ منتشر ہو گئے اور مولوی صاحب اپنے آدمیوں کو بہ اطمینان نکال کر اپنے پاس لے گئے۔

۳۔ ملا لعل محمد قندھاری کی جماعت کو بھی لانا چاہتے تھے لیکن کسی نے آکر بتایا کہ وہ پشاور روانہ ہو گئے، یہ حقیقت میں ملا لعل محمد کی ایک تدبیر تھی جس کی کیفیت آگے چل کر معلوم ہوگی۔

۴۔ قاضی کو پشاور کے حادثے اور غازیوں پر جابجا مفسدوں کی یورش کا علم ہو چکا تھا، مولوی صاحب سے کہا کہ ٹھہر جائیے، حفاظت میرے ذمے ہے، جب تک میں خود

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور میرا بھائی نہ مارے جائیں گے، آپ کو خفیف سا آزار بھی نہ پہنچے گا۔ مولوی صاحب نے ان کے اخلاص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو مروا کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟ آج نکل جانا جتنا آسان ہے، اتنا کل نہیں رہے گا۔

روانگی اور منزلِ مقصود

رات کے وقت مولوی صاحب ملک صدرالدین کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، ابتدا میں رُخ پنجتار کی طرف رکھا، جب کچھ مسافت طے ہوگئی تو دفعۃً ''پڑان غار'' کا رخ کرلیا، جہاں پہنچنا نسبتاً سہل تھا، نیز وہاں کے ملک پر پورا بھروسا تھا۔ پنجتار پہنچنے میں کم از کم تین روز لگتے اور غازیوں کے پاس تین روز کی جنگ کا سامان نہ تھا۔ مولوی صاحب نے پہلے ہی سے پڑان غار جانے کا ارادہ کر رکھا تھا، لیکن جب تک لوند خوڑ میں رہے کسی کو اس راز سے آگاہ نہ کیا۔ ملک صدرالدین بھی مولوی صاحب کی دانائی اور احتیاط کوشی پر حیران رہ گیا۔

رات موضع جلالہ کی ندی پر بسر کی، صبح کے وقت وہاں کے رئیس کو بلایا اور بات چیت کی۔ سید صاحب کو اطلاع بھیجنی ضروری تھی، ایک طالب علم سے کتاب لی اور اس کے اندر کسی جگہ یہ سطریں لکھ دیں:

> تا ایں جا (جلالہ) از فضل و کرمِ خدا آمدیم و در پڑان غار ے رویم، آنجناب دعا فرمانید کہ باز زیر قدم آنجناب حاضر شویم۔
>
> **ترجمہ**: ہم خدا کے فضل و کرم سے یہاں تک پہنچ گئے ہیں اور پڑان غار جا رہے ہیں، دعا فرمائیں کہ پھر آپ کے قدموں میں حاضری نصیب ہو۔

سفر کے شدائد

جلالہ سے بھوکے روانہ ہوئے، ایک گاؤں ویرانے میں ملا تو وہاں کھچڑی پکوائی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چاہی، دکانداروں سے معلوم ہوا کہ چاول نہیں ملتے۔ گاؤں کے ملک کو روپے دیے، وہ انتظامات میں لگ گیا تو معلوم ہوا کہ اس ملک نے ورگئی سے لشکر منگایا ہے، خدا جانے کب آجائے، پھر کیا پیش آئے، لہٰذا پھر بھوکے نکل پڑے۔ رات کے وقت اگلے گاؤں میں پہنچے، معلوم ہوا کہ وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے غازیوں سے کہا کہ آپ آرام کریں، خود کھچڑی پکوائی، پک چکی تو سب کو جگا کر کھلائی۔

وہیں اطلاع ملی کہ ملا لعل محمد قندھاری مع جماعت دو کوس پر ایک موضع میں اترے ہیں، مولوی خیر الدین نے آدمی بھیج کر انہیں بھی بلا لیا اور کھچڑی کھلائی۔

ملا صاحب نے جب لوند خوڑ میں دیکھا کہ حالات ابتر ہو رہے ہیں اور لوگ فساد پر آمادہ ہیں تو اپنی جماعت کو لے کر یہ اعلان کرتے ہوئے نکل پڑے کہ اب سید صاحب پشاور پہنچ کر سلطان محمد خاں کی ملازمت کر لوں گا۔ جب گاؤں سے باہر پہنچے تو سوات کا راستہ اختیار کر لیا، غرض یہ تھی کہ سوات سے بونیر ہوتے ہوئے پنجتار پہنچ جائیں۔ موضع ٹوٹی میں ٹھہرنے لگے تو لوگ فساد پر آمادہ ہو گئے، ناچار اپنے بیس ساتھیوں سمیت اس گاؤں میں پہنچے جہاں سے مولوی خیر الدین نے انہیں بلایا۔

پڑان غار میں قیام

تمام غازی کھانا کھا چکے تو پھر چل پڑے، پڑان غار کے پاس ندی پر پہنچ کر باقی رات گزاری، صبح ہوئی تو ملک کو بلایا۔(۱) وہ آیا تو بولا: مولوی صاحب! آپ نے کیوں مجھے غیر سمجھا؟ میں تو حضرت امیر المومنین کا سچا ارادت مند ہوں۔ راستے میں کیوں ٹھہرے اور سیدھے گھر کیوں نہ چلے آئے جو میری طرح آپ کا بھی گھر تھا؟ پھر ساتھ گاؤں میں لے گیا، تمام غازیوں کو تین وقت کا کھانا اپنے ہاں سے کھلایا، پھر مولوی

(۱) اس کا نام لعل محمد تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب نے بہ اصرار اسے روک دیا اور سب میں معمول کے مطابق رسد بٹنے لگی۔ پورا ایک مہینہ پڑان غار میں بسر ہوا، پھر سید صاحب کا حکم پہنچا کہ محمود خاں (ساکن تنگی) کو بھیجا جارہا ہے، جس راستے سے ممکن ہو، اس کے ساتھ آجایئے۔(۱)

سفرِ پنجتار

محمود خاں دس بارہ آدمی لے کر پہنچ گیا، مولوی صاحب نے غازیوں کو حکم دے دیا کہ دو روز کے لئے روغنی روٹیاں تیار کرلو، روانہ ہوئے تو ملک لعل محمد نے اپنے بھانجے کو بھی ساتھ کر دیا۔ پڑان غار سے گڑھی اور رنگ شاہ میاں پہنچے(۲) تو بارہ آدمی پاؤں میں چھالے پڑ جانے کے باعث چلنے سے معذور ہو چکے تھے، انہیں گڑھی کے سید کی تحویل میں چھوڑ کر گھڑیالہ پہنچے۔ منصور خاں گاؤں سے باہر منتظر تھا، اس نے کہا کہ پہاڑ پر دو رہبر بٹھا رکھے ہیں، مصلحت اسی میں ہے کہ سفر جاری رکھا جائے اور قیام نہ کیا جائے۔ مولوی صاحب کو یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی، منصور خاں نے از راہِ خلوص کہا کہ خفگی نہ فرمائیں، آپ بے شک ٹھہر جائیں، صبح میں بھی اہل و عیال کو لے کر ساتھ ہو جاؤں گا، اس لئے کہ جب اہلِ سمہ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے رات میرے ہاں گزاری ہے تو میرے لئے یہاں رہنا غیر ممکن ہو جائے گا۔

مولوی صاحب نے سفر جاری رکھا، مزید پندرہ آدمی معذور ہو چکے تھے، انہیں منصور خاں کے پاس چھوڑ دیا، ساری رات سفر میں گذری اور صبح کی نماز تیمم سے ادا کی۔ شیدہ

---

(۱) محمود خاں سید صاحب کا مخلص مرید تھا، رنج و راحت میں برابر شریک رہا، بالاکوٹ کے معرکے میں شامل نہ ہو سکا۔ سید صاحب نے مولوی صاحب کو پڑان غار سے لانے کے لئے مولانا اسماعیل کے ساتھ مشورہ کیا تھا تو انہوں نے عرض کیا تھا کہ یہ سفر خالی از خطرہ نہیں، بہتر یہ ہے مولوی صاحب کو ادھر ہی سے ہندوستان بھیج دیا جائے۔ محمود خاں نے حفاظت کا ذمہ اٹھایا تو سید صاحب نے انہیں پنجتار بلا لیا۔

(۲) یہ لوند خوڑ سے دو کوس پر تھا، معلوم ہوا کہ اب وہاں کوئی گاؤں نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے پاس سے گذر رہے تھے تو وہاں کا ایک آدمی ملا، مولوی صاحب نے تفنناً اس سے کہا: اپنے گاؤں والوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ لونڈ خوڑ کے جس مولوی کے انتظار میں تم نے راتیں گزاری ہیں، وہ صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے، حوصلہ ہے تو اُٹھو اور اسے پکڑ لو، ورنہ عمر بھر حسرت میں مبتلا رہو گے۔

ایک گھڑی دن چڑھے فتح خاں پنجتاری کے گاؤں میں پہنچ گئے، سید صاحب نے پنجتار سے نکل کر درے میں استقبال کیا۔ مولوی خیر الدین اور ان کی جماعت کے لوگوں کو ''زندہ شہید'' کا لقب ملا۔ مولوی صاحب کی دانشمندی، معاملہ فہمی، ہمت اور استقامت کا اندازہ کیجئے، اتنے نادر اوصاف کا جامع کس جماعت اور قوم کیلئے زیادہ سے زیادہ عزت وشرف کا باعث نہ ہوگا۔

سدم کے حالات

حاجی محمود خاں اور حاجی بہادر شاہ خاں کو سید صاحب نے جب تحصیل عشر کے لئے مقرر فرمایا تھا تو یاد ہوگا کہ مولانا شاہ اسماعیل نے اس سے اختلاف کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ کام تدبیر و دانشمندی کا ہے، شجاعت کا نہیں۔ ایسے آدمیوں کو مقرر کرنا چاہئے جو صاحب تدبیر و دانش ہوں، حاجی بہادر شاہ خاں اسماعیلہ میں شہید ہو چکے تھے، حاجی محمود خاں پندرہ غازیوں کے ساتھ سدم میں مقیم تھے، بلوہ ہوا تو محمود خاں اپنی جماعت کو لے کر گاؤں سے باہر ندی پر جا ٹھہرے، گاؤں والے انہیں دور سے آوازیں دیتے تھے، قریب کوئی نہیں آتا تھا۔ اس اثناء میں جبین خاں رئیس سدم بھی پہنچ گیا، اسی نے اسماعیلہ میں حاجی بہادر شاہ خاں کو شہید کرایا تھا، حاجی محمود خاں کے پاس بیٹھ کر ریاکاروں کی طرح اظہار اخلاص کرنے لگا اور بولا: دن کو تو ممکن نہیں، ذرا ٹھہر جایئے، رات کو پنجتار پہنچا دوں گا۔ محمود خاں اس کے فریب میں آ گئے اور جس دامِ بلا سے رہائی پا چکے تھے، اس میں خود

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوبارہ جا پھنسے۔

سنگ دلی کی حد ہو گئی

غازی گاؤں میں پہنچ گئے تو مبین خاں نے چکنی چپڑی باتیں کر کر کے ان کے ہتھیار بھی لے لئے، سب نہتے ہو گئے تو ایک دم ان پر حملہ بول دیا۔

مولوی سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:

> ہر کسے را بہ بے رحمی تمام بہ زخمہائے شمشیر وکارد تمام ساختند، بعضے را برزمیں غلطانیدہ چوں میش و بز ذبح کردند، چنانکہ عظیم اللہ خاں برادر حاجی محمود خاں را پدر زوجۂ شاں بہ سینہ سوار شدہ ذبح نمود، ہمہ ایں گروہ قربان راہ مولائے حقیقی شدند۔(۱)

> **ترجمہ**: ہر شخص کو تلوار اور چھری سے بے دردانہ شہید کر ڈالا، بعض کو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح زمین پر لٹا کر ذبح کر دیا گیا، مثلاً عظیم اللہ خاں برادر حاجی محمود خاں کو اس کے خسر نے چھاتی پر بیٹھ کر ذبح کیا۔ اس طرح یہ گروہ اپنے مولائے حقیقی کی راہ میں قربان ہو گیا۔

حیرت اس بات پر ہے کہ حاجی محمود خاں سدم والوں کے ہم قوم تھے، اسی وجہ سے ان کے بھائی نے سدم میں شادی کی تھی، لیکن سنگ دلی ملاحظہ ہو کہ خسر نے چھری لے کر اپنے داماد کو ذبح کیا اور بیٹی کو بیوہ بنایا۔ ستر آدمیوں میں سے صرف دو اس طرح بچے کہ بھاگ کر ایک بڑھیا کے گھر میں گھس گئے، اس نے از راہِ خدا ترسی انہیں بھس میں چھپا دیا، بعد میں وہ راتوں رات پنجتار پہنچ گئے اور یہ خونچکاں داستان سنائی۔ سدم کے شہدا میں سے صرف مندرجہ ذیل کے نام معلوم ہو سکے:

حاجی محمود خاں، ان کا بیٹا یوسف خاں، بھائی عظیم اللہ خاں، دو بھتیجے برہان الدین

(۱) منظورہ ص: ۱۰۲۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور عبدالوہاب، کریم بخش جراح، استاد خدا بخش ملکیت (ساکن تھماؤں)۔

حافظ الٰہی بخش کی سرگزشت

مظلوم غازیوں میں سے ایک حافظ الٰہی بخش تھا، صرف تیرہ چودہ برس کی عمر، قرآن کا حافظ اپنے ماموں نور خاں کے ساتھ کسی گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا، جس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ دونوں آرام سے سو رہے تھے کہ دفعۃً نقارہ بجا، نوعمر بھانجے نے ماموں کو جگایا۔ نور خاں دریافتِ حالات کے لئے باہر نکلا، بلوائیوں کا شور سن کر بھانجے کو آواز دی کہ میری تلوار دو، تلوار پہنچنے سے پیشتر شیر دل غازی کا جسم خاک و خون میں لوٹنے لگا۔ ایک شقی نے نوعمر حافظ کے سر پر تلوار ماری، دوسرے نے اسے روک دیا اور کہا کہ یہ حافظ قرآن ہے، میں اسے غلام بناؤں گا۔(۱)

اس طرح الٰہی بخش کی جان بچ گئی۔ بچانے والا اسے اپنے گھر لے گیا اور بچوں کو قرآن پڑھانے پر مامور کر دیا۔ الٰہی بخش پشتو خوب سمجھتا تھا، لیکن یہ راز کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا، اس کے سر پر زخم تھا، جس جراح کو علاج کے لئے مقرر کیا گیا وہ بدبخت ایسا مرہم لگاتا رہا، جس سے زخم اچھا ہونے کے بجائے بگڑتا جائے۔

سید صاحب کے پاس پہنچنے کی تدبیر

حافظ جس دن سے ان ظالموں کے قبضے میں آیا تھا، برابر تدبیریں سوچتا رہا کہ کس طرح نجات حاصل کروں۔ قرآن پڑھنے کے لئے ایک بالغ شاگرد بھی اس کے پاس آتا تھا، اس کے اخلاص کا اندازہ کر کے اپنا ہمراز بنایا، پانچ روپے اجرت طے کی، موقع پا کر اس کی رہنمائی میں سدم سے نکلا۔ سید صاحب اس زمانے میں پنجتار سے ہجرت کر کے

(۱) سید صاحب کے سامنے یہ واقعہ بیان ہو رہا تھا، راوی جب ان الفاظ پر پہنچا تو حضرت نے فرمایا: او (الٰہی بخش) غلامِ خداست، کسے را چہ یارا کہ او را بہ غلامی بگیرد۔ (منظورہ ص: ۱۰۰۴)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راج دواری پہنچ چکے تھے، حافظ الٰہی بخش وہیں خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اسیری کی کہانی سنائی۔

سر کا زخم بہ دستور تھا، سید صاحب نے اسی وقت نور بخش جراح کو علاج کا حکم دیا۔ جراح نے زخم دیکھا تو کہا کہ پہلے معالج نے بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، سر کی ایک ہڈی خراب ہو چکی ہے، اسے کاٹے بغیر زخم اچھا نہیں ہو سکتا۔ الٰہی بخش نے صبر و سکون کے ساتھ ہڈی کٹوائی اور پٹی بندھوائی۔ جب غازیوں نے اسے اٹھا کر بستر پر پہنچانا چاہا تو انکار کر دیا کہ میرے پاؤں زخمی نہیں، جو اٹھانے کی ضرورت ہو۔ تھوڑی دیر بستر پر لیٹا رہا، پھر خود چل کر ایک ایک غازی کے ڈیرے پر گیا اور سب سے ملا۔ تمام غازی اس نو عمر کی جرأت اور تحمل شدائد پر حیران تھے۔

سید صاحب کی تربیت

یہ لوگ تھے جو سید صاحب کی صحبت میں تیار ہوئے تھے۔ تیرہ چودہ برس کا لڑکا، اس کی دانائی اور دور اندیشی پر غور کیجئے کہ دشمنوں کے درمیان مہینے گزار دیئے، ان سب کے راز معلوم کرتا رہا اور اپنا کوئی راز اُن پر ظاہر نہ ہونے دیا، بلکہ انہیں یہ بھی پتا نہ لگ سکا کہ حافظ ان کی ساری باتیں سمجھتا ہے۔ ہمت و استقامت کو سامنے لایئے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے اصل مرکز سے غافل نہ ہوا، مشکلات کے باوجود اس ارادے پر قائم رہا کہ جلد سے جلد سید صاحب کے پاس پہنچ جائے۔ پھر خود ہی رہبر کا انتظام کیا، ایک نو عمر بچے کے لئے یہ اندازہ کر لینا سہل نہ تھا کہ جس شخص کو رہبری کے لئے چنا گیا ہے، ضبط راز کی صلاحیت میں اس کا پایہ کیا ہے؟

تحمل شدائد کی ہمت دیکھئے کہ سر پر گہرا زخم لگا اور اسے برداشت کر لیا، سدم سے راج دواری تک کٹھن سفر سے نہ گھبرایا، سر کی ہڈی کاٹی گئی اور اُف تک نہ کی۔ غازیوں نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھا کر بستر پر لٹانا چاہا تو بولا اسکی ضرورت نہیں اور خود بستر پر گیا، پھر ذرا آرام کر کے سب سے ملا۔ مسلمانوں کی کتنی بد نصیبی تھی کہ ان اخلاق اور ان اوصاف کے مجاہد اہل سرحد کی جہالت، نادانی، تنگ نظری اور شقاوت کے باعث بیدردی سے موت کے گھاٹ اُترے:

آتش بہ دو دست خویش درخرمن خویش — چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نیست، منم دشمنِ خویش — اے وائے من و دست من و دامن خویش

موقع عبرت

المیہ مشہد اکبر کے یہ چند خونچکاں اوراق تھے جو محفوظ رہ گئے اور اس وجہ سے ہم تک پہنچ سکے کہ بعض غازی محض بہ حسن اتفاق مقتل سے بچ گئے۔ دسیوں یا بیسیوں ایسے مقامات تھے، جہاں کا ایک غازی بھی زندہ نہ بچا اور ان پر جو قیامت گذری، وہ معرضِ بیان و تسوید ہی میں نہ آسکی۔ مولوی سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:

> وقت عشاء بعضے را در نماز و بعضے را در تہیہ آں مثل طہارت وغیرہ، گرداگرد شاں محیط شدہ قتل آغاز نہادند۔ و در بعضے دیہہ وقت نیم شب و در بعض قبل از فجر یا در عین صلوٰۃ فجر قتل ساختند، کم کسے بود کہ فرصت یافتہ فرار نمود یا در جائے محفوظ خزید۔(۱)

> **ترجمہ**: عشاء کے وقت بعض نماز میں مشغول تھے، بعض نماز کی تیاری کے سلسلے میں طہارت وغیرہ کر رہے تھے کہ ان کے گرد گھیرا ڈال کر کشت وخون کا آغاز کر دیا۔ بعض دیہات میں آدھی رات کو، بعض میں نماز فجر سے پیشتر یا عین حالت ادائے نماز میں غازیوں کو قتل کر ڈالا گیا، کم لوگ تھے جو فرصت پا کر بھاگ سکے یا کسی محفوظ جگہ گھس سکے۔

شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ شہیدوں کی لاشوں کو گھوڑوں کے پاؤں تلے روندتے اور

(۱) منظورہ ص: ۱۰۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہتے کہ اٹھو نماز کی تاکید کر دیا عشر لو، سید صاحب نے یہ حالات سنے تو فرمایا:

نعوذ باللہ، اہل سمہ کلمہ گو ہستند جز ایں دو کلمہ یعنی نماز واخذ عشور وقت دوانیدن دواب بر جثہ ہائے ایشاں دیگر نے گویند، معلوم شد کہ ہمیں امور شرعیہ بر دل ایشاں شاق بود کہ از راہ دغا بر سر خفتگاں تاخت نمودہ کشتند۔

ترجمہ : نعوذ باللہ اہل سمہ نمازیوں کے جثوں پر گھوڑے دوڑاتے وقت یہی دو باتیں کہتے تھے، یعنی نماز اور عشر، حالانکہ کلمہ گو تھے۔ معلوم ہوا یہی دو شرعی باتیں ان پر شاق تھیں کہ سوئے ہوئے غازیوں پر حملہ کر کے انہیں مار ڈالا۔

شہدا کی تعداد

کچھ معلوم نہیں کہ جو غازی اس ہنگامۂ جنوں میں واصل بحق ہوئے ان کی تعداد کیا تھی۔ میں نے ہر چند زیادہ سے زیادہ قرین صحت اندازے کی سعی کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اس لئے کہ پورے نام نہ مل سکے۔ تعداد سے کہیں بڑھ کر یہ امر دردناک ہے کہ جتنے مارے گئے، سید صاحب کے قول کے مطابق ان میں سے ہر ایک اپنے وطن کی انسانیت واسلامیت کا ''خلاصہ'' اور ''لب لباب'' تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تینتیسواں باب:

عزمِ ہجرتِ ثانیہ

اہلِ سمہ سے بیزاری

سید صاحب صبر و حلم کے پیکر تھے، حالات کی ناسازگاری یا شدائد کے ہجوم سے کبھی متاثر نہ ہوئے، لیکن اہلِ سمہ کی شقاوت و بد عہدی نے ان کے قلب صافی پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ اس ملک میں قیام سے بیزار ہو گئے۔ اگر وہ ملک وجاہ کے خواہاں ہوتے تو بقیۃ السلف غازی باغیوں سے سخت انتقام لینے کیلئے بالکل کافی تھے، خود اہلِ سمہ کی یہ حالت تھی کہ بلوے کے بعد جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب پنجتار میں سلامت ہیں، تو ان پر سخت خوف طاری ہو گیا کہ خدا جانے اب کیسی سخت سزا ملے۔ ارباب بہرام خاں نے ایک روز عرض کیا کہ اجازت ہو تو لشکر اور توپ لے کر نکل جاتا ہوں، سارے دیہات حسبِ سابق مطیع و فرمانبردار بن جائیں گے اور انشاء اللہ لڑائی کی بھی نوبت نہیں آئے گی۔(۱) سید صاحب نے فرمایا کہ ہم ابتدا میں یہاں آئے تھے تو ان لوگوں کے حالات سے پورے واقف نہ تھے، مدت تک وعظ و نصیحت کرتے رہے، جب اس طرح کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حاکمانہ فہمائش کا طریقہ اختیار کیا، ہمارا مدعا اجرائے احکامِ دین کے سوا کچھ نہ تھا، لیکن یہ طریقہ بھی بے اثر رہا:

> نیت ما ازیں سیاست طلب ملک وجاہ نہ بود، غیر از تادیب عباد و تہذیب ایشاں مقصودے دیگر نہ داشتیم، لہٰذا ایشاں را بہ انصاف حَکَم حقیقی سے گزاریم و خود

(۱) منظورہ ص: ۱۰۰۲

بابقیہ رفقا راہ ملک دیگرے گیریم۔ زیرا کہ چوں از وطن خود ہجرت نمودیم ہر کجا کہ مردم صادق القول خواہم یافت، قیام خواہم نمود، انحصار بر ایں دیار نیست۔(۱)

ترجمہ : اس سیاست سے ہماری غرض یہ نہ تھی کہ صاحب ملک و جاہ بن جائیں، محض اللہ کے بندوں کی تادیب وتہذیب چاہتے تھے۔ اب ہم انہیں منتقم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور بقیہ رفیقوں کے ساتھ دوسرے ملک کا راستہ لیتے ہیں۔ ہم اپنے وطن کو چھوڑ چکے ہیں جہاں کہیں صادق القول لوگ مل جائیں گے مقیم ہو جائیں گے، اس ملک پر انحصار نہیں۔

فتح خاں پنجتاری

فتح خاں پنجتاری بلوے کے دونوں میں باہر تھا، اس اثناء میں اس کے ہم قوموں کے غول پنجتار کے آس پاس آ بیٹھے۔ پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ جواب ملا: غازیوں کی حفاظت کیلئے۔ غازیوں کے دل میں طبعاً وسوسہ پیدا ہوا کہ ان کی نیت نیک نہیں، فصیل کی دیوار کہیں کہیں سے ٹوٹی ہوئی تھی، غازیوں نے سید صاحب سے اجازت لے کر اس کی مرمت کر لی، نیز پھلاہ کے درخت پنجتار کے آس پاس بہت زیادہ تھے، انہیں کاٹ کاٹ کر فصیل کے ساتھ ساتھ خار بندی کا انتظام کر لیا۔

فتح خاں واپس آیا اور سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو غازیوں نے اس سے ہتھیار رکھوا لینے چاہے لیکن آپ نے ارشاد فرمایا ہتھیاروں سمیت آنے دو، وہ سامنے آیا تو پوچھا کہ آپکی قوم کے لوگ کیوں جمع ہوئے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپکی حفاظت مقصود ہے، فرمایا: انہیں رخصت کر دیجئے، چنانچہ فتح خاں نے سب کو واپس بھیج دیا۔

(۱) منظورہ ص:۱۰۰۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مخلصین کا اجتماع

سید صاحب اگرچہ سمہ سے چلے جانے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ ان لوگوں سے یہ تو پوچھ لیں کہ غازیوں کو کس گناہ میں بے دردانہ ذبح کیا گیا؟ چنانچہ آپ نے فتح خاں سے کہا کہ جو مخلص خوانین ورؤسا ہنگامۂ قتل سے الگ رہے، ان سب کو دعوت دیکر بلایئے تاکہ ہم دریافت کرلیں یہ کشت وخون کیوں روا رکھا گیا؟ اگر کوئی قصور لائق سزا سرزد ہوا تو اس سے آگاہ ہوکر توبہ کرلیں۔ مندرجہ ذیل اصحاب کو دعوت نامے بھیجے گئے:

۱۔ سید، سید میاں (تختہ بند)	۲۔ سید رسول (ناواگئی)
۳۔ سید اعظم (ناواگئی)	۴۔ سید شاہ رندان (منگل تھانہ)
۵۔ اخوندزادہ قابل (منگل تھانہ)	۶۔ قاضی سید امیر (کوٹھا)
۷۔ فاتح خاں (زیدہ)	۸۔ ابراہیم خاں (کھلابٹ)
۹۔ منصور خاں (گھڑیالی)	۱۰۔ محمود خاں (تنگی)

سید اکبر شاہ ستھانوی کو بھی بلانے کی تجویز تھی لیکن سید صاحب نے فرمایا کہ وہ ہمارے ہی کام میں مصروف ہیں، انہیں تکلیف نہ دی جائے۔

بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلُوْا

تین چار روز میں یہ اصحاب آگئے، سید صاحب نے تاکید فرمادی کہ مہمانداری میں کوتاہی نہ ہو، بلکہ حکم دے دیا کہ اگر بلوائیوں میں سے بھی کچھ لوگ آجائیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے، پھر ایک مفصل تقریر فرمائی جس کا مفاد یہ تھا:

> جب ہم جہاد فی سبیل اللہ کی تدبیر کے لئے وطن سے آئے تھے تو یہاں کے خوانین ورؤساء میں نااتفاقی اور چند داری تھی، سب ایک دوسرے کے جانی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دشمن بنے ہوئے تھے، اور اتفاق کے بغیر جہاد ممکن نہ تھا۔ ہم نے ایک مدت تک للہ فی اللہ ان کے درمیان میل ملاپ کی کوشش کی، ان سب نے بہ رضا و رغبت ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور ہمیں امام بنایا، ہم سے عہد و پیمان کیے، شریعت کا حکم قبول کیا، ان کی خواہش کے مطابق قاضی مقرر کئے گئے۔ خود عشر دینا قبول کیا، خود تحصیل دار مقرر کرائے، پھر اچانک دشمن بن گئے، نہ کوئی استغاثہ ہمارے پاس پہنچا، نہ کوئی شکایت گوش زد ہوئی، دفعۃً اٹھ کر غازیوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کا سبب اصلاً معلوم نہ ہوا، ہماری اس بات کا جواب آپ بھائی سوچ سمجھ کر دیں۔

سید میاں کا دورہ برائے تحقیق

یہ تمام اصحاب ایک روز باہم صلاح مشورے کرتے رہے، پھر عرض کیا کہ ہم سب متحیر ہیں اور کچھ خبر نہیں کہ کیوں یہ معاملہ پیش آیا؟ نہ ہم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور نہ ان کے مشوروں میں شریک تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے معلوم کر کے ہمیں آگاہ کریں، اس غرض کے لئے سید، سید میاں ساکن تختہ بند تجویز ہوئے، جو اس مجلس میں سب سے ممتاز اور پورے علاقے میں محترم سمجھے جاتے تھے، ان سے کہا گیا کہ رڑ ڑوں کی بستیوں میں جا کر حقیقی حالات کی تحقیق فرمائیں۔

ارباب بہرام خاں کے اہل و عیال شیوہ میں تھے، آنند خاں اور مشکار خاں نے دوران بلوہ میں انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا تھا، سید صاحب نے اخوند قابل کو سید میاں کے ساتھ بھیج دیا کہ لوٹتے وقت ارباب کے اہل و عیال کو ساتھ لیتے آئیں۔

سید میاں نے رڑ ڑوں کی بستیوں کے سر کردہ آدمیوں کو جمع کر کے پوچھا کہ سچ سچ بتادو کہ کیا معاملہ ہوا؟ کیوں تم نے یہ ناشائستہ حرکت کی؟ یہ بھی بتادیا کہ سید صاحب کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے، انہوں نے بدھ سنگھ، یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں کو شکستیں دیں، وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

توپخانہ اور لشکر لے کر نکلیں گے تو تم ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔

مجرموں کے بیانات

وہ بڑے نادم و پریشان تھے، بعض نے کہا کہ ہم پر سختیاں ہوتی تھیں، معمولی قصوروں پر بے عزت کیا جاتا تھا، ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے نکاح جبراً کرائے جاتے تھے، تنگ آکر ہمیں یہ کام کرنا پڑا۔ سید میاں اور اخوندزادہ قابل نے ان تمام عذروں کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا کہ نکاحوں کے معاملے میں اصرار کا مدعا یہ تھا کہ تم لوگ بہنوں اور بیٹیوں کو روپے کی خاطر بڑی عمروں تک بٹھا کر رکھتے تھے۔ یہ اصرار عین شریعت کے مطابق تھا اور تمام نکاح قوم میں ہوتے رہے، باقی رہا سزاؤں کا معاملہ تو ہر حاکم رعایا کے قصوروں کے مطابق جرمانے بھی لیتا ہے، زدوکوب بھی کرتا ہے اور قید کی سزا بھی دیتا ہے۔

چند لوگوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اقرار کر لیا کہ ہمارے پاس سلطان محمد خاں کی طرف سے خط آئے تھے کہ ہندوستان کے علماء نے ہندوستانی غازیوں کو بدعقیدہ اور انگریزوں کے جاسوس قرار دیا ہے، یہ تمہارا ملک بھی چھنوا دیں گے اور دین و مذہب کو بھی خراب کریں گے۔

یہ خطوط اسی محضر کی نقل تھے جو سلطان محمد خاں نے پشاور میں سید صاحب کے ساتھ ملاقات کے موقع پر پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے اس محضر نے غلط فہمی میں ڈالا، گویا جس چیز کو وہ خود غلط اور سے سرو پا مان چکا تھا، اسی کو ایک مستند شئے قرار دے کر اس نے سارے سمہ میں گمراہی کی آگ لگائی۔

قصد ہجرت

پانچ چھ روز کے بعد اخوندزادہ قابل ارباب بہرام خاں کے اہل و عیال کو ساتھ لے کر واپس آیا اور سارے حالات سید صاحب کی خدمت میں عرض کیے تو آپ کے دل کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڑا صدمہ ہوا۔ فرمایا: کچھ اوپر چار برس ہم ان لوگوں کی اصلاح میں لگے رہے، وعظ ونصیحت کی، ان کے دین اور دنیا کی بھلائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، لیکن یہ لوگ اتنے سخت دل اور ہدایت سے بے بہرہ ہیں کہ کچھ اثر نہ ہوا، اب ہم کس کس سے بدلہ لیں؟ بہتر یہی ہے کہ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کریں وہ منتقم حقیقی جس طرح چاہے انتقام لے۔ سلطان محمد خاں پر حیف ہے کہ اس نے خود سب کچھ ہمیں بتایا اور عذر کیا کہ غلطی ہوئی، معاف کر دیجئے، بعد ازاں اسی بہتان نامے کو دستاویز بنا کر صدہا مسلمانوں کا ناحق خون کرایا، اس سے تو اس کا بھائی دوست محمد خاں ہی اب تک اچھا رہا کہ نہ ہم سے بھلائی کی اور نہ برائی، اب ان لوگوں میں رہنا اچھا نہیں، یہاں سے ہجرت کر کے جدھر اللہ چاہے گا، چلے جائیں گے۔

ملا شیر اور مولوی خیر الدین

قصد ہجرت نے شہرت پائی تو قاضی سید محمد حبان شہید مردان کے استاد ملا شیر سید صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرے نزدیک یہاں سے ہجرت شرعاً جائز نہیں، اہل سمہ کا گناہ زیادہ سے زیادہ کبیرہ ہے، کفر کی حد تک نہیں پہنچتا، پھر ہجرت کے لئے کون سی وجہ جواز ہے؟ پہلے مولانا شاہ اسماعیل نے پھر سید صاحب نے ان سے گفتگو کر کے مطمئن کر دیا۔(۱)

مولوی خیر الدین شیر کوٹی چڑان غار سے پنجتار پہنچے تو ہجرت کا عام چرچا تھا۔ ایک روز انہوں نے سید صاحب سے گفتگو کی، شیخ ولی محمد بھی پاس تھے، عرض کیا کہ میرے نزدیک موجودہ مقام کو چھوڑنا قرین مصلحت نہیں، اگر کسی دوسرے علاقے میں جائیں گے تو پہلے تو یہی امر مشتبہ ہے کہ وہاں کے لوگ ہمارے قیام پر راضی ہوں گے یا نہیں، پھر

---

(۱) منظورہ ص: ۱۰۴۸-۱۰۵۱- اس سے ظاہر ہے کہ مولانا شاہ اسماعیل بھی ہجرت کے ارادے میں سید صاحب کے ہم نوا تھے، لیکن گفتگو کی تفصیل کہیں نظر سے نہیں گذری۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انہیں وعظ و نصیحت سے قیامِ جہاد پر آمادہ کرنے میں عمر بسر ہو جائے گی۔ اہلِ سمہ کو دوبارہ راہِ راست پر لانا سہل ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ یہاں ٹھہرنے کی کوئی صورت نہیں، اہل سمہ کی مخالفت ظاہر ہو چکی، پشت پر سوات ہے، وہ لوگ بھی مخالف ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ فتح خاں پنجتاری کے متعلق بھی تو اطمینان نہیں۔

سید صاحب کا ارشاد

مولوی صاحب نے کہا کہ فتح خاں یا اس کے پنجتار کے ہم محتاج نہیں، اگر مجھے سدم کا غلہ عنایت فرمائیں تو اس سے لشکر کا سرو سامان کر کے اہل سمہ سے سمجھ لوں گا۔ سید صاحب نے فرمایا:

آنچہ شما می گوئید شدنی ست تو اندامااز یں مرد ماں چناں نفرت است کہ کسے را از قے خود نفرت مے باشد۔ ہم چنیں از نشستن در ملک اینہا نفورم پس ایں را چہ علاج است؟ (۱)

ترجمہ: آپ جو کچھ کہتے ہیں، یہ ہو سکتا ہے لیکن مجھے ان لوگوں سے ایسی نفرت ہے جیسے کسی کو اپنی قے سے نفرت ہوتی ہے، میں ان کے ملک میں قیام سے بھی اسی طرح نفور ہوں اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟

نیز فرمایا کہ یہاں مخلص کم ہیں اور مفسد زیادہ۔ ایک دفعہ دغا کھانے کے بعد متنبہ نہ ہونا ہوشیاری سے بعید ہے۔ لا یلدغ المؤمن من حجرٍ واحدٍ مرتین۔

یہ اس بزرگ ہستی کے الفاظ تھے جس کا وجود سراپا محبت تھا۔

بعض دوسرے لوگوں کی طرح مولوی خیر الدین کی رائے بھی یہ تھی کہ رضا کارانہ جہاد پر انحصار کے بجائے سپاہی ملازم رکھے جائیں، چنانچہ مولوی صاحب نے یہ بھی کہا کہ میں جانتا ہوں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا عہد ہے،

(۱) ''منظورہ'' ص: ۱۰۴۶

آپ للّٰہی جہاد چاہتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح اگر ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہو جائیں تو البتہ بخوبی جہاد ہو سکے گا، نوکر رکھنے سے ہمیشہ آپ کو نفرت رہی، اگر رکھے بھی تو پھر موقوف کر دیے، کیا اب بھی آپ کو یہی امید ہے کہ نوکر رکھے بغیر جہاد ہو سکے گا؟ فرمایا میں تو یہی کروں گا خواہ تنہا رہ جاؤں۔(۱)

فتح خاں پنجتاری کو جواب

فتح خاں اس پورے زمانے میں بالکل متذبذب رہا، اسے یہ بھی پسند نہ تھا کہ سید صاحب پنجتار سے چلے جائیں، لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر سید صاحب بیٹھے رہے تو سارے اہل سمہ سے عداوات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ایک روز اس نے بھی ہجرت کی مخالفت کی تو سید صاحب نے فرمایا:

> اپنی قوم سے پوچھئے کہ ہم کس بنا پر انہیں صادق القول تسلیم کر لیں؟ ہزاروں لوگ اپنے عہد و قرار سے پھر گئے اور غازیوں کی لاشوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا، جس کی امید کفار سے بھی نہ تھی۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ لوگ کلمۂ توحید بھی محض عادۃً پڑھتے ہیں:
>
> پس مارا ضروراست کہ دوائے دل خود کنیم کہ شک از جانب کلمہ گویاں از دل ما زائل شود۔(۲)
>
> **ترجمہ** : پس ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کی دوا کریں تا کہ کلمہ گویوں کی طرف سے شک زائل ہو جائے۔

---

(۱) "منظورہ" ص: ۱۰۳۶

(۲) واضح رہے کہ سید صاحب کو تنخواہ دار سپاہی رکھنے سے اختلاف نہ تھا، لیکن اس غرض کے لئے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ ملک و جاہ کے بغیر میسر نہ آ سکتے تھے، نیز سید صاحب مسلمانوں میں دینی جذبہ بیدار کرنا چاہتے تھے۔ جن حالات سے وہ گذر رہے تھے، ان میں صحیح راہ عمل وہی تھی جو اختیار کی، اہل سمہ کو بزور لشکر مطیع کیا جا سکتا تھا، لیکن نتیجہ یہ ہوتا کہ لامتناہی کشت و خون شروع ہو جاتا اور پوری قوت مسلمانوں کو زیر کرنے میں خرچ ہو جاتی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راستے کا مسئلہ

اس اثناء میں زبردست خاں مظفر آبادی، ناصر خاں بھٹ گرامی، حبیب اللہ خاں سواتی، عبدالغفور خاں اگروری اور راجا نجف خاں خانپوری کی طرف سے پے در پے عرضیاں پہنچیں اور سید صاحب نے پکھلی جانے کا ارادہ فرمالیا۔ چونکہ توپیں اور بھاری سازوسامان پہاڑی راستے سے نہ جاسکتا تھا، اس لئے مینئی اور کھبل کے راستے سے جانا چاہتے تھے۔ فتح علی خاں پنجتاری سے کہہ کر راستے کے تمام مواضع کو خط لکھوا دیے کہ محض گذرنے کی اجازت دے دی جائے۔ فتح خاں نے بطور خود بھی بڑی کوشش کی لیکن وہ سب شامت اعمال سے خوفزدہ تھے۔ سمجھتے تھے کہ سید صاحب سازوسامان اور لشکر لے کر آگئے تو ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہٰذا اجازت نہ دی۔ ناچار سید صاحب کو دشوار گزار کوہستانی راستہ اختیار کرنا پڑا۔

سید صاحب کا خطبہ

جب تمام مراتب طے ہو چکے تو ایک روز غازیوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جو آپ کی حیاتِ طیبہ کے مقاصد کا ایک جامع مرقع ہے۔ اس لئے اسے من وعن یہاں درج کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

> مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عبادت میں شریک کیا اور اپنی رضا کے راستے میں گرم وسرد اور فتح وشکست کو برداشت کر لینے کی توفیق بخشی۔ آپ نے سعی ونصرت اور شراکت کا حق ادا کیا، اب ہم اس ملک سے ایک دور دست علاقے کا قصد کر چکے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں جائیں، سفر کو "قطعۃ من العذاب" کہا گیا ہے، خصوصاً پہاڑی علاقے کا سفر، جس میں آب ودانہ کی تکلیف اور مالوفات کا ترک لازماً پیش آئے گا۔ بس وہی شخص ہماری معیت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اختیار کرے جس میں صبر واستقامت کی ہمت ہو اور مالک حقیقی کے خلاف حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ میں سب کو آگاہ کرتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ تکلیف پیش آنے پر کوئی شخص کہے کہ سید نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا، یا کہے کہ مجھے معلوم نہ تھا ایسی تکلیف پیش آئے گی۔ جس شخص میں صبر واستقامت کی قوت ہے وہی ہمارا ساتھی بنے۔

ہم اپنی ساری عمر پروردگار کی رضا میں صرف کر دینے کا پختہ ارادہ کیے بیٹھے ہیں، جو بھائی جسمانی اور نفسانی تکالیف پر صبر نہ کر سکے وہ ہم سے جدا ہو جائے لیکن جدا ہونے والے بھائی کو خراسان یا ہندوستان یا کسی دوسرے ملک میں جا کر نہیں بسنا چاہیے بلکہ وہ عرب کے سوا کہیں توطن اختیار نہ کرے، اس لیے کہ عرب کے سوا ہر جگہ ایمان کی حفاظت مشکل ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ حرمین شریفین (زادہما شرفاً وتعظیماً) کی راہ لے اور وہاں کے حکام یا دوسرے اشخاص کی زیادتیوں پر صبر کرے۔ وہی سرزمین ہے، جہاں دین خلل سے محفوظ رہے گا، اگرچہ بدعات سے وہ ملک بھی خالی نہیں۔

پھر مولانا شاہ اسماعیل کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

میاں صاحب! آپ قرآن شریف کی تلاوت پر زیادہ توجہ فرمائیں، میں کثرت مراقبہ میں مشغول رہوں گا، یہاں تک کہ ہم ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے جہاد کا انتظام ہو سکے۔

ارباب بہرام خاں

اس خطبے کو سن کر تمام غازی زار و قطار رونے لگے اور ان کے دل مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ اٹھے۔ اس بات کا تو خدا کے فضل سے وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی غازی شدائد سفر کا ذکر سن کر اپنے محبوب امام یا اہم ترین دینی مقاصد کا دامن چھوڑے گا، لیکن ارباب بہرام خاں کا معاملہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے جب سے سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی رفاقت اختیار کی تو پروانہ وار ساتھ رہے، جب ہجرت ثانیہ کا فیصلہ ہو چکا تو ارباب نے اہل وعیال کو جمع کر کے فرمایا: میں تو حضرت کے ہمرکاب رہوں گا، اب تم سب لوگ میرے بھائی جمعہ خاں کے پاس چلے جاؤ۔ ارباب کے پانچ بیٹے تھے، جن میں سے دو نابالغ تھے، ایک بیٹی تھی اور ایک بیوی، بھتیجا محمد خاں بھی تھا، جس کی شادی غالباً ارباب کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان سب نے بھی بے توقف کہا کہ ہم ہر حال میں ساتھ رہیں گے خواہ کچھ پیش آئے۔(۱)

اس زمانے میں بھی اکا دکا غازی پنجتار پہنچتے رہے، مثلاً شیخ امجد علی غازی پوری بحالت مجروحیت آئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں مجروح ہوئے، پنجتار میں یا سفر ہجرت کی پہلی یا دوسری منزل میں سید صاحب سے آ کر ملے، بالاکوٹ میں ان کی شہادت یقینی اور متفق علیہ ہے۔(۲)

احبابِ سندھ کو ہدایت

سید صاحب نے ہجرت سے پیشتر متعدد خطوط سندھ روانہ کیے، مثلاً ایک خط ابوالقاسم نام ایک شخص کو لکھا جو سندھ میں یا راستے کے کسی مقام میں رہتا تھا، ایک خط امیرانِ سندھ کے نام تھا، اور ایک پیر صبغۃ اللہ شاہ راشدی کے نام۔ دونوں بیبیوں کے نام الگ الگ خط تحریر فرمائے۔ پیر صاحب اور امیروں کو لکھا تھا، آپ رضائے باری تعالیٰ کی نیت سے مہاجرات (ازواج اور متعلقات) کے حال پر توجہ فرماتے رہیں، تاکہ ہم لوگ اطمینانِ خاطر سے جہاد کا کام انجام دے سکیں۔

> از حسنِ اخلاق شما توقع ے داریم کہ اگر سرنوشت تقدیر ما و رضائے مالک حقیقی در ہمیں منحصر است کہ زندگانی ما در ہمیں عبادت صرف شود، پس دراں صورت از راہ خیر خواہی و دینداری برخود لازم گردانید کہ ایں مہاجرات را تا

(۱) منظورہ ص: ۱۰۶۱ (۲) منظورہ ص: ۱۰۵۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً رسانند۔ (۱)

ترجمہ: آپ کے حسن اخلاق سے امید ہے کہ اگر ہماری تقدیر کا نوشتہ اور ہمارے مالک حقیقی کی رضا یہی ہے کہ عمر اسی عبادت میں صرف ہو جائے تو دینداری اور خیر خواہی کے نقطۂ نگاہ سے اپنا فرض جانیں کہ یہ مہاجرات حرمین شریفین پہنچ جائیں۔

ازواج کو وصیت

ازواج کو دوسرے امور کے علاوہ تحریر فرمایا:

اگر پیمانۂ زندگانی مادر ہمیں عبادت پُر شود پس شمارا ضرور است کہ بسوئے حرمین شریفین بروند و بر مقام دیگر ہرگز توطن نہ سازند، زیرا کہ ایں زمان فتن است صیانت ایمان بجز آں دو مقام صورت نخواہد بست۔ بر ظلم و تکلیف آں بلا صبر کردن و توطن ہمانجا نمودن بہتر خواہد بود۔ (۲)

ترجمہ: اگر ہماری زندگی کا پیمانہ اسی عبادت میں لبریز ہو جائے تو تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ حرمین شریفین پہنچ جاؤ اور دوسرے کسی ملک میں توطن اختیار نہ کرو، اس لئے کہ یہ فتنوں کا زمانہ ہے اور حرمین شریفین کے سوا ایمان کے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، ان مقامات میں ظلم و تکلیف پر صبر کرتے ہوئے مقیم رہنا بہتر ہوگا۔

---

(۱) منظورہ ص: ۱۰۵۱

(۲) منظورہ ص: ۱۰۵۲- مولوی سید جعفر علی نقوی نے منشی ہونے کی حیثیت میں یہ خط لکھے تو میر منشی محمدی انصاری اور حکیم خیر الدین پھلتی سے کہا کہ یہ مضمون بالکل نیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ امور معروف میں وصیت مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، تمہیں اس پر تعجب کیوں ہوا؟ نقوی نے کہا کہ میں اسے برا نہیں کہتا، صرف یہ کہتا ہوں کہ مضمون نیا ہے، پہلے کبھی کوئی ایسی بات نہیں لکھوائی گئی، حقیقتاً یہ مضمون نیا تھا، خاص نظر و احساس رکھنے والے اصحاب کے دل میں یہ خیال پیدا کرنے کا موجب بنا کہ غالباً شہادت کی منزل بہت قریب آ گئی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مسلمان کا موقف

اسی زمانے میں ایک روز شیخ محمد اسحاق گورکھپوری نے اس نماز کا ذکر چھیڑا جو سید صاحب نے مولانا عبدالحی مرحوم کو دہلی میں پڑھائی تھی۔ بہت سے ارادت مند یہ نماز سیکھنے کے خواہاں تھے۔ فرمایا یہ ایسی چیز نہیں کہ پوری جماعت کو سکھائی جائے، ایک دو آدمیوں کو البتہ سکھائی جا سکتی ہے، لیکن آپ سب بھائی یکساں ہیں کسے سکھائی جائے اور کسے نہ سکھائی جائے۔ ایک دوسرا معاملہ سوچا ہے، کل انشاء اللہ بعد نماز عصر باہر چلیں گے تو اس کا انتظام کریں گے۔

دوسرے روز نماز عصر ادا کر کے غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے گئے، دامن کوہ میں ایک میدان تھا وہاں آپ نے وعظ فرمایا اور کہا:

> مسلمان را باید کہ در مقام خواہش نفسانی و مشتہیات آں مثل طعام لذیذ و شیریں و انواع فواکہ دیگر برادران مسلمین را بر نفس تقدیم دہد و خود از انہا موخر شود و روا ندارد کہ زیادہ تر از ایشاں بہ محظوظ گردد بلکہ دریں امر کمی بہ جانب خویش پسند نماید در مقام رنج و تکلیف نفس خود را بہ دیگراں مقدم سازد و آمدن بلا و تکلیف بر آنہا نہ پسندد۔

> **ترجمہ**: مسلمان کو چاہئے کہ خواہش نفسانی اور اس کے مشتہیات مثلاً لذیذ و شیریں کھانا میوہ وغیرہ میں مسلمان بھائیوں کو اپنے اوپر مقدم رکھے اور خود پیچھے رہے۔ اس امر کا روادار نہ ہو کہ اپنے بھائیوں سے زیادہ حظوظ نفسانی سے محظوظ ہو، بلکہ دوسروں سے فروتر رہے، لیکن مقام رنج و تکلیف میں اپنے نفس کو دوسروں پر مقدم سمجھے اور پسند نہ کرے کہ انہیں کوئی بلا یا تکلیف پہنچے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نئی بیعت

پھر مولانا اسماعیل سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ اولیائے کرام کا مرتبہ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عوام کو اس کی تکلیف نہ دی جائے، بلکہ یہ سب مسلمانوں کیلئے ضروری ہے، اور اس پر بیعت کرنی چاہئے۔ چنانچہ منشی محمدی انصاری، شیخ محمد اسحاق گورکھپوری، مولوی عبدالوہاب لکھنوی، مولوی احمد اللہ ناگپوری، حبیب اللہ خاں گورکھپوری اور بہت سے دوسرے غازیوں نے بیعت کی، واپسی کے بعد پنجتار میں دو روز تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ مولانا شاہ اسماعیل نے بیعت نہ کی اور اپنے عجز و ضعف کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ ایک عہد کرلوں، پھر اس کے ایفاء میں تقصیر واقع ہو تو مواخذہ کا مستوجب ٹھہروں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چونتیسواں باب:

پنجتار سے راج دواری

روانگی

رجب ۱۲۴۶ھ (۱) کا مہینہ تھا، صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی لیکن میرا اندازہ ہے کہ وسط ماہ میں سید صاحب نے پنجتار کو چھوڑا اور قاسم خیل کے راستے وادیٔ چملہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جو بزرگ ہستی اپنے عزیز وطن کو اللہ کے لئے چھوڑ چکی تھی، جہاں زندگی کے چالیس برس گذرے تھے، جہاں آباء و اجداد کی عمریں بسر ہوئی تھیں، جہاں قرابت و عزیزداری کے بیسیوں سلسلے موجود تھے، جس کے چپے چپے پر خویشی کی مہریں ثبت تھیں، اسے پنجتار چھوڑنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا، جو بہرحال ایک اجنبی مقام تھا۔ تاہم پنجتار کے ساتھ چار برس کے قیام میں کئی وابستگیاں پیدا ہو چکی تھیں، یہ مقام جہاد و اجرائے شریعت کا مرکز رہ چکا تھا، اس کی آغوشِ خاک میں سیکڑوں مجاہد محوِ خوابِ ابدی تھے، جنھوں نے اپنی اپنی جانیں راہِ خدا میں قربان کیں اور سید صاحب انھیں پدری شفقت کے ساتھ ہندوستان کے مختلف خطوں سے اٹھا کر لائے تھے۔

پنجتار سید صاحب کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے اوج و عروج کی بہاریں دیکھ چکا تھا، وہاں اعلائے کلمۃ الحق اور احیائے اسلامیت کے نقشے تیار ہوئے تھے، اگر ان نقشوں پر عمل پیرائی میں بالکل غیر متوقع موانع پیش نہ آ جاتے تو ہندوستان کی تقدیر کا دھارا بالکل دوسرے رخ پر بہنے لگتا۔ سید صاحب کو اپنے دوسرے وطن سے بھی روگردانی کا مرحلہ پیش

(۱) دسمبر ۱۸۳۰ء

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آ گیا تو بے تکلف اٹھے اور اس طرح باہر نکل پڑے گویا ان کی سرگزشت حیات میں پنجتار کی حیثیت ایک کاروانِ سرائے سے زیادہ نہ تھی کہ رات بسر کی، پھر رختِ سفر باندھ کر روانہ ہو گئے۔

زائرین کا ہجوم

ہجرت ثانیہ کی تیاری شروع ہوگئی تو علماء، سادات اور مخلص خوانین جوق در جوق زیارت کے لیے حاضر ہونے لگے۔ ان میں سے ہمیں سید میاں ساکن تختہ بند، سید رسول ساکن ناواگئی، قاضی سید امیر ساکن کوٹھا، اخوند زادہ قابل ساکن منگل تھانہ کے نام بالتعیین معلوم ہیں۔ اب فتح خاں کے ہم قوم آ آ کر قیام پر اصرار کرنے لگے، سید صاحب سب کے سامنے محبت آمیز انداز میں معذرت کرتے رہے، فتح خاں سامنے آیا تو سید صاحب نے فرمایا: ساری دنیا مل کر کہے کہ یہاں سے چلے جاؤ، مگر آپ کہیں کہ نہ جاؤ تو میں آپ کا کہنا مان لوں گا۔ لیکن فتح خاں مخمصے میں مبتلا تھا، اس نے چار برس برکات وحسنات کی جن بہاروں میں گزارے تھے، ان کا تقاضا تھا کہ سید صاحب کو روک لے۔ جب نظر گردوپیش کے حالات پر پڑتی اور سوچتا کہ سید صاحب کو ٹھہرا کر یونیر، سوات اور سمہ کے لوگوں کی عداوت کا ہدف بن جائے گا تو اس کی زبان بند ہو جاتی، وہ کھل کر روک نہ سکا اور سید صاحب جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ روانگی سے پیشتر فتح خاں کے تمام ہم قوموں کو نصیحت فرمائی کہ خان تمہارا رئیس ہے اسے عشر دیتے رہنا، احکام شریعت کی پابندی کرنا، ہندوستان سے غازی آئیں تو انہیں مدارات سے ٹھہرانا اور حفاظت کے ساتھ ہمارے پاس پہنچا دینا۔

حرم محترم اور سید موسیٰ

سید صاحب نے حرم محترم کو دکھنڈرا بھیج دیا تھا، جہاں سید موسیٰ (ابن سید احمد علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہید) سخت بیمار تھے۔ وہ جنگ مایار میں زخمی ہوئے تھے اور مہینوں گذر جانے کے بعد بھی زخم بھرے نہ تھے بلکہ ان کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ شیخ حسن علی اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ سید موسیٰ کی تیمارداری کر رہے تھے، روانگی سے پیشتر سید صاحب نے دکھاڑا پیغام بھیج دیا کہ شیخ حسن علی بی بی صاحب، سید موسیٰ نیز مال واسباب کو لے کر کن گلی پہنچ جائیں جو حملہ میں سید صاحب کی پہلی منزل تھی۔

مولوی سید جعفر علی نقوی ایک روز پیشتر روانہ ہو چکے تھے، کن گلی پہنچے تو دکھاڑے سے سب لوگ آ چکے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سید موسیٰ نے میرے پہنچنے کی خبر سنتے ہی آواز دے کر بلایا، میں پاس جا بیٹھا تو بار بار حضرت امیر المومنین کا پوچھتے رہے، میں نے عرض کیا کہ جلد آ جائیں گے۔ شیخ حسن علی میرا ہاتھ پکڑ کر کھانے کیلئے لے گئے، کھانے سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ سید موسیٰ نے پھر آواز دے کر بلا لیا، وہ بہت بے چین تھے، طبیعت زیادہ علیل معلوم ہوتی تھی، بار بار پوچھتے تھے کہ حضرت کب پہنچیں گے۔

سید صاحب کا سفر

سید صاحب کن گلی پہنچے تو سب سے پہلے اپنے شہید بھانجے کے جگر بند کو دیکھا اور دیر تک پاس بیٹھے تسلی دیتے رہے۔ سید موسیٰ ہی کے پاس خاطر سے مزید ایک روز کن گلی میں ٹھہرے۔ پنجتار سے توپیں بھی ساتھ آئی تھیں، لیکن اگلے پہاڑی راستے میں انہیں ساتھ لے جانا مشکل تھا، لہٰذا کن گلی میں کسی محفوظ مقام پر دفن کرا دیا۔ شیخ حسن علی دکھاڑا سے جو سامان لائے تھے، اس میں بوجھل چیزیں بھی تھیں، جن کا لے جانا مشکل تھا اور ان کی فوری ضرورت بھی نہ تھی، وہ سب سید حسن رسول ساکن ناوا گئی کے حوالے کر دیں۔ اس خاندان سادات پر بعد میں کئی مرتبہ مصیبتیں آئیں اور گھر بار تباہ ہو گئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

معلوم نہیں وہ چیزیں کہاں گئیں۔(۱)

تیسرے روز کن گلئی سے روانہ ہو کر نگرئی پہنچے، تیسری منزل برڈھیری میں ہوئی۔(۲) سید موسیٰ چونکہ بہت علیل تھے، اس لئے انہیں کن گلئی میں چھوڑ دیا۔ شیخ حسن علی ان کی خدمت پر مامور ہوئے۔ سید صاحب برڈھیری میں تھے کہ سید موسیٰ کے انتقال کی اطلاع ملی۔ باپ پھولڑا میں شہید ہوا تھا، بیٹے نے مایار کی جنگ میں دادِ شجاعت دے کر مہلک زخم کھائے اور کئی ماہ کی علالت کے بعد کن گلئی کی خاک میں آسودگی پائی۔ سادات بریلی نے احیائے اسلامیت کے لئے جو بے مثال قربانیاں دیں ان کی نظیریں یہاں کا کونسا خانوادہ پیش کر سکتا ہے؟

امب اور چھتر بائی کے مجاہدین

جو مجاہدین امب اور چھتر بائی میں تھے انہیں پنجتار سے حکم بھیج دیا تھا کہ جملہ پہنچ جاؤ، برڈھیری میں وہ بھی سید صاحب سے آملے۔ ہم سمہ کی جنگوں اور بلوائے عام کی داستان سناتے رہے اور ان غازیوں کا ذکر بالکل نظر انداز کئے رکھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے حالات بھی اختصار سے پیش کر دیئے جائیں۔

امب کا انتظام شیخ بلند بخت کے ذمے تھا، سید اکبر شاہ ستھانوی کے بھائی سید عمر شاہ ستھانوی ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ان کی اعانت فرما رہے تھے۔ ادھر سمہ میں بلوائے عام ہوا تو پائندہ خاں نے شیخ بلند بخت کو پیغام بھیجا کہ ہمارے تمام مقامات خالی کر دو ورنہ

(۱) مولوی سید جعفر علی نقوی کا بیان ہے کہ جو چیزیں سید حسن رسول کے حوالے کی گئیں ان میں ایک خود بھی تھا جو شیخ غلام علی الٰہ آبادی نے سید صاحب کے لئے تیار کرایا تھا، نیز خیمے، دیگیں، قالین، بندوقیں اور تلواریں تھیں۔ سید عبدالجبار شاہ ستھانوی نے، جو سید حسن رسول کے ہم خاندان ہیں، مجھ سے بیان کیا کہ خود ایک مرتبہ میں نے بھی دیکھا تھا مگر معلوم نہیں کہاں گیا۔

(۲) کن گلئی، نگرئی اور برڈھیری سب وادیٔ چملہ میں ہیں۔ ڈھیری دو مقام ہیں: برڈھیری یعنی بالا ڈھیری اور زیریں ڈھیری۔ میں جب چملہ گیا تھا تو گاؤں کے مغرب میں وہ مقام مجھے دکھایا گیا، جہاں سید صاحب کا خیمہ بندھا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شیخ نے کہلا بھیجا کہ امیر المومنین کے حکم کے بغیر ہم ایک انچ زمین بھی نہیں چھوڑ سکتے، اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو شوق سے کر دیکھو، ہمیں قطعاً پروا نہیں۔ سید صاحب کو بھی اطلاع بھیج دی، آپ نے فرمایا کہ بالفعل وہیں رہو، چند روز کے بعد ہم اس ملک سے نکلیں گے۔ اگر ادھر کا قصد ہوا تو خیر ورنہ آپ بھائیوں کو بھی بلا لیں گے۔

امب کے انتظامات کی کیفیت یہ تھی کہ گڑھی کے کل چھ برج تھے: تین مشرق میں اور تین مغرب میں۔ مشرقی سمت میں جس برج کا نام پائندہ خاں والا برج تھا، اس میں میر امام علی پوری کا انتظام تھا اور ان کے ہمراہ ہزارے کے اسی آدمی تھے۔ اس کے ساتھ کے برج میں مشوانیوں کی جماعت تھی جن کا جمعدار صالح محمد ساکن کنگر تھا۔ تیسرے برج میں موضع خاں امان زئی ساکن دیگوہ کا انتظام تھا، اس کے مقابل کے غربی برج میں موضع خاں کی رعایا کے آدمی تھے۔ غربی سمت کے باقی دو برجوں میں سید عمر شاہ ستھانوی کے آدمی مقیم تھے۔ شیخ بلند بخت خود گڑھی میں رہتے تھے، غازی بھی ان کے ساتھ تھے۔ گڑھی کے دروازے سے خار بندی تک گیارہ ہندوستانی غازیوں کا پہرہ تھا، الٰہی بخش رام پوری ان میں رسد اور گولی بارود تقسیم کیا کرتے تھے۔ احتیاط کے خیال سے خار بندی کے تین حلقے قائم کر لئے گئے تھے۔

پائندہ خاں کے حملے کا اندیشہ

ایک روز شیخ بلند بخت کو اطلاع ملی کہ پائندہ خاں کھبل بائی کے گھاٹ سے اپنا لشکر دریا کے غربی کنارے پر پہنچا رہا ہے، کھبل بائی اور امب کے درمیان گڑھی بلوچاں(۱) میں سید صاحب کی طرف سے دین محمد (باشندہ جانب عظیم آباد) تحصیل عشر پر مامور تھا، وہ

(۱) اسی مقام کو آج کل امب کہتے ہیں۔ اصلاً یہ امب جدید ہے، جو ۱۸۴۱ء کی طغیانی کے بعد آباد ہوا، سید صاحب کے زمانے کا امب اب ایک معمولی گاؤں ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ایک جگہ کھڑا تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے نیزہ مار کر اسے شہید کر ڈالا۔ شیخ بلند بخت کو یقین ہو گیا کہ پائندہ خاں گڑھی بلوچاں میں پہنچ گیا ہے اور وہ ضرور امب پر حملہ کریگا۔ بستی ویران پڑی تھی، شیخ نے غازیوں کو حکم دیدیا کہ منہدم مکانوں سے لکڑیاں نکال کر گڑھی میں جمع کر لو، اس لئے کہ محاصرہ ہوا تو لکڑی باہر سے لانے کا کوئی موقع نہ رہے گا۔ وہاں چار توپیں تھیں، شیخ نے دو شمال سمت میں نصب کرا دیں، جدھر سے حملے کا اندیشہ تھے، ایک مشرقی سمت میں رکھی اور دوسری مغربی سمت میں۔

آخر پائندہ خاں کے سواروں اور پیادوں نے یورش کی لیکن وہ قریب نہ پہنچ سکے۔ ایک روز مشرقی سمت کی خار بندی کے بیرونی حلقے میں آگ لگا دی، غازیوں نے فوراً اسے بجھا دیا، بیس پچیس روز کشمکش جاری رہی، لیکن پائندہ خاں کے سوار اور پیادے کچھ نہ کر سکے۔

سکھوں کا پیغام

ایک روز کرپلیاں کی جانب سے جو امب کے مقابل دریا کے مشرقی کنارے کی بستی تھی، آواز آئی کہ کسی معتبر آدمی کو دریا پر بھیجو، ایک ضروری پیغام پہنچانا ہے۔ شیخ بلند بخت نے الٰہی بخش رام پوری، حسن خاں ساکن زمانیہ اور ایک اور آدمی کو بھیجا۔ دریا پار سے سکھوں کا پیغام ملا کہ آپ لوگوں نے تنولیوں کے مقابلے میں خوب بہادری دکھائی، سپاہی کی قدر صرف سپاہی ہی پہچان سکتا ہے، ہم آپ کے خیر خواہ ہیں، ایک آدمی ہمارا خط لائے گا، سوچ سمجھ کر اس کا جواب دینا۔ خط آیا تو اس میں یہ لکھا تھا:

> خلیفہ صاحب کے غازی بہت بہادر، امانت دار اور نمک حلال ہیں، انہوں نے شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے پاس جو ساز و سامان پائندہ خاں کا ہے، اسے دے دیں اور خود ہمارے پاس چلے آئیں، ہم نوکر رکھ لیں گے، اور خلیفہ صاحب کے پاس تمہاری جو عزت ہے اس سے زیادہ عزت کے ساتھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھیں گے۔

شیخ نے جواب دیا:

اپنے سردار سے کہو کہ ہم امیر المومنین کے تابع فرمان ہیں، حضرت کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اپنے وطنوں سے اس لئے آئے ہیں کہ کافروں سے جنگ کریں، نہ ملک چاہتے ہیں، نہ مال۔ ہمیں نوکری سے کیا غرض؟ ہماری موت اور زندگی امیر المومنین کے ساتھ ہے اور قادر ذوالجلال کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، پائندہ خاں اور اس کے لشکر کی کیا حقیقت ہے؟ اگر رنجیت سنگھ بھی اپنا لشکر لے آئے تو نہ ڈریں گے، ڈر خوف مرگ سے پیدا ہوتا ہے، ہم اپنی جانیں خدا کے راستے میں قربان کر چکے ہیں، پس ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہماری طرف سے کہہ دینا کہ پھر ہمیں ایسا پیام نہ بھیجا جائے۔(۱)

گڑھی کا تخلیہ

سینتیس روز کے بعد سید اکبر شاہ ستھانوی گڑھی کے دروازے پر آئے اور شیخ بلند بخت سے کہا کہ حضرت امیر المومنین کے پیغام کے مطابق گڑھی خالی کر دینی چاہیے، پائندہ خاں کا لشکر ہٹ گیا ہے۔ شیخ توپوں، غلے، اسلحہ اور مال و اسباب کے ساتھ امب سے نکل کر عشرہ چلے گئے۔ وہاں سے توپیں کشتیوں پر سوار کرا کے ستھانہ پہنچا دیں اور خود عشرہ میں رہے، جہاں چھتر بائی کے غازیوں کو بھی سید اکبر شاہ لے آئے، اس ساری مدت میں غازیوں میں سے صرف ایک آدمی شہید ہوا، تین کے خفیف زخم لگے۔ پائندہ کے ساٹھ آدمی مارے گئے اور پینتالیس زخمی ہوئے۔

چھتر بائی کے حالات

چھتر بائی کے اصل قلعہ دار مولوی خیر الدین شیر کوٹی تھے، انہیں سید صاحب نے

(۱) منظورہ ص: ۱۰۶۸، ۱۰۶۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پنجتار بلالیا تو حافظ مصطفیٰ کاندھلوی قلعدار بن گئے۔ پایندہ خاں نے اس گڑھی کا بھی محاصرہ کرلیا جو چالیس روز جاری رہا، لیکن وہ گڑھی نہ لے سکا۔ اس دوران میں یہ پیغام بھی بھیجا کہ میرے ہاں نوکری کرلو، حافظ مصطفیٰ نے جواب دیا کہ ہم امیر المومنین کے فرمانبردار ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آئے ہیں، نوکری وہ کرے جو مال و دولت کا طلب گار ہو، ہم صرف خدا کے طلب گار ہیں۔

پایندہ خاں نے ایک تنولی عورت کو رشوت دے کر ساتھ ملایا، جس کا شوہر حافظ صاحب کے ماتحت جمعدار تھا۔ اس طرح لشکر اسلام میں خلل پیدا کرنا چاہا، لیکن بات چل نہ سکی ایک مخلص نے اس کا نام عبدالکریم تھا، سب کچھ بے کم و کاست حافظ صاحب کو سنا دیا۔ حافظ صاحب نے حسن تدبیر سے اس جمعدار کو اپنے پاس بلالیا، جو سازش کا مرکز تھا، اس کے ساتھیوں کو دوسرے مقامات پر تبدیل کردیا اس طرح یہ سازش ناکام ہوگئی۔

ایک روز گڑھی کا دروازہ کھلا اور کچھ لوگ قضائے حوائج کے لئے باہر چلے گئے، ان میں سے ایک غازی، جس کا نام خدا بخش تھا شہید ہوا۔ یہ پنجاب یا ہزارہ کا باشندہ تھا، آخر سید اکبر شاہ ہی نے سید صاحب کے فرمان کے مطابق چھتر بائی کو بھی خالی کرادیا اور غازیوں کو عشرہ لے گئے جہاں شیخ بلند بخت پہلے سے موجود تھے۔

عشرہ سے برڈھیری

یہ غازی عشرہ سے چملہ کی طرف روانہ ہوئے، سید اکبر شاہ نے دیگرہ کے موضع خاں اور مدد خاں کو رہبری کیلئے ساتھ کردیا تھا۔ قافلے میں تین عورتیں تھیں: ایک زوجہ الٰہی بخش مہاجر، دوسری زوجہ الٰہی بخش رام پوری، تیسری زوجہ حسن خاں ساکن زمانیہ۔ چار بچے تھے۔ شیخ بلند بخت نے انہیں اپنے ساتھ قافلے کے پیچھے رکھا، رات کا وقت، راستہ پہاڑی اور اس سے قدم ناآشنا۔ ایک عورت غار میں گری لیکن درخت میں اٹک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئی، دو کمبل باندھ کر اسے باہر نکالا۔ ایک رات پہاڑ پر سوئے، دوسری رات ایک بستی کے کنارے ٹھہرے، تیسرے روز سید صاحب کے پاس پہنچے۔

شہزاد خاں رئیس ڈگر

شہزاد خاں رئیس ڈگر، بونیر کا سب سے بڑا خان تھا۔ مشہور تھا کہ وہ مفسدین سمہ کے تمام مشوروں میں شریک رہا۔ سید صاحب کی ہجرت کی خبر مشہور ہوئی تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، بونیر و چملہ کے مختلف خوانین کو ساتھ لے کر تقصیر معاف کرانے کے لئے برڈھیری میں سید صاحب کے پاس پہنچا۔ آپ عادت شریفہ کے مطابق خندہ پیشانی سے ملے، شہزاد خاں نے عرض کیا کہ اہل سمہ نے غلط بیانیاں کر کے مجھے گمراہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ سید بادشاہ ہمارے ملک میں نئے نئے حکم جاری کر رہے ہیں، چھوٹے چھوٹے قصوروں پر بے عزت کرتے ہیں، میں ان کے فریب میں آ گیا۔

سید صاحب نے فرمایا کہ آپ نے آدمی بھیج کر ہم سے ہر الزام کی حقیقت کیوں معلوم نہ کر لی؟ بولا کہ مجھے باغی نہ سمجھئے اور خطا معاف کر دیجئے۔ سید صاحب نے فرمایا: آپ نے میری کوئی خطا نہیں کی، خداوند کریم کا گناہ کیا۔ سچے دل سے توبہ کرو گے تو عفو کی امید ہے۔ وہ رونے لگا کہ اہل سمہ نے میرا دین بھی تباہ کیا اور دنیا بھی۔

فتح خاں کی گزارش

خان ڈگر کی عاجزی دیکھ کر فتح خاں پنجتاری کی بھی ہمت بندھی، اس نے شہزاد خاں ہی کو واسطہ بنا کر درخواست کی کہ سید صاحب نہ جائیں اور پنجتار ہی میں ٹھہریں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ وقت ہاتھ سے جاتا رہا، اب اس بات میں کوئی لطف نہیں:

وقت ہر کار نگہ دار کہ نافع نہ بود
نوشدارو کہ پس از مرگ بہ سہراب دہند

برڈھیری سے چلتے وقت شہزادہ خاں کو رخصت کیا تو معمول کے مطابق ایک نہایت عمدہ گھوڑا بطور تحفہ دیا۔

اگلی منزلیں

برڈھیری تک تین منزلیں ہوئی تھیں، بعد کی منزلوں کا نقشہ یہ ہے:

۱۔ برڈھیری سے چلے تو برندو ندی کے کنارے اس جگہ ٹھہرے جہاں سے مجاہدین کا موجودہ مرکز اسمست بہت قریب ہے۔

۲۔ برندو کو عبور کرنے کے بعد پہاڑ پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوگئی، یہ بڑی کٹھن تھی، سید صاحب ہاتھی پر سوار تھے، گھوڑے اور اونٹ گر گر جاتے تھے، پیادے بہ مشکل راستے طے کرتے تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو وہاں چند مکان تھے، کچھ غازی ماندگی سے لاچار ہو کر وہیں ٹھہر گئے۔ سید صاحب لشکر کے ساتھ کرنا میں مقیم ہوئے، وہاں سے فتح خاں پنجتاری رخصت ہوا۔

۳۔ کرنا سے نکلے تو کابل گرام میں منزل ہوئی جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اخوند خیلوں کا موضع ہے۔ وہاں سے دریا کو عبور کرنا تھا، جس میں تین روز لگ گئے، ایک اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی، سید صاحب نے اسے ذبح کرا کے گوشت لشکر میں تقسیم کرا دیا۔

۴۔ عبور دریا کے بعد ایک منزل دریا کے مشرقی کنارے پر ہوئی پھر تاکوٹ میں قیام کیا، جہاں ناصر خاں بھٹ گرام اور پکھلی کے دوسرے خوانین استقبال کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ اس وقت تک سید صاحب کی قیامگاہ کا معاملہ طے نہیں ہوا تھا، تاکوٹ ہی میں خوانین نے باہمی مشورے سے راج دواری میں ٹھہرانے کا فیصلہ کیا۔

۵۔ بی بی صاحبہ کی زچگی کے دن قریب تھے، سید صاحب نے انہیں تاکوٹ میں چھوڑا، خود ایک رات دیشیوں کی بستی میں گزاری۔ اس کے بعد بھٹ گرام گئے جہاں چار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقام کیے، ایک رات کا کڑ سنگ میں بسر کی، پھر راج دواری پہنچ گئے، شعبان کی تیسری یا چوتھی تاریخ تھی۔

مدتِ مسافت

میرے اندازے کے مطابق پنجتار سے نکل کر راج دواری پہنچنے میں انیس یا بیس دن صرف ہوئے۔ زیادہ تر مقامات میں ایک ایک رات ٹھہرے، کن گلی اور برڈھیری اور تا کوٹ میں دو دو راتیں، کابل گرام میں تین راتیں اور بھٹ گرام میں چار راتیں، راج دواری چونکہ تیسری چوتھی شعبان کو پہنچے (۱۷؍ یا ۱۸؍ جنوری ۱۸۳۱ء کو) اس بناء پر قیاس یہ ہے کہ پنجتار سے ۱۵؍ یا ۱۶؍ رجب کو چلے ہوں گے (یعنی ۲۹؍ یا ۳۰؍ دسمبر کو)۔

۷؍ شعبان (۲۱؍ جنوری ۱۸۳۱ء) کو آپ کے گھر بچی پیدا ہوئی جس کا نام ہاجرہ رکھا گیا۔ غالباً اس مناسبت سے کہ اس کی پیدائش دورانِ ہجرت میں ہوئی تھی، نیز اس کی بڑی بہن کا نام سارہ تھا۔

شاہ اسماعیل کا واقعہ

تا کوٹ میں مولانا شاہ اسماعیل موت کے منہ سے بچے، انہیں غسل کی حاجت تھی، منہ اندھیرے دریا پر چلے گئے، سخت سردی کا موسم اور دریا کا پانی برفانی، سردی نے عاجز کر دیا، فوراً باہر نکل کر کپڑے پہنے، لیکن چلا نہ گیا بے بس ہو کر گرے اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ صبح صادق کے وقت محمد امیر خاں قصوری اور بعض دوسرے غازی وضو کے لئے دریا پر گئے تو سمجھے کہ کوئی آدمی مرا پڑا ہے، دیکھا تو مولانا تھے۔ دو آدمیوں نے انہیں اٹھایا، باقی بھاگ کر چارپائی لائے قیام گاہ پر پہنچ کر کمبل اڑھائے، پاس آگ جلائی سورج نکلنے پر مولانا کو ہوش آیا۔ سید صاحب کو معلوم ہوا تو دیکھنے کے لئے پہنچے اور فرمایا کہ خدا نے آپ کو اتنا بڑا عالم بنایا ہے، تعجب ہے کہ آپ سے ایسی حرکت سرزد ہوئی۔ نہانا تھا تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آدمیوں سے کہہ کر پانی گرم کرالیتے۔

بھٹ گرام سے سید صاحب ایک بزرگ سے ملنے کیلئے چھپر گرام بھی گئے تھے۔

راج دواری کی تجویز کے وجوہ

راج دواری کو خوانین نے مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر سید صاحب کے قیام کے لئے منتخب کیا تھا:

۱۔ یہ مقام پکھلی کے تمام دروں کے سر پر تھا، اسلئے اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

۲۔ وہاں کئی پن چکیاں تھیں اور غازیوں کو آٹا پسوانے میں دقت پیش نہیں آسکتی تھی۔

۳۔ پاس جنگل تھا، جہاں سے حسب ضرورت ایندھن لایا جاسکتا تھا۔

۴۔ راج دواری کی ملکیت میں متعدد خوانین شریک تھے اور وہاں کے قیام میں سب کو مہمانداری کا شرف حاصل ہوتا تھا، نیز کسی ایک کے علاقے میں قیام کی بنا پر دوسروں کے دلوں میں رقابت پیدا ہونے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

راج دواری سے آدھ کوس پر ایک نالہ تھا، سید صاحب وہاں ٹھہر گئے، پوشاک بدلی وضو کر کے دوگانہ شکر ادا کیا، پھر بستی میں پہنچے، غازیوں کو مختلف مکانوں میں ٹھہرایا، جو پہلے سے ان کیلئے خالی کرائے جا چکے تھے، خود مسجد کے قریب ایک مکان میں اترے۔

بھوگڑ منگ روکنے کا فیصلہ

راج دواری پہنچے تو برف باری کا موسم شروع ہو چکا تھا اور اس موسم میں جہاد نا ممکن تھا، لیکن سید صاحب نے خوانین کو جمع کر کے فرمایا کہ بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبراتی ہے، کچھ مشغولیت کا انتظام ہونا چاہئے۔ نیز جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ برف باری کے دنوں میں دور افتادہ علاقوں سے غلہ راج دواری لانا مشکل ہوگا تو مناسب یہ سمجھا گیا کہ پورے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لشکر کو راج دواری میں رکھنے کے بجائے جا بجا مناسب مقامات پر پھیلا دیا جائے۔

دروں میں بھوگڑ منگ کو خاص اہمیت حاصل تھی، وہ شنکیاری کے سر پر تھا، جہاں سکھوں نے ایک چھاؤنی سی بنا رکھی تھی اور وہاں سے اٹھ کر بھوگڑ منگ میں اقدامات کرتے رہتے تھے۔ سید صاحب نے مناسب سمجھا کہ اس درے پر لشکر بٹھا دیا جائے تاکہ سکھ حملہ نہ کر سکیں، نیز درے کے اندر کے سارے لوگ مطمئن ہو کر سکھوں کو خراج دینا بند کر دیں۔ اس حصہ کے رئیس حسن علی خاں پچوں والے پر شبہ کیا جاتا تھا کہ وہ سکھوں سے ساز باز کئے بیٹھا ہے۔ یہ شبہ اگر درست بھی ہوتا تو غازیوں کا لشکر درے پر بیٹھ جانے سے حسن علی خاں کے لیے دودلا رہنا غیر ممکن ہو جاتا، ناصر خاں (بھٹ گرام) سعادت خاں اور شاہی خاں (ٹیکری)، محمد خاں اور بارک خاں (کورنش)، شہزاد خاں (چھپر گرام) نیز رئیس تنج بوڑی، اس مشورے میں شریک تھے اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔

مولانا اسماعیل اور مولوی خیر الدین

سید صاحب نے چار سو غازی مولانا شاہ اسماعیل کی سرکردگی میں بھوگڑ منگ بھیج دیے۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو نائب و مشیر بنایا اور معمول کے مطابق بعد دعا کے بعد انہیں رخصت فرمایا۔ مولانا نے ایک منزل راستے میں کی، وہاں سے مولوی خیر الدین کو ساڑھے تین سو غازیوں کا امیر بنا کر موضع بھوگڑ منگ بھیج دیا جو درے کے اندر دہانے سے تھوڑے فاصلے پر ہے، خود پچاس غازیوں کے ساتھ پچوں چلے گئے، جو بھوگڑ منگ سے چند میل شمال میں واقع ہے۔

مولوی خیر الدین نے بھوگڑ منگ پہنچ کر درے کے دہانے تک اتنا عمدہ انتظام کر لیا کہ سکھوں کو شنکیاری کی گڑھی سے باہر نکلنے کا حوصلہ نہ رہا، درے کے اندر کے تمام لوگ مطمئن ہو گئے اور خوشی خوشی مولوی صاحب کو عشر دینے لگے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک روز قندھاریوں کی ایک جماعت درے سے باہر میدان میں نکل گئی۔ اس میں زیادہ آدمی نہ تھے، اتفاق سے سکھ سامنے آگئے، اگرچہ وہ غازیوں سے دو چند تھے لیکن جم کر لڑنے کی ہمت نہ پڑی اور عالم ہراس میں آس پاس کے ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ قندھاریوں نے احتیاطاً مولوی خیر الدین کو خبر بھیج دی۔ عصر کا وقت تھا، مولوی صاحب فی الفور تیس چالیس غازیوں کو لے کر درے پر پہنچ گئے، سکھ چھپ چھپ کر گڑھی میں چلے گئے، اندھیرا ہو گیا تو مولوی صاحب واپس ہوئے۔

پچوں تین گاؤں تھے: ایک پچوں کلاں دوسرا پچوں خورد تیسرا کہار سچا۔ حسن علی خاں نے اپنے بھائی کی حویلی مولانا کے لئے خالی کرادی اور تمام لوگوں کے نام پیغام بھیج دیا کہ جو مالیہ سکھوں کو دیتے ہو بند کر دو اور غازیوں کو عشر پہنچاتے رہو، سکھ اقدام کریں گے تو غازی انہیں روکنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

اس زمانے میں مولانا ایک مرتبہ مشورۂ خاص کیلئے راج دواری بھی گئے تھے۔

بیعت اہل صفہ

سید صاحب راج دواری ہی میں رہے، وہیں ۱۴ ر شعبان کو سیدہ ہاجرہ کا عقیقہ کیا، اس زمانے میں اکثر غازیوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت اہل صفہ کی، جس کی خاص شرطیں یہ تھیں:

۱۔ کوئی حاجت چھوٹی ہو یا بڑی خدا کے سوا کسی سے طلب نہ کی جائے گی۔

۲۔ جس بات کو بیعت کنندہ اپنے حق میں معیوب و مکروہ سمجھے گا، اس کا حکم کسی مسلمان بھائی کو نہ دے گا۔ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے گا وہی ہر مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے گا۔

۳۔ بیعت کنندہ اپنی حاجت و ضرورت پر مسلمان بھائیوں کی حاجات و ضروریات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو مقدم رکھے گا۔

۴۔ ہر کام صرف رضائے خدا کے لئے کیا جائے گا۔

مولوی الٰہی بخش رام پوری یہ بیعت کر چکے تو سید صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ دعا کیجیے خدا مجھے تا دمِ مرگ اس عہد پر قائم رکھے۔ سید صاحب نے فرمایا:

بھائی، سچ کہتے ہو، میرا بھی یہی حال ہے، اپنے نفس پر اعتماد مشکل ہے۔ پروردگار کی تائید شامل حال رہنی چاہیے، میرے لئے بھی دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس طریق پر ثابت قدم رکھے۔

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری نے ایک مرتبہ پنجتار میں مولانا شاہ اسماعیل کا وعظ سن کر کھانا پینا چھوڑ دیا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ایک روز راج دواری میں اس قسم کا واقعہ پیش آیا، کھانا پینا چھوڑ دیا اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگے۔ رفیقوں نے سبب پوچھا تو بولے: حضرت امام المسلمین نے تین موقعوں پر جن غازی بھائیوں کو مغفرت کی بشارت دی، میں ان میں سے کسی موقع پر موجود نہ تھا، یہ میری انتہائی بے نصیبی تھی۔ اب اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گا، جب تک حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر نہ فرمائیں گے کہ یہ شخص جنتی ہے۔

سید صاحب تک بات پہنچی تو شیخ اسحاق کو اپنے پاس بلایا، آپ محبت سے شیخ کو ''دیوانے شاہ'' فرمایا کرتے تھے۔ پوچھا: ''دیوانے شاہ'' کیا ہوا؟ مولوی جعفر علی نقوی پاس تھے، انہوں نے پوری کیفیت عرض کی۔ سید صاحب بولے:

بھائی! آپ مجھ سے ایسی بات کہلوانا چاہتے ہیں کہ علماء اس پر میرے قتل کا حکم دیدیں گے۔ ایسی بات کہی نہیں جا سکتی، لیکن اپنی حالت پر غور کیجیے آپ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، کاروبار جہاد میں مصروف ہیں، شر و فساد کا ازالہ کرتے ہیں، کیا یہ نیک کام نہیں ہیں؟ اہل جنت کے اعمال نہیں ہیں؟ اب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھئے، کھانا کھائیے اور سو جائیے۔ جس کام میں مشغول ہیں مشغول رہیے۔ ارحم الراحمین کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھئے، انشاء اللہ آپ کا انجام بخیر ہوگا۔(۱)

خدائی انتقام

راج دواری ہی میں سید صاحب کو اطلاع ملی کہ پنجتار کو چھوڑ کر پکھلی کی جانب آنے کے بعد سکھوں کے دل سے ہر خوف دور ہو گیا اور انہوں نے اہل سمہ پر ظلم و تعدی کا سیل بہا دیا۔ جہاں جاتے، دیہات کے مکانوں کو آگ لگا دیتے، جو چیز ہاتھ آتی اٹھا کر لے جاتے، سکھوں کی سپاہ میں مسلمان بھی شامل تھے، وہ اہل سمہ کو بار بار طعن کے انداز میں کہتے تھے کہ تم لوگوں نے اپنے مرشد و امام کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، اسکے بعد کسی دوسرے کو تم سے بھلائی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ سردارانِ پشاور اور اہل سمہ نے اپنے خیال کے مطابق غازیوں کو خونِ شہادت میں تڑپا کر نفاذِ شریعت سے نجات حاصل کی تھی اور رسومِ جاہلیت کو محفوظ کیا تھا، درحقیقت انہوں نے وہ بند توڑ دیا تھا جسکی وجہ سے چار برس تک فتن و محن کا سیل رکا رہا۔ بند ٹوٹا تو اہل سمہ سیلِ تعدی میں تنکوں کی طرح بہنے لگے۔ سچ ہے:

تا دلے صاحب دلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

---

(۱) منظورہ ص: ۱۱۴۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پینتیسواں باب:

بالاکوٹ اور پچوں

امداد کی درخواستیں

سید صاحب کاروبار جہاد کے مستقل آغاز کے لئے موسم برف کے اختتام کا انتظار کر رہے تھے، اس اثناء میں مختلف خوانین کے حالات معلوم ہوئے تو عجیب نقشہ نظر آیا۔ سکھوں کی یورشوں نے محض عام مسلمانوں ہی پر عرصۂ اطمینان تنگ نہیں کیا تھا، خوانین ورؤسا کو بھی خاصے خلجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان میں پہلے سے عداوتیں جاری تھیں، بعض فریق سکھوں کے ساتھ مل گئے اور ان کی امداد سے اپنی برادری کے آدمیوں کو ملک وریاست سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہو گئے، مثلاً:

۱۔ زبردست خاں کو اس کے عم زاد بھائی نجف خاں نے سکھوں کی مدد لے کر مظفر آباد سے نکال دیا تھا۔

۲۔ نجف خاں گھوڑی والا، اپنی ریاست سے نکل کر کوہ درابہ میں بیٹھا تھا۔

۳۔ راجا منصور خاں والیٔ ملک درابہ اپنے بھائی معز الدین کے خوف سے چھپتا پھر رہا تھا۔

۴۔ حبیب اللہ خاں مالک گڑھی (حبیب اللہ خاں) اس طرف کا بہت بڑا زمیندار تھا۔ وہ گڑھی کو چھوڑ کر بالاکوٹ سے بھی آگے درۂ کاغان میں مقیم تھا۔

ان سب نے سید صاحب سے دستگیری کی درخواستیں کیں اور یہ سب راہ کشمیر کے خوانین ورؤسا تھے، اگر ان کے لئے اطمینان سے بیٹھنے کی صورت پیدا ہو جاتی تو امید تھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ نہ محض کشمیر پہنچنا سہل ہوگا، بلکہ تسخیر کشمیر میں ان سے گراں قدر امداد ملے گی۔ سید صاحب نے مولانا شاہ اسماعیل کو یہ سارے حالات لکھ بھیجے اور حکم دیا کہ بہتر ہو آپ بالاکوٹ چلے جائیں، مولانا نے یہ حکم پہنچتے ہی مولوی خیر الدین کو لکھا کہ آپ فی الفور بالاکوٹ چلے جائیں، میں بھی دو تین روز میں پہنچ جاؤں گا۔

مولوی خیر الدین بالاکوٹ میں

چنانچہ مولوی صاحب ۲۷/شعبان ۱۲۴۶ھ (۱۰/فروری ۱۸۳۱ء) کو ظہر کے وقت بھوگڑمنگ سے روانہ ہوئے، پہاڑی راستے سے بالاکوٹ اگرچہ صرف تین کوس تھا لیکن نشیب و فراز کے باعث منزل سخت کٹھن تھی اور برف باری نے سفر کی مشکلات میں بہت اضافہ کردیا تھا، بایں ہمہ مولوی صاحب چار گھڑی رات گئے تک بالاکوٹ پہنچ گئے۔

خوانین کو ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو پیغام بھیجا کہ نجف خاں سکھ افواج کے سپہ سالار شیر سنگھ کے ساتھ باہر چلا گیا ہے (۱) اور مظفر آباد خالی پڑا ہے۔ گڑھی میں سات آٹھ سو آدمی ہوں گے، اگر اس موضع پر حملہ کیا جائے تو مظفر آباد قبضے میں آجائے گا، حضرت کو وہاں بٹھا دیں گے اور متفقہ قوت سے کشمیر پر چڑھائی کردیں گے۔ مولوی صاحب نے کہلا بھیجا کہ مجھے صرف بالاکوٹ پہنچنے کا حکم ہوا ہے، آگے جا نہیں سکتا، مولانا شاہ اسماعیل دو تین روز میں آجائیں گے تو ان سے بات کرلینا۔ یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت امیر المومنین اس ملک میں تازہ وارد ہیں، وہ نہ آپ لوگوں کے حالات سے واقف ہیں، نہ آپ نے انہیں دیکھا ہے، نہ ان کے ارادوں سے آگاہی حاصل کی ہے، بہتر یہ ہوگا کہ پہلے حضرت سے مل کر ان کے ارادوں سے پوری آگاہی حاصل کرلیجئے، پھر رفاقت کی درخواست کیجئے۔

(۱) روایتوں میں ہے کہ پشاور کی سمت چلا گیا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ مانسہرہ کی طرف آیا ہوگا۔ اس زمانے میں شیر سنگھ یہ سوچ رہا تھا کہ سید صاحب کی قوت کو توڑنے کے لئے کہاں حملہ کرے، بالاکوٹ پر یا بھوگڑمنگ پر؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوانین نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر حضرت سے مل کر سب مراحل طے کرنے کا انتظار کیا گیا تو ممکن ہے نجف خاں اور شیر سنگھ واپس آ جائیں، پھر مظفر آباد پر حملے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ خوانین نے مولوی صاحب سے ملاقاتیں بھی کیں جن میں مندرجہ ذیل باتوں پر زور دیا:

خوانین کی تجویز

۱۔ نجف خاں اور شیر سنگھ کی مراجعت سے پہلے پہلے مظفر آباد کی تسخیر کا جو موقع ہے، اسے ضائع نہ کرنا چاہئے۔

۲۔ ہمارے اہل وعیال بالاکوٹ سے آ گئے ہیں، انہیں تنہا چھوڑ کر حضرت کے پاس کیسے جائیں؟

۳۔ ہمیں صرف بطور تبرک غازیوں کی امداد مطلوب ہے، لڑائی کی پوری ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں۔

مولوی صاحب نے پہلی بات کے جواب میں وہی کہا جو پہلے کہا تھا، یعنی یہ کہ میں مختار نہیں ہوں مامور ہوں اور بطور خود کوئی اقدام نہیں کر سکتا، ان کے اہل وعیال کی پوری حفاظت کا ذمہ اٹھایا۔ تیسری بات کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میں لڑنے کی ہمت ہوتی تو گھر بار چھوڑ کر جلاوطن کیوں ہوتے؟

مولانا کا سفر بالاکوٹ

مولانا ۲۹ رشعبان ۱۲۴۶ھ کو پچوں سے نکلے، چونکہ قصد بالاکوٹ کو ملکی آدمیوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے ساتھیوں سے فرمایا کہ بھوگڑ منگ جانا منظور ہے۔ برف اس وقت پڑ رہی تھی، لیکن نہ رکے۔ بھوگڑ منگ کی آبادی کے قریب پہنچے تو درختوں کے نیچے ٹھہر گئے، اس وقت کہا کہ بالاکوٹ پہنچنا ہے، چنانچہ وہاں سے بالاکوٹ کا رخ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرلیا۔ راستے میں ایک گاؤں ملا جس کے باہر ایک مکان مسافروں کیلئے تھا۔ اس میں ٹھہر گئے اور کپڑوں سے برف جھاڑی۔ جب معلوم ہوا کہ اس گاؤں میں اور کوئی مکان خالی نہیں مل سکے گا تو پھر چل پڑے۔ عصر کی نماز دامن کوہ میں ادا کی، پھر چڑھائی شروع ہوگئی۔ مغرب کی نماز بعض غازیوں نے پہاڑ کی چوٹی پر ادا کی، بعض نے چڑھائی کے دوران میں، اس سفر میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ ایک غازی کی بندوق کی نالی برف سے اٹ گئی اس نے بندوق چلائی تو نالی پھٹ گئی اور ایک ٹکڑے سے اس کا رخسار زخمی ہوگیا۔ اخوندزعفران قندھاری ایک درخت پر چڑھنے لگے، ساتھیوں نے یہ کہہ کر روکا کہ برف کی سردی ہلاک کر ڈالے گی۔ کہنے لگے کہ چلنے میں بھی زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں، سامانِ جنگ یابوؤں اور خچروں پر سوار تھا، چڑھائی میں تو خیر وہ زیادہ نہ رکے لیکن اترائی میں بالکل بے بس ہوگئے۔

مولانا کی بے بسی

خود مولانا بھی جسم کے کمزور تھے اور زیادہ تر علیل رہتے تھے۔ چلتے چلتے وہ بھی عاجز ہوکر ایک جگہ بیٹھ گئے اور فرمایا: بھائیو کچھ ہو، ہم تو یہاں سے اٹھتے نہیں۔ چند توانا غازی تیزی سے مٹی کوٹ پہنچے اور وہاں سے گوجروں کو چارپائی سمیت لائے، چنانچہ مولانا کو چارپائی پر ڈال کر مٹی کوٹ پہنچایا گیا۔ مولوی سید جعفر علی نقوی پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہوگئی تھی، انہوں نے اپنا سارا سامان یعنی قرابین، شمشیر اور لحاف ایک پنجابی غازی کے حوالے کیا، جس کا نام برکات تھا اور کہا کہ اگر میں زندہ بچا تو لے لوں گا ورنہ اسے بیت المال میں دے دینا۔ پھر ایک گوجر سے کہا کہ میری دستار لے لو اور کسی طرح مجھے گاؤں میں پہنچادو، صرف دستار کی پیش کش اس لئے کی کہ جو سامان وہ گھر سے لائے تھے، اس میں سے محض دستار باقی رہ گئی تھی، باقی سب کپڑے بیت المال کے تھے اور انہیں کسی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حوالے کرنا مولوی صاحب کے نزدیک تقویٰ کے خلاف تھا۔ مولانا کو گوجروں نے گاؤں میں پہنچا دیا تو مولوی جعفر علی کو بھی چار پائی ہی پر ڈال کر لے گئے۔

جس مکان میں مولانا اور مولوی جعفر علی کو رکھا گیا وہاں آگ جلا دی گئی لیکن تاکید کردی کہ دیکھنا آگ کے قریب نہ آنا ورنہ ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں گے۔ اسی شام کو مٹی کوٹ میں رمضان کا چاند دیکھا، مولانا دوسرے دن بالا کوٹ پہنچ گئے، مولوی جعفر علی نقوی ہاتھوں اور پاؤں پر گھی اور نمک مل کر دھوپ میں لیٹے رہے، جب چلنے کے قابل ہوئے تو مٹی کوٹ سے چلے۔

لشکر مظفر آباد بھیجنے کا فیصلہ

خوانین مولانا سے ملے تو ان سے بھی مظفر آباد پر حملے کی درخواست کی، مولانا نے غازیوں کو بھیجنے کا وعدہ کرلیا، مولوی خیر الدین کو امیر لشکر بنانا چاہا تو انہوں نے معذرت کردی اور کہا کہ ان خوانین کا کچھ اعتبار نہیں، خدا جانے ہمیں کہاں مصیبت میں الجھا کر الگ ہو جائیں۔ نیز میرا لشکر بے سامان ہے، یا تو زبردست خاں سے کہئے کہ پانچ ہزار روپے نقد دے تاکہ میں سامان درست کرلوں، یا آپ دو ہزار روپے دے دیں، آخر مولانا نے تین سو غازیوں کو زبردست خاں کے ساتھ کردیا۔ مولوی قطب الدین ننگرہاری، منصور خاں قندھاری اور منشی محی الدین امان زئی کو مشترکا اس لشکر کی سالاری کا کام سپرد کیا۔

ادھر یہ لشکر مظفر آباد روانہ ہوا ادھر حبیب اللہ خاں (گڑھی والا)، نجف خاں (گھوڑی والا)، اور منصور خاں (درابہ والا) سید صاحب کی زیارت کیلئے روانہ ہو گئے۔ جب یہ سنایا کہ مولوی خیر الدین مظفر آباد نہیں گئے تو سید صاحب نے مولوی صاحب موصوف کے نام فرمان بھیجا کہ بے شک آپ کا عذر معقول تھا، لیکن اب ضرور جانا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چاہیے، اسلئے کہ جو لوگ گئے ہیں مبادا انہیں ناواقفی کے باعث نقصان پہنچے اور کار دبار جہاد میں خلل پڑے۔ چنانچہ مولوی خیر الدین بھی دس آدمی لے کر مظفر آباد چلے گئے۔

بالاکوٹ میں دینی مشغولیتیں

بالاکوٹ میں مولوی نصیر الدین منگلوری نے نماز تراویح کا انتظام کیا، شاہ اسماعیل بوجہ ضعف ونقاہت شریک نہیں ہوتے تھے، لیکن سب سے علی الاعلان فرماتے رہتے تھے کہ اس بارے میں میری پیروی کوئی نہ کرے، میں مجبور ہوں، ہاں جس شخص کی مجبوری میرے جیسی ہو، اس کا معاملہ دوسرا ہے۔

اس زمانے میں ملا محمود، مولانا سے سورۂ انفال کا ترجمہ پڑھتے تھے۔ مولوی جعفر علی نقوی نے بھی پڑھنے کی درخواست کی، مولانا نے فرمایا کہ فرصت بالکل نہیں۔

۲۷ رمضان کو مولانا نے فرمایا: آج جی چاہتا ہے کہ دو رکعت تراویح میں بھی پڑھ لوں، لیکن شرط یہ ہے کہ امام مجھے بنایا جائے۔ سب نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے امامت کا حقدار کون ہے؟ مولوی سید جعفر علی نقوی کہتے ہیں کہ ان دو رکعتوں میں پوری سورۂ بنی اسرائیل پڑھی اور:

> با آں لطف خواندند کہ ہیچ نمازے با حظ ولذت آں نماز از ابتداء عمر تا الیوم پس ہیچ کدام امام نگزاردہ ام کہ تمام عمر از یاد نخواہد رفت۔(۱)
>
> **ترجمہ**: اور اس کیف میں پڑھی کہ ابتداء عمر سے آج تک (یعنی تادم تحریر) کسی امام کے پیچھے کسی نماز میں وہ لذت نصیب نہ ہوئی۔ یہ نماز عمر بھر نہ بھولے گی۔

سید صاحب پچھوں پہنچ گئے

غالباً ۱۷ یا ۱۸ رمضان کو سید صاحب کی بی بی تاکوٹ سے راج دواری جا پہنچیں، اس

---

(۱) منظورہ ص: ۲۳۲

اثناء میں خواتین نے عرض کیا کہ اب برف کم ہو رہی ہے اور سکھوں کی یورشیں شروع ہونے والی ہیں، بہتر یہ ہے کہ راج دواری سے پچوں تشریف لے چلیں۔ علاوہ بریں ایسی خبریں آئی تھیں کہ سکھوں کا لشکر بھوگڑ منگ پر حملے کے لئے درے کے باہر جمع ہو رہا ہے۔ چنانچہ سید صاحب ۲۲ رمضان (۲ مارچ ۱۸۳۱ء) کو بہ قصد پچوں راج دواری سے روانہ ہو گئے۔ شیخ حسن علی اور ان کے اقربا(۱) نیز حاجی ننھے خاں بناری، الٰہی بخش مہاجر، ان کے بھائی، حاجی قاسم پانی پتی، احمد خاں ساکن عیسیٰ خیل، رحیم بخش اور بعض دوسرے غازیوں کو راج دواری میں چھوڑا۔ کچھ خواتین بھی تھیں، ساڑھے تین سو غازی آپ کے ساتھ گئے۔ ۲۲ رمضان کی رات شارکول میں بسر کی، جہاں ارباب بہرام خاں مقیم تھے۔ ۲۳ کی رات ایک اور گاؤں میں گزاری جس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ۲۴ رمضان المبارک کو پچوں پہنچ گئے۔ بی بی صاحبہ اور بچی سے یہ آخری مفارقت تھی، پھر اس دنیا میں ملاقات مقدر نہ تھی۔

خطبہ

سید صاحب نے پچوں پہنچ کر ۲۷ رمضان کو جمعہ کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ بھی کہا:

> جب کسی گھر کی کوئی دیوار گر جاتی ہے تو سارے اہل خانہ کو تکلیف پہنچتی ہے، زن و مرد و اطفال سب اس کی درستی میں لگ جاتے ہیں۔ کوئی گارا لاتا ہے کوئی اینٹیں جمع کرتا ہے، کوئی چھت ڈالتا ہے۔ جب رات دن کی محنت سے گھر درست ہو جاتا ہے تو پھر مدت دراز تک لوگ اس میں آرام سے رہتے ہیں۔ اسی طرح اب مسلمانوں کا خانہ دین معرض انہدام میں ہے، کفار نے رہزنوں کی طرح گھر کے مال و متاع پر دست تاراج دراز کر رکھا ہے، انہیں کوئی دغدغہ

(۱) یعنی شیخ کے دو بھائی، عبدالرحمٰن اور عبدالعزیز اور ایک بھتیجا عبدالقادر۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہیں، اس لئے کہ گھر کے پاسبان اور محافظ کہیں نظر نہیں آتے۔ لازم ہے کہ غفلت کے ماتے آنکھیں کھولیں اور اپنے ویران گھر کی نگہبانی کریں، اسے نئے سرے سے محفوظ بنائیں۔ رہزنوں اور چوروں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچائیں، گھر درست ہو جائے، چوری اور رہزنی کا کھٹکا نہ رہے تو پھر بے شک آرام کریں۔

یہ خطبہ ایسے پر تاثر انداز میں بیان ہوا تھا کہ اکثر سامعین پر گریہ طاری ہو گیا، حسن علی خاں رئیس پچوں کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس نے اعتراف کیا:

میں اب تک غازیوں کے کاروبار جہاد کو بچوں کا کھیل سمجھتا تھا، لیکن حضرت کا جمالِ جہاں آرا دیکھ کر یقین ہو گیا کہ اس عظیم الشان عزم کا انسان اگر ہفت اقلیم کی تسخیر کا ارادہ بھی کر لے تو کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے تمام ممالک کی فتح آسان کر دے۔ (۱)

ضامن شاہ کاغانی

سید صاحب پچوں ہی میں تھے کہ سید ضامن شاہ ساکن کوائی (کاغان) بیس بائیس آدمیوں کے ساتھ زیارت کے لئے پہنچا۔ ان میں آٹھ افراد اس کے اقربا میں سے تھے، ضامن شاہ کے ساتھ نامہ و پیام تو پہلے سے جاری تھا لیکن ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پچوں پہنچ کر اس نے اقربا سمیت بیعت کی اور کاروبار جہاد میں جان و مال سے شرکت کا پیمان باندھا۔ جنگ بالاکوٹ میں بھی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ شریک تھا، سید صاحب کی شہادت کے بعد بھی مجاہدین کی اعانت میں برابر سرگرم رہا۔ ایک زمانے تک اس کا وطن ''کوائی'' مجاہدین کا مرکز بنا رہا۔ ضامن شاہ اور جو تحفے لایا ان کی تفصیل معلوم نہیں، لیکن روایتوں میں ایک تحفے کا ذکر تفصیل سے آیا ہے، یہ مرغ زریں کا جوڑا تھا، جو سوات

(۱) منظورہ ص: ۱۱۶۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور کاغان کے برفانی علاقوں میں پایا جاتا ہے اور بے حد خوبصورت ہوتا ہے۔ جثہ بھاری کلنگ کا سا، پروں پر کئی رنگ، کوئی خط سبز، کوئی لاجوردی، کوئی سنہرا، کلغی سنہری مائل بہ سبز، چونچ غایت درجہ سرخ، آنکھیں بھی سرخ، سید صاحب اور ہندوستانی غازیوں نے یہ مرغ کبھی دیکھا نہ تھا، سب کو قدرت کی یہ نادر عجائب کاری سراپا حیرت بنا گئی۔ (۱)

تجویزِ شبخون

ادھر مولانا کو خبر ملی کہ شیر سنگھ اور نجف خاں گڑھی حبیب اللہ واپس آ گئے ہیں اور جگہ جگہ سے فوج جمع کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ یہ جنگ کی تیاری تھی، بالاکوٹ کا راستہ بہت دشوار گزار تھا، اور بظاہر اس قصبے پر براہِ راست حملہ مشکل تھا۔ فوج دریائے کنہار کے مغربی کنارے پر جمع ہونے لگی (۲) خیال ہوا کہ شاید بالاکوٹ کے بجائے بھوگڑمنگ پر حملہ ہو۔ مولانا نے یہ حالات سید صاحب کو لکھ بھیجے تاکہ وہ دفاع کی مناسب تیاری کر رکھیں۔

ایک روز مولانا نے فرمایا کہ کیوں نہ سکھوں کی لشکر گاہ پر شبخون مارا جائے؟ اسے سب نے پسند کیا، چنانچہ غازیوں کا ایک جیش تیار کر دیا گیا اور انہیں حکم مل گیا کہ دوسرے دن عصر کے وقت بالاکوٹ سے روانہ ہو جائیں۔ ایک ایک کر کے اس پہاڑ پر چڑھ جائیں جس کے نیچے سکھوں کا لشکر تھا، دو تین آدمی کمبل سر پر اوڑھ کر چرواہوں کی سی شکل

(۱) اس مرغ کی کلغی اور گردن کے سنہرے پروں کو عموماً بچوں کی ٹوپیوں میں بطور کلغی لگاتے ہیں، یہ عموماً پانچ ہزار فٹ بلند پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ والیٔ سوات کی محافظ فوج کی ٹوپیوں میں مرغ زریں کے پروں کی کلغی ایک امتیازی نشان کے طور پر لگائی جاتی ہے۔

(۲) میں نے ہر چند کوشش کی لیکن مقامِ اجتماع کا تعین نہ کر سکا۔ روایتوں میں کوئی اشارہ تک نہ مل سکا، جسے دلیل راہ بنا سکتا۔ سرسری اندازہ یہ ہے کہ فوج نظر بہ ظاہر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر کسی کھلی جگہ جمع ہوئی ہوگی۔ اسی جگہ صرف وہ زمین ہے جسے میدان کہتے ہیں اور یہ تلہٹہ سے ذرا آگے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گڑھی حبیب اللہ خاں سے قریب کوئی اور مقام تجویز کر لیا گیا ہو، یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بنالیں اور لشکر کے احوال پر نگاہ رکھیں، باقی چھپے رہیں۔

ایک غازی نے کہا کہ جہاں سکھ ٹھہرے ہوئے ہیں، وہاں تین طرف پہاڑ ہیں، صرف لاہور کی جانب کا راستہ کھلا ہوا ہے، اسے پہلے سے روک لینا چاہئے۔ مولانا نے اس رائے کی تغلیط کرتے ہوئے فرمایا: شبخون کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دشمن کو بے خبری میں نقصان پہنچایا جائے۔ یہ نہیں کہ مستقل صف بندی سے جنگ کی جائے، راستہ روکنا بالکل غیر مناسب ہے، اس کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ سکھ بالکل عاجز آ کر باقاعدہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

سید صاحب کا فرمان

جس روز شبخون مارنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، غازی ظہر کے وقت سے مولانا کے پاس پہنچنے لگے، آپ مناسب ہدایات دیتے رہے۔ دعا کر کے جیش کو رخصت کرنیکا انتظام کر رہے تھے کہ سید صاحب کا ایک خاص قاصد پچھوں سے ایک فرمان لایا، اس میں درج تھا:

> مدت است کہ آں برگزیدہ بارگاہ از ما جدا ہستند واشتیاق از بس داریم نامہ بہ طلب ے رسد واز عقب سردار حبیب اللہ خاں ہم مے رود۔ حکم قطعی برائے خود ہمیں دانند کہ زود از زود روانہ نزد ایں جانب شوند، سردار حبیب اللہ خاں در بالاکوٹ حفاظت جائے خود خواہد نمود۔(۱)

> **ترجمہ**: مدت سے آپ ہم سے جدا ہیں ملاقات کا بے حد اشتیاق ہے، لہٰذا آپ کو بلایا جاتا ہے۔ سردار حبیب اللہ خاں بھی آ رہا ہے، اپنے لئے قطعی حکم یہ سمجھیں کہ جلد سے جلد ہمارے پاس آ جائیں۔ سردار حبیب اللہ خاں خود بالاکوٹ میں بیٹھ کر اپنی اس بستی کی حفاظت کرے گا۔

اس خط کے خاتمے پر مہر تھی اور پیشانی پر "کلمۃ اللہ کافی" سید صاحب نے اپنے

(۱) منظورہ ص:۱۱۵۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دست مبارک سے لکھا تھا اور سید صاحب کی اصطلاح میں اس کلمے سے مراد انتہائی تاکید تھی۔ مولانا نے یہ فرمان پاتے ہی فرمایا کہ بھائیو! ہم تو اب جاتے ہیں اس لیے شبخون کو ملتوی کر دو۔ بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضرت کو مفصل حالات لکھ بھیجئے اور شبخون کو نہ روکیے، بلکہ ٹھہر جائیے۔ مولانا نے جواب دیا کہ فرمان تاکیدی ہے، اور میرے لئے عذر کی گنجائش نہیں رہی۔

مولانا کی رائے

مولانا نے سید صاحب کے فرمان سے جو کچھ سمجھا اس کا خلاصہ یہ تھا: سردار حبیب اللہ خاں کو پہلے بھی یہ خیال تھا کہ سکھوں کا کوئی لشکر دشواری طریق کے باعث بالاکوٹ پر حملہ نہیں کر سکا، اور اب بھی حملہ نہیں ہوگا۔ جب اس نے دیکھا کہ درۂ بھوگڑ منگ پر حملے کا خطرہ بڑھ گیا ہے تو سید صاحب سے عرض کیا کہ لڑائی کا زیادہ اندیشہ بھوگڑ منگ میں ہے لہٰذا اس کی حفاظت اور مدافعت کا بندوبست فرمایئے، بالاکوٹ کی حفاظت میں کروں گا، اگر سکھوں نے ادھر توجہ کی تو مقابلے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ سید صاحب نے یہ حالات سنے تو حبیب اللہ خاں کو بالاکوٹ بھیج دیا اور مولانا کو اپنے پاس بلا لیا۔ ساتھ ہی مولانا نے ایک بالغ نظر مبصر کی حیثیت میں پیش گوئی کر دی کہ انشاء اللہ تھوڑے ہی دنوں میں حبیب اللہ خاں ہمیں پھر بالاکوٹ بلائے گا۔

اہلِ کشمیر کا وفد

مولانا نے اپنی جگہ شیخ بلند بخت دیوبندی کو امیر بنایا، سارا انتظام انہیں سونپا، خود ست بنے کے راستے جبوڑی پہنچے جو درۂ بھوگڑ منگ کا ایک گاؤں ہے۔ رات وہاں بسر کی، اگلے روز ڈیڑھ پہر دن چڑھے بچوں پہنچ گئے۔ سید صاحب نے بستی سے باہر نکل کر استقبال کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا بالا کوٹ میں تھے تو اہل کشمیر کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ ہمارا وطن اب صرف تین منزل پر (یعنی ۳۲، ۳۳ میل) رہ گیا ہے اور ہم دعائیں مانگ رہے ہیں کہ آپ پہنچیں تو ہمیں سکھوں کے تسلط سے نجات ملے۔ مولانا نے یہ درخواست بھی سید صاحب کی خدمت میں پیش کی، ساتھ ہی عرض کیا کہ جب آپ امب میں تھے تو کئی مرتبہ کشمیر کا ارادہ فرمایا تھا، اب ہمارے لشکر کا مقدمۃ الجیش مظفر آباد پہنچا ہوا ہے، وہاں سے وادیٔ کشمیر صرف دو دن کی مسافت پر ہے، اگر ملکی لوگ موافقت کریں تو ہم دوسرے روز کشمیر پہنچ سکتے ہیں، وہاں کے لوگ سکھوں کی تعدیوں سے بہت متالم ہیں۔ آبادی میں بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے، وہ بہ دل وجاں ہمارا ساتھ دیں گے۔

سید صاحب نے خوانین سے مشورہ کیا، انہوں نے تجویز سے اتفاق کیا لیکن کہا کہ سکھوں سے فیصلہ کن جنگ کیے بغیر آپ آگے بڑھے تو سکھ ہم سے ضرور بدلہ لیں گے اور کہیں گے کہ تمہیں لوگوں نے خلیفہ صاحب کو آگے پہنچایا ہے۔ اگر سکھوں کو شکست ہوئی تو ہم لوگ بھی بہ اطمینانِ قلب آپ کے ساتھ کشمیر جائیں گے۔ یہ سن کر سید صاحب توقف میں پڑ گئے۔

غربا پر شفقت

مولانا چاہتے تھے کہ راستے میں لڑے بھڑے بغیر کشمیر پہنچیں، تا کہ وہاں کے مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف اٹھنے کا موقع مل سکے۔ اس طرح کشمیر سکھوں کے تسلط سے پاک ہو جائے۔ لیکن سید صاحب کا خیال تھا کہ اس طرح بالا کوٹ اور آس پاس کے مسلمان رؤسا وعوام سخت تکلیفوں میں مبتلا ہو جائیں گے، آخر مولانا یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ:

جناب حضرت امیر المومنین را بہ تاسی خیر الانبیاءؑ رحمت برغربا بسیار است

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حالانکہ مسئلہ فقہ است کہ اگر کفار مسلماناں را گرفتار نمودہ آنہا را سپر سازند یا در دیوار ہائے قلعہ خود آویزند، آں وقت ہم ترک جہاد وقتال وتسخیر آں قلعہ غازیاں را مناسب نیست بلکہ قصد کشتن کفار نمایند وحتی الوسع والامکان اہل اسلام را از اسلحہ خود محفوظ دارند۔ اگر بالفرض والتقدیر از دست ایشاں آسیبے بہ مسلماناں برسد یا آنہا کشتہ شوند دراں نہ دیت است نہ قصاص ونہ گناہے۔(۱)

ترجمہ: حضرت امیر المومنین، حضور رحمۃ للعالمینؐ کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی میں غریبوں پر بہت شفیق ہیں۔ حالانکہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ کافر اگر مسلمانوں کو گرفتار کر کے اپنے لئے ڈھال کے طور پر استعمال کریں یا انہیں قلعے کی دیواروں کے ساتھ لٹکا دیں، (تا کہ مسلمان قلعے پر گولے گولیاں نہ برسائیں) تو اس حالت میں بھی جہاد وقتال یا تسخیر قلعہ کی تدبیر سے دست کش ہونا مناسب نہیں بلکہ غازیوں کو چاہئے کہ کافروں کو مارنے کیلئے قدم بڑھائیں اور حتی الوسع مسلمانوں کو اپنے واروں سے بچائیں۔ اگر ان مسلمانوں کو غازیوں کے ہاتھ سے گزند پہنچے یا وہ مارے بھی جائیں تو نہ ان کے لئے خون بہا مانگا جائے گا، نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ کوئی گناہ ہوگا۔

غرض کشمیر پر پیش قدمی کی تجویز اس وجہ سے ملتوی کرنی پڑی کہ سکھوں کے حملے کا انتظار کر لیا جائے اور ضرورت ہو تو ان سے جنگ کی جائے، پھر قدم آگے بڑھایا جائے۔

درسِ مشکوٰۃ

مولانا پھگوں پہنچے تو سید صاحب کے حکم کے مطابق مشکوٰۃ کا درس شروع کر دیا، صبح ایک مجلس خاص میں جس میں سید صاحب بھی موجود تھے، مولانا چند حدیثوں کا ترجمہ سناتے اور ان کی شرح کرتے۔ عصر کے بعد مجمع عام میں مشکوٰۃ کی تقریباً ایک فصل پیش

(۱) منظورہ ص: ۱۱۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نظر رکھ کر وعظ فرماتے۔

سید صاحب خود بھی ان دنوں مشکوۃ کا مطالعہ فرماتے رہتے۔ اکثر اوقات فراغت میں کتاب لے کر چار پائی پر لیٹ جاتے اور مطالعہ شروع کر دیتے۔ اگر کوئی لفظ سمجھ میں نہ آتا اور رفیقوں میں سے کوئی عالم پاس سے گذرتا تو اس سے معنی پوچھ لیتے۔(۱) بعض اوقات خود بعض احادیث کے اسرار و رموز بیان فرماتے۔

پنجوں کے مکان بھی عام پہاڑی بستیوں کی طرح اوپر تلے تھے، ایک روز مکانوں پر چڑھے تو فرمایا کہ آؤ ذرا تیر اندازی کی مشق کر لیں۔ پچیس تیس قدم پر بھینس کا گوبر پڑا تھا، اسی کو نشانہ ٹھہرا کر تیر اندازی ہونے لگی۔ کسی کا تیر نشانہ پر نہ بیٹھا، سید صاحب نے جتنے تیر پھینکے سب اس میں پیوست ہوئے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلے اور ایک درخت کو نشانہ ٹھہرا کر تیر چلاتے رہے۔

فارغ ہوئے تو سب کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے۔ لوگ چار پائی لے آئے، آپ نے اس پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ نیاز مندوں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے مرشد و امام ہیں۔ فرمایا:

> جیسے آپ سب ہیں، ویسا ہی ایک میں بھی ہوں۔ مجھ کو کب مناسب ہے کہ چار پائی پر بیٹھوں اور آپ سب زمین پر بیٹھیں۔

مقصد و نصب العین

پھر فرمایا:

> بھائیو! میں جو اپنے وطن سے اتنے بندگانِ خدا کو جا بجا لے کر اور طرح طرح کی سختی اور مصیبت اٹھا کر آپ کے اس ملک کوہستان میں آیا، فقط اس

(۱) اس سے ظاہر ہے کہ سید صاحب عربی بخوبی جانتے تھے ورنہ مشکوۃ کا مطالعہ کیوں کر فرما سکتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واسطے کہ آپ کے ملک پر کفار غالب ہو گئے اور طرح طرح کی آپ کو تکلیف اور ذلت دیتے ہیں، ان کو مدد الٰہی سے مغلوب کروں تاکہ آپ اپنی ریاستوں پر قابض و متصرف ہوں اور دین اسلام قوت پکڑے۔ اگر میں طالب عیش و آرام ہوتا تو میرے واسطے ملک ہندوستان میں طرح طرح کے عیش و آرام تھے، اس کوہستان میں کبھی نہ آتا۔ سو مراد اس گفتگو سے یہ ہے کہ آپ سب بھائی حکومت کفار سے غیرت کریں اور جان و مال سے میرے ساتھ شریک ہوں، اور شرکت نہ کرو گے تو چند روز میں ایسا افسوس اور غم کرو گے کہ بیان اس کا تقریر سے باہر ہے۔ پھر وہ افسوس اور غم کچھ کام نہ آئے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے اپنا کام لینا چاہے گا تو اپنے اور بندوں کو میرے ساتھ کر دے گا، اور ان کے ہاتھوں سے اپنے دین اسلام کو غالب کرے گا۔(۱)

آس پاس کے گوجر اکثر ملنے آتے تھے۔ سید صاحب ان کی بہت مدارات فرماتے تھے۔ ایک ولایتی ملا کئی روز آپ کے پاس رہا۔ ایک روز اس نے محمد امیر خاں قصوری کو جو نوجوان تھے، دیکھ کر کہا کہ حضرت! آپ کے لشکر میں زیادہ تر نوعمر لڑکے ہیں۔ ہتھیار بھی درست نہیں اور ارادہ والیٔ لاہور سے لڑنے کا ہے۔ یہ بات میرے خیال میں محال نظر آتی ہے۔ سید صاحب نے فرمایا:

اخوند صاحب! لڑائی کی فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کثرتِ فوج اور درستیٔ اسلحہ پر موقوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ تھوڑوں کو بہتوں پر کامیاب کرتا ہے اور بہتوں کو تھوڑوں پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کارِ خیر ہے، جو کوئی خلوصِ دل اور اعتقاد درست سے شریک ہوگا، لڑکا ہو یا جوان یا بڈھا، اس کی بہ ہر طور فتح ہے۔ اور جس کی نیت میں خلل ہے اگر اسلام کی جہاں بھر پر فتح ہوئی، مگر اس کی شکست ہوئی، اور میں تو جب تک زندہ رہوں

(۱) وقائع جلد سوم ص:۳۱۱، ۳۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گا انشاء اللہ اس کام کو نہ چھوڑوں گا، بعد میرے جب تک پروردگار چاہے گا اس سلسلے کو جاری رکھے گا۔(۱)

پھر امیر خاں سے فرمایا کہ ذرا اپنے یہاں آنے کا حال تو سناؤ۔ اس جانباز نے جو داستان سنائی، وہ تفصیلاً اس کے حالات میں بیان ہوگی، یہاں اسے چھیڑنا مناسب نہیں۔ بہر حال پورے حالات سن کر ملا کو یقین ہو گیا کہ سید صاحب نے مختلف اصحاب میں کس درجہ عزیمت پیدا کر دی تھی۔

دعائیں

ایک روز مولانا سے فرمایا: میاں صاحب دل میں آتا ہے کہ جناب الٰہی میں خوب دعا کریں، میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جایا کروں گا، آپ سب بھائیوں کو لے کر جنگل میں نکل جایا کریں۔ چنانچہ پانچ سات روز تک اسی طرح دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ سید صاحب بعد نماز عصر ایک حجرے میں الگ تھلگ بیٹھ جاتے اور مغرب تک دعا میں لگے رہتے، مولانا غازیوں کو لے کر بستی سے باہر نالے پر چلے جاتے، وہاں ایک بھاری پتھر تھا، اس پر تشریف فرما ہوتے، غازی اردگرد بیٹھ جاتے، کچھ دیر تک مولانا وعظ فرماتے، پھر ننگے سر ہو کر کمال عجز و انکسار سے دیر تک دعا کرتے رہتے۔

ماہ شوال (مارچ ۱۸۳۱ء) میں مولوی خیر الدین شیرکوٹی کا عریضہ آیا، جس میں جنگ مظفر آباد کے حالات تفصیلاً درج تھے۔ اس جنگ کی کیفیت اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہئے کہ کشمیر سے عرضی رنجیت سنگھ کے پاس پہنچی کہ سید صاحب اور زبردست خاں نے علاقہ مظفر آباد و کشمیر کے چند گاؤں تاراج کر ڈالے ہیں، رنجیت سنگھ نے کھڑک سنگھ کو حکم بھیجا کہ خود حسن ابدال یا سرائے کالہ میں ٹھہرے رہو، اور فوج مظفر آباد بھیج دو۔

---

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۴۶، ۲۴۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھتیسواں باب:

جنگ مظفر آباد

زبردست خاں کی عہد شکنی

ہم بتا چکے ہیں کہ مولانا نے بالاکوٹ سے جن غازیوں کو زبردست خاں کے ساتھ مظفر آباد بھیجا تھا اس کے تین جیش تھے، اور تینوں کے سالار الگ الگ تھے۔ انھیں باہم مشورے سے حسب ضرورت جنگی اقدامات کی ہدایت کی گئی تھی۔ غازیوں نے مظفر آباد پہنچتے ہی بازار اور زبردست خاں کے محل پر قبضہ کر لیا، سکھوں کے ہاتھ میں صرف چھاؤنی اور گڑھی رہ گئی۔ اس اثناء میں سید صاحب کے فرمان کے مطابق مولوی خیر الدین شیر کوٹی محاذ مظفر آباد کے سالار اعظم بن گئے۔

زبردست خاں کو اطمینان سے بیٹھنے کا موقع مل گیا تو اس نے خفیہ خفیہ سکھوں سے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ عام روایت کے مطابق خان کا مطالبہ یہ تھا کہ سکھ لوٹا ہوا سامان واپس کر دیں اور فرمانبرداری کا پختہ عہد لے لیں۔ اس نامہ و پیام کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ غازیوں کے ساتھ امداد کا جو وعدہ اس نے کیا تھا اس میں لیت و لعل شروع ہو جاتی۔ مولوی خیر الدین بار بار فرماتے کہ ساز و سامانِ جنگ مہیا کرو تا کہ ہم آگے بڑھیں، خان ٹال مٹول کرنے لگا یہاں تک کہ غازیوں کو خفیہ نامہ و پیام کا حال معلوم ہو گیا۔

اچانک یورش

عبدالصمد خاں خیبری اور قطب الدین ننگرہاری کو اس بات پر اتنا غصہ آیا کہ سالار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اعظم کو اطلاع دیے بغیر مظفر آباد چھاؤنی پر ہلّہ بول دیا۔ زبردست خاں کے بھائی بھی اس میں شریک تھے، غازیوں کا فوری مدعا غالباً یہ تھا کہ زبردست خاں کے خفیہ نامہ و پیام کو ناکام بنادیں۔ سخت جنگ ہوئی، جس میں سکھوں کا بڑا جمعدار اور اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ چھاؤنی غازیوں کے قبضے میں آ گئی۔ اس جنگ میں ملا قطب الدین کا بازو زخمی ہوا، عبدالصمد خاں خیبری کے سات گولیاں لگیں، لیکن ان میں صرف ران کا زخم گہرا تھا، باقی بالکل معمولی تھے۔ اور غازی بھی مجروح ہوئے۔ مولوی خیر الدین اس بات پر بہت خفا ہوئے کہ اجازت کے بغیر حملہ کر دیا گیا، لیکن چونکہ چھاؤنی پر قبضہ ہو گیا تھا اس لئے خطا معاف کر دی، زخمیوں کو بالاکوٹ کے راستے بچوں بھجوا دیا تا کہ وہاں اطمینان سے ان کا علاج ہو سکے۔

گوگو کی حالت

اب مولوی خیر الدین نے زیادہ زوردار طریق پر ساز و سامان کا مطالبہ کیا تا کہ گڑھی کو بھی سکھوں سے خالی کرالیں۔ اس لئے کہ گڑھی کو خالی نہ کرایا جاتا تو مظفر آباد کے جتنے حصے پر قبضہ ہو چکا تھا، وہ بھی خطرے میں پڑا رہتا۔ زبردست خاں کو اول تو یہ امید تھی کہ سکھوں کے ساتھ معاملہ رو براہ ہو جائے گا، دوسرے وہ طبعاً بخیل تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کچھ خرچ کئے بغیر ہی سب مقاصد پورے ہو جائیں۔ وہ وعدہ کرتا رہا، لیکن کچھ دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ (۱) مولوی صاحب نے یہ حالات مولانا کو لکھ بھیجے۔

مظفر آباد کشمیر کے راستے کا نہایت اہم مقام تھا۔ یہ گوارا نہ تھا کہ وہ سکھوں کے قبضے میں چلا جائے، لیکن زبردست خاں نے جو ڈھنگ اختیار کر لیا تھا، اسے پیش نظر رکھتے

(۱) منظورہ میں ہے کہ زبردست خاں بالاکوٹ میں پہلی مرتبہ مولانا سے ملا تو آپ نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بعض ساتھیوں سے یہ بھی کہا تھا کہ اس کی روش کلام سے نفاق مترشح ہوتا ہے۔ (ص: ۱۱۳۰)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوئے غازیوں کی بڑی جماعت کو مظفر آباد میں بٹھائے رکھنا بالکل بے سود معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا مولوی خیر الدین کو لکھا کہ قندھاری اور ننگرہاری غازیوں کو واپس بھیج دیا جائے، اگر زبردست خاں آپ کی مراجعت پر ناخوش ہو تو آپ ٹھہر جائیں۔ مولوی صاحب نے غازیوں کو حکم سنایا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو ساتھ لے کر جائیں گے اور زبردست خاں کے پاس نہ چھوڑیں گے، خدا جانے وہ کیسا سلوک کرے۔

دشمن کی آمد

زبردست خاں نے تذبذب کے باعث فیصلہ کن اقدام کے بہترین مواقع ضائع کردیے۔ دفعۃً خبر ملی کہ شیر سنگھ اور نجف خاں مختلف علاقوں میں پھر پھرا کر گڑھی حبیب اللہ خاں پہنچ گئے ہیں۔(۱) یہ سنتے ہی زبردست خاں اضطراب کا ہدف بن گیا، اب اس نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مجھے پہلے ہی سے ان خطرات کا اندیشہ تھے، اگر سامان دے دیتے تو دفاع کے پورے انتظامات کر لیتا، اب بھی ہر خطرے کی روک تھام ممکن ہے بشرطیکہ میرے لشکر کیلئے ضروری سامان فراہم کر دیں اور جو مقامات آپ کے نزدیک سخت خطرے کے ہوں ان کی حفاظت میرے حوالے کر دیں۔ اپنے آدمی ان مقامات پر بٹھادیں جہاں چنداں خطرہ نہ ہو۔ زبردست خاں نے اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اب رات ہوگئی ہے، صبح ہوتے ہی پورا سامان غازیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔

فرار

مظفر آباد کے ایک کنارے چھوٹی سی مسجد تھی، اس کے پاس سے پہاڑوں پر جانے

(۱) بعض روایتوں میں ہے کہ غازیوں نے گڑھی کا محاصرہ کر رکھا تھا، سکھوں نے ایک دن کے لئے لڑائی بند کر دینے کی درخواست کی۔ مولوی خیر الدین اس پر راضی نہ تھے، زبردست خاں نے سکھوں کی درخواست مان لی، اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر سکھوں نے کمک کے لئے درخواست شیر سنگھ کے پاس بھیج دی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا راستہ تھا۔ مولوی صاحب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ زبردست خاں کا سارا سامان گٹھوں میں بندھا ہوا مسجد کے قریب دھرا ہے، یہ فرار کی تیاری تھی، مولوی صاحب حیران رہ گئے، اس اثناء میں زبردست خاں آ گیا اور بولا:

"چلئے"

مولوی صاحب: کہاں؟

زبردست خاں: پہاڑوں میں۔

مولوی صاحب: کیا ہوا؟ کون سی نئی بات پیش آ گئی کہ رات کی تجویز نظر انداز کرنی پڑی؟

زبردست خاں بتاتا کچھ نہیں تھا، بار بار یہی کہتا تھا کہ "چلئے"۔ اس کے آدمی ہراس زدگی کے عالم میں پہاڑوں پر چڑھے جا رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر سکھ لشکری گڑھی سے باہر نکل آئے اور زبردست خاں کے آدمیوں پر گولیاں برسنے لگیں۔ وہ اِدھر اُدھر پتھروں کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب نے غازیوں کو مقابلے کا حکم دے دیا، سکھ پیچھے ہٹے تو گڑھی میں جانے کے بجائے انہوں نے بستی کے چند مکانوں میں آگ لگا دی۔ عین اس وقت زبردست خاں کا داماد قطب الدین خاں آیا اور اپنے خسر کا ہاتھ پکڑ کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا: "اس شخص کی شرم آپ کے ہاتھ میں ہے، آج اس کا کوئی ہمدرد اور ساتھی نہیں، صرف آپ اسے بچا سکتے ہیں۔"

مولوی صاحب بولے: "بے فکر رہئے جب تک میں زندہ ہوں، زبردست خاں کو انشاء اللہ کوئی آزار نہ پہنچے گا۔"

سفرِ مراجعت

مظفر آباد سے بالاکوٹ آنے کے دو راستے تھے: ایک گڑھی حبیب اللہ خاں کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پاس سے جسے ایک روز میں طے کیا جا سکتا تھا، اس لئے کہ پورا فاصلہ بیس میل سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن اس راستے میں سکھوں کا لشکر ڈیرے ڈالے پڑا تھا، اگر سکھوں کو خبر ہو جاتی تو سخت مقابلہ پیش آتا۔ دوسرا راستہ بہت دشوار گزار پہاڑوں میں سے تھا، یہ پر پیچ ہونے کے باعث چالیس میل سے کم نہ تھا اور اس راستے سے بالاکوٹ پہنچنے میں چار دن لگتے تھے۔ چونکہ اس میں دشمن سے مقابلے کا کوئی خطرہ نہ تھا لہٰذا مولوی خیر الدین نے یہی راستہ اختیار کیا اور سید صاحب کو اس بارے میں اطلاع بھی بھیج دی، البتہ اس راستے میں برف کا خطرہ تھا، اس لئے سید صاحب نے راستے کے گوجروں کو کہلا بھیجا کہ دس دس بیس بیس آدمی جگہ جگہ سے برف ہٹانے کے لئے مقرر کر دیے جائیں۔

اب اس راستے کی کیفیت ملاحظہ فرمالیجئے۔

۱۔ مولوی خیر الدین مظفر آباد کے پاس سے پہاڑ پر چڑھے تھے، گجر سیداں اور کنڈا ہوتے ہوئے نور سیری پہنچے، جس کا فاصلہ مظفر آباد سے بارہ میل ہے۔ یہیں قطب الدین اور منصور خاں ٹھہرے ہوئے تھے۔

۲۔ نور سیری اس لئے گئے کہ یہیں سے دریائے کشن گنگا عبور کیا جا سکتا تھا، وہاں کشتی بھی تھی جسے مقامی اصطلاح میں "ڈونڈا" کہتے ہیں اور چمڑے کے رسوں کا پل بھی بنا ہوا تھا۔ دریا کے بائیں کنارے پر گھنڈی پیراں، پڑسچا اور گھوڑی قریب واقع ہیں۔ گھوڑی وہی مقام ہے جس کی بناء پر نجف خاں کو "گھوڑی والا" کہتے ہیں اور پڑسچا میں اس کے اخلاف اب بھی موجود ہیں۔

۳۔ عبور دریا کے بعد مولوی صاحب سید پور گئے، جو پڑسچا سے سات میل ہے۔

۴۔ سید پور سے نور گلی پہنچے، جہاں برف کے ہونے کا امکان تھا، اس لئے سید صاحب نے برف ہٹانے کے لئے گوجروں کو پیغام بھیجا تھا۔

۵۔ نور گلی سے بالاکوٹ کا راستہ گیارہ بارہ میل سے کم نہ ہوگا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وقت گذر گیا

ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ مولوی خیر الدین کو سخت بخار آ گیا، ساتھ ہی خبر ملی کہ بالاکوٹ میں جنگ ہونے والی ہے۔ اب ہر غازی کی یہ خواہش تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو جلد سے جلد بالاکوٹ پہنچ جائے۔ مولوی صاحب چل نہیں سکتے تھے، اور انہیں چارپائی پر لٹا کر چار آدمیوں نے اٹھا لیا۔ ۲۴ ذی قعدہ کو وہ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر بالاکوٹ کے سامنے پہنچ گئے، اس وقت تک دریا کا پل توڑا جا چکا تھا۔ وہ درۂ کاغان کی طرف پلٹے تاکہ کسی دوسرے گھاٹ سے دریا کو عبور کریں، جب وہ چکر کاٹ کر ان پہاڑوں پر پہنچے جو بالاکوٹ کے شمال میں ہیں تو معلوم ہوا کہ جنگ ختم ہو گئی اور اکثر غازی شہادت پا گئے، جو باقی بچے وہ میدانِ جنگ سے باہر جا رہے تھے۔

سید صاحب کے حالات

ہم نے سید صاحب کو پچوں میں چھوڑا تھا اور آپ نے مولانا کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس وقت خیال تھا کہ غالباً سکھ درہ بھوگڑ منگ پر حملہ کریں۔ مظفر آباد سے مولوی خیر الدین نے جب یہ اطلاع بھیجی تھی کہ سکھوں نے شیر سنگھ سے کمک مانگی ہے تو سید صاحب نے خوانین کو جمع کر کے مشورہ لیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ یہ بھی فرمایا کہ ہمارے غازی جابجا بکھرے پڑے ہیں، کچھ راج دواری میں ہیں، کچھ بالاکوٹ اور مظفر آباد میں، کچھ ہمارے پاس ہیں، کچھ بھوگڑ منگ میں۔ طریق کار کے باب میں کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ بالاکوٹ سے حبیب اللہ خاں کی عرضی پہنچی، اس میں مرقوم تھا کہ شیر سنگھ بالاکوٹ پر پیش قدمی کرنے والا ہے، اس لئے آپ بالاکوٹ آ جائیں۔ اس طرح مظفر آباد کے غازیوں کو بھی تقویت پہنچے گی۔ سید صاحب نے یہ تجویز منظور فرمالی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بی بی صاحبہ کو آخری پیغام

بالاکوٹ کیلئے تیار ہوئے تو ارادہ فرمایا کہ بی بی صاحبہ اور دوسری خواتین کو بھی ساتھ لے لیں۔ چنانچہ مولوی عبدالقیوم کو پچوں سے راج دواری بھیج دیا کہ خواتین کو لے آئیں۔ پھر خیال آیا کہ اغلب ہے جنگ پیش آ جائے اس صورت میں خواتین کو ساتھ لینا مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ مولوی عبدالقیوم کو راستے سے واپس بلالیا، مولوی الٰہی بخش اور میاں جی نظام الدین کو مندرجہ ذیل پیغام بی بی صاحبہ کے نام دیکر راج دواری بھیج دیا۔

> اول اپنے پاس بلا لینے کا ارادہ تھا، پھر سکھوں کے آنے کی خبر گرم ہوئی، ہم ادھر جا رہے ہیں، عجب نہیں ان سے مقابلہ ہو جائے، دیکھا چاہئے انجام کیا ہو۔ اس سبب سے بلانا مناسب نہ جانا، کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہم سب کے لئے دعا کرنا۔

معیت کا اضطراب

یہ دونوں قاصد راج دواری جاتے اور وہاں سے لوٹتے وقت شارکول بھی ٹھہرے جہاں ارباب بہرام خاں مقیم تھے۔ ارباب کو جب بالاکوٹ کے قصد کا علم ہوا تو پیغام دیا کہ میری طبیعت یہاں بہت گھبراتی ہے۔ حضرت سے عرض کرنا کہ اجازت ہو تو میں بھی حاضر ہو جاؤں۔ تیسرے روز انہیں بھی پچوں بلا لیا، تقریباً بیس آدمی ان کے ہمراہ تھے۔

ارباب کی طرح ہر شخص معیت کیلئے مضطرب تھا، مولوی نصیر الدین منگلوری پہلے سے درۂ بھوگڑ منگ کی حفاظت پر مامور تھے، بالاکوٹ روانہ ہونے سے پہلے میاں ضیاء الدین پھلتی اور خضر خاں قندھاری کو بھی تھوڑے آدمیوں کے ساتھ مولوی نصیر الدین کے پاس جانے کا حکم دے دیا۔ خضر خاں بار بار عذر پیش کرتا رہا کہ جنگ درپیش ہے، مجھے ہمرکابی کے شرف سے محروم نہ رکھئے۔ سید صاحب نے عادت شریفہ کے مطابق نرمی اور ملائمت سے سمجھا کر اسے راضی کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پچھوں سے روانگی

ذی قعدہ کی پانچویں تاریخ تھی (۷ اپریل ۱۸۳۱ء) اتوار کا دن تھا کہ سید صاحب پچھوں سے بالاکوٹ روانہ ہوئے، یا کہنا چاہئے کہ حیاتِ مستعار کی آخری منزل میں انہوں نے قدم رکھا۔(۱) پچھوں سے اڑھائی کوس پر جبوڑی ہے(۲) وہاں کے لوگوں نے بہ اصرار روک لیا۔ رات جبوڑی میں گزاری، صبح کھانا کھا کر روانہ ہوئے، وہیں سے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوگئی۔ آپ ہاتھی پر سوار تھے، جلد پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے، جب راستہ اتنا خراب آگیا کہ سواری میں اسے طے کرنا قرینِ احتیاط نہ رہا تو اتر کر پیدل چلنے لگے۔ اس اثناء میں معلوم ہوا کہ گوجروں کی عورتیں دہی کے مٹکے اور ہانڈیاں لئے راستے سے ہٹ کر بیٹھی ہوئی انتظار کر رہی ہیں تا کہ خود یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کریں، آپ نے ہر مٹکے میں سے تھوڑا تھوڑا دہی چکھا اور ان کیلئے دعا کی، شاید کچھ رقم بھی دی۔

مولانا کا وعظ

مولانا کمزور تھے، پہاڑ کی چڑھائی میں چند قدم پر سانس پھول جاتا اور تھک جاتے تو پتھر پر بیٹھ کر وعظ فرمانے لگتے۔ سانس اعتدال پر آجاتا تو چل پڑتے۔ ایک موقع پر فرمایا:

> بھائیو! خیال کرو، اگر ہم کسی امیر یا رئیس کے نوکر چاکر ہوتے اور وہ اپنے کسی کام کیلئے ایسے دشوار گزار راستے پر بھیجتا تو بلا عذر جانا اور رنج راہ اٹھانا پڑتا۔ لیکن وہ نوکری صرف گذرانِ دنیا کے لئے ہوتی۔ الحمد للہ آج ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں، بلکہ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی و رضامندی کیلئے یہاں آئے

(۱) منظورہ میں ہے: ماہ ذی القعدہ بہ نصف رسیدہ بود (ص: ۱۱۶۵) میرے نزدیک "وقائع" ہی کا بیان صحیح ہے کہ پچھوں سے ذی قعدہ کی پانچویں کو نکلے۔

(۲) روایتوں میں اس مقام کا نام گنج بوڑی لکھا ہے، میں نے موقع پر پہنچ کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ گنج بوڑی پچھوں میں یا لا کوٹ کے راستے پر نہیں بلکہ بالاکوٹ کے شمال میں ہے، اس مقام کا صحیح نام جبوڑی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں، اور خوشی خوشی یہ سب محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ اگر ہماری نیتیں خالص ہیں تو اللہ تعالیٰ آخرت میں بڑا اور جید دے گا۔(۱)

پہاڑ پر مقام

پہاڑ کی چوٹی پر کئی چشمے جاری تھے، سید صاحب وہاں ٹھہر گئے اور ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر اترائی شروع ہوگئی، تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک وسیع میدان ملا، اس میں بھی چشمہ بہتا تھا۔ سید صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ آپ بالاکوٹ چل کر ہمارے لئے کھانے پینے کا انتظام کریں، عصر کے وقت ہم یہاں سے چلیں گے۔ تقریباً ایک سو غازی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ مولانا جاچکے تو سید صاحب نے پیچھے پیغام بھیج دیا کہ ہمارا انتظار نہ کیا جائے، ہم رات پہاڑی ہی پر بسر کریں گے اور صبح کو آئیں گے۔

تمام غازیوں کا سامان بالاکوٹ جاچکا تھا اور کسی کے پاس رات کو اوڑھنے کے لئے بھاری کپڑا نہ تھا۔ وہ پریشان ہوکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ پہاڑ پر رات کیوں کر بسر ہوگی۔ سید صاحب کے کان میں یہ بات پہنچی تو فرمایا: پروردگار نے میرے ساتھ بڑی مہمانیوں کا وعدہ فرمایا ہے، ان میں سے ایک مہمانی آج کی رات سہی۔

نماز مغرب کے بعد آپ چشمے کے کنارے بیٹھ گئے اور رب العالمین کی رزاقی وربوبیت کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسی ذکر میں عشاء کا وقت ہوگیا۔ ساتھیوں پر رقت طاری تھی، پھر آپ نے برہنہ سر ہوکر دعاء کی۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آپ قضائے حاجت کے لئے نکلے۔

یادِ خدا

جس جگہ ٹھہرے تھے، اس کے ایک جانب موضع ست بنے اور دوسری جانب کچھ

(۱) وقائع جلد سوم ص:۸۳،۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فاصلے پر جنگلی درختوں کا جھنڈ تھا۔ آپ ان درختوں کی طرف چلے گئے، پندرہ سولہ غازی ساتھ تھے۔ آپ کے خادم خاص میاں فرجام کے ہاتھ میں پانی کا لوٹا تھا۔ تھوڑی دور جا کر حافظ صابر تھانوی اور پھلت کے ایک صاحب کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور ساتھیوں سے فرمایا:

بھائیو! اگر چند روز کی مہلت دو تو جی چاہتا ہے کہ کسی پہاڑ پر تنہا بیٹھ کر اپنے پروردگار کو خوب راضی کر لوں، آپ لوگ بھی عبادت میں لگ جائیں۔

ساتھیوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے رہتے ہیں، تسکین رہتی ہے، عبادت بھی اپنے حوصلے کے مطابق کر لیتے ہیں۔ جب آپ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو دلوں پر پریشانی طاری ہو جاتی ہے۔ ہمارے لئے تو دو چار گھڑی کی مفارقت بھی ناقابل برداشت ہے۔

درخت قریب تھے، آدمیوں کی آہٹ پا کر پرندے بولنے لگے۔ سید صاحب نے ان کی آواز سن کر فرمایا:

> یہ پرندے جابجا سے دانہ چن کر پیٹ بھرتے ہیں، مگر اپنے پروردگار کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ انسانوں کو دیکھو کہ طرح طرح کی نعمتیں بے رنج و مشقت اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے، پھر بھی ہم سے اس کی یاد نہیں ہو سکتی۔

طبیعت میں تغیر

پھر آپ تنہا درختوں کی طرف چلے گئے اور اتنی دیر وہاں لگائی کہ ساتھی گھبرا گئے۔ (۲) ان پہاڑوں میں درندے بھی رہتے تھے، دلوں میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو جانا غیر اغلب نہ تھا۔ واپس آئے تو صرف اتنا فرمایا کہ بڑی دیر ہو گئی۔

راویوں کا بیان ہے کہ اس وقت سے آپ کی طبیعت میں نمایاں تغیر پیدا ہو گیا، اس سے پیشتر جہاد کی مختلف تدبیروں سے اتنی دل بستگی تھی کہ ایک ایک امر کے متعلق مشورے

(۱) ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (۲) ایک روایت ہے کہ چار گھڑی وہاں رہے، یعنی ڈیڑھ گھنٹہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرماتے تھے اور جب تک پورا اطمینان نہ ہو جاتا کوئی حکم صادر نہ کرتے۔ درختوں کے جھنڈ سے واپس آئے تو بات بات میں تفویض و توکل کا رنگ غالب تھا اور تدبیروں کی تفصیلات سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔

ایک کپڑا بچھا دیا گیا آپ لیٹ گئے اور ساتھی پاؤں دبانے لگے، لیٹے لیٹے فرمایا:

> بھائیو! خیال کرو کہ پروردگار نے ہم لوگوں کے واسطے کہاں کہاں روزی مقرر کی ہے۔ جس طرح چڑیاں اپنی روزی کے دانے، جہاں جہاں پروردگار نے مقرر کیے ہیں، وہاں چگتی پھرتی ہیں، اسی طرح ہم لوگ بھی مقدر کی روزی کھاتے پھرتے ہیں، اور اپنے پروردگار کا کام بھی اپنی طاقت کے موافق کرتے ہیں۔(۱)

مہمانی کا خدا ساز بندوبست

اس اثناء میں دور سے دو تین مشعلیں نظر آئیں، تھوڑی دیر میں مشعلیں قریب آ گئیں تو معلوم ہوا کہ چند آدمی ملاقات کیلئے آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ رات گئے ہمیں آپ کی تشریف فرمائی کی خبر ملی، اس وجہ سے حاضری میں دیری ہو گئی۔ وہ اپنے ساتھ ایک چارپائی، ایک بستر، کمبلوں کا ایک بڑا گٹھا، روٹیوں کی ایک ٹوکری اور دودھ کے دو گھڑے لائے۔ سید صاحب نے کچھ دیر اُن سے باتیں کیں، پھر وہ چلے گئے۔ سب نے کھانا کھایا، سید صاحب کے لئے چارپائی بچھا دی گئی، باقی غازی ایک کمبل لے کر لیٹ گئے، صبح کی نماز کے بعد روانہ ہونے والے تھے تو پوچھا: سامان کس کے حوالے کریں؟ سید صاحب نے فرمایا: یہیں چھوڑ دو، مالک خود لے جائیں گے۔

بالاکوٹ پہنچے تو مولانا شاہ اسماعیل نے ست بنے کے نالے پر استقبال کیا۔ سید صاحب واصل خاں کی حویلی میں فروکش ہوئے جو مسجد بالا سے قریب تھی اور پہلے سے آپ کے لئے خالی کرائی گئی تھی۔

---

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۹۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سینتیسواں باب:

رزمگاہِ بالاکوٹ کا نقشہ

بالاکوٹ

اب ہم سید صاحب کے آخری معرکے پر پہنچ گئے ہیں، جس میں اس پاک باطن مجاہد حق نے اپنے عزیز ترین مقاصدِ حیات پر خونِ شہادت سے مہر لگائی۔ اس خونچکاں داستان کو شروع کرنے سے پہلے رزمگاہ کا پورا نقشہ پیش کر دینا ضروری ہے، جسے سامنے رکھے بغیر جنگ کے احوال و وقائع کا صحیح انداز نہیں ہو سکتا۔

بالاکوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا مشہور قصبہ ہے اور تحصیل کے شمالی و مشرقی گوشے میں وادیٔ کاغان کے جنوبی دہانے پر پاسبان کی حیثیت میں کھڑا ہے۔ اردگرد کے پہاڑی سلسلوں کو پیش نظر رکھا جائے تو بالاکوٹ وادیٔ کاغان کا ایک حصہ معلوم ہوگا، چونکہ اس کے سر پر پہنچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے اور دریائے کنہار (جس کا اصل نام دریائے کاغان ہے) کے منفذ کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا، اس لئے بالاکوٹ وادیٔ کاغان سے منفک ہو گیا۔

مانسہرہ سے جو سڑک پہاڑوں کے نشیب و فراز سے گذرتی اور پیچ و خم کھاتی ہوئی مظفر آباد اور سری نگر جاتی ہے، وہ پندرھویں یا سولھویں میل پر وادی کنہار میں داخل ہوتی ہے۔ وہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں ایک متصل دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کو گئی ہے، تقریباً ڈیڑھ میل پر ایک پل ملتا ہے، اس سے گذر کر مشرقی کنارے پر جائیں تو تھوڑی دور گڑھی حبیب اللہ خاں کی آبادی ہے، یہی سڑک مظفر آباد اور سری نگر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جاتی ہے۔ دوسری شاخ کنہار کے مغربی کنارے کے ساتھ شمال کو گئی ہے اسکے دسویں میل پر بالاکوٹ واقع ہے، اس سے آگے بڑھتے ہی وادیٔ کاغان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

راستے کی کیفیت

دس میل کی اس مسافت میں سڑک کی حالت یکساں نہیں، ابتدا میں یہ صاف اور ہموار ہے، اس کے بعد خطرناک چڑھائی آ جاتی ہے، جس میں بہت سے پیچ وخم ہیں۔ پھر سڑک مستقیم اور ہموار ہو جاتی ہے، بیچ میں ایک اور چڑھائی آتی ہے، آخری حصہ پھر ہموار ہے۔(۱)

سڑک کے آغاز سے بالاکوٹ کے قریب تک پہاڑ کی دو دیواریں تقریباً متوازی چلی گئی ہیں، بیچ میں خلا ہے، جس کا عرض زیادہ سے زیادہ آدھ میل ہوگا۔ اسی خلا میں سے دریائے کنہار پیچ وخم کھاتا ہوا گذرا ہے، کہیں مشرقی سمت کی دیوار سے جا ٹکرایا ہے، کہیں مغربی سمت کی دیوار سے آملا ہے۔ دونوں جانب کے پہاڑوں سے نالے اُتر اُتر کر دریا میں ملتے گئے ہیں۔ چونکہ پانی کی افراط ہے اس لئے دونوں جانب کھیتی باڑی خوب ہوتی ہے، بالاکوٹ تک سڑک کے آس پاس کئی آبادیاں ہیں، جن میں قابل ذکر یہ ہیں: بانڈہ، بروله، بسیاں (دو گاؤں)، شوہال نجف خاں، ترنہ، ہال پھوڑا، (یم پھولہ)، بادلی، سنگل بھوئی، ٹھنڈا کٹھہ اور پوڑیاں (دو گاؤں)۔

سید صاحب کے زمانے میں یہ سڑک موجود نہ تھی تیز ترنہ اور بالاکوٹ کے درمیان "کھڑیاں" تھیں، یعنی پہاڑ کے بعض حصے آگے نکل کر عین دریا کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ اس وجہ سے آمد ورفت آسان نہ تھی، انہیں کاٹ کر موجودہ راستہ نکالا گیا اور اب سید صاحب کے زمانے کی حالت کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔ میں جہاں تک تحقیق کر سکا ہوں

(۱) یہ اس وقت کی کیفیت ہے جب کتاب مرتب ہوئی تھی، اب یہ سڑک اول سے آخر تک درست ہوگئی ہے، سابقہ سڑک کے پیچ وخم اور نشیب وفراز بھی کم ہو گئے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے وقت میں موجودہ راستے کا وجود ہی نہ تھا، بلکہ مختلف پہاڑی راستے جا بجا بنے ہوئے تھے وہی آمد و رفت کا ذریعہ تھے۔

گڑھی سے بالا کوٹ تک

گڑھی حبیب اللہ خاں سے بالا کوٹ تک دریائے کنہار کے دونوں کناروں کے مقامات کا ذرا مفصل ذکر اس وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کے نام جنگ کے سلسلے میں آئے ہیں اور جو اصحاب بطور خود اس حصے کی سیر کے خواہاں ہوں ان کے لئے یہ بیان ایک مفید رہنما کا کام دے گا۔

پہلے مغربی کنارے کی کیفیت ملاحظہ ہو: گڑھی حبیب اللہ خاں کے سامنے سے بالا کوٹ کا رخ کریں تو ابتداء میں "بیلہ" نام ایک مقام آتا ہے، اس سے آگے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر "گل ڈھیری" ہے، اس مقام اور دریا کے درمیان ایک ٹیلہ حائل ہے جسے "ڈوگہ" کہتے ہیں۔ وہاں سے پونے میل پر "بانڈہ" ہے، بانڈہ میں ڈاک بنگلہ موجود ہے۔ آگے بڑھیں تو پہلے "برولہ" آئے گا پھر "جاگیر" پھر "بسیاں زیریں" ساتھ ہی "شوہال نجف خاں" جہاں حال ہی میں عبور دریا کے لئے پل بنایا گیا ہے۔ "شوہال" گڑھی اور بالا کوٹ کے وسط میں واقع ہے۔

اس سے آگے ترنہ ہے، جس کا فاصلہ شوہال سے کوئی دو میل ہوگا، اس نام کا نالہ بھی پہاڑ سے اتر کر دریا میں شامل ہوتا ہے۔ نالے پر سے گذرنے کے لئے پل بنا ہوا ہے، ترنہ سے تھوڑی دور آگے "بادلی کٹھہ" نام ایک نالہ آتا ہے۔ بالا کوٹ کی طرف جانے والے آدمی کے دائیں ہاتھ سڑک سے ذرا ہٹ کر وہ مشہور پہاڑ ہے جس کا نام ماسٹر ڈھاکہ ہے۔ اس کے ایک کم بلند حصے کو بسوت نکہ کہتے ہیں، بادلی کٹھہ سے آگے بال پھوڑا (بم پھولہ) کٹھہ آتا ہے، اور دونوں کے درمیان بال پھوڑا نکہ نام پہاڑ ہے، جس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے ڈھلوان کو پرانے زمانے میں ''کھڑیاں'' کہتے تھے اور اب تک یہ نام بدستور چلا آتا ہے۔ اس جگہ ''بندوقاں والی'' نام ایک مقام ہے، بالاکوٹ کیا جنوبی سمت میں سید صاحب کا سب سے اگلا مورچہ یہیں تھا۔

''ہاں پھوڑا کٹھہ'' سے آگے ''سنگل بھوئی کٹھہ'' ہے اور آگے ''ٹھنڈا کٹھہ'' جس کے پاس ہی سے بالاکوٹ کا حلقہ شروع ہو جاتا ہے۔ سنگل بھوئی اور ٹھنڈا کٹھہ کے درمیانی مقام کو ''پوڑیاں'' کہتے ہیں، ٹھنڈا کٹھہ اوپر جا کر دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے، ان شاخوں کے درمیان پہاڑ کا نام لیدی نکہ ہے جو شہید گلی تک جاتا ہے۔ اس کٹھہ کی بالاکوٹ والی سمت میں ''مٹی کوٹ'' نام ٹیلہ واقع ہے، جس کے ڈھلوان پر ''کالی مٹی'' نام ایک موضع ہے اور چوٹی پر مٹی کوٹ۔

اب مشرقی کنارے کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے: گڑھی حبیب اللہ خاں سے آگے ''سیری'' ہے۔ اس سے آگے ''حصاری'' پھر جب (۱) ''اور کشترہ'' اس سے آگے ''ستلہڑ'' ہے، جہاں عام شہرت کے مطابق سید صاحب کا دھڑ دفن ہے اور قبر کا نشان اب تک قائم ہے۔ ''تلہڑ'' سے آگے ''بھلے کوٹ''، اس کے شمال میں میدان شروع ہو جاتا ہے، جو دریا کے ساتھ ساتھ شوہال معز اللہ خاں تک جاتا ہے۔ اس سے آگے کے مقامات یہ ہیں: ہستہ، بٹ کرڑ، ڈھیریاں، بیلہ، منڈی اور بالا پیر کی خانقاہ جو بالاکوٹ کے عین سامنے واقع ہے۔ (۲)

---

(۱) جب، جابہ، جبڑ اور جبوڑی چاروں لفظ دلدلی زمین کے لئے استعمال ہوتے ہیں، مطلب یہ نہیں کہ زمین اب بھی دلدلی ہے، یہ سمجھنا چاہئے کہ ابتدا میں دلدلی تھی، اس لئے یہ نام رکھے گئے۔

(۲) مقامی لوگوں نے پہاڑ کے لئے بلندی کے اعتبار سے مختلف نام تجویز کر لئے ہیں، مثلاً سب سے اونچا ''ڈھاکہ'' اس سے نیچا ڈنڈ، اس سے نیچا ''نکہ''۔ اس طرح سب سے کم بلند ٹیلے کو ڈھیری کہتے ہیں، آپ بعض اسماء کے آگے ڈھاکہ یا ڈنہ یا نکہ یا ڈھیری دیکھیں تو سمجھ لیں یہ مختلف بلندیوں کے پہاڑ ہیں، اسی طرح کٹھہ نالے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بالاکوٹ کا حلقہ

مٹی کوٹ کے ٹیلے کے دامن سے وادیٔ کنہار کی مغربی سمت کی پہاڑی دیوار دریا سے پیچھے ہٹ گئی ہے اور اس کا رخ شمال مغرب کے بجائے بالکل شمال میں ہو گیا ہے۔ اسی طرح وادیٔ کاغان کے جنوبی دہانے کے باہر پہاڑوں کے درمیان سطح مرتفع کا ایک خاصا وسیع حلقہ پیدا ہو گیا ہے، اس کے حدود اربعہ یہ ہیں:

۱۔ مشرق میں بکرا پہاڑ کا وہ حصہ جس کا نام کالوخاں کا ٹیلہ ہے، یہ بہت بلند ہے، اور اس کی چوٹی پر کالوخاں نام کا گاؤں ہے، جسے کالوخاں گوجر نے آباد کیا تھا۔

۲۔ مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے، یہ بھی بلندی میں کالوخاں کا ہمسر معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا شمالی حصہ ذرا ڈھالو ہے اور جنوبی حصے کی اونچائی کم ہوتے ہوتے پوڑیاں کے قریب پہنچ کر معمولی سی رہ گئی ہے۔ ٹیلے کے شمالی حصے میں چوٹی پر مٹی کوٹ گاؤں ہے، جس کے بارے میں مثل مشہور ہے" جس کا مٹی کوٹ، اسی کا بالاکوٹ" ٹیلے کا نام مٹی کوٹ شاید اس لئے پڑا کہ اس عظیم الشان تودے میں بہ ظاہر مٹی زیادہ ہے اور پتھر کم، اس کے شمالی ڈھلوان کو ڈھیری کٹلیاں کہتے ہیں۔ جنگ بالاکوٹ میں گھمسان کا رن اس نالے پر پڑا تھا جو مٹی کوٹ کے ٹیلے اور ڈھیری کٹلیوں کے بیچ میں اترتا ہے اور مقامِ نزول پر اس نے ٹیلے اور کٹلیاں کے درمیان تھوڑا سا خلا پیدا کر دیا ہے۔

۳۔ حلقے کے شمالی حصے میں تین ٹیلے ہیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار بنا دی ہے، یہ دیوار بالاکوٹ کے شمالی و مغربی گوشے سے شروع ہو کر شمالی و مشرقی گوشے تک چلی گئی ہے۔ مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے، جس پر اسی نام کا گاؤں آباد ہے، بیچ میں برنا کا ٹیلہ مشرق میں سارنگ کا ٹیلہ۔

۴۔ حلقے کی جنوبی سمت میں کوئی ٹیلہ نہیں بلکہ کنہار کی وادی ہے، جس نے کاغان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے باہر نکلتے ہی بالا کوٹ کے پاس جنوبی و مغربی رخ اختیار کر لیا ہے۔ ترنہ کی طرف سے بالا کوٹ جائیں تو جب تک پوڑیاں سے آگے نہ بڑھیں بالا کوٹ نظر نہیں آتا، اس لئے کہ مٹی کوٹ کے ٹیلے کا جنوبی حصہ بیچ میں حائل رہتا ہے۔ اس حلقے کی زمین پہاڑوں کے دامن کے ساتھ ساتھ ذرا اونچی ہے، جیسے جیسے جنوبی اور جنوبی و مغربی سمت میں آئیں، اس میں نشیب پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح انتہائی حصوں کی سطح میں کم و بیش پانچ چھ سو فٹ کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔

قصبہ

حلقے کے عین بیچ میں ایک ٹیلہ یا قدرتی پشتہ ہے، جس پر بالا کوٹ آباد ہے۔ پشتے کی جنوبی سمت پاس کی زمین سے چھ سات سو فٹ بلند ہو گی، مشرقی سمت اس سے بھی زیادہ بلند ہے۔ شمالی سمت میں ٹیلہ ڈھالوان ہے، یہاں تک کہ اس کا آخری گوشہ زمین کے برابر ہو گیا ہے، مغربی سمت بھی ڈھالو ہے۔

قصبے کی آبادی گنجان ہے، مکان چھوٹے چھوٹے، گلیاں تنگ اور پیچ دار، ان گھڑ پتھر آس پاس کے نالوں اور دریائے کنہار میں بے شمار ہیں، انہیں کو گارے سے جوڑ جوڑ کر دیواریں کھڑی کر لی گئی ہیں۔ اکثر مکان معمولی حیثیت کے ہیں۔ پشتے کی مشرقی سمت چونکہ بالکل سیدھی کھڑی ہے اس لئے ادھر چوٹی سے نیچے تک کوئی مکان نہیں یہی صورت جنوبی سمت کی ہے، لیکن شمالی و مغربی سمت میں زمین کی سطح تک مکان چلے گئے ہیں، اور عام پہاڑی آبادی پھیلتے پھیلتے شمالی و مغربی سمت کے کھیتوں میں بھی چلی گئی ہے۔

پہلی آبادی غالباً یہی تھی، ممکن ہے میدان میں بھی جا بجا چھوٹے چھوٹے گاؤں یا دو دو چار چار گھر زمینداروں نے بنا لئے ہوں، اب بھی ان کے نشان ملتے ہیں، لیکن بالا کوٹ چونکہ کاغان، چیلاس، گلگت اور دوسرے شمالی کوہستانی علاقوں کی تجارت کا مرکز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا، اس لئے انگریزوں کے زمانے میں آبادی بہت پھیل گئی۔

میرا خیال ہے کہ پہلے قصبے کے جنوب مشرق میں دریائے کنہار کے پل کے پاس دکانیں بنیں، پھر پل کی دوسری طرف ایک منڈی بن گئی، جسکی وجہ سے لوگوں نے مکان بنا لئے۔ تھوک مال کے زیادہ تر تاجر انہیں آبادیوں میں رہتے ہیں، اور عام کاروبار بھی یہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح بالاکوٹ سے نیچے سڑک کے قریب اسکول، شفاخانہ، ڈاک بنگلہ اور تھانہ وغیرہ بن گئے۔(۱)

مساجد

قصبے میں اب کئی مسجدیں ہیں۔ دو حال ہی میں بنی ہیں، جو خاصی شاندار ہیں: ایک قصبے کے جنوبی حصے میں، دوسری قصبے سے نیچے شمال مغرب میں۔ آخری مسجد کو آج کل بالاکوٹ کی مسجد جامع کہا جاتا ہے۔ یہ وسیع اور کشادہ ہے۔ اس کے پاس چشمے ہیں۔ ان میں سے ایک کا پانی ٹھنڈک میں ضرب المثل بنا ہوا ہے۔

سید صاحب کے زمانے میں غالباً تین مسجدیں تھیں: مسجد بالا یا مسجد کلاں، مسجد متوسط اور مسجد زیریں۔ مسجد بالا یا کلاں قصبے کے جنوبی و مغربی حصے میں تھی۔ اب بھی موجود ہے اگرچہ اس کے حدود پہلے سے کسی قدر کم ہو گئے ہیں۔ مسجد متوسط شمالی حصے میں ہے اور مسجد زیریں قصبے سے نیچے اتر کر مغربی سمت میں۔ ان مسجدوں کو نہ صرف یہ کہ وسیع ہی نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ خاصی تنگ اور بے رونق ہیں۔ مثلاً میرے اندازے کے مطابق مسجد کلاں (بالا) میں زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ آدمی ایک وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ دوسری مسجدیں اس سے بھی چھوٹی ہیں۔

(۱) پاکستان بن جانے کے بعد قصبے کے نیچے کی آبادی بہت پھیل گئی۔ بڑے بارونق بازار بن گئے، ڈاک بنگلے، پولیس کے تھانے وغیرہ کے علاوہ بھی عالی شان عمارتیں وجود میں آ گئیں۔ اب وہاں پہنچ کر سابقہ حالت کا اندازہ بہت مشکل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان کی خصوصیت کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ کہ عام مساجد کے برعکس ان کا مسقف حصہ مغربی سمت میں نہیں بلکہ مشرق میں ہے، یعنی قبلہ رخ کے برعکس۔ مثال کے طور پر مسجد کلاں کا خاکہ ملاحظہ فرمایئے:
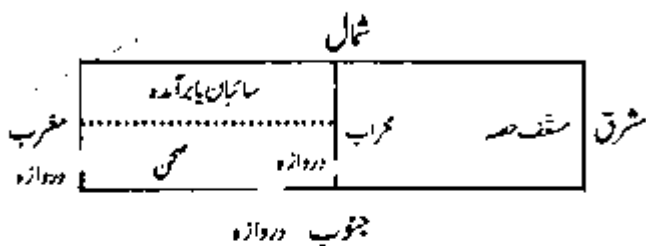
میں نے متفرق لوگوں کو سائبان میں نماز پڑھتے دیکھا۔ معلوم نہیں مسقف حصے کو وہ کس موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ پرانی روایات کا علم رکھنے والے مقامی لوگ بتاتے ہیں کہ اس مسجد کے مسقف حصے کی محراب میں سید صاحب نے مراقبہ کیا تھا، مسجد بالا کلاں اور مسجد زیریں کے درمیان سو گز کا فاصلہ ہوگا۔

مسجد بالا سید صاحب کے زمانے میں

یقینی طور پر بتانا مشکل ہے کہ سید صاحب کے زمانے میں مسجد بالا کا نقشہ کیا تھا، میں مختلف روایتوں سے جو معلومات حاصل کر سکا، ان کی کیفیت یہ ہے:

۱۔ اس میں نمازیوں کی دو صفیں کھلی کھڑی ہو جاتی تھیں۔

۲۔ اس کے سائبان کا عرض تقریباً چھ ہاتھ یعنی نو فٹ تھا۔

۳۔ مسجد خام تھی اور اس پر لکڑی کی چھت تھی، جسے مٹی سے پاٹ دیا گیا تھا۔

۴۔ قبلہ رخ ایک کھڑکی تھی اور جنوبی سمت میں بڑا دروازہ تھا۔

۵۔ بڑے دروازے کے سامنے تیس ہاتھ (۴۵ رفٹ) لمبا اور نو ہاتھ (ساڑھے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرہ فٹ) چوڑا میدان تھا۔ اگر سائبان اسی جگہ تھا جہاں اب ہے تو سمجھنا چاہئے کہ مسقف حصے کی کھڑکی سائبان میں کھلتی تھی۔ بڑا دروازہ اب بھی جنوبی سمت ہی میں ہے، اس کے باہر جو میدان تھا وہ اب باقی نہیں رہا اور اس میں مکان بن گئے ہیں۔ ایک دروازہ مغربی سمت میں بھی ہے جو غالباً پہلے بھی موجود تھا، اس لئے کہ روایتوں میں ''بڑے'' دروازے کا رخ جنوبی سمت میں بتایا گیا ہے۔ ''چھوٹا'' دروازہ بظاہر مغربی سمت ہی میں ہو سکتا تھا۔

مکانات

کچھ معلوم نہیں کہ سید صاحب اور ان کے غازیوں کے لئے قصبے کے کتنے مکانات خالی کرائے گئے تھے۔ سید صاحب کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ واصل خاں کی حویلی میں ٹھہرے تھے، مسجد بالا کے مشرق میں تین فٹ چوڑی ایک گلی ہے، اس کے دوسری جانب مسجد کے سامنے واصل خاں کی حویلی تھی۔(۱) مسجد کلاں کے نیچے شمالی سمت میں ایک دالان تھا، جو اب باقی نہیں رہا۔ اس میں مولانا شاہ اسماعیل اپنی جماعت کے ساتھ مقیم ہوئے تھے۔ غالباً توشہ خانہ اور منشی خانہ قریب قریب تھے، توشہ خانے کے مہتمم شیخ ولی محمد تھے اور منشی خانے کے افسر اعلیٰ منشی محمدی انصاری۔ سب غازی بالاکوٹ کے قصبے میں نہ تھے، مختلف جماعتوں کو سید صاحب نے ضروری مورچوں پر بھیج دیا تھا، جیسا کہ آگے

(۱) میں نے اس حویلی کی سرگزشت اور کیفیت کے باب میں کئی مرتبہ پرسشیں کیں، یہی معلوم ہو سکا کہ اس کی پہلی حالت باقی نہیں رہی اور حدود بھی کم ہو گئے۔ واصل خاں کا بیٹا لال خاں تھا، لال خاں کا بیٹا دوست محمد خاں، آخر الذکر کے تین بیٹے تھے: گل زماں خاں، فقیر خاں اور تاج محمد خاں۔ ۱۹۳۶ء میں فقیر خاں کا بیٹا محمد اشرف خاں موجود تھا، بعد کا حال معلوم نہیں۔ سنا تھا کہ حویلی تقسیم ہو گئی تھی اور اس کے بعض حصے بک بھی گئے تھے۔ یہ مقام بھی یادگار کے طور پر محفوظ رہنا چاہئے۔ ''منظورہ'' میں مسجد بالا کو سید صاحب کی اقامت گاہ اور مسکن قرار دیا گیا ہے (ص: ۱۷۷،۱۰۸،۷۷) اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ رہتے واصل خاں کی حویلی میں تھے لیکن زیادہ وقت اس مسجد میں گزارتے تھے۔ دونوں کے درمیان تقریباً تین فٹ کی ایک گلی کا فصل تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چل کر معلوم ہوگا۔

نالے

دریائے کنہار بالاکوٹ کے پاس سے گذرتا ہے، اس کے علاوہ شمالی و مغربی سمت کی پہاڑیوں سے کئی نالے اتر کر حلقہ بالاکوٹ میں سے بہتے ہوئے دریائے کنہار میں ملے ہیں۔ ان میں خاص طور پر قابلِ ذکر نالے یہ ہیں:

۱۔ ست بنے کا نالہ، جو شمالی و مغربی گوشے سے آیا ہے، اس کا پاٹ خاصا چوڑا ہے، اور قصبے کے شمالی گوشے میں پہنچتے پہنچتے یہ بہت گہرا ہوگیا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق گہرائی ایک سوفٹ سے کم نہ ہوگی۔

۲۔ برنا نالہ: یہ عین شمالی سمت سے آیا ہے اور بالاکوٹ کے شمال میں ست بنے سے ملا ہے۔ مقامِ اتصال پر قلندر کی خانقاہ ہے، پھر یہ دونوں نالے بہم ہوکر بالاکوٹ کے پشتے کی مشرقی سمت سے ملے ہوئے نیچے چلے گئے ہیں اور پل کے قریب کنہار میں شامل ہوئے ہیں۔

۳۔ مٹی کوٹ کا نالہ: یہ نالہ مٹی کوٹ ٹیلے کی شمالی سمت سے نیچے اترا ہے، دامن میں پہنچتے ہی اس نے جنوبی رخ اختیار کرلیا ہے۔، ڈاک بنگلے اور اسکول کی عمارتوں کے بیچ میں سے بہتا ہوا یہ دریا میں شامل ہوگیا ہے۔ اور نالے بھی ہیں لیکن ان کا ذکر غیر ضروری ہے۔

گردوپیش

بالاکوٹ کی مغربی جانب میں پشتے سے متصل جو کھیت ہیں وہ خاصے نشیب میں ہیں، پھر مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف زمین کی سطح بہ تدریج بلند ہوتی جارہی ہے، اس وجہ سے کھیت درجہ بہ درجہ بنے ہوئے ہیں۔ قصبے کے پاس کی زمین میں دھان بہ کثرت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوتے ہیں۔ جو زمینیں ذرا فاصلے پر ہیں، ان میں گندم اور مکئی بوئی جاتی ہے۔ شمالی، شمالی
و مشرقی اور جنوبی سمت کی زمینیں بھی خوب سیراب ہیں اور فصل اچھی ہوتی ہے۔ دھان کی
زمینوں کو مقامی اصطلاح میں "ہوتر" کہتے ہیں۔

دریا کے پار کالوخاں کے دامن میں کئی گاؤں ہیں: مثلاً گھرلاٹ، بالا چیر، نترا،
ڈھیریاں۔

ست بنے کے نالے پر کھڑے ہو کر مغربی سمت دیکھیں تو پیچھے ایک اونچا پہاڑ نظر
آئے گا، جس کا بالائی حصہ چیڑ کے درختوں سے لدا ہوا ہے۔ یہ بالاکوٹ کے حلقے کے
مغربی ٹیلوں سے پیچھے ہلال کی صورت میں شمال سے لے کر جنوب تک پھیلا ہوا ہے،
اسے "رکھ ماسٹر" یا "ماسٹر کا ڈھاکہ" کہتے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق سکھ ترنہ کے
نالے سے اوپر چڑھ کر پہلے اسی پر پہنچے تھے۔ وہاں اب تک ایک مقام "شہید گلی" کے نام
سے موسوم ہے، جہاں غازیوں نے سب سے پہلے سکھوں سے جنگ کی تھی۔ مٹی کوٹ
ٹیلے کے دوسری طرف جنوبی سمت میں ٹھنڈا کٹھہ اور سنگل بھوئی کے نالے ہیں، یہ نالے
اوپر جا کر مل جاتے ہیں۔ یعنی اوپر سے ایک نالہ آیا تھا، ایک ٹیلے نے اسے دو حصوں میں
بانٹ دیا، ترنہ کا نالہ ترنہ کے پاس ہے۔

مشاہد

بالاکوٹ کے اردگرد کئی مقامات ہیں، جہاں شہیدوں کی قبریں بتائی جاتی ہیں، ان
کی بھی سرسری کیفیت ملاحظہ فرمالیجئے۔

۱۔ جس قبر میں عام روایت کے مطابق سید صاحب کو دفن کیا گیا تھا، وہ پل کے
قریب دریا کے کنارے ایک احاطے میں ہے اور کاغان جانے والی سڑک اس احاطے کی
دیوار کے پاس سے گذرتی ہے۔ اگر یہ قبر صحیح بھی ہو تو میری تحقیق کے مطابق سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی میت تین دن سے زیادہ اس میں نہ رہی اور اب وہ خالی ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

۲۔ شاہ اسماعیل اور ارباب بہرام خاں کی قبریں بالاکوٹ کے شمال مشرق میں ست بنے نالے کے پار ہیں۔

۳۔ بعض شہیدوں کی قبریں شاہ اسماعیل کے مرقد سے بھی شمال مشرق میں ہیں۔

۴۔ کچھ قبریں دریائے کنہار کے پار کالوخاں پہاڑ کے دامن میں ہیں۔

۵۔ زیادہ تر شہیدوں کی قبریں مٹی کوٹ کے ٹیلے کے دامن میں مٹی کوٹ نالے کے کنارے دو جگہ ہیں۔

۶۔ ایک شہید کی قبر گاؤں کے قریب مغربی سمت میں ہے۔

پل

جس مقام پر آج کل پختہ پل بنا ہوا ہے۔(۱) یہاں سید صاحب کے زمانے میں بھی لکڑی کا معمولی پل تھا اور غازیوں کی ایک جماعت اس کی حفاظت پر مامور تھی، لیکن وہ لوگ پل کے پاس نہیں رہتے تھے بلکہ اس سے کسی قدر جنوب میں مقیم تھے۔ سکھوں نے بالاکوٹ سے تقریباً چار میل جنوب میں لکڑی کا ایک اور پل بنالیا تھا، اسی پل پر سے وہ اپنے جانور چرانے کیلئے دوسرے کنارے پر لاتے تھے۔(۲) غازی وقتاً فوقتاً ان پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔

آپ بالاکوٹ کا خاکہ سامنے رکھ کر بقیہ تفصیلات پر غائر نظر ڈالیں گے تو امید ہے وہ سمجھ میں آجائیں گی۔ اس کے بعد آئندہ ابواب کے سمجھنے میں انشاءاللہ کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔

(۱) اب ایک کے بجائے دو پل بن گئے ہیں، یہاں مراد پرانا پل ہے۔

(۲) یعنی مشرقی جانب سے مغربی جانب، کیونکہ لشکرگاہ دریا کے مشرقی جانب تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اڑتیسواں باب:

دفاعی انتظامات

شیر سنگھ کی نقل وحرکت

شیر سنگھ اوائل شوال میں گڑھی حبیب اللہ خاں کے پاس تھا، سید صاحب بالاکوٹ پہنچے تو سکھوں کا لشکر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر بالاکوٹ سے دو اڑھائی کوس جنوب میں نیچے ہوگا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، شیر سنگھ کے لئے بالاکوٹ پر حملے کی دو ہی صورتیں تھیں: یا وہ پکھلی کی جانب سے پہاڑ پر چڑھتا اور مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اترتا، اس راستے سے بھاری سامان اور توپیں لے جانا ممکن نہ تھا، یا کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کے سامنے پہنچتا۔ اس نے دوسری صورت اختیار کی۔ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے ڈیرے اور خیمے بالاکوٹ سے نظر آرہے تھے۔

سید صاحب کے لئے بالاکوٹ پہنچتے ہی پہلا کام یہ تھا کہ مختلف ناکوں اور گذرگاہوں کی حفاظت کا پورا بندوبست ہو جائے، میں بتا ہی چکا ہوں کہ جس سڑک سے آج کل بالاکوٹ آتے جاتے ہیں، یہ پہلے موجود نہ تھی، ترنہ اور بالاکوٹ کے درمیان "کھڑیاں" تھیں، جن پر سے اکا دکا آدمی آسکتے تھے، بڑا لشکر نہیں آسکتا تھا، تاہم اس حصے کی حفاظت بھی ضروری تھی۔

دفاعی مورچے

اب سید صاحب کے دفاعی انتظامات کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ جنوبی سمت کی کھڑیوں پر امان اللہ خاں لکھنوی کو بیس پچیس غازیوں کے ساتھ متعین کیا اور دو شاقینیں انہیں دے دیں، اس حصے میں اتنے ہی غازی خاصے بڑے لشکر کو روکنے کے لئے کافی تھے۔

۲۔ سردار حبیب اللہ خاں نے بتایا تھا کہ ایک پرانی پگڈنڈی جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی ہے، اس حصے کی حفاظت کیلئے ملا لعل محمد قندھاری کو ایک سو غازیوں کے ساتھ مقرر کر دیا گیا۔

۳۔ ملا لعل محمد قندھاری کی پشتیبانی کے لئے قندھاری غازیوں کی ایک جماعت مٹی کوٹ میں بٹھا دی۔

۴۔ بالاکوٹ کے جنوب مشرق میں جو پل تھا، اس کی حفاظت اس وجہ سے بے حد ضروری ہوگئی تھی کہ خیال تھا شاید شیر سنگھ دریا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کر کے بالاکوٹ کے سامنے پہنچ جائے اور پل پر سے فوج گزار کر قصبے میں آ جائے، اس کی حفاظت کیلئے ایک جماعت مقرر کر دی، میری معلومات کے مطابق اس جماعت نے پل کے پاس نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر جنوبی سمت میں دریا کے مغربی کنارے پر دفاعی مورچے بنا لئے تھے، جہاں سے پل کی حفاظت بھی ہو سکتی تھی اور سکھ فوج کو مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی سے بھی روکا جا سکتا تھا۔

سکھ لشکر گاہ

سکھ لشکر گاہ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر اس جگہ تھی جسے مقامی اصطلاح میں میدان کہا جاتا ہے۔ یہ مقام گڑھی حبیب اللہ خاں سے تقریباً پانچ چھ میل شمال میں واقع ہے اور وہاں سے بالاکوٹ بھی کم و بیش اتنے ہی فاصلے پر ہوگا۔ اس "میدان" کے جنوب میں "بھیلے کوٹ" اور شمال میں شوہال معز اللہ خاں ہے۔ ہموار زمین کا یہ ٹکڑا رقبے میں میل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سوا میل مربع ہوگا، اس حصے میں بڑے لشکر کے قیام کیلئے اس سے موزوں تر مقام کوئی نہیں۔

غازیوں کی روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آس پاس جانور چرانے کے لئے کافی جگہ نہ تھی، اس لئے سکھوں نے دریا پر لکڑی کا پل بنالیا تھا، تاکہ جانوروں کو مغربی کنارے پر لاکر چرا سکیں، مجاہدین جب موقع پاتے چھاپے مار کر جانور پکڑ لے جاتے۔

غالباً ابتدا میں شیر سنگھ کا ارادہ یہ تھا کہ دریا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا بالا کوٹ کے عین سامنے پہنچ جائے اور وہاں سے دریا عبور کر کے جنگ کرے، لیکن بعض بدیہی مشکلات کے پیش نظر اس تدبیر پر عمل نہ ہوا۔

پہاڑی پگڈنڈی

شیر سنگھ نے غور و مشورہ کے بعد طے کیا کہ پہاڑوں میں سے گذر کر لشکر مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچایا جائے، وہاں سے بالا کوٹ پر حملہ بہت آسان تھا اور اسی آسانی کے پیش نظر یہ مثل بنی تھی کہ ''جس کا مٹی کوٹ، اسی کا بالا کوٹ''۔ اس راستے کا علم تمام مقامی اصحاب کو تھا سید صاحب کے جن سوانح نگاروں نے اسے غیر معروف یا غیر مستقل پگڈنڈی قرار دینے میں مبالغے سے کام لیا ہے، ان کے تمام تصورات سنی سنائی غیر مستند باتوں پر مبنی ہیں، حقیقت حال سے وہ آگاہ نہ تھے۔ آج کل بھی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ راستہ بے تکلف طے کیا جا سکتا ہے، حالانکہ پختہ سڑک بن جانے کے باعث اب اس سے کام لینے کی چنداں ضرورت نہیں رہی، اب راستے کی عام کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔ یہ پوری کیفیت برادر عزیز عبدالرشید صاحب علوی بی اے کی تحقیق پر مبنی ہے، جنہوں نے خود اس راستے کا چپہ چپہ پیدل پھر کر دیکھا اور یہ زحمت اس لئے اٹھائی کہ میں صحیح کیفیت قلمبند کر سکوں:

۱۔ سکھ لشکر ''میدان'' سے اٹھ کر بذریعہ پل ''جا گیر'' میں پہنچا جو ''میدان'' کے بالمقابل مغربی کنارے پر واقع ہے، وہاں سے بسیاں زیریں گیا، جو ''جا گیر'' کے شمال

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں زیادہ سے زیادہ ایک میل ہوگا۔

۲۔ بسیاں زیریں سے یہ لشکر شوہال کٹھہ کے ساتھ ساتھ درۂ شوہال میں سے ہوکر ڈمگلہ پہنچا۔ یہ فاصلہ چار میل ہوگا، ڈمگلہ ہی وہ مقام ہے جہاں اوائل جہاد میں مجاہدین کی ایک جماعت نے سید محمد مقیم رام پوری کے زیرقیادت سکھوں پر شبخون مارا تھا۔

۳۔ ڈمگلہ سے سکھ لشکر نے شمال کا رخ اختیار کرلیا اور وہ ''جابہ'' اور اکھڑیلہ ہوتا ہوا ''چنڈوال'' پہنچا یہ فاصلہ ساڑھے چھ میل کے قریب ہے۔

۴۔ ''چنڈوال'' سے ساڑھے تین میل شمال میں ایک مقام ہے، جس کا پہلا نام معلوم نہیں آج کل اسے شہید گلی (۱) کہتے ہیں۔ مقامی روایت بھی یہی ہے کہ یہاں سید صاحب کا ایک دفاعی مورچہ تھا، اس مورچے کے مجاہدین نے حملہ آور سکھوں کو روکنا چاہا، لیکن قلت تعداد کے باعث روک نہ سکے۔ کچھ مجاہدین یہاں شہید ہوئے، ان کی قبریں تین دائروں کی شکل میں موجود ہیں، اسی وجہ سے اس مقام کا نام ''شہید گلی'' مشہور ہوا۔ اس مقام پر سروے کے محکمے کی ایک برجی بھی ہے، یہاں دفاعی مورچہ قائم کرنے سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس راستے سے بھی یورش کا خطرہ موجود تھا، یعنی راستہ نہ غیر معروف تھا نہ غیر مستعمل۔ چونکہ سوانح نگاروں کے سامنے جنگ کی پوری کیفیت نہ تھی، اس لئے وہ غلط قیاسات کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔

۵۔ سکھ لشکر شہید گلی سے آگے بڑھا تو لیس نکہ کے ساتھ ساتھ ٹھنڈا کٹھہ کو عبور کر کے مٹی کوٹ پہنچ گیا۔ یہ فاصلہ چھ میل کے قریب ہے، گویا میدان سے اٹھ کر مٹی کوٹ پہنچنے تک سکھ لشکر نے تقریباً اکیس میل کی مسافت طے کی۔

---

(۱) ''گلہ'' اور ''گلی'' (ڈمگلہ اور شہید گلی) بڑے اور چھوٹے درے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضروری تصریحات

غازیوں کی روایات میں بعض ایسے اشارے ملتے ہیں جن کی بناء پر قیاساً صورت حال کا زیادہ سے زیادہ صحیح نقشہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ غور فرمائیے:

۱۔ سکھ لشکرگاہ بدستور قائم رہی، یعنی سکھوں نے "میدان" سے خیمے یا دوسرا بھاری سامان نہ اٹھایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فوج کا ایک حصہ وہاں موجود تھا، اور اس کی تعداد خاصی ہوگی۔ یہی حصہ تھا جو مٹی کوٹ کے ٹیلے سے سکھوں کی یورش کے موقع پر توپیں لے کر دریا کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا بالاکوٹ کے سامنے پہنچا اور جنوبی و مشرقی سمت سے قصبے پر گولہ باری شروع کی۔

۲۔ غازیوں نے سکھوں کے لشکر کو دریا عبور کر کے مغربی کنارے پر آتے دیکھا تو سمجھے کہ لشکر لاہور واپس جا رہا ہے۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ پہاڑی علاقے میں مجاہدین کو اس نقل و حرکت کا علم کیوں کر ہوا؟ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ سید صاحب کا سب سے اگلا یعنی جنوبی مورچہ بندوقوں والی میں تھا اور وہاں سے سکھوں کی ہر حرکت دیکھی جا سکتی تھی۔ ایک مقام اور بھی ہے جہاں سے گڑھی حبیب اللہ خاں تک پوری وادی کا گوشہ گوشہ نظر آ سکتا ہے، یعنی موضع جنگیاں کی مسجد جو بالاکوٹ کے سامنے دریائے کنہار کے بائیں کنارے کڑا پہاڑ پر واقع ہے۔ غالباً سید صاحب نے اس مقام پر بھی چوکی مقرر فرما دی تھی، چونکہ مسجد بستی سے خاصے فاصلے پر واقع ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ مسجد مجاہدین کی چوکی کے مقام پر بعد میں بطور یادگار بنا دی گئی ہو۔ وہاں قرآن مجید کے پانچ قلمی نسخے بھی موجود ہیں، بالاکوٹ سے اس مسجد کا فاصلہ کوئی چار میل ہوگا۔ ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ مقامی باشندوں نے نقل و حرکت کی خبر پہنچا دی ہو، ان میں اکثر کے جسم بلاشبہ سکھوں کے فرمانبردار تھے، لیکن دل یقینی طور پر سید صاحب کے ساتھ تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحبؒ کا آخری خط

سید صاحب نے ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۲۵ اپریل ۱۸۳۱ء) کو یعنی شہادت سے صرف گیارہ روز پیشتر نواب وزیر الدولہ کو جو اس زمانے میں ولی عہد تھے، ایک خط ٹونک بھیجا تھا، جسے ہندوستان کی طرف ان کا آخری سمجھنا چاہیے اس میں اہل سمہ کے ظلم وستم اور ہجرت ثانیہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> میں پکھلی کے پہاڑوں میں آ گیا ہوں، یہاں کے باشندے حسن اخلاق سے پیش آئے اور انہوں نے کاروبار جہاد میں اعانت کے پختہ وعدے کئے، ہمیں قیام کے لئے جگہ دی، چنانچہ فی الحال قصبہ بالاکوٹ میں جو درہ کنہار میں ہے، دل جمعی سے ٹھہرا ہوا ہوں، کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلے کی غرض سے تین چار کوس پر ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔ چونکہ یہ مقام (بالاکوٹ) نہایت محفوظ ہے، لشکر خدا کے فضل سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتا، ہاں اگر مجاہدین خود پیش قدمی کریں اور نکل کر لڑیں تو جنگ ہو سکتی ہے۔ مجاہدین کا ارادہ ہے کہ دو تین روز میں جنگ کی جاوے۔ بارگاہ واہب العطایا سے امید ہے کہ فتح ونصرت کے دروازے کھل جائیں۔ اگر تائید ربانی شامل حال رہی اور ہم اس جنگ میں کامیاب ہوئے تو انشاء اللہ دریائے جہلم پر ملک کشمیر تک مجاہدین کا قبضہ ہو جائے گا۔ دن رات دین کی ترقی اور لشکر مجاہدین کی کامرانی کیلئے دعائیں مانگتے رہیں۔

پہاڑی مورچے

ہم بتا چکے ہیں کہ پہاڑی پگڈنڈی کے مورچے کی حفاظت کیلئے ملا لعل محمد قندھاری کو مقرر کیا گیا تھا، ایک روز بعض اصحاب نے عرض کیا کہ ملا لعل محمد صاحب کے مورچے پر سردی بہت ہے، مناسب ہوگا کہ تھوڑے دنوں کے لئے ان کی جگہ کوئی دوسرا جیش بھیج دیا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جائے۔ ملا صاحب دوسرے تیسرے روز سید صاحب کی زیارت کے لئے بالاکوٹ آتے رہتے تھے، انہیں جب پہرہ بدلنے کی تجویز کا علم ہوا تو عرض کیا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی تکلیف کا خیال نہ کیا جائے اور مجھے وہیں رہنے دیا جائے۔ سید صاحب نے ملا صاحب کی تکلیف ہی کے خیال سے میرزا احمد بیگ کو ان کی جگہ متعین کر دیا، ساٹھ یا ستر غازی میرزا کے ساتھ تھے، کچھ ملکی لوگ بھی بھیج دیے گئے۔ (۱)

اس تبدیلی سے دوسرے دن ظہر کے وقت میرزا احمد بیگ والے مورچے کی طرف سے گولیوں کی آواز آئی، تمام پہرہ داروں نے اپنے اپنے لشکروں کے سالاروں کو متنبہ کر دیا۔ عصر کے قریب میرزا کی طرف سے قاصد آیا اور بتایا کہ سکھوں نے پگڈنڈی سے پہاڑ پر چڑھ کر میرے (میرزا کے) مورچے پر حملہ کر دیا۔ (۲)

---

(۱) منظورہ میں ہے کہ یہ تبدیلی خود ملا لعل محمد کی درخواست پر عمل میں آئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ پل کی حفاظت پر مامور ہوں تاکہ سکھوں کو لوٹتے رہیں۔ (ص: ۱۱۷۲) میرے نزدیک "وقائع" کا بیان درست ہے۔

(۲) منظورہ میں ہے کہ میرزا احمد بیگ کے ہمراہیوں میں سے کسی نے یا کسی کاذب کلمہ گو ملکی نے سکھوں کو اس راستے سے آگاہ کیا۔ (ص: ۱۱۷۲)

"تواریخ عجیبہ" میں ہے کہ کسی پنجابی یا ولایتی اہل کار نے بہ طمع دنیا مخفی طور پر راجا شیر سنگھ کے پاس جا کر اس کو ہی راستے کے مفصل حال سے اس کو مطلع کر دیا۔ (ص: ۱۳۳) بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ راستہ سابق بادشاہوں نے بنایا تھا، پھر مدت تک استعمال نہ ہونے کے باعث اس پر درخت اور گھاس اُگ آئی تھی۔ یہ بیانات غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔ یہ راستہ نہ بادشاہوں نے بنایا تھا اور نہ غیر مستعمل ہونے کے باعث اس پر گھاس یا درخت اُگ آئے تھے، بلکہ عام راستہ تھا، جس سے لوگ آتے جاتے تھے۔ پکھلی کے عام لوگوں میں سے شاید ایک بھی نہ ہوگا جسے اس کا علم نہ تھا۔ خود سید صاحب نے اسی لئے بغرض حفاظت اس پر پہرے بٹھائے تھے کہ اندیشہ تھا، شاید دشمن اس سے کام لے۔ سکھوں کے ساتھ اور ان کے زیر اثر ہزاروں مقامی مسلمان تھے، ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں آدمیوں سے اس کا حال معلوم ہو گیا ہوگا، میں سمجھتا ہوں سیکڑوں سکھوں کو بھی اس راستے کا حال معلوم ہوگا، جو ضلع ہزارہ میں آباد تھے۔ البتہ یہ امر قرین قیاس ہے کہ بڑی فوج کے لئے بھاری سامان کے ساتھ یہ راستہ اختیار کرنا بظاہر مشکل تھا، اس باب میں پنجابی ولایتی کی تخصیص غیر ضروری ہے، اگر اس قسم کا واقعہ ہندوستان کے کسی دوسرے حصے میں پیش آتا تو وہاں کے مقامی آدمیوں کو بھی ایسے ہی حالات سے سابقہ پڑتا۔

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جب سکھوں نے میرزا کے مورچے پر حملہ کر دیا تو ان کی کثرت تعداد سے بالکل بے پروا ہو کر بہادر میرزا نے مقابلہ شروع کر دیا اور ایک قاصد کے ہاتھ حملے کی خبر سید صاحب کے پاس بھیج دی۔ اس مقابلے میں میرزا کی جماعت کے آٹھ آدمی شہید ہوئے۔(۱) لیکن وہ دو چار سو کو روک سکتے تھے، ہزاروں کو کیوں کر روکتے، جو پہاڑ پر چڑھ آنے کے بعد جس طرف سے چاہتے آگے بڑھ سکتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرزا اور ان کے بقیۃ السیف ساتھی اس سیل میں تنکوں کی طرح بہتے بہتے پیچھے ہٹتے گئے۔

میرزا کے لئے کمک

سید صاحب نے اطلاع پاتے ہی پہلے ایک جیش ابراہیم خاں اور فرج اللہ عرب کی ماتحتی میں بھیجا، اس جیش میں منگا خاں بارود ساز، قاضی عبدالعزیز دکھنی، میاں جی حسین علی بڑھانوی اور محمد امیر خاں قصوری بھی شامل تھے۔ ان کے بعد سید نور اللہ شاہ کو ایک گروہ کے ساتھ دوڑایا، پھر ارباب بہرام خاں کو حکم دیا کہ آپ بھی کچھ آدمی لے کر جائیں، آخر میں سید جعفر علی نقوی کو تھوڑے سے آدمی دے کر بھیج دیا۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر میں دو سو غازی ٹیلے پر پہنچ گئے۔ میرزا احمد بیگ ملے تو انہوں نے بتایا کہ اب مورچے پر پیش قدمی سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، اس لئے کہ سکھ بڑی تعداد میں پہاڑ پر آگئے ہیں، دو تین سو آدمی انہیں روک بھی نہیں سکتے، چہ جائیکہ پیچھے ہٹا دیں۔ ارباب بہرام خاں

گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ...... میرزا احمد بیگ اور ان کے ساتھی بے حد قلیل تھے، انہوں نے بے دریغ جانیں راہ حق میں قربان کیں اور ان پر خفیف سا شک بھی سراسر بے جا ہے۔ ایک روایت میں بتایا گیا ہے جس روز سکھوں نے لشکر گاہ سے اٹھ کر دریا عبور کیا، اس روز کچھ معلوم نہ ہوا، اگلے روز اخیر ظہر کے وقت میرزا احمد بیگ والے مورچے سے بندوقوں کی آواز آئی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ لشکر گاہ سے اٹھ کر سکھوں نے پورا دن پوری رات اور اگلے دن اخیر ظہر تک کا وقت راستے میں گزارا۔

(۱) یہی مقام ہے جسے آج کل "شہید گلی" کہتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے میرزا کے بیان کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ دو چار راستے ہوں تو انہیں روکا جا سکتا ہے، پہاڑ پر چڑھنے کے بعد سکھوں کے لئے بیسیوں راستے پیدا ہو گئے ہیں، ہم ایک دو یا تین چار کو روکیں گے، سکھ انہیں چھوڑ کر اور راستہ اختیار کر لیں گے۔

سید جعفر علی سے ارباب نے کہا: حضرت امیر المومنین کو لکھ بھیجئے کہ اب بہتر یہ ہے سکھوں کی لشکر گاہ پر جو دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر ہے، حملہ کیا جائے۔ وہاں کم آدمی معلوم ہوتے ہیں، اگر ہمارے پہنچتے پہنچتے وہ لوگ دو چار مرتبہ توپیں سر بھی کریں گے تو مضائقہ نہیں۔ ہم لشکر گاہ پر قابض ہو کر سکھوں کو بالا کوٹ میں بند کر دیں گے، ہمارا لشکر اگرچہ زیادہ نہیں پھر بھی اشیائے خوردنی فراہم کرنے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں، سکھ اتنے بڑے لشکر کو کہاں سے کھلائیں گے؟ یا بھوکے مریں گے یا واپس چلے جائیں گے۔

سید جعفر علی کے پاس قلمدان نہ تھا، اس لئے ایک آدمی کے ہاتھ زبانی پیغام بھیجا گیا، سید صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ ارباب خود بالا کوٹ پہنچ کر گفتگو کریں۔

نجف خاں کا خط

غرض سکھ منگد پر قابض ہو کر بھاری تعداد میں مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ گئے، لیکن آگے نہ بڑھے، اس لئے کہ رات ہو گئی تھی، اور رات کے وقت بالا کوٹ کی طرف اترنا شدید خطرات سے لبریز تھا۔ جو غازی مٹی کوٹ گاؤں میں متعین تھے وہ وہیں رہے۔

عین اس وقت نجف خاں کی طرف سے خفیہ خط آیا کہ میں سکھوں کو مظفر آباد کے لئے لایا تھا، یہ خیال نہ تھا کہ بالا کوٹ میں آپ سے مڈ بھیڑ ہو جائے گی۔ شیر سنگھ کے ساتھ بارہ ہزار بندوقچی ہیں، اگر آپ مقابلہ کر سکیں تو ٹھہریں ورنہ بہتر یہ ہوگا کہ پیچھے کے پہاڑ پر چلے جائیں، لشکر خود بخود واپس چلا جائے گا، یا راتوں رات دریا کے مشرقی کنارے پر آ جائیں اور سکھ لشکر گاہ پر چھاپا ماریں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب نے ناصر خاں (بھٹ گرامی) اور حبیب اللہ خاں (ساکن گڑھی) سے مشورہ کیا۔ ناصر خاں کی رائے تھی کہ خط فریب پر مبنی ہے، حبیب اللہ خاں نے کہا کہ نجف خاں کے خلوص یا فریب کے باب میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن اس کا مشورہ درست ہے، پچھلے پہاڑ پر چلے جانا بہتر ہے۔ سکھ لشکر گاہ پر چھاپا مارا جائے تو عجب نہیں، مال و اسباب اور توپ خانہ ہاتھ لگے۔

حسن خاں عظیم آبادی کہتے ہیں کہ حبیب اللہ خاں کی بات سن کر حضرت نے فرمایا:

> خان بھائی! آپ کہتے تو سچ ہیں، لیکن اب کفار کے ساتھ یہیں لڑیں گے۔ اسی میدان میں لاہور ہے اور اسی میں جنت۔ جنت کے سامنے ساری دنیا کی ریاست بے حقیقت ہے۔ اگر کُل دنیا کی عزیز ترین چیزیں دیکر پروردگار کی رضامندی حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ میری جان بھی اسی راہ میں قربان ہو جائے تو ایسا ہی ہے جیسے تنکا توڑ کر پھینک دیا۔

پل توڑ دیا

پھر خیال آیا کہ پل توڑ دیا جائے اور جو غازی اس کی حفاظت پر مامور ہیں انہیں واپس بلا لیا جائے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی، میرا خیال ہے کہ پل کی شکست اس وجہ سے ضروری سمجھی گئی کہ سکھوں کو بالاکوٹ کی مغربی سمت میں قدم جمانے کا موقع مل گیا ہے، اغلب ہے اب وہ پل کے راستے بالاکوٹ پر مشرقی سمت سے بھی یورش کر دیں۔

چنانچہ شیخ نصر اللہ خورجوری اور سلو خاں دیوبندی کو بھیج کر پل تڑوا دیا گیا، اس وقت الٰہی بخش رامپوری اور میاں جی نظام الدین چشتی بھی پل پر موجود تھے۔ میاں جی چشتی نے کہا کہ جب کبھی لڑائی کی نوبت آئی اور میں نے جناب الٰہی میں دعاء کی تو اک گونہ تسکین ہو جاتی تھی، میں سمجھ لیتا کہ انجام بخیر ہوگا، موجودہ حادثے کے سلسلے میں کئی مرتبہ مراقبہ بھی کیا، دعاء بھی کی لیکن تسکین قلب کی کوئی صورت نہ بنی، خدا جانے کیا پیش آنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

والا ہے؟

ارباب بہرام خاں

ارباب بہرام خاں کو غروب آفتاب کے بعد مٹی کوٹ میں حکم ملا تھا کہ بالاکوٹ پہنچ کر اپنی تجویز خود سنایئے۔ انہیں پہنچتے پہنچتے خاصی دیر ہوگئی، انہوں نے جو تجویز قاصد کے ذریعے سے پیش کی تھی خود حاضر ہو کر تفصیلاً عرض کی۔ سید جعفر علی نقوی بھی اس مجلس میں موجود تھے، لشکر گاہ پر چھاپے کی تجویز کا جواب سید صاحب نے یہ دیا کہ ہم نے پل تڑوا دیا ہے اور اب مشرقی کنارے پر جانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ارباب نے عرض کیا کہ مضائقہ نہیں، پل راتوں رات درست ہو سکتا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا: اس بات کو چھوڑیئے، جو کچھ ہونے والا ہے یہیں ہو رہے گا۔(۱) جاں نثار ارباب نے انگشتِ شہادت سے اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا:

ایں سر در راہِ خدائے تعالیٰ حاضر است۔

ترجمہ: یہ سر خدائے تعالیٰ کی راہ میں حاضر ہے

لاہور یا جنت الفردوس

ایک روایت ہے کہ سید صاحب نے ملا لعل محمد قندھاری سے پوچھا: آیا یہ ممکن ہے کہ آپ ست بنے کے نالے سے ہو کر پہاڑ پر جائیں اور سکھوں پر شبخون ماریں؟ ملا نے عرض کیا: کیوں نہیں! لیکن آپ کو یہاں چھوڑ کر نہ جاؤں گا، اپنی جان کے ساتھ رکھوں گا۔ مدت سے اس ملک میں رہ کر لوگوں کا حال خوب دیکھ لیا، ان سے نفاق دور ہونا مشکل ہے، یہی لوگ سکھوں کو لائے ہیں۔ سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا:

اتنے برسوں ہم نے واسطے اس کارِ خیر کے طرح طرح کی کوشش اور

---

(۱) منظورہ میں یہ الفاظ ہیں: آنچہ شدنی است ہمیں جا خواہد شد۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کیے، انہوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوتاہی نہ کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے وہاں کے لوگوں کو بطور وعظ ونصیحت کے سمجھاتے رہے، مگر کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، جو دیا تو غربا لوگوں نے۔ بلکہ طرح طرح کا ہم پر افترا کیا، شاید مشیت الٰہی میں یونہی تھا۔ سو اب ہمارے کاتب خطوط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آ گئے۔ کچھ ظہور میں نہ آیا، اب یہی خوب ہے کہ اپنے غازی بھائیوں کو پہروں پر سے اپنے پاس بلوالیں۔

بچاؤ کے وسائل

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب بہ آسانی بچ کر نکل سکتے تھے، مثلاً راتوں رات برنا یا ست بنے کے راستے عقب کے پہاڑوں پر جا سکتے تھے اور سکھ ان کا تعاقب نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خوانین بھی اس تجویز کے حامی تھے جو سکھوں کو اپنی امداد کے لئے بالاکوٹ لائے تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پل پر سے گذر کر مشرقی کنارے پر پہنچ جاتے یا وادیٔ کاغان میں چلے جاتے، جہاں کے سادات حمایت کیلئے تیار بیٹھے تھے، اور ضامن شاہ کوائی والا اس وقت خود بالاکوٹ میں موجود تھا، راتوں رات دس بارہ میل کا فاصلہ طے کر کے کوائی پہنچ جانا مشکل نہ تھا۔ پھر سید صاحب نے کیوں ان وسائل سے فائدہ نہ اٹھایا؟ ارادت مندوں کا خیال ہے کہ قرب شہادت کا اشارہ ہو گیا تھا اور اس پر بہ دل وجان مطمئن تھے۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ جب بالاکوٹ آتے ہوئے پہاڑ پر ٹھہر گئے تھے اور رات کے وقت دیر تک درختوں کے جھنڈ میں رہے تھے تو اسی ساعت سے طبیعت میں ایک غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا تھا، تدابیر پر بہت کم متوجہ ہوتے تھے، زیادہ تر تقدیر پر توکل واعتماد کے کلمات زبان پر جاری رہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شجاعت و تدبیر میں تصادم

مجھے اس تعبیر سے اختلاف کی ضرورت نہیں، جس مردِ خدا نے زندگی کی ہر عزیز متاع راہِ خدا میں بے دریغ قربان کر دی تھی اور مسلکِ رضا کی پابندی میں جان دے دینے کو اس درجہ بے حقیقت جانتا تھا گویا ایک تنکا توڑ کر پھینک دیا، اسے یقیناً بارگاہِ باری تعالیٰ سے ہر ایماو اشارہ ہوسکتا تھا۔ لیکن اس معاملے کا ایک عقلی پہلو بھی ہے، جسے سامنے رکھ لینا غیر مناسب نہیں، اور نہ اسے سید صاحب کی ذات بابرکات کے لئے غیر شایاں سمجھا جا سکتا ہے۔ یاد ہوگا کہ مولانا شاہ اسماعیل نے امام خاں خیر آبادی کی شہادت کے موقع پر فرمایا تھا کہ میدانِ جنگ میں انسانوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں، بعض اربابِ تدبیر ہوتے ہیں بعض اربابِ شجاعت اور بعض جامع ہر دو، نرے اربابِ تدبیر ہمارے کام کے نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ مقام تدبیر کا نہیں شجاعت کا ہے۔

بلاشبہ وہ مقامِ شجاعت تھا، تدبیر بھی یقیناً ضروری تھی اور سید صاحب نے کبھی اس میں تامل نہ کیا، لیکن بالاکوٹ میں ایسے حالات پیش آگئے تھے کہ شجاعت و تدبیر میں تصادم ہوگیا تھا۔ اس موقع پر مناسب تھا کہ تدبیر کا پہلو اختیار کرنے کے بجائے شجاعت کے تقاضوں کو مقدم رکھا جاتا۔ سید صاحب نے یہی کیا۔

موازنہ مضار و منافع

فرض کر لیجئے کہ سید صاحب غازیوں کو لے کر عقبی پہاڑوں میں جا بیٹھتے یا کوئی چلے جاتے اور سکھ بالاکوٹ پہنچ کر حسبِ عادت عوام پر سختیاں کرتے، یعنی قصبے کو لوٹتے اور مکانوں کو جلاتے۔ پھر سید صاحب کے لئے اجراءِ کاروبارِ جہاد کی کون سی خوشگوار شکل باقی رہ جاتی؟ بالاکوٹ کا حشر سامنے رکھتے ہوئے کون بہ طیبِ خاطر ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوسکتا؟ موقع ایسا آگیا تھا کہ ذاتی شجاعت و مردانگی کی نمائش کے لئے نہیں بلکہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کاروبارِ جہاد کے ناموس کو بچانے کیلئے، مرنے کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو رضائے باری تعالیٰ کی خاطر بے دریغ جانیں دیدینے کا سبق پڑھانے کیلئے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹتے اور جس مقام پر بیٹھے تھے وہیں ہر افتاد، ہر آفت اور ہر بلا کا مقابلہ صابرانہ کرتے۔ یہ منزل بڑی کٹھن اور دشوار تھی لیکن سید صاحب کے لئے اس میں گامزن ہونا اتنا ہی سہل تھا جتنا دوسروں کے لئے کامرانی و فیروز مندی کا تاج پہن لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ بچ نکلنے میں سیکڑوں آفتیں تھیں یا کم از کم آئندہ کے لئے اعانت ورفاقت کے مواقع یقینی طور پر ضغطے میں تھے۔ مردانِ حق کی طرح لڑنے میں فتح مندی کا بھی امکان تھا، پہلے راستے کی مضرتیں روزِ روشن کی طرح مبرہن تھیں، دوسرے راستے میں مضرتوں کے احتمال کے ساتھ منافع بھی دسترسِ امکان میں نظر آتے تھے۔ سید صاحب نے وہی راستہ اختیار کیا جو عقلِ سلیم، ایمانی حمیت اور دینی غیرت کے عین مطابق تھا، باقی رہا، انجام کا معاملہ تو:

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن | بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز؟ | اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انتالیسواں باب:

زندگی کی آخری رات اور آخری صبح

لڑائی کی اسکیم

سکھ منی کوٹ کے ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تو صاف واضح ہو گیا تھا کہ اب قصبے اور ٹیلے کے درمیان میدان میں لڑائی ہوگی۔ اس لیے سید صاحب نے جو مورچے جا بجا بغرضِ دفاع قائم کیے تھے، ان پر غازیوں کو بٹھائے رکھنا بے سود تھا۔ چنانچہ آپ نے مورچوں اور چوکیوں سے غازیوں کو بلا لیا اور فرمایا کہ رات کو خوب دعائیں مانگو، پروردگار کی بارگاہ میں آمرزش واستغفار کرو، صبح مقابلہ ہے، خدا جانے کس کی شہادت ہو اور کون زندہ رہے۔

اس وقت تک لڑائی کی اسکیم تیار کر لی گئی تھی، اور وہ یہ تھی کہ سکھ منی کوٹ سے اتر کر ٹیلے اور قصبے کے درمیان نشیب میں پہنچیں تو ان پر حملہ کیا جائے۔ اسی نشیب میں زیادہ تر شالی کے کھیت تھے، ان میں رات کو پانی چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ زمین دلدلی بن کر زیادہ سے زیادہ ناقابلِ گذر ہو جائے۔ ماحول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بہترین اسکیم تھی، اس لئے کہ سکھ جب اوپر سے اتر کر نشیب میں پہنچ جاتے تو پہلے انہیں دلدل سے سابقہ پڑتا اسے عبور کر لیتے تو قصبے کی سمت میں ان کے سامنے چڑھائی تھی، دونوں صورتیں ان کے لئے خطرناک تھیں۔ دلدل میں آگے پیچھے یا دائیں بائیں نقل وحرکت مشکل تھی، اس سے گذر کر چڑھائی میں ان کے سانس پھول جاتے اور تیزی سے پیش قدمی نہ کر سکتے۔ غازی دلدل سے باہر کھڑے ان پر گولیاں برسا سکتے تھے، جو سکھ دلدل سے گذر آتے ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر چڑھائی کے وقت حملہ کر سکتے تھے۔

مورچہ بندی

اس اسکیم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مختلف جماعتوں کو مناسب مقامات پر مورچہ بندی کا حکم دیا گیا۔ زیادہ تر مورچے ست بنے کے نالے پر تھے، جو شمالی و مغربی گوشے سے بالا کوٹ کے حلقے میں داخل ہوتا ہے اور جنوبی و مغربی رخ پر بہتا ہوا قصبے کے پشتے کی مشرقی جانب کے ساتھ سے گذرا ہے۔

پوری تفصیلات نہیں مل سکیں، لیکن میں مختلف روایتوں سے جو کچھ اخذ کر سکا، اس کا مرقع یہ ہے:

۱۔ جہاں سے ست بنے نالہ بالاکوٹ کے حلقے میں داخل ہوا ہے، وہاں سب سے پہلے ملا لعل محمد قندھاری کا مورچہ تجویز ہوا۔ یہ مورچہ اس ٹیلے کے دامن سے شروع ہوتا تھا جو ست بنے نالے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کے درمیان ہے۔

۲۔ ملا لعل محمد کے مورچے کے بائیں جانب یعنی قصبے کی سمت میں مولانا شاہ اسماعیل کی جماعت کو بٹھانے کا فیصلہ ہوا، لیکن خود مولانا جماعت کے ساتھ نہ تھے۔

۳۔ مولانا کی جماعت کے بائیں ہاتھ شیخ ولی محمد کی جماعت کا مورچہ تھا، شیخ بھی جماعت کے ساتھ نہ تھے۔

۴۔ شیخ کی جماعت کے بائیں ہاتھ ناصر خاں بھٹ گرامی اور حبیب اللہ خاں (گڑھی والا) کے جیش متعین ہوئے، اس طرح مختلف جماعات جیوش کے مورچے ہلالی شکل میں قصبے تک آتے تھے۔ بعض جماعتوں کے مورچے مسجد زیریں میں یا اس کے آس پاس رکھے گئے۔ مولانا شاہ اسماعیل غازیوں کے ایک گروہ کے ساتھ مسجد بالا کوٹ کے پاس شمالی جانب میں قیام فرما ہوئے، ان کے سامنے مسجد کی غربی سمت میں مولوی احمد اللہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ناگپوری کی جماعت کو بٹھایا گیا، اس مسجد سے دس پندرہ قدم نیچے اتر کر ایک نشیب میں شاہین چیوں کا مورچہ تجویز ہوا۔ خود سید صاحب نے طے کیا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد بالا میں بیٹھیں گے، اور وہیں سے جب مناسب سمجھیں گے سکھوں پر حملہ کریں گے۔

رزمگاہ کے نقشے پر ایک نظر ڈال لی جائے تو واضح ہو جائیگا کہ سکھ مٹی کوٹ سے اتر کر قصبے میں پہنچنے تک برابر تمام مورچوں کے ہدف بنے رہتے، اول تو سو میں سے دس بھی قصبے کے قریب تک سلامت نہ پہنچ سکتے، جو پہنچ جاتے ان پر قصبے کی سمت سے یورش ہوتی۔

لباس اور استراحت

مختلف جماعتوں نے رات رات میں مورچہ بندی مکمل کر لی، اس غرض کے لئے زیادہ تر پتھر استعمال کئے گئے اور بالا کوٹ میں اس جنس کی کمی نہ تھی، تختوں اور کواڑوں سے بھی کام لیا گیا۔ سید صاحب نے عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا، پھر اپنے پارچوں میں سے کچھ جوڑے منگائے، ان میں سے ایک ارخالق، سفید پاجامہ، دستار اور پشاوری لنگی منشی خواجہ محمد (حسن پوری) کو دی کہ صبح یہی پہننا۔ ایک ارخالق، سفید پاجامہ اور دستار حکیم قمر الدین پھلتی کو دی، ایک سرمئی ارخالق، سفید پاجامہ، کانگریزی دستار کشمیری پٹکا وغیرہ چیزیں اپنے پہننے کے لئے الگ کر لیں۔ پھر ساتھیوں سے فرمایا کہ اب آرام کرو، خود بھی بہ اطمینان خاطر سو گئے۔ حسب معمول پچھلی رات اٹھ کر تہجد پڑھی، پھر ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔

صبح شہادت

صبح کی نماز کے لئے مسجد بالا میں پہنچے، جہاں بہت سے غازی پہلے سے موجود تھے۔ سب نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی، ان فدا کارانِ حق میں سے اکثر کی یہ آخری نماز تھی اور خود امام کے لئے بھی اس کے بعد مصلے پر بطور امام یا بہ طور مقتدی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھڑے ہونا مقدر نہ تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور دیر تک وظائف میں لگے رہے۔

سورج نکل آیا تو اشراق کی نماز پڑھی، پھر نور محمد جراح کسبت لے کر آیا، آپ نے لبیں ترشوائیں، ریش مبارک میں کنگھی کی، سرمہ لگایا اور رات کے وقت جو لباس الگ کر رکھا تھا اسے پہن کر تیار ہو گئے۔ ایک پستول، ایک ولایتی چھری اور ایک کٹار لی، چھری شیخ غلام علی الٰہ آبادی نے دی تھی اور کٹار جنگِ مردان کے مال غنیمت میں ہاتھ آئی تھی، ان دونوں کے دوال سابری ایک ایک انگل چوڑے تھے۔ ایک تلوار باندھی جو ارباب بہرام خاں نے نذر کی تھی اس کا پرتلہ سابری ایک ایک انگل چوڑا تھا۔ جنگ میں دو رائفلیں استعمال کرتے تھے یہ دو رفیقوں کے پاس رہتی تھیں جو باری باری بھر بھر کر دیتے جاتے تھے۔ لباس پہن کر اور ہتھیار سجا کر آپ مسجد بالا میں پہنچ گئے، اس وقت دن چڑھے ہوئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گذرا تھا۔

دندانہ دار گنڈاسے

غازیوں کو گولی بارود وغیرہ چیزیں دے دی گئیں۔ اسلامی لشکر کا ایک خاص ہتھیار دندانہ دار گنڈاسہ تھا، جس میں لمبا دستہ لگا دیا جاتا تھا، اور عام لوہار اسے کثیر مقدار میں تیار کر لیتے تھے۔ بالا کوٹ میں کئی لوہار گولیوں، گولوں اور گنڈاسوں کی تیاری کیلئے بلا لئے گئے تھے، اور انہوں نے کئی روز کی محنت سے یہ چیزیں خاصی بڑی مقدار میں بنائی تھیں۔ گنڈاسے ان لوگوں کو بھی دیے جاتے تھے، جن کے لئے کوئی دوسرا ہتھیار نہ ہوتا تھا، یا جو بندوق اور تلوار سے کام لینے میں مشاق نہ ہوتے تھے۔ ان لوگوں کو بھی گنڈاسے دیدیے جاتے تھے جن کا ایک ہاتھ کسی جنگ میں بیکار ہو گیا تھا اور جہاد کو کار ثواب وعبادت سمجھ کر انجام دینے کے مشتاق ہوتے تھے۔ اس آخر الذکر گروہ میں سے ایک صاحب شیخ محمد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسحاقؒ در کھپوری بھی تھے، جن کے شانے میں جنگِ مایار میں نیزے کی انی چبھ گئی تھی اور اس کی وجہ سے بایاں ہاتھ اس درجہ بیکار ہو چکا تھا کہ بندوق نہیں چلا سکتے تھے۔ مولوی سید جعفر علی نقوی نے انہیں بھی ایک گنڈاسہ دلا دیا۔

مولوی احمد اللہ ناگپوری کی دعوت

مولوی احمد اللہ ناگپوری نے رات کے وقت اپنی پوری جماعت کو کھانے کی دعوت دی۔ حافظ مصطفیٰ کاندھلوی، شیخ محمد اسحاق گورکھپوری اور مولوی سید جعفر علی نقوی اسی جماعت میں تھے، کھانے کے بعد مولوی احمد اللہ نے مولوی جعفر علی سے کہا کہ میں تو حضرت امیر المومنین کے ساتھ رہوں گا۔ جماعت کی امارت وقیادت کے فرائض آپ کو انجام دینے ہوں گے۔ مولوی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے افسری کا تجربہ نہیں، بہتر یہ ہوگا کہ حافظ مصطفیٰ کو یہ منصب سونپا جائے۔

مولوی احمد اللہ: مصطفیٰ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔

مولوی جعفر علی: پھر شیخ محمد اسحاق کو امیر بنا دیجئے۔

مولوی احمد اللہ: وہ ذرا غصہ ور آدمی ہیں، اور امارت کے لئے متین آدمی کی ضرورت ہے۔

مولوی جعفر علی: پھر میں حسن خاں بنارسی کا نام پیش کرتا ہوں۔

مولوی احمد اللہ: بھائی! کیا آپ طے کر چکے ہیں کہ میرا حکم نہ مانیں گے۔

مولوی جعفر علی: میں معافی مانگتا ہوں محض اپنی ناتجربہ کاری اور ناتوانی کو آپ پر واضح کر رہا تھا۔

مولوی احمد اللہ یہ سن کر مسکرا دیے اور جماعت کو حکم دیا کہ سب لوگ مولوی جعفر علی کے احکام کی تعمیل کریں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

توشہ خانہ اور مہریں

معمول یہ تھا کہ جنگ کے موقع پر توشہ خانے کا سارا اسباب کسی محفوظ مقام پر رکھوا دیا جاتا، جنگ سے ذرا پہلے شیخ ولی محمد مہتمم توشہ خانہ نے ایک آدمی بھیج کر پچھوایا کہ اسباب کہاں رکھوا دیا جائے۔ فرمایا: جہاں پر ہے، وہیں رہنے دیجئے۔

راویوں نے اس واقعہ کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ گویا سید صاحب کو قرب شہادت کا یقین ہو چکا تھا اور مال و اسباب کی جانب سے طبیعت مستغنی ہو چکی تھی، گویا اس سے پہلے انہیں مال و اسباب سے دل بستگی تھی حاشا وکلا۔ سید صاحب عمر بھر مستغنی رہے، نہ کبھی کسی دنیوی چیز کی آرزو کی اور نہ کسی سے دل لگایا۔ مال و دولت اور اعزازات ہمیشہ ان کے قدموں پر گرتے رہے، لیکن وہ برابر ان چیزوں کو اپنے رفیقوں اور دوسرے لوگوں میں بانٹتے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت توشہ خانے کے اسباب کو کسی دوسری جگہ بھیجنے کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔ (۱) نیز بھیجا جاتا تو ساتھیوں اور عوام پر عین آغاز جنگ کے وقت نہایت برا اثر پڑتا۔

سید صاحب کی مہر منشی محمدی انصاری میر منشی کے پاس رہتی تھی، مولانا شاہ اسمٰعیل نے کہا کہ جنگ درپیش ہے، خدا جانے کیا صورت پیش آئے، مہر حضرت کے حوالے کر دیجئے تاکہ امانت مالک کے پاس پہنچ جائے۔ منشی صاحب نے مہر حضرت کے خریطے میں ڈال دی، خود مولانا کی مہر سید جعفر علی نقوی کے پاس تھی، انہوں نے یہ مہر مولانا کو

(۱) روایتوں میں ہے کہ چار پانچ غازی بیمار تھے، ان کے بارے میں پوچھا کہ کہاں بھیجا جائے۔ فرمایا: جہاں ہیں وہیں رہیں۔ ہاتھی کے متعلق بھی یہی فرمایا۔ تاکوٹ سے ساٹھ آدمی آئے تھے اور گولی بارود مانگ رہے تھے، مقامی آدمیوں کا مطالبہ بھی یہی تھا، جن لوہاروں سے گنڈاسے وغیرہ بنوائے گئے تھے وہ بھی لڑنے کے لئے تیار تھے، صرف اسلحہ چاہتے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا: کچھ ضرورت نہیں۔

میرے نزدیک یہ سب باتیں قیاس میں نہیں آتیں، یا تو راویوں کو غلط فہمی ہوئی یا سید صاحب کے پاس اس وقت فالتو اسلحہ تھے ہی نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دے دی۔

سکھوں کا ظہور

سکھ ایک دن پہلے ہی پہاڑ پر پہنچ گئے تھے، لیکن انہوں نے رات ہو جانے کے باعث پیش قدمی نہیں کی تھی۔ سورج نکل آیا تو مٹی کوٹ کے شمالی گوشے میں نمودار ہوئے آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھنے لگی، ان کی گولیاں قصبے اور مسجد بالا میں آ رہی تھیں، شاہینوں کے گولے قصبے کے اوپر سے نکل رہے تھے۔ غازیوں کے لشکر میں دولڑکے ذرا سیانے تھے: ایک حافظ الٰہی بخش دوسرا علیم الدین۔ یہ دونوں چلے ہوئے گولے اور گولیاں اٹھا اٹھا کر غازیوں کو دینے لگے۔

سید صاحب مسجد میں پہنچ کر سائبان کے نیچے بیٹھ گئے، جو سکھوں کے گولوں اور گولیوں کی زد میں تھا۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ آڑ میں ہو جائیں۔ فرمایا: ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت چاہئے۔ ارباب بہرام خاں ساتھ تھے، اسی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک گولی ان کے تختے سے چھوتی ہوئی نکل گئی اور خفیف سا زخم آیا۔ اس اثناء میں غازی اِدھر اُدھر سے کواڑ اٹھا کر لے آئے اور مسجد کی مغربی سمت میں، جو مٹی کوٹ کے سامنے تھی، کواڑ کھڑے کر کے حفاظت کا بندوبست کر لیا۔ قصبے کے بیشتر باشندے ایک دن پہلے ہی گھر بار چھوڑ کر باہر جا چکے تھے، صرف غازی باقی رہ گئے تھے، یا ممکن ہے چند مقامی آدمی ہوں۔

یومِ بالاکوٹ کا پہلا شہید

سید صاحب نے ایک روز پہلے تاکید فرما دی تھی کہ تمام غازی بھائی صبح کی نماز کے ساتھ ہی کھانے سے فارغ ہو جائیں۔ اکثر کھانا کھا چکے تھے، بعض کھا رہے تھے، پٹیالہ کے سید چراغ علی صاحب نے کھیر پکانے کا ارادہ کیا، نماز سے فارغ ہو کر وہ اس کام میں لگ گئے۔ سکھ مٹی کوٹ کے ٹیلے سے نیچے اترنے لگے تو سید چراغ علی دیگچی میں کفگیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہلاتے جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً سکھوں کو دیکھ لیتے تھے۔ اچانک ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور بولے: بھائیو! دیکھو وہ حور سرخ کپڑے پہنے چلی آرہی ہے۔ یہ کہتے ہی کفگیر اٹھا کر دیگچی پر مارتے ہوئے کہا: بس اب حور ہی کے ہاتھ سے کھانا کھائیں گے۔ پھر اٹھے اور تیزی سے مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف دوڑے، جدھر سے سکھ نیچے آرہے تھے۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا اور ساتھیوں کو انہیں روکنے کا موقع نہ مل سکا۔ جب ان کی توجہ سید چراغ علی کی طرف ہوئی تو وہ اتنی دور آگے جا چکے تھے کہ ان کے پیچھے جانا بے سود تھا۔ اسی حالت میں ان کے گولی لگی اور شہید ہو گئے۔ یومِ بالاکوٹ کے یہ پہلے شہید تھے۔

صرف رضائے خدا

سردار حبیب اللہ خاں بھی مسجد بالا ہی میں تھا، اس نے اپنے پاس کے کسی شخص سے بات کرتے ہوئے کہا کہ سکھوں کا لشکر بہت بڑا ہے اور ہم تھوڑے ہیں۔ مقابلے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بات سید صاحب نے بھی سن لی اور فرمایا:

> خان بھائی! فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جس کو چاہے دیوے بہت لوگوں یا تھوڑوں پر موقوف نہیں، کبھی اللہ تعالیٰ تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کر دیتا ہے، کبھی بہتوں کو تھوڑوں پر، اور ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی درکار ہے، فتح اور شکست سے کچھ غرض نہیں۔ پروردگار کی خوشنودی میں بہرصورت ہماری فتح مندی ہے۔

یعنی اگر خدا بزرگ و برتر کی رضامندی و خوشنودی حاصل ہو جائے اور ہمارا ہر عمل رضا کے عین مطابق ہو تو بہ اعتبار ظواہر ہماری شکست بھی دراصل فتح مندی ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نجف خاں کو جواب

نجف خاں مظفر آبادی کا ایک خط خفیہ خفیہ پہلے آیا تھا، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ سید صاحب مسجد بالا میں تھے کہ اس کا دوسرا خط آیا اس میں بھی پہلے خط کے مضمون کو دہرایا گیا تھا، یعنی یہ کہ اگر سکھ لشکر کا مقابلہ کر سکیں تو بیٹھیں ورنہ پچھلے پہاڑ پر چلے جائیں یا دریا کے مشرقی کنارے پر جا بیٹھیں۔

اس وقت تک بھی سید صاحب تمام غازیوں سمیت برنا یا مست بہنے کے نالے سے ہوتے ہوئے پہاڑوں پر جا سکتے تھے، لیکن ان کا فیصلہ استقامت غیر متزلزل تھا اور اس کی مصلحتیں ہم پہلے باب میں تفصیلاً عرض کر چکے ہیں۔ نجف خاں کو آپ نے لکھا:

> دو خط آپ کے دربار کے ہمارے پاس آئے، مضمون ان کا معلوم ہوا۔ فی الحقیقت آپ نے ہماری خیر خواہی کا جو حق تھا، ادا کیا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے۔ مگر ادھر خلاصہ ہمارے مطالب کا یوں ہے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی رضامندی منظور ہے، تھوڑے بہت لوگوں کا اصلاً خیال نہیں، اور نہ غیرت اسلام اس بات کو چاہتی ہے کہ مقابلۂ کفار سے ہٹ جائیں، اب اسی بالاکوٹ کے میدان میں ہم لوگوں کے واسطے جو کچھ منظور الٰہی ہے، وہ ہوگا۔

اجتماعی حملے کا فیصلہ

سید صاحب نے تمام جماعتوں کے سرداروں کو تاکید فرما دی تھی کہ سب بھائی مورچوں میں بیٹھے ہوئے گولیاں چلاتے رہیں، لیکن باہر نکل کر اس وقت تک کوئی حملہ نہ کرے جب تک ہمارا نشان آگے بڑھتا ہوا نظر نہ آئے۔ یعنی جب تک خود سید صاحب حملہ نہ کریں۔ یہ تاکید اس مصلحت پر مبنی تھی کہ سکھوں کی جماعت بہت بڑی ہے، غازیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں نے متفرق حملے کیے تو سب غیر موثر رہیں گے۔ سکھ پہاڑ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر سے اتر کر میدان خصوصاً اس کے نشیبی حصے میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت ان پر شمال، شمال مشرق اور مشرق کی جانب سے ایک دم اجتماعی یورش ہوگی اور انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکے گا۔

کسی غازی نے عرض کیا کہ پہاڑ پر سکھوں کی جمعیت بہت بڑی تعداد میں فراہم ہوگئی ہے۔ فرمایا منی کوٹ سے اتر کر انہیں نیچے کے کھیتوں میں آلینے دو۔ ملا لعل محمد قندھاری اپنے مورچے سے دوڑے آئے اور عرض کیا کہ سکھ ہم سے بہت تھوڑے فاصلے پر رہ گئے ہیں کیا حکم ہے؟ پوچھا: کتنی دور ہوں گے؟ ملا صاحب نے کہا: ''گولی کی زد پر'' فرمایا مورچوں سے بندوقیں چلاتے جاؤ، جب تک ہم نہ نکلیں ان پر حملہ نہ کرو۔(۱)

سکھ لشکر کے جو رستے نیچے اتر چکے تھے انہوں نے تیزی سے قصبے کی جانب پیش قدمی شروع کردی باقی لوگ سیل کی طرح اتر رہے تھے۔ سید صاحب سائبان کے نیچے لیٹ گئے۔ شیخ لکھمیر پاؤں دابنے لگے، اس اثناء میں محمود خاں لکھنوی نے عرض کیا: حضرت! آرزو ہے کہ آپ دست مبارک میرے چہرے پر پھیر دیں۔ سید صاحب اٹھ بیٹھے اور داہنا ہاتھ محمود خاں کے چہرے پر پھیر کر ان کے لئے دعاء کی۔ وہ خوش خوش اپنے مورچے میں چلے گئے۔

پھر آپ نے غازیوں سے فرمایا: ''بھائیو! ہم اندر جا کر اکیلے دعاء کریں گے، کوئی بھائی ہمارے ساتھ نہ آئے''۔ چنانچہ آپ اندر چلے گئے(۲) اور دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی

(۱) ملا صاحب کا مورچہ شمالی و مغربی سمت میں سب سے پہلے تھا، منی کوٹ سے اتر کر سکھ سب سے پہلے ملا صاحب ہی کے مورچے کی زد میں آئے تھے۔ روایتوں میں ہے کہ ملا صاحب ایک مرتبہ نہیں، تین مرتبہ پوچھنے کے لئے آئے۔ میرے نزدیک یہ راویوں کی غلط فہمی ہے۔ میرے اندازے کے مطابق ملا صاحب کا مورچہ مسجد بالا سے کم از کم پونے میل پر ہوگا۔ طلوع آفتاب سے سید صاحب کے حملہ آور ہونے اور گھمسان کا رن پڑنے تک ملا صاحب کا اپنے مورچے سے تین مرتبہ آنا جانا قیاس میں نہیں آتا۔

(۲) اس سے مراد مسجد کا مسقف حصہ ہے، جو آج کل کی طرح پہلے بھی مشرقی سمت میں تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیر دعاء میں مشغول رہے پھر دروازہ کھول کر پوچھا کہ مجھے کس نے آواز دی؟ عرض کیا گیا کسی نے نہیں، یہ سن کر دروازہ بند کرلیا، اسی طرح دو مرتبہ دروازہ کھول کر استفسار فرمایا۔ محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ میں مسجد سے باہر کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔(۱) اسی طرح تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کھڑکی کھول کر مجھ سے بھی پوچھا کہ کس نے آواز دی؟

اس آواز وندا کی حقیقت کے باب میں کچھ عرض کرنا مشکل ہے، نہ کسی نے آپ سے سوال کیا نہ سوال کا موقع تھا، اور نہ آپ نے خود کچھ بیان فرمایا۔

مسجد بالا کے پاس کا مورچہ

یہ بتایا جاچکا ہے کہ مولوی احمد اللہ کی جماعت کا مورچہ مسجد بالا کی غربی سمت میں قریب ہی تھا اور مولوی صاحب اپنی جماعت کی امارت مولوی سید جعفر علی کو سونپ کر خود سید صاحب کے ساتھ ہو گئے تھے۔ سید جعفر علی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس چار پائیاں کافی تھیں، ان پر بیٹھ کر اسلحہ صاف کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے خطائیں معاف کرارہے تھے۔ کواڑوں کی آڑ میں ہونے کے باعث گولیوں سے محفوظ تھے، ہمیں حکم یہ تھا کہ وہاں سے نہ ہلیں۔ جب سکھ شالی کے کھیتوں میں پہنچ جائیں تو ان پر گولیاں چلائی جائیں۔ جو لوگ کھیتوں سے گذر کر قصبے کی سمت میں چڑھائی پر پہنچیں ان پر تلواروں سے وار کیے جائیں۔

اس جماعت کے بعض آدمیوں نے کہا کہ بندوقیں دیر سے بھری ہوئی ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں سر کر کے نئے سرے سے بھر لیں۔ مولوی جعفر علی نے کہا کہ آپ لوگ چپ چاپ بیٹھے رہیں، وقت آنے پر اگر ایک مرتبہ فائر خالی بھی جائیں گے تو مضائقہ نہیں، اس وقت شیخ محمد اسحاق گورکھپوری بولے: اب تک دل میں وطن اور اہل وعیال کی

(۱) یہ کھڑکی غالباً شمالی سمت میں تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محبت جاگزیں تھی، اب شہادت اور لقائے باری تعالیٰ کے سوا کوئی آرزو نہیں رہی۔

مسجد بالا سے مسجد زیریں میں

سید صاحب اندر دعاء میں مشغول تھے۔ غازی سائبان میں بیٹھے تھے، مسجد میں اس وقت تین نشان تھے، ایک دادا ابوالحسن کا، دوسرا ابراہیم خاں خیر آبادی کا، یہ دونوں سیاہ تھے، تیسرا نشان سرخ و سپید ملکیوں کا تھا۔ یکا یک اندر کا دروازہ کھلا اور سید صاحب مسجد سے باہر نکل گئے۔ تمام غازی بھی اٹھ کر ساتھ ہو گئے۔ جب معلوم ہوا کہ آپ میدان کی طرف جا رہے ہیں تو بعض غازیوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو نشان ساتھ لے لیں۔ فرمایا: دادا ابوالحسن کا نشان ہمارے آگے آگے چلے۔

مولانا شاہ اسماعیل مسجد بالا کے شمالی دالان میں تھے، وہ بھی ساتھ ہو گئے۔ مسجد سے سید صاحب تشریف لے گئے تو مولوی احمد اللہ کی جماعت کے لئے بھی وہاں بیٹھے رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، چنانچہ مولوی جعفر علی نقوی بھی مع جماعت کے ہمراہ ہو گئے۔ اس طرح سید صاحب غازیوں کے جھرمٹ میں مسجد زیریں تک پہنچ گئے، جہاں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف ایک پگڈنڈی جاتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چالیسواں باب:

آغازِ جنگ

صدائے تیغ تو آمد بہ بزمِ زندہ دلاں
کدام سر کہ درو ذوقِ ایں سرود نہ ماند

مسجد زیریں سے حملہ

سید صاحب مسجد زیریں میں پہنچے تو صحن غازیوں سے بھرا ہوا تھا، بعض باہر کھڑے تھے، بعض دائیں جانب کی گلی میں تھے۔ سید صاحب وہاں کھڑے رہے، اس وقت سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔ بعض غازی زخمی ہو گئے، سید صاحب نے فرمایا کہ کواڑوں کی اوٹ بنالی جائے، چنانچہ کچھ غازی کواڑ اٹھالائے اور اوٹ بنانے میں لگ گئے۔ عام خیال یہی تھا کہ مسجد میں ٹھہر کر ان سکھوں کے نیچے پہنچ جانے کا انتظار کریں گے، جو پہاڑ پر سے اتر رہے تھے۔ اس اثناء میں آپ نے مسجد کے کونے کی آڑ سے سکھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ قرابین دار اور لمبی مار کی بندوقوں والے ہمارے آگے چلیں۔ یہ فرماتے ہی تکبیر کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکلے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف چل پڑے۔

اس پر سب کو تعجب ہوا۔(۱) اس لئے کہ لڑائی کی جو اسکیم پہلے طے ہو چکی تھی، وہ یہ تھی کہ جب تک سکھ نشیب میں نہ پہنچ جائیں، ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ وہ ابھی نشیب سے

(۱) اصل کیفیت ابواب ضمیمہ سے واضح ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دور تھے کہ خود سید صاحب نے حملہ کر دیا۔ مولوی جعفر علی نقوی بھی قرابین دار تھے، اس لئے سید صاحب کے حکم کے مطابق ساتھ ہو گئے۔ مولوی احمد اللہ سے انہوں نے کہہ دیا کہ اب آپ اپنی جماعت کو سنبھال لیں۔

''منظورہ'' کا بیان

یہاں تک تمام راوی فی الجملہ متفق ہیں، اس کے بعد بیانات میں کم وبیش اختلافات ہیں، مسلسل بیان صرف مولوی سید جعفر علی نقوی کا ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ سید صاحب نے مسجد سے نکل کر دلدل کا قصد کیا، عرض کیا گیا کہ لوگ مجروح ہو رہے ہیں، ہمیں بھی جواب میں بندوقیں چلانے کی اجازت مرحمت ہو۔ فرمایا: جن کے پاس لمبی مار کی بندوقیں ہیں، وہ سر کریں اور جہاں جہاں ممکن ہو مورچے بنا لئے جائیں۔ دلدلی زمین ہموار تھی اور اسے عبور کئے بغیر مورچے بنانے کی کوئی صورت نہ تھی۔

مولانا اسماعیل نے فرمایا کہ قرابین دار سید صاحب کے گرد وپیش رہیں، آپ آہستہ آہستہ تکبیر کہتے ہوئے جا رہے تھے۔ دلدل پر پہنچے تو اس کے کنارے ایک بھاری پتھر تھا اس پر دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر بیٹھ گئے۔ ارباب بہرام خاں آپ کے بائیں جانب تھے، شیخ ولی محمد کو قصبے سے شاہین لانے کا حکم دیا۔ عرض کیا گیا کہ قندھاریوں کی طرف سکھوں کا زور معلوم ہوتا ہے، مناسب ہوگا کہ ادھر کمک بھیجی جائے۔ فرمایا: جتنے لوگ وہاں ہیں وہی کافی ہیں۔ ایک شخص نے تلوار لے کر دلدل میں اترنا چاہا، لوگوں نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ حضرت کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ سید صاحب نے بیٹھے بیٹھے ارباب بہرام خاں سے فرمایا: دل چاہتا ہے کہ سکھوں کا جو گروہ نیچے اتر آیا ہے، اس پر حملہ کر دیا جائے۔ ارباب نے عرض کیا: جو لوگ نیچے آ چکے ہیں، انہیں مار لینا مشکل نہیں لیکن جو ابھی تک پہاڑ پر ہیں یا پہاڑ سے اتر رہے ہیں، ان پر یورش کی کیا صورت ہے؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرمایا: بہتر ہے، بڑے گروہ کو پیچھے آلینے دیں:

پس آنجناب یک لحہ توقف نمودند بعد ازاں ہیچ کس را اطلاع بہ یورش ناداده، خود "بسم اللہ اللہ اکبر" بہ زبان آوردہ داخل خلاب شدند۔ چوں طاقت روحی وجسمانی خدا دادے داشتند درآں خلاف کہ تا زانوے رفت وپائے را بہ وقت بالا کشیدن بہ مشکل می گزاشت بہ سرعت وچستی وچالاکی مثل شیر ژیاں حملہ کناں می رفتند وبہ طرز اہل ورزش جست ے نمودند کہ آنجناب در آں مہارت تامہ داشتند۔ پس ارباب بہرام خاں ودیگر کسانیکہ نگاہ شاں بہ جانب آنجناب بود ہمراہ شدند حتیٰ کہ دادا ابوالحسن نصیر آبادی کہ نشان بردار بودند غافل محض بودند کسے دادا موصوف را آگاہ ساخت وراقم الحروف ہم بعد بالا کشیدن زیر جامہ داخل آں خلاب گردید، چوں عافیت بدنی نہ داشت بلکہ رنجور بود ہمراہ آنجناب نہ رسید۔(۱)

ترجمہ : سید صاحب نے ایک لحہ توقف فرمایا پھر کسی کو یورش کی اطلاع دیے بغیر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر دلدل میں داخل ہو گئے۔ چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص روحانی وجسمانی قوت عطا کر رکھی تھی، اسلئے تیزی، چستی اور چالاکی سے شیر ژیاں کی طرح حملہ کرتے ہوئے بڑھے حالانکہ دلدل میں پاؤں زانو تک دھنس رہا تھا اور اسے باہر کھینچنا مشکل تھا۔ آپ اہلِ ورزش کی طرح چھلانگیں مارتے ہوئے جارہے تھے، اس میں آپ کو پوری مہارت حاصل تھی۔ آپ کے ساتھ ہی ارباب بہرام خاں اور وہ لوگ چلے جن کی نگاہیں آپ پر جمی ہوئی تھیں۔ دادا ابوالحسن نصیر آبادی جو آپ کے نشان بردار تھے، بالکل غافل تھے، (یعنی ان کا دھیان سید صاحب کی طرف نہیں، بلکہ سکھ لشکر کی طرف تھا) کسی نے انہیں آگاہ کیا راقم الحروف نے بھی پاجامے کے پائینچے اوپر چڑھائے اور دلدل میں داخل ہو گیا۔ چونکہ بیمار تھا اس لئے حضرت کے ساتھ نہ جاسکا۔

(۱) منظورہ ص: ۱۱۸۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضروری تصریحات

یہ ایک مستند چشم دید بیان ہے اور فی الجملہ اس کی درستی میں کلام کی گنجائش نہیں، لیکن اس کے بعض حصے یا تو غلط فہمی پر مبنی ہیں یا سمجھنا چاہئے کہ انہیں واضح کرنے کے لئے جو تفصیل درکار تھی وہ سید جعفر علی نے پیش نہ کی۔ مثلاً:

۱۔ سکھ لشکر پر حملے کیلئے ہموار میدان سے گذر کر آگے بڑھنا سمجھ میں آ سکتا ہے، لیکن ایک پتھر پر اوٹ کے بغیر بیٹھ جانا سمجھ میں نہیں آتا، جب کہ سکھوں کی طرف سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔

۲۔ میں نے قصبے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کے درمیان چپہ چپہ زمین دیکھی، وہاں کوئی ایسی جگہ نہ ملی جو مخصوصاً دلدل بن گئی ہو۔ اس حصے میں یقیناً نشیبی زمین موجود ہے، جس میں آج کل بھی کھیتی باڑی ہوتی ہے، جنگ بالاکوٹ کے وقت اس میں دھان بوئے ہوئے تھے۔ یہ زمین چھوٹے بڑے کھیتوں میں بٹی ہوئی تھی، ہر کھیت کی مینڈ تھی، پگڈنڈی مینڈوں پر سے تھی۔ یقیناً کھیتوں میں پانی بھر دیا گیا تھا، لیکن مینڈوں پر سے گذرا جا سکتا تھا۔

۳۔ ''وقائع'' میں میاں عبدالقیوم کا بیان ہے کہ سید صاحب آدھی گھڑی (دس بارہ منٹ) مسجد زیریں میں ٹھہر کر بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ داوا ابوالحسن سے فرمایا کہ نشان لے کر ہمارے آگے آگے چلو، اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے سامنے سپر بنے ہوئے چل رہے تھے۔ پچیس تیس قدم پر کھیت میں ایک بڑا پتھر زمین سے نکلا ہوا تھا، اس کی آڑ میں جا کر آپ ٹھہرے (۱)، یہ پتھر اب کہیں نظر نہیں آتا۔

۴۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ سید صاحب مینڈ پر سے گذرے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

---

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۰۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی سید جعفر علی آخر تک سید صاحب کے ساتھ نہیں رہے تھے، اس لئے ان کی روایت، ان اصحاب کی روایتوں کے مقابلے میں ترجیح نہیں پا سکتی، جو سید صاحب کے ساتھ تھے۔

اب آپ تمام بیانات ملاحظہ فرمالیں، جنہیں سامنے رکھنے کے بعد جنگ کے مختلف مدارج کا اندازہ ہو سکے گا۔

لعل محمد جگدیش پوری

لعل محمد جگدیش پوری کہتے ہیں کہ سید صاحب:

اوپر کی مسجد سے نیچے کی چھوٹی مسجد میں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر ہلہ کیا اور تکبیر کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ جن کھیتوں میں رات کو چشمے کا پانی چھڑوایا تھا، ان میں جا کر پہنچے۔ ایک جگہ مینڈ سے آپ کا پاؤں پھسل کر کیچڑ میں جاتا رہا اور اس پاؤں کا جوتا اسی کیچڑ میں رہ گیا۔ میں نے جلد اس کو کیچڑ سے نکال کر حضرت کے پاؤں میں پہنا دیا۔ آپ تو آگے چلے گئے، کچھ دور چل کر میرا بھی پاؤں پھسل گیا، جب تک کیچڑ سے نکلوں، تب تک سات آٹھ آدمی پیچھے کے آگے ہو گئے۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا اور حضرت علیہ الرحمۃ جا کر نالے پر پہنچے، جہاں سکھوں کا بڑا ہجوم تھا اور تلوار اور بندوق جانبین سے چلنے لگی۔ پھر سکھ منہزم ہو کر طرف پہاڑ کے بھاگنے لگے اور پہاڑ پر چڑھنے لگے۔(۱)

کریم اللہ خاں میواتی

کریم اللہ خاں میواتی مولانا شاہ اسماعیل کی جماعت میں تھے، اس جماعت کو ملا لعل محمد قندھاری کے مورچے کے قریب متعین کیا گیا تھا۔ سب لوگ صبح ہوتے ہی

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۲۷- اس روایت میں نالے سے مراد مٹی کوٹ کا نالہ ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مورچوں میں جا بیٹھے۔ کریم اللہ خاں کو سید صاحب کی زیارت کے شوق نے روکے رکھا، وہ کہتے ہیں کہ مسجد بالا میں پہنچا تو آپ دعا و مناجات میں مشغول تھے۔ سکھوں کے گولے ان کی طرف آتے تھے، لیکن کوئی گولہ کسی کو لگتا نہ تھا۔ میں چلے ہوئے گولے اٹھا اٹھا کر شاہین چیوں کو دینے لگا، اس وقت مسجد (یعنی مسجد بالا) میں بڑا ہجوم تھا:

پھر حضرت کواڑ مسجد کے کھول کر باہر نکلے اور بالا کوٹ کے نیچے کو روانہ ہوئے اور سب لوگ آپ کے پیچھے آپ کے ہمراہ چلے۔ جب نیچے کی مسجد کے قریب پہنچے، گلی تنگ تھی، تمام آدمی اس میں گھس گئے اور ایک گلی مسجد کے داہنے طرف اور تھی۔ پھر حضرت تو مسجد مذکور میں تشریف لے گئے اور کچھ لوگ اس گلی میں گئے انہیں کے ساتھ میں بھی چلا گیا اور دھانوں کے کھیت میں پہنچ کر بندوق سکھوں پر لگانے لگا۔ اس (اثناء) میں حضرت امیر المومنین اس مسجد سے ہلہ کر کے آئے اور ہم لوگوں کے بائیں طرف جو سکھوں کا بڑا ہجوم تھا ادھر چلے گئے اور جانبین سے بندوق کی باڑھ بھی چلتی تھی اور تلوار بھی چلتی تھی اور دھوئیں کی ایسی تاریکی تھی کہ دس قدم کا آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ہوا مخالف تھی تمام دھواں ان کا ہماری طرف آتا تھا۔(۱)

حافظ وجیہ الدین باغپتی

حافظ وجیہ الدین باغپتی کہتے ہیں:

مسجد زیریں میں سکھوں کی گولیاں مانند اولوں کے برستی تھیں اور کئی آدمی وہاں زخمی بھی ہوئے اور شہید بھی ہوئے............ پھر حضرت امیر المومنین علیہ الرحمۃ یکبارگی مسجد سے بہ آواز بلند تکبیر کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے، اس سرعت سے اس وقت جاتے تھے جیسے شکار پر شیر جاتا ہے اور تمام مجاہدین پاک

(۱) وقائع ص ۲۲۱۔ نیچے کی "مسجد زیریں" ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دین آگے پیچھے آپ کے ہمراہ چلے جاتے تھے۔ پھر لڑائی کے کھیت میں
جا کر دو دو چار چار جابجا متفرق ہو کر لڑنے لگے......... جو سکھ پہاڑ سے اتر
کر دھان کے کھیتوں کی کیاریوں میں آئے تھے، وہ پھر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ
گئے، اور غازیوں نے مارتے مارتے پہاڑ کی جڑ پکڑی۔(۱)

شیخ حفیظ اللہ دیوبندی

شیخ حفیظ اللہ دیوبندی، شیخ ولی محمد کی جماعت میں تھے، جس کا مورچہ مولانا شاہ اسماعیل کی جماعت کے بائیں جانب ست بنے کے کنارے پر تھا۔ شیخ موصوف کہتے ہیں کہ سوا پہر دن چڑھا ہوگا، ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ حضرت خود حملہ کریں گے، ہماری جماعت کے بعض آدمیوں نے کہا کہ سکھوں پر حملہ کرنا چاہیے، وہ اگرچہ تعداد میں زیادہ ہیں، لیکن ابھی سب پہاڑ سے اترے نہیں۔ دوسرے بھائیوں نے کہا کہ حضرت کے حکم کے بغیر حملہ مناسب نہیں۔ اس اثناء میں:

> ہم لوگوں کے پیچھے سے یکبارگی ایک آواز بلند "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" کی
> سنائی دی۔ ہم سب نے پیچھے پھر کر دیکھا کہ ایک غول غازیوں کا چلا آتا ہے،
> معلوم ہوا کہ خود حضرت امیر المومنین نے حملہ کر دیا۔ پھر ہمارے سب لوگ حملہ کر
> کے حضرت کی طرف چلے۔ مجھ کو چند روز پہلے سے بخار آتا تھا، اس سبب سے
> پیچھے رہ گیا اور میری جماعت کے سب لوگ آگے بڑھ گئے۔(۲)

(۱) منظورہ ص: ۱۹۲ جلد سوم

(۲) "وقائع" ص: ۲۰۸ جلد ۳۔ اس روایت میں "پیچھے" کے لفظ سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے، ست بنے کا نالہ بالا کوٹ کے حلقے میں جنوب مشرق کے رخ بہتا ہے، اس کے کنارے مورچوں کا رخ جنوب مغرب میں تھا، اس وجہ سے قصبہ مورچوں کے عقب میں یا تقریباً عقب میں آ گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیر محمد خاں رام پوری

شیر محمد خاں رام پوری کہتے ہیں:

حضرت امیر المومنین علیہ الرحمۃ مسجد (زیریں) سے بہ آواز بلند تکبیر کہتے ہوئے نکلے اور مانند شیر کے، طرف سکھوں کی روانہ ہوئے اور کھیتوں کے پٹوں پر جا کر چڑھنے لگے۔ میں بھی آپ کے پیچھے تھا۔ چار یا پانچ پٹوں پر بہت مشقت سے چڑھا، پھر آگے نہ چڑھا گیا اور حضرت علیہ الرحمۃ اپنے لوگوں سے آگے بڑھ گئے۔ پھر جب کثرت لوگوں کی کم ہوئی، تب میں دم لے کر اور کئی پٹوں پر چڑھا، کوئی پٹ کمر تک بلند تھا، کوئی سینے تک اور جانبین سے بندوقیں بہ کثرت چلتی تھیں، اور جہاں میں تھا وہاں سے قرابین چلانے کا موقع نہ تھا، میں متردد تھا کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ پھر کھیت کی مینڈ پر ہو کر میں داہنے طرف چلا۔(۱)

رحیم بخش بناری

رحیم بخش بناری بھی کہتے ہیں کہ زیریں مسجد پوری کی پوری غازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سکھوں کی گولیاں بہ کثرت آرہی تھیں، کئی آدمی زخمی اور شہید ہوئے۔ جب حضرت سے یہ عرض کیا گیا تو:

بہ آواز بلند تکبیر کہتے ہوئے، مسجد کی طرف سے سکھوں پر حملہ آور ہوئے اور تمام مجاہدین آپ کے ہمراہ تھے۔ جب مسجد سے نکل کر دھانوں کی کیاریوں میں پہنچے تو وہاں جا بجا لوگ متفرق ہو گئے، اور کیاریوں کی آڑ میں مورچے پکڑ کر سکھوں پر گولیاں مارنے لگے۔ ... ہمارے آگے بائیں طرف، کوئی سو سوا سو قدم کے فاصلے سے ایک جگہ غازیوں اور سکھوں کا بڑا ہجوم تھا اور اپنے لوگ اکثر کہتے تھے کہ حضرت علیہ الرحمۃ اسی ہجوم کے اندر ہیں۔(۲)

(۱) ''وقائع'' ص: ۲۳۰-۲۳۵ جلد سوم (۲) ''وقائع'' ص: ۲۳۳-۲۳۴ جلد سوم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میاں لکھمیر

میاں لکھمیر فرماتے ہیں کہ جب سکھ بڑھتے بڑھتے قندھاری جماعت کے مورچوں سے تیس چالیس قدم کے فاصلے پر رہ گئے تو ملا لعل محمد نے ہلّہ کر دیا۔ حضرت کو خبر ملی تو اگرچہ اتنے فاصلے سے حملے کا ارادہ نہ تھا لیکن قندھاریوں کو دیکھ کر دیر کرنا مناسب نہ جانا، چنانچہ آپ بھی بہ آوازِ بلند تکبیر کہتے ہوئے مسجد زیریں سے نکل کر حملہ آور ہوئے:

> دھان کی کیاریوں میں پہنچے اور تلوار چلنی شروع ہوگئی، اس وقت یہ حال تھا کہ جو سکھ غازیوں کے مقابلے پر تھے، انکے ہاتھوں اور بدنوں پر رعشہ پڑ گیا۔ بندوقیں نہ چلا سکے، غازی لوگ ایک ہاتھ سے ان کی بندوق پکڑتے دوسرے ہاتھ سے تلوار مارتے اور قرابین والے قرابین مارتے تھے اور سکھ پیچھے ہٹتے ہٹتے پہاڑ کی طرف چلے جاتے تھے۔ بے شمار سکھ اس وقت مارے گئے۔ (۱)

سکھوں کے افسر نے اپنے آدمیوں کو للکارا تو وہ لوٹے اور میاں لکھمیر وغیرہ کے بائیں جانب سے آنے لگے۔ اس وقت لکھمیر کے ساتھ کل آٹھ آدمی تھے۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے ہم آٹھوں سے فرمایا کہ ان سکھوں کو مارو، ہمارے پیچھے کی طرف نہ آنے پائیں۔ پھر ہم آٹھ آدمی کھیت کی مینڈ کی آڑ میں ہو کر بندوقیں مارنے لگے۔ (۲)

---

(۱) "وقائع" ص: ۲۲۷-۲۲۸ جلد ۳۔ یہاں یہ بتا دینا چاہیے کہ شیخ ولی محمد پھلتی، خدا بخش، شیر محمد خاں، محمد امیر خاں قصوری، میاں عبدالقیوم، لعل محمد جگدیش پوری، عبداللہ، امام الدین بڑھانوی، حسن خاں عظیم آبادی، رحیم بخش ہتاری، پیر محمد قاصد، کریم اللہ خاں میواتی، حاجی امان اللہ اور سید جعفر علی کہتے ہیں کہ میاں لکھمیر اگرچہ بڑے معتبر راوی ہیں، لیکن ملا لعل محمد قندھاری کی جانب سے بلا اذن حملے کا بیان صحیح نہیں۔ اس بارے میں میاں صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ غلط فہمی کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ملا صاحب کا مورچہ چونکہ سکھوں کے بہت قریب تھا، حملہ سید صاحب کے حکم سے ہوا، ملا صاحب قرب کی وجہ سے سکھوں پر پہلے پہنچ گئے، میاں لکھمیر نے سمجھ لیا کہ وہ بلا اذن حملہ آور ہو گئے۔

(۲) "وقائع" ص: ۲۰۳ جلد ۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ تمام بیانات موقع اور محل کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہیں اور انہیں پڑھ کر بالا کوٹ کی رزمگاہ کو دیکھا جائے تو طبیعت میں کوئی خلجان پیدا نہیں ہوتا، جس طرح مولوی سید جعفر نقوی کے بیان سے پیدا ہوا۔

بہر حال لڑائی کی سرسری کیفیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سید صاحب جس طرح مسجد بالا سے نکل کر اچانک مسجد زیریں میں گئے تھے، اسی طرح مسجد زیریں سے نکلے اور اچانک حملہ کر دیا۔ ممکن ہے کسی جگہ اوٹ میں ذرا سی دیر کے لئے توقف بھی فرمایا ہو، لیکن یہ صحیح نہیں کہ ایک پتھر پر بازوؤں کا سہارا لے کر بیٹھ گئے، نہ یہ کہ آپ دلدل میں کود پڑے۔ قرین قیاس صورت یہی ہے کہ نشیب کے کھیتوں کی مینڈوں پر سے گذرے، پھر درجہ بہ درجہ کھیتوں پر پہنچے اور کود کود کر درجہ بہ درجہ چڑھتے ہوئے تیزی کے ساتھ اس مقام پر پہنچ گئے جو مٹی کوٹ کے دامن میں سکھوں کی نزول گاہ سے قریب تھا اور جہاں بڑے بڑے پتھروں کی آڑ مل سکتی تھی۔ وہیں سکھوں کا زیادہ اجتماع تھا اور انہیں پر حملہ مقصود تھا۔

جو غازی آپ کے ساتھ مسجد سے نکلے تھے وہ سارے ساتھ نہ رہے بلکہ دو دو چار چار، دس دس ہو کر بکھر گئے۔ ہر گروہ نے اپنے لئے اوٹ کی مناسب جگہ تلاش کر کے لڑائی شروع کر دی ہو گی۔ سید صاحب غالباً اس مقام سے قریب تھے، جہاں سے مٹی کوٹ کا نالہ پہاڑ پر سے اترتا ہے۔ یہ حملہ اتنا زوردار تھا کہ جتنے سکھ نیچے آ چکے تھے، ان میں سے اکثر مارے گئے، باقی پیچھے پلٹ کر پہاڑ کی جڑ میں پہنچ گئے۔ کچھ اوپر چڑھنے لگے۔

جنگ سے ایک روز پیشتر بارش ہوئی تھی، لیکن لڑائی کے وقت مطلع صاف تھا اور دھوپ نکل آئی تھی، تاہم بارود کا دھواں اتنا زیادہ تھا کہ تھوڑے فاصلے پر بھی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ کارتوسوں کے کاغذ ہوا میں اس طرح اڑتے تھے جیسے تتریاں اڑا کرتی ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میاں عبدالقیوم اور محمد امیر خاں قصوری

میاں عبدالقیوم داروغۂ باورچی خانہ کہتے ہیں:

مٹی کوٹ کے پہاڑ کی جڑ سے سکھوں نے ہم سے پہلے حملہ کیا اور ان کر کوہ کے کھیتوں کی یہ کیفیت تھی جیسے پختہ تالاب کی سیڑھیاں، کوئی اونچا چھاتی تک بلند تھا اور کوئی کمر تک اور کوئی اس سے بھی کم، اور اوپر سے نیچے تک وہ البتہ چالیس پچاس چبوترے ہوں گے، ہم لوگ وقت حملے کے ان پر چڑھ کر جاتے تھے اور سکھ اتر کر ہماری طرف آتے تھے، اور حضرت امیر المومنین اس پتھر مذکور کی آڑ میں اس نیت سے ٹھہرے تھے کہ جب سکھوں کا حملہ بہت نزدیک آوے تب ایک باڑھ قرابینوں کی مار کر تلوار سے لڑیں۔ پھر حکمت الٰہی سے یونہی معاملہ ہوا کہ جب ان کا حملہ اوپر سے اترتے اترتے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر آیا تب ایک بار کی تکبیر کہہ کر ایک باڑھ بندوقوں والوں نے ماری اور بعد ان کے دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری، ان دونوں باڑھوں میں بے شمار کفار واصل دار البوار ہوئے اور باقی منہزم ہو کر اوپر کی طرف بھاگے۔ ادھر سے غازیوں نے اپنے اپنے ہتھیار لے کر ان کا تعاقب کیا، کوئی تو تلوار سے کوئی گنڈاسے سے اور پتھروں سے، کوئی بندوق وغیرہ سے ان کو مارنے لگا.........
باقی بھاگتے بھاگتے پہاڑ کی جڑ میں جا پہنچے۔(۱)

آگے چل کر بتاتے ہیں کہ سکھ افسر نے یہ حالت دیکھ کر ترم بجایا اور اس آواز میں کچھ کہا، سکھ پھر پلٹے اور غازیوں پر باڑھیں مارنے لگے۔ محمد امیر خاں قصوری کے بیان کے مطابق سید صاحب کے حملے نے بقیۃ السیف سکھوں کو پہاڑ کی جڑ میں پہنچا دیا تھا، وہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ غازی ان کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے اور تلواریں مار مار کر ختم کرتے جاتے۔(۲)

(۱) "وقائع" ص:۱۹۱ جلد ۲ (۲) "وقائع" ص۱۹۲ جلد ۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ تمام روایتیں فی الحال ایک دوسری کی مصدق ہیں۔ بعض اور روایتیں بھی ہیں، کسی میں تفصیلات زیادہ ہیں کسی میں کم، صرف میاں نجم الدین شکار پوری کی روایت میں ایک بات ایسی ہے جس میں وہ منفرد ہیں، اور وہ یہ کہ سید صاحب نے جب مسجد زیریں میں دیکھا کہ بعض غازی سکھوں کی گولیوں سے زخمی یا شہید ہوئے تو فرمایا:

> جن غازیوں کے پاس پلہ دار بندوقیں ہوں، وہ آگے چل کر سکھوں کے مقابلے میں مورچے لگا دیں۔ پھر اس وقت حضرت تو مسجد ہی میں رہے اور پلہ دار بندوقوں والے سکھوں کے مقابلے کو گئے۔ ان کے ساتھ میں بھی گیا، اور موروچوں سے تو پہلے ہی بندوقیں چل رہی تھیں، پھر ہم لوگ دھانوں کی کیاریوں میں جا کر پانچ پانچ سات سات آدمی متفرق ہو گئے اور کیاریوں کی آڑ لے کر سکھوں پر گولیاں مارنے لگے اور میں سب کے کنارے پر تھا۔ (۱)

مولوی سید جعفر علی

آخر میں پھر مولوی سید جعفر علی نقوی کا بیان سن لینا چاہیے۔ فرماتے ہیں:

> آنجناب و ہمراہیانِ آنجناب تیز تر از برق و باد بر سر آں کافراں رسیدند۔ بعضے از نیزہ و شمشیر جرأتے کردند والا تمامی بگریختند و راہ گریز ہم نہ بود چہ از کوہ فرود آمدہ بودند و دویدہ بالائے کوہ چگونہ روند۔ پس ہمہ آنہا کہ زیر آمدہ بودند مردار شدند و کافراں کہ بالا بودند از گلولہ ہائے بندوق خویش را گزاشتند و تہ یگانہ را آنجا گلولہ تفنگ چوں ژالہ مے بارید و کافر ہائے کارتوس در ہوا مے پرید و زدن سنگہا از جانبین بود۔ پس راقم الحروف و منشی انصاری وقتے رسیدیم کہ قلیل ازاں کافرانِ زیر کوہ زندہ بودند بہ طرفۃ العین چوں شکار کشتہ شدند۔ (۲)

---

(۱) "وقائع" ص: ۲۲۸-۲۲۹ جلد ۳۔ میاں نجم الدین کے پاس ایک چھوٹی روئی بندوق تھی جو سید صاحب نے سفر حج میں عرب سے خریدی تھی، یہ پہلے شیخ صلاح الدین پھلتی کو دی گئی، ان سے میاں نجم الدین کو ملی، اس کی گولی بڑی بڑی پلہ دار بندوقوں کے برابر جاتی تھی۔

(۲) منظورہ ص: ۱۱۸۶-۱۱۸۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: سید صاحب اور آپ کے ساتھی بجلی اور آندھی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سکھوں کے سر پر پہنچے، ان میں سے بعض نے تیزۂ شمشیر اٹھانے کا حوصلہ کیا، باقی بھاگ نکلے، لیکن راہ گریز کہاں تھی؟ وہ پہاڑ سے نیچے اتر چکے تھے اور دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔ پس جتنے نیچے اترے تھے، مارے گئے، جو سکھ اوپر تھے وہ گولیاں چلا رہے تھے، ان کی گولیاں نہ اپنوں کو چھوڑتی تھیں نہ بیگانوں کو۔ گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں، کارتوس کے کاغذ ہوا میں اڑ رہے تھے، دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے جا رہے تھے۔ میں (سید جعفر علی) اور منشی محمدی انصاری اس وقت موقع پر پہنچے جب تھوڑے سے سکھ زندہ تھے، وہ بھی طرفۃ العین میں مارے گئے۔

بیانات کا خلاصہ

تمام بیانات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ سید صاحب اچانک مسجد بالا سے نکل کر مسجد زیریں میں پہنچے اور وہاں سے اچانک حملہ کر دیا۔

۲۔ دھانوں کے کھیتوں کی مینڈوں سے گذرے، ایک جگہ پاؤں پھسل کر کھیت کے کیچڑ میں پھنسا اور جوتا اس میں رہ گیا، جو لعل محمد جگدیش پوری نے نکال کر پہنایا۔

۳۔ پھر پایہ بہ پایہ کھیتوں سے جست کرتے کرتے گذرے اور پہاڑ کے پاس اس جگہ کے قریب پہنچے، جہاں سکھوں کا ہجوم تھا۔

۴۔ نیچے اترے ہوئے سکھوں میں سے بہت سے مارے گئے۔ باقی پیچھے ہٹ گئے، یا پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مولوی جعفر علی کے بیان کے مطابق نیچے اترے ہوئے سب مارے گئے۔

۵۔ غازی ایک جگہ نہیں رہے تھے، بلکہ مختلف اوٹوں میں جا بجا بکھر گئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۶۔ دھواں اتنا پھیلا ہوا تھا کہ دس قدم سے آگے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔

۷۔ ہوا مٹی کوٹ کی طرف سے بالا کوٹ کی طرف چل رہی تھی اور سکھوں کی بندوقوں کا دھواں غازیوں کی طرف آرہا تھا۔

۸۔ سید صاحب اکثر غازیوں سے آگے تھے پھر کسی نے انہیں پیچھے آتے نہ دیکھا۔

۹ پہاڑ پر سکھ بندوقیں چلا رہے تھے، ان کی گولیاں بے امتیاز برس رہی تھیں، غازیوں کے علاوہ سکھ بھی ان سے مارے گئے۔

۱۰۔ بندوقوں، تلواروں اور نیزوں کے علاوہ پتھر بھی اس لڑائی میں استعمال کیے گئے۔

۱۱۔ میاں نجم الدین شکار پوری کا بیان درست سمجھا جائے تو سید صاحب نے مسجد زیریں سے حملے کے لئے نکلنے سے پیشتر غازیوں کی ایک جماعت کو بھیج کر دھانوں کے کھیتوں میں مورچے بنوا دیے تھے۔

۱۲۔ میاں لکھمیر کے بیان کے مطابق سید صاحب کو حملے میں عجلت اس وجہ سے کرنی پڑی کہ ملا لعل محمد قندھاری نے اچانک بے اذن حملہ بول دیا تھا، لیکن تمام دوسرے راوی اس بیان کو میاں لکھمیر کی غلط فہمی پر محمول کرتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکتالیسواں باب:

شہادت

چوں شہید عشق در دنیا و عقبیٰ سرخرو ست
اے خوش آں ساعت کہ مارا کشتہ زیں میداں برند

روایات میں اضطراب کی وجہ

اس بات پر تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ سید صاحب مسجد زیریں سے بہ نیت یورش نکلے تو سکھوں کو مارتے اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے مٹی کوٹ کے دامن میں پہنچ گئے۔ اگرچہ تفصیلات میں کم وبیش اختلاف ہے، لیکن بعد کی روایتوں میں سخت اضطراب کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ مثلاً:

۱۔ غازیوں کا بڑا گروہ صرف مٹی کوٹ کی جانب اقدام شروع ہونے تک آپ کے ساتھ رہا، پھر جنگی مصلحتوں کی بنا پر اکثر کو اِدھر اُدھر منتشر ہو جانا پڑا۔ وہ لوگ کچھ بتا ہی نہیں سکتے تھے، اس لئے کہ بے خبر تھے۔

۲۔ جن اصحاب نے کسی قدر حالات بتائے وہ صرف تھوڑی دیر تک سید صاحب کے ساتھ رہے، پھر انہیں بھی زد وکشت کے ہنگامے میں الگ ہونا پڑا۔

۳۔ جو خوش نصیب آخری دم تک سید صاحب کے دامن سے وابستہ رہے، ان میں سے غالباً ایک بھی زندہ نہ بچا۔ اس وجہ سے ان کا کوئی بیان محفوظ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

ان حالات میں ہمارے لئے اسکے سوا چارہ نہیں کہ روایتوں کے پورے ذخیرے میں سے وہ مطالب فراہم کر کے بصورت مرتب پیش کر دیں، جن میں سید صاحب کے متعلق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کچھ نہ کچھ ذکر آیا ہے، پھر غور و فکر سے پیش آمدہ حالات کا ایک قیاسی نقشہ مرتب کریں۔

''منظورہ'' کا بیان

سب سے پہلے سید جعفر علی نقوی مؤلف ''منظورہ'' کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

لشکر غازیاں ہمراہ حضرت امیر المومنین تا بیخ آں کوہ (مٹی کوٹ) رسید۔ کشتہائے شالی ختمی شدہ بود و کوہ دشوار گزار بود۔ بعد فراغ از کشتن آں کافران پائیں، گلولہ ہائے تفنگ و سنگ، باراں صفت از بالائے کوہ می افتاد و جناب حضرت امیر المومنین در ہماں جماعت از نظر من غائب شدند۔ از منشی موصوف (منشی محمدی انصاری) پرسیدم کہ حضرت امیر المومنین کجا ہستند؟ ایشاں فرمودند کہ عقب ما بہ سمت چپ ہستند۔ گفتم کہ الحمد للہ، پیش آنجناب دریں مقام ہستیم۔ پس ہر دو کساں نشستہ بندوق را پُرے کردیم و استادہ گزارے نمودیم، زیرا کہ بلندی کشتہائے شالی کہ چوں نردبان بود بوقت نشستن از گلولہ و سنگ دشمناں محفوظ مے شدیم۔ وقتیکہ مے استادیم، کافرے را نشانہ کردہ زود سرے دادیم و بازی نشستیم۔(۱)

ترجمہ: غازیوں کا لشکر حضرت امیر المومنین کے ہمراہ پہاڑ کی جڑ تک پہنچا۔ دھان کے کھیت ختم ہو چکے تھے، سامنے پہاڑ دشوار گزار تھا، نیچے اترے ہوئے سکھوں کو مار چکے تو پہاڑ پر سے (سکھوں کی) گولیاں اور پتھر بارش کی طرح آ رہے تھے۔ حضرت امیر المومنین اسی حالت میں میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے منشی محمدی انصاری سے پوچھا: امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرمایا: ہمارے پیچھے بائیں جانب۔ میں نے کہا: الحمد للہ کہ اس مقام میں

(۱) منظورہ ص: ۱۱۸۷-۱۱۸۸۔ اس اقتباس میں "در ہماں جماعت از نظر من غائب شدند" والے فقرے کا غلط مفہوم سامنے رکھ کر جو غلط فہمیاں پیدا کی گئیں ان پر مفصل بحث آگے آئے گی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہم حضرت سے آگے ہیں، ہم دونوں بیٹھ کر بندوق بھرتے، اس لئے کہ دھان کے کھیت جو سیڑھی کی طرح پایہ بہ پایہ تھے۔ دشمنوں کی گولیوں اور پتھروں سے ہمیں محفوظ رکھتے تھے، اٹھتے تو کسی ایک دشمن کو نشانہ بنا کر بندوق تیزی سے سر کر کے پھر بیٹھ جاتے۔

گویا سید صاحب مٹی کوٹ کے دامن میں سید جعفر علی اور منشی محمدی انصاری کے بائیں ہاتھ تھے اور ان کا مقام دونوں منشیوں کے جنوب مشرق میں تھا۔ یہ عین مٹی کوٹ کی جڑ ہو سکتی ہے اور دونوں منشی اس مقام کے شمالی ٹیلے کے آس پاس تھے۔

متفرق بیانات

متفرق بیانات یہ ہیں:

۱۔ محمد امیر خاں قصوری: لڑتے لڑتے ہم لوگوں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو نہ امیر المومنین کا نشان نظر آیا، نہ آپ دکھائی دیے۔ (۱)

۲۔ میاں عبدالقیوم داروغہ باورچی خانہ: جب سکھوں نے پہلی مرتبہ منہزم ہونے کے بعد دوبارہ حملہ کیا تو اس وقت کچھ غازی ان کے مقابلے میں رہے، باقی سب میدان میں حضرت امیر المومنین کو تلاش کرنے لگے۔ جس پتھر کی آڑ میں آپ چند آدمیوں کو لے کر بیٹھے تھے، وہاں آپ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ (۲)

۳۔ الٰہی بخش رام پوری: ہم لوگوں نے جا کر پہاڑ کی جڑ پکڑی، اس اثناء میں حضرت کے مورچے کی طرف سے قصبہ نانوتہ کے حافظ عبداللطیف صاحب آبدیدہ یہ کہتے ہوئے ہم لوگوں کے قریب آئے۔

''امیر المومنین کہاں ہیں؟'' ''امیر المومنین کہاں ہیں؟''۔ میں نے کہا مجھ کو نہیں

(۱) ''وقائع'' ص:۱۹۱ جلد ۳

(۲) ''وقائع'' ص ۲۰۳ جلد ۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

معلوم۔ وہ یہی کہتے ہوئے ست بنے کے نالے کی طرف چلے گئے، پھر میں نے دیکھا کہ حضرت امیر المومنین کے مورچے کی طرف بڑا ہجوم ہے اور تلوار چل رہی ہے۔

۴۔ میاں امام الدین بڑھانوی: ہم پہاڑ کی جڑ میں پہنچ گئے، سکھ ہم پر بندوقیں چلا رہے تھے اور ہم سکھوں پر۔ میں بیٹھا تھا کہ میرے سینگڑے کا ڈاٹ کھل گیا اور بارود میرے انگرکھے کے دامن پر گر پڑی۔ میں اسے اٹھا کر بھرنے لگا تو حافظ عبد اللہ املیاوالے حضرت کا پوچھتے ہوئے آئے اور روتے ہوئے پیچھے کو چلے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ مولانا شاہ اسماعیل ملے، وہ کچھ نہ بولے۔ پھر شیخ ولی محمد سے ملاقات ہوئی، ان سے حضرت کا پوچھا تو ست بنے کے نالے کی جانب ایک ہجوم کو مشارٌ الیہ بنا کر فرمایا: اس ہجوم میں جاتے ہیں، تم بھی اسی طرف چلو۔

کریم اللہ خاں میواتی اور نجم الدین شکار پوری

کریم اللہ خاں کہتے ہیں کہ اس وقت کسی کو معلوم نہ تھا کہ کون کہاں ہے:

> مولانا اسماعیل نے ہم لوگوں سے پوچھا کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا اس ہجوم میں، جہاں تلوار چل رہی ہے وہاں ہوں گے۔ پھر مولانا تو ادھر چلے گئے......... جو غازی حضرت امیر المومنین کے مورچے سے آتا، یہی پوچھتا کہ ''حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟''

نجم الدین شکار پوری فرماتے ہیں کہ میرزا احمد بیگ پنجابی پراگندہ حواس سر پیٹتے ہوئے آئے اور پوچھنے لگے: ''امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں تو آپ کو مسجد زیریں میں چھوڑ کر آیا تھا، اور معلوم نہ تھا کہ آپ نے حملہ کیا''۔ میں نے میرزا سے کہا کہ حضرت بالا کوٹ میں ہوں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رحیم بخش بنارسی اور میاں لکھمیر

رحیم بخش بناری:

ہمارے آگے سوسوا سو قدم پر ایک جگہ سکھوں اور غازیوں کا ہجوم تھا اور اپنے اکثر لوگ کہتے تھے کہ حضرت امیر المومنین اسی ہجوم کے اندر ہیں۔ پھر ہم تینوں (اللہ بخش بانچتی، رسول خاں جلالہ والا اور خود راوی) نے آپس میں صلاح کی کہ آؤ ہم بھی وہیں چلیں جہاں حضرت امیر المومنین ہیں اور اس وقت گولیوں کا مینہ برستا تھا۔ پھر ہم تینوں وہاں سے اس طرف دوڑے....... اس عرصے میں لڑائی شکست ہوگئی۔

میاں لکھمیر:

حضرت امیر المومنین سکھوں کو مارتے ہوئے ہم لوگوں سے آگے بڑھ گئے۔ ہمارے داہنے طرف نالہ تھا، چھ آدمی ہمارے اس نالے میں ہوکر حضرت امیر المومنین کے پاس چلے گئے...... اس عرصے میں حضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے زخمی ہوکر ناصر خاں بھٹ گرام کے آئے۔ انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ اس ہجوم میں تشریف رکھتے ہیں۔

بعد میں میاں لکھمیر، امان اللہ خاں لکھنوی اور شیخ ولی محمد کے بعد دیگرے ملے، ان سے سید صاحب کے متعلق پوچھا تو اول نے کوئی جواب نہ دیا، شیخ ولی محمد نے کہا کہ ان کو تو گوجر پہاڑ پر لے گئے۔(۱)

روایات کی کیفیت

ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں جس سے تعین کے ساتھ کوئی بات معلوم

(۱) یہ تمام بیانات وقائع کی جلد سوم سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۸، ۲۳۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو سکے۔ بعض نے سید صاحب سے بالکل بے خبری ظاہر کی، بعض ان کی تلاش میں سرگرداں تھے، بعض نے ایک ہجوم کی طرف اشارہ کیا، لیکن یہ کسی نے نہ بتایا کہ ہجوم کہاں تھا؟ مٹی کوٹ کے دامن میں یا کسی اور جگہ؟ شیخ ولی محمد کی زبان سے ایک راوی (نجم الدین شکار پوری) نے سنا کہ سید صاحب ست بنے کے نالے کی طرف ہجوم میں جا رہے ہیں۔ دوسرے راوی (میاں لکھمیو) نے سنا کہ سید صاحب کو گوجر اٹھا کر لے گئے، لیکن شیخ نے یہ بات کسی سے سن لی ہوگی، وہ خود نہ اس بات کے شاہد تھے کہ سید صاحب ست بنے کی طرف گئے، نہ اس بات کے شاہد تھے کہ انہیں گوجر اٹھا کر لے گئے۔ تعجب ہے کہ شیخ نے یہ بات سنتے ہی مان لی اور اس حقیقت پر غور نہ کیا کہ اگر سید صاحب ست بنے کے نالے کی طرف گئے تو خود شیخ صاحب کیوں میدان میں ٹھہرے رہے؟ یا گوجر گھمسان کے رن میں، جہاں مینہ کی طرح گولیاں برس رہی تھیں، کیوں کر آئے اور کس ترکیب سے سید صاحب کو محفوظ اٹھا کر لے گئے؟ پھر شیخ صاحب نے میدانِ جنگ سے باہر نکل کر پورے حالات پر غور کیا تو ان کی رائے بھی یہی تھی کہ سید صاحب کو اسی جگہ جا کر تلاش کرنا چاہیے جہاں وہ میدان میں اکثر غازیوں سے الگ ہوئے تھے۔

الٰہی بخش رام پوری

الٰہی بخش رام پوری کی روایت میں بھی گوجروں کا ذکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب لڑائی ہو رہی تھی تو حضرت بالاکوٹ سے اتر کر ہم سے سوسوا سو قدم کے فاصلے پر ٹھہرے:

> اس اثناء میں جانب شمال سے دس بارہ گوجر کمل پوش آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ سید بادشاہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ملاقات کو آئے ہیں۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ حضرت ان لوگو میں ہیں، پھر وہ سب حضرت کی طرف چلے گئے۔ نظام الدین ''اولیا'' نے مجھ سے کہا کہ یہ گوجر تو دے معلوم ہوتے ہیں، جو اس دن چکوں میں آتے ہوئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رات کو پہاڑ پر حضرت کے پاس اسی لباس سے دعوت کا کھانا لے کر آئے تھے،
میں نے کہا، کیا عجب ہے وہی ہوں۔ پھر اس کے تھوڑی دیر بعد ایک شور ہوا کہ
حضرت امیر المومنین نے حملہ کر دیا۔(۱)

تعجب ہے کہ گوجر سید صاحب سے اس موقع پر ملنے کیلئے آئے جب لڑائی پورے زور وشور سے جاری تھی، اور سید صاحب مسجد بالا سے زیریں میں پہنچ چکے تھے۔ عام روایات کے مطابق مسجد زیریں میں ان کا قیام دس پندرہ منٹ سے زیادہ کا نہ تھا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حملے میں گوجر سید صاحب کے ساتھ نہ تھے، پھر وہ مٹی کوٹ کے دامن میں کب پہنچے؟ نیز کس ذریعے سے اور کس راستے سے سید صاحب کو اٹھا کر لے گئے؟ وہ بستی میں نہیں آ سکتے تھے، مٹی کوٹ کے نیلے یا اس کے شمال والے نیلے پر نہیں جا سکتے تھے۔ مٹی کوٹ کے دامن سے ست بنے کی طرف جاتے تو راستے میں قندھاریوں کا مورچہ تھا، وہ بھی اس واقعہ سے بالکل بے خبر رہے۔

میدان میں سید صاحب کا مقام

اب وہ روایتیں ملاحظہ فرمایئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے آخری اوقات میں سید صاحب کس جگہ تشریف فرما تھے؟ نیز ان اصحاب کے بیانات پر نظر ڈالئے جو شہادت کے قریب تک آپ کے ساتھ رہے۔

لعل محمد جگدیش پوری کہتے ہیں:

''حضرت علیہ الرحمۃ نالے میں پہنچے جہاں سکھوں کا بڑا ہجوم تھا اور تلوار، بندوق جانبین سے چلنے لگی۔''

نالے سے مقصود یقینی طور پر مٹی کوٹ کا نالہ ہے اور ہجوم اسی مقام پر تھا جہاں نالہ پہاڑ سے اتر کر نیچے کی طرف آیا ہے، وہی مقام تھا جہاں سکھ پہاڑ سے اتر کر آگے بڑھ رہے تھے۔

(۱) ''وقائع'' ص: ۲۱۵، ۲۱۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ محمد خاں رام پوری کہتے ہیں کہ میں اپنے بھیلے کے افسر شیخ وزیر پھلتی سے ملا تو پوچھا کہ حضرت کا معلوم ہے، کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا:

"میں نے نہیں دیکھا لیکن لوگوں سے سنا ہے کہ کہیں اس نالے میں ہیں.......... پھر میں نے شیخ وزیر سے کہا کہ تمام غازی تو یہاں سے نکلے جا رہے ہیں، اور آپ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین کو میں نے سنا ہے کہ اس نالے میں ہیں، اگر ہوں تو آؤ چل کر دیکھیں۔"

چنانچہ دونوں نالے کی طرف چلے۔ راستے میں ناصر خاں بھٹ گرامی ملے، وہ زخمی تھے پوچھا: کدھر جا رہے ہو؟ عرض کیا نالے میں حضرت کو دیکھنے جا رہے ہیں؟ بولے:

"پھر چلو، حضرت وہاں کہاں؟ اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ وہ تو ان لوگوں کے ساتھ جاتے ہیں جو پہاڑ پر چڑھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔"

شیر محمد خاں اور شیخ وزیر دونوں نالے کے پاس تک گئے، انہوں نے دیکھا کہ جو لوگ وہاں تھے وہ بھی پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے ہیں۔

نالے سے یقیناً مٹی کوٹ کا نالہ مقصود ہے۔ پھر وہ پہاڑ کون سا تھا جس پر لوگ نالے سے نکل کر چڑھے جا رہے تھے؟ مٹی کوٹ کا پہاڑ ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ اس پر تو سکھ قابض تھے۔ اس کے ساتھ شمالی جانب کا پہاڑ ہو سکتا ہے، مجھے یقین ہے کہ شیر محمد خاں اور شیخ وزیر نالے تک نہیں گئے اور نہ جا سکتے تھے۔ قریب پہنچ کر لوگوں کو مٹی کوٹ کے ساتھ کے ٹیلے پر چڑھتے دیکھا تو وہیں سے لوٹ آئے۔

شیخ حفیظ اللہ دیوبندی

شیخ حفیظ اللہ دیوبندی کی روایت سے محض مقام ہی کا تعین نہیں ہوتا بلکہ مزید

(۱) "پھر چلو" کا مطلب ہے لوٹ چلو۔ فضل محمد جگدیش پوری اور شیر محمد خاں دونوں کے بیانات وقائع جلد سوم سے ماخوذ ہیں۔ دیکھو صفحات ۲۲۷، ۲۲۵، ۲۳۶۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

دھانوں کے کھیت میں میں نے دیکھا کہ مولانا اسماعیل صاحب کھڑے بندوق لگا رہے ہیں۔ میں نے دور ہی سے پکار کر پوچھا: مولانا صاحب! حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شور نہ کرو، سکھ سنتے ہیں، حضرت آگے نالے میں ہیں وہیں چلے جاؤ۔ پھر میں وہاں گیا تو دیکھا حضرت علیہ الرحمۃ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں بندوق پکڑے قبلہ رخ نالے میں بیٹھے ہیں اور ایک طرف آپ کے قریب بیس پچیس غازی صف باندھے آڑ میں بیٹھے بندوقیں لگا رہے ہیں۔ میں بھی ان میں جا بیٹھا اور بندوق بھر بھر کر مارنے لگا ...... میں نے اپنی بندوق بھری اور سر اٹھا کر چاہا کہ نشانہ باندھ کر بندوق ماروں، اس اثنا میں سکھوں کی طرف سے ایک تیر آ کر میری بائیں آنکھ کے تلے لگا اور بھال اس کی دوسری طرف پار ہوگئی۔ میں سر جھکا کر بیٹھ گیا اور اس تیر کو کھینچ کر ڈال دیا، میرے داہنے طرف میاں جی چشتی بیٹھے تھے۔ ان کے پاس نور بخش جراح شاہی والے تھے، میں نے میاں جی چشتی سے کہا: میری تو آنکھ کے نیچے تیر لگا، نور بخش سے کہو میرا زخم باندھ دے۔ میاں صاحب نے کہا کہ یہ وقت زخم باندھنے کا نہیں، پیچھے پن چکیوں پر سایہ دار درخت ہیں، تم وہاں جا کر بیٹھو۔

حافظ وجیہ الدین باغپتی

اس سے بھی زیادہ تفصیلات حافظ وجیہ الدین باغپتی کی روایت میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب غازی سکھوں کا تعاقب کرتے ہوئے مٹی کوٹ کی جڑ تک پہنچ گئے تو میں بھی:

بندوق لگاتے لگاتے ایک نالے پر جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چند آدمیوں میں حضرت امیر المومنین بیٹھے ہوئے بندوقیں چلا رہے ہیں اور آپ کے قریب کئی لاشیں شہیدوں کی پڑی ہیں۔ اس وقت حضرت نے میرے روبرو داہنی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھاتی پر بندوق جما کر فیر کی تو مجھ کو آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی یا اس کے پاس والی انگلی میں خون تازہ نظر آیا۔ میں نے اپنے قیاس سے معلوم کیا کہ شاید آپ کے مونڈھے میں گولی لگی ہے، اسی کا خون آپ کی انگلی میں، بندوق چھاتی پر رکھنے کے وقت لگ گیا ہے۔ مگر یقینی اپنی آنکھ سے زخم میں نے نہیں دیکھا اور آپ کی جانب جب اس نالے میں نشیب کی طرف چند قدم کے فاصلے پر سلو خاں دیسنی قرابین داروں کی جماعت لئے بیٹھے ہیں اور آپ کے جانب راست سو قدم کے فاصلے سے لعل محمد قندھاری کا نشان تھا۔ اس وقت اس طرف سکھوں کا غلبہ زیادہ تھا اور اس نشان کو نشان بردار نیچے لئے آتا تھا۔

امیر المومنین علیہ الرحمۃ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ ہلّہ کرو، میں نے چند قدم نیچے اتر کر سلو خاں سے کہا کہ حضرت فرماتے ہیں ہلّہ کرو، انہوں نے کہا کہ لعل محمد قندھاری کا نشان سکھوں کے غلبے سے نیچے اترا آتا ہے، یہاں سے کیوں کر ہلّہ کروں؟

خیر وہ تو وہاں بیٹھے رہے، میں وہاں سے اُوپر چڑھنے لگا اور میری بندوق فیر کرتے کرتے آگ سی گرم ہو رہی تھی اور اس وقت خالی بھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ تین سکھ میری طرف آتے ہیں، میں نے خالی بندوق ان کی طرف اٹھائی، وہ مارے ڈر کے وہیں ٹھہر گئے۔ پھر میں آگے بڑھا، اس اثناء میں ایک اور سکھ نے میرے اوپر تیزا اٹھایا، میں نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا، وہ سکھ بھی وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس عرصے میں میرے بائیں پہلو میں کمر کے اوپر گولی لگی اور دوسری طرف نکل گئی۔ ادھر سکھ ہلّہ کر کے پھر پہاڑ سے نیچے کھیت کی کیاریوں میں آپہنچے۔ پھر میں اور زخمیوں کے ساتھ اس لڑائی کے کھیت سے باہر نکلا، بعد اس کے وہاں کا مفصل حال معلوم نہ ہوا۔ (۱)

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۱۹۲-۱۹۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بابا بہرام خاں تنولی اور سید جعفر علی نقوی

شرکاء جنگ بالاکوٹ میں سے ایک بابا بہرام خاں تنولی بھی تھے، جو لمبی عمر پا کر ۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے۔ یہ تنول کے روسا میں سے تھے، نوجوانی کے عالم میں سید صاحب کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ حملہ اٹک میں بھی شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ غازیوں نے دشمن کو مار مار کر دامن کوہ تک میدان صاف کر دیا۔ پہاڑ پر چڑھنا دشوار تھا، سید صاحب دامن کوہ میں اپنی جماعت میں ایک پتھر پر کھڑے تھے، دشمن کی گولیوں کی بوچھاڑ آئی، پھر دیکھا تو سید صاحب پتھر پر نہ تھے۔ سب ساتھی بھی شہید ہو گئے۔ مگر میں نے اپنی آنکھ سے انہیں گرتے نہ دیکھا اور نہ ان کی نعش دیکھی۔ نہ ساتھیوں میں سے کسی نے آپ کو گرتے ہوئے یا بے جان پڑے ہوئے دیکھا۔(۱)

مولوی سید جعفر علی نقوی مصنف ''منظورہ'' نے بالاکوٹ کے میدان سے نکل کر مختلف ساتھیوں سے سید صاحب کے حالات پوچھے تو معلوم ہوا کہ آپ کی ران میں گولی لگی تھی، سر مبارک پر پتھر کا زخم تھا قبلہ رو بیٹھے ہوئے تھے، وہیں نور بخش جراح آپ کی مرہم پٹی کے لئے حاضر ہوا۔(۲)

خلاصہ مطالب

بس یہ سید صاحب کے متعلق آخری روایات ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ سید صاحب دامن کوہ کے سکھوں کو مار کر مٹی کوٹ کے نالے میں بیٹھ گئے وہاں پتھر بھی برس رہے تھے، گولیاں بھی آتی تھیں۔

۲۔ نالے میں اس طرح بیٹھے تھے، منہ قبلے کی طرف تھا یعنی جانب مغرب۔

(۱) کتاب امیر ۃ مرتبہ سید عبد الجبار شاہ ستھانوی ص: ۲۶۳

(۲) منظورہ ص: ۱۱۹۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بائیں ہاتھ نالے کے نیچے کی طرف یعنی جانب جنوب، تھوڑے فاصلے پر سلو خاں دیوبندی قرابین داروں کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ یہ بیس پچیس آدمی ہوں گے، ان میں میاں جی چشتی اور نور بخش جراح بھی تھے۔

۳۔ سید صاحب کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی، دوسرے میں بندوق۔ آپ نے داہنی چھاتی پر رکھ کر بندوق چلائی تو آپ کے داہنے ہاتھ کی چھنگلی یا ساتھ کی انگلی پر تازہ خون نظر آیا۔ راوی نے قیاس کیا کہ آپ کے مونڈھے میں گولی لگی۔ آپ کے قریب غازیوں کی کئی لاشیں تھیں۔

۴۔ سید جعفر علی نقوی کی تحقیق کے مطابق آپ کی ران میں گولی لگی تھی اور سر پر پتھر کا زخم تھا۔

۵۔ بابا بہرام خاں کے بیان کے مطابق آپ کھڑے تھے کہ گولیوں کی بوچھاڑ آئی، پھر نظر نہ آئے۔ گویا وہیں گر گئے لیکن آپ کی لاش کسی نے نہ دیکھی۔

کیفیتِ شہادت

اس کے بعد شہادت کے بارے میں کوئی روایت نہیں مل سکی، اس لئے کہ جو غازی ساتھ تھے ان میں سے صرف وہ زندہ بچے جو زخموں سے ناچار ہو کر شہادت سے پیشتر علیحدہ ہو چکے تھے، جو آخری وقت تک ساتھ رہے اور جن کے سامنے شہادت ہوئی، وہ خود بھی شہید ہو گئے اور جو کیفیت دیکھی تھی اسے بیان کئے اور سنائے بغیر عالم بقا میں پہنچ گئے۔ لیکن اس حقیقت کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا چاہئے کہ سید صاحب مٹی کوٹ کے نالے میں دامن کوہ کے قریب زندگی کے آخری سانس تک لڑتے رہے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ "تحرّف للقتال" اور "تحیّز الیٰ فئة" کی اگرچہ اجازت تھی، لیکن آپ کی عزیمت اس کی بھی روادار نہ ہوئی اور اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الْاَدْبَـــارَ ھی پر عمل پیرا رہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ جس مقام پر آپ کھڑے تھے وہ شجاعت کا مقام تھا، نہ کہ تدبیر کا۔ زخمی ہو کر باہر نکلنے یا نکالے جانے کی ایک بھی شہادت موجود نہیں۔ جن روایتوں کو بعض ساتھیوں نے قابل اعتماد سمجھا وہ سراسر مضطرب تھیں، اس لئے شایانِ اعتماد نہ تھیں۔ شہادت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں، اگرچہ اس کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کی چوبیسویں تاریخ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) جمعہ کا دن اور گیارہ بارہ بجے کا عمل تھا۔(۱)

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرْ؟

اس طرح غیرت و حمیتِ دین کا وہ شہسوار اور رضائے باری تعالیٰ کا وہ علمدار اس دنیا سے رخصت ہوا، جس نے ہندوستان کے اندھیرے میں عشقِ حق کا چراغ روشن کیا، جس نے حصارِ اسلامیت کی تشیید استحکام کے لئے اپنا اور اپنے رفیقوں کا خونِ حیات بے دریغ پیش کر دیا۔ تاریخ کا ایوان ان شخصیتوں کی مدح سرائی کے غلغلوں سے گونج رہا ہے، جنہوں نے تاج و تخت اور سلطنت و ثروت کے لئے تلواریں چلا کر انسانی خون کی ندیاں بہائیں اور اس آرزو میں مدت العمر جدال و قتال اور تاراج و غارت کا ہنگامہ بپا

(۱) میں پہلے بتا چکا ہوں کہ کارڈ نر نے جنگ بالاکوٹ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر افسانہ ہے۔ اسی قسم کا ایک افسانہ دیوان امرناتھ نے ظفر نامہ میں بھی لکھا ہے، مثلاً یہ کہ پہلے مولانا اسماعیل شہید ہوئے، پھر مولانا عبدالحی۔ حالانکہ مولانا عبدالحی جنگ بالاکوٹ سے بہت پہلے خیر میں فوت ہو چکے تھے۔ سید صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے، تین گولیاں کھا کر گھوڑے سے گرے اور جاں بحق ہو گئے۔ (ظفر نامہ ص: ۱۹۴) حالانکہ بالاکوٹ میں کسی نے بھی گھوڑا استعمال نہیں کیا تھا۔ اسی طرح میرزا حیرت نے "حیاتِ طیبہ" میں سید صاحب اور مولانا اسماعیل کی شہادت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ تخیل طرازی اور افسانہ بافی کا کرشمہ ہے۔ میرزا حیرت نے یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب کی ٹانگ میں گولی لگی تھی، آپ جھک گئے، اس اثناء میں ایک گوجر آپ کو باڈی گارڈ میں سے اٹھا کر لے گیا۔ ٹانگ میں گولی لگنے کا واقعہ بے شک درست ہو سکتا ہے، لیکن جہاں سید صاحب شہید ہوئے وہاں توپ استعمال ہی نہ ہوئی، پھر گولہ کہاں سے آیا؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھا کہ ان کے مقبوضات کی پہنائی مساحت کے عام پیمانوں کی دسترس سے باہر ہو جائے۔ سید احمد شہید نے صرف اس غرض سے جہاد کیلئے قدم اٹھایا کہ کلمۂ حق کا پرچم سربلند ہو، اسلام کا غلبہ اوج کمال پر پہنچ جائے، شریعت غرائے مصطفوی کا سکہ ہر جگہ رواں ہو، بندوں کا پیمانۂ عبودیت معبودِ حقیقی کے ساتھ از سرِ نو استوار ہو جائے، مخلوق کا رشتۂ نیاز خالق کے ساتھ جڑ جائے۔ ان کے جہاد کا دامن نہ حکومت کی خواہش سے ملوث ہوا، نہ اس پر طلب جاہ و ثروت کا کوئی دھبا لگا۔ صرف ایک تڑپ تھی اور صرف ایک اشتیاق تھا کہ خدائے بزرگ و برتر کی خوشنودی حاصل ہو۔

آپ اس ترازو میں ان مشاہیر کے کارنامے رکھ کر تولیے جن کی ناموری کے روبرو دنیا قرنہا قرن سے خراجِ تحسین پیش کرتی ہوئی نہیں تھکتی، حالانکہ ان میں سے بہت ہی کم افراد نکلیں گے جنہوں نے للّٰہیت کے اس مقام پر چند لمحوں کیلئے بھی کھڑا ہونا پسند کیا ہو، جس پر سید احمد شہید کی حیات طیبہ کا ایک ایک ثانیہ بسر ہوا، اور جس پر ثبات و استقامت میں سید موصوف نے شہادت کو اس خندہ پیشانی سے قبول کیا کہ دوسروں نے شاید زندگی کا خیر مقدم بھی اس رنگ میں نہ کیا ہو۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے مشاہیر میں سے کتنے ہیں، جنہیں موقف رضا میں سید صاحب کے برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے، یا قریب لایا جا سکتا ہے؟ آپ کی جماعت کے سوا کون سی جماعت ہے جس نے صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کو نصب العین بنایا اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتصال و مماثلت پیدا کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں؟ لیکن خیرہ ذوقی کی نیرنگیاں اور حق ناشناسی کی بوقلمونیاں ملاحظہ ہوں کہ یہی فنا فی اللہ شخصیت اور یہی فنا فی اللہ جماعت سوا سو سال تک ہر قسم کے مطاعن کا ہدف بنی رہی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیالیسواں باب:

مشہدِ بالاکوٹ

سر را اگر نہ بہر نثار آفریدہ اند
بارے بہ گردنم بہ چہ کار آفریدہ اند

غازیوں کی بے قراری

سکھ فوج اگر چہ غازیوں کے مقابلے میں بارہ گنا تھی لیکن جس عزیمت و استقامت کے ساتھ سید صاحب نے جنگ شروع کی تھی، اسے پیش نظر رکھتے ہوئے سکھوں کا فتح یاب ہونا آسان نہ تھا۔ جب غازیوں کو یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب کا کچھ پتا نہیں ملتا تو اکثر اصحاب بے خود و بے اختیار ہو کر اس میدان میں سرگرداں پھرنے لگے، جہاں اولوں کی طرح گولیاں اور پتھر برس رہے تھے۔ ہر ایک کی زبان پر صرف یہ کلمہ تھا کہ ''حضرت کہاں ہیں؟'' سید جعفر علی نقوی فرماتے ہیں:

> از گم شدن آنجناب در خلال جنگ محبان جاں فدا، دست از جنگ کشیدہ بے قرار در تلاش آنجناب سو بہ سو دویدند و بہ ضربت گلولہ بنادیق کفار کہ پالودہ شربت شہادت بود چشیدہ و بہ رحمت الٰہی پیوستند۔

ترجمہ: دورانِ جنگ میں سید صاحب کی گمشدگی کا سن کر جاں نثار ارادت مندوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا اور بے قرار ہو کر آپ کی تلاش میں سو بہ سو پھرنے لگے۔ سکھوں کی گولیاں، جو شربتِ شہادت سے لبریز تھیں، کھا کھا کر رحمتِ الٰہی کی آغوش میں پہنچتے رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تدبیر دفاع

سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ میدان میں تھوڑے سے غازی رہ گئے، بائیں جانب سے امان اللہ خاں لکھنوی آئے۔ میں نے پوچھا: خان صاحب! یہ کیا ہوا؟ میدان غازیوں سے خالی ہو گیا۔ وہ بولے: افسوس ہمیں شکست ہوئی، اس اثناء میں شیخ ولی محمد آ گئے، باہم مشورے کے بعد طے ہوا کہ جو چھوٹی سی جماعت مٹی کوٹ کے دامن میں سکھوں کے مقابلے پر رہ گئی ہے، اسے ہٹا کر بالا کوٹ لے چلیں۔ اس طرف اور غازی بھی ہوں گے، سب جم کر لڑیں گے تو ممکن ہے سکھ جان کے خوف سے قصبے میں داخل نہ ہوں۔ چنانچہ یہ غازی قصبے کی طرف لوٹے، چونکہ یہ صورت بظاہر پسپائی کی تھی، اس لئے سید جعفر علی لکھتے ہیں: میں بار بار کہہ رہا تھا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ ہم دشمن کے خوف کے باعث پیچھے نہیں ہٹ رہے، بلکہ اصلاح احوال کی غرض سے مورچا بدل رہے ہیں۔

سکھوں کی گولیاں اس شدت سے آ رہی تھیں کہ مولوی جعفر علی کے سارے کپڑے چھلنی ہو گئے، دوسرے غازیوں کی حالت بھی یہی تھی، کھیت پایہ بہ پایہ تھے، یہ اوپر کے کھیت سے نیچے کے کھیت میں کودتے، گولیاں اوپر کے کھیتوں کے پشتوں پر پڑتیں اور ان سے جو مٹی اڑتی وہ ان کے سروں پر گرتی، اسی حالت میں یہ دائیں بائیں اور آگے پیچھے کے غازیوں کو آوازیں دیتے جا رہے تھے کہ قصبے کا رخ کرو۔ جب مسجد زیریں سے آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ سکھوں کا ایک جیش جنوبی سمت سے پیش قدمی کرتا ہوا بالا کوٹ میں داخل ہو چکا ہے، گویا قصبے میں مورچا بنانے کی جو اسکیم طے ہوئی تھی اس پر بھی عمل کی کوئی صورت نہ رہی۔

پن چکیوں میں مورچے کا قصد

یہ حالت دیکھ کر غازی بائیں ہاتھ ست بنے کے نالے کی طرف چلنے اور سب کو آواز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دی کہ ست بنے کے نالے سے گذر کر پن چکیوں کے پیچھے مورچے بناؤ۔(۱) وہاں بھی قدم جمانے کی کوئی شکل نہ بنی تو شیخ ولی محمد اور سید جعفر علی قصبے کے شمالی پہاڑ پر چلے گئے، ٹیلے پر کھڑے ہو کر میدان کا جائزہ لیا تو سکھ ست بنے کے نالے سے گذر کر پن چکیوں سے بھی آگے بڑھ چکے تھے۔ اس اثناء میں دو غازی پن چکیوں سے باہر نکلے انہوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں، سکھوں نے ان پر حملہ کیا۔ شیخ ولی محمد نے کہا: چلو ان بھائیوں کی مدد کریں۔ چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ دونوں غازی شہید ہو گئے۔ اس وقت سید جعفر علی نے کہا:

> اگر حضرت امیر المومنین کی گم شدگی کے بعد جانیں دینا ضروری ہے تو بہتر یہ ہے کہ ڈھالوں اور قرابینوں وغیرہ کو پھینک دیں، تلواریں لے کر حملہ آور ہوں اور (پن چکیوں والے) رفیقوں کی طرح داد شجاعت دیں، لیکن ہمارے اس طرح جانیں دے دینے سے اللہ تعالیٰ کے کام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اگر حضرت امیر المومنین زندہ مل گئے تو شکست شکست نہیں رہے گی، بلکہ ہماری فتح ہوگی۔ حضرت کے لئے بھی ہمارا زندہ رہنا غنیمت کبریٰ ہوگا۔ پس اس صورت میں جان کی حفاظت مناسب معلوم ہوتی ہے۔(۲)

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اس اثناء میں قصبے سے دھوئیں کے بادل بلند ہوئے، معلوم ہوا کہ سکھوں نے حسب عادت مکانوں کو آگ لگا دی۔

میاں عبد القیوم

یہ صرف ایک جماعت کی سرگزشت تھی، جو غالباً آٹھ دس غازیوں پر مشتمل تھی۔

---

(۱) پن چکیاں بالاکوٹ کے شمال میں بوڑنا اور ست بنے کے درمیان اول کے مغربی اور دوم کے مشرقی کنارے پر تھیں، اور اب بھی ہیں۔

(۲) منظورہ ص: ۱۱۸۹-۱۱۹۳

زیادہ تر افراد اس وجہ سے میدان چھوڑ کر ست بنے کے نالے کی طرف چلے گئے کہ عام شہرت ہوگئی تھی کہ گوجر سید صاحب کو ست بنے کے راستے لئے جارہے ہیں۔ میاں عبدالقیوم کہتے ہیں کہ حضرت جس پتھر کی آڑ میں چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، وہاں نہ ملے، غازی آپ کی تلاش میں متردد ادھر اُدھر پھرنے لگے، سکھ بندوقوں کی باڑھیں مار رہے تھے، اس میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے:

اس اثناء میں ایک آواز لوگوں نے سنی: ''غازیو! تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیر المومنین کو گوجر ست بنے کے نالے میں ہو کر لئے جاتے ہیں۔'' یہ آواز سنتے ہی غازی اس کھیت سے باہر نکلنے لگے جو حضرت امیر المومنین کے ساتھ ملے میں تھے، ان میں سے شاید کوئی بچے ہوں باقی سب شہید ہوئے۔ اور غازی ادھر اُدھر دور دور تھے، ان میں سے اکثر بچ کر سلامت نکل گئے، اس وقت سکھوں نے بالا کوٹ کو آگھیرا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگادی اور جو غازی بیمار اپنے ڈیروں پر رہ گئے تھے ان کو جا کر شہید کیا۔ ان میں سے بعض غازی سکھوں سے مقابلہ کر کے اور ایک دو کو مار کر شہید ہوئے اور بعض غازی جو بہت بیمار تھے، وہ اپنے بستر پر شہید کئے گئے۔ (۱)

اسی روایت میں آگے چل کر بیان کرتے ہیں کہ شمالی سمت کے پہاڑ (۲) کی کمر پر تین راستے تھے، ایک دائیں جانب جہاں ہم تھے، دوسرا بائیں جانب، تیسرا راستہ بیچ میں پگڈنڈی جیسا تھا، اس پہاڑ کے سر پر دو گوجر کھڑے تھے، انہوں نے آواز دے کر کہا:

غازیو! ہراساں نہ ہونا، تمہارے سید بادشاہ کو لڑائی کے کھیت سے سلامت نکال کر گوجر لوگ اس پہاڑ کے دائیں راستے سے لے گئے (یعنی ست بنے کی طرف سے) جدھر تم جاتے ہو ادھر ہی جاؤ۔ آگے وہ بھی راستہ اسی میں

---

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۰۴-۲۰۵

(۲) اس سے مراد وہ ٹیلہ ہے جو مٹی کوٹ اور ست بنے ٹیلے کے بیچ واقع ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملا ہے، وہاں سید بادشاہ تم کو مل جاویں گے۔ آواز گوجروں کی سن کر ہم تمام بشاش اور مطمئن ہو گئے کہ الحمدللہ ہمارے حضرت سلامت ہیں۔

دوسری روایات

اس روایت کی تصدیق دوسری روایتوں سے بھی ہوتی ہے، مثلاً:

۱۔ الٰہی بخش رام پوری: بالاکوٹ کو آگ لگی ہوئی تھی اور لوٹ مچ رہی تھی۔ میں شمال کی طرف چلا (یعنی مٹی کوٹ کے دامن سے) درے کے منہ پر پہنچا تو گوجروں کی آواز سنی: ہندوستانیو! ادھر آؤ، سید بادشاہ زخمی ہیں، انہیں لوگ اس درے میں لئے جاتے ہیں، کوئی خچر ملے تو لاؤ کہ اس پر سید بادشاہ کو سوار کر کے لئے چلیں۔ (۱)

۲۔ لعل محمد جگدیش پوری: سکھوں نے جا کر بالاکوٹ کو گھیر لیا اور لوٹنے اور گھر جلانے میں مصروف ہو گئے۔ اسی وقت ایک آواز سنی کہ گوجر لوگ حضرت امیر المومنین کو ست بنے کے نالے کی طرف لئے جاتے ہیں۔ (۲)

۳۔ شیر محمد خاں رام پوری: مٹی کوٹ سے ست بنے کی طرف پہاڑ کے دامن کے ساتھ ساتھ چلے، کچھ دور آگے ایک شخص نوجوان دونوں ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے مظفر آباد کے نواح کا، اس کو لوگ "راجا، راجا" کہتے تھے، ملا۔ اس نے بھی کہا کہ حضرت امیر المومنین لڑائی کے کھیت میں نہیں ہیں، وہ تو یہاں سے ہمراہ لوگوں کے نکل گئے، تم بھی یہاں نہ ٹھہرو، جلد نکل جاؤ۔ یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں اور اسی پہاڑ کے نیچے کے راستے چلے جاؤ۔ (۳)

---

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۴۲

(۲) وقائع جلد سوم ص: ۲۲۹

(۳) وقائع جلد سوم ص: ۲۲۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آواز کس نے دی؟

غرض پہلے سید صاحب کی گم شدگی کے شہرے نے غازیوں میں انتشار پیدا کیا اور اکثر آپ کی تلاش میں شہید ہوئے۔ پھر یہ آواز سنی گئی کہ سید صاحب کو گوجر ست بنے کے راستے لے گئے، یہ آخری بات بالکل غلط تھی۔ سوال یہ ہے کہ آواز کس نے دی؟ اس امر کی تشہیر کا ذمہ دار کون تھا، جس کی وجہ سے غازیوں نے میدان چھوڑ کر ست بنے کے نالے کا رخ کر لیا؟ آیا یہ آوازہ سکھوں نے ملکیوں کے ذریعے سے بدیں غرض بلند کرایا تھا کہ غازی میدان سے نکل جائیں اور مقابلہ ختم ہو جائے؟ یا کیا سمجھا جائے کہ غازیوں کے کسی خیر خواہ نے یہ تدبیر اختیار کی؟ یہ یقین تھا کہ اگر غازیوں کو سید صاحب کا نام لے کر میدان سے ہٹایا نہ جاتا تو وہ سب وہیں جانیں دے دیتے۔ دونوں صورتیں ممکن ہیں، بلکہ آخری صورت زیادہ قرین قیاس ہے، لیکن اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔

ابتدائی اسکیم کے ترک کا مسئلہ

بعض اصحاب کے نزدیک بالاکوٹ میں غازیوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی کہ سید صاحب نے قصبے میں بیٹھ کر دفاع کی جو اسکیم ابتدا میں طے کی تھی، اسے دفعۃً چھوڑ کر خود حملہ کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال مزید غور و فکر کا محتاج ہے۔

بلاشبہ ابتدائی اسکیم بہت اچھی تھی لیکن اسے ترک کیوں کیا گیا؟ میں مدت تک سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سید صاحب نے بلاوجہ یہ اسکیم ترک نہ کی ہوگی، بلکہ جن حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابتدائی اسکیم تیار کی گئی تھی وہ حالات بدل گئے ہوں گے۔ مثلاً ابتدا میں صرف یہ اندیشہ تھا کہ سکھ مٹی کوٹ کی طرف سے بالاکوٹ پر بڑھیں گے، بعد میں جنوبی سمت سے بھی ان کی پیش قدمی شروع ہو گئی ہوگی اور دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر توپیں لگا کر انہوں نے قصبے پر گولہ باری بھی شروع کر دی تھی۔ تین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طرف سے یورش کی حالت میں قصبے کے اندر بیٹھ کر دفاع خاصا خطرناک بن گیا تھا اور اس کے سوا چارہ نہ رہا تھا کہ سکھوں کے بڑے جیش کو فیصلہ کن جنگ کر کے پیچھے ہٹایا جائے، پھر دوسری سمتوں کی یورشوں کا مداوا کیا جائے۔ اس رائے کے حق میں کوئی روایت موجود نہیں، لیکن تمام قرائن اس کے مؤید ہیں۔(۱)

مولانا شاہ اسماعیل

اب مختلف غازیوں کے شہید یا زخمی ہونے کا حال سن لینا چاہیے۔ ان میں سب سے پہلے مولانا شاہ اسماعیل شہید آتے ہیں۔ ''منظورہ'' میں ہے کہ ان کی پیشانی پر گولی لگی۔(۲) سید عبدالرحمٰن (خواہر زادہ سید صاحب) نے شیخ ولی محمد اور امان اللہ خاں لکھنوی کی زبانی سنا کہ مولانا کے سر پر ایک گولی لگی تھی، اس سے اگرچہ خفیف زخم آیا لیکن داڑھی خون سے رنگی گئی۔ پھر آپ ننگے سر امان اللہ خاں کو ملے، بندوق بھری ہوئی تھی اور لبلبی چڑھی ہوئی تھی۔ پوچھا: امیر المومنین کہاں ہیں؟ امان اللہ خاں نے مٹی کوٹ کی طرف اشارہ کیا، ادھر سے بکثرت گولیاں آرہی تھیں، لیکن یہ کہتے ہوئے چلے گئے، بھائی! میں تو وہیں جاتا ہوں۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کس حربے سے شہادت پائی۔(۳)

میاں حفیظ اللہ دیوبندی نے انہیں دھانوں کے کھیتوں میں مٹی کوٹ کے نالے سے قریب بندوق چلاتے دیکھا تھا۔(۴) میاں امام الدین بڑھانوی کا بیان ہے کہ جب غازی حضرت امیر المومنین کی تلاش میں تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا رفل کندھے پر رکھے ہوئے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ پیشانی سے خون جاری ہے۔(۵) لعل محمد جگدیش پوری مٹی کوٹ کے دامن کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے بائیں طرف سے مولانا اسماعیل رفل کندھے پر ڈالے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے میرے پاس آئے،

(۱) ایک صورت اور سامنے آئی ہے، جس کی تفصیل ابواب ضمیمہ میں ملے گی۔
(۲) منظورہ ص: ۱۱۹۳
(۳) منظورہ حاشیہ ص: ۱۱۹۳
(۴) وقائع جلد سوم ص: ۲۰۹
(۵) وقائع جلد سوم ص: ۲۲۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، پوچھا: امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے داہنے طرف ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں، یہ سن کر وہ اس طرف جھپٹے ہوئے چلے گئے۔(۱) کریم اللہ خاں میواتی کا بیان بھی یہی ہے کہ مولانا اس ہجوم کی طرف چلے گئے جہاں تلوار چل رہی تھی۔

وقائع میں ہے کہ سر سے خون جاری تھا، یہ معلوم نہیں کہ گولی پیشانی پر لگی تھی، یا کنپٹی پر۔ ہجوم میں جا کر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔(۲)

شہادت کہاں ہوئی؟

آخری بیان کسی عینی شہادت پر مبنی نہیں، صرف ہجوم میں گھس جانے کی بنا پر قیاس کر لیا گیا کہ وہاں شہید ہوئے۔ یہ ہجوم بالاکوٹ کی غربی جانب مٹی کوٹ کے دامن میں تھا اور مولانا کی قبر اس جگہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر قصبے کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار بنی۔ اگر مولانا مٹی کوٹ کے دامن میں شہید ہوئے تو ان کی میت کو اٹھا کر اتنی دور ایک الگ تھلگ مقام پر کیوں لے گئے، جب کہ وہاں کوئی قبرستان بھی نہ تھا، بلکہ کھیت ہی کھیت تھے؟ میرا خیال ہے کہ مولانا لڑتے لڑتے اور دشمن کے دباؤ کے باعث مٹی کوٹ کے دامن سے پیچھے ہٹتے ہٹتے ست بنے کے پار پہنچ گئے اور وہاں شہید ہوئے۔ یہ معلوم نہیں کہ شہادت گولی سے ہوئی یا تلوار سے۔(۳) وہیں ان کی قبر بنی۔

---

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۲۸ (۲) وقائع جلد سوم ص: ۲۵۳، ۲۵۴

(۳) تواریخ عجیبہ میں ہے کہ گھوڑے سے جدا ہونے سے پہلے آپ کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا (ص: ۱۳۹) یہ صحیح نہیں۔ مولانا یا سید صاحب بالاکوٹ میں گھوڑے پر سوار ہی نہیں ہوئے تھے، اسی طرح میرزا حیرت کا یہ بیان بھی صحیح نہیں کہ شاہ اسماعیل نے نشیب میں سے ہو کر سکھوں کے عقب میں حملہ کیا اور چار توپیں لے لیں، پھر معلوم ہوا کہ سید صاحب خطرے میں ہیں اور انہیں بچاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ نہ توپیں لینے کا کوئی قصہ پیش آیا، نہ اس میدان میں سکھوں کے پاس توپیں تھیں، نہ مولانا نے عقب میں حملہ کیا، نہ ایسے حملے کی گنجائش تھی اور نہ وہ سید صاحب کو بچاتے ہوئے شہید ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ارباب بہرام خاں

ارباب بہرام خاں کے متعلق صرف اتنا ذکر ہے کہ سید صاحب مسجد زیریں سے حملے کے لیے نکلے تھے تو ارباب سپر بن کر آگے آگے جارہے تھے۔ ''منظورہ'' میں ہے کہ شالی کے کھیتوں کے کنارے سید صاحب بیٹھ گئے تو ارباب ان کے پاس دائیں جانب تھے۔ پھر معلوم نہیں وہ کہاں کہاں لڑے اور کس جگہ شہید ہوئے۔ ان کی قبر شاہ اسماعیل کی قبر کے پاس ہی تھی، اغلب ہے وہ بھی مولانا کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہٹتے ست بے کے مشرق میں پہنچ گئے ہوں اور وہیں شہید ہوئے ہوں۔ ارباب اور مولانا کی لاشیں خضر خاں قندھاری اور الہ دین پھلی والے نے پہچانی تھیں، جنہیں جنگ سے دوسرے دن تحقیق احوال کی غرض سے بالاکوٹ بھیجا گیا تھا۔(۱) ارباب کی لاش چھ ماہ بعد اس قبر سے نکال کر تہکال لے گئے، جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

علاؤ الدین، محمدی اور بلند بخت

مولوی سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ میں اور منشی محمدی انصاری پاس پاس کھڑے لڑ رہے تھے، اچانک قاضی علاؤ الدین بکھروی لڑائی سے دست کش ہو کر حضرت کا پوچھتے ہوئے آئے۔ منشی انصاری نے بھی لڑنا چھوڑ دیا اور حضرت کی تلاش میں بائیں جانب چلے گئے۔ اسی حالت میں یہ دونوں بزرگ گولیاں کھا کر شہید ہو گئے، میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو کوئی آٹھ قدم کے فاصلے پر ابراہیم خاں تھے، میں ان کی طرف جانے لگا تو دائیں جانب سے شیخ بلند بخت آتے ہوئے ملے، مجھ سے پوچھا: کہاں جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ''ابراہیم خاں کے پاس'' وہ چپ چاپ بائیں طرف چلے گئے اور وہیں گولی کھا کر شہادت سے سرفرازی پائی۔

---

(۱) وقائع جلد سوم، ص ۲۷۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نور احمد نگرامی

نور احمد نگرامی غازیوں میں ''مؤرخ اسلام'' کے لقب سے مشہور تھے، انہوں نے ''نور احمدی'' کے نام سے سید صاحب کے حالات میں ایک ایسی کتاب مرتب کی تھی، جس کی ہر روایت کی تصدیق خود سید صاحب سے کرائی تھی۔ محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ شالی کے کھیتوں سے آگے بڑھ کر میں ایک پتھر کی آڑ میں کھڑا بندوق چلا رہا تھا، مجھ سے تھوڑے فاصلے پر نور احمد تھے، ایک گولی ان کے بازو پر لگی تو بولے: بھائی میں معذور ہوگیا، میری چیزوں میں سے جو درکار ہو لے لو۔ میں نے گولیاں لے لیں اور وہ پیچھے کو چلے، پھر ان کے ایک اور گولی لگی اور وہ زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ اسی جگہ شہید ہوئے یا اور جگہ۔(۱)

حفیظ اللہ دیوبندی

حفیظ اللہ دیوبندی سید صاحب کے پاس نالے میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں ان کی بائیں آنکھ کے نیچے تیر لگا اور اس کا پیکان پار ہوگیا، میاں جی چشتی نے انہیں پن چکیوں کے پاس سایہ دار درختوں میں بھیج دیا۔ راستے میں انھیں امان اللہ خاں لکھنوی اور چند اور غازی مل گئے، وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ حضرت امیر المومنین جہاں تھے، وہیں ہیں، لہٰذا ادھر چلنا چاہئے۔ حفیظ اللہ بھی ان کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ دوسرے غازیوں نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ آپ زخم کی وجہ سے معذور ہیں، پھر وہ پن چکیوں کے پاس پہنچے اور ایک درخت کے سایے میں بیٹھے رہے۔ بعد میں سید صاحب کا پٹ دری فیل بان ان کا ہاتھ پکڑ کر میدان سے باہر لے گیا۔(۲)

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۱۹۳ (۲) وقائع جلد سوم ص: ۲۱۰، ۲۱۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الٰہی بخش رام پوری

الٰہی بخش رام پوری سید صاحب کے ساتھ مسجد زیریں سے نکلے تھے لیکن برابر نہ دوڑ سکے اور پیچھے رہ گئے۔ تیس پینتیس سکھ ننگی تلواریں لے کر ان کی طرف بڑھے ان کی بندوق میں دو گولیاں اور قرابین کی بیس گرابیں تھیں۔ فوراً آتش باری شروع کر دی اور سکھ پراگندہ ہو کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ پھر ایک سفید ریش سکھ سبزہ رنگ گھوڑے پر سوار آیا، اس پر بھی کئی مرتبہ آگ برسائی، لیکن وہ بچ کر پہاڑ کی آڑ میں چلا گیا۔ یہ شیخ ولی محمد سے بات کرنے لگے، اس اثناء میں ایک گولی دائیں بازو پر لگی، شیخ نے اپنی پگڑی پھاڑ کر ان کا بازو گلے سے باندھا اور پیچھے بھیج دیا۔

امام الدین بڑھانوی

امام الدین بڑھانوی ساٹھ ستر غازیوں کے اس جیش میں تھے جو سید صاحب سے پہلے میدان میں بھیجا گیا تھا، یہ سولہ سترہ برس کے نوجوان تھے، ایک قوی ہیکل اور دراز ریش سکھ تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا تو خالی بندوق سکھ کی جانب کر دی۔ پیچھے سے ایک سفید پوش عمامہ باندھے آیا، خدا جانے اس نے سکھ کے کیا مارا کہ وہ پیچھے کی طرف پلٹا اور ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ امام الدین نے لپک کر تلوار ماری۔ سکھ کا گلا نہ کٹ سکا۔ پھر ایک اور غازی نے پتھر سے اس کا کام تمام کیا، جب غازی ست بنے کے نالے کی طرف جانے لگے تو امام الدین بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

محمود خاں لکھنوی

محمود خاں لکھنوی نے مسجد بالا میں سید صاحب سے التجا کی تھی کہ میرے چہرے پر ہاتھ پھیر دیجئے۔ سید صاحب نے ہاتھ بھی پھیرا تھا اور دعا بھی کی تھی۔ لعل محمد جگدیش

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پوری کا بیان ہے کہ جب سکھ منہزم ہو کر پہاڑ پر چڑھے اور غازی تعاقب میں گئے تو محمود خاں نے اپنی تلوار دانتوں میں دبا کر رکھی تھی اور ایک سکھ کی ٹانگیں پکڑے دونوں ہاتھوں سے اسے نیچے کھینچ رہے تھے۔ ایک اور سکھ اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسے اوپر کھینچ رہا تھا، آخر محمود خاں نے ایسا زور مارا کہ سکھ کو نیچے کھینچ لائے، دونوں لوٹتے پوٹتے نالے میں گرے اور دونوں ختم ہو گئے۔

کریم اللہ خاں میواتی

کریم اللہ خاں میواتی کی دائیں ہتھیلی پر گولی لگی تھی، ایک گولی سے ان کی تلوار کا کندا ٹوٹ گیا تھا۔ ایک زرہ پوش سکھ نے ان پر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن گولی کھا کر زمین پر گر گیا۔ کریم اللہ خاں نے بڑھ کر تلوار ماری جو زرہ سے ٹکرا کر ٹیڑھی ہو گئی۔ غازی کا ہاتھ بیکار ہو چکا تھا، جوتی کے نیچے تلوار کا سرا دبا کر سیدھا کیا، دو اور سکھ ان کی طرف بڑھے تو کریم اللہ خاں نے بندوق اٹھالی۔ وہ دور ہی رک گئے، دوسرے غازیوں کے ساتھ یہ بھی میدان سے باہر نکل گئے۔

مہربان خاں

میاں نجم الدین شکار پوری میدانِ جنگ سے باہر نکل رہے تھے تو دیکھا کہ بانگرمئو کے غازی مہربان خاں چت پڑے ہیں۔ میاں نجم الدین سے فرمایا: مجھے پانی پلاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ پانی کہاں سے لاؤں، چلیں تو میں آپ کو آہستہ آہستہ سہارا دے کر لے چلتا ہوں۔ بولے: مجھے یہی جگہ پسند ہے، یہاں سے نہ جاؤں گا۔ پھر فرمایا: اگر پانی نہیں لا سکتے تو میری گردن میں روپوں کی حمائل ہے، اسے کھول کر لے جاؤ۔ میاں صاحب نے سوچا کہ شاید اس میں دیر ہو جائے، مہربان خاں کہنے لگے: خیر، یہاں سے جلد نکل جاؤ۔ یہ مہر خاں سوراکیں کی جماعت میں تھے، چالیس برس کی عمر ہو گی، تکیہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شریف میں سید صاحب سے وابستہ ہوئے تھے، گویا جہاد میں برابر ساتھ رہے۔

جماعت خاص

حافظ وجیہ الدین نے سید صاحب کے پاس جو لاشیں دیکھی تھی، ان میں سے شیخ عبدالرؤف پھلتی اور شاہ محمد کی لاشیں پہچانی تھیں۔ سلو خاں دیو بندی دوسرے قرابین دار اور میاں جی چشتی بھی وہیں تھے، وہ اسی جگہ شہید ہوئے ہوں گے۔ داد ابوالحسن نصیر آبادی جماعت خاص کے نشان بردار تھے، وہ مسجد زیریں سے مٹی کوٹ جاتے ہوئے یاد ہاں پہنچ کر شہید ہوئے۔ اکثر اصحاب پھلت جماعت خاص میں تھے، انہوں نے بھی سید صاحب کے ساتھ شہادت پائی۔ نور بخش جراح بھی وہیں جاں بحق ہوئے۔ خود حافظ وجیہ الدین صاحب نالے سے آگے بڑھے تھے، تین سکھوں نے ان پر حملہ کیا، حافظ صاحب نے بندوق اٹھائی تو وہ رک گئے۔ ایک سکھ نے نیزہ تانا، حافظ صاحب نے تلوار سنبھالی، پھر ان کے بائیں پہلو پر گولی لگی تو معذوری کی حالت میں میدان سے باہر نکل گئے۔

ایک پانی پتی نوجوان

میاں نجم الدین کا بیان ہے کہ جب حضرت امیر المومنین نے سکھوں پر یورش کی تو میدانِ جنگ میں دور سے میں نے پانی پت کے ایک نوجوان غازی کو دیکھا، جس کا نام یاد نہیں رہا۔ وہ ننگی تلوار لئے کھڑا تھا، ایک طویل القامت سکھ افسر تلوار لے کر اس کے مقابلے پر آیا اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اگرچہ دونوں ایک دوسرے پر تلواریں چلاتے تھے لیکن چونکہ باہم لپٹے ہوئے تھے، اس لئے کسی پر کاری ضرب نہیں پڑتی تھی، معمولی زخموں سے خون بہتے بہتے دونوں کمزور ہو کر گر پڑے، ایک اور سکھ نے آگے بڑھ کر غازی کا سر قلم کر ڈالا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کا بایاں ہاتھ جنگِ مایار میں بیکار ہو چکا تھا، وہ بندوق نہیں چلا سکتے تھے۔ تلوار سے بھی حسبِ دلخواہ کام نہیں لے سکتے تھے۔ جنگ بالاکوٹ میں انہیں گنڈاسا دے دیا گیا، یورش کے آغاز ہی میں ان کے دائیں ہاتھ پر گولی لگی اور وہ بھی بیکار ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ یہ کہتے ہوئے قصبے کی جانب لوٹ پڑے کہ میں تو اب دعا کے قابل رہ گیا ہوں۔

آہستہ آہستہ قصبے میں پہنچے تو زیادہ خون بہنے سے ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی، جب سکھ جنوبی سمت سے بالاکوٹ میں داخل ہوئے تو شیخ غریب اللہ گورکھپوری نے انہیں ساتھ لے جانا چاہا، انہیں ہوش نہ آیا۔ اٹھا کر لے جانے کی کوئی صورت نہ بنی۔ شیخ غریب اللہ ست بنے کے نالے سے ہو کر باہر نکل گئے، شیخ محمد اسحاق وہیں بے ہوش پڑے رہے اور اسی حالت میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

کریم بخش کا بیان

کریم بخش کہتے ہیں کہ یورش کے بعد جب غازی کھیتوں میں بکھر کر جنگ کر رہے تھے تو میں نے مندرجہ ذیل اصحاب کو زخمی یا شہید دیکھا:

۱۔ مولوی محمد قاسم کے چھوٹے بھائی محمد حسن زخمی ہو کر قبلہ رو بیٹھے تھے۔

۲۔ غازی الدین، جن کا وطن معلوم نہ ہو سکا، شہید پڑے تھے، ان کے پاس ایک سکھ کی لاش تھی۔

۳۔ عبدالقادر غازی پوری کے سر میں گولی لگی تھی، منہ اور ناک سے خون جاری تھا۔

خود کریم بخش، اللہ بخش باغپتی اور رسول خاں جلالہ والے سید صاحب کے پاس نالے میں پہنچنا چاہتے تھے، کریم بخش کی ران میں گولی لگی اور وہ آگے بڑھنے سے معذور ہو گئے۔ اللہ بخش نے ہجوم میں گھس کر شہادت پائی، رسول خاں بالکل سلامت رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

متفرق اصحاب

میاں لسکھمیر کے ساتھ مٹی کوٹ کے دامن میں آٹھ آدمی تھی، جن میں سے صرف ابراہیم خاں خیر آبادی اور عبد اللہ نو مسلم دہلوی کے نام یاد رہے، ان میں سے چھ نالے میں ہو کر سید صاحب کے پاس پہنچ گئے اور غالباً یہ سب شہید ہو گئے۔ ناصر خان بھٹ گرامی کا ہاتھ زخمی ہو گیا، ساتھیوں نے انہیں میدان سے باہر لے جانا چاہا تو انکار کر دیا۔ اس اثناء میں دوسرے ہاتھ پر بھی گولی لگی اور وہ باہر جانے پر مجبور ہو گئے۔

میرزا احمد بیگ پنجابی نے جب سنا کہ سید صاحب کا کچھ پتا نہیں ملتا تو وہ سر پیٹتے ہوئے دیوانہ وار میدان میں پھرنے لگے، ہر ایک سے پوچھتے: حضرت کہاں ہیں؟ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ حسن خاں بنارسی بھی زخموں سے چور ہو کر قصبے میں پہنچ گئے تھے اور زیادہ خون بہنے سے ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی، ایک سکھ نے ان کا تفنگچہ اتارنا چاہا، اچانک انہیں ہوش آ گیا، تلوار اٹھا کر لیٹے لیٹے سکھ کو قتل کر دیا، پھر دوسرے سکھ نے آگے بڑھ کر انہیں شہید کیا۔ شیخ وزیر پھلتی کے دائیں ہاتھ میں گولی لگی، جس کی وجہ سے وہ معذور ہو گئے۔

غازیوں کا نقصانِ جان

جنگ بالا کوٹ میں غازیوں کے نقصانِ جان کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ہچٹ اور میسن کی کتاب میں ہے کہ ہندوستانی غازیوں کے مختصر سے گروہ نے تین مرتبہ سکھ رجمنٹوں کو پیچھے ہٹایا۔ آخر کار محض دشمن کی کثرت تعداد کے باعث شکست کھائی اور تباہ ہوئے، صرف تین سو زندہ بچے۔(۱)

۲۔ بیلیو کا بیان ہے کہ سید صاحب اور مولانا شاہ اسمٰعیل کے علاوہ تیرہ سو ہندوستانی شہید ہوئے۔(۲)

(۱) ہچٹ اینڈ میسن ص:۸۲

(۲) اے رپورٹ آن یوسف زئی ص:۹۳ (A REPORT ON YUSAF ZAI)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان میں سے بیلیو کا بیان یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ تیرہ سو ہندوستانی تو بالا کوٹ میں موجود بھی نہیں تھے، پھر ان کی شہادت کیوں کر تسلیم کی جا سکتی ہے؟ اول الذکر بیان میں شہداء کی تعداد تو نہیں بتائی گئی لیکن یہ معلوم ہے کہ جنگ بالا کوٹ کے بعد تمام غازی جمع ہوئے تو ان کی تعداد سات سو کے لگ بھگ تھی۔ غازیوں میں سے خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں، شیخ محب اللہ، محمد امیر خاں، نجم الدین شکار پوری اور سید جعفر علی نقوی وغیرہم کا بیان ہے کہ بالا کوٹ کے شہدا تین سو سے زیادہ نہ تھے، ان میں سے جن کے نام معلوم ہو سکے یا محض شہادت کا علم ہو سکا، ان کی فہرست میں نے اس باب کے ساتھ بطور ضمیمہ لگا دی ہے، سکھ مقتولین کی تعداد سات سو بتائی گئی ہے۔

غازیوں کی تدفین

سکھ تیسرے دن بالا کوٹ سے چلے گئے تو اہل قصبہ آبادی میں واپس آئے، اس وقت تک میدان جنگ ہی نہیں بلکہ بالا کوٹ کا شمالی و شمال مشرقی میدان بھی لاشوں سے اٹا پڑا تھا۔ ”منظورہ“ کا بیان ہے کہ اہل قصبہ نے غازیوں کی لاشوں کو اٹھا کر مٹی کوٹ کے نالے میں جمع کیا، ابھی ان پر مٹی نہیں ڈالنے پائے تھے کہ زور کی بارش آ گئی، کھیتوں کی مٹی بہہ کر نالے میں بھر گئی۔ نالے کے کنارے بھی دونوں طرف سے بیٹھ گئے اس طرح لاشوں کے لئے قدرتی تدفین کا سامان ہو گیا۔ مولانا شاہ اسماعیل اور ارباب بہرام خاں کو الگ دفن کیا گیا، میرے نزدیک یہ بیان نظر ثانی کا محتاج ہے، اور سید جعفر علی نقوی نے جو کچھ لکھا ہے، محض شنید کی بنا پر لکھا ہے۔ وجوہ سن لیجیے:

۱۔ مٹی کوٹ کے دامن میں نالے کے دونوں کناروں پر شہدا کے دو قبرستان اب تک موجود ہیں۔ ایک نالے کے مغربی کنارے پر مٹی کوٹ کی سمت میں، دوسرا نالے سے ذرا ہٹ کر اس کی شمالی سمت میں۔ ان قبرستانوں کی حالت یقیناً اچھی نہیں، لیکن ان کے محفوظ رہنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لاشیں نالے میں نہیں ڈالی گئی تھیں بلکہ اس کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کناروں پر دفن کی گئی تھیں۔

۲۔ جس جگہ لاشیں زیادہ تھیں، وہ اس حصے میں ہوگی جہاں سے نالہ پہاڑ پر سے اتر کر نیچے آیا ہے۔ اگر بارش زور کی ہوئی اور نالے میں بکثرت پانی آیا تو لاشوں کا اس جگہ پڑے رہنا یا ان پر مٹی پڑ جانا ممکن نہ تھا، بلکہ وہاں سے لاشیں بہ کر نیچے آ جاتیں، اس لئے کہ نالہ پورے کا پورا ڈھالواں ہے۔ خصوصاً پہاڑ کے دامن سے قریب تو کسی چیز کا اٹکے رہنا بظاہر مشکل تھا۔

۳۔ اگر لاشیں واقعی دب گئی تھیں تو بعد میں ان کی ہڈیاں نکل آتیں، اس لئے کہ جس مقام پر ان کے دفن ہونے کا امکان تھا، وہاں پانی زور سے گرتا اور بہتا ہے اور اب بھی نالہ خاصا گہرا ہے، لیکن اب تک ہڈیوں کے نکلنے کا کوئی بیان سامنے نہیں آیا۔

۴۔ شہدا کی اور قبریں بھی ہیں، مثلاً ایک قصبہ کے قریب ہے، کچھ قبریں پن چکیوں کے پاس بتائی جاتی ہیں، کچھ ست بنے کے نالے کے پار قصبے کے شمالی و مشرقی کھیتوں میں ہیں۔ کچھ قبریں شاید دریائے کنہار کے پار کالو خاں کے دامن میں بھی ہیں، جیسا کہ بعض مقامی لوگوں سے معلوم ہوا۔ جب ان سب کو جا بجا دفن کیا گیا تو مٹی کوٹ کے دامن سے شہیدوں کو دفن نہ کرنے کی روایت کیوں کر صحیح سمجھی جا سکتی ہے؟

۵۔ سکھوں کی لاشیں خود سکھوں نے اٹھا کر جلتے ہوئے مکانوں میں ڈال دی تھیں یا سمجھ لیجئے کہ قصبے کو آگ لگانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سکھوں کی لاشیں جلائی جا سکیں۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ لاشیں ادھر ادھر بکھری رہ گئی ہوں اور اہل قصبہ نے انہیں نالے میں ڈال دیا ہو۔

شاہ اسماعیل اور ارباب بہرام خاں

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، شاہ اسماعیل اور ارباب بہرام خاں کی لاشوں کو ست بنے کے پار قصبے کے شمال مشرق میں دفن کیا گیا۔ ان کی لاشیں غالباً اسی حصے میں پڑی تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واقعہ بالاکوٹ سے چھ ماہ بعد ارباب شہید کے بھتیجے اور داماد محمد خاں نے اپنے ہم قوموں کو جمع کر کے کہا کہ میں ارباب کی لاش کو بالاکوٹ سے تہکال لانا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اب ہڈیاں کھود کر لانے سے کیا حاصل ہوگا، لیکن محمد خاں نے کہا کہ میرے چچا نے خلوصِ نیت سے سید بادشاہ کا ساتھ دیا تھا، اپنا پورا مال واسباب راہِ خدا میں لٹا دیا، آخر جان بھی دے دی، مجھے یقین ہے کہ ان کی لاش قبر میں سلامت ہوگی۔

چنانچہ محمد خاں نے ایک صندوق بنوایا اور چالیس آدمیوں کے ساتھ بالاکوٹ گیا، وہاں کے لوگوں نے بھی قبر کھودنے سے منع کیا لیکن محمد خاں اپنے ارادے پر قائم رہا، لاش نکالی گئی تو بالکل تر وتازہ تھی، نہ جسم کا کوئی حصہ بگڑا تھا، نہ اس میں بدبو پیدا ہوئی تھی، صرف پاؤں کے ناخنوں میں خفیف سا تغیر نظر آتا تھا۔

غرض لاش کو صندوق میں رکھ کر تہکال لائے، قوم نے پورے احترام کے ساتھ اسے دفن کیا، یہ قبر آج بھی دعا گاہ خاص وعام ہے۔ تہکال کا بچہ بچہ ارباب شہید اور ان کی قبر سے واقف ہے۔

ان دونوں قبروں کے گرد پہلے خستہ سی چار دیواری تھی۔ چند برس ہوئے مولانا اسلم جیراج پوری اور چودھری غلام احمد پرویز نے شاہ اسماعیل کی قبر کے ارد گرد نئی چار دیواری بنوا دی۔ ۱۹۵۱ء میں بالاکوٹ گیا تو دیکھا کہ یہ چار دیواری بھی جگہ جگہ سے پھٹ گئی ہے۔(۱)

بیش بہا چیزیں

غازیوں کا بیشتر سامان اور توشہ خانہ ہدفِ غارت بنے لیکن یہ چیزیں بہر حال سیکڑوں نہیں ہزاروں کی ہوں گی۔ بعض نہایت بیش بہا چیزیں بھی تباہ ہوئیں جو لاکھوں روپے دے کر بھی نہیں مل سکتیں اور نہ دنیا میں ان کا کوئی بدل موجود ہے۔ مثلاً:

(۱) تواریخ عجیبہ میں ہے کہ لوگ اس قبر پر نسوار چڑھاتے ہیں، میں آٹھ دس برس میں کئی مرتبہ بالاکوٹ جا چکا ہوں لیکن کبھی نہیں دیکھا کہ کسی نے شاہ صاحب کی قبر پر نسوار یا اور کوئی چیز چڑھائی یا باندھی ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ سید صاحب اور مولانا اسماعیل کی بہت سی تحریرات۔

۲۔ مختلف مکاتیب کے اصل مسودے اور ان کے جواب میں وقت کے اکثر سلاطین و روسا اور خوانین و علماء کے خطوط۔

۳۔ سید صاحب کا روزنامچہ، منشی محمدی انصاری میر منشی حضور کا طریقہ تھا کہ ہر مہینے کے آغاز میں سادہ کاغذوں پر جدولیں تیار کرا لیتے تھے، ان میں مختلف خانے ہوتے تھے، جن میں مختلف چیزیں تفصیل کے ساتھ روز بہ روز درج ہوتی تھیں، ایک بڑے خانے میں روزمرہ کے کام کاج اور واقعاتِ جنگ بہ تعین تاریخ لکھتے تھے، اسی روزنامچے کی بنا پر وقتاً فوقتاً مختلف حصوں میں خطوط بھیجے جاتے تھے۔

۴۔ ہر مہینے کے ضروری کاغذات بستوں میں باندھ کر ایک بڑے صندوق میں رکھے جاتے تھے، یہ صندوق بھی بالاکوٹ میں بستوں سمیت برباد ہو گیا۔

۵۔ مولوی سید نور احمد نگرامی کی تاریخ ''نور احمدی'' جس میں سید صاحب کے مفصل حالات درج تھے۔

۶۔ بعض رسائل اور مولانا اسماعیل کے بعض خطبات جو جمعہ یا عیدین کی نمازوں میں دیے گئے۔

سید جعفر علی نقوی کے قلمدان میں مولانا اسماعیل کے بعض مہری اور دستخطی خطوط محفوظ رہ گئے تھے، سید موصوف بالاکوٹ کے بعد وطن لوٹے تو ان خطوط و تحریرات کو شیخ ولی محمد کی اجازت سے بہ طور تبرک ساتھ لے آئے۔ تھانہ پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں قلمدان کسی نے چرا لیا، ہر چند اسے تلاش کیا، یہ اعلان بھی کرا دیا کہ کاغذات واپس کر دیے جائیں، باقی جتنی چیزیں ہیں وہ سب بہ صدق دل چھوڑتا ہوں اور چرانے والے سے کوئی پرسش نہ ہوگی، لیکن کاغذات نہ ملے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ

شہدا کی فہرست

خیزند چوں ز خاک شہیداں ما بہ حشر
در محشر آوریم دو عالم سپاہ را

(۱) امیر المومنین سید احمد بریلوی (۲) مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی (۳) میرزا محمدی بیگ (۴) عبید اللہ نو مسلم (۵) عبد اللہ دہلوی خادم خاص امیر المومنین (٦) دادا ابو الحسن نصیر آبادی (۷) سید امیر علی جائسی (۸) شیخ عبد الرؤف پھلتی (۹) شیخ ضیاء الدین پھلتی (۱۰) حکیم قمر الدین پھلتی (۱۱) شیخ بہادر علی پھلتی (۱۲) شیخ حماد پھلتی (۱۳) شیخ توکل پھلتی (۱۴) نبی حسین عظیم آبادی (۱۵) راحت حسین عظیم آبادی (۱٦) اللہ بخش عظیم آبادی (۱۷) الہ داد عظیم آبادی (۱۸) محمد معصوم عظیم آبادی (۱۹) اشرف خاں گورکھپوری (۲۰) حاجی برکات عظیم آبادی (۲۱) علیم الدین بنگالی (۲۲) فیض الدین بنگالی (۲۳) لطف اللہ بنگالی (۲۴) منشی محمدی انصاری میر منشی حضور (۲۵) شرف الدین بنگالی۔

(۲٦) سید مظفر حسین بنگالی (۲۷) منور خیاط لکھنوی (۲۸) کریم بخش خیاط لکھنوی (۲۹) مرزا مرتضیٰ بیگ لکھنوی (۳۰) نور علی لکھنوی (۳۱) حافظ عبد الوہاب لکھنوی قاسم غلہ (۳۲) خدا بخش لکھنوی (۳۳) محمود خاں لکھنوی (۳۴) شیخ امجد علی غازی پوری فرزند شیخ فرزند علی رئیس غازی پور (۳۵) شیخ محمد علی غازی پوری (۳٦) شیخ اصغر علی غازی پوری (۳۷) شیخ درگاہی غازی پوری (۳۸) خدا بخش فرزند شیخ درگاہی (۳۹) عبد القادر غازی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پوری (۴۰) عبدالمنان بنارسی (۴۱) حسن خاں بنارسی (۴۲) میانجی چشتی بڑھانوی (۴۳) حیات خاں خیر آبادی (۴۴) نور بخش جراح شاملی والے (۴۵) شیخ شجاعت علی فیض آبادی (۴۶) حافظ امیر الدین گڑھ مکتیشری (۴۷) بخش اللہ خان پوری (۴۸) امام الدین بمبئی (۴۹) مولوی سید نور احمد نگرامی مؤرخ اسلام (۵۰) چاند خاں ناگوری۔

(۵۱) نور محمد ناگوری (۵۲) میانجی عبد الکریم امیٹھوی (۵۳) عبد الجبار خاں شاہجہان پوری (۵۴) عبدالقادر جھنجھانوی (۵۵) حافظ مصطفیٰ جھنجھانوی (۵۶) حسن خاں ساکن زمانیہ (۵۷) مولوی احمد اللہ ناگپوری برادر عم زاد مولانا عبدالحیٔ (۵۸) عبد الرحمٰن ناگپوری (۵۹) نواب خاں ٹنکوی (۶۰) قلندر خاں قندھاری (۶۱) یادل خاں بانس بریلوی (۶۲) محمد حسن پانی پتی (۶۳) غلام محمد والد محمد حسن (۶۴) میرزا حسین بیگ بانس بریلوی (۶۵) شیخ نصرت بانس بریلوی (۶۶) میر امانت علی ساڈھورہ (۶۷) کریم بخش ساڈھورہ (۶۸) شیخ امیر اللہ تھانوی (۶۹) حافظ محمد صابر تھانوی (۷۰) شیخ کریم بخش سہارنپوری (۷۱) رحیم اللہ سہارن پوری (۷۲) قرجام (خادم خاص امیر المومنین) سہارن پوری (۷۳) علی خاں سہارن پوری (۷۴) منشی خواجہ محمد، حسن پوری (۷۵) قاضی احمد اللہ میرٹھی۔

(۷۶) شیخ بلند بخت دیوبندی (۷۷) عبد العزیز دیوبندی (۷۸) سلو خاں دیوبندی (۷۹) داؤد خاں خورجوی (۸۰) ولی داد خاں خورجوی (۸۱) مراد خاں خورجوی (۸۲) شیخ نصر اللہ خورجوی (۸۳) مولا بخش میواتی ساکن نوح (ضلع گوڑگانواں) (۸۴) وزیر خاں میواتی (۸۵) قادر بخش گنج پوری (۸۶) نھے خاں ساکن ہزارہ (۸۷) سید چراغ علی ساکن پٹیالہ (۸۸) عظیم اللہ خاں ساکن اکوڑہ (۸۹) ارباب بہرام خاں ساکن تہکال (۹۰) شیخ محمد رضا ساکن ضلع میرٹھ (۹۱) قادر بخش ساکن لوہاری (۹۲) حافظ الٰہی بخش کیرانوی (۹۳) مرانداز خاں ساکن پھلی (۹۴) شیخ محمد اسحاق گورکھپوری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(۹۵) دلاور خاں گورکھپوری (۹۶) عبد السبحان خاں گورکھپوری (۹۷) منصور خاں گورکھپوری (۹۸) عبداللہ خاں گورکھپوری (۹۹) مشرف خاں گورکھپوری (۱۰۰) روشن سقا ساکن کوٹل۔

(۱۰۱) سخاوت رام پوری (۱۰۲) خیر اللہ ساکن امروہہ (۱۰۳) خیر اللہ کے والد (جن کا نام معلوم نہ ہوسکا) (۱۰۴) میرزا جان چشتی (۱۰۵) میرزا جان کا بیٹا (نام معلوم نہ ہوسکا) (۱۰۶) حافظ عبدالقادر ساکن میاں دوآب (۱۰۷) اللہ بخش انبالوی (۱۰۸) بخش اللہ بہادر گڑھی (۱۰۹) لعل محمد مہاجر (پڑان غار) (۱۱۰) شیخ امام علی، محی الدین پوری (الٰہ آباد) (۱۱۱) اللہ بخش بانچتی (۱۱۲) قاضی علاؤ الدین بگھرہ (۱۱۳) سید امیر الدین بگھرہ (۱۱۴) رحیم بخش الٰہ آبادی (۱۱۵) بھیکن (شاہ پوری) (۱۱۶) شمس الدین ہریانوی (۱۱۷) سید مردان علی میراں پوری (۱۱۸) محمد عرب (۱۱۹) فیض اللہ شیدی (۱۲۰) اللہ داد (وطن معلوم نہ ہوسکا) (۱۲۱) قادر بخش (وطن معلوم نہ ہوسکا) (۱۲۲) عبدالقادر وطن معلوم نہ ہوسکا (۱۲۳) راجا (یہ غالباً سید صاحب کا ہم وطن تھا) (۱۲۴) سید زین العابدین (پشاور) (۱۲۵) ایک پٹھان (نام معلوم نہ ہوسکا) (۱۲۶) ایک اس کا ہمراہی تھا، اس کا نام بھی معلوم نہ ہوسکا۔

(۱۲۷) سید امام علی الٰہ آبادی (۱۲۸) صندل خاں پنجابی (۱۲۹) میرزا احمد بیگ پنجابی (۱۳۰) شیر جنگ خاں خالص پوری (۱۳۱) فیض اللہ تخت ہزارہ (۱۳۲) بخش اللہ خاں بارہ بنکوی (۱۳۳) حافظ مصطفیٰ کاندھلوی (۱۳۴) غازی الدین (وطن معلوم نہ ہوسکا) (۱۳۵) پانی پتی نوجوان (نام معلوم نہ ہوسکا) (۱۳۶) مہربان خاں (بانگرمئو) (۱۳۷) بخش اللہ (ان کا وطن معلوم نہ ہوسکا، روایت میں ہے برادر مہر علی)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تینتالیسواں باب:

سید صاحب کا مدفن

تا بہ راہ طلبت بے خبراں پے نہ نہند
کعبہ وصل تو بے نام و نشاں ساختہ اند

غازیوں کا رنج و غم

غازی بالاکوٹ کے میدان سے نکل کر شمالی سمت کے پہاڑ پر پہنچے۔ ظہر کا وقت ہو چکا تھا، وہیں ایک چشمے پر وضو کر کے نماز پڑھی۔ اس اثناء میں مظفرآباد کے چند غازی بھی پہنچ گئے، جو ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر دوڑے آئے تھے کہ جلد لڑائی میں شریک ہوں۔ شکست کا حال معلوم ہوا تو دم بخود رہ گئے۔ انہیں پتہ چلا کہ مولوی خیرالدین سخت بیمار ہیں اور انہیں چارپائی پر ڈال کر لا رہے ہیں، سید صاحب کے متعلق بعض کا خیال تھا کہ انہیں گوجر لے گئے، بعض تذبذب میں تھے۔ وقائع میں ہے:

> ہم لوگوں میں سے ہر ایک حضرت علیہ الرحمۃ کے غم فراق میں اس قدر پراگندہ خاطر اور باختہ حواس تھا کہ جیسے مجنون اور سودائی ہوتا ہے، کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔(۱)

سب بھوکے تھے، ایک گاؤں ملا، وہاں سے شیخ ولی محمد نے ایک روپے کی جوار خرید کر بھنوائی اور غازیوں میں بانٹ دی۔ بالاکوٹ سے اڑھائی کوس پر ناصر خاں کا ایک

(۱) جلد سوم ص: ۲۵۴، ۲۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گاؤں انگرائی نام تھا، شام کے وقت وہاں پہنچے۔ کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا، راستے میں جو جوار ملی تھی، وہی کھا کر پانی پی لیا۔ وہیں مظفر آباد کے اکثر غازی آگئے، لیکن مولوی خیرالدین نہ پہنچ سکے۔

ایک غلط اطلاع

نمازِ عشاء کے بعد جان محمد جراح رام پوری اور عبدالرحیم جراح جانسٹھی نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی، اس وقت دو گوجروں نے خبر پہنچائی کہ سید بادشاہ تھوڑی دور پہاڑ کے ایک درے میں سلامت موجود ہیں اور ہمیں بھیجا ہے کہ غازیوں کو لے آؤ۔ ناصر خاں نے کہا کہ یہ لوگ دن بھر کے بھوکے پیاسے اور تھکے ماندے ہیں، اب رات کے وقت کہاں جائیں گے، صبح کو آنا، ہم سب چلیں گے۔ سید بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا ہے تو وہ کہیں چھپے نہیں رہیں گے۔

دوسرے دن صبح کو کوئی نہ آیا، غازیوں نے اس درے کو بھی دیکھا لیکن کوئی نہ ملا، یہ دراصل دھوکا تھا لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ گوجروں نے ایسی حرکت کس غرض سے کی۔

شیخ ولی محمد نے پہلے راستے ہی سے گوجروں کو تحقیقِ احوال کے لئے بالاکوٹ بھیجنا چاہا، لیکن اس وقت قصبے میں آگ لگی ہوئی تھی، سکھ فوج پورے میدان میں پھیلی پڑی تھی، ان حالات میں کون جا سکتا تھا اور جاتا بھی تو کیا معلوم ہوتا؟

شیخ وزیر کے صاحبزادے کا بیان

دوسرے روز شیخ وزیر کا صاحبزادہ آ گیا، تمام غازی حالات معلوم کرنے کے شوق میں اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس نے بتایا کہ جنگ کے بعد مجھے سکھ اس جگہ لے گئے جہاں زیادہ تر شہید پڑے تھے اور پوچھا کہ ان میں سے خلیفہ صاحب (یعنی سید صاحب) کی لاش کون سی ہے۔ میں نے پہچان کر بتا دیا، پھر انہوں نے مجھے ایک مسلمان کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حوالے کر دیا، اس نے میرے حالات پوچھے، پھر کہا کہ جا اپنے والد کے پاس چلا جا، میں ست بنے کے راستے چلا آیا۔

غازیوں میں سے بعض نے یہ بیان سن کر کہا کہ مجروح یا شہید کو تو ہوشیار آدمی بھی مشکل سے پہچانتا ہے، اس لڑکے نے کیا پہچانا ہوگا۔ دوسروں کو یقین تھا کہ بچے نے سید صاحب کو ضرور پہچان لیا ہوگا، اس لئے کہ آپ اسے بہت پیار کرتے تھے اور یہ اکثر آپ ہی کے پاس رہتا تھا۔

تحقیق کا نتیجہ

انگرائی سے چلتے وقت شیخ ولی محمد نے خضر خاں قندھاری اور اللہ دین پھلتی والے کو بالاکوٹ بھیج دیا کہ تمام حالات کی خوب چھان بین کریں۔ وہ واپس ہوئے تو غازی شملئی پہنچ گئے تھے، جو راج دواری سے ڈیڑھ دو کوس شمال میں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بعض غازی سکھوں کے ہاتھ زندہ گرفتار ہو گئے تھے:

> شیر سنگھ نے ان گرفتاروں سے کہا کہ لاشوں میں سے ہم کو بتاؤ خلیفہ صاحب کی لاش کون سی ہے۔ اگر تم سچ سچ بتا دو گے تو تم کو چھوڑ دیں گے۔ پھر انہوں نے کھیت میں جا بجا پھر کر لاشوں کو دیکھا۔ ایک لاش بے سر کی تھی، انہوں نے کہا کہ یہ لاش خلیفہ صاحب کی معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا سر بھی ہو تو ہم بتا دیں۔ پھر شیر سنگھ نے اس کا سر تلاش کروا کر منگایا اور اس لاش میں ملوایا، تب انہوں نے (گرفتار شدہ غازیوں نے) کہا ہاں خلیفہ صاحب کی لاش یہی ہے۔
>
> پھر شیر سنگھ نے ایک دوشالہ اس لاش پر ڈلوایا، دو تھان خاصے کے اور پچیس روپے نقد دیئے اور کہا جس طرح تم مسلمانوں کا دستور ہے کفن دے کر اس کو دفن کر دو۔ پھر ادھر اُدھر سے ملکی مسلمان بھی آکر جمع ہوئے اور کفن دے کر اس لاش کو دفن کیا اور روپے نقد خیرات کیے گئے اور جو لاشیں سکھوں کی تھیں،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان کو بالاکوٹ کے کوٹھوں میں ڈال کر جلوا دیا اور باقی لاشیں غازیوں کی سب وہیں جہاں کی تہاں پڑی رہیں۔(۱)

مدفن

جس قبر کو آج کل سید صاحب کی قبر قرار دیا جاتا ہے یہ بالاکوٹ کے پشتے سے نیچے جنوبی و شرقی سمت میں دریا کے کنارے پر ہے۔ کاغان جانے والی سڑک اس کے پاس سے گذرتی ہے، پہلے یہاں صرف سید صاحب کی قبر تھی، اب کچھ اور قبریں بھی بن گئی ہیں۔ ان میں سے ایک قبر مولوی فضل الٰہی مرحوم وزیر آبادی کی ہے، جو مدت تک جماعت مجاہدین میں رہے۔ یہ قبر سید صاحب کی شہادت گاہ سے تقریباً ڈیڑھ میل پر ہوگی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میت کو یہاں کیوں لائے جب کہ یہاں قبرستان بھی نہ تھا؟ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ بالاکوٹ کے بعد شیر سنگھ کا کیمپ دریا کے کنارے اس جگہ ہوا ہوگا، جہاں آج کل تھانہ اور ڈاک بنگلہ ہیں، اسے سید صاحب کی لاش دکھانے کے لئے میدانِ جنگ سے لائے ہوں گے، پھر قریب ہی ایک موزوں مقام پر میت کو دفن کر دیا گیا۔

اختلاف

جس روایت کا ایک حصہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، اس کے آخر میں ہے کہ دوسرے روز شیر سنگھ ندی سے پار چلا گیا، اس کی فوج کا بڑا حصہ بھی رخصت ہوگیا، صرف اکالیوں یا نہنگ سکھوں کی ایک جماعت باقی رہ گئی۔ بالاکوٹ کے جو باشندے سکھوں کے خوف

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۶۴، ۲۶۵ و منظورہ ص: ۱۲۰۱- ایک اور بیان مظہر ہے کہ دیوان وساکھا سنگھ نے ایک عرضداشت بھیجی، جس میں سید صاحب کی وفات کی خبر تھی: "بانداختن دو شالہ بر لاش او تکفین و تدفین آں رو گرائے عالم جاودانی بہ نظر مبارک گزشت۔" (یہ عرضی وساکھا سنگھ کی طرف سے رنجیت سنگھ کو پہنچی)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے، وہ بھی واپس آگئے:

> جو لوگ وقت دفن کرنے اس لاش مذکورہ (سید صاحب کی لاش) کے موجود تھے، ان میں اختلاف ہونے لگا۔ اکثر تو یہ کہتے تھے کہ وہ لاش سید بادشاہ کی نہ تھی، ان کو تو گوجر لوگ لڑائی کے کھیت سے زندہ نکال لے گئے اور چند لوگ کہتے تھے کہ وہ لاش سید بادشاہ کی تھی، مگر تحقیقی حال معلوم نہ ہوا کہ وہ بچے ہیں یا یہ بچے نہیں۔

اس روایت کے باب میں وثوق کے ساتھ عرض کرنا مشکل ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ وہ لاش سید صاحب کی نہ تھی، انہوں نے صرف اس بنا پر یہ دعویٰ کیا کہ سید صاحب کو میدانِ جنگ سے زندہ لے جانے کا افسانہ خاصی شہرت پا چکا تھا، حالانکہ اس کے لئے کوئی قطعی اور موثق شہادت موجود نہ تھی۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے لاش دیکھ کر تحقیقاً کہا کہ یہ سید صاحب کی نہیں، بلکہ مذکورہ افسانے کے پیش نظر اسے سید صاحب کی لاش ماننے میں تکلفاً شبہ پیدا کر لیا۔

اکالیوں کی وحشت

بہر حال حقیقت خواہ کچھ ہو لیکن کوئی شبہ نہیں کہ میدانِ جنگ میں دیکھ بھال کر ایک لاش کے متعلق بتایا گیا کہ یہ سید صاحب کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا سر نہ تھا، سر بھی تلاش کر کے ساتھ ملایا گیا تو جاننے والوں نے اقرار کیا کہ واقعی سید صاحب کی ہے۔ اسے اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا، شیر سنگھ فوج لے کر چلا گیا اور نہنگ سکھوں کی ایک جماعت پیچھے رہ گئی:

> پھر جب رات ہوئی تب ان اکالیوں نے اس لاش مذکورہ کو قبر سے نکلوا کر ندی میں ڈلوا دیا اور اپنے لشکر کو چلے گئے۔(۱)

(۱) وقائع جلد سوم ص: ۲۶۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہزارہ گزیٹر میں بھی ہے:

سید صاحب کی لاش دریا میں پھینک دی گئی لیکن بالاکوٹ سے نیچے کے ایک گاؤں تلہٹہ کے لوگوں نے اسے نکال کر دفن کرایا۔(۱)

وحشت کا سبب

ہوسکتا ہے کہ نہنگوں یا اکالیوں کو سید صاحب سے خاص عناد ہو، ان کے نزدیک جذبۂ عناد کی تسکین اسی طرح ہوسکتی تھی کہ لاش قبر میں نہ رہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ سید صاحب سے سخت کاوش کی ایک اور وجہ بھی اکالیوں کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ ان کا محبوب لیڈر پھولا سنگھ اکالی ۱۸۲۳ء کی جنگ نوشہرہ میں مارا گیا تھا، یہ جنگ سید صاحب کی آمد سرحد سے تین برس پہلے سردار عظیم خاں بارک زئی اور رنجیت سنگھ کے درمیان ہوئی تھی، اکالیوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ جنگ کب ہوئی اور کس کس کے درمیان ہوئی، صرف اتنا یاد رہ گیا کہ ان کا لیڈر سرحد کی جنگ میں مارا گیا تھا، بس اسی بنا پر سمجھ لیا کہ سید صاحب ہی کے آدمیوں نے اسے مارا ہوگا۔ انتقام کی خاطر وہ لشکر سے پیچھے رہ گئے اور رات کی تاریکی میں وہ حرکت کی جو اخلاق وانسانیت کے ضابطے کے مطابق ہر انسان کے نزدیک حد درجہ مکروہ تھی۔

سر اور تن کی جدائی

لاش دریا میں گرتے ہی تیرتی تیرتی تلہٹہ پہنچی جو بالاکوٹ سے تقریباً نو میل جنوب میں کنہار کے مشرقی کنارے کا ایک گاؤں ہے۔ سر اور تن پہلے ہی الگ الگ تھے، دریا میں گرے تو الگ الگ ہی رہے۔ تلہٹہ والوں نے صبح کے وقت تن کو دیکھا تو اسے پکڑ کر پاس کے کسی کھیت میں نامعلوم مقام پر دفن کر دیا، میں جس حد تک مختلف اصحاب سے دریافت

(۱) ہزارہ گزیٹر طبع ۱۹۰۷ء ص: ۱۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر سکا ہوں، اس مدفن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سر بہتا بہتا گڑھی حبیب اللہ خاں کے پاس اس جگہ کے قریب پہنچ گیا، جہاں آج کل پل بنا ہوا ہے۔ گڑھی والوں میں ایک قصہ مشہور ہے، جسے عجائب پسندیوں کی رنگ آمیزی سے الگ کیا جائے تو اشارہ جاتا ہے کہ سر گڑھی کے سامنے پہنچ کر مشرقی کنارے پر اٹک گیا، ایک بڑھیا پانی بھرنے کیلئے آئی، اس نے دیکھ کر خان کو خبر پہنچائی، وہ دوڑا ہوا آیا اور سر کو دریا سے نکال کر کنارے ہی پر دفن کر دیا۔ یہ مدفن پل سے گذرتے ہی کنہار کے مشرقی کنارے پر بائیں ہاتھ ملتا ہے، پہلے اس کی قبر چھوٹی سی تھی اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ صرف سر کی قبر ہے اور اس پر سرخ رنگ کا کپڑا پڑا رہتا تھا۔ گڑھی کے اکثر لوگ صبح کے وقت وہاں فاتحہ و دعا کے لئے آتے تھے، اب سیمنٹ سے پوری قبر بنا دی گئی ہے، بتایا جاتا ہے کہ یہ قطب بابا غازی کی قبر ہے۔ (۱)

موجودہ قبر

غرض بالا کوٹ میں جس قبر کو اب سید صاحب کی قبر بتایا جاتا ہے، اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں یا اس کے آس پاس سید صاحب دفن ہوئے۔ ایک دن ایک رات یا دو دن دو راتیں وہاں دفن رہے، پھر آپ کی لاش اس میں سے نکال کر دریا میں پھینک دی گئی اور قبر بے نشان ہو گئی۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم نے جس زمانے میں اپنی کتاب "وصایا الوزیر" تصنیف فرمائی، سید صاحب کی قبر بے نشان تھی، فرماتے ہیں:

> بعد از حدوث حادثہ شہادت و وقوع واقعہ انقطاع رشتہ حیات آں سید بالطافت ازیں خاکدان پر کثافت باوصف فرط تفحص مریدین و افراط تجسس معتقدین کہ در کار تلاش مرقد مطہر و منور و نقش اطہر انور مساعی بے کراں و کوشش فراواں بہ تقدیم رسانیدند، نامے و نشانے از مطلوب و مقصود نہ یافتند۔ (۲)

(۱) یہ تعمیر ۱۹۴۷ء کے بعد ہوا۔

(۲) وصایا الوزیر علی طریق البشیر والنذیر نصف اول ص: ۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ : شہادت کا حادثہ پیش آ جانے اور اس کثافت بھرے خاکدان سے اس پاک نفس سید کا رشتۂ حیات منقطع ہو جانے کے بعد مریدوں اور معتقدوں نے ہر چند قبر منور اور نعش مطہر کو تلاش کیا، لیکن اس کا نشان بھی نہ پا سکے۔

شاہ اسماعیل کی قبر بھی غالباً بے نشان ہو چکی تھی۔

۱۸۹۳ء میں خان عجب خاں برادر زادہ خان ارسلان خاں (زیدہ) مانسہرہ میں نائب تحصیل دار مقرر ہو کر گئے تو انھوں نے سید صاحب اور شاہ صاحب دونوں کی قبروں کا سراغ لگانا چاہا، وہ اس خاندان کے فرد تھے جو سید صاحب کی عقیدت میں برابر ثابت قدم رہا تھا۔ سن رسیدہ اور واقف کار آدمیوں کو جمع کر کے پوری چھان بین کرائی، پھر کم و بیش باسٹھ برس کے بعد ان قبروں کے نشان قائم کیے۔ عجب خاں کے زمانے کے کندہ کرائے ہوئے پتھر میں نے دونوں قبروں پر دیکھے تھے، سید صاحب کی قبر کے ارد گرد چار دیواری بھی غالباً عجب خاں ہی نے بنوائی تھی، وہ بہت خستہ ہو گئی تھی، پاکستان بننے کے بعد چار دیواری اور قبر پر سیمنٹ کا پلستر ہو گیا اور ایک دروازہ لگ گیا۔ پشاور کے ایک صاحب نے سرہانے سنگ مرمر کی ایک لوح لگا دی۔

غرض موجودہ قبر باسٹھ برس تک بے نشان رہنے کے بعد بنی اور یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ٹھیک اسی جگہ بنی جہاں پہلی قبر تھی۔ اگر یہ اسی جگہ بنی تو اسے اس قبر کا مقام سمجھنا چاہیے، جہاں سید صاحب کی لاش ایک یا دو راتیں دفن رہی، بعد میں آپ کا تن تلہٹہ میں غیر معلوم مقام پر دفن ہوا۔ سرگڑھی حبیب اللہ خاں کے بیل کے پاس ہے۔

سید صاحب کی پیشگوئیاں

''وصایا'' میں ہے: ایک شخص نے حضرت سید صاحب سے عرض کیا کہ لوگوں کو آپ گور پرستی کی بدعت سے بہت منع کرتے ہیں، آپ کے مرید بھی تو بے شمار ہیں، جو ملک ملک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں پھیلے ہوئے ہیں، کیا یہ اندیشہ نہیں کہ آپ کی وفات کے بعد وہ قبر پر جمع ہو ہو کر اس بدعت کو رواج دیں گے؟ سید صاحب نے جواب دیا کہ میں کارسازِ حقیقی جل شانہٗ کی بارگاہ میں التجا کروں گا کہ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو بے نشان بنا دیا جائے۔(۱)

وقائع میں ہے کہ مولوی محمد یوسف پھلتی، میاں جی محی الدین، میاں جی نظام الدین چشتی اور مولوی امام الدین بنگالی نے کئی مرتبہ بے تکلف عرض کیا کہ ہندوستان میں لوگ ادنیٰ ادنیٰ پیروں کی قبریں پوجتے ہیں آپ تو پیروں کے پیر ہیں، لہٰذا آپ کے مزار کی تو خوب پوجا ہوگی اور اس پر چڑھاوے چڑھائے جائیں گے۔

سید صاحب نے فرمایا: بے فکر رہو، مجھے جناب الٰہی سے کئی مرتبہ اشارہ ہوا ہے کہ کوئی شخص تجھ پر جادو کرے یا زہر دے، ان صدموں سے تو نہیں مرے گا، اور جب تیری موت کا وقت آئے گا، کوئی تیری لاش نہ پائے گا۔ جب لاش نہیں ملے گی تو قبر کیوں کر بنے گی اور اس کی پوجا کس طرح کی جائے گی؟

کچھ معلوم نہیں کہ سید صاحب کے اصل الفاظ کیا تھے لیکن جس حد تک ان کے مفہوم کا تعلق ہے، اس کے درست ہونے میں کیسے کلام ہو سکتا ہے؟ لاش یقیناً ملی لیکن اس کا معاملہ آخری وقت تک مشتبہ رہا، یعنی یہ کہ آیا یہ سید صاحب کی تھی یا نہیں؟ پھر جہاں اسے دفن کیا گیا وہاں سے اکالیوں نے نکال کر دریا میں پھینکا، سر کہیں چلا گیا، دھڑ کہیں اور قبر بے نشان ہوگئی۔ جو نشان اب موجود ہے، اس کی پوجا نہیں ہوتی، سید صاحب کو زہر دیا گیا، لیکن خدا نے انہیں بچا لیا، جادو کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

سید صاحب کی تصویر

دیوان امرناتھ نے ظفر نامہ میں لکھا ہے کہ شیر سنگھ نے سید صاحب کی تصویر بھی بنوائی تھی، اس ذکر میں بعض الفاظ غیر شایاں استعمال ہوئے ہیں لیکن میرے لئے اس

(۱) وصایا ص:۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے سوا چارہ نہیں کہ ان الفاظ پر صبر کرتے ہوئے اصل عبارت نقل کر دوں۔ عبارت یہ ہے:

شہزادہ شیر سنگھ خود بہ نفس نفیس متوجہ نعش خلیفہ گشتہ، مصور سحر کارے برگماشت تا از سکنات وحرکاتش آں کما کان برنگارد وخود بعد از نظم ونسق آں سواد روانہ حضور اقدس شدہ سعادت ملازمت والد دریافتند۔ سرکار والا نہایت خوشنود شدہ بہ جیغہ وخلعت سرفرازی دادہ بہ انعامات فراواں واشفاق نمایاں نوا ختند واز تصویر خلیفہ استشمام رائحہ جوانمردی نمودہ بہ لفظ آفریں منصفانہ تعریف فرمودند۔ چوں آں تصویر از نظر راقم گزشت، بوالعجب شکلے رخ نمود کہ بایں درویش صورتی خواہان دولت سلطانی گشتن، ہمانا کہ خالی از تکلیف نفس شریر نخواہد بود، واگر بتاین مذہب بریں آورد از صفوت وصفا خبرے نہ داشت۔(۱)

ترجمہ: شیر سنگھ سید صاحب کی نعش کی طرف متوجہ ہوا اور ایک سحر کار مصور کو مقرر کیا تا کہ ان کی تصویر ہو بہو کھینچے۔ جب اس علاقے کے نظم ونسق سے فارغ ہو کر دربار میں پہنچا، رنجیت سنگھ بہت خوش ہوا، شیر سنگھ کو کلغی اور خلعت کے علاوہ بہت انعام دیے اور زیادہ سے زیادہ مہربانیاں کیں۔ خلیفہ صاحب کی تصویر سے جوانمردی کی بو سونگھ کر کہا ''آفریں'' اور منصفانہ تعریف کی، میں نے بھی وہ تصویر دیکھی لیکن اس بات پر حیران ہوا کہ صورت کے درویش ہونے کے باوجود سلطانی وحکمرانی کی خواہش نفسانیت نے پیدا کی اور اگر مذہبی اختلاف کی بنا پر یہ سب کچھ عمل میں آیا تو سمجھنا چاہیے کہ خلیفہ صاحب صفوت وصفا سے بے خبر تھے۔

اگر یہ بیان درست ہے تو کچھ معلوم نہیں وہ تصویر کیا ہوئی اور کہاں گئی؟ ممکن ہے پرانے ریکارڈوں میں اس کا سراغ مل جائے۔

(۱) ظفر نامہ ص ۱۹۴، ۱۹۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوالیسواں باب:

عقیدۂ غیبوبت

شہادت کے متعلق اشتباہ

سید صاحب کی شہادت کے بعد نیاز مندوں کے ایک گروہ نے ان کی غیبوبت کا مسئلہ کھڑا کر دیا اور مدت تک اس عقیدے کی اشاعت پورے اہتمام سے جاری رکھی۔ عوام کے ایسے معتقدات بحث ونظر کے محتاج نہیں ہوتے، ان کے دل ودماغ ہر وقت عجائب کاریوں کی تلاش وجستجو میں سرگرم رہتے ہیں اور وہ کسی واقعے کے قبول وپذیرائی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتے جب تک اسے بہ اعتبار وقوع، مروجہ اسلوب وہنجار سے صریح منحرف نہ پائیں۔ لیکن حیرت ہے کہ سید صاحب کے بعض اکابر خلفا نے بھی اسے قبول کیا، نہ محض قبول کیا بلکہ اسے مدت تک دعوتِ اتحاد کا مرکز بنائے رکھا۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ شہادت کے سلسلے میں پہلے دن سے اشتباہ کے بعض وجوہ موجود تھے، مثلاً کسی معتبر آدمی نے سید صاحب کو بہ حالتِ شہادت نہیں دیکھا۔(1) پھر میدان بالاکوٹ میں یہ افواہ مشہور ہو گئی تھی کہ سید صاحب زخمی ہوئے اور گوجر انہیں اٹھا کر ست بنے کے نالے کے راستے میدان سے باہر لے گئے۔ ان حالات نے امید

---

(1) میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ بعض غازیوں نے سکھوں کے ہاتھ گرفتار ہونے کے بعد سید صاحب کی لاش پہچانی، بعض مقامی باشندوں نے شیر سنگھ کے کہنے کے مطابق اس لاش کو دفن کیا، لیکن ان میں سے کسی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اس لیے معاملہ مشتبہ رہا۔ بعد ازاں خود مقامی باشندوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا، بعض کہتے تھے کہ لاش سید صاحب کی تھی، بعض اس سے انکار کرتے تھے۔ شیخ وزیر کے نو عمر بچے نے بھی سید صاحب کی لاش دیکھی تھی، اس کے بیان کو بوجہ حداثتِ سن چنداں وقعت نہ دی گئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حیات کے لئے یقیناً ایک معقول سہارا مہیا کر دیا تھا، اگر ابتدا میں بعض اصحاب نے یہ سمجھا کہ سید صاحب واقعی زندہ ہیں تو اس پر تعجب کی کوئی وجہ نہیں۔

امید حیات کے اسباب

پھر ارادت مندوں کے سامنے سید صاحب کی پاک نفسی، للٰہیت، عشق حق اور بے مثال عزیمت تھی۔ وہ مقدس چہرہ تھا، جسے دیکھتے ہی پچوں کا رئیس حسن علی پکار اٹھا تھا کہ ایسا صاحب ارادہ ہفت اقلیم کی تسخیر کے لئے بھی کھڑا ہو جائے تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ غازیوں کو تو چھوڑ دیجئے، ہندوستان میں ایک دو نہیں سیکڑوں اصحاب تھے، جنہیں یقین تھا کہ سید صاحب کی تحریک ضرور کامیابی کی آخری منزل پر پہنچے گی، کسی کو یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ یہ تحریک احیائے ملت، سرحد کے ایک دور افتادہ گوشے میں بظاہر درہم برہم ہو جائے گی، اور سید صاحب شہادت پائیں گے۔

چونکہ شہادت میں اشتباہ کے خاصے قوی پہلو موجود تھے، اس لئے ابتدا میں طبیعتیں خبر شہادت کو قبول کرنے میں متامل رہیں، تو اس تامل کو غیر معقول نہیں سمجھا جا سکتا، ویسے بھی انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ خوشگوار امیدوں کی شکست بہ مشکل قبول کرتی ہے اور معمولی سے معمولی سہارا بھی مل جائے تو اس کے خیر مقدم کے لئے آمادہ رہتی ہے۔

پھر سرحد کے بعض اکابر کہہ رہے تھے کہ انہوں نے واقعہ بالاکوٹ کے بعد سید صاحب کو زندہ دیکھا ہے، مثلاً بھنگول کے اخوند محمد ارم، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹی اور مولوی محمد قاسم پانی پتی چند افراد کے ہمراہ اسی بنا پر بھنگول میں ٹھہر گئے کہ انہیں سید صاحب کے زندہ ہونے کا یقین تھا۔

زندگی اور اس کا نصب العین

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، ابتدا میں اس قسم کی امید کے لئے گنجائش ضرور موجود تھی،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اگر ارادت مندوں کو اس میں قلب وجگر کی تسکین کا سامان نظر آیا تو محلِ اعتراض نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ حجاب وخفا کی ایک حد تھی، سید صاحب اگر زندہ تھے تو چند روز یا چند ہفتوں سے زیادہ چھپے نہ رہ سکتے تھے۔ ان کی زندگی کا ایک معین نصب العین تھا، جس کے عشق میں زمانۂ ہوشمندی کے پورے لیل ونہار گذرے، اس نصب العین کے لئے سعی وجہد کے بغیر ان کے جیتے رہنے اور مر جانے میں کوئی فرق نہ تھا۔ سید احمد بریلوی ہمارے اور تمام محبان احیاءِ اسلامیت کے نزدیک اس وجہ سے عزیز ومحترم تھے کہ وہ ایک پاک ومقدس تحریک کے علمدار تھے۔

اس وجہ سے عزیز ومحترم نہ تھے کہ ایک خاص میدان میں شکست کھا کر انہوں نے چھپ جانا پسند فرمایا۔ ان کے سات سو مجاہد، جنہیں بچوں کے برابر پیار کرتے تھے، ایک اجنبی سرزمین میں سرگرداں ونپریشان تھے، وہ جماعت ٹوٹ رہی تھی، جس کی تاسیس وتقریب کے لئے انہوں نے زندگی کی ہر متاع بے دریغ قربان کی تھی، وہ داعیۂ جہاد مضمحل ہو رہا تھا، جس کا چراغ روشن رکھنے کی خاطر انہوں نے اسلامیانِ ہند کا بہترین اور گرم ترین خون جا بجا بہایا تھا۔ اگر وہ زندہ تھے تو ان مقاصد کے لئے زندہ ہوتے تو سب سے پہلے ان مقاصد کو اختلال سے بچاتے۔ اخوند محمد ارم یا کسی دوسرے عقیدت مند کو اپنا جمال مقدس دکھا کر تسکین قلب ونظر کا سامان بہم پہنچا دینا، کسی دینی اور ملی کام کے لئے کسی بھی درجے میں مفید وسود مند نہیں ہو سکتا تھا۔

سید صاحب کا ارشاد

کہا جاتا ہے کہ سید صاحب نے اپنی ہمشیر سے فرمایا تھا:

> لوگ کہیں گے کہ سید احمد کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض اور سرحد کا غدر نہ جائے گا، میرا کام ختم نہیں ہوگا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہمیں اس روایت کی حیثیت معلوم نہیں، اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سید صاحب نے اگر کچھ فرمایا تو کن الفاظ میں فرمایا، لیکن اگر اس روایت کو حرفاً حرفاً درست بھی مان لیا جائے تو اول کوئی شخص سید صاحب کے لیے معصومیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، معصومیت اس آسمان کے نیچے انبیاء کرام کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ دوم اس بیان میں اصلاً کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ اہل حق جو دعوت لے کر کھڑے ہوتے ہیں وہ ضرور پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے، اگرچہ لازم نہیں کہ صاحبانِ دعوت کی زندگی ہی میں تکمیل کے تمام مراتب طے ہو جائیں۔ سوم اس معاملے کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے، صاحب دعوت کا دل اگر کامیابی وفائز المرامی کے یقین واثق سے لبریز نہ ہو تو اس کی دعوت میں زندگی کی روح کیوں کر پیدا ہوگی؟ جو کچھ وہ کہتا ہے اگر اس کی زندگی میں پورا نہ ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس نے معاذ اللہ غلط کہا، بلکہ وہ زود یا بہ دیر ضرور پورا ہوگا۔ تکمیل مقاصد کی اہمیت کے بیان واظہار کا یہ نہایت ہی موثر و دل آویز اسلوب ہے اور اسی ذریعے سے دعوت پر لبیک کہنے والوں کے عزم وارادہ میں پہاڑوں کی سی پختگی پیدا ہوتی ہے۔

اگر آپ کہیں کہ "یہ کام ہونا چاہئے" تو اس طرح کام کی اہمیت تو واضح ہوگی، لیکن بے پناہ عزم و یقین کی وہ کیفیت پیدا نہ ہوگی جو اس پیرایۂ بیان کے رگ و پے میں ساری ہے، کہ "یہ کام ہو کر رہے گا"۔ سید صاحب کا کام یقیناً ختم نہیں ہوسکتا، جب تک وہ سب کچھ پورا نہ ہو جائے جس کے لئے انہوں نے جان دی۔ لیکن اس کی تکمیل کو سید صاحب کی زندگی سے وابستہ کرنا یا اس بنا پر ان کے زندہ ہونے کا عقیدہ اختیار کر لینا ایک ایسی تاویل ہے جس کے لئے کوئی عقلی یا شرعی دلیل قطعاً پیش نہیں کی جاسکتی۔

"تواریخ عجیبہ" میں ہے کہ سید صاحب نے جنگ بالاکوٹ سے قبل اپنی چھوٹی بی بی صاحبہ سے غیوبت کی پیش گوئی کی تھی۔(۱) مجھے اب تک اس کی کوئی شہادت نہیں مل سکی۔

---

(۱) تواریخ عجیبہ" ص: ۱۲۷

اکابر صادق پور کا عقیدہ

حد درجہ تعجب اس پر ہے کہ ارادت مندوں کے حلقۂ خاص سے اہل صادق پور نے عقیدۂ غیوبت کو پورے کاروبار جہاد کا مدار ومحور بنایا۔ مولانا ولایت علی مرحوم نے ''دعوت'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا تھا، اس میں لکھتے ہیں کہ بالاکوٹ میں شکست اس لئے ہوئی کہ ایمان والوں کے دل میں غرور کا میل جمنے نہ پائے، شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کو چلہ گزاری اور دعا وزاری کے لئے پہاڑوں پر بلایا، سچ ہے خلوت بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں رہے، حضرت موسیٰ کوہ طور پر، حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی روز غارِ ثور میں چھپایا۔ سید صاحب کی:

> شہادت کی خبر شیطان نے جھوٹی مشہور کی، کیوں نہ ہو؟ یہ (یعنی سید صاحب) بھی تو ان لوگوں (انبیائے کرامؑ) کے پیرو ہیں، ان کی سنتوں سے کیوں کر محروم رہیں؟.........اور ہمارے حضرت کی خلوت کوئی عیسیٰ علیہ السلام کی سی نہ سمجھئے کہ کسی سے ملاقات نہیں ہوتی یا ظہور میں ان کے عرصۂ بعید گذرے گا، یہاں تو اکثر لوگ جب چاہتے ہیں تھوڑی سی کوشش سے حضرت کی زیارت سے مشرف ہو جاتے ہیں اور انشاء اللہ عرصۂ قریب میں مثل خورشید درخشاں کے ظاہر ہو کر عالم کو اپنے انوار ہدایت سے منور فرمائیں گے۔(۱)

مولانا ولایت علی بڑے ہی واجب الاحترام بزرگ تھے، آپ نے اور آپ کے اقربا نے دعوت حق اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ میں جو قربانیاں کیں، ان کی برابری سہل نہیں، وہ تمام اصحاب بہ اعتبار وجاہت ومعیشت، امرا میں محسوب ہوتے تھے۔ پھر عشق دین واسلامیت میں سب کچھ چھوڑ کر آلام ومحن کے اس ہجوم میں اپنی جانیں پورے صبر وشکر

---

(۱) رسائل تسعہ ص:۶۶، ۶۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے ساتھ جان آفریں کے حوالے کیں کہ ان کا پرتو بھی کسی پر پڑ جائے تو عمر بھر نالہ وفغاں سے فراغت نہ ملے۔ لیکن محولہ ارشاد کے باب میں صرف دو صورتیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ مولانا ولایت علی نے خود یہ نہیں لکھا، دوسروں نے خطاءً ان سے منسوب کر دیا۔ دوم یہ کہ مولانا بہ حسن نیت خطا کے مرتکب ہوئے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے بعد اس دنیا میں کوئی شخصیت نہیں آئی جس کا ہر قول خطا سے پاک ہو، اس لئے حجت بن سکے۔

دو سوال

پہلا سوال یہ ہے کہ آیا حضرت یونسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احوال کو بلالحاظ کیفیت ونوعیت مشبہ بہ قرار دے کر سید صاحب کی غیبت کے لئے جتنی تلاش کرنا مناسب تھا؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ مولانا ولایت علی کے انتقال کے وقت سید صاحب کی مزعومہ غیبت پر بیس برس گذر چکے تھے، لیکن کیا پردہ حجاب وخفا کے چاک ہونے کی نوبت آئی اور سید صاحب کے ظہور کی صورت بنی؟ حالانکہ ظہور کے بیسیوں اہم مواقع پے در پے پیش آتے ہیں۔ اگر امت کی بے چارگی کے نازک ترین اوقات میں سید صاحب ہدایت ورہنمائی کے لئے ظاہر نہ ہوئے تو اس ہادی ومرشد کے وجود پر کسی کو کیا خوشی ہوسکتی ہے جو ظہور کے بعد اچانک غائب ہو جائے اور مصیبت زدہ دنیا غیبت کی ظلمت زائل ہونے کے انتظار میں لا متناہی مدت تک ضلالت ونامرادی کی ٹھوکریں کھاتی رہے۔

قائلین غیبت کی رائیں

سید صاحب کی جماعت کو امداد دینے والوں کے خلاف ایک مقدمہ ۱۸۶۴ء میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انبالہ میں چلا تھا، جسے انگریزوں کی اصطلاح میں ''وہابیوں کا بڑا مقدمہ''(۱) کہا جاتا ہے۔ اس میں مولانا یحییٰ علی صادق پوری، مولانا عبدالرحیم صادق پوری، مولوی محمد جعفر تھانیسری اور بعض دوسرے اصحاب ماخوذ تھے۔ اس مقدمے میں کئی اصحاب نے گواہیاں دی تھیں کہ صادق پور کے مرکز میں جتنے لوگ پہنچتے تھے، انہیں باقاعدہ تلقین کی جاتی تھی کہ سید صاحب کا ظہور قریب ہے۔ وہ امامِ وقت ہیں، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان کے ظہور سے پہلے مقامِ ظہور (یعنی سرحد) پر پہنچ جائے۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری، صاحب ''تواریخ عجیبہ'' بھی سید صاحب کو زندہ مانتے تھے، بلکہ ان کا دعویٰ تھا کہ دو مرتبہ زیارت جسمانی کا شرف حاصل ہو چکا ہے اور حضرت کے زندہ ہونے کا مجھے ایسا یقین ہے جیسا کہ اپنی موت کا۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی فرمایا کرتے تھے کہ سید صاحب سے دس باتیں سنی تھیں، نو پوری ہو چکی ہیں، ایک باقی ہے یعنی غیبت کے بعد ظہور۔

ان تصورات یا معتقدات پر بحث کی نہ ضرورت ہے اور نہ بحث مناسب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مجاہد کبیر و غازی شہیر سید احمد بریلوی ۶ رمئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہو گئے اور جس دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے

(۱) ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ مولوی محمد قاسم پانی پتی نے وادیٔ کاغان کے کسی تاریک غار میں تین پیکر بنا کر کھڑے کر دیے تھے۔ ان میں سے بیچ کے پیکر کو سید صاحب اور ساتھ کے دو پیکروں میں سے ایک کو عبداللہ خادم اور دوسرے کو میاں جی چشتی بتایا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً غازیوں کو غار کے دہانے پر لے جا کر دور سے دکھا دیا جاتا تھا، اور وہ مطمئن ہو کر لوٹ آتے تھے۔ میاں زین العابدین سرحد پہنچے اور انہوں نے پیکروں کو قریب پہنچ کر دیکھا تو جعل کا راز فاش ہو گیا۔ وہ سرحد سے لوٹ آئے اور عمر بھر مولوی محمد قاسم کو ''قاسم کذاب'' کہتے رہے۔
میں اس کہانی کے صدق و کذب کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، صرف اتنا جانتا ہوں کہ مولوی محمد قاسم سید صاحب کے مخلص مرید تھے، ان کے بھائی اور والد میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔ خود مولوی محمد قاسم کی زندگی کا آخری سانس غیر مسلم قوتوں کے خلاف جہاد میں پورا ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں وہ انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے اور غالباً سیالکوٹ جیل میں وفات پائی۔ یقین نہیں آتا کہ انہوں نے سید صاحب کے نام پر اس قسم کا جعل کھڑا کیا ہو، اگر یہ کہانی سچی ہے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللّٰھم اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، اس پر اپنے خون سے سچائی کی مہر لگا دی۔ نہ وہ غائب ہوئے تھے، اور نہ ان کے ظہور کا انتظار کرنے کی کوئی عقلی یا شرعی وجہ موجود تھی۔(۱)

ممکن ہے کہ کہا جائے، اہل صادق پور نے غیبت کا نظریہ اس غرض سے تراشا کہ گرے ہوئے دلوں کو سہارا دے کر کھڑا کریں۔ عام لوگ چونکہ ظہور مہدی کے منتظر تھے، اس وجہ سے زیر غور نظریے کی اشاعت کے لئے فضا سازگار تھی۔ لیکن میرے دل میں وہم بھی نہیں گذر سکتا کہ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی اور مولانا عبدالرحیم جیسے بلند پایہ بزرگ اس قسم کی گری ہوئی تدبیروں سے کام لینے پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ اگر وہ حیات کے قائل تھے تو سمجھنا چاہئے کہ خلوص کے ساتھ سید صاحب کو زندہ مانتے تھے، البتہ ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔

مولوی محمد جعفر تھانیسری کا بیان

مولوی محمد جعفر مرحوم نے ''تواریخ عجیبہ'' میں لکھا ہے:

> بعد صاف کرنے میدان کے سید صاحب مثل شیر کے اپنی جماعت میں کھڑے تھے کہ اس وقت آپ یک بہ یک نظروں سے غائب ہو گئے۔ مولوی جعفر علی، جو آپ کا باڈی گارڈ تھا اور کندھے سے کندھا ملائے ہوئے کھڑا تھا لکھتا ہے کہ ''جناب حضرت امیر المومنین درہماں جماعت از نظر من غائب شدند۔''(۲)

پھر فرماتے ہیں کہ مولوی نظام الدین چشتی اور مولوی عبداللہ بھی میدانِ جنگ سے غائب ہو کر آپ کے رفیق غیبت بن گئے۔(۳)

(۱) مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے اس عقیدۂ غیبت کی بنا پر ایک عجیب طومار تیار کر دیا اور وہ یہ کہ مولانا ولایت علی نے قاضی شوکانی سے حدیث کی سند لی تھی، قاضی شوکانی زیدی تھے، اس طرح غیبت کا عقیدہ زیدیت سے اہل صادق پور میں پہنچا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی شوکانی کو کسی صاحب علم کا زیدی قرار دینا یقیناً اس دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔

(۲) تواریخ عجیبہ ص:۱۳۶ (۳) تواریخ عجیبہ ص:۱۳۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میاں جی چشتی اور مولوی عبداللہ کے غائب ہونے کی کوئی روایت آج تک میری نظر سے نہیں گذری، صرف میاں زین العابدین کی وہ کہانی مشہور ہے جس کا ذکر میں حاشیے میں کر چکا ہوں۔ خود سید صاحب کے متعلق مولوی سید جعفر علی نقوی کے الفاظ (از نظر من غائب شدند) کو سراسر غلط اور خلاف واقعہ معنی پہنانے کی کوشش حد درجہ حیرت انگیز ہے۔ چونکہ ''منظورہ'' سامنے نہ تھی اور اس کا ایک فقرہ ''تواریخ عجیبہ'' میں سیاق وسباق سے الگ کر کے چھاپ دیا گیا اسلئے اکثر لوگ دھوکا کھا گئے اور مغالطے میں پڑ گئے۔

اب ''تواریخ عجیبہ'' کے بیان کی حقیقت ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ مولوی سید جعفر علی نقوی، سید صاحب کے باڈی گارڈ نہ تھے بلکہ مولوی احمد اللہ ناگپوری کی جماعت میں شامل تھے اور ان سے زیادہ تر منشی خانے میں کام لیا جاتا تھا۔ سید صاحب کی محافظت کے فرائض اصلاً اس جماعت سے متعلق تھے جو جماعت خاص کہلاتی تھی، یعنی خود سید صاحب کی جماعت۔

۲۔ بلا شبہ بالاکوٹ میں سکھوں پر حملے کے لئے سید صاحب مسجد زیریں سے باہر نکلے تو مولانا شاہ اسمٰعیل نے اعلان کر دیا تھا کہ قرابین دار سید صاحب کے ساتھ ہو جائیں، اس وجہ سے مولوی سید جعفر علی نقوی بھی ساتھ ہو گئے تھے، لیکن وہ نہ سید صاحب کے ساتھ رہ سکے اسلئے کہ ضعف و بیماری کے باعث تیز نہیں چل سکتے تھے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں، اور نہ گھمسان کے رن میں سید صاحب سے قریب تھے، چہ جائیکہ مانا جائے وہ کندھے سے کندھا ملائے ہوئے کھڑے تھے۔

۳۔ سید جعفر علی نقوی خود لکھتے ہیں کہ میں منشی محمدی انصاری کے پاس تھا:

از منشی موصوف پرسیدم کہ حضرت امیر المومنین کجا ہستند، ایشاں فرمودند عقب ما بہ سمت چپ ہستند۔(۱)

(۱) منظورہ ص: ۱۰۸۷

ترجمہ: میں نے منشی صاحب سے پوچھا کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ بولے ہمارے پیچھے بائیں جانب ہیں۔

اگر کندھے سے کندھا ملائے کھڑے تھے تو سید صاحب کے بارے میں کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟

۴۔ ان حالات میں "از نظر من غائب شدند" کا صاف اور واضح مطلب یہ تھا کہ سید صاحب جعفر علی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور نظر نہ آتے تھے۔ یہ مطلب قطعاً نہ تھا کہ جسد عنصری کے ساتھ پردہ خفا میں چلے گئے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو منشی محمدی انصاری کیوں یہ کہتے کہ سید صاحب ہمارے پیچھے بائیں جانب ہیں؟

شہادت کے حق میں شہادتیں

پھر عجیب بات یہ ہے کہ جس "منظورہ" کے ایک فقرے کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور اس کے ساتھ غلط مقدمات لگا کر سراسر غلط معنی پہنائے گئے، اس میں ایک دو نہیں، میرے سرسری اندازے کے مطابق کم و بیش پندرہ موثق، قطعی اور یقینی شہادتیں موجود تھیں، جن سے سید صاحب کی شہادت کا اثبات ہوتا تھا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ غیبت کا معتقد شخص خود اپنے قلم سے شہادت کی گواہیاں فراہم کرتا؟ یا کیا مولوی محمد جعفر مرحوم کے لئے زیبا تھا کہ وہ ان روشن شہادتوں کو چھوڑ کر ایک ایسے فقرے کو ثبوت غیبت بتاتے جسے کسی بعید سے بعید تاویل کی بنا پر بھی غیبت سے کوئی تعلق نہ تھا؟ آپ غیبت کے خلاف شہادتیں ملاحظہ فرمالیجیے:

۱۔ شیخ وزیر کے صاحبزادے نے گواہی دی کہ میں نے امیر المومنین کی نعش پہچانی۔(۱)

(۱) منظورہ ص: ۱۲۰۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲۔ خضر خاں قندھاری اور اللہ دین پکھلی والا بالا کوٹ گئے، وہاں کے لوگوں سے مل کر اور حالات معلوم کر کے واپس آئے تو بیان کیا کہ امیر المومنین کی نعش اسیر شدہ غازیوں نے پہچانی اور شیر سنگھ کے حکم سے مسلمانوں نے اسے دفن کیا۔(۱)

۳۔ غازی شملئی پہنچے تو بی بی صاحبہ نے بچی کو، جو ساڑھے تین ماہ کی تھی، ملازمہ کے ہاتھ غازیوں کے پاس بھیج دیا۔ سید جعفر علی نقوی کے بیان کے مطابق اس معصوم بچی کو دیکھ کر حضرت کی شکل وصورت یاد آ گئی:

ما ہمہ گریاں شدیم کسے از ما نہ بود کہ دامانِ او از اشک تر نہ گردید۔(۲)

ترجمہ: ہم سب رو پڑے، کوئی نہ تھا جس کا دامن آنسوؤں سے تر نہ ہوا۔

یہ گریہ اسی یقین کا نتیجہ تھا کہ سید صاحب دنیا میں نہیں رہے تھے، اگر وہ محض غائب ہوئے تھے تو رونے کا کون سا محل تھا؟ بی بی صاحبہ کو تسلی دیتے کہ تھوڑی مدت میں ظاہر ہو جائیں گے۔

۴۔ شیخ ولی محمد نے اسی موقع پر بی بی صاحبہ سے پوچھا کہ اگر اپنے وطن چترال جانا چاہیں تو اس کی ہر ممکن تدبیر کی جائے، اگر سندھ میں حضرت کے اہل وعیال کے پاس جانا منظور ہو تو اس سمت کے لئے سفر کا بندوبست کیا جائے۔(۳) اگر سید صاحب زندہ تھے اور محض عارضی طور پر غائب ہوئے تھے تو بی بی صاحبہ کو چترال یا سندھ پہنچانا کس بناء پر مناسب تھا؟

۵۔ حاجی غریب اللہ گورکھپوری نے واقعہ بالا کوٹ کے بعد وطن کا قصد کیا تو سید جعفر علی نقوی نے اپنے والد کے نام ایک خط حاجی صاحب کے حوالے کیا، اس کا مضمون

(۱) منظورہ ص:۱۲۰۱
(۲) منظورہ ص:۱۱۹۶
(۳) منظورہ ص:۱۱۹۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ تھا:

حال شکست وشہادت حضرت امیر المومنین ومولانا اسماعیل علیہما الرضوان
ونام رفقائے خود کہ شہادت نصیب شاں شدہ ونام باقی ماندہ گاں نوشتہ بودیم۔(۱)

ترجمہ: اس میں شکست کا حال، سید صاحب اور مولانا اسماعیل کی
شہادت کے ساتھ ساتھ اپنے شہید اور زندہ رفیقوں کے نام لکھے تھے۔

۶۔ سید جعفر علی نقوی جب حاجی غریب اللہ سے کچھ مدت بعد وطن پہنچے تو ان کے والد اور بھائی نے بیان کیا کہ خط پا کر ہم بہت روئے اور بار بار کہتے تھے:

اگر عزیز ما داخل راہ شہدائے شد، ذات بابرکات حضرت امیر المومنین
باقی مے ماند، ایں قدر رنج وملال بہ مانے رسید۔(۲)

ترجمہ: اگر ہمارا عزیز (یعنی جعفر علی نقوی) شہید ہو جاتا اور حضرت
امیر المومنین زندہ رہتے تو ہمیں اتنا رنج نہ ہوتا۔

مزید شہادتیں

۷۔ غازی بالاکوٹ سے بچ بہار میں صاحبزادہ محمد نصیر کے پاس پہنچے تو یہ تجویز پیش ہوئی کہ صاحبزادے کو امیر بنالیا جائے۔ بعض غازی اس تجویز کے حق میں اور بعض خلاف تھے۔ اختلاف رکھنے والوں نے صرف دو باتیں پیش کیں: ایک یہ کہ صاحبزادے میں شرائط امامت موجود نہیں، دوسری یہ کہ باوجود قرب مکان وہ جنگ بالاکوٹ میں شریک نہ ہوا۔ اگر سید صاحب زندہ ہوتے تو نئی امامت کا سوال کیوں سامنے آتا؟

۸۔ سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:

وقتیکہ یقین بر شہادت آنجناب ویاس از حیات دنیاوی وفوز بر مدارج
علیائے شہدا حاصل شد، پس احقر از تمامی جماعت خود پرسید کہ کدام از شما ارادہ

(۱) منظورہ ص: ۱۱۹۹

(۲) منظورہ ص: ۱۱۹۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اقامت دارد و کدام عزم شراکت خاکسار و نہضت بہ سوئے وطن۔(۱)

ترجمہ: جب یقین ہو گیا کہ سید صاحب شہید ہو کر شہدا کے مدارج علیا پر پہنچ گئے اور حیات دنیاوی سے مایوسی ہو گئی تو احقر نے جماعت کے تمام لوگوں سے پوچھا کہ کون یہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور کون میرے ساتھ وطن جانے کا خواہاں ہے۔

۹۔ شیخ حسن علی نے سید جعفر علی سے کہا میں تو خدا کے ساتھ عہد کر چکا ہوں کہ ساری عمر جہاد میں بسر کروں گا۔ جہاد امام کے بغیر ہو نہیں سکتا، لہٰذا کابل، قندھار، سندھ اور عرب میں امام کو تلاش کروں گا۔ جب امام مل جائے گا تو کسی مناسب مقام پر بیٹھ کر جہاد شروع کر دوں گا۔(۲)

اگر انہیں سید صاحب کی حیات کا یقین ہوتا تو تلاشِ امام میں ملک بہ ملک پھرنے کی سرگردانی کیوں ضروری سمجھتے؟

۱۰۔ مولوی سید جعفر علی وطن واپس ہوئے تو چھنئی میں اخوند محتشم سے ملاقات کی۔ وہ بھی سید صاحب کے معتقدین میں سے تھے، انہوں نے بتایا کہ رسول خاں ترنگ زئی سے شہادت کا حال معلوم ہوا تھا، وہ سید صاحب کے ہتھیار بھی لایا تھا، جو امانتاً موجود ہیں، انہیں شیخ ولی محمد کے پاس بھیج دوں گا۔(۳)

اگر سید صاحب زندہ ہوتے تو ہتھیار شیخ ولی محمد کے پاس بھیجنے کا کیا مطلب تھا؟ نیز سید جعفر علی نے اخوند محتشم کے بیان سے اختلاف نہیں کیا۔

۱۱۔ سفر مراجعت میں لدھیانہ اور دہلی کے درمیان سید جعفر علی کی ملاقات محمد سعید خاں گنج پوری سے ہوئی جو بیس سواروں کے ساتھ سید صاحب کے پاس جا رہا تھا، اس

(۱) منظورہ ص:۱۲۱۳ (۲) منظورہ ص:۱۲۱۰

(۳) منظورہ ص:۱۲۱۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے حال پوچھا۔ منظورہ میں سید جعفر علی لکھتے ہیں:

آنچہ راست مے دانستم از حال چشم زخم و شہادت بہ معرض بیان آوردم۔

ترجمہ: زخمی ہونے اور شہادت پانے کا جو حال مجھے معلوم تھا، ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا۔

محمد سعید خاں بولا کہ تم بھاگ کر آئے ہو، ہم ضرور سرحد پہنچیں گے۔ سید جعفر علی نے جواب دیا:

خدائے تعالیٰ ہم چنیں کناد کہ شما دریں قول صادق شوید و ما کاذب، اما چہ کنیم وقت استفسار کسے جز راستی دگر ہیچ گفتن نمی توانیم۔ (۱)

ترجمہ: خدا کرے کہ آپ اس بات میں سچے ثابت ہوں اور میں جھوٹا۔ لیکن کیا کروں جب کوئی پوچھتا ہے تو سچی بات کے سوا کچھ کہہ نہیں سکتا۔

گویا سید جعفر علی کے نزدیک سچائی یہی تھی کہ سید صاحب شہید ہو چکے تھے۔

۱۲۔ سید جعفر علی دہلی پہنچے تو سید محمد علی رام پوری ان دنوں اکبر آبادی مسجد میں مقیم تھے۔ صبح ان کا آدمی بلانے کے لئے آیا۔ سید جعفر علی خدمت میں حاضر ہوئے:

بہ محبت و مدارات پیش آمدند اما در باب شہادت حضرت امیر المومنین تصدیق مانہ نمودند۔ (۲)

ترجمہ: بڑی محبت و مدارات سے پیش آئے لیکن حضرت امیر المومنین کی شہادت کے باب میں میری تصدیق نہ کی۔

گویا سید جعفر علی معتقد شہادت تھے اگرچہ سید علی نے اسے قبول نہ کیا۔

۱۳۔ لکھنؤ چھاؤنی میں سید صاحب کے اقربا میں سے سید محمد موجود تھے، علی ان سے بھی ملے:

تمام احوال لشکر اسلام و یقین شہادت حضرت امیر المومنین بیان نمودم

(۱) منظورہ ص ۱۲۲۹ (۲) منظورہ ص ۱۲۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وامیں کہ کسے از چشم خود شہید نہ دید۔ (۱)

ترجمہ: میں نے لشکر اسلام کے پورے حالات سید صاحب کی شہادت کے یقین کا اظہار بھی کیا، ساتھ ہی کہا کہ کسی نے آپ کو اپنی آنکھوں سے بہ حالت شہادت نہ دیکھا۔

۱۴۔ لکھنؤ میں سید جعفر علی نقوی اپنے استاد مولوی حیدر علی سے بھی ملے، وہ رسالدار فقیر محمد خاں کی سرکار میں ملازم تھے۔ سید صاحب کو یاد کر کے بہت روئے۔ سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ انہیں نے شہادت کی تفصیلات مجھ سے سن کر رسالدار کو سنائیں:

حال شہادت امیر المومنین زبانی راقم الحروف رسانیدند وخان موصوف را یقین شہادت ازہمیں وقت شد۔ (۲)

ترجمہ: انہوں نے میری زبانی رسالدار فقیر محمد خاں تک امیر المومنین کی شہادت کا حال بیان کیا۔ خان موصوف کو اسی وقت سے شہادت کا یقین ہوا۔

۱۵۔ سید جعفر علی وطن پہنچے، والد سے ملے تو انہوں نے لخت جگر کو پا کر کہا کہ دنیا میں اس سے بڑی آرزو کوئی نہ تھی جو خدا نے پوری کر دی۔ اب موت کا غم نہیں، ایک آرزو تھی کہ خدا حضرت امیر المومنین کے ہاتھ سے اس سرزمین کی تطہیر کا سامان کر دیتا اور شوکت اسلام دیکھ لیتا:

چوں جناب ممدوح دردنیا نماندند، ہم اگر بردیم چہ غم است۔ (۳)

ترجمہ: جب حضرت امیر المومنین دنیا میں نہ رہے تو ہمارے رخصت ہو جانے پر غم ورنج کی کون سی وجہ ہے؟

(۱) منظورہ ص: ۱۲۳۵ (۲) منظورہ ص: ۱۲۳۶ (۳) منظورہ ص: ۱۲۳۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دعوتِ غور و فکر

یہ پندرہ اقتباسات میں نے سرسری طور پر "منظورہ" سے جمع کر دیے ہیں، ان کے پیشِ نظر کون کہہ سکتا ہے کہ "از نظر من غائب شدند" سے سید جعفر علی کا مدعا وہی تھا جو مولوی محمد جعفر علی نے "تواریخ عجیبہ" میں پیش کیا۔ یعنی یہ کہ سید صاحب نظروں سے اوجھل نہ ہوئے بلکہ بہ جسد عنصری غائب ہو گئے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی محمد جعفر مرحوم نے کس بنا پر شہادت کی یہ قطعی شہادتیں نظر انداز کر دیں، اور "منظورہ" کے ایک فقرے کو اصل عبارت سے الگ کر کے بالکل خلافِ حقیقت مطلب کیوں پیدا کیا؟ اگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سید صاحب غائب ہو گئے تو بطور خود اسے ظاہر کر دیتے، سید جعفر علی نقوی کے بیانات میں حذف و تحریف کی کیا ضرورت تھی؟

غرض غیبت کا عقیدہ اصلاً بھی غلط تھا اور جن سہاروں کی بنا پر اسے مستحکم بنانے کی سعی کی گئی وہ سہارے بھی بے بنیاد تھے۔ سید صاحب کے ارادت مندوں میں سے نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک نے فراہمیٔ معلومات کی سعی سب سے بڑھ کر فرمائی، انہیں کے اہتمام میں "وقائع احمدی" مرتب ہوئی، جس کی ترتیب کا حال میں مآخذ میں بیان کر چکا ہوں۔ انہیں کے اہتمام میں "منظورہ" لکھی گئی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بیسیوں مقامات پر سید صاحب کو شہید ہی لکھا ہے۔ غائب نہیں لکھا، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب کی قبر کا نشان نہیں مل سکا۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی "تقصار" میں عقیدۂ غیبت کو عقلاً اور شرعاً غلط قرار دیا ہے۔(۱)

(۱) تقصار جیود الاحرار ص ۱۰۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی محمد جعفر کا آخری بیان

مولوی محمد جعفر مرحوم کا تعلق جماعت صادق پور سے تھا، غالباً انہیں سے عقیدۂ غیبت لیا اور شنید کی بناء پر ''منظورہ'' کے اس فقرے کو غیبت کا مبنیٰ بنایا، جسے میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ منظورہ کو خود انہوں نے غالباً نہیں دیکھا تھا، پایانِ عمر میں وہ بھی غیبت کے متعلق متوقف ہو گئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> اب بہ سبب بعد زمانہ کے جو ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو گئے خیال غیوبت خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے۔(۱)

(۱) تواریخ عجیبہ ص: ۱۳۷

پینتالیسواں باب:

ازواج واولاد

سیدہ زہرہ

سید صاحب نے تین شادیاں کیں، آپ کی پہلی بیوی سیدہ زہرہ (بنت سید محمد روشن نصیر آبادی) تھیں۔ یہ شادی اس زمانے میں ہوئی تھی جب سید صاحب دہلی سے تعلیم پا کر وطن گئے تھے۔ ان سے صرف ایک صاحبزادی سیدہ سائرہ پیدا ہوئیں، صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں، صرف یہ معلوم ہے کہ سیدہ سائرہ کی پیدائش کے بعد سید صاحب نواب امیر خاں کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

سید صاحب نے ۷/ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ کو راہِ ہجرت میں قدم رکھا تھا، اہل وعیال اوائل ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ میں رائے بریلی سے روانہ ہوئے اور راستے میں ٹھہرتے ٹھہرتے صفر ۱۲۴۲ھ میں سندھ پہنچے تھے۔ اس وقت سے اہل وعیال نے ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) تک تیرہ سال پیر کوٹ (پیر جو گوٹھ) ہی میں بسر کیے۔

سیدہ سائرہ کی شادی، سید صاحب کے بھتیجے سید اسماعیل (بن محمد اسحاق) سے ہوئی، نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے سید صاحب کے ازواج و متعلقین کو ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں سندھ سے ٹونک بلا لیا تھا۔ غالباً ہر ایک کے گزارے کیلئے تنخواہیں مقرر کر دی تھیں، بعض کو ذمہ داری کے عہدے دیدیے تھے۔ سیدہ سائرہ کے لئے گیارہ ہزار سالانہ کی جاگیر مقرر فرمادی تھی، جس کی آمدنی سید اسماعیل کے حسن انتظام سے اٹھارہ ہزار پر پہنچ گئی تھی۔ بعد میں سید اسماعیل نے نواب کے ماموں میر عالم خاں کی لڑکی سے دوسرا نکاح

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر لیا، یہ امر اتنی خفگی کا موجب بنا کہ سید اسماعیل کو جاگیر سے بالکل بے دخل کر دیا گیا، صرف سو روپے ماہوار گزارے کے لئے ملتے تھے۔

سیدہ زہرہ کا انتقال ۴؍ شوال ۱۲۷۹ھ (۲۵؍ مارچ ۱۸۶۳ء) کو ہوا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹونک ہی میں رہیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

سیدہ ولیہ

سید صاحب نے دوسری شادی اپنے منجھلے بھائی سید اسحاق کی بیوہ سیدہ ولیہ سے کی تھی، جو آپ کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھیں۔ وہ بڑی ہی عقلمند اور منتظم خاتون تھیں، اس لئے شادی کے بعد سارے گھر میں انہیں کو بلند ترین مرتبہ حاصل ہوا۔ سندھ سے ٹونک گئیں تو نواب وزیر الدولہ مرحوم از راہِ عقیدت دور تک پیشوائی کے لئے گئے اور غالباً ایک میل تک سیدہ کی پالکی کو خود کندھا دیا۔ ٹونک پہنچیں تو سیدہ سائرہ کی جاگیر گویا انہیں کی جاگیر تھی، اس لئے کہ سیدہ سائرہ ایک اعتبار سے ان کی علاتی بیٹی اور ایک اعتبار سے بہو تھیں۔ سید محمد علی صاحبِ ''مخزنِ احمدی'' نے لکھا ہے:

آں وزیرِ اعظم دریائے جود	دایما تخواریش خوش مے نمود
رشکِ ابرِ بہمن آمد چوں کفش	داد جاگیرش مزید از مصرفش (۱)

یہ غالباً اسی جاگیر کی طرف اشارہ ہے، جو سیدہ سائرہ کو ملی تھی۔ نیز:

ہم بہ نقد و جنس شادش داشتے	ہم چو سید مرشدش پنداشتے
نذر در عیدین مے دادش مدام	روز و شب می داشتے شادش مدام (۲)

سید عبد العلی نے لکھا ہے کہ بتاریخ ۱۸؍ رجب ۱۲۶۲ھ (۱۲؍ جولائی ۱۸۴۶ء) بروز

(۱) مخزنِ احمدی ص: ۳۶ (۲) مخزنِ احمدی ص: ۳۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوشنبہ وفات پائی۔(۱) سید محمد علی فرماتے ہیں کہ ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی تھی، یکا یک بیمار ہوئیں۔ ایک رات اور دن بیمار رہ کر کلمہ پڑھتی ہوئی آدھی رات کے وقت جاں بحق ہوئیں، بیماری میں بھی نماز کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ جب وقت معلوم ہوتا، تکیے پر تیمم کر کے نیت باندھ لیتیں:

گاہ بے ہوش و گہے باہوش بود	لیک ذکر قلبی اش در جوش بود
دم بہ دم تفتیش اوقات صلوٰۃ	می نمود آں مقتدائے محسنات
گر کسے گفتے کہ ہاں وقتِ نماز	آمد اینک زود تر تحریمہ ساز
او تیمم ساختے از تکیہ گاہ	آمدے اندر نماز آں دیں پناہ
استقامت را ببے نازم کہ بود	تادمِ آخر سرش وقف سجود
کلمہ گویاں وقت نصف لیل بود	کاں عفیفہ از جہاں رحلت نمود
چوں بہ خیر و خوبیش شد خاتمہ	شد بہ جنت ہم نشین فاطمہ
قصہ کوتہ بعد صد رنج وملال	خواستم از طبع خود تاریخ سال
داد ہاتف از سماواتم ندا	”رفت زیں عالم سوئے دارِ بقا“(۲)

گویا سید صاحب کے بعد تقریباً سولہ برس زندہ رہیں اور ٹونک میں دفن ہوئیں۔

جب تک زندہ رہیں، نواب وزیر الدولہ کبھی کبھی عقیدت مندانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ سید صاحب کا ”خرقہ“ ملا تو اسے اپنے سر پر رکھ کر پیدل سیدہ کے گھر گئے، سیدہ نے دعاؤں کے علاوہ تو اضعاً نواب کو اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھلایا۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہئے کہ حج کے دنوں میں سید صاحب کی کسی بی بی کی گود

(۱) نسب نامہ قلمی مرتبہ سید عبدالحئی ص:۴۳

(۲) مخزن احمدی ص:۳۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں ایک بچہ ضرور تھا، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ سیدہ زہرہ کا تھا یا سیدہ ولیہ کا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا۔

سیدہ فاطمہ

تیسری شادی سید صاحب نے اطباء کی تجویز کے مطابق سرحد میں سیدہ فاطمہ سے کی تھی، جو چترال کے سادات میں سے تھیں، مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ان کا خاندان اسماعیلی تھا، ان سے صرف ایک بچی پیدا ہوئی جو سید صاحب کی شہادت کے وقت صرف ساڑھے تین مہینے کی تھی۔ سیدہ فاطمہ نے سید صاحب کی شہادت کے بعد چھ یا سات برس سرحد میں گزارے، وہ کئی جگہ رہیں، مثلاً راج دواری، شملئی (درہ نندھیاڑ) تختہ بند (بونیر) تاخونہ (سوات) اور ستھانہ۔ پھر شیخ ولی محمد نے انہیں دوسری ازواج کے پاس سندھ پہنچایا، وہاں سے ٹونک پہنچیں باقی عمر وہیں گزاری۔ سنا ہے کہ کبھی کبھی رائے بریلی بھی جاتی تھیں۔ ۱۹۰۰ء کے آس پاس وفات پائی۔

دختری اولاد

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں سیدہ سائرہ کی شادی سید اسماعیل بن اسحاق سے ہوئی تھی۔ ان کے ایک فرزند تھے: سید اسحاق عرف کلو میاں، وہ ۱۳۰۹ھ (۹۲-۱۸۹۱ء) میں فوت ہوئے۔ دو بیٹیاں تھیں: سیدہ مریم اور سیدہ ولیہ۔ ان کی اولاد کا حال ملحقہ شجرے سے معلوم ہوسکے گا۔ سید اسماعیل ۷ر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۰ھ (۲۰ر اکتوبر ۱۸۶۲ء) کو چہار شنبہ کے دن فوت ہوئے۔ سیدہ سائرہ نے ان کے بعد ۲۸ر رجب ۱۳۰۱ھ (۲۶ر مئی ۱۸۸۴ء) کو بروز دوشنبہ وفات پائی۔

سیدہ ہاجرہ کی شادی سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب کے فرزند سید محمد یوسف سے ہوئی تھی۔ سید محمد یوسف نے حج سے سعادت کے بعد ۱۶ر شوال ۱۲۶۲ھ (۲۵ر اگست

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۸۵۰ء) کو بہ عارضہ ہیضہ وفات پائی۔ سیدہ ہاجرہ ۶ ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ (۲ نومبر ۱۸۵۹ء) فوت ہوئیں۔ ان کی اولاد کا نقشہ بھی ملحقہ شجرے سے معلوم ہوگا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com
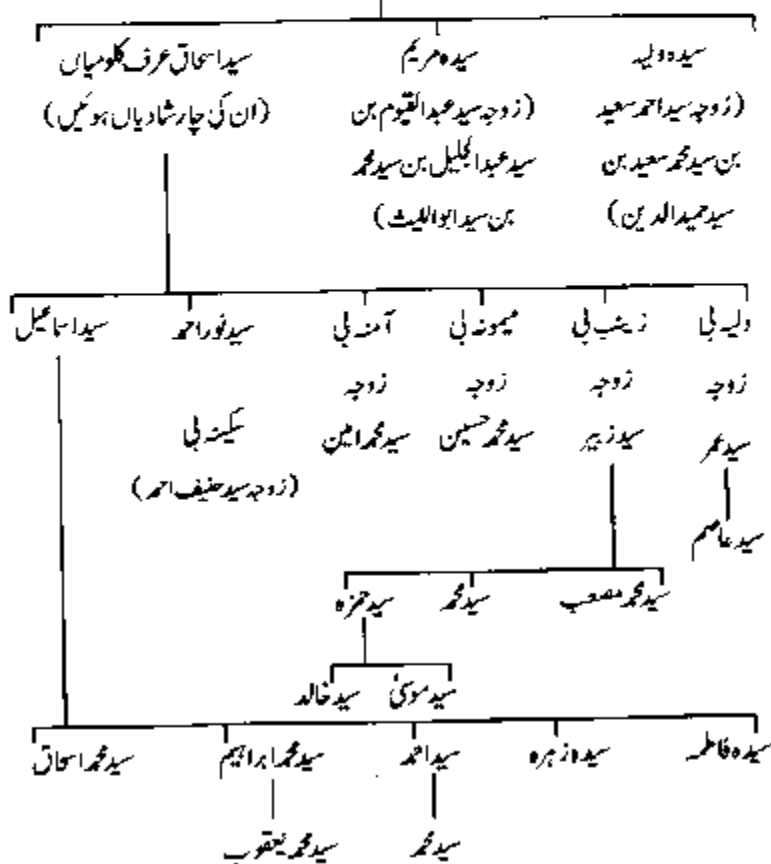
اولاد سیدہ ہاجرہ

(زوجہ سید محمد یوسف بن سید یعقوب)

www.BestUrduBooks.wordpress.com
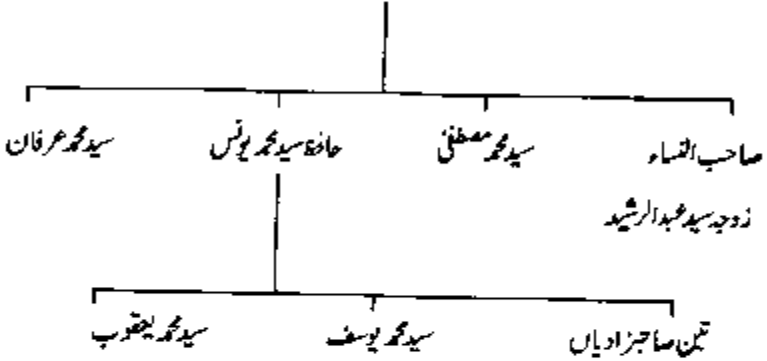
چھیالیسواں باب:

اخلاق و عادات

در صد ہزار قرن سپہر پیادہ رد
نارد چو او سوار بہ میدانِ روزگار

ضروری گزارش

سید صاحب کی سیرت ازواج و اولاد پر تمام ہوگئی، میں نے اپنے خیال کے مطابق کتاب کی ترتیب میں ایسا انداز اختیار کیا تھا کہ سید صاحب حیاتِ مستعار کے ہر دائرے میں زندہ چلتے پھرتے نظر آئیں اور پوری کتاب ان کے اخلاق و عادات کا مرقع بن جائے۔ نہیں کہہ سکتا کہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا، لیکن میں اخلاق و عادات کا باب الگ مرتب کرنے کا خواہاں نہ تھا، اسی وجہ سے بیسیوں حکایات مناسب مقامات پر درج کرتا رہا، جو اصلاً اخلاق و عادات کے باب میں آنی چاہئیں تھیں۔

کتاب طباعت کیلئے تیار ہوگئی تو احساس ہوا کہ ممکن ہے سوانح نگاری کے متداول قاعدوں کے عادی حضرات سمجھیں کہ میں نے اس سیرت کو نامکمل چھوڑ دیا اور اخلاق و عادات پر الگ کچھ نہ لکھا، اس وجہ سے زیر نظر باب مرتب کرنا پڑا، لیکن میں نے حتی الامکان کسی واقعہ کو دہرایا نہیں، صرف وہی باتیں لکھیں جو پہلے کسی شکل میں درج نہیں ہوسکیں تھیں۔ درج شدہ حکایات کی طرف محض اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواب وزیر الدولہ کا بیان

نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ''وصایا'' میں لکھا ہے کہ سید صاحب ''خلق'' میں ''اکمل'' اور ''خلق'' میں ''افضل'' تھے۔ اوصاف ظاہری و باطنی کے لحاظ سے وہ قدرت کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے۔ ایمان و عرفان میں ان کا رتبہ بہت اونچا تھا، ان کا جسم قوی تھا اور قامت معتدل، حواس صحیح تھے اور زبان صحیح، ذہن رسا تھا اور طبع ذکی۔ وہ ہمت میں بلند پایہ تھے اور عفت میں صاحب امتیاز، عقل میں کامل تھے اور فراست میں باکمال۔ شجاعت، مروت وفتوت، حلم وحیا، صبر وتواضع اور اتباع شریعت میں یگانہ تھے:

ایں شہ بالا ست نہالیست کہ از روضۂ قدس — بہ تماشا گہ عشاق رواں ساختہ اند

ہر لطافت کہ نہاں بود پس پردۂ غیب — ہمہ در صورت خوب تو عیاں ساختہ اند

ہر چہ بر صفحہ اندیشہ کشد کلک خیال — شکل مطبوع تو زیبا تر ازاں ساختہ اند(۱)

نواب صدیق حسن خاں

نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں کہ اگرچہ سید صاحب نے علم ظاہر میں پوری دستگاہ حاصل نہیں کی تھی، لیکن علم باطن میں وہ درجۂ کمال پر پہنچ چکے تھے، خلقِ خدا کو راہِ ہدایت پر لگانے میں انہیں خدا کا ایک نشان سمجھنا چاہئے۔ ان کے خلفا نے وعظ ونصیحت کے ذریعے سر زمین ہند کو شرک وبدعت کے خس وخاشاک سے پاک کر دیا اور لوگ شاہراہِ کتاب وسنت پر چلنے لگے۔ ان کے مواعظ ونصائح کی برکات اب تک جاری ہیں، حضرت سید کا پایہ سلوک ظاہر وباطن میں اتنا بلند تھا کہ انہیں دوسروں سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی:

(۱) وصایا حصہ اول ص: ۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حاصل کلام آنکہ دریں قرب زماں ایں چنیں صاحب کمالے در قطرے از اقطار جہاں نشان نہ دادہ اند و چنداں فیوض کہ ازیں جماعۃ منصورہ بخلق رسید، عشر عشیر آں از دیگر مشائخ ارض معلوم نیست۔ (۱)

ترجمہ: خلاصہ یہ کہ ماضی قریب میں سید صاحب جیسے صاحب کمال کا نشان کسی خطے میں نہیں ملتا اور ان کی جماعت منصورہ سے خلق خدا کو فیوض کی جو دولت ملی اس کے عشر عشیر کا سراغ بھی دنیا کے دوسرے مشائخ وعلماء کے ہاں نہیں مل سکتا۔

حکیم مہدی علی

منتظم الدولہ حکیم مہدی علی سلطنت اودھ کے عقیل ترین اور منتظم ترین مدبروں میں سے تھا، نصیر الدین حیدر کے زمانے میں نائب السلطنت کے عہدے پر مامور رہا۔ صاحب ''منظورہ'' کے بیان کے مطابق وہ فہم وفراست، امور دنیا میں اور اہل فضل وکمال کی قدر شناسی میں یگانۂ روزگار تھا۔ اس نے سید صاحب کی بعض جنگوں کے حالات سنے تو بے تکلف اعتراف کیا:

آنچہ وسعت حوصلہ وہمت عالی ایں سید است از ما واز سلطان ما صورت امکان نہ دارد با آنکہ ما مالک ملک عظیم ایم واو رئیس یک دہ ہم نیست۔ (۲)

ترجمہ: اس سید نے جس وسعت حوصلہ اور جس ہمت عالی سے کام لیا، وہ میں یا ہمارا بادشاہ نہیں دکھا سکتے، اگر چہ ہم ایک وسیع ملک کے مالک ہیں اور سید کو ایک گاؤں کی بھی ملکیت حاصل نہیں۔

اعتراف فضائل کی یہ نہایت قابل فخر دستاویزیں ہیں، لیکن آپ گزشتہ صفحات میں اس شخصیت نادرہ کے متعلق جو کچھ پڑھ چکے ہیں اسے پیش نظر رکھتے ہوئے یقیناً تسلیم

(۱) تقصار جیود الاحرار ص: ۱۰۹، ۱۱۰ (۲) منظورہ ص: ۹۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کریں گے کہ سید صاحب نے جو کارنامے انجام دیے، انکی حقیقی اہمیت نواب وزیر الدولہ یا نواب صدیق حسن خاں یا منتظم الدولہ حکیم مہدی علی کے سامنے نہ تھی، ورنہ ان کے اعتراضات کا دائرہ بدرجہا زیادہ وسیع اور ولولہ افزا ہوتا۔

جسمانی قوت

سید صاحب کو خدا نے غیر معمولی جسمانی قوت عطا کی تھی جسکے بعض واقعات میں پہلی جلد کے چوتھے باب میں لکھ چکا ہوں۔ مثلاً معین خاں کے مقبرے کے سنگین چراغ دان کا واقعہ یعنی جس پتھر کو بڑے بڑے زور آور صرف گھٹنوں یا کمر تک بہ مشکل اٹھا سکتے تھے، سید صاحب نے بے تکلف اٹھا کر کندھے پر رکھا اور تیس قدم پر لے جا کر پھینکا۔ وہ اتنا بھاری تھا کہ جہاں گرا تھا پھر زمین میں دھنس گئی، عام لوگ سمجھتے رہے کہ یہ انسان کا کام نہیں بلکہ کسی جن یا دیو کا کام ہے۔ پھر نصیر آباد کے پہلوان کا واقعہ جو شہ زوروں میں یکتا مانا جاتا تھا، وہ خواہ مخواہ سید صاحب سے معارض ہوا۔ آپ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر مسجد کی دیوار سے اس بری طرح رگڑا کہ سارا زعم قوت پسینہ بن کر بہہ گیا۔ درخت کے بھاری تنے کا واقعہ جسے چالیس آدمی جگہ سے نہ ہلا سکے، سید صاحب نے بسم اللہ پڑھ کر اسے لڑھکایا، دس پندرہ نیازمند ساتھ ہو گئے اور تنے کو ندی میں ڈال کر تکیے میں پہنچا دیا۔ (۱)

میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ اس خدا داد قوت کے ساتھ سید صاحب نے ابتدا میں ورزش بھی کمال پر پہنچا دی تھی۔ آپ کے بھانجے سید عبدالرحمن کہتے ہیں کہ مجھے پاؤں پر کھڑا کر کے لگاتار پانسو ڈنٹر لگاتے، پھر تھوڑی دیر کے لئے گھٹنے زمین پر ٹیک لیتے ذرا ستا کر پانسو اور لگاتے۔ (۲) بھاری مگدر ہلاتے اور گنتی نہ کرتے کہ کتنی مرتبہ ہلایا۔ گھڑیوں تک یہی مشغلہ جاری رہتا۔ سید عبدالرحمن ہی کی روایت ہے کہ برابر چھ چھ گھڑی تک ورزش

(۱) وصایا حصہ دوم ص ۶۰ (۲) وصایا حصہ دوم ص ۶۰

جاری رہتی، جس بدن مبارک کو مٹی ملا کرتا تھا، اتنا پسینہ آتا کہ مٹی تر ہو کر گر جاتی۔ ایک مرتبہ ایک دیوار میں باہر کی طرف چند مکے مارے اور اس کی اینٹیں نکال کر رکھ دیں، اسی طرح تیراکی اور غواصی میں کمال بہم پہنچایا تھا۔ اس کے حالات بھی جلد اول کے چوتھے باب میں لکھ چکا ہوں۔

فنونِ حرب

حرب وضرب اور سپہ گری کے فنون میں حیرت انگیز دستگاہ حاصل کر لی تھی، مثلاً گھوڑا دوڑانے، تلوار، خنجر، نیزہ، تیر، بندوق اور توپ چلانے میں کوئی ان کی ہمتائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ قلعوں کو توڑنے اور دشمن کو شکست دینے کی تدبیروں میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔(۱)

مولوی محمد علی رام پوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تیراندازی کا ایک ماہر استاد اپنے ایک مشاق شاگرد کے ساتھ تکیہ شریف میں آیا۔ سید صاحب نے اسے سئی ندی کے پار ایک بڑا درخت دکھا کر فرمایا کہ اس پر تیر پھینکیے، اس نے ہر چند کوشش کی لیکن فاصلہ زیادہ تھا، اس لئے کوئی تیر درخت تک نہ پہنچ سکا۔ پھر سید صاحب نے خود کمان اٹھائی اور اس زور سے تیر پھینکا کہ وہ درخت سے بھی آگے جا کر گرا۔ استاد نے بے اختیار ہو کر آپ کے ہاتھ چوم لئے۔

شیخ ولی محمد پھلتی اور محسن خاں بریلوی کہتے ہیں کہ فتیلہ دار بندوق کے چلانے کا ایسا ڈھنگ نکالا تھا کہ ایک مرتبہ فتیلہ رکھنے کے بعد دوبارہ اس کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ میدان جنگ میں دو مشاق آدمی آپ کے دائیں بائیں صرف بندوقیں بھرتے رہتے تھے، اور آپ دائیں جانب کی بندوق دائیں کندھے پر اور بائیں جانب کی بائیں کندھے پر

(۱) وصایا حصہ دوم ص: ۵۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھ کر اس تیزی سے چلاتے رہتے تھے کہ کلدار توپ کا سا سماں پیدا ہو جاتا تھا۔

نواب وزیر الدولہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کی سواری میں عجیب کمال بہم پہنچایا تھا۔ کیسا ہی سرکش گھوڑا ہوتا، آپ اس پر سوار ہوتے ہی قابو کر لیتے۔

مقصود و نصب العین

اس سلسلے میں تمام محنتیں اور مشقتیں اس لئے نہیں اٹھائی تھیں کہ دنیا ان کے کمالات کا اعتراف کرے اور اس طرح انہیں شہرتِ عام حاصل ہو جائے۔ حاشا وکلا، ہر فن صرف اس غرض سے سیکھا کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کام دے اور خدا کے دین کی خدمت کا حق بوجہ احسن ادا ہو سکے۔ اسی غرض سے ورزشیں کیں، اسی غرض سے فنونِ حرب میں درجۂ اختصاص بہم پہنچایا۔ خالصۃً للہ مرنے کے دعوے بہت سنے ہیں، لیکن اس کا مکمل عملی نقشہ صرف سید احمد بریلوی کے ہاں ملتا ہے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سب کام محض للہ اور لوجہ اللہ کیے، رضائے حق کے سوا کبھی کوئی شے کسی عمل کی محرک نہ ہوئی:

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

خدمتِ خلق

خدمتِ خلق کا جذبہ عہد طفلی ہی میں اس درجہ بے پناہ تھا کہ محلے والوں، خصوصاً بیوہ اور بے وسیلہ عورتوں کو بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ پانی بھر لاتے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لا دیتے، وہ لوگ خدمت لینے میں تامل کرتے اس لئے کہ سید صاحب بزرگ خاندان کے فرد تھے، جس کے ہر شخص کی خدمت بجا لانے کو سب لوگ اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اہل خاندان سید صاحب کی ان حرکتوں کو بہت نازیبا سمجھتے لیکن آپ نے دنیا یا اہل خاندان کے تصورات کو کبھی مستحقِ اعتنا نہ سمجھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے تو جب اپنے کپڑے دھونے کیلئے اٹھتے ساتھیوں
کے کپڑے بھی ساتھ لے جاتے اور دھو کر لاتے۔ کسی جائز کام کو اپنے ہاتھ سے کرنے
میں عار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ دلی شوق سے کرتے تھے۔ سرحد پہنچنے کے بعد اگرچہ امامِ جہاد
بن گئے تھے، لیکن اپنے باورچی خانے کیلئے جب ایندھن کی ضرورت پڑتی تو جماعت
خاص کے غازیوں کے ساتھ خود جنگل میں جاتے اور سب سے زیادہ لکڑیاں کاٹتے۔

اپنے ہاتھ سے کام

قیامِ امب میں ایک مرتبہ رات کے وقت مہمان آ گئے، ان کے لئے کھانا تیار کرنے
کا حکم دیا۔ اتفاق سے باورچی خانے میں پانی ختم ہو چکا تھا۔ داروغہ نے پانی کے لئے کہا
لیکن جن غازیوں نے یہ صدا سنی، ان سب نے سمجھ لیا کہ کوئی لے آیا ہوگا۔ سید صاحب کو
یہ بات معلوم ہوئی تو مشکیزہ اٹھا کر خود دریا پر پہنچ گئے اور پانی بھر لائے۔ یہ دیکھ کر سارے
غازی پیچھے دوڑے۔ فتح ہوتی کے بعد دیکھا کہ مسجد میں قیام کی گنجائش نہیں، پاس ہاتھی
بندھا کرتا تھا، اس کی وجہ سے جگہ صاف نہیں رہتی تھی، صبح اٹھے تو خود جگہ صاف کی۔

امب کے ایک برج کا کچھ حصہ بارش میں گر گیا اور دو آدمی نیچے دب گئے۔ سید
صاحب فوراً کلند لے کر ملبہ ہٹانے میں لگ گئے۔ باقی برج بھی گرنے والا تھا اس لئے
لوگوں نے آپ کو روکنا چاہا لیکن آپ کام میں لگے رہے اور ایک آدمی کو زندہ نکال لیا۔ پھر
فرمایا: بھائیو! اگر میں تمہارے منع کرنے سے رک جاتا تو ایک مسلمان کو موت کے پنجے
سے بچا لینے کا ثواب کھو بیٹھتا۔ فرمایا کرتے تھے:

> جو بھائی خدا کے واسطے نیت خالص سے چکی پیستے ہیں یا گھاس چھیلتے ہیں
> یا گھوڑا ملتے ہیں یا کپڑا سیتے ہیں یا دھوتے ہیں، تو یہ سب کام داخل عبادت ہیں،
> اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک مرتبہ غلہ باہر پڑا تھا کہ بارش آ گئی۔ سید صاحب نے خود تمام غازیوں کے ساتھ ہو کر غلہ ڈھویا۔ ایک دفعہ باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک غازی چکی پیس رہا ہے، بے تکلف سامنے بیٹھ گئے اور دیر تک چکی پیستے رہے۔ پنجتار میں مسجد کی توسیع مطلوب تھی، فرمایا ہر غازی پانچ پانچ پتھر باہر سے اٹھا کر لائے۔ خود سید صاحب نے ایک بھاری پتھر اٹھایا۔ غازیوں نے عرض کیا کہ آپ رہنے دیں، ہم اٹھا لیتے ہیں۔ فرمایا: مجھے کارِ خیر سے کیوں روکتے ہو؟

اسی شانِ تربیت نے غازیوں میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا عجیب جذبہ پیدا کر دیا تھا، مثالیں ان کے حالات میں پیش ہوں گی۔

اتباعِ سنت

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر نے سید صاحب کو سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز میں نہایت بلند درجہ عطا کیا تھا۔ اگر کہا جائے کہ آپ کا وجود صرف اتباعِ سنت کی نفاستوں کا مجموعہ تھا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ (۱) آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے مجھے جو ظاہری اور باطنی فضائل و مکارم عطا فرمائے، وہ سب شریعت کی پابندی اور سنت کے اقتدا کی برکت سے حاصل ہوئے:

مولوی از خود نہ شد مولائے روم تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد (۲)

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ بنگال سے منتہائے گجرات تک اور اقصائے دکن سے منتہائے سرحد تک، پھر افغانستان اور دوسرے علاقوں میں جہاں جہاں سید صاحب یا ان کے خلفاء کے قدم پہنچے، بدعتیں مٹ گئیں اور سنت کی پیروی کرنے والے حضرات جا بجا پیدا ہو گئے۔

(۱) وصایا حصہ اول ص: ۱۸ (۲) وصایا حصہ اول ص ۲۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مساوات

سید صاحب زندگی بھر مساوات پر عمل پیرا رہے۔ لشکر میں تقسیم غلہ کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر لیا تھا، جتنا غازی بھائیوں کو ملتا اتنا ہی آپ لیتے۔ البتہ مہمانوں کی خاطر داری کے سلسلے میں آپ کو الگ کھانا پکوانا پڑتا اور بعض اوقات ضرورۃً تکلف بھی کرتے، تاہم اس کا بوجھ کبھی بیت المال پر نہ ڈالا۔ اہل سرحد میں سے جو لوگ ملنے کے لئے آتے، وہ اکثر تحائف لے کر آتے، یہ تحائف الگ رہتے اور انہیں لوگوں کی مہمانداری میں صرف ہوتے۔ مہمان اگر کھانا پکنے سے پیشتر آ جاتے تو ان کیلئے رسد لے لی جاتی، اگر کھانا پکنے کے بعد اور کھانے سے پہلے آتے تو سید صاحب اپنی جماعت میں سے کچھ کھانا منگا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ کبھی پورا کھانا مہمانوں کو دیدیتے اور خود اپنی جماعت والوں کے ساتھ بیٹھ کر جو کچھ پکا ہوتا، تناول فرما لیتے۔

ہجرت ثانیہ کے سفر کے وقت سید صاحب کی اہلیہ امیدواری سے تھیں اور وضع کا وقت قریب تھا۔ لہٰذا آپ نے ان کے لئے پالکی کا انتظام کر دیا۔ ارباب بہرام خاں کی مستورات کے لئے حسب دستور یابو مہیا کئے گئے، انہوں نے سوار ہونے سے انکار کر دیا، سید صاحب دو تین میل جا چکے تھے، یہ خبر ملی تو ارباب کو پیغام بھیجا:

> میں آپ کو مومن سمجھتا ہوں اور مومن کی خوشامد و خاطر داری اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ یقین ہے کہ کوئی مومن جہاد فی سبیل اللہ کی عبادت عظمیٰ کے عشق و محبت کے باعث میرا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ میں اپنی بیوی کو دوسری عورتوں پر ترجیح نہیں دیتا، لیکن اب وہ امیدواری سے ہے اور خاص اس حالت میں اسے رعایت کا حق پہنچتا ہے۔ اگر یہ عذر نہ ہوتا تو وہ بھی عام مستورات کی طرح یابو پر سوار ہوتی۔

کئی مرتبہ ایسی حالت پیش آئی کہ آپ کیلئے کھانا تیار ہو گیا اور غازیوں کے لئے غلہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ مل سکا، آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور جب تک سب غازیوں کے لئے وہی کچھ مہیا نہ ہوا جو آپ کے لئے تھا، اس وقت تک کھانا نہ کھایا۔

عبادت و ریاضت

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں: عبادت و ریاضت کا ایسا ذوق تھا کہ سالہا سال تک عشاء فجر کی نمازیں ایک وضو سے ادا فرماتے رہے۔(۱) یہاں تک کہ عبادت کرتے کرتے صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: مدت تک یہ دستور رہا کہ رات کا آخری نصف حصہ صرف دو نفلوں میں بسر ہو جاتا۔(۲) ارادت مندوں کو بار بار تاکید کرتے کہ رات کے قیام کا خاص خیال رکھو۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خدا کے فضل وکرم سے جو برکات حاصل ہوئیں وہ شب بیداری اور وقتِ سحر کے عجز و نیاز کا ثمرہ ہیں۔

رضا بہ قضا

رضا بہ قضا کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت پیش آ جائے اسے خوش دلی سے قبول کر لینا اور دل میں خفیف سا رنج بھی پیدا نہ ہونے دینا۔ یہ مقام صرف کامل مومنوں کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن میں اسی مقام کو "رَضُوْا عَنْهُ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ خدائے پاک سے راضی رہے، کوئی سختی کوئی تنگی اور کوئی مصیبت ان کی رضا و خوشنودی کو مکدر نہ کر سکی۔ نواب وزیر الدولہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سید صاحب کو طرح طرح کے رنج پہنچے، قسم قسم کی تکلیفیں اور سختیاں پیش آئیں، لیکن ان کی زبان ہمیشہ خدا کی حمد میں سرگرم رہی اور لبوں پر پروردگار کے شکر کے سوا کبھی کوئی کلمہ نہ آیا۔ اس کی مثالیں کتاب میں جا بجا پیش ہو چکی ہیں۔ ہر بڑے حادثے اور ہر شدید آفت کے بعد برہنہ سر ہو کر دعا کرتے اور فرماتے کہ بھائیو! جو مصیبت ہم پر آئی یہ ہماری کسی غلطی اور خطا کا نتیجہ ہوگی:

(۱) وصایا حصہ اول ص: ۲۵۰
(۲) وصایا حصہ اول ص: ۲۶۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

در کوئے مراد خود پسنداں دگراند | دروادیٔ عشق مستمنداں دگراند
آناں کہ بجز رضائے جاناں طلبند | آناں دگراند و دردمنداں دگراند

عفوودرگذر

عفوودرگذر کی بے شمار مثالیں عرض کی جاچکی ہیں، مثلاً جن لوگوں نے جنگ شیدو کے موقع پر زہر دیا تھا انہیں بھی نہ صرف معاف کیا بلکہ ارادت مندوں کے غیظ سے دو مرتبہ بچایا۔ جنگ اکوڑہ سے پیشتر ایک جاسوس پکڑا آیا تھا، اسے معاف کر کے لشکر سے باہر نکال دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری فطرت ابتدا سے یہی ہے کہ دوسروں کی بدی کے عوض بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کروں۔

حلم وحیا اور مروت

حلم کا ایک نہایت سبق آموز واقعہ اس زمانے کا ہے جب آپ نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے۔ یعنی ایک پٹھان نے آپ کو غلط فہمی میں چور سمجھ کر پکڑ لیا اور آپ اسے نرمی سے سمجھاتے رہے کہ بھائی تجھے دھوکا ہوا ہے، پٹھان کا جوش بڑھتا گیا، آپ کے رفیقوں کو خبر ملی تو وہ تلواریں اور بندوقیں لے کر دوڑے ہوئے آئے۔ یہ صورت دیکھ کر پٹھان کا رنگ فق ہو گیا، آپ نے فرمایا، فصل میں چھپ جاؤ اور ساتھیوں کو واپس لے گئے۔

ایک عجیب واقعہ سدو خاں کا ہے، یہ شخص پہلے درانیوں کے پاس تھا، پھر سید صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ جب پائندہ خاں تنولی سے جنگ ہوئی تو سید صاحب کا دیا ہوا سامان لے کر تنولیوں سے جا ملا، وہاں بدسلوکی ہوئی تو بے تکلف سید صاحب کے پاس لوٹ آیا۔ ایک موقع پر اس نے مال غنیمت کی کچھ چیزیں اپنے پاس رکھ لیں۔ غازیوں نے ان چیزوں کا مطالبہ کیا تو اس نے سید صاحب کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا، آپ تک یہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بات پہنچی تو اسے خلوت میں بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں اپنے سے زیادہ بہادر نہیں سمجھتا لیکن لشکر اسلام میں ایسی بات زبان پر لانی مناسب نہ تھی۔ پائندہ خاں کے پاس سے آیا تو بولا کہ اس نے میرا سارا سامان چھین لیا، اب آپ کچھ دلائیں۔ سید صاحب نے پوچھا تم اس کے پاس کیوں گئے تھے؟ بولا: تقدیر لے گئی۔ آپ نے حکم دے دیا کہ اسے سارا سامان دلا دیا جائے۔ پھر فرمایا: میری یہ حالت ہے کہ غایت شرم سے اس کے چہرے پر نظر نہیں ڈالتا، اس کی بے باکی دیکھو کہ سب کچھ کر چکنے کے باوجود اپنی چیزیں مانگتے ہوئے بالکل تامل نہیں ہوا۔

پیر داد خاں لوہانی کا واقعہ کتاب میں تفصیلاً مرقوم ہے، حلم و مروت کی ایسی مثال آسانی سے نہیں مل سکتی۔

عفت

حاجی زین العابدین فرماتے ہیں کہ ہزاروں عورتوں نے بیعت کی، ان میں سے پردہ نشین بھی تھیں اور بعض بے پردہ بھی:

اما نظر آنجناب گاہے بروئے ہیچ کس از زناں نیفتاد۔

ترجمہ: لیکن آنجناب کی نظر کبھی کسی کے چہرے پر نہ پڑی۔

اسی عفت و عصمت کی آغوش میں غازیوں نے تربیت پائی تھی۔ ایک مرتبہ سرحد کی مستورات نے کہا سید صاحب کے غازی یا تو خواہشات جنسی سے فطرۃً محروم ہیں یا پھر اولیاء اللہ ہیں۔ اس لئے کہ غلہ پسوانے کی غرض سے پن چکیوں پر آتے ہیں لیکن کبھی کسی نے نگاہ اٹھا کر کسی عورت کو نہیں دیکھا۔

شجاعت

سید صاحب شجاعت میں واقعی بے مثال تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے لئے جان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دے دینا ایسا ہی ہے جیسا تنکا توڑ کر پھینک دینا۔ نواب وزیر الدولہ فرماتے ہیں کہ گھمسان کے رن میں جب گولوں اور گولیوں کا مینہ برسا کرتا تھا تو آپ اپنے غازیوں کو انتہائی اطمینان کے ساتھ مفید نصیحتیں فرمایا کرتے تھے، لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی اور چہرے پر شادمانی کی بہار جلوہ گر ہوتی۔ جن معرکوں میں شیروں کا پتا پانی پانی ہو جاتا، ان میں آپ کی پیشانی یا آپ کے چہرے پر کبھی خفیف سا تغیر بھی رونما نہ ہوا۔(۱)

فراست

آپ فرماتے تھے کہ مجھے خدا نے تین چیزوں کی پہچان عطا کی ہے: ایک گھوڑے، دوسرے تلوار، تیسرے آدمی۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں چہرہ دیکھ کر پہچان لیتا ہوں کہ یہ مومن ہے، بلکہ جوتا بھی دیکھ لوں تو بتا دوں کہ یہ مومن کا جوتا ہے۔ مولوی امام الدین بنگالی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ کیا کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے؟ فرمایا ہاں کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے، یہ وحی کا معاملہ نہیں کہ خطا کا امکان بالکلیہ زائل ہو جائے۔ پھر خود ہی اعتراف کیا کہ بعض لوگوں کے متعلق ایمان کا گمان ہوا، لیکن وہ منافق نکلے۔ ایمان و نفاق بدلتے بھی رہتے ہیں، کیا عجب ہے کہ جب میں نے ان کو مومن سمجھا تو وہ مومن تھے، بعد ازاں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا۔

سخاوت

سخاوت کے باب میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں، خدا نے سید صاحب کو ہر دور میں دنیوی مال و ثروت کے وسیع ذخائر عطا کیے، لیکن آپ نے کبھی کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھی، کسی دنیوی چیز سے دل نہ لگایا، جو کچھ ہاتھ آیا ضرورت مند بھائیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں خرچ کر دیا۔ دنیا سے اٹھے تو کوئی شی ایسی نہ تھی جسے ان کا ترکہ

(۱) وصایا حصہ دوم ص: ۷۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہا جا سکتا، جتنی جائداد انہیں میراث میں ملی تھی وہ بھی اپنے پاس نہ رکھی بلکہ چھوڑ کر راہِ ہجرت میں قدم اٹھایا۔ اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک میں تامل نہ کیا، لیکن فرمایا کرتے تھے کہ یہ حسنِ سلوک صرف معاش کے معاملات میں جائز ہے، باقی رہے معاملاتِ معاد و دین تو ان میں کسی کے ساتھ نرمی، ملائمت یا رعایت نہیں برتی جا سکتی۔

صبر واستقامت

صبر واستقامت کا جو نمونہ سید صاحب نے پیش کیا ہے اس کی مثال قرنوں میں بھی ملنی مشکل ہے۔ صورت حال یہ نہ تھی کہ تلخ و ناگوار حالات پیش آ گئے تھے اور انہیں جھیل لیا، صورت یہ تھی کہ بظاہر نہایت خوشگوار حالات موجود تھے، اکرام واعزاز کی زندگی کے سیکڑوں وسائل مہیا تھے، لیکن انہیں دینِ حق اور رضائے باری تعالیٰ کی خاطر چھوڑ کر تکالیف وشدائد کی راہ اختیار کی۔ جن لوگوں کو ان کی ذات گرامی سے معاً بہترین دنیوی فوائد حاصل ہونے کے امکانات تھے، وہ بھی دشمن بن گئے، اور جتنی تکلیفیں ان کے بس میں تھیں، بے دریغ پہنچائیں، لیکن آپ نے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑی۔ دین کی سربلندی کے خواہاں تھے۔ ذاتی غرض کوئی نہ تھی، بایں ہمہ جن مصیبتوں سے سابقہ پڑا انہیں حیرت انگیز اور بے مثال صبر واستقامت سے یوں برداشت کر لیا گویا اس راہ کے کانٹے بھی ان کے نزدیک پھولوں سے سے کم نہ تھے۔ سچ ہے:

مخمور مکافات بر خلد و سقر آویخت
مشتاق عطا شعلہ ز گل باز نہ دانست

توکل

سید صاحب کا سارا کاروبار ابتدا ہی سے توکل پر تھا، ارادت مندوں کی ایک بڑی جماعت اسی وقت سے ساتھ ہو گئی تھی جب آپ کے وسائل معاش لاشئے محض تھے۔ لیکن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ کبھی خیال آیا کہ ان کے لئے روٹی کہاں سے میسر آئے گی اور نہ ارادت مندوں کے لئے معاش کی قلت کبھی عناں گیر شوق بن سکی۔ آپ کے انتظامات ابتدا سے مولانا محمد یوسف پھلتی کے ہاتھ میں تھے، وہ کبھی پریشان ہو کر بے سامانی کا ذکر چھیڑتے تو آپ فرماتے: چپ رہئے اور دیکھئے خدا کا مقرر کیا ہوا رزق کیوں کر پہنچتا ہے۔ چنانچہ رزق برابر پہنچتا رہا اگرچہ غازیوں کی تعداد خاصی بڑی بھی ہوگئی اور نہ پہنچا تو سید صاحب سمیت سب نے ذکر الٰہی سے اطمینانِ قلب کا انتظام کرلیا۔

آپ کے لشکر میں پشاور کا ایک شخص آ گیا تھا، جس کا نام عبدالغفار تھا، اسے جعلی سکے بنانے میں کمال حاصل تھا۔ لوگ اسکے روپے کو غفار خانی کہا کرتے تھے، اس کی خواہش تھی کہ سید صاحب کو بے شمار روپے بنادے، لیکن آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں روپے نہ بنایئے۔ سکھوں کے علاقے میں جا کر جو جی میں آئے کیجئے اور اگر کچھ رقم ہاتھ آئے تو اس سے سامانِ جنگ خرید کر بھیج دیجئے۔ ہمارے ساتھ رہنا منظور ہے تو قلب سازی کا کام چھوڑ دیجئے۔

جب آپ نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے تو ایک کیمیا گر آپ کا بہت معتقد ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے گھر میں دعوت کی اور اسی وقت سونا بنا کر دکھایا۔ چونکہ اس زمانے سے جہاد فی سبیل اللہ کے انتظامات پیش نظر تھے، اس لئے کیمیا گر چاہتا تھا کہ آپ نسخہ بھی لے لیں اور ترکیب بھی سیکھ لیں۔ آپ نے پوچھا یہ سونا آگ کی تپش سے متغیر بھی ہوسکتا ہے؟ اس نے بتایا کہ ہزار مرتبہ آگ میں ڈالئے، اس کی صورت نہیں بدلے گی اور قلب ظاہر نہ ہوگا۔ یہ سن کر فرمایا: اگر آپ کا دعویٰ سچا ہے تو یہ آپ کے لئے حلال ہے، مگر میرے لئے سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ اس لئے کہ میرے دل کو مالک حقیقی کے فضل و رحمت سے ہٹا کر اس شئے پر لگا دے گا، میں اس کا روادار نہیں ہوسکتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غازیوں پر شفقت

غازیوں پر شفقت کا یہ حال تھا کہ ہر غازی آپ کو ماں اور باپ دونوں سے بڑھ کر سمجھتا تھا اور آپ انہیں بچوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ ہمارے جو بھائی جہاد فی سبیل اللہ کے کار خیر میں شرکت کے لئے آئے، ان کی قدر و قیمت ہمیں پہچانتے ہیں۔ عبدالصمد خان خیبری کا بیان ہے کہ میں نے سرداران پشاور کی بھی نوکری کی، سکھوں کے پاس بھی ملازم رہا، لیکن جو قدردانی سید صاحب کے پاس دیکھی کہیں نہ دیکھی، اور یقین ہے کہ ایسی قدر دانی روئے زمین پر کہیں نہ ہوگی۔ سید صاحب کی زندگی میں کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی غازی نے آپ کی کسی بات کو دلی محبت کے خلاف سمجھا ہو یا آپ کی شفقت کسی غازی پر کم ہوئی ہو۔

بالاکوٹ کے میدان میں بہت سے غازی صرف اس لئے شہید ہوئے کہ ان کے کانوں میں آواز پڑ گئی تھی کہ سید صاحب نہیں ملتے، یہ سنتے ہی وہ گولیوں کی بارش سے بے پروا ہو کر میدان میں دیوانہ وار آپ کو تلاش کرنے لگے اور جا بجا شہید ہو گئے۔ تاریخ میں بڑے بڑے سلطانوں کے ساتھ بھی ذاتی محبت کی ایسی جھلک شاید ہی مل سکے، جن سے وابستگان دامن کو ہر قسم کے منافع کی امید تھی، سید صاحب کے ساتھ غازیوں کا صرف دینی رشتہ تھا، لیکن آپ کی محبت نے سب کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔

عام مسلمانوں کو بھی تکلیفوں سے بچانے کا بڑا ہی خیال رکھتے تھے۔ مثلاً اگر مولانا شاہ اسماعیل کی تجویز کے مطابق بالاکوٹ سے آگے بڑھ کر کشمیر میں داخل ہو جاتے تو کامیابی کے روشن مواقع نظر آ رہے تھے، لیکن جب پکھلی کے امراء سے سنا کہ اس حالت میں سکھ مسلمانوں کو گزند پہنچائیں گے اور ان کے ساتھ لڑے بغیر قدم آگے نہیں بڑھانا چاہئے تو لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ یہی دیکھ کر مولانا شاہ اسماعیل نے کہا کہ آپ کے دل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں رسول پاکؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں غرباء کے لئے رحم بہت زیادہ ہے، ورنہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کافر مسلمانوں کو گرفتار کر کے سپر بنالیں تو اس حالت میں بھی ان کے خلاف قتال رکنا نہیں چاہئے۔

جانوروں پر رحم

جانوروں پر بھی بے حد رحیم و شفیق تھے۔ سرحد ہی کا واقعہ ہے کہ شاہ زمان درانی کے وکیل جمال الدین نے ایک مرتبہ ایک کتے پر تیر چلایا، وہ بیچارا چیختا چلاتا ہوا بھاگا، سید صاحب بہت خفا ہوئے۔ فرمایا کتا دیوانہ نہیں تھا کہ اسے مارنا ضروری ہوتا، پھر اس پر تیر کیوں چلایا؟ آپ خدا سے نہ ڈرے کہ اس کی مخلوق کو ناحق اذیت پہنچائی؟(۱) قاضی مدنی نے یہ سنا تو کتے کے پیچھے بھاگے اور اس کے سر سے تیر نکال کر دم لیا۔

راج دواری میں شہد کی مکھیاں بہت ہوتی ہیں اور لوگ گھروں میں پالتے ہیں۔ چھتہ شہد سے بھر جاتا ہے تو شہد نکال کر مکھیوں کو دوسری جگہ بٹھا دیتے ہیں۔ سید صاحب نے ایک دن شہد کی ایک مکھی کو تنہا اڑتے دیکھا۔ فرمایا اس بیچاری کے لئے تھوڑے سے شہد کا انتظام کر دو تاکہ بھوکی نہ رہے۔

دعائے ہدایت

اگرچہ سکھوں کے ساتھ لڑائیاں جاری تھیں، لیکن ان کیلئے بھی دل میں شفقت کا دریا موجزن تھا۔ راویوں نے لکھا ہے کہ ہر نماز فرض کے بعد دعا فرمایا کرتے تھے: خدایا ان لوگوں کو ہدایت عطا فرما اور ایمان و اسلام کی دولت دیکر ہمارے بھائی بنادے۔(۲)

یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کی سیاست ایمانی اور مربیانہ تھی، سلطانی نہ تھی۔ یعنی ہر معاملے میں صرف اصلاح منظور تھی اور افراد و جماعات کی بہتری اور بھلائی کے سوا کچھ

(۱) منظورہ ص ۹۳
(۲) منظورہ ص ۹۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مد نظر نہ تھا۔

بدن بہت پاکیزہ تھا نواب وزیر الدولہ فرماتے ہیں کہ اگر میلا لباس بھی پہنے ہوئے ہوتے تو بدن سے ایسی خوشبو آتی کہ عطر اس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتے۔ (۱)

صحبت کی تاثیر

کئی واقعات کتاب میں لکھے جا چکے ہیں، جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نیک بخت اصحاب ایک نظر میں باطل سے تائب ہو کر حق کی طرف آئے اور کم سے کم وقت میں درجات عالیہ پر پہنچ گئے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تو محبت ورغبت کے جذبات دلوں پر غالب رہتے اور جب شاہ اسماعیل کے پیچھے نماز پڑھتے تو خوف وخشیت الٰہی کا غلبہ ہوتا۔

طریق نصیحت

سید صاحب کا طریق نصیحت نہایت دلکش اور مربیانہ تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بالتعیین کسی کو مخاطب نہ فرماتے تھے، بلکہ مجموعی انداز میں وعظ فرماتے۔ سمجھنے والا خود بخود سمجھ جاتا۔ اسی طرح کوئی کام ہوتا تو جب بھی کسی کو تعین کے ساتھ بہت کم فرماتے۔ کہہ دیتے کہ بھائیو! یہ کام ہے۔ مقصود یہ تھا کہ ہر ایک سبقت بالخیرات کا ثواب حاصل کرے اور سب کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ نیکی کا جذبہ تازہ رہے۔ کالے خاں کا واقعہ لکھ چکا ہوں، وہ ٹھوڑی منڈاتے تھے، سید صاحب نے انہیں کبھی منع نہ کیا۔ ایک روز خان صاحب ٹھوڑی منڈا کر بیٹھے ہی تھے کہ سید صاحب پہنچ گئے۔ ٹھوڑی کو دست مبارک سے پکڑ کر فرمایا: خان بھائی! آپ کی ٹھوڑی کیا چکنی چکنی ہے۔ بس اس کے بعد کالے خاں نے ٹھوڑی نہ منڈائی۔

(۱) منظورہ ص: ۱۵۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طریق خطاب

طریق خطاب نہایت دل آویز تھا، غازیوں کو ہمیشہ بھائی کہہ کر پکارتے۔ امرا اور اکابر ملنے کے لئے آتے تو کسی کو شیخ بھائی، کسی کو خان بھائی، کسی کو سید بھائی کہتے۔ جس زمانے میں پیر خاں مورانوی کھبل میں تھے، منشی محمدی انصاری نے سید صاحب کی طرف سے انہیں خط لکھا تو اس کا آغاز یوں تھا: ''از امیر المومنین بہ مطالعہ اخلاص نشان پیر خاں'' دیکھتے ہی سید صاحب پریشان ہو گئے۔ فرمایا: انصاری بھائی! ''اخلاص نشان'' تو بادشاہ لوگ نوکروں کو لکھا کرتے ہیں، مجھے اس سے سخت کراہت ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ اخلاص نشان ہونا سعادت کا نشان ہے، لیکن میں آئندہ ''برادر اخلاص نشان'' لکھا کروں گا۔

پاسِ شریعت کا ایک عجیب واقعہ

پائندہ خاں تنولی کا بھائی مدد خاں سید صاحب کا بڑا معتقد تھا۔ چونکہ اسے جدی املاک سے نکال دیا گیا تھا اس لئے سید صاحب ہی کے پاس رہنے لگا۔ خان تنول سے مصالحت کی گفتگو ہوئی تو اس میں یہ بھی طے ہو گیا کہ مدد خاں کی جائیداد اسے مل جائے، لیکن مدد خاں بھائی کے پاس جانے سے کتراتا تھا، کہتا تھا کہ وہ مجھے قتل کرا دے گا۔ اس بنا پر ایک روز مدد خاں نے تجویز پیش کی کہ پائندہ خاں کے بیٹے جہاں داد کو بطور یرغمال بلا لیجئے، پائندہ خاں مجھے مار دے تو آپ جہاں داد کو مروا ڈالیں۔ سید صاحب نے یہ سنا تو مسکرا کر فرمایا:

> ایں امر خلاف شرع از من بوجود آمدنی نیست کہ پائندہ خاں ترا بکشد من بہ قصاص تو پسر او را کہ بے گناہ محض است بکشم۔ اگر قدرت یابم قاتل ترا البتہ خواہم کشت۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: مجھ سے یہ خلاف شریعت بات کبھی نہ ہوگی، کہ اگر پائندہ خاں تجھے مار ڈالے تو میں بدلے میں اسکے بیٹے کو جس غریب کا کوئی گناہ نہیں قتل کر دوں، ہاں اگر مجھے قابو حاصل ہوگا تو تمہارے قاتل سے ضرور قصاص لوں گا۔

اعترافِ خطا

انسان کو جب قبولِ عام کا منصب حاصل ہو جائے تو اپنی غلطیوں اور خطاؤں کے اعتراف میں اکثر بخل سے کام لیتا ہے۔ سید صاحب اس خصوصیت میں بھی سب سے الگ تھے۔ میرے علم کے مطابق ان سے دو مرتبہ خطائیں سرزد ہوئیں، ایک مرتبہ مکہ میں بچی کو دودھ پلانے پر اصرار کے ضمن میں اپنے ایک ارادت مند کے بچے کا پورا خیال نہ رکھا، جب اس خطا کا احساس ہوا تو نہ محض اس شخص سے معافی مانگی بلکہ اپنے ارادت مندوں کو جمع کر کے سب کے سامنے غلطی کا اعتراف کیا اور دوبارہ عفو کے خواستگار ہوئے۔ یہ واقعہ میں بہ سلسلہ حج لکھ چکا ہوں۔ دوسری مرتبہ جنگِ مایار سے صرف ایک دن پیشتر تورو میں ایک ارادت مند کو بے ساختہ ''مردود'' کہہ دیا، جب آپ کو یہ واقعہ یاد دلایا گیا تو سب کے سامنے اس شخص سے معافی طلب کی، حق پرستی اور حق شناسی کی ایسی مثالیں ہمارے زمانے میں ہی نہیں بلکہ اکثر ادوار و اقطار میں بہت ہی کم پائی گئی ہیں۔

کارگیری اور احترام

سید صاحب بزرگی کے باوجود چھوٹوں بڑوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ہر شخص کو ہمیشہ عزت کے خطاب سے مخاطب فرماتے تھے اور ہر آدمی سے اس کی طبیعت و صلاحیت کے مطابق دینی کام لیتے تھے۔ ان کے پاس ایسے لوگ بھی پہنچتے رہے جن کی طبیعت موزوں تھی، ان سے فرمایا کہ اہم دینی مسائل کو سادہ الفاظ میں نظم کر دو تا کہ لوگ انہیں یاد کر لیں۔ مثال کے طور پر مولوی محمد قاسم پانی پتی کے والد غلام محمد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بہت کبیر السن تھے، اپنے بیٹے کو واپس لے جانے کے لئے سرحد پہنچے تھے، سید صاحب کا کارخانہ دیکھ کر خود وہیں مقیم ہو گئے۔ آپ اس کبیر السن کا اتنا احترام کرتے تھے کہ شاید ان کے بچوں نے بھی کبھی نہیں کیا ہوگا، وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکتے تھے، اس لئے قرآن پڑھانے پر لگا دیا۔

مہر اور تاکیدی علامات

پہلے سید صاحب کے پاس مہر نہ تھی، جب مختلف اکابر کے نام خط بھیجنے پڑے تو چاندی کی ایک مہر بنوائی جس پر ''اسمہ احمد'' کندہ کرایا۔ ارادت مندوں کے لئے خاص نشان تجویز کر رکھے تھے، مثلاً جب کسی کو خاص تاکید کرنی مقصود ہوتی تو خط پر اپنے دست مبارک سے ''کلمۃ اللہ کافی'' تحریر فرما دیتے تھے۔

عادات

جب آپ کے لئے کوئی پرتکلف کھانا پکا کر لاتا تو عادت تھی کہ یا تو سب ارادت مندوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے یا سب میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیتے۔ اسی طرح عادت تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد لیٹ جاتے تو فرماتے، بھائیو ہم سے کچھ پوچھو، جو کچھ پوچھا جاتا بتا دیتے۔ بعض سوالات کے متعلق فرما دیتے کہ یہ کل پوچھنا، بعض اوقات خود ہی باتیں شروع کر دیتے، اکثر غازی آپ کے پلنگ کے ارد گرد زمین پر لیٹ جاتے اور باتیں سنتے سنتے سو جاتے۔

مرغوب کھانا

سید صاحب نے ہر قسم کے کھانے بھی کھائے اور فاقے بھی کیے، جو کچھ مل جاتا کھا لیتے کبھی نہ کہا کہ فلاں کھانا نہیں کھاؤں گا، لیکن ویسے آپ کو کھچڑی بہت پسند تھی۔ ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دفعہ نصیر آباد گئے، کریم الدین خادم ساتھ تھا، وہاں کھچی زیادہ کھالی اور پیٹ میں گرانی محسوس ہوئی۔ خادم نے عرض کیا کہ چورن کھا لیجئے۔ فرمایا: دیکھو ابھی اس کا علاج کرتا ہوں، نصیر آباد سے چلے اور کھیتوں میں پہنچے تو جوتا اتار کر تیزی سے دوڑے، بہت دور نکل گئے، پھر سایے میں کپڑا بچھا کر لیٹ گئے، اس طرح گرانی دور ہوگئی۔

معمولات

سید صاحب سے کچھ معمولات بھی منقول ہیں۔ مثلاً:

۱۔ میدان جنگ میں ہر شخص کو ہدایت فرماتے کہ سورۂ قریش گیارہ مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلو اور لوگوں سے بھی سنا کہ خطرے کے اوقات میں اس سورت کا پڑھنا باعث برکت ہوتا ہے۔

۲۔ توسیع رزق کے لئے مختلف شخصوں کو کئی چیزیں بتائیں:

الف: سورۂ مزمل اس طرح پڑھنا کہ اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف اور سورۂ فاتحہ پڑھی جائے یہاں تک کہ سورۂ مزمل آہستہ آہستہ سوا لاکھ مرتبہ پوری ہوجائے۔

ب: اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف اور سورۂ فاتحہ پھر گیارہ ہزار مرتبہ یَـا مُغْنِیْ یَـا بَاسِطُ یہ چالیس روز کیا جائے۔

ج: اول وآخر درود شریف اور گیارہ سو بار اَللّٰہُ الصَّـمَدُ.

د: اول وآخر درود شریف اور گیارہ سو بار اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنِ

۳۔ تقویت حافظہ کے لئے نواب وزیر الدولہ کی درخواست پر تحریر فرمایا کہ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد سات مرتبہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا پڑھا جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اشعار

جب محبت الٰہی جوش مارتی تو اکثر مندرجہ ذیل اشعار پڑھا کرتے تھے:

اے آنکہ زنی دم از محبت — از ہستی خویشتن بہ پرہیز
برخیزد بہ تیغ تیز بنشیں — یا از سر راہِ دوست بر خیز

* * * * * * * * * * * * * * * *

در مسلخ عشق جز نکو را نہ کشند — لاغر صفتانِ زشت خود را نہ کشند
گر عاشق صادقی زکشتن مگریز — مردار بود ہر آنکہ اُو را نہ کشند

* * * * * * * * * * * * * * * *

دلم بہ راہ تو صد پارہ بادو ہر پارہ — ہزار ذرہ و ہر ذرہ در ہوائے تو باد(۱)

* * * * * * * * * * * * * * * *

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے

* * * * * * * * * * * * * * * *

گر نثار قدم یار گرامی نہ کنم — گو ہر جاں بچہ کارے دگرم باز آید(۲)

تہجد کے وقت عموماً یہ شعر آپ کی زبان سے سنا گیا:

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز اینکہ بخوانم
در دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانم

تصانیف

سید صاحب کی بعض تصانیف بھی ہیں، مثلاً ''صراط مستقیم'' اس کی عبارتیں اگرچہ

(۱) وصایا حصہ دوم ص:۵۸

(۲) تکملہ ازجیود الاحرار ص:۱۱۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی کی ہیں، لیکن مطالب تمام تر سید صاحب کے ہیں۔ حالت یہ تھی کہ سید صاحب پیش نظر مدعا بیان فرماتے، شاہ اسماعیل یا مولانا عبدالحئیؒ اسے لکھ کر لاتے۔ اگر ان کی عبارت اظہار مدعا کے لئے کفایت نہ کرتی تو فرماتے کہ پھر لکھیے، بعض مطالب کو پانچ پانچ مرتبہ لکھوایا۔ پھر مکاتیب کا مجموعہ خاصا بڑا ہے، اگرچہ اکثر مولانا شاہ اسماعیل، منشی محمدی انصاری یا بعض دوسرے منشیوں کے لکھے ہوئے تھے، لیکن جو کچھ لکھنا ہوتا تھا سید صاحب ہی اس کا مضمون عموماً بتایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ تین رسالوں کا مجھے علم ہو سکا:

۱۔ تنبیہ الغافلین: یہ رسالہ فارسی میں تھا، پہلے ٹائپ میں بہ مقام کلکتہ چھپا، پھر لیتھو میں اسے بہ مقام لاہور چھاپا گیا، اور مولانا ولایت کا رسالہ ''عمل بالحدیث'' بھی ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اردو ترجمہ ایک سے زیادہ مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۲۔ رسالہ در نماز و عبادات: میں نے پہلے لکھا تھا کہ یہ میرے علم کے مطابق کبھی نہیں چھپا، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ ٹونک کے ایک مجموعے میں دیکھا تھا، اب معلوم ہوا کہ غالباً یہی رسالہ تھا جو ''حقیقت الصلوٰۃ'' کے نام سے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱-۱۸۲۲ء) میں کلکتہ کے اندر چھپا تھا۔ اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی تفسیر بھی شائع ہوئی تھی، جسے مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی نے ستمبر ۱۹۶۵ء کے ''الرحیم'' (حیدر آباد سندھ) میں شائع فرما دیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ سید صاحبؒ نے یہ تفسیر ۱۲۳۵ھ میں لکھنؤ کے چند جید علماء کے سامنے بھی کی، مولانا اشرف صاحب لکھنوی سے سید صاحبؒ کی بیعت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سے مجھے دو فائدے ہوئے:

الف۔ انہوں نے (سید صاحبؒ نے) سورۂ فاتحہ کی تفسیر ایسی بیان کی کہ میں نے باوجود کئی تفسیروں کے مضمون یاد رہنے کے کبھی نہ سنی تھی۔

ب۔ اسی شب کو (یعنی بیعت کی شب کو) حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رؤیت شریف سے مشرف کیا گیا اور جو جو فیض برکت مجھ کو حاصل ہوا اُس کا کیا بیان کروں۔(۱)

(۱) "الرحیم" ستمبر ۱۹۶۵ء ص: ۲۶۴-۲۶۶۔ ماخوذ از" مقالات طریقت" معروف بفضائل عزیزیہ" مطبع متین حیدر آباد دکن ۱۳۹۲ھ ص: ۲۱۶-۲۱۷

۳۔ رسالہ در نکاحِ بیوگاں: یہ غالباً اس زمانے میں لکھا گیا تھا جب سید صاحب نے نکاحِ بیوگاں کی سنت کے احیاء کی غرض سے اپنی بھاوج سے نکاح کیا تھا، یہ بھی فارسی میں ہے اور اب تک نہیں چھپا۔

شخصیت

پچوں کے رئیس حسن علی خاں نے غازیوں کو دیکھا تو کہا کہ یہ تو بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھیلتے کھیلتے ایک کو بادشاہ بنالیتے ہیں اور دوسرے بچے اس کے لشکری بن جاتے ہیں۔ لیکن جب سید صاحب کو دیکھا اور ان کا وعظ سنا تو کہا:

> امام ہمام کی پیشانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کی تسخیر کا ارادہ بھی فرمالیں تو کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام ممالک ان کے قبضے میں دے دے۔

میں نے سرسری طور پر چند نمایاں باتیں بیان کردیں، آخر میں اعتراف کرنا پڑتا ہے:

> حق ایں ست کہ بر تمامی کمالات وکرامات امیر المومنین وامام المسلمین کسے را از ما مقدورے حاصل نیست کہ در حیطۂ حافظہ خود محفوظ دارد۔

> **ترجمہ**: سچ یہ ہے کہ خدا نے سید صاحب کو جن کمالات اور جن کرامات سے شرف بخشا تھا، ان کو حافظے میں محفوظ رکھنے کی مقدرت ہم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

﴿ ضمیمہ ﴾

سینتالیسواں باب

جنگ بالاکوٹ پر نئی روشنی (۱)

تمہید

میں سید صاحبؒ کی شہادت کے متعلق وہ تمام مآخذ دیکھ چکا تھا جن کا علم ہو سکا اور وہ میری دسترس میں آ سکے۔ خیال نہ تھا کہ کوئی ضروری کتاب یا بیان باقی رہ گیا ہوگا۔ میرے عزیز اور ہم مشرب دوست ڈاکٹر شیر بہادر خاں صاحب پنی (دارالشفاء ایبٹ آباد) نے ایک نیا ماخذ ڈھونڈ نکالا، جس کا نام ہے "تواریخ ہزارہ بہ عہد سرکار دولت مدار" یہ سکھوں کے دور حکومت کے متعلق ضلع ہزارہ کی تاریخ ہے، جو غالباً ۱۸۴۹ء میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں نے پہلے اس میں سے بالاکوٹ کی سرگزشت کا خلاصہ مرتب کر کے بھیج دیا تھا۔ پھر اصل مخطوطہ ارسال فرما دیا۔ یہ اصل کی نقل ہے، جو ۱۹۲۹ء میں کی گئی اور سوا سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں بالا وسط سترہ سطریں اور ہر سطر میں بالا وسط اٹھارہ الفاظ ہیں۔ ناقل کا خط پختہ معلوم ہوتا ہے، مگر نقل اس تیزی سے کی گئی ہے کہ بعض الفاظ ٹھیک پڑھے نہیں جاتے، خصوصاً مقامات و افراد کے اسماء میں قدم قدم پر اشتباہ ہوتا ہے۔

چونکہ دوسرے مآخذ کی بناء پر اس جنگ کی کیفیت میرے سامنے تھی اور بیشتر اسماء سے میں آشنا تھا، اس لئے پوری کیفیت سمجھنے میں زیادہ دقت پیش نہ آئی، جنگ بالاکوٹ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی سرگزشت اس قلمی نسخے میں صفحہ: ۷۰ سے ۸۹ تک ہے، میں ڈاکٹر شیر بہادر خاں کی اجازت سے اور ان کے دلی شکریے کے ساتھ اسے یہاں بیان کرتا ہوں۔

اس سے اول فی الجملہ ان تمام نتائج کی توثیق ہوتی ہے جو میں دوسرے مآخذ کی بنا پر پیش کر چکا ہوں۔ دوم بعض پہلوؤں پر نئی روشنی پڑتی ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

مصنف اور وجہ تصنیف

کتاب کے مصنف کا نام مہتاب سنگھ ہے، ذات کائستھ ساکن مرلی پورہ پرگنہ موسیٰ نگر، ضلع کان پور (یو پی) یہ شخص تلاشِ معاش میں وطن سے لاہور پہنچا، پانچ برس کنور کھڑک سنگھ (ولی عہد رنجیت سنگھ) کی سرکار میں ملازم رہا، یہ مدت اس نے پرگنہ ساہیوال میں گزاری، جو دیوان ٹوڈرمل کی عملداری میں تھا۔ پھر دس مہینے فتح سنگھ کے ساتھ منکیرہ میں رہا۔ ۱۸۸۱ بکری (۱۸۲۴ء) میں ہری سنگھ نلوہ کے پاس ہزارہ پہنچا اور دفتر میں مامور ہوا۔ پھر پچیس سال اس نے ہزارہ ہی میں گزار دیے۔

جب پنجاب پر انگریز قابض ہوئے اور میجر چیمبرلین ہزارہ پہنچا تو اس نے مہتاب سنگھ سے کہا کہ تم پچیس برس اس ملک میں گزار چکے ہو، اگر اس مدت کے چشم دید حالات کتاب کی شکل میں مرتب کردو تو وہ کتاب تمہاری یادگار رہے گی اور یہ امر ہماری خوشنودی کا باعث ہوگا۔ اگرچہ مہتاب سنگھ کو تصنیف وتالیف کا کوئی تجربہ نہ تھا، تاہم اس نے چیمبرلین کی خوشنودی کے پیش نظر کتاب مرتب کردی۔(۱) عبارت اچھی نہیں، تاہم واقعات میں کوئی رنگ آمیزی نہیں کی گئی۔ ممکن ہے بعض حالات صحیح صورت میں اس تک پہنچے ہی نہ ہوں۔ بیانِ وقائع میں بعض مقامات پر ترتیب زمانی کا خیال نہیں رکھا گیا، لیکن جنگ بالاکوٹ کے حالات عمومی اعتبار سے بڑی حد تک درست معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) ''تواریخ ہزارہ'' ص ۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پایندہ خاں تنولی اور سید صاحبؒ

پایندہ خاں تنولی والیٔ امب اور سید صاحبؒ کے روابط پر مفصل بحث کی جا چکی ہے، چونکہ وہ مسلسل سکھوں کے خلاف لڑتا رہا تھا، اس لئے سید صاحبؒ کے قلبِ صافی میں اس کے متعلق ہمیشہ اچھا خیال تھا۔ پھر اس نے سید صاحبؒ سے ملاقات کی، بعد ازاں اچانک مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔

''تواریخ ہزارہ'' میں بتایا گیا ہے کہ جب پایندہ خاں نے دیکھا کہ اس کے بھائی بند مصاحب اور ملازم سید صاحب کا انتہائی احترام کرتے ہیں تو دل میں وسوسہ پیدا ہو گیا کہ اغلب ہے یہ لوگ کسی وقت خود اسے گرفتار کر کے ریاست سید صاحبؒ کے حوالے کر دیں۔(۱)

چونکہ اس کی پوری تربیت شکوک و شبہات کی فضا میں ہوئی تھی، اس لئے یہ وسوسہ اس درجہ پریشان کن بن گیا کہ اس نے مخالفت کا راستہ اختیار کر لینے میں تامل نہ کیا، پھر جنگ کی نوبت آئی اور پایندہ خاں صرف بارہ سواروں کے ساتھ جن کی خیر خواہی پر اسے پورا اعتماد تھا، امب سے نکل کر چھتر بائی پہنچا، جو امب کے شمال میں دریا کے کنارے ایک چٹان پر چھوٹی سی گڑھی تھی، وہاں بھی نہ ٹھہرا اور دریا عبور کر کے شیر گڑھ ہوتا ہوا اگرور چلا گیا۔ وہاں سے اپنے بیٹے جہاں داد خاں کو چند معتبر اصحاب کے ساتھ ہری سنگھ کے پاس بھیج دیا اور کہا:

حالات عزت ما بے ردد بہ ہر طور کہ دانند امداد کنند۔(۲)

ترجمہ: اب ہماری عزت جا رہی ہے، جس طور بھی مناسب سمجھیں ہماری امداد کریں۔

---

(۱) ''تواریخ ہزارہ'' ص: ۷۸، ۷۹

(۲) ''تواریخ ہزارہ'' ص: ۸۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہری سنگھ نے فوراً مہاں سنگھ کو فوج دے کر پائندہ خاں کی امداد کے لئے بھیج دیا، یوں پائندہ خاں کا جو علاقہ دریا کے مشرقی کنارے پر تھا، اسے واپس مل گیا۔ چونکہ دریا میں طغیانی آ گئی تھی، اس لئے مغربی جانب کے علاقے کی بازیافت پانی اتر جانے پر موقوف رہی۔(۱)

شیر سنگھ کا تقرر

سید صاحبؒ مجاہدین پر اجتماعی قاتلانہ حملوں کے بعد پنجتار سے اٹھ کر راج دواری پہنچے تو افواہ پھیل گئی کہ وہ کشمیر کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں۔ یقیناً سید صاحب کا قصد یہی تھا اور مجاہدین بھوگڑ منگ و بالاکوٹ کے علاوہ مظفر آباد بھی جا پہنچے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کشمیر پر اقدام کا عزم پختہ ہے، اس حالت میں رنجیت سنگھ نے ایک فوج ہزارہ بھیجنے کا فیصلہ کیا، جس کا سالار اعظم اپنے بیٹے شیر سنگھ کو بنایا۔ یہ آٹھ ہزار بندوقچیوں پر مشتمل تھی، شام سنگھ اٹاری والا، عطر سنگھ، سادھو سنگھ نہنگ، رتن سنگھ، وزیر سنگھ، گورکھ سنگھ، لکھمی سنگھ اور جوالا سنگھ بھی ساتھ بھیجے گئے، جو سکھ دربار کے ممتاز سردار تھے۔ ان کا اصل کام یہ قرار پایا کہ سید صاحبؒ کو (جنہیں سکھوں کی سرکاری اصطلاح میں "خلیفہ صاحب" کہا جاتا تھا) کشمیر جانے سے روکیں۔ ضمناً یہ حکم بھی دے دیا گیا تھا کہ یوسف زئی (میدانی علاقہ سرحد) سے معاملہ وصول کیا جائے۔(۲)

مشورہ اور فیصلہ

شیر سنگھ لشکر کے ساتھ منزل بہ منزل شنکیاری پہنچ گیا، جو درۂ بھوگڑ منگ سے باہر ہزارہ کا مشہور مقام ہے۔ اس وقت تک سید صاحب راج دواری سے چکوں اندرون درۂ بھوگڑ منگ آ گئے تھے۔ "تواریخ" مظہر ہے:

(۱) تواریخ ہزارہ ص ۸۰ (۲) تواریخ ہزارہ ص ۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خلیفہ آں زماں در درۂ بھوگڑ منگ بود کہ از شنکیاری ہشت کروہ یا دہ کروہ خواہد بود۔(۱)

ترجمہ: سید صاحبؒ اس وقت درۂ بھوگڑ منگ میں تھے، جو شنکیاری سے آٹھ دس کوس ہوگا۔

شیر سنگھ نے ساتھیوں سے طریق کار کے متعلق مشورہ کیا تو انہوں نے کہا، بے شک خلیفہ صاحب سرکار کے ملک میں ہنگامہ بپا کریں گے تو ان کا مقابلہ ضرور کیا جائے گا، لیکن اب وہ درۂ بھوگڑ منگ میں ہیں اور یہ علاقہ ہری سنگھ نلوہ کی جاگیر میں ہے، لہٰذا وہاں خلیفہ صاحب کا تدارک ہری سنگھ ہی کو کرنا چاہئے، ہمارے لئے بہتر یہ ہے کہ اول مظفر آباد جائیں اور وہاں بندوبست کریں، پھر دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ شیر سنگھ نے یہ مشورہ منظور کر لیا۔ مہاں سنگھ برابر کہتا رہا کہ خلیفہ صاحب جمعیت کے ساتھ بھوگڑ منگ میں ہیں، ان کا مقابلہ چھوڑ کر مظفر آباد جانے میں کون سی مصلحت ہے؟ لیکن سکھ سرداروں نے اس رائے پر عمل نہ کیا۔ سب کو مظفر آباد کی طرف کوچ کرنا پڑا اور یہ لوگ گوجرہ جا ٹھہرے، جو مظفر آباد سے نیچے دریائے کشن گنگا کے کنارے واقع تھا۔(۲)

مظفر آباد کا محاصرہ

مقامی لوگوں نے مظفر آباد کا محاصرہ کر رکھا تھا، سکھوں کا لشکر گوجرہ پہنچا تو محاصرین منتشر ہو گئے اور محاصرہ اٹھ گیا۔ پھر سلطان نجف خاں مظفر آباد، شیر سنگھ کے پاس (گوجرہ) پہنچا، اس کے استقبال میں توپیں سر کی گئیں، شیر سنگھ نے ایک عہد نامہ زعفران سے لکھ کر نجف خاں کے حوالے کر دیا۔(۳) جس کا مفاد یہ تھا کہ مظفر آباد کے علاقے کی

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۳۔ درہ بھوگڑ منگ شنکیاری سے اتنی دور نہیں، البتہ چھوں درے کے اندر ہے، یہاں ذکر درے کا نہیں بلکہ اندر کے مقام کا ہے، جہاں سید صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔

(۲) تواریخ ہزارہ ص: ۸۳۔ معلوم ہوا کہ یہ مقام مظفر آباد میں شامل ہے۔

(۳) غالباً سکھوں کے زمانے میں خاص عہد نامے عام سیاہی سے نہیں بلکہ زعفران سے لکھے جاتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سلطانی نجف خاں کو دی جا چکی ہے، کوئی دوسرا شخص اس میں شریک نہ ہوگا۔

بعد ازاں چند روز ڈیرہ بہ گوجرہ با جمعیت در رشتہ انتظام ملک مظفر آباد بہ عمل آمدہ۔(۱)

ترجمہ: پھر چند روز ڈیرہ لشکر کے ساتھ گوجرہ ہی میں رہا اور مظفر آباد کے علاقے کا انتظام درست کر دیا گیا۔

ہم پہلے جو کچھ بیان کر چکے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مظفر آباد کا والی نجف خاں نہیں، زبردست خاں تھا۔ وہ بالا کوٹ سے مجاہدین کے جیش ساتھ لایا تھا کہ مظفر آباد پہنچتے ہی دفاعی انتظامات کے لئے خاصی بڑی رقم مجاہدین کے حوالے کر دے گا۔ سید صاحبؒ نے مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو مجاہدین کے تینوں لشکروں کا سردار بنا کر بھیج دیا تھا، زبردست خاں نے مظفر آباد پہنچتے ہی وہ رقم دینے میں لیت ولعل شروع کر دی اور خفیہ خفیہ سکھوں سے نامہ و پیام کا انتظام کر لیا۔

مقصد یہ تھا کہ پیسہ خرچ نہ ہو اور مظفر آباد مل جائے۔ باقی رہی عزیمت تو اس کے پرتو سے نہ محض اس علاقے بلکہ وقت کے اکثر دوسرے رئیسوں کی طرح زبردست خاں کا دل بھی بالکل خالی تھا۔ جب سکھوں کا لشکر گوجرہ پہنچ گیا تو زبردست خاں کو سب کچھ چھوڑ کر شمال جانب کے بلند پہاڑوں میں جا چھپنا ہی قرین مصلحت نظر آیا، اس لئے مجاہدین بھی مظفر آباد کے تخلیے پر مجبور ہو گئے۔

باقی رہا نجف خاں مظفر آبادی، تو وہ شیر سنگھ کے گوجرہ پہنچنے پر اس کے پاس نہیں گیا تھا بلکہ پہلے سے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ زبردست خاں بھاگ نکلا تو ظاہر ہے کہ مظفر آباد کی سلطانی نجف خاں ہی کو مل سکتی تھی، جو سکھوں کی اعانت پر آمادہ تھا۔ لیکن سید صاحبؒ کے ساتھ بھی نامہ و پیام جاری تھا، بلکہ اس نے جنگ سے کچھ ہی عرصہ پہلے سید صاحبؒ کو لکھا

(۱) تواریخ ہزارہ ص ۶۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا کہ میں تو شیر سنگھ کو مظفر آباد کیلئے لایا تھا، یہ خیال نہ تھا کہ آپ سے تصادم ہو جائیگا۔اس کے ساتھ بارہ ہزار بندوقچی ہیں، آپ مقابلہ کرسکیں تو ٹھہریں ورنہ پہاڑ پر چلے جائیں۔

سید صاحبؒ سے مقابلے کی تدبیریں

عین اسی موقع پر اطلاع ملی کہ سید صاحب درۂ بھوگڑ منگ (بچوں) سے بالاکوٹ پہنچ گئے ہیں۔ زمیندار اور عام لوگ ان کے پاس حاضر ہو رہے ہیں۔اس پر مہاں سنگھ نے شیر سنگھ سے کہا اگر سرکاری معاملہ خلیفہ صاحب نے وصول کرلیا تو ہم قلعہ نشین فوجوں کو تنخواہیں کہاں سے دیں گے؟ اس پر پہلی رائے بدلنی پڑی، شیر سنگھ نے حکم دے دیا کہ مہاں سنگھ، وزیر سنگھ، سادھو سنگھ اور رتن سنگھ اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ روانہ ہو جائیں اور گڑھی (حبیب اللہ خاں) میں ڈیرہ جمائیں۔مہاں سنگھ جو کچھ ضروری سمجھے، اس میں پوری پوری امداد دیں۔

چنانچہ یہ لوگ گڑھی میں پہنچے اور دریائے کنہار کے کنارے ٹھہرے، جہاں گڑھی کی مرمت شروع کردی۔ دو تین روز میں کسی جگہ سے ایک گز اور کسی جگہ سے ڈیڑھ گز تک مرمت ہوئی،اس اقدام کا بدیہی مقصد یہ تھا کہ سید صاحب سے جنگ کی جائے۔

شبخون کی اطلاع

دوسرے تیسرے روز سکھوں کو خبر ملی کہ سید صاحبؒ بالاکوٹ سے دریائے کنہار کے کنارے آگئے ہیں،مقصد یہ ہے کہ رات کو دریا سے گذر کر سکھوں پر شبخون مارا جائے۔

بہ مجرد شنیدن ایں خبر افسران ڈیرہ کہ جمعیت قلیل بود ثمگیں چوں بید از باد لرزیدند۔(۱)

---

(۱) تواریخ ہزارہ ص۔۸۴،۸۵۔

آخری فقرے میں خلا محسوس ہوتا ہے۔گڑھی تو مرکز تھا ہی،لیکن دریا کے کنارے ..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: یہ خبر سنتے ہی ڈیرے کے افسر بہت غمگین ہوئے، کیونکہ ان کے پاس جمعیت کم تھی، وہ اس طرح کانپ رہے تھے جس طرح ہوا چلنے سے بید کا درخت لرزتا ہے۔

پہلے تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، پھر کیمپ کے اردگرد خندق کھودی، کانٹوں کی باڑ لگا دی، لکڑیاں اور پتھر فراہم کر کے کیمپ کے دروازوں میں سے صرف ایک بند کر دیا:

بعد گزشتن چار گھڑی شب ہر کس کہ سوار بود بہ اسپ سوار شدہ و ہر کس کہ پیادہ بود مسلح گردید، گاہے بہ طرف مشرق و گاہے بہ طرف شمال سے رفتند و ڈھول و نقارہ مے نواختند تا طلوع شدن آفتاب ہمیں زلزلہ و شور در ڈیرہ ماندہ کسے مے گفت ایں آمدند و کسے مے گفت از یں راہ آمدند و قتیکہ چار پہر شب گزشت کسے یک ساعت آرام نیافت، اما خوف گزشت چوں پردہ ظلمانی برداشتہ شد و شعاع آفتاب جہاں را منور ساخت۔(۱)

ترجمہ: چار گھڑی رات گذر گئی تو جو گھڑ سوار تھا وہ سوار ہو گیا، جو پیادہ تھا اس نے ہتھیار لگا لیے، کبھی وہ مشرق کی طرف جاتے اور کبھی شمال کی طرف ڈھول اور نقارہ بجاتے، سورج نکلنے تک ڈیرے میں یہی زلزلہ و ہنگامہ بپا رہا۔ کوئی کہتا یہ آ گئے، کوئی کہتا اس راستے سے آ گئے، کسی نے ایک ساعت بھی آرام و اطمینان کا سانس نہ لیا۔ خوف اس وقت دور ہوا جب اندھیرے کا پردہ اٹھا اور سورج کی کرنوں سے جہاں روشن ہو گیا۔

یہ غالباً وہی شبخون ہے جس کی تیاری کا ذکر پینتیسویں باب میں آ چکا ہے۔ میں نے

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ: ... کہاں ڈیرہ تھا؟ بظاہر یہ ڈیرہ اس جگہ ہو سکتا تھا جسے "میدان" کہتے ہیں اور یہ تھوڑی سے آگے بالاکوٹ کے شمال سے شروع ہو کر شوہال معز اللہ خاں تک جاتا ہے۔ اصل کتاب میں اس کی تصریح نہیں، لیکن گڑھی سے میدان تک دریا کے کنارے کوئی ایسا مقام نہیں جہاں فوج ٹھہر سکے، اگرچہ اس کی تعداد زیادہ نہ ہو۔

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۴

نوٹ میں لکھا تھا کہ اس وقت سکھوں کا لشکر شاید اس مقام پر تھا جہاں مانسہرہ کی سڑک دریائے کنہار سے آملی ہے، لیکن اگر سکھوں کا لشکر میدان میں تھا تو مقام اجتماع وہ نہیں ہو سکتا۔

شیر سنگھ کی نقل و حرکت

شیر سنگھ اس وقت تک گوجرہ ہی میں تھا، ڈیرے کے فوجی افسروں میں شبخون کے خوف سے اضطراب و بے قراری کمال پر پہنچی ہوئی تھی، آخر انہوں نے ایک عرضی لکھی جس میں بتایا کہ شبخون کا خطرہ ہے اور ہم سب مل جل کر زیادہ سے زیادہ آٹھ سو نفر ہوں گے اور خلیفہ ہم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہماری امداد فرمائی جائے۔ چنانچہ شیر سنگھ پوری فوج کے ساتھ آخر شب گوجرہ سے نکلا اور طلوع آفتاب کے وقت گڑھی حبیب اللہ خاں پہنچ گیا۔ اس پر کیمپ والوں کو اطمینان ہو گیا۔ سولہ روز میں گڑھی کی مرمت ہو گئی، پھر ڈیرہ اٹھا کر کوٹ بیلہ (۱) لے گئے، جو بالاکوٹ سے تین کوس جانب جنوب دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر ہے۔ (۲)

جاسوسوں کا انجام

ایک روز شیر سنگھ سوار ہو کر دریا کے کنارے کنارے بالاکوٹ کی طرف گیا۔ پھر دوربین سے آس پاس کے علاقے پر گہری نظر ڈالی۔ اندازہ ہو گیا کہ مشرقی کنارے سے سید صاحب کے کیمپ پر قابو پالینے کی کوئی صورت نہیں۔ (۳) ادھر سید صاحبؒ نے چار پانچ سو ملکی بندوقچیوں کو دریا سے گزار کر سروٹ کے جنگل میں چھپ جانے کا حکم دے دیا

(۱) کوٹ بیلہ غالباً وہی مقام ہے، جسے قلمی کتاب میں محسن بیلہ لکھا ہے۔

(۲) تواریخ ہزارہ ص: ۸۵

(۳) تواریخ ہزارہ ص: ۸۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھا، جو سکھوں کے کیمپ سے ڈیڑھ کوس شمالی جانب تھا اور اپنے کیمپ میں بہت سے چاول پکا کر ادھر ادھر بکھیر دیے، جنھیں چرنے کے لئے بے شمار پرندے جمع ہو گئے۔ اس وقت دن نکلے دو تین گھڑیاں ہوئی ہوں گی، شیر سنگھ نے سمجھا کہ سید صاحب بالاکوٹ سے چلے گئے بلکہ آواز سے اس امر کا اعلان بھی کر دیا۔(۱)

پھر پانچ سوار اور پانچ پیادے اس غرض سے بالاکوٹ بھیج دیے کہ خبر لائیں۔ یہ لوگ سروٹ کے جنگل سے گذر کر بالاکوٹ کی طرف گئے، سید صاحب کے بھیجے ہوئے آدمی ایک دم گھات سے اٹھے اور ان پر حملہ کر دیا، پانچوں سوار مارے گئے، پیادوں میں سے بھی تین قتل ہو گئے، دو نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور ڈبکی لگا کر دور نکل گئے۔ پھر تیرتے ہوئے سکھوں کے کیمپ میں پہنچ گئے اور حقیقت حال سے سب کو آگاہ کیا۔(۲)

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۵

(۲) تواریخ ہزارہ ص: ۸۶،۸۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ

اڑتالیسواں باب

جنگ بالاکوٹ پر نئی روشنی (۲)

بالاکوٹ پہنچنے کا فیصلہ

اب ہم جنگ بالاکوٹ پر پہنچ گئے ہیں، ابتدا میں سکھوں کی کوشش یہ تھی کہ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھیں، پھر دریا عبور کر کے بالاکوٹ پر حملہ کر دیں۔ موقع کا معائنہ کر چکنے کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اس منصوبے پر عمل نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ دریائے کنہار کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کر سکتے تھے، لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ اس راستے میں آگے چل کر کھڑیاں تھیں، یعنی پہاڑ کے کچھ حصے پھیل کر دریا کے اندر تک پہنچے ہوئے تھے (۱) لہٰذا ادھر سے فوج گزارنا ممکن نہ تھا۔

چنانچہ سکھ سالاروں میں مشورے شروع ہو گئے کہ بالاکوٹ تک فوج لے جانے کی مناسب صورت کیا ہے۔ متعدد تجویزیں پیش ہوئیں، آخر قرار پایا کہ کشمیر سے ایک ہزار بندوقچی آئے ہیں، انہیں کیمپ کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ باقی پوری سکھ فوج دریا کے مغربی کنارے پر پہنچ کر سید صاحب سے جنگ کرے۔ (۲) کیمپ میرے اندازے کے مطابق "میدان" میں تھا اور بعض مقامی روایات بھی اسی کی مؤید تھیں "تواریخ ہزارہ"

(۱) یہ "کھڑیاں" کاٹ کر موجودہ راستہ نکالا گیا، جس پر بعد میں سڑک بنی۔

(۲) تواریخ ہزارہ ص: ۸۲

کا بیان درست مانا جائے تو وہ کوٹ بیلہ میں تھا جو چند میل شمال میں ہے۔

اختیار کردہ راستہ

چنانچہ اسی تجویز پر عمل ہوا، ایک گوجر کو رہبری کی غرض سے ساتھ لے لیا گیا، وہ فوج کو بسیاں اور ڈمگلہ کے راستے کوٹ ڈنہ منی کوٹ پر لے گیا۔(۱)

جو فوج شنکیاری میں تھی وہ بھی تمری بالا کوٹ کے راستے منی کوٹ پہنچ گئے۔(۲)

سید صاحبؒ کے چند آدمی بطور جاسوس تک پانی (۳) میں بیٹھے تھے، ان سے سکھوں کی جنگ ہوئی، تین چار مارے گئے باقی بھاگ نکلے۔ اگرچہ بالا کوٹ سے ایک ہزار بندوقچی روانہ کر دیے گئے، تاہم اس وقت تک سکھ ڈنہ منی کوٹ پر پہنچ چکے تھے، لہٰذا سید صاحب کی مرسلہ کمک راستے ہی سے لوٹ گئی۔(۴)

---

(۱) پورا راستہ نہیں بتایا گیا، میں اس سے پیشتر راستہ تفصیلاً بتا چکا ہوں، بلکہ اس کا نقشہ بھی پیش کر چکا ہوں۔ سکھ فوج مشرقی کنارے کہار سے مغربی کنارے پر پہنچ کر شوبال نجف خاں کے جنوب میں بسیاں اور ڈمگلہ ہوتی ہوئی ماسر ڈھاکہ کے عقب میں جا بہ الکزیلہ، چنڈھوال کے راستے اس جگہ پہنچی، جسے آج کل "شہید گلی" کہتے ہیں۔ "ڈمگلہ" کو متن میں "دمولہ" لکھا ہے، یہ راستہ نیا نہ تھا لوگ عموماً اس سے آتے جاتے تھے، گوجروں کو بخوبی معلوم تھا کیونکہ وہ پہاڑوں پر بکریاں چراتے رہتے تھے۔ سید صاحبؒ کو بھی اس کا علم تھا اسی لئے حفاظت کی غرض سے وہاں چوکیاں بٹھائیں۔

(۲) تواریخ ہزارہ ص ۸۹- اس سے واضح ہے کہ سکھوں کی فوج خاصی بڑھ گئی تھی، نجف خاں مظفر آبادی نے جو سید صاحب کو لکھا تھا کہ شیر سنگھ کے ساتھ بارہ ہزار بندوقچی ہیں، یہ غلط نہ تھا۔ آٹھ ہزار بندوقچی ہزارہ سے گیا یا تھا، ایک ہزار کشمیر سے آئے، شنکیاری کی فوج شامل ہوئی تو یقیناً گیارہ بارہ ہزار ہو گئے ہوں گے۔

(۳) ظاہر ہے کہ یہاں "جاسوس" محض خبر رساں کے معنی میں استعمال ہوا ہے، نیز "تک پانی" یہاں کوئی مقام نہیں، اس نام کا ایک مقام ریاست امب میں دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر تھا، یہاں جس مقام کا ذکر ہے اس کا نام "لیدی تک" ہے۔ اس ملک میں پہاڑوں کے لئے درجات رفعت کے اعتبار سے مختلف نام تجویز کر لئے گئے ہیں۔ مثلاً سب سے بلند "ڈھاکہ" اس سے نیچا "ڈنہ" اس سے نیچا "تک" اس سے نیچا "ڈھیری"۔

(۴) تواریخ ہزارہ ص: ۸۶- یہاں اتنا اور بتا دینا چاہئے کہ مجاہدین کی روایات کے مطابق شہید گلی کے مقام پر میرزا احمد بیگ پنجابی کا مورچہ تھا اور تصادم میں اس کے آٹھ رفیق شہید ہوئے۔ باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہاں سید صاحبؒ کے مجاہدین میں سے ''تین چار'' آدمی مارے گئے، اسی کا نام آج کل ''شہید گلی'' ہے۔ گویا سکھوں سے مجاہدین کا پہلا تصادم اسی مقام پر ہوا، اس سے آگے ''ٹھنڈا کٹھہ'' نام نالہ ہے، جو پہاڑوں میں سے بہتا ہوا بالاکوٹ جانے والی سڑک سے گذر کر کنہار میں شامل ہو گیا ہے، پھر مٹی کوٹ آتا ہے۔

پانی کا مسئلہ

مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچنے کے بعد سکھوں کو سب سے بڑی مشکل پانی کے متعلق پیش آئی:

دیدند کہ یک قطرۂ آب بر آنجا نہ بود۔ حیران شدند کہ اگر چہ یک دو روز سوائے خوردن بسر توانند شد، لیکن بدوں آب چگونہ گزارہ خواہد شد۔ ہر کس دریں فکر بود کہ از امداد قضا و قدر یک تیرہ سحاب از طرف شمال برخاستہ بر کوہ ژند آمدہ آں قدر ژالہ تگرگ بارید کہ کسے را از آدم و جانور ہیچ گونہ آسیب نہ داد و آب برائے نوشیدن و نان پختن آں قدر روا فرشد کہ ظروف نزد کسے کہ تمام از آں ژالہ پر کردند، بعد یک ساعت تمام آب شیریں و خوشگوار گشت و ایام ماہ چیسا کھ بودند کہ آب شیریں و خوشگوار و سرد بیکار بود ہر گاہ کہ بہ امداد فلکی تمام فوج سکھاں از آب و نان آسودہ شد، شب را بہ آرام و آسائش بسر کردند۔(۱)

ترجمہ: دیکھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں حیران ہوئے کہ اگر چہ کھائے بغیر ایک دو دن گزارے جا سکتے ہیں، لیکن پانی کے بغیر کیوں کر

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ...... اس نے فوراً سید صاحب کو خبر بھیج دی، وہاں سے ایک جیش ابراہیم خاں اور فرج اللہ عرب کی سرکردگی میں بھیجا گیا، پھر سید نور اللہ شاہ کو ایک جمعیت کے ساتھ دوڑایا۔ ارباب بہرام خاں سے سید صاحب نے فرمایا کہ آپ بھی جائیں، آخر میں سید جعفر علی نقوی کو بھیجا لیکن میرزا احمد بیگ نے کہا کہ اب سکھوں کو یہاں روکنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ پہاڑ پر پہنچ گئے تھے، ایک جگہ انہیں روکا جاتا تو وہ دوسرے راستوں سے آ سکتے تھے۔

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گزارا ہوگا۔ ہر شخص اسی فکر میں تھا کہ قضا وقدر کی مہربانی سے ایک سیاہ بادل سمت شمال سے اٹھا، ڈیرہ پر پہنچا، اس میں سے چھوٹے چھوٹے اولے برسے اور کسی آدمی یا جانور کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پینے اور کھانا پکانے کے لئے بہ کثرت پانی مہیا ہوگیا، جن لوگوں نے اولوں سے برتن بھر لیے تھے انہوں نے دیکھا کہ اولوں نے پگھل کر ایک گھڑی کے بعد خوشگوار میٹھے پانی کی شکل اختیار کر لی۔ بیساکھ کا مہینا تھا جس میں میٹھا، خوشگوار اور ٹھنڈا پانی درکار ہوتا ہے۔ جب آسمانی امداد سے سکھوں کی فوج پانی روٹی کی طرف سے فارغ ہوگئی تو رات بڑے آرام وآسایش سے گذری۔

سکھوں کی مجلس شوریٰ

صبح ہوئی تو سکھ پھر شیر سنگھ کے پاس جمع ہوئے۔ یہ طے ہوگیا کہ مٹی کوٹ کے ٹیلے پر قابض رہنا ضروری ہے، لیکن مسئلہ جنگ میں ان کے درمیان اختلاف رہا، پہلے یہ فیصلہ ہوا کہ مہاں سنگھ اور لکھمی سنگھ پیش قدمی کریں، باقی فوج ان کی کمک کے لئے تیار رہے۔ دونوں سالار فوج کے ساتھ دو گولی کے فاصلے پر پہنچے تو شام سنگھ اٹاری والے نے کہا کہ یہ فیصلہ اچھا نہیں۔

> اگر آں ہر دو کساں جنگ کردند و فتح یافتند، ما دیگراں بہ کدامی نوشتہ خواہیم شد؟ واگر خدانخواستہ باشد آں ہر دو کساں راشکست آمد ما بہ کدامی نوشتہ خواہیم شد؟ بہ شنیدن ایں سخن ہمہ افسراں رافکر زیادہ افتاد، ہمہ کساں برخاستہ کہ ہمہ مے رویم یا فتح کردیم حاجت واشتن کوہ نیست واگر خدانخواہد شکست خوردیم مارا بہ لاہور رفتن کس نخواہد داد، درراہ کہ ملکیہ مردم مسلمان ہستند مارا کہ رسیدن مے دہند؟ دریں صورت ما جملہ یک بارگی حملہ کنیم۔(۱)

(۱) تواریخ ہزارہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: اگر ان دونوں سالاروں نے جنگ کی اور فتح حاصل کر لی تو ہمیں کس شمار میں رکھا جائیگا؟ اگر خدانخواستہ ان دونوں کو شکست ہوئی تو ہمیں کس زمرے میں شامل کیا جائے گا؟ یہ سنتے ہی سب افسر حد درجہ متفکر ہو گئے، سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم چلتے ہیں، یا فتح حاصل کریں گے، اس صورت میں پہاڑ پر قبضہ قائم رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی، اگر خدانخواستہ شکست ہوئی تو کوئی ہمیں لاہور نہ جانے دیگا۔ یہ راستے میں جو ملکی مسلمان ہیں یہ ہمیں کب پہنچنے دیں گے؟ اس صورت میں ہم سب کو بہ یک وقت حملہ کرنا چاہیئے۔

جنگ

غرض پوری سکھ فوج مٹی کوٹ کے ٹیلے سے بالاکوٹ کی جانب نیچے اترنے لگی۔ ''تواریخ ہزارہ'' مظہر ہے کہ نیچے سب سے پہلے وہ زمین تھی جسے مقامی اصطلاح میں ہوتر کہتے ہیں، یعنی دھان بونے کی زمین، جس میں پانی رہتا ہے۔ پھر بالاکوٹ کا ٹیلہ تھا، جہاں سید صاحبؒ اور ان کے ساتھی تیر وتفنگ اور زنبورک سے لیس تیار تھے۔ فریقین نے بندوقیں اور زنبورکیں سر کرنی شروع کر دی تھیں، سکھوں کے پاس ایک توپ تھی جو کشمیر کی فوج ساتھ لائی تھی، اس سے گولے پھینکے جاتے رہے۔ جب پیش قدمی کرنے والی سکھ فوجوں کے نشانچی آگے بڑھے تو دونوں کے سینوں میں گولیاں لگیں، وہ ختم ہو گئے اور نشان ان کے ہاتھ سے زمین پر گر گئے۔ اگرچہ دوسرے سکھوں نے وہ نشان اٹھا لیے۔

لیکن مردم خلیفہ ہر قدر کہ در بالاکوٹ بودند آں نشانہاں اسلامی دیدہ فوراً دعاجلۂ حملہ کردند، مل خلیفہ سید احمد شاہ ومولوی اسماعیل کہ ہر دو افسران کلاں تران فوج بودند بہ ذات خود حملہ کناں واللہ اکبر گویاں درزمین ہوتر کہ درمیان ہر دو بود آمدند و بہ آواز بلند گفتند کہ کافراں رفتند حملہ بہ کنید۔ چوں خواہش قضا وقدر ہمیں بود کہ ساتگین حیات خلیفہ احمد شاہ ومولوی اسماعیل بلکہ تمام ہمراہیانش از رحیقِ زندگی بلب شدہ بود ہمہ یک بارگی از زمین ہوتر گزشتہ دامن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کوہ کہ یک طرف فوج سردار شام سنگھ و پرتاب سنگھ اٹاری والا بود و یک طرف
سردار عطر سنگھ کالیانوالہ و گورکھ سنگھ وغیرہ بودند، آمدند۔ (۱)

ترجمہ: لیکن سید صاحب کے ساتھ جتنے مجاہدین بالاکوٹ میں تھے،
انہوں نے نشانوں کو گرا ہوا دیکھتے ہی فوراً اور عاجلاً حملہ کر دیا بلکہ خلیفہ سید
احمد شاہ اور مولوی اسماعیل بھی جو فوج کے سب سے بڑے سردار تھے، بہ ذات
خود حملے میں شریک ہو گئے۔ وہ اللہ اکبر کہتے ہوئے ہوتر کی زمین میں پہنچ
گئے۔ زور زور سے کہہ رہے تھے، دیکھو کافر شکست کھا کر جا رہے ہیں، ان پر
بلہ بول دو۔ قضا و قدر کی خواہش یہی تھی کہ خلیفہ احمد شاہ، مولوی اسماعیل بلکہ ان
کے تمام ساتھیوں کا پیمانۂ حیات زندگی کی شراب سے پر ہو جائے۔ اس لئے کہ
ایک دم ہوتر کی زمین میں گذرتے ہوئے دامن کوہ میں پہنچ گئے، جہاں ایک
طرف شام سنگھ اور پرتاب سنگھ اٹاری والے کی فوج تھی، دوسری طرف سردار عطر
سنگھ، گورکھ سنگھ وغیرہ کی۔

ایک عقدے کا حل

جنگ بالاکوٹ کے وقت سے یہ معاملہ عقدے کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے کہ
جب سید صاحب فیصلہ فرما چکے تھے کہ سکھوں پر اس وقت حملہ کیا جائے گا جب وہ مٹی کوٹ
سے اتر کر نہ محض نیچے آئیں گے بلکہ ہوتر کی زمین یعنی نشیب سے گذر کر بالاکوٹ کی
طرف اوپر چڑھنے لگیں گے، پھر یکایک یہ فیصلہ کیوں بدلا گیا اور کس وجہ سے اچانک
سکھوں پر اس وقت حملہ کیا گیا، جب وہ پہاڑ سے نیچے بھی نہیں اترے تھے؟ اس کی کوئی
معقول توجیہ گزشتہ ایک سو چھتیس برس میں سامنے نہیں آئی تھی۔ محولہ بالا عبارت نے اس
راز سے پہلی مرتبہ پردہ اٹھایا کہ سکھ فوج کے نشان بردار مجاہدین کی گولیوں سے گر گئے اور
سکھوں میں سراسیمگی پیدا ہوئی تو سمجھ لیا گیا کہ حملے کا مناسب وقت یہی ہے۔

(۱) تواریخ ہزارہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قرائن کی بنا پر یقین ہے کہ سکھ فوج کی پیش قدمی نشان چیوں کے گرتے ہی رک گئی ہوگی، یہ بھی یقین ہے کہ انہوں نے کچھ تاخیر اس وجہ سے کی ہوگی کہ حفاظت کے بہتر انتظامات کر کے قدم آگے بڑھائیں۔ اس موقع کو جوابی حملے کے لئے موزوں و مناسب سمجھ لینا ہر نقطۂ نگاہ سے قرین قیاس تھا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ چھوٹی جمعیت، بڑی فوج کے مقابلے میں یورش کے مناسب مواقع کا خیال بطور خاص رکھتی ہے۔ اس انتظار میں نہیں رہتی کہ بڑی فوج کو سراسیمگی سے سنبھلنے کی مہلت دے دے اور مزید انتظار میں اپنے مقام پر جمی رہے، یہ عقدہ ''تواریخ ہزارہ'' کے بیان سے حل ہوگیا۔

سراسیمگی کا روشن ثبوت

سید صاحبؒ اور ان کے غازی بپھرے ہوئے شیروں کی طرح حملہ کر کے دامن کوہ میں پہنچ گئے اور سکھوں پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ تواریخ ہزارہ مظہر ہے:

اول پائے سکھاں از میدان پس شدہ آخر کنور شیر سنگھ شمشیر از نیام بر آوردہ پیشتر شد مگر سردار مہاں سنگھ مع ہمراہیان خود مانع شد کہ تنہا پیشتر رفتن مناسب نیست لیکن کنور شیر سنگھ آں وقت ہیچ نشنود و شمشیر برہنہ در دست دہ دوازدہ قدم پیشتر شدہ کسانیکہ از مقابلہ واپس مے آمدند آنہا را سنگ زدہ و دشنام بادادہ واپس ایستادہ بود و یک فراش خود بہ طرف شام سنگھ و پرتاب سنگھ اٹاری والا فرستاد کہ ہوشیار بودہ بندوق ہا بزدید و یک آدمی طرف عطر سنگھ کالیا نوالہ کہ آخریں بندوقہا زدند۔(۱)

ترجمہ: سکھ اولاً پسپا ہو گئے آخر کنور شیر سنگھ نے خود تلوار میان سے نکالی اور آگے بڑھا۔ مہاں سنگھ اسے روکتا تھا کہ تنہا آگے جانا مناسب نہیں، کنور شیر سنگھ اس وقت کچھ نہیں سنتا تھا اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے دس بارہ قدم آگے

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۷۔۱۸۵ و ۱۸۷ الف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڑھ گیا، جو سکھ مقابلے سے واپس آ رہے تھے، انہیں پتھر مار مار کر اور گالیاں دے دے کر ٹھہراتا تھا پھر اس نے ایک خادم کو شام سنگھ اور پرتاب سنگھ کی طرف بھیجا کہ ہوشیاری سے بندوقیں سر کرو۔ ایک آدمی عطر سنگھ کالیانوالہ کی طرف بھی بھیجا۔ اس کے آدمیوں نے بھی خوب بندوقیں چلائیں۔

شہادت گاہِ بالاکوٹ

غرض فریقین کی طرف سے آتشباری بڑے زور سے جاری رہی:

یک صد ہفتاد و ہفت نفر مع خلیفہ سید احمد شاہ در ہماں زمین ہوتر بلا شہ برلاشہ مردہ شدند و ہمیں قسم در زمین ہوتر چہار صد مردم ہندوستانی کہ بہ دل و جان بہ قبضہ خلیفہ بودند ہمہ جاں دادند و لاشہ خلیفہ ہم بہ زخم بندوق کہ یک گولی بر بازوے راست و دیگر گولی بر سینہ متصل پستان چپ چسپیدہ بود ہماں جا افتادہ اند از ہمراہیانش کہ بقدر ہشتاد یا چندیں دیگر مردم بودند سہ مراتب حملہ کردند کہ لاشہ را ببرند لیکن از کثرت بندوقہا کہ بچوا بر مدار گولی مے بارید میسر نہ شد لاچار سر خلیفہ سید احمد شاہ از لاشہ جدا ساختہ خواستند کہ ببرند چوں چندیں رفتہ بودند کہ آں شخص را کہ سر خلیفہ برداشتہ بود زخم گولی کارکرد وقت مردن سر خلیفہ در یک خرمن شریف کہ دراں افتادہ بود پنہاں نمود۔(۱)

ترجمہ: ایک سو ستتر غازی مع خلیفہ احمد شاہ زمین ہوتر ہی میں شہید ہو گئے اور لاش پر لاش گرتی رہی۔ اسی طرح اسی زمین ہوتر میں چار سو ہندوستانی جو خلیفہ پر جان و دل سے نثار تھے، جاں بحق ہوئے۔ خلیفہ صاحب کی موت بھی گولی سے ہوئی ایک گولی داہنے ہاتھ پر لگی، دوسری گولی سینے پر بائیں پستان کے مقام پر بیٹھی۔ چنانچہ وہ وہیں گر گئے، ان کے ہمراہیوں کی تعداد اسی یا اس سے بھی زیادہ تھی، انہوں نے خلیفہ کی لاش اٹھا لے جانے کی غرض سے

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۷۔۸ الف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے تین مرتبہ حملہ کیا، لیکن انہیں موقع نہ مل سکا۔ آخر خلیفہ کا سر تن سے جدا کر لیا گیا تاکہ اسی کو اٹھا لے جائیں۔ وہ چلے لیکن جس شخص کے پاس سر تھا، اسے گولی سے کاری زخم لگا اور مرنے سے پیشتر سر اس نے سرسوں کے ایک خرمن میں چھپا دیا جو اس جگہ موجود تھا۔

ضروری تصریحات

اس بیان میں سے جو یقیناً سکھ سالاروں یا سپاہیوں کی روایات پر مبنی ہے، بعض باتیں درست معلوم ہوتی ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ انہیں کسی بھی صورت میں صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً:

۱۔ یہ بالکل درست ہے کہ سید صاحبؒ کے داہنے بازو یا ہاتھ پر زخم لگا تھا، اس کی توثیق مجاہدین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔

۲۔ کہا گیا ہے کہ دوسری گولی سینے پر "متصل پستان چپ" پڑی، گویا عین مقام قلب پر لگی، اس سے ظاہر ہے کہ شہادت کا اصل سبب یہی گولی تھی۔

۳۔ یہ صحیح نہیں کہ آپ کے ساتھ اسی آدمی تھے، کیونکہ مجاہدین جس صورت میں حملے کے لئے نکلے تھے، اس سے کسی بڑے گروہ کا ایک جگہ جمع رہنا یا جمع ہونا ممکن ہی نہ تھا، وہ سب بکھر گئے تھے۔ سید صاحب کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہوں گے۔

۴۔ یہ بھی قابل تسلیم نہیں کہ غازیوں کو جب سید شہید کی میت اٹھا لے جانے کا موقع نہ ملا تو ان میں سے ایک نے سید صاحب کا سر مبارک بدن سے الگ کر لیا۔ غازیوں میں سے کوئی بھی اس نوع کی کسی حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا اور اس سے کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ ایسی کوئی مثال بھی نہیں ملتی کہ کسی غازی کا سر بعد شہادت بدن سے الگ کیا گیا ہو، ہاں جنگ کے بعد شہیدوں کو پورے احترام سے دفن ضرور کیا جاتا تھا۔

۵۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ ایک سو ستتر غازی دامن کوہ میں اور چار سو آس پاس شہید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوئے، کل شہدا کی تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی اور اس کی توثیق ان غازیوں کی تعداد سے بھی ہوتی ہے جو جنگ بالاکوٹ کے بعد زندہ رہے۔

سکھوں کی آخری افسوسناک حرکت

سکھوں کے اقتدار کی ابتدا غارت گرانہ اور وحشیانہ چھاپوں سے ہوئی تھی۔ رنجیت سنگھ نے بھی اپنے مقاصد توسیع اقتدار کے پیش نظر غارت گری اور وحشیانہ اقدامات کی حوصلہ افزائی جاری رکھی۔ تواریخ ہزارہ مظہر ہے کہ جب غازیوں سے میدان خالی ہو گیا تو سکھ ان کے تعاقب میں بالاکوٹ پہنچ گئے:

> ڈیرہ خلیفہ و خانہ ہائے ساکنان بالاکوٹ غارت نمودند کوٹھا ہائے بالاکوٹ را آتش داد ند و سوختند، ہشت زنبورک، یک فیل دوازدہ راس اسپاں و چند راس قاطر از غارت ڈیرۂ خلیفہ بدست سپاہیان لشکر سکھاں آمدہ۔(۱)
>
> **ترجمہ**: سید صاحب کے ڈیرے اور باشندگان بالاکوٹ کے مکان لوٹے گئے، ان کے کوٹھوں کو آگ لگا دی گئی، سید صاحب کے مال میں سے آٹھ زنبورکیں، ایک ہاتھی، بارہ گھوڑے، چند خچر سکھ سپاہیوں کے ہاتھ آئے۔

اس مختصر سے بیان میں ان ریکارڈوں، دستاویزوں، خطوں، رجسٹروں، یادداشتوں کتابوں، عیدین و جمعہ کے خطبوں وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں، جن میں سے ایک ایک شئ کی قیمت پوری ریاست دے کر بھی ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ سکھوں کو ایسی گراں بہا چیزوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

جنگ بالاکوٹ یہاں پہنچ کر ختم ہو گئی، سید صاحبؒ کی میت سے جو سلوک روا رکھا گیا اس کی کیفیت اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

---

(۱) تواریخ ہزارہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ

انچاسواں باب

مدفن اور بعد کی کیفیت

شہادت یا غیبوبت

شہادت کے بعد یہ مسئلہ باقی رہ گیا کہ سید صاحب کہاں دفن ہوئے اور ان کی میت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا؟ اس سلسلے میں ''تواریخ ہزارہ'' کا بیان سکھ فوجیوں کی بیان کردہ حکایات پر مبنی ہوگا اور وہ فی الجملہ ان بیانات کا مؤید ہے جو ہم اوپر پیش کر چکے ہیں۔ بعض جزئیات میں اختلاف ہے یا کہنا چاہئے کہ اجمال وتفصیل کا فرق ہے۔ اس طرح ثابت ہوگیا کہ سید صاحبؒ یقیناً شہید ہوئے، جن اصحاب نے مدتِ دراز تک عقیدۂ غیبوبت کو مدارِ کار بنائے رکھا، وہ غلطی پر تھے۔ حقیقتاً اس عقیدے کیلئے کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ سید احمد شہیدؒ نے احیاءِ اسلام، تطہیرِ ہند اور بحالیٔ حکومتِ اسلامیہ کے لئے نہایت پرخلوص اور ہر اعتبار سے غیر معمولی کوششیں کیں، جن کی داستان کا ایک حصہ زیرِ مطالعہ کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ سید صاحب کی عظمت ان کے عزیمت آموز اور ایمان افروز کارناموں پر قائم ہے، انہیں کارناموں کیلئے انہوں نے جذبۂ اسلامیت کی سرشاری میں زندگی کی ہر متاع بے دریغ قربان کردی۔ یہ توفیق وقت کے کسی عظیم القدر اور ذی وسائل مسلمان فرمانروا یا حاکم کے حصے میں نہ آئی۔ ان سب کے دل مردہ، سب کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حوصلے افسردہ اور سب کی ہمتیں بے روح تھیں۔

سید احمد شہید نے ظاہری اسباب کے فقدان سے بے پروا ہو کر وَفِـــیْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافِسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ کی دعوتِ عام عملاً اس یگانہ شان سے دے دی کہ اس کی صدائے بازگشت سے عرصۂ روزگار ہمیشہ گونجتا رہے گا۔ یہی ان کی سب سے بڑی کرامت تھی۔ یہی ان کا شرف خاص تھا، اصل کام کے وقت غائب ہو جانے اور کسی نامعلوم ساعت میں نمود وظہور کے انتظار کے لئے کون سی مصلحت پیش کی جا سکتی ہے؟

معائنۂ میدانِ جنگ اور میتِ سیدؒ

جنگ ختم ہو گئی تو شیر سنگھ نے بالا کوٹ کے ٹیلے سے نیچے دریائے کنہار کے کنارے کیمپ لگایا، پھر وہ اور دوسرے سکھ سالار سوار ہو کر میدانِ جنگ کے معائنے کی غرض سے نکلے۔ ایک جگہ انہیں ایک ایسی میت نظر آئی تھی جو بظاہر کسی رئیس کی معلوم ہوتی تھی۔ سمجھا گیا کہ یہی سید صاحب کی میت ہے، چنانچہ اسے اٹھوا کر کیمپ میں لائے اور ایک سائبان کے نیچے رکھ دیا۔ شیر سنگھ نے حکم دے دیا کہ کسی ایسے شخص کو لاؤ جو خلیفہ صاحب کو پہچانتا ہو۔ نواب خاں تنولی کو حاضر کیا گیا، جو دو تین سال سید صاحبؒ کے ساتھ رہا تھا۔ شیر سنگھ نے اس سے پوچھا کہ پہچانو آیا یہ خلیفہ صاحب کی لاش ہے؟ نواب خاں نے جواب دیا:

> صاحب! اگر سرے بودے شناختم حالا مردہ بے سر را شناختن دشوار است لیکن خلیفہ سید احمد شاہ را یک نشان است کہ ناخون انگشتہائے (پا) ہمہ ناقص وخراب ہستند۔ چنانچہ پارچہ برداشتہ ملاحظہ کردند کہ ہر دہ ناخون ہر دہ انگشتہائے پائے کہ بودند ہمہ ہا خراب ونادرست بودند۔ اگر چہ ہر کس گفت لاشہ خلیفہ ہمیں است لیکن یقین کافی نہ شد۔(۱)

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۷، ۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: صاحب! اگر سر ہوتا تو میں پہچان لیتا لیکن سر کے بغیر مردہ لاش کو پہچاننا دشوار ہے۔ البتہ خلیفہ سید احمد شاہ کی ایک نشانی ہے، یعنی آپ کے پاؤں کی انگلیوں کے ناخن خراب و نادرست تھے، چنانچہ کپڑا اٹھا کر دیکھا گیا تو واقعی پاؤں کی دس انگلیوں کے ناخن خراب نظر آئے، اگرچہ ہر شخص کہتا تھا کہ خلیفہ صاحب کی لاش یہی ہے، تاہم پورا یقین نہ ہوا۔

واضح رہے کہ سکھوں کیلئے اس باب میں یقین کامل حاصل کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ سید صاحبؒ کی میت سے مناسب سلوک ضروری سمجھتے تھے، اصل وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی شہادت کا یقین حاصل کیے بغیر وہ کام ادھورا رہتا تھا، جس کے لئے شیر سنگھ کو آٹھ ہزار بندوقچیوں کے ساتھ لاہور سے بھیجا گیا۔ پھر اس نے کشمیر اور ہزارہ کی فوج سے کمک بھی حاصل کی تھی۔

سر کی تلاش

سب اسی فکر میں تھے کہ یقین کیوں کر حاصل کیا جائے۔ اس اثناء میں فیروز خاں تنولی کے باپ کالا خاں تنولی کے ایک سپاہی نے کہا کہ اگر مجھے انعام دیا جائے تو سید صاحب کے سر کی نشان دہی کیلئے تیار ہوں۔ اس وقت دن ایک گھڑی باقی رہ گیا تھا، شیر سنگھ نے پچیس روپے اس سپاہی کو دیے۔ پچیس سوار اور پچاس پیادے اس کے ساتھ کر دیے کہ جہاں سر ہو، وہاں سے لے آؤ۔ سپاہی ان سواروں اور پیادوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں گیا۔ سرسوں کے اس خرمن کے پاس پہنچا، جہاں سید صاحب کے ایک غازی کو گولی کھا کر مرنے سے پیشتر سر چھپاتے ہوئے دیکھا تھا اور خرمن سے نکال کر پیش کر دیا۔ سوار اور پیادے سر کیمپ کی طرف لے آئے۔ تواریخ مظہر ہے:

بے وقت شدہ بود و ذیرہ شور و غوغا افتاد کہ سوار و پیادۂ معاندان آمدند، چنانچہ ہمہ کساں فوج بہ سلاح بندی و زین نمودن اسپاں چابک دستی کردند کسے دل جمعی نمود کہ ہمیں سوار و پیادہ ہستند کہ برائے گرفتن سر خلیفہ سید احمد شاہ رفتہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بودند، آں ہر کسے بہ تسلی پرداختہ بردیدہ بہ دل جمعی نشستند۔(۱)

ترجمہ: اندھیرا ہو گیا تھا، سکھوں کے کیمپ میں شور مچ گیا کہ دشمنوں کے سوار اور پیادے آ گئے۔ فوج میں سے ہر شخص نے ہتھیار سنبھالے اور گھوڑوں پر زین ڈالنے میں بڑی تیزی دکھائی۔ پھر کسی نے بتایا کہ یہ تو وہی سوار اور پیادے ہیں جو خلیفہ سید احمد شاہ کا سر لانے کے لئے بھیجے گئے تھے، اس وقت سب کو تسلی ہوئی اور تمام لوگ دل جمعی سے بیٹھ گئے۔

سرمۂ بصیرت

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فوج اور سروسامانِ جنگ کی قلت کے باوصف سید شہید کی عزیمت نے سکھوں کے دل میں کتنا ہراس پیدا کر رکھا تھا۔ چند سو غازیوں کے مقابلے کے لئے بارہ ہزار فوج جمع کی گئی، دوپہر تک جنگ ختم ہو چکی تھی، تین سو کے قریب غازی شہادت پا چکے تھے اور باقی میدانِ جنگ سے نکل گئے تھے۔ سکھوں کو یقین ہو چکا تھا کہ اب فوری مقابلے کا کوئی امکان نہیں، خود پچیس سوار اور پچاس پیادے سید صاحبؒ کا سر لانے کیلئے بھیجے، ذرا اندھیرا ہو جانے پر وہ لوٹے تو سراسیمگی پھیل گئی کہ دشمن کے سوار اور پیادے آ گئے۔

اگر سرحد کے مختلف مسلمان رؤسا کی بدعہدی اور غداری کے باعث حالات ناسازگار نہ ہو جاتے تو کیا سید شہید کے کامیاب ہونے کی قوی امید نہ تھی؟ پھر کیا ۱۸۳۱ء میں پنجاب کا فیصلہ کر چکنے کے بعد ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے پاک کر لینے کے بہترین ممکنات سامنے نہ آ جاتے اور اس ملک کی تاریخ کا دھارا سوا سو سال پیشتر دوسرا رخ اختیار نہ کر لیتا؟ لیکن اپنی کم نصیبی اور سیاہ بختی کا ماتم کہاں تک کیا جائے؟

یک کاشکے بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم!

---

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تجہیز و تدفین

بہر حال سر مبارک لا کر دھڑ کے ساتھ ملایا گیا تو نواب خاں تنولی نے یقین دلا دیا کہ یہ میت سید صاحب ہی کی ہے۔ چنانچہ اسی کے سپرد کر دی گئی، رات کو سکھ کیمپ کے مسلمان ملازم بھی میت کے پاس بیٹھے مرثیہ خوانی کرتے رہے۔(۱)

سید صاحبؒ کی شہادت ۲۴/ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶/مئی ۱۸۳۱ء کو گیارہ بجے کے قریب ہوئی۔ ۲۵/ذی قعدہ کو شیر سنگھ کے حکم کے مطابق سید صاحب کی میت دریائے کنہار سے متصل دفن کر دی گئی۔ تیسرے روز یعنی ۲۶/ذی قعدہ ۸/مئی کو شیر سنگھ فوج کے ساتھ گڑھی حبیب اللہ خاں کی جانب روانہ ہوا، مہاں سنگھ اور لکھمی سنگھ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی جمیعتوں کے ساتھ وہیں ٹھہرے رہیں۔ کیمپ کا اسباب روانہ کر دیں اور جب فوج گڑھی سے آگے نکل جائے تو خود روانہ ہوں۔(۲)

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سید صاحبؒ کی میت میدانِ جنگ سے اٹھوا کر شیر سنگھ کے کیمپ میں لانے کا مقصد یہ تھا کہ تصدیق ہو جائے کہ میت سید صاحب ہی کی ہے۔ پھر اسے وہاں دفن کیا گیا، جہاں اب قبر کا نشان ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ٹھیک اسی جگہ دفن کیا گیا تھا، یا اصل مدفن اور موجودہ قبر میں تفاوت تھا، اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔

میت کا اخراج

شیر سنگھ کے چلے جانے کے بعد مہاں سنگھ اور لکھمی سنگھ نے باہم صلاح کی، غالباً مہاں سنگھ نے کہا:

(۱) تواریخ ہزارہ ص:۸۸۔ مرثیہ خوانی کا کونسا موقع تھا؟ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے ہوں گے۔
(۲) تواریخ ہزارہ ص:۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

در زندگی ہمہ شور و فساد خلیفہ دریں ملک بود حالا اگر قبر مردہ دریں جا ماند بسیار مسلمانان پرستش خواہند کرد و کرامات ظاہر خواہند نمود۔ بہتر آں است کہ لاشہ خلیفہ سید احمد شاہ از قبر بیروں نمودہ در دریائے کنہار بیندازیم۔(۱)

ترجمہ: جب تک سید صاحب زندہ رہے، اس ملک میں شور و فساد برپا رہا۔ اب اگر یہ قبر باقی رہی تو بہت سے مسلمان اس کی پرستش شروع کر دیں گے اور ان کی کرامتیں نمایاں کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی میت قبر سے نکال کر دریائے کنہار میں ڈال دی جائے۔

وہاں اس وقت آٹھ نہنگ سکھ کھڑے تھے۔ مہاں سنگھ اور لکھمی سنگھ نے انہیں پچیس پچیس روپے دے کر کہا کہ ثواب کا کام ہے، خلیفہ صاحب کی لاش قبر سے نکال کر دریا میں ڈال دو جو پاس ہی ہے:

چنانچہ نہنگاں فی الفور لاشہ را از قبر برآوردند از شمشیر اعضا جدا کردہ در نالۂ کنہار انداختند۔(۲)

ترجمہ: چنانچہ نہنگوں نے فوراً سید صاحبؒ کی میت قبر سے نکالی، تلوار سے جوڑ الگ الگ کئے اور دریا میں ڈال دیے۔

دو نئی باتیں

قبر سے میت کا نکالنا اور دریا میں ڈالنا تو پہلے سے مسلم تھا، اس بیان میں دو باتیں نئی ہیں: اول میں سمجھتا تھا کہ نہنگ انتقاماً اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے، کیونکہ ان کا سردار پھولا سنگھ اکالی جنگ نوشہرہ (۱۸۲۳ء) میں مارا گیا تھا، اور وہ سمجھتے تھے کہ اسے مارنے کے ذمہ دار سید صاحب تھے، حالانکہ سید صاحب اس وقت تک سرحد آئے بھی نہیں تھے۔

(۱) تواریخ ہزارہ ص: ۸۸

(۲) تواریخ ہزارہ ص: ۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اب معلوم ہوا کہ یہ کام سکھ سالاروں نے خود کرایا، انھیں یہ اندیشہ تھا کہ سید صاحب کی قبر سلامت رہی تو وہ مسلمانوں کیلئے مسلسل عزیمت کا ولولہ افروز پیغام بنی رہے گی۔ گویا سید شہید کی ذات گرامی سے سکھ اس درجہ خوفزدہ تھے کہ ان کی قبر سلامت رہنے سے بھی سکھوں کے اوسان خطا ہوتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرے سامنے جو بیانات تھے ان سے واضح ہوتا تھا کہ نہنگوں نے میت قبر سے نکال کر دریا میں ڈال دی۔ سر دھڑ سے الگ ہو گیا، سر گڑھی حبیب اللہ خاں پہنچ گیا، جہاں خان گڑھی نے اسے دریا سے نکلوا کر کنارے پر دفن کرا دیا، دھڑ بعد میں تلہٹہ پہنچا اور وہاں کے مسلمانوں نے اسے ایک قبرستان میں دفن کر کے نشان مٹا دیا۔ اگر یہ درست ہے کہ میت کے جوڑ الگ کئے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ دھڑ کا تلہٹہ میں دفن ہونا قرین قیاس نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض اعضا وہاں دفن ہوئے ہوں۔

جنگ بالاکوٹ کی تاریخ

آخر میں مہتاب سنگھ نے لکھا ہے کہ جب سکھوں کی فوج گڑھی حبیب اللہ خاں سے کوچ کر گئی تو مہاں سنگھ اور لکھمی سنگھ اس کے پیچھے پیچھے ہزارہ پہنچے۔ اسی طرح کنور شیر سنگھ اور دوسرے سردار منزل بہ منزل لاہور پہنچ گئے اور ہزارہ کی فوج سردار مہاں سنگھ کے زیر سرکردگی انتظامات علاقہ میں مشغول ہو گئی:

> بست و ہفتم ماہ بیساکھ ۱۸۸۸ بود مطابق ہفتم ماہ مئی ۱۸۳۱ء کہ جنگ عظیم خلیفہ سید احمد شاہ و کنور شیر سنگھ در موضع بالاکوٹ تعلقہ درہ کنہار واقع شدہ واز قفس عنصری خلیفہ سید احمد شاہ بزخم گولی ہائے بندوق روحش متوجہ عالم بالا گردید۔(۱)

ترجمہ: بیساکھ ۱۸۸۸ کی ستائیسویں تاریخ تھی، مطابق ۷ مئی

(۲) تواریخ ہزارہ ص: ۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۸۳۱ء کو خلیفہ سید احمد شاہ اور شیر سنگھ کے درمیان سخت لڑائی موضع بالاکوٹ میں
ہوئی، جو تعلقہ درۂ کہار میں ہے اور خلیفہ صاحب کی روح گولی کے زخموں سے
قفس عنصری چھوڑ کر عالم بالا کی طرف متوجہ ہوئی۔

گویا مہتاب سنگھ کے بیان اور دوسرے بیانات میں ایک دن کا تفاوت ہے۔
میرے نزدیک سابقہ بیانات ہی درست ہیں۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ بکرمی اور عیسوی سن
لکھنے میں غالباً ناقل سے غلطی ہوئی کیونکہ بکرمی ۱۸۵۷ لکھا گیا ہے اور عیسوی ۱۸۳۲ء
دونوں غلط ہیں اور ان میں مطابقت بھی نہیں ہو سکتی۔ صحیح سنین وہی ہیں جو میں نے درج
کر دیے۔ یعنی ۱۸۳۱ء جس کا بکرمی ۱۸۸۸ ہونا چاہیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حوالہ جات

اردو فارسی اور عربی کی کتابیں

بعض کتابوں کے متعلق آغاز میں ہی بہ سلسلہ ماخذ اختصاراً بحث ہو چکی ہے
باقی کتابوں کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

◆ سیرت سید احمد شہید (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ◆ صراط مستقیم (مولانا شاہ اسماعیل و مولانا عبدالحی) ◆ منصب امامت (مولانا شاہ اسماعیل) ◆ تقویت الایمان (مولانا شاہ اسماعیل شہید) ◆ تذکیر الاخوان (مولوی سلطان احمد) ◆ اخبار الاخیار (شاہ عبدالحق دہلوی) ◆ خزینۃ الاصفیا (مفتی غلام سرور) ◆ حیات ولی ◆ روضۂ قیومیہ ◆ حضرات القدس ◆ حیات جاوید (خواجہ حالی) ◆ تاریخ افغانستان (سید جمال الدین) ◆ فتاوائے شاہ عبدالعزیز ◆ درالمعارف (ملفوظات شاہ غلام علی) ◆ مکتوبات المعارف (مرتبہ سید ابوالقاسم بن سید عبدالعزیز ہسوی) ◆ وفیات الاخیار (محمد احسن نگرامی) ◆ حدیقۃ شہدا (مرزا جان) ◆ محاربۂ کابل و قندہار (منشی عبدالکریم) ◆ تاریخ پنجاب (منشی عبدالکریم) ◆ کلمات طیبات (منشی عبدالکریم) ◆ تقصار جیود الاحرار (نواب صدیق حسن خاں) ◆ موائد العوائد (نواب صدیق حسن خاں) ◆ روض الخصیب (نواب صدیق حسن خاں) ◆ ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل (نواب صدیق حسن خاں) ◆ اتحاف النبلاء المتقین (نواب صدیق حسن خاں) ◆ ابقاء المنن (نواب صدیق حسن خاں) ◆ ترجمان وہابیہ (نواب صدیق حسن خاں) ◆ ارشاد رحیمیہ (شاہ عبدالرحیم) ◆ انفاس العارفین (شاہ ولی اللہ محدث) ◆ سیاسی مکتوبات (شاہ ولی اللہ) ◆ ملفوظات شاہ عبدالعزیز) ◆ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ◆ تراجم علماء اہل حدیث ◆ فریاد مسلمین (منشی محمد حسین صاحب محمود) ◆ سیرت والا جاہی، چار جلد ◆ تذکرۃ الرشید دو جلد ◆ مفتاح التواریخ (ولیم بیل) ◆ عمدۃ التواریخ (سوہن لال) ◆ گلاب نامہ (دیوان کرپا رام) ◆ علماء ہند کا شاندار ماضی ◆ حیات بعد المماث یعنی سوانح میاں نذیر حسین محدث ◆ انتخاب یادگار (امیر مینائی) ◆ کالا پانی (مولوی محمد جعفر تھانیسری) ◆ مہاراجہ رنجیت سنگھ (سیتا رام کوہلی) ◆ سیر المتاخرین (غلام حسین طباطبائی) ◆ تاریخ فرشتہ ◆ تاریخ فیروز شاہی ◆ تاریخ فرمانروایان رام پور ◆ تاریخ ٹونک ◆ تاریخ چترال ◆ تاریخ سوات ◆ وجدانی نشتر (منشی محمد دین فوق) ◆ تاریخ علماء ہند (منشی رحمان علی) ◆ سوط الرحمن علی قرن الشیطان (مولوی فضل رسول بدایونی) ◆ بوارق المحمدیہ ◆ انوار العاشقین (مولانا مشتاق احمد) ◆ تاریخ عجیب (مولوی محمد جعفر تھانیسری) ◆ رنجیت نامہ (کنہیا لال) ◆ رسالہ اشاعت السنۃ النبویہ از جلد دوم تا جلد ۲۳ (مولانا محمد حسین بٹالوی) ◆ مآثر الکرام دو جلد (سید غلام علی آزاد) ◆ آب حیات (مولانا محمد حسین آزاد) ◆ کلمات مومن (مومن خان مومن) ◆ دیوان گویا (نواب فقیر محمد خیر گویا) ◆ تاریخ مذاہب اسلام (مولوی نجم الغنی رام پوری) ◆ تاریخ ٹونک (دیوان اسرار محمد) ◆ نواب امیر خان (اکبر شاہ خاں، نجیب آباد)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگزشت

تحریک سید احمد شہیدؒ

جلد سوم

المعروف بہ "جماعتِ مجاہدین"

تالیف

حضرت مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ

حسب ایماء

حضرت مولانا شمس الحق صاحب قاسمی، ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جملہ حقوق کتابت بحق ناشر محفوظ ہیں

تصریحات

نام کتاب	تحریک سید احمد شہیدؒ جلد سوم
مؤلف	مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ
تصحیح	مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی
تعداد صفحات	۴۱۶
باہتمام	شمشیر احمد قاسمی (دیوبند)
کتابت	عمران کمپیوٹرس مظفر نگر (PH: 09219417735)
سن اشاعت	جنوری 2008

ملنے کے پتے

❖ دار الکتاب دیوبند
❖ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
❖ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
❖ مدینہ بک اسٹال بھنڈی بازار ممبئی
❖ مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند
❖ کتب خانہ حسینیہ دیوبند
❖ دکن ٹریڈرس مغل پورہ حیدرآباد
❖ توحید بک ڈپو پھول پور اعظم گڑھ
❖ مولانا عبدالسلام خاں قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، بھنڈی بازار ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریکِ احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت

جماعتِ مجاہدین

مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلوی کی جماعت کے تنظیمی حالات اور ان اکابر رفقاء کے سوانح حیات جو سید صاحب کی زندگی میں یا ان کے ساتھ شہید ہوئے، یا جنھوں نے بعد ازاں جہاد میں کوئی حصہ لیا

مولانا غلام رسول مہرؔ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فہرست عنوانات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھارہواں باب

انیسواں باب

بیسواں باب

اکیسواں باب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سطورِ اولین

بسم اللّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہ

واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم القیامۃ۔

مجاہد کبیر حضرت مولانا ومقتدانا سید احمد شہید رحمہ اللہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا وہ آفتابِ نیم روز اور مینارۂ نور ہیں جن کی مثال گذشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔ اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور پرچم اسلام کی بلندی کے لئے آپ کی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں اور مشعلِ راہ ہیں۔

مجھے آپ کی زندگی کے قیمتی لمحات اور مجاہدات پر روشنی ڈالنا مقصد نہیں، کہ یہ کام ضخیم مجلدات کا متقاضی ہے اور الحمد للہ اب تک ہزاروں صفحات اس حکایتِ لذیذ اور روح پرور داستان میں مرقوم ہوکر تاریخ کا روشن باب بن چکے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ دو ضخیم جلدیں "سیرت سید احمد شہید" گذشتہ تقریباً نصف صدی سے اہل علم و فدا کارانِ اسلامیت سے خراجِ تحسین حاصل کررہی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "سید احمد شہید" حضرت مولانا غلام رسول مہرؔ کے اعجاز رقم قلم کا شاہکار ہے۔ یہ دراصل مولانا مہر کے اس "زریں سلسلہ" کی پہلی کڑی ہے جو انھوں نے حضرت سید احمد شہید، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کے حالات مجاہدانہ کارناموں کے بیان میں مرتب کی ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول مہر کی تحریر فرمودہ کتابوں (سید احمد شہید اول- دوم، جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین) تقریباً ایک صدی کی تاریخ ہے جو مجاہد کبیر، ان کی تحریک اور ان کے جانباز رفقاء کے حالات مجاہدات اور خدمات کو منظر عام پر لانے میں نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہیں۔ یہ ایسی تاریخ ہے جس میں تاریخ نویس خود اس تاریخ کا ایک حصہ اور مشاہد محسوس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مولانا مہر نے ان کتابوں کو صرف داستان برائے داستان اور حکایات و روایات اور کتابوں کی مدد سے مرتب نہیں کیا بلکہ بذاتِ خود ان تمام مواضعات، متعلقہ منازل، مقاماتِ جنگ و جہاد، مشاہد اور رہ گزروں کا مشاہدہ کیا، برسوں ان علاقوں کی دشت نوردی اور بادیہ پیمائی کی جہاں ان مبارک نفوس کے قدم پڑے، جہاں انھوں نے اس بلند مقصد کے لئے لیل و نہار گزارے، جہاں انھوں نے جہدِ آزادی اور سربلندیٔ اسلام کے لئے اپنی ذہنی، روحانی اور جسمانی تمام صلاحیتیں صرف کیں اور حد یہ ہے کہ بیشتر نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی، یعنی جامِ شہادت نوش کر کے اس حیاتِ جاودانی سے سرفراز ہوئے جو عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ کے پروانۂ خاص کا حقدار بناتی ہے۔

مولانا مہر کا اسلوب و بیان ادبیت و دلکشی اور جاذبیت و محویت سے ایسا پُر ہے جس سے مطالعہ کنندہ نہ صرف اپنے آپ کو ان مقامات میں موجود محسوس کرتا ہے بلکہ اپنے اندر اعلائے کلمۃ اللہ اور سربلندیٔ اسلام کیلئے ایک جذبہ جوش مارتا ہوا پاتا ہے۔ انھوں نے اس تاریخ کو برسہا برس کی محنت سے لکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید کے اس مشن اور تحریک میں خود ڈوب کر اور اس میں خود کو محو کر کے لکھا ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ وہ ان فدایانِ اسلام کی خدماتِ عالیہ اور جذبۂ مقدس کو سلامِ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ کتابیں (سید احمد شہید، جماعتِ مجاہدین، سرگزشتِ مجاہدین) پچھلے کافی عرصہ سے ہندوستان میں نایاب ہو چکی تھیں، میری ایک عرصہ سے خواہش تھی یہ سیریز شائع ہو کر اہلِ علم اور شائقین حضرات کے لئے دستیاب ہونی چاہئے۔ کیونکہ بقول مولانا غلام رسول مہر، اگر اس عظیم تحریک کو تاریخ ہند سے نکال دیا جائے تو پھر اسلامی جدوجہد کے حوالہ سے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے؟ ہمیں اپنے اسلافِ کرام کے ان مجاہدانہ کارناموں کی سرگزشت کو ہمیشہ اپنے سینوں سے لگا کر رکھنے اور مواقع و حالات کے مطابق ان کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیز محترم مولانا شمشیر احمد قاسمی نے میری خواہش و اصرار پر اس کام کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیڑا اٹھایا۔ پرانے ایڈیشنوں میں اغلاط بھی تھیں، ساتھ ہی کتابت میں یکسانیت اور جاذبیت بھی نہ تھی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ ازسرِ نو کتابت کرا کر اس سیریز کو نئی آب و تاب کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جائے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اب اس سیریز کو ایک نیا نام دیا گیا ہے یعنی ''تحریکِ سید احمد شہیدؒ '' جو چار جلدوں پر مشتمل ہوگی، ٹائٹل اور اندر صفحات کے بالائی حصہ پر اس نئے نام کے ساتھ ساتھ پرانے ناموں کو بھی باقی رکھا گیا ہے۔

میں جناب مولانا شمشیر احمد قاسمی کو مبارکباد دیتا ہوں اور ساتھ میں مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی کی تصحیح کی خدمت کو سراہتے ہوئے دعا گو ہوں کہ رب کریم ہمیں بھی ان پاک نفوس کے جذبۂ اسلامیت اور عشقِ الٰہی کا کوئی حصہ اور حصہ نصیب عطا کر کے اپنی راہِ رضا پر چلنے کی توفیق ارزانی کرے اور اس فرشتہ صفت جماعت کی معیت نصیب فرمائے، آمین

الراقم

شمس الحق قاسمی

مکتبہ الحق (ممبئی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عرضِ ناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین وصحبہ اجمعین۔

مقامِ مسرت ہے کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وخدمات، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کی سرگزشت پر مشتمل یہ عظیم سیریز کتب (سید احمد شہید ہر دو جلد، جماعتِ مجاہدین، سرگزشتِ مجاہدین) جدید عنوان "تحریک سید احمد شہید" کے ساتھ شائع کرنے کی مجھے ایسے موقع پر سعادت حاصل ہو رہی ہے جب کہ ملک میں جدوجہد آزادیٔ ہند کی ڈیڑھ سو سالہ سالگرہ حکومتی سطح پر بڑے جوش وخروش سے منائی جا رہی ہے۔ لیکن اس میں ہمارے اسلافِ کرام کی قربانیوں کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ نہ صرف افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے بلکہ ملت کے رہنماؤں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ایک تازیانہ بھی ہے۔ جو زمانہ کے جدید تقاضوں کی تفہیم، ان سے حصولِ مقصد کے امکانات اور مقابل ومخالف طاقتوں کے خلاف صف آرا اور متحد ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ یا انھیں بتا رہا ہے ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

حقیقت تو یہ ہے ہمیں پیش قدمی کرتے ہوئے خود اپنے اسلافِ کرام کی خدمات اور قربانیوں کو منظرِ عام لانے کیلئے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں اور اپنے اسٹیج سے ان لوگوں کو اپنے بزرگوں کی مدح سرائی کے لئے مجبور کرنا چاہیے تھا، جن کے تغافل کا ہم آج رونا رو رہے ہیں۔

آزادیٔ ملک وملت اور سربلندیٔ اسلام کے لئے سرفروشانہ جدوجہد اور اہالیانِ اسلام کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی کوشش میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے جانباز رفقاء کا جو حصہ ہے، ان کی جو روشن خدمات ہیں، یہی اس سیریز کا موضوع ہے۔

اس سیریز کی چار ضخیم جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، ان کی کمپیوٹر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کتابت میں ایک اہم مسئلہ تصحیح کا تھا، چونکہ کمپیوٹر کتابت میں اغلاط رہ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ وہ عجیب وغریب شکل اور الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہیں۔

اس مشکل کا حل رب کریم نے اس طرح نکال کہ جناب مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس اہم اور تاریخی سلسلہ کی کتابت وتصحیح کی ذمہ داری لے کر ایک طرح سے ہمارے لئے اس اہم مرحلہ کو آسان بنا دیا۔ مولانا موصوف تصنیف تالیف اور تصحیح وترجمہ میں اپنی ایک شناخت قائم کر چکے ہیں، فرید بک ڈپو دہلی سے ان کی تصحیح کردہ وترتیب دادہ متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ گذشتہ سال حکیم الاسلام عالمی سیمینار کے موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تالیفات ومضامین کا حسین مرقع سات جلدوں میں ان کا مرتب کردہ شائع ہو کر اہل علم وقدرداں حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، ان کتابوں کا اجراء متعدد علمائے کرام کے ہاتھوں مذکورہ سیمینار میں ہوا تھا۔

ایک قابل لحاظ کام یہ کیا گیا ہے کہ سابق ایڈیشنوں میں فہرست نامکمل تھی، صرف ابواب کے صفحات کی نشاندہی کی گئی تھی، موجودہ ایڈیشن میں تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے، یہ یقیناً بڑی محنت کا کام ہے۔ جس سے ایک ہی نظر میں کتاب کے تمام مندرجات پوری طرح سامنے آجاتے ہیں۔

بہر حال مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس سلسلہ کتب کی کتابت وتصحیح کی خدمت انجام دے کر ہمارے لئے اس سلسلہ کی اشاعت کو کافی حد تک آسان بنا دیا۔

اس کتاب کو مولانا غلام رسول مہر نے جس جانفشانی سے مرتب کیا تصنیف وتالیف کی دنیا میں وہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ اللہ رب العزت کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی اہم کتابوں کی سیریز کی اشاعت کی توفیق سے نوازا۔ وما توفیقی الا باللہ

شمشیر احمد قاسمی
ناظم کتاب گھر دیوبند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

آناں کہ غم تو برگزیدند ہمہ ❁ در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
درمعرکہ دوکون فتح از عشق است ❁ با آنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ

میں نے سید صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق تین کتابیں لکھنے کا فیصلہ کیا تھا: اول سید صاحب کے سوانح حیات، دوم جماعت کی تنظیم کے مقاصد و اصول، سوم سید صاحب کی شہادت کے بعد جماعت مجاہدین کی صد سالہ سرگزشت۔ ان میں سے پہلی کتاب گزشتہ سال دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ چند ہی مہینوں میں دوسری کتاب بھی مدراج ترتیب طے کر کے اشاعت کی منزل میں پہنچ رہی ہے۔ انشاءاللہ اب تیسری کتاب کی تکمیل میں بھی زیادہ وقت صرف نہ ہوگا۔ امید ہے اسی سال وہ بھی مطبع میں پہنچ جائے گی۔ اس طرح وہ گراں قدر فرض پورا ہو جائے گا جو سالہا سال سے میں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ توفیق ایزدی کی یاوری شامل حال نہ ہو تو انسان کا قصد و ارادہ ہیچ ہے:

جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے ❁ جو کچھ ہوگا، ترے کرم سے ہوگا

پیش نظر کتاب دو حصوں میں منقسم ہے: پہلے حصے میں جماعت کی تنظیم و ترتیب کے متعلق وہ تفصیلات مرتب صورت میں پیش کی گئی ہیں، جو آج تک کہیں جمع نہ ہو سکیں۔ ہزاروں صفحات میں یہ معلومات جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ میں نے بار بار کے مطالعے اور غور و تحقیق سے انہیں جمع کیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان جواہر ریزوں کے چننے میں کتنی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مدت تک رات دن آنکھوں کا تیل ٹپکایا۔ الحمدللہ کہ ایک ایسا خاکہ تیار ہو گیا جسے پیش نظر رکھ لینے سے فکر و کاوش کی نئی وادیاں قطع کرنا نسبتاً سہل ہو جائے گا۔

دوسرے حصے میں سید صاحب کے ان مجاہدوں اور رفیقوں کے سوانح درج ہیں، جو ان کی زندگی میں یا انکے ساتھ جاں بحق ہوئے، یا جنہوں نے بعد از اں مجاہدانہ سرگرمیوں میں کوئی حصہ نہ لیا، یا جنہیں خود سید صاحب نے دعوت و تبلیغ پر متعین کر دیا تھا اور وہ انہیں مشاغل میں زندگی گزار کر مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

ان سوانح کی ترتیب و نگارش کا مقصد یہ تھا کہ سید صاحب کی تربیت اور مردم گری کے کچھ عملی نمونے سامنے آ جائیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ اس پاک نفس بزرگ نے تھوڑی سی مدت میں کیسی جماعت تیار کر لی تھی۔ واضح رہے کہ سید صاحب کا ظہور اس تاریک دور میں ہوا جب اس ملک کے مسلمانوں کا سیاسی، دینی اور اخلاقی زوال آخری منزل پر پہنچا ہوا تھا۔ شوکت و سطوت کے اس مستحکم حصار کی بنیادیں منہدم ہو رہی تھیں، جس کی دیواروں کو سیسہ پلانے میں اسلامی ہند کے مایۂ ناز تاجدار، سالار اور مدبر سات صدیوں تک خون پسینا ایک کرتے رہے تھے۔ سید صاحب نے مادی سر و سامان سے یکسر محرومی کے باوجود محض عشقِ حق کی حرارت سے اس ظلمت زار میں سیکڑوں ایسے چراغ روشن کر دیئے جو اسلامیت کے درخشاں ترین دوروں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ نیز خیال تھا کہ جن جانبازانِ راہِ حق نے احیائے اسلامیت کیلئے اپنا خون بے دریغ بہایا، انکی قربانیاں آنے والی نسلوں کیلئے ایک گراں بہا قومی و دینی میراث کی صورت میں محفوظ ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ اس تذکرے میں وہ تمام اصحاب نہ آ سکتے تھے جنہوں نے سید صاحب کے دریائے فیض سے شوق کی پیاس بجھائی اور جنکی تعداد عام روایت کے مطابق لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ میرے علم میں بے شمار نام تھے، لیکن ان کے حالات نہ مل سکے اور محض نام درج کر دینے سے اصل مقصد کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا، لہٰذا میں نے اپنا دائرۂ تذکیر و تحریر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صرف ان اصحاب تک محدود رکھا جن کی زندگیاں کسی نہ کسی پہلو سے سید صاحب کی خاص تربیت کا نمونہ پیش کرسکتی تھیں۔

ان اسماءِ گرامی میں بعض اکابر شامل نہیں کیے گئے، مثلاً مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا عنایت علی عظیم آبادی، مولوی نصیرالدین منگلوری، مولوی نصیرالدین دہلوی، حاجی عبدالرحیم ولایتی، شیخ ولی محمد پھلتی یا متعدد دوسرے اصحاب۔ وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں نے وہ کام جاری رکھا جس کی بنیاد سید صاحب کے بابرکت ہاتھوں سے پڑی تھی۔ ان کے مفصل حالات اس سلسلۂ کتب کے آخری حصے کا سرمایہ ہیں، جو آج کل زیر ترتیب ہے۔ اسی حصے میں ارادت مندانِ سید کے وہ کارنامے تفصیلاً بیان ہوں گے جو انہوں نے ہندوستان کے اندر یا باہر اسلامیت کے احیاء، کلمۂ حق کی سربلندی اور ملک کی آزادی کیلئے انجام دیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حصہ مرتب ہوگیا تو اندازہ ہو سکے گا کہ سید صاحب کی تحریک کا آخری باب بالاکوٹ کا شہادت زار نہ تھا، بلکہ یہ بدستور قائم واستوار رہی اور اس کے نتائج بڑے ہی دوررس تھے۔

''سید احمد شہید'' کو جو پیرایۂ قبول عطا ہوا، اس کیلئے میں بارگاہِ باری تعالیٰ میں سراپا شکر گزار ہوں۔ مقصودِ حقیقی یہ تھا کہ سید صاحب کی ذاتِ گرامی کا اصل موقف غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے گردوغبار سے پاک ہوکر سامنے آجائے۔ امید ہے کہ موجودہ کتاب اس سلسلے میں مزید توضیح اور انشراحِ خاطر کا وظیفہ انجام دے گی۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے بھی درجۂ قبول ارزانی کرے اور جو حصہ باقی ہے اسے پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مہر

مسلم ٹاؤن لاہور (۱۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت

www.BestUrduBooks.wordpress.com
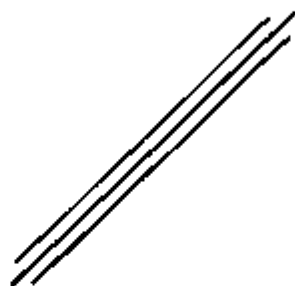
پہلا باب:

سکھ یا انگریز؟

مزید شہادتوں کی ضرورت

سید صاحب نے جو مقصد و نصب العین پیش نظر رکھ کر جہاد کیلئے تنظیمات فرمائی تھیں، اس کی تشریح میں نے ''سیرت'' میں کردی تھی۔ (۱) یہ بھی بتادیا تھا کہ اس میں کب اور کیوں کر تحریفات کا سلسلہ شروع ہوا، یہاں تک کہ نصب العین کا حلیہ ہی مسخ ہو کر رہ گیا۔ میں نے ہر گزارش کے ضمن میں سید صاحب کی تحریرات سے شہادتیں پیش کیں۔ ان سے وہی نتیجہ نکل سکتا تھا جو میں نے نکالا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان توضیحات کے باوجود بعض قلوب میں غالباً اب تک شبہات باقی ہیں یا کم از کم یقین وقطعیت کی وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو اس بارے میں لازماً پیدا ہونی چاہیے تھی۔ ایک بہت بڑے صاحب علم نے تو صاف صاف فرمادیا کہ میرا اخذ کردہ نتیجہ محض قیاسی ہے اور قیاسی واستنباطی نتیجے پر بار بار زور دینے کی مصلحت سمجھ میں نہ آئی۔ ان حالات میں ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلے کے متعلق مزید شہادتیں فراہم کی جائیں۔ جن کے بعد کسی شخص کیلئے وسوسے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

جہاد کی بنیاد

میرے نزدیک تو محض جہاد کی بنیاد واساس ہی پیش نظر رکھ لینے کے بعد شبہ کا امکان

(۱) ملاحظہ ہو ''سید احمد شہید'' جلد اول ص ۲۴۳ تا ۲۸۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باقی نہیں رہتا۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ جب اسلامی بلاد غیر مسلموں کے قبضے میں آ جائیں تو عام اہل اسلام پر عموماً اور مشاہیر حکام پر خصوصاً جہاد واجب ومؤکد ہو جاتا ہے۔ (۱) یہ مضمون سید صاحب کے مختلف مکاتیب میں دہرایا گیا ہے۔

اب غور کیا جائے کہ آیا ہندوستان کی وسیع سرزمین میں سے صرف وہی حصہ مسلمانوں کے قبضے سے نکلا تھا جس پر سکھ قابض تھے، اور جس کی جنوبی حد دریائے ستلج تھی؟ اس سے بدرجہا وسیع تر اور زرخیز تر خطے دریائے ستلج سے شرقاً اراکان تک، غرباً کاٹھیاواڑ گجرات تک اور جنوباً راس کماری تک مسلمانوں ہی کے قبضے میں تھے اور انہیں سے اغیار نے چھینے تھے، خواہ وہ مرہٹے ہوں یا پرتگیز، فرانسیسی ہوں یا انگریز یا کوئی اور۔

کون کہہ سکتا ہے کہ سید صاحب کو شمالی ومغربی ہند کے صرف اس خطے کا غم تھا جس پر رنجیت سنگھ نے تسلط جما لیا تھا اور باقی حصوں سے وہ بالکل بے پروا تھے؟ حالانکہ تاریخی، جغرافیائی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے باقی خطے بدرجہا زیادہ اہم تھے۔ محض اس نکتے پر توجہ فرما لینے سے حقیقت حال بخوبی آشکارا ہو سکتی ہے، تاہم میں صرف قیاس واستنباط پر اکتفا نہ کروں گا۔ ایسی شہادتیں بھی موجود ہیں جن میں تصریحاً ہندوستان کی تطہیر کا ذکر ہے۔

سلطانِ ہرات کے نام مکتوب

سید صاحب کے زمانے میں شاہ محمود درانی (بن تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی) ہرات میں حکمراں تھا۔ کابل وقندھار بارک زئیوں کے قبضے میں جا چکے تھے، سید صاحب نے دوسرے مسلمان حکمرانوں کے علاوہ شاہ محمود کو بھی جہاد کی دعوت دی تھی۔ اس میں فرماتے ہیں:

> ''اقامت جہاد وازالہ بغی وفساد در ہر زمان وہر مکان از اہم احکام حضرت رب العباد است، خصوصاً دریں جز و زماں کہ وقت شورش اہل کفر وطغیان بحدے رسیدہ کہ تخریب شعائر دین وانفس وحکومت سلاطین از دست

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید قلمی نسخہ ص ۵۵، مکاتیب سید صاحب ص ۲۳۶۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کفرۂ متمردین و بغات بہ وقوع آمدہ، وایں فتنۂ عظیم تمام بلاد ہند و سندھ و خراسان را فرا گرفتہ۔ پس دریں صورت تغافل در مقدمۂ استیصال کفرۂ متمردین و تساہل در باب سرزنش باغیان مفسدین از اکبر معاصی واقبح آثام است۔ بنا علیہ ایں بندہ درگاہ حضرت اللہ از وطن مالوفہ خود برخاستہ در دیار ہند و سندھ و خراسان دور و سیر نمودہ و مومنین آں اقطار و مسلمین آں دیار را بہ ایں معنی ترغیب کرد۔ (۱)

ترجمہ: جہاد قائم کرنا اور بغات وفساد کو مٹانا ہر زمانے اور ہر مقام میں خدا کا نہایت اہم حکم رہا ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کافروں اور سرکشوں کی شورش ایسی صورت اختیار کر چکی ہے کہ سرکشوں اور باغیوں کے ہاتھوں دینی شعائر بگاڑے جا رہے ہیں اور شاہانِ اسلام کی حکومتوں میں ابتری پیدا کی جا رہی ہے اور یہ زبردست فتنہ ہند، سندھ اور خراسان کے خطوں پر چھا گیا ہے۔ اس صورت میں سرکش کافروں کی بیخ کنی سے غفلت اور مفسد باغیوں کی گوشمالی سے سہل انگاری بہت بڑا اور بہت قبیح گناہ ہے۔ اس بناء پر خدا کی درگاہ کے اس بندے نے اپنے وطن سے نکل کر ہندوسندھ اور خراسان کا دورہ کیا اور وہاں کے مومنوں اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔

ظاہر ہے کہ اس پوری تحریر میں پنجاب کا ذکر تک نہیں آیا، اس لئے کہ اہل خراسان کے نزدیک وہ یا تو ہندوستان میں شامل تھا یا سندھ و خراسان میں۔ پھر جب سید صاحب ہند، سندھ اور خراسان میں غیر مسلموں اور باغیوں کی فتنہ انگیزیوں کا ذکر فرما چکے تھے تو یہ بات ذہن میں نہیں آسکتی کہ وہ صرف اس خطے کو فتنوں سے پاک کرنے کیلئے اٹھے تھے جس پر رنجیت سنگھ قابض ہو گیا تھا۔

ہندو راؤ کو تلقین

ہندو راؤ گھوٹکے دولت راؤ سندھیا والیٔ گوالیار کا برادر نسبتی تھا اور سندھیا کی بیماری

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید قلمی نسخہ ص: ۲۷، ۲۸۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے زمانے میں ریاست کا انتظام اسی کے حوالے ہو گیا تھا۔ یاد ہو گا کہ سید صاحب ہجرت کے سلسلے میں گوالیار پہنچے تھے تو ہندو راؤ نے آپ کا پرجوش استقبال کیا تھا۔ ایک مکتوب میں اسے لکھتے ہیں:

''بیگانگان بعید الوطن ملوک زمین وزمن گردیدہ اندو تاجران متاع فروش بہ پایہ سلطنت رسیدہ امارت امرائے کبار وریاست رؤسائے عالی مقدار برباد کردہ اند وعزت واعتبار شان بالکل ربودہ۔ چوں اہل ریاست وسیاست درزاویہ خمول نشستہ اند لاچار چندے از اہل فقر ومسکنت کمر ہمت بستہ ایں جماعت ضعفاء محض بنابر خدمت دین رب العلمین برخاستہ اند۔ ہرگز ہرگز از دنیاداران جاہ طلب نیستند۔ وقتیکہ میدان ہندوستان از بیگانگاں ودشمناں خالی گردیدہ وتیر سعی ایشاں برہدف مراد رسیدہ آئندہ مناصب ریاست وسیاست بہ طالبین آں مسلّم باد۔ (۱)

ترجمہ: وہ غیر جن کا وطن بہت دور ہے بادشاہ بن گئے۔ جو تاجر سامان بیچ رہے تھے انہوں نے سلطنت قائم کر لی۔ بڑے بڑے امیروں کی امارتیں اور رئیسوں کی ریاستیں خاک میں مل گئیں۔ ان کی عزت اور ان کا اعتبار چھن گیا۔ جو لوگ ریاست وسیاست کے مالک تھے، وہ گمنامی کے گوشے میں بیٹھ گئے۔ آخر فقیروں اور مسکینوں میں سے تھوڑے سے آدمیوں نے کمر ہمت باندھی۔ ضعیفوں کا یہ گروہ محض خدا کے دین کی خدمت کیلئے اٹھا ہے۔ وہ لوگ نہ دنیادار ہیں، نہ جاہ طلب۔ جب ہندوستان کا میدان غیروں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ضعیفوں کی کوشش کا تیر مراد کے نشانے پر جا بیٹھے گا تو آئندہ کے لئے ریاست وسیاست کے عہدے طالبوں کو ہی مبارک رہیں۔

غور فرمایئے کہ دور سے آئے ہوئے غیر کون تھے جو تجارت کرتے کرتے سلطنت کے مالک بن گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف انگریز تھے اور انہیں کے خلاف جنگ کے

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید قلمی نسخہ ص: ۱۰۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لئے سید صاحب خود اٹھے تھے۔ اسی غرض سے رؤسا، وعوامِ ہند کو اٹھانا چاہتے تھے۔ بالکل اسی مضمون کا خط غلام حیدر خاں کے نام لکھا جو سید صاحب کا عزیز دوست اور قدیم رفیق کار تھا اور اس وقت گوالیار میں ممتاز فوجی عہدے پر فائز تھا۔ سید صاحب نے اسے تاکید کی تھی کہ یہ مطالب راجا ہندو راؤ کے ذہن نشین کر دیے جائیں۔

بدیہی شہادت

آخری قطعی شہادت اس مکتوب میں موجود ہے جو شاہ محمود درانی والیٔ ہرات کے فرزند شہزادہ کامران کے نام بھیجا گیا تھا۔ اس کے آغاز میں وہی مطالب بیان فرمائے ہیں جو شاہ محمود اور دوسرے اکابر کو لکھ چکے تھے۔ مثلاً جہاد ضروری ہے۔ جب ہندوستان اہل کفر وطغیان کے اثرات سے لبریز ہو گیا تو میں نے وطن چھوڑ کر خراسان کا رخ کیا۔ سب کو جہاد کی دعوت دیتا رہا۔ یوسف زئی کے علاقے میں بیٹھا تو آفریدی، خٹک، مہمند، خلیل، اہل ننگرہار، اہل سوات و بنیر، اہل پکھلی، راجہ ہائے کشمیر وغیرہ میرے ساتھ ہو گئے۔ میرا مقصد حکومت نہیں، صرف کلمۂ حق کی سربلندی اور سنتِ نبوی کا احیاء ہے۔ نیز میں اسلامی علاقوں کو سرکش کافروں کے ہاتھ سے آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ جب یہ علاقے مشرکوں اور منافقوں کے تسلط سے پاک ہو جائیں گے تو انہیں مستحقوں کے حوالے کر دوں گا، بشرطیکہ:

> ''شکر ایں انعام الٰہی بجا آرند وعلی الدوام جہاد را بہ ہر حال قائم دارند وگاہے معطل نہ گزارند ودر ابواب عدالت وفصل خصومات از قوانین شرع شریف سر موئے تجاوز و تفاوت بمیان نیارند واز ظلم وفسق بکلی اجتناب ورزند۔(۱)

ترجمہ: خدا کے اس انعام کا شکر بجا لائیں۔ ہمیشہ ہر حالت میں جہاد قائم رکھیں۔ کبھی اسے معطل نہ چھوڑیں۔ عدالت اور فیصلۂ مقدمات میں شرع کے قانون سے بال برابر بھی تجاوز نہ کریں۔ ظلم وفسق سے بالکل بچے رہیں۔

آخر میں فرماتے ہیں۔

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید قلمی نسخہ ص: ۳۹، ۴۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باز خود ایں جانب مع مجاہدین صادقین بہ سمت بلادِ ہندوستان بنا بر ازالۂ
اہل کفر وطغیان متوجہ خواہد گشت کہ مقصد اصلی خود اقامت جہاد بر ہندوستان
است، نہ توطن در دیارِ خراسان۔(۱)

ترجمہ: پھر میں مجاہدین کو لے کر ہندوستان کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا تا کہ وہاں سے اہل کفر وطغیان کو ختم کیا جا سکے اور میرا اصل مقصود ہندوستان پر جہاد ہے، یہ نہیں کہ خراسان میں توطن اختیار کر لوں۔ سید صاحب کے جس نصب العین کی توضیح میں نے کی، اس کے متعلق اس سے واضح اور روشن تر شہادت کیا ہو سکتی ہے؟

مومن کی شہادت

ہمارے ہاں کے مشہور شاعر مومنؔ بھی سید صاحب کے مرید تھے۔ ان کے فارسی کلام کے ایک نعتیہ قصیدے میں دو یہ اشعار اس حقیقت کا مزید ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ سید صاحب اور ان کے تمام نیاز مندوں کے نزدیک تطہیر ہند کے سلسلے میں مرکزی حیثیت انگریزوں ہی کو حاصل تھی۔ مومنؔ فرماتے ہیں:

ایں عیسویاں بہ لب رسانند　　جانِ من و جانِ آفرینش!
مگذار کہ پائمال گردیم　　زاں سیم سرانِ آفرینش
تا چند بہ خوابِ ناز باشی　　فارغ ز فغانِ آفرینش
مومنؔ شدہ ہم زبانِ عرفی　　از بہر امانِ آفرینش

"برخیز کہ شورِ کفر برخاست
اے فتنہ نشانِ آفرینش"

---

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید قلمی ص ۴۸، ۴۹، مکاتیب سید صاحب ص ۲۴۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

تنظیم کی بنیاد

امیر خاں کی معیت

میرا خیال ہے کہ سید صاحب اسی زمانے میں جماعت کی تنظیم و تاسیس کے متعلق غوروفکر میں مشغول ہوگئے تھے، جب دہلی میں علم و سلوک کی تحصیل سے فارغ ہو کر وطن پہنچے تھے اور اپنی زندگی خدا کی راہ میں جہاد کیلئے وقف کر دی تھی۔ ابتدا میں یہ سوال ان کے سامنے آیا ہوگا کہ مستقل جماعت کی بنیاد رکھیں یا پہلے سے کسی قائم شدہ جماعت کو تعلیم و تربیت دے کر ان مقاصد عظیمہ کیلئے تیار کر دیں، جنہیں وہ ایک سچے مسلمان کی زندگی کے لوازم سمجھتے تھے۔ مستقل جماعت کی تاسیس وقت طلب تھی اور ہندوستان کی فضا اس تیزی سے اسلامی مقاصد کیلئے ناسازگار ہو رہی تھی کہ اصل کام میں تھوڑا سا توقف بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ قائم شدہ جماعت کو احیاءِ اسلامیت اور آزادیٔ وطن کی راہ پر لگا دینے کیلئے نسبتاً کم جدوجہد درکار تھی، لہٰذا انہوں نے نواب امیر خاں کے پاس پہنچنے کا فیصلہ کیا، وہ اس وقت کے ہندوستان میں سب سے بڑی آزاد جنگی قوت کا مالک تھا۔ شجاعت و جوانمردی میں اس کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی۔ دین داری اور اسلامی حمیت میں بھی اسے خاص شہرت حاصل تھی اور اس سے سید صاحبؒ کے خاندانی تعلقات بھی تھے۔

سید صاحبؒ اسی ارادے سے نواب کے پاس راجپوتانہ پہنچے اور کم وبیش سات سال اس کے لشکر میں رہے۔ انہوں نے جاتے ہی اہل لشکر کی اصلاح کا سلسلہ جاری کر دیا۔ راویوں کا بیان ہے کہ آپ کی وجہ سے لشکر کی عام حالت میں زبردست تغیر پیدا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوگیا۔ فسق و فجور مٹ گیا، کتاب و سنت کی پیروی عام ہوگئی، نواب نے انھیں مشیرانِ خاص میں شامل کرلیا تھا۔ یقین ہے کہ اصل مقاصد کی طرف بھی وہ نواب کی توجہ منعطف کراتے رہتے ہوں گے۔

مستقل جماعت کی بنیاد

جب تک نواب انگریزوں کے اثر سے آزاد رہا، سید صاحبؒ نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب انگریزوں سے صلح کی بات چیت شروع ہوگئی تو نواب کے رفیقوں اور مشیروں میں سے سید صاحبؒ اسکے مخالف تھے۔ وہ برابر یہ رائے دیتے رہے کہ انگریزوں سے لڑیں اور خدا کی مدد پر بھروسہ رکھیں۔ افسوس کہ نواب اس رائے پر عمل نہ کر سکا اور معاہدے پر دستخط ہونے سے پیشتر سید صاحبؒ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر دہلی پہنچ کر مستقل جماعت کی تاسیس کا فیصلہ کیا، جس کیلئے ان کی خداداد صلاحیتیں سات سال میں خاصی نشو ونما پا چکی تھیں۔

اس کام کا آغاز احیائے دین اور تزکیۂ قلوب سے ہوا۔ وقت کے بعض مشہور علماء نے سید صاحبؒ سے بیعت کی۔ مثلاً مولانا محمد یوسف پھلتی، مولانا عبدالحئی بڑھانوی اور شاہ اسمٰعیل۔ اس کی عام صورت وہی تھی جو تصوف کے مختلف خانوادوں میں پہلے سے رائج چلی آتی تھی اور اب تک رائج ہے، لیکن اس میں ایسی غیر معمولی جاذبیت تھی، جس کی کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔ بس اس کے ساتھ ہی ارشاد و ہدایت کا ایک وسیع سلسلہ جاری ہوگیا۔ پھر سید صاحب نے گنگا و جمنا کے دوآبے کا دورہ کیا اور ہزاروں مخلص مسلمان ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ وہ عام پیروں کی طرح ارادت مندوں کو ''توجہ'' بھی دیتے تھے، جس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بعض اصحاب نے لوہاروں کی دھونکنی سے تشبیہ دی۔ بعض نے فرمایا کہ توجہ کے وقت صاف معلوم ہوتا تھا کہ دل سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کے قلبِ صافی سے معرفت کے مضامین سن رہا ہے۔(۱)

دورے کے سلسلے میں وہ پھلت پہنچے تو ورزش شروع کردی۔ بازوؤں اور شانوں پر مالش کراتے تھے اور کچھ وقت تیراندازی کی مشق میں صرف کرتے تھے۔ حالاں کہ عام پیروں کو اس قسم کے مشاغل سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں قبولِ عام کا اندازہ کرتے ہوئے انہوں نے مقاصدِ جہاد کی تبلیغ شروع کردی تھی۔ یہ جماعت کی تنظیم کا سنگِ بنیاد تھا۔

فنونِ جنگ کی مشق

دوآبے کے دورے سے فارغ ہو کر وطن پہنچے اور سفرِ حج سے پیشتر تقریباً دو سال (۲) انہوں نے رائے بریلی ہی میں گزارے۔ اگرچہ اس اثناء میں مختلف مقامات کے دورے بھی کرتے رہے، اس زمانے میں بیعت بھی لیتے تھے، وعظ بھی فرماتے تھے جو عموماً پابندیٔ کتاب وسنت اور ردِ بدعات پر مشتمل ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں صلح بھی کراتے تھے، ان میں اسلامی حرارت بھی پیدا کرتے تھے۔ ان کے ارادت مند عموماً ذکر وفکر اور مراقبوں میں مشغول رہتے تھے۔ یکایک حکم دے دیا کہ اب تمام رفیق زیادہ وقت جنگی فنون کی مشق میں صرف کیا کریں اور فرمایا:

> ان دنوں دوسرا کام اس سے افضل درپیش ہے، اب اس کی طرف ہمارا دل مشغول ہے، یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے سامنے حال کی کچھ حقیقت نہیں، اس واسطے کہ وہ کام یعنی سلوک اس (جہاد) کے تابع ہے۔ اگر کوئی شخص تمام دن روزے رکھے، تمام رات زہد وریاضت میں بسر کرے، یہاں تک کہ نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک ساعت دن یا رات کو تفنگ اڑائے تا کہ وہ مقابلۂ کفار میں بندوق لگاتے وقت

(۱) "منظورہ" ص: ۳۰-۱۷۔

(۲) کیم رمضان ۱۲۳۴ھ — سلخ شوال ۱۲۳۶ھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے مرتبے کو ہر گز نہ پہنچے گا۔

اسی وقت سے سید صاحبؒ کے ارادت مندوں کا زیادہ وقت فنونِ جنگ میں صرف ہونے لگا۔ مثلاً تیر، بندوق، تلوار چلانا، پھری گدکا کھیلنا، ڈنٹر پیلنا وغیرہ۔ خود سید صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر ارادت مند یا تو گردن ڈالے عالم سکوت میں رہتے تھے یا کمبل اوڑھ کر مسجد کے کونے میں بیٹھ جاتے یا چادر لپیٹ کر حجرے میں گھس جاتے، یا مراقبے کیلئے جنگل میں چلے جاتے۔

تنظیم کی حیثیت

اس سے ظاہر ہے کہ سید صاحب نے اسلامیت کو جماعتی تنظیم کی اصل و اساس بنایا اور تمام ترتیبات اسلامی اصول کے مطابق رکھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلامیت کے پیکر بن جائیں اور خدا کی راہ میں جہاد کو اپنا نصب العین بنا لیں۔ ان کا مقصد رضائے باری تعالٰی کے سوا کچھ نہ ہو۔ حکومت و سلطنت، جاہ و جلال اور مال و متاع کی آلائش سے ان کے قلب و روح کا دامن آلودہ نہ ہونے پائے۔

پھر انہوں نے ابتدا ہی سے افرادِ جماعت کو محنت و مشقت اور ہر قسم کے شدائد کی برداشت کا عادی بنایا۔ اس کے بغیر وہ لوگ راہِ جہاد میں قدم رکھنے کے اہل نہ بن سکتے تھے۔ ان کے ارادت مندوں میں وقت کے ممتاز ترین عالم اور بلند پایہ اربابِ ثروت بھی شامل تھے، لیکن تھوڑی ہی مدت میں انہوں نے غذا، لباس اور بود و ماند میں ایسا طریقہ اختیار کر لیا کہ وہ جماعت کے غرباء سے کسی رنگ میں بھی ممتاز نہ رہے۔ سید صاحب سفر حج کے سلسلے میں ہگلی پہنچے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل منشی امین الدین احمد کلکتہ سے استقبال کیلئے آئے ہوئے تھے۔ سید صاحب سے مل چکنے کے بعد انہوں نے شاہ اسمٰعیل سے ملاقات کی۔ شاہ صاحب کا لباس اس درجہ حقیر تھا کہ منشی صاحب کو یقین نہ آیا کہ یہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شاہ عبدالعزیز محدث کے بھتیجے ہیں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ یہی شاہ اسمٰعیل ہیں تو ان کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر منشی صاحب بے اختیار آبدیدہ ہو گئے۔ میر فیض علی گورکھپوری، میر ذوالفقار علی خاں رئیس اعظم کے فرزند تھے۔ سید صاحب کی معیت میں میر فیض علی کی وضع اس درجہ بدل چکی تھی کہ سید جعفر علی نقوی بغرض جہاد امب پہنچے تو میر فیض علی سے گہرے دوستانہ تعلقات کے باوجود انہیں پہچان نہ سکے۔

غور طلب امور

سید صاحب نے یہ طریقے اسی وجہ سے اختیار کیے تھے کہ ان کی تحریک خالص دینی تھی۔ وہ مسلمانوں کو سلطنتیں دلانے کیلئے نہیں، صرف سچے مسلمان بنانے کیلئے اٹھے تھے۔ سلطنتیں اسلامیت کا ایک ضمنی ثمرہ تھیں۔ خوب غور کیا جائے تو عام مصلحتوں کے لحاظ سے بھی کسی داعیٔ جہاد کیلئے ان طریقوں کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔ سید صاحب کے پاس نہ مال و دولت کے خزانے تھے، نہ ان کے پاس کوئی چھوٹی یا بڑی سلطنت تھی کہ تنخواہ دار مجاہدین کا خرچ برداشت کر لیتے۔

ان سے پیشتر ہندوستان میں متعدد طالع آزما پیدا ہو چکے تھے، جنہوں نے چھوٹے چھوٹے جیش جمع کر کے لڑائیاں شروع کیں اور آہستہ آہستہ بڑی قوت کے مالک بن گئے، مثلاً نواب امیر خاں۔ سید صاحب بھی ان کا طریقہ اختیار کرتے تو نہ کوئی دینی خدمت انجام دے سکتے، نہ مجاہدین کی ایسی جماعت تیار ہو سکتی جو پیش نظر مقاصد کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کیلئے آمادہ ہوتی۔

بہتر سے بہتر حالات میں ایسی جماعت کے ذریعے سے کوئی ریاست حاصل کرنے کا بندوبست ہو جاتا، لیکن کلمۂ حق کی سربلندی، سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء اور تطہیر ہند کے مقاصد کیوں کر پورے ہو سکتے تھے؟ سوال یہ نہیں کہ یہ مقاصد سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی زندگی میں پورے ہوئے یا نہ ہوئے، سوال یہ ہے کہ ان مقاصد کیلئے نتیجہ خیز کام کے انتظام اور اس کے استحکام کی تدبیر کیا تھی؟ وہی تھی، جس کا بندوبست سید صاحب نے کیا۔

انہیں کے زمانے میں قفقاز کے عظیم القدر مجاہد سلطان شامل نے دین ہی پر اپنی تحریک جہاد کی بنیاد رکھی اور سید صاحب کی شہادت سے تقریباً چالیس سال بعد شیخ محمد احمد نے جو "مہدی سوڈان" کے لقب سے مشہور ہیں، دین ہی کی بنا پر وہ تحریک جاری کی جس نے چند سال میں سوڈان کو مصریوں اور انگریزوں کے قبضے سے آزادی دلا دی۔

دعوت و تبلیغ کا انتظام

اس سلسلے میں سید صاحب نے دعوت و تبلیغ کا انتظام اس پیمانے پر کر دیا کہ ان کے سرحد تشریف لیجانے کے بعد بھی ہندوستان کے مختلف حصوں میں تبلیغ برابر جاری رہی۔ انہوں نے یہاں بھی جا بجا داعی مقرر کر دیے تھے، سرحد پہنچ کر بھی مختلف داعی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ مثلاً مولانا سید محمد علی رام پوری کو حیدر آباد دکن بھیجا۔ پھر حیدر آباد میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو مقرر کر دیا اور مولانا سید محمد علی کو مدراس جانے کا حکم دے دیا۔ مولانا عنایت علی عظیم آبادی کو بنگال میں داعی مقرر کر دیا۔ مولانا سید اولاد حسن قنوجی، میاں محمد مقیم رام پوری، سید زین العابدین، مولانا کرامت علی جون پوری اور بیسیوں دوسرے اشخاص مختلف علاقوں اور شہروں میں یہ کام انجام دیتے رہے، بلکہ سید صاحب کے ارادت مندوں میں سے ہر شخص یا تو جہاد میں شریک ہو گیا یا اپنے حلقے میں احیائے دین، دعوت جہاد اور فراہمی زر کا کام انجام دینے لگا۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں ایسی کسی دینی تحریک کا سراغ نہیں ملتا، جس نے دور زوال میں مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح اور ان میں حمیت اسلام کے احیاء کے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہوں، جیسے سید صاحب کی تحریک نے انجام دیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

عسکری تنظیمات (۱)

مجاہدین کی جماعتیں

سید صاحب نے مجاہدین کی سرسری جماعت بندی تو غالباً جہاد کیلئے روانگی سے پیشتر ہی کر لی تھی۔ مختلف رواتیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی باقاعدہ جماعت بندی رائے بریلی سے گوالیار پہنچ کر کی۔ تمام مجاہدین کو جن کی تعداد تقریباً ساڑھے پانسو تھی، باقاعدہ پانچ جماعتوں میں تقسیم کیا اور انکے الگ الگ سر عسکر مقرر فرما دیے، نیز حکم دیدیا کہ قیام وسفر میں ہر جماعت اسی تقسیم کے مطابق عمل پیرا رہے۔ اس تقسیم کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

(۱) **جماعتِ خاص**: یہ جماعت قیام وسفر میں قلب لشکر سمجھی جاتی تھی۔ اس کے سر عسکر مولانا محمد یوسف پھلتی مقرر ہوئے جو سید صاحب کے داروغۂ خاص تھے۔ خود سید صاحب بھی اسی جماعت کے ہمراہ چلتے اور ٹھہرتے تھے۔ مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد مولوی محمد حسن سر عسکر مقرر ہوئے۔ ان کی شہادت پر یہ عہدہ میاں ضیاء الدین پھلتی کو دے دیا گیا۔

(۲) **مقدمہ الجیش**: یہ جماعت سفر میں سب سے آگے رہتی تھی۔ اس کے سر عسکر شاہ اسمٰعیل مقرر ہوئے۔ لڑائیوں میں مولانا کم تر جماعت کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی جگہ سید رستم علی کارگزار مقرر ہو گئے تھے۔

(۳) **میمنہ**: اس جماعت کے سر عسکر امجد خاں رئیس کنتی تھے۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہ صورت جنگ یہ جماعت میمنہ پر لڑنے کیلئے مامور تھی۔ امجد خاں کچھ مدت بعد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسلسلۂ کارِ خاص واپس آ گئے تھے، معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے بعد کون سرِ عسکر بنے۔

(۴) میسرہ: اس جماعت کے سرِ عسکر سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب تھے۔ انہیں بعض ضروری کاموں کے سلسلے میں ٹونک چھوڑنا پڑا تو شیخ بڈھن ان کی جگہ نیابتاً سرِ عسکر بن گئے۔ شیخ موصوف اکوڑہ کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ سید محمد یعقوب دورانِ جہاد میں سید صاحب کے پاس نہ پہنچ سکے، لہٰذا اس جماعت کی قیادت پر میاں صلاح الدین پھلتی مامور ہوئے۔ پھر یہ منصب مولانا احمد اللہ ناگپوری کو مل گیا۔ جنگ بالاکوٹ تک وہی سرِ عسکر تھے۔

(۵) ساقۃ الجیش: یہ جماعت چھکڑوں اور گاڑیوں کے ہمراہ چلتی تھی۔ سب سے پہلے روانہ ہوتی اور عموماً سب کے بعد منزل پر پہنچتی۔ اس کے سرِ عسکر اللہ بخش خاں مورانوی تھے، جنہیں سید صاحب نے جنگ اکوڑہ میں مجاہدین کا سالار بنایا تھا اور وہ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد پیر خاں، شیخ حسن علی، محمد خاں خیر آبادی، ابراہیم خاں خیر آبادی یکے بعد دیگرے اس جماعت کے سرِ عسکر رہے۔

باقی جماعتیں

ابتدائی تقسیم یہی تھی۔ پھر جماعتوں یا جیشوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جیشوں کی تعداد نو تک پہنچ گئی تھی، ان میں سے تین جماعتیں قندھاریوں کی تھیں اور ایک مرزا احمد بیگ پنجابی کی۔ قندھاری جماعت کے سرِ عسکر عام ملا لعل محمد تھے۔ پھر یہ تین حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک کے امیر ملا لعل محمد تھے، دوسری کے ملا قطب الدین ننگرہاری اور تیسری کے جعفر خاں قندھاری۔

مرزا احمد بیگ کی جماعت کا قصہ یوں ہے کہ قیامِ خمر کے زمانے میں سید صاحب نے بعض رفیقوں کے مشورے سے تنخواہ دار فوج بھی بھرتی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اخوند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ظہور اللہ نے دوسو آدمی پانچ روپے فی کس کے حساب سے بھرتی کر لیے۔ دو مہینے بعد قرار پایا کہ ابھی تنخواہ دار فوج رکھنے کا وقت نہیں آیا۔ چنانچہ سید صاحب نے اس فوج کے تمام آدمیوں کو مقررہ تنخواہ دے دی، پھر ان کے سامنے فضائل جہاد پر وعظ فرمایا۔ ان میں سے چالیس آدمیوں نے ہندوستانی مجاہدوں کی طرح فی سبیل اللہ جہاد کا فیصلہ کر لیا اور ان کی الگ جماعت بنادی گئی۔ اس کے عسکر مرزا احمد بیگ پنجابی تھے۔ یہ مختلف مجاہدات میں شریک رہے اور بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، ابتدائی سر عسکر شہید یا فوت ہوتے رہے تو انکی جگہ دوسرے سر عسکر مقرر ہو گئے۔ بعض خاص مہمات کیلئے سید صاحب خود سر عسکر مقرر فرما دیتے تھے۔ مثلاً اٹک پر حملے کیلئے مجاہدین کو بھیجا گیا تو ارباب بہرام خاں تہکالی کو سالار اعظم بنایا گیا۔ اکثر معرکوں میں مولانا شاہ اسمٰعیل امیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ امب اور چھتر بائی کے قلعوں کی حفاظت کیلئے علی الترتیب شیخ بلند بخت اور مولانا مصطفیٰ کاندھلوی کو امیر مقرر کیا گیا۔ تسخیر امب کے بعد ضلع ہزارہ میں پیش قدمی کا فیصلہ ہوا تو سید احمد علی کو مجاہدین کا قائد عام بنادیا گیا۔ وہ جنگ پھولڑہ میں شہید ہوئے۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں۔ مولانا محمد یوسف کی وفات پر توشہ خانہ کا انتظام شیخ ولی محمد کے حوالے کیا گیا جو مولانا مرحوم کی زندگی میں ان کے معاون و پیش کار تھے۔

بھیلے یا دستے

ہر جماعت متعدد بھیلوں یا دستوں میں منقسم تھی۔ ایک بھیلے میں کم سے کم بیس، زیادہ سے زیادہ پچیس آدمی ہوتے تھے۔ مقررہ دستور کے مطابق پورے بھیلے کا کھانا ایک جگہ پکتا تھا۔ جتنی نفری ہوتی رسد خانے سے ہر بھیلے کو رسد مل جاتی تھی۔ لکڑیاں اور پانی بھیلے کے مختلف آدمی باری باری لایا کرتے تھے۔ جنس سب کو مساوی مقدار میں ملتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھوٹے یا بڑے، سرعسکر یا سپاہی میں کوئی فرق نہ تھا۔ حتیٰ کہ خود سید صاحب بھی اس مساوات سے مستثنیٰ نہ تھے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانے کیلئے دن مقرر ہو جاتا تھا۔ سید صاحب بھی اپنی جماعت کے ساتھ جاتے اور لکڑیاں کاٹتے۔ کھانے میں انہیں بھی کوئی امتیاز حاصل نہ تھا اور نہ انہوں نے کبھی اسے پسند فرمایا، البتہ مہمان آجاتے تو ان کیلئے نسبتاً اچھا کھانا پکتا اور سید صاحب آداب میزبانی کی پابندی میں انکے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ بعض اوقات عین کھانے کے وقت مہمان آجاتے تو ہر پیالے سے تھوڑا تھوڑا کھانا منگوا کر گزارہ کرلیا جاتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ سید صاحب خود دسترخوان پر نہ بیٹھتے اور مہمانوں کو کھلانے کے بعد کسی پیالے میں بیٹھ کر تھوڑا سا کھا لیتے۔

رسالدار

سید صاحب کی فوج میں چھوٹا سا رسالہ بھی تھا۔ اس کیلئے ابتدا میں کوئی رسالدار مقرر نہ کیا گیا۔ جنگ زیدہ کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ کسی کو رسالدار مقرر کر دینا چاہیے۔ سید احمد علی بریلوی نے حمزہ علی خاں لوہاری والے کا نام پیش کیا۔ شاہ اسمٰعیل نے عبدالحمید خاں کو اس عہدے کیلئے موزوں قرار دیا۔ ارباب بہرام خاں نے شاہ صاحب کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ عبدالحمید خاں واقعی فن سپہ گری میں بڑے ہوشیار، تجربہ کار اور بہادر ہیں۔ سید صاحب نے انہیں کے حق میں فیصلہ کیا۔ پھر اپنا عمامہ دست مبارک سے عبدالحمید خاں کے سر پر باندھا، نیز انہیں ایک رومال، سنہری قبضے کی ایک سروہی، ایک تلوار اور ایک گھوڑا عنایت فرمایا۔ برہنہ سر ہو کر ان کیلئے دعاء کی۔ اس کے بعد عبدالحمید خاں لشکر میں رسالدار کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ جنگ مایار میں بڑی جوانمردی سے لڑے، مہلک زخم کھائے اور چند روز بعد جاں بحق ہوگئے۔ ان کے بعد حمزہ علی خاں کو رسالدار بنایا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رسد کا انتظام

سرحد پہنچنے کے بعد ابتدائی دور میں مجاہدین کو اکثر و بیشتر رسد کی تکلیف رہی۔ بعض اوقات سفر میں کھانا پکانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ بعض اوقات ضرورت کے مطابق جنس ہی ہاتھ نہ آتی تھی۔ مثلاً جنگ شیدو سے پیشتر مجاہدین کو سامانِ معیشت حاصل کرنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ سید صاحب جو روپیہ ساتھ لے گئے تھے، وہ ختم ہو چکا تھا اور انتظام کے مطابق جن رقموں کا انتظار تھا، وہ پہنچی نہ تھیں۔ یا یہ سمجھ لیجیے کہ جو رقمیں ہنڈیوں کی شکل میں آئی تھیں ان کا روپیہ ساہوکاروں سے نہ ملتا تھا اور کسی پر بوجھ ڈالنا یا سوال کرنا سید صاحب کی عادت شریف اور شانِ تربیت کے خلاف تھا۔

اس زمانے میں اکثر فاقے کرنے پڑتے یا مجاہدین ساگ پات کھا کر گزارہ کر لیتے۔ جنگ شیدو کے بعد چنگلئی میں بھی حالتِ عسرت قائم رہی۔ کبھی کبھی روزانہ مٹھی بھر جوار ملنے لگتی۔ تندرست غازی پیس کر روٹی پکا لیتے، بیماروں کیلئے پانی میں ابال کر آش سی بنا دیتے۔ جب جوار بھی نہ ملتی تو باہر نکل جاتے اور جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرتے یا ان درختوں کے پتے توڑ لاتے جو کھانے میں بدمزہ نہ ہوتے اور پانی میں جوش دینے سے گل جاتے۔ انہیں میں نمک ڈال کر کھا لیتے۔

جب روپیہ آنے لگا تو جہاں سے رسد مل سکتی، مقررہ آدمی سرکاری اونٹ لے جا کر خرید لاتے اور مجاہدین میں بہ حصہ مساوی تقسیم ہو جاتی۔ سرحد میں عشر کی باقاعدہ تحصیل کا انتظام ہو گیا تو ضرورت کے مطابق غلہ فراہم ہونے لگا۔ موضع میگئی میں پانچ پن چکیاں سید صاحب نے اپنے انتظام میں لے لیں اور سید حامد علی جھنجھانوی کو پچیس تیس مجاہدین کا سردار بنا کر میگئی میں بٹھا دیا گیا۔ وہاں کے خان نے تین متصل مکان خالی کرا دیے، ایک میں غلہ جمع رہتا، دوسرے میں آٹا اور تیسرے میں مجاہدین مقیم تھے۔ پنجتار سے غلہ اونٹوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور خچروں پر لاد کر ملکئی بھیجا جاتا، وہاں سے آٹا پس کر آجاتا۔ گندم اور مکئی کی مقررہ پسوائی پن چکیوں کے مالکوں کو ادا کی جاتی۔ گندم فی من ایک سیر دس چھٹانک، مکئی فی من اڑھائی سیر۔

اس کے بعد بھی مختلف اوقات میں مجاہدین کو تکلیفیں پیش آتی رہیں۔ جب تک عشر کا انتظام نہ ہوا تھا، مجاہدین یا تو اپنے ہاتھ سے غلہ پیستے یا اجرت دے کر پسوا لیتے۔ آٹے کے ساتھ مجاہدین کو فی کس مٹھی بھر دال دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی گوشت بھی تقسیم ہوتا تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کے پاس اعانتی رقمیں مسلسل پہنچنے لگیں تو کسی قدر گھی بھی مجاہدین کیلئے خرید لیا جاتا تھا۔

رسد کی تقسیم

تقسیم رسد کا پیمانہ ایک تام لوٹ تھا جس میں تین پاؤ غلہ یا آٹا سماتا۔ یہ رائے بریلی سے سید صاحب نے اپنے ساتھ لے لیا تھا، یعنی پوری رسد ابتدا میں تین پاؤ یومیہ تھی۔ اگر جنس کم ہوتی تو اسی تناسب سے فی کس مقدار بھی کم کر دی جاتی۔ جب عشر کا غلہ باقاعدہ وصول ہونے لگا تو رسد تین پاؤ کے بجائے ایک سیر فی کس کر دی گئی۔ جتنے مہمان آجاتے، سید صاحب کے آدمی ان کیلئے بھی فی کس رسد اسی حساب سے لے لیتے۔

رسد لانے اور تقسیم کرنے کا انتظام مختلف اصحاب کے ہاتھ میں رہا۔ ابتدا میں مولانا محمد یوسف پھلتی اس خدمت پر مامور تھے۔ نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ ہر جنس ہر شخص کو بالکل مساوی مقدار میں دیتے اور سید صاحب کو بھی رتی بھر زیادہ نہ دیتے۔ بعض اوقات سید صاحب مزاحاً فرماتے کہ مجھے زیادہ کیوں نہ دی، تو عرض کرتے کہ ہر چیز خدمت والا میں پیش کرنے کیلئے حاضر ہوں، لیکن مجھے تقسیم کا حکم دے رکھا ہے اور اس سلسلے میں مساوات کی پابندی پر مجبور ہوں۔ (۱)

(۱) وصایا حصہ دوم ص: ۱۹۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میر امانت علی (ساڈھورہ میران، پٹیالہ) کے ذمے بھی یہ کام رہا۔ وہ اتنے محتاط تھے کہ جب کوئی مجاہد آ کر کہتا میرے ہاں آج ایک یا دو مہمان ہیں تو سید صاحب سے اجازت لینے چلے جاتے۔ بلا اجازت زاید رسد نہ دیتے۔ اس طرح تقسیم میں دیر لگتی اور شکایتیں ہو جاتیں۔

پھر شیخ عبدالوہاب لکھنوی تقسیم رسد پر مامور ہوئے۔ وہ کمزور نحیف آدمی تھے۔ مختلف عوارض میں مبتلا ہونے کے باوجود قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ تقسیم رسد کے ساتھ ساتھ قرآن بھی پڑھتے جاتے۔ ہر شخص کو ترتیب آمد کے لحاظ سے جنس دیتے۔ چھوٹے یا بڑے کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ حکیم قمر الدین پھلتی اور مولوی نور احمد نگرامی مورخ اسلام مولوی عبدالوہاب کے معاون تھے۔ کام بڑھ جاتا تو منشی محمد قاسم پانی پتی کے والد ماجد میاں غلام محمد کو بھی امداد کیلئے بلا لیا جاتا۔

لباس

ہر مجاہد کو سال بھر کیلئے کھادی کے تین جوڑے کپڑے اور دو جوڑے جوتے ضرور دیئے جاتے تھے۔ کسی کے کپڑے جلد پھٹ جاتے یا گم ہو جاتے تو اسے نئے کپڑے دے دیئے جاتے۔ سردیوں کیلئے ہر ایک کو ایک ایک دگلہ یا میرزئی اور ایک ایک دوہر ملتی تھی۔ ہر جمعرات کو کپڑے دھونے کیلئے سراسم صابون کی دو دو ٹکیاں دی جاتیں۔ بیماروں کیلئے دوا کا انتظام بھی بیت المال سے ہوتا تھا۔

سید صاحب نے مجاہدین میں ایسی دینی روح پیدا کر دی تھی کہ وہ زندگی کے ہر کام کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ ان میں محبت واخوت کے مستحکم رشتے موجود تھے، جو ایک خاندان کے مختلف افراد میں بھی شاذ ہی ملیں گے۔ اس لئے عموماً ایسا ہوتا کہ جو مجاہد اپنے کپڑے دھونے کیلئے پہلے اٹھتا، وہ اپنے دو تین ساتھیوں کے کپڑے بھی لے جاتا۔ خود

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب ترغیب کی غرض سے اپنی زندگی کے مختلف واقعات بیان فرماتے رہتے۔ مثلاً کہتے کہ ہم نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے تو کپڑے دھونے کے وقت اپنے پانچ سات ساتھیوں کے میلے کپڑوں کا بھی گٹھا باندھ کر لیجاتے۔ ساتھی ہر چند نہیں نہیں کرتے، ہم ایک نہ سنتے۔

ایک روشن حقیقت

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینی چاہیے کہ ہندوستانی مجاہدین نہ کوئی تنخواہ لیتے تھے اور نہ کوئی معاوضہ، اس لئے ان کے لباس اور کھانے کا انتظام بیت المال سے کیا جاتا تھا۔ جنگ زیدہ میں جو مالِ غنیمت ملا، اس کا اندازہ پچیس ہزار روپے کیا گیا تھا۔ سید صاحب نے پانچ ہزار بیت المال میں رکھا اور باقی تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔ جو مجاہدین نے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ ہم تو بیت المال سے کھاتے ہیں، وہیں سے کپڑا لیتے ہیں، وہیں سے دوسری ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ہم حصہ لے کر کیا کریں گے۔ سید صاحب نے فرمایا: جو بھائی بخوشی اپنا حصہ بیت المال کو دیں گے، اس کا ثواب جدا پائیں گے۔ اکثر نے اپنے پورے حصے لوٹا دیے۔ بعض نے صرف وہ چیزیں رکھ لیں جن کی انہیں فوری ضرورت تھی۔ بعض مجاہدین کے گھروں میں تھوڑی رقمیں بھجوائی جاتی تھیں، جن کے متعلقین کیلئے گزارے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بعض امراء کے نام سید صاحب کے خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں بے نوا مجاہدین کے اقرباء کی پرورش پر توجہ دلائی گئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

عسکری تنظیمات (۲)

زخمیوں کا علاج

لشکرِ اسلام میں جراحی کا صیغہ بھی ابتدا ہی سے قائم تھا اور اس میں وقت کے ماہر جراح کام کرتے تھے۔ مثلاً کریم بخش، رحیم بخش اور ان کے بھائی نور بخش شاملی والے اور عبدالرحیم جن کا وطن معلوم نہیں۔ ان کے نام بعض واقعات کے سلسلے میں آ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس محکمے میں کارکنوں کی تعداد خاصی بڑی ہوگی۔ یہ لوگ باقاعدہ زخم دھوتے تھے، گولیاں نکالتے تھے۔ جہاں زخموں کو سینے ضرورت ہوتی تھی، سیتے تھے اور ان پر مرہم لگا کر پٹیاں باندھ دیتے تھے۔ عام مجاہدین کی طرح یہ لوگ بھی خدمتِ دین کی غرض سے سید صاحب کے ساتھ ہوئے تھے۔

ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان میں سے بعض جراح عام مجاہدوں کے دوش بدوش لڑتے لڑتے میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔ مثلاً رحیم بخش جراح جنگ پھولڑہ میں اور نور بخش جراح جنگ بالاکوٹ میں۔ کریم بخش جراح نے اہل سمہ کی قاتلانہ سازش کے دوران میں بہ مقام سدم شہادت پائی۔ حاجی جانی امیٹھوی بھی لشکرِ اسلام کے بڑے ماہر جراح تھے۔ جان محمد جراح رام پوری اور عبدالرحیم جراح جانسٹھی کے نام بھی مذکور ہیں، جنھوں نے جنگ بالاکوٹ کے بعد اگرائی میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی تھی۔

مجاہدین کو پہلی جنگ اکوڑہ میں پیش آئی تھی۔ اس کے حالات میں واضح طور پر مرقوم ہے کہ زخمیوں کو لشکرگاہ میں پہنچا دیا گیا، جن کی مرہم پٹی کا فوری انتظام ضروری تھا۔ زخمیوں

کے رفیقوں میں سے بعض لوگ ان کی تیمارداری کیلئے مقرر ہو جاتے تھے۔ جنگ مایار کے زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے زخم سینے اور دوا پکانے اور لگانے میں پوری رات صرف ہوگئی۔ بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ جراحوں کی ضرورت کی چیزیں بھی ہندوستان سے بھیجی جاتی تھیں۔

سامانِ جنگ

سید صاحب نے ہر قسم کا جنگی سامان بھی خریدا اور بہت سے لوگوں نے ہدیۃً بھی ان کی خدمت میں نہایت قیمتی اسلحے پیش کیے۔ مثلاً چھریاں، تلواریں، خنجر، پستول، بندوقیں وغیرہ۔ جو مجاہدین وقتاً فوقتاً قافلوں کی شکل میں ہندوستان سے سرحد پہنچتے رہے، وہ بھی نقد روپیہ اور مختلف ہتھیار ساتھ لے جاتے تھے۔ میاں محمد مقیم رام پوری کے قافلے کی نسبت واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ تمام ساتھی ضروری سامانِ جنگ سے لیس تھے۔

سید صاحب کے توشہ خانے میں ہتھیار جمع رہتے تھے۔ جب ضرورت پڑتی دیدیے جاتے۔ بعض ہتھیار عہدہ داروں کو بطور اعزاز دیے جاتے، مثلاً عبدالحمید خاں کو رسالداری کا عہدہ دیا گیا تو انہیں گھوڑے کے علاوہ ایک سروہی اور ایک تلوار عنایت ہوئی تھی۔

لشکر مجاہدین میں عموماً توڑے دار بندوقیں استعمال ہوتی تھیں، جو ہندوستان میں عام تھیں۔ بعض کے پاس چقماقی بندوقیں تھیں۔ ان کیلئے چقماق کے پتھر سید صاحب منگواتے رہتے تھے۔ ازواج کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ سنبھالے چقماق جتنے بھی مل سکیں خرید لیں اور کم از کم ایک ہزار تو ضرور خرید کر بھجوا دیں۔

قرابینیں بھی استعمال ہوتی تھیں اور مختلف جنگوں کے سلسلے میں ان کا بھی ذکر آیا ہے۔ آخر میں کچھ زنبورکیں بھی ہاتھ آگئی تھیں، جنہیں چھوٹی توپیں سمجھنا چاہیے۔ سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے مجھے بتایا کہ مجاہدین چمڑے کی دو انگل چوڑی پٹیوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے نہایت عمدہ توپ تیار کر لیتے تھے۔ یہ ہلکی ہوتی تھی، جسے ایک جگہ سے اٹھا کر بسہولت دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ اس کی تفصیل یوں بتائی کہ کچا چمڑا مسالے اور سریش میں تر کر لیا جاتا۔ پھر اس چمڑے کی پٹیاں بنائی جاتیں اور سیدھی لکڑی پر یہ پٹیاں گوندھنے کے انداز میں پے بہ پے لپیٹ دی جاتیں۔ نل چار انچ موٹا ہو جاتا تو لکڑی نکال کر اندر باہر خاص مسالا لگا دیا جاتا۔ مجھے ایسی کوئی توپ دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ شاہین نام کے آلے کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ یہ ایسا آلہ تھا جو بندوق سے بڑا اور توپ سے چھوٹا ہوتا تھا۔ مجاہدین نے مختلف جنگوں میں اس سے بھی کام لیا۔

سید صاحب کو بڑی توپیں زیدہ اور مایار کی جنگوں میں ملیں۔ زیدہ کی توپیں امب کی طرف جاتے وقت محفوظ مقام پر دفن کرا دی تھیں۔ گڑھی چھتربائی کے محاصرے میں ان کی ضرورت پڑی تو امب میں منگوا لیں۔ پھر پنجتار میں رہیں اور ہجرت ثانیہ کے وقت انہیں دوبارہ دفن کرا دیا۔

بارود، گولے، نل اور گنڈاسے

بارود سازی کا کارخانہ پنجتار میں بنایا گیا تھا۔ اغلب ہے بعض دوسرے مقامات پر بھی عارضی انتظام کر لیا جاتا ہو، لیکن مستقل کارخانہ پنجتار ہی میں رہا۔ مولوی سید جعفر علی نقوی رمضان ۱۲۴۵ھ (فروری ۱۸۳۰ء) میں ہندوستان سے پنجتار پہنچے تھے۔ اس وقت سید صاحب امب میں تھے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں: سرکاری بارود ساز اپنے کام یعنی بارود سازی میں مشغول تھے۔(۱) انہیں دنوں بارود کو آگ لگ گئی۔ دو آدمی شہید ہوئے اور بارود کا میگزین بھی جل گیا۔

سید صاحب کے پاس توپیں آ گئیں تو قاسم خیل میں جو پنجتار کے شمال میں واقع

(۱) "منظورہ" ص ۲۴۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے، مولانا احمد اللہ ناگپوری اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی نے گولے ڈھالنے کا کارخانہ قائم کرلیا، جس میں ڈیڑھ سیر، تین سیر اور پانچ سیر کے گولے ڈھلتے تھے۔

مجاہدین کی جو جماعتیں پہلی مرتبہ ہزارہ بھیجی گئی تھیں، انہیں دوسرے سامانِ جنگ کے علاوہ بانس کے پانچ سات سو نل بھی دیدیے گئے تھے۔ یہ ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت لمبے تھے اور ان میں بارود بھری ہوئی تھی۔ حملے کے وقت انہیں آگ دے کر دشمن پر پھینکا جاتا۔ چنانچہ ڈمگلہ کی جنگ میں یہ نل استعمال ہوئے۔ سینگوں اور بھینسوں کی آنتوں میں بھی بارود بھر کر استعمال کرتے تھے۔

اسلامی لشکر کا ایک خاص ہتھیار دندانہ دار گنڈاسا تھا، جسے عام لوہار جلد سے جلد کثیر تعداد میں تیار کر لیتے تھے۔ گنڈاسے کو لمبا دستہ لگایا جاتا۔ یہ ان مجاہدین کو دیا جاتا جن کے پاس اور کوئی ہتھیار نہ ہوتا یا جو بندوق اور تلوار سے کام نہ لے سکتے۔ مثلاً شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کا بایاں ہاتھ جنگ مایار میں بے طرح زخمی ہو چکا تھا اور وہ بندوق نہ چلا سکتے تھے، لہٰذا بالاکوٹ میں انہیں گنڈاسا دے دیا گیا۔

فنونِ جنگ کی مشق

مجاہدین سے قواعد اور چاند ماری بھی کرائی جاتی تھی۔ مثلاً قیام خہر کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ میر عبدالرحمٰن جھالوی، حافظ امام الدین رام پوری اور بعض دوسرے حضرات مجاہدین سے نشانے کی مشق کرایا کرتے تھے، جنکے پاس توڑے دار بندوقیں تھیں۔ حاجی عبداللہ رام پوری، مولوی امام علی عظیم آبادی، شیخ خوابخش علی غازی پوری، شیخ بلند بخت دیوبندی، شیخ نصر اللہ خورجوی اور اکبر خاں نے چقماقی بندوقوں اور قرابین والوں کی ترتیب کا کام سنبھال لیا۔ اڑھائی مہینے کے بعد سید صاحب نے مجاہدین کی پریڈ دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور تحسین فرمائی۔ ساتھ ہی کہا: مشاقی پر نازاں نہ ہونا، شیخ صرف خدا کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فضل پر موقوف ہے۔ قواعد کرانے والے اصحاب روزانہ رات کے وقت سید صاحب کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے کہ آج اس طور سے قواعد کرائی۔ سید صاحب بعض اوقات نہایت عمدہ نکتے بیان فرمایا کرتے تھے۔

مثلاً اس زمانے میں ایک دستور یہ تھا کہ سپاہی چھرّے تھیلی سے نکال کر منہ میں بھر لیتے اور ضرورت کے مطابق تھوڑے تھوڑے بندوق میں ڈالتے جاتے۔ سید صاحب نے فرمایا: اس میں بڑی مضرتیں ہیں۔ مثلاً بندوق گرم ہو جائے تو بارود بھرتے وقت آگ پکڑ سکتی ہے۔ ایسی صورت میں چھرّے منہ سے نالی میں ڈالنا خالی از خطرہ نہیں۔ ایک مضرت یہ ہے کہ چھرّے منہ میں ہوں تو میدانِ جنگ میں تکبیر نہیں کہی جا سکتی۔

پنجتار کے سامنے میدان میں مجاہدین برابر مختلف فنونِ جنگ کی مشق کرتے رہتے تھے اور یہاں گھڑ دوڑ بھی ہوتی تھی۔ نواب وزیر الدولہ نے فنونِ حرب کی مشق کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر کیا: گھڑ دوڑ اور خنجر چلانا، نیزہ بازی، توپ اور بندوق چلانا، جنگ کے قواعد سیکھنا، قلعے فتح کرنا، دشمن کو مارنا، اس غرض سے ہر قسم کے ہتھیار جمع کر رکھے تھے۔(۱)

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ مجاہدین:

ہمہ مبارز و جوشن شگاف و پیکاں دوز	ہمہ کماں کش و رزم آزما و دشمن سوز
چو باد حملہ برد ہمچو کوہ حملہ پذیر	چو رعد بانگ زن و ہمچو برق تیغ افروز(۲)

یعنی سب بڑے بہادر تھے۔ مخالفوں کی زرہیں چیر کر رکھ دیتے تھے اور پیکان توڑ ڈالتے تھے۔ سب کمان چلانے میں مشاق تھے۔ جنگ کے دھنی اور دشمنوں کو ختم کر دینے والے۔ وہ حملہ کرنے میں ہوا کی مانند تیز تھے۔ جب ان پر حملہ ہوتا تھا تو پہاڑ کی طرح جم

(۱) "وصایا" حصہ دوم ص: ۵۹۔ (۲) "وصایا" حصہ دوم ص: ۵۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جاتے تھے۔ وہ رعد کی مثل نعرے لگاتے تھے اور ان کی تلواریں بجلی بن کر چمکتی تھیں۔

اکھاڑے

ایک موقع پر پنجتار میں مختلف فنون کیلئے الگ الگ اکھاڑے قائم کیے گئے مثلاً:

۱۔ نیزہ بازی کا اکھاڑا سید صاحب کے زیر اہتمام۔

۲۔ سواری، نیزہ بازی، بندوق اور تلوار کا اکھاڑا عبدالحمید خاں رسالدار کے زیر اہتمام۔

۳۔ پھری گدکا اور رستم خانی کا اکھاڑا شیخ عبدالوہاب اور خدا بخش تنجھانوی کے زیر اہتمام۔

۴۔ امردھج کا اکھاڑا میرزا احمدی بیگ شاہ جہان آبادی کے زیر اہتمام۔

۵۔ غفور خانی کا اکھاڑا سید لطف علی اور امام الدین رام پوری کے زیر اہتمام۔

۶۔ پلٹی کا اکھاڑا استاد رجب خاں کے زیر اہتمام۔

یہ اکھاڑے روزانہ عصر سے مغرب تک گرم رہتے تھے۔ سید صاحب خود اس موقع پر موجود رہتے اور ہر اکھاڑے کی مشق کا معائنہ فرماتے۔

لشکر کے نشان

لشکر کے بڑے نشان یا پرچم تین تھے:

۱۔ صبغۃ اللہ: یہ جماعت خاص کا نشان تھا اور ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس رہتا تھا جو جماعت کے خاص علمدار تھے۔ اس پر پہلے پارے کا آخری رکوع سرخ ریشم سے کاڑھا گیا تھا۔ یہ نشان صرف اس لڑائی میں جاتا تھا جس میں سید صاحب خود شریک ہوتے۔

۲۔ مطیع اللہ: اس پر سورۂ بقرہ کا آخری رکوع سرخ ریشم سے کاڑھا گیا تھا۔ یہ ابراہیم خاں خیر آبادی کے پاس رہتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ فتح اللہ: اس پر سورہ صف کی کچھ آیتیں کڑھی ہوئی تھیں مثلاً: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ..... الخ یہ نشان پہلے محمد عرب کے پاس رہتا تھا، پھر اسے فرج اللہ شیدی کے حوالے کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ بھی مختلف جماعتوں کے چھوٹے نشان ہوں گے۔ خاص نشان یہی تین تھے۔

متفرق امور

مجاہدین کو قلعوں پر بھی حملے کرنے کی نوبت آئی اور ان لشکروں پر بھی شبخون مارنے پڑے، جنہوں نے حفاظت کی غرض سے اردگرد مضبوط خار بندی کا انتظام کر لیا تھا۔ لہذا ایسے موقعوں کیلئے سیڑھیاں بھی بنوائی گئی تھیں اور خار بندی سے گذرنے کیلئے چار پائیاں بھی استعمال کر لیتے تھے۔ مثلاً ڈمگلہ کے شبخون میں آخری تدبیر ہی سے کام لیا گیا تھا۔ جب خادے خاں پر حملے کا فیصلہ ہوا تو معلوم تھا کہ ہنڈ کا قلعہ بہت مضبوط ہے، لہذا چیڑ کی لکڑی کے قلابے اور سیڑھیاں بنوائی گئیں۔ چھتر بائی کے محاصرے کے وقت بھی مجاہدین کے پاس سیڑھیاں موجود تھیں۔ میدانِ جنگ میں مختلف اصحاب مجاہدین کو پانی پلانے پر مامور ہو جاتے تھے، انہیں "سقا" کا لقب دے دیا جاتا۔ چنانچہ مایار کی جنگ میں سب سے پہلے وہی صاحب شہید ہوئے جو ندی سے مشکیزے بھر بھر کر مجاہدین کو پانی پلا رہے تھے۔ شہدائے بالاکوٹ میں روشن سقا ساکن کوٹلی کا بھی ذکر آیا ہے۔

لڑائی یا شبخون کیلئے لمبا سفر درپیش ہوتا تو مجاہدین کو روغنی روٹیاں تیار کر لینے کا حکم دے دیا جاتا۔ چنانچہ اتمان زئی پر پیش قدمی کے سلسلے میں ہر مجاہد کو ایک ایک سیر آٹا، ایک ایک پاؤ گھی اور ایک ایک پاؤ گڑ دے دیا گیا۔ جس راستے میں پانی کمیاب ہوتا وہاں جابجا پہلے سے پانی کا انتظام کر لیا جاتا۔ جلالہ سے اتمان زئی جانے لگے تو مجاہدین کیلئے پانی کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بطلوں کا بندوبست کردیا گیا۔ ایک دستور یہ تھا کہ فوجی اقدامات کو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کا انتہائی اہتمام کیا جاتا۔ مثلاً شاہ اسمٰعیل ہنڈ پر حملے کیلئے موضع بازار (سدم) سے روانہ ہوئے تھے۔ وہ پہلے گڑھی مان زئی ہوتے ہوئے ترکئی پہنچے۔ وہاں سے نکلے تو پہلے پنجتار کا رخ کیا تاکہ کسی کو خیال نہ ہو، پنجتار کے سوا کہیں جانا منظور ہے۔ دوکوس پر نماز عشاء ادا کی وہاں سے ہنڈ کا رخ کیا۔

شجاعت اور حسن تدبیر

شاہ اسمٰعیل نے ایک موقع پر فرمایا کہ دشمن سے رزم و پیکار کیلئے انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض صاحب تدبیر ہوتے ہیں بعض شجاع و دلاور، بعض دونوں خصوصیتوں کے جامع ہوتے ہیں یعنی مدبر بھی اور شجاع بھی۔ محض باتدبیر لوگ ہمیں اس مقام پر کام نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ مقام شجاعت کا ہے نہ کہ تدبیر کا۔

شاہ صاحب کا مقصد یہ تھا کہ ساز و سامان اور رفیقوں کی قلت کے باعث مجاہدین کو شجاعت و مردانگی کی سب سے بڑھ کر ضرورت تھی۔ محض مردانگی ہی کی برکت سے وہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرسکتے تھے اور انھیں بہ تعداد کثیر میدانِ جنگ میں لاسکتے تھے۔ لیکن سید صاحب کے مجاہدین میں دونوں قسم کے آدمی شامل تھے۔ شجاعت میں بھی کوئی ان سے برتری کا دعویٰ نہ کرسکتا تھا اور حسن تدبیر کی مثالیں بھی سامنے رکھی جائیں تو واضح ہوجاتا ہے کہ کوئی ماہرِ فن حرب ان سے بازی نہ لے جاسکتا تھا۔

دونوں وصفوں کے جامع بہت سے لوگ موجود تھے۔ مثلاً شاہ اسمٰعیل، امام خاں خیرآبادی، مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی، شیخ ولی محمد پھلتی، شیخ بلند بخت دیوبندی، مولوی خیرالدین شیرکوٹی، مولوی مصطفیٰ کاندھلوی، عبدالحمید خاں رسالدار، ارباب بہرام خاں، قاضی سید محمد حبان وغیرہ۔ ان میں سب سے کونسا فرد تھا، جس کی قیادت ہر فوج کیلئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انتہائی اعزاز و اکرام کا سرمایہ نہ ہوتی۔

مجاہدین پر شفقت

سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے:

''وفور شفقت بر غازیاں چناں بود کہ ہر کس جناب ممدوح را زیادہ از پدر و مادر خود می دانست''(۱)

ترجمہ: سید صاحب مجاہدین پر اتنی زیادہ مہربانی اور شفقت فرماتے تھے کہ ہر شخص آپ کو باپ اور ماں سے زیادہ مہربان و شفیق سمجھتا تھا۔

یہ الفاظ یقیناً ایک روشن حقیقت کا آئینہ ہیں۔ سید صاحب بالطبع بھی بدرجۂ غایت شفیق تھے۔ جن مجاہدین کو وہ وطن اور اہل و عیال سے نکال کر راہ خدا میں قربانی کیلئے لائے تھے، ان پر شفقت کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہے؟! خصوصاً اس یگانہ بزرگ کی شفقت جو دنیا کے تمام رشتے توڑ کر صرف ایک رشتے کے استحکام کو زندگی کا نصب العین قرار دے چکا تھا اور وہ خدا کی محبت و رضا کا رشتہ تھا۔ اسی رشتے نے وقت کے ممتاز ترین عالموں، بڑے بڑے رئیسوں کے جگر بندوں اور عام مسلمانوں میں وہ روحِ ایمان پیدا کر دی تھی کہ وہ خدا کی راہ میں زیادہ سے زیادہ تکلیفیں اٹھانا عین راحت و شادمانی سمجھتے تھے اور جو شہادت پاتا تھا، اس کے متعلق کہتے تھے کہ وہ مراد کو پہنچ گیا۔

---

(۱) منظورہ، ص ۹۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

ادارہ و انتظام کا نقشہ

ضروری گزارش

سید صاحب ۱۸۲۶ء کے اواخر میں سرحد پہنچے تھے اور ۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو پہلی جنگ پیش آئی تھی۔ اس کے بعد کم و بیش تین سال تک کسی بڑے یا چھوٹے علاقے میں حکمرانی کا عملی نقشہ پیش کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ فروری ۱۸۲۹ء میں بیعتِ شریعت ہوئی اور مختلف مقامی رئیسوں نے بہ طیبِ خاطر شرعی نظام کا اجرا قبول کیا۔ اس سلسلے میں سید صاحب کو عشر ادا کرنے کا فیصلہ ہوا، لیکن اس میں باقاعدگی قاضی سید محمد حبان نے سرحد کے پورے میدانی علاقے کا دورہ کر کے پیدا کی۔ اس وقت سے وہ نظامِ حکومت اپنی ابتدائی شکل میں نافذ ہوا جو سید صاحب ہر جگہ نافذ کرنا چاہتے تھے اور اس پر عمل کی مدت بہت تھوڑی ہے۔ اس لئے کہ چند ماہ بعد سردارانِ پشاور اور بعض دوسرے خوانین نے سازش کر کے مجاہدین کی بہت بڑی تعداد کو بے خبرانہ شہید کر ڈالا اور سید صاحب سرحد کا میدانی علاقہ چھوڑ کر کسی دوسرے مرکز کی تلاش میں نکل پڑے۔ یوں اس نظام پر آٹھ دس مہینے یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کا عملی نقشہ ہمارے سامنے آیا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، وہ بھی بالکل ابتدائی شکل میں۔ اس کے متعلق جتنی تفصیلات مل سکیں وہ یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

عہدہ داروں کا تقرر

سید صاحب کے نظامِ حکومت میں عہدہ دار زیادہ نہ تھے، اس لئے کہ حکومت براہِ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راست ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ سرحدی علاقے کے رئیسوں نے عشر دینا منظور کر لیا، اس کی بنا پر سید صاحب نے جا بجا قاضی مقرر کر دیے کہ لوگوں کے منازعات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کریں اور بعض علماء کو مختلف علاقوں میں منصبِ افتاء پر مامور کر دیا۔ قاضی سید محمد حبان پہلے سے لشکر اسلام کے قاضی القضاۃ تھے، انہیں پورے علاقے کیلئے قاضی القضاۃ بنا دیا گیا۔ وہ جنگِ مردان میں شہید ہو گئے تو یہ عہدہ مولوی محمد رمضان کو دے دیا۔ مختلف علاقوں کے قاضیوں کی پوری تفصیل معلوم نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہ مقامی علماء تھے۔ مثلاً صاحب زادہ نواب عبدالقیوم مرحوم کے نانا، ملا سید میر (ملا صاحب کوٹھا) کو کوٹھا کا قاضی بنایا گیا تھا اور ملا صفی اللہ شیوہ کے قاضی تھے۔ صرف پشاور میں مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو عہدۂ قضا دینا پڑا، اس لئے کہ سردار سلطان محمد خاں بارک زئی کی خواہش یہی تھی۔

ملا قطب الدین ننگرہاری پورے علاقے کیلئے محتسب مامور ہوئے اور تیس تفنگچی ان کے ساتھ مقرر کر دیے گئے۔ وہ قریہ بہ قریہ اور دہ بہ دہ دورے کرتے رہتے تھے۔ جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے اس کا انسداد کر دیتے۔ ایک مکتوب مظہر ہے:

''ملا قطب الدین ساکن ضلع ننگرہار کہ از مدت مدید بناء برا قامت جہاد ورفاقت آنجناب سالہا بسر کردہ دور دیانت وتقویٰ بے نظیر برآمد خدمت احتساب بر تارکین صلوٰۃ سپردہ شد وقریبا سی مردم تفنگچی از قندھاریاں ہمراہ او متعین کردہ شد''(۱)

ترجمہ: ملا قطب الدین ننگرہاری جو طویل مدت سے اقامتِ جہاد کے سلسلے میں سید صاحب کے رفیق ہیں اور دیانت وتقویٰ میں بے نظیر، انہیں تارکین صلوٰۃ پر احتساب کیلئے مقرر کر دیا ہے اور قندھاریوں میں سے تقریباً تیس بندوقچی ان کے ساتھ کر دیے ہیں۔

(۱) [illegible] مجموعہ ص ۲۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راویوں کا بیان ہے کہ تھوڑی مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگ شریعت کے پابند ہو گئے۔ چند داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ ملا قطب الدین کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک کسی دوسرے کام کے سلسلے میں بھی کہیں جاتا تو گاؤں کے لوگ دوڑے آتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں:

"ہر صغیر و کبیر از دیہات مذکور بر ادائے صلوٰۃ مستقیم گردید چنانچہ بالفعل یک متنفس ہم در دیہات مذکور کہ تارک صلوٰۃ باشد باذن اللہ یافتہ نمے شود" (۱)

ترجمہ: دیہات کے تمام چھوٹے بڑے ادائے نماز پر قائم ہو گئے اور اب خدا کے فضل سے ایک شخص بھی نہیں مل سکتا جو تارک نماز ہو۔

تحصیل عشر کا انتظام

عشر کی تحصیل کیلئے مختلف مجاہدین جا بجا مقرر کر دیے گئے تھے۔ مثلاً:

علاقہ	مامورین
گڑھی امان زئی	حاجی بہادر شاہ خاں اور محمود خاں
شیوہ	سید امیر علی اور حافظ عبدالعلی
ٹوپی	مولوی نصیر الدین منگلوری
کھبل	پیر خاں
ترلانڈی	لکھمیر خاں
لوند خوڑ	مولوی خیر الدین شیر کوٹی
خدو خیل	فتح خاں پنجتاری

یہ صرف چند نام ہیں، یقین ہے کہ باقی حصوں میں بھی مختلف اصحاب مامور ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے مولوی نصیر الدین منگلوری کا علاقہ بہت بڑا تھا۔ یعنی ٹوپی، مینئی،

(۱) رائے بریلی والے خطوط کا مجموعہ ص: ۲۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گندف، باجا، بام خیل، پابنی، کھلابٹ، مرغز، دونوں منارے، کدا، زیدہ، پنج پیر، شاہ منصور، کنڈوہ، ہنڈ۔ یہ لوگ عشر کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ ان کی امداد کیلئے ضرورت کے مطابق دو دو چار چار دس دس مجاہدین مقرر تھے۔ عشر کا غلہ یا جنس کی فروخت سے حاصل کیا ہوا روپیہ وقتاً فوقتاً پنجتار بھیج دیا جاتا تھا۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ غلہ پسوانے کیلئے مینئی کی پانچ پن چکیاں سید صاحب نے اپنے انتظام میں لے لی تھیں۔ میر حامد علی جھنجھانوی کو پچیس تیس مجاہدین کے ساتھ انتظام کی غرض سے وہاں بٹھا دیا تھا۔ پنجتار سے غلہ بھیجا جاتا اور مینئی سے آٹا پس کر آجاتا۔ ان مجاہدین کے علاوہ شیخ بلند بخت دیوبندی امب میں قلعہ دار تھے اور حافظ مصطفیٰ کاندھلوی چھتربائی میں۔ رسالدار سواروں اور شاہینوں کے ساتھ مستقل طور پر شیوہ میں مقیم تھا اور وقتاً فوقتاً تھوڑے سے سواروں کے ساتھ علاقے کا دورہ کرتا رہتا تھا۔

سید صاحب نے اسے مشورہ دینے کیلئے ایک مجلس شوریٰ بھی بنا دی تھی، جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھی: شیخ عبدالحکیم پھلتی، شیخ ناصرالدین پھلتی، حافظ عبدالرحمٰن پھلتی، شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی، نورداد خاں لوہانی پورہ، عبدالحکیم خاں لوہاری، ملا عزت قندھاری، ملا نور قندھاری، ملا قطب الدین قندھاری، ملا لعل محمد قندھاری، عبدالغفار قندھاری۔

تاکیدی احکام

سید صاحب نے تاکیدی حکم دے رکھا تھا کہ:

''اگر سوار یا پیادہ برائے تحصیل برخوانین دیہات رود، خوانین را باید کہ برادر خود تصور یدہ دعوتش کنند و اد فرمائش چیزے نمایند۔ اگر فرمائشے برخوانین نمود، در بارگاہ ما معاتب خواہد باشد'' (۱)

(۱) ''منظورہ'' ص: ۸۹۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: اگر کوئی سوار یا پیادہ تحصیل عشر کیلئے خوانین کے پاس جائے تو انہیں چاہیے کہ اسے اپنا بھائی سمجھتے ہوئے کھانا کھلا دیں، خود اسے کسی چیز کی فرمائش نہ کرنی چاہیے۔ اگر اس نے فرمائش کی تو یہ امر ہماری ناراضی کا باعث ہوگا۔

اس ہدایت پر بڑے اہتمام سے عمل ہوا۔ رسالدار عبدالحمید خاں کا دستور یہ تھا کہ دورے پر نکلتے تو ہر آبادی سے نصف میل پر ٹھہر جاتے اور بعض اکابر کو باہر ہی بلا کر حالات پوچھ لیتے۔ سواروں کو بستی میں جانے یا کوئی چیز مانگنے کی سخت ممانعت تھی۔ ایک مرتبہ شیخ **لکھمیر** نے موضع ڈاگئی میں کسی سے چھاچھ مانگ لی۔ عبدالحمید خاں سخت ناراض ہوئے۔ گاؤں والوں نے کہا کہ یہ معمولی سی بات ہے، لیکن رسالدار نے شیخ سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ رہنا منظور ہے تو ضابطوں کی پابندی کیجئے ورنہ امیرالمومنین کے پاس چلے جایئے۔

ایک مرتبہ دو سواروں نے کسی سے شکر مانگی، اس نے جواب دیا کہ شکر تو نہیں گڑ موجود ہے۔ سوار غصے میں آگئے۔ رسالدار کو اس واقعے کا علم ہوا تو دونوں سواروں کے بیس بیس تازیانے لگوائے۔

مجلس شوریٰ

سید صاحب کا دستور ابتدا سے یہ رہا ہے کہ ہر معاملے کے متعلق اپنے خاص رفیقوں سے مشورہ کر لیتے تھے۔ ذاتی معاملات کے متعلق صرف اقربا یا بعض خاص رفیقوں سے مشورہ کرتے تھے۔ دینی مسائل علماء سے پوچھتے تھے۔ جہاد اور نظم ونسق کے متعلق جو اصحاب مختلف اوقات میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے ان کے نام ذیل میں درج ہیں:

مولانا عبدالحئی، مولانا شاہ اسمٰعیل، سید احمد علی، سید حمید الدین، سید عبدالرحمٰن (تینوں سید صاحب کے بھانجے تھے) سید محمد یعقوب (سید صاحب کے بھتیجے) مولوی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وحید الدین، مولانا محمد یوسف پھلتی، خواجہ محمد (حسن پوری)، ارباب بہرام خاں، مولوی محمد حسن، شیخ بلند بخت، مولوی خیر الدین شیرکوٹی، امام خاں خیر آبادی، سید محمد علی رام پوری، مولوی ولایت علی عظیم آبادی، قاضی سید محمد حبان، سید اکبر شاہ ستھانوی، فتح خاں پنجتاری، ملا لعل محمد قندھاری، ملا قطب الدین ننگرہاری۔

ہر اہم معاملے کے متعلق ان میں سے موجود اصحاب کو بلایا جاتا اور ان سے پوچھنے کے بعد قطعی فیصلہ کیا جاتا۔ توشہ خانے اور سلاح خانے کا انتظام پہلے مولانا محمد یوسف پھلتی کے حوالے تھا۔ اس انتظام کے سلسلے میں مولانا موصوف ہی سے مشورہ کرتے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے اور شیخ ولی محمد ان کی جگہ مامور ہوئے تو مال و اسباب اور ہتھیاروں کے متعلق ان کی رائے لیتے تھے۔

امان نامے اور عطیات

مجموعۂ مکاتیب میں بعض ایسی تحریریں بھی موجود ہیں جنہیں امان ناموں سے موسوم کیا گیا ہے، یا بعض لوگوں نے ملکیتوں کی بازیافت کے متعلق درخواستیں پیش کیں تو فرمایا کہ جب وہ علاقے ہمارے قبضے میں آ گئے گے اور ملکیتوں کا ثبوت مل جائے گا تو یہ واپس کر دی جائیں گی۔ اس قسم کی تمام تحریرات میں مختلف شرطیں مذکور ہیں، مثلاً:

۱۔ بشرط اتباع احکام شریعت۔

۲۔ بشرط ادائے عشر۔

۳۔ بشرط اتباع شرع و رفاقت مجاہدین۔

۴۔ بشرط اتباع شریعت و خدمت دین۔

بعض علماء کو قضاء و افتاء کے منصب پر مامور کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت سونپی گئی۔ بعض رؤسا و خوانین کو جاگیروں کی بحالی کے متعلق تحریرات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دی گئیں۔ ان تحریروں میں بھی اتباع شریعت کی شرط موجود ہے۔(۱)

اتباع شریعت

سید صاحب کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ تمام مسلمان ہر معاملے میں شرعی احکام کے پابند ہو جائیں۔ بیعتِ شریعت کے وقت خوانین نے خود اقرار نامے پیش کر دیے تھے کہ وہ شرعی احکام سے سرمو انحراف نہ کریں گے۔ ان میں فتح خاں پنجتاری بھی شامل تھا، جس کا وطن سید صاحب کا مرکزِ جہاد تھا۔ اسے بار بار فرماتے:

"رسوم ریاست وسیاست وسائر رسوم غیر مشروعہ کہ بر بنائے تحصیل مال وجاہ بہ بست آیدہ، آں ہمہ را ایک قلم ترک نمائید"(۲)

ترجمہ: تم نے ریاست، سیاست اور دوسرے امور میں جو غیر شرعی طریقے مال اور اقتدار کی غرض سے جاری کر رکھے ہیں، ان سب کو یک قلم چھوڑ دو۔

عام لوگوں کی طرح ہماری رفاقت اختیار کرو اور شرعی احکام کے مقابلے میں دوستوں اور عزیزوں کی پاسداری سے کاملاً دست بردار ہو جاؤ۔

اعلانِ عام

ایک اعلان تمام مخلص مسلمانوں اور لشکر مجاہدین کے نام ہے، جس کے اہم مطالب کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

۱۔ لوگوں میں جھگڑا پیدا ہو تو اس کا فیصلہ خود نہ کریں بلکہ قاضی سے کرائیں۔ کسی بھائی کو اس معاملے میں دخل دینا مناسب نہیں۔

۲۔ ہر شخص کیلئے لازم ہے کہ جو کچھ کہنا ہو، قاضی کے سامنے کہے۔ اگر وہ ایسا نہ

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو" مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل" قلمی نسخہ ص: ۲۰، ۲۳، ۲۴۔

(۲) "منظورہ"

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرے گا تو تعدی کا اندیشہ رہے گا اور تعدی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حد درجہ ناپسندیدہ ہے:

"اگر کسے از لشکریان ایں جانب کاروبار بدوں معرفت قاضی پیش خواہد آورد و دراں چیزے جور و تعدی خواہد شد، قاضیاں او را سزائے خواہند داد۔ اگر قاضیاں چیزے قصور خواہند کرد۔ اینجا تنبیہ واقع خواہد شد و ہر کسے را کہ اجرائے حکم منظور باشد، بہ معرفت قاضی نماید"(۱)

ترجمہ: اگر ہمارا کوئی لشکر قاضی کے بغیر کوئی حکم جاری کرے گا اور اس میں ظلم و تعدی کا پہلو ہوگا تو قاضی اسے سزا دیں گے، اگر قاضیوں سے کوئی قصور سرزد ہوگا تو ہماری طرف سے تنبیہ کی جائے گی۔ جس شخص کو کوئی حکم جاری کرانا منظور ہو، وہ قاضی کی معرفت کرائے۔

"سید احمد شہید" میں ہم بتا چکے ہیں کہ سید صاحب نے جنگِ مایار کے بعد پشاور پر پیش قدمی کی تھی تو راستے میں ہر مقام پر عام لوگ درانیوں کی شکایتیں لے کر آتے اور کہتے کہ وہ ہم سے پیداوار کا نصف حصہ لیتے ہیں اور تحصیل و انتظام کا پورا خرچ ہم پر ڈالتے ہیں۔ اس طرح پیداوار میں سے بمشکل ایک تہائی حصہ عام کسانوں، کاشتکاروں اور زمینداروں کو ملتا تھا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہمیں پیداوار کا صرف ایک تہائی حصہ دیتے جانا، اسی میں ہم اپنا خرچ چلائیں گے۔ بہر حال سید صاحب صرف یہ چاہتے تھے کہ عدالت، فیصلۂ مقدمات اور انتظامات میں شرعی اصول و مقاصد کے مطابق عمل ہو اور ظلم و فسق کا ملامت جائے۔

اس سرسری انتظامی نقشے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سید صاحب کا مجوزہ نظامِ حکومت عوام کیلئے کس درجہ باعثِ رحمت تھا اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، یہ بالکل ابتدائی نقشہ ہے۔ اگر انہیں کسی علاقے میں مستقل حکومت قائم کرنے کا

(۱) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل قلمی نسخہ" ص: ۹۲ تا ۲۶۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

موقع مل جاتا تو وہ ہمارے لئے نہایت عمدہ نمونہ بن جاتا۔

جرائم کے لئے سزائیں

جو تفصیلات ہمارے سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر زور نماز کی پابندی پر دیا جاتا تھا، اس لئے کہ لوگ اس اہم ترین فرض کی بجا آوری میں تساہل کرتے تھے۔ جو مرد نماز ادا نہ کرتے تھے، امان خاں کنج پوری قاضی کے احکام کے مطابق انہیں تازیانے لگاتے تھے۔ عورتوں کو خود سید صاحب زنانے میں لے جا کر سزا دیتے تھے۔ قیام امب کے زمانے میں صرف دو عورتوں کو سزا ملی: ایک تارک صلوۃ تھی، دوسری نے شوہر کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بیوہ ظاہر کیا۔ دریا پر ننگے نہانے والوں کو پہلے جرمانے کی سزا دی جاتی تھی، پھر ان کیلئے تازیانے کی سزا ہوگئی۔ جانوروں کی چرائی میں فصلوں کے نقصان کی شکایتیں موصول ہوتیں تو شروع میں ہر جانور کیلئے جرمانہ مقرر رہا۔ بعد میں حکم دے دیا گیا کہ ہر فصل کے نقصان کا اندازہ کر کے مالک کو پورا تاوان دلایا جائے۔ اصلاح معاشرت کے سلسلے میں مختلف برائیوں کا انسداد کیا گیا۔ مثلاً لڑکیوں کی شادی کیلئے بھاری رقمیں لینا، دیر تک لڑکیوں کو بٹھائے رکھنا اور شادیاں نہ کرنا یا پیسے وصول کرنے کی غرض سے رخصتی کو التوا میں ڈالنا، گروہ بندیوں کا انسداد، انتقام گیری کے سلسلے میں خونریزی کو لامتناہی بنا دینے کا سدباب۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں ترک نماز پر خان دہ سے دو روپے جرمانہ لیا جاتا تھا، ملک سے ایک روپیہ، عام لوگوں سے آٹھ آنے۔ غیر شرعی رسموں کے سلسلے میں موتی پر نوحہ وسینہ کوبی کو بھی روکا گیا۔

چھٹا باب:

دفتری ترتیبات

محکمۂ تحریر

سید صاحب کے انتظامی معاملات اگرچہ ابتدائی مراحل سے آگے نہ بڑھنے پائے، تاہم انہوں نے شروع ہی سے ایک محکمۂ تحریر قائم کرلیا تھا، جسے اصطلاح میں "دفتری خانہ" کہتے تھے۔ منشی محمدی انصاری اور بردوانی اس محکمے کے رئیس یا سر منشی تھے۔ سید صاحب انہیں انصاری بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔ انہیں نگارش میں ایسا کمال حاصل تھا کہ کسی موقع پر اندھیرے میں بھی کچھ لکھنا پڑتا تو بے تکلف لکھتے۔ نہ کوئی حرف خطا ہوتا، نہ الفاظ آپس میں ملتے اور نہ سطریں ٹیڑھی ہوتیں۔

متعدد اصحاب منشی خانہ سے وابستہ تھے، جن میں سے بعض کو قلمدان ملے ہوئے تھے، یعنی وہ باقاعدہ منشی سمجھے جاتے تھے۔ بعض کے پاس قلمدان نہ تھے، اگرچہ وہ عام طور پر منشیوں ہی میں شمار ہوتے تھے۔ اس محکمے کے کارکنوں میں منشی محمدی انصاری کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب کا ذکر آیا ہے:

حافظ صابر، حافظ عبداللہ، منشی خواجہ محمد، مولوی محمد قاسم پانی پتی، منشی فضل الرحمٰن بردوانی، (یہ منشی محمدی انصاری کے ماموں تھے) میر فیض علی گورکھپوری، سید جعفر علی نقوی صاحب منظورۃ السعداء، حافظ عبدالعلی پھلتی، مولوی ریاست علی موہانی۔

سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ آخری دو صاحبوں کے پاس قلمدان نہ تھے اور ان کیلئے منشی خانہ میں بیٹھنا بھی لازم نہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اطلاعات کا اہتمام

جب لشکر کا کوئی حصہ کاروبار جہاد کیلئے باہر بھیجا جاتا تھا تو اس کے ساتھ بھی ایک یا دو منشی ضرور جاتے تھے تاکہ تمام حالات سے متعلق روزانہ اطلاعات مرکز میں پہنچتی رہیں، اور سالار لشکر کو مختلف خوانین یا سرداروں کے نام خط بھیجنے پڑیں تو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ مثال کے طور پر سید احمد علی رائے بریلوی کو پھولڑہ بھیجا گیا تو وہ سید جعفر علی نقوی کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ انکی رائے یہ تھی کہ میر فیض علی گورکھپوری مدت سے "منشی خانہ" میں مامور ہیں اور لشکر اسلام کے رسوم خطاب نیز طریق مکاتبت سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کا مرکز میں رہنا بہتر ہوگا۔ سید صاحب نے میر فیض علی سے فرمایا کہ یہ آپ کا بھائی (سید جعفر علی نقوی) بڑی لمبی منزل طے کرکے آیا ہے اور ابھی ماندگی دور نہیں ہوئی، لہٰذا آپ ہی چلے جائیں۔ انہوں نے عرض کیا بسر و چشم۔ چنانچہ وہ گئے اور جنگ پھولڑہ میں شہادت پائی۔

بعض اوقات مکاتیب یا اعلامات کی متعدد نقلیں کرانا ضروری ہو جاتا تھا، ایسے مواقع پر مزید آدمیوں کو امداد کی غرض سے منشی خانہ میں بلوالیا جاتا تھا، مثلاً حکیم قمر الدین پھلتی، نور احمد نگرامی، عبد الوہاب قاسم غلہ، غلام محمد پانی پتی (والد منشی محمد قاسم)۔

طریق مکاتبت

جب شاہ اسمٰعیل مرکز میں ہوتے تو تمام مکاتیب وہی لکھواتے۔ سید صاحب مضمون بتادیتے اور شاہ صاحب اسے عبارت کا لباس پہنا دیتے۔ وہ مضمون بولتے جاتے اور منشیوں میں سے کوئی ایک لکھتا جاتا۔ سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ خود شاہ صاحب کو کتابت پر ویسی قدرت حاصل نہ تھی جیسی کہ ہونی چاہیے تھی۔ (۱)

(۱) منظورہ ص: ۵۰۷۔ اس کتاب کی تمام اطلاعات زیادہ تر "منظورہ" ہی سے ماخوذ ہیں۔ کتابت کے متعلق منظورہ کے الفاظ یہ ہیں: قدرت بر کتابت چناں کہ باید ندا شتند" مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے کتابت کی مشق نہ کی اور وہ مشاق آدمیوں کی طرح نہ لکھ سکتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہر تحریر پر میر منشی صاحب ایک خاص نشان بنا دیتے جو انہیں کو معلوم تھا۔ اس کے بغیر کسی تحریر پر مہر نہ لگائی جا سکتی تھی۔ منشی محمدی انصاری ہر تحریر کو بہ غور پڑھ لیتے۔ مہر ہو جانے کے بعد اسے جہاں بھیجنا ہوتا بھیج دیا جاتا۔ توضیحات کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ جو مکتوب براہ راست سید صاحب کے فرمان سے لکھا جاتا، اس کے ایک گوشے میں "حضور" لکھ دیا جاتا۔ جو شاہ اسمٰعیل کی وساطت سے موصول ہوتا اس کے کسی گوشے میں "مولانا" تحریر کر دیا جاتا۔ یعنی اس کا مضمون براہ راست نہیں بلکہ بوساطت مولانا شاہ اسمٰعیل موصول ہوا۔

روزنامچہ

منشی انصاری نے ہر مہینے کے تمام حالات روزانہ بالالتزام لکھوانے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ مہینہ ختم ہوتا تو روزنامچہ محفوظ کاغذات کے صندوق میں رکھ دیا جاتا اور نئے مہینے کیلئے نئے روزنامچے کی جدولیں تیار کرالی جاتیں۔ تاریخ وار حالات میں سب کچھ شامل ہوتا مثلاً لڑائیوں کی کیفیت، مذاکرات کا مرقع، کہاں کہاں آدمی بھیجے گئے، کون کون لوگ ملنے کیلئے آئے، ان سے کس موضوع پر باتیں ہوئیں، کتنی رقم باہر سے آئی اور کتنی خرچ ہوئی وغیرہ۔ اس طرح وہ ماہانہ حالات کا پورا نقشہ تیار کر کے رکھتے جاتے تھے۔ روزنامچے میں یہ بھی لکھا جاتا تھا کہ کس کس کو خط بھیجے گئے اور کس کس کی طرف سے خط آئے۔

کاغذات کا صندوق

منشی صاحب نے ایک بڑا صندوق لے لیا تھا، جس میں تمام ضروری کاغذات کے الگ الگ بستے بندھے ہوئے رکھے جاتے تھے۔ اس میں کچھ کتابیں بھی تھیں، مثلاً شاہ ولی اللہ کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ"، حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ، ان کے علاوہ جمعہ اور عیدین کے بہت سے خطبوں کی نقلیں تھیں۔ یہ خطبے شاہ اسمٰعیل وقتاً فوقتاً دیتے رہتے تھے۔ سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ نہایت قیمتی اور گراں بہا صندوق بالاکوٹ کی جنگ میں بھی ساتھ تھا۔ سید صاحب، شاہ اسمٰعیل، منشی محمدی انصاری اور دوسرے اکابر کی شہادت کے بعد یہ بھی یا تو جل گیا یا لوٹ میں اس کے کاغذات ضائع ہو گئے۔

دفتر کا نام "منشی خانہ" تھا۔ غازی خاں، شہامت خاں وغیرہ اس کی محافظت پر مامور تھے۔ منشی محمدی انصاری کو جس بستے کی ضرورت ہوتی، محافظوں سے کہہ کر صندوق میں سے نکلوا لیتے۔ (۱)

نشانِ تاکید

سید صاحب نے مجاہدین کیلئے تاکید کی غرض سے ایک نشان مقرر کر رکھا تھا۔ جب کسی کو کوئی تحریری حکم دیتے تو دستِ مبارک سے اس پر "کلمۃ اللہ کافی" لکھ دیتے۔ لشکر اسلام میں اسے انتہائی تاکیدی حکم سمجھا جاتا۔ مثلاً سید صاحب کی سیرت میں یہ واقعہ درج ہو چکا ہے کہ شاہ اسمٰعیل پہلی مرتبہ بالاکوٹ گئے تھے تو انہوں نے سکھوں کے لشکر پر شبخون مارنے کا پختہ فیصلہ کر لیا تھا۔ عین آخری وقت پر سید صاحب کی طرف سے طلبی کا فرمان پہنچ گیا اور اس پر "کلمۃ اللہ کافی" درج تھا۔ شاہ صاحب نے شبخون ملتوی کر دیا اور سفر کی تیاری کر لی۔ بعض مشیروں نے شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت کو مفصل حالات لکھ بھیجئے اور شبخون ملتوی نہ کیجئے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ فرمان تاکیدی ہے اور میرے لئے عذر کی گنجائش نہیں رہی۔

مختلف مہریں

اس سلسلے میں مختلف اصحاب کی مہروں کا بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے جو خطوط لکھے جاتے تھے، وہ عموماً منشی صاحبان ہی لکھتے اور وہی مہریں ثبت

(۱) یہ تمام تفصیلات "منظورہ" سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرتے تھے:

شخصیت	مہر
سید صاحب	اسمہ احمد (یہ مہر شاہ اسمٰعیل کے پاس رہتی)
شاہ اسمٰعیل	واذکر فی الکتاب اسمٰعیل
مولانا عبدالحیٔ	اوپر: ھوالحی لا الٰہ الا اللّٰہ
	نیچے: اِنِ الْحکمُ الا لِلّٰہ
شیخ ولی محمد	ھوالولی الحمید
شیخ بلند بخت	بفضل خدا گشت بختم بلند
مولانا احمد اللہ ناگپوری	احمد اللّٰہ واستعین

بعض اصحاب نے مہروں پر مختص نام کندہ کرا رکھے تھے۔ ارباب بہرام خاں کی مہر گم ہو گئی تھی اور انہوں نے نئی مہر نہ بنوائی۔ وہ کہا کرتے تھے "مہر ما شہید شد"۔

منشیوں کا اخلاص اور سادگی

درویشی، سادگی اور بے تکلفی میں منشی عام مجاہدین ہی کا نمونہ تھے اور ان میں امتیاز کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ میدانِ جنگ میں وہ عام سپاہیوں کی طرح کام کرتے تھے۔ قلمدان چھری کی طرح کمر میں لٹکا لیتے۔ جب لکھنے کی ضرورت ہوتی بے توقف لکھنے لگتے۔

سردار پائندہ خاں تنولی کا منشی محمد غوث سردار کو چھوڑ کر سید صاحب کے پاس آ گیا تھا، وہ منشی خانہ کے سامان کی سادگی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سید جعفر علی نقوی کے پاس پرانا قلمدان اور ایک بڑی قینچی تھی۔ منشی محمد غوث نے کہا کہ میں آپ کو نیا چاقو اور نیا قلمدان لا دوں گا۔ سید جعفر علی نقوی نے فرمایا:

"مرا حاجت بہ قلم تراش شا نیست، خدمت دین نمائید۔ بہ ہمیں امر

از شمار اضی خواہم شد۔ مرا مثل عہدہ ہائے سرکار ہائے دنیا نہ باید شناخت۔ ایں جا جاروب کش ونشی یکساں است۔ اخلاص کامل می باید۔ چوں کار بدیں قلمدان ومقراض کہنہ ہم ممکن است وبہ شراکت از قلم تراش دیگراں درستی قلم ہم می شود، حاجت ہیچ چیزے نمی افتد"۔(۱)

ترجمہ: مجھے آپ کے چاقو کی ضرورت نہیں۔ دین کی خدمت بجالائیں۔ یہی امر میرے لئے خوشنودی کا باعث ہوگا۔ مجھے دنیا دار حکومتوں کے کارکنوں کی طرح نہ سمجھئے۔ ہمارے ہاں جھاڑو دینے والے شخص اور منشی کی شخصیت ایک ہے۔ یہاں اخلاص کامل درکار ہے۔ جب اس پرانے قلمدان اور پرانی قینچی سے کام چل سکتا ہے اور دوسروں کا چاقو لے کر قلم بھی بنایا جا سکتا ہے تو مجھے کسی چیز کی کیا ضرورت ہے؟

غور طلب حقیقت

سید جعفر علی نقوی کا جواب محض ایک تاریخی واقعے کے طور پر نہ پڑھیے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سید صاحب نے اپنے مخلصین میں کس قسم کی روحِ فکر وعمل پیدا کر دی تھی۔ وہ لوگ اپنی زندگیاں راہِ خدا میں وقف کر چکے تھے۔ اگر نئے قلمدانوں یا نئی قینچیوں اور چاقوؤں کی خواہش کرتے تو یہ ایسی خواہش نہ تھی کہ سید صاحب کیلئے محدود وسائل کے باوجود اسے پورا کر دینا غیر ممکن ہوتا، لیکن وہ لوگ صرف ایک ہی غرض لے کر آئے تھے کہ جس طور بھی ممکن ہو مقاصد دین پورے کریں۔ سید صاحب کی تربیت اور مردم گری کا کمال یہ ہے کہ مجاہدین نے یہ سادگی یا سامان کی فرومائیگی یا مجبوری کی حالت میں قبول نہ کی تھی، بلکہ وہ اس پر ہر لحاظ سے قانع اور خوش تھے اور اسے عند اللہ ثواب میں زیادتی کا باعث سمجھتے تھے۔

---

(۱) "منظورہ" ص ۷۴۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ اخلاص ہندوستان میں سید صاحب کی جماعت کے سوا اور کس جماعت کو نصیب ہوا؟ یہ مسلمانوں کیلئے ایک نمونہ تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ محض سامانوں کی فراوانی اور شان وشوکت پر نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور استقامت پر موقوف ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب لڑائیاں پیش آئیں تھیں تو دشمنوں کے مقابلے میں ان کے پاس کونسا سامان تھا؟ لیکن تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جن دشمنوں کا شکوہ و دبدبہ دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہو جاتیں تھیں، وہ ایمان و استقامت کے مقابلے میں غبارِ راہ بن کر اڑ گئے۔

سید صاحب ہندوستان میں اخلاص کا وہی منظر پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے نمونہ پیش کر دیا جس کی درخشانی زمانے کی گردش سے ماند نہیں پڑ سکتی۔ باقی رہا یہ امر کہ حسب مراد فوری نتیجے کیوں پیدا نہ ہوئے تو قدرت کی مصلحتوں کا بھید کسی پر آشکار انہیں ہو سکتا۔ ادائے فرائض کا راستہ سوداگری اور تجارت نہیں کہ سرمایہ لگایا اور نفع کے امیدوار بن گئے، فرمانبردار بندوں کو بہر حال احکامِ الٰہی کا پابند رہنا چاہیے۔ رضا جوئی کا تقاضا یہی ہے۔ نتیجے سے انہیں بالکل بے پروائی اختیار کر لینی چاہیے۔ ان کے سازِ وجود کا ترانہ یہی ہوتا ہے۔

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش ❀ کہ آنچہ ساقیِ ما ریخت عین الطاف است

راہِ حق کے علمداروں کی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں رنج و مشقت، قید و بند، دار و رسن اور قتل و شہادت کے سوا کیا مل سکتا ہے؟ گویا ہر لمحہ ان کیلئے ثبات و استقامت کی ایک نئی امتحان گاہ ہوتا ہے۔ شاید خواجہ حافظؔ نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر کہا تھا:

در طریقِ عشق بازی امن و آسائش خطاست

ریش باد آں دل کہ با دردِ تو جوید مرہمے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سا تواں باب:

خط و کتابت

مجموعۂ مکاتیب

سید صاحب نے تقریباً ساڑھے چار سال سرحد میں گزارے اور اس تھوڑی سی مدت کے لیل و نہار کا بیشتر حصہ جہاد کی دعوت، لشکر کی تنظیم، ایک دوسرے کے دشمن خوانین کی مصالحت اور لڑائیوں کی کشاکش میں گذرا۔ ان حالات میں انہیں خط و کتابت کیلئے بہت کم وقت مل سکتا تھا، تاہم ان کے مکاتیب کا مجموعہ ہمارے سامنے ہے، اسے دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ وہ کیونکر یہ سب کچھ لکھواتے اور جا بجا بھجواتے رہے۔ جن مسلمان سلاطین، امراء، رؤسا، خوانین، علماء اور اکابر تک ان کی آواز بذریعہ تحریر پہنچ سکتی تھی، انہوں نے پہنچانے میں توقف نہ کیا۔ ان کے مکاتیب و اعلامات کا خاصا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور معلوم ہے کہ بہت سے مکاتیب ضائع ہو گئے۔ اگر وہ بھی موجود ہوتے تو ذخیرہ کم از کم دوگنا ہوتا اور یہ صرف چار پانچ سال کا مجموعہ ہوتا جن کا ایک ایک لمحہ نہایت اہم مشاغل میں بسر ہوا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تحریری دعوت کا فرض بھی کس اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا۔ لطف یہ کہ ان کے اکثر مکاتیب آیات و احادیث سے مزین ہیں اور جو کچھ ان کی طرف سے لکھا گیا وہ دینی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

مرموز خط و کتابت

آج کل ڈپلومیٹک مقاصد کیلئے تمام حکومتوں نے خاص کوڈ (مرموز الفاظ) تیار کیے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں۔سید صاحب نے آج سے سوا سو سال پیشتر سری خط وکتابت کیلئے گویا بھی تیار کرالیا تھا، اور اس خط وکتابت کو خاص آدمیوں کے سوا کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ اس حقیقت کی شہادت ہے کہ ان کی تحریک کس طرح ہر پہلو سے مکمل اور منظم تھی اور فکر وعمل کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو ان کی دقیقہ رس نگاہوں سے اوجھل رہا۔

ایک مثال

مرموز خط وکتابت کی ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے: ہنڈ کا رئیس خادے خاں قتل ہو چکا تھا۔ اس کے اہل وعیال کو شاہ اسمٰعیل رہا کر دینا خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔ زیدہ کا رئیس مقرب خاں جو خادے خاں کا قریبی رشتہ دار تھا، نیز خادے خاں کے بھائی سید صاحب سے درخواستیں کر رہے تھے کہ مقتول کے اہل وعیال کو چھوڑ دیا جائے۔ سید صاحب ہنڈ سے دور بیٹھے تھے اور جو حالات شاہ صاحب کے سامنے تھے وہ سید صاحب کے سامنے نہ تھے، لہٰذا انہیں خادے خاں کے اہل وعیال کو چھوڑ دینے میں کوئی خرابی نظر نہ آتی تھی اور انہوں نے شاہ صاحب کو لکھ بھیجا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ آخر شاہ صاحب نے ایک مرموز خط سید صاحب کو لکھا، جس میں تمام مصلحتیں کھول کر بیان کر دیں۔ اس میں یہ بھی عرض کر دیا کہ ان حالات میں اہل وعیال کی رہائی خلاف مصلحت ہے اور یہ خط بے تکلف مقرب خاں کے حوالے کر دیا۔ اس نے اپنے منشی سے پڑھوایا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا اور سمجھ لیا کہ یہ خود اس کی شکایتوں پر مشتمل ہے، چنانچہ اس نے نہ یہ خط سید صاحب کے پاس پہنچایا نہ سرداری پر قائم رہا بلکہ اس ڈر کے مارے پہاڑوں میں چلا گیا۔

شاہ اسحٰق اور شاہ یعقوب کے نام خطوط

سید صاحب نے فراہمی زر کے جو مرکز جا بجا بنائے تھے، ان میں سب سے بڑا مرکز دہلی میں تھا جس کے انتظام کے ذمہ دار شاہ محمد اسحٰق اور شاہ یعقوب تھے۔ یہ عموماً ہنڈیوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے ذریعے سے روپے سید صاحب کے پاس بھیجتے تھے، بعض اوقات خاص قاصد سرحد سے دہلی آ کر روپیہ لے جاتے تھے۔ ان سے زیادہ تر خط و کتابت روپے کے متعلق ہوتی تھی۔ طبعاً اندیشہ تھا کہ ممکن ہے یہ خطوط اجنبیوں کے ہاتھ لگ جائیں، اسلئے سید صاحب نے ان کے متعلق خاص احتیاطی تدبیریں اختیار کیں۔ مثلاً:

۱۔ یہ خطوط عموماً عربی میں لکھے جاتے تھے۔ میرے علم میں جتنے خط آئے، ان میں سے صرف دو فارسی میں تھے۔

۲۔ ایک یا دو خطوں کے سوا کسی میں نہ سید صاحب نے اپنا نام صراحتاً لکھا اور نہ مکتوب الیہما کے ناموں کی صراحت کی۔

۳۔ روپے کی رسید عموماً ایسے انداز میں بھیجی جاتی تھی کہ مکتوب الیہما کے سوا کوئی اسے سمجھ نہ سکتا تھا۔

۴۔ ایک خط کے آخر میں ایسے مرموز الفاظ درج ہیں جن کا مطلب کوشش کے باوجود سمجھ میں نہ آیا۔

اب ان کی مثالیں ملاحظہ فرمالیجئے:

کاتب اور مکتوب الیہما کے اسماء

سید صاحب اپنے متعلق مختلف خطوں کے آغاز میں لکھتے ہیں:

۱۔ من عبد اللّٰہ المنتہض لاعلاء کلمة اللّٰہ.

۲۔ من عبداللّٰہ المنتہض لاعلاء کلمة اللّٰہ الناصح لکافة المسلمین.

۳۔ من عبداللّٰہ المنتہض لاعلاء کلمة اللّٰہ لنصرۃ الدین الملقب بامیر المومنین.

مکتوب الیہما کا ذکر ملاحظہ فرمائے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ ناصران بکلمة اللّٰه، ناصحان لدین اللّٰه، اما اکبرهما فلاشك انه نقی الاعراق، صفی الاخلاق، وصی الآفاق واما اصغرهما فلاریب فی انه ذوالخلق المرغوب، مطهرادناس العیوب.

۲۔ شیخین جلیلین، للدّرایة عینین وللروایة اذنین وللسماحة یدین وللشهادة عضدین وللعبادة قدمین وللهدایة علمین. اما اکبرهما فلاریب فی انه شجرة ثابتة الاصول والاعراق، ناضرة الغصون والاوراق واما اصغرهما فلاشك فی انه ثمرة طعمها مرغوب وریحها محبوب.

۳۔ الی کریم الاخلاق، طیب الاعراق، فاتح الاغلاق والی اخیه المحبوب ذی الخلق المرغوب.

ظاہر ہے کہ دونوں بھائیوں کیلئے جو الفاظ ہیں وہ اسحٰق اور یعقوب کے ہم قافیہ ہیں۔ اس کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں۔

قاصدوں کی کیفیت

کہیں قاصدوں کے نام صراحتاً درج کر دیے ہیں، اکثر ان کے متعلق بھی رمز و کنایہ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً دو قاصدوں کے متعلق لکھتے ہیں:

۱۔ احدهما صغیر اسما وکبیر جسما وثانیهما فی القامة قصیر المسمی به حرز اللّٰه القدیر.

۲۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ جو قاصد بھیجے جا رہے ہیں وہ تمام مجاہدوں کے نزدیک معتبر ہیں۔

احدهما یسمی بما هو ضدالادبار والثانی شیخ منسوب الی سید الابرار.

ان کے سوا مختلف مکاتیب میں مندرجہ ذیل قاصدوں کا ذکر آیا ہے: احمد علی، اخلاص

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نشان، چاند خاں، حاجی بہادر شاہ خاص، ابراہیم جو غزنی سے ہجرت کر کے لشکرِ اسلام میں پہنچا تھا، جہان خاں، چھتا، پیر محمد۔

رقموں کی رسید

رقموں کی رسید کے متعلق بھی عموماً مرموز پیرایہ اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ چودہ سو کی رسید دینی تھی تو لکھا کہ رقم پہنچی جو اصحاب بیعت الرضوان کی تعداد کے مطابق تھی۔

۲۔ سات سو روپے کی رسید کے متعلق لکھتے ہیں: مرتبہ ثالثہ میں اقلیموں کی تعداد کے مطابق۔

۳۔ چار سو کی رسید کے متعلق فرماتے ہیں: مرتبہ ثانیہ میں خلفائے راشدین کی تعداد کے مطابق۔

۴۔ چھ سو کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: مرتبہ ثالثہ میں تعداد جہات کے مطابق۔

۵۔ آٹھ سو کے متعلق لکھتے ہیں: مرتبہ ثالثہ میں ابواب جنان کی تعداد کے مطابق۔

۶۔ دو ہزار پانسو کی رسید یوں دیتے ہیں: اثنین من المرتبۃ الرابعۃ و خمس من الثلاثۃ۔

کہیں سات سو کیلئے کواکب سیارہ کی تعبیر اختیار کی گئی اور کہیں ایام ہفتہ کی۔

مرموز الفاظ

ایک خط کے آخر میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ اجث، ثجذ، ذرزس، شصضط، ضعغو، قکلم، نوہی۔

کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے اور کسی ایسے بزرگ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل نہ ہوا، جو ان مرموزات کی کلید سے آگاہ ہوتے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رقوم کے متعلق ہدایات

عام طور پر ہنڈیاں قریۂ منارہ کے دو ہندو ساہوکاروں موتی اور سنتو کے نام آتی تھیں۔ جو ایک سو میں سے بارہ روپے منّی کاٹتے تھے یعنی ایک سو کے اٹھاسی روپے دیتے تھے۔ سید صاحب نے متعدد خطوں میں تاکید فرمائی کی ہنڈیاں چھوٹی رقموں کی بھیجی جائیں۔ غالباً اس لئے کہ بڑی رقموں کی ہنڈیوں کا روپیہ حاصل کرنے میں دیر لگتی تھی۔

مختلف خطوط میں تاکید کی گئی ہے کہ کچھ رقم الگ کر لی جائے اور وہ ان مجاہدین کے پسماندہ کو دیدی جائے جنکے گزارے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ بعض اوقات اپنے دولت مند دوستوں کو لکھ بھیجتے تھے کہ اتنی رقم فلاں فلاں مجاہدین کے متعلقین کو پہنچادی جائے۔ عموماً یہ رقمیں بیس پچیس یا پچاس سے متجاوز نہ ہوتی تھیں۔ حاجی زین العابدین کو ایک مرتبہ ایک سو روپے دے دینے کی ہدایت کی گئی تاکہ وہ مختلف اصحاب میں بانٹ دیں۔ شاہ اسمٰعیل کی ہمشیر اور ان کے صاحبزادے کو ایک ایک سو روپیہ دیا گیا۔

مجاہدین کا عمل

مجاہدین بھی تمام مواقع پر انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ امب سے سید صاحب کے پاس پیغام بھیجنا منظور تھا۔ اندیشہ تھا کہ یہ پیغام کسی کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ چنانچہ ایک معتمد علیہ تولی تلاش کیا اور جو پیغام بھیجنا تھا لکھ کر اس کے جوتے کے تلے میں سلوادیا۔

جب اہل سمہ کی غداری کے باعث بہت سے مجاہدین قتل ہو چکے تھے تو مولوی خیر الدین شیر کوٹی لوند خوڑ میں مقیم تھے، انہیں حفاظت کی غرض سے اپنا مقام چھوڑنا پڑا۔ پنجتار نہ پہنچ سکتے تھے، اس لئے کہ راستہ خطرناک تھا، لہذا پڑان غار کا قصد کر لیا جو لوند خوڑ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے شمال مغرب میں ایک محفوظ مقام تھا۔ سید صاحب کے پاس یہ خبر پہنچانے کی کوئی صورت نہ بنی۔ راستے میں مولوی صاحب کو ایک شخص مل گیا، اس کی کتاب کے حاشیے میں ایک جگہ یہ عبارت لکھ دی:

''تا ایں جا از فضل و کرم خدا آمدہ ایم و بہ پڑان غارمی رویم آں جناب دعا فرمانید کہ باز زیر قدم آں جناب حاضر شویم''۔

ترجمہ: خدا کے فضل و کرم سے ہم اس مقام تک آ گئے اور پڑان غار جا رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ پھر آپ کے قدموں میں پہنچنا نصیب ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

دعوت و تبلیغ

تحریک کی بنیاد

سید صاحب کی تحریک خالص دینی اصول پر قائم ہوئی تھی اور اس کی ترقی و توسیع کا انحصار دعوت و تبلیغ پر تھا۔ سید صاحب نے ابتدا ہی سے اس کیلئے بھی خاص انتظام فرما دیے تھے۔ پہلے وہ خود اپنے خاص رفیقوں کو لیکر دورے کرتے رہے، پھر مولانا عبدالحئی اور شاہ اسمٰعیل دعوت و تبلیغ ہی کیلئے وقف ہو گئے۔ سر سید احمد خاں شاہ اسمٰعیل کے حالات میں لکھتے ہیں:

> ''بموجب ارشاد سید اصفیا یعنی پیر طریق ہدیٰ (سید صاحب) کے اس طرح سے تقریر و وعظ کی بنا ڈالی کہ مسائل جہاد فی سبیل اللہ بیشتر بیان ہوتے اور یہاں تک آپ کے صیقل تقریر سے مسلمانوں کا آئینۂ باطن مصفا اور مجلا ہو گیا اور اس طرح سے راہِ حق میں سرگرم ہوئے کہ بے اختیار دل چاہنے لگا، سر ان کا راہِ خدا میں فدا ہو اور جان ان کی اعلائے لوائے محمدی میں صرف ہو۔(۱)

مولانا عبدالحئی کے متعلق سر سید فرماتے ہیں کہ انہوں نے بھی وعظ شروع کر دیا تھا:

> ''لوگوں کو نہایت ہدایت حاصل ہوئی اور بہ اتفاق مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے ترغیب جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم رہے۔(۲)

---

(۱) یہ حالات آثار الصنادید کی طبع اول میں شائع ہوئے تھے۔ انجمن ترقی اردو نے انہیں اپنے سہ ماہی رسالہ ''تاریخ و سیاسیات'' میں بالاقساط چھاپ دیا۔ اقتباس کیلئے ملاحظہ ہو'' تاریخ سیاسیات'' بابت نومبر ۱۹۵۲ء ص:۸۔

(۲) ایضاً ایضاً ص:۷۶۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضروری انتظامات

سید صاحب نے راہِ ہجرت میں قدم رکھنے سے پیشتر جگہ جگہ ایسے اصحاب مقرر کر دیے تھے جو دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کریں اور انہیں جہاد کی ترغیب دیتے رہیں۔ بعض اصحاب کا وظیفہ قرار دیا گیا کہ مسلمان جہاد کے سلسلے میں جو مالی امداد دیں وہ ان کے پاس جمع ہوتی رہے۔ پھر یا تو یہ رقمیں سید صاحب کے قاصدوں کو دے دی جاتی تھیں، جو وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہتے تھے اور مختلف حصوں کا دورہ کر کے رقمیں لے لیتے تھے، یا ہر مقام سے جمع شدہ رقمیں دہلی پہنچا دی جاتی تھیں، جو فراہمیٔ زر کا سب سے بڑا مرکز تھا اور وہاں سے ہنڈیوں کی شکل میں سید صاحب کے پاس بھیج دی جاتی تھیں۔

بہر حال اس تحریک کا فروغ دعوت و تبلیغ ہی پر موقوف تھا، جسے سید صاحب نے مختلف اوقات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر فرمایا۔ دعوت و تبلیغ ہی کے ذریعے سے مسلمانوں میں حقیقی دینی ذوق پیدا کیا جا سکتا تھا۔ اسی طریقے سے کام لے کر مجاہدین کی جماعتیں تیار کی جا سکتی تھیں، اور یہی طریقہ وسائل جہاد کیلئے فراہمیٔ زر کا ضامن ہو سکتا تھا۔

خاص داعیوں کا تقرر

جس حد تک میں اندازہ کر سکا ہوں، سید صاحب دہلی، ٹونک، یوپی اور بہار کے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کا پورا انتظام جہاد کیلئے روانہ ہونے سے پیشتر کر چکے تھے، لیکن بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں یا تو کوئی انتظام ہی نہ کیا جا سکا تھا یا جو انتظام تھا وہ ضرورت کے مطابق نہ تھا، مثلاً بمبئی، حیدر آباد، مدراس اور بنگال۔ لہٰذا سرحد پہنچ کر اور حالات کا جائزہ لے کر سید صاحب نے ان حصوں میں مختلف اصحاب کو داعی مقرر کیا جو تقریر و بیان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے لحاظ سے مجاہدین میں ممتاز تھے۔ مثلاً مولوی سید محمد علی رام پوری، مولوی ولایت علی عظیم آبادی، مولوی عنایت علی عظیم آبادی، مولوی محمد قاسم ساکن بمبئی، سید اولاد حسن قنوجی، حافظ قطب الدین، ممکن ہے اور اصحاب بھی اس سلسلے میں مقرر ہوئے ہوں، مجھے صرف انہیں اصحاب کا علم ہے۔ مفصل حالات تو ان کے سوانح میں بیان ہوں گے، لیکن موضوع کی تکمیل کیلئے ان کے ارسال اور داعیانہ کاروبار کی سرسری کیفیت بیان کردینا ضروری ہے۔

مولوی سید محمد علی رام پوری

مولوی سید محمد علی رام پوری کے متعلق وقائع کا بیان ہے کہ انہیں سید صاحب نے حیدرآباد (دکن) جانے کا حکم دیا:

> انہوں نے عذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی عالم سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے انبوہ میں وعظ و درس کہوں۔

سید صاحب نے فرمایا کہ جس بات کا آپ عذر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عذر دور کردے۔ پھر آپ نے اپنی ٹوپی، کرتا اور پاجامہ انہیں پہنایا اور پانچ آدمی ان کے ہمراہ کیے جن میں سے تین کے نام یہ ہیں: نعیم خاں رام پوری، عنایت اللہ خاں اور عبداللہ اور حکم دیا کہ پیر کوٹ میں بیوی صاحبہ سے ملتے ہوئے کراچی سے کشتی پر سوار ہوں اور بمبئی میں اتر کر حیدرآباد جائیں۔(۱)

مولوی صاحب موصوف کچھ مدت حیدرآباد میں رہے پھر مولوی ولایت علی عظیم آبادی حیدرآباد میں مقرر ہوگئے اور مولوی سید محمد علی کو مدراس جانے کا حکم مل گیا۔ وہ محرم ۱۲۴۵ھ (جولائی ۱۸۲۹ء) میں مدراس پہنچے اور چند ہی مہینوں میں مسلمانانِ مدراس میں زبردست دینی انقلاب پیدا کردیا، جس کی پوری کیفیت "تنبیہ الضالین" سے معنوم

(۱) وقائع ص ۵۰۶۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو سکتی ہے۔(۱)

مولوی ولایت علی عظیم آبادی

مولوی ولایت علی عظیم آبادی کے متعلق راویوں کا بیان ہے کہ سید صاحب کے تعلق میں ان کی حیثیت وہی تھی، جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہو:

"کوئی کار دشوار حضرت ان کو فرماتے، حیلہ یا عذر و انکار جانتے ہی نہ تھے، نہ اپنی رائے کو کسی امر میں دخل دیتے، بلکہ اکثر اوقات فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے امر دین میں سید صاحب کو طبیب حاذق کیا ہے۔ ہمارے نفع و ضرر کو وہی خوب سمجھتے ہیں۔ جس کو جو مناسب جانتے ہیں، وہ کار فرماتے ہیں۔"

مولوی سید محمد علی کی طرح انہیں بھی اپنی ٹوپی، کرتا، پاجامہ پہنا کر سینے اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ وصیت فرمائی کہ کلمۂ حق کے بیان میں کسی کا خوف اور ملاحظہ خاطر میں نہ لانا۔ سید کرامت اللہ، مولوی عبدالقادر اور مولوی عبدالواحد کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ یہ تینوں مولوی صاحب کے ہم وطن تھے۔(۲)

ان کے کام کی مفصل کیفیت بھی الگ بیان ہوگی۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ سے انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو راہِ حق پر لگا دیا اور بہت سے آدمی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے جن میں سکندر جاہ والی مملکت آصفیہ کے فرزند مبارز الدولہ گوہر علی خاں بھی شامل تھے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد مولوی صاحب دورہ کرتے ہوئے عظیم آباد پہنچے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ قریہ بہ قریہ وعظ فرماتے۔

مولوی عنایت علی عظیم آبادی

وقائع کا بیان ہے کہ سید صاحب نے مولوی صاحب ممدوح کو بلا کر فرمایا:

(۱) تنبیہ الضالین عن طریق سید المرسلین، قلمی نسخہ۔

(۲) وقائع ص: ۵۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

"آپ کو واسطے ترغیب جہاد کے بنگال بھیجتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ یہاں کا بھی کوئی واقعہ دیکھ لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں آپ کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کا کام بہت نکلے گا اور آپ کا وہاں رہنا واسطے کوشش کارِ خدا کے گویا ہمارے ساتھ یہاں رہنا ہے۔"(۱)

انہیں بھی عمامہ اور کرتا عنایت فرمایا اور انہیں کے رفیقوں میں سے چھ آدمی ہمراہ کر دیے۔ مولوی صاحب موصوف نے بنگال میں جو کارنامے انجام دیے وہ تفصیل سے ان کے حالات میں بیان ہوں گے۔ یہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ مشرقی بنگال میں آج جو دینی روح نظر آ رہی ہے وہ مولوی صاحب موصوف ہی کی سرگرم کوششوں کا نتیجہ ہے۔

باقی اصحاب

باقی اصحاب میں سے مولوی محمد قاسم ساکن بمبئی کو وعظ و نصیحت اور دعوت و جہاد کے لیے روانہ کیا۔ (۲) حافظ قطب الدین کو ہندوستان بھیجا۔ (۳) سید اولاد حسن قنوجی کو بھی ارشاد و ہدایت ہی کی غرض سے واپس بھیج دیا تھا۔ چنانچہ ان کی زندگی کے تمام باقی اوقات اسی کام میں صرف ہوئے۔ اپنے بھانجے سید حمید الدین اور ان کے بھتیجے سید ابوالقاسم (بن سید احمد علی خواہر زادہ سید صاحب) کو بھی دعوت و تبلیغ و ارشاد ہی کیلئے میدانِ جنگ سے واپس کیا گیا تھا۔

نتائج

دعوت و تبلیغ کے انتظامات کا یہ سرسری مرقع ہے، جس کے حالات میں نے سیرت کے مختلف مآخذ سے اخذ کیے۔ سید صاحب نے ہندوستان کے طول و عرض میں احیائے

(۱) وقائع ص: ۵۰۹۔ (۲) وقائع ص: ۵۰۷۔ (۳) وقائع ص: ۵۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دین واسلامیت کا جو عظیم الشان کارنامہ تھوڑی سی مدت میں انجام دیا تھا وہ دعوت و تبلیغ ہی کی برکات کا ایک کرشمہ تھا، لہذا یقین ہے کہ یہ نظام بہت منظم اور وسیع ہوگا۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد بھی مدتِ دراز تک لوگ جہاد کی نیت سے سرحد پہنچتے رہے۔ کم از کم ۱۸۶۴ء تک اس سلسلے میں کوئی فرق نہ آیا اور یہ اس نظام کی پختگی کا طبعی نتیجہ تھا جو سید صاحب نے اپنی زندگی میں قائم کر دیا تھا۔ ۱۸۶۴ء میں جماعت کے اکابر گرفتار کر لیے گئے اور ان پر مقدمے چلے۔ پھر مقدموں کا قصہ کئی سال جاری رہا۔ اس کے بعد تحریک کی پہلی سرگرمی تو باقی نہ رہی تاہم مجاہدین اکا دکا برابر سرحد پہنچتے رہے اور یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب انگریز ہندوستان سے رخصت ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

مالی انتظامات

ابتدائی دور

سید صاحب نے راہِ ہجرت میں قدم رکھنے کے وقت تہ خانے سے جمع شدہ رقم نکلوائی تو دس ہزار روپے نکلے۔ آپ نے پانچ ہزار ازواج کے حوالے کر دیے جو آپ کے بعد ہجرت کرنے والی تھیں، صرف پانچ ہزار اپنے لئے رکھے۔ یہ روپے چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں ڈال کر انہیں مختلف مجاہدین کی کمروں میں باندھ دیا۔ گویا ہندوستان کی تطہیر کیلئے اٹھے تھے تو صرف پانچ ہزار روپے اور تقریباً ساڑھے پانسو مجاہد ہمراہ تھے۔ یہ سروسامان ایسا نہ تھا کہ کسی بھی شخص کے نزدیک قابل توجہ قرار پاتا، لیکن سروسامان کی فرومایگی اربابِ عزیمت کی عناں گیر کبھی نہ ہوئی۔ وہ ہمیشہ فرض کی پکار پر سر بکف میدانِ عمل میں پہنچتے رہے۔ پھر جو کچھ انہیں پیش آیا ہمیشہ شکر و صبر سے قبول کیا۔

ازواج کو پانچ ہزار اس غرض سے دیے تھے کہ انہیں نہایت کٹھن سفر درپیش تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ منزل مقصود کون سی ہے اور اس پر پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔ یہ بھی اندازہ نہ تھا کہ عالمِ غربت میں زندگی کے دن کیوں کر بسر ہوں گے۔ اغلب ہے کہ سید صاحب کے نیاز مندوں نے بیبیوں کی خدمت میں بھی کچھ رقمیں بہ طور نذر پیش کی ہوں، تاہم اس مقدس خاندان کی شانِ ایثار و قربانی کے سلسلے میں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ جب بیبیوں کو سندھ پہنچ کر لشکر اسلام کی عسرت کا علم ہوا تو انہوں نے دس ہزار روپے کی رقم ہنڈیوں کی شکل میں حاجی بہادر شاہ خاں کے ہاتھ سید صاحب کے پاس بھیج دی:

وین سلسلہ از طلائے ناب است ❁ ایں خانہ تمام آفتاب است

www.BestUrduBooks.wordpress.com

متفرق تحائف

سید صاحب کے نیاز مند قصد ہجرت کے ساتھ ہی مختلف قسم کے تحائف پیش کرنے لگے۔ مثلاً گھوڑے، تلواریں، بندوقیں، کپڑے، خیمے، برتن، قلمی قرآن اور نقد روپے۔ یقین ہے کہ گوالیار و ٹونک کے والیوں اور اکابر نے بھی خاصی بڑی رقمیں پیش کی ہوں گی۔ لیکن راستہ بہت کٹھن اور طویل تھا، پانچ چھ سو آدمی تھے، لہٰذا خرچ بھی خاصا ہوتا ہوگا۔ ایک ہزار روپے، ایک بندوق اور تپنچوں کی ایک جوڑی امیرانِ سندھ نے پیش کیا۔ اس کے بعد دورانِ سفر میں صرف امرائے کابل سے کچھ رقمیں ملی ہوں گی، بس یہی سروسامان تھا، جس کی بنا پر سید صاحب نے ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو جہاد کا آغاز کیا۔

سرحد کے حالات

سرحد میں پہنچنے کے بعد وقتاً فوقتاً دعوتیں تو ہوتی رہیں لیکن نظر بظاہر نقد روپیہ کہیں سے نہ ملا۔ جنگ شیدو سے پیشتر اور بعد مجاہدین پر بڑی عسرت کا زمانہ گذرا، یہاں تک کہ ایک موقع پر زیادہ سے زیادہ مٹھی بھر جوار روزانہ ہر مجاہد کو ملتی تھی اور بعض اوقات وہ درختوں کے پتے ابال کر کھاتے رہے۔

جب ہندوستان سے مجاہدین پہنچنے لگے تو کچھ روپے اور سامان سید صاحب کے پاس جمع ہوا۔ اس دور میں ایک مصیبت یہ تھی کہ سید صاحب جو انتظام فرما کر سرحد گئے تھے، اس کے مطابق ہنڈیاں پشاور کے ساہوکاروں کے نام پہنچنے لگیں۔ پشاور کے سرداروں نے ان ہنڈیوں کا روپیہ رکوا دیا۔ آخر بڑی پریشانیاں اٹھاتے کے بعد منارہ کے ساہوکاروں سے ربط پیدا کیا گیا جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، وہاں کے دو ساہوکاروں کے نام روایتوں میں آئے ہیں: ایک موتی، دوسرا سنتو۔ یہ سو روپے کی ہنڈی پر بارہ روپے حق لیتے تھے، یعنی سید صاحب کو سو روپے کے صرف اٹھاسی روپے ملتے تھے۔ ان مشکلات کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صبر سے برداشت کر لینے کے سوا چارہ نہ تھا۔ قیامِ خمر کے زمانے میں ایک مرتبہ تنگی اس حد پر پہنچ گئی کہ مجاہدین نے سید صاحب کی اجازت سے اجرت پر گنے چھیلنے کا کام شروع کر دیا۔ اجرت کے علاوہ ہر شخص کو آٹھ آٹھ دس دس گنے بھی مل جاتے تھے۔

دورِ کشائش

جب منارہ میں ہنڈیوں کا انتظام ہو گیا تو روپیہ پہنچنے لگا۔ چنانچہ سید صاحب نے امام زئی پر پیش قدمی کی تھی تو ان کے پاس تیس پینتیس ہزار روپے نقد جمع تھے۔ ان میں سے پانچ ہزار کی رقم ساتھ لے لی گئی۔ باقی روپیہ ٹوپی میں محفوظ مقام پر دفن کر دیا گیا۔ امان زئی سے واپسی پر یہ روپیہ نکالا گیا۔

خمر سے مراجعت پر نظام شرعی کے اجراء کیلئے دو مرتبہ پنجتار میں عظیم الشان اجتماع ہوا اور دونوں مرتبہ کم وبیش اڑھائی ہزار آدمیوں کیلئے کھانے کا انتظام کرنا پڑا۔ یہ خرچ سید صاحب کے بیت المال ہی سے ہوا۔

کشائش کا مستقل انتظام اس وقت سے ہوا جب قاضی سید محمد حبان نے عشر کا انتظام کر دیا۔ لیکن یہ سلسلہ صرف چند مہینے قائم رہا۔ پھر مجاہدین کے خلاف سازش قتل کے بعد سید صاحب پشاور کے میدانی علاقے سے کشمیر کی جانب چلے گئے اور راستے میں بالاکوٹ کی جنگ پیش آئی۔

خطوط کی شہادت

مختلف خطوں میں متفرق ہنڈیوں کی رسیدیں درج ہیں۔ مثلاً:

صفحہ	ہنڈی
۱۶۷ کا مکتوب	دو ہزار پانسو
۱۸۷ کا مکتوب	دو ہزار چار سو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۱۲ کا مکتوب	سات سو
۳۳۳ کا مکتوب	ساڑھے چار ہزار
۳۳۶ کا مکتوب	چار ہزار ایک سو پچاس
۳۳۷ کا مکتوب	سات ہزار نو سو پچاس (۱)

یہ اعداد صرف چند مکاتیب سے ماخوذ ہیں۔ یقین ہے کہ ایسے اور مکاتیب بھی ہوں گے جو میرے علم میں نہ آسکے، یا ضائع ہو گئے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ رقمیں ایسی نہیں، جنہیں سکھوں اور انگریزوں جیسی جنگی قوتوں کے خلاف جہاد کے سلسلے میں قابل ذکر سمجھا جائے۔ بایں ہمہ سید صاحب نے انہیں وسائل کی بنا پر وہ کارنامے انجام دیے جو ہمیشہ جریدۂ عالم کے صفحات کی زینت بنے رہیں گے۔

میاں دین محمد کا بیان

میاں دین محمد سید صاحب کے خاص خادم اور معتمد علیہ قاصد تھے اور وقتاً فوقتاً اس غرض سے ہندوستان آتے رہتے تھے کہ سید صاحب کے نیاز مندوں اور مقرر کیے ہوئے مرکزوں سے روپیہ جمع کر کے سرحد لے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ واقعہ بالاکوٹ کے وقت میں شاہ اسحٰق کے پاس دہلی میں تھا اور اس وقت میرے پاس چوبیس ہزار روپے تھے۔ ان میں سے اڑھائی ہزار ہنڈی کی شکل میں سید صاحب کے اہل وعیال کیلئے سندھ بھیج دیے۔ (۲)

حیات النساء بیگم کا واقعہ

حیات النساء بیگم بنارس کی ایک مسلمان خاتون تھیں، جس نے آگسٹس بروک نامی ایک انگریز سے شادی کر لی تھی۔ پھر وہ انگریز سے علیحدہ ہو کر سید صاحب کے حلقۂ

(۱) صفحات کے حوالے اس مجموعہ مکاتیب کے ہیں جسے میں مکاتیب شاہ اسمٰعیل کے نام سے تعبیر کرتا ہوں۔
(۲) وقائع ص: ۵۲۶۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ارادت میں داخل ہوگئی۔ اس نے ہزاروں روپے نقد، ہزاروں کا مال اور مکان سید صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے یہ نذر قبول نہ کی اور فرمایا کہ مال خبیث ہے۔ پھر حکیم سلامت علی خاں، مولوی غلام یحییٰ، میرزا کریم اللہ بیگ اور مولوی عبدالقادر نے مل کر دس ہزار روپے جمع کیے اور دو سو روپے ماہانہ کرانے پر ایک مکان لے کر حیات النساء بیگم کی طرف سے تجارت شروع کر دی۔ اس میں بہت نفع ہوا۔ اس نفع میں سے پانچ ہزار کی رقم میاں دین محمد کی خدمت میں پیش کی گئی۔ انہوں نے بھی قبول نہ کیا اور کہا کہ بے اجازت نہیں لے سکتا۔

شاہ اسحٰق اور شاہ یعقوب کے موسومہ ایک مکتوب میں بھی حیات النساء بیگم کا ذکر ہے۔ (۱) میاں دین محمد نے سفر سے واپس جا کر سید صاحب سے اس امر کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کیا، لیکن یہ روپیہ لے لینے میں کچھ حرج نہ تھا۔

پانچ ہزار کی تقسیم

میاں دین محمد پھر ہندوستان آئے تو پانچ ہزار روپے لے لیے۔ ان میں سے اڑھائی ہزار سید صاحب کے حکم کے مطابق مختلف اصحاب میں تقسیم کر دیے۔ کچھ مدت بعد حیات النساء کا انتقال ہوگیا، ساتھ ہی تجارت کا کاروبار بگڑ گیا۔ میاں دین محمد نے باقی رقم بھی مختلف مجاہدوں کے اہل و عیال اور متعلقین میں بانٹ دی۔ بیت المال میں سے ان مجاہدین کی بھی امداد کی جاتی تھی جن کے پاس سرحد تک سفر کیلئے کوئی سرمایہ نہ ہوتا تھا اور ضرورت مند مجاہدین کے اہل و عیال کی امداد کے حالات تو پیش کیے ہی جا چکے ہیں۔ یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینی چاہیے کہ ان مجاہدین نے خود کبھی کوئی رقم نہ مانگی، سید صاحب اپنی معلومات کی بنا پر جو کچھ کسی کو دینا مناسب سمجھتے تھے دے دیتے تھے۔

(۱) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل" قلمی نسخہ ص ۱۲۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضروری گزارش

فراہمی زر و مال کی اس سرگزشت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سید صاحب نے کتنی تھوڑی رقم سے تمام تنظیمات کیں۔ یہ روپے زیادہ تر عام مسلمانوں سے ملتے تھے۔ عوام کا طریقہ یہ تھا کہ ہر گھر میں ایک گھڑا رکھا رہتا، کھانا پکانے کے وقت مٹھی بھر چاول یا کوئی دوسری جنس اس میں ڈال دی جاتی۔ ہفتے کے بعد یہ جنس جمع کر کے فروخت کر دی جاتی۔ مخابرت کے جو وسائل آج کل موجود ہیں، یہ اس زمانے میں موجود نہ تھے، لیکن دیکھیے کس طرح مالی انتظامات اس درجہ کمال پر پہنچا دیے تھے کہ ایک حبہ بھی کہیں ضائع نہ ہوتا تھا۔

ہمارے زمانے کے جماعتی نظاموں میں عوام کا جمع کیا ہوا روپیہ کم تر ہی محفوظ رہا یا صحیح مقاصد پر صرف ہوا، لیکن سید صاحب کے نظام میں چھوٹی چھوٹی رقمیں مختلف دیہات و قریات سے بالکل محفوظ بڑے مرکزوں میں پہنچتی تھیں۔ وہاں سے منزل بہ منزل سرحد پہنچائی جاتی تھیں۔ یہ نظام ۱۸۶۴ء تک اعلیٰ پیانے پر جاری رہا اور ہمارے زمانے میں بھی اس دینی نظام کا مالی حصہ ہر خلل سے پاک تھا۔ سوا سو سال کی مدت میں معمولی سی خیانت کی بھی کوئی شکایت پیش نہ ہوئی۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر رقمیں پہنچانے والے لوگ سارا کام فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے اور پائی تک اجرت نہ لیتے تھے۔ خالص دینی نظام ہی اس امتحان میں پورا اتر سکتا تھا اور سید صاحب نے اس نظام کی دینی بنیادیں ہر لحاظ سے پختہ و استوار کر دی تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

جماعت کی اسلامی اور اخلاقی شان

(۱)

کہوں کیا لوائے امامت کا اوج ❁ کہ ہیں غوث و ابدال سب اہل فوج

اسلامیت کا لب لباب

جماعت کی اسلامی اور اخلاقی شان اسی سے ظاہر ہے کہ جب اہل سمہ نے خفیہ سازش کر کے بہت سے مجاہدین کو جابجا شہید کر دیا تو سید صاحب نے فرمایا تھا کہ ان شہداء میں سے ہر ایک اپنے وطن کی انسانیت کا ''خلاصہ'' اور اسلامیت کا ''لب لباب'' تھا۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے آسمان نے ایسا کوئی لشکر نہ دیکھا جو علم و فضل، زہد و تقویٰ، حب و حمیتِ اسلام، شجاعت و جوانمردی، ایثار و فداکاری اور بے غرضی و بے نفسی میں سید صاحب کے لشکر کا نمونہ ہوتا۔ اس لشکر میں قرآن کے حافظ، مفسر، محدث، فقیہ، صوفیائے کرام ہر مذاق و مشرب کے اصحاب شریک تھے۔ جنہیں اپنے حلقوں میں عزت کے بلند مراتب حاصل تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بچپن ہی سے امارت و ریاست کی آغوش میں تربیت پائی، لہٰذا جسمانی تکلیف کا تصور بھی دماغ میں قائم نہ کر سکتے تھے، لیکن سید صاحب کی دعوت و تربیت نے ان میں ایسا جذبۂ صادقہ و راسخہ پیدا کر دیا کہ وطن، اہل و عیال، اعزہ و اقارب اور وسائل راحت و

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عزت کو ترک کر کے انتہائی تکلیفوں کی زندگی بخوشی گوارا کر لی۔

ان کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی سب سے بڑی بے قراری یہ تھی کہ راہِ حق میں بہہ کر احیاءِ اسلامیت کا موجب بنے۔ کمال یہ ہے کہ سید صاحب کے ساتھ تعلق پیدا ہونے سے پیشتر یہ تمام اصحاب بالکل ویسی ہی زندگیاں بسر کرتے تھے، جو ہندوستان کے مسلمانوں کو عموماً میسر تھیں۔ لیکن سید صاحب کی دعوتِ حق اور ان کی حقانی تربیت نے ان لوگوں کی کایا ہی پلٹ دی، اور وہ راہِ خدا کے ایسے مجاہد بن گئے کہ اسلامی ہند کی تاریخ میں ان کی مثالیں شاید ہی مل سکیں۔ سید صاحب کی تربیت اور مردم گری کے یگانہ کمال کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے؟

للّٰہیت کی شان

سید صاحب خود ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"ما مردم بنا بر امتثال احکام رب العٰلمین و احیاء سنت سید المرسلین ترک اہل و عیال خود کردیم و مہاجرت اخوان و اوطان ورزیدیم و جمیع ماسوی اللہ را پس پشت انداختیم و اطاعت و انقیاد و احکام رب العباد قبلہ ہمت ساختیم و علائق راسخہ کہ با فرزند و عیال و مال و منال و اوطان و اخوان می باشد از سویدائے قلب برکندیدیم و انواع رنج و تکالیف بر خود پسندیدیم و تعطیل و اہمال رائج گونہ در مقدمہ اقامت ایں رکن رکین و نصرت دین سید المرسلین بدون توقع منفعتے از منافع دنیا روا نہ دیدیم و نہ پاسداری محبان قدیمی و اخوان صمیمی دریں مادہ کشیدیم۔ از ملاحظہ منافع و مضار جان خود دریں باب دست برداریم و از پاسداری ماسوی اللہ دریں راہ بیزار۔"(۱)

ترجمہ: ہم لوگوں نے رب العٰلمین کے احکام کی پیروی اور

(۱) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل" قلمی نسخہ ص ۱۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید المرسلین کی سنت کے احیاء کی خاطر اہل وعیال کو چھوڑا۔ بھائی بندوں اور وطنوں سے ہجرت اختیار کی۔ ہم نے خدا کے سوا ہر شئے کو پس پشت ڈالا اور خدا کے احکام کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا نصب العین بنایا۔ انسان کو بال بچوں، اہل وعیال، مال ومنال، وطنوں اور بھائی بندوں سے جو مضبوط رشتے ہوتے ہیں، وہ سب دل کی گہرائیوں سے نکال کر باہر پھینک دیے۔ طرح طرح کے رنج اور تکلیفیں اپنے لیے پسند کی ہیں۔ رکن اعظم کے قیام اور سردار انبیاء کے دین کی تائید میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی گوارا نہ کی۔ دنیوی فائدوں میں سے کسی فائدے کی امید ہم روا نہیں رکھتے۔ قدیم دوستوں اور مخلص بھائیوں کی پاس داری چھوڑ دی۔ اپنی جان کے نفع ونقصان سے بھی دست بردار ہو گئے اور اس راہ میں خدا کے سوا ہر شئے کی پاسداری سے ہم بیزار ہیں۔

یہ سب کچھ زبان سے کہہ لینا چنداں مشکل نہیں، لیکن جس بزرگ نے یہ سب کچھ فرمایا وہ اپنے اصل نصب العین کیلئے ایک ایک دنیوی رشتے کو بے پروائی سے توڑ چکا تھا اور ماسوی اللہ سے کامل بے تعلقی کی کٹھن منزل طے کر کے اس مقام پر پہنچا ہوا تھا، جہاں سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی یہ کیفیت بیان کی۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس امراء وسلاطین کی طرح درہم ودینار کے خزانے نہیں، میرا خزانہ توکل علی اللہ ہے۔ ہر روز ربانی خزانے سے میرے لیے خرچ پہنچ جاتا ہے:

''طریقہ من طریقہ جد خود سید المرسلین است، یک روز نان خشک سیری خورم وشکر خدا بجای آرم ویک روز گرسنہ می مانم وصبری کنم۔ لشکر من ہمیں چندے از مہاجرین صادقین است کہ بنا بر مجرد خدمت دین رب العالمین کمر بستہ واز طرف خود جان خود را بہ کشتن دادہ، حق جل وعلا ایشاں را بہ منصب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہادت سرفراز کند یا بہ نصرت و فتح موفق گرداند۔ بالجملہ حال ظاہرۂ ما حال فقراء و مہاجرین است کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب ایشاں را در اوائل زمان ہجرت در پیش بود۔"(۱)

ترجمہ: میرا طریقہ وہی ہے جو میرے نانا سردار انبیاء نے اختیار فرمایا۔ ایک روز سوکھی روٹی پیٹ بھر کر کھا لیتا ہوں اور خدا کا شکر بجالاتا ہوں ایک روز بھوکا رہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں، میرا لشکر انہیں چند مخلص مہاجرین پر مشتمل ہے جنہوں نے محض رب العلمین کے دین کی خدمت کیلئے کمر باندھی اور اپنی طرف سے جانیں راہ خدا میں قربانی کیلئے پیش کر دیں۔ دعاء ہے کہ خدا انہیں منصب شہادت سے سرفرازی بخشے یا فتح ونصرت کی توفیق عطا فرمائے۔ غرض ہمارا ظاہری حال ان فقیروں اور صابروں کا سا ہے جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہجرت کے ابتدائی زمانے میں سابقہ پڑا تھا۔

راہِ رضا

سید صاحب اور انکے رفیقوں کے پیش نظر اعلائے کلمۃ اللہ اور رضائے باری تعالیٰ کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کے نزدیک بیعت کا مقصود ہی یہ تھا کہ خدا کی رضا حاصل ہو۔ فرماتے ہیں:

"مقصود از بیعت بردست مشائخ طریقت ہمیں است کہ راہِ رضا مندی حضرت حق بدست آید و راہِ رضا مندی حضرت حق منحصر در اتباع شریعت غرا است۔ ہر کہ سوائے شریعت مصطفویہ طریق تحصیل رضا مندی حق انگارد، پس بے شک آں شخص کاذب وگمراہ است ودعوائے او باطل ونامسموع، واساس شریعت مصطفوی دو امر است اول ترک اشراک وثانی بدعات۔"(۲)

ترجمہ: مشائخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت کا مقصود صرف یہ ہے کہ

(۱) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل" قلمی نسخہ ص: ۱۸۲۔ (۲) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل" قلمی نسخہ ص: ۸۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خدا کی رضا حاصل ہو اور خدا کی رضا روشن شریعت کی پیروی پر موقوف ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سوا رضائے حق حاصل کرنے کا قائل ہے، وہ جھوٹا اور گمراہ ہے، اس کا دعویٰ باطل ہے اور سنے جانے کے لائق نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی بنیاد دو باتیں ہیں: ایک ترکِ اشراک، دوسری ترکِ بدعات۔

پھر دونوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ترکِ اشراک یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مشکلوں اور بلاؤں کا دور کرنے والا نہ سمجھا جائے۔ نبی، ولی، صالح لوگ اور فرشتے خدا کی بارگاہ کے مقبول ہیں، خدا کی رضا حاصل کرنے میں ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس راہ میں انہیں اپنے پیشوا ماننا چاہیے۔ انہیں زمانی حوادث پر قادر ماننا یا عالم السر جاننا ہرگز مناسب نہیں۔

ترکِ بدعات یہ ہے کہ تمام عبادات، معاملات نیز معاشی اور معادی امور میں انبیاء کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر مضبوطی اور اولوالعزمی سے قدم جما لیے جائیں۔ دوسرے لوگوں نے جو نئی رسمیں پیدا کر لی ہیں، ان سے دور رہنا چاہیے۔

سید صاحب نے جماعت کی تاسیس و تنظیم انہیں اصول پر کی تھی اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت ہر منزل اور ہر مرحلے میں انہیں اصول کا عملی مرقع بنی رہی۔

اخلاص فی العمل

نواب وزیرالدولہ نے لکھا ہے: سید صاحب جماعت مجاہدین کو ہمیشہ تاکید فرماتے رہتے تھے کہ کبھی نفس وشیطان کے تقاضہ کی بنا پر میدانِ کارزار میں قدم نہ رکھنا:

''بہ رحمت حضرت جہاں پناہ جل ذکرہ آں سپاہ تقویٰ دستگاہ را اخلاص فی العمل بہ آں مرتبہ شدہ بود کہ اگر بجائے للّٰہی یک یک سپاہی ازاں لشکر

ظفر احتیاجی بہ قلم آید دفترے باید غیر متناہی کہ رقمش بہ انجام رسد۔"(۱)

ترجمہ: خدا کی رحمت سے اس تقویٰ شعار سپاہ کا اخلاص اس مرتبے پر پہنچا ہوا تھا کہ اگر ایک ایک سپاہی کی للٰہیت کے محاسن تحریر کیے جائیں تو انہیں پورا کرنے کیلئے لامتناہی دفتر چاہیے۔

جنگ اتمان زئی سے پیشتر تمام مجاہدین کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جو لڑے اور مقابلہ کرے اس سے لڑو، جو امان طلب کرے اسے امان دے دو۔

سید صاحب کے نزدیک بندگی کا معیار یہی تھا کہ ہر شئے خدا کی رضا کیلئے قربان کر دی جائے۔ وہ فرماتے ہیں:

"بندہ کہ در مقابلہ اعدائے مولائے خود غیرت وحمیت نمی دارد، فی الحقیقت بندہ نیست و محبے کہ جان و مال و عزت و آبروئے خود را در تحصیل رضائے محبوب خود نگاہ دارد فی الحقیقت محب نے۔"(۲)

ترجمہ: جس بندے کے دل میں اپنے آقا کے دشمنوں کے خلاف غیرت وحمیت کی حرارت پیدا نہ ہو، وہ بندہ نہیں۔ اور محبت کا جو دعویدار محبوب کی خوشنودی کیلئے جان و مال اور عزت و آبرو قربان کر دینے میں دریغ کرے اس کا دعوائے محبت بے اصل ہے۔

ایک اہم اصل

جماعت کی تربیت میں سید صاحب کے پیش نظر ایک اہم اصل تھی، جس کا ذکر سید جعفر علی نقوی نے یوں کیا ہے:

"مسلمان را می باید کہ در مقام خواہش نفسانی و مشتہیات آں مثل طعام لذیذ و شیرینی و انواع فواکہ دیگر برادران مسلمین را بر نفس تقدیم دہد و خود از آنہا

(۱) "وصایا" حصہ دوم ص:۵۹۔ (۲) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل" قلمی نسخہ ص:۱۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

موخر شود، و روا ندارد کہ زیادہ از ایشاں بہ حظوظ نفسانی محظوظ گردد، بلکہ دریں امر کمی بہ جانب خویش پسند نماید و در مقام رنج و تکلیف نفس خود را بر دیگراں مقدم سازد و آمدن بلا و تکلیف بر آنہا نہ پسندد۔" (۱)

ترجمہ: مسلمان کو چاہیے کہ لذیذ کھانوں، میٹھی چیزوں یا قسم قسم کے میووں وغیرہ کے سلسلے میں جن کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہے، دوسرے مسلمان بھائیوں کو اپنے آپ پر مقدم رکھے اور خود پیچھے رہے، اس کیلئے مناسب نہیں کہ حظوظ نفسانی میں دوسروں سے زیادہ حصہ لیجائے۔ بلکہ ایسے معاملات میں اپنے لئے کمی پسند کرنی چاہیے۔ جب رنج و تکلیف کا موقع پیش آجائے تو اپنے آپ کو دوسروں سے آگے رکھے اور ان پر بلا و تکلیف کا آنا پسند نہ کرے۔

تسلیم و توکل

سید صاحب نے اس تعلیم و تربیت کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ جب وہ سرحد پہنچے تھے تو اہل سرحد میں سے اکثر روٴسا نے ان کی دعوت قبول کر لی تھی۔ مثلاً غلزئی، تنگر ہاری، شنواری، آفریدی، مہمند، خلیل، خٹک، مندڑ، تنولی، ان کے علاوہ کشمیر کے رئیسوں اور سوات، بنیر، باجوڑ اور پکھلی کے باشندوں نے امداد کے پختہ وعدے کر لیے تھے۔ سید صاحب اس کامیابی کو محض اللہ کا فضل قرار دیتے تھے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"ہزار شکر بجا می آرم و بر حال خود تعجب می نمایم کہ ایں ذرۂ بے مقدار و عاجز خاکسار را بہ ایں نعمت عظمیٰ و عطیہ کبریٰ موفق گردانید یعنی جان و مال ایں ضعیف و ناتواں بے سرو ساماں را بہ موقف قبول خود رسانید، عجب تر آنکہ در تمامی ایں کار و بار دہمگی ایں نشیب و فراز دل اخلاص منزل بہ اعتماد توکل مشحون دارم و بہ رضا و تسلیم مقرون۔ سینہ صفا گنجینہ از آرزوئے انقیاد احکام رب العباد مالا مال است و از تشیب و فراز زمانہ مبرا۔" (۲)

---

(۱) "منظورہ" ص: ۱۰۵۹۔　(۲) "مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل: قلمی نسخہ ص: ۱۹۲-۱۹۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: ہر روز خدا کا شکر بجالاتا ہوں۔ اپنے حال پر تعجب ہوتا ہے کہ مجھ بے حقیقت ذرے اور مجھ خاکسار عاجز کو اس بڑی نعمت اور اس عظیم عطیے سے سرفرازی بخشی گئی۔ یعنی مجھ ضعیف، کمزور اور بے سروسامان کے جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے درجۂ قبول بخشا۔ اس سے بھی عجیب تر امر یہ ہے کہ اس کاروبار اور اونچ نیچ میں میرا دل توکل سے لبریز ہے اور تسلیم و رضا سے ہم کنار۔ میرا سینہ احکامِ الٰہی کی پیروی کے جذبے سے مالا مال ہے اور زمانے کے نشیب و فراز سے بالکل پاک۔

ان اقتباسات سے جماعت کی عمومی حیثیت کا صحیح اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ آئندہ باب میں تعلیم و تربیت کے باقی انوار ملاحظہ فرمالیجئے۔

سید صاحب کا نمونہ

تسلیم و توکل اور اللہ کی رضا میں ماسوی اللہ سے روگردانی کا جو ایمان افروز نقشہ خود سید صاحب نے پیش کیا تھا، اس کی مثالیں تاریخ میں حد درجہ کمیاب ہیں۔ مثلاً راہِ ہجرت میں قدم رکھتے ہی وہ ازواج و اولاد سے الگ ہو گئے۔ پھر اس دنیا میں ان سے ملاقات مقدر نہ تھی۔ اس کے بعد ان کے چند قریبی رشتہ دار ساتھ رہے۔ مثلاً سید احمد علی، ان کے صاحبزادے سید موسیٰ، سید ابو محمد، سید ابوالحسن۔ یہ سب ان کی زندگی میں یا ان کے ساتھ شہید ہوئے۔ ان کی دونوں بیویاں اور بعض اقربا سندھ میں رہے۔ بیویوں نے وطن بدیں غرض چھوڑا تھا کہ سید صاحب کے پاس پہنچ جائیں، لیکن پیر کوٹ کے بعد نہ آگے جانے کی کوئی صورت پیدا ہوئی اور نہ لوٹ سکتی تھیں۔ کچھ اقربا اسی نیت سے گھر بار چھوڑ کر نکلے اور ٹونک سے آگے نہ بڑھ سکے، باقی وطن ہی میں رہے۔ بعد و مفارقت کی سرگزشت بیان کر لینا سہل ہے لیکن انسان کیلئے اپنے اوپر وارد کرنا سہل نہیں۔ عشق حق میں انتہائی استقامت کے بغیر یہ منزل طے نہیں ہوسکتی۔

پھر مخابرت کا مسئلہ بہت دشوار اور مصیبت خیز تھا اور ایک دوسرے کے متعلق پریشانی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی خبریں سن کو دلوں پر جو گذرتی ہوگی اس کا صحیح اندازہ کون کرسکتا ہے؟ ایک مرتبہ ایک معتمد علیہ قاصد نے بیویوں کو ایسی خبریں سنادیں جن کا نتیجہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ رنج وغم میں مبتلا ہو جائیں۔ سید صاحب کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو لکھا کہ ہم بہ اطمینان اپنے کام میں مشغول ہیں، تشویش یا قلق کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر آپ کو صرف اس بات پر قلق ہوا کہ:

"گزران ما مساکین از ہجوم اعدائے کفار و منافقین در کمال ضیق است و باب جہاد ہنوز مفتوح نہ شدہ و ہیچ راہ مقصود کشادہ نہ گردیدہ و محض بے سرو سامان درمیان کوہستان گردش می کنیم، پس این معنی راموجب رنجش خود ہا ہرگز نہ باید گردانید چہ کہ بہ اطاعت اللہ بحمد اللہ ہمیشہ خوش و بے غم بودہ ایم و گاہے تکلیف این راہ را تکلیف نہ شمردہ ایم۔"

ترجمہ: ہم مسکینوں کیلئے کافروں اور منافقوں کے ہجوم کے باعث عرصۂ حیات تنگ ہے۔ جہاد کا دروازہ ابھی کھلا نہیں اور مقصود کا راستہ صاف نہیں ہوا بلکہ بے سرو سامانی کی حالت میں کوہستان کے درمیان چکر لگا رہے ہیں، تو اس پر قطعاً رنج نہ ہونا چاہیے۔ الحمد للہ کہ ہم اللہ کی فرماں برداری میں ہمیشہ خوش اور بے غم رہے ہیں اور اس راہ کی تکلیفوں کو کبھی تکلیفیں نہیں سمجھا۔

پھر فرماتے ہیں کہ ماسوی اللہ کے رشتوں میں آپ کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ سب سے بڑھ کر عزیز ہے اور یہ رشتہ بھی صرف اس لیے عزیز ہے کہ خدا کی رضا کے تقاضوں میں شامل ہے۔

اطاعتِ رب العالمین کی لذت

ایک مکتوب میں بیویوں کو تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ کو سب کچھ معلوم ہے اور لکھنے کی حاجت نہیں لیکن محض تذکیر و نصیحت کے خیال سے لکھتا ہوں:

"آنچہ در اطاعت رب العالمین آرام ولذت است در چیز دیگر متصور

سے نے ہمیں راہ راست موجب سرخروئی دارین و بہبود نشاتین و در چیز دیگر تکمیل
ایں سعادت و اتمام ایں دولت نصیب نہ شود۔"

ترجمہ: رب العالمین کی فرماں برداری میں جو آرام اور لذت ہے
وہ کسی دوسری چیز میں متصور نہیں۔ یہی سیدھا راستہ دونوں جہاں کی سرخروئی اور
بہتری کا باعث ہے۔ کسی دوسری چیز میں اس سعادت کی تکمیل اور اس دولت کا
اتمام نصیب نہیں ہوسکتا۔

مہاجرات میں سید صاحب کی خوشدامن (سیدہ زہرہ کی والدہ ماجدہ اور سیدہ سائرہ
کی نانی) بھی تھیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ وطن لوٹ جانے کا خیال ظاہر کیا۔ سید صاحب
کو یہ بات معلوم ہوئی تو لکھا کہ پریشان نہ ہوں، اس راستے پر قدم نہ رکھیں جو خلاف
ہے۔ تمام متعلقین کو تسلی دیں اور حق سبحانہ کی مخالفت وبال کا باعث ہوتی ہے:

"بر ضمیر منیر آشکارا ست کہ ایں بندہ ضعیف را آنچہ علاقہ با خوردان
و بزرگان سے باشد محض للہ فی اللہ می باشد۔ پس اگر احدے از خوردان
و بزرگان مخالفت خدا لازم گیرد علاقہ او از دل اخلاص منزلم ہم بدر سے رود۔
لازم کہ بذریعہ استغفار ایں وسوسہ را از خاطر شریف بدر فرمودہ بہ تسلی و بہ تشفی
دیگراں پردازند و اثبات قدم را بر خود صاحب و لازم سازند۔"

ترجمہ: آپ پر روشن ہے کہ بڑے چھوٹے سے میرا جو تعلق ہے وہ
صرف خدا کیلئے ہے۔ اگر ان میں سے کوئی خدا کے خلاف راستہ اختیار کرے گا
تو میرے دل سے بھی اس کی محبت نکل جائے گی۔ ضروری ہے کہ آپ استغفار
سے کام لیں اور یہ وسوسہ اپنے دل سے نکالیں۔ دوسروں کیلئے تسلی اور تشفی کا
باعث ہوں اور اس راستے میں ثابت قدمی اپنے اوپر واجب و لازم بنالیں۔

یہی نمونہ تھا جس نے جماعت کے تمام افراد کو استقامت کی چٹانیں بنایا، ان کے
دل عشق حق سے معمور ہوئے اور انہوں نے دین کی راہ میں قربانی کے وہ مرقعے پیش
کیے جن کی مثالیں ہندوستان کی تاریخ میں حد درجہ کمیاب ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

جماعت کی اسلامی اور اخلاقی شان

(۲)

جماعت اور اس کا سروسامان

سید صاحب نے راہ ہجرت میں قدم رکھا تو ان کے رفیق پانچ چھ سو سے زیادہ نہ تھے۔ ان میں سے اکثر کے پاس بندوقیں اور تلواریں تو تھیں، توپ کوئی نہ تھی۔ اتنی چھوٹی جماعت اتنے تھوڑے سامان کے ساتھ تطہیر ہند کیلئے نکلی تھی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ سپاہ اور سازوسامان کی کثرت کے بل پر جنگی قوت کا اندازہ کرنے کے عادی تھے، وہ سید صاحب کی فوج سے قطعاً متاثر نہ ہو سکتے تھے۔ یقین ہے کہ راستے کے اکثر رئیسوں نے اسی بنا پر سید صاحب کے اقدام کو کسی اہمیت کا مستحق نہ سمجھا۔ قندھار سے مزید مجاہدین مل گئے، ان سب کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک ہزار ہوگی۔ اسی سے جنگ کا آغاز ہوا۔ جب ہندوستان سے متعدد قافلے پہنچ گئے تو اندازہ یہ ہے کہ کل مجاہدین دو اڑھائی ہزار ہو گئے ہوں گے، اس سے تعداد کبھی نہ بڑھی البتہ جنگوں میں مقامی لوگ شریک ہوتے رہے، جو حملے کے وقت تعداد بڑھانے کے موجب بن جاتے تھے۔ لیکن استقامت کے موقع پر عموماً ساتھ چھوڑ جاتے تھے۔

فتوحات

تاہم یہ امر خاص توجہ کا مستحق ہے کہ اس مختصری فوج سے سید صاحب نے سرحد میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکھوں کیلئے حد درجہ نازک صورت پیدا کر دی اور وہ بعض شرائط پر اٹک پار کا پورا علاقہ سید صاحب کو دے دینے کیلئے تیار ہو گئے۔ سید صاحب نے یہ پیش کش بے توقف ٹھکرا دی، اس لیے کہ ان کا نصب العین سلطنت یا ریاست نہ تھا بلکہ وہ ہندوستان کو غیروں کے تسلط سے پاک کر کے شرعی نظام جاری کرنا چاہتے تھے۔ جن لڑائیوں میں انہیں شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، ان میں مجاہدین کی تعداد دشمنوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ مثلاً اکوڑہ کی جنگ میں سکھوں کی فوج پانچ ہزار اور دس ہزار کے درمیان تھی اور اس کے پاس پورا جنگی سامان موجود تھا۔ اس لشکر پر چھاپے کیلئے جو مجاہدین بھیجے گئے، ان میں سے صرف ایک سو چھتیس ہندوستانی تھے اور اسی قندھاری۔ کچھ کم سات سو مقامی لوگ تھے۔ جنگ کا سب سے بڑا بوجھ صرف مجاہدین نے اٹھایا اور شاندار فتح حاصل کی۔

زیدہ کی لڑائی میں یار محمد خاں کا لشکر آٹھ دس ہزار سے کم نہ تھا، تاہم صرف سات سو مجاہدین نے اسے شکست فاش دی۔ مجاہدین میں سے صرف دو شہید ہوئے اور چار زخمی۔ مایار کی لڑائی میں درانیوں کے چار ہزار پیادوں اور آٹھ ہزار سواروں سے مقابلہ تھا، مجاہدین صرف ساڑھے تین ہزار تھے اور میدان انہیں کے ہاتھ رہا۔

یہ واقعات یقیناً ایسے ہیں جن سے سید صاحب کی شانِ تربیت اور کمالِ مردم گری روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے۔

کمالِ عجز وانکسار

پھر قابل توجہ امر یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی کارنامے پر مجاہدین کے دل میں غرور پیدا نہ ہوا۔ جنگ مایار کے بعد ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قوت وقدرت سے ہمیں زور آوروں پر فتح عطا کی جو ملک وخزائن کے مالک تھے، اور اطمینانِ قلب کا یہ حال تھا کہ زدوخورد جنگ میں وہ اس طرح شریک ہوتے، جیسے لوگ کسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے ہاں دعوتِ طعام کیلئے جاتے ہیں۔

سید صاحب نے ایک موقع پر تحریر فرمایا تھا:

''الحمد للہ والمنۃ کہ مومنین صادقین را نہ در ہنگام فتح نخوت وغرورے بہم می رسد و نہ در وقت شکست تقاعد وفتورے۔''(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ مخلص مومنوں کے دل میں نہ فتح کے وقت تکبر وغرور پیدا ہوتا ہے، نہ شکست کے وقت ان میں انتشار اور افسردگی آتی ہے۔

میدانِ جہاد میں انہیں گوناگوں مشکلات سے بھی سابقہ پڑا اور بعض اوقات شدید ضربیں بھی لگیں، تاہم نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ اپنی بے سروسامانی کے پیش نظر اصل کام سے کنارہ کشی اختیار کی۔ وہ جہاد کو ایک نہایت اہم اسلامی فرض سمجھتے تھے اور اس کی بجا آوری میں تادمِ آخر اسی طرح سرگرم و مستعد رہے جس طرح مخلص مسلمان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے فرائض ادا کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔

طریق زندگی

وہ سرحد پہنچے تھے تو معیشت کی تنگی بڑی پریشان کن تھی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ہو جو اپنے وطن میں راحت و آسائش کی زندگی بسر نہ کر چکا تھا۔ بعض بڑے بڑے رئیسوں کے لختِ جگر تھے۔ مثلاً میر فیض علی ابن میر ذوالفقار علی خاں رئیس گورکھپور، شیخ امجد علی ابن شیخ فرزند علی رئیس غازی پور، لیکن کوئی تکلیف ان کے عزم میں تزلزل پیدا نہ کر سکی۔ عام طریقہ یہ تھا کہ رات کے کھانے سے فراغت کے بعد نماز ادا کرتے۔ پہرے دار پہروں پر کھڑے ہو جاتے۔ باقی مجاہدین سید صاحب کے ارشادات سے مستفیض ہونے کے اشتیاق میں آپ کے پلنگ کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ وہیں زمین پر سو رہتے۔ مولوی فتح علی

(۱) ''مجموعہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل''، قلمی نسخہ ص: ۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرماتے ہیں:

''حضرت کے پلنگ کے اردگرد اکثر لوگ آپ کی باتیں سننے کو رہا کرتے تھے، اور اس کثرت سے رہا کرتے تھے کہ کسی کا سر کسی کا پیر، کسی کا پیٹ اور کسی کی پیٹھ، جس نے جہاں کہیں جگہ پائی بے تکلف سو رہا۔(۱)

''منظورہ'' سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:

''از غایت بے تکلفی بستر جداگانہ وضعیکہ اہل دنیا را باشد، نہ بود، بلکہ پائے یکے بہ سوئے سر دیگرے و پہلوئے کسے خلاف احدے گردید''۔

ترجمہ: بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ کسی کا الگ بستر نہ تھا اور اہل دنیا کے طور طریقوں سے وہ بالکل پاک تھے۔ ایک کا پاؤں دوسرے کے سر کی طرف اور کسی کا پہلو کسی کے خلاف ہوتا۔

نیکی میں سبقت

ہر شخص کی آرزو تھی کہ نیکی کے کاموں میں سب سے آگے رہے۔ اس کی بیسیوں مثالیں جا بجا پیش کی جا چکی ہیں۔ امب کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ مقام اس زمانے میں فتح ہوا تھا جب گندم کی فصل پکنے کے قریب تھی۔ سید صاحب نے اعلان فرمادیا تھا کہ اہل امب میں سے جو شخص چاہے، باطمینان واپس آ کر اپنی فصل سنبھال لے۔ جو لوگ واپس نہ آئے، ان کی فصلوں کی دیکھ بھال مجاہدین کرنے لگے۔ فصل کٹ کر غلہ جمع ہو گیا۔ ابھی اٹھا کر قلعے میں نہ پہنچایا گیا تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔ سید صاحب نے مجاہدین کو غلہ اٹھانے کا حکم دیا۔ منشی بھی اس کام میں شریک ہوگئے۔ میر فیض علی گورکھپوری نے بھاری بوجھ اٹھالیا اور انھیں بڑی تکلیف ہوئی۔ یہ حالت دیکھ کر سید صاحب نے منشیوں کو یہ خدمت معاف فرمادی۔ میر فیض علی پھر بھی اس کام میں لگے

(۱) ''وقائع''، ص: ۳۳۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہے۔ سید جعفر علی نے کہا کہ اب کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں؟ فرمایا:

ہر چند فرضیت از ما ساقط شد، اما استحباباً برائے بجا آوری ایں کار می روم۔

ترجمہ: اگرچہ یہ کام فرض نہ رہا، لیکن ایک پسندیدہ امر کی بجا آوری کے خیال سے جا رہا ہوں۔

''سیرت سید احمد شہید'' میں یہ واقعہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت شیخ بلند بخت شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کی تلاش میں آئے۔ سید جعفر علی نے کہا کہ وہ سرکاری گھی خریدنے کے سلسلے میں دن بھر پھرتے رہے، اب سو رہے ہیں، کہتے تھے کہ طبیعت اچھی نہیں مجھے جگایا نہ جائے۔ اگر کوئی ضروری کام ہو تو مجھے فرمایئے۔

شیخ بلند بخت نے فرمایا کہ پائندہ خاں کی زنبورکیں جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں، انہیں لانا ہے۔ چنانچہ سید جعفر علی اسی وقت روانہ ہو گئے۔ ساری رات سفر میں گزاری، اگلے دن چاشت کے وقت تک تمام زنبورکیں لے آئے۔ سفر اتنا کٹھن تھا کہ سید جعفر کو بخار آ گیا۔ شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری بار بار ان سے جھگڑتے تھے کہ جب حکم میرے نام آیا تھا تو آپ نے کیوں یہ تکلیف اٹھائی؟

عبدالمجید خاں آفریدی ساکن جہان آباد (رائے بریلی) کا واقعہ بھی ''سیرت'' میں بیان ہو چکا ہے۔ جنگ اکوڑہ کے موقع پر انہیں بخار آتا تھا اور خاصے کمزور ہو گئے تھے، اس وجہ سے سید صاحب نے انہیں جنگ کیلئے منتخب نہ فرمایا۔ وہ بیتابانہ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے:

''حضرت! میں کچھ ایسا بیمار تو نہیں کہ چلنے کی طاقت نہ ہو اور پہلا محاربہ ہے، جس میں جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد رکھی جائے گی۔ میرا نام ضرور شامل فرما دیجیے، تا کہ سبقت کی فضیلت سے محروم نہ رہ جاؤں۔''

سید صاحب نے ان کا ذوق و شوق دیکھ کر خواہش پوری کر دی اور دعا کی۔ خان موصوف نے کمزوری کے باوجود چودہ آدمی اپنے ہاتھ سے قتل کیے۔ پھر ان کی تلوار ٹوٹ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئی۔ مولوی امیر الدین ولایتی نے اپنی ایک تلوار انہیں دیدی۔ اس سے بھی کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ آخر خود بھی خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

شہادت یا منزلِ مراد

اقبالؒ نے لکھا ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن ❁ نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

اس شعر کی عملی تصویریں صرف جماعت مجاہدین میں ملتی ہیں۔ جو بھائی شہادت پاتا تھا، اس کے متعلق سب یہی کہتے تھے کہ وہ جو مراد لے کر خدا کی راہ میں وطن سے نکلا تھا، پوری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضامندی کی راہ میں صرف کردے اور ہم سب سے راضی ہو۔

اہل سمہ کی غداری کے موقع پر مولوی خدا بخش رام پوری مینئی میں تھے۔ ایک ملا کی سعی وکوشش سے وہ اور چند دوسرے مجاہد محفوظ رہے۔ ایک روز وہ مینئی کے ملا سید محمد سے باتیں کررہے تھے، مجاہدین کی مظلومیت کا ذکر چھڑ گیا تو ملا صاحب بے اختیار اشک بار ہوگئے۔ مولوی خدا بخش نے کہا:

> "ما برائے ہمیں شہادت از مقام دور دست آمدہ ایم۔ کسانیکہ شہید شدند بمراد خود رسیدند وکسانیکہ باقی اند ہمیں ارادہ دارند۔ اللہ تعالیٰ امام مارا سلامت دارد انشاء اللہ سامان جہاد باز مجتمع خواہد گردید۔"(۱)

ترجمہ: ہم شوقِ شہادت ہی سے کردور دراز سے یہاں آئے تھے۔ جو لوگ شہید ہوئے وہ مراد کو پہنچ گئے، جو باقی ہیں ان کا ارادہ بھی یہی ہے کہ راہِ حق میں جانیں دے دیں۔ اللہ ہمارے امام کو سلامت رکھے۔ انشاء اللہ ان کی برکت سے پھر جہاد کا سامان جمع ہوجائے گا۔

---

(۱) "منظورہ" ص ۹۹۴۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

موت سے بے پروائی

کیا خوب فرمایا شیخ بلند بخت دیوبندی نے کہ ڈر خوف مرگ سے پیدا ہوتا ہے ہم اپنی جانیں خدا کی راہ میں قربان کر چکے ہیں، پس ہمیں کیا ڈر ہے؟

سید صاحب کی تربیت نے مجاہدین کے دل سے خوف مرگ زائل کر دیا تھا۔ تربیت کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا، جس پر خاص توجہ مبذول ہونی چاہیے۔ کوئی قوم زندگی کی منزل میں ترقی نہیں کر سکتی جب تک خوف مرگ سے کاملاً پاک نہ ہو جائے۔ تاریخ ایسے لوگوں کے بھی تذکروں سے لبریز ہے جنہوں نے دنیوی عزت و دولت اور حکومت و فرماں روائی کیلئے موت سے بے پروائی اختیار کی۔ اسلام نے توحید کے استحکام، خدا اور یوم آخرت پر کمال ایمان کے نسخہ شافی سے خوف مرگ کی بیماری کا علاج کیا۔ سید صاحب نے اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی نسخہ استعمال کیا۔ جو جماعت خوف مرگ سے آزاد ہو جائے، اسے دنیا کی کوئی طاقت ہراساں نہیں کر سکتی۔ اقبال نے ایک نعت کے آغاز میں یہی دعا کی تھی کہ مسلمانوں کو خوف مرگ سے نجات مل جائے:

اے تو مارا بے چارگاں را ساز و برگ ❀ وارہاں ایں قوم را از ترس مرگ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارھواں باب:

جماعت کی اسلامی اور اخلاقی شان

(۳)

اخوت و مساوات

سیرت سید احمد شہید کے علاوہ گزشتہ ابواب میں بیسیوں ایسے واقعات پیش کیے جا چکے ہیں جن سے جماعت کے اوصاف و محاسن بخوبی آشکارا ہو رہے ہیں۔ یہاں پھر منتخب واقعات اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں تا کہ محاسن کی سرسری تصویر یکجا سامنے آ جائے۔

جماعت کی ایک بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ ہر فرد اخوت و مساوات کا ایک نادر پیکر تھا۔ اس میں علماء و رؤسا بھی شریک تھے، لیکن کسی جماعتی کاروبار میں کبھی اعلیٰ و ادنیٰ کا سوال پیدا نہ ہوا۔ ہر شخص ہر کام میں سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ کھانے پینے، رہنے سہنے یا پہننے اوڑھنے میں سب برابر تھے۔ خود سید صاحب بھی کسی معاملہ میں اپنے آپ کو جماعت سے الگ نہ رکھتے تھے۔ یہاں صرف چند واقعات بہ طور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ قاضی مدنی بنگالی کے سائیس "لاہوری" کو عنایت اللہ نے ایک معمولی معاملے پر دو گھونسے رسید کر دیے۔ عنایت اللہ جماعت خاص کا آدمی تھا اور سید صاحب کے قدیم رفیقوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ نے خود یہ معاملہ قاضی القضاۃ کے حوالے کر دیا۔ عنایت اللہ نے عدالت میں اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قاضی صاحب نے لاہوری کے حق میں فیصلہ کردیا۔ فیصلے کے بعد لاہوری نے عنایت اللہ کو سینے سے لگالیا اور کہا کہ میں خدا کی رضا کے لئے اپنے بھائی کو معاف کرتا ہوں۔

۲۔ مولوی عبدالوہاب لکھنوی قاسم غلہ کمزور ونحیف آدمی تھے۔ تقسیم رسد کے لئے انہوں نے دستور مقرر کرلیا تھا کہ ہر شخص کو باری باری رسد دیتے۔ مولوی امام علی عظیم آبادی نو وارد تھے اور دستور تقسیم کا انہیں علم نہ تھا۔ انہوں نے جلد رسد لینے کے جوش میں مولوی صاحب کو دھکا دے دیا۔ یہ حالت دیکھ کر بعض مجاہدین غصے میں آگئے اور امام علی کو مارنے کے لئے تیار ہوگئے۔ مولوی صاحب نے انہیں روک دیا اور کہا: امام علی میرا بھائی ہے، دھکا دیا تو مجھے دیا، آپ لوگ کیوں جوش میں آگئے؟ یہ بات سید صاحب کے پاس پہنچی۔ آپ نے مولوی عبدالوہاب سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ امام علی نیک بخت آدمی ہیں۔ وہ رسد لینے آئے تھے، باری ان کی نہ تھی، انہوں نے جلدی کی اور مجھے دھکا لگ گیا۔ امام علی نے خود سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی زیادتی کا اقرار کرلیا اور عرض کیا کہ میرا قصور معاف کرادیجئے۔

۳۔ اہل سمہ کی غداری کے وقت حافظ عبدالعلی اور مولوی محمد رمضان بھی شیوہ میں تھے۔ سید امیر علی بیت المال کا روپیہ لے کر پنجتار چلے گئے۔ انہیں حافظ عبدالعلی نے گاؤں کے باہر پہنچادیا لیکن خود یہ کہہ کر لوٹ گئے کہ میں اس نازک وقت میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ مولوی محمد رمضان کو شیوہ کے رئیس اپنے ہاں لے جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے بھی رفیقوں سے علیحدگی گوارا نہ کی اور ان کے ساتھ شہید ہوئے۔

۴۔ میلئی میں جن مجاہدین کو قاتلانہ حملے کا ہدف بننا پڑا، ان میں بنیر کا ایک نوجوان حبیب خاں بھی شامل تھا۔ بلوائی بار بار اسے آوازیں دیتے تھے کہ تم ہمارے ہم قوم ہو ہندوستانیوں سے الگ ہوکر ہمارے پاس چلے آؤ۔ اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ مجاہدین کے ساتھ شہید ہو جانا میرے نزدیک ہزار درجے بہتر ہے اور تمہارے ساتھ جینا منظور نہیں۔

مسلمانوں سے جنگ

سید صاحب کی تحریک کے سلسلے میں ایک مسئلہ توجہ کا مستحق ہے اور وہ یہ کہ انہیں سرحدی سرداروں اور خوانین سے لڑائیاں پیش آئیں۔ ''سید احمد شہید'' میں ان لڑائیوں کے اسباب تفصیلاً بیان ہو چکے ہیں۔ سید صاحب کسی مسلمان سے لڑنے کے روادار نہ تھے، لیکن بعض مسلمان رئیس خود سید صاحب کے خلاف اغیار کے جاسوس یا معاون بن گئے اور ان کی وجہ سے قدم قدم پر تنظیمات جہاد میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ مثلاً پشاور کے درانی سردار، خادے خاں رئیس ہنڈ، پاینده خاں تنولی والی امب۔ سید صاحب نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''ہم لوگ اتنی مدت سے اس ملک میں واسطے جہاد فی سبیل اللہ کے آئے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی ریاست سمجھ کر یہاں اترے ہیں۔ فقط اس نیت سے کہ سب مسلمان بھائیوں کے اتفاق سے دین اسلام کا کام درست ہو، لیکن یہاں کے مسلمان بھائیوں کی نااتفاقی کا یہ حال ہے کہ اگر ہم کوئی صورت کفار کو زیر کرنے کی نکالتے ہیں تو انہیں مسلمانوں سے ایک نہ ایک ان کا حامی بن کر بیچ میں حارج ہوتا ہے''۔

اس کے بعد یار محمد خاں اور خادے خاں کی مخالفانہ کارروائیوں کو تفصیلاً بیان کیا۔ جنگ مایار کے بعد پشاور پر پیش قدمی شروع ہوئی تو اس وقت بھی مختلف اہل سرحد سے فرمایا:

> ''مابرائے تائید دین اسلام آمدہ ایم وشراکت مسلمانان دریں امر خواہیم۔ سردار شما (سلطان محمد خاں) از کج فہمی خود شراکت، گزاشتہ با کفار نگوں سار گردید۔''

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ : ہم اسلام کی حمایت کیلئے یہاں آئے اور مسلمانوں کو اس کام میں شریک کر لینے کے خواہاں تھے۔ آپ کے سردار سکھوں کی بجائے ہمارا ساتھ چھوڑ کر کافروں کے ساتھ مل گیا۔

ان حالات میں سید صاحب کیلئے دو ہی صورتیں تھیں: یا ان فتنوں کا انسداد کرتے یا کاروبارِ جہاد سے دست کش ہو جاتے۔ انہوں نے پہلا راستہ اختیار کیا اور یہی ان کے لیے زیبا تھا۔ ان مسلمان رئیسوں کے سامنے ذاتی امیال واغراض کے سوا کوئی دینی، قومی یا ملکی مقصد نہ تھا۔

عزیمت

جماعت مجاہدین کی پوری زندگی عزیمت کی دستاویز ہے۔ گھربار، اہل وعیال، اعزہ واقربا سے علیحدگی، راحت وآسائش کا ترک، غربت میں گوناگوں تکلیفوں کا اختیار، یہ چیزیں عزیمت ہی کا کرشمہ تھیں۔ وہ ہر لحظہ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے۔ یہ بھی نہیں کہ موجودہ زمانے کے عام جماعتی کارکنوں کی طرح انہیں شہرت ونا موری کی امید ہو، یا سمجھ رہے ہوں کہ فتح وکامرانی کی حالت میں بڑے بڑے عہدے پائیں گے، ان کے پیش نظر خدمت دین کے سوا کچھ نہ تھا اور جو کچھ کر رہے تھے صرف خدا کیلئے کر رہے تھے۔ عزیمت کا مفہوم اور کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے ہر میدانِ عمل میں اخلاص وعزیمت کے حیرت انگیز نمونے پیش کیے، جن کی مثالیں اسلامی ہند کی تاریخ میں شاذ ہی مل سکیں گی۔ یہاں صرف چند واقعات بہ طور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ امب اور پھلترہ کی فتح ہو چکی تھی۔ سید صاحب پنجتار تشریف لے گئے تھے۔ تھوڑے سے مجاہدین ان دونوں قلعوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ اس حالت میں معلوم ہوا کہ سردار پائندہ خاں تنولی بھاری لشکر جمع کر کے دونوں قلعوں پر حملے کرنا چاہتا ہے۔ دریا پار کے مختلف قلعوں سے سکھ فوج کی گولیاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھی آتی رہتی تھیں۔ چھتر بائی کے لئے خطرہ بہت زیادہ تھا۔ شیخ ولی محمد روزانہ صبح کو سوا سو مجاہدین کے ساتھ اسب سے چھتر بائی جاتے، دن وہاں گزارتے اور رات کی تاریکی میں واپس آتے۔ گویا خاصی لمبی مدت تک آمدورفت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

۲۔ اہلِ سمہ کی غداری کے باعث بہت سے مجاہدین مظلومانہ شہید ہو چکے تھے۔ سید صاحب نے پنجتار سے کشمیر کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسب اور چھتر بائی کے قلعے بدستور مجاہدین کے قبضے میں تھے۔ شیخ بلند بخت اسب کی جماعت مجاہدین کے سالار تھے اور حافظ مصطفیٰ کاندھلوی کو چھتر بائی میں قلعہ داری کا منصب حاصل تھا۔ دونوں سالاروں یا جماعتوں کیلئے نہ سید صاحب کے حکم کے بغیر قلعہ چھوڑنا ممکن تھا، نہ انہیں تک پہنچ سکتی تھی۔ بلکہ خاص انتظامات کے بغیر وہ کہیں جا بھی نہ سکتے تھے۔ اس اثناء میں ان کے پاس سکھوں کا پیغام پہنچا کہ ہم آپ کو بڑے سے بڑا عہدہ دینے کیلئے تیار ہیں۔ ہمارے پاس چلے آؤ۔ دونوں سالاروں کا جواب ایک تھا۔ ہم یہاں شیخ بلند بخت کا جواب نقل کرتے ہیں۔ فرمایا:

''اپنے سردار کو کہو، ہم امیر المومنین کے تابع فرمان ہیں۔ حضرت کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اپنے وطنوں سے اس لیے آئے ہیں کہ کافروں سے جنگ کریں۔ نہ ملک چاہتے ہیں نہ مال۔ ہمیں نوکری سے کیا غرض؟ ہماری موت اور زندگی امیر المومنین کے ساتھ ہے۔ قادر ذوالجلال کے سوا ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ اگر رنجیت سنگھ بھی اپنا لشکر لے کر آئے تو نہ ڈریں گے۔ ڈر خوفِ مرگ سے پیدا ہوتا ہے، ہم اپنی جانیں خدا کے راستے میں قربان کر چکے ہیں، پس ہمیں کیا ڈر؟ ہماری طرف سے کہہ دینا کہ پھر ہمیں ایسا پیغام نہ بھیجا جائے۔''(۱)

(۱) ''منظورہ'' ص: ۱۰۲۸-۱۰۲۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ جب سید صاحب کو یقین ہو گیا کہ سکھ بالاکوٹ پر حملے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں تو آپ نے پچوں سے بالاکوٹ جانے کی تیاری کر لی۔ لیکن درہ بھوگڑ منگ کی حفاظت کا انتظام ضروری تھا، اس لیے کہ اندیشہ تھا، شاید سکھ اس پر حملہ کر دیں۔ آپ نے روانگی سے پیشتر میاں ضیاء الدین پھلتی اور خضر خاں قندھاری کو ایک جیش دے کر بھوگڑ منگ میں اقامت کا حکم دیا۔ خضر خاں نے بڑے عجز سے عذر پیش کرتے ہوئے کہا: جنگ درپیش ہے، اس حالت میں حضرت کی رفاقت نہ چھوڑوں گا۔ اس جانباز مجاہد کو بڑے اصرار سے روکا گیا کہ بھوگڑ منگ کی حفاظت بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ جنگ میں رفاقت۔

تحمل شدائد

مجاہدین کی پوری زندگی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنے میں گذری۔ ان کے لیے دوران ہجرت و جہاد میں آسائش کے چند لمحے بھی نہ آئے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وقت پر کھانا نہ ملتا، یا ملتا تو ضرورت سے بہت کم ہوتا، لیکن ان کی زبان پر کبھی شکایت کا ایک حرف بھی نہ آیا۔ مثال کے طور پر مایار کی لڑائی کے دن انہیں صبح سے شام تک کھانے کا موقع نہ ملا۔ رات کو تورو پہنچے تو اتنے تھک چکے تھے کہ کھانا کھانے کا ہوش ہی نہ رہا۔ سید جعفر علی نقوی منشی خانہ کے معزز رکن تھے۔ جنگ مایار کے بعد جن اصحاب کو شاہ اسمٰعیل کے ساتھ مردان جانے کا حکم ملا، ان میں سید جعفر علی بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ رات کو کچھ نہ کھایا تھا، اس وقت ایک خشک ٹکڑا ملا، وہی کھا کر پانی پی لیا۔ اجازت ہو تو جلدی جلدی دو نوالے کھا لوں؟ انہوں نے فرمایا کہ روٹی ساتھ لے لو اور تورو سے باہر نکل کر کھانا۔ سید جعفر نے اسی پر عمل کیا۔

مردان سے پیشاور پر پیش قدمی شروع ہوئی۔ اس سفر میں بھی ایک موقع پر رسد نہ مل سکی۔ تھوڑا سا غلہ ہاتھ آیا، وہ قندھاریوں میں تقسیم کر دیا، جو لشکر سے آگے بڑھ کر دریائے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کنارے مورچے بنائے بیٹھے تھے۔ باقی مجاہدین نے صرف گائے کے گوشت کی ایک ایک بوٹی پر اکتفا کیا۔ سید صاحب بھی مجاہدین کی طرح فاقے سے رہے۔

بعض اوقات تکلیفیں بہت بڑھ جاتی رہیں۔ مثلاً ابتدائی دور میں مجاہدین زیادہ تر ساگ پات پر گزارہ کرتے رہے۔ چنگئی میں رسد کی تنگی کے علاوہ اکثر مجاہدین بیمار ہو گئے۔ مولوی فتح علی کہتے ہیں کہ سیکڑوں مجاہدین میں سے صرف چھ سات تندرست رہے ہوں گے اور ان کی حالت یہ تھی کہ دن رات کا ایک ایک لمحہ بیماروں کی تیمارداری اور دوا دارو میں صرف ہونے لگا۔ سید رستم علی چلگانوی اکوڑہ میں زخمی ہو کر دواڑھائی مہینے صاحب فراش رہے۔ چنگئی پہنچے پر ان کی صحت پوری طرح بحال نہ ہوئی تھی، تاہم تنہا چالیس بیماروں کی تیمارداری کا بار اٹھالیا اور حتی المقدور کسی کو بھی تکلیف نہ ہونے دی۔

ہاتھ سے کام

مجاہدین کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ کسی کو بھی ہاتھ سے کام کرنے میں تامل نہ تھا۔ سید صاحب اپنے واقعات سناتے رہتے تھے کہ ہم نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے اور کپڑے دھونے کیلئے جاتے تو اپنے آٹھ دس ساتھیوں کے کپڑے بھی دھولاتے۔ ایک مرتبہ مردان میں ٹھہرے تو مسجد کے پاس کی جگہ ہاتھی بندھنے کے باعث گندی ہو گئی تھی۔ سید صاحب نے خود کدال لیا، شاہ اسمٰعیل نے ٹوکری سنبھال لی اور تھوڑی دیر میں ساری جگہ صاف کر دی۔

پنجتار میں جو جگہ نماز کیلئے مخصوص کر لی تھی، اس کے ارد گرد ایک احاطہ تھا۔ نہ چھت، نہ فرش، نماز پڑھتے وقت مجاہدین کے کنکر چبھتے تھے۔ ایک روز سید صاحب مجاہدین کو لے کر جنگل میں نکل گئے اور اتنی گھاس کاٹ لائے کہ فرش پر ایک فٹ موٹی تہ بچھا دی گئی۔ اسی طرح چند روز بعد چھپر بنا کر چھت کا انتظام کر لیا۔ مجاہدین ہی نے مسجد میں توسیع کر لی، انہیں نے اپنے لیے نئے مکان بنا لیے۔ "منظورہ" میں مرقوم ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

''حضرت کی تعلیم کے مطابق کسی کو کسی کام میں عار نہ تھی۔ سب اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے، کھانا پکاتے، جنگل سے لکڑی لاتے، چکی پیستے، بیماروں اور معذوروں کی قے اور نجاست اٹھا کر باہر پھینکتے، جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے پہلوں کو دیکھ کر سبق حاصل کر لیا۔''

حق گوئی میں بیباکی

مجاہدین سید صاحب کا اتنا ادب کرتے تھے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، تاہم حق بات کہنے میں کسی کو باک نہ تھا۔ سید صاحب نے خود کئی مرتبہ مجاہدین سے فرمایا تھا کہ میں بشر ہوں اگر کسی وقت کوئی بے جا یا خلاف شریعت بات میری زبان سے صادر ہو تو ضرور مجھے آگاہ کرنا، ورنہ قیامت کے روز سب کا دامن پکڑوں گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ میاں عبداللہ کیلئے بے اختیار ''مردود'' کا لفظ زبان مبارک سے نکل گیا۔ میاں نظام الدین چشتی نے آپ کو یاد دلایا کہ یہ لفظ کسی مسلمان کیلئے کیسا ہے؟ فرمایا سخت قصور ہوا۔ پھر سب کے سامنے میاں عبداللہ سے معافی مانگی۔ شاہ اسمٰعیل آئے تو خود انہیں یہ واقعہ سنایا، ساتھ ہی بے تکلف اپنے معافی مانگنے کا ذکر کیا۔

ایک مرتبہ حسن زئی قبیلے نے سید صاحب سے عشر معاف کر دینے کی درخواست کی۔ آپ نے تالیف قلوب کی غرض سے درخواست منظور کر لی۔ اس کا چرچا ہوا تو شاہ اسمٰعیل نے صاف کر دیا کہ عشر حقوق شرعی میں سے ہے اور امام بھی اسے معاف نہیں کر سکتا۔

امب پر حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو سید صاحب نے شاہ اسمٰعیل کو لکھا کہ مستورات کو قلعے سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دیا جائے۔ شاہ صاحب سمجھتے تھے کہ مستورات کو نکالا تو گرد و پیش کے علاقے میں سراسیمگی پیدا ہو جائے گی۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کو خلاف مصلحت بتایا۔ سید صاحب نے دوبارہ یہ لکھا کہ مستورات کو قلعے میں نہ رکھنا چاہیے۔ شاہ اسمٰعیل اگرچہ تعمیل حکم میں ہمیشہ مستعد رہتے تھے لیکن اس حکم کے خلاف اپنی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رائے ظاہر کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ اس پر عمل کرنے سے شوکت اسلام کو نقصان پہنچا تو خدا کے نزدیک اس کی جواب وہی آپ ہی کے ذمہ ہوگی۔

عفت و پاک بازی

مجاہدین کی عفت و پاک بازی درجۂ کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ قیام خمر کے زمانے میں ایک مرتبہ ملا کلیم اخوندزادہ نے گاؤں کی عورتوں کو آپس میں باتیں کرتے سنا کہ سید بادشاہ کے ساتھی یا تو نفسانی خواہشات سے محروم ہیں یا اولیاء ہیں۔ پن چکیوں پر آٹا پسوانے آتے ہیں، وہاں عورتیں بھی ہوتی ہیں لیکن کیا مجال کہ آج تک کسی مجاہد کی نگاہ عورت کی طرف اٹھی ہو۔ ملا کلیم نے کہا: واقعی اولیاء ہیں۔ یہ سید صاحب کی صحبت و تربیت کا اثر ہے کہ ان کی نظر شرع شریف کے خلاف قطعاً نہیں اٹھتی۔

پشاور پر پیش قدمی کے دوران میں مجاہدین چارسدہ سے تنگئی ہوتے ہوئے مت پہنچے تو لشکر کی حق شناسی دیکھ کر لوگ پکار اٹھے:

> "ایں عجب لشکر است۔ باوجود آنکہ شش ہفت ہزار سوار و پیادہ نزول کردہ اند اما بر کسے ظلمے نمی رود۔"(۱)

> **ترجمہ**: یہ عجیب لشکر ہے۔ اگرچہ سات ہزار سوار اور پیادے اترے ہوئے ہیں لیکن کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔

محض محرمات ہی نہیں بلکہ مکروہات سے بھی گریز کا یہ حال تھا کہ اپنی تحریک کو اس قسم کی چیز سے بھی آلودہ نہ ہونے دیا۔ عبدالغفار خاں پشاوری کا واقعہ بیان ہو چکا ہے، اسے قلب سازی میں کمال حاصل تھا۔ کہتا تھا کہ جتنے روپے چاہیں بنا کر دے سکتا ہوں اور ان سے سب کچھ خرید سکتے ہیں۔ سید صاحب نے صاف صاف فرما دیا کہ ہمارے ساتھ رہنا ہے تو قلب سازی چھوڑ دو، ورنہ سکھوں کے علاقے میں چلے جاؤ۔

(۱) "منظورہ" ص: ۸۹۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شانِ تربیت

سید صاحب کا طریق تربیت یہ تھا کہ کسی کو مخصوصاً حکم نہ دیتے تھے۔ عموماً فرمادیتے تھے کہ فلاں کام ہونا چاہیے یا خود کام شروع کردیتے تھے۔ ایک مرتبہ قیامِ اسب کے زمانے میں پانی کی ضرورت پیش آگئی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ کوئی بھائی دوچار مشکیں دریا سے لے آئے۔ ہر شخص نے سمجھا کہ پانی آگیا ہوگا۔ جب معلوم ہوا کہ پانی نہیں آیا تو سید صاحب نے خود مشک اٹھالی، پھر تمام مجاہدین مشک، پکھال، ڈول، بدھنا، گھڑا لے کر دوڑ پڑے۔ سید صاحب پانی لے کر آئے تو فرمایا کہ میری خاطر داری سے کام نہ کرنا چاہیے، للّٰہیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بھائی ہر کام صرف خدا کی رضا کیلئے کرے۔

''منظورہ'' کا بیان ہے:

> ''آنجناب را منظور بود کہ حکم علی العموم باشد و مسلماناں بر آں سبقت کنند وبالخصوص کسے را حکم دادہ نہ شود۔''(۱)

ترجمہ : سید صاحب کو منظور یہ تھا کہ حکم علی العموم دیا جائے اور مسلمان اس کی تعمیل میں پیش قدمی کریں۔ تخصیص سے کسی کو حکم نہ دیا جائے۔

سیادت

ہمارے زمانے میں سیادت کے احترام و عزت پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سید صاحب کے تصورِ سیادت کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے۔ قیامِ اسب کے زمانے میں ایک آدمی سید صاحب کے پاس کچھ مانگنے کیلئے آیا۔ آپ نے جہاد کی ترغیب دی۔ اس نے کہا کہ میں ضعیف ہوں اور میرے بال بچے سکھوں کے علاقے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں لشکر بھیج کر تمہارا سامان اور بال بچے منگوالوں گا۔ وہ بولا: اس طرح جانیں

(۱) ''منظورہ'' ص: ۴۲۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تکلف ہوں گی اور اگر دشمن کامیاب ہو گیا تو مصیبت پیش آئے گی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اسے دو روپے دے دیے جائیں۔ وہ بولا کہ میں سید ہوں۔ حضرت یہ سنتے ہیں غصے میں آ گئے اور فرمایا:

''وقتیکہ بہ شما کارے فرمودم کہ بر دیگراں واجب و بر سادات او جب است، آں وقت عذر کردید۔ اکنوں برائے یک دو روپیہ سیادت خود را می فروشید! ایں عجب است کہ شخصے برائے بجا آوردن احکامِ الٰہی اظہار سیادت خود نہ کند، چہ اقدام و سبقت در امور عبادت شایانِ شان سیادت است و در مقامِ طمع اظہار سیادت خود می نماید۔'' (۱)

ترجمہ : جب تمہیں ایک ایسے کام کا حکم دیا جو دوسروں کیلئے لازم اور سادات کیلئے بدرجہا لازم ہے، اس وقت تم نے عذر کر دیا۔ اب ایک دو روپے کیلئے اپنی سیادت بیچ رہے ہو، کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ اس شخص نے خدائی کام بجالانے کے سلسلے میں تو سیادت کا اظہار نہ کیا، اگرچہ معاملات عبادت میں سبقت اور پیش قدمی سیدوں کے شایانِ شان ہے اور طمع کی خاطر اپنے سید ہونے کی نمائش کرتا ہے۔

بیشک سیادت کا دعویٰ اسی صورت میں زیبا ہے کہ انسان کا عمل اسکے شایانِ شان ہو۔

آخری گزارش

یہ اس جماعت کی تربیت و تنظیم اور اسلامیت کا ایک سرسری خاکہ تھا، جو مختلف مآخذ سے متفرق حالات جمع کر کے مرتب کیا گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں جماعت کی پوری تصویر آ گئی، لیکن اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سید صاحب نے تھوڑی مدت میں اپنی بے مثال تربیت سے کیسی جماعت پیدا کر دی تھی، جس کی اسلامیت زوال کے تاریک

(۱) ''منظورہ'' ص: ۶۳۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دور میں آفتاب جہانتاب کی طرح درخشاں رہی اور اس کی روشنی کبھی ماند نہ پڑے گی۔ اسی نقشے سے سید صاحب کی مردم گری کا درجہ بھی آشکارا ہو سکتا ہے۔ آپ کے ظہور سے پیشتر یہ لوگ انہیں مشاغل میں مصروف تھے، جن میں لاکھوں دوسرے افراد کی زندگیاں بسر ہو رہی تھیں، لیکن آپ نے پانچ چھ سال میں ایسا گروہ پیدا کر لیا، جس کے نمونے یہاں ہماری صدیوں کی تاریخ میں بہت ہی کم ملیں گے۔ اس مردم گری کے مزید کمالات ان مجاہدین کے حالات میں پیش ہوں گے جن کے مختصر سے سوانح آئندہ ابواب کی زینت ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرھواں باب:

پیر محمد قاصد کا ایک سفر

سید صاحب کے قاصد

سید صاحب کے تمام قاصدوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ ان میں سے بعض پنجاب کے راستے ہندوستان آتے، جن شہروں اور قصبوں میں سید صاحب کے نیاز مند اور مخلصین موجود ہوتے، ان میں ٹھہرتے اور پیغامات پہنچاتے ہوئے دہلی جاتے، جو پیغامات اور وصول وارسالِ زر کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ وہاں سے حسب ضرورت پورب اور ٹونک کا چکر بھی لگا لیتے، اسی راستے سے وہ واپس جاتے تھے۔ روپیہ دوسرے ذریعوں سے بھی دہلی پہنچ جاتا تھا۔ بعض اوقات قاصد بھی مختلف مقامات سے جمع شدہ روپیہ لے کر دہلی پہنچاتے۔ وہاں شاہ محمد اسحاق ہنڈیاں تیار کرا دیتے یا کبھی کبھی روپوں کو اشرفیوں میں تبدیل کر کے کپڑے میں اس طرح سی دیا جاتا کہ کسی کو خبر نہ لگ سکے۔ پنجاب ہی کے راستے وہ واپس چلے جاتے۔ چونکہ ان کا لباس فقیرانہ اور سیاحانہ ہوتا اس لئے عموماً کسی مقام پر تعرض نہ کیا جاتا۔ بعض قاصد سرحد سے سندھ جاتے جہاں سید صاحب کے اہل وعیال پیرکوٹ میں مقیم تھے۔ پھر مارواڑ ہوتے ہوئے ٹونک پہنچتے۔ یہیں سے پلٹ کر سندھ ہوتے ہوئے یہ سرحد چلے جاتے۔ میاں دین محمد کے ایک سفر کے متعلق بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بنارس بلکہ اس سے بھی آگے تک ہو آئے تھے۔ بہرحال سید صاحب نے مخابرت ومکاتبت کا پختہ انتظام کر لیا تھا اور قاصد مقاصد کے اخفا کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیر محمد قاصد

ان معتبر قاصدوں میں سے ایک کا نام پیر محمد تھا، جو سید صاحب کے قیام سرحد کے دوران میں خدا جانے کتنی مرتبہ ہندوستان آیا اور واپس گیا۔ اس کے تمام سفروں کی کیفیت تو محفوظ نہیں، حسن اتفاق سے صرف ایک سفر کی تفصیلات روایات کے ذخیرے میں محفوظ رہ گئی ہیں۔ جنہیں اس غرض سے یہاں درج کیا جاتا ہے کہ اندازہ ہو جائے کہ سید صاحب اور ان کے رفقاء مشکلات و مصائب کے کس خوفناک ہجوم میں اپنا دینی اور قومی فرض ادا کرتے رہے۔ یہ سفر ستمبر ۱۸۲۹ء میں شروع ہوا تھا اس لئے کہ میاں پیر محمد کا اپنا بیان ہے کہ اسے جنگ زیدہ میں فتح و کامرانی کا نامۂ بشارت دے کر بھیجا گیا تھا اور جنگ زیدہ ۴ یا ۵ ستمبر ۱۸۲۹ء کو ہوئی تھی۔

بہرحال پیر محمد فقیرانہ بھیس میں سرحد سے چلا اور پنجاب سے گذر کر مظفر نگر میں مولوی خدا بخش میرٹھی کے پاس پہنچا جو انگریزی کچہری میں ملازم تھے۔ انہیں نامۂ فتح دکھایا اور وہ بہت خوش ہوئے۔ خط کی نقل رکھ لی۔ رخصت کے وقت سات سو روپے کی اشرفیاں اور تین سکھوں کا ایک تھان سید صاحب کے لئے دیا۔ دس یا بیس روپے منشی محمدی انصاری کے لئے دیئے جو سید صاحب کے میر منشی تھے۔ پیر محمد کو راستے کے خرچ کے لئے کچھ رقم دی۔

مظفر نگر سے دہلی

مظفر نگر سے دہلی تک کے سفر کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱۔ مظفر نگر سے پیر محمد پھلت گیا اور مولوی وحید الدین سے ملا۔ انکے بھائی حافظ قطب الدین چند ہی روز پیشتر سید صاحب سے رخصت لیکر آئے تھے۔ نامۂ فتح کی نقل انہوں نے بھی لے لی اور قاصد کو خرچ راہ بھی دیا ہوگا روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

۲۔ پھلت سے پیر محمد میرٹھ پہنچا۔ وہاں شیخ محمد تقی اور شیخ عبداللہ سے ملا جو انگریزی

فوجوں میں گوشت کے ٹھیکیدار تھے۔ان کے علاوہ داروغہ محمد راتم اور قاضی حیات بخش سے بھی ملاقات کی۔آخرالذکر کے فرزند قاضی احمد اللہ سید صاحب کے پرانے رفیقوں میں سے تھے اور جہاد کی غرض سے سرحد میں تشریف فرما تھے۔ان حضرات نے بھی قاصد کو خرچ راہ دیا۔قاضی صاحب نے اپنے فرزند کے نام ایک خط بھی حوالے کیا۔چونکہ وہ بہت تنگ دست تھے اس لئے خرچ کے واسطے صرف ایک روپیہ پیش کر سکے۔

میرٹھ سے رخصت ہو کر پیر محمد دہلی پہنچا اور شاہ اسحاق کی درسگاہ میں مقیم ہوا۔

قیامِ دہلی

دہلی میں شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب سے ملاقات کی اور لشکر اسلام کے پورے حالات سنائے۔شاہ اسمٰعیل نے ایک خط دیا تھا، وہ شاہ صاحبان کو پہنچایا۔اس خط میں مولوی سید محبوب علی دہلوی کے متعلق کچھ سخت باتیں درج تھیں، جو مجاہدین کا قافلہ لے کر سید صاحب کی خدمت میں پہنچے تھے لیکن بعض ناگزیر تکالیف سے دل تنگ ہو کر واپس چلے آئے تھے۔شاہ اسحاق نے وہ خط چھپا لیا۔لیکن مولوی سید محبوب علی کو کسی ذریعے سے خبر مل گئی اور پیر محمد ملا تو اصرار کیا کہ وہ خط لا کر دکھاؤ۔چنانچہ پیر محمد نے شاہ اسحاق سے خط لے کر مولوی صاحب کو دکھایا۔پڑھ چکنے کے بعد انہوں نے کہا کہ شاہ اسمٰعیل کا کچھ قصور نہیں، دہلی کے مفسدوں نے جو مجھ سے عناد رکھتے ہیں، مجھ پر بہتان وافترا باندھ کر لکھے ہوں گے۔

پیر محمد نے مولوی محبوب علی کی معیت میں شاہ اسحاق کی ہمشیر سے بھی جو پس پردہ تھیں، باتیں کیں اور حکیم مومن خاں سے بھی وہ ملا۔

سفرِ ٹونک

پیر محمد دہلی سے ٹونک گیا جہاں اس زمانے میں سید صاحب کے بھانجے سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالرحمٰن آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان سے ملاقات کی۔ نامۂ فتح دکھایا۔ سید عبدالرحمٰن نے وہ خط نواب امیر الدولہ کو دکھایا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ نواب وزیر الدولہ اس وقت سرونج میں تھے، ان سے ملنے کے لئے پیر محمد سرونج گیا اور بیس بائیس روز وہاں رہا۔ نواب وزیر الدولہ سید صاحب کے متعلق بار بار مختلف باتیں پوچھتے تھے۔ رخصت کے وقت تاکید کی کہ ہماری طرف سے حضرت کے ہاتھ پر نیابتاً بیعت امامت کرنا اور آپ کے لئے توشہ خانہ سے دو عمدہ چھریاں لیتے جانا۔ ان میں سے ایک کا دستہ شیر ماہی کا تھا اور دوسری کا سنگ یشب کا۔

واپسی کی تیاری

پیر محمد ٹونک سے دہلی آیا۔ شاہ اسحاق نے تین ہزار کی ہنڈی اور تین سو روپے کی اشرفیاں دیں۔ سات سو روپے کی اشرفیاں جو خدا بخش میرٹھی نے دی تھیں پہلے سے ان کے پاس جمع تھیں۔ ان رقموں کی حفاظت کا مناسب انتظام کر کے واپسی کے سفر کی تیاری کر لی۔ عین اس وقت معلوم ہوا کہ پیر محمد کے ہندوستان آنے کی اطلاع رنجیت سنگھ کی حکومت کو مل گئی ہے اور اس کا حلیہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ لاہور سے سکھ حکومت کے مختلف کارندوں کو حکم بھیج دیے گئے کہ اس حلیے کا آدمی جہاں ملے گرفتار کر لیا جائے۔ حکومت پنجاب کے وکیل دہلی کے پاس بھی یہ حکم آیا۔ اس سے یہ ذکر سن کر ایک مخلص نے شاہ اسحاق تک اطلاع پہنچائی۔ پیر محمد خود کہتا ہے:

> ''میں سفر میں فقیرانہ لباس رکھتا تھا۔ میرے پاس بڑے بڑے دانوں کی ایک تسبیح، ایک روئی دار میرزئی اور ایک پانی بھرنے کی ڈورتھی اور ایک تونبا تھا اور ایک دوہرا کرتا اور ایک دوپٹا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفر مراجعت اور گرفتاری

خطرے کا علم ہو چکا تھا، لیکن پیر محمد کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ پنجاب ہی کے راستے واپس جاتا۔ چنانچہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے چل پڑا۔ ہر روز پچیس تیس کوس کی منزل طے کرتا ہوا دریائے ستلج کو عبور کر کے کپورتھلہ پہنچا۔ اس سفر میں چھ دن گذر گئے۔ ایک روز کپورتھلہ میں ٹھہر کر پھر چلا اور دریائے بیاس عبور کیا۔ وہاں تین آدمی مل گئے جن کا بیان یہ تھا کہ وہ سید صاحب کے پاس جا رہے ہیں۔ ایک رات جنڈیالہ میں گزاری، اگلے روز امرتسر پہنچے اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ اگلے سفر میں سے ایک جگہ عبور دریائے راوی کا ذکر ہے اور دوسری جگہ ایمن آباد میں قیام کا۔

پیر محمد کہتا ہے کہ میں کھانا نفیس کھاتا تھا، جسے میری وضع قطع اور فقیرانہ لباس سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ ایک مسلمان دکاندار نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھا کہ یا تو میرے پاس دست غیب ہے یا میں کیمیاگر ہوں۔ چنانچہ اس نے اصرار کیا کہ مجھے بھی کوئی تبرک عنایت فرمایئے۔ پیر محمد نے کہا کہ سو بار سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھا کرو، خدا روزی میں برکت دے گا۔

ایمن آباد سے پیر محمد اور ساتھی گجرات اور کھاریاں ہوتے ہوئے جہلم پہنچے وہاں کے راستے میں دستور اہل گیا۔ اس نے پیر محمد کی طرف غور سے دیکھا اور اپنے ایک سوار سے کہا کہ اسے اپنے ڈیرے میں لے چلو۔

تلاشی اور قید

پیر محمد کا بیان ہے کہ میں ڈیرے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ سوار شاہ میر خاں آفریدی کے رسالے کے ہیں۔ ان لوگوں نے بھی مجھے پہچان لیا اور بہت متاسف ہوئے کہ بھائی بہت بے ڈھب پھنسے ہو۔ شاہ میر خاں وہاں موجود نہ تھے اور لاہور آئے ہوئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں نے چاہا کہ اپنی رقمیں، ہنڈی اور خطوط انہیں دے دوں۔ اس اثناء میں ایک سکھ سوار مجھے ساتھ لے جانے کیلئے آ گیا اور میں کوئی شئے بھی اپنے سے جدا نہ کر سکا۔ تلاشی میں ساری چیزیں نکل آئیں، مجھے زدوکوب بھی کیا گیا۔ بالآخر ایک ڈیرے میں قید کر دیا گیا۔ وہاں سے لاہور روانہ ہوئے۔ مجھے بھی پابہ زنجیر ساتھ لے لیا۔ میں نے ہر چند کہا کہ میں قاصد ہوں مجھے کیا معلوم لوگ خطوں میں کیا کچھ لکھتے ہیں، میں تو خط پہنچانے کا ذمہ دار ہوں۔ دنتورا نے کہا کہ سب کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ تمہیں پھانسی کی سزا دوں گا۔

حالات اسیری

لاہور پہنچے تو پیر محمد کو انارکلی کی چھاؤنی میں قید رکھا گیا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک جنگی کو میرا ساتھی بنا دیا گیا۔ اس میں مجھے نماز کی سخت تکلیف تھی۔ دنتورا سے ایک روز میں نے شکایت کی تو اس نے سکھوں کو سخت سست کہا، چنانچہ یہ مصیبت رفع ہوگئی۔ کھانا مجھے اچھا نہ ملتا تھا لیکن ایک شخص رحمو 'ترم نواز' تھا اس نے اپنے ہاں سے میرے لیے کھانا مقرر کر دیا۔ پھر مجھے وزیر سنگھ کے پاس بھیجا گیا جو ایک مرتبہ سید صاحب کے پاس سفیر بن کر آ چکا تھا اور آپ کا بہت احترام کرتا تھا، بلکہ سید صاحب کے حلقے کا خیال تھا کہ وہ خفیہ خفیہ مسلمان ہو چکا ہے۔ وزیر سنگھ نے چوکی پہرا موقوف کر دیا۔ پیر محمد صرف بیڑی پہنے ہوئے رہتا تھا اور وزیر سنگھ کے ہاں سے اسے نفیس کھانا بھی مل جاتا تھا۔

وہیں سید انور شاہ امرتسری سے ملاقات ہوئی جو سفر ہجرت میں سید صاحب کے ساتھ تھے اور واقعہ بازار تک ساتھ رہے، پھر انہیں سید صاحب نے واپس بھیج دیا۔ وزیر سنگھ نے کچھ مدت بعد پیر محمد کو کوتوالی میں بھیج دیا اس زمانے میں خدا بخش نامی ایک کوتوال تھا۔ اس نے پیر محمد سے بہت اچھا سلوک مرعی رکھا، یہاں تک کہ عام قیدیوں کی رپورٹ میں اس کا ذکر ہی نہ کرتا تھا کہ مبادا کوئی غیر مناسب حکم اس کے متعلق جاری ہو جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسیری ہی کے زمانے میں یہ خبر ملی کہ سید صاحب نے مایار کی لڑائی میں درانیوں کو شکست دی اور پشاور میں داخل ہو گئے۔ چند روز بعد پیر محمد کو رہا کر دیا گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ پیر محمد کی گرفتاری اور اسیری کی خبر ہندوستان میں بھی پہنچ گئی تھی اور حکیم مغیث الدین سہارن پوری نے بیگم سمرو سے کہہ کر دنتورا کو ایک خط لکھوایا کہ پیر محمد کو رہا کر دیا جائے۔ خود ان مسلمانوں نے بھی رہائی کیلئے کوششیں کی ہوں گی جو سید صاحب سے عقیدت وارادت رکھتے تھے اور پیر محمد کے حالات سے آگاہ ہو چکے تھے۔

رہائی کے بعد

رہائی کے بعد پیر محمد لاہور ہی میں تھا کہ خبر ملی کہ سید صاحب نے سلطان محمد خان درانی سے عہد و پیمان کے بعد پشاور اس کے حوالے کر دیا ہے۔ سید انور شاہ بھی ان دنوں لاہور ہی میں مقیم تھے۔ کچھ مدت پیر محمد نے ان کے پاس گزاری۔ وہ خود کہتا ہے:

> ''وہ (سید انور شاہ) بڑے نامی شخص تھے۔ بہت لوگ ان کے مرید اور معتقد تھے اور وہ عجیب خوش طبع اور بے تکلف اور صاف گو آدمی تھے۔ امیروں میں امیر، غریبوں میں غریب، درویشوں میں درویش، بڈھوں میں بڈھے، جوانوں میں جوان، سیدوں میں سید، لڑکوں میں لڑکے اور پنجاب میں ان کی قدر و منزلت ہر کسی کے رو برو تھی۔ یہاں تک کہ سکھ لوگ بھی ان کی عزت و توقیر کرتے تھے اور جس کو وہ سخت سست کہتے تھے کوئی برا نہ مانتا تھا۔''(۱)

اسی زمانے میں درانیوں اور بعض سرداروں نیز خوانین سمہ کی سازش سے مجاہدین کے جابجا شہید ہونے کی دردناک خبریں ملیں، لہٰذا سید انور شاہ نے پیر محمد کو مشورہ دیا کہ اب سرحد جانے کے بجائے تمہیں ہندوستان چلے جانا چاہیے۔

---

(۱) وقائع احمدی جلد آخری ص: ۱۳۶۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لاہور سے دہلی

چنانچہ پیر محمد لاہور سے ہندوستان روانہ ہو گیا۔ سات آٹھ روز سہارن پور میں حکیم مغیث الدین کے مکان پر رہا۔ انہوں نے رخصت کے وقت خرچ راہ دیا، پھر میرٹھ چھاؤنی میں شیخ محمد تقی اور شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا۔ میرٹھ شہر میں قاضی حیات بخش سے ملاقات کی اور دہلی پہنچ گیا۔

اہل سرحد کی سازش اس کے الم انگیز نتائج اور پنجتار سے سید صاحب کی ہجرت کے متعلق اطلاعات دہلی آ چکی تھیں۔ پیر محمد بہر حال واپس جانے پر مصر تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بے شک چلے جاؤ لیکن ہم کوئی رقم یا ہنڈی اس وقت تک نہیں بھیج سکتے جب تک قطعی طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ سید صاحب نے کہاں اقامت اختیار کی ہے۔ غرض پیر محمد دہلی سے دوبارہ سرحد کی طرف نکل پڑا۔ صرف پچاس روپے پاس تھے۔

دوسرا سفر

دہلی سے روانگی کے بعد شاملی میں قیام کا ذکر ہے، جہاں کا نور بخش جراح لشکر اسلام میں تھا۔ ان کے مکان سے قریب ایک مسجد تھی جس میں پیر محمد ٹھہرا۔ نور بخش کے باپ اور بھائیوں سے ملاقات کی۔ وہاں بانس بریلی کے امداد علی خاں تحصیلدار تھے، پیر محمد ان سے بھی ملا تو انہوں نے مسجد سے اٹھوا کر اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ وہاں چند بڑھئی کام کر رہے تھے۔ تحصیلدار سے کہہ کر ان سے لکڑی کا ایک کشتی نما پیالہ تیار کرایا جس کے پیندے میں روپے رکھنے کیلئے ایک خانہ بنوا لیا اور روپے رکھ کر اس پر ڈاٹ لگا دی۔ پھر امرتسر ہوتا ہوا گجرات پہنچا، جہاں سے سیالکوٹ اور کشمیر کا راستہ اختیار کر لیا، اس لئے کہ عام افواہ یہ تھی کہ سید صاحب کشمیر کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک سید کی شفقت

پیر پنجال سے دو اڑھائی کوس درے خان پور نامی ایک مقام تھا، پیر محمد وہاں کی مسجد میں اترا۔ ایک کشمیری آیا اور اس نے کہا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ پیر محمد کہاں جاتا؟ کچھ دیر بعد وہ کشمیری دوبارہ آیا اور پیر محمد کو اپنے ہاں کے ایک سید کے پاس لے گیا۔ اس نیک بخت نے پیر محمد کو اپنے پاس ٹھہرا لیا، کھانا کھلایا، تنہائی میں پوچھا کہ اپنا حال سچ سچ بتا دو۔ جب معلوم ہوا کہ پیر محمد سید صاحب کا قاصد ہے تو اس کی دلداری اور تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، یہ بھی بتایا کہ ہمیں جو خبریں ملی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب پکھوں میں ہیں، شاہ اسماعیل لشکر لے کر بالاکوٹ پہنچے ہوئے ہیں اور مولوی خیر الدین مظفر آباد میں ہیں۔ چار پانچ روز کے بعد اس سید نے پیر محمد کیلئے اون کے پاتا بے اور گھاس کی چپلی تیار کرا دی جس کے بغیر برفستانی علاقے میں سے گذرنا مشکل تھا۔

ایک فقیر کی دغا بازی

پیر پنجال کی چڑھائی میں ایک فقیر اور ایک کشمیری پیر محمد کے ساتھی بن گئے۔ پہاڑ سے گذر جانے کے بعد ایک گوجر کے مکان میں ٹھہرے اور روٹی پکوائی۔ ساتھی فقیر نے پیر محمد کے آٹے میں کوئی نشہ آور چیز ملا دی جسے کھاتے ہی آہستہ آہستہ غفلت طاری ہوگئی۔ کمر میں جو تھیلی بندھی ہوئی تھی، اس میں چار پانچ روپے تھے، وہ فقیر نے کھول لی اور پیر محمد کا ہاتھ پکڑ کر ایک نالے پر چھوڑ گیا جو کوس سوا کوس پر تھا۔ سارا اسباب خود لے گیا۔

کشمیری کی مہربانی

تین روز نالے پر گزارے۔ پھر ہوش آیا تو ایک بستی میں پہنچا، ایک مسلمان کشمیری سے اشارۃً کہا کہ میں بھوکا ہوں۔ اس نے روٹی پر گھی اور شہد لا کر پیش کیا۔ ہوش و حواس بجا ہوئے تو اس کشمیری سے کہا کہ بھائی میں بے یار و مددگار ہوں، کوئی ایسی جگہ بتا دو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جہاں آٹھ دس دن گزار لوں، جسم میں کچھ طاقت آجائے تو جاؤں۔ کچھ کھانا دے دیا کرو گے تو مہربانی ہوگی ورنہ تم پر کچھ الزام نہیں۔ اس دردمند شخص نے ایک موٹا کمبل اوڑھنے کے لئے دے دیا اور ایک جگہ بتادی جہاں کوئلوں اور انگیٹھی کا انتظام کر دیا۔ گھر والوں کو تاکید کردی کہ جو کچھ پکا کرے ان شاہ صاحب کو کھلا دیا کرو۔

دغاباز فقیر کی تلاش

وہاں کا حاکم رام پور کا پٹھان تھا۔ کشمیری نے اس سے ذکر کیا تو پیر محمد کو بلوایا گیا۔ سارے حالات سنے۔ سپاہی بھیج کر اس فقیر کو تلاش کرایا۔ گوجر کے مکان سے پتہ چلا کہ وہ دامن کوہ کی بستیوں میں رہتا ہے۔ پہلے اس کے متعلقین پکڑے آئے پھر وہ فقیر بھی گرفتار ہوکر آیا۔ پیر محمد نے حاکم کو بتا دیا کہ میرا سارا اسباب یہ لے گیا ہے۔ چالیس روپے تو کشتی نما پیالے میں تھے۔ پانچ روپے میری تھیلی میں تھے۔ حاکم نے کہا چند روز ٹھہر جاؤ تو ہر چیز مل جائے گی، لیکن پیر محمد کو قوت بحال ہوتے ہی یہ اضطراب پیدا ہوا کہ جلد سے جلد سید صاحب کی خدمت میں پہنچ جائے۔ اسے ایک لمحے کے لئے بھی ٹھہرنا دوبھر ہوگیا۔

آخری منازل

چنانچہ وہ دوسرے روز چلنے کے لئے تیار ہوگیا۔ کشمیری نے ناشتے کیلئے کچھ روٹیاں پکوادیں اور دو روز کا آٹا دے دیا۔ ایک شخص پشاور جا رہا تھا اور وہ راستے سے خوب واقف تھا، اس کا ساتھ ہوگیا۔ راستے میں ایک گہرا نالہ ملا جس پر لکڑی کا پل بنا ہوا تھا۔ منزل بہ منزل مظفر آباد پہنچا۔ اس سے پیشتر مولوی خیر الدین مظفر آباد سے ہٹ چکے تھے اور سکھوں کی عملداری پہلے کی طرح بحال ہو چکی تھی۔ (۱)

(۱) روایت کا یہ حصہ میرے نزدیک نظر ثانی کا محتاج ہے، اس لئے کہ مظفر آباد کی لڑائی اور بالاکوٹ کی جنگ میں فصل بہت کم ہے۔ اگر اس بیان کو درست تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ مولوی خیر الدین نے مظفر آباد سے نکل کر ایک مہینے سے زیادہ مدت بالاکوٹ پہنچنے میں گزاری۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کے بعد پیر محمد نے متعدد بستیوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام درج نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کس راستے سے بالاکوٹ گیا، لیکن اس نے تکلیفیں بہت اٹھائیں، دو وقت مٹر کے کھیت سے کچا ساگ کھا کر گزارا کیا۔ اپنی میرزئی ایک شخص کو دے کر بالاکوٹ کا رہبر بنایا اور شیخ بلند بخت بالاکوٹ والے لشکر کے امیر تھے۔ پیر محمد بالاکوٹ سے پکھوں جانا چاہتا تھا، لیکن شیخ بلند بخت نے روک لیا کہ حضرت خود چند روز میں یہاں آنے والے ہیں۔

غور طلب نکتے

یہ صرف ایک سفر کی کہانی ہے، خدا جانے ان قاصدوں نے مسلسل سفروں میں کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں، لیکن اپنا کام وہ اس انداز میں انجام دیتے رہے گویا یہ ایک اہم دینی فرض تھا۔ سید صاحب کا کمال یہ ہے کہ ہر کام کیلئے حد درجہ موزوں آدمی انتخاب فرما لیتے تھے۔ پھر ان قاصدوں کی شانِ دیانت ملاحظہ فرمایئے کہ جو رقم سید صاحب کے لئے دی جاتی تھی، اس میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کرتے تھے۔ ذاتی تکالیف کی انہوں نے کبھی پرواہ نہ کی، ہمیشہ یہ امر پیش نظر رہتا تھا کہ جو کام امام نے انہیں سونپا ہے، اسے احسن طریق پر جلد از جلد پورا کر دیں۔ ان تمام برکات کا سرچشمہ یہ تھا کہ سید صاحب کی پوری تحریک دینی تھی اور جو اصحاب بھی اس میں شامل ہوئے، خواہ وہ کسی کام پر لگائے گئے، اسے کارِ حق سمجھ کر پورا کرتے تھے اور ہر قسم کی دنیاوی مشقتیں اس لئے خوشی خوشی برداشت کرتے تھے کہ بارگاہِ باری تعالیٰ سے اجر و ثواب پائیں گے۔ دنیوی منافع کے خیال سے بھی ان کا دامنِ قلب کبھی آلودہ نہ ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

منظومات

مدحیاتِ منظوم

سید صاحب اور ان کی جماعت کیلئے مدحیہ نظمیں بھی خاصی بڑی مقدار میں لکھی گئیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے جتنی نظمیں اب تک دستیاب ہو سکیں انہیں یہاں درج کر دیا جائے تا کہ وہ یکجا محفوظ ہو جائیں۔ آئندہ جو نظمیں ملیں، انہیں شامل کر لینا مشکل نہ ہوگا۔

یہ بھی عرض کر دینا چاہیے کہ ان میں سید صاحب اور ان کی جماعت یا ان کے کام کی مدح وستائش اس طرح مخلوط ہے کہ ایک کو دوسری سے الگ کرنے کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا میں انہیں بجنسہٖ درج کر رہا ہوں۔

پہلی نظم

فقہی مسائل کی ایک منظوم قلمی کتاب کے ستاون اوراق ہاتھ آئے، ان کے مصنف کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کتاب کے آغاز میں سید صاحب کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار آبدار درج تھے:

دوم ایں است کہ بے رنج وتشویش ❁ بہ بیت اللہ بردہ ہمرہِ خویش(۱)

(۱) مصنف نے یہ سید صاحب کا دوسرا احسان بتایا۔ نظر بظاہر پہلا احسان یہ بتایا ہوگا کہ انہوں نے ہدایت کی راہ پر لگایا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

به انواع کرم بنواخت مارا ❁ به فیض حج مشرف ساخت مارا
از آنجا پس به توقیر وسکینه ❁ شدم باوے سوئے شهر مدینه
ز بحر شور تا پایانِ قندهار ❁ شد از فیض کراماتش پُر انوار
تمامی شرک و بدعت محو فرمود ❁ رواج سنت از اول برافزود
ازو باب غزا گشته کشاده ❁ رواجِ حج ازوے اوفتاده
نهاد او سرچو در راهِ شهادت ❁ نهاده سر به پائے او سعادت
شهید و غازی و تیغ مهند ❁ امام و سید السادات احمد
شریعت را رسید ازوے رواجے ❁ طریقت یافت بر سر طرفه تاجے
شکست از ملک هندستان رشادش ❁ سوادِ شرک و بدعت از سوادش
به ملک سکه چو تیغ او علم شد ❁ سر هر سرکش از دستش قلم شد
به دارالضرب دیں زد سکه زانساں ❁ که رفت از هند شورش تا خراساں

چو از ذوقِ شهادت تشنه لب بود
چو جامش یافت شد خود رفت و آسود

دوسری نظم

سید عبدالرزاق حسنی حسینی متخلص بہ کلامی رائے بریلی کے باشندے تھے اور ٹونک میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے صمصام الاسلام یا مجاہدات الاخیار کے نام سے فتوح الشام کو نظم کیا تھا۔ اس میں حمد، نعت، مناقبِ اصحاب واہل بیت ومناقب سید عبدالقادر جیلانی کے بعد ”حضرت شمس العارفین امام الزاہدین، مجدد ماۃ ثالث عشر سیدنا ومرشدنا مولانا جناب سید احمد غازی وشہید کے مناقب یوں لکھتے ہیں:

قلم کو ہیں میرے ہزار افتخار ❁ کہ لکھتا ہے وصف شہ نامدار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہ اصفیاء سید احمد بنام ❁ سپہر ہدایت کے ماہ تمام
وہ تھے نور چشم امام رسل ❁ وہ تھے عاشق خالق جزوکل
وہ ساقیٔ جامِ شرابِ طہور ❁ فرشتہ بہ سیرت تھے صورت میں نور
عیاں شان سے ان کے تھی شانِ حق ❁ کہ مخلص ہوئے ان کے قربانِ حق
نہیں ہند میں کوئی شہر و دیار ❁ کہ مخلص نہ ہوں ان کے واں بیشمار
عنایت سے جس پر نظر ڈال دی ❁ وہیں ہوگیا بس وہ کامل ولی
وہ امی تھے ایسے کہ عالم بڑے ❁ ہوئے مستفیض اور خادم رہے
وہ تھے اہل حق اور فنا فی الرسول ❁ گریزاں تھے ان سے ظلوم وجہول
نہ تھی خادموں کو کچھ ان کے ہوس ❁ رضائے الٰہی کے خواہاں تھے بس
فنا عشقِ مولا میں وہ ہوگئے ❁ ہیں دونوں جہاں انکے قدموں تلے
خوشی سے وہ جامِ شہادت چڑھا ❁ ہوئے واصلِ حضرت کبریا

ہمیشہ ہو ان پر خدا کا کرم
وہ تھے ہادی و رہنمائے امم(۱)

مومن کے فارسی قصیدے

حکیم مومنؔ نے میرے علم کے مطابق سید صاحب کی مدح میں دو قصیدے کہے۔ پہلا قصیدہ اٹھتّر شعر کا تھا، دوسرا ایک سودس کا۔ دونوں عرفیؔ کے قصیدوں پر کہے تھے۔ ان میں سے منتخب اشعار ذیل میں درج ہیں۔ پہلا قصیدہ:

ازفیض عامِ کیست؟ ندانم کہ ایں زماں ❁ زری کند نثار بہ ہر کشور آفتاب
اے خاکیاں! نوید کہ خرم زمانہ ایست ❁ نیکوست چرخ باہمہ نیکو تر آفتاب
سردست بستہ داد کشاد گرہ فلک ❁ برفرقِ بے کلاہ نہاد افسر آفتاب

(۱) ''صمصام الاسلام'' مطبوعہ اعظم المطابع جون پور ص:۴۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خواہد تلافیے کند ایامِ رفتہ را ❁ ناہید از طرب بہ زر و گوہر آفتاب
بر ہر ستارہ سوختہ سوز و دلِ فلک ❁ ہر غم کشیدہ را کشد اندر بر آفتاب
او کارگر د کار سرانجام کن فلک ❁ او حکمراں و حکم بجا آور آفتاب
سبطِ نبیؐ امامِ زماں زاحتسابِ او ❁ برروئے خاک ریخت زرِ افسر آفتاب
او دور چرخ و حکم خداوند آسماں ❁ او ماہتاب و سنت پیغمبر آفتاب
بر منبرے کہ خطبہ بنامش ادا کنند ❁ سوزد بہ داغ حسرت آں منبر آفتاب
زنار کہکشاں شکند ہند و ے فلک ❁ صہبائے نور افگند از ساغر آفتاب
کم پایہ خادمانِ ترا خادم آسماں ❁ کم رتبہ چاکرانِ ترا چاکر آفتاب
لشکر کشی چنانکہ بہ فوج تو می رود ❁ مریخ پیش پیش و پسِ لشکر آفتاب
تا در مجاہدان بشمارند ہر سحر ❁ برخصمت از شعاع کشد چادر آفتاب
تا خطبۂ مدیح تو خواندیم و او را ❁ آورد ماہ سیم نثار و زر آفتاب

دوسرے قصیدے میں آسمان کے ظلم وجور بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

زجاں گزشتم واز جان نے توانم رفت ❁ بہ نیم جذبہ مگر داورم کند امداد
سپہر مرتبہ ممدوحِ قدسیاں احمد ❁ امیرِ لشکر اسلام، امامِ پاک نہاد
بے شمار عطائش قواعد دگر است ❁ رقم کنند پئے صد ہزار صفر احاد
نظارۂ تو بر تیرگی ز دل گویا ❁ سرشت تست بہ نور ہدایت وارشاد
پیامِ دلی ویراں بہ حضرت ایں است ❁ کہ اے ز مقدمِ تو ہر خرابہ نور سواد
بیا وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ چو ماہ تمام ❁ تمام ساختہ کارے کہ کردہ بنیاد(۱)

---

(۱) مومن کا فارسی کلام صرف ایک مرتبہ چھپا تھا اب بہت کمیاب ہے۔ صدیق مکرم امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رام پور نے میری درخواست پر یہ دونوں قصیدے اور بعض دوسرے قطعات نقل کرا کے بھیج دیے، جس کیلئے وہ دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مومن کے اردو اشعار

حکیم مومنؔ نے اردو میں بھی بہت سے شعر سید صاحب کی مدح میں لکھے ہیں۔

مثلاً:

خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا ❁ لبوں پر دم بنا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا
نہ کریگا تہ مہر امام اقتدا سنت ❁ کہ انکار آشنائے کفر ہے انکی امامت کا
امیر لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی ❁ ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا
زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومنؔ ❁ تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

شوقِ بزمِ احمد و ذوقِ شہادت ہے مجھے ❁ جلد مومن لے پہنچ اس مہدیٔ دوراں تلک

جو سید احمد امامِ زماں واہلِ زماں ❁ کرے ملاحدِ بے دین سے ارادۂ جنگ
تو کیوں نہ صفحۂ عالم پہ لکھے سالِ وفا ❁ خروجِ مہدیٔ کفار سوز کلکِ تفنگ
۱۲۴۴ھ

ایک قطعہ

سید صاحب کے متعلق ایک قطعہ درج ہے:

گلاب ناب سے دھوتا ہوں مغز اندیشہ ❁ کہ فکر مدحت سبط قسیم کوثرؑ ہے
وہ کون امام، امام حامیانِ احمدؐ ❁ کہ محض مقتدیٔ سنت پیمبرؐ ہے
زمیں کو مہر فلک سے نہ کیوں ہو دعویٔ نور ❁ کہ اس کا رایت اقبال سایہ گستر ہے
عروجِ سنگ در قصر جاہ کو جس کے ❁ ہزار طعن حضیض اوج لامکاں پر ہے
زبسکہ کام نہیں ہے اسے سوائے جہاد ❁ جو کوئی اس سے مقابل ہے سو وہ کافر ہے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شرف ہے مہر کو اسکے زمانے سے دائم ❁ زبسکہ روز و شب انصاف سے برابر ہے
وہ بادشاہ ملائک سپاہ کو کب دیں ❁ کہ نور شمس و قمر جس کے گرد لشکر ہے
وہ شعلہ خصلت و حساد سوز و کفر گداز ❁ کہ جس کا نقش قدم مہر روز محشر ہے
وہ برق خرمن و باب شرک اہل ضلال ❁ کہ شعلہ خوشہ حاصل تو دانہ اخگر ہے
وہ قہرمان فلک توسن و نجوم احشم ❁ کہ ترک چرخ غلام اسکا مہر چاکر ہے

وہ شاہِ مملکت ایماں کہ جس کا سالِ خروج
امام برحق مہدی نشاں علی فر ہے
۱۲۴۲ھ

مثنوی جہادیہ

آپ مولانا خرم علی بلہوری کا ایک جہادیہ سیرت سید احمد شہید میں پڑھ چکے ہیں۔ حکیم مومن خاں نے بھی جہاد پر ایک مثنوی لکھی تھی جو ذیل میں درج ہے:

یہی اب تو کچھ آگیا ہے خیال ❁ کہ گردن کشوں کو کروں پائمال
بہت کوشش و جاں نثاری کروں ❁ کہ شرع پیمبر کو جاری کروں
دکھادوں بس انجام الحاد کا ❁ نہ چھوڑوں کہیں نام الحاد کا
نہ کیونکر ہوں اس کام میں ناشکیب ❁ ظہور امام زماں ہے قریب
وہ خضر طریق رسول خدا ❁ کہ سایے سے جس کے تجلی مہر دمہ
زہے سید احمد قبول خدا ❁ سر امتحانِ رسولؐ خدا
نکو گوہری کا نہ پوچھو شرف ❁ علیؓ و حسینؓ و حسنؓ کا خلف
رہے حشر تک زندہ وہ نیک ذات ❁ ہے کفار کی موت اس کی حیات
خدا نے مجاہد بنایا اسے ❁ سر قتل کفار آیا اسے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دم اس دست و بازو پہ دیوے اجل ❁ لبِ تیغ کے بوسے لیوے اجل

اجل میں ہمیشہ رواں ہو ظفر
رکاب اس کی پکڑے رواں ہو ظفر

کہوں کیا لوائے امامت کا اوج ❁ کہ ہیں غوث و ابدال سب اہل فوج
خبردار ہو جاؤ اے اہل دل ❁ کہ رحمت برستی ہے اب متصل
ہوا مجتمع لشکر اسلام کا ❁ اگر ہو سکے وقت ہے کام کا
ضرور ایسے مجمع میں ہونا شریک ❁ کہ خوش تم سے ہو وحدہٗ لاشریک
جو داخل سپاہِ خدا میں ہوا ❁ خدا جی سے راہِ خدا میں ہوا
حبیبِ حبیبِ خداوند ہے ❁ خداوند اس سے رضامند ہے

امامِ زمانہ کی یاری کرو
خدا کے لئے جاں نثاری کرو

سمجھ لو جو کچھ بھی ہے تم کو تمیز ❁ نہ جاں آفریں سے کرو جاں عزیز
کسی کو نہیں ہے اجل کی خبر ❁ کہ آ جائے بیٹھے ہوئے اپنے گھر
تو مقدور کس کا کہ آنے نہ دے ❁ تن خستہ سے جاں کو جانے نہ دے
تو بہتر یہی ہے کہ جاں کام آئے ❁ پسِ مرگ تربت میں آرام پائے

قیامت کو اٹھو تو تم بامراد
لب الحمد گو اور دل شاد شاد

عجب وقت ہے یہ جو ہمت کرو ❁ حیاتِ ابد ہے جو اس دم مرو
جو ہے عمر باقی تو غازی ہو تم ❁ سزاوار گردن فرازی ہو تم
یہ ملکِ جہاں ہے تمہارے لیے ❁ نعیم جناں ہے تمہارے لیے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شراکت جہاں کی ہے خالق کا اوج ❀ کہ ایسا امام اور ایسی ہے فوج

سعادت ہے جو جانفشانی کرے
یہاں اور وہاں کامرانی کرے

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب ❀ یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

الٰہی اگرچہ ہوں میں تیرہ کار ❀ پہ تیرے کرم کا ہوں امیدوار

تو اپنی عنایت سے توفیق دے ❀ عروج شہید اور صدیق دے

کرم کرنکال اب یہاں سے مجھے ❀ ملادے امام زماں سے مجھے

یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں ❀ مری جان فدا ہو تری راہ میں

میں گنج شہیداں میں مسرور ہوں
اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

فارسی کی دو نظمیں

میں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس ایک قلمی نسخہ دیکھا تھا، اس کا نام تھا **ملهمات احمد یه فی الطریق المحمدیه** منتخب از "**صراطِ مستقیم مع فوائد وزوائــــد**" از مولوی الٰہی بخش کاندھلوی۔ اس میں سید صاحب کے متعلق دو فارسی نظمیں بھی تھیں جو ذیل میں درج ہیں۔ ان میں نشاط تخلص استعمال کیا گیا ہے۔ معلوم ہے کہ مفتی صاحب نشاط تخلص فرماتے تھے جیسا کہ "تذکرہ" میں ان کے منتخب اردو اور فارسی اشعار سے واضح ہے۔ (۱)

دوست ہر لحظہ بر ما شد پے غمخواری ما ❀ از چہرہ روز فزونست دل افگاری ما

ہست نزدیک تر از جاں بہ من خستہ حبیب ❀ از کجا خاست ندانم تپش و زاری ما

(۱) التذکرۃ مشمولۃ شرح قصیدۃ بانت سعاد از مفتی الٰہی بخش۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یار اندر بغل وحسرت دیدار ہماں ❁ آہ زیں وصل کہ افزود طلب گاری ما
یارب احوالِ دل خستہ ندانم چہ شود ❁ میر احمد نہ رسد گر بہ طلب گاری ما
اے نشاطؔ ار چہ ضعیفی طلب ہمت کن
غیر ازیں سید برحق کہ کند یاریٔ ما

جناب سید احمد کہ باشد فیض ربانی ❁ بسانِ مہر انوری کند ہر ذرہ نورانی
مجدد الف ثانی شد جناب احمد اول(۱) ❁ مجدد ماۃ ثالث جناب احمد ثانی(۲)
بہ تخلق احمدی کامل بہ نور ایزدی واصل ❁ نمود اندر رضاء حق رضائے خویش را فانی
طریقت کار و بار او شریعت پیش کار او ❁ حقیقت ہست یار او، بہ یمن لطف سبحانی
نیارد خطرہ در خاطر بجز تائید دین حق ❁ نیاید در خیال او مگر مشروع حقانی
پس اے خورشید را و دیں بہ پشت عرش می دارد ❁ غریبے بے سروساماں نشاطؔ از فرط حیرانی
بپائے سعی خود تا منزل مقصد رسیدن را ❁ بسے دشواری بینم بفرما ہمت ارزانی
بعید از ہمت نبود کہ چوں من بے پروبالے
بہ بالِ زور بازویت رسد تا قرب یزدانی

سب سے آخر میں مولوی نجف علی صاحب جھجری کے چند اشعار پیش کرتا ہوں جو موصوف نے ایک کتاب میں لکھے تھے۔ یہ کتاب دساتیری فارسی میں لکھ کر نواب وزیر الدولہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ اپنے عزیز دوست خلیل الرحمٰن صاحب داؤدی کے پاس دیکھنے کا موقع ملا، جو غالباً اصل کتاب کا واحد نسخہ تھا۔ اس میں سید صاحب کے متعلق مرقوم ہے۔

---

(۱) مراد ہے شیخ احمد سرہندیؒ۔
(۲) مراد ہے سید احمد سے۔ تخصیص کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونوں بزرگ طریقۂ نقشبندیہ کے مشہور مرشد تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تابش گوہر خدا دانی ❁ رہبر یتمسار یزدانی

سرورِ آگہانِ رازِ نہاں ❁ پیشوائے ستودگانِ جہاں

سید احمدؒ گزیدہ داوار ❁ تخمۂ پاک احمد مختارؐ

مصطفیٰؐ را ستودہ فرزندے ❁ مرتضیٰؓ را گزیدہ دل بندے

دل نہ بستہ دریں نشیمنِ خاک ❁ پا فشردہ بہ راہِ ایزدِ پاک

یادگارِ گزیدگانِ خدا ❁ پیشوائے رسیدگانِ خدا

سرمۂ چشمِ دل ز خاکش باد

مہر یزداں بہ جانِ پاکش باد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت

حصہ دوم

مجاہدین و رفقاء

www.BestUrduBooks.wordpress.com
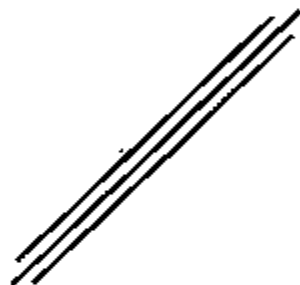
پہلا باب:

مولانا عبدالحیؒ

عبدالحیؒ بن ہبۃ اللہ بن نوراللہ، وطن بڑھانہ ضلع مظفر نگر۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے آپ کے دوگونہ رشتے کا ہمیں علم ہے۔ اول یہ کہ مولانا عبدالحیؒ کی پھوپھی شاہ صاحب کی اہلیہ تھیں، دوسرے شاہ صاحب کی ایک صاحبزادی کی شادی مولانا عبدالحیؒ سے ہوئی۔ اغلب ہے پھلت والوں کی طرح مولانا کے خاندان کی رشتہ داریاں بھی پہلے ہی سے شاہ صاحب کے خاندان سے ہوں۔ شاہ صاحب کی صاحبزادی سے مولانا کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ تعلیم دہلی ہی میں خود شاہ صاحب اور ان کے بھائیوں سے پائی۔ چوں کہ بہت قریبی رشتہ دار تھے، اس لئے شاہ عبدالعزیز بہت شفقت فرماتے تھے اور مولانا عبدالحیؒ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے باعث زیادہ سے زیادہ شفقت کے مستحق تھے۔ مولانا نبا صدیقی تھے "ابجد العلوم" میں بہ حوالہ "ایانع الجنی" مرقوم ہے کہ شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں میں سے فقہ حنفی مولانا سے بہتر کوئی نہ جانتا تھا اور درسیات میں بھی ان سے زیادہ ماہر کوئی نہ تھا۔(۱)

ملازمت

انگریزوں کو ابتدائے حکومت میں اس بات کی بڑی خواہش و جستجو تھی کہ خاندانی اور ذی وجاہت علماء افتاء و صدارت کے مناصب قبول کر لیں، تاکہ شمالی ہند میں انگریزی حکومت عوام کے نزدیک مقبول ہو سکے۔ چنانچہ میرٹھ میں مفتی عدالت کا عہدہ خالی ہوا تو

(۱) "ابجد العلوم" ص: ۹۱۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کوشش کی گئی کہ شاہ عبدالعزیز مولانا عبدالحیٔ کو یہ عہدہ قبول کرنے کی اجازت دے دیں اور انہوں نے اجازت دیدی۔ یوں کچھ مدت تک مولانا عبدالحیٔ میرٹھ میں مفتیٔ عدالت بھی رہے۔

بیعت

سید صاحب نواب امیر خاں کا ساتھ چھوڑ کر دہلی آئے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک مستقل جماعت کی تاسیس کا انتظام کرنے لگے تو مولانا عبدالحیٔ کو سید صاحب سے کسب فیض کا موقع ملا، جس کی کیفیت "سیرت احمد شہید" میں پیش کی جا چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحیٔ نے شاہ عبدالعزیز کے مشورے کے مطابق سید صاحب سے نماز حضور قلب کے متعلق سوال کیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا! بات چیت سے تو یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اٹھیے اور میرے پیچھے دو رکعت نماز پڑھیے۔ اس کے بعد مولانا نے بیعت کر لی اور شاہ اسمٰعیل بھی انہیں کی ترغیب سے سید صاحب کے مرید ہوئے۔ (۱)

نواب وزیر الدولہ نے "وصایا" میں اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے کہ مولانا نے صحابہ کرامؓ کی نماز کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ سید صاحب نے ترکیب بیان فرما دی۔ مولانا نے نماز عشاء کے بعد اسی ترکیب کے مطابق دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔ سید صاحب حجرے کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ مولانا نے پوری رات انہیں دو رکعتوں میں گزار دی۔ بس اس وقت سے سید صاحب کے ساتھ ایسی عقیدت اور راہ ایمان پر ایسی استقامت نصیب ہوئی کہ اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ (۲)

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے مجھے ایسے شیخ کی خدمت میں پہنچایا، گویا حضرت خضر کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن مجھے ان سے اس کے سوا کوئی غرض نہیں کہ اپنے لئے دعا

(۱) سیرت سید احمد شہید جلد اول ص: ۱۱۶-۱۱۷ (۲) "وصایا" حصہ دوم ص: ۷-۱۰

کراؤں۔(۱)

رفاقت

مولانا جب سے مرید ہوئے سید صاحب کی رفاقت نہ چھوڑی۔ سفر و حضر میں اکثر ساتھ رہتے، سفر حج میں بھی ساتھ تھے اور سید صاحب کے جہاز میں حجاز پہنچے تھے۔ اسی سفر میں یمن کے مشہور محدث قاضی محمد بن علی شوکانی سے مکاتبۃً حدیث کی سند لی اور ان کی کتاب ''موضوعات'' مولانا ہی ہندوستان لائے۔ رد بدعات، احیائے سنن اور ترغیب جہاد میں مسلسل وعظ فرماتے رہے۔ وعظ کا آغاز مدرسے میں ہوا تھا۔ جب لوگ بہ کثرت شامل ہونے لگے تو شاہی مسجد میں اجتماع ہونے لگا۔ مولانا رشید الدین مرحوم سے بدعات و محدثات کے متعلق آپ کا اور شاہ اسمٰعیل کا ایک مناظرہ بھی ہوا تھا، جس کی روئداد آپ نے مرتب فرمادی تھی۔(۲)

بیان کیا جاتا ہے کہ معترضوں کی طرف سے مولانا رشید الدین سترہ سوال مرتب کرکے لائے تھے، وہ پیش ہوئے تو مولانا عبدالحیٔ نے فرمایا:

> ''ملائے محض نیستم، سپاہی گری ہم دانم۔ اگر با ساز و تفنگ گراں بار قطع یک منزل راہ پیادہ پا نمودہ باشم و تعب آں دامن گیر حال من باشد، درآں وقت نیز اگر سوالات پیش خواہید نمود، بہ تائید تعالیٰ جواب با صواب خواہید یافت۔''
>
> **ترجمہ:** میں نرا ملا نہیں، سپاہ گری بھی جانتا ہوں۔ اگر بھاری بندوق اور گولی بارود لے کر ایک منزل پیادہ طے کرکے آؤں اور تکان کے باعث چور چاؤں۔ اس وقت بھی جو سوالات پیش کروگے، خدا کی مدد سے ان کا شافی جواب پاؤ گے۔

---

(۱) ''وصایا'' حصہ دوم ص ۱۰۷۔

(۲) تراجم علمائے اہل حدیث ص: ۱۴۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہجرت

مولانا، سید صاحب کے ساتھ جہاد کیلئے نکلے تھے۔ نواب وزیر الدولہ فرماتے ہیں کہ ٹونک پہنچنے کے بعد مولانائے موصوف، حاجی احمد اور مولانا عبدالقدوس کو مریدوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مقرر فرمادیا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے روک دیا تھا۔ مولانا کو سید صاحب سے مفارقت گوارا نہ تھی، لیکن حکم کی بنا پر ٹھہر گئے، تاہم ہر وقت انتظار رہتا کہ سید صاحب کب بلاتے ہیں۔ پانچ مہینے گذر جانے کے بعد سید صاحب کی طرف سے نامۂ طلب صادر ہوا۔ مولانا نے فوراً سفر کا سامان تیار کیا اور روانہ ہوگئے۔ اگرچہ پرانی بیماریوں کے باعث بہت کمزور ہوگئے تھے، لیکن سید صاحب سے ملاقات کے شوق میں سب کچھ بھلادیا۔ راستہ چلتے چلتے رفیقوں سے الگ ہوجاتے۔ سید صاحب کا خط نکال کر پڑھتے تو بے اختیار رقت طاری ہوجاتی۔ پھر شوق گرم جوشی سے تیز چلنے لگتے۔ جو شخص سامنے آتا کہتے، مجھے سید صاحب نے طلب فرمایا ہے۔ غرض اس حال میں لمبا سفر طے کیا جیسے عاشق محبوب کی خدمت میں جاتا ہے۔ سید صاحب سے ملاقات کے بعد دوستوں کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا:

> ''مجھ پر ویسی ہی حالت طاری ہوئی جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے وقت مومن کو جنت معنیٰ میں غوطہ دیں گے اور اس نے زندگی میں جو مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کیں ان کا رنج وملال جان وتن سے دھل جائے گا۔ (۱)''

سفر کا راستہ

مولانا تھانیسر، مالیر کوٹلہ، ممدوٹ اور بہاول پور ہوتے ہوئے سرحد پہنچے تھے۔

(۱) ''وصایا'' حصہ دوم ص: ۱۰۸-۱۰۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مسافت کے طول اور مشقتوں کو مدنظر رکھیں تو شانِ عزیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کی سرسری کیفیت یہ ہے کہ نواحِ بہاول پور سے شکار پور تک کا پورا علاقہ زیر آب تھا۔ دس روز کی مسافت چھتیس روز میں طے کر کے بہاول پور سے شکار پور پہنچے۔ پھر بھاگ، حاجی مٹھڑی ہوتے ہوئے براہ بولان قندھار گئے۔ بیماری کے باعث وہاں تقریباً ڈیڑھ مہینہ ٹھہرے رہے۔ قندھار سے ۸ر شوال کو کابل، ۱۸ر کو جلال آباد پہنچے۔ پھر پشاور کا راستہ چھوڑ کر مہمند اور باجوڑ کے مواضع سے ہوتے ہوئے چار باغ سوات میں سید صاحب سے ملاقی ہوئے۔ شدید سردی اور برف باری کا موسم کچھی (بلوچستان) میں گزارا۔ انہیں کے سفرِ ہجرت کو مولوی محمد جعفر مرحوم تھانیسری نے غلطی سے سید صاحب کا سفرِ ہجرت قرار دے لیا۔ حالاں کہ سید صاحب دوسرے راستے سے گئے تھے۔

یہ اوائل ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ (اواخر مئی ۱۸۲۷ء) کا واقعہ ہے۔ سید صاحب کے ساتھ پنجتار گئے۔ جب انہوں نے درانی سرداروں کی مخالفانہ تدبیروں کو ختم کرنے کی غرض سے خمر (سوات) میں قیام ضروری سمجھا تو مولانا بھی ساتھ آئے۔

وفات

بہت بوڑھے ہو چکے تھے، پھر بواسیر کا شدید دورہ ہوا "وقائع" کا بیان ہے کہ کوئی دوا مفید نہ پڑتی تھی اور بیماری بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مولانا پر نزع کی حالت طاری ہو گئی:

> "کسی وقت آپ بے ہوش ہو جاتے تھے اور کسی وقت ہوش میں آتے تھے۔ آپ کا یہ حال سن کر حضرت علیہ الرحمۃ (سید صاحب) تشریف لائے۔ جب مولانا صاحب کو ہوش آیا، حضرت کو دیکھا اور پہچانا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس وقت کیا حال ہے؟ کہا نہایت تکلیف ہے۔ آپ میرے واسطے دعا کریں اور میرے سینے پر اپنے قدم دھریں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دے۔ آپ (سید صاحب) نے فرمایا: مولانا صاحب! آپ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے سینے میں علم قرآن وحدیث کا گنجینہ ہے، یہ اس قابل نہیں کہ میں اس پر قدم رکھوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا دست مبارک رکھا۔ مولانا صاحب کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار "اللہ رفیق الاعلیٰ، اللہ رفیق الاعلیٰ" اپنی زبان سے کہا اور یہی کہتے کہتے انتقال فرمایا۔(۱)

شعبان ۱۲۴۳ھ کی آٹھویں تاریخ تھی (۲۴ر فروری ۱۸۲۸ء) اور انتقال رات کے وقت ہوا تھا۔ اگلے دن صبح کے وقت شاہ اسمٰعیل، مولوی محمد حسن رام پوری، قاضی علاؤ الدین پھلروی، میاں جی نظام الدین چشتی اور میاں جی محی الدین غسل میت میں مصروف ہو گئے۔ سید صاحب مولانا کے فضائل ومحاسن بیان کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا۔ مولانا دین کے ایک رکن تھے اور بڑی برکت والے شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا، جو مرضی مالک کی۔ آنکھوں سے برابر آنسو بہہ رہے تھے۔ جنازہ اٹھانے والوں میں خود سید صاحب بھی تھے۔ آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں اہل خبر کے علاوہ تقریباً سات سو مجاہدین شریک تھے۔ خبر کے جنوب مشرق میں ایک تیر کے فاصلے پر قبرستان تھا، جہاں لشکر اسلام کے اس مایۂ ناز شیخ الاسلام کو دفن کیا گیا۔ آج تک یہ مزار "ڈکی بابا" کا مزار کہلاتا ہے۔

تربیت کا عمدہ نمونہ

مولانا عبدالحئی سید صاحب کی دینی تربیت کے کمال کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھے۔ علم وفضل، بڑھاپے، ضعف وناتوانی، وطن، اہل وعیال اور عزیزوں سے بالکل بے پروا ہو کر رضائے باری تعالیٰ کے ابتغاء میں سرحد پہنچ گئے اور اسی حالت میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ رضائے حق کا یہ جذبہ سید صاحب ہی کی تربیت وصحبت کی بدولت بیدار ہوا۔

مولانا نے وفات سے پیشتر ایک وصیت نامہ لکھوا یا تھا، جس میں تمام چیزیں اپنی

---

(۱) "وقائع" ص: ۵۳۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسری اہلیہ (والدۂ مولانا عبدالقیوم) کے حوالے کر دی تھیں۔ مولانا عبدالقیوم کا سن اس زمانے میں تیرہ چودہ سال ہوگا۔ وہ سید صاحب کے ساتھ سرحد پہنچ گئے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد سید صاحب عبدالقیوم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ پھر اس خیال سے انہیں ہندوستان بھیج دیا کہ ان کی والدہ کو مولانا کے انتقال کی خبر ملے گی تو ان کے پاس غم غلط کرنے کا بھی کوئی ذریعہ ہونا چاہیے۔ عبدالقیوم کے دو حقیقی ماموں شیخ جلال الدین اور شیخ صلاح الدین ساتھ ہندوستان آئے۔

اہل و عیال

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہ عبدالعزیز کی صاحبزادی سے مولانا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ غالباً اس اہلیہ کی وفات پر مولانا نے اپنی چچیری بہن سے شادی کی جن سے عبدالقیوم پیدا ہوئے۔(۱) جب سید صاحب نے نکاحِ بیوگان کی سنت تازہ کی تو شاہ اسمٰعیل نے محض بغرض احیاءِ سنت اپنی بیوہ ہمشیر کی شادی مولانا عبدالحیٔ ہی سے کر دی تھی، گویا انتقال کے وقت مولانا نے دو بیوائیں چھوڑیں۔ سید احمد علی رائے بریلوی نے نواب وزیر الدولہ کو مولانا کے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ دونوں بیواؤں کے لئے امداد کا بندوبست کر دیا جائے۔

بعض مبالغہ آمیز باتیں

آخر میں دو باتوں کا ذکر ضروری ہے، بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ سید صاحب نے دوسرا نکاح کیا تو ایک مرتبہ خلافِ معمول صبح کی جماعت میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ دوسرے دن پھر سید صاحب سے تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔ مولانا عبدالحیٔ نے سلام پھیرنے کے بعد سید صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ عبادتِ الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت؟ سید صاحب

(۱) فیض روح قدسی کا بیان بھی یہی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ سید صاحب نے فرمایا: مجھ سے کوئی بات خلاف سنت دیکھئے تو متنبہ کر دیجئے۔ مولانا عبدالحئی نے کہا: جب آپ سے کوئی مخالفِ سنت فعل دیکھوں گا تو آپ کے ساتھ ہوں گا ہی کہاں؟

میرے نزدیک یہ دونوں باتیں مبالغہ آمیزی پر مبنی ہیں۔سید صاحب سے غلطی کا صدور غیر ممکن نہ تھا،لیکن ایسی کوئی مستند روایت نہیں ملتی کہ آپ عشرت میں مبتلا ہو کر واجبات میں تساہل کے مرتکب ہوئے ہوں اور مولانا عبدالحئی کا تعلق سید صاحب سے ایسا نہ تھا کہ ''عبادتِ الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت'' جیسا جملہ فرماتے۔اس میں تبلیغ کی بھی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔عبادتِ الٰہی میں سید صاحب غیر معمولی مشقتیں برداشت کرتے رہے۔نواب وزیرالدولہ کے بیان کے مطابق انہوں نے مدت تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔وہ اپنی جماعت میں عزیمت کا ایک عجیب وغریب پیکر تھے اور جو کچھ مذکورہ بالا واقعے میں ان سے منسوب کیا گیا ہے،اسے کسی درجے میں بھی قابل قبول نہیں سمجھا جا سکتا۔رہی دوسری بات تو وہ مولانا عبدالحئی کے لئے سراسر نازیبا ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ سے خلاف سنت فعل سرزد ہو تو آگاہ کر دیجئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اتباعِ سنت کا خواہاں ہے۔ہوسکتا ہے،نادانستہ اس سے کوئی خطا سرزد ہو جائے۔اس حالت میں ہر عالمِ سنت کا فرض یہی ہے کہ اسے آگاہ کر دے۔اس کا ساتھ چھوڑ جانے کی دھمکی کون سی دین پروری ہے؟حقیقت یہ ہے کہ لوگ اشخاص کے محاسن بیان کرتے وقت جوشِ عقیدت میں بعض بنیادی باتیں نظر انداز کر جاتے ہیں۔مولانا عبدالحئی یقیناً بہت بڑے بزرگ تھے اور ان کی زندگی کے روشن شواہد ہمارے سامنے موجود ہیں،لیکن مبالغہ آمیز واقعات ان کی عظمت میں قطعاً کوئی اضافہ نہیں کرتے۔

صراطِ مستقیم کا عربی ترجمہ

مولانا عبدالحئی ''صراطِ مستقیم'' کی ترتیب میں بھی شریک رہے۔وہ اور شاہ اسمٰعیل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کی زبان سے جو حقائق سنتے تھے، انھیں قلمبند کر کے آپ کو سنا دیتے تھے۔ کتاب کا ایک حصہ شاہ اسمٰعیل کا مرتبہ ہے اور باقی مولانا عبدالحئی کا لکھا ہوا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ان بزرگوں کو اپنی تحریرات میں پانچ پانچ مرتبہ ترمیم کرنی پڑی۔ اس کے بعد سید صاحب نے اس پر اظہار اطمینان فرمایا۔ قیامِ حرمین کے زمانے میں مولانا عبدالحئی نے ''صراطِ مستقیم'' کا ترجمہ عربی میں کر دیا تھا تا کہ عربی داں اصحاب بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ مولانا موصوف نے نکاحِ بیوگان پر بھی ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا۔ ممکن ہے ''صراطِ مستقیم'' کی طرح اس رسالے کی بھی عبارت مولانا عبدالحئی کی ہو، لیکن یہ خود سید صاحب کا ہے، اس لئے کہ اس کے تمام مطالب سید صاحب نے ارشاد فرمائے تھے۔ میں نے اس کے جتنے قلمی نسخے دیکھے، ان میں اس کا انتساب سید صاحب ہی سے کیا گیا تھا۔

علم وفضل

مولانا عبدالحئی کے علم وفضل کی تعریف خود شاہ عبدالعزیز نے فرمائی۔ ایک مرتبہ کہا کہ علم تفسیر میں مولانا عبدالحئی میرا نمونہ ہیں۔ ایک خط میں شاہ صاحب نے مولانا اور شاہ اسمٰعیل کو تاج المفسرین، فخر المحدثین اور سرآمد علماءِ محققین لکھا، نیز فرمایا کہ دونوں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق وغیرہ میں مجھ سے کم نہیں۔ دونوں کو علماءِ ربانی میں شمار کیا۔ خود مولانا کی یہ حالت تھی کہ بار بار فرماتے، مجھے جو کچھ ملا، سید صاحب کی برکت سے ملا۔

شاہ اسمٰعیل بعض اوقات غصے میں بے قابو ہو جاتے تھے۔ چنانچہ گڑھی امان زئی میں جو واقعہ پیش آیا'' وہ سید احمد شہید'' میں نقل ہو چکا ہے۔(۱) درانیوں کی طرف سے ایک قاصد آیا، وہ انعام لینے کی غرض سے بالا خانے کی سیڑھی پر کھڑا ہو گیا، جہاں سید صاحب

(۱) سید احمد شہید جلد دوم ص: ۲۸۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقیم تھے۔ شاہ صاحب نے اسے نرمی سے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ شاہ صاحب نے دو تین طمانچے مارے۔ ایک مرتبہ ان کا ہاتھ سیڑھی میں لگا جو لکڑی کی تھی۔ ایک باریک ریشہ ہتھیلی میں چبھا اور خون جاری ہوگیا۔ عین اس وقت سید صاحب برآمد ہوئے۔ خون دیکھ کر واقعہ پوچھا اور سنا تو فرمایا آپ کا غصہ بڑھ رہا ہے، اسے دور کرنا چاہیے۔ بعدازاں شاہ صاحب نے منشی محمدی نصاری کے سامنے ندامت کا اظہار کیا۔ منشی صاحب نے کہا کہ مولانا عبدالحئیؒ کو بھی غصہ آتا تھا، لیکن وہ راہِ شریعت سے اِدھر اُدھر کبھی نہ ہوئے۔ غصے کے باوجود شرعی دلائل ان کی تمام باتوں پر غالب رہتے تھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: مولانا کا غصہ "آورد" ہوتا تھا، وہ امورِ شرعیہ پر بہ قصد وارادہ غصہ لاتے تھے۔ میرا غصہ "آمد" ہے جب آتا ہے تو عقل ودانش پر غلبہ پالیتا ہے۔

غرض صاحب "الیانع الجنی" کے قول کے مطابق مولانا عبدالحئیؒ تقویٰ، عمل، تاثیر وعظ، خواہشات کی تقلیل اور لباس وغذا میں قناعت کے لحاظ سے خدا کا نشان تھے۔ بہت کم سخن، متوکل اور باوقار آدمی تھے۔ سنت کے شیدائی، رسوم وبدعات سے متنفر۔ نورِ ایمان ان پر برس رہا تھا۔ صالحیت ان کی پیشانی سے نمایاں تھی۔ اپنی تعریف سن کر ناراض ہوتے، نصیحت سے انہیں خوشی حاصل ہوتی۔ وہ ایسے جامع الصفات بزرگ تھے کہ قلم بیان سے عاجز ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

شاہ اسمٰعیل

بلند نسبتیں

شاہ اسمٰعیل شاہ عبدالغنی کے اکلوتے بیٹے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے، شاہ عبدالعزیز محدث، شاہ رفیع الدین محدث اور شاہ عبدالقادر محدث کے بھتیجے تھے۔ پاک وہند کی وسیع سرزمین میں علم وفضل، وعظ وارشاد، درس وتدریس اور خدمت اسلامیت کی ایسی بلند نسبتیں شاید ہی کسی کے حصے میں آئی ہوں، جن سے شاہ اسمٰعیل مشرف ہوئے۔ لیکن شاہ شہید کی عظمت کا اصل سرمایہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے ان نسبتوں کی شان برتری کو چہار چاند لگادیے۔

عرفی خوب کہہ گیا کہ:

مایۂ او زندگی از گہر خویش گیر ❀ تا بکے ایں عز و ناز از اب و عم داشتن

یہ بالکل درست ہے، لیکن اگر کسی کو اپنے حسن عمل کے ساتھ بلند نسبتیں بھی میسر آجائیں تو اس کی خوش نصیبی پر کون رشک نہ کرے گا؟

ولادت

شاہ صاحب مستند روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الآخر ۱۱۹۳ھ (۱۹ اپریل ۱۷۷۹ء) کو اپنی ننھیال پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔(۱)

(۱) ''حیات طیبہ'' ص ۱۵، ''حیات ولی'' طبع اول ص: ۳۵۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تاریخ ولادت کے متعلق اور روایتیں بھی ہیں، لیکن ان کا استناد محلِ نظر ہے۔
میر شہامت علی نے شاہ صاحب کی مشہور تصنیف ''تقویت الایمان'' کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا تھا، جو ۱۸۵۲ء میں چھپا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دیباچہ بھی لکھا تھا، جس میں شاہ صاحب کی تاریخ ولادت ۱۸ر شوال ۱۱۹۶ھ بتائی، مگر اس کیلئے کوئی حوالہ نہیں دیا، لہذا یہ مستند روایتوں کے مقابلے میں شایان توجہ نہیں۔
شاہ صاحب کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بتایا گیا ہے۔ وہ مولوی علاء الدین پھلتی کی صاحبزادی تھیں، جن کے پوتے شیخ کمال الدین سے شاہ صاحب کی ہمشیر رقیہ کی شادی ہوئی تھی۔

ابتدائی تعلیم

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ وہ ۱۶ر رجب ۱۲۰۳ھ (۱۲ر اپریل ۱۷۸۹ء) کو فوت ہوگئے۔ جب شاہ صاحب کی عمر صرف دس سال کی تھی۔ اسی وقت سے شاہ عبدالقادر نے انہیں دامنِ تربیت میں لے لیا، یا سرسید مرحوم کے الفاظ میں ''بجائے فرزندوں کے پرورش کیا''۔ شاہ عبدالقادر کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھی، مسماۃ زینب، جس کا عقد شاہ رفیع الدین کے فرزند عبدالرحمٰن عرف مصطفیٰ سے ہوا تھا۔ ان کے بھی صرف ایک بیٹی ہوئی، جس کا نام کلثوم تھا۔ شاہ عبدالقادر نے کلثوم کا نکاح شاہ اسمٰعیل سے کردیا تھا۔ اس طرح شاہ عبدالقادر کو شاہ اسمٰعیل سے کئی نسبتیں پیدا ہوگئیں۔ اول یہ کہ شاہ اسمٰعیل ان کے حقیقی بھتیجے تھے، دوم یہ کہ انہوں نے شاہ صاحب کو اپنا بیٹا بنالیا تھا، سوم یہ کہ اپنی نواسی کا نکاح ان سے کردیا تھا۔ شاہ عبدالقادر نے اپنی زندگی میں کل جائداد حصصِ شرعیہ کے مطابق اپنی صاحبزادی اور بھائیوں کے نام کردی تھی اور ان کی اجازت سے ایک حصہ شاہ اسمٰعیل کو دے دیا تھا۔ (۱)

(۱) اردو نثر ہلا ڈیس: ۳۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غیر معمولی دل ودماغ

ابتدائی تعلیم کے بعد زیادہ تر کتابیں شاہ عبدالقادر سے پڑھیں۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز سے بھی فیض حاصل کیا۔ دماغ ابتدا ہی سے غیر معمولی تھا۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے:

''جوہر ذکاوت او بہ غایت عالی افتادہ بود وحکایات ذہانت وفطانت وے ہنوز نقل ہر مجلس وزیب ہر محفل اہل علم است۔''(۱)

ترجمہ: انکی ذکاوت کا جوہر بہت بلند پایہ تھا اوران کے ذہن وفہم کی تیزی کے قصے اب تک اہل علم کی ہر مجلس کیلئے باعث زینت سمجھے جاتے ہیں۔

سرسید نے بھی یہی لکھا ہے کہ ایسے افراد کا پیدا ہونا خدائے ذوالجلال کی قدرت کا ایک خاص کرشمہ تھا۔ غیر معمولی ذہانت کے ساتھ طبیعت میں استغنا بھی بہت تھا۔ مطالعے پر چنداں توجہ نہ تھی۔ سرسید فرماتے ہیں کہ مقامِ سبق اکثر محفوظ نہ رہتا۔ کبھی اصل مقام چھوڑ کر آگے سے شروع کر دیتے۔ شاہ عبدالقادر ٹوکتے تو کہہ دیتے کہ بیچ کا حصہ آسان سمجھ کر چھوڑ دیا۔ کبھی پڑھا ہوا حصہ دوبارہ پڑھنے لگتے۔ تنبیہ پر عرض کر دیتے کہ فلاں فلاں بات سمجھ میں نہیں آئی اوراس پر ایسے اعتراضات وارد کر دیتے کہ استاد کو انہیں دور کرنے کیلئے خاص توجہ کی ضرورت پیش آتی۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ بڑے بڑے عالم راستے میں ان سے ایسے مسائل پوچھ لیتے، جن کا جواب کتابوں اور شرحوں کی مدد کے بغیر نہ دیا جا سکتا، لیکن شاہ اسمٰعیل بے اعانتِ کتب ایسے جواب دیتے کہ عالم محو حیرت رہ جاتے۔ فقہ کا ہر مسئلہ آیات واحادیث سے مستند فرماتے۔ معقول کی بیشتر کتابوں پر حاشیے تحریر کیے۔ ایک رسالہ منطق میں لکھا، اس میں شکل اول کے بعید الطبائع اور شکل رابع کے ابدہ البدیہیات

(۱) اتحاف النبلاء ص: ۲۱۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہونے کا دعویٰ کیا۔ سرسید کہتے ہیں کہ اس کے دلائل کی قوت ارسطو کو بھی معرضِ حیرت میں ڈال دیتی اور وہ اپنے دلائل کو تارِ عنکبوت سے بھی سست تر سمجھتا۔ سعادت خاں رنگین کا ایک قول بعض اصحاب نے نقل کیا ہے کہ شاہ اسمٰعیل کی غیر معمولی ذکاوت دیکھ کر اس نے کہا تھا، اس خاندان سے جو اٹھتا ہے باون گزا اٹھتا ہے۔

دعوت و تبلیغ

جیسا کہ ''سید احمد شہید'' میں بتایا جا چکا ہے، سید صاحب سے بیعت کے بعد زندگی احیائے دین اور رد بدعات کیلئے وقف کر دی۔ سہ شنبہ اور جمعہ کو شاہی مسجد میں وعظ فرماتے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کیلئے ایسی کثرت ہونے لگی، جیسے عید گاہ میں نماز عیدین کیلئے ہوا کرتی ہے۔ تقریریں ایسی جامع ہوتی تھیں کہ ہر شخص کو اس کے شبے کا جواب مل جاتا تھا اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ عالم و عامی یکساں ان سے مستفید ہوتے تھے۔

کچھ مدت بعد سید صاحب کے ایماء سے وعظ و تقریر میں جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل بیان فرمانے لگے۔ سرسید کے الفاظ میں مسلمانوں کا آئینۂ باطن مصفا اور مجلّٰی ہو گیا اور راہِ حق میں اس طرح سرگرم ہوئے کہ ہر شخص بے اختیار چاہنے لگا کہ اس کا سر فی سبیل اللہ فدا ہو اور اسکی جان دین محمدی کا علم بلند کرنے کے سلسلے میں کام آئے۔ (۱)

ان کی وضع سادہ اور بے تکلف تھی، یعنی عام علماء کی طرح وعظ میں جبہ دغیرہ کا اہتمام نہ کرتے تھے، اسلئے ابتداء میں بعض سامعین ناخوش ہوئے۔ قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر تفسیر شروع کی تو سامعین کے دل خوف خدا سے لرز اٹھے اور انکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

بعض ثقات سے سنا کہ بارہ سال کے اشتغال و مراقبہ سے جو نسبت پیدا ہوتی ہے وہ شاہ صاحب کے ایک وعظ سے پیدا ہو جاتی تھی۔ پنجابی تاجر دکانداری میں بہت مشاق تھے۔ وہ اعتراف کرتے تھے کہ خرید و فروخت کی کثرت اور نفع کی زیادتی کے باوجود وعظ

(۱) ''آثار الصنادید'' بحوالہ تاریخ و سیاست، وحیات ولی ص ۴۵۸۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے اٹھنے اور دکان کھولنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہزاروں لوگ تائب ہوئے۔ ان میں زنانِ بازاری بھی تھیں۔ ایک مرتبہ ایامِ محرم میں قلعے کے اندر بلائے گئے۔ اکبر شاہ ثانی بادشاہ بھی مجلس میں شریک تھا۔ شاہ صاحب نے ایک آیت پڑھ کر حضرت امام حسینؓ کے مراتبِ صبر ایسے انداز میں بیان فرمائے کہ اسوۂ حسینی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان شرک و بدعات کی بلائے سخت میں مبتلا ہیں۔

بعض غیر مستند روایتیں

مختلف اصحاب نے شاہ صاحب کی ورزشوں مثلاً تیراکی، سواری، شمشیر زنی، نیزہ بازی، پٹے بازی، بنوٹ وغیرہ کے متعلق لمبی چوڑی داستانیں بیان کی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ تیز دھوپ میں مسجد فتح پوری کے تپتے ہوئے فرش پر گھٹنوں چلتے رہتے تھے۔ مجھے ان روایات کی کوئی سند اب تک نہ مل سکی۔ اسی طرح میرے نزدیک شاہ صاحب کے مواعظ اور دورۂ پنجاب کی جو مفصل رودادیں "حیاتِ طیبہ" میں چھپی ہیں، وہ بالکل بے اصل ہیں۔ دورۂ پنجاب یقیناً بعید از قیاس نہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض یقینی طور پر محلِ نظر ہیں۔ شاہ صاحب لاریب ایک غیر معمولی انسان تھے اور ورزشوں یا دورے کے بغیر بھی ان کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔

سید صاحب سے بیعت کے بعد زیادہ وقت انہیں کی معیت میں گذرا۔ جہاد کے لئے تبلیغ و تنظیمات کا کام سب سے بڑھ کر انہیں نے انجام دیا۔ سید صاحب کے ساتھ حج کیا۔ اس وقت تک ان کی والدہ ماجدہ زندہ تھیں۔ حج کیلئے ساتھ گئیں۔ مکہ معظمہ میں انہوں نے سید صاحب کی بیعت کی، وہیں وفات پائی اور جنت المعلّٰی میں دفن ہوئیں۔

"ارمغانِ احباب" میں میاں نذیر حسین صاحب مرحوم کا ایک بیان درج ہے کہ شاہ صاحب حج کے بعد پانچ چھ مہینے دہلی میں رہے، جب مٹکاف کلکتہ سے آیا تو وہ استقبالاً

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دہلی سے چلے گئے کیوں کہ کلکتہ میں اس سے مولانا کی بحث ہوگئی تھی۔(۱)

کارنامہ ہائے جہاد

۷؍جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (۱۷؍جنوری ۱۸۲۶ء) دوشنبہ کو رائے بریلی سے سید صاحب کے ساتھ راہِ ہجرت میں قدم رکھا اور وطن عزیز سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر ایک غیر معروف گوشے میں شہادت پائی، جسے ان کی اور سید صاحب کی شہادت کے باعث ہمیشہ کی ناموری حاصل ہوئی۔

دورانِ جہاد میں ان کے کارنامے "سید احمد شہید" کے صفحات پر تفصیل بیان ہو چکے ہیں اور ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ اجمالاً ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱۔ وہ تمام انتظامات میں سید صاحب کے مشیر خاص تھے۔

۲۔ سید صاحب کیلئے امامت جہاد کا پورا بندوبست انہیں نے کیا تھا۔

۳۔ جنگ شیدو میں جان پر کھیل کر سید صاحب کو محفوظ مقام پر پہنچایا۔

۴۔ ہزارہ میں جہاد کی ابتدائی تنظیمات انہیں نے کیں۔

۵۔ جنگ شنکیاری میں تھوڑی سی جمعیت سے سکھوں کے بہت بڑے لشکر کو شکست دی۔ سکھوں کی گولیوں سے شاہ صاحب کی قبا چھلنی ہوگئی، لیکن نہ آپ میدان سے ہٹے نہ مورچے میں پناہ لی، نہ جنگ روکی۔ اسی لڑائی میں شاہ صاحب کی ایک انگلی زخمی ہوگئی، جسے دکھا کر آپ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری انگشت شہادت ہے۔

۶۔ بیعت شریعت کے سلسلے میں علمائے سرحد سے تمام گفتگوئیں شاہ صاحب ہی نے کی تھیں۔

---

(۱) "ارمغان احباب" بحوالہ معارف فروری ۱۹۲۹ء۔ راوی کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اس بیان میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ حج سے واپسی پر شاہ صاحب کو "ترک دہلی" نہیں پڑا، اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر وہ بطور خود دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں دورے کرتے رہے۔ مخالف سے جھگڑے کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۷۔ ہنڈ کا مضبوط و مستحکم قلعہ چھوٹی سی فوج کے ساتھ فتح کر لیا اور دشمن کے صرف دو آدمی مارے گئے، اپنے کسی آدمی کے خراش تک نہ آئی۔

۸۔ جنگ زیدہ میں صرف سات سو مجاہدین سے درانیوں کی آٹھ ہزار فوج کو شکستِ فاش دی۔

۹۔ مایار کی جنگ میں درانی فوج بارہ ہزار سے کم نہ تھی اور مجاہدین صرف ساڑھے تین ہزار تھے، جن میں بڑی تعداد ملکیوں کی تھی تاہم درانی مقابلے پر ٹھہر نہ سکے۔

۱۰۔ امب و عشرہ کی لڑائیاں شاہ صاحب کے کمال سپہ گری کا ایک روشن ثبوت ہیں۔

۱۱۔ انتظام عشر کے سلسلے میں وہ سید محمد حبان قاضی القضاۃ کے مشیر خاص تھے اور جنگِ مردان میں انہیں کے حسنِ تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

۱۲۔ پشاور میں صلح کی تمام گفتگوئیں سید صاحب کی طرف سے شاہ صاحب ہی نے کی تھیں۔

غرض وہ سید صاحب کی پوری تحریک جہاد میں اول سے آخر تک روحِ رواں بنے رہے۔

اطاعتِ امام

نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ وہ اور مولانا عبدالحئی سید صاحب کے سامنے بالکل بے حس و حرکت رہتے تھے اور آپ کی بات کا جواب بھی بڑی مشکل سے دیتے تھے۔(۱) تاہم شرعی معاملات میں شاہ صاحب کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے اور جو کچھ دل میں ہوتا تھا، سید صاحب کے سامنے بھی بیباکانہ بیان کر دیتے تھے۔ ایک موقع پر حسن زئی قبیلے

(۱) "وصایا" حصہ دوم ص: ۱۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے سید صاحب سے عشر معاف کرالیا، شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو کہا کہ عشر زکوٰۃ و خمس کی طرح حقوقِ شریعت میں سے ہے، اسے معاف کرنے کا اختیار امام کو بھی حاصل نہیں۔ چنانچہ سید صاحب نے ان کی رائے کے مطابق عمل کیا۔

جنگ مایار کے بعد شاہ صاحب سے پیشتر مردان پہنچ گئے تھے اور وہاں اس شرط پر رسول خاں رئیس مردان سے صلح کر لی تھی کہ لشکر قصبے میں نہ آئے گا۔ اس کے متعلق سید صاحب کے پاس مفصل اطلاع بھی بھیج دی تھی، اتفاق سے وہ اطلاع سید صاحب تک نہ پہنچ سکی، اور آپ لشکر کے ساتھ قصبے میں داخل ہو گئے۔ شاہ صاحب کو اس پر سخت رنج ہوا۔ انہوں نے سمجھا کہ سید صاحب نے شرط کا خیال نہ رکھا۔ چنانچہ سامنے پہنچتے ہی کہا:

"جناب خود خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے۔ لشکر اسلام میں سے ایک آدمی کے عہد کا ایفاء بھی امام اور پورے لشکر پر واجب ہو جاتا ہے۔ مجھے آپ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا، لیکن میرے عہد کا بھی خیال نہ رکھا، اور قصبے میں داخل ہو گئے۔ یہ لشکر ہے، جسے میدان میں ٹھہرنا چاہیے، پیرزادوں کا قافلہ نہیں کہ قصبے میں گھس آئے۔

حقانی ربانی بزرگ

سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ نسوار کی عادت تھی۔ کتابت کی مشق نہ تھی۔ البتہ ضروری احکام و مکاتبت کی عبارتیں بے تکلف بولتے جاتے تھے اور منشی لکھتے تھے۔ منظورہ کے الفاظ ہیں "قدرت بہ کتابت چنانکہ باید نہ داشتند"۔ "ارواح ثلاثہ" سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پنجہ کش نے انہیں کتابت سکھانے پر آمادگی ظاہر کی فرمایا: معمولی لکھنا کافی ہے۔(۱) سید صاحب نے شاہ صاحب کی سواری کیلئے ایک گھوڑا دے دیا تھا، لیکن وہ کبھی اس پر سوار نہ ہوئے۔ اپنے رفیقوں میں سے کسی ایک کو

(۱) ارواح ثلاثہ ص: ۸۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سوار کرا دیتے اور خود پیدل چلتے۔عقیدہ یہ تھا کہ خدائی کام ہے، جتنی زیادہ مشقت اٹھائیں گے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

فرماتے تھے کہ میں خواب کی تعبیر نہیں جانتا۔جس طرح دوسرے لوگ عقل سے قرائن تجویز کر لیتے ہیں، میں بھی کر لیتا ہوں۔معانیٔ قرآن وحدیث مجھے اللہ نے عطا فرمائے۔بظاہر استاد سے پڑھا، لیکن جو کچھ اللہ نے دل پر ڈال دیا وہی میرا اصلی علم ہے۔یہ بھی کہا کرتے تھے کہ نماز میں غفلت نہیں ہوتی، اگر ہوتی بھی ہے تو جلد آگاہ ہو جاتا ہوں۔

حقانی ربانی آدمی تھے۔اپنی کسی غلطی یا کمزوری کے اعتراف میں تامل نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ عمر زیادہ نہ تھی لیکن جسم خاصا کمزور تھا۔پہاڑ کی چڑھائی میں چند قدم چلنے سے سانس پھول جاتا تھا۔زیادہ بوجھ بھی نہ اٹھا سکتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سید صاحب دریا سے پانی لانے کیلئے اٹھے تو انہوں نے مشکیزہ لے لیا۔شاہ صاحب مشکیزہ نہ اٹھا سکتے تھے، لہٰذا اس کو لے لیا، تاہم تعلیم عزیمت کی غرض سے ایک موقع پر زنبورک اٹھوا کر اپنے کندھے پر رکھ لی۔پاؤں لڑکھڑانے لگے تو زنبورک ساتھیوں نے سنبھال لی۔(۱)

نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ بعض اوقات بیماری کی تکلیف میں دو دو دن سو نہ سکتے، یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہتی، تاہم سید صاحب کی طرف سے کسی جنگی مہم کے انتظام کا حکم پہنچ جاتا تو بے توقف ہتھیار سنبھال کر شیر کی طرح مسلمانوں کے معاملات کی درستی میں مصروف ہو جاتے۔(۲) دینی کاموں میں نہ خود کبھی تساہل کو راہ دی، نہ کسی رفیق سے کام کے وقت نرمی کا برتاؤ رکھا۔شاہ صاحب کے رعب وہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کوئی درانی سپاہی کسی خاتون کا مال چھیننا چاہتا تھا، خاتون نے شاہ صاحب کا نام لیا تو سپاہی سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔جنگ مایار ناگزیر ہوگئی تو سید صاحب نے شاہ صاحب کو بھی امب سے بلا لیا۔منشی محمدی انصاری نے بلاوے کے خط

(۱) یہ تمام معلومات "منظورہ" کے مختلف صفحات سے ماخوذ ہیں۔ (۲) "وصایا" ص ۱۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں اپنی طرف سے لکھ بھیجا کہ اپنی تشریف آوری کی خبر کو شہرت دیجیے، اس لئے کہ آپ کی شجاعت اس علاقے کے خاص و عام پر روشن ہے۔ کیا عجب ہے دشمن آپ کا نام سن کر مرعوب ہو جائیں اور اس طرح مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔

نواب صدیق حسن خاں کا بیان

مولانا سید محمد علی رام پوری نے لکھا ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے اور متبحر عالم۔ تیس ہزار حدیثیں انہیں نوکِ زبان تھیں۔(۱) نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

''در علوم معقول و منقول یادِ پیشینیاں از خاطر می برد۔ در علم فروع و اصول ائمہ آں را دو رتری نشاند۔ در ہر علم کہ با او سخن رانی دانی کہ وے امام ایں است ودر ہر فن کہ با وے مناظرہ کنی، شناسی کہ وے حافظ ایں علم است..... تمام عمر خود را در اعلائے کلمۃ اللہ و احیاء سنن رسول اللہ و جہاد فی سبیل اللہ و ہدایت خلق اللہ گزرانید و دمے با آرام در جائے از بلاد اسلام نیاسود۔''(۲)

ترجمہ: معقول و منقول میں پہلوں کی یاد بھلا دیتے تھے۔ فروع و اصول میں ائمہ کو پرے بٹھا دیتے تھے۔ جس علم میں ان سے بات کرو گے جان لو گے کہ وہ اس فن کے امام ہیں اور جس فن میں ان سے مناظرہ کی نوبت آئے گی پہچان لو گے کہ وہ اس کے حافظ ہیں۔ ساری عمر خدا کے کلمے کی بلندی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے احیاء، خدا کی راہ میں جہاد اور خلقِ خدا کی ہدایت میں گزار دی۔ کسی اسلامی مقام پر ایک لمحے کیلئے بھی آرام نہ فرمایا۔

فراستِ مومن

سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے مجھے تلوار، گھوڑے اور آدمی کی خاص پہچان عطا کی ہے، یہاں تک کہ میں جو تا دیکھ کر آدمی کی سیرت کا حال بیان کر سکتا ہوں، البتہ

(۱) تنبیہ الضالین ص: ۱۹۔ (۲) ''اتحاف'' ص: ۲۷۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس میں غلطی کا بھی امکان ہے۔ شاہ صاحب کو بھی بصیرت کا خاص نور عطا ہوا تھا اور وہ سرسری ملاقات میں آدمی کی نیت اور ارادے کے متعلق اندازہ فرما لیتے تھے جو عموماً درست ہوتا۔ وہ سید صاحب کے حکم سے پہلی مرتبہ بالاکوٹ آئے تھے تو سکھوں کے لشکر پر شبخون کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عین آخری وقت میں تاکیدی حکم آیا کہ شاہ صاحب خود پنجوں آجائیں اور بالاکوٹ کی حفاظت کا کام حبیب اللہ خاں گڑھی والے کے حوالے کر دیا جائے۔ شاہ صاحب نے یہ فرمان پاتے ہی شبخون کا ارادہ ملتوی کر دیا اور پنجوں جانے کی تیاری کر لی۔ ساتھ ہی فرمایا: حبیب اللہ خاں نے جب دیکھا کہ بھوگڑ منگ کی طرف حملے کا خطرہ بڑھ گیا ہے تو سید صاحب سے کہا کہ ادھر کی حفاظت فرمائیں، بالاکوٹ کی دیکھ بھال میں کروں گا، لیکن یقین ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں حبیب اللہ خاں پھر ہمیں بالاکوٹ بلائے گا۔

شاہ صاحب کی یہ رائے حرفاً حرفاً درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ کچھ دیر بعد وہ اور سید صاحب حبیب اللہ خاں کے بلانے پر بالاکوٹ آئے، جسے ان کی شہادت سے دائمی شرف حاصل ہونے والا تھا۔

بے مثال شخصیت

کسی قسم کے تکلف کی پرچھائیں بھی ان کے قلبِ صافی پر نہ پڑی تھی۔ کھانے پینے، رہنے سہنے اور پہننے اوڑھنے میں حد درجہ سادہ تھے۔ سفرِ حج میں کلکتہ پہنچے تو لباس ایسا ممکن رکھا تھا کہ منشی امین الدین کو پہلی نظر میں ان کے شاہ اسمٰعیل ہونے کا یقین نہ آیا۔ جب معلوم ہوا کہ یہی وہ شخصیت ہے جس کی ناموری سے ملک کے درو دیوار گونج رہے ہیں تو منشی صاحب یہ سنتے ہی آبدیدہ ہو گئے۔

مشہور ہے کہ دورانِ جہاد میں کبھی کبھی گھوڑے کو کھریرا کرتے۔ اس حالت میں بھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کوئی شخص دینی یا علمی مسئلہ پوچھنے کیلئے آجاتا تو ساتھ ساتھ جواب دیتے جاتے۔ ایک نیازمند نے لکھا ہے:

"ایسا عالم باعمل، فاضل بے بدل، صاحب اخلاق، شہرۂ آفاق، المعیٔ زمان، لوذعیٔ دوراں، واقف علوم معقول و منقول، کاشف دقائق فروع واصول، رافع اعلام توحید وسنت، قامع بنیان شرک و بدعت، فتوت کردار، شجاعت دثار، اس وقت میں ہم نے نہیں سنا، دیکھنا تو کیا۔"

تصانیف

سید صاحب سے وابستگی کے بعد شاہ صاحب نے اپنی حیات عزیز جن اہم کاموں کیلئے وقف کر دی تھی، ان کے پیش نظر تصانیف کا موقع بہت کم تھا، تاہم انہوں نے مقصد اصلاح کیلئے کتابیں بھی لکھیں، جن میں سے بعض اپنے موضوع پر آج بھی نادر و یگانہ ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح۔ اہل علم کا بیان ہے کہ حقیقت بدعت میں ایسی کوئی کتاب کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔

۲۔ منصب امامت۔

۳۔ عبقات۔

۴۔ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین۔

۶۔ اصول فقہ۔

۷۔ صراط مستقیم کا پہلا حصہ۔

۸۔ ایضاح الحق الصریح۔

۱۰۔ ایک روزی۔ یہ مختصر سا رسالہ ہے۔ مولوی فضل حق خیر آبادی نے "تقویت الایمان" پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ شاہ صاحب نماز کیلئے مسجد کی طرف جا رہے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راستے میں مولوی فضل حق کا رسالہ ملا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک ہی نشست میں اس کا جواب مکمل کر دیا، لہٰذا ایک روزی نام پایا۔

علاوہ بریں انہوں نے بہت سی کتابوں پر نہایت قیمتی حاشیے لکھے تھے جو سب کی سب ضائع ہو گئیں۔ مولانا رشید الدین کا نادر کتب خانہ ایامِ غدر میں لٹ گیا تھا۔ ان کے فرزند مولوی سدید الدین حد درجہ افسوس سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کتب خانے کا اس قدر رنج نہیں، جتنا کہ ان حواشی کے ضائع ہو جانے کا ہے جو شاہ صاحب نے ان کتابوں پر لکھے تھے۔(۱)

سید صاحب کے مکاتیب کا بڑا حصہ بھی انہیں کا لکھوایا ہوا ہے۔ کچھ منظومات بھی ان سے منسوب ہیں۔ مثلاً ایک نعتیہ قصیدہ فارسی میں، ایک قصیدہ سید صاحب کی مدح میں، توحید پر ایک مثنوی فارسی میں موسوم '' بہ سلک نور'' اور اسی نام کی ایک مثنوی اردو میں۔

امت محمدیہ کا حکیم

حکیم جمیل الدین کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کا ذہن حد درجہ سریع الانتقال تھا۔ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھا کر پانچ مختلف مضامین لکھواتے تھے اور کسی کا قلم رکتا نہ تھا۔(۲) ایک مرتبہ ''محمد کالے'' نامی ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے نام کا سجع کہہ دیجیے، بے تکلف فرمایا: ''ہردم نام محمد کالے''(۳)

سید صاحب کے ساتھ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ مولوی فضل حق خیر آبادی سے خاصی کشمکش رہی تھی۔ مولوی صاحب نے شہادت کی خبر اس وقت سنی جب طلبہ کو سبق پڑھا رہے تھے۔ یہ سنتے ہی کتاب بند کر دی۔ گھنٹوں بیٹھے روتے رہے۔ اس کے بعد کہا کہ اسمٰعیل کو ہم مولوی نہ جانتے تھے، وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا۔ کوئی شے نہ تھی جس کی

(۱) ''حیات بعد المماۃ'' ص:۱۱۳۔ (۲) ''ارواح ثلاثہ'' ص:۷۶۔ (۳) ''ارواح ثلاثہ'' ص:۷۸۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انیت اور ہیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔(۱)

مزاح

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے نواسے اور شاہ اسحاق کے داماد مولوی نصیر الدین سید صاحب کے ساتھ حج کیلئے نہ گئے تھے لیکن کلکتہ تک معیت میں رہے۔ وہ اس وقت بعض ضروری کاموں کے سلسلے میں رک گئے تھے، بعد ازاں شاہ اسحاق کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ قیام کلکتہ کے دوران میں مجھے روزانہ شاہ اسمٰعیل کے پاس حاضر ہونا پڑتا تھا اور ایک گھڑی رات گئے تک ان کی قیام گاہ میں رہتا۔ پھر شاہ صاحب مجھے میری قیام گاہ پر پہنچانے کیلئے ساتھ آتے۔ ان کی طبیعت میں مزاح بہت تھا۔ دروازہ کھٹکھٹاتے تو چوکیدار پوچھتا کون؟ شاہ صاحب بہ آواز بلند فرماتے: غطوس۔ غطوس اس بہادر و دلیر آدمی کو کہتے ہیں، جس کا قدم جنگ یا ہجوم خطرات میں ہمیشہ آگے رہے۔

زہد و تقویٰ

شاہ صاحب کے زہد و ریاضت کے سلسلے میں مولانا عبدالقیوم کی ایک روایت خاص توجہ کی مستحق ہے۔ اس کا مقادیہ ہے کہ ضلع بلند شہر کی تحصیل سکندر آباد میں شاہ صاحب کے خاندان کو کچھ اراضی ملی ہوئی تھی۔ شاہ اسمٰعیل تحصیل کیلئے وہاں جایا کرتے تھے اور جاتے آتے غازی آباد میں ایک بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تحصیل کے وقت وہ بیمار ہو گئے اور ان کی جگہ شاہ رفیع الدین کے فرزند شاہ موسیٰ کو بھیجا گیا۔ شاہ اسمٰعیل نے انہیں تحصیل کے متعلق تمام تفصیلات بتادیں اور غازی آباد کی بھٹیاری کا پتا دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ اسے بتا دینا، میں اسماعیل کا بڑا بھائی ہوں۔ شاہ موسیٰ غازی آباد پہنچے اور بھٹیاری کو اپنا نام و نشان بتادیا۔ اس نے رات کے وقت شاہ موسیٰ کی چارپائی کے نیچے

(۱) "حیات بعد الممات" ص: ۱۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دلوائے، ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھ دی۔ موسیٰ نے کہا: اس سامان کی کیا ضرورت ہے؟ عشاء کی نماز مسجد میں پڑھ آئے ہیں، صبح پھر وہیں نماز پڑھ لیں گے۔ بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا: میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم اسمٰعیل کے بھائی نہیں ہو اور اب تو یقین ہو گیا۔ مولوی اسمٰعیل بھی نماز مسجد ہی میں پڑھا کرتے تھے، مگر وہ رات کو تھوڑی دیر سو کر اٹھ بیٹھتے اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے رہتے تھے۔ تم کہتے ہو مجھے پانی کی ضرورت نہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو اور عابد بھی ان سے زیادہ ہو گے، مگر تم کچھ بھی نہ نکلے۔

شاہ موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری کی یہ بات سن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ (۱)

دو خطرناک موقعے

شاہ صاحب کی شجاعت، دلیری اور بہادری ستائش سے بالا ہے۔ وہ اپنی جانِ عزیز جس بلند مقصد کیلئے نذر کر چکے تھے، اس میں ہر قدم پر شہادت کا خطرہ موجود تھا، تاہم شاہ صاحب کی حالت یہ تھی کہ وہ گولیوں کی بارش میں انتہائی بے تکلفی سے جاتے تھے، دوسرے لوگ پھولوں کی بارش میں بھی اس طرح جانا گوارا نہ کریں۔

اس سلسلے میں سوانح نگاری کے نقطۂ نگاہ سے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دو مرتبہ شاہ صاحب عین موت کے منہ سے بچے۔ ایک مرتبہ جنگ مایار میں جہاں انہوں نے کئی درانی سواروں کو مار گرایا۔ اس اثناء میں ایک سوار ان کے بالکل قریب آ گیا۔ وہ بندوق نہ بھر سکے۔ خود فرماتے تھے کہ مجھے شہادت کا یقین ہو گیا۔ عین اس موقع پر حافظ وجیہ الدین پھلتی کی نظر پڑی۔ انہوں نے دور سے درانی سوار پر بندوق سر کی۔ وہ گولی لگتے ہی گرا اور شاہ صاحب بال بال بچے۔ دو چار لمحے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو ان کا زندہ بچنا مشکل تھا۔

(۱) "ارواحِ ثلاثہ" ص: ۵۰-۵۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا واقعہ سفر ہجرتِ ثانیہ میں پیش آیا۔ دریائے سندھ کے کنارے تاکوٹ میں منزل ہوئی۔ شاہ صاحب کو غسل کی حاجت تھی۔ منہ اندھیرے میں دریا پر چلے گئے۔ سخت سردی کا موسم اور دریا کا پانی برفانی۔ غسل کرتے ہی باہر نکل کر کپڑے پہنے۔ عین اس وقت بے بس ہو کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ صبح صادق کے وقت دوسرے مجاہدین وضو کیلئے دریا پر گئے تو انہیں اٹھایا۔ چار پائی پر لٹا کر لائے، کمبل اڑھائے، پاس آگ جلائی، سورج نکلنے پر شاہ صاحب کو ہوش آیا۔

افراط وتفریط اور توسط

ایک مرتبہ وعظ ونصیحت کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”ہر چند مردم بسیار بر راہ راست آمدہ اند لاکن آنچہ من می خواہم ہیچ کس از ایشاں اختیار آں وضع نہ نمودہ، وآں راہ توسط است، در افراط وتفریط کہ در ملازمین صحبت حضرت امیر المومنین یافتہ وکن ہر چند بسیار سعی می نمایم کہ آں طریقہ توسط بہ تعلیم یافتگان از من حاصل شود لاکن حسب مراد من ہیچ یکے از ایشاں تعلیم قبول نمی کند۔ یا راہ افراط می روند یا تفریط می کنند۔ پس معلوم می شود کہ ہدایت کاملہ کہ مصون از افراط وتفریط باشد جز صحبت آں جناب میسر نخواہد شد، الا ماشاء اللہ۔“

ترجمہ: اگرچہ وعظ ونصیحت سے بہت سے آدمی راہ راست پر آ گئے لیکن جو وضع میں چاہتا تھا وہ کسی نے اختیار نہ کی اور وہ افراط وتفریط کے درمیان توسط کی راہ تھی۔ یہ توسط سید صاحب کی صحبت سے فیض یاب ہونے والوں میں پایا جاتا ہے۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ توسط کا یہ طریقہ مجھ سے تعلیم پانے والے بھی سیکھ لیں، لیکن یا تو وہ افراط کی راہ اختیار کر لیتے یا تفریط کرنے لگتے ہیں۔ پس معلوم ہو گیا کامل ہدایت جو افراط وتفریط سے محفوظ ہو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کی صحبت کے بغیر کسی کو میسر نہ ہوگی الا ماشاءاللہ۔

یہ شاہ صاحب کی حق اندیشی، حق شناسی اور حق گوئی تھی۔

شہادت

شہادت کی تفصیل "سید احمد شہیدؒ" میں درج ہو چکی ہے۔ مختلف راویوں کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پہلے ان کی پیشانی یا سر پر گولی لگی، جس سے خفیف سا زخم آیا، لیکن داڑھی خون سے تر ہوگئی۔

۲۔ پھر آپ کو ننگے سر دیکھا گیا۔ بندوق بھری ہوئی تھی اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف گئے، جہاں بہ کثرت گولیاں آ رہی تھیں۔

۳۔ ایک صاحب نے انہیں مٹی کوٹ کے نالے کے قریب دھانوں کے کھیتوں میں بندوق چلاتے دیکھا۔

۴۔ ایک اور صاحب نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ رائفل کندھے پر تھی، ننگی تلوار ہاتھ میں تھی اور پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔

۵۔ ایک روایت ہے کہ سید صاحب کے متعلق پوچھا کہاں ہیں؟ لوگوں نے اس ہجوم کی طرف اشارہ کیا جہاں گھمسان کا رن تھا۔ مولانا اُدھر چلے گئے۔

یہ تمام روایتیں اصل میدانِ جنگ کے متعلق ہیں، جو بالاکوٹ اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کے درمیان تھا۔ لیکن شاہ صاحب کی قبر وہاں سے دور مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار ہے۔ یقین ہے کہ وہ وہیں شہید ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لڑتے لڑتے سکھوں کے دباؤ کے تحت پیچھے ہٹتے گئے۔ آخر ست بنے کے نالے سے گذر کر شہادت پائی۔ ارباب بہرام خاں کی قبر بھی ساتھ ہی تھی۔ اس لئے خیال ہے کہ وہ بھی مولانا کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

سید صاحب کے بھانجے

سید محمد علی

سید محمد علی بن سید عبدالسبحان بن سید محمد عثمان (عم محترم سید احمد شہید) بن سید محمد نور بن سید محمد ہدیٰ بن شاہ علم اللہ۔ سید عبدالسبحان کی شادی سید احمد شہید کی علاتی ہمشیر سیدہ نجیبہ سے ہوئی تھی۔ ان سے چار فرزند ہوئے جن میں سب سے بڑے سید محمد علی تھے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں، قیاس یہ ہے کہ سید احمد شہیدؒ سے کم وبیش چار برس بڑے ہوں گے۔ سید عبدالسبحان غالباً لکھنؤ میں ملازم تھے۔ وہیں شوال ۱۲۱۲ھ (فروری یا مارچ ۱۷۹۸ء) میں عبدالقادر خاں جائسی کے مکان واقع اسماعیل گنج میں فوت ہوئے۔ خاندانی حالات کے متعلق ایک قلمی رسالے میں بیت تاریخ وفات یوں مرقوم ہے:

زرضوان چو جستیم تاریخ فوت ❁ بگفتا کہ خوش آمدی مرحبا
۱۲۱۲ھ

سفر حج

سید محمد علی کی توجہ ابتداء ہی سے تحصیل علم پر مبذول رہی۔ سوانح نگاروں نے انہیں ''فاضلِ گراں مایہ'' لکھا ہے۔ سید صاحب عموماً انہیں ملا کہہ کر پکارتے تھے۔ لکھنؤ کے پہلے سفر میں سید صاحب کے ساتھ تھے، لیکن دہلی تک ساتھ نہ جا سکے۔ سید صاحب حج کے لئے تیار ہوئے تو دوسرے اقرباء کی طرح سید صاحب نے سید محمد علی کو بھی دعوت دی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں تنہا تیار ہوئے۔ سید صاحب نے پوچھا کہ بال بچوں کو کیوں ساتھ نہیں لیتے تو انھوں نے عذر کیا۔ سید صاحب نے فرمایا:

"بھائی! شاید موت کا ڈر ہے۔ بالفرض والتقدیر موت پیش بھی آ جائے تو نہیں سنا کہ مرگ انبوہ جشنے دارد؟ مع ہذا حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔ نیز شرف شہادت جس کا جویا ہر مسلمان ہے۔"

اس کے بعد سید محمد علی نے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے لیا۔ سفر حج کے بیشتر حالات انہیں کی زبانی ہمیں معلوم ہوئے۔

ٹونک کی زندگی

ہجرت میں شریک سفر نہ ہوئے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد ٹونک میں مقیم ہو گئے تھے۔ نواب وزیر الدولہ اونچا عہدہ دینا چاہتے تھے، سید محمد علی نے عذر پیش کر دیا اور اپنے خرچ کا اندازہ کر کے صرف پچاس روپے ماہانہ وظیفہ قبول کیا۔ غالباً اسی زمانے میں "مخزنِ احمدی" لکھی جو سید صاحب کے ابتدائی حالات سے متعلق واحد مستند ذریعۂ معلومات ہے۔ ابتدا میں قندھاریوں کی چھاؤنی (لکھنؤ) میں بہت رہتے تھے اور سیکڑوں لوگ ان کے معتقد ہو گئے تھے۔ آپ نے ہمیشہ سادہ فقیرانہ زندگی بسر کی۔ ۴ رذی الحجہ ۱۲۶۶ھ (۱۱ راکتوبر ۱۸۵۰ء) کو ٹونک میں وفات پائی۔ فارسی بے تکلف لکھتے تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ مخزن احمدی میں ان کی کئی نظمیں ہیں۔ سید ابوالحسن علی نے لکھا ہے کہ آزاد منش اور بے تکلف بزرگ تھے۔

ازواج واولاد

ان کی پہلی شادی بی بی علیہ بنت سید محمد مزمل سے ہوئی۔ اس بی بی کے بطن سے ایک فرزند سید نور الہدیٰ تھے اور دو بیٹیاں۔ دوسری شادی سے تین بیٹے ہوئے اور ایک بیٹی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید نورالہدیٰ ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۹ھ میں ہیضے سے وفات پائی۔ وہ ٹونک میں بخشی الملک بن گئے تھے اور سید نورالہدیٰ خاں بہادر ہیبت جنگ کا خطاب پایا۔ ان کے بڑے فرزند سید عثمان والد کے عہدے پر مامور ہوئے اور چھوٹے فرزند سید محمد کو نظامت کا عہدہ ملا۔ سید عثمان نے ضلع فتح پور میں تین گاؤں خرید لیے تھے۔

سید احمد علی

سید احمد علی بن سید عبدالسبحان، سید احمد شہید کے دوسرے بھانجے آپ سے عمر میں دو برس بڑے تھے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ "بہت صالح، ذی علم، ذی وقار اور صاحب دین و دیانت تھے۔" ان کی شادی قاضی سید رحیم کی صاحبزادی بی بی زینب سے ہوئی تھی۔ ابتدا میں بمقام لکھنؤ ملازم تھے۔ سید صاحب کے ساتھ مع اہل وعیال حج کیا۔ سید صاحب کے جو پانچ ہزار روپے رسالدار فقیر محمد خاں کے پاس بطور امانت جمع تھے وہ سید احمد علی ہی لے کر کلکتہ گئے تھے اور جاتے ہوئے ستر روپے میں شاہ عبدالعزیز اور محدث دہلوی کے اردو ترجمہ قرآن کا مخطوطہ خرید لے گئے تھے۔ جس کی نقل عبداللہ نے بغرضِ طباعت حاصل کر لی تھی۔

جہاد

حج سے مراجعت پر غالباً اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ سفر ہجرت میں سید صاحب کے ساتھ نہ گئے۔ جس زمانے میں سید صاحب بنیر وسوات کا دورہ کر رہے تھے تو مجاہدین کا قافلہ لے کر سرحد پہنچے اور مختلف جنگوں میں شریک رہے۔ جنگِ امب میں اس فوج کے سالار تھے جس نے ستھانہ کی جانب سے پیش قدمی کی تھی۔ سید صاحب مشوروں میں بھی انہیں شریک رکھتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عزمِ پھولڑہ

فتح امب کے بعد ہزارہ میں پیش قدمی کا فیصلہ ہوا تو سید صاحب نے مشیروں سے پوچھا کہ کسے امیر لشکر بنایا جائے؟ سید احمد علی بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ انہوں نے خلاف معمول کہا کہ میں یہ خدمت انجام دینے کیلئے تیار ہوں، بشرطیکہ مجھے ساتھیوں کے انتخاب کی اجازت دی جائے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ سید احمد علی نے پہلے کسی موقع پر ایسی پیش کش نہ کی تھی اور انہیں بھیجنے کا سید صاحب کو خیال بھی نہ تھا۔ وہ خود تیار ہو گئے تو سید صاحب نے انہیں اجازت دیدی۔ اپنی سواری کا گھوڑا ان کے حوالے کر دیا اور سید احمد علی کی خواہش کے مطابق وہ سیاہ قبا بھی انہیں دیدی جو سید صاحب نے ۲۷ رمضان ۱۲۴۵ھ (مارچ ۱۸۳۰ء) کی رات کو عبادت کرتے وقت پہنی تھی۔ چنانچہ سید احمد علی شوال ۱۲۴۵ھ کے اواخر یا ذی قعدہ کے اوائل میں ضلع ہزارہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لشکر کی تقسیم

مجاہدین کے پاس کشتیاں زیادہ نہ تھیں اور پورے لشکر کو دریا کے پار اتارنے میں بہت وقت لگتا، نیز اندیشہ تھا کہ بحالت عبور ہی سکھوں سے تصادم نہ ہو جائے، اسلئے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تین مختلف گھاٹوں سے پار اترنے کا حکم دیا گیا۔ مولوی محمد حسن (رام پور منہاران) سید احمد علی کے مشیر خاص تھے۔ عبور دریا کے بعد سید احمد علی نے وہ راستہ اختیار کیا جسے آجکل لساں کا راستہ کہتے ہیں۔ وہ لساں سے شاہ کوٹ پہنچے اور اس پر قبضہ جماتے ہوئے پھولڑہ میں داخل ہو گئے۔ بستی سے باہر مانسہرہ کے راستے پر خیمہ زن ہوئے۔ باقی دونوں لشکر بھی مختلف راستوں سے پھولڑہ پہنچ گئے اور انہوں نے سید احمد علی کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔ جو مقامی خوانین ساتھ تھے انہوں نے بستی میں قیام کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آغازِ جنگ

مؤرخین کا بیان ہے کہ سید صاحب نے لشکر کی روانگی کے وقت سید احمد علی کو جو ہدایتیں دی تھیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ دامن کوہ کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑنا۔ پھولڑہ پہنچے تو ساتھیوں کے مشورے سے انہوں نے میدان میں اقامت اختیار کرلی۔ مانسہرہ کی جانب سکھوں کا لشکر آنے کی افواہ تھی، اس لئے اونچی جگہ پہرے بٹھا دیے اور انہیں تاکید کردی کہ سکھ لشکر کو دیکھتے ہی بندوقیں سر کردیں۔ دو دن اطمینان سے گذر گئے۔ تیسرے دن صبح کی اذان ہوئی، مجاہدین نماز کی تیاری میں لگ گئے۔ بعض وضو کرکے سنتیں پڑھ رہے تھے، بعض وضو ہی کررہے تھے کہ پہریداروں کی بندوقیں سر ہوئیں۔ یہ سکھ لشکر کی آمد کا اعلان تھا۔ وہ سب سوار تھے اور اس تیزی سے میدان میں پہنچ گئے کہ مجاہدین کو صف بندی کا موقعہ بھی نہ مل سکا۔

شہادت

سید احمد علی فوراً قبلہ رو کھڑے ہوکر دعاء مانگنے لگے۔ ساتھیوں کو بھی پکار کر کہا۔ دعاء ختم نہ ہوئی تھی کہ سکھ سوار سر پر آپہنچے۔ انہوں نے پہلے سے ایک منصوبہ تیار کرلیا تھا۔ میدان میں پہنچتے ہی وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم ہوکر ادھر اُدھر بکھر گئے۔ مجاہدین بھی ان کے تعاقب میں منتشر ہوگئے۔ یہ حالت دیکھتے ہی سکھ سوار گھوڑے دوڑا کر اکٹھے ہوگئے اور انہوں نے زبردست اجتماعی حملے شروع کردیے۔ مجاہدین چوں کہ پیدل تھے اس لئے جلد مجتمع ہوکر مقابلے پر نہ جم سکے اور بحالتِ انتشار جابجا شہید ہوگئے۔

سید احمد علی اور میر فیض علی گورکھپوری یکجا تھے۔ دونوں اپنی جگہ قائم رہ کر مردانگی سے لڑتے رہے۔ سید احمد علی کا سنگ چقماق خراب ہوگیا اور بندوق سے کام لینے کی کوئی صورت نہ رہی، چنانچہ وہ نالی پکڑ کر بندوق کو لٹھ کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ آخر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نیزوں، تلواروں اور گولیوں کے زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ اسی حالت میں وفات پائی۔ راویوں نے بیان کیا ہے کہ ان کے بے شمار زخم لگے، لیکن سب زخم جسم کے اگلے حصہ میں تھے، پچھلے حصے میں خراش تک نہ آئی۔

خبر شہادت

پھولڑہ سے جو قاصد لڑائی کی خبر لے کر اسب گیا، وہ دریا سے پار اترا تو سید صاحب نے دور سے اسے دیکھ لیا۔ وہ پہلے میاں عبدالقیوم سے ملا۔ وہ چند لمحے زمین پر بیٹھ گئے۔ سید صاحب نے فرمایا: قاصد کو بلاؤ، وہ کیسی خبر لایا جسے سنتے ہی میاں عبدالقیوم زمین پر بیٹھ گئے۔ محبوب بھانجے کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ وہ جو مراد لے کر آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مراد کو پہنچایا۔ ایک روایت ہے، قاصد نے جب بیان کیا کہ شمشیر و نیزہ کے تمام زخم سید احمد علی کے چہرے پر لگے تو پھر آنسو جاری ہو گئے۔ آپ الحمد للہ الحمد للہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ سید احمد علی اگرچہ بھانجے تھے لیکن سید صاحب ہمیشہ انہیں "بھائی" کہہ کر پکارتے تھے۔ ماموں بھانجے میں رضاعت کا رشتہ بھی تھا۔ تمام بھانجوں میں انہیں کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ خود سید صاحب کا بیان ہے کہ سید احمد علی سچی بات کہنے میں مراعات ادب کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

اولاد

آپ کا نکاح سیدہ زینب دختر قاضی سید رحیم سے ہوا۔ تین فرزند ہوئے: سید زین العابدین عرف عابد میاں، سید موسیٰ عرف حسن مثنیٰ (شہید جنگ مایار) اور سید ابوالقاسم۔ تین صاحبزادیاں تھیں: سیدہ بتول، سیدہ حمیرا، سیدہ صدیقہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید موسیٰ

سید موسیٰ جن کا دوسرا نام حسن مثنیٰ تھا، سید احمد علی شہید پھولڑہ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ اپنے بھائی سید ابوالقاسم کی طرح یہ بھی سید صاحب کے ساتھ جہاد کیلئے آئے۔ سید ابوالقاسم کو سید صاحب نے بعض کاموں کیلئے واپس بھیج دیا، سید موسیٰ ساتھ رہے۔ جب سے ان کے والد شہید ہوئے تھے، بہت غمگین اور بے چین رہتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے رفیقوں سے کہتے کہ کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق ہوا تو انشاء اللہ میں بھی لڑ کر شہید ہوں گا۔

مجروحیت

سید صاحب کو اپنے شہید بھانجے کے جگر بند کی کیفیت معلوم تھی۔ جنگ مایار کے دن سید موسیٰ سواروں میں شامل تھے۔ غازیوں کا لشکر تورو سے مایار کی جانب چلا تو سید صاحب نے سید موسیٰ سے فرمایا کہ اپنا گھوڑا کسی بھائی کو دے دو اور خود ہمارے ساتھ پیادوں میں شامل ہو جاؤ۔ عرض کیا، مجھے سواروں ہی میں رہنے دیجیے۔ سید صاحب نے زیادہ اصرار نہ کیا۔ سواروں نے درانیوں پر حملہ کیا تو سید موسیٰ دشمن کی صفوں میں گھس کر خوب لڑے۔ آخر زخموں سے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے۔ کئی زخم سر میں لگے اور بے بس ہو کر گر گئے۔

جنگ کے بعد زخمیوں اور شہیدوں کی دیکھ بھال شروع ہوئی تو خادے خاں قندھاری ان کے پاس پہنچا۔ خان موصوف کا بیان ہے کہ ایک جگہ دور سے اللہ اللہ کی آواز آئی۔ نزدیک جا کر دیکھا تو سید موسیٰ تھے۔ سر کے زخموں سے اتنا خون بہا تھا کہ ان کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اس حالت میں بھی سب سے پہلے یہ پوچھا کہ کون ہو اور فتح کس کی ہوئی؟ خادے خاں نے نام بتایا اور ساتھ ہی کہا کہ سید بادشاہ کو خدا نے فتح دی۔ یہ سن کر بولے: ''الحمد للہ''۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے ارشادات

خادے خاں انہیں اٹھا کر پہلے مایار کی مسجد کے حجرے میں لے گیا پھر دوسرے زخمیوں کے ہمراہ انہیں تورو بھیج دیا گیا۔ سید صاحب انہیں دیکھنے گئے تو فرمایا یہ فرزند توفیق الٰہی سے بڑا بہادر نکلا۔ مالک حقیقی کا حق ادا کیا۔ پھر سید موسیٰ سے کہا:

''بیٹا! لکھنؤ میں دیکھا ہوگا کہ لوگ شیطان کے اُکسانے سے فاحشہ عورتوں کیلئے یا کسی کے سامنے متکبرانہ کھانس کر لڑائی چھیڑ لیتے ہیں اور اس میں اپنے ہاتھ پاؤں کھو بیٹھتے ہیں۔ اس طرح ان کا ثمرہ دنیا میں حمیت و جاہلیت اور عقبیٰ میں عذابِ الیم ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں راہِ مولا میں کام آئے۔

اب اگر دیکھو کہ کوئی شخص خوش رفتار گھوڑے پر سوار اسے دوڑاتا کداتا ہوا جا رہا ہے تو کبھی یہ حسرت دل میں نہ لانا کہ میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ تمہارے ہاتھ پاؤں بارگاہ ربانی میں قبول ہوئے۔ خوش نصیب ہیں وہ ہاتھ جو رضائے مولا میں قربان ہوں اور اس پاک ذات کی خاطر کٹیں جو جہانوں کی پناہ گاہ ہے۔ اگر کسی کو شمشیر برہنہ کے ساتھ پتا بازی کرتے ہوئے دیکھو تو یہ غم دل میں نہ لانا کہ میرے ہاتھ پاؤں ہوتے تو ایسے ہی جوہر دکھاتا۔ تمہارے دست و پا کو بڑا رتبہ ملا۔ ان زخموں کے عوض میں ثوابِ عظیم حاصل ہوا۔ سالم ہاتھ پاؤں والے کو ہر روز مظنۂ گناہ درپیش ہے۔ تمہارے جوارح کو پروردگار حکیم کی بارگاہ میں بہت شاندار اجر ملے۔''

شانِ صبر و شکیب

سید موسیٰ نے صابرانہ عرض کیا: میں ہزار زبان سے اللہ کی رضا پر راضی اور شاکر ہوں۔ الحمد للہ کہ میری ہستی نیک ترین عبادت میں صرف ہوئی۔ خدا اسے قبول کرے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیکن آپ سے ایک آرزو ہے:

"ہر روز خود تکلیف اٹھا کر اپنے جمال مبارک سے آنکھیں منور فرماتے رہیے۔ میں معذور ہو چکا ہوں، خود آپ کی مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا نہ مجھے کوئی رنج ہے اور نہ حسرت۔"

وفات

سید موسیٰ کو تورو سے پنجتار بھیج دیا گیا۔ علاج باقاعدہ ہوتا رہا، لیکن ان کے زخم اچھے نہ ہوئے۔ پنجتار سے انہیں دکھاڑہ پہنچا دیا گیا جو بلحاظ آب وہوا بہتر تھا۔ سید صاحب کی اہلیہ بھی تیمارداری کیلیے ساتھ گئیں۔ شیخ حسن علی اور ان کے عزیز بھی ہمراہ تھے۔ جب سید صاحب نے وسط رجب ۱۲۴۶ھ میں ہجرت ثانیہ کا قصد کیا اور پنجتار سے وادی چھلہ کی جانب روانہ ہوئے تو دکھاڑہ پیغام بھیج دیا کہ سب لوگ کنگلی پہنچ کر انتظار کریں۔ چنانچہ سید صاحب کی اہلیہ، سید موسیٰ اور دوسرے حضرات پہلے پہنچ گئے۔

مولوی سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ میں سید موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ بہت بیمار تھے اور بار بار امیر المومنین کا پوچھتے تھے۔ سید صاحب نے صرف سید موسیٰ کی خاطر کنگلی میں دو دن گزارے۔ شدت علالت کے باعث انہیں وہیں چھوڑ دیا اور تیسرے دن روانہ ہو گئے۔ دو روز بعد سید موسیٰ نے وفات پائی اور کنگلی کی خاک میں ابدی نیند سو گئے۔

ان کا نکاح سید محمد علی کی صاحبزادی حدیقہ سے ہوا تھا، لیکن اولاد کوئی نہ ہوئی۔ غالباً رخصتی بھی نہ ہوئی تھی۔ اس سیدہ کا نکاح بعد ازاں سید محمد یعقوب سے ہوا۔ سید موسیٰ کے دو بھائی ابوالقاسم اور سید زین العابدین ٹونک میں مقیم رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید حمید الدین

یہ سید صاحب کے تیسرے بھانجے تھے، سید احمد علی شہید پھولڑہ سے چھوٹے اور سید عبدالرحمٰن سے بڑے۔ تاریخ ٹونک سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر بھی کہتے تھے اور حمیدی ان کا تخلص تھا۔ ابتدا ہی سے سید صاحب کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ سفر حج میں ساتھ رہے۔ سفر ہجرت میں بھی ساتھ تھے۔ وہی تھے جو مختلف منازل سے سفر کے حالات خطوط کی شکل میں اپنے عزیزوں کو بھیجتے رہے۔ یہ خطوط جن میں سے ایک کے سوا سب محفوظ ہیں، نہ صرف حالاتِ سفر کا بہترین مرقع ہیں بلکہ ان میں مقاماتِ سفر کی تمدنی، معاشرتی، اقتصادی اور جغرافیائی تفصیلات بھی نہایت عمدگی سے بیان کی گئی ہیں۔ جب سید صاحب پنجتار سے خبر تشریف لے گئے تو سید حمید الدین اور بعض دوسرے اصحاب کو کارِ خاص کی غرض سے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ سید حمید الدین نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں نے اپنی برادری کے آدمیوں کا ایک الگ رسالہ بنالیا ہے۔

سید صاحب کی زندگی میں یا ان کی شہادت کے بعد سید حمید الدین نے ٹونک میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ نواب وزیر الدولہ نے انہیں میر بخشی کے عہدے پر مامور کر دیا۔ نواب کی نظروں میں وہ اس درجہ معزز و معتمد تھے کہ حکمران خاندان کے بعض افراد نے سرکشی کے بعد فرمانبرداری اختیار کی تو سید حمید الدین ہی کی وساطت سے وہ دربار میں حاضر ہوئے۔ ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ (۱۱راکتوبر ۱۸۶۵ء) کو شام کے وقت ٹونک میں وفات پائی۔ بڑے ہی صالح، پرہیز گار اور باوقار تھے۔ ان کے دو فرزند تھے: سید محمد سعید اور سید عبدالمجید۔ یہ ٹونک میں مقیم رہے اور ان کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔

سید عبدالرحمٰن

یہ سید صاحب کے سب سے چھوٹے بھانجے تھے اور خاندان کے لوگ انہیں چھوٹے میاں کہتے تھے۔ قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ "سید احمد شہید" میں بتایا جا چکا ہے کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک موقع پر تہجد کے وقت اٹھ کر سورۂ روم کا ایک رکوع حفظ کر رہے تھے، سید صاحب نے رکوع سن لیا اور صبح کی نماز کے بعد بتایا کہ مراقبہ توجہ اللہ کا مضمون یہی ہے۔

سید صاحب معتمد الدولہ آغا میر کی دعوت پر لکھنؤ گئے تھے تو راستے میں سے سید عبدالرحمٰن کو پہلے بھیج دیا تھا کہ قندھاریوں کی چھاؤنی میں اپنا مکان صاف کرا کے فرش بچھا کر رکھیں، نیز کچھ چنے بھنوا لیں نمک مرچ اور گڑ بھی لے لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عبدالرحمٰن نے لکھنؤ کے کسی جیش میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

سندھ میں اقامت

سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی۔ ٹونک پہنچنے کے بعد انہیں رائے بریلی واپس بھیج دیا گیا تا کہ سید صاحب کے اہل وعیال کو لے کر آ ئیں۔ پھر اس دنیا میں سید صاحب سے ملاقات کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ سید عبدالرحمٰن پہلے خاندان کی مستورات کے ساتھ ٹونک پہنچے، پھر سندھ گئے اور سید صاحب کے انتظام کے مطابق پیرکوٹ میں سید صبغۃ اللہ شاہ کے پاس ٹھہر گئے، جن کے خاندان نے بعد میں پیر پگاڑو کے نام سے ہمہ گیر شہرت حاصل کی۔ سید صاحب چاہتے تھے کہ اہل وعیال اور دوسرے متعلقین کو اپنے ساتھ سرحد بلوا لیں، لیکن درانی سرداروں کی عداوت کے باعث راستے مخدوش ہو گئے تھے اور اہل وعیال کے محفوظ پہنچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اسی حالت میں سید صاحب نے بالاکوٹ میں شہادت پائی اور اہل وعیال کیلئے آگے جانے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔

سید عبدالرحمٰن نے تمام متعلقین کے ساتھ تقریباً دس سال سندھ ہی میں گزارے۔ جس زمانے میں مولوی سید نصیر الدین دہلوی احیائے تحریک جہاد کے ارادے سے ہجرت کر کے سندھ پہنچے تھے، سید عبدالرحمٰن وہیں موجود تھے، لیکن پیرکوٹ سے میرانِ سندھ کی ملاقات کیلئے حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ مولوی سید نصیر الدین کو بھی وہیں بلا لیا اور میروں سے ان کی ملاقات کرائی۔ بعد ازاں مولوی صاحب کی اعانت کیلئے اعلام ناموں پر دستخط

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر کے بھیجتے رہے۔ ایک اعلام نامے کے آخر میں اپنے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت لکھی:

"از نیاز مند درگاہ ایزدی عبدالرحمٰن بہ خدمات سامات محبان ودوستان مکتوب الیہم سلام برسد۔ مضمون واحد بود، لہٰذا علیحدہ ترقیم نسود، ضعیف را بہ ہر صورت دراہتمام ایں مہم دانند دوسع وامکان خود ہا صرف ایں عبادت عظمیٰ گردانند۔(۱)

ترجمہ: خدا کی درگاہ کے نیاز مند عبدالرحمٰن کی طرف سے ان محبوں اور دوستوں کو سلام پہنچے جن کے نام یہ اعلام نامہ بھیجا جا رہا ہے۔ مضمون واحد تھا، اس لیے علیحدہ نہ لکھا۔ میں بہر حال اس مہم کے اہتمام میں مشغول ہوں، آپ حضرات بھی اپنی ہر قوت وطاقت اس بڑی عبادت یعنی جہاد میں صرف کریں۔

بقیہ زندگی

تاریخ ٹونک سے معلوم ہوتا ہے کہ میر علی مراد خاں والیٔ خیر پور نے سید عبدالرحمٰن کو اپنے مصاحبوں میں شامل کر لیا تھا۔ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں نواب وزیر الدولہ نے انہیں دعوت دے کر اپنے پاس بلایا۔ چنانچہ وہ سید صاحب کے اہل وعیال اور دوسرے متعلقین کے ساتھ سندھ سے تشریف لائے۔ نواب نے انہیں قطب الامراء بہادر مظفر جنگ کا خطاب دے کر اپنے مشیروں اور مصاحبوں میں شامل کر لیا۔ نیز اپنی سپاہ کا خاص جرنیل مقرر کیا۔ باقی عمر انہوں نے اسی عہدے پر گزاری۔

ان کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی سید صاحب کے بڑے بھائی سید ابراہیم کی صاحبزادی سیدہ عاصمہ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ تھا، سید عبدالرزاق۔ یہ لاولد فوت ہو گیا۔ دوسری شادی مولوی سید حیدر علی دیوان ٹونک کی صاحبزادی نجم النساء بیگم سے ہوئی۔ ان کے بطن سے صرف دو لڑکیاں تھیں۔

(۱) اخبار مولوی نصیر الدین مخطوطہ ص: ۲۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید محمد یعقوب

یہ سید صاحب کے بڑے بھائی سید ابراہیم کے صاحبزادے تھے۔ ان سے سید صاحب کا دوہرا رشتہ تھا، ان کی والدہ سیدہ فاطمہ سید صاحب کی دوسری اہلیہ سیدہ ولیہ کی حقیقی بہن تھیں، اس لئے سید صاحب کو یہ بہت عزیز تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سب کے سامنے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے رسول برحق کی اطاعت میں عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے کسی کی خوشی، ناخوشی کو خاطر میں نہ لاؤں گا:

> ''اس وقت مجھے سب سے زیادہ محمد یعقوب عزیز ہے۔ دنیا کی چیزوں سے وہ جو چاہے لے لے، لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بجالانے میں اس کی بھی رعایت نہ کروں گا۔''

بقیہ زندگی

سید صاحب کے ساتھ حج کیلئے گئے۔ آپ کے ساتھ ہجرت کی، لیکن انہیں بھی سید عبدالرحمٰن کے ساتھ ٹونک سے واپس بھیج دیا تھا۔ پھر یہ مستورات کے ساتھ سندھ میں رہے۔ وہاں سے ٹونک واپس آئے۔ نواب وزیرالدولہ انہیں بڑا عہدہ دینا چاہتے تھے لیکن قبول نہ کیا۔ پچاس روپے وظیفہ لے لیا۔ اسی میں عمر گزار دی۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ احکامِ شرعیہ کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں فوت ہوئے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے: سید یوسف، سید ایوب اور سید ابراہیم۔ سید صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ ہاجرہ کی شادی سید یوسف سے ہوئی تھی۔ سیدہ ہاجرہ کا انتقال ۲ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ (۲ نومبر ۱۸۵۹ء) کو ہوا۔ سید یوسف نے ۷ صفر ۱۲۸۶ھ (۱۹ مئی ۱۸۶۹ء) کو بہ عارضۂ فالج تکیہ رائے بریلی میں وفات پائی۔ ان کی اور ان کے بھائیوں کی اولاد ٹونک میں موجود ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

مولانا محمد یوسف پھلتی

یہ غالباً شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے۔ نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ علم میں "بے مثل" اور عمل میں "بے بدل" تھے۔ (۱) سید صاحب راجپوتانہ سے دہلی پہنچے تو انہوں نے مولانا عبدالحئی اور مولانا شاہ اسمٰعیل سے پہلے سید صاحب سے بیعت کی اور ترقی مدارج میں وہ مقام حاصل کیا کہ ان دونوں بزرگوں کیلئے باعثِ رشک بنے رہے۔ ارادت اور خدمت گزاری میں کوئی ان کے برابر نہ پہنچ سکا۔ سید صاحب نے ذکر وفکر اور مراقبے کے بجائے بندوق، تلوار اور دوسرے ہتھیار چلانے کی مشق کا حکم دیا تا کہ جہاد کا سروسامان ہو سکے تو مولانا محمد یوسف نے ایسی مشق بہم پہنچائی کہ پے بہ پے بندوقیں چلاتے تھے اور ایک مرتبہ سر کر کے دوسری مرتبہ بھرنے اور سر کرنے میں تین بار پلک جھپکنے سے زیادہ دیر نہ لگتی تھی۔ (۲)

ابتدا ہی سے سید صاحب نے اپنے اور جماعت کے تمام انتظامی امور مولانا محمد یوسف کے حوالے کر دیے تھے۔ انہیں کے پاس روپیہ جمع ہوتا۔ وہی چیزیں خریدتے۔ انہیں کے پاس حساب کتاب رہتا۔ جب کام بڑھ گیا تو سید صاحب نے ان کی امداد کیلئے مقرر کر دیے۔ حافظ قرآن تھے۔ قضاء حوائج بشریہ کے سوا قرآن ہر وقت ان کی زبان پر جاری رہتا تھا۔ رمضان شریف میں روزانہ ایک مرتبہ قرآن شریف ضرور ختم کر لیتے۔ کچھ حصہ تراویح میں سناتے، باقی تہجد میں پڑھتے۔

(۱) وصایا حصہ دوم ص: ۶۰ (۲) وصایا حصہ دوم ص: ۶۰

شانِ اتقاء

سید صاحب نے ایک مرتبہ انہیں رائے بریلی سے مظفر نگر یا سہارنپور گھوڑا لانے کیلئے بھیجا جو کسی شخص نے بطور نذر پیش کیا تھا۔ یہ آئے، وطن راستے میں پڑتا تھا۔ عام مقامات کی طرح وہاں بھی صرف ایک رات ٹھہرے۔ اس سے زیادہ قیام نہ کیا۔ اس لئے کہ سید صاحب نے ایک خاص کام کیلئے بھیجا تھا اور اس سلسلے میں دوسرا کام گوارا نہ ہوا۔ عزیزوں نے ہر چند کہا کہ ایک آدھ دن کے زیادہ قیام میں مضائقہ نہیں۔ مولانا نے قبول نہ کیا۔ اس سے بھی حیرت انگیز تر امر یہ ہے کہ واپسی میں گھوڑا ساتھ تھا، تاہم ایک لمحے کیلئے بھی اس پر سوار نہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہ سید صاحب کا تھا اور ان کی کوئی چیز اذن واجازت کے بغیر اپنے مصرف میں لانا ان کی شانِ اتقا کے منافی تھا۔

علالت

جنگ شیدو کے بعد سید صاحب نے یونیر وسوات کا دورہ شروع کیا تو دوسرے رفقاء کی طرح مولانا محمد یوسف بھی ساتھ تھے۔ اسی سفر میں وہ بیمار ہوئے اور بیماری مسلسل بڑھتی رہی۔ غالباً ضیق النفس کا عارضہ تھا۔ شدید علالت کے باوجود نہ یہ سید صاحب سے مفارقت پر راضی تھے اور نہ سید صاحب کو یہ پسند تھا کہ انہیں کسی مقام پر چھوڑ جائیں۔ دورے کے سلسلے میں سید گل بادشاہ پشاوری نے ایک جھپان سید صاحب کی سواری کے لیے بھیج دیا تھا، آپ نے مولانا محمد یوسف کو اس میں سوار کرا کے ساتھ لے لیا۔ اوچ سے نکلے ہوئے تیسرا دن تھا کہ ایک گاؤں کے لوگوں نے آپ کو روک لیا اور عرض کیا کہ پاس کے گاؤں والوں سے ہماری کش مکش چلی آرہی ہے، آپ صلح کرا دیں۔ سید صاحب وہاں مسجد میں ٹھہر گئے اور گاؤں والوں کو بلا کر صلح کیلئے بات چیت شروع کر دی۔ زیادہ تر ساتھی قریب کے ایک بڑے گاؤں میں چلے گئے۔ سید صاحب مسجد ہی میں تھے کہ میاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دین محمد نے حاضر ہو کر عرض کیا: مولوی محمد یوسف کو بڑی تکلیف ہے۔ سید صاحب نے فرمایا، بارگاہِ الٰہی میں دعاء کیجیے اور ان کی خدمت میں حاضر رہیے۔

علاج

مجمع میں پاس کے گاؤں کا بھی آدمی تھا۔ وہ بولا کہ ہمارے ہاں تین آدمی طبابت کرتے ہیں، مولوی صاحب کو ان کے پاس بھیج دیجیے۔ سید صاحب نے فرمایا: تندرستی اور بیماری اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لوگوں نے علاج کی ضرورت پر زیادہ زور دیا تو سید صاحب نے اجازت دے دی، چار آدمی مولانا محمد یوسف کی چارپائی اٹھا کر پاس کے گاؤں میں لے گئے۔ میاں عبدالقیوم بھی ساتھ تھے۔

وفات

راویوں کا بیان ہے کہ گاؤں پہنچ کر بیماری شدید صورت اختیار کر گئی۔ مولانا نے اس حالت میں کہا کہ میرا دل نان پیاز کھانے کو چاہتا ہے اور تھوڑا سا وہی بھی لاؤ۔ تیمارداروں نے عرض کیا کہ کھچڑی تیار ہے، وہی کھانی چاہیے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تو صرف نان پیاز کھاؤں گا۔

غرض اسی گاؤں میں طبیعت اس درجہ بگڑ گئی کہ بظاہر جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ اس حالت میں مولانا نے کہا: جس طور بھی ممکن ہو، مجھے جلد سے جلد حضرت کی خدمت میں پہنچاؤ تاکہ جان دینے سے پہلے ان کی زیارت کا شرف حاصل کرسکوں۔ چارپائی اٹھانے والوں کی تلاش شروع ہوئی، وہ جلد نہ مل سکے اس لئے کہ فصل کے دور کا موسم تھا۔ لوگ کھیتوں میں مصروف تھے۔ دیر ہوگئی تو مولانا نے فرمایا، مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ سہارا دے کر بٹھا دیا گیا۔ اسی حالت میں اس پاک نفس مجاہد کی روح عالم علوی میں پہنچ گئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ولی اللہ

سید رستم علی چلگانوی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ دردناک خبر سید صاحب کے پاس لائے۔ آپ اس وقت تک مسجد میں تشریف فرما تھے۔ سنتے ہی کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا:

سید دنیا بڑی سخت جگہ ہے، جو یہاں سے ثابت قدم گیا وہی خوش نصیب ہے۔

یہ اشارہ تھا کہ مولانا محمد یوسف اس دنیا سے ثابت قدم گئے۔ سید صاحب دیر تک مولانا کے اوصاف بیان فرماتے رہے۔ اہل پھلت میں سے شیخ ضیاء الدین، شیخ صلاح الدین، شیخ عبدالحکیم، شیخ ناصر الدین اور حافظ عبدالرحمٰن کو میت لانے کیلئے بھیج دیا۔ اہل سرحد مردوں کو عموماً ان قبرستانوں میں دفن کرنا افضل سمجھتے تھے، جہاں کسی مشہور بزرگ کی قبر ہوتی۔ جس گاؤں میں مولانا فوت ہوئے، وہاں بھی ایک بزرگ دفن تھے، اس لئے اہل دہ نے عرض کیا کہ مولانا کو یہیں دفن کرنے کی اجازت دیجیے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب خود ولی اللہ تھے، ان کی میت یہاں لے آیئے۔

لشکر اسلام کے قطب

قاضی احمد اللہ میرٹھی نے غسل و کفن کا انتظام کیا۔ سید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر مولانا شاہ اسمٰعیل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"یوسف جی اس لشکر اسلام کے قطب تھے۔ آج لشکر قطب سے خالی ہو گیا۔ وہ بڑے قانع، زاہد، متوکل، مستقیم الحال اور مستقل مزاج تھے۔"

یہ الفاظ زبان پر جاری تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل نے اس مایہ ناز وجود کی میت لحد میں اتاری۔ مولانا کا انتقال ایک گاؤں میں ہوا جو اوچ اور بھانڈا کے درمیان تھا، نام معلوم نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کمال دیانت

نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ غلے اور دوسری چیزوں کی تقسیم مولانا محمد یوسف کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے ایک پیمانہ مقرر کر لیا تھا، سب کو اسی کے مطابق غلہ دیتے۔ سید صاحب بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ کبھی کبھی آپ مولانا سے مزاحاً فرماتے کہ مجھے زیادہ کیوں نہ دیا۔ مولانا ادب سے عرض کرتے، حکم ہو تو پوری جنس خدمت والا میں حاضر کر دیتا ہوں، مگر مجھے حضرت نے تقسیم کا حکم دے رکھا ہے، اس میں مساوات کو ترک نہیں کر سکتا۔

نواب موصوف ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سید صاحب عشاء کی نماز ادا کر کے مائل بہ استراحت تھے کہ پینے کیلئے پانی مانگا۔ مولانا یوسف کوزہ بھر کر لائے۔ اس اثناء میں سید صاحب کی آنکھ لگ گئی۔ مولانا کوزہ ہاتھ میں لیے چپ چاپ کھڑے رہے کہ جب بیدار ہوں گے، پانی پیش کروں گا۔ آخر شب سید صاحب بیدار ہوئے تو پانی حاضر کیا۔ رات بھر کھڑے رہ کر ارادت کا جو شاندار نمونہ پیش کیا تھا، سید صاحب نے اس کی تحسین فرمائی اور مولانا کیلئے دعا کی۔

''وصایا'' میں ایک جگہ مرقوم ہے کہ مولانا محمد یوسف اشرف رفقاء اور اکرم خدما سے تھے۔ امانت میں بے مثل اور دیانت میں بے بدل۔ (۱)

---

(۱) زیادہ تر حالات نواب وزیر الدولہ کے وصایا سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم ص ۲۲۳،۱۱۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

سید ابو محمد اور سید ابو الحسن

سید ابو محمد نصیر آبادی سید صاحب کی زوجہ اولیٰ بی بی زہرہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بڑے خوب صورت اور خوش رو جوان تھے۔ لباس بھی بہت عمدہ پہنتے تھے۔ برسوں لکھنؤ میں ملازم رہے۔ اہل اللہ کیدان میں بٹالین میں جمعدار تھے۔ سپہ گری کے علاوہ مختلف فنون میں طاق تھے۔ گھوڑے کی سواری میں مہارت تامہ حاصل تھی، کھانا بہت اچھا پکاتے تھے۔ آئینہ سامنے رکھ کر اپنا خط خود بنا لیتے۔ کپڑے قطع کرنے اور سینے میں بھی کمال حاصل تھا۔ ہمیشہ پرتکلف لباس پہنتے تھے، اس لئے ہر مجمع میں ممتاز ہوتے۔ سید صاحب سے ملنے کیلئے تکیہ شریف میں آتے تو لوگ ان کا پرتکلف لباس دیکھ کر پوچھتے، حضرت! یہ کون ہیں؟ سید صاحب جواب دیتے، یہ ہمارے بھائی ہیں۔ عادت شریف کے مطابق انہیں ٹوکنے میں عجلت کبھی نہ کی۔ گویا اصلاح اخلاق و عادات کے ایک حاذق طبیب کی طرح معلوم تھا کہ سید ابو محمد کی طبیعت کس نہج پر چل رہی ہے اور وہ کہاں پہنچ کر اصلاح کی تمام منزلیں طے کر لے گی۔

ہجرت

سید صاحب نے ہجرت میں قدم رکھا تو دوسرے عزیزوں کی طرح یہ بھی رخصتی ملاقات کیلئے تکیہ شریف پہنچے اور رائے بریلی سے دلمؤ تک ساتھ گئے۔ لوگوں نے پوچھا، سید ابو محمد! کیا آپ بھی جہاد کیلئے جا رہے ہیں؟ جواب دیا نہیں، ہم تو صرف میاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب (۱) کو چھوڑنے آئے ہیں۔ دلموَ سے ایک دو منزل آگے چل کر پوچھا تو پھر یہی جواب دیا۔ ٹونک میں یہ سوال دہرایا گیا تو فرمایا: اجمیر قریب ہے، خیال ہے کہ اسے بھی دیکھتے چلیں۔ اجمیر سے بھی واپس نہ ہوئے تو سب پر آشکارا ہوا کہ گھر سے معیت کا پختہ ارادہ کر کے آئے تھے۔

بیعتِ رضا

مختلف جنگوں میں شریک رہے۔ سرحد پہنچنے کے بعد تمام تکلفات چھوڑ دیے تھے۔ بالکل معمولی لباس پہنتے اور مجاہدین میں جو رسد تقسیم ہوتی اسی پر قناعت کرتے۔ جنگ مایار کیلئے تورو سے روانہ ہونے لگے تو گھوڑا اتمان پر چھوڑ کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

> "میاں صاحب! جس روز سے میں آپ کے ساتھ گھر سے نکلا ہوں، یہی سمجھتا رہا کہ آپ میرے عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ آپ کو عروج ہوگا تو میرے لیے بھی ترقی اور بہبود کی صورت نکلے گی، نہ میری معیت خدا کے واسطے تھی، نہ ثواب جان کر کسی لڑائی میں شامل ہوا۔ اب اس فاسد خیال سے توبہ کرتا ہوں۔ اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ رضائے باری تعالیٰ کے لیے جہاد کی بیعت لیں اور دعاء کریں کہ خدا اس نیت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے۔

عزمِ جنگ

سید صاحب نے بیعت لی اور دعاء کی۔ موقع کی نزاکت اور سید ابو محمد کی شانِ اخلاص دیکھ کر حاضرین کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ دعاء کے بعد ابو محمد نے سید صاحب سے مصافحہ کیا۔ پلٹ کر گھوڑے کی طرف چلے تو ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ

(۱) خاندان کے تمام لوگ سید صاحب کو میاں صاحب ہی کہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہے تھے۔ بسم اللہ کہہ کر دایاں پاؤں رکاب میں رکھا سوار ہوتے ہی پکار کر کہا:

"بھائیو! گواہ رہنا، اب تک ہم شان وشوکت اور خواہش نفس کیلئے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ خدا کا اس میں کچھ واسطہ نہ تھا۔ اب ہم محض خدا کی خوشنودی اور رضامندی کیلئے بہ نیت جہاد سوار ہوتے ہیں۔"

شہادت

یہ بھی سواروں میں شامل تھے۔ چھیدا ان کے گھر کا آدمی تھا، اس کا بیان ہے کہ جب درانیوں نے ہمارے سواروں پر یورش کی اور غازی پیچھے ہٹے تو سید ابو محمد بھی ان میں شامل تھے۔ وہ کچھ دور جا چکے تھے کہ میں درانی سواروں میں گھر گیا۔ گھبرا کر انہیں مدد کے لئے آواز دی۔ میری آواز سنتے ہی باگ موڑی اور آ کر درانی سواروں سے لڑنے لگے۔ میں موقع پا کر نکل گیا۔ وہ لڑتے رہے، میں نے دور سے دیکھا کہ انہوں نے دو درانی سواروں کو مار گرایا۔ پھر خود بھی زخم کھا کر گھوڑے سے گر گئے۔

قاضی گل احمد الدین پٹھوداری شیوہ سے تورو جا رہے تھے۔ مایار میں توپوں کی آواز سنی تو چاہا کہ جنگ میں شریک ہوں۔ میدان میں پہنچے تو درانی شکست کھا کر جا چکے تھے اور مولوی مظہر علی کو شہدا کی لاشیں اور مجروحین اٹھوانے کا حکم ہو چکا تھا۔ سید صاحب نے قاضی گل کو بھی اسی کام پر مامور کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے ایک جگہ سید ابو محمد کو زخمی پڑے ہوئے دیکھا۔ زخم ایسے کاری تھے کہ ان کے ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا: سید ابو محمد! حضرت امیر المومنین کو فتح حاصل ہوئی۔ وہ ہونٹ چاٹ رہے تھے اور آہستہ آہستہ الحمد للہ الحمد للہ کہہ رہے تھے۔ مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے ساتھیوں کو آواز دی کہ انہیں اٹھاؤ۔ کمبل میں رکھ کر اٹھایا۔ کچھ دیر بعد جاں بحق ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اخلاق و عادات اور کمالات

سید ابو محمد کے متعلق ایک خاص ذریعے سے مزید معلومات حاصل ہوئیں جو ذیل میں درج ہیں:

"آنکھ، ناک، رنگ، روپ میں بہت خوب صورت تھے۔ گھوڑا پھیرنے میں انہیں خاص کمال حاصل تھا۔ اکثر میخ زمین میں گاڑ لیتے۔ اس پر کوڑی رکھ دیتے۔ گھوڑا تیز دوڑاتے ہوئے انگی سے کوڑی اڑا دیتے اور میخ بدستور گڑی رہتی۔ کیا امکان کہ انگی میخ میں لگے۔ اپنے گھوڑے کی مالش خود کرتے۔"

اہل اللہ کمیدان ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ خاص کام انہیں سے لیتے۔ تبوں نے ایک نہایت نفیس درباری لباس تیار کرا رکھا تھا، جسے وقتاً فوقتاً پہنتے۔ لوگ سمجھتے کہ سو ڈیڑھ سو سے کم کے ملازم نہ ہوں گے۔ عام لباس یہ تھا: سر پر پگڑی، چست انگرکھا، غرارہ دار پاجامہ۔ پندرہ بیس وضع کی پگڑی باندھ سکتے تھے۔ اپنا خط خود بناتے۔ تھوڑی پر سے داڑھی کتر کر صاف کرتے۔ نہ کبھی حقہ پیا، نہ کوئی نشہ استعمال کیا۔ نہ کبھی کسی نامحرم عورت کی طرف نگاہ اٹھائی۔ نہ منہیات شرعیہ کے نزدیک گئے۔ کسی کے ہاتھ کا کھانا پسند نہ تھا۔ خود کھانا پکانے کے ماہر استاد تھے۔ اپنا کپڑا خود قطع کرتے۔ لحاف، رضائی، مرزئی میں روئی ایسی عمدگی سے بھرتے کہ ندافوں کی عقل دنگ رہ جاتی۔ مزاج میں لطافت و نفاست بہت زیادہ تھی۔

جذبۂ خدمت

سید صاحب کی معیت اختیار کر لینے کے بعد یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ غریب امیر، اپنے بیگانے، کسی کی تیمارداری یا خدمت گزاری میں نہ ننگ و عار تھی اور نہ کراہت و کاہلی کے روادار ہوتے۔ اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے، اپنے ہاتھ سے بول و براز اٹھاتے۔ بڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوش اخلاق اور بے شر انسان تھے۔ کبھی کسی سے جھگڑا نہ کیا، بے ضرورت کبھی کہیں نہ گئے۔

سید ابوالحسن

سید ابوالحسن بھی نصیر آباد ہی کے تھے۔ جماعت میں انہیں عموماً دادا ابوالحسن کہا جاتا تھا۔ یہ بھی پہلے اہل اللہ کی بٹالین میں جمعدار تھے۔ سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی لیکن اجمیر تک کسی کو خبر نہ ہونے دی کہ ہجرت کا پختہ ارادہ کر کے نکلے ہیں۔ یہ جماعتِ خاص کے علمدار تھے۔ نشان صبغۃ اللہ انہیں کے پاس رہتا تھا۔ جنگِ بالاکوٹ میں سید صاحب مسجد بالا سے نکلے تھے تو دادا ابوالحسن اپنے نشان کے ساتھ آگے آگے تھے۔ مسجد زیریں سے نکل کر سید صاحب نے سکھوں پر حملہ کیا تھا تو تھوڑی دور چل کر ایک جگہ توقف فرمایا تھا۔ دادا ابوالحسن اس وقت بھی ساتھ تھے۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ میدانِ جنگ کے کس حصے میں اور کس حال میں شہادت پائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ بالاکوٹ ہی میں شہید ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

قاضی محمد حبان

قاضی سید محمد حبان کا تراغو ربند (سرحد آزاد) کے باشندے تھے۔ بہت بڑے عالم، ذکی الطبع، غیور اور خوش تقریر تھے۔ منظورہ میں ہے:

"مرد شجیع وا ورع صاحب علم ونافع فہم کامل وطبع تیز"

ترجمہ: حد درجہ شجاع و متقی ان کا علم نفع بخش تھا، فہم کامل اور طبیعت تیز۔

غالباً ہندوستان میں رہ کر علم حاصل کیا اور کچھ مدت کلکتہ کے کسی مدرسے میں مدرس بھی رہے۔ سید صاحب خبر میں تھے، جب یہ ملاقات کیلئے آئے۔ سید صاحب سے عرض کیا کہ میں آسودہ حال ہوں۔ روپیہ پیسہ خدا نے دے رکھا ہے۔ کسی دنیوی چیز کی احتیاج نہیں۔ صرف خدا کیلئے آیا ہوں۔ دل پر اثر ہوگا تو بیعت کروں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بیعت کیجیے، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ بیعت و مراقبہ کے بعد قاضی صاحب نے کہا کہ میں اندھا تھا، آنکھیں کھل گئیں۔ کافر تھا، مسلمان ہوگیا۔ سید صاحب نے فرمایا: یوں نہ کہیے۔ یہ کہیے کہ پہلے ہی سے مسلمان تھا، اب ایمان ترقی کر گیا۔

قاضی القضاۃ

اس وقت سے قاضی صاحب نے وابستگی اختیار کی، پھر آخری دم تک سید صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ سادات ستھانہ اور ارباب بہرام خاں تہکالی کے سوا سرحد کے کسی شخص کو سید صاحب کی معیت میں عظمت و رفعت کا وہ مقام نصیب نہ ہوا جس پر قاضی حبان فائز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہے۔ بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب نے انہیں قاضی القضاۃ مقرر فرما دیا تھا۔ چنانچہ خود ایک مکتوب میں جو بیعت مذکورہ ہو جانے کے بعد لکھا گیا تھا، فرمایا:

''دریں مجمع یک فاضل جلیل متدین را منصب قضا سپردہ شد و دستار قضا برسر او بستہ شد و منشور قضا بہ او دادہ شد۔''(۱)

ترجمہ: اسی مجمع (مجمع برائے اقامت شریعت) میں ایک بلند مرتبہ عالم اور دیندار کو منصب قضا سونپ دیا گیا۔ دستار قضا اس کے سر پر باندھ دی گئی اور قضا کا فرمان اس کے حوالے کر دیا گیا۔

صلح و جنگ اور اصلاح و ارشاد کے سلسلے میں مختلف تدبیروں پر غور و خوض کیلئے جتنی مجلسیں منعقد ہوئیں، ان سب میں سید حبان شریک ہوتے تھے۔ چوں کہ وہ مقامی آدمی تھے اور اپنے ہاں کے حالات کو بہتر سمجھتے تھے، اس لئے ان کے مشورے بہت مفید و کار آمد سمجھے جاتے تھے۔ سردار پایندہ خاں تنولی کی ضد کے باعث جنگ کی نوبت آئی اور وہ شکست کھا کر دریا کے پار چلا گیا تو قاضی حبان ہی کی کوشش سے صلح ہوئی تھی۔ قاضی صاحب نے پایندہ خاں سے ملاقات کے بعد ایسی بے باکانہ گفتگو کی کہ خان کیلئے فوراً صلح کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

ایک لطیفہ

قاضی صاحب فصلِ خصومات کیلئے علاقے کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ سرحدی لوگ دریا میں ننگے نہانے کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں بہت منع کیا، لیکن حسب دلخواہ اثر نہ ہوا۔ مجبوراً حکم دے دیا گیا کہ جو شخص نہاتا ہوا پکڑا جائے، اسے جرمانے کی سزا دی جائے۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب دورہ کرتے ہوئے کھبل پہنچے۔ وہاں ایک شخص نے تواضعاً قاضی صاحب کو تازہ مچھلی کھلائی۔ اتفاق سے دوسرے یا تیسرے روز وہ ننگا نہاتا ہوا پکڑا گیا۔

(۱) رائے بریلی والے خطوط کا مجموعہ ص:۲۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقدمہ قاضی صاحب کے روبرو پیش ہوا۔ جرم ثابت ہو گیا اور قاضی صاحب نے حسب ضابطہ آٹھ آنے جرمانہ کر دیا۔ اس نے جوش اور غصے کے عالم میں کہا کہ قاضی صاحب جرمانہ تو کر دیا لیکن مچھلی معاف نہ کروں گا۔ قاضی صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ مچھلی ہضم ہو چکی۔ اب تمہاری معافی کی احتیاج نہیں، جو ضابطہ جاری ہے، وہ ٹل نہیں سکتا۔

اہل رسوم کا معاملہ

ایک مرتبہ قاضی صاحب نے وعظ فرمایا کہ جو اہل رسوم خدا اور رسول کے احکام کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں، شریعت کا حکم سنایا جائے تو نہیں مانتے، وہ لوگ عملاً کافر ہیں، اس لئے کہ اپنی ریت کو خدا اور رسول کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں۔ قاضی صاحب کا ایک شاگرد اس پر سخت پابند ہو گیا۔ ایک روز اس نے کسی ملا سے گفتگو کرتے ہوئے یہی بات دہرائی تو اس نے کہا کہ قاضی حبان جھوٹ کہتا ہے۔ یہ بات قاضی صاحب تک پہنچی تو انہوں نے اس شخص کو بلا کر واقعہ دریافت کیا۔ وہ بولا میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ اہل رسوم کافر نہیں۔ پوچھا کس کتاب میں؟ جواب دیا "منیۃ المصلی" میں۔ قاضی صاحب یہ سنتے ہی جوش میں آگئے۔ اسے زمین پر گرا کر گھونسوں سے مارنے لگے کہ نامعقول! پڑھتا ہے منیۃ المصلی اور مسئلہ بیان کرتا ہے اہل رسوم کا؟ جن کتابوں میں اہل رسوم کے مسائل ہیں وہ تو تیرے استادوں نے بھی نہ پڑھی ہوں گی۔ توبہ کر اور کلمہ پڑھ ورنہ تجھے چھوڑنے کا نہیں۔ چنانچہ کلمہ پڑھوا کر چھوڑا۔

انتظامِ عشر

پائندہ خاں سے سید صاحب کی صلح ہو گئی تو قاضی حبان نے خود یہ تجویز پیش کی کہ پشاور کے میدانی علاقے کے لوگ خودسر ہو رہے ہیں، جنہوں نے بہ طیب خاطر ادائے عشر کا اقرار کیا تھا وہ بھی بے پروا نظر آتے ہیں۔ اگر کچھ لشکر میرے ہمراہ کر دیں تو وعظ و نصیحت سے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سارے علاقے کو پابندِ شریعت بنادوں۔ جو نہ مانیں ان سے بزور منواؤں۔ شرط یہ ہے کہ مجھے اس لشکر کا امیر بنا کر پورے اختیارات دے دیجیے۔ اس لئے کہ میں مقامی آدمی ہوں، اپنے ہم وطنوں کی طبیعت و مزاج کو خوب جانتا ہوں۔ ایسا آدمی یہاں اور کوئی نہیں۔ شاہ اسمٰعیل کو میرے ساتھ کر دیجیے تاکہ اگر مجھ سے نادانستہ کوئی فعل خدا اور رسول کی رضا کے خلاف سرزد ہونے لگے تو شاہ صاحب مجھے روک دیں۔ سید صاحب نے یہ رائے قبول فرمائی۔ تقریباً چھ سو سوار اور پیادے قاضی صاحب کے ہمراہ کر دیے۔ ان کے ساتھ نقارہ، شتری اور چھ زنبورکیں بھی تھیں۔ رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ یہ خدا اور رسول کا کام ہے، ایسا نہ ہو کہ اس میں نفس کی خواہش دخیل ہو جائے۔

قاضی صاحب نے پورے علاقے کا دورہ کیا اور ہر جگہ شرعی احکام نافذ کر دیے۔ کھلابٹ کے لوگوں نے مخالفت کا ارادہ کیا، لیکن قاضی صاحب ایسے انداز میں بستی پہنچ گئے کہ کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں جن مقامات کا ذکر آیا ہے، ان کے نام یہ ہیں: توپی، شیخ جانا، نواکلی، کھلابٹ، مرغز، ٹھنڈکوئی، کدا، پنج پیر، ہنڈ، زیدہ، شیوہ، چارگلئی، سدم، گھڑیالی، اسمٰعیلہ، امان زئی۔

مردان پر یورش

ہوتی اور مردان کے رئیس نے مخالفت کا فیصلہ کر لیا اور وہ اپنے بھائی کو نائب بنا کر خود پشاور چلا گیا تاکہ درانیوں سے مدد لے کر قاضی حبان کا مقابلہ کرے۔ قاضی صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو شاہ اسمٰعیل، رسالدار عبدالحمید خاں وغیرہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ سب نے رائے دی کہ پیچھے ہٹنا مناسب نہیں، مردان پر یورش کرنی چاہیے۔ جو کچھ پیش آئے گا، دیکھا جائے گا۔ قاضی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور قصبے پر یورش کا فیصلہ کر لیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہادت

انہوں نے جنگی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر اقدام کیا اور قصبہ قبضے میں آ گیا۔ صرف گڑھی میں تھوڑی سی فوج لڑتی رہی۔ قاضی صاحب نے گڑھی پر قبضہ جمانے کی تدبیر یہ سوچی کہ خانہ بہ خانہ ہوتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائیں۔ تھوڑے سے آدمی ان کے ساتھ تھے۔ پیش قدمی کرتے ہوئے ایک گلی سامنے آ گئی۔ گڑھی سے گولیاں بارش کی طرح آ رہی تھیں اور گلی سے گذر کر دوسرے مکان میں پہنچنا مشکل تھا، لیکن قاضی صاحب نے رکنا پسند نہ کیا۔ ان کے چار پانچ ساتھی سلامت نکل گئے۔ پھر ایک شخص کے گولی لگی وہ شہید ہو گیا۔ دوسرے ریلے میں بھی کچھ آدمی بچ نکلے، کچھ شہید ہو گئے۔ آخر قاضی صاحب خود چند آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ تمام ساتھی بچ گئے لیکن قاضی صاحب کے سر میں گولی لگی اور شہادت پائی۔

مدفن

گڑھی کی تسخیر تک یہ خبر مصلحتاً اخفا میں رکھی گئی۔ قاضی حبان علم وفضل، غیرت وحمیت دین اور زہد وتقویٰ میں سرحد کے یگانہ فرد تھے۔ اعلائے کلمۃ اللہ میں ان کی جرأت وبیبا کی بے مثل تھی۔ تمام غازیوں کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ پہنچا۔ سید صاحب بھی اس واقعے پر بہت متالم ہوئے۔ مولانا شاہ اسمٰعیل چاہتے تھے کہ انہیں مردان ہی میں دفن کر دیں، لیکن قاضی حبان کے بھائی راضی نہ ہوئے اور وہ اپنے قومی دستور کے مطابق میت کو چار پائی پر ڈال کر وطن لے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

مولوی خیر الدین شیر کوٹی

ان کے ابتدائی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نہ یہ پتا چل سکا کہ مولوی صاحب نے کب سید صاحب سے بیعت کی اور کس قافلے میں سرحد پہنچے۔ ان کا نام پہلے پہل اس فوج کے سلسلے میں مذکور ہے جو مولانا شاہ اسمٰعیل کی سرکردگی میں پکھلی (ہزارہ) بھیجی گئی تھی۔ ڈمگلہ پر شبخون میں یہ میاں محمد مقیم کے نائب و مشیر تھے۔ انہیں کے ایماء پر غازی سکھ لشکر گاہ سے باہر آئے تھے اور مولوی صاحب خود ایک چھوٹی سی جماعت کیساتھ اس وقت تک سکھوں کا مقابلہ کرتے رہے، جب تک غازیوں کا بڑا حصہ باہر نکل کر محفوظ مقام پر نہ پہنچ گیا۔

مختلف خدمات

سید صاحب خبر سے واپس ہوکر پنجتار میں مقیم ہوئے تو مولوی خیر الدین کا ڈیرہ فصیل سے باہر تھا۔ پھر سید صاحب کے حکم سے انہوں نے اور مولوی احمد اللہ ناگپوری نے قاسم خیل میں گولے ڈھالنے کا کارخانہ بنالیا تھا، جہاں ڈیڑھ سیر، تین سیر اور پانچ سیر کے گولے تیار ہوتے تھے۔ خادے خاں جنرل ونتورا کو صوبہ سرحد پر چڑھا لایا تھا اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ خود پنجتار پر حملہ کرے۔ پھر واپس ہوگیا اور سید صاحب کو لکھا کہ گفتگو کیلئے اپنا وکیل بھیج دیجئے۔ سید صاحب نے مولوی خیر الدین ہی کو بھیجا تھا۔ موصوف نے ونتورا کے تمام اعتراضات کا شافی جواب دیا۔ ونتورا تلخ ہوکر بولا، مولوی صاحب نے بھی اسی کا انداز اختیار کرلیا۔ آخر میں کہہ دیا، آپ کو اپنے لشکر پر ناز ہوگا، ہمارا بھروسا اللہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے۔اس کا لشکر سب سے زیادہ قوی ہے۔

سفارت

سید صاحب نے ایک مرتبہ پایندہ خاں کی طلب پر بھی کچھ آدمی گفتگو کیلئے بھیجے تھے ان میں بھی مولوی صاحب شامل تھے۔پھر سکھوں کی طرف سے پیغامِ مصالحت موصول ہونے پر مولوی صاحب موصوف اور حاجی بہادر شاہ خاں کو بھیجا تھا۔انہوں نے دوبارہ دنتورا اور ایلارڈ سے مفصل بات چیت کی۔

اس سلسلے میں علمی اور مذہبی مسئلے بھی زیر بحث آئے۔مولوی صاحب نے نہایت اچھے انداز میں مسائل کی توضیح فرمائی اور تاریخی حوالوں سے اپنے موقف کو درست ثابت کیا۔سکھ سرحدی رؤسا سے عموماً گھوڑے اور باز خراج میں وصول کیا کرتے تھے۔دنتورا نے حسنِ تدبیر سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ہم خلیفہ صاحب(۱) کو تحفہ بھیجتے ہیں،خلیفہ صاحب بھی ہمیں تحفہ بھیجیں۔مثلاً گھوڑا مرحمت فرمائیں۔مولوی صاحب نے فی الفور جواب دیا کہ گھوڑا تو کیا،ہم گدھا بھی نہیں دے سکتے۔فقیر عزیز الدین بھی اس موقع پر موجود تھے،انہوں نے بھی کہا کہ جرنیل صاحب کی تجویز مان لینے میں مضائقہ نہیں۔

مولوی صاحب نے جواب دیا:

> ''جو شخص ملک و جاگیر کا طلب گار ہو،اس کیلئے یہ چیز اچھی ہوگی،جس کی نیت اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے،اس کیلئے یہ بہت بری ہے۔دوسری نیکیوں کی طرح جہاد بھی فسادِ نیت سے باعث وبال بن جاتا ہے۔اس نیت میں ہم اور حضرت یکساں ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ ہم نے انہیں امام بنایا ہے اور امام کے بغیر جہاد ہو نہیں سکتا،لیکن جو شئے ثوابِ جہاد میں افساد کا باعث ہے،اس کے انکار

(۱) جماعت مجاہدین میں سید صاحب ''امیر المومنین'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔سکھ انہیں ''خلیفہ'' کہہ کر پکارتے تھے اور سرحدی باشندے عموماً ''سید بادشاہ'' کہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں ہم اور حضرت برابر ہیں۔"

مولوی صاحب کی واپسی پر سید صاحب نے جب یہ سنا کہ ہم گھوڑا کیا گدھا بھی نہ دیں گے تو خوش ہو کر فرمایا: اسی غرض سے میں نے آپ کو بھیجا تھا۔ دوسرے شخص سے ایسی صاف گوئی ممکن نہ تھی۔

چھتر بائی اور لوند خوڑ

فتح امب کے بعد مولوی صاحب کو چھتر بائی کی حکومت دے دی گئی تھی اور وہ غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ گڑھی میں رہتے تھے۔ سفارت کے سلسلے میں وہ پنجتار پہنچے۔ فتح پشاور کے بعد سید صاحب انہیں قاضی القضاۃ بنانا چاہتے تھے۔ مولوی صاحب نے معذرت کر دی۔ سید صاحب نے اصرار فرمایا تو عرض کیا: مجھے گنہگار نہ بنائیں۔ میں یہ خدمت قبول نہ کروں گا۔ عدالتی اور مالی کاموں میں اکثر لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ سید صاحب نے انہیں لوند خوڑ، کوشہ ننگ اور ڈاگئی کے انتظامات سونپ دیے۔ وہ قندھاری اور ہندوستانی غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ لوند خوڑ میں مقیم ہوئے۔

دانش و تدبر

سلطان محمد خاں اور بعض دوسرے خوانین کی سازش سے بکھرے ہوئے مجاہدین پر بے خبری میں حملے ہوئے اور وہ جا بجا شہید کر دیے گئے تو مولوی خیر الدین کو بھی اپنے ہاں دفاعی انتظامات کرنے پڑے۔ انہوں نے لوند خوڑ کے تمام خوانین کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں حضرت کے حکم سے جا رہا ہوں۔ اپنے میں سے ایک شخص کو میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ بڑے اطمینان سے روانہ ہوئے۔ ابتدا میں رخ پنجتار کی طرف تھا۔ پھر اس لئے بڑان غار پہنچ گئے کہ یوسف زئی علاقے میں سے صحیح سلامت گزر کر پنجتار پہنچنا ممکن نہ تھا اور خان بڑان غار کے اخلاص پر اعتماد تھا۔ کچھ مدت وہاں گزاری۔ پھر سید صاحب کے حکم سے راستے کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعض خوانین نے مہمان داری اور حفاظت کا ذمہ اٹھایا۔ یوں مولوی صاحب اپنے غازیوں کے ساتھ پنجتار پہنچے۔ مخالفت کی آگ اس طرح یکایک جابجا بھڑک اٹھی تھی کہ کسی غازی کا زندہ رہنا ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا تھا۔ مولوی صاحب لمبی مدت تک مرکز مجاہدین سے منقطع رہنے کے باوجود سلامت رہے، اس لئے جب وہ پنجتار آئے تو انہیں اور ان کی جماعت کے لوگوں کو "زندہ شہید" کا لقب ملا۔

ہجرتِ ثانیہ سے اختلاف

سید صاحب نے سلطان محمد خاں اور خوانین کی خوفناک سازش کے دردانگیز نتائج دیکھ کر پنجتار کو چھوڑ جانے کا فیصلہ کر لیا تو مختلف اصحاب نے اختلاف کیا تھا۔ ان میں ایک مولوی خیر الدین شیر کوٹی بھی تھے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ موجودہ مرکز چھوڑنا قرین مصلحت نہیں۔ کسی دوسرے علاقے میں جائیں گے تو پہلے یہی امر مشتبہ ہے کہ وہاں کے لوگ ہمارے قیام پر راضی ہوں گے۔ پھر انہیں وعظ و نصیحت سے قیامِ جہاد پر آمادہ کرنے میں عمر بسر ہو جائے گی۔ سید صاحب نے ترکِ پنجتار کے اسباب میں گردوپیش کی مخالفت کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ فتح خاں پنجتاری کے متعلق بھی تو اطمینان نہیں، جس کی زمین میں ہم بیٹھے ہیں۔ مولوی صاحب نے عرض کیا، فتح خاں یا اس کے پنجتار کے ہم محتاج نہیں۔ مجھے سدّم کا علاقہ مرحمت فرمائیں تو میں اس سے لشکر کا سروسامان کر لوں گا اور میدانی علاقے کے تمام مخالفوں کو راہِ راست پر لے آؤں گا۔ سید صاحب نے بعض قوی تر دلائل کی بناء پر یہ رائے قبول نہ فرمائی۔

تنخواہ دار سپاہ کی تجویز

بعض دوسرے اصحاب کی طرح مولوی خیر الدین کی بھی رائے تھی کہ رضاکارانہ جہاد پر انحصار کے بجائے سپاہی ملازم رکھے جائیں، کیوں کہ اس طرح بظاہر جہاد کے کامیاب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہونے کی امید نہیں۔ سید صاحب بوجوہ اس کے بھی خلاف تھے، کیوں کہ تنخواہ دار سپاہ کے لیے وسیع مصارف درکار تھے، جو بڑے علاقے پر قبضہ جمائے بغیر مہیا نہ ہو سکتے تھے۔ اوائل حال میں سید صاحب یہ طریقہ اختیار نہ کر سکتے تھے۔ نیز ان کی خواہش تھی کہ مسلمانوں میں دنیوی فوائد سے قطع نظر کرتے ہوئے جہاد کا جذبہ عام ہو جائے اور وہ رضا کارانہ تمام واجبات ادا کریں، جو شریعت کی طرف سے ان پر عائد ہیں۔

بھوگڑ منگ اور بالاکوٹ

سید صاحب پنجتار سے راج دواری پہنچے تو دوسرے امور کے علاوہ درہ بھوگڑ منگ کی حفاظت ضروری تھی، جہاں سے سکھ اندر آ کر مختلف وادیوں پر ترکتازیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے چار سو غازیوں کی ایک جماعت شاہ اسمٰعیل کی سرکردگی میں درے کی حفاظت کیلئے مامور کر دی۔ مولوی خیر الدین کو شاہ صاحب کا نائب بنایا۔ شاہ صاحب خود پچاس غازیوں کے ساتھ بچوں میں ٹھہر گئے جو درے سے چند میل شمال میں ہے۔ مولوی خیر الدین کو ساڑھے تین سو غازیوں کے ساتھ بھوگڑ منگ بھیج دیا۔ مولوی صاحب نے حفاظت کا انتظام اس اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دیا کہ سکھوں کو شنکیاری کی گڑھی سے جو درے کے باہر قریب ہی واقع ہے، نکلنے کا حوصلہ نہ رہا۔ درے کے اندر کی تمام بستیاں مطمئن ہو گئیں۔

سکھوں پر ہیبت

ایک روز قندھاریوں کی ایک مختصر سی جماعت درے سے باہر میدان میں نکل گئی۔ اتفاقیہ ان کی مڈبھیڑ سکھوں سے ہو گئی۔ سکھ اگرچہ غازیوں سے دوچند تھے لیکن رودررو مقابلے کا حوصلہ نہ ہوا اور وہ آس پاس کے ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ قندھاریوں نے احتیاطاً مولوی صاحب کو خبر بھی دی۔ عصر کا وقت تھا، مولوی صاحب فوراً تین چالیس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غازیوں کے ساتھ درے پر پہنچ گئے۔ اس اثناء میں سکھ چھپ چھپا کر گڑھی کے اندر چلے گئے۔ خوب اندھیرا ہو گیا تو مولوی صاحب واپس ہوئے۔

مظفر آباد

جب کشمیر کی طرف بڑھنے کا فیصلہ ہوا تو سید صاحب نے مختلف خوانین کی درخواست پر مولانا شاہ اسمٰعیل کو حکم دیا کہ آپ بالاکوٹ چلے جائیں۔ مولوی خیر الدین نے ۲۷ رشعبان ۱۲۴۶ھ (۱۰ رفروری ۱۸۳۱ء) کو ظہر کے وقت بھوگڑ منگ سے کوچ کیا اور پہاڑی راستے سے بالاکوٹ پہنچ گئے۔ دو روز بعد مولانا وارد ہوئے تو خوانین نے اصرار کیا کہ مظفر آباد لشکر بھیجا جائے۔ مولانا نے مولوی خیر الدین کو بھیجنا چاہا۔ انہوں نے معذرت کر دی اور عرض کیا کہ ان خوانین کا کچھ اعتبار نہیں، خدا جانے کہاں مصیبت میں الجھا کر الگ ہو جائیں، البتہ مظفر آباد کا خان زبردست خاں مجھے پانچ ہزار روپے نقد دے تو اپنے جیش کا ساز و سامان درست کر کے یہ خدمت انجام دوں گا۔ مولانا نے تین سو غازیوں کا لشکر تین آدمیوں کی مشترکہ سالاری میں بھیج دیا۔ سید صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو مولوی خیر الدین کو لکھا کہ آپ کا عذر معقول تھا، لیکن اب ضرور جانا چاہیے، اس لئے کہ جو لوگ گئے ہیں مبادا اُن کی ناواقفی کے باعث نقصان پہنچے اور کاروبارِ جہاد میں خلل پڑے۔ چنانچہ مولوی خیر الدین بھی دس آدمی لے کر مظفر آباد پہنچ گئے۔

عزمِ بالاکوٹ

مظفر آباد پہنچ کر مولوی صاحب نے زبردست خاں سے ضروری ساز و سامان کا مطالبہ کیا۔ اس اثناء میں غازیوں نے چھاؤنی پر قبضہ کر لیا اور صرف گڑھی سکھوں کے قبضے میں رہ گئی۔ زبردست خاں نے خفیہ سکھوں سے جوڑ توڑ شروع کر دیے اور کام کا بہترین وقت تذبذب میں ضائع کر دیا۔ اس اثناء میں مظفر آباد کی گڑھی کی سکھ فوج کیلئے بہت بڑی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کمک کی آمد کا حال معلوم ہوا۔ زبردست خاں یہ سنتے ہی ضروری سامان لے کر بھاگنے کیلئے تیار ہو گیا۔ مولوی صاحب کو بھی لوٹنا پڑا۔ وہ پہاڑوں کے بیچ میں سے روانہ ہوئے۔ راستہ بہت دشوار گزار تھا، اسی حالت میں مولوی صاحب کو سخت بخار آ گیا۔ ساتھ ہی خبر ملی کہ بالاکوٹ میں سید صاحب اور سکھ فوج کے درمیان جنگ ہونے والی ہے۔ ہر غازی چاہتا تھا کہ جلد سے جلد بالاکوٹ پہنچ جائے۔ مولوی صاحب چل نہ سکتے تھے۔ انہیں چارپائی پر لٹا کر چار آدمیوں نے اٹھالیا۔ لڑائی کی صبح کو وہ اس جگہ دریا کے مشرقی کنارے پر نمودار ہوئے، جہاں بالاکوٹ جانے آنے کیلئے پل بنا ہوا تھا۔ یہ پل ایک رات پہلے سید صاحب کے حکم سے توڑ دیا گیا تھا۔ غازی درہ کاغان کی طرف پلٹے کہ کسی گھاٹ سے دریا عبور کریں۔ جب وہ ان پہاڑوں پر پہنچے جو قصبہ بالاکوٹ کے شمال میں ہیں تو معلوم ہوا کہ جنگ ختم ہو گئی، بہت سے غازی شہادت پا گئے، جو باقی بچے وہ واپس جا رہے تھے۔

بھنکول میں قیام

مولوی صاحب باقی غازیوں کے ہمراہ ستھیاڑ پہنچے، جہاں سید صاحب کی اہلیہ اور بعض دوسری خواتین تھیں، بھنکول کے اخوند محمد ارم قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ میں نے سید صاحب کو زندہ دیکھا ہے۔ جس زمانے میں شیخ ولی محمد ایک جماعت کے ساتھ خونہ (سوات) چلے گئے تھے تاکہ سید صاحب کی اہلیہ کو سندھ بھیجنے کی کوئی تدبیر کریں، مولوی خیرالدین اور بعض دوسرے مجاہدین ستھیاڑ ہی میں رہے۔ پھر شیخ ولی محمد کو فتح خاں پنجتاری بہ اصرار اپنے ہاں لے گیا۔ کچھ مدت بعد شیخ موصوف نے مولوی خیرالدین اور دوسرے اصحاب کو بھی بلالیا۔ مولوی صاحب ستھیاڑ سے روانہ ہو گئے لیکن بھنکول پر پہنچ کر اخوند محمد ارم کے پاس ٹھہر گئے اور پنجتار جانے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ جہاں سے امیر المومنین نے ہجرت کی میں وہاں نہ جاؤں گا۔ دوسرے اخوند محمد ارم کے بیانات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ سید صاحب زندہ ہیں۔ تین تو مسلم ان کے ساتھ تھے: عبداللہ، عبدالکریم اور عبدالرحیم۔ بعد کے حالات معلوم نہ ہو سکے، نہ مولوی صاحب کا ذکر کسی سلسلے میں آیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن واپس آ گئے تھے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ مولوی صاحب کا علم و فضل، جنگ و تدبیر اور سیاست و ملک داری میں بہت بلند پایہ تھا۔ علم دین میں بھی ان کا رتبہ بہت اونچا تھا۔ راویوں نے لکھا ہے کہ بہت ہی متین، دوراندیش اور حلیم تھے۔

میں نے مولانا مظہر الدین شیر کوٹی مرحوم ایڈیٹر ''الامان'' کی زندگی میں مولوی خیر الدین کے خاندان کے حالات دریافت کرنے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا، لیکن افسوس کہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مولانا مظہر الدین کی وفات کے بعد تفحص و دریافت کا کوئی ذریعہ ہی باقی نہ رہا۔

مظفر آباد سے واپسی کا راستہ

مظفر آباد سے واپسی کا راستہ سید غلام حسن شاہ کاظمی کی تحقیق کے مطابق یہ تھا: مظفر آباد سے گجو سیداں اور کنڈا ہوتے ہوئے تور سیری، وہاں سے دریائے کشن گنگا کو عبور کر کے گھنڈی پیراں، پچر سچا اور کھوڑی، کھوڑی سے سید پور، پھر نور گلی جہاں سے بالاکوٹ دس گیارہ میل تھا۔ گڑھی حبیب اللہ خاں کا راستہ سہل تھا، جو اس لئے اختیار نہ کیا کہ ادھر سکھوں کا لشکر موجود تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

شیخ بلند بخت اور شیخ علی محمد

شیخ بلند بخت سردھنہ میں سید صاحب سے ملے تھے۔ جب آپ نے میرٹھ، مظفر نگر اور سہارنپور کا دورہ کیا تھا۔ یہ غالباً سردھنہ میں ملازم تھے۔ وہیں بیعت کی۔ بیعت کے بعد ہمہ تن تحریک جہاد کیلئے وقف ہو گئے اور مجاہدین کی جماعت میں شامل ہو کر سرحد پہنچے۔ اپنے اوصاف ومحاسن اور فنونِ سپہ گری میں مہارت کے باعث ابتدا ہی سے ممتاز اصحاب میں محسوب تھے۔ سید صاحب نے قیامِ خہر کے زمانے میں غازیوں سے قواعد اور چاند ماری کرانی شروع کی تھی تو مختلف جیشوں کو مختلف اصحاب کی تربیت میں دے دیا تھا۔ ان اصحاب میں سے ایک شیخ بلند بخت بھی تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہم کام بھی انہیں سونپے جاتے تھے، جس سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ جب اطلاع ملی کہ پائندہ خاں تنولی فرار کے اضطراب میں زنبورکیں چھوڑ گیا ہے اور انہیں لانے کیلئے ایک تجربہ کار آدمی کو بھیجنا ضروری ہو گیا تو یہ کام شیخ بلند بخت ہی کے حوالے ہوا۔ انہوں نے شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کو اس مہم پر بھیجنا چاہا تو سید جعفر علی نقوی نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔ کوہ کنیر ڑی کی جنگ میں بھی شریک تھے۔ امب کے محصورین نے جب حوالگی کا فیصلہ کیا تو ان سے گفتگو کیلئے بھی شیخ موصوف ہی کو بھیجا گیا تھا۔

صبر واستقامت

فتح امب کے بعد چھتر بائی کا محاصرہ طول پکڑ گیا اور اس غرض کیلئے توپوں کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضرورت پیش آئی تو سید صاحب نے شیخ موصوف ہی کو پچیس تیس غازیوں کے ساتھ پنجتار بھیجا تھا کہ وہاں سے یہ حفاظت توپیں لے آئیں۔ غیر حاضری میں ان کے چھوٹے بھائی شیخ علی محمد شہید ہو گئے۔ شیخ بلند بخت کو سفر مراجعت میں بمقام ستھانہ یہ غم انگیز خبر ملی تو اس پیکر صبر نے فرمایا: الحمد للہ ہمارا بھائی جو مراد لے کر آیا تھا وہ پوری ہو گئی۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب کرے۔

قلعہ دار امب

ہزارہ کی جانب پیش قدمی کا معاملہ التوا میں پڑ گیا تو سید صاحب شاہ اسمٰعیل کو امب میں چھوڑ کر خود پنجتار چلے آئے تھے اور آس پاس کے میدانی علاقے کا دورہ شروع کر دیا تھا۔ گڑھی امان زئی میں معلوم ہوا کہ سردار پشاور اور احمد خاں کمال زئی بہت بڑی فوج لے کر جنگ کیلئے آ رہے ہیں، سید صاحب گڑھی امان زئی سے تورو تشریف لے گئے اور مولانا کو بھی امب سے بلا لیا۔ شاہ صاحب نے محاذ امب کے تمام انتظامات شیخ بلند بخت کے حوالے کر دیے۔ ہجرت ثانیہ تک شیخ کا پورا وقت امب ہی میں گذرا اور وہ جنگ مایار یا فتح پشاور میں شریک نہ ہوئے۔

شانِ عزیمت

سلطان محمد خاں اور بعض دوسرے خوانین کی سازش سے مجاہدین میدانی علاقے کے مختلف دیہات میں شہید کیے جا چکے تو سید صاحب نے پنجتار کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت تک شیخ بلند بخت غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ امب ہی میں مقیم تھے اور ان کے ماتحت حافظ مصطفیٰ کاندھلوی کو چھتر بائی میں متعین کر دیا گیا تھا۔ مجاہدین کی دردناک شہادت نے مفسدوں کے حوصلے بہت بڑھا دیے تھے، اس لئے کہ انہیں یقین تھا، مجاہدین کو امداد نہ مل سکے گی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سردار پاینده خاں نے شیخ بلند بخت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو پیغام بھیجا کہ ہمارے تمام مقامات خالی کر دو، ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ شیخ کے پاس اگر چہ بہت کم غازی تھے، لیکن بے توقف جواب دیا: ہم امیر المومنین کے حکم کے بغیر ایک انچ زمین بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ جنگ کرنا چاہتے ہو تو شوق سے کر دیکھو۔

جب شیخ کو اطلاع ملی کہ پائندہ خاں کھبل بائی کے گھاٹ سے اپنا لشکر دریا کے غربی کنارے پر پہنچا رہا ہے اور وہ ضرور امب پر حملہ کرے گا تو انہوں نے غازیوں کو حکم دیدیا کہ بستی کے جو مکانات منہدم ہیں، ان میں سے لکڑیاں نکال کر گڑھی میں لے آؤ تاکہ لکڑی کیلئے باہر جانے کی ضرورت نہ رہے۔ دو توپیں گڑھی کے اس طرف گاڑ دیں، جدھر سے حملے کا خطرہ تھا۔ ایک توپ مشرق میں اور دوسری مغرب میں نصب کرادی۔ پائندہ خاں نے حملہ کیا، لیکن وہ مشرقی سمت کی خار بندی کے بیرونی حلقے میں ایک مرتبہ آگ لگانے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ بیس پچیس روز کی کش مکش کے بعد ناکام لوٹ گیا۔

نصب العین

ایک روز کر پلیاں کی جانب سے جو سکھوں کے زیر اقتدار تھا، آواز آئی کہ کسی معتبر آدمی کو دریا پر بھیجو، ایک ضروری پیغام پہنچانا ہے۔ شیخ بلند بخت نے الٰہی بخش رام پوری، حسن خاں ساکن زمانیہ اور ایک اور آدمی کو بھیجا۔ معلوم ہوا کہ سکھ سردار کی طرف سے ایک خط آیا ہے۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ غازی بہت بہادر، امانت دار اور نمک حلال ہیں۔ انہوں نے شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ گڑھی میں پائندہ خاں کا جو سامان ہے، وہ اسے دے دیا جائے اور غازی ہمارے پاس چلے آئیں۔ ہم انہیں عزت کی ملازمتیں دیں گے۔ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا:

> ''اپنے سردار سے کہہ دو کہ ہم امیر المومنین کے تابع فرمان ہیں۔ حضرت کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اپنے وطنوں سے اس لئے آئے ہیں کہ کافروں سے جنگ کریں، نہ ملک چاہتے ہیں نہ مال۔ ہمیں نوکری سے کیا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غرض۔ ہماری موت اور زندگی امیر المومنین کے ساتھ ہے۔ قادر ذوالجلال کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ پائندہ خاں اور اس کے لشکر کی کیا حقیقت ہے؟ اگر رنجیت سنگھ بھی اپنا لشکر لے کر آئے تو نہ ڈریں گے، ڈر خوفِ مرگ سے پیدا ہوتا ہے، ہم اپنی جانیں خدا کے راستے میں قربان کر چکے ہیں۔ پس ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہماری طرف سے کہہ دینا کہ پھر ہمیں ایسا پیغام نہ بھیجا جائے۔"

سید صاحب نے ہجرت ثانیہ کا فیصلہ کر لیا تو سید اکبر شاہ ستھانوی کو لکھا کہ ہمارے غازیوں کو سب اور چھتربائی سے نکال کر ہمارے پاس پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ سید اکبر شاہ نے دونوں گڑھیاں خالی کرائیں اور پورا مال واسباب نکال کر ستھانہ لے گئے۔ جب سے پائندہ خاں نے حملہ کیا تھا۔ غازیوں میں سے صرف ایک آدمی شہید ہوا اور تین آدمیوں کے خفیف زخم لگے۔ اس اثنا میں پائندہ خاں کے ساٹھ آدمی مقتول اور پینتالیس مجروح ہوئے۔

شہادت

شیخ بلند بخت نے عشرہ میں ٹھہر کر اپنے تمام غازیوں کو اکٹھا کیا، پھر بر ڈھیری (وادی پَھملہ) میں سیّد صاحب سے جا ملے۔ بعد کے حالات تفصیلاً معلوم نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ بالا کوٹ میں شہادت پائی۔ سیّد جعفر علی نقوی نے شہادت کی کیفیت یہ بتائی ہے کہ میدانِ جنگ میں پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھ سے تقریباً آٹھ قدم کے فاصلے پر ابراہیم خاں تھے۔ میں ان کی طرف جانے لگا تو دائیں جانب سے شیخ بلند بخت آتے ہوئے ملے مجھ سے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا، ابراہیم خاں کے پاس۔ وہ چپ چاپ بائیں طرف چلے گئے اور وہیں گولی کھا کر جامِ شہادت نوش کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب میدانِ جنگ میں سیّد صاحب کی گمشدگی کا آوازہ بلند ہوا اور فدائی ان کی تلاش میں سراسیمہ وار پھرنے لگے تو شیخ بلند بخت اپنی حفاظت سے بالکل بے پروا ہو کر تلاش میں نکل پڑے۔ اسی حالت میں گولی لگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ علی محمد

یہ شیخ بلند بخت کے حقیقی بھائی تھے۔ غالباً مجاہدین کے پہلے قافلے میں شریک نہ تھے، اس لئے کہ ابتدائی فہرست میں ان کا نام نظر نہیں آتا، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اپنے بھائی کی طرح بہت محتاط، دور اندیش اور ہمت ور تھے۔ چنانچہ سید صاحب نے جب سرداران پشاور کے آخری فیصلے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اور اس سلسلے میں خہر سے اوتمان زئی پر حملے کا منصوبہ تیار ہوگیا تو ایک جماعت درۂ خیبر کی سمت بھیجی گئی تھی تا کہ وہاں کے لوگوں کو اٹھا کر پشاور پر اقدام کیلئے آمادہ کردیا جائے۔ اس جماعت میں سید احمد علی، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، شیخ ولی محمد پھلتی وغیرہ اکابر کے علاوہ شیخ علی محمد بھی شریک تھے۔

عام خدمات

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ موصوف پشتو بے تکلف بولتے تھے۔ چنانچہ جب غازی زیدہ میں رات کے وقت یار محمد خاں درانی کے لشکر پر حملے کیلئے نکلے تھے اور راستے میں انھیں یار محمد خاں کے سوار مل گئے تھے تو ان کے تمام سوالات کا جواب پشتو میں شیخ علی محمد ہی نے دیا تھا۔ شیخ موصوف ان منتخب سواروں میں بھی شریک تھے، جنھیں مولانا شاہ اسمٰعیل نے سید صاحب اور پائندہ خاں کی ملاقات کے وقت مقامِ ملاقات سے قریب ایک خفیہ جگہ کھڑا کردیا تھا۔

شہادت

فتح امب کے بعد پائندہ خاں کا ایک لشکر چھتر بائی کی گڑھی میں محصور ہوگیا تھا جو امب سے تقریباً چھ میل شمال میں دریا کے کنارے واقع تھی۔ غازیوں نے گڑھی کا محاصرہ کرلیا تھا، لیکن توپوں کے بغیر اس کی تسخیر مشکل نظر آتی تھی۔ مولانا شاہ اسمٰعیل محاصر فوج

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے سالار تھے۔ انھوں نے گڑھی کی دیواروں پر چڑھنے کیلئے سیڑھیاں بنوائی تھیں اور دریا کی سمت چھوڑ کر گڑھی کے ارد گرد اپنے مختلف جیش مورچوں میں بٹھا دیے تھے۔ توپیں لانے کیلئے آدمی پنجتار چلے گئے تھے۔ ان کے انتظار میں حملہ ملتوی ہو چکا تھا۔ اس اثناء میں حافظ عبداللطیف کو خدا جانے کیا سوجھی کہ مولانا کو اطلاع دیے بغیر بطور خود مورچوں میں پھر پھر کر غازیوں سے کہہ دیا، عصر کے بعد گڑھی پر حملہ ہوگا۔ انھیں غالباً خیال تھا کہ ایک مجاہدانہ اقدام سے گڑھی فتح ہو سکتی ہے اور توپوں کے انتظار میں معطل بیٹھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

غازیوں نے سمجھا کہ پیغام خود مولانا شاہ اسمٰعیل نے دیا ہوگا۔ چنانچہ وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اچانک گڑھی پر حملہ آور ہوئے۔ حافظ عبداللطیف خود تکبیر کہتے ہوئے سب سے آگے تھے۔ حملہ آور کانٹوں اور خار بندیوں سے گذرتے ہوئے گڑھی کی دیواروں کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت سیڑھیوں کی ضرورت پڑی جو مولانا کے خیمے میں تھیں۔ سیڑھیاں مانگی گئیں تو مولانا حیران کہ حملہ کس کے حکم سے ہوا۔ موقع بحث کا نہ تھا۔ مولانا نے سیڑھیاں دے دیں انھیں دیواروں سے لگایا گیا تو چھوٹی نکلیں اور غازی اوپر نہ پہنچ سکے۔ تاریکی پھیلی تو سب کو مورچوں میں واپس ہونا پڑا۔ اس یورش میں جو چند غازی شہید ہوئے، ان میں سے ایک شیخ علی محمد تھے۔

للٰہیت

شیخ بلند بخت اس وقت توپیں لانے پنجتار گئے ہوئے تھے۔ واپسی میں ستھانہ پہنچ کر بھائی کی شہادت کی خبر ملی۔ اب پہنچے تو سید صاحب نے حسب معمول محبت سے پاس بٹھایا۔ کچھ دیر خاموش رہے، پھر شہید کی تعزیت کرتے ہوئے تسلی دی:

آپ کے بھائی جو مراد لے کر اللہ کے راستے میں نکلے تھے، وہ پوری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوئی۔ ہم سب کو اللہ اپنی رضامندی کی راہ میں صرف کر دے اور ہم سب سے راضی ہو۔ ہم سب بھائیوں کی یہی مراد ہے۔

بھائی کسے عزیز نہیں ہوتا، پھر ایسا بھائی جو دنیا میں خیر و سعادت کا قابل فخر پیکر تھا، وطن سے دوری عزیزوں سے علیحدگی اور اقربا سے مفارقت کی حالت میں موت آئی۔ ہم لوگوں نے زندگی کے جو تصورات قائم کر رکھے ہیں، شیخ بلند بخت ان سے فارغ نہ تھے۔ انھیں بھی ہر رشتہ ویسا ہی عزیز تھا، جیسا ہمیں عزیز ہے، لیکن ایک بلند تر جذبے اور رفیع تر نصب العین نے ان کی تمام محبتوں اور علاقہ مندیوں کو دوسرے ہی سانچے میں ڈھال دیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

مولوی مظہر علی عظیم آبادی

یہ غالباً اسی زمانے میں سید صاحب سے بیعت کر چکے تھے جب آپ کی دعوتِ اصلاح کا شہرہ ہوا تھا۔ سفر حج کے سلسلے میں سید صاحب عظیم آباد پہنچے تو اس حیثیت میں مولوی مظہر علی کے مکان پر گئے، گویا ان سے دیرینہ مراسم تھے۔ نیز اس موقع پر روایات میں مولوی صاحب کے اہل و عیال اور اہل محلہ کی بیعت کا ذکر ہے۔ خود مولوی صاحب کی بیعت کا ذکر نہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مولوی صاحب سفر حج سے پیشتر بیعت کر چکے تھے۔ موصوف نسباً سید تھے اور لودھی کڑہ میں رہتے تھے۔

دعوت وارشاد

اونچے درجے کے عالم ہونے کے علاوہ مولوی صاحب بڑے غیور شخص تھے۔ بیعت کے ساتھ ہی دعوتِ اصلاح شروع کر دی۔ بعض اوقات جوش کے عالم میں منکر چیزوں کو بزور مٹا دینے پر بھی آمادہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر تعزیے کو نقصان پہنچایا، اس بناء پر مولوی صاحب کے خلاف مقدمہ قائم ہو گیا۔ ایک شخص نے ضمانت دیکر انہیں گرفتاری سے بچایا۔ مولوی صاحب ضمانت پر رہا ہوتے ہی وطن چھوڑ کر گورکھپور جا پہنچے۔ وہاں بھی دعوتِ اصلاح جاری رکھی۔ چنانچہ مولوی جعفر علی نقوی نے اپنے والد ماجد سید قطب کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولوی مظہر علی کے وعظ وارشاد سے اکثر لوگوں نے ہدایت پائی۔ ایک مسلمان زمیندار نے دو سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح کر رکھا تھا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید قطب علی نے بار بار اسے منع کیا، شرعی مسئلہ بتایا، لیکن وہ جواب دیتا کہ ہماری برادری میں یہ دستور پہلے سے چلا آرہا ہے، ہم کیوں چھوڑیں؟ سید قطب علی نے مجبور ہو کر اس سے سلام کلام بند کر دیا۔ مولوی مظہر علی ان اطراف میں پہنچے اور انہوں نے تلقین کی تو اس نے معاً ایک بیوی کو طلاق دے دی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے بیان میں خدا نے خاص تاثیر ودیعت کر دی تھی۔

تعلیم عزیمت

اسی زمانے میں سید صاحب سے ملنے کیلئے رائے بریلی پہنچے کہ آپ نے فرار کے حالات سنے تو بہت ناراض ہوئے۔ پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا، حالاں کہ آپ نے سخت غلطی کی۔ خود بچ کر نکل آئے اور ایک نیک دل مسلمان (ضامن) کو پھنسا دیا۔ آپ میں نتائج کی برداشت کا حوصلہ نہ تھا تو اصلاح شروع کیوں کی تھی؟ آپ کی تو بیعت بھی قائم نہیں رہی۔ نئے سرے سے بیعت کیجئے، وطن جائیے اور جو کچھ پیش آئے اسے صبر سے برداشت کیجئے۔

مولوی صاحب نے بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کی، لیکن خدا کی رحمت دیکھیے کہ ان کے جاتے ہی مقدمہ ختم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب اپنے تمام خلفاء اور داعیوں سے شانِ عزیمت کے متقاضی تھے۔ اس کے بغیر اصلاح کا کام پورا نہ ہو سکتا تھا۔ مولوی مظہر علی پر ناراض ہونے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ مقامِ عزیمت میں ثابت قدم نہ رہے اور مقدمہ قائم ہوتے ہی بچ کر نکل گئے۔

قافلہ مجاہدین

سید صاحب کی طرف سے بلاوے کے خطوط پہنچے تو مولوی صاحب مجاہدوں کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قافلہ لے کر سرحد گئے تھے یا کم سے کم وہ بالکل ابتدائی قافلوں میں مقام جہاد پر پہنچ گئے تھے، اس لئے کہ جنگ شیدو کے بعد جو غازی چنگلئی پہنچے تھے، ان میں مولوی صاحب کا نام موجود ہے۔

جنگِ مردان

اغلب ہے، مختلف لڑائیوں میں شریک رہے ہوں، جنگِ مردان میں ان کا ذکر بالتصریح آیا ہے۔ اس جنگ میں سید محمد حبان قاضی القضاۃ سپہ سالار تھے۔ انہوں نے شہر پہنچ کر حملے کیلئے غازیوں کی فوج کو مختلف جیشوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مولوی مظہر علی کو ہدایت فرمائی تھی کہ اپنا جیش لے کر کھلیانوں کی طرف جائیں۔ اُدھر سے بندوقوں کی آواز آئے تو نقارہ بجاتے ہوئے شہر پر حملہ کر دیں۔ مولوی صاحب نے حرفاً حرفاً اس ہدایت پر عمل کیا۔ کھلیانوں والے بندوقچی بھاگے اور مولوی صاحب اپنا جیش لیکر آگے بڑھے۔ ان کی ران کے بالائی حصے میں گولی لگی اور وہ زمین پر گر پڑے، لیکن عزیمت، ہمت اور عشق مقاصد کی شان ملاحظہ ہو کہ گولی لگنے کا معاملہ کسی پر ظاہر نہ کیا تاکہ کوئی ساتھی ان کی دیکھ بھال میں یورش سے باز نہ رہے، گرتے ہی زمین پر بیٹھ گئے، جو غازی پاس سے گذرتا اور حال پوچھتا تو بلند آواز سے فرماتے: تم چلو، میں ابھی آتا ہوں۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہوگا، جسے نکالنے کیلئے دم بھر کیلئے بیٹھ گئے ہوں گے۔ شاہ اسمٰعیل ان کے پاس پہنچے تو حقیقتِ حال بتائی۔ ساتھ ہی کہا، آپ میرا خیال نہ فرمائیں، پہلے گڑھی کا فیصلہ کر لیجئے۔ فتح کے بعد دیکھ لیجئے گا، میں کس حال میں ہوں۔

پشاور میں منصبِ قضا

پشاور فتح ہوا اور سید صاحب اپنے غازیوں کے ساتھ وہاں پہنچے تو مولوی مظہر علی صاحب نے مہابت خان کی مسجد میں خطبے دینے شروع کیے، جس میں سورہ صف کی تفسیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہایت دل پسند الفاظ میں پیش کی۔ اس وجہ سے وہ اہل پشاور میں بہت ہر دل عزیز ہو گئے۔ چنانچہ سلطان محمد خاں درّانی سے معاہدۂ صلح کے بعد پشاور ان کے حوالے کیا اور وہاں قاضی کے تقرر کا سوال سامنے آیا تو مولوی مظہر علی ہی اس عہدے کیلئے منتخب ہوئے۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے علاوہ یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ اہل پشاور انھیں بہت پسند کرتے ہیں۔ سید صاحب پشاور سے پنجتار کی طرف روانہ ہوئے تو مولوی مظہر علی چمکنی تک ساتھ گئے، وہاں سے پشاور لوٹے۔ پھر عالم ناسوت میں ملاقات مقدر نہ تھی۔

درّانیوں کی بدعہدی

سلطان محمد خاں نے پشاور پر دوبارہ قابض ہوتے ہی سازش کا جال بچھانا شروع کر دیا تھا۔ جب اس نے اندازہ کر لیا کہ میدانی علاقے کے اکابر اس کے ہم نوا بن گئے ہیں تو مولوی مظہر علی سے کھلم کھلا نزاع پر آمادہ ہو گیا۔ ایک روز مولوی صاحب اس کے پاس پہنچے تو فوراً سوال کیا کہ میرے بھائی یار محمد خاں کو کیوں قتل کیا گیا؟ ساتھیوں نے ایک ہنگامہ سا برپا کر دیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ شور مچانے سے کچھ فائدہ نہیں، باری باری ایک ایک سوال کرو اور جواب سنتے جاؤ۔ پھر تمام تفصیلات کھول کر بیان کیں اور ثابت کر دیا کہ خادے خاں اور یار محمد خاں سے جو سلوک ہوا، وہ شرعاً بالکل جائز تھا۔ مولوی صاحب نے یہ حالات سید صاحب کو لکھ بھیجے۔ آپ کے حکم سے شاہ اسمٰعیل نے ایک مفصل خط لکھا، جس میں سلطان محمد خاں کے تمام اعتراضات کا جواب درج تھا۔ یہ خط مولوی مظہر علی کے پاس بھیج کر تاکید کر دی کہ کوئی شخص اطمینانِ قلب کیلئے سوال کرے تو نرمی سے جواب دیدیں۔ بحث کی نوبت آئے تو یہ تحریر حوالے کر کے آپ چلے آئیں۔

شانِ احتیاط

سید صاحب سے سلطان محمد خاں کی صلح ارباب فیض اللہ خاں نے کرائی تھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱،، عہد کیا تھا کہ اگر سلطان محمد خاں نے دوبارہ خیانت کی تو میں اس کا ساتھ چھوڑ دوں گا۔
پشاور کے حالات بگڑتے دیکھے تو ارباب نے مولوی مظہر علی کو اطلاع دے دی تھی کہ مجھے
سلطان محمد خاں پر اطمینان نہیں رہا، آپ امیر المومنین سے واپسی کی اجازت لے لیں۔
مولوی صاحب بڑے محتاط اور حد درجہ فرض شناس بزرگ تھے۔ انھوں نے مناسب نہ
سمجھا کہ تمام حالات کا اندازہ کیے بغیر کوئی بات لکھیں اور عجلت میں غیر محقق امور سید
صاحب تک پہنچانے کے مرتکب ہوں۔

شہادت

انھیں حالات میں سلطان محمد خاں اور اس کے درباریوں نے مولوی مظہر علی کو
پشاور میں شہید کر دیا۔ شہادت کی تفصیل صرف اس قدر معلوم ہو سکی کہ ایک روز سلطان محمد
خاں نے ضروری مشورے کے بہانے سے مولوی صاحب کو ایک خاص کمرے میں
بلوایا۔ وہ پہنچے تو ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑنے لگیں۔ اسی حالت میں وہ واصل بحق
ہوئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ مولوی صاحب بہت بڑے عالم، متقی، ذکی الطبع، صاحب
اخلاق پسندیدہ و اوصاف حمیدہ، سید صاحب کے مخلص معتقد اور محب راسخ تھے۔ موصوف
سپہ گری میں یکتائے زمانہ اور شجاعت و بہادری میں یگانہ مانے جاتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری

نسبتِ مقام سے ظاہر ہے کہ یہ گورکھپور کے باشندے تھے۔ معمولی تعلیم پائی تھی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسبِ فیض کے شوق میں اپنے وطن مالوف سے پیدل دہلی پہنچے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب سید صاحب ایک بڑے قافلے کے ساتھ حج کیلئے گئے ہوئے تھے۔ شیخ اسحٰق نے شاہ صاحب سے بیعت کی درخواست کی تو جواب میں ارشاد ہوا کہ میں گوناگوں عوارض میں مبتلا ہوں، میرا تو اس درس و تدریس میں مشغول ہے، میرے خلیفہ سید احمد واپس آئیں گے تو ان سے بیعت کر لینا۔ شیخ اسحٰق نے عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت کا آرزومند ہوں، صرف دس روز دہلی میں ٹھہروں گا، پھر واپس چلا جاؤں گا، اس لئے کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور ان کے گزارے کی کوئی سبیل نہیں۔

بیعت

سید صاحب حج سے واپس آئے تو شاہ عبدالعزیز کا انتقال ہو چکا تھا۔ شیخ اسحاق بیعت کے شوق میں سید صاحب کے پاس رائے بریلی پہنچ گئے اور بیعت کر لی۔ چند روز کے بعد سید صاحب نے خانوادہ ہائے فیضِ روحانی کے معمول کے مطابق منصبِ خلافت دینا چاہا تو شیخ اسحاق نے یہ عذر پیش کیا کہ میں قرآن مجید اور چند ضروری مسائل دین کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ منصبِ خلافت اسے ملنا چاہیے جسے دین کا وسیع علم حاصل ہو۔ سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب نے بے تکلف فرمایا کہ میرا علم بھی اسی قدر ہے۔ شیخ اسحاق نے عرض کیا کہ ہمارے وطن میں ایک بزرگ عالم دین ہیں جو ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں خلافت عطا فرمانا مناسب ہوگا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو بھی خلیفہ بناتا ہوں اور اس بزرگ کو ساتھ لائیں گے تو انہیں بھی خلافت دے دوں گا۔ شیخ کا اشارہ سید قطب علی کی طرف تھا، جنہیں منصبِ خلافت ملنے کی کیفیت ان کے حالات میں درج ہے۔

ہجرت

سید صاحب مجاہدین کی پہلی جماعت کو لے کر جہاد کیلئے سرحد تشریف لے گئے تو شیخ اسحاق کا دل بھی اس کارِ خیر میں شرکت کے ولولوں سے بے تاب ہوگیا۔ چنانچہ وہ بال بچوں کو خدا کے حوالے کر کے گھر سے نکل پڑے۔ کچھ مدت عظیم آباد میں ٹھہرے رہے جو مجاہدین کا ایک بڑا مرکز تھا۔ پھر ایک قافلے میں شریک ہوکر دہلی پہنچے اور شاہ محمد اسحاق کے پاس مقیم رہے۔ اس زمانے میں سید محبوب علی اپنے قافلے کے ساتھ سرحد سے واپس آچکے تھے۔ اس وجہ سے عازمین جہاد پر اک گونہ افسردگی طاری ہوگئی تھی اور قافلوں کے جانے کا سلسلہ معرضِ تعطل میں پڑ چکا تھا۔ شیخ محمد اسحاق اربابِ عزیمت میں سے تھے۔ عام افسردگی ان کے عزم وہمت پر قطعاً اثر انداز نہ ہوسکی۔ وہ صرف چار رفیقوں کو لے کر فقیرانہ لباس میں نکل پڑے اور سکھوں کی حکومت سے گذرتے ہوئے سید صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ چوں کہ یہ کل پانچ آدمی تھے، اس لئے جماعت مجاہدین میں ''پنج تن'' کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

جنگِ مایار

شیخ صاحب تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ مایار کی جنگ میں انہوں نے مردانگی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اورعزیمت کا جونقشہ پیش کیا، اس کی صحیح کیفیت الفاظ میں نہیں سما سکتی۔ سید صاحب کے حالات میں بیان ہو چکا ہے کہ سواروں کا جیش ایک اتفاقی غلطی کے باعث غنیم کی ترکتاز کا ہدف بن کر منتشر ہو گیا تھا۔ شیخ اسحاق جوشِ شجاعت میں گھوڑا لے کر سواروں میں شامل ہو گئے تھے۔ ایک درانی سوار نے نیزے سے ان پر حملہ کیا۔ وہ وار بچانے کیلئے دائیں جانب جھکے۔ نیزے کی انی سینے کے بجائے بائیں کندھے میں گھس گئی۔ پھر اور درانی سوار ان پر ٹوٹ پڑے۔ شیخ نے مقابلہ جاری رکھا لیکن بری طرح زخمی ہو گئے۔ دائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ تلوار کی ایک ضرب سر پر پڑی۔ بائیں کندھے پر نیزے کے زخم کے بعد تلوار کا بھی ایک شدید زخم لگا۔

زخموں سے چور ہو جانے کے باعث لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تو شیخ نے اپنی رائفل ایک غازی کے حوالے کی، تلوار دوسرے غازی کو دے دی، جس کے پاس تبر کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا اور ان دونوں سے کہا کہ یہ خدا کا مال ہے، میں آپ کو امین سمجھ کر دیتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ ان کا حق ادا کرنے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھیں گے۔ پھر آہستہ آہستہ میدانِ جنگ سے مایار کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں میاں جی محی الدین ملے، جن کا پاؤں سخت زخمی ہو چکا تھا اور وہ سہارے کے بغیر چلنے سے عاجز تھے۔ شیخ اسحاق کے ہاتھ اگر چہ بری طرح زخمی ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے میاں جی محی الدین کو سہارا دے کر اٹھایا اور ساتھ لے کر آہستہ آہستہ چلے۔ تھوڑی دور جا کر دونوں کو غش آ گیا اور زمین پر گر پڑے۔ پھر ہوش آیا تو ایک درخت کے سائے میں جا کر لیٹ گئے۔

درانیوں کی شکست کے بعد مولوی سید جعفر علی نقوی مؤلف ''منظورۃ السعداء'' شیخ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے لڑائی کا حال پوچھا۔ فتح کی خبر سن کر جوشِ مسرت سے فرمایا کہ آؤ بھائی گلے سے لگ جاؤ، پھر کہا: یہ حدیث سچی ہے کہ شہیدوں کی سکراتِ موت کی کیفیت ویسی ہی ہوتی ہے، جیسے کسی کو چیونٹی کاٹے۔(۱) میرا جسم زخموں

(۱) ما یجد الشہید من مس القتل الا کما یجد احدکم من مس القرصۃ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے چور ہو گیا، لیکن کانٹا چبھنے سے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔

دیوانہ شاہ

علاج سے تمام زخم اچھے ہو گئے لیکن انگلیاں کٹ جانے کے باعث ان کا دایاں ہاتھ بندوق یا تلوار چلانے کے قابل نہ رہا تھا۔ تاہم انہوں نے مجاہدین کا ساتھ نہ چھوڑا۔ کچھ مدت تک فرو سہ (تزد اسب) میں تھانیدار رہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر بہت غالب تھی۔ ایک مرتبہ مولانا شاہ اسمٰعیل نے وعظ میں "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" کی تفسیر بڑے پرتاثیر انداز میں فرمائی۔ شیخ محمد اسحاق پر اس وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار رونے لگے اور کھانا پینا ترک کر دیا۔ مولانا کو اس واقعے کا علم ہوا تو بلا کر وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا کہ مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے۔ یہ صورت "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" کے منافی ہے۔ مولانا نے پوچھا کہ کیا اس وقت بھی یہی کیفیت تھی جب آپ وطن میں تھے؟ جواب دیا کہ اس وقت تو یہ کیفیت نہ تھی، لیکن اب یہ خیال دل سے زائل ہی نہیں ہوتا۔ مولانا نے پھر پوچھا؟ کیا آپ بیوی کی محبت کے جوش میں لشکر اسلام کو چھوڑ کر وطن جا سکتے ہیں؟ جواب دیا ہرگز نہیں۔ مجھے دل پر اتنا قابو حاصل ہے کہ یہاں اگر ہزاروں تکلیفیں بھی پیش آجائیں تو خوشی خوشی جھیل لوں گا اور وطن کا قصد نہ کروں گا۔ مولانا نے فرمایا: پھر اطمینان رکھیے کہ آپ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے گروہ میں شامل ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھایا۔

ایک مرتبہ سید صاحب کا وعظ سن کر شیخ محمد اسحاق کے دل میں یہ وسوسہ بیٹھ گیا کہ ان کا ایمان لوثِ خلل سے پاک نہیں۔ چنانچہ شدت رنج وغم میں خورونوش سے ہاتھ اٹھا لیا۔ سید صاحب نے بلا کر تسلی دی تو مطمئن ہوئے۔ شیخ صاحب کی اس والہانہ کیفیت کو دیکھ کر سید صاحب انہیں محبت سے "دیوانہ شاہ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بالاکوٹ

بالاکوٹ کی لڑائی میں شریک تھے،لیکن مایار کی جنگ میں دائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئی تھیں، اس لئے بندوق نہ چلا سکتے تھے اور انہیں گنڈاسا دے دیا گیا تھا۔وہ مولانا احمد اللہ ناگپوری کی جماعت میں شریک تھے۔مولانا احمد اللہ میدانِ جنگ میں سید صاحب کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے،انہوں نے اپنے بعد کسی کو جماعت کا امیر بنا دینا ضروری سمجھا۔مولوی سید جعفر علی نقوی کو یہ منصب پیش کیا تو موصوف نے جماعت میں سے جن اصحاب کو اہل تر بتایا،ان میں حافظ مصطفیٰ کاندھلوی اور مولوی محمد حسن بنارسی کے علاوہ شیخ محمد اسحاق گورکھپوری بھی تھے۔

سکھوں نے مٹی کوٹ کے ٹیلے سے اتر کر بالاکوٹ پر پیش قدمی شروع کی تو مجاہدین قصبے کی مسجد کلاں میں اور اس کے آس پاس جمع تھے۔سکھوں کی طرف سے گولے اور گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔مولوی سید جعفر علی نقوی کے بیان کے مطابق اس وقت شیخ محمد اسحاق نے فرمایا: اب دل میں شہادت کے سوا کوئی خیال باقی نہ رہا۔مجاہدین نے قصبے سے اتر کر سکھوں پر یورش کی تو ابتدا ہی میں شیخ محمد اسحاق کے بائیں بازو پر گولی لگی۔دایاں بازو پہلے بیکار تھا،بایاں بھی بیکار ہو گیا تو وہ یہ کہتے ہوئے قصبے میں واپس آ گئے کہ میں اب صرف دعاء کے قابل رہ گیا ہوں۔

شہادت

یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ جنگِ بالاکوٹ میں ان پر کیا گذری۔حاجی غریب اللہ گورکھپوری ان مجاہدین میں سے تھے جو مٹی کوٹ کے دامن میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے سکھوں سے ہجوم کے باعث قصبے میں پہنچ گئے تھے۔وہ فرماتے ہیں کہ شیخ محمد اسحاق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بالاکوٹ میں بیہوش پڑے تھے۔ سکھوں کی فوج نے قصبے کی جنوبی سمت سے پیش قدمی کی تو شیخ غریب اللہ ستہ بنے کے راستے چلے گئے۔ شیخ محمد اسحاق چونکہ بے ہوش تھے، اس لیے انہیں اٹھا کر نہ لے جا سکے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جتنے مجاہدین قصبے میں زخموں کے باعث معذور پڑے تھے، سکھوں نے ان سب کو شہید کر ڈالا اور قصبے کو آگ لگا دی۔ شیخ محمد اسحاق بھی انہیں میں شامل تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

ارباب بہرام خاں

یہ جہکال کے رئیس تھے جو پشاور کے قریب ایک مشہور مقام ہے اور خلیل خیل قبیلے میں سے تھے۔ اہل وعیال کے ساتھ سید صاحب کے خبر جانے سے پیشتر آپ کے پاس پہنچے۔ اسباب ہتھیار، گھوڑے جو کچھ پاس تھا آپ کی خدمت میں بہ طور نذرانہ پیش کر دیا، یہاں تک کہ اہلیہ کے بعض قیمتی پارچے بھی گھر نہ رکھے۔ سید صاحب نے دو گھوڑے اور دو تلواریں رکھ لیں، باقی ہر چیز واپس کر دی اور فرمایا کہ ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیجیے۔ ایک تلوار بہ طور تبرک اپنے پاس سے دی۔

اژدر

انہیں دو گھوڑوں میں سے ایک کا نام اژدر تھا جو سید صاحب نے اپنی سواری کے لیے رکھ لیا تھا۔ پھولڑہ پر یورش کے سلسلے میں سید احمد علی رائے بریلوی کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو سواری کیلئے انہیں اژدر گھوڑا دے دیا۔ پھولڑہ کی جنگ میں سکھ اسے پکڑ کر لے چلے تو محمد خاں خیر آبادی نے پکار کر کہا: بھائیو! یہ امیر المومنین کی سواری کا گھوڑا ہے، اسے دشمن کے قبضے میں نہ جانے دو۔ پھر تنہا سکھوں کے اس گروہ پر حملہ کر دیا جس کے پاس اژدر تھا اور تھوڑی دیر میں اسے چھڑا لیا۔ سکھوں نے دوبارہ حملہ کیا، اس میں اژدر بھی مارا گیا اور محمد خاں بھی شہید ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کارنامے

غرض ارباب موصوف سید صاحب سے وابستگی کے بعد ایک لمحے کیلئے بھی الگ نہ ہوئے اور اکثر معرکوں میں شریک رہے۔ پشاور کے درانی سرداروں نے ہندوستان سے آنے والے مجاہدین کے قافلوں کو کنڈوہ میں روک دیا تھا تو سید صاحب نے ملا قطب الدین ننگرہاری کے علاوہ ارباب موصوف کو بھیجا تھا کہ قافلوں کو ساتھ لے آئیں۔ ان کے پاؤں میں اتفاق سے چھالے نکل آئے اور جا نہ سکے۔ اپنے آدمیوں کو بھیج دیا۔ ارباب محترم کی مزید سرگرمیوں کا اجمالی مرقع ذیل میں درج ہے:

۱۔ قیام خہر کے دوران میں اتمان زئی اور پشاور میں پیش قدمی کی تجویز ہوئی تھی تو سید صاحب نے خیبر کی سمت کے قبیلوں کو بھی امداد پر آمادہ کرنا چاہا تھا۔ اس سلسلے میں بعض ہندوستانی مجاہدوں کے علاوہ ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں کو بھی بھیجا تھا۔

۲۔ پنجتار میں ارباب موصوف اور ان کے متعلقین شہتوت کے باغ میں رہتے تھے جو آبادی سے ایک تیر کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع تھا۔

۳۔ اٹک پر یورش کیلئے جو لشکر بھیجا گیا تھا اس کے سالار ارباب بہرام خاں ہی مقرر ہوئے تھے۔

۴۔ ٹنگی پر شبخون میں بھی ارباب موصوف شریک تھے۔

۵۔ کوہ کنیر ڑی (نزد عشرہ) کی جنگ میں مجاہدین کے سالار تھے۔

۶۔ قیام پنجتار کے دوران سید صاحب کو علاقے کے دورے کا مشورہ ارباب موصوف ہی نے دیا تھا۔

۷۔ پشاور پر پیش قدمی میں بھی ارباب موصوف اور ان کے بھائی جمعہ خاں شامل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے، چنانچہ پشاور میں ارباب کو سرائے گورکھتری کے دروازہ کلاں میں ٹھہرایا گیا تھا، جس کے اندر حویلی میں سید صاحب ٹھہرے تھے۔ ارباب جمعہ خاں کابلی دروازہ میں ٹھہرا تھا۔

پشاور اور ہجرتِ ثانیہ

۸۔ جن اصحاب نے سلطان محمد خاں درانی کے ساتھ مصالحت اور پشاور کی حوالگی سے اختلاف کیا تھا، ان میں ارباب بہرام خاں بھی شامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے کسی ذریعے سے عرض کرایا کہ یہ علاقہ کسی کو دینا ہی ہے تو مجھے عنایت فرمائیں۔ میں اس کی حفاظت کروں گا اور چار ہزار سپاہی ملازم رکھ کر حضرت کے ہمرکاب کروں گا۔ ان کی تنخواہ وغیرہ کا سارا بوجھ میرے ذمے ہوگا۔ سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ ہم اور ارباب میں کوئی مغایرت نہیں۔ علاقے کو ارباب کے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنا قبضہ بحال رکھا۔ ارباب نے ہمارا مقصد نہیں سمجھا۔

۹۔ سید صاحب نے ہجرتِ ثانیہ کا فیصلہ کیا تو ارباب نے اپنے تمام متعلقین کو اجازت دے دی کہ آپ لوگ چاہیں تو چلے جائیں، میں تو حضرت کے ساتھ رہوں گا۔ ان میں سے بھی کسی نے علیحدگی گوارا نہ کی۔

۱۰۔ سید صاحب راج دواری میں مقیم ہوئے تو ارباب کو شارکول میں اقامت کا حکم دیا۔ جب سید صاحب نے پچھوں سے بالاکوٹ جانے کا فیصلہ کیا تو ارباب نے بھی معیت کی درخواست کی۔ اس وقت سے وہ آخری دم تک سید صاحب کے ساتھ رہے۔

بالاکوٹ

سکھوں کا لشکر بسیاں، جابہ وغیرہ ہوتا ہوا اس مقام پر پہنچا جسے آج کل شہید گلی کہتے ہیں تو میرزا احمد بیگ کے دستے سے مقابلہ ہوگیا۔ میرزا نے کمک کیلئے درخواست بھیجی تو جن اصحاب کو جانے کا حکم ملا ان میں ارباب بہرام خاں بھی تھے۔ جب میرزا احمد بیگ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے معلوم ہوا کہ اب مٹی کوٹ میں سکھوں سے مقابلہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پہاڑ پر پہنچ جانے کے بعد وہ بیسیوں پگڈنڈیوں سے نیچے اتر سکتے ہیں اور ہم ہر پگڈنڈی پر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو اس وقت ارباب نے یہ تجویز پیش کی کہ سکھوں کی لشکر گاہ پر حملہ کرنا مناسب ہوگا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہم نے دریا کا پل تڑوا دیا ہے اور ہم دریا سے پار اتر کر مشرقی کنارے پر نہیں جا سکتے، جہاں سکھ لشکر گاہ ہے۔ ارباب نے عرض کیا، پل راتوں رات تیار ہو سکتا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا: اس بات کو چھوڑیے جو کچھ ہونے والا ہے، یہیں ہو رہے گا۔ جاں نثار ارباب نے انگشت شہادت سے اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا:

"ایں سر در راہ خدا تعالیٰ حاضر است"

ترجمہ: یہ سر خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لئے حاضر ہے۔

شہادت

سید صاحب سکھوں پر یورش کیلئے مسجد بالا سے مسجد زیریں میں آئے۔ وہاں سے میدان میں نکلے تو ارباب بہرام خاں ساتھ تھے، پھر معلوم نہ ہو سکا کہ ارباب نے کہاں شہادت پائی۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ارباب کی قبر بالا کوٹ کے شمال مشرق میں ست بنے نالے کے پار شاہ اسمٰعیل کے مرقد سے ملی ہوئی تھی۔ اس بنا پر قیاس یہ ہے کہ ارباب اور شاہ صاحب مٹی کوٹ کے دامن سے لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے ہوئے اس مقام پر پہنچ کر شہید ہوئے، جہاں ان کی قبریں ہیں۔

انتقال میت

واقعہ بالاکوٹ سے چھ مہینے بعد ارباب شہید کے بھتیجے اور داماد محمد خاں نے اپنے ہم قوموں سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ ارباب کی میت بالاکوٹ سے تہکال منتقل کر لیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعض لوگوں نے کہا بھی کہ اب اس مرحوم کی ہڈیاں کھود کر لانے سے کیا حاصل ہوگا؟ محمد خاں نے جواب دیا، میرے چچا نے خلوص نیت سے سید بادشاہ کا ساتھ دیا تھا۔ اپنا پورا مال واسباب راہِ خدا میں لٹا دیا۔ آخر جان بھی دے دی۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی لاش قبر میں سلامت ہوگی۔

غرض محمد خاں نے ایک صندوق بنوایا اور چالیس آدمیوں کے ساتھ بالاکوٹ گیا۔ قبر کھودی گئی تو میت بالکل محفوظ تھی۔ نہ اس کا کوئی حصہ بگڑا تھا، نہ بدبو پیدا ہوئی تھی۔ صرف پاؤں کے ناخنوں میں خفیف سا تغیر معلوم ہوتا تھا۔ میت کو صندوق میں رکھ کر تہکال لائے۔ پوری قوم نے انتہائی احترام سے اسے ازسرنو دفن کیا۔ ارباب شہید کا یہ مرقد تہکال کی جنوبی سمت کے قبرستان میں راستے کے قریب واقع ہے۔ مرقد بالکل سادہ ہے، لیکن عام قبروں کے مقابلے میں خاصا بلند ہے، بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ ارباب شہید کی قبر ہے اور اکثر لوگ جاتے آتے فاتحہ پڑھتے ہیں۔

اولاد

ارباب بہرام خاں کے پانچ بیٹے تھے اور ایک بیٹی، جو ان کے بھتیجے محمد خاں سے نکاح میں تھی۔ ارباب کی شہادت کے وقت بیٹوں میں سے دو کم سن تھے۔ سرحد کے اکابر مخلصین میں سے قاضی سید محمد حبان اور سید اکبر شاہ ستھانوی کے سوا کوئی فرد ارباب بہرام خاں کے پائے کا نہ تھا۔

شانِ اخلاص

ارباب شہید حد درجہ مخلص، نیک دل اور صاف گو تھے۔ سید صاحب کی مجلس شوریٰ میں بھی عموماً شریک رہے۔ ایک مرتبہ سوال پیدا ہوا کہ جہاد کا آغاز کس مقام سے ہو۔ اس موقع پر مختلف سرحدی خوانین بھی موجود تھے۔ ارباب نے بے تکلف کہا ہم سب غرض مند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں۔ میں پشاور سے نکلا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جلد سے جلد پشاور فتح ہو جائے۔ محمد خاں جمعدار اٹک سے نکلا، لہٰذا وہ اٹک کا خواہاں ہے۔ ناصر خاں کو پکھلی کی آرزو ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم سب خاموش رہیں اور فیصلہ ہندوستانی بھائیوں پر چھوڑ دیا جائے۔ جن کی رائے ذاتی خواہش یا طبعی رجحان سے بالکل پاک ہوگی۔ وہ جس جگہ کی تجویز کریں، اسی کے مطابق حملہ کیا جائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

سید صاحب کو ارباب سے بڑی محبت تھی، لیکن ایک موقع پر صاف گوئی میں تامل نہ ہوا۔ غالباً ہجرت ثانیہ میں سید صاحب کی اہلیہ کیلئے پالکی کا انتظام کیا گیا، اس لئے کہ وہ خاص حالت میں تھیں۔ ارباب کے اہل خانہ کو یہ امر مساوات کے خلاف نظر آیا۔ سید صاحب کو اطلاع ہوئی تو فرمایا: ارباب سے کہہ دیجئے کہ میں آپ کو مومن سمجھتا ہوں اور مومنوں کی خوشامد یا خاطرداری لازم نہیں، کیوں کہ وہ جہاد میں میرا ساتھ نہ چھوڑیں گے، البتہ منافقوں کی دلجوئی کرسکتا ہوں تاکہ وہ ایمان پر پکے ہو جائیں۔ میری اہلیہ حالت خاص میں ہے، ورنہ اس کیلئے بھی گھوڑے ہی کی سواری کا انتظام کیا جاتا۔ ارباب کے اہل خانہ میں سے کسی کو ایسا عذر ہو تو ضرور پالکی کا انتظام کر دیا جائے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارھواں باب:

رسالدار عبدالحمید خاں

رسالدار عبدالحمید خاں ٹونک میں ممتاز عہدے پر مامور تھے۔ وقت کے عام خوش حال لوگوں کی طرح ان کی عادتیں بھی بگڑی گئی تھیں۔ اوباش رفیقوں کی صحبت میں فسق وفجور ان کا شیوۂ خاص بن گیا تھا۔ سید صاحب بہ سلسلۂ سفر ہجرت ٹونک سے روانہ ہوئے اور جھلانہ پہنچے تو عبدالحمید خاں اور ان کے رفیق بھی مجاہدین کے اس قافلے کا تماشہ دیکھنے کیلئے راستے پر کھڑے ہوگئے۔ سید صاحب کی نظر عبدالحمید خاں پر پڑی تو مسکرا کر فرمایا: خان جیو! آپ بھی بیعت کر لیجئے۔ عبدالحمید خاں اور ان کے رفیق اس درجہ متاثر ہوئے کہ فوراً بیعت کرلی اور اس لمحے سے ان کی زندگی کا پورا نقشہ بدل گیا۔ قدیم ہم نشینوں نے گمراہ کرنے کی ہر چند کوشش کی، لیکن عبدالحمید خاں راہِ حق پر جمے رہے، اور ملازمت چھوڑ کر سید صاحب کی خدمت میں پہنچنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ چنانچہ ایک قافلے کے ساتھ سرحد پہنچے، جس کے افراد میں سے صرف پانچ کے نام معلوم ہیں: شیر خاں، رستم خاں، مستقیم خاں، شیخ رمضان، اور شیخ ممو۔ صاحبزادہ محمد وزیر خاں وزیرالدولہ ولی عہد ٹونک نے انہیں کے ساتھ ایک گھوڑا سید صاحب کیلئے بھیجا تھا، جس کیلئے زرّیں زین پوش تیار کرایا تھا۔

عہدہ رسالداری

تمام لڑائیوں میں شریک رہے جنگ زیدہ کے بعد سید صاحب نے ارادہ فرمایا کہ رسالے کی مستقل کمان کیلئے کسی کو رسالدار بنادیں۔ سید احمد علی نے حمزہ علی خاں ساکن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لوہاری کا نام پیش کیا۔ مولانا شاہ اسمٰعیل نے عرض کیا کہ اس منصب کیلئے عبدالحمید خاں بہت موزوں ہیں۔ ارباب بہرام خاں نے شاہ اسمٰعیل کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ عبدالحمید خاں فن سپاہ گری میں ہوشیار، تجربہ کار اور بہادر ہیں۔ انہیں کو یہ منصب ملنا چاہیے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ یہی تجویز بہتر معلوم ہوتی ہے۔

اگلے روز سید صاحب نے شاہ اسمٰعیل، ارباب بہرام خاں، سید احمد علی، شیخ عبدالحکیم، شیخ ولی محمد اور بعض دوسرے اکابر کو جمع کر کے آخری فیصلہ فرمایا۔ پھر عبدالحمید کو بلا کر کہا: خان بھائی! ہم کئی روز سے کسی کو رسالدار مقرر کرنا چاہتے تھے، سو ہم نے آپ کو یہ عہدہ دیا۔ آپ ان بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم دیتے رہیں۔ عبدالحمید خاں نے عرض کیا: حضرت! میں فرمانبردار ہوں، لیکن میرا مزاج ذرا تند ہے اور یہ امر اختیاری نہیں کہ چھوڑ دوں۔ شاید بھائیوں کو میری افسری گراں گذرے۔ یہ کام خدا کے واسطے ہے اور نوابوں رئیسوں کی سی فوج کا نہیں۔ سید صاحب نے سراپا شفقت بن کر فرمایا: خان بھائی! اس کا اندیشہ نہ کریں ہم دعاء کریں گے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کے مزاج کی تیزی کو دور کر دے۔

دعاء

غرض آپ نے دست مبارک سے اپنا عمامہ عبدالحمید خاں کے سر پر باندھا اور فرمایا کہ دوشالے اور رومال میں سے جو پسند ہو لے لیجیے۔ خان نے رومال لے لیا۔ سید صاحب نے سنہری قبضے کی ایک سروہی عبدالحمید خاں کے گلے میں ڈال دی جو نواب امیر خاں والی ٹونک نے بطور نذر پیش کی تھی۔ یہ نواب کو راجہ مان سنگھ والیٔ جودھپور نے دی تھی۔ اس کا پرتلا سابری تھا۔ ایک تلوار اور گھوڑا بھی دیا۔ پھر برہنہ سر ہو کر دعاء کی۔ رسالدار نے ایک اشرفی اور پانچ روپے نذر کے طور پر پیش کیے اور معاً مسجد میں جا کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شکرانے کے دو نفل پڑھے۔ بلاشبہ عبدالحمید خاں کا مزاج بڑا تیز تھا۔ سید احمد علی بھی ان کے محاسن کے معترف تھے۔ صرف یہ کہتے تھے کہ ان کا مزاج تیز ہے اور بات بات پر ناخوش ہو جاتے ہیں، لیکن تمام راوی متفق ہیں کہ رسالدار مقرر ہونے کے بعد عبدالحمید خاں حلم، بردباری اور سلامت مزاج کا پیکر بن گئے تھے۔

جنگِ امب

جب سید صاحب نے پکھلی کے رؤسا و خوانین کی طلب پر اس طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا تو ایک لشکر اپنے بھانجے سید احمد علی کی سرکردگی میں بھیج دیا تھا، جو پایندہ خاں کی مخالفت کے باعث ستھانہ میں ٹھہر گیا تھا۔ رسالدار عبدالحمید خاں کو اس لشکر میں نائب سالار بنایا تھا۔ پایندہ خاں سے جنگ کی صورت پیش آ گئی تو سید صاحب نے مولانا شاہ اسمٰعیل کو سالار اعظم بنا دیا تھا۔ وہ خود فروسہ میں مقیم ہو گئے تھے اور کچھ جیش انہوں نے جابجا دوسرے مقامات پر متعین کر دیے تھے۔ پھر حملے کا ایک نہایت عمدہ منصوبہ بنا کر تمام جیشوں کو پیش قدمی کے وقت اور یورش کے مقامات کی نسبت مفصل ہدایات دے دی تھیں۔ پایندہ خاں نے جب دیکھا کہ غازیوں کی یورش کے مقابلے میں کامیابی کی کوئی صورت نہیں تو شاہ اسمٰعیل کے سامنے صلح کی تجویز پیش کر دی اور انہوں نے تمام جیشوں کو پیش قدمی سے روک دیا۔ خود پایندہ خاں خفیہ خفیہ پیش قدمی کی تیاری کرتا رہا۔ سید احمد علی اپنے لشکر کے ساتھ ستھانہ سے روانہ ہو چکے تھے کہ شاہ اسمٰعیل کا امتناعی حکم مل گیا، وہ وہیں سے لوٹ پڑے، لیکن وہ ایسی جگہ تھے، جہاں سے پایندہ خاں کی فوج کی نقل و حرکت صاف صاف نظر آ رہی تھی۔

عبدالحمید خاں نے کہا کہ سید احمد علی صاحب! پایندہ خاں دھوکا دے رہا ہے۔ آپ واپس نہ ہوں اور آگے بڑھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں سالار اعظم کے حکم سے مجبور ہوں۔ اس اثناء میں پایندہ خاں کی فوج نے کوہ کیر ڑی کے غازیوں پر حملہ کر دیا اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گولیاں چلنے لگیں۔ عبدالحمید خاں نے پھر کہا کہ سید احمد علی! لڑائی شروع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ چلیں ورنہ مجھے جانے دیں۔ سید احمد علی نے انہیں بھی روک دیا۔ اس اثناء میں لڑائی کی خبر آ پہنچی اور عبدالحمید خاں کی رائے درست ثابت ہوئی۔

انتظامِ عشر

انتظامِ عشر کے سلسلے میں عبدالحمید خاں قاضی سید حبان کے ساتھ تھے۔ اس کے علاوہ بھی یہ عموماً دیہات کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ اپنے تھوڑے سوار جا بجا متعین کر رکھے تھے، لیکن طریقہ یہ تھا کہ آپ کسی سپاہی کو گاؤں کے اندر نہ جانے دیتے تھے۔ سب کو حکم تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، باہر ٹھہر کر منگوالیں۔ ایک دفعہ ایک مجاہد سے غلطی سرزد ہوگئی تو رسالدار نے اسے سخت سزا دی۔ ایک مرتبہ پاخلی میں دو سواروں نے ایک شخص کے کھیت سے چارا کاٹ لیا، جس کی باری نہ تھی۔ رسالدار تک یہ بات پہنچی تو اس درجہ خفا ہوئے کہ ایک سوار کے کندھے پر الٹی تلوار ماری۔

جنگِ مایار

مایار کی جنگ میں انہیں حکم ملا تھا کہ رسالے کے ساتھ ایک خاص مقام پر ٹھہرے رہیں اور امیرالمومنین کے حکم کے بغیر حملہ نہ کریں۔ جنگ نازک صورت اختیار کر گئی اور نظر بہ ظاہر سید صاحب دشمنوں میں گھر گئے تو ایک سوار نے یہ سمجھ کر حملہ کر دیا کہ سید صاحب کا بچانا ہر مصلحت پر مقدم ہے۔ رسالدار نے سمجھا کہ حملے کا حکم آ گیا ہے۔ انہوں نے بھی ہلّہ بول دیا۔ ان کے پاس دو گھوڑے تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جنگ مایار کے دن سمند کی باری تھی۔ جس طرف باگ اٹھاتے دشمن کی صفیں چیر کر رکھ دیتے۔ تین چار مرتبہ درانی لشکر میں گھسے اور تلواریں مارتے ہوئے پار نکل گئے۔ ان حملوں میں خود بھی زخموں سے چور ہو گئے۔ آخر گھوڑے سے گر پڑے۔ جسم ذرا فربہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زرہ کی کڑیاں گوشت میں گھس گئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ جنگ کے بعد انہیں میدان سے اٹھا کر لائے تو جس کی نظر محبوب رسالدار پر پڑتی بے اختیار اشک بار ہو جاتا۔ خود رسالدار بالکل صابر وشاکر تھے۔ ایک بھی مرتبہ تکلیف کا کوئی کلمہ زبان پر نہ آیا۔ وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک بیان ہے کہ تورو پہنچ کر وفات پائی، دوسرا بیان ہے کہ تورو سے انہیں پنجتار لے گئے تھے، وہیں جاں بحق ہوئے۔

شانِ انتظام

راویوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا گھوڑا ہر وقت ساز وسامان سے لیس رہتا تھا تاکہ ضرورت کے موقع پر ادائے فرائض میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہو۔ انتظام کی یہ کیفیت تھی کہ کسی شخص کو کسی معاملے میں دخل دینے کی مجال نہ تھی اور کسی کی سفارش نہ سنتے تھے۔

ان کے بعد حمزہ علی خاں رسالدار مقرر ہوئے۔ وہ بڑے عابد وزاہد اور صاحب تاثیر تھے۔ سپاہ گری اور نیزہ بازی میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔ حمزہ علی خاں حج میں بھی ساتھ تھے۔ انہیں کی یہ روایت ہے کہ سید صاحب کے پاس قیامِ کلکتہ کے دوران میں بے اندازہ شیرینی آتی تھی اور اس میں اکثر بتاشے ہوتے تھے۔ سید صاحب کو ایک آدھ بتاشہ چکھنا پڑتا تھا۔ چکھتے چکھتے زبان مبارک پر آبلے پڑ گئے تھے۔

اہل وعیال

کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ رسالدار عبدالحمید خاں کے متعلقین میں سے کون کون موجود تھے۔ سید صاحب کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اہل وعیال سرونج میں تھے۔ ایک مکتوب میں نواب وزیر الدولہ کو لکھتے ہیں کہ اخلاص نشان عبدالحمید خاں خدمت دین میں مستعدی سے مصروف ہیں۔ ان کے متعلقین آپ کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی پرورش پر خاص توجہ مبذول رکھیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرہواں باب:

سید محمد علی رام پوری

معلوم نہیں، سید محمد علی نے کس زمانے میں بیعت کی، البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ مجاہدین کا قافلہ لے کر ابتدائی دور ہی میں سرحد پہنچ گئے تھے۔ جس زمانے میں سید محبوب علی دہلوی کی مراجعت کے باعث قافلوں کی آمد رک گئی تھی، اس زمانے میں جن اصحاب کو بہ غرض دعوت و تبلیغ ہندوستان بھیجا گیا، ان میں سید محمد علی بھی تھے۔

وقائع کا بیان

''وقائع'' میں ان کے ارسال کی کیفیت یوں بیان ہوئی ہے:

''مولوی محمد علی رام پوری کو حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تم طرف حیدرآباد دکھن کے جاؤ۔ انہوں نے عذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی عالم سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ یہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے انبوہ میں وعظ و درس کہوں۔ مجھ کو تو آپ کسی کام کو وہیں بھیجیں کہ وہ کام کر کے چلا آؤں۔ آپ نے فرمایا کہ خیر، جس بات کا عذر کرتے ہو، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عذر دور کر دے۔ پھر آپ نے اپنا کرتا اور پاجامہ اور تاج (ٹوپی) ان کو پہنایا۔ چار پانچ آدمی ان کے ہمراہ کیے۔ ان میں ایک نعیم خاں رام پوری تھے اور دوسرے عنایت اللہ خاں تنالی والے اور تیسرے عبداللہ کہ انہیں کے رفیقوں میں سے تھے اور باقی کے نام یاد نہیں اور فرمایا کہ یہاں سے سندھ کو جانا۔ وہاں پیر کوٹ میں بی بی صاحبہ سے ملتے ہوئے کراچی بندر کو جانا۔ وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بمبئی میں اترنا پھر وہاں سے حیدرآباد کو جانا۔(۱)

حیدرآباد

سید محمد علی نے حیدرآباد کا قصد کیا تو وہاں مخالف بھی تھے اور موافق بھی۔ مولوی حیدر لکھنوی دیوان چندولال کے پیشکار تھے، انہوں نے سید محمد علی کی آمد کو دیوان کے سامنے نہایت برے رنگ میں پیش کیا۔ کہا کہ وہ سید احمد کے خلیفہ ہیں، جو انگریزوں سے لڑتے ہیں۔ چندولال بولا کہ پھر تو انہیں قید کرنا چاہیے۔ سید محمد علی پیش آنے والی آفات سے بالکل بے پروا تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے مرشد کا حکم پورا کریں خواہ کوئی صورت پیش آئے۔

قاری عبداللہ سید صاحب اور سید محمد علی کے معتقدین میں سے تھے۔ اس وقت حیدرآباد میں دستور تھا کہ باہر سے معززین آتے تو سرکاری طرف سے ان کی سواری کے لئے گھوڑے، ہاتھی اور پالکیاں ملتیں اور حسین شاہ ولی کی درگاہ سے انہیں شہر میں لاتے۔ قاری عبداللہ نے سید محمد علی کیلئے یہی انتظام کرنا چاہا۔ مولوی عبیدالحسن بنگالی شاہ عبدالعزیز کے شاگرد کمپنی کے وکیل تھے۔ ان کی وساطت سے درخواست کی۔ انہوں نے چندولال سے کہا کہ سید محمد علی بن علی فرخ آبادی کے خویش ہیں، ان کا اعزاز ہونا چاہیے۔ چندولال نے کہا: ابن علی میرے محسن ہیں، سید محمد علی کا اعزاز ضرور ہوگا اور میں خود بھی ان کی ملاقات کا آرزومند ہوں۔

غرض سید محمد علی کو بڑے اعزاز سے شہر میں لائے۔ انہیں چندولال سے ملنا پسند نہ تھا، لیکن حالات کی وجہ سے مجبور تھے، ملاقات ہوئی تو چندولال نے اڑھائی سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور دو ہزار کی رقم یک مشت مہمانداری کیلئے دی۔ سید محمد علی کی دعوت تبلیغ سے حیدرآباد میں سنت کا احیاء ہوا۔ مبارز الدولہ اور بڑے بڑے امرا اس دور میں

---

(۱) ''وقائع'' ص ۵۰۷، ۵۰۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صراط مستقیم پر قائم ہوئے۔ پھر مولوی صاحب کو مدراس جانے کا حکم ہوا اور مولوی ولایت علی حیدرآباد آگئے۔

اس زمانے میں چندولال کے ساتھ تعلق رکھنے والے منیر الملک سے نہ ملتے تھے۔ سید محمد علی نے فرمایا کہ مجھ پر حیف ہے ہندو سے ملوں اور مسلمان سے نہ ملوں، چنانچہ ایک دوست کی وساطت سے ملاقات کا انتظام کیا۔ ان کے ہاں موت وغیرہ کے تذکرے نہ ہوتے تھے۔ سید محمد علی نے احوالِ آخرت کے متعلق ایسا وعظ فرمایا کہ سب سننے والوں کے دل ہل گئے۔

مدراس

سید محمد علی حسب الحکم حیدرآباد سے نکلے تو کرنول، کڈپا اور ویلور ہوتے ہوئے محرم ۱۲۴۵ھ (جولائی ۱۸۲۹ء) میں مدراس پہنچے جس کا پرانا نام چینا پٹن تھا اور اسے عام لوگ پٹن بھی کہتے تھے۔ سید محمد علی نے ملا بحرالعلوم کے فرزند مولوی عبدالرب کے مدرسے میں ڈیرے ڈالے اور کتاب وسنت کی اشاعت شروع کی۔ آپ کے وعظ سے ہزاروں لوگ راہِ راست پر آئے۔ ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر نواب خان عالم خاں بہادر تہور جنگ ہیں، جو مدراس کے معزز روسا میں سے تھے اور ان کی صاحبزادی نواب ارکاٹ کی بیگم تھی۔ نواب موصوف نے بیعت کرتے ہی راہِ سنت اختیار کر لی اور اپنے گھر کی وہ تمام چیزیں تڑوا ڈالیں جو شریعت کی رو سے ناجائز تھیں۔

تبلیغ کے نتائج

خود نواب خان عالم نے سید محمد علی کی تبلیغ کے اثرات یوں بیان کیے ہیں:

۱۔ شراب، سیندھی، گانجا پینے والے فاسق اور نرسو(۱) کو پوجنے والے عوام وخواص پنج وقتہ نماز پڑھنے لگے۔

(۱) ایک ہندو دیوتا جسے مسلمان بھی پوجتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲۔ مردوں کے علاوہ بعض عورتیں بھی تہجد گزار ہوگئیں۔

۳۔ تمام غیر شرعی اعمال ورسوم کا خاتمہ ہوگیا۔(۱)

دس مہینے کی تبلیغ کے یہ کرشمے دیکھ کر مخالف بھی جوش میں آگئے اور انہوں نے اعتراضات شروع کر دیے۔ سید محمد علی کا طریقہ یہ تھا کہ فضول بحثوں اور مناظروں میں نہ الجھتے، اپنے اصل مقصد سے کام رکھتے اور اصلاح عقائد واعمال پر زور دیتے۔

مدراس کا دوسرا سفر

سید صاحب کی شہادت کے بعد سید محمد علی رام پور چلے گئے۔ ۱۲۵۰ھ میں حج کے ارادے سے کلکتہ پہنچے تو مدراس والوں نے پے در پے درخواستیں بھیجیں کہ یہاں ٹھہرتے ہوئے جائیے بلکہ نواب ارکاٹ کی والدہ نے ایک خاص آدمی کلکتہ روانہ کر دیا کہ سید محمد علی کو ہمارے جہاز ''دریادولت'' پر سوار کر کے لائیے۔ ان کی اولین غرض یہ تھی کہ سید محمد علی صاحب سے اپنے بیٹے کیلئے اولاد کی دعائیں کرائیں۔ سید موصوف مدراس پہنچ کر پہلے تنیاں پیٹ میں ٹھہرے وہاں ان کیلئے بڑی حویلی خالی کرادی گئی تھی۔ پھر نواب ارکاٹ کی والدہ نے جعفر علی خاں خانساماں کو بھیج کر سید صاحب کو اپنے ہاں بلایا اور سید صبغۃ اللہ شاہ کی حویلی میں اتارا۔ سید موصوف کی دعاء سے خدا نے نواب ارکاٹ کو اولاد عطا کی۔

اس موقع پر مخالفوں نے شدید ہنگامے بپا کیے اور ہر ممکن کوشش کی کہ سید محمد علی کی دل آزاری اور اذیت رسانی میں کوئی کسر رہ نہ جائے۔ مخالفوں میں جمال فرنگی محلی، مولوی اسلمی اور ارتضا علی خاں پیش پیش تھے۔ زیادہ تر بحثیں شاہ اسمٰعیل کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت کے متعلق ہوتی رہیں۔ ایک موقع پر سید محمد علی کو زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی تھی، لیکن آپ اور آپ کے متعلقین خدا

(۱) تنبیہ الضالین۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے فضل سے محفوظ رہے

خان عالم خاں کی استقامت

نواب خان عالم خاں بہادر پر بھی وار ہوئے۔ چنانچہ نواب سے کہہ کر انکی تنخواہ بند کرادی گئی، جسکی مقدار گیارہ سو روپیہ ماہانہ تھی۔ ان کی صاحبزادی (بیگم نواب ارکاٹ) کو بھی بہت تنگ کیا گیا کہ کسی طرح وہ غیر شرعی مراسم اختیار کر لیے جائیں، جو عام طور پر اس زمانے میں رائج تھے۔ اس حق پرست خاتون کا نواب کو صرف ایک جواب تھا:

"میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ کے ہر فرمان کو ماننے کیلئے ہمہ تن تیار ہوں، لیکن قبر اور آخرت کے معاملات سب کے الگ الگ ہیں۔ میں آپ کے فرمان سے کسی غیر شرعی امر کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔"

سید پر ظلم و جور

سید محمد علی نے بار ہا اعلان کیا کہ میرا عقیدہ اور عمل وہی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے اور جو کچھ خلافِ سنت ہے اسے غلط سمجھتا ہوں، خواہ وہ کسی کی طرف سے ہو، لیکن مخالفوں نے انہیں چین نہ لینے دیا۔ سید موصوف کے ایک نیاز مند نے اس ابتلا کی ایک تاریخ کہی جو ذیل میں درج ہے۔

بر محمد علی جفائے چنٗں — رفت چوں جورِ شام بر حسنینؓ
ہست تاریخ ایں بلائے عظیم — یادِ مظلومیٔ امام حسینؓ

۱۲۵۱ھ

سید محمد علی نے اس کے بعد حج کیا۔ پھر احیائے دین کے کام میں لگے رہے۔ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

میاں جی محی الدین چشتی

یہ سید صاحب کے مخلص ارادت مند تھے۔ ان کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ انھیں شاہ بخارا کے پاس دعوتِ جہاد کی غرض سے بھیجا گیا۔ جب سفارت کی تجویز پختہ ہو گئی تو سید صاحب نے فرمایا کہ کوئی موزوں آدمی تجویز کیا جائے۔ شاہ اسمٰعیل نے میاں جی چشتی کا نام تجویز کیا۔ سید صاحب نے انھیں تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ نو آدمی ساتھ لے جائیں، چنانچہ انھوں نے مندرجہ ذیل آدمی تجویز کیے: شیخ محب اللہ ساکن کھڈا شکار پور (ضلع مظفر نگر)، نصیر الدین، رحیم بخش، اسمٰعیل خاں، ہمت خاں، فتح یاب خاں، حکیم عبد الحکیم دہلوی جو حکیم جی اونٹنی والے مشہور تھے۔ دو آدمی قندھاری تھے۔

سید صاحب نے انھیں کئی قلمی قرآن مجید دیے کہ راستے کے رؤسا کو دیتے جائیں۔ ان میں سے ایک قرآن مجید شاہ بخارا کیلئے تھا۔ متعدد اعلام نامے دیے۔ میاں جی صاحب اس لمبے سفر سے جنگ زیدہ کے تین روز بعد واپس آئے۔ سفر کی کیفیت ذیل میں درج ہے، جو میاں جی صاحب کے برادر نسبتی شیخ محب اللہ سے معلوم ہوئی۔ شیخ صاحب سید صاحب کی شہادت کے بعد ٹونک میں آ بسے تھے اور وہاں انھوں نے دکان کھول لی تھی۔

میاں جی صاحب نے خرچ کیلئے نقد روپیہ بھی ساتھ لے لیا تھا، لیکن واقف کار لوگوں نے انھیں مشورہ دیا کہ بعض حصوں میں سکے کا رواج ہی نہیں اور جنس کے بدلے جنس لی جاتی ہے، چنانچہ انھوں نے ایسی چیزوں کی خاصی مقدار ساتھ لے لی، جن کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طلب راستے کے لوگوں کو رہتی تھی، مثلاً ہلدی، سونٹھ، نمک، سوئیاں، سوتی کپڑا۔

وہ باجوڑ ہوتے ہوئے چترال گئے اور شاہِ چترال سے ملاقات کی۔ سید صاحب کا ایک مکتوب انھیں دیا۔ اس نے قیام وطعام کا اچھا بندوبست کر دیا۔ وہاں میاں جی صاحب کے آدمیوں نے اپنی چیزیں فروخت کیں، مثلاً ایک ایک سوئی کی قیمت پچیس تیس سیب یا ناشپاتیاں مل جاتی تھیں۔ سونٹھ اور ہلدی کی ایک ایک گرہ انگور کے پانچ پانچ خوشے دے کر خریدی جاتی تھی۔ کپڑے کا تھان جو بارہ تیرہ آنے کو خریدا گیا تھا، اس کے بدلے پشمینے کا نہایت عمدہ چوغہ مل جاتا تھا۔ حکومت کا کاروبار بہت سادہ تھا۔ وہاں مشعلیں بھی ناپید تھیں۔ لوگ چیڑ کی لکڑیاں جلا کر مشعلوں کا کام لیتے تھے۔

چترال سے بدخشاں کی سرحد تک رہبروں کا انتظام شاہ چترال نے کر دیا۔ پھر یہ قافلہ فیض آباد پہنچا۔ وہاں کے حاکم سے میاں جی نے قلعے میں ملاقات کی۔ اس نے بھی قافلے کو عزت سے ٹھہرایا اور مہمانداری کا انتظام کر دیا۔ پانچ دن فیض آباد میں گزار کر قندز روانہ ہوئے، جہاں کا حاکم محمد مراد بیگ تھا۔(۱)

وہاں بھی قافلے کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ عام لوگوں کی زبان ترکی تھی۔ شہر کے لوگ فارسی اور ترکی دونوں بولتے تھے۔ میاں جی نے محمد مراد بیگ کو بھی ایک قرآن اور ایک اعلام نامہ دیا۔ اس نے ایک درباری کو قافلے کی مہمانداری کا حکم دے دیا۔ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں مراد بیگ سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہاں پلنگ پر سونے کا دستور نہ تھا۔ عام لوگ فرش پر قالین بچھا کر سوتے تھے۔ غیر مسلموں کو حکم تھا کہ مسلمان سامنے آ جائے تو گھوڑے سے اتر پڑیں۔ شلوار یا سفید پگڑی نہ باندھیں۔ صرف ایک ہندو آتما رام ان پابندیوں سے آزاد تھا۔ وہ پشاور کا باشندہ تھا اور اس نے ایک نہایت

(۱) موہن لال دہلوی عرف حسن جان نے اپنے سفرنامے میں مراد بیگ کا حلیہ یوں بیان کیا ہے: قد چھوٹا، جسم دبلا پتلا، آنکھیں بہت چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی، ڈاڑھی کے چند بال صرف ٹھوڑی پر، رحم وانصاف سے ناآشنا، معمولی جرموں پر سخت سزائیں دیتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نازک موقع پر مراد بیگ کیلئے رسد کا انتظام کر دیا تھا، مراد بیگ نے اس کی خواہش کے مطابق تمام پابندیاں اٹھادیں اور اسی کو اپنے عام کاروبار کا مختار بنادیا۔

قندز کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی کہ ہفتے میں دوبار ایک کھلی جگہ بازار لگتا تھا، جس میں شام تک خرید وفروخت جاری رہتی تھی۔ دوکاندار ہلکی چیز تو گھر اٹھا لے جاتے تھے، باقی سب چیزیں میدان ہی میں چھوڑ جاتے اور کسی کا ذراسا بھی نقصان نہ ہوتا۔

میاں جی صاحب نے اپنے چھ ساتھی قندز میں چھوڑے اور تین کو ہمراہ لے کر بخارا پہنچے۔ شاہ بخارا نے عزت وتکریم سے اتارا۔ مہمانداری کا عمدہ انتظام کر دیا۔ ابتدا میں بڑی گرم جوشی سے ملتا رہا، پھر ملاقات میں پہلی سی گرم جوشی باقی نہ رہی۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے درباریوں نے غلط بیانی کے ذریعے سے شاہ کو بدظن کر دیا ہے۔ غلط بیانی یہ تھی کہ سید صاحب جہاد کیلئے نہیں آئے بلکہ انگریزوں نے اپنا جال وسط ایشیاء میں پھیلانے کی غرض سے انھیں بھیجا ہے، لہٰذا ان کی امداد نہ کرنی چاہئے۔

میاں جی چشتی پانچ مہینے وہاں ٹھہرے رہے۔ جب دیکھا کہ مزید قیام بالکل فضول ہے تو واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ شاہ نے انھیں ایک ترکی گھوڑا، تین یابو، تین تھان کتان کے اور پچاس اشرفیاں دیں۔ چنانچہ وہ ایک قافلہ کے ساتھ قندز پہنچے وہاں سے بدخشاں آئے، جہاں حکیم عبدالحکیم نے وفات پائی۔ پھر چترال، سوات اور بنیر ہوتے ہوئے پنجتار پہنچے۔ اس سفر میں تقریباً دو سال صرف ہوئے۔

میاں جی صاحب کا ذکر جنگ مایار میں بھی آیا ہے، جس میں ان کی ایڑی پر ایسا سخت زخم لگا تھا کہ چلنے سے معذور ہو گئے تھے۔ جنگ بالاکوٹ میں شریک نہ تھے غالباً معذوری کے باعث انہیں وہیں چھوڑ دیا تھا جہاں بی بی صاحب مقیم تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پندرھواں باب:

نواب وزیرالدولہ

آپ امیر الدولہ امیر الملک نواب محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ والیٔ ٹونک کے فرزند ارجمند تھے۔ ۲۷ رجمادی الاخریٰ ۱۲۵۰ھ (۳۱ راکتوبر ۱۸۳۴ء) کو مسند نشین ہوئے۔ اکبر شاہ ثانی مغل شہنشاہ ہند کی طرف سے وزیرالدولہ امیر الملک بہادر نصرت جنگ کا خطاب ولی عہدی کے زمانے ہی میں عطا ہو چکا تھا۔ باپ بیٹا دونوں سید صاحب کے مخلص ارادت مند تھے۔ بیٹے نے باقاعدہ بیعت کر کے منصب خلافت حاصل کیا تھا۔ ایک نیاز مند نے لکھا ہے:

امیرالمومنین را نائب خاص ❁ مجسم ذات او از صدق و اخلاص
وزیرالدولہ آں ذوالفیض والجود ❁ ہمیں در کنیتش "بوالفیض" موجود
ز نقد معرفت گنجینۂ اوست ❁ کہ سرّ احمدی در سینۂ اوست
چووے دیگر کریم اردیدہ باشم ❁ بہ ایزد دیگرے گر دیدہ باشم(۱)

نواب وزیرالدولہ نے کم وبیش تیس سال عدل وداد سے حکومت کی۔ ۱۳ رمحرم الحرام ۱۲۸۱ھ (۱۸ رجون ۱۸۶۴ء) کو نماز ظہر کے وقت نظر باغ کی کوٹھی میں انتقال کیا۔

روزانہ زندگی

ان کی زندگی اسلامیت کا نہایت پاکیزہ نمونہ تھی۔ تہجد اور ظہر کے سوا تمام نماز دن

(۱) کیا عظمت ہے کہ میں نے نواب جیسا دوسرا نہیں دیکھا۔ اگر یہ بات جھوٹی ہو تو مجھے شرک کا مجرم سمجھو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کیلئے گرمی ہو یا سردی پیدل مسجد میں جاتے، بارش میں بھی یہ پروگرام بدستور قائم رہتا۔ مستغیث راستے میں مل جاتا تو ساتھ لے آتے اور اس کا بیان سنتے۔ روزانہ مشاغل کی کیفیت یہ تھی: صبح کی نماز مسجد میں ادا کرتے اور اوراد و وظائف کا سلسلہ طلوع کے بعد تک جاری رہتا۔ نماز اشراق کے بعد تھوڑی دیر کیلئے دیوان خانے میں جاتے۔ پھر کبھی پالکی میں بیٹھ کر اور کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کرتے۔ بعد ازاں فنونِ سپہ گری کے استاد آجاتے۔ مثلاً بانک، پٹا، پھینک، رستم خانی، علی مدد، مگدر، نیزہ بازی، تیر اندازی وغیرہ اور تھوڑی دیر تک ان فنون کی مشق جاری رہتی۔ مشق سے فارغ ہو کر خاصہ تناول فرماتے اور سپاہ کے متعلق رپورٹیں سنتے۔ دوپہر کے بعد قیلولہ کرتے۔ ظہر کی نماز ادا کر کے قرآن پڑھتے۔ سہ پہر کے وقت اہل کار طلب کر لیے جاتے اور خزانے کے کاغذات دیکھتے۔ رات کا کھانا کبھی نماز مغرب کے بعد اور کبھی نماز عشاء کے بعد کھاتے۔ نماز عشاء کے بعد حافظ کریم اللہ سے قرآن سنتے۔ پھر شاہنامہ پڑھا جاتا۔

شانِ عقیدت

سید صاحب سے عقیدت کے جو عملی ثبوت نواب وزیر الدولہ نے پیش کیے، کم از کم امراء کی صف میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ جہاد میں ہر ممکن امداد کی۔ سفر ہجرت میں ٹونک سے اجمیر تک سید صاحب کے ہمرکاب رہے۔ جب سنا کہ سرحد میں سید صاحب کو امامِ جہاد بنالیا گیا ہے تو نواب مرحوم نے معابیعت نامہ سید صاحب کی خدمت میں بھیج دیا اور عرض کیا کہ حکم ہو تو وہاں حاضر ہو جاؤں۔ سید صاحب نے روک دیا کہ تھوڑی دیر انتظار کیجئے۔ شہادت کے بعد سید صاحب کے اہل و عیال اور متعلقین کو باصرار ٹونک میں بلوالیا اور سید صاحب کی اہلیہ کی پالکی ایک میل کے فاصلے سے اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے۔ تمام متعلقین کیلئے وظیفے مقرر کیے۔ سید صاحب کی بڑی صاحبزادی سیدہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سائرہ کیلئے گیارہ ہزار کی جاگیر مقرر فرمائی۔ جماعت مجاہدین سے جتنے اصحاب ٹونک پہنچے ان سب کیلئے موزوں عہدے تجویز فرمادیے۔ جن اصحاب نے عہدے قبول نہ کیے، ان کیلئے وظیفے مقرر کردیے۔ جماعت مجاہدین کیلئے ایک الگ محلہ آباد کردیا، جو اب تک ''محلہ قافلہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

سید صاحب کے حالات

اس سے بھی قابل ستائش کارنامہ یہ ہے کہ جماعت مجاہدین میں سے جتنے اصحاب اپنے اپنے وطنوں میں واپس آ گئے تھے، پے درپے قاصد بھیج کر انہیں ٹونک بلوایا اور اس کام پر مامور کردیا کہ سید صاحب کے متعلق تمام مستند حالات جمع ہو جائیں، چنانچہ سید صاحب کے بڑے بھانجے سید محمد علی سے ''مخزنِ احمدی'' مرتب کرائی، جو سفر حج کے اختتام تک سید صاحب کے حالات میں ایک مستند کتاب ہے۔ یہ کتاب ایک مرتبہ مطبع مفید عام آگرہ میں چھپ بھی گئی تھی۔ سید جعفر علی نقوی نے ''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء'' فارسی میں مرتب کردی، جو کم و بیش بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ علاوہ بریں مختلف مجاہدین روزانہ قافلے کی مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس شخص کو جو حالات معلوم ہوتے، وہ بطور روایت بیان کرتا اور یہ روایت نقل کرلی جاتی۔ کسی کو اس روایت کے کسی حصے سے اختلاف ہوتا تو اس کا اختلاف الگ بطور روایت لکھ لیا جاتا۔ سید صاحب کے حالات کے متعلق مستند روایات کا یہ نہایت بیش بہا ذخیرہ ہے۔

خدمتِ حق

سید صاحب کی شہادت سے کچھ مدت بعد مولوی سید نصیر الدین دہلوی نے احیاءِ تحریک جہاد کی کوشش کی تھی اور مولوی صاحب موصوف بھی سید صاحب کی طرح مجاہدین کی ایک جماعت کے بعد دہلی سے سندھ پہنچ گئے تھے۔ وہاں کچھ مدت سندھ میں رہے۔ پھر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر دوست محمد خاں کی حمایت میں انگریزی فوج سے جنگ کی، جس نے شاہ شجاع کو تخت کابل پر بٹھانے کیلئے پیش قدمی کی تھی۔ بعد ازاں مولوی صاحب ستھانہ پہنچ گئے اور جماعت مجاہدین کی قیادت سنبھال لی۔ نواب وزیر الدولہ نے ان کی امداد میں بھی کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا تھا۔

وصایا

نواب وزیر الدولہ کے فرزند ارجمند یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں بہادر صولت جنگ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے انہیں تین سال بعد مسند حکومت سے اتار کر بنارس بھیج دیا، اگرچہ اس عزل کے وجوہ بظاہر کچھ اور بتائے گئے۔ نواب وزیر الدولہ بڑے جید عالم تھے، اس کا اندازہ ان کی ضخیم کتاب "وصایا الوزیر علی طریق البشیر والنذیر" سے ہو سکتا ہے۔

اس کتاب میں سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے بعض دوسرے اکابر کے متعلق بہت سی حکایتیں درج کی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتیں۔ اگرچہ ملک کے سیاسی حالات نے انہیں اور بعض دوسرے مخلصین کو بے بس کر دیا تھا، لیکن دلی جذبات بعض اوقات بے اختیار زبان پر آجاتے تھے۔ "وصایا" میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ میرے والد (نواب امیر خاں) اور انگریزوں کے درمیان صلح کی گفتگو ہو رہی تھی تو سید صاحب نے پیشتر بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں علاقے نواب کو ملیں گے، چنانچہ وہی علاقے ملے۔ اس حکایت میں لکھتے ہیں:

> "در ہنگامے کہ انگریز کفر انگیز و شرک ریز، یابار خدایا بہ خدائی تو کہ سر و پاش ریزریز، آہنین بر پدرم لشکر کشی نمود۔ (۱) الخ

(۱) "وصایا" حصہ دوم ص: ۱۲۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیکر اتباع

بہر حال نواب وزیر الدولہ بڑے ہی بلند پایہ بزرگ تھے۔ سید محمد علی نے ایک حکایت کے سلسلے میں چند شعر لکھے ہیں، جن میں نواب کے اخلاق کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ فرماتے ہیں:

زیں دوسہ ابیات کہ بنوشتہ ام ❁ مژدہ دہ احمدیاں گشتہ ام
خاصہ بہ نواب ملائک مآب ❁ بر فلکِ شرع نبیؐ آفتاب
شمع ہدیٰ زو شدہ افروختہ ❁ خرمن بدعت شد ازو سوختہ
سنت احمد شدہ زو مستقیم ❁ بدعت ازو شد بہ جہنم مقیم
سایہ او تا بہ دم نفخ صور ❁ یارب ازیں خاک نہ سازی تو دور

مختلف بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ممدوح بہت کثیر الدعاء تھے۔ ہر کام کے آغاز و انجام پر دعاء کرتے۔ بعض اوقات دربار میں دعاء کی ضرورت پیش آجاتی، خود اٹھتے "دوگانہ" ادا کر کے دعاء کرتے یا قبلہ رخ کھڑے ہو کر مصروف دعاء ہو جاتے، اس موقع پر درباریوں کو تاکید تھی کہ قواعد دربار کے مطابق کوئی جگہ سے نہ اٹھے اور جہاں بیٹھا ہے، بیٹھا رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سولہواں باب:

سید قطب علی اور سید جعفر علی

مجھوا میر ضلع بستی (یوپی) وطن، متوسط درجے کے زمیندار تھے۔ شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کے بیان کے مطابق علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ان کا پایہ بلند تھا۔ سید صاحب نے شیخ اسحاق کو خلافت دینی چاہی تو انہوں نے قلتِ علم کے عذر کی بنا پر سید قطب علی ہی کا نام لیا تھا۔ اس دریائے فیض نے بے تکلف فرمایا کہ سید موصوف کو بھی لے آؤ۔

قطب علی سترہ آدمیوں کو لے کر سید صاحب کے پاس اس زمانے میں تکیہ شریف پہنچے جب آپ حج سے واپس آئے تھے۔ اس قافلے میں ان کے چھوٹے بیٹے سید حسن علی بھی شامل تھے۔ بڑے بیٹے سید جعفر علی، صاحب ''منظورۃ السعداء'' اس وقت لکھنؤ میں تعلیم پا رہے تھے، وہ علالت کے باعث ساتھ نہ جاسکے۔ سید قطب علی بہت کبیر السن تھے۔ رائے بریلی سے ایک کوس کے فاصلے پر زحمتِ سفر کے باعث بیمار پڑ گئے۔ تکیہ شریف پہنچے تو ان کی مہمان داری سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب کے سپرد ہوئی۔ ایک مہینہ ٹھہرے رہے، پھر سید صاحب نے مولانا عبدالحئی سے خلافت کی سند لکھوادی۔

سید صاحب کی شہادت کا غم

قصد ہجرت کی شہرت ہوئی تو سید قطب علی بھی معیت کیلئے تیار ہو گئے۔ سید صاحب نے ضعیفی کے پیش نظر انہیں روک دیا اور فرمایا کہ دعا کرتے رہیے اور ہمارے بلاوے کا انتظار کیجئے۔ امتثالِ امر میں وہ رک گئے۔ سید صاحب کی شہادت کی خبر سن کر بہت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روئے۔ مولوی جعفر علی نقوی کا بیان ہے کہ بار بار فرماتے تھے: کاش میرا بیٹا (سید جعفر علی) مر جاتا اور سید صاحب زندہ رہتے۔ نیز فرماتے تھے کہ سید صاحب کے ہاتھوں غلبۂ اسلام دیکھنے کی آرزو تھی، اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ مولوی سید جعفر علی کے بیان کے مطابق انہوں نے فرمایا:

''تمنا بود کہ اللہ تعالیٰ از دست حضرت امیر المومنین کفار نگونسار را از یں دیار پاک کردہ شوکت اسلام معائنہ نماید۔ چوں جناب ممدوح در دنیا نہ ماندند، ما ہم اگر مردیم چہ غم است۔''

ترجمہ: آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر المومنین کے ہاتھوں اس سرزمین کو کافروں سے پاک کرے اور اسلام کا غلبہ دکھائے۔ امیر المومنین زندہ نہ رہے، مجھے بھی موت آجائے تو کیا غم ہے۔

وفات

غالباً ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں وفات پائی۔ آخری وقت میں متعلقین کو جو وصیتیں کیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ توحید پر قائم رہو اور سنت کا اتباع کبھی نہ چھوڑو۔

۲۔ میرے بعد کسی بدعت کا ارتکاب نہ ہونے پائے، ورنہ قیامت کے دن تم سے مواخذہ کروں گا۔

۳۔ میرے مرنے پر نہ نوحہ کیا جائے، نہ سوم یا کوئی دوسری رسم منائی جائے۔

سید جعفر علی

مولوی سید قطب علی کے فرزند اکبر تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں بمقام مجھوا میر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ لکھنؤ جا کر علوم کی تکمیل کی۔ والد ماجد اور چھوٹا بھائی سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حسن علی تکیہ شریف جا کر بیعت کر چکے تھے۔ سید جعفر علی بوجہ علالت نہ جا سکے۔ کچھ مدت بعد سید صاحب بغرض جہاد رائے بریلی سے سرحد چلے گئے اور سید جعفر علی کو شرف لقاء بھی حاصل نہ ہوا۔

باپ اور بھائی کی محبت میں ان پر بھی سید صاحب کا رنگ چڑھ گیا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں سبقت بالخیر کیلئے کشاکش شروع ہوگئی۔ والدین کبیر السن تھے، دو بھائیوں کے سوا گھر میں کوئی نہ تھا جو ان کی خبر گیری کرتا۔ بڑے کا اصرار تھا کہ چھوٹا گھر پر خبر گیری کیلئے موجود رہے اور میں جہاد کیلئے جاؤں۔ چھوٹا بار بار کہتا تھا کہ بڑے کو والدین کی خدمت میں رہنا چاہیے اور مجھے جہاد کیلئے جانے کی اجازت دی جائے۔ آخر چھوٹے بھائی نے یہ معاملہ آخری فیصلے کی غرض سے بوڑھی والدہ کے سامنے پیش کر دیا۔ اس خدا دوست خاتون نے کہا جو جانا چاہے اسے روکا نہیں جا سکتا، جو نہ جائے وہ گناہ گار ہوگا۔ تم دونوں بھائی آپس میں فیصلہ کر دو، ہم اپنی عاقبت کیوں خراب کریں۔

قطعی فیصلہ

اس اثناء میں سید جعفر علی کو ایک مقدمے کے سلسلے میں گورکھپور جانا پڑا۔ وہاں سے لوٹے تو ان کے استاد مولوی حیدر علی کا خط آیا پڑا تھا کہ فقیر محمد خاں رسالدار کو ردِ روافض میں بعض رسائل و کتب کی تصحیح کیلئے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ یہ خدمت قبول کر لو۔ لیکن سید جعفر علی سید صاحب کی خدمت میں پہنچنے کا عزم صمیم کر چکے تھے، اس لئے مولوی حیدر علی کو معذرت لکھ بھیجی پھر منت سماجت سے چھوٹے بھائی کو خدمت والدین کے لئے ٹھہرے رہنے پر راضی کر لیا اور خود جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ گھر میں غلہ بہت تھا، لیکن نقد روپے زیادہ نہ تھے۔

انکی شادی ہو چکی تھی۔ گویا والدین کے علاوہ عیالداری کی زنجیر بھی انکے پاؤں میں پڑ چکی تھی، لیکن سلطانِ فرض کے حکم کی بجا آوری میں انہوں نے علائق کے تمام رشتوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے بے تکلف انقطاع اختیار کر لیا۔ بھائی کے سوا کسی کو ان کے حقیقی ارادے کا علم نہ تھا۔

روانگی

گورکھپور میں مقدمے کی پیروی کیلئے انھیں وقتاً فوقتاً جانا پڑتا تھا، دل میں طے کر لیا کہ وہیں سے منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ گھر میں صرف ایک گھوڑا تھا، اسی پر حسب ضرورت والد یا دونوں بھائی سوار ہوتے تھے، چنانچہ بظاہر مقدمے کی پیروی کے لئے گورکھپور روانہ ہوئے، گھوڑے کی دیکھ بھال کیلئے ایک ملازم کو ساتھ لے لیا، رخصت ہوتے وقت والد ماجد سے عرض کیا کہ "دعاء فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے فتح ونصرت سے واپس لائے"۔ انھوں نے سمجھا کہ مقدمے میں کامیابی کیلئے دعا کے طلب گار ہیں، چنانچہ انھوں نے دعاء کی۔ یوں صاحب عزم بیٹا والدین اور گھر بار سے رخصت ہوا اور اس منزلِ دشوار میں اس نے قدم رکھا جہاں سے زندہ آنے کی امید موہوم تھی، بھائی چھ کوس تک گیا، اپنی بندوق پیش کی، سید جعفر علی نے کہا اسے اپنے پاس رکھو، مجھے خدا اور دیدے گا، بھائی نے روتے ہوئے کہا کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدا ہو رہے ہیں تو دنیا کی دولت میرے لئے کیا حقیقت رکھتی ہے؟ سید جعفر علی نے اسے تسلی دی اور وصیت فرمائی کہ والدین کی خدمت میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھنا۔

سید جعفر علی نے اپنے بعض ہم مشرب دوستوں کو پہلے سے اطلاع دے رکھی تھی اور فیصلہ یہ ہوا تھا کہ تمام دوست مقررہ تاریخ پر ایک خاص جگہ جمع ہو جائیں۔ سید جعفر علی کا بھائی چلا گیا تو ان کے ایک دوست شیخ داراب مل گئے اور دوسرے دوستوں کے انتظار میں دونوں نے اکٹھے سفر شروع کیا۔

راہِ حق میں پہلا قدم

عجیب بات یہ ہے کہ انسان راہِ خدا میں قدم اٹھاتا ہے تو اکثر ابتدا ہی میں امتحان کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سختیاں پیش آجاتی ہیں، یہ غالباً قدرت کی طرف سے تربیت کا ساز وسامان ہوتا ہے۔ سید جعفر علی گھر سے نکلے تھے تو برسات کا موسم تھا، دریا اور ندی نالے طغیانی پر تھے، اس وجہ سے مرور وعبور سخت مشکل تھا، طرفہ یہ کہ سفر کی پہلی ہی رات آشوب چشم کا عارضہ شروع ہو گیا اور اتنا شدید درد ہوا کہ رات بھر ایک لمحے کیلئے سو نہ سکے۔ رات موضع میر گنج میں گزاری، صبح اٹھے تو گھوڑا نوکر کو دے کر واپس کر دیا تا کہ والد اور بھائی کو تکلیف نہ ہو، خود گورکھپور پہنچ گئے۔

دعوت و ایثار

اتفاق سے اسی زمانے میں انگریزوں نے ایک رسالے کو چھ مہینے کی تنخواہ انعام میں دے کر توڑ دیا تھا اور اس کے سوار نوکری سے فارغ ہو کر گورکھپور میں جمع تھے۔ ان میں سے بعض سید جعفر علی کے دوست تھے۔ سید موصوف نے معاً انھیں راہ حق کی دعوت دی اور کہا کہ تم لوگ دنیا کی نوکری سے الگ ہو گئے ہو، آؤ اب گھوڑے اور ہتھیار لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔

ان میں سے نجیب خاں نام ایک شخص کے پاس چار گھوڑے تھے، اس نے ایک گھوڑا فی سبیل اللہ سید جعفر علی کے حوالے کر دیا، دو گھوڑے بیچ کر ان کی رقم ضروری مصارف کے لئے گھر میں دیدی، چوتھا گھوڑا اپنی سواری کیلئے رکھ لیا اور بولا کہ چند ضروری کام کر کے میں بھی روانہ ہو جاؤں گا، اگر آپ پہلے پہنچے تو سید صاحب کو میرا سلام پہنچا دینا، اگر میں پہلے پہنچا تو آپ کا سلام پہنچا دوں گا۔

سید جعفر علی نے اپنی کچھ چیزیں پانچ روپے میں فروخت کیں، ایک اور شخص رفاقت کے لئے تیار ہو گیا لیکن بولا میرے پاس سواری نہیں اور پیدل چل نہیں سکتا۔ سید جعفر علی نے نجیب خاں کا دیا ہوا گھوڑا اس کے حوالے کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سترہواں باب:

سید جعفر علی اور سفر کی صعوبتیں

غازی پور اور جون پور

ایک چھوٹی سی کشتی میں دریا عبور کر کے گوپال پور پہنچے، جہاں تمام دوستوں کو جمع ہونا تھا اور پانچ روز وہاں ٹھہرے رہے، پھر دریائے گھاگرا سے پار اتر کر مبارک پور ہوتے ہوئے محمد آباد مئو گئے، وہاں سے قریب ہی سید جعفر علی کے خالو تھانیداری کے عہدے پر مامور تھے، انھیں خبر نہ ہونے دی کہ مبادا رکاوٹ پیدا کریں۔ بہادر گنج اور قاسم آباد کے راستے غازی پور پہنچ کر شیخ فرزند علی کی مسجد میں مقیم ہو گئے جو سید صاحب کے خلیفہ تھے۔ شیخ صاحب انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، دو ہفتے اپنے پاس ٹھہرائے رکھا، روانگی کے وقت ایک سو روپے نقد اور ایک یابو پیش کیا، نیز چودہ آدمیوں کیلئے ہتھیاروں کا انتظام فرما دیا، شیخ صاحب کے بیٹے شیخ امجد علی پہلے سے سید صاحب کے ساتھ تھے، ان کے لئے کپڑے، بانات کی ایک چادر اور ایک خط دیا۔

غازی پور سے بھیتری اور کراکت کے راستے جونپور پہنچے۔ شہر سے باہر تھانیدار نے روک لیا اور پوچھا کہ ہتھیار لگا کر جا رہے ہو، ضامن کے بغیر جانے نہ دوں گا۔ سید جعفر علی نے کہا کہ شہر میں جا کر شیخ کرامت علی کی ضمانت دیدیں گے۔ شیخ کا نام سن کر تھانیدار نے اجازت دیدی۔ وہ شیخ کرامت علی کی مسجد میں ٹھہرے۔ شیخ نے موضع منڈیاہو سے ایک اونٹ منگوا کر قافلہ مجاہدین کی نذر کر دیا، وہاں دو تین اور غازی مل گئے۔ اس اثناء میں سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جعفر علی کے والد کو اطلاع مل چکی تھی کہ ان کا بیٹا گورکھپور نہیں گیا، بلکہ جہاد کیلئے سید صاحب کے پاس جا رہا ہے۔ وہ بعض دوسرے عزیزوں کو ساتھ لے کر پیچھے نکل پڑے اور جونپور میں ان سے آ ملے۔ اصرار کیا کہ واپس چلو، پھر ہم سب مع قبائل سید صاحب کے پاس جانے کیلئے تیار ہو جائیں گے، لیکن سید جعفر علی نے یہ تجویز نہ مانی اور کہا کہ مع قبائل اس وقت جانا مناسب ہوگا جب امیر المومنین مع قبائل طلب فرمائیں گے۔ غرض سید صاحب موصوف نے منت سماجت سے والد اور دوسرے عزیزوں کو راضی کر کے واپس بھیج دیا۔

شیخ غلام علی الٰہ آبادی

جون پور سے یہ قافلہ مچھلی شہر اور مئو ہوتا ہوا مہروڑا پہنچا جو شیخ غلام علی الٰہ آبادی کا وطن تھا۔ شیخ نے معمول کے مطابق خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ رخصت کے وقت مجاہدین کی خدمت میں مختلف قسم کے ہتھیار مثلاً تلواریں، کٹاریں اور ڈھالیں، ان کے علاوہ جاجم، دیگچے، طباق، پیالے وغیرہ پیش کیے۔ نقد رقم بھی دی ہوگی جس کی مقدار معلوم نہ ہو سکی۔ شیخ صاحب ان دنوں سخت پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ مہاراجہ بنارس نے ان پر گرانقدر رقم بطور تاوان ڈال دی تھی اور ان کا بڑا لڑکا اس عہد کے نوجوان امیروں کی طرح آزادانہ روش اختیار کر چکا تھا۔

گھنتی، کان پور اور قنوج

مہروڑا سے یہ لوگ گھنتی پہنچے، جہاں امجد خاں سے ملاقات ہوئی۔ وہ مستورات کے قافلے کو ٹونک پہنچا کر واپس آئے تھے۔ سید صاحب کے عزیز سید محمد ظاہر بھی تکیہ شریف سے امجد خاں کی ملاقات کیلئے آئے ہوئے تھے۔ خان نے اپنا یابو مجاہدین کی خدمت میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیش کر دیا۔ پالان شتر کی درستی کیلئے ایک دن گھنی میں گزار کر یہ لوگ کڑا اور فتح پور ہوتے ہوئے کان پور میں وارد ہوئے۔ وہاں چنگی کے دو مسلمان کارکنوں نے قافلے کا سامان روک لیا۔ ایک ہندو کارکن مصری لال نے جو سید جعفر علی کے چچا سید احمد علی کا دوست تھا، سامان چھڑا لیا۔

کان پور میں یہ قافلہ چار روز مقیم رہا۔ سید جعفر علی اس شخص کو ساتھ لے لیتے تھے جو جہاد کیلئے آمادگی ظاہر کرتا تھا۔ کان پور میں الٰہی بخش نام کا ایک شخص ساتھ ہو گیا۔ اس نے اہل قافلہ کو بڑی پریشانیوں میں مبتلا کیا۔ یہ لوگ قنوج پہنچ کر سید اولاد حسن سے ملے، جو اسی زمانے میں سرحد سے واپس آئے تھے۔ میر احمد علی رئیس قنوج نے سید صاحب کے لئے ایک نہایت عمدہ تلوار سید جعفر علی کے حوالے کی۔ ان سے الٰہی بخش کے حالات پوچھے تو جواب ملا کہ یہ شخص مفسد ہے اور ضرور کوئی فتنہ برپا کرے گا۔

سید جعفر علی نیک طبعی کے باعث گھوڑا اس کے حوالے کر چکے تھے۔ سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا، اس لئے قنوج میں مولوی صاحب نے اپنے ساتھیوں کیلئے لحاف بنوائے۔ قنوج سے مین پوری ہوتے ہوئے محمود گنج پہنچے۔ سید جعفر علی نے لکھا ہے کہ بہت سے ساتھی بیمار ہو گئے تھے اور ان میں سے بعض ساتھ نہ چل سکتے تھے۔ ایک بیمار کو قنوج میں چھوڑا، دوسرے کو یابو پر سوار کر کے مین پوری پہنچایا۔ جن بیماروں کو ساتھ لے لیا تھا وہ بھی زیادہ دور چلنے سے معذور تھے۔ سید جعفر علی نے ایک شخص کو یہ پیغام دے کر مین پوری بھیج دیا کہ وہاں کے بیمار کی بخوبی دیکھ بھال کی جائے۔ خود یابو لے کر لوٹے کہ قنوج والے بیمار کو سوار کرا لائیں۔ عین اس موقع پر الٰہی بخش نے آنکھیں پھیر لیں اور بولا: تمہارے ساتھی بہت برے ہیں۔ میں الگ ہوتا ہوں۔ میری آرزو تھی کہ ایک ہزار کا قافلہ تیار کرتا۔ ان لوگوں کے ساتھ گھوڑے، اونٹ اور قیمتی اسلحہ ہوتے، لیکن تمہیں منظور نہیں۔ سید جعفر علی کے رفیقوں میں سے منصور خاں بہت قوی تھا، اس نے کہا کہ اگرچہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیمار ہوں، لیکن اسے پکڑلوں تو ہڈیاں توڑ ڈالوں۔ سید صاحب نے ہاتھا پائی سے روک دیا، لیکن رفیقوں نے کہہ دیا یہ ہمارا ساتھی نہیں، خواہ مخواہ ہمیں ایذا پہنچاتا ہے۔

غرض سید صاحب رفیقوں کی بیماری کے باعث آہستہ آہستہ چلے۔ الٰہی بخش گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے نکل گیا اور محمود گنج کی مسجد میں جا اترا۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ میں قافلہ مجاہدین کا سالار ہوں۔ پیچھے ایک مولوی آرہا ہے، اسکے ساتھی بیمار ہیں۔ انہیں مسجد میں نہ ٹھہرنے دینا۔ چنانچہ سید جعفر علی بیماروں کے ساتھ محمود گنج پہنچے تو لوگوں نے مسجد میں اترنے سے روک دیا اور انہیں چھ آنے یومیہ کرائے پر سرائے میں حجرے لینے پڑے۔

آزمائش در آزمائش

سید جعفر علی کا گھوڑا اور میر احمد علی رئیس قنوج کی دی ہوئی تلوار الٰہی بخش کے پاس تھی۔ اب مولوی صاحب نے تلوار مانگی تو اس نے جھگڑا شروع کر دیا۔ آخر میں پھر بولا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاتا۔ میں چاہتا تھا کہ کم از کم ایک ہزار جوانوں کا قافلہ تیار ہو جائے۔ سب کے پاس قیمتی ہتھیار، گھوڑے اور اونٹ ہوں، لیکن تمہیں یہ منظور نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے کوئی ہتھیار دے دو تو چلا جاؤں۔ دو تلواریں تھیں۔ ان میں سے ایک اس کے حوالے کر دی۔ وہ بھری ہوئی بندوق کا منہ سید جعفر کی طرف کر کے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ بڑی مشکل سے یہ مصیبت ختم ہوئی۔

ساتھیوں کی بیماری کم پریشانی کا باعث نہ تھی۔ محمود گنج پہنچ کر رکن الدین کو سرسام ہو گیا۔ سید جعفر علی رات دن اسکی خدمت کرتے تھے، ایک رات وہ اچانک اٹھ کر باہر نکل گیا۔ بہتیرا تلاش کیا، کچھ پتا نہ چلا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ایک کنوئیں میں جاں بحق ہو گیا۔

یہ سختیاں ہوتے ہوئے بھیکم پور پہنچے تو وہاں کے رئیس داؤد خاں نے دو گھوڑے اور پچیس روپے بطور نذر پیش کیے۔ ایک یابو ان کی ہمشیر نے دیا۔ وہاں سے چلے تو خورجہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے قریب ایک ویرانے میں ٹھہرے جہاں مسجد اور کنواں تھا۔ اشیائے خوردنی کیلئے آدمی بازار بھیجا تو وہاں کا ایک زمیندار دوست خاں آ گیا اور پورے قافلے کو ساتھ لے گیا۔ بڑی تواضع سے پیش آیا، وہاں سے چند منزل طے کر کے دہلی پہنچے۔

قیامِ دہلی

دہلی میں خاصی دیر ٹھہرے رہے۔ شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب سے ملاقات کی تو معلوم ہوا کہ ایک قاصد جنگ زیدہ میں سید صاحب کی کامیابی کی خبر لایا ہے۔ قافلے کے پاس نقد روپے کم تھے، اسلئے دو یابو فروخت کیے۔ ان کی قیمت سے کچھ قرابینیں بنوالیں۔ وہاں ایک جوان نے آ کر کہا کہ میں سیٹھ کا بیٹا ہوں اور شاہ اسحاق کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر جہاد کیلئے جانا چاہتا ہوں۔ سید جعفر علی نے اسکی خوب خاطر داری کی۔ اپنی دُلائی اوڑھنے کیلئے اسے دیدی۔ وہ دلائی لیکر بھاگ گیا اور اسے بیچ کر پیسے جوئے میں ہار دیے۔

دہلی سے نوروز بیگ نام ایک شخص کو پندرہ روپے پر رہبری کیلئے ساتھ لے لیا۔ وہاں سے سونی پت، پانی پت اور انبالہ کا راستہ اختیار کیا۔ سونی پت میں ایک شخص بندوق، تلوار اور کچھ سامان لے کر بھاگ گیا۔ سردھنہ میں وہ پکڑا گیا۔ چوری ثابت ہو گئی، لیکن مال نہ ملا۔

انبالہ

انبالہ میں سید جعفر علی نے وہاں کے ایک رئیس شمس الدین سے ملاقات کی تاکہ محفوظ راستے کے بندوبست میں مدد مل سکے۔ مولوی صاحب نے انگرکی وگلا اور سبز دستار پہن رکھی تھی۔ کمر میں تلوار لٹک رہی تھی۔ شمس الدین شطرنج کھیل رہا تھا۔ مولوی صاحب کی ظاہری وضع دیکھ کر سمجھا کہ کوئی اَن پڑھ آدمی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ شطرنج جائز نہیں۔ شمس الدین نے جواب دیا کہ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب: چاروں ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ امام شافعی نے پہلے جواز کا فتویٰ دیا تھا، پھر اس سے رجوع کیا۔

شمس الدین: تم حنفی ہو یا شافعی؟

مولوی صاحب: آپ کو اس سے کیا غرض؟ مسئلے کی صحیح صورت میں نے عرض کر دی۔

شمس الدین: میرے مکان سے نکل جاؤ۔

مولوی صاحب: بہتر! میں نے تو خیر خواہی سے ایک شرعی بات بتائی تھی۔

غرض مولوی صاحب لوٹ گئے۔ دوسرے روز مسجد میں دوبارہ ملاقات ہوئی اور شمس الدین مولوی صاحب کے ایک ساتھی منصور خاں کی طرف متوجہ ہوا، جو بہت وجیہ تھا۔ اس نے کہا کہ مولوی صاحب سے بات کیجئے۔ اس وقت شمس الدین نے اپنے سابقہ طرز عمل پر معذرت کی اور غور و مشورہ کے بعد تجویز کیا کہ پٹیالہ، مالیر کوٹلہ، جگراؤں اور ممدوٹ کا راستہ اختیار کیا جائے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے قافلے کے ساتھ یہی راستہ اختیار کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھارہواں باب:

پٹیالہ سے سرحد

پٹیالہ اور ممدوٹ

ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں میں قافلے کے ایک آدمی نے بندوق سے مور شکار کیا۔ گاؤں کے لوگ لاٹھیاں لے کر نکل آئے اور بڑا ہنگامہ بپا ہوا۔ اہل قافلہ کو علم نہ تھا کہ ریاست کے حدود میں مور کا شکار ممنوع ہے۔ بڑی مشکل سے یہ مصیبت ختم ہوئی۔ ممدوٹ پہنچے تو وہاں نواب قطب الدین اس زمانے میں رئیس تھا۔ اس کے بھائی شمس الدین کی معرفت درخواست کی گئی کہ دریائے ستلج سے پار اترنے کا بندوبست کر دیجئے۔ تیسرے روز نواب سے ملاقات ہوئی تو اس نے صاف جواب دے دیا اور بولا کہ اس طرح میں سکھوں کی سرکار میں بدنام ہو جاؤں گا۔ ناچار سید جعفر علی نے ممدوٹ سے بہاول پور کا قصد کر لیا۔ راستے میں تبارک اللہ نام ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو رئیس ممدوٹ سے ناراض ہو کر ریاست بہاول پور کے حدود میں جا بیٹھا تھا۔

بہاول پور

بہاول پور میں مولانا عبدالحیٔ کے ایک شاگرد مولانا محمد کامل تھے، جنہیں اس بنا پر ہندوستانیوں سے ملاقات کی ممانعت کر دی گئی تھی کہ حیات انبیاء کے مسئلے پر وہ عام بہاول پوری علماء سے مختلف الرائے تھے اور کہتے تھے کہ انبیاء اور علماء یقیناً عند اللہ زندہ ہیں، لیکن ان کیلئے حیات دنیا ثابت کرنا محال ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید جعفر علی کو اتفاقیہ ان سے ملاقات کا موقع مل گیا۔ نیز ان کے بیٹے محمد اکمل سے ملاقات کی۔ انہیں کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ احمد پور شرقیہ ہوتے ہوئے تونسہ جانا چاہیے۔ احمد پور شرقیہ میں امین شاہ اور احمد شاہ سے بھی ملاقات کی تاکید کی۔ سید جعفر علی نے لکھا ہے کہ بہاول پور میں ہر جگہ گیارھویں شریف اور دوسرے محدثات کا دور دورہ تھا، لیکن تمام پڑھے لکھے آدمی محمد کامل کا نام احترام سے لیتے تھے۔ بہاول پور سے تین منزل پر نور پور میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جنکی داڑھی اور مونچھیں وزیر ریاست نے اس وجہ سے منڈوا دی تھیں کہ وہ اتباع سنت پر زور دیتے تھے۔

تونسہ

غرض قافلے نے بھکر پہنچ کر دریا عبور کیا۔ ڈیرہ غازی خاں میں شیخ نور علی جون پوری سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے براہ بادیہ تونسہ پہنچے اور وقت کے عظیم المرتبت شیخ خواجہ سلیمان تونسوی سے ملاقات کی۔ سید جعفر علی لکھتے ہیں:

> خواجہ صاحب فرش پر بیٹھے تھے۔ چاروں طرف لوگوں نے حلقہ باندھ رکھا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ کسی واقف کار رہبر کے ذریعے سے آگے پہنچا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں۔ راستہ خطرناک ہے، سکھوں کی فوج کے آدمی چھاپے مار رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا منع ہے۔

خواجہ سلیمان سے گفتگو

ساتھ ہی فرمایا: لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۔ میں نے عرض کیا کہ اس آیت کا مضمون میں خوب سمجھتا ہوں۔ یہ راہ خدا میں خرچ کرنے کے متعلق آئی ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے اجیر کی درخواست کی تو خواجہ صاحب نے فرمایا:

> اجیر نایاب ہے۔ لوگ پریشان حال ہیں۔ دشمنوں کے ہاتھ سے بچ نہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکتے۔ نہ آگے جانے کی صورت ہے، نہ پیچھے ہٹنے کی اور نہ ٹھہرنے میں محفوظ
رہنے کی کوئی امید ہے۔

سید جعفر علی: آپ کیا کریں گے؟

خواجہ صاحب: میں پہاڑوں میں چلا جاؤں گا۔

سید جعفر علی: ہمیں بھی ساتھ لے لیجئے۔

خواجہ صاحب: بلوچ تمہیں مار ڈالیں گے۔

سید جعفر علی: جنگل کا راستہ بتا دیجئے۔

خواجہ صاحب: جنگل میں پانی نہ ملے گا اور ہلاک ہو جاؤ گے۔

پھر فرمایا: بہتر یہ ہے کہ بہاول خاں رئیس بہاول پور کی نوکری کر لو۔ راستہ صاف ہو جائے گا تو آگے چلے جانا۔ ساتھیوں میں سے نوروز بیگ اس کیلئے تیار ہو گیا، لیکن سید جعفر علی نے صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم لوگ نوکری کیلئے نہیں، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آئے ہیں۔ ہمیں راستہ بتا دیجئے اور رہبر دے دیجئے۔ ہم رات کے وقت نکل جائیں گے۔ فرمایا: اس کا انتظام نہیں ہو سکتا۔

رہبر اور سامانِ سفر

مایوسی کے بعد سید جعفر علی نے بطور خود آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ تونسہ سے پانچ کوس آگے موضع کسرانی میں پہنچے تو ایک سید سے ملاقات ہوئی۔ وہ قافلے کو اپنی مسجد میں لے گیا۔ خاطر تواضع کی، پھر دو بلوچوں کو لایا۔ اپنی ڈاڑھی ان کے ہاتھ میں دے کر سید جعفر علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: یہ سید ہے، اسے اور اس کے ساتھیوں کو بحفاظت منزلِ مقصود پر پہنچانے کا حلف اٹھاؤ۔ گویا اس سید کی مہربانی سے قدم آگے بڑھانے کا انتظام ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہبروں کا انتظام ہو گیا تو سفر کی تیاری شروع کر دی۔ قافلے میں روزانہ سولہ سیر آٹا خرچ ہوتا تھا۔ سید جعفر علی نے بیس سیر آٹا خریدنے کیلئے رقم آدمی کے حوالے کر دی۔ اس لیے کہ دو بلوچ رہبروں کے اضافے کے باعث خرچ بڑھ گیا تھا۔ وہاں اتفاقیہ نزاع کی صورت پیدا ہو گئی اور پانچ سیر سے زیادہ آٹا نہ مل سکا۔ سید جعفر علی زادِ راہ سے بالکل بے پرواہ ہو کر چلنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ایک گھوڑے اور ایک یابو پر سامان رکھا، ایک گھوڑا اور ساتھ تھا۔ لکھتے ہیں: میں نے نیت کر لی تھی کہ ساتھیوں میں سے جو تھک جائے گا اسے سوار کرا دوں گا۔ خود پیدل چلوں گا۔

کمالِ ہمت و عزیمت

اب راہِ حق کے ان مسافروں کی حالت کا تصور کیجئے۔ کھانے پینے کو کوئی چیز ساتھ نہیں، منزل نہایت کٹھن، راستہ کوہستانی یا صحرائی، جہاں دور دور تک کھانے پینے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ ہر وقت سکھوں کے حملے کا خطرہ تھا، جن کے جیش گھاس چارے کیلئے مسلسل ان حصوں میں گردش کرتے رہتے تھے۔ سید جعفر علی بار بار اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ بھائیو! ہمت کرو۔ ہم انیس آدمی ہیں اور مسلح ہیں۔ سکھوں سے مڈبھیڑ ہو جائے گی تو انہیں مار کر گھوڑے اور اونٹ لے لیں گے پھر دو دو منزلیں ایک ایک دن میں طے کر کے امیر المومنین کے پاس پہنچ جائیں گے۔

سفر کی صعوبتیں

چلے تو مطلع ابر آلود تھا۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں راستے میں ادا کیں۔ پھر بادل چھٹ گئے اور چاند نکل آیا۔ ایک جگہ بیریوں کے درخت تھے۔ وہاں سے پکے ہوئے بیر چنے۔ کچھ کھا لیے اور کچھ ساتھ لے لیے۔ رات باقی ہی تھی کہ ایک گاؤں میں پہنچے، جسے سکھ جلا کر راکھ بنا چکے تھے۔ مسجد کے صحن میں ایک بے آب حوض

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر ٹھہرے۔ تیمم سے صبح کی نماز ادا کی۔ رہبروں نے اِدھر اُدھر پھر کر دو تین گندریوں سے تھوڑا سا پانی لیا، کھانا تیار کیا اور کھا کر تھوڑی دیر کیلئے سو گئے۔ اسی دوران میں بارش شروع ہوگئی۔ برتنوں میں بارش کا جو پانی جمع ہوا تھا، وہ ساتھ لے لیا، اور مزید بارہ کوس کی مسافت طے کر کے ظہر کے وقت ایک دریا پر پہنچے۔ (۱)

وہاں سے رہبر ایک پہاڑی راستہ بتا کر واپس چلے گئے۔ مجاہدین نے کچھ منزل طے کر لی تو راستے کا نشان گم ہوگیا۔ ایک جگہ دیکھا کہ کوئی شخص جانور چرا رہا ہے۔ راستہ پوچھنے کیلئے اس کی طرف پلٹے تو وہ اس خیال سے ریوڑ چھوڑ کر بھاگ گیا کہ یہ لٹیرے ہیں۔ پھر ایک گائے کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور ایک آبادی میں پہنچے۔

اس سلسلے میں سید جعفر علی نے اپنے سفر نامے میں جن مقامات کا ذکر کیا ہے، یہ ہیں: او چھ کوہی، مروت، چوڈواں (۲)، درہ بند، لونی، کوٹلہ ممریز خاں، عیسیٰ خیل، کالا باغ۔ او چھ کوہی سے سولہ سیر آٹا، بارہ سیر دانہ اور گھاس خریدنی چاہی، وہاں کے ملا نے گھاس مہیا کر دی اور کھانا بھی کھلایا، نیز نصیحت کی کہ آگے رہزن ملیں گے، ان سے کہنا کہ ہم سید ہیں۔ چنانچہ راستے میں کئی جگہ مشتبہ آدمیوں سے سابقہ پڑا۔ ایک رات چوڈواں میں بسر کی۔ درہ بند میں ایک ملا نے بڑی تواضع کی۔ اس مقام اور کوٹلہ ممریز خاں کے درمیان لونی کے علاوہ دو منزلوں کا ذکر آیا ہے۔ لونی سے جو رہبر ساتھ لیا تھا، اس کا نام ابوبکر صدیق تھا۔ اس سے اگلے دو مقاموں کے رہبروں کے نام بالترتیب عمر خطاب اور عثمان غنی تھے۔ عیسیٰ خیل کے رئیس احمد خاں نے بڑی خاطر تواضع کی۔ ایک رات راستے میں گذار کر کالا باغ پہنچ گئے، جہاں کا نواب اللہ یار خاں سکھوں کی تابعیت قبول کر چکا تھا۔

(۱) تونسہ سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور اس کے بعد عیسیٰ خیل کی طرف جائیں تو چھوٹی بڑی کئی ندیاں ہیں جو کوہستان سلیمان سے نکل کر دریائے سندھ میں ملتی ہیں۔ جس دریا کا ذکر ہے اس سے مراد غالباً "وہوآ" ہے۔ اس سے آگے بڑا دریا لونی ہے جو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے قریب ہے۔

(۲) چوڈواں سے مراد غالباً چھنڈواں ہے جو کوہ سلیمان کے نزدیک ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہیں دس اور اصحاب ملے، جو سید صاحب کے پاس جارہے تھے۔ وزیر خاں پانی پتی، غلام رسول خاں ملتانی، مولا بخش گولہ انداز ٹونک، احمد خاں قاصد، علیم الدین بنگالی، (برادرزادہ مولوی امام الدین) نیز پانچ اور اصحاب تھے۔

منزل مقصود

سید جعفر علی اور وزیر خاں پانی پتی نے نواب سے ملاقات کی تاکہ کسی اچھے رہبر کا بندوبست ہو جائے۔ اس کی مجلس میں سکھوں کی کثرت تھی۔ لہٰذا یہ مدعا بیان کیے بغیر لوٹ آئے۔ تخلیے میں ملاقات کر کے رہبر کا انتظام کرایا۔ اس نے ایک دو کوس چل کر اجرت مانگی۔ چونکہ وہ ہر قدم پر شر پیدا کرتا تھا، اس لیے اجرت دیکر اسے واپس کر دیا۔

آگے صرف دو منزلوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ ایک ٹولہ جہاں سید جعفر علی نے دو گھوڑوں کے نعل بندھوائے تھے، دوسرا استرغی۔ لنڈے دریا کو عبور کر کے انتیس آدمیوں کا یہ قافلہ ۹ر رمضان المبارک ۱۲۴۵ھ (۴ مارچ ۱۸۳۰ء) کو پنجتار پہنچا۔ سید صاحب اس زمانے میں بمقام امب تشریف فرما تھے۔ ان کے بھانجے سید احمد علی کسی کام کے سلسلے میں پنجتار آئے ہوئے تھے۔ ان سے ملاقات کی۔ ایک روز وہاں ٹھہرے، ایک رات گندف میں گزاری، ۱۲ر رمضان کو عصر کے وقت تھانہ پہنچے۔ سید اکبر شاہ نے ٹھہرانا چاہا، جعفر علی نے عرض کیا کہ اب امیر المومنین سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ عشرہ میں حافظ عبداللطیف اور مولانا مظہر علی سے بھی نہ ملے اور سیدھے امب گئے۔

سید صاحب کو آمد کی اطلاع پہلے مل چکی تھی اور دو مرتبہ استقبال کی غرض سے باہر آ کر واپس چلے گئے تھے۔ ایک آدمی بھاگا بھاگا راستے میں ملا کہ جلد بندوق سر کرو تاکہ آمد کا حال معلوم ہو جائے۔ سید صاحب اژدر پر سوار ہو کر پچاس سواروں کے ساتھ آم کے درخت تک آئے۔ بہ آواز بلند السلام علیکم کہا، پھر مجاہدین کو دو صفیں بنا لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب میں کہوں بسم اللہ اللہ اکبر، سب بندوقیں سر کریں۔ سید جعفر علی کے قافلے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے کہا کہ آہستہ آئیں۔ خود تیز چلے گئے اس لئے کہ افطار کا وقت قریب تھا، راستے میں افطار کا سامان آ گیا، دال مونگ میں نمک مرچ ڈال کر لائے۔ افطار کے بعد جلد از جلد مسجد میں پہنچ کر سید صاحب کی امامت میں نماز ادا کی۔

ذکر و موعظت

یہ حالات میں نے اس خیال سے تفصیلاً بیان کیے کہ سید صاحب کی شانِ مردم گری کا ایک حد تک اندازہ ہو جائے۔ سید جعفر علی نے سید صاحب کو دیکھا نہ تھا اور براہِ راست ان سے بیعت بھی نہ کی تھی۔ صرف اپنے والد اور بھائی کے واسطے سے کسب فیض کیا تھا، لیکن غور فرمایئے کہ اس بالواسطہ فیض نے بھی انھیں عزیمت کا کیسا عجیب وغریب پیکر بنا دیا۔ ذرا تصور کیجئے کہ کہاں گورکھپور ہے اور کہاں پنجتار، راستہ سراسر صعوبتوں سے لبریز، قدم قدم پر ندیاں اور دریا یا صحرا اور پہاڑ، سواریاں مفقود، ہر جگہ جان کا خطرہ، اکثر مقامات پر لوگ غیر ہمدرد جو معاون بننے کے بجائے مزاحم ہوتے رہے۔ اور یہ لوگ نوکری یا تجارت کیلئے نہ نکلے تھے کہ شدائد و صعب کی برداشت تحصیل زر کا ایک لازمہ سمجھی جاتی۔ وہ راحت بھری زندگیاں چھوڑ کر ایک بلند اسلامی نصب العین کی تکمیل اور ثواب اخروی کی تحصیل کیلئے نکلے تھے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو ان کی طرح خدا کی راہ میں صرف خدا کی خوشنودی کیلئے ایسے چند دن بھی بسر کر سکیں، جیسے سید جعفر علی اور ان کے ساتھیوں نے کم وبیش دس مہینے بسر کیے۔

کاروبارِ جہاد

سید جعفر علی نقوی تقریباً ایک سال مصروف جہاد رہے۔ پھر بالاکوٹ کا واقعہ پیش آ گیا۔ ان کی تحریر بہت اچھی تھی، اس لئے انھیں منشی خانے میں لے لیا گیا تھا یعنی وہ کاروبار جہاد کے علاوہ منشی گری کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ اس سلسلے میں بعض واقعات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاف طور پر قابل ذکر ہیں۔ مثلاً:

۱- ایک موقع پر شیخ بلند بخت دیوبندی کو ایک معتمد علیہ آدمی کی ضرورت پڑی جسے پائندہ خاں تنولی کی زنبورکیں لانے کیلئے بھیجنا تھا۔ وہ شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کی تلاش میں آئے جو دن بھر پھرتے پھراتے واپس آ کر سو گئے تھے۔ سید جعفر علی خود اس کام کے لئے تیار ہو گئے۔ راتوں رات امب سے چھتر بائی پہنچے۔ عبورِ دریا کے بعد اس مقام پر گئے جہاں زنبورکیں پڑی تھیں۔ چار سلامت مل گئیں، پانچویں ایک گاؤں میں زیر مرمت تھی۔ سید جعفر علی نے پانچوں بحفاظت اونٹوں پر بار کرائیں اور سکھوں کی چوکی کے پاس سے گذرتے ہوئے انھیں لے آئے۔ اگرچہ مشقت کے باعث بخار آ گیا تھا، لیکن جب تک زنبورکیں منزلِ مقصود پر نہ پہنچا لیں ایک لمحے کے لئے بھی آرام نہ کیا۔

۲- وہ شاہ اسمٰعیل کے ساتھ تھوں سے بالاکوٹ جا رہے تھے۔ برف باری کا زمانہ تھا۔ پہاڑ کی چڑھائی پر سردی کے باعث بے بس ہو گئے۔ اپنے ہتھیار اور دوسری ضروری چیزیں ایک شخص کے حوالے کر دیں کہ میں مر جاؤں تو یہ چیزیں بیت المال میں دے دینا۔ پھر ایک گوجر سے کہا کہ میری دستار لے لو اور کسی طرح مجھے گاؤں پہنچا دو۔ صرف دستار کی پیش کش اس لئے کی کہ جو سامان وہ گھر سے لائے تھے اس میں سے صرف دستار رہ گئی تھی، باقی کپڑے بیت المال کے تھے اور ان کی شانِ اتقاء اس امر کی روادار نہ تھی کہ بیت المال کی کوئی چیز ذاتی کام کے معاوضے میں کسی کو دیں۔

غرض انھیں چارپائی پر ڈال کر گاؤں پہنچایا گیا اور کئی روز کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔ بالاکوٹ کے میدان میں وہ سید صاحب سے قریب تھے۔ جب افواہ پھیلی کہ سید صاحب کو گوجر پہاڑوں میں لے گئے ہیں تو دوسرے مجاہدین کے ساتھ سید جعفر علی بھی پہاڑ پر چلے گئے۔ پھر ناصر خاں بھٹ گرامی کی معیت میں شملئی پہنچے جہاں سید صاحب کی اہلیہ اور دوسری مستورات تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انیسواں باب:

سفر مراجعت

قصدِ مراجعت

جب سید صاحب کی شہادت میں کوئی شبہ نہ رہا تو وطن واپس آنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت تک شیخ ولی محمد پھلتی جماعت میں سب سے بڑھ کر معزز اور بزرگ مانے جاتے تھے اور انھیں باقاعدہ امیر بنا لیا گیا تھا۔ بےشک جماعت کے نزدیک وہی امیری کے اہل تھے۔ سید جعفر علی ان کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کو ہمیشہ شفیق اور بزرگ بھائی سمجھا، اب گھر جانا چاہتا ہوں۔ اگر کچھ نقد ہو تو راستے کے خرچ کے لئے عنایت فرمائیں۔ نقد نہ ہو تو میرے اچھے ہتھیار لے لیں اور ناقص ہتھیار دیدیں تاکہ میں ضرورت پیش آنے پر انہیں بیچ کر زادِ راہ کا انتظام کراوں۔ شیخ ولی محمد نے کچھ ہتھیار دیدیے۔ ان کے علاوہ سید جعفر علی نے شیخ کی اجازت سے ایک قلمدان، ایک قینچی، چند خطوط جن پر سید صاحب کی مہریں اور دستخط تھے اور شاہ اسمٰعیل کی چند تحریرات لے لیں۔ ۲۷ رذی الحجہ ۱۲۴۶ھ (۸ر جون ۱۸۳۱ء) کو روانہ ہوئے۔ اس وقت سید صاحب کی شہادت پر ایک مہینہ اور تین دن گذر چکے تھے اور سید جعفر علی صاحب کو سرحد پہنچے ہوئے سوا سال ہو چکا تھا۔ مجاہدین میں سے رجب خاں خان پوری، حاجی سکندر ساکن مئو اور چند اصحاب ہمراہ تھے۔ سب نے شیخ ولی محمد اور دوسرے اصحاب سے سوئے ادب وغیرہ کی تقصیریں معاف کرائیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفر

راستے میں سید جعفر علی کا قلمدان چرایا گیا۔ اس میں سید صاحب کے خطوط اور شاہ اسمٰعیل کی تحریریں بھی گئیں۔ سید جعفر علی نے ہر چند اعلان کیا کہ قلمدان معاف کرتا ہوں، تحریریں واپس دے دی جائیں، لیکن کچھ نہ بنا۔ حاجی سکندر کی سپر ایک جگہ نو روپے میں بکی تھی، وہ بھی کوئی چرا لے گیا۔

مداخیل میں سید غلام خاں اور فتو خاں کے پاس ٹھہرے۔ انہیں کے آدمیوں نے چنتی کے راستے ستھانہ پہنچایا۔ اس سفر میں میرزا خان اخوندزادہ اور اخوند محتشم سے بھی ملاقات کی۔

ستھانہ میں سید اکبر شاہ نے بہت مدارات فرمائی۔ ہر وقت ساتھ رکھتے تھے اور گھر جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ سید اکبر شاہ کے ایک عزیز نے اجازت لے دی۔ وہاں سے خان زمان خاں کے پاس گنگر پہنچے۔ وہ بھی اصرار کر رہے تھے کہ ملازمت کرلو۔ جتنے روپے کہو گھر بھیج دیتا ہوں۔ سواری کے لئے گھوڑا دوں گا اور آپ کی خدمت الگ کروں گا۔ سید جعفر علی نے معذرت کی۔ خان پور، راولپنڈی اور رہتاس ہوتے ہوئے کھاریاں (ضلع گجرات) پہنچے، وہاں بخار آ گیا، جس نے اتنی شدت اختیار کرلی کہ سرسام ہو گیا۔ گاؤں کے رئیس نے بڑے اہتمام سے علاج کرایا۔ تندرست ہوئے تو لاہور اور امرتسر ہوتے ہوئے جالندھر پہنچے۔ خود فرماتے ہیں کہ سکھ حکومت میں مسلمانوں کی حالت بہت خراب تھی، یہاں تک کہ اقامت کی طرح اذان "بہ خفض صوت" دیتے تھے اور بحالت آزردگی دعائیں مانگتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جلد اس ملک سے باہر لیجائے۔

ایک عجیب واقعہ

سید جعفر علی نے جالندھر کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں: میں جس مسجد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں ٹھہرا ہوا تھا، وہاں سو گیا۔ اسی حالت میں ایک شخص میرے پاؤں داب نے لگا۔ میں جاگا تو اس نے بے توقف کچھ روپے پیش کیے۔ میرے استفسار پر بتایا کہ میں صنعت جانتا ہوں، بال بچے میں نہیں۔ جو کچھ کماتا ہوں، اس میں سے کھا پی کر خاصی رقم بچ رہتی ہے وہ مسافروں کی خدمت میں صرف کرتا ہوں۔

لدھیانہ

جالندھر سے پھلور پہنچے اور دریائے ستلج کو عبور کیا۔ اس حصۂ ملک کی امتیازی خصوصیت سید جعفر علی نے یہ لکھی ہے کہ وہاں اذان اور گاؤ کشی بخوبی ہوتی تھی۔ لدھیانہ پہنچ کر شاہ شجاع کی مسجد میں قیام کیا۔ لکھتے ہیں کہ حافظ عبداللطیف نیوتنوی بھی مجھ سے پہلے اسی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ امام مسجد مجاہدین کی تکفیر کرتا تھا، اس سے لڑ کر حافظ صاحب دہلی چلے گئے۔ میری صورت دیکھ کر امام نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ میں چپ بیٹھا رہا۔ دوسرے روز احمد خاں سے ملاقات ہوئی، جسے مولوی سید محمد علی رام پوری نے تحقیقِ احوال کے لیے بالاکوٹ بھیجا تھا۔ سید جعفر علی نے اسے اپنے چشم دید حالات سنا دیے، پھر شاہ شجاع کے وزیر ملا شکور سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ نمک حرام ہمارے ملک پر قابض ہیں۔ ساتھ ہو جاؤ اور ہمارا حق دلاؤ۔ سید جعفر علی نے جواب دیا کہ ہم خدا کے لیے جنگ کرنے گئے تھے، کسی بادشاہ یا دعویدار شاہی کے حق کے لیے نہیں۔ امیر المومنین کا حق کسی نے نہ چھینا تھا۔ ملا شکور نے جواب دیا کہ یہ تو ارفع و اعلیٰ مرتبہ ہے، لیکن حقدار کا حق دلانا بھی نیکی کا کام ہے۔

پھر زمان شاہ کا وکیل جمال الدین آ کر ساتھ لے گیا۔ ایک حویلی میں ٹھہرایا اور شاہ کی طرف سے کھانا مقرر کر دیا۔ شاہ سے ملاقات ہوئی تو بڑی عزت سے پیش آیا۔ اس کے پاس ایک حکیم موجود تھا۔ پوچھا: یہ عالم آدمی ہیں؟ جواب اثبات میں ملنے پر کھڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو کر مصافحہ کیا اور برابر بٹھایا۔ پھر کہا کہ جب امیر المومنین نے نمک حراموں کو پشاور واپس کر دیا تو ہمیں بہت دکھ ہوا۔ ہم جانتے تھے کہ جن منافقوں نے ہم سے وفا نہ کی وہ امیر المومنین سے کیا وفا کریں گے؟ ہمارا وکیل بھی نہ تھا، جو امیر المومنین کو ہماری یاد دلاتا۔

غرض زمان شاہ نے سید جعفر علی کو سات روز اپنے پاس ٹھہرائے رکھا۔ ایک روز طعامِ خاص بھیجا جس کے ساتھ قسم قسم کے آم تھے۔ جو شخص کھانا لایا تھا، اس نے کہا کہ شاہ کے طعامِ خاص کی تعظیم کے لئے اٹھیے۔ سید جعفر علی نے جواب دیا کہ میں آپ کی تعظیم کرتا ہوں اور یہ کافی ہے۔ طعام کی تعظیم اس کے سوا کچھ نہیں کہ ضائع نہ ہو۔

دہلی

لدھیانہ سے سید جعفر علی انبالہ، کرنال، پانی پت ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ راستے میں محمد سعید خاں رسالدار گنج پوری سے ملاقات ہوئی، جو سکھوں کے پاس ملازم تھا اور ملازمت چھوڑ کر سید صاحب کی خدمت میں پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ بیس سوار اور پیادہ تھے۔ سید صاحب کے حالات سن کر ان کی صحت پر یقین نہ کیا اور سمجھا کہ سید جعفر علی وہاں سے بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے پوچھا تو جو کچھ مجھے معلوم تھا، بتا دیا۔ آپ میرا بیان صحیح نہیں سمجھتے تو خود چھان بین فرما لیجیے۔

دہلی پہنچ کر مسجد نہر میں ٹھہرے جو لاہوری دروازے کے قریب تھی۔ اگرچہ رات کا وقت تھا، لیکن لوگوں نے پہچان لیا۔ وہ بہت افسوس کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ یہ شخص پانچ گھوڑے، ایک اونٹ اور قافلہ لے کر گیا تھا۔ اب اس حال میں واپس آیا ہے۔ کھانا کھلایا، خود بخود نئے کپڑے بنوا دیے۔ مولانا سید محمد علی ان دنوں اکبر آبادی مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا تو آدمی بھیج کر بلوایا۔ تمام حالات سنے، لیکن شہادت کی تصدیق نہ کی۔ چودہ روز دہلی میں مقیم رہے۔ شاہ اسحاق، شاہ یعقوب اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرے اکابر سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ سید جعفر علی سے پیشتر مولوی امام الدین اور حافظ عبداللطیف پہنچ چکے تھے اور وہ بے تکلف شاہ اسمٰعیل کی شہادت کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ شاہ اسحاق، شاہ یعقوب اور دوسرے متعلقین کے نزدیک یہ بات مستحسن نہ تھی۔ ایک روز شاہ اسماعیل کی ہمشیر نے سید جعفر علی، حافظ عبداللطیف، مولوی امام الدین کو جمع کیا اور فرمایا:

> ''وہ میرے بھائی تھے۔ اس انتہائی قریبی رشتے کے علاوہ انہوں نے مجھ پر ایسے احسان کیے جو کم بھائیوں نے بہنوں پر کیے ہوں گے۔ میری حالت یہ ہے کہ اگر مر جاؤں تو اسحٰق اور یعقوب کے سوا دفن کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ اگر ہمارے بھائی نے شہادت پائی تو ہم اپنے پروردگار سے راضی ہیں۔ جزع فزع نہیں کرتے۔ جانتے ہیں کہ وہ بڑوں کے طریقوں پر چلے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے بھائی کو شہید ہوتے دیکھا؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو بی بی رقیہ نے فرمایا: بہتر یہی ہے کہ آپ شہادت کی خبر بیان نہ کریں، اظہار میں دو قباحتیں ہیں، ایک یہ کہ لوگ طعنے دیتے ہیں، دوسرے یہ کہ یہاں جانشینی اور دستار بندی کا معاملہ شروع ہو جائے گا۔''

لکھنؤ اور وطن

دہلی سے سید جعفر علی مولانا سید محمد علی کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ بھیکم پور، قنوج اور نیوتنہ میں بھی ٹھہرے۔ لکھنؤ پہنچ کر جوہری محلے کی مسجد میں قیام کیا۔ وہاں اپنے استاد مولوی حیدر علی، سید ابوالقاسم بن سید احمد علی شہید (خواہر زادۂ سید صاحب) اور سید محمد سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان سب کو واقعۂ شہادت کی تفصیلات سنائیں۔ مولوی حیدر علی سید صاحب کی شہادت کی خبر سن کر بہت روئے۔ انہیں نے فقیر محمد خاں رسالدار تک یہ خبر پہنچائی۔ اس وقت سے انہیں سید صاحب کی شہادت کا یقین ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لکھنؤ سے سید جعفر علی فیض آباد گئے اور شاہ ٹاٹ کی مسجد میں قیام کیا۔ وہیں ان کے ماموں استقبال کے لئے آگئے۔ گورکھپور میں ان کے بھائی اور دوسرے عزیزوں نے استقبال کیا۔ وہاں سے اپنے وطن مجھوا میر پہنچے۔

دو قابل قدر خدمتیں

جنگ بالاکوٹ سے واپسی کے بعد سید صاحب جعفر علی کی دو خدمتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: اول یہ کہ آپ نے اپنی بستی سے چھ میل کے فاصلے پر کرھی میں ''ہدایت المسلمین'' کے نام سے دینی درسگاہ قائم کی جو اب تک جاری ہے۔ دوسرے نواب وزیرالدولہ والی ٹونک اور آپ کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں کی فرمائش پر سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے حالات میں ایک مفصل کتاب بزبان فارسی لکھی جس کا ایک نام ''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء'' اور دوسرا ''تاریخ احمدی'' ہے۔ اس میں ابتدائی حالات سید صاحب کے نیاز مندوں سے حاصل کردہ معلومات پر مبنی ہیں۔ جنگوں کے متعلق کچھ حالات انہوں نے مستند ذرائع سے سنے، باقی ان کے چشم دید تھے۔ یہ کتاب بڑی ہی قیمتی معلومات سے لبریز ہے، افسوس کہ اب تک چھپ نہ سکی۔

وفات

سید جعفر علی صاحب نے رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ (نومبر ۱۸۷۱ء) میں وفات پائی۔ تاریخ پیدائش ۱۲۱۸ھ تھی۔ ستر برس کی عمر ہوئی۔ وفات سے پیشتر ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک آراستہ مقام ہے، وہاں شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل اور کچھ دوسرے اصحاب کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ ایک کرسی خالی ہے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کس کے لئے ہے؟ جواب ملا، جعفر علی کے لئے۔

اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھی، بی بی زینب۔ ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھوٹے بھائی سید حسن علی کے صاحبزادے محمد زکریا کی اولاد میں سے سید محمد مصطفیٰ، سید محمد احمد اور سید محمد صالح ۱۹۴۱ء تک زندہ رہے۔

''منظورہ'' کی ترتیب

منظورۃ السعداء کی ترتیب کا حال خود سید جعفر علی نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک دوست مولانا جمال الدین مدارالمہام بھوپال کا ایک رسالہ میرے پاس لائے، جو سید صاحب کے حالات میں تھا اور کہا کہ اس کی روایتیں دیکھ کر درست کر دیجئے۔ اسے دیکھا تو عبارت خوب تھی، لیکن مطالب میں غلطیاں تھیں، اس لئے کہ حالات لوگوں سے سن کر لکھے تھے۔ نواب وزیرالدولہ نے ٹونک سے کئی قاصد میرے پاس بھیجے، حالاں کہ میرا وطن ٹونک سے ایک مہینے کی مسافت پر تھا۔ آخر میں ٹونک گیا، وہاں اور لوگ بھی تھے، جنہوں نے سید صاحب کو دیکھا تھا۔ سید صاحب کے خاص رفیقوں میں سے اکثر شربتِ شہادت پی چکے تھے۔ بعض کا پیمانۂ حیات طبعی طور پر پُر ہو چکا تھا۔ خطرہ تھا کہ ثقات کی وفات کے بعد حالات لکھنے والا کوئی نہ ہوگا، لہٰذا جلد سے جلد جو کچھ کسی کو یاد ہے، قلمبند کر دینا چاہیے۔ میں نے وہی حالات لکھے جو خود دیکھے یا سید صاحب کی زبان سے سنے یا شاہ اسمٰعیل اور دوسرے معتمد علیہ بزرگوں نے حکایتاً میرے سامنے بیان کیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیسواں باب:

اللہ داد خاں پٹنی

اللہ داد خاں کا خاندان اس زمانے میں ممتاز حیثیت پر فائز تھا، جب ہندستان میں فوجی نظام جاگیرداری کا عام رواج تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: اللہ داد خاں بن محمد سید خاں بن پردل خاں۔ پردل خاں کے بڑے بھائی نواب کرامت خاں کو بھی فوجی جاگیر ملی ہوئی تھی اور وہ فتح پور ہسوہ میں رہتے تھے۔ ان کی امارت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ جس خاتون سے نکاح کیا اس کا پورا مہر پانچ لاکھ پانسو پانچ اشرفی نقد ادا کیا۔ وہ شجاع الدولہ والیٔ اودھ سے وابستہ تھے، لیکن صرف اس حد تک کہ ضرورت پیش آنے پر لڑائی کیلئے انہیں مع فوج طلب کرلیا جائے، ویسے میل جول میں انکی حیثیت برابر کی تھی۔

مفسدوں کی شکست

اتفاق سے بندیل کھنڈ میں سرکشی کا فتنہ اٹھا اور شجاع الدولہ نے نواب کرامت خاں کو لکھنؤ طلب کیا۔ یہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ دیوان خانے میں پہنچے تو شجاع الدولہ اس غرض سے اٹھ گیا کہ کرامت خاں کی تعظیم کیلئے کھڑا نہ ہونا پڑے۔ کرامت خاں نے یہ دیکھا تو خدمت گار کو اشارہ کیا۔ اس نے مصلّی بچھا دیا اور یہ تلاوتِ قرآن میں مصروف ہوگئے۔ آخر شجاع الدولہ آگیا۔ یہ باطمینان تلاوت سے فارغ ہوکر اٹھے، معانقے کے بعد برابر بیٹھ گئے۔ دوسرے سردار بھی آئے ہوئے تھے۔ شجاع الدولہ نے ان سے کہا کہ بندیل کھنڈ میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے۔ سامنے کشتی میں پان کا بیڑا اور تلوار رکھی ہوئی ہے۔ دیکھیں کون سرکشوں کی خبر لیتا ہے؟ کرامت خاں نے یہ سنتے ہی پان کا بیڑا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھالیا۔تلوار ان کی کمر میں باندھ دی گئی اور وہ اپنی فوج کے ساتھ بندیل کھنڈ پہنچ گئے۔ سرکشوں کو شکست فاش دی۔ایک بندیلا ان کے کیمپ میں گھس آیا۔کرامت خاں نے اس کے سر پر تلوار ماری،اور وہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔حالاں کہ اس نے پگڑی کے نیچے سر پر لوہے کے دو تین توے باندھ رکھے تھے۔اس سے کرامت خاں کی شہ زوری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شہادت

وہ فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس آرہے تھے کہ چند بندیلوں نے جو گھات میں چھپے ہوئے تھے،ایک دم قرابینیں چلا دیں۔گولیوں سے کرامت خاں کا سینہ چھلنی ہو گیا اور وہ گر پڑے۔ان کا وفادار گھوڑا سرپٹ دوڑ پڑا۔فتح پور میں نواب کی ڈیوڑھی پر پہنچتے ہی رکا،گرا اور ختم ہو گیا۔نواب کی والدہ زندہ تھیں،انہیں تشویش ہوئی کہ خدا جانے میرے بیٹے کا کیا حال ہوا۔پکار کر کہہ دیا کہ اگر وہ میدانِ جنگ سے بھاگا ہے تو دودھ بھی نہ بخشوں گی۔دوسرے دن خبر ملی کہ نواب کو دھوکے سے شہید کر ڈالا گیا۔ایسے جوانمرد بیٹے کی شہادت سے جو رنج انہیں پہنچا ہوگا،اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے،لیکن اس شکرانے میں دو نفل پڑھے کہ بیٹے نے مردانگی کا حق ادا کیا۔چنانچہ ان کی میت فتح پور لا کر دفن کی گئی۔مزار موجود ہے۔گھوڑے کو بھی دفنا دیا،اس کی قبر بھی اب تک باقی ہے۔

پرُدل اور محمد سید

کرامت خاں کے چھوٹے بھائی پرُدل خاں اور ان کے بیٹے محمد سید خاں کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے،لیکن کرامت خاں کے حالات سے ظاہر ہے کہ وہ بھی مردانِ رزم و پیکار ہی ہوں گے۔پردل خاں کے پوتے اللہ داد خاں کی والدہ شیر زمان خاں کی بیٹی تھیں اور ان کا نام صاحب زمانیہ بیگم یا زمانیہ بی بی تھا۔یہ وہی شیر زمان خاں ہیں،جن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے دادا محمد شہاب خاں نے نواب سعادت علی خاں والیٔ اودھ کے زمانے میں قصبۂ گوتنی (گائے کی چراگاہ) آباد کیا تھا۔ سید صاحب کے واقعہ نگار اسے گتنہ لکھتے رہے۔ اللہ داد خاں کی ننھیال میں مذہبیت کا یہ عالم تھا کہ خلاف شرع کوئی بات ہونے نہ پاتی تھی۔ جامع مسجد کے چاروں طرف جو محلے ہیں ان میں اب تک شادی کے موقع پر بھی گانا بجانا نہیں ہوتا اور آس پاس سے باجا بجاتے ہوئے گذرنا ممنوع ہے۔

اللہ داد خاں

اللہ داد خاں کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شہر فتح پور میں سید خاں مسوانی رئیس کی صاحبزادی سے۔ یہ خاتون رسوم و بدعات میں ڈوبی ہوئی تھیں اور اللہ داد خاں کے بار بار روکنے پر بھی انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئیں، لہٰذا خان موصوف نے مجبوراً ان سے قطع تعلق کر لیا۔ دوسرا نکاح آصف زمان خاں (بن شیر زمان خاں رئیس گوتنی) کی صاحبزادی عائشہ بی بی سے کیا۔ جن سے خدا نے انہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں دیں۔ بیٹوں میں سے بڑے محمد اسمٰعیل خاں تھے، جن کا نام شاہ اسمٰعیل کے نام پر رکھا گیا، چھوٹے محمد یوسف۔ اللہ داد خاں کی سسرال کے تعلقات گوتنی سے زیادہ لکھنؤ سے تھے اور ان کے تینوں برادرانِ نسبتی احمد علی خاں، اشرف علی خاں اور واحد علی خاں بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ ہی میں رہتے تھے، لہٰذا اللہ داد خاں بھی یا تو لکھنؤ میں مقیم رہتے یا اپنے پیر و مرشد کے وطن رائے بریلی آ جاتے۔

تنظیم مجاہدین

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ جہاد میں شریک ہوئے یا نہیں، اتنا معلوم ہے کہ انھوں نے اپنی کل جائداد مجاہدین کے لئے وقف کر دی تھی۔ صرف سسرالی ترکے کا ایک مکان اور ایک باغ جو گوتنی سے متصل شیر گڑھ میں تھا، باقی رکھا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ وہ سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی شہادت کے بعد جماعت مجاہدین کو از سرِ نو منظم کرنا چاہتے تھے۔ غدر سے پیشتر ان کا انتقال ہو گیا۔ قبر کا کچھ پتا نہیں کہ کہاں ہے۔ خیال یہ ہے کہ انتقال کسی سفر میں ہوا جو تنظیم مجاہدین کے سلسلے میں اختیار کیا گیا تھا۔

محمد یوسف خاں

ان کے فرزند اکبر محمد اسمٰعیل خاں کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال سید احمد نے بالاکوٹ میں شہادت پائی۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد یوسف خاں عموماً افغانستان آیا جایا کرتے تھے۔ یہ سفر فقیرانہ بھیس میں ہوتے تھے۔ اسی وضع میں متعدد حج کیے۔ بیعت بھی لیتے تھے۔ ان کے پاس ایک خاروار تلوار بھی رہتی تھی۔ اولاد کوئی نہ چھوڑی۔ ابتدا میں ان کا نکاح خالہ زاد بہن سے ہوا تھا، وہ فوت ہو گئیں تو پھر نکاح نہ کیا۔ قیاس یہ ہے کہ ان کا تعلق سرحد آزاد کے مجاہدین سے تھا اور اس سلسلے میں وہ سفر کیا کرتے تھے۔

محمد اسمٰعیل خاں

محمد اسمٰعیل خاں کی عمر ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت پچیس چھبیس سال کی ہو گی۔ وہ اودھ کی شاہی فوج میں ملازم تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کے خلاف نمایاں حصہ لیا۔ الہ آباد میں شاہ محب اللہ کے خاندان کے ایک بزرگ شاہ احمد اللہ فاروقی تھے۔ ان کے ہاتھ پر باقاعدہ جہاد کی بیعت کی تھی۔ کانپور، لکھنؤ اور دوسرے مقامات پر مجاہدین انقلاب کے سرغنہ رہے۔ ان کی سرگرمیوں کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے۔ تحریک کی ناکامی کے بعد گرفتاریاں اور سزائیں شروع ہو گئیں۔ محمد اسمٰعیل خاں بچتے بچاتے آگرہ پہنچے اور مولوی سید فرید الدین کنٹروی کے پاس ٹھہرے، جو عدالت عالیہ کے مشہور وکیل تھے۔ پھر دہلی چلے گئے اور نواب فیض اللہ خاں رئیس پہاسو (ضلع علی گڑھ) یا حکیم اجمل خاں مرحوم کے والد ماجد حکیم محمود خاں کی وساطت سے الور میں پولیس کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

افسر بن گئے۔ تین سال وہیں مقیم رہے۔ پنشن لے کر گوتی میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ ۱۹۱۸ء میں بمقام الٰہ آباد انتقال ہوا۔

حالاتِ غدر

اہل خانہ نے محمد اسمٰعیل خاں سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے متعلق جو باتیں سنیں، ان سے تحریک کی بے نظمی صاف صاف آشکارا ہوتی تھی مثلاً:

۱- قلعہ الٰہ آباد کا خزانہ لٹا تو سپاہیوں کی بے صبری کا یہ حال تھا کہ جو صندوق ٹوٹتا، سب اسی پر پل پڑتے اور کش مکش میں تلواریں نکل آتیں، حالاں کہ بہت سے صندوق محفوظ پڑے تھے۔ ان کی طرف کسی کی توجہ نہ ہوتی تھی۔

۲- وہ کہا کرتے تھے کہ ہنگامے میں حصہ لینے والوں کی حیثیت ایک غیر منظم بھیڑ کی سی تھی۔ کہیں سے کوئی افواہ اڑتی تو لوگ سراسیمہ وار بھاگنے لگتے۔ پھر سرداروں میں سخت رقابت تھی۔ ہر سردار کی کوشش یہ تھی کہ دوسرے کو گرا کر خود آگے بڑھ جائے۔ خصوصاً پوربیوں کی بدلگامی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ ابتدائی دور کی معمولی وقتی کامیابیوں نے ان میں اس درجہ غرور پیدا کر دیا تھا کہ کہتے تھے "جہ کے موڑ پر پنہی رکھ دیے، وہی بادساہ ہوجئے" (جس کے سر پر جوتا رکھ دیں گے، وہی بادشاہ ہوجائے گا)۔

ایمیلیا کک

محمد اسمٰعیل خاں کان پور سے ایک انگریز خاتون کو بھی لے آئے تھے۔ اس کا نام ایمیلیا کک (EMILIA COOK) تھا۔ اسے مسلمان کر کے نکاح کرلیا۔ انگریزی تسلط بحال ہوگیا تو وہ خاتون ہر چند کہتی رہی کہ چلو تمہیں خاصی جائداد دلوادوں گی، لیکن محمد اسمٰعیل خاں تیار نہ ہوئے۔ خاتون کو لکھنؤ یا کان پور بھیج دیا۔ بعد ازاں انگریزوں نے محمد اسمٰعیل خاں کا پتا لگانے کیلئے بہت سختی کی، مگر وہ جا چکے تھے اور ان کا سراغ کسی کو نہ مل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکا۔ معلوم نہیں تلاش کے لیے یہ تگ ودو اس غرض سے کی گئی تھی کہ انہیں جاگیر دی جائے یا سزا دینی منظور تھی۔

محمد اجمل خاں

محمد اسمٰعیل خاں کے تین بیٹے ہوئے: احمد یعقوب خاں، محمد اجمل خاں اور احمد اللہ خاں۔ احمد یعقوب خاں نے ساری عمر خانہ نشینی میں گزار دی۔ احمد اللہ خاں تعلیم پاکر سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے۔

محمد اجمل خاں نے ایف۔ اے تک سائنس کی تعلیم پائی۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم سے محمد اسمٰعیل خاں کی گہری دوستی ہوگئی تھی، انہیں کے نام پر فرزند کا نام اجمل رکھا۔ انہیں کے مشورے سے سائنس کی تعلیم دلائی تاکہ طب اور ڈاکٹری سیکھ سکے۔ محمد اسمٰعیل خاں کے انتقال کے بعد سائنس کو چھوڑ کر علی گڑھ کالج سے ڈگری لی اور فلسفے میں ایم۔ اے، ساتھ ساتھ قانون کا امتحان دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی زمانے میں ترک موالات کی تحریک شروع ہوگئی اور محمد اجمل خاں نے ضلع کی خلافت اور کانگرس کا کام سنبھال لیا۔ چند سال بعد عربی کا ایم۔ اے کرلیا اور ایل ایل بی کا امتحان دے کر وکالت شروع کر دی۔ پھر کچھ مدت الہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے لیکچرار رہے۔ ۱۹۲۹ء میں ''ڈان'' کے نام سے انگریزی کا ایک ہفت روزہ اخبار الہ آباد سے جاری کیا۔ ۱۹۳۱ء میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی، اس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء میں حجاز گئے۔ واپس آکر الہ آباد میں فلسطین کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ پھر ایک اہم تصنیف ''نزول قرآن کریم'' کے نام سے شائع کی۔ ۱۹۳۷ء میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے انہیں اپنا پرائیویٹ سکریٹری بنالیا، اب تک انہیں کے ساتھ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تصانیف

خان محمد اجمل خاں نے اور کتابیں بھی تصنیف کیں۔ مثلاً سیاسیات، پس منظر اسلام اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دس جلدیں مرتب کیں۔ بنیادی ہندوستانی پر تقریباً پچاس مضامین اور رسالے شائع کیے، جن کی مجموعی مقدار ایک ہزار صفحات سے کم نہ ہوگی۔ متوسط درجے کی ایک سیرت اردو زبان میں مرتب کی، جو قرآن کریم پر مبنی ہے۔ یہ شائع ہو چکی ہے، اب ایک طرف اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کرانا چاہتے ہیں، دوسری طرف قدرے مبسوط سیرت مرتب کر چکے ہیں، جو چھپ چکی ہے۔ پہلی کتاب کی طرح یہ بھی قرآن کریم ہی پر مبنی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکیسواں باب:

محمد مقیم، عبدالوہاب، نور احمد

میاں محمد مقیم رام پوری

یہ میاں کریم اللہ کے بھائی تھے، جو نواب احمد علی خاں والیٔ رام پور کی جانب سے نیابت کے عہدے پر مامور تھے۔ بیعت امامت جہاد کے بعد سید صاحب نے دعوت نامے ہندوستان بھیجے تو جو اصحاب سب سے پہلے مجاہدین کے قافلے لے کر سرحد پہنچے، ان میں میاں محمد مقیم بھی تھے، جو چالیس پچاس غازیوں کے ساتھ گئے تھے۔ وہ تمام جوان، شجاع اور حد درجہ پرہیز گار تھے۔ نقد روپے کے علاوہ قرابینوں کی بھی خاصی بڑی تعداد ساتھ لے گئے تھے۔

پکھلی میں جہاد

خوانین پکھلی کی دعوت پر سید صاحب نے غازیوں کی ایک جماعت ہزارہ میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تو میاں محمد مقیم نے سبقت بالخیر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرا قافلہ ضروری سازوسامان سے لیس ہے۔ تمام مجاہدین آزمودہ کار ہیں اور اس مہم پر ہمیں ضرور بھیجا جائے۔ سید صاحب نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ چالیس پچاس غازی میاں مقیم کے قافلے کے تھے۔ تقریباً ایک سو غازی دوسری جماعتوں سے منتخب کیے، مولانا شاہ اسمٰعیل کو ان کا سالار بنایا۔ مولوی خیرالدین شیرکوٹی اور ملا شاہ سید چیڑ منگی کو ان کے نائب و مشیر مقرر کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ارسلان خان کی معیت

مولانا شاہ اسمٰعیل پکھلی (ضلع ہزارہ) میں پہنچے تو انہیں محسوس ہوا کہ یہاں جہاد کا اقدام قبل از وقت ہوا ہے، لہٰذا وہ تنظیمات میں مصروف ہو گئے۔ میاں مقیم جوشِ شجاعت میں جنگ کیلئے مضطرب تھے۔ مولانا شاہ اسمٰعیل ضروری تنظیمات کے بغیر آغازِ جنگ کو خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔ اس اثناء میں خان اگرور کے بھائی ارسلان خاں نے اعلان کر دیا کہ میں سکھوں سے لڑنے کیلئے جا رہا ہوں۔ جن لوگوں کو جہاد کا شوق ہو، میرے ساتھ ہو جائیں، ان سب کا خرچ میں برداشت کروں گا۔ میاں محمد مقیم اور ان کے ساتھی معاً تیار ہو گئے اور مولانا سے اجازت مانگی۔ اگرچہ اجازت مطابق مصلحت نہ تھی، لیکن سید صاحب نے روانگی کے وقت میاں محمد مقیم کی دلداری کی تاکید فرما دی تھی، اس لئے مولانا نے اجازت دے دی اور یہ ارسلان خاں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

جنگ ڈمگلہ

جب مولانا کو معلوم ہوا کہ ڈمگلہ میں سکھوں کی فوج جمع ہو رہی ہے تو خود بھی آگے بڑھ کر شنکیاری کے قریب پہنچ گئے جو ڈمگلہ سے تین میل پر درہ بھوگڑ منگ کے سامنے ایک مشہور مقام ہے۔ وہاں سے میاں محمد مقیم کو ایک سو مجاہدین کا سالار بنا کر ڈمگلہ پر شبخون مارنے کا حکم دے دیا۔ چودہ پندرہ سو ملکی آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ مولوی خیرالدین شیر کوٹی کو میاں مقیم کا مشیر و نائب بنا دیا۔ گولی بارود کے علاوہ بارود بھرے ہوئے نل بھی مجاہدین کو دے دیے۔ انہیں وقت کے "ہینڈ گرینیڈ" سمجھنا چاہیے۔ چوں کہ سکھ لشکر نے اپنی قیام گاہ کے ارد گرد خار بندی کر رکھی تھی، اسلئے مجاہدین نے کچھ چارپائیاں بھی ساتھ لے لیں تا کہ خار بندی سے لگا کر بسہولت اندر پہنچ سکیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میاں مقیم کی دلاوری

تین میل کی مسافت میں بہت سے ملکی آدمی اِدھر اُدھر چھپ گئے اور میاں مقیم کے ساتھ صرف تین چار سو رہ گئے۔ میاں صاحب بلند ہمت آدمی تھے۔ اپنے ساتھیوں کی قلتِ تعداد سے بے پروا ہو کر انہوں نے حملہ کیا۔ پہلے بارود بھرے تل لشکر گاہ میں پھینکے پھر چار پائیاں خار بندی سے لگا دی گئیں۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے لشکر گاہ میں پہنچا وہ مجاہدین کا بہادر سالار محمد مقیم تھا۔ میاں نے پورے زور سے نعرۂ تکبیر لگایا۔ راویوں کا بیان ہے کہ سکھ غول غول بن کر کئی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ مجاہدین پہلے ان پر تل پھینکتے، پھر قرابینیں چلاتے ہوئے حملہ کرتے۔ "منظورہ" میں مرقوم ہے کہ محمد مقیم اور ان کے ساتھیوں نے جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ رستم واسفند یار کی داستانیں فراموش ہو گئیں۔ وہ لوگ اس طرح سکھوں کے ہجوم میں گھستے تھے، جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے۔ تین چار حملوں میں سکھوں کو خار بندی سے باہر نکال دیا۔

جب سکھوں پر واضح ہوا کہ حملہ آور تعداد میں کم ہیں تو انہوں نے دوبارہ اکٹھے ہو کر مقابلے کی ٹھانی۔ مولوی خیر الدین نے یہ حالت دیکھی تو مشورہ دیا کہ اب باہر نکل چلو۔ مولوی صاحب ایک جماعت لیکر سکھوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ باقی مجاہدین کو مراجعت کا حکم دیدیا۔ پھر خود بھی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے نکل گئے۔ اس معرکے میں سکھ مقتولین کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ غازیوں میں سے دو سخت زخمی ہوئے اور شہادت پائی۔ چھ سات کے ہلکے زخم لگے۔ خود میاں محمد مقیم کی ٹانگ پر بھی تلوار کا ایک زخم تھا۔

مراجعت اور وفات

ہزارہ سے واپسی کے بعد میاں صاحب کے بھائی کریم اللہ کے مرنے کی اطلاع پہنچی اور غالباً ان کے متعلقین اور خود نواب احمد علی خاں کی طرف سے معروض پیش ہوا کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میاں محمد مقیم کو واپس بھیج دیا جائے۔ وہ جانے کیلئے تیار نہ تھے۔ سید صاحب نے حکماً انہیں واپس بھیجا۔ رام پور میں وہ اونچے عہدے پر مامور ہو گئے تھے۔ ایک ریاستی کی سرکشی کے انسداد کیلئے پالکی میں بیٹھ کر گئے۔ ادھر سے اچانک گولیوں کی بوچھار آئی۔ میاں محمد مقیم بری طرح زخمی ہو گئے اور کچھ دیر بعد وفات پائی۔

طریقہ محمدیہ

نواب وزیر الدولہ نے ''وصایا'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عطاء اللہ نے جو حکیم غلام حسین نائب والیٔ رام پور کے بڑے بھائی تھے، نیز میاں محمد مقیم نے سید صاحب سے بہ ادب پوچھا کہ آپ چشتی، قادری، نقشبندی اور مجددی طریقوں میں بیعت کے بعد طریقہ محمدیہ میں بھی بیعت لیتے ہیں، اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔ سید صاحب نے اس کا جواب بطریق اجمال یہ دیا: چشتی اور قادری طریقوں کے اشغال کی تعلیم اس طریق پر دی جاتی ہے کہ ذکر جہر کرو اور ضرب اس طرح لگاؤ۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی تلقین اس طرح کی جاتی ہے کہ ذکر خفی کرو، پھر سمجھایا جاتا ہے کہ یہ لطیفۂ قلب ہے، یہ لطیفۂ روح، یہ لطیفۂ نفس ہے، یہ لطیفۂ سر، یہ لطیفۂ خفی ہے اور یہ لطیفۂ اخفیٰ ہے۔ ان طریقوں کی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی ہے۔ طریقہ محمدیہ کے اشغال یوں سکھائے جاتے ہیں:

> ''کھانا اس نیت سے کھایا جائے، لباس اس نیت سے پہنا جائے، نکاح اس نیت سے کیا جائے، رات کو سویا اس نیت سے جائے، کھیتی باڑی اس نیت سے کی جائے، تجارت اس نیت سے اور نوکری اس نیت سے۔ اس طریقے کی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ طور ظاہر شریعت ہے۔''(۱)

(۱) وصایا حصہ دوم ص: ۲۲، ۲۳۔ مراد یہ ہے کہ سب کچھ خدا کے لئے کیا جائے۔ کھانے سے مقصود جسم میں قوت کی بحالی ہو تاکہ دین کی خدمات احسن طریق پر انجام پائیں۔ لباس سے مقصود جسم کی حفاظت ہو۔ نکاح سے مقصود یہ ہو کہ انسان لغزش سے محفوظ رہے۔ کھیتی باڑی، تجارت یا نوکری کی غرض یہ ہو کہ انسان کمائی کر کے متعلقین کے حقوق ادا کرے اور جو رقم بچائی جا سکے اسے خدائی کاموں میں صرف کرے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گویا ہر عمل کا مقصد رضائے باری تعالیٰ ہو، اس کے سوا کچھ نہ ہو، اور جو کام بھی کیا جائے شریعت کے مطابق کیا جائے۔

مولوی عبدالوہاب

شاہ یقین اللہ کے فرزند، بڑے سلیم المزاج، نیک کردار، بردبار اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ پنجتار میں سید صاحب نے انھیں رسد کی تقسیم پر مامور فرمادیا تھا "قاسم غلہ" ان کے نام کا جزو بن گیا تھا۔ مختلف عوارض کے باعث بہت لاغر اور نحیف ہو گئے تھے۔ اس لئے تقسیم غلہ کی خدمت میں عذر کیا۔ سید صاحب نے فرمایا: ہم دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ چنانچہ خدا کے حکم سے آپ کے عارضے بھی جاتے رہے اور جسم کی حالت بھی بہتر ہوگئی۔

حفظِ قرآن اور حسنِ تقسیم

مولوی صاحب کو حفظ قرآن کا بہت شوق تھا۔ کئی مرتبہ سید صاحب سے عرض کیا کہ دعا فرمایئے، اللہ تعالیٰ حفظ کی توفیق عطا کرے اور میں ایک بار تراویح میں پورا قرآن آپکو سناؤں۔ کیفیت یہ تھی کہ غلہ تقسیم فرماتے وقت آہستہ آہستہ قرآن مجید پڑھتے جاتے۔ ایک ایک وقت میں بیس بیس پچیس پچیس مجاہد رسد کے لئے آجاتے اور سب کو باری باری مقررہ پیمانے کے مطابق دیتے جاتے۔ طریقہ یہ اختیار کر لیا تھا کہ بڑا ہو یا چھوٹا، افسر ہو یا سپاہی، جس ترتیب سے لوگ آتے تھے، اسی ترتیب سے سب کو رسد دیتے تھے۔ تقدم و تاخر نہ ہونے پاتا۔

عفو و حلم

ایک روز مولوی امام علی عظیم آبادی رسد لینے کیلئے آئے۔ وہ تو وارد تھے اور مولوی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کے طریق تقسیم سے انہیں آگاہی نہ تھی۔ اصرار کیا کہ پہلے مجھے رسد دیجئے۔ مولوی صاحب نے تحمل سے فرمایا کہ بھائی رسد باری سے ملے گی۔ وہ قوی الجثہ اور جسیم آدمی تھے۔ غصے میں آگئے اور مولوی صاحب کو دھکا دیکر آٹے کے انبار پر گرادیا۔ مولوی صاحب تمام غازیوں میں بہت ہی معزز و محترم مانے جاتے تھے۔ قندھاری غازیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو مولوی امام علی کو مارنے کیلئے تیار ہوگئے۔ مولوی عبدالوہاب نے انہیں روک دیا اور کہا کہ امام علی میرا بھائی ہے، دھکا دیا تو مجھے دیا، آپ لوگ کیوں جوش میں آگئے؟

ہوتے ہوتے یہ بات سید صاحب تک پہنچی۔ آپ نے مولوی عبدالوہاب کو بلا کر تفصیل پوچھی۔ موصوف نے عرض کیا: امام علی نیک بخت آدمی ہیں۔ رسد لینے آئے تھے، باری ان کی نہ تھی۔ انہوں نے عجلت کی اور مجھے دھکا لگ گیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ غازیوں نے مولوی صاحب کے عفو و تحمل کی یہ داستان مولوی امام علی کو سنائی تو وہ بہت پشیمان ہوئے۔ خود سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی زیادتی کا صاف صاف اقرار کیا۔ ساتھ ہی کہا کہ مولوی صاحب سے میرا جرم معاف کرادیجئے۔ یہی اسلامی اخوت کے یہ دلکشا مناظر جماعت مجاہدین میں عام تھے۔ انہیں سے سید صاحب کی شانِ تربیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

جب سید صاحب پنجتار سے ہجرت کر کے راج دواری پہنچے تو مولوی عبدالوہاب نے رمضان شریف کی تراویح میں قرآن سید صاحب کو سنایا اور اس طرح ان کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو سید صاحب کے ساتھ جنگ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

رضائے باری تعالیٰ

مولوی سید جعفر علی نقوی نے قیامِ امب کا ایک واقعہ لکھا ہے جو سننے کے قابل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے۔ ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ دل دیوانے ہوتے ہیں۔ مجھے بہشت کی بھی خواہش نہیں، محض اللہ کی رضا پر نظر ہے۔ شاہ اسمٰعیل نے یہ سن کر کہا کہ یہ بڑا اونچا مرتبہ ہے، لیکن بہشت سے بے پروائی کا ذکر زبان پر نہ لائیں، اس لئے کہ بہشت سے مراد حق اور دوزخ سے مراد باطل ہے۔ مومن کے لئے حق سے بے پروائی مناسب نہیں۔

سید صاحب: جب خدا راضی ہوگا تو بندے کو خود بہشت میں بھیجے گا، اصل اس کی رضا ہے، بہشت رضا کی ایک شاخ ہے۔

شاہ اسمٰعیل: ایسا نہیں۔ بہشت کی بہترین شاخوں میں سے رضا ایک شاخ ہے۔

یہ سنتے ہی مولوی عبدالوہاب قاسم نغر نے یہ آیت پڑھی: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ. وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورہ توبہ)

اور کہا: اس سے ظاہر ہوا، رضا دوسری چیز ہے، جس کا ایک ثمرہ بہشت بھی ہے۔

شاہ یقین اللہ

مولوی عبدالوہاب کے والد ماجد شاہ یقین اللہ سید صاحب کے مخلص مرید اور خلیفہ تھے۔ مجموعہ مکاتیب میں ایک خط بھی ان کے نام ملتا ہے، جس میں جنگِ شیدو، دورۂ بنیر وسوات اور اہلِ سرحد کے اتفاق کا ذکر ہے۔ اس میں شاہ یقین اللہ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے:

> ''بخدمت فیض درجت سجادہ نشین ارشاد وتلقین، رہنمائے ارباب صدق ویقین، یادگار اسلاف کرام، تذکار اولیائے عظام، مقبول بارگاہ الٰہ، مخدومی ومکرمی شاہ یقین اللہ مد اللہ ظلال ہدایتہ علی رؤس المستفید ین الی یوم الدین۔''

ان الفاظ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سید صاحب کی نظروں میں شاہ یقین اللہ کا رتبہ کتنا اونچا تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ میاں دین محمد نے سید صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے حکم سے پچیس روپے کی رقم شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔ ممکن ہے اس قسم کی اور رقمیں بھی دی گئی ہوں۔

مولوی نور احمد نگرامی

مولوی صاحب مجاہدین کے لشکر اور سید صاحب کے عقیدت مندوں میں ''مؤرخ اسلام'' کے لقب سے مشہور تھے۔ ابتدا ہی سے آپ کے ساتھ رہے اور سب سے پہلے آپ کے حالات لکھنے کا التزام کر لیا تھا۔ جو کچھ سنتے، سید صاحب سے اس کی تصدیق کرا لیتے۔ سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے تمام واقعات سید صاحب کو سنا کر ان کی تصحیح کر لی تھی۔ یہ کتاب دورانِ جہاد میں ان کے پاس تھی۔ افسوس کہ اس کا محض نام باقی رہ گیا اور کتاب کا سراغ اب تک نہ مل سکا۔

شہادت

مولوی صاحب جہاد میں سید صاحب کے ہمراہ تھے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن جنگوں میں انہوں نے حصہ لیا۔ جنگ بالا کوٹ میں ان کی شرکت ثابت ہے۔ محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ جنگ شروع ہو چکی تھی اور میں شالی کے کھیتوں سے آگے بڑھ کر ایک پتھر کی آڑ میں کھڑا بندوق چلا رہا تھا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر مولوی نور احمد تھے۔ ایک گولی ان کے بازو پر لگی اور بولے: بھائی! میں تو معذور ہو گیا۔ میری چیزوں میں سے جو درکار ہو لیلو، میں نے گولیاں لے لیں۔ وہ پلٹ کر پیچھے کو چلے۔ اس حالت میں ایک اور گولی لگی اور وہ زمین پر بیٹھ گئے۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ اسی جگہ شہید ہوئے یا کسی اور جگہ۔

شہادت اس بنا پر یقینی ہے کہ جنگ بالا کوٹ کے بعد کسی نے مولوی صاحب کو زندہ نہ دیکھا۔ چوں کہ سکھوں نے جنگ کے بعد بالا کوٹ کو آگ لگا دی تھی اور مجاہدین کی تمام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چیزیں جل گئی تھیں، اس لئے اغلب ہے کہ مولوی نور احمد کی مرتبہ سیرت بھی نذرِ آتش ہو گئی ہو۔ میں نے اس کتاب کی تلاش میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا، لیکن کسی نے اس کے وجود کی تصدیق نہ کی۔

جب سید صاحب نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے تو انکے رفیقوں میں سید ظہور احمد نگرامی اور سید عبدالرزاق نگرامی کے نام بھی آئے ہیں، ممکن ہے یہ حضرات مولوی نور احمد نگرامی "مورخ اسلام" کے عزیزوں میں سے ہوں، مجھ پر حقیقت حال منکشف نہ ہو سکی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بائیسواں باب:

محمدی، باقر علی، محمد حسین، قمر الدین

منشی محمدی انصاری

منشی محمدی انصاری جنہیں بعض اوقات بردوانی بھی لکھتے ہیں، سید صاحب کے میر منشی تھے۔ ان کا وطن راج محل سے بارہ کوس کے فاصلے پر تھا۔ صحیح نام معلوم نہ ہو سکا۔

منشی صاحب نے اس زمانے میں بمقام میرٹھ بیعت کی تھی جب سید صاحب میرٹھ سہارنپور مظفر نگر وغیرہ کے دورے پر نکلے تھے۔ اس وقت منشی صاحب کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہ ہوگی، اس لئے کہ دورانِ جہاد جن لوگوں نے انہیں دیکھا، ان کی عمر پچیس چھبیس سال کی بتائی۔ غالباً اسی وقت سے سید صاحب کی معیت اختیار کر لی۔ سفرِ حج میں سید صاحب کے ساتھ رائے بریلی سے روانہ ہوئے۔ راج محل پہنچ کر منشی صاحب سید صاحب کو باصرار اپنے وطن لے گئے اور منشی صاحب کے اکثر اقربا نے وہاں سید صاحب کی بیعت کی، مثلاً ان کے والد منشی شاہ محمد، منشی رؤف الدین، منشی مخدوم بخش، منشی حسن علی (جن کا رشتہ معلوم نہ ہو سکا)، منشی فضل الرحمٰن اور منشی عزیز الرحمٰن (یہ منشی صاحب کے ماموں تھے) اور لوگ بھی سید صاحب کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ منشی شاہ محمد حج کے لئے ساتھ گئے۔

اہل و عیال

واپسی میں مرشد آباد سے منشی صاحب کو وطن جانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ نکاح

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر لیجیے۔اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت منشی صاحب کا عنفوانِ شباب تھا۔ چنانچہ انہوں نے نکاح کیا اور خدا نے ایک بیٹا دیا، جس کا نام یحییٰ رکھا۔ خود فرماتے تھے: بچے کی محبت اس طرح دل میں پیوست ہوگئی کہ یہ بھی امتحانِ الٰہی بن گیا۔ تاہم کوئی شے منشی صاحب کو خدمت حق سے روک نہ سکی۔

ہجرت

جب ہجرت کی خبر ملی تو منشی صاحب بیوی بچے اور اقربا کو چھوڑ کر رائے بریلی پہنچ گئے اور سید صاحب کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ ان کے ماموں منشی فضل الرحمٰن بھی ساتھ تھے۔ سید صاحب منشی محمدی کو عموماً ''انصاری بھائی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ تمام اہل لشکر انہیں ''بھائی صاحب'' کہتے تھے۔

انتظامِ دفتر

یہ بتایا جاچکا ہے کہ منشی صاحب کو تحریر پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ اندھیرے میں بھی بے تکلف لکھتے، لیکن نہ سطر ٹیڑھی ہوتی، نہ الفاظ ایک دوسرے سے پیوست ہوتے۔ انہوں نے مختلف امور کے لئے الگ الگ بستے بنا لیے تھے۔ یہ بستے ایک بڑے صندوق میں رہتے۔ جس بستے کی ضرورت پڑتی، محافظوں سے کہہ کر صندوق میں سے نکلوا لیتے۔ ہر مہینے کے آغاز میں روزنامچے کی جدولیں تیار کرا لیتے۔ اس روزنامچے میں تمام حالات تفصیل سے لکھوا لیتے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کے لئے سرحد پہنچے اور منشی خانے سے وابستہ ہوگئے تو خبروں کی تبییض کا کام انہیں سے لیا جاتا۔

خاص نشانات

سید صاحب نے اپنی مہر شاہ اسمٰعیل کے حوالے کر دی تھی۔ شاہ صاحب یہ مہر کبھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کبھی مولوی محمد حسن (رام پور منہاران) اور منشی محمدی انصاری کو دیدیتے تھے۔ منشی صاحب ہر مکتوب پر ایک اصطلاحی نشان بنا دیتے۔ جس پر یہ نشان ہوتا، اسی پر مہر لگائی جاتی۔ کسی کاغذ کے گوشے میں دستخط ''حضور'' لکھ دیتے۔ کسی کے گوشے میں ''مولانا''۔ ''حضور'' کا مطلب یہ ہوتا کہ مکتوب یا فرمان براہِ راست سید صاحب کی طرف سے ہے۔ لفظ ''مولانا'' کا مطلب یہ ہوتا کہ شاہ اسمٰعیل کی وساطت سے یہ فرمان جاری ہو رہا ہے۔

شہادت

ان کے ماموں منشی فضل الرحمٰن نے جنگِ مایار میں تورو اور مایار کے درمیان شہادت پائی، چنانچہ ان کی میت تورو میں دفن ہوئی۔ خود منشی صاحب کی شہادت بالاکوٹ میں سید صاحب کی شہادت گاہ کے قریب ہوئی۔ انہیں غالباً اس گنجِ شہیداں میں دفن کیا گیا جو قصبہ بالاکوٹ کے مغرب میں مٹی کوٹ کے ٹیلے سے قریب ہے۔

اخلاق و عادات

راویوں نے لکھا ہے کہ منشی صاحب بڑے مخلص، سید صاحب کے کمال کے معتقد اور آپ کے نزدیک نہایت معتبر و معزز تھے۔ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ دورانِ جہاد میں کبھی کسی معاملے کے متعلق سید صاحب سے خفیف سے اختلاف کا موقع نہ آیا۔ سید صاحب کی طرف سے جو فیصلہ یا فرمان صادر ہوا، اس کی درستی کے بہ دل معتقد تھے۔ شہادت کے وقت عمر تیس برس سے کم تھی۔

باقر علی عظیم آبادی

یہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے ہم جد اور چچیرے بھائی تھے، شجرۂ نسب یوں ہے: باقر علی بن مولوی بشارت علی بن مولوی وارث علی بن ملا محمد سعید۔ مولوی وارث علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے دوسرے بیٹے مولوی فتح علی تھے جو مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کے والد تھے۔ مولوی بشارت علی کی شادی حضرت شاہ محمد معز ساکن محلہ ٹموہیہ کی صاحبزادی مسماۃ نسجیمن سے ہوئی تھی۔ جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑی۔ یہ بچے کم سن تھے۔ مولوی فتح علی ہی نے ان کی پرورش کی۔

شانِ ارادت

سید صاحب حج سے مراجعت پر پٹنہ میں ٹھہرے تو خاندان اور شہر کے دوسرے افراد کے ساتھ مولوی باقر علی نے بھی بیعت کر لی۔ اس وقت سولہ سترہ سال کی عمر ہو گی۔ شادی نہ ہوئی تھی اور عیالداری کا کوئی جنجال نہ تھا۔ اس لئے اسی وقت سے مرشد کی رکاب پکڑ لی اور ساتھ نہ چھوڑا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر ننگے پاؤں سید صاحب کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے، راستے میں کھٹے کا کانٹا چبھ گیا۔ شدید تکلیف کے باوجود یہ ایک لمحے کیلئے بھی نہ رکے اور برابر ساتھ رہے۔ منزل پر پہنچ کر کانٹا نکلوایا۔

نائب تقسیم رسد

جب سید صاحب جہاد کیلئے نکلے تو مولوی باقر علی پہلی جماعت میں شریک ہوئے۔ اس وقت مولوی محمد یوسف پھلتی سید صاحب کی طرف سے تمام انتظامات کے کفیل تھے۔ انہیں کے پاس روپیہ جمع ہوتا تھا، وہی جماعت مجاہدین کیلئے سارا سامان خریدتے تھے۔ مولوی باقر علی کو سید صاحب نے رسد کی تقسیم کے لئے ان کا نائب بنا دیا تھا۔

راہِ حق کا پہلا شہید

اکوڑہ میں سکھوں کے لشکر پر شبخون مارنے کیلئے جو ایک سو چھتیس غازی منتخب ہوئے تھے، ان میں مولوی باقر علی بھی شامل تھے۔ ان کا شرف یہ ہے کہ سکھوں کی طرف سے جو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلی گولی مجاہدین کی طرف آئی وہ مولوی باقر علی کے لگی۔ زخم کاری تھا، وہ بیٹھ گئے اور بولے: بھائیو! میرا کام تمام ہوا۔ اب مجھ سے ہتھیار لے لو۔ یہ اللہ کا مال ہے۔ یہ کہتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ گویا جماعت مجاہدین میں سے وہ راہ حق کے پہلے شہید تھے۔ ان کے پاس دو پستول تھے، ایک تلوار اور ایک بندوق۔ پستولوں میں سے ایک کا نام بسم اللہ تھا اور دوسرے کا عبداللہ۔ غازیوں نے پستول تو سنبھال لئے، تلوار اور بندوق وہیں رہ گئیں۔ شہادت کے وقت صرف اٹھارہ انیس سال کی عمر تھی۔

شاہ محمد حسین عظیم آبادی

ان کے بزرگوں میں سے پہلے پہل میر معز الدین دیورہ میں آ کر آباد ہوئے اور پانچ ہزار بیگھہ زمین انہیں معاش کیلئے عطا ہوئی۔ ان کی پانچویں پشت میں شیخ شاہ محمد ایک مشہور بزرگ تھے۔ ان کے بیٹے شاہ عبدالعلی اور پوتے شاہ ابوسعید نے بھی آبائی مقام ہی میں سکونت جاری رکھی۔ ابوسعید کے فرزند شاہ ابوالبرکات محمد فائض پہلے پہل پٹنہ میں آئے اور وہ مقام سکونت کیلئے پسند کیا، جہاں بعد میں محلہ تمو ہیہ آباد ہوا۔ انہوں نے ایک غیر آباد جگہ اونچی ٹیکری پر ایک حجرہ بنا لیا تھا۔ بعد ازاں ان کی بزرگی کے پیش نظر بادشاہ کی طرف سے خاصی زمین دے دی گئی۔ شاہ محمد حسین انہیں کی اولاد میں سے تھے۔ نسب نامہ یوں ہے: شاہ محمد حسین بن شاہ محمد معز بن شاہ محمد عزیز عرف شاہ درگاہی بن شاہ ابوالخیر محمد انور بن شاہ ابوتراب محمد منور بن شاہ ابوالبرکات محمد فائض۔

دعوت و تبلیغ

شاہ محمد حسین ۱۲۰۳ھ (۸۹-۱۷۸۸ء) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے چچا شاہ محمد کریم سے پائی۔ ابتداء ہی سے صوم و صلوٰۃ کے پابند اور طہارت و تقویٰ کے شیفتہ تھے۔ سید صاحب حج سے واپس آئے تو بیعت کی۔ اسکے بعد پورا وقت کتاب و سنت کی دعوت میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صرف ہونے لگا، ان کے عقیدت مندوں کا دائرہ بہت پھیلا ہوا تھا۔ مظفر پور، دربھنگہ، چھپرہ، گیا، بہار، مونگیر، بھاگل پور وغیرہ کے اطراف میں مسلسل دورے فرماتے رہتے۔ ان کے ارشادات کی برکت سے لاکھوں آدمی کتاب وسنت کے پابند بن گئے۔

توسیع مسجد اور حج

ان کی خاندانی مسجد چھوٹی تھی، جس میں ایک سو آدمی بمشکل نماز ادا کر سکتے تھے۔ شاہ محمد حسین نے مسجد کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس میں تین ہزار آدمی بے تکلف نماز پڑھ سکتے تھے۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کیلئے پاس کے ایک میدان میں انتظام کیا جاتا۔ وعظ بہت سادہ ہوتا تھا، اسلئے عوام بھی اس سے مستفید ہوتے۔ رات کے وقت زنانے میں وعظ فرماتے اور ان میں دور نزدیک کی مستورات شریک ہوتیں۔ سب کیلئے کھانے پینے کا انتظام فرماتے۔

جہاد کے لئے ساتھ نہ گئے۔ غالباً سید صاحب نے خود انہیں روک دیا تھا اور دعوت وارشاد کا کام ان کے ذمے لگا دیا تھا۔ ۶۲-۱۲۶۱ھ (۴۶-۱۸۴۵ء) میں حج کیلئے گئے۔ اس سفر میں دو برس صرف ہوئے۔ دوران "غدر" میں پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے انہیں نیز مولانا احمد اللہ، مولانا واعظ الحق وغیرہ کو بعض شبہات کی بناء پر نظر بند کر دیا تھا۔ تقریباً تین مہینے اس ابتلا میں گذر رہے۔

سواری وسپہ گری

فن سپہ گری میں پورا دخل تھا۔ گھوڑے کی سواری میں مشاق تھے۔ آخری عمر تک گھوڑے کے سوا کوئی سواری استعمال نہ کی۔ ہمیشہ شریر گھوڑا خرید لیتے اور اسے سدھار کر فروخت کر دیتے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ہاشمی تخلص تھا۔ قد میانہ، رنگ بہت گورا، نہایت خوب صورت اور وجیہ تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وفات

۸/رجب ۱۲۷۶ھ (۳۱/جنوری ۱۸۶۰ء) کو جمعرات کے دن وفات پائی۔ حکیم مولوی اسد اللہ نے تاریخ وفات کہی:

رفت بہ یوم الخمیس وز قدم پاک و صاف
زیب سرے ارم شاہ محمد حسین!

آپ کی اہلیہ بی بی نصرت نے تقریباً ایک سو سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔ مولوی محمد یوسف جعفری نے تاریخ وفات کہی:

چو جدہ ماجدہ ام بی بی نصرت ❁ جدا گشتہ ز ما زیر زمیں رفت
پئے تاریخ رحلت فکر کردم ❁ ندا آمد بہ فردوس بریں رفت

۱۲۹۹ھ

اولاد

شاہ محمد حسین کے ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیٹیوں میں سے ایک نے بچپن میں وفات پائی۔ باقی پانچ میں سے چار کے نکاح ان بزرگوں سے ہوئے جو سید صاحب کی تحریک جہاد میں سرگرمی سے شریک رہے۔ مثلاً:

۱۔ مولانا احمد اللہ: بہ سلسلۂ اعانت مجاہدین حبس دوام کی سزا پائی اور جزائر انڈمان میں فوت ہوئے۔ بڑی صاحبزادی ان کے نکاح میں تھی۔

۲۔ مولانا یحییٰ علی: بہ غرض جہاد سرحد میں بھی رہے۔ پھر جماعت مجاہدین کیلئے دعوت و تنظیم میں مشغول ہو گئے۔ گرفتار ہوئے اور پھانسی کی سزا پائی جسے عمر قید میں بدل دیا گیا۔ جزائر انڈمان ہی میں فوت ہوئے۔ دوسری صاحبزادی ان کے نکاح میں تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳۔ مولوی فیض علی: مولانا ولایت علی کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ تیسری صاحبزادی ان کے نکاح میں تھی۔

۴۔ مولوی اکبر علی: مولانا ولایت علی کے ساتھ مجاہدین میں شریک رہے۔ پھر وطن میں بہ عارضہ ہیضہ وبائی انتقال کیا۔ جو صاحبزادی ان کے نکاح میں تھی اس کا نکاح ثانی مولانا عنایت علی سے ہوا جو مولانا ولایت علی کے بعد امیر المومنین ہوئے اور انگریزوں سے لڑتے ہوئے چمنی (سرحد آزاد) میں وفات پائی۔

ان حضرات کے مفصل حالات کتاب کی آئندہ جلد میں بیان ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قمرالدین حسین

شجرۂ نسب یہ ہے: قمر الدین حسین بن رکن الدین حسین بن رفیع الدین حسین نائب ناظم بہار۔ رفیع الدین اور ان کے والد روح الدین حسین مغل بادشاہوں کی طرف سے بہار کے نائب ناظم رہے، اس لیے وہاں کے اکابر امراء میں شمار ہوتے تھے۔ رفیع الدین حسین قمرالدین حسین کے دادا مولانا ولایت علی کے نانا تھے۔ یہ بہار کا دوسرا بڑا خاندان تھا، جس سے قمرالدین حسین کو قرابت قریبہ حاصل تھی۔

بیعت ورفاقت

ان کی شادی مولوی الٰہی بخش کی صاحبزادی جمیلۃ النساء سے ہوئی تھی۔ مولوی صاحب موصوف بھی عظیم آباد کے رؤسا میں محسوب تھے۔ قمرالدین حسین نے اس زمانے میں سید صاحب سے بیعت کی جب آپ حج سے واپس آتے ہوئے عظیم آباد ٹھہرے تھے۔ اسی وقت سے رفاقت اختیار کرلی۔ بیعت امامت جہاد کے بعد سید صاحب نے بلوا بھیجا تو فوراً سرحد پہنچے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہادت

سید صاحب نے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو پشاور میں قاضی مقرر کر دیا تو انہوں نے جن اصحاب کو اپنے ساتھ رکھا اُن میں سے ایک قمر الدین حسین تھے۔ ممکن ہے مولوی صاحب نے انہیں ہم وطنی کی بنا پر چنا ہو۔ ممکن ہے قمر الدین حسین مولوی صاحب کی جماعت میں شریک ہوں۔ بہر حال یہ مولوی صاحب کے ساتھ رہے اور بتایا جاتا ہے کہ انہیں کے ساتھ شہید ہوئے۔ اولاد کوئی نہ تھی۔ ان کی بیوہ کا نکاحِ ثانی مولانا ولایت علی سے ہو گیا۔ صاحب درِ منثور نے لکھا ہے کہ بہار و بنگال میں بیوہ کا یہ پہلا نکاحِ ثانی تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیئیسواں باب:

احمد اللہ، خیر آبادی گھرانا، عبدالمجید خاں

احمد اللہ ناگ پوری

مولانا عبدالحئی کے چچیرے بھائی تھے۔ بعض نے علاتی بھائی لکھا ہے، لیکن اس کی تصدیق کسی ذریعے سے نہ ہوسکی۔ عجیب امر یہ ہے کہ اتنے قریبی رشتے کے باوجود دونوں بھائیوں میں ظاہری ملاقات کبھی نہ ہوئی تھی۔ مولانا عبدالحئی سرحد چلے آئے تو مولوی احمد اللہ نے زیارت کا پختہ ارادہ کر کے کمر ہمت باندھ لی اور ٹونک ہوتے ہوئے سرحد پہنچے۔ چند آدمی بھی ساتھ تھے۔ اس وقت سید صاحب خبر میں مقیم تھے، مولوی احمد اللہ کے خبر آنے سے صرف تین چار دن پیشتر مولانا عبدالحئی نے وفات پائی۔ یہ جانکاہ خبر مولوی احمد اللہ کو درگئی میں ملی۔ ان کے رنج و قلق کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ صرف بھائی کے اشتیاقِ دیدار میں اتنا لمبا اور کٹھن سفر اختیار کیا، لیکن شوق پورا نہ ہوسکا۔

کمالات

خبر پہنچ کر سید صاحب سے ملاقات ہوئی تو معاً بیعت کر لی اور رفیقانِ خاص میں شامل ہوگئے۔ علم و تقویٰ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ تیراندازی، چابک سواری اور کشتی کے فنون میں استاد کامل تھے۔ جانوروں کے علاج میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ دعوتِ اسماء کے بھی ماہر مانے جاتے تھے۔ ایک موقع پر کوئی شخص سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے ایک عزیز کو آسیب کا عارضہ ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی تدبیر کیجئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب نے مولوی احمد اللہ کو بھیجنا چاہا۔ انہوں نے عذر کیا کہ اس میں گوشت ترک کرنے کے علاوہ بعض اور پابندیاں بھی ہیں۔ سید صاحب نے پوچھا آپ پڑھتے کیا ہیں؟ عرض کیا وہی اسماء جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ پوچھا کوئی اور چیز تو نہیں؟ عرض کیا نہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بے تکلف جائیے۔

مختلف خدمات

سید صاحب نے مولوی صاحب کو ایک جماعت کا سالار بنا دیا تھا۔ مختلف فنون میں باکمال ہونے کے باعث وہ غازیوں کی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے۔ سید صاحب کی اہم مجالس شوریٰ میں بہ طور رکن شریک ہوتے تھے۔ پنجتار کے شمال میں کوئی میل ڈیڑھ میل پر قاسم خیل ایک گاؤں ہے، مولوی احمد اللہ نے وہاں گولے ڈھالنے کا ایک کارخانہ بنایا تھا۔ مولوی خیر الدین شیرکوٹی بھی اس کام میں شریک تھے۔ ایک موقع پر سید صاحب نے مرکز سے باہر جاتے وقت انتظام ان کے حوالے کر دیا تھا۔

بالاکوٹ

مولوی سید جعفر علی نقوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود نیز شیخ محمد اسحاق گورکھپوری، حافظ مصطفیٰ کاندھلوی جیسے لوگ مولوی احمد اللہ کی جماعت میں شریک تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے جنگِ بالاکوٹ سے ایک رات پیشتر اپنی پوری جماعت کو دعوتِ طعام دی۔ مولوی جعفر علی سے کہا کہ میں امیر المومنین کے ساتھ رہوں گا، جنگ میں جماعت کی قیادت آپ کیجیے گا۔ نقوی نے عذر کیا کہ مجھے افسری کا تجربہ نہیں۔ حافظ مصطفیٰ کو یہ منصب سونپ دیجیے۔

مولوی احمد اللہ: حافظ مصطفیٰ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔

نقوی: تو شیخ اسحاق کو امیر بنا دیجیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی احمد اللہ: وہ ذرا جوشیلے آدمی ہیں اور امارت کیلئے متین آدمی کی ضرورت ہے۔

نقوی: پھر میں حسن خاں بنارسی کا نام پیش کرتا ہوں۔

مولوی احمد اللہ: بھائی! کیا آپ طے کر چکے ہیں کہ میرا حکم نہ مانیں گے؟

نقوی: میں معافی مانگتا ہوں۔ محض اپنی ناتجربہ کاری اور ناتوانی آپ پر واضح کر رہا تھا۔

مولوی صاحب یہ الفاظ سن کر مسکرائے اور جماعت کو حکم دیا کہ میدانِ جنگ میں تمام بھائی سید جعفر علی نقوی کے احکام کی تعمیل کریں۔

یہ امر یقینی ہے کہ مولوی صاحب جنگِ بالاکوٹ میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ شہادت کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

نیزہ بازی

مولوی احمد اللہ اگرچہ تمام فنونِ حرب میں حاذق تھے اور نیزہ بازی میں بھی کمال حاصل تھا لیکن ایک مرتبہ مشق میں سید صاحب سے مقابلے کا موقع آن پڑا تو معلوم ہوا کہ نیزہ بازی میں مزید تعلیم کی ضرورت ہے۔ نواب وزیر الدولہ نے ایک نہایت عمدہ گھوڑا سید صاحب کیلئے بھیجا تھا، آپ نے وہ مولوی احمد اللہ کو دیدیا کہ اسے سدھائیں۔ چند روز کے بعد اس پر سواری کی تو معلوم ہوا کہ بہت اچھا ہے۔ آپ کی عادتِ شریف یہ تھی کہ کوئی شخص کسی فن کا ماہر ہوتا تو اس فن میں اپنی مہارت اس کے سامنے ظاہر نہ کرتے، لیکن سواری کرتے ہوئے مولوی احمد اللہ سے فرمایا کہ آپ نیزہ بازی کے ماہر ہیں، ذرا دو چار ہمیں بھی ہاتھ دکھایئے۔ سیکڑوں لوگ تماشا دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔ لٹو والے ڈنڈے لے کر کسرت شروع کی۔ سید صاحب نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ وار میں دریغ نہ کیجئے، لیکن جب تک کسرت جاری رہی، مولوی صاحب کبھی پہلو میں کبھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شانے میں اور کبھی گردن میں ضربیں کھاتے رہے۔ بہت ہوشیاری کرتے لیکن بچ نہ سکتے۔ آخر مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے نیزہ بازی بڑے ماہر استاد سے سیکھی ہے، لیکن جو پیچ آج دیکھے ہیں وہ تو خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ چنانچہ سید صاحب سے درخواست کی کہ یہ پیچ سکھا دیں۔ بعد ازاں سید صاحب دوسرے تیسرے دن مولوی صاحب کو نیزہ بازی کے خاص پیچ سکھاتے اور یہ سلسلہ کوئی دو مہینے تک قائم رہا۔ (۱)

خیر آبادی مجاہد

ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ کسی خاندان کے تمام افراد نے بیک وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے قدم اٹھایا ہو۔ سید صاحب کے رفیقوں میں سے خیر آباد کا ایک گھرانا اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ چھ بھائی تھے۔ تمام نے سید صاحب سے بیعت کی اور تمام ساتھ جانے کے لئے ہمہ تن تیار ہو گئے، ان کے والد بھی جہاد میں شریک رہے۔ تفصیل ذیل میں درج ہے:

۱۔ گوہر خاں

چھ بھائیوں میں یہ سب سے بڑے تھے۔ سید صاحب نے جب وطن چھوڑ کر جہاد کے لئے سرحد پہنچنے کا ارادہ کر لیا تو تکیہ شریف سے بایں غرض خیر آباد آئے کہ اہل و عیال کو لے کر روانہ ہوں۔ اتفاق سے اسی اثناء میں وفات پائی۔ چوں کہ جہاد کے لئے ہجرت کی پختہ نیت کیے بیٹھے تھے، اس لئے پورے ثواب کے مستحق ٹھہرے۔

۲۔ امام خاں

یہ مختلف جنگوں میں شریک رہے۔ سید صاحب پائندہ خاں سے ملنے کے لئے عشرہ

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "وقائع احمدی"۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے تھے تو شاہ اسمٰعیل نے احتیاطاً مجاہدین کی ایک جماعت کو مقام ملاقات سے قریب ایک پوشیدہ جگہ بٹھا دیا۔ اس جماعت میں امام خاں اور ان کے بھائی محمد خاں اور ابراہیم خاں بھی شریک تھے۔ جب سردار پائندہ خاں نے مجاہدین کا راستہ روک کر جنگ کی صورت پیدا کر دی تو اس کے ساتھ کئی لڑائیاں پیش آئیں، جن میں سے کوہ کنیر ڑی کی جنگ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ عشرہ (نزد امب) کے سامنے کنیر ڑی ایک برج نما ٹیلا ہے۔ مجاہدین کا ایک جیش ارباب بہرام خاں تہکالی کی سرکردگی میں اس ٹیلے پر جا بیٹھا تھا۔ سردار پائندہ خاں نے صلح کا فریب دے کر مجاہدین کی جنگی سرگرمیوں کو معطل کرا دیا اور اس اثناء میں اچانک کوہ کنیر ڑی پر حملہ کر دیا۔ شیخ بلند بخت دیوبندی، مولوی خیر الدین شیر کوٹی اور امام خاں خیر آبادی مجاہدین میں ممتاز مانے جاتے تھے، تینوں کوہ کنیر ڑی کے جیش کے ساتھ تھے۔

پائندہ خاں کے لشکر نے اس پہاڑ پر بیک وقت دو جانب سے حملہ کیا۔ اگرچہ اس کے آدمیوں کو بھی سخت نقصان پہنچا، لیکن پہلی ہی بار میں چھ غازی شہید ہو گئے۔ اس اثناء میں سید دلاور علی کے گولی لگی۔ وہ گرے تو پاس کے غازیوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔ پائندہ خاں کے آدمی انہیں ٹانگوں سے پکڑ کر نیچے کھینچنے لگے۔ امام خاں نے اپنے مورچے سے ذرا آگے بڑھ کر بندوق سر کی۔ معاً ایک گولی ان کی کنپٹی میں لگی اور آناً فاناً شہادت پائی۔(۱)

۳۔ محمد خاں

یہ مختلف جنگوں میں شریک رہے۔ ہزارہ میں سکھوں کے خلاف اقدامات کا فیصلہ ہوا اور سید احمد علی (خواہر زادۂ سید صاحب) کو سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا تو محمد خاں بھی اس لشکر

(۱) غلط فہمی کے ازالے کیلئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ خیر آباد کے ایک امام خاں اکوڑہ میں شہید ہوئے تھے، وہ ان کے علاوہ تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں شریک تھے۔ سکھوں نے پھولڑہ میں غازیوں پر حملہ کیا اور گھمسان کا رن پڑا تو سکھ ایک موقع پر اژدر نام ایک گھوڑے کو پکڑ کر لے گئے جو ارباب بہرام خاں نے بطور نذرانہ سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا اور ان کی خاص سواری کا گھوڑا سمجھا جاتا تھا۔ سید احمد علی کو غازیوں کے لشکر کا سالار بنایا تو سید صاحب نے اپنی بعض دوسری چیزوں کی طرح گھوڑا بھی انہیں دے دیا تھا۔

محمد خاں نے جب دیکھا کہ سکھ اژدر کو لئے جا رہے ہیں تو پکار کر کہا: بھائیو! یہ امیر المومنین کی سواری کا گھوڑا ہے۔ اسے دشمن کے قبضے میں نہ جانے دو۔ یہ کہتے ہی بجلی کی طرح تنہا سکھوں پر جا گرے۔ کچھ اور غازی بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور اژدر کو چھڑا لائے۔ سکھوں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ غازی تعداد میں بہت کم تھے، چنانچہ گھوڑا بھی مارا گیا اور بعض غازیوں کے ساتھ محمد خاں بھی شہید کر دیے گئے۔ پھولڑہ کے گنج شہیداں میں دفن ہوئے۔

۴۔ ابراہیم خاں

یہ جنگ بالاکوٹ کے بعد کئی سال شیخ ولی محمد پھلتی کے ساتھ رہے۔ پھر غالباً انہیں کے ساتھ ٹونک آ گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ٹونک کی والدہ ماجدہ حج کے لئے گئیں تو ابراہیم خاں بھی ساتھ تھے۔ اسی سفر میں وفات ہوئی۔

احمد خاں اور ارادت خاں

پانچویں بھائی احمد خاں اور چھٹے بھائی ارادت خاں دورانِ جہاد میں طبعی موت مرے۔

غور فرمایئے کہ ان چھ بھائیوں کی زندگی اور موت کس درجہ قابل رشک تھی۔ ان کے والد جن کا نام معلوم نہیں، جہاد میں برابر شریک رہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالمجید خاں آفریدی

یہ جہان آباد (رائے بریلی) کے باشندے تھے۔ مجاہدین کی اس جماعت میں شریک ہو کر سرحد پہنچے جو سید صاحب کے ساتھ گئی تھی اور جسے مجاہدین کا ہراول سمجھنا چاہیے۔ وہاں سب سے پہلی جنگ اکوڑہ میں پیش آئی، جہاں بدھ سنگھ سکھوں کا بھاری لشکر لئے بیٹھا تھا۔ جس کی تعداد سات ہزار سے دس ہزار تک بتائی جاتی تھی۔ سید صاحب نوشہرہ میں مقیم تھے۔ اس سے مقصود نوشہرہ شہر یا پرانا نوشہرہ ہے جو دریائے لنڈے کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ نوشہرہ چھاؤنی مقصود نہیں جو مغربی کنارے پر ہے اور جہاں ریلوے اسٹیشن ہے۔ چوں کہ سکھوں کا لشکر بہت بڑا تھا، اس لئے شبخون مارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس غرض کیلئے ہندوستانی غازیوں میں سے ایک سو چھتیس قوی اور توانا آدمی منتخب کیے گئے۔ سات آٹھ سو سرحدی غازی ساتھ ہو گئے۔ چوں کہ جانے آنے میں پندرہ سولہ میل کا فاصلہ طے کرنا لازم تھا، اس لئے انہیں لوگوں کو منتخب کیا گیا جو بے تکلف فاصلہ طے کر سکتے تھے۔ عبدالمجید خاں ان دنوں بخار میں مبتلا رہنے کے باعث بہت کمزور ہو گئے تھے، اس لئے ان کا نام اس فہرست میں شامل نہ کیا گیا۔

نیکی میں سبقت

انہیں جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو بیتاب ہو کر سید صاحب کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا:

حضرت! میں کچھ ایسا بیمار تو ہوں نہیں کہ چلنے کی طاقت نہ ہو، اور یہ پہلا معرکہ ہے۔ جس میں جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد رکھی جائے گی۔ میرا نام ضرور شامل فرما لیجئے تاکہ سبقت کی فضیلت سے محروم نہ رہ جاؤں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالمجید خاں کی بیتابی دیکھ کر سید صاحب نے ان کی درخواست قبول کر لی اور دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہمت میں برکت دے۔

شہادت

جنگِ اکوڑہ کی تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں، لیکن یہ بتادینا چاہیے کہ عبدالمجید خاں نے خاصی کمزوری کے باوجود جنگ میں انتہائی مردانگی دکھائی۔ چودہ آدمی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ پھر ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ مولوی خیرالدین ولایتی کے پاس دو تلواریں تھیں، انہوں نے معاً ایک تلوار عبدالمجید خاں کے حوالے کر دی۔ اس سے بھی کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ منظورہ کے الفاظ ہیں:

ازآں ہم چندکس را کشتند۔

پھر خود بھی جامِ شہادت نوش کر کے "عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" کے انعام یافتہ گروہ میں شامل ہو گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوبیسواں باب:

شہزادہ گدڑی، انور شاہ، اکبر خاں

شہزادہ گدڑی

بیعت امامت جہاد کے بعد جو مخلصین سید صاحب کی خدمت میں پہنچے، ان میں سے ایک صاحب گدڑی شہزادہ کے لقب سے مشہور تھے۔ وقائع میں انہیں "جلیل القدر پیرزادہ" بتایا گیا ہے۔ سید محمد خاں دارنی نے اپنے ایک مکتوب میں انہیں "صاحبزادہ گدڑی" لکھا ہے۔ موصوف نے بیعت کی تو کہا: میں خالصۃً لوجہ اللہ حاضر ہوا ہوں۔ آج کے بعد آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

درانی سردار سے ملاقات اور مشوروں کیلئے آئے تو سید صاحب بھی ہنڈ سے پانسو آدمیوں کے ساتھ نوشہرہ پہنچے۔ ساتھیوں میں فتح خاں رئیس پنجتار، اشرف خاں رئیس زیدہ اور خادے خاں رئیس ہنڈ کے علاوہ شہزادہ گدڑی بھی شامل تھے۔ سید صاحب ہنڈ واپس چلے گئے لیکن گدڑی شہزادہ کو سردار یار محمد خاں نے روک لیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ شہزادہ درانی سرداروں کے نزدیک بہت ہی معزز و محترم تھا۔

شہادت

وہ شیدو کی جنگ میں شریک ہوا، جس میں کم و بیش ایک لاکھ آدمی سید صاحب کے زیر علم جمع تھے اور نظر بظاہر یقین تھا کہ غازیوں کی یہ کثیر التعداد فوج سکھوں کو شکست فاش دے کر اٹک پر پیش قدمی کرے گی اور تطہیر پنجاب کا کام احسن طریق پر شروع ہو جائے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گا، لیکن یار محمد خاں کی خیانت و غداری کے باعث یہ خوش گوار امید پوری نہ ہو سکی۔ وہ عین کامیابی کی حالت میں اپنی فوج لے کر میدان سے بھاگ گیا۔ اس کے بھائی بھی ساتھ ہی فرار ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر عام سرحدی خوانین کے پائے ثبات میں بھی لغزش پیدا ہو گئی۔ صرف چند مخلص خوانین، ہندوستانی غازی اور شہزادہ گدڑی چٹان کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔

شہزادہ گدڑی کا مورچہ شیدو گاؤں میں تھا، وہ اپنا جیش لے کر سکھ لشکر گاہ کے قریب پہنچا اور خار بندی سے گذر کر اندر داخل ہو گیا۔ پیچھے فرار کا نقشہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ حالت جنگ میں معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ کیا صورت پیش آئی۔ سکھوں نے اس پر ہجوم کیا تو قدم بہ قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ پہلے اپنے گاؤں والے مورچے پر پہنچا۔ سکھوں کا ہجوم بہت بڑھ گیا تو اور پیچھے ہٹ کر قبرستان میں مورچہ قائم کر لیا۔ وہیں خونِ شہادت میں تیرتا ہوا مالکِ حقیقی کے دربار میں پہنچ گیا۔

منظورہ کا بیان

یاد ہو گا، ڈیڑھ دو مہینے پیشتر سید صاحب کی بیعت کرتے ہوئے عہد کیا تھا کہ آپ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا۔ شیدو کے میدان میں اس صادق العہد نے اپنے پیمان پر خونِ شہادت سے مہر لگا دی۔ "منظورہ" کا بیان ہے کہ رستمانہ شجاعت سے کام لیتے ہوئے بہت سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اپنی جماعت کے ساتھ جو استقامت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی حیثیت رکھتی تھی، قدم جما کر دادِ شجاعت دی اور جنت لے کر جان جاں آفریں کے حوالے کی۔

پرانا شیدو موجودہ آبادی سے تھوڑے فاصلے پر دریا کے عین کنارے واقع تھا۔ طغیانی میں وہ منہدم ہو گیا، اب صرف کھنڈر باقی ہیں۔ وہیں شہزادہ گدڑی کی قبر ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیدو کے تمام لوگ اس غیور مجاہد کے نام سے واقف ہیں اور اسے خاص احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

سید انور شاہ

سید انور شاہ امرتسر کے سادات کرام میں سے تھے۔ سنا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ کے دربار میں بھی انہیں احترام کا درجہ خاص حاصل تھا۔ سکھ امراء اور عوام بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ سکھوں کے کسی مذہبی پیشوا کا ایک عزیز اُن کے پاس آتا جاتا تھا۔ اس نے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ سید انور شاہ نے بے تکلف اسے کلمہ پڑھایا۔ اس وجہ سے تمام سکھ ان کے دشمن بن گئے۔ نو مسلم کے رشتہ داروں نے ہنگامہ بپا کر دیا۔ منظورۃ السعداء سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سید انور شاہ کی ناک کاٹ دی۔ "منظورہ" کے الفاظ یہ ہیں کہ "حسن چہرۂ زیبائش بہ نقصان سرِ بینی متغیر ساختند"۔ اس واقعے کے بعد سکھ حکومت نے انہیں گھر ہی میں نظر بند کر دیا اور وہ اس مصیبت سے نجات پا کر سکھ حکومت کے خلاف جہاد آرائی کی تدبیریں سوچنے لگے۔

جلاوا

سید صاحب تکیہ شریفہ میں جہاد کی تیاریاں کر رہے تھے تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے ان تمام افراد کے متعلق اطلاعیں حاصل کرنے کا انتظام کر رکھا تھا، جن سے جہاد میں امداد کی امید ہو سکتی تھی۔ اس سلسلے میں سید انور شاہ کے حالات بھی معلوم ہو گئے۔ قرینہ یہ ہے کہ سید صاحب نے ان سے ربط وعلاقہ بھی پیدا کر لیا تھا۔ چنانچہ راہِ ہجرت میں قدم رکھا تو فتح پور سے حاجی یوسف کشمیری کو امرتسر روانہ فرما دیا کہ سید انور شاہ کو ہر ممکن تدبیر سے ساتھ لے کر سندھ پہنچ جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہجرت

حاجی یوسف امرتسر پہنچا تو سید انور شاہ کے نکلنے کا ایک خدا ساز سامان ہوگیا۔ جو سکھ افسران کی نگرانی پر مامور تھا، وہ کسی بات پر ناراض ہوکر نگرانی کا کام چھوڑ بیٹھا۔ دوسرا آدمی اس کی جگہ مقرر نہ ہوا تھا۔ سید انور شاہ نے فرصت کو غنیمت سمجھا۔ اپنے پندرہ خادموں کو تین گھوڑے اور باربرداری کے اونٹ دے کر الگ الگ خفیہ خفیہ بھیج دیا۔ پھر خود چپ چاپ نکلے اور بہاول پور کی سرحد میں داخل ہوگئے، وہاں ان کی ملاقات سید دین محمد قندھاری سے ہوئی، جنہیں سید صاحب نے جہاد کا دعوت نامہ دیکر نواب بہاول خاں کے پاس بھیجا تھا۔ سید صاحب نے پہلے شکار پور میں ان کا انتظار کیا۔ پھر اکبر خاں کو دس غازیوں کے ساتھ سید انور شاہ کے استقبال کے لئے شکار پور میں چھوڑا اور خود جاگن چلے گئے۔ وہیں سید انور شاہ صاحب سے ملحق ہوئے۔ محمد یوسف راستے میں کسی بات پر ناراض ہوکر الگ ہوگیا تھا۔

جنگ بازار

سید انور شاہ بڑے عقیل وفہیم اور تجربہ کار شخص تھے۔ اس لئے مشوروں میں برابر شریک رہے ہوں گے۔ لیکن ان کی سرگرمیوں کی تفصیلات کہیں نہیں ملتیں۔ جن دنوں سید صاحب ہنڈ میں ٹھہرے ہوئے تھے، ملکی لوگوں نے بطور خود حضرو پر شبخون مارا تھا۔ وہ مال غنیمت لے کر واپس آرہے تھے کہ سکھوں نے حملہ کردیا۔ ان کے بچاؤ کیلئے سید صاحب کو بھی نکلنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے سید انور شاہ کو پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ دریا کے پار بھیج دیا تاکہ حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔

سید انور شاہ نے کشتی کے ذریعے سے دریا عبور کیا اور مناسب مقام پر مورچے بنا کر لڑنے لگے۔ آخر سکھ بھاگ نکلے۔ ہنڈ کی طرف سے کشتیاں بھیج دی گئیں۔ تمام لوگ ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں سوار ہو کر آ گئے۔ سید انور شاہ صبح کے وقت گئے تھے۔ تمام ساتھیوں کو اپنے سامنے کشتیوں میں سوار کرا کے سب کے بعد خود سوار ہوئے اور مغرب کے وقت ہنڈ پہنچے۔

مراجعت

اس واقعے کے بعد سید انور شاہ کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ واپس آ گئے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے کیا تدبیر کی، اس کا کچھ علم نہیں۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد جو غازی مسافروں کے بھیس میں واپس آئے، ان میں سے بعض کے بیانات میں مرقوم ہے کہ امرتسر میں سید انور شاہ نے ان کی تواضع میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطمینان اپنے وطن میں مقیم ہو گئے تھے۔

اکبر خاں

رائے بریلی وطن، فنونِ جنگ میں مشاق تھا۔ خہر میں غازیوں سے قواعد اور نشانہ بازی کی مشق کرانے کا حکم جاری ہوا تھا تو اکبر خاں ان لوگوں میں شریک تھا جو مختلف فنونِ جنگ سکھانے کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے۔ ملیح آباد کے ایک غازی رسول خاں نے اپنے نو عمر بھتیجے کو تربیت کی غرض سے اکبر خاں کے حوالے کر دیا تھا۔ وہاں مختلف لوگ سید صاحب کیلئے مٹھائیاں بطور نذرانہ لاتے۔ بچے نے ان میں سے دو لڈو اجازت کے بغیر کھا لئے۔ اکبر خاں نے تادیباً ایک تھپڑ مارا۔ رسول خاں نے یہ واقعہ سنا تو معاً جوش میں آ گیا اور اکبر خاں کو بہت سخت سست کہا۔ سید صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو رسول خاں کو بلا کر خاطر داری سے پاس بٹھایا، مزاج پوچھا، پھر شفقت بھرے انداز میں کہا ہم نے سنا ہے کہ اکبر خاں نے آپ کے بھتیجے کو دھول ماری، سو آپ کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ یہ بات آپ کو نہ چاہیے۔ انہوں نے اپنا لڑکا سمجھ کر تعلیماً مارا ہو گا۔

رسول خاں کا غصہ تو پہلے ہی فرو ہو چکا تھا۔ سید صاحب کا ارشاد سن کر عرض کیا کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکبر خاں میرے بھائی ہیں، بھتیجے کو مارا تو خوب کیا۔

اکوڑہ اور بازار

اکبر خاں اکوڑہ کی جنگ میں شریک تھا اور اس میں تلوار کا ایک زخم کھایا تھا، اسی نے مجاہدین کو یہ کہہ کر جنگ سے روکا تھا کہ آخری فیصلہ اسی میدان میں نہ ہوگا۔ اب واپس چلو انشاء اللہ پھر لڑیں گے۔ سید صاحب نے اسے ایک دستار عنایت کر رکھی تھی۔ جب سید صاحب ہنڈ کے قریب موضع بازار میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ملکی لوگوں نے حضرو پر چھاپا مارا تھا تو سکھوں کے جوابی حملے نے ملکیوں کے لئے شدید خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ اس موقع پر سید صاحب نے اپنے غازیوں کو دفاع کا حکم دیا۔ بعض لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تا کہ سکھوں سے دست بدست جنگ کریں۔

اکبر خاں بھی آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ اس اثناء میں ایک ملکی بہادر مشکیزہ بغل میں دبا کر دریا میں کود پڑا۔ اکبر خاں نے اس کی شانِ سبقت دیکھ کر سید صاحب کی عطا کی ہوئی دستار اس غازی کے سر پر رکھ دی اور کہا کہ آج اس دستار کا مستحق آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور اس کا پٹکا لے کر اپنے سر پر لپیٹ لیا۔ سید صاحب نے بعد میں اکبر خاں کو نئی دستار دے دی۔

مجاہدین کی جماعتیں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم تھیں۔ ان ٹکڑیوں کو اصطلاح میں بہیلہ کہتے تھے اور ان کے افسر بہیلہ دار کہلاتے تھے۔ اکبر خاں بھی بہیلہ دار تھا۔ بعد کے پورے حالات معلوم نہ ہو سکے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ قیامِ خمر کے زمانے میں مجاہدین نے فوجی مشق شروع کی تھی تو چقماقی بندوقوں اور قرابینوں والے مجاہدین کی نگرانی و تعلیم اکبر خاں کے ذمے تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پچیسواں باب:

اللہ بخش، امیر اللہ، کالے خاں

اللہ بخش مورانیں

سید صاحب نے جب پہلی مرتبہ کان پور کا دورہ کیا تو چار جیلے اور کڑیل جوان بیعت کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا، ایسے جوان تو ہمارے کام کے ہیں، یہ پیرزادے کیا کام دیں گے؟ ان میں سے ایک کا نام اللہ بخش خاں تھا، دوسرے کا شمشیر خاں، تیسرے کا شیخ رمضان، چوتھے کا مہربان خاں۔ یہ چاروں آپس میں گہرے دوست تھے۔ اکٹھے مرید ہوئے۔ پھر سید صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔

سید صاحب کی بیعت

سید صاحب مجاہدین کی پہلی جماعت کو لے کر نکلے تو چاروں ساتھ تھے۔ مہربان خاں سے سید صاحب نے فرمایا تھا کہ آپ سے اللہ تعالیٰ ایک کام لے گا، آپ کے ان بھائیوں سے دوسرا کام لے گا۔ چنانچہ مہربان خاں کو سید صاحب نے اپنی ازواج کے ساتھ پہرے داری کے لئے مقرر کر دیا۔ ان کا وقت سندھ میں بسر ہوا۔ وہاں سے ازواج ٹونک آئیں تو وہ بھی ساتھ آئے۔ ۱۲۷۴ھ تک جب ''وقائع احمدی'' کی ترتیب جاری تھی، وہ زندہ تھے۔

ساقۃ الجیش کے امیر

سید صاحب نے جب مجاہدین کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کیا تو ہر جماعت کے لئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک ایک امیر مقرر فرما دیا۔ سالار الجیش کے امیر اللہ بخش مقرر ہوئے۔ یہ لشکر کے سامان کی گاڑیوں اور چھکڑوں کے ساتھ چلتے تھے۔ ہمیشہ سب سے پہلے روانہ ہوتے اور سب سے آخر میں منزل پر پہنچتے۔ ان کے دوست یعنی شمشیر خاں اور شیخ رمضان بھی انہیں کی جماعت میں شامل تھے۔

پہلے جنگی جیش کے سالارِ اعظم

اکوڑہ میں سکھوں پر شبخون کا فیصلہ ہوا تو اللہ بخش خاں کو غازیوں کے لشکر کا سالار مقرر فرمایا۔ یہ نہایت درجہ قابل رشک شرف تھا جو اس مجاہد کے حصے میں آیا کہ اس سرزمین میں اسلام کی فرمانروائی بحال کرنے کے لئے مجاہدات کا جو سلسلہ شروع ہوا، اس میں پہلے معرکے کی سرعسکری کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔

سید صاحب نے فیصلہ فرماتے ہی اللہ بخش خاں کو حکم دے دیا کہ آپ دریا کے مغربی کنارے پر چلے جائیں۔ غازی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ عشاء کے وقت تک تمام مجاہدین پہنچ گئے تو اللہ بخش خاں پھر چند رفیقوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر سید صاحب سے رخصتی ملاقات کے لئے گئے۔ آپ نے معمول کے مطابق برہنہ سر ہو کر انتہائی عجز و الحاح سے دعا کی۔

شہادت

شبخون غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ اللہ بخش خاں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ ساتھیوں کو لے کر لشکر گاہ سے نکل جائیں۔ راستے میں شیخ ہمدانی اور علی حسن خاں ایک جگہ کھڑے بندوقیں چلا رہے تھے۔ انہوں نے جوشِ تہور میں اللہ بخش خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو ہمارا سردار بنا کر بھیجا ہے۔ دشمن کے مقابلے میں پیچھے کیوں ہٹتے جا رہے ہیں؟ یہ آوازہ جنگی مصلحتوں کے بھی خلاف تھا اور اسے شبخون کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مفہوم سے بھی کوئی مناسبت نہ تھی۔ اللہ بخش خاں کو گوارا نہ ہوا کہ جس جیش کا سردار بنا کر انہیں بھیجا گیا تھا، اس کے چھوٹے سے حصے کو بھی پیچھے چھوڑ کر نکل جائیں۔ چنانچہ انہوں نے مراجعت کا خیال چھوڑ کر باقاعدہ جنگ شروع کر دی اور اپنی جماعت سے پچاس ساٹھ گنا لشکر کو مارتے مارتے بہت پیچھے ہٹا دیا۔ اسی حالت میں خود بھی شہید ہو گئے اور ان کے دو جگری دوست شمشیر خاں اور شیخ رمضان بھی خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

پیر خاں

اللہ بخش خاں کی شہادت کے بعد ان کے جیش کے سر عسکر پیر خاں بنائے گئے جو اللہ بخش خاں کے بھائی تھے۔ یہ برابر سید صاحب کے ساتھ رہے اور نہایت اہم خدمات انجام دیں۔ اہل سمہ کی سازش کے وقت یہ کھتبل میں مقیم تھے۔ حکم پہنچنے پر کھتبل سے پنجتار روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں بیدرد سازشیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور مسجد کو آگ لگا دینے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ آخر یہ مجاہد باہر نکلے اور ان پر ہر طرف سے تیروں، نیزوں اور تلواروں کی بارش ہونے لگی۔ ان میں سے دو پہلے اس مکان میں چلے گئے تھے، جس میں غلے کا گودام تھا۔ باقی میں سے آٹھ بچے اور سب شہید ہو گئے۔ انہی میں پیر خاں بھی تھے۔ راویوں نے لکھا ہے کہ وہ سپہ گری کے فن میں بڑے ہی چست و چالاک تھے۔

شیخ امیر اللہ

شیخ صاحب تھانہ بھون کے باشندے تھے اور بڑے شجاع و دلیر۔ پہلی جماعت میں شریک ہو کر سرحد پہنچے۔ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن ضرورت کے وقت وعظ بھی کر لیتے تھے۔ جب مولوی محبوب علی صاحب دہلوی کی وجہ سے جماعت میں افتراق کا فتنہ پیدا ہوا اور مولوی صاحب نے مختلف غازیوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ گھر واپس چلو، تم پر اقربا کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھی حقوق ہیں، یہاں رہ کر ان کے اتلاف کا وبال اپنی گردن پر نہ لو، تو شیخ امیر اللہ تھانوی نے سید صاحب سے درخواست کی کہ میں بھی اس موقع پر ایک تقریر کرنا چاہتا ہوں۔ سید صاحب نے اجازت دیدی۔ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''مسلمانو! یہ مقامِ جہاد ہے۔ جو مسلمان اعلاء کلمۃ الحق کی نیت سے اس طرف قدم اٹھائے اس کا ہر قدم جنت کی طرف ہوگا، جو یہاں سے جائے اس کا ہر قدم جہنم کی جانب ہوگا۔ مولوی محبوب علی صاحب اس طرف آئے تو رو بہ جنت تھے، اب سنتا ہوں وہ واپس جارہے ہیں۔ جو انکے ساتھ جائے گا وہ رو بہ دوزخ ہوگا۔ اس دعوے کی دلیلیں آپ مولوی صاحبان سے سن لیں''۔

بیٹے کو خط

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اپنے بیٹے کو خط لکھنا چاہتا ہوں، لیکن منشی ایسا ہونا چاہیے جو میرا مدعا موزوں الفاظ میں پیش کر سکے اور عبارت آرائی نہ کرے۔ چنانچہ مولوی جعفر علی نقوی نے خط لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ فلاں باغ بیچ ڈالو اس کی قیمت میں سے آدھی رقم اپنی والدہ کے حوالے کر دو تا کہ اسے کھانے، پینے پہننے کی تکلیف نہ ہو۔ باقی رقم لیکر یہاں آجاؤ۔ اگر حکم کی تعمیل میں تساہل ہوا تو لشکر اسلام کی آمد کے وقت تم سے سخت مواخذہ ہوگا:

''در تخلف ایں امر وقت رسیدن لشکر اسلام بحول اللہ وقوتہ آنچہ سزائے ایں تخلف برائے شما خواہد بود در آں ہرگز ہرگز فروگزاشت درعایت نہ خواہد شد۔ جزائے اعمال یوم جزا علاوہ است۔''

ترجمہ: اس حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو لشکر اسلام کے پہنچنے پر اس کی جو سزا ہوگی، وہ نہ چھوڑی جائے گی، نہ اس میں کمی کی جائے گی، قیامت کے دن جو سزا ملے گی وہ اس کے علاوہ ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مایار اور بالاکوٹ

تمام جنگوں میں شریک رہے، لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کسی بھی معرکے میں انہیں کوئی گزند نہ پہنچا، اس لئے ہمیشہ کہتے رہتے تھے: یہاں آئے تو کیا حاصل، ابھی تک نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ جنگ مایار میں ان کی ران اور دایاں بازو بہت بری طرح زخمی ہوئے۔ فتح کے بعد تورو پہنچ کر ان کی مرہم پٹی ہونے لگی تو نور بخش جراح نے مزاحاً کہا: شیخ صاحب آپ ہمیشہ کہتے رہتے تھے کہ ابھی تک نکسیر بھی نہیں پھوٹی، بتایئے اب پھوٹی کہ نہیں؟ فرمایا: الحمد للہ! اللہ تعالیٰ قبول کرے۔ شیخ صاحب بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ شہادت کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔

کالے خاں شمس آبادی

یہ شمس آباد مئو کے باشندے اور نہایت مخلص غازی تھے۔ متعدد لڑائیوں میں شریک رہے۔ چھتر بائی کے محاصرے کے دوران میں ایک مرتبہ غازیوں نے قلعے پر حملہ کیا اور سیڑھیاں لگا کر دیوار پر چڑھنے لگے تو اتفاق سے جس سیڑھی کے قریب کالے خاں تھے، وہ چھوٹی نکلی اور اس پر جو غازی سب سے پہلے چڑھا تھا، اس کا قد بھی چھوٹا تھا، لہٰذا اس کا ہاتھ دیوار کی منڈیر تک نہ پہنچ سکا اور حملہ ناکام رہا۔ کالے خاں لمبے قد کے آدمی تھے۔ انہیں خیال ہوا کہ اگر میں پہلے چڑھتا تو ہاتھ بڑھا کر منڈیر پکڑ لیتا۔ میرے چڑھ جانے کے بعد دوسرے غازیوں کے لئے بھی چڑھنے کی صورت نکل آتی اور یورش ناکام نہ رہتی۔ اس خیال نے ان کے دل پر ایسا قابو پایا کہ واپس وطن جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ ساتھیوں نے بہت سمجھایا، سید صاحب نے بھی نصیحت فرمائی، لیکن کالے خاں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ لاہور پہنچے تو ان کا ایک دیرینہ دوست مل گیا۔ اس نے حالات سن کر کہا کہ ہم لوگ تو سید صاحب کی خدمت میں پہنچنے کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں، تم بڑے کم نصیب ہو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر انہیں چھوڑ کر چلے آئے۔ کالے خاں پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ ایک یابو خرید لیا اور وہیں سے لوٹ گئے۔

شہادت

سید صاحب امب سے پنجتار آ گئے تھے کہ کالے خاں دوبارہ پہنچے۔ جاتے ہی عرض کیا یابو میرے کسی بھائی کو دے دیجئے، کیوں کہ میں اس کے لئے گھاس وغیرہ کے انتظام کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا اور سارا وقت آپ ہی کی خدمت میں گزارنا چاہتا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا: مضائقہ نہیں۔ جنگ ہوئی تو آپ کو گھوڑا دوں گا۔

مایار کی جنگ میں سید صاحب نے عبداللہ والیا کا گھوڑا کالے خاں کو دے دیا۔ خان نے رکاب میں پاؤں رکھا تو کہا، ضرورت کے وقت اپنا سر دشمن کی توپ کے منہ میں دے دوں گا۔ جنگ کے دن غازی تورو سے نکل کر کھلا پانی کو عبور کر کے مایار کی طرف بڑھے تو کالے خاں گھوڑے پر سوار سب سے آگے تھے۔ درانی توپوں کے گولے پے بہ پے آ رہے تھے۔ علاقہ میدانی تھا۔ چھپنے یا مورچہ بنانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس اثناء میں ایک گولہ آیا اور کالے خاں سے تھوڑے فاصلے پر گرا۔ پھر اچھلا اور بہادر غازی کے پہلو میں لگا۔ ان کے مہلک زخم آیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ انہیں اٹھا کر مایار گاؤں میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ تیمار دار انہیں مسجد کے حجرے میں لے گئے۔

گولہ لگنے کے وقت ہی سے ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ چپ چاپ لیٹے تھے بولتے تو صرف یہ پوچھتے: بھائیو! لڑائی کا کیا حال ہے؟ درانیوں کے پہلے اور دوسرے حملے کے دوران میں انہیں بتایا گیا کہ جنگ جاری ہے اور فریقین ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں۔ وہ سن کر آہستہ آہستہ اللہ اللہ کہتے رہے۔ جب درانی شکست کھا کر میدان چھوڑ گئے تو تیمارداروں نے بتایا، بھائی کالے خاں! اللہ تعالی نے حضرت کو فتحیاب کیا۔ بشارت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سنتے ہی کالے خاں نے کہا: الحمد للہ۔ ساتھ ہی دم نکل گیا۔ کتنی قابل رشک زندگی تھی، جس میں آخری سانس تک زبان پر خدا کا ذکر تھا۔ دل میں اس کے سوا کوئی آرزو نہ تھی کہ راہِ حق کے غازی فتح پائیں۔ کتنی قابل رشک موت تھی کہ دم رضائے خدا میں پورا ہوا۔

سید صاحب کی شانِ تربیت

راویوں نے بیان کیا ہے کہ شروع میں ٹھوڑی منڈاتے تھے۔ سید صاحب نے کبھی نہ ٹوکا اور عادت شریفہ یہی تھی کہ بار بار ٹوکتے نہ تھے۔ جزئیات میں حسنِ تربیت سے لوگوں کو پابند شریعت بناتے تھے۔ ایک روز کالے خاں نے ٹھوڑی منڈائی۔ اتفاق سے سید صاحب آگئے اور ٹھوڑی دست مبارک سے پکڑ کر فرمایا: خان بھائی! آپ کی ٹھوڑی کیا چکنی چکنی ہے۔ کالے خاں چپ رہے۔ معمول کے مطابق آٹھویں دن حجام خط بنانے کیلئے آیا تو اسے لوٹا دیا کہ میری ٹھوڑی کو حضرت کا ہاتھ لگ چکا ہے، اب تیرا ہاتھ نہ لگنا چاہیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھبیسواں باب:

حسن علی، احمد بیگ، نورداد خاں

شیخ حسن علی کا خاندان

شیخ حسن علی کا وطن کیا تھا، جو جہان آباد (یو پی) سے تین کوس پر ہے۔ یہ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن طبیعت میں دین داری کا خاص جوہر درخشاں تھا۔ نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی بے عمل عالم سے نماز پنج گانہ کی کیفیت سنی اور اس کے پابند ہو گئے۔ بعد ازاں اس عالم کو بھی پابند نماز بنا دیا۔ شرک و بدعات کے رد میں بہت سرگرم تھے۔ لوگوں نے ان کی سرگرمی کو کیفیت جنون پر محمول کیا اور زنجیریں پہنا دیں۔ سید صاحب ایک مرتبہ دورہ کرتے ہوئے ان کے ہاں پہنچے تو ان کی حالت کا شہرہ سن کر دیکھنے کے لئے گئے۔ شیخ حسن علی نے بیعت کی اور رد بدعات میں شمشیر برہنہ بن گئے۔

حج اور ہجرت

سید صاحب حج کے سفر پر نکلے تو شیخ حسن ان کے استقبال کے لئے کھنہ پہنچ گئے اور اپنے ساتھ گاؤں لے گئے۔ اس مقام پر سید صاحب تین روز ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں مہمان داری کا پورا انتظام شیخ حسن علی نے کیا۔ پھر اپنے پانچ بھائیوں اور کنبے کی مستورات کو لے کر حج کیلئے ساتھ ہو گئے۔ بھائیوں کے نام یہ ہیں: شیخ عبدالعزیز، شیخ عبدالرحمن، شیخ عبدالباقی، شیخ عبدالصمد اور حاجی پیر محمد۔ ایک بھتیجے کا ذکر آتا ہے، جس کا نام عبدالقادر تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس کے فرزند تھے۔ شیخ صاحب کی ایک بیٹی تھی جو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفر حج میں بہ مقام میرزا پور بہ عارضہ ہیضہ فوت ہوئی۔ حج سے واپسی کے بعد سید صاحب ہی کے ساتھ ہی رہے۔ ساتھ ہی ہجرت کر کے سرحد گئے۔ سید صاحب ان سے عموماً خانگی انتظامات کا کام لیتے تھے۔ دو بھائی حاجی پیر محمد اور شیخ عبدالصمد سید صاحب کے اہل خانہ کے ساتھ سندھ میں رہے اور وہیں فوت ہوئے، باقی سید صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ شیخ حسن علی اوتمان زئی پر شبخون میں شریک تھے۔ رات کے وقت راستہ بھول جانے کے باعث مجاہدین کو سخت تکلیفوں سے سابقہ پڑا تھا۔ پانی نہ ملا اور بعض غازی حد درجہ پریشان ہو گئے۔ بڑی مشکل سے پانی پر پہنچے۔ اس سفر میں شیخ حسن علی کا پتہ دیر تک نہ ملا اور سید صاحب نے سوار تلاش کیلئے بھیجے۔ اس طرح یہ ملے اور بخیر وعافیت لشکر میں واپس آئے۔

سازش کی خبریں

جس زمانے میں سلطان محمد خاں درانی بعض دوسرے خوانین کے ساتھ مجاہدین کے قتل کی سازش میں مصروف تھا، شیخ حسن علی اور ان کا پورا خاندان سید صاحب کے حکم سے دکھاڑا میں مقیم تھا جو پنجتار کے قریب ایک پہاڑی مقام ہے۔ وہاں سید صاحب کے شہید بھانجے سید احمد علی کے صاحبزادے سید موسیٰ عرف حسن مثنیٰ بیمار تھے اور سید صاحب کی اہلیہ بھی وہیں مقیم تھیں۔ سازش کی ابتدائی خبر شیخ حسن علی کو دکھاڑا کی مسجد کے امام سید اصغر سے معلوم ہوئی تھی اور شیخ نے اپنے بھائی کے ہاتھ یہ پیغام بھیج دیا تھا، لیکن سید صاحب نے فرمایا کہ یہ خبر صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ شیخ حسن علی نے سید اصغر کے اصرار پر دوبارہ پیغام بھیجا، لیکن سید صاحب کو صحت کا یقین نہ آیا۔

سید صاحب راج دواری سے پچوں گئے تو شیخ حسن علی اور ان کے خاندان کو بعض دوسرے اصحاب کے ساتھ بی بی صاحبہ اور دیگر خواتین کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیا تھا۔ واقعۂ بالاکوٹ کے بعد شیخ حسن علی نے ہندوستان واپس آنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تو اپنے اللہ سے عہد کر چکے ہیں، اپنی عمر جہاد میں صرف کریں گے۔ کابل وقندھار اور سندھ وعرب میں امام کی تلاش کریں گے جب ملے گا تو فرض بجالائیں گے۔

ٹونک میں سکونت

چند سال انہوں نے سرحد میں گزارے، پھر ٹونک آرہے۔ دو بھائی بھی ساتھ تھے۔ نواب وزیر الدولہ نے معقول وظیفہ مقرر کرنا چاہا، یہ راضی نہ ہوئے، اپنی اقل ضروریات کا حساب لگایا اور فرمایا کہ یہ تھوڑی سی رقم مل جائے تو گزارہ ہوتا رہے گا۔ علماء سے پوچھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے مطابق ایک مکان بنوالیا تھا، اسی پر قانع رہے۔ اس میں ایک بانس باہر نکلا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک مرتبہ وہ بانس ان کی آنکھ میں گھس گیا اور ڈھیلے کو گزند پہنچا۔ لوگوں نے علاج کے لئے کہا، بولے جس نے یہ حال کیا ہے وہی اچھا بھی کردے گا۔ چنانچہ علاج کے بغیر ہی ان کی آنکھ بالکل اچھی ہوگئی۔

اخلاق وعادات

نواب وزیر الدولہ سے ملاقات ہوتی تو ہمیشہ کہتے، وزیر محمد! (بیویوں) میں عدل کیا کرو۔ ایک مرتبہ آپ کے بھائی نے کہا کہ انگریزوں نے ہر اس شخص کی جائداد بحال کرنے کا اعلان کیا ہے، جو ثبوت پیش کرسکے۔ ہمارے پاس ثبوت کے کاغذات ہیں، کیوں نہ انہیں پیش کرکے اپنی زمینیں لے لیں؟ بولے کاغذات میرے پاس لاؤ۔ وہ لائے گئے تو انہیں اٹھا کر چولہے میں ڈال دیا۔ ساتھ ہی کہا کہ جن چیزوں کو خدا کے لئے چھوڑا تھا، انہیں اب کیا لیں۔ سالن یا دال پکواتے تو اس میں پانی بہت ڈلواتے تاکہ بڑوسیوں اور ضرورت مندوں کی کچھ خدمت کرسکیں۔ ایک مرتبہ کھانا سامنے آیا تو دیکھا کہ دال ذرا گاڑھی ہے۔ پوچھا: کیا بات ہوئی؟ بیوی نے کہا کہ آپ کیلئے الگ نکال لی ہے۔ بولے یہ تو چار آدمیوں کیلئے کافی ہوسکتی ہے، ساتھ ہی بہت سا پانی اس میں ڈال دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شانِ ایثار

جہاد کی نیت سے ہمیشہ اونٹ پالتے تھے۔لوگ اپنے کاموں کیلئے مانگ لے جاتے۔اگرچہ پڑھے لکھے نہ تھے،لیکن شاہ اسمٰعیل سے قرآن کا درس سن کر بہت کچھ یاد کرلیا تھا اور ٹونک میں خود ترجمہ قرآن کا درس دیتے تھے۔وہیں وفات پائی۔تاریخ وفات معلوم نہیں۔ بھائی بھی ٹونک ہی میں جاں بحق ہوئے۔ہجرت کیلئے نکلتے وقت گھر کا مال ومتاع فروخت کر دیا تھا،جو روپیہ ملا وہ سید صاحب کی نذر کر دیا۔بعد ازاں بھی جس مجاہد کو ضرورت مند پاتے،اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ نقد دے دیتے۔

میرزا احمد بیگ

وقائع احمدی میں بتایا گیا ہے کہ میرزا احمد بیگ کا اصل وطن بڑھانہ تھا،لیکن لڑکپن ہی میں پنجاب چلے آئے تھے،اس لئے ''پنجابی'' مشہور ہوئے۔

مولوی محبوب علی دہلوی کی مراجعت کے باعث ہندوستان سے قافلوں کی آمد رک گئی تھی تو اخوند عصمت اللہ،اخوند گل،قاضی سید محمد حبان،اکبر خاں وغیرہ کی تجویز یہ تھی کہ سید صاحب تنخواہ دار فوج رکھ لیں۔منشی خواجہ محمد (حسن پوری) اور سید احمد علی رائے بریلوی نے یہ تجویز سید صاحب کی خدمت میں پیش کی۔آپ نے اخوند ظہور اللہ ساکن جہانگیرہ سے فرمایا کہ وطن جائیں اور دو اڑھائی سو آدمی بھرتی کرلیں،چنانچہ انہوں نے جہانگیرہ جا کر بھرتی شروع کردی۔بعض رواتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تنخواہ فی کس چار روپے تھی اور بعض بیانات میں پانچ روپے بتائی گئی ہے۔سید صاحب کی خدمت میں اطلاع بھیجی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اخوند صاحب تمام آدمیوں کو لے کر کاٹ لنگ پہنچ جائیں،وہاں ان کے واجبات ادا کر دیے جائیں گے۔

میاں دین محمد ہندوستان سے واپس آئے تو انہوں نے اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے عرض کیا کہ ابھی کوئی علاقہ قبضے میں نہیں آیا،ان لوگوں کو تنخواہ کہاں سے دی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جائیگی؟ نیز جتنا روپیہ اب تک انکا واجب الاداء ہو چکا ہے، اس میں ہندوستانی مجاہدین سات آٹھ مہینے گزار سکتے تھے۔ چنانچہ غور و مشورہ کے بعد قرار پایا کہ تنخواہ دار فوجیوں کی تنخواہ ادا کر دی جائے اور انہیں جواب دیدیا جائے۔ سید صاحب نے منشی خواجہ محمد اور منشی محمدی کو حکم دیدیا کہ پوری تنخواہ ادا کر کے آدمیوں سے کہو کہ ہماری بات سن کر جائیں۔

دعوت وارشاد

وہ لوگ سید صاحب کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کے روبرو فضائلِ جہاد پر ایک پُرتاثیر تقریر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ جو لوگ نوکر ہو کر جہاد کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی مارا جاتا ہے تو وہ بھی شہید ہوتا ہے مگر کم درجے کا۔ خالصاً لوجہ اللہ جہاد کرنے والوں کے درجۂ شہادت کو کوئی نہیں پہنچتا۔

ہمارے بھائی گھروں کے کھاتے پیتے اور خوش حال تھے۔ کئی بیش قرار نوکریاں ترک کر کے آئے، کسی نے جاگیر، زراعت یا تجارت چھوڑی۔ اللہ کے واسطے ہمارے ساتھ رہتے اور فقر و فاقہ سہتے ہیں۔ خوش و خرم، راضی بہ رضا اور صابر بہ قضا ہیں۔ اسی طور پر آپ صاحبان بھی رہیں۔ جو کچھ ہمارے لوگ کھائیں پہنیں آپ بھی کھائیں پہنیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو کچھ اور کسی طور کی فراغت دے گا، ہم آپ لوگوں کو سوا اس کے کچھ اور بھی دیں گے اور وہ آپ کو نوکری سے زیادہ پڑے گا، مگر اس کا اقرار نہیں کرتے کہ کل کو کوئی دعویٰ کرے۔ (۱)

احمد بیگ کی سبقت

یہ سنتے ہی میرزا احمد بیگ بولے میں حاضر ہوں اور آپ کے ساتھ رہوں گا، تیس چالیس لوگ اور بھی تیار ہو گئے، باقی چند روز کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس

(۱) وقائع احمدی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت کے امیر میرزا احمد بیگ ہی مقرر ہوئے۔

انہی میں سے ایک جماعت نے ہنڈ میں سلطان محمد خاں درانی کا مقابلہ کیا تھا۔ پھر ایک فرنگی نے انہیں بہ عزت باہر نکالنے کے وعدے پر لڑائی ختم کرائی۔ سلطان محمد خاں نے عہد شکنی کی اور انہیں قید کر لیا۔ چارسدہ میں ایک مکان کو نقب لگا کر وہ باہر نکلے اور آزاد ہو کر سید صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔

میرزا کی شہادت

میرزا احمد بیگ تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ جنگ بالاکوٹ میں وہ اس مقام پر متعین تھے، جہاں سے بالاکوٹ کا پرانا پہاڑی راستہ نکلتا تھا۔ سوئے اتفاق سے سکھوں نے یہی راستہ اختیار کیا اور سب سے پہلے میرزا احمد بیگ ہی کی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ میرزا احمد بڑی مردانگی سے لڑے اور سید صاحب کو خبر بھی بھیج دی لیکن کمک پہنچنے سے پیشتر سکھ فوج کے سیل نے میرزا کی چھوٹی سی جماعت کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچا دیا۔ میرزا کے کچھ ساتھی پہلے نالے پر شہید ہوئے اور غالباً وہیں دفن ہوئے۔ اس مقام کو آج کل شہید گلی کہتے ہیں۔

اس کے بعد میرزا کو بالاکوٹ بلایا گیا۔ وہ خود اور ان کے بقیۃ السیف ساتھیوں میں سے غالباً اکثر بالاکوٹ ہی میں شہید ہوئے۔ میرزا صاحب کی شہادت کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

> جب میدانِ جنگ میں یہ افواہ مشہور ہوئی کہ سید صاحب کا کچھ پتہ نہیں چلتا تو میرزا صاحب سر پیٹتے ہوئے دیوانہ وار میدان میں پھرنے لگے، اسی حالت میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

نور داد خاں

یہ رائے بریلی کا باشندہ تھا اور وہاں کے زمینداروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی بیعت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ سید صاحب راجپوتانہ اور دہلی میں کئی سال گزار کر وطن پہنچے تو جو عزیز اُن کے حصے کی جائداد سے فائدہ اٹھا رہے تھے، انہوں نے بہ طیبِ خاطر اپنے حصے کی زمینیں اور باغات ایک سال کیلئے سید صاحب کے حوالے کر دیے تاکہ ان کا حق ادا ہو جائے۔ سید صاحب نے خربوزے کاشت کرائے۔ اتفاق سے لوہائی پور (رائے بریلی) کے ایک پٹھان پیرداد خاں کی گائے باڑے میں گھس آئی۔ نگہبانوں نے گائے کو باڑے سے ہانک کر باہر نکال دیا اور اتنا بھگایا کہ اس میں چلنے کی سکت نہ رہی۔

پیرداد خاں نے یہ واقعہ سنا تو اس درجہ جوش میں آ گیا کہ سید صاحب کے پاس پہنچ کر شکایت کی۔ اس کا لہجہ اتنا درشت تھا کہ نیاز مند سخت غصے میں آ گئے، تاہم سید صاحب پیکرِ حلم بنے رہے اور فرمایا: نگہبانوں نے بہت برا کیا۔ میں انہیں منع کر دوں گا۔ بھائی صاحب! خفگی چھوڑیے۔ گائے کو کوئی نقصان پہنچا تو اس سے بہتر گائے معاوضے میں دوں گا۔

واقعہ بیعت

پیرداد خاں کا غصہ فرو نہ ہوا۔ سید صاحب کے پاس ایک نورس آم اور ایک خربوزہ آیا ہوا تھا۔ آپ نے خربوزہ پیرداد خاں کو دینا چاہا، اس نے غصے میں انکار کر دیا۔ سید عبدالرحمٰن (خواہر زادہ سید صاحب) کہتے ہیں، میں کوئی چیز لانے کیلئے گھر گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو دیکھا کہ غلام رسول خاں جو سید صاحب کے گھوڑوں کی خبر گیری کرتا تھا، رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے سارا قصہ سنایا اور بولا کہ مجھ سے پیرداد خاں کی سخت کلامی برداشت نہ ہو سکی اور اسے تنبیہ کرنے کیلئے آگے بڑھا۔ حضرت نے مجھے جھڑک کر پیچھے ہٹا دیا۔

رائے بریلی کے ایک صاحب شیخ امان اللہ بھی سید صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ کبیر السن ہونے کی وجہ سے بہت محترم مانے جاتے تھے۔ انہوں نے بھی نرمی سے پیرداد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاں کو سمجھایا لیکن اس کی روش نہ بدلی۔ خاندان کے آدمیوں میں سے سید علم الہدیٰ اور سید محی الدین یہ حالات دیکھ کر غصے میں آگئے اور بولے کہ ہم پیر داد خاں سے سمجھیں گے۔ سید صاحب نے فرمایا: چپ رہیے اور کچھ نہ کہیے۔ ایسا نہ ہو کہ پیر داد خاں جمعہ اور جماعت چھوڑ دے۔ سید عبدالرحمٰن آئے تو پیر داد خاں جا چکا تھا۔ وہ جوش میں بولے کہ پیر داد خاں بے ادبی کر کے سلامت چلا گیا، میں ہوتا تو دیکھتا۔ سید صاحب نے فرمایا: تو بچہ ہے، تجھے کیا معلوم؟ ایسا نہ ہو کہ تیری کسی حرکت کے باعث پیر داد خاں کا جمعہ اور جماعت فوت ہو جائے۔

سید صاحب تکیہ شریف سے روزانہ اپنی ہمشیر کی ملاقات کیلئے شہر جایا کرتے تھے۔ دوسرے دن گئے تو ہمشیر سے ملنے کے بعد پیر داد خاں کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ وہ سید صاحب کو دیکھتے ہی زنانے میں چلا گیا۔ آپ گھوڑے سے اتر کر دروازے پر بیٹھ گئے اور فرمایا: خاں صاحب! آج تو خطا معاف کرائے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔ اس اثناء میں چند آدمی جمع ہو گئے۔ وہ پیر داد خاں کو ملامت کرتے ہوئے سید صاحب کے پاس لائے۔ آپ نے معانقہ کیا اور کہا: خاں صاحب! خطا معاف کر دیجئے آپ کی گائے مر جاتی تو اس سے بہتر گائے خدمت میں پیش کر دیتا۔

شہادت

پیر داد خاں کا معاملہ ختم ہو گیا۔ اس کے بھائی نور داد خاں نے سید صاحب کا حلم وانکسار اور پیر داد خاں کا کبر دیکھا تو اسی وقت یہ کہتے ہوئے بھائی سے علیحدگی اختیار کر لی: ایسے فرشتہ سیرت بزرگ سے تکبر غضب الٰہی کا موجب ہے۔ اسی وقت سید صاحب سے بیعت کر لی۔ جہاد میں برابر ساتھ رہا۔ بالاکوٹ کے معرکے میں دادِ شجاعت دے کر مرتبۂ شہادت پر فائز ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ستائیسواں باب:

فیض علی، امجد علی، مصطفیٰ، شاہ سید

میر فیض علی

میر صاحب گورکھپور کے رئیس اعظم ذوالفقار علی خاں کے فرزند ارجمند تھے۔ سید صاحب سے بیعت کے بعد اپنی زندگی خدمت دین کیلئے وقف کر دی۔ آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ چونکہ عالم تھے، اس لئے منشی خانے سے وابستہ ہوئے۔ دورانِ جہاد میں اتنی مشقتیں اٹھائیں کہ وضع وہیئت بدل گئی۔ چنانچہ سید جعفر علی نقوی جہاد کیلئے سرحد پہنچے اور امب میں میر فیض علی سے ملاقات ہوئی تو سابقہ معرفت کے باوجود انہیں پہچان نہ سکے۔ ان کی جفاکشی کا یہ حال تھا کہ امب میں فصل کاٹنے کے بعد مجاہدین غلہ ڈھونے لگے تو میر فیض علی نے زیادہ بوجھ اٹھالیا اور انہیں بڑی تکلیف ہوئی۔ سید صاحب نے حکم دے دیا کہ جو لوگ منشی خانے سے وابستہ ہیں وہ غلہ نہ ڈھوئیں۔ میر فیض علی اس کے بعد بھی اپنے کام میں لگے رہے۔ ان سے کہا گیا کہ معافی کے بعد آپکو مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: فرضیت تو ساقط ہوگئی، مگر میں بہ نظر استحباب یہ کام انجام دے رہا ہوں۔

پھولڑہ پر یورش

شوال ۱۲۴۵ھ کے اواخر یا ذی قعدہ کے اوائل میں پھولڑہ پر یورش کا فیصلہ ہوا تو سید احمد علی رائے بریلوی لشکر کے امیر مقرر ہوئے۔ انہوں نے چاہا کہ سید جعفر علی نقوی کو بطور منشی اپنے ساتھ لے جائیں جو نئے نئے سرحد پہنچے تھے۔ میر فیض علی کو اس لئے ساتھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ لے جانا چاہتے تھے کہ پرانے منشی ہیں اور خط و کتابت کے طور طریقوں سے واقف ہونے کی بنا پر مرکز میں ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ معاملہ سید صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے سید جعفر علی نقوی اور میر فیض علی دونوں کو بلا کر پوچھا کہ کون لشکر کے ساتھ جانا پسند کرتا ہے؟ دونوں نے عرض کیا: جیسے حکم ہو۔ سید صاحب نے میر فیض علی سے فرمایا کہ آپ کا یہ بھائی لمبی مسافت طے کر کے یہاں پہنچا ہے، تکان ابھی دور نہیں ہوئی۔ بہتر یہ ہے کہ آپ چلے جائیں۔ انہوں نے عرض کیا: بسر و چشم۔

اس طرح میر فیض علی سید احمد علی کے ساتھ پھولڑہ گئے اور امیر لشکر سے پیشتر پہنچ کر دامنِ کوہ سے فاصلے پر میدان میں ڈیرے ڈال دیے۔ سید احمد علی نے پھولڑہ پہنچ کر فرمایا کہ میدان سے اٹھ کر دامنِ کوہ میں ٹھہرنا چاہیے۔ میر فیض علی نے جواب دیا کہ ہم جہاں ٹھہرے ہیں، وہاں مورچے بنالئے ہیں۔ اب اس جگہ کو چھوڑنا مناسب نہ ہوگا۔

شہادت

لڑائی کی مفصل کیفیت "سید احمد شہید" میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سکھوں نے اچانک صبح کی نماز کے وقت حملہ کیا۔ وہ سب سوار تھے۔ میدان میں اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ مجاہدین نے مختلف ٹولیوں میں بٹ کر ان کا پیچھا کیا۔ وہ ایک دم اکٹھے ہو گئے اور مجاہدین متحدہ حیثیت میں ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ جا بجا شہید ہو گئے۔ ان میں امیر لشکر اور بہت سے دوسرے اکابر بھی تھے۔ میر فیض علی نے بھی اسی جنگ میں شہادت پائی اور پھولڑہ ہی کی خاک میں محوِ آرام ہیں۔ وہ بہت بڑے رئیس کے فرزند تھے اور کوئی دنیوی غرض انہیں سرحد نہ لے گئی تھی۔ صرف ایک آرزو تھی کہ کلمۂ حق بلند ہو اور دین کی خدمت انجام پائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امجد علی

یہ غازی پور کے رئیس شیخ فرزند علی کے بیٹے تھے۔ شیخ صاحب سفر حج سے پیشتر بیعت کر چکے تھے۔ سفر حج میں ان کے مختار میرزا محی الدین بیگ نے غازی پور میں سید صاحب کے قافلے کے لئے قیام وطعام کا انتظام کیا۔ آگے بڑھے تو شیخ موصوف کے فرزند محمد امیر نے مہمان داری کا فرض انجام دیا، جو باڑا نام مقام میں مقیم تھا۔

سید صاحب ہجرت کیلئے تیار ہوئے تو شیخ فرزند علی نقد کے علاوہ وردی کے بہت سے کپڑے، دو خوب صورت گھوڑے اور چالیس خوب صورت قلمی قرآن لے کر آئے، وہ ساتھ جانا چاہتے تھے، سید صاحب نے روک دیا اور فرمایا کہ اپنے فرزند امجد علی کو چاہیں تو بھیج دیں۔ شیخ نے جگر بند کا ہاتھ پکڑ کر سید صاحب کے حوالے کرتے ہوئے عرض کیا، خادم حاضر ہے۔

مجروحیت

جنگ اکوڑہ سے مجاہدین کے جہاد کا آغاز ہوا۔ شیخ امجد علی ان خوش نصیبوں میں سے تھے، جنہیں اس جنگ کے لئے چنا گیا۔ وہ اس میں زخمی ہوئے اور جنگ شیدو تک بسلسلہ علاج نوشہرہ میں رہے۔ جنگ شیدو میں اس لئے شریک نہ ہو سکے کہ یہ تندرست نہ تھے۔ پھر دوسرے زخمیوں کے ساتھ نوشہرہ سے چنگلئی (خدوخیل) پہنچ گئے۔ سید صاحب کے دورۂ سوات میں بھی ساتھ نہ تھے۔

زندہ شہید

جب پشاور کے فیصلے کے لئے سید صاحب نے خمر کو مرکز بنایا تو شیخ امجد علی بھی ساتھ تھے۔ جنگ اتمان زئی میں شریک ہوئے۔ عالم خاں رئیس اتمان زئی خود سید صاحب کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھ لے گیا تھا۔ فتح قریب تھی تو عالم خاں کی نیت میں فتور پیدا ہو گیا۔ سید صاحب کو وہاں سے واپس ہونا پڑا، تمام مورچوں میں پیغام بھیج دیا گیا کہ مجاہدین آہستہ آہستہ ہٹ کر درختوں کے اس جھنڈ میں پہنچ جائیں، جو اتمان زئی سے نصف میل کے فاصلے پر تھا۔ سب واپس چلے گئے، صرف چند مجاہد مورچوں میں رہ گئے، جن میں سے شیخ امجد علی، حافظ رحیم بخش الٰہ آبادی اور ایک ہندو رفیق راجارام (ساکن بیسواڑہ) بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔ انہیں خبر نہ مل سکی۔ صبح کے وقت یہ بستی میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مجاہدوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں، چنانچہ یہ لوگ بعد میں سید صاحب کے پاس پہنچے۔ آپ نے شیخ امجد علی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا: شیخ بھائی ہمارے "زندہ شہید" ہیں۔ جس نے شہید نہ دیکھا ہو انہیں دیکھ لے۔ چنانچہ اسی وقت سے شیخ امجد علی کو تمام مجاہدین "زندہ شہید" کہنے لگے۔

شہادت

بعد کے مجاہدات میں شریک رہے، اگرچہ ان کی تفصیل معلوم نہیں۔ بالاکوٹ میں سید صاحب کے ساتھ شہادت پائی۔

حافظ مصطفیٰ

یہ مولوی الٰہی بخش کاندھلوی کے پوتے اور شیخ محمد احسن کے صاحبزادے تھے۔ مولوی الٰہی بخش صاحب نے شاہ عبدالعزیز سے تعلیم پائی تھی۔ آخری عمر میں سید صاحب سے بیعت کی، اس بیعت کے اثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا: پہلے ہم جو کچھ کرتے رہے تھے وہ دلیا تھا، اسے آٹا سید صاحب ہی نے بنایا۔ مولانا روم کی مثنوی کے تکملے کے لئے جسے عام طور پر ساتواں دفتر کہا جاتا ہے، مولوی صاحب موصوف بہت مشہور ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شانِ استقامت

حافظ مصطفیٰ مولوی احمد اللہ ناگپوری کی جماعت میں شریک تھے۔ جب سید صاحب نے امب سے شاہ اسمٰعیل کو اور چھتر بائی سے مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو اپنے پاس بلا لیا تو شاہ صاحب امب کا انتظام شیخ بلند بخت دیو بندی کے حوالے کر آئے تھے۔ مولوی خیر الدین نے اپنی جگہ حافظ مصطفیٰ کو قلعہ دار بنا دیا تھا۔ پایندہ خاں تنولی نے گڑھی کا محاصرہ کر لیا جو چالیس روز جاری رہا، لیکن وہ گڑھی نہ لے سکا۔ اس دوران میں حافظ صاحب کو نوکری کا لالچ بھی دیا۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا:

> ''فرماں بردار حضرت امیر المومنین ہستم بدوں حکم آں جناب گڑھی را خالی نہ خواہم کرد۔ ما برائے جہاد فی سبیل اللہ آمدہ ایم نہ برائے نوکری کسے طالب مال و دولت باشد البتہ نوکری بکند، ما طالب راہ خدا ایم''(۱)

ترجمہ: میں حضرت امیر المومنین کا فرماں بردار ہوں۔ ان کے حکم کے بغیر گڑھی خالی نہ کروں گا ہم خدا کی راہ میں جہاد کیلئے آئے ہیں، نہ کہ نوکری کے لئے۔ جو شخص مال و دولت کا طلب گار ہو وہ بے شک نوکری کرے گا۔ ہم خدا کی راہ کے طلب گار ہیں۔

دانش و تدبر

پایندہ خاں نے ایک تنولی عورت کو رشوت دے کر ساتھ ملا یا۔ اس کا شوہر حافظ مصطفیٰ کے ماتحت جمعدار تھا۔ اس طرح لشکر اسلام میں خلل پیدا کرنا چاہا، لیکن یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ عبدالکریم نام ایک مخلص کو پوری کیفیت معلوم ہو گئی۔ اس نے قبل از وقت حافظ صاحب کو آگاہ کر دیا۔ انہوں نے حسنِ تدبیر سے کام لیتے ہوئے اس جمعدار کی جگہ

(۱) منظورہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بدل دی، جس کے ذریعے سے سازش کو کامیاب بنانا منظور تھا۔

شہادت

جب سید صاحب نے ہجرت ثانیہ کی تیاری کی تو سید اکبر شاہ ستھانوی کو حکم بھیج دیا کہ خود جا کر امب اور چھتر بائی کے مجاہدین کو نکال لائیں اور ہمارے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ حافظ مصطفیٰ اور شیخ بلند بخت برڈھیری میں سید صاحب کے پاس پہنچے۔ حافظ صاحب نے بالاکوٹ میں سید صاحب کے ساتھ شہادت پائی۔

ملا شاہ سید

یہ چیڑ منگ (درہ تندھیاڑ) کے علاقے سے تھے۔ معلوم نہیں کب سید صاحب کے پاس آئے۔ ان کا ذکر پہلے پہل شاہ اسمٰعیل کے ان مراسلوں میں آیا ہے جو ضلع ہزارہ میں مجاہدین کی ابتدائی پیش قدمی کے وقت لکھے گئے۔ ان مراسلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا شاہ سید اور سید محمد مقیم رام پوری اس اقدام کے سلسلے میں شاہ اسمٰعیل کے شریک کار تھے، اس لئے کہ مختلف مراسلے تینوں کی طرف سے لکھے گئے۔ ایک مراسلے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسمٰعیل سید محمد مقیم کو لشکر گاہ میں چھوڑ کر ملا اسمٰعیل اخوندزادہ اور ملا شاہ سید کے ساتھ عبدالغفور خاں والیٔ اگرور کے پاس گئے۔ اسی میں مذکور ہے:

> ''سید شاہ را برائے دعوت مسلمین آں قرب و جوار کہ برادری عبدالغفور اند، لاکن تابع نیستند، فرستادہ خود بہ معسکر مراجعت نمودم۔ از یں روز تا ایں روز کہ روز چہارم است کسے از و شاں نہ رسیدہ''(۱)

ترجمہ: سید شاہ (ملا شاہ سید) کو قرب و جوار کے مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے بھیج دیا۔ یہ لوگ عبدالغفور خاں کی برادری کے ہیں، لیکن اس کے تابع

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص: ۲۱۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہیں۔ خود میں (شاہ اسمٰعیل) لشکر گاہ میں واپس آ گیا۔ آج تک چوتھا دن ہے۔ ان کی طرف سے کوئی آدمی نہیں آیا۔

شہادت

ملا شاہ سید یورش ہنڈ میں شاہ اسمٰعیل کے ساتھ تھے۔ ہنڈ فتح ہو گیا اور خادے خاں رئیس ہنڈ کے اقربا اس کے قتل کی بنا پر لوگوں کو برانگیختہ کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر شاہ صاحب نے ملا شاہ سید کو خط دے کر پنجتار بھیج دیا تا کہ سید صاحب حقیقی حالات سے آگاہ ہو جائیں۔ ساتھ ہی پنجتار سے شالئیں طلب کر لیں۔ پنجتار سے دو شالئیں ۱۲ صفر ۱۲۴۵ھ (۱۳؍ اگست ۱۸۲۹ء) کو خچروں پر لاد کر بھیج دی گئیں۔ دس بارہ مجاہدین بھی ساتھ تھے، جن میں سے ایک کالے خاں شاہین چی تھا اور دوسرے ملا شاہ سید۔ انہوں نے رات شاہ منصور میں گزاری، جو ہنڈ سے چار کوس ہے۔ خادے خاں مقتول کے اقربا کو خبر مل گئی۔ وہ پچیس تیس سوار لے کر ہنڈ سے آدھ کوس پر گھات میں بیٹھ گئے اور اچانک مجاہدین کی چھوٹی سی جماعت پر حملہ بول دیا۔ بارہ برس کے ایک لڑکے نے دوڑ کر ہنڈ خبر پہنچائی وہاں سے مجاہدین موقع پر پہنچے۔ اس سے پیشتر زیادہ تر مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ کالے خاں سسک رہا تھا اس نے بتایا کہ شاہینوں کو بچانے کی کوئی صورت نہ رہی تو میں نے انہیں پاس کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پہلے بندوقیں چلتی رہیں، پھر تلواروں کی نوبت آئی۔ ملا شاہ سید نے کئی آدمیوں کو مارا اور زخمی کر دیا۔ ان پر ہجوم ہوا تو وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے کنوئیں میں جا گرے۔ دشمنوں نے اوپر سے دو تین پتھر ڈال دیے۔ یوں اس نیک دل مجاہد نے شہادت پائی۔ شاہ صاحب نے ان کی میت کنوئیں سے نکلوائی، باقی شہداء کی میتوں کے ساتھ چار پائیوں پر ڈال کر ہنڈ لائے اور وہیں انہیں سپرد خاک کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھائیسواں باب:

امام الدین، اولاد حسن، غلام علی

مولوی امام الدین بنگالی

آپ موضع حاجی پور ضلع سدارم (بنگال) کے باشندہ تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسب علوم کیا۔ سید صاحب راجپوتانہ سے دہلی پہنچے تو بہت سے لوگ بیعت ہونے لگے۔ مولوی امام الدین بھی آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور باتیں کرتے، لیکن بیعت کی طرف رغبت نہ ہوئی۔ کچھ مدت بعد سید صاحب ایک مرتبہ رائے بریلی سے لکھنؤ گئے اور وہاں چند ماہ قیام کیا۔ اتفاق سے مولوی امام الدین بھی پہنچ گئے۔ سید صاحب بیعت لینے میں مصروف تھے۔ خدا جانے کیا بات ہوئی کہ مولوی امام الدین یہ کیفیت دیکھتے ہی بیعت کیلئے تیار ہو گئے اور کم و بیش تین روز آپ پر استغراق کی حالت طاری رہی۔ صرف نماز کے اوقات میں افاقہ ہوتا، اس وقت سید صاحب کا دامن تھام لیا۔ پھر ان کی شہادت تک ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کا ذکر عموماً توجہ دینے کے سلسلے میں آتا ہے، یعنی سید صاحب سے جو بیعت توبہ کرتا تھا، اسے توجہ دینے کا حکم مولوی امام الدین صاحب کو ملتا تھا۔ مثلاً چارسدہ میں سید میر خاں درانی کو۔

نواب وزیرالدولہ نے "وصایا" میں لکھا ہے کہ مولوی صاحب نے "صراط مستقیم" کئی مرتبہ خود سید صاحب سے پڑھی۔ آپ عجیب و غریب حقائق بیان فرماتے۔ مولوی امام الدین نے تمام حقائق محفوظ کرتے تھے اور اس کتاب کی شرح میں موصوف کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سفر حج میں رائے بریلی سے سید صاحب کے ساتھ نکلے تھے۔ کلکتہ پہنچے تو اجازت لے کر والدہ سے ملنے کے لئے وطن گئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ انہیں بھی حج کے لئے ساتھ لے آنا۔ وہ تو نہ آئیں، لیکن ان کے ساتھ تیس چالیس آدمی زیارت اور بیعت کی غرض سے آگئے۔ مخا میں یہ تہبند باندھ کر حوض میں نہانے لگے تو لوگ انہیں پکڑ کر قاضی کے پاس لے گئے، اس لئے کہ ان لوگوں میں کپڑا باندھ کر نہانے کا دستور نہ تھا۔ آخر قاضی کو حکم دینا پڑا کہ جب تک ہندوستانی حاجی مخا میں موجود ہوں کوئی عرب کپڑا باندھے بغیر حوض میں نہ نہائے۔

مراجعت

بالاکوٹ کے بعد مولوی صاحب وطن چلے آئے۔ پھر ٹونک میں سکونت اختیار کر لی۔ نواب وزیرالدولہ نے ''صراطِ مستقیم'' ان سے پڑھی۔ جس زمانے میں نواب موصوف اپنی اہم کتاب ''وصایا'' مرتب کر رہے تھے، مولوی صاحب زندہ تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ وہ مسندِ ارشاد پر فائز ہیں اور بے شمار خلقت ان کے خوانِ ہدایت سے مستفید ہو رہی ہے۔ بارہا دیکھا کہ ذکر جہر کی تعلیم کے وقت جونہی اللہ کا نام پاک ان کی زبان پر آتا، ظاہری ہوش وحواس کی قید سے نکل کر باطنی انوار میں ڈوب جاتے۔

آپ کے بھائی علیم الدین بھی جہاد میں شریک تھے اور بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

سید اولاد حسن قنوجی

آپ کا سلسلہ نسب امام علی نقی سے ملتا ہے۔ اوچ کے مشہور شیخ سید جلال الدین گل سرخ بخاری اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی آپ کے اجداد میں سے تھے۔ آپ کے والد سید اولاد علی خاں حیدرآباد میں امیر کبیر نواب شمس الامراء کی سرکار سے وابستہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو گئے تھے اور ان سے دور کی عزیز داری بھی تھی۔ انہیں کی سفارش سے نظام علی خاں والیٔ دولت آصفیہ نے انور جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا اور گولکنڈہ کا قلعہ دار بنا دیا۔ پانچ لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر ملی۔ ایک ہزار سوار و پیادہ کے وہ سالار تھے۔ انہوں نے پہلا نکاح وطن میں کیا تھا، دوسرا حیدرآباد میں۔ نواب سکندر جاہ آصف ثالث کے عہد میں فوت ہوئے۔ حیدرآبادی بیگم سے کوئی اولاد نہ تھی۔ سید اولاد حسن پہلی بیگم کے بطن سے تھے۔

جہاد اور دعوت و ارشاد

۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ لکھنؤ میں مولوی محمد نور اور مرزا حسن علی محدث سے بھی اکتساب علم کیا۔ پھر دہلی میں شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر محدث اور شاہ عبدالعزیز محدث سے حدیث، فقہ، تفسیر اور دوسرے اسلامی علوم پڑھے۔ چند پشتوں سے ان کا خاندان شیعیت کا پابند چلا آتا تھا۔ خود انہوں نے طریق اہل سنت اختیار کیا۔ سید صاحب سے بیعت کی اور جماعت مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ ان سابقین اولین میں شریک تھے جو سید صاحب کے ساتھ جہاد کیلئے گئے۔ کچھ مدت بعد سید صاحب نے انہیں دعوت و تبلیغ کی غرض سے واپس بھیج دیا۔ ان کی عمر عزیز کے باقی اوقات اسی پاک مشغلے میں صرف ہوئے۔ خود سید صاحب ایک مکتوب میں انہیں لکھتے ہیں:

"آنچہ از مصروفیت خود در تبلیغ احکام رب العٰلمین ترقیم قلم اخلاص رقم نمودہ بودند۔ ازیں جہت فرحت بسیار گردید۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء ہر یکے از مومنین مخلصین خصوصاً علمائے اعلام و مشائخ ذوی الاحترام را لازم است کہ احکام حضرت جواد را بر بندگانِ وے شائع و ذائع گردانند۔(۱)

ترجمہ: آپ نے خدا کے حکموں کی تبلیغ کے سلسلے میں اپنی مصروفیت کے متعلق جو کچھ لکھا، اس سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ

(۱) سیرت والا جاہی حصہ اول۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نیک جزا دے۔ تمام مخلصین مسلمانوں خصوصاً بڑے بڑے عالموں اور محترم پیروں کے لئے لازم ہے کہ خدا کے احکام اس کے بندوں میں پھیلائیں۔

وفات

سید صاحب کی شہادت سے سات سال بعد ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں وفات پائی اور قنوج میں دفن ہوئے۔ متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کے دو فرزند تھے: ایک سید احمد حسن عرشی جو عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ انہیں میرزا غالب سے تلمذ حاصل تھا۔ تیس برس کی عمر میں حج کے لئے روانہ ہوئے۔ بڑودہ پہنچ کر سخت بیمار ہو گئے اور وہیں ۲۵ نومبر ۱۸۶۰ء کو وفات پائی۔

دوسرے فرزند سید صدیق حسن تھے، جنہوں نے بھوپال پہنچ کر بڑا عروج پایا۔ نواب شاہجہاں بیگم والیۂ بھوپال سے ان کا عقد ہوا۔ نواب امیر الملک والا جاہ کا خطاب ملا۔ عربی، فارسی اور اردو میں اپنی دینی، علمی اور ادبی تصانیف کے باعث مشہور خواص و عوام ہیں۔

والد کے ترکے کا معاملہ

سید اولاد حسن بڑے ہی نیک طبع اور خوش سیرت بزرگ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ والد کی وفات کے بعد انہیں حیدرآباد بلا لیا گیا تھا، لیکن وہ نہ گئے اور والد کا ترکہ چھوڑ دیا۔ میرے نزدیک واقعے کی صورت یہ ہے کہ حیدرآباد کے نظامِ جاگیرداری میں بھی اسی طریقے پر عمل ہوتا تھا، جو مغلوں کے زمانے میں رائج تھا۔ یعنی امراء کی وفات پر ان کا پورا مال و اسباب سرکاری خزانے میں داخل ہو جاتا تھا۔ البتہ اولاد کیلئے حسبِ استعداد ملازمت کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ انور جنگ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ سید اولاد حسن ملازمت کیلئے تیار نہ ہوئے، لہٰذا انھیں حیدرآباد سے کچھ ملنے کی امید نہ ہو سکتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک غلط روایت

سیرت والا جاہی میں مرقوم ہے کہ سید صاحب نے ایک موقع پر پدری میراث کے ترک کا سبب پوچھا اور کہا کہ آج وہ روپیہ موجود ہوتا تو مسلمانوں کے کام آتا۔ سید اولاد حسن نے جواب دیا کہ میرے والد شیعہ تھے۔ معلوم نہیں ان کا مال میرے لئے حلال ہے یا حرام۔ اگر حرام ہے تو اس لائق نہیں کہ اسے حاصل کروں۔ اگر حلال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض مجھے علم کی دولت عطا کر دی۔ (۱)

ممکن ہے سید صاحب نے مزاحاً کبھی ایسی بات کہی ہو، ویسے مشتبہ اموال کے متعلق ان کا طریق عمل روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ انہوں نے اکسٹس بروک کی بیوی حیات النساء بیگم اور ایسے ہی کانپور کی ایک خاتون کے اموال بے تکلف ٹھکرا دیے تھے۔ پھر وہ سید اولاد حسن کے پدری ترکے کی نسبت ایسی کوئی بات کیوں کر فرما سکتے تھے؟ اس قسم کے بعض واقعات لوگوں نے ارادت مندوں کی حیثیت بلند کرنے کی غرض سے لکھ دیے اور یہ نہ سوچا کہ خود پیر و مرشد کی حیثیت پر ان سے کیسی زد پڑتی ہے۔

شیخ غلام علی الہ آبادی

ان کا اصل وطن مہرونڈہ (ضلع الہ آباد) تھا، بہت بڑے امیر تھے۔ وطن میں جو مکان بنوایا تھا وہ قلعے کی طرح مضبوط تھا اور اسے کوٹ گڑھی کہتے تھے۔ اب وہ بالکل مسمار ہو چکا ہے۔

شیخ صاحب بالکل ابتدائی دور میں سید صاحب سے وابستہ ہو گئے تھے، اسی وقت سے پوری زندگی اسلامی سانچے میں ڈھل گئی۔ ان کے پاس بیسیوں سنہری اور روپہلی حقے تھے، سب تڑوا کر دریا میں بہا دیے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ ایسا مخلص بے ریا اور محب باصفا آج تک نہیں دیکھا۔

(۱) سیرت والا جاہی حصہ اول ص: ۵۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب سے عقیدت

شیخ صاحب مہاراجہ بنارس کی طرف سے عملدار تھے۔ سید صاحب حج کے لئے نکلے تو الہ آباد میں قیام وطعام کا پورا بندوبست شیخ صاحب ہی نے کیا۔ سید صاحب کو ایک کوٹھری میں ٹھہرایا۔ قافلے کے لئے مہاراج کی بارہ دری خالی کرالی۔ ایک ایک وقت میں متعدد کھانے لاتے جن پر روزانہ کم از کم ایک ہزار روپیہ خرچ ہوتا۔ یہ اس زمانے کا خرچ ہے، جب جنسیں ارزاں تھیں۔ دو مرتبہ سید صاحب سے ملنے کیلئے آتے اور اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ نذر ضرور لاتے۔ دوران قیام میں کم از کم بیس ہزار روپے کی چیزیں اس طرح سید صاحب کی خدمت میں پہنچائیں۔ رخصت کے وقت ایک بڑا خیمہ اور بارہ چھوٹے خیمے پیش کیے۔ سید صاحب کے تمام رفیقوں کو ایک ایک جوڑا جوتا، مردوں کو دو دو پاجامے، دو دو انگرکھے، دو دو ٹوپیاں اور ایک ایک چادر۔ عورتوں کو دو دو پاجامے، دو دو کرتے اور دو دو دوپٹے دیے۔ سب کو فی کس ایک روپیہ، سید صاحب کے اقربا کو دس دس روپے اور علماء کی خدمت میں بھی ان کی حیثیت کے مطابق نذریں پیش کرتے۔

ایک روز سید صاحب کی بیویوں کو اسّی اسّی روپے دے گئے۔ ہر کھانے کے ساتھ ایک سو چالیس روپے نقد پیش کرتے۔ تمام اہل قافلہ کو احرام کی چادریں دیں، سید صاحب کی خدمت میں مشروع، کمخواب، پشمینے، خیتو، ڈھاکہ کی ململ، محمودی، بناری اطلس وغیرہ کے تھان پیش کیے۔ ان کے علاوہ ساڑھے چار ہزار روپے نقد اور کشمیری شال دی۔ دو نہایت عمدہ مطلا قرآن مجید پیش کیے۔ حج سے واپسی پر بھی اسی فداکاری سے حق خدمت ادا کیا۔

خدمت

سید صاحب جہاد کیلئے نکلے تو شیخ صاحب قسم قسم کے اسلحہ، خیمے، کپڑوں کے تھان،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کتابیں، برتن، سید صاحب کے لئے پوشاکیں اور نقد روپیہ لائے۔ ایک خیمہ مسجد کی شکل کا خاص سید صاحب کیلئے تیار کرایا اور مع فرش نذر کیا۔ جب سنا کہ سید صاحب راجپوتانہ کے راستے جائیں گے تو بیسیوں چھوٹے چھوٹے ڈولچے بنوائے اور ان کے لئے لمبی لمبی رسیوں کا انتظام کیا۔ یہ سب چیزیں جماعت مجاہدین میں تقسیم کر دیں۔ سید صاحب فتح پور پہنچے تو شیخ صاحب دوبارہ زیارت کے لئے آگئے اور پورے قافلے کی مہمان داری اپنے ذمے لے لی۔ ہر سال سید صاحب کے لئے عمدہ سے عمدہ پوشاکیں تیار کرا کے سرحد بھیجتے رہتے تھے اور جو قافلہ سرحد جاتا تھا، اس کیلئے اسلحہ، سواری یا دوسری ضروری چیزوں کا سامان کر دیتے تھے۔ چنانچہ سید جعفر علی نقوی ان سے ملتے ہوئے گئے تو شمشیر، کٹار، سپر، جاجم اور دیگچے، طباق، پیالے وغیرہ انہیں دیے۔

شہادت

کچھ مدت کے بعد شیخ صاحب مالی مشکلات کا شکار ہو گئے۔ راجا نے تاوان کی بھاری رقم ان کے ذمے ڈال دی۔ اس سلسلے میں ان کی گڑھی پر ایک لاکھ روپیہ قرض ہو گیا۔ ان کا بڑا لڑکا ان غیر مشروع مشاغل کا عادی ہو گیا تھا، جو اس عہد کے امراء کی اولاد میں عام تھے، اس وجہ سے شیخ صاحب بہت دل گرفتہ رہتے تھے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد غالباً راجا کے آدمیوں نے ان پر چڑھائی کر دی۔ الٰہ آباد اور بنارس کے درمیان لڑائی ہوئی۔ اسی معرکے میں شیخ صاحب نے شہادت پائی۔ آپ کی میت ہاتھی پر واپس آئی۔ گڑھی کے قریب دفن ہوئے۔ قبر خام ہے، نہ اس پر کوئی عمارت ہے نہ احاطہ۔

آخری دور میں انتہائی سادگی اختیار کر لی تھی۔ موٹے کپڑے کا لباس پہنتے، چھوٹی سی چارپائی پر سوتے، جس پر کوئی بستر نہ ہوتا، تاکہ پاؤں نہ پھیلا سکیں، جلد آنکھ کھل جائے اور رات کا زیادہ حصہ عبادت میں صرف ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انتیسواں باب:

مختلف اصحاب (۱)

نواب احمد علی خاں

یہ رام پور کے فرمانروا تھے۔ شجرۂ نسب یہ ہے: نواب احمد علی خاں بن نواب محمد علی خاں بن نواب فیض اللہ خاں بن نواب علی محمد خاں بانی ریاست رام پور۔ نواب احمد علی خاں بہت کم سن تھے، جب ان کے والد نواب محمد علی خاں مقتول ہوئے۔ ۲۸ر نومبر ۱۷۹۴ء سے احمد علی خاں کی فرمانروائی کا آغاز ہوا، کمسنی کے زمانے میں ان کے والد کے چچیرے بھائی نواب محمد نصر اللہ خاں تمام امور کے کفیل رہے۔ ۲۴ر نومبر ۱۸۱۱ء سے نواب احمد علی کو پورے اختیارات حاصل ہوئے۔ ۲۵ر جولائی ۱۸۴۰ء کو انہوں نے بہ عارضہ استسقا وفات پائی۔

بیعت جہاد

نواب نے غالباً اسی زمانے میں سید صاحب سے ارادت کا علاقہ پیدا کیا تھا، جب کہ آپ مستقل تحریک شروع کر چکے تھے اور دوآبہ گنگا جمنا کا دورہ ختم کر کے وطن جاتے ہوئے رام پور ٹھہرے تھے۔ آپ سرحد چلے گئے تو نواب موصوف نے ۳ر ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ (۱۶ر جون ۱۸۲۸ء) کو ایک مکتوب آپ کے نام بھیجا جس میں لکھا کہ میرے دل میں ابتدا ہی سے خاندانِ رسالت کی محبت موجزن ہے اور محبت وعقیدت کا یہ عالم ہے گویا میرے بدن کے ہر بال سے "انا المحب" کا دعویٰ فوارے کی طرح جوشاں ہے۔

ہر وقت یہ مصرعہ زبان پر رہتا ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

من دوست دودمانِ آلِ رسولؐ

آپ کے ساتھ محبت کیوں نہ ہو، جو آلِ رسول سے ہونے کے علاوہ:

''حامل خلافت وحامی شریعت وماحی مراسم بدعت وآثار ضلالت ہستند چونکہ جہاد فی سبیل اللہ مثل صلوٰۃ وصیام برکافۂ انام ایں ملت از جملہ فرائض موکد اسلام است۔ بناءً علیہ در ظہر الغیب مطابق سنت سید المرسلین علیہ وآلہ الف الف صلوٰۃ رب العٰلمین بروست مولوی حیدر علی صاحب کہ خلیفہ آنجناب است بہ آنحضرت بیعت بر جہاد نمودم وخود را بایں وسیلہ جمیلہ در زمرۂ مجاہدین فی سبیل اللہ داخل نمودم کہ در وقت مناسب بہ سرو چشم حاضرم:

از دوست یک اشارہ وزما بہ سر دویدن وآنحضرت دعا فرمائید کہ مالک حقیقی ایں عزیمت ما را بہ انجام رسانند''(۱)

ترجمہ: خلافت کے حامل شریعت کے حامی نیز بدعت کے طور طریقوں اور گمراہی کے نشانوں کو مٹانے والے ہیں۔ چوں کہ خدا کی راہ میں جہاد، نماز اور روزے کی طرح ملت اسلامیہ کے تمام افراد پر پختہ فرض ہے لہٰذا میں نے سید المرسلین (ان پر اور ان کی آل پر رب العٰلمین کی طرف ہزار ہزار درود وسلام ہوں) کی سنت کے مطابق غائبانہ مولوی حیدر علی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرلی ہے جو آپ کے خلیفہ ہیں۔ اس وسیلے سے میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے گروہ میں شامل ہوگیا ہوں۔ مناسب وقت پر بہ سرو چشم حاضر ہوجاؤں گا۔ دوست کی طرف سے اشارہ ہوتے ہی ہم سر کے بل دوڑیں گے۔ آپ بھی دعا فرمائیں کہ مالک حقیقی ہمارے اس ارادے کو پورا کرے۔

قاضی احمد اللہ میرٹھی

قاضی احمد اللہ میرٹھی اور ان کے والد قاضی حیات بخش نے اس زمانے میں بیعت

(۱) مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص: ۲۴۴۔

کی تھی جب سید صاحب نے گنگا و جمنا کے دوآبے کا دورہ کیا تھا۔ دورے کے آغاز کی خبر مل چکی تھی۔ قاضی صاحب روزانہ پچاس آدمیوں کے ساتھ استقبال کی غرض سے کئی میل باہر نکل جاتے اور انتظار کے بعد واپس چلے آتے۔ پانچویں روز سید صاحب تشریف فرما ہوئے۔ سفرِ حج میں بھی مع والد شریک تھے اور انہیں اس جماعت کا امیر بنایا گیا تھا، جو عطیۃ الرحمٰن نامی جہاز پر سوار تھی اور یہ جماعت سرسٹھ آدمیوں پر مشتمل تھی۔

قاضی صاحب اس زمانے میں ستر مجاہدین کے ساتھ سرحد پہنچے تھے، جب سید صاحب سوات کا دورہ کر رہے تھے۔ راویوں نے لکھا ہے: وہ بڑے عالم، پرہیزگار، حافظ قرآن اور حضرت کے کمال کے معتقد تھے۔ لشکر میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں وہی پڑھاتے تھے۔ خطبہ بھی پڑھتے اور کبھی کبھی عام نمازیں بھی پڑھاتے۔ جنگ بالاکوٹ میں سید صاحب کے ساتھ شہید ہوئے۔

سید اسمٰعیل رائے بریلوی

ان کا خاندان معلوم نہ ہو سکا۔ راوی کا بیان ہے کہ سید موصوف:

> "بڑے شجاع، طاقت ور، بہادر، حضرت کے نہایت معتقد صادق، مخلص بے ریا، جاں نثار، محبِ سلامت کردار، خیر خواہ، فرماں بردار، دین دار، پرہیز گاری میں یگانہ، دانش و ہوشیاری میں یکتائے زمانہ۔ حضرت کے نزدیک بڑے معزز و ممتاز اور ہمدم و ہمراز تھے۔"

سید صاحب کے ساتھ ہجرت کر کے گئے۔ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ جماعت خاص میں شامل تھے۔ پنجتار میں سید صاحب کی اقامت کیلئے جو برج مخصوص تھا، اسکے سامنے میدان تھا، جس میں سید اسمٰعیل رائے بریلوی کا ڈیرہ تھا۔ اہل سمہ نے سازش کر کے مجاہدوں پر جا بجا قاتلانہ حملے کیے تھے تو مختلف جماعتوں کو خبر پہنچانے اور پنجتار لانے کا کام سید موصوف ہی کے سپرد ہوا تھا۔ بالاکوٹ میں سید صاحب کے ساتھ شہید ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صوفی نور محمد بنگالی

بڑے مخلص، بے ریا، دیندار اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ جو کچھ ساتھ لائے، پورا کا پورا سید صاحب کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیا۔ آپ نے کچھ خرچ کے لیے دے دیا۔ باقی بیت المال میں داخل کر دیا۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

شیخ منور علی قدوائی

یہ بڑے مخلص مجاہد تھے۔ گڑھی اسب کے جس مکان میں سید صاحب رہتے تھے، اس کے سامنے شیشم کا ایک اونچا درخت تھا۔ پاس کے دالان میں مختلف اصحاب کے بستر تھے۔ ان میں شیخ منور علی بھی تھے۔ کسی کے لئے جگہ مقرر نہ تھی، جو جہاں چارپائی ڈال لیتا، سو رہتا۔ ایک روز شیخ صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے، وہ جس جگہ روزانہ چارپائی بچھاتے تھے، اس جگہ کسی دوسرے بھائی نے بچھا لی۔ شیخ صاحب آئے تو فرمایا: یہ میری جگہ ہے۔ جواب ملا کہ جگہ مقرر تو ہے نہیں، میں نے چارپائی بچھالی آپ کسی دوسری جگہ انتظام فرمالیں۔ شیخ صاحب کے دل میں خدا جانے کیا سمائی کہ اپنی چارپائی میں ایک رسا باندھا۔ اس کا ایک سرا پکڑ کر درخت چڑھ گئے اور کھینچ کر چارپائی کو ایک بڑی شاخ پر جمایا اور رسے سے باندھ کر اس پر لیٹ گئے۔ اب تمام بھائی ان کی منت سماجت کرنے لگے۔ وہ غصے میں تھے نہ مانے۔ سید صاحب باہر تشریف لائے تو معاملہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے پوچھا: شیخ بھائی! چارپائی درخت پر کیوں بچھائی؟ انہوں نے عرض کیا۔ حضرت! اب میرے لئے زمین پر جگہ نہیں رہی۔ آج آسمان کی طرف پہلی منزل ہے۔ کل جو کچھ پیش آئے گا دیکھ لوں گا۔

یہ سن کر سب بے اختیار ہنس پڑے۔ سید صاحب نے فرمایا: شیخ بھائی! اتر آیئے۔ آپ کیلئے زمین ہی پر جگہ نکل آئے گی۔ چنانچہ چارپائی ایک اچھی جگہ بچھوا دی۔ مزید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اخوند فیض محمد

یہ غالباً سرحد ہی کے باشندے تھے، وطن کا صحیح علم نہ ہو سکا۔ جب خواجہ خیل (سوات) میں سلیمان شاہ والیٔ چترال (کاشکار) کے پاس سفیر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تو اخوند صاحب ہی اس منصب کیلئے تجویز ہوئے۔

''وقائع'' کا بیان ہے کہ آپ نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو خواجہ خیل کے مختلف لوگ آپ کے پاس آ کر والیٔ چترال کی باتیں کرنے لگے اور عرض کیا کہ آپ اس ملک میں تشریف لے جاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں بھی جہاد موجود ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی ملک میں ہم سے اپنی رضا مندی کا کام لے، البتہ ہم دعوتِ جہاد اور ترغیب غزا کی غرض سے چند لوگ وہاں ضرور بھیجیں گے۔(۱)

چنانچہ دوسرے دن اپنے خاص آدمیوں سے مشورے کے بعد اخوند فیض محمد کو اس کام کے لئے تجویز کیا۔ سلیمان شاہ کے لئے ایک قلمی قرآن مجید، ایک جوڑی پستول اور ایک پیش قبض بہ طور تحفہ بھیجی۔

اخوند صاحب چند آدمیوں کے ساتھ چترال گئے اور سید صاحب پنجتار پہنچ چکے تھے۔ جب یہ واپس آئے، سلیمان شاہ نے بھی چند چیزیں بطور تحفہ بھیجیں۔ مثلاً: ایک قرآن مجید خوش خط اور مطلا، ایک پیش قبض فولادی، شیر ماہی کے دستے کی جس کی تہنال اور مہنال نقرئی تھی۔ تسمے کے بجائے اس میں کلابتون اور ریشم کے گوندھے ہوئے ڈورے تھے اور دستے کے حلقے میں کلابتون اور ابریشم کا جھبا تھا۔(۲)

اخوند صاحب اس کے بعد بھی دو تین مرتبہ چترال گئے اور آئے۔ مزید معلوم ہوا کہ ان کا اصل وطن غزنی شہر یا آس پاس کا علاقہ تھا، اس لئے کہ بعض روایتوں میں انہیں

(۱) وقائع ص: ۹۸۲۔　　(۲) وقائع ص: ۵۲۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اخوند فیض محمد غزنوی لکھا ہے۔ نیز وہ واقعہ بالاکوٹ کے بعد اس جماعت میں شامل تھے جو شیخ ولی محمد کی سرکردگی میں اس غرض سے سوات گئی تھی کہ سید صاحب کی چترالی بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کی تدبیر کرے۔ جب کوئی صورت نہ بن سکی تو یہ جماعت سوات سے بونیر لوٹ گئی۔ بعد ازاں شیخ ولی محمد کو فتح خاں پنجتاری نے اپنے ہاں بلا لیا۔

امجد خاں

یہ کٹنی (گوتنی) کے باشندے تھے۔ سید صاحب نے انہیں ایک جیش کا امیر بنادیا تھا۔ غالباً آپ کے ساتھ سرحد پہنچے۔ سوات کے دورے میں شریک تھے۔ درش خیل میں انہیں کے کہنے پر مولوی فتح علی ایک پیسے کا آٹا بنئے کی دکان سے لینے گئے تو اس نے سوات کے اوزان کے مطابق سات سیر آٹا دیا جو ٹونک کے اوزان کے مطابق ساڑھے تین سیر ہوا۔ غالباً شنکیاری کی جنگ تک سرحد میں موجود تھے۔ اس جنگ میں سید جعفر علی نقوی جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور کٹنی پہنچے، اس زمانے میں امجد خاں تازہ تازہ سرحد سے آئے تھے۔

امام الدین بمبئی والے

یہ سید صاحب کے مخلص مرید اور بڑے دیندار بزرگ تھے۔ جب خیر الدین نے اٹک پر حملے کی تجویز پیش کی تھی تو سید صاحب نے مولوی امام الدین ہی کو دو آدمیوں کے ساتھ بہ تبدیل لباس اٹک بھیجا تھا، تاکہ حالات کی چھان بین کرائیں۔ انہوں نے دس دن اٹک میں گزار کر تمام حالات دریافت کیے۔ انہیں کی رپورٹ پر ایک خاص جیش اٹک بھیجا گیا، جس کے حالات ''سید احمد شہید'' میں تفصیلاً مذکور ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حاجی زین العابدین

اس زمانے میں سید صاحب سے ارادت پیدا ہوئی جب آپ نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے اور حاجی زین العابدین بھی سپاہیوں میں شامل ہوئے۔ ابتدا میں لاابالی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک موقع پر سید صاحب کی مجلس میں پہنچے اور آپ کی نظر پڑی تو کایا پلٹ گئی۔ نواب وزیر الدولہ نے کیا خوب لکھا ہے:

روزاں وشباں بہ گرد مرداں می گرد ❁ مردے گردی چو گردِ مرداں گردی

ٹونک میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ سید صاحب کی خاندانی دلق انہیں کے پاس تھی۔ ایک مرتبہ ٹونک سے باہر بیٹھے بیٹھے حج کا خیال آیا، وہیں سے روانہ ہو گئے۔ دلق سید برکت علی بن سید محمود کے ہاتھ نواب وزیر الدولہ کے پاس بھیج دی کہ وہ اسے سید صاحب کی اہلیہ محترمہ کے یہاں پہنچا دیں۔ نواب نے وضو کیا اور دلق کا بقچہ اپنے سر پر رکھ کر پیدل سید صاحب کی اہلیہ کے مکان پر پہنچے اور خود یہ گراں قدر تحفہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ سیدہ اتنی خوش ہوئیں کہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر نواب صاحب کو کھلایا۔

سید عبدالرؤف

یہ ہابڑہ علاقہ سرحد کے باشندے تھے۔ ابتدا ہی میں سید صاحب سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جنگ شیدو کے بعد چنگلئی کے سفر میں سید صاحب کے ہمراہ رہے۔ اتمان زئی کی جنگ میں بھی ساتھ تھے اور عالم خاں رئیس اتمان زئی کی نیت بدل جانے کی پہلی اطلاع انہیں نے سید صاحب کو پہنچائی تھی۔

ایک مرتبہ سید صاحب کے پاس شکایت کی کہ شاہ اسمٰعیل مجھے گھر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ دنیاداروں کے نوکر کبھی بلا اذن نہیں جاتے، پھر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

''کون کس کام کے لائق ہے، اس کا فیصلہ امام کے ہاتھ ہے۔ جو لوگ میرے ساتھ رہیں گے، وہ مولوی ہوں یا ملا، ان سے جہاد کا کام لینے میں رعایت نہ کروں گا۔ جہاد میں ملا اور سید کو دوسروں سے آگے رہنا چاہیے۔''

محمد عرب اور فرج اللہ

یہ عرب سے سید صاحب کے ساتھ آئے تھے۔ بڑے مخلص اور نہایت عقیدت مند تھے۔ لشکر اسلام کا نشان فتح اللہ انہیں کے پاس رہتا تھا۔ پھر یہ نشان فرج اللہ کے حوالے ہو گیا۔ والدہ نے یہ کہہ کر فرج اللہ کو سید صاحب کے حوالے کیا تھا کہ آپ کی زندگی ٹھیک کاموں میں گذرے گی۔ اس نے اہل سمہ کی سازشِ قتل میں شہادت پائی۔

داراب اور غریب اللہ

یہ دونوں علاقہ گورکھپور کے تھے۔ شیخ داراب اسب میں سید صاحب کے ساتھ تھے۔ مغرب کے بعد اندھیرا ہو گیا تو سید جعفر علی نقوی کی تلاش میں نکلے جو سید صاحب کے پاس بالا خانے میں تھے۔ راستے میں ایک کوٹھری کی چھت ٹوٹی ہوئی تھی، انہیں خیال نہ رہا اور چلتے چلتے اس میں گر گئے۔ سید صاحب نے گرنے کی آواز سنی تو فوراً باہر تشریف لائے اور پوچھا: بھائی! کون ہے۔ شیخ داراب نے اپنا نام اور پتا بتا دیا۔ پھر پوچھا: بھائی! چوٹ تو نہیں لگی؟ شیخ نے عرض کیا آپ کی دعاء سے محفوظ رہا۔

غریب اللہ کا ذکر جنگ بالاکوٹ کے بعد آیا۔ وہ یوں کہ سید جعفر علی نقوی کے بیان کے مطابق غریب اللہ نے مراجعت کا ارادہ کر لیا اور نقوی سے کہا کہ کوئی خط اپنے والدین کو دینا چاہو تو لے جاؤں۔ چنانچہ نقوی کے والدین کو سید صاحب کی شہادت کی پہلی خبر غریب اللہ ہی کے ذریعے سے ملی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسواں باب:

مختلف اصحاب (۲)

حاجی بہادر شاہ خاں

سید صاحب کے قدیم مخلصین میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں ہندوستان بھی بھیجا گیا تھا۔ سکھوں سے مصالحت کی گفتگو میں یہ مولوی خیر الدین شیر کوٹی کے رفیق تھے۔ انتظامِ عشر کے بعد انہیں تحصیل کیلئے گڑھی امان زئی میں مقرر کر دیا گیا تھا۔ جس زمانے میں اہل سمہ نے مجاہدین کے قتل کی سازش مکمل کر لی تھی۔ حاجی بہادر شاہ خاں سید صاحب سے ملنے کیلئے پنجتار آئے ہوئے تھے۔ وہ گڑھی امان زئی واپس جاتے ہوئے اسمعیلہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے بہ اصرار روک لیا۔ وہ لوگ حاجی صاحب کے بڑے عقیدت مند تھے۔ پر تکلف کھانا کھلایا۔ عشاء کی نماز میں انہیں امام بنایا۔ جب وہ پہلی رکعت کے سجدے میں گئے تو موضع کے خان اسمٰعیل نے تلوار سے ان کا سر قلم کر ڈالا۔ مولانا مظہر علی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد اہل سمہ کے قاتلانہ حملوں کا آغاز حاجی بہادر شاہ خان ہی سے ہوا۔

سدم کے شہداء

گڑھی امان زئی علاقہ سدم کی تحصیل پر حاجی بہادر شاہ خاں کے علاوہ حاجی محمود خاں بھی مقرر رہتے تھے اور وہ پندرہ مجاہدوں کے ساتھ سدم میں مقیم تھے۔ بلوے کے آثار نمودار ہوئے تو محمود خاں اپنی جماعت کو لے کر جواُن کے بیٹے اور بھائی کے شمول سے سترہ پانچ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چکی تھی، باہر ندی پر جا ٹھہرے۔ مبین خاں رئیس سدم نے پاس جا کر ایسے انداز میں اظہار خیال کیا کہ مجاہدین فریب میں آگئے۔ ان سے بہ لطائف الحیل ہتھیار لے لئے گئے۔ پھر ایک دم ان پر حملہ بول دیا گیا۔ سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ سب کو انتہائی بے رحمی سے قتل کیا۔ بعض کو زمین پر گرا کر بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ ان میں سے صرف دو بچ سکے۔ شہداء میں سے مندرجہ ذیل کے سوا کسی کا نام معلوم نہ ہوسکا:

حاجی محمود خاں، ان کا بیٹا یوسف خاں، بھائی عظیم اللہ خاں، دو بھتیجے برہان الدین اور عبدالوہاب، کریم بخش جراح، استاد خدا بخش پھلکیت ساکن جھاؤں۔

قابل غور امر یہ ہے کہ محمود خاں اہل سدم کے ہم قوم تھے ان کے بھائی عظیم اللہ خاں کو خود ان کے خسر نے ذبح کیا اور اپنی بیٹی کو بیوہ بنا دیا۔

شیوہ کے شہداء

موضع شیوہ میں جو مجاہدین مامور تھے، ان میں سید امیر علی بلوے کے ابتدائی آثار دیکھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر پنجتار چلے گئے، اس لئے کہ ان کے پاس بیت المال کے پانچ ہزار روپے جمع تھے اور بیت المال کے روپے کی حفاظت ان کے نزدیک جان پر مقدم تھی۔ حافظ عبدالعلی پھلتی انہیں گاؤں سے باہر پہنچا گئے اور خود یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے کہ اس نازک وقت میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ راتوں رات گاؤں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ تمام مجاہدین میں سے صرف ایک شیخ گلاب بچ کر پنجتار پہنچے۔ شہداء میں سے صرف حافظ عبدالعلی، حافظ عبداللہ، شیخ ناصرالدین اور مولوی محمد رمضان کے نام معلوم ہو سکے۔ حافظ عبدالعلی پھولڑہ کی جنگ میں بھی شریک تھے۔ وہاں سے سلامت اسپ پہنچے تو خاص رفیقوں کی مجلس میں بار بار حسرت سے کہا کرتے تھے کہ شہادت نصیب نہ ہوئی۔ کیا معلوم تھا کہ ان کی شہادت غیروں کے ہاتھ سے نہیں، اپنوں کے ہاتھوں سے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقدر تھی۔

ترلانڈی اور ترکئی کے شہداء

ترکئی اور یاروسین کے شہداء میں سے محمد حسین، مولوی امیرالدین اور ریاست علی موہانی کے نام معلوم ہیں۔ ریاست علی نہایت خوش گلو تھے اور جنگ کے موقع پر جہادیہ خوش آہنگی سے پڑھا کرتے تھے۔ ترلانڈی میں کم از کم پانچ ہزار سوار تھے۔ ان میں سے صرف ایک لکھمیر خاں سلامت بچے۔

مینئی کے شہداء

مینئی میں میر حامد علی جھنجھانوی پن چکیوں کے انتظام پر مامور تھے۔ ان کے ساتھ بیس پچیس آدمی رہتے تھے۔ وہ سید صاحب کا حکم پاتے ہی آٹا لے کر پنجتار چلے گئے۔ صرف تین آدمیوں کو غلے کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے۔ عین اسی وقت پیر خاں مورائیں پینتیس مجاہدوں کے ساتھ کھتل سے مینئی پہنچ گئے۔ انہیں خطرے کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن لمبی منزل طے کر کے آئے تھے، اس لیے ستانے کی غرض سے ٹھہر گئے اور مسجد میں رات گزاری۔ راتوں رات مسجد کا محاصرہ کر لیا گیا۔ پینتیس مجاہدوں میں دو غلے کے گودام میں پہنچ گئے تھے: ایک یوسف علی خاں اور دوسرے حبیب خاں بیر وال۔

جن مجاہدوں کو میر حامد علی خاں چھوڑ گئے تھے ان میں سے صرف دو کے نام معلوم ہیں: ایک خدا بخش رام پوری، دوسرے داؤد خاں خورجوی۔ غرض یہ چار (خدا بخش، داؤد خاں، یوسف علی خاں اور حبیب خاں) ایک ملا کی خیر خواہی کے باعث بچ گئے۔ مسجد کے پینتیس مجاہدوں میں سے صرف آٹھ سلامت رہے، باقی سب نے مینئی میں جامِ شہادت نوش کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید چراغ علی شاہ

یہ پٹیالہ کے باشندے تھے۔ اکثر مہموں میں شریک رہے۔ اتمان زئی پر پیش قدمی کے دوران میں بیت المال کی بہت بڑی رقم بمقام ٹوپی دفن کردی گئی تھی۔ اتمان زئی سے مراجعت پر جس جماعت کو یہ رقم لانے کیلئے بھیج گیا، ان میں سید چراغ علی شاہ بھی شامل تھے۔ گویا یہ معتمد علیہ مجاہدوں میں شمار ہوتے تھے۔ یوم بالاکوٹ کی صبح کو سکھ فوج مٹی کوٹ کے ٹیلے پر نمودار ہوئی تو اکثر مجاہدین کھانا کھا چکے تھے۔ سید چراغ علی شاہ نے کھیر چولہے پر چڑھا رکھی تھی۔ کفگیر ہلاتے جاتے اور وقتاً فوقتاً نظر اٹھا کر سکھوں کو دیکھ لیتے۔ اچانک ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ کفگیر اٹھا کر دیگچی پر مارتے ہوئے کہا: بس اب حور ہی کے ہاتھ سے کھانا کھائیں گے۔ پھر تیزی سے مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا اور کسی کو انہیں روکنے کا موقع نہ مل سکا۔ تھوڑی دیر میں اتنی دور جا چکے تھے کہ انہیں روکنا بے سود معلوم ہوا۔ اسی حالت میں گولی لگی اور شہید ہوگئے۔ یوم بالاکوٹ کے یہ پہلے شہید تھے۔

باقر علی عظیم آبادی

یہ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کے چچیرے بھائی تھے۔ سفر ہجرت کے دوران میں کھنیسر اور براڑی کے مقامات پر لوگ غلط فہمی میں جماعت مجاہدین کو قزاقوں اور رہزنوں کا قافلہ سمجھ بیٹھے اور مقابلے کے لئے تیار ہوگئے۔ دونوں جگہ سید صاحب نے شیخ باقر علی ہی کو ترجمان کے ساتھ بھیجا کہ لوگوں کی غلط فہمی کو دور کردیں۔ انہیں رسد کی تقسیم میں مولانا محمد یوسف پھلتی کا معاون بنا دیا گیا تھا۔ اس لئے قاسم غلہ کے لقب سے مشہور تھے۔ جنگ اکوڑہ سے جہاد کا آغاز ہوا۔ مولوی باقر علی اس میں شریک تھے۔ سکھ لشکر گاہ سے جو پہلی گولی آئی وہ انہیں کے لگی۔ زخم کاری تھا، بیٹھ گئے اور بولے: بھائیو! میرا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کام تمام ہوا۔ اب مجھ سے ہتھیار لے لو، یہ اللہ کا مال ہے۔ ساتھ ہی ان کی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔ سید صاحب کی جماعت کے وہ پہلے فرد تھے جنہیں خلعتِ شہادت نصیب ہوا۔ ان کے پاس ایک تلوار تھی اور دو پستول اور ایک بندوق۔ پستولوں میں سے ایک کا نام عبداللہ رکھا تھا اور دوسرے کا بسم اللہ۔

مولوی طالب علی

یہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔ صرف اٹھارہ انیس برس کی عمر تھی۔ سید صاحب کے ساتھ سرحد پہنچے، جنگِ شیدو کے بعد ورمِ جگر و طحال میں مبتلا ہو کر بمقام چنگلئی فوت ہوئے۔

کریم بخش گھاٹم پوری

یہ سید صاحب کے ابتدائی رفیقوں میں سے تھے۔ ہجرت میں ساتھ تھے۔ سید حمید الدین کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب امیر خاں نے ٹونک سے کچھ چھکڑے بار برداری کے لئے سید صاحب کے ساتھ کر دیے تھے۔ ایک چھکڑا سید صاحب کا بھی تھا۔ اجمیر سے پالی پہنچ کر معلوم ہوا کہ چھکڑے ریت میں کام نہ دے سکیں گے، لہٰذا انہیں واپس کرنا پڑا۔ کریم بخش ہی ان کے ساتھ ٹونک واپس آئے تھے اور سید حمید الدین نے ایک خط اس غرض سے انہیں دے دیا تھا کہ اجمیر پہنچ کر ڈاک میں ڈال دیں۔

یقین ہے کہ یہ چھکڑے ٹونک پہنچا کر جلد واپس چلے گئے ہوں گے۔ جنگِ مایار کے موقع پر یہ بھی تورو میں تھے۔ اُدھر لڑائی شروع ہوئی اِدھر انہوں نے اپنے ساتھیوں کے لئے روٹیاں پکائیں اور کمر میں باندھ کر میدانِ جنگ کی طرف چلے۔ راستے میں درانی سوار مل گئے جو لشکرِ اسلام کے سواروں سے لڑتے بھڑتے آ رہے تھے۔ کریم بخش ان میں گھر گئے، کسی نے تلوار مار کر انہیں شہید کر ڈالا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنگ مایار میں جو مجاہدین تو رو سے قریب شہید ہوئے تھے، ان سب کو قصبے کے شمالی
و مغربی کونے میں ایک بڑی قبر کھدوا کر دفن کیا گیا تھا، انہیں میں کریم بخش بھی تھے۔

حافظ جانی و حافظ مانی

یہ دونوں پانی پت کے تھے، بڑے پرہیزگار اور مطیع و فرمانبردار، غالباً اہل لشکر ان
سے قرآن بھی پڑھا کرتے تھے۔ سید حمید الدین کے ایک مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ سید
احمد علی (خواہر زادہ سید صاحب) کے فرزند سید ابوالقاسم سفر ہجرت میں انہیں تین پارے
روزانہ سنایا کرتے تھے۔

قاضی علاء الدین بگھروی

یہ مولانا عبدالحیٔ کے شاگرد اور وقت کے ممتاز عالم تھے۔ سید صاحب کے ایماء سے
اسلامی مسائل نظم کر رہے تھے تا کہ عام خواندہ مسلمان انہیں بہ آسانی یاد کر لیا کریں۔ اس
کے ابتدائی شعر یہ تھے:

کروں حمد اس ذات بے عیب کی ✿ صمد اور غنی عالم الغیب کی
جو محتاج ہرگز کسی کا نہیں ✿ اسی کے ہیں محتاج سب ہر کہیں

جتنا حصہ نظم کر لیتے تھے، وہ شاہ اسماعیل کو سنا دیا کرتے تھے تا کہ کوئی غلطی یا خامی
حتی الامکان باقی نہ رہے۔ بالاکوٹ میں شہادت پائی اور رسالہ مکمل نہ ہو سکا۔

مایار کے شہداء

جنگ مایار کے بعض ممتاز شہداء کے حالات الگ لکھے جا چکے ہیں۔ باقی اصحاب
میں سے بعض کی کیفیت یہ ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ مولوی عبدالرحمن ساکن تورو: یہ ابتدا ہی سے سید صاحب کے ساتھ ہو گئے تھے سفارت و مصالحت کے کام زیادہ تر انہیں سے لئے جاتے تھے۔ مایار میں ان کا سر تن سے الگ ہو چکا تھا۔

۲۔ شیخ عبدالحکیم پھلتی: ان کا سر بھی تن سے الگ ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے ڈھونڈ کر لائے اور اسے تن سے ملا کر دفن کیا۔

۳۔ لعل محمد: وطن معلوم نہ ہو سکا۔ یہ سید صاحب کے باورچی خانہ سے متعلق تھے۔

۴۔ شیخ عبدالرحمٰن رائے بریلوی: جنگ میں سخت زخمی ہوئے، تورو لا کر ان کے زخم سیے گئے۔ کچھ باتیں بھی کیں، پانی بھی پیا، پھر جاں بحق ہو گئے۔ شہدائے مایار میں سے یہی تھے جنہیں غسل بھی دیا گیا اور کفن بھی پہنایا گیا۔

کنیر ڑی کے شہداء

ان میں سے امام خاں کے حالات الگ لکھے جا چکے ہیں۔ باقی شہداء کے نام یہ ہیں:

(۱) سید ظہور اللہ بنگالی۔ (۲) فیض اللہ بنگالی۔

(۳) حاجی عبداللہ رام پوری۔ (۴) سید مدد علی۔

(۵) سید دلاور علی: ان کے گولی لگی تو یہ گرے، رفیقوں نے ہاتھ پکڑ لئے نیچے سے پائندہ خاں تنولی کے آدمی ان کے پاؤں پکڑ کر کھینچنے لگے۔ امام خاں نے ذرا آگے بڑھ کر بندوق سر کی تو ان کی کنپٹی میں گولی لگی اور وہ بھی شہید ہو گئے۔

چھتر بائی کے شہداء

چھتر بائی کی محافظ فوج کے سرعسکر شاہ اسمٰعیل شہید تھے۔ حافظ عبداللطیف نیوتنوی نے ایک مرتبہ بہ طور خود مجاہدین سے کہہ دیا کہ نماز عصر کے بعد گڑھی پر حملہ ہو گا۔ مجاہدین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سمجھے کہ شاہ صاحب کا حکم ہوگا، حالاں کہ وہ اس سے بالکل بے خبر تھے۔ حملہ ناکام رہا اور اس میں چند مجاہدین شہید ہوئے جن میں سے شیخ علی محمد کے حالات الگ لکھے جا چکے ہیں۔ اخوند زعفران کے سینتڑے میں آگ لگ گئی اور جسم جگہ جگہ سے جل گیا۔ کچھ مجاہدین زخمی بھی ہوئے، مثلاً نہال خاں، ملا گلزار قندھاری، رحیم بخش بناری۔

سید مردان علی شاہ

یہ رضوی سید تھے۔ جد اعلیٰ بہ عہد فیروز تغلق مشہد سے ملتان آئے۔ پھر دہلی ٹھہرتے ہوئے جھجر میں مقیم ہو گئے۔ سید مردان بن علی مختلف شہروں میں پھرتے رہے۔ لکھنؤ میں سید صاحب سے بیعت کی تھی اور باقاعدہ خلافت نامہ حاصل کیا۔ یہ بھی ان اصحاب میں سے تھے، جنہیں سید صاحب نے تبلیغ جہاد کے لئے مقرر فرمادیا تھا۔ گردونواح کے علاقے میں دورہ کرتے جھجر، ریواڑی، الور اور تجارہ کے مسلمان ان کے وعظ و تبلیغ سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ جماعت مجاہدین کیلئے رقمیں اور آدمی فراہم کرتے تھے۔ ریواڑی اور اطراف کے سیدوں، قاضیوں اور دوسرے افراد نے ایک مرتبہ اجتماع منعقد کرکے فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانوں میں جو غیر اسلامی رسمیں رائج ہو چکی ہیں، انہیں حتمی طور پر ترک کردیا جائے۔ یہ سید مردان علی شاہ ہی کی تبلیغی کوششوں کا ایک کرشمہ تھا۔

سید مردان علی شاہ کے پاس ایک خاص بیاض تھی، جس میں سید صاحب کا خلافت نامہ درج تھا، نیز ان کے سفر حج اور مجاہدانہ سرگرمیوں کی تفصیلات مرقوم تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں جھجر بری طرح تباہ ہوا، اس میں یہ بیاض بھی ضائع ہوگئی۔ سید مردان علی شاہ کے فرزند ارجمند سید قاسم علی شاہ نے پھر محنت و کوشش سے بیاض تیار کرلی تھی۔ وہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ نقلِ وطن میں ضائع ہوگئی۔ سید قاسم علی شاہ کے نواسے سید صادق علی شاہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آج کل سندھ میں مقیم ہیں۔ (۱)

(۱) سید مردان علی شاہ کے متعلق یہ حالات مجھے پروفیسر محمد سلیم صاحب لیکچرار گورنمنٹ کالج میرپور خاص سے معلوم ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اکتیسواں باب:

مختلف اصحاب (۳)

مولوی محمد حسن

مولوی صاحب موصوف رام پور منہاران کے تھے۔ شاہ اسماعیل شہید اور مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے علم کی تکمیل کی۔ (۱) بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدا میں نازک طبع اور نفاست پسند تھے، اگرچہ "ارواحِ ثلاثہ" میں ان کی نازک مزاجی کے علاج کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ کسی لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ دورانِ جہاد میں انتہائی سادگی سے زندگی گزاری، یہاں تک کہ اپنے لیے سونے کی بھی کوئی خاص جگہ مقرر نہ کی۔ سید صاحب کی باتیں سننے کے شوق میں پاس بیٹھے رہتے، نیند آتی تو وہیں زمین پر سو جاتے۔

مولوی محبوب علی دہلوی قافلہ لے کر سرحد پہنچے تو راستے کی تکلیفوں سے اس قدر پریشان ہوئے کہ واپسی کا قصد کر لیا اور مجاہدین سے بھی کہنا شروع کر دیا کہ گھر واپس چلو اور اقربا کے جو حقوق تمہارے ذمے ہیں، انہیں ادا کرو۔ دوسرے مجاہدین کے علاوہ مولوی محمد حسن نے بھی اس موقع پر مولوی محبوب علی سے گفتگو کی تھی:

محمد حسن: حضرت! آپ کس دلیل سے مجاہدین کے قیام کو لغو ٹھہراتے ہیں؟

محبوب علی: آخر میاں کس کافر سے جنگ درپیش ہے؟

محمد حسن: جنگ کو قتال کہتے اور اس کا موقع گاہے گاہے آتا ہے۔ جہاد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے سعی کی جائے۔ یہاں سب لوگ اس کام میں مصروف ہیں، آپ انکے

(۱) ارواحِ ثلاثہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فعل کو عبث قرار دیتے ہیں؟ اگر کسی روز کافروں سے مقابلہ پیش آجائے اور آپ دہلی میں ہوں تو کونسی کرامت سے دور دراز کا راستہ طے کرتے ہوئے اس میں شریک ہوسکیں گے؟

مولوی محبوب علی یہ دلیل سن کر لاجواب ہوگئے۔

شہادت

فتح امب کے بعد پائندہ خاں تنولی سے مصالحت کی گفتگو شروع ہوگئی تو ایک مرتبہ شیخ ولی محمد پھلتی اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی کے علاوہ مولوی محمد حسن کو بھی سید صاحب نے پائندہ خاں کے پاس بھیجا تھا اور وہ سید صاحب کی مجلس شوریٰ کے بھی مستقل رکن تھے، یعنی تمام اہم مشوروں میں شریک ہوتے تھے۔

سید احمد علی رائے بریلوی کو سالار اعلیٰ بنا کر پھولڑہ بھیجا گیا تو مولوی محمد حسن کو ان کا مشیر خاص مقرر کر دیا گیا۔ یہ اور رحیم بخش جراح جنگ کے وقت پاس کھڑے تھے۔ جب سید احمد علی کی شہادت کا علم ہوا تو ایک دم گھمسان کے رن میں گھس گئے اور مردانگی سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ پھولڑہ ہی کے گنج شہیداں میں سید احمد علی اور دوسرے رفقاء کے ساتھ دفن ہوئے۔ ''منظورہ'' کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل کے بعد لشکر اسلام میں عجز، علم، خاکساری اور قابلیت کے لحاظ سے مولوی محمد حسن جیسا کوئی نہ تھا۔

میرزا عبدالقدوس کشمیری

یہ جنگ پھولڑہ میں شریک تھے۔ اگرچہ پیدل تھے، لیکن دیر تک سکھ سواروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب کوئی سکھ سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کی طرف آتا تو دسترس میں آتے ہی بجلی کی سرعت سے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لیتے اور چشم زدن میں تلوار سے اس کا سر اڑا دیتے۔ کوئی سوار نیزہ تان کر آتا تو اس کا مقابلہ بھی خوب کرتے۔ اگر نیزہ دائیں جانب ہوتا تو اس کے قریب پہنچتے ہی یہ اچھل کر بائیں جانب ہوجاتے۔ نیزے کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رخ بائیں جانب ہوتا تو دائیں جانب چلے جاتے۔ پہلے نیزہ کاٹتے پھر سوار کا سر قلم کرتے۔ کئی سواروں کو موت کے گھاٹ اتارا، آخر خود بھی جامِ شہادت پی کر زندۂ جاوید گروہ میں شامل ہو گئے۔

میر احمد علی بہاری

بڑے خوش رو اور سرو قامت جوان تھے اور حد درجہ دلیر و جواں مرد۔ تلوار اور بندوق چلانے میں یکساں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ بہت سے سکھوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ آخر دشمن سواروں کے ایک گروہ نے انہیں زغے میں لے لیا۔ میر صاحب بولے: ذرا ٹھہر جاؤ، میں بھاگ نہ جاؤں گا، مجھ پر گولی نہ چلاؤ اور میری شمشیر زنی کے جوہر دیکھ لو۔ پھر خاصی دیر تک تمام سواروں سے تنہا لڑتے رہے، جس پر ان کی تلوار پڑ جاتی یا تو سر قلم ہو جاتا یا بازو کٹ جاتا یا پاؤں اڑ جاتا۔ آخر ایک سکھ نے گولی مار کر انہیں شہید کر دیا۔

امام خاں سہرامی اور شیخ برکت اللہ بھی پھولڑہ ہی میں شہید ہوئے۔ آخر الذکر کے سینگڑے میں آگ لگ گئی جس سے سارا جسم جل گیا، اسی حالت میں انہیں شہید کیا گیا۔

شہیدانِ ڈمگلہ

ڈمگلہ کی جنگ میں صرف دو مجاہدوں کی شہادت کا علم ہو سکا: ایک عبدالخالق محمد آبادی، دوسرے سید لطف علی۔ یہ دونوں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ مجاہدین نے واپس جانے سے پیشتر تمام زخمیوں کو اٹھانے کا بندوبست کر لیا، لیکن ان دونوں نے کہہ دیا کہ ہمارے ہتھیار لے لو اور اٹھانے کی تکلیف گوارا نہ کرو۔ ہمیں اسی میدان میں جان دینا پسند ہے۔

قاضی مدنی

سید صاحب کے خاص معتقدوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ زمان درانی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وکیل جمال الدین نے ایک کتے کے سر میں تیر مارا، تیر اسکے سر میں گھس گیا اور وہ پریشان حال اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔ سید صاحب بہت ناراض ہوئے کہ ایک بے ضرر جانور کو خواہ مخواہ اذیت پہنچائی۔ قاضی مدنی کتے کے پیچھے بھاگے اور اس کے سر سے تیر نکال کر دم لیا۔

لاہوری قاضی صاحب ہی کا سائیس تھا، جسے ایک مرتبہ عنایت اللہ خاں نے جو جماعتِ خاص کا آدمی تھا، تھپڑ مارا اور مقدمہ قاضی حبان کے سامنے پیش ہوا۔ آخر قاضی حبان نے فیصلہ لاہوری کے حق میں صادر کر دیا۔ اس وقت لاہوری نے عنایت اللہ خاں کو معاف کر دیا۔

ملا اسماعیل اخوندزادہ

ملا صاحب اہل سرحد میں سے تھے۔ جب شاہ اسماعیل کو ابتداء میں ہزارے بھیجا گیا تو یہ بھی شاہ صاحب کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنے خطوں میں اخوندزادہ کے علم وفضل، اخلاص وتقویٰ، عقل ودانش، حسن تدبیر اور اصابتِ رائے کی بار بار ستائش فرمائی۔ ایک موقع پر لکھا:

> ''ملا اسماعیل اخوندزادہ نہایت ہوشیار ودیانت دار ہیں اور مشاورت ومصالحت میں پختہ کار۔ وہ ان اطراف (ہزارہ) کے تمام فضلا کے پیش کار ہیں اور جملہ خوانین کے معتمد۔ دین کے کام میں بجان مصروف ہیں اور تالیف وترغیب میں بدل مشغول۔''

ارباب فیض اللہ خاں مہمند

یہ ہزار خانی (نزد پشاور) کے رئیس تھے۔ سلطان محمد خاں نے انہیں کے ذریعے سے سید صاحب کے پاس مصالحت کا پیغام بھی بھیجا تھا اور انہیں کے ذریعے سے صلح کی گفتگو پایۂ تکمیل پر پہنچی تھی۔ ارباب نے بات چیت کے دوران میں عرض کر دیا تھا کہ اگر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سلطان محمد خاں اور اس کے بھائی مصالحت کے بعد بھی پرانی روش پر قائم رہیں گے تو میں ان کا ساتھ چھوڑ کر سید صاحب کی رفاقت اختیار کر لوں گا۔

سید صاحب کی طرف سے شاہ اسماعیل نے دو مرتبہ سلطان محمد خاں سے ارباب کے وطن ہزار خانی ہی میں بات چیت کی۔ پھر سید صاحب سے سلطان محمد خاں کی ملاقات قرار پا گئی تو جس طرح سید صاحب کے ساتھ شاہ صاحب اور ارباب بہرام خاں اس ملاقات کیلئے گئے، اسی طرح سلطان محمد خاں کے ساتھ ارباب فیض اللہ خاں اور سردان علی آئے۔ سید صاحب پشاور سے واپس پنجتار جانے کیلئے تیار ہوئے تو ارباب فیض اللہ خاں نے ہزار خانی میں پورے لشکر کے لئے پر تکلف دعوت کا انتظام کیا۔

کچھ مدت بعد ارباب کو یقین ہو گیا کہ سلطان محمد خاں کے طور طریقوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اغلب ہے انہیں اس سازش کے متعلق بھی سرسری اطلاعات مل چکی ہوں جو مجاہدین کے لئے بے خبرانہ قتل کے متعلق کی جا رہی تھی۔ لہٰذا انہوں نے ایک مخلص دوست کی حیثیت میں مولانا مظہر علی قاضی پشاور کو آگاہ کر دیا کہ ان لوگوں کی نیت میں فتور ہے اور یہ بغاوت کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ سید صاحب کو اطلاع دے کر مناسب ہدایات حاصل کر لیں۔

سلطان محمد خاں نے سازش مکمل ہو جانے کے بعد جہاں مولانا مظہر علی اور ان کے رفیقوں کو خاک و خون میں تڑپایا وہاں ارباب فیض اللہ خاں کو بھی شہید کر ڈالا، اس لئے کہ اسے یقین تھا کہ ارباب بہر حال سید صاحب کا ساتھ دے گا۔

ناصر خاں بھٹ گرامی

یہ بھٹ گرام (علاقہ ننده یاڑ) کے رئیس تھے۔ ابتدائی دور ہی میں سید صاحب سے وابستگی پیدا کر لی تھی اور راہ وفا پر برابر قائم رہے۔ بالاکوٹ میں سید صاحب کے ساتھ تھے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور جنگ کے متعلق مختلف مشوروں میں شریک رہے۔ان کا مورچہ ست بنے کے کنارے شیخ ولی محمد کی جماعت کے بائیں ہاتھ تھا۔اس جنگ میں ان کا ہاتھ زخمی ہوا۔پھر جب میدان میں یہ افواہ پھیلی کہ سید صاحب کو گوجر اٹھا کر لے گئے ہیں،تو دوسرے مجاہدین کے ساتھ یہ بھی روانہ ہو کر بالاکوٹ کے عقبی پہاڑ پر پہنچے۔مجاہدین نے پہلی رات انہیں کے گاؤں میں گزاری تھی۔یہ بعد ازاں بھی سید صاحب کے رفیقوں کی مدارات واعانت میں سرگرم رہے۔جنگ بالاکوٹ سے دو تین سال بعد وفات پائی۔

اخوند سید میر

یہ عام طور پر ملا صاحب کوٹھا کے نام سے مشہور ہیں،جو تحصیل صوابی ضلع مردان کا ایک مشہور مقام ہے اور سید صاحب کے مخلص ارادت مند تھے۔بیعت اقامت شریعت کے بعد انہیں قریہ کوٹھا کا قاضی بنادیا گیا اور ۱۵ رشعبان ۱۲۴۴ھ کو ان کے نام باقاعدہ قضا نامہ جاری ہوا۔سید صاحب سے تعلق کی بنا پر ملا صاحب گوناگوں آلام ومصائب کے ہدف بنے۔ایک موقع پر انہیں وہابیت سے متہم کیا گیا اور ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی، لیکن وہ بہرحال صحیح اسلامی مسلک پر مستقیم رہے۔

اکابر ہند میں سے دو بزرگوں کو ملا صاحب سے خاص تعلق پیدا ہوا:ایک مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ والے،دوسرے مولانا سید عبداللہ غزنوی۔مولانا غلام رسول خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں پہلے اخوند صاحب سوات کے پاس پہنچا جو بڑے زاہد،عابد اور متقی تھے،لیکن سنت سے واقف نہ تھے۔واپسی پر تربیلہ کے ایک نمبردار سے ملا صاحب کا ذکر سنا،وہاں پہنچتے ہی تسکین ہوگئی۔میں نے سلسلہ بیعت دریافت کیا،فرمایا:

''میں بیعت شدہ سید احمد بریلوی مرشد مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوں۔(۱)

ان کے نرینہ اولاد نہ تھی حقیقی بھانجے صاحبزادہ عبداللطیف کو خانہ داماد بنالیا تھا۔ وہ بھی اجل فاضل تھے۔ افسوس کہ جوانی کی حالت میں انہیں شہید کرڈالا گیا۔ ان کے صاحبزادے (ملا صاحب کے نواسے) صاحبزادہ نواب سر عبدالقیوم صاحب تھے، جنہوں نے ہمارے ملک کی سیاست میں خاصی ناموری حاصل کی اور تعلیمی خدمات کے اعتبار سے بھی وہ ''صوبہ سرحد کے سرسید'' کہلاتے تھے۔

خواجہ محمد

حسن پوران کا وطن تھا اور سید صاحب کے خاص ارادت مندوں میں شمار ہوتے تھے ہر اہم موقع پر مشیروں یا رفیقوں میں ان کا نام ضرور آتا ہے۔ جنگ بالاکوٹ کے وقت سید صاحب نے جہاں اپنے لئے خاص لباس منتخب فرمایا، وہاں ایک ارخالق، سفید پاجامہ، دستار اور پشاوری لنگی خواجہ محمد کو بھی دی کہ صبح یہی پہننا۔ اسی طرح ایک ارخالق، سفید پاجامہ اور دستار حکیم قمرالدین پھلتی کو عنایت فرمائی۔ خواجہ محمد اور حکیم صاحب دونوں جنگ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

مولوی عبدالحق نیوتنوی

ان کے والد بزرگوار شیخ فضل اللہ کا اصل وطن نیوتنہ ضلع اناؤ تھا، لیکن انہوں نے بنارس میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس وجہ سے مولوی عبدالحق دونوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ سید صاحب کے ساتھ ابتدائی دور ہی میں وابستہ ہوگئے تھے۔ سفر حج میں ساتھ تھے۔ مزاج میں تیزی بہت تھی جاتے جاتے کلکتہ میں بعض آدمیوں سے مذہبی جھگڑا ہوگیا۔ حجاز کی فضا اس زمانے میں اہل نجد کے لئے بڑی ناسازگار تھی۔ کوئی شخص غیر شرعی

(۱) سوانح حیات مولانا غلام رسول ص ۱۰۰، ۱۰۱۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مراسم یا بدعات کے ردو ابطال میں ذرا سرگرمی دکھاتا تو سمجھ لیا جاتا کہ نجدی یا وہابی ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحق بھی مورد عتاب بنے اور ان پر مقدم قائم ہوگیا۔ مولانا عبدالحئی نے ضمانت دیکر چھڑایا پھر خود ہی جواب دہی کی، اس طرح مولوی عبدالحق رہا ہوئے۔ پھر وہ مکہ معظمہ سے صنعا چلے گئے اور قاضی شوکانی سے حدیث کی سند لے کر ہندوستان آئے۔

حافظ عبداللطیف

یہ مولوی عبدالحق کے بھائی تھے۔ ان کے مزاج میں بھی خاصی تیزی تھی۔ قیام چارسدہ کے دوران میں ایک شخص پکڑا آیا تھا جس پر جاسوس ہونے شبہ تھا۔ حافظ عبداللطیف نے اسے قتل کردینے کی تجویز پیش کی تھی، سید صاحب نے اسے چھوڑ دیا۔ سرحد میں ''اسقاط'' رائج تھا یعنی جب کوئی شخص فوت ہوجاتا تو اس کے وارث علماء کی مجلس بٹھاتے اور اس کے گناہوں کی بخشائش کے لئے قرآن دیتے۔ دستور یہ تھا کہ ایک عالم قرآن ہاتھ میں لے کر دوسرے کو دیتا، دوسرا تیسرے کو اسی طرح دور پورا کر کے قرآن پہلے عالم کے پاس آجاتا۔ سمجھا جاتا کہ یوں متوفی کے گناہ ساقط ہوگئے۔ حافظ عبداللطیف بھی ایک مرتبہ ایسی مجلس میں جا بیٹھے۔ قرآن ان کے پاس آیا تو لے کر چل دیے، اگرچہ ان کا مقصود یہ تھا کہ رسم اسقاط کی غیر شرعی حیثیت واضح ہوجائے، لیکن طریقہ ایسا اختیار کیا جو خواہ مخواہ دوسروں کے لئے رنجش کا باعث ہوا۔

چھتر بائی کا واقعہ

فتح امب کے بعد مجاہدین نے چھتر بائی کا محاصرہ کرلیا تھا۔ شاہ اسماعیل محاصرہ لشکر کے سالار تھے۔ ایک روز حافظ عبداللطیف نے مختلف مورچوں کو پھر پھر کر تاکید کردی کہ عصر کے بعد گڑھی پر حملہ ہوگا لہٰذا تیار رہو۔ شاہ صاحب اس سے بالکل بے خبر تھے۔ مجاہدین نے سمجھا کہ حافظ صاحب نے شاہ صاحب ہی کا پیغام پہنچایا ہوگا۔ چنانچہ حملہ ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جس میں حافظ صاحب خود بھی شریک تھے اور ناکام رہا۔ چند مجاہدین نے شہادت پائی۔ شاہ صاحب نے حافظ عبداللطیف کو سید صاحب کے پاس بھیج دیا اور آپ نے بہت ڈانٹا۔ یہ واقعہ بھی بدنیتی نہیں، صرف سوءِ تدبیر کا نتیجہ تھا۔

مراجعت

جنگِ بالاکوٹ کے بعد حافظ صاحب واپس چلے گئے۔ سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ میرٹھ کی ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ سید کے پاس سے بھاگ کر آئے ہیں۔ بس یہ سنتے ہی حافظ صاحب کو غصہ آ گیا۔ جھٹ منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کہنے لگے اور فرمایا:

> ''جہاد محض ان لوگوں ہی پر فرض نہ تھا جو لشکر اسلام میں شامل ہوئے، تمام مسلمانوں پر فرض تھا۔ پس وہ لوگ طاغی ہیں جو مجھے گریزہ (بھگوڑا) کہتے ہیں۔ اگر وہ محمدیوں میں سے تھے تو ادائے فرض میں متقاعد کیوں رہے؟ اگر فرض ادا نہ کیا تو ان کی حیثیت یہود و نصاریٰ کی سی ہے اور ایسے لوگوں سے مجھے کوئی غرض نہیں۔''

یہ سن کر سب لوگ مدارات کے لئے بڑھے لیکن حافظ صاحب یہ کہتے ہی مسجد سے نکل گئے اور کسی کی مدارات قبول نہ کی۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

خضر خاں قندھاری

یہ یقیناً قندھار یا اس علاقے کے باشندے تھے۔ سید صاحب نے سکھوں سے بالاکوٹ کا قصد فرمایا تو ضیاء الدین پھلتی اور خضر خاں کو تھوڑے آدمیوں کے ساتھ درۂ بھوگڑ منگ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ مولوی نصیر الدین منگلوری پہلے سے وہاں موجود تھے۔ خضر خاں نے بڑے ادب سے عذر کیا کہ جنگ درپیش ہے، اس موقع پر حضرت کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اجازت دیجئے کہ میں ہمرکاب رہوں اور بھوگڑ منگ میں کسی دوسرے آدمی کو بھیج دیجئے۔ سید صاحب نے سمجھایا کہ جہاں بھی آپ کو رکھا جائیگا، آپ جہاد ہی کا فرض انجام دے رہے ہوں گے۔ آخر امتثالِ امر میں خضر خاں کو بھوگڑ منگ جانا پڑا۔

عبدالرحیم

یہ نومسلم منشی محمدی انصاری کا رفیق تھا۔ منشی صاحب نے اپنی بندوق اسے دے رکھی تھی، لیکن تاکید کردی تھی کہ اگر جنگ چھڑ جائے تو بندوق فوراً میرے پاس پہنچا دینا۔ فتح ہنڈ کے بعد محافظوں کی یورشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ منشی صاحب اور عبدالرحیم ہنڈ ہی میں تھے۔ ایک روز عبدالرحیم اونٹ چرانے کیلئے باہر چلا گیا اور بندوق بھی ساتھ لے گیا۔ اس اثناء میں غنیم کے ایک گروہ نے یورش کردی۔ منشی صاحب بندوق کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ عبدالرحیم جوشِ حمیت میں خود شریکِ جنگ ہوگیا۔ سوءِ اتفاق سے بندوق کا چقماق گم ہوگیا۔ دوڑا دوڑا قلعہ میں آیا۔ منشی صاحب بندوق اٹھا کر خود جانے لگے لیکن انہیں موزوں چقماق نہ مل سکا۔ مجبوراً مستعمل چقماق کا ٹکڑا اٹھا کر لگالیا۔ انہیں خیال تھا کہ بندوق خالی ہے۔ عبدالرحیم نے بھی کچھ نہ بتایا۔ منشی صاحب نے لبلبی دبا دی تاکہ چقماق کے کارآمد ہونے کا اندازہ کرلیا جائے۔ اس کے چار ٹکڑے ہوگئے۔ منشی صاحب نے ان میں سے بڑا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ لگایا اور کہا کہ اگر یہ آگ دے گیا تو فی الحال اسی سے کام لوں گا۔ عبدالرحیم جانتا تھا کہ بندوق بھری ہوئی ہے لیکن اس نے منشی صاحب کی توضیح کے بعد بھی کچھ نہ بتایا۔ تقدیری بات منشی صاحب نے لبلبی دبائی، بندوق چلی اور گولی عبدالرحیم کے شانے کے نیچے کی ہڈی کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ دوسرے دن اسی صدمے سے وہ نیک دل جاں بحق ہوا۔ ۲۷ رصفر ۱۲۴۵ھ (۲۶ راگست ۱۸۲۹ء)۔

منشی صاحب کو اس واقعہ کا بڑا قلق تھا۔ عبدالرحیم سکراتِ موت میں بھی منشی صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو تسلی دیتے ہوئے کہتا رہا: بھائی صاحب! رنج وغم نہ کریں، آپ نے مجھے نہیں مارا۔ کو کیا معلوم تھا کہ بندوق بھری ہوئی ہے؟ میں بتا نہ سکا جو کچھ پیش آیا وہ تقدیری معاملہ تھا۔

حافظ الٰہی بخش

یہ تیرہ چودہ برس کا لڑکا تھا جو اپنے ماموں نور خاں کے ساتھ علاقہ سدم کے کسی گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جب اہل سمہ نے بے خبری میں منتشر مجاہدین پر قاتلانہ حملے کیے، تو جس گاؤں میں نور خاں اور الٰہی بخش ٹھہرے ہوئے تھے وہاں کے لوگوں نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ نور خاں شور وغل سن کر حالات دریافت کرنے کیلئے باہر نکلا۔ بھانجے سے تلوار مانگی۔ تلوار پہنچنے سے پیشتر نور خاں خاک وخون میں لوٹنے لگا۔ ایک بدبخت نے نوعمر حافظ کے سر پر تلوار ماری۔ دوسرے نے روک دیا کہ اسے نہ مارو ہم اسے غلام بنائیں گے۔ یوں حافظ الٰہی بخش کی جان بچ گئی۔ بچانے والا اسے اپنے گھر لے گیا اور بچوں کو قرآن پڑھانے پر لگا دیا۔ حافظ الٰہی بخش پشتو جانتا تھا، لیکن یہ راز کسی پر ظاہر ہونے نہ دیا۔ اس اثناء میں سید صاحب کے پاس پہنچنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔

اس کے پاس ایک بالغ شخص بھی قرآن پڑھنے کو آتا تھا، اس کے اخلاص کا اندازہ کر کے ہمراز بنایا۔ سید صاحب کے پاس پہنچانے کیلئے پانچ روپے اجرت طے ہوئی۔ موقع پا کر اس کی رہنمائی میں چھپ چھپا کر نکلا، راج دواری میں سید صاحب کے پاس پہنچ گیا اور اپنی اسیری کی کہانی سنائی۔

سر کا زخم بدستور تھا۔ نور بخش جراح نے زخم دیکھا تو کہا کہ پہلے معالج نے بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ سر کی ہڈی کا ایک حصہ خراب ہو چکا ہے اور اسے کاٹے بغیر زخم اچھا نہیں ہو سکتا۔ حافظ الٰہی بخش نے صبر وسکون سے ہڈی کٹوا کر پٹی بندھوائی۔ مجاہدین نے چاہا کہ اسے اٹھا کر بستر پر پہنچا دیں، اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاؤں زخمی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہیں ہوئے جو اٹھانے کی ضرورت ہو۔تھوڑی دیر بستر پر لیٹا رہا۔پھر خود اٹھ کر ایک ڈیرے پر گیا۔تمام مجاہدین سے ملا، سب اس کی جرأت اور تحمل شدائد پر حیران تھے۔

سید عبداللہ سیرام پوری

سید عبداللہ کے والد ماجد کا نام سید بہادر علی شاہ تھا۔معلوم نہیں انہوں نے کس زمانے میں سید صاحب سے ارادت کا رشتہ قائم کیا۔اتنا معلوم ہے کہ آپ نے انہیں خلافت دے دی تھی۔سید عبداللہ نے سیرام پور میں ایک مطبع قائم کرلیا تھا، جس میں بہت سی دینی کتابیں چھپیں۔سید صاحب کے خواہرزادے سید احمد علی سفر حج میں ساتھ نہ آئے تھے بلکہ بعد میں لکھنؤ سے کلکتہ پہنچے تھے، آتے وقت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن کا ایک قلمی نسخہ بھی ستر روپے میں خرید لائے تھے۔سید صاحب نے یہ نسخہ طباعت کی غرض سے سید عبداللہ کے حوالے کر دیا تھا۔

شیخ عبداللطیف تاجر

یہ میرزا پور میں رہتے تھے اور وقت کے بہت بڑے تاجر مانے جاتے تھے۔ سید صاحب سفر حج کے لئے نکلے تو شیخ عبداللطیف نے چار ہزار روپے آپ کی خدمت میں پیش کیے اور خود بھی والدہ کو ساتھ لے کر حج کے لئے تیار ہو گئے۔سید صاحب کلکتہ میں ٹھہرے رہے۔شیخ عبداللطیف کسی جہاز میں سوار ہو کر آپ سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور سید صاحب کے ورود پر پہلے دن قافلے کی دعوت کی۔مدینہ منورہ کے سفر میں غالباً سید صاحب کے ساتھ تھے۔وہاں سردی زیادہ محسوس ہونے لگی تو شیخ عبداللطیف نے کمبل خرید کر سید صاحب کے تمام ہمراہیوں کے لئے گرم کپڑے سلوا دیے تھے۔سفر مراجعت میں سید صاحب کا قافلہ میرزا پور پہنچا تو شیخ عبداللطیف پہلے واپس آ چکے تھے۔انہوں نے قافلے کی دعوت کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

منشی امین الدین احمد

یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل تھے۔ مرکزی عدالت میں تمام مقدمے ان کی وساطت سے پیش ہوتے تھے اور حق وکالت کی اتنی رقم بن جاتی تھی کہ ہر مہینے اختتام پر تیس چالیس ہزار کی تھیلیاں ہاتھی پر لاد کر ان کے گھر پہنچتی تھیں۔

سید صاحب کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ جب معلوم ہوا کہ آپ بڑے قافلے کے ساتھ حج کیلئے آ رہے ہیں تو منشی صاحب نے ایک وسیع کوٹھی خرید لی جس کے ساتھ باغ تھا اور اس میں تین تالاب تھے۔ مردانہ کمرے الگ تھے اور زنانہ الگ۔ ہگلی پہنچ کر سب سے پہلے سید صاحب کو مع قافلہ اپنا مہمان بنالیا۔ آپ کے کلکتہ پہنچنے کے دن پینس، ڈولیاں، بگھیاں، کرانچیاں، ہوادار وغیرہ سواری کیلئے اور چھکڑے بار برداری کیلئے لے کر کنار دریا پر پہنچے ہوئے تھے۔ پھر دونوں وقت پورے قافلے کے لئے نہایت پرُتکلف کھانا پہنچاتے رہے۔ مثلاً ماہی پلاؤ، بکرے کا پلاؤ، قورما، شیر مال، باقر خانیاں، کئی قسم کے مربے اور کئی قسم کے میٹھے۔

پہلے ہی دن قافلے میں سے ضرورت مندوں کے لئے تین سو روپے کے جوتے اور ایک ہزار کے کپڑے خرید دیے۔ قیامِ کلکتہ کے دوران میں قافلے کا خرچ منشی صاحب ہی نے برداشت کیا۔ رخصت کے وقت پانچ ہزار روپے، خوبصورت گھڑیاں، رفیقوں کے لئے جوتے اور کپڑے پیش کیے۔ پانچ ہزار یہ کہہ کر دیے کہ ممکن ہے بعض اوقات کسی کو کھانا مزاج کے مطابق نہ ملا ہو اور اس نے پیسے خرچ کر کے بازار سے کھایا ہو۔ غرض سرسری اندازے کے مطابق منشی صاحب کا خرچ چالیس پچاس ہزار سے کم نہ ہوا ہوگا۔ منشی صاحب خود بھی مرید ہوئے اور سید صاحب نے اپنی سرمئی دستار انکے سر پر رکھ دی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ علی جان

یہ داناپور میں رہتے تھے۔ اصل وطن دیکھا تھا۔ اس زمانے میں سفر کا سب سے اچھا اور عمدہ ذریعہ کشتیاں تھیں اور ہزاروں لوگ کشتی بانی میں مصروف تھے۔ شیخ علی جان ان کشتی بانوں کے چودھری تھے۔ سید صاحب حج کیلئے گئے تھے تو اس زمانے میں بھی شیخ علی جان کے مہمان ہوئے تھے۔ مراجعت میں بھی ان کے مکان پر ٹھہرے۔ یہیں ایک شخص بہ ارادہ قتل آیا تھا لیکن سید صاحب کا چہرۂ مبارک دیکھتے ہی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ پاؤں پر گر کر معافی مانگ لی۔

سید صاحب کے ساتھ ملاقات سے پیشتر شیخ صاحب کی وضع قطع اس درجہ ہندوانہ تھی کہ نام بتائے بغیر کوئی جان ہی نہ سکتا تھا کہ آپ مسلمان ہیں۔ سید صاحب سرحد چلے گئے تو آپ کے خادم خاص میاں دین محمد ایک مرتبہ داناپور بھی پہنچ گئے۔ شیخ علی جان نے محبت سے اپنے پاس ٹھہرایا۔ اپنی طرف سے چھ اشرفیاں اور عیال کی طرف سے چھ سو روپے پیش کیے۔

میاں صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ صاحب کی حالت بالکل بدل چکی تھی۔ وہ سچے خداپرست مسلمان بن چکے تھے۔ مسافروں کی امداد واعانت کا انہیں بہت خیال تھا۔ ضرورت مندوں کو ان کی ضرورت کے مطابق پانسو روپے تک امداد دینے کے لئے مستعد رہتے تھے۔ ایک باغ انہوں نے صرف اس غرض سے وقف کر دیا تھا کہ آتے جاتے مسافر اس میں آرام سے ٹھہریں۔ قیام کے علاوہ ان کے طعام کا بھی بخوبی بندوبست ہوتا تھا۔ دورانِ جہاد میں اطراف بہار کے ارادت مندوں کی اعانتی رقوم شیخ جان علی کے پاس جمع ہوتی تھیں۔

صدر الدین قصاب

یہ بھی داناپور ہی کے تھے۔ سید صاحب سے انتہائی اخلاص رکھتے تھے۔ عام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مسلمانوں خصوصاً مسافروں کی خدمت میں ہر لحظہ سرگرم رہتے تھے۔ سو پچاس آدمی روزانہ ان کے ہاں کھانا کھاتے۔ اولاد نہ تھی۔ عبدالرحیم نام ایک یتیم بچے کو بیٹا بنا لیا تھا۔ ایک وسیع باغ لگوایا جس میں آم، لیمو، نارنگی اور جامن کے درخت تھے اور اسے صرف مسافروں کی مہمان داری کے لئے وقف کر دیا۔ عبدالرحیم کو تاکید کر دی تھی کہ خود دونوں وقت مسافروں کے ساتھ کھانا کھائے۔

بابا بہرام خاں تنولی

یہ علاقہ تنول کے روسا میں سے تھے۔ نوجوانی ہی میں سید صاحب سے وابستہ ہو گئے تھے۔ حملۂ اٹک اور جنگ ہنڈ میں بھی شریک تھے۔ بالاکوٹ میں بھی ان کی شرکت مسلم ہے اور سید صاحب کی شہادت کے متعلق ایک روایت ان کی بھی "سید احمد شہید" میں درج ہو چکی ہے۔ واقعہ بالاکوٹ کے بعد یہ غالباً کسی تحریک میں شریک نہ ہوئے۔ لمبی عمر پا کر ۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے۔ میرے عزیز دوست اور بھائی سید مبارک شاہ مرحوم گنڈتی بابا صاحب کے نواسے تھے۔ سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے ان کی بہت سی روایات محفوظ کر لی تھیں جو ان کی کتاب "عبرۃ لاولی الابصار" میں درج ہیں۔

محمود خاں لکھنوی

بالاکوٹ کے شہداء میں سے بعض اکابر کے حالات الگ لکھے جا چکے ہیں۔ اکثر کے متعلق اس کے سوا کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ انہوں نے شہادت پائی۔ جن اصحاب کے متعلق مختصر سی معلومات مل سکیں ان کا حال ذیل میں درج ہے:

جب سکھ شکست کھا کر پہاڑ پر چڑھے اور مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا تو تلوار دانتوں میں دبا کر اور ایک سکھ کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر نیچے کھینچنے لگے۔ سکھ کا ایک ساتھی اوپر کھینچ رہا تھا۔ آخر محمود خاں نے ایسا زور مارا کہ سکھ کو نیچے کھینچ لائے۔ دونوں لوٹتے پوٹتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نالے میں گرے اور ختم ہو گئے۔

مہربان خاں

یہ بانگرمئو کے تھے۔ میاں نجم الدین نے دیکھا کہ زخموں سے نڈھال ہو کر چت پڑے ہیں۔ آنکھیں کھولیں تو پانی مانگا۔ میاں صاحب نے کہا کہ یہاں پانی کہاں سے لاؤں۔ بولے اگر پانی نہیں لا سکتے تو میری گردن میں روپوں کی حمائل ہے اسے کھول کر لے جاؤ۔ میاں صاحب عجلت میں یہ کام بھی انجام نہ دے سکتے تھے۔ مہربان خاں نے آخر یہ کہا کہ آپ جلد نکل جائیں، یہ میدان ہی میں جاں بحق ہوئے۔ پیر خاں مورائیں کی جماعت میں شامل تھے۔ شہادت کے وقت چالیس سال کی عمر ہوگی۔

حسن خاں بنارسی

یہ زخموں سے چور ہو گئے تو میدانِ جنگ سے آہستہ آہستہ بالاکوٹ پہنچ گئے، وہاں پہنچتے ہی خون بہنے سے غنودگی طاری ہو گئی۔ ایک سکھ نے ان کا تفنگچہ اتارنا چاہا تو یہ ہوشیار ہو گئے، لیٹے لیٹے تلوار اٹھا کر سکھ کو قتل کر دیا، دوسرے سکھ نے انہیں شہید کر ڈالا۔

باقی اصحاب

باقی شہداء کی کیفیت یہ ہے:

۱۔ عبدالقادر غازی پوری کے سر میں گولی لگی۔

۲۔ غازی الدین جن کا وطن معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ اللہ بخش باغپتی نے گھمسان کے رن میں گھس کر شہادت پائی۔

۴۔ مولوی محمد قاسم پانی پتی کے چھوٹے بھائی محمد حسن۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شادل خاں گنج پوری

یہ سید صاحب کے قدیم رفیقوں میں سے تھے۔ ان اصحاب میں شامل تھے جو دہلی سے دوآبے کا دورہ شروع ہونے کے وقت سید صاحب کے ہمرکاب تھے۔ جنگ شیدو میں سید صاحب زہر کے باعث سخت بیمار ہو گئے تو شاہ اسماعیل نے انہیں ہاتھی پر سوار کرایا۔ خود سید صاحب نے فرمایا کہ جو سفید گھوڑا ہمیں فتح خاں نے دیا ہے، اس پر شادل خاں گنج پوری سوار ہو، اور فتح خاں کے سواروں میں شامل رہے۔

سید صاحب نے اپنے بھانجے سید حمید الدین کو ہندوستان بھیجا تو وہ شادل خاں کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ غالباً یہ دوبارہ میدانِ جہاد میں نہ پہنچ سکے اور سید حمید الدین ہی کے ساتھ ٹونک میں رہے۔

فقیر محمد خاں آفریدی

شعر و ادب میں یہ نام کے بجائے تخلص یعنی گویا کی بنا پر زیادہ مشہور ہیں۔ یہ ابتداء میں نواب امیر خاں کے رفیق تھے۔ وہیں سید صاحب سے گہرا تعلق پیدا ہوا۔ پھر یہ لکھنؤ میں ملازم ہو گئے اور بڑا عروج حاصل کیا۔ حسام الدولہ خطاب پایا۔ سلطنت اودھ کے ممتاز سالارانِ فوج میں سے تھے۔ سید صاحب سے ان کی عقیدت مدت العمر قائم رہی۔ معتمد الدولہ آغا میر نے انہیں کی وساطت سے نصیر آباد کے معاملے میں سید صاحب کے طرزِ عمل کی حمایت کی تھی اور لکھنؤ بلایا تھا۔ رخصت کے وقت پانچ ہزار روپے بطور نذر پیش کیے تھے جو سید صاحب نے فقیر محمد خاں ہی کے پاس چھوڑ دیے۔ آپ حج کے لیے روانہ ہوئے تو سید احمد علی یہ رقم لے کر کلکتہ پہنچے۔ ان کی اولاد ملیح آباد میں رہتی ہے۔ شبیر حسن خاں جوشؔ ان کے پوتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

استاد یوسف آہن گر

ان کے حالات کہیں سے معلوم نہ ہو سکے۔ روایتوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ ان کا ذکر آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں اسلحہ سازی میں خاصی مہارت حاصل تھی۔ اغلب ہے ان سے بندوقوں اور تلواروں کی اصلاح و درستی کا کام لیا جاتا ہو، یا یہ گنڈا سے بناتے ہوں، جو سید صاحب کے لشکریوں کا ایک خاص ہتھیار تھا۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ واپس ہو گئے یا سرحد ہی میں فوت ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بتیسواں باب:

مختلف اصحاب (۴)

مولانا حیدر علی رام پوری

یہ مولانا سید محمد علی رام پوری کے بھائی تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ ابتدائے عمر ہی میں رام پور چلے گئے۔ خود عربیت میں مولانا سید غلام جیلانی رام پوری، مولانا عبدالرحمن کوہستانی اور شیخ رستم علی رام پوری کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ میں ملامبین سے تعلیم حاصل کی، پھر دہلی میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز سے استفادہ کیا۔ نیز حکیم شریف خاں صاحب سے طب پڑھی۔ ''تذکرہ علمائے ہند'' میں مرقوم ہے کہ علم طب میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ سید ابوالحسن علی فرماتے ہیں کہ ذکاوت، سرعت ادراک، جامعیت معقول ومنقول، کتاب وسنت اور اختلاف ائمہ سے واقف، تبحر علمی میں سرآمد روزگار اور علوم حکمیہ میں بحر ذخار تھے۔ (۱)

مولانا سید غلام جیلانی کی صاحبزادی سے شادی کی۔ کلکتہ بھی گئے۔ نواب احمد علی خاں فرمانروائے رام پور کے زمانے میں ٹونک پہنچ گئے۔ نواب موصوف نے انہیں کے ہاتھ پر نیابتاً بیعت جہاد کی تھی۔ اس سلسلے میں نواب کا مکتوب ان کے حالات میں درج ہو چکا ہے۔ نواب وزیرالدولہ نے ربیع الاول ۱۲۶۰ھ (مارچ ۱۸۴۴ء) میں انہیں عہدہ دیوانی پر مامور فرما دیا۔ (۲) اس عہدے کے فرائض انجام دینے کے علاوہ درس بھی دیتے تھے اور طبابت بھی کرتے تھے۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ (۱۸ اگست ۱۸۵۶ء) کو ٹونک میں

(۱) ''سیرت سید احمد شہید'' طبع دوم ص: ۳۹۳۔　　(۲) ''حدیقۂ راجستان ٹونک'' ص: ۳۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وفات پائی۔(۱) سید صاحب کے خلفائے خاص میں سے تھے۔ ''تذکرہ علمائے ہند'' میں ان کی دو کتابوں کا ذکر ہے:

۱- ''صیانت الناس عن وسوسۃ الخناس'' بہ زبان اردو۔

۲- ''رسالہ رفع الیدین'' بہ زبان فارسی۔(۲)

مولانا غلام جیلانی رام پوری

یہ وقت کے اکابر علماء میں سے تھے۔ ابتداہی میں سید صاحب سے گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ سید صاحب رام پور سے روانہ ہونے لگے تو مولوی غلام جیلانی باوجود علم و فضل اور باوصف کبرسن رکاب میں پیادہ پا دوڑا کیے۔ سید صاحب نے منع فرمایا تو آپ تعمیل حکم میں ٹھہر گئے اور روتے ہوئے بولے:

''اے کاش! جوانی کی قوت ہوتی تو رکاب عالی میں برابر دوڑتا رہتا۔''

سید صاحب کے مجموعۂ مکاتیب میں ان کے نام ایک خط بھی ہے، جو ۷/ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کو تختہ بند علاقہ بنیر سے بھیجا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ بہت سے مخلص لوگ جہاد کے لئے تیار ہیں، لیکن ان کے پاس سامانِ سفر موجود نہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ یہ امر باعث حیرت ہے۔ توکل اور ایمان بالقدر کو مدار کار بنائیں۔ تمام مومنوں میں نفیر عام کی صدا بلند کریں اور وہ خدا پر بھروسا کرتے ہوئے چلے آئیں۔

مولوی کرامت علی جون پوری

مولوی صاحب موصوف جون پور کے محلّہ ٹولہ میں ۱۸/محرم الحرام ۱۲۱۵ھ (۱۱/جون ۱۸۰۰ء) کو پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب پینتیس واسطوں سے حضرت صدیق اکبر تک پہنچتا ہے۔ علوم دینیہ مولانا قدرت اللہ ردولوی سے، فن حدیث مولانا احمد اللہ انامی سے اور

(۱) ''حدیقۂ راجستھان ٹونک'' ص:۴۳۔ (۲) ''تذکرہ علمائے ہند'' ص:۵۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

معقول مولانا احمد اللہ چریاکوٹی سے حاصل کیے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سید صاحب سے بیعت کی اور آپ نے مولوی صاحب کو دعوت و تبلیغ پر مقرر فرمادیا۔

پہلے جون پور میں تبلیغ دین اور ردِ بدعات کا کام انجام دیتے رہے۔ پھر بنگال چلے گئے اور زندگی کے باقی ایام وہیں دعوت و تبلیغ میں بسر کیے۔ کم و بیش اکاون سال خدمت دین کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ جا بجا درس گاہیں قائم کیں۔ عموماً کشتی پر سفر کرتے تھے۔ اس میں بھی درس و تدریس برابر جاری رہتی۔ ۳ ربیع الآخر ۱۲۹۰ھ (۳۱ مئی ۱۸۷۳ء) کو رنگ پور میں وفات پائی۔ وہیں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے: مولانا حافظ احمد اور مولانا حافظ عبدالاول۔ دونوں علم و فضل میں ممتاز زمانے جاتے تھے۔ ان کا بھتیجا مولوی محمد محسن بھی وقت کا بہت بڑا عالم تھا۔ مولوی کرامت علی صاحب نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ چوالیس کتابوں کی فہرست ''تذکرہ علمائے ہند'' میں درج ہے۔

مولانا عبدالقیوم بڑھانوی

یہ مولانا عبدالحئی کے اکلوتے فرزند تھے۔ عہد طفلی میں سید صاحب کیساتھ سرحد گئے۔ مولانا عبدالحئی نے خہر میں وفات پائی تو مولانا عبدالقیوم کو ان کے ماموں کے ساتھ ہندوستان بھیج دیا تاکہ والدہ ماجدہ کیلئے تسلی کا سامان بن سکیں۔ مولانا عبدالحئی نے اسی زمانے میں بیعت کرادی تھی جب سید صاحب دوآبے کا دورہ کرتے ہوئے بڑھانہ پہنچے تھے۔

سرحد سے ہندوستان آکر شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد غالباً مکہ معظمہ چلے گئے۔ شاہ محمد اسحاق کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوئی۔

نواب سکندر جہاں بیگم والیہ بھوپال حج کیلئے مکہ معظمہ گئیں تو مولانا کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کو دیکھ کر بھوپال تشریف لانے کی زحمت دی۔ آپ آئے اور خاصی مدت تک وہاں مقیم رہے۔ ایک مرتبہ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ اپنی اہلیہ کو محل میں بھیجیں۔ آپ نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انکار کر دیا۔ موصوفہ نے پیغام بھیجا کہ خود ان سے ملاقات کیلئے آنا چاہتی ہوں تو کہا: آپ پردہ نہیں کرتیں، اسلئے اجازت نہیں دے سکتا۔ برقعہ اوڑھ کر آئیں تو ملاقات کر سکتی ہیں۔

جس حد تک مجھے علم ہے، خرابی صحت کی بنا پر بڑھانہ آ گئے تھے اور یہیں ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۲ء) میں فوت ہوئے غالباً اڑسٹھ سال کی عمر پائی۔

مولوی خرم علی بلہوری

بلہور کان پور کے مضافات میں سے ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے لکھنؤ میں سید صاحب سے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد خدمت دین میں مشغول ہو گئے۔ مشہور ہے کہ سید صاحب کے ساتھ جہاد کیلئے سرحد گئے تھے۔ وہاں سے واپس آ گئے۔ غالباً سید صاحب نے انہیں دعوت و تبلیغ کیلئے مقرر کر دیا۔ رد بدعت اور احیاء سنت میں بہت سرگرم تھے۔ ۱۲۵۰ھ میں نواب ذوالفقار بہادر رئیس باندہ کے حکم سے ''در المختار'' شرح ''تنویر الابصار'' کا ترجمہ شروع کیا۔ محرم ۱۲۷۱ھ میں کتاب الحج تک ترجمہ مکمل کر چکے تھے، اسی سال وفات پائی۔ مولوی محمد احسن نانوتوی نے مولوی خرم علی صاحب کے وارثوں سے اس کتاب کا حق تالیف خرید لیا اور ''غایت الاوطار'' کے نام سے اسے شائع کر دیا۔ یہ ترجمہ ناتمام رہا۔

''مشارق الانوار'' کا بھی ترجمہ کیا۔ ''نصیحت المسلمین'' ان کی مشہور کتاب ہے۔ ''جہادیہ'' منظوم ہے، جس میں جہاد کے فضائل بیان کیے ہیں۔ سید صاحب کے لشکر میں ''جہادیہ'' جنگ کے وقت پڑھی جاتی تھی۔

مولوی سخاوت علی جون پوری

جون پور سے گیارہ میل جنوب میں منڈیاہو نام ایک قصبہ ہے، جہاں مولوی صاحب موصوف ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ وقت کے مشاہیر علماء سے علم حاصل کیا۔ سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب سے بیعت کی۔ ساری عمر حسبۃً للہ درس و تدریس میں گزار دی۔ جون پور کی مسجد شاہی میں ایک مدرسہ قرآنیہ بھی قائم کیا تھا، جس نے بہ کثرت حفاظ پیدا کیے۔

نواب ذوالفقار بہادر والیٔ باندہ نے اپنے ہاں دو سو روپے ماہانہ پر بلا لیا تھا۔ کچھ مدت بعد والدہ کی پیری کا خیال کرتے ہوئے وطن واپس آ گئے۔ آخر عمر میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ وہیں ۱۶ ارشوال ۱۲۷۴ھ (۲۰ رمئی ۱۸۵۸ء) کو انتقال کیا اور جنت المعلٰی میں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند پہلی شادی سے تھے اور دو دوسری شادی سے۔ مولانا ابوبکر محمد شیث مرحوم ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، مولوی سخاوت علی کے پوتے اور مولوی ابوالخیر مکی کے صاحبزادے تھے۔ مولوی فتح علی جون پوری جو جہاد میں سید صاحب کے ساتھ تھے، مولوی سخاوت علی کے اقربا میں سے تھے۔

مولوی حبیب اللہ قندھاری

افغانستان کے علماء میں یہ پہلے شخص ہیں جن میں حدیث کا صحیح ذوق پیدا ہوا، اور ان سے یہ ذوق افغانستان میں پھیلا۔ موصوف نے اس زمانے میں سید صاحب سے استفادہ کیا تھا، جب آپ بہ سلسلہ ہجرت قندھار پہنچے تھے۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی نے بھی مولوی حبیب اللہ قندھاری ہی سے مختلف مسائل حل کیے اور غالباً انہیں کے ذریعے سے ''تقویۃ الایمان'' کا فارسی ترجمہ مولانا عبداللہ کی نظر سے گذرا۔

مولانا عبداللہ علوی

یہ مئو قائم گنج ضلع فرخ آباد کے باشندے تھے۔ مدت تک دہلی میں رہے۔ شاہ اسماعیل شہید سے علم حاصل کیا اور سید صاحب کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کر لی تھی۔ نظم و نثر میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ مولوی امام بخش صہبائی انہیں کے شاگرد ہیں۔ طبابت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آخر عمر میں نواب سید محمد علی خاں بہادر شمس آبادی کے ہاں ملازم ہو گئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے۔ وہیں ۱۲۶۲ھ بہ عارضہ تپ محرقہ وفات پائی۔(۱) اصلاً فارسی کے شاعر تھے، کبھی کبھی اردو میں بھی کہہ لیتے تھے۔

حکیم مومن خاں مومنؔ

حکیم غلام نبی خاں کے فرزند تھے۔ ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ء) میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالقادر سے عربی کی کتابیں پڑھیں۔ والد اور چچا سے طب کی تعلیم پائی۔ نجوم میں کمال حاصل کیا، لیکن شہرت کی بنیاد ان کی شاعری ہے۔ فارسی کلام بھی بہت پختہ تھا۔ افسوس کہ فارسی دیوان صرف ایک مرتبہ چھپا، اب ناپید ہے۔ اردو کلیات میں غزلیں، قصیدے، مثنویاں، رباعیاں اور قطعات سب کچھ موجود ہے۔

سید صاحب سے بیعت کی۔ آپ کی مدح میں مومن نے جو کچھ کہا، وہ اس کتاب میں دوسری جگہ درج ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا دل سید صاحب کے عشق سے لبریز تھا۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں وفات پائی۔ مہدی پورہ میں شاہ ولی اللہ کے خاندانی مقبرے کے پاس دفن ہوئے۔

میاں دین محمد

یہ سید صاحب کے خادمِ خاص تھے۔ جس حد تک میں اندازہ کر سکا ہوں یہ اصلاً غیر مسلم تھے۔ سید صاحب نے انہیں اپنی تربیت میں لے لیا اور اس زمانے میں مسلمان کیا جب آپ نواب امیر خاں کے ساتھ تھے۔ اس وقت سے میاں دین محمد سید صاحب کے ساتھ رہے۔ سید صاحب کے ساتھ جہاد پر گئے اور وہاں سے کئی مرتبہ انہیں ہندوستان بھیجا گیا۔ سید صاحب کے تمام نیازمند اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ بڑی بڑی رقمیں

(۱) "تذکرہ شمع انجمن" ص: ۳۱۸۔ ناسخ نے تاریخ وفات ۱۲۶۳ھ لکھی ہے ("سخن شعراء" ص: ۳۴۳) لیکن نواب صدیق حسن خاں کی روایت زیادہ مستند ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انہیں کے ذریعے سے سید صاحب کی خدمت میں پہنچیں۔ آخری عمر میں ٹونک گئے غالباً وہیں وفات پائی۔ نواب وزیر الدولہ نے ان کے لئے وظیفہ مقرر کردیا تھا۔

میاں جی نظام الدین چشتی

یہ بڑھانہ کے باشندے اور سید صاحب کے خاص رفیق تھے۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔ جنگ بالاکوٹ سے ایک دن پہلے سید صاحب نے کنہار کا پل تڑوادیا تھا۔ اس موقع پر میاں جی نظام الدین بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ جب لڑائی کی نوبت آئی اور میں نے جناب الٰہی میں دعا کی تو اک گونہ تسکین پیدا ہوگئی، میں سمجھ لیتا کہ انجام بخیر ہوگا۔ موجودہ جنگ کے سلسلے میں کئی مرتبہ مراقبہ بھی کیا اور دعا بھی، لیکن تسکین کی کوئی صورت نہ نکلی۔ خدا جانے کیا پیش آنے والا ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ میاں جی نظام الدین چشتی بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ جو لوگ سید صاحب کے غائب ہوجانے کا عقیدہ رکھتے تھے، وہ کہتے تھے کہ میاں جی نظام الدین چشتی بھی ساتھ ہی غائب ہوئے اور ساتھ ہی ظاہر ہوں گے۔

شیخ محمد تقی

یہ انگریزی فوج میں گوشت کے ٹھیکیدار تھے اور اس زمانے میں سید صاحب سے بیعت کی جب آپ نے نواب امیر خاں سے الگ ہوکر جہاد کی مستقل تنظیم کی تھی اور تبلیغی واصلاحی دوروں کا آغاز ہوا تھا۔ بعد میں انہوں نے کمسریٹ کے ٹھیکے بھی لئے اور بہت دولت پیدا کی۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۵۵ء کو شیخ صاحب نے اپنی غیر منقولہ جائداد کا ایک حصہ جس کی قیمت کا اندازہ اس زمانے میں سوا لاکھ سے کم نہ تھا، دینی اور خیری امور کے لئے وقف کردیا تھا۔ اسی جائداد کا ایک حصہ انار کلی لاہور کی وہ عمارت بھی تھی جو سرائے محمد شفیع کے نام سے مشہور رہی اور اب عالی شان ہوٹل کی صورت میں منتقل ہوچکی ہے۔ محمد شفیع شیخ محمد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تقی کا بڑا بیٹا تھا۔ وہ ۱۸۶۴ء کے مقدمہ اعانت مجاہدین میں ماخوذ ہوا تھا، اس کے حالات کتاب کی آئندہ جلد میں بیان ہوں گے۔ شیخ محمد تقی نے ۸ ار اکتوبر ۱۸۵۹ء کو وفات پائی۔ آپ سید صاحب کے بڑے ہی مخلص ارادت مند تھے۔

متفرق اصحاب

بعض اصحاب کے حالات معلوم نہ ہو سکے، سرسری کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱۔ اخوند ظہور اللہ: جہانگیرہ صوبہ سرحد کے باشندے تھے۔ ابتدا سے سید صاحب کے ساتھ رہے۔ تنخواہ دار فوج انہیں نے بھرتی کی تھی۔

۲۔ عبد القیوم اور امانت علی: مجروحین اکوڑہ کی تیمارداری کے لیے نوشہرہ میں ٹھہرے رہے۔

۳۔ حیات خاں اور برکت اللہ: یہ دونوں واقعۂ حضرو کے بعد جنگ بازار میں شہید ہوئے۔

۴۔ شیخ فیض الدین، محمد صالح اور متا: شیخ فیض الدین بنگال کے اور باقی دو سندھ کے تھے۔ یہ جنگ بازار میں مجروح ہوئے۔

۵۔ حاجی عبد اللہ رام پوری: یہ جہاد میں ساتھ رہے۔ واقعہ بالاکوٹ کے بعد ٹونک میں چلے آئے تھے۔ نواب وزیر الدولہ نے انہیں غالباً رسالدار بنا دیا تھا۔ انھوں نے ٹونک میں وفات پائی۔

خاتمہ

یہ سید صاحب کے ان رفیقوں کی سرسری سرگزشت تھی، جو ان کی زندگی میں شہید یا فوت ہوئے یا ان کے ساتھ شہادت پائی، یا جنھوں نے سید صاحب کے بعد تحریک کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کسی شعبے میں حصہ نہ لیا، یا بدرجہ آخر سمجھ لیجئے کہ روایات و بیانات کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے آیا، اس میں سید صاحب کی شہادت کے بعد ان کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

ہم نے صرف ان مجاہدین کا ذکر کیا، جن کے متعلق کم یا زیادہ حالات معلوم ہو سکے۔ ممکن ہے بعض اہم اصحاب نظر انداز ہو گئے ہوں۔ مقصود استقصاء نہ تھا، بلکہ صرف یہ آرزو تھی کہ سید صاحب کی تربیت کے کچھ نمونے سامنے آ جائیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ اس پاک نفس وجود نے کیسی جماعت تیار کر دی تھی، جس کی مثال ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بہت ہی کم ملے گی۔

اب صرف ایک مرحلہ باقی رہ گیا اور وہ یہ کہ اس جماعت نے سید صاحب کی شہادت کے بعد ہندوستان کے اندر اور باہر اسلام و اسلامیت کے احیاء کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں پیش کیں، تو یہ سرگزشت آپ اس کتاب کی آئندہ جلد میں ملاحظہ فرمائیں گے جو ۱۸۳۱ء سے ۱۹۳۴ء تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ (۱)

جہادیہ (فارسی)

اردو کا جہادیہ "سید احمد شہید" میں مکمل درج ہو چکا ہے۔ وہ مولانا خرم علی بلہوری نے نظم کیا تھا اور بعض اصحاب اسے میدان جنگ میں بدیں غرض خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے کہ مجاہدین کے دلوں میں اسلامی جہاد کا جوش تازہ ہو اور وہ اس کے مقاصد و حدود سے آگاہ رہیں۔ ایک جہادیہ کسی صاحب نے فارسی میں بھی نظم کر دیا تھا۔ اس میں ناظم کا نام یا تخلص حسن بتایا گیا ہے۔ بعض اصحاب کے نزدیک یہ جہادیہ بھی مولوی خرم علی ہی کا ہے لیکن انہوں نے حسن تخلص کبھی استعمال نہ کیا۔ ممکن ہے، یہ جہادیہ اس بزرگ نے مرتب کیا ہو جس نے ایک قصیدہ سفر حج سے مراجعت کے موقع پر پیش کیا تھا اور اس کے منتخب اشعار "سید احمد شہید" میں درج ہو چکے ہیں۔ بہر حال وہ جہادیہ بھی بطور تبرک یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اس کی شعریت اگرچہ چنداں جاذب نہیں، تاہم مطالب کی حقانیت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

بعد حمد خدا و نعتِ رسول ❁ بشنو ایں نظم را بہ سمع قبول

ایں رسالہ جہادیہ رنگیں ❁ می نویسد قلم نہاد جبیں

بہر دیں نے برائے طمع بلاد

جنگ با اہل کفر و اہل عناد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اہل اسلام گفتہ اند جہاد ❁ غیر ایں ہر چہ ہست، ہست فساد
آنچہ خوبیش از کلام خدا ❁ و ز کلامِ رسول شد پیدا

مابیاں مے کنیم بے تقصیر
اندکے زاں بہ یاد خویش بگیر

فرض شد بر ہمہ جہاد کنوں ❁ کہ ز حد شد بروں فساد کنوں
کافراں را ببیں تو در بازار (۱) ❁ دعوتِ کفر مے کنند اظہار
بہر سامان او شتاب کنید ❁ عزّ دیں گر درونِ دل دارید
گرد بر پائے کس براہِ جہاد ❁ گرفتار است شد زنار آزاد
ہر مسلماں کہ او براہِ خدا ❁ کرد یک لحظہ جنگ را برپا
روضۂ خلد شد مکانِ او ❁ عیش و آرام یافت جانِ او
اے برادر شنو حدیث رسول ❁ از منِ خستہ مباش ملول
زیر سایہ سیوف جنت داں ❁ کہ دراں نیست شک وریب وگماں
ہر کہ در راہِ حق ز مال و زر ❁ از دل و جاں کند نثار گہر
عوضش ہست صد بہ حشر اندر ❁ بہر او می دہند زاں بہتر
او اگر خرچ کرد و زد شمشیر ❁ ہمچوں مرداں درونِ جنگ دلیر
عوضش می دہند ہفت ہزار ❁ بے کم و کاست داں و بے تکرار
ہر کہ از مالِ خویش و ز اسباب ❁ بہر غازی تہیہ کرد شتاب
ہمچو غازی ورا دہند ثواب ❁ درقیامت برائے آں دریاب
ہر کہ نے مال خرچ کرد و نہ جنگ ❁ می شود وقت موت حالش تنگ
ہر کہ در راہِ حق شدہ مقتول ❁ ہست او زندہ ہم شد او مقبول

(۱) یہ غالباً عیسائی مشنریوں کی طرف اشارہ ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شادماں است درمیانِ جناں ❁ رزق او می رسد بہ او بر آں
مدت العمر ہرچہ شد ز انساں ❁ غیر حقِ عبادت از عصیاں

محو گردید جملہ بہرِ شہید
کہ برائے خدا سرش ببرید

فتنۂ قبر و صور و ہم محشر ❁ از چنیں صدمہ ہائے پُر ز خطر
نیست خوفے شہید را زنہار ❁ بہر او ہست جنت الماوٰی
دوست دارد خدا مجاہد را ❁ کہ چو دیوار کرد صف برپا

ہمچو دیوار پختہ و مضبوط
جملہ باید بہ یک دگر مربوط

چوں شنیدید اے مسلماناں ❁ از بیانِ جہاد و خوبیٔ آں
سوئے میدان راہ را گیرید ❁ خان و مان را بہ یاد خود نارید
مال و اولاد و خانمان و زن ❁ حب ایں جملہ را بروں افگن
در رہِ حق بہ شادی و خنداں ❁ بہ شتابی بروں روید رواں
مال و اولاد ہمہ ہست اے دلدار ❁ نہ دہندت ایں رہائے ہشدار
گر بمانی تو زندہ جاں آئی ❁ بہ سوئے خانہ شاماں آئی

ور بمردی تو جنت الماویٰ
جائے تو ہست ہست خوش آنجا

دین اسلام سست گشت ببیں ❁ غلبۂ کفر شد عیاں بہ زمیں
پیشوایانِ دین کہ بگزشتند ❁ کافراں را بہ امر حق کشتند
غلبۂ دیں بزورِ شمشیر است ❁ ہرکہ گیرد بدست آں شیر است
سستی ار پیشوا ہمی کردند ❁ گوئے سبقت دریں نمی بردند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہند آباد کے شدے نہ اسلام ❁ دین اسلام می شدے گمنام
تابہ کے درمیانِ خانہ چو زن ❁ می نشستی بہ حب اہل وطن
غیر افسوس ثمرۂ سستی ❁ نیست حاصل ترا بکن چستی

غیرتے کن مکن تو نامردی
زود خیز و بیا اگر مردی

زود سوئے امام خود بروید ❁ کافراں را کشید و خوش بزئید
بے امام ایں نمی شود حاصل ❁ شرط اول امام داں غافل
جملہ بیعت بدست او بکنید ❁ بعد ازاں در جہاد خوش بروید
ورنہ موتیست موتِ نادانی ❁ علم آموز گر نمی دانی
واجب آمد بہ خلق نصبِ امام ❁ کہ بود از قریش آں خود کام

گر عناند کسے امامِ زماں
موتِ او موتِ جاہلیت داں

چوں کہ دو صد گزشت بعد ہزار ❁ کرد پیدا خدا چنیں سردار
ہست از آلِ احمد مختارؐ ❁ نام او ہمچو نامِ پاک اے یار

بس پریشاں بدند اہل ایماں
شکر حق را کہ شد امامِ زماں

اکنوں اے مومناں پاک نہاد ❁ وقت آمد کہ می شود دل شاد
جان خود در رہش نثار کنید ❁ برسر اہل کفر تیغ زنید
حضرت مولوی کتاب مخواں ❁ گیر شمشیر و رو سوئے میداں
وقت جانبازی است نے تقریر ❁ غیر شمشیر در خیال مگیر
چوں توئی رہنمائے دین متیں ❁ پیش دستی نما چو زن منشیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گر تو رفتی روند ہمراہست
خادماں ساکنانِ درگاہت

اے کہ در راہِ فقر استادی ❁ بہرِ تسخیر نفس استادی
عملِ نفس کش نما اے یار ❁ کہ بود بہتر از جہاں آں کار
گوشۂ خانہ را مگیر چو زن ❁ چلہ بگذار و خیمہ بیروں زن
اے جواناں چوشیر حملہ کناں ❁ یا چو رستم بہ قوت و ساماں
قوت و زور بہر چیست بگو؟ ❁ جرأتِ حملہ بہر کیست بگو؟
گر سر کافرے جدا کردی ❁ یا سر خویش دادی و مردی
ہر دو صورت برائے تو بہتر ❁ شادماں باش اے نکو اختر
گر بکشتی میسر آمد کار ❁ ور بمردی شہادت است اے یار
می ندانی کہ لذتِ دنیا ❁ عاقبت می شود جدا و بیا
لشکر موت ملک جانت را ❁ می کند غارت و برد از جا
چوں مقرر شدہ ترا بردن ❁ جانِ من حبِ جاں ز دل برکن
بہر تو بہتر است اے خوش رائے ❁ کہ برائے خدا دہی جاں را
اے کہ صدہا ز جنگ باز آیند ❁ اے کہ صدہا بہ خانہ می میرند
وقتِ موت شنو تو اے غافل ❁ شد معین مترس اے عاقل
تا زمانے کہ موت نیست ترا ❁ مردنت مشکل است اے خوش رائے
موت وقتیکہ آیدت اے یار ❁ زاں رہائی بہ خانہ نے ہشدار
تو مترس از سفر و کلفتِ او ❁ مرد شو راحت از دلِ خود شو

ہر چہ انساں کند شود عادت
می تواند گزشتن از راحت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بہر طمعے ہزارہا ز سیاہ ❁ سرخود را دہند شاں بے
اے عجب آنکہ تو مسلمانی ❁ حیلہ ہائے دروغ می رانی
در رہِ حق چرا چنیں و چناں ❁ حیلہ ہا را تو آوری بہ میاں
غرہ گشتی چرا بدیں دنیا ❁ شد فراموش از دلت عقبیٰ
حب اہل و عیال کرد بروں ❁ از دلت حب حق ہمیں اکنوں
تابہ کے درمیان خانہ نہاں ❁ بہر اولاد و زن شوی پنہاں!
چوں رہی تو زموت خویش بداں ❁ گر بمانی درونِ خانہ تہاں
اگر امروز با رضائے دلی ❁ در رہِ حق دہی تو جاں بہ خوشی
باز فردا تو درمیانِ جناں ❁ راحت وعیش می کنی اے جاں
گر گزاری تو لذتِ دنیا ❁ بہر مولا کہ ہست آں اولیٰ
باز دائم بہ جنت اے خوش نام ❁ عیش وآرام بہر تست مدام
سرزدہ بازدہ بہ خانہ خویش ❁ مردنت بہتر است اے دلِ ریش
یا براہ خدا دہی جاں را ❁ بہتر از بہر تست اے خوش رائے
گر ندادی تو جاں براہِ خدا ❁ بس پشیماں شوی بروزِ جزا

باز ایں روے خود چہ بنمائی
بہ پیمبرؑ بہ روزِ رسوائی

لیک شرط است زیرِ حکمِ امام ❁ کہ بمانی تو دائما خوش کام
ورنہ جنگیدن و زدنِ شمشیر ❁ ہیچ سودے نمی دہد بہ دلیر
ہر کہ خود یکہ جنگ کرد و بمرد ❁ خونِ او ناحق است حسرت برد
آں کہ داند خوب مولا را ❁ ہم پیمبرؐ شفیع روزِ جزا

از دل و جاں قبولِ قولِ امام ❁ ی نمایند خوش روند بہ کام
اہل اسلام را بود کافی ❁ اے حسنؔ ایں پیام بس وافی

بر مناجات کن تو ختم کلام
بہر تو بہتر است اے خوش تام

اے خداوندِ خالق ثقلین ❁ اے خداوندِ مالکِ کونین
اے خداوندِ آسمان و زمیں ❁ اے خداوندِ انس و عرش بریں
دہ تو توفیق اہل ایماں را ❁ تا بہ راحت دہند خوش جاں را
قوتِ خود بدہ و زور آور ❁ اہل اسلام را بکن یاور
وعدۂ فتح خویش کن اتمام ❁ آنچہ کردی بہ فضل خود انعام
ہند را پُر نما تو از اسلام ❁ اے شہنشاہِ مالک انعام

کہ نیاید ندا بجز اللہ
کن قبول ایں دعاء تو یااللہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ (۲)

سید عبداللہ سیرام پوری

سید عبداللہ ابن سید بہادر علی کے حالات اختصاراً اوپر درج ہو چکے ہیں۔ کتاب حوالہ مطبع ہو چکی تھی کہ صدیق مکرم جناب محمد یونس صاحب نے کانپور سے اس قرآن مجید کے آخری عبارت نقل کر کے بھیج دی جو سید عبداللہ نے سیرام پور میں چھاپا تھا۔ پھر اصل قرآن مجید ارسال فرما دیا۔ اس سے جو نئے حالات معلوم ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ سید عبداللہ کے اجداد مدینہ شریف سے نکل کر ترمذ میں آباد ہوئے۔ پھر لاہور میں رہے۔ وہاں سے سوانا میں مقیم ہو گئے۔

۲۔ سید موصوف نے کلکتہ میں سید صاحب سے بیعت کی تھی اور حج کے لئے ساتھ گئے تھے۔

۳۔ سید احمد علی شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن پاک کا جو نسخہ خرید کر لائے تھے، سید عبداللہ نے مکہ معظمہ میں اس کی نقل حاصل کی تھی۔

۴۔ اس میں ترجمہ بہ طور تفسیر لکھا ہوا تھا یعنی متن کے ٹکڑے نقل کر کے ان کی تفسیر کی گئی تھی۔ سید عبداللہ نے پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے اسے بین السطور لکھوا دیا۔

۵۔ جہاں جہاں کسی مقام پر شبہ ہوا تفسیر عزیزی وغیرہ سے مدد لے کر سمجھا اور ایک اور ترجمے سے بھی مدد لی جو سید عبداللہ کے والد سید بہادر علی نیز بعض دوسرے علماء نے حل کر کیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۶۔ ترجمے کے چھاپنے میں جو اہتمام کیا گیا، وہ محتاج بیان نہیں۔

۷۔ کاتب نے ۴ ربیع الاول ۱۲۴۸ھ (یکم اگست ۱۸۳۲ء) کو کتابت متن وترجمہ سے فراغت پائی اور قرآن مجید کی طباعت ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۴ھ (۱۸ اگست ۱۸۳۸ء) کو مکمل ہوئی:

ذیل میں وہ عبارت تبرکاً نقل کی جاتی ہے جو سید عبداللہ نے قرآن مجید مترجم کے ساتھ چھاپی تھی۔ اس کے بعض الفاظ مشتبہ ہیں۔ لیکن میرے پاس ان کی تصحیح وتوضیح کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مولوی محمد یونس اس عنایت یگانہ کے لئے یقیناً دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس مضمون میں ذیلی عنوان میں نے لگائے ہیں تاکہ پڑھنے میں سہولت رہے:

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد واله واصحابه اجمعین۔

بعد حمد حق جل وعلا ونعت خاتم الانبیاء، سرور اصفیاء کے احقر العباد سید عبداللہ ابن سید بہادر علی بن سید حسن بن سید جعفر مدنی، پیچھے اس کے ترمذی، پیچھے اس کے لاہوری، پیچھے اس کے سوائی، سب مومنوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ جب اس وقت میں خاکسار نے دیکھا کہ اکثر مسلمان اس سبب سے کہ انقلاب اس ملک سے موقوف ہوئے اور صحبت اور آمیزش میں غیر قوم کے پھنس گئے اور خطرہ اللہ ورسول اور حاکم کا دل سے جاتا رہا۔ اسلام کی مستقیم سڑک چھوڑ کر بدعت کے طریق میں گرے اور بے مزاحمت غیر جو چاہا من مانتا کرنے لگے اور جن کو بڑے مسلمان مردے آدمی عرف میں کہتے ہیں اور وہ اپنے تئیں پڑھا عالم جانتے ہیں، انہوں نے بھی طریق وعظ ونصیحت اور سکھانا پڑھانا دینداری کے احکام کا ان کو دنیا کی عزت اور دولت اور جاہ طلبی کے سبب موقوف کیا۔ اس باعث سے نہایت غم اور غصہ اس خاکسار کی خاطر میں گذرتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمے کی نقل

بعد چند روز کے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسا اتفاق ہوا کہ جناب پیرومرشد برحق امیر المومنین امام المسلمین حضرت سید احمد صاحب دام اقبالہ وبرکاتہٗ حج کے ارادے سے یہاں تشریف لائے۔ یہ خاکسار اور سیکڑوں مسلمان اس جناب پاک کی بیعت کی نعمت حاصل کر کے ان کے ہمرکاب حرمین شریفین کی زیارت سے کامیاب ہوئے اور یہ ترجمہ ہندی قرآن شریف کا جو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی مرحوم نے کیا ہے، سید احمد علی صاحب جو حضرت پیرومرشد کے بھانجے ہیں، ان کے پاس دیکھ کر کمال شوق سے اس کی نقل اسی مکان متبرک (۱) میں لی اور خیال کیا کہ اگر یہ قرآن شریف مع ترجمہ ہندی اس وقت کے مسلمانوں کو ہاتھ لگے، شاید اپنے پروردگار کا کلام سمجھ کر اس کو دیکھیں اور اس کلام کی برکت سے جو خود خالق کی زبان سے ہے، ان کے دل میں کچھ ہدایت آوے تو آوے، مگر کثرت اس کی بغیر اس کے کہ چھاپا جاوے، نہیں ہوسکتی۔

عزمِ طباعت

تب اس قلیل البضاعت نے بعد مراجعت اس سفر کے مولانا عبدالحئی صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی اور مولوی حسن علی صاحب لکھنوی کے ایماء اور استصلاح سے کمر ہمت اپنی مستحکم باندھی اور ارادہ مصمم کیا کہ جس طرح ہو اس کو چھپوانا چاہیے اور قیمت ایسی مقرر کیجیے کہ اپنا خرچ نکل آوے، اور کسی مسلمان بھائی پر جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن سمجھنے کا کچھ بھی ذوق وشوق دیا ہو، لے لینے میں بوجھ نہ پڑے۔ اس میں اکثر کچے مسلمان جو نافہم اور اس کے فوائد دینی سے آگاہ نہ تھے، باوجود اس کے کہ آپ دنیا کی دولت اور یہاں کی زندگی کے آرام اور نام کے واسطے کیا کیا فکریں اور تدبیریں خلاف

(۱) مکہ معظمہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شرع کرتے ہیں اور رات دن اعانت اور استعانت میں گمراہوں سے گھلے ملے رہتے ہیں، بعض ادنیٰ باتوں کا عذر درپیش کر کر اس کے انجام ہونے میں خلل انداز ہوئے بلکہ اس بات پر طعن کرنے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی جو اس خاکسار کے ارادے کے موافق ہوئی تو اسی نے اس کو بخوبی انجام کو پہنچایا اور طعن اور حسد کو انہیں پر پھینکا اور خاکسار کو اس کے ضرر سے بچا رکھا، بفضلہٖ و کرمہٖ۔ آخر اس فقیر نے اپنے پروردگار ہی پر بھروسا کر کے جان و دل سے ہمت باندھی اور نیت اپنی مسلمان بھائیوں کے نفع دینی پہنچانے پر مضبوط اور خالص کی۔ پھر قریب دو برس کے عرصے میں بہت سے روپے خرچ کر کے بڑی محنت اور جانفشانی سے بے معاونت غیر اس کو انجام دیا۔

اہتمامِ طباعت

اور چھاپے کے وقت خوب اہتمام رکھا گیا کہ کاریگر اس کام کے سب طاہر اور نمازی ہوں اور کسی طرح کی بے احتیاطی اور بے ادبی واقع نہ ہو۔ اس کریم برحق کے فضل سے حسب خواہش دلی جس طرح ارادہ کیا تھا، اسی طرح اتمام کو پہنچا اور چھاپے کے وقت جہاں شبہ گذرتا تھا، کئی قرآن صحیح اور تفسیر عزیزیہ مولانا عبدالعزیز قدس سرہٗ اور تفسیر حسینی اور ایک ترجمہ ہندی اردو کی زبان میں جو اس خاکسار کے والد منشی سید بہادر علی مرحوم اور کئی فاضلوں نے مل کر کلکتہ میں کیا تھا، موجود تھے۔ ان نسخوں کی مدد سے وہ عقدہ حل ہو جاتا تھا، اور اس قرآن شریف کے اشتہار نامے کے جاری ہونے کے وقت سے بھی یہ التزام کیا ہے کہ سوائے اہل اسلام اور کسی قوم کے پاس باوجود فائدہ زاید ہدیہ اس کا نہ ہووے اور اگر کوئی دوسرا دنیا کی طمع سے اپنا دین بیچے اور ایسا کام کرے، وہ جانے اور اس کا ایمان اور اس کا کام۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کیفیتِ وطن واجداد

سوانا ایک بستی کا نام ہے، شہر تھانیسر کے تیرہ کوس دکھن، دلّی سے پانچ منزل مغرب (۱) جس کو اس خاکسار کے اجداد میں سے حضرت شاہ زید شہید سالار لشکر نے لاہور سے مع اپنی برادری آکر وہاں کے ہندو راجہ سے جہاد کر کے فتح کیا تھا۔ پھر وہیں شہید ہوئے اور برادری اور اولاد ان کی اس کے گرد و پیش کی بستیوں پر عمل کر کے وہاں بسی۔ بڑے بڑے سید بزرگ ان کے سلسلہ میں ہوئے، جیسے حضرت سید شاہ میر اور حضرت سید نظام الدین اور سید اعزاز الدین نو بہادر اور سید شاہ محمد حاجی اور سید شاہ ٹھیکھ جن کے مزار کہرام اور ٹھسکے میں ہیں۔ ان بزرگواروں کا سلسلہ حضرت امام علی اصغر سے جو حضرت امام زین العابدین کے چھوٹے بیٹے تھے، جا ملتا ہے۔

اگرچہ خاکسار چند مدت سے بنگالے میں ہے، پر اب تک آمد و شد بھائیوں کی وطن سے یہاں اور قرابت بیاہ شادی کی ان سے جاری ہے۔

فائدہ

ترجمہ اصلی اگرچہ بطور تفسیر کے لکھا ہوا تھا، مگر خاکسار نے رعایت سہولت قراءت کی کر کے اس طور پر چھاپا گیا۔ کیوں کہ تفسیر کے طور پر پڑھنا قرآن شریف کا نظر کو ایک جگہ سے اٹھانا اور دوسری جگہ فاصلے پر جمانا مشکل ہوتا ہے اور ہندی عبارت کو یہاں کے مروج قاعدے سے لکھا کہ ہندی زبان کے ناواقف لوگ تانیث و تذکیر میں غلطی نہ کریں۔ چنانچہ کاف اور جیم اور دال وغیرہ بایائے معروف کو اس طرح لکھا: کی، جی، دی، اور کاف اور جیم اور دال وغیرہ بایائے مجہول کو اس طرح: "کے" "جے" "دے" اور کاف اور جیم اور تا اور، یا وغیرہ ہندی ثقیلہ کو اس طرح: کھ، جھ، تھ، بھ۔ واؤ اور یائے مجہول جس کے پہلے زیر ہو، اس کی علامت ۸ اور واؤ مجہول جس کے پہلے پیش ہو، اس کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

علامت ہ اور تائے ثقیلہ کی علامت ...... اور رائے ثقیلہ کی علامت .... اور یائے ساکن جس کے پہلے زبر ہو، اس کو "ۂ" مثلث سے لکھا، جیسا ہی ی، اور جائز مطلق آیت وغیرہ نسخہ اوقاف سجاوندی سے لکھا اور رکوعوں کو نسخہ نجوم الفرقان سے صحیح کیا اور قاری کی آسانی کے واسطے ہر صفحہ پر سورہ کا نام اور سیپارے کا ہندسہ لکھا اور آیات کے شمار کے لئے ہر آیت کے مقابلے میں ہندسہ دیا۔ اور فائدوں کو حاشیے میں حرف فا کے برابر رکھا مگر جہاں جگہ نہ ملی تو ہندسہ حوض اور حاشیہ میں دے دیا کہ اس کے فائدے کا ٹھکانا ہاتھ لگ جائے اور ہر سورہ کی بسم اللہ کے اوپر کلمات کی اور حرفوں کی تعداد بھی لکھ دی۔

کہیں فائدہ اصل کتاب سے زیادہ بھی لکھا، خصوصاً شانِ نزول تیسویں سیپارے میں، سو اس کی پہچان کو کتاب کا نام وہاں ذکر کر دیا اور احوال چھاپے کی کتاب کا خصوصاً جس میں اعراب ہوں اور چھاپے کے وقت جو نقص اس میں واقع ہوتا ہے، اس چھاپے کے قرآن شریف کی پہلی جلد کے اخیر میں لکھ دیا۔ مکرر ضرور نہیں۔ منصفوں اور دانش مندوں کی سمجھ کو اس قدر بس ہے۔

شکر وسپاس

ہزار شکر اس پاک پروردگار کا جس نے محض اپنے فضل وکرم سے شہر جمادی الاولیٰ کی ستائیسویں تاریخ اور ہجری کا بارہ سو پینتالیس (۲۴ر نومبر ۱۸۲۹ء) میں اس مطبوعہ قرآن شریف کو مطبع احمدی میں اتمام کو پہنچایا اور اب اس کی جناب باری سے امیدوار ہوں کہ اگر جبلت انسانی کے سبب سے کہیں کچھ بھول چوک یا کسی طرح کی بے ادبی اس خاکسار سے ہوئی ہو تو یا اللہ یا کریم تو اپنے وصف کریمی اور رحیمی پر نظر کر کے اور صفت ستاری اور غفاری کے صدقہ سے اور اپنے رسول مقبولؐ اور ان کی آل اور اصحاب کی عزت اور حرمت کے طفیل اس قصور سے بچائیو اور بخشیو اور میری اس محنت کے کام کو دنیا میں یادگار اور باقیات صالحات ٹھہرائیو، اور آخرت میں اس گنہگار کے ماں باپ کی اور اولاد کی اور بھائی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بندوں کی اور رشتہ داروں کی اور دینی دوستوں کی چھوٹے بڑے، جیتے مرے، سب کی مغفرت کا وسیلہ کیجئے اور ان میں سے جو اَب زندہ ہیں اُن کو اور اس کے پڑھنے والوں کو اور اس کے حکموں پر چلنے والوں کو اور اس چھاپے کے اہلکاروں کو اپنی رضامندی کی راہ پر لا اور ہدایت نصیب کر۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

الٰہی اس قرآن شریف کے کاتب کو اور اس کے ترجمے اور فائدہ لکھنے والوں کو بھی ان دوتوں کے ماں باپ الی علیہم السلام آدم و حوا جو مسلمان ہوں اور ان کی اولاد اور اقربا اور دوستوں سمیت بلا حساب اور بے عذاب بہشت میں داخل کر، آمین۔

مترجم کا ترجمہ اس کاتب نے اس قرآن شریف پر لکھنا ۱۲۴۸ھ شہر ربیع الاول کی چوتھی تاریخ بارہ سو اڑتالیس ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (یکم اگست ۱۸۳۲ء) جمعرات کے دن اتمام کو پہنچایا۔ الحمد للّٰہ علی اتمامہ وانصرامہ حمدًا فحمدًا ثم حمدا اولی الحمد رب السموات والارض رب العرش الکریم۔ وسلامٌ علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین٥

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ (۳)

سید جعفر علی نقوی

سید جعفر علی نقوی کے متعلق ان کے خاندان کے ایک فرد سید عبدالسلام (محلہ بشیر گنج کان پور) سے مزید حالات معلوم ہوئے، جو خلاصۃً ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ آٹھویں صدی ہجری میں اس خاندان کا پہلا فرد جس کا نام سید جلال الدین تھا، ہندوستان آیا اور اس کے افراد اجودھیا کے محلہ سید واڑہ میں مقیم رہے۔

۲۔ غالباً گیارہویں صدی ہجری میں اس کی ایک شاخ مجھوا میر میں مقیم ہوئی جو پہلے گورکھپور میں شامل تھا۔ آج کل ضلع بستی میں ہے۔

۳۔ سید جعفر علی کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی خاندان میں کی تھی۔ یہ بی بی عمر میں سید جعفر علی سے بڑی تھیں۔ دوسری شادی سید احمد علی رام پوری کی صاحبزادی سے کی، جن کا نام غالباً فاطمہ بی بی تھا۔ سید جعفر علی نے اپنے ایک گاؤں کی آمدنی میں سے ایک چوتھائی حصہ اس بی بی کے مہر میں لکھ دیا تھا۔ ان کے بھتیجے سید محمد زکریا نے اس کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ خاندان کے لوگوں نے مصالحت کرا دی اور طے ہو گیا کہ سید جعفر علی کے حصے میں سے "۱/۸" بی بی صاحبہ کے پاس رہے اور "۱/۸" سید محمد زکریا کو دے دیا جائے۔

۴۔ سید جعفر علی کی صاحبزادی سیدہ زینب کی شادی محلہ قافلہ ٹونک کے سید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شریف حسن بن سید مہدی حسن سے ہوئی تھی۔ وہی سید جعفر علی کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ لاولد رہے اور انہیں سیدہ زینب کے ذریعے سے جو جائداد ملی تھی، وہ اپنے بھائی سید لطیف حسن کے نام ہبہ کر دی۔

۵۔ سید جعفر علی کی دونوں بیویاں موجودہ عیسوی صدی کے اوائل تک زندہ رہیں۔ سید عبدالسلام لکھتے ہیں کہ میں نے بچپن میں انہیں دیکھا تھا۔ ان کا دستور یہ تھا کہ نماز فجر کے بعد چارپائی پر بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرتیں۔ روٹیوں کے ٹکڑے مل کر پاس رکھتیں اور چڑیوں کو ڈالتی جاتیں۔ چڑیاں ان سے اس قدر مانوس ہو گئی تھیں کہ چارپائی اور بدن پر آ بیٹھتیں۔ ان کے انتقال سے دس بارہ برس بعد سیدہ زینب نے وفات پائی۔

۶۔ سید جعفر علی کا حلیہ یہ تھا: دہرا بدن، خوب قدآور، ڈاڑھی گھنی، گھوڑے کی سواری کے شائق تھے۔ ان کی پکی قبر اب تک محفوظ ہے۔

۷۔ سید عبدالسلام فرماتے ہیں کہ خاندانی روایتوں میں شاہ عبدالعزیز سے تعلیم پانے کا بھی ذکر ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اجازت لئے بغیر چپ چاپ گھر سے نکل کر دہلی پہنچ گئے تھے۔ گھر سے جتنے خط ان کے پاس گئے، وہ سب بند کے بند پڑے رہے۔ تعلیم مکمل کر چکنے کے بعد انہیں کھول کر پڑھا۔

میری معلومات کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں۔ سید جعفر علی نے تعلیم کی تکمیل لکھنؤ میں کی۔ وہ بہ سلسلہ جہاد امب پہنچے (رمضان ۱۲۴۵ھ) تو پہلی مرتبہ سید صاحب کو دیکھا، البتہ ان کے والد سید قطب علی اور بھائی سید حسن علی تکیہ پہنچ کر سید صاحب سے بیعت کر چکے تھے۔

۸۔ سید جعفر علی کے والد سید قطب علی کے بھائی سید احمد علی تھے، ان کے دو فرزند ہوئے: سید اصغر علی اور سید اکبر علی۔ موخر الذکر کے فرزند کا نام سید فرزند علی تھا۔ اصغر علی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اخلاف کی کیفیت یہ ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com
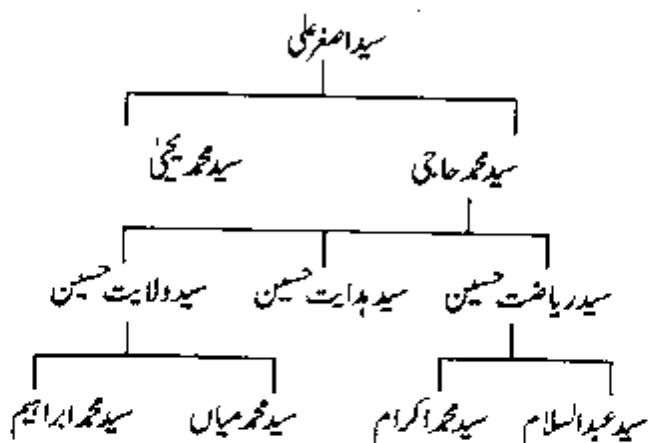
ضمیمہ (۴)

شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب

افسوس کہ سید صاحب کے ارادت مندوں میں سے دو ایسی شخصیتوں کے حالات اتفاقیہ نظر انداز ہو گئے جو دورانِ جہاد میں روپے کی فراہمی اور ارسال کے سب سے بڑے مرکز کے مہتمم تھے، یعنی شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب۔ اس فروگزاشت کی تلافی ضمیمہ میں کی جاتی ہے۔

شاہ محمد اسحاق

شاہ محمد اسحاق کو سرسید احمد خاں نے ''زبدۃ المحدثین'' لکھا ہے۔ بے ریب وہ آخری دور میں علوم دین کا بہت بڑا سرچشمہ تھے۔ شاہ عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ میری تقریر اسماعیل (شاہ شہیدؒ) نے لے لی، تحریر رشید الدین نے اور تقویٰ اسحاق نے۔

والد بزرگوار کا نام شاہ محمد افضل تھا، جن کا نسب چند پشت اوپر جا کر شاہ عبدالعزیز سے مل جاتا تھا۔ شاہ محمد افضل کے علم و فضل کے علاوہ غالباً ہم نسبی ہی کی بنیاد پر شاہ عبدالعزیز نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح ان سے کیا۔ جن کے بطن سے شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب پیدا ہوئے۔ شاہ اسحاق کی تاریخ ولادت ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) ہے اور شاہ یعقوب ان سے دو برس چھوٹے تھے۔

شاہ عبدالعزیز نے دونوں نواسوں کی تربیت خود فرمائی اور تعلیم بھی خود ہی دی۔ پھر شاہ اسحاق کامل بیس برس تک جلیل القدر نانا کے سامنے حدیث کا درس دیتے رہے۔ شاہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالعزیز کا انتقال ۱۲۳۹ھ میں ہوا تو خاندان میں سے مولانا عبدالحئی اور مولانا شاہ اسماعیل علم وفضل کے علاوہ عمر میں بڑے ہونے کے باعث مسندِ درس پر بیٹھنے کے حقدار تھے، لیکن وہ دونوں اپنی زندگیاں سید صاحب کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کر چکے تھے، لہٰذا بالاتفاق شاہ اسحاق کا فرق مبارک دستارِ خلافت سے مزین ہوا۔

روزانہ زندگی

مولوی نجف علی نے "فیض روح قدسی" کے نام سے ایک رسالہ عربی میں سید صاحب، شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحئی اور شاہ اسحاق کے حالات میں لکھا تھا۔ اس میں شاہ اسحاق کی روزانہ زندگی کی کیفیت یوں بیان کی ہے:

تہجد پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے، صبح کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے۔ پھر گھر چلے جاتے اور لڑکیوں کو تعلیم دیتے۔ سورج دو نیزے بلند ہوتا تو درسگاہ میں تشریف لاتے اور دوپہر تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر کے لئے قیلولہ فرماتے۔ نمازِ ظہر مسجد میں ادا کر چکنے کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہو جاتا، جو نمازِ مغرب تک جاری رہتا۔ بیچ میں صرف نمازِ عصر کے لئے تھوڑی دیر ملتوی ہوتا۔ مغرب کی نماز کے بعد گھر جاتے لیکن جلد واپس آ جاتے اور نمازِ عشا تک طلبہ کو مختلف کتابیں پڑھاتے۔ نمازِ عشاء کے بعد استراحت فرماتے۔

کتنی پاکیزہ زندگی تھی، جس کا ایک ایک لمحہ کتاب وسنت کی خدمت کے لئے وقف تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے معمول کے مطابق ہفتے میں دو دن وعظ بھی فرماتے۔ تراجم علمائے حدیث میں سر سید احمد خاں کا ایک بیان بہ روایت نواب مصلح الدین احمد درج ہوا ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ میں (سر سید) شاہ اسحاق کے وعظ میں حاضر ہوتا۔ باہر مردوں کا ہجوم ہوتا اور زنانے میں عورتوں کا۔ نہ ڈولیوں کا شمار ہوتا، نہ پالکیوں کا۔ شاہی محلات تک کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیگمات آتیں۔ امراء کے ہاں سے کھانے کی دیگیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہو جاتیں۔ خود شاہ صاحب معمولی چپاتی اور شوربہ گاڑھے کے دستر خوان پر رکھ کر تناول فرماتے۔(۱)

جہاد میں اعانت

سید صاحب جہاد کے لئے سرحد تشریف لے گئے تو انہوں نے فراہمی اموال کیلئے جابجا مرکز قائم کر دیے تھے اور اپنے خاص داعی بھی مختلف حصوں میں مقرر فرما دیے تھے، جن کی کیفیت بیان ہو چکی ہے۔ مال کی فراہمی کا سب سے بڑا مرکز شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب ہی کی تحویل میں تھا اور دونوں بھائیوں کے نام سید صاحب کے مکاتیب کا ذکر کتاب کے ابتدائی حصے میں آچکا ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس مرکز سے کس طرح پابندی کے ساتھ ہنڈیاں سرحد بھیجی جاتی تھیں۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد بقیۃ السیف مجاہدین کی جو جماعت سرحد میں ٹھہر گئی تھی، اس کیلئے بھی زر اعانت کا سلسلہ شاہ اسحاق نے جاری رکھا، چنانچہ شاہ صاحب کے داماد مولوی سید نصیر الدین فرماتے ہیں کہ جب شاہ صاحب وعظ فرماتے تو میں مدرسے کے دروازے پر لوگوں سے چندہ وصول کرتا۔

۱۲۴۰ھ (۱۸۲۵ء) میں اہل وعیال کے ساتھ حج کیا، واپس آ کر پھر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

ہجرت اور وفات

سید صاحب نے ہجرت وجہاد کے ذریعے سے ایمانی زندگی کا بہترین طریقہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ شاہ اسحاق نے جب دیکھا کہ ہندوستان کو دار الاسلام بنانے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی تو مسلمانوں کے سامنے ایمانی زندگی کا دوسرا

(۱) تراجم علماء حدیث ہند گس: ۱۱۷، ۱۱۸۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طریقہ پیش کر دیا یعنی وہ اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں بھی درس جاری کر دیا۔ رجب ۱۲۶۱ھ (جولائی ۱۸۴۵ء) میں وفات پائی اور جنت المعلٰی میں دفن ہوئے۔ غسل کے وقت مکہ معظمہ کے مشہور عالم شیخ عبداللہ سراج نے فرمایا: قسم بخدا اگر یہ بزرگ کچھ مدت اور زندہ رہتے اور میں ان کو حدیث سنا تا رہتا جب بھی ان کے مرتبے کو نہ پہنچتا۔

شاگردوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔ چوں کہ سارا وقت درس میں گذرتا تھا، اس لئے تصنیف و تالیف کی فرصت نہ مل سکی۔ بعض سوالات کے جواب میں رسالے لکھے ہیں۔ جن میں سے "مسائل اربعین" اور "مائۃ مسائل" مشہور ہیں۔ "تذکرۃ الصباح" بھی انہیں سے منسوب ہے۔

اولاد

اولاد میں ایک صاحبزادہ تھا اور تین صاحبزادیاں۔ صاحبزادے کا نام سلیمان تھا، جس کی وجہ سے شاہ اسحاق کی کنیت ابوسلیمان پڑی، لیکن وہ غالبًا جلد فوت ہوگیا۔ صاحبزادیوں میں سے ایک مولانا عبدالحیؒ کے فرزند ارجمند مولانا عبدالقیوم سے بیاہی گئی۔ دوسری کی شادی شاہ محتشم بن شاہ معظم بن مقرب اللہ بن شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ سے ہوئی۔ تیسری مولوی نصیر الدین کے گھر کی زینت بنی، جو شاہ رفیع الدین کے نواسے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی سید نصیر الدین کی والدہ ابتدا ہی سے اس رشتے کی خواہاں تھیں، لیکن چوں کہ مولوی صاحب موصوف کو تحصیل علم کا شوق نہ تھا اس لئے شاہ صاحب نے رشتے سے انکار کر دیا۔ مولوی صاحب کیلئے یہ انکار تازیانۂ تنبیہ بنا۔ تھوڑی ہی مدت میں محنت و ریاضت سے وقت کے بہت بڑے عالم بن گئے۔ اس وقت شاہ اسحاق نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رشتہ منظور کرلیا۔ مولوی صاحب نے ۱۲۵۰ھ میں سید صاحب کی تحریک جہاد میں زندگی کی نئی روح پھونکی۔ کئی برس تک سندھ، بلوچستان اور افغانستان میں مصروف تنظیم جہاد رہے، پھر ستھانہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے دو فرزند تھے: عبداللہ اور عبدالحکیم۔ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

شاہ محمد یعقوب

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، شاہ محمد یعقوب شاہ اسحاق سے دو برس چھوٹے تھے۔ علم وفضل اور تقویٰ میں بھائی کا نمونہ تھے۔ ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۸۳ھ (۲ اپریل ۱۸۶۷ء) مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ کی پیش گوئی

نواب صدیق حسن خاں نے ''اتحاف النبلاء'' میں ''قول جلی'' کے حوالے سے شاہ ولی اللہ کی ایک پیشگوئی درج کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو فرزند عطا کیے ہیں (شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی) وہ سب سعید ہیں۔ ان میں ملکیت کی ایک قسم کا ظہور ہوگا۔ تدبیر غیب کا تقاضہ یہ ہے کہ دو اور شخص پیدا ہوں گے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں علوم دین کے احیاء کا انتظام کریں گے۔ ان کا نسب والدہ کے ذریعے سے ہمارے ساتھ وابستہ ہوگا۔ (۱)

یہ پیشگوئی نظر بہ ظاہر شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کے ذریعے سے پوری ہوئی۔

ارواحِ ثلاثہ کی روایات

''ارواحِ ثلاثہ'' میں شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کے متعلق بہت سی روایات درج

(۱) اتحاف النبلاء، ص: ۴۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں۔(۱) جن میں سے بعض دلچسپ ہیں۔ مثلاً:

۱۔ شاہ صاحبان حرم شریف میں جاتے تو جوتے بے تکلف باہر چھوڑ جاتے۔ ان کے جوتے کبھی گم نہ ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن مرحوم نے فرمایا کہ یہ دراصل شاہ عبدالقادر کی تعلیم تھی۔ اکبری میں مسجد میں جوتے چوری جانے لگے تو شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ اپنے جوتے چوروں کیلئے حلال کر دیا کرو، پھر وہ انہیں نہ لیں گے۔

۲۔ شاہ صاحبان بہت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے ملول رہتے تھے۔ ایک روز انہیں بہت خوش دیکھا گیا، کسی نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ سکندر آباد کی تحصیل میں حسن پور نام ان کا ایک گاؤں تھا جسے سرکار نے ضبط کر لیا تھا۔ خوشی اس بات کی تھی کہ معاش کا ایک ظاہری ذریعہ ختم ہو گیا اور صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا۔

۳۔ شیخ فیض علی نے بیان کیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کے مزار کے پاس جو مسجد بنوائی تھی، شاہ اسحاق اسے اچھا نہ جانتے تھے۔ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد نہ بنوانا چاہیے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ارواح ثلاثہ ص: ۸۰-۹۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ (۵)

متفرق واقعات

بعض احوال ووقائع کتاب کی ترتیب مکمل ہو جانے کے بعد معلوم ہوئے انہیں یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ

ایک روایت سے معلوم ہوا کہ حرم پاک میں پہنچے تو سید صاحب نے مولانا عبدالحیٔ اور شاہ اسماعیل سے فرمایا کہ یہ متبرک مقام ہے، وقت فرصت غنیمت ہے۔کوئی درس شروع کر دینا چاہیے، چنانچہ مولانا عبدالحیٔ نے مشکوٰۃ کا درس شروع کر دیا اور شاہ اسماعیل نے حجۃ اللہ البالغہ کا۔حج کے بعد بھی یہ درس بہ دستور جاری رہے۔

سید صاحب کا معمول تھا کہ اکثر نماز عصر کے بعد رکن یمانی کے قریب بیٹھ کر مراقبہ ودعاء کرتے۔

شانِ تلقین

سفر منیٰ وعرفات میں مولانا عبدالحیٔ نے اپنے اہل خانہ کو اونٹ پر سوار کرایا، خود بھی سوار ہوئے۔کچھ رفقاء بھی ساتھ تھے۔مغرب کی نماز کا وقت آیا تو مولانا نے اونٹوں کے مالک کو آواز دی کہ ذرا ٹھہرو ہم نماز ادا کر لیں۔اس شخص نے عجلت کے خیال سے ٹھہرنا پسند نہ کیا اور بے احتیاطی سے بولا تم برے لوگ ہو، خدا پھر تمہارا ساتھ نصیب نہ کرے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا نے باطمینان نماز ادا کی۔ پھر اونٹوں کے مالک کو سمجھایا کہ بھائی ہم لوگ ہندوستان سے حج وعبادت کیلئے آئے ہیں۔ تم ہم سے نفرت کرتے ہو اور بددعاء دیتے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ایمان سے بہرہ نصیب نہیں ہوا۔ دعاء کرو کہ خدا تمہیں ایمان نصیب کرے۔ اس نے بہت معذرت کی اور مولانا سے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعاء فرمائیں۔

سفر ہجرت

مولانا عبدالحئی کو سفر ہجرت میں بڑی مشکلات پیش آئی تھیں۔ خاصا وقت بہاول پور میں گزارا۔ سلخ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ میں بھاگ (بلوچستان) پہنچے، تیرہ دن وہاں ٹھہرے رہے، پچیس روز حاجی میں گزارے۔ دو مہینے مٹھڑی میں قیام کیا۔ ۸/رجب کو قندھار گئے۔ ۱۶/رمضان کو وہاں سے چلے تو ۵/شوال کو کابل پہنچے پھر جلال آباد کے راستے سوات میں سید صاحب سے ملاقی ہوئے۔

مولانا محمد یوسف

مولانا محمد یوسف پھلتی کی والدہ حج کیلئے ساتھ نہ گئی تھیں، عین حج کے دنوں میں ان کے انتقال کی خبر مکہ معظمہ پہنچی۔ سید صاحب نے حرم پاک میں انکی مغفرت کیلئے دعاء کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ (۶)

قصیدہ

در فضائل حبرِ نبیل مولانا محمد اسماعیل

یہ قصیدہ مولوی محمد حسین صاحب تخلص بہ فقیر نے لکھا تھا اور میرے علم کے مطابق صرف ایک مرتبہ ایک مختصر سے رسالے کے ساتھ چھپا جس کا نام "فضائل عالم باعمل" تھا۔ اس رسالے کے حاشیے پر شاہ محمد فاخر الٰہ آبادی کا "تحفہ زائر" شائع ہوا اور آخر میں یہ قصیدہ۔ قصیدہ بہت لمبا تھا، میں نے بہت سے شعر حذف کر دیے اور صرف وہ شعر چنے جو شاہ شہید کے فضائل سے متعلق تھے۔ یہ قصیدہ اب نایاب ہے امید یہ ہے کہ اس کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ ہو جائیں گے۔

پوچھئے نام تو ہم نام ذبیح اللہ تھے ❁ بوعمر(۱) تھے وہ اگر پوچھئے ان کی کنیت

دیکھنے والے ابھی انکے بہت ہیں موجود ❁ کیجئے تصدیق جو اس عرض میں شک ہو حضرت

عالم ایسے تھے کہ علم کا ان کا نہ ہو بیاں ❁ علماء کو بھی رہی علم سے ان کے حیرت

صرف، نحو میں وہ رتبہ عالی ان کا ❁ ابن حاجب کی نہ تھی عہد میں انکے حاجت

---

(۱) یعنی شاہ صاحب کا نام اسماعیل اور ان کے فرزند ارجمند کا نام عمر تھا، لہذا "بوعمر" ان کی کنیت ہوئی، لیکن شاہ شہید کے سلسلے میں اس کنیت کا ذکر کبھی نہیں سنا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اہل معقول بنے انکے بیاں سے معقول ❁ اہل ہیئت پہ رہی ان کی ہمیشہ ہیبت

ہر اشارہ تھا اشارات، شفا تھا ہر لفظ ❁ پور سینا کو کلام انکا سکھا دے حکمت (۱)

جو ادب میں انہیں سکا کئی دوراں کہیے

کب بجا ہے کہ یہ ہے بے ادبی کی نسبت

علم تفسیر کو کیا کہیے کہ گویا ان کو ❁ ابن عباسؓ کی تھی روح سے حاصل قربت

کیا بیاں معنیٔ قرآں کیے، سبحان اللہ ❁ گویا ان آنکھوں کو دکھلا دیے نار و جنت

اس قدر علم احادیث رسولِ حق تھا ❁ نائب ختم رسل انکی مناسب ہے صفت

تھے وہ بے واسطہ تلمیذ بخاریؒ گویا ❁ ایسے شاگرد سے مسلم کو بھی ہوتی راحت

ترمذیؒ کے وہ اگر عہد میں ہوتے تو ضرور ❁ نور چشم اپنا سمجھتے وہ انہیں بے منت

ہوتے مالکؒ کے زمانے میں اگر مولانا ❁ ملکِ تدریس کی دیتے وہ انہیں ملکیت

پاتے قسمت سے اگر دورِ سلیماں (۲) کی حدیث ❁ سارے شاگردوں سے لیجاتے وہ گوئے سبقت

ابن ماجہ کا اگر وقت میسر ہوتا ❁ کرتے وہ ان کیلئے سب سے زیادہ عزت

گویا محفوظ تھیں سینے میں احادیث صحاح

تھے خبردار خبر سے وہ بہت باخبرت

بوحنیفہؒ کا زمانہ بھی اگر وہ پاتے ❁ مجتہد ان کو بنا دیتی انہوں کی صحبت

ہوتے شاگردوں میں مانند ابو یوسفؒ وہ ❁ کرتے جو خدمتِ نعمان سے حاصل برکت

عالم و عاملِ قرآن و حدیث ایسے تھے ❁ ان کا دستورِ عمل تھا یہ کتاب و سنت

حاجی ایسے کہ طفیل انکے بہت سی مخلوق ❁ حاجیٔ کعبہ ہوئی زائر بیت حضرت

یعنی وہ شوق دلایا کہ سفر ہائے حجاز ❁ قطع کرنے میں سبھی ہوگئے بلند ہمت

(۱) پور سینا سے مراد بوعلی سینہ ہے، اشارات و شفا اس کی مشہور کتابیں ہیں۔

(۲) مراد ہے سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی السجستانی صاحب سنن۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واعظ ایسے تھے کہ کیا انکے بیاں کا ہو بیاں ❁ سننے والوں کو عجب ہوتی تھی رغبت بیعت
جب حدیث نبوی کا وہ بیاں کرتے تھے ❁ ہوتا تھا خلق سے معدوم حدوث بدعت
ذکر دوزخ کا جو آتا تو جلا دیتی تھی ❁ آتش خوف خدا چہرۂ خواب غفلت
اور جنت کا بھی کچھ ذکر جو آتا تھا ❁ سن کے کفار بھی اسلام کی کرتے رغبت
اور جو کرتے تھے کبھی ہول قیامت کا بیان ❁ مجلس وعظ کی ہو جاتی تھی ایسی صورت
ایک کو دوسرے کی کچھ نہ خبر رہتی تھی ❁ اسقدر ہوتی تھی ہر ایک کے دل کو وحشت
سر کے نزدیک جو وہ شمس بدلی ہوتا تھا ❁ شرم افعال سے ہوتی تھی عرق کی شدت

توبہ توبہ میری یارب یہ ہر اک کہتا تھا
اس قدر ہوتی تھی واں ہیبت رب العزت

سر کو سجدے میں جھکا دیتے ہی بن پڑتی تھی ❁ بے نمازوں کی بدل جاتی تھی ایسی حالت
فرض جن سے نہ ادا ہوتا تھا، وہ صورت قرض ❁ کرتے نفلیں بھی ادا کرنے میں اپنی نیت
اکل و شرب اپنا فراموش وہ کر دیتے تھے ❁ روزہ خوروں کو تھی اس وعظ کی اتنی ہیبت
پھر تو عیدین سے تشریق سے لاچار تھے وہ ❁ سال بھر روزے کی تھی انکو وگرنہ رغبت
جو نہ دیتے تھے زکوٰۃ انکا یہ ہوتا تھا حال ❁ صرف کل مال میں کرتے تھے وہ صرف ہمت

عیش میں گھر سے بھی تھا جن کو نکلنا مشکل
سفر حج کی پیادہ ہوئی ان کو رغبت

ہو گئے سیکڑوں زانی بھی زنا سے تائب
اور میخوار بھی توبہ سے ہوئے پاک صفت
زانیہ عورتیں بھی ان کی نصیحت سن کر
باندھتی تھیں کسو دیندار سے عقد حلت
ہے یہ مشہور کہ دہلی میں وہ ایک روز کہیں
اک زن فاحشہ کے در پہ گئے با عزت
اس کو کچھ ذکر قیامت جو سنایا تو وہیں
وہ بھی تائب ہوئی اور اسکی جو تھیں ہم صحبت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور ان سب کے باندھ دیے اسی لحظہ نکاح
اللہ اللہ یہ تھی ان کے بیاں کی ہیبت

اور دہلی ہی کی مسجد میں یہ مشہور ہے بات ❁ حوض تک رہتا تھا یاں ڈر لگا بے دہشت
خیر کی جائے کو کر ڈالا تھا اک موقع شر ❁ اس قدر شہر میں تھی اہل ہوا کی کثرت
بہ طفیل ان کے وہاں سے بلا دور ہوئی ❁ موضع خیر میں افزوں ہوئی بس خیریت
مسجدیں سیکڑوں آباد ہوئیں انکے سبب ❁ مرد و زن لاکھوں نمازی ہوئے صافی طینت
گر یہ طفل کو سنتی ہی نہ تھی مادر طفل ❁ اس زمانے کی نمازوں میں یہ تھی محویت
ہر نمازی کو ہوا شوق تہجد ایسا ❁ بستر خار بنا بستر خواب راحت

خواب شیرینِ سحر کا نہ مزہ تھا ان کو
طاعت حق میں انہیں آتی تھی کیا کیا لذت

ہر جگہ دین محمد کا رواج ان سے ہوا ❁ ظلمت دہر میں روشن ہوا نور سنت
دیکھو دشوار تھا کیا کچھ زن بیوہ کا نکاح ❁ وہ بھی آسان ہوا ان سے علیہ الرحمت
ورنہ اس ہند پہ آفات میں اہلِ اسلام ❁ عار اس کام سے رکھتے تھے برہمن کی صفت

شکر لاکھوں ہے رحمت کے خدایا کہ یہاں
بہ طفیل ان کے ادا ہونے لگی یہ سنت

اک جگہ سنتے ہیں فرماتے تھے مولانا وعظ ❁ پیر زن ایک ہوئی سن کے غضب ناک
اور کہنے لگی یہ مولوی ایسا آیا ❁ اپنے رانڈوں کے تو اے لوگو بھی کھودیے ست
دانہ بی بی کا جو کھاتے تھے وہ محروم ہوئے ❁ کیونکہ ہر رانڈ ہوئی اب تو دو خصمی عورت
اس کو نرمی سے یہ سمجھایا نہ کیجئے غصہ ❁ مجھ کو کہنے میں نہیں اپنی طرف سے جرأت
بلکہ فرماتے ہیں یوں بی بی (۱) کے بابا صاحب ❁ میں جو کہتا ہوں یہ سب کچھ ہے پیام حضرت

(۱) یہاں بی بی سے اشارہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی طرف ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور سب چھوٹ گئیں آپ کے سمجھانے سے
رسم بد شادیوں کی اور غمی کی بدعت

اور مہاجر بھی وہ ایسے تھے کہ سبحان اللہ ❁ ماسوی اللہ سے تھی ان کو ہمیشہ نفرت
ظاہر اَمال سے اولاد سے، گھر سے ان کو ❁ اس قدر عشقِ الٰہی میں ہوئی تھی نفرت

سب دیا چھوڑ مگر ہاتھ سے چھوڑا نہ کبھی
رشتۂ ہجرت فی اللہ بل بے ہمت

غازی ایسے تھے کہ کیا ان کی غزا کا بیاں ❁ آبِ شمشیر کو پیتے تھے وہ مثلِ شربت
ان کی شمشیر کا زہراب ملا دیتا تھا ❁ فوجِ کفار کے دریا میں عجب سمیت
یہ سنا ہوگا کہ سکھوں کو بہت قتل کیا ❁ سکھ سے پھر رہ نہ سکے سکھ ہوئے ایسے غارت
مال سے، ملک سے اور جاہ سے کچھ کام نہ تھا ❁ تھا تو یہ کام تھا، عالی ہو یہ دین و ملت

راہِ مولا میں بھی قربان ہوئے واہ نصیب
اور حیاتِ ابدی پائی علیہ الرحمت

جو برا کہتے ہیں ایسوں کو، برا کرتے ہیں ❁ عیب اپنے بیاں کرتے ہیں وہ بدطینت
ظاہر اَبے ادبی ہے یہ کلامِ حق کی ❁ ایسے حافظ کو برا کہتے جو بد خصلت

ایسے عالم کی مذمت جو کیا کرتے ہیں
مثل جاہل ہیں اگر چہ انہیں ہو علمیت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگزشت

تحریک سید احمد شہیدؒ

جلد چہارم

المعروف بہ "سرگزشتِ مجاہدین"

تالیف

حضرت مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ

حسب ایماء

حضرت مولانا شمس الحق صاحب قاسمی، ممبئی

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جملہ حقوق کتابت بحق ناشر محفوظ ہیں

تصریحات

نام کتاب: تحریک سید احمد شہیدؒ جلد چہارم

مؤلف: مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ

تصحیح: مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی

تعداد صفحات: ۸۱۲

باہتمام: شمشیر احمد قاسمی (دیوبند)

کتابت: عمران کمپیوٹرس مظفرنگر (PH: 09219417735)

سن اشاعت: جنوری 2008

ملنے کے پتے

❖ دارالکتاب دیوبند
❖ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
❖ سنابل کتاب گھر دیوبند
❖ مدینہ بک اسٹال بھنڈی بازار ممبئی
❖ مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند
❖ دارالاشاعت دیوبند
❖ دکن ٹریڈرس مغل پورہ حیدرآباد
❖ توحید بک ڈپو پھول پورا اعظم گڑھ
❖ مولانا عبدالسلام خاں قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، بھنڈی بازار ممبئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عشق دیگر
زنوری سجدہ می خواہی، زخاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود را نگہ داری کہ بااین بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی

(اقبالؒ)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فہرست عنوانات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سطورِ اولین

بسم اللہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم القیامۃ.

مجاہد کبیر حضرت مولانا ومقتدانا سید احمد شہید رحمہ اللہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا وہ آفتابِ نیم روز اور مینارۂ نور ہیں جن کی مثال گذشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔ اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور پرچم اسلام کی بلندی کے لئے آپ کی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں اور مشعلِ راہ ہیں۔

مجھے آپ کی زندگی کے قیمتی لمحات اور مجاہدات پر روشنی ڈالنا مقصد نہیں، کہ یہ کام ضخیم مجلدات کا متقاضی ہے اور الحمد للہ اب تک ہزاروں صفحات اس حکایتِ لذیذ اور روح پرور داستان میں مرقوم ہو کر تاریخ کا روشن باب بن چکے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ دو ضخیم جلدیں "سیرت سید احمد شہید" گذشتہ تقریباً نصف صدی سے اہل علم وفدا کارانِ اسلامیت سے خراجِ تحسین حاصل کر رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب "سید احمد شہید" حضرت مولانا غلام رسول مہر کے اعجاز رقم قلم کا شاہکار ہے۔ یہ دراصل مولانا مہر کے اس "زریں سلسلہ" کی پہلی کڑی ہے جو انھوں نے حضرت سید احمد شہید، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کے حالات ومجاہدانہ کارناموں کے بیان میں مرتب کی ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول مہر کی تحریر فرمودہ کتابوں (سید احمد شہید اول - دوم، جماعتِ مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین) تقریباً ایک صدی کی تاریخ ہے جو مجاہد کبیر، ان کی تحریک اور ان کے جانباز رفقاء کے حالات ومجاہدات اور خدمات کو منظر عام پر لانے میں نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہیں۔ یہ ایسی تاریخ ہے جس میں تاریخ نویس خود اس تاریخ کا ایک حصہ اور مشاہد محسوس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مولانا مہرؔ نے ان کتابوں کو صرف داستان برائے داستان اور حکایات وروایات اور کتابوں کی مدد سے مرتب نہیں کیا بلکہ بذاتِ خود ان تمام مواضعات، متعلقہ منازل، مقاماتِ جنگ وجہاد، مشاہد اور رہ گذروں کا مشاہدہ کیا، برسوں ان علاقوں کی دشت نوردی اور بیا سرائی کی جہاں ان مبارک نفوس کے قدم پڑے، جہاں انھوں نے اس بلند مقصد کے لئے لیل ونہار گزارے، جہاں انھوں نے جہادِ آزادی اور سربلندیٔ اسلام کے لئے اپنی ذہنی، روحانی اور جسمانی تمام صلاحیتیں صرف کیں اور حد یہ ہے کہ بیشتر نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی، یعنی جامِ شہادت نوش کر کے اُس حیاتِ جاودانی سے سرفراز ہوئے جو عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ کے پروانۂ خاص کا حقدار بناتی ہے۔

مولانا مہرؔ کا اسلوب وبیان ادبیت ودلکشی اور جاذبیت ومحویت سے ایسا پُر ہے جس سے مطالعہ کنندہ نہ صرف اپنے آپ کو ان مقامات میں موجود محسوس کرتا ہے بلکہ اپنے اندر اعلائے کلمۃ اللہ اور سربلندیٔ اسلام کیلئے ایک جذبہ جوش مارتا ہوا پاتا ہے۔ انھوں نے اس تاریخ کو برسہا برس کی محنت سے لکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید کے اس مشن اور تحریک میں خود ڈوب کر اور اس میں خود کو محو کر کے لکھا ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ وہ ان فدایانِ اسلام کی خدماتِ عالیہ اور جذبۂ مقدس کو سلامِ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ کتابیں (سید احمد شہید، جماعتِ مجاہدین، سرگزشتِ مجاہدین) پچھلے کافی عرصہ سے ہندوستان میں نایاب ہو چکی تھیں، میری ایک عرصہ سے خواہش تھی یہ سیریز شائع ہو کر اہل علم اور شائقین حضرات کے لئے دستیاب ہونی چاہئے۔ کیونکہ بقول مولانا غلام رسول مہر، اگر اس عظیم تحریک کو تاریخ ہند سے نکال دیا جائے تو پھر اسلامی جدوجہد کے حوالہ سے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے؟ ہمیں اپنے اسلاف کرام کے ان مجاہدانہ کارناموں کی سرگزشت کو ہمیشہ اپنے سینوں سے لگا کر رکھنے اور مواقع وحالات کے مطابق ان کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیز محترم مولانا شمشیر احمد قاسمی نے میری خواہش واصرار پر اس کام کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیڑا اٹھایا۔ پرانے ایڈیشنوں میں اغلاط بھی تھیں، ساتھ ہی کتابت میں یکسانیت اور جاذبیت بھی نہ تھی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ از سرِ نو کتابت کرا کر اس سیریز کو نئی آب وتاب کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جائے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اب اس سیریز کو ایک نیا نام دیا گیا ہے یعنی "تحریک سید احمد شہیدؒ" جو چار جلدوں پر مشتمل ہوگی، ٹائٹل اور اندر صفحات کے بالائی حصہ پر اس نئے نام کے ساتھ ساتھ پرانے ناموں کو بھی باقی رکھا گیا ہے۔

میں جناب مولانا شمشیر احمد قاسمی کو مبارک باد دیتا ہوں اور ساتھ میں مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی کی تصحیح کی خدمت کو سراہتے ہوئے دعا گو ہوں کہ ربِ کریم ہمیں بھی ان پاک نفوس کے جذبۂ اسلامیت اور عشقِ الٰہی کا کوئی حصہ اور حصہ نصیب عطا کر کے اپنی راہِ رضا پر چلنے توفیق ارزانی کرے اور اس فرشتہ صفت جماعت کی معیت نصیب فرمائے، آمین

الراقم

شمس الحق قاسمی

مکتبۃ الحق (ممبئی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عرضِ ناشر

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ الطیبین الطاہرین و صحبہ اجمعین۔

مقامِ مسرت ہے کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و خدمات، ان کی تحریک اور ان کے رفقاء کی سرگزشت پر مشتمل یہ عظیم سیریز کتب (سید احمد شہید ہر دو جلد، جماعت مجاہدین، سرگزشت مجاہدین) جدید عنوان "تحریک سید احمد شہید" کے ساتھ شائع کرنے کی مجھے ایسے موقع پر سعادت حاصل ہو رہی ہے جب کہ ملک میں جدوجہد آزادیٔ ہند کی ڈیڑھ سو سالہ سالگرہ حکومتی سطح پر بڑے جوش و خروش سے منائی جا رہی ہے۔ لیکن اس میں ہمارے اسلاف کرام کی قربانیوں کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ نہ صرف افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے بلکہ ملت کے رہنماؤں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے لئے ایک تازیانہ بھی ہے۔ جو زمانہ کے جدید تقاضوں کی تفہیم، ان سے حصولِ مقصد کے امکانات اور مقابل و مخالف طاقتوں کے خلاف صف آرا اور متحد ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ یا انھیں بتا رہا ہے ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

حقیقت تو یہ ہے ہمیں پیش قدمی کرتے ہوئے خود اپنے اسلاف کرام کی خدمات اور قربانیوں کو منظر عام لانے کیلئے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں اور اپنے اسٹیج سے ان لوگوں کو اپنے بزرگوں کی مدح سرائی کے لئے مجبور کرنا چاہئے تھا، جن کے تغافل کا ہم آج رونا رو رہے ہیں۔

آزادیٔ ملک و ملت اور سربلندیٔ اسلام کے لئے سرفروشانہ جدوجہد اور احیائے اسلام کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی کوشش میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے جانباز رفقاء کا جو حصہ ہے، ان کی جو روشن خدمات ہیں، یہی اس سیریز کا موضوع ہے۔

اس سیریز کی چار ضخیم جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، ان کی کمپیوٹر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کتابت میں ایک اہم مسئلہ تصحیح کا تھا، چونکہ کمپیوٹر کتابت میں اغلاط رہ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ وہ عجیب وغریب شکل اور الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہیں۔

اس مشکل کا حل رب کریم نے اس طرح نکالا کہ جناب مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس اہم اور تاریخی سلسلہ کی کتابت وتصحیح کی ذمہ داری لے کر ایک طرح سے ہمارے لئے اس اہم مرحلہ کو آسان بنادیا۔ مولانا موصوف تصنیف تالیف اور تصحیح وترجمہ میں اپنی ایک شناخت قائم کر چکے ہیں، فرید بک ڈپو دہلی سے ان کی تصحیح کردہ وترتیب دادہ متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ گذشتہ سال حکیم الاسلام عالمی سیمینار کے موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تالیفات ومضامین کا حسین مرقع سات جلدوں میں ان کا مرتب کردہ شائع ہوکر اہل علم وقدرداں حضرات سے خراجِ تحسین حاصل کرچکا ہے، ان کتابوں کا اجراء مقتدر علمائے کرام کے ہاتھوں مذکورہ سیمینار میں ہوا تھا۔

ایک قابل لحاظ کام یہ کیا گیا ہے کہ سابق ایڈیشنوں میں فہرست نامکمل تھی، صرف ابواب کے صفحات کی نشاندہی کی گئی تھی، موجودہ ایڈیشن میں تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے، یہ یقیناً بڑی محنت کا کام ہے۔ جس سے ایک ہی نظر میں کتاب کے تمام مندرجات پوری طرح سامنے آجاتے ہیں۔

بہرحال مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی نے اس سلسلہ کتب کی کتابت وتصحیح کی خدمت انجام دے کر ہمارے لئے اس سلسلہ کی اشاعت کو کافی حد تک آسان بنادیا۔

اس کتاب کو مولانا غلام رسول مہر نے جس جانفشانی سے مرتب کیا تصنیف وتالیف کی دنیا میں وہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ اللہ رب العزت کا شکرواحسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی اہم کتابوں کی سیریز کی اشاعت کی توفیق سے نوازا۔ وماتوفیقی الا باللہ

شمشیر احمد قاسمی

سنابل کتاب گھر دیوبند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نذرِ شہیدانِ بالاکوٹ

یہ نظم جناب فضل احمد کریم صاحب فضلی سکریٹری (حکومتِ پاکستان) نے زیارتِ بالاکوٹ کے وقت کہی تھی، جسے جماعتِ مجاہدین میں شامل ہونا چاہیے تھا، یہ کہیں کاغذات میں گم ہوگئی، اب بطور یادگار یہاں شائع کی جاتی ہے:

مجاہدانِ صف شکن بڑھے جو نذرِ جاں لئے
تو موت باادب بڑھی حیاتِ جاوداں لئے

یہ وہ ہیں جن کے عمر بھر قدم نہ ڈگمگا سکے
مصیبتوں نے بارہا ہزار امتحاں لیے

یہ سخت کوش و سخت جاں عجب پیام دے گئے
کہ زندگی ہے بامزہ اگر ہے تلخیاں لیے

جلال بھی جمال بھی، عجیب ان کی شان ہے
نظر میں بجلیاں لیے، نفس میں گلستاں لیے

جہاں بھی سر جھکا دیا وہیں پہ عرش آ گیا
یہ سجدۂ شہید ہے جبیں میں آستاں لیے

یہ سید شہید یہ مجاہدانِ ہمسفر
کہ جیسے ماہتاب ہو جلو میں کہکشاں لیے

مجاہدانِ باصفا کی پیشوائی کے لیے
ملائکہ اتر رہے ہیں مژدۂ جناں لیے

عقیدت و خلوص کے یہ چند پھول نذر ہیں
کھڑا ہے فضلیؔ حزیں حقیر ارمغاں لیے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

چگونہ مے بہ میاں آورم دریں مجلس
کہ بادہ حوصلہ سوز است و جملہ بدمست اند

سید احمد شہید کے سلسلہ کی یہ تیسری اور آخری کتاب ہے۔ اس پر وہ سفر اختتام کو پہنچا جس کے لئے سروسامان اور تگ وتاز میں میری زندگی کے کم وبیش بیس سال صرف ہوئے:

درشمار ار چہ نیاورد کسے حالی را
شکر کاں محنت بے حد وشمار آخر شد

اسلامی ہند کی تاریخ کا یہ باب آج تک کسی بھی شکل اور کسی بھی زبان میں نظم وترتیب نہ پاسکا۔ بیشک اس کے متفرق پہلو مختلف صورتوں میں وقتاً فوقتاً پیش ہوتے رہے، لیکن ان کی حیثیت ایسی تھی جیسے کسی طویل اور مسلسل داستان میں سے کوئی ورق کہیں سے اٹھالیا اور کوئی کہیں سے۔ نہ پیش کرنے والے کو یہ اندازہ تھا کہ اس کا سیاق وسباق کیا ہے، نہ پڑھنے والے پر یہ حقیقت واضح ہوسکتی تھی کہ یہ ایک منظم ومحکم سلسلۂ مجاہدات کی کڑیاں تھیں، جن کی وضع وساخت میں فداکارانِ اسلامیت وآزادی کا بیش بہا خونِ حیات پوری ایک صدی تک بے دریغ صرف ہوتا رہا۔ ایسے ہی مجاہدات قوموں اور ملکوں کے لئے سربلندی کا سرمایہ، ارجمندی کا زینہ اور زندگی کا حاصل تسلیم کئے جاتے ہیں۔

رہِ غیرت خطرناک است پہنا لیش تماشا کن
درآں وادی کہ عشق اوست تن یا سرنمی سازد

اس حیات افروز داستان کے اوراق ایک سو سال کی مدت میں اس درجہ منتشر ہو چکے تھے کہ ان کی فراہمی اور شیرازہ بندی اہل قلم کے ایک بڑے گروہ کی اجتماعی سعی وہمت کے بغیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بروئے کار نہ آسکتی تھی، چہ جائیکہ مجھ ایسا فرومایۂ علم وعمل اتنے بڑے کام کے سرانجام کا ذمہ تنہا اُٹھا لیتا۔ سید صاحب اور ان کی جماعت کو جن ناسازگار حالات سے سابقہ پڑا، ان کی تفصیل بڑی ہی دردناک اور الم انگیز ہے۔

ایک طرف سکھ اور انگریز تھے، جن کے سیاسی مقاصد کا تقاضہ یہ ہوا کہ اس حقانی جماعت کے اصلی کارنامے منظرِ عام پر نہ آنے دیں یا ان کے گرد وپیش غلط بیانیوں کے سیاہ اور دبیز پردے اس پیمانے پر تان دیں کہ کسی کو حقیقت تک پہنچنے کا خیال ہی نہ آسکے۔ دوسری طرف مقامی رؤساء وخوانین تھے، جن کی انفرادی غرض مندیاں اور کام جوئیاں ان پاک نفس مجاہدین کو زیادہ سے زیادہ رسوا کرنے میں سرگرمِ عمل رہیں۔ سب سے آخر میں مدعیانِ شریعت و طریقت کا مقدس گروہ تھا، جو مذہبی نقطۂ نگاہ سے اس جماعت پر مسلسل عتاب وغضب کی بجلیاں گروتا رہا۔ ان میں سے بعض اصحاب نیک نیت بھی ہوں گے، تاہم وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے اور ان کی دانش وبصیرت نے پے درپے ٹھوکریں کھائیں۔ بعض کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں میں اغیار کی تحریک وانگیخت کے شواہد یکسر آشکار انظر آتے ہیں۔

خود سید صاحب کے ارادت مندوں نے زیادہ سے زیادہ حالات قلم بند کر لینے کا پورا اہتمام کیا، لیکن انہیں چھپائے رکھنے کے اہتمام میں بھی کوئی دقیقہ سعی اُٹھا نہ رکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ مدت گذر جانے کے بعد وہ قلمی دفاتر یک جا محفوظ نہ رہ سکے اور کسی کو یہ بھی خبر نہیں رہی کہ بکھر بکھر کر کہاں کہاں پہنچے۔ معاملہ کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ حالات جس انداز میں لکھے گئے تھے، وہ پرانا تھا اور ہمارے زمانے کیلئے اسے کسی بھی درجہ میں سازگار نہ سمجھا جا سکتا تھا۔

غرض ہماری ملی غیرت اور اسلامی حمیت کی اس سب سے زیادہ پرتاثیر داستان کے گم ہو جانے میں کوئی بھی کسر باقی نہ رہی تھی، تاہم اسے سید صاحب اور انکی جماعت کے خلوص کا زندہ اعجاز سمجھنا چاہیے کہ اس عاجز کو یہ داستان تفصیلاً مرتب کر دینے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ کیا عجب ہے کہ یہی ناچیز خدمت محاسبۂ اعمال کے وقت مغفرت کا وسیلہ اور عفو وکرم کی دستاویز بن جائے:

امید ہست کہ بیگانگیٔ عرفی را بہ دوستی سخن ہائے آشنا بخشند

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس طویل سلسلے سے جواب تقریباً دو ہزار صفحات پر پھیل گیا ہے، محض داستان سرائی مقصود نہ تھی بلکہ چند نہایت اہم حقائق و مقاصد پیش نظر تھے، جن کا اجمالی نقشہ یہ ہے:

۱۔ ہم جس عہد کو دورِ زوال سے تعبیر کرتے ہیں، وہ تاریکیوں اور مایوسیوں کی شب تاریک ہی نہ تھی، اس میں سربلندی کیلئے جانبازی اور ارجمندی کیلئے سرفروشی کی درخشاں کرنیں بھی جلوہ گر ہوتی رہیں، جن کی ضیا گستری عہد عروج کی شوکت آرائیوں کو بھی پیغام خجالت دے رہی تھی، افسوس کہ جو آنکھیں تاریکی کی شدت میں بصیرت کی دولت ضائع کر چکی تھیں، وہ روشنی کی ان کرنوں سے بہرہ اندوز نہ ہو سکیں، ان میں بلند ترین درجہ سید احمد شہید کی تحریک کو حاصل تھا جو خالص اسلامی مقاصد کے لئے خالص اسلامی بنیادوں پر اپنی نوعیت کی ایک ہی تحریک تھی۔ ضروری تھا کہ اس تحریک کی سرگزشت مرتب ہو جاتی۔ اس کے بغیر ہماری تاریخ مکمل نہ سمجھی جا سکتی تھی۔

۲۔ عام تاثر یہ ہے کہ ہم نے حکم و فرمانروائی سے محرومی کے بعد اس سرزمین کی آزادی اور یہاں اسلامیت کی بحالی کیلئے کچھ بھی نہ کیا۔ برادرانِ وطن نے گزشتہ دس بیس سال میں جہادِ آزادی کے متعلق جو کتابیں مرتب کیں ان میں عموماً غیر مسلم اکثریت ہی کی سرگرمیوں کو نمایاں کیا گیا۔ اس وجہ سے یہ خیال تقویت پکڑ گیا کہ مسلمان ایک مرتبہ پستی میں گرے تو پھر نہ اُٹھ سکے، حکمرانی کے ساتھ ہمت و غیرت کی متاع بھی کھو بیٹھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وسیع ملک کی آزادی کیلئے جو سرفروشانہ کارنامے مسلمانوں نے انجام دیے، ان کی نظیر کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی اور مسلمانوں کی قربانیوں کے مقابلے میں دوسری قوموں کی قربانیاں سمندر میں چند چلوؤں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، لیکن اسے کیا کیا جائے کہ اسلامی قربانیوں کی سرگزشت معرضِ ترتیب ہی میں نہ آ سکی اور جہادِ آزادیٔ وطن کا یہ پورا باب گم ہو کر رہ گیا۔

میں نے یہ باب مستند تاریخی شواہد کی بنا پر مرتب کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کا درجۂ ایثار و سرفروشی سب پر آشکارا ہو جائے۔ مقصود مقابلہ نہیں، یہ ہے کہ اس طویل جہاد کا گوشہ گوشہ سامنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آ جائے ورنہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ مقاصد کیلئے قربانیاں مشترکہ دولت ہوتی ہیں، خواہ ان کا مصدر ومنشا کوئی گروہ اور کوئی قوم ہو، اوران پر سب کو یکساں فخر ومباہات کا حق حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ پھر سید صاحب کی تحریک کے سلسلہ میں دو اور پہلو بھی غور طلب تھے: اول یہ کہ مسلمانوں کی اس جماعت نے اسلامیت وآزادی کیلئے جہاد اس وقت شروع کیا، جب یہاں کے اکثر گروہوں پر فی الجملہ افسردگی و بے حسی طاری تھی۔ ان کے درمیان حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہنگامۂ مسابقت بپا تھا، یہاں تک کہ جہاد کی عزت وحرمت کے اندازہ شناس بھی بہت کم لوگ تھے۔ اکثر اس کے نام ہی سے ہراساں وگریزاں تھے۔ دوم اس جماعت کا مقصد ومدعا حصول آزادی کے سوا کچھ نہ تھا اور وہ اس کیلئے کسی مادی معاوضے یا دنیوی منفعت کے کبھی طلب گار نہ ہوئے۔ وہ پورے سوا سو سال تک بے پروایانہ اور بے دریغ اپنی جانیں اور مال اس راہ میں قربان کرتے رہے اور ان کے دل ایک کلمۂ تحسین کی آرزو سے بھی کبھی ملوث نہ ہوئے۔ ان کی قربانیوں کے مقابلہ میں وہ اعمال وحرکات کیونکر لائے جا سکتے ہیں جن کے ساتھ اخباروں کے نفس پرور مقالے، پھولوں کے ہار، جلسوں اور جلوسوں کی ہمہمے، شہرت طلبی کے ولولے اور گوناگوں مادی معاوضوں کے ہنگامے وابستہ تھے۔ بے نفسی اور للّٰہیت کی یہ داستان ان لوگوں کی بلند اسلامیت کا کرشمہ تھی اور اس میں ہم سب کیلئے بصیرت وموعظت کا نہایت قیمتی سرمایہ موجود ہے۔

۴۔ اس داستان کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اسے ہمارے حالات سے خاص مناسبت تھی۔ سید شہید نے جب دعوت اصلاح وجہاد کا علم بلند کیا تھا تو ملک کی عام کیفیت بعد کے دور سے یقیناً قدرے متفاوت تھی، تاہم ان کی بے سروسامانی ہماری بے سروسامانی سے مختلف نہ تھی۔ بایں ہمہ وہ اللہ کا نام لے کر اٹھے اور عزیمت واستقامت کے اعجاز سے وہ تحریک پیدا کر دی، جس کی آگ کے شعلوں نے پچیس سال تک سکھوں کو اور ایک سو سال تک برطانیہ جیسی قاہر قوت کو مسلسل آتش زیر پا رکھا۔

ہمارے لئے اس سرگزشت سے استفادہ کی صورت بجز اس کے کیا تھی کہ یہ مرتب صورت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں ہمارے سامنے آجاتی۔ یہ مقدس بزرگ پاک و ہند کے ایک دور افتادہ گوشے میں اپنے خونِ حیات سے مراد کے نقش بٹھاتے اور روشن مستقبل کے خط و خال سنوارتے رہے۔ آج کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیسے کیسے ولولے موجزن تھے اور دماغوں میں کیا کیا انتظامی نقشے بسے ہوئے تھے۔ جن کی زندگیوں کا ہر سانس ادائے فرض اور رضائے حق کے لئے وقف رہا، ان کی عظمت کا اندازہ ہم لوگ نہیں کر سکتے، جو فرض اور رضا کے صحیح مفہوم سے بھی یکسر ناآشنا ہیں۔ وہ پیش نظر مقاصد کے لئے جانفشانیوں کی شیفتگی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے:

مشت خاشاکِ نظیری شعلہ کرد و نشست
باد شمع انجمن رو تا بہ پایاں زیستن

کیا ہمارا داعیۂ حق شناسی اس امر کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا کہ ان کی یاد بہ طرزِ شایاں تازہ رکھی جائے؟

میں نے اس اہم کام کا ذمہ اٹھایا تھا تو خواب و خیال بھی نہ تھا کہ اس کے سرانجام میں مہلتِ حیات کی اتنی لمبی مدت صرف ہو جائے گی۔ اب دیکھتا ہوں تو قلب کی یہ کیفیت ہے، گویا کل رختِ سفر باندھا تھا اور آج منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ بے شک محنت بڑی ہی دلگیر اور مشقت بہ درجہ غایت صبر آزما تھی، تاہم اس کی حلاوت و دل پذیری کا یہ عالم تھا کہ ذوق و وجدان اب تک اسی لذت و سرور کی موجوں میں ڈوبے ہوئے ہیں:

رفتیم بسر زود دریں محفلِ رنداں
ساقی مئے تندے بہ ایاغِ دلِ ما ریخت

جو کچھ میں نے لکھا ہے مجھے پورا احساس ہے کہ یہ حرف آخر نہیں اور انسان کی کونسی کوشش کسی کام میں حرفِ آخر کہی جا سکتی ہے؟ ابتدائی ادوار کی سرگزشت میں بھی بعض خلا محسوس ہوتے ہیں، جنہیں میں پر نہ کر سکا اور آخری دور کے تو سینکڑوں افراد و رجال ہیں جن میں سے اکثر کے نام بھی معلوم نہ ہو سکے اور بعض کے نام معلوم ہوئے تو حالات نہ مل سکے۔ تاہم ایک خاکہ تیار ہو گیا ہے۔ جس کا ہر حصہ تاریخی شواہد پر مبنی ہے۔ یہ خاکہ اربابِ ذوق کے لئے مزید

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تحقیق میں مشعلِ راہ کا کام دے گا۔ جن اصحاب سے امداد ملتی رہی، ان کے اسمائے گرامی حواشیٔ کتاب میں جابجا درج ہیں۔ خاص شکریے کے مستحق مولانا محمد اسمٰعیل (جماعت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ) ہیں جن کی مخلصانہ اعانت آخری دور کے سوانح کی ترتیب میں برابر شامل رہی۔

خود کتاب کے متعلق کچھ کہنا میرے لئے زیبا نہیں، البتہ یہ عرض کر سکتا ہوں کہ نہ صرف اردو میں بلکہ ہر زبان میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ میں نے اس کے لئے کہاں کہاں سے مواد فراہم کیے، پھر کن کن کاوشوں سے انہیں ایک مستند دستاویز کی حیثیت میں مرتب کیا، ان سوالات کا کسی قدر جواب آپ کو ملاحظہ کتاب سے مل سکے گا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ سالہا سال کی تگ و دو کے بعد جگہ جگہ سے پھول چن کر ایک گلدستہ تیار کر سکا ہوں۔ شہیدانِ راہ حق کی بارگاہ میں اس سے بہتر تحفہ پیش کرنے کی استطاعت مجھ میں نہ تھی۔

باخونِ صد شہید مقابل نہادہ اند
عمرے کہ ماب آتش افسانہ سوختیم

غلام رسول مہر
مسلم ٹاؤن۔ لاہور
۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تحریک سید احمد شہید کے سلسلے کی چوتھی اور آخری کتاب

(۱۸۳۱ء سے زمانہ حال تک)

سرگزشتِ مجاہدین

حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعتِ مجاہدین نے ایک سو سال میں
اسلام کے احیاء، اسلامی حکومت کی بحالی اور ملک کی آزادی کے لئے
جو جہاد کیے ان کی مفصل سرگزشت

مولانا غلام رسول مہر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برِصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت
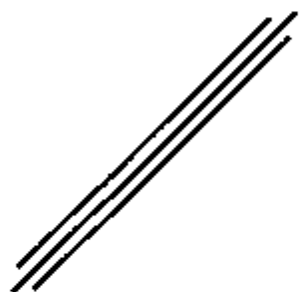
حصہ اول

(شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین منگلوری)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

شہادتِ امام اور تجدیدِ نظام

شہادتِ امام

سید صاحب نے ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو بروز جمعہ ۱۱-۱۲ بجے کے درمیان بالاکوٹ میں شہادت پائی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ آپ کی شہادت نہیں بلکہ گمشدگی کی خبر پھیل گئی تھی۔ جس کسی کے کان میں یہ خبر پہنچی اُس نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا اور سیماب وار آپ کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگا۔ بہت سے مجاہدین اسی سرگردانی کی حالت میں شہید ہوئے۔ اس اثناء میں سکھوں کا دباؤ بڑھتا گیا اور مجاہدین پیچھے ہٹتے ہٹتے اُس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے جو حلقۂ بالاکوٹ کی شمالی سمت میں واقع ہے۔ عین اس موقع پر یہ آواز بلند ہوئی کہ گوجر سید صاحب کو لڑائی کے کھیت سے اٹھا کر باہر لے گئے، لہٰذا مجاہدین کو بھی میدان سے نکل آنا چاہیے۔ اگر یہ آواز نہ سنی جاتی تو یقیناً مجاہدین بالاکوٹ ہی میں جانیں دے دیتے اور کوئی بھی ہٹنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ گوجروں نے یہ تدبیر بقیۃ السیف مجاہدین کو بچا لینے کی غرض سے اختیار کی تھی یا سکھوں کے ایماء پر اُن کا مقصد یہ تھا کہ مقابلہ ختم ہو جائے اور مزید کشمکش باقی نہ رہے۔ اس حقیقت میں شبہ نہیں کہ مجاہدین کو بالاکوٹ کے میدان سے ہٹانے کیلئے اور کوئی صورت کارگر نہ ہو سکتی تھی۔

مختلف راستے

بالاکوٹ سے شمالی سمت جانے کے مختلف راستے تھے۔ مثلاً ست بنے کا نالا، برنا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا نالا، ست بنے کے ٹیلے اور برنا کے ٹیلے پر چڑھنے کی پگڈنڈیاں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر مجاہدین نے نالوں کے راستے اختیار کیے۔ ممکن ہے کہ بعض اصحاب پگڈنڈیوں کے راستے اوپر چڑھ گئے ہوں۔ اوپر پہنچ جانے کے بعد اکثر اصحاب ایک چشمے پر جمع ہوئے۔ اس وقت مولوی خیر الدین شیرکوٹی کی جماعت کے بھی چند آدمی پہنچ گئے، جو اپنے ساتھیوں سے آگے آگے تیز دوڑے چلے آ رہے تھے تاکہ جلد سے جلد جنگ میں شریک ہو جائیں۔ انھیں شکست کا علم ہوا تو دم بخود رہ گئے۔ سب کو انتہائی قلق اس بات کا تھا کہ سید صاحب کے متعلق کوئی یقینی اور قطعی خبر نہ تھی۔ راویوں نے لکھا ہے کہ آپ کے غم فراق میں مجاہدین اس درجہ پراگندہ خاطر اور حواس باختہ تھے جیسے مجنوں اور سودائی ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا۔

غربت کی پہلی منزل

بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کی فوج پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑ پر ٹھہرے رہنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہاں سے اڑھائی تین کوس کے فاصلے پر اٹنگرائی نام ایک گاؤں ہے، جو ناصر خاں بھٹ گرامی کی ملکیت تھا۔ خان موصوف کی رہنمائی میں مجاہدین نے اسی گاؤں کا رخ کرلیا اور مغرب تک وہ اٹنگرائی میں پہنچ گئے۔ مولوی خیر الدین شیرکوٹی کے ہمراہی بھی آگئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب بہت بیمار ہیں، وہ اڑھائی کوس پر درہ کاغان میں ایک مقام پر ٹھہر گئے ہیں۔ وہ خود چل نہیں سکتے۔ ساتھی انھیں چارپائی پر اٹھا کر آہستہ آہستہ لا رہے ہیں۔

سب مجاہدین دن بھر کے بھوکے تھے، تن کے کپڑوں کے سوا کسی کے پاس کچھ نہ تھا، صرف شیخ ولی محمد کی جیب میں ایک روپیہ تھا جس کی مکی خریدی گئی۔ وہی مٹھی مٹھی بھر مجاہدین میں تقسیم ہوئی۔ بھوک، تکان، شکست کے رنج اور سید صاحب کے غم فراق نے ان پر خستگی اور افسردہ خاطری کی جو کیفیت طاری کر رکھی تھی، اس کا صحیح اندازہ کون کرسکتا ہے؟ جہاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کسی کو جگہ ملی، بے خبرانہ لیٹ گیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو ہتھیار سنبھالنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ ناصر خاں نے اپنے آدمی حفاظت کیلئے مقرر کر دیے۔ دل برداشتگی اور حواس باختگی کی اس حالتِ زار میں بھی جراحوں نے اپنا فرض فراموش نہ کیا، چنانچہ جان محمد جراح رام پوری اور عبدالرحیم جراح جانسٹھی نے نمازِ عشاء کے بعد تمام زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔

گوجروں کا پیغام

رات کے وقت دو گوجر انگرائی آئے اور بتایا کہ سید صاحب تھوڑی دور آگے (۱) پہاڑ کے درے میں زندہ سلامت موجود ہیں۔ آپ لوگ چلیں تو ہم انکے پاس پہنچا دیں۔ یہ خوش خبری سن کر سب لوگ بھوک اور تکان بھول گئے لیکن ناصر خاں نے رات کے وقت جانا خلافِ مصلحت قرار دیا اور کہا:

> اگر سید بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ رکھا ہے، وہ کہیں ہوں، ہرگز نہیں چھپنے کے۔ تم کل سویرے آنا، ہم سب تمہارے ساتھ چلیں گے۔ (۲)

مجاہدین کو ناصر خاں نے سمجھایا کہ اگر امیر المومنین خدا کے فضل سے زندہ ہیں تو کل یا پرسوں ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ آپ حضرات کیلئے لازم ہے کہ جلد سے جلد بی بی صاحبہ کے پاس پہنچ کر انکی حفاظت کا انتظام کریں۔ اگر سکھوں نے اس طرف پیش قدمی کی اور خدانخواستہ بی بی صاحبہ کو گرفتار کر لیا تو یہ بڑی شرم اور قباحت کی بات ہوگی۔ یہ رائے سب کو پسند آئی اور سیدھے بی بی صاحبہ کے پاس پہنچنے کا فیصلہ ہو گیا۔

انگرائی میں صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد دو تین گھڑی دن چڑھے تک ان گوجروں کا انتظار کیا گیا جو رات کے وقت سید صاحب کی سلامتی کا پیغام لے کر آئے تھے، لیکن ان میں سے کوئی نہ آیا۔ شیخ ولی محمد خاں نے یہ تجویز پیش کی کہ مقامی آدمیوں میں سے ایک دو

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ انگرائی سے آگے اس طرف جدھر مجاہدین جا رہے تھے۔

(۲) "وقائع" جلد سوم ص ۲۵۶۔ باقی تفصیلات بھی "وقائع" ہی کی روایات سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو بالاکوٹ بھیج دینا چاہیے تا کہ وہ امیر المومنین کے متعلق صحیح حالات دریافت کر آئیں۔ اللہ دین ساکن پھلی اور خضر خاں قندھاری یہ کام انجام دینے کیلئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے بالاکوٹ کا راستہ لیا اور باقی مجاہدین نے نندھیاڑ کا رخ کر لیا۔

دشوار گذار سفر

انگرائی سے آگے پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ آدھی چڑھائی پر پہنچے تو ناصر خاں نے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ رات کو گوجروں نے سید بادشاہ کے قیام کی جو جگہ بتائی تھی، وہ اُس درے میں ہے۔ وہاں کوئی سراغ نہ مل سکا تو آگے بڑھے۔ انتہائی مشقت کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، جہاں سے خطرناک اترائی شروع ہوئی۔ مقامی لوگ تو بآسانی اترنے لگے لیکن مجاہدین کو بڑی مشکلات پیش آئیں کیونکہ وہ ایسے پہاڑی سفروں کے عادی نہ تھے۔ روایت میں بتایا گیا ہے کہ مجاہدین میں سے:

> کوئی تو لاٹھی ٹیک کر اترنے لگا اور کوئی بندوق ٹیک کر۔ اس میں ایک جگہ کسی صاحب کا پاؤں پھسلا اور گرا۔ بیس پچیس آدمی اُس کے آگے تھے۔ اس کے دھکے سے وہ سب گرے اور لوٹتے پوٹتے پہاڑ کے نیچے جا رہے۔ کسی کی تلوار ٹوٹ گئی، کسی کی خم ہوگئی اور کسی کی بندوق کا کندا ٹوٹ گیا، مگر وہ سب لوگ سلامت رہے، کوئی زخمی نہ ہوا۔(۱)

نشیب میں نور عالم (ثعلب مصری) کے بہت سے پودے تھے۔ مجاہدین بھوک کے مارے ان کی جڑیں کھود کھود کر گاجروں کی طرح کھاتے رہے۔ وہاں برف کا ایک موٹا تختہ ملا، جو میل ڈیڑھ میل لمبا ہوگا۔ اُس پر چلنے لگے تو نیچے سے پانی بہنے کی آواز آئی۔ مقامی لوگوں نے سب کو روک دیا۔ ایک جگہ سے برف پگھل کر غار سا بن گیا تھا۔ جھانک کر دیکھا تو کوئی سو ڈیڑھ سو فٹ نیچے پانی نظر آیا۔ مقامی لوگ خود آگے آگے چلنے لگے

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۴۵۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تا کہ برف کی پختگی کا اندازہ کرتے جائیں، مبادا مجاہدین میں سے کوئی ناواقفی کے باعث ایسی جگہ قدم رکھ دے جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہ ہو اور نیچے جا گرے۔ اس طرح آہستہ آہستہ نشیبی حصے سے گذرے۔

میاں کلئی

دوسری منزل میاں کلئی میں ہوئی جو درۂ پنجول میں سیدوں کی ایک مشہور بستی ہے۔ ناصر خاں بھت گرامی نے پیغام بھیج دیا تھا کہ مجاہدین آرہے ہیں اور ان کی مہمانی کا سامان تیار رکھا جائے۔ عصر کے وقت وہاں پہنچے۔ سیدوں نے پہلے بھنی ہوئی مکئی پیش کی، پھر گاؤں کے تمام لوگ اپنے اپنے گھروں سے کھانا لے آئے۔ کوئی کڑھی روٹی، کوئی دہی روٹی، کوئی دودھ روٹی اور کوئی دال روٹی۔ زخمیوں کیلئے حلوا تیار کیا گیا۔ بالاکوٹ کے بعد یہ پہلا کھانا تھا جو راہِ حق کے ان جانبازوں نے سیر ہو کر کھایا۔

جنسیر

اس اثناء میں گوجروں سے معلوم ہو چکا تھا کہ بی بی صاحبہ شملئی سے جنسیر آ گئی ہیں۔ دونوں مقاموں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں۔ مجاہدین میاں کلئی سے روانہ ہو کر عصر کے وقت جنسیر پہنچے۔ وہ گاؤں حبیب اللہ خاں رئیس گڑھی کے بڑے بھائی بہرام خاں کی ملکیت میں تھا، اس نے بڑی خاطر داری سے سب کو مختلف مکانوں میں اتارا اور مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

۲۴ رذی قعدہ کی رات اگرائی میں بسر کی تھی اور ۲۵ رکی رات میاں کلئی میں۔ ۲۶ ر کو منزل مقصود پہنچ گئے، وہیں اللہ دین اور خضر خاں بھی آ گئے۔ انہوں نے ایک رات بالاکوٹ میں بسر کرنے کے بعد جو حالات معلوم کئے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ جن مجاہدین کو سکھوں نے زندہ گرفتار کیا تھا اُن سے کنور شیر سنگھ نے سید صاحب کی نعش تلاش کرائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انھوں نے ایک سرکٹی لاش کے متعلق کہا کہ پوشاک کی بنا پر یہ سید صاحب کی معلوم ہوتی ہے۔ پھر اس کا سر بھی تلاش کرایا۔ جب تصدیق ہوگئی کہ سید صاحب کی نعش یہی ہے تو اس پر دوشالہ ڈلوا دیا۔ خاصے کے دو تھان اور پچیس روپے نقد دے کر کہا کہ اسلامی دستور کے مطابق اسے دفن کردیا جائے۔ بعد میں نہنگ اکالیوں نے اس نعش کو قبر سے نکال کر دریائے کنہار میں ڈال دیا۔

بہر حال نظر بظاہر سید صاحب کی شہادت میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا تھا، تاہم بعض اصحاب کو یہ امید لگی رہی کہ سید صاحب زندہ ہیں، اس امید کو تقویت اس امر سے ہوئی کہ آپ کو بہ حالتِ شہادت دیکھنے کی کوئی یقینی اور قطعی روایت موجود نہ تھی۔

جماعت کی پریشاں حالی

جنگ بالاکوٹ کے وقت مجاہدین کی بڑی جماعت سید صاحب کے ہمراہ تھی۔ اس کے علاوہ مختلف گروہ جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ مثلاً ایک جیش مولوی خیر الدین شیرکوٹی کی سرکردگی میں مظفر آباد گیا ہوا تھا۔ یہ لوگ سرگرم تگ ودو کے باوجود جنگ کے موقع پر بالاکوٹ نہ پہنچ سکے۔ تیس چالیس مجاہدین مولوی نصیر الدین منگلوری کی سالاری میں درہ بھوگڑ منگ کی حفاظت پر مامور تھے۔ ایک جماعت کو سید صاحب نے پنجوں میں بٹھا دیا تھا، ان میں وہ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو جنگ مظفر آباد میں زخمی ہوئے اور مولوی خیر الدین نے انہیں علاج کی غرض سے پنجوں بھیج دیا تھا۔ کچھ لوگ بی بی صاحبہ اور دوسری خواتین کی حفاظت وخدمت کیلئے انکے پاس موجود تھے۔ جنگ بالاکوٹ کے بعد یہ سب یکجا ہوئے تو سات سو کے قریب ہو گئے۔ سب پر سراسیمگی اور پریشاں حالی کی کیفیت طاری تھی، اسلئے کہ بے سردار تھے۔ اکثر کے پاس تن پوشی کا بھی کوئی سامان نہ تھا، کیونکہ سارا سامان بالاکوٹ میں لٹ چکا تھا۔ بی بی صاحبہ کے پاس جو جا جمیں، خیمے اور قناتیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھیں، شیخ ولی محمد نے کٹوا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیں۔ انہوں نے انگرکھے، پاجامے، دوپٹے، عمامے اور بستر بنوا لیے۔ ممدوحہ کے پاس کل سولہ روپے تھے، وہ بھی دیدیئے اور اُن سے غلہ خرید کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

شیخ ولی محمد کی کیفیت

اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ جماعتی تنظیم کیونکر بحال رکھی جائے۔ ہر ایک کی نگاہ بار بار شیخ ولی محمد پھلتی پر پڑتی تھی۔ اسلئے کہ سید صاحب کے رفقائے خاص میں سے جو لوگ زندہ رہ گئے تھے، ان میں سے شیخ صاحب ہی افضل تھے۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی جیسے کوئی دیوانہ یا حواس باختہ ہو۔ سید صاحب کے غم میں ہوش بجا نہ تھے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ لوگ پریشان حال ہیں، کوئی ایسا بندوبست کیجئے کہ بے اطمینانی دور ہو، تو وہ جواب دیتے کہ مجھ سے کچھ کام نہیں، جو چاہے رہے، جو چاہے چلا جائے۔ میں تو بی بی صاحبہ کا خدمت گزار ہوں۔ میرا پہلا کام یہ ہے کہ وہ جہاں جانا چاہیں، بہ حفاظت انہیں وہاں پہنچا دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر مختلف لوگوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور بعض روانہ بھی ہو گئے۔

شیخ صاحب نے بی بی صاحبہ سے پوچھا کہ آیا وہ اپنے والدین کے پاس چترال جانا چاہتی ہیں یا امیر المومنین کی ازواج کے پاس سندھ جانے کی خواہاں ہیں؟ بی بی صاحبہ نے سندھ جانے کا فیصلہ کیا اور شیخ صاحب اسی سوچ بچار میں لگ گئے کہ کسی طرح انہیں محفوظ راستے سے سندھ پہنچا دیں۔

صحیح مشورہ

اکابر مجاہدین میں سے تین بزرگ ایسے تھے جو جنگ بالاکوٹ میں شریک نہ تھے: ایک شیخ حسن علی، دوسرے مولوی محمد قاسم پانی پتی، تیسرے مولوی نصیر الدین منگلوری۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بالاکوٹ کی شکست اور سید صاحب کے فراق کا غم انہیں بھی سب کے برابر تھا، لیکن ان پر حواس باختگی کی وہ کیفیت طاری نہ تھی جس سے دوسرے مجاہدین بے طرح متاثر تھے۔ انہوں نے شیخ ولی محمد کو سمجھایا کہ جماعتی نظام سے بے پروائی اور بے تعلقی کا اظہار سراسر خلاف مصلحت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب لوگ گھروں کی راہ لیں گے اور ہم چند آدمی رہ جائیں گے، جن کیلئے نہ یہاں قیام کا کوئی اطمینان بخش بندوبست ہو سکے گا اور نہ بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کا انتظام کر سکیں گے۔ صحیح طریق کار یہ ہے کہ تمام مجاہدین کو تسلی دیجئے اور امارت قبول کر لیجئے تا کہ جماعتی نظام قائم رہے۔ امیر المومنین کے زندہ ہونے کی خبریں مل رہی ہیں، آپ کی تشریف آوری تک جماعت کو انتشار سے بچائے رکھنا بہر حال لازم ہے۔

شیخ ولی محمد نے اس مشورے کی معقویت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مولوی نصیرالدین امیر بن جائیں، وہ امارت کے اہل ہونے کے علاوہ نسباً سید ہیں۔ لیکن جماعت کی بہت بڑی اکثریت چونکہ شیخ صاحب پر متفق تھی اسلئے تینوں مشیروں کے اصرار پر موصوف نے امیر بننا قبول کر لیا۔

ایک بھولا ہوا واقعہ

اس اثناء میں انہیں ایک واقعہ یاد آ گیا جس سے آخری فیصلہ پر پہنچنے میں خاص مدد ملی۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ پنجتار میں نماز فجر کے بعد سید صاحب نے مولانا شاہ اسمٰعیل، مولوی ضیاء الدین پھلتی اور شیخ ولی محمد کو بلوایا۔ دیر تک جہاد کے فضائل بیان فرماتے رہے، پھر یکایک شیخ ولی محمد سے مخاطب ہو کر کہا:

> شیخ بھائی ممکن ہے میں کبھی آپ لوگوں میں نہ رہوں۔ آپ کو تاکید کی جاتی ہے کہ جہاد کے کار خیر سے دست کش نہ ہونا۔ اللہ تعالٰی نے اس کام میں بڑی خوبیاں اور برکتیں رکھی ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ ولی محمد نے سوچا کہ عجب نہیں وہ ارشاد اسی وقت کیلئے ہو، ورنہ مولانا (شاہ اسماعیل) کے ہوتے ہوئے مجھے کیوں مخاطب فرمایا؟ جب کہ مولانا کے سامنے میں کسی گنتی اور شمار میں نہ تھا۔

بیعتِ امارت

شیخ ولی محمد امارت کی گراں قدر ذمہ داریاں اٹھانے کیلئے تیار ہو گئے تو سرکردہ اصحاب کے مشورے اور اتفاق سے باقاعدہ بیعت کا انتظام کیا گیا۔ ان اصحاب میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر افراد یہ ہیں: مولوی نصیر الدین منگلوری، مولوی محمد قاسم پانی پتی، ملا لعل محمد قندھاری، ملا بازار قندھاری، ملا دوست محمد قندھاری، ملا عزت قندھاری، خضر خاں قندھاری، جعفر خاں ترین ہزاروی، حسین خاں ترین ہزاروی، بابر شاہ ننگر ہاری، سید اللہ نور شاہ ساکن میلئی، مولوی امام الدین ساکن نوپلی، اخوند گل پشاوری، محمد مبین خیبری، قاضی محمد پشاوری، اخوند فیض محمد غزنوی، شیخ وزیر پھلتی، شیخ خواہش علی عظیم آبادی، پیر مبارک علی جھنجھانوی، حافظ وجیہ الدین پانچتی، فتح محمد آدم پوری، مولوی عبدالحکیم بڈھانوی، مستقیم خاں عیسیٰ خیلی۔

اس سلسلے میں مولوی خیر الدین شیر کوٹی کا نام روایتوں میں بالکل نہیں آیا، حالانکہ وہ مجاہدین میں ممتاز حیثیت پر فائز تھے۔ سمجھنا چاہئے کہ یا تو وہ علالت کے باعث بیعت کے وقت بنسیر پہنچے ہی نہ تھے، یا شدتِ علالت کی وجہ سے شوریٰ اور بیعت میں بروقت شریک نہ ہو سکے۔

اہل تندھیاڑ کی شرکت

بیعت کے بعد قرار پایا کہ علاقۂ تندھیاڑ کے رؤساء و خوانین کو بھی اس انتظام میں شریک کر لینا چاہئے۔ چنانچہ اخوند گل پشاوری اور ملا فیض محمد غزنوی نے سب کو جمع کر کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ ولی محمد کی امارت پر اتفاق کے حالات بتائے۔ ان لوگوں نے انتظام کی تحسین کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں شرکت میں عذر نہیں، لیکن اپنے پیر و مرشد صاحبزادہ محمد نصیر سے پوچھے بغیر کوئی قدم اٹھا نہیں سکتے۔ جماعت مجاہدین کی طرف سے اسی وقت صاحبزادہ موصوف کے نام ایک خط ست بہار بھیجا گیا، جس میں شیخ ولی محمد سے بیعت کے پورے حالات درج تھے۔ آخر میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ آپ کو اس ملک میں پیشوا و مقتدا کی حیثیت حاصل ہے، آپ بھی للہ فی اللہ اس کارِ خیر میں شریک ہو جائیں۔ دنیا میں نیک نامی ہوگی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے جزا پائیں گے۔ صاحبزادے نے جواب میں لکھا کہ آپ حضرات میرے پاس ست بہار چلے آئیں، انشاء اللہ میں آپ کا ساتھ دوں گا اور حتی المقدور خدمت میں کوتاہی نہ کروں گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

تنڈھیاڑ میں قیام کا انتظام

صاحبزادہ محمد نصیر

صاحبزادہ محمد نصیر علاقۂ تنڈھیاڑ کے سب سے بڑے پیر تھے اور اس علاقے کے اکثر لوگ انہیں کے معتقد تھے۔ وہ خودست بہار میں رہتے تھے اور ان کے دو چھوٹے بھائی محمد نذیر اور محمد بشیر کو ہانہ میں مقیم تھے۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اہلِ تنڈھیاڑ کا تعاون صاحبزادہ محمد نصیر کی رضامندی اور اتفاق پر موقوف تھا، اسی لئے ان کی خدمت میں مکتوب بھیجا گیا تھا۔

بعض رواتیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے جہاں دوسرے علماء، خوانین، پیرزادوں اور عوام کو جہاد میں تعاون کیلئے دعوت دی تھی، وہاں صاحبزادہ محمد نصیر کو بھی خطوط بھیجے تھے۔ لیکن موصوف کی طرف سے جنگ بالاکوٹ تک تعاون کا کوئی اقدام نہ ہوا، اس وجہ سے اکثر مجاہدین کو صاحبزادے کے متعلق چنداں حسنِ ظن نہ تھا، البتہ مولوی محمد قاسم پانی پتی صاحبزادے کے سرگرم مؤید تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب صاحبزادہ اعانت کیلئے مستعد ہے تو کیوں اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے؟ معاملے کی صورت یہ تھی کہ علاقۂ تنڈھیاڑ میں مجاہدین کے قیام کا بندوبست اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک صاحبزادہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر کھانے پینے کا سروسامان نہ کر دیتا۔ وہ اس کام کیلئے تیار ہوگیا تو جماعتِ مجاہدین کیلئے اسکی اعانت سے فائدہ اٹھاتے میں تامل کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔ سابق میں اس کا تعاون کیلئے آگے نہ بڑھنا موجودہ عزمِ خیر کے عدمِ قبول کی دلیل نہ بن سکتا تھا۔ چنانچہ صاحبزادے کی دعوت قبول کر لی گئی۔ اگرچہ یہ تعاون

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو گا۔

بنسیر سے ست بہار

چنانچہ صاحبزادے کی دعوت پر مجاہدین بنسیر سے ست بہار روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل بھٹ گرام میں ہوئی جو ناصر خاں کا وطن تھا۔ خان موصوف سید صاحب کے مخلص معتقد تھے اور بالاکوٹ کی جنگ میں بھی شریک رہے تھے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے جماعت کا استقبال کیا۔ دو راتیں اور ایک دن پوری جماعت کی مہمانداری کی۔ شیخ ولی محمد نے صاحبزادے کی دعوت کے متعلق تمام حالات بتائے تو ناصر خاں نے کہا کہ اس علاقے میں صاحبزادہ بہت معزز و ممتاز ہے۔ اسکے تعاون سے امید ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا اجراء ازسر نو ہو جائے گا۔

ناصر خاں خود اس لئے ساتھ نہ جا سکا کہ بالاکوٹ کی جنگ میں زخمی ہو چکا تھا، تاہم اس نے یقین دلایا کہ تندرست ہوتے ہی ست بہار پہنچ جاؤں گا۔

بھٹ گرام سے تیسرے دن روانہ ہو کر مجاہدین موضع پیال میں ٹھہرے۔ اگلے روز بھنکول پہنچ گئے، جو اخوند محمد ارم کا وطن تھا۔ یہ بھی بڑے پیرزادے اور سید صاحب کے مخلص عقیدت مند تھے۔ انہوں نے بھی مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بھنکول سے ست بہار صرف ایک کوس تھا۔ بی بی صاحبہ اور تقریباً ایک سو مجاہدین اسی روز ست بہار چلے گئے، باقی اصحاب بھنکول ہی میں ٹھہرے رہے۔

صاحبزادے کے انتظامات

صاحبزادہ محمد نصیر نے ایک الگ تھلگ مکان بی بی صاحبہ اور مجاہدین کی دوسری خواتین کے لئے خالی کرا دیا۔ باقی اصحاب کے قیام کا بھی مناسب بندوبست کر دیا۔ سب کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ سید بادشاہ کی سلامتی کی خبریں مل رہی ہیں، خدا کرے وہ جلد آجائیں۔ آپ لوگوں کی طرح میری مراد بھی یہی ہے۔ تاہم جب تک وہ نہیں آتے میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آپ کے ساتھ ہو کر جہاد میں پورا حصہ لوں گا اور کھانے کپڑے کا انتظام کرتا رہوں گا۔

چند روز کے بعد صاحبزادے نے علاقے کے رؤساء وخوانین کو جمع کیا اور کہا کہ یہ مجاہد بھائی سید بادشاہ کے ہمراہ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے آئے تھے۔ آپ کے نہ ہونے کی وجہ سے کاروبارِ جہاد درہم برہم ہو رہا ہے۔ ان کی غمخواری ودلجوئی ہم سب پر لازم ہے۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام دو چار آدمیوں کے بس کا نہیں، مناسب تدبیر یہ ہے کہ تمام رؤساء وخوانین اپنی اپنی بستیوں میں عشر کا انتظام کردیں اور خود عشر جمع کر کے مقررہ مقامات پر پہنچا دیا کریں۔ ان بھائیوں میں سے کوئی تحصیل کیلئے کہیں نہ جائے گا۔

حاضرین نے یہ تجویز قبول کر لی اور پختہ اقرار کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

قیاس یہ ہے کہ انتظام ہو جانے پر وہ مجاہدین بھی ست بہار چلے آئے جو بھکول میں مقیم تھے۔ اگرچہ کسی روایت میں اس کی تصریح نظر سے نہیں گذری، اگر وہ جائے قیام کی سہولت کے پیش نظر بھکول ہی میں مقیم رہے تو ان کے کھانے پینے کی چیزیں ست بہار سے پہنچنے لگیں۔

عید قرباں (۱۰ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ، ۲۲ مئی ۱۸۳۱ء) ست بہار ہی میں گذری۔ صاحبزادے نے قربانی کیلئے ایک بیل شیخ ولی محمد کے پاس بھیج دیا تھا، جسکا گوشت مجاہدین میں تقسیم ہوا۔ اس وقت تک سید صاحب کی شہادت پر سولہ دن گذر چکے تھے۔

جماعت کے دو حصے

تندھیاڑ کی تمام بستیوں سے عشر کا غلہ ایک مقام پر جمع کرنا بہت مشکل تھا۔ لہٰذا صاحبزادے نے مناسب سمجھا کہ جماعت مجاہدین کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے شیخ ولی محمد امیر جماعت، مولوی نصیر الدین منگلوری اور مولوی محمد قاسم پانی پتی کو بلا کر کہا کہ بی بی صاحبہ، دوسری خواتین اور ساٹھ ستر مجاہدین ست بہار میں رہیں، ان کے گزارے کا بندوبست آس پاس کی بستیوں کے عشر سے ہوتا رہے گا، باقی مجاہدین میرے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھائیوں کے ساتھ کوہانہ چلے جائیں، وہاں کی بستیوں کے عشر کا انتظام میرے بھائی کرلیں گے، اور چند روز بعد میں خود بھی وہاں آؤں گا، تا کہ پورے علاقے کا دورہ کر کے مجاہدین کیلئے قیام کی تمام سہولتیں مہیا کردوں۔ شیخ صاحب اور ان کے مشیروں نے صاحبزادے کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ساٹھ ستر مجاہدین ست بہار میں ٹھہر گئے اور باقی اصحاب کوہانہ روانہ ہوگئے۔ شیخ ولی محمد نے مولوی محمد قاسم پانی پتی کو کوہانہ والی جماعت کا امیر بنادیا، یہی جماعت تھی جسے جہاد کا آغاز کرنا تھا۔ شیخ نے جو آدمی اپنے ساتھ رکھے تھے اُن کا مقصد دوسرا تھا۔

شیخ ولی محمد کے ہمراہی

جو لوگ شیخ صاحب کے ساتھ ست بہار میں رہے، اُن میں بی بی صاحبہ، دس گیارہ دوسری خواتین اور بارہ تیرہ بچوں کے علاوہ صرف مندرجہ ذیل اصحاب کے نام روایت میں مذکور ہیں: مولوی نصیرالدین منگلوری، سید حامد علی جھنجھانوی، حفیظ اللہ دیوبندی، اخوند فیض محمد غزنوی، محمد خیاط لکھنوی، اللہ بخش خیاط لکھنوی، مولوی عبدالحلیم بردوانی، خیرالدین ہزاروی، حاجی عبداللہ گورکھپوری، شیخ احمد حسین صادق پوری، محمود بنارسی، شیخ رمضانی بنارسی، ابراہیم نگرامی، عبداللہ گجراتی، عبدالاحد پھلتی، گلاب خاں (ساکن میان دوآب) حاجی فاضل پشاوری، ابراہیم خاں خیرآبادی، محمد حسین سہارنپوری، کریم بخش سہارنپوری، شاہ ولی سہارنپوری، عبدالرحیم جراح جانسٹھی، کریم بخش (ہمراہی مولوی نصیرالدین)، فتح محمد آدم پوری، حسن خاں عظیم آبادی، امان اللہ گڑھ مکتیشری، امان اللہ خاں لکھنوی، اخوند زعفران قندھاری، خضر خاں قندھاری، اشرف ولایتی، عبدالحمید سندھی، گل شیر خاں کالاباغ، نور کالاباغ، شہباز کالاباغ، احمد عیسیٰ خیل، اخوند محمد عظیم (کالو خاں)، غلام مولا (چملہ)، محمد زمان (چملہ)، حسین علی بڈھانوی، رحیم بخش بنارسی، امان اللہ خاں گنج پوری، میاں عبدالقیوم داروغہ، شیخ لکھمیر اور پیر محمد قاصد۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دونوں گروہوں کے مقاصد

طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیخ ولی محمد نے اپنے پاس کیوں تھوڑے آدمی رکھے اور بڑی جماعت کو کس غرض سے کوہانہ بھیج دیا؟ مجاہدین کا اصل کام یہ تھا کہ جلد سے جلد جہاد کا آغاز کر دیں اور اس نصب العین کے حصول کیلئے جانیں لڑا دیں جو انہیں اور سید صاحب کو وطنوں سے نکال کر سرحد لایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب سب سے پہلے بی بی صاحب کو سندھ پہنچا دینے کے آرزو مند تھے تاکہ ان کی حفاظت کے انتظامات سے فارغ ہو جائیں، پھر بہ اطمینانِ تمام جہاد کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے وہی آدمی معیت کیلئے چنے تھے جو بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کے کام میں مدد دے سکتے تھے۔ چونکہ یہاں سے دونوں گروہوں کے دائرہ ہائے کار عارضی طور پر مختلف ہو گئے تھے، اسلئے ان کی سرگرمیوں کے حالات الگ الگ بیان کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ سب سے پہلے مجاہدین کی بڑی جماعت کے قیام کوہانہ کی کیفیت بیان کی جاتی ہے، اس کے بعد بتایا جائے گا کہ شیخ ولی محمد نے اپنے پیشِ نظر مقصد کے لئے کیا کچھ کیا۔

صاحبزادہ محمد نصیر کا دورہ

مجاہدین کی بڑی جماعت مولوی محمد قاسم پانی پتی کی سرکردگی میں کوہانہ پہنچی۔ بعد میں مولوی خیر الدین شیرکوٹی بھی کوہانہ چلے گئے۔ بعض اصحاب کو مسجد میں اُتارا گیا، بعض کے قیام کیلئے ایک احاطہ تجویز ہوا، جو مسجد کے قریب واقع تھا اور اس میں صاحبزادہ محمد نصیر کے بزرگوں کی قبریں تھیں۔ عیال دار مجاہدوں کیلئے مکان خالی کرا دیے گئے۔ تین روز تک صاحبزادے کے بھائیوں کی طرف سے کھانے پینے کا انتظام ہوتا رہا، پھر انکے ذخیرے سے غلہ تقسیم ہونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد صاحبزادہ محمد نصیر آگئے، انہوں نے مجاہدین کو ساتھ لے کر گرد و نواح کی بستیوں کا دورہ کیا، جس کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج ہے۔

(۱) کوہانہ سے بھٹ گرام گئے، جو کوس سوا کوس ہوگا۔ ناصر خاں نے سب کو دو روز

اپنے پاس ٹھہرایا اور پر تکلف دعوتیں کیں۔ خود بھی صاحبزادہ اور مجاہدین کے ساتھ ہو گیا۔

(۲) تیسرے دن سب اصحاب حاجی میرا گئے۔ پہنچنے کے دن بھی بستی والوں نے دعوت کی، اگلے روز بھی کھانا کھلا کر رخصت کیا۔

(۳) حاجی میرا سے گنج بوڑی گئے۔ وہاں بھی شام اور صبح کو بستی والوں کی طرف سے دعوت کا انتظام ہوا۔

(۴) گنج بوڑی سے کوس سوا کوس سائی خاں کی گڑھی تھی، وہاں بھی ایک رات قیام کیا اور دونوں وقت کا کھانا بستی والوں نے کھلایا۔

(۵) پھر چھپر گرام گئے، جہاں ملاّ مقام نام درویش رہتا تھا۔ وہ ناصر خاں کا پیر اور سید صاحب کا مخلص تھا۔ اس نے خان موصوف کو تاکید کی کہ یہ مجاہدین خدا کی راہ میں جہاد کیلئے آئے ہیں اور ان کی خدمت سب پر لازم ہے۔ چھپر گرام میں دو مقام ہوئے۔

(۶) چھپر گرام سے جسول گئے۔ ایک روز دونوں وقت کا کھانا جسول کے رئیس شیخا نے کھلایا، دوسرے روز بستی والوں نے دعوت کی۔

جسول سے سب لوگ کوہانہ واپس آگئے۔ دورے میں ہر مقام سے دو چار اکابر ساتھ ہو جاتے تھے تاکہ عشر کے انتظام میں امداد دیں۔ کوہانہ سے میل ڈیڑھ میل پر بٹنگی نام ایک موضع تھا، وہ عشر کے غلے کا مرکز قرار پایا۔ تمام مجاہدین کو وہاں سے غلہ ملتا تھا۔ جو بستیاں کوس ڈیڑھ کوس پر تھیں، وہاں سے مجاہدین خود عشر لے آتے تھے۔ دور والی بستیوں سے صاحبزادہ محمد نصیر گدھے یا خچر بھیج کر منگوا لیتے تھے۔ بعض مجاہدین کو صاحبزادے نے مختلف بستیوں میں بٹھا دیا تھا۔(۱)

(۱) یہ تمام تفصیلات "وقائع" سے ماخوذ ہیں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ہزارہ گزیٹیر اردو (مطبوعہ ۱۸۷۸ء) میں مرقوم ہے کہ بالاکوٹ کے بعد شیخ ولی محمد اور مولوی محمد قاسم براہ قندھار و کابل و ڈنگار پور ہندوستان چلے گئے۔ ایک سال کے بعد ایک اور صاحب مولوی نصیر الدین کو لے کر شیخ ولی محمد پھر آئے اور اگرور، الئی، ہند صیاڑ وغیرہ کے علاقوں میں رہے۔ ص: ۲۳۷۔ یہ ساری داستان سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اغلب ہے کہ ہند صیاڑ سے سوات، بونیر اور خدو خیل کے قیام کو ہندوستان جانے سے تعبیر کر لیا گیا ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دعوت و تبلیغ

مجاہدین کو مختلف بستیوں میں متعین کر دینے سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ دینِ حق کی دعوت و تبلیغ کا اچھا انتظام ہو گیا۔ عام لوگ اہم دینی مسائل سے ناواقف تھے، عام ملا یا پیر جو کچھ انہیں بتا دیتے تھے، اسی پر عمل کرتے تھے۔ اگرچہ تمام مجاہدین کو علماء کا درجہ حاصل نہ تھا، تاہم وہ ضروری مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ مولوی نجم الدین شکار پوری کو موضع تمائی میں متعین کیا گیا تھا۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی ایک مسجد میں رات کے وقت کوئی نہ رہتا تھا۔ اسلئے کہ عام تصور کے مطابق اُس میں جن مقیم تھا۔ وہی مسجد مولوی صاحب کے قیام کیلئے تجویز ہوئی۔ وہ بے تکلف وہاں رہنے لگے اور اس وجہ سے لوگ ان کے بہت معتقد ہو گئے کہ جن نے انہیں کوئی آزار نہ پہنچایا۔

ایک ملا صاحب فصل کٹنے کے وقت پکھلی سے آکر غلہ وصول کرتے تھے۔ مولوی نجم الدین نے بات چیت کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ پکھلی کو چھوڑ کر آزاد علاقے میں آجائیں۔ اس لئے کہ پکھلی میں سکھوں کی حکومت تھی اور اس کی حیثیت دارالحرب کی ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب کی گفتگو سن کر ملا کو خیال ہوا کہ وہ بہت بڑے عالم ہوں گے، مگر یہ معلوم کر کے وہ حیران رہ گیا کہ مولوی نجم الدین نے کوئی کتاب نہ پڑھی تھی، صرف مولانا عبدالحئی اور شاہ اسماعیل سے مسائل سن کر دین کے متعلق ایسی معلومات حاصل کر لی تھیں جو خاصے پڑھے لکھے مولویوں کو بھی نصیب نہ تھیں۔ اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جماعت مجاہدین کی دینی فضا کیا کیفیت تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

نندھیاڑ کی سرگزشت

احوال وظروف

کوہانہ میں مجاہدین تقریباً دس مہینے مقیم رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ جون ۱۸۳۱ء سے مارچ ۱۸۳۲ء تک۔ اس مدت میں نہ وہ آرزو کے مطابق جہاد کے لئے ابتدائی تدبیریں اختیار کر سکے اور نہ انہوں نے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں انہیں مستقل حیثیت حاصل نہ تھی۔ وہ ہر اقدام کیلئے صاحبزادہ محمد نصیر، ان کے بھائیوں اور مقامی رؤساء وخوانین کی امداد و رہنمائی کے محتاج تھے۔ بطور خود نہ کوئی محاذ قائم کر سکتے تھے، نہ سکھوں کے کسی علاقے پر حملہ و یورش کے مجاز ومختار تھے۔ ہر قدم مقامی لوگوں کے اتفاق ورضامندی سے اٹھایا جا سکتا تھا اور انہیں متفق ورضامند کر لینا صاحبزادہ محمد نصیر یا اُن کے بھائیوں کی مصلحت اندیشی پر موقوف تھا۔ اگر وہ اپنی خواہش کے مطابق رزم و پیکار کا سلسلہ جاری کر دیتے تو شدید اندیشہ تھا کہ مقامی لوگ اُسے ناپسندیدہ قرار دے کر بگڑ جاتے اور مجاہدین کیلئے قیام کی بھی کوئی صورت باقی نہ رہتی۔

افسوس کہ اس احتیاط اور مقامی مصلحتوں کی انتہائی نگہداشت کے باوجود نندھیاڑ کی فضا مجاہدین کے لئے متواتر ناسازگار بنتی گئی، یہاں تک کہ انجامِ کار انہیں وہاں سے نکل کر تنے ماسن کا رُخ کرنا پڑا۔

پہلا اقدام

قیامِ کوہانہ کے زمانہ میں سکھوں کے خلاف پہلے اقدام کی کیفیت یہ ہے کہ ایک روز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھپر گرام کے چند آدمی صاحبزادہ محمد بشیر اور صاحبزادہ محمد نذیر کے پاس دوڑے آئے اور بتایا کہ سکھوں کا لشکر درہ کونش میں پہنچ گیا ہے۔ مجاہدین کی ایک جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیج دیجئے تاکہ سکھوں پر واضح ہو جائے، ہم مقابلے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ مولوی محمد قاسم پانی پتی امیر جماعت نے دس آدمی ان کے ساتھ کر دیے: شیر محمد خاں رام پوری، مستقیم، ابراہیم خاں، محمد یار خاں، شاہین مشوانی، نیک محمد لوہار، شہباز، امان خاں، شیخ وزیر پھلتی اور نجم الدین شکارپوری۔ انکے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ حالات کا پورا اندازہ ہو جائے، اس کے بعد مناسب اقدام کی تدبیر اختیار کر لی جائے۔

مجاہدین کی یہ چھوٹی سی جماعت چھپر گرام پہنچی تو ارد گرد تہلکہ بپا ہو گیا کہ مجاہدین کا حملہ ہونے والا ہے۔ مجاہدین نے باہم فیصلہ کر رکھا تھا کہ سکھوں سے مقابلے کی نوبت آئے تو بندوقوں کی باڑ مارتے ہی آس پاس کے پہاڑوں پر چڑھ جائیں گے۔ پھر مناسب کمین گاہوں میں بیٹھ کر ان پر گولیاں چلاتے رہیں گے۔ دس آدمیوں کی مختصر سی جماعت کیلئے اسکے سوا لڑائی کی کوئی صورت نہ تھی، لیکن مجاہدین کی آمد کے آوازے نے سکھوں پر ایسی ہیبت طاری کر دی کہ وہ درۂ کونش سے باہر نکل گئے اور مجاہدین کو ہانہ واپس چلے گئے۔

بفہ پر شبخون

بفہ میدانِ پکھلی کے شمالی حصے میں تحصیل مانسہرہ کا مشہور مقام ہے، جو سرن ندی کے دائیں کنارے واقع ہے۔ اسے پہلے بھی اہم حیثیت حاصل تھی۔ صاحبزادہ محمد بشیر اور صاحبزادہ محمد نصیر نے مقامی لوگوں سے مشورے کے بعد بفہ پر شبخون کا فیصلہ کیا، جس پر غالباً ستمبر ۱۸۳۱ء میں عمل ہوا۔ (۱)

(۱) روایت کے الفاظ ہیں "آخیر موسم برسات کا تھا" ظاہر ہے کہ یہ ستمبر ہی کا مہینہ ہو سکتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحبزادہ محمد نصیر کے فرزند محمد حسن نے گرد ونواح کی بستیوں میں پھر کر دوسو کے قریب مقامی آدمی جمع کیے۔ پچاس ساٹھ مجاہدین ساتھ لے لیے، انہیں شبخون کی تجویز کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ محمد حسن انہیں لے کر گڑھی سائی خاں ہوتا ہوا سعادت خاں کے بھانڈے پہنچا۔ وہاں پہنچنے کے بعد شبخون کی تجویز بتائی اور اس کے متعلق تفصیلی مشورہ کیا۔ بھانڈے سے روانہ ہوئے تو ایک بستی میں ٹھہرے۔ پھر ایک پہاڑ پر جا بیٹھے، آس پاس سے جو شخص بفہ کی طرف جاتا ہوا ملتا، اُسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیتے تاکہ شبخون کے متعلق کوئی اطلاع قصبے میں نہ پہنچ سکے۔ ہزارہ کے ایک شخص کرم خاں کو دریافتِ حالات کی غرض سے آگے بھیج دیا۔ اس کے پیچھے خود روانہ ہوئے۔ بفہ کے قریب پہنچے تو کرم خاں نے بتایا کہ قصبے کے تمام لوگ بالکل مطمئن بیٹھے ہیں اور کسی کو حملے کا خیال تک نہیں۔ محمد حسن نے تمام ساتھیوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ کو راہِ مراجعت کی حفاظت کیلئے متعین کر دیا، دوسرے گروہ کے ذمہ یہ کام لگایا کہ جہاں لڑائی کی نوبت آئے، لڑے۔ تیسرے گروہ کو روپیہ اور مال واسباب اٹھانے کا کام سونپا۔ لڑنا مجاہدین کے ذمہ تھا۔ انہوں نے قصبے میں پہنچتے ہی گلی کوچوں کی حفاظت کا بندوبست کر لیا۔ تھوڑی دیر میں مقامی لوگ بہت سا مال واسباب اٹھا کر قصبے سے باہر نکل آئے۔ تقریباً پچاس آدمیوں کو بھی گرفتار کر لائے۔ اس اثناء میں بیر کنڈ کی چھاؤنی سے سکھوں کا جیش آپہنچا، لڑائی ہوئی، لیکن مجاہدین کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ نمازِ فجر تک تمام لوگ صحیح سلامت اس پہاڑ پر پہنچ گئے، جہاں سے شبخون کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

نتیجہ

مقامی لوگوں نے جو نقد روپیہ یا مال واسباب اٹھایا تھا، اسے اپنے اپنے گھر لے گئے۔ چند روز کے بعد بفہ کے مہاجن، صاحبزادہ محمد نصیر کے پاس آئے اور پھگواڑہ پہنچ کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جو کوہانہ سے اڑھائی تین کوس ہے، اسیروں کی رہائی کیلئے بات چیت کی۔ بارہ یا تیرہ ہزار روپے پر فیصلہ ہوا۔ صاحبزادے نے یہ رقم اپنے آدمیوں پر اور مجاہدین میں تقسیم کر دی۔

قیامِ تندھیاڑ کا یہ آخری واقعہ ہے۔ اس کے بعد ذخیرۂ روایات میں اور کسی اقدام کا ذکر نہیں ملتا۔ سردیوں کے موسم میں پہاڑی علاقے کے اندر نقل و حرکت ویسے ہی دشوار ہو جاتی ہے۔ اغلب ہے کہ یہ وقت کسی پیش قدمی کے بغیر ہی گذرا ہو۔

مجاہدین کے خلاف ساز باز

صاحبزادہ محمد نصیر نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لیکر بستیوں میں عشر جاری کر دیا تھا کہ مجاہدین کا گزارہ ہوتا رہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اہلِ ستھانہ کی طرح عشر اہل تندھیاڑ کے لئے بھی ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بن گیا، حالانکہ انہوں نے ست بہار میں بہ طیب خاطر یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔ اغلب ہے، انہوں نے آہستہ آہستہ صاحبزادہ محمد نصیر سے یہ کہنا شروع کر دیا ہو کہ اس بوجھ سے ہمیں نجات دلائی جائے۔ صاحبزادے کیلئے صاف اور واضح طریقِ عمل یہ تھا کہ وہ مجاہدین کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے خوشی خوشی رخصت کر دیتا۔ اس کیلئے وہ تیار نہ ہوا۔ شاید اسے خیال ہو کہ مجاہدین کی جماعت خاصی بڑی ہے اور وہ لوگ جانباز ہیں، مبادا ناراض ہو جائیں اور کشمکش کی نوبت آ جائے۔ بہر حال اہل تندھیاڑ میں بے اطمینانی کی یہ کھچڑی اندر ہی اندر پکتی رہی۔ مجاہدین تفصیلات سے آگاہ نہ تھے، لیکن انہوں نے احتیاطاً اپنے چند آدمی صاحبزادہ کے ساتھ متعین کر دیے تھے تاکہ اہل تندھیاڑ اور صاحبزدہ کے باہم مشوروں سے بے خبر نہ رہیں۔

صاحبزادہ محمد نصیر بستیوں میں دورے کیلئے نکلا اور چھپر گرام میں پہنچا تو وہاں مختلف مقامی لوگوں نے جمع ہو کر اس سے کہا کہ مجاہدین سے ہتھیار لے لئے جائیں اور انہیں رخصت کر دیا جائے، یا پھر ان سے اہل ستھانہ کا سا سلوک کیا جائے۔ یعنی یہ کہ جہاں جہاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وہ بیٹھے ہیں، بہ یک وقت اچانک حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔

افشائے راز

خدا بخش رام پوری چھپر گرام میں مقیم تھے، وہاں کے چار بڑے خوانین میں سے شاہزادہ خاں، خدا بخش کا عزیز دوست تھا۔ سب سے پہلے اس نے سازش کی کیفیت خدا بخش پر یوں آشکارا کی۔

> میں نے اور تم نے ساتھ کھانا کھایا ہے، تم میرے دوست ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے جاتے ہوئے تم کو ایذا پہنچے۔ بات یہ ہے کہ تم اپنے بھائی الٰہی بخش کو لے کر کسی طرف چلے جاؤ، یہاں رات کو بستی کے ملکوں نے جرگہ کیا ہے اور صاحبزادے سے کہا ہے کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ ہو کر سکھوں سے جہاد کریں گے۔ مگر کسی طور ان ہندوستانیوں کو ہتھیار لے کر رخصت کر دو اور جو ان کا مقابلہ کرنے کا خوف ہو تو جا بجا اس ملک کے دروں پر آدمی دوڑا دو کہ راستے روک لیں، کوئی نکلنے نہ پائے۔ ستہ والوں کا سا معاملہ ان سے کرو۔(۱)

صاحبزادے سے گفتگو

خدا بخش کیلئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ جماعت کو معرضِ ہلاکت میں چھوڑ کر اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو بچا کر نکل جاتا؟ اس نے غور و فکر کے بعد خود صاحبزادے سے رُو در رُو گفتگو مناسب سمجھی اور اپنا مدعا پہلے ایک مثال کی صورت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

> ایک شخص پادشاہ عالی جاہ کا مصاحب ہے۔ اس نے واسطے خوشنودی بادشاہ کے ایک باغ لگایا اور اس میں درخت ہر طرح کے میووں اور پھلوں کے عمدہ عمدہ ہر ایک شہر اور بستی سے لا کر لگائے کہ اس کے میووں اور پھولوں کی ڈالی بادشاہ کی نذر کرے۔ سو اس باغ کی تازگی اور بہار دیکھ کر چند مفسد حاسدوں کو

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص: ۳۱۸-۳۱۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رشک اور حسد آیا، یہاں تک کہ باغ کاٹ کر تباہ کر دیا اور الزام رسوائی دارین کا لیا۔(۱)

اس مثال کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ حضرت امیر المومنین ہر شہر اور بستی سے مجاہدین کا لشکر جمع کر کے خدا کی رضا کیلئے جہاد کی غرض سے آئے تھے۔ اہل سمہ نے انہیں امام بنایا، پھر نفس کی شامت اور شیطان کے اغوا سے ایسا کام کیا کہ ان کے دامن سے بدنامی کا داغ قیامت تک نہ مٹے گا۔

صاف گوئی

پھر کہا کہ جنگ بالاکوٹ کے بعد مجاہدین آپکے پاس آئے۔ آپ نے ان کی خدمت گزاری سے نیک نامی حاصل کی۔ اب مفسد اور حاسد اسے برداشت نہ کر سکے اور بظاہر آپ کے دوست بن کر بدخواہی کے درپے ہوگئے۔ بستی والوں نے رات آپ سے جو مشورہ کیا ہے میں اس کا حال سن چکا ہوں۔

یہ سنتے ہی صاحبزادے پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ آبدیدہ ہو کر بولا کہ مشورہ ضرور ہوا لیکن مجھے بتاؤ کہ میں کیا تدبیر اختیار کروں؟ خدا بخش نے جواب دیا کہ مولوی محمد قاسم پانی پتی اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی (۲) کو کوہانہ سے بلایئے اور مجاہدین کو خوشی خوشی رخصت کر دیجئے، آپ الزام سے بچ جائیں گے اور ہم لوگ اس ملک سے سلامت نکل جائیں گے۔ صاحبزادے نے اس سے اتفاق کیا۔

محمد قاسم اور خیر الدین کو پیغام

خدا بخش نے معاً اپنے ایک ساتھی کو پورے حالات بتا کر مولوی محمد قاسم پانی پتی اور

(۱) "وقائع" جلد سوم ص ۲۲۱

(۲) اس سے واضح ہوتا ہے کہ تندرست ہونے کے بعد مولوی خیر الدین بھی مست ہو کر کوہانہ پہنچ گئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی خیر الدین شیر کوٹی کے پاس وہاں بھیج دیا۔ انھوں نے حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے صاحبزادے کے بھائیوں اور بیٹے کو بلا کر کہا کہ کل ہم سب کو اسی وقت چھپر گرام بلایا ہے، شاید سکھوں پر چھاپہ مارنے کا ارادہ ہے۔ چنانچہ وہ سب تیار ہو گئے۔ چھپر گرام سے باہر ایک چشمے پر صاحبزادہ محمد نصیر سے بات چیت ہوئی۔ مولوی خیر الدین نے صاف صاف کہہ دیا کہ صاحبزادہ صاحب! پہلے آپ صرف پیر تھے۔ یہ لوگ آپ کی ضیافت کر کے یا مرغا مرغی نذر دے کر پیچھا چھڑا لیتے تھے۔ اب ہماری وجہ سے آپ ان کے حاکم بن گئے ہیں اور ان پر عشر مقرر کیا ہے۔ یہ لوگ حیلہ سازی سے آپ کی حکومت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیے ہمارے جانے کے بعد یہ آپ کو چھوڑ دیں گے اور عجب نہیں کہ بستی سے بھی نکال دیں۔

صاحبزادے کا اعتراف

صاحبزادے نے پھر آبدیدہ ہو کر اعتراف کیا کہ یہ سب سچ ہے، میری نیت یہ تھی کہ:

سید بادشاہ کے زمانے میں مجھ سے کچھ ان کی رفاقت اور خدمت نہ ہو سکی۔ اس بات سے میں اپنے دل میں بہت نادم ہوا۔ جب آپ لوگ بالاکوٹ سے یہاں تشریف لائے تو میں نے چاہا کہ آپ کو اپنے پاس رکھوں اور کافروں سے جہاد کروں، شاید اسی کام سے اللہ تعالیٰ میری عاقبت بہ خیر کرے۔ سو حقیقت میں یہاں کے مفسدوں نے مجھے دھوکا دیا۔ اب وہ کسی طور پر میرے قابو میں نہیں رہے جو انھیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لاؤں۔ آپ کو رخصت کرنے پر دل راضی نہیں ہوتا، مگر ناچار اور بے بس ہوں۔ خیر میں نے آپ کو رخصت کیا اور خدا کو سونپا، جہاں رہو، میرے دوست ہو اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ (۱)

---

(۱) "وقائع" جلد سوم ص ۲۴۸۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نندھیاڑ سے روانگی

یوں دس مہینے کے بعد مجاہدین کو نندھیاڑ سے رخصت ہونا پڑا۔ شیخ ولی محمد اس سے پیشتر پنجتار تشریف لے گئے تھے، جنکے حالات آئندہ بیان ہوں گے۔ کوہانہ کے مجاہدین نے بھی پنجتار ہی کا رخ کرلیا۔ وہ کوہانہ سے بھٹ گرام پہنچے، جہاں ناصر خاں نے دونوں وقت پر تکلف کھانا کھلایا، دو روز دیشیوں کے علاقے میں رہے، پھر چار پانچ مقام بھکول میں کیے۔ مجاہدین کی روانگی کے بعد صاحبزادہ محمد نصیر کو حد درجہ افسوس ہوا اور اس نے انہیں روکنے کی غرض سے بھکول کے گھاٹ سے جالے بھی مست بہار منگوا لئے تھے۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹی نے دوبارہ صاجبزدے سے مل کر اسے مجاہدین کے چلے جانے پر راضی کرلیا اور جالے لے کر آئے۔ مجاہدین عبور دریا کے بعد سنڈا کئی پہنچے۔ ایک اور بستی میں ٹھہرتے ہوئے کابل گرام گئے، جہاں فتح خاں پنجتاری کا بھائی احمد خاں پیشوائی کیلئے ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں سے کرنا، برڈھیری، منگل تھانہ اور دکھاڑا ہوتے ہوئے پنجتار پہنچ گئے۔

مولوی محمد قاسم پانی پتی اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی بھکول ہی میں رہے۔ انہوں نے مولوی عبد الحلیم بردوانی کو مجاہدین کا امیر بنادیا تھا۔ مولوی محمد قاسم کا عذر یہ تھا کہ پنجتار سے سید صاحب ہجرت کر کے آئے تھے، میں وہاں نہ جاؤں گا، نیز سید صاحب کے زندہ ہونے کی خبریں مل رہی ہیں، میں انہیں تلاش کروں گا۔ مولوی خیر الدین صرف سید صاحب کی تلاش کے خواہاں تھے۔ ضلع مظفر آباد کے تین نومسلم بھائی عبداللہ، عبد الکریم اور عبد الرحیم مولوی صاحب موصوف کے ساتھ رہے۔ جیسا کہ جماعت مجاہدین میں بتایا جاچکا ہے کہ مولوی خیر الدین بعد ازاں سرحد سے وطن چلے آئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

شیخ ولی محمد کا سفرِ سوات و بونیر

پیش نظر مقصد

ہم بتا چکے ہیں کہ شیخ ولی محمد مجاہدین کی بڑی جماعت کو کوہانہ بھیجنے کے بعد خود اس غرض سے ست بہار ٹھہر گئے تھے کہ بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کیلئے کوئی مناسب تدبیر اختیار کر سکیں۔ صاحبزادہ محمد نصیر انتظام عشر کیلئے کوہانہ جانے لگے تو شیخ نے ان سے اجازت لے لی تھی کہ ہم لوگ تختہ بند (بونیر) سید میاں کے پاس جانا چاہتے ہیں، اسلئے کہ انہیں کے ذریعہ سے بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کا بندوبست کرایا جا سکتا ہے۔ صاحبزادے کو گئے ہوئے ایک مہینہ گذرا تو شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے باہم مشورہ کر کے اخوند محمد ارم کو بھنکول سے بلایا اور کہا کہ تختہ بند پہنچنے کی کوئی مناسب تدبیر کر دیجئے۔ اخوند موصوف کی رائے پہلے ہی سے یہ تھی کہ صاحبزادہ محمد نصیر اور مجاہدین میں موافقت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی، لہٰذا بی بی صاحبہ کو یہاں سے نکال لے جانا ہی مناسب تھا، چنانچہ اخوند نے سنڈاکئی میں اپنی برادری کے لوگوں سے مشورہ کر کے ایک پروگرام بنالیا۔ براہ راست تختہ بند جانے میں اندیشہ تھا کہ مختلف مقامات پر رکاوٹوں سے سابقہ پڑے، لہٰذا قرار پایا کہ کوہستانی علاقے سے سوات پہنچیں اور وہاں سے پلٹ کر بونیر آئیں۔ یہ راستہ یقیناً بے حد لمبا اور دشوار گزار تھا، لیکن اسے اختیار کئے بغیر محفوظ طریق پر تختہ بند پہنچنا ممکن نہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مشقت خیز سفر

روانگی کا فیصلہ ہو گیا تو شیخ ولی محمد نے کوہانہ میں مولوی محمد قاسم پانی پتی کو بھیجا کہ ہم بی بی صاحبہ کے ساتھ تخت بند جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ لکھیں اسکے مطابق عمل پیرا ہونا۔ چنانچہ شیخ صاحب ست بہار سے ٹھکول پہنچے، وہاں سے عبور دریا کے بعد چار پانچ مقام سنڈاکئی میں کیے۔ اخوند محمد ارم اور ان کی برادری ہی کے لوگوں نے سوات اطلاع بھیج دی تھی، وہاں سے تین آدمی پیشوائی کے لئے سنڈاکئی آ گئے۔ ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر خونہ کا صاحبزادہ تھا، جو سوات بالا میں درشخیلہ کے قریب ایک مشہور مقام ہے۔ سنڈاکئی سے بڑے بڑے پہاڑوں پر چڑھتے اترتے آٹھویں یا نویں روز مع الخیر خونہ پہنچے، صاحبزادے نے بی بی صاحبہ اور تمام مجاہدین کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اردگرد کی بستیوں سے عشر کا غلہ لانے کا بندوبست کر دیا۔

تخت بند اور ناوا گئی میں پیغام

خونہ میں پہنچے ہوئے ایک مہینہ گذر گیا تو شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے باہم مشورہ کر کے مندرجہ ذیل اصحاب کو سید میاں کے پاس تخت بند بھیجا: حاجی محمد فاضل پشاوری، ابراہیم خاں خیر آبادی، محمد حسین سہارنپوری، داروغہ عبدالقیوم اور اخوند محمد عظیم (ساکن کالوخاں)، تاکہ سید موصوف سے بات چیت کر کے بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کا راستہ تجویز کرالیں۔

یہ لوگ تخت بند پہنچے تو سید میاں نے بالاکوٹ کی جنگ کے پورے حالات سنے، پھر انہیں اپنے چچیرے بھائی سید رسول کے پاس ناوا گئی (چملہ) بھیج دیا تاکہ ان کی رائے بھی لے لی جائے۔ سید صاحب پنجتار سے ہجرت کر کے راج دواری گئے تھے تو اپنی بہت سی فالتو چیزیں ناوا گئی میں سید رسول کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ مثلاً مسی ظروف، دو قیمتی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زرہیں، تین خیمے، دو قالین وغیرہ، شیخ ولی محمد نے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ اس سامان کی فروخت کا بندوبست ہو سکے تو فروخت کر دینا۔ سید رسول نے بھی بالاکوٹ کی جنگ کی تفصیلات پوچھیں۔

شیخ ولی محمد کو بلانے کا فیصلہ

پہلے قاصد تین مہینے تک واپس نہ ہوئے تو شیخ ولی محمد نے اخوند فیض محمد غزنوی کو بھیجا۔ اس اثناء میں سید میاں نے بونیر کے خوانین اور سید رسول نے چملہ کے خوانین کا جرگہ کیا، معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں فتح خان پنجتاری بھی سید میاں اور سید رسول کے پاس بار بار پیغام بھیجتا رہا کہ شیخ ولی محمد اور ان کے ساتھیوں کو میرے پاس لے آیئے، میں سید صاحب کا پرانا نیاز مند ہوں، ان بھائیوں کی خدمت میں کوتاہی نہ کروں گا۔ چنانچہ جرگوں اور طویل مشورہ کے بعد پورا اطمینان کر کے سید میاں اور سید رسول نے فیصلہ کیا کہ بی بی صاحبہ، شیخ ولی محمد اور مجاہدین کو خونہ سے اپنے پاس لے آئیں، پھر ان سے بات چیت کر کے جو کچھ قرار پائے، اس کے مطابق عمل کریں۔

خونہ سے تختہ بند

اس فیصلے کے بعد تختہ بند سے سید میاں اور ناداگئی سے سید رسول کے بھائی سید حسین شیخ ولی محمد کے قاصدوں کے ہمراہ خونہ گئے تاکہ مجاہدین کو ساتھ لے آئیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہاں کیا بات چیت ہوئی، روایتوں میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ شیخ صاحب خونہ سے روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ جس صاحبزادے کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے، اس نے روانگی کے وقت پرتکلف دعوت کی۔ وہاں سے چلے تو چار باغ میں مقام کیا۔ سوات میں سید صاحب کے ایک مخلص عقیدت مند سید عبدالقیوم تھے، وہ مجاہدین کے ساتھ رہے۔ چار باغ کے پیرزادے بھی ہمراہ ہو گئے۔ دو روز منگورہ میں قیام کیا۔ ایک ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دن بری کوٹ، جوڑ اور ایلئی میں ٹھہرے۔ ہر مقام کے لوگوں نے مہانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ تختہ بند پہنچے تو سید صاحب نے بی بی صاحبہ کے لئے الگ مکان خالی کرا دیا، باقی مجاہدین کے قیام کا بھی بہت عمدہ بندوبست کر دیا۔

تختہ بند اور ناواگئی

تختہ بند میں سیدوں کے چار گھر تھے۔ایک سید میاں کا، دوسرا سید اعظم کا، تیسرا سید قاسم کا اور چوتھا سید سلیمان کا۔ان چاروں نے ایک ایک دن مجاہدین کی دعوت کی۔ پھر باہم مشورے سے قرار پایا کہ بی بی صاحبہ تختہ بند میں ٹھہریں اور باقی مجاہدین کو شیخ ولی محمد کے ہمراہ ناواگئی بھیج دیا جائے۔ مندرجہ ذیل اصحاب بی بی صاحبہ کی خدمت کے لئے مقرر کر دیے گئے:

سید حامد علی جھنجھانوی، اخوند فیض محمد غزنوی، حفیظ اللہ دیو بندی، ابراہیم خاں خیر آبادی، اللہ بخش خیاط لکھنوی، شیخ گلاب ساکن میان دوآب، شیخ لکھمیر اور داروغہ عبدالقیوم۔

سید میاں اپنے دل میں طے کر چکے تھے کہ شیخ ولی محمد مجاہدین کے ہمراہ پنجتار چلے جائیں۔ تفصیلات آگے آئیں گی۔ لیکن جماعت میں سے کسی کو اس بارے میں کوئی علم نہ تھا، یہ راز ناواگئی پہنچنے پر منکشف ہوا۔

فتح خاں پنجتاری

فتح خاں ان خوانین میں سے تھا، جنھوں نے سید صاحب کے ورود سرحد کے ساتھ ہی آپ سے رشتۂ عقیدت استوار کیا تھا۔ اس کا وطن پنجتار کم و بیش چار سال سید صاحب کا مرکز رہا، اس اثناء میں اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی جو جہاد فی سبیل اللہ میں اعانت کے منافی ہوتی، البتہ جب پشاوری سرداروں اور خوانین سمہ نے سید صاحب اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجاہدین کے خلاف کشت وخون کی خوفناک سازش کی تو فتح خاں کی حیثیت مشتبہ ہوگئی۔ وہ بظاہر سید صاحب سے عقیدت کا اظہار کر رہا تھا، لیکن صاف معلوم ہوتا تھا کہ سازشی خوانین سے بھی اس کا دوستانہ تعلق قائم ہے۔ اسکی یہی دورنگی پنجتار سے ہجرت کی فیصلہ کن محرک تھی، تاہم سید صاحب نے روانگی کے وقت اس کی برادری کے لوگوں کو یہ تلقین فرمائی تھی کہ فتح خاں کے فرمانبردار رہنا اور جو عشر ہمیں دیتے رہے ہو، وہ آئندہ فتح خاں کو دینا۔

بحالیٔ اقتدار کی کوشش

اس صورت حال پر وہ طبعاً پشیمان ہوا اور بحالیٔ اقتدار کی تدبیریں سوچنے لگا۔ جب اسے اطلاع ملی کہ شیخ ولی محمد مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ سوات پہنچ گئے ہیں، اور سید میاں ساکن تختہ بند کے ساتھ نامہ وپیام جاری ہے تو اس نے بھی سید رسول ساکن ناواگئی اور سید میاں کے پاس پیغام بھیجے کہ میں بھی سید بادشاہ کا مرید اور خلیفہ ہوں، ایسی تدبیر کیجئے کہ شیخ ولی محمد میرے پاس تشریف لے آئیں، میں انکے کھانے پہننے کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں، تمام مجاہدین کی خدمت کرتا رہوں گا اور ان کے ساتھ ہو کر سکھوں سے جہاد کروں گا۔

یہ پیغامات بار بار آئے تو سید میاں نے بونیر کے خوانین اور سید رسول نے چملہ کے خوانین کا اجتماع منعقد کیا، تمام حالات انہیں بتائے، ساتھ ہی کہا کہ اگر مجاہدین کو پنجتار بھیج دیا جائے اور فتح خاں کسی موقع پر ان سے دغا کرے تو ہماری بدنامی ہوگی۔ دنیا کہے گی کہ ان سیدوں نے مجاہدین کو خونہ سے بلا کر فریب کیا۔ آپ لوگ بتائیں کہ آپ اس کام میں ہمارے ساتھ تعاون کیلئے تیار ہیں کہ نہیں؟ انہوں نے غور وفکر کے بعد جواب دیا کہ ہم بہر حال آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ مجاہدین کو بھیج دیجئے، فتح خاں کی مجال نہیں کہ آپ کو بیچ میں ڈال کر بدعہدی کرے۔ اگر خدانخواستہ اس نے کوئی نامناسب حرکت کی تو ہم سمجھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیں گے۔ اس دلجمعی کے بعد سید میاں مجاہدین کو خونہ سے تختہ بند لائے اور انہیں ناواگئی بھیج دیا جہاں سید رسول نے پہلی مرتبہ انہیں بتایا کہ آپ حضرات کو پنجتار بھیجنا منظور ہے۔

شیخ کا تامل اور آخری فیصلہ

شیخ ولی محمد پر یہ حقیقت منکشف ہوئی تو انہوں نے پنجتار جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ فتح خاں دنیادار آدمی ہے، اس کے پاس ہمارا گذارہ نہ ہوگا۔ اندیشہ ہے کہ وہ ہم سے دغا کرے۔ اس وقت سید رسول نے خوانین چملہ و بونیر کے جرگوں کی مفصل کیفیت بتادی اور کہا کہ ہم آپ کو ان خوانین کے اتفاق سے پنجتار بھیج رہے ہیں۔ فتح خاں میں یہ جرأت نہیں کہ چملہ و بونیر کے خوانین کی متفقہ رائے کے خلاف کوئی قدم اٹھائے۔ اس اثناء میں ہم پوری کوشش کریں گے کہ ڈ، ی صاحب کو سندھ پہنچانے کی کوئی صورت پیدا کرلیں۔ دوسرے سید بادشاہ کے زندہ ہونے کی خبریں مل رہی ہیں، خدا کرے کہ اس اثناء میں وہ ظاہر ہو جائیں۔ اگر پنجتار کا قیام آپ کی رائے اور مرضی کے مطابق نہ ہوگا تو واپس چلے آنا، ہم آپ کو بھی سندھ پہنچادیں گے۔

تمام حالات سن کر شیخ ولی محمد نے یہ مشورہ قبول کرلیا۔

ناواگئی سے پنجتار

شیخ صاحب اور مجاہدین کو ناواگئی پہنچے ہوئے چھ سات روز گذرے تھے کہ فتح خاں کی طرف سے تین معتبر آدمی مجاہدین کو ساتھ لے جانے کیلئے ناواگئی آگئے۔ ان میں سے ایک تو تالی کا خان تھا، جس کا نام رواتیوں میں سرکارئی بتایا گیا ہے۔ وہ فتح خاں کا خاص مصاحب اور رفیق تھا، دوسرا قاسم خیل کا قاضی تھا، تیسرا کوئی اور عالم۔

ناواگئی سے پنجتار کا سیدھا اور قریبی راستہ چندلئی (چنگلئی) میں سے تھا، وہاں کے لوگ فتح خاں کے دشمن تھے۔ انہوں نے شیخ ولی محمد کے پاس پیغام بھیج دیا کہ اگر چندلئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں قیام منظور ہے تو بے تکلف تشریف لائیے، ہم سب خادم اور فرمانبردار ہیں، لیکن اگر فتح خاں کے پاس پنجتار جانا مقصود ہے تو چندلئی ہرگز نہ آیئے اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کیجئے۔ اس وجہ سے لمبا اور پُرپیچ راستہ اختیار کرنا پڑا۔

سید رسول نے اپنے چھوٹے بھائی سید اعظم کو جماعتِ مجاہدین کے ہمراہ کر دیا وہ ناداگئی سے روانہ ہو کر مختزئی (۱) میں ٹھہرے، جہاں سید رسول کی سسرال تھی۔ سید موصوف کے خسر نواب خاں نے نصف مجاہدین کی دعوت کی باقی لوگوں کو بستی والوں نے کھانا کھلایا۔ اگلے روز منگل تھانہ پہنچے جو سید میاں کے بھائی بندوں کی بستی تھی۔ شاہ رنداں وہاں کا رئیس تھا۔ کابل اخوندزادے کا گھر بھی وہیں تھا۔ تیسرے دن دکھانڑہ ہوتے ہوئے پنجتار کا رخ کیا۔ اہلِ دکھانڑہ نے بہ اصرار روکنا چاہا۔ شیخ صاحب نے معذرت کی، پنجتار سے ایک کوس کے فاصلے پر فتح خاں پیشوائی کیلئے موجود تھا۔

یوں تقریباً ایک سال (۲) کے بعد مجاہدین پھر پنجتار میں وارد ہوئے، جسکی سرزمین کا چپہ چپہ چار سال تک ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔ لیکن اب ان کی حالت وہ نہ تھی، جس میں وہ پنجتار سے رخصت ہوئے تھے۔ سید صاحب، مولانا شاہ اسمٰعیل اور دوسرے بہت سے اکابر راہِ حق میں شہادت پا چکے تھے۔ اگرچہ ان کے بلند مقاصد اور ان کی خاطر پہلی سی فداکاری میں کوئی فرق نہ آیا تھا، تاہم ان کی سابقہ شان باقی نہ رہی تھی۔

(۱) یہ خدازئیوں کا گاؤں ہے، جو فتح خاں کے ہم قوم تھے۔ روایتوں میں اسے ملہزئی لکھا گیا ہے۔ صحیح مختزئی ہے۔

(۲) سید صاحب نے وسط رجب ۱۲۴۶ھ میں پنجتار سے ہجرت کی تھی۔ ۲۴ ذی قعدہ کو بالاکوٹ کی لڑائی ہوئی۔ عید الضحیٰ تک مجاہدین ستھانہ پہنچ چکے تھے۔ شیخ ولی محمد نے پونے دو مہینے وہاں بسر کئے، گویا محرم ۱۲۴۷ھ کا مہینہ ستھانہ میں گزارا۔ بی بی صاحبہ کے ساتھ روانہ ہو کر تقریباً پندرہ دن میں (بشمول قیام وسفر) ٹونک پہنچے، ایک مہینے کے بعد قاصد تھانہ بھیجے، تین مہینے مشوروں میں گذر گئے، پھر کچھ وقت ٹونک سے تھانہ، ناداگئی اور پنجتار پہنچنے میں لگا، لہٰذا میرا اندازہ ہے کہ جمادی الاخریٰ یا رجب میں وہ پنجتار پہنچے ہوں گے۔ یوں ایک سال کی مدت بن گئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قیام کا انتظام

یاد ہوگا کہ سید صاحب نے پنجتار میں مجاہدین کیلئے مکان ہوا کر ایک مستقل آبادی کا انتظام کرلیا تھا۔ فتح خاں نے وہ تمام مکان مجاہدین کے حوالے کردیے اور شیخ ولی محمد امیر جماعت کو اس برج میں ٹھہرایا، جس میں سید صاحب رہتے تھے۔ دو روز تک فتح خاں کے ہاں سے کھانا آتا رہا، پھر غلے کا وہ ذخیرہ ان کیلئے کھول دیا گیا جو سید صاحب کے زمانے سے محفوظ چلا آتا تھا اور معمول کے مطابق غلہ تقسیم ہونے لگا۔

مولوی محمد قاسم اور مولوی خیر الدین شیرکوٹی مجاہدین کی بڑی جماعت کے ساتھ کوہانہ ہی میں مقیم تھے۔ شیخ ولی محمد نے پنجتار پہنچتے ہی آدمی بھیج دیے کہ سرکاری اونٹ پنجتار لے آئیں۔ اسلئے کہ تندھیاڑ میں سردی زیادہ تھی جو اونٹوں کیلئے سازگار نہ تھی۔ جنگ زیدہ کے بعد اونٹوں کی تعداد اسی کے قریب پہنچ گئی تھی، پھر مرتے مرتے دس بارہ رہ گئے۔ مولوی محمد قاسم اور مولوی خیر الدین نے اونٹوں کے ساتھ احمد یار خاں، کریم اللہ خاں، عبدالحمید خاں، نور سندھی، اخوند خیر الدین، حاجی عبداللہ گورکھپوری اور حاجی یوسف کشمیری کو بھیج دیا۔ محمد قاسم ساکن امروہہ کو ان کا امیر بنا دیا۔ یہ لوگ سگئی پہنچے، جہاں سے دریا عبور کرنا تھا۔ چھ سات روز تک عبور کا کوئی انتظام نہ ہوسکا، اس لئے کہ کشتیوں والے ایک روپیہ فی اونٹ مانگتے تھے، پھر اتفاق سے وہاں سخت زلزلہ آیا، لوگوں نے سمجھا کہ زلزلہ سید صاحب کے اونٹ پار نہ اُتارنے کی سزا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بلا اجرت اونٹ پار اتار دیے۔ چھ سات دن میں یہ لوگ پنجتار پہنچ گئے، اس سے تقریباً تین مہینے بعد کوہانہ کے مجاہدین بھی پنجتار آگئے۔ ان کی آمد کے حالات پیشتر بیان کیے جا چکے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

مجاہدین پنجتار میں

(۱)

پریشانی حالی کی وجہ

ممکن ہے آپکے دل میں سوال پیدا ہو کہ مجاہدین کیوں ایک مقام پر جم کر نہ ٹھہر سکے اور کس وجہ سے انہیں پے در پے اپنی قیام گاہیں چھوڑنی پڑیں؟ وہ پہلے ستھیاڑ میں ٹھہرے تھے، لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ دس مہینے کے بعد انہیں وہاں سے مجبوراً نکلنا پڑا۔ پنجتار میں بھی ان کیلئے مستقل قیام غیر ممکن ہو گیا جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ اس کے بعد پایندہ خاں تنولی ان کا رفیق بن گیا، لیکن اس سے بھی نبھ نہ سکی۔ آخر انہیں ستھانہ میں اقامت اختیار کرنی پڑی۔ اس پریشان حالی کا سبب یہ ہے کہ سادات ستھانہ کے سوا سرحد کے اکثر خوانین اور پیرزادے صرف نمود و نمائش کے پرستار تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ان کے دلوں میں کوئی مخلصانہ جذبہ موجزن نہ تھا۔ مجاہدین کی قوت و جانبازی سے دنیوی اغراض میں فائدہ اٹھانے کیلئے وہ تیار ہو جاتے تھے، لیکن نہ وہ للّٰہیت کی روح سے آشنا تھے اور نہ مجاہدین کے گزارے کا معمولی انتظام انھیں قابل برداشت معلوم ہوتا تھا۔ مجاہدین للّٰہی مقاصد کی خاطر ہر پیشکش کو قبول کر لینے پر آمادہ ہو جاتے تھے، لیکن جب حقیقی مقاصد کیلئے مخلصانہ کام میں اعانت سے کامل مایوسی ہو جاتی تھی تو انہیں اس کے سوا چارہ نہ رہتا تھا کہ کوئی دوسرا امن تلاش کریں۔ صرف ستھانہ، مجملہ اور بونیر کے حضرات کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دامن غرض پرستی کے لوث سے پاک رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کے سوا مجاہدین کی حقیقی اعانت ورفاقت کا حق کوئی ادا نہ کرسکا۔

ہری سنگھ نلوہ کا خط

مجاہدین کو پنجتار پہنچے ہوئے تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ ہری سنگھ نلوہ سرحد پہنچا اوراس نے خواص خاں خٹک رئیس اکوڑہ کو وکیل بنا کر تمام خوانین سمہ کے پاس بھیجا کہ خراج ادا کریں۔ایک خط فتح خاں پنجتاری کے نام بھی آیا کہ تمہارے پاس سید صاحب کی توپیں محفوظ ہیں، وہ حوالے کردو، ورنہ لڑائی کیلئے تیار ہوجاؤ۔فتح خاں نے اس کا جوجواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مجھے سید بادشاہ کی توپوں کے متعلق کچھ علم نہیں، مجاہدین کو ان کا پتہ ہوگا اور وہ میرے قابو میں نہیں۔

(۲) اگر تم یورش کروگے تو جب تک لڑسکوں گا لڑوں گا۔دباؤ بڑھے گا تو اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔

(۳) زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تم لوگ میری بستیوں کو برباد کرڈالوگے، لیکن تمہاری واپسی کے بعد پھر آ کر انہیں آباد کرلوں گا۔

مقابلے کی تیاری

چونکہ سکھوں کی یورش کا شدید خطرہ لاحق تھا، اس لئے فتح خاں نے اپنے ہم قوموں کے علاوہ چملہ اور بونیر کے تمام خوانین ورؤسا کے پاس پیغامات بھیج دیے کہ سکھ پنجتار پر پیش قدمی کرنیوالے ہیں، اگر چملہ وبونیر کا یہ دروازہ ان کے قبضے میں آگیا تو تم لوگوں کی آبادی بھی محفوظ نہ رہ سکے گی،لہٰذا پنجتار کو بچانے کی غرض سے جو کچھ کرسکتے ہو اُسکے لئے تیار ہوجاؤ۔چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں تین ہزار تین سو پچاس جانباز پنجتار میں جمع ہوگئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے زمانہ قیام میں بھی سکھوں نے پنجتار پر حملے کی تیاری کی تھی اور سید صاحب کے حکم سے مناسب مقامات پر دفاعی مورچے بنالئے تھے۔ وہ مورچے محفوظ تھے، اور ان میں آدمی بٹھا دیے گئے، رات کے وقت فتح خاں کے سوار درے کے دہانے پر پہرہ داری کے لیے پہنچ جاتے تھے، اس طرح پنجتار کی حفاظت ہوتی رہی۔

خواص خاں سے گفتگو

اس اثناء میں ہری سنگھ کی طرف سے خواص خاں پہنچ گیا اور پیغام بھیجا کہ فتح خاں جہاں چاہے، گفتگو کرلے۔

چنانچہ سلیم خاں کا میدان گفتگو کیلئے تجویز ہوا، قرار پایا کہ فتح خاں اور خواص خاں بیس بیس پچیس پچیس سوار اور اتنے ہی پیادے لیکر اس میدان پہنچ جائیں۔ مجاہدین میں سے کوئی شخص فتح خاں کے ساتھ نہ گیا، البتہ شیخ نجم الدین رامپوری بطور خود ساتھ ہو گئے۔

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خواص خاں نے سید صاحب کی توپوں کا مطالبہ کیا۔ فتح خاں نے وہی جواب دیا جو اس سے پیشتر خط میں لکھ چکا تھا۔ خواص خاں نے کہا کہ خیر اس معاملے کو جانے دو، مگر دوسرے خوانین کی طرح گھوڑا اور باز دے کر ہری سنگھ سے پیچھا چھڑاؤ۔ فتح خاں نے کہا کہ گھوڑے کی جگہ گدھا اور باز کی جگہ چڑیا بھی نہیں دے سکتا۔ خواص خاں اس پر ناراض ہو کر چلا گیا اور فتح خاں واپس آگیا۔ دفاعی انتظامات بدستور قائم رہے۔ جب تیسرے چوتھے روز معلوم ہوا کہ سکھوں کی فوج دریا عبور کر کے واپس چلی گئی ہے تو فتح خاں نے اپنی برادری اور چملہ و بونیر کے لشکروں کو پنجتار سے رخصت کر دیا۔

نجم الدین کی گرفتاری

ہم بتا چکے ہیں کہ نجم الدین رام پوری بطور خود فتح خاں کے آدمیوں کے ساتھ چلے گئے تھے۔ سلیم خاں کے میدان میں پہنچ کر وہ سکھوں کی فوج کے مسلمانوں میں تبلیغ حق

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرتے رہے، اس بنا پر گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے خود اس ابتلاء کے حالات یوں بیان کئے کہ میں دو دفعہ سکھوں کے لشکر میں گیا اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت سے راہ پر لایا۔ وہ سکھوں کی نوکری چھوڑ کر ہمارے پاس آنے کو تیار تھے، اس اثناء میں مجھے گرفتار کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ یہ خبر رنجیت سنگھ تک پہنچی تو مجھے دربار میں بلایا گیا۔ مہاراجہ نے دیکھتے ہی میری زنجیریں اتروا دیں اور کہا کہ میں نے خلیفہ صاحب (۱) کے مجاہدوں کی بھرماری کے متعلق بہت کچھ سنا ہے، ذرا مجھے بھی اس کا نمونہ دکھاؤ۔ چنانچہ میں نے بھرماری کے کئی فائر کیے۔ رنجیت سنگھ بہت خوش ہوا اور کہا ہماری نوکری کر لو۔ میں نے جواب دیا کہ ہم جہاد کیلئے یہاں آئے ہیں، کسی کی نوکری نہیں کر سکتے۔

غرض مہاراجہ نے نجم الدین کو ایک تیلیا گھوڑا، دو بنارسی دوپٹے اور پچاس روپے نقد دے کر اپنے آدمیوں کو تاکید کر دی کہ یہ جہاں جانا چاہے، بہ حفاظت پہنچا دو۔ چنانچہ نجم الدین کو اٹک پہنچا دیا گیا، وہاں سے وہ پنجتار آ گئے۔ گھوڑا، دوپٹے اور روپے شیخ ولی محمد کی خدمت میں پیش کر دیے کہ یہ چیزیں خدا کا مال ہیں اور انہیں بیت المال میں داخل کر لیا جائے۔

فتح خاں اپنے اصلی رنگ میں

سکھوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو فتح خاں نے یہ تجویز پیش کر دی کہ میری قوم کی بستیاں مجھ سے باغی ہیں۔ اب ضروری ہے کہ انہیں میری اطاعت پر مجبور کر کے عشر کا انتظام کیا جائے تاکہ مجاہدین کے گزارے کا بندوبست ہو سکے۔ میں تنہا اتنے بڑے لشکر کے خرچ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین کو پنجتار لانے میں اس کی اصل غرض یہی تھی، مجاہدین کی امداد کے بغیر وہ کسی بستی کو اپنے تابع نہ لا سکتا تھا۔

(۱) "سیرت سید احمد شہید" میں بتایا جا چکا ہے کہ سکھ سید صاحب کو "خلیفہ صاحب" کہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ ولی محمد نے مجلس شوریٰ منعقد کی، جس میں مندرجہ ذیل اصحاب شریک تھے:

مولوی نصیر الدین منگلوری، محمد سعید خاں جہان آبادی (متصل رائے بریلی)، پیر مبارک علی جھنجھانوی، ملا علی خاں کنڈوہی، اخوندگل پشاوری، اللہ نور شاہ ساکن ٹوپی، بابر شاہ ننگرہاری، جعفر خاں ترین ہزاروی، منشی محی الدین کشمیری، خوش باش امازئی، ملا لعل محمد قندھاری، ملا نور محمد قندھاری، ملا لعل میر قندھاری، خضر خاں قندھاری، عبدالصمد خاں خیبری، ملا گلزاری محمد خیبری۔ اس مجلس میں قندھاری اور ہندوستانی مجاہدوں کے علاوہ دوسرے اصحاب کو بھی شامل کر لیا گیا۔

مصالحت کی تجویز

فتح خاں کی تجویز سنتے ہی سب بول اٹھے کہ وہ اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے۔ دنیادار آدمی ہے، اپنی سرداری اور ناموری چاہتا ہے، دین سے اسے کچھ غرض نہیں۔ ہم لوگ حجتِ شرعی کے بغیر مسلمانوں پر فوج کشی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ غور و مشورہ کے بعد مجاہدین نے فتح خاں سے کہہ دیا کہ تمام بستیوں کو مصالحت کا پیغام بھیجو، اگر قبول کر لیں تو معاملہ ختم ہو جائیگا، قبول نہ کریں اور مقابلے کیلئے تیار ہوں تو پھر سوچا جائے گا کہ اس سلسلے میں مناسب راہِ عمل کیا ہونی چاہیے۔

چنانچہ پنجتار کی چار بستیوں قاسم خیل، غورغشتی، سنگ چٹی اور خلی کلی (۱) کے باشندوں نے مصالحت کا پیغام ملتے ہی کہلا بھیجا کہ ہم ہر خدمت کیلئے حاضر ہیں اور ہمارے لئے جو کچھ تجویز کیا جائے وہ ہمیں بے تکلف منظور ہے۔ اس طرح پنجتار کے گرد و نواح کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا، البتہ باقی بستیاں مصالحت کیلئے تیار نہ ہوئیں اور ان کے متعلق جو تدبیریں اختیار کرنی پڑیں وہ تفصیلاً آئندہ باب میں بیان کی جائیں گی۔

(۱) "وقائع" کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس مقام کو آج کل پنجتار کہتے ہیں، اس کا اصل نام سید دتھا اور ابتدا میں پانچوں بستیوں کے لئے پنجتار کا نام استعمال کیا جاتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

مجاہدین پنجتار میں

(۲)

''جھنڈا بوکا'' کا قضیہ

آس پاس کی بستیوں کا فیصلہ مصالحت سے ہو گیا تو فتح خاں نے جھنڈا بوکا کے خان فیض اللہ خاں پر لشکر کشی کا ارادہ کر لیا اور شیخ ولی محمد سے اعانت کا طلب گار ہوا۔ شیخ نے جواب دیا کہ بلاشبہ آپ ہمارے معاون ہیں، ہمیں اپنے ہاں ٹھہرنے کیلئے جگہ دی ہے، لیکن ہم صرف امیر المومنین کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو غیر مسلموں سے جہاد درپیش ہو تو ہم جانیں دینے کیلئے تیار ہیں، مسلمانوں سے نہیں لڑ سکتے۔ ہمیں مہلت دیجئے۔ فیض اللہ خاں کے پاس اپنے آدمی بھیجیں گے اور مصالحت کی کوئی صورت نکالیں گے۔

فیض اللہ کے پاس پیغام

چنانچہ شیخ صاحب نے شیخ فتح علی عظیم آبادی کو تقریباً بیس مجاہدین کے ساتھ فیض اللہ خاں کے پاس بھیج دیا۔ خان موصوف نے کہا میں سید بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار رہا، اب شیخ ولی محمد کا اطاعت گزار ہوں۔ اگر وہ اپنا ایک آدمی بھیج دیں کہ جھنڈا بوکا خالی کر کے باہر چلے جاؤ تو ہرگز پس و پیش نہ کروں گا۔ فتح خاں مجھ پر زیادتی کرتا ہے، اس کی کوئی بات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہیں مان سکتا۔ اسے میری طرف قدم اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہو سکتا، صرف آپ لوگوں کے بل پر چڑھائی کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔

شیخ فتح علی بات چیت کے بعد فیض اللہ خاں سے کہہ آئے کہ اس قضیے کو ختم کرنے کیلئے اگر شیخ ولی محمد جھنڈا ابو کا خالی کرنے کا پیغام بھیج دیں تو اسے ضرور قبول کر لینا، مقصود صرف یہ ہوگا کہ فتنہ بڑھنے نہ پائے اور حسنِ تدبیر سے امن کی صورت پیدا ہو جائے۔

چڑھائی اور مصالحت

فتح خاں کو فیض اللہ خاں سے قلبی عداوت تھی، لہٰذا اس نے انتظار کیے بغیر چڑھائی کر دی۔ شیخ صاحب نے کوئی ایک سو کے قریب مجاہدین اس غرض سے ساتھ روانہ کیے کہ جس طور بھی ممکن ہو صورتِ حال کو سنبھالیں۔ ملا ... ت قندھاری، بادشاہ ننگرہاری اور سید اللہ نور شاہ ساکن ٹوپی ان مجاہدین کے افسر قرار پائے۔ فیض اللہ خاں کو الگ پیغام بھیج دیا کہ آپ مقابلہ ہرگز نہ کریں اور دو چار روز کیلئے باہر چلے جائیں۔ مال و اسباب کی حفاظت کے ذمہ دار ہم ہیں۔ فتح خاں کے آدمیوں اور اپنے مجاہدوں کو تاکید کر دی کہ فیض اللہ خاں جھنڈا ابو کا سے چلا جائے تو اس کے مال و اسباب پر ہرگز دست اندازی نہ کی جائے۔ فیض اللہ خاں نے شیخ صاحب کے مشورے کے مطابق عمل کیا۔ اس کا مال و اسباب کا ملاً محفوظ رہا اور تمام لوگ ایک رات جھنڈا ابو کا میں گزار کر پنجتار واپس آ گئے۔ یہ قضیہ یوں خوش اسلوبی سے ختم ہو گیا۔

باجا بامخیل کا معاملہ

جھنڈا ابو کا کے بعد فتح خاں نے باجا بامخیل کا معاملہ پیش کر دیا، جہاں تین بھائی سرداری کے منصب پر فائز تھے۔ ایک خانی، دوسرا محبت اللہ خاں، تیسرے کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ شیخ ولی محمد نے اس معاملہ کو بھی مصالحت سے ختم کر دینے کی انتہائی کوشش کی، لیکن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محب اللہ خاں مفسد اور ضدی آدمی تھا، اس نے کوئی تدبیر کارگر نہ ہونے دی، بلکہ فتح خاں کو کہلا بھیجا کہ تم ہندوستانی مجاہدوں کے بل پر مجھے دبانا چاہتے ہو، میں ہرگز نہ دبوں گا۔ اپنے بھائی بندوں سے مشورہ کروں گا، اگر انہوں نے صلح کی رائے دی تو صلح کرلوں گا، ورنہ تمہارے مقابلے پر جما رہوں گا۔

واضح رہے کہ یہ شخص مجاہدین کے خلاف اہلِ ستہ کی سازشِ قتل میں پیش پیش تھا اور سیلئی کے مقام پر مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کو شہید کرانے میں اسکی انگیخت بھی شامل تھی۔

یورش

فتح خاں، محب اللہ خاں کا پیغام سن کر یورش کیلئے تیار ہو گیا تو شیخ ولی محمد نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اپنے مجاہدین کو تیاری کا حکم دیدیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حتی الامکان مصالحت کی صورت پیدا کریں یا کم از کم باہمی کشمکش اور خونریزی کو بڑھنے اور پھیلنے نہ دیں۔ اگر چہ وہ اُن دنوں بیمار تھے، تاہم خود مجاہدین کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ نمازِ عشاء کے بعد فتح خاں کے لشکر اور مجاہدین پنجتار سے روانہ ہوئے۔ بام خیل سے نصف کوس پر درختوں کا ایک جھنڈ تھا، وہاں ٹھہر کر تین آدمی اس غرض سے بھیجے گئے کہ دیکھیں صلح کا کوئی امکان ہے یا نہیں، جب معلوم ہوا کہ مقابلے کیلئے باقاعدہ مورچہ بندی کرلی گئی ہے تو لڑائی ناگزیر ہو گئی۔

جنگ

چنانچہ پورے لشکر کے دو حصے کر لئے گئے۔ مولوی نصیر الدین اور فتح خاں ایک حصے کو لے کر مشرقی جانب سے بستی میں داخل ہوئے۔ شیخ ولی محمد نے دوسرے حصے کے ساتھ شمالی جانب سے پیش قدمی کی۔ اس طرح مقابلہ کرنے والے دونوں لشکروں کے درمیان گھر گئے۔ بستی سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ شیخ صاحب کے ساتھ تھوڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آدمی تھے، اس لئے مد مقابل نے ادھر کا رخ کیا۔ شاہباز ساکن بنوں، شیر محمد خاں رام پوری اور محمد امیر خاں قصوری نے قرابینیں چلائیں، بستی کے تین سرداروں میں سے دو وہیں گر گئے، تیسرا جس کا نام خانی تھا، گرفتار ہو گیا۔ مولوی نصیر الدین نے فوراً امن کا اعلان کر دیا۔ لڑائی روک دی اور سب کو تاکید فرمادی کہ کسی کے مال پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔

اس لڑائی میں تین مجاہد شہید ہوئے: ایک حبیب خاں ساکن بونیر، دوسرا خدا بخش ساکن امروہہ، تیسرا قوم کا مشوانی تھا اور اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ مقامی ملاؤں کو اجازت دے دی گئی کہ مقتول خوانین کو دفن کر دیں۔

خانی کی رہائی

فتح خاں چاہتا تھا کہ خانی کو قتل کرا دے اور تینوں خوانین کے اہل و عیال گرفتار کر کے پنجتار لے جائے۔ شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے روک دیا، فرمایا کہ مقابلے میں جو مارا گیا، مارا گیا۔ اب کسی کی جان، مال یا آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ مقامی ملاؤں اور عالموں نے خانی کی رہائی کا مطالبہ کیا، شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے یہ اقرار لے کر اسے رہا کرا دیا کہ وہ آئندہ فتنہ و فساد سے محترز رہے گا۔ فتح خاں دل سے اس امر پر راضی نہ تھا، لیکن شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین کی رائے اسے ماننی پڑی۔ باجا بام خیل سے وہ اپنا لشکر مرغز اور........لے گیا۔

زیدہ کی سرداری کا مسئلہ

سیرت سید احمد شہید میں تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ زیدہ کے خان اشرف خاں کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا مقرب خاں سردار بنا تھا۔ اگرچہ خود اشرف خاں اپنے منجھلے بیٹے فتح خاں کو سردار بنانا چاہتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد مقرب خاں زیدہ چھوڑ کر چلا گیا اور سید صاحب نے فتح خاں کو وہاں کا سردار بنا دیا۔ سید صاحب پنجتار سے ہجرت کر کے راج دواری چلے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے تو سکھوں نے اس بنا پر فتح خاں اور اس کے بھائی ارسلان خاں کو زیدہ سے نکال دیا کہ وہ سید صاحب کے مخلص عقیدت مند تھے اور سرداری کی مسند پر اشرف خاں کے بھائی لطف اللہ کو بٹھا دیا۔ مجاہدین دوبارہ پنجتار آ گئے تو فتح خاں اور ارسلان خاں نے اپنا موروثی منصب واپس دلانے کی درخواست کی۔ شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے لطف اللہ خاں کو ایک خط بھیجا، جس میں اسے مشورہ دیا کہ سرداری کا منصب بھتیجوں کے حوالے کر دے اور خود اسی طرح زیدہ میں رہے جس طرح اشرف خاں کے زمانے میں رہتا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ فتح خاں سکھوں کے خوف سے زیدہ چھوڑ گیا تھا، میری قسمت نے یاوری کی اور سکھوں نے مجھے سردار بنا دیا۔ اب میں اس منصب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مجاہدین نے فتح خاں اور ارسلان خاں کی حق رسی کیلئے زیدہ کے محاصرے کی تیاری کر لی، عین اس موقع پر اخوند زعفران قندھاری نے یہ خبر پہنچائی کہ میں حضرت امیر المومنین کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں، ان کے حکم کے بغیر تمہیں لڑنے بھڑنے کا کوئی حق نہیں۔

راوی کا بیان ہے:

> یہ نہیں معلوم کہ لڑائی موقوف کرانے کو اخوند صاحب نے یہ خبر کہی یا اس میں کچھ اور مصلحت تھی، واللہ اعلم مگر لوگوں نے یہ خبر سنتے ہی لڑائی موقوف کی۔(۱)

رات کے وقت لشکر زیدہ سے اٹھ کر پنج پیر پہنچا اور وہاں سے پنجتار چلا گیا۔

چنڈلئی پر فوج کشی

پنجتار کے شمال میں فتح خاں کے ہم قوموں کا ایک بڑا گاؤں چنڈلئی تھا، وہ لوگ بھی فتح

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص: ۳۶۰-۳۶۱۔
ہمیں بہر حال یہی سمجھنا چاہئے کہ اصل خبر بالکل بے بنیاد تھی۔ اخوند زعفران کے متعلق انتہائی حسن ظن کی بناء پر سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں دھوکا لگا۔ چونکہ مجاہدین کے ایک گروہ کو اس وقت تک سید صاحب کی شہادت کا یقین نہ ہوا تھا اس لئے انہوں نے بے تکلف خبر کو درست مان لیا لیکن ظاہر ہے کہ یہ خیال سراسر غلط تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاں سے سرکشی اختیار کیے بیٹھے تھے۔ یاد ہوگا کہ جب شیخ ولی محمد نے پنجتار آنے کا قصد کیا تھا تو ان لوگوں نے شیخ کو پیغام بھیجا تھا کہ یہاں آ کر رہنا چاہیں تو شوق سے آئیں ہم خدمت میں کوتاہی نہ کریں گے۔ اگر پنجتار جانا منظور ہو تو چنگلئی کا راستہ ہرگز اختیار نہ کریں۔

فتح خاں نے اب انہیں بھی زیر کر لینا چاہا اور شیخ ولی محمد سے بھی امداد مانگی۔ شیخ نے صاف کہہ دیا کہ ہندوستانی مجاہدوں میں سے ہم کسی کو نہ بھیجیں گے، اور لوگ جانا چاہیں تو چلے جائیں ہم خود نہ جانے کا حکم دیں گے، نہ کسی کو روکیں گے۔ فتح خاں نے چنگلئی پر یورش کی، پہر ڈیڑھ پہر لڑائی ہوئی، اہل چنگلئی مقابلہ نہ کر سکے اور گاؤں چھوڑ کر چملہ کے علاقے میں چلے گئے۔

غرض پنجتار میں مجاہدین کے مختصر سے قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح خاں کے تمام ہم قوم ازسرنو اس کے مطیع وفرمانبردار بن گئے۔

خانی کا قتل

چنگلئی کی تسخیر سے بیس پچیس روز بعد کا واقعہ ہے کہ ایک دن فتح خاں کا بیٹا مقرب خاں پنجتار سے باجا بام خیل گیا۔ اس نے وہاں کے سردار خانی کو مشورے کیلئے باہر بلایا اور ایک الگ مقام پر لے گیا۔ وہاں اس غریب کو بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ یہ خبر شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے سنی تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے فتح خاں کو بلوایا اور کہا کہ پختہ عہد و پیمان کے باوجود اس رنج افزا حرکت کیلئے کون سی وجہ جواز موجود تھی؟ اس نے جواب دیا کہ مقرب خاں نے مجھ سے پوچھے بغیر اس حرکت کا ارتکاب کیا، میں بالکل بری الذمہ ہوں۔ یہ سراسر فریب تھا مقرب خاں بطور خود کوئی ایسا قدم نہ اٹھا سکتا تھا۔ مجاہدین اس غرض سے پنجتار آئے تھے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں۔ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ فتح خاں کی سرداری کو تقویت پہنچانے کیلئے مسلمانوں میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کشت دخون کا ہنگامہ بپا کردیں، خصوصاً خانی کا قتل تو سراسر ناحق تھا۔ اس واقعہ کے باعث کے
بعد مجاہدین کے لئے پنجتار میں قیام کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

سید میاں اور سید رسول کو اطلاع

شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے اسی وقت فتح خاں سے قطع تعلق کر لیا۔ سید رسول کو ناواگئی اور سید میاں کو تخته بند میں خط ارسال کر دیے کہ فتح خاں کے پاس رہنا غیر ممکن ہو گیا ہے، ہم آپ کے مشورے کے مطابق یہاں آئے تھے، اب فرمائیے کہ کیا کریں۔ چند روز کے بعد ان کا پیغام آ گیا کہ ناواگئی چلے آیئے، ہم خدمت گزاری میں کوتاہی نہ کریں گے۔

اس زمانے میں پائندہ خاں تنولی والیٔ امب کی طرف سے بھی ایک پیغام آیا تھا کہ میں سید بادشاہ کے وقت میں شامت نفس کے باعث خدمت گزاری کی سعادت سے محروم رہا، اب آپ لوگ پنجتار سے اٹھ کر امب چلے آئیں۔ شاید آپ کی خدمت گزاری کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری سابقہ خطائیں معاف کر دے۔

ارسالِ وفد

ناواگئی روانہ ہونے سے پیشتر شیخ ولی محمد نے چار آدمیوں کا ایک وفد امب روانہ کر دیا تھا کہ وہاں کے حالات تفصیلاً معلوم کر لیں، پھر جو کچھ مناسب ہو اس پر عمل کیا جائے۔ یہ وفد محمد امیر خاں قصوری، اللہ نور شاہ ساکن ٹوپی، بابر شاہ ننگر ہاری اور اللہ بخش پر مشتمل تھا۔ یہ اصحاب کم و بیش دو ہفتے پائندہ خاں کے پاس رہے۔ اس نے گڑھی کے دروازے پر ان کیلئے خیمہ نصب کرا دیا، اپنے ساتھ کھانا کھلاتا رہا اور رخصت کے وقت باصرار کہا کہ شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین آ جائیں تو میں اگرور کا علاقہ ان کے حوالے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر دوں گا، اور جسی کوٹ کا قلعہ رہنے کے لئے دے دوں گا۔

پائندہ خاں کا عہد نامہ

شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین مجاہدین کو لے کر ناوا گئی پہنچے وفد امب سے واپس آیا تو پائندہ خاں نے اپنا وکیل بھیج دیا، جس نے اگرورا اور جسی کوٹ کی حوالگی کا وعدہ دہرایا۔ شیخ نے مولوی نصیر الدین کو تین مجاہدوں کے ساتھ وکیل کے ہمراہ امب روانہ کر دیا۔ پائندہ خاں نے مولوی صاحب کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت توبہ کی اور فسق وفجور سے تائب ہو کر اطاعتِ شریعت کا اقرار کیا، نیز اگرورا اور جسی کوٹ کی حوالگی کا عہد نامہ لکھ کر دے دیا۔ پندرہ روز کے بعد مولوی صاحب یہ عہد نامہ لے کر ناوا گئی پہنچے تو سید رسول اور سید میاں سے اس کے متعلق رائے پوچھی گئی۔ انہوں نے کہا کہ شیخ صاحب فی الحال ناوا گئی ہی میں رہیں البتہ مولوی نصیر الدین کو امب بھیج دیں۔ پھر جیسے حالات پیش آئیں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ چنانچہ شیخ نے دس گیارہ مجاہد اپنے ساتھ رکھ لئے باقی جماعت کو مولوی نصیر الدین کی سرکردگی میں امب بھیج دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

پائندہ خاں کی دعوت اور قیامِ اگرور

پائندہ خاں اور مجاہدین

یہاں اس امر پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ پائندہ خاں کیوں اگرور کا علاقہ مجاہدین کے حوالے کر دینے پر آمادہ ہوا، اور کیوں اس نے بہ اصرار انہیں اپنے پاس بلایا۔ کیا ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا ادعائے رفاقت خلوص پر مبنی تھا؟ ابتداء میں بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دعوت اخلاص پر مبنی ہے، لیکن آگے چل کر پتہ چلا کہ اس کے نہاں خانہ قلب میں بھی ایک خاص غرض پوشیدہ تھی۔ وہ غرض پوری ہوگئی تو مجاہدین کے متعلق اس کی روش یک قلم بدل گئی، یہاں تک کہ مجاہدین کیلئے اس کے پاس ٹھہرنے کی کوئی بھی صورت باقی نہ رہی۔ یہ بات تھوڑی سی تفصیل کی متقاضی ہے۔

پائندہ خاں کی ہمشیر عبدالغفور خاں رئیس اگرور سے منسوب تھی۔ پھر دونوں کے تعلقات میں اتنا تکدر پیدا ہوگیا کہ شادی توقف میں پڑ گئی۔ جب پائندہ خاں سید صاحب کے مقابلے میں شکست کھا کر بہ حالت سراسیمگی بھاگا تو مال واسباب اور اہل وعیال کو پیچھے چھوڑ گیا۔ مولانا شاہ اسمٰعیل نے عبدالغفور خاں رئیس اگرور کے بھائی کمال خاں سے کہہ دیا کہ پائندہ خاں کے متعلقین اور اس کی تمام چیزیں بحفاظت موصوف کے پاس پہنچادی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی، لیکن خان اگرور نے موقع سے فائدہ اٹھا کر منسوبہ سے بطور خود شادی کر لی۔ پائندہ خاں کی رضامندی اور شرکت کا انتظار نہ کیا۔ یہ حرکت عام حالات میں بھی نازیبا تھی، پریشان حالی کے خاص حالات نے اسے پائندہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاں کے لئے حد درجہ رنج افزا بنادیا۔ یہ داغ اس کے دل سے مدت العمر نہ مٹا۔

یوں پائندہ خاں اور خوانینِ اگرور کے درمیان مستقل عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ مجاہدین کو جسی کوٹ میں بٹھانے اور اگرور اُن کے حوالے کر دینے کی غرض یہی تھی کہ خوانینِ اگرور کو اپنے علاقے میں استقلال کا موقع نہ ملے۔ ہزارہ گزیٹیر میں تو صاف صاف مرقوم ہے کہ پائندہ خاں نے ہندوستانی مجاہدین کو آلۂ کار بنا کر خان اگرور کو اس کے علاقے سے نکلوایا۔(۱)

پائندہ خاں کی دور اندیشی اور دقیقہ سنجی قابل ستائش ہے کہ اپنے حقیقی مقصد کے متعلق مجاہدین سے کبھی کچھ نہ کہا اور اس کی تکمیل حالات کی طبعی رفتار پر چھوڑ دی۔ ابتدا میں رئیس اگرور اور اس کا بھائی مجاہدین کے معاون بنے رہے تاہم پائندہ خاں نے اس پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے اسے یقین تھا کہ یہ تعاون زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے گا، چنانچہ خوانینِ اگرور کی دورخی کا آشکارا ہوگئی اور مجاہدین کو ان کے خلاف آخری اقدام کے سوا چارہ نہ رہا۔ یوں پائندہ خاں کا مقصد پورا ہوگیا، ساتھ ہی اس نے ایسے طریقے اختیار کر لئے کہ مجاہدین اگرور سے اٹھ کر ستھانہ جانے پر مجبور ہوگئے۔

مجاہدین کی آمد

مفصل حالات تو آگے چل کر بیان ہوں گے، یہاں یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ پائندہ خاں سے اگرور میں قیام اور جسی کوٹ کی مرمت کے متعلق عہد و پیمان ہو جانے کے بعد مولوی نصیر الدین مجاہدین کو لے کر امب روانہ ہوگئے۔ سید میاں اور سید رسول کے مشورے کے مطابق شیخ ولی محمد تاواگئی ہی میں رہے۔ چملہ سے امب جانے کا راستہ بھیت گلی میں سے تھا جو امب کے عین سر پر مغربی جانب واقع ہے۔ پائندہ خاں نے دوسو

(۱) "ہزارہ گزیٹیر" مطبوعہ ۸۴-۱۸۸۳ء ص: ۴۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سواروں اور پیادوں کے ساتھ بھیٹ گلی میں مولوی صاحب کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز سے انہیں امب لایا۔ مولوی صاحب کو امب کی مسجد میں اتارا۔ مجاہدین کے لئے متعدد مکان خالی کرا دیے۔ کم وبیش دو ہفتے مولوی صاحب اور مجاہدین امب میں ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں پائندہ خاں نے بڑے اہتمام سے مہمانداری کا فرض انجام دیا۔ بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی روش اور افکار وخیالات میں نمایاں خوش گوار تغیر پیدا ہو چکا ہے۔ جس کوٹ کی گڑھی کے جو حصے مرمت طلب تھے، ان کی درستی کا انتظام شروع ہو گیا۔ مرمت کی تکمیل کیلئے پائندہ خاں نے کچھ روپے مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے۔ صاحب موصوف نے مجاہدین کو لے کر تنہ پانی اور کلکی ہوتے ہوئے جس کوٹ پہنچ گئے جو کلکی سے دو اڑھائی میل پر تھا۔

آغازِ جہاد کی تجاویز

قیام کے لئے مناسب مقام مل گیا تو مولوی صاحب آغاز جہاد کی تدبیریں سوچنے لگے۔ "بہیلہ داروں" (۱) کی مجلس شوریٰ منعقد کی تو میاں خاں سواتی نے جبوڑی پر چھاپے کی تجویز پیش کی، جو بالاکوٹ کے قریب ہے، اور وہاں سکھوں کا ایک تھانہ تھا۔ اس تجویز پر عمل درآمد کا ایک واضح فائدہ یہ تھا کہ جبوڑی تک کا پورا علاقہ جس میں درہ کونش شامل تھا، مجاہدین کے زیر اثر آجاتا اور سکھوں کیلئے مدافعت کا کوئی موقع باقی نہ رہتا۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔ چنانچہ مجاہدین کی مختلف جماعتوں سے تقریباً ایک سو افراد کو تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ غلہ پاس نہ تھا، مولوی صاحب نے دو گائیں خریدیں اور انہیں ذبح کرا کے گوشت مجاہدین میں تقسیم کر دیا کہ پکا کر ساتھ لے لیں، یہی دو روز کے لئے ان کا زادِ راہ تھا۔ جو مجاہدین اس چھاپے میں شریک ہوئے ان میں سے مندرجہ ذیل

(۱) ہم جماعت مجاہدین میں بتا چکے ہیں کہ جماعت کی اصطلاح میں "بہیلہ" فوج کے اس ٹکڑے کو کہتے تھے جو بیس پچیس آدمیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس ٹکڑے کا افسر "بہیلہ دار" کہلاتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے نام روایتوں میں آئے ہیں: شیخ وزیر پھلتی مستقیم جہان آبادی (متصل رائے بریلی)، ابراہیم پوربی، مقیم ساکن کالا باغ، محمد عمر سندھی، عبدالحمید سندھی، نور سندھی، ملا لقمان سندھی، جعفر خاں ترین ہزاروی، کرم خاں اور ان کے دو بھائی، ملا عزت قندھاری، ملا لعل محمد قندھاری، احمد خاں کاشکاری (چترالی)، شاہین مشوانی۔

شبخون

مجاہدین کی یہ چھوٹی سی جماعت نماز فجر کے بعد جسی کوٹ سے روانہ ہوئی۔ جبوڑی کا عام راستہ بھی پہاڑی ہونے کے باعث خاص دشوار گزار تھا۔ ان لوگوں کو بنظرِ احتیاط عام راستے کے بجائے جنگل جنگل جانا پڑا تاکہ منزل مقصود کے متعلق کسی کو علم نہ ہو، اور راز فاش ہوجانے کے باعث اصل مقصد کو نقصان نہ پہنچے۔ اسلئے بڑی مشقت اٹھانی پڑی۔ ظہر کے وقت ایک مقام پر پہنچ کر تھوڑی دیر کیلئے آرام کیا۔ شام کے وقت پھر روانہ ہوئے، رات بھر چلتے رہے، فجر کے وقت ایک جنگل میں ٹھہر گئے۔ ظہر کے وقت وہاں سے چلے تو عشاء سے پہلے پہلے میاں خاں سواتی نے مجاہدین کو اس پہاڑ پر پہنچادیا جس کے دامن میں جبوڑی کی بستی تھی۔

رات کے پچھلے پہر اٹھ کر جبوڑی کے تھانے کی طرف بڑھے۔ پہریدار سکھ نے آہٹ پاکر بندوق چلائی، گولی کسی کے نہ لگی۔ مجاہدین ایک دم حملہ کر کے تھانے میں داخل ہوگئے۔ تھانے کے کچھ سپاہی مارے گئے، باقی بھاگ کر بستی کے گھروں میں جا چھپے۔ مجاہدین نے کچھ مال واسباب اٹھایا ایک مرد اور تین عورتوں کو گرفتار کیا اور فجر کی اذان کے وقت بستی سے نکل کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ سکھوں نے جمع ہوکر گولیاں چلانی شروع کیں، لیکن مجاہدین کو خدا کے فضل سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ دوسرے روز وہ جسی کوٹ پہنچ گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جبوڑی کے مقتولوں میں ناصر خاں بھٹ گرامی کا بھتیجا بھی شامل تھا، جس نے تھانے کے سپاہیوں میں ملازمت اختیار کر رکھی تھی۔ اسیروں میں سے مردوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے بہ طیب خاطر اسلام قبول کرلیا، عورتوں کو تین سو روپے دے کر چھڑوا لیا گیا۔

چھاپے کے اثرات ونتائج

جیسا کہ خیال تھا، چھاپے کے اثرات ونتائج بہت اچھے رہے۔ پورے علاقے میں مجاہدین کی دھاک بیٹھ گئی۔ بارک خاں اور محمد خاں درۂ کونش کے بڑے خان تھے، انہوں نے مولوی نصیر الدین کے پاس خط بھیج کر اطاعت قبول کی اور عشر دینے کا اقرار کرلیا، مولوی صاحب نے انہیں تسلی دی کہ آپ لوگ ہمارے بھائی ہیں ہماری طرف سے کچھ اندیشہ نہ کریں، ہم حتی الامکان آپ کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

سکھوں کیلئے یہ صورت حال کیونکر گوارا ہوسکتی تھی؟ انہیں یہ بھی شبہ ہوا کہ مجاہدین کا چھاپا راستے کے مقامی لوگوں کی اعانت کے سبب کامیاب ہوا، اور اس پر بھی غصہ آیا کہ درۂ کونش کے لوگ مجاہدین کو عشر دینے پر راضی ہوگئے ہیں۔ گویا سکھوں کی حکومت سے نکل کر مجاہدین کے دائرۂ اثر میں چلے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک لشکر لے کر آ پہنچے۔ بارک خاں اور محمد خاں کو خوب دھمکایا کہ اگر مجاہدین کو عشر دیا تو تمہیں تباہ کر ڈالیں گے۔

مجاہدین کا اِقدام

بارک خاں اور محمد خاں نے ان حالات کی اطلاع مولوی صاحب کو دے دی تو انہوں نے اپنے مشیروں کو بلا کر پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ خود فرمایا کہ جو لوگ ہماری اعانت کا اقرار کر چکے ہیں انہیں ضرورت کے وقت ہر ممکن مدد دینا ہم پر لازم ہے، نیز یہاں بیٹھے بیٹھے سکھوں کا انتظار کیوں کریں؟ بہتر یہ ہے کہ خود درۂ کونش میں جائیں اور دیکھیں کہ کون ہمارے معاونین کو دھمکاتا ہے؟ اس اقدام سے سکھوں پر دباؤ پڑے گا اور ہمارے معاونین کیلئے اطمینان ودلجمعی کا سامان ہوگا۔ چنانچہ جسی کوٹ سے درۂ کونش میں جانے کی تیاری کرلی۔ تھوڑے سے مجاہدین گڑھی کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکھوں سے چپقلش

مولوی صاحب نے جسی کوٹ سے روانہ ہو کر ایک رات موضع اُلل میں گذاری۔ بستی والوں نے بڑے اہتمام سے مہمان داری کا انتظام کیا۔ دوسرے روز کھانا کھا کر وہاں سے روانہ ہوئے اور بٹلوں پہنچے جو بارک خاں اور محمد خاں کا مرکز تھا۔ بٹلوں سے چار کوس پر موضع بالی منگ تھا، مولوی صاحب وہاں وارد ہوئے تو معلوم ہوا کہ تقریباً چار کوس پر سات سو سکھوں کا لشکر موجود ہے۔ بیچ میں پہاڑ کی گھاٹی تھی، سکھوں نے گھاٹی روک لی تا کہ مولوی صاحب آگے نہ بڑھ سکیں۔ پانچ چھ گھڑی فریقین میں لڑائی ہوتی رہی، پھر مولوی صاحب نے پُرزور حملہ کیا اور سکھ گھاٹی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ گجوں سے انہوں نے کھانے پینے کی جنس جبراً وصول کی لیکن مجاہدین کے خوف سے وہاں ٹھہر نہ سکے اور شنکیاری چلے گئے جو درۂ بھوگڑ منگ کے دہانے پر واقع ہے اور وہاں سکھوں نے ایک مستحکم گڑھی بنا رکھی تھی۔

مولوی صاحب کی مراجعت

سکھوں کے فرار کے بعد مولوی صاحب لوٹے اور کودروں کی بستی میں ٹھہرے، جو مقامِ جنگ سے دو اڑھائی میل تھی۔ وہیں اِردگرد کی بستیوں کے لوگ عشر لے کر آئے، جس میں غلہ، نقد رقم، کمبل وغیرہ شامل تھے۔ سکھوں کے بہت سے جانور بھی ہاتھ لگے تھے: مثلاً بھینسیں، گھوڑے، ٹٹو، خچر۔ کودروں سے مولوی صاحب بالی منگ ہوتے ہوئے بٹلوں گئے۔ بارک خاں اور محمد خاں نے معمول کے مطابق مولوی صاحب کی دعوت کی۔ اس سے پیشتر ایک مخلص عقیدت مند نے یہ اطلاع پہنچائی کہ دونوں خان دورُخی چال چل رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ دعوت میں بلا کر آپ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ مولوی صاحب کھانا کھانے کیلئے گئے تو چھ سات قرابینچی ساتھ لے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر بارک خاں اور محمد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاں کو مخالفانہ اقدام کا حوصلہ نہ ہوا۔ مولوی صاحب عشرجسی کوٹ پہنچانے کی تاکید کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔

خوانین کی دُوں ہمتی

بارک خاں، محمد خاں اور دوسرے خوانین کے متعلق ابتدا میں خیال تھا کہ سکھوں کے خطرے کی روک تھام کے بعد وہ خلوص سے کاروبارِ جہاد میں معاون بن جائیں گے، یا کم از کم مخالف قوتوں کو تقویت پہنچانے سے باز رہیں گے۔ افسوس کہ یہ خیال درست ثابت نہ ہوا۔ ان لوگوں کی بے عزمی اور دُوں ہمتی واضح طور پر آشکارا ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی بلند نصب العین نہ تھا، وہ صرف اپنی جائدادیں بچائے رکھنے کے لئے مضطرب تھے۔ مجاہدین کا دباؤ بڑھتا دیکھا تو بظاہر ان کی خیر خواہی کا دم بھرنے لگے، لیکن خفیہ خفیہ سکھوں کو بھی اپنی اطاعت کا یقین دلاتے رہے۔ یہ صورت حال پیہم اور متواتر مجاہدین کیلئے گوناگوں تشویشات کا باعث بنی رہی۔ وہ رَزم و پیکار کی تمام ذمہ داریاں خود اٹھانے کیلئے تیار تھے۔ صرف اتنا چاہتے تھے کہ خوانین دورُخی سے ان کے اقدامات میں خلل نہ ڈالیں۔ لیکن یہ خواہش دراصل کسی بھی دور میں پوری نہ ہوسکی، اور مقامی لوگوں کی بے عزمی ہر نازک ساعت میں آفات کا موجب بنتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ کسی موقع پر مستقل محاذِ جہاد قائم ہوسکا اور نہ دورُخی چالیں چلنے والے خوانین پاداش کے تازیانے کی ضرب سے محفوظ رہ سکے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

پائندہ خاں اور فتح خاں پنجتاری

فتح خاں کی چیرہ دستیاں

پنجتار سے ہجرت کے وقت سید صاحب نے فتح خاں کے ہم قوموں سے فرمایا تھا کہ جس طرح ہمیں عشر دیتے رہے ہو اسی طرح آئندہ فتح خاں کو عشر دیتے رہنا۔ مقصد یہ تھا کہ قوم میں اجتماع و اتحاد کا جو انتظام ہو چکا تھا، اس میں خلل نہ آئے اور پہلے کی طرح تفرقہ پیدا ہو جانے سے اجتماعی قوت کو نقصان نہ پہنچے۔ فتح خاں نے سید صاحب کے اس ارشاد کو اپنی سرداری اور حکمرانی کی دستاویز بنالیا اور زور و قوت سے تمام ہم قوموں کو فرمانبردار بنائے رکھنے پر تل گیا۔ اس کی غلط روش کے باعث ہم قوموں کی مختلف بستیوں نے سرتابی اختیار کرلی۔ شیخ ولی محمد کو بہ منت و التجا پنجتار بلانے میں اس کی غرض صرف یہ تھی کہ مجاہدین کی امداد سے تمام بستیوں پر اپنا تسلط از سر نو مستحکم کرلے۔ شیخ صاحب نے اثر و رسوخ سے کام لے کر بعض بستیوں کو مصالحت پر آمادہ کرلیا۔ صرف باجا بام خیل سے لڑائی کی نوبت آئی اور اس کا دائرہ بھی بہت محدود رہا۔ فتح خاں نے بدعہدی کر کے باجا بام خیل کے رئیس خانی کو بے دردانہ قتل کرادیا تو شیخ صاحب نے فتح خاں سے قطع تعلق کرلیا اور وہ پنجتار کو چھوڑ کرناوائی چلے گئے۔

فتح خاں اس کے بعد بھی گرد و نواح کی بستیوں پر ظلم و تعدی کرتا رہا۔ آخر توپی، مینئی، کھلابٹ منارہ، بیج پیرا اور مرغز کے خوانین نے تنگ آ کر پائندہ خاں والی امب سے امداد کی التجا کی۔ وہ بے تامل امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ اس لئے کہ اس میں اور فتح خاں میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مدت سے قلبی عداوت چلی آتی تھی۔ جب پاینده خاں نے لشکر کے ساتھ ستہ کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا تو مولوی نصیر الدین کو بھی بلوالیا۔

مولوی صاحب کی طلبی

مولوی صاحب کو درہ کونش سے واپس ہوئے بیس بائیس روز گذر چکے تھے کہ پاینده خاں کی طرف سے ایک خط آیا جس میں مرقوم تھا:

> ہمارا ارادہ توپی، مینئی کی طرف جانے کا ہے۔ آپ بھی ہمارے لشکر کے ساتھ تشریف لے چلیں، آپ کے سبب سے ہمیں زیادہ قوت ہوگی۔(۱)

مولوی صاحب موصوف اس اقدام کے اصل مقصد سے ناواقف نہ تھے۔ مجاہدین سے فتح خاں کا نامناسب سلوک بھی ان کے سامنے تھا، تاہم اس خیال سے روانگی کیلئے تیار ہو گئے کہ دو مسلمان گروہوں میں تزرم و پیکار کو روکنے کی کوئی صورت ہو تو اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان میں مصالحت کرا دیں۔ انہیں کی وجہ سے لڑائی رکی، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا، ورنہ خوفناک خونریزی کے آغاز میں کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا۔

جسی کوٹ سے روانگی

مولوی صاحب نے بتیس مجاہدوں کو جسی کوٹ میں چھوڑا، جن کے نام یہ ہیں:

محمد حسین سہارن پوری، نظام الدین خاں شاہ جہاں پوری، نجم الدین شکار پوری، احمد حسین صادق پوری، سید عبداللہ عظیم آبادی، محسن جون پوری، رمضانی کاشی پوری، حافظ واقف علی ساکن میان دوآب، دوست محمد رام پوری، محمود بناری، شیخ رمضان الہ آبادی، شیخ حسن علی، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ عبدالعزیز اور شیخ عبدالقادر ساکنان کیا، احمد سندھی، الٰہی بخش پانی پتی، کاسن خاں سندھی، ہدایت اللہ ہزاروی، حبیب الرحمٰن الہ آبادی، شیخ گلاب ساکن

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۲۷۶-۲۷۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میان دوآب، نورخاں ہزاروی، محمد علی ہزاروی، دین محمد اور اللہ بخش ساکنانِ میانِ دوآب، اشرف خاں پشاوری، عبدالقادر ساکن امروہہ، نور محمد اور ان کے بھانجے جن کا نام معلوم نہ ہو سکا، محمد قائم ساکن امروہہ۔

آخر الذکر کو اس جماعت کا امیر بنایا۔ بارک خاں اور محمد خاں رئیسانِ کونش کو تاکیدی خط لکھ دیا کہ ہم پائندہ خاں کے بلانے پر امب جا رہے ہیں، معلوم نہیں وہاں سے کب لوٹیں، آپ لوگوں کے پاس عشر کا جو غلہ جمع ہوا ہے جسی کوٹ پہنچا دیں۔

تقریباً اڑھائی سو مجاہدوں کے ساتھ مولوی صاحب تلہ پانی ٹھہرتے ہوئے امب پہنچ گئے۔

پائندہ خاں اور ساداتِ ستھانہ کا معاملہ

آپ دو روز امب میں ٹھہر کر عشرہ چلے گئے۔ تین روز بعد پائندہ خاں تین سو سوار اور چار سو پیادے لے کر عشرہ پہنچا۔ وہاں سے خان، اس کا لشکر اور مجاہدین موضع کیا میں جا کر ٹھہرے۔ پائندہ خاں اور ساداتِ ستھانہ کے درمیان مدت سے کشمکش چلی آتی تھی، کیا میں مولوی صاحب نے گردونواح کے خوانین کا جرگہ بلایا اور کوشش کی کہ خان اور سادات میں مصالحت ہو جائے۔ سید اکبر شاہ ساداتِ ستھانہ کے سرخیل تھے۔ انہیں پیغام بھیجا گیا، وہ خود تو آئے اور اپنے تین چھوٹے بھائیوں سید عمر، سید اصغر اور سید عمران کو گفتگو کے لئے بھیج دیا۔ جرگے میں فریقین کے گلے شکوے نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ باہم لڑائی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ مولوی نصیر الدین نے بات چیت روک دی اور فرمایا:

> ہم تو مصالحت کے خواہاں تھے، یہاں لڑائی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ سب باتیں چھوڑ دیئے اور مصافحہ کر لیجئے۔

اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا۔ کیا سے لشکر کھبل گیا، جہاں تقریباً ایک ہفتہ مقیم رہا۔ وہاں سے ایک منزل پر کھلابٹ میں فتح خاں پنجتاری لشکر لئے بیٹھا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مصالحت کی کوشش

بظاہر پائندہ خاں اور فتح خاں میں خونریز جنگ بالکل یقینی ہو گئی تھی۔ مولوی نصیرالدین صرف اس غرض سے ساتھ آئے تھے کہ دونوں فریقوں میں صلح کرا دیں۔ چنانچہ وہ اسی کوشش میں لگ گئے۔ انہوں نے پہلے پائندہ خاں اور اس کے ساتھیوں کو مصالحت پر راضی کیا، پھر فتح خاں کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

> اس نواح کے خوانین وغیرہ لوگوں نے آپ سے تنگ ہو کر پائندہ خاں کو بلایا ہے کہ آپ کا مقابلہ کرے۔ ہم لوگ بھی پائندہ خاں کے ہمراہ آئے ہیں۔ سو ہم کو مسلمانوں سے جنگ و جدل کسی صورت منظور نہیں، خصوصاً آپ سے کہ ہمارے جناب امیر المومنین سید صاحب کے خلیفہ اور انصار ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اور یہ دونوں نفسانیت اور عداوتِ قدیمی کو چھوڑ کر للہ فی اللہ آپس میں مل جائیں اور متفق ہو کر کچھ کام خدا کا بنائیں کہ دنیا اور آخرت میں نیک نامی اور ثواب پائیں۔ ہم پر جو حق اخوتِ اسلام کا تھا وہ ہم نے ادا کر دیا، اب آگے آپ مختار ہیں۔(۱)

مولوی صاحب اور فتح خاں کی گفتگو

فتح خاں نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ آپ کا ارشاد منظور ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ پہلے علیحدگی میں میری باتیں سن لیں۔

یوں مصالحت کے امکانات بڑھ گئے۔ مولوی صاحب اور پائندہ خاں کھتبل سے باڑا اور وہاں سے کوٹھا گئے، جہاں سے کھلابٹ صرف ڈیڑھ کوس تھا۔ فتح خاں کو خط بھیجا کہ کل آپ تشریف لائیں میں بھی آٹھ دس مجاہدین کے ساتھ آ جاؤں گا اور بات چیت ہو جائے گی۔ چنانچہ دونوں میں حسبِ قرارداد ملاقات ہوئی، لیکن کسی بات پر اتفاق نہ

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۲۸۰

ہوسکا۔ فتح خاں کا اصرار تھا کہ گردونواح کے تمام خوانین میرے فرماں بردار رہیں اور مجھے عشر دینا قبول کریں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ آپ اپنے ہم قوموں یعنی خدو خیلوں کے مالک و مختار رہیں، انہیں کے تعلق میں آپ کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ جو لوگ آپ کے ہم قوم نہیں ان پر کیوں جبر کرتے ہیں؟ وہ جس دستور پر پہلے سے آرہے ہیں، اسی پر انہیں قائم رہنے دیں۔ فتح خاں ناراض ہو کر واپس چلا گیا۔

رفعِ فساد کا خدا داد سامان

ادھر پایندہ خاں مصر تھا کہ جلد سے جلد لڑائی شروع کر دے۔ مولوی صاحب نے وعظ و نصیحت سے اسے روکے رکھا۔ کوٹھا سے دو کوس پر موضع مینئی ہے۔ ایک روز وہاں کے لوگ پایندہ خاں کو اپنے ہاں لے گئے اور پر تکلف دعوت دی۔ دوسرے روز جھنڈا بوکا کی طرف سے دعوت آگئی۔ پنجتار جھنڈا بوکا سے صرف تین چار کوس ہے۔ فتح خاں کے دل میں وسوسہ پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے، میں کھلابٹ میں بیٹھا رہوں اور پایندہ خاں کا لشکر پنجتار پر حملہ آور ہو جائے، اس وسوسے کی بنا پر وہ کھلابٹ کو چھوڑ کر پنجتار چلا گیا۔ اس طرح لڑائی کے انسداد کا خدا داد سامان ہو گیا۔

ایک واقعہ

ایک روز پہاڑ کی طرف سے بندوقیں چلنے کی آواز آئی۔ جھنڈا بوکا میں شور مچ گیا کہ فتح خاں کے سوار آپہنچے۔ پایندہ خاں کی آرزو بھی یہی تھی کہ کوئی بہانہ ملے تو فتح خاں سے لڑوں۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لے کر اُدھر چل پڑا، جدھر سے بندوقوں کی آواز آئی تھی۔ اس کے سوار بھی ساتھ دوڑ پڑے۔ دامن کوہ میں ہر چند تلاش کیا، لیکن بندوقیں چلانے والوں کا پتہ نہ ملا۔

فتح خاں سے لڑائی کا خرخشہ بالکل مٹ گیا تو پایندہ خاں اور مولوی صاحب واپس آگئے۔ مولوی صاحب دو تین روز امب میں ٹھہرے، پھر جسّی کوٹ پہنچ گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

سکھوں پر یورش

پائندہ خاں اور دوسرے خوانین میں فرق

ہم بتا چکے ہیں کہ مجاہدین کو اگرور میں بٹھانے کا فیصلہ کرتے وقت پائندہ خاں کے پیش نظر ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ خوانین اگرور کے لئے اپنی ریاست میں مستقل قیام کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ سکھوں سے بھی لڑنے کا خواہاں تھا اور جب تک گردوپیش کی مصلحتیں اس کے مخصوص تصورات حکومت میں حائل نہ ہوئیں، وہ سکھوں کے خلاف بھی وقتاً فوقتاً قدم اٹھاتا رہا۔ دوسرے خوانین مثلاً فتح خاں کی حیثیت پائندہ خاں سے مختلف تھی۔ وہ صرف اپنی سرداری کو مستحکم کرنے کے درپے تھے، حالانکہ مجاہدین بلادِ اسلامیہ کو غیر مسلموں کے تسلط سے نجات دلانے کیلئے مضطرب تھے، اوران کے نزدیک جہاد کا مقصد ومدعا محض یہ تھا۔ پائندہ خاں اپنے مقاصد کی تکمیل کے علاوہ مجاہدین کے مقاصد میں بھی تعاون کیلئے تیار تھا، چنانچہ ستمہ سے مراجعت کے چندروز بعد وہ لشکر لے کر شیر گڑھ آگیا اور مولوی نصیر الدین کو جسی کوٹ پیغام بھیجا کہ ہم پکھلی میں سکھوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔

مولوی صاحب کی روانگی

یہ پیغام ملتے ہی مولوی نصیر الدین تخمیناً ڈیڑھ سو ہندوستانی اور ولایتی (۱) مجاہدوں

(۱) روایتوں میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ چونکہ ہمارے زمانے میں "ولایتی" کا ... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے ساتھ پائندہ خاں کے پاس شیر گڑھ پہنچ گئے۔ وہاں سے دونوں نے پکھلی کی طرف کوچ کیا۔ پہلی منزل بھوج درہ (۱) میں ہوئی جو شیر گڑھ سے بہ سمت جنوب مائل بہ شرق تقریباً پانچ کوس پر واقع ہے۔ چھ روز اس مقام پر ٹھہرے رہے، یہ وقت سکھوں کے مختلف تھانوں اور چوکیوں کے حالات کی چھان بین میں گذرا۔ جن کا جال پورے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے کہ تھانوں اور چوکیوں کے بغیر سکھ ایک دن کے لئے بھی کسی حصے پر حکومت نہ کر سکتے تھے۔ ساتویں روز قدم آگے بڑھایا اور نیلور میں جا ٹھہرے جو بھوج درہ سے بہ سمت مشرق مائل بہ جنوب اڑھائی کوس تھا۔ اس حصے میں سکھوں کی عملداری کا یہ پہلا مقام تھا، وہاں چند سید بھی رہتے تھے، وہ پائندہ خاں اور مجاہدین کی پیش قدمی کے ساتھ ہی گھر بار چھوڑ کر نکوٹ چلے گئے۔ اس لئے کہ مخالفت کر نہ سکتے تھے اور غالباً کرنا بھی نہ چاہتے تھے۔ اگر ٹھہرے رہتے تو بعد ازاں سکھوں کے عتاب کا ہدف بنتے۔

بیر کھنڈ پر یورش

پائندہ خاں اور مجاہدین تین دن نیلور میں ٹھہرے رہے۔ روزانہ سواروں کو آس پاس کے دیہات میں سیر و گشت کے لئے بھیج دیا جاتا، ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر مقام کینیا ہے جو نیلور کے قریب عین مشرق میں واقع ہے۔ وہاں سے بہ سمت شمال بیر کھنڈ میں سکھوں نے ایک مضبوط قلعہ بنا رکھا تھا، غور و مشورہ کے بعد اس پر حملے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ خان اور مجاہدین کے سوار اور پیادے تقریباً اڑھائی ہزار تھے۔ نمازِ ظہر ادا کر کے کینیا سے بیر کھنڈ پر یورش کی گئی۔ سکھ مسلح ہو کر مقابلے کیلئے نکلے۔ ان کی جمعیت چار ہزار کے قریب

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ۔　　مفہوم کچھ اور ہو گیا اس لئے غلط فہمی کے ازالے کی غرض سے یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ مجاہدین کی روایت میں "ولایتی" سے مقصود وہ لوگ ہیں جو قندھار، ننگرہار یا سرحد وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(۱) مجاہدین کی روایتوں میں اسے "بوزدرہ" لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے میں یہی تلفظ ہو۔ میں نے موجودہ تلفظ پیشِ نظر رکھا ہے تا کہ قارئین کو غلط فہمی نہ ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھی جن میں سوار کم تھے اور پیادے زیادہ۔ بیچ میں سرن ندی تھی۔ خان اور مجاہدین کے لشکر بے تکلف اس میں اتر گئے۔ کمر تک پانی تھا، اس اثناء میں سکھ پے در پے بندوقیں سر کرتے رہے لیکن یورش کنندوں میں سے بفضل خدا کسی کو نقصان نہ پہنچا۔ ندی سے گذرتے ہی قلعے میں چلے گئے۔ پیادے صفیں باندھے ہوئے بیر کھنڈ کے بائیں جانب جا ٹھہرے۔ قلعے سے گولیاں برسنے لگیں تو پائندہ خاں پورے لشکر کو گولیوں کی زد سے باہر لے گیا اور قدم جما کر کھڑا ہو گیا۔

مجاہدین کی ترکتاز

اب خان نے مولوی صاحب سے کہا کہ ذرا اپنے مجاہدین کی یورش کا بھی نظارہ دکھا دیجیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا:

> خان بھائی! یہ ہمارے مجاہدین خدا کے عاجز بندے ہیں۔ ان کا لڑنا بھڑنا صرف خدا کے واسطے ہے، اپنی ناموری اور بہادری جتانے کو نہیں۔ مگر خیر جو آپ نے اس امر کی درخواست کی تو ان کا بھی تماشا دیکھیے۔(۱)

یہ فرماتے ہی مولوی صاحب مجاہدین کو لے کر سکھوں کی جانب روانہ ہوئے۔ بیر کھنڈ کے قریب پہنچے تو سکھوں کی فوج میں بگل بجا اور ان کی جو فوج بستی کے بائیں جانب ٹھہری ہوئی تھی، اس کی دو صفیں بن گئیں۔ ایک صف اپنے مقام پر جمی رہی، دوسری صف بستی کی آڑ میں جا ٹھہری اور سوار قلعے سے نکل کر اس آخری صف کی پشت پر جا کھڑے ہوئے۔ منصوبہ یہ تھا کہ مجاہدین سامنے کی صف پر حملہ کریں تو دوسری صف موقع کی مناسبت کے لحاظ سے حملہ آوروں کے عقب میں پہنچ جائے اور ان کی واپسی کا راستہ منقطع کر دے۔ سوار اس جنگی چال کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھیں۔

مولوی صاحب نے یہ صورت دیکھی تو اپنی فوج میں سے پچاس جانبازوں کو متعین

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۲۸۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاں ساکن کالا باغ کی سالاری میں شمالی جانب بھیج دیا کہ سکھوں کے عقب سے حملہ کریں۔ خود ملا لعل محمد قندھاری اور باقی مجاہدین کے ساتھ بستی میں سے ہو کر آگے بڑھے۔ سکھوں نے مولوی صاحب کو دیکھتے ہی بندوقیں سر کیں۔ اس اثناء میں مقیم خاں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنے مجاہدین کو لے کر پر زور حملہ کر دیا۔ ادھر سے مولوی صاحب اور ملا لعل محمد بجلی کی تیزی سے ان پر جا پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں سکھ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ کچھ کانٹوں کی اس باڑ میں اٹک گئے جو قلعے کے ارد گرد حفاظت کیلئے لگا رکھی تھی اور وہ وہیں مارے گئے۔ باقی قلعے میں داخل ہو گئے اور اندر سے بندوقیں سر کرنے لگے۔ مجاہدین باڑ کے دروازے پر پہنچ گئے، ڈیڑھ دو گھڑی دن رہے پایندہ خاں نے اپنے دو مشہور سالاروں شاما اور مندا کو بھیج کر مولوی صاحب اور مجاہدین کو واپس بلا لیا اور کشادہ دلی سے اعتراف کیا کہ مجاہدین کی بہادری و جوانمردی کے متعلق جو کچھ سنا تھا، اس سے زیادہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس لڑائی میں مجاہدین کا کوئی آدمی زخمی تک نہ ہوا اور دونوں حملوں میں سکھوں کے پچاس ساٹھ آدمی مارے گئے۔ زخمیوں کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ مغرب کی نماز سرن ندی کے کنارے ادا کی گئی۔ پانچ چھ گھڑی رات گئے خان اور مجاہدین کا لشکر کینیا پہنچ گیا۔

ملک پور میں لڑائی

دوسرے روز مراجعت کی تیاری ہوئی۔ پایندہ خاں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ بھوج درہ میں ٹھہریں، میں ملک پور سے ہوتا ہوا شام تک آپکے پاس پہنچ جاؤں گا۔ ملک پور وہاں سے دو اڑھائی کوس پر واقع تھا۔ مولوی صاحب نے چالیس پچاس مجاہدین امان اللہ خاں لکھنوی کی سرکردگی میں پایندہ خاں کے ہمراہ کر دیے۔ تھوڑی دور چل کر پایندہ خاں نے امان اللہ خاں سے کہا کہ آپ سرن ندی کے ساتھ ساتھ سیدھے ملک پور چلیں، میں اوپر کے راستے سے موضع برال ہوتا ہوا آپ سے آ ملوں گا۔ اپنے بھی دو سو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آدمی امان اللہ خاں کے ساتھ کر دیے۔

ملک پور میں دو گڑھیاں تھیں اور دونوں میں سکھوں کی طرف سے تھوڑے تھوڑے مسلمان سپاہی متعین تھے۔ امان اللہ خاں ندی کے نشیب میں سے ہوتے ہوئے دونوں گڑھیوں کے درمیان جا کھڑا ہوا۔ مسلمان سپاہیوں نے بہ ظاہر مجاہدین کا خیر مقدم کیا۔ مکئی کے بھٹے منگوا دیے کہ بھون بھون کر کھائیں۔ چنانچہ سب نے تسلی سے ظہر کی نماز ادا کی، لیکن خفیہ خفیہ ان سپاہیوں نے چادر ہلا ہلا کر بیر کھنڈ میں سکھوں کو پیغام بھیج دیا کہ جس قدر جلد ہو سکے آؤ اور ان مجاہدوں کو ختم کر دو۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سکھ آ گئے۔ اُن کی طرف سے بندوقیں سر ہوئیں تو دونوں گڑھیوں کے مسلمان سپاہیوں نے مجاہدین پر کنکروں، پتھروں اور گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ یوں وہ اچانک تین طرف سے گھر گئے۔ امان اللہ خاں نے یہ حال دیکھتے ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اڑھائی سو مجاہد تلواریں لے کر سکھوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بھگا دیا۔

اس کشمکش میں میاں خاں سواتی گڑھی والوں کی گولیوں سے شہید ہو گیا۔ امان اللہ خاں سکھوں کی پسپائی کے بعد شمشیر علم کر کے گڑھیوں کے سامنے جا ٹھہرا اور کہا کہ ہم اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیں گے، اور گڑھیوں کے تمام سپاہیوں کو قتل کریں گے۔ اسلئے کہ انہوں نے دغا بازی سے کام لیا۔ ان لوگوں نے ایک سید کو واسطہ بنا کر خطا معاف کرائی اور کہا کہ اگر ہم سکھوں کو اطلاع نہ دیتے تو وہ سمجھتے کہ ہم پائندہ خاں اور مجاہدین سے ملے ہوئے ہیں، اسلئے ہمیں تباہ کر ڈالتے۔ بحث و گفتگو کے بعد اُن کا قصور معاف ہوا۔

مراجعت

امان اللہ خاں نے میاں خاں کی میت چارپائی پر اٹھوائی اور شام کے وقت مع لشکر تیلور پہنچ گیا۔ وہیں میاں خاں شہید کو دفن کیا۔ پائندہ خاں بھی شام تک آ گیا، پھر وہ شیر گڑھ ہوتا ہوا امب چلا گیا اور مولوی صاحب اپنے مرکز جسی کوٹ میں تشریف لے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

مقامی گروہوں کی فتنہ انگیزیاں

سکھوں پر شبخون کی تیاری

مجاہدین کیلئے اپنے مقاصد کے مطابق سعی و جہد کی فضا سازگار ہو رہی تھی اور مولوی صاحب سکھوں پر شبخون کی تیاری کر رہے تھے، جہاں دو ہزار سکھ فصل خریف کا مالیہ وصول کرنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے بارک خاں اور محمد خاں ساکنانِ بٹلوں نے عشر بھی نہ بھیجا تھا۔ مولوی صاحب چاہتے تھے کہ ان علاقوں کے باشندوں پر سے سکھوں کا دباؤ اُٹھا دیں اور ان کی حفاظت کا مکمل بندوبست کر دیں۔ اس کے بغیر ان سے عشر وصول کرنے کا کوئی حق بھی نہ تھا۔ چنانچہ وہ سکھوں پر شبخون کا سروسامان کر رہے تھے۔ اس اثناء میں اچانک معلوم ہوا کہ ایک مقامی فتنے نے سر اٹھایا ہے اور ایک نئی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے، جس کا ازالہ بغیر سکھوں کے خلاف کوئی قابلِ ذکر تدبیر اختیار نہ کی جا سکتی تھی۔

دیشیوں کا لشکر

نیا فتنہ یہ تھا کہ علاقہ دیشی (۱) کے لوگ چار ہزار لشکر جمع کر کے مجاہدین سے جنگ کیلئے چھری بنگ پہنچ گئے تھے جو جسی کوٹ سے تین کوس پر ہے۔ چھری بنگ، ہندھیاڑ اور ٹیکری کے لوگ بھی ان سے مل گئے تھے اور انھوں نے تمام درے بند کر دیے تھے۔

(۱) یہ علاقہ ہندھیاڑ کے مغرب اور اگرور کے شمال میں واقع ہے۔ کوہ سیاہ (کالا ڈھاکا) کی مشرقی ڈھلانوں کا ایک حصہ اس میں شامل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجاہدین کیلئے یہ بہت بڑی آفت تھی۔ اگر وہ سکھوں کی طرف بڑھتے تو یہ لوگ بے تکلف جسی کوٹ پر قابض ہو جاتے اور مجاہدین کو اپنے مرکز سے محروم ہونا پڑتا۔ غور و مشورہ کے بعد یہی مناسب معلوم ہوا کہ پہلے اس فتنے کا انسداد کیا جائے پھر بہ اطمینان دوسری جانب قدم اٹھایا جائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ دیشیوں کے اس اقدام کی کوئی بھی وجہ موجود نہ تھی۔ مجاہدین نے نہ ان کے کسی حق سے تعرض کیا تھا اور نہ انھیں کوئی نقصان پہنچایا تھا۔ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ مقامی لوگ کاروبار جہاد میں حتی الامکان تعاون کریں، یہ درجۂ آخر عشر دیتے رہیں تاکہ انہیں سکھوں کے تسلط سے نجات دلانے کا بندوبست ہو سکے۔ لیکن ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جو مجاہدین ان کی خیر خواہی میں جانیں لڑا رہے تھے، انھیں پر جتھے بنا کر حملے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔ سکھ اگرچہ ان کی جان، مال اور آبروئیوں کے احترام سے سراسر بے پروا تھے تاہم ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کیلئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس رنج افزا صورتِ حال پر کونسا دردمند مسلمان خون کے آنسو نہ بہائے گا۔

اقدام کا فیصلہ

غرض پنجوں پر شبخون کو معرض التوا میں ڈال کر دیشیوں کی طرف توجہ ناگزیر ہوگئی۔ مولوی صاحب نے مجاہدین کے تمام سالاروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور آخری فیصلہ یہ ہوا کہ جسی کوٹ میں حملے کا انتظار کرنے کے بجائے خود پیش قدمی کی جائے۔ اگر انتظار کیا جاتا تو اندیشہ تھا کہ وہ لوگ آہستہ آہستہ مزید آدمی جمع کر لیں گے۔ پھر مجاہدین کیلئے مقابلہ بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے موضع گھیا سے جو ایک کوس جانب شمال واقع تھا، چھ روپے کا غلہ منگوایا اور مجاہدین میں تقسیم کر دیا تاکہ سب کھانا پکالیں اور تیار ہو جائیں۔ معمول کے مطابق انتہائی عجز و انکساری سے بارگاہِ الٰہی میں دعاء کی اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجاہدین کو لے کر اس درے کی طرف روانہ ہو گئے جسے دیشیوں نے بند کر رکھا تھا۔ یہ جسی کوٹ سے تقریباً دو کوس تھا۔ دیشیوں نے آس پاس کے پہاڑوں پر مورچے بنا لئے تھے اور وہ مقابلے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

دیشیوں کا فرار

مولوی صاحب نے موقع کا معائنہ کر کے مجاہدین کو درے کے دونوں جانب کے پہاڑوں پر چڑھائی کا حکم دے دیا اور وہ تھوڑی ہی دیر میں دیشیوں کے مورچوں سے اوپر پہنچ گئے۔ مجاہدین نے ان پر ایک باڑ ماری۔ انھوں نے بھی جواب دیا، لیکن جلد مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مجاہدین تعاقب کرتے ہوئے چری بنگ پہنچ گئے۔ وہاں پھر معمولی سی جھڑپ ہوئی اور دیشیوں نے دوبارہ راہِ فرار اختیار کی۔ مجاہدین آگے بڑھ کر موضع ترن میں جا ٹھہرے۔ وہاں سے ایک گولی کی زد پر شائی خاں کا قلعہ تھا۔ مولوی صاحب نے اس کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ شام سے پہلے پہلے مجاہدین اس پر بھی قابض ہو گئے۔ یہ جسی کوٹ سے بدر جہا زیادہ مستحکم مقام تھا، لہٰذا اسی کو مجاہدین نے اپنا بڑا مرکز قرار دیدیا۔

گجوڑی پر شبخون

قلعہ شائی خاں میں رہتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ مہینہ گذر گیا تو خبر ملی کہ دیشیوں اور تندھیاڑیوں نے گجوڑی میں نو دس ہزار کا لشکر جمع کر لیا ہے۔ یہ مقام شائی خاں سے تقریباً دو میل تھا اور مولوی صاحب نے پھر یہی فیصلہ کیا کہ ان کی یورش کا انتظار کرنے کے بجائے خود حملہ کیا جائے، چنانچہ حملے کا ساز و سامان تیار کر کے رات کے پچھلے پہر شائی خاں سے نکلے۔ مجاہدین کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ ایک نالے پر وضو کر کے اول وقت نماز فجر ادا کی پھر لشکر کو تین گروہوں میں تقسیم کیا: ایک گروہ کو مقیم خاں کی سرکردگی میں گجوڑی کے بائیں جانب بھیجا، دوسرے کو لعل محمد خاں قندھاری کی سالاری میں دائیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جانب روانہ کیا، خود تیسرے گروہ کو لے کر بستی کے سامنے سے حملہ آور ہوئے۔ بستی کے قریب پہنچتے ہی شور مچ گیا کہ مجاہدین آگئے۔ دیشی اور تندھیاڑی بدحواس ہو کر بھاگے اور پاس کے پہاڑ پر جمع ہوئے۔ مجاہدین بھی تیزی سے تعاقب کرتے ہوئے قریب جا پہنچے، وہ لوگ دوبارہ بھاگے، پھر آٹھ کوس تک کہیں مقابلہ نہ کرسکے اور پراگندہ ہوگئے۔ مجاہدین کوٹلہ پہنچ گئے، جو دیشیوں کی سرحد پر واقع تھا۔

مصالحت کی درخواست

کوٹلہ میں مجاہدین کو بہت سا غلہ، شہد اور گھی ملا۔ مولوی صاحب نے یہ تمام جنسیں اٹھوا کر سنگلی پہنچادیں، جو کوٹلہ سے چار کوس جنوب میں واقع تھا۔ اس اثناء میں دیشیوں اور تندھیاڑیوں نے ایک وفد کے ذریعے سے مصالحت کی درخواست کی جو عبدالغفور خاں اگروری، کمال خاں اگروری، مظفر خاں بن ناصر خاں بھٹ گرامی، حبیب خاں ساکن راج دواری، سعادت خاں ساکن ٹکیری اور بعض مقامی علماء پر مشتمل تھا۔ مولوی صاحب نے ان کی درخواست منظور کرلی چنانچہ ان کے جتنے جانور پکڑے گئے تھے، سب واپس کردیے، انہوں نے احکامِ شریعت مان کر عشر دینا قبول کرلیا۔ ان میں دو نامور سردار تھے: ایک کچکول خاں، دوسرا نقیب اللہ خاں۔ مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ سے انھیں سرداری کی دستاریں پہنائیں، جابجا قاضی مقرر کردیے تاکہ شریعت کے مطابق ان کے مقدموں کا فیصلہ کرتے رہیں اور خود قلعہ شائی خاں میں رہنے لگے۔

انتظامات کی کیفیت

اب جو علاقہ مجاہدین کے زیراثر آچکا تھا، اور اس میں شرعی نظام جاری ہوچکا تھا، اسے انتظامی لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا: ایک درہ ٹکیری (۱) دوسرا درہ تندھیاڑ،

(۱) وادیٔ ٹکیری تندھیاڑ اور اگرور کے درمیان واقع ہے۔ یہ تقریباً آٹھ میل لمبی اور چار میل چوڑی ہے۔ اس کی سطح ساڑھے چار ہزار فٹ بلند ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا دیشیوں کا علاقہ، چوتھا درہ کونش۔ چند روز کے بعد مولوی صاحب نے ان علاقوں میں تحصیل عشر کے لیے حسب ذیل اصحاب کو متعین کر دیا:

۱- نندھیاڑ	پیر مبارک علی جھنجھانوی
۲- کونش	اخوندزادہ فیض محمد شارکولی
۳- دیشیوں کا علاقہ	اخوندزادہ کاتب

چوتھے حصے یعنی درہ ٹیکری میں خود مولوی صاحب موجود تھے۔ وہ جہاں جسے چاہتے تھے، بوقت ضرورت بھیج دیتے تھے۔ اس انتظام کے ماتحت عشر باقاعدہ وصول ہونے لگا۔ مولوی صاحب نے تاکیدی ہدایات جاری کر دیں کہ کسی بستی کی کوئی زمین جس میں کاشت ممکن ہو، غیر مزروعہ نہ رہے۔ اس طرح ان علاقوں کی پیداوار بھی بڑھ گئی۔

نئی رکاوٹ

مجاہدین کی آرزو صرف یہ تھی کہ اپنی پوری قوتیں محاذِ جہاد کے استحکام و استواری میں صرف کر دیں، لیکن مقامی گروہوں کی فتنہ انگیزیاں قدم قدم پر ان کے ارادوں میں حائل ہو جاتی تھیں۔ دیشیوں کی جانب سے مطمئن ہو کر مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ پھکوں پر شبخون ماریں، جہاں تین ہزار سکھ آ پہنچے تھے، اور اپنا عمل دخل مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ شائی خاں سے پھکوں تک دو روز کی مسافت تھی۔ مسافت کا تو چنداں خیال نہ تھا، تردد کا خاص سبب یہ تھا کہ بیچ میں سرن ندی پڑتی تھی اور اس پر صرف ایک جگہ چوبی پل بنا ہوا تھا، جس سے گذرنا آسان نہ تھا۔

اس مشکل کے باوجود فیصلہ کر لیا گیا کہ شبخون ضرور مارا جائے۔ چنانچہ تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس اثناء میں موضع جسول سے ایک آدمی یہ خبر لایا کہ علاقہ الائی (۱) کے

(۱) اس علاقے کے شمال و مشرق میں کوہستان ہے۔ جنوب میں بھوگڑ منگ، ... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھ نو ہزار آدمی کوہانہ سے ڈیڑھ کوس پر پہاڑ کے اوپر ایک میدان میں اترے ہوئے ہیں اور قلعہ شائی خاں پر حملے کا عزم کیے بیٹھے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی تنچوں پر شبخون کا ارادہ پھر مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔

پیغام مصالحت

مولوی نصیر الدین نے دیشیوں کے سردار نقیب اللہ خاں کو بلوایا اور چار پانچ ذی علم اصحاب کے ہمراہ ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ انہیں سمجھاؤ اور یقین دلاؤ:

> ہم سے اور تم سے کسی طور کا علاقہ نہیں۔ تمہارا ملک جدا، ہمارا ملک جدا۔ جو ہم لوگوں پر چڑھ کر آئے ہو، یہ سراسر تمہاری زیادتی ہے۔ اس ملک میں ہمارا مقابلہ سکھوں سے ہے اور تم مسلمان بھائی ہو، تم کو لازم تھا کہ ہمارے ساتھ شریک ہو کر سکھوں سے لڑتے اور جو اتنی حمیت دین کی نہ تھی تو اپنے ملک میں خاموش بیٹھے رہتے۔ ناحق ہم پر نہ آتے۔ سو اب مناسب یہی ہے کہ اس طرف آگے نہ بڑھو، اپنے ملک کو چلے جاؤ۔ (۱)

مجاہدین کی یورش

ان افسوس ناک حالات پر مولوی نصیر الدین اور مجاہدین کا دل خون ہوتا تھا لیکن وہ مجبور تھے۔ حملے کی روک تھام کے سوا ان کیلئے کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ مجاہدین میں سامانِ جنگ تقسیم ہو گیا۔ دو دو روز کی روٹیاں سب نے تیار کر لیں، نمازِ عصر کے بعد چار سو کے

گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ .. تندھیاڑ اور دیشی۔ اس کی مغربی حد دریائے سندھ ہے۔ یہ پہاڑوں کی دو بڑی دیواروں کے درمیان واقع ہے۔ کوہستان کی سمت کا پہاڑ پندرہ ہزار فٹ بلند ہے۔ تندھیاڑ اور دیشی کی سمت کا پہاڑ بھی خاص اونچا ہے، اور تاکوٹ کے شمال میں دریائے سندھ پر ختم ہوتا ہے۔ وادی ‌الائی تقریباً بارہ میل لمبی ہے، اور اس کا رقبہ دو سو مربع میل سے کم نہ ہوگا۔

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص۔۳۱۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قریب مجاہدین مولوی نصیر الدین کی سرکردگی میں قلعہ شائی خاں سے روانہ ہوئے، مولوی صاحب نے روانگی سے پیشتر معمول کے مطابق بارگاہِ الٰہی میں دیر تک گریہ وزاری کی۔ شائی خان سے دواڑھائی کوس پر نمازِ مغرب پڑھی، وہاں سے کوس سوا کوس پر الائی والوں کا لشکر تھا۔ جب مجاہدین گولی کی زد میں پہنچے تو الائی والوں نے باڑ ماری۔ مجاہدین کے چھ آدمی زخمی ہوئے، جن میں ملا لعل محمد قندھاری بھی تھے۔ ان کی کلائی پر گولی لگی تھی۔ کسی کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ ملا لعل محمد زخمی ہو گئے۔ یہ سنتے ہی ملا صاحب نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور فرمایا:

چپ رہو، ایسی بات نہ کہو جو لوگوں میں ہراس پیدا کرے۔

غرض مجاہدین بے باکانہ آگے بڑھتے گئے۔ اگرچہ ان کی اور الائی والوں کی تعداد میں ایک اور بیس کا فرق تھا، تاہم الائی والوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ مال واسباب اور ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مولوی نصیر الدین نے تاکیدی حکم جاری کر دیا کہ کوئی بھائی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے اور بھاگنے والوں کا تعاقب جاری رکھا جائے۔

کامیاب تعاقب

آگے راستہ اتنا تنگ تھا کہ صرف ایک ایک آدمی گذر سکتا تھا۔ الائی والے پہاڑ کے چپے چپے سے واقف تھے۔ وہ مختلف سمتوں میں منتشر ہو گئے مگر مجاہدین نے تعاقب نہ چھوڑا، یہاں تک کہ وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں حدِ نظر تک برف جمی ہوئی تھی۔ الائی والوں کے جو گروہ دور نظر آئے، وہ بھی مجاہدین کو دیکھتے ہی بھاگ نکلے۔ سفر اور چڑھائی میں مجاہدین کو بہت مشقت اٹھانی پڑی تھی، اور بھوک کے غلبے نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان کی روٹیاں مولوی فتح علی عظیم آبادی اور عبداللہ پوربی کے پاس تھیں، جو بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ ملا نور محمد قندھاری کے پاس مکئی کا تھوڑا سا آٹا تھا، مولوی نصیر الدین نے وہی چٹکی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چٹکی مجاہدین میں بانٹ دیا۔ خود مولوی صاحب نے بھی ایک چٹکی آٹا پھانکا۔ چونکہ ان کے منہ میں دانت نہ تھے اس لئے آٹا منہ کے اندر نہ جا سکا اور اڑ گیا۔

برف سے گذر کر آگے بڑھے تو جگہ جگہ گوجروں کے چند گھر ملے۔ وہ اپنی بھیڑ بکریاں لے کر بھاگ گئے تھے، اور ان کے بچے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ مولوی صاحب نے حکم دے دیا کہ ان بچوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ دو گھڑی دن رہے مجاہدین موضع بہاری میں پہنچ گئے۔ وہاں کے لوگ بھی بستی چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ مولوی صاحب نے مجاہدین میں اعلان کرادیا کہ کوئی بھائی کسی کے مال واسباب کو ہاتھ نہ لگائے، جنکے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو، وہ ہمیں اطلاع دیدے، ہم جنس تول کر دیدیں گے، تاکہ اس کا حساب رہے اور وہ لوگ واپس آئیں تو انہیں خرچ کی ہوئی جنس کی قیمت دیدی جائے۔

مصالحت کی مزید کوششیں

مولوی نصیر الدین نے یورش کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا تھا۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ لڑائی طول نہ پکڑے اور جلد سے جلد مفاہمت ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے مقامی ملاؤں کو دوبارہ ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ تمہاری پیش دستی کے باعث ہمیں یورش کرنی پڑی، اب بھی کچھ نہیں بگڑا، آرام واطمینان سے بیٹھ جاؤ، فساد چھوڑ دو، اپنا مال واسباب لے کر امن سے رہو۔ یہ فہمائش بھی بے نتیجہ رہی۔ اس اثناء میں معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے پٹن اور پالس (۱) سے کمک طلب کی ہے تاکہ از سر تو مجاہدین سے لڑیں۔

بہاری سے تین کوس پر سیدوں کی ایک بستی تھی، مولوی صاحب وہاں گئے اور سیدوں سے کہا کہ ان لوگوں کو سمجھایئے۔ ہم ان سے تعرض کے خواہاں نہیں، وہ کیوں ہم سے لڑنے کیلئے مضطرب ہیں؟

(۱) یہ مقامات علاقہ کوہستان میں واقع ہیں۔ پٹن دریائے سندھ کے دائیں کنارے اور پالس بائیں کنارے ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب بہاری میں نوروز ٹھہرے رہے۔ وہاں سے پاؤ کوس پر نوگانواں ایک مقام ہے، وہاں الائی والوں نے نو دس ہزار کی جمعیت فراہم کر لی۔ چار روز تک فریقین کی طرف سے بندوقیں چلتی رہیں، چونکہ بیچ میں ندی حائل تھی، اسلئے ایک دوسرے پر حملے اور دست بدست لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

مجاہدین کی مراجعت

اس اثناء میں ناصر خاں بھٹ گرامی کے فرزند مظفر خاں نے کمال خاں اگروری کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ آس پاس کے تمام لوگوں نے سکھوں سے ساز باز کر لی ہے اور خطرہ ہے کہ وہ مجاہدین کو نرغے میں لے کر انہیں ختم کر دیں گے۔ لہٰذا بچاؤ کی کوئی مناسب تدبیر اختیار کر لیجئے۔

مولوی صاحب نے مجروح اور معذور مجاہدوں کو شملئی بھیج دیا۔(۱) خود جنگل سے درخت کٹوانے شروع کئے اور اعلان کر دیا کہ ہم ندی عبور کرنے کیلئے پل بنوانا چاہتے ہیں تاکہ ایک دم حملہ کر کے لڑائی کا فیصلہ کر دیں۔ یہ دراصل مخالفوں کو مرعوب کرنے کی ایک تدبیر تھی۔ پھر حکم دیدیا کہ زور وشور سے بندوقیں اور شاہینیں سر کی جائیں تاکہ مخالفوں پر ظاہر ہو کہ مجاہدین پار اترنے والے ہیں۔ رات ہوئی تو مجاہدین کو مراجعت کا حکم دے دیا۔ خود تیں چالیس آدمیوں کے ساتھ محاذ جنگ پر ٹھہرے رہے۔ تھوڑی دیر بعد خود روانہ ہوئے اور ملا لعل محمد قندھاری سے فرمایا کہ ہم گولی کی زد پر پہنچ جائیں تو آپ ہمارے پیچھے پیچھے آئیں۔ اگلے روز ڈیڑھ پہر دن چڑھے شملئی پہنچ گئے۔

---

(۱) روایت میں بتایا گیا ہے کہ وہ قندھاری زخمی تھے۔ ان کے علاوہ لعل محمد جگدیش پوری، محمد قائم ساکن اگروالہ، گلشیر ساکن کالا باغ، شاہ ولی نتولی اور برکات مظفر آبادی تپ و لرزہ میں مبتلا تھے۔ یہ شملئی چلے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیہات کا دورہ

شملئی سے مولوی صاحب نے دیہات کا دورہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل دیہات کے نام آئے ہیں: بٹن بوڑی، کاکڑ سنگ، بھٹ گرام، چھتر گرام، حاجی میرا، پھگوڑا، چوا بن، دہڑیاں، بہانیاں، بٹیاں، ٹیکری، اور پورا۔ جس مقام پر جاتے، پوچھتے کہ آیا لوگوں نے ہماری مخالفت میں دشمنوں سے ساز باز کی ہے؟ وہ براءت کا اظہار کرتے۔ تمام مقامات پر مجاہدین کی مہمانداری ہوئی۔ پھگوڑا کے ایک سیٹھ کی دکان پر مولوی صاحب کی ہنڈیاں آتی تھیں۔ وہ ملاقات کیلئے آیا تو نذر کیلئے شیرینی لایا۔ یوں دورہ کرتے ہوئے مولوی صاحب قلعہ شائی خاں پہنچ گئے۔ انکی غیر حاضری میں شیخ ولی محمد بھی ناوا گئی سے شائی خاں آ گئے تھے۔ ان سے ملاقات کی خوشی میں قرابینیں اور شاہینیں سر کی گئیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

پکھلی پر شبخون

بٹلوں پر چھاپا

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سکھوں کا خاصا بڑا لشکر شنکیاری سے اٹھ کر پچوں میں جمع ہو گیا تھا تا کہ آس پاس کے علاقوں سے خراج وصول کرے۔ مولوی نصیر الدین اسی لشکر پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے۔ جب الائی والوں کی بے وجہ یورش اس ارادے کی تکمیل میں حائل ہو گئی، اس اثناء میں سکھوں نے اپنا اثر و رسوخ مستحکم کر لیا اور بٹلوں کے رئیس بارک خاں اور محمد خاں بھی ان سے مل گئے تھے۔ الائی والوں سے فارغ ہو کر مولوی صاحب پھر سکھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تقریباً سوا سو مجاہدوں کو لے کر قلعہ شائی خاں سے نکلے۔ کچھ مقامی لوگ بھی ساتھ ہو گئے تھے۔ شائی خاں سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر چھتر نام ایک وسیع میدان ہے، جس میں دوسری بستیوں کے علاوہ سیدوں کی ایک بستی لاچھی بنگ واقع ہے۔ مولوی صاحب وہاں ٹھہر گئے اور چالیس پچاس مجاہدوں کو اس غرض سے بٹلوں بھیج دیا کہ بارک خاں کو ساتھ لے آئیں۔

غالباً مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ اس سے گفتگو کر کے پچوں پر یورش کی تدابیر اختیار کریں۔ بٹلوں لاچھی بنگ سے صرف دو کوس بہ جانب مشرق واقع تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کی آمد کے متعلق عام افواہ پھیل گئی اور بارک خاں اپنے دس آدمیوں کے ساتھ بستی چھوڑ کر اس پہاڑ کی طرف بھاگا جہاں سے سکھوں کا لشکر قریب تھا۔ مجاہدین نے اس کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تعاقب کیا اور گرفتار کر کے لاچھی بنگ لے آئے۔

بارک خاں کا قتل

مولوی صاحب جس مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے وہ بستی سے ایک میل باہر تھا۔ "ولایتی" مجاہدین بارک خاں سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔ انہوں نے کہا خان صاحب! آپ بڑے دانا ہیں۔ خدا نے آپکو سرداری کا منصب دیا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آپ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر سکھوں سے مل گئے ہیں۔ اس نے جواب دیا:

> سبب یہ ہے کہ سکھوں کا پایہ بھاری ہے۔ وہ صاحب ملک اور صاحب حکومت ہیں اور تم لوگوں کو میں اس قدر صاحب شوکت و سلطنت نہیں دیکھتا، آج یہاں ہو کل اور کہیں چلے جاؤ گے۔ اگر صاف صاف تمہارا شریک ہو جاؤں تو کہاں رہوں؟

اس بیان سے ظاہر ہے کہ بارک خاں کے پیش نظر کوئی دینی یا قومی مقصد نہ تھا، وہ اس کا ساتھ دینا چاہتا تھا جس سے اس کی دنیوی اغراض بہ سہولت پوری ہوتی رہیں، خواہ وہ کوئی ہو، اور خواہ اس تعاون سے دینی اور قومی اغراض کو کتنا ہی نقصان پہنچے۔

یہ بات سنتے ہی سید میر کے ایک امراہی سپاہی کو اتنا غصہ آیا کہ بے تامل بھری ہوئی قرابین چلا دی اور بارک خاں وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سپاہی اسی وقت بھاگ گیا۔ مولوی صاحب کو یہ اطلاع ملی تو حد درجہ ناخوش ہوئے۔ ملا گلزار خاں جمعدار سے فرمایا کہ اپنے آدمی لے جائیے اور بارک خاں کی میت کو لاچھی بنگ میں دفن کر دیجئے۔ چنانچہ اس ارشاد کے مطابق عمل ہوا۔

پیش قدمی

لاچھی بنگ سے اٹھ کر مولوی صاحب رچھاڑی پہنچے جو درۂ تجوں میں واقع ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وہاں سے پچوں دو کوس تھا۔ سکھوں کو اطلاع مل گئی، رچھاڑی اور پچوں کے درمیان سرن ندی بہتی تھی۔ دونوں لشکر ندی کے دونوں کناروں پر کھڑے گولیاں چلاتے رہے۔ یورش اور دست بدست لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

تین دن اسی طرح گذر گئے، چوتھے دن مولوی صاحب نے مقیم خاں ساکن کالا باغ کو مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ پنجول بھیج دیا۔ راستے میں یکے بعد دیگرے دو ندیاں پڑتی تھیں۔ مقیم خاں انہیں عبور کر کے پنجول پہنچا اور وہاں دو دن سکھوں سے لڑتا رہا، آخر انہیں شکست دے کر مال واسباب لے آیا۔ دونوں ندیوں کے درمیان سکھوں نے پھر حملہ کیا اور پہر سوا پہر تک لڑائی جاری رہی۔ مجاہدین میں سے دو شہید اور دو زخمی ہوئے۔ سکھ پھر شکست کھا کر لوٹ گئے اور مقیم خاں کامیاب و بامراد مولوی صاحب کے پاس پہنچ گیا۔

بٹلوں میں قلعے کی تجویز

پھر مولوی صاحب بٹلوں پہنچ گئے اور فیصلہ کیا کہ اس مقام پر ایک قلعہ بنا کر سو پچاس مجاہدین بٹھا دیئے جائیں تاکہ سکھوں کیلئے آس پاس کے علاقے پر تسلط کا کوئی امکان باقی نہ رہے، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار جاری رکھ سکیں۔ بٹلوں سے باہر ایک چھوٹا سا ٹیلا تھا اسی کو قلعے کیلئے منتخب فرمایا۔ اس اثناء میں دو ہندوستانی مجاہد ناراض ہو کر راہیٔ وطن ہوئے۔ مولوی صاحب نے نظام الدین خاں شاہ جہاں پوری، مستقیم خاں جہان آبادی، ابراہیم نگرامی اور رحیم بخش سہارنپوری کو ان کے پیچھے بھیجا کہ سمجھا بجھا کر واپس لے آئیں۔ افسوس کہ یہ فہمائش سودمند نہ ہوئی۔ مولوی صاحب کے قلبِ صافی پر اس واقعہ کا ایسا ناخوش گوار اثر پڑا کہ وہ تعمیر قلعہ کی تجویز معلق چھوڑ کر شائی خاں واپس چلے گئے۔ اس معاملے میں تاخیر و توقف کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھوں نے بٹلوں میں مولوی صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے تجویز کردہ مقام پر قلعہ بنالیا اور وہاں خاصی بڑی جمعیت بٹھا دی۔ اس وجہ سے مجاہدین کو جو نقصان اٹھانا پڑا اُس کی کیفیت آگے چل کر بیان ہوگی۔

پکھلی پر شبخون

کچھ دیر بعد مقیم خاں ساکن کالا باغ نے مولوی نصیرالدین سے عرض کیا کہ پکھلی میں سکھوں پر شبخون کی اجازت دی جائے۔ مولوی صاحب موصوف نے فرمایا کہ فاصلہ زیادہ ہے، اسلئے چست وچالاک مجاہدین چن کر لے جایئے۔ چنانچہ مقیم خاں ڈیڑھ سو مجاہدوں کے ہمراہ شائی خاں سے روانہ ہوا، اور پہلی منزل سنگل کوٹ میں کی جو درہ کونش میں پیر خیلوں کی بستی ہے اور سید قمر علی شاہ اُن کا رئیس تھا۔ مجاہدین وہاں سے چلے تو اُہل میں جا ٹھہرے۔ تین جاسوس پہلے سے مختلف سمتوں میں بھیج رکھے تھے کہ معلوم کرآئیں، کہاں کہاں سکھوں کی جمعیت ہے اور شبخون کیلئے کون کون سے مقامات موزوں ہوں گے۔ خود مقیم خاں اُہل سے نکلا تو کوٹلیاں میں جا ٹھہرا جو پکھلی کی سرحد پر واقع ہے۔ تین جاسوسوں میں سے دو واپس آگئے اور اطلاع دی کہ شبخون کیلئے کوئی موزوں جگہ نظر نہیں آتی، اسلئے کہ سکھوں نے جابجا قلعے اور چوکیاں بنا رکھی ہیں۔ ہر جگہ خاصی فوج متعین ہے اور عام افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ مجاہدین کا حملہ ہونے والا ہے۔ اس وجہ سے سب لوگ چوکس ہیں اور انہوں نے پہریداری کے پورے انتظامات کر رکھے ہیں۔

سکھوں سے لڑائی

مقیم خاں کو شبخون کی جانب سے مایوسی ہوگئی تو فیصلہ کرلیا کہ سرن ندی کے کنارے کنارے گشت کرتے ہوئے چلیں اور درہ بھوگڑمنگ میں سے ہوتے ہوئے شائی خاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ وہ روانہ ہوا۔ اچھڑیاں نام بستی میں ایک چشمے کے کنارے مجاہدین کھانا کھانے لگے، شنکیاری وہاں سے دو کوس ہوگا، جہاں سکھوں کی فوج کا بڑا مرکز تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کھانا کھاتے ہوئے ایک مجاہد نے اٹھ کر شنکیاری کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ کچھ آدمی چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ تمام مجاہدین ہتھیار سنبھال کر کھڑے ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں سکھوں کی ایک جمعیت نمودار ہوئی، یہ لوگ نو سو کے قریب تھے، سوار کم پیادے زیادہ۔

بیچ میں ندی حائل تھی۔ مجاہدین کنارے کنارے ندی کے اوپر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ کسی موزوں مقام سے پار اتر کر لڑیں۔ سکھوں نے سمجھا کہ مجاہدین قلتِ تعداد کے باعث مقابلے سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ اس اثناء میں فریقین کی طرف سے گولیاں بھی چل رہی تھیں۔ ایک مقام پر عبدالغفار خاں جمعدار ساکن پھلی نے مجاہدین کو پکارا کہ بھائیو! دیکھتے کیا ہو؟ آؤ ان پر دھاوا بول دیں۔ یہ کہتے ہی عبدالغفار خاں ندی میں کود پڑا۔ کمر سے اوپر پانی تھا تاہم وہ گولیوں کی بارش میں پار اتر گیا، باقی مجاہدین نے بھی اس کا ساتھ دیا اور تلواریں کھینچ کر بجلی کی تیزی سے سکھوں پر جا پڑے۔ بیس پچیس سکھ وہیں مارے گئے، باقی بدحواس ہو کر بھاگے۔ مجاہدین نے دہڑیال نام بستی تک ان کا تعاقب کیا، جو تقریباً اڑھائی کوس پر تھی۔ وہاں تک ستر اسّی سکھ ہلاک ہوئے، مجاہدین میں سے کسی کے خراش تک نہ آئی۔ مقتول سکھوں کے ہتھیار لے کر مجاہدین لائی بنگ اور سنگل کوٹ میں ٹھہرتے ہوئے شائی خاں پہنچ گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارہواں باب:

دیشیوں کی خوفناک سازش

نئی سازش

مجاہدین پھر اطمینان سے اپنے اصل کام میں مصروف ہو گئے تھے کہ یکایک دیشیوں نے ان کے خلاف دوبارہ سازش کر لی جسے کامیاب بنانے کیلئے اتفاقاً ایک اچھا موقع پیدا ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ پائندہ خاں والیٔ امب نے مولوی نصیرالدین کے پاس پیغام بھیجا:

> آپ مجاہدین کو لے کر شیر گڑھ آ جائیں، وہاں سے پکھلی پہنچ کر سکھوں پر حملہ کریں گے۔

مولوی صاحب موصوف تین سو مجاہدوں کے ساتھ شیر گڑھ پہنچے۔ وہاں سے پائندہ خاں کے ہمراہ پیر کھنڈ کا رُخ کر لیا اور بھوج درہ میں مقام کیا۔ شیخ ولی محمد کے پاس شائی خاں میں صرف پچاس ساٹھ مجاہدین رہ گئے تھے۔ اس دوران میں دیشیوں نے ایکا کر کے مجاہدین کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ پہلے ان مجاہدین کو شہید کریں جو دیہات میں جابجا بکھرے ہوئے تھے۔ پھر شائی خاں پر چڑھائی کر کے باقی مجاہدین کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔

متفرق مجاہدین پر حملے

چنانچہ مولوی صاحب کے جاتے ہی دیشیوں نے اپنے منصوبے کے مطابق عمل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شروع کر دیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے:

۱۔ شیخ ولی محمد کے پہلے کا ایک مجاہد خدا بخش بلند کوٹ میں شہید کر ڈالا گیا۔

۲۔ ملا لعل محمد قندھاری کے پہلے کا ایک آدمی فیض محمد موضع اتھل میں متعین تھا، وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

۳۔ شیخ لکھمیر کو بھی بلند کوٹ ہی میں متعین کیا گیا تھا اور اس نے مسجد کے حجرے میں اقامت اختیار کر رکھی تھی، رات کے وقت اس پر بھی حملہ ہوا لیکن وہ شمشیر زنی کے کمالات سے کام لیتے ہوئے چار آدمیوں کو زخمی کر کے بھاگ نکلا اور صحیح سلامت شائی خاں پہنچ گیا۔

۴۔ دیشیوں کو سب سے زیادہ دشمنی ملا کاتب اخوندزادہ سے تھی، جو ان کے علاقے میں تحصیل کا حاکم اعلیٰ تھا۔ موصوف کو بروقت اطلاع مل گئی اور وہ رات کو ننگے بدن بھاگ کر شائی خاں پہنچ گیا۔

باقی مجاہدین کے متعلق سخت تشویش تھی، لیکن وہ سب بخیر و عافیت دوسرے یا تیسرے دن شائی خاں میں داخل ہوئے۔ گویا دیشیوں کا یہ منصوبہ ناکام رہا، البتہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، دو مجاہد سراسر ناحق مارے گئے۔

دفاعی تدابیر

اس اثناء میں دیشی گجوڑی کے مقام پر جمع ہونے لگے۔ شیخ ولی محمد نے قلعے پر پہرے کا پختہ بندوبست کر لیا۔ قلعے سے ساٹھ ستر قدم پر ایک چشمہ تھا، جس سے پانی لیا جاتا تھا، اس پر برج بنا کر دو پہرے لگا دیے تاکہ پانی کی رسد محفوظ رہے اور مولوی نصیر الدین کو بھوج درہ پر پیغام بھیج دیا کہ جلد سے جلد واپس آ جایئے۔

پائندہ خاں نے سکھوں پر پیش قدمی کی تجویز ملتوی کر دی۔ خود امب واپس چلا گیا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ورا پنے دو اڑھائی سو لشکری مھندا جمعدار کی سرکردگی میں مولوی صاحب کے ساتھ شائی
خاں بھیج دیے۔ یہ سب پندرہ بیس روز حملے کا انتظار کرتے رہے۔

مھندا کی تدبیر جنگ

جب دیشیوں کی طرف سے کوئی اقدام نہ ہوا تو مھندا جمعدار نے شیخ صاحب اور
مولوی صاحب کی اجازت سے خود لڑائی چھیڑنے کی ایک معقول تدبیر اختیار کی۔ اس نے
بچاس ساٹھ تنولیوں کو حکم دیا کہ کمرہ پر ہوتے ہوئے دیشیوں کی طرف جائیں، انھیں
یکھتے ہی بندوقیں سر کریں۔ جب وہ مقابلے پر نکلیں تو لوٹ پڑیں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ
تھا کہ دیشی قیام گاہ سے اٹھ کر شائی خاں کے قریب آجائیں تاکہ ان سے لڑائی کا اچھا
موقع نکل آئے۔

دیشیوں کی پسپائی

اس تدبیر پر عمل ہوا اور دیشی تنولیوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں
شائی خاں پر بڑھے۔ ادھر سے مولوی صاحب اور مھندا جمعدار اُنکے مقابلے کیلئے نکلے۔
اج دواری کا سردار بلند خاں سب سے آگے بڑھ کر تنہا ان پر حملہ آور ہوا اور تھوڑی ہی دیر
ں اس نے چار پانچ دیشیوں کو زخمی کر دیا، پھر باقی لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ دیشی
حواس ہو کر بھاگے، ڈیڑھ کوس تک ان کا تعاقب کیا گیا اور تیس چالیس آدمی موت کے
گھاٹ اتار دیے گئے۔ مجاہدین میں سے دو نے شہادت پائی۔ چونکہ شام ہو گئی تھی اس
لیے سب لوگ تعاقب چھوڑ کر واپس آ گئے۔

سامانِ رسد پر چھاپہ

اس اثناء میں معلوم ہوا کہ سکھوں کی طرف سے گولی بارود کا بہت بڑا ذخیرہ دیشیوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے لئے بھیجا جا رہا ہے اور صرف پچاس ساٹھ آدمی اس ذخیرے کی حفاظت پر متعین ہیں۔ عبدالغفار خاں ساکن پنجلی نے نیلی شنگ اور پھگوڑا کے درمیان ان لوگوں پر چھاپہ مارا اور سارا سامان لوٹ کر لے آیا۔

اس واقعے سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ دیشیوں نے سکھوں سے ساز باز کے بعد مخالفانہ قدم اٹھایا تھا ورنہ سکھوں کی طرف سے سامانِ جنگ انہیں کیوں بھیجا جاتا؟ یقین ہے کہ اس ساز باز میں سب سے بڑا حصہ اُن رئیسوں اور سرداروں نے لیا ہوگا جو اپنی جاگیروں کی حفاظت کے جنون میں اسلامی مقاصد سے بالکل بے پروا تھے، اور مسلمانوں کی جانوں سے بے تکلف کھیل رہے تھے۔

بلند کوٹ پر شبخون

دیشی پسپا ہو کر گھوڑی میں جا بیٹھے تو مولوی نصیر الدین نے پچاس ساٹھ مجاہدین کی ایک جماعت کو مقیم خاں کی سرکردگی میں بلند کوٹ پر بھیج دیا اور فرمایا کہ تمہاری کمک کے لئے اگرور سے بھی آدمی آئیں گے اور نمازِ فجر کے بعد ہم بھی پہنچ جائیں گے۔ مقیم خاں اپنی جماعت کو لے کر عشاء کے وقت شائی کوٹ سے روانہ ہوا۔ چڑی بنگ میں ایک چشمے پر سب نے وضو کیا، وہاں سے ایک کوس پہاڑ پر بلند کوٹ تھا۔ اس پہاڑ پر چڑھے تو صبح صادق نمودار ہو رہی تھی، مجاہدین نے نماز پڑھی۔ اُدھر بستی میں شور مچ گیا کہ مجاہدین آ گئے اور سب لوگ بستی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ دیر بعد اگرور سے بھی کمک پہنچ گئی اور مولوی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ چڑی بنگ میں قاضی عصمت اللہ نے مجاہدین کی مہمانداری کی۔

گھوڑی پر دھاوا

مزید چار روز گذر گئے۔ پانچویں رات کو مولوی صاحب نے گھوڑی پر دھاوے کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فیصلہ کیا اور فرمایا کہ پچاس ساٹھ مجاہدین راتوں رات اس پہاڑ پر جا چھپیں جو گجبوڑی کے اوپر واقع ہے۔ ہم صبح کو حملہ کریں گے، تو اس وقت یہ مجاہدین کمین گاہ سے نکل کر گجبوڑی کی طرف آئیں۔ چنانچہ سید میر خاں کو پچاس ساٹھ مجاہدین کے ساتھ گجبوڑی کی طرف روانہ کر دیا گیا، سب لوگ گھروں سے نکل کر پہاڑ پر جمع ہو گئے اور وہاں سے بندوقیں چلانے لگے، لیکن کسی مجاہد کو گزند نہ پہنچا۔ سید میر خاں نے خود آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ وہاں بھی نہ ٹھہر سکے اور دوسری طرف پہاڑ کے نیچے اتر گئے۔ پہاڑ کے نشیب میں شنگلیاں اور شنگھالیاں نام دو بستیاں تھیں۔ ان کے درمیان اہل دھیال کو چھوڑ کر وہ ہزار کے قریب دیشی مجاہدین کے مقابلے پر نکلے۔ ادھر سے قرابینیں سر ہوئیں تو دیشی پھر بھاگ نکلے۔ کوس سوا کوس پر موضع کوٹ گلہ تھا، وہاں تک تعاقب کیا گیا، اس اثناء میں مولوی نصیر الدین بھی تشریف لے آئے۔

اقرار اطاعت

اب دیشیوں نے بے بس ہو کر اپنے ملاؤں کو عذر داری کے لئے بھیج دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہم شنگلی میں قیام کریں گے، وہیں آخری فیصلہ ہوگا۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر دیشیوں نے اطاعت کا اقرار کر لیا۔ ان کی خطا معاف کر دی گئی، تمام بستیوں سے عشر کا غلہ گدھوں اور خچروں پر بار ہو ہو کر شائی خاں پہنچنے لگا۔ مولوی صاحب قلعے میں واپس چلے گئے۔ اس کے بعد مجاہدین جب تک شائی خاں میں مقیم رہے، دیشیوں نے سرکشی اور تمرد کی کوئی حرکت نہ کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرھواں باب:

مجاہدین کے چھاپے

جبڑ پر پیش قدمی

دیشیوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو مقیم خاں ساکن کالا باغ نے مولوی نصیر الدین سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں درۂ پکھوں میں جا کر جبڑ پر چھاپہ مارنا چاہتا ہوں، جو سکھوں کی عملداری میں واقع ہے۔ مولوی صاحب نے اجازت دیدی اور مقیم خاں دو سو مجاہدوں کے ساتھ نمازِ ظہر کے بعد شائی خاں سے روانہ ہوا۔ رات اچھی جنگ کے پاس فقیروں کے تکیے میں گزاری۔ صبح یہ لوگ موضع بالی منگ میں پہنچے، وہاں کھانے کا انتظام تو نہ ہو سکا البتہ مقامی لوگوں نے ہر مجاہد کی خدمت میں مکی کے آٹھ آٹھ بھٹے پیش کر دیے۔ وہاں سے پہاڑ پر چڑھائی شروع ہو گئی۔ سارا دن سفر میں گذرا، نمازِ مغرب کے وقت پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔

وہاں سے اترنے لگے تو گھاس میں سے گذرنا پڑا جو اتنی لمبی تھی کہ سینے تک آتی تھی۔ سوئے اتفاق سے وہاں برکات مظفر آبادی کی تلوار میان سے نکل کر گر پڑی اور اندھیرے میں تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ ملا لعل محمد قندھاری نے اپنے بھیلے کا ایک آدمی برکات کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ رات بھر یہاں ٹھہرے رہو، صبح کو اجالا ہو گا تو تلوار ڈھونڈ لینا، باقی مجاہدین علی الصباح دامنِ کوہ کی ایک ویران بستی میں پہنچ گئے، جہاں سے جبڑ ایک میل ہو گا، وہیں صبح کی نماز ادا کی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کامیاب حملہ

اسی مقام سے جبڑ پر حملہ کیا۔ مجاہدین بجلی کی تیزی سے بستی میں جا پہنچے۔ جس قدر مال واسباب ہاتھ لگا، پہاڑ کے اوپر پہنچا دیا۔ جبڑ سے نصف میل پر ایک اور بستی تھی کچھ مجاہدین وہاں بھی جا پہنچے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ پچوں سے سکھوں کا لشکر مقابلے کے لئے آ پہنچا ہے، ان کی گولیاں مجاہدین پر برسنے لگیں۔ ملا لعل محمد قندھاری اور مقیم خاں نے یہ دیکھتے ہی تلواریں سونت کر ان پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی ہلے میں پچیس تیس سکھ مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ مجاہدین مال غنیمت لے کر اطمینان سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے اور وہاں نماز ظہر ادا کی۔ جس بستی میں رات ہوئی، وہاں کھانے کو کوئی چیز نہ مل سکی، مجبوراً صرف گوشت پر گزارہ کیا گیا۔ اگلے دن وہاں سے چل کر شام کو شملئی پہنچے۔ بعض مجاہدین نرا گوشت کھانے کے باعث بیمار ہو گئے، پھر بھٹ گرام ٹھہرتے ہوئے شائی خاں چلے گئے۔

چھلے پر چھاپہ

چند روز بعد اطلاع ملی کہ شنکیاری کے سکھوں نے درہ بھوگڑ منگ کی ایک بستی چھلے میں بہت سا مال واسباب جمع کر رکھا ہے۔ چنانچہ مولوی نصیرالدین نے اس مقام پر چھاپے کا فیصلہ کر لیا اور اڑھائی سو آدمی لے کر اُدھر روانہ ہوئے۔ رات درہ کونش کی ایک بستی ملکا نام میں گزاری۔ صبح کو روانہ ہوئے تو عصر کے وقت سرن ندی کے کنارے پہنچے۔ ندی کے دوسرے کنارے پر سکھ موجود تھے۔ مجاہدین کو دیکھتے ہی وہ بندوقیں چلانے لگے۔ ندی عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا، لہٰذا مجاہدین اس کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ سکھ بھوگڑ منگ کی طرف لوٹ گئے۔ بظاہر ان کا مقصد یہ تھا کہ بڑا لشکر لا کر مجاہدین کا مقابلہ کریں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھتلے میں داخلہ

کوئی دو کوس کی مسافت طے کرنے کے بعد لکڑی کا ایک پل ملا، جس بستی پر مجاہدین چھاپہ مارنا چاہتے تھے، وہ پل کے قریب واقع تھی۔ بستی والے مجاہدین کا حال سن کر پل گرانے کیلئے دوڑے لیکن مجاہدین نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی پل پر قبضہ کرلیا۔ ملا لعل محمد قندھاری نے ایک جماعت پل کی حفاظت کیلئے متعین کردی، باقی مجاہدین کو لے کر بستی میں پہنچ گئے۔ وہاں کے لوگ پہلے ہی گھر بار چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے، انہوں نے مجاہدین پر گولیاں چلانی شروع کیں، لیکن بستی میں داخل ہو جانے کے بعد مجاہدین بالکل محفوظ ہو گئے۔ سکھوں نے گھی، شہد، غلہ وغیرہ بہ کثرت جمع کر رکھا تھا، اس پر قبضہ کرلیا۔ چھ روز بہ اطمینان وہاں بیٹھے رہے۔ مولوی صاحب کے پاس شائی خاں میں پیغام ارسال کر دیا کہ کچھ خچر بھیج دیں تا کہ ان پر سامان بار کیا جا سکے۔

سکھوں کی آمد

چھٹے روز خبر ملی کہ تقریباً چھ سو سکھ شنکیاری سے آرہے ہیں۔ ملا لعل محمد نے مقیم خاں سے کہا کہ اندیشہ ہے، وہ لوگ پل پر قابض نہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے لئے واپسی کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔ لہذا یا تو آپ بستی میں ٹھہریں اور میں پچاس ساٹھ مجاہدین کے ساتھ پل کی حفاظت کیلئے چلا جاتا ہوں، یا آپ وہاں جائیں اور میں یہاں ٹھہرتا ہوں۔ مقیم خاں فوراً روانہ ہو گئے۔ اس اثناء میں اطلاع ملی کہ مانسہرہ سے مزید دو تین سو سکھ قریب آپہنچے ہیں۔ اتفاق یہ کہ مولوی کی طرف سے بار برداری کا کوئی جانور نہ پہنچا اور ملا لعل محمد نے ساتویں روز مراجعت کا فیصلہ کرلیا۔ مختلف مجاہدین جتنا سامان خود اٹھا سکے اٹھالیا، باقی چھوڑ دیا۔ پل سے گذرتے وقت پانچ چھ سو سکھ پاس کی ایک پہاڑی پر نمودار ہوئے، انہوں نے گولیاں بھی چلائیں، جن سے دو تین آدمی زخمی ہوئے، لیکن وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آگے نہ بڑھے اور مجاہدین لاچھی ہنگ ٹھہرتے ہوئے شائی خاں پہنچ گئے۔

بٹلوں میں سکھوں کا قلعہ

ہم بتا چکے ہیں کہ مولوی نصیرالدین بٹلوں میں ایک قلعہ بنانا چاہتے تھے کہ آس پاس کے علاقے کی حفاظت کا انتظام بہتر طریق پر ہو سکے، لیکن بعض مجاہدین کی ناراضی کے باعث یہ تجویز التوا میں پڑ گئی۔ سکھوں کو موقع ملا تو انہوں نے بٹلوں میں ایک مضبوط قلعہ بنایا اور اس میں تین چار ہزار جنگجو بٹھا دیے۔ اس طرح آس پاس کے علاقے پر ان کا تسلط مستحکم ہو گیا۔ مجاہدین کیلئے اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ انتظار کریں اور جب مناسب موقع پیدا ہو یورش کر کے اس قلعے کو مسخر کر لیں۔

اس سلسلے میں یہ خطرہ بھی خاصی اہمیت اختیار کر چکا تھا کہ ممکن ہے کہ سکھ کسی وقت بٹلوں کے قلعے سے اٹھ کر شائی خاں پر بلہ بول دیں، لہٰذا درمیانی علاقے میں حفظ و دفاع کے ضروری انتظامات کر لئے گئے۔

کوٹ میں اقامت

بٹلوں سے شائی خاں کی جانب دو کوس پر موضع کوٹ تھا۔ مولوی نصیرالدین نے مقیم خاں کو حکم دیا کہ ایک سو بیس آدمی لے جاؤ اور کوٹ میں ٹھہرو۔ مقیم خاں شائی خاں سے چلا تو سیدھا کوٹ کو نہ گیا بلکہ شار کول ہوتے ہوئے کوٹ سے کوئی ایک میل آگے لاچھی ہنگ جا پہنچا، وہاں مشیروں سے پوچھا کہ میں سکھوں پر شبخون مارنا چاہتا ہوں، آپ کا مشورہ کیا ہے۔

شبخون کے متعلق رائے

مشیروں نے جواب دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھ مرنے مارنے کو تیار ہیں، لیکن یہ سوچ لیجئے کہ سکھوں کی جمعیت ہزاروں پر مشتمل ہے اور ہم پورے سوا سو بھی نہیں کہ انجام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر خوب غور کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں اور سکھ ہمارے تعاقب میں نکل پڑیں، پھر نہ ہم کوٹ میں ٹھہر سکیں گے اور نہ شائی خاں میں۔ اگر آپ شبخون ہی پر تلے بیٹھے ہیں تو کم از کم مولوی نصیر الدین سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا چاہیے۔

چور پہرے

چار ہزار کے قلعہ نشین لشکر پر سوا سو آدمیوں کے ساتھ شبخون مارنے کا عزم مقیم خاں کے غیر معمولی جوشِ شجاعت کا ایک کرشمہ تھا۔ مشیروں نے جن خطرات کا اظہار کیا تھا، ان کے پیشِ نظر مقیم خاں کیلئے التواء کے سوا چارہ نہ رہا۔ چنانچہ وہ کوٹ میں مقیم ہو گیا اور بٹلوں کی سمت میں تین چور پہروں کا انتظام کر دیا: ایک لاچھی جنگ میں، دوسرا باخلہ میں اور تیسرا اارو ڑی میں۔ شام کو چند مجاہدین ان مقامات پر جا بیٹھتے، رات وہاں گزارتے اور صبح کی نماز کے بعد کوٹ چلے آتے۔ ان چور پہروں کا مقصد یہ تھا کہ سکھوں کی طرف سے معمولی سا بھی مخالفانہ اقدام ہو تو اس کی اطلاع کوٹ کے مجاہدین کو فوراً ہو جائے۔

سکھوں کی یورش

مقیم خاں کو کوٹ میں پہنچے ہوئے بارہ تیرہ دن گذرے تھے کہ ایک رات کو اروڑی کے چور پہرے والوں میں سے ایک نے دور سیکڑوں توڑے چمکتے دیکھے اور سمجھ لیا کہ سکھ چھاپہ مارنے کو آرہے ہیں۔ اس نے فوراً بندوق داغی اور ساتھی پہرے داروں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ باقی چور پہرے والے اور کوٹ کے مجاہدین ہوشیار ہو گئے۔ صبح کی نماز پڑھ کر وہ بھی پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ سکھ ان سے پچاس ساٹھ قدم نیچے رہ گئے، ان سکھوں میں گڑھی کا خان، حبیب اللہ خاں بھی شامل تھا، جو سکھوں کو بٹلوں میں لانے کا ذمہ دار تھا۔ مقیم خاں نے سید میر خاں جمعدار کو حکم دیا کہ چالیس مجاہدین کے ساتھ پہاڑ کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوٹی پر جمے رہو اور خود اس نے اسی مجاہدین کو لے کر سکھوں پر حملہ کر دیا۔ اس اثناء میں سکھوں کی ایک گولی مدو خاں قندھاری کے سینے پر لگی اور وہ یہ کہتے ہوئے جاں بحق ہو گیا کہ بھائیو! میرا کام تمام ہو چکا۔ میرے پاس ٹھہرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ سب آگے بڑھ کر دشمن کو مارو۔ مقیم خاں نے پے در پے تین حملے کیے۔ ہر ہلے میں پندرہ بیس سکھ مارے جاتے تھے۔ آخر سکھ پسپا ہو گئے۔ مجاہدین میں سید میر نام ایک نوجوان گوجر بھی شامل تھا، وہ پہاڑ کی چوٹی پر دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور بہ آوازِ بلند کہتا تھا:

"شاباش بھائیو! شاباش! دشمنوں کو خوب مارو۔ مولوی صاحب بھی کمک لے کر آ رہے ہیں۔"

ایک جگہ جھاڑی میں کچھ سکھ چھپے بیٹھے تھے، ان کی گولی سے سید میر شہید ہو گیا۔

بالآخر سکھ ناکام واپس چلے گئے، مجاہدین میں سے دو شہید (مدو خاں اور سید میر) اور چھ زخمی ہوئے۔ ملا الہام الدین کے کلّے پر زخم آیا، نور محمد خاں قندھاری کی کلائی زخمی ہوئی، فتح خاں ولایتی کے سینے میں اور اکبر علی خاں سواتی کی ران میں گولی لگی۔ دو ولایتی مجروحوں کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

اس واقعے کے بعد مولوی نصیر الدین نے حکم دیدیا کہ کوٹ کے پاس پہاڑ کی چوٹی پر ایک برج بنالیا جائے، جس میں پچاس مجاہد رہ سکیں۔ ہر مہینے ان مجاہدوں کی تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

خوانینِ اگرور کا انجام

پس منظر

ہم قبل ازیں پاینده خاں تنولی اور خوانین اگرور کی عداوت کا ذکر کر چکے ہیں۔ پاینده خاں کی یورشوں نے عبدالغفور خاں اور ناصر خاں کو اگرور سے نکال دیا تھا اور وہ وادی نیکری کے ایک مقام چوہان میں مقیم تھے۔ لیکن پاینده خاں کے مقبوضات میں وقتاً فوقتاً لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ ممکن ہے، پاینده خاں کے سامنے دوسرے مقاصد بھی ہوں، تاہم مجاہدین کو حسن کوٹ میں ٹھہرانے کا ایک بہت بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ خوانین اگرور کی قزاقانہ دست برد کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس مقصد میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ مجاہدین کی وجہ سے خوانین اگرور کے چھاپے نہ صرف رک گئے بلکہ وہ لوگ نظر بظاہر مجاہدین کے معاون بن گئے۔

تاہم عجیب بات یہ ہے کہ سرحدی خوانین میں سے کسی کی بھی نظریں ذاتی مقاصد سے بلند تر نہ تھیں۔ ہر شخص اسی وقت تک مجاہدین کا ساتھ دیتا رہتا جب تک اُسے کار برآری کی تھوڑی بہت امید لگی رہتی۔ اس امید کے پورا ہوتے یا ٹوٹتے ہی وہ مجاہدین سے الگ ہو جاتا بلکہ معاندانہ پیش دستی میں بھی تامل نہ کرتا۔ خوانین اگرور بھی اس عام سطح سے بلند نہ رہ سکے اور نتیجہ ایک نونچکاں المیہ کی صورت میں ظاہر ہوا، جس کی تفصیل اس باب کا موضوع ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوانین کی توقعات اور دو رُخی

عبدالغفور خاں اور کمال خاں اس توقع پر مجاہدین کے معاون بنے تھے کہ اگرور میں از سرِ نو ریاست قائم کرنے کا بندوبست ہو جائے گا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین کو عشر دینے پر بھی آمادہ تھے، لیکن مجاہدین پائندہ خاں کے تعاون کی بنا پر جسی کوٹ پہنچے تھے۔ گرد و پیش کے خوانین میں پائندہ خاں بہ لحاظ قوت و مردانگی سب سے بڑھا ہوا تھا اور اس کا تعاون مقاصد جہاد کیلئے زیادہ سے زیادہ تقویت کا باعث ہو سکتا تھا۔ لہٰذا مجاہدین کیلئے کوئی ایسا قدم اٹھانا سراسر خلاف مصلحت تھا جو پائندہ خاں کے لئے خفگی کا باعث ہوتا۔ چنانچہ وہ عبدالغفور خاں اور کمال خاں کو اگرور میں آباد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، البتہ جب وادیٔ تیکری میں انہیں عمل دخل کا موقع ملا تو عبدالغفور خاں سے خاص مراعات کا برتاؤ کیا، یعنی اُسے عشر سے مستثنیٰ رکھا اور یہ بھی کہہ دیا کہ جب آپ کے آدمی جہاد میں امداد کیلئے ہمارے پاس آئیں گے تو انھیں دوسرے مجاہدین کی طرح باقاعدہ رسد ملا کرے گی۔ عبدالغفور خاں نے بہ ظاہر تو ان انتظامات کو خوش دلی سے قبول کر لیا لیکن اس کا دل مجاہدین سے پھر گیا اور اسی وقت سے اس نے خفیہ خفیہ سکھوں کے ساتھ سازباز کے انتظامات شروع کر دیئے۔

گڑھی کا خان حبیب اللہ خاں، عبدالغفور خاں کا حقیقی ماموں تھا اور وہ کھلم کھلا سکھوں سے ملا ہوا تھا۔ عبدالغفور خاں اب اسے برانگیختہ کرنے لگا کہ سکھوں کا لشکر لے کر مجاہدین کو ختم کر دو تاکہ اگرور خالی ہو جائے اور میں (عبدالغفور) سکھوں کی سرپرستی میں اس پر قبضہ کر لوں۔

خفیہ خط و کتابت

جب سکھ بٹلوں میں قلعہ بنا کر بیٹھ گئے اور مجاہدین نے ان کے مقابلے کیلئے کوٹ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے اوپر بُرج بنالیا تو عبدالغفور خاں کا ایک خط حبیب اللہ خاں کے نام پکڑا گیا جس کا مضمون یہ تھا:

> تم چار پانچ ہزار سکھوں کی جمعیت رکھتے ہو اور سو سوا سو مجاہدین تم سے دو کوس پر کوٹ میں پڑے ہیں۔ اگر ان پر شبخون لاؤ اور ان کو مارلو تو قلعہ شائی خاں تک تمہارا عمل دخل ہو جائے اور جو تمہارے مقابلے سے بھاگ کر ادھر آئیں گے اُن کو میں سمجھ لوں گا اور وہاں قلعہ شائی خاں میں تمہارا مقابلہ کوئی نہ کرے گا۔(۱)

موضع قبولہ کا قاضی احمد مجاہدین کا خیر خواہ تھا، وہ پہلے بھی مولوی نصیر الدین کو بتا چکا تھا کہ عبدالغفور خاں کی روش ٹھیک نہیں۔ اس خط سے قاضی موصوف کے بیان کی تصدیق ہو گئی، تاہم مولوی صاحب نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ یہی مناسب سمجھا کہ انتظار کریں اور دیکھیں حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔

سکھوں کے جس چھاپے کا ذکر ہم گزشتہ باب میں کر چکے ہیں، اس سے چند روز بعد پھر کوٹ میں عبدالغفور خاں کا ایک قاصد پکڑا گیا، اس کے پاس سے جو خط برآمد ہوا وہ اس امر کا مزید ثبوت تھا کہ عبدالغفور خاں معاندانہ حرکتوں میں بدستور سرگرم ہے۔ چنانچہ یہ خط لے کر ملا لعل محمد قندھاری، اخوند گل پشاوری اور قاضی احمد، مولوی صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ اس کا تدارک ہونا چاہئے، تساہل ہرگز مناسب نہیں۔

خیر خواہوں کا اصرار

روایت مظہر ہے:

> قاضی احمد نے بہت غصے ہو کر مولوی صاحب سے کہا، آپ اس مفسد کا تدارک نہیں کرتے بلکہ اس کے بھائی (کمال خاں) کو اپنا رفیق سمجھتے ہیں، یہ

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص: ۳۶۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بات خوب نہیں۔ اگر آپ ان کے مارنے کی تدبیر نہیں کرتے تو سمجھ لیجئے ہم سب ولایتی آپ کے دشمن جانی ہیں، کیونکہ یہ مفسد ہماری بیخ کنی کے درپے ہیں اور آپ اس کو ایک سہل سا معاملہ سمجھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ غفور خاں تو البتہ مفسد ہے اور اس کے خطوط بھی پکڑے گئے ہیں مگر کمال خاں نے تو آج تک کوئی فن فریب ہمارے ساتھ نہیں کیا، اگر باطن میں کچھ شرارت کرتا ہو تو وہ جانے، ہم کو خبر نہیں۔(۱)

غرض مولوی صاحب کسی تادیبی کارروائی کیلئے تیار نہ تھے، خصوصاً کمال خاں کو وہ عبدالغفور کی طرح مجرم ماننے پر بھی آمادہ نہ تھے، لیکن مقامی خیر خواہوں اور ولایتی مجاہدوں نے حد درجہ معقول دلائل اور محکم شواہد کی بنا پر ایسی روش اختیار کر لی کہ مجاہدین کا قیام بھی معرضِ خطر میں پڑ گیا، چنانچہ مولوی صاحب مجبوراً خود اس معاملے سے بے تعلق ہو گئے۔ مقامی آدمیوں اور ولایتی مجاہدوں نے بطور خود عبدالغفور خاں اور کمال خاں کو ختم کرنے کی اسکیم بنالی۔

سکھوں کو پیچھے ہٹانے کی تدبیر

بٹلوں میں قلعہ بنا لینے سے سکھوں کا خطرہ بہت بڑھ گیا تھا۔ پائندہ خاں نے اس خطرے کو ختم کرنے کی تدبیر یہ سوچی کہ بیر کھنڈ پر حملہ کر دیا جائے۔ خیال یہ تھا کہ ادھر دباؤ پڑے گا تو سکھ بٹلوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ چنانچہ پائندہ خاں اور مولوی صاحب شیر گڑھ سے بھوج درہ ہوتے ہوئے کینیا گئے، جو بیر کھنڈ سے صرف دو کوس تھا۔ وہاں چھ سات دن ٹھہرے رہے، لیکن بٹلوں میں سکھوں کی جمعیت پر کوئی اثر نہ پڑا۔ پائندہ خاں کا اندازہ صحیح ثابت نہ ہوا، لہٰذا وہ اور مولوی صاحب کینیا سے مراجعت پر مجبور ہو گئے۔

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۲۰۷۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوانینِ اگرور کے خلاف جرگہ

خوانینِ اگرور کو قتل کرنے کا منصوبہ جن اصحاب نے تیار کیا اور اسے پایۂ تکمیل پر پہنچایا، ان میں سے نمایاں اور ممتاز یہ ہیں:

۱- قاضی احمد ساکن قبولہ ۲- اخوند گل پشاوری ۳- ملا لعل محمد قندھاری

۴- ملا گلزار خیری ۵- نور محمد خرد جلال آبادی ۶- مقیم خاں ساکن

کالا باغ۔ ان کے علاوہ بھی متعدد لوگ شریک تھے، لیکن وہ سب مقامی یا ولایتی تھے، ہندوستانی کوئی نہ تھا۔

عبدالغفور خاں اپنے مرکز چوہان میں مقیم تھا۔ کمال خاں پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ کوٹ آیا ہوا تھا۔ قتل کا منصوبہ یہ قرار پایا کہ کچھ آدمی چوہان جا کر عبدالغفور خاں کو موت کے گھاٹ اتاریں، بندوقچی درمیانی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے رہیں، وہ چوہان میں بندوقیں چلنے کی آواز سنتے ہی خود بندوقیں سر کر دیں تا کہ کوٹ والے آگاہ ہو جائیں اور فی الفور کمال خاں پر حملہ کر کے اسے ختم کر ڈالیں۔ چنانچہ گلزار خیبری، نور محمد خرد جلال آبادی اور اخوند گل پشاوری پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ عبدالغفور کے قتل کیلئے چوہان گئے۔ ملا لعل محمد قندھاری اور مقیم خاں ساکن کالا باغ، کمال خاں کو ٹھکانے لگانے کی غرض سے کوٹ میں رہے۔

عبدالغفور خاں کا قتل

جو لوگ چوہان گئے تھے، وہ مسجد میں جا ٹھہرے۔ وہاں سے ایک گولی کی زد پر عبدالغفور خاں کی گڑھی تھی، جس کے ارد گرد تین طرف نالا بہتا تھا۔ مسجد کی سمت ہموار میدان تھا۔ عبدالغفور خاں دو خدمت گاروں کے ساتھ مسجد میں آیا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت حال کو بھانپ گیا تھا، تھوڑی دیر وہاں بیٹھا، پھر یہ کہتے ہوئے اٹھا کہ میں گڑھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں جا کر آپ لوگوں کیلئے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔ نور محمد خود قرابین لے کر ساتھ ہو گیا، اخوند گل پشاوری نے ساتھیوں سے کہا دیکھتے کیا ہو، ہلہ بولو، سب لوگ تلواریں کھینچ کر دوڑے۔ عبدالغفور خاں نالے کی طرف بھاگا، نور محمد نے قرابین ماری اور وہ نشیب میں گر کر جاں بحق ہو گیا۔

کمال خاں کا خاتمہ

قرابین کی آواز سنتے ہی ان لوگوں نے بندوقیں داغ دیں جو درمیانی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے تھے۔ اس طرح کوٹ میں عبدالغفور خاں کے مارے جانے کی خبر پہنچ گئی۔ ملا لعل محمد اور مقیم خاں مشورے کی غرض سے کمال خاں کو چھت پر لے گئے، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جسے دیکھنے کے بہانے ملا لعل محمد نے لے لیا۔ مقیم خاں نے قرابین ماری۔ کمال خاں گرتے ہی ختم ہو گیا اور صرف یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے:

''مقیم خاں! تم نے دغا کی۔''

انتظامات

اس المیے کی اطلاع شائی خاں میں شیخ ولی محمد کے پاس پہنچی تو موصوف اور مجاہدین بے حد متالم ہوئے۔ اسی وقت شیخ صاحب نے حسن خاں عظیم آبادی (۱)، کریم اللہ خاں میواتی (۲)، کریم بخش سہارنپوری (۳) اور ملا الہام الدین (۴) کو چوہان بھیج دیا کہ عبدالغفور خاں کی تجہیز و تکفین کا انتظام کریں۔ اس کے اہل وعیال اور مال و اسباب کو

(۱) یہ صاحب کچھ مدت بعد ٹونک چلے آئے تھے نواب وزیر الدولہ نے انہیں اسلحہ خانے کا داروغہ بنا لیا تھا۔

(۲) یہ بھی ٹونک میں ملازم ہو گئے تھے۔

(۳) یہ ٹونک ہوتے ہوئے مکہ معظمہ چلے گئے تھے، وہیں مقیم رہے اور وفات پائی۔

(۴) یہ بھی ٹونک آ گئے تھے اور نواب وزیر الدولہ نے انہیں رسالدار کا عہدہ دے دیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حفاظت میں لے لیں۔ چنانچہ یہ لوگ چوہان پہنچے۔ عبدالغفور خاں کے بیٹے کو مستورات نے لنا کے پاس بستی میں بھیج دیا تھا۔ کمال خاں کا بیٹا جس کی عمر سات برس کی ہوگی، گڑھی سے آ کر حسن خاں کی گود میں بیٹھ گیا اور بولا:

> میرا باپ جب کوٹ میں جانے لگا تو وصیت کر گیا تھا کہ بیٹا! اگر میں مارا جاؤں تو تم اپنی ماں کو لے کر قلعہ شائی خاں میں مولوی صاحب کے پاس چلے جانا، وہ تمہاری معاش کے لئے کچھ مقرر کر دیں گے۔ یہاں تمہارا چچا (عبدالغفور خاں) تمہیں روٹی نہ دے گا۔

بچے کی یہ باتیں سن کر حسن خاں اور ان کے ساتھی آب دیدہ ہو گئے۔ عبدالغفور خاں کو دفن کر دیا۔ گڑھی میں اس کے اہل و عیال اور دوسرے متعلقین کیلئے کھانا پکوا کر بھیجوایا۔ چار وقت تک کھانے کا انتظام مجاہدین کی طرف سے ہوتا رہا، بعد ازاں عبدالغفور خاں اور کمال خاں کے بال بچوں کو بستی میں بھجوا دیا۔ ان کے دو بھتیجوں اللہ داد خاں اور جمعہ خاں سے بھی کہہ دیا کہ اطمینان سے رہو، تم سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ گڑھی میں اپنے پہرے مقرر کر دیے۔

پائندہ خاں کی آرزو

یوں مدتِ مدید کے بعد پائندہ خاں کی آرزوئے انتقام پوری ہو گئی۔ وہ خود خوانین اگرور کو ٹھکانے نہ لگا سکا تھا، قدرت ہی کی جانب سے اس امر کا انتظام ہو گیا۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، پائندہ خاں کے تدبر کا کمال یہ ہے کہ اس نے مجاہدین کو جسی کوٹ میں بٹھاتے وقت اشارۃً بھی اس مقصد کا ذکر نہ کیا تھا، اور اس کی تکمیل حالات کی طبعی رفتار پر چھوڑ دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے پختہ یقین تھا کہ مجاہدین کو جسی کوٹ میں بٹھا دینے ہی سے اصل مقصد پورا ہو جائے گا، اگرچہ یہ اندازہ نہ ہو کہ کیونکر پورا ہوگا۔ مجاہدین کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اگروریوں سے کسی نوع کی کشمکش پیدا ہوگی، عبدالغفور خاں کی دورُخی نے معاملات آخری منزل پر پہنچا دیے۔

دونوں بھائیوں میں سے کمال خاں کا قتل اس لئے حد درجہ دردناک ہے کہ اس سے مجاہدین کے خلاف عناد کی کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی، جیسا کہ مولوی نصیرالدین خود اعتراف فرما چکے تھے۔ لیکن مقامی لوگوں اور ولایتیوں نے اسے غالباً اس وجہ سے قتل کیا کہ ممکن ہے، کمال خاں بعد ازاں بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ہنگامہ بپا کرے۔ یہ بہرحال نظر بہ ظاہر اس کے مظلوم مارے جانے سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ (۱)

(۱) "وقائع" کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ سید صاحب پنجتار سے ہجرت کرکے پکھلی کی طرف گئے تھے تو کمال خاں کی خواہش تھی، آپ کو اگرور میں دعوت دے۔ عبدالغفور خاں کی پس و پیش کے باعث اس پر عمل نہ ہو سکا۔ جلد سوم ص: ۴۶۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پندرھواں باب:

بٹلوں میں خونریز جنگ

بٹلوں پر حملے کی تیاری

بٹلوں سے سکھوں کو نکالنے کے لئے پایندہ خاں اور مولوی نصیرالدین نے بیر کھنڈ کی جانب پیش قدمی کی تھی، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بعدازاں اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ براہِ راست بٹلوں پر حملہ کیا جائے، کوٹ میں مجاہدین نے جو مورچے بنائے تھے ان کی غرض بھی یہی تھی، چنانچہ مولوی نصیرالدین نے حملے کے لئے تیاری شروع کر دی۔

بٹلوں میں سکھوں نے دفاعی استحکامات کمال پر پہنچا رکھے تھے، مثلاً کوٹ کی طرف بٹلوں کے عین سامنے ایک نالا تھا۔ یہ بٹلوں کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان تھا۔ خود بٹلوں ایک میدان میں واقع تھا اور اس کی پشت پر پہاڑ کے دامن میں قلعہ تھا، قلعے کے آگے ایک اونچی جگہ تھی، جس کے اردگرد جنگلی سیوتی اور عناب کے کانٹوں کی باڑ لگا کر مضبوط سنگر بنا لیا تھا۔ اس باڑ کے بیرونی حصے میں تختے نصب کر دیے گئے تھے۔ باڑ اتنی اونچی تھی کہ اندر آدمی کھڑا ہو جائے تو باہر سے محض سر نظر آ سکتا تھا۔ اس میں صرف ایک دروازہ تھا جو شرقی جانب واقع تھا، گویا یہ اونچی جگہ بھی ایک مضبوط گڑھی بن گئی تھی۔ سکھوں کی جمعیت چار پانچ ہزار سے کم نہ تھی، اتنی بڑی جمعیت اور اعلیٰ استحکامات کے ہوتے ہوئے حملہ سہل نہ تھا، تاہم مولوی صاحب نے ضروری سامان تیار کر لینے کا حکم دے دیا، چنانچہ سید قطب شاہ حیدرآبادی دکنی نے بہت سے سینگ اور بھینسوں کی آنتیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارود سے بھر لیں تا کہ حملے سے پیشتر انہیں آگ دے کر سکھوں پر پھینک سکیں۔ متعدد
نثیاں بھی بنالیں تا کہ حملے کے وقت انہیں بار کے ساتھ لگا کر سنگر کے اندر پہنچ سکیں۔

کوٹ سے روانگی

تیاریاں مکمل ہو گئیں تو مولوی صاحب نے مجاہدین میں گولی بارود تقسیم کردی، وہ
سب چار سو کے لگ بھگ تھے۔ کوٹ میں جو چیزیں اور جنسیں موجود تھیں، وہ سب میر
مبارک علی جھنجھانوی اور شیخ محمد سہارنپوری کے حوالے کردیں کہ شائی خاں لے جائیں۔
گویا مولوی صاحب ایک فیصلہ کن حملے کا ارادہ کر چکے تھے، جس میں اندیشہ تھا کہ ممکن
ہے، سکھوں کے جوابی حملے کی وجہ سے کوٹ خطرے میں پڑ جائے۔ عصر، مغرب اور عشاء
کی نمازوں میں سر برہنہ ہو کر دعا کی کہ جس کام کیلئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے پورا
کرنے کی توفیق دے اور استقامت نصیب کرے۔ مجاہدین کو تاکید کی کہ گناہوں سے
تائب ہو کر مغفرت کی دعائیں مانگو، عشاء کے بعد کمر بندی کا حکم دیا۔ چلنے لگے تو فرمایا:

> بھائیو! اب کوئی فضول بات زبان سے نہ نکالو، صرف سورۂ قریش کا ورد
> جاری رکھو۔

خود مولوی صاحب خچر پر سوار ہوئے، مجاہدین پیادہ تھے۔

ابتدائی حملہ

چلتے چلتے نالے پر پہنچے، جس میں کمر تک پانی تھا۔ وہاں سے تقریباً نصف کوس سنگر
تھا۔ اسے بائیں جانب چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے تا کہ اوپر سے اتر کر حملہ کریں۔ جب
مجاہدین چڑھتے چڑھتے سنگر کے محاذ میں پہنچ گئے تو سب نے اول وقت نماز ادا کی۔ آگے
بڑھے تو پچاس ساٹھ سکھ نظر آئے، جو سنگر سے نکل کر آرہے تھے، مگر اندھیرے میں نہ
سکھوں نے مجاہدین کو پہچانا، نہ مجاہدین نے سکھوں کو۔ ایک سکھ نے پنجابی میں پوچھا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تم کس کے ڈیرے سے آئے ہو؟

ایک ہندوستانی نے جواب دیا:

تو کیا کہتا ہے؟

یہ سن کر سب سکھ ''مجاہدین آگئے، مجاہدین آگئے'' پکارتے ہوئے سنگر کی طرف بھاگے۔ مجاہدین بلند آواز سے تکبیر کہہ کر حملہ آور ہوئے۔ سنگر وہاں سے کوئی نصف میل تھا سکھ بندوقیں لے کر تیار ہو گئے اور گولیاں برسانے لگے، لیکن مجاہدین ایک لمحے کے لئے بھی نہ رکے۔ ملا لعل محمد قندھاری کے نشان بردار لال میر قندھاری نے گولیوں کی بارش میں اپنا نشان سنگر کی باڑ پر جا کر گاڑا، باقی چار نشان برداروں نے بھی یکے بعد دیگرے اپنے نشان وہیں پہنچا دیے۔ اس حملے میں پندرہ سولہ مجاہدین شہادت پا گئے۔

مجاہدین کی پریشانی

اس موقع پر مجاہدین کو اس وجہ سے سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ وہ باڑ سے کود کر سنگر کے اندر نہ جا سکتے تھے۔ اس مقصد کیلئے قطب شاہ حیدر آبادی نے جو سامان تیار کیا تھا یعنی بارود سے بھرے ہوئے سینگ، بارود سے بھری ہوئی بھینسوں کی آنتیں اور ٹٹیاں، وہ سب پہاڑ ہی پر رہ گئی تھیں۔ حملہ اس طرح اچانک اور آناً فاناً ہوا کہ عجلت میں یہ سامان ساتھ نہ لیا جا سکا۔ سکھ سنگر کے اندر بیٹھ گئے اور مجاہدین کی گولیوں سے بڑی حد تک محفوظ ہو گئے، لیکن خود مجاہدین ہر سمت سے گولیوں کا ہدف بنے ہوئے تھے اور ان کے گرد و پیش کوئی اوٹ نہ تھی۔ پہاڑ پر سے ٹٹیاں یا دوسرا سامان لانا اس وقت غیر ممکن تھا، قطب شاہ نے بانکا(۱) اٹھایا اور ایک مقام سے باڑ کاٹنے لگے، مگر ظاہر ہے کہ اس قسم کی کوئی تدبیر چنداں مؤثر نہ ہو سکتی تھی۔ خود مولوی صاحب مجاہدین سے پیچھے، پہاڑ کی اونچائی پر کھڑے لڑائی کا حال

(۱) بانکا بانس یا شاخیں یا باڑ کاٹنے کا چھرا ہوتا ہے، جسے روایتوں میں کتا (بکاف مفتوح) بتایا گیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ خرد اور شیخ فتح علی عظیم آبادی ان کے پاس تھے۔

ملا لعل محمد کی شہادت

مجاہدین کی خاصی بڑی تعداد شہید ہو چکی تھی۔ سکھوں کی گولیاں مینہ کی طرح برس رہی تھیں۔ یہ حال دیکھ کر ایک جماعت سنگر سے تھوڑے فاصلے پر ٹھٹک کر رہ گئی۔ ملا لعل محمد قندھاری نے لاٹھی اٹھائی اور ان لوگوں کو سنگر پر حملے کا حکم دینے کے لئے چلے، عین اس حالت میں ان کے قلب پر گولی لگی اور شہید ہو گئے۔(۱)

مولوی نصیرالدین کے ہمراہیوں میں ملا لعل محمد قندھاری کو وہی بلند درجہ حاصل تھا جس پر سید صاحب کے رفقاء میں سے مولانا شاہ اسماعیل فائز تھے۔ جماعت مجاہدین کے لئے یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ ملائے موصوف نے اس زمانے میں سید صاحب کی رفاقت اختیار کی تھی جب آپ بہ قصد جہاد قندھار سے کابل کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ کم وبیش سات سال جماعت مجاہدین کے روح رواں بنے رہے۔ اکثر لڑائیوں میں انہیں سبقت کا شرف حاصل ہوا۔ بہت جوانمرد اور صالح بزرگ تھے۔ جنگ مردان کے بعد مولانا شاہ اسماعیل نے دو مجاہدوں کے کارناموں کو بے حد قابل قدر قرار دیا تھا: ایک مولوی مظہر علی عظیم آبادی کہ آغاز جنگ ہی میں گولی کا ہدف بنے، لیکن یہ واقعہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا، گولی کھا کر زمین پر اس انداز میں بیٹھ گئے کہ معلوم ہوا پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے۔ تمام رفیقوں کو پکار پکار کر فرما رہے تھے: ''تم چلو میں ابھی آتا ہوں''۔ دوسرے مجاہد ملا لعل محمد قندھاری تھے، مردان کے ایک برج سے برابر گولیوں کی بارش ہو رہی تھی، ملا لعل محمد اس کے پاس پہنچ گئے اور ساتھیوں کو پشتو میں حکم دیا: ''اندر پائی راوڑا، اندر پائی رواڑا'' یعنی

(۱) روایت مظہر ہے کہ گولی ملا لعل محمد کے جانب چپ پہلو میں لگی۔ چونکہ ان کی موت ناگہاناً واقع ہوئی اس لئے میرا خیال ہے کہ موصوف کا قلب صافی گولی کا نشانہ بنا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سیڑھی لاؤ، سیڑھی لاؤ۔ حالانکہ وہاں کوئی سیڑھی نہ تھی۔ برج والوں نے سمجھا کہ مجاہدین اوپر چڑھتے ہی ان کا خاتمہ کردیں گے لہٰذا اُنہوں نے ہتھیار نیچے پھینک دیے اور اپنے آپ کو حوالے کردیا۔

اس کتاب کے دسویں باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ علاقہ الائی کے لوگوں سے جنگ پیش آئی تھی تو ملا لعل محمد کے بھی کلائی پر گولی لگی تھی۔ کسی مجاہد نے کہا کہ ملا صاحب زخمی ہوگئے تو موصوف نے اس کے تھپڑ مارتے ہوئے کہا ایسی بات کیوں کہتا ہے جس سے رفیقوں میں ہراس پیدا ہو۔ ملائے موصوف نے سید صاحب کی رفاقت اختیار کرنے کے بعد زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں گزارا اور وطن مالوف سے ہزاروں میل دور عالم غربت میں شہادت پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

قطب شاہ کی مردانگی

ملا لعل محمد کی شہادت کے ساتھ ہی قطب شاہ کے شانے پر گولہ لگا اور تلوار کا سا زخم ہوگیا۔ نیچے کا گوشت نیچے لٹک پڑا اوپر کا گوشت اوپر چڑھ گیا۔ انہوں نے پانی مانگا، ملا الہام الدین جنہوں نے قطب شاہ سے قرابین کی لھرماری سیکھی تھی، پاس کھڑے تھے لیکن نہ پانی نزدیک تھا، نہ ساتھ کوئی برتن تھا۔ وہ گولیوں کی بارش میں نالے کی طرف دوڑے، اپنی چادر پانی میں بھگولائے اور نچوڑ کر پانی قطب شاہ کے منہ میں ٹپکایا۔ دو گھونٹ حلق سے اترتے ہی قطب شاہ شدید زخم کے باوجود اٹھے اور اپنا بانکا ہاتھ میں لئے مولوی نصیر الدین کے پاس پہنچ گئے۔

مولوی صاحب کا عزمِ اقدام

اُس وقت تک پچاس سے اوپر مجاہدین شہادت پا چکے تھے اور کوئی ستر زخمی ہو چکے تھے۔ مولوی صاحب نے یہ نقشہ دیکھا تو شمشیر و علم لے کر چلے کہ اب تنہا ہمارا جینا بالکل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بے لطف ہے، جہاں ہمارے بھائی شہید ہوئے، وہیں ہم بھی شہید ہوں گے۔ شیخ فتح علی اور عبداللہ دونوں روکنے کیلئے ان سے لپٹ گئے مگر مولوی صاحب نہ رکے۔ شیخ وزیر پھلتی نے دور سے انہیں آتے دیکھا تو قرابین کندھے پر ڈال کر دوڑے۔ مولوی صاحب کا راستہ روک لیا اور کہا: آپ کہاں جاتے ہیں؟ آپ ہی کے دم سے یہ انتظام قائم ہے۔ ہم لوگ کتنی ہی تعداد میں شہید ہو جائیں، کچھ حرج نہیں۔ آپ کے نہ ہونے سے جہاد کا پورا کاروبار درہم برہم ہو جائے گا۔ غرض شیخ موصوف بہ زور انہیں پھیر کر پیچھے لے گئے۔

مجاہدین کی ایک تدبیر

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھ گولے گولیاں پھینکتے پھینکتے تھک چکے تھے اور ہانڈیاں، گھڑے، پتھر، لکڑیاں جو کچھ ان کے ہاتھ آتا، مجاہدین پر پھینکتے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اب لشکر کے اندر پہنچنا مشکل ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم لوگ پیچھے ہٹیں، سکھ ہمیں پسپا ہوتے دیکھ کر تعاقب میں نکلیں گے۔ جب وہ خاصی تعداد میں باہر آ جائیں تو ایک دم پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اس منصوبے پر عمل ہوا۔ جب سکھ سو سوا سو قدم لشکر سے باہر آ گئے تو مولوی صاحب نے بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے حکم دیا کہ بھائیو! اب حملہ کر کے انہیں ختم کر ڈالو۔ چنانچہ مجاہدین اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے تلواریں سونت کر ان پر جا پڑے۔ اس حملے میں بھی بہت سے سکھ مارے گئے۔ باقی پھر بھاگ کر لشکر میں داخل ہو گئے۔ جو گڑھی کے قریب تھے، وہ گڑھی میں چلے گئے۔

مجاہدین کی مراجعت

اس آخری حملے کے بعد مولوی صاحب نے مراجعت کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ بٹلوں سے چلے اور بالی منگ کے گورستان میں پہنچ کر ظہر کی نماز ادا کی۔ عصر کے وقت اپنے مرکز کوٹ میں داخل ہو گئے۔ جنگ کے متعلق مفصل اطلاعات شیخ ولی محمد امیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت کے پاس شائی خاں بھیج دی تھیں، اگلے روز وہاں سے رسد کا سامان آ گیا۔ مولوی صاحب نے برج کی مرمت کرا دی اور پچاس مجاہدین کی جماعت اس میں متعین کر دی۔

تیسرے روز بنلوں کی طرف سے دھوئیں کے بادل اٹھتے ہوئے نظر آئے۔ مولوی صاحب نے پچاس مجاہدین کو تفتیش احوال کے لئے بھیجا تو معلوم ہوا کہ سکھوں نے منگر کو آگ لگا دی اور خود قلعہ چھوڑ کر شنکیاری چلے گئے۔

نقصان کی تفصیلات

ابتدا میں اندازہ تھا کہ لڑائی میں کم و بیش سات سو سکھ مارے گئے، بعد میں قرب وجوار کے مقامی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ مقتولین کی تعداد چار سو سے زیادہ نہ تھی۔ عبداللہ نام ایک نومسلم سکھ نے بھی اس تعداد کی تصدیق کی۔ وہ اسلام لانے سے پیشتر مجاہدین کے خلاف رہا تھا، مسلمان ہو کر شیخ ولی محمد کے قافلے کے ساتھ مندھ پہنچا۔ سید عبدالرحمٰن (خواہرزادہ سید صاحب) نے اس کیلئے سفر حج کا انتظام کر دیا، باقی عمر اس نے حرمین شریفین ہی میں گزاری۔

لڑائی کا نتیجہ

ہم بتا چکے ہیں کہ مجاہد شہیدوں کی تعداد پچاس سے کچھ اوپر تھی۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کے سوا کسی کا نام معلوم نہ ہو سکا:

ملا لعل محمد قندھاری، برکات مظفر آبادی، عبدالستار پشاوری، شاہین خاں مشوانی ساکن علاقہ گنگر نزد تربیلہ، رحیم بخش ساکن ہانسی، میر مردان علی میرٹھی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ سکھوں نے گڑھی اور منگر کے درمیان ایک لمبی سی قبر کھود کر تمام شہیدوں کو اس میں دفن کرا دیا۔ سکھوں کے ہمراہی مسلمانوں نے بتایا کہ یہی مجاہدوں کا گنج شہیداں ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملا لعل محمد قندھاری کے بہلے میں تینتیس آدمی تھے۔ ان میں سے اکتیس بٹلوں ہی میں شہید ہوئے، صرف لال میر خاں نشان بردار اور نور محمد کلاں کوہاٹی زندہ بچے۔ تقریباً ستر مجاہد زخمی ہوئے تھے، وہ بفضل خدا چند روز میں اچھے ہو گئے۔

دیشی اور اگرور کے قیام میں مجاہدین نے جو لڑائیاں کیں، ان میں سے بٹلوں کی لڑائی سب سے زیادہ خونریز تھی۔ مجاہدین کا مقصد یہ تھا کہ سکھ بٹلوں سے نکل جائیں۔ لڑائی سے یہ مقصد پورا ہو گیا اگرچہ اس سلسلے میں مجاہدین کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ سید صاحب کی ترتیباتِ جہاد کا موقع، محل اور وقت ایسا تھا کہ اس میں تدبیر سے کہیں زیادہ شجاعت و مردانگی ضروری تھی۔ بٹلوں کی لڑائی میں اگرچہ تدبیر نظر انداز نہ ہوئی تاہم یہ مجاہدین کی شجاعت ہی کا ایک قابلِ فخر کارنامہ تھی، اگر انہیں پائندہ خاں کی بدعہدی سے سابقہ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ وہ بہت جلد ضلع ہزارہ میں ایک مستحکم محاذِ جہاد قائم کر لیتے۔ چند سال بعد رنجیت سنگھ کی وفات پر سکھوں کی حکومت میں خوفناک ابتری پیدا ہو گئی۔ اگر اس موقع پر مجاہدین کا محاذ موجود ہوتا تو اغلب تھا کہ وہ پورے سرحدی علاقے کو قبضے میں لے آتے اور اس حصے کی چند سالہ سرگزشت کا اسلوب و نہج بالکل مختلف ہوتا، لیکن اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

یک کاشکے بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم!

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سولہواں باب:

پاینده خاں کی عہد شکنی

پاینده خاں اور خوانینِ اگرور

ہم بتا چکے ہیں کہ پاینده خاں اور خوانینِ اگرور کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ کشمکش میں خوانین اپنے وطن سے نکل کر علاقۂ دیشی میں مقیم ہو گئے تھے، تاہم ان کی طرف سے پے درپے یورش اور چھاپوں کا شدید خطرہ تھا۔ پاینده خاں مجاہدین کو زیادہ تر اس خیال سے جسی کوٹ لایا تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے خوانینِ اگرور چھاپے نہ مار سکیں گے۔ اس مقصد میں اسے پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ عبدالغفور خاں نے اس لئے مجاہدین کا ساتھ دیا تھا کہ ان کی وساطت سے اگرور میں دوبارہ آباد ہو جانے کی امید تھی۔ مجاہدین پاینده خاں کی شدید دشمنی کے پیش نظر بہ طورِ خود عبدالغفور خاں کو اگرور نہ لا سکتے تھے، اسے مایوسی ہوگئی تو خفیہ خفیہ اپنے ماموں حبیب اللہ خاں کے ذریعے سے سکھوں کے ساتھ ساز باز کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور اس کا بھائی کمال خاں مارے گئے اور اس خطرے کا استیصال ہو گیا جو مجاہدین کو جسی کوٹ میں لانے کا موجب بنا تھا۔ ساتھ ہی پاینده خاں کی روش بھی بدل گئی اور وہ حیلوں بہانوں سے مجاہدین کو نکالنے کی تدبیریں کرنے لگا۔

بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مقامی رئیسوں نے پاینده خاں کو اس امر کی طرف متوجہ کیا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم آپ کے فرمانبردار رہیں گے، باقاعدہ خراج ادا کریں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ مجاہدین کو نکال دیجئے۔ وجوہ کچھ ہوں، پاینده خاں اپنے عہد پر قائم نہ رہا اور مجاہدین کو مسلسل خبریں ملنے لگیں کہ وہ اپنی عادت کے مطابق پُر پیچ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چالیں اختیار کرنے کے درپے ہے۔

الائی پر چھاپے

اگرچہ الائی کے لوگ مجاہدین کی فرمانبرداری کا اقرار کر چکے تھے، تاہم وہ سکھوں کی انگیخت اور امداد کی بنا پر مخالفانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ بٹلوں کی لڑائی سے دو اڑھائی مہینے بعد مقیم خاں نے مولوی نصیرالدین سے اجازت لے کر ان پر ایک چھاپہ مارا اور بہت سے جانور پکڑ کر لے آیا۔ تقریباً دو ہفتے کے بعد معلوم ہوا کہ الائی والے سکھوں کی اعانت سے مجاہدین پر شبخون مارنا چاہتے ہیں۔ مقیم خاں چھتیس مجاہدوں کے ساتھ دوبارہ ان کی گوشمالی کیلئے روانہ ہوا۔ ایک رات جٹن بوڑی میں گزاری، دوسرے روز الائی کے جنوبی پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوئی۔ موضع بہاری کے نالے پر مجاہدین نے صبح کی نماز ادا کی۔ اس مرتبہ بھی بہت سے جانور پکڑ لیے، لیکن الائی والوں نے بڑی تعداد میں جمع ہو کر تعاقب کیا اور تھوڑا سا چکر کاٹ کر ایسی جگہ قدم جما کر بیٹھ گئے، جہاں سے مجاہدین کو واپس جانا تھا۔ وہ چھ سات سو سے کم نہ تھے۔ بہادر مقیم خاں نے ایک جگہ پیچھے تعاقب کرنے والوں پر حملہ کیا اور ان کے سات آٹھ آدمی قتل کر دیے، وہ پسپا ہو کر بھاگے۔ پھر ان لوگوں پر دھاوا بول دیا، جنہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ تین چار آدمی ان کے بھی زخمی ہوئے، وہ راستہ چھوڑ کر آس پاس کے پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔

مقیم خاں کی شہادت

مجاہدین دو تین میل آگے بڑھ کر ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو ٹیلوں کے درمیان نشیب تھا۔ دفعۃً دونوں ٹیلوں سے ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ مقیم خاں کے پاس قرابین تھی، اس نے تین چار بار قرابین چلائی، مگر نہ چلی۔ اس اثناء میں ایک آدمی قریب پہنچ گیا۔ مقیم خاں نے قرابین اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری اور اس کا سر پھٹ گیا، لیکن اوپر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے ایک آدمی نے بھاری پتھر مقیم خاں کی طرف لڑھکا دیا جو موصوف کی گردن میں لگا۔ وہ بے تاب ہو کر گرا۔ دوسرے لوگوں نے تلواروں سے اسے شہید کر ڈالا۔ مقیم خاں کے علاوہ پانچ اور مجاہد شہید ہو گئے اور دو زخمی ہوئے۔ مخالفوں کے پندرہ سولہ آدمی مارے گئے۔ مجاہدین ان کے مقابلے میں بہت کم تھے لہذا جانور چھوڑ کر چلے آئے اور کا کڑ شنگ ٹھہرتے ہوئے شائی خاں پہنچ گئے۔

دوسرا بڑا نقصان

ملا لعل محمد قندھاری کی شہادت کے بعد مقیم خاں کی شہادت جماعتِ مجاہدین کے لئے دوسرا بڑا نقصان تھی۔ یہ جوانمرد مجاہد کا ناباغ کا اعوان تھا۔ کچھ معلوم نہیں کہ کس زمانے میں مجاہدین کے ساتھ شریک ہوا، ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ سید صاحب کے عہد میں اس کا ذکر نہ سنا گیا۔ جب مجاہدین جسی کوٹ اور شائی خاں میں آئے تو مختلف مہموں میں مقیم خاں نے نمایاں خدمات انجام دیں، اسی بنا پر اسے ایک جماعت کا سالار بنا دیا گیا تھا۔ مجاہدین کی اصطلاح میں اسے جمعداری کا عہدہ کہا جاتا تھا۔ اس پہاڑ کے کسی حصے میں شہادت پائی جو الائی کے علاقے کو نندھیاڑ وغیرہ سے جدا کرتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اسے کہاں دفن کیا گیا۔ مولوی نصیر الدین اور شیخ ولی محمد کو مقیم خاں کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بہت افسوس کیا۔

مولوی صاحب کا عزمِ امب

پایندہ خاں نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ پختہ کر کے مولوی نصیر الدین کو امب بلایا۔ موصوف سن چکے تھے کہ خان مخالفانہ تدبیروں میں مشغول ہے، لہٰذا دعوت کو ٹال گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ خان نے دوبارہ تاکیداً بلایا تو مولوی صاحب نے مجاہدین میں سے ستی آدمی چن لئے، جن میں سے بیس پچیس قرابین دار تھے اور باقی بندوقچی۔ قلعہ شائی

خاں سے روانہ ہو کر دو روز جسی کوٹ میں رہے۔ آگے بڑھے تو ہری گاہ نالے پر شملی کے قاضی صاحب ملے جو پائندہ خاں کے چھوٹے بھائی مدد خاں کے قاضی تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ پائندہ خاں کے پاس جانا مناسب نہیں، اسلئے کہ وہ فریب کار ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہم خدا کے اعتماد پر جاتے ہیں، وہی ہماری حفاظت کرے گا۔

ایک رات تکہ پانی میں گزاری۔ دریائے سندھ کو عبور کر کے چھتر بائی پہنچے۔ مولوی صاحب کا دستور تھا کہ مجاہدین کے ساتھ دریا عبور کرتے تو ملاحوں کو پچاس روپے یا پچیس روپے اور ایک بیل دیتے۔ ظہر کی نماز بلوچوں کی گڑھی (۱) میں ادا کی۔

امب میں داخلہ

بلوچوں کی گڑھی سے مولوی صاحب خچر پر سوار ہوئے۔ قراجن دار آگے تھے اور بندوقچی پیچھے۔ وہ عموماً امب کی جامع مسجد میں ٹھہرا کرتے تھے، لیکن اس موقع پر بستی کو دائیں جانب چھوڑتے ہوئے کھیتوں میں سے قلعے کی طرف بڑھے۔ راستے میں محمد اسلا جمعدار ملا جو پائندہ خاں کا مختار کار تھا۔ اس نے مولوی صاحب کو دیکھا تو کہا: آج آپ اس ٹھاٹ سے آئے ہیں کہ پہلے یہ ٹھاٹ ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ قلعے کے دروازے پر پائندہ خاں کا دوسرا معتمد جمعدار شاما ملا۔ مولوی صاحب نے اسے کہا: خان کو سلام پہنچاؤ اور پوچھو کہ جہاں اجازت ہو، ہم ٹھہر جائیں۔ پائندہ خاں نے جواب میں سلام اور مزاج پرسی کے بعد کہلوایا کہ جہاں آپ ہمیشہ ٹھہرا کرتے ہیں، وہیں ٹھہریں۔

(۱) اس مقام کو آج کل امب جدید کہتے ہیں۔ ۱۸۶۳ء کی طغیانی میں چھتر بائی، بلوچوں کی گڑھی، امب قدیم، ستھانہ وغیرہ تمام مقامات تباہ ہو گئے تھے۔ پائندہ خاں نے نیا امب بلوچوں کی گڑھی کی جگہ تعمیر کرایا۔ یہی آج کل امب کہلاتا ہے۔ امب قدیم کے مقام پر بھی ایک چھوٹا سا موضع آباد ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملاقات میں تذبذب

اگلے دن جمعہ تھا، پائندہ خاں نماز جمعہ کیلئے نہ آیا۔ عصر کے وقت دو ڈھائی سو آدمی ساتھ لے کر مسجد میں پہنچا، جن میں سے چالیس پچاس ننگی تلواریں لئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھا۔ مولوی صاحب قبلہ رو تھے، پائندہ خاں ان کے مقابل تھا۔ زیادہ بات چیت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر لوٹ گیا کہ کل آپ کو قلعے میں بلایا جائے گا۔

صبح کو پیغام بھیجا کہ مولوی صاحب پانچ چھ آدمی لے کر قلعے میں آجائیں۔ موصوف نے ساتھیوں میں سے پانچ چھ کو حکم دے دیا کہ تیار ہو جاؤ۔ شیخ وزیر پھلتی نے اپنے رفیقوں سے کہا: بھائیو! آپ خوب جانتے ہیں کہ پائندہ خاں بڑا فریبی اور مفسد ہے۔ اگر خدانخواستہ مولوی صاحب کو اس نے کوئی گزند پہنچایا تو ہم سے کچھ بھی نہ بن پڑے گا، مناسب یہ ہے کہ ہم لوگ مولوی صاحب کے پیچھے چلیں اور ان کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ چنانچہ مولوی صاحب روانہ ہوئے تو باقی مجاہدین بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ صرف تین آدمی اسباب کی حفاظت کیلئے ڈیرے پر رہ گئے۔ قلعے کا دروازہ کھلا اور پانچ چھ آدمی جو مولوی صاحب کے ساتھ تھے، اندر داخل ہو گئے۔ دربان دروازہ بند کرنا چاہتا تھا کہ باقی مجاہدین میں سے دو چار نے دھکا لگایا اور آناً فاناً سب اندر داخل ہو گئے۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی پائندہ خاں پر ہراس طاری ہو گیا۔ معمولی مزاج پرسی کے بعد اس نے مولوی صاحب کو بٹھایا بھی نہیں، خود کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ ڈیرے پر تشریف لے چلیں، میں کل وہیں حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ مولوی صاحب پھر بات چیت کے بغیر واپس ہو گئے۔

گفت وشنید

اس کے بعد مولوی صاحب تقریباً ایک مہینہ امب میں مقیم رہے، لیکن نہ پائندہ خاں ملاقات کے لئے خود آیا، نہ مولوی صاحب کو اپنے پاس بلایا۔ البتہ شاہا جمعدار کے ذریعے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے اس نے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجاہدین قلعہ شائی خاں خالی کر دیں اور جسی کوٹ میں رہیں۔ مولوی صاحب نے اس کا جو جواب دیا وہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے:

> ہم تو پایندہ خاں کے بلانے سے اس ملک میں آئے ہیں اور انہیں کی مرضی سے رہتے ہیں۔ اگر رہیں گے تو قلعہ شائی خاں میں رہیں گے، ورنہ نہ وہاں رہیں گے، نہ اگر ور میں۔ ہم لوگ اپنے وطنوں سے صرف خدا کی رضامندی کی خاطر یہاں آئے ہیں، دنیا کمانے کو نہیں آئے۔ اگر طالب دنیا ہوتے تو کیا ہمارے وطن میں مال دنیا کم تھا؟(۱)

پایندہ خاں اپنے مطالبہ پر مصر رہا اور مولوی صاحب اپنے جواب پر قائم رہے۔

شیخ ولی محمد کو پیغام

جب مولوی صاحب کو یقین ہو گیا کہ پایندہ خاں سے مفاہمت کی کوئی امید نہیں رہی تو شیخ ولی محمد کو پورے حالات لکھ بھیجے۔ ساتھ ہی کہا کہ آپ اہل و عیال جسی کوٹ بھیج دیں اور خود تیار رہیں، ہم جسی کوٹ پہنچ کر آپ کو اطلاع دیں گے تو قلعہ شائی خاں پایندہ خاں کے آدمیوں کو سونپ کر جسی کوٹ آ جانا۔ شیخ صاحب نے اپنے اہل و عیال کو عبدالقیوم اور اپنے برادر بھتیجے عبداللہ کے ہمراہ ستھانہ بھیج دیا، کچھ دن بعد باقی مجاہدین کے اہل و عیال بھی ستھانہ روانہ کر دیے۔ قلعہ شائی خاں پایندہ خاں کے حوالے ہو گیا اور شیخ صاحب جسی کوٹ پہنچ گئے، جہاں چند روز بعد مولوی صاحب بھی ان سے جا ملے۔

سید اکبر شاہ سے نامہ و پیام

پایندہ خاں سے موافقت کا رشتہ منقطع ہو جانے کے بعد جسی کوٹ میں ٹھہرنا ممکن نہ

---

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص ۲۰۳-۲۰۵

تھا۔ خاص طور پر اسلئے کہ جس پائندہ خاں نے بے وجہ انہیں شائی خاں سے اٹھایا تھا، کیا وہ کچھ دیر کے بعد جسی کوٹ سے بھی نہ اٹھا دیتا؟ یہ بھی ظاہر ہے کہ تذبذب کی حالت میں مجاہدین اپنے اصل مقصد کیلئے کوئی قابلِ ذکر کوشش نہ کر سکتے تھے، لہٰذا ان حالات کے متعلق سید اکبر شاہ ستھانوی کو اطلاع بھیج دی گئی، اسلئے کہ اس حصۂ سرحد میں صرف وہی ایک شخصیت تھی جس کے اخلاص اور مستقل اعانت پر بھروسا کیا جا سکتا تھا۔ سید ممدوح نے جواب میں کہلا بھیجا:

> آپ یہاں ستھانہ چلے آئیں، یہ آپکا گھر ہے۔ جب تک چاہیں رہیں، جو کچھ ہم سے ہو سکے گا خدمت گزاری میں حتی المقدور قصور نہ کریں گے۔(۱)

ستھانہ کی جانب روانگی

شیخ صاحب اور مولوی صاحب آگے پیچھے جسی کوٹ سے روانہ ہوئے۔ امب سے باہر آم کا ایک بھاری پیڑ تھا، وہاں ٹھہر کر پیر مبارک علی جھنجھانوی کو پائندہ خاں کے پاس بھیجا کہ جی چاہے تو ہم سے آخری ملاقات کر لی جائے۔ خان موصوف نے کہلا بھیجا کہ آپ عشرہ (۲) چل کر ٹھہریں، میں وہیں ملاقات کیلئے آؤں گا۔ مجاہدین عشرہ میں ٹھہرے رہے، پائندہ خاں گھوڑے پر سوار ہو کر امب سے نکلا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد قلعے میں چلا گیا۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ نہ آئیگا تو شیخ صاحب اور مولوی صاحب مجاہدین کو لیکر ستھانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سید اکبر شاہ بستی سے میل ڈیڑھ میل باہر استقبال کیلئے موجود تھے۔ انہوں نے عیالدار مجاہدین کیلئے ستھانہ میں مکان خالی کرا رکھے تھے، باقی مجاہدین میں سے بعض کیلئے ستھانہ اور بعض کیلئے منڈی (۳) میں قیام کا انتظام کر دیا۔

---

(۱) "وقائع" جلد سوم ص:۵۱۱

(۲) امب سے تقریباً تین میل بجانب ستھانہ واقع ہے۔

(۳) ستھانہ سے پاؤ میل اس سے متعلق ایک بستی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سترہواں باب:

قیامِ ستھانہ کے حالات

پائندہ خاں کی پریشاں حالی

میرا اندازہ ہے کہ مجاہدین ۱۸۳۴ء یا ۱۸۳۵ء تک جس کوٹ شائی خاں میں رہے۔(۱) پائندہ خاں نے انہیں اس خیال سے اٹھایا تھا کہ اب کوئی خرخشہ باقی نہیں رہا۔ نہ صرف اگرور بلکہ دیشی، تیکری، نندھیاڑ، کونش اور الائی کے علاقے بھی فرمانبردار رہیں گے، لیکن وہ سب لوگ سکھوں سے ملے ہوئے تھے جو پائندہ خاں کے سخت دشمن تھے۔ اس سیل کے مقابلے میں صرف مجاہدین ایک مستحکم بند کا کام دے رہے تھے۔ وہ اٹھے تو دیشیوں نے جمع ہوکر قلعہ شائی خاں پر حملہ کر دیا اور پائندہ خاں کے لوگوں کو وہاں سے نکال دیا، بلکہ ایک ضرب توپ بھی چھین لی۔ ۱۸۳۶ء میں سکھوں نے اگرور پر حملہ کر دیا اور یہ علاقہ بھی پائندہ خاں سے چھن گیا۔ اس کے بعد دریا کے بائیں کنارے پر دور دور تک سکھوں کا عمل دخل ہو گیا، پائندہ خاں کے قبضے میں دریا کے دائیں کنارے پر تھوڑا سا علاقہ رہ گیا۔ جس وسیع ریاست کے وہ خواب دیکھ رہا تھا، مجاہدین کے نکلتے ہی وہ درہم برہم ہو گئی۔ تاہم وہ سکھوں سے لڑتا رہا اور ۱۸۴۱ء میں اس نے وفات پائی۔ یقین ہے کہ زندگی کے آخری دور میں اسے اپنی غلط اندیشی پر پشیمانی ہوئی ہوگی، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور پشیمانی اس کے بگڑے ہوئے کارخانے کو درست نہ کر سکتی تھی۔

(۱) بزرہ گزیدہ ادو میں تیس برس کی مدت بتائی گئی ہے۔ (ص ۴۳۳)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیخ ولی محمد کا سفرِ تختہ بند

ستھانہ میں اطمینان سے ٹھہرنے کا بندوبست ہو گیا تو شیخ ولی محمد بیس بائیس مجاہدوں کے ساتھ اس غرض سے تختہ بند چلے گئے کہ بی بی صاحبہ کو ستھانہ لے آئیں اور سندھ پہنچانے کا کوئی انتظام کریں۔ ان کے ہمراہیوں میں سے مندرجہ ذیل اصحاب کے نام روایت میں مذکور ہیں: شیخ وزیر پھلتی، سید قطب شاہ حیدر آبادی، شیر محمد خاں رام پوری، مستقیم جہان آبادی، ابراہیم خاں نگرامی، امان خاں گنج پوری، محمد یار خاں کشمیری اور عبدالقیوم خادمِ سید صاحب۔

شیخ صاحب نے ایک مقام موضع سبائی میں مولوی محتشم کے مکان پر کیا، دوسرے روز موضع ملکا میں ٹھہرے، تیسرا مقام موضع مخترئی میں کیا، چوتھی منزل ناواگئی میں ہوئی، جہاں سید رسول نے انہیں تین دن ٹھہرائے رکھا۔ تمام مقامات میں مہمانداری کا پر تکلف انتظام ہوا۔ ناواگئی سے شیخ صاحب تختہ بند چلے گئے۔

خوانین و شرفاء کا جرگہ

سید میاں رئیس تختہ بند نے دو [illegible] تہ شیخ صاحب کو اپنے پاس رکھا، اس اثناء میں گرد و نواح کے خوانین و شرفاء کو بلایا او [illegible] کہا کہ شیخ صاحب بی بی صاحبہ کو لینے آئے ہیں، آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ان سب نے باتفاق کہا کہ ہم آپکے بھی خادم ہیں، بی بی صاحبہ کے بھی فرمانبردار ہیں۔ اگر ممدوحہ کو یہاں رہنے میں کوئی تکلیف ہو تو ہمیں فرمائیں۔ کھانے، پہننے اور ضروری خرچ کا انتظام ابھی کئے دیتے ہیں۔ شیخ ولی محمد نے کہا:

> بھائیو! یہ سب آپ کا سلوک اور احسان ہے۔ بی بی صاحبہ کو یہاں رہنے میں سوائے آرام کے کوئی تکلیف نہیں [illegible] ہم چاہتے ہیں کہ جہاں حضرت امیر المومنین علیہ الرحمۃ کی اور دو بیبیاں ملک سندھ میں ہیں، وہیں ان بی بی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کو پہنچا دیں۔ پھر ہم سب بے فکر اور فارغ البال ہو کر جہاد فی سبیل اللہ میں جو کچھ ہو سکے، کوشش کریں۔(۱)

اہل جرگہ نے جواب دیا کہ اس صورت میں آپ کو اختیار ہے، ہمیں جس خدمت کے لئے ارشاد ہوگا اسے بسر و چشم انجام دیں گے۔ خواہ آپ یہاں فرمائیں یا ستھانہ پہنچ کر۔

بی بی صاحبہ کی تشریف آوری

غرض شیخ صاحب، سید میاں اور خوانین و شرفائے بوتیر کی رضامندی سے بی بی صاحبہ کو لے کر روانہ ہوئے۔ دو روز ناوا گئی میں سید رسول کے پاس ٹھہرے، تیسرا مقام منگل تھانہ میں اور چوتھا چھتنی میں کیا۔ وہاں سے ستھانہ پیغام بھیج دیا تھا۔ سید اکبر شاہ اور مولوی نصیر الدین مجاہدین کے ہمراہ استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ سید اکبر شاہ نے بی بی صاحبہ کے لئے ایک محفوظ مکان خالی کرا رکھا تھا، وہاں انہیں اتارا، دو وقت اپنے ہاں سے کھانا پیش کیا۔

شیخ صاحب، مولوی صاحب اور سید اکبر شاہ بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے کی مختلف تجویزیں سوچتے رہے، لیکن تقریباً ایک سال تک کوئی مناسب اور محفوظ تدبیر بروئے کار نہ آسکی۔

مولوی نصیر الدین صاحب دہلوی کا مکتوب

اس اثناء میں مولوی نصیر الدین دہلوی مجاہدین کا ایک قافلہ لیکر سندھ پہنچ چکے تھے۔ ان کے حالات تفصیلاً آئندہ ابواب میں بیان ہوں گے۔ انہوں نے اسماعیل اور احمد اللہ نام دو قاصدوں کے ہاتھ ایک خط ستھانہ میں بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم تین سو ہندوستانیوں کے ہمراہ سندھ میں آگئے ہیں اور پھلیجی کے رئیسوں بجار خاں اور

(۱) ''وقائع'' جلد سوم ص ۵۱۵

مداری خاں کے پاس مقیم ہیں۔ آپ لوگوں کے متعلق معلوم ہوا کہ پاینده خاں سے اَن بَن ہوگئی ہے اور آپ قلعہ شائی خاں سے ستھانا آ گئے ہیں۔ اگر یہاں تشریف لے آئیں تو ہم سب مل کر جہاد فی سبیل اللہ کا بندوبست کریں، شاید اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیابی عطا فرمائے۔

مولوی صاحب اور شیخ صاحب کا جواب

شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نے غور و مشورہ کے بعد لکھا کہ آپ کے سندھ پہنچنے کی خبر سن کر دل کو خوشی اور تقویت حاصل ہوئی، باقی رہی آپ کی دعوت تو ہماری رائے یہ ہے:

> ظاہراً آپکے ہاں اس کام کے اجرا کی کوئی معقول صورت نظر نہیں آتی، کیونکہ وہ ملک میدانی ہے اور یہاں پر جو ہم لوگ پڑے ہیں، سبب اس کا یہ ہے کہ اول اس کام کے واسطے حضرت امیر المومنین علیہ الرحمۃ نے یہی ملک کوہستان کا پسند اور لوگوں کو متفق کرنے میں بہت کوشش اور جانفشانی کی۔ جو خلوص دل سے ملے ان کا بھی حال ظاہر ہو گیا اور جو منافقانہ ملے ان کا بھی حال کھل گیا۔ دوسرے یہ کہ ابھی ہم لوگ اپنی جگہ قائم ہیں۔ ایک جگہ نہ ہوئی، دوسری جگہ سہی۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں شاید کوئی صورت فلاحیت کی نکل آوے۔ سو اگر آپ بھی سب آدمیوں کو لیکر یہاں تشریف لے آویں تو بہت مناسب ہے تا کہ ہم اور آپ ملکر اس کار خیر میں کوشش کریں۔ (۱)

---

(۱) "وقائع" جلد سوم ص: ۵۱۸-۵۲۰۔ عجیب امر یہ ہے کہ خود مولوی سید نصیر الدین دہلوی کے مکتوب سے اس جواب کی تصدیق نہیں ہوتی۔ سید نصیر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سندھ پہنچنے کے بعد دو آدمی ان مجاہدوں کی طرف بھیج دیے تھے جو حضرت امیر المومنین کے رفیقوں میں سے باقی تھے۔ شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین ان کے سردار تھے۔

در اوائل ذی قعدہ فرستادگان اخلاص نشان مع جواب خط واپس آمدند چوں برادران غازیان ارادۂ روانگی خود در اوائل شوال و درخواست رہبرے کہ واقف راہ راست باشد و طلب خرچ نوشتہ بودند، ... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ستھانہ میں جرگہ

مجاہدین کچھ مدت تک اپنے وسائل کی بناء پر وقت گزارتے رہے، پھر سید اکبر شاہ نے مناسب سمجھا کہ معاش کا مستقل انتظام ہو جائے، چنانچہ اس غرض سے منڈی، کیا، کھتل برگ، گیارہ باڑا وغیرہ گرد و نواح کی بستیوں کے خوانین اور ملکوں کا جرگہ منعقد کیا اور ان لوگوں کو بتایا کہ یہ مجاہدین جو ہمارے ہاں اترے ہیں، اللہ کی رضا کے طالب ہیں، ملک و مالِ دنیا سے انہیں کوئی غرض نہیں۔ انکے سبب سے ہم سب کو اطمینان حاصل ہے۔ ہم سکھوں کے شر و فساد سے امن میں ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے بالاتفاق کہا کہ ہم اپنی پیداوار سے بیسواں حصہ انہیں بالالتزام پہنچاتے رہیں گے۔ اس طرح مجاہدین کے لئے گزارے کا اطمینان بخش انتظام ہو گیا۔

سکھوں کا پیغام

انہیں دنوں ہزارہ کے سکھ گورنر ہری سنگھ نلوہ نے سید حسن شاہ کو اپنی طرف سے وکیل بنا کر شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین کے پاس بھیجا، اس نے بتایا کہ ہری سنگھ پندرہ ہزار

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ... بہ سرعت تمام دو کس از واقف کاران راہ مع خرچ مطلوبہ روانہ کردہ ام۔ انشاء اللہ تعالیٰ در کالا باغ حسب نوشتہ برادران غازیان منتظر خواہند نشست۔

ترجمہ: اوائل ذی قعدہ میں میرے بھیجے ہوئے آدمی خط کا جواب لے کر آگئے۔ غازی بھائیوں نے اوائل شوال میں روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تھا، نیز لکھا تھا کہ ایک رہبر بھیج دیا جائے جو سیدھے راستے سے واقف ہو، نیز خرچ ارسال کیا جائے۔ میں نے ان کی تحریر کے مطابق دو آدمیوں کو جلد سے جلد خرچ دے کر بھیج دیا، وہ راستے سے واقف ہیں اور غازی بھائیوں کے ارشاد کے مطابق کالا باغ میں انتظار کریں گے۔

ممکن ہے یہ پہلے نہیں، دوسرے خط کا جواب ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ مدت بعد شیخ ولی محمد نے بی بی صاحبہ کو لے کر جانے کا فیصلہ کر لیا ہو اور اس سلسلے میں رہبر وغیرہ کے لئے لکھا ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روپے سالانہ کی تحصیل کا علاقہ مجاہدین کو ہزارہ میں دینے کیلئے تیار ہے، پندرہ ہزار روپے نقد پیش کرتا ہے، اسکے علاوہ کہتا ہے کہ مجاہدین دریائے سندھ کی دائیں جانب جتنا پہاڑی علاقہ اپنے قبضے میں لے لیں گے، وہ انہیں کی ملکیت سمجھا جائے گا۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ اُدھر سے پائندہ خاں پر فوج کشی کریں، اِدھر سے ہم چڑھائی کریں گے تاکہ اسے ختم کردیا جائے، وہ بڑا بدعہد اور مکار ہے۔ اس نے مجاہدین سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔

شیخ صاحب اور مولوی صاحب نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم سکھوں کی جماعت میں کسی مسلمان پر فوج کشی نہیں کرسکتے۔ خواہ وہ کیسا ہی مکار وغدار ہو۔ ہری سنگھ کو ہم سے ایسی امید ہرگز نہ رکھنی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی جاگیریں اور نقد روپیہ پیش کرے۔ سید حسن شاہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ آئندہ ہمارے پاس اس قسم کا کوئی پیغام نہ لانا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھارہواں باب:

مولوی نصیر الدین منگلوری کی شہادت

ضروری گزارش

سید صاحب کی شہادت کے بعد جماعت کے حالات ومجاہدات کی جو کیفیت اب تک بیان ہوئی وہ ''وقائع'' کے ذخیرۂ روایات پر مبنی تھی۔ ستھانہ پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد روایات کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ''وقائع'' کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اس میں بعد کے متعلق صرف ایک ورق موجود ہے، جتنے نسخے دیکھے وہ ناقص تھے، اور اکثر نسخوں میں روایات اس سے پیشتر ہی ختم ہو چکی تھیں۔ ممکن ہے ''وقائع'' کا کوئی مکمل تر نسخہ بھی کہیں موجود ہو، مجھے اس کا علم نہ ہو سکا، لہٰذا اسکے سوا چارہ نہیں کہ دوسرے ذرائع سے جو معلومات حاصل کی جا سکیں انہیں پیش نظر رکھ کر قرائن کی بنا پر حالات کا نقشہ تیار کیا جائے۔ میں اپنی تحقیق وکاوش کے مطابق خاکہ مرتب کر رہا ہوں، اگر کسی خوش نصیب کو ''وقائع'' کا کوئی زیادہ مکمل نسخہ مل سکے تو اغلب ہے کہ زیادہ مفصل ومستند نقشہ سامنے آ جائے۔

ستھانہ میں مدتِ قیام

ڈاکٹر بیلیو کے بیان کے مطابق مجاہدین تین سال تک بہ اطمینان ستھانہ میں مقیم رہے۔(۱)

(۱) اے جنرل رپورٹ آن دی یوسف زئی۔ A General Report on The Usuf zai by H W Bellew مطبوعہ گورنمنٹ پریس لاہور ۱۸۶۴ء (ص:۹۵)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقریباً ۱۸۳۸ء تک مجاہدین کی سالاری عامہ کا منصب مولوی نصیرالدین منگلوری کو حاصل رہا۔ مجاہدین کے امیر شیخ ولی محمد پھلتی تھے، لیکن وہ مجاہدات میں زیادہ سرگرم حصہ نہ لے سکے، جیسا کہ گذشتہ واقعات سے آشکارا ہے۔ ان کی تمام تر توجہ بی بی صاحبہ کو سندھ پہنچانے پر جمی ہوئی تھی۔ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس ذریعے اور کس راستے سندھ پہنچے، نہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ان کے ساتھ کون کون سے مجاہدین سندھ آئے یا یہ سفر بالتعیین کس زمانے میں ہوا۔ میرا اندازہ کہ یہ ۱۸۳۶ء یا ۱۸۳۷ء کا واقعہ ہوگا۔ اسلئے کہ مولوی سید نصیرالدین دہلوی کی طرف سے ۱۲۵۴ء (۱۸۳۸ء) میں جو اعلامات جابجا بھیجے گئے ان پر دوسرے اصحاب کے علاوہ شیخ ولی محمد کے بھی دستخط ہیں۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ ۱۲۵۴ھ سے پیشتر شیخ موصوف بی بی صاحبہ کو لے کر سندھ پہنچ گئے تھے اور مجاہدینِ ستھانہ کی امارت و سالاری کا بارِ گراں مولوی نصیرالدین منگلوری کے دوشِ ہمت پر رہا۔ (۱)

ماحول کی سرسری کیفیت

اب ہمیں اس ماحول کی سرسری کیفیت سامنے رکھ لینی چاہئے جس میں مجاہدین ستھانہ کام کرتے رہے۔ ستھانہ کے مغرب میں تھوڑے فاصلے پر خدوخیل کا علاقہ واقع تھا جہاں فتح خاں پنجتاری ایک مستقل ریاست کی تاسیس میں لگا ہوا تھا۔ وہ ان خوانین میں

(۱) مولوی سید نصیرالدین دہلوی کے ایک مکتوب میں بتایا گیا ہے کہ شیخ ولی محمد ۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۲۵۳ھ ۳۰ر اکتوبر ۱۸۳۷ء کو بی بی صاحبہ کے ساتھ مولوی سید نصیرالدین کے پاس بلوچستان پہنچے تھے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ بی بی صاحبہ اور شیخ صاحب کے رفقاء مرد اور عورتیں کوئی دو سو ہوں گے اور ان کے ساتھ تین شاخیں تھیں۔ ۵ر رجب (۵ر اکتوبر) کو شیخ صاحب پچیس عملوں کے ساتھ بی بی صاحبہ کو پیر کوٹ پہنچانے کیلئے روانہ ہوئے۔ سید محمد اسماعیل (برادرزادہ سید احمد شہید) اور قاضی محمد شکارپوری نے شکارپور سے آگے نکل کر ان کا استقبال کیا۔
(مکتوبات کا مخطوطہ ص ۳۰)

سے تھا جنہوں نے سرحد میں سید صاحب کی دعوتِ جہاد پر سب سے پہلے لبیک کہی تھی۔ اس کا مقام پنجتار کم و بیش چار سال تک سید صاحب کا مرکز بنا رہا۔ اہلِ سمہ کی سازش کے وقت فتح خاں کا اخلاص معرضِ اشتباہ میں آیا اور سید صاحب کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ پنجتار کو چھوڑ کر کسی دوسرے مرکز میں ڈیرے ڈالیں۔ مجاہدین سندھیاڑ سے واپس ہوئے تھے تو فتح خاں نے سید میاں ساکن تختہ بند (بونیر) اور سید رسول ساکن ناوا گئی (چملہ) کی وساطت سے انہیں پنجتار آنے کی دعوت دی اور ہر ممکن ذریعے سے مخلصانہ خدمت گزاری کا یقین دلایا۔ دس مہینے کے بعد آشکارا ہو گیا کہ اسکے پیشِ نظر ذاتی اغراض کے سوا کچھ نہیں اور وہ مقاصدِ جہاد میں معاون نہیں بن سکتا، لہٰذا مجاہدین کو دوبارہ پنجتار چھوڑنا پڑا۔

اس کے بعد پائندہ خاں تنولی والیِ امب سرگرم دعاویٔ اخلاص کے ساتھ مجاہدین کو اگرور لے گیا جہاں وہ تقریباً تین سال رہے، لیکن خوانینِ اگرور کے خاتمے کے بعد وہ بھی عہدِ موافقت پر ثابت قدم نہ رہا اور مجاہدین کو اس سے بھی کنارہ کشی کے سوا چارہ نظر نہ آیا۔

سمہ یعنی میدانی علاقے کے لوگ ۱۸۳۰ء کی خوفناک سازش کے وقت سے مجاہدین کے مخالف چلے آتے تھے اور مجاہدین کی جانب سے عفو و درگذر کے باوجود ان لوگوں کے دل مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ اگرور، دیشی، نیکری، الائی وغیرہ کے لوگ بھی مجاہدین کی خیر خواہی کا دم نہ بھر سکتے تھے، سکھوں کی مخالفت مجاہدین کا نصب العین تھی اور ان کی طرف سے مصالحت کی بہ ظاہر ایک خوش گوار تجویز کو شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین نفرت سے ٹھکرا چکے تھے۔ گویا سرحد کے پورے علاقے میں ساداتِ ستھانہ، ساداتِ ناوا گئی اور ساداتِ تختہ بند یا اُن سادات کے بعض متفرق گھرانوں کے سوا مجاہدین کو بے غرض اور پُر اخلاص تعاون کی امید کسی سے نہ ہو سکتی تھی۔ بونیر اور چملہ کے خوانین کا حسنِ سلوک تختہ بند اور ناوا گئی کے سادات کی رفاقت کا نتیجہ تھا، نواحیِ ستھانہ کی بستیوں نے مجاہدین کیلئے گزارے کا جو انتظام کر دیا تھا وہ سید اکبر شاہ ستھانوی کے اثر و رسوخ کا کرشمہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بلاشبہ مجاہدین مدت مدید تک ستھانہ میں باطمینان مقیم رہے لیکن ان کے گردو پیش ہر جانب دشمنی کی آگ سلگ رہی تھی اور مخالفانہ ہوا کا خفیف سا بھی جھونکا اسے کسی وقت مشتعل کرسکتا تھا۔

مجاہدین پر ظلم وتعدّی

معلوم ہوتا ہے کہ فتح خاں پنجتاری مجاہدین کی مخالفت میں سب پر سبقت لے جانا چاہتا تھا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کے نزدیک مجاہدین کو ختم کیے بغیر ریاست کی بنیادیں استوار نہ کی جاسکتی تھیں۔ وہ اس ذریعے سے اہل ستھانہ میں ہر دلعزیزی حاصل کرلینے کا خواہاں تھا۔ غرض اس نے گردو پیش کی بستیوں میں ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ مجاہدین میں سے جہاں کسی کو کوئی آتا جاتا مل جاتا اسے لوٹ لینے اور بدسلوکی کا ہدف بنانے میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا جاتا۔ مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں درویشوں کے بھیس میں ہندوستان سے ستھانہ پہنچتی رہتی تھیں، فتح خاں کے زیر اثر بستوں میں ان سے پے درپے بدسلوکیاں ہوتی رہیں، اس رنج افزا سلسلے کا ایک اہم واقعہ منارہ میں پیش آیا جو دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا اور ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بے نشان ہوگیا۔

بیلیو لکھتا ہے کہ نو وارد مجاہدین کی ایک چھوٹی سی جماعت ہندوستان سے آرہی تھی، وہ لوگ منارہ پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے ان کا سارا سامان لوٹ لیا اور ان سے انتہائی بدسلوکیاں کیں۔(۱)

تادیبی اِقدام

پے درپے پیش دستیوں کے بعد مجاہدین کیلئے زبردست تادیبی اقدام کے سوا چارہ نہ رہا، چنانچہ مولوی نصیر الدین منگلوری نے مجاہدین کی ایک جماعت لے کر منارہ پر شبخون

(۱) اے جنرل رپوٹ آن دی یوسف زئی (انگریزی) ص ۹۴

مارا۔ بیلیو کے بیان کے مطابق اس شبخون میں گاؤں کے بہت سے آدمی مارے گئے اور گھروں کو لوٹا گیا۔ (۱)

فتح خاں پنجتاری اس وقت سے مجاہدین کو اپنے دشمن سمجھنے لگا تھا جب سے وہ سادات ستھانہ کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ وہ اب مخالفت میں بہت سرگرم ہو گیا۔ اس نے بہت جلد ایک لشکر جمع کر لیا، مجاہدین کو اپنے ہاں کی پہاڑیوں سے باہر نکال دیا اور ان کے امیر نصیر الدین کو قتل کر ڈالا۔ (۲)

جنگِ ٹوپی

بیلیو کے بیان سے لڑائی کی صحیح کیفیت واضح نہیں ہوتی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ منارہ پر شبخون کے بعد مجاہدین نے ٹوپی پر حملہ کیا۔ اسلئے کہ وہاں کے لوگ بھی مجاہدین کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے۔ مجاہدین ٹوپی ہی میں تھے کہ وہاں کے باشندوں نے چھتوں پر سے چادریں ہلا ہلا کر فتح خاں پنجتاری کے لشکر کو اندر بلا لیا۔ اس طرح مجاہدین بستی میں محصور ہو گئے۔ مولوی نصیر الدین نے یہ حالت دیکھی تو ساتھیوں سے فرمایا کہ بستی کے پاس جو پہاڑ ہے، اس پر چڑھ کر مقابلہ کرنا چاہیے، لیکن اُدھر جانے کا راستہ نہ مل سکا، مجبور ہو کر حکم دیدیا کہ مجاہدین جہاں جہاں موجود ہیں وہیں مورچے قائم کر کے بہادرانہ جنگ کریں، مخالفین میں سے جو ذرا فاصلے پر تھے، ان پر گولیوں کی بارش ہوتی رہی اور جو قریب آتے گئے وہ تلواروں سے موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ اس اثناء میں مولوی نصیر الدین کے سینے پر ایک گولی لگی، وہ ڈھال تلوار لئے ہوئے بیٹھ گئے۔ لڑائی بدستور جاری رہی، پھر ایک اور گولی لگی جس سے مولوی صاحب موصوف شہادت پا گئے۔ (۳)

(۱) اے جنرل رپوٹ آن دی یوسف زئی (انگریزی) ص: ۹۴

(۲) اے جنرل رپوٹ آن دی یوسف زئی (انگریزی) ص: ۹۵

(۳) ہزارہ گزیٹیر میں بعض امور غلط طریق پر پیش کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مولوی ...... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شدید نقصان

اس جنگ میں مجاہدین کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ مولوی صاحب کے علاوہ جماعت کے بہت سے اصحاب شہید ہوئے جن میں سے صرف مندرجہ ذیل ممتاز حضرات کے نام معلوم ہو سکے:

شیخ وزیر پھلتی ۔ نظام الدین خاں شاہ جہاں پوری، عبد اللہ بنارسی، کریم بخش سہارنپوری، شیر محمد عظیم آبادی، شمس الدین ہریانوی، الٰہی بخش ہریانوی، قادر بخش ساکن امروہہ، مستقیم ساکن گونج، ابراہیم پوربی اور حاجی فاضل ساکن جسی کوٹ۔

مجروحین کی تعداد بھی خاص بڑی تھی مثلاً:

۱۔ شیخ ولی محمد کے برادر نسبتی شیخ عبداللہ کے جسم پر تلوار کے گیارہ زخم تھے۔

۲۔ حاجی امان اللہ کے بائیں بازو میں گولی لگی۔

۳۔ شیر محمد رام پوری کا دایاں کندھا زخمی ہوا۔

۴۔ جلال الدین گوجر کے سر، کندھے اور پیٹ پر تلوار کے زخم آئے۔

انکے علاوہ ملا نور محمد گوجر کا بھانجا عبداللہ مظفر آبادی، ملا الہام الدین، انکے ساڑھو نادر اور اسماعیل سہارنپوری گولیوں سے زخمی ہوئے۔ باقی مجروحین کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

مولوی نصیر الدین شہید

مولوی نصیر الدین کی شہادت سے علاقہ سرحد میں مجاہدین کا کاروبارِ جہاد عملاً درہم

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ..... نصیر الدین ارسلان خاں زیدے والے کی امداد کے لئے تو پی آئے تھے، جو سکھوں کا معاون تھا اور فتح خاں پنجتاری کا مخالف۔ نہ مولوی صاحب سکھوں کے کسی طرفدار کی امداد کے لئے تیار ہو سکتے تھے، اور نہ توپی جانے کی غرض وہ تھی جو بیان کی گئی۔ توپی پر حملے کی اصل وجہ یہی تھی کہ وہاں کے لوگ خواہ مخواہ مجاہدین کو ایذا دیتے تھے، اس میں شبہ نہیں کہ فتح خاں نے عین چھاپے کے موقع پر دھاوا بولا اور مجاہدین کو نرغے میں لے لیا، لیکن جزارہ گزیٹیر کا یہ بیان صحیح نہیں کہ فتح خاں پنجتاری نے مولوی صاحب کے علاوہ تمام مجاہدین کو شہید کرا ڈالا۔ (ص: ۲۳۳)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برہم ہو گیا، اگرچہ جماعت اس کے بعد بھی باقی رہی، لیکن اس کی مجاہدانہ سرگرمیاں بڑی حد تک افسردہ ہو گئیں۔ مولوی صاحب موصوف منگلور ضلع سہارنپور کے باشندے تھے۔ بالکل ابتدائی دور سے سید صاحب کے ساتھ رہے اور آپ کی شہادت کے بعد جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو اعلیٰ پیمانے پر قائم رکھنے کا سہرا انہیں کے سر تھا۔ موصوف شاہ اسماعیل، مولوی خیر الدین، شیخ بلند بخت وغیرہ کی طرح شجاعت اور حسن تدبیر کا پیکر تھے۔ عمر کا کوئی صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاصے سن رسیدہ تھے، اس لئے کہ ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ منہ میں کوئی دانت نہ تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے سید صاحب کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت جو عہد و پیمان کیا تھا اس پر زندگی کے آخری سانس تک چٹان کی طرح قائم رہے اور انجام کار خونِ شہادت سے اس پر تصدیق کی آخری مہر ثبت کر دی۔ انسانیت کے ان گراں مایہ گوہروں میں سے تھے جن کا وجود قوموں اور ملکوں کیلئے انتہائی فخر و عزت کا باعث ہوتا ہے۔

وہ سید صاحب کی تربیت اور مردم گری کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھے۔ للٰہیت کی شان ملاحظہ ہو کہ اگرچہ علم و فضل، قیادتِ عساکر اور انتظام و سیاست کے یگانہ جوہروں سے مزین تھے اور کسی بھی ریاست و مملکت میں بلند ترین عہدوں کے فرائض بطریق احسن انجام دے سکتے تھے، تاہم کسی دنیوی غرض سے ان کے فکر و خیال کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا، اور اہل ملک و ملت کی تحسین و صلہ سے بالکل بے نیاز ہو کر اپنی بیش بہا زندگی بے دریغ راہ حق میں قربان کر دی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

جماعت کی کیفیت

یہاں پہنچ کر جماعت مجاہدین کی سرگزشت کا پہلا دور ختم ہو گیا۔ جو لوگ باقی بچے وہ بدستور تھانہ میں مقیم رہے۔ میر اولاد علی کو انہوں نے امیر بنالیا۔ مولوی محمد قاسم پانی پتی نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پنجتار رہ گئے، نہ شیخ ولی محمد اور مولوی نصیر الدین کے ساتھ دہلی یا اگرور میں رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوائی (درہ کاغان) میں اقامت اختیار کرلی تھی، موقع پر ان کا ذکر آئیگا۔

سرگزشت کا دوسرا دور مولوی سید نصیر الدین دہلوی کی اقامت جہاد سے شروع ہوتا ہے جنکے حالات آئندہ ابواب میں بیان ہوں گے۔ لیکن یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ مولوی نصیر الدین کی شہادت کے بعد کم وبیش آٹھ نو سال تک سرحد میں کوئی قابل ذکر سلسلۂ جہاد شروع نہ ہو سکا۔ اگرچہ سید صاحب کی جاری کردہ تحریک کا چراغ بدستور روشن رہا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

﴿ضمیمہ حصہ اول﴾

محمد امیر خاں قصوری

مسلمانوں کا جوشِ حمیت

سید صاحب کی تحریک جہاد نے مسلمانوں میں اسلامی حمیت کی ایک خاص حرارت پیدا کر دی تھی جس کا ایک نہایت اچھا نمونہ محمد امیر خاں قصوری تھے۔ ان کا نام "سیرت سید احمد شہید" اور "سرگزشت مجاہدین" میں بار ہا آ چکا ہے۔ یہ عنفوانِ شباب ہی میں سید صاحب کے پاس پہنچ گئے تھے۔ ایک مرتبہ خود سید صاحب کے استفسار پر انہوں نے اپنے حالات بتائے جن کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

یہ قصور کا باشندہ تھا۔ اغلب ہے پٹھان ہو۔ اس کا والد ریاست نابھہ میں ملازم تھا اور املوہ کے قلعے کی حفاظت اس کے ذمے تھی۔ ساتھ ساتھ پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا اور جگہ جگہ اسکے مرید موجود تھے۔ محمد امیر خاں کے چچا کی عمر سیاحی میں گذری۔ دہلی، کلکتہ، بمبئی، حیدر آباد، سندھ سے بھی فیض یاب ہو چکا تھا۔ چوں کہ بغداد میں دیر تک مقیم رہا تھا، اسلئے عام لوگوں میں بغدادی مشہور تھا۔ اس نے دہلی میں سید صاحب کو دیکھا تھا۔ جب نواب امیر خاں سے الگ ہو کر سید موصوف نے اجرائے جہاد کیلئے مستقل تحریک کا آغاز کیا تھا۔ محمد امیر خاں کا چچا اکثر کہا کرتا تھا کہ ایسا صاحبِ اخلاق، عالی ہمت، بلند ارادہ اور صاحبِ تاثیر بزرگ میں نے زندگی بھر میں نہیں دیکھا۔ جب سید صاحب حج سے واپس آ کر بمبئی میں ٹھہرے تو محمد امیر خاں کے چچا نے بھی ان سے بیعت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی اور خلافت کا منصب پایا۔ وہ اکثر محمد امیر خاں سے ذکر کرتا رہتا تھا کہ سید صاحب جہاد کے لیے نکلیں گے تو میں بھی ان کی معیت اختیار کروں گا اور تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا، لیکن سید صاحب کی روانگی سے پیشتر اس کا انتقال ہو گیا۔

بچے کا عزمِ جہاد

محمد امیر خاں کی عمر اس وقت گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ تھی لیکن چچا کے ارشادات دل میں اس طرح پیوست ہو گئے تھے کہ اسی دور میں جہاد کیلئے سید صاحب کے پاس پہنچنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چودہ پندرہ برس کی عمر ہوئی تو رائے بریلی کا ایک برہمن املوہ میں ملا جس نے سید صاحب کے پاس سرحد پہنچنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ پٹیالہ کا ایک مسلمان راجپوت بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ ان دو شخصوں کا عزم محمد امیر خاں کے سمندِ شوق کے لئے تازیانہ بن گیا۔ والد سے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے کچھ روپوں کے علاوہ سواری کے لئے ایک یابو دے دیا۔ یوں محمد امیر خاں برہمن اور راجپوت کی معیت میں بظاہر وطن کی طرف اور حقیقتاً سید صاحب کی جانب روانہ ہوا۔ املوہ سے چوتھے دن یہ لوگ امرتسر پہنچے، وہاں دسہرے کی تقریب میں بھاری اجتماع تھا۔ محمد امیر خاں اور اس کے ساتھی دسہرہ دیکھنے کیلئے ٹھہر گئے۔ اس اثناء میں محمد امیر خاں کی ملاقات کپتان سلطان محمود سے ہو گئی جو اس کے والد کا مرید تھا۔ اس نے پوچھا کیسے آئے؟ تو محمد امیر خاں نے ظاہر کیا کہ والد کے ساتھ آیا ہوں لیکن تھوڑی ہی دیر میں راز فاش ہو گیا اور پتہ چل گیا کہ والد سے اجازت لئے بغیر بھاگ آیا ہے۔ اس کے بعد کپتان سلطان محمود آگے جانے کی اجازت نہ دے سکتا تھا۔

کپتان کی معیت میں محمد امیر خاں کو ایک مرتبہ رنجیت سنگھ کے دربار میں جانے کا بھی موقع ملا۔ اس موقع پر حکیم عزیز الدین انصاری نے سید صاحب کا آیا ہوا ایک مکتوب سنایا، جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم لوگ نہ تیرے ملک و مال کے طالب ہیں نہ تیری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جان اور عزت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، نہ لڑنے کے خواہاں ہیں، صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دے اور ہمارا رفیق بن جا۔ دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے ہم ملک تیرے حوالے کر دیں گے۔ اگر یہ دعوت منظور نہ کی تو لڑائی کے سوا چارہ نہ رہے گا۔ یہ خط سن کر رنجیت سنگھ نے کہا کہ ایسا صاحب ارادہ اور صاحب ہمت و جرأت ہم نے اپنے زمانہ میں نہ کسی کو دیکھا، نہ سنا۔

محمد امیر خاں کا فرار

اس اثناء میں کپتان سلطان محمود کو کہیں جانے کا حکم ہوا۔ محمد امیر خاں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا۔ چوکیدار سے سیر کی اجازت لی۔ سواری اسی کے پاس چھوڑ دی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر لاہور کی طرف نکل پڑا۔ پہلے دن پندرہ کوس کا فاصلہ طے کر کے یہ لوگ ایک مندر میں اترے، پھر منزل بہ منزل لاہور اور راولپنڈی ہوتے ہوئے حضرو کے قریب ایک بستی میں پہنچے جہاں کے حاکم نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ محمد امیر خاں نے کہا کہ میرا بھائی اٹک میں ملازم ہے، اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ اس بیان کی غلطی بھی بہت جلد واضح ہو گئی، لیکن جب حاکم کو معلوم ہوا کہ محمد امیر خاں سید صاحب کے پاس جا رہا ہے تو اس نے امداد میں تامل نہ کیا۔ محمد امیر خاں کے کانوں میں چھوٹی چھوٹی سنہری بالیں تھیں، انہیں چالیس روپے میں بیچا۔ کچھ کپڑے بنوا دیے، دو روپے بھنا کر خرچ کے لئے دے دیے، باقی نقد حوالے کر دیے۔ پھر ایک آدمی ساتھ دے کر محمد امیر خاں کو دریا کے کنارے کی ایک بستی میں پہنچا دیا۔ وہاں کے خان کو تاکید کر دی کہ اس نوجوان کو بحفاظت دریا کے پار پہنچا دیا جائے۔ اس طرح محمد امیر خاں سید صاحب کی خدمت میں پہنچا۔

سرحدی زندگی

محمد امیر خاں نے کچھ مدت پنجتار میں سید صاحب کے ساتھ گزاری۔ انھیں کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھ نندھیاڑ پہنچا۔ بالاکوٹ کی جنگ میں سید صاحب کی شہادت کے بعد شیخ ولی محمد اور مولانا نصیر الدین منگلوری کے ساتھ صاحبزادہ محمد نصیر کے پاس رہا۔ پھر مجاہدین فتح خاں کی دعوت پر پنجتار آئے تو محمد امیر خاں بھی ان میں شامل تھا۔ جب فتح خاں سے تعلقات کا انقطاع ہوا تو یہ مجاہدین کے ساتھ قلعہ شائی خاں میں چلا گیا اور مولوی نصیر الدین منگلوری کی مختلف مہموں میں شریک رہا۔ پھر مولوی صاحب سے اجازت لے کر امان اللہ خاں لکھنوی اور ابراہیم خاں خیر آبادی کے ہمراہ وطن چلا آیا۔

بعد کی زندگی

اس کا اپنا بیان ہے کہ ہم لوگ سرحد سے روانہ ہو کر امیر المؤمنین کی ازواج کے پاس پیرکوٹ (سندھ) پہنچے۔ امان اللہ خاں اور ابراہیم خاں تو وہیں ٹھہر گئے، میں نے چند روز کے بعد رخصت چاہی۔ بڑی بی بی صاحبہ نے مجھے راستے کیلئے معقول خرچ دیا اور اجمیر تک کرائے کے ایک اونٹ کا انتظام فرمادیا۔ چنانچہ میں اجمیر میں مولوی سراج الدین کے مکان پر اترا جو حضرت امیر المؤمنین کے مخلص مرید اور خلیفہ تھے۔ موصوف نے بڑی عزت و توقیر سے میری مہمانداری کی، وہیں معلوم ہوا کہ نواب امیر الدولہ بہادر والیٔ ٹونک نے وفات پائی اور نواب وزیر الدولہ بہادر جانشین ہوئے۔

چنانچہ محمد امیر خاں ایک گاڑی کرائے پر لے کر ٹونک پہنچا۔ نواب وزیر الدولہ نے تین مہینے اپنے پاس ٹھہرائے رکھا۔ دونوں وقت اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ پھر معقول زادِ راہ دے کر رخصت فرمایا۔ محمد امیر خاں وطن پہنچا تو اسکے جو اقربا و ریاست میں ملازم تھے انہوں نے اسکی ملازمت کا بھی انتظام کرادیا۔ اس کے پانچ گھوڑے بھی نوکر تھے۔ ہر چھٹے مہینے تین سو من غلہ اور ڈیڑھ سو روپے نقد محمد امیر خاں کو ملتے تھے اور تین سو من غلہ سو روپے نقد گھوڑوں کیلئے مقرر تھے۔ کم و بیش دس سال یہ سلسلۂ ملازمت جاری رہا۔(۱)

(۱) یہ حالات "وقائع احمدی" سے ماخوذ ہیں۔ نواب امیر الدولہ کا انتقال ۱۸۳۴ء میں ہوا لہٰذا سمجھنا چاہئے کہ محمد امیر خاں اسی سال سرحد سے واپس آیا۔ اکوڑہ خٹک کے پاس ایک معروف مقام ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت

حصہ دوم

(مولوی سید نصیر الدین دہلوی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com
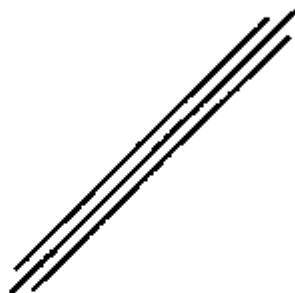
پہلا باب:

مولوی سید نصیر الدین دہلوی

تمہید

ہم بتا چکے ہیں کہ ستھانہ پہنچنے کے بعد مجاہدین کی حالت خاصی کمزور ہو گئی تھی۔ ان کی کارکردگی کا دائرہ بہت محدود ہو چکا تھا۔ وہ اس عظیم الشان جماعت کا محض ایک نشان رہ گئے تھے جو سید صاحب کی سرکردگی میں ہندوستان کی تطہیر کیلئے اٹھی تھی، اور جس کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے چار سال تک پنجاب کی طاقتور سکھ حکومت کو سراسیمگی کا ہدف بنائے رکھا تھا۔ اگرچہ جاں نثارانِ حق کے چھوٹے چھوٹے گروہ وقتاً فوقتاً سرحد پہنچتے رہتے تھے، تاہم عام مسلمانوں کے جوشِ جہاد میں افسردگی پیدا ہو رہی تھی، اس لئے کہ سرحد میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام پانے کا موقع باقی نہ رہا تھا۔ لہٰذا سید صاحب کی تحریک جہاد کے کارفرماؤں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ ایک بڑی جماعت تیار کر کے آزاد علاقے میں بھیج دی جائے، جس سے سید صاحب کے شروع کیے ہوئے کام میں جوش و خروش کی نئی روح پیدا ہو جائے۔ اس اہم فرض کی بجا آوری کا شرف روزِ ازل سے مولوی سید نصیر الدین دہلوی کیلئے مقدر ہو چکا تھا، جنہوں نے سید صاحب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا، دعوتِ جہاد سے ایک جماعت تیار کی اور سید صاحب کی طرح وطنِ مالوف سے ہجرت کر کے کاروبارِ جہاد کی تجدید کا انتظام فرمایا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب کے حالات

مولوی سید نصیر الدین دہلوی حضرت سید ناصر الدین تھانیسری (۱) کی اولاد میں سے تھے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے نواسے تھے۔(۲) ننھالی رشتے کی وجہ سے دہلی ہی میں تربیت پائی لیکن ابتداء میں تحصیل علم کی طرف چنداں توجہ نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ شاہ اسحٰق (۳) کی صاحبزادی سے نکاح کیلئے والدہ نے درخواست کی مگر علوم سے بے التفاتی کے باعث درخواست منظور نہ ہوئی۔ اس واقعے نے مولوی سید نصیر الدین کے دل میں خاص جوش پیدا کر دیا اور اس ذوق وشوق سے پڑھنے لگے کہ تھوڑی ہی مدت میں ممتاز عالم بن گئے۔ شاہ اسحٰق نے یہ دیکھتے ہی صاحبزادی کا نکاح ان سے کر دیا۔ مولوی صاحب نے تکمیل علوم کیلئے پورب کا سفر کیا اور کلکتہ میں بھی خاصی دیر ٹھہرے رہے۔ جس زمانے میں سید صاحب ایک بڑے قافلے کے ساتھ بقصد حج کلکتہ پہنچے تھے، مولوی سید نصیر الدین وہیں مقیم تھے۔ ۱۲۴۰ھ میں شاہ اسحٰق وعظ فرماتے تھے تو مولوی نصیر الدین مدرسے کے دروازے پر فراہمی زر اعانت میں مصروف رہتے تھے۔ آخر آپ نے خود جہاد کا عزم کر لیا۔

دعوت وتبلیغ

حاجی سید عبد الرحیم سورتی، مولوی بہاؤالدین چیناپٹنی (۴)، احمد سادہ کار، امام الدین سوزن ساز وغیرہ رفیقانِ خاص سے مشورہ کیا اور کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک

(۱) بعض اصحاب نے انہیں سونی پتی لکھا ہے۔ دونوں مقاموں میں فصل خاصا ہے۔ اغلب ہے کہ وہ پہلے تھانیسر میں رہے ہوں بعد ازاں سونی پت میں توطن اختیار کر لیا ہو۔

(۲) شاہ رفیع الدین کے پانچ بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بیٹی کا نام امۃ اللہ تھا۔ مولوی سید نصیر الدین اسی کے بطن سے تھے۔

(۳) شاہ اسحٰق محمد افضل کے فرزند اور شاہ عبد العزیز محدث (برادر شاہ رفیع الدین) کے نواسے تھے۔

(۴) چیناپٹن مدراس کا پرانا نام ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو امیر بنالو۔ سب رفیقوں نے خود مولوی صاحب ہی کی امارت پر اتفاق کیا۔ اس کے بعد آپ نے ٹونک، اجمیر، میرٹھ، امروہہ، رام پور اور اطراف دہلی میں دعوت وتبلیغ کی غرض سے دورے کیے تا کہ مجاہدین کی ایک جماعت فراہم ہو جائے۔ اس سلسلے میں احیائے دین اور رد بدعات کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات کے متعلق اختلافات مٹانے اور مسلمانوں کو اصل واساسات دین پر متحد کرنے کا خاص اہتمام تھا۔ ایک موقع پر کسی نے کہا کہ مذہبی معاملات میں اختلاف نیا نہیں، یہ صحابہؓ کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ سید نصیر الدین نے فرمایا کہ ہم اکابر کی لغزشوں کے اتباع پر مامور نہیں۔ بیشک صحابہؓ میں بہ اقتضائے بشریت اختلاف کی مثالیں بھی ملتی ہیں، لیکن ہمیں ان کے مکارم کی پیروی کرنی چاہیے۔

دوست محمد خاں سے نامہ و پیام کی تجویز

مولوی سید نصیر الدین کے مقاصد نہایت بلند، نظر دوررس اور طبیعت بہت سلجھی ہوئی تھی۔ وہ پرانے جھگڑوں میں الجھ کر وقت کے احوال وظروف سے چشم پوشی نہ کر سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ سید صاحب کے زمانے میں پشاور کے بارک زئی سرداروں کی پے در پے معاندت کے باعث ایک افسوسناک کشمکش پیدا ہو گئی تھی، جو حد درجہ رنج افزا نتائج کا سرچشمہ بن گئی اور اس وجہ سے دوست خاں والیٔ کابل بھی جماعت مجاہدین کا حامی یا خیر خواہ نہ رہا۔ تاہم خود مولوی صاحب موصوف کے زمانے میں دوست محمد خاں ایک طرف سکھوں سے مصروف پیکار تھا، دوسری طرف انگریزوں کے اقدامات کی روک تھام میں قابل ستائش استقامت دکھا رہا تھا۔ لہٰذا انہیں دوست محمد خاں سے حلیفانہ تعلقات پیدا کرنے میں ایک لمحے کیلئے بھی تامل نہ ہوا۔ وہ زیادہ تر وقت دہلی کی اکبرآبادی مسجد میں گزارتے تھے، جہاں شاہ عبدالقادر محدث اور شاہ رفیع الدین محدث

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یکے بعد دیگرے درس دیتے رہے تھے، اور خود سید صاحب نے بھی تنظیم جہاد کا کاروبار اسی مسجد میں بیٹھ کر شروع کیا تھا۔

آسماں سجدہ کند بر سر خاکے کہ بر و یک دو تن یک دو نفس بہر خدا بنشیند

چنانچہ مولوی سید نصیر الدین نے اسی مسجد میں رفیقوں سے مشورے کے بعد دوست محمد خاں کے پاس سفارت بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس کیلئے انتظامات بھی مکمل کر لئے۔ ابو احمد علی اور سید ابراہیم سورتی اس سفارت کیلئے تجویز ہوئے، لیکن اچانک سید عبدالرحیم سورتی اور سید عبدالرحیم بنگالی کے درمیان کسی معمولی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنگالی نے سورتی کا ہاتھ دانتوں سے دبا لیا۔ سورتی نے ہاتھ زور سے کھینچا تو بنگالی کا ایک دانت اکھڑ گیا اور بہت خون نکلا۔ (۱)

اس ناخوش گوار واقعے کی وجہ سے ارسال سفارت کی تجویز معرضِ التواء میں پڑ گئی، تاہم مولوی سید نصیر الدین میدانِ جہاد میں اتر آنے کے بعد امیر دوست محمد خاں کی جانب سے وفائی کوششوں میں برابر معاون و مددگار رہے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو گا۔

عزمِ ہجرت

بہر حال مولوی صاحب جہاد کی نیت سے ہجرت کیلئے تیار ہو گئے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ہجرت سے پیشتر ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کریں اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو معیت کیلئے تیار کر لیں۔ سید صاحب کے مقرر فرمائے ہوئے نقیب جا بجا دعوت و تبلیغ میں مصروف تھے۔ مثلاً مولانا ولایت علی عظیم آبادی، پہلے حیدر آباد میں کام کر رہے تھے، سید صاحب کی شہادت کے بعد اپنے وطن پہنچ گئے۔ ان کے بھائی مولانا

(۱) یہ حالات ابو احمد علی کے اس رسالے سے ماخوذ ہیں جو انھوں نے مولوی سید نصیر الدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے متعلق مرتب کیا تھا، اور جس کا صرف ایک ناقص نسخہ مجھے مل سکا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عنایت علی مشرقی بنگال میں سرگرمِ عمل تھے۔ مولوی سید محمد علی رام پوری مدراس میں وعظ و نصیحت کے مراکز قائم کرنے کے بعد ملک کے دوسرے حصوں میں مشغول تھے۔ مولانا سید اولاد حسن قنوجی اپنے گرد و پیش یہی کام انجام دے رہے تھے۔ مولوی سید نصیر الدین غالباً چاہتے تھے کہ دعوت و تبلیغ کی ان مساعی میں تنظیم پیدا کر کے اندازہ فرمالیں کہ کل کتنی جمعیت کا انتظام ہو سکے گا اور آئندہ کیلئے مجاہدین کی آمد کا سلسلہ کس پیمانے پر جاری رہ سکے گا۔ نیز انکی خواہش تھی کہ جن حصوں میں منظم دعوت و تبلیغ کا انتظام نہیں ہوا، ان میں بھی گھوم پھر کر اجرائے کار کا بندوبست کر دیں۔ جب سوچا کہ اس طرح آغاز جہاد میں بہت تاخیر ہو جائے گی تو یہی فیصلہ کیا کہ زیادہ تاخیر نہ روا رکھی جائے اور ظاہر ہے کہ جواں مردانہ میدانِ جہاد میں اتر آنا بجائے خود دعوت و تبلیغ کا ایک مؤثر پیغام تھا۔ اس سلسلے میں جو کچھ پہلے ہو چکا تھا اور ہو رہا تھا، اس میں نازنا زیادہ جوش و سرگرمی پیدا ہو جانے کے قوی امکانات موجود تھے۔

والدہ سے اجازت

مولوی صاحب کی والدہ ماجدہ زندہ تھیں، ان سے اجازت لینے کا مرحلہ طے نہ ہوا تھا۔ والدہ کی ایک تمنا یہ تھی کہ ماہ رمضان کے اندر جامع شاہ جہانی میں نماز ادا کریں۔ مولوی صاحب نے رمضان ۱۲۵۰ھ (جنوری ۱۸۳۵ء) میں ایک رات نماز تراویح کے بعد والدہ کی یہ تمنا پوری کر دی، اپنے ساتھ مسجد میں لے گئے اور انہوں نے باطمینان جتنی دیر تک نماز پڑھنی چاہی پڑھتی رہیں۔ اس خدمت سے وہ بہت خوش ہوئیں، اس وقت مولوی صاحب نے عرض کیا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

ترجمہ: تم ہرگز حقیقی نیکی کو نہ پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جن سے تم کو پیار ہے۔

یہ آیت پڑھ کر کہا کہ آپکو مجھ سے بہت محبت ہے، میں خدا کی راہ میں جہاد کا آرزومند ہوں، آپ اس کارِ خیر کیلئے مجھے اجازت دیں اور مفارقت پر صبر و شکیب سے کام لیں۔ یہ سنتے ہی والدہ نے بخوشی اجازت دیدی۔ اس طرح مولوی صاحب کے راستے کی آخری رکاوٹ بھی دور ہوگئی اور وہ پورے اطمینان سے ہجرت کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔

سامانِ سفر

مولوی صاحب نے بہت تھوڑی مدت میں سفر کا سامان تیار کرلیا، جس کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ موصوف کی اہلیہ نے فرش اور ظروف کے علاوہ اپنے کپڑوں کی ایک جوڑی پیش کی، نیز مندرجہ ذیل کتابیں ساتھ لیں: قرآن مجید، تفسیر جلالین، مشکوٰۃ، سنن ابی داؤد، حبل المتین، حجۃ اللہ البالغہ میں سے کتاب الاحسان۔

بعض رفیقوں نے عرض کیا کہ تفسیر بیضاوی بھی ساتھ لے لیجئے۔ فرمایا: ہم جس مقصد کے لئے یہ سفر اختیار کر رہے ہیں اس میں کتابوں کے مطالعے کی نوبت نہ آئیگی۔

۳ رذی الحجہ ۱۲۵۰ھ (۲ راپریل ۱۸۳۵ء) کو گھر بار، اہل وعیال اور اعزہ واحباب سے مفارقت اختیار کر کے عرب سرائے میں جا ٹھہرے، جو دہلی سے تقریباً چار میل پر ہے۔ مجاہدین کی مختصر سی جماعت ساتھ تھی۔

ہمارے ہاں لوگ عیدین کے موقع پر باہر سے گھروں میں آتے ہیں تاکہ شادمانی کی یہ تقریبیں عزیزوں اور دوستوں میں ادا کریں، لیکن جو حق پرست بزرگ اپنی زندگیاں اہم دینی کاموں کیلئے وقف کر چکے ہوں انہیں صرف ان کاموں سے پیار ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی خوشی انہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتی۔ مولوی سید نصیر الدین مزید چند روز کے لئے توقف فرما کر عید کی نماز وطن میں ادا کرسکتے تھے لیکن انہوں نے جس اہم فرض کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بجا آوری میں اپنی جان تک دیدینے کا عزم فرمالیا تھا، ان کے نزدیک زندگی کی ہر خوشی صرف اسی کی تکمیل پر موقوف رہ گئی تھی۔ چنانچہ وہ بے تکلف اٹھے اور قرب عید چند روز کیلئے بھی ان کا عنان گیر نہ ہوسکا۔ راہِ رضا سہل نہیں، بہت کٹھن ہے لیکن مردانِ حق نے مشکلات کو یک قلم نظر انداز کرتے ہوئے ہمیشہ اسے بے پروایانہ طے کیا ہے، اور جب تک دنیا باقی ہے مردانِ حق کے اس شیوے میں فرق نہیں آسکتا۔ ان کے سازِ وجود کا ہر تار اس ترانے کے لئے وقف تھا۔

زندانیٔ غم باش کہ در شرعِ محبت صیدے کہ نہ شد کشتہ دریں بند حرام است

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

سفر ہجرت

راستے کا مسئلہ

ابو محمد کا بیان ہے کہ مولوی سید نصیر الدین لدھیانہ کے راستے سرحد پہنچنا چاہتے تھے، جہاں سید صاحب کے بقیۃ السیف رفقاء موجود تھے۔ گویا وہ دہلی سے پانی پت، کرنال، انبالہ، لدھیانہ، بہاول پور اور ڈیرہ غازی خاں کا راستہ اختیار کرنا چاہتے تھے (۱) لیکن تبلیغی دورے کے سلسلے میں ٹونک گئے تھے تو نواب وزیر الدولہ نے مولوی صاحب سے عہد لے لیا تھا کہ سرحد جاتے ہوئے ٹونک سے ہو کر جائیں، لہٰذا مجوزہ راستہ چھوڑ کر ٹونک، اجمیر اور راجپوتانہ کا راستہ اختیار کیا گیا۔

ہجرت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، مولوی صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ کو گھر سے نکل کر عرب سرائے میں ٹھہر گئے تھے، جو ان کے سفر ہجرت کی پہلی منزل تھی، اور وہاں تین دن مقیم رہے۔ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کتنے ارباب عزیمت تیار ہوئے، لیکن خیال ہے کہ ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی۔ ہمیں صرف مندرجہ ذیل اصحاب کے نام معلوم ہو سکے:

شیخ محمد تقی الہ آبادی، حاجی سید عبد الرحیم سورتی، شیخ عبد الکریم شاہ جہان آبادی

---

(۱) رسالے میں مذکور ہے کہ مولوی سید نصیر الدین لدھیانہ اور لاہور کا راستہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ یہ راستہ اسی صورت میں اختیار کیا جا سکتا تھا کہ جماعت چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ جاتی اور تمام لوگ درویشوں کے لباس میں سکھوں کی حکومت سے گزرتے۔ بصورت دیگر وہی راستہ اختیار کیا جا سکتا تھا جس کا ذکر میں نے متن میں کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(مؤذن جماعت)، سید عبد الرحیم بنگالی، شیخ رمضانی، شیخ عبد الکریم غازی پوری، شیخ عبد اللہ گورکھپوری، شیخ عبد اللہ خرد، اباز خاں ناگپوری، شیخ اللہ بخش الٰہ آبادی، شیخ کرم علی، شیخ واحد علی، سیّد واحد حسین، شیخ رجب علی، شیخ کریم بخش، سیّد وزیر علی (یہ چھ اصحاب حوالیٔ عظیم آباد کے باشندے تھے)، شیخ امجد علی بنگالی، رستم خاں شاہ جہان آبادی، شیخ قادر بخش صباغ شاہجہان پوری، سید محمد علی شاہ افغانستانی، سید افضل شاہ کاشمیری، محمد اسمٰعیل بھٹی، نور محمد پنجابی، مولوی ابراہیم اورنگ آبادی، کریم خاں بریلوی (یہ دونوں بزرگ بہت بوڑھے تھے)، شریعت اللہ سہارنپوری، محمد بنگالی، سید نوازش علی (از اولادِ شیخ آدم بنوری)، میرزا احمد بیگ دکنی، شیخ حبیب اللہ پنجابی، شہباز خاں ساکن حوالیٔ دہلی، شمس الدین قصاب، سید ابو احمد علی، سید محمد اسحٰق (برادر کلاں ابو احمد علی)، میرزا شہاب الدین فرزند میرزا محمد حسن تیموری۔ مؤخر الذکر شہزادگانِ دہلی میں سے تھے اور انھوں نے چند آدمی اپنے ساتھ لے لئے تھے۔

نمازِ عید اضحیٰ

۶ ذی الحجہ کو مولوی صاحب عرب سرائے سے روانہ ہوئے اور قطب صاحب میں حوضِ شمسی (۱) کے کنارے مسجد اولیاء کے متصل قیام کیا۔ ۷ ذی الحجہ کو چلے تو اسی دن یا ایک دن راستے میں قیام کرتے ہوئے ریواڑی پہنچ گئے، جہاں ایک باغ میں ٹھہرے۔

(۱) یہ حوض قطب صاحب کے قریب تھا اور سلطان شمس الدین التمش نے بنوایا تھا۔ اب اس کا صرف نشان باقی ہے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو میل چوڑا اور ایک میل لمبا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس حوض سے قطب صاحب کے جھرنے میں پانی جاتا تھا اور تغلقوں کے زمانے میں اس کا پانی تغلق آباد کی خندق میں پہنچتا تھا۔ مسجد اولیاء اس حوض کے مشرقی کنارے پر تھی، نشان اب بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور بعض دوسرے بزرگوں نے خود ٹوکریاں ڈھو ڈھو کر یہ مسجد بنائی تھی، نیز خواجہ صاحب اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے اس میں چلہ کشی کی تھی۔ اس وجہ سے مسجد اولیاء یا اولیاء مسجد کے نام سے مشہور ہو گئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عید اضحیٰ کی نماز اسی مقام پر ادا کی۔

ہم بتا چکے ہیں کہ بعض اوقات راہِ حق میں قدم رکھتے ہی شدید امتحانوں سے سابقہ پڑ جاتا ہے۔ اہل حق کیلئے یہ امتحان ازدیادِ ایمان و استقامت کا باعث ہوتے ہیں۔ گویا قدرت خود ایسا انتظام کر دیتی ہے کہ وہ لوگ سخت تر مشکلات کو صبر و سکون سے برداشت کر لینے کے اہل بن جائیں۔ مولوی صاحب کو بھی ابتدائی منازل ہی میں شدید امتحان سے دوچار ہونا پڑا، یعنی راستے کے خرچ کیلئے جو رقم ایک تھیلی میں محفوظ کر رکھی تھی، وہ گم ہو گئی۔

جے پور

ریواڑی سے ۱۵ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ گرمی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ پھر راجپوتانہ کا سفر، بڑی تکلیفیں پیش آئیں۔ جے پور پہنچ کر حکیم واصل خاں کے باغ میں ٹھہرے۔ رفیقوں میں سے سیّد ابو احمد علی کے بھائی سیّد محمد اسحٰق عاصے کمزور تھے اور کئی مزمن بیماریوں میں مبتلا چلے آتے تھے۔ ریگزار میں پیدل چلنے سے کمزوری بڑھ گئی۔ اس اثناء میں لو لگی۔ میرزا شہاب الدین کے ساتھ گاڑی تھی۔ انھوں نے اپنے پاس بٹھا لیا، لیکن جے پور پہنچنے کے دن سید صاحب فوت ہو گئے۔ جہاد کی نیت سے ہجرت اختیار کی تھی۔ اگرچہ میدانِ جہاد میں نہ پہنچ سکے، لیکن ہجرت اور جہاد دونوں کے ثواب سے شرف یاب ہوئے۔

جے پور میں باہر سے میت لانا ممنوع تھا۔ میرزا شہاب الدین حسن تدبیر سے ان کی میت واصل خاں کے باغ میں لے گئے۔ وہاں مرحوم کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ مولوی سید نصیر الدین نے اس موقع پر نہایت پر تاثیر خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ سیّد اسحٰق نے خدا سے جو عہد کیا تھا، اسے پورا کر دکھایا۔ دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے عہد پورے کرنے کی توفیق ارزانی ہو۔ سیّد ابو احمد علی نے اپنے بھائی سیّد امیر الدین اور دوسرے احباب واعزہ کو جو خط بھیجا، اس میں لکھا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعد از سلام مسنون محبت مقرون واضح آنکہ بعد از ہجرت ازاں دار الحرب پر آزار کرب در جے پور رسید و درآنجا واقعۂ ناگزیر اخی الاعظم مغفور و مرحوم پیش آمد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔(۱)

ترجمہ: محبت بھرے سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ میں تکلیفوں سے لبریز دار الحرب کو ترک کر کے جے پور پہنچا اور وہاں بڑے بھائی مغفور و مرحوم کی وفات کا واقعہ پیش آیا۔ تحقیق ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ٹونک

جے پور سے آگے صرف ایک منزل کا نام معلوم ہے، یعنی نوائی، جو ٹونک کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ مولوی سیّد نصیر الدین، سیّد وزیر علی، سید واحد حسین اور شیخ شریعت اللہ جے پور ہی میں بیمار ہو گئے تھے۔ سید ابو احمد علی ان سب کی تیمارداری کرتے رہے۔ غالباً بیماری ہی کے باعث وہاں ایک ہفتہ ٹھہرے رہے۔ نواب وزیر الدولہ کو پیغام بھیج دیا تھا۔ مولوی صاحب کی بیماری کا سن کر نواب ممدوح نے آپ کیلئے میانہ ارسال کر دیا اور راستے میں جگہ جگہ آدمی مقرر فرما دیے، جو مولوی صاحب کے متعلق پے در پے خبریں ٹونک پہنچاتے رہے۔ خود بناس ندی پر مولوی صاحب کا استقبال کیا۔ مصافحہ و معانقہ کے بعد زین پوش بچھا کر دعائے صحت کی۔ مولوی سید نصیر الدین کی طرح نواب وزیر الدولہ بھی کثیر الدعاء اور کثیر البکاء تھے۔ ان کا مقررہ دستور یہ تھا کہ ہر کام کے آغاز اور انجام پر دعاء کرتے۔ بعض اوقات دربار میں بیٹھے بیٹھے کلاہ سر سے اتار کر دعاء کے لئے قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے۔ درباریوں کو تاکید فرما رکھی تھی کہ ایسے موقع پر بہ اطمینان بیٹھے رہیں اور اعزاز کی غرض سے ہرگز کھڑے نہ ہوں۔ خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ زندگی میں کبھی دشمن کے لئے بھی دعائے بد نہ کی۔

(۱) ''اخبار مولوی سید نصیر الدین'' خلیفہ سید احمد صاحب۔ مخطوطہ ص: ۲۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب نے پہلے روز عید گاہ کے باغ میں قیام کیا، دوسرے دن ان کے لئے منور خاں کا بنگلہ اور احاطہ تجویز ہوا، جہاں نواب ممدوح کے بھائی صاحبزادہ حافظ محمد جمال رہتے تھے۔

مہمان داری اور تحائف

نواب وزیر الدولہ نے مولوی سید نصیر الدین اور ان کے رفیقوں کی مہمان داری بڑے اعلیٰ پیمانے پر کی۔ ایک روز نظر باغ میں دعوت کا انتظام کیا، جس میں تمام صاحبزادے، اکابر ریاست، سید حمید الدین رائے بریلوی اور دوسرے اصحاب شریک تھے۔ سب نے دو صفیں باندھ لیں اور مولوی سید نصیر الدین سے باقاعدہ بیعت کی۔ اس موقع پر نواب وزیر الدولہ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین ٹونک تشریف لائے تھے تو میں تحصیل علوم سے فارغ نہ ہوا تھا۔ آپ تشریف لے گئے۔ مجھے ہوش آیا تو اپنی محرومی پر حد درجہ افسوس ہوا۔ میں نے بہت سے درویشوں کو دیکھا، جو فیض سید صاحب سے پایا، وہ کسی دوسری جگہ سے حاصل نہ ہوا۔ مولوی سید نصیر الدین میں اسی فیض کا پرتو نظر آتا ہے۔

نواب صاحب نے اسلحہ مثلاً تلواروں، بندوقوں کے علاوہ اونٹ اور گھوڑے مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کیے۔ ایک گھوڑا اتنا عمدہ تھا کہ ویسا کسی رئیس کے پاس نہ تھا۔ ایک گھوڑے کا نام ''خوش خرام'' تھا۔ تیسرا گھوڑا کمیت تھا جس کا نام ''پری'' تھا۔ دو گھوڑے سرنگ تھے۔ ایک سرخ، ایک مشکی اور ایک سبزہ رنگ۔ نواب کے رفیقوں میں سے محمد اکبر خاں نے ایک گھوڑا دیا۔ صالح محمد خاں نے دعوت کی تو ایک گھوڑا، ایک اونٹ، ایک یابو اور ایک تلوار پیش کی۔ ان کے ایک خدمت گار غلام جیلانی نے ایک یابو نذر کیا، نیز فرش، خیمے، بڑی جانمازیں، گھڑیال، ایک بڑی دیگ اور دوسرا سامان توشہ خانہ ریاست سے ملا۔ نواب نے تمام مجاہدوں کے لئے دستاروں، انگرکھوں، پاجاموں، کمربندوں اور پاپوشوں کا انتظام کر دیا، نیز کھانڈ اور دالی کی بڑی مقدار ساتھ کر دی کہ کسی کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صفراوی بخار ہو تو دورانِ سفر میں اس کا علاج کیا جا سکے۔

یہ تفصیلات سید ابو احمد علی کے رسالے سے ماخوذ ہیں۔ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

نواب معلی القاب دین پرور، نیکو سیر، حامیٔ دین متین محمدیؐ، محیٔ صراط مستقیم احمدیؒ نصر اللہ تعالیٰ بہ انواع تائیدات وتکریمات جماعت مہاجرین معائل شدو باسلاح وچار پایان سواری وبار برداری بہ وجہ نیکو دلجوئی وخدمت گزاری ایں جماعت باکرامت کردند۔(۱)

ترجمہ: بلند لقب والے نواب نے جو دین کے خدمت گزار، نیک سیرت، دینِ محمدیؐ کے حامی، صراطِ مستقیم احمدی کے زندہ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہو، مختلف طریقوں سے جماعتِ مہاجرین کی تائید وتکریم فرمائی۔ ہتھیار دیے، سواری اور بار برداری کے لئے جانور مہیا کیے اور اس جماعت کی خدمت گزاری ودلجوئی احسن طریق پر فرمائی۔

اوکنلے کا بیان

اوکنلے کا ذریعۂ معلومات خدا جانے کیا تھا، وہ اپنے مقالے ''وہابی ہندوستان میں'' لکھتا ہے کہ مولوی نصیر الدین دہلی سے روانہ ہوئے تھے تو ان کے ساتھ تھوڑے سے آدمی تھے۔ ٹونک میں انھیں مجاہدین کی بڑی تعداد مل گئی۔ وہاں سے روپیہ بھی بہت ملا اور ہتھیار بھی۔ پھر وہ شکار پور چلے گئے۔ ان کا فیصلہ یہ تھا کہ مجاہدین خاصی تعداد میں جمع ہو جائیں تو سکھوں سے لڑیں۔(۲)

یہ صحیح نہیں کہ مولوی سید نصیر الدین ابتدا ہی میں شکار پور چلے گئے تھے۔ اس مقالے میں بعض اور بھی غلط باتیں درج ہیں، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ دہلی سے ان کی روانگی اور ٹونک سے امداد کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ فی الجملہ درست معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۲۰ (۲) کلکتہ ریویو، بابت جولائی ۱۸۷۰ء، ص: ۱۸۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

مقامِ جہاد کا فیصلہ

مولوی صاحب کا عزم

مولوی سید نصیر الدین نے راہ ہجرت میں قدم رکھا تھا تو ان کی خواہش یہ تھی کہ سید صاحب کے ان بقیۃ السیف رفقاء سے تعلق پیدا کریں جو سرحد آزاد میں مقیم تھے۔ اس سلسلے میں وہ امیر دوست محمد خاں کی حکومت کا تعاون بھی چاہتے تھے۔ اس وقت متعدد مقامات مختلف حیثیتوں سے موزوں نظر آتے تھے۔ مثلاً:

۱۔ مزاری اور لغاری بلوچوں کا وطن، جو سکھوں سے لڑ رہے تھے۔

۲۔ امیر دوست محمد خاں کا دائرۂ حکمرانی، جو ایک طرف سکھوں سے اور دوسری طرف انگریزوں سے برسر پیکار تھا۔

۳۔ سندھ، جہاں کے امیر اگرچہ انگریزوں سے معاہدہ کر چکے تھے، تاہم امکان تھا کہ انھیں تقویت پہنچا کر حقیقی دینی مقاصد پورے کرانے کا انتظام کیا جائے۔

لیکن ان مقامات پر معاملۂ جہاد منحصر نہ تھا۔ مولوی صاحب کا فیصلہ یہ تھا کہ جہاں بھی ٹھہرنے کا بندوبست ہو جائے، وہ اپنی زندگی کلمۂ حق کی سربلندی میں قربان کر دیں۔

چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ہر چند مصمم و مضمر آں بود کہ از راہ بہاول پور از لاب جلال آباد و کابل متوجہ شود۔ اگر در آنجا مقرے و مستقرے برائے مہاجرین بدست آید فھنا اما کنا نبع و الّا الم تکن ارض اللہ واسعۃ مطمح نظر ساختہ بہ محروسہ ساز محروسات

مسلمانان، بخارا باشد یا سمرقند، غزنی باشد یا نہاوند، کوہستان ہزاریاں بود خواہ دیارِ پنجا تاریاں، جبالِ سندھیاں باشد یا کوہ ہائے لغاریاں، رسیدہ مقرے برائے جماعت مہاجرین بدست آوردہ بہ توفیقات الٰہی وتائیدات لاتناہی تاجاں درتن وسر بر بدن باقیست، بہ ہمگی ہمت وکلی نہمت معروف ومبذول اعلاءِ کلمۃ اللہ العلیا شود۔(۱)

ترجمہ: اگرچہ ارادہ یہ تھا کہ بہاول پور کے راستے جلال آباد اور کابل جاؤں۔ اگر وہاں مہاجرین کے قیام کا انتظام ہو جائے تو یہی ہماری خواہش ہے، ورنہ" کیا خدا کی زمین وسیع نہیں؟" کو نصب العین بنا کر مسلمانوں کی کسی حکومت میں پہنچ جاؤں۔ بخارا ہو یا سمرقند، غزنی ہو یا نہاوند، ہزاریوں کا کوہستان ہو یا پنجتاریوں کا علاقہ، سندھیوں کے پہاڑ ہوں یا لغاریوں کے، مہاجرین کے لیے جگہ کا بندوبست کرلوں۔ پھر خدا کی توفیق اور اس کی بے انتہا تائید سے جب تک تن میں جان اور بدن پر سر ہے، پوری ہمت اور کامل ارادے سے کلمۃ اللہ کی سربلندی میں مشغول رہوں۔

ٹونک میں مشورے

مولوی صاحب موصوف ٹونک پہنچے اور جائے قیام کے متعلق مشورے شروع ہوئے تو نواب وزیر الدولہ، سید حمید الدین (خواہر زادہ سید صاحب) اور بعض دوسرے اکابر نے یہ رائے دی کہ سندھ کو مرکز جہاد بنانا چاہئے۔ سید حمید الدین سفر ہجرت میں سید صاحب کے ساتھ رہے تھے اور انھیں سندھ، بلوچستان، افغانستان اور سرحد کے حالات سے براہِ راست آگاہی حاصل ہو چکی تھی۔ انھوں نے یقیناً معاملے کے تمام پہلوؤں کا موازنہ کرتے ہوئے سندھ کے انتخاب پر زور دیا ہوگا اور ان کے دلائل کو پیش

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۹۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نظر رکھتے ہوئے مولوی سید نصیر الدین نے یہی فیصلہ کیا کہ سندھ میں قیام کیا جائے۔ پھر غور وفکر کے بعد جہاں سے مناسب ہو، جہاد شروع کر دیا جائے۔

مولوی صاحب کا بیان

چنانچہ مولوی صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

بعد ردّ و بدل بسیار و تأمل و تدبّر بے شمار چناں مقرر شد کہ دیار سندھ منزل مقصود مہاجرین نبت اللّٰہ اقدامہم گردد، وبعد رسیدن آنجا اگر اہل آں دیر داد انصاریت دادند ... وجائے برائے ثبات اقدام ایں جماعت فقرا مقرر کردند فھو المراد و الاملک خدا تنگ نیست و پائے شما لنگ نیست۔(۱)

ترجمہ: خاصے ردّ و بدل اور غور وفکر کے بعد فیصلہ ہوا کہ ولایت سندھ کو مہاجرین کی منزل مقصود قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انکے قدموں کو ثبات بخشے۔ وہاں پہنچنے کے بعد اگر اہل ملک نے تائید ونصرت کا حق ادا کیا اور فقیروں کی اس جماعت کے لئے کوئی جگہ مقرر کر دی تو یہی ہماری مراد ہے، ورنہ خدا کا ملک تنگ نہیں اور چلنے والا لنگڑا نہیں۔

سندھ کی ترجیح کے وجوہ

مشیروں نے سندھ کی ترجیح کے کئی پہلو پیش کیے۔ مثلاً یہ کہ وہاں پہنچنا آسان ہے۔ وہاں کے لوگ قول وقرار کے سچے ہیں۔ انھیں سید احمد شہید کے رفیقوں اور نیاز مندوں سے محبت ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں ترجیح کی پانچ وجہیں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

آنچہ در ترجیح وایثار ایں دیار بر کابل وجلال آباد و جبالِ یوسف زیاں ومقام مہاجرین سابقین بیان کردند، از آں جملہ اول آسانی راہ است در رسیدن

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ، ص: ۳۹

قوافل ہندوستان بہ راحت و آرام، دوم درست پیمانی اہل آں دیار، سوم محبت و اخلاص مسلمانان آنجا بہ اہل اللہ خصوصاً بہ منتسبان حضرت سید احمد صاحب......
چہارم مخالفت وعدم ملایمت پنجتاریاں و یوسف زئیاں و برادران امیر دوست محمد خان غازی واتباع ایشاں با حضرت ایشاں۔ اگرچہ امیر ممدوح فی نفسہ و بہ ذات خود از مخلصین و محبین است۔ پنجم صعوبت راہ وشدائد گذرگاہ کابل وجلال آباد وجبال افاغنہ بہ سبب کریوہ ومغاک ورہزنی دزدان باک وعملداری سکھان ناپاک۔(۱)

ترجمہ: کابل، جلال آباد، یوسف زئیوں کے پہاڑی علاقوں اور پہلے مہاجرین کے مقام پر سندھ کی ترجیح کے جو پہلو بیان کیے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ راستہ آسان ہے اور ہندوستان کے قافلے راحت و آرام سے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ سندھ کے باشندے عہد و پیمان کے سچے ہیں، سوم یہ کہ یہاں کے مسلمانوں کو اللہ والوں سے محبت واخلاص ہے، خصوصاً مسلمانوں کے سردار اور مجاہدوں کے امام حضرت سید احمد کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے۔ چہارم پنجتاری، یوسف زئی، امیر دوست محمد خاں کے بھائی اور ان کے ساتھی سید صاحب کے مخالف ہیں، اگرچہ خود امیر موصوف بڑے مخلص اور محب ہیں۔ پنجم کابل، جلال آباد اور افغانی کوہستان کے راستے، ٹیلوں اور غاروں کے سبب سے بہت دشوار گزار ہیں۔ ان راستوں میں ڈاکوؤں کا بھی خطرہ ہے، سکھوں کی عملداری کے باعث ان سے گذرنا خالی از خوف نہیں۔

زراعت وتجارت کے امکانات

مولوی صاحب نے مختلف خطوں میں سندھ کی ترجیح کے چند اور پہلو بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ سندھ کی زمین کھیتی باڑی کیلئے بہت موزوں ہے اور بہت زیادہ ہے۔ اس

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۹۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے مقابلے میں آبادی بہت کم ہے، نیز یہاں تجارت کیلئے بڑی گنجائش ہے اور اہل سندھ کو تجارت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ سندھ کے باشندے نرم طبیعت کے ہیں اور ان کے مزاج میں درشتی بالکل نہیں۔ چنانچہ ایک خط میں فرماتے ہیں:

ایں ملک مسلمانان برائے ہجرت خوب است، خصوصاً کسانے کہ شوق زراعت دارند۔ زیرا کہ زمین ایں ملک ریگستان است، نہ سنگستان و زمین بسیار است و مردماں کم...... بہ خلاف ہندوستان کہ جائے تنگ است و مردماں بسیار۔(۱)

ترجمہ: مسلمانوں کا یہ ملک ہجرت کیلئے بہت موزوں ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کیلئے جنھیں کھیتی باڑی کا شوق ہو، کیونکہ اس ملک کی سطح ریتلی ہے، پتھریلی نہیں۔ زمین بہت ہے اور آبادی کم۔ اس کے خلاف ہندوستان میں جگہ تنگ ہے اور آدمی بہت زیادہ۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

برائے ہجرت ایں ملک خوب است، خصوصاً برائے اہل زراعت، زیرا کہ زمین ارزاں بہ دست می آید و آبیاری آں از دریا می شود۔ بہ بارش چنداں حاجت ندارد۔(۲)

ترجمہ: یہ ملک ہجرت کیلئے بہت موزوں ہے، خصوصاً کھیتی باڑی کرنے والوں کیلئے، کیونکہ زمین سستی مل جاتی ہے۔ اس کی آبیاری دریا سے ہوتی ہے۔ بارش کی چنداں حاجت نہیں۔

ایک اور خط مظہر ہے:

برائے مہاجرت بھائی یعقوب صاحب ملک سندھ بسیار خوب است و دریں جا در مہاجرت ہر کہ و مہ را بسیار فوائد است۔ اگر خدا تعالیٰ استقامت عطا

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۴۲ (۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فرمایند و مردمانِ سندھ امر تجارت نمی دانند و در محنت کشی بسیار چست اند۔(۱)

ترجمہ: یہ ملک بھائی یعقوب کی ہجرت کیلئے بہت اچھا ہے۔ یہاں چھوٹا بڑا جو بھی ہجرت کر کے آئے گا، بہت فائدے حاصل کرے گا۔ خدا تعالیٰ استقامت عطا کرے۔ سندھ کے لوگ تجارت کرنا نہیں جانتے، ویسے بڑے محنتی ہیں۔

ایک مکتوب میں اہل سندھ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسلمانانِ سندھ لین الطبع و مبرا از خشونت مزاجی اند۔(۲)

ترجمہ: سندھ کے مسلمان طبیعت کے نرم ہیں اور ان کے مزاج درشتی سے بالکل پاک ہیں۔

سندھ میں قیام کیلئے کشش کا ایک باعث یہ بھی ہوا کہ اس زمانے میں ڈیرہ غازی خاں کے مزاری بلوچ سکھوں کے علاقوں پر یورشیں کر رہے تھے اور مولوی نصیر الدین کو اجمیر و جودھ پور میں یہ خبر مل گئی تھی۔ چنانچہ اسی وقت سے وہ مزاریوں کی طرف راغب ہو گئے۔(۳)

فیصلے کی حیثیت

مولوی صاحب نے واقفِ حال مشیروں کی پیش کردہ معلومات کے مطابق جو فیصلہ کیا، اس کی درستی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، لیکن معلومات جس زمانے میں حاصل کی گئی تھیں، وہ اور تھا اور مولوی نصیر الدین جس وقت سندھ پہنچے، صورت حال میں بہت بڑی تبدیلی ہو چکی تھی۔ مثلاً:

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۱۳
(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۴۴
(۳) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۴۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ والیانِ سندھ بڑی حد تک انگریزوں کے دستِ نگر ہو گئے تھے۔ رنجیت سنگھ سندھ کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا اور والیانِ سندھ کو امید نہ رہی تھی کہ انگریزوں کے سوا کوئی انھیں سکھوں کی دست بُرد سے بچا سکتا ہے۔

۲۔ اہلِ سندھ یقیناً اللہ والوں کے معتقد تھے، لیکن جن پیروں کو وہ اہل اللہ مانے بیٹھے تھے، ان میں سے کوئی بھی کسی بڑے مجاہدانہ اقدام کیلئے تیار نہ تھا، الا ماشاء اللہ۔

۳۔ مزاری بلوچ بلاشبہ سکھوں سے برسرِ پیکار تھے، لیکن انکی تنظیم بہت ناقص تھی اور تھوڑی ہی مدت میں وہ مقابلہ چھوڑ کر سکھوں سے جا ملے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

۴۔ سندھ میں زمین حاصل کر کے کھیتی باڑی یا تجارت بے شک شروع کی جا سکتی تھی، لیکن اس طرح سندھ کو اُس تصرف کے خطرے سے محفوظ نہ کیا جا سکتا تھا، جس میں یہ کم نصیب ملک مبتلا ہو چکا تھا۔

مولوی سید نصیر الدین نے خاصی مدّت جد و جہد میں بسر کی، لیکن انھیں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کا موقع نہ مل سکا۔ تفصیلات کیلئے آئندہ ابواب ملاحظہ فرمائیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

ٹونک سے سندھ

اجمیر و جودھ پور

ٹونک سے روانہ ہو کر مولوی صاحب نے اجمیر میں قیام کیا۔ وہاں سید احمد شہید کے نیاز مند موجود تھے۔ انھوں نے قافلۂ مجاہدین کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا ہوگا، لیکن حالات کا جو قلمی ذخیرہ ہمارے سامنے ہے، اس میں قیام اجمیر کی تفصیلات موجود نہیں۔ صرف یہ مرقوم ہے کہ ٹونک سے:

> بہ صورت رسال از رسالہ جاتِ سواراں روانہ بہ دار الخیر اجمیر شد۔
>
> ترجمہ: سواروں کے رسالے کی صورت میں دار الخیر اجمیر کی طرف روانہ ہوا۔

جودھ پور میں مشکلات

اجمیر میں چند روز ٹھہرنے کے بعد خیر پور سندھ کا قصد کر لیا۔ سیدھا راستہ جودھ پور سے ہو کر جاتا تھا، لہٰذا اس مقام پر بھی ٹھہرے۔ وہاں ابتدائے قیام میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ مثلاً:

۱۔ راجا نے دروازہ ہائے شہر کے پاسبانوں کو حکم دے دیا تھا کہ مجاہدین کے قافلے کا کوئی آدمی اندر نہ آنے پائے۔

۲۔ اس حکم کا نتیجہ محض یہی نہ نکلا کہ اہل قافلہ شہر میں داخلے سے محروم ہو گئے، بلکہ شہر کے مخلص مسلمان بھی اس خیال سے ملنے کیلئے نہ آ سکے کہ یہ امر راجا کی ناراضی کا باعث

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوگا۔

۳۔ تیسری اور سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ بعض ساتھیوں نے ہتھیار اور سامان لے کر بھاگ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ مولوی سید نصیر الدین نے معمول کے مطابق دو رکعت نماز ادا کرکے عجز وزاری سے بارگاہ باری تعالیٰ میں دعا کی کہ میرا تو بھروسہ صرف تجھ پر ہے۔ تیرے فضل کے یقین پر، تیری رضا کیلئے گھر بار چھوڑا ہے کہ دین کی نصرت کا کام انجام پائے۔ میں گنہگار ہوں۔ میرے گناہوں سے درگذر کر۔ اپنی رحمت پر نظر رکھ۔ تیرے سوا کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں؟

اس دعاء کے بعد مخالفین کا فتنہ دب گیا اور وہ لوگ قافلے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اطمینان کی صورت

معلوم ہوتا ہے کہ چند روز کے بعد یہ مشکلات ختم ہوگئیں۔ اس سلسلے میں خواجہ الماس نام ایک شخص کی اعانت بہت مؤثر ثابت ہوئی۔ اسے دربار جودھ پور میں خاصا رسوخ حاصل تھا۔ مولوی سید نصیر الدین اسے ''مرد سعادت مند'' و ''صلح دوست'' بتاتے ہیں۔ اس نے شہر میں داخلے کی بندش کا حکم منسوخ کرادیا۔ بعد ازاں اہل شہر سے میل جول کی صورت بھی پیدا ہوگئی۔ خود خواجہ الماس نے دو بیش قیمت، خوش شکل اور تیز رفتار اونٹ مولوی صاحب کی خدمت میں بہ طور نذر پیش کیے، نیز ایک قیمتی تلوار، بہت بڑی ڈھال اور دو سو روپے گزرانے۔ امید ہے کہ دوسرے مسلمانوں نے بھی حسب استطاعت نذریں پیش کی ہوں گی۔

جیسلمیر

جودھ پور کے بعد جیسلمیر میں قیام کا ذکر ہے، جہاں قافلہ دس روز کے قریب ٹھہرا رہا۔ وہاں کا راجا حسن سلوک سے پیش آیا۔ اس نے شہر کے اندر دو بڑی حویلیاں قافلے کیلئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خالی کرادیں اور مہمانداری کے سامان میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ جیسلمیر میں چار مسجدیں تھیں۔ ان میں سے صرف ایک مسجد میں اذان کہنے کی اجازت تھی، جو قندھاریوں کے محلے میں واقع تھی۔ باقی کسی مسجد میں اذان نہ ہوتی تھی، لیکن:

مردمان جماعت ہر جاہ کہ می خواستند، اذان می دادند و نماز می خواندند حتی کہ یک تالاب کلاں در جیسلمیر است کہ گرد آں بت خانہ ہائے سنگین تعمیر شدہ یک مکان سنگین درمیان تالاب واقع است۔ مردمانِ جماعت برآں اذان دادہ نماز می خواندند و تمام کافراں را بسیار شاق معلوم می شد، لیکن از ہیبت دم نمی زدند بلکہ روزے راجہ برائے سیر تالاب در معبد خود رفتہ روبروئے او مردمانِ ایں جماعت اذان دادہ نماز خواندند۔ بسیار دید لیکن ہیچ نہ گفت۔ (۱)

ترجمہ: ہماری جماعت کے آدمی جس جگہ چاہتے، اذان دیتے اور نماز ادا کرتے۔ جیسلمیر میں ایک بڑا تالاب ہے، جس کے اردگرد پتھر کا ایک مکان تالاب کے عین درمیان واقع ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ اس میں بھی اذان دے کر نماز پڑھتے۔ غیر مسلموں کو یہ امر بہت شاق گذرتا لیکن ہیبت حق کے باعث دم نہ مارتے۔ ایک روز راجا تالاب کی سیر کیلئے اپنے عبادت خانے میں آیا۔ اس کے روبرو بھی ہماری جماعت کے لوگوں نے اذان دے کر نماز پڑھی۔ وہ دیکھتا رہا اور کچھ نہ کہا۔

ایک اور خط میں ان تمام باتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ہماری جماعت کے آدمی فجر سے عشاء تک ان بت خانوں میں رہتے اور سوتے جو تالاب کے اردگرد بنے ہوئے تھے۔ نماز کے وقت بلند آواز سے اذان کہتے تو بت خانوں میں گھنٹے بجنے لگتے۔ غیر مسلموں میں سے چند لوگ چند مجاہدوں کو لے کر ان بت خانوں کے بڑے برہمن کے پاس پہنچے۔ مجاہدوں نے کلماتِ اذان کے معنی بیان کیے تو اس نے کہا کہ یہ خدائے بزرگ

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۵ و ۹

کی تعظیم کے کلمے ہیں، ان کے اوقات میں گھنٹے نہ بجانے چاہئیں۔(۱)

منشی امام علی

اس نے زمانے میں منشی امام علی نام ایک صاحب حکومت انگلشیہ کی جانب سے جیسلمیر میں اخبار نویسی پر مامور تھے۔ انھوں نے مجاہدوں کی خاطر کا خاص اہتمام کیا۔ راجے کے دل میں بھی منشی صاحب کی بڑی قدر و منزلت تھی اور شہر کے لوگ بھی ان سے بہت ڈرتے تھے۔ مجاہدین کو جیسلمیر میں جو سہولت و آسائش نصیب ہوئی، اس میں منشی صاحب کے اثر و رسوخ کو خاص دخل ہے۔

مولوی صاحب نے جیسلمیر سے روانگی کا قصد کیا تو کرایے کے اونٹ ملنے میں بڑی دقت پیش آئی۔ انھیں خیال تھا کہ منشی صاحب کی سعی سے اونٹ میسر آ جائیں گے، لیکن یہ سعی بے نتیجہ رہی۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں:

> چونکہ ایں چنیں خیال از طرف غیر خدا کردہ بودم، ہر چند منشی موصوف در کرایہ کردن شتران بسیار قصد کرد لیکن شتران کرایہ میسر نہ شدند۔(۲)
>
> ترجمہ: منشی صاحب نے کرایے کے اونٹ حاصل کرنے میں بہت کوشش کی اور میں دوگنا کرایہ دینے کے لیے تیار ہو گیا، لیکن میرا یہ خیال چونکہ غیر خدا کی طرف تھا، لہٰذا کرایے کے اونٹ میسر نہ آئے۔

بار برداری کی دِقت

مجبور ہو کر اپنے ہی اونٹوں پر سامان لاد لیا۔ پھر ایک اونٹ والا خود بخود آ گیا۔ جتنا کرایہ میں اسے پہلے دیتا تھا، اس سے نصف لے کر راضی ہو گیا۔ اس طرح جماعتِ مجاہدین نے جیسلمیر سے خیرپور کی طرف بیس کوس کا راستہ تین روز میں بہ ہزار خرابی طے کیا۔ بوجھ

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۴۴۔ (۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی زیادتی کے باعث اونٹ زخمی ہو گئے۔ وہاں ایک شخص ملا، جو سید احمد شہید کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ اس نے کہا کہ میں خدمت کیلئے تیار ہوں اور کرایے کے پانچ اونٹوں کا بندوبست کر بھی دیا۔ پانچ روپے بیعانہ بھی لے گیا، لیکن روانگی کے وقت اونٹوں والوں نے انکار کر دیا اور بیعانہ واپس کر گئے۔

خدا ساز سامان

آخر مولوی صاحب نے خود اونٹ فراہم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ آدمیوں کو تاکید کر دی کہ خبردار کوئی کسی سے کرایے کے اونٹوں کی بات نہ کرے۔ اس گاؤں کا چودھری بیمار تھا۔ لوگوں نے دودھ، چھاچھ اور پراٹھوں سے مولوی صاحب اور انکے ساتھیوں کی تواضع کی اور بیمار کے لئے تعویذ مانگا۔ مولوی صاحب نے قلم دوات لے کر تعویذ لکھ دیا اور بیمار کے بھتیجے کو ایک طرف لے جا کر کہا کہ شافیٔ مطلق بیمار کو شفا دیدے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس نے کہا، جو فرمائیں، حاضر کر دوں گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میری دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ ایک تیز رفتار اونٹ مجھے دیا جائے۔ دوسری یہ کہ ہمیں فی الحال بار برداری کیلئے اونٹ درکار ہیں، جو کرایہ مناسب ہو، لے لیں اور اونٹوں کا انتظام کر دیں۔ خدا نے اپنی رحمت سے مریض کو شفا دی۔ اس طرح اونٹوں کے انتظام کی صورت بنی۔

سرحدِ سندھ

سفر کرتے ہوئے مولوی صاحب سرحدِ سندھ پر اس جگہ پہنچے، جہاں کھارو کا قلعہ واقع تھا۔ اہلِ قلعہ نے انھیں قزاقوں کی جماعت سمجھ لیا اور گولیاں چلانے لگے۔ جب انھیں حقیقتِ حال بتائی گئی تو بولے، پہلے اونٹوں اور گھوڑوں کا محصول دو، پھر داخلے کی اجازت دی جائے گی۔ اور اسی وقت پانی کنوئیں سے نکالنے کا حق حاصل ہوگا۔ آگے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خیر پور تک چوبیس کوس کی منزل تھی، جہاں کہیں پانی نہ ملتا تھا۔ محصول کا حساب پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ چالیس روپے سے کم نہ ہوگا۔

مولوی صاحب نے کہا کہ ہم تین آدمیوں کو میر رستم فرمانروائے خیر پور کے پاس معافیٔ راہ کا پروانہ حاصل کرنے کی غرض سے بھیج چکے ہیں۔ ہم سے محصول نہ لیجیے، البتہ ایک بندوق آپ کے پاس بہ طور امانت چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر میر صاحب کی طرف سے معافی کا پروانہ آ گیا تو ہماری بندوق واپس بھیج دیجیے، ورنہ ہم رقم ادا کر کے بندوق لے جائیں گے۔ چنانچہ حاجی عبدالرحیم کو ایک بندوق دیکر قلعے میں بھیج دیا گیا۔ جماعت میں سے وہی سندھی زبان جانتے تھے۔ پھر قلعہ دار نے خود مولوی صاحب کو بلا لیا۔ بڑی عزت سے پیش آیا۔ بندوق واپس کر دی اور اپنے بیل لگا کر کنوئیں سے پانی نکلوایا۔ رخصت کے وقت مولوی صاحب کے جوتے سیدھے کیے۔ اس طرح مولوی صاحب منزل بہ منزل خیر پور ہوتے ہوئے پیرکوٹ پہنچ گئے۔ جہاں سیّد احمد شہید کے اہل و عیال مقیم تھے۔ اس وقت سیّد عبدالرحمٰن (خواہر زادۂ سیّد صاحب) حیدرآباد گئے ہوئے تھے۔ مردوں میں سے صرف سید اسمٰعیل (برادر زادۂ سیّد صاحب) موجود تھے۔

جماعت اور اس کا سروسامان

مولوی صاحب نے پیرکوٹ پہنچنے کے بعد جماعت اور سروسامان کی کیفیت ان لفظوں میں بیان کی ہے:

> فی الحال دہ راس اسپانِ کلاں کہ چہار از آں بیش قیمت و کم یاب است و دو راس یابو نامحسن صورت و دو راس یابو متوسط الحال و یک مادیاں و سیزدہ راس اشتراں و یک ناقہ نزد ایں جماعت موجود اند و دو کم پنجاہ تن از مہاجرین ہمدم و ہم قدم۔(۱)

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۲۴

ترجمہ: اس وقت ہمارے پاس دس بڑے گھوڑے ہیں، جن میں سے چار بہت قیمتی اور کم یاب ہیں۔ دو چھوٹے قد کے ٹٹو، دو درمیانے قد کے ٹٹو، ایک گھوڑی، تیرہ اونٹ اور ایک سانڈنی ہے۔ اڑتالیس مہاجرین ساتھی اور رفیق۔

ظاہر ہے کہ جو عظیم الشان کام مولوی صاحب کے پیش نظر تھا، اسے انجام دینے کے لئے یہ سروسامان اور یہ رفیق کچھ حیثیت نہ رکھتے تھے، لیکن اس سلسلے میں دو حقیقتیں ہر لحظہ سامنے رہنی چاہئیں: اوّل یہ محض ہراول دستہ تھا۔ مولوی صاحب کو امید تھی کہ ہندوستان سے بھی لوگ کثیر تعداد میں پہنچیں گے اور سندھ سے بھی ہزاروں جانباز ساتھ ہو جائیں گے۔ دوم اصل معاملہ احساس ادائے فرض پر موقوف تھا۔ اگر باقی مسلمان اس احساس سے بہرہ مند نہ ہو سکے یا بہرہ مندی کا کوئی عملی ثبوت انھوں نے پیش نہ کیا تو نہ اس بنا پر مولوی صاحب یا ان کے رفیقوں کیلئے خاموش بیٹھے رہنا مناسب تھا اور نہ ادائے فرض کی یہ صورت تھی کہ جب تک بہت بڑا لشکر تیار نہ ہو جاتا، مولوی صاحب یا ان کے رفیق گھروں میں بیٹھے رہتے۔ اس پہلو پر "سید احمد شہید" میں مفصل بحث ہو چکی ہے، جس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

سندھ میں سرگرمیاں

پیر کوٹ

پیر کوٹ جس کا سندھی نام "پیر جو گوٹھ" تھا۔ سادات کے اس خاندان کا مرکز چلا آتا ہے جو "پیر پگاڑو" کے لقب سے شہرت پذیر ہوا۔ یہ روہڑی سے پندرہ سولہ میل جنوب میں اور خیر پور سے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہم "سید احمد شہید" میں بتا چکے ہیں کہ اصل پیر کوٹ دریا کی دست برد میں آ گیا۔ اس نام کا موجودہ مقام پہلے مقام سے تقریباً پانچ میل مشرق میں آباد کیا گیا۔

سید صاحب کے زمانے میں پیر صبغۃ اللہ شاہ مسند نشین ارشاد و ہدایت تھے۔ انھوں نے سید صاحب سے کامل تعاون کا عہد کیا تھا اور اس کے ایفاء میں برابر سرگرم رہے۔ سید صاحب کی شہادت سے چند سال بعد وفات پائی۔

حرُوں کا نظام

پیر صبغۃ اللہ شاہ ثانی نے اپنے مریدوں میں جہاد کی تحریک جاری کی تھی۔ پیر صاحب گدی پر بیٹھے تو ان کے بعض بھائیوں نے مخالفانہ سرگرمیاں شروع کر دیں اور اس سلسلے میں پیر صاحب پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔ لہٰذا ان کے مریدوں نے حفاظت کیلئے ایک جماعت بنائی، جو حرُوں کے نام سے مشہور ہوئی۔ پیر صاحب نے ارادہ کر لیا کہ اس نظام کو وسعت دے کر سندھ کو اجنبیوں اور غیروں کی دست برد سے بچایا جائے اور ممکن ہو تو اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نظام سے وسیع تر دائرے میں کام لیا جائے۔ اس موقع پر سید صاحب بہ عزمِ جہاد سرحد جاتے ہوئے سندھ پہنچے تو پیر صبغۃ اللہ شاہ نے اشتراکِ مقاصد کی بنا پر سید صاحب سے تعاون کا فیصلہ کر لیا۔ حروں کا نظام برابر قائم رہا اور اب تک قائم ہے۔

موجودہ پیر صاحب کے والد ماجد پیر صبغۃ اللہ شاہ ثانی نے بھی اس جماعت سے سیاسی کام لینے کی تیاریاں کی تھیں، لیکن ایسے حالات پیش آ گئے کی حکومتِ انگلشیہ نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ان پر مقدمہ چلایا اور موت کی سزا دیدی۔ پیر صاحب کے مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مسند ہی کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ پاکستان بن جانے بعد مسند بحال ہوئی اور پیر صبغۃ اللہ شاہ ثانی کے فرزند ارجمند پیر سکندر شاہ، شاہ مردانِ ثانی کے لقب سے زینت آرائے مسند ہوئے۔

سیّد احمد شہید کے اہل وعیال

سید احمد شہید پیر صبغۃ اللہ شاہ اول کے جذبۂ اسلامیت سے اس درجہ متاثر ہوئے تھے کہ اپنے اہل وعیال کے قیام کیلئے پیر کوٹ ہی کا مقام تجویز کیا، حالانکہ نواب امیر خاں والیٔ ٹونک اور امیرانِ سندھ بھی انکے قیام کیلئے مناسب بندوبست کر دینے پر ہمہ تن آمادہ تھے اور نظر بظاہر پیر صبغۃ اللہ شاہ کے مقابلے میں ان والیانِ ریاست کے وسائل بہت زیادہ تھے، لیکن سید صاحب نے جذبۂ اسلامیت کو فراوانیٔ وسائل پر ترجیح دی۔ چنانچہ آپکے اہل وعیال واقعۂ بالاکوٹ کے بعد بھی کئی سال تک پیر کوٹ ہی میں مقیم رہے۔ مولوی سید نصیر الدین نے اسی تعلق کی بنا پر سندھ میں پیر کوٹ کو اپنی پہلی منزل قرار دیا تھا۔

پیر علی گوہر شاہ

مولوی صاحب پیر کوٹ پہنچے تھے تو پیر صبغۃ اللہ شاہ اول کے فرزند پیر علی گوہر شاہ مسند نشین تھے، لیکن وہ اس زمانے میں کچھ کی طرف دورے پر گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب ابتدائی خطوں میں سے ایک میں لکھتے ہیں کہ:

پیر صاحب بہ طرف کچھ برائے دورہ وسیر رفتہ اند۔(۱)

دوسرے میں فرماتے ہیں کہ وہ سورت واحمد آباد کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ سندھ کے سب سے بڑے پیر یہی تھے۔ مولوی صاحب کو اُمید تھی کہ ان کے مریدوں میں سے جانبازوں کی بہت بڑی تعداد جہاد میں ہمراہی کے لئے تیار ہو جائیگی۔

نادرالوجود کتب خانہ

پیر کوٹ کا کتب خانہ ہر لحاظ سے نادر سمجھا جاتا تھا۔ خصوصاً مخطوطات کے ایسے بیش بہا ذخیرے کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ افسوس کہ یہ پیر صبغۃ اللہ شاہ ثانی کی گرفتاری کے بعد حکومت انگلشیہ کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ مولوی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتب خانے میں قرآن مجید کا ایک ایسا مترجم نسخہ موجود تھا جس کے حاشیے پر چار تفسیریں تمام وکمال درج تھیں۔ اول تفسیر نیشاپوری، دوم بیضاوی، سوم مدارک، چہارم کشاف۔ ان کے علاوہ تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری، تفسیر مقدسی، تفسیر قرطبی، تفسیر قشیری، درّ منثور وغیرہ بہت سی تفسیریں الگ الگ موجود تھیں۔ حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ مشکوٰۃ، روضۃ الصالحین، سنن بیہقی۔ حدیث کی شرحوں میں عینی، فتح الباری، قسطلانی اور کرمانی۔ فقہ میں زیلعی تمام وکمال، بحرالرائق، فتح القدیر، حموی شرح اشباہ ونظائر۔

یہ صرف بعض مذہبی کتابوں کا ذکر ہے، لیکن معلوم ہے کہ اس کتب خانے میں شعروادب اور تاریخ کی کتابیں بھی بے شمار تھیں۔ بارہ چودہ سال پیشتر سید حمید الدین (خواہر زادۂ سید صاحب) نے یہ کتب خانہ دیکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صرف مشہور کتابوں کی چودہ ہزار جلدیں اس میں تھیں۔ ان میں فارسی دیوانوں کے تقریباً ایک سو مطلا نسخے تھے

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور چینیشہ جلدیں تفسیروں کی تھیں۔ ''شاہنامہ'' کے پانچ نسخے نہایت عمدہ تصویروں سے مزین تھے۔ احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ کے کئی کئی نسخے موجود تھے۔

مولوی صاحب کی سرگرمیاں

مولوی صاحب نے سندھ پہنچتے ہی پیش نظر مقاصد کیلئے جدو جہد شروع کردی۔ انھیں بعض اکابر کے حالات سید حمید الدین سے ٹونک میں معلوم ہو چکے تھے۔ بعض کے حالات انھوں نے سندھ پہنچ کر معلوم کر لیے اور یکے بعد دیگرے ان سب سے ملاقاتیں شروع کر دیں تا کہ آغاز جہاد کے متعلق اپنی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم انکے سامنے پیش کریں اور ان کی معلومات سے فائدہ اٹھا کر آخری اقدام کے باب میں فیصلہ کرلیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی مطلوب تھا کہ دریافت کریں کہ ان اکابر سے کس قدر مالی یا جانی امداد کی توقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے سید صاحب کے برادر زادے سید اسمٰعیل کو ساتھ لے کر مختلف مقامات کے دورے شروع کر دیے۔

مخدوم عبدالخالق

مخدوم عبدالخالق ساکن کھڑہ کو خاص شہرت حاصل تھی۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں:

> در اتباع شریعت وحمیت اسلام مشہور بودہ اند... در حکومت میر رستم فتوائے ایشاں جاریست و سید حمید الدین برائے ملاقات شاں در ٹونک وصیت کردہ بودند واز آوازۂ دین داریِ شاں ایں نیاز مند درگاہ الٰہی بسیار برائے ملاقات شاں مشتاق بود۔(۱)

(۱) اخبار سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۰۔ مخدوم عبدالخالق ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) میں سجادہ نشین ہوئے اور ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں وفات پائی۔ یہ مخدوم محمد عاقل کے صاحبزادے تھے۔ ان کے بعد خاندان میں دستور مقرر ہو گیا کہ ایک سجادہ نشین کا نام محمد عاقل ہوگا تو دوسرے کا عبدالخالق۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: شریعت کی پابندی اور اسلامی حمیت میں بہت مشہور ہیں۔ میر رستم والیٔ خیر پور کی حکومت میں انھیں کا فتویٰ جاری ہے۔ سید حمید الدین نے ٹونک میں ان سے ملاقات کیلئے تاکید فرمائی تھی اور مخدوم کے دین داری کے شہرے کی وجہ سے میں ملاقات کا بے حد شائق تھا۔

کھڑہ پیرکوٹ سے دس بارہ کوس تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب سید اسمٰعیل کے ساتھ وہاں گئے۔ مخدوم صاحب بڑی خاطر داری سے پیش آئے۔ جہاد میں شرکت کا اقرار کیا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ابتداءً اُن سے عربی میں باتیں ہوئیں، بعد ازاں فارسی میں۔ وہیں ان کے برادر نسبتی مولوی محمد شفیع مل گئے، جو کئی حج کر چکے تھے اور شیخ عبداللہ سراج کے تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ وہ جہاد کیلئے مخدوم صاحب سے بھی زیادہ سرگرم معلوم ہوتے تھے۔ ابتدائی ملاقات ہی میں اس درجہ گھل مل گئے گویا مدتِ مدید سے محبت و اخلاص کے تعلقات جاری تھے۔

مخدوم صاحب کی ملاقات سے مولوی سیّد نصیر الدین نے یہ اثر قبول کیا کہ جہاد شروع ہوتے ہی موصوف اپنے ہزاروں مریدوں کو ساتھ لے کر شریک ہو جائیں گے۔

سیّد ابرہیم شاہ

کھڑہ سے تقریباً ایک سو کوس گمبٹ میں سید ابرہیم شاہ رہتے تھے، جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ انھیں بھی بہت شہرت حاصل تھی۔ چنانچہ مولوی صاحب گمبٹ بھی پہنچے، لیکن دقت یہ پیش آئی کہ سید ابراہیم شاہ نہ فارسی جانتے تھے نہ ہندی اور نہ عربی، صرف سندھی میں بات چیت کر سکتے تھے اور سندھی سے مولوی صاحب ناواقف تھے۔ سید اسمٰعیل کو سندھی میں ایسی مہارت حاصل نہ تھی کہ پیش نظر مسائل کے سلسلے میں ترجمانی کا حق ادا کر سکتے، حسنِ اتفاق سے ایک مقامی عالم قاضی عبدالجلیل مل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے، جنھیں مولوی صاحب اپنے مطالب فارسی میں بتاتے اور وہ سندھی میں سید ابراہیم شاہ کو سمجھا دیتے۔ سید موصوف نے آخر میں فرمایا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں، اسکی بجا آوری میں تامل نہ ہوگا اور دو روپے بطور نذر مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کیے۔(۱)

امر بالمعروف

مولوی سید نصیر الدین کی اس خصوصیت کا ذکر ضروری ہے کہ وہ جہاں کوئی بات خلاف سنت پاتے، بے توقف دلائل کی بنا پر اس کی اصلاح میں کوشاں ہو جاتے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ میں مخدوم عبدالخالق کے پاس پہنچا تو اہل سندھ کی عادت کے مطابق، نیز شغل و ذکر میں انہماک کے باعث نماز میں تاخیر کرتے تھے۔ میں نے ان کے سامنے "مشکوٰۃ" کی احادیث اور "درِ مختار" کی روایات پیش کیں۔ مخدوم صاحب نے میری بات مان لی اور نماز میں تاخیر ترک کر دی۔

۲۔ سید ابراہیم شاہ ختم قادریہ میں ایک تسبیح "یا شیخ عبد القادر شیئاً للّٰہ" کی بھی پڑھتے تھے۔ میں نے انکے خلیفوں کو جو خاصے عالم تھے، ایسے طریق پر سمجھا دیا کہ انھوں نے اسکے ممنوع ہونے کا اقرار کر لیا۔ انھیں بھی نماز اول وقت میں ادا کرنیکی نصیحت کی۔

امر بالمعروف میں اس کامیابی کے پیش نظر مولوی صاحب لکھتے ہیں:

---

(۱) سید ابراہیم شاہ کے متعلق معلوم ہوا کہ بغداد سے دو بھائی پیر سید محمد شاہ اور پیر سید احمد شاہ، میاں غلام شاہ کلہوڑا کے عہد حکومت میں سندھ پہنچے تھے۔ خدا جانے کس بناء پر شبہ پیدا ہوا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے جاسوس ہیں۔ لہذا انھیں سندھ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی۔ میاں غلام شاہ کی وفات کے بعد یہ دوبارہ سندھ آئے۔ مخدوم صاحب کھڑہ نے ایک بھائی کو گمبٹ میں اور دوسرے کو رانی پور میں ٹھہرایا۔ پیر محمد شاہ کے صرف ایک بیٹا تھا: عبدالرزاق جو لاولد تھا۔ پیر احمد شاہ کے بڑے بیٹے پیر محمد صالح شاہ رانی پور شریف میں سجادہ نشین ہوئے اور دوسرے بیٹے پیر سید ابراہیم شاہ کو گمبٹ کی مسند ملی۔ موصوف کی وفات پر ان کے فرزند پیر شمس الدین گمبٹ میں سجادہ نشین ہوئے اور رانی پور شریف میں پیر محمد صالح شاہ کے فرزند پیر غلام محی الدین تھے۔ یہ دونوں گدیاں آج تک قائم ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مردمانِ اینجا بسیار سلیم الطبع اند و ہرگز ہرگز مقابلۂ شریعت نمی کنند، گو کسے مخالف طبیعت ایشاں بگوید، مگر مردانِ حق گو اینجا نیستند و پیران اینجا را جز اہتمام گرفتن بیعت مطلبے دیگر نیست۔ بعضے از پیراں حمیتِ اسلامی ہم دارند، مگر اہتمام در امر بالمعروف نمی کنند۔

ترجمہ: یہاں کے لوگ بہت سلیم الطبع ہیں اور وہ شریعت کی مخالفت قطعاً نہیں کرتے، اگرچہ کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف بات کہے، البتہ یہاں حق گو آدمی نہیں۔ یہاں کے پیروں کو بیعت لینے کے سوا کوئی غرض نہیں۔ بیشک بعض پیروں میں حمیتِ اسلامی بھی ہے، مگر وہ امر بالمعروف کا اہتمام نہیں کرتے۔

سیّد جعفر علی اور میاں عثمان

اس وقت خیر پور کے سادات میں ایک سیّد جعفر علی تھے، جنھیں مولوی نصیر الدین نے "سعادت دستگاہ"، "ذی وجاہت" اور "ذی دیانت" بتایا ہے۔ وہ مولوی صاحب کے عزم کا حال سن کر خیر پور سے پیر کوٹ پہنچے اور بات چیت کے بعد خود جہاد میں شرکت ورفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ (۲)

ایک صاحب میاں عثمان سندھی تھے، جن کی سکونت نوشہرہ میں تھی۔ کھڑہ میں مولوی محمد شفیع نے ان کا ذکر کیا تھا۔ مولوی صاحب ان سے مدینہ منورہ میں مل چکے تھے۔ ان سے بھی ملاقات کی، جس کا ذکر سفر حیدر آباد کے سلسلے میں آئے گا اور اسی سفر میں سندھ کے دوسرے اکابر سے بھی ملاقاتوں کی تفصیل بیان ہوگی۔

ساداتِ شاہ کوٹ

مولوی صاحب کے ایک مکتوب میں سادات ومشائخ شاہ کوٹ کا ذکر ہے۔ فرماتے

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص:۱۱ (۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص:۲۰۲و۲۰۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں کہ یہ لوگ بہت بڑے پیروں میں سے ہیں۔ سید حسن شاہ، سید محمد عطا شاہ، سید یٰسین شاہ اور دوسرے بزرگوں نے اپنی مہریں میرے جاری کردہ دعوت نامۂ جہاد پر ثبت فرما دیں۔ یقیناً ان کے سینوں میں دینِ احمدیؐ کی حمیت موجزن ہے اور وہ ملتِ اسلامیہ کی ترقی کے آرزومند ہیں۔

ان کے علاوہ کوہستانی علاقے کے مشہور پیروں میں سے سید مومن شاہ اور سید امیر شاہ کا ذکر مولوی صاحب نے بہ طورِ خاص فرمایا ہے۔ حاجی شکر اللہ کو اعلام نامہ دے کر اس غرض سے حیدر آباد اور مدراس کی طرف بھیج دیا گیا کہ وہ ان علاقوں میں دعوتِ جہاد کا انتظام کریں۔ ان کا خط بھی آ گیا کہ جلد ہزاروں مسلمان جہاد کی غرض سے میدان میں پہنچ جائیں گے۔(۱) تفصیلات جداگانہ باب میں بیان ہوں گی۔

وقت کے اکابر

حاکمانِ حیدر آباد کے بلند پایہ عہدہ داروں میں سے احمد خاں لغاری اور یوسف خاں کا ذکر آگے آئے گا۔ مولوی سید نصیر الدین نے ریاست خیر پور کے وزیر فتح محمد خاں غوری کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ریاست پناہ، رفعت جایگہ، معدنِ حمیتِ اسلامیہ، مخزنِ غیرتِ ایمانیہ سردار فتح محمد غوری کہ مختار رتق وفتق ونظامِ ملک داری ولشکر کشی میر صاحبانِ خیر پور بہ قبضۂ اقتدار آں دین دار است، بہ کمالِ اخلاصِ دلی وخلوصِ قلبی دمِ نصرت می زند۔ چوں در بعض معاملات کہ بہ آں دین دار اتفاق افتادہ مخلصانہ پیش آمد، غالب کہ دمِ او باقدم باشد۔(۲)

ترجمہ: سردار فتح محمد غوری اسلامی حمیت کی کان اور ایمانی غیرت کا خزانہ ہیں۔ وہی ریاست خیر پور کے انتظامات کے مختار ہیں۔ لشکر کشی بھی انھیں

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۴۳
(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

> کے حکم سے ہوتی ہے۔ وہ دلی خلوص سے میری حمایت کا دم بھر رہے ہیں۔ بعض معاملات میں سابقہ پڑا تو انھوں نے اخلاص کا ثبوت دیا۔ اغلب ہے، وہ اپنے وعدۂ امداد کا عملی ثبوت پیش کریں۔

اس زمانے میں حکومتِ قلات کی وزارت پر مختار الدولہ میر محمد حسن (۱) مامور تھے۔ مولوی صاحب نے ان سے بھی خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ ان کے بھی دو خط اس مجموعے میں موجود ہیں، جس کے حوالے بار بار دیے جا رہے ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ وزیر موصوف بھی جہاد میں ہر ممکن اعانت کیلئے تیار تھے اور انھوں نے میر محراب خاں والیٔ قلات کے مشورے سے یہ خط لکھے تھے۔

---

(۱) یہ محمد حسن اخوند فتح محمد کا بیٹا تھا، جو سید صاحب کے سفر ہجرت کے وقت قلات کا وزیر اعظم تھا۔ ایک سو بیس برس کی عمر ہو چکی تھی، لیکن قویٰ ضعف و انحطاط سے محفوظ تھے۔ سید حمید الدین خواہر زادہ سید صاحب نے اخوند کے متعلق لکھا تھا کہ عمر و اقبال اور دیانت و تقویٰ کی یاوری کے ایسے نمونے بہت کم دیکھے گئے، جیسا کہ اخوند فتح محمد تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

حیدر آباد کا سفر

سید عبدالرحمٰن کا مکتوب

ہم بتا چکے ہیں کہ مولوی سید نصیر الدین پیر کوٹ پہنچے تھے تو سید عبدالرحمٰن (خواہر زادۂ سید صاحب) حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب نے خیر پور سے ایک خط ان کے نام ارسال کر دیا تھا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ حیدر آباد میں دو نیک دل سردار ہیں: ایک احمد خاں لغاری، دوسرا یوسف خاں۔ ان سے بات چیت ہوئی تو جواب دیا کہ مولوی صاحب پیر کوٹ میں ٹھہرے رہیں ہم مناسب موقع پر حاکمانِ سندھ کے سامنے یہ معاملہ پیش کریں گے تاکہ موصوف کو بہ طریق احسن حیدر آباد بلایا جائے۔ سید عبدالرحمٰن نے یہ بھی لکھا تھا کہ جب بلایا جائے تو دس مسلح سوار لے کر خشکی کے راستے سے آئیں۔ مولوی صاحب یہ خط پہنچنے سے قبل کشتی کے ذریعے سے حیدر آباد جانے کا انتظام کر چکے تھے اور کشتی والے کو بیعانہ بھی دے چکے تھے۔(۱)

قیامِ حیدر آباد اور ملاقات

افسوس کہ مولوی صاحب کے حیدر آباد جانے اور حاکمانِ سندھ سے ملاقات کرنے کی تفصیل اس مکتوب ذخیرے میں نہ مل سکی جو اب تک دستیاب ہو سکا، لیکن قرائن یہی ہیں کہ وہ کشتی کے ذریعے سے حیدر آباد گئے۔ وہاں کچھ مدت مقیم رہے۔ اغلب ہے،

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حاکمانِ سندھ نے کچھ تحائف اور روپے پیش کیے ہوں، تاہم جہاد میں سرگرم اعانت کی امید پوری نہ ہوئی۔ اگر وہ لوگ اعانت کے لئے تیار ہو جاتے تو یقیناً اس کا کوئی عملی ثبوت سامنے آ جاتا۔ ایک خط میں صرف اتنا مرقوم ہے:

> الحال کہ از ملاقات میر صاحبانِ حیدرآباد فراغ دست دادہ۔ اگر فضل الٰہی سبحانہٗ شامل حال است، فردا یا پس فردا از حیدرآباد بہ راہِ خشکی بہ طرف پیر کوٹ روانہ خواہم شد۔(۱)

> ترجمہ: اب سندھ کے میروں سے ملاقات ہو چکی، میں خدا کے فضل سے کل یا پرسوں خشکی کے راستے حیدرآباد سے روانہ ہو کر پیر کوٹ پہنچ جاؤں گا۔

جس زمانے میں سید صاحب حیدرآباد سے گذر رہے تھے، حاکمانِ سندھ کے لئے حالات بدرجہا سازگار تھے، لیکن وہ اس زمانے میں بھی ہمت و عزیمت کا تقاضا پورا نہ کر سکے۔ آٹھ دس سال گذر جانے کے بعد حالات خاصے ناسازگار ہو چکے تھے۔ اس وقت ان سے جانبازی کے کسی کارنامے کی کیا توقع ہو سکتی تھی؟ انگریزوں نے انھیں معاہدوں کی زنجیروں میں بے طرح جکڑ لیا تھا۔ رنجیت سنگھ آہستہ آہستہ سندھ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اگر حاکمانِ سندھ جنگ کیلئے تیار ہو جاتے تو یقین تھا کہ سندھ کے پیر بھی ان کا ساتھ دیتے اور مجاہدین کی اعانت سے کم از کم سکھوں کو شکست دینا مشکل نہ تھا۔ اس کے بعد انگریزی اقتدار کی زنجیریں بھی ڈھیلی ہو جاتیں، لیکن یہ جانبازی اور جانفشانی کا کام تھا اور حاکمانِ سندھ عزت مندانہ زندگی کے اس جوہر سے بالکل بے حس تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مزید چند سال میں ان کی حکومت کا نقش حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ہندوستان کے مسلمان حاکموں کی بے عزمی کے باعث اسلامی اقتدار کی شکست و ریخت کا جو الم نامہ تیار ہو رہا تھا، اس میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غرض ملاقات کی تفصیلات تو پیش نظر نہیں، لیکن مولوی صاحب نے حیدرآباد سے واپسی کے سفر کی مختصر سی سرگزشت ایک مکتوب میں بیان فرمادی ہے، اُسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

حیدرآباد سے مٹاری

مولوی صاحب حیدرآباد سے چلے تو پہلی منزل مٹاری میں ہوئی، جو سندھ میں سادات کی ایک مشہور مسند ہدایت وارشاد ہے۔ مولوی سید عبدالکریم مسند پر فائز تھے، جنھیں تمام سادات خاص عزت وتکریم کا مستحق سمجھتے تھے۔ مولوی سید نصیرالدین نے جمعہ کی نماز مسجد میں ادا کی۔ وہیں میاں لطف اللہ سندھی سے ملاقات ہوگئی، جو مدینہ منورہ کے راستے میں مولوی صاحب سے مل چکے تھے۔ انھوں نے فوراً میٹھے چاول تیار کرالئے۔ مولوی صاحب اور ان کے بارہ ساتھیوں نے میاں لطف اللہ ہی کے ہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔ شام کی دعوت مولوی سید عبدالکریم کے ہاں تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر اصل مقصد کے متعلق بات چیت کی۔ مولوی سید عبدالکریم اور میاں لطف اللہ دونوں نے کہا کہ مزاریوں کے علاقے میں بیٹھنا بہت مناسب ہے:

اگر امسال جمعیت گرد شما شد، ایں جانباں مع اتباع خویش حاضر خواہیم شد۔ سال آئندہ ارادۂ مدینہ منورہ داریم۔ (۱)

ترجمہ: اگر اس سال آپ کے پاس معقول جمعیت فراہم ہوگئی تو ہم بھی اپنے مریدوں کو لے کر حاضر ہو جائیں گے۔ اگلے سال ہم مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کیے بیٹھے ہیں۔

ہالہ

مٹاری سے روانہ ہوکر مولوی صاحب ہالہ پہنچے، جو مخدوم نوحؒ کی درگاہ کے باعث

(۱) اخبار مولوی سید نصیرالدین مخطوطہ ص: ۳۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سندھ میں بہت مقدس مقام مانا جاتا تھا۔ مولوی سید نصیر الدین نے درگاہ کے متولی مخدوم سے بھی ملاقات کی اور کہا کہ آپ کو بھی جہاد میں شریک ہونا چاہیے۔ انھوں نے فرمایا:

اگر پیرانِ سندھ ہمراہِ شما خواہند رفت ما نیز حاضر ہستیم۔(۱)

ترجمہ: اگر سندھ کے پیر آپ کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو گئے تو ہمیں بھی حاضری میں تامل نہ ہوگا۔

مرقعِ عبرت

دیکھیے عزت کی زندگی کے متعلق مسلمانوں کی بے پروائی بلکہ بے حسی کس درجہ افسوس ناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ یہ لوگ بڑی بڑی گدیوں کے مالک تھے اور وہ گدیاں صرف خدمت حق کی برکت سے بنی تھیں۔ خدمت حق ہی ان کا اصل وظیفہ تھا، تاہم یہ لوگ بھی فریضۂ جہاد کو اسی صورت میں ادا کرنے پر آمادہ تھے کہ دوسرے آمادہ ہو جائیں۔ مولوی سید عبدالکریم اور میاں لطف اللہ نے بھی اپنی حاضری کو معقول جماعت کی فراہمی سے مشروط کیا۔ یہی شرط مخدوم ہالہ نے پیش کی۔ گویا جمعیت کی فراہمی تنہا مولوی سید نصیر الدین کے ذمے تھی اور ان لوگوں کا کام صرف یہ تھا کہ ہزاروں آدمی میدانِ جنگ میں کھڑے دیکھیں تو یہ بھی جا کھڑے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان سبقت و عزیمت کی روح سے محروم ہو چکے تھے۔ یہی ان کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔ افسوس کہ اس عبرت انگیز صورت حال پر آنسو بہانے والی آنکھیں بھی بہت ہی کم تھیں۔ متاع عزت کا لٹنا یقیناً رنج افزا تھا، لیکن اس سے بدر جہا زیادہ رنج یہ تھا کہ لٹنے والوں کے دل سے نقصان کا احساس زائل ہو گیا۔ اقبالؔ کیا خوب کہہ گئے ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۳۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کوٹ تاج محمد اور نوشہرو

مولوی صاحب نے ہالہ کے بعد کوٹ تاج محمد اور نوشہرو کا ذکر کیا ہے۔ بیچ میں یقیناً بعض منزلیں چھوڑ دیں، غالباً اس لئے کہ وہاں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔ کوٹ تاج محمد میں مولوی جان محمد احمد نے رفاقت کا عہد کیا۔ نوشہرو میں وہ پیر شہاب الدین کی گدی کے سجادہ نشیں صاحب سے ملے، جن کا نام عبدالحیٔ اور لقب امیر عمر تھا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صاحب بڑے عابد، زاہد اور عالم ہیں۔ میری آمد کا سن کر استقبال کیلئے ایک کوس باہر نکل آئے، لیکن میں دوسرے راستے سے ان کے مکان پر جا پہنچا۔ انھوں نے ہمارے ٹھہرانے کا انتظام بخوبی کر رکھا تھا۔ بڑے حسنِ اخلاق سے پیش آئے۔

سوئے اتفاق سے مولوی صاحب کے چند ساتھی سفر کی تکان اور اختلاف آب وہوا کے باعث بیمار ہو گئے۔ ابو احمد علی اونٹ سے گر گئے تھے اور ان کا شانہ اتر گیا اور جوڑوں میں درد ہونے لگا۔ مولوی صاحب تین روز نوشہرو میں ٹھہرے۔ وہ بیمار قدرے روبہ صحت ہوئے تو میاں عبدالحق سجادہ نشین نے انکی سواری کیلئے کجاوے والے اونٹ کا بندوبست کردیا۔ میاں ابو احمد علی اور میاں عبدالرحیم کو تا صحت نوشہرو ہی میں چھوڑنا پڑا۔ میر نوازش علی کو ان کی تیمارداری کے لئے مقرر کردیا گیا۔

مزید ملاقاتیں

مولوی صاحب نوشہرو سے روانہ ہوئے تو میاں عثمان سندھی سے جا ملے۔ انھوں نے ایک صاحب سید محمد نواز کا پتہ دیا اور کہا کہ ان سے ضرور ملنا چاہئے۔ چنانچہ میاں عثمان کو ساتھ لیکر مولوی صاحب آٹھ کوس کا چکر کاٹتے ہوئے سید محمد نواز سے ملے۔ پھر ہنگورجہ پہنچے اور سید ناصر علی سے ملاقات کی، جو سندھ کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ وہیں پیرزادہ دراز والا سے ملاقات ہوئی اور کھڑہ میں مخدوم عبدالخالق کے پاس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جا ٹھہرے۔ سید محمد نواز، سید ناصر علی اور پیر زادہ دراز والا کی ملاقاتوں کا مفصل حال مرقوم نہیں۔ مولوی صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے:

حاصل آنکہ زبانی ہمہ مشائخ وعلماء اقرار شمول درامر معلوم کردند۔(۱)

ترجمہ: غرض سندھ کے تمام علماء اور مشائخ نے امر معلوم یعنی جہاد میں شامل ہونے کا زبانی اقرار کیا۔

خوش گوار توقعات

اس سفر میں منگو رجہ پہنچ کر مولوی صاحب خود بھی بیمار ہو گئے۔ پیر کوٹ پہنچے تو بیماری بڑھ گئی۔ ناچار مسہل لینا پڑا۔

اپنے کچھ ساتھیوں کو گھوڑے اور اونٹ دے کر شکار پور بھیج دیا تھا، غالباً اس لئے کہ وہاں جانوروں کی چرائی کا انتظام اچھا تھا۔

ایک مکتوب میں اپنی سرگرم کوششوں کے نتائج کا خلاصہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہ فضل ایزدی جمیع علماء ومشائخ ملک سندھ درامر ماتحن نیز شریک فقیر اند وعہدہا کردہ واقرار نامہ ہا نوشتہ دادہ اند۔ عوام وخواص ایں ملک چہ علماو مشائخ وچہ دیگراں قبول تسلیم بسیاری دارند...... انشاء اللہ تعالیٰ درعرصۂ چندروز ہمہ ہا تابع حکم غازیاں خواہند شد وسلسلۂ تحصیل صدقات ہم از دست ایشاں دریں ملک کنانیدہ می شود، ووعظ ونصائح ودعوت ہجرت وجہاد بہ زبانِ سندھی از وشاں حتی الامکان کنانیدہ می شود۔ آئندہ باید دید کہ تقدیر ایزدی چہ ظہوری فرماید۔(۲)

ترجمہ: سندھ کے عالم اور پیر جہاد کے باب میں میرے شریک ہیں۔ انھوں نے اقرار نامے لکھ کر دے دیے ہیں۔ ملک کے عوام وخواص علماء ومشائخ

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۳۱۹

(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۴۷، ۳۲۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوں خواہ دوسرے لوگ، قبولِ دعوت کا اظہار بڑی سرگرمی سے کر رہے ہیں۔ خدا نے چاہا تو چند روز میں وہ سب غازیوں کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس ملک میں صدقات وصول کرنے کا کام بھی انھیں کے ہاتھوں میں انجام پا رہا ہے۔ سندھی زبان میں وعظ و نصیحت اور دعوتِ ہجرت و جہاد کا انتظام بھی جس حد تک ممکن ہے دعی کر رہے ہیں۔ آئندہ دیکھیے، خدا کی تقدیر کس رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سا تواں باب:

دعوتِ عام کا اہتمام

سید صاحب کے اکابر رفقاء

مولوی سید نصیر الدین ایک طرف سندھ میں بیٹھے ہوئے مختلف اصحاب کو اعانت کیلئے تیار کر رہے تھے، دوسری طرف ہندوستان میں پے در پے دعوتِ جہاد کیلئے اعلام نامے بھیج رہے تھے۔ سید صاحب نے اپنی زندگی میں جا بجا دعوتِ عام کا جو انتظام فرما دیا تھا، وہ بھی بدستور جاری تھا۔ خصوصاً مولانا سید محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی ادائے فرائض میں بڑی سرگرمی دکھا رہے تھے۔ یقین ہے کہ یہی کیفیت سید صاحب کے مقرر فرمائے ہوئے دوسرے داعیوں کی ہوگی، اگر چہ ان کی سرگرمیوں کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے اور مولوی سید نصیر الدین نے اپنے خطوں میں صرف مولانا سید محمد علی اور مولانا ولایت علی کا ذکر کیا ہے۔

مجاہدین کے قافلے

ایک خط میں فرماتے ہیں: سید الفت حسین، مولانا محمد علی اور مولانا ولایت علی سے رخصت ہو کر کلکتہ سے آخر ذی قعدہ میں یہاں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ تقریباً بیس آدمی ہیں۔ وہ ہتھیار اور گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ (۱)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص:۹۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی عبدالرحمٰن صاحب با پنجاہ کس مجاہدین ونقدی وسلاح بہ موجب ارشاد مولوی ولایت علی صاحب از بنگالہ وارد شدند...... ومولوی محمود علی صاحب نیز بہ جماعۃ کثیر شامل لشکر گردیدند۔ علیٰ ہذا القیاس قوافل بسیار بہ موجب ارشاد مولوی سید محمد علی صاحب حاضر حضور مجاہداں می شود۔(۱)

ترجمہ: مولوی عبدالرحمٰن صاحب پچاس مجاہدوں کے ساتھ نقدی اور ہتھیار لے کر مولوی ولایت علی کے ارشاد کے مطابق بنگال سے آگئے اور مولوی محمود علی صاحب بھی بڑی جماعت کے ساتھ لشکر میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح مولوی سید محمد علی کے ارشاد کے مطابق بہت سے قافلے مجاہدین کے پاس پہنچ رہے ہیں۔

ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی محمود علی کے علاوہ ایک صاحب مولوی عبداللہ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ شاہ اسحٰق نے اطلاع دی کہ مولوی سید احمد شاہ کرنال وسہارنپور سے پچاس مجاہدین کو لے کر دہلی پہنچے تھے اور سندھ روانہ ہو گئے۔(۲) جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی، کے ایک مقالے سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے پاس زیادہ تر مجاہدین بنگال اور ہندوستان یعنی بہار اور یوپی سے پہنچے۔(۳)

قابل توجہ نکتہ

سید صاحب کی جاری کی ہوئی تحریک کے سلسلے میں یہ نکتہ خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی وسیع سرزمین میں احیائے اسلام واسلامیت کیلئے جانبازی وجانفشانی صرف اسی گروہ میں محدود رہ گئی تھی، جو سید صاحب کی آغوش فیض میں تربیت

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص:۱۲۳

(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص:۱۴۵

(۳) جلد چہاردہم ص ۳۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پاچکا تھا۔ ہندوستان میں اس وقت بھی کروڑوں مسلمان موجود تھے، ملکوں اور ریاستوں کے والی بھی، بڑے بڑے امیر اور جاگیردار بھی، علما و مشائخ بھی، لیکن اسلامی حمیت کے سلسلے میں ایثار وقربانی کی تڑپ صرف سید صاحب کے رفقاء میں موجزن تھی۔ وہ جہاں بھی تھے اور جس حال میں بھی تھے، صرف اس نصب العین کے حصول کو تقویت پہنچانے کے لئے وقف تھے، جس کا علم سید صاحب نے بلند کیا تھا۔ سوال یہ نہیں کہ ان اصحاب کی قربانیوں کا نتیجہ حسب مراد نکلا یا نہ نکلا، سوال صرف یہ ہے کہ جس مقصد کو وہ حق سمجھتے تھے، جو نصب العین ان کے نزدیک اسلامیت کی روح اور غیرت ایمانی کی جان تھا، اس کیلئے جو کچھ ان کے امکان میں تھا، وہ انھوں نے کیا، یا نہ کیا۔ تاریخ کی شہادت اس بارے میں ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ سخت سے سخت اور نازک سے نازک حالات میں بھی پے در پے احیائے اسلامیت کیلئے قربانیاں کرتے رہے اور اس امر سے کوئی سروکار نہ رکھا کہ کسی اسلامی حلقے کی زبان پر تحسین کا کوئی کلمہ جاری ہوتا ہے یا نہیں، کیونکہ وہ اپنی ان قربانیوں کیلئے صرف خدائے بزرگ و برتر سے اجر کے آرزومند تھے۔ ان کے ساز وجود کا ترانہ صرف ایک تھا یعنی اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ۔ ہماری اسلامیت کا شیوہ ان کے تعلق میں کیا رہا؟ یہ کہ کبھی ان پر فساد عقائد کے الزامات عائد کر دیے اور کبھی ان کے اسلام ہی کو محل نظر قرار دے دیا۔ ہم گزشتہ سو سال میں جن بدبختیوں کا شکار رہے، کیا وہ ہمارے انھیں افسوسناک اعمال کا طبعی نتیجہ نہ تھیں؟

مولوی صاحب کے مخاطب

مولوی صاحب نے جو اعلام نامے بھیجے، وہ تمام مسلمانوں کے نام تھے، لیکن ایک مکتوب میں انھوں نے اپنے خاص مخاطبین کے نام بھی درج کر دیے ہیں، جو اس غرض سے یہاں پیش کیے جاتے ہیں کہ اول مولوی صاحب کے دائرۂ دعوت کی وسعت کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اندازہ ہو جائے، دوسرے یہ معلوم ہو جائے کہ اس تاریک دور میں کون کون سے اصحاب دعوت حق کے خیر مقدم میں پیش پیش تھے:

۱۔ مولوی محمد سراج الدین اور دوسرے مخلص دیندار ساکنانِ اجمیر۔

۲۔ مولوی خلیل الرحمٰن، ان کے فرزند اور بھائی، مولوی بہادر علی، سید حمید الدین (خواہر زادہ سید صاحب)، سید محمد یعقوب (برادر زادہ سید صاحب)، سید زین العابدین، سید ابوالقاسم (ابناء سید احمد علی خواہر زادۂ سید صاحب) اور دوسرے دین دار ساکنانِ ٹونک۔

۳۔ مولانا شاہ اسحٰق، مولانا یعقوب، مولوی کرامت علی، مولوی محبوب علی (۱)، مولوی نصیر الدین، مولوی مظفر حسین، مولوی شیخ محمد، حاجی محمد، حاجی مزمل، مولوی حافظ محمد حسین، مولوی کرم اللہ، مولوی الٰہی بخش، مولوی جمال الدین، حافظ عبدالرحمٰن، مولوی محمد وزیر علی، منشی ایزد بخش، امیر الدین، امین الدین، حافظ عبدالرزاق، مولوی عبداللہ، مولوی علی محمد، مولوی بہاء الدین، مولوی عبدالخالق، مولوی امام علی، حافظ اکرام الدین، مولوی شاہ علی، مولوی عبداللہ خاں علوی (۲)، بشارت خاں، مولوی عبدالمجید، قاری احمد زماں، حافظ چھجو بیگ، حافظ احمد خاں، عظیم اللہ خاں، میرزا ایوب بیگ، میاں نجابت علی، قاضی عبدالرحمٰن عرب سرائے والے، میاں غلام محی الدین، حافظ ولی محمد، میاں رکن الدین، میاں الٰہی بخش آئینہ ساز، مولوی امداد علی، مولوی نذیر حسین (۳) نیز دوسرے علماء طلبہ اور صلحاء ساکنانِ دہلی و نواح۔

۴۔ مولوی بزرگ علی (۴)، مولوی عنایت احمد (۵) مولوی محمد متقی اور دوسرے

---

(۱) یہ وہی مولوی محبوب علی ہیں جو سید صاحب کے زمانے میں سرحد پہنچ کر بعض وساوس کی بنا پر واپس آ گئے تھے۔

(۲) دہلی کے آخری دور کے مشہور عالم، طبیب اور شاعر۔ اصل وطن غالباً خورجہ تھا۔ زندگی کا بڑا حصہ دہلی میں گزارا۔ پھر شمس آباد میں ایک رئیس کے پاس ملازم ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) میں فوت ہوئے۔

(۳) شیخ الکل میاں سید نذیر حسین مرحوم محدث دہلوی۔

(۴) علی گڑھ کی جامع مسجد کے مدرسے کے استاد، معقول کے بہت بڑے عالم تھے۔

(۵) مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی، جنھوں نے شاہ اسحٰق سے حدیث کی ---- بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

علماء و صلحاء ساکنانِ علی گڑھ۔

۵۔ قاضی حیات بخش (۱)، مولوی مروان علی، شیخ محمد تقی، داروغہ راحم ساکنانِ میرٹھ۔

۶۔ مولوی وحید الدین، مولوی خدا بخش، مولوی تہور علی، مولوی خیر الدین (۲)، مولوی منیر الدین ساکنانِ پھلت، نگینہ وغیرہ۔

۷۔ مولوی رمضان علی، مولوی امانت علی، مولوی کریم اللہ، شیخ رحمان بخش، صوفی صاحب، شاہ غلام علی، میر ہدیٰ اور دوسرے اکابر ساکنانِ امروہہ۔

۸۔ حافظ عبدالرحیم، میاں عثمان، میاں جی خلیفہ ساکنانِ مراد آباد۔

۹۔ حاجی صبغت اللہ، شیخ محمد حسین اور دوسرے دیندار ساکنانِ گڑھ مکتیشر۔

۱۰۔ مولوی حیدر علی، مولوی نور الاسلام، اخوند زعفران، اکبر علی خاں، شاہ دل خاں، حافظ احمد علی، مرتضیٰ خاں، اخوند امام الدین، قاری صاحب اور دوسرے اصحاب ساکنانِ رام پور۔

۱۱۔ میرزا حسن علی (۳)، مولوی خرم علی (۴)، مولوی الٰہی بخش، سید اولاد حسن (۵)، مولوی مکارم خان، مولوی سخاوت علی (۶)، مولوی کرامت علی (۷) ساکنانِ کان پور، فرخ آباد، باندہ، بریلی، قنوج، جون پور وغیرہ۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ..... سندلی پھر مولوی بزرگ علی سے فیض حاصل کیا اور انھیں کے مدرسے میں ملازم ہو گئے تھے۔ آخر کار آگرہ میں صدر اعلیٰ بن گئے تھے۔ غدر کے سلسلے میں ان پر مقدمہ چلا اور انھیں دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ملی۔ وہیں انھوں نے تاریخ حبیب الٰہ لکھی تھی۔ قید سے رہا ہو کر آئے اور حج کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں جہاز چٹان سے ٹکرا کر غرق ہو گیا اور مولانا سمندر کی نذر ہوئے۔ تاریخ وفات ۷رشوال ۱۲۷۱ھ (۱۷راپریل ۱۸۶۳ء) ہے۔

(۱) قاضی احمد اللہ میرٹھی شہید بالاکوٹ کے والد۔

(۲) ان سے غالباً مولوی خیر الدین شیرکوٹی مراد ہیں۔

(۳) میرزا حسن علی محدث۔

(۴) مولوی خرم علی بلہوری۔

(۵) سید اولاد حسن قنوجی (نواب صدیق حسن خانؒ کے والد)

(۶) مولوی سخاوت علی جون پوری۔

(۷) مولوی کرامت علی جون پوری۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۲۔ مولوی احمد اللہ، مولوی رحمت اللہ، حافظ صدیق اور دوسرے علماء و صلحاء ساکنان بنارس۔

۱۳۔ شیخ فرزند علی، مولوی محمد فصیح اور دوسرے علماء ساکنانِ غازی پور، سہسرام، آرہ ومنیر۔

۱۴۔ شاہ محمد حسین، مولوی ولایت علی، مولوی الٰہی بخش اور دوسرے خلفاء سید صاحب ساکنانِ عظیم آباد، مظفر پور، چھپرہ، مونگیر وغیرہ۔

۱۵۔ مولوی محمد علی، مولوی امام الدین، مولوی مراد، قاضی عبدالباری، صوفی نور محمد، منشی غلام رحمن، مولوی کرامت اللہ، مولوی عبداللہ، مستری رجب علی اور دوسرے علماء وصلحاء کلکتہ ونواح۔

یہ کل ایک سو چھ اصحاب ہیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سید صاحب کے زمانے سے دعوت کا کتنا عمدہ انتظام ہوگیا تھا۔

سید صاحب کی اہلیہ کا جذبۂ ایثار

سیدہ ام اسمٰعیل (اہلیہ سید صاحب) سید صاحب کے زمانے میں بھی جماعت مجاہدین کی ہر ممکن خدمت انجام دیتی رہیں۔ ایک موقع پر انھوں نے دس ہزار کی رقم سید صاحب کے پاس بھیج دی تھی، حالانکہ خود ان کے گذارے کا کوئی مستقل انتظام نہ تھا۔ مولوی سید نصیرالدین لکھتے ہیں کہ ہم لوگ پیر کوٹ پہنچے تو سیدہ محترمہ نے ہماری خبر گیری میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا۔

ایک موقع پر مولوی صاحب سے فرمایا:

آنچہ از ماست، برائے ایں کار است و جمیع اطوار، سعادت دثار محمد اسمٰعیل معاضد و مساعد تست و تمامی اتباع خود را روبروئے ایں نیاز مند درگاہ الٰہی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سبحانہ کردند کہ ایں جماعۂ مخلصین کہ محض حسبۃً للہ از وقت امام ہمام بہ رفاقت واطاعت ما بودہ اند واز رفقاء اصفیاء تواند۔ بہ ہر چہ گوئی، سمیع اند، وبہ ہر چہ فرمائی، مطیع۔(۱)

ترجمہ: ہمارے پاس جو کچھ ہے، جہاد کے کار خیر کیلئے وقف ہے۔ محمد اسمٰعیل (سیدہ کا فرزند ارجمند) آپ کا حامی اور مددگار ہوگا۔ پھر اپنے تمام خادموں کو میرے سامنے بلا کر فرمایا: یہ مخلص لوگ سید صاحب کے زمانے سے محض خدا کیلئے ہمارے ساتھ چلے آتے ہیں، یہ سب آپ کے ساتھی ہیں۔ جو کچھ فرمائیں گے، اسے سنیں گے، جو حکم دیں گے، اس کی تعمیل کریں گے۔

اعلام نامہ

پھر سیدہ نے عام مسلمانوں کیلئے ایک مفصل اعلام نامہ مرتب کیا، جس کا مضمون یہ تھا کہ واقعۂ بالاکوٹ کے بعد کاروبارِ جہاد پہلی صورت میں قائم نہ رہا۔ مولوی سید نصیر الدین نے عالی ہمتی سے کام لے کر پھر اس کا بیڑا اٹھایا ہے۔ میں عورت ذات ہوں اور یہ کام انجام نہیں دے سکتی۔ میرا بچہ محمد اسمٰعیل کمسن ہے اور اس بارگراں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ ہم لوگ صرف دعاء کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ میدانِ عمل میں آئیں۔ جن کے پاس زادِ راہ، سواری اور ضرورت کی دوسری چیزیں موجود ہوں، وہ جلد پہنچیں۔ جو خود نہ آسکیں، وہ دوسروں کی امداد کریں۔ افسوس کہ مسلمان تن آسانی کے باعث اپنی عمریں اس سرزمین میں ضائع کر رہے ہیں، جس پر غیر مسلم مسلط ہیں اور باہم اتحاد واتفاق سے وہ قدم نہیں اٹھاتے، جس پر مسلمانوں کی شوکت کا انحصار ہے:

اگر ایمان داران ہندوستان توفیق یافتہ بہ قدر طاقت واستطاعت خود از یک فلوس تا لک روپیہ امدادِ غازیاں کنند، بعید از اخلاص متدی وحمیت اسلامی

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۹۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایشاں نہ خواہد بود و بہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کارفرمودہ غریب بہ امیر و غنی بہ فقیر و زن بہ شوہر و شوہر بہ زن و ہمسایہ بہ ہمسایہ و دوست بہ دوست ترغیب ایں امداد و نصرت دین کنند، از غیرت ایمانی ایشاں دور نہ خواہد بود۔(۱)

ترجمہ: اگر ہندوستان کے ایمان داروں کو خدا توفیق دے اور وہ استطاعت کے مطابق ایک پیسے سے ایک لاکھ تک ان غازیوں کی امداد کریں تو یہ امر اُن کے اخلاص اور اسلامی حمیت سے بعید نہ ہوگا۔ خدا فرماتا ہے: ایمان دار لوگ وہ ہیں، جنھوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو راستی اور صبر کی تاکید کی۔ اس فرمان کے مطابق غریب امیر کو، غنی فقیر کو، بیوی شوہر کو، شوہر بیوی کو، پڑوسی پڑوسی کو، دوست دوست کو اس امداد کی ترغیب دے اور دین کی نصرت کرے تو یہ امر ایمانی غیرت سے دور نہ ہوگا۔

حالات کی سازگاری

اس وقت علاقہ سرحد میں سکھوں کی حکومت کے خلاف خاصا ہنگامہ بپا تھا۔ ایک طرف امیر دوست محمد خاں پشاور کی بازیافت کیلئے سرگرم کوششیں کر رہا تھا، دوسری طرف خوانین سرحد میں سے مختلف اصحاب امیر موصوف کی ہر ممکن امداد کیلئے میدان میں آ چکے تھے، جن میں سے فتح خاں پنجتاری بہ طور خاص قابل ذکر ہے۔ سید وزیر اسمٰعیل اپنے اعلام نامہ میں ان واقعات کا ذکر کر کے فرماتی ہیں:

کفار سکھ بہ آں سو مشغول و مصروف۔ اگر خواستہ حضرت قادر توانا جل جلالہ است، دریں وقت کارے خواہد شد۔ (۲)

ترجمہ: سکھ پشاور کی طرف مشغول و مصروف ہیں (دوسری طرف بھاری

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۹۸-۱۰۷

(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۱۰۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لشکر نہیں لا سکتے) اگر خدائے قادر و توانا کا فضل شامل حال ہو تو اس موقع پر کچھ کام ہو سکے گا۔

سید عبدالرحمٰن اور دوسرے اصحاب

سید عبدالرحمٰن کاروبار جہاد میں ہمہ تن شریک تھے۔ متعدد اعلام ناموں پر اُن کے اور سید اسمٰعیل کے دستخط ثبت ہیں۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ شیخ ولی محمد پھلتی بھی سید صاحب کی حرم اہلیہ کو لے کر سندھ پہنچ گئے تھے۔ وہ بھی تمام سرگرمیوں میں شریک رہے۔ بعض دعوت ناموں اور خطوں پر وہ بھی دستخط فرماتے رہے۔

غرض ان خدا مست اصحاب نے جہاد کو کامیاب بنانے کیلئے سعی و کوشش کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا اور جو کچھ ان کی استطاعت میں تھا، اسے دلی خلوص اور تڑپ سے پورا کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

دکن میں دعوت و تبلیغ

سید محمد علی اور مولوی ولایت علی

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سید صاحب نے ابتدا میں سید محمد علی رام پوری کو دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدر آباد بھیجا تھا۔ پھر مولوی ولایت علی وہاں متعین ہوگئے اور مولوی محمد علی کو مدراس جانے کا حکم مل گیا۔ مولوی ولایت علی حیدر آباد سے روانہ ہوئے تو دس ہزار کے قریب مسلمان ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے تھے۔ ان میں بہت سے اکابر بھی شامل تھے۔ مثلاً:

۱۔ مولوی محمد آصف جو مولوی محمد رفیع الدین مغفور کے داماد تھے۔ ان کی کوششوں سے بعد ازاں ایک لاکھ کے قریب مسلمان داخل بیعت ہوئے۔ ان میں امیر کبیر نواب شمس الامراء بھی شامل تھے۔

۲۔ سید محمد عباس، یہ مولوی محمد آصف کے بھانجے اور ناصر الدولہ نظام کے بھائی مبارز الدولہ کے استاد زادے تھے۔

۳۔ میر فضل اللہ جو خود ناصر الدولہ کے استاد تھے۔

ان کے علاوہ مولوی سید محمد مغربی، مولوی محمد عباس، مولوی پیر محمد اور مولوی سید قاسم کے نام بھی مذکور ہیں۔

دعوت کے خاص مراکز

حلقۂ ارادت کی توسیع کے ساتھ جابجا مراکز قائم ہوگئے تھے، جن کا انتظام مختلف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بزرگوں نے سنبھال لیا تھا۔ مثلاً:

۱۔ مولوی محمد ولی الدین۔ یہ صاحب مسٹر پامر انگریز تاجر کے بچوں کو پڑھاتے تھے۔ ان کا مکان عیسیٰ میاں کے بازار میں تھا۔

۲۔ مولوی محمد سلیم جو مبارز الدولہ کی سرکار میں ملازم تھے۔ ان کا مکان کوٹلہ علی جاہ میں تھا۔

۳۔ مولوی محمد کرامت علی، یہ راجا چندو لعل کی سرکار میں ملازم تھے اور ان کا مکان صفدر نواز جنگ کی مسجد کے قریب شکر گنج میں تھا۔

۴۔ مولوی محمد عماد الدین، یہ مولوی محمد آصف کے فرزند تھے۔ مبارز الدولہ کی سرکار میں ملازمت اختیار کر لی تھی، ان کا مکان بازار سلیمان جاہ میں تھا۔

۵۔ مولوی محمد فرید الدین، یہ بھی مبارز الدولہ کی سرکار میں ملازم تھے اور ان کا مکان کوٹلہ عالی جاہ میں سید محمد عباس کے مکان سے متصل تھا۔

۶۔ مولوی عبد الہادی ملازم سرکار مبارز الدولہ، ان کا مکان کوٹلہ عالی جاہ میں تھا۔

۷۔ مولوی محمد جعفر ملازم سرکار نواب شمس الدولہ، انکا مکان بازار سلیمان جاہ میں تھا۔

۸۔ سید عبد الواحد عرف واحد علی، یہ سید قاسم کے چھوٹے بھائی اور دولت آصفیہ میں ملازم تھے۔ ان کا مکان مولوی محمد جعفر کے مکان سے قریب تھا۔

۹۔ مولوی حسن محمد ملازم سرکار شمس الامراء، ان کا مکان فتح دروازہ کے پاس تھا۔

۱۰۔ حافظ عبد السمیع ملازم سرکار مبارز الدولہ، ان کا مکان بیگم بازار میں تھا۔

۱۱۔ میاں محمد شرف الدین ملازم سرکار مبارز الدولہ، ان کا مکان مسجد نصیحت المسلمین کے پاس تھا۔

۱۲ حافظ حسن خاں رام پوری ملازم سرکار مبارز الدولہ، ان کا مکان مولوی محمد جعفر کے مکان کے پاس بازار سلیمان جاہ میں تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۳۔ مولوی عبدالرزاق، ان کا مکان کوٹلہ عالی جاہ میں تھا۔

۱۴۔ سید جلال الدین، یہ سنگار ریڈی پیٹ رہتے تھے اور وعظ فرمایا کرتے تھے۔ سید عبداللہ ان کے معاون ورفیق تھے۔

قیام گاہوں کی تفصیل بیان کرنے کا مدعا یہ ہے کہ یہ مقامات تعلیم وتدریس، وعظ ونصیحت اور اصلاح ودرستی کے خاص مرکز تھے۔ گردوپیش کے مسلمان انھیں مقامات پر وقتاً فوقتاً جمع ہو جاتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سید صاحب کے رفقاء وخلفاء احیائے اسلامیت اور اصلاحِ عقائد واعمال کا کام کس اہتمام وتنظیم سے انجام دیتے تھے۔ یہ صرف ایک مقام کی سرسری تفصیلات ہیں۔ یقین ہے کہ انھوں نے ہر مقام پر اسی قسم کے انتظامات کر رکھے ہوں گے۔

مبارز الدولہ کی عزیمت

ناصر الدولہ کے بھائی نواب مبارز الدولہ نے اس تحریک اصلاح میں سبقت کا مقام حاصل کرلیا۔ انھوں نے سید صاحب کی کتاب ''صراطِ مستقیم'' اور شاہ اسمٰعیل کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پڑھیں تو شرک وبدعت اور منہیات کے تمام مراسم ترک کردیے۔ وقت کے امراء کی طرح ان کے حرم میں بھی بہت سی عورتیں داخل تھیں۔ مبارز الدولہ نے صرف چار عورتیں رکھیں۔ باقی سب کو اجازت دے دی کہ نکاحِ ثانی کرلیں اور ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق روپیہ اور ضرورت کی دوسری چیزیں دے دیں۔ ان کے دربار میں آداب تسلیمات کے بجائے سلام مسنون جاری ہو گیا۔

غرض ان کے گھر، دربار اور جاگیر میں شریعت کے مطابق عمل ہونے لگا۔ بعض لوگوں نے مخالفت کا شور اٹھایا، لیکن مبارز الدولہ طریق حق پر عزم وجزم سے قائم ہو چکے تھے، لہٰذا ان پر کوئی اثر نہ پڑا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی نصیر الدین کا اعلام نامہ

مولوی نصیر الدین کا اعلام نامہ نواب مبارز الدولہ کے ملاحظے میں پیش ہوا تو نواب موصوف نے مولوی محمد آصف، مولوی سید عباس، مولوی سید قاسم، حافظ سید محمود اور مولوی پیر محمد کو بلا کر حکم دیا کہ آپ حضرات پچاس مجاہدین ساتھ لے کر سندھ چلے جائیں، تمام حالات خود ملاحظہ کریں۔ یہ دیکھیں کہ حاکمان سندھ کس حد تک حمایت کے لئے تیار ہیں، مجاہدین کی قیام گاہ کیسی ہے اور وہاں اخراجات و مصارف کا کیا حال ہے۔ یہ سب کچھ دریافت کر کے:

> وکیل معتمد را نزد ما فرستادہ اطلاع دہید، حتی الامکان بہ تائید مجاہدان خواہیم پرداخت و مال و اسباب کثیر و مردم بسیار روانہ خواہیم نمود۔ (۱)
>
> ترجمہ: قابل اعتماد وکیل ہمارے پاس بھیج کر اطلاع دیجئے۔ ہم حتی الامکان مجاہدین کی تائید کریں گے۔ بہت سامان و اسباب اور بہت سے آدمی بھیجیں گے۔

حیدر آباد دکن سے حیدر آباد سندھ

یہ تمام حضرات سید محمد علی رام پوری اور مولوی ولایت علی عظیم آبادی کے معتقد تھے۔ ان سے استصواب کی خاطر کلکتہ خطوط بھیجے۔ جب وہاں سے جواب باصواب آ گیا تو ۱۴ رشعبان ۱۲۵۳ھ (۱۳ رنومبر ۱۸۳۷ء) کو حیدر آباد سے روانہ ہوئے۔ شولا پور اور پونہ ہوتے ہوئے بمبئی سے جہاز کی سواری میں کراچی پہنچے۔ وہاں سے ایک ہفتے میں حیدر آباد چلے گئے۔ سید عبد الرحمٰن (خواہر زادۂ سید صاحب) نے ان کا خیر مقدم کیا، عزت سے ٹھہرایا اور پورے حالات ان کے گوش گزار کر دیے۔ وہاں سے اواخر ذی قعدہ میں یہ

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۲۱

لوگ کشتی پر سوار ہو کر مولوی سید نصیر الدین کے پاس گئے، جو اس وقت شکار پور میں تھے اور جو معلومات حاصل کرنے کی غرض سے وہ آئے تھے، ایک مفصل مکتوب کی صورت میں دو قاصدوں کے ذریعے سے حیدر آباد بھیج دیں۔

مبارز الدولہ کا انجام

افسوس کہ مبارز الدولہ کا یہ مبارک اقدام ان کے بھائیوں اور دوسرے امراء میں گوناگوں غلط فہمیوں کا باعث بن گیا۔ ناصر الدولہ نے یہ سمجھا کہ اس طرح مبارز الدولہ دولت آصفیہ کی حکومت حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ جن مستورات کو حرم سے نکالا گیا تھا، انھوں نے شور مچایا تو مبارز الدولہ کے بھائیوں نے اس روش کو آباء و اجداد کی رسم کے خلاف قرار دیتے ہوئے بدنامی کا باعث تصور کیا۔ چنانچہ اس نیک دل نواب کو حیدر آباد سے نکال کر گولکنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔ کچھ مدت بعد انھوں نے وفات پائی۔ پھر ناصر الدولہ، ان کے بھائیوں، دوسرے امیروں، نیز پرانی وضع کے عالموں اور پیروں نے ان تمام اصحاب کو گوناگوں مصیبتوں کا ہدف بنا دیا جو تحریک اصلاح جہاد سے وابستہ تھے۔ اس طرح منظم اصلاحی تحریک کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

آغازِ جہاد کا پس منظر

مزاریوں کی سرگزشت

مولوی سید نصیر الدین نے تمام معاملات پر غور و فکر کے بعد مزاریوں کے علاقے میں اقامت اختیار کر لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ علاقہ خیر پور کے حدود سے متصل موجودہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کے جنوبی حصے پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں تفصیلات کا رشتہ بیان سنبھالنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول خود مزاریوں کی سرسری سرگزشت پیش کر دی جائے۔ دوم گرد و پیش کے سیاسی ماحول کی مجمل کیفیت بتا دی جائے۔

مزاری (۱) بلوچوں کی ایک بہت بڑی قوم ہے، جو غالباً سترھویں صدی عیسوی کے اواخر یا اٹھارھویں صدی کے اوائل میں اپنے پہلے مقام سے اٹھ کر نئی چراگاہوں کی تلاش میں نکلی۔ اس زمانے میں ناہر قوم دریائے سندھ کے کناروں پر قابض تھی۔ وہ دو فریقوں میں بٹی ہوئی تھی، جو آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایک کا صدر مقام کن تھا، دوسرے کا بھاگسر۔ ایک لڑائی میں مزاریوں نے ناہر قوم کے ایک رفیق کی مدد کر کے وہ علاقہ صلے

(۱) مولوی سید نصیر الدین اور سید صاحب کے تمام ارادات مند شرک و بدعت کے رسوم سے سخت بیزار تھے۔ مزاری کے نام سے ہندوستان کے اہل حق کو شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ غالباً مزار پرست ہیں، لہٰذا مولوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں تصریح لکھ دی کہ یہ قوم کا نام ہے۔ مزار پرستی سے اسے کوئی تعلق نہیں، البتہ وجہ تسمیہ کا پتہ نہیں چل سکا۔ یہ بالکل درست ہے۔ مزاریوں کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ ان کے بڑے کا نام مزار تھا۔ دوسری یہ کہ یہ قوم پہلے ایک ندی پر آباد تھی، جس کا نام مزار تھا۔ اس لئے اس قوم کا نام مزاری مشہور ہو گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں لے لیا، جو ضلع ڈیرہ غازی خاں میں روجھان اور دریائے سندھ کے مابین واقع تھا اور وہ اس علاقے میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔

احمد شاہ ابدالی کو عروج حاصل ہوا تو اس نے داجل اور ہرنڈ کے علاقے قلات کے بروہی حکمران کو دیدیے، جو مزاریوں کے وطن سے شمال میں واقع تھے۔ انھوں نے کشمور میں قلعہ بنا کر مزاریوں سے لڑائیاں شروع کر دیں۔ ایک لڑائی میں مزاریوں کا سردار گل شیر خاں مارا گیا۔ اس کے بیٹے شاہ علی خاں نے کشمور پر حملہ کر کے بروہیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ شاہ علی خاں کے بعد اس کا بھائی دوست علی خاں اور بھتیجا حمل خاں یکے بعد دیگرے قوم کے رئیس بنے۔ آخر الذکر نے میر رستم خاں والی خیر پور سے تعلقات پیدا کر لیے۔ ۱۸۰۱ء میں وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا میر بہرام خاں مزاری قوم کا سردار بن گیا۔ یہی شخص ہے، جس کی سرداری کے زمانے میں مولوی سید نصیر الدین مزاری علاقے میں پہنچے اور انھوں نے جہاد کا آغاز کیا۔

انگریز

اب سب سے پہلے سیاسی ماحول کا سرسری نقشہ سامنے رکھ لیجیے، ہم ایک ایک طاقت کا حال الگ الگ بیان کریں گے۔

ہندوستان پر انگریز قابض ہو چکے تھے اور وہ اپنا دائرۂ اقتدار آہستہ آہستہ بڑھا رہے تھے۔ حاکمانِ سندھ سے ان کا تعلق تجارت کے سلسلے میں ہوا اور ایک معاہدے کے ذریعے سے انھوں نے دریائے سندھ میں تجارت کی غرض سے کشتی رانی کا ٹھیکہ لے لیا۔ ساتھ ساتھ وہ حاکمانِ سندھ کی حفاظت کے بھی ذمہ دار بن گئے۔ اس زمانے میں انگریزوں کو ہندوستان کی طرف روسی پیش قدمی کا بہت خطرہ تھا، لہٰذا افغانستان پر بھی ان کی نظریں جمی ہوئی تھیں، جو روسیوں کے مقابلے میں ہندوستان کا پہلا مورچہ تھا۔ انھوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے افغانستان کے دو حکمرانوں کو بھی اسی خیال سے اپنے ہاں پناہ دے دی تھی کہ جب ضرورت پڑے گی، ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکیں گے۔ ایک زمان شاہ درانی، جسے اس کے بھائی محمود نے اندھا کر دیا تھا (۱)، دوسرا شاہ شجاع۔

رنجیت سنگھ

رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۹ء میں انگریزوں سے معاہدہ کر کے دریائے ستلج کو اپنی عملداری کی جنوبی حد بنا لیا تھا اور وہ مسلسل شمالی و مغربی جانب پیش قدمی کرتا رہا۔ چنانچہ اس نے ہزارہ کے علاوہ پشاور تک سرحدی علاقہ لے لیا، نیز شکار پور کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ انگریز اور سندھی اس پیش قدمی کو روکنے کے خواہاں تھے۔ رنجیت سنگھ کا دعویٰ یہ تھا کہ مٹھن کوٹ سے نیچے جو دریا ہے، اسے بھی دریائے ستلج سمجھنا چاہیے جو سکھوں اور انگریزوں کے درمیان حدِ فاصل قرار پا چکا تھا۔ گویا وہ اس دریا کے پار کی سرزمین کو ان علاقوں میں شمار کرتا تھا جن میں ۱۸۰۹ء کے معاہدے کے مطابق وہ حسبِ دلخواہ پیش قدمی کا مجاز تھا اور انگریز اسے روکنے یا پیش قدمی میں مداخلت کرنے کے حقدار نہ تھے۔ انگریز کہتے تھے کہ ۱۸۰۹ء کے معاہدے کی حد مٹھن کوٹ پر ختم ہو جاتی ہے، اس لیے کہ دریائے ستلج وہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے دریائے سندھ ہے، جسے معاہدے سے کوئی علاقہ نہیں۔

رنجیت سنگھ نے میاں عبدالنبی کلہوڑہ کو بھی اپنی عملداری میں راجن پور کے مقام پر ایک جاگیر دے دی تھی۔ اسی سے تالپروں نے سندھ کی حکومت چھینی تھی۔ رنجیت سنگھ کا مقصد یہ تھا کہ ضرورت پیش آئے گی تو میاں عبدالنبی کو سندھ پر قبضے کیلئے تالپروں کے خلاف آلۂ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔ یہ وہی پالیسی تھی جس پر انگریز افغانستان کے

(۱) زمان شاہ کو اسیری کے زمانے میں انگریزوں کی طرف سے دو ہزار روپے ماہوار بہ طور وظیفہ ملتے رہے۔ غالباً ۱۸۴۵ء میں شاہ موصوف نے وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تعلق میں کاربند تھے۔

حاکمانِ سندھ

حاکمانِ سندھ کی پوزیشن عجیب وغریب تھی۔ وہ انگریزوں سے بھی ہراساں تھے، رنجیت سنگھ سے بھی اور والیانِ افغانستان سے بھی۔ کبھی ایک کی پناہ لینے پر آمادہ ہو جاتے، کبھی دوسرے سے معاملے کی گفتگو شروع کر دیتے، کبھی تیسرے کی طرف مائل ہو جاتے۔ شکارپور درّانیوں کی حکومت کے زمانے میں سلطنت افغانستان کا جزو بن چکا تھا۔ تالپوروں نے جب اس کا انتظام سنبھالا تو حکومت افغانستان کو خاص رقم بطور خراج دینے کا عہد کیا تھا۔ افغانستان میں درّانیوں اور بارک زئیوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی تو حاکمان سندھ نے خراج روک لیا، لیکن انھیں ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا کہ خدا جانے کب کوئی حکمراں شکارپور پر قبضہ کر لے۔

افغانستان

افغانستان پہلے سدوزئیوں کے قبضے میں تھا۔ ان میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو پہلے زمان شاہ معزول ہوا، پھر شاہ شجاع باہر نکلا۔ آخر میں شاہ محمود کی حکومت زائل ہوئی اور بارک زئی افغانستان کے مختلف حصوں پر قابض ہو گئے۔ صرف ہرات سدوزئیوں کے قبضے میں رہ گیا۔ زمان شاہ اور شاہ شجاع لدھیانہ میں مقیم ہو گئے اور انگریزوں نے ان کے لئے وظیفے مقرر کر دیے۔ شاہ شجاع کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کی سعی میں برابر لگا رہا۔ ایک موقع پر اس نے شکارپور اور پشاور دونوں رنجیت سنگھ کے حوالے کر کے مدد لینی چاہی، لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ ۱۸۳۳ء میں وہ خود افغانستان کو فتح کرنے کیلئے نکلا۔ حاکمانِ سندھ نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے گذر جانے دیں اور کوئی مزاحمت نہ کریں، مگر شاہ شجاع نے شکارپور پہنچ کر حاکمان سندھ سے بقایا خراج کا مطالبہ پیش کر دیا۔ بڑی مشکل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے اسے پانچ لاکھ روپے دے کر راضی کیا گیا۔ آگے بڑھا تو اس نے شکست کھائی۔ وہ لوٹا تو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے پھر شکار پور میں قدم جما کر بیٹھ جائے۔ اس خوف سے حاکمانِ سندھ شکار پور کو رنجیت سنگھ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے تا کہ شاہ شجاع کی دست بُرد سے بچے رہیں۔

عمومی کیفیت

غرض مولوی سید نصیر الدین کے پہنچنے پر عمومی کیفیت یہ تھی:

ا۔ رنجیت سنگھ شکار پور کی جانب بڑھ رہا تھا اور سندھ کیلئے خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ شکار پور سندھ کا حصہ نہیں بلکہ سلطنتِ افغانستان کا حصہ ہے اور اس پر قبضہ سے مجھے روکا نہیں جا سکتا۔

۲۔ انگریز اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر سندھ کو رنجیت سنگھ کی دست بُرد سے محفوظ رکھنے کے لیے کوشاں تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ رنجیت سنگھ کے ساتھ دوستانہ تعلقات میں فرق نہ آئے۔

۳۔ حاکمانِ سندھ کی دلی خواہش یہ تھی کہ جو گروہ رنجیت سنگھ کا مقابلہ کریں، انھیں ہر ممکن ذریعے سے خفیہ خفیہ مدد دیں، لیکن اس مدد کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہونے پائے۔

۴۔ مختلف گروہوں میں سے مزاری بلوچ سکھوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے، لہٰذا سندھ کے تمام عناصر کی خواہش یہی تھی کہ انھیں تقویت پہنچائی جائے۔

مزاریوں اور سکھوں کی کشمکش

مزاری اپنے دستور کے مطابق سکھ علاقوں میں تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے، اس وجہ سے سکھوں اور سندھیوں کے درمیان کشمکش شروع ہو جانے کا خطرہ موجود تھا۔ کننگھم لکھتا ہے کہ ۱۸۳۳ء میں دیوان ساون مل نے، جو سکھوں کی طرف سے ملتان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا ناظم تھا، مزاریوں کی شدید گوشمالی کی اور روجھان کے قلعے میں اپنی فوج بٹھا دینے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن رنجیت سنگھ نے اجازت نہ دی۔ اسے یقیناً یہ خیال ہوگا کہ ممکن ہے، انگریزی حکومت حاکمانِ سندھ کی حمایت میں اس پر معترض ہو اور اس سے تعلقات بگڑ جائیں۔ ۱۸۳۵ء میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مزاری والیٔ خیر پور کی انگیخت پر سکھوں کی چوکیوں کے خلاف ترکتازیاں کررہے ہیں۔ اس پر انگریزوں نے حاکمانِ سندھ کو متنبہ کیا کہ انگیخت کا یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے اور مزاریوں کو ترکتازیوں سے روکنا ضروری ہے تاکہ رنجیت سنگھ کو مداخلت کا بہانہ نہ مل سکے۔ لیکن مزاریوں کے حملے جاری رہے، یہاں تک کہ اگست ۱۸۳۶ء میں دیوان ساون مل نے روجھان پر قبضہ کر کے وہاں اپنی فوج بٹھا دی۔ (۱)

سید محمد لطیف فرماتے ہیں:

> اگست ۱۸۳۶ء میں دیوان ساون مل ناظم ملتان نے مہاراجا کے پاس عرضداشت بھیجی کہ مزاری بلوچ سکھوں کی چوکیوں پر مسلسل حملے کرتے رہتے تھے لہٰذا میں نے روجھان پر قبضہ کرلیا ہے۔ آئندہ اکتوبر میں پھر مزاریوں اور سکھوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ مزاری بھاری نقصان اٹھا کر شکست کھا گئے اور فتح مند سکھوں نے ان کے قلعہ کن پر قبضہ کرلیا۔ اس اثناء میں کنور کھڑک سنگھ اور کنور نونہال سنگھ بہت بڑی فوجوں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے پر موجود تھے۔ (۲)

یہ حالات تھے، جب مولوی سید نصیر الدین اور مزاریوں کے درمیان عہد و پیمان ہوا اور جماعت مجاہدین کو آغازِ جہاد کا موقع ملا۔

---

(۱) کننگھم کی تاریخ سکھاں (انگریزی) طبع اول ص ۲۱۶

(۲) سید لطیف کی تاریخ پنجاب (انگریزی) مطبوعہ ۱۸۹۱ء ص ۴۷۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میر بہرام خاں

موہن لال دہلوی نے مارچ ۱۸۳۶ء میں سرکار انگلشیہ کے ملازم کی حیثیت میں ان علاقوں کا دورہ کیا تھا اور اس سفر میں وہ میر بہرام خاں سے بھی ملا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اردگرد کے بلوچوں میں دانشمندی اور فہم وفراست کے لحاظ سے بہرام خاں کو خاص شہرت حاصل ہے:

> وہ دبلا پتلا آدمی ہے، قد درمیانہ، دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص گہرے خیالات میں ڈوبا ہوا ہو۔ اس کی طبیعت میں وہ شرارت اور دنائت بھی نظر نہیں آتی، جو عام طور پر اس سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے تین بیٹے ہیں اور چار بیٹیاں۔ وہ سرداروں کا سا لباس نہیں پہنتا، اگرچہ میں نے سنا ہے کہ اس کے پاس بہت روپیہ ہے۔(۱)

موہن لال نے یہ بھی لکھا ہے کہ سکھوں نے میر بہرام کی خوش دامن جنت بی بی کو گرفتار کر لیا تھا اور اسے ملتان لے آئے تھے، جہاں میں نے بھی اس سے ملاقات کی تھی۔ میر بہرام خاں نے اس کے فدیے میں بیس اونٹوں کی پیش کش کی تھی لیکن سکھوں نے مزید پچیس اونٹوں کا مطالبہ پیش کر دیا تھا۔(۲)

---

(۱) موہن لال کا سفرنامہ (انگریزی) ص: ۳۲۵-۳۲۶

(۲) موہن لال کا سفرنامہ (انگریزی) ۳۸۸-۳۸۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

روجھان اور کن کی لڑائیاں

مزاریوں میں قیام کی تجویز

سندھ پہنچنے کے بعد مولوی سید نصیر الدین کو تقریباً ہر ذمہ دار آدمی نے یہی مشورہ دیا کہ مزاریوں کے علاقے میں قیام کرنا چاہیے۔ چنانچہ مولوی صاحب پیر کوٹ پہنچے تو سید عبدالرحمن (خواہرزادۂ سید صاحب) نے پہلے سے موصوف کیلئے یہی تجویز طے کر رکھی تھی۔ سید جعفر علی ساکن خیر پور سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے بھی اس تجویز پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔

میرا خیال ہے، یہ مشورہ اس بنا پر دیا گیا کہ اس زمانے میں مزاری بلوچ سکھوں کے خلاف لڑ رہے تھے، لیکن اس معاملے کے مختلف پہلوؤں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ کیا گیا۔ مثلاً مزاریوں کا مقام ایسا تھا کہ وہاں زیادہ دیر تک جنگ جاری نہ رکھی جاسکتی تھی۔ اگر حاکمانِ خیر پور و حیدر آباد پر انگریزوں اور سکھوں کا دباؤ پڑتا تو وہ یقیناً الگ ہو جاتے بلکہ مزاریوں کو بھی مجاہدین کی اعانت سے روک دیتے۔ پھر وہ جانبازانِ راہِ حق اس علاقے کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے اور جہاد کے تمام انتظامات بے سود رہ جاتے۔ خاص طور پر قابل توجہ امر یہ ہے کہ مزاریوں کی نفری اگرچہ خاصی تھی، لیکن ان میں کوئی تنظیم نہ تھی۔ یاغستانی پٹھانوں کی طرح وہ لوٹ مار میں خاصی سرگرمی دکھا سکتے تھے، تاہم مدت مدید کی تربیت کے بغیر وہ منظم جنگ کیلئے زیادہ کارآمد نہ ہو سکتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب کے تاثرات

مولوی صاحب نے غالباً اس بنا پر یہ مشورہ بے تامل قبول کر لیا کہ گرد و پیش اور کوئی موزوں مقام نہ تھا، جہاں سے جہاد کا فوری آغاز ہو سکتا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ پہلے سے ان کے دل پر مزاریوں کے متعلق اچھا اثر پیدا ہو چکا تھا، اگر چہ یہ تاثر محض شنید پر مبنی تھا، خود مولوی صاحب کو تجربے کی بنا پر اس کی توثیق کا موقع نہ ملا تھا۔ چنانچہ وہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> مزاریاں بہ شجاعت وشہامت ضرب المثل اند و نیز در اجمیر و جودھ پور بذریعہ اخبار انگریزی معلوم شدہ بود کہ دریں ولا قوم مذکور بر بعض محروسہ و مقبوضہ سکھ اغارہ کردند و چارپائے ہا بسیار بہ غارت بردند۔ بہ طرف ایں قوم رغبتے می یافتم۔(۱)

ترجمہ: مزاری بہادری میں ضرب المثل ہیں، علاوہ بریں اجمیر اور جودھ پور میں انگریزوں کی بہم پہنچائی ہوئی خبروں سے معلوم ہو چکا تھا کہ اس زمانے میں مزاریوں نے سکھوں کے بعض علاقوں پر ترکتاز کی اور بہت سے مویشی لوٹ لئے گئے، لہٰذا اس قوم کی طرف میرے دل میں اک گونہ رغبت پیدا ہو گئی تھی۔

پھر فرماتے ہیں:

> چوں میرانِ خیر پور زیر دستانِ فرنگیاں و آشتی دارانِ سکھاں اند، قرار خود در محروسہ ایشاں مقرون صلاح نمی بینم۔ اگر چہ متوقع چناں است کہ بفضلِ سبحانہ مسلمانانِ ایں دیار بسیارے از بسیار ہمراہ خواہند شد۔ بہ خلاف قومِ مزاری کہ نہ از سکھاں خوفے دارند، نہ فرنگیاں۔(۲)

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۲۹

(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۳۰، ۳۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: والیانِ خیر پور چونکہ فرنگیوں کے زیر اثر ہیں اور سکھوں سے انھوں نے صلح کر رکھی ہے، لہٰذا ان کے علاقے میں قیام میرے نزدیک خلاف مصلحت ہے۔ بایں ہمہ امید کی جاتی ہے کہ اس ملک کے مسلمان بہت زیادہ تعداد میں میرا ساتھ دیں گے۔ والیانِ خیر پور کے خلاف مزاری نہ سکھوں سے ڈرتے ہیں، نہ فرنگیوں سے۔

قابلِ غور نکتہ

آخری اقتباس سے واضح ہے کہ مولوی سید نصیر الدین نے دو وجہ سے خیر پور میں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ اول ریاست کا فرنگیوں کے زیر اثر ہونا، دوم سکھوں سے مصالحانہ تعلقات رکھنا۔ مولوی صاحب موصوف سید صاحب کی میراث کے حامل تھے۔ اگر انگریزوں کے متعلق سید صاحب کی رائے وہی ہوتی جو مولوی محمد جعفر تھانیسری کی تحریر کے مطابق بعض حضرات نے ایک صدی تک قبول کیے رکھی تو مولوی صاحب انگریزی اثر کو کیوں موجبِ قدح قرار دیتے؟ حقیقت یہی ہے کہ سید صاحب اور ان کے تمام رفقاء وخلفاء ہندستان کو ہر اُس تسلط سے پاک کرنا چاہتے تھے جو مسلمان حکمرانوں کی نااہلی کے باعث یہاں قدم جما چکا تھا۔ سکھ تھوڑے سے حصے پر قابض تھے۔ ملک کا بڑا حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ پھر یہ بزرگ کس بنا پر انگریزی تسلط کو بہ اطمینانِ خاطر قبول کر سکتے تھے؟ آگے چل کر مولوی صاحب نے انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کی اور معاملے کو وضاحت کی آخری منزل پر پہنچا دیا۔

مزاریوں سے عہد و پیمان

قطعی فیصلے کے ساتھ ہی مزاریوں سے باقاعدہ گفت وشنید شروع ہو گئی تا کہ طریق کار کے متعلق سب کچھ طے ہو جائے۔ مزاریوں میں سے مولوی صاحب نے زیادہ تر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تین آدمیوں کا ذکر کیا ہے: ایک حاجی خاں، دوسرا فتح خاں اور تیسرا اکرم خاں۔(۱) ایک مقام پر بہرام خاں مزاری، کرم خاں مزاری، بھرک خاں بگٹی اور بجار خاں ڈوکی کا ذکر فرمایا ہے۔(۲) اول الذکر تینوں سردار میر رستم کے پاس خیرپور آئے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب نے اپنے رفیق خاص ابو احمد علی کو ان کے پاس بھیج دیا کہ گفتگو ہو جائے۔(۳)

ایک خط میں لکھتے ہیں کہ کرم خاں مزاری نے اقرار نامہ لکھ کر دے دیا ہے۔ ان بلوچوں کی کیفیت یہ ہے:

> ہر کہ در خانۂ ایشاں برود تا جاں در تنِ ایشاں ہست، رفاقت اوی کنند و راسخ العہد و صادق المیثاق بودنِ ایشاں مشہور است۔ چنانچہ بعضے اقوامِ ایشاں درمیانِ خود دشمنی دارند و جنگ درمیانِ خود می کنند۔ ہرگاہ کہ وعدہ کنند کہ دو سال صلح ہست، ہرگز درمیانِ خود غدر نمی کنند۔(۴)
>
> ترجمہ: جو شخص انکے گھر چلا جائے، جب تک جان بدن میں رہے، اس کا ساتھ دیتے رہیں اور ان کا وعدے پر قائم رہنا اور باوفا ہونا مشہور ہے۔ چنانچہ ان کے مختلف گروہوں میں دشمنی کی بنا پر لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، مگر جب وعدہ کر لیتے ہیں کہ مثلاً دو سال کیلئے صلح ہے تو اسکی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

روجھان کا محاصرہ

ہم بتا چکے ہیں کہ روجھان پر سکھوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ مولوی صاحب مزاریوں سے عہد و پیمان کے بعد پہلے پنجی میں ٹھہرے رہے۔ شعبان ۱۲۵۳ھ کے آخری عشرے

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۸، ۲۵

(۲) ملاحظہ ہو اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۸۲

(۳) ملاحظہ ہو اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۲۹، ۳۹

(۴) مثلاً ملاحظہ ہو اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(نومبر ۱۸۳۷ء) میں روجھان پر پیش قدمی کی اور ۲۵ رشعبان کو قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ مجاہدین کے پاس چار شاہینیں تھیں، جنہیں مختلف مورچوں میں نصب کرلیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ اہل قلعہ نے دروازے بند کرلئے اور توپ لگا کر مجاہدین پر گولہ باری کرنے لگے۔ دو روز محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین نے تنگ آکر دست بدست لڑائی کی ٹھانی۔ وہ دو چار مرتبہ قلعے سے باہر نکلے، جابجا مورچے قائم کیے، لیکن مجاہدین کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور قلعے میں جا بیٹھے۔ دو روز میں تقریباً بیس محصورین مارے گئے اور تین مجاہدین نے شہادت پائی۔

مہا سنگھ روجھان کا قلعہ دار تھا اور اس نے اپنی امداد کیلئے منگھن کوٹ، عمر کوٹ (۱) اور ڈیرہ غازی خاں کے قلعہ داروں کو بھی بلا لیا تھا۔

مزاریوں کی مراجعت

مزاریوں میں سے ایک سردار سکھوں کے ہمراہ تھا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں:

> دوست علی خاں پسر کلاں سردار بہرام خاں مزاری و جمال خاں و لشکر خاں پسران کرم خاں مزاری باتمن ہائے خود......از منتسبانِ آں بلوچ کہ در حکومت سکھاں می زیست، کشتند و گلہ ہائے گاواں وغیرہ بہ غارت بردند۔ (۲)

> ترجمہ: بہرام خاں مزاری کے بڑے بیٹے دوست علی خاں نیز کرم خاں کے بیٹوں جمال خاں اور لشکر خاں نے اس بلوچ سردار کے سواروں اور پیادوں کو قتل کردیا، جو سکھوں کی حکومت میں رہتا تھا اور مویشی وغیرہ کے بہت سے گلے قبضے میں لے لیے۔

اس بلوچ سردار نے سوچا کہ اگر روجھان فتح ہوگیا تو بہرام خاں اور کرم خاں کے

(۱) واضح رہے کہ یہ عمر کوٹ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں روجھان اور راجن پور کے درمیان واقع ہے۔

(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوط ص: ۷۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بیٹے مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ ایک بلوچ کو قرآن دے کر ان مزاریوں کے پاس بھیجا، جس نے بتایا کہ دیوان ساون مل ناظم ملتان بھاری لشکر لے کر قریب آ پہنچا ہے۔ قرآن بہ طور حلف بھیجا گیا تھا کہ اس خبر کی صحت کے متعلق کوئی وسوسہ باقی نہ رہے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، مزاری منظم جنگ کے اہل نہ تھے۔ یہ خبر سنتے ہی ان پر خوف طاری ہو گیا۔ وہ لوٹے ہوئے ریوڑ لے کر مولوی صاحب کو اطلاع دیے بغیر، روجھان سے چلے گئے اور چلتے وقت کہہ گئے کہ ہم جانوروں کیلئے چارہ لیکر واپس آ جائیں گے۔

مجاہدین کی پریشانی

مجاہدین کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی اور ان کے پاس رسد کا بھی کوئی ذخیرہ نہ تھا۔ سب کے لئے رسد کشموز سے جاتی تھی، جو روجھان سے دو منزل پر واقع تھا۔ اس بنا پر محاصرہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ اگر سکھوں کی بڑی فوج روجھان پہنچ جاتی تو مجاہدین اس کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکتے تھے اور دو منزل سے روزانہ رسد منگوانے کا انتظام بہت مشکل تھا، لہٰذا مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ فی الحال محاصرہ چھوڑ دیا جائے اور نئے سرے سے فوج مرتب کر کے دوبارہ اقدام کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے روجھان کے مورچے چھوڑ کر نمازِ عشاء کے بعد کشموز کا راستہ لیا۔(۱)

کن میں لڑائی

روجھان سے تقریباً چار کوس جنوب میں کن واقع ہے، جہاں سکھوں نے ایک فوجی چوکی قائم کر رکھی تھی۔ روجھان کے سکھوں کو جب معلوم ہوا کہ مجاہدین محاصرہ چھوڑ گئے

(۱) یہ تمام تفصیلات اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۳۵ تا ۴۶۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں تو وہ سب ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ کن کے قریب انھوں نے نقارے بجا کر مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے اللہ اکبر کے نعروں سے ان کا مقابلہ کیا اور ایک ہی حملے میں سکھوں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، لیکن اندیشہ تھا کہ وہ پلٹ کر حملہ کریں گے، لہٰذا مجاہدین دوپہر تک اسی جگہ انتظار میں بیٹھے رہے۔ چنانچہ سکھ دوبارہ نمودار ہوئے اور دوبارہ جنگ شروع ہوگئی۔ اتفاق سے مٹھن کوٹ کا قلعہ دار کرم سنگھ اور اس کا ایک ساتھی مجاہدین کے نرغے میں آ گئے۔ محمد شاہ، عبدالعظیم خاں، مہر خاں، عظیم اللہ خاں اور نور محمد نے انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور دونوں کے سر کاٹ کر قلعہ کن کے دروازے پر لٹکا دیے۔ سکھ دوبارہ بھاگ نکلے۔ ان کے دس سوار مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ دوسرے روز مجاہدین کن سے روانہ ہوکر کشمور پہنچ گئے۔ (۱)

”باغ و بہار“ کا بیان

ان لڑائیوں کے حالات کسی کتاب میں درج نہیں ہوئے۔ ہتو رام نے ”باغ و بہار“ کے نام سے ضلع ڈیرہ غازی خاں کی تاریخ ۱۸۷۱ء میں شائع کی تھی جو اب بہت کمیاب ہے۔ صرف اس میں روجھان پر سکھوں کے قبضے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

> تھوڑا عرصہ بعد مولوی نصیر الدین غازی ہندوستانی علاقہ قندھار سے پھرتا ہوا بہ جمعیت ایک ہزار سوار و پیادہ وارد علاقہ سندھ ہوا۔ کن دار مزاری نے مولوی مذکور کو حامی خود بنا کر علاقہ روجھان کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا، مگر کاردار متعینہ قلعہ روجھان بہ سبب پناہ اُس قلعے کے بچ گیا۔ مردمانِ مزاری علاقہ روجھان کو مار تباہ کر کے واپس چلے گئے۔ (۲)

مولوی صاحب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ علاقہ قندھار سے سندھ آئے، غلط فہمی پر مبنی ہے، تاہم یہ بیان فی الجملہ مولوی صاحب کے تحریر کردہ واقعات کا مصدق ہے۔

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۲۷ تا ۵۰
(۲) ”باغ و بہار“ طبع اول ص: ۱۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

نئی قیام گاہ اور نئی تدبیریں

کشمور اور بھمک

مجاہدین چند روز کشمور میں مقیم رہے۔ یہ مقام سکھوں کی عملداری سے بہت قریب تھا اور ہر لحظہ کشمکش کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔ اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ مولوی صاحب مختلف مقامات کا دورہ کر کے لوگوں کو جہاد کیلئے تیار کر سکیں۔ اس سے بھی بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ کشمور کا حاکم خفیہ خفیہ ساون مل ناظم ملتان سے ساز باز رکھتا تھا، وہ مجاہدین کیلئے رسد کی بہم رسانی میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا۔ لہٰذا یہی مناسب معلوم ہوا کہ کشمور کے بجائے کسی دوسرے مقام کو مرکز بنایا جائے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجاہدین کو لے کر ایک اور مقام پر جا ٹھہرے، جو روجھان سے آٹھ نو کوس دور تھا۔ (۱)

سکھوں پر شبخون

ایک روز خبر ملی کہ سکھ سواروں اور پیادوں کی ایک جماعت ایک بستی میں پہنچی ہوئی ہے، جو مجاہدین کی قیام گاہ سے تقریباً چار کوس تھی۔ یہ بھی سنا گیا کہ وہ لوگ دریا عبور کر کے مجاہدین پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مولوی صاحب نے خود ان پر شبخون مارنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ۲۷ رمضان ۱۲۵۳ھ (۲۵ دسمبر ۱۸۳۷ء) کو دو سو جانباز منتخب کر کے بھیج دیے، جنھوں نے کشتیوں پر دریا عبور کیا، لیکن بستی میں پہنچے تو معلوم ہوا، وہاں کوئی نہیں۔

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص ۱۰۹۔ اس مقام کا صحیح نام معلوم نہ ہو سکا، نظر بظاہر یہ بھمک یا بمبک معلوم ہوتا ہے، لیکن مجھے ایسے مقام کا پتہ نہ چل سکا۔ آغا بدر الدین رئیس یاسین گڑھی نے بھی چھان بین کرائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساون مل اس مقام سے تھوڑے فاصلے پر فوج لئے بیٹھا تھا، اس نے اپنے آدمیوں کو شبخون کے لئے تیار کرنا چاہا تو جواب ملا:

تو پیش ما می روی، ما ہم ہمراہ تو می رویم والّا مجال نداریم کہ بر غازیاں شبخون زنیم۔ (۱)

ترجمہ: تو ہمارے آگے چل۔ ہم تیرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہیں، ورنہ ہمیں یہ حوصلہ نہیں کہ غازیوں پر شبخون ماریں۔

ساون مل نے ان مزاریوں کو شبخون پر ابھارنے کی کوشش کی جو اپنے ہم قوموں کا ساتھ چھوڑ کر سکھوں سے ملے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ساون مل وہاں سے ہٹ کر ملتان کی طرف چلا گیا اور روجھان کا نظم ونسق اس نے مزاریوں کے حوالے کر دیا۔ مولوی صاحب مجاہدین کو اس کے تعاقب میں بھیجنا چاہتے تھے لیکن خرچ کی کمی کے باعث یہ تدبیر بروئے کار نہ آسکی۔ (۲)

مالی مشکلات

اگرچہ مختلف مقامات خصوصاً ٹونک سے وقتاً فوقتاً روپیہ آ رہا تھا اور مجاہدین کے مختلف جیش بھی اپنے ساتھ رقمیں لاتے رہتے تھے، تاہم اس زمانے میں مالی مشکلات کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھیں۔ مولوی صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:

دریں ولا عسرت وتنگی خرچ کہ مطابق مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ از امتحانات جہاد بیہ است، تنخواہ نوکراں بہ حد نہایت رسیدہ۔ بایں کہ زیورات اہل خانہ میاں ولی محمد صاحب ودیگر مستورات مجاہدین وجناب عصمت قباب بی بی صاحبہ مکرمہ معظمہ فروختہ بہ صرف مجاہدین وتنخواہ نوکراں درآمد، تاہم کفایت نہ کرد ونوبت فاقہ یک دو روز ہم رسیدہ۔ (۳)

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۰۹ (۲) ایضاً ص: ۱۱۰ (۳) ایضاً ص: ۱۰۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: ان دونوں مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ (انھیں تنگی نے آ پکڑا) کے مطابق خرچ کی تنگی پیش آئی۔ یہ بھی جہاد کے امتحانات میں سے ہے۔ نوکروں کی تنخواہ بھی نہیں دی جا سکتی۔ میاں ولی محمد صاحب کے اہل خانہ، دوسرے مجاہدوں کی خواتین اور خود سید صاحب کی بی بی صاحبہ نے بھی اپنے زیورات بیچ کر رقمیں مجاہدین کے گزارے اور نوکروں کی تنخواہوں کیلئے دیدیں، جب بھی ضرورت پوری نہ ہوئی اور ایک دو دن فاقے کی نوبت بھی آ گئی۔

ایک اور خط میں فرماتے ہیں:

مخفی و محتجب مباد کہ دریں ولا دینداران ایں دیار و مسلمانان ہدایت شعار بہ قدرِ طاقتِ خود از مال وغیرہ تائید و اعانتِ مجاہدین نمودہ اند و اکثرے از برادرانِ مجاہدین مثل میاں ولی محمد صاحب و دیگر ہمراہیان ایشاں و میاں سید اسمٰعیل زیوراتِ مستوراتِ خود ہا فروختہ تجہیز ساز و سامان نمودہ اند۔ (۱)

ترجمہ: واضح رہے کہ ان دنوں اس علاقے کے دیندار اور ہدایت یافتہ مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق مجاہدین کی مالی امداد کرتے رہے۔ مجاہد بھائیوں میں سے اکثر مثلاً شیخ ولی محمد، ان کے ساتھیوں اور سید اسمٰعیل نے مستورات کے زیور بیچ کر سر و سامان کا انتظام کیا۔

نواب بہاول خاں کی سراسیمگی

مجاہدین جس مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، وہ اگرچہ حاکمانِ سندھ کی عملداری میں واقع تھا، تاہم ریاست بہاول پور کی سرحد سے قریب تھا۔ اس وجہ سے نواب بہاول خاں کے دل میں خواہ مخواہ سراسیمگی پیدا ہو گئی۔ اس نے سمجھا کہ ممکن ہے، مجاہدین خود اس کے علاقے میں دست اندازی شروع کر دیں حالانکہ مجاہدین کو اس سے کوئی کاوش نہ تھی۔ غرض وہ فوج کے ساتھ مجاہدین کی قیام گاہ سے دو تین کوس پر آ بیٹھا اور اپنا وکیل حاکمانِ سندھ

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۳۰، ۱۳۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے پاس بھیج دیا کہ مجاہدین کو وہاں سے ہٹا لیا جائے۔(۱)

نئی قیام گاہ کی تجویز

حاکمانِ سندھ نے مولوی صاحب کو پیغام بھیج دیا کہ:

آں صاحب لشکر خود را برداشتہ در ملک مایاں بر مقام روپا کہ نام ضلعیست یا جائے دیگر بہ آں لب دریائے اباسین یعنی بہ طرف شکار پور ہر جائے کہ پسند خاطر افتد، چھاؤنی لشکر خود اندازند۔(۲)

ترجمہ: آپ اپنے لشکر کو ہٹا کر ہمارے ملک کے ضلع روپا میں آ جائیں، جو دریائے سندھ کے اس طرف یعنی شکار پور کی جانب ہے یا کسی اور مقام پر ٹھہر جائیں جو آپ کو پسند ہو۔

چنانچہ مولوی صاحب نے لشکر اس بستی سے ہٹا لیا اور مہرو میں مقیم ہو گئے جو شکار پور سے ایک منزل پر واقع تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جگہ بڑی دلکشا اور راحت افزا ہے۔ یہاں پانی، غلے، گھاس اور لکڑی کی کمی نہیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کیلئے اچھی چراگاہیں موجود ہیں۔(۳)

اہل سندھ اور حاکمانِ سندھ

مہرو میں قیام کے حالات بتاتے ہوئے مولوی صاحب لکھتے ہیں:

امیر سندھ در صورت اقامتِ مایاں دریں ملک و جنگ کردن با کفار

---

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۳۰، ۱۳۱

(۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۳۲

(۳) آغا بدر الدین رئیس اعظم گڑھی یاسین نے بتایا کہ شکار پور کے شمالی حصے اور جیکب آباد کے تھوڑے سے جنوبی حصے کو زمانہ قدیم سے روپاہ کہتے تھے، اگرچہ آج کل سرکاری نام یہ نہیں، لیکن عوام میں یہ خطہ آج بھی روپاہ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ مولوی صاحب کے خط میں مقام کا نام مہرہ بتایا گیا، میری تحقیق کے مطابق صحیح نام مہرد ہے جو شکار پور سے بجی سولہ میل مشرق میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس سے متصل سندھ نام ایک نہر نکلی ہے۔ اس کا پورا نام مہرو ماڑی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سکھاں و فراہم آوردن مسلمانان بہ ہیچ وجہ مانع و مزاحم نیستند و از سکونت لشکر
اسلام خواہ از روئے تجارت و زراعت باشد یا کسب دیگر، کسے ناخوش نیست
زیرا کہ زمین سندھ صدہا کردہ ویران و غیر آباد افتادہ است۔ ہر قدر آبادی بہ عمل
آید، خوشنودی رئیسان ایں نواح است۔(۱)

ترجمہ: سندھ کے امیر مجاہدین کے قیام، سکھوں سے جنگ اور لڑنے
والے مسلمانوں کی فراہمی میں قطعاً مزاحمت نہیں کرتے۔ ہمارے لوگ یہاں
رہ کر تجارت کریں یا کھیتی باڑی یا کوئی اور پیشہ اختیار کرلیں، کسی کو برا نہیں لگتا۔
کیونکہ سندھ میں سیکڑوں کوس زمین ویران اور غیر آباد پڑی ہے۔ یہاں جتنی
آبادی ہوگی، رئیسوں کے نزدیک خوشنودی کا باعث سمجھی جائے گی۔

بلوچستان سے تعلقات

کچھ معلوم نہیں کہ مولوی صاحب کب تک مہرو میں مقیم رہے، لیکن جیسا کہ پہلے بتایا
جاچکا ہے، وہ قلات کے وزیر اعظم مختار الدولہ محمد حسن سے بھی خط و کتابت شروع کر چکے
تھے اور ان کی خواہش یہ تھی کہ موقع ملے تو بلوچستان چلے جائیں۔

مختار الدولہ محمد حسن ظاہراً مولوی صاحب کے خیر مقدم کیلئے ہمہ تن تیار تھا، جیسا کہ
اس کے خطوط سے واضح ہوتا ہے۔ مثلاً ایک خط میں لکھتا ہے:

ایں فدوی خدا می داند کہ خود را غائبانہ یکے از غلامان و دامن گرفتگانِ
خادمانِ عالی می داند۔(۲)

ترجمہ: خدا گواہ ہے کہ میں اپنے آپ کو آپ کے غلاموں اور متوسلوں
میں شمار کرتا ہوں۔

دوسرے میں لکھتا ہے:

اصلاً خود را از مؤیدات ایں امر شریف دین نبویؐ حتی الامکان دریغ نہ

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۴۳ (۲) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۴۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خواہد داشت۔(۱)

ترجمہ: میں دین نبویؐ کے اس اہم حکم یعنی جہاد کی تائید و حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔

تاہم محمد حسن عام تاریخی معلومات کے مطابق چالاک اور زمانہ ساز آدمی تھا۔(۲) وہ جو کچھ کہتا رہا اس پر توقع اور امید کے مطابق یقیناً عمل نہ کیا ہوگا، لیکن ہمیں مولوی صاحب کے حالات کے متعلق جو مکتوب ذخیرہ مل سکا، اس میں قیامِ مہرو کے بعد کی کوئی سرگزشت موجود نہیں۔ نہ اس خلا کو پورا کرنے کا اور کوئی ذریعہ میسر آ سکا۔

سکھوں اور مزاریوں کی مصالحت

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ دیوان ساون مل مجاہدین سے مرعوب ہو کر روجھان مزاریوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ مستند تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان مذکور مزاریوں کی یورشوں سے بہت پریشان ہو گیا تھا، جو مجاہدین کی اعانت کے باعث خاص خطرناک صورت اختیار کر گئی تھیں۔ لہٰذا یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان سے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کر کے کشمکش ختم کر دی جائے۔ چنانچہ رحیم خاں لغاری کے ذریعے سے گفت و شنید ہوئی۔ مزاریوں کے تمام سابقہ حقوق بحال کر دیے گئے اور انھوں نے یہ منظور کر لیا کہ اپنے آپ کو سکھوں کی رعایا سمجھیں گے۔ میر بہرام خاں مزاری کو پہلے ملتان بلایا گیا اور دیوان ساون مل نے اسے ایک ہزار روپے کا خلعت دیا۔ پھر اسے رنجیت سنگھ نے لاہور بلایا۔ میر بہرام خاں کو طلائی کڑوں کی ایک جوڑی، ایک ہزار روپیہ نقد اور خلعت تیز اس کے ساتھ جو پچاس مزاری سوار تھے، انھیں ریشمی کپڑے دیے۔(۳)

(۱) اخبار مولوی سید نصیر الدین مخطوطہ ص: ۱۴۸

(۲) جب انگریزوں نے شاہ شجاع کی حمایت میں افغانستان پر فوج کشی کی تھی تو محمد حسن ہی قلات کا وزیر اعظم تھا۔ انگریزوں نے ایک رنگ میں خط و کتابت کی۔ محراب خاں والئ قلات کو دوسرے رنگ میں مشورے دیے۔ یہاں تک کہ انگریزوں کے دل میں والئ قلات کے متعلق شدید غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور وہ بے چارا ناحق مارا گیا۔

(۳) "باغ و بہار" ص: ۱۷۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارھواں باب:

انگریزوں سے جنگ اور قیامِ ستھانہ

معلومات کا فقدان

جنگ روجھان کے بعد مولوی سید نصیرالدین کی سرگرمیوں کے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے کا کوئی بھی ذریعہ میسر نہ آ سکا۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا، وہ دو کتابوں سے ماخوذ تھا: ایک رسالہ جو موصوف کے حالات میں سید ابو احمد علی نے مرتب کیا تھا، دوسرا مجموعۂ مکاتیب جس کے حوالے ''اخبار مولوی نصیرالدین'' کے نام سے جا بجا دیے جا چکے ہیں۔ مکاتیب جنگ روجھان پر پہنچ کر ختم ہو گئے۔ رسالے کا جو نسخہ مل سکا وہ سراسر ناقص تھا۔ اسکے مقدمے سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ روجھان کے بعد مولوی سید نصیرالدین سندھ سے ہجرت کر کے بلوچستان چلے گئے۔ دوستی، ڈھاڈر، تھل چیپالی وغیرہ میں رہے اور اس سلسلے میں شادوزئی ... ئی، کاکڑ، استرانی، بزدار وغیرہ قوموں کے درمیان سکونت کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی صاحب سندھ سے نکل گئے۔ پھر سنی، لورالائی، ژوب اور کوئٹہ کے کوہستانی علاقوں میں مقیم رہے۔ اس کے بعد حافظ محمد ناصر اور ان کے رفیقوں کو شہادت کی منزل پیش آئی، مجاہدین کی جماعت بکھر گئی اور مولوی صاحب تنہا ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھرتے پھراتے ستھانہ پہنچے۔ وہاں جماعتِ مجاہدین کی فراہمی کا انتظام کیا اور جہاد کی دعوت شروع کر دی۔ وہیں وفات پائی۔

ان اشاروں سے مولوی صاحب کی سرگرمیوں کا ایک سرسری نقشہ تو سامنے آ جاتا ہے، لیکن تفصیلات اس وقت تک بیان نہیں کی جا سکتیں، جب تک رسالے کا مکمل نسخہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہاتھ نہ آجائے۔ سندھ یا بہاول پور میں جہاد کا انتظام ممکن نہ تھا، اس لئے کہ ان علاقوں کے حاکم انگریزوں سے وابستہ تھے۔ مزاری بلوچ سکھوں سے صلح کر چکے تھے، ان سے بھی اعانت کی کوئی امید نہ ہو سکتی تھی۔ لہٰذا مولوی صاحب کو بلوچستان کی طرف جانا پڑا۔ اچانک گردوپیش کے سیاسی حالات میں ایسا تغیر پیدا ہو گیا کہ انگریز افغانستان کی آزادی سلب کر لینے پر تل گئے۔ امیر دوست محمد خاں نے مقابلے کی ٹھانی۔ اس سلسلہ میں مولوی صاحب نے بھی امیر موصوف کی اعانت میں مجاہدانہ شان سے قدم آگے بڑھایا۔ سب سے پہلے اس تغیر کی مختصر سی کیفیت سن لیجئے۔

افغانستان میں خانہ جنگی

افغانستان میں تباہ کن خانہ جنگی کا آغاز تیمور شاہ (ابن احمد شاہ ابدالی) کے فرزندوں سے ہوا۔ ان میں سے زمان شاہ زیادہ قابل سمجھا جاتا تھا۔ وہی تیمور شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، لیکن اس نے اپنے بعض خودغرض مشیروں کے اکسانے سے پائندہ خاں بارک زئی کو ناحق قتل کرادیا، جو افغان سرداروں میں سب سے زیادہ مدبر اور بااثر تھا۔ پائندہ خاں کے بیٹے زمان شاہ کے بھائی شاہ محمود کے حامی بن گئے۔ زمان شاہ فوج لے کر ہندوستان آیا۔ شاہ محمود نے تخت گاہ پر قبضے کے لئے قدم بڑھایا۔ زمان شاہ یہ خبر سن کر واپس ہوا، لیکن اس کے پہنچنے سے پیشتر کابل چھن چکا تھا۔ شاہ محمود نے بھائی کو گرفتار کر کے اس کی آنکھوں میں سلائی پھروادی۔ پھر زمان شاہ کے ماں جائے بھائی شاہ شجاع اور محمود شاہ میں خاصی دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر شاہ شجاع کو بھی افغانستان سے نکل کر رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لینی پڑی۔ اپنے اکثر جواہرات، جن میں "کوہِ نور" بھی شامل تھا، رنجیت سنگھ کو دے کر لاہور سے بھاگا اور انگریزوں کے پاس پہنچ گیا، جسے انھوں نے لدھیانہ میں ٹھہرایا اور وظیفہ مقرر کردیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محمود شاہ کو سلطنت پایندہ خاں کے فرزندوں کی بدولت ملی تھی، جن میں سے فتح خاں سب سے بڑا تھا۔ وہی وزیر اور مختار کل بن گیا۔ محمود شاہ کے بیٹے کامران نے کچھ مدت بعد اسے قتل کرا دیا۔ اس کے بھائیوں نے محمود شاہ کی سلطنت کا چراغ گل کر کے افغانستان کے مختلف حصوں میں اپنے دیے روشن کر دیے اور محمود شاہ کے قبضے میں صرف ہرات کا صوبہ رہ گیا۔

پایندہ خاں کے بیٹوں میں سے دوست محمد خاں نے کابل میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ وہی احمد شاہ ابدالی کی سلطنت کا وارث بن گیا۔ شاہ شجاع نے ایک مرتبہ سلطنت واپس لینے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا اور مستقل طور پر لدھیانہ میں بیٹھ گیا، جہاں زمان شاہ بھی آ گیا تھا۔

روسی مداخلت کا اضطراب

ہندوستان پر قابض ہو جانے کے بعد انگریزوں کو باہر سے بحری حملے کے متعلق تو کوئی تشویش نہ رہی تھی، اس لئے کہ کسی یورپی طاقت کے پاس ایسا جنگی بیڑا نہ تھا جو انگریزی بیڑے کو شکست دے کر بڑی فوج ہندوستان پہنچا سکتا، البتہ خشکی کے راستے سے حملے کا خطرہ موجود تھا۔ اسی بنا پر وہ افغانستان اور ایران سے گہرے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ ظاہر ہے کہ خشکی کے راستے جو فوج آتی، وہ انھیں دو ملکوں میں سے ہو کر آتی۔ یورپی تاجداروں میں سے نپولین نے روس کو ساتھ ملا کر ہندوستان پر حملے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ نپولین شکست کھا کر قید ہو گیا تو انگریز اطمینان سے بیٹھ گئے۔ پھر روس نے وسط ایشیا میں پیش قدمی شروع کی تو انگریزوں کو از سر نو سراسیمگی پیدا ہوئی۔ چنانچہ دونوں نے افغانستان اور ایران کے درباروں میں اپنے اپنے مقاصد کے لئے جوڑ توڑ شروع کر دی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوست محمد خاں کا موقف

امیر دوست محمد خاں انگریزوں سے خوش گوار تعلقات قائم رکھنے کیلئے تیار تھا اور اس امر کا بھی ذمہ لیتا تھا کہ وہ روس یا کسی دوسری اجنبی طاقت کی فوجوں کو افغانستان میں سے ہندوستان کی جانب پیش قدمی کرنے کی اجازت نہ دیگا، لیکن کہتا تھا کہ پشاور افغانستان کی ملکیت ہے، اسے سکھوں سے واپس دلاؤ یا واپس دلانے میں پوری امداد کرو۔ انگریزوں کی پوزیشن حد درجہ مضحکہ خیز تھی۔ وہ ایک طرف یہ چاہتے تھے کہ امیر دوست محمد خاں روس کے خلاف ان کا دفاعی مورچہ بنا رہے، دوسری طرف اس کے جائز حقوق کی بازیافت کے لئے کوئی مدد دینے پر آمادہ نہ تھے۔ گویا سکھوں سے بھی دوستانہ تعلقات بحال رکھنا چاہتے تھے۔

محض یہی نہیں بلکہ امیر دوست محمد خاں سے یہ مطالبہ بھی کر رہے تھے کہ محمود شاہ کے بیٹے کامران کی حکومت ہرات میں بھی کوئی مداخلت نہ کی جائے۔ اس کے برعکس روس امیر دوست محمد خاں کو پشاور کی بازیافت کے لئے ہر ممکن امداد دینے پر آمادہ تھا، لہٰذا امیر انگریزوں کو روسیوں پر ترجیح نہ دے سکتا تھا۔ انگریزوں نے جوش غیظ میں یہ فیصلہ کر لیا کہ امیر دوست محمد خاں کو تخت سے اتار کر شاہ شجاع کو افغانستان کا بادشاہ بنایا جائے، جو تخت کی خاطر ہر شرط قبول کر لینے پر راضی تھا، خواہ وہ اس کے لئے یا افغانستان کے لئے کتنی ہی مصیبتوں اور پریشانیوں کا باعث ہوتی۔

سہ گانہ معاہدہ

چنانچہ انگریزوں نے ایک معاہدہ کیا، جسے اس وجہ سے "سہ گانہ معاہدہ" کہا جاتا ہے کہ اس میں تین فریق شریک تھے: اول انگریز، دوم شاہ شجاع، سوم سکھ۔ شاہ شجاع نے اس معاہدے کے مطابق اقرار کر لیا کہ اسے پشاور یا سکھوں کے دوسرے مقبوضہ افغانی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

علاقوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا، نیز جہاں سکھوں اور افغانوں کی فوجیں یکجا ہوں گی، وہاں افغان گائیں ذبح کرنے سے محترز رہیں گے۔ دوسری طرف انگریزوں سے اقرار کیا کہ وہ افغانستان پر قبضہ دلانے کے سلسلے میں شکار پور پر تمام حقوق سے دست بردار ہوتا ہے۔ اس معاہدے کے بعد انگریزوں نے شاہ شجاع کی حمایت کیلئے دو فوجیں تیار کیں۔ ایک سندھ بلوچستان کے راستے قندھار کی طرف، دوسری درۂ خیبر کے راستے جلال آباد کی طرف بڑھی۔

مولوی صاحب کی اولوالعزمی

غرض شاہ شجاع کی عاقبت نااندیشی یا خودغرضی کے باعث افغانستان کی آزادی سکھوں اور انگریزوں کی وجہ سے خطرے میں پڑ گئی تو مولوی سید نصیر الدین بے تکلف اس آزادی کے تحفظ کی خاطر سرگرمِ عمل ہو گئے۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں کہاں لڑے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ جہاں جہاں انھیں موقع ملا، اپنے محدود وسائل کے باوجود انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

غزنی کی لڑائی

درۂ بولان کے راستے پیش قدمی کرنے والی فوج بہت بڑی تھی اور اس کے ساتھ ہر قسم کا سامانِ جنگ موجود تھا۔ اس فوج نے قندھار پہنچ کر شاہ شجاع کی تخت نشینی کا جشن منایا۔ پھر وہ کابل کی جانب حرکت میں آئی تو غزنی میں اسے شدید مقابلے سے سابقہ پڑا۔ جو معلومات ہمارے سامنے ہیں، ان میں بتایا گیا ہے کہ مولوی صاحب اور ان کے مجاہدین غزنی میں بڑی جانفشانی سے لڑے۔ انگریزوں کے لئے آگے بڑھنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اس اثناء میں امیر دوست محمد خاں کا ایک عزیز انگریزوں سے مل گیا اور اس نے قلعہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غزنی کے تمام اندرونی حالات انھیں بتا دیے۔(۱) انگریزوں نے رات کی تاریکی میں ایک دروازے پر بارود کے تھیلے رکھے۔ انھیں آگ لگا دی تو خوفناک دھماکا ہوا۔ دروازہ اڑ گیا اور انگریزوں کی فوج قلعے میں داخل ہوگئی۔ مولوی سید نصیر الدین کے اکثر ساتھیوں نے دست بدست لڑائی میں شہادت پائی۔ یہ ۲۱ر جولائی ۱۸۳۹ء کا واقعہ ہے۔

ولیم ہنٹر کا بیان

ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے مجاہدین اور مرکز ستھانہ کے حالات بیان کرتے ہوئے بہت سی غلط بیانیاں دانستہ یا نادانستہ کی ہیں، تاہم موصوف کا یہ دعویٰ بہ طور خاص مستحق توجہ ہے کہ مجاہدوں میں اونچے درجے کے آدمی بھی شامل تھے، جو اس لئے ترک وطن کر کے ستھانہ پہنچ جاتے تھے کہ عیسائی حکومت کے ماتحت امن و آسائش سے زندگی گزارنا ان کے نزدیک مذہباً نادرست تھا۔ وہ سکھوں کے دیہات پر بھی چھاپے مارتے رہتے تھے اور انگریزوں پر ضرب لگانے کا کوئی موقع ہاتھ آتا تو اس کا بھی تہ دل سے خیر مقدم کرتے:

> انھوں نے جنگِ کابل میں ہمارے دشمنوں کی امداد کے لئے بڑی فوج بھیجی اور اس میں سے ایک ہزار نے ہمارے خلاف استقامت سے جنگ کرتے ہوئے جانیں قربان کیں۔ صرف تسخیر غزنی کے دوران میں تین سو مجاہدوں نے انگریزی سنگینوں سے شہادت کی سعادت حاصل کی۔ (۲)

ہنٹر نے یہ تو بتا دیا کہ تین سو مجاہد غزنی میں شہید ہوئے تھے، لیکن یہ نہ بتایا کہ ایک ہزار نے کہاں شہادت پائی۔ یہ حقیقت بھی واضح کر دینی چاہئے کہ یہ مجاہدین ستھانہ سے نہ گئے تھے بلکہ وہی تھے جو مولوی سید نصیر الدین کے ساتھ کئی سال سندھ، روجھان اور

---

(۱) اس کا نام عبدالرشید خاں بتایا گیا ہے، جو انگریزوں کے ملازم موہن لال کشمیری کا دوست تھا۔ (ملاحظہ ہو "رجال و رود سیداد بابے تاریخی" بہ زبان فارسی۔ شائع کردہ انجمن تاریخ افغانستان ص ۹۰)

(۲) "ہندوستانی مسلمان" (انگریزی) مرتبہ ولیم ہنٹر طبع سوم ص:۱۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بلوچستان میں گزار چکے تھے۔

اوکنلے کا بیان

اوکنلے نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ مولوی نصیر الدین نے پہاڑی علاقوں میں جہاد کا ارادہ ترک کر دیا اور شکار پور میں بیٹھے رہے۔ رفتہ رفتہ ان کے آدمیوں میں اضافہ ہوا۔ ہندوستان سے روپیہ اور مجاہدین آنے لگے۔ جب لارڈ آک لینڈ نے شاہ شجاع کو افغانستان پر مسلط کرنا چاہا تو مولوی نصیر الدین نے دوست محمد خاں کی امداد کا فیصلہ کر لیا۔ بعض اصحاب اس پر تیار نہ تھے اور وہ لوٹ آئے۔ خود مولوی صاحب ایک ہزار آدمی لے کر کابل کی طرف بڑھے۔ ڈھاڈر سے انھوں نے تین سو مجاہدوں کی جمعیت دوست محمد خاں کی امداد کے لیے بھیج دی۔ یہ لوگ غزنی کی حفاظت پر متعین ہوئے تھے اور وہیں جاں بحق ہوئے۔(۱)

یہ بیان اگرچہ غلطیوں سے پاک نہیں، تاہم اس سے مولوی نصیر الدین کے متعلق بیان کردہ حالات کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔

مولوی صاحب ستھانہ میں

بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی صاحب اور ان کے جو چند ساتھی بچے اور وہ ہولناک مصیبتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے ستھانہ پہنچ گئے، جہاں مولوی نصیر الدین منگلوری کے زمانے سے مجاہدین نے مرکز قائم کر رکھا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی مجاہدین نے انھیں اپنا امیر بنا لیا۔ ستھانہ پہنچنے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ قیاس ہے کہ یہ واقعہ ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے اوائل میں رونما ہوا ہوگا۔

---

(۱) اوکنلے کا مقالہ انگریزی میں بہ عنوان "وہابی ہندوستان میں" مندرجہ کلکتہ ریویو (۷۱-۱۸۷۰ء) نیز جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد چہاردہم ص ۳۵۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزی اقدام کا انجام

انگریزوں نے غزنی کی تسخیر کے بعد کابل پہنچ کر شاہ شجاع کو حکمران بنا دیا اور شرفائے افغانستان پر بڑی زیادتیاں کیں۔ لوگ شاہ شجاع سے پہلے بھی خوش نہ تھے۔ انگریزوں کی دراز دستیوں نے پوری قوم میں غیظ و غضب کی آگ لگا دی۔ شاہ شجاع، انگریزی سفیر اور انگریزی وکیل مارے گئے۔ انگریزی فوج جلال آباد کے راستے واپس ہوئی، لیکن قدم قدم پر افغانوں کی گولیوں کا ہدف بنتی رہی۔ پوری فوج میں سے صرف ایک شخص ڈاکٹر ڈرائیڈن زندہ سلامت جلال آباد پہنچا اور بیرونی دنیا اس الم نامے کی تفصیلات سے آگاہ ہوئی۔ انگریزوں نے دوبارہ زبردست فوجیں تیار کیں، مگر انجام کار افغانستان کو امیر دوست محمد خاں کے حوالے کیے بغیر کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

ایک اور روایت

ہزارہ گزیٹیئر، اردو میں بتایا گیا ہے کہ مولوی سید نصیرالدین دہلوی بہت نرم طبع تھے، اسلئے عوام میں بہت ہر دل عزیز ہو گئے۔ انھوں نے پایندہ خاں تنولی والی امب کو لکھا ہمارا ساتھ دو اور ہر ممکن مدد کرو۔ پایندہ خاں نے انھیں امب بلا لیا وہاں کئی روز مہمان رہے۔ مشہور ہے کہ پایندہ خاں نے انھیں زہر دلوا دیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ امب ہی میں بیمار ہوئے اور بیماری ہی کی حالت میں ستھانہ آئے جہاں چند روز بعد وفات پائی۔ (۱)

---

(۱) ہزارہ گزیٹیئر ص ۲۴۰۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ پایندہ خاں نے مولوی صاحب کو زہر دلوا دیا۔ مجاہدین کے مختلف حلقوں کی طرف سے جتنی روایتیں مجھے مل سکیں ان میں سے کسی میں اس کے متعلق اشارہ تک موجود نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ مولوی صاحب امب ہی میں بیمار ہوئے ہوں اور اسی بیماری میں ستھانہ پہنچ کر وفات پائی ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرہواں باب:

مولوی نصیر الدین کی شخصیت

وفات

مولوی نصیر الدین منگلوری کی شہادت کے بعد صرف ستر اسی مجاہدین باقی رہ گئے تھے، جن کا انتظام میر اولاد علی عظیم آبادی نے سنبھال رکھا تھا۔ مولوی سید نصیر الدین ستھانہ پہنچے تو وہ امیر بن گئے، لیکن ابھی وہاں کوئی کارنامہ انجام نہ دینے پائے تھے کہ خدا کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ ان کی وفات ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ وہ ستھانہ میں دفن ہوئے (۱) اور ان کی قبر ۱۸۴۱ء کی طغیانی دریائے سندھ میں بہہ گئی۔ (۲)

آخری وقت کی حالت

نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ جب ان پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو خدا کی قدرت کا عجیب نقشہ نظر آیا۔ اس حالت میں انسان کے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں، لیکن:

حضرت مولانا یکا یک از بستر و حالت اضطجاع برخاستہ قائم نشستند

(۱) ہزارہ گزیٹیر اردو میں خدا جانے کس سند کی بنا پر لکھا گیا ہے کہ مولوی نصیر الدین منگلوری کے بعد مولوی محمد حسن امیر بنے۔ وہ ایک سال بعد بیت المال کا روپیہ لے کر اپنے بھائی حافظ جی کے ساتھ بھیرہ خوشاب کی طرف چلے گئے۔ پھر دوسرے مولوی نصیر الدین پہلے دو آدمیوں کے ساتھ ستھانہ آ گئے۔ ایک سال بعد شکار پور، غزنی، کابل وغیرہ کے راستے ستھانہ پہنچے اور تقریباً پانسو آدمی جمع کر لیے۔ (ص ۲۴۰-۲۴۷)

(۲) وزیر الدولہ کے وصایا جلد اول، ص: ۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

و باوجود کمال ضعف وناطاقتی کہ لاحق جسم ہدایت مجسم بود چشم فیض حشم کشادہ وانگشت سعادت سرنوشت سبابہ برداشتہ بہ بانگ بلند وآواز ارجمند بہ بیان فصیح والفاظ صحیح کلمات ایمانی وایقانی وملفوظات اسلامی سربسر خوش کامی درزبان عربی ومحاوری ہندی ادا فرمودند۔(۱)

ترجمہ: حضرت مولانا لیٹے لیٹے یکا یک اٹھے اور بہ اطمینان بیٹھ گئے۔ اگرچہ ان کا جسم انتہائی ضعف و بے طاقتی کا شکار ہو چکا تھا، لیکن آنکھیں کھولیں، انگشت شہادت اٹھائی اور بلند آواز سے عربی و ہندی میں ایمان و اسلام کے متعلق نہایت عمدہ باتیں بہت اچھے انداز میں بیان فرماتے رہے۔

ممتاز ترین کارنامہ

مولوی سید نصیر الدین کا ممتاز ترین کارنامہ یہ ہے کہ جب سید صاحب اور ان کے دوسرے بلند منزلت رفقاء کی شہادت کے بعد جہاد کی گرم جوشیوں پر افسردگی طاری ہوگئی تو مولوی صاحب موصوف نے عزم و ہمت سے کام لے کر اس کاروبار کو تازہ رونق بخشی۔ ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمان بے حسی کا شکار ہو چکے تھے۔ اجنبیوں نے ملک کی حکومت ان سے چھین لی تھی اور نظم ونسق کو اپنی مصلحتوں کے مطابق چلانے لگے تھے۔ گویا عام اسلامی فضا کی جگہ سراسر غیر اسلامی فضا پیدا ہو رہی تھی۔ سید صاحب اٹھے، مسلمانوں کا جمود توڑا اور ان کے سامنے یہ نصب العین پیش کیا کہ جانفشانی و جانبازی سے کام لے کر کھوئی ہوئی عزت و عظمت دوبارہ حاصل کی جا سکتی ہے اور اسلامیت کا وقار از سر نو قائم کیا جا سکتا ہے۔ مولوی سید نصیر الدین نے جب دیکھا کہ تحریک کا جوش وخروش ختم ہو رہا ہے تو جوانمردانہ میدان میں آگئے اور اپنی ذات کو بے تامل قربانی کیلئے پیش کر دیا۔ نواب وزیر الدولہ بالکل بجا فرماتے ہیں کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد خلق خدا کی ہدایت،

(۱) وزیر الدولہ کے وصایا جلد اول، ص: ۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شریعت کے احیاء اور جہاد کا کاروبار بے آب و تاب ہو رہا تھا، خدا کی رحمت سے مولوی سید نصیر الدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جلا پیدا ہو گئی۔(۱)

نمایاں ترین خصوصیت

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مولوی سید نصیر الدین کثیر الدعاء تھے اور ان کی دعاء میں بڑی تاثیر تھی۔ نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں کہ جب وہ کسی مجمع میں دعاء کرتے تھے تو سب پر خاص ایمانی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ سندھ میں انھوں نے مجمع کثیر کے درمیان دعاء کی، جسکی تاثیر سے تمام لوگ زار زار رونے لگے، اکثر پر بیہوشی کی حالت طاری ہو گئی۔ بعض لوگ مجذوبیت کے عالم میں کپڑے پھاڑ کر صحرا کی طرف چلے گئے۔(۲)

اسی طرح مولانا کی دعوت میں بڑی تاثیر تھی۔ یہ ان کی حق پرستی، عشق کتاب و سنت اور اخلاص کا روشن ثبوت تھا۔

اہل و عیال

مولوی صاحب کی شادی شاہ اسحٰق کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور ان کے دو فرزند تھے۔ ایک کا نام عبداللہ تھا اور دوسرے کا عبدالحکیم۔ مولوی صاحب جہاد کے لئے نکلے تھے تو ان کے دونوں فرزند تعلیم پا رہے تھے۔ چنانچہ بعض مکاتیب میں ان کی تعلیم کے لئے تاکید فرمائی ہے۔

ایک مکتوب میں اپنی اہلیہ کو لکھتے ہیں:

امید از مالک خود قوی دارند کہ او جل جلالہ ما و شما را در دار دنیا بہ مراد ملاقی کناند و در ہر امر توکل بر خدا باید کرد، و استقامت بر نماز مفروضہ و تلاوت قرآن

---

(۱) وزیر الدولہ کے وصایا جلد اول، ص ۳۵

(۲) وزیر الدولہ کے وصایا جلد اول، ص ۲۷۳-۲۷۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باید نمود، و غفلت در زکوٰۃ نہ باید کرد، و در تعلیم عبداللہ و عبدالحکیم باید کوشید، و دل را باہر دو فرزنداں باید چسپانید و در وقت نشست و برخاست و قیام و قعود نام خدا باید گرفت۔(۱)

ترجمہ: خدا سے قوی امید رکھیے کہ وہ ہم اور آپ کو اس دنیا میں حسب مراد ملائے گا۔ ہر کام میں خدا پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ فرض نماز اور تلاوت قرآن پر استقامت ضروری ہے۔ ادائے زکوٰۃ میں غفلت نہ ہو۔ عبداللہ اور عبدالحکیم کی تعلیم کے لئے کوشش کیجیے۔ دل دونوں بیٹوں میں لگایئے۔ اٹھتے بیٹھتے خدا کا نام لیتے رہیے۔

سید صاحب کی طرح مولوی نصیرالدین کو بھی اس دنیا میں بیوی اور بال بچوں سے ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ اغلب ہے کہ مولوی صاحب کی اہلیہ اور بیٹے شاہ اسحاق کے ساتھ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے ہوں۔ مولانا سید عبدالحیٔ رائے بریلوی نے لکھا ہے کہ مولانا سید نصیرالدین کے اولاد نہ چلی، البتہ ان کے بھائی سید ناصرالدین کے ایک فرزند سید معزالدین تھے اور سید معزالدین کے فرزند سید ظہیرالدین احمد جن سے مولانا سید عبدالحیٔ نے ۱۸۹۵ء میں ملاقات کی تھی۔ انھیں سید ظہیرالدین احمد نے ولی اللّٰہی خاندان کی بیشتر تصنیفات چھپوائی تھیں، بلکہ اس غرض سے ایک مطبع قائم کر لیا تھا۔ (۲)

ایک نظم

مولوی صاحب شعر بھی کہتے تھے، لیکن ان کی شعر گوئی بھی انھیں دینی مقاصد کے وقف تھی، جن میں ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف ہوا۔ یہاں تک کہ جان بھی انھیں مقاصد کیلئے دے دی۔ ان کی ایک نظم مولوی ابواحمد علی نے اپنے رسالے میں نقل کی ہے،

(۱) اخبار مولوی سید نصیرالدین مخطوطہ ص ۱۵

(۲) "ارمغان احباب" ابواحمد معارف بابت فروری ۱۹۳۹ء

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جس کے شعر شاعری کے معیار پر پورے اترتے ہوں یا نہ، لیکن ان کا مضمون بے شبہ مستحقِ تحسین ہے۔ فرماتے ہیں:

اے مرے پروردگار کردے کرم کی نظر — راہ نبیؐ کی مجھ پہ تو کر جلوہ گر
پہنچوں اسی راہ سے خدمت عالی میں میں — مانع نہ ہو راہ کا کوئی بھی جن و بشر
کردے مسلمان سے شرک کی باتوں کو دور — شوق ہو توحید کا، عمر ہو اس میں بسر
بدعت و کفر و نفاق ان کو تو جلدی سے کھو — اوج ہو اسلام کا، شرع ہو بازیب و فر
پھوٹ مسلمانوں سے اے مرے رب دور کر — اور انھیں ایسا بنا، جیسے ہوں شیر و شکر
جو کہ کرے غیر کو سا جھی خدا کا ذرا — ہے وہی عالم کے بیچ مشرک و کافر بتر
جو رکھے ولیوں سے بس دشمنی و کین و کد — لڑنے کو حق سے ہے صاف باندھی اس نے کمر
ہر کہ و مہ سے یہ عرض کرتا ہے عاجز نصیر — رکھئے دعاؤں میں آپ اس کو بھی مدنظر

سید عبدالرحیم کی امارت

بتایا جاتا ہے کہ مولوی سید نصیرالدین کی وفات کے بعد حاجی سید عبدالرحیم جماعت مجاہدین کے امیر بنے۔ پھر دریائے سندھ میں خوفناک طغیانی آئی، جس میں ستھانہ برباد ہوگیا۔ اس بستی میں زندوں کے مکانات یا مردوں کی قبروں کا کوئی نشان باقی نہ رہا اور مجاہدین کی جماعت بکھر گئی۔ افسوس کہ سید عبدالرحیم کے متعلق مفصل معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی نے ایک سید عبدالرحیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا اصلی وطن افغانستان تھا۔ وہ پہلے شاہ رحم علی صاحب ساکن منگلا سہ ضلع انبالہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے، پھر امروہہ میں شاہ عبدالباری سے نسبت چشتیہ حاصل کی، آخر میں سید احمد شہید بریلوی سے بیعت کی۔ انھیں کے ساتھ جہاد کے لئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چلے گئے اور شہادت پائی۔(۱)

ممکن ہے یہی سید عبدالرحیم ولایتی ہوں، جو مولوی سید نصیر الدین کی وفات پر مجاہدین کے امیر بنے۔ میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

یوں جون ۱۸۴۱ء میں جماعتِ مجاہدین کا دوسرا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی نے پھر سے مرکز مجاہدین کا انتظام کیا۔ ان کے حالات کتاب کے تیسرے حصے میں بیان ہوں گے۔

ایک غیر معلوم شخصیت

اس سلسلے میں ایک غیر معلوم شخص کا ذکر ضروری ہے جو میدانِ جنگ سے ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں واپس آ گیا۔ مومن خاں مرحوم کے فارسی دیوان میں ایک قطعہ اس کے متعلق موجود ہے اور اس کا عنوان ہے ''تاریخ باز آمدن از جہاد''۔ مومن نے اس کا نام زین خاں بتایا ہے۔ وہ کون تھا؟ کہاں سے واپس آیا؟ دہلی پہنچ کر کیا کچھ کہتا رہا؟ میں انتہائی کوشش کے باوجود کچھ معلوم نہ کر سکا۔ قطعہ بہ طور یادگار ذیل میں درج ہے:

مولوی زین خاں کہ باہمہ علم — دانش از سگ خراب تر باشد
از شیاطین بود بہ خبث نہاں — گر بہ صورت ہمہ بشر باشد
رفت و چندے بہ فوجِ دیں جا کرد — تا ز صدقش بہ دل اثر باشد
آخر کار فتنہ ہا انگیخت — آخریں فتنہ ایں قدر باشد
تہمتے بست بر امیر کریم — باشد ایں عیبہا ہنر باشد
دشمنِ دوستانِ حق گردید — کینِ او مظہرِ سقر باشد
پوست برکندہ گفت طبعے کہ ہست — رازدانے کہ پردہ در باشد

(۱) ''انوار العاشقین''، ص: ۸۲۔ بعض لوگ انھیں شہید بالا کوٹ بتاتے ہیں، میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

به حسد آب آدمیت ریخت چه کند هرکه بدگهر باشد
خرِ عیسش خواندم و خجلم که ز دجال هم بتر باشد
کشف سعدی یقیں توانی کرد گر ز اہل دلت خبر باشد
سالِ تاریخ باز گشتن او چو بیاید ہنوز خر باشد

مولوی محمد قاسم

مولوی محمد قاسم پانی پتی کے متعلق بھی چند سطریں لکھ دینا ضروری ہے، جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کاغانی پہاڑوں کے ایک غار میں سید صاحب اور ان کے دو رفیقوں کے ڈھانچے بنا کر کھڑے کر دیے تھے اور لوگوں کو ان ڈھانچوں کی زیارت کرا کے یقین دلایا جاتا تھا کہ سید صاحب زندہ ہیں اور وہ وقتِ موعود پر ظاہر ہوں گے۔ انگریزی بیانات میں بتایا گیا ہے کہ مولوی زین العابدین نے اس فریب کا پردہ چاک کیا۔ ان کے ایک خط میں مولوی محمد قاسم کو ''قاسم کذاب'' قرار دیا گیا ہے۔ مقدمہ انبالہ کی شہادتوں میں بھی اس امر کا ذکر آیا تھا۔

اوکنلے کے ایک بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ مولوی محمد قاسم غالباً شیخ ولی محمد پھلتی اور سید صاحب کی اہلیہ کے ہمراہ سندھ پہنچ گئے تھے۔ پھر مولوی سید نصیر الدین دہلوی کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

''ہزارہ گزیٹیر'' (اردو) میں بتایا گیا کہ مولوی صاحب جنگِ ڈب کے بعد چون (۵۴) آدمی لے کر ڈال تو م میں حسن علی خاں کے پاس آ گئے تھے۔ ایبٹ صاحب نے

---

(۱) یہ قطعہ ان اشعار میں سے ہے جو برادر محترم قیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم کتاب خانہ رام پور نے مومن کے فارسی دیوان سے نقل کرا کے ارسال فرمائے ہیں۔

حکم دیا کہ وہ موشح عالم میں رہیں۔ چنانچہ وہ وہیں فوت ہوئے۔(۱) ایک اور بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں انگریزوں نے انھیں گرفتار کیا اور سیالکوٹ میں قید کر دیا۔ وہیں انھوں نے وفات پائی۔

میری تحقیق کے مطابق مولوی محمد قاسم بڑے ہی مخلص مجاہد تھے۔ اغلب ہے وہ بھی مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور بعض دوسرے اصحاب خصوصاً اصحابِ صادق پور کی طرح سید صاحب کی حیات و رجعت کے معتقد ہوں، لیکن یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ انھوں نے اپنے اس عقیدے کو تقویت پہنچانے کی غرض سے کوئی چال چلی ہوگی۔

(۱) کلکتہ ریویو بابت جولائی ۱۸۷۰ء، ص ۸۹۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

فرائضی تحریک اور تیتو میاں

اندرونِ ملک کی کیفیت

اب تک ہماری توجہ جماعتِ مجاہدین کے اس حصے کی سرگرمیوں پر جمی رہی جو ہندوستان کی شمالی و مغربی سرحدوں میں مصروفِ کار تھا۔ ملک کے اندر جو اصلاحی کام ہوتا رہا، اس کی کیفیت بھی اختصاراً بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ تحریک یا اس سے متعلقہ یا مشابہ احوال کا ہر ضروری پہلو سامنے آجائے۔

سید صاحب کے خلفاء خصوصاً مولانا سید محمد علی رام پوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور مولانا عنایت علی بڑے اہتمام سے دعوت و تبلیغ میں مشغول تھے۔ وہ پہلے سید صاحب کیلئے روپے اور مجاہدین کا انتظام کرتے رہے۔ بعد ازآں مولوی سید نصیرالدین کو ہر ممکن امداد دیتے رہے۔ ملک میں اصلاحِ عقائد و اعمال کا کام بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام پا رہا تھا۔ اس باب میں جو کچھ ہمیں معلوم ہو سکا، وہ تو آگے چل کر پیش کریں گے، یہاں دو تحریکوں کا سرسری ذکر ضروری ہے۔ ان میں سے فرائضی تحریک کو سید صاحب کی تحریک سے یقیناً کوئی علاقہ نہ تھا، لیکن اس کی بنیاد و اساس بھی مذہبی تھی اور وہ لمبی مدت تک ایک محدود دائرے میں بہت مؤثر رہی، لہٰذا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری تحریک میر نثار علی عرف تیتو میاں کی تھی جو سید صاحب کا مرید اور خلیفہ تھا۔

مولوی شریعت اللہ

فرائضی تحریک کے بانی مولوی شریعت اللہ تھے، جو ضلع فرید پور (بنگال) کے ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گاؤں بہادر پور میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں حج کیلئے چلے گئے۔ کم و بیش بیس برس مکہ معظمہ میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۸۰۲ء کے قریب وطن واپس آئے۔

وہ اپنے ساتھ بیش قیمت کتابیں بھی لائے تھے اور بیس برس کی تعلیم میں انھوں نے بہت سی تحقیقی یادداشتیں مرتب کر لی تھیں۔ راستے میں ان پر ڈاکہ پڑا اور سب کچھ لٹ گیا۔ مولوی صاحب نے خالی ہاتھ لوٹنا بے سود سمجھا اور ڈاکوؤں ہی کی معیت اختیار کر لی۔ اپنے زہد و اتقاء سے تھوڑی ہی مدت میں ڈاکوؤں کو پرہیزگار اور عبادت گزار مسلمانوں کی جماعت بنا دیا۔

اصلاح کا آغاز

ان رفیقوں کے ساتھ وطن پہنچے تو مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ گرد و پیش کے علماء نے سخت مخالفت کی، لیکن مولوی شریعت اللہ اطمینان و دل جمعی سے اپنے کام میں لگے رہے اور تھوڑی ہی مدت میں ان کا اثر دور دور تک پھیل گیا۔ غریب، مزدور اور کسان ان کی تحریکِ اصلاح سے حد درجہ متاثر ہوئے اور سب مولوی صاحب پر جانیں چھڑکنے لگے۔

ددو میاں

مولوی صاحب نے غالباً ۱۸۳۰ء میں وفات پائی۔ پھر ان کے فرزندار جمند مولوی محمد محسن عرف ددو میاں نے تحریک کی باگ ڈور سنبھالی، وہ بڑے پرجوش سرگرم آدمی تھے۔ انہوں نے گرد و پیش کے تمام کسانوں کو سچے مسلمان بنا کر منظم کر دیا۔ ان کی اپنی پنچایتیں قائم کر دیں، جو ہر قسم کے تنازعات کا فیصلہ کرتیں۔ اس طرح اپنے تمام مریدوں اور معتقدوں کو ایک مستقل نظام سے وابستہ کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الارض للہ

آخر دودو میاں نے ''الارض للہ'' کا نعرہ لگایا اور اعلان کر دیا کہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور کسی کو حق نہیں کہ بطور وراثت اس پر قابض ہو۔ جو لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں، وہی اس کے مالک ہیں۔ حکومت اپنے واجبات ان سے لے سکتی ہے۔ نام نہاد مالکانِ اراضی ان سے کوئی لگان وصول کرنے کے حق دار نہیں۔ اس اعلان پر بڑے بڑے زمیندار دودو میاں کے جانی دشمن بن گئے۔ ان کے خلاف ڈکیتی اور مداخلت بے جا کے کئی مقدمے قائم کرائے گئے۔ لیکن گواہ نہ مل سکنے کے باعث سب کے سب ناکام رہے۔ ۱۸۶۰ء میں انہوں نے وفات پائی۔(۱)

فرائضی تحریک

تحریک کا نام فرائضی اس لئے پڑا کہ اس میں شرعی فرائض کی بجا آوری پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ دودو میاں نے تنظیم کمال پر پہنچا دی تھی۔ ان کے کارکن جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے کہ ہر چھوٹی بڑی خبر انہیں بروقت مل جاتی تھی۔ بے خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مشرقی بنگال کے بڑے حصے میں انہوں نے ایک نوع کی متوازی حکومت قائم کر دی تھی اور ان کی جماعت اور ان کی جماعت کے لوگوں کو حکومت سے اس کے سوا کوئی واسطہ نہ رہا تھا کہ وہ زمین کا مالیہ باقاعدہ ادا کرتے تھے۔ کسانوں کی تنظیم اور زیادہ سے زیادہ لاتعاون کی یہ پہلی کامیاب تحریک تھی جو مشرقی بنگال میں جاری ہوئی۔ افسوس کہ دودو میاں کی وفات کے بعد اس کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ رہا۔

(۱) فضلی صاحب سیکریٹری حکومت پاکستان نے بتایا کہ دودو میاں کو زہر دلوایا گیا تھا۔ ان کے فرزند کی سرپرستی خود حکومت نے اپنی خاص مصلحتوں کی بنا پر کی۔ بادشاہ میاں جو مشہور قومی کارکن ہیں، دودو میاں کے پوتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میر نثار علی عرف تیتو میاں

میر نثار علی عرف تیتو میاں سید صاحب کا مرید تھا۔ وہ چاند پور کے ایک خوشحال زمین دار گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور شادی بھی ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی۔ (۱)

ابتداء میں پہلوانی کرتا تھا، پھر ندیا میں ملازمت کر لی۔ اس زمانے میں بھی مظلوموں کی حمایت کیلئے پیش پیش رہتا تھا۔ اتفاق سے ایک زمیندار کے ساتھ اس کا جھگڑا ہو گیا۔ اس نے مقدمہ دائر کر دیا، جس میں تیتو میاں کو قید کی سزا ہوئی۔ قید سے رہا ہوتے ہی وہ دہلی کے ایک شہزادے کے ساتھ حج کو چلا گیا۔ مکہ معظمہ ہی میں سید صاحب سے ملاقات ہوئی، وہیں بیعت کی۔ پھر اس کی پوری زندگی بدل گئی اور ایک ایک لمحہ دین کی خدمت میں بسر ہونے لگا۔ ۱۸۲۷ء میں وطن واپس آیا، جب سید صاحب ہندوستان سے ہجرت کر کے سرحد میں جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز کر چکے تھے۔

تحریکِ اصلاح

تیتو میاں نے مسلمانوں میں اصلاح عقائد و اعمال کی تحریک جاری کر دی۔ اوکینلے نے لکھا ہے کہ کم و بیش اٹھارہ میل لمبے اور بارہ میل چوڑے علاقے میں انکا اثر و رسوخ پھیل گیا تھا۔ اس علاقے کا مرکز مقام نرکل بریا تھا۔ سید جعفر علی نقوی ''منظورۃ السعداء'' میں فرماتے ہیں کہ پورنا کے ایک زمیندار کشن رائے کے علاقے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے، جن کے باشندے سید صاحب کے مرید تھے۔ تہمد کے سوا اُن کے بدن پر کوئی کپڑا نہ تھا، نماز روزے کے سوا کوئی عبادت نہ جانتے تھے۔ تیتو میاں وہاں پہنچے تو ان لوگوں کو دینی مسائل کی تعلیم دی۔ مرکزی مقام میں نماز جمعہ کا انتظام کیا اور وہاں کثرت سے مسلمان جمع ہونے لگے۔ تیتو میاں غیر شرعی رسموں سے روکتا تھا مثلاً قبروں کی پوجا، نذر و نیاز وغیرہ۔ وہ تاکید کرتا تھا کہ مسلمان ڈاڑھیاں رکھیں۔ غیر مسلموں کے

(۱) اوکینلے نے تیتو میاں کے خسر کا نام غنی امیر بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ''کلکتہ ریویو'' بابت جولائی ۱۸۷۰ء)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رسوم و رواج چھوڑ دیں اور ایسا لباس پہنیں جس میں وہ غیر مسلموں سے ممتاز معلوم ہوں۔

جمعہ کا اجتماع کشن رائے کے بیٹے کو بے وجہ ناگوار معلوم ہوا اور اس نے اس اجتماع کا تمسخر اڑانا شروع کیا۔ تیتو میاں نے بڑے تحمل سے اُسے سمجھایا کہ کسی کے دین کا تمسخر اڑانا بہت نازیبا ہے، تمہیں یہ اجتماع برا معلوم ہوتا ہے، ذرا اپنے دین کی حالت پر نظر ڈالو، تمہارے ہاں عبادت کے وقت سنکھ بجتا ہے جس کی آواز گدھے کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ کشن رائے کا بیٹا یہ سنتے ہی ایک دم غصے میں آ گیا اور بولا کہ پھر ایسا اجتماع ہوا تو تمہیں مزہ چکھاؤں گا۔(۱)

بہرحال اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ جب مسلمان جمعہ کی نماز کے لیے جمع ہوں تو ان کے اردگرد خوب سنکھ بجاؤ۔ اس پر عمل ہوا، تاہم تیتو میاں نے مسلمانوں کو اشتعال سے باز رکھا، البتہ جماعت کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔

کشن رائے کی دراز دستیاں

اوپر جو کچھ بیان ہوا یہ مولوی سید جعفر علی نقوی کی تحریر سے ماخوذ ہے، جن کی تمام معلومات شنیدہ پر مبنی تھیں۔ اگرچہ یقین ہے کہ انہوں نے واقعات کی خوب چھان بین کر لی ہوگی۔ بعض انگریزوں نے ذاتی تحقیقات کی بنا پر جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ مسلمانوں میں دین داری کے فروغ پر کشن رائے سخت ناراض ہو گیا، یہاں تک کہ اس نے اپنے مسلمان کسانوں پر اڑھائی روپے فی کس کے حساب سے ڈاڑھیوں کا ٹیکس لگا دیا اور خود اپنے حلقے کا دورہ شروع کر دیا۔(۲) جہاں جاتا، مسلمانوں سے یہ ٹیکس

(۱) "منظورہ" کے الفاظ ہیں: خوابیدہ دیدآنچہ دیدنی است۔

(۲) ہنٹر نے لکھا ہے کہ کشن رائے نے جو اچھامتی ندی کے کنارے کا بہت بڑا زمیندار تھا، پانچ شلنگ کا ٹیکس ہر اس کسان پر لگا دیا تھا جو تیتو میاں کی اصلاحی تحریک میں شامل ہوتا تھا۔ ایک دوسرے زمیندار نے ایک تحریک تو ڑ دینے پر ایک شخص کو اپنے جیل خانے میں قید کر دیا۔ (ہمارے ہندی مسلمان حاشیہ ص: ۴۷)
یہ بھی لکھا ہے کہ تحریک تین ضلعوں میں۔ چوبیس پرگنہ، ندیا اور فرید پور میں پھیل گئی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وصول کرتا۔ پورنا سے ٹیکس کی رقم جمع کر کے وہ سرفراز پور پہنچا تو وہاں تیتو میاں کے ساتھی موجود تھے، انہیں زمیندار کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا اور اس کے پیادے کو پکڑ کر خوب پیٹا۔ کشن رائے کو یہ خبر ملی تو اس نے دو تین سو آدمی لے کر حملہ کر دیا۔ بعض گھروں کو لوٹا اور ایک مسجد جلا دی۔ اس طرح حالات نزاکت کی آخری منزل پر پہنچ گئے۔

زمیندار اور مسلمانوں دونوں نے پاس کے تھانے میں رپورٹیں لکھوادیں۔ مسلمانوں کی رپورٹ یہ تھی کہ زمیندار لوٹ مار اور آتش زنی کا مرتکب ہوا، زمیندار کی شکایت کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان کسانوں نے اس کے آدمیوں کو حبس بیجا میں رکھا۔ تھانے کا محرر تحقیق کیلئے موقع پر پہنچا تو زمیندار روپوش ہو گیا اور اس نے ۷؍جولائی ۱۸۳۱ء کو برست کے مجسٹریٹ کی عدالت میں حاضر ہو کر بیان دے دیا کہ جو الزام مجھ پر لگایا گیا ہے میں اس سے بالکل بری ہوں اور مجھے سرے سے کسی واقعے کی اطلاع ہی نہیں۔ تھانیدار ہندو تھا، اس نے تفتیش اپنے ہاتھ میں لی تو زمیندار کے ہندو کارکنوں سے مل کر یہ داستان وضع کر لی کہ مسلمانوں نے خود مسجد اور گھروں کو آگ لگا کر زمیندار کو ملزم گردانے کی کوشش کی۔ یہ سن کر تیتو میاں کے ساتھی روپوش ہو گئے اور تھانیدار نے بہ اطمینانِ خاطر رپورٹ کر دی کہ موقع پر ان کی غیر حاضری سے ثابت ہو گیا کہ اصل فعل انہیں کا تھا۔

پیچیدگی میں اضافہ

تیتو میاں کے ساتھی مجسٹریٹ کی عدالت میں پہنچے، پولیس پر رشوت لے لینے کا الزام لگایا اور اس کے ثبوت میں وہ گواہ پیش کرنے پر آمادہ تھے۔ لیکن مجسٹریٹ نے ان کے بیان پر کوئی توجہ نہ کی۔

اصل جھگڑا طے نہ ہوا تھا کہ کشن رائے نے مختلف مسلمان کسانوں پر بقایا کے جھوٹے دعوے دائر کر کے ڈگریاں حاصل کر لیں اور ان ڈگریوں کے اجراء کیلئے پولیس کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مدد لے لی۔ غرض ہر ممکن ذریعے سے مسلمانوں کو ظلم و جبر کا نشانہ بنا دیا۔ پولیس ان کی دشمنی پر تلی بیٹھی تھی۔ مجسٹریٹ زمیندار کے زیر اثر تھا اور مسلمانوں کی کسی شکایت پر کان نہ دھرتا تھا۔ مجبور ہو کر وہ اپیل کے لئے کلکتہ پہنچے، وہاں کا مجسٹریٹ دورے پر باقر گنج گیا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ ناکام واپس آ گئے۔ جب حق رسی کا کوئی بھی ذریعہ باقی نہ رہا تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ظلم کے خلاف لڑ کر جانیں دے دینی چاہئیں۔

واضح رہے کہ حاکموں اور ان کے کارندوں کی روش حق و انصاف کے تمام تقاضوں کے خلاف تھی اور بنگال صدیوں تک اسلامی حکومت کے ماتحت رہ چکا تھا۔ انگریزوں نے ابتداء میں صرف دیوانی یعنی عام نظم و نسق کے حقوق اجارے پر بادشاہ دہلی سے لئے تھے، بعد ازاں آہستہ آہستہ اس کے مالک و مختار بن گئے تھے۔ مسلمانوں نے اگر یہ سمجھا کہ ان سے حکومت لیکر خود انہیں کو ہدف ظلم و جبر بنایا جا رہا ہے تو اس کیلئے معقول وجوہ موجود تھے۔

حق و انصاف کے لئے جنگ

بعد ازاں جو واقعات پیش آئے، ان کے متعلق بیانات میں کس قدر اختلاف ہے۔ اوکینلے نے لکھا ہے کہ پنجاب کے ایک درویش مسکین شاہ نے تیتو میاں اور انکے ساتھیوں کو جہاد پر آمادہ کیا تھا اور مسکین شاہ ہی آخری دم تک اس تحریک کا روح رواں بنا رہا۔ جہاد شروع کرنے سے پیشتر رسد اور روپیہ فراہم کیا گیا۔ چاول کی بہت بڑی مقدار نرکل بریا میں معز الدین بسواس کے پاس جمع کر دی گئی۔ ۲۳ را کتوبر ۱۸۳۱ء کو تیتو میاں نے گرد و نواح کے مسلمانوں کو دعوت دے کر جمع کیا، سب نے نرکل بریا کے اردگرد بانس کی مضبوط فصیل بنائی، ان دفاعی انتظامات میں کئی دن صرف ہو گئے۔ کشن رائے کو مسلمانوں کے اجتماع کا علم ہوا تو اس نے درخواستیں دیں کہ حکومت کو اس حرکت کے خلاف قدم اٹھانا چاہئے۔ درخواستوں کا نتیجہ نکلنے سے پہلے پانچ سو مسلمانوں نے ۶ رنومبر کو پورنا پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حملہ کردیا۔ اس کا ہدف صرف غیر مسلم نہ تھے، بلکہ وہ مسلمان بھی تھے جو تیتو میاں اور ان کے ساتھیوں سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔ پھر اعلان کر دیا گیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی، انگریزوں نے بے انصافی سے بنگال پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت ختم کی تھی، اب مسلمان اس بے انصافی کی تلافی کرائیں گے۔

مجاہدین کی سالاری کا منصب غلام معصوم نے سنبھال لیا۔(۱) پھر ندیا، لوگھاٹا، جسور، رام چندر نگر اور ہگلی پر حملے ہوئے۔ ۱۴رنومبر کو شیر پور کے ایک مسلمان زمیندار کی گوشمالی کی گئی۔ اوکنلے کا بیان ہے کہ غلام معصوم نے اس زمیندار کی صاحبزادی سے جبراً نکاح کر لیا۔

ناکام انسدادی اقدامات

جس حصے میں یہ واقعات پیش آرہے تھے وہ نیل کے کارخانوں کا مرکز تھا۔ ایک کارخانے کے نائب مہتمم مسٹر پیرون نے تمام حالات اپنے کارخانے کے مالک مسٹر سنارم کو کلکتہ لکھ بھیجے۔ ان میں کشن رائے کی تمام دراز دستیوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ اگر جلد انسدادی قدم نہ اٹھایا گیا تو ہنگامہ سخت خطرناک صورت اختیار کر لے گا۔ مسٹر سنارم نے برست اور ندیا کے مجسٹریٹوں کو اطلاع دیدی۔ برست کے مجسٹریٹ کی رپورٹ کلکتہ سے ۱۴رنومبر ۱۸۳۱ء کو ملیشیا کی ایک جمعیت بھیجی گئی جس کے سر عسکر کا نام الیگزانڈر تھا۔ مجاہدین نے غلام معصوم کی سرکردگی میں اس جمعیت کو شکست فاش دی۔ دس سپاہی اور تین برقنداز مارے گئے، بہت سے زخمی ہوئے۔ الیگزانڈر بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ اسی طرح ایک انگریز زمیندار نے جو نیل کی کاشت کراتا تھا، تین سو سپاہیوں کے ساتھ حملہ کیا لیکن اس نے بھی شکست کھائی۔ ۷رنومبر کو بعض انگریز ہاتھیوں

(۱) ہنٹر نے مجاہدین کی تعداد تین چار ہزار بتائی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر سوار ہو کر نرکل بریا پہنچے، ان کے ساتھ بھی جمعیت تھی۔ وہ بھی پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ ندیا کی عدالت فوجداری کا ناظر اور دو برقنداز مارے گئے۔ غرض اس حصے میں نظم و نسق بالکل معطل ہو گیا۔

شہادتِ زار

آخر کلکتہ سے ایک بڑی فوج بھیجی گئی جس میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ اس کے ساتھ دو توپیں تھیں۔ تیتو میاں نے چھ سو آدمی ہمراہ لے کر سخت مقابلہ کیا۔ ان کے بہت سے ساتھی شہید ہوئے۔ خود تیتو میاں نے شہادت پائی۔ غلام معصوم اور ساڑھے تین سو کے قریب مجاہدین زندہ گرفتار کر لئے گئے۔ اوکنلے نے لکھا ہے کہ فوج کے ابتدائی حملے میں ساٹھ ستر شہید ہوئے، باقی لوگ بانس کی فصیل کے پیچھے چلے گئے اور مقابلہ کرتے رہے، آخر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

سید جعفر علی نقوی فرماتے ہیں: تیتو میاں نے فوج کو دیکھتے ہی ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ صبر و استقامت سے شہادت قبول کرنے کا درجہ بہت بلند ہے، ہتھیار پھینک دو، صفیں باندھ کر قبلہ رو ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔ اکثر مجاہدین نے ایسا ہی کیا۔ بعض ایک مکان میں جا بیٹھے، بعض درختوں پر چڑھ گئے۔ تیتو میاں نے سب سے پہلے شہادت پائی۔ اسکے ساتھی بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوتے گئے۔ فوج نے اس مکان کو آگ لگا دی جس میں مجاہدین نے پناہ لی تھی۔ کچھ اندر جل گئے جو باہر نکلے وہ شہید ہوئے یا گرفتار کر لیے گئے۔

مقدمہ اور سزائیں

علی پور جیل میں گرفتار شدہ مجاہدین پر مقدمہ چلا۔ مجسٹریٹ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان واقعی مظلوم تھے، کسی نے ان کی دادرسی نہ کی اور بہت برا کیا۔ لیکن انہیں حاکموں کا مقابلہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ کرنا چاہیے تھا۔ غلام معصوم کو مقدمے میں موت کی سزا دی گئی، باقی اسیروں میں سے ایک سو چالیس کو مختلف المیعاد قید کا حکم سنایا گیا۔ کشن رائے کے تمام نوکر چاکر بھی پکڑے گئے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہیں کیا کیا سزائیں ملیں۔

اس پورے معاملے کے متعلق کسی کی رائے خواہ کچھ ہو، لیکن اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ حق رسی کے تمام جائز وسائل سے مایوس ہو جانے کے بعد غیرت و حمیت کا تقاضا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جانی قربانی پیش کی جائے۔ تیتو میاں کے دل میں یہ جذبہ سید صاحب کی تربیت سے پیدا ہوا تھا۔ یہ قومی زندگی کا روشن نشان تھا۔ جن گروہوں کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئے وہ اگر عزت سے جانیں دینے کیلئے تیار نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ زندہ رہنے کا استحقاق کھو چکے ہیں۔ ہنٹر نے اپنی کتاب میں صرف تیتو میاں کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو ابھارا۔ ان اسباب سے متعلق بالکل سکوت اختیار کیے رکھا جو افسوس ناک صورت حال پیدا کرنے کے موجب بنے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com
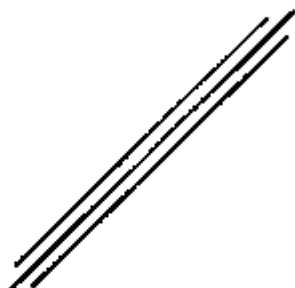
حصہ سوم

(مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی)

....

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی

تمہید

۱۸۴۱ء کی طغیانی سندھ کے بعد مجاہدین کا وہ مرکز بھی تباہ ہو چکا تھا، جسے مولوی نصیرالدین نے تازہ رونق بخشی تھی۔ جو تھوڑے سے مجاہدین باقی رہ گئے تھے انہوں نے میر اولاد علی کو اپنا امیر بنا لیا تھا، جو ایک مرتبہ مولوی نصیرالدین منگلوری کی شہادت کے بعد بھی تھوڑی دیر کے لئے منصب امارت پر فائز رہے تھے۔ مجاہدین کی تعداد بظاہر بہت کم تھی اور ساز و سامان بھی بقدر ضرورت موجود نہ تھا، لہٰذا انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کا چراغ تو روشن رکھا، لیکن کوئی قابل ذکر اقدام نہ کر سکے۔

اس اثناء میں سید صاحب کے مقرر فرمائے ہوئے داعی ہندوستان کے مختلف حصوں میں دعوت و تبلیغ کر رہے تھے، ان میں ممتاز ترین حیثیت مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی کو حاصل ہوئی۔ سید صاحب کے ارادت مندوں کی نظریں انہیں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ خود از سر نو ایک پائیدار و استوار مرکز قائم کرنے کیلئے بیتاب تھے۔ تاہم حسن تدبیر کا تقاضہ یہ تھا کہ احوال سرحد کا جائزہ لیا جاتا اور اس کے بعد کوئی مناسب قدم اٹھایا جاتا، سرحد کے اکابر سے ان کا نامہ و پیام جاری تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ سازگار ماحول پیدا ہو چکا ہے تو اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل نہ کیا۔

مولانا ولایت علی

مولانا ولایت علی ابن مولوی فتح علی ایک ممتاز زبیری گھرانے کے چشم و چراغ تھے،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جسے عظیم آباد میں امارت اور ریاست کا درجہ حاصل تھا۔ ۱۲۰۵ھ (۹۱-۱۷۹۰ء) میں پیدا ہوئے۔ "سید احمد شہید" میں بتایا جا چکا ہے کہ لکھنؤ میں تعلیم پا رہے تھے، جب سید صاحب سے ملاقات ہوئی اور پہلی ہی صحبت میں نقدِ دل ہار بیٹھے۔ چوں کہ دولت مند گھرانے کے فرد تھے، اسلئے زندگی کا عام اسلوب خاصا امیرانہ تھا۔ سید صاحب سے تعلق پیدا ہوتے ہی مولانا کی کیفیت بالکل بدل گئی، چنانچہ وہ تعلیم کو چھوڑ کر سید صاحب کے ساتھ رائے بریلی چلے گئے اور غالباً مولانا شاہ اسمٰعیل کی جماعت میں انہیں شامل کر دیا گیا۔ شاہ صاحب سے کچھ کتابیں بھی پڑھتے تھے۔ اوقاتِ عبادت و تعلیم کے بعد پورا وقت اپنے ساتھیوں کی خدمت میں گزارتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے، غرض کوئی معمولی سے معمولی کام کرنے میں انہیں عار نہ تھی۔

شانِ للّٰہیت

"تذکرۂ صادقہ" میں بتایا گیا ہے کہ مولانا ولایت علی کے والد ماجد کو اُن کے رائے بریلی پہنچنے کا علم ہوا تو اپنے ایک ملازم کو چار سو روپیہ اور ملبوسات دے کر بھیجا۔ اس زمانے میں سید صاحب مہمانوں کیلئے ایک مکان تعمیر کرا رہے تھے۔ تمام ارادت مند اور خود سید صاحب تعمیر کے سلسلے میں مختلف کام انجام دیتے تھے۔ مولانا ولایت علی اس گروہ میں شریک تھے، جو گارا تیار کرتا تھا۔ ملازم رائے بریلی پہنچا تو مولانا نے ایک موٹا سیاہ تہمد باندھ کر تھا اور گارے میں لتھڑے ہوئے کام کر رہے تھے۔ صورت اس درجہ متغیر ہو چکی تھی کہ ملازم ہم کلامی کے باوجود آپ کو پہچان نہ سکا۔ آپ کا پتہ خود آپ سے پوچھا۔ جب مولانا نے جواب دیا کہ ولایت علی میں ہی ہوں تو ملازم نے اسے مذاق سمجھا اور بہت ناراض ہوا۔ آپ نے کہا: بھائی! آپ کو یقین نہیں آتا تو جائیے قافلے میں تفتیش کر لیجئے۔ جب لوگوں نے اسے یقین دلایا کہ عظیم آباد کے رئیس زادے ولایت علی یہی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہیں تو وہ نادم ہوا۔ آپ کو گلے سے لگالیا، معافی مانگی اور آپ کی حالت دیکھ کر زار زار رونے لگا۔ رقم اور ملبوسات آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ نے انہیں دیکھا تک نہیں اور دونوں چیزیں بند کی بند سید صاحب کے حضور میں رکھ کر واپس چلے آئے۔(۱)

وعظ و تبلیغ

مولانا رائے بریلی میں تربیت پا کر وطن گئے تو زندگی کا ایک ایک لمحہ وعظ و تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔ انہیں کی کوشش سے ان کا خاندان اور دوسرے اعزہ و اقرباء سید صاحب سے وابستہ ہوئے، مثلاً مولانا کے والد مولوی فتح علی، ان کے بھائی مولانا عنایت علی، مولانا طالب علی اور مولانا فرحت حسین۔ ان کے اقرباء میں سے مولانا شاہ محمد حسین، مولوی الٰہی بخش، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا فیاض علی، مولوی قمر الدین، مولوی باقر علی۔ غرض ان سے تعلق رکھنے والوں میں ایک بھی فرد ایسا باقی نہ رہا، جس نے سید صاحب کی ارادت کا حلقہ اپنی گردن میں نہ ڈال لیا اور ان حضرات کی قربانیاں تاریخ مجاہدین کا نہایت شاندار اور درخشاں باب ہیں۔

دینی خدمات

مولانا ولایت علی سید صاحب کے ساتھ ہجرت کر کے بغرض جہاد گئے تھے، لیکن جیسا کہ "سید احمد شہید" اور "جماعت مجاہدین" میں بتایا جاچکا ہے، انہیں سید صاحب نے دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدر آباد (دکن) بھیج دیا تھا (۲) جہاں وہ کم و بیش چار سال

(۱) "الدر المنثور معروف بہ "تذکرۂ صادقہ" ص: ۱۱۲

(۲) تواریخ عجیبہ (سوانح احمدی) میں مرقوم ہے کہ سید صاحب نے پہلے انہیں سفیر بنا کر زمان شاہ والی کابل اور اس کے وزیر دوست محمد خاں کے پاس بھیجا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ زمان شاہ سید صاحب کے سرحد جانے سے ربع صدی پیشتر معزول اور بینائی سے محروم ہو چکا تھا۔ وہ پہلے ایران میں رہا پھر ہندوستان آ گیا۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ حیدرآباد میں انہوں نے جو کارنامے انجام دیے وہ "جماعت مجاہدین" میں بھی بیان ہو چکے ہیں اور زیرِ مطالعہ کتاب کے ابتدائی ابواب میں بھی انکی سرسری کیفیت عرض کی جا چکی ہے، لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بالاکوٹ میں سید صاحب کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اسی اثناء میں مولانا کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو مولانا حیدرآباد سے برہان پور، سیونی، نرسنگھ پور اور جبل پور ہوتے ہوئے عظیم آباد پہنچے اور اصلاحِ عقائد و جہاد کا مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے بہار، بنگال، اڑیسہ اور الٰہ آباد میں دعوت و تبلیغ کا منظم سلسلہ قائم کر دیا۔ جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے:

داعی		علاقہ
شاہ محمد حسین امام جامع تموہیہ		چھپرہ، مظفر پور، ترہٹ اور اطراف پٹنہ
مولانا عنایت علی		بنگال
مولوی زین العابدین حیدرآبادی		الٰہ آباد
مولوی محمد عباس حیدرآبادی		اڑیسہ (۱)

طریق تبلیغ یہ تھا کہ مولانا کے اور ان کے مقرر کیے ہوئے داعی ایک ایک قریے اور ایک ایک موضع میں جاتے، مسلمانوں کو پابندِ شریعت بناتے، مسجدیں آباد کرتے اور ارشاد و ہدایت کا مستقل سلسلہ جاری کر دیتے۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ..... انگریزوں نے اس کیلئے دو ہزار ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس نے لدھیانہ میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۱۸۴۵ء میں وفات پائی۔ دوست محمد خاں بھی زمان شاہ کا وزیر نہ ہوا۔ سدوزئیوں کی حکومت میں افراتفری پیدا ہوئی تو پائندہ خاں بارک زئی کے بیٹے افغانستان کے مختلف صوبوں (باستثناء ہرات) پر قابض ہو گئے تھے۔ دوست محمد خاں نے کابل کی حکومت سنبھال لی تھی۔ غرض مولانا ولایت علی کو سفیر بنا کر کابل بھیجنے کا واقعہ غلط ہے۔

(۱) مولوی زین العابدین اور مولوی عباس مبارز الدولہ کی نظر بندی کے بعد چلے آئے تھے۔ مولانا نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر دعوت و تبلیغ کا کام سونپ دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا کی کیفیت

خود مولانا کی کیفیت ''تذکرۂ صادقہ'' میں یوں مرقوم ہے:

''اشاعت دین میں آپ کی انتھک کوشش غرب و شرق، شمال و جنوب کل کو محیط تھی، مجمعوں اور میلوں (مثلاً بہار کا چراغاں) میں بھی بہ غرض تبلیغ دیہہ پہنچتے اور نور بافوں کو کرگہ میں جا کر اور کسانوں کو ان کے کھیتوں میں پہنچ کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور انکی بدزبانی اور غصوں کو شربت کی طرح نوش کر جاتے، آپ اپنے دور دسیر میں قریہ بہ قریہ فروکش ہوتے جاتے، اور اللہ کی باتیں پہنچاتے جاتے، اسلئے اپنے مخصوص مقامات تک پہنچنے میں مہینوں اور برسوں کی آپ کو دیر لگتی۔ (۱)

تعلیم اور اشاعتِ کتب

جب وطن میں مقیم ہوتے تو ظہر سے عصر تک قرآن و حدیث کا درس دیتے ''تذکرۂ صادقہ'' مظہر ہے:

مولوی عبداللہ آپ کے خلف اکبر قاری ہوتے، دوسرے علما، ایک ایک تفسیر ہاتھ میں لے بیٹھتے، علماء کے علاوہ مریدوں کی بڑی بھاری صف ہوتی تھی۔ قرآن مجید اور ''بلوغ المرام'' کا لفظی ترجمہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے، تا کہ لوگ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی (امر و نہی) سے آگاہ ہو جائیں۔ ان پڑھ بھی نمازوں میں اپنے پڑھنے کی سورتوں اور دعاؤں کے معانی اور مطالب سے خوب آگاہ ہوتے۔ (۲)

ضروری اور مفید دینی کتابوں کی اشاعت کا بھی خاص اہتمام تھا، چنانچہ شاہ محمد اسحٰق سے شاہ عبدالقادر کا با ترجمہ قرآن اور شاہ اسمٰعیل شہید کے رسائل منگوائے اور انہیں مطبع

(۱) ''تذکرہ صادقہ'' ص:۱۹ (۲) ''تذکرہ صادقہ'' ص:۱۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حسینی لکھنؤ میں چھپوانے کی کوشش کی۔ وہاں یہ چھپ نہ سکیں تو اپنے خلیفہ مولوی بدیع الزماں بردوانی کو اس کام کیلئے تیار کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے دس ہزار میں ٹائپ کا پریس خریدا اور اکثر دینی کتابیں اس میں چھاپ چھاپ کر شائع کرتے رہے۔(۱)

خداداد تاثیر

قیامِ وطن کے زمانے میں ہر ہفتے منگل کے دن بعد نماز مغرب اپنے مکان میں وعظ کرتے۔ ایک جانب پانچ چھ سو عورتیں جمع ہوتیں، دوسری جانب پانچ چھ ہزار مرد۔ وعظ میں خداداد تاثیر تھی، جو سنتا اس کی حالت دِگرگوں ہو جاتی۔(۲)

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

"مولوی ولایت علی قنوج میں تشریف لائے۔ میرے مکان پر آئے، اپنے اہل بیت کو واسطے ملاقات والدہ مرحومہ کے بھیجا، جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ کہا، پھر مجھ سے کہہ گئے کہ تم کتاب "بلوغ المرام" ضرور پڑھنا۔ میں اس وقت بارہ تیرہ برس کا ہوں گا، جو اثر سریع میں نے وعظ مولوی ولایت علی مرحوم میں پایا، کسی کے وعظ میں دیکھا نہ سنا، ان کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل سرد ہو جاتا تھا اور دین کا جوش تہِ دل سے اٹھتا تھا۔(۳)

(۱) "تذکرۂ صادقہ" ص:۱۶

(۲) "تذکرۂ صادقہ" ص:۱۹

(۳) "ابقاء المنن" ص:۱۲۔ واضح رہے کہ نواب صدیق حسن کی تاریخ پیدائش ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ (۱۴ر اکتوبر ۱۸۳۲ء) ہے۔ مولانا ولایت علی شوال ۱۲۶۵ھ میں عظیم آباد سے روانہ ہوئے تھے اور رمضان ۱۲۶۶ھ سے تقریباً دو ماہ قبل دہلی پہنچے۔ قنوج میں ان کا ورود جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخریٰ ۱۲۶۶ھ میں ہونا چاہئے۔ اس وقت نواب صاحب کی عمر کم و بیش اٹھارہ برس کی ہوگی۔ اگر قنوج میں مولانا کے ورود کو پیشتر کے سفر سرحد یعنی ۱۲۶۲ھ کا واقعہ سمجھا جائے تو اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سفر میں نہ تو اہل و عیال مولانا کے ساتھ تھے اور نہ وہ ہر مقام پر زیادہ توقف فرماتے رہے۔ قرینہ یہی ہے کہ اس بیان میں نواب صاحب کو اپنی عمر کے اندازے میں غلطی لگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا ولایت علی نے گردوپیش سنت کا احیاء کر دیا اور بدعتیں بالکل محو کر ڈالیں، مثلاً تمام لوگ کتاب وسنت کے پابند ہو گئے، بری رسمیں مٹ گئیں، نکاحِ بیوگان کا اجراء ہوا، اپنے دو بیٹوں کا نکاح دو بھتیجیوں سے اس سادگی کے ساتھ کر دیا کہ کسی کیلئے کوئی نیا جوڑا تیار نہ کرایا۔ سب نے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے، جن میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

سفرِ حج

اسی زمانے میں آپ نے حج کیا۔ پہلے خود بہ سلسلۂ تبلیغ بنگال کا دورہ فرمایا اور عادت کے مطابق قریہ بہ قریہ سفر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ مولوی بدیع الزماں بردوانی کو مصری گنج کی مسجد کا امام مقرر کیا۔ اسی دورے میں سورج گڑھ بھی گئے، جہاں مولانا سید نذیر حسین مرحوم آپ کے وعظ ونصیحت سے متاثر ہوئے اور اپنی زندگی خدمتِ دین کیلئے وقف کی۔ پھر اہل وعیال کے ساتھ بہ قصدِ حج کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوئے۔ بمبئی پہنچے تو دو ماہ تک وہاں قیام رہا، پھر عرب تشریف لے گئے۔ حج کیا، شیخ عبداللہ سراج محدث سے حدیث کی سند حاصل کی۔ شیخ فرماتے تھے کہ مولانا نے حدیث کے لفظوں کی سند مجھ سے لی اور معانی کی سند میں نے مولانا سے حاصل کی۔ حرمین کے علاوہ آپ نے نجد، عسیر اور یمن کی بھی سیر کی اور غالباً صنعاء میں قاضی محمد بن علی شوکانی سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ مولوی محمد جعفر نے حضرموت، مخا، حدیدہ، مسقط اور سواکن (سوڈان) جانے کا بھی ذکر کیا ہے۔(۱) پھر جہاز پر سوار ہو کر کلکتہ پہنچے اور معمول کے مطابق دورو سیر کرتے ہوئے وطن آئے۔(۲)

مولانا عنایت علی

مولانا عنایت علی اپنے بھائی مولانا ولایت علی سے دو یا تین برس چھوٹے تھے۔ سید

(۱) سوانح احمدی طبع اول ص: ۲۱۳ (۲) تذکرۂ صادقہ ص: ۱۳۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب سے بیعت کے بعد ان کی حالت بھی بالکل بدل گئی۔ وہ بھی سید صاحب کے ساتھ جہاد کیلئے گئے تھے، اور وہاں سے بنگال میں دعوت و تبلیغ پر مامور ہوئے۔ ضلع جیسور میں موضع حاکم پور کو آپ نے مرکز بنا لیا تھا، جہاں کے حاجی مفید الدین خاں اور مدن خاں آپ کے خاص ارادت مند تھے۔ جیسور، ندیا، فرید پور، راج شاہی، مالدہ اور بوگرا آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے خاص مرکز تھے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد آپ اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علی کے زیر ہدایت کام کرتے رہے۔ آپ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جس مقام پر پہنچتے اگر وہاں مسجد موجود ہوتی تو کسی موزوں شخص کو امام مقرر کردیتے، مسجد نہ ہوتی تو تعمیر کرادیتے۔ خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ امام محض نماز پڑھانے اور ضروری دینی باتیں سکھانے ہی کا ذمہ دار نہ ہوتا بلکہ اپنے علاقے کے تمام جھگڑوں کے فیصلے بھی وہی کرتا۔ سید صاحب کے ارادت مندوں کا پختہ عقیدہ تھا کہ انگریزی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے میں دل تاریک ہوجاتے ہیں اور ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس طرح مولانا نے ایک حد تک نظم و نسق کا متوازی نظام قائم کردیا۔

یہ حالات ہم نے اختصاراً اس لئے بیان کردیے کہ یہ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کے مجاہدانہ کارناموں کی ایک ضروری تمہید تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

ہزارہ میں جہادِ آزادی

سکھوں کی حکومت میں ابتری

مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی پوری سرگرمی سے دعوت و تبلیغ میں مصروف تھے اور ان کی نگاہیں اس امر پر جمی ہوئی تھیں کہ وقت اور ماحول کے سازگار ہوتے ہی موزوں مقام سے جہاد کا آغاز کر دیں۔ یہاں تک کہ سکھوں کی حکومت میں ابتری پیدا ہوئی اور میدانِ عمل میں قدم رکھنے کا سازگار موقع پیدا ہو گیا۔

سکھوں کی حکومت دراصل کوئی باقاعدہ اور منظم حکومت نہ تھی بلکہ اسے ایک نوع کا عارضی فوجی غلبہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ انہیں اس وجہ سے پنجاب پر چھا جانے کا موقع مل گیا کہ یہاں کسی بھی جگہ کوئی قابل ذکر نظام موجود نہ تھا، جو صلح اور عوام دوست عناصر کو متحد کر سکتا۔ رنجیت سنگھ کی خواہش ممکن ہے یہ رہی ہو کہ عارضی فوجی غلبے کو منظم حکومت کی شکل دیدے، لیکن اسکی پوری زندگی دائرۂ اقتدار کی توسیع میں بسر ہوئی اور توسیع کی آرزو اسی صورت میں پوری ہو سکتی تھی کہ عسکریت کو زیادہ سے زیادہ بے لگام رکھا جاتا۔ چنانچہ وہ ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا تو اس کے قائم کردہ نظام کا کھوکھلا پن کسی کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہا۔ اس نے چالیس برس میں جو گھروندا بنایا تھا، جانشینوں نے چار پانچ ہی برس میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔

فساد در فساد

رنجیت سنگھ کے بعد اس کا بیٹا کھڑک سنگھ حکمران بنا۔ وہ بالکل کمزور اور بے عزم آدمی

تھا۔ جس روز وہ مرا اسی روز اس کا بیٹا نونہال سنگھ ایک حادثے کی نذر ہوگیا، جو رنجیت سنگھ کے خاندان میں سب سے قابل مانا جاتا تھا۔ پھر رنجیت سنگھ کے دوسرے بیٹے شیر سنگھ نے مسند حکومت سنبھالی، وہ اور اس کا نوعمر بیٹا ۱۸۴۳ء میں مارے گئے اور سکھوں کے مختلف فریق بے دریغ ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ آخر رنجیت سنگھ کے سب سے چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ کو گدی پر بٹھایا گیا۔ وہ کم سن تھا اور انتظام کیلئے ایک کونسل بنا دی گئی تاہم سکھ امراء کی باہمی رزم و پیکار نہ رکی۔ پھر بعض دور اندیش لوگوں نے ان کی توجہ خانہ جنگی سے ہٹانے کی تدبیر یہ سوچی کہ انگریزوں سے لڑائی چھیڑ دی جائے، سکھ عموماً دنیا کے حالات سے بے خبر تھے، اپنی قوت و طاقت پر انہیں اتنا گھمنڈ تھا کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جوش غیظ میں انگریزی علاقے پر دھاوا بول دیا، پے در پے شکستیں کھائیں اور آخر صلح پر مجبور ہوگئے۔ دوآبہ بست جالندھر کے علاوہ شمال مشرق کے تمام پہاڑی علاقے انگریزوں کے حوالے کیے اور تاوان بھی دیا۔ انگریزوں نے کشمیر اور بالائی ہزارہ گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، جو جنگ سے الگ تھلگ رہا تھا اور انگریزوں کا خیر خواہ سمجھا جاتا تھا۔ کچھ مدت بعد دوسری جنگ ہوئی جس میں سکھوں کی عملداری کا نقش صفحۂ ہستی سے محو ہوگیا۔

سرحدی علاقوں میں ہنگامے

مرکزی حکومت کی بدنظمی اور ابتری کا اثر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان علاقوں پر پڑا جو دور افتادہ تھے اور جہاں حکومت کی بنیادیں پوری طرح استوار نہ ہوئی تھیں۔ اس سلسلے میں ہمارے موضوع کے لحاظ سے ہزارہ اور کاغان بہ طور خاص قابل ذکر ہیں، جہاں کے رؤسا اور عوام سکھوں کے جبر و ظلم اور قزاقانہ تحصیلات سے سخت تنگ آئے ہوئے تھے۔ ہزارہ میں ہری سنگھ دس بارہ سال صوبہ دار رہا۔ اس کا پورا دور قتل و غارت اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خونریزی و شقاوت سے لبریز ہے۔ اس نے بعض رؤساء کو موت کی سزا دی(۱) اور اکثر کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا۔ مالیہ وصول کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف علاقوں کی نیلامی بولی جاتی، جو زیادہ رقم دیتا علاقہ اس کے حوالے کر دیا جاتا تھا، پھر وہ اپنے انتظام کے دوران میں جس طرح چاہتا رقم وصول کرتا۔(۲)

ہزارہ اور کاغان کے رئیسوں نے سکھوں کو خانہ جنگی میں مبتلا دیکھا تو وہ آزادی حاصل کرنے میں سرگرم کار ہو گئے۔ اس سلسلے میں راجا حیدر بخش خاں گکھڑ رئیس خان پور، نواب خاں پلال تنولی رئیس شنگری، میر زمان خاں طاہر خیلی رئیس کھلابٹ، غلام خاں ترین، ان کے علاوہ جدون، کرڑال، دلازک تیز کاغان کے سید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ زیریں ہزارہ کے رؤسا نے سکھوں کی جمعیتوں کو شکست دے کر ہری پور پر قبضہ کر لیا اور وہاں کا گورنر مول راج دلوالیہ حسن ابدال بھاگ آیا۔(۳)

کشمیر کی جانب سے دیوان ابراہیم نے کاغان پر حملہ کیا، وہاں سیدوں نے ضامن شاہ سکن کوائی کی سرکردگی میں دیوان پر خوفناک چھاپا مارا جس میں وہ خود اور اس کی پوری فوج موت کے گھاٹ اتر گئی۔ یہ مقام آج تک دیوان بیلہ کے نام سے موسوم ہے، یعنی وہ

(۱) اس سلسلے میں محمد خاں ترین کا واقعہ بڑا ہی عبرتناک ہے۔ رنجیت سنگھ نے اس غریب کو لاہور میں مقید رکھا تھا۔ ہری سنگھ نے قیام امن کی غرض سے اسے ہزارہ لینا چاہا، رنجیت سنگھ نے کہا کہ پچیس ہزار روپے دو تو اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ ہری سنگھ نے رقم دے دی۔ محمد خاں کو زہر دلا دیا اور ہزارہ کے دیہات سے از سر نو یہ پوری تاوان وصول کر کے پچیس ہزار کی رقم پوری کرلی۔ شاید ہی کسی منظم حکومت میں ایسے واقعات کا نشان مل سکے۔

(۲) بالائی ہزارہ کا علاقہ پہلے گلاب سنگھ ڈوگرے کے قبضے میں تھا۔ پھر اس نے اس علاقے کے عوض جموں کے قریب ایک علاقہ لے لیا۔ میجر ایبٹ نے بالائی ہزارہ کا چارج سنبھالا تو رپورٹ میں لکھا کہ ۱۸۴۰ء سے پیشتر تین لاکھ پچاسی ہزار پانسو ستر روپے صرف بطور مالیہ وصول ہوتے تھے لیکن سرکاری خزانے میں صرف ایک لاکھ نو ہزار نو سو چھتیس روپے جمع کیے جاتے تھے۔ خود میجر ایبٹ نے منصفانہ تشخیص کی تو مالیے کی کل رقم ایک لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی روپے بنی۔ اس سے سکھوں کی جابرانہ تحصیلات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(ملاحظہ ہو انتظامی رپورٹ بابت ۵۰-۱۸۴۹ء؛ مطبوعہ ۱۸۵۴ء ص ۸۲)

(۳) "ہزارہ گزیٹیئر" طبع ۱۹۰۷ء، ص ۱۴۲، ۱۴۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقام جہاں دیوان ابراہیم کا صفایا ہوا تھا۔

کنڈی مسلمانی

زیریں ہزارہ کے رؤسا نے بالاتفاق سید اکبر شاہ ستھانوی کو آزاد شدہ علاقے کا سردار ورئیس منتخب کیا۔ چنانچہ سید موصوف کی ابتدائی دستار بندی ناڑہ کے مقام پر کی گئی جسے اس وجہ سے خاص شہرت حاصل ہے کہ قبائلی لشکروں نے ۱۸۲۴ء میں ہری سنگھ نلوہ کو وہاں فیصلہ کن شکست دی تھی اور وہ محض حسن اتفاق سے قتل ہوتے ہوتے بچے۔ بعد ازاں ہری پور کے قلعے میں دستار بندی ہوئی۔ سید اکبر شاہ کو بادشاہ کا لقب دیا گیا۔ نواب خاں رئیس تنگڑی اور غلام خاں ترین وزیر مقرر ہوئے۔ سیف اللہ خاں رسالدار کو میر منشی کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ یہ انتظام چوں کہ بہت تھوڑی دیر قائم رہا اس لئے مقامی لوگوں میں یہ دور "کنڈی مسلمانی" کے نام سے مشہور ہے، یعنی وہ اسلامی حکومت جو بہت تھوڑی دیر قائم رہی۔ (۱)

طلبِ امداد

صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی لیکن افراتفری کا یہی زمانہ ہے جس میں سید ضامن شاہ کاغانی نے مولانا ولایت علی کو دعوت بھیجی کہ آپ تشریف لائیں اور یہاں آغازِ جہاد کے لئے جو سازگار فضا پیدا ہو چکی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر اسلامی حکومت کے استحکام و استواری کا بندوبست کریں۔ مولانا نے اپنے بھائی مولانا عنایت علی کو بھیجنے کی تجویز کی۔ وہ اس وقت بنگال میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ انہیں سرحد جانے کا پیغام ملا تو دو ہزار مجاہدین ساتھ لے کر عظیم آباد پہنچے جس سے انگریزی حکومت کے کارکنوں میں تشویش پھیل گئی۔ مولانا ولایت علی نے مصلحت و دور اندیشی سے کام لیتے

---

(۱) تفصیلات سید عبدالجبار شاہ ستھانوی کی کتاب "اعمرۃ" میں مل سکیں گی جس کا ذکر ان صفحات کی کتابوں میں بارہا آچکا ہے۔
(قلمی نسخہ ص ۹، ۱۸۰۰ء ۔ ص ۳۲)

ہوئے جمعیت منتشر کردی اور فیصلہ کیا کہ تمام لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر کے بعد دیگرے جائیں اور سکھوں کے علاقے سے گذرنے کی اسکے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۹ھ (جولائی ۱۸۴۳ء) سے چار چار پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کی ٹولیاں روانہ ہونے لگیں اور غالباً چار پانچ مہینے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان ٹولیوں کے رئیسوں میں جن اصحاب کے اسمائے گرامی مذکور ہیں ان میں مولانا عنایت علی کے علاوہ مولانا عبداللہ (فرزند مولانا ولایت علی) میر اولاد علی سورج گڑھی، جو غالباً انتظام کمک کے لئے سرحد سے آگئے تھے، مولوی مقصود علی، مولوی کرم علی اور مولوی زین العابدین قابل ذکر ہیں۔ (۱)

ڈاکٹر بیلیو کے بیان سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ فتح خان پنجتاری نے مولوی نصیر الدین منگلوری کی شہادت کے بعد بھی مجاہدین کے خلاف دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ مولوی میر اولاد علی کے پاس صرف ستر اسی آدمی رہ گئے۔ ان حالات کی اطلاع ہندوستان پہنچی تو عظیم آباد سے مولانا عنایت علی کو اور بہار سے میر مقصود علی کو بھیجا گیا۔ انکے پاس روپیہ بھی خاصی مقدار میں تھا اور جنگجوؤں کی جماعت بھی کم نہ تھی:

> پوری جماعت تین سو افراد پر مشتمل تھی۔ وہ پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں پکھلی واقع ہزارہ پہنچے جو پہلے سے منزل مقصود مقرر ہو چکی تھی، یہاں میر اولاد علی اور ان کی چھوٹی سی جماعت بھی ان (مجاہدین) میں شامل ہو گئی۔ (۲)

---

(۱) اس سلسلے میں زیادہ تر حالات ایک مجمل تحریر سے معلوم ہوئے جو مجاہدین مرکز اسمست میں میری نظر سے گذری۔ (نیز ملاحظہ ہو تذکرہ صادقہ ص: ۱۲۲، ۱۲۳) تحریر سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۹ھ کو عبدالغفور کلاں، مولانا عبداللہ اور تین اور صاحبان روانہ ہوئے تھے۔ ۱۱ر رمضان ۱۲۵۹ھ کو مولانا عنایت علی نے فرزند حافظ عبدالمجید کا نکاح ہوا، پھر مولانا روانہ ہوئے۔ ذی قعدہ ۱۲۵۹ھ (نومبر ۱۸۴۳ء) [illegible] متعلقات پر قابض رہے یعنی ۱۸۴۷ء تک۔ اسی موقع پر نواب وزیر الدولہ نے [illegible]

(۲) یوسف زئیوں کے متعلق عام رپورٹ [illegible] Report on the Usuf Zais

اوکنلے کا بیان ہے کہ مولوی محمد قاسم سندھ سے کوائی پہنچے۔ سید ضامن شاہ اور اس کا بھائی نوبت شاہ مولوی صاحب کے مرید ہوئے اور صاحب موصوف نے سید صاحب کے نام پر آ چکے خلفاء کو ہندوستان میں خطوط بھیجے کہ سید صاحب دوبارہ ظاہر ہونے والے ہیں، اور سب کو سرحد پہنچ جانا چاہئے۔ مولوی عنایت علی نے فوراً سرحد پہنچ کر سکھوں کو بالاکوٹ سے نکال باہر کیا، پھر نجف خان کھوڑی والے نے ان سے امداد طلب کی۔ زین العابدین حیدر آبادی بھی مولوی ولایت علی کی ہدایت کے مطابق ان (مولوی عنایت علی) سے آ ملے، سکھوں کے خلاف نجف خان کی امداد کے لئے مولوی زین العابدین ہی کو چنا گیا تھا، لیکن انہوں نے شکست کھائی اور کمان داری سے دست بردار ہو گئے۔ (۱)

مجاہدین کے کارنامے

قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ اس طرح مولانا عنایت علی کتنے مجاہدین اپنے ساتھ لے جا سکے تھے، اور کن کن مقامات سے گذرتے ہوئے کاغان پہنچے۔ ہزارہ گزیٹیر میں مرقوم ہے:

> ہندوستانی مجاہدوں کا بقیۃ السیف گروہ یہ اعلان کرتے ہوئے کوائی (کاغان) میں جمع ہوا کہ خلیفہ سید احمد شہید نہیں ہوئے، بلکہ بہت جلد ظاہر ہونے والے ہیں۔ شمالی ہزارہ کے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے شنکیاری، بیرکنڈ، گڑھی حبیب اللہ خان اور اگرور کے قلعوں پر حملہ کر کے محافظ دستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۲)

ایک مکتوب سے جو ذی قعدہ ۱۲۶۲ء (اکتوبر ۱۸۴۶ء) کا مرقومہ ہے، واضح ہوتا ہے کہ مولانا عنایت علی ساداتِ کاغان اور دوسرے مقامی لوگوں کی امداد سے ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ (دسمبر ۱۸۴۵ء) میں بالاکوٹ پر قابض ہو چکے تھے۔ وہیں انہیں باقاعدہ امیر جہاد

(۱) کلکتہ ریویو بابت جولائی ۱۸۷۰ء ص ۱۹۰ (۲) ہزارہ گزیٹیر ص ۱۳۲، ۱۳۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

منتخب کیا گیا۔ سید ضامن شاہ وکاغانی نے بھی ان کی اطاعت قبول کر لی اور آس پاس کے علاقوں کو سکھوں کے قبضے سے آزاد کرانے کے لئے زبردست جہاد شروع ہو گیا، جس کی تفصیلات آئندہ باب میں پیش کی جائیں گی۔

گلاب سنگھ ڈوگرہ

مبادا اوپر کے بیانات سے سمجھ جائے کہ ظلم و جبر صرف سکھوں سے مخصوص تھا، گلاب سنگھ ڈوگرہ جس کے نام بالائی ہزارہ منتقل ہوا تھا، اور وہ کاغان پر بھی قبضے کیلئے کوشاں تھا، کم جابر نہ تھا، اس کے متعلق خود انگریزوں کے بیانات سن لیجیے:

> دراصل ہمارے لئے اپنے نامزد کردہ (گلاب سنگھ) پر فخر کی کوئی وجہ نہ تھی۔ جان لارنس کہتا ہے کہ گلاب سنگھ جو سندھ اور لاہور میں عموماً متعارف تھا، لیکن اس کیلئے ابھی تک ایک بھی شخص کی زبان سے کلمۂ خیر نہیں سنا۔ ہربرٹ ایڈورڈز کو روزانہ گلاب سنگھ سے بات چیت کا موقع ملتا تھا، اس کا بیان ہے کہ مجھے اب تک جتنے دیسی آدمی ملے، گلاب سنگھ ان میں سے بدترین تھا۔ بہت برا حکمران، بخیل اور جھوٹا۔ تیسرا گواہ جسے گلاب سنگھ کے متعلق اندازے کے بہترین موقعے ملے، کہتا ہے کہ وہ طبعاً حریص اور سنگدل ہے، وہ جان بوجھ کر اس غرض سے نہایت خوفناک ظلم و ستم کا مرتکب ہوتا ہے کہ اس کا نام دہشت کا مترادف بن جائے اور کسی کو اس کے اقتدار میں مزاحمت کا خیال تک نہ آ سکے۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ ایسے آدمی کو سکھوں کی فوج کے بل پر سکھوں کی خواہشات کے خلاف اور اس سے بھی بڑھ کر بدنصیب رعایا کی خواہشات کے خلاف ہم دنیا کے حسین ترین ملک (کشمیر و بالائی ہزارہ) کی مسند حکومت پر بٹھانے والے تھے۔(۱)

یہ شخص تھا جس سے مجاہدین کو جہاد کا سابقہ پڑا۔

(۱) "لاٹ آف لارڈ ڈلہوزی" انگریزی مصنفہ۔ سر ولیم لی وارنر جلد اول ص ۱۵۵

تیسرا باب:

مولانا عنایت علی کے مجاہدانہ کارنامے

ماخذ

اس باب میں جو حالات بیان ہوں گے، ان کا کوئی ذکر کسی مطبوعہ یا قلمی تاریخ میں موجود نہیں، صرف سرسری حالات بعض کتابوں میں مذکور ہیں۔ مثلاً ''ہزارہ گز یٹیئر'' ''تذکرۂ صادقہ'' ڈاکٹر بیلیو کی رپورٹ یوسف زئی کے متعلق اور ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب ''ہندوستانی مسلمان''۔ مجھے حسن اتفاق سے ایک طویل مکتوب مل گیا جو ۹/ ذی قعدہ ۱۲۶۲ء (۲۹/ اکتوبر ۱۸۴۶ء) کا مرقومہ تھا، اس میں پورے جہاد کی کیفیت تو مذکور نہیں البتہ محرم ۱۲۶۲ھ (دسمبر ۱۸۴۵ء) سے شوال ۱۲۶۲ھ (اکتوبر ۱۸۴۶ء) تک کے حالات قلمبند کر دیے گئے تھے۔ یہ مکتوب سرحد آزاد سے ہندوستان کے مختلف مرکزوں میں پہنچا ہوگا۔ مجھے اس کی نقل مولانا مسعود عالم مرحوم ومغفور سے ملی، اور انہوں نے یہ حیدر آباد (دکن) کے کتب خانۂ آصفیہ سے حاصل کی تھی۔ افسوس کہ وہ پورے حالات سے واقف نہ تھے، لہٰذا اپنی کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کی ترتیب میں اس مکتوب سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ میرے علم کے مطابق یہ پہلا موقع ہے کہ اس مکتوب کے مندرجات ضروری تفصیلات کے ساتھ منظر عام پر آرہے ہیں۔ یقیناً ایسے اور بھی مکتوب ہندوستان آتے رہے ہوں گے اور ان کا سب سے بڑا ذخیرہ علمائے صادق پور (عظیم آباد) کے پاس ہونا چاہیے تھا، لیکن ان پر انگریزی دور میں ابتلاء ومصائب کی جو بجلیاں گرائی گئیں ان میں سب کچھ تباہ ہو گیا۔ کسی دوسری جگہ اب تک ان کا سراغ نہیں مل سکا، کاش! یہ پورا ذخیرہ کہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے دستیاب ہو سکے اور مجاہدین کی جانبازیوں کا یہ باب ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے۔

گڑھی پر حملہ اور فتوحات

بالاکوٹ پر قبضے کے بعد مولانا عنایت علی کو امیر جہاد مان لیا گیا تو انہوں نے فوج کا باقاعدہ انتظام کر کے محرم ۱۲۶۳ھ میں گڑھی حبیب اللہ خاں کو مسخر کر لیا۔ اس کے بعد فتح گڑھ پر دھاوا بولا جو سکھوں کا ایک مستحکم قلعہ تھا۔ اوائل ربیع الاول میں اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ جب تک سکھوں کا تسلط قائم تھا اور ان کے خلاف آزادی کی کوئی تحریک جاری نہ ہوئی تھی، مقامی لوگ مجاہدین کے مطالبۂ عشر کو ٹھکرا رہے تھے۔ جب سکھوں کے اقتدار میں پے در پے رخنے پیدا ہونے لگے اور وہ قلعوں کو خالی کرنے لگے تو مقامی لوگوں نے مجاہدین کے نام دعوت نامے بھیج بھیج کر قلعے ان کے حوالے کر دیے۔ مذکورۂ ذیل مکتوب مظہر ہے:

> بعد فتح قلعۂ مذکور (قلعہ فتح گڑھ) اہلِ دیگر قلعہ جات بہ طور دعوت طلب نمودند۔ یکے می گفت کہ اول در قلعۂ ما آمدہ محاسبہ ذخیرہ و اسباب گیرند و مرا بہ امن رخصت کنند۔ غرض بہ عرصہ ہفتہ عشرہ بست و دو قلعہ ملک پکھلی و دھمتوڑ و اورش و تنول تا ملک ہزارہ خالی شد و توپ و شاہین و اسپ و شتر و بارود و سرب و سلاح و دیگر اسباب بسیار بدست غازیاں در آمد۔ قبل ازیں اگر مجاہدین از زمینداران ملک پکھلی عشر طلب می کردند، بہ جواب می گفتند کہ اول فوج بادشاہی را بکشید بعدہ عشر خواہیم داد، وقبل از آں یک خرمہرہ نہ خواہیم داد۔

ترجمہ: قلعہ فتح گڑھ کی تسخیر کے بعد دوسرے قلعوں کے ذمہ دار دعوت دے دے کر بلانے لگے۔ ایک کہتا: پہلے ہمارے قلعے میں آ جائیے، ذخیرے اور اسباب کا حساب لے لیجئے اور مجھے بہ امن و امان رخصت کر دیجئے۔ غرض ہفتے عشرے میں بائیس قلعوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ پکھلی، دھمتوڑ، اورش اور تنول کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

علاقہ ہزارہ تک زیر نگیں آ گیا۔ توپیں، شاہینیں، گھوڑے، خچر، بارود، سیسہ، ہتھیار اور بہت سا دوسرا سامان مجاہدین کے ہاتھ آیا۔ اس سے پہلے مجاہدین پکھلی کے زمینداروں سے عشر مانگتے تو وہ کہتے کہ پہلے سکھوں کی فوج کو نکالو، اس کے بعد ہم عشر دیں گے، ورنہ کوڑی بھی نہ دیں گے۔

مظفر آباد پر یورش

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مرکزی حکومت میں ابتری کے باعث سکھوں کا شیرازہ (قشقہ؟) ڈھیلا پڑ چکا تھا، اور مسلمان سردار حوصلہ پا کر مقابلے کیلئے تیار ہو چکے تھے۔ مولانا عنایت علی نے حتی الامکان ان سب کے لئے اعانت کا بندوبست کر دیا، جو ان کے خطوط اقدام سے قریب تھے۔ چنانچہ ایک فوج مولوی مقصود علی کی قیادت میں سلطان حسین خاں بمبا کی امداد کے لئے مظفر آباد بھی بھیج دی گئی۔ اس میں دو سو مقامی سپاہی شامل تھے اور تھوڑی سی تعداد مجاہدین کی تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ خاص مظفر آباد میں جنگ ہوئی یا اس کے آس پاس کسی خاص مقام پر، لیکن خدا نے مجاہدین کو فتح و کامرانی سے سرفرازی بخشی۔

فتح گڑھ میں مقابلہ

فتح گڑھ میں مقابلے کی کیفیت مکتوب میں یوں بیان کی گئی ہے:

لشکر منافقان چپ و راست دامن کوہ گرفتہ و مجاہدین در میدان مقابل سے صد سواران کفار بودند، در عقب سواران پنج ہزار لشکر پیادہ بود و مغلیں کہ بظاہر دم موافقت زدند نیز دو دوازدہ ہزار بودند و با منافقان ہم صلاح بودند کہ ہرگاہ مجاہدین را شکست شود، ہمہ منافقان و کفار متفق شدہ یک یک مجاہد را پارہ پارہ کنند و بیخ از بن مجاہدین بر آرند و لشکر روہیلہ از یں طرف پیش بود و مجاہدین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بر پشت آں، حتیٰ کہ وقت نماز ظہر رسید، مجاہدین نماز ظہر خواندہ مقابلہ با کفار شروع کردند۔

ترجمہ: جو دو دِلے لوگ سکھوں کے ہمراہ تھے ان کا لشکر پہاڑ کے دامن میں دائیں بائیں کھڑا ہو گیا۔ مجاہدین سامنے میدان میں تھے، ان کے مقابل سکھوں کے نو سو سوار استادہ تھے۔ ان سواروں کے پیچھے پانچ ہزار پیادہ سکھوں کے پرے پھیلے ہوئے تھے۔ جو ملکی بہ ظاہر طرف داری کا دم بھر رہے تھے، ان کی تعداد بھی دس بارہ ہزار سے کم نہ تھی۔ انہوں نے سکھوں کے حامیوں سے مشورہ کر رکھا تھا کہ مجاہدین کو شکست ہوتے ہی مل جل کر ان پر ہلہ بول دیا جائے اور ایک ایک مجاہد کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے، حتیٰ کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہے۔ مجاہدین کی طرف سے روہیلوں کا لشکر آگے تھا، اور مجاہدین اس کے پیچھے، اس اثناء میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا اور مجاہدین نے ادائے نماز کے بعد جنگ شروع کی۔

جنگ کی کیفیت

سکھ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان کے پاس سامانِ جنگ بھی بہت زیادہ تھا۔ ان کی شاہینوں اور بندوقوں کی گولیاں اولوں کی طرح مجاہدین پر برسنے لگیں:

چنانچہ دو گولی بر دست محمد عمر نشانچی رسید، یک گولی دست او را زخمی نمود، اما نقصانِ استخواں نہ شد۔ گولی دیگر کہ بر دست رسید از آں زخم کاری نہ شد، اما نشان از دست نشانچی مذکور بر زمین افتاد، ملکیاں دانستند کہ شکست مجاہدین گردید لیکن محمد عمر نشان را جلد برداشت و تمامی مجاہدین و روہیلہ یک بارگی حملہ بر سواراں نمودند و نعرۂ اللہ اکبر زدند۔ بہ مجرد حملہ کردن ایشاں حق تعالیٰ بر سواراں رعب انداخت، یک بارگی پشت دادہ بگریختند و دور رفتہ ایستادند و دل ہائے خود را خوب مضبوط نمودہ، باز حملہ بر مجاہدین نمودند، چوں مجاہدین ہم حملہ کردند کفار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بے استقامت شدہ پسپا شدند، بار چہارم تاب مقاومت نیاوردہ ایں قدر ہراساں شدند کہ ڈیرۂ خود را گزاشتہ دور تر رفتند۔

ترجمہ: محمد عمر نشان بردار کے ہاتھ پر دو گولیاں لگیں۔ ایک گولی سے ہاتھ زخمی ہو گیا، لیکن ہڈی کو ضرر نہ پہنچا۔ دوسری گولی کا زخم اگرچہ کاری نہ تھا، لیکن نشان محمد عمر کے ہاتھ سے زمین پر گر گیا۔ مقامی لوگوں نے سمجھا کہ مجاہدین کو شکست ہو گئی، مگر محمد عمر نے جلد نشان زمین پر سے اٹھا لیا۔ پھر مجاہدوں اور روہیلوں نے ایک دم سواروں پر حملہ کر دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حملہ ہوتے ہی خدا نے سواروں پر ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور دور جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں سے دوبارہ جی کڑا کر کے حملہ کیا۔ ادھر سے مجاہدین بھی بڑھے تو سکھ بے اوسان ہو کر پسپا ہو گئے۔ اسی طرح تین مرتبہ حملہ کیا اور پسپا ہوئے۔ چوتھی مرتبہ مقابلے کی تاب نہ لا کر اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ ڈیرہ چھوڑ کر بہت پیچھے چلے گئے۔

فرار اور قتل

سکھوں کا خیال یہ تھا کہ مجاہدین مالِ غنیمت سنبھالنے میں لگ جائیں گے، اس وقت حملہ آسان ہوگا، لیکن مجاہدین نے مالِ غنیمت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور آگے بڑھ کر اس ٹیکری پر چڑھ گئے جو سکھوں کی فوج کے سامنے تھی، اور وہاں اپنا نشان گاڑ دیا۔ سکھوں کو جب معلوم ہوا کہ مجاہدین سر پر آ پہنچے تو:

ہمت بالکل باختہ بگریختند و باز سوئے پشت نہ دیدند و لشکر ملکیاں کہ ہر دو جانب کوہ تماشا گر بود، فتح مجاہدین دیدہ بر ڈیرۂ کفار افتادند و غارت گری مال شروع نمودند و مال زائد از یک لک روپیہ بہ غارت رفت و ہر کس یک سوار شصت اشرفی و مال ہزار روپیہ بود و ہمیں قسم مال فراواں بہ غارت بردند، موسم برشگال بود و جابجا کشت شالی در پیش۔ اسپاں و پیادۂ کفار از رفتن ماندہ شدند۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: بالکل حوصلہ ہار کر بھاگ گئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ مقامی لوگوں کا جو گروہ دامن کوہ میں دونوں جانب کھڑا لڑائی کا نظارہ کر رہا تھا، مجاہدین کو کامیاب دیکھ تو سکھوں کے ڈیرے پر ٹوٹ پڑا اور مال لوٹنے لگے۔ ایک لاکھ سے زیادہ کا مال لٹ گیا، ایک سوار کی کمر میں ساٹھ اشرفیاں اور ایک ہزار کا مال بندھا ہوا تھا۔ اسی طرح بہت سا مال لوٹا گیا۔ برسات کا موسم تھا، ہر طرف دھان کے کھیت تھے۔ سکھوں کے سوار اور پیادے چلتے چلتے تھک کر چور ہو گئے۔

عورتوں اور مردوں نے سکھوں کی یہ سراسیمگی دیکھی تو اسباب اور ہتھیار چھیننے کے لیے نکل پڑے، کوئی ڈنڈے سے کسی کو مار ڈالتا، کوئی پتھر مار کر گرا دیتا۔ ایک گوجر نے جو کھیتی باڑی کر رہا تھا، اتنے سکھ مارے کہ شام کے وقت ان سے چھینی ہوئی بندوقوں کا گٹھا سر پر اٹھا کر گھر لایا:

تا دو کروہ بجز نعش دیگر نظر نمی آمد و مجاہدین تا شام تعاقب آنہا کردند، بعد ازاں بہ موضع سلہنڈ مقام کردند۔

ترجمہ: دس کوس تک مقتولوں کی لاشوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ مجاہدین نے شام تک ان کا پیچھا کیا، پھر موضع سلہنڈ میں ٹھہر گئے۔

کچھ سکھ مکئی کے کھیتوں میں چھپ گئے تھے، مقامی لوگ تین روز تک انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارتے رہے۔ سکھ عموماً قوی ہیکل تھے، لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ ان سے کیوں کچھ بن نہ آیا۔ اس جنگ کی متعین تاریخ نہیں بتائی گئی، لیکن موسم چونکہ برسات کا تھا اس لیے سمجھنا چاہیے کہ یہ جمادی الاخریٰ سے شعبان ۱۲۶۲ھ (مئی سے جولائی ۱۸۴۶ء) تک کا واقعہ ہے۔

او گنلے کا بیان

او گنلے کا بیان ہے کہ مجاہدین مظفر آباد پر حملے میں شکست کھا چکے تھے اور دوسرے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے، اس وقت ان کے تین بڑے لیڈر تھے: ولایت علی، عنایت علی اور مقصود علی۔ دوسرے حملے میں سکھوں نے شکست کھائی اور وہ جنوب کی طرف پسپا ہوئے۔ مجاہدین نے شدت وسرگرمی سے تعاقب کیا، ان کی فتح کا حال سن کر پٹھانوں کی بھی ایک جماعت ساتھ ہو گئی تھی۔ سکھوں نے مانسہرہ میں قدم جمانے کی کوشش کی، لیکن دوبارہ شکست کھائی۔ غرض مجاہدین نے تھوڑے ہی وقت میں خاصے بڑے علاقے پر قبضہ جمالیا، جو دریائے سندھ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ ہری پور سے کاغان تک اور ستھانہ سے کشمیر تک پھیلا ہوا تھا۔ (۱)

مقامی رؤسا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کو ختم کرنے سے پیشتر بعض ممتاز مقامی رؤسا وخوانین کی کیفیت اختصاراً بیان کر دی جائے، جو بہ طیب خاطر مجاہدین کی حمایت پر آمادہ ہوئے، یا جنہیں حالات نے حمایت پر مجبور کر دیا۔

۱- سلطان محمد حسین خاں کمبا: رئیس بوئی ومظفر آباد۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

سلطان محمد حسین خاں بن مظفر خاں ثانی (برادر سلطان زبردست خاں) بن سلطان حسن علی خاں بن سلطان محمود خاں بن سلطان میرزا شہید بن سلطان ہیبت خاں ثانی بن سلطان مظفر خاں اول۔ جس نے ۱۷۵۲ء میں مظفر آباد کی بنیاد رکھی۔ سلطان نجف خاں کھوڑی والا بھی اسی خاندان سے تھا، یعنی وہ سلطان حسن علی خاں بن سلطان محمود خاں کے بھائی سلطان اکبر علی خاں کا فرزند تھا۔ اس خاندان کے افراد نے جا بجا چھوٹی چھوٹی سرداریاں قائم کر لی تھیں۔ سلطان محمد حسین خاں جو مجاہدین کا حد درجہ مخلص رفیق تھا، ۱۸۵۹ء میں بمقام پشاور فوت ہوا، اور اس کا بھتیجا سلطان محمد برکات خاں علاقہ بوئی کا

(۱) کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء ص: ۳۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وارث بنا، یہ جاگیر اب تک قائم ہے۔

۲۔ سردار محمد امین خاں، خان خیل رئیس گڑھی حبیب اللہ خاں: یہ سردار حبیب اللہ خاں کا بیٹا تھا، جس کے نام سے گڑھی موسوم ہوئی۔ اس نے بھی بڑے خلوص سے مجاہدین کی اعانت کی۔ ۱۸۶۸ء میں وفات پائی۔

۳۔ نواب خاں پلال تنولی: یہ سربلند خاں کا فرزند تھا اور رئیس شنگری کے لقب سے مشہور ہے۔ سید صاحب کے ساتھ رہا اور مجاہدین کا بھی ساتھ دیا۔ "ہزارہ گزیٹر" میں بتایا گیا ہے کہ اس نے مجاہدین کو ساتھ لے کر دوڑ ندی کو عبور کر کے مانک رائے پر قبضہ کر لیا تھا۔ (۱) یہ بھی بتایا گیا ہے، ہزارہ کے حاکم مول راج نے نواب خاں کو ایلچی بنا کر صواتیوں کے پاس بھیجا تھا کہ وہ سرکشی اختیار نہ کریں، لیکن نواب خاں نے حالات سکھوں کیلئے ناسازگار پائے تو قلعہ شروان پر قبضہ کر لیا۔ (۲) قلمی مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ جو مقامی سردار سکھوں کے لشکر کو علاقہ جدون میں لانے کے ذمہ دار تھے ان میں نواب خاں بھی شامل تھا۔ مجاہدین کی کامیابی کے بعد اسے گرفتار کر لیا گیا، لیکن محمد امین خاں خان خیل اور بعض دوسرے مخلص رفیقوں کی سفارش پر اس کا قصور معاف ہو گیا۔

۴۔ مدد خاں ہندوال تنولی: یہ سردار پائندہ خاں والی امب کا چھوٹا بھائی تھا۔ سید صاحب کا معین ورفیق رہا۔ قلمی مکتوب میں بتایا گیا ہے کہ یہ بھی ابتدا میں مجاہدین کا مخالف تھا اور گرفتار ہوا، لیکن مخلص سرداروں کی سفارش پر اسے بھی چھوڑ دیا گیا۔ پائندہ خاں نے اس کیلئے پھلڑہ کی جاگیر مقرر کر دی تھی۔ ۱۸۷۸ء میں فوت ہوا۔

۵۔ سید ضامن شاہ رئیس کوائی (کاغان): اس کا شجرۂ نسب یہ ہے:

ضامن شاہ بن حسن علی شاہ بن سید احمد بن عارب شاہ بن شاہ زماں بن سید جلال ترمذی۔ یہ برابر مجاہدین کے ساتھ رہا۔ اسی نے مولانا عنایت علی کو دعوت دے کر بلایا تھا،

---

(۱) گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء، ص: ۱۳۳ (۲) گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء، ص: ۱۳۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسی کی امداد سے بالاکوٹ فتح ہوا اور مجاہدین کو بالائی ہزارہ میں حکومت قائم کرنے کا موقع ملا۔ اسی نے گلاب سنگھ والیٔ کشمیر کے دیوان ابراہیم شاہ اور اس کی فوج کو بیلہ میں موت کے گھاٹ اتارا تھا، بعدازاں ضامن شاہ نے کاغان میں انگریزی مداخلت کی مخالفت کی، اس وجہ سے ایک فوج بھیجی گئی جس نے سادات کو گرفتار کر کے بیلہ میں نظر بند کر دیا۔ ضامن شاہ نے غالباً ۱۸۷۱ء میں وفات پائی۔ اس کا بھائی نوبت شاہ بھی تمام مجاہدانہ سرگرمیوں میں شریک رہا، وہ غالباً ۱۸۷۱ء میں فوت ہوا۔

۶۔ ان کے علاوہ راجا حیدر بخش خاں رئیس خان پور، غلام خاں ترین، خان زمان خاں طاہر خیلی، حسن خاں کرڑال، راجا روح اللہ خاں، راجا سرباز خاں ڈھونڈ، پیر خاں اور بہت سے دوسرے اصحاب کا ذکر آیا ہے، لیکن ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ان میں سے بعض نے سید اکبر شاہ ستھانوی کے ماتحت آزاد حکومت کی تاسیس کے لیے کوشش کی، بعض نے مجاہدین کو مدد دی۔ جب حالات بالکل ناساز گار ہو گئے اور انگریزوں نے انتظامات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی تو مختلف رئیس یکے بعد دیگرے انگریزوں کی اطاعت قبول کرتے رہے۔ (۱)

(۱) اس سلسلے میں سید نظام حسن شاہ صاحب کاظمی زیارت شریف ٹھنگر سے بھی خاصی معلومات حاصل ہوئیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

اسلامی حکومت کی تاسیس

مقبوضات کی کیفیت

قلمی مکتوب مظہر ہے، فتح گڑھی کی جنگ کے بعد سکھوں پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ انہوں نے پکھلی میں دوبارہ قدم رکھنے سے توبہ کر لی۔ نواں شہر میں ان پر ایسی ضربیں لگیں کہ علاقہ جدون سے بھی کاملاً دست بردار ہو گئے اور اسلامی مملکت کی سرحد نواں شہر سے سکندر پور کے قریب تک پہنچ گئی:

> توپ وشاہین وشتر واسپ وذیرہ وخیمہ مال ہائے فراواں ودیگر از جنس اسباب ہائے کلاں در غنیمت مومنین آمد واسباب خزانہ ملکیاں واگزاشت نمودہ شد۔
>
> ترجمہ: سکھوں سے جو توپیں، شترنالیں، اونٹ، گھوڑے، ڈیرے، خیمے بہت سا مال اور قیمتی چیزیں ملیں مومنوں کے قبضے میں آ گئیں، باقی سامان ملکیوں کے حوالے کر دیا گیا۔

اس واقعے کے بعد علاقہ جدون، علاقہ تنول، وادی بھوگڑ منگ، وادی کونش، پکھلی بالا، پکھلی زیریں، کاندھی، دھمتوڑ، درہ کلہار وغیرہ عشر ادا کرنے پر راضی ہو گئے اور خدا کے فضل سے محاصل باقاعدہ جمع ہونے لگے۔ بعض اصحاب کو جاگیریں اور معافیاں ملیں، بعض کو انعامات دیے گئے۔

سپاہ کا انتظام

قبل ازیں فوجی خدمات کے لئے تین صورتیں جاری تھیں: بعض لوگوں اوان شرطیہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زمینیں دی جاتی تھیں کہ وہ جنگ کے موقع پر سروسامان لیکر حسب حکم جمع ہو جائیں۔ جن سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں حاصل تھیں، وہ جنگ کے وقت اپنی جاگیر میں سے فی گھر ایک ایک اسلحہ بند لیتے تھے۔ بعض لوگوں کو حکمراں باقاعدہ ملازم رکھ لیتے تھے۔ یہ تینوں صورتیں مجاہدین کے ابتدائی زمانے میں بھی جاری رہیں۔ قلمی مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ دس ہزار کے قریب افراد جاگیرداروں کے ذریعے سے میدان میں لائے جا سکتے تھے۔ ایک ہزار روہیلے براہ راست ملازم تھے:

> بایں حساب سوائے نوکراں بہ حکم خدا ای ہزار لشکر موجود است، اما لشکر بزار و اعتمادی ہماں است کہ نوکر است۔
>
> ترجمہ: اس حساب سے نوکروں کے علاوہ بفضل خدا تمیں ہزار جنگجو موجود ہیں لیکن حقیقی اور قابل اعتماد لشکر وہی ہے جو براہ راست ملازم ہے۔

نظم ونسق کی تفصیل

مجاہدین نے تمام قلعوں میں حسب ضرورت فوج مقرر کر رکھی تھی اور ہر قلعہ کی متعلقہ آبادی کا انتظام قلعہ دار کے ہاتھ میں تھا، نیز ہر مقام پر تحصیل دار مقرر تھے، جنہیں "داروغہ محاصل" کہا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر جگہ خزانے، اسلحہ خانے اور اصطبل کے انتظام کے لئے مختلف اصحاب مامور تھے۔ بعض لوگوں کا کام یہ تھا کہ سپاہیوں کو باقاعدہ قواعد کراتے رہیں۔ قلمی مکتوب سے بعض افراد کی عہدہ داریوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے مثلاً:

نام		عہدہ
داروغہ ریاست اللہ		قلعہ دار مانسہرہ
حاجی گدائی رام پور بولیاں والا		داروغہ محاصل
منشی شجاع الدین		تھانہ دار برج مانگی (علاقہ جدون)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رمضان خاں ساکن ڈھنکی (عظیم آباد)		قلعہ دار بالاکوٹ
منشی غلام علی پٹنہ والا		منشی قلعہ مانسہرہ
حاجی نجو عظیم آبادی		داروغہ محصول بالاکوٹ
میاں محمد علی عظیم آبادی		جمعدار سپاہیان دروازہ کالاں فتح گڑھ
حاجی شمشیر خاں ساکن صاحب گنج		جمعدار سپاہیان خاص
بہادر خاں ساکن صاحب گنج		محصل مال
میاں عبداللہ عظیم آبادی		معلم قواعد ترتیب
سراج الدین		داروغہ [illegible] خانہ و اصطبل
ناظر ریحان الدین (۱)		ناظر [illegible] و داروغہ قید خانہ
میاں بدرالدین بوڑھن والا		ناظم خزانہ
اکبر میاں رام پوری بولیاں والا		ناظم تقسیم سپاہ
مولوی مقصود علی		سپہ سالار لشکر
صوفی معزالدین فریدی		ناظم توشہ خانہ
ناظم فریدی		ناظم مودی خانہ

یہ صرف چند خدمتیں ہیں جن کی کیفیت معلوم ہو سکی۔ تمام مقامات پر اسی طرح کے انتظامات موجود تھے۔

(۱) یہ غالباً وہی بزرگ ہیں جن کا مقدمہ انبالہ میں بار بار آیا۔ ہندوستان میں سرکاری ملازمت اختیار کر لینے کے باوجود فراہمیِ زر اور فراہمیِ مجاہدین کا کام برابر کرتے رہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں داروگیر کا علم ہو چکا تھا، اس لیے گرفتاری سے پیشتر سرحد پہنچ گئے۔ پنجتار میں فوت ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صوبہ دار کشمیر شیخ امام الدین بہ کمال تمنا راہ موافقت نمودہ برائے ارسال خطوط جوڑی ہرکارہ مقرر نمودہ۔ چنانچہ در ہر ماہ دو سہ خط شیخ موصوف متضمن کلام محبت و دوستی می رسند۔

ترجمہ: کشمیر کے صوبہ دار شیخ امام الدین نے دلی خواہش سے موافقت کا راستہ پیدا کیا اور ارسال خطوط کے لئے ہرکاروں کی جوڑی مقرر کر دی۔ چنانچہ ہر مہینے اس کی طرف سے دوستی اور محبت کے دو تین خط آ جاتے ہیں۔

اسی طرح امیر دوست محمد خاں فرمانروائے کابل اور اس کے فرزند ارجمند محمد اکبر خاں غازی سے تعلقات پیدا ہو چکے تھے، بلکہ قلمی مکتوب کے مطابق انہوں نے رفاقت و امداد کے عہد نامے لکھ بھیجے تھے۔

نواں شہر کا قلعہ فتح ہوا تو اس پر سلامی کی توپیں سر کی گئیں۔ شیخ امام الدین کے پاس یہ خبر بھیجی گئی تو اس نے قاصد کو بہت سا انعام دیا۔ حکومت کا پورا کاروبار کتاب وسنت کے مطابق انجام پاتا تھا۔

خراج کی تفصیلات

خراج کے پورے حالات تو معلوم نہیں، لیکن بعض علاقوں کی رقموں کا ذکر قلمی مکتوب میں آیا ہے، مثلاً:

علاقہ		رقم
درۂ کنہار		سولہ ہزار
درۂ بھوگڑ منگ		پانچ ہزار
کانڈھی		سات ہزار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پکھلی		چھبیس ہزار
علاقۂ جدون سالاران		تیس ہزار
علاقۂ جدون حسن زئی و منصور		تیس ہزار
مظفر آباد		چالیس ہزار
کرنا		دس ہزار
تندھیاڑ		بیس ہزار
الائی		بیس ہزار

اس خراج میں جاگیریں شامل نہ تھیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

مولانا ولایت علی کی تشریف آوری

مولانا ولایت علی کی آمد

یہ حالات تھے، جب اچانک ۱۷ر شوال ۱۲۶۲ھ (۹ر اکتوبر ۱۸۴۶ء) کو مولانا ولایت علی علاقہ مجاہدین میں پہنچ گئے۔ قطعی مکتوب مظہر ہے:

جناب حضرت مولانا بالفضل اولانا مظہر کرامات لم یزلی محرم اسرار خفی و جلی، مرشدنا وامیرنا مولوی ولایت علی صاحب ادام اللہ برکاتہ وانوارہ مع تمام اہل قافلہ و آلات واسباب وخیل ودواب محض از فضل رب الارباب از میان ہجوم اعداء بعافیت تمام بہ حکومت اہل اسلام جلوہ افروز شدہ موجب حیرت خویش وبیگانہ وظہور آیۂ حافظ یگانہ گشتند۔

ترجمہ: خدا کی کرامتوں کے مظہر، چھپے اور کھلے بھیدوں کے جاننے والے، ہمارے مرشد اور ہمارے امیر مولوی ولایت علی (خدا ان کے برکات و انوار کو دوام بخشے) اہل قافلہ، ہتھیاروں، اسباب، گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ اہل اسلام کے دائرۂ حکومت میں جلوہ افروز ہوئے۔ یہ خدا کا خاص فضل تھا کہ وہ دشمنوں کے ہجوم سے سلامت گذر آئے۔ اس پر اپنے اور بیگانے ہر ایک کو حیرت ہوئی اور اس واقعے کو حفاظ حقیقی کے نشان کا ظہور سمجھا گیا۔

واقعات کی صحیح کیفیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولانا عنایت علی نے ہزارہ میں مجاہدین کی رفتار کامیابی کا اندازہ کرتے ہوئے مولانا ولایت علی کے پاس سازگار حالات کی مفصل اطلاعات بھیج دی ہوں گی اور عرض کیا ہوگا کہ آپ تشریف لے آئیں، یہ جو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا بہ ظاہر پنجاب ہی میں سے گذر کر ہزارہ پہنچے۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے بخیریت گذر جانے اور باز پرس سے محفوظ رہنے کیلئے کیا تدبیریں اختیار کیں۔

رفقاء اور مال و اسباب

قلمی مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ مولانا کے ساتھ اسلحہ بھی تھے اور سواریاں بھی، البتہ اہل قافلہ کی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ تذکرۂ صادقہ کا بیان ہے کہ مولانا عنایت علی کے جانے سے:

> دو سال بعد آپ بہ معیت مولوی فیاض علی و مولوی یحییٰ علی و مولوی اکبر علی و صاحبزادگان، مولوی عبد اللہ بہ ارادۂ تائید و نصرت ضامن شاہ بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے، اور اپنے چھوٹے بھائی فرحت حسین کو یہاں پٹنہ میں اپنا جانشین مقرر کر گئے اور اپنے سب عیال و اطفال کو یہیں چھوڑ گئے۔ (۱)

تھوڑے سے آدمیوں کی رفاقت عین قرین قیاس ہے۔ اس صورت میں سکھوں کے علاقے سے ان کا مسافرانہ گذر جانا مشکل نہ تھا، لیکن قلمی مکتوب کی عبارت سے دل پر یہ اثر پڑتا ہے، گویا مولانا کے ساتھ خاصا بڑا لاؤ لشکر تھا۔ ممکن ہے کہ مکتوب نگار نے لکھتے وقت احتیاط سے کام نہ لیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا ولایت علی نے ہمراہیوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر کے سکھوں کے مقبوضات سے گزار دیا ہو اور سرحد پہنچ کر وہ لوگ مولانا سے مل گئے ہوں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا کس راستے سے ہزارہ میں داخل ہوئے؟ چونکہ ان کا استقبال مانگلی میں ہوا، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ وہ

(۱) تذکرۂ صادقہ ص: ۱۴۳۔ سوانح احمدی کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ مولانا عنایت علی سے تین برس بعد مولانا ولایت علی گئے تھے۔ طبع اول ص: ۲۱۵۔ نیز اوپر ایک روایت کی بناء پر عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا عبد اللہ الگ روانہ ہوئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حسن ابدال سے ہری پور اور حویلیاں ہوتے ہوئے آئے۔ حویلیاں سے ایک سیدھا راستہ بھی مانگل کی طرف جاتا ہے، دوسرا راستہ رجوعیہ، دھمتوڑ، نواں شہر، کاکول سے ہے۔ مانگل کا عام قدیم راستہ یہی تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے مولانا نے کونسا راستہ اختیار کیا۔

مانسہرہ میں ورود

تشریف آوری کی اطلاع پہلے سے مل گئی تھی، لہٰذا سپاہیوں کی ایک جماعت استقبال کے لئے مانگل بھیج دی گئی، جسے قلمی مکتوب میں اہل اسلام کی سرحد بتایا گیا ہے، یعنی مجاہدین کا مقبوضہ علاقہ وہاں سے شروع ہوتا تھا:

سپاہیاں در آنجا رسیدہ بندوق ہا سر کردند و نذر ہا پیش نظر آوردند۔

ترجمہ: سپاہیوں نے مولانا کے نمودار ہوتے ہی بندوقیں چلائیں اور نذریں پیش کیں۔

مولانا مانسہرہ پہنچے تو وہاں بھی پرجوش استقبال ہوا، قلمی مکتوب مظہر ہے:

داروغہ ریاست اللہ صاحب کارپرداز قلعہ (مانسہرہ) مع سپاہیاں برائے استقبال بیروں از قلعہ آمدہ بہ تفنگ ہا سلامی نمودند و نذر ہا پیشکش آوردند۔ برادر حضرت مولوی مقصود علی را مع لشکر فراواں از پیادہ و سوار و شتر نال و نشان بہ استقبال روانہ فرمودند۔ مولوی صاحب موصوف ہم بیروں قلعہ مانسہرہ رسیدہ بہ سلامی از سپاہیاں تفنگ و قرابین و شتر نال شلک کنانیدند و ازیں طرف نیز بہ حکم سپاہیاں از بالائے قلعہ قرابین ہا و بندوق ہا سر نمودند۔

ترجمہ: قلعہ مانسہرہ کے کارپرداز داروغہ ریاست اللہ نے باہر نکل کر بندوقوں سے سلامی دی اور نذریں پیش کیں۔ مولانا عنایت علی نے مولوی مقصود علی کو سواروں اور پیادوں کے بڑے لشکر، چھوٹی توپوں اور نشان کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتھ استقبال کے لئے بھیج دیا تھا۔ مولوی صاحب موصوف نے بھی قلعہ مانسہرہ
سے باہر سلامی میں بندوقیں، قرابینیں اور چھوٹی توپیں سر کرائیں، نیز نذریں
پیش کیں۔ جو سپاہی قلعے میں تھے، انہوں نے بھی حکم کے مطابق قرابینیں اور
بندوقیں چلائیں۔

بھائیوں کی ملاقات

غالباً ہفتے کا دن مولانا نے مانسہرہ میں گزارا، اتوار کی صبح کو روانہ ہوئے۔ مولانا عنایت علی نے سید ضامن شاہ ساکن کوائی (کاغان) اور محمد امین خاں خان خیل رئیس گڑھی کو دو سو سواروں اور پیادوں کے ساتھ راستے میں استقبال کیلئے بھیج دیا تھا۔ مولانا ولایت علی لبرکوٹ پہنچے تو ان سرداروں سے ملاقات ہوئی، وہاں بھی بندوقیں چلیں اور نذریں گزرانی گئیں، خود مولانا عنایت علی ہندوستانی مجاہدوں اور روہیلہ سپاہیوں کے ساتھ اتر شیشہ (۱) میں پہنچے ہوئے تھے، وہیں میدان میں دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی:

> دراں وقت عجب جلوۂ نور و بارش برکات از حضور رب غفور بود۔ از آواز تفنگ و قرابین سپاہیاں و مجاہدین از ہر دو جانب کہ ہزار ہا بودند، گوش زمیناں کر گشتہ۔ از ہجوم مرد ماں ملاقات ہر دو برادر با خود ہا دشوار گردیدہ۔ آخر بہ جد وجہد تمام مرد ماں را جدا کردہ ملاقات با خود ہا میسر آمد۔ ہر دو برادر بعد از فراغ معانقہ و مصافحہ با خود درمیان ہمیں میدان سر بہ زمین نہادہ تا دیر وظیفہ شکر و سپاس رب العالمین بجا آوردند و تمامی لشکر بہ جوش رفت و حمد و ثنائے آں واہب العطیات بسیار از بسیار گفتند۔ بعد ازاں صد ہا و ہزار ہا مرد ماں بہ قدر لیاقت خود روبروئے حضرت کلاں نذر گزرانیدند۔

(۱) اتر شیشہ، مانسہرہ سے تقریباً نو میل شمالی مغربی جانب ہے۔ لبرکوٹ مانسہرہ اور اتر شیشہ کے درمیان ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ترجمہ: اس وقت ربِ غفور کی جانب سے عجیب نور جلوہ گر تھا اور برکتوں کی بارش ہو رہی تھی۔ دونوں جانب ہزاروں سپاہی اور مجاہد موجود تھے، ان کی بندوقوں اور قرابینوں کی آواز سے زمین والوں کے کان بہرے ہو گئے۔ لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ دونوں بھائیوں کی ملاقات دشوار ہو گئی، آخر بڑی کوشش سے لوگوں کو الگ کیا گیا اور بھائیوں میں ملاقات کی صورت پیدا ہوئی۔ مصافحے اور معانقے کے بعد دونوں بھائی اس میدان میں پیشانی زمین پر رکھ کر دیر تک جہانوں کے پروردگار کا فریضۂ شکر ادا کرتے رہے۔ لشکر بھی سجدے میں گر گیا اور سب دیر تک خدا کی حمد و ثنا کرتے رہے۔ پھر سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مولانا ولایت علی کی خدمات میں نذریں پیش کیں۔

اسلام گڑھ میں جلوہ افروزی

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، حکومت کا مرکز فتح گڑھ تھا، جس کا نام بدل کر اسلام گڑھ رکھ دیا تھا۔ اتر شیشہ میں دوپہر کا کھانا کھایا، پھر دونوں بھائی سوار ہوئے اور اتوار کو شام کے وقت اسلام گڑھ پہنچ گئے۔ شوال ۱۲۶۲ھ کی انیسویں اور اکتوبر ۱۸۴۶ء گیارہویں تاریخ تھی۔ قلعے کے داروغہ امام خاں کے حکم سے سات سات مرتبہ توپیں چلائی گئیں، پانچ پانچ مرتبہ شاہینیں اور زنبورکیں، ایک ایک مرتبہ قرابینیں اور بندوقیں، اس کے بعد علماء، رؤسا، خوانین اور جاگیرداروں نے مولانا ولایت علی کی خدمت میں نذریں گزرانیں۔

۲۴ر شوال ۱۲۶۲ھ (۱۶ر اکتوبر ۱۸۴۶ء) کو جمعہ کے دن مولانا عنایت علی نے امارت کا پورا کاروبار مولانا ولایت علی کے حوالے کر دیا، مولانا موصوف کو چھوٹے بھائی کی مشقت، جانفشانی، ملک داری اور فوج کے حسنِ انتظام کا پورا اندازہ ہو چکا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

درمجلس جمعہ بعد از گرفتن بیعت امارت بہ آواز بلند فرمودند کہ برادر خورد را

از طرف خود رئیس جملہ مجاہدین نمودم و انتظام کار و بار بہ دستور قدیم سپرد برادر خرد

ساختم۔

ترجمہ: جمعہ کی مجلس میں بیعت کے بعد بہ آواز بلند فرمایا کہ میں اپنی

طرف سے چھوٹے بھائی کو تمام مجاہدین کا سالار بناتا ہوں اور تمام انتظامات

سابقہ دستور کے مطابق ان کے حوالے کرتا ہوں۔

تذکرۂ صادقہ کا بیان ہے:

بالاکوٹ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اب تک مولوی عنایت علی صاحب کارزار میں مصروف

ہیں۔ غرض مولانا ولایت علی کے وہاں پہنچتے ہی کل کارخانہ مولوی عنایت علی صاحب نے

آپ کے سپرد کر دیا اور جملہ مجاہدین نے مولانا کے ہاتھ پر بیعتِ امارت کر لی۔(۱)

ضروری گزارش

مولانا ولایت علی کے استقبال میں جا بجا جو خاص اہتمام کیا گیا، اس میں بادشاہوں

اور حکمرانوں کی شان زیادہ نمایاں ہے، حالانکہ مجاہدین کا سارا کاروبار درویشانہ وفقیرانہ

تھا۔ ممکن ہے یہ امر بعض قلوب میں خلش کا باعث ہو، لہٰذا واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ

اہتمام بظاہر امیری کی شان بلند کرنے کیلئے مناسب سمجھا گیا اور اس زمانے کے

آدمیوں کی ذہنیت اس قسم کی تھی کہ نمائش شکوہ کے بغیر امیری کی حقیقی حیثیت ان کے دل

نشیں نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے سوا اہتمام کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بھی بتا دینا چاہئے

کہ خود سید احمد شہید نے ایسی کوئی نمائش اپنے لئے کبھی پسند نہ فرمائی نیز مولانا ولایت علی

اور مولانا عنایت علی کی پہلی یا بعد کی زندگیوں میں بھی اس نوع کے ہنگاموں کی کوئی مثال

نہیں ملتی۔ ممکن ہے مولانا کی تشریف آوری کے موقع پر اہتمام خصوصی کسی وقتی اور مقامی

مصلحت کی بنا پر ناگزیر سمجھا گیا ہو۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

درۂ دُبّ کی جنگ

صورتِ حال

مولانا ولایت علی کو سرحد پہنچے ہوئے پورے تین مہینے بھی نہ ہوئے تھے کہ درۂ دُب کی جنگ پیش آ گئی جس نے مجاہدین کیلئے قیام کی کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی اور کئی سال کی محنت سے جہاد کیلئے جو مرکز بنایا گیا تھا، وہ چھن گیا۔ جنگ کی تفصیل بیان کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ تمہید کے طور پر وقت کی صورتِ حال واضح کر دی جائے، جس کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ کامیابی کیوں دفعۃً ناکامی سے بدلی اور ہزارہ میں اسلامی حکومت کی جو بنیاد پڑ چکی تھی، وہ کس وجہ سے معرضِ انہدام میں آئی؟

حکومتِ انگلشیہ نے سکھوں سے پہلی جنگ کے بعد دوآبہ بست جالندھر لے لیا تھا، نیز سکھوں کی حکومت پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوان عائد کیا تھا۔ چونکہ لاہور کے خزانے میں روپیہ موجود نہ تھا، اس لئے قرار پایا کہ دریائے بیاس اور دریائے سندھ کے درمیان تمام کوہستانی علاقے بہ شمول کشمیر و بالائی ہزارہ ایک کروڑ روپے کے معاوضے میں انگریزوں کے حوالے کر دیئے جائیں، باقی پچاس لاکھ روپے عہد نامے کی توثیق سے پہلے یا توثیق کے وقت نقد دے دیئے جائیں۔ اس علاقے میں سے جو خطے دریائے راوی کے مغرب اور دریائے سندھ کے مشرق میں واقع تھے، وہ پچھتر لاکھ روپے کے معاوضے میں گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیئے گئے۔ ان میں جموں اور کشمیر کے علاوہ بالائی ہزارہ بھی شامل تھا۔ سکھوں کی مرکزی حکومت میں افراتفری اور جنگ کے دوران میں ہزارہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے اندر آزادی کی دو تحریکیں جاری ہوئیں، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک زیریں ہزارہ میں، جس کے نظم و نسق کیلئے سید اکبر شاہ ستھانوی کو بادشاہ تسلیم کیا گیا، دوسری بالائی ہزارہ میں، جس کے سرخیل مولانا عنایت علی تھے، اور جس کی حدیں مانگلی سے مشرق میں مظفر آباد اور شمال میں کاغان تک پہنچی ہوئی تھیں۔

زرّیں موقع

آزادی کی ان تحریکوں کو مستحکم نتیجہ خیز بنانے کیلئے قدرت نے زرّیں موقع پیدا کر دیا تھا۔ زیریں ہزارہ پر سکھوں کے لئے قبضہ بحال رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی، تمام روٴسا و خوانین کو یقین ہو چکا تھا کہ سکھ حکومت کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ بالائی ہزارہ میں گلاب سنگھ ڈوگرہ اسی وقت پہنچ سکتا تھا کہ کشمیر پر اس کا قبضہ ہو جاتا، وہاں کے گورنر شیخ نواب امام الدین نے دربار لاہور کی خفیہ ہدایات کے مطابق کشمیر کو گلاب سنگھ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، گویا بالائی ہزارہ سکھوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور گلاب سنگھ کشمیر پر قبضہ کیے بغیر وہاں پہنچ نہیں سکتا تھا۔

صلح کے بعد انگریزوں نے ملکی انتظامات کی بحالی کے لئے سرگرم کوششیں شروع کر دیں۔ ایک طرف ایبٹ صاحب کو ہزارہ بھیج دیا گیا کہ وہ نظم و نسق کی بنیادیں از سر نو استوار کرائے۔ دوسری طرف ہنری لارنس، جسے دربار لاہور میں ریزیڈنٹ کا عہدہ دیا گیا تھا، خود فوج لے کر جموں پہنچا اور وہاں سے ہربرٹ ایڈورڈز کو نواب شیخ امام الدین سے تصفیے کیلئے کشمیر بھیج دیا۔ ہربرٹ ایڈورڈز نے ملک فتح خاں ٹوانہ کو ساتھ لے لیا جو نواب امام الدین کا جگری دوست تھا۔ ملک ہی کی کوشش سے امام الدین نے وہ تمام خطوط انگریزوں کے حوالے کر دیئے، جن میں دربار لاہور نے ہدایت کی تھی کہ کشمیر کو گلاب سنگھ کے حوالے نہ کیا جائے۔ ان تمام کارروائیوں کا ذمہ دار لال سنگھ وزیر تھا۔ غرض ہربرٹ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایڈورڈز اور ملک فتح خاں ٹوانہ کی کوششوں سے کشمیر گلاب سنگھ کے قبضے میں آیا، لال سنگھ کے خلاف لاہور میں مقدمہ چلا اور اسے وزارت سے علیحدہ کر کے جلا وطن کر دیا گیا۔

انقلابِ احوال

یوں گلاب سنگھ کو کشمیر کے قبضے سے فارغ ہو کر بالائی ہزارہ پر توجہ کی فرصت مل گئی۔ ادھر سے ایبٹ صاحب نے مختلف خوانین کو سمجھا بجھا کر ہموار کر لیا اور زیریں ہزارہ میں ان کیلئے جاگیروں کا بندوبست کر کے سکھوں کی حکومت بحال کر دی۔ اس کیفیت سے ظاہر ہے کہ حالات تحریکِ آزادی کے لئے جس تیزی سے ساز گار ہوئے تھے، اسی تیزی سے ناساز گار ہو گئے۔ اسی سلسلے میں درۂ ڈب کی جنگ پیش آئی۔ انگریزوں کے زیر اثر گلاب سنگھ اور سکھوں کا رسوخ بحال ہو چکا تھا۔ خوانین ورؤسا، انگریزوں ہی کی تدبیر آرائیوں کے باعث ان کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میدانِ جنگ میں ان سے جس سرگرم اعانت کی امید تھی، وہ پوری نہ ہوئی اور مجاہدین کو شکست سے سابقہ پڑا۔

درّۂ ڈب

درۂ ڈب کی جنگ کے پورے حالات نہیں مل سکے، مختلف ذریعوں سے جو کچھ معلوم ہو سکا وہ ذیل میں درج ہے، لیکن اصل جنگ سے پیشتر درۂ ڈب کا جغرافیائی موقع واضح کر دینا ضروری ہے۔(۱)

ڈب، گڑھی حبیب اللہ خاں اور مظفر آباد کے درمیان ایک مشہور درہ ہے، جس کی بلندی تقریباً پانچ ہزار فٹ ہے۔ اس کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر پیر چنا کی پہاڑ ہے،

(۱) اس بیان کی زیادہ تفصیلات کے لئے میں اپنے عزیز دوست سید غلام حسن شاہ صاحب کاظمی کا ممنون ہوں جو درۂ ڈب کے پڑوس میں سکونت پذیر ہیں اور اپنے ذوقِ تحقیق کے باعث بیشتر مقامی تاریخی حالات فراہم کرتے رہتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جوڈب سے بلند تر ہے۔ اسی پہاڑ کے جنوبی و مغربی دامن میں دریائے کشن گنگا کے کنارے مظفر آباد واقع ہے، جو آج کل آزاد کشمیر کا مرکز ہے۔ ڈب کے شمال میں کوہ سری کوٹ ہے، جو سات ہزار فٹ سے بھی زیادہ اونچا ہے۔ پھر بالاکوٹ کے سامنے تک پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے، مثلاً سری کوٹ کے شمال میں گلی گلوٹی، اس کے آگے چیر چیلہ، مزید شمال میں نور گلی اور اس سے متصل مکڑا پہاڑ جو بالاکوٹ کے مشرق میں ہے اور اس کی بلندی بارہ ہزار سات سو باون فٹ بتائی جاتی ہے۔ ڈب کے مغرب میں گڑھی حبیب اللہ خاں دریائے کنھار کے بائیں کنارے سے ذرا ہٹ کر آباد ہے۔ دریا کے کنارہ مقابل پر بٹراسی کا پہاڑ ہے اور گڑھی سے شمال مغرب میں ڈمگلہ اور جابہ واقع ہیں۔ ڈب سے جنوب کی طرف آئیں تو لوہار گلی پہنچ جاتے ہیں جہاں سے قدیم شاہی راستہ مظفر آباد کو جاتا تھا۔ لوہار گلی سے تھوڑے فاصلے پر جنوب میں ڈمشی ہے، جہاں دریائے کنھار، جس کا دوسرا نام دریائے نین سکھ ہے، دریائے جہلم میں ملتا ہے۔

آج کل ڈب ضلع ہزارہ اور ضلع مظفر آباد کی درمیانی حد پر واقع ہے۔ اس درے سے گڑھی تقریباً تین میل ہوگی اور مظفر آباد پانچ میل، گویا یہ ایک ایسا درہ ہے جس کا مغربی دروازہ گڑھی حبیب اللہ خاں کی طرف واقع ہے اور دروازۂ مقابل پر پہنچ کر جنوب کی طرف منہ کریں تو مظفر آباد نظر آتا ہے۔ فی الحال ڈب جس گاؤں کی حد بست میں واقع ہے اس کا نام ڈونگ ہے۔ پاس ہی موضع ٹھنگر ہے جو مولانا سید سمندر شاہ چشتیؒ کی خانقاہ کے باعث قرب و جوار کی مشہور زیارت ہے۔ اس زیارت کے متولی میرے عزیز دوست سید غلام حسین شاہ صاحب کاظمی ہیں۔ جب مظفر آباد ڈوگرہ راج میں شامل تھا تو ڈب پر کسٹم کی چوکی بنی ہوئی تھی، اب یہ چوکی باقی نہیں رہی۔ یہ مقام پرانے زمانے میں جنگی نقطۂ نگاہ سے بڑا اہم تھا۔ چونکہ کشمیر کی شاہراہ پر واقع تھا، اسلئے یہاں سے سلاطین، مشائخ، علماء، وسادات، امراء اور خواص و عوام برابر آتے جاتے رہے اور اسے خاصی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہرت حاصل ہو گئی۔

ہزارہ گزیٹیر کا بیان

درّۂ ڈوب کی جنگ کے متعلق ہزارہ گزیٹیر کا بیان یہ ہے کہ نواب شیخ امام الدین کو حوالگیٔ کشمیر پر مجبور کر دینے کے بعد سکھوں کی ایک فوج جو دس رجمنٹوں پر مشتمل تھی، سرینگر سے مظفر آباد کے راستے بالائی ہزارہ پہنچی تا کہ اس علاقے کو بھی مسخر کر لے:

> دیوان کرم چند اس فوج کا کمانڈار تھا۔ ریزیڈنٹ لاہور کے دو مددگار مسٹر ونس اگینیو (۱) اور لفٹنٹ لمسڈن (۲) اس فوج کے ساتھ تھے۔ جنوری ۱۸۴۷ء کو سواتیوں اور ہندوستانیوں نے گڑھی حبیب اللہ سے اوپر درۂ ڈوب میں اس فوج کی ناکام مزاحمت کی۔ جنگ کے بعد سواتیوں نے گورنر کشمیر کی اطاعت قبول کر لی۔ ہندوستانی (مجاہدین) علاقہ چھوڑ کر نکل گئے، بعد ازاں سکھوں کی فوج ہزارہ کی وادیوں میں پھر نکلی اور مہاراجا (گلاب سنگھ) کا قبضہ مستحکم کر دیا۔ (۳)

اوکنلے کا بیان

اوکنلے کا بیان ہے کہ سکھوں کی پہلی جنگ میں خالصہ فوج تباہ ہو گئی اور حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں سکھوں کی ایک نئی طاقت کا ظہور ہوا۔ اس کی موجودگی میں مجاہدین کے لئے مقبوضہ علاقوں پر تصرف قائم رکھنا غیر ممکن ہو گیا:

> ۱۸۴۷ء میں مجاہدین کی پوری فوج نے ہری پور میں مسٹر اگینیو کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، صرف میر اولاد علی مستثنیٰ رہے، جو تھوڑے سے مجاہدین کے ہمراہ تھانہ چلے گئے۔ مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی کو سرکاری نگرانی

(۱) Vans Agnew (۲) Lumsden

(۳) ہزارہ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۸ء ص: ۱۳۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں ان کے وطن عظیم آباد بھیج دیا گیا اور وہاں ان سے دس دس ہزار روپے کے
مچلکے لے لئے گئے کہ وہ چار سال تک شہر سے باہر نہ جائیں گے۔(۱)

بیلیو کا بیان

ڈاکٹر بیلیو نے لکھا ہے کہ مجاہدین کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں:

سکھوں کی ایک فوج نے لفٹنٹ ایگنیو کی قیادت میں مجاہدین کو منتشر کر دیا، میر مقصود علی گرفتار ہو گئے اور انہیں قید کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ عنایت علی جہاد کی زندگی کا یہ پہلا مزہ چکھ چکنے کے بعد دل شکستہ ہو گئے اور بھاگ کر عظیم آباد پہنچ گئے۔ بہت سے دوسرے مجاہدین نے بھی انہیں کی پیروی کی اور اولاد علی اعتمادی دوستوں کے ایک چھوٹے سے جیش کے ساتھ اپنے سابقہ رفیقوں سادات۔ تھانہ کے پاس پہنچ گئے۔(۲)

بعض پرانے سرکاری کاغذات کے مطابق جنرل کاہن سنگھ مان نے ۶ رجنوری ۱۸۴۷ء کو لاہور اطلاع بھیجی تھی کہ لفٹنٹ لمسڈن کی فوج مظفر آباد سے گڑھی حبیب اللہ خان کی طرف روانہ ہو گئی ہے۔(۳) بتاریخ ۱۰ رمارچ ۱۸۴۷ء ہنری لارنس ریزیڈنٹ نے جنرل کاہن سنگھ کو کشمیر اور مظفر آباد کی خدمات کے صلے میں ایک تلوار دی۔(۴)

مقامی روایات

جنگ کے متعلق مقامی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ سکھوں کے درمیان باہمی رزم و

(۱) کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء، ص: ۳۸۱

(۲) یوسف زئیوں کے متعلق رپورٹ (انگریزی) ص: ۹۵-۹۶

(۳) ریذیڈنٹ لاہور کے سیاسی روزنامچے (Political Diaries) از یکم جنوری ۱۸۴۷ء تا ۴ رمارچ ۱۸۴۸ء ص: ۲

(۴) ریذیڈنٹ لاہور کے سیاسی روزنامچے (Political Diaries) از یکم جنوری ۱۸۴۷ء تا ۴ رمارچ ۱۸۴۸ء، ص: ۵۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پکار اور انگریزوں سے پہلی جنگ کے سلسلے میں جو افراتفری اور بدامنی پیدا ہوئی تھی، وہ انگریزوں کی سرپرستی کے بعد ختم ہو گئی اور خود انگریز افسر جابجا قیام امن کیلئے پہنچ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو خوانین ورنہ سا مجاہدین کا ساتھ دے رہے تھے، وہ پہلے تذبذب میں پڑے، پھر جاگیروں کے لالچ میں انگریزوں سے مل گئے۔ جب مجاہدین نے مظفر آباد سے آنے والی فوج کا مقابلہ شروع کیا تو خوانین کی خفیہ ساز باز کے باعث دریائے کنھار کی دائیں جانب کے مختلف مقامات سے قرابینیں اور زنبورکیں چھوڑی گئیں۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین کو معلوم ہو جائے کہ صرف مظفر آباد کی جانب سے نہیں، پچھلی کی جانب سے بھی سکھوں کی فوج آ رہی ہے۔ سواتی اور دوسرے مقامی لوگ یہ دیکھتے ہی ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور مجاہدین تنہا میدان جنگ میں رہ گئے۔ وہ دس رجمنٹوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے اور شکست کھا گئے۔

سید غلام حسن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ڈب کے شمال میں ایک فراز تک پر "بارہ دازئی" نام ایک مقام ہے اور جنوب مغرب میں بھی ایک مقام "چڑک دازئی" کہلاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مقاموں پر مجاہدین کے مورچے تھے۔ ڈب کے مشرق میں زیارت شریف ٹھنگر کے حدود کے اندر ایک قبرستان ہے، جسے مقامی طور پر "کالیاں قبراں" کہتے ہیں، اس لئے کہ وہاں کی مٹی قدرتی طور پر سیاہ ہے۔ غالباً یہ انہی مجاہدین کی قبریں ہیں، جو جنگ ڈب میں شہید ہوئے تھے۔

لمسڈن کا بیان

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ سکھوں کی فوج کے ساتھ دو انگریز افسر بھی تھے: ونیس ایگنیو اور لفٹنٹ لمسڈن۔ حسن اتفاق سے ہمیں جنگ ڈب کے متعلق لمسڈن کا ایک خط مل گیا ہے جو اس نے ۶ رفروری ۱۸۴۷ء کو راولپنڈی سے اپنے والد کے نام انگلستان بھیجا تھا اور اس میں اپنے نقطۂ نگاہ سے جنگ کی پوری کیفیت بیان کی تھی۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ جب گلاب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سنگھ کو کشمیر کا قبضہ دلایا جا چکا تو سر ہنری لارنس ریذیڈنٹ کو مناسب معلوم ہوا کہ ایکنیو اور لمسڈن فوج لے کر ہزارہ کے راستے لاہور جائیں تاکہ اس طرف بھی گلاب سنگھ اور سکھوں کے مقبوضات میں امن قائم ہو جائے۔

بارو مولہ پہنچ کر ان انگریز افسروں نے اگلے سفر کی تیاری شروع کر دی، ایک ہفتہ گاڑیوں کے انتظام میں گذر گیا اور وہ تین ہزار فوج نیز چھ توپیں لے کر مظفر آباد کی طرف چل پڑے۔ مظفر آباد پہنچ کر معلوم ہوا کہ دریائے کشن گنگا کو عبور کرنے کے بعد قدم قدم پر لڑائی ہوگی۔ اس لیے کہ سات ہزار کوہستانی سامنے کے پہاڑوں میں مورچے قائم کیے بیٹھے تھے۔ وہ خوب مسلح تھے اگرچہ ان کے پاس توپیں نہ تھیں۔ خود انگریز افسروں کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اول سکھ فوج کے پاس گولی بارود بہت کم تھی، اگرچہ توپوں کے گولے بہت زیادہ تھے، دوسرے افیون ختم ہو چکی تھی اور سکھ سپاہی افیون کھائے بغیر لڑ نہ سکتے تھے۔ لمسڈن لکھتا ہے کہ مشکلات کے باوجود ہم نے پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا اور ہر کشن گڑھ (موجودہ ہری پور) میں گلاب سنگھ اٹاری والے کو لکھا کہ وہ جتنی فوج فراہم کر سکے، لے کر جلد سے جلد موقع پر پہنچ جائے۔ گویا مخالفوں کو دونوں جانب سے زغے میں لے لینے کی تجویز سوچی گئی تھی۔ ہنری لارنس کو بھی پورے حالات سے آگاہ کر دیا گیا۔

اس زمانے میں دریائے کشن گنگا کو تین گھاٹوں سے عبور کیا جاتا تھا: ایک گھاٹ قصبہ مظفر آباد کے شمال میں قلعہ (۱) کے پاس تھا، دوسرا گھاٹ قصبہ کے سامنے اور تیسرا قصبہ کے جنوب میں سرائے اکبری (۲) سے متصل تھا۔ غالباً اسی گھاٹ کے سامنے آزاد کشمیر کی موجودہ سکریٹریٹ تعمیر ہوئی ہے۔

(۱) یہاں پہلے بھی ایک قلعہ تھا، موجودہ قلعہ رنبیر سنگھ والیٔ کشمیر نے بنوایا اور اسی کے نام سے یہ منسوب ہے۔ اس کی بیرونی فصیلیں دریا میں اتر گئی ہیں۔ تعمیر کا سارا کام بیکار پڑا ہوا تھا۔ آج کل اس میں پاکستانی فوج کا ایک جیش رہتا ہے۔

(۲) یہ شش گوشہ سرائے اکبر نے تعمیر کرائی تھی، اس کا رخ دریا کی طرف ہے، جنوبی گوشے میں شاہی نشست گاہ تھی، جنوبی دروازے پر یہ کتبہ نصب ہے: لا الٰہ الا اللّٰہ اکبر خلیفۃ اللّٰہ غالباً مغل اسی گھاٹ سے آتے جاتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کیفیتِ عبور و جنگ

اب لمسڈن کے بیان کا خلاصہ ضروری تصریحات کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ اس نے ظاہر یہ کیا کہ شمالی گھاٹ سے دریا کو عبور کرے گا۔ فوج کا ایک حصہ بھی اس گھاٹ پر بھیج دیا۔ اس کے سامنے کا رقبہ میدانی تھا اور عام لوگ اسی گھاٹ سے آتے جاتے تھے۔ گھاٹ سے تھوڑے فاصلے پر ملاحوں کے مکان تھے اور عموماً کشتیاں اس گھاٹ پر رہتی تھیں، لیکن دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ جنوبی گھاٹ سے جو سرائے اکبری کے عین سامنے تھا، دریا عبور کرے گا۔

۲۔ اگرچہ جنوبی گھاٹ پر صرف ایک کشتی تھی لیکن لمسڈن نے مستعدی سے کام لے کر ۲۱ر دسمبر ۱۸۴۶ء کی شب میں سات سو آدمی دریا کے دائیں کنارے پر پہنچا دیے اور انہوں نے سرائے میں قدم جما کر حفاظت و دفاع کے تمام ضروری انتظامات مکمل کر لیے۔ پھر ۲۴ر دسمبر تک پوری فوج کشن گنگا سے گزار لی گئی۔

۳۔ جنگی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ جس فوج نے کوہستان ڈب میں مورچے قائم کر رکھے تھے، اسے گڑھی حبیب اللہ خاں کی طرف سے کوئی کمک نہ پہنچتی۔ لمسڈن نے رئیس مظفر آباد کے ایک بھائی (۱) کو حکم دیا کہ پانسو ہم قوموں کو ساتھ لے اور چھپ چھپا کر گڑھی حبیب اللہ خاں کے آس پاس کی کٹی پھٹی زمین میں جا بیٹھے۔ اگر گڑھی کی فوج کمک کے لیے حرکت میں آئے تو اس کا مقابلہ کرے اور اسے روکے۔

۴۔ صورتِ حال کے متعلق سکھ افسروں سے مشورہ کیا گیا تو وہ سب پیش قدمی کے حامی تھے۔ ۲۶ر دسمبر کی صبح کو کاہن سنگھ کی فوج کے دو کالم بنا کر انہیں آگے بڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔ تین توپیں ان کے ساتھ کر دی گئیں۔ یہ فوج تین گھنٹے کی جدوجہد کے

(۱) لمسڈن نے اس شخص کا نام نہیں لکھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعد پہلے ٹیلے پر قابض ہو گئی۔ غنیم چوکیاں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

۵- خیال تھا کہ آگے کوئی دقت پیش نہ آئے گی، لیکن تین میل کا فاصلہ طے کر چکنے کے بعد پھر آٹھ سو گز کی چڑھائی آ گئی۔ غنیم کی طرف سے شدید آتش باری ہو رہی تھی اور سیل آتش سے گذر کر سو گز کی چڑھائی طے کرنا بہت دشوار تھا۔ لہٰذا نصف کالم کو آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا اور نصف کالم کو روک لیا گیا۔ لیکن جن سکھوں کو روکا گیا تھا وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد بے صبر ہو کر "واہے گرو" "واہے گرو" کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ آور ہو گئے۔ غنیم کی طرف سے باڑ پر باڑ آ رہی تھی، سکھوں کی جانب سے توپیں چلنے لگیں، سارا دن کشمکش میں گذر گیا، سکھ نہ پیچھے ہٹنے پر آمادہ تھے اور نہ ان کے لئے آگے بڑھنے کی کوئی صورت تھی۔

۶- رات کی تاریکی میں غنیم مورچے خالی کر گیا۔ ۲۷ دسمبر کو سکھ فوج آگے بڑھی تو غنیم دور سے آتش باری کرتا رہا، لیکن اس نے قریب آ کر مقابلہ نہ کیا۔ اس اثناء میں اطلاع ملی کہ گڑھی حبیب اللہ خاں کا بھی تخلیہ ہو گیا۔ وہاں دربار لاہور کے کارندے موجود تھے۔ انہوں نے لمسڈن یا ایگنیو سے مشورہ کئے بغیر کاغانی سیدوں سے صلح کر لی، صرف یہ قرار پایا کہ سید آئندہ چلن اچھا رکھیں گے اور خراج ادا کرتے رہیں گے۔ لمسڈن نے انہیں "احمقانہ شرائط" قرار دیا ہے۔

۷- سکھ فوج کئی روز دریائے کنہار کے کنارے ٹھہری رہی۔ اس اثناء میں مجاہدین اور کوہستانی لوگ شنکیاری کی سمت میں ایک ڈھلوان پہاڑ پر جمع ہو گئے۔ اس پر چڑھنے اور مقابلہ کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، آخر ایک مخبر نے بتایا کہ وہ لوگ کھانے پکانے کے لئے نیچے ایک چشمے پر آتے ہیں۔ لمسڈن نے چند گوجروں کو رشوت دیکر ساتھ ملایا، اپنے ایک آدمی کو گوجروں کا لباس پہنا کر ان کے ساتھ پہاڑ پر بھیجا اور ان کے ذریعے سے بارود کے چند پیپے پہاڑ پر رکھوا دیے، پھر انہیں یکے بعد دیگرے آگ دیدی گئی، بارود اڑی تو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غنیم نے سمجھا کہ حملہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے یہ پہاڑ بھی چھوڑ دیا۔(۱)

''تذکرۂ صادقہ'' کی روایات

''تذکرۂ صادقہ'' یا ''سوانح احمدی'' میں اس جنگ اور اس سے پیشتر مولانا ولایت علی کی سرگرمیوں کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے(۲) میرے نزدیک وہ تمام تر غلط ہے، مثلاً:

۱- یہ صحیح نہیں کہ مولانا ولایت علی ڈیڑھ دو برس گلاب سنگھ ڈوگرہ سے برسر پیکار رہے، مولانا کے سرحد پہنچنے سے تین مہینے کے اندر اندر جنگِ ڈب پیش آئی، جس میں مجاہدین نے شکست کھائی۔

۲- یہ امر ہرگز قرین قیاس نہیں کہ مولانا نے گلاب سنگھ کے سامنے یہ شرط پیش کی ہو کہ اسے سرکار انگریزی کی طرح مسلمان رعایا کو شعار اسلامی کے مطابق اذان، ذبیحۂ گاؤ وغیرہ کی آزادی دے دینی چاہیے۔ یہ وہی غلط فہمی ہے جو سید صاحب کے متعلق مولوی محمد جعفر تھانیسری مرحوم یا میرزا حیرت مرحوم نے پیدا کی۔

۳- مجاہدین کے عمال کے قتل عام کی بھی کوئی مستند شہادت اب تک نہیں مل سکی۔

۴- سید ضامن شاہ کاغانی کی بے وفائی کا قصہ بھی غلط فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، البتہ ظاہر ہے کہ مجاہدین کی شکست کے بعد ضامن شاہ کاغان چلا گیا ہوگا، تاہم جب تک انگریزی فوج کاغان نہ پہنچی اس نے اطاعت قبول نہ کی۔

۵- یہ بھی غلط ہے کہ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی سید اکبر شاہ کے پاس

---

(۱) یہ تمام حالات لمسڈن آف دی گائڈز (انگریزی) Lumsden of the Guids سے ماخوذ ہیں۔ ص:۲۸-۳۲۔ یہ لمسڈن کی سوانح عمری ہے جو اس کے بھائی سر پیٹر لمسڈن اور جارج ایلی نے مرتب کی، ۱۸۹۹ء میں چھپی تھی۔ اب بہت کمیاب ہے۔ لمسڈن نے جنگ کا ایک نقشہ بھی دیا تھا جسے میں نے شامل کر دیا تاکہ اس کے بیانات کو سمجھنے میں سہولت رہے۔

(۲) تذکرۂ صادقہ، ص:۱۲۳، ۱۲۴۔ سوانح احمدی طبع اول، ص:۲۱۵-۲۱۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صوات جانا چاہتے تھے، راستے میں انگریزی عملداری پڑتی تھی، فوجی انگریز افسروں نے گذرنے کی اجازت دے دی، بعد میں محاصرہ کر لیا گیا۔ عذر یہ پیش کیا کہ فوجی افسروں کی اجازت حکومت کی منظوری سے نہ ہوئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک سید اکبر شاہ صوات کے بادشاہ نہ بنے تھے۔ نیز ۱۸۴۷ء میں ہزارہ اور دوسرے علاقے انگریزی عملداری میں شامل نہ ہوئے تھے۔

۶- یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی تو مجاہدین، لشکر، توپ خانے اور سامانِ جنگ کے ساتھ انگریزی نگرانی میں لاہور پہنچے، مگر اثنائے راہ میں مجاہدین کی کثیر تعداد خفیہ طور پر فرار ہوگئی اور انہوں نے میر اولاد علی کو امیر بنا لیا۔ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر اولاد علی پہلے ہی بچ کر نکل گئے تھے۔

مولانا صاحبان کی مراجعت

جنگِ ڈب کے بعد مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی لاہور ہوتے ہوئے عظیم آباد چلے گئے۔ ''تذکرۂ صادقہ'' کا یہ بیان تعجب انگیز ہے کہ جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے لاہور سے دو منزل آگے جا کر ان کا استقبال کیا، دادِ شجاعت دی، ضامن شاہ کی بے وفائی پر نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اسلحہ مع توپ خانہ حکومت کے ہاتھ فروخت کر کے روہیلوں کی تنخواہ ادا کر دی جائے۔ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ نہ اس زمانے میں جان لارنس پنجاب کا چیف کمشنر تھا، نہ یہ علاقہ براہِ راست انگریزوں کے قبضے میں آیا تھا اور نہ وہ اقوال قرین یقین ہیں جو اس سے منسوب کیے گئے۔ یہ ممکن ہے کہ ریزیڈنٹ نے مولانا صاحبان کی دعوت کی ہو، یا جیسا کہ درست مانا جاتا ہے، مولوی سید رجب علی منشی نے ان کے اعزاز میں کھانا دیا ہو۔

(۱) تذکرۂ صادقہ، ص: ۴۴۔ سوانح احمدی، ص: ۲۱۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ریذیڈنٹ کے سیاسی روزنامچوں میں ۲۲؍ مارچ کا ایک اندراج یہ ہے:

راولپنڈی کے کاغذات مظہر ہیں کہ ہزارہ سے ایک مولوی دو سو سپاہیوں کی حراست میں پہنچا۔ یہی شخص ہے جو ہزارہ کی سابقہ بغاوت کا قائد تھا۔ مسٹر ایگنیو نے اسے سلامت ہندوستان جانے کا پروانہ دے دیا ہے۔(۱)

میں سمجھتا ہوں کہ یہ اطلاع مولانا ولایت علیؒ کے متعلق ہے۔

تذکرۂ صادقہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ عظیم آباد میں دونوں بھائیوں سے دو سال کے لئے دو سو روپے کے مچلکے لئے گئے تھے، اور کتنے نے مچلکوں کی مقدار دس دس ہزار روپے بتائی ہے، لیکن مدت چار چار سال کی بیان کی گئی ہے۔ میری تحقیقات کے مطابق صحیح یہ ہے کہ مچلکے دس دس ہزار کے تھے، البتہ ان کی معیاد دو سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے کہ ستمبر ۱۸۴۹ء تک مولانا آزاد ہو چکے تھے اور انہوں نے علی الاعلان ہجرت کی۔

بالائی ہزارہ کا تبادلہ

گلاب سنگھ ڈوگرہ اگرچہ بالائی ہزارہ پر قابض ہو چکا تھا، تاہم تھوڑے ہی دنوں میں اسے اندازہ ہو گیا کہ قبضہ قائم رکھنا اس کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ اس نے مارچ ۱۸۴۷ء میں درخواست کی کہ بالائی ہزارہ اس سے لے لیا جائے اور معاوضے میں جموں کے پاس کا علاقہ دے دیا جائے۔ سکھ دربار نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ بدامنی گلاب سنگھ کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ مذہبی اوقاف اور جاگیریں چھوڑ دے تو لوگ مطمئن ہو جائیں۔ لیکن ہنری لارنس ریذیڈنٹ کی سفارش پر تبادلہ منظور کر لیا گیا، چنانچہ بالائی ہزارہ کے مالیے کی صحیح تشخیص کی گئی اور اس سے نصف مالیے کا علاقہ جموں کے پاس گلاب سنگھ کے حوالے کر دیا گیا۔

---

(۱) سیاسی روزنامچے (انگریزی) از یکم جنوری ۱۸۴۷ء تا ۴؍ مارچ ۱۸۴۸ء ص ۶۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

پابندی کی زندگی اور ہجرت

پابندی کی زندگی

اگر مچلکے کا مقصد یہ تھا کہ مولانا ولایت علی یا مولانا عنایت علی عظیم آباد سے باہر نہ جائیں یا مختلف علاقوں میں دورو سیر سے محترز رہیں اور وعظ و نصیحت بھی نہ کریں تو کم از کم مولانا صاحبان نے اس کا یہ مطلب نہ سمجھا۔ اغلب ہے کہ مچلکے کا مقصد یہ ہو کہ وہ سرحد نہ جائیں اور سکھوں سے رزم و پیکار کا سلسلہ دوبارہ شروع نہ کریں۔

اگر مچلکے میں مولانا صاحبان کو کاملاً پابند کر لیا گیا تھا تو پھر سمجھنا چاہیے کہ کارپردازانِ حکومت نے اس پابندی پر عمل کرانے کا کوئی خیال نہ کیا۔ اوکنلے کی رائے ہے کہ واقعی مچلکے کی شرطیں پوری کرانے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہ کی گئی۔(۱)

اس عہد کی زندگی کا جو نقشہ تذکرۂ صادقہ میں پیش کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

> اس دو سال کے عرصے میں (مولانا ولایت علی) بہ دستورِ سابق وعظ و نصائح اور مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف ہو گئے اور صوبجات میں واسطے ہدایت کے دورو سیر کرنے لگے اور مبلغین کو مختلف اضلاع و صوبجات میں روانہ فرمایا ہے۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد مولانا عنایت علی کو پھر ملک بنگالہ میں روانہ کیا، مگر جناب کو ہندوستان میں واپسی کا نہایت رنج و ملال تھا، اکثر دوپہروں اور راتوں کو زیرِ آسمان کھڑے ہو کر اور کبھی سجدے میں سر رکھ کر نہایت بے قراری

---

(۱) کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء ص: ۳۷۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واضطراب کے ساتھ اس ملک سے نکلنے کی دعاء کرتے رہتے۔(۱)

او کنلے نے لکھا ہے کہ مولانا صاحبان نے میر اولاد علی سے خط و کتابت شروع کر دی تھی، جو ستھانہ میں مقیم تھے اور پختہ ارادہ کیا تھا کہ شمال مغرب میں اپنی چھنی ہوئی طاقت کی بحالی کے لئے کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھیں گے۔(۲)

مولانا عنایت علی کا کام

او کنلے کے مقالے سے مترشح ہوتا ہے کہ مولانا عنایت علی نے پہلے کی طرح بنگال کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تھا۔ راج شاہی کے مجسٹریٹ نے انھیں اس بنا پر ضلع سے باہر نکل جانے کا حکم دیدیا تھا کہ وہ بغاوت کے شعلے بھڑکاتے ہیں۔ ۱۸۵۰ء کے آغاز میں مجسٹریٹ کو پھر اطلاع ملی کہ مولانا عنایت علی ضلع میں مجاہدین کی بھرتی کر رہے ہیں، اس نے تفتیش کا حکم دیا تو مولانا پٹنہ چلے گئے، تاہم ضلع میں ان کا اثر و رسوخ بہ دستور جاری رہا۔ حالات معلوم کرنے کے بعد مجسٹریٹ کو بھی یقین ہو گیا کہ وہ بے ضرر سے آدمی ہیں اور ان کی گرفتاری بالکل غیر ضروری ہے۔ اس حکم کی ایک نقل پٹنہ کے مجسٹریٹ کو بھیج دی گئی۔ اسے مولانا عنایت علی کے حالات کا بہتر علم تھا، چنانچہ اس نے مولانا سے ایک ہزار روپے کی ضمانت لے لی کہ پٹنہ سے باہر نہ جائیں، لیکن مولانا موقع پا کر سرحد بھاگ گئے۔(۳)

تذکرۂ صادقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوائل ستمبر ۱۸۴۹ء تک مولانا عنایت علی بنگال ہی میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ مولانا ولایت علی سرحد روانہ ہوئے تو مولانا عنایت علی کو بھی لکھ بھیجا کہ گھر ٹھہرتے ہوئے سرحد چلے آئیں۔(۴)

---

(۱) تذکرۂ صادقہ، ص: ۱۲۵ (۲) کلکتہ ریویو، بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء، ص: ۳۸۲

(۳) کلکتہ ریویو، بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء، ص: ۳۸۲۔ اگر اس بیان کو درست بھی مان لیا جائے تو ۱۸۵۰ء کی تاریخ یقیناً غلط ہے۔ (۴) تذکرۂ صادقہ، ص: ۱۲۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مستقل ہجرت

مولانا صاحب کے مچلکوں کی میعاد غالباً جولائی یا اگست ۱۸۴۹ء میں پوری ہوئی۔ "تذکرۂ صادقہ" میں مرقوم ہے کہ اس میعاد کے پورا ہونے میں چند ماہ باقی تھے، مولانا ولایت علی نے:

> اپنے دولت خانے کو فرش و فروش، جھاڑ فانوس و دیگر اشیائے زینت سے خوب آراستہ و پیراستہ کیا اور اصطبل میں عمدہ عمدہ گھوڑے خرید کر باندھے اور عمدہ عمدہ رنگین کبوتروں سے کبوتر خانہ بجوادیا تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ دنیا میں خوب پھنس گئے اور اب ترک آرائش و وطن نہ کر سکیں گے، مگر میعاد پوری ہوتے ہی اپنے چند احباب مخلصین اور مولوی یحییٰ علی کو ساتھ لے کر بارادۂ ہجرت ملک سوات روانہ ہوئے۔(۱)

بہر حال مولانا نے ۱۳ شوال ۱۲۶۵ھ یکم ستمبر ۱۸۴۹ء کو گھر بار چھوڑا اور مستقل ہجرت کے راستے میں قدم رکھا۔ مولانا یحییٰ علی (ابن مولانا الٰہی بخش) اور چند احباب مولانا کے ساتھ روانہ ہوئے۔ چلتے وقت اپنے خلف اکبر مولانا عبداللہ اور مولانا فیاض علی (ابن مولانا الٰہی بخش) سے فرما گئے کہ سفر کا سامان مکمل کر کے اہل و عیال کے ساتھ ایک ہفتے کے اندر موضع گڈھانہ میں آکر ملو۔ پورے قافلے کے افراد کا تخمینہ دو اڑھائی سو سے کم نہ ہوگا، پیچھے مکان پر صرف پانچ مرد رہ گئے اور دو عورتیں۔(۲)

مولانا ولایت علی اس گھرانے کے فرزند تھے جو بہار کے روساء میں شمار ہوتا تھا۔ بہت بڑی جائداد کے مالک تھے اور ان کے تمام اقرباء بھی روساہی میں محسوب تھے، لیکن

(۱) "تذکرۂ صادقہ" ص ۱۲۵۔ سوات سے مراد سرحدی علاقہ ہے، نہ کہ وہ علاقہ جسے آج کل سوات کہتے ہیں۔

(۲) تذکرۂ صادقہ ص ۱۲۵۔ اونٹلے کا یہ بیان صحیح نہیں کہ مولانا ولایت علی نے ۱۸۵۰ء کے اواخر میں ترک وطن کیا۔ نیز اس نے لکھا ہے کہ اہل و عیال کے علاوہ تقریباً اسّی افراد ساتھ تھے۔ (کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء، ص ۳۸۲)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیکھئے عشق حق اور خدمت دین کے جذبہ صادقہ نے کس طرح ان سے سب کچھ چھڑا دیا اور اس زندگی کی تڑپ دل میں پیدا کر دی، جس میں تکلیفوں، اذیتوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ کارنامے صرف اربابِ عزیمت انجام دے سکتے ہیں۔ مولانا ولایت علی اور ان کے اکثر اقرباء سید صاحب کے فیض تربیت سے یقیناً اربابِ عزیمت کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

منازلِ سفر

منازلِ سفر کی پوری کیفیت معلوم نہیں۔ تذکرۂ صادقہ اور سوانح احمدی میں بتایا گیا ہے کہ پہلے گڈھانہ میں ٹھہرے جو عظیم آباد سے سات کوس جانب مغرب واقع ہے۔ آگے گئے تو کوٹلور (داناپور اور ڈمراؤں کے درمیان) کے رئیس حاجی امام علی نے بڑے اہتمام سے دعوت کی تیاری کی، مولانا نے روک دیا اور فرمایا کہ ہم صرف وہ ستو کھائیں گے جو آپ کے مزارعین کھاتے ہیں۔ آرہ میں چودھری ہدایت بشیر رئیس اعظم نے پرتکلف دعوت کرنی چاہی، اسے بھی روک دیا اور صرف کھچڑی پکوائی۔ اس کے بعد غازی پور میں مولوی محمد فصیح کے ہاں قیام کا ذکر ہے۔ اوکنلے نے لکھا ہے کہ وہ ہر بڑے شہر میں دعوت و تبلیغ کی غرض سے خاصا وقت ٹھہرے رہتے تھے۔ اسکی تصدیق نواب صدیق حسن خاں کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو ابقاء المنن کے حوالے سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ اسی موقع پر نواب صاحب نے یہ مصرع مولانا کی زبان مبارک سے سن کر یاد کر لیا تھا:

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے۔ (۱)

قیامِ دہلی

قنوج کے بعد دہلی میں مولانا کے قیام کا ذکر ملتا ہے۔ اوکنلے کا بیان ہے کہ دہلی میں

(۱) ابقاء المنن، ص: ۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا کے وعظ بڑے شوق سے سنے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بادشاہ کے سامنے جہاد کا وعظ کہا، جس پر اس نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔(۱)

"تذکرۂ صادقہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں تقریباً دو مہینے ٹھہرے رہے۔ مسجد فتح پوری کے قریب ایک عالی شان مکان میں قیام کیا، جو عام شہرت کے مطابق جنات کے زیر اثر خالی پڑا تھا۔ نواب زینت محل بیگم کے استاد مولوی امام علی مشہور شاعر حکیم مومن خاں بھی آپ کے وعظ میں موجود ہوتے۔ مولوی امام علی نے آپ سے بیعت بھی کی تھی، انہیں کی وجہ سے مولانا کا ذکر بیگم اور بادشاہ تک پہنچا اور انہیں دعوت نامہ بھیج کر قلعہ معلیٰ میں بلایا گیا۔ مولانا پچھتر آدمیوں کے ساتھ قلعے میں پہنچے۔ بادشاہ نے تخت سے اتر کر لب فرش تک آپ کا استقبال کیا۔ مصافحہ و معانقہ کے بعد اپنے ساتھ بٹھایا، عطر اور پان سے تواضع کی۔ مولانا نے وعظ شروع کرتے وقت یہ آیت تلاوت کی: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ ۔الآیۃ۔ وزیر اعظم نے آپکے کان میں کہا کہ بادشاہ سلامت کے سامنے عذاب کے بیان کرنے کا دستور نہیں، لیکن مولانا بے تکلف:

> عذاب قبر، ہنگامہ حشر اور دوزخ کا بیان نہایت شد و مد سے اور دیگر طریقے پر بیان کرتے رہے، جس سے بادشاہ، شہزادگان، زینت محل اور جملہ حضار مجلس غایت متاثر ہو کر زار و زار رونے لگے۔ بعد وعظ ظفر شاہ نے فرمایا کہ میں نے بھی در باب ترک دنیا کچھ اشعار کہے ہیں، آپ نے ان کے سننے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔ وہاں سے رخصت ہوئے، ریزیڈنٹ نے بہ ایمائے ظفر شاہ جملہ مکانات شاہی و موتی مسجد وغیرہ کی سیر کرائی، اس کے بعد جب آپ قیام گاہ پر پہنچے تو پچاس خوان کھانوں کے مطبخ شاہی سے مولوی امام علی صاحب اور مولوی مومن خاں صاحب معروف شاعر کی معرفت پہنچے۔(۲)

---

(۱) کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء، ص: ۳۸۲

(۲) تذکرۂ صادقہ ص ۱۲۶-۱۲۷- مولانا سید عبدالجبار شاہ تھانوی ...... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا ستھانہ میں

رمضان کا مہینہ قریب آ گیا تھا اور بادشاہ کی خواہش تھی کہ مولانا رمضان قلعۂ معلّیٰ میں گزاریں تاکہ قلعے کے لوگ ان کے ساتھ نمازِ تراویح ادا کریں اور وعظ سنیں، لیکن ریذیڈنٹ نے مولانا کے متعلق ایسے انداز میں پرسش شروع کر دی تھی کہ رکاوٹ کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا، لہٰذا زیادہ ٹھہرنا قرین مصلحت نہ سمجھا گیا اور مولانا معذرت کر کے روانہ ہو گئے۔ جمنا پار پہنچے تو رمضان کا چاند دیکھا۔(۱)

بعد کے منازل کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ روایتوں میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ کھنہ میں کچھ دن مولانا عنایت علی کا انتظار کرتے رہے، جو ۸/شعبان ۱۲۶۶ھ (۱۹/جون ۱۸۵۰ء) کو وطن سے روانہ ہوئے تھے۔ یعنی مولانا ولایت علی سے کم و بیش دس مہینے بعد غالباً ۷/محرم ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ھ) کو کھنہ یا لدھیانہ میں دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی،

گذشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ "کتاب العبرت" میں فرماتے ہیں: ۱۹۱۲ء میں مجھ سے خود مولانا عبدالکریم (فرزند مولانا ولایت علی) نے فرمایا، جو اس وقت والد کے ساتھ تھے کہ بادشاہ نے تخت سے اتر کر استقبال کیا اور مولانا کے علاوہ آپ کے ساتھیوں سے ہاتھ ملایا۔ (کتاب عبرت قلمی ص ۲۲۹)۔ مولانا عبدالکریم ۱۲۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ بادشاہ سے ملاقات کے وقت ان کی عمر آٹھ نو سال کی ہوگی۔ تذکرۂ صادقہ میں مرقوم ہے کہ بادشاہ سے ملاقات کے وقت مولانا کے سب سے چھوٹے فرزند مولوی محمد حسین ذبیح ساتھ تھے، جن کی عمر پانچ برس کی تھی۔ انھیں بادشاہ نے گود میں بٹھا لیا اور پوچھا کیا پڑھتے ہو؟ صاحبزادے نے کہا قرآن شریف۔ پھر بادشاہ کی فرمائش پر سورۂ بقرہ کا ایک رکوع سنایا اور اس کا ترجمہ بھی کیا۔ بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا۔

سوانح احمدی میں مرقوم ہے کہ بادشاہ نے اشعار سنانے چاہے تو مولانا نے یہ آیت پڑھی: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ (جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)۔

(۱) یہ "تذکرۂ صادقہ" کا بیان ہے۔ (ص: ۱۲۷)۔ یہ ۱۲۶۶ھ کا رمضان ہونا چاہیے، اس لیے کہ مولانا شوال ۱۲۶۵ھ میں عظیم آباد سے روانہ ہوئے تھے۔ اگر دو مہینے دہلی میں قیام کیا تو وہ رجب کے اوائل میں وہاں پہنچے ہوں گے، یعنی مئی ۱۸۵۰ء میں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعد کا سفر اکٹھے طے کیا۔ تذکرۂ صادقہ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ مولانا ولایت علی اپنے فرزند مولانا عبداللہ سے فرما گئے تھے کہ خود مع اہل وعیال جلد جلد منزلیں طے کر کے پہنچنا اور ہمراہیوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں روانہ کرنا۔

اوکنلے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی ستھانہ پہنچ گئے اور انکے بعض ساتھیوں کو کھبل (۱) میں روکا گیا۔ آدمی نکل گئے لیکن اونٹ روک لئے گئے جن پر مال واسباب لدا تھا، اور انہیں ڈپٹی کمشنر ہزارہ کے پاس پیش کر دیا گیا۔ اس نے حکم دے دیا کہ انہیں بہ حفاظت مالکوں کو لوٹا دیا جائے۔ (۲) ستھانہ پہنچنے کی تاریخ ۸/ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ (۱۰/فروری ۱۸۵۱ء) ہے، آپ کے اہل وعیال آٹھ روز بعد ۱۶/ربیع الآخر (۱۸/فروری) کو پہنچے۔

---

(۱) کھبل تربیلہ کے سامنے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ ستھانہ سے اس کا فاصلہ پانچ چھ میل ہوگا۔

(۲) کلکتہ ریویو، بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء ص ۳۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

مولانا ولایت علی کی وفات

سرحدی زندگی

آخری مرتبہ سرحد پہنچنے کے بعد مولانا ولایت علی کو صرف بیس مہینے زندگی کی مہلت ملی اور ابھی وہ ابتدائی انتظامات ہی میں مصروف تھے کہ رحمت الٰہی کی آغوش میں پہنچ گئے۔ اس مدت کی سرگرمیوں کے مفصل حالات کہیں سے نہ مل سکے۔ بعض سوانح نگاروں نے دو چار سطروں سے زیادہ کچھ نہ لکھا، بعض نے کچھ لکھنا چاہا تو ایسا انداز اختیار کیا، جسے مولانا ولایت علی کے حقیقی مقصد و نصب العین سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ جس طرح بعض مخلص سوانح نگاروں نے بلاوجہ سید صاحب کے نصب العین کو غلط رنگ میں پیش کیا تھا، اسی قسم کی حالت سے مولانا ولایت علی کو واسطہ پڑا۔ "تذکرۂ صادقہ" کا بیان ہے:

> آپ (مولانا) لوگوں کی ہدایت میں مصروف رہے اور درس قرآن و احادیث قائم کیا۔ بعد ظہر درس دیتے اور فجر کو مراقبہ و مشاہدہ میں لوگوں کو توجہ دلاتے۔ چونکہ وہ ملک خود سر ہے، بغیر سپاہ گری کے وہاں رہنا دشوار ہے، اس لئے ایک وقت فن سپاہ گری کی تعلیم اور قواعد ہوا کرتی۔ (۱)

مقصود و نصب العین

ظاہر ہے کہ مولانا ولایت علی جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے سرحد

---

(۵) "تذکرۂ صادقہ" ص: ۱۴۷

گئے تھے اور اس میں حسب استطاعت جہاد بالسیف بھی شامل تھا۔ گویا فن حرب کی تعلیم اور جنگی قواعد بھی درس و وعظ، دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ عقائد و اعمال کی طرح اہم مقاصد میں داخل تھی۔ اسے یہ رنگ دینا سراسر تعجب انگیز ہے کہ مقامی حالات کی مجبوری اور باشندوں کی خودسری کے باعث سپاہ گری پر توجہ لازمی ہوگئی۔ سوال کیا جاسکتا ہے کہ مولانا کے لئے درس و وعظ اور دعوت و تبلیغ کی کافی وسیع فضا وطن میں موجود نہ تھی کہ اطمینان و فارغ البالی کی زندگی چھوڑ کر وہ ایک ایسی سرزمین میں گئے جو ان کے لئے سراسر اجنبی تھی، اور جہاں کے لوگوں کی خودسری کے باعث سپہ گری میں وقت صرف کرنے کی مجبوری پیش آگئی؟ یہ حقیقی اغراض و مقاصد سے اعراض ہی نہیں بلکہ ان کی تحریف ہے۔ اگر گردوپیش کے حالات ایک بنیادی بات صاف صاف کہنے کیلئے سازگار نہ ہوں تو اس کے متعلق سکوت اختیار کرلینا چاہئے، لیکن اسے غیر واقعی انداز میں پیش کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ یہ اُن داعیانِ حق اور مجاہدانِ راہِ حریت کے حقیقی نصب العین کا اخفا ہے جنہوں نے زندگی کی ہر متاعِ عزیز صرف اس لئے قربان کر ڈالی کہ اس نصب العین کا چراغ ہر فضا کی تاریکی میں روشن ہوجائے۔ انہوں نے جس مقصد کیلئے سب کچھ کھویا تھا، اس کی آبرو قائم رکھے بغیر سیرتوں کے خاکے مرتب کرنے سے کیا حاصل ہوسکتا ہے؟

بھائیوں میں اختلاف

اس دور کا ایک نہایت افسوس ناک واقعہ یہ ہے کہ طریق کار کے متعلق مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی میں اختلاف پیدا ہوا اور اس نے ایسی نازک صورت اختیار کرلی کہ مولانا عنایت علی بھائی سے الگ ہوکر منگل تھانہ چلے گئے۔ یہ اختلاف بھی بعض اصحاب کے نزدیک غلط فہمی کا باعث بنا اور سمجھا گیا کہ مولانا ولایت علی تو حکومت انگلشیہ سے لڑنا نہ چاہتے تھے، البتہ مولانا عنایت علی تیز طبعی اور گرم مزاجی کے باعث انگریزوں کے خلاف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنگ پر اصرار کر رہے تھے۔ حالانکہ مولانا ولایت علی انگریزی حکومت کے دائرے سے ہجرت کر کے سرحد پہنچے تھے۔ اگر ان کے نزدیک حکومت انگلشیہ کے ماتحت رہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہوتی تو وہ وطن کی امیرانہ زندگی چھوڑ کر ایسی جگہ کیوں توطن اختیار کرتے، جہاں ان کیلئے بظاہر گذران کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔ زرخیزی اور سیر حاصلی کے نقطۂ نگاہ سے اس سرزمین کو مولانا کے وطن مالوف سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی۔

وجہ اختلاف

وجہ اختلاف کا تعلق اصل مقصد سے نہ تھا، صرف طریق کار سے تھا۔ مولانا ولایت علی چاہتے تھے کہ خاصی جمعیت فراہم کرلیں اور مناسب تیاری کے بعد آزادی کے لئے جنگ کا آغاز کریں، مولانا عنایت علی کی خواہش یہ تھی کہ بے توقف اصل کام شروع کر دیا جائے۔ وہ نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ آغاز جنگ کے ساتھ ہی تیاری کیلئے بہتر اسباب مہیا ہوتے جائیں گے اور باحمیت مسلمان خود بخود مجاہدین کی معیت و رفاقت اختیار کرنے لگیں گے۔

امب ستھانہ کے شمال میں صرف چند میل پر واقع تھا، جس کے والی نواب جہاں داد خاں کی ریاست دریا کے دونوں جانب پھیلی ہوئی تھی۔ دوسرے روساء و خوانین کی طرح نواب جہاں داد خاں بھی انگریزوں سے وابستگی قبول کر چکا تھا، اور جیسے حالات اس وقت درپیش تھے، ان میں وابستگی کے سوا چارہ نہ تھا۔ مولانا عنایت علی اس تعلق کو بے تکلف مسلم دشمنی قرار دے رہے تھے۔ اغلب ہے کہ نواب نے انگریزی دباؤ کے ماتحت مجاہدین کی نقل و حرکت میں بھی روک ٹوک کا انتظام کر دیا ہو۔ مولانا عنایت علی اس پر مزید بگڑ گئے اور اصرار شروع کیا کہ نواب جہاں داد خاں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔ مولانا ولایت علی کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ نواب جہاں داد خاں کے خلاف تادیبی کارروائی کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آغاز کیا گیا تو مجاہدین کی مشکلات بڑھ جائیں گی اور تنظیم جس اطمینان کی متقاضی ہے، اس کا بھی کوئی موقع باقی نہ رہے گا۔ ممکن ہے اس سلسلے میں یہ امر بھی مولانا ولایت علی کے پیش نظر ہو کہ جن سادات ستھانہ نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا ہے وہ نواب جہاں داد خاں کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اس وجہ سے پیچیدگیاں بڑھنے ہی کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔

نازک صورتِ حال

حافظ عبدالمجید (ابن مولانا عنایت علی) نے بعض واقعات اختصاراً لکھ لئے تھے، ان کی تحریرات کے متفرق اجزاء میں نے اسمست میں دیکھے۔ ان میں ایک اندارج یہ ہے کہ ۱۲ محرم ۱۲۶۸ھ کو ٹیکری میں مولوی نادر علی نے وفات پائی۔ اس روز سے بھائیوں (مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی) میں اختلاف پیدا ہوا اور یہ برابر بڑھتا گیا۔ مجھے اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ مولوی نادر علی کون تھے اور ان کی وفات کس سبب سے اختلاف کا باعث بنی؟

ایک روایت میں دیکھا کہ بھائیوں کے اختلاف نے مجاہدین کو بھی دو ٹکڑیوں میں منقسم کر دیا تھا۔ بنگال کے زیادہ تر مجاہدین مولانا عنایت علی کے ہم نوا تھے اور باقی اصحاب، جن میں صادق پور کے تمام اکابر (مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کے اقربا) بھی شامل تھے، مولانا ولایت علی کے مسلک کو درست سمجھتے تھے۔ اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ موقع پر پریڈ کے وقت دونوں گروہوں میں لڑائی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ مولانا ولایت علی نے یہ حالت دیکھی تو دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے اور پکار کر کہا کہ سب خدا کی بارگاہ میں صلح و امن کیلئے دعاء کریں، اس طرح خطرہ ٹل گیا اور اسی وقت مولانا عنایت علی مجاہدین کے مرکز سے اٹھ کر منگل تھانہ چلے گئے۔ پھر غالباً زندگی میں دونوں بھائیوں کی ملاقات نہ ہوئی۔ یہ ۲۷ رشعبان ۱۲۶۸ھ (۱۶ رجون ۱۸۵۲ء) کا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واقعہ ہے۔ اس سے کچھ کم پانچ ماہ بعد مولانا ولایت علی نے وفات پائی۔

اوکنلے کا بیان

اوکنلے نے لکھا ہے کہ مولانا ولایت علی کے دل میں حکومتِ برطانیہ کے خلاف کینہ و عناد کے وہ جذبات موجزن نہ تھے، جن سے ان کے بھائی کا سینہ لبریز تھا۔ اول الذکر کا مذہبی جوش و خروش ایسا نہ تھا جو انسان کو بے قابو کر دیتا ہے اور دنیوی احتیاط کو ضعفِ ایمان کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ مولانائے موصوف وسطی ہند، دکن، بمبئی اور سندھ میں پھر چکے تھے۔ حکومت برطانیہ کی طاقت و قوت کا بہتر اندازہ کر چکے تھے، جو مرہٹوں، مسلمان پنڈاروں، امیرانِ سندھ اور سکھوں کو تباہ کر چکی تھی۔ وہ سید احمد کے ظہورِ ثانی تک امن سے رہنا چاہتے تھے، اور بار بار کہتے تھے کہ مجاہدین کی جو چھوٹی سی جماعت جمع ہو گئی ہے اس سے ہندوستان کو فتح کر لینا غیر ممکن ہے:

> اگر قبل از وقت کوئی قدم اٹھالیا گیا تو حکومتِ برطانیہ کی آنکھیں کھل جائیں گی، ہماری کارروائیوں کی حقیقی حیثیت کا اسے ایک مرتبہ پورا احساس ہو گیا تو وہ روپے کی آمد روک دے گی اور اپنی رعایا کو جہاد کی حمایت سے منع کر دے گی۔(۱)

اوکنلے نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۸۵۲ء کے آغاز میں مجاہدین کا قافلہ ستھانہ آتا ہوا امب کے علاقے میں لوٹا گیا۔ اس پر مولانا عنایت علی سخت برافروختہ ہوئے اور انہوں نے اخوند صوات نیز ساداتِ ستھانہ سے امب کے خلاف امداد طلب کی۔(۲)

(۱) کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء ص: ۳۸۳

(۲) کلکتہ ریویو بابت اکتوبر ۱۸۷۰ء ص: ۳۹۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجاہدین کا مرکز

عموماً سمجھا جاتا ہے کہ مجاہدین ستھانہ یا منڈی میں مقیم تھے، بلاشبہ انہوں نے جو مرکز بنایا تھا، وہ ستھانہ اور منڈی ہی کی زمین میں تھا، لیکن ان دونوں سے الگ تھا۔ مجھے مولانا نصیر الدین منگلوری اور مولانا نصیر الدین دہلوی کے مرکز کا علم نہ ہو سکا، جو ۱۸۴۱ء کی طغیانی سندھ میں بہہ گیا تھا، بلکہ ستھانہ، منڈی اور مجاہدین کے مرکز کی زمین بھی دس دس بارہ بارہ گز کی گہرائی تک دریا برد ہوگئی تھی۔ اس کے بعد جو مرکز قائم ہوا، وہ پہلے مقام کے خلاف کنارۂ دریا سے ہٹا ہوا تھا، اس سے تقریباً نصف فرلانگ شمال میں منڈی کی آبادی قائم ہوئی، منڈی کے شمال میں تقریباً ایک فرلانگ پر مجاہدین کا مرکز تھا۔

طغیانی کے بعد اس حصے کی زمین پر چھوٹے چھوٹے گول پتھروں کا فرش سا بچھ گیا تھا، جس میں کھیتی باڑی نہ ہو سکتی تھی، مجاہدین نے اپنا قلعہ تعمیر کر لیا تو وہ دور دور سے مٹی جھولیوں میں بھر بھر کر لاتے اور پتھر بیلے فرش پر بچھاتے رہتے۔ اس طرح انہوں نے محنت و مشقت سے زمین کا خاصا رقبہ کھیتی باڑی کیلئے موزوں بنالیا تھا۔ مولانا ولایت علی اسی قلعے میں مقیم ہوئے تھے، ان کی وفات کے بعد ۱۸۵۸ء تک مجاہدین اسی قلعے میں رہے۔ جب انگریزوں نے ستھانہ، منڈی اور مجاہدین کے مرکز کو توپیں لگا کر برباد کر دیا تو پھر اس مقام پر کوئی آبادی نہ ہو سکی اور آج کل یہ زمین ستھانہ کی حد بست میں شامل ہے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ مجاہدین کا گزارا عموماً ان رقموں پر تھا جو ہندوستان سے مسلسل ان کے پاس پہنچتی رہتی تھیں۔ جب ان میں عارضی انقطاع یا التوا ہو جاتا تھا تو ساداتِ ستھانہ ان کے لئے غلہ کا مناسب انتظام کر دیتے تھے۔

ستھانہ کے عقب میں جو بلند پہاڑ ہے، اس میں سے خاص ستھانہ کی زمین میں دو درے یا نالے آئے ہیں۔ ایک ستھانہ کی آبادی کے شمال میں سے جسے عموماً منڈی یا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھانہ والا نالہ کہتے ہیں۔ اس پر پن چکیاں بھی نصب ہیں۔ دوسرا نالہ تھانہ گاؤں کے جنوب میں ہے جس کا نام برگ کا درہ یا نالہ ہے۔ (برگ بروزن ترک)۔ مرکز مجاہدین تھانہ یا منڈی والے نالے کے قریب تھا، مجاہدین کا قبرستان اس نالے کی جنوبی سمت میں ہے، اسی قبرستان میں مولانا ولایت علی کا مدفن ہے، لیکن اس کا متعین نشان اب کسی کو معلوم نہیں۔

مولانا کی وفات

مولانا ولایت علی ابھی کوئی مجاہدانہ قدم اٹھانے نہ پائے تھے کہ ۲۲ رمحرم ۱۲۶۹ھ (۵ رنومبر ۱۸۵۲ء) کو بہ عارضۂ خناق انتقال کیا (۱) اور اپنے مرکز کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ''تذکرۂ صادقہ'' کے بیان کے مطابق چونسٹھ سال کی عمر پائی۔ وفات کی دو تاریخیں میرے علم میں آئیں، ایک فارسی کی اور دوسری عربی کی، جو ذیل میں درج ہیں:

مولانا ولایت علی رہبر دین حق ۔۔۔ بہ ماہ محرم چو شد زیر خاک
بگو از سر آہ سال وفات ۔۔۔ <u>شدہ جاء سیرش بہ فردوس پاک</u>

آخری مصرع کے حساب میں جائے کی ''ے'' شامل نہیں کی گئی۔ اس طرح ۱۲۶۸ بنے۔ سرِ آہ یعنی الف کا ایک شامل کیا تو ۱۲۶۹ ہوئے۔ عربی تاریخ یہ ہے:

ولایت علی العالم المتورع ۔۔۔ توفی بالھجرۃ للدین ناصر
وھذا الذی قد طاب حیا ومیتا ۔۔۔ <u>فارخ قلبی طاب غاز مھاجر</u> (۲)

۱۲۶۹ھ

(۱) ڈاکٹر بیلیو کا یہ بیان غلط ہے کہ مولانا کا انتقال بہ عارضۂ بخار ۱۸۵۵ء میں ہوا۔ (یوسف زئیوں کی رپورٹ، انگریزی، ص: ۹۶)

(۲) تذکرۂ صادقہ، ص: ۱۲۸

حلیہ

''تذکرۂ صادقہ'' میں حلیہ یوں مرقوم ہے:

میانہ قامت مائل بہ طول، رنگ سانولا، جسم بلغمی اور پرگوشت، ابرو پیوستہ، ڈاڑھی اوسط درجے کی۔(۱)

مولانا سید عبدالجبار شاہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب صوات کی سلطنت چھن گئی اور میں ستھانہ واپس آیا تو ایک صاحب ملنے کیلئے آئے، جنھیں کشف قبور میں مہارت حاصل تھی۔ میں انھیں مجاہدین کے قبرستان میں لے گیا اور مولانا ولایت علی کی قبر کے پاس بٹھا کر کہا کہ فرمائیے، یہ کون صاحب ہیں اور ان کا حلیہ کیا ہے۔ وہ تقریباً آدھا گھنٹہ مراقب رہے، پھر اٹھے تو مجھ سے کہا کہ آؤ چلیں، معلوم ہوتا تھا کہ صاحب قبر نے ان کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ راستے میں مجھے بتایا کہ یہ بزرگ سرحد کے نہیں، ہندوستان کے ہیں اور ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔ میں نے حلیہ پوچھا تو کہا کہ رنگ سانولا ہے اور ڈاڑھی کے بال رخساروں پر کم ہیں، ٹھوڑی پر زیادہ۔ غرض جو حلیہ بتایا وہ مولانا کے فرزندانِ ارجمند مولانا عبداللہ اور مولانا عبدالکریم سے خاصا مشابہ تھا، لہٰذا یقین ہوگیا کہ صاحب کشف کا بیان درست ہے۔

اہل وعیال

مولانا کی پہلی شادی سید مقصود علی (ساکن لبنہ ٹیکھولی ضلع آرہ) کی صاحبزادی مسمات امیرن سے ہوئی تھی۔ یہ خاتون لاولد فوت ہوئیں۔ دوسرا نکاح حیدرآباد دکن کے ایک رئیس مرزا واحد بیگ کی صاحبزادی مراد النساء بیگم سے کیا۔ اس سے مولانا کے پانچ فرزند ہوئے۔ تیسرا نکاح مولوی الٰہی بخش کی بیوہ صاحبزادی جمیلۃ النساء سے کیا۔

(۱) تذکرہ صادقہ، ص: ۵۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ان سے بھی چار بچے ہوئے، اولاد کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

۱- مولانا عبداللہ، جو چالیس سال تک مجاہدین کے امیر رہے۔ ان کے حالات آئندہ بیان ہوں گے۔

۲- رحمت اللہ، حالت طفلی میں وفات پائی۔

۳- ہدایت اللہ، پینتالیس برس کی عمر میں فوت ہوئے، ایک فرزند یادگار چھوڑا۔ ڈاکٹر آیت اللہ جنہیں مولوی محمد حسین ذبیح نے ولایت میں تعلیم دلوائی۔

۴- عبدالرحمن یہ لاولد فوت ہوئے۔

۵- مولوی عبدالکریم، اپنے بڑے بھائی مولانا عبداللہ کے بعد یہ مجاہدین کے امیر بنے، ان کے حالات بھی آئندہ بیان ہوں گے۔

۶- مولوی محمد حسین ذبیح، ان کے حالات بھی موقع پر لکھے جائیں گے۔

۷- شاکرہ، ان کی شادی مولوی عبدالحکیم بن مولانا احمد اللہ سے ہوئی۔

۸- زینب، بچپن میں وفات پائی۔

۹- محمد حسین، بچپن میں وفات پائی۔

تصانیف

مولانا ولایت علی کی زندگی کے بیشتر اوقات وعظ و تبلیغ اور تنظیمات جہاد میں گذرے۔ ظاہر ہے کہ ان مشاغل کے ہجوم میں تصانیف کیلئے وقت نہ مل سکتا تھا، تاہم انہوں نے مختلف اوقات میں اردو، فارسی اور عربی کے چند رسالے بھی لکھے، جنہیں ان کے بھتیجے مولانا عبدالرحیم نے مجموعہ رسائل تسعہ میں شائع کر دیا تھا۔ مثلاً رسالہ ردّ شرک (فارسی) رسالہ عمل بالحدیث (فارسی) رسالہ اربعین فی المہدیین (عربی) رسالہ دعوت (اردو) رسالہ تیسیر الصلوٰۃ (اردو) رسالہ شجرہ باثمرہ (اردو) رسالہ تبیان الشرک (اردو)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انکا عقیدہ یہ تھا کہ سید صاحب نے شہادت نہیں پائی بلکہ غائب ہوگئے اور ضرورت کے موقع پر دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ رسالہ دعوت میں یہ عقیدہ تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن جیسا کہ میں "سید احمد شہید" میں کہہ چکا ہوں، یہ عقیدہ صحیح نہ تھا اور ہمیں اکابر کے محاسن ہی پر متوجہ رہنا چاہئے، لغزشوں میں ان کی پیروی نہ کرنی چاہئے۔ مولانا ہی کی وجہ سے سید صاحب کی غیوبت کا عقیدہ علمائے صادق پور میں شائع ہوا، لیکن اس بنا پر مولانا یا ان کے اقرباء و رفقاء کی عظمت و برتری میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسلئے کہ یہ عظمت و برتری عقیدۂ غیوبیت پر نہیں بلکہ ان کے مجاہدانہ اسلامی کارناموں پر مبنی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

مولانا عنایت علی کا عہدِ امارت

ابتدائی حالات اور امارت

مولانا عنایت علی کے ابتدائی حالات اختصاراً پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ سید صاحب نے انہیں سرحد سے بہ غرضِ دعوت و تبلیغ بنگال بھیج دیا تھا۔ واقعۂ بالاکوٹ کے بعد بھی وہ دعوت و تبلیغ ہی میں مصروف رہے۔ جب مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے انتقال کی وجہ سے مجاہدین کی تنظیم کا سلسلہ بگڑ گیا اور سید ضامن شاہ کاغانی نیز بالائی ہزارہ کے خوانین کو اجرائے جہاد کیلئے حالات ساز گار نظر آئے تو مولانا ولایت علی نے انہیں (مولانا عنایت علی کو) سرحد بھیج دیا، وہاں جو کارنامے انجام دیے، وہ بھی تفصیلاً پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

ان کی شانِ عزیمت کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ اپنے بڑے بھائی کی معیت میں ہندوستان سے مستقل ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ کی والدۂ ماجدہ نے موضع دو آب پورا رہٹ ضلع گیا کا وثیقہ آپ کے حوالے کر دیا تھا۔ آپ نے یہ موضع بائیس ہزار روپے میں میر محبوب علی ساکن کیوانی کے ہاتھ بیچ دیا اور دوسرے مواضعات سے دست برداری کی ایک تحریر لکھ دی۔ (۱) اندازہ فرمایئے کہ خوش حالی اور فارغ البالی کے کتنے مہتم بالشان سامان میسر تھے، لیکن ان میں سے کوئی چیز انہیں راہِ حق میں مجاہدانہ اقدام سے نہ روک سکی۔

یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ طریق کار کے متعلق مولانا ولایت علی سے اختلاف کی

(۱) تذکرۂ صادقہ، ص: ۱۳۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بناء پر یہ منگل تھانہ چلے گئے تھے۔ مولانا کے انتقال پر مجاہدین کے مرکز میں آئے اور سب نے بالاتفاق انہیں امیر تسلیم کرلیا۔ تقریباً دو ہفتے بعد ۴ صفر ۱۲۶۹ھ (۱۷ نومبر ۱۸۵۲ء) کو باورچی خانہ میں آگ لگی جس میں سب کچھ جل گیا۔ اسی زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف لڑائیاں شروع ہوگئیں، اور مولانا کی زندگی کے بقیہ اوقات کا ایک ایک لمحہ لڑنے بھڑنے یا لڑائی بھڑائی کا اہتمام کرنے ہی میں تمام ہوا۔

انگریز پنجاب وسرحد میں

اپریل ۱۸۴۸ء میں دیوان مول راج ناظم ملتان نے دو انگریزوں کے قتل سے ہنگامہ بپا کیا۔ جگہ جگہ سکھ فوجیں بغاوت پر آمادہ ہوگئیں، اور سکھوں سے انگریزوں کی دوسری جنگ کا آغاز ہوا، جس کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ سکھوں نے اس جنگ میں بھی پے درپے شکستیں کھائیں اور پنجاب کو انگریزوں نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

اس زمانے میں ایبٹ ہزارہ کا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔ کاغان کے سید انگریزی تسلط کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ ان کے گوجر مزارعین نے ایبٹ کے پاس شکایتیں کیں اور وہ ان شکایتوں کو درست مان کر سیدوں کا مخالف ہوگیا۔ اسی کی تجویز سے کاغان پر انگریزی فوج کا حملہ ہوا اور تین فوجیں تینوں سمتوں سے بڑھیں: ایک بالاکوٹ کی سمت سے، دوسری کشمیر کی سمت سے، تیسری بھوگڑ منگ کی سمت سے۔ سید اس فوج کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے، ان سب کو گرفتار کرکے بفہ میں نظر بند کردیا گیا۔ اس طرح کاغان انگریزوں کے زیر اثر آیا۔

دو انگریزوں کا قتل

سکھوں کے عہد میں ملکی انتظام ایسا نہ تھا کہ کارکنوں کو جزئیات پر توجہ ہوتی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزوں نے ہر چھوٹے بڑے امر کو قاعدے اور ضابطے کے ماتحت لانے کی کوشش کی۔ ابتدا میں انگریزوں نے انتظامات کی نگرانی کے لئے ایک بورڈ بنا دیا تھا، جس کے ماتحت مختلف محکمے کام کر رہے تھے۔ ایک محکمہ نمک کا بھی تھا، جس کا ایک وظیفہ یہ تھا کہ اٹک پار کے نمک کو حدودِ پنجاب میں داخل نہ ہونے دے۔ کچھ مدت بعد شکایتیں سنی گئیں کہ باہر کا نمک والیٔ امب کے اٹک پار کے علاقوں میں سے ہو کر پنجاب پہنچتا ہے، چنانچہ راستوں کی دیکھ بھال اور درآمد کے انسداد کی غرض سے محکمۂ نمک کے دو افسر مسٹر کارن (Carne) اور مسٹر ٹیپ (Tapp) والیٔ امب کے علاقے میں داخل ہوئے، جس کی حد آزاد حسن زئی قبیلے کے علاقے سے ملتی تھی۔ ان افسروں کا یہ اقدام انتظامی بورڈ کی رائے کے خلاف تھا، اور مسٹر ایبٹ ڈپٹی کمشنر ہزارہ نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا کہ چھان بین کے لئے زیادہ آگے نہ جائیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ والیٔ امب کے حدود ہی میں رہے یا حسن زئیوں کے علاقے میں چلے گئے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ حسن زئیوں نے موقع پا کر انہیں قتل کر دیا۔

ڈپٹی کمشنر ہزارہ کا ابتدائی تاثر یہ تھا کہ اس قتل میں والیٔ امب اور اس کا وزیر بھی شامل ہیں، لیکن جب والیٔ امب سے مطالبہ کیا گیا کہ جو حسن زئی اس کے علاقے میں رہتے ہیں، انہیں حکومت انگلشیہ کے حوالے کر دیا جائے تاکہ حکومت مذکورہ حسن زئی قبیلے پر تلافی کے لئے زور ڈال سکے، تو والیٔ امب نے یہ مطالبہ پورا کر دیا۔ گویا اپنے خلوص اور پاک دامنی کا روشن ثبوت مہیا کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسن زئیوں نے امب کے سرحدی دیہات تباہ کر ڈالے اور دو قلعوں (چھمبیری اور شنگلئی) پر قبضہ کر لیا۔(۱) اور اس سے کوہ

(۱) واقعے کی تفصیلات میں جزوی اختلافات ہیں۔ اس کا ذکر مندرجہ ذیل کتابوں میں آیا ہے۔ "کوہ سیاہ سے وزیرستان تک" از وائلی (انگریزی) ص: ۳۲ تا ۳۶۔ "سرحد شمالی و مغربی کی مہمیں"، از پیجیٹ (انگریزی) ص: ۲۲ تا ۲۵۔ "ہزارہ گزیٹیئر" (انگریزی) مطبوعہ ۱۹۰۸ء ص: ۱۶۳-۱۶۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سیاہ کی پہلی مہم کا آغاز ہوا۔

کوہ سیاہ کی پہلی مہم

سرحد آزاد میں کوہ سیاہ (مقامی نام "کالا ڈھاکا") کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جسکے خلاف انگریزوں کو اپنے عہد حکومت میں کئی مرتبہ مہمیں بھیجنی پڑیں۔ اسکے جنوب میں تنولیوں کا علاقہ ہے، مشرق میں اگرور، پریاری، تیکری، نندھیاڑ اور ولیشی، شمال میں دریائے سندھ اور تاکوٹ، مغرب میں دریائے سندھ۔ اس پہاڑ کی ڈھلانوں پر یوسف زئی پٹھان آباد ہیں، جن میں سے تین قبیلے قابل ذکر ہیں: حسن زئی، اکازئی اور چغرزئی۔ حسن زئی عیسیٰ زئیوں کی ایک شاخ ہیں، خود ان کا قبیلہ دس چھوٹی شاخوں میں بٹا ہوا ہے۔

انگریزی حکومت کے سامنے اب یہ سوال آیا کہ آیا والیٔ امب کو امداد دینی چاہیے یا خاموش بیٹھے رہنا چاہیے۔ امداد دی جاتی تو آزاد پہاڑی علاقے میں فوج بھیجے بغیر چارہ نہ تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ کون کون سے قبیلے حسن زئی کی امداد کیلئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہزارہ گزیٹیر کے بیان کے مطابق لارڈ ڈلہوزی ان قبائل کے خلاف فوج کشی میں متامل تھا، جنہیں مستقل طور پر قبضے میں رکھنا مشکل نظر آتا تھا۔ لیکن اگر والیٔ امب کی امداد میں کوئی موثر قدم نہ اٹھایا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام سرحدی رؤساء و خوانین انگریزی مصلحتوں کی نگہداشت کے بجائے آزاد قبیلوں سے اپنے تعلقات خوش گوار رکھتے اور پورے سرحدی علاقے میں بدامنی کے جراثیم پرورش پانے لگتے۔ غور و فکر کے بعد دسمبر ۱۸۵۲ء میں تادیبی مہم بھیجنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کرنل میکیسن (۱) کمشنر پشاور اس مہم کا سالار مقرر ہوا۔

---

(۱) Mackeson یہ میکیسن پشاور کے کمشنر کی حیثیت میں ۱۰ ستمبر ۱۸۵۳ء کو برآمدے میں کام کر رہا تھا جب کمشنر کے ایک پٹھان عبداللہ نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا۔ چار روز بعد میکیسن نے وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جنگ

اس مہم میں لیویز اور پولیس کے علاوہ سکھوں اور ڈوگروں کی رجمنٹیں بھی شامل تھیں اور ان کے ساتھ پہاڑی توپیں بھی تھیں۔ والیٔ امب کا مشہور مقام شیر گڑھ فوج کا مرکز قرار پایا، جہاں سے اسے تین حصوں میں تقسیم کر کے مختلف اطراف سے حسن زئیوں پر یورش کی گئی۔ ان کے متعدد گاؤں جلا دیے گئے۔ جنوری ۱۸۵۳ء میں فوج واپس آ گئی۔ فریقین کا جانی نقصان زیادہ نہ ہوا، لیکن حسن زئیوں کے دیہات کو بہت نقصان پہنچا اور ان کے غلے کے ذخائر تباہ ہو گئے۔ اگرچہ وہ حوالگی پر آمادہ نہ ہوئے تاہم سمجھ لیا گیا کہ انہیں خاصی سزا مل چکی ہے، لہٰذا جو یرغمال انگریزی حکومت کے قبضے میں تھے انہیں رہا کر دیا گیا۔(۱)

مجاہدین کے اقدامات

مولانا عنایت علی پہلے ہی سے والیٔ امب کے خلاف اقدامات کا فیصلہ کیے بیٹھے تھے، حسن زئیوں کے ہنگامے سے اس فیصلے کو جامۂ عمل پہنانے کا اچھا موقع پیدا ہو گیا۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ حسن زئیوں کی امداد سے آزاد قبائل میں مجاہدین کے لئے دلی ہمدردی کی فضا پیدا ہو جانے کی امید تھی اور ان سے آئندہ مجاہدانہ اقدامات میں امداد لینے کے امکانات قوی ہوتے تھے۔ چنانچہ مولانا نے مجاہدین کو اقدام کا حکم دے دیا اور ایک جیش نے مرکز سے پیش قدمی کرتے ہوئے عشرہ کوٹلہ پر قبضہ کر لیا جو ستھانہ اور امب کے درمیان والیٔ امب کے نہایت مشہور مستحکم قلعے تھے۔ گویا امب کے خلاف ایک نئی سمت سے یورش شروع ہو گئی۔

---

(۱) یہ بیان ہزارہ گزیٹیر سے ماخوذ ہے، ص: ۱۶۷۔ مزید تفصیلات مطلوب ہوں تو ملاحظہ فرمایئے واٹلی کی کتاب ص: ۳۲۰ تا ۳۶۱، اور نعویٰلی کی کتاب ص: ۲۲ تا ۲۴۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزی فوج کوہ سیاہ کی مہم سے فارغ ہوئی تو والیٔ امب کو مجاہدین کی ترکتازوں سے بھی بچانا ضروری ہو گیا۔ حسن زئیوں کے خلاف اقدام کی جو وجہ تھی، وہی وجہ مجاہدین کے خلاف بھی اقدام کا موجب بنی۔ چنانچہ ۵ رجنوری ۱۸۵۳ء کو والیٔ امب کی ایک فوج نے شمالی سمت سے پہاڑ پر چڑھ کر عشرہ و کوٹلہ کے شمال اور مغرب میں مورچے قائم کر لیے۔ ۶ رجنوری کو ایک انگریزی فوج مسٹر ایبٹ کی سرکردگی میں کرپلیاں سے کشتیوں پر سوار ہوئی اور دریا پار پہنچ کر اس درے کی طرف بڑھی جو عشرہ و کوٹلہ اور مرکز مجاہدین کے درمیان آمد و رفت کا راستہ تھا۔ ایک انگریزی جیش دریا کے بائیں کنارے پر ستھانہ کے عین سامنے مورچے لگا کر بیٹھ گیا تاکہ وہاں سے مجاہدین کیلئے کمک نہ بھیجی جا سکے۔ جب انگریزی فوج نے توپوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھائی شروع کی تو مجاہدین جن کی تعداد دو سو اور تین سو کے درمیان تھی، قلعہ چھوڑ گئے۔ والیٔ امب کے لشکر نے تعاقب کیا اور تیس سے زیادہ مجاہدین نے شہادت پائی۔(۱) "ہزارہ گزیٹیر" کا بیان ہے کہ مجاہدین نے نہ محض عشرہ و کوٹلہ کو خالی کیا بلکہ اپنے مرکز (واقع ستھانہ) سے بھی نکل گئے۔(۲)۔

اوکنلے نے لکھا ہے کہ جہاں دادخاں والیٔ امب نے مجاہدین سے مرعوب ہو کر بظاہر اطاعت قبول کر لی تھی اور مولانا عنایت علی سے کہا تھا کہ عشرہ اور امب اپنی طرف سے مجھے عطا فرما دیں، اس اثناء میں اس نے انگریزوں سے بھی ساز باز کا سلسلہ جاری رکھا۔ انگریزی فوج نے عبورِ دریا کے بعد عشرہ اور ستھانہ کے درمیانی درے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، جہاں دادخاں نے شمالی سمت میں مجاہدین کے بچ نکلنے کا راستہ روک دیا۔ یہ حالت دیکھ کر مولانا عنایت علی مجاہدین کے بڑے حصے کو ساتھ لے کر ستھانہ پہنچ گئے، لیکن ان کا چنداول یعنی عقبی جیش مولانا کرم علی دانا پوری کی سالاری میں پورے کا پورا خلعتِ

(۱) تھویلی کی کتاب ص: ۲۶۔ واکلی کی کتاب میں تفصیل درج نہیں، لیکن اصل واقعے کا ذکر ص: ۴۰۷ پر موجود ہے۔

(۲) ہزارہ گزیٹیر، ص: ۱۹۷

شہادت سے سرفراز ہوا۔(۱)

حافظ عبدالمجید کا بیان

اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ انگریزی بیانات پر مبنی تھا۔ خود جماعتِ مجاہدین کی طرف سے ان حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہ مل سکی۔ مولانا عنایت علی کے صاحبزادے حافظ عبدالمجید کی جن یادداشتوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے ان سے جو کچھ معلوم ہوا اس کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- مجاہدین نے ۲۰ صفر ۱۲۶۹ھ (۳ دسمبر ۱۸۵۲ء) کو یعنی مولانا ولایت علی کی وفات سے ایک ماہ تین دن بعد علاقۂ امب پر ایک شبخون مارا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی شبخون کے سلسلے میں عشرہ و کوٹلہ پر قبضہ کیا گیا۔

۲- ۲۳ دسمبر کو دوبارہ ایک شبخون مارا گیا۔ مجاہدین کی جماعت پچیس جانبازوں پر مشتمل تھی اور طرہ باز خاں ان کا سالار تھا۔

۳- عشرہ اور کوٹلہ میں بخار نے وبائی شکل اختیار کر لی تھی۔ اکثر مجاہدین بیمار ہو گئے اور لڑائی کے قابل نہ رہے، صرف پچاس نے جنگ کی اور شہادت پائی۔ ان میں مولانا کرم علی دانا پوری (۲) اور شیر خاں تنولی بھی شامل تھے۔

۴- مولانا عنایت علی اس واقعے کے بعد ناواگئی، (علاقہ چملہ) چلے گئے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ صوات پہنچ کر سید اکبر شاہ ستھانوی اور ملا عبدالغفور اخوند صوات سے آئندہ اقدامات کے متعلق مشورے کریں۔ سید اکبر شاہ کو صوات کے باشندوں نے ۱۸۴۷ء میں

---

(۱) کلکتہ ریویو، بابت ۱۸۷۰ء ص ۳۹۵-۳۹۶

(۲) مولانا کرم علی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ مجاہدین میں شامل ہونے سے قبل وہ درزی کا کام کرتے تھے۔ دیکھیے تحریک جہاد نے انہیں معمولی حیثیت سے اٹھا کر کس اونچی منزل پر پہنچا دیا کہ اس جماعت مجاہدین کی سالاری کا منصب عطا ہوا، جس نے ایک نازک موقع پر ناموسِ حق کی حفاظت میں بے تکلف جانیں قربان کیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اپنا بادشاہ بنالیا تھا۔ پنجاب ریکارڈز آفس کی بعض تحریرات سے مترشح ہوتا ہے کہ جنوری ۱۸۵۴ء میں حکومت انگلشیہ کو شاہ صوات کی طرف سے حملے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اغلب ہے حملہ ہو جاتا لیکن اخوند صاحب عموماً ایسے اقدامات کی مخالفت کرتے رہے۔

مولانا کی سرگرمیاں

حافظ عبدالمجید ہی کی یادداشتوں سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا عنایت علی نے خاصی لمبی مدت چملہ، بونیر اور صوات میں گزاری اور وہ ۱۶؍رجب ۱۲۷۰ھ (۱۴؍اپریل ۱۸۵۴ء) کو اس سفر سے واپس آئے۔ میرا خیال ہے کہ اخوند صاحب صوات نے مولانا کی امداد و اعانت میں کسی گرم جوشی کا اظہار نہ کیا۔ سید اکبر شاہ اگرچہ بادشاہی کے منصب پر فائز تھے، لیکن صوات کی صورتِ حال ایسی تھی جس کے پیش نظر وہ اخوند صاحب کی رضامندی اور اتفاق کے بغیر کوئی اقدام نہ کر سکتے تھے۔

ستھانہ کے مرکز میں بیٹھ کر مولانا کے لئے وسیع پیمانے پر مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھنے کا کوئی امکان نہ رہا تھا، اس لئے وہ کسی ایسے مرکز کی تلاش میں تھے، جہاں سے مجاہدین کی جمعیت بڑھانے اور ان سے زیادہ وسیع حلقے میں مؤثر کام لینے کا انتظام ہو سکے۔ غالباً اسی خیال سے مولانا نے سید عباس رئیس منگل تھانہ کے ساتھ از سرِ نو عہد و پیمان کر لیے اور اسی کے مقام کو مستقل مرکز بنا لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ستھانہ کے مرکز میں مولانا یحییٰ علی (ابن مولوی الٰہی بخش عظیم آبادی) کو مختار بنایا اور خود اہل و عیال کے ساتھ منگل تھانہ میں منتقل ہو گئے، جو خدو خیل کے علاقے کا ایک مشہور مستحکم مقام تھا۔ کچھ دیر بعد مولانا ولایت علی کے اہل و عیال کو بھی منگل تھانہ ہی میں بلا لیا۔ (۱)

---

(۱) تذکرۂ صادقہ میں مرقوم ہے کہ سید عمر شاہ، سید عمران شاہ، سید شاہ مدد اور سید مبارک شاہ نے مجاہدین سے بے وفائی کی۔ ص: ۱۲۷۔ یہ بیان سراسر غلط ہے۔ سادات ستھانہ نے ابتداء سے آخر تک مجاہدین کی اعانت برابر جاری رکھی اور اس سلسلے میں اپنا سب کچھ تباہ کرلیا۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں مولانا عنایت علی ... باقی حاشیہ اگلے صفحے پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دعوت و تنظیم

منگل تھانہ پہنچنے کے بعد مولانا نے گردو پیش جہاد کی دعوت اور مجاہدین کی تنظیم شروع کر دی۔ فتح خاں رئیس پنجتار فوت ہو چکا تھا اور اس کے بیٹے مقرب خاں نے خاندانی سرداری کا منصب سنبھال لیا تھا۔ وہ خودرائے آدمی تھا، اس وجہ سے قبیلے کے مختلف گروہ اس سے الگ ہو گئے۔ مقرب خاں نے بالجبر انہیں اطاعت پر مجبور کرنا چاہا تو اختلاف نے شدید عداوت کی صورت اختیار کر لی۔ مولانا نے انتہائی کوشش کی کہ مقرب خاں اور اس کے قبیلے کے درمیان صلح ہو جائے۔ خدوخیل کے دہانے پر موضع توتالی واقع تھا، جہاں کے لوگ مقرب خاں کے ہم قبیلہ تھے، انہیں کی ہمت و مردانگی پر خدوخیل کی حفاظت موقوف تھی، مقرب خاں نے انہیں سب سے بڑھ کر دشمن بنا لیا تھا۔

مولانا نے ۲۰ رشوال ۱۲۷۱ھ (۶ رجولائی ۱۸۵۵ء) کو بمقام کن گلئی خود مقرب خاں سے ملاقات کی۔ افسوس کہ یہ مخلصانہ مساعی مصالحت بارآور نہ ہوسکیں۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ توتالی کے باشندے اس شرط پر صلح کے لئے تیار ہوتے تھے کہ مقرب خاں مولانا اور مجاہدین سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ بایں ہمہ مولانا نے مصالحت میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا۔

ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ خود منگل تھانہ میں سادات کے دو گھرانوں کے مابین کشمکش جاری تھی۔ ایک گھرانے کا رئیس سید عباس تھا اور دوسرے کا سید یوسف عرف میاں گل۔ ان کے درمیان بھی وقتاً فوقتاً لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ مولانا نے ان کا

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ۔ کی سرگرمیوں سے کاملاً اتفاق نہ ہو، جیسا کہ خود مولانا ولایت علی کو بھی اتفاق نہ تھا۔ بایں ہمہ سادات نے نہ مجاہدین کی اعانت و رفاقت میں کبھی تامل کیا اور نہ انہیں مرکز ستھانہ سے اٹھایا، بلکہ مجاہدین ہی کی وجہ سے انگریزوں نے ۱۸۵۸ء میں ستھانہ کو برباد کر ڈالا تو سادات مہابن پہاڑ میں بمقام ملکا جا بیٹھے اور مجاہدین کو بھی ساتھ لے گئے۔ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ ان پر بے وفائی کا الزام سخت رنج افزا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اختلاف مٹانے کی بھی پوری کوشش کی۔ یہی زمانہ ہے، جس میں خود مولانا کے اقرباء ان سے ناراض ہو گئے اور منگل تھانہ سے ہندوستان چلے آئے۔ مولانا فرحت حسین (مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی) نے مولانا کے اہل و عیال کو بھی ہندوستان بلا لیا، صرف مولانا فیاض علی (ابن مولوی الٰہی بخش) وہاں رہے اور وہیں وفات پائی۔

نیا مرکز اور نیا دائرۂ عمل

جب تک مجاہدین کا مرکز ستھانہ کی سرزمین میں تھا، ان کی یورشیں ضلع ہزارہ پر ہوتی تھیں۔ منگل تھانہ پہنچنے کے بعد مولانا عنایت علی نے مجاہدین کو جس علاقے پر یورشوں کے لئے تیار کیا، وہ سمہ کا علاقہ تھا، یعنی ضلع پشاور اور ضلع مردان کا میدانی علاقہ۔ اوکنلے نے لکھا ہے کہ مولانا عنایت علی نے:

> اپنے ہمراہیوں کے دل میں انگریز کافروں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مجاہدین روزانہ قواعد کرتے بلکہ بعض اوقات دن میں دو مرتبہ۔ قواعد میں فضائل جہاد کے متعلق نظمیں پڑھی جاتیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد بہشت کی شادمانیوں کے بارے میں وعظ کہے جاتے اور انہیں تلقین کی جاتی کہ صبر و استقامت سے اس وقت کا انتظار کرو جب برطانوی ہند کی تسخیر کی موعودہ ساعت آ پہنچے گی۔(1)

حافظ عبد المجید کی یادداشتوں میں بتایا گیا ہے کہ ۱۶ ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ (۲۶ دسمبر ۱۸۵۵ء) کو مبارک خیلوں نے مولانا کی اطاعت کا اعتراف کیا۔ چھ روز بعد وزیر الدین قاصد رقم لے کر پٹنہ سے سرحد پہنچا۔ اواخر رمضان ۱۲۷۲ھ (اوائل جون ۱۸۵۶ء) میں مقرب خان نے اطاعت نامہ مولانا کے پاس بھیجا۔ ۱۳ شوال ۱۲۷۲ھ (۱۷ جون

(1) کلکتہ ریویو، بابت ۱۸۷۰ء، ص: ۳۹۲۔ اوکنلے نے نظموں کے سلسلے میں اس جہادیہ کا بھی حوالہ دیا ہے جو "سید احمد شہید" میں نقل ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو جلد دوم، ص: ۲۵۸-۲۶۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۸۵۶ء) کو مولانا مبارک خیلوں کی طلب پر نگرئی گئے۔ پھر چروڑئی پہنچے، جہاں چالیس روز تک سخت بارش ہوتی رہی۔ آخر قاسم خیل (علاقہ خدو خیل) میں آ ئے۔ باشندگانِ تو تالی نے اب کے بھی مصالحت کا پیغام مسترد کر دیا، اس وجہ سے ان پر شبخون مارا گیا۔

انگریزوں کی دعوتِ مصالحت

غالباً ۱۸۵۳ء میں انگریزوں نے ایک مکتوب مجاہدین کے نام بھیجا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ جو شخص امن سے رہنا چاہے، پشاور، ہزارہ، یوسف زئی یا راولپنڈی کے انگریز افسروں کے پاس پہنچ جائے۔ اسے ہندوستان جانے کا پروانہ مل جائے گا، نیز زادِ راہ کے لئے روپے دیے جائیں گے۔ خط پہنچنے سے ایک مہینہ بعد تک بھی جو شخص اس کے مطابق عمل نہ کرے گا اور وہ برطانوی رعایا ہوگا تو اُسے مفسد سمجھا جائے گا اور کم سے کم تین سال کے لئے بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔ لیکن اہلِ حق میں کون اس پر عمل کر سکتا تھا؟ کون ناواقف تھا کہ حکومتِ انگلشیہ کے خلاف جنگ کی سزا کیا ہوگی؟ انھوں نے انتہائی غور و فکر کے بعد یہ راستہ اختیار کیا تھا جسے ایمان کا راستہ سمجھتے تھے، اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانے پر ہمہ تن آمادہ تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

۱۸۵۷ء کا ہنگامۂ آزادی

انگریزی فوجوں میں دعوتِ جہاد

مولانا عنایت علی نے انگریزی فوجوں میں بھی دعوت جہاد کا انتظام کر دیا تھا، جس کی تفصیلات تو معلوم نہ ہو سکیں، لیکن اس انتظام کی جھلکیاں مختلف سرکاری رپورٹوں میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً ریون شا(۱) کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں کارفرمایانِ پنجاب کو باغیانہ خط و کتابت کا سراغ ملا اور معلوم ہوا کہ دیسی پیادہ فوج کی چوتھی رجمنٹ مقیم راولپنڈی کو راہِ وفا سے منحرف کرنے کی کوشش کی گئی۔ تحقیقات پر پتہ چلا کہ تحریک بغاوت کا مرکز عظیم آباد کا محلہ صادق پور تھا جو مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور ان کے اقرباء کا وطن تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے یہ رپورٹ دیکھ کر تاکید کی کہ اہل صادق پور کی سرگرمیوں کو بہ طور خاص زیر نگرانی رکھا جائے۔ کچھ مدت بعد مذکورۂ بالا رجمنٹ کے منشی محمد ولی پر مقدمہ چلا۔ ۱۲ مئی ۱۸۵۳ء کو جرم ثابت ہو گیا، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ منشی صاحب موصوف کو کیا سزا دی گئی۔

پنجاب کے پرانے ریکارڈز میں بھی مجاہدین کی خط و کتابت کے حوالے ملتے ہیں، اگرچہ ان کی مفصل کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔

(۱) Raven shaw ہنٹر نے لکھا ہے کہ اگر اسی وقت مجاہدین کے خلاف اقدام ہوتا تو نمبر ۴ پیادہ فوج سب سے پہلے میدان جنگ میں بھیجی جاتی۔ جو خط و کتابت ہاتھ آئی اس سے ثابت ہو گیا کہ ارسال مجاہدین کے لیے ایک باقاعدہ نظام استوار ہو چکا تھا۔ (ہمارے ہندی مسلمان ص: ۴۰)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ

۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے اس ہنگامے کا آغاز ہوا، جسے انگریزوں نے ''غدر'' قرار دیا اور اہل ملک آزادی کی جنگ قرار دیتے ہیں۔ اس ہنگامے نے جا بجا انگریزوں کیلئے سخت نازک حالات پیدا کر دیے تھے۔ مجاہدین کیلئے اقدامات کا یہ بڑا ہی اچھا موقع تھا، لیکن اتفاق کی بات ہے کہ حالات نظر بہ ظاہر جتنے ساز گار تھے، بعض ناگہانی حوادث و وقائع کے باعث اتنے ہی ناساز گار ہو گئے۔ مثلاً مجاہدین کو اس موقع پر سید اکبر شاہ بادشاہِ صوات سے گراں قدر امداد مل سکتی تھی اور سید موصوف کی قیادت میں پورا سرحدی علاقہ حصولِ آزادی کیلئے قدم آگے بڑھا سکتا تھا، لیکن اس سے کچھ مدت پہلے صوات میں والیٔ دیر کی سازشوں کے باعث سید اکبر شاہ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی، جس میں ان کے بھائی سید شاہ مدار نے شہادت پائی۔(۱) پھر ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو یعنی ہندوستان میں جنگ آزادی شروع ہونے کے دن، سید اکبر شاہ نے انتقال کیا اور معاملات کی باگ ڈور ملا عبد الغفور اخوند صوات کے ہاتھ میں آگئی، جنہیں بوجوہِ غیر معلوم آزادی کی مساعی سے چنداں دلچسپی نہ تھی، اور جو سید اکبر شاہ کے فرزند سید مبارک شاہ کی جانشینی سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔

غرض جب تک حالات ساز گار نہ تھے، مجاہدانہ اقدام کیلئے اسباب مہیا نظر آتے تھے۔ جب حالات ساز گار ہوئے تو اسباب کا شیرازہ بکھر گیا۔ لیکن مولانا عنایت علی نے جانبازی کی منزل میں قدم رکھا تھا تو اسے ایک اہم دینی و اسلامی فرض سمجھا تھا، جو بہر حال ادا ہونا چاہیے تھا۔ اسباب اور ماحول کی ساز گاری و ناساز گاری اس فرض پر اثر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ مولانا کا نقطۂ نگاہ زندگی کے آخری سانس تک یہی رہا اور میرے نزدیک صحیح

---

(۱) سید شاہ مدار اوائل ربیع الاول ۱۲۷۲ھ میں ایک لڑائی کے اندر سخت زخمی ہوئے اور گیارہ روز بعد وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسلامی نقطۂ نگاہ یہی ہے، کہ سامان کی فراہمی یقیناً ضروری ہے اور اس کے لئے برابر سعی جاری رکھنی چاہیے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پورا سامان مہیا ہونے تک انسان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے۔ اس حقیقت میں بھی شبہ نہیں کہ بعض اوقات صرف جوشِ عمل اور مظاہرۂ ایثار ہی سامان کی فراہمی میں معاون بن جاتے ہیں۔

۵۵ پیادہ فوج

۵۵ پیادہ فوج (نیٹو انفنٹری) مردان میں مقیم تھی اور اس کا ایک حصہ نوشہرہ چھاؤنی میں متعین تھا۔ ۲۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو نوشہرہ والا حصہ سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ آدھی رات کو یہ اطلاع پشاور پہنچی جہاں مشہور انگریز افسر ہربرٹ ایڈورڈز اور جان نکلسن موجود تھے۔ انہیں اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ خبر مردان پہنچتے ہی ۵۵ پوری کی پوری سرکشی اختیار کر لے گی اور ۱۰ رسالے سے بھی بہ اطمینان بیٹھے رہنے کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے صبح ہوتے ہی پشاور کی فوج سے ہتھیار لے لئے اور ۲۳ رمئی کو رات کے وقت کرنل چیوٹ (Chute) ایک فوج کے ساتھ مردان روانہ ہو گیا۔ جان نکلسن سیاسی مشیر کی حیثیت میں ساتھ گیا۔

۵۵ کو پشاور سے فوج کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ وہ لوگ مقابلے کیلئے تیار ہو گئے۔ سخت جنگ ہوئی جس میں ۵۵ کے ایک سو بیس افراد مارے گئے، ڈیڑھ سو کے قریب زخمی ہوئے، باقی آزاد علاقے میں پہنچ گئے، ان میں زخمی بھی شامل تھے۔

اخوند صوات کا سلوک

یہ لوگ اس غرض سے صوات پہنچے کہ وہاں سے کمک لے کر انگریزوں پر یورش کریں اور خود انگریز مورخوں نے اعتراف کیا ہے کہ اگر یہ مزید قوت فراہم کر کے واپس آ جاتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تو پنجاب کیلئے سخت خطرہ ثابت ہوتے۔(۱) لیکن سید اکبر شاہ فوت ہو چکے تھے۔ ان کی جانشینی کا معاملہ ضغطے میں پڑا ہوا تھا اور صوات کے انتظامات کی باگ ڈور عملاً حضرت اخوند صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ ہومز نے لکھا ہے:

> اگر اخوند صاحب ان کی ہم نوائی اختیار کر لیتے، انہیں ساتھ لے کر وادیٔ پشاور پر ترکتاز کر دیتے اور کافروں کے خلاف جہاد کا اعلان فرما دیتے تو پوری آبادی میں مذہبی جوش وحمیت کے شعلے اس پیمانے پر بھڑک اٹھتے کہ شاید برطانوی سلطنت کا ڈھانچا ان میں جل کر خاک ہو جاتا۔ خوش قسمتی سے اخوند صاحب نے ایسا نہ کیا اور انہیں اپنے علاقے سے باہر نکال دیا۔ البتہ ایسے رہبروں کا انتظام کر دیا جو انہیں دریائے سندھ کے پار پہنچا دیں۔(۲)

ان لوگوں نے اس خیال سے کشمیر کا رخ کیا کہ اپنے ہندوستانی بھائیوں سے ربط و ضبط پیدا کرنے کا موزوں ترین مقام وہی تھا۔ ضلع ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر میجر بیچر (Becher) نے گردونواح کے تمام زمینداروں اور ملکوں کو تاکید کر دی تھی کہ ان لوگوں کو سلامت نہ گذرنے دیں۔ ان کے پاس نہ کھانے کو کچھ تھا اور نہ پہننے کو۔ پہاڑی علاقے میں سردی بہت زیادہ تھی، اسی طرح تکلیفیں اٹھاتے اور مصیبتیں جھیلتے وہ کاغان پہنچ گئے۔

ساداتِ کاغان کی بدعہدی

معلوم ہوتا ہے کہ ہر قدم پر وہ لوگ نقصان پہنچاتے رہے جنہیں میجر بیچر نے مختلف

(۱) بغاوت ہند (انگریزی) مصنفہ ہومز، ص: ۳۱۸۔ باسورتھ سمتھ نے جان لارنس کے سوانح حیات میں لکھا ہے کہ اگر ۵۷ء کی سرکشی کے انسداد میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو نتیجہ خدا جانے کیا ہوتا۔ مشہور ڈاکو اجون خاں ہماری سرحد پر پہنچ گیا تھا، اخوند صاحب صوات اس کے حامی تھے اور ۵۵ء کے پاہیوں سے ساز باز کے بعد قلعے میں پہنچنے والا تھا۔ (جلد اول ص: ۵۲۷)

(۲) بغاوت ہند (انگریزی) مصنفہ ہومز، ص: ۳۱۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قسم کے لالچ دے تیار کر رکھا تھا۔ جو باقی بچے انہوں نے کاغان پہنچ کر ہتھیار ڈال دیے، لیکن سادات نے انہیں انگریزوں کے حوالے کر دیا اور وہاں وہ اس نالے پر بیدردی سے شہید کر دیے گئے جس کا نام اس وقت سے "شہید کتھ" مشہور ہوا۔ ہزارہ کی زبان میں ایک گیت مشہور ہے جس کے دو بند عبدالجبار شاہ صاحب تھانوی نے کتاب العبرت میں درج کئے ہیں، اس گیت میں جو درج ذیل ہے: ۵۵ کے افراد کو کالے کہا گیا ہے، یعنی کالی فوج کے سپاہی:

کالے آتھے کاگان		سیداں چا کیتے قرآن
کالے کوڑے راہ تو پھلّے		سچے دین تے چلّے
کالے آلتھے بچ کسیاں		اُہناں سیّداں جاگاں دسیاں
کالے کوڑے راہ تو پھلّے		سچے دین تو چلّے

یعنی کالی فوج کے سپاہی کاغان میں اترے، سیدوں نے قرآن پر حلف اٹھا کر ان سے حفاظت کے وعدے کئے۔ وہ مجاہد بے دینی کا جھوٹا راستہ ترک کر کے سچے دین کا راستہ اختیار کر چکے تھے۔ کالی فوج کے سپاہی وادیوں میں اتر پڑے تھے، جہاں سے کسی کو ان کا سراغ نہ مل سکتا تھا۔ کاغانی سیدوں نے انگریزی فوج کو ان کے چھپنے کی جگہیں بتا دیں۔ کالے بے دینی کا راستہ ترک کر کے دین کا سچا راستہ اختیار کر چکے تھے۔(۱)

(۱) سید عبدالجبار شاہ کی کتاب العبرت قلمی نسخہ ص: ۲۱۴-۱۳۵۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق جنرل بخت خاں بھی انہیں لوگوں میں شامل تھا، جنہیں سوات سے نکالا گیا تھا۔ انہیں ورہ کا ناغور بند کے راستے دریائے سندھ پر پہنچا دیا گیا۔ میورنڈ کے بعد یہ کاغان پہنچے تو سادات نے انگریزوں کو اطلاع دے کر انہیں قتل کرا دیا۔ وہ تین سو گرفتار ہوئے، انہیں ہری پور میں گولیوں سے اڑا دیا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مزید ہندوستانی مجاہد

سرحدِ آزاد میں ہندوستانی مجاہدوں کا ورود محض ۵۵ء پیادہ فوج کے بقیۃ السیف افراد تک محدود نہ تھا بلکہ اس سے پیشتر سید اکبر شاہ نے بھی ہندوستانیوں کی ایک فوج بھرتی کر رکھی تھی، جسے سید عبدالجبار شاہ کے قول کے مطابق، کالی پلٹن کہا جاتا تھا۔ سید موصوف لکھتے ہیں کہ اخوند صاحب سوات نے بہ اصرار اس فوج کو منتشر کرایا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر یہ لوگ سوات سے رخصت نہ کیے گئے تو میں خود ہجرت کر جاؤں گا۔ چنانچہ یہ بھی الگ کر دیے گئے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگ انگریزوں کی کامیابی کے بعد بھاگ کر آزاد علاقے میں پناہ گزیں ہوئے تھے، جنہیں مولانا عنایت علی نے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ افسوس کہ سب مولانا کے پاس نہ پہنچ سکے۔

حافظ عبدالحمید کی یادداشتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جب مولانا عنایت علی کو مردان میں فوج کی سرکشی کا علم ہوا اور بتایا گیا کہ وہ لوگ بھاگ کر سوات چلے گئے ہیں تو مولانا نے اول کلاب خاں کو شب قدر کی طرف بھیجا کہ جتنے افراد مل سکیں انہیں ہمارے پاس لے آؤ۔ پھر میاں حسن علی کو ان کے پیچھے سوات جانے کا حکم دیا بلکہ اگرور اور تنگی بھی اپنے آدمی بھیج دیے کہ وہاں جتنے آدمی مل سکیں انہیں ساتھ لے آئیں۔ انگریزوں کے بیانات میں بھی بتایا گیا ہے کہ نارنجی کی جنگ یا دوسری چپقلشوں میں جو مجاہدین شہید ہوئے، ان میں ۵۵ء پیادہ فوج کے آدمی تھے۔ تفصیل جنگِ مذکورہ یا دوسرے واقعات کے سلسلے میں پیش کی جائے گی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

نارنجی کی جنگ

ستھانہ پر شبخون

سرحدی خوانین کی حالت حد درجہ عجیب و غریب اور خاصی حوصلہ فرسا تھی۔ وہ جب دیکھتے کوئی خاص خطرہ درپیش نہیں تو مولانا کے ساتھ ہو جاتے اور جب ان پر انگریزوں کا دباؤ پڑتا تو مخالفت پر اتر آتے۔ مولانا نے اس اثناء میں میدانی علاقے کے قریبی مقامات پر چھاپوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور نارنجی کو مرکز بنالیا، جو پہاڑ کی چوٹی پر بڑا مستحکم مقام تھا۔(۱)

ہمیں تمام چھاپوں کا علم نہیں، ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ ۲۰ ر جولائی ۱۸۵۷ء کو شبخون مارا گیا جس میں دشمن کو بہت نقصان پہنچا۔ اس میں چھ مجاہدین شہید ہوئے: یعنی مجیب الرحمٰن، حافظ پیر محمد، منشی محسن اللہ، قاضی خان محمد، نور خاں اور حاجی عبدالرحمٰن۔ ایک شبخون شیخ جانا اور شیوہ پر مارا گیا، جس میں چالیس پوربیے ہندو اور مسلمان شامل تھے۔ شفیع محمد ان کا سالار تھا، یہ بہت سے گھوڑے، گائیں اور اسلحہ لوٹ کر لے گئے۔

اوکنلے نے لکھا ہے کہ نوا کلی کے باشندے بڑے متعصب اور جوشیلے تھے۔ مولانا نے دو سو مجاہدین اور ایک سو بیس سوار مرزا محمد رسالدار آفریدی کی قیادت میں وہاں بھیج دیئے۔ جب انگریزی فوج نے نوا کلی اور شیخ جانا پر پیش قدمی کی تو سالار پکڑا گیا اور اُسے

(۱) نارنجی رستم سے براہ بگئی دو پر مولئی تقریباً سولہ میل ہے۔ تنگ گلیوں کے راستے پیر ساہ اور الوپانڈہ جاتے ہیں، وہاں سے وادی چملہ میں اتر کر کوکا پہنچتے ہیں۔ کوکا سے نارنجی تقریباً ہارہ میل ہوگا۔

پھانسی دے دی گئی۔(۱)

انگریزوں کے اقدامات

انگریزوں نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ اس حصے میں مؤثر فوجی اقدامات کرنے چاہئیں۔ چنانچہ میجر جے ایل واگھن (Vaughan) کو فوج دے کر بھیجا گیا۔ وہ مردان سے شیخ جانا پہنچا اور گاؤں کو جلا کر واپس چلا آیا۔ اس کے بعد خود مجاہدین کے مرکز یعنی نارنجی پر یورش کا فیصلہ کیا گیا۔ اس غرض سے موضع سلیم خاں میں فوج جمع ہوئی، رات کے وقت واگھن اس فوج کے ساتھ سلیم خاں سے روانہ ہو کر ۲۱ رجولائی کی صبح کو نارنجی کے سامنے نمودار ہوا۔ نارنجی دو گاؤں تھے: ایک نیچے اور دوسرا اس سے ذرا بلندی پر۔ واگھن نے نچلے گاؤں کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اسے تباہ کر ڈالا، لیکن فوج ساری رات کوچ میں رہی تھی اور اندیشہ تھا کہ مجاہدین بڑی قوت سے اس پر حملہ نہ کر دیں، لہٰذا واگھن واپس آ گیا۔ اس کے بیان کے مطابق تقریباً پچاس مجاہدین شہید ہوئے، جن میں زیادہ تر ہندوستانی تھے۔(۲)

وائلی کا بیان ہے کہ مولانا عنایت علی نے علم جہاد بلند کیا تو نارنجی میں ساڑھے چھ سو مجاہدین جمع تھے:

> یہ نہایت مستحکم مقام تھا۔ سکھوں کے عہد حکومت میں اس پر ایک سے زیادہ مرتبہ ناکام حملے ہو چکے تھے لیکن ہماری پہاڑی توپوں کی آتش باری کے بل پر گاؤں بڑی تیزی سے مسخر کر کے تباہ کر ڈالا گیا۔ .... اس مہم کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مولوی صاحب کو گرفتار کر لیا جائے۔ یہ مقصد حاصل نہ ہوا، برطانوی علاقے سے مویشی برابر لوٹے جا رہے تھے اور دشمن کے پاس

(۱) کلکتہ ریویو، بابت جولائی ۱۸۷۰ء، ص ۳۹۸-۳۹۹

(۲) نیم جلی کی کتاب ص ۳۹-۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بونیر، ہجملہ اور سوات سے روزانہ کمک پہنچ رہی تھی۔(۱)

دوسرا حملہ

تقریباً دو ہفتے کے بعد انگریزوں نے نارنجی پر دوسرے حملے کی تیاری کر لی۔ اس مرتبہ مختلف فوجوں سے سو سپاہی فراہم کیے گئے، ان کے ساتھ توپیں اور ہاتھی بھی تھے۔ اب کے شیوہ کو مرکزِ اجتماع بنایا گیا۔ یکم اگست ۱۸۵۷ء کو صبح کے وقت میجر واگھن اس فوج کے ساتھ نارنجی پہنچا۔ گاؤں کی شمالی سمت جو نالہ بہتا ہے، اس کے کنارے پر توپیں لگا کر گولہ باری شروع کر دی گئی۔ پھر تین سو آدمیوں کی ایک جمعیت کو ہدایت کر دی گئی کہ مغربی سمت سے ہو کر گاؤں کے جنوب میں پہنچ جائے۔

دوسری فوج کو مشرقی سمت سے پیش قدمی کا حکم ملا، خود میجر واگھن نچلے گاؤں کی جگہ مورچے لگائے بیٹھا تھا۔ بڑا سخت مقابلہ ہوا، لیکن بالائی نارنجی پر قبضہ کر لیا گیا۔ مولانا عنایت علی اس سے پیشتر نارنجی سے نکل کر ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے تھے۔

ایک بھی مکان سلامت نہ چھوڑا گیا، بہت سے مکانوں کی دیواریں بھی ہاتھیوں سے مسمار کرا دی گئیں۔(۲)

تین آدمی گرفتار ہوئے: ان میں سے ایک بریلی کا مولوی تھا، دوسرا حملہ کا نشان بردار اور تیسرا چونڈرا کا باشندہ تھا۔ نام کسی کا بھی معلوم نہ ہو سکا۔ بعد ازاں تینوں کو موت کی سزا دے دی گئی۔(۳)

واکلی نے بھی جنگ کی کیفیت اسی طرح بیان کی ہے۔ اضافہ یہ کیا ہے کہ مجاہدین میں سے بہت سے آدمی مارے گئے۔ مقتول میں ۵۵ پیادہ فوج کے آدمی بھی تھے، جس

(۱) واکلی کی کتاب، ص: ۳۷-۳۷

(۲) "شمالی و مغربی سرحدی قبائل کے خلاف مہموں کی دستاویزیں"، مرتبہ پیجٹ اور میسن (انگریزی) ص: ۸۹

(۳) نعویل کی کتاب، ص: ۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے مردان میں سرکشی اختیار کی تھی۔(۱)

حافظ عبد المجید کی یادداشتوں سے واضح ہوتا ہے: عرفہ کے دن (۳۰ر جولائی ۱۸۵۷ء) معلوم ہو چکا تھا کہ انگریزی فوج حملے کیلئے تیار ہو رہی ہے۔ ۳۱ر جولائی کو نماز عید کے بعد مولانا نے جہاد کیلئے دعوتِ عام کا انتظام کیا اور قریہ بہ قریہ اطلاعات بھیج دیں۔ پھر مشیروں کے اصرار پر مولانا چھپا گئی چلے گئے، جو نارنجی سے اوپر ہے۔

بیلیو کا بیان

ڈاکٹر بیلیو رقم طراز ہے کہ جب ہندوستان میں "غدر" شروع ہوا تو مولانا عنایت علی گشتی اعلانات کے ذریعے سے یوسف زئی کے تمام قبیلوں کو دعوتِ جہاد دینے میں سرگرم ہو گئے، لیکن یہ دعوت چنداں کامیاب نہ ہو سکی۔ مئی میں سید اکبر شاہ بادشاہِ صوات نے وفات پائی اور اس کا بیٹا مبارک شاہ جانشین ہوا، لیکن اسے چند ہی ہفتے بعد معزول کر کے ملک سے نکال دیا گیا۔ مبارک شاہ ستھانہ پہنچا، پھر خدو خیل میں مولانا عنایت علی سے جاملا، وہاں انہوں نے قلعۂ مردان پر قبضہ کر لینے کا منصوبہ تیار کیا، لیکن ہمارے فوجی اور انتظامی افسروں کی ہوشیاری و مستعدی کے باعث اس منصوبے پر عمل نہ ہو سکا۔ مولانا عنایت علی نے نارنجی پہنچ کر قاصدوں کے ذریعے سے خفیہ خفیہ یوسف زئیوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس معاملے میں اہل نارنجی کی روش کے سبب انگریزی فوج نے انہیں سخت سزا دی۔ مولانا عنایت علی اور ان کے ساتھیوں کو پہاڑی علاقے میں چلے جانے کے سوا چارہ نہ رہا۔(۲)

---

(۱) واٹلی کی کتاب، ص ۷۵

(۲) یوسف زئیوں کے متعلق بامبر پورٹ (انگریزی) ص ۹۶-۹۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا عنایت علی کی سرگزشت

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مولانا عنایت علی نارنجی پر یورش سے پہلے جہانگی چلے گئے تھے۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہاں سے کہاں کہاں گئے۔ بعض روایتوں سے خیال ہوتا ہے کہ وہ پہلے وادی چملہ میں کن گلئی پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے غالباً اس لئے خدوخیل کے شمالی مقام چنگلئی گئے کہ نئے سرے سے انگریزی علاقے پر یورشوں کا انتظام کریں۔ وہاں باغ میں مولانا کا ڈیرا تھا۔ غالباً اسی زمانے میں موضع غلیل پر شبخون مارا گیا۔ جب خدوخیل پر انگریزوں کے قصدِ یورش کا حال معلوم ہوا تو مولانا چنگلئی سے دوکھاڑہ چلے گئے، جو پنجتار اور منگل تھانہ کے درمیان واقع ہے۔ شاید ان کا ارادہ یہ تھا کہ منگل تھانہ کے قلعے میں جا بیٹھیں۔ جب معلوم ہوا کہ یہ مقام بھی انگریزوں کی یورش سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا تو چینئی کا رخ کر لیا جو ستھانہ سے اوپر پہاڑی علاقے میں آستانہ داروں کے پرگنے کا ایک مشہور مقام ہے۔

سرحدی رؤساء کی منافقت وعداوت

میرا خیال ہے کہ واقعہ نارنجی کے بعد بعض سرحدی خوانین ورؤساء کی نیتوں میں فتور آ گیا تھا۔ ان میں سے اکثر کا شیوہ ہی یہ تھا کہ جس فریق کو کامیاب دیکھتے اس کے طرف دار ہو جاتے۔ خود اپنا کوئی مستقل ارادہ اور نصب العین نہ تھا۔ جب دنیا پرستی انسانی گروہوں کی فکر ونظر کا مرکز بن جاتی ہے اور اخلاقی یا دینی مقاصد کے چراغ سینوں میں گل ہو جاتے ہیں تو یہی حالت پیش آ جاتی ہے۔ سرحدی رئیس خدا جانے کب سے اس حالت میں مبتلا چلے آتے تھے۔ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ انہوں نے اکا دکا مجاہدین بھی شہید کر ڈالے۔ غالباً اس خیال سے کہ انگریزوں کو خوش کر کے انعام حاصل کریں۔ چنانچہ حافظ عبدالمجید کی یادداشتوں میں بتایا گیا ہے کہ ربیع الآخر ۱۲۷۴ھ (اواخر نومبر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۸۵۷ء) میں سید یوسف میاں گل نے تین مجاہدوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جو منڈی سے منگل تھانہ آ رہے تھے، اور ان کی لاشیں ۱۲ ربیع الآخر (یکم دسمبر ۱۸۵۷ء) کو چنگلئی پہنچیں۔ بعد ازاں اسی قسم کا ایک واقعہ سید عباس رئیس منگل تھانہ کے متعلق بھی بیان کیا گیا ہے۔

مالی مشکلات کا ہجوم

مولانا اور مجاہدین کیلئے زیادہ تر رقمیں ہندوستان سے بھیجی جاتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوتے ہی انگریزوں نے دریائے سندھ کے تمام گھاٹوں اور کوہستانی علاقے کے راستوں کی نگرانی کا نہایت سخت انتظام کر لیا تھا، جس کے بعد کسی قاصد کے لئے کوئی رقم سرحد پہنچانا ممکن نہ رہا تھا۔ چنانچہ مختلف روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ایک قاصد، عطرے کا بھائی امیر ارقم لے کر پہنچ گیا، لیکن ایک اور قاصد جمال زیدہ میں گرفتار ہو گیا اور اس کے پاس چھ سو روپے کی رقم تھی۔ بعد ازاں میاں عبدالحئی، عطاء اللہ اور حسن علی گرفتار کر لئے گئے اور انہیں پابہ زنجیر سیالکوٹ بھیج دیا گیا، جن میں سے صرف حسن علی کی رہائی کا ذکر روایت میں آیا ہے۔ کچھ معلوم نہیں، دوسرے قیدیوں سے کیا سلوک ہوا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گرفتاریاں مولانا عنایت علی کی زندگی میں پیش آئیں یا ان کی وفات کے بعد، تاہم ان سے واضح ہے کہ مئی ۱۸۵۷ء سے کسی رقم کا مولانا کے پاس پہنچنا بے حد مشکل ہو گیا تھا۔ اغلب ہے کہ ہنگامے کے دوران میں رقمیں بھیجنے کی کوئی صورت ہی نہ رہی ہو، اس لئے کہ صادق پور (پٹنہ) کے مرکز پر پہرے بٹھا دیے گئے تھے، نیز مولانا احمد اللہ، شاہ محمد حسین اور مولوی واعظ الحق کو نظر بند کر دیا گیا تھا۔ یہی حضرات رقمیں جمع کرنے اور بھیجنے کے مختار و ذمہ دار تھے۔

''تذکرۂ صادقہ'' میں مرقوم ہے کہ غدر کی وجہ سے راستے پُرخطر تھے۔ شہر سے باہر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نکلنا دشوار تھا، املاک تہلکے میں تھے، جانوں کو امن نہ تھا، پھر کیوں کر ممکن تھا کہ سرحد کے فاقہ کشوں کے لئے کوئی سامان کیا جا سکتا۔(۱)

غرض جنگ نارنجی کے بعد مولانا عنایت علی کی مالی حالت بے حد خراب ہوگئی۔ کچھ مدت تک وہ ساہوکاروں سے قرض لے کر گزارہ کرتے رہے، اس اثناء میں لشکریوں کو تنخواہ بھی نہ دی جا سکی۔ اب ایک طرف بعض افراد نے مجبور ہو کر تنخواہ کا مطالبہ کیا، دوسری طرف ساہوکاروں نے اپنی رقموں کے لئے تقاضا شروع کر دیا۔

ادائے واجبات

مولانا کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ انہوں نے اپنی تمام قابل فروخت چیزیں بے تکلف بیچ ڈالیں اور سب سے پہلے ساہوکاروں کا قرضہ اتارا، جو رقم باقی رہ گئی اُسے ادا کرنے کیلئے سید نجیب بنگالی نے ضمانت دے دی۔ مجاہدین میں سے کچھ لوگ خورد و نوش کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ قادر بخش جمعدار، اللہ بخش اور بعض دوسرے مجاہدین کو شہزادہ مبارک شاہ اپنے ستھانہ لے گیا۔ شمشیر خاں نے لاہور کی طرف جانے کی اجازت لے لی۔ منشی عبدالحق آروی بھی مولانا کے حکم کے مطابق سوات چلے گئے، صرف ناصر محمد، شریعت اللہ، عبدالغفور کلاں اور عبدالغفور خرد مولانا کے پاس رہ گئے۔

مولانا کے پاس ایک قیمتی مشکی گھوڑا تھا۔ انہوں نے مقرب خاں رئیس کو پیغام بھیجا کہ گھوڑا خرید لے تاکہ اس کی قیمت سے واجبات ادا کئے جا سکیں۔ اس نے کچھ توجہ نہ کی، ملا صاحب کوٹھا کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہیں بڑا افسوس ہوا اور گھوڑا خرید لینا چاہا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ ملا صاحب کی اس خواہش کا نتیجہ کیا نکلا۔

(۱) تذکرۂ صادقہ ص: ۱۳۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مصیبت در مصیبت

اس اثناء میں مولانا کی بیماری بہت بڑھ گئی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کا اکلوتا صاحبزادہ حافظ عبدالمجید بھی بیمار ہوگیا اور اس کی بیٹی شہر بانو کی صحت بھی بگڑ گئی۔ اس زمانے میں برہان الدین، منشی شمس الدین کے بھیجے ہوئے کچھ روپے لایا۔ اُدھر حسن زئیوں نے چروڑئی میں جرگہ منعقد کیا، جس کا مقصد غالباً یہ تھا کہ مولانا کے لئے کمک کا انتظام کریں، لیکن مولانا بیماری کی شدت کے باعث جرگے میں شریک نہ ہوسکے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۲/رجب ۱۲۷۴ھ (۲۶/فروری ۱۸۵۸ء) سے مولانا نے فاقہ شروع کردیا تھا، یہ سلسلہ دس دن جاری رہا۔

''تذکرۂ صادقہ'' میں مرقوم ہے کہ مسلسل فاقہ کشی نے حالت تباہ کردی۔ درختوں کی کونپلوں اور پتیوں پر اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی۔ چند ماہ مسلسل غلے پر نظر تک نہ پڑی، اجابتیں خون آلود ہونے لگیں۔(۱)

---

(۱) تذکرہ صادقہ ص:۱۲۸

بارھواں باب:

مولانا کی وفات اور مرکزوں کی تباہی

اللہ سے عہد کا ایفاء

حافظ عبدالمجید کی یادداشتوں میں بتایا گیا ہے کہ مولانا پر بخار کا ایسا شدید حملہ ہوا جس میں بے ہوشی طاری رہنے لگی۔ اس وقت تک وہ غالباً پرگنہ منصور جدون کے مقام نورو باندہ میں تھے۔ وہاں سے ان کی چارپائی اٹھا کر چنئی کی جانب روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں شرف اللہ ملا، جو پشاور سے آیا تھا۔ کوہ چنئی کی چڑھائی پر بخار بہت تیز ہو گیا اور مولانا نے کاغذ اور قلم دوات طلب کی، شاید کچھ لکھنے کا ارادہ تھا۔ عین اسی حالت میں سکرات موت کا عالم طاری ہو گیا اور کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ لکھنے کی سکت نہ رہی۔ حافظ عبدالمجید نے پوچھا کہ ہمیں کس پر چھوڑے جاتے ہیں اور آپ کے بعد امیر کون ہو؟ کچھ نہ فرمایا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ تذکرہ صادقہ میں بتایا گیا ہے کہ بہ عارضہ بخار وضیق النفس چن المومن سے جنت نعیم کو رحلت کی۔(۱) سورہ احزاب میں ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

ترجمہ: ایمان والوں میں سے کتنے مرد ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد کیا تھا اللہ سے۔ اور ان میں سے کوئی تو پورا کر چکے اپنا ذمہ۔

مولانا عنایت علی نے یقیناً اپنا ذمہ بہترین طریق پر پورا کیا۔ صحیح تاریخ وفات کسی

(۱) تذکرہ صادقہ، ص: ۱۳۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے نہیں بتائی۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ ۶ رشعبان ۱۲۷۴ھ (۲۲ مارچ ۱۸۵۸ء) تک وہ زندہ تھے، غالباً اس سے ایک دو روز بعد انتقال کیا۔ بہ ہر حال پنجتار، چنگلئی، منگل تھانہ اور ستھانہ پر انگریزی یورش سے یہ پیشتر کا واقعہ ہے۔

مولانا کی شخصیت

مولانا کے جوشِ حمیت اور گرمی طبیعت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن انہوں نے اللہ کی راہ میں عزیمت واستقامت کا جو عظیم القدر نمونہ پیش کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جس وقت سے سید صاحب کے ساتھ ان کا تعلق پیدا ہوا، اپنی پوری زندگی دینی کاموں کے لئے وقف کردی۔ بنگال میں جس اعلیٰ پیمانے پر انہوں نے دین کی تبلیغ فرمائی، اس کی کیفیت تفصیلاً پہلے پیش کی جا چکی ہے۔ پھر وہ سادات کاغان اور اہل ہزارہ کو لے کر جس مردانگی سے سکھوں کے خلاف جہاد آرا ہوئے وہ بھی اعادے کی محتاج نہیں۔ آخری دور میں مولانا نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ خدا کی راہ میں جہاد پھولوں کی سیج نہیں، وہ اپنا سب کچھ خدا کیلئے قربان کر چکے تھے۔ لیکن دیکھئے آخری دور میں انہیں کس درجہ روح فرسا آلام ومصائب سے سابقہ پڑا۔

پیسہ پلے نہ تھا، جو سامان پاس تھا، بیچ ڈالا، اکلوتا فرزند صاحب فراش، اس کی بچی بیمار، اپنی حالت حد درجہ نازک، ہر سمت دشمنوں کا ہجوم، امتحانوں اور آزمائشوں کے اس سیل میں قدم استوار رکھنا صرف انہیں ارباب ہمت کا کام ہے، جن کے سامنے فرض بہ طور فرض موجود ہو۔ دنیوی راحتوں اور آسائشوں سے انہیں کسی نوع کا سروکار نہ ہو، اور صرف رضائے باری تعالیٰ پر نظر ہو۔ یہ منزل بڑی کٹھن ہے، لیکن مولانا عنایت علی نے جس شانِ فدا کاری سے اسے طے کیا اس کی مثالیں ہر جگہ نہیں مل سکتیں۔ ان کے سامنے صحابۂ کرامؓ کا اسوۂ حسنہ تھا، جنہوں نے دین حق کی اشاعت میں اپنی جانیں بے دریغ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قربان کردیں۔ یہی اسوہ قوموں کیلئے دنیا اور آخرت میں سرخروئی کا واحد ذریعہ ہے۔

مولانا کی ایک تصنیف

کچھ معلوم نہیں، مولانا نے تبلیغ و اشاعتِ دین کے سلسلے میں کتنی کتابیں یا رسالے لکھے، ہمیں صرف ایک رسالے "بت شکن" کا علم ہے، جس میں تعزیہ داری کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ یہ اس مجموعہ رسائل میں چھپا تھا جو رسائل تسعہ کے نام سے مولانا عبدالرحیم نے شائع کیا تھا۔ تقریباً دس گیارہ صفحے کا ہے اور اس کی زبان بہت سادہ ہے، معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور اہل بیت کے مصائب بڑے پر تاثیر انداز میں بیان کئے گئے ہیں، لیکن فرماتے ہیں کہ ان کے اصل اسوہ کی پیروی کرنی چاہئے، نہ کہ غیر شرعی اور غیر مناسب رسوم کو مدارِ کار بنایا جائے۔ مولانائے موصوف نے فارسی میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی، جس کے صرف پانچ نسخے انگریزوں نے چھپوائے۔ مولوی محمد یوسف صاحب رنجور جعفری (ابن مولانا یحییٰ علی) کلکتہ میں بورڈ آف ایگزامینرز کے صدر تھے، انہوں نے مثنوی کے پروف دیکھے۔ وہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے عزیز دوست تھے۔ مولانا نے کئی مرتبہ فرمایا کہ کچھ پروف میری نظر سے بھی گذرے تھے۔ ایک شعر اب تک یاد ہے۔

کہ ایں جنگِ ما با فرنگی بود نہ با مود را زن بنگی بود

اس مثنوی کا ایک نسخہ غالباً انڈیا آفس کے کتب خانے میں بھی ہے۔

صورتِ حال

مولانا کے سامنے صورتِ حال کا جو نقشہ تھا اس کا کسی قدر اندازہ ان کے ایک اعلامیہ سے ہوسکتا ہے، جس کا مضمون یہ تھا:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱- جس ملک پر کفار مسلط ہو جائیں، وہاں کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ متحد ہو کر کفار سے لڑیں۔

۲- جو لڑ نہ سکیں وہ ہجرت کر کے کسی آزاد اسلامی ملک میں پہنچ جائیں۔

۳- ہجرت موجودہ حالات میں فرض ہے اور جو لوگ ہجرت سے باز رکھنے کی کوششیں کریں، وہ منافقت کی زد میں آتے ہیں۔

۴- جو لوگ ہجرت بھی نہ کر سکیں وہ حکومت سے علیحدگی پر عمل پیرا ہوں، مثلاً کسی کام میں حکومت کی مدد نہ کریں، اس کی عدالتوں میں نہ جائیں، اپنے جھگڑوں کے فیصلے کے لئے پنچایتیں بنائیں وغیرہ۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کے کتنے اعلامیے مولانا نے وقتاً فوقتاً ہندوستان بھیجے۔(۱)

ازواج و اولاد

مولانا کی پہلی شادی سید محمد مسافر کی صاحبزادی سیدہ آمنہ سے ہوئی تھی۔ بہار میں یہ پہلی شادی تھی جو انتہائی سادگی سے شریعت کے مطابق انجام پائی۔ اس خاتون سے حافظ عبدالمجید پیدا ہوئے، کچھ مدت بعد اس اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو ان کا نکاح ثانی شاہ محمد حسین کی بیوہ صاحبزادی سے ہوا۔ اُن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی جسکا نام ہاجرہ تھا۔

حافظ عبدالمجید نے اپنے چچا مولانا فرحت حسین سے تعلیم پائی، پھر یہ اپنے والد کے ساتھ سرحد چلے گئے، وہیں فوت ہوئے۔ انکے دو صاحبزادے تھے اور ایک صاحبزادی۔

(۱) خود مولانا بنگال میں دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے تھے تو وہ ہر مقام پر مسجدوں کو آباد کرتے اور فصل خصومات کے لئے پنچایتیں بنا دیتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انتظامِ امارت

ڈاکٹر بیلیو نے لکھا ہے کہ مولانا عنایت علی نے چنگی میں بہ عارضۂ بخار وفات پائی، ان کے فرزند حافظ عبد المجید کے بجائے تین آدمیوں کو مشترکہ امیر بنا دیا گیا: ایک مولانا نصر اللہ، دوسرے شاہ اکرام اللہ اور تیسرے میر تقی۔ حافظ عبد المجید کو اس لئے امیر نہ بنایا گیا کہ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ مشترکہ امارت میں مولانا نصر اللہ کو دوسروں پر تقدم حاصل تھا۔ گویا وہ اس بورڈ کے صدر تھے۔ انہوں نے ضلع پشاور کے مسلمانوں کو حکومت انگلشیہ کے خلاف برانگیختہ کرنے کی بڑی کوششیں کیں، لیکن حکومت نے ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ (۱)

شاہ اکرام اللہ چند ہی روز بعد ستھانہ چلے گئے اور شاہ نور لڑی کی جنگ میں وہی مجاہدین کے سالار تھے۔ مولانا نصر اللہ سے مراد غالباً مولانا نور اللہ ہیں، جنہیں منصب امارت میں شریک کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر بیلیو نے غلط فہمی سے انہیں نصر اللہ لکھ دیا۔

ایک اور شبخون

نارنجی کی جنگ میں انگریزوں کی کامیابی واکلی کے بیان کے مطابق مجاہدین کے جوش وہمت پر اثر انداز نہ ہوسکی اور تین مہینے سے کم مدت کے اندر اندر انہوں نے ایک اور شبخون مارا۔ یوسف زئی کا انگریز اسسٹنٹ کمشنر (مسٹر ہارن Horne) دورہ کرتا ہوا شیخ جانا میں خیمہ زن تھا۔ مجاہدین نے خدو خیل، نارنجی اور شیخ جانا کے باشندوں کی مدد سے اکتوبر ۱۸۵۷ء میں سخت شبخون مارا۔ ڈاکٹر بیلیو کے بیان کے مطابق مولوی شریعت اللہ شبخون مارنے والے جیش کے سالار تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر بہ صد مشکل جان بچا کر بھاگا۔ اس کے ساتھیوں میں سے پانچ مارے گئے اور پورا سامان مجاہدین کے ہاتھ آیا، اس بنا پر

(۱) یوسف زئیوں کے متعلق عام رپورٹ (انگریزی)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزوں نے ایک زبردست تادیبی مہم کی تیاری کی، جس کا مدعا یہ تھا کہ مجاہدین کے تمام مرکزوں کو تباہ کر ڈالا جائے، چنانچہ تقریباً پانچ ہزار(۱) کا لشکر تیار کیا گیا۔ میجر جنرل سر سڈنی کاٹن(Sydney Cotton) کو اس فوج کا سالار بنایا گیا۔

پنجتار اور چنگلئی کی تباہی

۲۵؍اپریل کو یہ فوج موضع سلیم خاں میں جمع ہوئی۔ تو تالی کے باشندوں اور مقرب خاں رئیس پنجتار کی عداوت کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ تو تالی والوں نے جب دیکھا کہ انگریزی فوج مقرب خاں کے خلاف اقدام کیلئے قریب آ پہنچی ہے تو انہوں نے ۲۵؍اپریل کو بہ طور خود پنجتار پر حملہ بول دیا، مقرب خاں تو ان کے ہاتھ نہ آیا، لیکن انہوں نے پنجتار کو آگ لگا دی۔

سڈنی کاٹن نے فوج کے تین حصے کیے: ایک سلیم خاں میں محفوظ جیش کے طور پر ٹھہرائے رکھا، دوسرے کو براہ راست پنجتار پر پیش قدمی کا حکم دیا، تیسرے کو خود ساتھ لے کر درہ درہند کے راستے چنگلئی پہنچا اور اسے تباہ کر کے پنجتار کے پاس جہانگیر درے کے راستے سلیم خاں واپس آ گیا۔ پنجتار پہلے ہی جل چکا تھا، انگریزی دستے نے وہاں پہنچ کر جگہ جگہ توپیں لگائیں اور پنجتار کی دیواروں کو مسمار کر ڈالا۔(۱) یہ مقام ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۰ء تک سید صاحب کا مرکز رہا تھا۔ اس کے بعد بھی مجاہدین نے کچھ مدت وہاں گزاری تھی۔ ۲۷؍اپریل کو یہ ملبے کا ایک ڈھیر رہ گیا، اس کے تمام درخت بھی کاٹ ڈالے گئے یا جلا دیے گئے۔

---

(۱) وائلی کے بیان کے مطابق صحیح تعداد چار ہزار آٹھ سو ستر تھی۔

(۱) وائلی کی کتاب ص: ۷۵-۱۷۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالحق آروی کا بیان

مجاہدین میں ایک صاحب مولوی عبدالحق آروی تھے، جو ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد ترکِ وطن کر کے سندھ میں مقیم ہو گئے تھے۔ ۱۸۴۳ء میں انگریز سندھ پر بھی قابض ہو گئے تو مولوی صاحب نے رختِ سفر باندھا اور آزاد کوہستانی علاقے میں طرح اقامت ڈال دی۔ وہ سید اکبر شاہ بادشاہِ صوات کے میر منشی بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے غزوۂ بونیر کے نام سے ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلہ کے حالات شاہنامے کی بحر میں لکھے ہیں۔ تمہیدات میں پنجتار، منگل تھانہ اور ستھانہ کی بربادی کا ذکر بھی کیا ہے۔ چونکہ یہ ایک چشم دید شاہد کا بیان ہے، اس لئے اسے بہ طورِ خاص پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ انگریزی فوج پنجتار کی طرف روانہ ہوئی تو بہت سے ملکی خوانین اس کے ساتھ تھے، مثلاً تورو کا خان قادر خاں، ہوتی کا خان سربلند خاں، اسمٰعیلہ کا خان خوئداد خاں، ہنڈ کا خان شاہ داد خاں، زیدے کا خان ابراہیم خاں، ان کے علاوہ سدم کے دو خان عجب خاں اور عزیز خاں بھی شامل تھے۔ (۱) مقرب خاں کو انگریزوں کی یورش کا علم ہوا تو اس نے اہل و عیال کو پنجتار سے نکال کر چملہ بھیج دیا، وہ خاصا عقل مند تھا، لیکن بدبختی آتی ہے تو عقل کے دفتر کا شیرازہ بھی بکھر جاتا ہے، ہم قوموں سے اس کی دشمنی ہو گئی، یہی بے اتفاقی تباہی کا باعث ہوئی۔ فرنگیوں نے پنجتار کو تباہ کر ڈالا۔

نہ بگزاشت تارے ازاں پنجتار کہ بر ہر سر تار انداخت نار

---

(۱)

خوانین ملکی بہ ہمراہ او ہمہ کارکن حسب دلخواہ او
یکے خان تورو بلند احتشام میان جہاں بود قادر بنام
یکے خان ہوتی صداقت پسند کسی بہ تخلوق باسر بلند
یکے خان اسما علہ خوئداد یکے ہنڈ وی بود خود شاہ داد
یکے خان زیدہ سخاوت نظام بہ عالم ابراہیم بود نام
عجب خاں یکے بود و دیگر عزیز خوانین ملکی دگر جملہ نیز

غزائے بونیر قلمی نسخہ ص: ۲۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جدا کرد پیوندہا را ز دوخت   سراسر ہمہ تارہا را بسوخت (۱)

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مقرب خاں کہتا تھا کہ میرے ہم قوم خدوخیلوں نے یہ کیا کیا؟ فرنگی کے ہاتھ سے مجھے کیوں برباد کرایا؟ جو کچھ انہیں کرنا تھا، بہتر ہوتا خود کرتے۔

منگل تھانہ کی بربادی

پنجتار اور چنگلئی سے فارغ ہو کر سڈنی کاٹن نے منگل تھانہ کا رخ کیا۔ اس سلسلے میں بھی فوج کے تین حصے کیے گئے: ایک کو سلیم خاں میں بہ مدِ محفوظ ٹھہرایا، دوسرے کو تادیبی کارروائی کے اختتام تک پنجتار میں ٹھہرنے کا حکم دیا، جو منگل تھانہ سے قریب تھا۔ مقصود یہ تھا کہ کمک کی ضرورت پڑے تو جلد موقع پر پہنچ جائے۔ تیسرا حصہ براہِ راست منگل تھانہ کی طرف بڑھا۔ راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ اس جیش کے نصف حصے کو دوکھاڑہ میں ٹھہرایا گیا۔ منگل تھانہ کے دونوں گاؤں بالکل خالی تھے، کوئی مزاحمت پیش نہ آئی۔ انگریزی لشکر نے گاؤں اور قلعہ بندیوں کو حسبِ دلخواہ برباد کیا، رات وہاں گزاری اور ۳۰ر اپریل کو یہ دستہ سلیم خاں واپس آیا۔ (۲)

مولوی عبدالحق فرماتے ہیں کہ منگل تھانہ میں سید عباس کا قلعہ بہت مستحکم تھا۔ بلندی میں وہ آسماں کا ہمسر تھا:

ز عباسیاں خان و ناموس رفت		ز افرنگیاں نام تا روس رفت
ز عباسیاں ہرچہ آباد بود		بہ حکم کمشنر خرابش نمود
کہ خوفے نہ بود از چپ و راستش		وز آنجا نمود آنچہ دل خواستش (۳)

(۱) غزائے بونیر قلمی نسخہ ص: ۲۶۔ پہلے شعر میں تار سے غالباً گاؤں مراد ہے۔ پنجتار نام اس بنا پر رکھا گیا ہے کہ اسے پانچ گاؤں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی: یعنی علی کلی، سنگ بتی، نور عشتی، قاسم خیل، پنجتار۔

(۲) واکلی کی کتاب ص: ۷۹۔ اور پیوبیل کی کتاب ص: ۲۱

(۳) غزائے بونیر قلمی نسخہ ص: ۲۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرھواں باب:

ستھانہ کی بربادی

ساداتِ ستھانہ

پنجتار اور منگل تھانہ کے بعد مجاہدین کا صرف وہ مرکز باقی رہ گیا جو مولانا ولایت علی کے وقت سے بھی پیشتر ستھانہ میں قائم تھا۔ اب انگریزی فوج اس طرف متوجہ ہوئی، لیکن یورش کی کیفیت بیان کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ساداتِ ستھانہ کے حالات اختصاراً پیش کر دیے جائیں۔

. ساداتِ ستھانہ سید علی ترمذی غوثِ بونیر کی اولاد میں سے تھے۔ جس کی شاخیں کنٹر سے سرحد کشمیر تک پورے آزاد کوہستانی علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ستھانہ اٹھارہویں صدی میں سید ضامن شاہ نے آباد کیا تھا، جو سید علی ترمذی کی آٹھویں پشت میں تھے اور دربار مغلیہ کی طرف سے انہیں پکھلی میں خاصی بڑی جاگیر دے دی گئی تھی۔ سید ضامن شاہ کے بعد ان کے فرزند سید شاہ گل عرف شاہ جی ستھانہ کے رئیس بنے، ان کے چھ بیٹے تھے، جن میں سے تین لاولد ہوئے: سید اعظم شاہ، جو سب سے بڑے تھے، سید اصغر، جن کی عمر درویشی میں گذری اور کوٹھا میں وفات پائی، سید شاہ مدار، جن کی شہادت صوات میں سید اکبر شاہ کی وفات سے کچھ مدت پیشتر ہوئی۔ باقی تین بھائیوں میں سے سید اکبر شاہ کو تمام قبائل نے ۱۸۳۶ء میں زیریں ہزارہ کا بادشاہ منتخب کیا تھا۔ یہ بادشاہی انگریزی اقدامات کی وجہ سے ختم ہو گئی تو اہل صوات نے بالاتفاق انہیں بادشاہ بنا لیا۔ وہیں ۱۸۵۷ء میں وہ فوت ہوئے۔ سید عمر، سید اکبر شاہ کی غیر حاضری میں ستھانہ کی امارت پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فائز ہوئے، سید عمران نے سیاسی کاموں میں نمایاں حصہ نہ لیا۔

یہ سادات سید احمد شہیدؒ کے زمانے میں مجاہدین سے وابستہ ہوئے تھے، اور اس وابستگی میں کبھی کوئی خلل پیدا نہ ہوا۔ اس سرگزشت کے ابتدائی ابواب میں بتایا جا چکا ہے کہ مجاہدین ہر دورِ ابتلا میں سادات ہی کو اپنی آخری پناہ گاہ سمجھتے رہے۔ پائندہ خاں سے آخری مرتبہ اختلاف ہوا تھا تو مجاہدین ستھانہ ہی میں آ گئے تھے، مولانا ولایت علی نے بھی اسی جگہ قیام پسند کیا تھا۔ اب مجاہدین سے وابستگی ہی کے باعث ان کا وطن بھی بربادی کی زد میں آیا۔

اتمان زئیوں سے تعلقات

ستھانہ سے بالکل قریب اتمان زئیوں کے چار گاؤں ہیں: کیا زیریں، کیا بالا، کھبل زیریں، کھبل بالا۔ ان لوگوں سے سادات کے تعلقات عموماً خوش گوار رہے، بلکہ رشتہ داریاں بھی تھیں۔ سید عمر شاہ کی امارتِ ستھانہ کے دوران میں اتمان زئیوں کو شبہ ہوا کہ ستھانہ کی طرف سے ان پر عشر عائد کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ یہ شبہ سراسر بے بنیاد تھا۔ چونکہ ایک مرتبہ سید اکبر شاہ اتمان زئیوں کی رضامندی سے مجاہدین کیلئے گزارے کا انتظام کرا چکے تھے، جو کم و بیش بیس سال پیشتر کا واقعہ تھا۔ اسلئے شبہ نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ ایک موقع پر سید عمر شاہ سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ کسی کام کے سلسلے میں کھبل گئے ہوئے تھے کہ مخالفین نے ان پر حملے کی تیاری کر لی۔ سید عمر شاہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو حیران رہ گئے۔

موقع ایسا تھا کہ وہ کوشش بھی کرتے تو سب کو شبہ کے بے بنیاد ہونے کا یقین نہ دلا سکتے، ویسے بھی سرحد آزاد کی زندگی کا ماحول اس امر کا روادار نہ تھا کہ کسی مخالف گروہ کے مظاہرۂ قوت کے وقت مقابلے میں پس و پیش کی جائے اور اپنی طرف سے صفائی یا عذر خواہی کو مدارِ کار بنایا جائے۔ سید عمر نے رفقاء کی قلت کے باوجود مقابلے کا فیصلہ کر لیا۔ ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے تمام ساتھی بھر ماری کے ماہر تھے، انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں اتمان زئیوں کو شکست دے کر اطاعت پر مجبور کر دیا اور وہ ادائے مالیہ کے اقرار نامے لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ غالباً ۱۸۵۱ء کا واقعہ ہے۔ یہ شکست برابر اتمان زئیوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی اور وہ اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ کوئی اچھا موقع پیدا ہو تو سادات کی حکومت کا جوا کندھوں سے اُتار پھینکیں۔

اتمان زئیوں کی سرکشی

انگریزوں نے پنجتار اور منگل تھانہ کی بربادی کے بعد گرد و نواح کے تمام قبیلوں سے اقرار نامے لینے شروع کیے کہ وہ سادات ستھانہ کا ساتھ نہ دیں گے۔ اتمان زئی پہلے سے ایسے ہی کسی موقع کے منتظر تھے، چنانچہ انہوں نے بھی خفیہ خفیہ انگریزوں سے معاملہ طے کر لیا۔ اس اثناء میں انگریزوں کی یورش سے دو تین روز قبل اچانک ایک واقعہ پیش آ گیا جو ستھانہ پر اتمان زئیوں کی یورش کا باعث بن گیا۔

۱۸۵۱ء کی جنگ میں دو بھائی، سرگند خاں اور جمال خاں سید عمر شاہ کے حامی رہے تھے۔ جمال خاں کے ہاتھ سے کھبل کے ملک محبّ اللہ خاں کا ایک بیٹا مارا گیا تھا۔ افغانی دستور کے مطابق باقاعدہ جنگ میں قتل ہونے والے آدمیوں کا قصاص نہ لیا جاتا تھا، البتہ جنگ کے بغیر جو لوگ قتل ہوتے تھے ان کے وارث پشتوں تک قاتلوں سے انتقام لینے کے درپے رہتے تھے۔ محبّ اللہ خاں کے بیٹوں نے اس افغانی دستور کے خلاف جمال خاں کو اپنے مقتول بھائی کے انتقام میں کیا اور کھبل کے درمیان قتل کر دیا۔ سید عمر شاہ حاکم علاقہ ہونے کے لحاظ سے اس خونِ ناحق کا قصاص لینے کے مجاز تھے۔ محبّ اللہ خاں نے یہ چالاکی کی کہ چپ چاپ اٹھا اور ستھانہ پہنچ کر والدۂ سید عمر شاہ کی ڈیوڑھی میں التجائے رحم کے لئے جا بیٹھا۔ سیدہ نے اسے پناہ دے دی اور اپنے فرزند ارجمند کو محبّ اللہ خاں اور اس کے بیٹوں کی حفاظت کے اقرار پر مجبور کر دیا۔ سید عمر والدہ کا کہنا ٹال نہ سکے، نتیجہ یہ نکلا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ سرگند خاں ان کا دشمن بن گیا۔ جب کیا اور کھبل میں کوئی بھی گروہ سید عمر شاہ کی حمایت کیلئے باقی نہ رہا تو اتمان زئی لشکر تیز کر کے سادات پر چڑھ دوڑے۔ ستھانہ کے سامنے کوئی نصف میل کے فاصلے پر بال ڈھیری نام ایک پہاڑی ہے، جو تقریباً چھ سو فٹ بلند ہوگی، اس پر دشمن مورچے بنا لے تو ستھانہ پر تباہی خیز گولہ باری کر سکتا ہے۔ اتمان زئیوں نے اس پہاڑی پر مورچے لگا لئے اور گولیاں برسانے لگے۔

سید عمر کی شہادت

سید عمر شاہ نے یہ حالات دیکھے تو اپنے سواروں اور پیادوں کی ایک جمعیت دریا کے قریب سے کیا پر یورش کے لئے بھیج دی۔ خود ان کا بیٹا سید محمود شاہ اور سید اکبر شاہ مرحوم کا فرزند سید مبارک شاہ بھی اسی فوج کے ساتھ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ کیا پر حملہ ہوتے ہی اتمان زئی بال ڈھیری کے مورچے چھوڑ کر اپنی حفاظت پر مجبور ہو جائیں گے۔ ٹھہرے رہیں گے تو عقب سے ان پر کامیاب حملہ ہو سکے گا۔ یہ تجویز جنگی نقطۂ نگاہ سے بڑی مؤثر تھی، لیکن اپنی فوج کیا بھیج کر سید عمر شاہ کو خدا جانے کیا خیال آیا کہ جوشِ تہور میں پندرہ بیس سواروں کو ساتھ لے کر انہوں نے بال ڈھیری کے مورچوں پر بلہ بول دیا۔ حملہ ایسا سخت تھا کہ پہلا مورچہ فتح ہو گیا اور دوسرے مورچے کے جنگجو بھی جگہ چھوڑ کر منتشر ہونے لگے۔ اس اثناء میں ایک گولی سید عمر شاہ کے سینے میں لگی اور پشت کی طرف سے نکل گئی۔ زخم کاری تھا، سید عمر شاہ اپنے بھائی سید عمران شاہ کے سہارے بہ مشکل تمام ستھانہ کی مسجد میں پہنچے۔ رمضان ۱۲۷۴ھ کی چودھویں یا پندرھویں تاریخ تھی (۳۰ر اپریل ۱۸۵۸ء) دوا پلانے کی کوشش کی گئی۔ سید عمر شاہ نے انکار کر دیا اور کہا: میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں روزہ دار ہی جانا پسند کرتا ہوں۔ اسی حالت میں جاں بحق ہوئے۔ یہ انگریزی حملے سے چار روز پیشتر کا واقعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریزوں کی یورش سے قبل ہی وہ شخصیت ختم ہو چکی تھی جو مقابلے اور مزاحمت کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ گویا قدرت نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزوں کیلئے پہلے ہی کامیابی کا انتظام کر دیا تھا۔ خدوخیل میں وہ اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ مقرب خاں کی قوم اس کے خلاف تھی۔ ستھانہ میں اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ سید عمر شاہ چار روز پیشتر شہید ہو چکے تھے۔

عبدالحق آروی کا بیان

مولوی عبدالحق کا بیان یہ ہے کہ سید مبارک شاہ کے پاؤں میں گولی لگ چکی تھی۔ سید عمر شاہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دے دیا کہ اتمان زئیوں پر گولیاں نہ چلائیں اور صرف تلواروں سے ان پر حملہ کیا جائے۔ اسی حالت میں ان کے گولی لگی اور ستھانہ پہنچ کر وہ فوت ہو گئے۔

پس از جنگ بازی بہ پرداختند
بتکفین و تدفین او ساختند

چو تاریخ ترحیل آں خواستم
بہ کنج تفکر بپرداختم

بہ من گفت ہاتف پس از زود تر
تفنگ اجل برد عقد عمر(۱)

۱۲ ھ ۷۴

انگریزی یورش

انگریزی فوج ۴ مئی ۱۸۵۸ء (۲۰ رمضان ۱۲۷۴ھ) کو ستھانہ کے خلاف بڑھی، گیا اور کھبل کے تمام اتمان زئی نیز دوسرے خوانین ساتھ تھے۔ ایک ہزار پچاس آدمیوں کا ایک جیش پانچ توپوں کے ساتھ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر جا ٹھہرا۔ فوج کا بڑا حصہ جنوبی سمت سے حملہ آور ہوا۔ والی امب کی فوج نے شمالی سمت کی پہاڑیوں پر مورچے قائم کر لئے۔ اس سے پیشتر سادات بال بچوں کے ساتھ ستھانہ سے ملکا چلے گئے تھے، جو مہابن کے اوپر ان کے وطن سے تقریباً پینتیس میل کے فاصلے پر ہے۔

(۱) غزائے بونیر، قلمی نسخہ ص: ۲۲-۲۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھوڑے سے ہندوستانی مجاہدین وہاں رہ گئے تھے اور ان کے ساتھ جدون قبیلے کے بہادروں کا ایک چھوٹا سا دستہ تھا۔ لڑائی ستھانہ کے اوپر اس پہاڑ میں ہوئی جسے شاہ نور زری کہتے ہیں۔ ہچبت اور میسن کا بیان ہے کہ ہر مجاہد یا شہید ہوا یا گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے جوشِ حمیت کا غیر معمولی مظاہرہ کیا۔ وہ بہادرانہ پیش قدمی کرتے رہے۔ سب نے نہایت عمدہ لباس وکفن رکھے تھے۔ نہ کسی کے قدم میں لرزش ہوئی، نہ کسی کی زبان سے نعرہ بلند ہوا، چپ چاپ جانیں دیتے رہے۔(۱)

سید عبدالجبار شاہ ستھانوی اور ڈاکٹر بیلیو کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ نور زری کی لڑائی عصر کے وقت ہوئی اور وہاں کل ساٹھ مجاہد تھے۔ شاہ اکرام اللہ ان کے سالار تھے۔ وہ مولانا عنایت علی کے بعد مجاہدین کے ان تین سالاروں میں سے تھے جنہیں انتظامِ امارت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ مجاہدین کا دستور تھا کہ جب مقابے کیلئے مورچے قائم کر لیتے تو پھر پیٹھ پھیرنا ان کے نزدیک قرآن کے رو سے جائز نہ تھا۔ وہ شوقِ شہادت لے کر وطن سے آئے تھے اور ان کا کام یہ ہوتا کہ دشمن پر جتنی ضربیں لگا سکیں لگاتے جائیں، یہاں تک کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیں۔ ان مجاہدین کی قبریں اب تک شاہ نور زری کی چوٹی پر موجود ہیں۔(۲) حافظ عبدالمجید کی یادداشتوں میں بتایا گیا ہے کہ اس لڑائی میں شاہ اکرام اللہ کے علاوہ جمعدار اللہ بخش، نعمت اللہ اور تقریباً تیس مجاہدین شہید ہوئے۔

ستھانہ کی تباہی

انگریزوں نے ستھانہ کو بے دردی سے تباہ کیا۔ توپیں لگا کر گاؤں مسمار کر ڈالا۔

(۱) ہچبت کی کتاب ص ۳۱۔ واٹسن کی کتاب ص ۸۰

(۲) کتاب العبر قلمی نسخہ ص ۳۴۹۔ یوسف زئیوں سے متعلق سرکاری رپورٹ (انگریزی) ص ۹۸۔ ڈاکٹر بیلیو نے مجاہدین کی تعداد چالیس لکھی ہے، یہ ہندوستانیوں کی تعداد ہے، جدون ان میں شامل نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہاتھیوں سے مجاہدین کا قلعہ تڑوایا۔ ستھانہ، منڈی اور مرکز مجاہدین کا نشان تک باقی نہ چھوڑا۔ سید عبدالجبار شاہ کے بیان کے مطابق ستھانہ کی دو آبادیاں تھیں: ایک زیریں ستھانہ، جس میں عام لوگ رہتے تھے۔ دوسرے بالائی ستھانہ، جہاں سید عمر شاہ مقیم تھے۔ بالائی ستھانہ کو بارود سے اڑا دیا گیا، سایہ دار درختوں کو بھی کاٹ ڈالا گیا، جو کٹ نہ سکے ان کی چھال ایک ایک فٹ اتار دی گئی تا کہ خشک ہو جائیں۔ مولوی عبدالحق آروی نے اس آبادی کے متعلق لکھا ہے:

ستھانہ ہماں جا بہ جد کیا ست	ستھانہ مگو بلکہ شہرِ حیا ست
درآں سیداں جملہ مہماں پرست	دہند و خورند آنچہ آید بدست
ہماں سیداں تاجِ سادات اند	چو سادات باچار عادات اند
وجیہ و سخی و شجاعت نشاں	چہارم دیانت ازاں جملہ داں

صرف ستھانہ کی بربادی پر قناعت نہ کی بلکہ اتمان زئیوں سے عہد لیا کہ پھر اس مقام پر سادات کو آباد نہ ہونے دیں گے۔ اندیشہ تھا کہ ممکن ہے بالائی جدون یعنی سالار اور منصور انگریزی فوج کی مراجعت پر اتمان زئیوں کو دبائیں اور سادات کی آبادی کا انتظام کرا دیں، لہٰذا ان کے خلاف بھی تادیبی اقدامات کیے گئے اور انہوں نے بھی اقرار کر لیا کہ سادات اور ہندوستانیوں کو آباد نہ ہونے دیں گے، اور جو قبیلہ انہیں آباد کرنے کی کوشش کرے گا اس کے مقابلے میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھیں گے۔(۱)

آخر میں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ ساداتِ ستھانہ پر یہ مصیبت صرف مجاہدین کی سرگرم اعانت ہی کے باعث ٹوٹی تھی اور انہیں جتنی مالی یا جانی قربانیاں کرنی پڑیں ان کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ ہر دور میں مجاہدین کے رفیق و معاون رہے۔

(۱) وائلی کی کتاب ص: ۸۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت
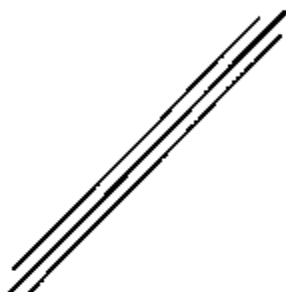
حصہ چہارم

مولانا عبداللہ

(از ابتدائے امارت تا جنگِ امبیلہ)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

ملکا اور ساداتِ ستھانہ

مرکز ملکا

ستھانہ سے تقریباً چھتیس میل کے فاصلے پر مہابن کے مغربی حصے میں ملکا نام ایک مقام تھا، جو مدت سے ساداتِ ستھانہ کی ملکیت چلا آتا تھا، لیکن یہ مقام ایک زمانے میں اخوند خیلوں کے پاس کسی وجہ سے رہن کر دیا گیا تھا۔ سید اکبر شاہ نے اپنی بادشاہی کے زمانے میں رہن کا روپیہ ادا کر کے اسے فک کرالیا تھا۔(۱) ستھانہ کی تباہی کے بعد سادات ملکا میں رہنے لگے اور مجاہدین کو بھی ساتھ لے گئے۔ چنانچہ ستھانہ کے بعد ملکا مجاہدین کا مرکز رہا اور جنگ امبیلہ تک وہ اسی جگہ مقیم رہے۔

مولوی عبدالحق آروی نے ''غزوۂ بنیر'' میں لکھا ہے کہ ملکا میں مہاجروں کی آمد بہت بڑھ گئی تھی۔ تھوڑی ہی مدت میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان اس قدر جمع ہو گئے کہ ان کا شمار مشکل تھا۔ جب پہلی آبادی میں سب کے لئے گنجائش نظر نہ آئی تو ایک نئی آبادی قائم کی گئی جو پہلی سے متصل تھی:

بہ کم مدتے شہر آباد شد		بہ فضل خدا نیک بنیاد شد
شد آں شہر را بس عمارت بلند		در آمد بہ چشم کساں خوش پسند

(۱) حافظ عبدالمجید کی یادداشتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک موقع پر نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے سات ہزار روپے کی رقم مجاہدین کو دی تھی، جس میں سے ایک ہزار روپے ملکا کے لئے تھے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا یہ رقم ملکا میں مجاہدین کے لئے دی گئی تھی یا مقصود یہ تھا کہ وہ آس پاس کا کوئی گاؤں خرید لیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ز پائے مہاجر شرف یافتہ		ز ہر گوشہ اش نور برتافتہ
بہ ہر چار سو کوہ پوشش حصار		چو آباد گردید شد استوار (۱)

ملکا کی وسعت آبادی کی تصدیق ریجنل ٹیلر کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ٹیلر انگریزوں کی اس پارٹی کا سرخیل تھا جسے جنگ امبیلہ کے بعد ملکا کو آگ لگوانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ اس بیان میں بتایا گیا ہے کہ آبادی خاصی وسیع تھی، پہاڑی عمارتوں کے انداز پر ایسی بارکیں بنائی گئی تھیں جن میں تقریباً تین ہزار مجاہدین سما سکتے تھے۔ پاس ہی بارود کا ایک کارخانہ تھا، نیز چند دکانیں اور دوسری عمارتیں تھیں۔ جگہ بہت محفوظ تھی، آبادی کے اِرد گرد مہابن کے اونچے ٹیلوں کی فصیل کھڑی تھی۔ (۲)

بدنظمی کا دور

مولانا عنایت علی کی وفات کے بعد بلکہ ان کی زندگی کے آخری دور ہی میں مجاہدین کے نظم کا شیرازہ بکھر چکا تھا، تاہم وہ جہاں جہاں تھے، اپنے اصل مقاصد کے لئے امکانی جدوجہد میں مشغول رہے۔ بعض اصحاب مولانا کی زندگی ہی میں واپس چلے گئے تھے، مثلاً مولانا یحییٰ علی یا اس خاندان کے بعض دوسرے افراد، نیز مولانا مقصود علی داناپوری جو خاصی مدت تک راولپنڈی کے گردونواح میں دورے کرتے رہے۔ مولانا فیاض علی (برادر مولانا احمد اللہ و یحییٰ علی) کو بھی مولانا عنایت علی سے اختلاف ہوا تھا، لیکن وہ واپس نہ ہوئے اور سرحد ہی میں وفات پائی۔ تین امیروں میں سے شاہ اکرام اللہ شاہ تورلڑی کی جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ مولانا نور اللہ، جنہیں ڈاکٹر بیلیو نے نصر اللہ لکھا ہے، کابل جاتے ہوئے ملاسر (وادی چملہ) پہنچے تو بیمار ہو کر فوت ہوئے اور ملاسر ہی کی زمین میں محو

(۱) غزوہ بنیر ص: ۳۳-۳۴

(۲) ریجنل ٹیلر کے سوانح حیات انگریزی ص: ۲۹۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آرام ہیں۔ اس اثناء میں مولانا مقصود علی آ پہنچے۔ یہ غالباً میرٹھ میں گرفتار بھی ہوئے تھے اور ان کے پاس سے جو کاغذات برآمد ہوئے تھے، ان میں مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کے بعض اعلانات بھی تھے۔ پھر یہ رہا کر دیے گئے۔ غرض مجاہدین نے انہیں امیر بنالیا۔ حافظ عبدالمجید کی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوائل جمادی الاخریٰ ۱۲۷۵ھ (اواخر جنوری ۱۸۵۹ء) میں پٹنہ سے روانہ ہوئے تھے، اور ۱۸۶۰ء میں سرحد پہنچے ہوں گے۔ کچھ مدت بعد انہوں نے بھی بہ عارضۂ بواسیر وفات پائی۔(۱)

مولانا ولایت علی کے فرزند ارجمند مولانا عبداللہ اس لیے پٹنہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ان کے چچا مولانا فرحت حسین بیمار تھے۔ وہ ۱۲۷۴ھ میں فوت ہو گئے۔ جب مولانا عبداللہ کو معلوم ہوا کہ مرکز مجاہدین کے حالات چنداں دلخواہ نہیں رہے تو ۲۳ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ ۱۹ رنومبر ۱۸۵۹ء کو وہ مع اہل وعیال پٹنہ سے روانہ ہوئے اور سرحد پہنچ گئے۔ مولانا مقصود علی کی وفات پر ان کے فرزند مولانا اسحٰق اور مولانا عبداللہ دونوں منصبِ امارت کے اہل سمجھے جاتے تھے اور دونوں کے حامی موجود تھے، خصوصاً مولانا اسحاق کو تمام بنگالیوں کی امداد حاصل تھی۔ چونکہ مولانا عبداللہ کو جنگی امور کا وسیع تجربہ حاصل تھا، اسلئے انہیں کے نام قرعۂ انتخاب پڑا۔ ان کا عہدِ امارت کم وبیش چالیس سال پر پھیلا ہوا ہے، اور مجاہدین کی سرگزشت کا یہ سب سے زیادہ شاندار باب ہے، جس کے حالات تفصیلاً آئندہ ابواب میں بیان ہوں گے۔

ساداتِ ستھانہ کی سرگزشت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ساداتِ ستھانہ کی سرگزشت بھی اجمالاً بیان کر دی جائے، جو آئندہ مجاہدات میں جماعت مجاہدین کے سرگرم ترین رفیق ومعاون رہے۔

(۱) ڈاکٹر بیلیو نے لکھا ہے کہ مولانا مقصود علی ۱۸۶۲ء کے موسم بہار یعنی شعبان یا رمضان ۱۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ ص ۹۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہم بتا چکے ہیں کہ سادات چھ بھائی تھے، جن میں سید اعظم کے صرف ایک لڑکی تھی، سید اصغر اور سید شاہ مدار لاولد تھے، باقی تین بھائیوں کے نرینہ اولاد تھی، اور وہی پورے املاک کے وارث قرار پائے۔ سید اعظم کی صاحبزادی کی شادی شہزادہ مبارک شاہ (ابن سید اکبر شاہ) سے ہوئی تھی۔ سید عمر شاہ کے چار فرزند تھے: سید محمود شاہ بڑے، سید شاہ حسین، سید شیر حسین اور سید شاہ میر حسین چھوٹے۔ سید عمران شاہ کے فرزند سید عطر شاہ، سید عبداللطیف اور سید قلندر شاہ تھے۔ ستھانہ کی تباہی کے بعد سید مبارک شاہ اور سید عمران شاہ ملکا میں مقیم ہو گئے، لیکن سید عمر شاہ کے فرزندوں نے آستانہ داروں کے علاقے میں کبابی کو اپنی اقامت کے لیے پسند کیا۔ (۱)

سید محمود شاہ کی ملازمت

سید عمر شاہ کے ساتھ نواب جہاندار خاں والی امب کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ انہیں خیال آیا کہ سید شہید کی اولاد کے گزارے کا کوئی معقول بندوبست نہیں رہا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے زیر اہتمام سید محمود شاہ کو گھوڑوں کے ساتھ بے قاعدہ سرکاری رسالے میں بھجوا دیا۔ (۲) اس سلسلے میں شہزادہ مبارک شاہ اور سید عمران کے کچھ گھوڑے بھی شامل کر لیے گئے۔ سید محمود شاہ خاصی مدت تک انگریزی علاقے میں رہے۔ انہیں اپنی اور گھوڑوں کی تنخواہ ڈیڑھ دو ہزار ماہوار مل جاتی تھی، شہزادہ مبارک شاہ اور سید عمران شاہ

(۱) یہ تمام حالات سید عبدالجبار شاہ تھانوی کی کتاب العبرت سے ماخوذ ہیں۔ کبائی کے انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ علاقہ ملکا کے رہن کا روپیہ مولانا سید الجبار شاہ کے قول کے مطابق سید عمر شاہ نے ادا نہ کیا تھا، لہٰذا ان کے فرزندوں کو وہاں جو ناپسندیدہ مقصوم نہ ہوا۔

(۲) اس زمانے میں وقت کے عام حاکموں اور رئیسوں کی طرح انگریزی حکومت باقاعدہ اور مستقل رسالے کے علاوہ بے قاعدہ رسالے بھی بھرتی کر لیتی تھی۔ یہ لوگ مستقل ملازم نہ سمجھے جاتے تھے۔ جتنی مدت تک ان سے کام لینے کی ضرورت ہوتی گھوڑوں اور آدمیوں کی تنخواہ دے کر لیو جاتا، جب ضرورت نہ رہتی تو انہیں جواب دے دیا جاتا۔ بعض لوگ محض گھوڑے ملازم رکھوا دیتے اور کسی نگراں کے ذریعے سے ان کی تنخواہیں لیتے رہتے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے گھوڑوں کی رقم انہیں بھیج دی جاتی تھی۔ جب انگریزوں نے یہ بے قاعدہ رسالہ توڑا تو سید محمود شاہ کو براہ راست رسالداری کا عہدہ پیش کیا، لیکن انہوں نے ملازمت منظور نہ کی اور اپنے گھوڑے فروخت کر کے واپس چلے گئے۔ شہزادہ مبارک شاہ کا آدمی گھوڑے لے کر نظر بہ ظاہر برائے فروخت کہیں چلا گیا۔ لیکن رقم شہزادے کو نہ ملی (۱) سید محمود شاہ نے ایسا انتظام کر لیا تھا کہ ان کے خاندان کو ستھانہ میں اقامت کی اجازت مل جائے اور خاندانی املاک ان کے قبضے میں آ جائیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے حکومت پنجاب کے پاس ایک درخواست بھی دے دی تھی۔ اس اثناء میں شہزادہ مبارک شاہ نے بہ طور خود دوسری تدبیر اختیار کر لی، جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

شہزادے کی تدبیر

شہزادے نے خود ایک موقع پر بیان کیا کہ میں دو سال تک آبادیِ ستھانہ کی مختلف تدبیریں کرتا رہا لیکن کوئی بھی کارگر نہ ہوئی۔ آخر ایک روز ملکا سے روانہ ہوا اور رات کے وقت ستھانہ پہنچا۔ اپنے خاندانی قبرستان میں جا کر ساری رات دعائیں کرتا رہا کہ کامیابی کی کوئی صورت نکل آئے۔ طلوع سحر سے پہلے واپس چلا گیا۔ دل پر ایک گونہ تسکین و اطمینان کی کیفیت طاری تھی۔ جاتے ہی جدونوں کے سرداروں سے ملا۔ وہ مجھے دیکھ کر شرما گئے اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ کوئی صورت پیش آئے وہ انگریزوں اور اتمان زئیوں کی مخالفت سے بے پروا ہو کر میری امداد کریں گے۔ اس انتظام کے بعد میرے دماغ میں ایک ایسا نقشہ عمل آیا جس پر کاربند ہو کر اصل مقصد کیلئے موثر طریق پر جدوجہد کی جا سکتی تھی۔ نقشہ یہ تھا کہ ستھانہ کے قریب پہاڑوں میں ایک مضبوط مورچہ قائم کر کے اردگرد دہشت پھیلا دی جائے۔

(۱) شہزادے کو بتایا گیا کہ جو رقم ملی تھی وہ انگریزوں نے اس بنا پر ضبط کر لی کہ یہ اس شخص کی ہے جو انگریزوں کا دشمن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سری میں برج

ستھانہ کے شمال میں جو نالہ منڈی یا ستھانہ کا نانہ کہلاتا ہے، اس کے اندر ایک نہایت محفوظ مقام ہے، جسے ''سری'' کہتے ہیں۔ شہزادے نے وہاں ایک مستحکم برج بنالیا، اس میں اپنے تھوڑے سے بہادر جانباز ملازموں کو متعین کردیا، کچھ مجاہدین بھی ان میں شامل ہو گئے۔

ستھانہ برباد ہو چکا تھا۔ اس کی اراضی میں حسن زئی اور کھبل کے اتمان زئی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ برج کے مجاہدوں نے ایک روز اچانک ان پر یورش کردی اور ایک ہی حملے میں سات آدمی گیا کے اور بارہ آدمی کھبل کے قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد مار دھاڑ کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ اتمان زئیوں کیلئے نہ صرف ستھانہ بلکہ اس سے متصل گیا اور کھبل کی اراضی میں بھی کھیتی باڑی کی کوئی صورت نہ رہی اور نہ لوگ گھاس، لکڑی وغیرہ بھی لانے سے محروم ہو گئے۔ آخر انہوں نے خفیہ خفیہ شہزادے کو پیغام بھیج دیا کہ ہم ستھانہ کے املاک سے دست بردار ہوتے ہیں، آپ اپنے مزارعوں سے کاشت کرائیں اور پیداوار اپنی مرضی کے مطابق حاصل کرتے رہیں۔ اس طرح ستھانہ کی کل اراضی واگزار ہو گئی، البتہ وہاں آبادی کا انتظام فوراً نہ ہو سکتا تھا۔ شہزادے نے آبادی کو حالات کی مزید سازگاری پر موقوف رکھا۔

ہزارہ پر ترکتاز

ستھانہ جب آباد تھا تو اس کے علاقے میں سے گذرنے والے سوداگر سادات کو محصول دیا کرتے تھے۔ شہزادہ مبارک شاہ نے اپنی برادری کے تمام افراد سے وصول محصول کا حق لے لیا۔ اس طرح جو رقم ملتی تھی وہ برج ''سری'' کے سپاہیوں اور مجاہدوں کے گزارے میں صرف کی جاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں پکھلی باراور شمالی اضلاع پنجاب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے بڑے بڑے ڈاکو اور مجرم اس برج میں پناہ لینے لگے۔ وہ موقع پا کر نکلتے اور دریا عبور کر کے انگریزوں کے کیمپوں، چھاؤنیوں اور مراکزِ رسد پر چھاپے مارتے۔ سامان کے علاوہ گھوڑے، خچر لوٹ لے جاتے۔

اتمان زئیوں نے اس ڈر سے اپنے مقتولین کی اطلاع بھی انگریزوں کو نہ دی تھی کہ شاید شہزادے سے خفیہ مصالحت کا راز فاش ہو جائے۔ اب انگریزوں نے خود باز پرس شروع کی تو اتمان زئیوں نے جدونوں کو ملزم ٹھہرایا۔ انگریزوں نے جدونوں کی ناکہ بندی کر کے جرمانہ بھی وصول کیا اور یہ عہد بھی لیا کہ وہ "سری" کے برج کو مسمار کر دیں گے۔ چنانچہ ۱۸۶۱ء میں جدونوں نے برج مسمار کر دیا، تاہم ستھانہ کی اراضی سے شہزادہ بدستور متمتع ہوتا رہا۔ (۱)

سرگند خاں کا قتل

یاد ہوگا کہ ستھانہ پر انگریزوں کے حملے سے چند روز پیشتر اتمان زئیوں نے چڑھائی کی تھی، جس میں سید عمر شاہ شہید ہوئے تھے۔ اس چڑھائی میں سرگند خاں پیش پیش تھا بلکہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ سید عمر میری گولی سے مارا گیا۔ شہزادہ مبارک شاہ کے دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی، اگرچہ سرگند خاں شہزادے کی والدہ کے قبیلے سے تھا اور شہزادہ اسے ماموں کہتا تھا، تاہم اس نے چچا کے قصاص میں اپنے آدمیوں کو بھیج کر سرگند خاں کو قتل کرا دیا۔ ساتھ ہی کیا کا ایک پٹھان مارا گیا۔ اب خود اتمان زئی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ چاہتا تھا کہ شہزادے سے دوستانہ تعلقات استوار رکھے جائیں، دوسرے کی

(۱) کیا اور کھبل کے اتمان زئیوں نیز سالار اور منصور جدونوں سے انگریزوں نے جو عہد لیا تھا، اس میں جہاں یہ ذکر تھا کہ سادات ستھانہ اور جماعت مجاہدین کو ستھانہ اور متعلقہ اراضی میں آباد نہ ہونے دیں گے، وہاں یہ ذکر بھی تھا کہ کسی ایسے شخص یا اشخاص کو اپنے علاقوں میں سے گزرنے نہ دیں گے جو مجاہدین کے لیے روپے یا ہتھیار یا گولی بارود یا کوئی اور چیز لے کر جائیں گے۔ (مجموعہ معاہدات و سندات مرتبہ ایچیسن، جلد ۹، ص ۷۳-۷۵ و ص ۸۶-۸۷)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خواہش تھی کہ انگریزوں سے کہہ کر شہزادے پر یورش کرائی جائے۔ اس اختلاف کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ حامیوں نے شہزادے کو لشکر کشی کی دعوت دے دی۔

شہزادہ مبارک اور سید محمود

یہ صورت حال تھی جب سید محمود شاہ ملازمت سے دست کش ہو کر وطن پہنچے اور انہوں نے آبادیٔ ستھانہ کیلئے جو درخواست دی تھی، اس کا ذکر شہزادہ مبارک شاہ سے کیا۔ شہزادے نے جواب دیا کہ ہم اپنے آزاد علاقے کے لئے انگریزوں سے امداد یا اجازت کے روادار نہیں ہو سکتے اور ہمیں قوت بازو ہی سے اپنے معاملات کی رو براہی کے لئے کوشاں ہونا چاہئے، نیز میں نے اپنے چچا کے قصاص میں سرگند خاں کو مارا، اس وجہ سے اتمان زئیوں میں تفرقہ پیدا ہوا اور ایک گروہ ہماری کمک کا طلب گار ہے۔ اگر ہم اسے مدد دے کر اپنی سیادت بحال کر سکتے ہیں تو اس کیلئے انگریزوں کے پاس کیوں جائیں؟ نہ ستھانہ انگریزی علاقہ ہے نہ کیا اور کھبل، غیروں کو اپنے معاملات میں حکم بنا کر ہم کب تک اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں؟

سید محمود شاہ کے لئے یہ صورت حال سراسر تعجب انگیز اور غیر متوقع تھی۔ چونکہ موجودہ منازعت کا آغاز ان کے والد ماجد کے قصاص سے ہوا تھا، لہٰذا پسند و ناپسند کا سوال بھی باقی نہ رہا تھا۔ یہ کیوں کر ممکن تھا کہ بھتیجا چچا کا قصاص لے اور بیٹا اسکے خلاف انگریزوں کے پاس آبادیٔ ستھانہ کی درخواستیں کرتا پھرے؟ چنانچہ سید محمود شاہ نے بھی اسی تجویز سے اتفاق کر لیا اور اتمان زئیوں پر لشکر کشی کا فیصلہ ہو گیا۔(۱)

(۱) سادات کے متعلق زیادہ تر حالات سید عبدالجبار شاہ کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملکا کی کیفیت

یہ سب کچھ ہمیں اس غرض سے اختصاراً لکھ دینا پڑا کہ آئندہ واقعات سے سادات ستھانہ کا گہرا تعلق ہے اور یہ حالات پیش نظر نہ ہوں تو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ انگریز کس وجہ سے مجاہدین و سادات کے مرکز ملکا کی تباہی کیلئے تیار ہوئے اور جنگ امبیلہ کیوں پیش آئی؟ ورنہ ہمارا اصل موضوع سادات ستھانہ کی تاریخ نہیں بلکہ جماعت مجاہدین کی سرگزشت ہے۔

ملکا کی آبادی کا تھوڑا سا حال اس باب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا تھا، مولوی عبدالحق آروی فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے ہاں دن میں پانچ مرتبہ نوبت بجائی جاتی ہے، ملکا میں نوبتیں نہ تھیں۔ مولانا عبداللہ مجاہدین کے امیر بنے تو وہاں ہر گھر میں خدا کا ذکر ہوتا تھا اور اسی ذکر سے پوری آبادی معمور تھی:

چو اسلام را بر نگارد دبیر		بود پنج حرف، ایں سخن یاد گیر
مرکب شد اسلام با پنج حرف		بنا آمدش پنج، اے نیک ظرف
خود آنجا ہماں پنج موجود بود		رہ و رسم را باب مسدود بود

یعنی اسلام پانچ حرفوں سے مرکب ہے، اس دین حق کے ارکان بھی پانچ ہیں۔ بس یہی ارکان مدار عمل تھے۔ ان کی خوب پابندی ہوتی تھی۔ غلط اور غیر مشروع رسموں کا دروازہ بند تھا۔ پھر وہاں ہر قسم کا سامان جنگ مہیا کیا جا رہا تھا، مثلاً بارود، گولے، گولیاں، توپیں، بندوقیں، بھالے، کمان، تیر، قرابینیں، تلواریں، گنڈاسے، ڈھالیں۔ اسلحہ خانہ جدا تھا، بزازی کا انبار جدا تھا، غلے کا گودام الگ تھا۔ (۱)

(۱) ملاحظہ ہو "غزائے بیر"، ص: ۳۴-۳۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

آبادیٔ ستھانہ

جنگِ امبیلہ کے اسباب

اب ہم جنگِ امبیلہ کے بالکل قریب آ پہنچے ہیں۔ ضروری ہے کہ اب ان اسباب و احوال پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے جنہیں انگریزوں نے اس جنگ کے موجبات قرار دیا، حالانکہ حق و انصاف کی بنا پر انہیں موجبات قرار دینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

ہم بتا چکے ہیں کہ انگریزوں نے "سری" کا برج جدونوں کے ذریعے سے مسمار کرا دیا تھا، تاہم شہزادہ مبارک شاہ کو ستھانہ کی اراضی پر عملاً قبضہ مل چکا تھا اور برج جس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ اب شہزادے کی توجہ دو باتوں پر مبذول تھی: اول یہ کہ سید عمر شاہ کی طرح اتمان زئیوں سے مالیہ لے۔ دوم یہ کہ ستھانہ میں قلعہ بنائے اور آبادی کا انتظام کرے۔ اس نے اتمان زئیوں کی اعانت کو ستھانہ کی آبادی پر مقدم رکھا اور تدبر کا تقاضا یہی تھا کہ پہلے ان لوگوں کو معین و رفیق بنائے، جن کی مخالفت کے باعث ستھانہ پر یورش کا راستہ صاف ہوا تھا، نیز جنہیں انگریزوں نے ستھانہ کو بے آباد رکھنے کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔

اتمان زئیوں سے خط و کتابت

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اتفاق سے اتمان زئیوں میں دو فریق ہو گئے تھے، جن میں سے ایک شہزادے کا سرگرم مؤید تھا۔ یہ صورتِ حال شہزادے کی تدبیروں کے لیے بڑی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سازگار تھی۔ اس نے اپنے مشیروں کو جمع کیا، تمام حالات ان کے روبرو پیش کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ غور و فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ اتمان زئیوں کے نام ایک مصالحانہ خط لکھا جائے۔ اگر اس کی بنا پر معاملات کی روبراہی کا موقع پیدا ہو جائے تو اچھا ہے، ورنہ لشکر کشی کی تدبیر کی جائے۔ چنانچہ شہزادے نے اتمان زئیوں کے تمام اکابر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ آپ لوگوں نے مخالفت کا فتنہ کیوں اٹھایا؟ کیا آپ کو یاد نہیں کہ میرے والد نے بادشاہی سوات کے زمانے میں آپ کیلئے جاگیریں اور وظیفے مقرر کئے تھے؟ پھر میرے چچا سید عمر شاہ امارتِ ستھانہ کے زمانے میں آپ سے حسن سلوک کرتے رہے۔ میں نے بھی تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ بہتر ہے کہ میری نصیحت سنو اور پہلے کی طرح رفاقت اختیار کرلو۔ اگر اس پر راضی ہو جاؤ تو بہت اچھا ہے، ورنہ میرے لئے جنگ کے سوا چارہ نہ رہے گا۔

اتمان زئیوں نے اس کے جواب میں شہزادے کی بڑی تعریف کی۔ لکھا کہ آپ مومنوں کے سرتاج ہیں۔ مسلمانوں کیلئے آپکی ذات تکیہ گاہ ہے۔ آپ کامل نیک ہے، دین کے خدمت گزار ہیں۔ یقیناً آپ ہی سرداری کے مستحق ہیں۔ ہماری غلطیاں معاف کیجئے اور ہمیں اپنے خدمت گزار تصور فرمایئے، برابر عشر ادا کرتے رہیں گے۔(۱)

کیا، کھبل پر پیش قدمی

یہ جواب ان لوگوں کی طرف سے تھا جو شہزادے کے رفیق تھے۔ جو افراد مخالف تھے، انہیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ شہزادے نے اب مناسب سمجھا کہ فوج لے کر کیا کھبل پہنچے اور وہاں کے انتظامات درست کر کے ستھانہ کی آبادی کے لئے تدابیر عمل میں لائے۔ انگریزوں کے بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ موسم گرما کا واقعہ ہے۔ سید

(۱) خزائن ضیر ص ۳۲۶، ۳۲۲

عبدالجبار شاہ نے بالتصریح رقم فرمایا ہے کہ جولائی کا مہینہ اور برسات کا موسم تھا، دونوں بیانوں میں کوئی ایسا تفاوت نہیں کہ اسے بحث طلب سمجھا جائے۔ شہزادے نے لشکر تیار کیا اور روانگی سے پیشتر عجز و نیاز سے بارگاہِ باری تعالیٰ میں دعا کی:

> الٰہی! تو دستگیر ہے، میں مصیبت زدہ ہوں تو مجھے سہارا دے، میں چیونٹی کی طرح عاجز و ناتواں ہوں، تو مجھے زور و قوت عطا کر۔ تو ہی فریاد یں سننے والا ہے، تیرے سوا کسی کی یاوری پر بھروسہ نہیں۔ الٰہی! جو لوگ مجھ سے سرتابی کیے بیٹھے ہیں تو ان کے دل میں ندامت کا احساس پیدا کر دے تاکہ وہ پھر میرے رفیق بن جائیں اور رات دن میرے کاروبار کی بجا آوری میں مصروف رہیں۔

لشکر ستھانہ کے درے میں پہنچا تو بارش کے باعث اتنا پانی آیا ہوا تھا کہ گذرنے کی کوئی صورت نہ تھی، ناچار وہاں بیٹھ کر پانی کم ہونے کا انتظار کیا گیا۔ اس اثناء میں اتمان زئیوں کو لشکر کے آنے کی خبر مل گئی۔ جو لوگ شہزادے کے حامیوں میں سے تھے، وہ خیر مقدم کی تیاریاں کرنے لگے۔ جنہیں مخالفت پر اصرار تھا، وہ اہل و عیال اور سامان لے کر کشتیوں میں بیٹھے اور دریا عبور کر کے تربیلہ پہنچ گئے، جو کھبل کے سامنے انگریزی علاقے کا مشہور مقام ہے۔

سید عبدالجبار شاہ لکھتے ہیں کہ شہزادے نے کھبل کے شمال میں دریا کے متصل غازی شاہ کی پہاڑی پر ایک قلعہ تیار کر لیا، اتمان زئی قوم نے اطاعت قبول کر لی، لیکن مخالف پارٹی کے لوگوں کے علاوہ بعض اتمان زئی ملک بھی کیا کھبل سے نکل کر تربیلہ چلے گئے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی شہزادے کے مخالف تھے یا اس وجہ سے سراسیمہ تھے کہ انگریزوں نے باز پرس کی تو کیا جواب دیں گے۔

انگریزوں کے پاس شکایتیں

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں ایک انگریز افسر دورے پر تربیلہ آیا ہوا تھا، اس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے کیا کھتل کے پناہ گزینوں کی شکایتیں سنیں اور حالت دیکھی تو بہت متاثر ہوا، چنانچہ اس نے حکومت کے پاس جو رپورٹ بھیجی وہ خاصی مبالغہ آمیز تھی۔ پھر انہیں پناہ گزینوں نے اپنی فریاد کو زیادہ مؤثر بنانے کیلئے امب بھی قاصد بھیج دیے اور لکھا کہ کیا کھتل سے فارغ ہونے کے بعد شہزادے کا پہلا حملہ امب (۱) پر ہوگا۔ نواب جہانداد خاں کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے فرزند نواب محمد اکرم خاں کی عمر صرف تیرہ چودہ سال کی تھی۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں نظم ریاست کی باگ ڈور تھی، وہ مذکورۂ بالا پیغام سے اس درجہ ہراس زدہ ہوئے کہ اپنا سب کچھ اٹھا کر نکلے اور دریا عبور کر کے دربند پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی انگریزوں کو لکھا کہ ہماری حفاظت کا بندوبست ہونا چاہئے۔ اس طرح انگریزوں کو مداخلت کے لئے بظاہر معقول بہانہ مل گیا۔

انگریزی موقف کی حیثیت

اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ یہ معاملہ ایسے علاقے کا تھا جو مقررہ انگریزی حدود سے باہر تھا۔ وہاں مختلف قبیلے اور گروہ آپس میں جھگڑتے بھی رہتے تھے اور صلح بھی کر لیتے تھے۔ شہزادہ مبارک شاہ نے اگر کیا کھتل پر یورش کی تھی تو انگریز اصولاً یا اخلاقاً اس میں دخل نہ دے سکتے تھے۔ نیز امب والوں کے ہراس کیلئے تو کوئی بعید از قیاس وجہ بھی موجود نہ تھی، کبھی ان سے لڑائی نہ کی تھی، خواہ مخواہ ایک فرضی ہوا کھڑا کر کے فریاد و فغاں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

پھر معاملے کا ایک اور پہلو بھی تھا۔ فرض کر لیجیے کہ شہزادے کا یہ اقدام درست نہ تھا لیکن اس سے حکومت انگلشیہ کیلئے کونسا خطرہ پیدا ہوا تھا؟ انگریز صبر و تحمل سے کام لیتے تو

(۱) یہاں امب سے مراد امب قدیم نہیں، جو ستھانہ سے تین چار میل شمال میں ہے۔ سیلابی میں یہ امب برباد ہو گیا تو اس کی جگہ ایک چھوٹا سا موضع بن گیا اور امب کا مرکز حکومت بلو چی گڑھ میں منتقل ہو گیا، جو امب قدیم سے تین میل شمال میں ہے۔ اسی کو عام لوگ امب کہنے لگے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خط و کتابت اور نامہ و پیام کے ذریعے سے پناہ گزینوں کیلئے واپسی اور اہل امب کے لئے اطمینان و دلجمعی کا بندوبست کرا سکتے تھے، لیکن انہوں نے معاملات کو گفت وشنید سے سلجھانے کے بجائے جنگ کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے جنگ ہی کا ارادہ کئے بیٹھے تھے، البتہ انہیں انتظار تھا کہ کوئی اچھا بہانہ ہاتھ آ جائے، نیز کون کہہ سکتا ہے کہ پناہ گزیں انہیں کی شہ پر تربیلہ نہ آئے ہوں اور اہل امب انہیں کی انگیخت پر مہاجر بن کر دربند نہ پہنچے ہوں؟

ستھانہ میں قلعے کی تعمیر

شہزادے نے کیا کھبل میں دفاعی انتظامات سے فراغت پائی تو ستھانہ کی آبادی پر توجہ کی، چونکہ تمام معاملات مصالحت سے رو براہ ہو چکے تھے، لہٰذا اس نے عفوِ عام کا اعلان کرا دیا اور کسی کے مال کو خفیف سا بھی نقصان نہ پہنچایا۔ اتمان زئی اس حسن سلوک سے بے حد خوش ہوئے۔ یہ دیکھ کر شہزادے نے ان سے کہا کہ اب ستھانہ کی آبادی کا انتظام بھی ہونا چاہئے۔ اتمان زئیوں کی تین شاخیں ہیں: الازئی، کنازئی اور اکازئی۔ قلعے کے چار پہلو ہوتے ہیں، مناسب یہ ہے کہ قلعہ ستھانہ کے تین پہلوؤں کی تعمیر کا ذمہ یہ تین شاخیں اٹھائیں اور چوتھے پہلو کی تعمیر کا انتظام اہل برگ کریں، جو ستھانہ کے قریب پہاڑوں میں ایک مقام ہے۔ چنانچہ اسی تجویز کے مطابق قلعہ تعمیر ہوا اور ستھانہ کی آبادی کا بندوبست ہونے لگا۔

انگریزوں کی غلط بیانیاں

انگریزوں نے اس واقعے کے متعلق جتنی بھی کتابیں لکھی ہیں، ان سب میں صورتِ حال کو سراسر غلط طریقوں پر پیش کیا گیا ہے، مثلاً:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱- مجاہدین ملکا چلے گئے تھے۔۱۸۶۳ء میں انہوں نے ستھانہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ جدونوں اور اتمان زئیوں نے روکنے کی کوئی کوشش نہ کی، لہٰذا ان کی ناکہ بندی کی گئی، لیکن اس سے متوقع نتیجہ نہ نکلا۔ مجاہدین نے کھلم کھلا معاندانہ حرکتوں کا ارتکاب شروع کردیا۔ ضروری ہوگیا کہ سرحد کو اس مصیبت سے نجات دلانے کیلئے موثر کوشش کی جائے۔(۱)

۲- ۱۸۶۳ء کے موسم بہار میں قتل کی دو وارداتوں کی اطلاع ملی، پھر خبر پہنچی کہ مجاہدین نے یکا یک ستھانہ پر قبضہ کرلیا ہے۔ قبائل نے نہ صرف انہیں روکنے کی کوشش نہ کی بلکہ بعض نے اس قبضے کے لئے دعوت دی۔(۲)

۳- ۱۸۵۸ء میں ستھانہ کی تباہی کے بعد مجاہدین ملکا چلے گئے۔ تین سال اطمینان سے گزار دینے کے بعد آس پاس کے علاقے کا امن خلل پذیر ہوا، برطانوی مقبوضات کے حواشی پر جو قبیلے آباد تھے، ان میں سے بھی بعض ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔(۳)

۴- مہم امبیلہ کا مقصد یہ تھا کہ ان مجاہدین اور آزاد قبیلوں کو سزا دی جائے جو مدت سے ہمارے سرحدی اضلاع میں چھاپے مار رہے تھے۔(۴)

۵- ۱۸۶۲ء میں مجاہدین کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ حکومت پنجاب کیلئے سرحد کی جنگ کے مشورے کے سوا چارہ نہ رہا۔ جولائی ۱۸۶۳ء میں مجاہدین نے دیدہ دلیری سے ستھانہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور ہمارے ماتحت والیٔ امب کو دہشت انگیز پیغامات بھیجے۔(۵)

جو کچھ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، کیا اس میں ہندوستانی مجاہدین کا کوئی ذکر ہے؟ بے شک مجاہدین شہزادے کے رفیق و معاون تھے، لیکن اتمان زئیوں پر لشکر کشی کا ذمہ دار

(۱) ہزارہ گزیٹیر، ص: ۱۲۸

(۲) واکلی کی کتاب، ص: ۸۱

(۳) نیویل کی کتاب، ص: ۵۰

(۴) جان ایڈائی کی کتاب ستھانہ (تمہید)

(۵) ہنٹر کی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص: ۱۸-۱۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صرف شہزادہ تھا اور یہ لشکر کشی اتمان زئیوں کی اکثریت کے حسب خواہش ہوئی تھی، اور خاص اس سلسلے میں کسی کو کوئی جانی یا مالی نقصان نہ پہنچا تھا۔ ستھانہ میں قلعہ تعمیر کرانے کا ذمہ دار شہزادہ تھا۔ لیکن انگریزوں نے خواہ مخواہ سارے معاملے کیلئے مجاہدین کو مجرم گردان لیا، اور یہ تہمت بھی لگادی کہ وہ والی امب کو دھمکا رہے تھے۔ بے شک وہ انگریزوں کے دشمن تھے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے تکلف تاریخی واقعات کا حلیہ بگاڑنا جائز سمجھ لیا جائے اور کسی بے سروپا اقدام کو درست ثابت کرنے کیلئے غلط بیانوں سے کام لیا جائے۔

ایک اور بیان

جنگ امبیلہ کے وجوہ واسباب کی نسبت ایک اور بیان خاص توجہ کا محتاج ہے، جو سیکھی صاحب کے قلم سے پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل جرنل میں شائع ہوا تھا، اور اس کی ترتیب میں حکومت پنجاب کے پرانے ریکارڈز سے استفادہ کیا گیا تھا۔ اس میں بعض نئی باتیں آ گئی تھیں، مثلاً:

۱۔ شہزادہ مبارک شاہ اور مجاہدین نے والی امب کو بھی ایک دعوت نامہ بھیجا تھا، جس کا مضمون یہ تھا کہ ہر سچے مسلمان کو غیر مسلموں کا ساتھ چھوڑ کر دین کے لئے قربانیوں پر آمادہ ہونا چاہیے۔

۲۔ مجاہدین نے ٹوپی کے انگریزی کیمپ پر ۳ ستمبر ۱۸۶۳ء کو چھاپا مارنے کی کوشش کی تھی۔ ملک عیسیٰ جدون ان کے ساتھ تھا۔ لیکن انگریزوں کو پہلے سے اطلاع ہوگئی تھی، لہذا دو جانوں کے سوا کوئی نقصان نہ ہوا۔

۳۔ چونکہ ابتداء میں سادات ستھانہ اور مجاہدین کا یہ خیال تھا کہ انگریز ستھانہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے انہوں نے ستھانہ کے سامنے دریا کے دائیں کنارے پر دفاعی مورچے بنائے تھے۔ جب معلوم ہو گیا کہ انگریز ملکا پر پیش قدمی کے خواہاں ہیں تو اگرچہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سادات اور مجاہدین کی بڑی جنگی قوت ستھانہ سے ملکا کی طرف چلی آئی، تاہم پہلے مورچے بدستور قائم رہے اور وقتاً فوقتاً نواں گراں کی انگریزی چوکی پر گولیاں آتی رہیں۔(۱)

۴۔ حملے کے متعلق انگریز افسروں کی تجاویز مختلف تھیں۔ رینل ٹیلر کمشنر کی رائے یہ تھی کہ ایک فوج جدونوں کے علاقے سے گذر کر ملکا پہنچے، یا وہ راستہ اختیار کیا جائے جو ۱۸۵۸ء میں منگل تھانہ پہنچنے کیلئے اختیار کیا گیا تھا۔ دوسری فوج دریا کے دائیں کنارے سے بڑھے اور ستھانہ کے آس پاس دونوں فوجیں مل جائیں۔ پنجاب کے گورنر کی تجویز یہ تھی کہ فوج کے دو حصے مہابن پہاڑ کی دونوں سمتوں سے اس طرح بڑھیں کہ پہاڑ کو گھیرے میں لے لیں۔ مرکزی حکومت کا خیال یہ تھا کہ ستھانہ پر توجہ بے شک مرتکز رہے، لیکن فوج کا بڑا حصہ منگل تھانہ اور ملکا کی طرف ایسے انداز میں پیش قدمی کرے کہ مجاہدین برندو ندی کی طرف نہ ہٹ سکیں۔ جنرل وائلڈ کی خواہش یہ تھی کہ جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے اس میں مجاہدین کی تباہی کا مقصد خاص طور پر پیش نظر رکھا جائے۔(۲)

(۱) نواں گراں ستھانہ کے عین سامنے دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ اسی گاؤں کے گھاٹ سے کشتی میں دریا کو عبور کر کے ستھانہ جاتے ہیں۔

(۲) پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل جرنل بابت دسمبر ۱۹۳۲ء، نیز ملاحظہ ہو جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی بابت اپریل ۱۹۵۳ء۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

جماعت مجاہدین اور اخوند صاحبِ سوات

ڈاکٹر بیلیو کی رپورٹ

اب آگے بڑھنے سے پیشتر یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جنگِ امبیلہ شروع ہونے کے وقت مجاہدین کی کیفیت کیا تھی۔ حسنِ اتفاق سے ہمیں ایک ایسا بیان مل گیا ہے جو اگرچہ اجنبی بلکہ مخالف ہے، تاہم اسے پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح نتیجے پر پہنچنے میں ہمیں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ یہ ڈاکٹر بیلیو کا بیان ہے، جس نے غالباً ۶۲-۱۸۶۱ء میں یوسف زئی علاقے کے متعلق ایک مفصل رپورٹ پیش کی تھی۔ یہ اگرچہ جنگِ امبیلہ کے بعد ۱۸۶۴ء میں چھپی، لیکن مرتب اس سے پیشتر ہو چکی تھی۔ اس لیے کہ جنگ کے متعلق اس میں اشارہ تک موجود نہیں۔

عمومی کیفیت

بیلیو لکھتا ہے کہ مجاہدین کی تعداد بارہ سو اور چودہ سو کے درمیان ہو گی۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب ہندوستانی ہیں، ان میں سے زیادہ تر بنگال خصوصاً ڈھاکہ، اودھ وسطی اور شمالی و مغربی صوبوں، نیز زیریں پنجاب کے ہیں۔ ان کا نصب العین یہ ہے کہ اسلام کو ہندوستان میں از سر نو پوری شان و عظمت سے قائم کر دیں۔ وہ اپنے موجودہ حلقۂ توطن میں عین شریعت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہوں نے فوجی تنظیم اختیار کر رکھی ہے، ان کے پاس ہتھیار بھی خاصے ہیں۔ دو چھوٹی توپیں بھی ہیں۔ (۱)

(۱) یوسف زیوں کے متعلق عام رپورٹ (انگریزی) ص:۹۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید احمد شہید نے مجاہدین کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا تھا، جن کیلئے الگ الگ سالار مقرر فرما دیئے تھے۔ پھر ہر جماعت بیس بیس پچیس پچیس کی ٹکڑیوں میں منقسم تھی، جنہیں مجاہدین کی اصطلاح میں بہیلے کہتے تھے۔ سید صاحب کے زمانے میں جماعتوں کی تعداد آٹھ سے متجاوز نہ ہوئی۔ ڈاکٹر بیلیو کا بیان ہے کہ مولانا عبداللہ کے عہد میں مجاہدین کی دس جماعتیں تھیں، جن میں نو ہندوستانیوں کی تھیں اور ایک مقامی اصحاب کی۔ ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

دس جماعتیں

۱- جمعیت میاں عثمان، جس میں ایک سو بیس مجاہد تھے۔ ان کے پاس بیس ٹوپی دار بندوقیں تھیں اور دس چقماقی۔

۲- جمعیت مولوی شریعت اللہ، جو ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس تیس ٹوپی دار بندوقیں تھیں، دس چقماقی اور توڑے دار۔ بلحاظ تعداد یہ سب سے بڑی جمعیت تھی۔

۳- جمعیت عبدالغفور، اس میں ایک سو تیس مجاہد تھے۔ اس جمعیت میں تیس ٹوپی دار بندوقیں تھیں، اور بیس توڑے دار۔ یہ خاص مولانا عبداللہ کی جمعیت تھی، لہٰذا اسے سرکاری جمعیت کہا جاتا تھا۔ یہ پوری کی پوری بنگالیوں پر مشتمل تھی۔

۴- جمعیت قائم خاں، اس میں ایک سو تیس مجاہد تھے۔ ان کے پاس چھ ٹوپی دار بندوقیں تھیں اور بیس توڑے دار۔ مجاہدین کی یہ سب سے پرانی جماعت تھی۔ اور اسے ''ہندی جمعیت'' کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ یہ صرف ہندوستانیوں پر مشتمل تھی۔

۵- جمعیت نجف خاں، ایک سو تیس مجاہد۔ پندرہ ٹوپی دار بندوقیں اور بیس توڑے دار۔ اس میں نصف بنگالی تھے اور نصف ہندوستانی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۶- جمعیت نعیم الدین، ایک سو چھبیس مجاہد، چھ ٹوپی دار بندوقیں اور بیس توڑے دار۔ اس میں زیادہ بنگالی تھے۔

۷- جمعیت منشی طفیل اللہ، ایک سو مجاہد، دس ٹوپی دار بندوقیں اور بیس توڑے دار۔ یہ نئی جمعیت کہلاتی تھی۔

۸- جمعیت منشی بصیر الدین، ایک سو مجاہد، چھ ٹوپی دار بندوقیں اور بیس توڑے دار۔

۹- جمعیت مولوی ابراہیم، ایک سو تیس مجاہد، چار ٹوپی دار بندوقیں اور بیس توڑے دار۔

۱۰- جمعیت بہرام الدین بونیری، اس میں صرف چالیس مجاہد تھے اور ان کے پاس بندوق کوئی نہ تھی۔ اسے دیسی جمعیت کہتے ہیں، جس میں ہزارہ، بونیر اور دور میانی کوہستانی علاقے کے باشندے شامل تھے۔ (۱)

تبصرہ

ڈاکٹر بیلیو کا یہ بیان یقیناً کسی معتبر جاسوس کی فراہم کردہ اطلاعات پر مبنی ہوگا۔ سالاروں میں سے بعض آدمی ایسے ہیں جن کا ذکر مقدمۂ انبالہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ آیا۔ مثلاً جمعدار شریعت اللہ جو رام پور ہلیا کے رہنے والے تھے۔ جمعدار نعیم الدین جن کا وطن جیسور (بنگال) تھا۔ جمعدار نجف خاں، جو ہندوستانی تھے اور مجاہدین کو قواعد کرایا کرتے تھے۔ جمعدار میاں عثمان ساکن بنگال، جمعدار مولوی ابراہیم (۲) منشی طفیل اللہ یا طفیل علی (۳) مولوی بصیر الدین، مولوی فیاض علی عظیم آبادی کا دوسرا نام تھا۔ بعض ایسے نام ترک کر دیے ہیں، جو جنگ امبیلہ کے سلسلے میں بہ طور خاص قابل ذکر تھے، مثلاً

(۱) یوسف زئیوں کے متعلق ہمر رپورٹ (انگریزی) ص ۱۱۰

(۲) روئداد مقدمۂ انبالہ (انگریزی) ص ۴۰

(۳) روئداد مقدمۂ انبالہ (انگریزی) ص ۴۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جمعدار ناصر محمد اور جمعدار کلیم الدین، جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا، لہٰذا ان معلومات کو مکمل نہیں سمجھا جا سکتا۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ مجاہدین کے پاس ہتھیار زیادہ نہ تھے بلکہ سید صاحب کے زمانے میں بھی مختلف لوگ تلواروں، گنڈاسوں اور کلہاڑیوں سے کام لینے پر مجبور ہوتے تھے۔ تاہم بیلیو کے بیان میں ٹوپی دار، توڑے دار اور چقماقی بندوقوں کی جو کیفیت بتائی گئی ہے، وہ یقیناً نظرثانی کی محتاج ہے۔ ایک اور نکتہ قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ بندوقوں کی تعداد زیادہ فرض کر لینے کے باوجود یہ کتنا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ اتنے تھوڑے آدمیوں نے اتنے معمولی سامانِ جنگ کے ساتھ طویل مدت تک برطانیہ جیسی کثیرالوسائل حکومت کو خوفناک پریشانیوں میں مبتلا رکھا۔ اس سے مجاہدین کی ایمانی قوت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ تھا، جو ان بزرگوں نے مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کیا۔ سوچنے کہ اگر بارہ چودہ سو مسلمان بے سروسامانی کے باوجود قوتِ ایمان سے کام لے کر یہ دل افروز مناظر پیش کر سکتے تھے تو کروڑوں مسلمان اسلام کی پاک تعلیم کے عملی پیکر بن کر کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے؟

بیلیو کی غلط بیانیاں

بیلیو نے اپنی کتاب میں بعض ایسی باتیں بھی درج کر دی ہیں جو بداہتاً غلط ہیں، مثلاً وہ لکھتا ہے کہ:

۱- مجاہدین اپنی اعلیٰ جنگی تنظیم کی بنا پر قبائل میں اپنی حیثیت بحال رکھ سکے اور وہ روپے دے کر کسی ایک فریق کو ساتھ ملا لیتے تھے۔

۲- ان میں اکثر ان پڑھ، صناع اور مزدور تھے، جنہیں امام مہدی کی حکمرانی کی برکات کا فریب دے کر گھروں سے ہزاروں میل دور پہنچا دیا گیا تھا۔ بعض مکار و عیار یا مجرم تھے، جو بھاگ کر یہاں پہنچ گئے تھے، البتہ بعض

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خالص مذہبی جذبے کی بنا پر ان میں شامل ہوئے تھے۔(۱)

بلاشبہ مجاہدین کی جنگی تنظیم کو مثالی حیثیت حاصل تھی، لیکن نہ قبائل پر اثر و رسوخ جنگی تنظیم کا نتیجہ تھا اور نہ مجاہدین کی سرگزشت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ قبائل پر انہیں لا متناہی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اس کے برعکس وہ ہر نازک موقع پر قبائل کے ظلم و جور کا ہدف بنتے رہے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ ان کے پاس اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ کسی پٹھان قبیلے کی حرصِ زر کے لئے سامانِ تسکین بہم پہنچا سکتے۔ باقی رہا دوسرا اعتراض تو یقیناً کسی جماعت کے تمام لوگوں کی ذہنی سطح یکساں نہیں ہوتی۔ بعض اصحاب کے قدم سیلِ ابتلا میں ڈگمگا بھی گئے، لیکن عام مجاہدین اپنے نصب العین اور اس کے حصول کیلئے ایثار و قربانی میں برابر قائم و استوار رہے۔

اخوند صاحب سوات

جنگِ امبیلہ میں اخوند صاحب سوات کو بھی بڑی ممتاز حیثیت حاصل تھی، لہٰذا ان کے حالات بھی یہاں بیان کر دینا ضروری ہے۔ اخوند صاحب کا اسم گرامی عبدالغفور تھا، یہ سوات بالا کے ایک مقام جبڑئی میں ۱۷۹۴ء کے آس پاس پیدا ہوئے۔ ان کے نسب کی بحث چھیڑنا غیر ضروری ہے۔ بہر حال وہ ایک غیر معروف گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدا ہی سے طبیعت ذکر و فکر اور زہد و اتقاء کی طرف مائل تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں گھر سے نکلے، کچھ مدت بریم گولہ (سوات) اور گوجر گڑھی (یوسف زئی) میں رہے۔ دوڈھیر میں صاحبزادہ محمد شعیب سے بیعت کی، ہنڈ کے پاس بیکی میں دریائے سندھ کے کنارے بارہ سال ریاضتوں میں گزارے۔ سید احمد شہید سے بھی ملاقات کی اور ان کے سری مشوروں میں شریک رہتے تھے۔ خادے خاں رئیس ہنڈ کو اخوند صاحب سے بڑی

---

(۱) یوسف زئیوں کے متعلق عام رپورٹ (انگریزی) ص: ۱۰۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عقیدت تھی۔ سید صاحب کے عزمِ یورشِ اٹک کا راز اخوند صاحب کو معلوم تھا اور انہوں نے خانِ ہنڈ کو سید صاحب کا مخلص سمجھتے ہوئے یہ راز بتا دیا۔ خانِ ہنڈ نے سکھوں کو قبل از وقت خبردار کر دیا۔ اٹک کے جو مسلمان شہر اور قلعے کو مجاہدین کے حوالے کر دینے کی تیاریوں میں شریک تھے، انہیں خوفناک سزائیں جھیلنی پڑیں اور پنجاب پر کامیاب اقدام کی اسکیم ابتدائی مراحل ہی میں ناکام ہو گئی۔ اخوند صاحب کو اپنی اس نادانستہ حرکت پر اتنی ندامت محسوس ہوئی کہ بیکی سے نکل کر مدت تک روپوش رہے۔ غالباً سید صاحب کی شہادت کے بعد زیارتِ غلاماں میں ظاہر ہوئے۔ پھر کچھ دیر سلیم خاں میں رہے۔

امیر دوست محمد خاں کی امداد

۱۸۳۵ء میں امیر دوست محمد خاں نے پشاور کی بازیافت کے لئے سکھوں سے جنگ کا قصد کیا تو دوسرے دینی بزرگوں کے علاوہ اخوند صاحب سے بھی امداد کی درخواست کی۔ چنانچہ صاحب موصوف نیازمندوں کی خاصی بڑی جماعت کے ساتھ امیر کے پاس پہنچے اور امکانی مدد میں تامل نہ کیا۔ افسوس کہ امیر نے اس جنگ میں شکست کھائی۔ شکست کے بعد اخوند صاحب سوات چلے گئے، پھر سیدو (نزد منگورہ) میں اقامت اختیار کر لی، جہاں ان کے گزارے کے لئے عقیدت مندوں نے زمینیں نذر کر دیں۔ وہیں بکی خیل کے قبیلۂ اکوزئی میں نکاح کیا، جس سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۷ء میں وفات پائی۔ ان کی وجہ سے سیدو خاص شہرت کا مالک بن گیا اور آج کل سوات کا مرکزِ حکومت ہے۔ اخوند صاحب کے پوتے میاں گل عبدالودود نے سوات کی بادشاہی کا منصب حاصل کیا اور اب میاں گل کا صاحبزادہ جہاں زیب سوات کا حکمراں ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

جنگِ امبیلہ کے مقدّمات

یورش کا فیصلہ

بہر حال انگریزوں نے یورش کا فیصلہ کر لیا اور اس کیلئے سرگرمی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سلسلے کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ یورش کا فیصلہ پنجاب کے گورنر سر رابرٹ منٹگمری اور گورنر جنرل لارڈ ایلجن نے بطور خود کر لیا۔ سر ہیوروز (Hugh Rose) سپہ سالار کو اس مشورے میں شامل نہ کیا۔ جب اسے اطلاع دی اور اس نے بوجوہِ معقول تجویز سے اختلاف کیا تو اس کے اختلاف کو قابل توجہ نہ سمجھا گیا۔

یورش کا فیصلہ کرتے ہی ایک طرف تربیلہ سے دربند تک دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ فوجیں پھیلا دی گئیں، دوسری طرف سر رینل ٹیلر (Reynell Taylor) کے زیر اہتمام ٹوپی اور مینئی میں لشکر کا اجتماع شروع ہو گیا، جو ہیو جیمس (Hugh James) کی جگہ پشاور کا عارضی کمشنر مقرر ہوا تھا۔ اس نے تمام خوانین کو جمع کر کے مشورے شروع کر دیے۔

ایک روز کمشنر مقامی خوانین اور فوج کو ساتھ لے کر ٹوپی سے گیا کھبل کی طرف روانہ ہوا تا کہ خود حالات کا معائنہ کرے۔ گیارہ بارہ سے آگے آزاد علاقہ تھا۔ یہ لوگ بے خیالی سے اس علاقے میں چلے گئے۔ شہزادے کے آدمیوں نے قلعے سے انہیں دیکھا تو مقابلے کیلئے نکل پڑے۔ یہ دیکھتے ہی کمشنر اور اس کے ساتھی پیچھے کی طرف بھاگے۔ اسمعیلہ کا خان آگے آگے جا رہا تھا، افراتفری میں اس کا گھوڑا دریا میں گر گیا، لیکن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہزادے کے آدمیوں نے اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔

ستھانہ سے ملکا

ابتدا میں انگریزی افواج کا اجتماع دیکھ کر یہی سمجھا جاتا تھا کہ ستھانہ پر حملہ ہونے والا ہے، لیکن خوانین اور قبائل سے کمشنر نے جو مشورے کیے اُن سے آشکارا ہوگیا کہ انگریزوں کی اصل منزل مقصود ملکا ہے۔ جب اس میں کوئی شبہ نہ رہا تو شہزادے نے اتمان زئیوں کے رؤسا کو بلا کر کہہ دیا کہ اب ہم ملکا جاتے ہیں، آپ لوگ اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ اگر ہم زندہ رہے تو خود آ کر سارا کاروبار سنبھال لیں گے، اگر اپنی آزادی کی حفاظت میں مارے گئے تو آپ کو حالات کے اعتبار سے جو کچھ مناسب نظر آئے کر لینا، ہم اپنے بچاؤ کے لیے لڑ رہے ہیں، غیر کا پاؤں کسی کے گھر میں جم جائے تو نیکی اور حسن سلوک کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ اگر انگریزوں نے ہمارے کوہستانی علاقے پر جبراً قبضہ کر لیا تو گردوپیش کے تمام مسلمانوں کی حیثیت کمزوری اور ناتوانی میں چیونٹیوں کی سی رہ جائے گی۔(۱)

اقدام کی پہلی تجویز

مولوی عبدالحق صاحب آروی نے اس سلسلے میں بعض ایسے حالات لکھے ہیں جو انگریزوں کی مرتب کی ہوئی کسی کتاب میں بیان نہیں ہوئے اور مولوی صاحب موصوف ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے، لہٰذا سب سے پہلے یہ سنئے حالات پیش کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

موصوف فرماتے ہیں: کمشنر نے ابتدا میں خوانین کو اس امر پر مجبور کیا کہ جدونوں سے کہہ کر ملکا تک جانے کی اجازت لے دیں۔ نوپی سے اوپر کا کوہستانی علاقہ۔ مالار

(۱) فراہذیہ ص ۷۵-۷۶

جدونوں کا تھا اور اس سے ملا ہوا بہ جانب مغرب منصور جدونوں کا۔ انگریزی فوجیں سالار جدونوں کے علاقے سے گذر کر آستانہ داروں کے علاقے میں پہنچ جاتیں جو جدونوں کے تابع تھے۔ اس سے آگے امازئی کا پرگنہ تھا، جس کا خان موزہ خاں والی امب کا دوست اور مواجب خور تھا۔ اس راستے سے ملکا پہنچنا نسبتاً سہل تھا۔ بہادر جدونوں کی دونوں شاخوں نے اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم غریب کاشتکار اور بے علم لوگ ہیں، لیکن کسی کی فوج کو اپنے علاقے میں داخل نہیں کر سکتے۔ دوسرے ہم مسلمان ہیں اور مسلمان بھائیوں کو برباد کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے، خصوصاً شہزادہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ ہم اسے اپنا سرتاج سمجھتے ہیں، کوئی اور راستہ تلاش کیجیے، ہمارے علاقے کا رخ کیا جائے گا تو ہم مقابلے پر مجبور ہو جائیں گے۔

شہزادے کے دفاعی انتظامات

شہزادے نے ملکا پہنچتے ہی مولانا عبداللہ امیر مجاہدین کے مشورے سے یہ فیصلہ کر لیا کہ ستھ کی طرف سے ملکا آنے کے جتنے راستے ہیں، ان سب کو ناقابل گذر بنا دینا چاہیے تاکہ اگر کوئی قبیلہ انگریزوں کو راستہ دینے پر آمادہ ہو جائے تو اس صورت میں بھی ملکا پہنچنا آسان نہ رہے۔ چنانچہ مقامی اور گرد و نواح کے گوجروں کو تاکید کر دی گئی کہ کلہاڑے لیں اور تمام پرانے درخت کاٹ کاٹ کر جابجا راستوں میں ڈال دیں، نیز جہاں جہاں مناسب سمجھیں خس و خار پھیلا دیں۔ تمام راستوں میں گہری خندقیں کھودنے کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ غرض ضروری دفاعی انتظامات میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا گیا۔(۱)

(۱) غزائے ستھ ص: ۷۷-۷۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوانین کی مجبوری

انگریزی علاقے کے خوانین کمشنر کے احکام سے سرتابی نہ کر سکتے تھے، لیکن ان سب کے دل ان تدابیر پر راضی نہ تھے، جو انگریز ملکا کی تباہی کیلئے اختیار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ مشوروں کے دوران میں دل کی باتیں بھی وقتاً فوقتاً کہہ جاتے تھے۔ ٹوپی کے رئیس فضل خاں اتمان زئی نے ایک روز کمشنر سے صاف کہہ دیا کہ آپ اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہونے کے باوجود غریب کاشتکاروں کے پیچھے پہاڑوں میں کیوں دوڑتے پھرتے ہیں؟ اگر انہیں برباد کر دیا تو اس میں آپ کی کونسی عزت اور نیک نامی ہوگی؟ اور اگر آپ نے شکست کھائی تو ساری دنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ان سے اعراض کیا جائے۔ (۱) کمشنر کو یہ رائے پسند نہ آ سکتی تھی، لیکن کرتا کیا، پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ جدونوں کا انکار ان کیلئے شدید خطرات کا موجب تھا۔ انکے متعدد دیہات انگریزی گولہ باری کی زد میں تھے، لیکن وہ خطرات سے بے پروا ہو کر انکار پر قائم رہے۔ (۲)

اقدام کی دوسری تجویز

جدون راستہ دینے پر کسی بھی صورت راضی نہ ہوئے تو کمشنر نے ٹوپی کے بجائے صوابی کو مرکز بنا لیا۔ فیصلہ یہ کیا کہ خدو خیل کے پرگنے میں سے چنگلئی، کن گلئی اور کوتل اشرف سنڈ وہوتے ہوئے ملکا پہنچیں۔ ۱۸۵۸ء کی جنگ میں انگریزی فوجوں نے پنجتار، چنگلئی اور منگل تھانہ کی تباہی کے لئے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ خدو خیل میں سڑک کی تعمیر

(۱) غزائے منیر ص: ۶۴-۶۵ و کتاب العبر ج ۲ ص: ۳۶۴

(۲) سید عبدالجبار شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ انگریزی فوجیں تیار ہو کر جدونوں کے دیہات کی طرف بڑھیں لیکن عین آخری وقت میں واپس ہو گئیں، اس لئے کہ جدون مقابلے پر تلے بیٹھے تھے اور تیس پینتیس میل کا پہاڑی فاصلہ جس میں مسلسل چڑھائی تھی لڑتے بھڑتے طے کرنا قرین مصلحت نہ تھا۔ ملاحظہ ہو" کتاب العبر ج ۲" ص: ۳۶۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھی شروع کر دی، اور چنگلئی میں رسد کے گودام بھی قائم کر دیئے، جن میں اسلحہ، گولی بارود کے علاوہ اطراف سے غلہ بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ مجاہدین کے دستوں نے دفاع میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ جتنی سڑک بن جاتی، موقع ملتے ہی اسے توڑ دیتے۔ ایک رات انہوں نے چنگلئی پر شبخون مارا، لوگوں سے کہہ دیا کہ اگر تم انگریزوں کی رعایا ہوتے تو ہم تمہیں مجبور سمجھتے، لیکن تم آزاد علاقے کے رہنے والے ہو، پھر کیوں انگریزوں کا ساتھ دیتے ہو؟ اگر اُن کے طرف دار بننا چاہتے ہو تو صاف صاف بتا دو۔ چنگلئی میں جو انگریزی کیمپ تھا اسے بھی برباد کر ڈالا اور گوداموں کا جمع شدہ سامان بھی لوٹ لیا۔ سید عبدالجبار شاہ فرماتے ہیں کہ اخوندزادہ معراج دین ساکن برگ خود اس شبخون میں شریک تھا، اور اس نے مجھے واقعات کی پوری تفصیل سنائی تھی۔ اخوندزادہ کو اس شبخون میں ایک دونالی رائفل ہاتھ آئی تھی، جو اَب بھی موصوف کی اولاد کے پاس موجود ہے۔(۱) مجاہدین کے چھاپوں اور اہل خدوخیل کی ناسازگار روش کا اندازہ کرتے ہوئے کمشنر کو یہ تجویز بھی ترک کرنی پڑی۔

اقدام کی تیسری تجویز

اب صرف ایک راستہ رہ گیا اور وہ وادیٔ چملہ میں سے تھا۔ اس راستے کے سلسلے میں ضروری تھا کہ وادیٔ چملہ اور بونیر کے باشندوں کا تعاون حاصل کیا جاتا اور یقین دلا دیا جاتا کہ مقصود اُن پر یورش نہیں بلکہ ملکا پہنچنا اور مرکز مجاہدین کو تباہ کرنا ہے۔

اہل چملہ کو اطمینان دلانا مشکل نہ تھا، اس لئے کہ ستہ کے اکثر روساء وخوانین کے املاک وادیٔ چملہ میں موجود تھے، مثلاً ہوتی، مردان، تورو، مایار کے کمال زئیوں، شیوہ، شیخ جانا، نوکلئی وغیرہ کے ارز ڑوں، زیدہ، کنڈو، پنج پیر، مرغز، کھلابٹ، صوابی، مانیری،

(۱) کتاب الصبر ج ۲ص:۳۶۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باجا بام خیل، سلیم خاں وغیرہ کے لوگوں کی اراضی چملہ کے مختلف دیہات میں تھیں۔(۱) یہ تمام خوانین انگریزوں کے ساتھ تھے، اور وہ خود اہل چملہ کو مطمئن رکھ سکتے تھے۔ البتہ بونیر کا معاملہ خاص توجہ کا محتاج تھا، جس کیلئے کمشنر نے سدم کے رئیس اعظم عجب خاں سے بات چیت شروع کی۔

اہل بونیر سے بات چیت

عجب خاں کے چھوٹے بھائی عزیز خاں کی شادی خانِ ڈگر کی بہن سے ہوئی تھی، جو بونیر کا سب سے بڑا رئیس تھا۔ اس وجہ سے عجب خاں کو خوانین بونیر احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس نے کمشنر کے کہنے پر زید اللہ خاں، حبیب خاں اور عصیم خاں عاشہ زئی، احمد خاں نسوزئی اور خانِ بگڑہ کو یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ چملہ کا انتظام وہ خوانین کریں گے جن کی اراضی اس وادی میں واقع ہیں۔ تمہاری طرف انگریزی فوج آئے گی ہی نہیں، پھر کیوں نہ روپیہ لے کر چپ چاپ بیٹھے رہو؟ انگریز وادیٔ چملہ میں سے ہوتے ہوئے ملکا کو تباہ کر دیں گے، تمہاری آزادی پر کوئی زد نہ پڑے گی۔ چنانچہ تیرہ ہزار روپے دے کر انہیں راضی کر لیا گیا۔(۲)

مولوی عبدالحق آروی کیا خوب فرماتے ہیں کہ خانِ بگڑہ نے جس کا نام احمد خاں تھا، حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ کر فرنگی کے ساتھ دشت پیمائی شروع کر دی۔ حبیب خاں نے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بجائے رقیب کا دامن تھام لیا، عصیم آثم بن گیا۔

(۱) چملہ میں اراضی یقیناً اس غرض سے رکھی گئیں کہ اگر کسی موقع پر میدانی علاقہ دشمن کی یورش کا ہدف بن جائے اور مقابلہ ممکن نہ رہے تو یہ لوگ میدانی علاقے سے اٹھ کر بہ اطمینان محفوظ پہاڑی وادی میں جا بیٹھیں۔ پرانے زمانے میں ایسے پہاڑی مقامات پر حملہ کرنا آسان نہ تھا۔

(۲) غزائے بیتر، ص: ۸۴تا۸۰۔ کتاب العمرت، ص: ۳۶۶، ۳۲۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خوانین کا لشکر

بعض خوانین نے کمشنر کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ہر خان اپنی حیثیت کے مطابق کم سے کم دس سوار اور چالیس پیادے فراہم کرے۔ یہ تجویز بھی منظور ہو گئی۔ اس طرح جو خاصا بڑا لشکر فراہم ہوا، اسے میدانی علاقے کے مختلف مقامات پر بٹھا دیا گیا اور کچھ آدمی انگریزی فوج کے آگے آگے چلنے کے لیے تجویز کر لئے گئے۔(۱) فوجوں کی روانگی کے ساتھ ہی انگریزوں نے خدوخیلوں، جدونوں، امازئیوں، مداخیلوں اور بونیر وال کے نام ایک اعلان شائع کیا، جس کا مضمون یہ تھا کہ کسی قبیلے کو کوئی نقصان پہنچانا منظور نہیں، صرف ہندوستانی مجاہدین کے مرکز تک پہنچنا مقصود ہے۔ وہاں تک سیدھا راستہ وہی ہے جو وادی چملہ میں سے گذرتا ہے۔

یہاں پھر ایک مرتبہ اس حقیقت پر غور کر لیجیے کہ "سری" میں برج بنانے یا ستھانہ کو آباد کرنے یا اتمان زئیوں کو زیر تصرف لانے کا ذمہ دار شہزادہ مبارک شاہ تھا، تاہم انگریزوں نے اس سلسلے میں جو اقدامات شروع کیے، ان میں مجاہدین کو اولین ہدف بنالیا گیا، حالانکہ ان تمام سرگرمیوں میں ان کی حیثیت ثانوی تھی۔ وجہ یقیناً یہ تھی کہ شہزادے اور سادات ستھانہ کے خلاف کوئی کارروائی قبائل کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو سکتی تھی۔ مجاہدین چونکہ اجنبی تھے اور عام پٹھانوں کو جو قبائلی، نسلی اور خاندانی تعصبات میں ڈوبے ہوئے تھے، ہندوستانیوں سے کوئی خاص ہمدردی نہ ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ برادری، قبیلے اور خیل کی محبت کے خوگر وسیع اسلامی مصلحتوں کو سمجھ ہی نہ سکتے تھے۔ ان کی نگاہوں میں وہ بلندی، حوصلوں میں وہ ہمہ گیری اور دلوں میں وہ کشائش پیدا ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک قبائلی اور نسلی تعصبات سے پاک نہ ہوتے۔

---

(۱) کتاب العبرۃ ص ۳۶۷

مجاہدین کا اعلانِ جہاد

اب اس سلسلے کا صرف ایک ضروری واقعہ رہ گیا اور وہ اعلانِ جہاد تھا، جو فارسی زبان میں مجاہدین کے امیر مولانا عبداللہ اور سید عمران شاہ ستھانوی کے دستخط سے خوانین اور اخوند سوات کے نام بھیجا گیا۔ اصل فارسی اعلان نہ مل سکا، مولوی عبدالحق نے اس کے صرف مطالب نظم کیے ہیں۔ نیویل نے اپنی کتاب میں اس کا انگریزی ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہاں اس کا مفہوم اردو زبان میں پیش کیا جاتا ہے۔

حمد وثنا اور سلام مسنون کے بعد مرقوم ہے:

کفار کی ایک بڑی فوج اس غرض سے سلیم خاں، یاروسین اور شیخ جانا پہنچی ہے کہ اس ملک کو قتل و غارت کا ہدف بنائے۔ آپ کے لئے لازم ہے کہ اس اعلان کے دیکھتے ہی کمر ہمت باندھ کر چملہ پہنچ جائیں۔ اپنے رفیقوں اور عزیزوں کو بھی اطلاع دے دیں اور انہیں تیار کر کے ساتھ لائیں۔ ہم لوگ اپنی جمعیت کے ساتھ درے کی چوٹی پر قدم جمائے بیٹھے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ سرپٹی(۱) اور لنڈئی یعنی موضع چنگلئی پر آ بیٹھیں اور مضبوط مورچے بنائیں۔ ان ہدایات پر کاربند ہونے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کریں، اگر تاخیر ہوئی تو بدقماش کفار سارے کوہستانی علاقے کو تباہ کر ڈالیں گے اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیں گے، خصوصاً چملہ، بونیر، سوات وغیرہ کے علاقوں کو (ہرگز نہ چھوڑیں گے)۔ پھر ہمارا مذہب اور ہمارے املاک غیروں کے ماتحت چلے جائیں گے، لہٰذا حب اسلام، اصولِ ایمان اور دنیوی منافع کو پیش نظر رکھتے ہوئے موقع ہاتھ سے نہ دیں۔ کفار بڑے عیار اور دغاباز ہیں، وہ ہر ممکن فریب سے کام لے کر ان پہاڑوں میں آئیں گے۔ لوگوں پر ظاہر کریں گے کہ ہمیں تم

(۱) سرپٹی اس پہاڑ کا نام ہے جو چملہ کو مقدوخیل سے جدا کرتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے کوئی سروکار نہیں، ہمارا جھگڑا صرف ہندوستانیوں سے ہے، ہم تمہیں کوئی آزار نہ پہنچائیں گے، بلکہ کسی کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیں گے اور ہندوستانیوں کے استیصال کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ ملکی معاملات میں ہرگز دخل نہ دیں گے۔ وہ لوگوں کو روپے کا لالچ بھی دیں گے۔ آپ پر لازم ہے کہ ان کے فریب میں نہ آئیں، ورنہ وہ موقع پاتے ہی آپ کو بالکل تباہ کردیں گے، دکھ پہنچائیں گے، گوناگوں بے عزتی کا ہدف بنائیں گے۔ آپکی ساری دولت اور املاک ہتھیالیں گے، اور آپکے دین کو تباہ کرڈالیں گے۔ اس وقت کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ہم آپ کو بہ طور خاص متنبہ کرتے ہیں۔(۱)

اخوند صاحب کے نام خط

مولوی عبدالحق کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ عام اعلانِ جہاد کے علاوہ ایک خاص مکتوب اخوند صاحب سوات کو بھیجا گیا تھا، جس میں صاحب موصوف کی دین داری اور بزرگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خدا نے آپ کو دنیا میں برتری عطا کی ہے۔ فرنگی جنگ کے ارادے سے فوج لے کر ہماری طرف آیا ہے، وہ مسلمانوں کی تخریب کے درپے ہے۔ دربند، تربیلہ اور امب میں بھی اس کے لشکر بیٹھے ہیں۔ والی امب اس کا فرمانبردار ہے۔ موزہ خاں امان زئی اس کے ساتھ اظہارِ اخلاص میں سرگرم ہے۔ ٹوپی اور مینئی کے رئیس بھی اس کے ہمراہ ہوگئے ہیں۔ جدونوں کو پیغامات بھیجے جارہے ہیں:

رفاقت نمودن بہ تو ہست فرض		بدانی کہ بر تست مانند قرض
نہ بر تو کہ بر کلمہ گویانِ کُل		شدہ فرض بر دین جویانِ کُل
بہ آں شاہزادہ حمایت کنید		بہ دینِ پیمبرؐ رعایت کنید

(۱) یہ اس اعلان کا ترجمہ ہے جو احمد خاں رئیس ہنگرہ کے نام تھا اور اس نے انگریزوں کے حوالے کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ ایں ننگ دین مومناں را سزاست		ز درگاہ حق خود نیکی جزاست
نیارند گر اہل اسلام ننگ		بس از دست دشمن بگردند تنگ (۱)

اخوند صاحب نے یہ مکتوب پڑھ کر فرمایا:

دریں وقت بے شک غزا است ایں		چو شد شاہزادہ سر مومنین
امارت بہ شہزادہ آمد درست		کہ ہستند سادات سر از نخست (۲)

(۱) غزوات احمدیہ، ص ۲۵۲ تا ۲۵۳۔

اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کی رفاقت نہ صرف آپ پر بلکہ تمام دینداروں اور دین حق کے خیر خواہوں پر فرض ہے۔ آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر شہزادہ مبارک شاہ کی حمایت کریں۔ دین کی عزت کا پاس مومنوں کے لیے زیبا ہے۔ خدا کی بارگاہ سے اس نیکی کی جزا ملے گی۔ اگر مسلمان دین کی عزت کا پاس نہ کریں گے تو دشمنوں کے ہاتھ سے سخت تکلیفیں اٹھائیں گے۔

(۲) غزوات احمدیہ، ص ۲۵۲ تا ۲۵۳۔

اس وقت بے شک غزا (جنگ دینی) ہے۔ شہزادہ مبارک شاہ مومنوں کا سردار ہے۔ امارت اسی کو سزاوار ہے اور سادات پہلے ہی سے سرداری کے منصب پر فائز چلے آتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

جنگِ امبیلہ

(۱)

وادئ چملہ

یوں اس جنگ کا آغاز ہوا، جو علاقہ سرحد میں انگریزوں کے خلاف سب سے بڑی جنگ تھی۔ اسکے حالات بیان کرنے سے پیشتر وادئ چملہ کی سرسری کیفیت بتا دینا ضروری ہے، جس میں امبیلہ گاؤں واقع ہے اور اسکی وجہ سے داخلے کا دروازہ ''درۂ امبیلہ'' کہلاتا ہے۔

چملہ ایک نہایت زرخیز اور سرسبز وادی ہے، جو پہاڑوں سے محصور ہونے کے باعث بہت محفوظ ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ چودہ پندرہ میل لمبی ہوگی اور چار میل چوڑی۔ بیچ میں ندی بہتی ہے، جس کا نام چملہ ہے اور وہ وادی کے مغربی گوشے سے شروع ہوکر مشرقی گوشے پر برندو ندی میں جا ملتی ہے، جو بونیر کو سیراب کرتی ہوئی آتی ہے اور انجام کار دریائے سندھ میں گرتی ہے۔

وادئ چملہ کی جنوبی سمت میں وہ پہاڑی دیوار کھڑی ہے جس کا نام سرپٹی ہے اور اسے کوہِ مہابن کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے۔ شمالی سمت میں کوہ گرو دا سے بونیر سے جدا کرتا ہے، مشرقی سمت بھی ایک پہاڑی نے بند کردی ہے، جس میں برندو ندی کے بہاؤ کے سوا کوئی دروازہ نہیں۔ مغربی سمت میں وہ درہ واقع ہے جس کا نام امبیلہ ہے۔ پرانے زمانے میں کسی فوج کیلئے اس درے سے گذر کر چملہ میں پہنچنا آسان نہ تھا۔ اس لئے کہ درہ کم و بیش نو میل لمبا تھا اور قدم قدم پر ایسے موقعے تھے جہاں چند آدمی گھات میں بیٹھ کر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاصی بڑی فوج کو روک سکتے تھے۔ خود وادی میں کل بائیس گاؤں ہیں، ان میں سے بیشتر ان قبائل کے مملوکہ ہیں، جو یوسف زئی کے میدانی علاقے میں رہتے ہیں۔ کچھ اہل بونیر کی ملکیت ہیں مثلاً امبیلہ گاؤں۔ میدانی علاقے کے لوگوں نے اس وادی میں ملکیتیں غالباً اس لئے ضروری سمجھی تھیں کہ جب کوئی قومی دشمن میدانی علاقے پر دھاوا بولتا تو یہ لوگ بال بچوں کو لیکر محفوظ مقام پر آبیٹھتے۔ بڑے بڑے گاؤں یہ ہیں: سرپٹی کے ساتھ ساتھ لالو، کوگا، سربا، تتول، ڈھیری، کریا، مخرنی، بیچ میں امبیلہ، ناواگئی، جنگئی، ڈھیری، وادی کے جنوب مشرق میں اصل مہابن پہاڑ ہے جس پر ملکا واقع ہے۔ ملکا ہی پر حملہ جنگ امبیلہ کا اصل مقصد تھا۔ چملہ کے جنوب میں خدو خیل واقع ہے۔ صرف کوہ سرپٹی کی دیوار دونوں کو جدا کرتی ہے۔

انگریزوں کی پیش قدمی

اب ہم سب سے پہلے جنگ امبیلہ کے متعلق وہ حالات بیان کریں گے جو انگریزوں نے مرتب کیے یا ان کی فراہم کی ہوئی معلومات کی بناء پر مرتب ہوئے۔ حسن اتفاق سے ہمیں اس بارے میں ایک ملکی مصنف کی کتاب بھی مل گئی ہے، جو تمام حالات کا عینی شاہد تھا، یا اس نے ہر چھوٹا بڑا واقعہ ان لوگوں کی زبان سے سنا تھا جنہوں نے جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ انگریزوں کے بیان کردہ حالات پیش کرنے کے بعد ہم ان ملکی مصنف کی کتاب کے مطالب تفصیلاً قلمبند کریں گے، اس طرح خوانندگانِ کتاب کو تمام حالات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

انگریزی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج کے ہراول دستے نوا کلئی میں جمع ہوئے تھے، لیکن بڑی فوج کا مقام اجتماع صوابی تھا، اور انگریزوں کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ قبائل کو پیش قدمی کے راستے کا قبل از وقت علم نہ ہو سکے۔ گویا تیاری میں اخفا کا مقصد بطور خاص پیش نظر رکھا گیا تھا۔ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو بڑی فوج جنرل چیمبرلین کی

سرکردگی میں صوابی سے روانہ ہوئی۔ اس کا ابتدائی رخ درہ دربند کی طرف تھا لیکن تھوڑی دور جا کر اس نے رخ بدلا اور پرمولئی کا قصد کر لیا، نوا کلئی والی فوج بھی پرمولئی پہنچ گئی اور درے میں پیش قدمی شروع ہو گئی۔ (۱)

جنگی اسکیم اور مشکلات

جنگ کی ابتدائی اسکیم یہ تھی کہ کرنل وائلڈ (Wilde) کا دستہ سب سے پہلے چملہ پہنچ کر راستے کی دیکھ بھال کا انتظام کرے گا تا کہ فوج وادی میں پہنچے تو اسے ملکا کی جانب پیش قدمی کرنے میں انتظار نہ کرنا پڑے۔ لیکن یہ اسکیم اس وجہ سے ملتوی کرنی پڑی کہ درے کے سفر میں بالکل غیر متوقع اور سخت مشکلات پیش آئیں، حتیٰ کہ ۲۰/اکتوبر کی آدھی رات تک بار برداری کا ایک بھی جانور موقع پر نہ پہنچ سکا۔ ایک رکاوٹ یہ پیش آئی کہ تقریباً اڑھائی سو بونیریوں نے جا بجا مورچے قائم کر لیے اور پیش قدمی کرنے والی فوج پر آتش باری شروع کر دی۔ چنانچہ درے ہی میں ایک مقام پر فوج کا کیمپ قائم کر کے چوکی پہرے لگا دیے گئے۔

اب واضح ہو چکا تھا کہ چملہ میں سے گذرتے ہوئے ملکا پہنچنا اتنا سہل نہیں جتنا ابتداء میں سمجھ لیا گیا تھا۔ آہستہ آہستہ بونیر کے قبائل گرد و پہاڑ پر جمع ہونے لگے۔ ان کی موجودگی میں پیش قدمی کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ کسی وقت بھی حملہ کر کے فوج کی راہِ مراجعت منقطع کر دیتے اور اس کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہتی۔

(۱) فوج کی تفصیلات نیویل اور ڈاکل کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ہنٹر نے "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے حواشی میں بتایا ہے کہ پانچ ہزار ایک سو پچاس پیادہ فوج تھی، دو سو سوار، دو سواتی توپ خانہ، یک ہزار کا جیش سول کمشنر کے ماتحت تھا اور تیرہ توپیں تھیں۔ اس کے علاوہ دربند، تربیلہ، نوپلی، ایبٹ آباد، رستم، مروان وغیرہ میں بھی فوج مقیم تھی۔ (ص ۲۲)۔ مقامی خوانین کے دستوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نئے راستے کی تجویز

مجاہدین اور سادات ستھانہ نے قبائل کے نام جو اعلان بھیجا تھا اس نے پورے آزاد علاقے میں آگ لگا دی تھی اور ہر خطے سے لوگ جوشِ دفاع میں محاذِ جنگ پر پہنچنے لگے تھے۔ علاقہ ستہ کے خوانین انگریزوں کے زیر اثر تھے۔ چملہ و بونیر کے جن خوانین کو روپے دے کر رام کر لیا گیا تھا وہ بھی چاہتے تھے کہ انگریزوں کا مقصد پورا ہو جائے، لیکن انہیں ہم قوموں کی مخالفت کا حوصلہ نہ تھا اور انگریزوں سے ملتے بھی تھے تو حد درجہ خفیہ خفیہ ملتے تھے تاکہ کسی پر یہ بھید کھل نہ جائے۔ چنانچہ چملہ و بونیر کے جو نمائندے ۲۲ر اکتوبر کو انگریزوں سے ملے، انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ وادیٔ چملہ کا راستہ چھوڑ کر جنوبی راستہ اختیار کرنا چاہیے، جو کوگا کے پاس سے جاتا ہے اور پہاڑوں کے بیچ میں سے ملکا پہنچاتا ہے۔ انگریزوں کیلئے یہ راستہ اختیار کرنا بہت مشکل تھا۔ اندیشہ تھا کہ ان کی فوج پہاڑوں ہی میں تباہ ہو جاتی۔

بہر حال رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اگر فوج واپس بلا لی جاتی تو انگریزوں کی ہوا اُکھڑ جاتی اور قبائل کے حوصلے بڑھ جاتے۔ آگے بڑھنے کی بہ ظاہر صورت کوئی نہ تھی۔ رک جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبائل کے جیش زیادہ جوش و خروش سے جمع ہونے لگے اور حالات لحظہ بہ لحظہ نازک سے نازک تر ہوتے گئے۔

مجاہدین و سادات کے انتظامات

مجاہدین و سادات کو جب یقین ہو گیا کہ انگریز وادیٔ چملہ سے پیش قدمی کا فیصلہ کر چکے ہیں تو انہوں نے جنوبی سمت کے خراب کیے ہوئے راستے درست کرا دیے، اس لئے کہ ادھر سے یورش کا اندیشہ نہ رہا تھا۔ چملہ کی جانب کے تمام ضروری مقامات کی حفاظت کا بندوبست کر لیا۔ کچھ فوج سرپٹی کے مختلف مقامات کی حفاظت کے لئے متعین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کردی۔ باقی فوج لے کر امیر مجاہدین اور شہزادہ مبارک شاہ گرد و پہاڑ پر آ بیٹھے، جہاں بونیر، سوات، دیر، باجوڑ، کنٹر وغیرہ کے قبائلی لشکر جمع ہو رہے تھے۔ انگریزوں کو سب سے بڑھ کر اندیشہ یہ تھا کہ کہیں اخوند صاحب سوات مجاہدین کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ بونیر وسوات یا دوسرے خطوں اور میدانی علاقے میں ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ اخوند صاحب ہمہ گیر قبائلی ہیجان کو دیکھ کر خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ وہ بھی موقع پر پہنچ گئے اور ان کی وجہ سے قبائلی جوش و خروش میں مزید تندی اور تیزی پیدا ہو گئی۔

حفاظتی مورچے اور لڑائیاں

انگریزوں نے کیمپ کی حفاظت کیلئے دائیں بائیں کئی مورچے بنا رکھے تھے، جن میں سے دو بطور خاص قابل ذکر ہیں: ایک کیمپ کے دائیں جانب کا مورچہ، جس کا نام انگریزوں نے ''ٹیلے کا مورچہ'' (Crag Piquet) رکھا۔ دوسرا بائیں جانب کا مورچہ، جو ''آشیانۂ عقاب'' (Eagle's Nest) کے نام سے موسوم تھا۔ ۲۲ راکتوبر کو انگریزی فوج کا ایک دستہ وادی میں اتر کر یا تک گیا جو تقریباً گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ واپسی میں اہل بونیر نے اس پر حملہ کیا اور بپا کرتے ہوئے انگریزی رسالے کو پیش قدمی کرنی پڑی۔ ''ٹیلے کے مورچے'' اور ''آشیانۂ عقاب'' پر بار بار شدید خونریز لڑائیاں ہوئیں، یہاں تک کہ دونوں مورچے تین تین مرتبہ انگریزوں کے ہاتھ سے نکلے اور سخت جدوجہد کے بعد انہوں نے دوبارہ ان پر قبضہ کیا۔ انگریزی کیمپ پر بھی بار بار یورشیں ہوئیں۔ جب جنرل چیمبرلین کو یقین ہو گیا کہ آگے بڑھنا مشکل ہے تو کیمپ کیلئے درے میں زیادہ اونچی جگہ تجویز کر کے فوج کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ قبائلی یورشوں میں انگریزوں کا سخت نقصان ہوا بلکہ ایک موقعہ پر فوجیں واپس بلا لینے کی تجویز مکمل ہو چکی تھی پھر وسیع مصلحتوں کے پیش نظر ملتوی کر دی گیا۔ ایک یورش میں خود جنرل چیمبرلین بھی بری طرح

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زخمی ہو گیا۔ آخر اسے فوج کی کمان چھوڑ کر علاج کیلئے واپس آنا پڑا اور میجر جنرل گاروَوک (GARVOCK) نے سپہ سالاری کا منصب سنبھالا۔

انگریزی سیاست کی کامیابی

اِدھر جنگ جاری تھی اُدھر انگریزی سیاست بدستور قبائل میں تفرقہ انگیزی کی کوششیں کر رہی تھی۔ قبائل کی تربیت ایسی نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر تک جنگ جاری رکھ سکتے۔ کشمکش جتنا طول پکڑتی گئی قبائل میں انتشار کے امکانات اتنے ہی بڑھتے گئے۔ کمشنر نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اپنی سرگرمیاں بہت تیز کر دیں اور مختلف حیلوں بہانوں یا رشوتوں سے بعض قبیلوں اور بڑے بڑے خوانین کو ہم نوا بنالیا۔ ان کے سامنے شرطیں یہ پیش کیں کہ کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں صرف اتنا کافی ہے کہ ہندوستانی مجاہدین کو ملکا سے نکال دیا جائے اور اس آبادی کو برباد کرنے میں مدد دی جائے۔ چنانچہ کئی قبیلے اس پر راضی ہو گئے اور مقابلہ چھوڑ بیٹھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے خلاف نبرد آزمائی کا جو طوفان جوش و خروش سے اٹھا تھا وہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔ جنرل گاروَوک نے ۱۵ر دسمبر کو فوج کے دو حصے تیار کیے اور لالو پر قبضہ کر لینے کے بعد اسے جلا دیا۔ وہاں سے امبیلہ پر یورش کی۔ یہ گاؤں بھی خالی ہو چکا تھا، اسے بھی جلا یا۔ ان کامیابیوں نے قبائل کو صلح پر آمادہ کر دیا۔

صلح

قبائل کی استقامت کا سب سے بڑا مرکز حضرت اخوند صاحب سوات تھے۔ انگریزوں نے ان سے بھی بار بار اپیلیں کیں کہ خونریزی کے امتداد سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حکومتِ انگلشیہ کے وسائل بہت وسیع ہیں، مزید فوجیں آجائیں گی اور قبائل ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ قبائل میں ایک گونہ پھوٹ پڑ چکی ہے، اس لئے کہ بعض خوانین ابتداء ہی سے انگریزی علاقے کے ہم قوموں کے ساتھ ساز باز کیے بیٹھے تھے۔ انہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صرف عوام کے بے پناہ جوشِ مخالفت نے دم بخود کر رکھا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جوش ٹھنڈا پڑ رہا ہے تو اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور خود حضرت اخوند صاحب کو بھی یہی مناسب نظر آیا کہ ملکا کی تباہی یا برائے نام تباہی و بربادی پر راضی ہو جائیں۔ گفت وشنید کے بعد قرار پایا کہ اہل بونیر پیچھے ہٹ جائیں، ان کے خوانین میں سے بعض انگریز افسروں کی موجودگی میں ملکا کو تباہ کر دیں اور اس اثناء میں باقی خوانین بطور یرغمال انگریزوں کے پاس رہیں۔

چنانچہ ۱۹ر دسمبر کو چند انگریز افسر اور تھوڑے سے سپاہی خوانین، بونیر اور بعض دوسرے رئیسوں کی ایک جماعت کے ہمراہ ملکا گئے اور اپنا مقصد پورا کر کے ۲۲ر دسمبر کو واپس آ گئے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی فوج کی مراجعت شروع ہو گئی۔

انگریزوں کا اندازہ ہے کہ اس جنگ میں دو سو اڑتیس افراد اہل فوج مقتول ہوئے، چھ سو ستر مجروح، قبائلی مقتولین و مجروحین کا اندازہ تین ہزار کیا گیا۔ (۱)

مزید تفصیلات

رینل ٹیلر کی سوانح حیات میں بتایا گیا ہے کہ مندرجہ ذیل انگریز افسر ملکا گئے تھے، رینل ٹیلر، کرنل ایڈلی، کرنل اے، ٹیلر، میجر رابرٹس (۲)، میجر جانسٹن، اور لیفٹیننٹ کارٹر۔ ان کے ساتھ کچھ پٹھان سپاہی تھے، کچھ سکھ اور کچھ گورکھے۔ ۱۹ر دسمبر کو روانہ ہوئے شدید بارش کے باعث کریا میں رکنا پڑا۔ پھر چلے تو معلوم ہوا کہ امازئی قبیلے کے

(۱) نیویل کی کتاب ص ۶۲۔ اس جنگ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو وڈکلی کی کتاب ص ۱۰۱ تا ۱۴۳۔ نیویل کی کتاب ص ۴۲ تا ۵۰۔ رابرٹس کی کتاب "ہندوستان میں اکتالیس سال" ص ۲۸۰-۲۹۳۔ ایڈلی کی کتاب "امبیلہ" یہ پوری کتاب اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔

(۲) بعد میں فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لوگ راستے میں جمع ہو رہے ہیں اور انہوں نے خدّو خیلوں کو بھی امداد کے لئے بلا لیا ہے۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ تھا کہ مزاحمت کا سروسامان کر لیا گیا ہے۔ خوانینِ بونیر نے نامہ و پیام سے انہیں ہموار کر لیا۔ ۲۱ دسمبر کی صبح کو ملکا پہنچ کر مکانوں کو آگ لگائی گئی۔ اما زئیوں کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ ملکا کی آبادی کے ایک حصے کو آتش زنی سے بچالیں تاکہ دوسرے قبیلوں کے روبرو دعویٰ کر سکیں۔ خود انہوں نے اپنا حصہ محفوظ رکھا اور اسے گزند سے بچالیا۔ رینل ٹیلر جو پوری کارروائی کی تکمیل کا ذمہ دار تھا، کوئی حصہ محفوظ چھوڑنے پر راضی نہ ہوا۔ سدوم کے خان محمد عزیز خاں نے اس کی خواہش پوری کر دی، گویا پوری آبادی جلا دی گئی۔ (۱)

(۱) رینل ٹیلر کے سوانح حیات (انگریزی، ص ۲۸۹ - ۲۹۱)۔ اس سلسلے میں مقامی اصحاب کے بیانات آگے آئیں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

جنگِ امبیلہ

(۲)

مقامی بیان

اب ہم اس مرقع کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو جنگِ امبیلہ کے متعلق مولوی عبدالحق آروی نے "غزائے ہیر" کے نام سے منظوم صورت میں مرتب کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہ جنگِ امبیلہ کے عینی شاہد تھے۔ چوں کہ اس جنگ کے حالات تفصیلاً جمع کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے اسلئے یقین ہے کہ انہوں نے شرکائے جنگ سے مل کر تمام واقعات کے متعلق خوب چھان بین کر لی ہوگی۔ لہٰذا ان کے بیانات کی صحت میں تامل کی کوئی وجہ نہیں۔ ان سے کم از کم مجاہدوں اور قبائلیوں کا نقطۂ نگاہ سامنے آ جائے گا اور انگریزی بیانات کو بالمقابل رکھ کر صحیح صورتِ حال پر پہنچنے میں کوئی دقت نہ رہے گی جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ مولوی صاحب موصوف نے قبائلیوں کے کمزور پہلو نمایاں کرنے میں مداہنت سے کام نہیں لیا، لہٰذا ان کے پیش کردہ حالات زیادہ سے زیادہ مستند مانے جا سکتے ہیں۔

بارہ جوانوں کی مردانگی

وہ فرماتے ہیں کہ انگریزی فوج نے درے میں پیش قدمی شروع کی تو عجب خاں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رئیس سدم کے بھائی عزیز خاں (۱) نے اہل امبیلہ کے پاس خفیہ پیغام بھیج دیا تھا کہ اپنی حفاظت کا بندوبست کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں مارے جاؤ۔ اکثر لوگ گھر بار اور بال بچوں کو سنبھالنے میں مصروف ہو گئے۔ دس بارہ نوجوان دوسروں کو اطلاع دیے بغیر کوتل پر پہنچ گئے جو امبیلہ سے دو اڑھائی میل کے فاصلے پر ہوگا تاکہ انگریزی فوج کا راستہ روک لیں۔ چاندنی رات تھی (۲) انہوں نے موزوں جگہیں تجویز کر کے مورچے بنا لیے۔ جب انگریزی فوج زد میں آ گئی تو ایک دم آتش باری شروع کر دی۔ وہ پہاڑ کے چپے چپے سے واقف تھے۔ کمال یہ کیا کہ ایک دو گولیاں چلاتے ہی ہر جوان دوڑ کر قریب کے دوسرے مورچے میں جا بیٹھتا اور بندوق سر کرنے لگتا۔ گویا دس بارہ نوجوانوں نے ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ غنیم کو معلوم ہو کہ کئی سو آدمی گھات میں بیٹھے ہیں۔ اس حصہ میں گھنا جنگل تھا اور نوجوانوں کو ایک مورچہ چھوڑ کر دوسرے میں جانے کیلئے کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔ صبح تک مقابلہ جاری رہا۔ روشنی ہونے لگی تو یہ لوگ واپس چلے گئے۔ لیکن انگریزی فوج کے لئے بے تکلف پیش قدمی کا ہر امکان زائل کر گئے۔

پہلی باقاعدہ لڑائی

اس اثناء میں دولت زئی اور نوری زئی بونیریوں میں سے ستر اسی آدمی اس گلی میں پہنچ گئے جو امبیلہ اور بونیر کے درمیان آمد و رفت کا راستہ ہے۔ جنوبی سمت میں کوگا کی جانب رزڑ قبیلے کے نوجوانوں کا ایک دستہ آ گیا۔ انگریزی فوج کے تیرہ سوار جن میں سے چار انگریز تھے طلایہ گردی کے سلسلے میں کوگا پہنچے۔ گاؤں والوں نے کوئی مزاحمت نہ کی

(۱) یہ وہی عزیز خاں ہے جو رجل ٹیلر کے بیان کے مطابق خوانین کے اس گروہ میں شامل تھا جسے انگریز افسروں کے ساتھ ملکا کو جلانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خوانین کی دورُخی کا کیا حال تھا، وہ انگریزوں کا ساتھ دینے پر بھی مجبور تھے اور ان کے دل اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کی دردمندی سے بھی خالی نہ تھے۔
(۲) تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ جمادی الاولیٰ کی چھٹی یا ساتویں تاریخ تھی گویا ان نوجوانوں نے رات کے ابتدائی حصے میں جا بجا مورچے قائم کر لیے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لیکن وہ واپس ہوئے تو ان پر ہر طرف سے آتش باری شروع ہو گئی۔ انگریزی توپیں بھی بروئے کار آ گئیں اور پورا میدان آگ اور دھوئیں کے بادلوں سے ڈھک گیا۔ بونیریوں میں سے تین حقیقی بھائیوں نے تلواریں علم کیں، بجلی کی تیزی سے انگریزی فوج کے قلب پر حملہ آور ہوئے اور تینوں شہید ہو گئے۔ باپ نے یہ سنا تو وہ بھی جگر بندوں کی پیروی میں لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوا۔ اس گھرانے کی مردانگی دوسروں کیلئے مشعلِ راہ بن گئی، جو آتا وہ دلیری سے حملہ کرتا اور غنیم کو مار کر خود شہادت پاتا۔ اس طرح بہت سے قبائلی شہید ہوئے لیکن انگریزی فوج کو پسپائی پر مجبور کر دیا اور ذاتی شجاعت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ جو بھی یہ کیفیت دیکھتا جانبازی پر آمادہ ہو جاتا۔

کمشنر کی تدبیریں

اب انگریز کمشنر نے خوانین پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ ہملہ سے جرگے بلائیں اور کار برآری کی کوئی صورت پیدا کریں۔ چنانچہ کوگا اور سرہا کے تین ملک یعنی ملا خاں، عبداللہ اور فیروز پہاڑ کا چکر کاٹ کر خفیہ خفیہ کمشنر کے پاس پہنچے اور اپنی ارادت و اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم مجبور ہیں، کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر اہل بونیر کا ساتھ نہ دیں تو ایک دن میں تباہ کر دیے جائیں۔ کمشنر نے انہیں بہت یقین دلایا کہ ہمیں نہ اہل چملہ سے کوئی کاوش ہے نہ اہل بونیر سے، نہ کسی کے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسا راستہ بتا دو کہ ہم ملکا پہنچ جائیں۔ اسے برباد کر کے واپس چلے جائیں گے۔ ملکوں نے وہ پہاڑی راستہ بتایا جو لالو کے پاس سے چوٹی ملکا جاتا ہے، لیکن جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، یہ راستہ اختیار نہ کیا جا سکتا تھا، اس لئے کہ حد درجہ خطرناک تھا۔ کوئی بڑی فوج بھاری ساز و سامان کے ساتھ اس راستے سے جا نہ سکتی تھی اور تھوڑے آدمی بھیجے جاتے تو اندیشہ تھا کہ پہاڑوں ہی میں مارے جائیں گے۔ اس اثناء میں کمشنر نے مختلف خوانین کو میدانی علاقے میں جگہ جگہ متعین کر دیا تا کہ رسد بہم رسانی میں رکاوٹ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیدا نہ ہو، نیز میدانی علاقے سے مجاہدین کو کمک نہ مل سکے۔ چنانچہ رحمت خاں خٹک ابن طاؤس خاں اور محمد زمان خاں پوپلزئی سر کاوئی میں متعین ہوئے۔ امیر خاں، خونداد خاں اسمٰعیلہ، ابراہیم خاں زیدہ، مہابت خاں تورو کو شیر درے میں مامور کر دیا گیا۔ شہداد خاں رئیس ہنڈ کو لوند خوڑ اور سر بلند خاں رئیس ہوتی کو پرمولی بھیج دیا گیا۔ عجب خاں اور عزیز خاں کو خوانین بونیر سے بات چیت کیلئے اپنے پاس رکھا۔

شہزادہ اور مجاہدین کے انتظامات

امیر عبداللہ رئیس مجاہدین اور شہزادہ مبارک شاہ نے بھی جلد سے جلد دفاعی انتظامات کر لیے۔ چنانچہ ایک جماعت اس راستے کی حفاظت کے لئے بٹھا دی جو لالو سے ملکا جاتا تھا۔ خود بڑے لشکر کو لے کر میدان میں پہنچ گئے اور کاٹ گلہ کے مقام پر ڈیرے ڈالے۔ وہاں چملہ، بونیر اور دوسرے مقامات کے قبائلیوں کو بلا کر جنگ کے متعلق مشورے کیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ انگریزی لشکر کے مقابلے پر جو درے میں مقیم تھا، تین طرف مورچے قائم کر لیے جائیں اور ایک ایک مورچے میں مختلف قبیلوں کے آدمی بیٹھ جائیں۔ چنانچہ سید شاہ محمود (ابن سید عمر شاہ ستھانوی) سید اعظم اور سید یوسف (ساکنانِ ناوائی) کو جدونوں، خدو خیلوں، اما زیوں اور عیسیٰ زئیوں پر سردار مقرر کر کے انگریزی فوج کے دائیں جانب کوہ لالو پر بٹھا دیا گیا۔ اہل بونیر میں سے عائشہ زئی، گدائی زئی اور پنج پائی انگریزی فوج کے سامنے مورچے قائم کر کے جم گئے۔ سلارزئی، نوری زئی، دولت زئی اور چغرزئی نے، جن کی تعداد پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی، انگریزی فوج کے شمال اور مغرب میں کوہ گڑ کو سنبھال لیا۔ مجاہدین سامنے کاٹ گلہ میں مقیم رہے۔ ان کے لئے روٹی ملکا سے آتی تھی اور بعض اوقات وہ لوگ کچھ کھائے پئے بغیر ہی گزارہ کر لیتے تھے۔

دوسری لڑائی

قبائلیوں کی بہادری اور غیرت وحمیت میں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا، لیکن ان میں دو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خرابیاں تھیں: ایک یہ کہ وہ منظم جنگ کی تربیت سے ناآشنا تھے، دوسرے بعض موقعوں پر بہادری کی نمائش میں بہترین جنگی مصلحتوں کو بھی نظر انداز کر جاتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بونیر کی دوسری جنگ میں اسی خرابی کے باعث انہیں خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ چغرزئی دیر سے میدانِ جنگ میں پہنچے تھے اور پہلی جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لہٰذا آئے تو جوشِ تہور میں سوچے سمجھے اور بات چیت کیے بغیر حملہ کر دیا، یہاں تک کہ ان سردارانِ لشکر سے بھی مشورہ نہ کیا جو کوہ لالو کی جانب کے مورچوں میں مقیم تھے، اور جن کی امداد کے بغیر چغرزئیوں کا حملہ نتیجہ خیز نہ ہو سکتا تھا۔ اس جنگ میں انگریزوں کا بھی سخت نقصان ہوا اور چغرزئیوں پر بھی شدید ضرب لگی۔ کوہ لالو کی جانب جو دستے مقیم تھے وہ اچانک تیاری کے بغیر چغرزئیوں کی امداد کے لیے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ گھمسان کا رن پڑا جس میں سید اعظم ساکن ناداگی نے شہادت پائی۔ کوہ لالو کی دو چوٹیاں ایک دوسری کے بالمقابل واقع ہیں ان میں سے ایک چوٹی پر مجاہدین سید شاہ محمود کی سرکردگی میں ڈٹے رہے لیکن دوسری چوٹی پر انگریز قابض ہو گئے۔ اس طرح کیمپ کے دائیں جانب انگریزوں کی دفاعی پوزیشن بہتر ہو گئی۔ اس کے بعد کم وبیش آٹھ نہایت خوفناک لڑائیاں ہوئیں جن میں سے بعض کی کیفیت ہم سرسری طور پر بیان کریں گے اور آخری لڑائی کے حالات تفصیلاً بتائیں گے، اس لئے کہ وہ براہِ راست مجاہدین سے تعلق رکھتی ہے۔

اخوند صاحبِ سوات کی طلبی

اخوند صاحبِ سوات کو پہلے ہی اطلاع بھیجی جا چکی تھی، اب قبائل کی طرف سے تاکیدی خطوط ان کے پاس پہنچے، چنانچہ انہوں نے نفیرِ عام کا اعلان کر دیا اور حکم دے دیا کہ ہر شخص ہتھیار اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لائے، نیز جلد سے جلد موقع جنگ پر پہنچ جائے۔ اخوند صاحب کے رفیقوں میں عبدالرحمٰن کابلی معروف بہ "پاسنے بابا" بہت مشہور مقرر تھا۔ وہ جہاں تقریر کرتا آگ لگا دیتا۔ اخوند صاحب سید شریف سے اٹھے اور منگورہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہنچ کر کچھ دیر قیام کیا۔ وہیں جمعہ کی نماز ادا کی، خطبہ دعوت جہاد پر مشتمل تھا، جس میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ اگر انگریز اس علاقے پر قابض ہو گئے تو میں ہجرت کر جاؤں گا۔ وہاں سے اٹھے تو بری کوٹ ہوتے ہوئے مقام جنگ پر پہنچ گئے، ان کی وجہ سے دور دور تک قبائل میں حرکت پیدا ہو گئی۔ مولوی عبدالحق آروی نے ایک ایک قبیلے، اس کی شاخوں اور خوانین کا مفصل حال لکھا ہے۔ میں وہ تفصیلاً بیان کروں تو ان کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہوگی۔

تیسری لڑائی

اخوند صاحب کی آمد سے پیشتر انگریزوں نے ان مورچوں کی توسیع پر توجہ کی جو کیمپ کے بائیں جانب واقع تھے۔ چنانچہ انگریزی فوج مختلف پلٹنوں میں تقسیم ہو کر کوہ گرد کے غازیوں پر حملہ آور ہوئی۔ ان میں بونیر کے غیور جانباز بہادر مقابلے کیلئے موجود تھے، مثلاً پائندہ خاں، منددے زے خاں، دیوان شاہ، قطب شاہ وغیرہ۔ انہوں نے شدید مقابلہ کیا۔ خود بھی بڑا نقصان اٹھایا لیکن انگریزی پلٹنوں کا بھی صفایا کر دیا۔ ان غازیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس تلواریں تک نہ تھیں اور انہوں نے خاردار درختوں سے موٹے موٹے ڈنڈے کاٹ لئے تھے۔ اس لڑائی میں تجلی نور خاں، بابوزئی اور ملا غلام حسین نے بھی بڑی بہادری دکھائی۔ غازیوں میں ایک صاحب حلیم شاہ تھے جن کا رنگ بیحد سرخ و سفید تھا اور آنکھیں نیلگوں۔ سرسری نظر میں وہ انگریز معلوم ہوتے تھے۔ ایک ہندوستانی مجاہد نے اُنہیں انگریز سمجھ کر پیچھے سے تلوار کا وار کیا۔ حلیم شاہ نے زخمی ہو جانے کے باوجود اس مجاہد کو بے تکلف معاف کر دیا۔ انگریزی فوج اپنا مقصد حاصل نہ کر سکی اور اہل بونیر نے مقابلے پر اپنے مورچے مستحکم کر لیے۔ (۱)

---

(۱) غزائے بونیر قلمی نسخہ ص ۱۴۸-۱۵۱۔ یہ "آشیانہ کتاب" کی مختلف لڑائیوں میں سے غالباً پہلی لڑائی کی کیفیت ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اخوند صاحب کی تشریف آوری

اخوند صاحب تشریف لے آئے تو آپ نے اسیلہ کی مسجد میں قیام اختیار کیا۔ وہیں امیر المجاہدین مولانا عبداللہ اور شہزادہ مبارک شاہ نے آپ سے ملاقات کی۔ صاحب موصوف اعلانِ عام کر چکے تھے کہ تسبیح و تہلیل، مسواک اور کلمے کے ذکر سے کہیں بڑھ کر آج یہ ضروری ہے کہ دشمن کا مقابلہ کرو۔ عصا چھوڑ و اور تلوار ہاتھ میں لو۔ اس اعلان سے قبائل میں ایک عام حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

مولوی عبدالحق فرماتے ہیں کہ مولانا عبداللہ نے اخوند صاحب کی خدمت میں پہنچتے ہی انتہائی دل فگاری سے عرض کیا: سب سے پہلے میرے عقائد سن لیجئے تاکہ میرا مذہب آپ پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ عقائد سن لینے کے بعد اخوند صاحب نے کہا کہ اب اور کسی شئے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں اور ہر حال میں آپ کا خیر خواہ رہوں گا۔ محبت سے بغل گیر ہونے کے بعد فرمایا کہ آج میرے اور آپ کے ناموس پر حملہ ہوا ہے، ہمارا فرض ہے کہ مل کر انگریزوں سے جنگ کریں۔

ہماں مولوی را امارت سپرد		کہ لائق بہ تو شد بدیں دست بُرد
یکفتش تو ہستی بہ ہر سر امیر		بپوید پشست صغیر و کبیر
نہ پیچد سر خود ز حکم تو کس		تو ہر دم بہ حکم خدا باش و بس
ازاں بر تو آمد امارت درست		کہ در جنگ داری تو آلات چست
ترا بس بہ ہر باب کردیم امیر		دعا گوئے باشم کہ ہستم فقیر(۱)

(۱) خزائے ضیر ص ۱۳۲۔ پوری کیفیت کے لئے ملاحظہ ہو ص ۱۳۸-۱۴۲۔

اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ مولانا سے فرمایا: آپ سب کے امیر ہیں، آپ کے حکم سے کوئی سر نہ پھیرے گا۔ آپ خدا کے حکموں پر چلتے رہیں، آپ کی امارت اس بناء پر درست ہے کہ آپ جنگ کے سروسامان سے بخوبی لیس ہیں۔ میں نے آپ کو امیر مانا۔ میں تو فقیر ہوں اور صرف دعا کرنا میرا کام ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

جنگِ امبیلہ

(۳)

عزمِ شبخون

اخوند صاحب کی تشریف آوری کے بعد ان قبائل کے تازہ دم لشکر آ گئے جو دریائے سندھ کے کنارے پر مقیم تھے۔ انہیں کوہ لالو پر عیسٰی زئیوں کی شکست کا حال معلوم ہوا تو اس داغ کو دھونے کے لئے فی الفور زبردست مجاہدانہ اقدام پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ باہم مشورے سے قرار پایا کہ انگریزی لشکر پر تین طرف سے شبخون مارا جائے۔ ایک طرف سے سوات کے اکوزئی بڑھیں، جن میں کنارہ سندھ کے لوگ بھی شامل ہوں۔ دوسری طرف سے بونیر کے تمام جتھے حملہ آور ہوں۔ تیسری طرف سے مجاہدین کے دو جیش پیش قدمی کریں۔ چنانچہ یہ فیصلہ کر کے حضرت اخوند صاحب سے منظوری لی اور تمام لوگ تیاری کر کے اپنے اپنے ڈیروں میں مقیم ہو گئے۔

اکوزئی اور ان کے ساتھی آدھی رات کے بعد اٹھے اور چھپ چھپا کر انگریزی مورچوں کے قریب پہنچ گئے۔ انہیں حملے کیلئے اس امر کا انتظار تھا کہ ہندوستانی مجاہدین اپنی قرابینیں داغیں۔ دیر تک کوئی آواز نہ آئی تو وہ سمجھے کہ شبخون کی تجویز شاید ملتوی ہو گئی ہے، چنانچہ وہ چپ چاپ پیچھے ہٹے اور رات کی تاریکی میں اپنے ڈیروں پر پہنچ گئے۔ اس اثناء میں مجاہدین کے دو جیش نجف خاں جمعدار اور قائم خاں جمعدار کی سالاری میں تہجد سے نماز فجر ادا کر کے حملہ آور ہوئے اور ان کی قرابینوں کے شور سے پوری وادی گونج

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اٹھی۔قراجینوں کی آواز سنتے ہی اکوزئی اور ان کے ساتھی بھی نعرے لگاتے ہوئے شیروں کی طرح میدانِ جنگ میں اتر آئے۔ان میں سے الیاس خاں، عمارہ خاں، یوسف خاں اور فضل خاں سب سے پہلے انگریزی مورچوں میں پہنچے۔

چوتھی لڑائی

ان بہادروں نے بڑی مردانگی سے لڑائی شروع کی۔قائم خاں جمعدار لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔نجف خاں کی یہ کیفیت تھی کہ جس طرف رخ کرتا دشمن کی صفیں چیرتا ہوا گھس جاتا اور انہیں درہم برہم کردیتا۔آخر وہ بھی شہید ہو گیا۔باقی قابل ذکر شہداء میں سے حاجی خاں بامی خیل اور نور عالم موذن سیدو کے نام بتائے گئے ہیں۔صلاح الدین میاں خیل ساکن ستھانہ سخت زخمی ہوا۔سپیدۂ سحر نمودار ہونے پر باقی لوگ واپس چلے گئے۔ مجاہدین میں سے ایک ایک نے میدانِ جنگ میں شہادت پائی۔اس شبخون میں اہل بونیر نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور وہ چپ چاپ آرام کی نیند سوتے رہے۔یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اس وعدہ خلافی کا سبب کیا تھا۔(۱)

ایک ہراس انگیز آواز

چوتھی لڑائی کے بعد فریقین کے مورچے بدستور ایک دوسرے کے مقابلے پر قائم رہے۔ایک روز اچانک کوہ گڑو کی چوٹی سے کسی نے پکار کر کہا کہ لوگو! اپنے آپ کو بچاؤ انگریزی فوج درے سے نیچے اترنے کا فیصلہ کر چکی ہے اور بڑے سازوسامان سے حرکت میں آگئی ہے۔یہ آواز سنتے ہی تمام قبائل سراسیمہ وار بھاگ نکلے۔تھانہ کے چند خوانین نے امبیلہ پہنچ کر اخوند صاحب کو بھی ساتھ لیا اور بونیر کی جانب کے درے میں پہنچ گئے۔ گویا امبیلہ اور آس پاس کا علاقہ بالکل خالی ہو گیا۔

(۱) غزائے بنیر (قلمی نسخہ) ص ۱۴۳-۱۵۰۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میرا خیال ہے کہ اس آواز کا انتظام اُن خوانین نے کیا ہوگا جو انگریزوں کے ساتھ تھے اور خفیہ خفیہ اپنے ہم قوموں سے بھی گفت شنید کرتے رہتے تھے۔ اغلب ہے وہ اہل بونیر میں سے بعض روسا، کو ہم نوا بنا چکے ہوں اسی وجہ سے بونیریوں نے وعدۂ شبخون کی خلاف ورزی کی اور اس پر پردہ ڈالنے کیلئے یہ آواز خاصی کارگر ثابت ہوئی۔ اس سے قبائل کی بے ترتیبی روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے۔

امیر المجاہدین مولانا عبداللہ، شہزادہ مبارک شاہ، سید شاہ محمود اور ان کے ساتھی بدستور اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے۔ اہل بونیر نے اخوند صاحب کو اس لیے گلی میں بٹھایا تھا کہ انگریز وادیٔ چملہ میں سے ملکا تک کا راستہ مانگتے تھے اور اخوند صاحب گلی میں ہوں گے تو اُدھر کا رخ نہ کریں گے اور بونیر محفوظ رہے گا۔ مولانا عبداللہ نے اخوند صاحب کے پاس پیغام بھیجا: فرمایئے اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ ہم تو اپنا سر خدا کی راہ میں قربان کرنے کیلئے ہندوستان سے آئے ہیں۔ دشمن کے مقابے سے کیوں پیچھے ہٹیں۔ اگر آج ہٹ جائیں تو کل خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ خدا کی راہ میں جان دے دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ سر کی کیا پرواہ ہے یہ بھی تو اسی کا دیا ہوا ہے نا؟ اخوند صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ بالکل درست فرماتے ہیں، لیکن یہ لوگ ٹھہر نہ سکے اور چند خوانین کے سوا سب بھاگ نکلے۔ پس آپ بھی ہمارے پاس آ جائیں۔ چنانچہ مولانا اور شہزادے نے دامنِ کوہ میں مورچے قائم کر لیے اور اطمینان سے مقابلے پر جم گئے۔ (۱)

خانِ دِیرا اور انگریز

اس اثناء میں غزن خاں والیٔ دیر نے بھی اخوند صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ میں ہمہ تن تیار ہوں، استفسار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دیر اور سوات میں مدت سے

(۱) غزائے بنیر (قلمی نسخہ) ص ۱۵۰-۱۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لڑائیں ہوتی رہی تھیں اور والیِ دیر کو اندیشہ تھا کہ شاید اخوند صاحب اس کی آمد کو مناسب نہ سمجھیں۔ اسی دوران میں انگریز کمشنر نے اخوند صاحب کو لکھا کہ آپ کیوں لوگوں کو ناحق قتل کرا رہے ہیں۔ برطانیہ کی طاقت بہت بڑی ہے، یہ غریب لوگ توپ و تفنگ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ درویش ہیں گوشہ نشینی اختیار فرمائیں اور ہم صرف ان مجاہدین کو ملکا سے نکالنا چاہتے ہیں جن سے آپ کو بھی ہمیشہ اختلاف رہا۔ اخوند صاحب نے اس کے جواب میں لکھوایا کہ بے شک آپ بڑے زور آور ہیں، لیکن آپ سے بھی بالاتر ایک عادل اور قوی ہستی موجود ہے، جس نے اصحاب فیل کو ابابیلوں سے تباہ کرایا۔ فرعون کو غرق کیا۔ نمرود کو مچھر سے ہلاک کرایا۔ بے شک میں فقیر ہوں لیکن آپ کیوں فقیروں پر بار بار چڑھائی کرتے ہیں، یہ طرزِ عمل آپ کی شانِ حکومت کے سراسر خلاف ہے۔

مختلف لڑائیاں

ساتھ ساتھ نفیرِ عام کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آزاد علاقے کا کوئی بھی قبیلہ میدانِ جنگ سے باہر نہ رہا اور باجوڑ کے بہادر بھی آپہنچے۔ انہوں نے اور دوسرے غازیوں نے پانچویں چھٹی اور ساتویں لڑائی میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے۔ مثلاً میاں کلئی کے ثناء اللہ اور خواجہ علی، جندول کے عباس خاں نے ایک لڑائی میں صرف اپنے ہم قوموں کی مدد سے انگریزوں کا مورچہ چھین لیا اور اتنا سامانِ غنیمت ہاتھ لگا کہ غازی اسے اٹھا نہ سکے۔ ایک بہادر نے جوشِ شجاعت سے کمل توپ کے منہ میں ٹھونس دیا۔ ایک لڑائی میں ادھیڑ عمر کی ایک خاتون کے کارنامے دیکھ کر بڑے بڑے بہادر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انگریزی فوج کا ایک حصہ شکست کھا کر بھاگا اور ایک ٹیلے پر چڑھنے لگا، لیکن تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک آدمی گر گر کر ختم ہوتا گیا۔ چھ انگریز سپاہی درختوں کے جھنڈ میں ایک بڑے پتھر کے نیچے چھپ گئے۔ سوات میں ڈھیری جولا گرام نام ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مقام ہے جہاں کا باشندہ غلام محی الدین بے خبری سے ان میں جا شامل ہوا، وہ سب اس سے لپٹ گئے۔ غلام محی الدین نے پتھر کا سہارا لے کر انہیں لاتوں سے پیچھے ہٹادیا، پھر ساتھیوں کو آواز دیکر بلایا، انہوں نے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ سب سے زیادہ خون اس لڑائی میں بہا جسے مولوی عبدالحق نے جنگ امبیلہ کی چھٹی لڑائی قرار دیا ہے۔

غزن خاں والیٔ دیر بھی فوج لے کر آ گیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کی آمد مجاہدین کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی، بلکہ وہ خود بددل ہو کر واپس چلا گیا۔ اس اثناء میں انگریزوں کے حامی خوانین نے اہل بونیر کو ہموار کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ انگریز کمشنر اپنی چالوں میں کامیاب ہوا۔ قبائل آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگے اور خود اکابر کو بھی احساس ہو گیا کہ صلح کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا۔

اصل مصیبت

اصل مصیبت وہی تھی جس کا ذکر ان صفحات میں بار بار آ چکا ہے، یعنی قبائل غیر منظم تھے، ان میں حمیت و شجاعت کی کمی نہ تھی، لیکن وہ زیادہ دیر تک جم کر مقابلہ جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ اگرچہ مختلف خوانین نے بے توشہ غازیوں کے لئے لنگر جاری کر دیے تھے۔ مثلاً تھانہ کے خوانین محمد، حبیب، غلام، اسلم، میر محمد، عباس خاں، آصف خاں، خرسند خاں۔ رستم خیلوں میں سے شاہ نواز، سعادت، زرداد خاں، ماسم خاں، سمت خاں، سونیارے خاں، مہر اللہ خاں، قدرت علی شاہ وغیرہ۔ لیکن وسیع منصوبہ بندی کے بغیر اتنے بڑے لشکر کے لئے کھانے پینے کا مستقل انتظام مشکل تھا۔ پھر ان خوانین میں کوئی تنظیمی صلاحیت نہ تھی، اگر صلاحیت ہوتی تو وہ آسانی سے ایسا بندوبست کر لیتے کہ پندرہ بیس ہزار کا لشکر مستقلاً موقع پر موجود رہتا۔ اتنے لشکر کے خورد و نوش کا انتظام مشکل نہ تھا، یہ دشمن کو روک سکتا تھا اور قبائلیوں کے کاروبار میں کوئی خلل نہ پڑتا۔ خاص طور پر قابل غور امر یہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے کہ قبائل میں صحیح دینی تعلیم نہ تھی، جس کے لئے سید احمد شہید نے کوشش شروع کی تھی، لیکن خود غرض خوانین نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔

غرض وہ لوگ وقتی طور پر جوش میں آجاتے تھے اور دینی صداؤں سے متاثر بھی ہوتے تھے لیکن مستقل دینی اور قومی کاموں کیلئے جس تربیت کی ضرورت تھی وہ ان میں موجود نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قیمتی جانی قربانیوں کے باوجود وہ انگریزوں کی مزاحمت میں بقدر آرزو کامیاب نہ ہو سکے اور انگریز بالکل ابتدائے کار میں مصالحت کی جو شرطیں پیش کر رہے تھے اب اکثر لوگ انہیں کی طرف مائل ہونے لگے۔ جو خوانین انگریزوں کے ساتھ تھے وہ بھی اپنے نقطۂ نگاہ کی اشاعت کرتے رہتے تھے۔ جن خوانین نے انگریزوں سے روپیہ لے رکھا تھا وہ بھی سرگرمِ کار تھے۔ تمام اسباب ومحرکات نے مل کر انگریزوں کے مقاصد کی تکمیل کا سامان فراہم کر دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

مجاہدین کی شانِ جانبازی

انتشار کی کیفیت

قبائل میں انتشار کی سرسری کیفیت یہ ہے کہ اہل بونیر کے متعلق اسی وقت سے گوناگوں وسوسے پیدا ہونے لگے تھے جب انہوں نے امبیلہ کو چھوڑ کر چملہ اور بونیر کے درمیان درے میں مورچے لگائے تھے۔ اس کا مطلب ... لفظوں میں یہ تھا کہ وہ اصل مقصد (چملہ سے انگریزوں کا گزرنا) سے دست بردار ہو چکے ہیں یا کم از کم اس سے چنداں دلچسپی باقی نہیں رہی، اور اب صرف یہ چاہتے ہیں کہ انگریز بونیر کا رخ کریں تو ان سے لڑیں۔ وہی سب سے پہلے میدانِ جنگ میں اترے تھے۔ امبیلہ انہیں کی ملکیت تھا، باقی قبائل کی حیثیت ان کے معاونوں اور ہمدردوں کی تھی۔ مالک ملکیت سے بے پروا ہو جائیں تو ان کے معاون کب تک قائم و استوار رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صواتی اور دوسرے قبائل بھی پیچھے ہٹتے گئے، صرف مجاہدین اور سادات ستھانہ باقی رہ گئے۔

امیر المجاہدین کا فیصلہ

اب تنہا امیر المجاہدین پر پیش قدمی کی ذمہ داری آ پڑی۔ انہوں نے اپنی جانباز جماعت میں سے سو سو کی دو جمعیتیں منتخب کیں۔ ایک کا سپہ سالار ناصر محمود کو بنایا، دوسرے کا کلیم الدین کو، اور حکم دیا کہ وہ راہِ حق میں قربانی کا عملی نمونہ ان ہزاروں مسلمانوں کے سامنے پیش کریں جو باوجود کثرتِ تعداد میدان چھوڑ کر الگ ہو رہے تھے۔ واضح رہے کہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ شجاعت و مردانگی کی نمائش نہ تھی، اس کا مدعا یہ بھی نہ تھا کہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ مجاہدین اپنے امیر کے حکم پر کس طرح جانیں دے دینے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ اصل غرض یہ تھی کہ شاید قربانی کا عملی نمونہ ان مسلمانوں میں اسلامی جانبازی کا جذبہ بیدار کرے جو تماشائیوں کی حیثیت میں پہاڑ کی اونچی دیوار پر کھڑے تھے۔ زبانی دعوت کا وقت نہ تھا عملی دعوت کا موقع آ گیا تھا، امیر المجاہدین نے اس کا بھی انتظام کر دیا۔ امیلہ کے میدان میں راہِ حق کے ان مجاہدوں نے جو نمونہ دکھایا اسکی مثالیں تاریخ کے صفحات پر بہت کم یاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ امیلہ کی خاک کے ذرّوں، کوہ گرد کے پتھروں اور قریبی جنگل کے درختوں کو گویائی کی قوت عطا کر دے تو وہی یہ خونچکاں داستان احسن طریق پر سنا سکتے ہیں۔

تقریر اور دعاء

امیر المجاہدین نے ان دو سو جانبازوں کو انگریزوں کی بے پناہ قوت کے مقابلے میں کھڑا کر کے تقریر کی کہ بھائیو! ہر مجاہد کا جسم زخموں سے لالہ زار بن جانے والا ہے، لیکن تم جانتے ہو کہ ہمارے چمن کی یہ بہار ہمیشہ تازہ رہے گی۔ دشمن جنگ کیلئے آیا ہے اس کے مقابلے سے ہٹنا ہمارے لئے گناہ ہے۔ تمہارے جسموں کا ایک ایک ٹکڑا بھی کٹ جائے تو پرواہ نہ کرو، دشمن کو پیٹھ دکھانا ہمارے لئے زیبا نہیں، تم جس آزمائش میں پڑنے والے ہو اس کی ہولناکیوں سے میں ناواقف نہیں، لیکن تمہیں معلوم ہے کہ لوہا جب تک آگ میں پگھل نہیں جاتا اس سے جنگی ہتھیار نہیں بن سکتے۔

اس کے بعد حضرت امیر نے بارگاہِ باری تعالیٰ میں دعاء کی کہ الٰہی تو جہانوں کا کارساز ہے تیرے سوا ہم کسی کی پناہ نہیں ڈھونڈتے۔ زور اور قوت تیرے ہاتھ میں ہے، ہم ناچیز مسکین کیا کر سکتے ہیں۔ تو غریبوں اور بیکسوں کا مددگار ہے، تیرے سوا کسی سے یاوری کی امید نہیں۔ اس جنگ میں صرف تیری مدد درکار ہے، یہ مجاہد صفیں باندھ کر کھڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوگئے ہیں، تو ہی اپنی رحمت سے انہیں زور اور قوت بخش سکتا ہے۔ تو نے مومنوں کیلئے نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ مالک! دشمنانِ دین پر ہمیں فتح عطا کر، میں ان غریب الوطن بیکسوں کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ یہ سب تیری راہ میں جان کی قربانی پیش کریں گے۔ اگر ملکی فوج ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں تو ہمیں کیا پرواہ ہے؟ اس کارزار میں فقط تو ہمارا مددگار ہے۔

پھر مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا: بھائیو! اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہو، وہی پاک ذات تمہارے لئے کافی ہے۔ میری طرف سے سلام قبول کرو۔ تم اس میدان میں رہ کر وہ فرض بجالاؤ جو خدا نے تمہارے ذمے عائد کر رکھا ہے۔

تمام مجاہدوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہم سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو معاف فرما دیجئے۔ امیر نے بہ آوازِ بلند کہا کہ میں نے خدا کیلئے ہر خطا معاف کر دی تم بھی میری خطاؤں کو معاف کر دو۔ یہ کہتے ہوئے باقی ساتھیوں کو لے کر امیر صاحب ذرا بلندی پر جا کر کھڑے ہوگئے۔ ملکیوں میں سے بھی کوئی میدان میں باقی نہ رہا، صرف دو سو کی یہ جماعت باقی رہ گئی جس کی حق آگینی اس میدان میں آفتاب عالم تاب سے بڑھ کر درخشاں تھی۔

حشر آفریں منظر

مجاہدین اگرچہ دشمن کے مقابلے پر بہت تھوڑے تھے تاہم وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح استوار کھڑے تھے۔ انگریزی فوجیں نمودار ہوئیں تو مجاہدین نے پہلے ایک باڑ ماری، پھر ہر طرف سے توپیں اور بندوقیں آگ اگلنے لگیں۔ پورا میدان دھوئیں سے تیرہ و تار ہو گیا۔ مجاہدین نے تلواریں علم کیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی مثال وہی تھی جیسے پروانے شمع پر کرتے ہیں۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ ترسد مجاہد توپ و تفنگ	برد خویشتن را بہ میدانِ جنگ
چو بلبل کند قصد گلزار را	فرامش کند سختیٔ کار را
چو بیند رخِ شمع پروانہ زار	بسوزد تنِ خویش دیوانہ وار
تو دیوانہ گوئیش دیوانہ	کہ آگہ نہ از ذوقِ پروانہ
خدا ہر کرا مایۂ عقل داد	بکوشد بہ مال و سر اندر جہاد (۱)

بہ ہر حال مجاہدین نے راہِ حق میں اس طرح جانیں دیں کہ اخوند صاحب سوات کوتل پر بیٹھے اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور بے قراری سے اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ ہر ایک سے کہتے کہ جاؤ اور ان بہادروں کی امداد کرو۔ کبھی ہاتھ اُٹھا کر دعاء کرتے۔

الٰہی بدہ فتح اسلام را	بکن غرق خصمِ بدانجام را

لیکن ان ہزاروں غیور مسلمانوں میں سے کسی کو بھی امتحان گاہ میں پہنچ کر جانبازی کا حوصلہ نہ ہوا، البتہ شہزادہ مبارک شاہ اٹھا اور اپنے بھائی سید شاہ محمود سے بات چیت کر کے اپنے ملازموں کے ساتھ میدانِ جنگ میں چلا گیا۔ چونکہ سارا میدان دھوئیں کے تاریک بادلوں میں مستور تھا اس لیے کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ کس کا کیا حال ہوا۔ شہزادہ سید محمود محفوظ رہے، البتہ مجاہدین سب کے سب شہادت سے سرفراز ہوئے۔ افسوس کہ اس بے مثال قربانی سے دعوتِ جہاد کو مؤثر بنانے کی جو غرض پیشِ نظر تھی وہ پوری نہ ہوئی، تاہم مجاہدوں نے اپنے خونِ حیات سے امبیلہ کے میدان میں جو نقش مرتسم کیا تھا وہ زمانہ کی گردش سے

(۱) مجاہد توپ اور بندوق سے کبھی نہیں ڈرتا، وہ ہر خوف سے بے پرواہ ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچتا ہے۔ بلبل جب باغ کا قصد کرتی ہے تو ہر سختی بھول جاتی ہے۔ پروانہ شمع کا رخِ روشن دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو دیوانہ وار اس کی آگ میں جلا دیتا ہے۔ تو اسے دیوانہ کہتا ہے تو سمجھ لے کہ تو خود دیوانہ ہے۔ اس لئے کہ پروانے کے ذوق سے تجھے قطعاً آگاہی نہیں۔ خدا جسے عقلِ سلیم کی نعمت دیتا ہے وہ مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا اور انشاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گا۔

انگریزوں سے بات چیت

خانِ دیرا اور اہل بونیر ہمت ہار چکے تھے، باقی قبائل پر بھی افسردگی طاری ہو چکی تھی، لہٰذا یہی بہتر سمجھا گیا کہ بات چیت سے معاملہ طے کر لیا جائے۔ چنانچہ تمام خوانین کی رائے اور اخوند صاحب کی رضامندی سے یہ قرار پایا کہ انگریزوں کے کچھ آدمی نمائندگانِ خوانین کے ساتھ ملکا جائیں اور ایک دو مکان جلا کر واپس آ جائیں۔ شہزادہ مبارک شاہ نے یہ کیفیت دیکھی تو صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے کچھ نہ کہا، البتہ اپنے چچا سید عمران شاہ کو جنہیں ملکا کا منتظم بنایا گیا تھا پوری کیفیت لکھ بھیجی کہ بال بچوں اور ضروری سامان کو محفوظ مقام پر پہنچا دیں۔ امیر المجاہدین نے مولوی فیاض علی کے نام اسی مضمون کا خط ارسال کر دیا۔

ملکا کا جلایا جانا

مشہور یہی ہے کہ ملکا کے ایک دو مکان جلائے گئے۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ پوری آبادی کو برباد کیا گیا۔ سید عبدالجبار شاہ فرماتے ہیں:

> ملکا ہماری اپنی ملکیت ہے اور ہم کو صحیح علم ہے کہ ایک گھر یا چھپر بھی نہ جلایا گیا۔ جن اہل بونیر نے انگریزوں کو فاتح بنانے میں بڑی امداد دی تھی وہی مانع ہوئے۔ وہ کہتے تھے کہ ملکا کا جلنا ہماری ذلت ہے۔ ایک کوٹھے کے شہتیر کو آگ سے جلنے کی کوشش کی گئی اُسے بچا لیا گیا اور انگریزی فوج ملکا تک جا کر واپس آ گئی۔

مجاہدین کا انتظام

چغرزئی قوم کا ایک ملک ہاشم علی خاں اخوند صاحب سوات کا مخلص مرید تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب موصوف نے امیر المجاہدین کا ہاتھ ہاشم علی خاں کے ہاتھ میں دے کر فرمایا یہ میری امانت ہے، اس کی خیانت کو میری خیانت سمجھنا۔

چنانچہ ہاشم علی خاں نے پرگنہ چغرزئی میں بدہال کی طرف گلونو بوڑی (کشتِ گل یا پھولوں کا کھیت) نام ایک گاؤں مجاہدین کیلئے وقف کر دیا، جہاں انہوں نے کئی سال گزارے۔ زخمی مجاہدین کو بھی وہیں پہنچانے کا انتظام کر دیا گیا۔

گنجِ شہیداں

شہداء کو میدانِ جنگ ہی کے ایک گوشے میں دفن کیا گیا۔ امیلہ گاؤں کے پیچھے چیڑ کے درختوں کا ایک جھنڈ ہے اُسی جگہ مجاہدین کا قبرستان ہے۔ کہتے ہیں کہ انجیر کے درخت کے پاس ایک بڑی ڈھیری ہے، جسے گنجِ شہیداں سمجھنا چاہئے۔

در آں دائرہ سر مجاہد نہاد		دو لک آفریں بہ ہر مرد باد
چو قبلہ نماید سرِ ہر شہید		سوئے قبلہ می شد بہ حکمِ مجید
تو گوئی کہ آں کشت گلزار شد		بہ خونِ شہیداں چو گلنار شد(۱)

جس مقام پر اخوند صاحب سوات کا قیام تھا وہاں ایک کچی مسجد بنادی گئی تھی۔ موجودہ حکومتِ سوات نے اس جگہ ایک پختہ اور شاندار مسجد تعمیر کرادی ہے۔

امیلہ کی جنگ میں کم وبیش چارسو مجاہدین جاں بحق ہوئے۔ ان میں دوسو وہ تھے جنہوں نے ناصر محمد اور کلیم الدین کی سالاری میں تنہا انگریزی قوت کا مقابلہ کیا۔ سید عبدالجبار شاہ ستھانوی نے ان کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لوگ صابر وشاکر

(۱) مجاہدوں نے اس میدان میں اپنے سر قربان کردیے۔ ہر صاحب حوصلہ پر دو لاکھ بار آفریں۔ ہر شہید کا سر قبلے کا پتہ دے رہا تھا۔ شہادت کے بعد خدا کے حکم سے ان سب کے سر قبلہ رو ہو گئے۔ وہ میدان گلزار بن گیا، شہیدوں کے خون نے اُسے انار کے پھولوں جیسا بنادیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہر وقت ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے۔ان کے پہرے دار ایک دوسرے کو آواز دیتے تو ایسے انداز میں ''سبحان اللہ'' کا نعرہ بلند کرتے کہ جو یہ نعرہ سنتا اس کا دل تڑپ اٹھتا۔ دوسرا پہرے دار جواب میں کہتا ''الحمد للہ'' تیسرا پکارتا ''یرحمکم اللہ'' چوتھا جواب دیتا ''یھدیکم اللہ''۔

یہ جماعت ذات باری تعالیٰ کے عاشقوں کی جماعت تھی۔ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ خدا کی راہ میں قربان ہو جائیں۔اگر کسی کو میدان جنگ میں شہادت کی عزت نہ ملتی تو وہ اسے اپنی کم نصیبی سمجھتا۔یہ وقتی جوش کا معاملہ نہ تھا بلکہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کے مطابق انہوں نے اسی دھن اور شوق میں اپنی عمریں گزار دیں اور ہر قسم کے مصائب بہ طیب خاطر قبول کر لیے۔مثلاً غربت، مسافرت، بھوک، سردی، گرمی، زمین پر سونا، ضروریات زندگی سے محروم رہنا وغیرہ۔

لشکروں کا معاملہ

اندازہ کیا گیا ہے کہ چیمبرلین کے ساتھ کل سات ہزار فوج تھی، لیکن مقامی بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ دس ہزار کیمپ حسن ابدال کے پاس کیمپ تیار کیا گیا تھا۔انگریزوں کے حامی خوانین وقبائل کے لشکر ان کے علاوہ تھے۔ہنٹر نے ایک نوٹ میں قبائلی لشکر کی تعداد پچاس اور ساٹھ ہزار کے درمیان بتائی ہے۔سید عبدالجبار شاہ ذاتی معلومات کی بنا پر ہنٹر کے تخمینے کو نادرست قرار دیتے ہیں۔

ذیل میں وہ نقشہ درج کیا جاتا ہے جس سے ہنٹر اور سید عبدالجبار شاہ کا اندازہ واضح ہوتا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نمبر شمار	نام قبیلہ	ہنٹر کا تخمینہ	سید عبدالجبار شاہ کا صحیح تخمینہ
۱	حسن زئی	دو ہزار	تین ہزار
۲	اکازئی	ایک ہزار	سوا ہزار
۳	مدا خیل	چار ہزار	تین ہزار
۴	امازئی	ڈیڑھ ہزار	ڈیڑھ ہزار
۵	جدون	چار ہزار	پانچ ہزار
۶	خدو خیل	دو ہزار	اڑھائی ہزار
۷	چغرزئی مع عزی خیل وغیرہ	چھ ہزار	چار ہزار
۸	قبائل بونیر	بارہ ہزار	بارہ ہزار
۹	اہل باجوڑ	تین ہزار	تین ہزار
۱۰	رانی زئی	دو ہزار	تین ہزار
۱۱	اہل دیر	چھ ہزار	دس ہزار
۱۲	قبائل سوات	دس ہزار	سولہ ہزار
میزان		۵۳۵۰۰	۶۴۲۵۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com
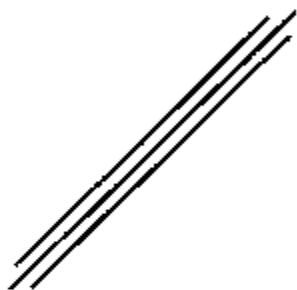
حصہ پنجم

ہندوستان کے اندر مقدمے اور قیدیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

عظیم آباد کے تین خاندان

تین خاندان

عظیم آباد کے تین خاندان تھے جن کے زیادہ تر ارکان سید احمد شہیدؒ سے وابستہ ہوئے، اور ان اصحاب نے وابستگی کے تقاضوں کو جس للہیت اور اخلاص سے پورا کیا اور جیسی عظیم الشان قربانیوں کی توفیق بارگاہِ الٰہی سے پائی اسکی کوئی مثال ہمارے دورِ زوال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تینوں خاندانوں کو عظیم آباد میں اوّل درجے کی امیری کا رتبہ حاصل تھا، وہ سب کے سب پشتوں سے انتہائی فارغ البالی اور راحت و آسائش کی زندگیاں بسر کر رہے تھے، لیکن سید صاحبؒ سے وابستگی کے بعد ان سب کے طرزِ حیات میں بنیادی تغیر پیدا ہو گیا اور انھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے وقف کر دیا۔ ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- شاہ محمد حسین تموہیہ کا خاندان جو حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے تھے، ان کے تھوڑے سے حالات ''جماعت مجاہدین'' میں درج ہو چکے ہیں۔

۲- مولوی الٰہی بخش کا خاندان جس کا سلسلۂ نسب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیارؓ سے ملتا ہے۔ اس بزرگ کے فرزندوں نے ہندوستان میں دعوت و تنظیمِ جہاد اور فراہمیٔ زر و مجاہدین کے اہم کام جس اعلیٰ پیمانے پر انجام دیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ بعض افراد میدانِ جہاد کی جانفشانیوں میں بھی حصہ دار بنے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳- مولوی فتح علی کا خاندان جن کا سلسلۂ نسب حضرت زبیرؓ عم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی انہیں کے فرزند تھے، جن کے مجاہدانہ کارنامے گذشتہ صفحات میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ امیر المجاہدین مولانا عبداللہ بھی اسی خاندان سے تھے اور جماعت کے مجاہدات کی باگ ڈور مولانا ولایت علی کے وقت سے زیادہ تر اسی خاندان کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے جو افراد میدانِ جنگ میں شریک نہ ہو سکے وہ اپنے وطن میں تنظیم کا کام انجام دیتے رہے۔

انسانوں کے بھیس میں فرشتے

آپ میدانِ جنگ کی سرگرمیوں کا تھوڑا سا حال ملاحظہ فرما چکے ہیں، اب یہ دیکھئے کہ تنظیمی سرگرمیوں کے سلسلے میں کارفرماؤں کو کن کن مشکلات و مصائب سے سابقہ پڑا۔ اس راستے کی صبر آزمائیاں شدت و وسعت میں میدانِ جنگ کی صبر آزمائیوں سے کم نہ تھیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ آتش باری اور شمشیر زنی کی گرمیٔ ہنگامہ میں جان دیدینا اتنا مشکل نہیں جتنا مصائب لامتناہی کے ہجوم میں گھل گھل کر اور کڑھ کڑھ کر زندگی کے اوقات گزارنا مشکل ہے۔ ان مجاہدوں کے خاندان، گھر بار اور جائیدادیں تباہ ہوئیں، انہوں نے جیلوں کی تاریک کوٹھریوں اور انڈمان کی بھیانک وحشت ناکیوں میں دن بسر کیے، ایک دوسرے سے دائمی مفارقت بھی قبول کر لی، یہاں تک کہ حقیقی بھائیوں کو عالم غربت میں قبروں کی یکجائی بھی نصیب نہ ہوئی، تاہم ان کی جبینِ عزیمت پر کبھی شکن نہ پڑی اور ان کے پائے استقامت میں کبھی لرزش نہ آئی۔ لاریب وہ انسانوں کی شکل میں فرشتے تھے جو ہماری بگڑی ہوئی تقدیر بنانے کے سلسلے میں ایک صحیح عملی نمونہ پیش کرنے کی غرض سے اس دنیا میں آگئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بے مثال اخلاص

بہت کم خاندان ہیں جنہیں بیک وقت دعوت و تنظیم جہاد اور اجرائے جہاد کی سعادت نصیب ہوئی۔ سید صاحب دونوں میدانوں کے یگانہ شہسوار تھے۔ عظیم آباد کے ان تین خاندانوں نے کم وبیش ایک صدی تک دونوں کام سنبھالے رکھے اور ایسی قربانیاں خوش دلی سے کیں جن کا تصور بھی ہمارے عہد میں قلوب پر لرزہ طاری کر دینے کے لئے کافی ہے۔ پھر یہ قربانیاں اس حالت میں کیں، جب ان کیلئے کسی بھی حلقے سے صدائے تحسین کی امید نہ ہو سکتی تھی، بلکہ ہر فرد حکومتِ انگلشیہ کے خلاف جہاد کا نام سنتے ہی منزلوں دور بھاگتا تھا، اور مجاہدین سے برائے نام تعلق کیلئے بھی تیار نہ تھا۔ لہذا ان بزرگوں کے خلوص اور للٰہیت میں کسے کلام ہو سکتا ہے جنہوں نے جان پر کھیل کر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امید کے چراغ روشن کیے۔ اسلامیت کی بحالی اور ملک کی آزادی کے لئے جد وجہد کے ہزاروں داعی ہمارے زمانے میں پیدا ہو گئے اور ان کی ستائش میں اہل قلم نے سیکڑوں صفحات سیاہ کیے، لیکن ان میں سے کتنے ہیں جو ان بزرگوں کی برابری کا دم بھر سکیں، جنکے ذکر سے ذیل کے صفحات زینت پا رہے ہیں۔ پہلے ان میں سے بعض کے حالات اختصاراً سن لیجیے جنہیں مختلف دائروں میں کارفرمائی یا کارکردگی کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا احمد اللہ

آپ مولوی الٰہی بخش جعفری کے خلفِ اکبر تھے۔ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں پیدا ہوئے۔ والد نے احمد بخش نام رکھا تھا، سید صاحب سے وابستگی پیدا ہوئی تو انہوں نے احمد اللہ نام تجویز فرمایا۔ دینی علوم دوسرے اساتذہ کے علاوہ مولانا ولایت علی سے حاصل کیے، بہت ذہین اور ذکی تھے، فہم و فراست میں یگانہ مانے جاتے تھے، وقت کے رئیس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہونے کے باوجود بہت حلیم الطبع، منکسر المزاج اور صاحب مروت تھے۔ آپ کی شادی شاہ محمد حسین تمو بیہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ حکام کی نظروں میں بھی بہت معزز تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ولیم ٹیلر کمشنر عظیم آباد نے انہیں شاہ محمد حسین اور مولوی واعظ الحق کو تقریباً تین مہینے کے لئے سرکٹ ہاؤس میں نظر بند رکھا تھا۔ حکام بالا ٹیلر کی اس حرکت پر اتنے ناراض ہوئے کہ اسے کمشنری سے مستعفی ہونا پڑا۔ چنانچہ اس نے عظیم آباد ہی میں وکالت شروع کر دی۔

مولانا احمد اللہ کی گرفتاری اور سزایابی میں ٹیلر کی دیرینہ عداوت کو بھی خاص دخل تھا۔ مولانا کو اگرچہ خاندانی اور اعتقادی روابط کی بنا پر تحریک مجاہدین سے برابر دلچسپی رہی، لیکن تنظیم کا عملی کام انہوں نے صرف اس وقت کیا جب ان کے بھائی مولانا یحییٰ علی گرفتار ہو گئے اور یہ مدت چند مہینے سے زیادہ نہ تھی، تاہم حکومت نے انہیں گرفتار کیا اور جھوٹی شہادتوں کی بنا پر پہلے ضبطی جائیداد اور پھانسی کی سزا دی، پھر آخری سزا حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور میں بدل دی۔ تفصیلات آگے آئیں گی۔

مولانا فیاض علی

مولانا احمد اللہ کے چھوٹے بھائی تھے، انہیں سے درسی کتابیں پڑھیں۔ مولانا ولایت علی سے حدیث کی سند لی، ۱۲۶۲ھ میں مولانا کے ساتھ سرحد گئے، جنگ ڈب کے بعد انہیں کے ساتھ واپس آئے۔ فن سپہ گری میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ دوبارہ سرحد چلے گئے۔ جنگِ امبیلہ کے وقت میں موجود تھے، غالباً گلونوبوزی میں وفات پائی۔ آپ کی شادی شاہ محمد حسین تمو بیہ کی دوسری صاحبزادی سے ہوئی تھی، اولاد کوئی نہ ہوئی، اپنے بھائی مولانا احمد اللہ کے فرزند مولانا اشرف علی کو متبنّیٰ کر لیا تھا، ان کے حالات الگ بیان ہوں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا یحییٰ علی

مولانا احمد اللہ کے تیسرے بھائی تھے اور ان سے دس برس چھوٹے تھے۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ایثار و قربانی میں انہیں خاندان کا گل سرسبد سمجھنا چاہیے۔ وہ خاصی مدت تک سرحد میں بھی رہے، واپس آئے تو دعوت و تنظیم جہاد کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آزادی کے آخری سانس تک اسی کام کیلئے وقف رہے۔ انبالہ کے مقدمے میں جسے انگریزوں نے وہابیوں کا سب سے بڑا مقدمہ قرار دیا تھا، مولانا یحییٰ علی سب سے بڑے ملزم تھے۔ چنانچہ انہیں پہلے ضبطیٔ جائیداد اور پھانسی کی سزا ہوئی پھر آخری سزا حبس دوام بہ عبور دریائے شور میں تبدیل کر دی گئی۔

متفرق اصحاب

اس خاندان کے بعض دوسرے اصحاب کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- مولوی اکبر علی: یہ مولانا احمد اللہ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ مجاہدین کی اس جماعت میں شامل تھے جو سید احمد شہید کے ہمراہ سب سے پہلے جہاد کے لئے گئی تھی۔ سرحد میں بعارضۂ ہیضہ وبائی وفات پائی۔

۲- حکیم عبدالحمید: مولانا احمد اللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ یہ مولانا کی سزا یابی اور ضبطیٔ جائیداد کے بعد اس دنیا کی ہر شئے سے محروم ہو گئے اور نئے سرے سے زندگی شروع کی۔ علم و فضل میں کمال حاصل تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی انہیں ''خاقانیٔ ہند'' کہا کرتے تھے۔ طب میں وہ ممتاز درجہ حاصل کیا کہ امراء و راجگان بہ منت و خوشامد انہیں بلایا کرتے تھے۔

۳- مولوی عبدالقدیر عرف اشرف علی: یہ بھی مولانا احمد اللہ کے فرزند تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چونکہ مولانا فیاض علی نے انہیں متبنّٰی کر لیا تھا اس لئے ان کے ساتھ سرحد چلے گئے۔ واپس آ کر نام بدلا اور مختلف فنون حاصل کیے۔ بنارس کالج میں ریاضی کے اسسٹنٹ پروفیسر رہے۔ "اودھ اخبار" لکھنؤ کی ایڈیٹری بھی کی، کچھ مدت بہاول پور میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ پھر جونا گڑھ میں پرنسل مقرر ہوئے، انجام کار باندہ کے اسکول میں ہیڈ ماسٹری کر لی تھی۔ سابقہ سرگرم سیاسی زندگی مدت العمر ان کیلئے پریشانی کا باعث بنی رہی۔ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۸ء (۲ر شوال ۱۳۲۶ھ) کو وفات پائی۔

۴- مولانا محمد عیسیٰ عرف امجد علی: یہ مولانا یحیٰی علی کے فرزند تھے۔ ابتدائی زندگی سرحدی مجاہدات میں گذری۔ واپس آ کر نام بدلا اور علوم میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے عہد کے یگانہ علماء میں شمار ہونے لگے۔ علی گڑھ کالج اور الٰہ آباد کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۲۱ء (۲۱ر ربیع الاول ۱۳۴۰ھ) کو انتقال کیا۔

۵- مولانا محمد یوسف رنجورؔ: مولانا یحیٰی علی کے چھوٹے فرزند تھے۔ حصول علم کے بعد کلکتہ بورڈ آف ایگزامینرز کے چیف مولوی مقرر ہوئے۔ آنکھیں خراب ہو جانے کے باوجود کلکتہ یونیورسٹی نے آپ کی علیحدگی منظور نہ کی۔ ۷ر جون ۱۹۲۳ء (۲۲ر شوال ۱۳۴۱ھ) کو بہ وقت ظہر انتقال کیا۔ انہیں خان بہادر اور شمس العلماء کے خطابات حاصل تھے۔

۶- مولانا عبدالرحیم: مولوی فتح علی کے خاندان میں سے اکثر اصحاب کے حالات بیان کیے جا چکے ہیں، یہاں صرف اتنا بتا دینا چاہئے کہ مولانا ولایت علی کے ایک بھائی مولوی طالب علی تھے جو مجاہدین کی پہلی جماعت میں سید صاحب کے ساتھ سرحد گئے اور پنجتار میں وفات پائی۔ ایک بھائی مولانا فرحت حسین تھے جنہیں بعض بیانات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں فرحت علی کہا گیا۔ یہ ۱۲۷۴ھ یا ۱۲۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند مولانا عبدالرحیم بھی انبالہ والے مقدمے کے بڑے ملزموں میں تھے۔ یہ ۱۴ر شعبان ۱۲۵۲ھ (۲۴ نومبر ۱۸۳۶ء) کو پیدا ہوئے۔ وطن میں تعلیم پائی کم و بیش اٹھارہ سال جزائر انڈمان میں گزارے جن کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔ واپس آ کر حج کیا اور ۲۴ر اگست ۱۹۲۳ء (۱۰ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ) کو یانوے برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

۷۔ حافظ عبدالمجید: مولانا عنایت علی کے اکلوتے فرزند تھے، پوری زندگی سرحد میں گزاری اور وہیں فوت ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

مقدمۂ انبالہ (۱)

دعوت و تبلیغ

ہندوستان کے مختلف حصوں میں سید احمد شہیدؒ کے زمانے سے دعوت و تبلیغ کا کام جاری تھا۔ جس میں اصلاحِ عقائد و اعمال کے علاوہ یہ تلقین بھی کی جاتی تھی کہ دوسرے فرائض و ارکان کے ساتھ جہاد بھی اسلام کا ایک بہت بڑا رکن ہے۔ جہاد کیلئے آدمی بھی فراہم کیے جاتے تھے اور روپیہ بھی۔ جب پنجاب میں سکھوں کی عملداری ختم ہوئی اور ان کی جگہ انگریز آ گئے تو جماعتِ مجاہدین کا تصادم براہ راست ان سے ہوا، اور ہندوستان کے اندر کام کرنے والوں کیلئے اک گونہ نازک صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ مجھے تفصیلی کیفیت معلوم نہ ہو سکی لیکن خیال ہے وہ سمجھتے ہوں گے کہ دعوت و تہیۂ جہاد اہم اصلاحی فرائض میں داخل ہے اور جب تک جس طور اس فرض کو انجام دینے کا موقع ملے تامل نہ ہونا چاہیے۔ ممکن ہے بعض داعیوں کا تاثر یہ ہو کہ مجاہدین ہندوستان میں نہیں بلکہ آزاد علاقے میں رہتے ہیں اور انہیں حسبِ استطاعت رقمیں پہنچانا یا شیفتگانِ جہاد کیلئے سرحد پہنچنے کا انتظام کر دینا جرم نہیں (۱) انگریزوں نے ابتداء میں اس طرف چنداں توجہ نہ کی۔ جب دیکھا کہ مجاہدین خاصا خطرہ بن سکتے ہیں تو کاوش شروع ہوئی کہ انہیں امداد کہاں سے ملتی ہے؟

چوں کہ سارا انتظام ابتداء سے خاص مصلحتوں کی بنا پر خفیہ رکھا گیا تھا اس لئے کسی کو

(۱) بعض مقدمات میں ماخوذ مجاہدین کے وکیلوں نے دفاع میں یہی طریق استدلال اختیار کیا تھا اور سرکاری دعوے کو ازروئے تحریرات بے بنیاد قرار دیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صحیح سراغ نہ مل سکا اور بلا ثبوت دار و گیر کا ہنگامہ برپا کر دینے کیلئے کوئی وجہ جواز نہ تھی، اگرچہ بعد میں ذکی الحس انگریز افسروں نے اسے ایک ہیبت انگیز سلسلے کی شکل دیدی۔

غزن خاں

ہوتی مردان کے دپہ کمال زئی کا ایک پٹھان غزن خاں (ابن جدن خاں) سوار پولیس میں سارجنٹ تھا اور کرنال کے ضلع میں اسے مقرر کیا گیا تھا۔ مئی ۱۸۶۳ء میں اسے چار آدمی پیدل جاتے ہوئے ملے جن کی وضع قطع درویشوں کی تھی، ان کے رنگ زیادہ سانولے تھے اور ڈاڑھیاں چھوٹی چھوٹی۔ غزن خاں نے سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ بنگالی ہیں۔ اسکا اپنا بیان ہے کہ میں نے ہوتی مردان اور شیخ جانا میں ایسے متعدد آدمی دیکھے تھے۔ (۱)

> ''غزن خاں نے پوچھا ''کہاں سے آئے ہو'' انہوں نے بتایا ''ملکا سے اور اب ہم تھانیسر منشی محمد جعفر سے ملیں گے، پھر آگے نکل جائیں گے، مہینے دو مہینے کے بعد لوٹیں گے۔''

انہوں نے غزن خاں سے کہا کہ تم بھی نوکری چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو جاؤ، وہاں بہت بڑی جنگ ہونے والی ہے۔

غزن خاں انہیں گرفتار کر کے پانی پت کے تھانے میں لے گیا اور ایک رپورٹ تیار کی جس میں بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ حکومت کے دشمن ہیں۔ وہ ہر چند کہتے رہے کہ ہمیں چھوڑ دو۔ اگر روپیہ چاہتے ہو تو ہم تھانیسر سے دلا دیں گے لیکن غزن خاں نے انہیں نہ چھوڑا۔ جب وہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوئے تو عدم ثبوت کی بنا پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ (۲) یقیناً ان کے خلاف کوئی ثبوت پیش نہ کیا جا سکتا تھا اور پیش نہ ہوا۔ صرف ایک

(۱) روئیداد مقدمہ انبالہ (انگریزی) ص ۱۴۴۔

(۲) مقدمہ مسٹر اسٹیفن اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے روبرو پیش ہوا تھا۔ صاحب موصوف نے ۱۸ رمئی ۱۸۶۳ء کو حکم لکھا:
''چھان بین کے بعد واضح ہوا کہ یہ چار آدمی معمولی مسافر ہیں لہٰذا انہیں رہا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔''

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غزن خاں کا بیان تھا کہ وہ ملکا سے آئے ہیں اور دو مہینے کے بعد واپس جائیں گے، تنہا اس بیان پر انہیں سزا نہ دی جا سکتی تھی۔

غزن کا کینہ

غزن خاں کو ان کی رہائی پر سخت غصہ آیا۔ دل میں کینے اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ مسلمانوں کے اس دینی نظام کو انگریزوں کی خاطر برباد کرنے کیلئے تیار ہو گیا، جو بیچارگی کی حالت میں ہزار محنتوں اور مشقتوں سے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے بیٹے فیروز کو جو حمزہ خاں میں مقیم تھا لکھا:

> تم ملکا چلے جاؤ وہاں ایک شخص اخوند زادہ عبداللہ رہتا ہے، اس کی مسجد میں جا کر ٹھہر جاؤ اور اس کے ذریعے سے پوری معلومات حاصل کرو کہ جماعت مجاہدین کو کہاں کہاں سے مدد ملتی ہے؟

غزن کا اپنا بیان ہے کہ میرا بیٹا فیروز میرے حکم کے مطابق ملکا گیا اور دس روز وہاں ٹھہرا رہا۔ اس زمانے میں بنگالی ستھانہ پر پیش قدمی کی تیاری کر رہے تھے۔ فیروز ان کے ساتھ ستھانہ اور کھبل گیا۔ پوری معلومات حاصل کر کے وہاں سے اپنے وطن حمزہ خاں لوٹا۔(۱)

غرض فیروز نے اطلاع لا کہ قرابینوں، رائفلوں اور مجاہدین کو بھیجنے کا ذمہ دار محمد جعفر تھانیسری ہے۔ مجاہدین امازئی کے ملکوں مدد خاں اور موزہ خاں کے پاس پہنچتے تھے تو فخریہ جتایا کرتے تھے کہ ہندوستان میں بہت بڑے بڑے آدمی ہمارے دوست ہیں، اس سلسلے میں محمد جعفر کا نام لیا کرتے تھے جسے وہاں خلیفہ کہا جاتا تھا۔ گویا وہ کوئی بہت بڑا

(۱) روئیداد مقدمہ انبالہ (انگریزی) ص ۱۳۵۔ غزن کا اشارہ بظاہر اس یورش کی طرف ہے جو شہزادہ مبارک شاہ نے کھبل پر کی تھی۔ اسے بنگالیوں کی یورش قرار دینا سراسر لغو تھا۔ اس یورش میں مجاہدین یقیناً شامل تھے لیکن ان کی تعداد مقامی لشکریوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواب تھا۔(۱)

یوں غزن خاں اور اس کے بیٹے کی رپورٹ نے پہلی مرتبہ مجاہدین کی تنظیم کا راز فاش کیا۔ سوار پولیس کے افسران کپتان موزلی (MOSELY) نے رپورٹ انسپکٹر جنرل پولیس کے پاس بھیجی اور ضلع انبالہ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کپتان پارسنز (Parsons) کو اس سلسلے میں مزید تحقیقات کا حکم ملا۔

مولوی محمد جعفر کا بیان

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اپنی کتاب "کالا پانی" کے آغاز میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غالباً جنگ امبیلہ کے بعد پیش آیا، حالانکہ جنگ امبیلہ اس وقت شروع بھی نہ ہوئی تھی اور غزن خاں کی انتقامی جد و جہد کا آغاز جنگ چھڑنے سے کم وبیش پانچ مہینے پہلے ہو چکا تھا۔

> مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ غزن خاں نے ۲۸ر جمادی الآخر ۱۲۸۰ھ (۱۱ دسمبر ۱۸۶۳ء) کو کسی ذریعہ سے میرے حال سے واقف ہو کر اور ایسے وقت میں اپنی دنیوی بھلائی کا موقع جان کر ایک بڑی لمبی چوڑی اور تفصیلی کیفیت خیر خواہانہ بہ حضور صاحب ڈپٹی کمشنر کرنال کے حاضر ہو کر یہ مخبری کی کہ یہ جنگ جو ہندوستانی مجاہدین کے ساتھ سرحد پر ہو رہی ہے، ان لوگوں کو محمد جعفر نمبردار تھانیسری روپیہ اور آدمیوں سے مدد دیتا ہے۔(۲)

ظاہر ہے کہ کیفیت جھوٹی نہ تھی، اگرچہ غزن خاں نے وہ اپنی دنیوی بھلائی کے لئے پیش کی تھی۔

غزن خاں یہ کیفیت پیش کر کے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے سے نکلا اور مولوی محمد جعفر کے

(۱) روئداد مقدمہ انبالہ (انگریزی) ص ۱۴۵۔

(۲) کالا پانی المعروف تواریخ عجیب ص ۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک دوست نے اس راز سے آگاہ ہو کر اپنے ایک ملازم مسمّٰی قادوا سے بہ طور افسوس ذکر کر دیا۔ قادوا مولوی صاحب کا ہمسایہ اور خیر خواہ تھا، وہ انہیں بروقت آگاہ کرنے کی غرض سے فوراً تھانیسر روانہ ہو گیا۔ چوں کہ رات ہو گئی تھی اور مولوی صاحب کے گھر کے دروازے بند تھے لہٰذا اس نے سوچا کہ صبح کو خبر کر دوں گا۔ عین اسی رات کپتان پارسنز پولیس کی خاصی بڑی جمعیت لیکر تلاشی کیلئے مولوی صاحب کے مکان پر پہنچ گیا۔ گویا قادوا نے جس غرض سے سفر کی مشقت اٹھائی تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ سچ ہے مقدرات کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔(۱)

تلاشی

کپتان پارسنز نے مولوی صاحب کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر انہیں جگا کر خانہ تلاشی کے وارنٹ دکھائے۔ سوئے اتفاق سے مولوی صاحب نے چھ گھنٹے پیشتر جماعت مجاہدین کے روپے کے متعلق ایک مرموز خط محمد شفیع ٹھیکیدار انبالہ کے نام لکھا تھا جسے موصوف ''بلا کا بھرا ہوا خط'' قرار دیتے ہیں۔ یہ خط ان کی بیٹھک میں موجود تھا۔ انہوں نے چاہا کہ کپتان پہلے گھر کے اندر کی تلاشی لے لے تاکہ اس خط کو ضائع کر دینے کی مہلت مل جائے۔ کپتان نے اصرار کیا کہ پہلے بیٹھک کی تلاشی لی جائے گی۔ اس غرض سے دو دروازوں کا کھلوانا ضروری تھا، جو آدمی اندر سو رہے تھے ان میں سے مولوی صاحب نے منشی عبدالغفور کو آواز دی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب تلاشی کے لئے کھڑے ہیں دروازہ جلد کھول دو۔ مقصود یہ تھا کہ منشی صاحب متنبہ ہو کر خط ضائع کر دیں۔ وہ گھبراہٹ میں اشارہ نہ سمجھ سکے دروازہ کھلا تو وہ خط مل گیا جو اصطلاحی لفظوں میں چند ہزار اشرفیاں روانہ کرنے کے ذکر پر مشتمل تھا۔ کچھ اور خط بھی ملے۔ منشی عبدالغفور ساکن گیا (بہار) اور

(۱) کالا پانی المعروف تواریخ عجیب ص: ۷ کپتان کا نام Parsons تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک بنگالی عباس کو بھی پولیس گرفتار کر کے لے گئی۔ مولوی صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ نہ تھے لہٰذا ان سے کوئی مزاحمت نہ کی۔(۱)

اہل عظیم آباد کا سراغ

مولوی محمد جعفر تھانیسری کے یہاں سے جو خط پکڑا گیا تھا اس میں مکتوب الیہ کا نام شیخ شفاعت علی مرقوم تھا اور پتہ محمد شفیع ٹھیکیدار میانمیر کا درج تھا۔ جس کا مکان صدر بازار انبالہ میں تھا۔ چنانچہ انبالہ میں محمد شفیع کے مکان کی اور میانمیر میں اس کی دکان کی تلاشی بھی ہو گئی۔ کپتان بمفیلڈ (۲) وکیل استغاثہ نے اپنی تقریر میں بیان کیا:

> اس اثناء میں ایک اور ذریعے سے بھی مستند اطلاع مل چکی تھی کہ تھانہ جانے والے آدمی محمد جعفر کے پاس ٹھہرتے ہیں اور وہ مجاہدین کو مالی امداد پہنچاتا ہے(۳) چنانچہ کپتان پارسنز کو مولوی محمد جعفر کی گرفتاری کا حکم دیدیا گیا۔

پارسنز تھانیسر پہنچا تو مولوی صاحب وہاں سے غائب ہو چکے تھے جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ تھانیسر کی تحصیل، تھانہ اور ڈاک خانہ چیچلی میں تھے، وہاں کے پوسٹ ماسٹر نے ایک خط پیش کیا جو عظیم آباد کے محی الدین کی جانب سے تھانیسر کے عبدالغفور بیروخاں کے نام بھیجا گیا تھا۔ مولوی محمد جعفر کے مکان سے جو خط ملا تھا اس میں تسبیحوں کے لئے چھ ہزار سفید دانے(۴) اور تین سو سرخ دانے بھیجنے کا ذکر تھا۔ چیچلی والے خط میں یہ بتایا گیا تھا کہ میاں حسینی کو عظیم آباد سے سفید اور سرخ دانے دے کر بھیج دیا گیا ہے۔ یوں خفیہ سازبازی کی ایک اور کڑی مل گئی اور عظیم آباد میں بھی تحقیقات کا سلسلہ

(۱) کالا پانی ص ۷، ۸

(۲) BAMFIELD مولوی محمد جعفر نے کتاب میں اسے بمفیلڈ لکھا ہے۔

(۳) روئیداد مقدمہ انبالہ ص ۲۳

(۴) بعد میں معلوم ہوا کہ سفید دانوں سے مراد روپے ہیں اور سرخ دانوں سے اشرفیاں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جاری کر دیا گیا۔

مولوی جعفر کا فرار اور گرفتاری

تلاشی کے بعد پولیس واپس چلی گئی تو مولوی محمد جعفر نے سوچا کہ ثبوت مل گیا ہے اور اب بچاؤ کی کوئی امید نہیں ہو سکتی ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بھاگ کر کسی محفوظ مقام کی طرف نکل جاؤں۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ "نامردی سے جان بچانا مناسب جانا" اگرچہ وہ حراست میں نہ تھے، لیکن مختلف لوگ ان کی نقل و حرکت کو تاکنے اور جاسوسی پر مامور تھے۔ انہوں نے اپنی والدہ اور اہلیہ سے مشورے کے بعد فرار کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۳ء کو وہ چھپلی گئے اور تحصیل اور تھانے میں ان کے دوست موجود تھے، سب نے رائے دی کہ خود انبالہ جا کر دریافت کرنا چاہیے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ شام کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر بہ ظاہر انبالہ کی طرف روانہ ہوئے نگرانی کرنے والوں نے سمجھ لیا کہ وہ واقعی انبالہ جا رہے ہیں، لیکن مولوی صاحب اپنے دل میں فیصلہ کر چکے تھے۔ تاریکی ہوگئی تو سڑک چھوڑ کر اس جگہ پہنچے جہاں والدہ، بیوی بچے اور اپنے بھائی محمود سے آخری ملاقات کرنی تھی۔ رات کے ایک بجے ایک عمدہ بہلی میں بیوی اور بچوں کو لیکر روانہ ہوئے۔

پانی پت پہنچ کر انہیں رخصت کر دیا، بہلی چلانے والے سے کہا کہ میرے بچوں کو پانی پت میں چھوڑ کر جمنا پار چلے جانا، کسی شخص کو ہمارا پتہ نہ بتانا، بہلی اور بیل خود لے لینا۔

مولوی صاحب دہلی پہنچے اور میاں نصیر الدین سوداگر کی کوٹھی میں مقیم ہوئے جہاں حسینی تھانیسری اور حسینی عظیم آبادی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ "عبداللہ" نام کا بھی ایک شخص تھا جس کا صحیح نام آگے چل کر "معظم سردار" ثابت ہوا۔ حسینی عظیم آبادی اور معظم سردار اشرفیاں لیکر آئے تھے۔(۱) مولوی محمد جعفر نے یہ اشرفیاں حسینی تھانیسری کے

---

(۱) معظم سردار نے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ میرے کرتے میں ایک طرف چھیانوے اور دوسری طرف سو کی اشرفیاں سلی ہوئی تھیں۔ حسینی کے کرتے میں غالباً ایک سو اشرفیاں تھیں۔ (روئیداد مقدمہ انبالہ ص ۵۵)

حوالے کیں کہ جس طور بھی ممکن ہو انہیں مجاہدین کے بیت المال تک پہنچا دو۔ خود حسینی عظیم آبادی اور معظم سردار عرف عبداللہ کو لیکر شکرم میں علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ پارسنز تھانیسر پہنچا تو مولوی صاحب کے کم عمر بھائی محمد سعید کو مار پیٹ کر فرار کا پورا حال معلوم کر لیا۔ یوں وہ مولوی صاحب کے تعاقب میں دہلی سے علی گڑھ پہنچا اور انہیں گرفتار کر کے واپس لے آیا۔

مزید گرفتاریاں

اس اثناء میں محمد شفیع ٹھیکیدار، اس کا ملازم منشی عبدالکریم اور بعض دوسرے اصحاب بھی گرفتار ہو چکے تھے۔ عظیم آباد میں مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ اور مولانا عبدالرحیم بھی معرضِ احتساب میں آئے۔ کپتان پارسنز، عظیم آباد کے کلکٹر اور بعض دوسرے افسروں کی معیت میں ۱۲رشعبان ۱۲۸۰ھ (۲۲رجنوری ۱۸۶۴ء) کو مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ وغیرہ کے مکانوں کی تلاشی کے لئے آیا۔ پولیس نے مکانوں کا احاطہ کر لیا۔ مولانا احمد اللہ کلکتہ گئے ہوئے تھے۔ مولانا یحییٰ علی سے تقریباً آٹھ گھنٹے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ پھر وہ لوگ چلے گئے۔ ۲۴رجنوری کو یہ لوگ دوبارہ آئے۔ کتابوں اور خطوں کو خوب دیکھا بھالا اور کچھ کاغذات ساتھ لے گئے۔ مولانا یحییٰ علی کے لئے دس ہزار روپے کی نقد ضمانت طلب کی، جس کا انتظام مولانا احمد اللہ کے فرزند حکیم عبدالحمید نے کیا۔ مولانا عبدالرحیم اور ان کے ملازم میاں عبدالغفار کو دو روز حوالات میں رکھا، پھر جیل خانے بھیج دیا۔ دس بارہ روز کے بعد مولانا یحییٰ کی ضمانت بھی منسوخ کر کے انھیں گرفتار کر لیا۔ ۲۶ررمضان ۱۲۸۰ھ (۵ر مارچ ۱۸۶۴ء) کو انھیں ریل گاڑی میں انبالہ بھیج دیا۔

مجاہدین کے سلسلے میں دعوت و تبلیغ اور تنظیمات کے ایک بہت بڑے اور فعال کارکن قاضی میاں جان ساکن کمارکھلی (ضلع پنبہ بنگال) تھے، جن کی عمر اس وقت ساٹھ کے لگ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھگ ہوگی، انھیں بھی گرفتار کر کے انبالہ پہنچا دیا گیا۔ دہلی سے بصیر الدین اور علاء الدین تاجرانِ جفت بھی گرفتار کر لیے گئے، ان کے ذریعے سے بھی ہنڈیاں بھیجی جاتی تھیں۔

حسینی تھانیسری کی گرفتاری

مولوی محمد جعفر نے حسینی تھانیسری کو اشرفیاں دے کر دہلی سے روانہ کر دیا تھا۔ وہ بے چارہ بڑی احتیاط سے روانہ ہوا تاکہ رقم مجاہدین کے پاس پہنچا دے۔ وہ یکے میں سوار ہو کر کرنال سے امرتسر جا رہا تھا۔ راستے میں چیکلی کے نائب تحصیلدار قاسم علی اور برکت علی سارجنٹ نے اسے گرفتار کر لیا۔ نائب تحصیلدار نے اپنے بیان میں کہا کہ میں تھانیسر میں مختلف مکانوں کی تلاشی کے بعد چیکلی پہنچا تو یہ شخص یکے میں سوار تھا اور پردے چھوڑے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ بولا تھانیسر سے اشنان کر کے آرہا ہوں۔ وہ مسلمان تھا، اس لئے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیوں اشنان کیلئے تھانیسر گیا؟ چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی بغل میں دو روئی دار صدریاں تھیں۔ وہ ذرا بوجھل معلوم ہوئیں۔ انھیں کھول کر دیکھا تو دو سو نوے اشرفیاں ملیں، ہر اشرفی کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔ نیز اس کے پاس ترپن روپے تھے۔

اسیروں کے مصائب اور استقامت

گرفتاری کے بعد ان بزرگوں کو انگریزوں نے جوشِ انتقام میں جو تکلیفیں دیں، ان کی پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ یہ وقت کے نہایت معزز اور خوش حال افراد تھے، لیکن ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا گیا جو معمولی حیثیت کے اخلاقی مجرموں کے متعلق بھی خلافِ حق وانصاف سمجھا جائے گا۔ مثلاً مولوی محمد جعفر کے حالات کا سرسری نقشہ ملاحظہ فرمایئے۔ گرفتاری کے بعد انھیں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کیا گیا۔ کھانے کو دو روٹیاں اور تھوڑا سا ساگ ملا۔ روٹیوں میں ایک چوتھائی ریت اور مٹی شامل تھی۔ ساگ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں موٹے موٹے ڈنٹھل تھے، جنھیں چبانا بھی دشوار تھا۔ علی گڑھ سے شکرم میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو ہتھکڑی اور طوق پہنایا گیا تھا۔ طوق میں ایک اور زنجیر ڈال کر اس کا سرا ایک مسلح سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ کپتان پارسنز اور ایک انسپکٹر پولیس مولوی صاحب کے دائیں بائیں بھرے طمنچے لے کر بیٹھے۔ نہ کھانے کو کچھ دیا، نہ پینے کو۔ راستے میں نماز تیمم کر کے اشاروں سے ادا کی جاتی رہی۔ دہلی میں انھیں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلے کے ایک تہ خانے میں رکھا گیا۔ وہاں سے کرنال اور کرنال سے انبالہ پہنچے، جہاں تینوں (مولوی محمد جعفر، حسینی عظیم آبادی اور معظم سردار) کو علیحدہ علیحدہ پھانسی کی کوٹھریوں میں بند کیا گیا۔

خوفناک سزائیں

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ کپتان پارسنز سپرنٹنڈنٹ اور کپتان ٹائی (TIGHE) نے کہا کہ سب کچھ بتادو۔ میں نے جواب دیا، مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس کے بعد زدوکوب شروع ہوئی، یہاں تک کہ مولوی صاحب مار کھاتے کھاتے گر پڑے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یقین ہوگیا، یہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میرے ذمے رمضان کے کچھ روزے باقی تھے۔ کچھ کھائے پیے بغیر روزے رکھنے شروع کر دیے۔ دوسرے دن زدوکوب کے بعد مجھے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گئے۔ چاپلوسی سے کہا کہ سب کچھ بتادو، تمھیں سرکاری گواہ بنا کر رہا کردیں گے اور بڑا عہدہ بھی دیں گے۔ میں نے انکار کیا تو پھر مار پیٹ شروع ہوئی۔ صبح کے آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک بارہ گھنٹے زدوکوب جاری رہی۔ افطار کا وقت آیا تو میں نے بنگلے کے درخت کے پتے توڑ کر روزہ کھولا۔(۱)

(۱) یہ تمام تفصیلات مولوی محمد جعفر کی کتاب ''کالا پانی'' سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سوچئے! ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو راہِ خدا میں اس قسم کی تکلیفیں صابرانہ برداشت کر لینے کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟ ان بزرگوں نے یہ تمام تکلیفیں ایسے وقت میں اٹھائیں جب ملک کی پوری فضا انگریزی تسلط کے شادیانوں سے معمور تھی اور ایک بھی حلقے سے صدائے تحسین و اعانت بلند ہونے کی امید نہ تھی۔ للّٰہیت اور اخلاص کے ان مقدس افراد نے سید احمد شہید کی جاری کردہ تحریک کے دامن میں پرورش پائی تھی۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تحریک اس سرزمین میں اسلامیت کی کیسی عجیب و غریب تربیت گاہ تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

مقدمہ انبالہ (۲)

ملزمین

مقدمہ ابتداء میں کپتان ٹائی ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہوا۔ مندرجہ ذیل اصحاب ملزم تھے۔

۱۔ شیخ محمد شفیع ٹھیکیدار، جو مختلف چھاؤنیوں میں فوجوں کو گوشت فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا اور جس کی جائداد پچاس لاکھ سے کم نہ تھی۔ یہ سید احمد شہید کے مخلص مرید شیخ محمد تقی کا بڑا صاحبزادہ تھا، شفاعت علی اسی کا دوسرا نام تھا۔

۲۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری، ان کے والد کا نام میاں جیون تھا۔ ذات ارائیں، عمر مقدمے کے وقت اٹھائیس سال کے قریب تھی۔ تھانیسر میں نمبردار تھے۔ عرائض نویسی، اور اسٹامپ فروشی بھی کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تجارت اور زمینداری کا کاروبار بھی خاصا وسیع تھا۔ مجاہدین کے کام کے لئے ان کا نام ''پیرو خاں'' تھا۔ بعض بیانات کے مطابق یہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بھی چند ساتھیوں کو لیکر انگریزوں کے خلاف لڑنے کی غرض سے دہلی گئے تھے۔

۳۔ مولانا یحیٰی علی جعفری عظیم آبادی، مقدمے کے وقت ان کی عمر غالباً سینتالیس سال تھی۔ مجاہدین کے کام کے لئے ان کا نام ''محی الدین'' تھا۔

۴۔ مولانا عبدالرحیم، مولوی فرحت حسین کے فرزند اور مولانا ولایت کے بھتیجے، عظیم آباد کے رئیس۔ مقدمے کے وقت ان کی عمر اٹھائیس سال کی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۵- میاں عبدالغفار، مقدمے میں انہیں مولانا عبدالرحیم کا ملازم ظاہر کیا گیا۔ اغلب ہے کہ وہ ابتداء میں ملازم ہوں لیکن اپنے حسن عمل اور جوشِ ایمان کی وجہ سے ان کا درجہ اتنا بلند تھا کہ ایک روایت کے مطابق عظیم آباد کے وہ تمام بزرگ جو سید صاحب سے وابستہ تھے، انہیں سیدی میاں عبدالغفار کہا کرتے تھے۔

۶- قاضی میاں جان، ساکن کمار کھلی (ضلع پنبہ) یہ نہایت ممتاز کارکن تھے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ان کے متعدد عرف تھے۔

۷- عبدالکریم انبالوی، عمر پینتیس چالیس یہ شیخ محمد شفیع کا مختار تھا اور شیخ کی بھانجی سے اس کا نکاح بھی ہو گیا تھا۔

۸- عبدالغفور بن شاہ علی خاں ساکن ضلع شاہ آباد (ایک روایت کے مطابق ساکن ہزاری باغ) عمر پچیس سال۔ یہ تھانیسر میں مولوی محمد جعفر کے ہاں مقیم تھا۔

۹- حسینی ابن محمد بخش، عمر پچیس سال، ساکن تھانیسر۔ یہ مولانا عنایت علی کے عہد میں شریک جہاد رہا، پھر اسے جماعتی کام کے سلسلے میں مولوی محمد جعفر کا معاون بنا دیا گیا۔

۱۰- حسینی ابن میکھو ساکن عظیم آباد، عمر پینتیس سال۔ یہ ملزم نمبر ۱۱ کا ملازم تھا۔

۱۱- الٰہی بخش ابن کریم بخش، یہ صاحب مولانا احمد اللہ کے مختار تھے اور ارسال زر زیادہ تر انہیں کے ذریعے سے ہوتا تھا۔ ان کا اپنا کاروبار بھی تھا۔

ابتدائی کارروائی اور خوفناک مصائب

کپتان ٹائی کی عدالت میں غالباً ایک ہفتہ کارروائی جاری رہی۔ مقصود یہ تھا کہ ابتدائی چھان بین کے بعد ملزم سیشن سپرد ہوں۔ چنانچہ موصوف نے الزامات، گواہوں اور واقعی شہادتوں کی تفصیل مرتب کی اور تمام ملزموں کو سیشن سپرد کر دیا۔ اس اثناء میں مقدمے کے گواہ پیدا کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا۔ مثلاً شیخ محمد شفیع کے حقیقی بھائی محمد رفیع

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو پھانسی کی دھمکی دیکر گواہ بنالیا گیا۔ مولوی محمد جعفر کے بھائی محمد سعید کو بھی مار پیٹ کر سرکاری ڈھب کی گواہی دینے پر آمادہ کرلیا گیا۔ جس روز مقدمہ پیش ہونے والا تھا محمد سعید نے ایک سپاہی کے ذریعے سے مولوی محمد جعفر کو پیغام بھیجا کہ مار پیٹ کی بناء پر مجبور ہوگیا ہوں، اب میں عدالت میں اپنے بیان سے انکار کردوں گا۔ مولوی صاحب نے کہلا بھیجا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا تم پر حلف دروغ کا مقدمہ چلے گا اور سخت سزا ہوگی۔ میری رہائی صرف تمہارے بیان پر موقوف نہیں، تم بھی قید ہوگئے تو ضعیف والدہ دوہرا صدمہ برداشت نہ کرسکے گی۔

عباس نامی جس بنگالی لڑکے کو مولوی محمد جعفر کے مکان سے گرفتار کیا گیا تھا اسے بھی پولیس نے حسب منشاء ایک بیان سکھادیا۔ جب ملزموں کے روبرو اسے بیان دینے کیلئے کہا گیا تو مولوی محمد جعفر کی صورت دیکھتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا۔ پولیس اسے واپس لے گئی اور اتنا مارا کہ وہ فوت ہوگیا۔ پارسنز نے مشہور کردیا کہ وہ بیماری سے فوت ہوگیا۔ (۱)

مولانا عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ جن کوٹھریوں میں ہمیں بند کیا جاتا تھا ان میں سے ہر کوٹھری پانچ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی ہوگی۔ چھت بہت بلند اوپر ایک چھوٹا سا روشندان، ہر کوٹھری نہایت تنگ و تاریک تھی۔ شب و روز میں ایک بار اس کا دروازہ کھلتا، اس وقت ایک جمعدار اور تین سپاہی آتے۔ ان کے ساتھ ایک باورچی ہوتا جس کے ہاتھ میں دو روٹیاں اور دال ہوتی۔ ساتھ ہی سقہ جس کی مشک میں پانی ہوتا اور ایک بھنگی جو گملا لئے آتا۔ باورچی ہر محبوس کو روٹیاں وال دے دیتا، سقہ کوزے میں پانی ڈل دیتا اور بھنگی صاف گملا رکھ جاتا۔ (۲)

(۱) "تذکرہ صادقہ" میں ہے کہ یہ واقعہ صدرالدین کو پیش آیا ص: ۷۰۔ یہ صحیح نہیں، صدرالدین کی گواہی باقاعدہ ہوئی۔

(۲) "تذکرہ صادقہ" ص: ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملزموں کی یکجائی

ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہو کر ملزموں نے نماز کی اجازت مانگی، نہ ملی تو وہ عین دورانِ مقدمہ میں تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لیتے۔ جب تک مقدمہ ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں تھا تمام ملزم الگ الگ پھانسی کی کوٹھریوں میں بند تھے۔ جب مقدمہ سیشن سپرد ہوا تو ان سب کو حوالات میں اکٹھا کر دیا گیا۔ مدت کے بعد دوست اکٹھے ہوئے تو اپنی تمام مصیبتیں اور اذیتیں بھول گئے۔ مولوی محمد جعفر اکثر یہ شعر پڑھتے۔

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں به که بابیگانگاں در بوستاں

مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ہم سب مولانا یحییٰ علی کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، مگر شیخ محمد شفیع اور عبدالکریم کسی قدر کشیدہ خاطر رہتے تھے:

> یہ خاکسار جب اپنی ذلیل النفسی اور کم مائیگی پر خیال کر کے انعاماتِ الٰہی اور اس سرفرازی کو جو میرے حالِ بدآمال پر مبذول تھی، مقابلہ کر کے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ میری مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کسی چمار کے سر پر تاجِ شاہی رکھ دیا جائے ...... اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ایسے امتحانوں میں پیغمبر اور صحابہ لوگ بھی گھبرا جاتے تھے، اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اول سے آخر دم تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری رہا۔ مولانا یحییٰ علی کی کیفیت اس سے بھی بڑھ چڑھ کر تھی، وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کیا کرتے تھے:

لَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ

وَذٰلِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ یَّشَاْ یُبَارِكْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ(1)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قانونی امداد

شیخ محمد شفیع نے ابتدائی عدالت ہی میں پہلے ایک انگریز وکیل مقرر کر لیا تھا جس کا نام "تذکرۂ صادقہ" میں جانسن (JOHNSON) بتایا ہے۔ پھر مسٹر گڈآل (GOODALL) کو سات ہزار روپے پر مقرر کر لیا۔ سیشن کی عدالت میں گڈآل صاحب ہی محمد شفیع اور اس کے منشی عبدالکریم کے مقدمے کی پیروی کرتے رہے۔ باقی ملزموں نے شروع میں کوئی وکیل مقرر نہ کیا، سیشن کی عدالت میں مولانا عبدالرحیم نے گڈآل صاحب کی معرفت کلکتہ سے مسٹر پلاوڈن (PLOWDEN) کو بلوایا۔ اکیس ہزار روپے فیس مقرر ہوئی، قیام و طعام اور سواری کا خرچ اس کے علاوہ تھا۔ پلاوڈن صاحب مولانا عبدالرحیم اور مولانا یحییٰ علی کے علاوہ حسینی تھانیسری، حسینی عظیم آبادی، الٰہی بخش اور عبدالغفار کی طرف سے بھی پیروی کرتے رہے۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری نے خود اپنے مقدمے کی پیروی کی، قاضی میاں جان اور عبدالغفور کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ انھوں نے پیروی کا کیا انتظام کیا۔

پلاوڈن صاحب کلکتہ سے انبالہ پہنچے تو اپنے مؤکلوں سے ملاقات کی درخواست دی جسے ہربرٹ ایڈورڈز (HERBERT EDWARDES) کمشنر اور سیشن جج نے نامنظور کر دیا۔ جوڈیشل کمشنر لاہور کے پاس اپیل کی گئی تو وہ بھی نامنظور ہوئی، آخر پلاوڈن صاحب نے یہ مسئلہ گورنر کے پاس پیش کیا، وہاں سے منظوری آئی تو صاحب موصوف نے مؤکلوں سے مل کر وکالت نامے پر دستخط لیے اور پیروی کی تیاری شروع کی۔ اس میں دو ہفتے لگ گئے۔ اس دوران میں پلاوڈن صاحب کا خرچ ملزموں کے ذمے پڑا۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدمے میں ذمہ دار انگریز افسروں کی روش کس درجہ معاندانہ تھی، حکومت کی طرف سے استغاثے کی پیروی کپتان بملیلڈ کے

---

(۱) "کالا پانی" ص ۱۹-۲۰۔ جب میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ اللہ کی طرف میرا لوٹنا کسی بھی کروٹ ہو۔ اور یہ سب اللہ کی راہ میں ہے وہ چاہے تو بوسیدہ اور ٹکڑے ٹکڑے اعضائے جسم میں برکت اور بالیدگی عطا کر دے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ذمے تھی، اسسٹنٹ کمشنر بارکلے اس کا معاون تھا۔

پلاوڈن صاحب کے اعتراضات

ملزموں کے خلاف مقدمہ دفعہ ۱۲۱ تعزیراتِ ہند کے ماتحت چلایا گیا تھا۔ استغاثہ یہ تھا کہ ستھانہ اور ملکا کے ہندوستانی مجاہدین حکمرانِ برطانیہ کے دشمن ہیں اور اس کے خلاف جنگ کر چکے ہیں۔ ملزم برطانوی رعایا ہیں، لیکن ان کے ذریعے سے مجاہدین کو روپے اور آدمیوں کی امداد ملتی رہی۔ اس طرح انہوں نے دانستہ اور غدارانہ اس عہد وفا و اطاعت کی خلاف ورزی کی جو رعایا کے ہر بچے اور وفادار فرد کے دل میں اپنے حکمراں کیلئے موجزن رہنا چاہئے۔(۱)

پلاوڈن صاحب نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ شہادت میں بتایا گیا ہے کہ ملزموں نے غیر ملکی دشمنانِ حکومت برطانیہ کے اقداماتِ دشمنی میں امداد کی یا اسکے لئے کوشش کی۔ یہ جرم دفعہ ۱۲۱ تعزیراتِ ہند کے ماتحت نہیں آتا۔ مذکورہ دفعہ صرف ان اقداماتِ جنگ کے لئے ہے جو برطانوی رعایا، برطانوی علاقوں کے اندر حکومت کے خلاف عمل میں لائے۔ سیشن جج نے یہ اعتراض مسترد کر دیا تو پلاوڈن صاحب نے دوسرا اعتراض پیش کیا اور وہ یہ کہ میرے چھ موکلوں میں سے پانچ کے خلاف اس عدالت میں مقدمہ نہیں چل سکتا، انبالہ ڈویژن کی عدالتیں لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ماتحت ہیں اور میرے پانچ موکل عظیم آباد کے رہنے والے ہیں جو لفٹنٹ گورنر بنگال کے ماتحت ہے۔ ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۲۶ و ۲۷ کے مطابق جرائم کی تحقیقات یا تو ان اضلاع میں ہونی چاہئے جہاں ان کا ارتکاب ہوا یا ان اضلاع میں جہاں انکے نتائج برآمد ہوئے۔ دفعہ ۲۸ کے ماتحت شرکت واعانت کی کیفیت بھی یہی ہے۔ ہربرٹ ایڈورڈز نے یہ اعتراض بھی مسترد کر دیا۔

---

(۱) "روئیداد مقدمہ انبالہ" ص:۱۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

مقدمہ انبالہ (۳)

استغاثے کی شہادتیں

کپتان پارسنز کے علاوہ استغاثے کی طرف سے بہت سی شہادتیں پیش ہوئیں جن میں جماعت مجاہدین کے بعض کارندے عظیم آباد، انبالہ، دہلی، ریواڑی وغیرہ کے صب جن، تھانیسر کے نمبردار اور بھٹیارے بھی شامل تھے۔ ان سب کی تفصیلات بتائی نہیں جا سکتیں، لیکن جن شہادتوں کو دار و گیر میں نمایاں حیثیت حاصل ہے انکی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- عثمان علی بن حاجی نسیم الدین ساکن اچھا پور ضلع چوبیس پرگنہ (بنگال) اس گواہ نے جماعت کے ممتاز کارکنوں میں سے منشی ریحان الدین ناظر عدالت جیسور، مولوی میزان الحق (غائب میزان الرحمٰن ڈھاکہ) حاجی مفیض الدین (چوبیس پرگنہ) منشی سید عبدالغنی اور سید عبدالحق کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔

۲- معظم سردار بن برکت اللہ ساکن چاند پور (بنگال) اس نے مولوی ابراہیم بن حاجی نصیر الدین ساکن پلاس پور (چاند پور سے چار کوس) معین الدین اور قاضی غیاث الدین کا ذکر کیا۔

۳- قاضی مراد علی بن شیخ وجیہ الدین ساکن چوکری پور (ضلع پنبہ بنگال) یہ گواہ قاضی میاں جان کا بھائی تھا، جن حالات میں اس نے گواہی دی ہوگی وہ محتاج تصریح نہیں۔

۴- لال محمد ساکن کمرگڑھی (عظیم آباد)۔ اس گواہ نے منشی عبدالہادی اور ہیبت اللہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا ذکر کیا۔

۵- عین الدین بن روشن (لالہ سرائے ڈھاکہ) اس نے میزان الرحمٰن، قادر بخش اور روزیر محمد کا ذکر کیا۔

۶- سلیم الدین بن عبداللہ (اسلام پور ضلع ڈھاکہ) اس نے میزان الرحمٰن، طفیل اللہ یا طفیل علی، خدا بخش اور نجیب اللہ کا ذکر کیا۔

۷- صدرالدین بن جتو (بھاگل پور ضلع مالدہ) اس نے بصیر الدین، حاجی محمد، عبدالعلی درزی (لال کرتی انبالہ) کا ذکر کیا۔

ان کے علاوہ غلام اکبر بن منگ غازی (گنانہ گڑھی بنگال) محمد رفیع (برادر شیخ محمد شفیع) حکیم محمد تقی بن فرید بخش (گنگوہ) طالب علی نائب تحصیل دار چھپلی، غلام محمد ڈپٹی انسپکٹر پولیس اور غزن خاں (ہوتی مردان) کی شہادتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شہادتوں کا نقشہ

زیادہ تر شہادتیں ایسی تھیں جن کا مدعا یہ تھا کہ ملزموں کے خلاف دعوت وتبلیغ کرنے یا روپیہ اور آدمی بھیجنے کے الزامات کو تقویت پہنچے۔ بعض افراد نے صحیح یا غلط بیان کیا کہ وہ اپنے وطن سے نکل کر عظیم آباد ٹھہرتے ہوئے مولانا یحییٰ علی، مولوی محمد جعفر، شیخ محمد شفیع یا ان کے کارندوں کی امداد سے ملکا پہنچے۔ پھر موقع پا کر وہاں سے بھاگے اور انگریز افسروں کی امداد سے وطن واپس آ گئے۔ ملزموں کے وکیل تمام گواہوں پر سخت جرح کرتے رہے۔ شیخ محمد شفیع کی طرف سے کمسریٹ کے دو انگریز افسر بھی پیش ہوئے، ایک کپتان اوگلوی (OGILVIE) ڈپٹی اسسٹنٹ کمیسری جنرل، دوسرا کرنل ریڈی (REDIE) ڈپٹی کمیسری جنرل، ان دونوں نے بیان کیا کہ شیخ محمد شفیع کا انتظام رسد ہمیشہ حد درجہ تسلی بخش رہا۔ افسر اس کے کام سے اس قدر مطمئن تھے کہ گرفتاری کے بعد بھی ٹھیکہ اسی کے نام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھا۔ ایک صاحب نے یہ بھی بتایا کہ حکومت کے متعلق اسکے خیالات اچھے پائے گئے۔

مقدمے کی عمومی کیفیت

ملزموں کے بیانات زیادہ مفصل نہ تھے۔ مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں کہ مولانا محمد یحییٰ علی تو وکیل مقرر کر کے روپیہ برباد کرنے پر راضی ہی نہ تھے، بلکہ اگر دوسرے لوگ ان کو نہ روکتے تو اپنے نیک اعمال کا اقبال کرنے کو تیار تھے۔ مگر ان کی طبیعت کچھ ایسی سیدھی اور بے عذر تھی کہ جب ان سے مختار نامے پر دستخط کرنے کو کہا گیا تو اس پر بھی دستخط کر دیے۔(۱)

مقدمہ یقیناً بے بنیاد نہ تھا، سب لوگ مجاہدین کی امداد میں حسب حیثیت سرگرم رہے، لیکن ان الزامات کا قانونی ثبوت فراہم کرنا مشکل تھا۔ جو شہادتیں فراہم کی گئیں ان میں بناوٹ اور سکھانے پڑھانے کا عنصر خاصا غالب تھا۔

ملزوں کے بیانات کے بعد پہلے گنڈآل صاحب نے شیخ محمد شفیع اور منشی عبدالکریم کی طرف سے ایک لمبی تقریر کی، جو روئیداد مقدمہ کے پینتالیس صفحات میں سمائی ہے۔ اس کے بعد مسٹر پلاؤڈن نے تقریر کی جو روئیداد کے تیئس صفحات میں آئی۔ آخر میں بمفیلڈ نے دونوں تقریروں کا جواب دیا۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ گنڈآل اور پلاؤڈن نے الزامات کے بے بنیاد ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔ لیکن حکومت انگلشیہ سخت سزاؤں کا فیصلہ کر چکی تھی لہٰذا یہ سعی بے نتیجہ رہی۔

فیصلہ

ہربرٹ ایڈورڈز نے جو فیصلہ لکھا وہ روئیداد کے ایک سو پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی مخالف و موافق شہادتوں پر مفصل بحث کی۔ سماعت مقدمہ کے دوران میں

(۱) "کالا پانی" ص ۲۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حکومت نے حسب قاعدہ چار اسیسر بھی مقرر کر دیے تھے، جن میں سے دو ہندو تھے اور دو مسلمان۔ مولوی محمد جعفر فرماتے ہیں:

> سیشن جج نے چاروں اسیسروں سے کہا کہ اپنی رائے لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیسر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ کر آنسو بھر بھر لاتے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے، مگر جب صاحب جج اور کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم مندرجہ فرد قرارداد اُن پر ثابت ہے۔(۱)

ہربرٹ ایڈورڈز کے فیصلے کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- شیخ محمد شفیع، سزائے موت مع ضبطیٔ جائیداد۔ لاش گورستانِ جیل میں دفن کی جائے۔

۲- مولانا یحییٰ علی، سزائے موت مع ضبطیٔ جائیداد۔ لاش گورستانِ جیل میں دفن کی جائے۔

۳- مولوی محمد جعفر تھانیسری، سزائے موت مع ضبطیٔ جائیداد۔

۴- مولانا عبدالرحیم، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

۵- قاضی میاں جان، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

۶- میاں عبدالغفار، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

۷- منشی عبدالکریم، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

۸- عبدالغفور، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

۹- الٰہی بخش، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

۱۰- حسینی عظیم آبادی، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطیٔ جائیداد۔

---

(۱) "کالا پانی" ص: ۴۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۱- حسینی تھانیسری، حبس دوام بہ عبور دریائے شور مع ضبطی جائیداد۔

صرف منشی عبدالکریم اور حسینی تھانیسری کے متعلق ہربرٹ ایڈورڈز نے لکھا کہ قانوناً گنجائش ہوتی تو ان کی سزا کم کر دی جاتی، نیز ہر ملزم کے سلسلے میں تصریح کی کہ اسیسر بالاتفاق اسے مجرم قرار دیتے ہیں۔ لیکن جن حالات میں اسیسروں نے یہ رائے دی اس کی کیفیت اوپر پیش کی جا چکی ہے۔

ہربرٹ ایڈورڈز کے سوانح حیات اس کی بیوی نے دو جلدوں میں لکھے تھے۔ دوسری جلد میں مقدمہ انبالہ کے فیصلے کو ''ایک نہایت اہم سیاسی کام'' قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جو حقائق اس سلسلے میں پیش کیے جا چکے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ کام کی حیثیت کچھ بھی نہ تھی۔ بلاشبہ ملزمین علیٰ قدر مراتب مجاہدین کی امداد کرتے رہے مگر جن شہادتوں کی بنا پر اس مقدمہ کو خاص اہمیت دی گئی، ان میں سے زیادہ تر بے سروپا اور بناوٹی تھیں۔ پھر ان شہادتوں کی وجہ سے ملزموں کو جو خوفناک سزائیں دی گئیں ان پر حق و انصاف ہمیشہ خون کے آنسو بہاتے رہیں گے۔ یہ عدل نہ تھا، سراسر جوش انتقام تھا۔

جوڈیشل کمشنر کے پاس اپیل

ہربرٹ ایڈورڈز کا فیصلہ ۲ رمئی ۱۸۶۴ء کو صادر ہوا تھا۔ پلاؤڈن اور گنڈآل نے مزید فیس لے کر جوڈیشل کمشنر پنجاب کی عدالت (۱) میں اپیل دائر کر دی۔ اس زمانے میں رابرٹس (ROBERTS) جوڈیشل کمشنر تھا۔ اس نے بھی ۸ دستخط صفحے کا فیصلہ لکھا جس میں مولانا یحییٰ علی، مولوی محمد جعفر اور شیخ محمد شفیع کی سزائے موت کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور میں بدل دیا۔ اس لئے کہ یہ سزا یحییٰ علی اور جعفر جیسے لوگوں کے لئے پھانسی کی موت کے مقابلے میں زیادہ تلخ و ناخوش گوار ہوگی۔ (۲)

(۱) پنجاب میں چیف کورٹ اس کے بعد قائم ہوا، پھر اسے ہائی کورٹ کا درجہ دیا گیا۔

(۲) روئیداد مقدمہ انبالہ ص: ۵۰۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مزید لکھا کہ سب کے جرموں کا درجہ ایک جیسا نہیں۔ یحییٰ علی، قاضی میاں جان اور محمد جعفر تھانیسری کا جرم اول درجے کا ہے، ان کی جائیدادیں ضرور ضبط کی جائیں اور حبس دوام کی سزا بھی پوری دی جائے۔ یعنی معافی وغیرہ نہ ہو۔ عبدالرحیم، الٰہی بخش اور محمد شفیع کے جرم کا درجہ ذرا کم ہے، انہیں حبس دوام میں ضرور کچھ رعایت دی جائے۔ البتہ جائیدادوں کی ضبطی لازم ہے۔ عبدالغفار اور عبدالغفور کے جرم درجے میں اور بھی کم ہیں، انہیں قید میں مزید رعایت دی جائے۔ ان سے کمتر درجہ عبدالکریم اور حسینی عظیم آبادی کا ہے اور سب سے کم درجہ حسینی تھانیسری کا۔ آخر میں تمام کاغذات لفٹنٹ گورنر پنجاب کے سامنے پیش کر دیے تا کہ وہ آخری آٹھ قیدیوں کے معاملے پر مرحمت کے نقطۂ نگاہ سے غور فرمائیں۔ یہ فیصلہ مری سے ۲۴/ اگست ۱۸۶۴ء کو صادر ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ لفٹنٹ گورنر کو بھی آخری فیصلے میں خاصا وقت لگا، اس لئے کہ جن تین بزرگوں کو پھانسی کا حکم سنایا تھا اُن کی سزا عمر قید میں تبدیل ہونے کی اطلاع انہیں ۱۶/ ستمبر ۱۸۶۴ء کو ملی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

قید اور کالا پانی

ذمہ دار افسروں کا زورِ تعصب

مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں کہ جس روز سزا کا حکم سنایا جانے والا تھا ہربرٹ ایڈورڈز نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ:

''تم بہت عقل مند، ذی علم اور قانون داں ہو۔ اپنے شہر کے نمبردار ہو، رئیس ہو، لیکن تم نے اپنی ساری عقل مندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ اب تمہیں پھانسی دی جائے گی، جائداد ضبط ہوگی، تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہ ملے گی اور تمہیں پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

میں نے جواب دیا:

جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپکے اختیار میں نہیں، وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے آپ کو ہلاک کر دے۔ اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ وہ میرا کیا کر سکتا تھا۔(۱)

مولوی محمد جعفر اٹھارہ سال کالے پانی گزار کر واپس آ گئے۔ ہربرٹ ایڈورڈز اس فیصلے سے چار سال بعد دسمبر ۱۸۶۸ء میں فوت ہو گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف کے بیان کے مطابق کپتان پارسنز پاگل ہو کر راہئ ملکِ عدم ہوا۔

(۱) ''کالا پانی'' ص: ۲۳، ۲۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

راہِ خدا کے جانباز

مولوی صاحب کہتے ہیں: پھانسی کا حکم سنکر میں اتنا خوش ہوا کہ ہفت اقلیم کی سلطنت مل جانے پر بھی اتنی مسرت نہ ہوتی۔ مولانا یحییٰ علی بھی نہایت بشاش تھے، البتہ شیخ محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس روز تماشائی بہ کثرت کچہری کے احاطے میں جمع تھے اور اکثر زار زار روتے تھے، یا دم بخود ساکت کھڑے تھے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں: پارسنز میرے نزدیک آ کر کہنے لگا "پھانسی کے حکم پر تمہیں رونا چاہئے اتنے خوش کیوں ہو؟" میں نے چلتے چلتے جواب دیا:

شہادت کی امید پر (خوش ہوں) جو سب سے بڑی نعمت ہے، تم اس کو کیا جانو۔"(۱)

جیل خانے پہنچتے ہی پھانسی والے تینوں قیدیوں کو الگ الگ کوٹھریوں میں بند کر دیا۔ تنگ وتاریک کوٹھریاں، شدید گرمی کا موسم، ایک ہی رات میں مولوی محمد جعفر کے قول کے مطابق جہنم کا نمونہ سامنے آ گیا۔ دوسرے ہی دن خود بخود تار کے ذریعے سے حکم پہنچ گیا کہ پھانسی والے قیدیوں کو رات کے وقت میدان میں باہر سلایا کرو۔

جیل والوں کی پیشکش

جیل خانے کے دیسی کارکن یعنی وارڈر اور سپاہی ان بزرگوں کے بیحد معتقد ہو گئے، خصوصاً مولانا یحییٰ علی کے جو ہر لحظہ توحید اور عمل صالح کا وعظ فرماتے رہتے تھے۔ ان کی کوٹھری کے سامنے سکھ سپاہی آ جاتا یا ہندو سپاہی، تھوڑی ہی دیر میں ہر ایک پر یہ کیفیت طاری ہوتی کہ کھڑا روتا رہتا۔(۲)

ایک رات سب محافظ باہم صلاح کر کے آئے اور ان تینوں بزرگوں سے کہا کہ آپ

(۱) "کالا پانی" ص ۴۵ (۲) تذکرۂ صادقہ ص ۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہاں سے بھاگ جائیں ہم پر بہ جرم غفلت مقدمہ چلے گا اور سزا ہو جائے گی، ہم اسے بھگت لیں گے، لیکن آپکی جان تو بچ جائے گی۔ تینوں نے ان لوگوں کے حسن نیت اور ہمت کا شکریہ ادا کیا اور ان کیلئے دعاء کی، مگر کہا کہ بھاگیں گے نہیں، خدا چھڑائے گا تو چھوٹ جائیں گے۔ مولوی محمد جعفر نے یہ بھی کہا کہ اس کی مرضی نہ تھی تو میں بھاگ جانے کے باوجود علی گڑھ سے پکڑا آیا۔ اب دوبارہ ایسی حرکت نہ ہوگی۔(۱)

ابتلاء بالائے ابتلاء

سوئے اتفاق سے قیدیوں میں بخار نے وبا کی صورت اختیار کر لی اور اس میں بہت سے قیدی نذر اجل ہو گئے۔ قاضی میاں جان نے بھی جو بہت بوڑھے تھے اسی وبا میں وفات پائی۔ مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں:

> مرنے سے ایک روز پہلے انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ ایک جواہر نگار تخت آسمان سے اترا اور اس پر بٹھا کر انہیں آسمان پر لے گئے۔ ضعف اور کبر سنی کے باوجود بڑے ہی صابر اور مستقل مزاج تھے۔(۲)

اس وبا میں مولانا یحییٰ علی ایک مہینہ سخت بیمار رہے۔ الٰہی بخش پاگل ہوگیا اور اس کی گردن پر پلستر لگانے گئے۔ میاں عبدالغفار بھی بیمار ہو گئے۔ مولانا عبدالرحیم اپنی مشقت بھی پوری کرتے دوپہر اور شام کو ایک ایک گھنٹے کی چھٹی ملتی تو ہسپتال جا کر بیماروں کی بھی خبر لیتے۔ کسی کے کپڑے ملوث ہو جاتے تو انہیں دھو دیتے۔ مولوی محمد جعفر بھی سخت بیمار ہوئے، انگریزی دواؤں سے انہیں افاقہ نہ ہوا تو انگریز ڈاکٹر نے خود مولوی صاحب کی تجویز کے مطابق سیب، بہی کے مربے، بنفشہ، انار کے شربت اور مفرح دوائیاں منگوائیں۔

انھیں دنوں میں مولوی محمد جعفر کی والدہ ماجدہ کو سانپ نے کاٹا اور وہ فوت

(۱) کالا پانی ص: ۲۷، ۲۸

(۲) کالا پانی ص: ۲۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو گئیں۔(۱) وہ بڑی جائیداد کی مالک تھیں۔ جلیل القدر فرزند کی سزا کے بعد ان کی زمینیں اور مکان چھن گئے۔ اس انقلاب احوال سے ان پر جو گذری ہو گی وہ محتاج بیان نہیں۔ خدا جانے وہ کہاں سوتی ہوں گی اور کس حالت میں وقت گزارتی ہوں گی، لیکن دنیا کی تکلیفیں کتنی ہی شدید ہوں بہر حال عارضی ہیں۔ پائیداری صرف آخرت کی زندگی کو ہے جو حسن عمل اور راہِ حق میں تکالیف و شدائد پر صبر کا ثمرہ ہے۔ وہ مرحومہ یقیناً زیادہ سے زیادہ ثواب کی مستحق تھیں۔

مشقت اور اس میں تخفیف

پھانسی کی سزا حبس دوام میں بدلی تو ان بزرگوں کے سر اور ڈاڑھی مونچھ مونڈ کر انہیں منڈی بھیڑ کا سا بنا دیا گیا۔ مولانا یحییٰ علی ڈاڑھی کے کٹے ہوئے بال اٹھا کر کہتے تھے: ''افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کی خاطر کاٹی گئی۔''

انبالہ جیل کا داروغہ نبی بخش، نائب داروغہ رحیم بخش اور دوسرے دیسی اہل کار ان بزرگوں کے دلی معتقد اور خیر خواہ تھے، لیکن انگریز سپرنٹنڈنٹ کے خوف سے بہ طور خود رعایتی برتاؤ نہ کر سکتے تھے۔ مولوی محمد جعفر کا بیان ہے کہ انہوں نے تینوں (یحییٰ علی، شفیع اور جعفر) کو کاغذ کوٹنے کے کام پر لگایا جو مشقت کا سب سے زیادہ سخت کام تھا۔ ''تذکرۂ صادقہ'' میں ہے کہ مولانا یحییٰ علی رہٹ چلانے کے کام پر لگائے گئے تھے اور تمازتِ آفتاب میں یہ مشقت کرتے کرتے آپ کے پیشاب میں خون آنے لگا تھا۔ دو تین دن بعد خود سپرنٹنڈنٹ نے شیخ محمد شفیع اور مولانا یحییٰ علی کو سوت کھولنے کے آسان کام پر لگا دیا اور مولوی محمد جعفر سے کہا کہ ردی کاغذ پھاڑ پھاڑ کر چوبچے میں ڈالتے رہا کرو بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس ردی میں تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے کاغذ بھی ہوں گے، اپنا دل بہلانے

(۲) کالا پانی ص: ۴۸

کو انہیں بھی پڑھتے ہی رہو۔

مجیب الدین تحصیل دار

انبالہ جیل کے قیدیوں میں مجیب الدین تحصیل دار ساکن نارنول بھی تھا، جسے رشوت ستانی کے جرم میں سزا ہوئی تھی۔ غالباً ڈپٹی کمشنر کے ایماء پر اس نے مقدمہ سازش کے بعد اسیروں کو ورغلا کر سرکاری گواہ بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انگریزوں نے مجیب الدین سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو جائیگا تو سزائے قید معاف کر کے اسے دوبارہ تحصیل دار بنا دیا جائے گا۔ مولوی محمد جعفر کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اپنے ساتھیوں کو سمجھانا شروع کیا کہ ہماری دنیا تو خراب ہو گئی اب آخرت کو کیوں برباد کرتے ہو؟ مجیب الدین نے یہ حالات دیکھے تو ذمہ دار انگریز افسر سے کہہ دیا کہ جب تک محمد جعفر اور یحییٰ علی موجود ہیں کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مولوی محمد جعفر، مولانا یحییٰ علی اور میاں عبدالغفار کو دوسرے قیدیوں کے ہمراہ لاہور بھیجنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

بعد ازاں مجیب الدین کی کوششیں کامیاب ہوئیں، شیخ محمد شفیع، منشی عبدالکریم، الٰہی بخش سوداگر اور بعض دوسرے اصحاب سرکاری گواہ بننے پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں کے بیانات کی بناء پر مولانا احمد اللہ کو سزا ہوئی اور انہیں کی شہادتیں بعد کے مقدمات کو کامیاب بنانے کا ذریعہ بنی رہیں۔

اہل عظیم آباد کو ترغیب

مولانا عبدالرحیم کو اس لئے انبالہ جیل میں رکھا گیا کہ شاید ان کے ذریعہ سے کچھ کام نکل سکے۔ وہ خود اپنے امتحانوں میں سے ایک امتحان یہ بتاتے ہیں:

> کمشنر صاحب و ڈپٹی کمشنر صاحب کی خواہش ہوئی کہ بہ ذریعہ کمترین مولوی عبداللہ ساکن افغانستان سے پیغام مصالحت کیا جائے کہ جن سے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بمقام امبیلہ وغیرہ سرکار سے جنگ ہوئی تھی اور وہ اس کمترین کے چچازاد بھائی تھے۔(۱)

مولانا نے کچھ نہیں بتایا کہ پیغام مصالحت مولانا عبداللہ کو بھیجا گیا یا نہ بھیجا گیا، بھیجا گیا تو وہاں سے کیا جواب آیا۔ البتہ ایک مستند روایت کے مطابق اہل عظیم آباد کے پاس سرکار کی طرف سے تجویز پیش ہوئی تھی کہ مولانا عبداللہ کو راضی کر کے واپس بلا لو تو نہ صرف ضبط شدہ جائیدادیں بحال کر دی جائیں گی بلکہ چھ لاکھ کی نئی جاگیر دی جائے گی۔ اہل عظیم آباد نے جس طرح طوفان ترہیب میں ایمان کی کشتی محفوظ رکھی تھی اسی طرح صرصر ترغیب سے بھی قطعاً متاثر نہ ہوئے۔

یحییٰ علی، عبدالغفار اور جعفر

یہ تینوں بزرگ دوسرے قیدیوں کے ساتھ انبالہ سے پیدل روانہ ہوئے۔ لدھیانہ، پھلور، جالندھر اور امرتسر کے راستے لاہور پہنچے۔ پورے سفر میں ان کے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ چند مہینے لاہور سنٹرل جیل میں گزارے، پھر ریل کے ذریعے سے ملتان اور وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر کوٹری پہنچے۔ وہاں سے دوبارہ ریل میں سوار کر کے کراچی پہنچا دیے گئے۔ وہاں بھی تھوڑی دیر ٹھہرے رہے، پھر بادبانی جہاز میں بمبئی گئے اور کچھ مدت تھانہ جیل میں گزاری۔ ۸ر دسمبر ۱۸۶۵ء کو بمبئی سے جمنا جہاز میں سوار ہوئے اور چونتیس روز کے سفر کے بعد ۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء کو پورٹ بلیئر (جزیرہ انڈمان) پہنچ گئے۔

مولانا عبدالرحیم

مولانا عبدالرحیم نے مزید کچھ وقت انبالہ میں گزار کر ایک سال آٹھ مہینے کی مدت

(۱) تذکرۂ صادقہ ص ۴۳۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لاہور جیل میں گزاری۔ اُنہیں ضیق النفس کا عارضہ تھا۔ اس اثناء میں یہ عارضہ بہت تکلیف دیتا رہا۔ وہ بھی ریل میں ملتان، وہاں سے کشتی میں کوٹری، پھر ریل میں کراچی اور وہاں سے دخانی جہاز میں بمبئی پہنچے۔ بمبئی سے انڈمان تک کا سفر سخت مصیبت خیز تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ تمام قیدیوں کو جہاز کے نچلے حصہ میں ایک جنگلے کے اندر بند کردیا گیا تھا۔ سیلون کے قریب پہنچے تو ہر قیدی کو پہلے دوران سر کا عارضہ شروع ہوا پھر قے اور دست جاری ہوگئے، نہ وہ بیچارے خود غلاظت صاف کر سکتے تھے نہ جہاز والوں کو صفائی کا کچھ خیال تھا:

> اسی میں شب و روز رہنا پڑتا تھا۔ میں اپنی نماز پنج وقتی اسی نجس حالت میں بلا وضو و تیمم کسی طور پر ادا کرلیتا تھا۔(۱)

خدا کی رحمت سے غیبی تائید کی ایک صورت پیدا ہوگئی۔ جہاز کا ایک خلاصی سخت بیمار ہوا۔ کپتان کے پاس دوائیں تھیں لیکن ڈاکٹر کوئی نہ تھا، محافظ پلٹن کا جمعدار شیخ قاسم مولانا عبدالرحیم کو خواندہ شخص سمجھ کر ان کے پاس آیا، کیفیت بیان کی اور انہیں کپتان کے پاس لے گیا۔ مولانا طب سے آگاہ تھے، مریض کی حالت دیکھی، کپتان نے دواؤں کی الماری کھول دی۔ مولانا نے دوائیں سونگھ سونگھ کر روغن بید انجیر کی شیشی نکالی۔ اس میں سے ایک تولہ لیکر سونف اور پودینے کا تھوڑا تھوڑا عرق شامل کیا اور مریض کو پلا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے افاقہ ہوگیا۔ جمعدار نے مولانا کیلئے کپتان کی منظوری سے اپنے قریب قیام کا انتظام کرلیا اور اسی کے ہاں سے کھانا ملنے لگا۔

طوفان کے باعث جہاز تیئیس دن کے بجائے ایک مہینہ اور اکیس دن میں پورٹ بلیئر پہنچا۔

---

(۱) ''تذکرۂ صادقہ'' ص ۱۲۶ تا ۱۲۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سرکاری گواہوں کی حالت

مقدمۂ انبالہ کے کل گیارہ قیدی تھے، جن میں سے قاضی میاں جان انبالہ ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم، مولوی محمد جعفر اور میاں عبدالغفار انڈمان پہنچے، وہاں کے سوانح ایک مستقل باب میں بیان ہوں گے، باقی قیدیوں میں سے زیادہ تر سرکاری گواہ بن گئے تھے۔ ان کی کیفیت اختصاراً یہیں بتادینی چاہیے:

۱۔ **شیخ محمد شفیع**: پچاس لاکھ کی جائیداد ضبط ہوگئی۔ سرکاری گواہ بن جانے کے بعد اسے رہا کردیا گیا۔ جائیداد واپس نہ ملی۔ ۱۸۶۵ء اور ۱۸۷۱ء کے مقدمات میں اس نے گواہی دی۔ کل دو سال قید رہا۔

۲۔ عبدالکریم: ڈیڑھ سال قید رہا، پھر مختلف مقدمات میں اس سے شہادتیں لی گئیں۔

۳۔ عبدالغفور: اس کی قید لفٹنٹ گورنر نے گھٹا کر حبس دوام کے بجائے دس سال کردی تھی۔ ۱۸۷۱ء کے مقدمے میں یہ بھی سرکاری گواہ تھا۔

۴۔ حسینی تھانیسری: ۱۸۷۱ء کے مقدمے میں سرکاری گواہ بنا، کل سات سال قید رہا۔

۵۔ حسینی عظیم آبادی: دس سال قید رہا۔ ۱۸۷۱ء کے مقدمے میں اس نے بھی شہادت دی تھی۔

۶۔ الٰہی بخش: یہ بھی سرکاری گواہ بن گیا تھا، مولانا احمد اللہ خاں کے خلاف شہادت دی اور قید کی سزا معاف ہوگئی۔

شیخ الکل میاں نذیر حسینؒ

یہاں یہ بھی عرض کردینا چاہیے کہ اس مقدمے اور مولانا احمد اللہ والے مقدمے میں جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا، شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی بھی ہدفِ ابتلاء بنے تھے۔ میاں صاحب مرحوم اہل حدیث کے سرتاج تھے۔ اہل حدیث اور "وہابیوں"

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو مترادف سمجھا جاتا تھا۔ مخبروں نے میاں صاحب کے خلاف بھی شکایتیں حکومت کے پاس پہنچائیں۔ ان کے مکان کی تلاشی ہوئی اور بہت سے خط پائے گئے جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے آتے تھے۔ ان میں یا تو مسئلے پوچھے جاتے تھے یا مختلف دینی کتابوں کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا۔ میاں صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس اتنے خط کیوں آتے ہیں؟ انہوں نے بے تکلف جواب دیا کہ یہ سوال خط بھیجنے والوں سے کرنا چاہئے نہ کہ مجھ سے۔ ایک خط میں مرقوم تھا کہ "نخبۃ الفکر" (اصول حدیث کی ایک کتاب) بھیج دیجئے۔ مخبر نے کہا کہ یہ خاص اصطلاح ہے جس کا مفہوم کچھ اور ہے، اور یہ لوگ خطوں میں اصطلاحی الفاظ سے کام لیتے ہیں۔ میاں صاحب نے یہ سنا تو جلال میں آگئے اور فرمایا:

نخبۃ الفکر کیا، توپ؟ نخبۃ الفکر کیا، بندوق؟ نخبۃ الفکر کیا، گولہ بارود؟ (۱)

بہر حال آپ کو دہلی سے راولپنڈی لے گئے اور وہاں کم و بیش ایک سال جیل خانے میں نظر بند رکھا۔ دو آدمی ساتھ تھے۔ ایک میر عبدالغنی ساکن سورج گڑھ جو بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ انہوں نے جیل خانے ہی میں وفات پائی۔ میاں صاحب نے خود تجہیز و تکفین کی اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ دوسرے صاحب عطاء اللہ تھے جنہوں نے اس زمانے میں پوری صحیح بخاری سبقاً سبقاً پڑھی اور قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ میاں صاحب نے سرکاری لائبریری سے کتابیں منگوانے کی اجازت لے لی تھی اور ان کا بیشتر وقت مطالعے میں گذرتا تھا۔

راولپنڈی میں مجاہدین کے متعلق بہت سے کاغذات جمع کر دیے گئے تھے، جن میں سے اکثر فارسی میں تھے۔ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد ان کاغذات کی جانچ پڑتال پر لگائے گئے تھے۔ وہ بھی دیر تک راولپنڈی میں مقیم رہے۔ ذوق کے دیوان کی ترتیب

(۱) الحیات بعد الممات یعنی میاں نذیر حسین کے سوانح حیات ص: ۸۱، ۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انہوں نے وہیں شروع کی تھی۔ میاں نذیر حسین کے خلاف کوئی الزام پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا تو تقریباً ایک سال کے بعد انہیں ابتلاء سے نجات ملی۔

میاں صاحب کے صاحبزادے مولانا سید شریف حسین کے ایک مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ چیمبرلین صاحب تحقیقات پر مقرر ہوئے تھے، پہلے چند آدمی دہلی آئے اور میاں صاحب سے مجاہدین یا ان کے معاونین کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پھر چیمبرلین کے حکم سے انہیں پشاور طلب کیا گیا۔ میاں صاحب پشاور پہنچے تو معلوم ہوا کہ چیمبرلین راولپنڈی چلا گیا۔ چنانچہ میاں صاحب کو راولپنڈی آنا پڑا۔ اس اثناء میں چیمبرلین کسی سرکاری کام کے سلسلے میں انبالہ گیا اور وہاں فوت ہو گیا۔ میاں صاحب اس کے قائم مقام کے انتظار میں راولپنڈی ہی میں ٹھہرے رہے۔ قائم مقام نے میاں صاحب سے مجاہدین کا پوچھا اور انہوں نے بے خبری ظاہری کی تو وہ بہت خفا ہوا۔ یہ خط اس زمانے میں لکھا گیا تھا جب میاں صاحب کی ابتلاء پر پانچ مہینے گذر چکے تھے۔(۱)

---

(۱) مکاتیب نذیریہ ص: ۲۲۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

عظیم آباد کا پہلا مقدمہ

مولانا احمد اللہ

مولانا احمد اللہ کے ابتدائی حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے علم و فضل، زہد و تقدس، فہم و تدبر اور بلند حیثیت کے باعث بہت معزز و محترم مانے جاتے تھے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ انہیں دینی مقاصد و عزائم سے گہری دل بستگی تھی، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کے دل میں تحریک جہاد کے لئے زیادہ سے زیادہ تڑپ موجود نہ تھی، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ انہوں نے براہ راست تحریک کی تنظیم میں قطعاً قابل ذکر حصہ نہ لیا تھا، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ حصہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کی، صرف یہ وجہ تھی کہ ان کے بھائی اور عزیز تقریباً سب کے سب تحریک میں سرگرمی سے شریک ہو چکے تھے اور انہوں نے تنظیم و اجرائے جہاد کے مختلف ذمہ دارانہ مناصب سنبھال رکھے تھے۔

ان حالات میں مولانا احمد اللہ کے لئے یہی مناسب تھا کہ جائیداد کی نگرانی اور دیکھ بھال میں لگے رہیں تا کہ اہل خاندان کی عام ضرورتوں کے انتظام میں خلل واقع نہ ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف تھوڑی دیر کے لئے تنظیم کا کام سنبھالا تھا جب ان کے بھائی مولانا یحییٰ علی مقدمہ انبالہ کے سلسلے میں گرفتار ہو چکے تھے۔ گویا جس حد تک عملی سرگرمیوں کا تعلق ہے، مولانا احمد اللہ کے خلاف جو مقدمہ قائم کیا گیا وہ حد درجہ کمزور تھا، لیکن حکومت کے دل میں بزرگانِ عظیم آباد کے خلاف ایک خاص جذبہ عناد بھڑک اٹھا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ سید احمد شہید کے عقیدت مند خاندانوں میں سے کسی کو بھی اپاہج اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ناکارہ بنائے بغیر نہ چھوڑے۔ مولانا احمد اللہ اپنے ممتاز اوصاف کی بنا پر سب سے بڑھ کر توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ ان کے خلاف زبردست گواہ پیدا کر کے ایک خوفناک مقدمہ قائم کیا گیا۔ اس سلسلے میں دشمنی کی آگ کو ہوا دینے کا زیادہ تر کام ولیم ٹیلر نے انجام دیا، جسے ۱۸۵۷ء میں مولانا احمد اللہ کی نظر بندی کے باعث کمشنری کے عہدے سے استعفیٰ دینا پڑا تھا اور وہ عظیم آباد ہی میں وکالت کر رہا تھا۔(۱)

مقدمے کی کیفیت

اس مقدمے کی مفصل روئداد کہیں سے نہ مل سکی۔ بس صرف اتنا معلوم ہے کہ مقدمہ انبالہ کا فیصلہ ہو چکا تو حکومت مولانا احمد اللہ کی سزا دہی میں سرگرم ہوئی، گرفتاری کے بعد انہیں سب سے پہلے مسٹر منرو (MUNRO) منصرم مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ پھر حسب دستور ان کا مقدمہ مسٹر اینسلے (AINSLIE) سیشن جج کے سپرد ہوا۔ شیخ محمد شفیع، منشی عبدالکریم اور الٰہی بخش سوداگر اسیرانِ مقدمۂ انبالہ کے علاوہ ولیم ٹیلر کی کوششوں سے مقامی آدمیوں نے بھی مولانا کے خلاف گواہیاں دیں۔ مولانا مسعود عالم مرحوم لکھتے ہیں:

> انکے مقدمے کی ساری کارروائی اور فیصلہ راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔ پورا مقدمہ بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ خود حکام کو اس بات کا اقرار ہے کہ الٰہی بخش (ملزم انبالہ) کی شہادت کے بغیر مولانا احمد اللہ کی سزایابی مشکل تھی۔(۲)

(۱) جرنل بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک مضمون میں بتایا گیا ہے کہ جب مولانا احمد اللہ کے مکان کی تلاشی لی گئی تو انہوں نے سات سو آدمی جمع کر لیے تھے اور وہ مجسٹریٹ کے مقابلے کے لیے تیار تھے۔ (جلد چہاردہم ص ۳۵۶) لیکن میرے نزدیک مولانا کی عام روش کو ایسی ہنگامہ جوئی سے کوئی مناسبت نہ تھی اور یہ سراسر افتراء ہے جو کسی نے مولانا کو مجرم ثابت کرنے کے لیے وضع کیا۔

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک "طبع دوم" ص ۱۳۱، ۱۳۲۔ باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا احمد اللہ کے فرزند ارجمند علامہ حکیم عبدالحمید نے اس ابتلاء کے متعلق "شہر آشوب" کے نام سے ایک مثنوی لکھی تھی جس میں بتایا گیا ہے کہ مولانا سے ایک سال پیشتر ان کے چھوٹے بھائی محمد یحییٰ علی کو انبالہ میں سزا ہو چکی تھی۔ رمضان ۱۲۸۱ھ کی آخری تاریخ (۲۷ فروری ۱۸۶۵ء) کو مولانا کے لیے سزا کا حکم صادر ہوا۔ معلوم ہے کہ پہلے ضبطیٔ جائیداد کے علاوہ پھانسی کی سزا کا فیصلہ سنایا گیا پھر اسے حبسِ دوام میں بدل دیا گیا۔(۱)

"تذکرۂ صادقہ" میں مرقوم ہے کہ مولانا کی گرفتاری کے وقت جو انگریز عظیم آباد میں جج کے عہدے پر مامور تھا وہ نہایت منصف مزاج، عادل اور نیک طینت تھا۔ حاسدوں نے سمجھا کہ جب تک یہ جج رہے گا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا۔ چنانچہ اسے بدلوا کر دوسرا جج مقرر کرایا گیا جو مولانا کے مزاج اور طبیعت سے بالکل ناواقف تھا۔

مولانا کا صبر واستقامت

حکیم عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں کہ اہل شہر میں سے کچھ لوگ مولانا کے خلاف سرگرمِ عمل رہے۔

زاں یکے دل سیاہ و نامش نور   ہم چناں نام زنگیٔ کافور
واں دگر ریش گاؤ و تن فربہ   بہ مراتب ازاں بُد و خربہ

مولانا کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تو ان پر قطعاً کوئی پریشانی طاری نہ ہوئی، بالکل یہی کیفیت مولانا یحییٰ علی کی ہوئی تھی:

... گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ   اس سلسلے میں مولانا نے مسٹر کاک برن کمشنر کے مراسلے بنام سیکریٹری حکومت بنگال مرقومہ ۳ امرمئی ۱۸۶۵ء کا حوالہ دیا ہے۔ یقیناً الٰہی بخش جیسے مخلص کارکن کا مولانا کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہو جانا بڑا ہی افسوس ناک تھا، خصوصاً اس بناء پر کہ مولانا موصوف نے مولانا یحییٰ علی کی طرح کبھی تحریک میں سرگرم حصہ نہ لیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

روزِ حکم قصاص ظلم قریں	نہ کسے دیدہ بر جبین شاں چیں
نارِ نمرود پیشِ شاں گلشن	نورِ ایماں زروئے شاں روشن
ہر دو در خوبی و سلامت فرد	کوہ صبر و در استقامت فرد
خلق از حالِ شاں بہ بوالعجبی است	نہ ملول از اجل نہ شاد از زیست
نہ بہ دل شاں زدار بیم و ہراس	نہ ز تیغ و تفنگ غم و وسواس
نہ پرستندۂ زر و جاہ اند	رنگ بردار صبغۃ اللہ اند
ساغر زندگی اگر پُر نیست	عز دانِ کس بہ جز تصور نیست
آخرالامر شد بریں انجام	کہ نوشتند حکم حبسِ دوام
دور از خانماں جدا از زن	قربتِ غربت و جلائے وطن
تا کہ جاں را بہ جسم رابطہ است	مردہ خواندن خلاف ضابطہ است
ہم چناں ماند لیک صدمۂ فوت	حبسِ دائم بود خلیفۂ موت

جائیداد کی ضبطی

مصیبت محض یہ نہ تھی کہ ان بزرگوں کو حبسِ دوام کی سزا ہوئی۔ یہ قید کی تکلیفیں صابرانہ برداشت کر سکتے تھے لیکن جائیدادوں کی ضبطی کے باعث ان کے بال بچے بے خانماں کر دیے گئے تھے، اور ان کیلئے نہ کہیں سر چھپانے کو جگہ تھی، نہ گزارے کا کوئی انتظام تھا، نہ ان میں سے کوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ معین وشریک جرم سمجھا جا سکتا تھا۔ مسٹر راون شا (RAVENSHAW) نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ عظیم آباد کے مسلمانوں نے منقولہ جائیدادوں کی بولی نہ دینے پر اتفاق کر لیا تھا، بایں ہمہ جوشِ انتقام میں لاکھوں کی جائیدادیں کوڑیوں میں دیدی گئیں۔ ۱۹۳۹ء میں یعنی نیلامی سے کم وبیش پچھتر سال بعد حاجی پور کے دیہاتی حلقے کے ممبر مسٹر بدرالحسن نے ان جائیدادوں کی کیفیت دریافت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی تھی، جواب میں کرشن بلبھ سہائے نے جو کچھ بتایا، اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

جائیداد غیر منقولہ:

		پائی	آنہ	روپیہ
۱	مولانا عبدالرحیم	۰	۰	۱۲۸۶۶
۲	مولانا یحییٰ علی	۰	۴	۲۰۶۰
۳	مولانا احمد اللہ	۰	۴	۵۸۷۷۶
	میزان	۰	۸	۷۳۷۰۲

جائیداد منقولہ:

		پائی	آنہ	روپیہ
۱	مولانا عبدالرحیم	۱۰	۷	۴۳۲
۲	مولانا یحییٰ علی	۰	۰	۲۴۵
۳	مولانا احمد اللہ	۹	۱۲	۲۵۱۷
	میزان	۱۹	۱۹	۳۳۹۴

واضح رہے کہ جائیداد منقولہ میں تینوں بزرگوں کی کتابیں، مکانوں کا فرنیچر، یکے گھوڑے، سنہری اور روپہلے زیور، پالکیاں وغیرہ نہایت بیش بہا چیزیں شامل تھیں اور یہ چیزیں بہت زیادہ قیمت کی تھیں پھر ان کے مکان مسمار کرا دیے گئے اور ان کے محلے صادق پور کا احاطہ بلدیہ عظیم آباد کو دے دیا گیا۔ اسی میں وہ جگہ بھی شامل تھی جسے '' قافلہ'' کہا جاتا تھا، اس لئے کہ وہاں مجاہدین اور جماعت کے کارکن ٹھہرا کرتے تھے۔(۱) وہاں

(۱) قافلے اور مکانات کا جو نقشہ مقدمے میں پیش ہوا تھا، اس کی نقل بطور یادگار کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بلدیہ کی عمارت قائم ہوئی۔

اہل و عیال کی بے بسی

عید کے دن اہل و عیال کو مکان سے نکال دیا گیا۔ حکیم عبدالحمید فرماتے ہیں:

چوں شبِ عید را سحر کردند	ہمہ را از مکاں بدر کردند
ضبط و تاراج جملہ مال و متاع	نقد و جنس و ہمہ اثاث وزراع
بہرِ ما بود آہ جرمِ سخت	برُون سوزنے ز جملہ رخت (۱)
من نہ تنہا کہ کہ ہمرہم تن ہا	بچگاں و زناں و شیون ہا
(میں اکیلا نہ تھا بلکہ ہمراہ بہت لوگ تھے	بچے تھے، عورتیں تھیں اور انکی آہ و فریاد تھی)
احمداللہ بود مجرمِ شاہ	طفلک بے گناہ را چہ گناہ
(احمداللہ حکومت کا مجرم سہی	لیکن بے گناہ بال بچوں کا کیا قصور تھا؟)
مایۂ عیش سازِ ماتم شد	عیدِ ما غرہ محرم شد
(ہماری زندگی کا سرمایہ ماتم کا سامان بن گیا	ہماری عید محرم کا چاند بن گئی)
زندہ بودم و لیک مردہ صفت	ضَاقَتِ الْاَرْضُ لِیْ بِمَا رَحُبَتْ
(یقیناً میں زندہ تھا لیکن حالت مردوں کی سی تھی	میرے لئے زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تنگ ہوگئی

حکیم صاحب طبابت کرتے تھے اور انہوں نے مستقل دواخانہ قائم کر رکھا تھا، وہ بھی پورے کا پورا مع ادویہ ضبطی میں آ گیا۔ گویا معمولی روزی کا سامان بھی ختم ہو گیا۔

دلم از زخمِ زخمِ غم قاش	عاجز از اکتساب و وجہِ معاش
(میرا دل زخموں سے ٹکڑے ٹکڑے تھا	میں اپنی روزی پیدا کرنے سے محروم ہو گیا تھا)
بستہ از چار سو درِ تدبیر	دست بشکستہ پائے در زنجیر

(۱) ذرا تصور کیجئے کہ عید کے دن انھیں نکالا گیا اور کسی کو سوئی تک اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(چاروں طرف سے تدبیر کے دروازے بند تھے ہاتھ ٹوٹے ہوئے اور پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے)

فرماتے ہیں کہ جو سامان ضبط ہوا اس میں نادر چیزیں اور پارچہ جات تھے۔ سب سے بڑھ کر رنج کتابوں کا تھا:

کتبِ ملتِ مسلماناں رفت در دستِ حرف ناخواناں
(مسلمانوں کی مذہبی کتابیں ناخواندہ لوگوں کے ہاتھ پڑ گئیں)

داند ایں ہر کہ باتمیز بود مالِ یغما کرا عزیز بود
(صاحب تمیز جانتا ہے کہ لوٹ کا مال کن لوگوں کو عزیز ہوتا ہے)

راست گوئندہ ایں مثل گفت است دل بے رحم و دولتِ مفت است
(سچ کہنے والے نے یہ مثل کہی ہے مال مفت دل بے رحم)

اشتر و فیل و گاؤ استر و اسپ باغ ہا و منازل دلچسپ
(اونٹ ہاتھی گائیں، خچر، گھوڑے باغ اور عمدہ مکان)

آں بناہائے شامخ و محکم کہ بہ گیتی بود عدیلش کم
(وہ بلند و مضبوط عمارتیں جن کی مثال زمانے میں کم ملے گی)

اندر آں خانہ طالباں چو نجوم روز و شب مشتغل بہ درسِ علوم
(ان عمارتوں میں طالب علم ستاروں کی طرح رات دن علم پڑھنے میں مشغول رہتے تھے)

جملہ دیوار و سقف و خانہ و در بیل زن کردہ منہدم یکسر
(تمام دیواریں، چھتیں، مکان اور دروازے بیلچے والوں نے یک قلم ڈھا دیے)

آں عمارت نہ گرد تر بشکست کہ مرا شیشہ در جگر بشکست
(وہ عمارت ریزہ ریزہ نہ ہوئی، کہنا چاہئے کہ میرے جگر میں شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا)

خانہ را آں جماعت سفاک پاک رفتند چوں خس و خاشاک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

(ظالموں نے گھر کو اس طرح صاف کر دیا گویا اس میں جو کچھ تھا وہ خس و خاشاک تھا)

آخر میں اپنے آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں، خدا کی بارگاہ میں دعاء کی ہے کہ تو زمانے کا کارساز اور مالک ہے۔ تو نے حضرت ایوب کو مصیبتوں سے رہا کیا، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کو ملا دیا:

از تو روز و شب ایں دعاء دارد — نہ جز ایں ہیچ مدعا دارد
(میں بھی رات دن تجھ سے دعاء کرتا ہوں — اس کے سوا کوئی آرزو نہیں)

رنج را مایۂ نجاتم کن — گنج تکفیر سیّاتم کن
جو رنج میں نے اٹھائے ہیں انہیں میری نجات کا — ذریعہ بنا اور میری برائیوں کے کفارہ کا خزانہ بنا دے

مجتمع ساز و خانہ آبادم — کن ز دیدار عمّ و اب شادم
(ہم کو اکٹھا کر دے گھر کو آباد کر — اور مجھے والد اور چچا کے دیدار سے شاد کر)

کچھ معلوم نہیں کہ مولانا احمد اللہ عظیم آباد سے کب انڈمان گئے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم، میاں عبدالغفار اور مولوی محمد جعفر سے بہت پہلے ۱۵ رجون ۱۸۶۵ء کو وہاں پہنچ گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

مالدہ اور راج محل کے مقدمے

مرکز عظیم آباد

بلاشبہ مجاہدین کو مدد پہنچانے والوں کے خلاف سخت دارو گیر شروع ہوگئی تھی، انبالہ اور عظیم آباد کے مقدموں میں ملزموں کو حد درجہ ہول انگیز سزائیں دینے کا مقصد یہی تھا کہ تمام کارکنوں پر ہراس طاری ہوجائے اور وہ امدادی کام چھوڑ دیں، لیکن معاملہ مصلحت کا نہ تھا، یہ تھا کہ جو کام دین میں اصولی و بنیادی لحاظ سے ضروری ہے اسے بہرحال انجام پانا چاہیے، خواہ کتنی ہی مشکلات پیش آجائیں۔ اس وقت مسلمانوں میں ایسے غیور و جسور افراد بہت کم رہ گئے تھے جو حکومت کی دارو گیر سے بے پرواہ ہوکر یہ فرض انجام دیتے رہے، تاہم ہر مرکز کو سنبھالنے کیلئے مردانِ کار سامنے آتے رہے۔ مثلاً مولانا احمد اللہ کی گرفتاری اور سزایابی کے بعد مرکز کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا، اس کام کا بیڑا مولانا مبارک علی نے اٹھالیا۔ اس بزرگ کا وطن حاجی پور (ضلع مظفر پور، بہار) تھا اور وہ غالباً مولانا ولایت علی یا مولانا فرحت حسین سے بیعت ہوئے تھے۔ بیعت کے ساتھ ہی اپنا وطن مالوف چھوڑ کر تنظیم میں امداد کے لئے عظیم آباد ٹھہر گئے۔ مولانا مسعود عالم فرماتے ہیں:

> ''عجیب قیامت کا سماں تھا۔ ان حالات میں مولوی مبارک علی صاحب نے جان جوکھم میں ڈال کر تنظیم جماعت کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ایک عرصے تک اپنا فرض حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ مقدمات

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سازش کی پیروی میں انہوں نے مولوی محمد حسن صاحب ذبیح کا ہاتھ بٹایا۔(۱)
بالکل یہی کیفیت دوسرے مرکزوں کی تھی۔

ہنٹر کا بیان

اس امر کی تصدیق ہنٹر کے بیان سے ہوتی ہے وہ لکھتا ہے:

''۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک روپے کی فراہمی اور مجاہدین کی بھرتی بدستور جاری رہی اور سازش سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت کو ایک خاص محکمہ قائم کرنا پڑا۔ یہ سطریں سپرد قلم کرنے کے وقت ''وہابیوں'' کی دیکھ بھال کرنے اور انہیں جائز حدود کے اندر رکھنے پر صرف ایک صوبے میں جو کچھ خرچ ہو رہا ہے وہ اتنا ہے کہ ایک ایسے برطانوی ضلع کے دیوانی اور فوجداری انتظامی مصارف کے لئے کفایت کرے جس کی آبادی پورے اسکاٹ لینڈ سے ایک تہائی ہو۔ فتنہ اس درجہ پھیل چکا تھا کہ پتہ چلانا مشکل تھا، انسداد کا کام کہاں سے شروع کیا جائے ہر ضلع کا مرکز (تنظیم مجاہدین کا مرکز) ہزاروں کنبوں میں بے چینی اور بدامنی پھیلاتا ہے۔ ناظم مرکز کے خلاف امکانی شہادت انہیں لوگوں سے مل سکتی ہے جو اسکے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، انکی کیفیت یہ ہے کہ اپنے مرشد کا راز فاش کرنے کے بجائے مر جانے کو ترجیح دیں گے۔(۲)

مرکز مالدہ

مرکز مالدہ کی بنیاد ہنٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ پڑی تھی۔ اس بیان کا مفاد یہ ہے کہ مولانا ولایت علی کے ایک خلیفہ عبدالرحمٰن لکھنوی ضلع مالدہ میں

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک طبع دوم ص ۱۰۸،۱۰۷۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مولوی محمد حسن ذبیح مولانا ولایت علی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

(۲) ہندوستانی مسلمان انگریزی ص ۹۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تشریف لائے۔ انہیں حالات سازگار معلوم ہوئے تو اسی ضلع کے ایک گاؤں میں مدت تک ٹھہرے رہے۔ ایک مقامی خاتون سے شادی کرلی اور مدرس کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ گاؤں میں چھوٹے چھوٹے زمیندار رہتے تھے، ان کے بچے مولوی عبدالرحمٰن کے پاس تعلیم پانے لگے۔ بہ الفاظِ ہنٹر مولوی صاحب بڑے پُرجوش اور پُرتاثیر انداز میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے اور ان سے باقاعدہ اعانتی رقمیں وصول کرتے۔ سال بہ سال جمع شدہ رقمیں اور فراہم شدہ آدمی اس غرض سے عظیم آباد بھیج دیتے کہ انہیں سرحد میں پہنچانے کا انتظام کردیا جائے۔(۱)

مولوی امیر الدین

مولوی عبدالرحمٰن کے ماتحت رقمیں فراہم کرنے والوں میں ایک صاحب رفیق منڈل تھے جن کے متعلق ہنٹر نے لکھا ہے کہ انہیں فراہم شدہ رقم کا ایک چوتھائی حصہ حق تحصیل کے طور پر ملتا تھا۔ رفیق منڈل نے مدت تک کام بے خلل جاری رکھا، ۱۸۵۳ء میں ان کے متعلق شبہات پیدا ہوئے، تلاشی لی گئی تو ایسے خطوط برآمد ہوئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ مرکز مجاہدین سے اس کا تعلق ہے، چنانچہ اس کی گرفتاری عمل میں آئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رہائی پائی اور جماعتی کاروبار اپنے فرزند مولوی امیر الدین کے حوالے کردیا۔(۲)

مولوی امیر الدین نے انتہائی سرگرمی سے کام جاری رکھا، اور مجاہدین کے لئے آدمی فراہم کرتے رہے۔ صرف ان کی گرفتاری پر یہ کام رُکا۔ ہنٹر کا بیان ہے کہ مولوی صاحب

(۱) ہندوستانی مسلمان انگریزی ص: ۱۰۲

(۲) ہندوستانی مسلمان ''انگریزی ص: ۱۰۲۔ مولانا مسعود عالم نے خدا جانے کس بنا پر لکھ دیا کہ ہنٹر نے مولوی امیر الدین کو عبدالرحمٰن کا فرزند بتایا ہے، حالانکہ اس نے مولوی صاحب کو رفیق منڈل ہی کا فرزند بتایا ہے۔ ''منڈل'' بنگال و بہار میں غالباً وہی معنی رکھتا ہے جو دکن اور وسط ہند میں ''پٹیل'' کے اور دوسرے یہاں ''نمبردار'' کے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا حلقۂ کار پورے ضلع مالدہ کے علاوہ متصلہ اضلاع میں سے مرشد آباد اور راج شاہی کے بعض حصوں پر بھی مشتمل تھا۔ دریائے گنگا کے دونوں کناروں اور اس کے جزیروں میں بسنے والے مسلمان مولوی امیر الدین کو بہت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ مولوی صاحب نے کل کتنے آدمی فراہم کیے، لیکن مجاہدین کی ایک چوکی کے چار سو تیس آدمیوں میں سے کم و بیش دس فیصد موصوف ہی کے حلقے سے گئے تھے۔

فراہمیٔ زر کے طریقے

ہنٹر لکھتا ہے کہ مولوی امیر الدین چار ذریعوں سے روپیہ فراہم کرتے تھے۔

۱- زکوٰۃ کی تمام رقمیں ان کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں۔

۲- صدقات کا پورا روپیہ ان کے پاس آتا تھا۔

۳- عید الفطر کے موقع پر مسلمان بہ طور فطرانہ جو کچھ دیتے ہیں وہ بھی مولوی صاحب ہی کے پاس جمع ہوتا تھا۔

۴- ان تین ذریعوں کے علاوہ مولوی صاحب نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر گھر میں کھانا پکاتے وقت کنبے کے ہر فرد کی طرف سے ایک ایک مٹھی چاول الگ رکھے جائیں اور ہر جمعہ کو جمع شدہ جنس اس شخص کے حوالے کر دی جائے جو گاؤں سے رقمیں وصول کرنے کا ذمہ دار ہو۔(۱)

ظاہر ہے کہ اس طرح لوگوں کو روپیہ یا جنس دینے میں چنداں تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی اور تھوڑی تھوڑی رقمیں یا جنس جمع ہو کر معتد بہ امداد کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔ دیہاتی تحصیل داروں پر بڑے تحصیل دار مقرر تھے جو سال بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور پورے حلقے کا دورہ کرتے تھے۔ اس طرح وعظ و تبلیغ کا کام بھی انجام پاتا تھا اور لوگوں میں

(۱) ہندوستانی مسلمان انگریزی ص: ۷۲-۷۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خدمت دین کا جذبہ بھی تازہ رہتا تھا۔ ہنٹر نے لکھا ہے کہ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور مولانا فیاض علی بھی مولوی امیر الدین کے پاس قیام کر چکے تھے اور مولوی صاحب کا اصل وطن نارائن پور تھا۔(۱)

راون شا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رفیق منڈل کے تین صاحبزادے تھے ایک مولوی امیر الدین، دوسرے مولوی شکور محمد جو مجاہدین میں شامل ہو گئے تھے، تیسرے صاحب زادے کا پورا حال معلوم نہ ہوا، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس نے مضافات میں تبلیغ و تحصیل کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ (۲)

مقدمہ مالدہ

مولوی امیر الدین اور ان کے رفیقوں کا راز مولانا احمد اللہ کے مقدمے میں فاش ہو چکا تھا لیکن خاصی دیر تک ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ یہ زمانہ غالباً تحقیق و تفتیش میں بسر ہوا۔ افسوس کہ اس مقدمے کی روداد نہ مل سکی۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ مولوی امیر الدین پٹنہ میں گرفتار ہوئے، ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ دائر کیا گیا، جس میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور اور ضبطی املاک کی سزا ملی۔ مارچ ۱۸۷۲ء میں وہ انڈمان پہنچے مزید حالات دوسرے بزرگوں کی سرگزشتِ اسیری کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔

مقدمہ راج محل

مقدمۂ مالدہ کے فوراً بعد ابراہیم منڈل ساکن اسلام پور (نواح راج محل) (۳) کے خلاف مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ یہ بزرگ بڑے غیور، دین دار تھے۔ بزرگان عظیم آباد

(۱) ہندوستانی مسلمان انگریزی ص۷۴، ۷۵

(۲) ہندوستان کی پہلی سیاسی تحریک ج دوم ص ۱۵۴

(۳) راج محل پہلے ضلع مالدہ میں تھا پھر مرشد آباد میں ضم ہو گیا، آج کل سنتھال پرگنہ میں شامل ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے ان کا تعلق تھا۔ راج محل کے پورے علاقے میں ان کے تقوے، دین داری اور جوشِ حمیتِ اسلام کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یقین ہے کہ یہ جماعت مجاہدین کا کام بڑی سرگرمی سے کرتے ہوں گے لیکن نہ اسکی تفصیلات معلوم ہیں نہ مقدمے کی روئداد ہمارے سامنے آئی، صرف اتنا معلوم ہے کہ ابراہیم منڈل کو اکتوبر ۱۸۷۰ء میں حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور اور ضبطیٔ املاک کی سزا ہوئی تھی۔ البتہ انہیں انڈمان نہ بھیجا گیا۔ کچھ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس کی وجہ کیا ہوئی۔ مولانا مسعود عالم کے بیان کے مطابق رسالہ اشاعت السنۃ میں مرقوم ہے کہ ابراہیم منڈل کو لارڈ لٹن کے حکم سے ۱۸۷۸ء میں رہا کردیا گیا تھا ان کا انتقال موجودہ صدی کے اوائل میں ہوا۔ ان کا پوتا زندہ ہے اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھوں نے ابراہیم منڈل کو دیکھا تھا۔ اسلام پور اور اس کا نواحی علاقہ آج بھی دین داری اور اخلاقی برتری کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ حکومت کی طرف سے مسٹر او کنلے نے مقدمۂ مالدہ اور مقدمۂ راج محل کی پیروی کی تھی۔ (۱)

---

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۵۴-۱۵۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

عظیم آباد کا دوسرا مقدمہ (۱)

آخری بڑا مقدمہ

مجاہدین کے خلاف آخری بڑا مقدمہ ۱۸۷۱ء میں بمقام عظیم آباد دائر ہوا۔ اس میں سات ملزم تھے: پیر محمد، امیر خاں، حشمت داد خاں (۱)، مولوی مبارک علی، مولوی تبارک علی (ابن مولوی مبارک علی)، حاجی دین محمد اور امین الدین۔ ان میں سے مولوی مبارک علی کے کچھ حالات پہلے بیان کیے جا چکے ہیں، مولوی تبارک علی کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ مولانا عبداللہ کے ساتھ جنگ امبیلہ میں شریک رہے اور ایک دستے کی کمان اُن کے ہاتھ میں تھی۔ پیر محمد، دین محمد اور امین الدین کے خلاف مجاہدین کی اعانت کا الزام تھا۔ امیر خاں اور حشمت داد خاں کے حالات آگے بیان ہوں گے۔

اس مقدمے کی ابتدائی سماعت مسٹر باربور (BARBOUR) منصرم جوائنٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں یکم مارچ ۱۸۷۱ء کو شروع ہوئی۔ ۲۷ مارچ کو ملزموں پر فرد جرم عائد کر کے انہیں سیشن سپرد کیا گیا۔ یکم مئی سے مقدمہ کی سماعت مسٹر پرنسپ (PRINCIP) جج نے شروع کی۔ حکومت کی طرف سے ایک سو چھتیس گواہ تھے، لیکن ایک سو تیرہ پیش ہوئے اور چھالیس آدمیوں نے ملزموں کی طرف سے شہادتیں دیں۔ بیچ میں کچھ دیر کے لیے سماعت ملتوی بھی ہوتی رہی غالباً ۱۸۷۱ء میں مقدمے کا فیصلہ ہوا۔

(۱) انہیں عام لوگ حشم داد خاں لکھتے ہیں، صحیح نام حشمت داد خاں ہے۔ ان کے مفصل حالات آئندہ باب میں بیان ہوں گے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حشمت داد خاں اور امیر خاں

حشمت داد خاں اور امیر خاں دونوں خانانِ میوات میں سے تھے۔ حشمت داد خاں بن نجف خاں قصبہ اندور تحصیل تجارہ ریاست الور کا تھا اور بابر کے مشہور حریف حسن خاں میواتی کے اخلاف میں سے راجا جلال خاں کی نسل میں سے تھا۔ ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۵ء) میں اس نے حبیب اللہ خاں خانزادہ ساکن محلّہ سلطان گنج عظیم آباد کی شرکت میں چمڑے کی تجارت شروع کی۔ یہ لوگ مال خرید خرید کر جہان خاں خانزادہ مقیم کلکتہ کے پاس آڑھت پر بھیجتے تھے۔ حشمت داد خاں نے اس زمانے میں جہان خاں کے ساتھ مل کر عظیم آباد کے محلّہ عالم گنج میں ایک خوب صورت مسجد تعمیر کرائی جو اب تک حشمت داد خاں کی مسجد کہلاتی ہے۔

کلکتہ میں مرکزِ تجارت

۱۸۴۵ء میں جہان خاں کا انتقال ہوگیا اور اس کے بیٹے امام علی خاں نے ناتجربہ کاری سے آڑھت کا کاروبار تباہ کرلیا۔ حشمت داد خاں، امیر خاں اور زور آور خاں (۱) نے مل کر کلکتہ میں اپنی آڑھت قائم کرلی۔ پہلے ایک گودام کرائے پر لیکر کام چلایا بعد میں اپنا گودام بنالیا اور ایک خوب صورت سہ منزلہ کوٹھی محلّہ کولوٹولہ میں تعمیر کرائی، جس پر کثیر رقم خرچ ہوئی۔ یہ ۱۲۷۰ھ (۵۴-۱۸۵۳ء) میں تکمیل کو پہنچی۔ امیر خاں زیادہ تر وہیں رہتا تھا لیکن عظیم آباد کی سکونت بھی ترک نہ کی، کاروبار بہت ترقی کرگیا اور یہ لوگ نامی گرامی سوداگر بن گئے۔

۱۲۷۶ھ (۶۰-۱۸۵۹ء) میں حشمت داد خاں نے حج کیا۔ واپس آکر کاروبار کی

(۱) زور آور خاں بھی بہت بڑا تاجر تھا۔ آڑھت میں اشتراک کے علاوہ وہ امیر خاں کی عظیم آباد والی دکان کا ناظم و کارندہ بھی تھا، نیز اس نے بھاگلپور، جبل پور، گورکھپور وغیرہ میں دکانیں قائم کر رکھی تھیں۔ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۵ء) میں وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الگ شاخ بھی قائم کر لی۔ عظیم آباد کے گرد و نواح میں چمڑے کے بہت سے گودام بنا لیے اور مشترکہ آڑھت کے علاوہ کلکتہ میں اپنی جداگانہ آڑھت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں زور آور خاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حشمت داد خاں اور امیر خاں کے خلاف مقدمہ دائر ہوا جس کی تفصیلات آئندہ بیان ہوں گی۔

داستانِ ابتلاء

امیر خاں پر ابتلاء کا آغاز ۱۸۶۴ء کے مقدمہ انبالہ سے ہوا تھا، اس لئے کہ اہل عظیم آباد کی ہنڈیوں میں سے ایک ہنڈی امیر خاں کی دکان کے ذریعے سے بھی آئی تھی، چنانچہ کپتان پارسنز کلکتہ گیا تو اس نے امیر خاں کی دکان کی تلاشی بھی لی۔(۱) کہتے ہیں کہ خان موصوف کو گرفتار بھی کیا گیا تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ اس کا منشی مصاحب علی اور شریک کار زور آور خاں مقدمہ انبالہ کے گواہوں میں شامل تھے۔

امیر خاں اور حشمت داد خاں کی دین دارانہ زندگیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انہیں مجاہدین کی تحریک سے دلی ہمدردی ہو گی اور یقیناً مالی امداد میں دریغ نہ کرتے ہوں گے، لیکن عملی امداد کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ یہ واضح ہے کہ وہ بہت بڑے تاجر تھے یہاں تک کہ انہیں کروڑ پتی قرار دیا جاتا تھا۔ اس لئے انگریزوں کے علاوہ مختلف قوموں کے دیسی تاجر بھی انہیں اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے خلاف رپورٹیں ہوتی رہیں، یکا یک انہیں ۱۰ر جولائی ۱۸۶۹ء کو ہفتے کے دن ایک بجے بعد دوپہر بنگال ریگولیشن ۱۸۱۸ء کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے لئے دو پولیس افسر آئے: اول مسٹر برچ (BIRCH) ڈپٹی کمشنر پولیس کلکتہ، دوم مسٹر ریلی (REILLY) ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔ انہوں نے نہ کوئی وارنٹ دکھایا اور نہ گرفتاری

(۱) روئداد مقدمہ انبالہ ص: ۳۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا کوئی سبب بتایا۔ عجیب امر یہ ہے کہ گرفتار کرتے ہی خان صاحب کو ایسٹ انڈین ریلوے کے اسٹیشن ہاوڑہ پر لے گئے جو کلکتہ کی عدالتوں کے دائرۂ اختیار سے باہر تھا۔(۱)

حشمت داد خاں کو بھی اسی ریگولیشن کے ماتحت بتاریخ ۱۴ر جولائی میں گرفتار کیا گیا پہلے اسے کلکتہ سے عظیم آباد لے گئے پھر دیلگا جیل پہنچا دیا جو عظیم آباد سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔(۲)

امیر خاں کی پریشانی

امیر خاں کو ہاوڑہ سے گیا لے گئے جہاں ۲۶ر اگست ۱۸۶۹ء تک رکھا گیا۔ اس وقت اس کی عمر پچھتر سال تھی۔ ریل کا سفر تیسرے درجے میں کرایا گیا، جیل میں اس کے قیام کے لئے ایسا کمرہ تجویز کیا گیا جس کی چھت کھپریل کی تھی اور اسے مال گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ امیر خاں کے قیام کے وقت بھی اس کمرے کے دو تہائی حصے میں رسّے بھرے ہوئے تھے۔ پھر اسے علی پور جیل میں منتقل کر دیا گیا، وجہ گرفتاری دریافت کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اور آخر جولائی میں صرف اتنا بتایا گیا کہ گورنر جنرل با جلاس کونسل کے حکم سے گرفتاری عمل میں آئی ہے اور وارنٹ دکھانے کی اجازت نہیں۔ برچ کے جواب کا مفاد یہ تھا کہ "رانی کے حکم" سے امیر خاں کو گرفتار کیا گیا۔(۳) "رانی" سے مراد ملکہ وکٹوریہ تھی۔

---

(۱) روئیداد بڑا وہابی مقدمہ (انگریزی) ص:۳

(۲) روئیداد بڑا وہابی مقدمہ (انگریزی) ص:۱۴

(۳) یہ تمام حالات مسٹر اینسٹے (Ainstey) وکیل امیر خاں کی تقریر سے ماخوذ ہیں جو ہیبس کارپس کے سلسلے میں موصوف نے مسٹر نارمن چیف جسٹس کی عدالت میں کی۔ ملاحظہ ہو "بڑا وہابی مقدمہ" ص:۳-۴۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

عظیم آباد کا دوسرا مقدمہ (۲)

تھیس کارپس کی درخواست

مجبور ہوکر امیر خاں اور حشمت داد خاں کی طرف سے ہیبس کارپس کی درخواستیں کلکتہ کی عدالت میں دی گئیں۔ اس سلسلے میں اسیروں کی طرف سے تین ممتاز وکیل پیش ہوئے: اول مسٹر انسٹے (۱) جسے اس کام کیلئے بمبئی سے بلایا گیا تھا۔ مقدمے کی پیروی زیادہ تر اسی نے کی۔ دوم مسٹر انگرام (۲) جس کی وکالت کی آمدنی اس زمانے میں ایک لاکھ ماہانہ سے کم نہ تھی۔ سوم مسٹر ایوانز (۳) جس نے کوئی تقریر نہ کی۔ مقدمے کی سماعت یکم اگست ۱۸۷۰ء سے شروع ہوئی۔ پہلے مسٹر انسٹے نے امیر خاں اور حشمت داد خاں کے حالات گرفتاری اور اسیری پیش کیے جن کے سلسلے میں اس امر پر زور دیا کہ ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان کے بعد تمام ہندوستانیوں کو وہی حقوق آزادی حاصل ہیں جن سے

(۱) یہ شخص انیسویں صدی کے مشہور انگریز وکلاء میں سے تھا، کچھ مدت کلکتہ میں رہا، پھر بمبئی میں بڑی کامیابی حاصل کی، چند مہینے ہائی کورٹ کا جج بھی رہا۔ ۷ راگست ۱۸۷۳ء کو بمبئی میں وفات پائی۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے:
"تیز مزاجی کے باعث معاصرین سے اکثر اس کے جھگڑے رہتے تھے لیکن ہیبس کارپس کے مقدمے میں اس نے جو طویل تقریریں کیں، وہ متانت اور فقاہت سے لبریز تھیں"۔

(۲) INGEAM۔ اس نے ہیبس کارپس کے مقدمے میں جو تقریر کی وہ بڑی تیز اور چبھا دینے والی تھی، یہاں تک کہ سرکاری وکیل وہ تقریریں کر چیخ اٹھا۔

(۳) EVANS۔ یہ انگریز ۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۹ء تک گورنر جنرل کونسل کا ممبر رہا۔ البرٹ بل کے مباحث کو ختم کرنے میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریز انگلستان میں مستفید ہیں، لہٰذا ان حقوق سے تعرض سراسر غیر منصفانہ ہے۔

اس کے بعد کئی روز تک ایڈووکیٹ جنرل کی تقریر جاری رہی جس میں قابل ذکر صرف دو امور تھے، اول یہ کہ ہندوستانیوں کو مساوی درجہ حاصل نہیں۔ دوم یہ کہ ان میں مذہبی جنونی موجود ہیں جو بغاوت پھیلاتے ہیں، انہیں کو "وہابی" کہا جاتا ہے۔ پھر مسٹر انسٹے نے طویل تقریر میں سرکاری وکیل کی ایک ایک دلیل رد کی اور ثابت کر دیا کہ امیر خاں اور حشمت داد خاں کی گرفتاری سراسر غیر منصفانہ تھی۔

مسٹر انگرام کی تقریر

۱۶ راگست کی سماعت میں مسٹر انگرام نے ایک نہایت پُر تاثیر تقریر کی جس میں قانونی نظائر پیش کرنے کے علاوہ فرمایا:

> "جنابِ والا! فرض کیجئے کہ آپ برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ شمالی اٹلی میں سفر کر رہے ہیں اور آپ کو میلان کے قید خانے دیکھنے کا موقع ملا ہے، تو فرض کیجئے کہ آپ وہاں ایک معزز قیدی سے دو چار ہوتے ہیں جسے دوستوں، محبوں اور قانونی مشیروں سے الگ کر دیا گیا۔ اس کا کاروبار تباہ کرا دیا گیا، اور اس کے معاملات بربادی کی آخری منزل پر پہنچ گئے۔ غور فرمایئے، جنابِ والا! آپ کی روش کیا ہوگی؟ یقیناً آپ اس پورے معاملے کو ساری مہذب دنیا میں نشر کریں گے۔ میں جنابِ والا! حتمی اقرار کرتا ہوں کہ امیر خاں کے مقدمے اور حکومت ہند کی حماقت کو انگلستان کے چپے چپے میں نشر کروں گا جو آنکھیں لوامریو(۱) کے مصائب پر آنسو بہا چکی ہیں وہ امیر خاں

(۱) یہ اٹلی کا ایک محب وطن شاعر تھا جو آسٹریا کے خلاف آزادی کی جنگ کرتا ہوا گرفتار ہوا۔ آسٹریا والوں نے اسے قید میں سخت تکلیفیں دیں۔ گلیڈسٹون کو سیاحت اٹلی کے دوران میں اس کے حالات معلوم ہوئے جنہیں اس نے خوب نشر کیا، یوں گلیڈسٹون ہی کی کوششوں سے اسے رہائی ملی۔ انگرام نے شمال اٹلی ..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے مصائب پر بھی روئیں گی۔ اوا یر یو کبھی بمبا کے تاریک تہ خانوں سے باہر نہیں نکلتا اگر مسٹر گلیڈسٹون کی انسانیت پرور کوششیں بروئے کار نہ آتیں۔

جناب والا! انگریز قوم سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ امیر خاں کے مقدمے کے متعلق اپنا فتویٰ صادر کرے، کیا اس باب میں کوئی شبہ ہے کہ وہ فتویٰ کیا ہوگا؟ یہ انہیں حروف اور انہیں آتشیں الفاظ میں لکھا جائے گا، جنہوں نے آشور کی بادشاہ کی روح پر پژمردگی طاری کردی تھی۔ فتویٰ یہ ہوگا: ولیم گرے اور لارڈ میو! (۱) تم نے برطانوی رعایا پر ظلم کیا، تم نے انگریزی قانون کی حرمت زائل کی "تم ترازو میں تولے گئے اور پورے نہ اترے"۔

فیصلہ اور دوسری درخواست

جیسا کہ یقین تھا مسٹر جسٹس نارمن نے ۱۹؍ اگست ۱۸۷۰ء کو ہیبس کارپس کی دونوں درخواستیں نامنظور کردیں، گویا فیصلہ امیر خاں اور حشمت داد خاں کے خلاف ہوا۔ اسی دن مسٹر انسٹے نے دونوں کیلئے ضمانت کی درخواستیں دے دیں۔ ۸؍ ستمبر کو ان درخواستوں کی سماعت ہوئی، فیصلہ پھر خلاف صادر ہوا لیکن اس سے پیشتر مسٹر انسٹے عدالت کو اطلاع دے چکا تھا کہ اس نے امیر خاں اور حشمت داد خاں کی طرف سے سر ولیم گرے اور لارڈ میو کے خلاف برطانیہ میں دو مقدمے دائر کردیے ہیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان مقدموں کے سلسلے میں کیا کارروائی ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ پہلے حکومت ہند ان دونوں بزرگوں کو کسی قانونی کارروائی کے بغیر ہی نظر بند رکھنا چاہتی تھی۔ جب دیکھا کہ اس میں کامیابی کی امید نہیں تو عظیم آباد کے دوسرے مقدمے میں انہیں الجھا لیا گیا۔

...... گذشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ اور میاں ان کے جیل تہ خانوں کا ذکر اسی لئے کیا تھا کہ وہ گلیڈسٹون کے ذریعے معلومات اور اسیری کی رہائی کے لیے سرگرم کوششوں کا ذکر منظر عام پر لانا چاہتا تھا۔ وہ خود امیر خاں اور حشمت داد خاں کے متعلق انہیں سرگرمیوں کا عزم کیے بیٹھا تھا جو گلیڈسٹون نے اوا یر یو کی رہائی کے لئے اختیار کی تھیں۔

(۱) ولیم گرے بنگال کا لفٹنٹ گورنر تھا اور لارڈ میو گورنر جنرل۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آخری فیصلہ

اس مقدمے میں بھی انیسٹے اور انگرام امیر خاں اور حشمت داد خاں کی طرف سے پیروی کرتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر انیسٹے کو بمبئی جانا پڑا تو اخبار ''انگلشمین'' میں یہ لکھ دیا گیا کہ انیسٹے فیس کی کمی کے باعث بددل ہو کر چلے گئے۔ موصوف نے اس جھوٹی خبر کی تردید کرتے ہوئے مقدمے کو سراسر شرمناک بتایا۔(۱)

مسٹر پرنسپ سیشن جج کو سماعت کے دوران میں بے ضابطگیوں کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے بعض بے ضابطگیوں کی تصریح بھی کی۔ حشمت داد خاں اور پیر محمد کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو سکی، لہٰذا ۴ رجولائی ۱۸۷۱ء کو انہیں اسلئے رہا کر دیا گیا کہ بادی النظر میں دو بے قصور ہیں۔ باقی پانچ ملزموں کو معمول کے مطابق حبس دوام بہ عبور دریائے شور اور ضبطیٔ جائیداد کی سزا دی گئی۔ حالاں کہ ان کا کوئی خاص جرم نہ تھا، خصوصاً امیر خاں کو اس سزا سے دو سال پیشتر بے وجہ ہدف آزار بنایا گیا تھا۔

امیر خاں اور مبارک خاں

اس کے بعد امیر خاں کے وارثوں نے اس کی رہائی کے لئے بڑی کوششیں کیں۔ ان کا کاروبار گرفتاری کے زمانے میں تباہ ہو چکا تھا، جائیداد فیصلہ سزا کے بعد ضبط کر لی گئی تھی، پھر اس کبیر السن بزرگ کو قید میں رکھنے کی کون سی وجہ ہو سکتی تھی؟ افسوس کہ لارڈ میو کی حکومت کسی درخواست سے متاثر نہ ہوئی۔ صرف اتنا ہوا کہ امیر خاں کو انڈمان نہ بھیجا گیا۔ مولوی مبارک علی بھی انڈمان نہ بھیجے گئے اور وہ بیچارے ہندوستان ہی میں بحالت اسیری جاں بحق ہوئے۔ امیر خاں کے متعلق ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) ان کے اصل الفاظ یہ تھے

THE SHAMEFUL CASE MISCALLED WAHABI ENQUIRY

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۸۷۸ء میں انہیں رہا کر دیا گیا۔(۱) ایک بیان میں ان کی رہائی کی تاریخ ۱۸۷۹ء بتائی گئی ہے جو غلط ہے۔(۲)

امیر خاں کی وفات

گرفتاری کے وقت امیر خاں کی عمر پچھتر سال بتائی گئی تھی۔ رہائی کے وقت وہ کم و بیش پچاسی سال کے سن کو پہنچ چکا ہوگا۔ دس سال اس نے سخت تکلیفوں میں بسر کیے، لہذا صحت بہت بگڑ چکی ہوگی، تاہم صاحب عزیمت مسلمان کی طرح رہا ہوتے ہی اس نے اپنا کاروبار از سر نو شروع کر دیا، لیکن زمانے کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں۔ کاروبار شروع کیے چند ہی روز ہوئے تھے، اس نے مسجد کے نزدیک ایک مکان کرایے پر لے لیا تھا، مغرب کے قریب ادائے نماز کیلئے اپنے مکان سے آہستہ آہستہ مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ ایک گھوڑا گاڑی تیزی سے آئی اور اس سے ٹکرائی، صدمے سے یہ بیچارا گر پڑا، ناک سے خون جاری ہو گیا۔ بحالت غشی اٹھا کر مکان پر پہنچایا گیا، نیم ساعت بعد اسی حالت میں وفات پائی۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ (۸ نومبر ۱۸۷۸ء) تاریخ تھی اور ہفتے کا دن۔ کلکتہ میں میت کو غسل دیکر بذریعہ ریل عظیم آباد لے گئے اور وہاں ایک باغ میں دفن کیا۔

تاریخ وفات

مولوی واحد علی صاحب نے طویل تاریخ وفات لکھی جس میں حادثے کی تفصیلات بھی بیان کر دیں۔ اسے بطور یادگار ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

دانی بہ کلکتہ چساں پیش آمد امر ناگزیر ۔۔۔ گردید از آں در شہر بالا ندو گہیں پیر و جواں

(۱) رسالہ "اشاعت السنہ" جلد نمبر ۲ بحوالہ "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" ص: ۱۹۷۔

(۲) "جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی" بمبئی جلد ۱۴ ص ۵۰۷، بحوالہ "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" ص ۱۹۷۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ذی قعدہ را چوں شنبہ شد ہم سیزدہ تاریخ او　　ایں واقعہ، ایں حادثہ گردید واقع ناگہاں

یعنی امیر نامور، می دانی نام نامیش　　گر ضم کنی لفظ امیر اے مہرباں بالفظ خاں

بعد از رہائی خانہ بگزشت نزد مسجدے　　بہر نماز از آں مکاں ہنگام مغرب شد رواں

طے راہ مسجد می نمود آہستہ آں عالی منش　　در شاہرہ از اتفاق آمد یکے گردوں دواں

ضربے چو بر سر زاں رسید افتاد بر روئے زمیں　　بر پا شد از ہر چار سو ہنگامۂ شور و فغاں

خویش و ملازم زیں صدا ہر سو شتاباں آمدند　　دیدند حالش ایں چنیں بردند باز اندر مکاں

تا نیم ساعت در غشی ماندند بے ہوش و حواس　　ہم دیدہ ای شد ذم بدم خون است از بینی رواں

تا گر رسید آں وقت کو، انسان مجبور است از و　　ناچار رخت عمر شاں بر بستہ شد سوئے جناں

کس گفت از واحد بگو تاریخ سال عیسوی　　تا یاد ماند بعد ازیں تاریخ سال فوت شاں

واحد بگفتا: روح او رفتہ سوئے خلد بریں　　زاں بعد شد از جان و دل مصروف در تجہیز آں

۱۸۷۸ء

دادند چوں غسل و کفن بردند در مسجد ش　　خواندہ نماز میتش خلق خدائے دو جہاں

خویش و عزیزاں ہم چناں در پٹنہ بیروں خاستہ　　تا آنکہ آخر نعش شاں بر ریل گردیدہ رواں

واحسرتا چوں ریل بر اسٹیشن پٹنہ رسید　　بہر گرفتن آمدند آں نعش ہر پیر و جواں

ہمراہ نعش آنجا شدہ مجمع ز خویش و اقربا　　زاں جا نہادہ بر پلنگ آوردہ اندر بوستاں

کردند ادا بار دگر ایں جا نماز نعش را　　بس دفن اندر بوستاں کردند با آہ و فغاں

تاریخ ہجری واحد از کرد بیاں پرسید و گفت　　آیا د رضواں و جناں جنت مقامش شد بداں

۱۲ ھ ۹۵

حشمت داد خاں کی وفات

حشمت داد خاں نے بھی رہائی کے بعد اپنا کاروبار از سر نو درست کر لیا۔ اس نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر خاں سے کچھ مدت پیشتر ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ (۸ رمئی ۱۸۷۷ء) کو سفر آخرت اختیار کیا۔ تاریخ وفات یہ ہے:

شکر آں منعمے کہ او بہ عباد | نور ایماں بہ خان حشمت داد
پس ازاں وقت آخری چو رسید | بے ہمہ شد و جان شیریں داد
یک ہزار و دو صد نود و چار | سال تاریخ آں بہشت آباد

۱۲۹۴ھ

اس کے صاحبزادے عبداللہ خاں نے ۲ رشوال ۱۲۹۵ھ (۲۹ رستمبر ۱۸۷۸ء) کو وفات پائی۔ اس کی وفات کا مادۂ تاریخ ''یغفرہ'' ہے۔(۱)

دوسرے مقدمۂ عظیم آباد کے باقی اسیروں میں سے صرف مولوی تبارک علی کے حالات معلوم ہیں جو سرگزشت انڈمان کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔

نارمن پر حملہ

آخر میں اتنا اور بتا دینا چاہیے کہ لٹیس کارپس اور دوسرے مقدمات میں جس چیف جسٹس جان نارمن نے خلاف فیصلے صادر کیے تھے اس پر ایک صاحب عبداللہ پنجابی نے احاطۂ عدالت میں قاتلانہ حملہ کیا اور ۲۱ رستمبر ۱۸۷۱ء کو نارمن صاحب نے وفات پائی۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ عبداللہ دماغی خرابی کے عارضے میں مبتلا تھا۔ ہنٹر نے اپنی کتاب کے (ص ۱۹۸) پر اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔

(۱) حشمت داد خاں اور امیر خاں کے یہ حالات ''مرقع میوات'' مصنفہ شرف الدین خاں ساکن ساتخداد اڈی ضلع گوڑگاؤں سے ماخوذ ہیں۔ یہ مجھے پروفیسر محمد سلیم صاحب دو خانہ حمید یہ نواب شاہ سے ملے، جن کے لئے موصوف دلی شکریے کے مستحق ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

سرگزشت انڈمان (۱)

تمہید

راہِ حق کے ان مجاہدوں کو گرفتاری، تفتیش اور مقدمے کے دوران میں جن خوفناک مصائب سے سابقہ پڑا، ان کی سرسری کیفیت گذشتہ ابواب میں پیش کی جا چکی ہے، بلکہ وہ حالات بھی بتائے جا چکے ہیں جو سزا کے بعد انڈمان پہنچنے تک پیش آئے، تاہم ان کی مصیبتیں یہیں تک ختم نہ ہوئیں۔ انڈمان میں قید کی مدت بھی بیشتر پریشانیوں ہی میں گذری، اگرچہ ان میں سے بعض افراد نے افتاد کو ناگزیر اور من اللہ سمجھتے ہوئے ہجوم مشکلات کے باوجود زندگی باطمینان گذارنے کے سامان پیدا کر لیے۔ یہ دورِ ابتلاء پہلے دور کا ضمیمہ ہے، لہٰذا اس کے حالات بھی جس قدر معلوم ہو سکے، عرض کر دینے چاہئیں تاکہ حق و آزادی کی خاطر قربانیوں کی یہ خونچکاں داستان تا بہ حدِ امکان مکمل ہو جائے۔

جزائرِ انڈمان

انڈمان بحرِ ہند میں چھوٹے بڑے ایک ہزار جزیروں کا مجموعہ ہے، جو کلکتہ سے سات سو اسی میل جنوب میں، رنگون سے تین سو ساٹھ میل جنوب مغرب میں، مدراس سے سات سو چالیس میل جنوب مشرق میں اور سیلون سے اتنی ہی دور مشرق میں واقع ہیں۔ ان جزیروں کی عام تقسیم یہ ہے: انڈمان کلاں اور انڈمان خورد، انڈمان کلاں پانچ بڑے جزیروں پر مشتمل ہے: شمالی انڈمان، وسطی انڈمان، جنوبی انڈمان، بارا تانگ اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رٹ لینڈ۔ اردگرد کے چھوٹے جزیروں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ انڈمان خورد ان کے جنوب میں ہے۔ مزید جنوب میں جزائر نکوبار شروع ہو جاتے ہیں۔ انڈمان کلاں کے مختلف جزیرے سرسری نظر میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے معلوم ہوں گے، لیکن اصل میں ان سب کو تنگ آبنائیں ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔

ان جزیروں سے متعلق ابتدا میں خوفناک افسانے مشہور تھے۔ ستمبر ۱۷۸۹ء میں پہلے پہل انگریزوں نے ان میں اسیروں کی نوآبادیاں قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ لفٹنٹ بلیئر وہاں کچھ قیدی لیکر گیا، جس کے نام پر جزیرے کا دارالحکومت پورٹ بلیئر موسوم ہو، لیکن ۱۷۹۶ء میں خرابیٔ آب و ہوا کے باعث یہ آبادی ترک کر دی گئی۔

۱۸۵۷ء میں یہاں اسیروں کی جو نوآبادی قائم ہوئی وہ بھی پورٹ بلیئر ہی کے آس پاس تھی، جس کا موقع اور محل خوب سمجھ لینا چاہیے۔ جنوبی انڈمان کی مشرقی سمت میں ایک کھاڑی دور تک اندر چلی گئی ہے اور اس نے زمین کی ایک سات میل لمبی تنگ نالے بنا دی ہے۔ یہی پورٹ بلیئر ہے۔ اس کھاڑی کے دہانے پر ایک جزیرہ ہے جس کا نام روس آئی لینڈ ہے۔ اندر جا کر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جزیرہ چیتھم اور جزیرہ وائپر (افعی) واقع ہیں۔ کھاڑی کے دونوں بازوؤں پر نوآبادی کے مشہور مقامات ہیں مثلاً جنوبی بازو پر اپیرڈین، فونکس بے، ہدو، ننوکی بے وغیرہ۔ شمالی بازو پر ہوپ ٹاؤن۔ یہ مقامات ہم نے اس لئے بتا دیے کہ آئندہ جا بجا ان کا ذکر آئے گا۔

آبادی کا دوسرا دور

۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ عظیم میں جن لوگوں کو طویل قید کی سزائیں ملیں، وہ اصلاً سیاسی قیدی تھے، کیونکہ انھوں نے ملک کی آزادی کیلئے جہاد کیا تھا، یا کہہ لیجئے کہ ان پر الزام یہ تھا۔ حکومت مناسب نہ سمجھتی تھی کہ انھیں عام جیل خانوں میں رکھے۔ ڈر یہ تھا کہ مبادا ان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے خیالات سے دوسرے قیدی متاثر ہوں، لہٰذا فیصلہ ہوا کہ جزائر انڈمان کو از سر نو آباد کیا جائے اور ۱۸۵۷ء کے قیدی وہاں بھیج دیے جائیں۔ اس حقیقت کو خوب پیش نظر رکھیے کہ انڈمان کی آب و ہوا اور زمین نو آبادی کے قیام کیلئے حد درجہ ناساز گار تھی اور اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ تاہم حکومت نے ۱۸۵۷ء کے قیدیوں کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ تھا کہ حکومت ان کے متعلق انتقامی روش پر کار بند تھی۔ اگرچہ وہ قیدی تھے اور دوران قید میں ان کی صحت اور جان کی حفاظت حکومت کے فرائض میں داخل تھی، تاہم وہ اس فرض سے بالکل بے پرواہ ہو کر انھیں ایسی جگہ بھیجنے میں متامل نہ ہوئی جس کا ماحول، جس کی آب و ہوا اور فضا حد درجہ مضر صحت بلکہ تباہ کن تھی۔

اس سلسلے میں ملک کی بعض نہایت عظیم الشان شخصیتیں انڈمان پہنچیں، جن میں سے اکثر کو دوبارہ وطن عزیز کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی یا نواب ممو خان جو واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل والدۂ برجیس قدر کے نائب تھے اور اودھ میں انگریزوں کے خلاف مسلسل لڑائیاں کر چکے تھے۔ وہ ۱۸۶۲ء تک انڈمان میں رہے۔ پھر سراوک کے انگریز فرمانروا کی طلب پر انھیں بعض دوسرے اسیروں کے ہمراہ وہاں بھیج دیا گیا۔ وہیں انھوں نے وفات پائی۔ بعض ممتاز اسیروں کے نام آئندہ ضمناً آ جائیں گے۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے آدمی وہاں بھیجے گئے۔ مولوی محمد جعفر فرماتے ہیں کہ ۱۸۶۱ء میں ''غدر'' کے تقریباً ایک ہزار قیدی رہا کر دیے گئے تھے، جن کے خلاف قتل کا کوئی الزام عائد نہ تھا، یا جو سرغنہ نہ سمجھے جاتے تھے۔

قید میں امتیاز

اس سلسلے کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں نے قیدیوں میں امتیاز برابر باقی رکھا، یعنی عام اہل ملک سے نہایت غیر ہمدردانہ برتاؤ ہوتا تھا، لیکن گوروں یا دیسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عیسائیوں کو بہت اچھی حالت میں رکھا جاتا تھا۔ مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں:

غدر ۱۸۵۷ء کی بدولت بیسیوں راجے اور نواب اور زمیندار، مولوی مفتی، قاضی، ڈپٹی کلکٹر، منصف، صدر امین، صدر الصدور، رسالدار، صوبیدار، جمعدار، وغیرہ وہاں قید ہیں، مگر وہ معزز ہندوستانی جنٹلمین بھی جن کے آگے سیکڑوں ہزاروں نوکر تھے بوجہ سیاہ پوست اور جنم ہند کے دوسرے چوڑھے چماروں کی طرح موٹا جھوٹا کھانا پکاتے اور عام لوگوں کے ساتھ سخت مشقت کرتے۔ مگر یورپین گورے ہمہ اکثر دو غلے کالے کلوٹے بھی فقط بوجہ شرف کوٹ پتلون یا کلمہ عیسائی کے پنشن کے گوروں کے برابر کھانا کپڑا پاتے۔ ایک علیحدہ بنگلیا ان کے رہنے کو، ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کو۔ (۱)

مولوی صاحب نے ۱۸۷۹ء کا ایک عبرت انگیز واقعہ بتایا ہے: جگن ناتھ پوری کا ایک راجہ کسی سلسلے میں قید ہو کر کالے پانی پہنچا۔ چونکہ اس کا رنگ کالا تھا، اس لئے عام چماروں کے ساتھ کھانا پاتا اور مشقت کرتا۔ نازک مزاجی کے باعث مشقت نہ ہو سکتی تو بید کی سزا ملتی۔ وہ چند روز بعد تکلیفیں اٹھاتا اٹھاتا فوت ہو گیا۔ انھیں دنوں اودھ کا ایک کرنٹا جس کا نام لیـــــمر تھا وہاں پہنچا تو اسے گوروں کے ساتھ عمدہ کھانا ملنے لگا۔ ایک علیحدہ مکان، پلنگ اور عیش و آرام کا پورا سامان اس کیلئے مہیا ہو گیا اور ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں اسے کلرک بنا دیا گیا۔

خود ملکی قیدیوں میں بھی حکام نے اپنی مرضی سے امتیازات قائم کر رکھے تھے۔ یہ مقام تھا، جہاں ان بزرگوں کو زندگیوں کا خاصا بڑا حصہ گزارنا پڑا، جن میں سے بعض دنیوی لحاظ سے وقت کے امراء تھے۔ علو حوصلہ اور شانِ عزیمت کے اعتبار سے انھیں انسانیت کے گلہائے سرسبد سمجھنا چاہئے۔

اب آپ ان میں سے ایک ایک بزرگ کی اسیری کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) ''کالا پانی'' ص:۵۷-۵۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا احمد اللہ

مولانائے ممدوح ۱۵ رجون ۱۸۶۵ء کو عظیم آباد سے پورٹ بلیئر پہنچے تھے۔ گویا جماعت مجاہدین کی اعانت کا فرض انجام دینے والوں میں سے انڈمان پہنچنے میں مولانا کو سب پر سبقت حاصل ہوئی۔ اس زمانے میں سید اکبر زمان (۱) اکبرآبادی چیف کمشنر انڈمان کے میر منشی تھے۔ انھوں نے مولانا کے حالات اور بلند حیثیت سے پوری آگاہی حاصل کر لی تھی، چنانچہ وہ چیف کمشنر سے اجازت لے کر مولانا کو اپنے مکان پر لے گئے، جو روس آئی لینڈ میں تھا۔ پھر پاس ہی ایک اور مکان کا انتظام کر دیا اور چیف کمشنر کی کچہری میں اپنے ماتحت ترجمے کا کام مولانا کو سونپ دیا۔ اس طرح ان کی اسیری کے ابتدائی پانچ سال قدرے اطمینان سے گذر گئے۔

ہندوستان کا وائسرائے لارڈ میو انڈمان کے دورے میں ایک مسلمان قیدی کے ہاتھ مارا گیا تو تمام ممتاز مسلمان قیدیوں پر انگریزوں کا عتاب ازسرنو نازل ہوا اور ان کے متعلق عام بدظنی پھیل گئی۔ اس وجہ سے اکثر مسلمان قیدیوں کو صدر سے منتقل کر کے دور افتادہ جزیروں میں بھیج دیا گیا۔ چنانچہ مولانا کو وائپر آئی لینڈ (۲) میں تبدیل کر دیا گیا، جہاں عموماً بوڑھے اور کمزور آدمیوں کو [illegible] جاتا تھا۔ محکمہ طبابت میں محرری کا عہدہ آپ کو دیا، جس کی تنخواہ راشن کے علاوہ دس روپے ماہوار تھی۔ ہسپتال کے قریب ایک مکان

(۱) مولانا عبدالرحیم نے لکھا ہے کہ سید اکبر زمان نہایت شریف اور بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ ہم سب لوگوں کے ساتھ جو بعد کو وہاں پہنچے چلے گئے، ایک نگاہ مہربانی رکھتے اور محبت و الفت رکھتے "تذکرۂ صادقہ" ص ۱۴۰۔
یہ قلعہ آگرہ کے فوجی محکمے میں میر منشی تھے۔ غدر میں حصہ لینے کی بنا پر بیس سال قید کی سزا ہوئی۔ انڈمان میں قید پوری کر کے آگرہ آ گئے۔ ۱۹۰۲ء میں وفات پائی۔

(۲) وائپر کے لفظی معنی ہے افعی، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہ جزیرہ کھاڑی کے اندر واقع تھا۔ بوڈن کلوس (BODEN KLOSS) نے لکھا ہے کہ اس کو "دوزخ" کا نام دے دیا گیا تھا اور یہاں نہایت خوفناک قیدی رکھے جاتے تھے۔ NICOBAR & SIN THE ANDAMAN (ص ۲۵)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قیام کیلئے اور ایک ملازم خدمت کے لئے دیدیا گیا۔ مولانا سرکاری کام انجام دینے کے بعد زیادہ وقت قرآن مجید کی تلاوت، نماز اور ذکر و دعاء میں صرف کرتے یا اپنے رفیقوں کو توحید اور نیک عملی کی تلقین فرماتے۔ آپ کے ساتھی قیدیوں نیز پولیس اور پلٹن کے آدمیوں میں سے تقریباً ہر شخص مومن موحد، پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد گزار بن گیا۔(۱)

مولانا عبدالرحیم آپ کے اقربا میں سے تھے، وہ مہینے میں ایک مرتبہ آپ سے مل آتے۔ مئی ۱۸۷۱ء میں مولوی محمد حسن (ابن مولانا ولایت علی) جو مولانا احمد اللہ کے حقیقی بھانجے تھے، ملاقات کے لئے انڈمان پہنچے اور ایک مہینہ رہ کر واپس چلے آئے۔

آخری دور اور وفات

قید کی تکلیف، اقربا سے علیحدگی، آب و ہوا کی ناسازگاری، غذا کی ناموافقت اور تقاضائے سن سے مولانا کی طبیعت بہت کمزور ہوگئی تھی۔ جب مولانا عبدالرحیم نے اجازت لے کر اپنا کاروبار شروع کر دیا اور ایبرڈین میں دکان کھول لی تو وہ مہینے میں پندرہ بیس روپے بالالتزام مولانا کی خدمت میں پیش کر دیتے تاکہ آپ اپنے لئے اچھی غذا کا انتظام بخوبی کر سکیں، لیکن مولانا طبعی عالی ہمتی اور سخاوت کے باعث اپنی تنخواہ کی رقم اور یہ رقم خفیہ خفیہ غریب قیدیوں کی امداد میں صرف کر دیتے۔ آخر مولانا عبدالرحیم نے مولانا کو اپنے پاس لے آنے کی اجازت مانگی جو نامنظور کر دی گئی۔ ان کے لئے کاروبار کا لائسنس حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، وہ بھی ناکام رہی۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر مولانا عبدالرحیم نے التجا کی کہ مولانا کے پاس رات گزارنے کی اجازت دیدی جائے تاکہ بیماری میں ان کی خدمت انجام پائے۔ اس اثناء میں وہ روزانہ اپنی جائے قیام یعنی ایبرڈین سے مولانا کے پاس وائپر آئی لینڈ جاتے اور کسی طرح ایبرڈین سے ایک کوس کا فاصلہ پیدل طے کر کے

(۱) "تذکرہ صادقہ" ص: ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھوڑی سے کشتی پر سوار ہوتے، جہاں سے وائپر آئی لینڈ ایک کوس تھا۔ پھر اتر کر مولانا کے مکان پر پہنچتے۔ دن بھر ان کی خدمت کرتے اور شام کو واپس آ جاتے۔ بڑی ردوکد کے بعد چودھویں روز یہ درخواست منظور ہوئی۔

مولانا عبدالرحیم کے بیان کے مطابق آپ کو بخار تھا۔ زیادہ تر بے ہوش رہتے تھے۔ وہ چودھویں روز عصر کے وقت آپ سے رخصت ہو کر واپس آنے لگے تو آپ کو بہ ظاہر اچھا پایا۔ ہوش وحواس درست تھے۔ انھیں تقویٰ، ابتغاء مرضات اللہ اور مصائب میں صبر واستقلال کی وصیت کی۔ اپنے اقربا میں سے مولانا محمد حسن کے متعلق رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اسی رات آٹھ بجے کے قریب آپ تن دنیا کو چھوڑ کر داخل خلد بریں ہوئے۔ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ کی اٹھائیسویں تاریخ تھی (۱۲ر نومبر ۱۸۸۱ء)۔ غشی کی حالت میں بھی ذکر اللہ جاری رہتا۔ نماز کا اس قدر خیال تھا، گویا ہر وقت تحریمہ بندھا رہتا اور نماز پڑھا کرتے۔

تکفین وتدفین

مولانا عبدالرحیم پہلے آپ کے مکان پر پہنچ گئے، پھر مولوی محمد جعفر، میاں عبدالغفار، سید اکبر زمان، مولوی محمد جان اور بعض دوسرے حضرات تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے یہ کوشش کی گئی کہ ان کے برادرِ صغیر مولانا یحییٰ علی کے پہلو میں (روس آئی لینڈ میں) دفن کیا جائے، لیکن حکام نے اجازت نہ دی۔ چنانچہ آپ کو ڈنڈاس پائنٹ میں سمندر کے کنارے ایک ٹیلے پر جہاں اور بھی چند قبریں تھیں، آخری نیند سلا دیا گیا۔ مولانا عبدالرحیم لکھتے ہیں کہ وہ مقام حد درجہ وحشتناک نظر آیا۔ ایک طرف جنگلی درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے، دوسری طرف سمندر کی موجیں پہاڑ کی مانند آ کر جزیرے سے ٹکراتی تھیں:

> ایسی حالت میں ہم لوگ ایسے دُرِ یتیم کو، ایسے لعلِ شب چراغ کو، ایسے یاقوتِ احمر کو اپنے ہاتھوں مٹی میں دبا کر آہِ سرد بھرتے ہوئے، با چشم گریاں ودل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بریاں اپنی اپنی جگہوں پر واپس آ گئے۔(۱)

اللہ اللہ اس بے نیاز کی شانِ بے نیازی کہ جس بزرگ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ حصولِ رضا میں صرف کیا، اس کی آزمائش کا دور وفات پر بھی ختم نہ ہوا۔ اقبال کیا خوب کہہ گئے ہیں:

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر — زنوری سجدہ می خواہی زخاکی بیش ازآں خواہی

مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں کہ مولانا جب بہت نحیف ہو گئے تو اپنی حالت زار کے پیش نظر اپنے بیٹے مولوی محمد یقین کو بلا کر ملاقات کرنی چاہی۔ مولوی صاحب کلکتہ میں مقیم تھے اور چار پانچ دن میں پورٹ بلیئر پہنچ سکتے تھے، لیکن حکومت نے اجازت نہ دی۔ گویا مولانا ان رعایتوں سے بھی محروم رہے جو عام قیدیوں کو حاصل تھیں۔ مولانا کے ملازم کا نام عبدالواحد تھا۔ اس نے بتایا کہ آخری وقت میں آنکھ کھول کر الا اللّٰہ یا مالک الملک کہا اور سرد ہو گئے۔(۲)

تاریخ وفات

مولوی محمد ایوب خاں رامپوری مقیم جزیرہ نے مولانا کا قطعہ تاریخ لکھا۔ چند شعر ذیل میں درج ہیں:

چوں ازیں دارِ فنا جانب باغِ رضواں — احمد اللہ رواں گشت بہ صد دل شاداں

شش و ہفتاد کہ عمر شریفش بودند — بہ سفتہ گشت نصیبش سفر جاوداں

بست و ہشتم شبے بود از مہ ذی حجہ کہ او — راہیٔ ملک بقا گشت ز دارِ گذراں

اعتقادش بہ احادیث نبی از ہمہ بیش — اعتمادش ہمہ ہر دم بہ نصوصِ قرآں

(۱) ''تذکرۂ صادقہ'' ص: ۵۷

(۲) ''کالا پانی'' ص: ۸۲، ۸۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہمہ زہد و ہمہ تقویٰ و ہمہ صوم و صلوٰۃ — ہمہ معروف عبادت ہمہ صرف عرفاں
سال تاریخ وفاتش زتفکر جستم — دخل المخلد بفرمود ہماں دم رضواں
۱۲۹۹ھ

مہ قرباں بہ تمامی محرم اقرب — سن تسعہ زا حادثش بگر فتم پئے آں
رہا گشتن مومن از تجن دنیا۔

مولانا محمد سعید نے برجستہ فرمایا:

قطعہ تاریخ یہ ہے:

چو مرد خدا مولوی احمد اللہ — مقیم جزیرہ بہ حکم نصاریٰ
شب ماہ ذی حجہ وبست ہشتم — ز دنیائے دوں شد بہ فردوس اعلیٰ
بہ تاریخ فوتش ندا کرد ہاتف — رہا گشتن مومن از تجن دنیا(۱)
۱۲ ھ ۹۹

مولانا یحییٰ علی

مولانا یحییٰ علی انبالہ سے لاہور، ملتان، کراچی، بمبئی وغیرہ ہوتے ہوئے ۱۱؍جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچے تھے۔ سید اکبر زماں میر منشی نے انھیں بھی اپنے پاس روس آئی لینڈ میں رکھا۔ اس طرح مولانا احمد اللہ اور مولانا یحییٰ علی یکجا ہو گئے۔ مولانا یحییٰ علی بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح فرصت کے اوقات قرآن و حدیث پڑھانے یا لوگوں کو نیک کاموں کی تلقین کرنے میں گزار دیتے۔ تقریباً دو سال بعد آپ بیمار ہو گئے اور حسب قاعدہ ہسپتال میں ڈاکٹری علاج ہونے لگا۔ مولانا عبدالرحیم اس زمانے میں گھاٹ پر محرر تھے۔ انھوں نے مولانا کی خدمت کیلئے رخصت طلب کی، حکم ہوا کہ بارہ بجے سے تین بجے تک کام کیا کریں تاکہ دوسرے منشی کو کھانا کھانے کی فرصت مل جائے۔ مولانا دورانِ علالت

(۱) دونوں تاریخیں ''تذکرۂ صادقہ'' ص:۵۲ پر ہیں۔ اور وفات کا آخری قطعہ سوانح احمدی میں ہے ص:۲۲۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں یادِ خدا اور صبر و شکر میں مصروف رہتے۔ جو لوگ مزاج پرسی کیلئے آتے، انھیں برابر پند و نصیحت فرماتے۔ گویا امر بالمعروف کا فریضہ زندگی میں ایک لمحے کیلئے بھی ترک نہ کیا۔

وفات

علالت کی عام کیفیت ایسی نہ تھی کہ ان کی زندگی کے متعلق تشویش پیدا ہوتی۔ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا احمد اللہ بھی دن میں دو مرتبہ دیکھنے کیلئے آتے۔ چونکہ مکان نشیب میں تھا اور ہسپتال بلندی پر واقع تھا، لہٰذا مولانا کو آنے جانے میں بڑی تکلیف ہوتی۔ مولانا عبدالرحیم فرماتے ہیں: میں تین بجے ہسپتال پہنچا تو مولانا یحییٰ علی کی طبیعت اچھی تھی۔ بہ اطمینان نمازِ عصر ادا کی، چار بجے یکایک زبان میں لکنت پیدا ہوئی اور طبیعت بگڑ گئی۔ ڈاکٹر نے دوا دی جو حلق سے فرونہ ہوئی۔ فوراً مولانا احمد اللہ کی طرف آدمی دوڑایا گیا، وہ بھی آگئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ پانی کا گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہ اترتا تھا، تاہم زبان پر ذکر اللہ جاری تھا اور ہوش بجا تھے۔ مولانا عبدالرحیم نے سر مبارک زانو پر رکھ لیا۔ اسی حالت میں چند منٹ بعد روح پُر فتوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ شوال ۱۲۸۴ھ کی چھبیسویں تاریخ تھی (۲۰ر فروری ۱۸۶۸ء)۔ گویا مولانا نے انڈمان میں دو سال ایک مہینہ اور نو دن گزارے۔ یہ وقت بڑے اطمینان سے بسر ہوا، اسلئے کہ ان کے برادرِ مکرم (مولانا احمد اللہ) جلیل القدر بھانجے (مولانا عبدالرحیم) اور رفیق پاس تھے۔

تکفین و تدفین

میت کو ہسپتال سے مکان پر لے گئے۔ سیّد اکبر زماں نے چیف کمشنر سے اجازت لے کر تمام جزیروں میں اعلان کر دیا تھا کہ جو لوگ تکفین و تدفین میں شریک ہونا چاہیں،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آ جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی موقع پر پہنچ گئے۔ کل شرکاء چار پانچ ہزار سے کم نہ ہوں گے۔ کئی مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور انھیں روس آئی لینڈ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ اکبر! قدرت نے عالم وجود میں بھیجا تو عظیم آباد کے ایک امیر گھرانے کی آغوش محبت میں جگہ دی، لیکن پوری زندگی صرف عشق حق میں مصیبتیں اٹھاتے اٹھاتے اتمام کو پہنچا دی اور اس سرزمین میں دفن ہوئے جس کا تصور بھی کبھی ان کے دماغ میں نہ گذرا تھا۔ تاہم ان کی عزیمت ہر دور میں ہر مصیبت سے بالکل غیر متاثر رہی۔ سچ ہے:

زیر شمشیر غمش رقص کناں باید رفت
کانکہ شد کشتۂ او نیک سرانجام افتاد

مولوی احمد کبیر پھلواروی نے تاریخ وفات لکھی:

چونکہ یحییٰ علی ستودہ خصال — عالم و زاہد محدث بود
روح پاکش گذاشت محبس تن — راہ ملک وصال حق پیمود
گشت راضی خدائے پاک ازو — عرش پیش قدسیاں افزود
ہاتفے سال او ز روئے الم — رضی اللہ ربہٗ فرمود(۱)

۱۲۸۴ھ

کمال استقامت

انڈمان پہنچنے کے بعد مولانا کو خاندانی مکانوں کے انہدام کی خبر ملی تو اپنی اہلیہ کو ایک خط لکھا، جس میں اس واقعے پر دلی قلق کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ رات کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انور سے لقاء کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؐ نے آیات کریمہ..... وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ

(۱) "تذکرۂ صادقہ" ص:۷۹

وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ o تلاوت فرمائی۔ اس مکاشفے کے بعد دل بالکل مطمئن ہو گیا۔ آخر میں فرماتے ہیں:

دریائے عشق خالقِ ہر دو جہاں میں ہم	نام نشان دار فنا کے ڈبا چکے
کفنی گلے میں ڈال کے تسمہ کمر کے بیچ	جوگی ہوئے ہیں محرمِ اسرار کے لئے
اے فدائے من، فدایت جانِ من	جملہ فرزندان وخان ومانِ من(۱)

سید صاحب کے دوبارہ ظہور کا عقیدہ بہت پختہ تھا بلکہ دورِ ابتلاء میں فرمایا کرتے تھے کہ ظہور کا وقت بہت قریب آ گیا ہے اس لئے کہ نیاز مندوں کی مصیبتیں شدت کے آخری درجے پر پہنچ گئی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۱) "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" ص:۱۸۴،۱۸۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارھواں باب:

سرگزشتِ انڈمان (۲)

مولانا عبدالرحیم

پہلے اور دوسرے مقدمے کے قیدیوں میں سے مولانا عبدالرحیم سب کے بعد انڈمان پہنچے تھے۔ سید اکبر زماں نے انھیں بھی مولانا احمد اللہ اور مولانا یحییٰ علی کے مکان میں ٹھہرایا۔ پھر گھاٹ پر محرزی کی اسامی مل گئی، جس کی تنخواہ چھ روپے ماہوار تھی۔ سید انشاء اللہ ساکن باندہ مولانا عبدالرحیم کے رفیق کار تھے، یہ غدر کے سلسلے میں انڈمان پہنچے تھے اور بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ مولانا ان کی بھی مدد کرتے رہے۔ تین سال کے بعد مولانا کو کمسریٹ کے محکمے میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر یہ بندوبست کے محکمے میں مامور ہوگئے۔ اس اثناء میں ایک دوکاندار سے مل کر تجارت بھی شروع کر دی، جس میں چار سو روپے کا فائدہ ہوا۔ یہ رقم انھوں نے ایک دوست کے پاس امانت رکھ دی تا کہ خود آزادانہ کاروبار کی اجازت لے لیں تو یہ روپیہ راس المال کا کام دے۔

لارڈ میو کے قتل پر معزز مسلمان قیدی ہدفِ عتاب بنے تو مولانا کو بھی مرکز سے ایک دور افتادہ مقام پر بھیج دیا گیا۔ ان کے چھوٹے ماموں مولانا یحییٰ علی فوت ہو چکے تھے۔ بڑے ماموں مولانا احمد اللہ سے بھی الگ ہوگئے۔ جس انگریز افسر کے ماتحت انھیں لگایا گیا، وہ حد درجہ درشت مزاج تھا۔ مولانا نے انتہائی مستعدی سے کام کیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے جسم پر بہ کثرت سیاہ داغ پڑ گئے تھے۔ اگرچہ وہ ڈاکٹر تھا، لیکن اپنی اس بیماری کا علاج نہ کر سکا۔ خانساماں نے اسے بتایا کہ مولانا کے پاس اس مرض کی دوا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چنانچہ اس کی فرمائش پر مولانا نے ایک خاص ترکیب سے روغن لوبان کشید کر کے اسے دیا، جس کے استعمال سے داغ دور ہو گئے۔ اس وجہ سے وہ مولانا پر اور بھی مہربان ہو گیا بلکہ اس دوا کو سرکاری دواخانے میں رکھنے کی اجازت مانگی جو اس وجہ سے نہ مل سکی کہ اس طرح ایک قیدی کا اعزاز وقت کے تمام ڈاکٹروں پر فائق ہو جاتا۔

کاروبار کی اجازت

مقررہ مدت پوری کر کے مولانا نے کاروبار کی اجازت لے لی اور اس غرض سے تیس روپے میں ایک مکان بھی خرید لیا، لیکن انھوں نے جو روپیہ ایک دوست کے پاس بطور امانت رکھ چھوڑا تھا، وہ اتفاقاً اس سے ضائع ہو گیا اور جلد ملنے کی کوئی امید نہ رہی، حالانکہ اسی کے بھروسہ پر کاروبار کی اجازت لی تھی۔ چونکہ سب لوگ انہیں، مولانا احمد اللہ اور دوسرے ساتھیوں کو حسن عمل کی وجہ سے بہت محترم سمجھتے تھے، اس لئے بعض دوستوں کو حادثے کا علم ہوا تو انھوں نے پانچ سو روپے کا سامان مہیا کر دیا اور کہا کہ آہستہ آہستہ اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔ بعد ازاں لوگ اپنی امانتیں مولانا کے پاس رکھنے لگے۔ یہ اس شرط پر روپیہ رکھتے کہ کاروبار میں لگا دیں گے اور روپے والے کو جتنی رقم کی ضرورت ہو، پندرہ دن پیشتر اطلاع دے دے تاکہ فراہم کر لیا کریں۔ اس طرح ان کے پاس دس بارہ ہزار روپیہ جمع ہو گیا اور انھوں نے وسیع پیمانے پر تجارت شروع کر دی۔ مولانا احمد اللہ کے چھوٹے فرزند مولوی محمد یقین کو عظیم آباد سے کلکتہ بلا کر اپنا ایجنٹ مقرر کر دیا۔ پانچ فی صد کمیشن میں مولوی صاحب کو دیتے۔ بعض دوسرے تاجروں نے بھی موصوف ہی کو اپنا ایجنٹ بنا لیا اور کم و بیش سو روپے ماہوار کی آمدنی انھیں ہونے لگی۔ کاروبار کی وسعت کے پیش نظر مولانا عبدالرحیم نے اپنے فرزند مولوی عبدالفتاح کو بھی انڈمان بلا لیا۔ وہ پندرہ مہینے وہاں رہ کر ناسازگاری آب و ہوا کے باعث واپس چلے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہائی

لارڈ لارنس گورنر جنرل نے مولانا کی اپیل پر حبسِ دوام کا حکم منسوخ کر دیا تھا اور تاصدورِ حکمِ ثانی انڈمان میں رکھے جانے کا فیصلہ صادر کیا تھا۔ مولانا کی اہلیہ کی طرف سے لارڈ رپن کے پاس رہائی کی عرضداشت پیش ہوئی اور لارڈ موصوف نے نہ محض انھیں بلکہ انڈمان کے ان تمام قیدیوں کو رہا کر دیا، جنھیں اعانت مجاہدین کے سلسلے میں سزائیں دی گئی تھیں۔ چنانچہ مولانا یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ (۱۰ر مارچ ۱۸۸۳ء) کو تقریباً سوا انیس سال کے بعد وطن پہنچے۔ ان کے خاندانی مکان منہدم کرا کے جگہ بلدیہ کے حوالے کی جا چکی تھی، جس پر بازار اور بلدیہ کی عمارت بن گئی تھی، یہاں تک کہ خاندانی قبرستان کا بھی نشان باقی نہ رہا تھا۔ اہل وعیال محلہ تموہیہ میں مقیم تھے۔ پٹنہ پہنچنے کے دوسرے دن اپنے مکانوں کی جگہ پہنچے اور نقشہ یک قلم منقلب نظر آیا تو وہاں کھڑے ہو کر انتہائی درد سے یہ شعر پڑھے:

یا منزلاً لعب الزمان باهله	فابادهم بتفرّق لایجمعُ
انّ الّذین عهدتهم بك مرّةً	كان الزمان بهم یضرّ وینفعُ
اصبحت تفزع من یراك وطالما	كنّا الیك من المعادل نفزعُ
ذهب الّذین یعاش فی اكنافهم	بقی الّذین حیاتُهم لاتنفعُ(۱)

فرماتے ہیں کہ میں نے مراجعت پر شہر کا رنگ ڈھنگ، چال چلن، لباس، پوشاک اور

(۱) تذکرۂ صادقہ ص: ۱۷۸-۱۷۹۔ مولانا مسعود عالم مرحوم نے ان اشعار کا مفہوم اردو میں یوں ادا کیا ہے:
اے وہ منزل! جس کے رہنے والے زمانے کی دست برد کا شکار ہوئے اور انھیں اس طرح منتشر کر دیا گیا کہ پھر جمع ہونے کی توقع نہیں۔ وہ جنھیں کبھی تیری آغوش میں آسودہ حال دیکھا تھا، زمانہ ان کے سہارے نفع نقصان پہنچاتا تھا۔ جو تجھے اب دیکھتا ہے گھبرا اٹھتا ہے۔ کبھی یہ حالت تھی کہ مشکلات سے گھبرا کر ہم تیری آغوش میں پناہ ڈھونڈتے تھے۔ وہ لوگ تو گزر گئے جن کے سایے میں زندگی، زندگی تھی۔ اب وہ باقی رہ گئے ہیں، جن کی زندگیاں کسی بھی کام کی نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی طرز معاشرت بدلا ہوا پایا تو رہائی پر صد درجہ افسوس ہوا۔

کاش میں بھی اسی جزیرے (انڈمان) کا پیوند زمین ہو جاتا تو بہ روز حشر اپنے دونوں ساتھیوں (مولانا احمد اللہ اور مولانا یحییٰ علی) کے ہمراہ محشور ہوتا۔(۱)

باقی حالات

عظیم آباد پہنچتے ہی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پابندی عائد کر دی تھی کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو کچہری میں حاضری لکھوایا کریں اور بلا اجازت شہر سے باہر نہ جائیں۔ جب کہیں جائیں تو جائے قیام کی متصل چوکی یا تھانے میں اطلاع بھیج دیا کریں۔ سات برس تک یہ پابندی قائم رہی۔ بعد ازاں صرف ملک سے باہر جانے کے لئے اجازت ضروری قرار دی گئی حالانکہ اس زمانے میں باہر جانے کے لئے پرواہ راہداری لینے کا دستور نہ تھا۔ مولانا نے پہلی مرتبہ ۱۳۰۱ھ اور دوسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ میں حج کیا۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ (۲۴ راگست ۱۹۲۳ء) کو قبل مغرب تقریباً نوّے برس کی عمر میں وفات پائی۔ ''تذکرہ صادقہ'' جس کا دوسرا نام **''الدر المنثور فی تراجم اھل صادق فور''** ہے، انھیں کی مرتب کی ہوئی ہے۔ حکیم محمد شریف فخری نے تاریخ وفات کہی:

ازیں کاخ مجازی شد بہ جنت	امیرم مولوی عبدالرحیم آہ!
چو شد ہشتاد و نہ از عمر پاکش	وصال از مرگ آں فرمود ناگاہ
بہ بود آں مشعل بیت ہدایت	ز انوارش گرفتے راہ گمراہ
دم آخر نبودہ بر زبانش	بہ جز نام خدا اللہ اللہ
مرا کردہ اسیر بند ماتم	بہ زد در جنت الفردوس خرگاہ
بہ فخری پیر ملہم گفت سالش	امام پاک داں تشریف برد آہ

(۱) تذکرہ صادقہ ص ۱۷۸-۱۷۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا ابوالکلام آزاد بھی مولانا عبدالرحیم سے ملے تھے، فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ پٹنہ گیا اور مولوی مظہر الحق بیرسٹر کے مکان پر ٹھہرا تو مولانا عبدالرحیم نے پیغام بھیجا کہ ملنے کے لئے آنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ آگئے اور کچھ دیر بات چیت کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن میں ان کی ملاقات کے لئے گیا۔ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔

مولوی محمد جعفر

مولوی محمد جعفر نے ۱۸ رذی الحجہ ۱۲۷۸ھ (۱۶ رجون ۱۸۶۲ء) سے اپنے حالات لکھنے شروع کیے تھے، یہ تلاشیوں میں حکومت کے ہاتھ آئے اور ان کا خلاصہ مقدمے کے دوران میں بھی پیش ہوا۔ ہنٹر نے بھی وہ خلاصہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی ولادت ۱۸۳۷ء کے لگ بھگ ہوئی۔ دس سال کی عمر تک کوئی تعلیم نہ پائی۔ بارہ سال کے ہوئے تو ان کے والد میاں جیون کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کا چھوٹا بھائی محمد سعید صرف چھ مہینے کا تھا۔ پھر خود بخود تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ کچھ کتابیں پڑھ کر عرائض نویسی شروع کی۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ کمال حاصل کر لیا کہ تمام عرائض نویس اور وکیل قاعدوں، ضابطوں اور قانونوں میں ان سے مشورے لیتے۔ تھانیسر میں خاصی بڑی جائیداد پیدا کر لی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں وہ دس بارہ ہم مشربوں کو ساتھ لے کر آزادی کی جنگ کیلئے دہلی پہنچے۔ جب انگریز دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے اور قومی تحریک کے لئے کامیابی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو چپ چاپ واپس چلے آئے اور معمول کے مطابق اپنا کام شروع کر دیا۔ پانی پت میں شادی کی، گرفتاری کے وقت ان کے دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بڑا بیٹا ان کی اسیری کے زمانے میں فوت ہو گیا۔ چھوٹا بیٹا، بیٹی اور پہلی بیوی ان کی رہائی کے وقت زندہ تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انڈمان کی زندگی

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، وہ ۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء کو مولانا یحییٰ علی اور میاں عبدالغفار کے ہمراہ انڈمان پہنچے تھے۔ جہاز سے اترتے ہی سید اکبر زماں کی کوشش سے چیف کمشنر کی کچہری میں ''محرر سیکشن وار'' یا ''نائب میر منشی'' مقرر ہو گئے۔ ایک گھر رہنے کو اور ایک نوکر خدمت کو مل گیا۔ جہاں جی چاہتے رہتے اور جہاں جی چاہتے جاتے، روک ٹوک مطلق نہ تھی۔(۱)

اپنی اہلیہ کو وطن سے بلانے کی کوشش کی، اس میں ناکام رہے تو ایک کشمیری خاتون سے نکاح کر لیا جو ایک بلائے ناگہانی میں پھنس کر بہ حالت قید انڈمان پہنچی تھی، یہ بیوی ۳۰ر اپریل ۱۸۶۸ء کو فوت ہو گئی۔ پھر انھوں نے دوسری مرتبہ المموڑہ کی ایک برہمنی سے نکاح کیا، جس غریب کو خاندانی عداوت کے باعث بے وجہ ایک قتل میں ملزم گردان کر کالے پانی کی سزا دلوا دی گئی تھی۔ مولوی صاحب نے اسے حلقہ بگوش اسلام بنایا۔ اس نکاح سے آٹھ بچے ہوئے۔ وہ اکیلے انڈمان گئے تھے، رہائی پا کر واپس ہوئے تو ایک بیوی اور آٹھ بچے کل نو افراد ان کے ہمراہ تھے۔ ان کی پوری مدت قید ملازمت میں گزری نجی طور پر کچھ تجارت بھی کر لیتے تھے۔ ذاتی کوشش سے انگریزی سیکھ لی اور مختلف انگریز افسروں کو اردو پڑھانے لگے۔ اس زمانے میں سرکاری ملازموں کو عرضیاں اور اپیلیں لکھنے کی ممانعت نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں:

> میں نے عرضی و اپیل انگریزی زبان میں لکھنے شروع کر دیے تھے، جس میں علاوہ ترقی استعداد علمی کے ہزاروں روپے کا فائدہ بھی مجھ کو ہوا۔ یہی دو پیشے یعنی معلمی صاحبان اور عرائض نویسی تھے، جن میں مجھ کو سو روپے ماہوار سے کم

(۱) ''کالا پانی'' ص:۵۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ ملتا تھا۔ چونکہ میرے سوا وہاں کوئی مسلمان انگریزی خواں نہ تھا، میں نے بڑے بڑے مقدمات اہل اسلام میں ان کو بڑی بڑی مدد دی اور بڑی بڑی آفتیں اور آلام مسلمانوں پر سے ٹلوا دیے۔(۱)

لکھتے ہیں کہ دورانِ قیامِ انڈمان میں تین مرتبہ نہایت خوفناک حوادث سے محض بفضلِ الٰہی محفوظ رہا۔ ایک مرتبہ عید قربان کے موقع پر انھوں نے بیل ذبح کیا تھا، اس وجہ سے بعض ہندو قیدی ان کے سخت دشمن ہو گئے اور ایک سے زیادہ مرتبہ مقدمات میں الجھانے کی کوشش کی۔ خاصی مدت روس آئی لینڈ میں گزاری۔ لارڈ میو کے قتل کے بعد انھیں بھی دوسرے مقامات پر بھیجا گیا۔ مثلاً کچھ مدت ہدو میں گزاری۔

رہائی

انھوں نے رہائی کے لیے کئی کوششیں کیں جو کامیاب نہ ہو سکیں اور ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کو بھی انڈمان بلانا چاہا، لیکن درخواست منظور نہ ہوئی۔ فرماتے ہیں: ۱۸۸۱ء سے دل میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ہم جلد رہا ہو کر ہندوستان جانے والے ہیں۔ چنانچہ ۳۰ر دسمبر ۱۸۸۲ء کو ان کی رہائی کا حکم صادر ہو گیا اور یہ اطلاع سب سے پہلے پانی پت میں ان کی پہلی بیوی کو ملی۔ ۲۲ر جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ حکم انڈمان پہنچا۔ وہ پہلے اپنی انڈمان والی اہلیہ کی رہائی کے انتظار میں بیٹھے رہے اور خود انڈمان میں ٹھہرے رہنے کی اجازت لے لی۔ اس اثناء میں اپنا سامان فروخت کیا۔ مکان کو وقف کر کے مسجد بنا دینا چاہتے تھے، ڈپٹی کمشنر نے اسے منظور نہ کیا۔ ۹ر نومبر ۱۸۸۳ء کو سترہ سال دس مہینے کے بعد انڈمان سے روانہ ہوئے۔ جہاز پر علی رضا نام کا ایک مشہور تاجر ان کی خدمت تواضع کرتا رہا۔ ۱۳ر نومبر ۱۸۸۳ء (۱۴ر محرم ۱۳۰۱ھ) کو کلکتہ پہنچے اور مولانا عبدالرحیم عظیم آبادی کے بھائی مولوی

(۱) "کالا پانی" ص ۵۰۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالرؤف کے پاس چیناپاڑا میں دو روز مقیم رہے۔ پھر الہ آباد، کان پور، علی گڑھ، سہارن پور ہوتے ہوئے ۱۲ر نومبر ۱۸۸۳ء کو رات کے نو بجے انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۳ء کو تھانیسر سے فرار ہوئے تھے۔ کچھ کم بیس سال کے بعد دوبارہ وطن میں آزادی کی زندگی نصیب ہوئی۔ ایک بڑے کنبے کے علاوہ آٹھ ہزار روپے نقد ساتھ لائے تھے۔

بعد کے حالات

بعد کے حالات تفصیلاً معلوم نہیں۔ رہائی کے وقت مولوی صاحب کا ایک شاگرد کپتان ٹمپل انبالہ چھاؤنی میں ڈپٹی کمشنر تھا۔ اس نے آپ کو لکھا کہ اگر میرے پاس رہنا پسند کریں تو ضمانت دے کر حکومت سے اجازت لے سکتا ہوں۔ یہ مناسب قیام کا خدا ساز انتظام تھا۔ مولوی صاحب نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ ٹمپل نے ان کے لئے بیس روپے ماہانہ اپنی طرف سے مقرر کر دیے۔ تیس روپے انھیں بعض دوسرے انگریزوں کو پڑھانے سے مل جاتے تھے۔ جب تک ٹمپل انبالہ چھاؤنی میں رہا، مولوی صاحب کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اس کا تبادلہ ہو گیا تو ان پر پابندیاں بڑھ گئیں، لیکن فروری ۱۸۸۸ء میں حکومت نے خود بخود تمام پابندیاں اٹھا دیں۔ وہ مختلف شہروں میں جاتے آتے رہے۔ مسلمان ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولانا سید عبدالحیٔ رائے بریلوی نے ۱۸۹۵ء میں دہلی، پانی پت، سرہند، انبالہ، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کا سفر کیا تھا تو وہ انبالے میں مولوی محمد جعفر کے مکان پر بھی گئے تھے، لیکن اس وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی کہ مولوی صاحب کئی روز پیشتر کھرنولہ (ریاست پٹیالہ) چلے گئے تھے۔(۱)

غالباً ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ ان کے فرزند ارجمند مولوی محمد اسماعیل وکیل انبالہ

(۱) ارمغان احباب (رسالہ معارف مارچ ۱۹۳۹ء)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۹۴۷ء کے فساد میں غیر مسلموں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

تصانیف

متفرق رپورٹوں یا مجموعہ ضوابط کے علاوہ مولوی محمد جعفر نے تین کتابیں لکھیں، جن کی مختصری کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- **تاریخ عجیب**: یہ جزائر انڈمان کی تاریخ ہے، جس میں جزیروں کی جغرافیائی تفصیلات کے علاوہ ان کی آبادکاری کی کیفیت عہد بہ عہد بتائی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں ان تمام زبانوں کی بول چال کا مختصر سا مرقع درج کر دیا ہے، جو انڈمان میں بولی جاتی تھیں، مثلاً اردو، عربی، فارسی، ترکی، ساحلی، پشتو، مکرانی، بلوچی، سندھی، نکوباری، مرہٹی، بنگالی، برمی، چینی، کشمیری، پنجابی وغیرہ۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے قیام انڈمان کے زمانے میں وہاں کی تقریباً تمام بولیاں سیکھ لی تھیں۔ یہ کتاب حکومت کی منظوری سے ۱۸۷۹ء میں مطبع نول کشور نے چھاپی تھی۔ اب بہت کم یاب ہے۔

۲- **تواریخ عجیب**: یہ کتاب زیادہ تر "کالا پانی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں مولوی صاحب نے اپنی گرفتاری، مقدمے، قید، سفر انڈمان، اسیری کی زندگی اور رہائی کی پوری سرگزشت بیان کی ہے۔ ضمناً اپنے رفقاء کے حالات بھی بیان کر دیے ہیں۔ چھوٹی سی کتاب ہے اور دو تین مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔

۳- **سوانح عجیبہ**: یہ سید احمد بریلوی اور ان کے اکابر خلفاء کے حالات پر مشتمل ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں مطبع مجتبائی سے شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں اس کے دو ایڈیشن چھپے۔ اس کتاب کی حقیقی حیثیت کے متعلق "سید احمد شہید" میں بحث ہو چکی ہے۔ اعادے کی ضرورت نہیں۔

لاہوری احمدی جماعت کے ممتاز رکن ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم نے ایک مرتبہ مجھ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے ذکر کیا کہ وہ انبالہ میں مولوی محمد جعفر سے ملے تھے، جب مولوی صاحب خاصے بوڑھے ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ دین کے متعلق انھوں نے جتنی باتیں کیں، خاص درد اور سوز سے لبریز تھیں۔ رخصت کے وقت دعاء کی۔ وہ بھی بڑی ہی پُر تاثیر تھی۔

باقی اصحاب

اسیرانِ انڈمان میں سے حکم رہائی کے وقت مندرجۂ ذیل حضرات زندہ تھے:

۱- **میاں عبد الغفار:** ساکن عظیم آباد جو مقدمۂ انبالہ میں ماخوذ ہوئے تھے۔ مولانا یحییٰ علی اور مولوی محمد جعفر کے ساتھ ۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچے۔ مارچ ۱۸۷۲ء میں انھوں نے درخواست دیکر اپنی اہلیہ اور دو لڑکوں کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ رہائی کے بعد وہ اہل وعیال کے ساتھ عظیم آباد واپس آئے اور ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴-۱۵ء) کے لگ بھگ وفات پائی۔

۲- **مولوی امیر الدین:** انھیں مقدمۂ مالدہ میں حبسِ دوام اور ضبطیٔ جائیداد کی سزا ہوئی تھی۔ مارچ ۱۸۷۲ء میں انڈمان پہنچے۔ اس وقت تک نئے قانون جاری ہو چکے تھے۔ ان میں قیدیوں کیلئے وہ رعایتیں باقی نہ رہی تھیں جن سے پہلے قیدی مستفید ہوتے رہے تھے، لہٰذا مولوی صاحب کو مدت تک سخت مشقت کرنی پڑی۔ پھر وہ مدرسے میں معلم مقرر ہو گئے۔ ۳ر مارچ ۱۸۸۳ء کو مولانا عبد الرحیم عظیم آبادی اور میاں عبد الغفار کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوئے۔ بعد کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۳- **مولوی تبارک علی:** انھیں عظیم آباد کے دوسرے مقدمے میں حبسِ دوام اور ضبطیٔ جائیداد کی سزا ہوئی تھی۔ ان کے والد ماجد مولوی مبارک علی قید ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ مولوی تبارک علی کو بھی انڈمان میں ابتدا میں سخت مشقت کرنی پڑی۔ پھر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اشتشن محرر ہو گئے اور رہا ہو کر ۲ر مارچ ۱۸۸۳ء کو انڈمان سے روانہ ہوئے۔

۴- میاں مسعود گل یا مسعود خاں: یہ ضلع بوگرا(۱) (بنگال) کے رہنے والے تھے، مولانا مسعود عالم کے بیان کے مطابق ۱۸۶۰ء میں گرفتار ہوئے تھے۔ (۲)

ان کے مقدمے کا حال بالکل معلوم نہ ہو سکا، لیکن یہ یقینی ہے کہ ۱۸۸۳ء میں رہا ہو کر ۲۸ر اپریل کو انڈمان سے رہگرائے وطن ہوئے۔

۵- ابراہیم منڈل: مقدمۂ راج محل کے سلسلے میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ مولوی محمد جعفر، امیر خاں، تبارک علی اور امیر الدین کی گرفتاری کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ایک بوڑھے اور ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو اسلام پور میں (گرفتار کیا گیا) اور اپنے معمولی اور پرانے گواہوں سے جو چاہا گواہی دلوا کر بے چاروں کو کالے پانی روانہ کیا۔ (۳)

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم منڈل کو بھی کالا پانی بھیجا گیا تھا۔ مولانا مسعود عالم نے ۱۹۴۷ء میں لکھا تھا کہ ابراہیم منڈل کے انتقال کو چالیس پینتالیس سال گذر چکے ہیں۔ (۴) گویا وہ موجودہ عیسوی صدی کے آغاز تک زندہ تھے۔

اور جو اصحاب گرفتار یا قید ہوئے ان کے متعلق کچھ علم نہ ہو سکا۔

گورنر جنرل کا حکم

آخر میں اتنا اور عرض کر دینا چاہئے کہ "وہابی" اسیران انڈمان کی رہائی کے سلسلے میں حکومت ہند کے محکمہ داخلہ کی طرف سے ۱۱ر جنوری ۱۸۸۳ء کو مندرجہ ذیل اعلان

(۱) "تذکرۂ صادقہ" میں اسے "بگوڑا" لکھا گیا ہے۔ (ص ۱۷۷)

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۶۹-۱۷۰

(۳) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۶۹-۱۷۰

(۴) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۵۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بغرضِ اطلاعِ عوام شائع ہوا تھا:

> مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر کامل غور وخوض اور حکومت بنگال وحکومت پنجاب سے مشورہ کے بعد گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو سلطنت کے خلاف جنگ میں شرکت واعانت کے جرم کی بنا پر حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ہوئی تھی اور وہ ہنوز یہ سزا بھگت رہے ہیں، انھیں اب رہا کر کے گھروں میں آنے کی اجازت دے دی جائے، البتہ انھیں پولیس کی نگرانی قبول کرنی ہوگی نیز مقامی حکومتیں ان کی بود وماند پر جو پابندیاں عائد کرنا مناسب سمجھیں، وہ لازماً منظور کرنی پڑیں گی۔ (۱)

یہ بتانا مشکل ہے کہ اس فیصلے پر پہنچنے اور اسے نافذ کرنے میں کون کون سے فوری محرکات بروئے کار آئے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ "وہابیت" کا ہوّا ہندوستان میں کھڑا کرنے کے ذمہ دار چند انگریز افسر تھے جن میں سے ولیم ہنٹر کو سب سے بڑھ کر نمایاں حیثیت حاصل ہوئی اور اس کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" مدت تک حکومت کی پالیسی کا بنیٔ بنی رہی۔ جب سر سید احمد خاں مرحوم اور بعض دوسرے اصحاب نے اس "ہوّے" کو بالکل بے بنیاد ثابت کر دیا تو اربابِ اختیار کی رائے میں تغیر پیدا ہوا۔ اس ضمن میں سب سے مؤثر اور نتیجہ خیز مساعی سر سید مرحوم ہی کی تھیں۔

تاریخ

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے ان اسیرانِ مظلوم کی رہائی کا ایک قطعہ تاریخ بھی درج کیا ہے یعنی:

تھے چند از عظیم آباد پٹنہ   کہ بودند اہل علم و فضل باہر

(۱) سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور۔ مورخہ ۱۷؍جنوری ۱۸۸۳ء

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بر ایشیاں باعبور بحر پُر شور
چو شد حکم دوام حبس صادر
از ایشاں چند کس مردند در قید
رہا گشتند باقی ماندہ آخر
بحکم وائسرائے قیصر ہند
کہ دارد بر رعایا رحم وافر
چو کر دم فکر تاریخ رہائی
مرا بیتے خوشے آمد بہ خاطر
نظیرش کم تواند یافت آں کس
کہ باشد در فنِ تاریخ ماہر
پس از طولِ زمن الحمدللہ
رہا گشتند اسیرانِ جزائر
حروف صد بیان سال ہجری
سنین عیسوی از شعر ظاہر (۱)

(۱) سوانح احمدی طبع اول ص: ۴۴۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارہواں باب:

لارڈ میو کا قتل

لارڈ میو

مجاہدین اسلام و آزادی کے زمانۂ اسیری کا ایک اہم واقعہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ میو کا قتل ہے، جو انڈمان میں ہوا اور اس وجہ سے ہمارے مجاہدوں کی اسیری کا دور بھی امتداد پذیر ہوا، اور ان پر سختیاں بھی بڑھ گئیں۔ مثلاً جن رعایتوں سے وہ مستفید ہو رہے تھے، چھین لی گئیں اور انھیں مرکز سے اٹھا کر الگ الگ دور دور علاقوں میں بھیج دیا گیا، بلکہ یہ کوشش بھی کی گئی تھی کہ انھیں قتل کے الزام میں الجھا کر حد درجہ سخت سزائیں دی جائیں۔ چونکہ اس واقعے کو بھی ان کی اسیری سے اک گونہ تعلق ہے، لہٰذا اسے بھی یہاں بیان کر دینا چاہیے۔

لارڈ میو ۱۸۶۹ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہو کر آیا تھا۔ دوسرے معاملات کی طرح اسے انڈمان میں بھی اصلاحات جاری کرنے کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ اس نے ایک نیا مجموعۂ ضوابط مرتب کرایا، جسے ۱۸۷۱ء سے نافذ کر دیا گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ خود انڈمان کو دیکھے اور تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد وسیع پیمانے پر اصلاحات جاری کرے۔ چنانچہ وہ کلکتہ سے رنگون گیا اور وہاں سے ۸ر فروری ۱۸۷۲ء کو صبح کے وقت انڈمان پہنچا۔ لیڈی میو کے علاوہ متعدد اصحاب اس سفر میں اس کے ہمراہ تھے۔

جزیرے کا دورہ

انڈمان پہنچنے کے ساتھ ہی چیف کمشنر نے اطمینان دلا دیا کہ وائسرائے کی حفاظت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے تمام انتظامات بخوبی کر لئے گئے ہیں، مثلاً:

۱- مشقتی قیدیوں کو حکم دے دیا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کام پر سے غیر حاضر نہ ہونے پائے۔

۲- پولیس کی گارد وائسرائے کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہے گی۔ گارد کے ہر سپاہی کی بندوق بھری ہوگی۔

۳- جن جزیروں میں زیادہ سنگین مجرم رہتے ہیں، ان میں پولیس کے علاوہ مسلح فوج بھی وائسرائے کی حفاظت پر مامور ہوگی۔

غرض وائسرائے اکیس ضرب توپ کی سلامی کے بعد جہاز سے اترا۔ اس نے مختلف مقامات دیکھے۔ قیدیوں کے زنانہ اور مردانہ ہسپتال بھی ملاحظہ کیے۔ بعض بارکوں کا بھی معائنہ کیا۔ جزیرے میں ریل جاری کرنے کے متعلق بھی گفتگو کی۔ دوپہر کا کھانا چیف کمشنر کے ساتھ کھایا۔ مولوی محمد جعفر چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راستہ چلتے وقت پولیس کے آدمی جب وائسرائے کے بہت نزدیک ہو جاتے اور قیدیوں کو ذرا دور ہٹاتے تو وائسرائے اس پر ناراضی کا اظہار کرتا۔ خود مولوی صاحب بعض اوقات وائسرائے سے اتنے قریب ہو جاتے کہ کپڑے سے کپڑا چھونے کی نوبت آجاتی۔(۱)

قیدیوں کی خوشی

چیف کمشنر اور افسرانِ آبادکاری نے پرانے قیدیوں کو یقین دلایا تھا کہ وائسرائے کے تشریف لے جاتے ہی اچھے چال چلن والے اسیرانِ بغاوت اور دوسرے قیدی رہا کر دیے جائیں گے۔ اس وجہ سے پرانے قیدی بہت خوش تھے اور اپنے آپ کو رہا شدہ

(۱) تاریخ عجیب ص: ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سمجھتے تھے۔ کسی کو اندازہ نہ تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک ایسا حادثہ پیش آ جائے گا، جو نہ محض اس خوشی ہی کو ختم کر دے گا، بلکہ نئی مصیبتوں کا پیش خیمہ بن جائے گا۔

انڈمان میں سال اور ساکھو کے علاوہ ایک لکڑی ہوتی ہے، جس کا رنگ خون کی طرح سرخ ہوتا ہے۔ وہ نہایت پائدار، خوش نما اور خوشبودار ہوتی ہے۔ ان لکڑیوں کیلئے ایک آرا گھر بھی بنا دیا گیا تھا۔ وائسرائے نے اسے بھی دیکھا اور وہاں اس عجیب و غریب لکڑی کا ایک بڑا تختہ ملاحظہ کیا۔ جس سے انجام کار وائسرائے کا تابوت بنایا گیا۔ (۱)

ماؤنٹ ہیریٹ کا معائنہ

ایک گھنٹہ دن باقی رہ گیا تھا۔ پرائیویٹ سکریٹری کا اصرار تھا کہ اب باقی دورہ اگلے روز پر ملتوی کر کے جہاز پر تشریف لے چلیں۔ لارڈ میو نے کہا کہ ابھی دن باقی ہے، ٹھنڈا اور سہانا وقت ہے۔ ماؤنٹ ہیریٹ کو (۲) دیکھ لینا چاہئے۔ جہاں ایک سینٹوریم بنانے کی تجویز تھی۔ چنانچہ اس کی سواری کے لئے ایک یابو حاضر کر دیا گیا۔ نصف چڑھائی پر جا کر وائسرائے نے اصرار کیا کہ میں پیدل چلوں گا اور ساتھیوں سے کہا کہ جو چاہے یابو پر سوار ہو جائے۔ ماؤنٹ ہیریٹ پر وائسرائے دیر تک غروب آفتاب کا تماشا دیکھتا رہا اور اس نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری سے کہا: ایسا خوبصورت نظارہ میں نے عمر بھر کبھی نہیں دیکھا۔

قاتلانہ حملہ

واپسی کے وقت اندھیرا ہونے لگا تھا، وائسرائے اور اس کے ساتھی راستے کا تین

(۱) تاریخ عجیب ص ۷۰۔

(۲) جنوبی انڈمان کی یہ مشہور پہاڑی ہے، جس کی بلندی ۱۱۹۳ فٹ ہے۔ اس کا نام انڈمان کے ایک حاکم کرنل ٹنٹر (۱۸۶۲ء-۱۸۶۴ء) کی بیوی HARRIET کے نام پر رکھا گیا تھا۔ سب کا بیان ہے کہ یہ جگہ بلحاظ آب و ہوا بہت خوشگوار ہے۔ ہوپ ٹاؤن اس کے قریب واقع ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھائی حصہ طے کر چکے تو مشعلوں والے پہنچ گئے۔ مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں کہ اس وقت سات بجے تھے:

> لارڈ صاحب بہادر پلی ہوپ ٹاؤن پر پہنچے۔ وہ مشعل والے لارڈ صاحب کے آگے، سپرنٹنڈنٹ صاحب اور پرائیویٹ سکریٹری لارڈ صاحب کے داہنے بائیں اور ایک لفٹنٹ اور ایک کرنیل فریگیٹ گلاس گیو (جس جہاز پر لارڈ میو آئے تھے) کے تھوڑے فاصلے پر پیچھے کی طرف لارڈ صاحب بہادر کے داہنے بائیں چلتے تھے اور مسلح گارد فری پولیس کا لارڈ صاحب سے پیچھے پاؤں سے پاؤں ملاتا ہوا چلتا تھا۔ لارڈ صاحب بہادر نے مع پرائیویٹ سیکرٹری کے آہستہ آہستہ چل کر گھاٹ کی سیڑھیوں کی طرف جا کر بوٹ میں اترنا چاہا۔ اس وقت یک بیک لارڈ صاحب بہادر کی طرف کچھ ضرب کے کھٹکے کی آواز سی گئی اور جب اس طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ لارڈ صاحب کی پشت پر کوئی ہاتھ مع چھری کے وار کر رہا ہے اور ایک آدمی لارڈ صاحب کی پشت پر چمٹا ہوا ہے۔

دس بارہ آدمی ایک دم اس شخص پر گر پڑے۔ ارجن قیدی نے پکڑ کر چھری اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ افراتفری میں مشعلیں گل ہو گئی تھیں۔ پرائیوٹ سیکرٹری نے قیدی کو مار پیٹ سے چھڑایا۔

وائسرائے کی وفات

لارڈ میو ضرب کھا کر سمندر میں گر گئے۔ جب دیکھا تو وہ گہرے پانی میں کھڑے اپنا منہ صاف کر رہے تھے۔ پرائیوٹ سکریٹری سے کہا "مجھے ضرب لگائی گئی، لیکن کچھ فکر نہیں، ضرب معمولی ہے" ممدوح کو گاڑی پر بٹھا دیا گیا جو پل پر کھڑی تھی۔ مشعلیں دوبارہ روشن کی گئیں۔ اس وقت دیکھا کہ ان کی پشت پر کوٹ کٹ کر ایک چھید ہو گیا ہے، جس میں سے پرنالے کی طرح خون بہتا ہے۔ اسے رومالوں سے بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک دو منٹ تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر ان کے پاؤں لڑکھڑائے اور پیچھے کی طرف گر پڑے۔ آہستہ سے کہا: ''میرا سر اوپر اٹھاؤ'' ساتھ ہی ختم ہو گئے۔

جہاز پر پہنچا کر ڈاکٹروں نے دیکھا تو کہا کہ اب ہر کوشش بے سود ہے۔ دو کاری زخم مونڈھے کے پاس سے شروع ہو کر سینے تک چیرتے چلے گئے تھے۔ ان میں سے ایک بھی جان لینے کے لئے کافی تھا۔

شیر علی قاتل

قاتلانہ حملہ شیر علی قیدی نے کیا تھا، جو اصلاً تیراہ کا آفریدی تھی۔ کمشنر پشاور کے سوار اردلیوں میں بھرتی ہوا۔ اس کے خاندان کی دو شاخوں میں مدت سے شدید عداوت چلی آتی تھی اور جھگڑوں میں دونوں شاخوں کے بہت سے آدمی مارے جا چکے تھے۔ شیر علی کو بھی گھر والوں کی طرف سے بارہا بلاوے آئے کہ آؤ اور دشمنوں سے بدلہ لو۔ ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ دشمنوں میں سے ایک پشاور آیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اٹھا اور پشاور کے ایک باغ میں اس نے دشمن کو قتل کر دیا۔(۱)

اس پر قتل کا مقدمہ قائم ہوا اور ۲راپریل ۱۸۶۷ء کو پھانسی کا حکم سنایا گیا لیکن چونکہ اس کا عام چلن اچھا تھا، جنگ امبیلہ میں بھی وہ شریک رہا تھا اور انگریزوں کی خدمات انجام دی تھیں، لہٰذا سزائے موت کو حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور میں بدل دیا گیا۔ ۱۸۶۹ء سے اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی بڑے انگریز کو قتل کرے گا۔ وہ اکثر روزے رکھتا، تنخواہ اور مزدوری سے جو کچھ بچ رہتا، مہینے دو مہینے کے بعد اس کا کھانا پکا کر مسکینوں میں تقسیم کر دیتا۔ نیک کرداری کے باعث وہ بہت ممتاز ہو گیا تھا اور نگراں بھی اس کی زیادہ دیکھ بھال نہ کرتے تھے۔ مشقتی قیدیوں کے لئے اسے حجام بنا دیا گیا تھا۔

(۱) ملاحظہ ہو رنیل ٹیلر کے سوانح حیات۔ انگریزی۔ ص: ۲۶۸-۲۷۲۔ ٹیلر نے یہ حالات لارڈ میو کے قتل کے بعد ۱۳ر فروری ۱۸۷۲ء کے لندن ٹائمز میں شائع کرائے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جرم کی تفتیش

انگریزوں کو یقین تھا کہ شیر علی کا یہ فعل گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈپٹی کمشنر پولیس کلکتہ کے علاوہ لالہ ایشوری پرشاد کو تفتیش کے لئے بھیجا گیا۔ آخر الذکر مقدماتِ سازش خصوصاً مقدمہ انبالہ اور پہلے مقدمہ عظیم آباد میں کارکردگی کے باعث سورج گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر بن چکا تھا۔ ان لوگوں نے ممتاز قیدیوں کو الجھانے کی بڑی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

خود شیر علی کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ دن بھر گھات میں رہا لیکن حملے کا موقع نہ مل سکا، نا امید ہو کر وہ ماؤنٹ ہیریٹ پر جا بیٹھا۔ گویا تقدیر خود اسے موقع پر لے گئی۔ بے شک بڑا شہ زور تھا۔ ایک موقع پر بھاری بیڑی اور ہتھکڑی توڑ کر اس نے جتی بجھائی اور گورے پہریدار کی سنگین چھین کر اسے زخمی کر دیا، لیکن دیکھنے میں بہت دبلا پتلا اور بدرو تھا۔ خیال میں یہ بات نہ آتی تھی کہ لارڈ میو جیسے طویل القامت اور بھاری بھرکم شخص پر وہ حملہ کر سکے گا۔ جب اس سے پوچھا جاتا کہ حملہ کس کے ایماء سے کیا؟ جواب دیتا: خدا کے حکم سے۔

پھانسی کی سزا

غرض اس پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہوئی۔ منظوری کے بعد پھانسی دینے لگے تو اس نے بلند آواز سے کہا:

> میں نے جب اس کام کا ارادہ کیا تھا تو اپنے تئیں مردہ سمجھ لیا تھا۔ مسلمان بھائیو! میں نے تمہارے دشمن کو مار ڈالا۔ اب تم شاہد رہو کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ پڑھا۔ دو دفعہ کلمہ ہوشیاری سے پڑھا۔ تیسری بار پھانسی کی رسی سے گلا گھٹ کر پورا کلمہ ادا نہ ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یوں لارڈ میو کے قتل سے ایک مہینہ چار روز بعد ۱۱ر مارچ ۱۸۷۲ء کو اسے پھانسی دی گئی۔ کہتے ہیں کہ ۱۸۷۱ء میں چیف جسٹس نارمن پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا تو لارڈ میو کو بھی خبر دار کر دیا گیا تھا اور حفاظت کے بڑے انتظامات کر لئے گئے تھے، لیکن خود لارڈ میو مسکراتے ہوئے کہتے کہ مارنے والے کو یہ انتظامات روک نہ سکیں گے۔ (۱)

اس واقعے کی وجہ سے مجاہدین کو مزید دس سال قید میں بسر کرنے پڑے۔

---

(۱) یہ حالات مولوی محمد جعفر کی "تاریخ عجیب" سے ماخوذ ہیں (ص ۶۵-۸۲) جو اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔ مولوی صاحب نے بعض خوفناک بے انصافیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ جمعدار شاہ نام ایک سرحدی فقیر ۲۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء کو ضلع رائے بریلی سے بہ جرم ترغیب بغاوت چودہ برس کی سزا پا کر انڈمان آیا تھا اور اسے ۲۱ر دسمبر کو رہا ہو جانا چاہیے تھا لیکن "تاریخ عجیب" کی ترتیب تک وہ رہا نہ ہوا تھا۔ لارڈ میو کو مسلمانوں کا دشمن نہ کہنا اس لئے کہا کہ اس کے عہد میں مسلمانوں خصوصاً "وہابی" مسلمانوں پر بہت سختیاں ہوئی تھیں۔

تیرہواں باب:

نظامِ عمل اور اصطلاحات

غلط فہمی اور غلط بیانی

دعوت و تبلیغ کے متعلق کچھ تفصیلات گزشتہ ابواب میں پیش کی جا چکی ہیں، انھیں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ روپیہ کن کن ذریعوں سے اور کس کس طریق پر جمع کیا جاتا تھا۔ یہاں سب سے پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہیے، جس میں بعض اصحاب نیک نیتی سے مبتلا ہوئے۔ اس کا سرچشمہ ڈاکٹر ہنٹر جیسے متعصب، حق ناشناس اور خدا ناترس انگریزوں کی مسلسل و متواتر غلط بیانیاں تھیں، یعنی سمجھ لیا گیا تھا کہ جماعت مجاہدین کے داعی عوام کو رات دن جہاد بالسیف کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں ان کا خاص مشغلہ یہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو بہ لطائف الحیل عسا کر مجاہدین میں بھرتی کر کے سرحد پہنچا دیں، جہاں سے مراجعت بوجوہ بہت دشوار تھی۔ مقدمہ انبالہ کے بعض گواہوں نے اپنے بیانات میں یہ بھی کہا کہ وہ سرحد سے واپس آنے کے آرزو مند تھے، لیکن نگرانی ایسی سخت و شدید ہوتی تھی کہ دیر تک واپسی کی کوئی صورت نہ بنی۔

حقیقت حال پر نظر رکھی جائے تو داعیوں کا اصل کام یہ تھا کہ مسلمانوں کو دین حقہ کے پابند بنائیں۔ انکی زندگیاں شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے ضروری معلومات بہم پہنچاتے رہیں اور جو جو عقیدے یا اعمال یا رسمیں خلاف اصول اسلام ہوں، انھیں ترک کرا دیں۔ البتہ وہ یہ بھی بتاتے تھے کہ جہاد اسی طرح ایک اہم اسلامی حکم ہے جس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یا دوسرے اسلامی احکام ہیں۔ یہ بھی ضرور بتاتے ہوں گے کہ غیر مسلموں کے تسلط سے ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے، اس لئے کہ اس میں اسلامی واجبات واحکام کی تعمیل آزادانہ نہیں ہوسکتی۔ بعض احکام کی بجا آوری سے یقیناً تعرض نہیں کیا جاتا، تاہم یہ برائے نام آزادی مسلمانوں کی قوت وطاقت اور حکم واختیار کا نتیجہ نہیں بلکہ حاکموں کی مصلحت شناسی اور اجازت بخشی کا نتیجہ ہے۔ حاکم جس وقت چاہیں، اسے ختم کرسکتے ہیں۔

حوصلہ سوز تغیر

گویا وہ لوگ اسلامیت کے چند تقاضوں نہیں بلکہ تمام تقاضوں کو پورا کرانے کے لئے کوشاں تھے۔ ان میں سے ایک ضروری تقاضا جہاد کا بھی تھا۔ ہنٹر وغیرہ نے اسی کو مرجع ومحور ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صورتِ حال کے متعلق عوام کے خاصے بڑے طبقے میں غلط فہمی پیدا ہوگئی، پھر مختلف لوگ اٹھے اور انھوں نے اپنے اپنے اسلوب فکر کے مطابق جہاد کی قدر وقیمت گھٹانے یا ہندوستان کو اس کے دائرۂ عمل سے نکالنے کی کوششیں شروع کردیں۔ جو حضرات جہاد کے معتقد تھے، انھوں نے ایک عجیب محتاط راستہ اختیار کیا یعنی امامِ جہاد کے شرائط پر حد درجہ زور دیا اور بالآخر صاف کہہ دیا کہ آج نہ جامع الشروط امام مل سکتا ہے اور نہ جہاد کا سوال زیر غور آسکتا ہے۔

اس طرح سید صاحب کی جماعت کے داعیوں اور کارکنوں کی جانبازانہ کوششوں کے ایمان افروز نتائج مٹادیے گئے، جن کیلئے انھوں نے دنیوی زندگی کی تمام راحتیں، اطمینان ودلجمعی کے تمام سامان اور فارغ البالی کے تمام وسائل بے دریغ قربان کیے تھے۔ جن زہرہ گداز مشکلات میں یہ کارنامہ انجام پایا تھا، ان کا تصور بھی ہمارے عہد کے دعویدارانِ دعوت شاید ہی کرسکیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مخالفانہ مساعی کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا کہ اس کا حصر مشکل ہے، مثلاً کہیں اختلاف عقائد کا فتنہ اٹھایا گیا، کہیں سید صاحب کی جماعت کے کارکنوں کا رشتہ اہل نجد سے جوڑا گیا اور اہل نجد کے متعلق غلط بیانیوں کے جو طومار قرنوں میں تیار کیے جا چکے تھے، ان سب کو سید صاحب کی جماعت کے سر پر پٹک دیا گیا۔ کہیں اسباب جہاد میں موشگافیاں کرتے کرتے معاملہ اس منزل پر پہنچا دیا گیا کہ اس حکم کے وجود اور عدم میں کوئی فرق نہ رہا۔ آخر میں بعض لوگوں نے جہاد کی حیثیت ہی منقلب کر دی۔

یہ نہ بھولیے کہ ان تمام مختلف الاشکال مساعی کو حکومت انگلشیہ کی خاص سرپرستی حاصل رہی۔ اکثر مسلمانوں کو فریضۂ جہاد سے بچ نکلنے کی سہل اور بے مشقت راہیں مل گئیں تو وہ ان راہوں پر چل نکلے۔ اس طرح اصل مقصد ہی کا انھیں کوئی احساس نہ رہا۔ اسلامی فکر ونظر میں یہ خوفناک تغیر بڑا ہی حوصلہ سوز اور ہمت فرسا تھا۔ اگر یہ فتنے نہ اٹھتے یا نہ اٹھائے جاتے تو یقیناً سید صاحب کی جماعت کے داعیوں کی کوششیں مسلمانوں کو قرنوں پہلے آزادی کی منزل مقصود پر پہنچا دیتیں اور ہماری بیداری کی تاریخ جنگ طرابلس سے کم وبیش سوا سو سال پیشتر شروع ہوتی۔

ایک مثال

ہنٹر نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بوڑھا آدمی سرکٹ ہاؤس میں پیپل کے نیچے بیٹھا ہوا لوگوں کو وعظ سنا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ محرم کا مہینہ قریب آرہا ہے، تم لوگ اس موقعے پر نئے کپڑے پہنو گے، حالانکہ اس قسم کی تمام باتیں خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نادرست ہیں۔

اس بوڑھے واعظ کی سواری کا ایک یابو تھا، جسے چرنے کیلئے چھوڑ دیا گیا تھا اور اس کے پاؤں میں گھاس کا رسا بندھا ہوا، دو اس کے ساتھی تھے۔ وعظ کے بعد اس نے تھوڑی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیر آرام کیا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر دوسری جگہ چلا گیا۔

وعظ سننے کے بعد سامعین نے مختلف رائیں ظاہر کیں۔ ایک بولا: یہ شخص ہمارے باپ دادا کی قبروں پر چراغ جلانے سے روکتا ہے۔ دوسرے نے کہا: یہ ہماری لڑکیوں کی شادیوں پر باجے گاجے اور ناچ رنگ کا مخالف ہے۔ تیسرے نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ شخص قرآن مجید سے واقف ہے اور کتاب پاک نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ صرف خدا کی عبادت کی جائے۔ چوتھا اٹھا اور بے تکلف گویا ہوا: بھائیو! یہ تو ''وہابی'' ہے۔

اگر ہم رنگ آمیزیوں سے قطع نظر کرلیں تو اس واقعہ سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہ کہ ایک مسکین واعظ نے مسلمانوں کو بری رسموں اور غیر شرعی مشغلوں سے باز رکھنے کی کوشش کی، نہ کسی سے کچھ مانگا، نہ لیا۔ اسی طرح وہ جا بجا وعظ کہتا پھرتا تھا۔

یہی بے غرضانہ دعوت وتبلیغ تھی، جسے ہنٹر جیسے لوگوں نے سالہا سال تک ہوا بنائے رکھا۔ لطف یہ کہ نہ اسلام کے متعلق صحیح معلومات پیش نظر تھیں، نہ یہ پتہ تھا کہ وہابیت کیا شئے ہے، بلکہ سید صاحب کی جماعت کے لوگوں کو ''وہابی'' قرار دینا ہی جہالت کی ایک بدترین مثال تھی، لیکن ہمارا مقصد غلط بیانیوں کی تردید نہیں بلکہ ہم جماعت کے نظامِ دعوت کی مختصر سی کیفیت پیش کرنا چاہتے ہیں۔

نظامِ دعوت

ہمارے سامنے نظامِ دعوت کا کوئی مرتب مرقع موجود نہیں، البتہ مختلف کارکنوں کی سرگرمیوں کے سلسلے میں جا بجا جو کچھ بیان ہوا، اسے سامنے رکھ کر ایک معقول اور زیادہ سے زیادہ قرین صحت خاکہ تیار کیا جاسکتا ہے مثلاً:

۱۔ مختلف اضلاع میں دعوت وتبلیغ کے مرکز قائم تھے۔ ہر ضلع کو سہولت کار کے لحاظ سے مختلف ٹکڑوں میں بانٹ کر جا بجا ماتحت مراکز بنادیے گئے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲- گاؤں سب سے چھوٹا یونٹ تھا اور شاید ہی کوئی گاؤں ہو جہاں مرکز نہ بنا دیا گیا ہو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے دیہات میں تحصیل اموال کی غرض سے دو دو مرکز قائم کر دیے گئے تھے۔

۳- دعوت اصلاح اور فراہمی سرمایہ کے علاوہ ہر مرکز کے ذمے ایک ضروری کام یہ تھا کہ اپنے حلقے کے تمام مقدمات کا منصفانہ فیصلہ کرے تاکہ جماعت کے کسی آدمی کو سرکاری کچہریوں میں جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس انتظام کے بدیہی فوائد کا اندازہ فرمائیے:

ا۔ غیر مسلم حکومت قائم ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کے لئے اسلامی اصول اور قوانین کے مطابق فیصلے کرا لینے کا نظام مہیا کر دیا گیا۔

ب۔ غیر اسلامی قانون کی براہِ راست تابعیت اور اس کے ضمن میں حصولِ مقاصد کے غیر اسلامی وسائل اختیار کی ضرورت جماعت کے کسی آدمی کو پیش نہ آ سکتی تھی۔ اس طرح قلب میں اسلامی اقدار کی عزت و عظمت برقرار رہتی تھی۔

ج۔ افرادِ ملت زندگی کے عام کاروبار میں صرف اپنوں ہی سے وابستہ رہتے تھے۔ غیروں سے وابستگی یا ان پر انحصار کا کوئی امکان پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

۴- نظامِ جماعت کے استحکام اور مقدموں کے فیصلوں کے لئے مساجد کی آبادی ضروری تھی۔ چنانچہ تمام دیہات میں مسجدوں کی آبادی کا خاص اہتمام کیا جاتا اور ان میں ایسے امام رکھے جاتے جو دعوت و تبلیغ کے فرائض بھی بوجہ احسن انجام دے سکتے اور فصلِ خصومات کے گراں قدر وظائف سے بھی عہدہ برآ ہو سکتے۔

۵- چھوٹی چھوٹی تبلیغی کتابیں یا اصلاحی رسالے بکثرت لکھے اور شائع کیے گئے۔ اس سلسلے میں شاہ اسمٰعیل شہید کی ''تقویت الایمان'' یا اس کا ضمیمہ ''تذکیر الاخوان'' کے علاوہ سید اولاد حسن قنوجی، مولوی خرم علی بلہوری، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور بیسیوں دوسرے بزرگوں کے چھوٹے چھوٹے رسالے بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ اکثر رسالوں اور کتابوں کی زبان اتنی سہل ہوتی کہ معمولی اردو خواں بھی ان سے مستفید ہو سکتے۔ بعض اصحاب نے ضروری مسائل کو نظم کر دیا تھا، جسے یاد کر لینا بہت آسان تھا۔ جابجا چھاپے خانے قائم کر دیے گئے تھے جن میں اس قسم کی کتابیں متواتر چھاپی جاتیں اور دو دو چار چار پیسے میں مل جاتیں۔ دینی خدمات کے علاوہ ان کے ذریعے سے اردو زبان کی جو خدمت انجام پائی وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

"قافلہ"

مولانا ولایت علی اور ان کے اخوان و اعزہ کی برکت سے عظیم آباد دعوت و تبلیغ اور فراہمی مجاہدین و سرمایہ کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اس لیے وہاں داعیوں اور مجاہدوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔ بعض لوگ روپیہ لے کر آتے۔ بعض شائقین جہاد کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں لاتے، روپے اور مجاہدین کو بہ آرام و حفاظت سرحد پہنچایا جاتا۔ بعض لوگ دعوت و تبلیغ کی تربیت حاصل کرنے کے لیے آ جاتے۔ اہلِ عظیم آباد نے اپنے مکانوں میں ایک وسیع مقام الگ کر دیا، جہاں مہمان بھی ٹھہرتے تھے، وعظ بھی ہوتے تھے اور درس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس کا نام ہی "قافلہ" پڑ گیا تھا۔ (۱)

یہ قابلِ یادگار مرکز ۱۸۶۵ء تک قائم تھا۔ جب بزرگانِ عظیم آباد کی جائیدادیں ضبط ہوئیں تو ان کے مکانوں کے علاوہ "قافلہ" بھی منہدم کرا دیا گیا اور اس کی جگہ جلد ہی کئی عمارتیں بن گئیں۔ اب کوئی شخص پہلی حالت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس عمارت کا ایک خاکہ مقدمۂ انبالہ میں پیش ہوا تھا۔ میں اسے شائع کر رہا ہوں تاکہ موجودہ اور آئندہ نسلیں

---

(۱) معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا نام "قافلہ" کیوں رکھا گیا۔ ایک وجہ تو یہ ذہن میں آتی ہے کہ یہ مقام چونکہ مجاہدین کے قافلوں کے لیے وقف تھا اس لیے اسے قافلہ کہنے لگے۔ ممکن ہے یہ وجہ بھی ہو کہ سید صاحب کے اہلِ و عیال اور ساتھی سرحد سے ٹونک پہنچے تھے تو جو جگہ ان کے قیام کے لیے تجویز ہوئی تھی اسے "قافلہ" ہی کہتے تھے۔ اغلب ہے کہ اہلِ عظیم آباد نے وہی نام پسند کر لیا ہو۔

اس مقام کو نہ بھولیں جس کی فضا کم وبیش تیس سال تک ذکر حق اور دعوت دین کی صداؤں سے معمور رہی۔

اصطلاحات

ان بزرگوں نے مصالح اخفا کے پیش نظر مختلف افراد و امکنہ اور اشیاء کے مخصوص نام یا مصطلحات مقرر کر لیے تھے، جنھیں جماعت کے خاص کارکنوں کے سوا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ خط و کتابت میں عموماً یہی اصطلاحی نام استعمال کیے جاتے تھے۔

مقدمہ انبالہ میں جو گواہ پیش ہوئے، ان میں سے بعض کی شہادتیں مصطلحہ اسماء ہی کی توضیح پر مشتمل تھیں۔ اس توضیح کے بغیر ان تحریرات و مکاتیب کی حقیقی حیثیت آشکارا نہ ہو سکتی تھی، جو تلاشیوں کے دوران میں مختلف اصحاب کے مکانوں سے برآمد ہوئے تھے۔ پیش کردہ الزامات کو ثابت کرنے کے لیے مصطلحات کی توضیح بھی ضروری تھی۔

میرا خیال ہے کہ تمام گواہ ان اصطلاحات سے براہِ راست واقف نہ ہو سکتے تھے۔ پولیس کو کہیں سے کچھ سراغ مل گیا تو اس کے مطابق گواہوں سے شہادتیں دلا دی گئیں۔ مولانا مسعود عالم مرحوم نے لکھا ہے: "راون شا نے اپنی رپورٹ میں اصطلاحات کی فرہنگ درج کر دی تھی۔(۱)

میں نے مختلف اصحاب کے موسومہ مکاتیب کا مطالعہ دقت نظر سے کیا تو یہ حقیقت بروئے کار آئی کہ اصطلاحات میں مکتوب الیہ کے پیشے کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مثلاً دہلی کے تاجرانِ جفت کو جو خط بھیجے جاتے تھے، ان میں عموماً جوتوں کا ذکر ہوتا تھا، لیکن قرینہ پیش نظر رکھتے ہوئے کبھی ان سے مجاہدین مراد ہوتے تھے اور کبھی روپے۔ اسی طرح جب کسی کتب فروش کے ذریعے سے ہنڈی بھیجی جاتی تھی تو "روپوں" کے لیے "کتابوں" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۲۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسمائے رجال

سب سے پہلے مختلف کار فرماؤں اور کارکنوں کے فرضی یا مصطلحہ اسماء کی فہرست درج کی جاتی ہے:

اصل نام	مصطلحہ نام
مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی	محی الدین
مولانا فیاض علی عظیم آبادی	بصیر الدین (۱)
مولانا عبداللہ (امیر المجاہدین)	بابو صاحب
محمد شفیع ٹھیکیدار	شفاعت علی
مولانا عبدالرحیم عظیم آبادی	رحیم بیگ
مولوی محمد جعفر تھانیسری	ہیرو خاں
عبدالقادر	غلام قادر
مولانا احمد اللہ عظیم آبادی	احمد علی (۲)
محمد احسان	روح اللہ
معظم سردار	عبداللہ
قاضی میاں جان	محمد شاکر، عبدالرحمٰن، عبداللہ خاں
عبدالغفور	عبدالغنی

بعض لوگوں نے سرحد سے واپس آ کر نام بدل لیے تھے مثلاً محمد عیسیٰ (ابن مولانا یحییٰ علی) نے یہاں آ کر اپنا نام امجد علی رکھا اور عبدالقدیر (ابن مولانا احمد اللہ) نے اشرف علی۔

بعض عہدوں کے ناموں کی بھی اصطلاحیں مقرر کر لی تھیں مثلاً:

(۱) مولانا مسعود عالم نے اس نام کو "بشیر الدین" قرار دیا، میں نے جہاں دیکھا "بصیر الدین" ہی دیکھا۔

(۲) مولانا احمد اللہ کا یہ اصل نام تھا۔ سید صاحب نے بیعت کے بعد ان کا نام احمد اللہ قرار دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خبیب	امام
نائب	امیر

امکنہ واشیاء

اشیاء وامکنہ کے باب میں جو کچھ معلوم ہو سکا، اس کی کیفیت بھی ملاحظہ فرما لیجئے:

مصطلحہ نام	اصلی مقام یا شئے
قافلہ(۱)	رنگروٹوں کا جیش
بڑا گودام	مجاہدین کے سرحدی مرکز، ملکا یا ستھانہ
چھوٹا گودام	عظیم آباد (پٹنہ)
مقدمہ	جنگ
مختار	ذات باری تعالیٰ
سفید پتھر، سفید دانے یا بلوری دانے	روپے اور ہنڈیاں
سنہری دانے، دہلی کے سنہری جوتے،	
سرخ پرندے	اشرفیاں

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، اصطلاحات موقع اور حالات کے مطابق وضع کر لی جاتی تھیں۔ مثلاً محمد شفیع نے فوجوں کو گوشت مہیا کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا اور وہ گائے بیل وغیرہ خریدتا رہتا تھا۔ جب اس کے خط میں مجاہدین کا ذکر کیا جاتا تھا تو "سانڈ" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ بعض تحریرات میں مجاہدین کو "مسافر" "بیوپاری" اور "خدمت گار" کہنے کا ذکر بھی آتا ہے۔

(۱) پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ اس مکان کا بھی نام تھا جو اہل عظیم آباد نے جماعتی سرگرمیوں کیلئے وقف کر رکھا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com
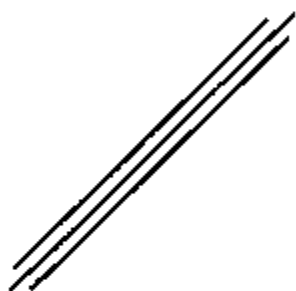
حصہ ششم

(جنگِ امبیلہ سے آخر تک)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

مجاہدین پر قبائلیوں کی یورش

مجاہدین اور ساداتِ ستھانہ

جنگِ امبیلہ کے سلسلے میں بتایا جا چکا ہے کہ مجاہدین کیلئے خود اخوند صاحب سوات نے چغرزئیوں کے علاقے میں قیام کا انتظام کر دیا تھا اور زخمیوں کو بھی وہاں پہنچا دیا تھا۔ ساداتِ ستھانہ اس کے بعد بھی ہمیشہ مجاہدین کے ہمدرد اور خیر خواہ رہے۔ مجاہدین نے بھی ان سے حسن علائق کا سلسلہ برابر قائم رکھا، تاہم تیس پینتیس برس سے ان کے درمیان دائرۂ جہاد میں اشتراک وتعاون اور یکجائی و یک جہتی کی جو صورت چلی آرہی تھی وہ جنگِ امبیلہ کے بعد قائم نہ رہی، اس لئے کہ قیام گاہیں الگ الگ ہو چکی تھیں اور بعدِ مکانی کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کی وقتی سرگرمیوں میں بھی پہلے کی سی یکجہتی باقی نہ رہی۔

سرحدی اکابر نے مصالحت کیلئے جو شرطیں انگریزوں سے طے کی تھیں بدلہۃً ان میں بھی یہ غرض مخفی تھی کہ مجاہدین اور ساداتِ ستھانہ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو جائیں اور ان کے درمیان مل جل کر رہنے یا ایک دوسرے کی مدد کیلئے بروئے کار آنے کا کوئی امکان نہ رہے۔ اس میں مجاہدین اور سادات دونوں کیلئے نقصان کے صریح پہلو موجود تھے۔ مجاہدین کو ہر نازک حالت میں سادات کے پاس قیام کیلئے جگہ مل سکتی تھی اور جو حالات ہم بیان کر چکے ہیں، ان سے صاف واضح ہے کہ سرحد آزاد کے جس طبقے نے نتائج وعواقب سے بالکل بے پرواہو کر مجاہدین کو سینے سے لگائے رکھا اور اس عزیز تعلق کی پاسداری میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، وہ صرف ساداتِ ستھانہ تھے۔ جس جنگی قوت پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساداتِ ستھانہ ہر حال میں کامل اعتماد کر سکتے تھے، وہ مجاہدین کی قوت تھی۔ دونوں کی علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین کو ساداتِ ستھانہ جیسے معاون نہ مل سکے اور ساداتِ ستھانہ مجاہدین جیسے جانبازوں سے محروم ہو گئے۔ آئندہ دونوں کیلئے قدم قدم پر پریشانیاں پیدا ہوئیں اور ایک دوسرے کیلئے زیادہ سے زیادہ اخلاص و محبت کے باوجود باہم عملی امداد کی کوئی تدبیر نہ بن سکی۔ اغلب ہے کہ انگریزوں کو بھی معاہدے کے اس پہلو کا پورا اندازہ ہو۔

کرنل وائلی کا بیان

کرنل وائلی نے لکھا ہے کہ مجاہدین علاقہ چغرزئی کے علاقے میں کچھ دیر مقیم رہے جو علاقہ بونیر کی مشہور ندی برندو کے شمال میں واقع ہے، لیکن وہاں ان کیلئے امن و اطمینان کی صورت پیدا نہ ہو سکی، اس لئے کہ ان کے میزبان یعنی چغرزئی افغان اکثر اخراج کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے:

> معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۸ء میں وہ (مجاہدین) علاقہ چغرزئی سے اٹھ کر باج کٹہ واقع بونیر میں منتقل ہو چکے تھے۔ یہیں اپریل ۱۸۶۸ء میں فیروز شاہ ان سے آملا جو دہلی کے آخری بادشاہ کا فرزند تھا۔(۱)
>
> بونیر میں ہندستانی مجاہدین کی موجودگی اخوند صاحب کیلئے ناخوش گوار تھی، لہٰذا اس نے اپنے ہم مشربوں کو ترغیب دی کہ مجاہدین کو خارج کر دینے کا

(۱) شہزادہ فیروز شاہ ابوظفر بہادر شاہ کا فرزند تھا جیسا کہ وائلی نے لکھا ہے۔ بلکہ بھتیجا یا بھائی تھا۔ یعنی یہ شاہ عالم ثانی کا پوتا اور شہزادہ ناظم بخت برادر اکبر شاہ ثانی کا فرزند تھا۔ ۱۸۵۷ء میں حج کے لئے چلا گیا تھا۔ اس کی واپسی کے وقت "غدر" شروع ہو چکا تھا۔ راستے ہی میں شہزادے نے ایک فوج کی کمان سنبھال لی اور دیر تک انگریزوں کے خلاف لڑتا رہا۔ جب انگریز ہندوستان پر دوبارہ مسلط ہو گئے تو شہزادہ آزاد (علاقے) میں چلا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں مجاہدین کے پاس پہنچا۔ غالباً یہ خیال کر کے کہ اتنے تھوڑے آدمیوں سے انگریزوں کے خلاف مؤثر اقدام نہ کیا جا سکے گا، وہ چلا گیا۔ بعد کی زندگی کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ اس نے ترکستان میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں فوت ہوا۔ دوسری یہ روایت ہے کہ مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں ۱۸۹۵ء میں وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فیصلہ کرلیں۔ اس فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجاہدین جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی، عجلت سے ملکا چلے گئے، جہاں وہ اپنے پرانے مکان دوبارہ تعمیر کرنے لگے۔ ان میں سے بعض کو آگے چل کر بونیر میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی لیکن اخوند صاحب کے خلاف سازشوں کا سلسلہ جاری رہنے کے باعث اخراج کا حکم دوبارہ نافذ کردیا گیا اور انھیں شدید نقصان پہنچا کر جبراً ملک سے باہر نکال دیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے پہلے چنر زیوں کے پاس پناہ لی، پھر پلوسی چلے گئے۔ وہاں سے تاکوٹ منتقل ہوگئے۔ انجام کار حسن زیوں کے علاقے میں پہنچے اور پلوسی کے قریب میدان میں کچھ زمین پٹے پر لے لی۔ وہاں وہ ۱۸۸۸ء تک رہے۔(۱)

حقیقتِ حال

مجاہدین کے مراکز سے متعلق وائلی کا بیان فی الجملہ درست معلوم ہوتا ہے، لیکن بونیر سے اخراج کا معاملہ تھوڑی سی تفصیل کا محتاج ہے۔

اخوند صاحب صوات کیلئے مجاہدین سے کشمکش کی بظاہر کوئی وجہ موجود نہ تھی۔ صاحب موصوف کا اصل مرکز صوات تھا۔ بونیر کے بیشتر قبیلے انھیں مقدس بزرگ مانتے تھے۔ مجاہدین نے کوئی روحانی مسند قائم نہ کی تھی کہ اخوند صاحب سے رقابت کا سوال پیدا ہوتا، پھر یہ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ مجاہدین اخوند صاحب کے خلاف سازشیں کررہے تھے؟

البتہ ملا صاحب کوٹھا عرف حضرت جی اور اخوند صاحب کے درمیان اک گونہ رنجش مدت سے چلی آتی تھی۔ چونکہ ملا صاحب بھی وقت کے عظیم القدر روحانی بزرگ تھے اور وہ بونیر و صوات کے مختلف علاقوں میں دورے کرتے رہتے تھے، اس لئے باہمی کشمکش کے ممکنات موجود تھے۔ ملا صاحب کا روحانی تعلق سید احمد شہید سے تھا۔ ہندوستان میں

(۱) ''وائلی کی کتاب'' ص: ۱۰۵-۱۰۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید صاحب کے تمام نیاز مندوں پر مقدمات کے سلسلے میں "وہابیت" کی تہمت لگ چکی تھی۔ اس کی صدائے بازگشت سرحد میں بھی پہنچی اور اخوند صاحب کے حلقۂ اثر میں ملا صاحب کے متعلق ایسی باتیں کہی جانے لگیں جن سے یہ ظاہر کرنا منظور تھا کہ ملا صاحب کو تھا بھی "وہابی" ہیں۔

ملا صاحب جب دورے پر نکلتے تھے تو ہر گاؤں کے لوگ انھیں پالکی میں سوار کر کے عقیدت مندانہ خود اٹھاتے ہوئے اپنے ہاں لے جاتے تھے۔ انھیں اخوند صاحب کے حلقۂ اثر کی بات چیت اور الزامات کا علم ہوا تو دورہ کرتے ہوئے اخوند صاحب کی قیامگاہ سیدو شریف پہنچے اور موصوف سے کہا:

> آپ کی مجلس میں مجھ پر اعتقادی اور مذہبی تہمت اور الزام لگایا جاتا ہے۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ اپنے مریدوں کو بلوائیں اور میں ان کے روبرو الزامات کی تحقیق کیلئے اپنے آپ کو پیش کروں۔ اگر مجھ پر شرعی الزام ثابت ہو تو سزا دی جائے یا توبہ قبول کی جائے۔ اگر کوئی الزام ثابت نہ ہو تو بدگوئی اور اتہامات کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ (۱)

اخوند صاحب نے جواب دیا کہ نہ مجھے کسی بدعقیدگی کا شبہ ہے، نہ مجھے اتنا علم ہے کہ آپ سے بحث ومذاکرہ کروں۔ نہ بحث ومذاکرہ پسند ہے، نہ یہ زیبا ہے کہ میری مجلس میں آپ کے خلاف اعتراضات والزامات معرض بحث میں آئیں۔ جو لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں، مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ (۲)

فتنے کا آغاز

سید عبدالجبار شاہ نے حکمرانی سوات کے زمانے میں اس واقعے کی پوری چھان بین

(۱) "کتاب العبرۃ" مصنفہ سید عبدالجبار شاہ (قلمی نسخہ) ص ۴۴۳

(۲) "کتاب العبرۃ" مصنفہ سید عبدالجبار شاہ (قلمی نسخہ) ص ۴۴۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملا صاحب عرف حضرت جی کے خلاف فتنۂ مخالفت اٹھانے کا اصل ذمہ دار علاقہ تلھی خیل کے ایک گاؤں درویاں کا معمر قاضی تھا، جس کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہو چکی تھی اور سید عبدالجبار شاہ نے خود پوری کیفیت اس کی زبان سے سنی۔

قاضی مذکور نے بتایا کہ میں اخوند صاحب کا مرید تھا، لیکن سوات اور ستمہ کے اکثر لوگ ملا صاحب کے ارادت مند تھے۔ یہ صورت حال مجھے بڑی ناخوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ایک روز اخوند صاحب سے کہا کہ صوات، ستمہ، ہشت نگر اور پشاور کے علماء کا استاد میں ہوں، جو آپ کا مرید ہو چکا ہوں۔ میرے لئے اپنے وطن میں کسی اور کی پیروی برداشت کرنا ممکن نہیں اور ایسی تدبیروں سے کام لے سکتا ہوں کہ ملا صاحب کوٹھا بدنام ہو جائیں۔ اخوند صاحب پہلے تو اس پر راضی نہ ہوئے۔ جب میں نے اصرار کیا اور انھیں بھی ایک طرح کا الٹی میٹم دیدیا تو مان گئے۔ چنانچہ میں نے ملا صاحب کے خلاف "وہابیت" کا فتنہ اٹھایا۔ دو ہزار عالموں کو لے کر کوٹھا کا رخ کیا۔ عالموں کو باجا بام خیل میں بٹھا دیا جو کوٹھا سے قریب ہے۔ اپنے شاگردوں کا ایک وفد ملا صاحب کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے کچھ سوال کیے، جن کے جوابات کو بگاڑ کر میں نے علماء کے سامنے پیش کیا اور ملا صاحب کی وہابیت کا فتویٰ لے کر سب جگہ نقارہ بجوا دیا۔ (۱)

اس افترا کی اصل بنیاد یہ تھی کہ ملا صاحب سید احمد شہید کے مرید تھے۔ سید صاحب، شاہ اسمٰعیل اور ان کے رفیقوں کے خلاف "وہابیت" کا فتویٰ ہندوستان کے بعض علماء صادر کر چکے تھے۔

ملا صاحب پر یورش

غالباً ۱۲۸۲ھ (۶۶-۱۸۶۵ء) کا واقعہ ہے کہ ملا صاحب معمول کے مطابق بونیر

(۱) کتاب العبرۃ (قلمی نسخہ) ص: ۲۲۶-۲۲۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے ہوئے تھے۔ وہاں کے دولت زئیوں میں سے باری خیل فرقہ ان کا بہت معتقد تھا۔ اخوند صاحب کے ارادت مندوں نے اس وقت تک ملا صاحب کے خلاف ''وہابیت'' کی آگ اس شدت سے مشتعل کر دی تھی کہ صوات و بونیر کے لشکر جمع ہو کر ان کے اخراج کیلئے جا پہنچے۔ یہاں تک کہ ملا صاحب کے ساتھ باری خیل فرقے کو بھی جلاوطنی کی سزا دے دی گئی۔ ملا صاحب بونیر سے اٹھے اور چملہ سے گذرتے ہوئے موضع چروڑی چلے گئے جو امازئیوں کا مشہور مقام تھا۔ مخالف لشکروں نے تعاقب کرتے ہوئے چروڑی کا محاصرہ کر لیا اور ملاؤں نے امازئیوں کے خلاف بھی ''وہابیت'' کی تہمت تراش کر جہاد کا فتویٰ دے دیا۔

اہل حق کی بے بسی اور عزیمت

امازئی تعداد میں بہت کم تھے اور تنہا پورے بونیر و صوات کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے، لیکن ان کی افغانی غیرت یہ ننگ بھی گوارا کرنے کیلئے تیار نہ تھی کہ اپنے معزز اور مقدس مہمان کو مخالفوں کے حوالے کر دیں یا کسی دباؤ کے ماتحت اپنے گھروں سے نکال دیں۔ موزد خاں رئیس چروڑی اور جبار خاں نے خود ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر صاف صاف عرض کر دیا کہ نہ مقابلے کی طاقت ہے، نہ کسی تدبیر سے آپ کو محفوظ طریقے پر باہر نکال سکتے ہیں۔ ملا صاحب نے فرمایا کہ دعاء کیلئے ہاتھ اٹھاؤ۔ دیر تک دعاء میں مشغول رہے۔ پھر فرمایا کہ اگر بارہ غیور افراد اخلاص سے جانی قربانی پر آمادہ ہو جائیں تو یہ مور و ملخ کا سا لشکر شکست کھا جائے گا۔ یہ سنتے ہی سادات منگل تھانہ میں سے سید جبار اور ان کے بھائی نے سب سے پہلے اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کر دیا۔ تھوڑی دیر میں نو مزید غیور افراد سامنے آ گئے، لیکن بارہ کا عدد پورا نہ ہوا۔ یہ گیارہ جانباز باہر نکلے تو چار سو کے قریب امازئی جوان ان کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے حملہ کیا کہ صوات و بونیر کا لشکر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شکست کھا کر بھاگا۔ امازئیوں نے میلوں اس کا تعاقب کیا اور ملا صاحب بہ اطمینان چروڑی سے اٹھ کر کوٹھا پہنچ گئے۔(۱)

مجاہدین کے خلاف اقدام

جب سید صاحب سے انتساب کی بناء پر ملا صاحب کے خلاف ''وہابیت'' کا الزام لگ چکا تھا تو مجاہدین اس سے کیونکر محفوظ رہ سکتے تھے، درآں حالیکہ وہ براہ راست سیّد صاحب کی جماعت سمجھے جاتے تھے اور ان کی دینی تحریک کی تاسیس ہی سید صاحب نے فرمائی تھی؟ چنانچہ چروڑی کے محاصرے سے پہلے یا اس کے بعد مجاہدین کو بھی نکال دینے کا فیصلہ کرلیا گیا اور بہت بڑا لشکر ان کے خلاف حرکت میں آیا۔ بتایا جا چکا ہے کہ وہ گلونو بوڑی (علاقہ چغرزئی) میں رہتے تھے۔ اس گاؤں سے تھوڑی دور باہر ایک گلی یا تنگنائے دو پہاڑوں کے درمیان تھی جس سے گذر کر گلونو بوڑی جاتے تھے۔ اس کا نام گلی بدہال تھا۔ امیر المجاہدین مولانا عبداللہ کو مخالفانہ اقدام کا علم ہوا تو انھوں نے ایک جمعدار کو پچاس مجاہدین کے ساتھ گلی بدہال میں بٹھا دیا، اس لئے کہ حملہ آوروں کی آمد کا وہی راستہ تھا۔ ان مجاہدین نے حفاظتی مورچے قائم کرلئے۔ مخالفین گلی کے قریب پہنچے تو جمعدار نے انھیں روکا۔ مخالفین نے تلواریں نکال لیں۔ یہ دیکھتے ہی مجاہدین نے قرابینوں سے گرابیں ماریں اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ تمام مجاہدین گلی ہی میں شہید ہوگئے، لیکن مخالفین کو اتنا نقصان پہنچ چکا تھا کہ انھیں قدم آگے بڑھانے کی ہمت نہ پڑی۔(۱)

سید عبدالجبار شاہ کا بیان

سید عبدالجبار شاہ ستھانوی کتاب العبرت میں اس خوفناک جنگ کا ذکر فرماتے

(۱) ''کتاب العبرت'' ص:۴۲۵۔ جہاں بونیر و سوات کا لشکر نہ پہنچ سکتا تھا اس لئے کہ کوٹھا انگریزی علاقے میں تھا۔
(۱) ''کتاب العبرت'' ص:۴۲۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوئے لکھتے ہیں، سرحدی علماء نے جب دیکھا کہ چند کالے کالے دبلے پتلے ہندوستانی راستہ روکے بیٹھے ہیں تو ایک دم ان کی غیرت جوش میں آ گئی:

عوام کو حکم دے دیا کہ "اللہ اکبر" کہہ کر ان بے دینوں کو مارو۔ یہ تم کو مجاہدین کے گھر لوٹنے سے روک رہے ہیں، حالانکہ وہ (مجاہدین) کیمیا گر ہیں۔ ان کے گھر سونے چاندی سے بھرے پڑے ہیں۔ بس پھر کیا تھا ایک دم صواتی اور ان کے طرفدار بونیری ہمارے مجاہدوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ سچے مومن تھے۔ سب قرابین کے ہتھیار سے مسلح تھے۔ جمعدار نے حکم دیا اور مجاہدین پینترے بدل بدل کر اور قرابین میں چالیس پچاس گولیاں ڈال کر لشکر کے ہجوم کو اڑانے لگے۔ پانچ چھ سو لشکری ڈھیر ہو گئے۔ ملکی لشکروں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے بھی مار کھائی۔ پھر دور سے توڑے دار بندوقوں سے پچاس نفوس کو شہید کر کے راستہ آزاد کرا لیا۔ مگر پھر کون ان بہادروں کا سونا چاندی لوٹنے جاتا۔ سب نے پوچھا کہ آگے ایسے جانباز کتنے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہزار بارہ سو نفری ان کی ہے۔ بس یہ سنتے ہی سب واپس ہو گئے۔ (۱)

ذمہ داری کا مسئلہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت جی صاحب یعنی ملا صاحب کوٹھا اور جماعت مجاہدین کے خلاف ہنگامہ بپا کرنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ سید عبدالجبار شاہ نے ذاتی تحقیقات کی بنا جو کچھ لکھا ہے، اس سے واضح ہے کہ اس فتنے کا اصل بانی قاضی دردیال تھا۔ اسی لئے حضرت اخوند صاحب کے انکار کے باوجود مخالفت کی آگ سلگائی اور اسے ہوا دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت اخوند صاحب قاضی کی باتوں سے متاثر نہ ہوتے تو یہ معاملہ نازک صورت اختیار نہ کرتا، یہ بھی

(۱) کتاب العبرت ص: ۴۲۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ممکن ہے کہ قاضی نے حضرت اخوند کے سامنے اس مسئلے کو زیادہ سے زیادہ بڑی صورت میں پیش کرکے حسبِ منشا کارروائی کی گنجائش پیدا کرلی ہو۔ یعنی واقعی یقین دلا یا ہو کہ ملا صاحب اور مجاہدین کا عقیدہ خلافِ شریعت ہے۔ ہندوستان میں بیسیوں علماء نیک نیتی سے یہی سمجھتے رہے۔ البتہ ظاہر ہے کہ ان کی رائے غلط تھی اور اس سے جو نتیجے نکلے وہ حد درجہ الم خیز اور غم انگیز تھے۔

ضروری تصریحات

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کردینی چاہیے کہ گلی بدہال اور گلونو بوڑی بہت قریب ہیں ان کے نزدیک ہی ٹپارا ہے۔ اس وجہ سے بعض اوقات گلونو بوڑی کی اقامت کو ٹپارا کی اقامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے جب مولانا رحمت اللہ مرحوم امیر المجاہدین سے پرانے واقعات کے متعلق بات چیت کی تھی تو وہ گلونو بوڑی کے قیام کو ٹپارا ہی کا قیام قرار دیتے تھے۔ میرے استفسار پر انھوں نے گلونو بوڑی، بدہال اور ٹپارا کی جغرافیائی حیثیت واضح فرمائی۔ گلی بدہال کی لڑائی کو پالنگ کی لڑائی بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ پالنگ بھی یہاں سے بالکل قریب ہے۔ امیر رحمت اللہ نے فرمایا: مخالفین کا لشکر اتنا زیادہ تھا کہ ڈگر سے میدانِ جنگ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ بایں ہمہ جماعت مجاہدینؔ میں سے پچاس جانبازوں نے اس ٹڈی دل پر ایسی ہیبت طاری کردی کہ پھر اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

مجاہدین کا نقلِ مکان

اس واقعے کے بعد مجاہدین نے گلونو بوڑی کی سکونت ترک کردی اور وہ پلوسی چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ ملکا میں ان کی مدتِ قیام سات سال بنتی ہے (۱۸۵۸ء-۱۸۶۴ء)۔ ایک روایت کے مطابق تین سال انھوں نے گلونو بوڑی میں گزارے۔ (۱۸۶۴ء-۱۸۶۶ء)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید عبدالجبار شاہ فرماتے ہیں:

> وہ لوگ گلو توبوڑی سے بونیر والوں کے حملے کے بعد نکل کر علاقہ چغرزئی میں بہ مقام ڈبّ سر چلے گئے۔ وہاں سے بھی کسی حادثہ ناموافقت کی وجہ سے حسن زئی قبیلے میں آ گئے اور لمبا عرصہ یہاں ان کا قیام قلعہ پلوسی میں ۱۸۸۸ء تک رہا۔(۱)

ڈبّ سر کابل گرام کے پاس ہے۔ امیر رحمت اللہ فرماتے تھے کہ یہاں مجاہدین نے جو قلعہ بنایا تھا اس کے کونوں پر برج تھے۔

(۱) "کتاب العبرت" قلمی نسخہ ص:۴۲۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضمیمہ

اس سلسلے میں ایک چیز باقی رہ گئی۔ یعنی مولانا غلام رسول مرحوم عرف مولانا عبداللہ (قلعہ میاں سنگھ والے) نے حضرت اخوند صاحب سوات اور حضرت ملّا سید امیر صاحب کوٹھا دونوں کو دیکھا تھا اور دونوں کی صحبت میں وقت گزارا تھا۔ دونوں بزرگوں کے متعلق ان کے بیانات ذیل میں درج ہیں۔

واضح رہے کہ مولانا غلام رسول مرحوم خود وقت کے بہت بڑے عالم، مصلح اور ولی اللہ تھے اور ان کے بیانات خاص توجہ کے مستحق ہیں:

۱۔ حضرت اخوند صاحب سوات:

۱۔ مولانائے محترم جس زمانے میں کسب فیض کے لئے اہل اللہ کے جویاں تھے، اس زمانے میں کسی سے حضرت اخوند صاحب کی تعریف سنی، فوراً سوات روانہ ہوگئے:

> اخوند صاحب سے ملاقی ہوئے، آپ فرماتے کہ اخوند صاحب بڑے زاہد، عابد، متقی ہیں، لیکن سنت سے ناواقف۔(۱)

۲۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی مرحوم کو کتاب و سنت کی پیروی کی بناء پر افغانستان کے حق ناشناس ملاؤں کے شور و شغب کے باعث وطن سے نکلنا پڑا تو سوات میں آگئے تھے۔ مولانا غلام رسول لکھتے ہیں:

> آپ شہر سے نکال دیے گئے۔ بلوائے عام آپ کے سر پر ہوگیا اور ملک سوات (صوات) میں آکر اقامت اختیار کی۔ اخوند عبدالغفور صاحب جو زہد ورع حضرت میں ممتاز تھے اور مجددیہ قادریہ کے طریق اور صوم الدہر کے ساتھ دم بھرنے والے، پہلے تو نہایت عمدہ مروّت کے ساتھ پیش آئے اور دلداری

(۱) سوانح حیات (سوانح مولانا غلام رسول) ص ۲۳۸

ودلداری کی۔ آخر الامر جب آپ (مولانا عبداللہ غزنوی) کے حاسدوں کا نوشتہ آپ کے پاس پہنچا تو بلا تحقیق مروّت کا دامن کھینچ لیا۔ کچھ مدت وہاں رہ کر حضرت سید میر صاحب کوٹھا والوں کے پاس تشریف لے گئے۔(۱)

ب۔ حضرت ملا صاحب کوٹھا:

مولانا غلام رسول حضرت ملا صاحب کی خدمت میں پہنچے تو فرماتے ہیں کہ انھیں دیکھتے ہی قدرے تسکین ہوگئی۔ سلسلۂ بیعت دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں بیعت شدہ سیّد احمد صاحب بریلوی، مرشدِ مولوی اسماعیل صاحب شہید کا ہوں۔ مجھ کو انھیں سے فیض حاصل ہے:

> مجھے دوبارہ زندگی حاصل ہوگئی۔ پژمردگی جاتی رہی۔ اتنا سرور ہوا کہ دنیا و مافیہا بھول گیا۔ حضرت صاحب میری طرف دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ عجیب استعداد کا آدمی ہے۔ میرے چراغ میں رمق باقی تھی۔ روغن ڈالا گیا، جو مراد تھی وہ برآئی..... حضرت کا فیض مثل موجِ دریا تھا، کوئی بھی خالی نہیں جاتا تھا۔ جو حلقے میں بیٹھ جاتا، یک بارگی اس کے تمام لطائف جاری ہو جاتے۔ متبع سیّد الانام بن جاتا..... جو شخص بیعت کیلیے جاتا اوّل اس کے عیوب سے اس کو مطلع کر کے پھر بیعت کرتے۔ آپ کے وظائف مطابق سنت تھے۔(۲)

---

(۱) سوانح عمری مولوی عبداللہ الغزنوی ص ۲۸۰
(۲) سوانح حیات ص: ۳۹-۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

کوہ سیاہ کی مہمیں

اگرور میں فوجی چوکی

آزاد قبائل اطمینان سے بیٹھے تھے، لیکن حکومتِ انگلشیہ اپنے اثر و اقتدار کا دائرہ بڑھانے کیلئے کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھاتی رہتی تھی۔ چنانچہ نومبر ۱۸۶۷ء میں اگرور کے مشہور مقام اوگی میں ایک فوجی چوکی قائم کر دی گئی، حالانکہ اس کی کوئی ضرورت ۱۸۵۳ء کے بعد پیش نہ آئی تھی۔ آزاد قبائل اس چوکی کا مطلب یہی سمجھ سکتے تھے کہ حکومت آہستہ آہستہ انھیں زیر اثر لانے کیلئے تدبیروں کا جال پھیلا رہی ہے۔ چنانچہ ان میں بے چینی پیدا ہوئی۔ واٹلی کا بیان ہے کہ ۳۰ جولائی ۱۸۶۸ء کو پانچ سو کے ایک لشکر نے اس چوکی پر ہلّہ بول دیا۔ اس لشکر میں آس پاس کے تمام قبیلوں کے آدمی موجود تھے، حتیٰ کہ پریاری کے سیدوں نے بھی اس میں بہ قدرِ تناسب حصہ لیا۔(۱) "ہزارہ گزیٹیر" کے بیان کے مطابق یہ لشکر حسن زئیوں، اکازئیوں، چغرزئیوں اور پریاری سیدوں پر مشتمل تھا۔ چوکی کے بائیس جوانوں نے جم کر مقابلہ کر لیا اور بہت سا سامان بھی اٹھا کر لے گئے۔(۲)

حکومت کو شبہ ہوا کہ یہ حملہ عطا محمد خاں رئیس اگرور کی انگیخت پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ لفٹنٹ کرنل راونی (ROTHNY) فوج لے کر ۳۱ جولائی کو آدھی رات کے وقت ایبٹ آباد سے اوگی وارد ہوا۔ گویا اس نے بیالیس میل کا فاصلہ پچیس گھنٹوں میں طے کر لیا۔ ۲ اگست کو وائی امب کی فوج موقع پر پہنچ گئی۔ رئیس اگرور کو گرفتار کر کے ایبٹ آباد

(۱) "واٹلی کی کتاب" ص: ۳۶ (۲) "ہزارہ گزیٹیر" ص: ۱۶۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھیج دیا گیا اور خود کرنل راوتی وہاں بیٹھا رہا، اس لئے کہ وادی اگرور میں شدید بے چینی کے آثار نمایاں تھے۔ اس اثناء میں زبردست اقدامات کا فیصلہ کرلیا گیا۔ مختلف چھاؤنیوں سے فوجیں طلب کرلی گئیں۔ بریگیڈیئر جنرل وائلڈ کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ مہم کے آغاز تک قبائلی لشکر برطانوی علاقے کے بائیس گاؤں جلا چکے تھے اور ان کی یورشوں میں چونسٹھ آدمی مقتول و مجروح ہو چکے تھے۔

کوہ سیاہ کی دوسری مہم

اس مہم کے لئے جو فوج جمع کی گئی، وہ ساڑھے نو ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ مہاراجہ کشمیر نے بھی بارہ سو آدمی انگریزی فوج کی اعانت کیلئے سرحد پر بھیج دیئے تھے، اگرچہ ان سے کوئی کام نہ لیا گیا۔

اتنی بڑی فوج کے اجتماع کا اثر یہی ہوسکتا تھا کہ مختلف طبقات پر ہیبت طاری ہو جاتی چنانچہ ٹکری اور نندھیاڑ کے بعض حسن زئیوں اور صواتیوں نے مصالحت پر آمادگی کا یقین دلا دیا، البتہ چغرزئیوں، اکازئیوں، دیشی اور تاکوٹ کے صواتیوں اور پریاری سیدوں سے مقابلہ درپیش رہا۔ مستند اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی مجاہدین اس مہم میں قبائلی لشکروں کے معاون بنے رہے، بلکہ دوران کشمکش میں وہی تھے، جنھوں نے ہر مقام پر جانبازانہ مقابلہ کیا۔

انگریزی فوج دو حصوں میں منقسم تھی، ایک حصے کا سالار کرنل برائٹ (BRIGHT) اور دوسرے کا واگھن (VAUGHAN) تھا۔ ۳ راکتوبر کو دونوں جیش مختلف سمتوں سے بڑھے اور تین روز میں ان تمام مقامات پر قابض ہو گئے، جہاں سے کوہ سیاہ اور اس کے نواحی علاقے میں ہر سمت کامیاب اقدامات کیے جاسکتے تھے۔ چند روز میں باقی قبیلوں نے بھی صلح کرلی۔ پھر انگریزی فوج پریاری، ٹکری اور نندھیاڑ میں سے گذرتی ہوئی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

واپس آ گئی۔ اس پوری مہم میں صرف ایک ناخوش گوار واقعہ پیش آیا، یعنی پر یاری سیدوں نے انگریزی فوج کی ایک عقبی ٹکڑی پر حملہ کیا، جس کی سزا میں ان کا ایک گاؤں جلا دیا گیا۔ ۲۰/ اکتوبر کو فوج انگریزی علاقے میں واپس آ گئی۔ اس مہم میں انگریزوں کے مقتولین و مجروحین کی کل تعداد صرف چونتیس تھی۔(۱)

کشمکش کا امتداد

انگریزی فوج کشی اگرچہ نظر بظاہر کامیاب رہی تھی تاہم اس سے عام حالات میں کوئی خوش آئند تغیر پیدا نہ ہوا اور کشمکش کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ مثلاً:

۱۔ جولائی ۱۸۶۹ء میں اگرور کے دو گاؤں، برچار اور کل ڈھیری جلائے گئے۔

۲۔ اگست ۱۸۶۹ء میں جسکوٹ پر حملہ ہوا۔

۳۔ ۷/ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو ایک انگریزی جیش نے اکازئیوں کا ایک گاؤں شہتوت تباہ کر ڈالا اور اعلان کر دیا کہ حکومت کی اجازت کے بغیر اس گاؤں کو آباد نہ کیا جائے۔

۴۔ ۹/ اپریل ۱۸۷۰ء کو اکازئیوں نے برچار پر حملہ کیا۔

۵۔ ۱۵/ اپریل کو اکازئیوں اور خان خیل حسن زئیوں نے سنجل بٹ جلا دیا۔

غرض دونوں جانب سے مخالفانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ قبائلیوں کو موقع ملتا تو وہ انگریزی علاقے پر چھاپے مارتے۔ انگریزی فوج اٹھتی تو قبائلیوں کی فصلوں اور آبادیوں کو تباہ کرتی۔ ۱۸۷۰ء میں حکومت کو احساس ہوا کہ خان اگرور کو بے وجہ معزول کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کی ریاست بحال کر دی گئی۔ اکازئیوں کو چونکہ شہتوت گاؤں آباد کرنے کی ممانعت تھی، اسلئے وہ وقتاً فوقتاً انگریزی علاقے میں انتقامی اقدامات کرتے رہتے تھے۔ ۱۸۷۵ء میں ان سے آخری تصفیہ ہو گیا۔

---

(۱) "ہزارہ گزیٹیر" ص: ۱۷۱-۱۷۲۔ نیز وائلی اور نیویل کی کتابیں۔

فساد در فساد

۱۸۷۵ء میں عطا محمد خاں رئیس اگرور نے وفات پائی اور اس کا بیٹا گوہر خاں جانشین ہوا۔ کچھ دیر بعد حسن زئیوں اور اگروریوں کے ایک خان احمد علی خاں کو اس کے دشمن فیروز خاں نے فروری ۱۸۸۰ء میں قتل کر دیا۔ احمد علی خاں کے بھائی ہاشم علی خاں کو مقامی اخیلوں سے امداد مل گئی۔ فیروز خاں بھاگ کر علاقہ سمندر خاں کو اس بنا پر قتل کر دیا کہ وہ بھی احمد علی خاں کے قتل میں شریک تھے۔

عطا محمد خاں مرحوم رئیس اگرور کے تعلقات اپنے چچیرے بھائی اللہ داد خاں سے نہایت ناخوش گوار تھے۔ یہ عداوت ان کی اولاد کو بھی میراث میں ملی۔ اللہ داد خاں کے بیٹے عبداللہ خاں کو اگرور کے چھ گاؤں پٹے پر ملے ہوئے تھے۔ علی گوہر خاں نے وہ پٹا منسوخ کرانا چاہا۔ عبداللہ خاں اپنے مرکز دل بوڑی سے نکلا اور آزاد قبائلیوں کی امداد لے کر اس نے اگرور کے دیہات پر متعدد چھاپے مارے۔ حکومت نے اس کا مشاہرہ ضبط کرنے کے علاوہ اسے مدد دینے والے قبائل کی ناکہ بندی کر لی۔ اس طرح تادیبی اور انتقامی کارروائیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔

عجیب امر یہ ہے کہ ہاشم علی خاں کے ایک چھاپے کے سلسلے میں چھان بین کرتے ہوئے کارکنانِ حکومت کو محسوس ہوا کہ یہ چھاپا خان اگرور کے ایما سے مارا گیا ہے۔ چنانچہ خان کو معزول کر کے لاہور میں نظر بند کر دیا گیا۔ حسن زئیوں اور پریاریوں کے خلاف زیادہ شدید اقدامات کی تجویزیں زیر غور آ گئیں۔

دو انگریز افسروں کا قتل

۱۸؍ جون ۱۸۸۸ء کو ایک نیا حادثہ پیش آیا، جو حکومت کے لئے زبردست فوجی اقدامات کا بہانہ بن گیا۔ اس کی کیفیت یہ ہے:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میجر بٹی (BATTYE) اور کپتان ارمسٹن (URMSTON) ساٹھ فوجیوں اور انیس جوانانِ پولیس کے ہمراہ اوگی سے روانہ ہو کر برچار کے ٹیلے پر چڑھے۔ سرکاری بیانات میں بتایا گیا ہے کہ وہ گردونواح کے علاقے کا اندازہ کرنا چاہتے تھے۔ مقامی روایت یہ ہے کہ وہ شکار کھیلنے کے لئے نکلے تھے۔ بہر حال مقصد خواہ کچھ ہو، ریوڑ چرانے والے گوجروں نے ان پر گولیاں چلائیں۔ سرکاری بیانات میں بتایا گیا ہے کہ ان پر حملہ انگریزی علاقے میں ہوا، لیکن ان پہاڑوں پر کوئی ایسی واضح حد بندی موجود نہ تھی، جس سے سمجھا جا سکتا کہ انگریزی علاقہ ختم ہو کر قبائلی علاقہ شروع ہو گیا ہے۔ بندوقوں کی آواز سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اس پر میجر بٹی نے اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔ ایک حولدار زخمی ہو گیا، جو انگریزی جمعیت کے عقبی حصے میں تھا۔ میجر بٹی اور کپتان ارمسٹن اسے بچا کر ساتھ لانے کیلئے لوٹے اور دست بدست لڑائی میں دونوں مارے گئے۔ مشہور کر دیا گیا کہ پریاری سید اور خان خیل حسن زئی (بہ قیادت ہاشم علی خاں) بھی بندوقوں کی آواز سن کر مخالفانہ حملے میں شریک ہو گئے تھے۔

بہر حال چند روز بعد حسن زئی، اکازئی اور پریاری سید خاصی بڑی تعداد میں کوہ سیاہ کے ٹیلوں پر جمع ہو گئے۔ ۲۷ رجون ۱۸۸۸ء کو عبداللہ خاں (بن اللہ داد خاں) بھی میدان (نزد پلوسی) سے ایک سو بیس ہندستانی مجاہدوں کو لے کر آ گیا۔(۱)

کوہ سیاہ کی تیسری مہم

اس طرح کوہ سیاہ کی تیسری مہم کا آغاز ہوا۔ انگریزوں نے اس کیلئے بھاری فوج جمع کی جس کی تعداد سرسری اندازے کے مطابق بارہ ہزار سے کم نہ ہو گی۔ اس کے ساتھ چوبیس توپیں تھیں۔ میجر جنرل میکوئین (MCQUEEN) کو اس کا سپہ سالار بنایا گیا۔

(۱) "ہزارہ گزیٹیر" ص: ۱۶۷-۱۶۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پوری فوج کے دو برگیڈ تھے ایک کا سالار برگیڈیر جنرل گیلبرتھ (GALBRAITH) تھا، دوسرے کا برگیڈیر جنرل چینر (CHANNER)۔ ہر برگیڈ کے دو کالم بنا دیے گئے تھے۔ جنرل میکوئین نے تین کالموں کا مرکز اجتماع اوگی قرار دیا اور چوتھے کا دربند۔ اوگی کے تین کالموں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ کوہ سیاہ کے شمالی و مشرقی حصے سے پیش قدمی کرتے ہوئے اس کی چوٹی پر پہنچیں۔ اس طرح ان قبائل کے سر پر پہنچ جائیں جو کوہ سیاہ کی مغربی ڈھلانوں یا اس پہاڑ اور دریائے سندھ کے مابین آباد تھے۔ دربند والے کالم کو دریا کے کنارے کنارے یا اس سے قریب شمال کی طرف بڑھنا تھا۔ پہلے تین کالموں نے اکتوبر کی چوتھی اور پانچویں تاریخ کو مقررہ کام پورا کرلیا۔ ان میں سے صرف پہلے کالم کو تھوڑی سی مزاحمت سے سابقہ پڑا، لیکن چوتھے کالم کو کئی خونریز لڑائیاں پیش آئیں۔ یہ کالم دربند سے بیلہ پہنچا اور وہاں سے شنگری پر بڑھا تو مقابلہ ہوا۔ شنگری پر قبضہ جمالینے کے بعد پھر اس نے پیش قدمی شروع کی تو تورو اور کوٹ کئی کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔

تورو اور کوٹ کئی کی لڑائی

اس لڑائی کے متعلق نیویل اور وائلی نے جو حالات بیان کیے ہیں، وہ اتنے مختصر ہیں کہ ان سے اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ (۱)

''ہزارہ گزیٹیر'' کا بیان ہے کہ قبائلی لشکر تورو کے شمال مشرق میں کوئی آٹھ سو گز کے فاصلے پر ایک نالے کے کنارے قدم جمائے کھڑا تھا۔ اس کی دائیں جانب دریا تھا اور بائیں جانب پہاڑ جس کی ڈھلانوں میں انھوں نے مورچے قائم کرلیے تھے۔ گویا غنیم ان کے خلاف پیش قدمی کرتا تو اس پر تین طرف سے ہلاکت یا آگ برسنے لگتی۔ مجاہدین بھی اس قبائلی لشکر میں شامل تھے لیکن ان کی صحیح اور معین تعداد کا علم نہ ہوسکا۔ یہ لڑائی ایک

(۱) نیویل کی کتاب ص: ۹۴-۹۸ اور وائلی کی کتاب ص: ۴۰-۴۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ندی کے کنارے ہوئی تھی۔ ایک روایت کے مطابق ندی اور آس پاس کے جنگل میں کچھ آدمی چھپے ہوئے تھے۔ ایک ناظر کا چشم دید بیان ہے کہ ڈیڑھ سو آدمیوں نے ندی اور درختوں سے نکل کر انگریزی فوج پر یورش کی:

> رائل آئرش رجمنٹ نے بڑے استقلال کے ساتھ نہایت چالاکی اور جلدی سے دشمن پر گولیوں کی بارش شروع کی، جس سے غنیم کا رخ پلٹ گیا اور اکثروں نے اپنے آپ کو ندی میں گرا دیا۔ چونکہ پانی عمیق تھا بہت سے افغان غرق ہوگئے۔ بعض مارے گئے۔(۱)

''ہزارہ گزیٹیر'' سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی فوج نے بڑی توپوں اور کلدار توپوں کی آتش باری کے بعد غنیم پر حملہ کیا۔ دوسرے لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے لیکن مجاہدین مقابلے پر قائم رہے۔ وہ تلواریں لیکر نکلے اور بجلی کی تیزی سے انگریزی فوج کی طرف بڑھے، لیکن ایک ایک کر کے گولیوں سے شہید ہوتے رہے۔ صرف تیرہ بچے جو دریا کے قریب ایک جنگل میں کچھ دیر بعد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

غالباً یہی موقع ہے، جب انگریزوں نے ''گیٹلنگ گن'' استعمال کی۔ اسے کلدار توپ سمجھنا چاہیے جو گیٹلنگ نام کے ایک موجد نے بنائی تھی۔ اس کے خزانے میں بہ یک وقت ڈیڑھ سو کارتوس بھر دیتے تھے پھر اس کا منہ غنیم کی طرف کر کے ایک چرخ زور سے پھرا دیتے تھے اور اس سے علی الاتصال گولیاں نکلتی رہتی تھیں۔ غنیم کے حملے کو روکنے کے لئے یہ توپ بہت کارآمد تھی۔(۲)

(۱) جنگ کوہ سیاہ ص: ۳۳۔ یہ کتاب میجر نواب افسر جنگ نے مرتب کی تھی جو بعد میں سر افسر الملک بنے اور دولت آصفیہ میں سپہ سالار کے عہدے پر مامور ہوئے۔ افسر جنگ کو ایک مشن میں شامل ہونے کیلئے بھیجا گیا تھا جو کابل جا رہا تھا۔ مشن رک گیا اور افسر جنگ کوہ سیاہ کی تیسری مہم میں شریک ہوگئے جو اُن دنوں چھڑ گئی تھی۔ جنگ کے بعد حیدرآباد پہنچ کر انھوں نے یہ کتاب مرتب کر دی جو دارالطبع سرکار عالی میں چھپی۔

(۲) جنگ کوہ سیاہ ص: ۳۴-۳۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جانی نقصان

نیویل رقمطراز ہے کہ:

اس میدان میں بعد ازاں اٹھاسی نعشیں گنی گئیں، جن میں سے اڑتالیس نعشیں ہندوستانی مجاہدین کی تھیں۔(۱)

میجر افسر جنگ کا بیان ہے:

دوسرے روز جھاڑیوں میں انچاس نعشیں اور ندی کے کنارے چھبیس اور اننالیس پتھروں میں اور چھ ایک پہاڑ پر دکھائی دیں۔ندی میں کس قدر ڈوبے، ان کا شمار معلوم نہیں ہوا۔(۲)

گویا جو نعشیں انگریزوں کو مل سکیں، وہ ایک سو بیس تھیں۔

تاہم اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس موقعے پر انگریزوں کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ان کے بڑے افسروں میں سے صوبیدار میجر چتر سنگھ اور کپتان بیلی مارے گئے۔متعدد افسر زخمی ہوئے، مثلاً لفٹنٹ کلیو کی گردن میں گولی لگی اور مونڈھے میں رہ گئی۔کپتان راڈ فرڈ کی چھاتی میں بائیں طرف گولی کا زخم تھا۔کرنیل کردک شینک بھی زخمی ہوا، جو دربند والے کالم کا سالار تھا۔(۳)

غرض اس لڑائی میں انگریزوں کی کامیابی صرف اعلیٰ آتش بار اسلحہ کی فراوانی پر موقوف تھی۔امیر رحمت اللہ مرحوم اس لڑائی کو تورو کنڈہ کی جنگ قرار دیتے تھے۔ان کا بیان تھا کہ کم وبیش پانسو مجاہدین شہید ہوئے۔یہ تعداد اس بناء پر قرین صحت مانی جاسکتی

(۱) نیویل کی کتاب ص:۹۸

(۲) جنگ کوہ سیاہ ص:۴۴

(۳) ملاحظہ ہو کوہ سیاہ صفحات:۳۰، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۴۷، ۴۹۔سپاہی بھی خاصی تعداد میں مارے گئے، اگرچہ ان کی پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے کہ یہ پوری مہم کے قبائلیوں اور مجاہدین کے شہداء پر مشتمل ہوگی۔

بعد کے حالات

کوٹلئی پر قبضے کے بعد انگریز آگے بڑھے اور انھوں نے دریا کے مشرقی کنارے نیز دریا اور کوہ سیاہ کے درمیانی علاقے میں متعدد مقامات جلا دیئے۔ مثلاً کنٹر، کناری، تلی، میری اور کن دریا کو عبور کر کے مغربی کنارے پر پلوسی اور سیدان میں مجاہدین کے قلعے اور آبادیاں جلائیں۔ ہزارہ گزیٹیر میں بتایا گیا ہے کہ مجاہدین نے غلّے اور گھاس کے جو عظیم الشان ذخیرے فراہم کر رکھے تھے، وہ بھی برباد کر دیے گئے۔ امیر رحمت اللہ فرماتے تھے کہ ہم نے اہل وعیال کو پلوسی سے نکال کر بانگیرہ بھیج دیا تھا اور خود کابل گرام چلے گئے تھے۔ نیویل رقمطراز ہے:

> ۱۴ اکتوبر کو دریائے سندھ کے دائیں کنارے میدان میں ہندستانی جنونیوں کا مرکز تباہ کر دیا گیا۔ گزشتہ چالیس سال میں انگریزی فوجوں سے اس بدنام گروہ کے تصادم کا یہ پانچواں موقع تھا اور پہلے کی طرح انھیں مجبور کیا گیا کہ اپنا مرکز کسی اور جگہ بنائیں۔ (۱)

قبائلیوں کا عام شیوہ تھا کہ وہ ابتدا میں بہت جوش وخروش دکھاتے تھے، لیکن جم کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ ۱۳ اکتوبر کو اکازئی اور ۱۶ کو حسن زئی انگریزوں کی پیش کردہ شرائط صلح ماننے کیلئے تیار ہو گئے اور مجاہدین مقابلے پر تنہا رہ گئے۔ پھر پریاری سیدوں اور ٹھکری والوں نے بھی انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی۔

افسر جنگ نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے یعنی یہ کہ مجاہدین اور دوسرے قبیلوں کا ایک وفد حضرت اخوند صاحب سوات کے صاحبزادے کے پاس بھی گیا کہ انگریزوں کی فوج

(۱) نیویل کی کتاب ص: ۹۹۔ نویل نے پہلے چار موقعے یہ بتائے ہیں: ۱۸۵۳ء میں عشرا اور کوٹلی، ۱۸۵۷ء میں نارنجی، ۱۸۵۸ء میں ستھانہ اور منگل تھانہ، ۱۸۶۳ء میں امبیلہ۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہمارے ملک کی طرف آ رہی ہے اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ جہاد کیلئے تیار ہو جائیں۔
صاحبزادے نے باتفاق علماء جواب دیا کہ انگریز تمہارے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے، مسجدیں مسمار نہیں کرتے، بزرگوں کے آثار کو نہیں چھیڑتے۔ پھر ان کے خلاف جہاد کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

ان کی فوج کشی کا سبب یہ ہے کہ تم لوگ ان کے علاقوں میں چوریاں کرتے ہو۔ پچھلے دنوں بے وجہ ان کے دو سرداروں اور پچاس آدمیوں کو مار ڈالا۔(۱)

اغلب ہے کہ افسر جنگ نے یہ سب باتیں ذمہ دار انگریز افسروں سے سنی ہوں، لیکن ظاہر ہے کہ صاحبزادے اور علماء کا جواب سراسر غلط اور نادرست تھا۔

چوتھی مہم

۱۸۸۸ء کی جنگ کے بعد صلح کی ایک شرط یہ طے ہوئی تھی کہ قبائلی لوگ ان انگریزی فوجوں یا افسروں کو کوئی آزار نہ پہنچائیں گے، جو انگریزی اور قبائلی علاقے کے درمیان بڑے پہاڑ پر جائیں آئیں گے۔ اس میں سڑکیں بنانے کی کوئی توضیح نہ تھی۔ حکومت انگلشیہ نے مارچ ۱۸۹۰ء میں اگرور سے کوہ سیاہ کے نیلوں تک کئی سڑکیں بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اکتوبر میں ایک لشکر جنرل میکوئن کی سالاری میں اوگی بھیج دیا۔ مدعا یہ تھا کہ یہ لشکر کوہ سیاہ کی چوٹی تک جا کر انگریزی تسلط کا علم نصب کر دے۔ قبائلیوں کو انگریزوں کی بدعہدی بہت ناخوش گوار معلوم ہوئی۔ چنانچہ ہاشم علی خاں کے بھائی سکندر خاں نے کچھ خان خیل حسن زئی اور اکازئی جمع کیے اور برچار پہنچ کر انگریزی کیمپ پر آتش بازی کی۔ یہ کیفیت دیکھ کر حکومت نے پھر ایک مہم میجر جنرل ایلس (ELLES) کی سرکردگی میں تیار کی۔ اس کے لیے بھی دربند اور اوگی میں فوجیں جمع کی گئیں، جن کی تعداد چھ ہزار تین سو

(۱) جنگ کوہ سیاہ ص ۸۶-۹۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھی۔ ان فوجوں کے ساتھ اٹھارہ توپیں تھیں۔

مارچ ۱۸۹۱ء میں اس مہم کا آغاز ہوا۔ اکازئیوں اور حسن زئیوں نے کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ کی۔ انگریزی فوجوں نے ان کے علاقے پامال کر ڈالے۔ ہاشم علی خاں چغرزئیوں کے علاقے میں بھاگ گیا۔ "ہزارہ گزیٹیئر" میں بتایا گیا ہے کہ صرف ایک جگہ شدید مزاحمت سے سابقہ پڑا، جہاں اہل بونیر، جدون، ہندوستانی مجاہدین اور بعض دوسرے قبیلے چغرزئی کے علاقے میں اور اس پہاڑ پر جمع تھے، جو علاقہ حسن زئی اور بونیر کے درمیاں واقع ہے۔ صورتِ حال میں سخت الجھاؤ پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس اجتماع کے بعض حصے متعدد مقامات پر انگریزی فوجوں سے متصادم ہوئے۔ اس سلسلے میں غازی کوٹ کی لڑائی خاص طور پر قابل ذکر ہے، جہاں ہندوستانی مجاہدین کے ایک جیش نے ۱۸ رمارچ کی شب کوڈوگروں کی چوکی پر جانبازانہ حملہ کیا، لیکن وہ شدید نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔ (۱)

ڈاکلی رقمطراز ہے کہ غازی کوٹ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جہاں نمبر چار (۴) سکھ رجمنٹ کی ایک چھوٹی سی کمپنی موجود تھی:

> ۱۹ رمارچ کو تین بجے صبح .... ہندوستانی مجاہدوں کی ایک بڑی جماعت اس پر حملہ آور ہوئی۔ ۴ سکھ رجمنٹ اور ۳۲ پایونیرز نے جلد کمک موقع پر پہنچادی اور دشمن سخت نقصان اٹھا کر پسپا ہو گیا۔ (۲)

"ہزارہ گزیٹیئر" کے مطابق غازی کوٹ کی لڑائی میں مجاہدین کا جانی نقصان پچاس سے کم نہ تھا۔ ڈاکلی ۲۳ رمارچ کو ایک اور لڑائی کا ذکر کرتا ہے، جس میں چغرزئیوں اور ہندوستانی مجاہدین نے حصہ لیا۔ دست بدست جنگ ہوئی اور انھیں سخت نقصان پہنچا۔ (۳)

(۱) "ہزارہ گزیٹیئر" ص: ۱۸۱ (۲) ڈاکلی کی کتاب ص: ۵۰
(۳) ڈاکلی کی کتاب ص: ۵۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر رحمت اللہ مرحوم نے بالتصریح بتایا تھا کہ اس مہم میں مجا کوٹ (بیوں کا پہاڑ)، غازی کوٹ اور ریدل کماچ پر سخت لڑائیاں ہوئیں، لیکن ان کی کوئی تفصیل اس مرحوم سے معلوم نہ ہو سکی۔

صلح

جنگ امبیلہ کی طرح اس جنگ کے سلسلے میں بھی قبائل جابجا جمع ہونے لگے تھے۔ انگریزی حکومت نے ایک طرف ان قبائل کو یقین دلایا کہ کسی کو نقصان پہنچانا منظور نہیں، دوسری طرف کمکی فوجیں طلب کر لیں۔ آخر قبائلیوں نے غیر مشروط اطاعت کا اقرار کر لیا۔ حسن زئیوں، اکازئیوں مدا خیلوں، پر یاری سیّدوں اور چغرزئیوں نے عہد نامہ لکھ کر دے دیا، جس کی دو شرطیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ قبائل کبھی اس امر کے روادار نہ ہوں گے کہ ہاشم علی خاں ان کے درمیان آئے اور آباد ہو جائے۔

۲۔ معاہد قبائل میں سے کوئی بھی ہندوستانی مجاہدین کو اپنے ہاں مرکز بنانے کے لئے جگہ نہ دے گا۔

امیر رحمت اللہ کے بیان کے مطابق اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مجاہدین نے اہل وعیال کو مرکز کی تباہی سے پیشتر ہی باگلیزہ بھیج دیا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ پھر گلونہ بوڑی یا بتارا میں کچھ مدت رہے۔ جب صواتیوں اور اہل بونیر سے پھر کشمکش کی صورت پیدا ہوئی تو دوسری جگہ منتقل ہونے کا انتظام کیا گیا، اس کی تفصیل آئندہ باب میں ملے گی۔

ساداتِ ستھانہ

اتمامِ بیان کی غرض سے اختصاراً یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ جنگ امبیلہ کے بعد سادات ستھانہ پر کیا گزری۔ اس خاندان کے جوانوں میں سے دو ہستیاں حد درجہ ممتاز تھیں: ایک

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہزادہ مبارک شاہ، دوم سید شاہ محمود بن سید عمر شاہ شہید۔ شہزادہ ملکا ہی میں رہتا تھا وہ شعبان ۱۲۸۹ء (ستمبر ۱۸۷۲ء) میں اپنے بعض عزیزوں کی شادی میں شرکت کیلئے تاوا گی (وادی چملہ) گیا ہوا تھا۔ شش ضربہ پستول ہر وقت بھرا ہوا ہاتھ میں رکھتا تھا۔ غالباً ایک ملازم سے کہا کہ پستول خالی کر لاؤ۔ ملازم سے تمام گولیاں نہ نکل سکیں اور اس نے پستول شہزادہ صاحب کو دے دیا جو ایک شخص سے باتوں میں مشغول تھے۔ انھوں نے پستول ران پر رکھ لیا اور باتوں میں منہمک رہے۔ عین اس اثناء میں پستول کو جھٹکا لگا اور وہ چل گیا۔ گولی شہزادہ کے زیر ناف لگی تھوڑی دیر بعد اسی زخم سے وفات پائی۔ صرف چھتیں سینتیس سال کی عمر تھی۔

سید شاہ محمود اپنے اہل و عیال اور بھائیوں کے ساتھ کبائی میں رہتے تھے۔ پھر وہ درہ ستھانہ میں (ستھانہ سے چار میل) بہ مقام آل رہنے لگے اور بھائیوں کو اس مقام پر آباد کر دیا جہاں شہزادہ مبارک شاہ نے برج بنایا تھا یعنی سیری میں۔ ان کی کچھ جدی زمین بانگیرہ میں تھی جہاں سے فصلانہ لیتے جاتے تھے۔ وہاں بعض لوگ اس وجہ سے مخالف بن گئے کہ مدت تک ان زمینوں کے حاصلات سادات کو نہ دیتے تھے اور سید شاہ محمود نے یہ جدی ملکیت بحال کرالی تھی۔ رمضان ۱۲۹۵ھ (۲ ستمبر ۱۸۷۸ء) کو اچانک دشمنوں نے انھیں بانگیرہ میں شہید کر ڈالا۔ صرف چونتیس سال کی عمر تھی۔ اس طرح خاندان کے دو روشن چراغ گل ہو گئے اور ان کے بعد ساداتِ ستھانہ پر جو آفتیں نازل ہوئیں ان کی اجمالی کیفیت آگے چل کر بیان کی جائے گی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیسرا باب:

مولانا عبداللہ کا آخری دَور

انگریزوں کا جوشِ انتقام

بلاشبہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف جہاد ضروری سمجھتے تھے، لیکن گزشتہ مہموں کی سرگزشت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی پیش دستی نہ کی۔ جھگڑے ہمیشہ قبائل سے ہوتے رہے۔ مجاہدین دفاعی کارروائیوں میں برابر شریک رہے۔ انکے بنیادی عقیدے اور قبائل سے عہد تعاون کا تقاضا یہی تھا، لیکن غور کیجیے کہ انگریز ہمیشہ انھیں ہر علاقے سے خارج کرانے کی کوششیں کرتے رہے۔ یہ نکتہ خاص توجہ کا محتاج ہے کہ وہی کیوں ہر موقع پر جوشِ انتقام کا ہدف بنتے تھے؟ اسکی مختلف وجہیں ذہن میں آتی ہیں۔ پہلی اور نہایت اہم وجہ یہ ہے کہ مجاہدین ہندستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کرانے کے علم دار تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد اتنی نہ تھی کہ انگریزوں جیسی وسیع الاقتدار حکومت کو ان سے کوئی خاص خطرہ ہوتا، لیکن وہ آزادی کا ایک نشان تھے اور ان کی مثال ہزاروں حریت طلب ہندوستانیوں کی حمیت کے لئے مہمیز بن سکتی تھی۔ انگریزوں کے نزدیک آزادی کی اس تحریک کو دبائے رکھنے کی صحیح تدبیر یہی تھی کہ مجاہدین کو زیادہ سے زیادہ نشانۂ آزار بنایا جاتا۔ دوم قبائل میں جنگی صلاحیت موجود تھی، اگرچہ تنظیم کوئی نہ تھی۔ مجاہدین قبائل کو منظم بھی کر سکتے تھے اور انھیں بہترین سیاسی و مذہبی مقاصد کیلئے لڑا بھی سکتے تھے۔ لہٰذا انگریزوں کا اولین مدعا یہ تھا کہ انھیں کہیں چین سے بیٹھنے اور تنظیمی کام کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نئے مرکز کی تلاش

۱۸۹۱ء کی جنگ کے بعد مجاہدین کو حسن زئیوں، اکازئیوں، مدّا خیلوں وغیرہ کے علاقوں سے نکال دیا گیا تو وہ نئے مرکز کی تلاش میں نکل پڑے۔ سید عبدالجبار شاہ نے لکھا ہے کہ امیر المجاہدین مولانا عبداللہ خود امازئی قبیلے کے پاس پہنچے اور کہا کہ ایک گاؤں اجارے پر دید یجئے۔ ہم وہاں رہیں گے اور اجارے کی رقم با قاعدہ ادا کرتے رہیں گے۔

امازئیوں کے تعلقات ان دنوں اپنے ہمسایہ مبارک خیلوں سے خوش گوار نہ تھے، وہ مجاہدین کو ایک گاؤں دے دینے کیلئے تیار ہو گئے، لیکن شرط یہ پیش کی کہ جب ہمیں کسی افغان قبیلے سے لڑائی کی نوبت آئے تو مجاہدین کا لشکر ہمارے ساتھ شامل ہو۔ اس صورت میں ہم اجارے کی رقم بھی نہ لیں گے۔ امیر المجاہدین نے یہ شرط قبول نہ کی۔ عذر یہ پیش کیا کہ مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں ہم کسی کا ساتھ نہیں دے سکتے بلکہ ان لڑائیوں کو روکنے کی انتہائی کوشش کریں گے، البتہ حربی کافروں سے جنگ ہو تو ہم مقدمۃ الجیش بن کر لڑیں گے۔

مبارک خیلوں سے درخواست

امازئیوں سے فیصلہ نہ ہو سکا تو امیر صاحب مبارک خیلوں کے پاس پہنچے۔ شہزادہ مبارک شاہ اور شہزادہ سید محمود حوادث کا شکار ہو چکے تھے۔ امیر صاحب نے شہزادہ مبارک شاہ کے فرزند اکبر سید فیروز شاہ کے پاس بھی پیغام بھیجا کہ مبارک خیلوں سے ٹیلوائی کا گاؤں اجارے پر لینے میں امداد دی جائے۔ چنانچہ سید فیروز شاہ نے اپنے بھائی سید بہادر شاہ کو امیر صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اتفاق یہ کہ مبارک خیلوں نے بھی ویسی ہی شرط پیش کر دی۔ انھوں نے کہا کہ ہم تو سب سے کمزور ہیں، خود کبھی کسی پر حملہ نہیں کیا، دوسرے زورآور قبیلے ہم پر حملہ کرتے رہتے ہیں۔ دفاعی جنگ میں تو ہمارا ساتھ ضرور دینا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چاہیے۔ اگر یہ شرط منظور نہ ہو تو ہم کوئی جگہ نہیں دے سکتے۔ گویا امیر صاحب کو مبارک خیلوں سے بھی مایوس ہونا پڑا۔

بارگاہِ الٰہی میں دعاء

سید بہادر شاہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں امیر صاحب نے آسمان کی طرف رخ کر کے بڑے عجز سے کہا:

"اے عظیم الشان آسمانوں کے بنانے اور قائم رکھنے والے خدا! تیری راہ میں اب تک خلوصِ نیت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ صبر اور رضا بہ قضا کا دامن نہیں چھوڑا، مگر اب تو تیری زمین پر جگہ ہی نہیں ملتی۔ اب تو ہی بتا، میں کہاں جاؤں؟ تیری زمین پر بسنے والے تو مجھے اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار نہیں"۔

یہ دعاء اردو میں تھی۔ سید بہادر شاہ کا بیان ہے کہ قبائلیوں میں سے کوئی اردو نہ سمجھتا تھا، صرف میں نے اسے سمجھا۔ مبارک خیلوں کا جرگہ اردو زبان سے تو ناآشنا تھا البتہ اس نے انداز سے معلوم کر لیا کہ امیر صاحب دعاء کر رہے ہیں۔ موصوف کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم لوگ ایک ڈھیری کی بلندی پر بیٹھے تھے، جس کی ایک جانب نالہ جاری تھی۔ یہ دردناک الفاظ امیر صاحب کی زبان سے نکلے تو عین اسی وقت سب کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ایسا معلوم ہوا کہ شدید زلزلے کا جھٹکا تھا۔ بے شک وہاں کبھی کبھی زلزلے آجایا کرتے تھے، لیکن یہ جھٹکا بالکل غیر معمولی تھا۔ گاؤں سوا سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ہوگا۔ اہل جرگہ نے سمجھا کہ گاؤں میں کچھ مکان ضرور گر گئے ہوں گے۔ چنانچہ ایک آدمی کو خبر لانے کیلئے دوڑایا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ وہاں کسی کو جھٹکا محسوس ہی نہیں ہوا۔

ٹیلوائی کا فیصلہ

تمام حالات پر غور کرنے کے بعد مبارک خیلوں کو یقین ہو گیا کہ یہ جھٹکا امیر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب کی دعاء کا کرشمہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کرلیا کہ خدا کے ایسے نیک اور حق پرست بندے کو ناراض کرنا غضب کا موجب ہوگا۔ ٹیلوائی کا گاؤں خود منت سماجت سے امیر صاحب کو اجارے پر دیدیا۔ چنانچہ تمام مجاہدین وہیں آبسے۔ مولانا عبداللہ کی حیات مبارک کے باقی اوقات اس جگہ بسر ہوئے۔(۱) یہ مقام اس وجہ سے بھی امیر صاحب کو بہت پسند تھا کہ اس میں غلہ خاصا پیدا ہوتا تھا اور پانی کی کوئی کمی نہ تھی۔

مولانا عبدالرحیم عظیم آبادی نے لکھا ہے کہ سرحد آزاد میں ہر گاؤں کے مالک کو ایک چھوٹا سا لشکر رکھنا پڑتا ہے، ورنہ وہاں کا قیام آپس کے نفاق وشقاق اور مخالفت ومعاندت کے باعث نہایت مشکل ہے، لہٰذا مولانا نے بھی اپنے ہمراہیوں کو فنونِ سپاہ گری کی تعلیم دی۔ حاسدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ سلطنتِ برطانیہ سے مقابلے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف اس غرض سے سرحد گئے تھے کہ محض آزادانہ زندگی بسر کریں اور کسی کے ماتحت نہ رہیں۔(۲)

بلاشبہ وہ آزاد رہنا چاہتے تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ تھوڑی سی جمعیت سے وہ انگریزی حکومت کو شکست نہ دے سکتے تھے، لیکن ان کا اصل مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ جمعیت فراہم کریں اور ہندوستان کو انگریزوں کے تسلط سے نجات دلائیں؟ وہ صرف تنہا آزاد نہ رہنا چاہتے تھے، بلکہ سب کو آزادی کی نعمت سے شادکام دیکھنے کے خواہاں تھے۔

مولانا عبدالرحیم نے امیر المجاہدین کے حقیقی مقاصد پر پردہ ڈالنے کی جو کوشش کی اس کی ضرورت نہ تھی اور جس تحریر سے مجاہدین کے نصب العین پر ضرب لگے، وہ کسی شکل میں بھی زیبا نہیں سمجھی جاسکتی۔

---

(۱) یہ تمام حالات سید عبدالجبار شاہ کی کتاب العبرت سے ماخوذ ہیں۔ ص: ۴۳۰، ۴۳۱

(۲) "تذکرۂ صادقہ" ص: ۱۴۸

سرحد ڈیورینڈ

حکومتِ ہند نے افغانستان اور ہندوستان کی درمیانی سرحد متعین کرنے کیلئے ایک کمیشن جنرل ڈیورینڈ کی سرکردگی میں امیر عبدالرحمٰن خاں فرمانروائے افغانستان کے پاس بھیجا تھا اس کی طے کردہ حد اب تک سرحد ڈیورینڈ کے نام سے مشہور ہے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں دل سے اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھا، لیکن انگریزوں کی مخالفت بھی نہ کرسکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سرحد متعین ہونے کے بعد جو آزاد علاقہ انگریزوں کی طرف چلا جائے گا، وہ انگریزی حلقہ اثر سمجھا جائے گا اور انگریز آہستہ آہستہ اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیں گے، مجبور ہو کر اس نے حد بندی کے معاہدے پر دستخط کردیے۔ اس کے بعد انگریزوں نے باقاعدہ حد بندی شروع کردی، جس سے آزاد قبائل میں تشویش واضطراب کی ایک عام لہر دوڑ گئی۔

۱۸۹۵ء میں ترکی اور یونان کے درمیان جنگ ہوئی تھی اور عام مسلمان اس امر پر بے حد پریشان تھے کہ یورپی حکومتیں ترکی کی مرکزی اسلامی سلطنت ہضم کر لینے کے درپے ہیں۔ سرحدی ملاؤں نے بالکل بجا پروپیگنڈا شروع کردیا کہ انگریز ہندوستان سے باہر اپنے معاندانہ مقاصد پورے کررہے ہیں اور آزاد قبائل کے سرداروں کو وظیفے دے دے کر خاموش رکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ بہ اطمینان باہر کے مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچالیں گے تو آزاد قبائل کی آزادی بھی محفوظ نہ رہے گی۔

بعض غلط اطلاعات بھی پھیلائی گئیں۔ اس طرح مل ملا کر سرحد آزاد میں ایک ایسے ہنگامے کا انتظام ہوگیا جسے نیوِل نے اپنی کتاب میں "نہایت خوفناک" قرار دیا ہے۔ (۱)

(۱) "نیول کی کتاب" ص: ۲۰۹۔ اور یقیناً ایسا ہمہ گیر جوش پہلے کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۹۸-۱۸۹۷ء کی جنگ

انھیں حالات نے سرحد کے مختلف حصوں میں معرکہ آرائی کے سامان فراہم کر دیے، جن میں سب سے بڑھ کر خونریز جنگ ملاکنڈ میں ہوئی۔ بونیر کے ایک ملّا سعد اللہ خان اس جنگ میں پیش پیش تھے۔ وہ عام طور پر "سرتور فقیر" یعنی مستانہ فقیر کے لقب سے مشہور تھے۔ ملا صاحب ہڈّا نے مہمندوں کے علاوہ تیراہ کے آفریدیوں، وزیریوں اور مسعودوں تک میں جہاد کا زبردست جوش پیدا کر دیا، جس کے شعلے تین سال تک بھڑکتے رہے۔ اس موقع پر مولانا عبداللہ امیر المجاہدین نے بھی اعلانات شائع کیے اور مقاصدِ جہاد کو ہر ممکن تقویت پہنچائی۔ ملا صاحب ہڈّا ان غیور حضرات میں سے تھے جو زندگی کی آخری سانس تک ہر ممکن ذریعے سے انگریزوں کے خلاف جہاد کی آگ کو ہوا دیتے رہے۔ وہ اخوند صاحب سوات سے فیض یاب تھے اور خود ان کے ارادت مندوں میں حاجی صاحب ترنگ زئی اور ملا صاحب سنڈاکے جیسے لوگ شامل تھے۔ ان حضرات کی تدبیروں کے متعلق کسی کی رائے خواہ کچھ ہو لیکن ان کی غیرت وحمیت اور جوشِ اسلامی کے بارے میں ایک لمحے کے لئے شبہ نہیں ہوسکتا۔

مولانا سید عبد الجبار شاہ ستھانوی بھی اس جنگ میں مجاہدین کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ وہ خاندان کی تنہا امید گاہ تھے اور ان کی والدہ وعمہ کسی حالت میں بھی انھیں خطرے کے کسی مقام پر بھیجنے کیلئے آمادہ نہ تھیں، لیکن رضائے الٰہی کے خیال سے انھوں نے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی۔ اسی موقع پر سیّد موصوف امیر المجاہدین مولانا عبداللہ اور ان کے بھائی مولانا عبد الکریم سے ملے جو اس وقت توروسک میں مقیم تھے۔

مجاہدین نے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا، لیکن اعلیٰ درجے کے آتش بار اسلحہ کے سامنے ان کی جانبازی کچھ کام نہ آئی۔ چنانچہ وہ شکست کھا گئے۔ سیّد عبد الجبار شاہ کا بیان ہے کہ جس مورچے پر شدید ترین جنگ ہوئی، اس میں خود میں موجود تھا۔ مقابلہ چھ بجے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صبح شروع ہوا اور بارہ بجے کے بعد تک جاری رہا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توپ خانے کی آتش باری نے قبائلیوں میں بہت ابتری پھیلائی۔ بونیر شروع میں پسپا بھی ہوئے۔ وہ صرف پندرہ سو تھے اور مقابلے پر انگریزی لشکر دو ہزار سے زیادہ ہی تھا۔ اس کے ساتھ توپیں بھی تھیں اور رسالہ بھی:

> پچاس ساٹھ سے زائد سوار، انگریزوں کی نعشیں اٹھالے جانے میں مارے گئے، جو بالکل مجھ سے ساٹھ یا ستر گز کے فاصلے پر تھے۔ اس موقع پر ہمارا صرف ایک نشانچی حملہ کرتا ہوا مارا گیا۔ باقی سب اس گھمسان سے سلامت نکل آئے، جن میں ایک میں بھی تھا۔ (۱)

سید صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ انگریزوں نے اپنے مقتول سپاہیوں کی تعداد کم بتائی ہے۔ نیویل نے اپنی کتاب میں اس جنگ کا مفصل نقشہ پیش کیا ہے۔ (۲) انگریزی فوج ملاکنڈ اور چکدرہ سے فارغ ہو کر بونیر بھی پہنچی، لیکن ہمیں ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں جنھیں جماعت مجاہدین کی سرگرمیوں سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ یہ تفصیلات اس عہد کی عمومی سیاسی سرگزشت کا حصہ ہیں۔

درۂ خیبر کی سرگزشت

انگریزوں کے عہد حکومت میں درۂ خیبر سے باقاعدہ آمد و رفت کا آغاز ۱۸۷۸ء سے ہوا اور ۱۸۸۳ء سے باقاعدہ سڑک بنی۔ یہ سڑک درہ اور آس پاس کے مختلف قبیلوں نے انگریزوں سے گراں قدر رقمیں لے کر خود بنائی تھی اور وہی اس کے مختلف حصوں کی حفاظت کے ذمہ دار بنے تھے۔ یہ مندرجہ ذیل قبیلے تھے: کوکی خیل، ملک دین خیل، زخہ خیل اور شنواری، لیکن بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے مخالفت کا سلسلہ جاری رکھا اور

(۱) شہادت الثقلین جلد اول قلمی نسخہ ص: ۴۳
(۲) "نیویل کی کتاب" ص: ۲۲۳-۲۲۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انگریزوں سے تعاون قبول نہ کیا۔ ان میں سے ملک دین خیل کا ایک سردار کمال خاں بطور خاص قابل ذکر ہے۔ وہ انتہائی مردانگی اور شجاعت سے کام لے کر وقتاً فوقتاً حملے کرتا رہا، چنانچہ ایک موقع پر انگریزی رسالے کا ایک پکٹ کاٹ کر رکھ دیا صرف ایک سوار زندہ بچ کر نکل سکا۔ پھر کمال خاں نے رسالے کی ایک چوکی پر حملہ کیا۔ کمشنر کا سامان کوہاٹ جارہا تھا، راستے میں اس پر چھاپا مارا اور پورا سامان لے کر نکل گیا۔ انگریزوں نے اس کی گرفتاری کے لئے دو ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تھا۔ کمال خاں کے ایک قبائلی دشمن نے اس جواں مرد کو اچانک گولی کا نشانہ بنایا اور وہ شہید ہو گیا۔ قاتل انعام لینے کے لئے پشاور پہنچا تو اسے جواب ملا کہ تم نے سرکاری اعلان کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی دشمنی کی بناء پر اسے مارا ہے، لہٰذا انعام کے مستحق نہیں سمجھے جا سکتے۔ وہ ناکام واپس گیا۔ کمال خاں کا بھائی اس کی تاک میں بیٹھا تھا اور راستے ہی میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ۱۸۹۷ء میں تیراہ اور آس پاس کے علاقے بھی میدانِ کارزار بنے، لیکن ان لڑائیوں سے مجاہدین کا براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا، اس لئے تفصیلات نظر انداز کی جاتی ہیں۔ (۱)

وفات

مولانا عبداللہ نے ۲۷ رشعبان ۱۳۲۰ھ (۲۹ رنومبر ۱۹۰۲ء) کو وفات پائی۔ تقریباً چوہتر سال کی عمر ہوئی۔ ہوش مندی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے باری تعالیٰ کے مطابق راہِ حق میں جہاد کرتے ہوئے صرف کیا۔ وہ اس مجاہد کبیر کے فرزند تھے، جس کا خاندان بہار کے ممتاز امراء میں شمار ہوتا تھا۔ مولانا کی والدہ حیدر آباد دکن کے ایک رئیس مرزا واحد بیگ کی صاحبزادی تھیں، لیکن مولانا نے نہ ددھیال کی امیری سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ ننھیال کی ریاست سے۔ سب کچھ چھوڑ کر انتہائی تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں میں دن گزارے، اس لئے کہ حصولِ رضا کا راستہ یہی تھا۔ اس ہمت وعزیمت

(۱) ملاحظہ ہو یوسفی صاحب کی کتاب "آزاد پٹھان"

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے بزرگ ہر قوم کے لئے عزت و برتری کا بہترین سرمایہ ہیں۔ افسوس کہ ہم ان کے حیات آموز کارناموں کو گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا چکے ہیں۔ مولانا کی قبر ٹیلوائی ہی میں ہے۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا، لیکن چڑھائی کے باعث گاؤں میں نہ جاسکا۔

ازواج واولاد

مولانا عبداللہ کا پہلا نکاح مولانا فرحت حسین (عم مکرم) کی صاحبزادی مسماۃ صالحہ سے ہوا۔ یہ خاتون مولانا عبدالرحیم ماخوذ مقدمۂ انبالہ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان سے تین صاحبزادے ہوئے: (۱) عبدالقدوس (۲) مطیع اللہ اور (۳) امان اللہ۔ عبدالقدوس سرحد آزاد میں بہت محترم مانے جاتے تھے۔ انھوں نے پوری زندگی دعوت و تبلیغ میں گزاردی اور مولانا کی وفات سے صرف چار مہینے بعد ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ (فروری ۱۹۰۳ء) میں فوت ہوئے۔ مطیع اللہ اور امان اللہ کے فرزند یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد مولانا نے دوسرا نکاح سرحد میں کرلیا تھا۔ اس خاتون سے صاحبزادہ عبدالسبوح پیدا ہوا۔ مولانا کا عہد امارت تقریباً چالیس سال پر پھیلا ہوا ہے اور جماعت مجاہدین کی سرگزشت کا یہ نہایت شاندار باب ہے۔

ساداتِ ستھانہ کے حالات

یہاں ساداتِ ستھانہ کے حالات بھی اختصاراً بیان کر دینے چاہئیں:

۱۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ شہزادہ مبارک شاہ ایک اندوہناک حادثے میں شہید ہوئے اور سید شاہ محمود نے ایک معاند گروہ کے ہاتھوں اچانک شہادت پائی۔ خاندان کے یہی روشن چراغ تھے۔ شہزادے کے بال بچے ملکاہی میں مقیم رہے۔ سید شاہ محمود کے اہل و عیال کو مرحوم کے چھوٹے بھائیوں نے سنبھال لیا اور وہ درۂ ستھانہ کے اندر مقیم تھے۔

۲۔ والیٔ امب کا اس خاندان سے قریبی رشتہ تھا، خصوصاً سید عمر شاہ اور سید شاہ محمود

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے ذاتی تعلقات بہت گہرے تھے۔ سید شاہ محمود نے والیٔ امب پر ایک احسان بھی کیا تھا یعنی عشرہ کے قریب اپنی خریدی ہوئی زمین بے توقف والیٔ امب کے حوالے کر دی تھی، جس سے اسکے مقاصد کو تقویت پہنچی تھی۔ والیٔ امب نے اب چاہا کہ سید شاہ محمود کے بال بچوں اور بھائیوں کے بہ اطمینان ستھانہ میں اقامت اختیار کر لینے کا بندوبست کر دے، چنانچہ یہ کوشش ایک حد تک نتیجہ خیز ثابت ہونے لگی۔ اس واقعے نے، جس سے خود سید شاہ محمود کے بچوں یا بھائیوں کو کوئی علاقہ نہ تھا، شہزادہ مبارک شاہ کے فرزند سید فیروز شاہ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ سید عمر شاہ کا خاندان آبائی مسلک کے خلاف انگریزوں سے مل گیا ہے اور بہ طور خود ستھانہ کی پوری اراضی پر قابض ہو جانے کا خواہاں ہے۔ فیروز شاہ حد درجہ تیز مزاج اور غصہ ور آدمی تھا۔ اس نے اصل حالات کی چھان بین یا حد درجہ قریبی خونی رشتوں سے بالکل بے پروا ہو کر چھاپوں کا سلسلہ شروع کر دیا، جن میں سید شاہ محمود کے بھائی اور ان کا بڑا بیٹا سید شاہ رسول بے دردی سے شہید کر ڈالے گئے۔ صرف ایک شیر خوار بچہ باقی رہ گیا، جسکی ابتدائی تربیت گیا (نزد کھتبل) میں ہوئی۔ پھر تعلیم اور حفاظت کی غرض سے اسے ہندوستان بھیج دیا گیا، یعنی سید عبدالجبار شاہ۔

۳۔ سید موصوف کی زندگی کا ابتدائی دور حد درجہ دردانگیز اور الم ناک تھا، لیکن خدا نے اپنی رحمت سے ان کیلئے ترقی و تعالی کے عجیب وغریب اسباب فراہم کر دیے۔ چنانچہ وہ ریاست امب کے وزیر اعظم بنے۔ دو اڑھائی سال صوات کے بادشاہ رہے، ستھانہ کی از سر نو آبادی کا انتظام انھیں نے کیا اور خاندان کے تمام جھگڑوں کو مٹا کر جمعیت و یکجائی کا بندوبست بھی کر دیا۔ نیز انھوں نے متعدد تصانیف مکمل کیں، جن میں چار پانچ ایسی ہیں کہ سرحد کے متعلق مفصل تاریخی معلومات کا ان سے بہتر اور گراں تر خزینہ کوئی نہیں۔ سید فیروز شاہ فوت ہو گیا تو اس کے بھائیوں اور بچوں نیز خاندان کے دوسرے افراد کو بھی سید عبدالجبار نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ (۱)

---

(۱) افسوس کہ اس کتاب کی طباعت کے دوران وہ بھی راہی عالم بقا ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

مولانا عبدالکریم

ابتدائی زندگی

مولانا عبداللہ کے بعد مولانا عبدالکریم مجاہدین کے امیر منتخب ہوئے۔ وہ آٹھ نو سال کے تھے، جب اپنے والدِ ماجد مولانا ولایت علی کے ہمراہ سرحد پہنچے تھے۔(۱) بیچ میں ایک مرتبہ ہندوستان واپس آ گئے تھے، جب مولانا عنایت علی امیر مجاہدین تھے اور خاندان کے متعدد افراد کو ان سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ۱۸۶۱ء میں مولانا عبداللہ کے ہمراہ دوبارہ سرحد گئے۔ پھر ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ وہیں بسر ہوا۔ جنگ امبیلہ سے ۹۸-۱۸۹۷ء کی جنگ تک نیز بعد کی تمام مہموں میں برابر شریک رہے۔ تبلیغی اور تنظیمی مقاصد کے لیے وہ سرحد کے مختلف حصوں میں پہنچے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ میاں کلئی (باجوڑ) بھی گئے تھے، جہاں خاصی دیر مقیم رہے۔

بہر حال مولانا عبداللہ کے بعد وہ امیر مجاہدین بنے تو خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ تھوڑی ہی دیر میں انھیں ٹیلوائی چھوڑ کر نئے مرکز کا انتظام کرنا پڑا اور وہ اسمست میں مقیم ہو گئے، جہاں اب تک جماعت مجاہدین موجود ہے۔

(۱) حافظ عبدالمجید (ابن مولانا عنایت علی) کی جو یادداشتیں اسمست میں میری نظر سے گذریں، ان میں مولانا عبدالکریم کی تاریخ پیدائش ۱۲۵۷ھ بتائی گئی ہے۔ ایک اور روایت سے معلوم ہوا کہ ان کی پیدائش ۱۲۵۵ھ میں ہوئی۔ بہر حال والد کے ساتھ سرحد آتے وقت مولانا کی عمر آٹھ نو سال یا دس گیارہ سال کی ہوگی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسمست

اسمست برندو ندی کے عین کنارے پر واقع ہے، جو بونیر سے نکلتی ہے اور کوہستانی علاقے کے نشیبی مقامات سے گذرتی ہوئی جملہ ندی سے مل کر دریائے سندھ میں گرتی ہے۔ برندو نے اسمست کے مقام پر اردو زبان کے حرف "ڈ" کی شکل اختیار کر لی ہے، یعنی اسمست کی زمین میں داخل ہوتے تک یہ ندی پہاڑ کی دو دیواروں کے درمیان چلی آ رہی ہے۔ ' ڈ ' کے درمیانی گوشے پر پہنچ کر ایک دیوار ذرا پیچھے ہٹ گئی ہے اور اس نے آبادی کے لئے تھوڑا سا خلاء پیدا کر دیا ہے۔ موڑ سے گذر کر تھوڑی دور پر پھر دونوں پہاڑی دیواریں پہلے کی طرح اس قدر قریب آ گئی ہیں کہ ندی کے طاس کے سوا ان میں کوئی فصل باقی نہیں رہا۔

اسمست کی آبادی اسی درمیانی خلا میں ہے، آبادی کے آس پاس جو زمین قدرے ہموار ہے اس میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اس کے جنوبی حصے میں قبرستان ہے۔ آبادی ندی کی سطح سے تقریباً دوسو فٹ کی بلندی پر ہوگی۔ چونکہ ندی میں زور کا پانی بہت کم آتا ہے اس لئے اس کے کناروں کی زمین میں بھی مجاہدین کھیتی باڑی کر لیتے ہیں اور انھوں نے کچھ پھل والے درخت بھی لگا لیے ہیں۔ اسی حصے میں پن چکیاں بھی ہیں۔ قبرستان سے نیچے ایک میدان ہے، جہاں مجاہدین ایک زمانے میں باقاعدہ پریڈ کیا کرتے تھے۔ غالباً اب بھی کرتے ہیں۔ ندی میں زیادہ پانی اسوقت آتا ہے جب بارشوں کا زور ہو، ورنہ عموماً بارہ پندرہ گز ہی کے عرض میں پانی بہتا ہے، حالانکہ پورا طاس ڈیڑھ دوسو گز سے کم نہ ہوگا۔

آبادی کی کیفیت

آبادی کے مکان پہاڑی علاقوں کی طرح درجہ بدرجہ اوپر نیچے ہیں۔ تمام مکان دوسو سے کم نہ ہوں گے۔ یہ مختلف حصوں میں بٹے ہوئے ہیں مثلاً:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ ان کسانوں کے گھر جو کھیتی باڑی کرتے ہیں اور مجاہدین میں شامل نہیں، یہ مقامی لوگ ہیں۔

۲۔ عیال دار مجاہدین کے گھر۔

۳۔ مجاہدین کی بارکیں جو مختلف جماعتوں کے ناموں سے موسوم ہیں۔

۴۔ گھوڑوں اور خچروں کے اصطبل۔

۵۔ اسلحہ خانہ۔

۶۔ غلے کا گودام جس میں مکئی، جو، گندم اور چاول کے لیے الگ الگ کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔

ہر شخص کو خواہ وہ عام سپاہی تھا یا رئیس یکساں مقدار میں جنس ملتی تھی۔

جانور گرمیوں میں آس پاس کی پہاڑیوں پر چر کر پیٹ بھر لیتے ہیں۔ سردیوں کے لیے گھاس کاٹ کر خشک کر لی جاتی ہے۔ پوری آبادی کے گرد ایک دیوار کھنچی ہوئی ہے، جس میں دو دروازے ہیں۔ ایک بڑا دروازہ جس سے عام لوگ آتے جاتے ہیں، یہ جنوبی حصے میں ہے۔ دوسرا چھوٹا دروازہ جو عیال دار مجاہدین کے مکانوں کے پاس کھلتا ہے، اس کا رخ شمالی سمت میں ہے۔ آبادی سے باہر لیکن اس سے متصل بڑے دروازے کے پاس سادہ سی مسجد ہے۔ اس کے سامنے ایک مکان ہے، جہاں باہر سے آنے جانے والے مسافر ٹھہرتے ہیں۔ آبادی کا رخ مشرق کی طرف ہے اور پشت کی طرف اس سے پیچھے پہاڑی دیوار تدریجاً بلند ہوتے ہوتے پہلی حالت پر پہنچ گئی ہے۔ شمال مغرب میں پہاڑ کے ساتھ ساتھ پگڈنڈی پر چلتے چلتے آبادی سے تقریباً ایک میل باہر نکل جائیں تو پہاڑ سے دو چشمے نکلتے ہیں، جن کا پانی بہت اچھا ہے۔ پینے کا پانی ایک چشمے سے لیتے ہیں، دوسرے چشمے پر عموماً نہاتے ہیں، لہٰذا اس کے پاس غسل خانہ بنا دیا گیا ہے۔

پشتو زبان میں اسمست غار کو کہتے ہیں، چونکہ اس جگہ پہاڑ میں کئی چھوٹے بڑے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غار بنے ہوئے ہیں، شاید اسی وجہ سے مقام کا نام اسمست پڑ گیا۔ ویسے بھی پہاڑوں کے درمیان اس جگہ کی حیثیت ایک بڑے غار کی سی ہے۔ یہ پرانے اوضاع جنگ کے لحاظ سے خاصا مستحکم تھا۔ موجودہ زمانے کے اسلحہ نے اس کی محفوظیت باقی نہیں چھوڑی۔

مجاہدین کی عام کیفیت

مولانا عبدالکریم نے یہ مرکز ۱۹۰۲ء میں قائم کیا تھا۔ آج کل کی کیفیت پیش نظر رکھ کر پچاس پچپن سال پہلے کے حالات کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ مرکز جہاد ہی کی غرض سے قائم ہوا تھا اور اس میں جسمانی راحت کے سامان کم تھے، لیکن یہاں کی آب وہوا خاصی خوش گوار ہے۔ مجاہدین کی کوششوں سے سبزیوں کی کاشت بھی ہونے لگی۔

آبادی میں ہندوستان کے تمام حصوں کے باشندے موجود تھے۔ زیادہ تر مجاہدین بنگال اور بہار کے تھے۔ ان لوگوں کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے وطن کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاتے تھے بلکہ بعض اصحاب اپنے نام بھی بدل لیتے تھے تاکہ متعلقین کو کسی ذریعے سے کچھ معلوم نہ ہو سکے اور وہ اطمینان سے رضائے باری تعالیٰ کا حق ادا کرسکیں۔

ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، جن کے والد بنگال سے آئے تھے اور سرحد میں شادی کر لی تھی، لیکن انھوں نے اولاد کو اپنے اصل وطن کے متعلق کبھی کچھ نہ بتایا تاکہ ان کے دل میں اہل وطن سے تعلق پیدا کرنے اور واپس جانے کا کوئی امکان نہ رہے۔ ایک بنگالی امیر کا ذکر سنا جو بہت بڑا زمیندار تھا، دو مرتبہ حج کر چکا تھا۔ ہر سال ہزاروں روپے مجاہدین کی خدمت کے لئے بھیجتا تھا۔ پھر اچانک گھر یار چھوڑ کر اسمست پہنچ گیا۔ ہر وقت یہی دعاء اس کی زبان پر رہتی تھی کہ ایسی جگہ موت آئے جہاں اجنبی اقتدار کا سایہ تک موجود نہ ہو، چنانچہ وہ اسمست ہی کی آغوش میں آخری نیند سویا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عہدِ امارت

مولانا عبدالکریم کے عہدِ امارت میں چھوٹی چھوٹی کشمکشیں ضرور ہوئی ہوں گی، جن کی کوئی تفصیل ہمیں معلوم نہیں ہو سکی، لیکن اس زمانے میں ملک کے اندر خاصی سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی اور ہر قابلِ ذکر طبقے کی آرزو یہ تھی کہ ملک اجنبی تسلط کے داغ سے پاک ہو جائے۔ گویا سید احمد شہید اور ان کے رفقاء و معتقدین نے جس مقصد کا چراغ سوا سو سال پیشتر جلایا تھا، اس کی روشنی عام ہونے لگی تھی۔ وہ کیفیت نہ رہی تھی کہ دردمندوں کا ایک گروہ تنہا اسلامیت و آزادی کے لیے ہر قسم کی قربانیاں کرتا رہے اور عوام کو خبر ہی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے، یا جو لوگ حالات سے کسی قدر واقف ہوں، ان کے قلب بھی اجنبی حکومت کے خوف سے اس درجہ مرعوب ہو گئے ہوں کہ فدا کارانِ راہِ حق و آزادی کے سایے سے بھی دور بھاگیں۔

ہندوستان کے مسلم عوام میں جوشِ حمیت کی پہلی لہر ۱۸۹۵ء کی جنگِ یونان وترکی کے دوران میں اٹھی، اسی وقت سے ہمہ گیر احساس کا آغاز ہوا کہ یورپی طاقتیں مختلف حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کی آخری بڑی سلطنت کو ختم کر دینے کے درپے ہیں، جو کم وبیش چار سو سال سے حاصلِ خلافت ہونے کے باعث ہمہ گیر عقیدت کا مرکز چلی آتی تھی۔ نیز اسی کو خدمتِ حرمین شریفین کی سعادت حاصل تھی۔ پھر سیاسی بیداری کا دائرہ برابر پھیلتا اور وسیع ہوتا رہا۔ اس کی شدت بھی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی۔

پے بہ پے ایسے واقعات پیش آتے رہے، جن سے ان شعلوں کو ہوا ملتی رہی۔ اب صورتِ حال یہ نہ تھی کہ امیر المجاہدین کو مختلف ذریعوں سے کام لے کر امداد حاصل کرنی پڑتی بلکہ خود عام مسلمان حصولِ آزادی کے جوش میں ان مراکز سے وابستگی پیدا کرنے کے لیے کوشاں تھے، جن سے تحریکِ آزادی کو تقویت پہنچ سکتی تھی۔ اس سلسلے میں مجاہدین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کا مرکز سب سے پہلے آتا تھا، اس لئے کہ وہ سوا سو سال سے اسلامیت و آزادی کا علمدار چلا آتا تھا۔ نیز وہ ہندوستان سے بہت قریب تھا بلکہ اس کے حواشی پر واقع تھا۔

روابط کی توسیع

پوری تفصیل معلوم نہ ہو سکی، لیکن اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں مجاہدین کی امداد کے لئے متعدد ایسے مرکز بن گئے جو پہلے موجود نہ تھے، ان میں روپے اور جانباز آدمیوں کو فراہمی کیلئے سرگرمی سے کام ہوتا تھا، ان کے ذریعے سے سیکڑوں افراد اور ہزاروں روپے سرحدِ آزاد میں پہنچتے تھے۔ اس کام کی تفصیل کتاب کے اس حصے میں بیان ہوگی جو ملک کی اندرونی سرگرمیوں سے متعلق ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا عبدالکریم کو اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے روپے اور مجاہدوں کی قلت غالباً کبھی محسوس نہ ہوئی، اگرچہ اتفاقات کی بنا پر انھیں کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دینے کا موقع نہ مل سکا۔

۱۹۱۴ء میں جنگِ یورپ شروع ہوگئی، جس میں اکثر اہلِ ملک کی ہمدردیاں دو وجہ سے ان طاقتوں کے لئے وقف تھیں جو انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار تھیں۔ اول اس لئے کہ انگریز ملک پر مسلط تھے اور ان کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کی سہل ترین صورت یہ تھی کہ وہ جنگ میں شکست کھاتے اور شکست کی تمام مصیبتوں کا ہدف بنتے جن کا ہدف وہ مدتِ مدید تک اہلِ ہند کو بناتے رہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ سلطنتِ عثمانیہ انگریزوں کی مخالف طاقتوں میں شامل تھی اور مسلمان سلطنتِ عثمانیہ کو اس سبب سے بھی اپنی نہایت بیش بہا متاع سمجھتے تھے کہ وہ آخری بڑی اسلامی سلطنت تھی اور اس سبب سے بھی کہ وہ منصبِ خلافت کی حامل تھی اور اسے مذہبی تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ اس زمانے میں مولانا عبدالکریم کو ہندوستان کے مختلف حلقوں سے مستحکم روابط پیدا کرنے کا موقع مل گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہندوستانی لیڈروں سے تعلقات

مسلمانوں میں بہت سے سیاسی لیڈر بروئے کار آ چکے تھے، جن میں سے بعض کو بلند مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مثلاً مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ باقی لیڈروں کی عام حیثیت سیاسی تھی، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" کے ذریعے سے قرآنی دعوت کا سلسلہ ایسے دل پذیر انداز میں شروع کیا تھا کہ وہ سیاسی لیڈر ہونے کے علاوہ وقت کے یگانہ دینی رہنما بھی سمجھے جاتے تھے۔ اور آزادیٔ وطن کی تحریک میں انھیں سبقت کا وہ مقام حاصل تھا، جو عوام کی نظروں میں کسی دوسرے لیڈر کو حاصل نہ تھا۔ مجاہدین کے روابط اگرچہ سب سے تھے، لیکن مولانا ابوالکلام مخصوص دینی حیثیت کے باعث ممتاز ترین درجے پر فائز تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالکریم ہر ضروری معاملے کے متعلق مولانا آزاد ہی سے مشورہ لیتے رہتے تھے اور جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی تھی تو اپنے خاص قاصد کو بھیج کر اس کی تکمیل کا انتظام کرا لیتے تھے۔ مثلاً ایک موقع پر مجاہدین کو قابل ڈاکٹر کی ضرورت پیش آئی، مولانا آزاد کو یہ اطلاع ملی تو انھوں نے اپنے نیازمندوں میں سے ایک ایسے نوجوان کو بھیج دیا جو ڈاکٹری کی تعلیم کے تمام مراحل طے کر چکا تھا، اگرچہ اس نے آخری سند نہ لی تھی، چنانچہ وہ مدت تک مجاہدین کے پاس رہا۔ پھر کابل چلا گیا اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔

وفات

مولانا عبدالکریم نے ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (۱۱ فروری ۱۹۱۵ء) کو بروز پنج شنبہ نماز فجر کے وقت اسمست میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ وہ اس قافلے کے آخری فرد تھے، جس کے سرخیل مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور مولانا عبداللہ رہ چکے تھے۔ ان پر امارت کا وہ مقدس دور ختم ہو گیا، جس کی ابتدا سید احمد شہیدؒ سے ہوئی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بعد میں جو سلسلہ شروع ہوا، وہ سیاسی اور مذہبی لحاظ سے خاصا مختلف اور قدرے فروتر تھا۔ خواہ یہ سمجھ لیا جائے کہ جس فضا میں مولانا عبدالکریم نے تربیت پائی تھی، وہ بعد کے لوگوں کو میسر نہ آسکی، خواہ یہ سمجھ لیا جائے کہ گردوپیش کے حالات میں خاصا تغیر پیدا ہو جانے کے باعث وہ طریقے بدل چکے تھے، جن پر مولانا عبدالکریم اور ان کے پیشرو کاربند رہے۔

اولاد اور خاندان

مولانا عبدالکریم کا صرف ایک صاحبزادہ محمد حسن (۱) تھا، جو ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، ان کے بڑے بھائی مولانا عبداللہ کے چار صاحبزادے تھے، جن میں سے ایک مولانا عبدالقدوس کو یاغستان میں انتہائی ہردلعزیزی حاصل تھی اور انھوں نے ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ (جنوری ۱۹۰۳ء) میں وفات پائی (۲)۔ مولانا عبدالسبوح بھی فوت ہو چکے تھے۔ صرف دو بیٹوں کی اولاد باقی تھی۔ امان اللہ کے فرزند مولانا رحمت اللہ اور مطیع اللہ کے فرزند مولانا نعمت اللہ، آخر الذکر بالاتفاق امیر منتخب ہوئے۔ ان کے حالات آئندہ ابواب میں بیان ہوں گے۔ یہاں اتنا بتا دینا چاہیے کہ مولانا مطیع اللہ (ابن مولانا عبداللہ) کی بعض تصانیف کا بھی علم ہوا، مثلاً:

(۱) اربعین فی ما علی الامیر والتابعین

(۲) احادیث استقامت بعد الہجرۃ

(۳) اربعین فی فضل الجہاد

(۴) دارالفتن سے ہجرت واجب ہے۔

(۱) محمد حسن کی تاریخ ولادت ۱۳۰۶ھ (۸۹-۱۸۸۸ء) ہے، تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

(۲) ان کا ایک صاحبزادہ عبدالحسین تھا، جو ایک سال بعد یعنی ۱۳۲۱ھ میں فوت ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

امیر نعمت اللہ

مسلک میں تبدیلی

جیسا کہ گذشتہ باب میں عرض کیا جا چکا ہے، امیر عبدالکریم کی وفات پر نعمت اللہ (بن مطیع اللہ بن امیر عبداللہ) جماعت مجاہدین کے امیر منتخب ہوئے، ہمارے سامنے جو بیانات آئے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ انکے عہد میں انگریزی حکومت کے متعلق مسلک میں تغیر رونما ہو گیا۔ اس سے تمام مخلص متوسلین کے دلوں میں خلش پیدا ہو گئی اور وہ سمجھنے لگے کہ جماعت مجاہدین اپنے اصل فرائض و وظائف کی راہ سے ہٹ گئی ہے۔

تبدیلِ مسلک کی کئی شہادتیں موجود ہیں، مثلاً ۲۱-۱۹۲۰ء میں یہاں جماعت مجاہدین کے بعض کارکنوں پر مقدمہ قائم ہوا تھا، جس کے تفصیلی حالات آگے چل کر پیش ہوں گے۔ اس میں مختلف اصحاب نے تبدیلِ مسلک کا عذر پیش کرتے ہوئے جماعت کا کاروبار ترک کر دینے کا اعتراف کیا۔ ایک صاحب نے خود مرکز مجاہدین میں پہنچ کر امیر نعمت اللہ سے دریافت کیا کہ آیا واقعی آپ نے انگریزوں سے صلح کر لی ہے؟ امیر نے بتایا کہ صلح تو نہیں کی، البتہ ایسا انتظام کر لیا ہے کہ انگریزی حکومت کے کارندے مجاہدین کے لئے روپیہ لانے، لے جانے والوں کو تنگ نہ کریں، تاہم امیر نعمت اللہ کے مقربین میں سے جو لوگ حقیقتِ حال سے آگاہ تھے، انھوں نے علیحدگی میں مستفسر کو یقین دلا دیا کہ امیر نے واقعی صلح کر لی ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا کہ شاہ امان اللہ خاں نے دو بم پنجاب پہنچانے کی غرض سے بھیجے تھے۔ امیر نعمت اللہ نے ایک بم اپنے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پاس رکھ لیا اور دوسرے کے ارسال کا انتظام ایسے طریقے پر کیا کہ انگریزی کارکنوں کو بروقت علم ہو جائے۔ چنانچہ یہ بم راستے میں پکڑا گیا اور منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکا۔ گویا ارسال کے ساتھ اس کے پکڑوانے کا انتظام خود امیر موصوف نے کیا۔(۱)

صلح کی سرگزشت

اس سلسلے میں نہایت اہم اور مستند معلومات سیّد عبدالجبار شاہ ستھانوی کی اس کتاب سے مل گئیں، جس میں انھوں نے صوات کی بادشاہی کے حالات رقم فرمائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۷ء میں دو بڑے واقعات پیش آئے تھے۔

۱۔ مجاہدین میں سے بعض حضرات نتھیاگلی کے علاقے میں مقیم تھے، انھوں نے ریونیو کمشنر کی کوٹھی سے سامان لوٹا۔ والیٔ امب نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر یہ پورا سامان واپس کرا دیا۔

۲۔ اسی گروہ کے بعض افراد نے نتھیاگلی کے علاقے میں دو گورے سپاہیوں یا افسروں کو گولی سے ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ ریاست امب میں سے گذر کر جا رہے تھے۔ والیٔ ریاست نے انھیں گرفتار کر کے انگریزی حکومت کے حوالے کر دیا۔

ان واقعات کی وجہ سے انگریزی حکومت نے مجاہدین کے خلاف دار وگیر کے انتظامات بہت سخت کر دیے۔ ویسے بھی یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ جرمنی اور ترکی کا ایک وفد کابل میں بیٹھا تھا تاکہ امیر حبیب اللہ خان کو ہم نوا بنا کر ہندوستان پر حملہ کرا دے۔ اس وجہ سے بھی سرحد آزاد میں آنے جانے والے آدمیوں کی شدید نگرانی ہوتی تھی۔ اسی دور میں مجاہدین کے دو کارندے ہندوستان سے دس ہزار روپے کے قریب رقم لے جاتے ہوئے پکڑے گئے۔(۲)

---

(۱) یہ ۱۹۲۱ء کے مقدمے کے ملزم مستری ابراہیم وزیر آبادی کا بیان تھا، جو تحقیق احوال کے لیے اسمست گئے تھے۔

(۲) رولٹ رپورٹ میں مرقوم ہے کہ مارچ ۱۹۱۷ء میں دو بنگالی مسلمان گرفتار ... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یہ رقم بحق سرکار ضبط ہوئی اور کارندے گرفتار کر لیے گئے، اس واقعے کا طبعی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ جماعت مجاہدین میں انگریزوں کے خلاف سخت اشتعال پیدا ہوتا۔ چنانچہ انھوں نے انگریزی علاقے پر یورشوں کا فیصلہ کر لیا۔ سادات ستھانہ سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے، لہٰذا اس باب میں سید عبدالجبار شاہ سے بھی مشورہ ضروری سمجھا گیا، چنانچہ امیر نعمت اللہ نے اس غرض سے مولوی عبدالوہاب سندھی کو صوات بھیج دیا۔ سیّد عبدالجبار شاہ نے فرمایا کہ اعتدال کا مسلک نہ چھوڑنا چاہیے۔

> میں ملاکنڈ ایجنسی کی معرفت اصل حقیقت گورنمنٹ برطانیہ پر ظاہر کر دیتا ہوں، چونکہ سر جارج (۱) روس کیپل مجھ سے ذاتی طور پر ناراض ہے، لہٰذا جب میں اپنی طرف سے یہ حالات سناؤں، تب آپ لوگ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم پر اپنی طرف سے ایسی ہی مشورہ طلبی کا اظہار کریں۔ اصلیت سے وہ واقف ہو چکا ہوگا، اس لئے ان کی وساطت کو رد نہ کرے گا۔ آپ کے قیدیوں اور روپے کو واپس دیدے گا۔ (۲)

سیّد عبدالجبار شاہ کا مکتوب

چنانچہ سیّد عبدالجبار شاہ نے بہ طور خود ایک مفصّل خط اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ چک

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ۔ ہوئے تھے جن کے پاس سے آٹھ ہزار روپے برآمد ہوئے۔ یہ مجاہدین میں شریک تھے، لیکن انھیں اپنے اپنے ضلعے سے سرمایہ فراہم کرنے کے لئے ہندوستان بھیج دیا گیا تھا۔

(سدیشن کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۱۸ء، انگریزی ص ۱۷۵)

(۱) یہ اس زمانے میں صوبہ سرحد کا چیف کمشنر تھا۔ اسے پٹھانوں میں بہت ہر دلعزیزی حاصل تھی اور انگریزی حکومت سرحدی معاملات میں اسی کی رائے پر عمل کرتی تھی۔ سید عبدالجبار شاہ کا مدعا یہ تھا کہ روس کیپل صوات کی بادشاہی کے سلسلے میں میرا مخالف ہے، اگر براہ راست اسے لکھوں گا تو وہ جوش مخالفت کے باعث میری رائے کے خلاف عمل کرے گا۔ گر میں اپنے طور پر ملاکنڈ ایجنسی کی معرفت صحیح رائے بھجواؤں گا اور صاحبزادہ عبدالقیوم کی طرف سے بھی اس کی تائید ہوگی تو روس کیپل مان جائے گا۔

(۲) شہادت الثقلین، حصہ دوم، قلمی نسخہ ص ۲۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

درہ کے نام بھیجا، جس میں مجاہدین کی پوری سرگزشت اختصاراً بیان کی۔ ساتھ ہی بتایا کہ زمانہ نازک ہے، ایسے اسباب موجود ہیں جو مجاہدین کو آمادۂ جنگ کرنے کے محرک ہو سکتے ہیں اور اگر جنگ چھڑ گئی تو اندیشہ ہے کہ دوسرے عناصر بھی ساتھ ہو جائیں گے اور حکومت کے لئے سرحد میں ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ مجاہدین کا گزارہ اسی رقم پر ہے جو ہندوستان سے وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہے۔ یہ رقم چھن چکی تھی، وہ لازماً برانگیختہ ہو کر مخالفانہ اقدامات کریں گے اور نفیرِ عام کی صورت میں ہزاروں آدمی اور ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔ مناسب یہی ہے کہ ان کی ضبط شدہ رقم واپس کر دی جائے اور ان کے قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ یہ مشورہ صاحبزادہ سر عبدالقیوم کی طرف سے بھی روس کیپل کے پاس پیش ہوا۔ سید عبدالجبار شاہ فرماتے ہیں۔

> میں نے ۱۲ر جون ۱۹۱۷ء کو یہ تحریک کی تھی اور معلوم نہیں کتنے ہفتے یا مہینے بعد وہ سارے مجاہد قیدی بھی رہا ہو گئے اور صلح کا وہی مجوزہ وعدہ بھی ہو گیا۔ ضبط شدہ روپے کے علاوہ غالباً دس ہزار روپیہ سالانہ بھی روس کیپل نے امیر نعمت اللہ کو دلوایا۔ (۱)

صحیح صورتِ حال

ان تفصیلات سے سب کو اتفاق ہو یا نہ ہو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مصالحت یا مفاہمت کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہو چکی تھی۔ اغلب ہے امیر نعمت اللہ کا خیال یہی ہو کہ اس طرح ہندوستان سے مالی امداد حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی اور جو مجاہدین ان کے پاس تھے، وہ قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے عالم میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہ دے سکتے تھے، ہو سکتا ہے یہ رائے عین خلوص پر مبنی ہو، تاہم ظاہر ہے کہ اصل معاملہ مجاہدین کی تعداد یا سروسامان کا نہ تھا، پیشتر جو دور گذر چکے تھے، ان میں بھی

(۱) شہادت الثقلین حصہ دوم قلمی نسخہ ص ۲۴۳-۲۴۴

جماعتِ مجاہدین بہ لحاظ شمار بارہ چودہ سو سے کبھی نہ بڑھی تھی اور اتنے جانباز بہتر سے بہتر سروسامان کے ساتھ بھی ہندوستان کے دامن سے محکومی کا دھبہ نہ دھو سکتے تھے۔

اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جماعتِ مجاہدین ایک سو سال سے ایک خاص مقصد اور خاص نصب العین کی حامل چلی آتی تھی۔ کروڑوں کی آبادی کے اس وسیع جنگل میں جو کراکورم سے راس کماری تک پھیلا ہوا تھا، جماعتِ مجاہدین کے سوا کون سا گروہ تھا جو اجنبی حکومت کی پرچھائیں سے بھی بیزار و متنفر ہوتا؟ امیر نعمت اللہ کے مجوزہ انتظام سے مجاہدین کے لیے اک گونہ سہولت کا بندوبست تو ضرور ہو گیا ہوگا لیکن اس طرح اس نصب العین کی آبرو کیا باقی رہ سکتی تھی جس کے لئے ہزاروں غیور جانباز سرحدی کوہستانوں میں اپنا خونِ حیات بے دریغ بہاتے رہے۔ ہزاروں نے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب سے دائمی مفارقت گوارا کی اور ہندوستان کے طول و عرض سے بے شمار روپیہ ہر سال سرحد پہنچتا رہا۔

مرکز چمرکنڈ

امیر عبدالکریم اور امیر نعمت اللہ کے عہد میں جماعتِ مجاہدین کے لئے ملک بھر کے اندر وسیع پیمانے پر کام ہوا۔ اس عہد میں میرے اندازے کے مطابق پنجاب کو نمایاں تقدم حاصل رہا، جو مجاہدین کے علاقے سے بہت قریب تھا، حالانکہ پہلے یہاں سرگرمیِ عمل کا کوئی خاص ثبوت نہیں ملتا۔ اسی زمانے میں مولانا عبدالرحیم، جو سرحد آزاد میں محمد بشیر کے اختیاری نام سے مشہورِ عالم ہوئے، اسمست پہنچے اور انھوں نے پورے یاغستان میں مرکز اسمست کے ماتحت شاخیں قائم کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ سرحد کشمیر سے وزیرستان تک ہر موزوں مقام پر چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کر دیے گئے، جن کے مجاہدین کا وظیفہ یہ تھا کہ آس پاس کے قبائل میں جہاد کی روح تازہ رکھیں اور وقتاً فوقتاً انگریزی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

علاقوں پر حملے کراتے رہیں۔ اگرچہ ان حملوں سے کوئی بڑا مقصد حاصل نہ ہوسکتا تھا، تاہم ایک بدیہی فائدے سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور وہ یہ کہ انگریزی حکومت جنگ یورپ کے محاذوں کے علاوہ سرحد پر بھی توجہ جمائے رکھنے کے لئے مجبور ہوتی، نیز ان حملوں سے ہندوستان کی انقلابی تحریک کو یقیناً تقویت پہنچتی۔

ان میں سے چمرکنڈ کا مرکز باقی رہ گیا، جسے مولانا محمد بشیر کی وجہ سے ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ جماعت مجاہدین کا اصل مرکز بھی اس کے سامنے ماند پڑ گیا۔ اسمست کا نام شاید گنتی کے اصحاب کو معلوم ہو، چمرکنڈ کا نام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ اس مرکز کے مفصل حالات آئندہ بیان ہوں گے۔

امیر نعمت اللہ ہی کے زمانے میں لاہور کے کالجوں میں سے طلبہ کی ایک جماعت مرکز مجاہدین میں پہنچی، وہ سب سے پہلے افغانستان گئے۔ پھر بعض وہاں سے روس یا ترکی گئے، بعض واپس آکر جماعت مجاہدین میں شامل ہوگئے۔ ان کے مفصل حالات موقع پر لکھے جائیں گے۔ نیز سرحد کے طلبہ وہاں گئے۔ ان کے علاوہ عام مہاجرین کی تعداد چار پانچ سو سے کم نہ ہوگی، جو نہ سب کے سب وہاں رہے اور نہ عہد ہجرت نباہ سکے۔

مختلف لڑائیاں

امیر نعمت اللہ کے عہد میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی ہوئیں، جن میں سے رستم اور چک درہ کی لڑائیاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ رستم کی لڑائیوں کا سلسلہ حاجی صاحب ترنگ زئی کی تحریک پر شروع ہوا تھا اور مجاہدین نے ان میں سرگرم حصہ لیا تھا۔(۱) ان کی خبریں جماعت کی طرف سے بلیٹن کی شکل میں شائع ہوتی رہیں۔ ایک بلیٹن اتفاق سے مجھے مل گیا، جس کے اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

(۱) مولوی عبدالرزاق کے بیان سے مترشح ہوا کہ ان لڑائیوں میں سب سے بڑا حصہ واقعی مجاہدین کا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۱۔ ۵؍شوال ۱۳۳۳ھ (۱۶؍اگست ۱۹۱۵ء) کو مجاہدین ہندوستانی سرحد برطانیہ میں گھس گئے اور ایک پہاڑی پر مورچہ بندی کر کے مقیم ہوئے۔ یہ پہاڑی موضع سرخوئی سے ایک میل کے قریب واقع ہے اور تیرہ میل سلطنت برطانیہ کے اندر۔ اس مقام سے قلعہ رستم اور کیمپ آٹھ میل پر ہیں اور دونوں نظر آتے ہیں۔

۲۔ ۹؍شوال ۱۳۳۳ھ (۲۰؍اگست ۱۹۱۵ء) کی شب کو مجاہدین نے کیمپ رستم پر حملہ کیا۔ کیمپ سے برابر مدافعہ نہ توپوں اور بندوقوں کے فیر ہوتے رہے...... رستم کے باشندوں نے خبر دی کہ برطانیہ کے زخمی سولہ ڈولیوں میں مردان کو روانہ کیے گئے۔ گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں کا بہت نقصان ہوا۔

۳۔ ۱۱؍شوال ۱۳۳۳ھ (۲۲؍اگست ۱۹۱۵ء) کی شب کو مجاہدین نے پھر حملہ کیا۔ مدافعت میں بہت سرگرمی سے توپیں اور بندوقیں تمام رات چلتی رہیں۔ رستم کے باشندوں کی زبانی معلوم ہوا کہ چالیس ڈولیاں زخمی سپاہیوں کی مردان گئیں۔

۴۔ ۱۳؍شوال ۱۳۳۳ھ (۲۴؍اگست ۱۹۱۵ء) کی شب کو مجاہدین نے پھر حملہ کیا اور چاہا کہ کیمپ میں گھس جائیں لیکن چاروں جانب تاروں کا جنگلا لگا ہوا تھا اور خندقیں کھودی گئی تھیں۔ اس شب کی جنگ میں ایک انگریز افسر مارا گیا۔

۵۔ ۱۴؍شوال ۱۳۳۳ھ (۲۵؍اگست ۱۹۱۵ء) تمام رات بارش ہوتی رہی، نو بجے دن کو برطانیہ نے پانچ ہزار فوج، دو رسالوں اور اکیس توپوں کے ساتھ اچانک تین جانب سے مجاہدین پر حملہ کیا۔ مجاہدین نے جانبین کی پہاڑیاں پکڑ لیں اور گولہ باری ہونے لگی۔ نو بجے سے صبح چار بج گئے۔ آخر میں ایک کرنیل مارا گیا۔ فوج فرار ہو کر قلعہ رستم میں پناہ گزیں ہوئی۔ اس جنگ میں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کوئی اہلِ ملک (مقامی) شریک نہ تھا۔ مجاہدین کے دس شہید اور چھ زخمی

ہوئے، برطانیہ کے تقریباً چھ سو مقتول اور زخمی ہوئے۔

اس سلسلے کے تمام بلٹین ہاتھ آجاتے تو سرحدی لڑائیوں کے متعلق ایک مفصل و

مستند دستاویز تیار ہو جاتی۔

امیر کی شہادت

امیر نعمت اللہ نے ۱۹۱۷ء میں انگریزوں سے اک گونہ مصالحت کا جو انتظام کر لیا تھا،

اس کی وجہ سے صرف مجاہدین ہی میں افسردگی پیدا نہ ہوئی بلکہ ہندوستان کے اندر جو لوگ

فراہمیِ زر اور تیاریِ مجاہدین میں لگے ہوئے تھے، ان میں سے بھی اکثر اس درجہ متاثر

ہوئے کہ انھوں نے اعانت سے دست کشی اختیار کر لی۔ مجاہدین میں اکثر لوگ ایسے تھے

جو نہ صرف اعزہ و اقارب سے منقطع ہوئے تھے بلکہ دنیوی اطمینان و فارغ البالی کی

امیدوں کے بھی تمام چراغ گل کر چکے تھے۔

جب انھیں امیر کی مصالحانہ روش میں کسی خوش آیند تغیر کی توقع نہ رہی تو ایک نوجوان

نے موصوف کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال یقیناً یہ ہوگا کہ یہ رکاوٹ دور ہو

جائے گی تو جہاد کیلئے بہترین صورتیں نکل آئیں گی۔ اس نوجوان کا اصل نام عبدالرشید اور

اختیاری نام محمد یوسف تھا۔ وہ ایک خوش حال گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور اس کے والد

غالباً ضلع مردان میں مدارس کے انسپکٹر تھے۔ محمد یوسف نے شاید بی۔ اے تک تعلیم پائی

تھی۔ وہ ان چودہ طلبہ میں سے تھا جو لاہور سے اسمست پہنچے تھے۔ پہلے اپنے رفقاء کے

ہمراہ کابل چلا گیا، جہاں امیر حبیب اللہ خاں کی حکومت نے ان سب کو گرفتار کر کے قید

میں ڈال دیا۔ پھر وہ رہا ہوا تو مولانا محمد بشیر اسے کابل سے اپنے ساتھ یاغستان میں لے

آئے۔ مولانا اسے اپنے فرزند کے برابر سمجھتے تھے۔ کچھ مدت وہ انھیں کے ساتھ دوروں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں شریک رہا، پھر امیر نعمت اللہ نے اسے اپنا معتمد خصوصی بنا لیا۔ اس نے بتاریخ ۲۶ رشعبان ۱۳۳۹ھ (۴ رمئی ۱۹۲۱ء) بروز یک شنبہ چاشت کے وقت امیر نعمت اللہ کو شہید کر ڈالا۔ تفصیل یہ بتائی گئی کہ امیر مرحوم اپنے مردانہ مکان کی چھت پر بیٹھے تھے، تعمیر کے سلسلے میں کوئی ہدایت دینے کے لئے اٹھے اور ایک طرف کو آگے آگے چل پڑے۔ یوسف ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے یکایک پستول نکالا اور امیر کے سر پر دو یا تین مرتبہ فائر کیے۔ امیر گرے اور اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر پینتالیس سال کی تھی۔

یوسف بہ اطمینان نیچے اترا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ آیا اس کی خواہش یہ تھی کہ جماعت کو اکٹھا کر کے نئے امیر کے انتخاب و بیعت کا انتظام کرائے یا وہ اسمست سے نکل کر کسی ایسے علاقے میں پہنچ جانا چاہتا تھا، جہاں اس پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکتا۔ لیکن مکان کے صحن میں مختلف لوگوں نے فائروں سے اسے آناً فاناً ختم کر دیا۔

مولانا محمد بشیر کے متعلق شبہات

مولانا محمد بشیر اس وقت چمرکنڈ کی طرف سرحد آزاد میں تنظیم کا کام کر رہے تھے۔ چونکہ انھیں محمد یوسف سے خصوصی تعلق تھا، اس لئے جماعت کے مختلف آدمیوں کے دل میں سوءِ ظن پیدا ہوا کہ وہی واقعۂ قتل کے حقیقی محرک ہیں۔ انھیں امیر مرحوم کی فاتحہ خوانی اور نئے امیر کی بیعت کے سلسلے میں اسمست آنا تھا۔ خیرخواہوں نے مشورہ دیا کہ نہ جائیں مبادا ان پر خواہ مخواہ قتل کا مقدمہ قائم کر دیا جائے۔ انھوں نے فرمایا کہ نہ اپنے متعلق سوءِ ظن کا روادار ہو سکتا ہوں اور نہ آپ لوگوں کے مشورے پر عمل کر کے سوءِ ظن کو یقین کے درجے پر پہنچا دینا میرے لئے مناسب ہے۔ چنانچہ وہ بے باکانہ اسمست گئے اور مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے پوری چھان بین کر لی جائے۔ اس طرح انھوں نے خود تحقیقاتی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کمیٹی مقرر کرائی۔ جب وہ ہر لحاظ سے بری الذمہ ثابت ہوئے تو نئے امیر کی بیعت کی۔

خود مولانا محمد بشیر نے کابل میں اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ یوسف بہت ہی جوشیلا نوجوان تھا۔ اسلامیت اور آزادی کے عشق میں وہ ہر قربانی کے لیے تن تنہا تیار رہتا تھا۔ بعض کارکنانِ جماعت نے امیر صاحب کے حالات اس کے سامنے ایسے انداز میں بیان کیے کہ اسے اشتعال آ گیا۔ مولانا فرماتے تھے کہ یوسف کے سامنے صورتِ حال کو اشتعال انگیز انداز میں پیش کرنے والے اصحاب میں ایک مولوی فضل الٰہی بھی تھے۔ معتمد خصوصی کی حیثیت میں اسے غالباً ایسی باتیں معلوم ہوگئی ہوں گی، جن سے دوسروں کے بیانات کی تصدیق ہوتی تھی۔ مولوی عبید اللہ نے ۱۹۲۱ء کے مقدمے میں، جس کا ذکر آگے آئے گا، بیان کیا تھا کہ اکتوبر یا نومبر ۱۹۱۹ء میں مولوی فضل الٰہی کے مکان پر وزیر آباد میں انگریزوں سے امیر صاحب کی صلح کا ذکر ہوا تھا، نیز یہ کہ جو چندہ بھیجا جاتا ہے، مجاہدین پر صرف نہیں ہوتا، پھر خود مولوی عبید اللہ اسمست پہنچے اور امیر صاحب سے یہ سوال کیا۔ انھوں نے اعتراف کیا، صرف ظاہرداری کی صلح کی ہے تاکہ جو چندہ ہندوستان سے آتا ہے اس میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، لیکن امیر کا کاتب (سکریٹری) یعنی یوسف نے علیحدگی میں بتایا کہ امیر کا یہ بیان صحیح نہیں، دراصل اس نے صلح کر لی ہے، عیش میں پڑ گیا ہے اور جہاد کا کام ترک کر دیا ہے۔

غصے اور رنج کا بڑا سبب یہ تھا کہ مصلحت آمیز مصالحت کے باعث نہ صرف جہاد کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی تھی بلکہ ہندوستان کے اندر نظامِ اعانت کا سلسلہ بھی درہم برہم ہو رہا تھا۔ بہرحال حقیقی اسباب خواہ کچھ ہوں اس رنجیدہ صورتِ حال میں امیر صاحب کی جان بھی گئی، جو بہت بڑے کارناموں کی صلاحیت رکھتے تھے اور ایک پرخلوص نوجوان کی زندگی بھی ختم ہوئی جو ملت کے اہم مقاصد میں بدرجہا بہتر خدمات کا موجب بن سکتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر صاحب کے شمائل و خصائل

مولوی محمد علی مرحوم قصوری کابل سے نکل کر یاغستان چلے گئے تھے تو چمرکنڈ ہوتے ہوئے اسمست بھی پہنچے تھے۔ انھوں نے امیر نعمت اللہ کو بہت قریب سے دیکھا تھا، لکھتے ہیں:

> مرحوم ایک بھاری بھر کم، خوب صورت، وجیہ اور دراز قامت جوان تھے۔ گفتگو میں نہایت شائستہ، متین اور سنجیدہ۔ بڑے زیرک اور مردم شناس آدمی تھے۔ ان کے خطبات خاصے دل نشین ہوتے تھے، خوب صورت ترشی ہوئی ڈاڑھی، سر پر خوب ستھرے پٹے رکھتے تھے۔ لباس پٹنہ اور یو، پی کا قدیم غرارہ لمبا اور تکمہ دار صدری پہنتے تھے۔ سر پر عمامہ اور ہاتھ میں نفیس چھڑی۔(۱)

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمان امراء و مشائخ کی طرح وہ عورتوں کے بے حد شوقین تھے۔ ایک حافظ صاحب کو اپنی جگہ امام مقرر کر رکھا تھا۔ کبھی کبھار مسجد میں تشریف لاتے تو ایک بندوق بردار سنگین چڑھائے ان کے پیچھے حفاظت کے لئے کھڑا رہتا۔ نماز ہو چکتی تو بندوق بردار امیر صاحب کو زنان خانے میں پہنچا کر واپس آتا اور خود نماز ادا کرتا۔(۲)

بعض دوسرے مخلص کارکنوں کے بیانات سے بھی ان امور کی تصدیق ہوتی ہے(۳) لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ امیر نعمت اللہ بڑے اچھے خصائل کے حامل تھے۔ انگریزوں سے مصالحت کے باعث رائے عامہ میں ان کے متعلق انقلاب پیدا ہوا، ورنہ امید تھی کہ ان کا عہد جماعت کے لئے بہت خوش گوار ہوتا۔

حافظ عنایت اللہ صاحب (خطیب جامعہ اہل حدیث گجرات) اکتوبر ۱۹۱۵ء میں

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۰۸۔ (۲) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۰۸۔

(۳) مثلاً وہ بیانات جو مختلف اصحاب نے ۱۹۲۱ء کے مقدمے میں دیے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسمست گئے تھے اور عید قربان کی نماز امیر نعمت اللہ کی اقتدا میں پڑھی تھی۔ انھوں نے دو باتیں بطور خاص محسوس کیں، اوّل یہ کہ مرہم پٹی کے لیے کوئی قابلِ ذکر انتظام موجود نہ تھا، دوسرے یہ کہ خاندانِ امارت کے سب اصحاب متاہل تھے، مقامی لوگ بھی شادیاں کر لیتے تھے، لیکن ہندوستانی مجاہدین عموماً تجرد کی زندگی بسر کرتے۔ حافظ صاحب نے ان دونوں باتوں کے متعلق امیر صاحب کو توجہ دلائی مگر کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا۔

اولاد

امیر نعمت اللہ کی شادی ان کے عم محترم مولانا امان اللہ کی صاحبزادی حکیمن بانو سے ہوئی تھی، جو ان کے جانشین امیر رحمت اللہ کی حقیقی بہن تھی۔ تین صاحبزادے یادگار چھوڑے، برکت اللہ، صبغت اللہ اور آیات اللہ۔ امیر کی وفات کے وقت تینوں بہت چھوٹے تھے۔ بڑے صاحبزادے برکت اللہ کا نکاح امیر رحمت اللہ کی دختر رضیہ سے ہوا، ان کے بڑے بیٹے کا نام نور الہدیٰ ہے۔ آگے چل کر جماعتِ مجاہدین نے ''المحرض'' اور ''المجاہد'' کے نام سے جو اخبار یکے بعد دیگرے جاری کیے، ان پر نور الہدیٰ کا نام بطور مدیر لکھا جاتا تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

کابل میں ترکی اور جرمن وفد

جرمنوں کی امیدیں

جرمنوں میں جب سے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ سلطنت برطانیہ کی جگہ لے لیں اور اپنے تجارتی وسیاسی روابط کو عالمگیر بنا دیں، اسی وقت سے وہ ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں کو بھی اپنی خاص امید گاہ سمجھنے لگے تھے۔ تقسیم بنگال کے بعد یہاں دہشت انگیزی کا خاصا خطرناک دور شروع ہو گیا تھا۔ اسے پیش نظر رکھتے ہوئے جرمنی کے مشہور جرنیل اور مصنف فان برن ہارڈی نے ۱۹۱۱ء میں لکھا تھا کہ امید ہے، بنگال کے ہندو جن کی سیاسی سرگرمیاں علانیہ آشکارا ہیں، اپنے مسلمان ہم وطنوں سے اتحاد کر لیں۔ ان عناصر کے اتحاد سے ایک ایسا خطرہ صورت پذیر ہو جائیگا جو انگلستان کے تسلط کی بنیادیں ہلا سکتا ہے۔

حریت پرست ہندوستانیوں نے امریکہ اور یورپ کے مختلف ملکوں میں بیٹھ کر آزادیٔ وطن کے لئے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ان میں سے لالہ ہردیال ایم۔ اے کی "غدر پارٹی" کو خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ پہلی جنگ یورپ کے آغاز پر ایک شخص چمپا کرمن پلّائے زیورچ میں مقیم تھا۔ اس نے جرمنی میں ایک انجمن قائم کی، جس کا نام "انڈین نیشنل پارٹی" رکھا۔ لالہ ہردیال ایم۔ اے، مولانا برکت اللہ بھوپالی، ڈاکٹر تارک ناتھ داس، چندر کے چکرورتی، ہرمبالال گپتا وغیرہ اس میں شریک ہو گئے۔ یہ جرمنی کی وزارتِ خارجہ سے وابستہ تھے۔ ان کی سرگرمیوں کے مفصل حالات پیش نظر موضوع سے خارج ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہندوستان میں ہنگامے کی تدبیریں

پہلی جنگ یورپ کے دوران میں جرمنوں کی خواہش یہ تھی کہ کسی تدبیر سے ہندوستان میں ہنگامہ بپا کر دیں تاکہ انگریز ہندوستان سے باطمینان سپاہ بھرتی کر کے بیرونی محاذوں پر بھیجنے کے بجائے خود وہاں کے ہنگامے میں الجھ جائیں۔ اس مقصد کے لئے دو منصوبے مرتب کیے گئے۔ ایک یہ کہ ان بنگالیوں کو زیادہ سے زیادہ اسلحہ پہنچا دیے جائیں جو دہشت انگیز سرگرمیوں میں مشغول تھے۔ یہ عموماً ہندو تھے اور ان کا اثر و رسوخ بھی ہندوؤں ہی تک محدود تھا۔ دوسرا منصوبہ یہ تھا کہ افغانستان سے ہندوستان پر حملہ کرا دیں نیز یاغستانی قبائل کے لئے فوجی تربیت اور اسلحہ کا انتظام کر دیں۔ اس طرح ہندوستان کی شمالی و مغربی سرحد پر خونریز جنگ کی طرح ڈال دیں۔

بنگال میں اسلحہ پہنچانے کی کوشش

بنگال میں اسلحہ پہنچانے کے منصوبے کو لباسِ عمل پہنانے کا کام بٹاویہ، بنکاک اور شنگھائی کے جرمن قونصلوں سے متعلق تھا۔ چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ایک جہاز میں تیس ہزار بندوقیں، بے شمار کارتوس اور دو لاکھ روپیہ بھیجا جائے اور یہ جہاز خلیج بنگال کے ان جزیروں میں لنگر انداز ہو، جو نواکھالی کے قریب میگھنا دریا کے دہانے پر واقع ہیں۔ بنگالیوں کی انقلابی پارٹی نے فیصلہ کر لیا کہ جہاز کے پہنچتے ہی ہتھیار اپنے کارکنوں میں تقسیم کر دیں۔ ان ریلوں کے تمام پُل توڑ دیں، جو مختلف صوبوں سے بنگال پہنچتی تھیں۔ اس طرح بنگال کو باقی ہندوستان سے منقطع کر کے اس پر قابض ہو جائیں۔ پھر جرمنی سے فوجوں اور اسلحہ کی بہم رسانی باقاعدہ شروع ہو جائے۔

جرمنوں نے غالباً تین مرتبہ اسلحہ پہنچانے کی کوشش کی، لیکن سوءِ اتفاق سے تینوں کوششیں ناکام رہیں۔ اس اثناء میں سازش کا سراغ مل گیا اور وہ بنگالی گرفتار ہو گئے یا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مارے گئے، جو اسلحہ اتروانے کے ذمہ دار تھے۔ انگریزی حکومت نے پورے ساحلی علاقے میں ایسے انتظامات کر دیے کہ کوئی جہاز ہندوستان تک پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔ ایک جہاز میں تھوڑا سا سامان آیا، وہ راستے ہی میں پکڑا گیا۔ (۱)

تبصرہ

یہ منصوبہ بہ لحاظ تجویز بھی خام تھا اور اس کے لیے جو تنظیمات کی گئیں وہ بھی سراسر ناقص تھیں۔ سمندروں پر برطانوی بیڑے کو جو تسلط حاصل تھا اسے پیش نظر رکھتے ہوئے اسلحہ سے بھرا ہوا جہاز پہنچایا ہی نہ جا سکتا تھا۔ اگر جہاز پہنچ بھی جاتا تو خفیہ اسلحہ کی اتنی بڑی مقدار اتاری نہ جا سکتی تھی۔ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو جب بھی بیس تیس ہزار بندوقوں اور ریوالوروں سے کچھ نہ بنتا۔ سرسری ہنگامہ تو ضرور پیدا کیا جا سکتا تھا، لیکن یہ امید نہ ہو سکتی تھی کہ منظم جنگ کرنے والوں کی بڑی جماعت مہیا کی جا سکے گی۔ بے شبہ انقلابیوں میں بڑے بڑے جانباز موجود تھے، لیکن ان کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ انھیں اپنے جیسے جانباز زیادہ تعداد میں نہ مل سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جرمنوں پر اضطرار کی حالت طاری تھی اور وہ نتائج کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کہیں نہ کہیں ہنگامہ پیدا ہو جائے تا کہ برطانیہ کی توجہ یورپ کے میدانوں سے دوسری طرف منتقل ہو۔ غرض یہ منصوبہ اصلاً بھی غیر موثر تھا اور اسے پورا کرنے کے لئے ٹھیک ٹھیک کوششیں بھی نہ ہو سکیں۔

ترکی اور جرمن مشن

اس سے بدرجہا زیادہ معقول و موثر منصوبہ وہ تھا جس کا تعلق افغانستان اور یاغستان

(۱) جرمن کوششوں کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سڈیشن کمیٹی کی رپورٹ ص ۱۱۹-۱۲۵۔ یہ عام طور پر رولٹ رپورٹ کے نام سے مشہور ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے تھا۔ اسے کامیاب بنانے کے لئے جرمنوں اور ترکوں کا ایک وفد کابل پہنچا۔ فان ہن ٹیگ (Von Hentig) جرمن وفد کا سرخیل اور قیصر جرمنی کا نمائندہ تھا۔ کاظم بے ترکی وفد کا قائد تھا، جسے سلطان محمد خامس عثمانی نے بحیثیت خلیفۃ المسلمین اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ کچھ ہندوستانی اصحاب بھی تھے، مثلاً راجا مہندر پرتاپ، مولانا برکت اللہ بھوپالی (۱) کچھ فوجی افسر بھی تھے، جنھیں یاغستان میں عسکری تربیت کی غرض سے ساتھ لے لیا گیا تھا۔ فوجی افسروں میں ترکوں کے علاوہ پٹھان بھی تھے، جو فرانس کے جنگی میدانوں سے بھاگ کر جرمنوں کے پاس پہنچے تھے یا جرمنوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے تھے۔ نمائندہ قیصر کا وظیفہ یہ تھا کہ امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کو آلات واسلحہ، فوج اور زر و مال کی زیادہ سے زیادہ امداد کا یقین دلائے۔

خلیفۃ المسلمین کے نمائندے کی ممتاز حیثیت مذہبی تھی وہ افغانستان کے امیر، وہاں کے باشندوں اور یاغستانی قبائلیوں کی مذہبی اور دینی حمیت کو بیدار کرنا چاہتا تھا۔ یاغستان میں منظم ترین جماعت مجاہدین کی تھی، جو دینی اور سیاسی دونوں حیثیتوں کی حامل تھی اور جو مجاہدانہ سعی کو کم سے کم وقت میں زیادہ کامیاب بنا سکتی تھی۔ یہ مشن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا اور والیٔ افغانستان انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے ہندوستان پر حملہ کر دیتا تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ نتیجہ کیا نکلتا، لیکن اس حقیقت میں شبہ نہیں کہ اس وقت ہندوستان میں فوجی قوت گیارہ ہزار یا پندرہ ہزار سے زیادہ نہ تھی اور افغانوں یا یاغستانیوں

---

(۱) مولانا اصلاً فتح پور کے باشندے تھے، بسلسلۂ تعلیم بھوپال گئے، اس لئے بھوپالی مشہور ہوئے، خود بھی اپنے آپ کو بھوپالی لکھتے تھے۔ قرآن مجید اور صحاح ستہ کے حافظ تھے۔ بمبئی میں میٹرک تک انگریزی پڑھی پھر تبلیغ اسلام کے جوش میں انگلستان چلے گئے، وہاں سے امریکہ پہنچے۔ ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر رہے۔ ہر مقام پر تبلیغ اسلام، مسلمانوں کی تنظیم اور آزادیٔ وطن کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے انھیں بہ اصرار اپنے پاس رکھا، پھر روس چلے گئے، لینن ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ وہاں سے جرمنی، فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں رہے، آخر کیلی فورنیا جا کر وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کو اسلحہ مل جاتے تو یقیناً یہاں حد درجہ نازک صورتِ حال پیدا ہو جاتی۔ اب اس پوری داستان کی حیثیت محض ''کاشکے'' کی ہے اور خدا جانے تاریخ میں ایسے کتنے ''کاشکے'' موجود ہیں:

یک کاشکے بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم

افغانستان کی فضا

اس وقت افغانستان کی فضا مشن کی کامیابی کے لیے سازگار نہ تھی۔ حبیب اللہ خاں مرحوم فرمانروائے افغانستان طبعاً بھی عزم و ہمت کا آدمی نہ تھا نیز اس نے اپنی زندگی کا سانچا اس نوع کا بنا لیا تھا کہ کسی ایسے اقدام کی چنداں امید نہ ہو سکتی تھی جس میں ہر قدم پر محنت، مشقت، جفاکشی، جانبازی یا چرچل کے تاریخی الفاظ کے مطابق ''خون'' اور ''آنسوؤں'' کو قبول کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ بے شک اس اقدام کے ساتھ افغانستان کے لیے بہتری کی توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے ایشیا کو انگریزوں کے تسلط سے نجات دلا دینے کے امکانات بھی موجود تھے، لیکن ایسے منصوبوں کو وہی جوانمرد کامیاب بنا سکتے ہیں جو:

یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن برآید

کے مسلک پر عمل پیرائی کے خوگر ہوں۔ عشق اور بوالہوسی میں فرق و امتیاز کا مقام یہی ہے۔ غالبؔ کیا خوب کہہ گیا ہے:

با رقیباں ہم فنیم، اما دعویٰ گاہ شوق

مردن است از وزیں جنس گراں جان زیستن

جہاں زندگی کی محبت مقصد پر غالب آ جائے، وہاں کسی اقدام سے گراں قدر نتائج کی امید کیوں کر کامیاب ہو سکتی ہے؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

امیر حبیب اللہ خاں کے بھائی سردار نصر اللہ خاں کے دل میں انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ موجود تھا، لیکن وہ بیچارا تنہا کیا سکتا تھا۔ مولانا محمد بشیر نے امیر سے بات چیت کرکے اسے ایک حد تک عمل و حرکت پر آمادہ کر لیا تھا، بلکہ وہ امیر کے لیے آزاد قبائل کے سرداروں اور ملاؤں سے بیعت نامے بھی حاصل کر لائے تھے تاہم پورے معاملے کی حیثیت ایسی تھی جیسے کسی کو بزور کھینچ کر اندر سے باہر لانے کی کوشش کی جائے۔ تھوڑی دیر تک امید بندھی رہی کہ کاروبار حسب مراد ہو رہا ہے، پھر یکایک ایسے اسباب پیدا ہو گئے یا پیدا کر دیے گئے کہ امیر کی بہانہ جو اور استراحت دوست طبیعت سہارا پا کر آسودگی کے لیے وقف ہو گئی۔

اقدام کی شرط

امیر ہندوستان پر حملے کے لیے تیار ہوا تو اس نے یہ شرط پیش کر دی کہ حملے سے پہلے انڈین نیشنل کانگریس سے معاہدہ ہو جانا چاہیے اور اس کام کے لیے مولانا محمد علی یا اجمل خاں یا پنڈت موتی لال نہرو یا اس پایے کے کسی دوسرے ہندوستانی لیڈر کو کابل آنا چاہیے۔ (۱) یہ شرط اصولاً ہر اعتبار سے معقول اور درست تھی۔ اگر ہندوستان کی کوئی ایسی جماعت امیر کا ساتھ دینے پر ہمہ تن آمادہ ہو جاتی، جسے یہاں کی بہت بڑی اکثریت کا اعتماد حاصل ہوتا تو افغانوں کا ہر اقدام خطرناک پیچیدگیوں کا باعث ہو سکتا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ اول دورانِ جنگ میں ایسی کوئی شرط امیر کی خواہش کے مطابق پوری نہ ہو سکتی تھی۔ دوم ایسی شرطوں کی تکمیل پر وسیع جنگی اقدامات کو موقوف رکھنا سراسر غیر معقول تھا، البتہ میدانِ عمل میں اترنے اور کام کا ایک حصہ پورا کر لینے کے بعد حسب صوابدید معاہدے کیے جا سکتے تھے۔ سوم مقصد یہ نہ تھا کہ افغانستان ہندوستان پر قابض ہو جائے۔ مقصد

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۲۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صرف یہ تھا کہ ہندوستان کیلئے آزادی کا بندوبست ہو جائے اور آزاد ہندوستان افغانستان کیلئے بدرجہا زیادہ مفید ہوسکتا تھا۔

حکومت موقتہ کا قیام

اس زمانے میں متعدد ہندوستانی کابل پہنچے ہوئے تھے، جو مختلف ذریعوں سے امیر کو حرکت میں لانے کیلئے کوشاں تھے، مثلاً مولانا محمد بشیر جو جماعت مجاہدین کے وکیل اور نمائندے تھے۔ مولوی محمد علی قصوری جنھوں نے صرف مقاصد اسلامیت و آزادی کو پیش نظر رکھ کر حکومت افغانستان کی ملازمت اختیار کی تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھی جنھیں حضرت شیخ الہند مرحوم نے جہاد آزادی کو تقویت پہنچانے کی غرض سے کابل بھیجا تھا۔ مولانا عبیداللہ کے علاوہ مولانا منصور انصاری اور مولانا سیف الرحمن بھی اسی مقصد کیلئے بھیجے گئے تھے۔ راجا مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی خود وفد کے ساتھ آئے تھے۔ نیشنل کانگریس سے معاہدے کی کوئی شکل بنتی نظر نہ آئی تو ان اصحاب نے سوچا کہ ہندوستانیوں کی ایک عارضی حکومت بنالینی چاہیے اور وہ افغانستان سے معاہدہ کر کے امیر حبیب اللہ خاں کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دیدے۔

اس عارضی حکومت میں راجا مہندر پرتاپ کو صدر بنایا گیا۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی وزیراعظم مقرر ہوئے۔ مولوی قصوری کو وزارت خارجہ کا منصب سونپا گیا۔ مولانا محمد بشیر کو وزارت دفاع پر مامور کرنے کے علاوہ یاغستان سے لشکر تیار کرنے کا ذمہ دار بنادیا گیا اور حملے کی ایک منتظم اسکیم تیار کرلی گئی۔ (۱) مولانا عبیداللہ فرماتے ہیں کہ حکومت موقتہ میں

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۲۳۲۔ مرحوم عبدالرحمن صدیقی نے جو مشرقی پاکستان کے عارضی گورنر بھی رہے تھے لکھا ہے کہ اس سے پیشتر ایک عارضی حکومت برلن میں بھی قائم ہوئی تھی، جس میں مولانا برکت اللہ کو وزیر خارجہ بنایا گیا تھا۔ نیز جرمن اور ترکی وفد عراق ایران کے راستے آیا تھا۔ ایک مقام پر معلوم ہوا کہ شمال سے روسی فوجیں اور جنوب سے انگریزی فوجیں بڑھ رہی ہیں اور بیچ میں فاصلہ اس قدر کم رہ گیا ہے کہ وفد .....باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہندوستانیوں کے علاوہ ترک اور جرمن بھی شریک تھے۔(۱) یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ ترکوں اور جرمنوں کی شرکت کس لحاظ سے مناسب تھی؟

منصوبہ ختم

امید کی کلیاں پھر شگفتہ ہو گئیں۔ امیر نے کارگاہ اسلحہ کے تمام انگریز ملازموں کو برطرف کر دیا۔ یہ پہلا قدم تھا۔ اس اثناء میں انگریز بھی سرگرمِ عمل رہے۔ انھوں نے ایک بہت بڑے پیر کو ہمنوا بنا لیا، جسے افغانستان میں وسیع اثر و رسوخ حاصل تھا بلکہ خود امیر بھی اسی کا معتقد تھا۔ امیر نے غالباً دعائے خیر کیلئے ہندوستان پر حملے کے منصوبے کا ذکر کیا۔ پیر نے کہا کہ ٹھہرو، میں تین دن بعد استخارہ کرنے کے بعد جواب دوں گا۔ چوتھے روز بتایا کہ ہندوستان پر حملہ افغانستان کیلئے تباہی کا موجب ہوگا۔(۲) اس کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو گیا۔ گویا مشن کامیاب ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

کہا جاتا ہے کہ اس کارکردگی کے صلے میں انگریزوں نے پیر صاحب کو پچاس لاکھ روپے دیے اور امیر حبیب اللہ خاں کو آٹھ کروڑ روپے کا لالچ دیا گیا۔(۳)

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ: افغانستان نہ پہنچ سکے گا۔ مولانا برکت اللہ نے کسی رہبری کی مدد کے بغیر صرف ستاروں کو دیکھ دیکھ کر رہنمائی کی اور رات کی تاریکی میں خطرناک حصے سے وفد کو نکال لائے۔ وہ ساتھ نہ ہوتے تو وفد بھی افغانستان نہ پہنچ سکتا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ "اردو" بابت جولائی ۱۹۳۱ء۔ مولانا برکت اللہ پر مقالہ)۔

راجا مہندر پرتاپ کے بیان کے مطابق وہ خود اس وقت تک کے لئے صدر مقرر ہوئے جب تک کانگریس حکومت نہ بنا لے۔ مولانا برکت اللہ وزیر اعظم اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیر داخلہ بنائے گئے۔

(میری داستانِ حیات انگریزی ص ۵۱)

(۱) کابل میں سات سال ص ۱۹۔

(۲) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۴۔ افسوس کہ مولوی صاحب نے اس پیر کا نام نہیں لکھا اور ایسے معاملات میں قیاس آرائی قطعاً غیر مناسب ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت صاحب چالو دماغ تھے جنھیں اس کام کیلئے مکہ معظمہ سے بلایا گیا تھا۔ (مولانا عبید اللہ کی ذاتی ڈائری)

(۳) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۵۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اگر یہ درست ہے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ ساڑھے آٹھ کروڑ روپے اتنے بڑے کام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اگر افغانستان حملہ کر دیتا اور لڑائی چھڑ جاتی تو اس سے بدرجہا زیادہ رقم حفظ و دفاع کی تدبیروں میں صرف ہو جاتی، جانی نقصان اس کے علاوہ ہوتا۔ یہ بھی غیر اغلب نہ تھا کہ ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جاتا اور گزشتہ چالیس سال کی تاریخ بالکل دوسرے رنگ میں لکھی جاتی۔

مولانا عبیداللہ کا بیان

مولانا عبیداللہ مرحوم نے جرمن اور ترکی مشن کی ناکامی کے بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً:

۱۔ جرمن اور ہندوستانی ممبر آپس میں یکجہتی قائم نہ رکھ سکے، جو ایسی مہمات کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ ہندوستانی ممبر سارا الزام جرمنوں پر تھوپتے تھے، جرمن ممبر شکایت کرتے تھے کہ برلن اور استنبول میں جو سبز باغ دکھائے گئے تھے، ان کا عشرِ عشیر بھی یہاں نظر نہیں آتا۔

۳۔ مشن کا جو مقصد تھا، اس کے مطابق تیاری نہ کی گئی۔

۴۔ مولانا نے راجا مہندر پرتاپ کو بعض کوتاہیوں کی طرف متوجہ کیا تو انھوں نے کہا کہ جرمن چانسلر نے بھی توجہ دلائی تھی اور میرے لیے آسانی پیدا کرنی چاہی تھی، مگر میں نے خلافِ شان سمجھ کر انکار کر دیا۔(۱)

ان امور پر بحث کی ضرورت نہیں، بنیادی چیز وہی ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، یعنی امیر حبیب اللہ خاں کی بے عزمی اور تن آسانی۔ اگر یہ چیز حائل نہ ہوتی تو نہ جرمنوں اور ہندوستانیوں میں اختلاف پیدا ہوتا اور نہ وہ ایک دوسرے کو ملزم قرار دینے کیلئے مضطرب ہوتے۔

(۱) کابل میں سات سال ص ۵۲، ۵۳

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا عبید اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ راجا مہندر پرتاپ دراصل ہندو مہاسبھا سے وابستہ تھے۔ وہ صرف اس غرض سے ساتھ آئے تھے کہ اگر افغانستان جرمنی اور ترکی کے اتحاد میں شامل ہونے کا قصد کرے تو اس کی اطلاع پنڈت مدن موہن مالوی کو ہو جائے، نیز جہاں تک ممکن ہو ہندوستان کی سرحد سے افغانی حملے کی مصیبت کو ٹالا جائے اور جو پوزیشن امیر افغانستان کی ہو وہی مہاراجا نیپال کو دلائی جائے۔

ممکن ہے مولانا کا تاثر بالکل درست ہو لیکن اس صورت میں صحیح راہ عمل یہ تھی کہ وفد کو افغانستان لایا ہی نہ جاتا، کہہ دیا جاتا کہ افغانوں سے کوئی تعلق پیدا ہی نہ کرنا چاہیے اور یہ بہت آسان تھا۔ خود وفد کو افغانستان لا کر ناکام واپس لے جانا راجا مہندر پرتاپ یا کسی دوسرے ہندو کارکن کیلئے باعث عزت نہ تھا۔ مولانا نے تو یہ بھی لکھ دیا ہے کہ برلن کی ''انڈین نیشنل پارٹی'' نے اپنی ہندو تحریک کو ہندوستانی تحریک کا رنگ دینے کی غرض سے مولانا برکت اللہ کو برائے نام اس میں شریک کر لیا تھا، لیکن مولانا برکت اللہ اتنے سادہ لوح نہ تھے کہ اپنے ہندو رفیقوں کی فرقہ پرستی کیلئے دام فریب پر دہ بننا گوارا کر لیتے۔

مولانا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ وفد امیر حبیب اللہ کو جنگ میں شامل کرنا چاہتا تھا اور امیر کو انگریزوں نے بہت سی مراعات کی امیدوار رکھی تھی، نیز ارکانِ وفد کے سامنے کوئی تسلی بخش پروگرام نہ تھا اور امیر کا باہمی اختلاف سب باتوں پر مستزاد ہوا۔ مستقبل ہند کے متعلق ہمارے نظریات چونکہ مشن کے ممبروں سے پوری طرح نہ ملتے تھے، اس لئے ہمیں دربار میں جلدی بڑھنے کا موقع مل گیا۔ حکومت نے مشن کے ممبروں کو آخری جواب دینے سے پہلے ہمیں ان سے ملنے کے سامان بہم پہنچا دیئے اور اس طرح ان کے خواب کو مختلف تعبیرات سے پریشان کرنے کی کوشش کی گئی۔ (۱)

(۱) ''کابل میں سات سال'' ص ۶۰۔ اس کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے متعلق مولانا کا نظریہ چونکہ وفد سے مختلف تھا، نیز امیر افغانستان کی نظروں میں مولانا کا مرتبہ بڑھ گیا اور انہوں نے اپنے نظریے کی بناء پر ارکان وفد سے ملاقاتیں کیں تو ان کا مقصود ہم پر مبہم ہے۔ مولانا زندہ ہوتے تو آپ سے اس ارشاد کی تشریح فرماتے۔ اب اسے بشکل موجود قبول کر لینے کے سوا چارہ نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اعلاناتِ جہاد

فان ہن ٹیگ تو ناکام واپس چلا گیا، لیکن خلیفۃ المسلمین کے نمائندے محمد کاظم بے نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں کیلئے اعلاناتِ جہاد مرتب کرا دیے تھے جن پر محمد کاظم کے علاوہ مولانا برکت اللہ نے بھی شیخ الاسلام ترکیہ کے وکیل کی حیثیت میں دستخط کیے تھے۔ تمام اعلانات تو نہ مل سکے، لیکن جو اعلان باشندگانِ یاغستان کیلئے تیار کیا گیا تھا، وہ ان کاغذات میں مل گیا جو مولانا محمد بشیر نے ۱۹۳۴ء میں بہ مقام کابل میرے حوالے کیے تھے۔ چونکہ اس میں یاغستان کے بعض متفرق واقعات کا بھی ذکر ہے اور اس کی فارسی میں بھی یاغستانی و افغانی انداز نمایاں ہے، اس وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ خود مولانا محمد بشیر اور بعض دوسرے یاغستانی کارکن اس کی ترتیب میں شریک رہے۔ یہ ایک اہم تاریخی دستاویز ہے، جسے موجودہ و آئندہ نسلوں کیلئے بہ طور یادگار محفوظ رہنا چاہیے۔ لہٰذا میں نے اسے ضمیمۂ باب کے طور پر مع ترجمہ شاملِ کتاب کر دیا ہے۔

ضروری تصریحات

اس اعلان میں بعض یاغستانی واقعات کی طرف اشارے ہیں، جن کے متعلق سرسری توضیح ضروری ہے۔ خیری بے ایک ترکی افسر تھے، جنھیں یاغستانی قبائل کی تنظیم اور عسکری تربیت کیلئے بھیجا گیا تھا۔ جو طلبہ فروری ۱۹۱۵ء میں ہجرت کر کے گئے تھے، ان میں ایک صاحب محمد حسن بھی تھے، جو ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں انھوں نے ''محمد یعقوب'' نام اختیار کر لیا اور اب اسی آخری نام سے معروف ہیں۔ وہ بھی کابل سے خیری بے کے ہمراہ آئے تھے، بعض مواجب خوروں نے انگریزوں کے ایماء سے ان پر حملہ کرا دیا، جس میں یاغستان کے ایک ملا عبدالحلیم شہید ہوئے، وہیں کے ملا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سید اکبر نے تادیباً مجرموں کے گھر جلوا دیے اور ان کا مال واسباب لٹوا دیا۔

دوسرا قابلِ تصریح واقعہ نواب دیر کا ہے۔ دیر کی ہمسایہ ریاست جندول کا رئیس عمرا خاں مدت العمر انگریزوں سے لڑتا رہا۔ اس کے بیٹے عبدالمتین خاں نے ضرورت کے وقت نواب دیر سے مدد مانگی۔ نواب موصوف نے مدد میں تامل نہ کیا، لیکن جندول کو غاصبوں سے آزاد کرا کے عبدالمتین خاں کے حوالے کرنے کے بجائے خود اس پر قابض ہو گیا۔ اس تصرف کو بھی اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناز یبا قرار دیا گیا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اعلانِ مقدسِ دینی بہ اہالیٔ پٹھانستان

(قبائل ساکنہ میانِ افغانستان و دریائے سندھ)

استقلال کی دعوت

برادرانِ دینی! اکنوں فرصت بے بہا خداوند تعالیٰ بے شمار ارزانی فرمودہ است کہ مثلش دو صد ہا سال میسر نمی شود۔ اگر شما قدرے دست و پا زدہ بجنبانید می توانید کہ ایں ملک وسیع را (کہ میانِ دریائے اٹک و افغانستان واقع است) بہ کم زحمت بدست آوردہ یک سلطنتے مستقل اسلامی قائم نمائید و بدونِ مزاحمت کسے با دولت ہائے دنیا علاقۂ سیاسی و تجارتی و علمی پیدا کنید و در حمایت خلیفہ سید المرسلین السلطان المعظم بودہ در آیندہ از آسیب انگلیس ایمن شوید و بہ مدد علمائے حقہ از دار الخلافت اولادِ خود را بہ زیورِ علوم و فنون آراستہ در میدان تمدن و ترقی ہم دوشِ اقوام متمدنہ و مترقیہ گردید و نسل ہائے آیندہ شما در دارین محمود العاقبۃ و مسعود العاقبۃ باشند۔ وفی ذالك فليتنافس المتنافسون۔

ترجمہ: دینی بھائیو! اس وقت خدا نے آپ کو نہایت قیمتی مہلت عطا کی ہے، جس کی نظیر صدیوں میں نہیں ملتی۔ اگر آپ ذرا ہاتھ پاؤں ہلائیں تو ممکن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے کہ اس وسیع ملک کو جو دریائے اٹک اور افغانستان کے درمیان واقع ہے، تھوڑی سی زحمت سے قبضے میں لے آئیں۔ وہاں ایک مستقل اسلامی سلطنت قائم کرلیں اور کسی کی رکاوٹ کے بغیر دنیا کی سلطنتوں سے آپ کے سیاسی، تجارتی اور علمی روابط پیدا ہو جائیں۔ اس طرح آپ رسولوں کے سرتاج (صلعم) کے خلیفہ سلطانِ معظم کی حمایت میں آجائیں اور آیندہ انگریزوں کے گزند سے محفوظ ہو جائیں۔ علمائے حق کی مدد سے آپ اپنی اولاد کو دارالخلافت میں علوم وفنون سکھا سکیں گے اور متمدن وترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش تمدن وترقی کے میدان میں گامزن ہو سکیں گے۔ آپ کی آیندہ نسلیں دونوں جہانوں میں کامیاب ونیک بخت ہوں گی اور چاہیے کہ رغبت رکھنے والے اس کی خواہش کریں۔

جنگ اور انگریزوں کی پریشانیاں

آں فرصت زریں ایں است کہ انگلیس کہ دشمن اسلامیاں خصوصاً شرقیاں عموماً ہست، از سہ سال دریں جنگ عالمگیر گرفتار بودہ۔ لکوکھا نفوس انگلیسی تلف کردہ است وہمہ لشکر ہائے او در ملک فرانس واطالیہ وبلقان ومصر وعراق عرب دوچار جنگ ہائے ہولناک وخونریزی باشند، ہر ماہ ضائعات لشکر انگلیسی ہزار ہامی رسد۔ اکنوں مسئلہ کمک رسانیدن بہ ایں میدان ہائے جنگ ہم دشوار شدہ است۔ ملت انگلیس از صدمات ونقصانات ایں جنگ بجان آمدہ است وقوت جنگی انگلیس روز بروز کم می شود۔ اما دولت ترکی ودولت جرمن ورفیقانِ ایشاں مظفر ومنصوری شوند، وملک ہائے زرخیز وپہناں مثل بلجیم وپولینڈ وسرویا ورومانیا وحالا انگروسا کلیتہ تسخیر کردہ اند ودو ملک روس فتوحات شاں روز افزوں است۔ الغرض انگلیس ورفیقانش از شکست ہائے پے درپے شکستہ دل وخستہ تن وورماندہ بحث جو امر درماندہ شدہ اند ولیکن جرمنہا وترکان و

اطر شہاو بلغار ہا از فتح وفیروزی تازہ بتازہ قوی دل و بلند حوصلہ و مجسم یا مل ہستند۔

ترجمہ: یہ سنہری موقع ہے۔ انگریز مسلمانوں کے خصوصاً اور اہل شرق کے عموماً دشمن ہیں۔ وہ تین سال سے عالمگیر جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔ ان کی قوم کے لاکھوں افراد ضائع ہو چکے ہیں۔ ان کے لشکر فرانس، اٹلی، بلقان، مصر اور عرب میں خوفناک وخونریز جنگ سے دوچار ہیں۔ ہر مہینے ان کے ہزاروں آدمی ضائع ہوتے ہیں۔ اب مذکورۂ بالا میدان ہائے جنگ میں کمک پہنچانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ان صدموں اور نقصانوں کے باعث انگریز قوم کی جان پر آبنی ہے۔ ان کی قوت روز بروز کم ہو رہی ہے، لیکن سلطنت ترکی نیز حکومت جرمنی اور ان کے حلیف ہر میدان میں کامیاب و بامراد ہیں۔ بلجیم، پولینڈ، سردیا، رومانیا اور مانٹی نیگرو جیسے وسیع و زرخیز ملک پورے مسخر کیے جا چکے ہیں۔ روس میں ان کی فتوحات روز افزوں ہیں۔ مختصر یہ کہ انگریز اور ان کے ساتھی شکستیں کھا کھا کر شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ ان کے بدن زخموں سے چور ہیں۔ وہ ہمت ہار چکے ہیں، لیکن فتح وظفر کے باعث جرمنوں، ترکوں آسٹرویوں اور بلغاریوں کے دل قوی اور حوصلے بلند ہیں اور وہ سراپا امید ہیں۔

حصولِ مرام کا بہترین وقت

دریں چنیں حالت پریشان وخطرناک انگلیس اگر قبائل حدود بہ متفق شدہ تیاری از شمال تا جنوب صرف حملہ ہائے غارت گری آغاز نمایند واز جنگ بزرگ احتراز کردہ شبخونہا و حملہ ہا را برتمام وسعت حدود بلا انقطاع بجریٰ دارند، درچند ماہ لشکر انگلیس را آں جانب دریائے اٹک خواہند راند واثر ایں حملہ ہائے متواتر برحدود در ہمہ میدان ہائے جنگ زود ظاہر شود و شکست انگلیس محقق گردد۔ وقتیکہ انگلیس شکست یافت، خلیفہ معظم بہ اتفاق دولت ہائے متفقہ در

مجلس صلح برائے حکومت متحدہ پٹھانستان سند استقلال و آزادی حاصل کردہ ہر گونہ مدد خواہد فرستاد۔ من بعد کسے رایارائے مدافعت در ملک پٹھانستان نہ خواہد بود۔

برآ از خواب اکنوں وقت تو سخت تنگ است ایں لحظۂ گریزپائی تیرت شد از انامل فرصت چونو بہائے دو عمر شخص وقومے یک بار رفتہ ناید مثل شباب زائل۔

ترجمہ: اگر انگریزوں کی اس پریشان اور خطرناک حالت میں سرحدی قبائل متفق ہو کر شمال سے جنوب تک بہ یک وقت غارت گرانہ حملوں کا آغاز کردیں، بڑی جنگ سے بچے رہیں اور پوری سرحد پر شبخونوں اور چھاپوں کا تانتا باندھ دیں تو چند ہی مہینوں میں انگریزوں کے لشکر کو دریائے اٹک کے پار پہنچا دیں گے۔ جنگی میدانوں پر مسلسل حملوں کا اثر جلد ظاہر ہو جائے گا اور انگریزوں کی شکست میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی۔ جب انگریز شکست کھا جائیں گے تو خلیفہ معظم مجلس صلح میں اپنی دوست حکومتوں سے متحدہ پٹھانستان کے لئے استقلال و آزادی کی سند حاصل کرلیں گے اور ہر قسم کی مدد پہنچائیں گے۔ اس کے بعد کسی کو پٹھانستان میں لڑائی کا یارا نہ رہے گا۔

تو اب خواب سے بیدار ہو، وقت بہت تنگ ہے۔ اگر اس وقت بھی نہ جاگے گا تو تیر گرفت سے نکل جائے گا۔ مہلت کی حیثیت نو بہار کی سی ہے، شخصوں اور قوموں کی زندگی میں وہ ایک بار چلی جائے تو پھر نہیں آتی، جس طرح گزرا ہوا شباب دوبارہ نہیں لوٹتا۔

ترکوں کی شیر دلی

برادران دینی! زیادہ از سہ سال می شود کہ برادران دینی شما از ترکاں لکوکھا در عدد جان و مال خویش را براہ خدا نثار کردہ درمیان ہائے یورپ و آسیا و افریقہ

دوش بدوش با حلیفان خویش دادِ مردانگی دادہ اند و جوہر شجاعت و شیر دلی را اظہار نمودہ نیک نامیٔ جاوید حاصل کردہ اند و می کنند۔ اما شما اے آفریدیہا و سواتیہا و دیگر قبائل مانند زناں خانہ نشیں شدہ بچگان ترکی را یتیم و زنان عثمانی را بیوہ شدن می بینید و تماشا نہ غیرتِ اسلامی و نہ عرقِ مروت بہ جنبش می آید۔

ترجمہ: دینی بھائیو! تین سال سے زیادہ مدت ہو چکی ہے کہ تمہارے ہم مذہب بھائی ترک لاکھوں کی تعداد میں اپنے جان و مال خدا کے لئے قربان کیے بیٹھے ہیں۔ انھوں نے یورپ، ایشیاء اور افریقہ کے میدانوں میں اپنے حلیفوں کے پہلو بہ پہلو مردانگی کی داد دیتے ہوئے شجاعت و شیر دلی کے جوہر آشکارا کیے ہیں اور ہمیشہ کی نیک نامی حاصل کر لی ہے اور کر رہے ہیں، لیکن آپ اے آفریدیو، سواتیو اور دوسرے قبیلوں والو! عورتوں کی طرح اپنے گھر میں بیٹھے ہو، ترک بچوں کے یتیم اور عثمانی عورتوں کے بیوہ ہونے کا تماشا دیکھ رہے ہو۔ کیا آپ کو غیرتِ اسلامی حرکت میں نہیں لاتی اور آپ کی رگِ مروت نہیں پھڑکتی؟

خیری بے پر حملہ

و عجب تر آں کہ تنے چند از بے ناموساں زیرِ ریاست زمان خاں از خدا و رسول ﷺ و مومنین شرم نہ کردہ بر عالی جناب خیری بیگ کہ از سلالۂ جلیلہ ملتِ ترکی می آید و برائے اعانت حملہ آوردہ ملا عبدالحلیم مرحوم و مغفور را شہید نمودند۔ از یں زیادہ تر سوا و او جہ فی الدارین نمی تواند شد۔ بدنام کنندۂ نکونامے چند۔ لہٰذا زیں سعادت علمائے کرام و خصوصاً جناب ملا سید اکبر(۱) کہ آں بدکاراں را بہ سوختن خانہائے شاں و گرفتن مال تاوان بہ پاداشِ کیفر نافرجام

(۱) یہ وہی بزرگ ہیں جنھیں ولکی نے سرحدی ملاؤں میں "آگ کا لوکا" قرار دیا ہے۔
(کوہ سیاہ سے دوزہ ستان تک انگریزی ص: ۲۷۸)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شاں رسانیدند و نیز نام نامی قبیلہ کوکی خیل مانند اسم منور محسود و مہمند برائے دوام بر جریدۂ عالم ثبت شد۔ مردم کوکی خیل البتہ سزاوار نام آفریدی ہستند و در حق شاں ایں اشعار القا شدہ است ؎

آفریدی دلاور نزد علی خیبر — بر غریبان مدبر چوں برق آسمان است
حب وطن ہمیں است، مردانگی چنیں است — حکم الٰہ ایں است، ایں کار دینیان است

باید کہ بر مزار ملا عبدالحلیم شہید تاریخ واقعہ شہادتش نصب شود تا در قرون آتیہ یادگار بماند۔

ترجمہ: عجب بات ہے کہ زمان خاں کی ریاست کے چند بے ننگ وناموس افراد نے خدا، رسول اور مومنوں سے شرم نہ کرتے ہوئے عالی جناب خیری بے پر حملہ کیا، جو ترکوں کی جلیل القدر قوم کے فرزند ہیں اور اسلامی بھائیوں کی امداد کے لئے یہاں پہنچے ہیں۔ ان لوگوں نے ملا عبدالحلیم مرحوم کو شہید کر ڈالا۔ اس سے بڑھ کر دونوں جہانوں کی روسیاہی کا سامان کیا ہو سکتا ہے؟ بدنام کنندۂ نکونامے چند۔ علماء کرام کے لئے یہ امر کتنی خوش نصیبی کا باعث ہے کہ انھوں نے ان بدکاروں کے گھر جلائے، ان سے مالی تاوان وصول کیا۔ اس طرح انھیں کیفر کردار کو پہنچایا۔ اس سلسلے میں جناب ملا سید اکبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قبیلہ کوکی خیل کا نام بھی محسودوں اور مہمندوں کے روشن نام کی طرح دین کے دفتر میں ثبت ہو گیا، بے شک کوکی خیلوں کے لئے آفریدیوں کا نام زیبا ہے، یہ اشعار ان کے حق میں القاء ہوئے۔

دلاور آفریدی درۂ خیبر کی علی مسجد کے نزدیک پیٹھ دکھانے والے مغربیوں کے لئے آسمان سے گرنے والی بجلی بن گئے۔ حب وطن کا تقاضا یہی ہے، مردانگی اسی کا نام ہے، خدا کا حکم یہی ہے اور اہل دین ایسے ہی کارنامے انجام دیتے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ضروری ہے کہ ملا عبدالحلیم شہید کی لوحِ مزار پر ان کی تاریخ شہادت کندہ کی جائے تاکہ آنے والے زمانوں کے لئے یادگار رہے۔

قبائل عرب اور قبائل سرحد

اے مسلمانانِ پٹھانستان! بحمداللہ شما خود را مسلمان پندارید ولیکن حالت موجودۂ شما بہ حالت قبائل عرب در جاہلیت قبل از اسلام می ماند۔ ہنگام ظہور ختم النبیین (صلعم) ملک عرب مسکن قبائل چادر نشین وکوچری و پراگندہ بود۔ چنانکہ امروز حالت قبائل شما است، آں قبائل عرب مدام در جنگ باہمی مشغول بودند چنانکہ شما نیز در خانہ جنگی مبتلائید، آں قبائل عرب حکومت منتظم و یا قانون نہ داشتند شما ہم ندارید۔ ایشاں قطاع الطریق بودند، شما نیز راہ برید۔ اما از فیض انفاس طیبہ نبویہ حالت بدویت عرب بہ مدنیت مبدل گشت، آں قبائل پراگندہ بہ رشتہ انما المومنون اخوۃ (ہمہ مومنین برادراند) منسلک شدہ یک حکومت جمہوری روحانی بوجود آمد۔ نماز پنجگانہ حسیات برادری و برابری را استوار کردہ زکوٰۃ بیت المال بہ رائ مادی و پشتیبانی برائے عمارت اجتماعی ملیت اسلامی شد۔ صوم و روزہ داری مسلمانان را برائے مشقت جہاد فی سبیل اللہ تجربہ بخشید و حج بیت اللہ برائے اقوام اسلامیہ ہمہ دنیا رابطہ اتحاد سیاسی و تجارتی و دینی پیدا کرد۔

جملہ خلائق آں زماں از جہل مثل مردگاں
انفاس آں روح و رواں بہ دمید شاں جانے بہ تن
بزد ود زیشاں جاہلی، فرسودہ زیشاں کاہلی
بخشود شاں را عاقلی، بخشید شاں ملک زمن
کردہ پراگندہ بہم، زاں ساخت قومے محتشم
یک رشتۂ حب اتم، از بہر کردہ رکن

ترجمہ: اے پٹھانستان کے مسلمانو! خدا کا شکر ہے کہ تم اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہو، لیکن تمہاری موجودہ حالت اسلام سے پیشتر دور جاہلیت کے عرب قبیلوں کی سی ہے۔ حضرت خاتم النبیین صلعم کے ظہور مبارک کے وقت عرب خیمہ نشین، صحرا گرد اور منتشر قبائل کا مسکن تھا۔ تمہارے قبیلوں کی حالت بھی آج یہی ہے۔ عرب کے قبائل ہمیشہ باہم لڑتے رہتے تھے، تم بھی خانہ جنگی میں مبتلا ہو، عرب قبیلوں کی کوئی منتظم اور قانونی حکومت نہ تھی تمہاری حالت بھی یہی ہے۔ وہ ڈاکے مارتے تھے تمہارا کام بھی لوٹ مار ہے۔ لیکن حضرت رسول اکرم صلعم کے انفاس پاک کی برکت سے عرب کی بدویت مدنیت میں بدل گئی، وہ بکھرے ہوئے قبیلے (سب مومن بھائی بھائی ہیں) کے رشتے میں پروئے گئے اور ایک روحانی جمہوری حکومت وجود میں آ گئی، دیکھو پانچ وقت کی نماز سب میں برادری اور برابری کے احساسات پختہ کرتی ہے۔ زکوٰۃ و بیت المال ملت کی اجتماعی عمارت کے لئے مادی بنیاد اور مالی پشتیبانی کے ضامن ہیں۔ روزے کے ذریعے سے مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کیلئے مشقت برداشت کرنے کی عادت پکی ہوتی ہے۔ بیت اللہ کا حج دنیا بھر کی مسلمان قوموں کے درمیان تجارتی، سیاسی اور دینی رابطے پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اس زمانے کے سب لوگ جہالت کی وجہ سے مُردوں کی مانند تھے، رسول اکرم صلعم کے انفاس پاک روح بن کر ان کے بدنوں میں دوڑ گئے۔ حضور نے ان کی جہالت کے داغ دھوڈالے، ان کی کاہلی مٹا دی۔ ان کو عقل بخشی اور زمانے بھر کی حکومت دے دی۔ بکھرے ہوئے اجزا کو اکٹھا کر کے حضور نے ایک عالی شان قوم بنا دی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے رشتے میں وہ سب بندھ گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عربوں کی کایا پلٹ

حالات ملاحظہ فرمائید کہ جناب رسالت مآب چگونہ قلب ہیئت این قبائل وحشیہ عرب نمود، چوں قبائل پیرامون مکہ قصد ہلاک پیغمبر نمودند، پیغمبر مکہ را گزاشت و بہ مدینہ منورہ رفت، دوازدہم ربیع الاول بہ مدینہ منورہ رسید و در ماہ رمضان یعنی ہفت ماہ بعد یک بیرق برائے عم خود حمزہ رضی اللہ عنہ درست کردہ بنائے جہاد فی سبیل اللہ نہاد و در مدت دہ سال قیام آنحضرت در مدینہ غزوات یعنی جنگ ہائے پیغمبر کہ خود حضور داشت بست و ہشت شمردہ اند و سریہ ہائے آنحضرت را یعنی جنگہائے کہ آنحضرت لشکر فرستادہ خود حاضر نبودہ پنجاہ و شش می گویند۔ از بست و ہشت جنگ کہ پیغمبر خود تشریف داشتند در نہ غزوہ ہا با دشمن مقابلہ و مقاتلہ نمود، سائرین یا متارکہ، مصالحہ یا عدم مقابلہ دشمن تمام شد۔

ترجمہ: حالات پر غور کرو، جناب رسالت مآبؐ نے کس طرح عرب کے وحشی قبائل کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ جب مکے کے اردگرد کے قبیلے حضرت پیغمبر صلعم کو (خاک بدہن) قتل کرنے کے درپے ہو گئے تو حضورؐ مکے سے نکل کر مدینے چلے گئے۔ ۱۲/ربیع الاول کو وہاں پہنچے اور سات ماہ بعد رمضان کے مہینے میں اپنے چچا حضرت حمزہ کے لئے ایک جھنڈا بنا کر جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد ڈال دی۔ مدینہ منورہ کے دہ سالہ قیام میں آنحضرت جن لڑائیوں میں بنفس نفیس شریک رہے ان کی تعداد اٹھائیس بتائی جاتی ہے اور سریے یعنی جن جنگوں کیلئے لشکر بھیجے چھپن تھے۔ جن اٹھائیس جنگوں میں حضور صلعم بہ نفس نفیس شریک رہے ان میں نو میں دشمن سے لڑائی کی نوبت آئی۔ باقی یا تو صلح ہو گئی یا التوائے جنگ پر معاملہ طے ہو گیا، یا سرے سے مقابلے کا موقع ہی نہ آیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دعوتِ کار

آخریں سریہ ۲۶ ماہ صفر سال یازدہم ہجری بہ ریاست اسامہ بن زید در حالت مرض الموت خود جانب جبل دہل رواں فرمود، دوازدہم ربیع الاول گویا دو ہفتہ بعد جناب سید الکونین از دار فانی بہ ملک جاودانی رحلت نمود۔ تفکر باید کردن کہ ذات ختمی مآبؐ با عبادات و ہزار ہا امور معاشرت و سیاست و قضاوت در مدت دہ سال ہشتاد و چہار غزوہ و سریہ را ہم ادارہ نمود۔ ہمیں فعالیت و چست کاری و بیدار مغزی بود کہ عون ایزدی در دہ سال جریان تاریخ بشریت را تبدیل کرد و راست است: ان لیس للانسان الا ما سعی۔

ترجمہ: آخری مرتبہ ۲۶ صفر ۱۱ھ کو آنحضرت نے مرض الموت میں ایک لشکر اسامہ بن زید کی سرکردگی میں بھیجا۔ ۱۲ ربیع الاول کو گویا دو ہفتے بعد سید الکونین صلعم اس جہانِ فانی سے ہمیشہ قائم رہنے والی دنیا کو تشریف لے گئے۔ سوچنا اور غور کرنا چاہیے کہ حضرت پیغمبر صلعم نے دس سال کی مدت میں عبادتوں اور ہزاروں سیاسی، معاشرتی اور قضائی معاملوں کے باوجود چوراسی جنگوں کا انتظام بھی فرمایا۔ یہی کارکردگی، یہی چستی اور مستعدی، یہی بیدار مغزی تھی جس نے خدا کی مدد سے بشریت کی تاریخ کے دھارے کا رخ بدل ڈالا۔ سچ ہے، انسان کے لئے کچھ نہیں مگر اسی قدر کہ وہ کوشش کرتا ہے۔

راہِ عمل

اے مسلمانانِ پٹھانستان! اکنوں وقت آمد کہ بہ پیغمبر علیہ السلام اقتدا نمودہ ہمہ قبائل را بہ سلک اتحاد سیاسی بیارید۔ از ہمہ قبائل وکلا را انتخاب کردہ یک حکومت متحدہ تشکیل بدہید۔ لاشک ہر قبیلہ در امور داخلیہ آزاد خواہد ماند، اما در معاملات با دولت ہائے خارجہ حکومت متحدہ جواب دہ باشد۔ دریں امر را در

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زمان جریان ایں جنگ عالمگیر با تمام رسیدہ و بہ اتفاق رائے جناب خیری بیگ صاحب یک سررشتۂ منصوبہ برائے جمہوری قبائل درست کردہ بر انگلیس حملہ ہائے غارت گری و جہادی آغاز کنید، و پیش از انعقادِ صلح ہمہ زمین ایں جانب دریائے اٹک را بدست آرید تا شمارا ہنگام صلح از خلیفۂ معظم سندِ استقلال باشد و ہر گونہ حاصل شود۔ اختلافات پارینۂ شیعہ و سنی وغیرہ را فراموش کردہ ہمہ اہل قبیلہ برادر شوید۔

شو مجتمع چو پروین بآبِ چرخ رفعت
چوں ذرہ شو پریشان خفتت اثر مکان است
شیعہ و ہم وہابی ہم گرد مطیع قرآن
از جنگ تو نصاریٰ سلطان ایں جہان است
نور خرد بیداری، حیوان صفت جدائی
ممکن ترا ہر آنچہ ممکن بہ دیگران است
انسان خلیفۂ حق، عالم بہ ملک فطرت
برق و بخار و دریا او را ز خادمان است
اور شکل و نقش و بعد اجرام علویہ را
سنجید کہ عقل پاکش میزان آسمان است(۱)

ترجمہ: اے پٹھانستان کے مسلمانو! وقت آگیا ہے کہ تمام قبیلے پیغمبر اسلام علیہ السلام کی پیروی میں سیاسی اتحاد پیدا کریں۔ تمام قبیلوں سے وکیل اور نمائندے منتخب کر کے ایک متحدہ حکومت بنائی جائے۔ بلاشبہ تمام داخلی امور میں ہر قبیلہ آزاد رہے گا، لیکن بیرونی ملکوں سے تعلقات و روابط کے باب میں

(۱) ان شعروں میں جا بجا سقام ہیں، وہ کسی تصریح کے محتاج نہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حکومت متحدہ جواب دہ ہوگی۔ اس کام کو موجودہ جنگ عالمگیری کے دوران میں پورا کرلو اور جناب خیری بے کے اتفاق رائے سے تمام قبائل کے لئے ایک منصوبہ بنا کر انگریزوں پر غارت گرانہ چھاپوں اور جہاد کا آغاز کردو۔ صلح ہونے سے پیشتر دریائے اٹک کے اس پار (سمت سرحد) کی زمین قبضے میں لے آؤ تا کہ آپ کو خلیفہ معظم کی طرف سے استقلال کی سند اور ہر قسم کی مدد مل سکے۔ شیعہ سنی وغیرہ کے پرانے اختلافات بھلا دو اور تمام قبیلے بھائی بھائی بن جاؤ۔

تم پروین ستاروں کی طرح جمع ہو جاؤ اور بلندی کے آسمان پر پہنچو، اگر ذرّوں کی طرح بکھرے رہو گے تو خاک کے سوا تمہارا کوئی مکان نہ ہوگا۔ شیعہ ہو یا وہابی آخر سب قرآن کے فرماں بردار ہیں۔

مسلمانو! تمہاری خانہ جنگی کا یہ نتیجہ ہے کہ نصاریٰ اس جہان کے حکمران بن گئے، تمہیں خدا نے عقل عطا کی ہے، پھر حیوانوں کی خصلتیں کیوں لئے بیٹھے ہو۔ جو دوسروں کیلئے ممکن ہے تمہارے لئے کیوں ممکن نہیں؟ انسان خدا کا خلیفہ ہے، وہ اس کائنات کا حاکم ہے بجلی، بھاپ، دریا اس کے خادم ہیں۔ انسان بلندی پر نظر آنے والی ستاروں کی شکل، نقل و حرکت اور ایک دوسرے سے دوری کا اندازہ کرتا ہے، اس کی عقل آسمان کی ترازو ہے۔

نواب دیر اور خان جندول

از استماع ایں خبر کہ جناب نواب صاحب دیراول عبدالمتین خان ابن عمرا خان رامدد نمودہ در بدست آوردن ملک موروثی او موفق شد، اما پس از اں خود غاصب شدہ برملک جندول متصرف گشت در عالم اسلامی ہیجانے پیدا شدہ و مسلمانان صادق را دل فگار گردید زیرا کہ مسلمان چگونہ مرتکب چنیں خلاف وعدگی شود۔ قرآن مجید فرماید لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءً ا یجز بہ (قانونِ الٰہی) نہ حسب خواہش شماست (اے

مسلماناں) و نہ حسب خواہش مردم کتاب (یہود و نصاریٰ) بلکہ قانونِ الٰہی این است ہر کہ بدی کند پاداش بدی یابد۔ باید کہ نواب صاحب دیر از عادت نفاق توبہ کردہ بہ دوست و برادر دینی خود ایفائے عہد کند و با مسلمانان قبائل متفق شدہ متوقع فتوحات عظیمہ شود۔

ترجمہ: یہ خبر سن کر عالم اسلامی میں ہیجان پیدا ہوا کہ نواب دیر پہلے عمرا خاں رئیس جندول کے بیٹے عبدالمتین خاں کا مددگار بنا اور اس کے موروثی ملک کو دوسروں کے قبضے سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا لیکن بعد میں خود غاصب بن کر جندول پر قابض ہو گیا۔ سچے مسلمانوں کے دل اس واقعے سے زخمی ہو گئے، مسلمان کس طرح یوں وعدہ شکنی کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! نہ تو قانونِ الٰہی تمہاری خواہش کے تابع ہے اور نہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی خواہش کے تابع۔ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ جو کوئی برائی کرے گا، اس کی سزا پائے گا، چاہیے کہ نواب دیر نفاق سے توبہ کر کے اپنے دینی بھائی اور دوست سے عہد نباہے اور مسلمانوں کے ساتھ ہو، کہ بڑی فتوحات کا امیدوار بنے۔

علماء اور ملاؤں سے اپیل

اے علمائے کرام و ملایانِ عظام کہ وارث نبی علیہ اسلام ہستید بہ دو دستور پیغمبر صلعم بہ دقت متلفت شوید۔ نخستین این است کہ بنیاد اسلام بر دور کردن دشمنی از میانِ خلائق و پیدا کردن اتحاد و میانِ قبائل نہادہ شود چنانکہ قرآن شاہد است: **واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم** (یاد کنید انعامِ خدا را کہ بر شما مبذول کردہ ہنگامیکہ شما دشمن بودید۔ پس او در میان دلہائے شما الفت پیدا کرد) دوم این است کہ چوں اخوت دینی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میان مسلمین ورابطہ اتحاد میان قبائل استوار شد، جناب پیغمبرؐ بر خلاف دشمنانِ خدا ورسول و بدخواہاں انسانیت جہاد وغزا آغاز کرد۔ نتیجہ ایں دو دستور العمل چناں شد کہ مسلماناں دارائے عالم گردیدہ، حسب فرمان واجب الاذعان لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ شمارا ہم باید کہ بایں دو اصول قدیم متمسک شدہ قبائل را بہ سلک اتحاد کشید و بر دشمنان خدا حملہ آور شدہ پٹھانستان را ملک مستقل بہ سازید و قبائل را برائے دوام از آسیب انگلیس ایمن نمائید و عند اللہ والرسول ماجور و عند الناس محبوب گردید۔

ایں جا نکتہ وطن پروری ہم موجود است، درایام صلح انگلیس وروس نے گزاشتند کہ مسلماناں متفق شوند و ہمیشہ تخم خلاف ونفاق میانِ ایشاں می کاشتند۔ اکنوں ایں دشمنان دین خود در بلا مبتلا اند۔ مارا باید کہ ازیں فرصت استفادہ کنیم وغفلت ازیں فرصت غداری بوطن واہل وطن خواہد بود

مشمار مرد کاں راحتِ وطن نہ باشد، ننگِ بشر ہمان است، لعین خدا برآنست، اللّٰھم انصر من نصر دین محمد واجعلنا منھم، واخذل من خذل دین محمد ولا تجعلنا منھم آمین!

ترجمہ: اے معزز عالمو اور جلیل القدر ملاؤ! آپ لوگ نبی علیہ السلام کے وارث ہیں۔ حضرت پیغمبر صلعم کے دو دستوروں پر بطور خاص توجہ کیجیے: اول یہ کہ آپس کی دشمنی رفع کرنا اور قبائل کو متحد کر دینا اسلام کی بنیاد ہے جیسا کہ قرآن گواہ ہے: یاد کرو خدا کا انعام جو تم پر نازل ہوا، جب تم آپس میں دشمن تھے، پس اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ دوسرا دستور یہ کہ جب مسلمانوں کے درمیان دینی اخوت پیدا ہو گئی اور قبیلوں کے درمیان اتحاد کا رابطہ مضبوط ہو گیا تو جناب پیغمبرؐ نے دشمنانِ خدا اور رسول اور بدخواہانِ انسانیت کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان دو دستوروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جہان کے مالک بن

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے، اس ارشاد کے بموجب کہ رسول اللہ کی پیروی میں تمہارے لئے نیک نمونہ ہے، آپ لوگوں کو بھی چاہیے کہ ان دو پختہ اصول پر مضبوطی سے جم جائیں۔ قبیلوں کو اتحاد کے رشتے میں پروئیں۔ خدا کے دشمنوں پر حملہ آور ہوں، پٹھانستان کو ایک مستقل ملک بنائیں اور قبیلوں کو ہمیشہ کے لئے انگریزوں کے آسیب سے محفوظ کردیں۔ اس جگہ وطن پروری کا نکتہ بھی موجود ہے۔ صلح کے اوقات میں انگریز اور روس مسلمانوں کو اتفاق کا موقع نہ دیتے تھے اور ہمیشہ ان کے درمیان مخالفت ونفاق کا بیج بوتے رہتے تھے۔ اب یہ دشمن خود مصیبت میں مبتلا ہیں، ہمیں چاہیے کہ فرصت سے فائدہ اٹھائیں، اس فرصت سے غفلت وطن اور اہل وطن سے غداری کے مترادف ہوگی۔

جس شخص کے دل میں وطن کی محبت نہیں اسے مرد نہ سمجھو، وہ انسانیت کے لیے باعث ننگ ہے۔ اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اے خدا تو ان لوگوں کا مددگار ہو جو دین محمدؐ کے مددگار ہیں اور ہمیں ان میں شامل کر، اور ان لوگوں کو رسوا کر جو دین محمدؐ کی رسوائی کے درپے ہیں اور ہمیں ان میں شامل نہ کر۔ آمین

المحرم الحرام ۶ ۱۳۳ھ (اکتوبر ۱۹۱۷ء)

وکیل تقدس مآب شیخ الاسلام (مولوی) محمد برکت اللہ

وکیل خلیفہ سید المرسلینؐ السلطان المعظم محمد کاظم یوزباشی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

﴿ضمیمہ (۲)﴾

راجا مہندر پرتاپ کا بیان

راجا مہندر پرتاپ نے بھی اپنی ''داستانِ حیات'' میں جرمن اور ترکی مشن کے حالات اختصاراً بیان کیے ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ راجا صاحب ۱۵/ فروری ۱۹۱۵ء کو برلن پہنچے تھے اور ۱۵/ اپریل کو وہاں سے بعزم افغانستان روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ ویانا (آسٹریا) ٹھہرے، جہاں عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر اور سردار امراؤ سنگھ سے ملاقات کی، پھر استنبول میں سلطان محمد شاد خاں، غازی انور پاشا، غازی طلعت پاشا اور ولی عہد سلطنت سے ملے۔ وہاں سے روانہ ہو کر بغداد پہنچے، جہاں غازی رؤف پاشا سے ملاقات ہوئی۔ ایران کے راستے ہرات پہنچے۔

۲۔ راجا صاحب کے رفقاء یہ تھے: ڈاکٹر فان ہن تیگ (جس کا درجہ سفارت خانے کے سکریٹری کا تھا)، ڈاکٹر بیکر (Baker)، مسٹر روہر (Rohr) (ہن تیگ کا سکریٹری)، مولانا برکت اللہ، کچھ افغان آفریدی جنگی قیدی، دو بونیر کے افغان جو ریاستہائے متحدہ امریکہ سے آئے تھے۔ راستے میں کچھ اور جرمن ہمراہ ہو گئے۔ ترکوں میں سے کاظم بے کا ذکر ضروری ہے۔

۳۔ ہرات سے ان کیلئے سرکاری مہمانداری کا انتظام ہو گیا۔ ۲/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے۔ باغ بابر میں انھیں ٹھہرایا گیا۔ پغمان میں امیر حبیب اللہ خاں اور سردار نصر اللہ خاں سے وفد نے ملاقات کی جو صبح سے بعد دوپہر تک جاری رہی۔ پھر ان سے الگ الگ ملاقاتیں ہوئیں۔ راجا صاحب کے پاس قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے۔ فان ہن ٹنگ کے پاس جرمن چانسلر کا مکتوب تھا۔

۴۔ کابل میں حکومت موقتہ قائم کی، جس کے صدر راجا صاحب، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ اور وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ تھے۔ مسٹر اللہ نواز خاں، ڈاکٹر خوشی محمد (عرف محمد علی و احمد حسن) وغیرہ سکریٹری مقرر ہوئے۔

۵۔ حکومت موقتہ کی طرف سے زارِ روس کے پاس سفارت بھیجی گئی۔ خط سونے کے پتر پر لکھا گیا تھا، اسے ڈاکٹر خوشی محمد (محمد علی) اور ڈاکٹر متھرا سنگھ (جس کا دوسرا نام راجا صاحب نے شمشیر سنگھ لکھا ہے) روس لے گئے۔

۶۔ ۱۹۱۶ء کے اواخر میں راجا صاحب مزار شریف اور ۱۹۱۷ء میں روس گئے۔

۷۔ راجا صاحب اور مولانا برکت اللہ ہی کی کوشش سے مہاجر طلبہ رہا ہوئے جنھیں حکومت افغانستان نے افغانستان پہنچتے ہی قید کر لیا تھا۔ (۱)

---

(۱) My lifestory از راجا مہندر پرتاپ (ص ۴۲ تا ص ۵۶)۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

امیر رحمت اللہ

نیا امیر

امیر نعمت اللہ کی شہادت کے وقت ان کے بڑے صاحبزادے برکت اللہ بہت چھوٹے تھے اور جماعت مجاہدین میں مولانا رحمت اللہ (بن امان اللہ بن امیر عبداللہ) کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی امارت پر سب یا اکثر اصحاب متفق ہو جاتے۔ وہ امیر شہید کے برادر عم زاد اور برادر نسبتی تھے اور انہیں کو جماعت میں سب سے زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا، چنانچہ وہی بالاتفاق امیر چنے گئے، ہمیں ان کی حربی اور انتظامی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کی پوری تربیت امیر عبداللہ مرحوم اور امیر عبدالکریم مرحوم کی آغوش میں ہوئی تھی۔ ۱۸۸۸ء سے وہ آگ اور خون کے ان ہنگاموں میں شریک چلے آتے تھے جنہیں عرف عام میں لڑائیاں کہا جاتا ہے۔

مولوی برکت اللہ اور ان کے بھائیوں کی تربیت انہیں امیر صاحب نے کی، وہ سب ان کے حقیقی بھانجے تھے اور مولوی برکت اللہ کی شادی امیر رحمت اللہ ہی کی اکلوتی صاحبزادی سے ہوئی، برکت اللہ جوان ہوئے اور جماعت کے کاروبار میں سرگرم حصہ لینے کی صلاحیتیں ابھر آئیں تو انہیں سپہ سالاری اور مدارالمہامی کے عہدے سونپ دیے گئے۔

تلقب کا مسئلہ

مولوی برکت اللہ ابتدا ہی سے جماعت میں ''شہزادہ'' کے لقب سے معروف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو گئے تھے۔ بعض محتاط حضرات نے اس تلقب کے متعلق اچھی رائے ظاہر نہیں کی۔(۱) اور یقیناً جماعت مجاہدین کے سلسلے میں اس نوع کے تلقبات کو کوئی بھی پسندیدہ یا خوش گوار نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس کیلئے کوئی معذرت پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس لقب کا آغاز یوں ہوا کہ برکت اللہ صاحب بہت کم عمر تھے، جب ان کے والد نے اچانک شہادت پائی، لوگ پیار سے برکت اللہ کو شہزادہ کہنے لگے۔ شدہ شدہ یہ مستقل لقب بن گیا، ورنہ ظاہر ہے کہ نہ جماعت مجاہدین کی امارت کا سلسلہ موروثی تھا، نہ کسی امیر جماعت کی حیثیت مستقل حاکم یا بادشاہ کی تھی کہ اس کے بچے کو شہزادہ قرار دیا جاتا، نہ کسی امیر یا مولانا ولایت علی مرحوم کے خاندان میں سے کسی فرد نے اس قسم کے انتسابات کبھی گوارا سمجھے، جن سے دنیوی بادشاہی کی بو آتی ہو۔ یہ خدا کی راہ میں انتہائی جانبازانہ خدمات کا معاملہ تھا اور منصب امارت جماعت کے اتفاق و رضامندی پر موقوف تھا، انتخاب کے سلسلے میں امیر کی مہارت فن حرب اور صلاحیت قیادت کے علاوہ للّٰہیت، زہد و تقویٰ اور جذبۂ خدمت دین کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبداللہ اور مولانا عبدالکریم انہیں خصوصیات کی بناء پر امیر چنے گئے تھے اور ان کے جو حالات اوپر پیش کیے جا چکے ہیں، ان سے روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ ان کی بیش بہا زندگیوں کا ایک ایک لمحہ صرف خدمت دین اور جہاد آزادی میں صرف ہوا اور انہوں نے دنیا کی ہر متاع بے دریغ اس راہ میں قربان کر دی۔ ان میں سے بعض کو چھوٹے یا بڑے علاقوں میں حکمرانی کا موقع بھی ملا، تاہم وہ اپنے آپ کو برابر ''فقیر'' سمجھتے رہے اور ''فقر'' ہی ان کا سرمایۂ افتخار تھا، لیکن دنیوی مال و اسباب سے محرومی کا فقر نہیں، بلکہ علامہ اقبال کی اصطلاح میں ''فقر غیور'' جس کا مقصد و نصب العین خدا کی رضا کے سوا کچھ نہیں اور جو اس رضا کی خاطر دنیا کی ہر شئے کو بے دریغ ٹھکرا دیتا ہے۔

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو مولانا مسعود عالم مرحوم کی کتاب ''ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک'' طبع دوم، ص: ۱۰۵

غرض ایسے تلقبات وانتسابات دانستہ اختیار کیے گئے ہوں یا اتفاقیہ کسی کے نام کا جزو بن گئے ہوں، انہیں کسی بھی نقطۂ نگاہ سے جماعتِ مجاہدین کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں، وہاں صرف ایک ہی امتیاز مطلوب وزیبا ہے اور وہ یہ کہ کس نے مقاصدِ خدمت میں زیادہ سے زیادہ مشقتیں اٹھائیں اور زیادہ سے زیادہ قربانیاں کیں۔

اس عہد کا کام

جس حد تک مجھے علم ہے مولانا رحمت اللہ کے عہد امارت میں رزم و پیکار کا کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا، ممکن ہے کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئی ہوں، پہلی جنگ یورپ پر افغانستان کی تیسری جنگ کے دوران میں سرحد آزاد کے اندر جابجا جو مرکز بن گئے تھے وہ آہستہ آہستہ ٹوٹتے رہے، صرف ایک چمرکنڈ کا مرکز باقی رہ گیا، جس نے خود اسمست کے مرکز سے بھی زیادہ شہرت حاصل کر لی۔ یہ مرکز جماعت کے ایک ممتاز رکن مولوی عبدالکریم (۱) نے قائم کیا تھا جو قنوج (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ افسوس کہ ان کے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے، صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ مرکز قائم کر لینے کے بعد انہیں امیر نعمت اللہ کے متعلق ناخوشگوار اطلاعات ملیں تو اسمست چلے گئے۔ ہندوستان کے تمام مرکزوں کو اطلاع دیدی کہ چندہ چمرکنڈ بھیجیں، واپس چمرکنڈ پہنچے تو بھلے چنگے سوئے، صبح دیکھا تو فوت ہو چکے تھے۔ مولوی عبدالرزاق نے بتایا کہ خاصے سن رسیدہ تھے۔

کچھ مدت تک مولوی فضل الٰہی مرحوم وزیر آبادی یہاں عارضی طور پر امیر ہوئے پھر اس کا انتظام مستقلاً مولانا محمد بشیر شہید کے حوالے کر دیا گیا اور اپنی شہادت تک کم وبیش چودہ برس وہی اس کے نظم ونسق کے ذمہ دار رہے۔ مولانا محمد بشیر نے سرحد پہنچتے ہی حکومت افغانستان اور وہاں کے بعض اکابر سے تعلق پیدا کر لئے تھے۔ اس وجہ سے

(۱) امیر عبدالکریم نہیں بلکہ یہ جماعت مجاہدین کے ایک پرانے رکن تھے جو غالباً ۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت مجاہدین کو افغانستان میں خاص احترام حاصل رہا۔ غالباً ایک رقم سالانہ ملتی تھی، خود مولانا محمد بشیر کو جو کچھ ملتا تھا پورے کا پورا جماعت کی نذر کر دیتے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً کابل جاتے رہتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں مولوی برکت اللہ اور جماعت کے دس بارہ اصحاب کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے تاکہ ارباب اختیار سے جماعت کا حساب اور جماعت کا رشتہ براہِ راست استوار کر دیں۔ یہ ان کا آخری سفر تھا جس سے مراجعت پر وہ شہید کروا لے گئے۔

"المحرض" اور "المجاھد"

زمانہ کا مذاق بدل چکا تھا اور اخبارات اشاعتِ مقاصد کا ایک عمدہ ذریعہ بن گئے تھے، اس وجہ سے خود جماعت نے بھی ایک معمولی دستی پریس کے ذریعے سے مختلف اوقات میں اخباروں کے اجراء کا انتظام کیا۔ ان میں سے دو اخباروں کے چند پرچے مجھے اتفاقیہ مل گئے، ایک کا نام "المحرض" تھا۔ اس کی پیشانی پر یہ آیت درج ہوتی تھی: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ (اے نبی! مسلمانوں کو لڑائی کا شوق دلا) اس کا پہلا پرچہ ۸/ دسمبر ۱۹۳۸ء کو نکلا تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے کل کتنے پرچے شائع ہوئے۔ دوسرا اخبار "المجاھد" جنوری ۱۹۴۰ء سے نکلنا شروع ہوا۔ اس کی پیشانی پر یہ آیت ثبت تھی: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ جان لیں کون تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور کون ثابت قدم رہنے والے، اور تمہارے احوال کو جانچیں گے) یہ مولانا محمد بشیر شہید کی یادگار میں نکالا گیا تھا، چنانچہ اس پر لکھا جاتا تھا: "یادگار شہید ملت الغازی المہاجر مولوی محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ" دونوں اخباروں میں عموماً فارسی اور اردو کے مضامین ہوتے تھے۔ کبھی کبھی پشتو کے مقالات بھی درج کیے جاتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت مجاہدین کے عام مخاطبین یہی تین زبانیں سمجھتے تھے، میں ان دونوں اخباروں کی پیشانیوں کی تصویریں کتاب میں شامل کر رہا ہوں تا کہ یادگار کے طور پر محفوظ رہیں۔

امیر کی سیرت

مولانا رحمت اللہ کی سیرت کے متعلق مولوی محمد علی صاحب قصوری مرحوم نے ''مشاہداتِ کابل و یاغستان'' میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ خود میں ۱۹۴۵ء میں ان سے ملا تھا، یقین جانئے کہ مجھے وہ زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی اور سادگی و بےنفسی کا ایک مثالی نمونہ نظر آئے۔ ممکن ہے منصب امارت پر فائز ہونے سے پیشتر ان کی عام حالت مختلف ہو اور مولوی محمد علی مرحوم نے انہیں غالباً ۱۹۱۸ء میں دیکھا تھا، جب مولانا نعمت اللہ امیر تھے۔

میں اسمست گیا تو امیر صاحب نے کھدر کی شلوار اور کھدر کا لمبا کرتا پہن رکھا تھا، سر پر کھدر کی دستار تھی جسے سیاہ رنگوا لیا تھا، پاؤں میں دیسی جوتا تھا، لیکن دونوں پاؤں کے جوتوں کی شکل مختلف تھی، میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک جوتا کسی سے بدل گیا تھا، تلاش کے باوجود نہ مل سکا تو امیر صاحب بدلا ہوا جوتا ہی پہن رہے ہیں، وہ کام دے رہا ہے اور جب کام دے رہا ہے تو اسے چھوڑ کر نیا جوتا خریدنا محض تکلف ہے یا نفس پروری۔

وہ پانچوں وقت کی نماز مسجد میں خود پڑھاتے تھے، جماعت کے کاموں سے فارغ ہوتے تو اس کھیت میں کام کاج کے لئے چلے جاتے جو امیر کے لئے مخصوص تھا۔ اس میں موسم کی سبزیاں بوتے روزانہ یا تیسرے دن سبزی اتارتے تھوڑی سی اپنے لئے رکھ کر باقی سب کی سب مجاہدین کے گھروں میں بانٹ آتے۔ مجھے تین چار روز ان کی خدمت میں رہنے اور گھنٹوں بات چیت کرنے کا موقع ملا، وہ خود بہت کم بولتے تھے، میں کوئی سوال کرتا تو تفصیل سے جواب دیتے۔ دینی علوم امیر عبدالکریم مرحوم سے پڑھے تھے،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فنونِ حرب جماعت کے مشاق استادوں سے سیکھے تھے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، وہ عنفوانِ شباب سے مختلف معرکوں میں شریک ہونے لگے تھے۔ پرانی وضع کے تمام ہتھیاروں کا استعمال بہت اچھے طریقے پر جانتے تھے۔

جہادِ کشمیر

آزادیٔ کشمیر کے جہاد میں جماعتِ مجاہدین بھی شامل ہوئی تھی، اس کے ساتھ امیر صاحب بھی کشمیر پہنچے اور جب تک لڑائی ملتوی نہ ہوئی، برابر محاذِ جنگ پر رہے۔ سرحد آزاد سے باہر آنے کا ان کیلئے یہ پہلا اور آخری موقع تھا، میرا خیال تھا کہ جماعت کے حالات مرتب کر لینے کے بعد دوبارہ ان کی خدمت میں پہنچوں گا اور کم از کم وہ حصے انہیں ضرور سناؤں گا، جن کا تعلق ان کی ہوشمندی کے زمانے سے ہے۔ لیکن افسوس میں اپنا کام پورا نہ کر پایا تھا کہ انہیں مالک حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا اور وہ اس عالم میں پہنچ گئے جہاں جانے والے واپس نہیں آتے اور موت کے دروازے سے گذرے بغیر ان تک پہنچنا ممکن نہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

موجودہ صورت حال

مولانا رحمت اللہ کی وفات کے وقت مولوی برکت اللہ نظر بند تھے اور غالباً اب تک نظر بند ہیں۔ حکم نظر بندی شاید سابقہ حکومت سرحد نے جاری کیا تھا، جس کی وجہ وعلت مجھ پر منکشف نہ ہو سکی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اب جماعت کے نظم کا کیا حال ہے اور کاروبار کس طرح چل رہا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ مولوی برکت اللہ نے ہوش سنبھالنے کے وقت سے ضروری انتظامات کے سلسلے میں جو سرگرمیاں دکھائیں، وہ یقیناً قابل ستائش تھیں، انہوں نے مختلف دوائر سے تعلقات پیدا کئے۔ امیر رحمت اللہ اپنی سادگی اور خلوت پسندی کے باعث وہ کام انجام نہ دے سکتے تھے جو مولوی برکت اللہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے انجام دیے۔

اب وہ حالات ہی باقی نہیں رہے جن میں جماعت کی تاسیس ہوئی تھی، ان مقاصد کی حیثیت ہی بدل چکی ہے، جن کیلئے سواسو سال تک بے مثال قربانیوں کا سلسلہ غیر منقطع طریق پر جاری رہا۔ نئے ماحول نے جہاد فی سبیل اللہ کے مواقع بھی بدل دیے ہیں اور اب تنظیمات بھی نئے اصول پر ہونی چاہئیں۔ اس لئے کہ وہ دور ختم ہو گیا جس کے تقاضوں کی بناء پر سید احمد شہیدؒ نے ۱۸۲۶ء میں خطۂ سرحد کو بطور مرکز منتخب کیا تھا۔

حرفِ آرزو

حکومتِ پاکستان مولوی فضل الٰہی مرحوم کی تحریک پر مزروعہ اراضی کے دو چک ان اصحاب کیلئے مخصوص کر چکی ہے، جنہوں نے جماعت مجاہدین کی اعانت کے سلسلے میں انگریزی حکومت کے ماتحت گوناگوں محنتیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ کیا جماعت مجاہدین کے وہ افراد کم از کم ایسے ہی سلوک کے مستحق نہیں جو اسمست میں بیٹھے ہیں اور حالات سے واقفیت رکھنے والے اصحاب کو علم ہے کہ انکے معمولی گزارے کا بھی کوئی قابل ذکر وسیلہ موجود نہیں۔ آخر یہی لوگ ہیں، جن کے اسلاف اسلامیت و آزادی کا پرچم سربلند رکھنے کیلئے جانیں لڑاتے رہے اور ان کے خونِ حیات سے سرحدی کوہستان کی وادیاں اور ٹیلے مزین ہوتے رہے۔ کیا ساداتِ ستھانہ و ملکا یا سادات بونیر پر خصوصی توجہ مبذول نہ ہونی چاہئے جو سید شہید کے وقت سے مجاہدین کے بہترین معاون رہے؟ کیا پورے علاقۂ سرحد میں کوئی دوسرا گھرانا مل سکتا ہے، جس نے ان سادات کے برابر مجاہدین کی خدمات انجام دی ہوں یا اس حق پرست گروہ کی یاوری میں ویسی جانی اور مالی قربانیاں کی ہوں؟ ان حضرات کی کوئی خدمت اور کوئی قربانی کسی دنیوی منفعت کے لئے نہ تھی، وہ صرف اپنے خدا سے جزا کے آرزومند تھے، لیکن کیا کروڑوں فرزندانِ توحید کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس وسیع سرزمین میں جو آج آزادی کی نعمتِ عظمیٰ سے دلشاد و بامراد ہے، ان بزرگوں اور جواں مردوں کی قدر و منزلت اور عزت و احترام کا زیادہ سے زیادہ عملی اظہار نہ ہونا چاہیے، جنہوں نے خوفناک تاریکی میں اپنی شہ رگ کے لہو سے آزادی کے چراغ جلائے اور اس جذبۂ صادقہ کو کبھی افسردہ نہ ہونے دیا، جو قوموں اور ملتوں کی زندگی کا نقش بند اور فلاحِ دوام کا وسیلۂ ارجمند ہے؟

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

جماعتِ مجاہدین اور بزرگانِ یاغستان

روشنی کی کرنیں

جماعت مجاہدین کے قیام یاغستان کی طویل داستان من وعن سنائی جا چکی ہے، اس سے واضح ہے کہ جماعت کو بارہا نہایت رنج دہ حالات سے سابقہ پڑا اور سرحدیوں یا یاغستانیوں کے ہاتھوں ایسی خوفناک تکلیفیں اٹھائیں، جن کا ذکر بھی دل میں ناسور ڈال دینے کیلئے کافی ہے۔ جن دشمنوں کے خلاف جانبازانہ جنگ مجاہدین کا نصب العین تھا، شاید وہ بھی ان سے زیادہ تکلیفیں نہ پہنچاتے، تاہم اس تاریکی میں بھی روشنی کی کرنیں ملتی ہیں، مثلاً سادات ستھانہ وملکا یا سادات بونیر جن کا دامنِ وفا ہر دور میں مہتاب کی طرح اجلا اور بے داغ رہا اور جن کی اعانت و رفاقت کبھی کسی ذاتی غرض سے آلودہ نہ ہوئی۔ حضرت سید امیر ملا صاحب کوٹھا زندگی کی آخری ساعت تک مجاہدین کے معاون و خیر خواہ رہے، اگرچہ اس سلسلے میں انہیں حد درجہ دردناک مصائب کا ہدف بننا پڑا۔

حضرت اخوند صاحب سوات نے بھی جنگ امبیلہ کے بعد مجاہدین سے انتہائی خلوص کا برتاؤ کیا تھا، بلاشبہ بعد ازاں اس برتاؤ کی کیفیت بدل گئی، ان کے علاوہ بھی مختلف بزرگوں سے وقتاً فوقتاً جماعت کو بلاواسطہ امداد ملتی رہی۔

ملا صاحب ہڈہ

بہ لحاظ فضل و تقدس ان میں سے تقدم ملا نجم الدین صاحب کو حاصل ہے جو ملا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صاحب بڈہ کے نام سے معروف ہیں۔ وہ یاغستان کے بہت بڑے عالم اور مقبول عوام پیر طریقت تھے۔ اس کے علاوہ افغانستان کے مشرقی حصوں میں بھی انہیں وسیع اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اجنبی اقتدار کے متعلق ان کا نقطۂ نگاہ وہی تھا، جس پر جماعت مجاہدین قرنوں سے کاربند چلی آتی تھی۔ چنانچہ جب ۱۸۹۵ء میں انگریزوں نے چترال پر پیش قدمی کی تو ملائے موصوف نے اس پیش قدمی کی مزاحمت اور آزادیٔ یاغستان کی حفاظت میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا، بعد میں آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی مقصد کی پیش برد میں صرف ہوا۔ مجاہدین کو چمرکنڈ میں مرکز قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ملا صاحب ہی کی مسجد کے سائے میں اس کے لئے جگہ تجویز ہوئی، تفصیلات چمرکنڈ کی جائے وقوع اور کیفیت آبادی کے سلسلے پیش ہوں گی۔

ملاّ صاحب بابڑہ

یہ ملاّ صاحب بھی تحریک آزادی کے تمام کارکنوں اور مجاہدین کو ہر ممکن ذریعے سے مدد دیتے رہے۔ مرکز چمرکنڈ کی حفاظت میں ان کے اثر و رسوخ کا بھی خاص حصہ ہے، ان کا اصل نام غالباً عبدالکریم تھا، یاغستان کے اکابر علماء و اہل طریقت میں شمار ہوتے تھے، مولوی محمد علی قصوری نے سفر یاغستان میں ان کی زیارت کی تھی، لکھتے ہیں:

> ملا صاحب سفید ریش بزرگ تھے، میرے خیال میں اس وقت (۱۶-۱۹۱۵ء میں) ان کی عمر ستر سے متجاوز ہوگی، مگر صحت نہایت عمدہ تھی، بغیر عینک کے قرآن شریف پڑھتے تھے اور ایسے تیز رو کہ جوان بھی مشکل سے ساتھ دے سکیں، دبلے پتلے جسم کے، دراز قامت اور چہرے سے نور ایمانی اور فہم و فراست عیاں تھے، بات چیت میں نہایت سنجیدہ۔(۱)

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۷۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملاّ صاحب سنڈا کے

ان ملاّ صاحب کا اسم گرامی علی احمد تھا۔ چکیسر کی طرف دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر "سنڈا کے" نام ایک گاؤں ہے، ملا صاحب اسی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ زہد وعبادت میں انہیں اونچا درجہ حاصل تھا، اہل صوات نے نواب دیر کے تصرف سے آزادی حاصل کرنے کیلئے تنظیمات کا سلسلہ شروع کیا تو ملا صاحب کو اپنے ہاں لے آئے، اول اس خیال سے کہ ایک مقدس اور خدا رسیدہ بزرگ کی سرپرستی میں ضروری تنظیمات جلد پایۂ تکمیل پر پہنچ جائیں گی۔ دوم یہ خیال ہوگا کہ ملاّ صاحب، حضرت صاحب بڈھ کے مرید اور خلیفہ ہیں اور انکے متعدد خواجہ تاش آس پاس کے مختلف علاقوں میں موجود تھے، لہٰذا ان کی وجہ سے سب کی تائید و اعانت حاصل ہوگی۔ ویسے بھی اس قسم کی تحریکات میں مقدس بزرگوں کا شمول عوام میں خاص برکات کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا، انہوں نے صوات میں جو تحریک جاری کی اسکے حالات آگے چل کر بیان کیے جائیں گے۔

حاجی صاحب ترنگ زئی

حاجی صاحب کا نام فضل واحد تھا، تحصیل چارسدہ کے ایک گاؤں ترنگ زئی کے باشندے تھے، یہ ان آٹھ مقامات میں شامل تھا جن کی وجہ سے زمانۂ ماضی میں علاقہ چارسدہ کا نام ہشت نگر رہا۔ سید عبدالجبار شاہ ستھانوی حاجی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہیں:

> میں نے دیکھا ہے، وہ ایک عابد و زاہد اور صالح شخص ہے، علم اس کا زیادہ نہیں، بہت سادہ، صاف دل اور نیک بزرگ ہے۔(۱)

(۱) شہادت الثقلین حصہ دوم قلمی نسخہ ص: ۱۴۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب نہایت متقی، پرہیزگار، صاحب علم و فضل اور مشہور پیران طریقت و سلوک میں سے تھے۔(۱) ان کا تعلق شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کی تحریک آزادی سے بھی پیدا ہو گیا تھا۔ پہلی جنگ یورپ میں ترک انگریزوں کے خلاف جرمنی کے معاون بن گئے اور خلافت اسلامیہ کی طرف سے جہاد کا اعلان ہو گیا تو حاجی صاحب بھی دعوتِ جہاد کیلئے وقف ہو گئے۔ زمانہ بڑا نازک تھا، جب معلوم ہوا کہ انہیں گرفتار کر لینے کی تجویزیں زیر غور ہیں تو ضعف پیری کے باوجود بہت بڑی جائداد چھوڑی اور وطن مالوف سے ہجرت کر کے بونیر چلے گئے۔ اہل وعیال کو بھی ساتھ لے گئے ان کے فرزندوں میں سے فضل اکبر عرف بادشاہ گل خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ملا صاحب بابڑہ اور ملا صاحب سنڈاکے کی طرح حاجی صاحب نے بھی حضرت صاحب ہڈہ ہی سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔

جنگ رستم

بونیر پہنچتے ہی حاجی صاحب نے نفیر عام کا صور پھونک دیا، چونکہ خود امن و راحت کی زندگی اور بہت بڑی جائداد چھوڑ کر راہِ حق میں گامزن ہوئے تھے، علاوہ بریں علم و فضل اور تقدس میں خاص شہرت حاصل تھی، اس لئے بہت جلد خاصی بڑی جمعیت کو بغرض جہاد تیار کر لیا۔ جماعت مجاہدین بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی اور انہوں نے سدم یا رستم کے علاقے میں انگریزی چوکیوں پر بلہ بول دیا، حکومت کو ان کی سرگرمیوں کا علم ہو چکا تھا اور مقابلے کے لئے پوری تیاری کر لی گئی تھی، حملہ آوروں کے خلاف توپوں کی گولہ باری شروع ہو گئی اور پہلے ہی حملے میں ایک سو کے قریب جانیں تلف ہوئیں۔ اس پرُزور مدافعت نے قبائلیوں کو پریشان کر دیا اور وہ منتشر ہونے لگے۔ میں بارہا عرض کر چکا ہوں

(۱) نقش حیات جلد دوم ص:۱۸۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کہ وہ ہر دینی دعوت پر خلوص سے جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے، لیکن چونکہ باقاعدہ عسکری تنظیمات سے محروم تھے فوجوں کی طرح جم کر لڑنا انہیں نہ آتا تھا، اس لئے ان کی قربانیاں عموماً دلخواہ نتائج پیدا نہ کرتی تھیں، البتہ جماعت مجاہدین نے استقامت سے مقابلہ کیا اور مسلسل چھاپے مارتے رہے، اس رزم و پیکار کے سلسلے میں جماعت کا ایک بلیغ امیر نعمت اللہ کے حالات میں پیش کیا جا چکا ہے۔

حاجی صاحب کی مجاہدانہ مساعی کے ساتھ ساتھ ملا صاحب سنڈاکے نے صوات میں جو اقدامات کیے ان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ صوات کے عمومی حالات کا سرسری نقشہ پیش کر دیا جائے۔

صوات میں صورتِ حالات

صوات کے بادشاہ سید اکبر شاہ ستھانوی کی وفات عین اس دن ہوئی تھی جس دن ہندوستان میں "غدر" کا آغاز ہوا، یعنی ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو۔ مرحوم بادشاہ کے فرزند شہزادہ مبارک شاہ کم و بیش چھ مہینے تک نظم و نسق کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درست کرنے میں لگے رہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مخالف قوتوں کا طوفان خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے تو وہ خود باہر نکل آئے کہ اہل صوات اپنے لئے جو انتظام مناسب سمجھیں کر لیں، ان لوگوں کی عقیدت و ارادت کا سب سے بڑا مرجع حضرت اخوند صاحب صوات تھے، انہوں نے بادشاہی قبول نہ کی اور قبائل نے اپنا اپنا انتظام کر لیا۔

روسائے باجوڑ کی ایک شاخ جندول میں حکمران تھی، جو باجوڑ ہی کا ایک حصہ ہے، خان جندول کے ایک فرزند عمرا خان نے گزشتہ صدی کے آخری بیس سال میں خاصی شہرت حاصل کر لی، والد نے اسے اختلاف کی بنا پر باہر نکال دیا تھا، وہ ۱۸۷۸ء میں لوٹا اور ایک سال کی کشمکش کے بعد جندول پر قابض ہو گیا۔ پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوا، چنانچہ اس نے ۱۸۹۰ء تک پوری ریاست دیر کے علاوہ باجوڑ کے بڑے حصے اور جنوبی صوات پر بھی قبضہ کرلیا، پھر وہ چترال کے اس دعویدار کا حامی بن گیا جو ریاست سے جلاوطن تھا اور ایک ہی ہلے میں اس نے چترال کو بھی لے لیا، اس اثنا میں محمد شریف خاں رئیس دیر بالا صوات میں جلاوطن ہوکر بیٹھا رہا۔

۱۸۹۵ء میں انگریزوں نے چترال پر پیش قدمی کی تو فوج کو پائیں صوات اور دیر سے گذرے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس طرح براہ راست عمرا خاں سے کشمکش شروع ہوگئی۔ انگریزوں نے اپنے پرانے شیوے کے مطابق دیر کے جلاوطن رئیس محمد شریف خاں کو ساتھ لیا، قبائل دیر عمرا خاں کے حامی تھے اور وہ اپنے رئیس کے ساتھ ہوگئے، انگریزی فوج کیلئے بہ سہولت گذر کا انتظام ہوگیا اور دیر کے علاوہ صوات کا وہ علاقہ بھی جو عمرا خاں کے قبضے میں تھا، انگریزوں نے محمد شریف خاں کے حوالے کردیا۔

دیر و صوات کی کشمکش

محمد شریف خاں دوراندیش اور تجربہ کار آدمی تھا، اس نے اہل صوات کو مطمئن رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر اس کا جانشین اورنگ زیب خاں کانوں سے بہرا تھا، زبان میں لکنت تھی اور مرض جذام میں مبتلا ہوگیا تھا، اس نے پہلے ہی دن سے سارا کاروبار اپنے ملازموں پر چھوڑ دیا، جن کے سامنے زیادہ سے زیادہ پیسے وصول کرنے کے سوا کوئی نصب العین نہ تھا۔ پھر اورنگ زیب خاں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مختلف علاقے اجاروں پر دیدیتا، اور بندھی رقمیں وصول کرلیتا۔ اجارہ دار جس طرح چاہتے رعایا کا خون چوستے، اہل صوات نے دو تین مرتبہ ریاست دیر کے کارکنوں کو باہر نکال دیا، لیکن وہ فوج لے کر آتے اور قوت کے بل پر تمام بقایے وصول کرلیتے۔

تنگ آکر اہل صوات نے یہ سوچا کہ کسی کو بادشاہ بنا کر قومی قوت کی تنظیم کا انتظام

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کریں، پھر لڑ کر نواب دیر کے چنگل سے رہائی پائیں۔ اسی سلسلے میں وہ ملا صاحب سنڈاکے کو اپنے ہاں لائے تھے، اسی سلسلے میں مختلف شخصیتوں کے سامنے بادشاہی کی پیش کش کی، لیکن دیر کی زبردست جنگی قوت کے خوف سے کوئی شخص کانٹوں کا تاج سر پر رکھنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔

سید عبدالجبار شاہ ستھانوی

آخر سب نے بالاتفاق طے کیا کہ بادشاہی کیلئے سب سے بڑھ کر موزوں سید عبدالجبار شاہ ہیں، جو ریاست امب کے وزیر کی حیثیت میں اپنی انتظامی سیاسی اور حربی صلاحیتوں کے روشن ثبوت پیش کر چکے تھے، ان کے اعزہ واقربا بونیر، چملہ، صوات اور پاکستان کے دوسرے حصوں میں جابجا موجود تھے اور یقین تھا کہ وہ سب سید موصوف کے معاون بن جائیں گے، نیز سادات کے اس گھرانے کا ایک جلیل القدر فرد (سید اکبر شاہ) ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۷ء تک صوات میں بادشاہی کے منصب پر فائز رہ چکا تھا، یہ سید عبدالجبار شاہ کے جدامجد سید عمر شاہ کے حقیقی بھائی تھے۔

غور و مشورہ کے بعد قرار پایا کہ سید عبدالجبار شاہ صوات میں شرعی اصول کے مطابق نظامِ حکومت قائم کریں، قومی قوت کو منظم کر کے بتدریج صوات کو دیر کے تصرف سے نجات دلائیں اور تمام رؤسا و خوانین سید موصوف کے معین و یاور رہیں۔ ۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (۲۴ر اپریل ۱۹۱۵ء) کو دریائے صوات کے جنوبی کنارے پر باغڑی بالا میں درختہائے چنار کے نیچے سید عبدالجبار شاہ کی دستار بندی ہوئی اور وہ صوات کے حکمراں بنے، ملا صاحب سنڈاکے کو اس حکومت میں غیر رسمی طور پر شیخ الاسلام کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

مشکلاتِ کار

پیش نظر کام بے حد کٹھن تھا اور اس کیلئے انتہائی محنت وجفاکشی کے علاوہ تمام قومی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عناصر کے دلی تعاون اور حسن تدبیر کی ضرورت تھی۔ مثلاً:

۱- دیر کی جنگی قوت سے عہدہ برآ ہونے کیلئے مناسب قوت فراہم کر لینا خاصے وقت کا محتاج تھا۔

۲- قبائل کی عام حالت ایسی تھی کہ جب تک ان سب کو نئے انتظام کے ماتحت صریح فائدہ نظر نہ آتا، امید نہ تھی کہ وہ خوش دلی سے اسکے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوں گے۔

۳- پھر ہر قبیلے میں مختلف گروہ تھے لہذا دائرۂ نظم میں ان کے درمیان توازن قائم رکھے بغیر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ وہ بگڑ جائیں گے۔

۴- صوات و دیر اگر چہ یاغستانی علاقے تھے اور یاغستانی علاقوں کے معاملات میں انگریزوں کو براہِ راست مداخلت کا حق حاصل نہ تھا، تاہم حکومتِ ہند نواب دیر کی حامی اور سرپرست تھی اور ذرا سی بھی بے احتیاطی ایسے حالات پر منتج ہو سکتی تھی کہ حکومت مذکورہ دیر کی حمایت کے لئے میدانِ جنگ میں اتر آتی۔

۵- چکدرہ کی فوجی چھاؤنی ایسے مقام پر واقع تھی کہ ہر وقت پیچیدگیوں کا خطرہ لگا رہتا تھا۔

غالبًا ایسے ہی نازک حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سید عبد الجبار شاہ نے ملا صاحب سنڈاکے سے بات چیت کے دوران میں یہ معاملہ بھی طے کر لیا تھا کہ صوات کی تنظیمات مکمل ہونے اور دیر کے تصرف سے آزادی حاصل کرنے تک کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے حکومتِ ہند کو مداخلت کا بہانہ مل جائے۔ ایک بہت بڑی وجہ تشویش یہ تھی کہ جنگ یورپ زوروں پر تھی، ترک انگریزوں کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ یاغستان میں کوئی ایسا ہنگامہ بپا نہ ہو جو یاغستانی قبائل کو مشتعل کر دے۔ سر جارج روس کیپل صوبہ سرحد کا چیف کمشنر تھا، اسکی خود رائی سب پر واضح تھی، حکومت سرحدی معاملات میں اسی کی رائے پر عمل کرتی تھی، وہ سید عبد الجبار شاہ کا سخت مخالف اور نواب دیر کا سرگرم حامی تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملا صاحب سنڈاکے کا اقدام

حاجی صاحب ترنگ زئی نے بونیر میں جو اقدام کیا تھا، اس سے کوئی دلخواہ نتیجہ نہ نکلا اور قبائل بونیر ابتدائی نقصان کے بعد افسردہ ہو کر بیٹھ گئے تو حاجی صاحب نے ملا کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ بھی کچھ کریں اور ہمیں صوات میں بلا لیں۔ یہ پیغام ملا تو ملا صاحب سنڈاکے نے براہِ راست انگریزوں کے خلاف جہاد کے وعظ کہنے شروع کیے اور اس غرض سے بڑا لشکر تیار کر لیا۔ سید عبدالجبار شاہ نے ایک خاص مجلس میں اس اقدام کے مضر پہلو واضح کیے اور لوگوں نے ان پہلوؤں کو معقول تسلیم کیا تو ملا صاحب ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں پر پریشانی طاری ہو گئی، انہوں نے سمجھا کہ ایک قدار سیدہ ہستی، جس کی اپنی کوئی غرض نہ تھی ناراض ہو کر چلی گئی، یہ امران کے لیے غضب آسمانی کا موجب بنے گا۔ چنانچہ ملا صاحب کو راضی کر کے لایا گیا، ان کی تجویز کے مطابق لشکر تیار کر لیے گئے اور حملہ کر دیا گیا۔

انگریزی فوج پہلے سے تیار تھی، اس نے منظم طریق پر گولہ باری شروع کی تو قبائلی لشکر ٹھہر نہ سکے اور منتشر ہو گئے، یہاں تک کہ افراتفری میں ملا صاحب کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ انگریزوں نے اب نواب دیر کی فوج بھی طلب کر لی اور دونوں نے مشترکہ حیثیت میں صوات کے اندر پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔ جو عناصر سید عبدالجبار شاہ کی تنظیمات سے دل سے متنفر تھے اگرچہ بہ ظاہر انہیں کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، وہ سب یکسو ہو کر بیٹھ گئے، ملا صاحب سنڈاکے نے بونیر پہنچ کر سید علی ترمذی غوث بونیر کے مزار شریف پر ڈیرہ جا لگایا، شاید ان کی خواہش یہ تھی کہ اہل صوات اگر دشمن کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ نہ کر سکے تو اہل بونیر کو تیار کرنا چاہیے۔

دفاعی تدبیریں

اب سید عبدالجبار شاہ نے منتشر قومی عناصر کو فراہم کر کے ایک دفاعی منصوبہ تیار کیا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جس کا مدعا یہ تھا کہ پیش قدمی کرنے والے انگریزی لشکر پر خفیہ پہاڑی مورچوں سے بے پناہ چھاپوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا جائے، نیز حضرت اخوند صاحب صوات کے ایک خلیفہ صاحبزادہ بابا سے اہل دیر کے نام ایک اعلام لکھوایا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں دنیوی معاملات اور ملکی جنگوں سے ہمیشہ الگ رہا ہوں لیکن انگریزوں نے آزاد اسلامی ملکوں پر حملے شروع کر دیئے ہیں، یہ ایسا معاملہ ہے جو مدتِ مدید سے پیش نہ آیا تھا، انگریز خلیفۃ المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر رہے ہیں، اسی سلسلے میں وہ صوات پر لشکر لے آئے ہیں اور دیر کا لشکر بھی ان کے ساتھ ہے، اہل دیر کو میری نصیحت یہ ہے کہ اسلام اور ایمان بیچ کر صوات کو انگریزوں کے قبضے میں نہ دیں۔ بہتر یہ ہے کہ واپس چلے جائیں یا آگے نہ بڑھیں اور جہاں ہوں وہیں ٹھہرے رہیں، اگر آگے بڑھے تو:

> میں بہ ذاتِ خود قتال کے لئے موجود رہوں گا، میری موت تمہارے ہاتھ شہادت کی موت ہوگی اور تمہارے مردے اہل صوات کی گولیوں سے داخل صفِ کفار ہوں گے۔ دنیا کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، دو دن کی زندگی کی خاطر ایمان ضائع کر دینا سخت بدنصیبی کا باعث ہوگا۔

اس اعلام کی نقلیں اہل دیر کے علاوہ صوات کو بھی بھیج دی گئیں، اور ایسا بندوبست کر دیا گیا کہ ہر شخص اسکے مضمون سے آگاہ ہو جائے۔ یہ بھی جان لے کہ مدافعت کرنے والے لشکر کے علم دار حضرت صاحبزادہ بابا ہوں گے، ملا صاحب سنڈاکے کو بھی یہ اعلام پہنچا دیا گیا، ساتھ ہی لکھا گیا کہ دریائے سندھ سے جلال آباد (افغانستان) تک آپ کیلئے لشکر فراہم کرنے کا بندوبست ہو چکا ہے، تشریف لائیں اور جو مورچہ اپنے لئے پسند کریں، اس میں بیٹھ جائیں۔

نواب دیر اور انگریزوں کے لئے سراسیمگی

حضرت صاحبزادہ بابا لشکر لے کر اس جگہ سے قریب جا بیٹھے جہاں انگریزوں اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواب دیر کا لشکر تھا، ان کے اعلام نے ہمہ گیر سراسیمگی پیدا کر دی تھی، اس اثناء میں ملا صاحب سنڈا کے بھی بونیر سے تشریف لے آئے اور انھوں نے پائیں صوات کے جنوبی و مغربی حصہ میں شموزئی اور اون زئی کے درمیان ڈوپ نامی پہاڑ پر صاحبزادہ بابا سے بھی آگے بڑھ کر مورچہ قائم کر لیا۔ سید عبدالجبار شاہ نے عبدالواحد جمعدار کو مع ان کی نفری کے ملا صاحب سنڈا کے کے مورچے سے انگریزی لشکر پر چھاپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سید عبدالجبار شاہ فرماتے ہیں کہ بلا ناغہ ہر رات شبخون مارا جاتا۔ ادھر صاحبزادہ بابا کے اعلام نے اہل دیر کو بھی بے حد متاثر کیا، وہ دن کے وقت تو چپ چاپ بیٹھے رہتے، رات کے وقت خود انگریزی کیمپ پر چھاپے مارتے، ایک شب کے چھاپے میں دو تین آدمی مقتول ہوئے، صبح کے وقت سب پر آشکارا ہو گیا کہ یہ لوگ لشکر دیر سے متعلق تھے، نواب بھی پریشان ہو گیا اور انگریز بھی، آخر انگریزی فوج پیش قدمی کا ارادہ ترک کر کے چکدرہ کے پاس میدان میں خیمہ زن ہو گئی۔ (۱)

بقیہ حالات

سید عبدالجبار شاہ تقریباً دو سال صوات کے حکمراں رہے، پھر انہیں مختلف اسباب کی بناء پر وہاں سے نکلنا پڑا، جن کی تفصیل موجودہ کتاب کے موضوع سے خارج ہے، ملا صاحب سنڈا کے بالا صوات میں چلے گئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کب ان کی وفات ہوئی۔ حاجی صاحب ترنگ زئی بونیر سے صوات پہنچے، سید عبدالجبار شاہ نے ان کیلئے اتنے غلے کا انتظام کر دیا تھا جو وقت کے نرخ کے مطابق پانچ چھ ہزار روپے کا ہوگا۔ پھر حاجی صاحب بالا صوات میں اپنے ایک مرید کے ہاں جا ٹھہرے، انجام کار صوات کے قیام کو ناپسند کرتے ہوئے مہمند قبیلے میں چلے گئے، وہیں اقامت اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی۔

(۱) یہ حالات سید عبدالجبار شاہ کی کتاب شہادۃ الثقلین حصہ دوم سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نواں باب:

شیخ الہندؒ کی تحریکِ آزادی

ایک اہم تحریک

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے آزادی کی جو تحریک منظم کی تھی، اگرچہ اسے براہِ راست جماعتِ مجاہدین سے ربط وتعلق نہ تھا، لہٰذا اس کے تفصیلی تذکرے کا یہ موزوں مقام نہیں، تاہم دونوں تحریکوں میں اشتراک کے کئی پہلو موجود تھے، دونوں کا سلسلۂ ارادت شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید پر منتہی ہوتا تھا، دونوں کے مقاصد میں خاصی یکسانیت تھی، دونوں مسلمانوں کی سربلندی اور ہندوستان کی آزادی کیلئے کوشاں تھیں۔ دونوں نے ابتدائی سرگرمیوں کیلئے یاغستان کو منتخب کیا اور ہندوستان کے حواشی میں یہی ایک موزوں خطہ تھا، جہاں بین الملی پیچیدگیوں سے محفوظ رہ کر تہیہ ساز وسامان، فراہمیٔ افراد اور استعدادِ عمل کے لئے جدوجہد کی جاسکتی تھی۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے مقرر فرمائے ہوئے کارکن بوقت ضرورت جماعتِ مجاہدین سے مدد لیتے رہے، دونوں جماعتوں کے کارکنوں کو جہاں ایک دائرے میں کام کا موقع ملا وہ اشتراک پر کاربند رہے، لہٰذا اس تحریک کا مجمل ساذکر یہاں بے محل نہ ہوگا۔

ابتدائی طریقِ کار

افسوس کہ اس تحریک کے پورے حالات اب تک روشنی میں نہ آسکے، میں جانتا ہوں کہ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنے اپنے حلقہ ہائے عمل کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

متعلق خاصی گراں قدر معلومات فراہم کردی ہیں، لیکن جس حد تک مجھے علم ہے تحریک کے ابتدائی طریق کار کا سراغ لگانے کی کوشش نہ کی گئی۔ میرے مطالعے اور غور وفکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشۂ عمل تیار کر چکے تھے اور اسے لباسِ عمل پہنانے کی کوششیں انہوں نے اس وقت سے شروع کر دی تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں۔ ملک کے حالات کسی تیز تحریک کیلئے ہرگز سازگار نہ تھے، مسلمانوں پر حیرانی اور افسردگی طاری تھی، وہ ثریا سے تحت الثریٰ میں جا گرے تھے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرنے کے لئے کونسا راستہ اختیار کریں اور کس طریقِ عمل پر گامزن ہوں۔ ایسے اصحاب بہت کم نظر آتے تھے، جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے، اور جو پیش نظر مقاصد کیلئے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔

اسلامی درسگاہوں کی تحریک

میرے اندازے کے مطابق انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ جن جن اصحاب میں عملی صلاحیت پائیں، انہیں جا بجا خصوصاً یاغستان کے مختلف حصوں میں دینی اور اسلامی درسگاہیں قائم کرنے کی ترغیب دیں۔ ملا صاحب سنڈاکے نے بھی حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کی تھی، انہوں نے جب کام شروع کیا تو ابتداء میں ایک اہم اسلامی درسگاہ ہی قائم کرنے کی کوشش کی تھی، حاجی صاحب ترنگ زئی شیخ الہندؒ سے استفادہ کر چکے تھے، ان کے پیش نظر بھی درسگاہیں قائم کرنے ہی کا سلسلہ تھا۔

سید عبدالجبار شاہ ستھانوی لکھتے ہیں: جب مجھے نمائندگانِ صوات نے بتایا کہ ملا صاحب سنڈاکے اسلامیہ کالج پشاور کے بالمقابل ایک عالی شان اسلامی درسگاہ کی بنیاد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رکھنا چاہتے ہیں تو میں نے ان پر صاف واضح کر دیا تھا کہ یہ اصطلاح ایک خاص جماعت کا شعار ہے، جس میں مولوی صاحبان اور علماء شامل ہیں۔ اسلامی درسگاہوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف تنظیمات کا پردہ بنالیا گیا ہے اور حاجی صاحب ترنگ زئی جو اپنے ضلعے میں ایسی درسگاہیں قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ بھی اس حلقے کے ایک رکن ہیں۔

سید صاحب کہتے ہیں کہ مجھے یہ تو علم نہ تھا یہ اصطلاح کس نے ایجاد کی اور اس کا مرکز کہاں تھا، لیکن جنگ طرابلس اور جنگ بلقان نے واضح کر دیا تھا کہ یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں ترکوں کے دشمن حملہ آوروں کی پشتیبانی کر کے خلافت اسلامیہ کو برباد کر دینے کے درپے ہیں، اس پر مسلمانوں میں ہمہ گیر بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ علمائے حق خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے سرگرم ہو گئے۔ اس سلسلے میں تبلیغ و اشاعت کیلئے بہترین طریقہ یہ سمجھا گیا کہ گاؤں گاؤں اور بستی بستی میں اسلامی درسگاہیں قائم کر دی جائیں۔(١)

صحیح تربیت

غرض شیخ الہند کا ابتدائی منصوبہ یہی تھا اور اسے حضرت کے تعلیمی مشاغل سے خاص مناسبت تھی۔ یاد رہے کہ سید احمد شہیدؒ نے جب مسلمانوں کو بہ غرض جہاد منظم کرنے کا قصد فرمایا تھا تو پیروں کے شیوے کے مطابق مختلف علاقوں کے دورے شروع کر دیئے تھے، جگہ جگہ وعظ بھی ہوئے، بیعت بھی لی جاتی، "توجہ" بھی دی جاتی، اس طریقے کو سید شہیدؒ کے مشاغل سے خاص مناسبت تھی۔ میرے نزدیک مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی بانیان دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد و نصب العین بھی وہی تھا، جس کے لئے کارفرمایان دیوبند میں سے صرف حضرت شیخ الہندؒ سرگرم عمل ہوئے، اس طریقے اور

(١) شہادت الثقلین حصہ دوم قلمی نسخہ ص: ٢٣٧

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شیوے کے مطابق جلد حسب مراد نتیجہ برآمد ہونے کی توقع نہ رکھی جا سکتی تھی، تاہم ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ انقلابی مساعی کے ساتھ ساتھ عوام کی صحیح تربیت کا کام بھی انجام پاتا تھا۔ جس طرح سید شہید کی دعوتِ اصلاح میں انجام پاتا تھا، اس انقلاب سے بڑھ کر مصیبت خیز اور تباہ کن شئے کوئی نہیں ہو سکتی جسکے عوام پیش نظر مقاصد کی تربیت سے کاملاً بے بہرہ ہوں، دریاؤں کا پانی نہروں کے ذریعے سے کھیتوں میں پہنچتا ہے، تو زمین کی اندرونی صلاحیتیں پیداوار کے انبار فراہم کر دیتی ہیں، لیکن اگر وہ پانی بے پناہ سیل کی شکل اختیار کر لے تو بستیوں کی ویرانی اور فصلوں کی بربادی کے سوا کیا نتیجہ نکلے گا؟

حوادث کا ہجوم وتواتر

مجھے یقین ہے کہ حضرت شیخ الہند مرحوم ومغفور اپنے اسی منصوبے کے مطابق کاربند رہنا چاہتے تھے، لیکن حالات کی خوفناک مخالفانہ رفتار اور حوادث کا ہجوم وتواتر اُن کے صبر وشکیب کیلئے شدید آزمائشوں کا موجب بن گیا۔ مولانا حسین احمد فرماتے ہیں کہ حضرت کی گہری نظر واقعاتِ عالم بالخصوص ہندوستان اور ترکی پر مرکوز رہتی تھی، طرابلس اور بلقان کے زہرہ گداز مظالم اور اندرونِ ہند میں انگریزوں کی روز افزوں چیرہ دستیوں نے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ آرام اور چین تقریباً حرام ہو گیا۔ گویا وہ اپنے اختیار سے نکل گئے، نتائج وعواقب سے بے پروا ہو کر انہیں سر بہ کف اور کفن بردوش میدانِ انقلاب میں نکلنا پڑا۔ زمانے کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کی ناگفتہ بہ کمزوریاں رکاوٹ بن کر سامنے آئیں اور کچھ عرصہ اسی غور وخوض میں گذرا، مگر پانی سر سے گذر چکا تھا، اس لئے خوب سوچ سمجھ کر صرف قادرِ مطلق پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کام شروع کر دیا۔(۱)

(۱) "نقش حیات" جلد دوم، ص: ۱۳۵-۱۳۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ابھی وہ کوئی فیصلہ کن قدم نہیں اٹھا سکے تھے کہ پہلی جنگ یورپ شروع ہوگئی، دو تین ماہ بعد ترک انگریزوں کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے گویا اطمینان و دلجمعی سے آہستہ آہستہ کام جاری رکھنے اور نتائج کا انتظار کرنے کی مہلت ختم ہوگئی اور اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ جو کچھ بھی ممکن ہو فی الفور کیا جائے تاکہ انگریزوں کی مشکلات میں اضافہ ہو، ترکوں کو تقویت پہنچے اور ہندوستان کی آزادی کا خواب اپنی صحیح تعبیر سے ہم آغوش ہو جائے۔

فوری کام کی ضرورت

حضرت شیخ الہندؒ ان تمام اصحاب کی طبیعتوں اور صلاحیت استقامت کا اندازہ فرماتے رہتے تھے، جو ان کے پاس تعلیم و استفادہ کی غرض سے آتے۔ ان میں سے بعض موزوں اصحاب کو انہوں نے اپنے کام کیلئے چن لیا تھا، انہیں حکم دے دیا کہ جلد سے جلد یاغستان پہنچ جائیں اور آزاد قبائل کو ہندوستان پر حملے کیلئے اٹھائیں۔ مولانا عبیداللہ مرحوم کو انہوں نے افغانستان بھیج دیا کہ امیر حبیب اللہ خاں والئ افغانستان کو اس نازک وقت میں خدمت اسلامیت کیلئے جانبازانہ اقدام پر آمادہ کریں، حاجی صاحب ترنگ زئی اور ملا صاحب سنڈاکے کے متعلق ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ حضرت شیخ الہند کی تحریک سے وابستہ تھے۔ ان کے علاوہ مولانا سیف الرحمٰن، مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری، مولانا فضل ربی، مولانا فضل محمود، مولانا محمد اکبر، حضرت شیخ کے خاص کارکن تھے۔ خود ہندوستان میں ان کے مخلص کارکنوں کا شمار مشکل ہے، مثلاً مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا خلیل احمد، مولانا محمد احمد چکوالی، مولانا محمد صادق (کراچی)، شیخ عبدالرحیم سندھی، مولانا محمد ابراہیم راندیری، مولانا غلام محمد دین پوری، مولانا تاج محمود (امروٹ، ضلع سکھر)، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم عبدالرزاق انصاری وغیرہ سیکڑوں ایسے اصحاب ہیں جنکے نام بھی ہمیں معلوم نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں، نواب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وقارالملک اور وقت کے اکثر بڑے بڑے رہنما حضرت شیخ الہندؒ کے مشیر و معاون تھے۔

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا عبید اللہ سندھی کابل جانے کیلئے تیار ہو گئے تو اس سلسلے میں پہلا اہم مسئلہ روپے کا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقصد کیلئے حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم سے ملاقات کی، انہوں نے بے تامل پانچ ہزار روپے پیش کر دیے، جو مولانا عبید اللہ کو دیدیے گئے۔(۱) معلوم نہیں، اس کے سوا بھی کوئی رقم ملی یا نہ ملی۔

دوسرا مسئلہ اخفا کا تھا، خفیہ پولیس مولانا مرحوم پر متعین تھی اور ان کی ہر نقل و حرکت کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس مصیبت سے بچنے کی تدبیر یہ سوچی گئی کہ مولانا بہاول پور اور سندھ چلے جائیں، وہاں دیہات میں اس طرح رہنے لگیں گویا کوئی کام ان کے پیش نظر نہیں، چنانچہ وہ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں دہلی چھوڑ کر پہلے بہاول پور بعد ازاں سندھ پہنچ گئے۔ اس اثنا میں راستے کے انتظامات بھی کرتے رہے، پھر یکایک نکلے اور ۱۵/ اگست کو سورابیک کے علاقے میں داخل افغانستان ہوئے۔ شیخ عبدالرحیم سندھی (۲) بلوچستان کی آخری حد تک ساتھ رہے۔

---

(۱) حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم نے پچیس روپے ماہانہ کی ملازمت سے زندگی شروع کی تھی، پھر وہ بہت بڑے تاجر بن گئے اور ان کی آمدنی لاکھوں روپے سالانہ تھی۔ وہ ہر دور اور ہر عہد میں قومی کاموں کیلئے معتدبہ رقمیں نکالتے تھے۔ موجودہ صدی کے اوائل میں سندھ کے اندر تبلیغ اسلام کے لئے جو کام جاری ہوا تھا، اس میں بھی بے شمار روپیہ خرچ کیا، خلافت، لیگ اور مسلم کانفرنس کی تنظیمات میں بھی وہ چپ چاپ گرانقدر امداد دیتے رہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اجرائے کار کے سوا ان کے سامنے کوئی غرض نہ تھی، دوسرے اداروں کو جو روپیہ دیا اس کا حساب مشکل ہے۔ خود کراچی میں دو اداروں کا پورا خرچ ان کے ذمے تھا

(۲) یہ اچار یا کرپلانی کے بڑے بھائی تھے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد پوری زندگی تبلیغ اسلام میں بسر کر دی، سیاسی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے، سرہند میں وفات پائی۔ میرے عزیز و کرم دوست شیخ عبدالمجید سندھی بھی ان کے عزیزوں میں ہیں، وہ بھی اسلام لانے کے وقت سے برابر قید کی تکلیفیں اٹھاتے رہے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قیامِ افغانستان کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ قندھار ہوتے ہوئے ۱۵راکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے۔ سردار نصر اللہ خاں، امیر حبیب اللہ خاں اور ان کے فرزند اکبر سردار عنایت اللہ خاں سے ملاقاتیں کیں، ترکی اور جرمن مشن آیا اور ہندوستانیوں نے حکومت موقتہ قائم کی، تو مولانا بعض وجوہ سے اس کے ہم نوا نہ رہ سکے۔ راجا مہندر پرتاپ صدر حکومت موقتہ کے متعلق مولانا کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ کانگریس کے بجائے ہندو مہاسبھا کے کارندے ہیں اور انہوں نے خود حکومت موقتہ کی اسکیم لالہ لاجپت رائے کو دیدی تھی۔ غالباً اسی اسکیم کی بناء پر لالہ لاجپت رائے نے جہاں افغانیوں کے حملے کا افسانہ تیار کیا تھا، حکومت موقتہ کی طرف سے روس، جاپان اور ترکی مشن بھیجے گئے۔ مولانا ان کی تجویز و ترتیب میں شریک رہے۔ افغانستان میں خدامِ خلق کی ایک جماعت بنائی جس کا نام ''جنود اللہ'' رکھا۔ امیر امان اللہ خاں کے عہد میں ایک ہندوستانی تعلیم گاہ قائم کرنے کی اجازت لی لیکن برطانوی سفیر نے زور دے کر یہ اجازت مسترد کرادی۔ ۱۹۲۳ء میں افغانستان سے نکل کر ماسکو اور استنبول ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ (۱) ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے۔

ریشمی خطوط

مولانا نے کابل سے ایک خط ریشمی پارچے پر لکھ کر شیخ عبدالحق نومسلم کے ہاتھ شیخ

(۱) ظفر حسن صاحب ایبک نے لکھا ہے کہ مولانا ۱۰راکتوبر ۱۹۲۳ء کو کابل سے نکلے تھے، ڈاکٹر خوشی محمد کے علاوہ خود ظفر حسن ایبک، ڈاکٹر نور محمد سندھی، اقبال شیدائی، ظفر عمر مسعود، عبدالعزیز، عبدالرشید اور بینر جی بنگالی ان کے ساتھ تھے۔ محمد نادر شاہ مرحوم اس زمانے میں سپہ سالار کے عہدے پر مامور تھے، لیکن امان اللہ خاں نے انہیں قطغن و بدخشاں میں رئیس ہیئت تنظیمیہ کی حیثیت میں مقرر کر رکھا تھا۔ امان اللہ خاں کی خواہش یہ تھی کہ مولانا اور دوسرے اصحاب محمد نادر شاہ سے نہ مل سکیں، لہٰذا سفر روس کیلئے درۂ شیر کا راستہ تجویز کیا، جو بدخشاں سے دور اور بے حد دشوار گذار تھا۔

(ملاحظہ ہو ''چٹان'' ہفت وار بابت ۲۴ ستمبر ۱۹۵۶ء)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالرحیم سندھی کے پاس بھیجا تھا اور تاکید کردی تھی کہ شیخ صاحب فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی معتمد علیہ حاجی کے ذریعے سے خط حضرت شیخ الہند کو پہنچادیں، شیخ عبدالحق طلبہ کے ساتھ ہجرت کر کے کابل پہنچا تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ نواز خاں کا ملازم تھا، وہ شخص ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد تھا، لیکن خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ اس نے خط شیخ عبدالرحیم کے حوالے کرنے کے بجائے اللہ نواز خاں کے والد خان بہادر رب نواز خاں کو دے دیا۔ ان کے ذریعے سے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈوائر کے پاس پہنچا، اس طرح حکومت کو حضرت شیخ الہندؒ، مولانا عبیداللہ اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے۔ اسی وقت سے شیخ عبدالرحیم کا تعاقب شروع ہو گیا اور شیخ الہند کو بھی مکہ معظمہ میں گونا گوں حوادث سے گذرتے ہوئے بالآخر گرفتاری ونظر بندی قبول کرنی پڑی۔

اصل خط کا مضمون غالباً یہ تھا کہ حکومت موقتہ نے افغانستان سے عہد نامہ کرلیا ہے، باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارتیں بھیجی جارہی ہیں، اس سلسلے میں حکومت ترکیہ سے بھی ربط وضبط پیدا کرنا منظور ہے، آخر میں حضرت موصوف سے درخواست کی گئی تھی کہ ربط و ضبط پیدا کرنے اور معاہدہ کرانے میں امداد دیں، اس ریشمی خط کے ساتھ مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کی طرف سے بھی ایک خط تھا، رولٹ رپورٹ میں ریشمی خط کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے وہ غلط اور ناقص معلومات پر مبنی ہے۔(۱)

حضرت شیخ الہندؒ

ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہو گئی تھیں، حضرت شیخ الہندؒ بہت پریشان ہو گئے تھے کہ کہیں بیٹھے بٹھائے گرفتار نہ ہو جائیں اور اس طرح ضروری جدوجہد کے اوقات تعطل میں بسر نہ ہوں، لہٰذا وہ باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے دوسرے مشیروں

(۱) رولٹ رپورٹ ص: ۱۷۶-۱۷۸

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی مشورہ کیا، مولانا آزاد کی رائے قطعی طور پر یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہئے، اور یہیں بیٹھ کر کام کرنا چاہئے۔ اگر اس اثناء میں گرفتاری ہو جائے تو اسے قبول کئے بغیر چارہ نہ ہوگا، وہ جانتے تھے کہ باہر جا کر کوئی کام نہ ہو سکتا تھا اور باہر رہ کر معطل بیٹھنے سے اندر رہ کر معطل ہو جانا ہر حال میں بہتر تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے حجاز پہنچیں وہاں سے ذمہ دار ترک وزیروں اور ماموروں سے ربط وضبط پیدا کر کے ایران وافغانستان کے راستے یاغستان جائیں، چنانچہ وہ چند رفقاء کے ساتھ حجاز چلے گئے۔

حج کیا، اس وقت ترکوں کی طرف سے غالب پاشا حجاز کا گورنر تھا، مکہ معظمہ کے مشہور تاجر حافظ عبدالجبار دہلوی کے ذریعے سے غالب پاشا کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور ان سے تین تحریریں حاصل کیں:

۱- پہلی تحریر مسلمانانِ ہند کے نام تھی۔

۲- دوسری تحریر مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی جس میں مرقوم تھا کہ حضرت شیخ الہند معتمد علیہ شخص ہیں، ان کا احترام کیا جائے اور انہیں استنبول پہنچا دیا جائے۔

۳- تیسری تحریر غازی انور پاشا کے نام تھی کہ انکے مطالبات پورے کئے جائیں۔

غالب پاشا نے خود حضرت موصوف کو تاکید کی کہ آپ تمام ہندوستانیوں کو آزادیٔ کامل پر آمادہ کریں، ہم ہر ممکن امداد دیں گے اور صلح کی کانفرنس منعقد ہوگی تو اس میں ہندوستان کیلئے آزادیٔ کامل کی حمایت کریں گے۔ ان میں سے پہلی تحریر ہندوستان کی تاریخ سیاسیات میں ''غالب نامہ'' کے نام سے معروف ہوئی۔

انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

حضرت شیخ الہند حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے اور ابھی وہ استنبول جانے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے لئے تیار نہ ہوئے تھے کہ انور پاشا، وزیر حربیہ ترکیہ اور جمال پاشا گورنر شام کے مدینہ منورہ پہنچنے کا تار آ گیا۔ چنانچہ ان سے بھی تخلیہ میں ملاقاتیں ہوئیں، جمال پاشا نے وہی مطالب دوہرائے جو غالب پاشا حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پیش کر چکا تھا، نیز وعدہ کیا کہ وہ شام پہنچ کر حضرت کے حسب خواہش ترکی، عربی اور فارسی میں ایسی تحریرات بھیج دے گا، جنہیں جا بجا شائع کیا جا سکے۔ حضرت نے یہ بھی کہا کہ مجھے محفوظ طریق پر حدود افغانستان تک پہنچا دیا جائے تاکہ میں یاغستان چلا جاؤں۔ ہندستان کے راستے گیا تو انگریز مجھے گرفتار کر لیں گے۔ جمال پاشا نے اس بناء پر معذوری ظاہر کی کہ روسی فوجیں ایران میں سلطان آباد تک پہنچ گئی ہیں، گویا افغانستان کا راستہ کٹ گیا ہے، فی الحال آپ کو افغانستان پہنچانا غیر ممکن ہے، واپسی میں گرفتاری کا خطرہ ہے تو حجاز یا ترکی عملداری کے کسی دوسرے مقام پر ٹھہر جائیں۔

"غالب نامہ" کا ارسال

حضرت خود تو حجاز ہی میں ٹھہر گئے، لیکن "غالب نامہ" اور دوسرے ضروری کاغذات بہ طریق محفوظ ہندستان پہنچانے کی تدبیر یہ سوچی کہ کپڑے رکھنے کے لئے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا، اس کے تختے اندر سے کھود کر کاغذات رکھ دیے، پھر انہیں اس طرح ملا دیا کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو، پتہ نہ لگا سکے بلکہ شبہ بھی نہ کر سکے، یہ صندوق مولانا ہادی حسن رئیس خاں جہاں پور (مظفر نگر) اور حاجی شاہ بخش سندھی کے حوالے کر دیا گیا۔ بمبئی میں جہاز پر سی آئی ڈی بھی موجود تھی اور اہل شہر بھی بہ کثرت آئے ہوئے تھے۔ انہیں میں سے مولانا محمد نبی نام کے ایک مخلص نے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو ابھی مجھے دیدیجئے۔ چنانچہ صندوق انھیں دیدیا گیا، وہ اسے محفوظ نکال لائے اور توڑ کر تحریریں نکال لیں۔ دہلی میں حاجی احمد میرزا

www.BestUrduBooks.wordpress.com

فوٹو گرافر نے ان کے فوٹو لئے اور مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کے ہاتھ یہ تحریریں سرحد بھیج دی گئیں۔ بعد ازاں حضرت نے اپنے ایک عزیز کو اس خیال سے تحریروں کا راز بتا دیا کہ وہ ہندوستان واپس جا کر ان کے فوٹو لینے اور جا بجا پہنچانے کا پیغام ارباب کار تک پہنچائے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس نے سب کچھ بتا دیا جس کی بنا پر مختلف اصحاب کی تلاشیاں ہوئیں اور انہیں گوناگوں مصائب سے سابقہ پڑا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی اسیری اور رہائی

شریف حسین نے انگریزوں سے خفیہ خفیہ عہد و پیمان کر کے ترکوں سے غداری کی اور حجاز میں جتنے ترک موجود تھے وہ سخت و شدید ظلم و جور کا ہدف بنے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفیقوں کو اسیر کر کے شریف نے جدہ پہنچا دیا، جہاں سے انگریز انہیں پہلے مصر لے گئے، پھر مالٹا میں نظر بند کر دیا، تین برس سات مہینے کے بعد ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ (۸ جون ۱۹۲۰ء) کو بمبئی پہنچا کر انہیں رہا کیا۔

زمانۂ قیامِ حجاز میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم عبدالرزاق انصاری، مولانا محمد ابراہیم راندیری وغیرہ نے حضرت کی جو خدمت کی، وہ ان کے حسناتِ عالیہ کا گراں بہا حصہ ہے۔

چند گذارشیں

حضرت مرحوم نے جس جذبے، خلوص، ہمت اور والہیت سے کام کیا، اس کے بارے میں یہ عاجز کیا کہہ سکتا ہے، جو ان اوصاف و خصائص کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتا، لیکن صاف ظاہر ہے کہ اصل منصوبہ جن حالات میں تیار کیا گیا، وہ حد درجہ ناساز گار تھے، چھان بین اور غور و فکر کی مہلت قطعاً میسر نہ تھی، جدھر روشنی کی کوئی کرن نظر آئی اس سے استفادے میں تامل نہ کیا گیا۔ چونکہ پورا منصوبہ عالم اضطرار میں تیار ہوا تھا، اس لئے اس کا کوئی پہلو بھی پائدار ثابت نہ ہوا، لیکن میدانِ عمل کی ہر شئے کا حسن صرف جذبہ عشق اور

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وارفتگیِ حبِّ مقاصد پر موقوف ہے، یہاں تدبیروں کی پختگی، منصوبوں کی پائداری اور عقل و خرد کی دور بینی و مصلحت اندیشی کو کون پوچھتا ہے؟

عقل را با مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار   در عجائب ہائے طورِ عشق حکمتہا کم است

حضرت کے تمام کارکن علم و فضل، زہد و تقویٰ، بے غرضی و بے نفسی اور جرأت و ایثار میں اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا عبید اللہ مرحوم نے کم و بیش پچیس سال غربت میں گذارے، گویا اصل زندگی اسی کام کی نذر کردی۔ مولانا سیف الرحمن اور مولانا منصور انصاری نے جلاوطنی کی حالت میں وفات پائی۔ ان میں سے کسی کی حرارتِ اسلامیت و آزادی آخری سانس تک ایک لحہ کیلئے بھی افسردہ نہ ہوئی، لیکن مجھے بہ صد ادب یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ وہ حضرات جن کاموں پر مامور ہوئے ان کیلئے ہر لحاظ سے موزوں نہ تھے، جو جرنیل خطرناک مقامات پر فوجوں کے علمدار بننے کی ہمت رکھتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ سیاسی مجالس میں بھی ویسے ہی اہم کارنامے انجام دے سکیں۔

ایک تعجب انگیز امر

مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب ''اسیر مالٹا'' میں پورے وثوق و قطعیت سے فرمایا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے نہ غالب پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقاتیں کیں نہ ان کیلئے ایسا کوئی موقع تھا، لیکن ''نقش حیات'' میں ایک ایک شئے کا تفصیلاً ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی اس طرزِ عمل کے جواز کی دو وجہیں پیش کر دیں، فرماتے ہیں:

۱۔ تعریضی جواب دینا یعنی ایسے کلمات کو جواب میں استعمال کرنا، جن کے دو معنی ہوں، متکلم ان کے دوسرے معنی لے اور مخاطب کچھ اور سمجھے، یہ جھوٹ نہیں ہے اور ایسے موقعے پر بلاشبہ جائز ہے۔ (۱)

(۱) نقش حیات جلد دوم، ص ۲۰۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۲- عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ ہر حالت میں برا اور حرام ہے حالانکہ جھوٹ بعض اوقات میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے اور بعض اوقات میں مستحب اور بعض اوقات میں مباح اور بعض اوقات میں حرام اور مکروہ ہوتا ہے۔(۱)

''تعریضی جواب'' کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، لیکن دوسری صورت کے متعلق جب مولانا حسین احمد مدنی جیسے بزرگ جواز کا فتویٰ دیں تو میرے جیسے فرومایۂ علم کیلئے کچھ عرض کرنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے، تاہم صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ دل اس پر مطمئن نہیں اور اگر ذاتی تحفظ کے مسئلے کو اسی انداز میں قبول کر لیا جائے، جس انداز میں اسے پیش کیا گیا ہے تو پھر مجاہدانہ کارناموں اور ان کے ضمن میں قربانیوں کا معاملہ ختم سمجھنا چاہئے، اور تسلیم کر لینا چاہئے کہ جان کو کوئی گزند نہ پہنچے، گزند کا اندیشہ ہو تو مقدم شئے جان کا تحفظ ہے، خواہ نصب العین کا حشر کچھ ہو۔ جب تک تاریخ کے صفحات سے عزیمت کے تمام واقعات دھو نہ ڈالے جائیں، اس مسلک کو دل کیوں کر قبول کر سکتا ہے، جو مولانا حسین احمد مدنی نے پیش فرمایا ہے، اگرچہ اس کے لئے دواوین فقہ میں کوئی بنیاد موجود ہو۔

(۱) نقش حیات جلد دوم، ص: ۲۰۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دسواں باب:

مولانا محمد بشیر شہیدؒ

ایک عظیم المرتبت شخصیت

مولانا محمد بشیر اگرچہ جماعت مجاہدین میں امارتِ عظمٰی کے منصب پر فائز نہ ہوئے تاہم ان کے مجاہدانہ کارناموں کی حیثیت اتنی ہے کہ امیر نعمت اللہ اور امیر رحمت اللہ کے عہد کی پوری سرگزشت میں سب سے بڑا حصہ مولانا مرحوم ہی کا تھا۔ وہ ایک عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے، جن حالات میں انہوں نے وطن چھوڑا تھا، وہ غالباً بہت کم اصحاب کو پیش آئے ہوں گے، لیکن پوری مدتِ ہجرت میں ایک بھی مرتبہ یہ خیال نہ آیا کہ وطن واپس آئیں، حالانکہ ان کے لئے واپسی کے مواقع بہ سہولت پیدا ہو سکتے تھے۔

میں نے ۱۹۳۴ء میں ایک مرتبہ ان سے عرض کیا کہ اب ہندوستان سے باہر رہنے کے بجائے اندر رہ کر زیادہ مفید کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یہ سنا تو بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو گئے، میں نے دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، فرمایا: اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم خلوص سے یہ سب کچھ کہہ رہے ہو تو میں سمجھتا کہ تمہیں انگریزوں نے میرے پاس بھیجا ہے، میں جس دن گھر چھوڑ کر نکلا تھا، خدا سے عہد کیا تھا کہ جب تک ہندوستان کی سرزمین پر انگریز کا سایہ بھی موجود ہے، خواہ اس کی حیثیت کچھ ہو، کبھی واپس نہ جاؤں گا، اور اس سرزمین میں سانس لینا اپنے اوپر حرام سمجھوں گا۔ میں یہ عہد اپنے آخری دم تک نباہوں گا۔

غرض وہ ان عظیم الشان انسانوں میں سے تھے جو قرنوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا مخلص، دین دار، باحمیت، غیور اور آزادی و اسلامیت کا شیدائی کوئی نہ دیکھا، استقامت میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔

خاندان

ان کا اصل نام عبدالرحیم تھا، لیکن سرحد پہنچنے کے بعد محمد بشیر کے اختیاری نام کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ اصل نام بہت کم لوگوں کو یاد رہا۔ ان کے والد ماجد مولانا رحیم بخش ملوال (ماہلووال) ضلع فیروز پور کے باشندے تھے، وہاں سید احمد شہید کی جماعت کے ایک فرد مولوی حیدر علی آ بسے تھے، جن سے مولانا رحیم بخش کے بڑے بھائی حافظ محمد اسمٰعیل نے بیعت کی، خود مولانا رحیم بخش نے بھی ابتدائی تعلیم انہیں مولوی حیدر علی سے پائی، خود فرماتے ہیں:

> میں نے ایسا کوئی عالم متبع سنت و شریعت نہیں دیکھا، اس خاکسار پر ان مولوی صاحب کے بڑے احسان ہیں، جو کچھ علم میں نے پڑھا ہے، اس میں ان کی مدد رہی ہے، افغانانِ ملوال سلطان خاں صاحب، سکندر خاں صاحب، جمال الدین خاں صاحب آپ (مولوی حیدر علی) کی بڑی عزت کرتے، اس عاجز کے برادر حافظ محمد اسمٰعیل صاحب بجائے خلیفہ تھے۔ (۱)

مولانا رحیم بخش نے دہلی جا کر شیخ الکل میاں نذیر حسین مرحوم سے حدیث کی سند حاصل کی، پھر لاہور آ گئے اور چینیاں والی مسجد میں امام بنا دیے گئے، یہیں انہوں نے نکاح کیا، متعدد دینی کتابیں لکھیں جو اس عہد میں بہت مقبول ہوئیں۔ غالباً ان کے پانچ بچے تھے، دو بچپن میں فوت ہو گئے، تین ان کے بعد زندہ رہے، ایک مولانا عبدالرحیم عرف مولانا محمد بشیر، دوسرے مولوی عبدالرحمٰن جو اسلامیہ کالج میں ایف، اے تک تعلیم پانے کے بعد محکمہ انہار میں ضلع دار بن گئے تھے، افسوس کہ جوانی ہی میں فوت ہو گئے،

(۱) اسلام کی دسویں کتاب مصنفہ مولانا رحیم بخش، ص ۲۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک ان کی ہمشیر تھی جس کا نام زینب تھا۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم

مولانا عبدالرحیم ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد سے پوری تعلیم پائی، قرآن، حدیث اور تاریخ سے خاص شغف تھا، پھر انہوں نے اپنے والد کی تصانیف کے علاوہ دوسری دینی کتابوں کے تراجم کا سلسلہ شروع کرادیا اور ایک اعلیٰ دارالاشاعت قائم کرلیا، جس کا نام ''عبدالرحیم عبدالرحمٰن تاجرانِ کتب'' قرار دیا۔ چنانچہ وہ اسی کام میں منہمک ہو گئے اور اسی کو اپنی زندگی کا مستقل مشغلہ بنالیا، یہاں تک کہ مولانا رحیم بخش کا انتقال ہوا تو ان کے منصب کی طرف بھی توجہ نہ کی اور مولانا عبدالواحد غزنوی مرحوم چینیاں والی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔

ہجرت کے وقت مولانا عبدالرحیم کے چار بچے موجود تھے، عبدالحکیم، عبدالعلیم، عبدالعظیم، اور صفیہ بیگم۔ بڑے صاحبزادے عبدالحکیم پندرہ برس کی عمر میں پہلے فوت ہو چکے تھے، صفیہ بیگم مولانا کی ہجرت سے چند ماہ بعد فوت ہوئی اور عبدالعظیم دو سال بعد، باقی دو بچوں میں سے عبدالحلیم ایک لڑکا اور پانچ لڑکیاں چھوڑ کر ۱۹۳۹ء میں رہ گرائے عالم بقاء ہوا، ایک صاحبزادہ عبدالعلیم خدا کے فضل سے زندہ وسلامت ہے اور ایک کارخانے میں اچھی ملازمت پر مامور ہے۔

ہجرت

مولانا اوائل ہی سے جماعت مجاہدین کے کام میں حصہ لینے لگے تھے، تحقیقی طور پر معلوم نہ ہوسکا کہ روپیہ فراہم کرنے کے علاوہ وہ اور کیا کام کرتے تھے۔ انہوں نے خود مجھے بتایا کہ میں ہندوستان سے ہجرت کا ارادہ کر چکا تھا، لیکن خیال تھا کہ تجارت کے سلسلے میں باہر جاؤں گا، پھر جہاں مناسب ہوگا توطن اختیار کرلوں گا۔ ابھی کچھ طے نہ کرسکے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تھے کہ یورپ میں جنگ چھڑ گئی اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ دیکھتے دیکھتے کالجوں کے طلبہ نکل کر سرحد پہنچ گئے، ایک عزیز دوست نے مولانا کو خبر دی کہ آپ کے بھی وارنٹ جاری ہو چکے ہیں، انہوں نے فوراً اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا، صبح اٹھتے ہی گھر والوں سے کہا کہ ایک آدمی سے روپے لینے ہیں اور میں اس کی طرف جارہا ہوں اگر آج نہ گیا تو روپے ملنے کی امید نہیں، چونکہ کاروبار کے سلسلے میں ایسے معاملات پیش آتے رہتے تھے، اس لئے کسی کو تفصیل پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ بھائی، بچوں اور بہن سے مل کر روانہ ہو گئے، لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ مستقل طور پر ہجرت کر کے جارہے ہیں، راولپنڈی پہنچ کر خطوط لکھے، لیکن ان خطوط کے لاہور پہنچنے سے دو گھنٹے پیشتر وہ سرحد کو عبور کر کے آزاد علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔

مولوی محی الدین احمد قصوری نے بتایا کہ مولانا عبدالرحیم ایک سے زیادہ مرتبہ مشورے کے لئے والد محترم (مولانا عبدالقادر) کے پاس آئے، جو جماعت مجاہدین کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ والد صاحب برابر یہ مشورہ دیتے رہے کہ باہر نہ جانا چاہئے اور یہیں کام کرنا چاہئے، لیکن مولانا فیصلہ کر چکے تھے، چپ چاپ نکلے اور سرحد جا کر وہ کام شروع کر دیا، جسے وہ اپنے عقیدے میں بہترین اسلامی، دینی اور قومی کام سمجھتے تھے۔

پابندیٔ عہد

اس زمانے میں ان کے دارالکتب کا نام بہت اعلیٰ پیمانے پر پہنچا ہوا تھا، سیکڑوں روپے کی آمدنی تھی، ان کے بچے چھوٹے تھے، بھائی نیا نیا ملازمت میں داخل ہوا تھا، بظاہر کاروبار کے جاری رہنے یا بال بچوں اور اہل خاندان کا گزارہ چلنے کی کوئی صورت نہ تھی، لیکن مولانا نے سلطانِ فرض کے مقابلے میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ فرمائی، بعد میں انہیں برابر معلوم ہوتا رہا کہ بچوں کے گزارے کی کوئی اچھی صورت نہیں اور وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سخت تکلیف میں ہیں، تاہم انہوں نے خدا سے جو عہد کر لیا تھا، اس کی پابندی میں فرق نہ آنے دیا: "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ" کی جیتی جاگتی مثال بنے رہے۔

کالجوں کے طلبہ فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد گئے تھے اور خود مولانا کے مکان پر ان کی روانگی کے مشورے ہوتے تھے۔ مولانا نے اس سے کچھ دن بعد ہجرت کی، صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی، لیکن ۱۹۱۵ء میں مجاہدین کی جن جنگی کارروائیوں کا مختصر سا مرقع امیر نعمت اللہ کے حالات میں پیش کیا جا چکا ہے ان میں مولانا برابر شریک رہے، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ کارروائیاں مولانا ہی کی کوششوں کے باعث عمل میں آئیں۔

سرحد آزاد میں سرگرمیاں

مولانا محمد بشیر صرف اس امر پر قناعت نہ کر سکتے تھے کہ مجاہدین کو اپنے حلقے میں وقتاً فوقتاً جو لڑائیاں پیش آتی رہتی ہیں، ان کے لئے تنظیمات زیادہ بہتر صورت اختیار کر لیں یا جماعت کے افراد میں کسی قدر اضافہ ہو جائے، وہ غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے، سرحد پہنچتے ہی طے کر لیا کہ پورے آزاد علاقے میں جابجا چوکیاں قائم کی جانی چاہئیں تاکہ انگریزی مقبوضات پر ہر مقام سے مسلسل حملوں کا سلسلہ جاری ہو جائے اور یہ حملے صرف مجاہدین کی ٹولیوں تک محدود نہ رہیں جن کی تعداد ہر حال میں بہت زیادہ نہ تھی، مولانا حتی الامکان تمام آزاد قبائل کو ان سرگرمیوں میں اجتماعاً شریک کر دینے کے لئے مضطرب تھے اور اس غرض سے سرحد آزاد میں دورے شروع کر دیئے، جنگ یورپ شدومد سے جاری تھی، ابتدائی دور میں جرمنوں کی کامیاب ترکتازوں کے باعث محض برطانیہ ہی نہیں بلکہ تمام اتحادیوں کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ ہندوستانیوں کے لئے آزادی حاصل کرنے کا موقع اسی صورت میں پیدا ہو سکتا تھا کہ جنگ میں انگریزوں کو

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شکست ہوتی۔ جب ترک انگریزوں اور اتحادیوں کے خلاف جنگ میں جرمنی کے معاون بن گئے تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی ہندوستان میں حد درجہ ضروری کام یہ تھا کہ انگریزوں کی مشکلات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جاتا، اس کی صورت یہی تھی کہ سرحد پر جا بجا خطرات کا طوفان بپا کر دیا جاتا، تاکہ انگریز اپنی فوجوں کا بڑا حصہ سرحد کی حفاظت کے لئے رکھنے پر مجبور ہو جاتے، اور باہر کسی محاذ پر کمک نہ بھیج سکتے۔ مولانا محمد بشیر کی تمام سرگرمیاں اسی مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے وقف ہو گئیں، نتائج سے بحث نہیں، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے مولانا نے کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا، جماعت مجاہدین کی تاریخ کے آخری دور میں اتنا بڑا اور وسیع الاثر کام صرف مولانا محمد بشیر جیسی عظیم المرتبت شخصیت ہی انجام دے سکتی تھی۔

کابل میں اثر و رسوخ

اس مقصد کے لئے حکومت افغانستان سے بھی گہرے تعلقات پیدا کر لینا ضروری تھا، مولانا محمد بشیر نے یہ کام بھی بہ طریقِ احسن انجام دیا۔ جس حد تک مجھے اندازہ ہے ان کی گفتگو بہت سادہ ہوتی تھی اور انہوں نے کسی امر کی وضاحت کے لئے کبھی خطیبانہ انداز اختیار نہ کیا، لیکن ان کے اخلاص وللّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ جس کے سامنے بھی اپنا نقطۂ نگاہ پیش کرتے وہ حد درجہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

اس زمانے میں افغانستان پر امیر حبیب اللہ خاں حکمراں تھا، وہ انگریزوں کے ساتھ خاص تعلقات کے باعث ہر ایسے اقدام سے گریزاں رہتا تھا جو اس کے تعلقات پر برائے نام بھی اثر انداز ہو سکے۔ لیکن مولانا محمد بشیر نے امیر حبیب اللہ خاں کو بھی بے حد متاثر کر لیا۔

مرحوم مولوی محمد قصوری لکھتے ہیں کہ مولانا محمد بشیر امیر المجاہدین کے وکیل بن کر کابل

آئے تو نائب السلطنت سردار نصر اللہ خاں، پھر خود امیر حبیب اللہ خاں سے ملاقات کی۔

امیر صاحب کے مزاج میں اتنا عمل دخل پیدا کر لیا کہ موصوف نے انہیں یاغستان کی تنظیم کیلئے مامور فرمایا اور بارہ ہزار سالانہ تنظیمی اخراجات کیلئے ان کے حوالے کیا۔(۱)

یاغستان کے لئے وکیل امیر

چنانچہ وہ یاغستان چلے گئے اور تھوڑی ہی مدت میں وہاں کے اکثر ملاؤں اور سرداروں سے امیر صاحب کے نام بیعت کے خطوط حاصل کر لائے۔

> اعلیٰ حضرت ان خطوط کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے، اور مولوی محمد بشیر صاحب کو "ملا بشیر" کا خطاب مرحمت فرمایا۔ تمام یاغستان کے لئے ان کو وکیل مختار مقرر کیا، اور ایک فرمان اسی مضمون کا مرحمت فرمایا کہ ملا بشیر امیر صاحب کی طرف سے بیعت لینے کے مجاز ہیں، اعلیٰ حضرت پر انگریزی حکومت کا اس قدر خوف طاری تھا کہ وہ علانیہ انگریزوں کے خلاف کسی سازش میں شرکت کرنے سے ڈرتے تھے، ملا بشیر کا یہ کمال تھا کہ وہ اعلیٰ حضرت کو خوف و ہراس کے اس گنبد سے نکال لائے۔(۲)

خاص طور پر قابل توجہ یہ امر ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں کے تعلق میں ایسے کارنامۂ عظیم کا اعزاز مولانا محمد بشیر کے سوا کوئی دوسرا حاصل نہ کر سکا۔

مولانا کے معاون

مولوی محمد علی فرماتے ہیں کہ سرحد آزاد کے دو پٹھان انگریزی فوج میں صوبیدار میجر کے عہدوں پر مامور تھے، وہ فرانس کے کسی میدان سے موقع پا کر بھاگے اور جرمنوں کے پاس پہنچ گئے، پھر ترکی و جرمن مشن کے ساتھ افغانستان آئے، یہ دونوں افسر اس زمانے

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص:۲۹ (۲) مشاہدات کابل و یاغستان، ص:۳۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں مولوی صاحب مرحوم کے ساتھ ہو گئے۔ جب وہ تنظیمی کام کے سلسلے میں یاغستان آ گئے تھے:

> چنانچہ انہوں نے پہلے تو یاغستانیوں کو تربیت عسکری دینی شروع کی....
> بعد میں جب میں اسمست آیا تو وہ ملا بشیر کی معیت میں تیراہ اور محسود علاقے میں گئے، اس علاقہ میں ان کے اثر سے ملا بشیر کا دورہ بہت کامیاب رہا۔(۱)

غرض مولانا کو تنظیمات جہاد کے سوا کسی مشغلے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی کام کے لئے وقف ہو گیا۔ انہیں جہاں ڈھب کا کوئی آدمی ملا، اس سے یہی کام لیا، گویا وہ برق حق کی ایک زبردست رو تھے کہ جہاں جہاں سے گذرے زندگی کی حرارت پیدا کرتے اور ایمان وحمیت کے چراغ جلاتے گئے۔

---

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص: ۳۰۔ مولوی عبدالرزاق کا بیان ہے کہ ان میں سے ایک کا نام عبدالسبحان تھا اور دوسرے کا عبدالرحمٰن۔ بے شک یہ انگریزی فوج میں رہ چکے تھے لیکن انہیں مفرور قرار دینا درست نہ ہوگا، دونوں یاغستان کے نہیں بلکہ چارسدہ کے آس پاس کے تھے۔ امریکہ جا کر انہوں نے کیلی فورنیا میں اپنے ہندوستانی اور افغانی بھائیوں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی تھی اور "غدر پارٹی" میں شریک ہو گئے۔ مولانا برکت اللہ نے انہیں برلین بلا لیا، جرمن مشن کے ساتھ یہ کابل آئے یاغستانیوں کو توپ چلانے کے علاوہ مجاہدین کی تعلیم و تربیت بھی کچھ دیر کی، اس سے پیشتر مجاہدین مغلوں کے عہد کی پریڈ کیا کرتے تھے، عبدالسبحان اور عبدالرحمٰن نے انہیں نئی پریڈ کے علاوہ سگنل کا کام بھی سکھایا۔

کابل والا منصوبہ ناکام ہو جانے پر عبدالسبحان کاظم بے کے ہمراہ روس کے راستے واپس چلا گیا۔ تاشقند پہنچا تو سنا کہ امان اللہ خان نے جنگ استقلال چھیڑ دی ہے، چنانچہ لوٹ پڑا، کابل کی جنگ ختم ہو گئی تو جرمنی جا کر شادی کر لی، پھر کچھ مدت شنگھائی (چین) میں گذری، دوسری جنگ یورپ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے کابل آ کر بنیانیں بننے کا کارخانہ قائم کیا، سبھاش چندر بوس ہندوستان سے نکل کر کابل کے راستے جاپان چلا گیا تو کچھ معلوم نہیں کہ کس بنا پر عبدالسبحان کو قید کر دیا گیا اور چار سال قید میں گزار کر اس نے وفات پائی۔ یہ تفصیلات مولوی عبدالرزاق کو اس لئے معلوم ہیں کہ وہ خاصی مدت عبدالسبحان کے ساتھ گزار چکے تھے۔

عبدالرحمٰن نے یاغستان سے واپس ہو کر "کوٹکی" میں توطن اختیار کر لیا تھا اور وہیں ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گیارہواں باب:

شہادت کا حادثۂ الیمہ

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

مرکز چمرکنڈ

مولانا محمد بشیر معمول کے مطابق انگریزوں کی مخالفت اور ہندوستان کی آزادی کے لئے مختلف منصوبے تیار کرنے میں مصروف تھے، اس زمانے میں ان کا مستقل مقام مرکز چمرکنڈ تھا، جس کی مختصر سی کیفیت ذیل میں درج ہے:

جلال آباد کے شمال اور شمال مشرق میں کوہ ہندوکش کی متعدد شاخیں پھیلی ہوئی ہیں ان میں سے ایک شاخ وہ ہے جو جلال آباد کے پاس سے دریائے کنٹر کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہے، اسمار کے قریب اس میں سے ایک اور شاخ نکلی ہے جو پہلی شاخ کے متوازی مشرق میں واقع ہے۔ ان شاخوں میں یاغستان کے کئی مشہور مقام آتے ہیں، مثلاً پکشد (بفتح شین)، چغتا سرائے، تنسر، جن بتی، دیرو غیرہ، پشت سے تین چار میل شمال میں دریائے کنٹر کا ایک موڑ ملتا ہے، جس کے قریب مشرقی سمت میں ایک درہ واقع ہے، عین اس مقام پر سرکانی نام ایک موضع ہے، درے سے پہاڑ پر چڑھنا شروع کردیں تو چوٹی سے مشرقی سمت اتر کر کوئی نصف میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے، جسے بالا چمرکنڈ کہتے ہیں، اس سے آگے دو تین فرلانگ پر ایک بہت بڑی مسجد ہے جو حضرت ملّا صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بڈہ نے تعمیر کرائی تھی اور آج کل مسجد صاحب مبارک کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے پہاڑی نالوں کی افراط ہے، مسجد کے پاس شیخ چمرکنڈ نے اپنے رہنے کا بندوبست کرلیا، اسی مسجد سے متصل جنوبی سمت میں مجاہدین کا مرکز ہے، مسجد اور آبادی کے درمیان صرف ایک تنگ گلی واقع ہے۔

آبادی کی کیفیت یہ ہے کہ گلی کے ساتھ ساتھ چار مکان ہیں، دو میں مجاہدین رہتے تھے ایک میں غلہ وغیرہ رکھا جاتا تھا۔ چوتھے اور مغربی سمت کے مکان میں مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی مقیم تھے، صرف اس کا دروازہ گلی میں تھا، مجاہدین کے مکانوں کا دروازہ مشرقی سمت میں تھا، مکانوں کی اس لائن کے جنوب میں مشرقی سمت ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جس میں مولانا محمد بشیر رہتے تھے۔ اس کے ساتھ چھوٹا سا صحن تھا، جس میں اس آبادی کے اندر آنے کا دروازہ واقع تھا، اس چھوٹے صحن کے ساتھ مشرق میں ایک بڑا کمرہ بنا دیا گیا تھا، جسے مہمان خانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ مجاہدین کے اس مرکز کی مکانیت اتنی ہی تھی لیکن اس کے چاروں طرف کی دیواریں ایسی بنادی گئی تھیں جو ضرورت کے وقت فصیل کے طور پر استعمال ہو سکیں، آج بھی یہی کیفیت ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا، نماز کے لئے سب لوگ مسجد میں جمع ہوتے تھے، پائیں چمرکنڈ اس مقام سے پانچ چھ میل نیچے میدان میں واقع ہے۔

ہمہ گیر شہرت

یہ چھوٹا سا مرکز تھا جو ۱۶-۱۹۱۵ء میں قائم ہوا اور مولانا محمد بشیر کی امارت کے زمانے میں اس نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی، یہاں تک کہ مجاہدین کے اصل مرکز اسمست کی شہرت بھی اس کے آگے ماند پڑگئی۔ دیکھیے! خدا کی راہ میں خلوص و حسن نیت سے سرگرم عمل رہنے کی برکت و کرامت کہ پانچ سات چھوٹے چھوٹے اور کچے مکانوں کی آبادی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے آزادی و اسلامیت کی تاریخ میں کتنا بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ مجاہدین کا یہ مرکز حکومت افغانستان کی خاص سفارش اور حضرت ملا صاحب ہڈہ کے معزز خلفاء کی سرپرستی میں بنا تھا، جن میں سے حضرت بادشاہ صاحب اسلام پور، حضرت ملا صاحب بابڑہ اور میاں صاحب سرکانی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ بابڑہ چمرکنڈ کے شمال میں آٹھ دس گھنٹے کی مسافت پر ہے اور حاجی صاحب ترنگ زئی کا مرکز غازی آباد تقریباً سات گھنٹے کی مسافت پر۔

شہادت کا قبل از وقت احساس

مولانا محمد بشیر کا خیال مدت سے یہ تھا کہ وہ اچانک شہید کر دیے جائیں گے، ستمبر ۱۹۳۳ء میں مجھے بمقام کابل ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا تو انہوں نے اپنے اس خیال یا تاثر کا کئی مرتبہ اظہار کیا تھا، اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے ان پر ایک دو مرتبہ قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں، یاغستان کے ہر حصے میں وہ بے حد ہر دل عزیز تھے، افغانستان کے چھوٹے بڑے، غریب امیر، معمولی کارکن اور ارکانِ حکومت ان کا انتہائی احترام کرتے تھے، جماعت میں انہیں جو خاص مقام حاصل تھا، اسے پیش نظر رکھتے ہوئے وہم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی انہیں گزند پہنچانے کی جسارت کرے گا، البتہ انگریزی حکومت اور اس کے متوسلین مولانا کے جانی دشمن تھے، اس لئے کہ جانتے تھے، جب تک مولانا زندہ ہیں، ان کا دل و دماغ اور ان کے قوائے عمل انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھیں گے، لیکن انگریزوں کا ہاتھ مولانا تک پہنچنے کی نظر بظاہر کوئی صورت نہ تھی، الّا یہ کہ وہ اپنے کسی کارندے کو چمرکنڈ بھیج دیتے اور وہ جماعت مجاہدین میں شامل ہو کر موقع کا انتظار کرتا۔ سنا جاتا ہے کہ جس وقت مولانا اطراف کوہاٹ میں انگریزوں کے خلاف تنظیمات فرما رہے تھے تو انگریزوں نے ان کی جائے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اقامت کا حال معلوم کر کے ہوائی جہاز سے گولہ باری کرائی تھی، لیکن مولانا بہ فضل خدا محفوظ رہے۔

وصیت نامۂ مجمل

احساسِ شہادت کے پیشِ نظر مولانا نے ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۵۲ھ (۱۱ راپریل ۱۹۳۴ء) کو دو وصیت نامے لکھے، ایک مجمل و مختصر، دوسرا مفصل۔ مختصر وصیت نامہ عام تھا، مفصل کی پیشانی پر مرقوم تھا: "متعلق ابراہیم وغیرہ" وصیت نامہ مجمل کا متن ذیل میں درج ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد سلام مسنون کے اور وداع آخری کے سب بھائیوں مجاہدین ہندی چمرکنڈ کو معلوم رہے کہ بہ قضائے الٰہی میں اتفاقیہ مارا جاؤں یا اپنی موت جلدی مرجاؤں تو حضرت امیر صاحب کے اس سے نیا حکم یا صدر(۱) آنے تک میرے بعد جماعت چمرکنڈ کے امام و صدر جناب میاں معاذ صاحب رہیں گے اور سالاریٔ جمعیت یعنی جنگ و مدافعت کے سررشتہ دار اور مشیر خاص میاں معاذ صاحب کے بھائی ایوب صاحب ہوں گے۔

خزانچی بھی بدستور میاں معاذ صاحب ہی رہیں یا بھائی ایوب صاحب، جیسا کہ ان کا اتفاق ہو، بھائی عنایت اللہ بدستور جمعدار رہیں اور ان دونوں کے حکم کو میرے حکم کے برابر جانیں۔

عزیزی ارجمند ابراہیم، غلام علی، نیز عبد القدوس خاں ان تینوں کے ہر بات میں خصوصی معاون و یاور ہو کر جماعت کو سنبھالیں، باقی سب بھائی عزیزان عبد اللہ وماہ و سمندر روا کبر و میر غلام و فیروز بھی ہوشیار اور ان سرداروں کے پورے تابعدار رہ کر خدا اور رسولؐ کو راضی کریں، میرا قاتل میری طرف سے

(۱) اشتباہ سے بچنے کے لئے جماعت چمرکنڈ کے امیر کو "صدر" کہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

معاف ہے، اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں، البتہ جماعت سے خارج کر دیں۔

مرقومہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ۔

فقیر محمد بشیر بقلم خود از چمر کنڈ

مفصل وصیت نامہ

اسی تاریخ کو مولانا نے ایک اور وصیت نامہ لکھا، جس میں مختلف امور کے متعلق مفصل ہدایات درج تھیں، اس کی نقل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم:

بعد سلام مسنون سب بھائیوں خاص کر حضرت امیر صاحب اسمس اور چمر کنڈ کے صدر و سالار صاحبان کو بخوبی روشن رہے کہ اس عرصہ بست سالہ قیام جمیعت میں میں نے اپنے لئے کابل یا چمر کنڈ یا کسی اور جگہ ذاتی روپیہ پیسہ ورثے میں نہیں چھوڑا، نہ ایک حبہ یا ایک تار دھاگا تک پیچھے اپنے کسی عزیز و رشتہ دار کو روانہ کیا اور خود بھی اپنا گزارہ اس معیار پر رکھا، جس سے کم میں میں کر نہ سکتا تھا، اس لئے آج فارغ البال خدائے متعال کی رحمت پر توکل کر کے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اگر ہو سکے اور جب بھی یاد آ جاؤں تو دعاء سے فراموش نہ کریں۔

جب عزیزی مولوی صبغت اللہ (۱) صاحبزادہ چمر کنڈ رخصت ہو کر اسمس گئے تو دو تفنگچے میں نے ان کو ہدیہ کئے، وہ میرے ذاتی ہی تھے، اور تیسرا تفنگچہ جہازی جو ابراہیم کے پاس ہے، وہ بھی میرا ذاتی ہے۔ یہ تیسرا تفنگچہ عزیزی ارجمند مثل فرزند ابراہیم ہی کا ملک جانئے، یا جمیعت اسے اس کی قیمت دے دے۔ در اصل زمانہ انقلاب گزشتہ افغانستان (۲) کے وقت سے جمیعت

(۱) صبغت اللہ بن امیر نعمت اللہ شہید

(۲) بچہ سقا کے دور کا انقلاب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چمر کنڈ میں لگائے ہوئے تین سو روپے کابلی کے عوض میں نے یہ تفنگچہ لیا تھا۔

حضرت امیر صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ میرا خیال عزیزی ابراہیم کی شادی کسی موزوں جگہ کرانے کا تھا اور میں ارجمندی سے وعدہ کر چکا تھا، مگر موقع نہ پا سکا، پس اگر آپ میرے اس خیال و وعدہ کو عزیزی کے متعلق جو کہ فدا کاری و صداقت کا پتلا ہے، سر رشتہ کریں گے اور اسے اسی میں یا چمر کنڈ میں خوش رکھیں گے اور کام لیں گے تو میرے بعد مجھ پر احسان کریں گے۔

چھوٹا ہشت تنکہ جرمنی تفنگچہ جو خود میرے گلے میں ہوتا تھا، نیز ایک مشہدی صاف ریشمی جو مجھے تحفۃً ملا تھا، نیز تین ریشمی دو پٹے سرکاری اور آپ کے حضور میں پیش ہونے کے ہیں دونوں گرم چیکن مسرے سیاہ دفا کی بھی آپ جسے دیں، باقی کپڑے ابراہیم کے علم میں ہیں، میرے پٹکوں میں سے ایک شاہ جی نعمت اللہ صاحب کو دیدیا جائے، سفید چیکن کام کے نہیں رہے، تاہم چھوٹا میاں صاحب معاذ اور بڑا بھائی ایوب یا حاجی صاحب عبدالعلیم لے لیں یا جسے یہ دیں، سونا تفنگچہ بھی مع موٹے کارتوسوں کے جو غالباً میرے ٹرنک میں ہیں، سرکاری ہے، مندرجۂ فوق ہشت تنک جرمنی تفنگچے کے کچھ کارتوس بھی میرے ٹرنک میں ہیں اگر چہ وہ بھی میرے ایک دوست نے تحفۃً دیے تھے، سرکاری ہی سمجھے جائیں، البتہ میری خواہش ہے کہ ان کارتوسوں کے حساب میں سے چمر کنڈ کے وفادار متعلق بھائیوں کو فی نفر ایک ایک روپیہ گھی کے لئے دے دیا جائے، خدائے پاک آپ کو جزائے خیر دے گا۔

میرے ٹرنک میں جو کاغذات ہیں ان میں بعض جماعت کیلئے بہت قیمتی سندات و تصدیقات خدمت اسلام پر حاوی ہیں، کسی نا قابل اعتماد اور بے پروا ہاتھ میں نہ جانی چاہئیں، امنائے خاص جمعیت دیکھیں اور محفوظ رکھیں۔

بفضلِ خداوندی چمر کنڈ کا کتب خانہ بھی خوب ہی کتب دینی و تاریخی پر حاوی ہے، اگر محفوظ رہے گا اور کبھی کبھی دھوپ لگوا کر اسے کیڑوں سے بچاتے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہیں گے تو جب کبھی کوئی عالم جید جمعیت میں آ جائے تو اسے بہت کام دے گا،
اس لئے اس کی نگہداشت و حفاظت میں پوری کوشش کی جائے۔

حدودِ افغانستان میں روغن زرد اور نمہ و تفنگ کی آزادی کا فرمان مجریۂ
حکومت حاضرہ بھی ملفوف وصیت نامہ ہے، انشاء اللہ جدید صدر کی مہر اور دستخط سے
بھی حکومت اس لطف و مہربانی کو جاری رکھے گی جو خود میری مُہر سے وہ رکھتی تھی۔

عام ارکانِ جماعت سے استدعاء ہے، اُس میں ہوں یا چمرکنڈ میں یا
کسی اور جگہ، اگرچہ میں نے اپنی طرف سے طاقتِ بشری کے مطابق اس معیار
پر رفتار کی کوشش کی ہے کہ چھوٹوں کو فرزندوں کی جگہ اور ہمسروں کو بھائیوں کی
مانند سمجھا، تاہم میں ایک گناہگار انسان تھا اور وانتظام جمعیت کی ذمہ داریوں کا
تیراہ و وزیرستان تک مسئول رہا، کسی کو مجھ سے کسی قسم کی کوئی رنجش اور خفگی ہو تو
معاف فرمادیں، دوسروں کی ہر قسم کی زیادتیاں جو کسی نے دیدہ و دانستہ یا سہواً
میرے حق میں کیں، حسبۃً للہ معاف کر چکا ہوں، سب رخصتی و وداعی سلام قبول
کریں۔ مرقومہ ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۵۲ھ۔

فقیر محمد بشیر بقلم خود از چمرکنڈ

شہادت

مولانا غالباً اوّل ستمبر ۱۹۳۴ء میں مولوی برکت اللہ ابن امیر نعمت اللہ اور جماعت
کے چھ سات آدمیوں کے ہمراہ کابل گئے تھے، وہاں سے اواخر اکتوبر میں واپس آئے،
رمضان المبارک کی پہلی رات کو اپنے کمرے میں شہید کر دیے گئے، جماعت کے ذمہ دار
افراد نے بتایا کہ مولانا کی شہادت ایک پنجابی طالب علم عبدالحلیم نام کے ہاتھ سے ہوئی جو
پہرے پر متعین تھا۔ اس سازش میں غالباً اور لوگ بھی شامل تھے۔ مولانا اپنے کمرے میں
تنہا سوتے تھے اور عادت یہ تھی کہ کواڑ بند کر کے سو جاتے تھے، اندر سے زنجیر لگاتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سحری کے لئے ایک آدمی انہیں جگانے گیا اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مولانا دروازے کے سامنے ہی زمین پر چت لیٹے ہوئے ہیں، اس نے دوسرے مجاہدین کو بلایا، کمرے میں اندھیرا تھا لالٹین کی روشنی میں دیکھا گیا تو مولانا چارپائی کی پائنتی کی طرف زمین پر چت پڑے تھے اور قاتل یا قاتلوں نے انہیں بکرے کی طرح ذبح کر ڈالا تھا۔

جماعت کے دستور کے مطابق ہمیشہ رات کو تین پہرے ہوتے تھے، پہلا نماز عشاء سے ساڑھے دس بجے تک، دوسرا ساڑھے دس سے دو بجے تک، تیسرا صبح تک۔ عبدالحلیم کا پہرا دوسرا تھا، اندازہ یہ ہے کہ اسی وقت میں اس کے ساتھی آئے، سب نے مل کر بحالت خواب دبالیا، پھر چارپائی سے نیچے اتار کر گلے پر چھری پھیردی، جسم پر زخم کا اور کوئی نشان نہ تھا، البتہ ازار بند تک کپڑے خون آلود تھے۔ مولانا کے پاس ایک کتا بھی تھا، جو رات کے وقت کسی کو مجاہدین کی بستی کے پاس نہ آنے دیتا تھا، یہ کتا چھت پر بندھا ہوا تھا، گویا عبدالحلیم نے اپنے ساتھیوں کو بلانے سے پیشتر اسے بھی قابو کر لیا تھا۔

قاتل کی سرگزشت

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، قاتل کا نام عبدالحلیم تھا۔ وہ اس زمانے میں آیا تھا، جب مولانا کامل گئے ہوئے تھے، بالکل نوجوان تھا، داڑھی ابھی نکل ہی رہی تھی، اس نے بتایا کہ میں ضلع گورداسپور سے آیا ہوں اور مسجد میں ٹھہر گیا۔ مولانا اور مولوی برکت اللہ واپس آئے تو اس وقت بھی مسجد ہی میں رہتا تھا، مولوی برکت اللہ اسمست چلے گئے تو مولانا کو اس کا خیال آیا، اسے کھانا بھی باقاعدہ پہنچاتے اور چائے بھی اپنے ساتھ پلاتے۔ حالات دریافت کئے تو اس نے بتایا کہ ماں باپ مر چکے ہیں، کچھ انگریزی پڑھ لی تھی، اب تلاش معاش کے سلسلے میں افغانستان جانا چاہتا ہوں۔ پروانۂ راہ داری نہ مل سکا، لہٰذا چمرکنڈ چلا آیا، مولانا نے اسے جماعت میں رہنے پر آمادہ کر لیا، قرآن مجید پ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہاتھ رکھوا کر عہد لیا کہ نہ احکامِ جماعت کی خلاف ورزی کرے گا، نہ بدعہدی اور غداری کا مرتکب ہوگا۔ مجاہدین کے دل میں اس کے متعلق شبہات تھے، لیکن مولانا نے فرمایا کہ اس نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر میری تسلی کر دی ہے، اب شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اس کی تعلیم کے لئے پشاور سے کتابیں منگوائیں۔

بعض غور طلب امور

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا کی شہادت عبدالحلیم کی سازش اور تعاون سے ہوئی، لیکن اس سلسلے میں بعض امور ایسے تھے، جن کا کوئی اطمینان بخش حل نہ مل سکا۔ مثلاً:

۱- جماعت کا دستور یہ تھا کہ نمازِ عشاء سے پیشتر کسی کو رات کے پہرے داروں کا علم نہ ہوتا تھا، نماز کے بعد جمعدار مختلف آدمیوں کو اطلاع دے دیتا کہ تمہیں فلاں وقت سے فلاں وقت تک پہرہ دینا ہوگا، اس وقت نہ اندر کا کوئی آدمی باہر جا سکتا تھا، نہ باہر کا اندر آ سکتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ عشاء کے بعد پہرے داری کا علم ہونے پر عبدالحلیم نے اپنے ساتھیوں کو کس ذریعے سے اطلاع دی؟

۲- وہ خود نحیف البدن اور کمزور آدمی تھا اور تنہا ایسے اقدام کی جرأت نہ کر سکتا تھا، نیز مولانا کو جس حالت میں شہید پایا گیا، اس سے صاف واضح تھا کہ یہ ایک سے زیادہ آدمیوں کا کام تھا، وہ آدمی کون تھے اور کہاں سے آئے؟

۳- مولانا کا کتا صرف عبدالحلیم سے مانوس تھا، اس لئے کہ وہ مولانا کے ساتھ رہتا تھا، کتے کو چھت پر باندھنے کا کام اسی کے ہاتھوں انجام پایا۔ اگر وہ سازش میں شریک نہ تھا تو قاتلوں کے لئے یہ آسانیاں کیوں بہم پہنچائیں؟

۴- چمرکنڈ کا گاؤں مجاہدین کے مرکز سے تین یا چار فرلانگ پر تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر عبدالحلیم کے ساتھی چمرکنڈ میں مقیم تھے تو اس نے اپنے پہرے کے وقت میں کس ذریعے سے انہیں اطلاع دی؟ نصف میل جانا اور نصف میل آنا وقت طلب تھا، اگر وہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہرہ چھوڑ کر خود جاتا تو دوسروں کو فوراً علم ہو جاتا، لہٰذا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ خود مرکز کے اندر یا اس کے بہت قریب اس کا کوئی شریکِ کار پہلے سے موجود تھا۔

۵- اگر اس کے ساتھی چمرکنڈ میں منتظر بیٹھے تھے تو عجیب بات یہ ہے کہ اہل چمرکنڈ کو اگلے دن ظہر کے وقت تک مولانا کی شہادت کے متعلق کوئی علم نہ ہو سکا۔

مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی اگرچہ جماعت مجاہدین سے الگ تھے تاہم ان کا مکان مجاہدین کی آبادی میں داخل تھا، اور اس کا دروازہ باہر کی گلی میں کھلتا تھا۔ یعنی اس مکان کے ساکن آمد و رفت میں مجاہدین سے بے تعلق تھے، نیز اس کا ایک راستہ مولانا کے مکان کی چھت پر سے جاتا تھا، لہٰذا واقعاتی شہادت کی بنا پر شبہ کیا گیا کہ مولوی فضل الٰہی بھی اس سازش میں شریک ہیں، گویا عبدالحلیم نے ان کے کسی مقرر کیے ہوئے آدمی کے ذریعے سے ساتھی قاتلوں کو اطلاع دے کر بلایا اور اس مقدس بزرگ کو شہید کر کے وہ چپ چاپ رفو چکر ہو گئے۔ جس نے بیس سال کی زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں گزارا، مولوی فضل الٰہی اور مولانا محمد بشیر کے درمیان جو شدید اختلافات چلے آتے تھے، وہ اس شبہے کے لیے تقویت کا باعث بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولوی فضل الٰہی حادثۂ شہادت سے تین روز پیشتر گل صاحب چارمنگی کے پاس چلے گئے تھے، گویا ان کی براہِ راست شرکت کا بہ ظاہر کوئی امکان نہ تھا۔

بادشاہ گل اور دوسرے اصحاب کی آمد

جماعت مجاہدین نے شہادت کے واقعے کو چھپائے رکھا، البتہ بادشاہ گل، گل صاحب چارمنگی وغیرہ کو فوراً اطلاعات بھیج دیں کہ مولانا شہید ہو چکے ہیں آپ جلد از جلد آ کر نمازِ جنازہ میں شریک ہوں۔ ظہر کے وقت اہل چمرکنڈ کو اطلاع ملی تو انہوں نے مجاہدین کی بستی پر چڑھائی کر دی، اس اثناء میں بادشاہ گل صاحب آ گئے اور شورش دب گئی۔ یکم رمضان المبارک کو عصر کے وقت مولانا اپنے خون آلود کپڑوں میں دفن ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳ رر مضان المبارک کو گل صاحب چارننگی بھی آ گئے، بادشاہ گل نے دو سو چالیس روپے میں دو بیل خریدے، خچروں پر گیہوں منگوائے، آس پاس کے ملکوں اور خوانین کو دعوت دے کر بلایا، سب کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ ۴ رر مضان المبارک کو نماز صبح کے بعد مسجد میں اجتماع ہوا، بادشاہ گل نے زبردست تقریر کی، جس میں جماعت مجاہدین کے علاوہ مولانا بشیر کے اوصاف ومحامد بیان کیے اور ان کی عظیم الشان اسلامی خدمات پر روشنی ڈالی۔ آخر میں کہا کہ یہ قتل انگریزی حکومت کی سازش اور ایماء سے ہوا ہے۔ اہل چمرکنڈ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارے علاقے میں ایسے واقعے کا پیش آنا تمہارے لئے باعث ننگ وعار ہے۔

چونکہ مولوی فضل الٰہی پر بھی شبہ تھا، اس لئے اجتماع میں فیصلہ ہوا کہ وہ اپنا مال اسباب لے کر مجاہدین کی بستی سے نکل جائیں، چمرکنڈ نہ رہیں۔ یاغستان میں اور جہاں چاہیں قیام رکھیں۔

شہادت کی ذمہ داری

اب رہا یہ امر کہ مولانا کو شہید کرنے کا حقیقی ذمہ دار کون تھا، تو اس بارے میں یقینی و قطعی طور پر کچھ عرض کرنا مشکل ہے، البتہ چند امور بالکل واضح ہیں:

۱- جس گروہ نے مولانا کو شہید کیا، اس میں عبدالحلیم یقیناً شریک تھا، اور اس کے مرگرم تعاون کے بغیر یہ کام انجام نہ پا سکتا تھا۔

۲- عبدالحلیم کو اپنے پہرے کا علم رات کے نو بجے ہوا ہوگا، اس کے بعد خود اس کے لئے باہر جا کر اپنے ساتھیوں کو اطلاع دینے کا کوئی امکان نہ تھا، لہٰذا ضروری ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ اس کے شرکاء مرکز سے بہت قریب کسی محفوظ مقام پر چھپے بیٹھے ہوں گے، یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ ممکن ہے انہوں نے مناسب موقع کے انتظار میں اس طرح کئی راتیں گزاری ہوں اور باہم اشارے مقرر کر لئے گئے ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۳- یہ اہتمام تنہا عبدالحلیم نہ کر سکتا تھا، اس کے پس پشت کوئی بڑی طاقت ہونی چاہیے جس کے وسائل بہت وسیع ہوں۔

۴- اگر یہ درست ہے کہ عبدالحلیم ہندوستان سے تلاشِ معاش کے سلسلے میں افغانستان میں جارہا تھا تو وہ چمرکنڈ کیوں پہنچا؟ خیال ہو سکتا ہے کہ جو راستہ اس نے اختیار کیا تھا، چمرکنڈ بھی اس میں ایک منزل تھا، لیکن وہ وہاں دیر تک کیوں ٹھہرا رہا؟ اس کے پہنچنے سے کئی روز بعد مولانا کابل سے آئے، پھر وہ آٹھ دس دن تک مولوی برکت اللہ مدارالمہام جماعت مجاہدین کی مہمانی میں لگے رہے، عبدالحلیم نے یہ پوری مدت چمرکنڈ کی مسجد میں گزاری اور کہیں نہ گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی گہری سازش کے ماتحت وہاں پہنچا تھا، اور خود مولانا کے خلوص واعتماد نے اسے کام جوئی کی مہلت دیدی۔

۵- شہادت کے بعد عبدالحلیم کا کوئی سراغ نہ مل سکا، قرینہ یہ ہے کہ وہ ہندوستان چلا آیا، یہاں اسے دار وگیر کا کوئی خطرہ نہ ہو سکتا تھا، اس لئے کہ اس کا فعل بہ اعتبارِ نتیجہ انگریزی حکومت کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ غیر اغلب نہیں کہ یہ سب کچھ اسی حکومت کے اہتمام وانتظام سے انجام پایا ہو۔

مولانا نے جس دن راہِ ہجرت میں قدم رکھا تھا وہ اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کر چکے تھے، لیکن کتنے رنج وقلق کا مقام ہے کہ جو بلند پایہ شخصیت دشمنانِ اسلامیت وآزادی کے خلاف جہاد کرتی ہوئی مرنے کی آرزومند تھی، وہ اپنوں کے ہاتھوں رمضان المبارک کی پہلی رات میں بہ حالتِ بے کسی ذبح ہوئی، یقین ہے کہ مولانا کے جذبۂ فداکاری کی زبان پر آخری وقت میں بھی یہ ترانہ ہوگا۔

جانے کہ داشت کرد فدائے تو آذری
شرمندہ از تو گشت کہ جانِ دگر نہ داشت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بارہواں باب:

مولانا محمد بشیر کی شخصیت

قتل کی ذمہ داری

مولانا محمد بشیر کی شہادت کے متعلق جتنی تفصیلات دستیاب ہو سکیں پیش کر دی گئیں، صرف ایک بات رہ گئی اور وہ یہ کہ مولانا کی شہادت سے تقریباً ایک سال قبل محمد نام ایک شخص نے بھی انہیں شہید کرنا چاہا تھا اور وہ فائر کرتے ہوئے گرفتار ہوا، حسن اتفاق سے مولانا کو کوئی گزند نہ پہنچا اور محمد کو اسی وقت جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ غالباً اس حادثے کے ساتھ ہی مولانا نے وصیت نامے مرتب کر دیے تھے، اس لئے کہ انہیں خیال ہو گیا تھا، خدا جانے کب ایسا موقعہ دوبارہ پیش آ جائے۔

بائیس سال کے بعد آج یہ عرض کر دینا غالباً افشائے راز نہ سمجھا جائے کہ جو تفصیلات پہلے پیش کی جا چکی ہیں، یہ والا حضرت سردار شاہ محمود خان غازی نے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے سے مہیا کی تھیں، اس زمانے میں وہ افغانستان کے وزیر حربیہ تھے، لہٰذا ان کے مستند ہونے میں کلام کی گنجائش نہ ہونی چاہیے۔ سردار موصوف کو بھی مولانا سے خاص تعلق تھا، ظاہر ہے کہ اس پوری سازش کی روحِ رواں عبدالحلیم تھا، لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہے، وہ تنہا یہ کام انجام نہ دے سکتا تھا، اور جن حالات میں اس نے سازش کو لباسِ عمل پہنایا، ان میں باہر سے کوئی امداد حاصل نہ کر سکتا تھا۔ جب تک مجاہدین کی بستی کے اندر کوئی شخص اس کا پورا ہم نوا نہ ہوتا، غالباً اسی وجہ سے مولوی فضل الٰہی مرحوم کے متعلق بعض قلوب میں شبہات پیدا ہوئے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ مولوی فضل الٰہی اور مولانا محمد بشیر کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باہمی تعلقات حد درجہ خراب تھے، تاہم اس زمانے میں بھی اور بعد کے دور میں بھی اکثر صائب الرائے افراد کا خیال یہی تھا کہ یہ سب کچھ انگریزوں کے ایماء اور ساز باز سے ہوا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے انہوں نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں؟ اس سوال کا کوئی مفصل اور مستند جواب اب تک نہ مل سکا۔ اتنا اور عرض کر دینا چاہئے کہ مولانا کی شہادت ساڑھے دس اور ڈیڑھ دو بجے کے درمیانی وقت میں ہوئی، غالباً رات کے بارہ ساڑھے بارہ بجے اور قاتل جاتے وقت مولانا کے کمرے سے چار بندوقیں، ایک ریوالور اور ایک کابلی ڈھسا بھی لے گئے۔ ان میں سے کسی کے متعلق بعد میں کچھ معلوم نہ ہو سکا اور نہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ عبدالحلیم زندہ ہے یا فوت ہو گیا اور اگر زندہ ہے تو کہاں ہے؟

مولانا کی شخصیت

اس طرح وہ عظیم الشان شخصیت اس دنیا سے رخصت ہوئی، جس نے بیس سال تک جماعت مجاہدین کی رگوں میں زندگی کا نیا خون دوڑائے رکھا اور جس کا وجود مسلسل و متواتر انگریزی حکومت کے لئے انتہائی سراسیمگی و اضطراب کا باعث بنا رہا۔ مولانا ۱۹۱۵ء میں یاغستان پہنچے تھے اور جاتے ہی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے یاغستان کے مختلف حصوں میں جہاد کے مرکز قائم کئے، تمام قبیلوں میں وعظ و تذکیر سے اسلامی حمیت و غیرت کی آگ بھڑکائی اور انہیں انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا۔ ان کے باہمی تفرقے مٹائے تاکہ وہ متحد ہو کر موثر و نتیجہ خیز کام کر سکیں، انہیں جس خطے یا جس شخصیت سے تھوڑی یا بہت امداد کی امید ہو سکتی تھی، اس کے پاس بے تکلف پہنچے اور اپنے ساتھ ملانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔ یاغستان یا افغانستان میں جو اثر و رسوخ اور جو احترام و ہردل عزیزی انہیں مدت العمر حاصل رہی، وہ شاید ہی کسی دوسرے ہندوستانی مجاہد کو حاصل ہوئی ہو۔ پھر انہوں نے خدا کی راہ میں ایثار و بے نفسی کے جو نمونے پیش کیے، ان کی مثالیں بھی دورِ حاضر میں بہ مشکل ملیں گی، ان کے پاس ہر عہد

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میں ہندوستان اور افغانستان سے گراں قدر رقمیں پہنچتی رہیں، ان کے بال بچوں کی مالی حالت کچھ مدت بعد بہت سقیم ہوگئی تھی، تاہم ایک حبہ بھی کسی کو نہ بھیجا اور ہر شے جماعت مجاہدین کے کاموں کے لئے وقف رکھی۔

مولوی محمد علی قصوری نے فرمایا ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں انہیں مستقل طور پر ایک ہزار روپیہ ماہانہ ملتا تھا، وہ اس رقم میں سے صرف پانچ روپے اپنے گزارے کے لئے رکھ لیتے تھے، باقی رقم جماعت کے حوالے کر دیتے تھے، بعد کے ادوار میں بھی غالباً یہ رقم بدستور جاری رہی، پھر ان کے مخلص نیاز مند نذور و تحائف کی شکل میں برابر کچھ نہ کچھ دیتے رہتے تھے، لیکن مولانا نے اپنی ذات کی طرح ہر شے کو اللہ کی راہ میں وقف کر چکے تھے، اور کسی ذاتی تحفے سے بھی کبھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا، الا یہ کہ بعض دوستوں اور نیاز مندوں کے دیے ہوئے اسلحہ میں سے کوئی چیز ضرورتاً اپنے پاس رکھ لی یا کوئی کپڑا استعمال کر لیا۔ ان کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا، معمولی شلوار، معمولی کرتا اور ایک لمبا سیاہ چوغہ، سر پر عموماً سفید پگڑی رکھتے تھے کبھی کبھی سادہ سی لنگی بھی باندھ لیتے تھے، ایک تمنچہ ہر وقت گلے میں حمائل رہتا تھا۔

محمد علی قصوری کا بیان

مولوی محمد علی قصوری کو کابل اور یاغستان میں مولانا کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تھا، وہ بار بار ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مولانا محمد بشیر:

> حیرت انگیز انسان تھے، ان کی انتظامی قابلیت اور سیاسی سوجھ بوجھ بے مثال تھی، انہوں نے کابل پہنچتے ہی امیر صاحب (حبیب اللہ خاں) کے مزاج میں اتنا عمل دخل پیدا کر لیا کہ امیر صاحب نے ان کو یاغستان کی تنظیم کیلئے مامور فرمایا اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ تنظیمی اخراجات کیلئے ان کے حوالے کیا۔ (۱)

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۲۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ملا بشیر صاحب بھی ایک بے نظیر انسان تھے، مجسم عمل، خلوص کا پتلا، انگریز کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں بڑے مشاق، مقرر ایسے اعلیٰ درجے کے کہ بڑے بڑے مجمعے ان کی آتش بیانی سے مسحور ہو جاتے تھے۔(۱)

پھر ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

جماعت کے با اثر حضرات میں سے امیر نعمت اللہ کے بعد ملا بشیر تھے۔ ملا بشیر واقعی حیرت انگیز شخص تھے، سلف صالح کے سچے جانشین، انتھک کارکن مجسم عمل، ایثار کا پیکر، بے غرض، صحیح معنوں میں انقلابی لیڈر تھے۔ انہیں دیکھ کر اقبال کا مشہور شعر یاد آتا تھا۔

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

امیر حبیب اللہ خاں صاحب نے ان کے کام سے خوش ہو کر بارہ ہزار روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، وہ اس میں سے قوت لایموت رکھ لیتے، ان کا اثر تمام یاغستان میں بے نظیر تھا، ہر قبیلے کے ملک اور شیوخ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ انہیں کی وجہ سے تمام علاقوں میں امیر نعمت اللہ کا خاصا وقار قائم ہو گیا تھا۔(۲)

ایک قابل غور نکتہ

ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ امیر مجاہدین کے جن حالات سے بعض دوسرے مخلص اصحاب پر برا اثر پڑا اور وہ نہ صرف واپس چلے آئے بلکہ مجاہدین کا کام بھی چھوڑ دیا، وہ حالات مولانا محمد بشیر کے بھی سامنے آئے اور یقیناً انہیں انتہائی رنج پہنچا ہوگا تاہم انہوں نے اپنا کام نہ چھوڑا۔ وہ جس نصب العین کے لئے اہل و عیال اور گھر بار کو ترک کرنے پر

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص: ۶۱-۶۲ (۲) مشاہدات کابل و یاغستان ص: ۱۱۱-۱۱۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آمادہ ہوئے تھے، بدستور ان کے سامنے رہا۔ دوسرے لوگوں نے یہ سمجھا کہ خود ان کی طرح جماعت کے ہر فرد کو بے نفس، بے غرض اور پیکر ایثار ہونا چاہئے۔ یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ کام چھوڑ کر لوٹ آئے، مولانا کی خواہش بھی یقیناً یہی تھی، لیکن انہوں نے کام نہ چھوڑا اور سمجھ لیا کہ مشکلات زیادہ ہیں تو ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے زیادہ محنت و مشقت اور زیادہ جفاکشی و جاں فشانی کی ضرورت ہے۔ اس سے مولانا کے عشقِ مقاصد کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

قوموں اور ملکوں کی تقدیریں بدلنا اور انہیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لگانا آسان کام نہیں، اس کے لئے غیر معمولی صبر واستقامت کی ضرورت ہے۔ مقصد و نصب العین کے سچے شیدائی مشکلات وموانع سے گھبرایا نہیں کرتے بلکہ اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کردیتے ہیں اور اپنی ہمتوں کو استوار بنا لیتے ہیں۔ عرفی نے اپنے مشہور شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

مولانا کی پوری مجاہدانہ زندگی اس استقامت کی ایک عجیب وغریب مثال ہے۔ مرکز مجاہدین کی بعض خرابیوں یا کمزوریوں کی بنا پر وہ نہ اصل کام سے دست بردار ہوئے اور نہ ہمت ہاری۔ افغانستان میں امیر حبیب اللہ خاں کے تذبذب اور بے ہمتی نے ان کے ایک عظیم الشان منصوبے کو ناکام بنا دیا تھا، تاہم وہ پریشان نہ ہوئے اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک پیش نظر مقصد کے لئے تدبیریں سوچتے اور اسباب فراہم کرتے رہے۔ نظیری کیا خوب کہہ گیا ہے:

کارِ ما با گردشِ طاس است و نقشِ کعبتین
با حسابِ انجم و کج بازیِ گردوں چہ کار

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کابل میں ایک دعوت

میں کتاب مکمل کر چکا تھا کہ اتفاقیہ حاجی میر شمس الدین مرحوم معتمد انجمن حمایت الاسلام کی کتاب ''سیاحت افغانستان'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں چائے کی ایک دعوت کا ذکر ہے جو راجا مہندر پرتاپ کی طرف سے مہاجرینِ ہند کو ہوٹل مرکزی اندرابی (کابل) میں بتاریخ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۶ء بوقت تین بجے بعد دوپہر دی گئی تھی۔ اس دعوت میں حاجی میر شمس الدین اور دوسرے ہندوستانیوں کے علاوہ جماعت مجاہدین کی طرف سے بھی بعض اصحاب شریک تھے، جو وفد کی صورت میں کابل آئے تھے۔ مثلاً مولانا محمد بشیر، سید فضل اللہ شاہ، مولوی محمد اسمٰعیل۔

راجا صاحب کی تقریر

اس موقع پر راجا صاحب نے ایک لمبی تقریر کی، اس میں دوسرے امور کے علاوہ جماعت مجاہدین کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

> آپ میں سے اکثر احباب کو غالباً اس صد سالہ تحریک مجاہدین ہندیہ کا پہلے سے علم ہوگا کہ کس طرح اس تحریک کے بانیوں نے جب ہندوستان میں اپنی قومی سلطنت و حکومت کے قصر کو اغیار کے ہاتھوں تباہ ہوتے پایا تو اس کی حفاظت و بحالی کے لئے املاک و اوطان، خویش و اقارب اور ہر قسم کی راحت و آرام کو لات مار کر بیابانوں اور سرحدِ ہند کے تنگ و تاریک پہاڑوں میں آ کر جگہ پکڑی اور دشمن کی ہر تباہ کن کوشش کے باوجود ہندوستان کی آزادی کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حصول کیلئے کسی قربانی وفدا کاری سے کبھی بھی دریغ نہ کیا۔ اگرچہ ملک وملت نے اس جماعت اور اس تحریک کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی مگر ایک زمانہ آئیگا کہ جب ہندوستان کے افق پر ان کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے ہوئے نظر آئیں گے اور مادرِ وطن کا ایک ایک فرزند اس پر بجا فخر کرتا دکھائی دے گا۔

اس کے بعد راجا صاحب نے حاجی میر شمس الدین کی تعلیمی خدمات کا ذکر فرمایا اور یہ بھی کہا کہ قومیں ایک ہی جست میں ترقی نہیں کرتیں بلکہ مقدس مقاصد کے لئے قرنوں فدا کارانہ قربانیاں کی جایا کرتی ہیں۔

مولانا محمد بشیر کے ارشادات

راجا صاحب کے بعد مولانا محمد بشیر نے اپنی طرف سے اور تمام ارکانِ وفد مجاہدین کی طرف سے راجا صاحب کا شکریہ ادا کیا اور جماعت کے نصب العین نیز بعض فدا کاریوں کا بھی ذکر فرمایا، اس ضمن میں کہا:

اگرچہ گزشتہ چھ سال کے عرصے میں بعض افراد کی کوتہ اندیشیوں کے باعث ایسی سراپا فدائیت تحریک بھی شقاق واختلاف کی بھینٹ چڑھ چلی تھی اور اس کے مشہور مراکز اسمرو(۱) چرکنڈ میں تعلقات منقطع ہو چکے تھے مگر خدائے پاک کا کمال احسان ہے کہ سالِ حال کے دوران میں یہ سب جماعت پھر ایک ہو گئی ہے اور اسمر سے لے کر وزیرستان تک کے مراکز ایک ہی سلسلے میں منسلک ہو کر ایک ہی نظام کے ماتحت خدمات مذہبی وملی بجالا رہے ہیں، اس کا یہ ادنیٰ ثمرہ ہے کہ آج آپ اپنے درمیان کل مراکز کے نمائندے اس جگہ یکجا تشریف فرما دیکھ رہے ہیں۔ پروگرام محض اس قدر ہے کہ ہندوستان کی آئندہ آزادی کے قصر کی بنیادوں کے وہ پتھر نہایت ہی مضبوطی سے نصب کر دیں جن کی بنیاد

(۱) یہ اسمست ہے غالباً سماعت کی بناء پر اسے "اسمر" لکھ دیا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پر اس کی اپنی حکومت کے قصر کے ستون اور دیواریں کھڑی ہوں۔

مولوی محمد اکبر ترجمان نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مجاہدین کے درمیان اتفاق کا سہرا مولانا محمد بشیر کے سر ہے اور یہ محض ان کی مخلصانہ مساعی کا ثمرہ ہے۔(۱)

ضروری امور

ان تقریروں سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

۱- جماعت مجاہدین کے مرکز اسمست سے وزیرستان تک پوری سرحد آزاد میں قائم تھے۔

۲- اس کے دو بڑے مرکزوں یعنی اسمست اور چمرکنڈ میں چھ سال تک اختلاف و انشقاق کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کے درمیان تعلقات بھی منقطع ہو چکے تھے۔

۳- چھ سال کے بعد ۱۹۲۶ء میں مولانا محمد بشیر کی کوششوں سے اختلاف دور ہوا اور دونوں مرکز ایک نظام کے تحت کام کرنے لگے۔

۴- جماعت مجاہدین کے مقاصد میں آزادیٔ ہند کو نمایاں ترین درجہ حاصل تھا اور یہ مقصد آخری دور ہی میں نہیں بلکہ سید شہیدؒ کے وقت سے جماعت کے سامنے رہا۔

(۱) سیاحت افغانستان، ص:۴۶-۴۹

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تیرھواں باب:

مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی

ابتدائی کام

جماعتِ مجاہدین کے ایک بہت بڑے کارکن مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی تھے، جن کا ذکر مولانا محمد بشیر کی شہادت کے سلسلے میں ایک سے زیادہ مرتبہ آ چکا ہے۔ وہ کسی امیر گھرانے کے فرد نہ تھے، ان کے والد ماجد مولوی میراں بخش ریلوے کے محکمے میں ملازم ہوئے اور غالباً پلیٹیئر کے درجے پر پہنچ کر سبک دوش ہو گئے۔ تقریباً اڑھائی ہزار روپیہ انہیں بونس کے طور پر ملا۔

مولوی فضل الٰہی نے بھی اسی محکمے میں ملازمت اختیار کر لی تھی، لیکن ان کے دل میں ابتدا ہی سے دینی اور اسلامی خدمات کی تڑپ موجود تھی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس ذریعے سے جماعت مجاہدین کے ساتھ تعلق پیدا کیا۔ ۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء میں اسمست پہنچے اور امیر عبدالکریم کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔ وہاں سے حکم ہوا کہ ہندوستان جا کر جماعت کیلئے چندہ اور آدمی فراہم کرتے رہیں۔ وہ پہلے بھی بہ طور خود یہی کام کر رہے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں ملازمت ترک کر دی اور جماعتی کاموں کے لئے وقف ہو گئے، وہ چپ چاپ ملک کے طول و عرض میں پھرتے رہتے تھے، تمام ممتاز ملکی رہنماؤں سے گہرے تعلقات پیدا کر لئے، ان میں سے بہ طور خاص قابل ذکر مولانا ابوالکلام آزاد ہیں، جن کی دینی دعوت نے ''الہلال'' کے ذریعے سے عالمگیر شہرت حاصل کر لی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی فضل الٰہی نے اس دوران میں ہزاروں روپے فراہم کیے اور اپنے ساتھ مخلص کارکنوں کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کر لی، جس کے افراد، فراہم کردہ روپیہ اور آدمی اسمست پہنچاتے تھے۔ جماعت کو جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی اس کا انتظام مولوی صاحب موصوف کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا ابوالکلام کے ذریعے سے ایک فرد کو اسمست پہنچایا جو ڈاکٹری کی تعلیم پوری کر چکا تھا۔

گرفتاری اور اسیری

یہ کام سہل نہ تھا، قدم قدم پر قسم قسم کے خطرات درپیش تھے، چنانچہ ۱۹۱۵ء میں مولوی صاحب کی بھی سرگرمیاں انگریزوں کی خفیہ پولیس کے علم میں آ گئیں اور انہیں گرفتار کر کے جالندھر کے جیل خانے میں بند کر دیا گیا۔ لیکن مولوی صاحب کا نشہ ایسا نہ تھا، جسے اسیری کی ترشی اتار سکتی، انہوں نے جیل میں ولی محمد نام ایک وارڈر کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور اس کے ذریعے سے تمام رفیقوں کو سرگرمی کے ساتھ کام جاری رکھنے کی تحریری ہدایتیں دیتے رہے۔ سوئے اتفاق سے ایک تحریر پکڑی گئی، ولی محمد وارڈر پختہ کار نہ تھا، اس نے مصیبت سر پر آتے دیکھی تو تمام راز افشا کر دیے، اور مولوی صاحب کی تحریرات جن جن رفیقوں کے پاس جاتی تھیں ان سب کے نام بتا دیے، چنانچہ ان لوگوں کو بھی گرفتاری کی مصیبتوں سے سابقہ پڑا۔

مولوی صاحب کے والد ماجد ۱۹۱۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے اور ۱۹۱۸ء میں فوت ہو گئے۔ اس حادثے نے مولوی صاحب کے گھر بار کا نظم و نسق درہم برہم کر ڈالا، چنانچہ وہ مجبوراً ایک سال کے لئے تین ہزار روپے کی ضمانت دے کر اس شرط پر رہا ہوئے کہ وزیر آباد سے باہر نہ جائیں گے، شدید پابندی کی اس مدت میں بھی انہوں نے جماعت مجاہدین کا کام جاری رکھا اور اس میں کوئی فرق نہ آنے دیا، حالانکہ ان کیلئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خطرات بہت بڑھ گئے تھے۔

ہجرت

ضمانت کی معیاد ختم ہوئی تو وہ معمول کے مطابق فراہمی زر اعانت کے لئے دورے کرنے لگے، ساتھ ساتھ چھریاں، قینچیاں بھی بیچا کرتے تھے۔ جون ۱۹۴۰ء میں قاضی کوٹ سے اسلحہ برآمد ہونے کی اطلاع ملی تو مستری ابراہیم کے بیان کے مطابق مولوی صاحب نے کہا کہ اب زندگی کا خاتمہ ہے، جہاں مجھے اپنے بچاؤ کا موقع ملے گا وہاں چلا جاؤں گا، انہیں دنوں میں وہ ہجرت کر کے یاغستان چلے گئے اور اپنے بال بچوں کو بھی وہیں بلا لیا۔ معلوم نہیں، کتنی مدت اسمست میں گزاری پھر چمرکنڈ چلے گئے اور ہجرت کی بقیہ مدت وہیں بسر کی۔ چمرکنڈ کی جماعت کے رئیس مولوی عبدالکریم کا انتقال ہوا تو مولانا محمد بشیر تیراہ وزیرستان گئے ہوئے تھے۔ جماعت نے مولوی فضل الٰہی کو عارضی طور پر رئیس منتخب کر لیا، مولانا محمد بشیر اپنا کام انجام دے کر واپس آئے تو مرکز اسمست کی ہدایت کے مطابق وہ مستقل رئیس بن گئے۔ غالباً یہ امر پہلی مرتبہ مولانا محمد بشیر اور مولوی فضل الٰہی کے درمیان اختلاف کا باعث ہوا، جو آخری وقت تک قائم رہا۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دونوں میں سے کسی کو ریاست و امارت کی خواہش تھی، اس وجہ سے ان کے درمیان تکدر پیدا ہوا۔ دونوں بڑے ہی مخلص اور ایثار پیشہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے طریق کار اور لائحہ عمل میں بیّن فرق تھا، اور دونوں چاہتے تھے کہ جماعتی کاروبار اپنے ذوق، طبیعت اور صواب دید کے مطابق چلائیں۔ یہ اختلاف یقیناً حد درجہ ناخوش گوار تھا، جسے دور کرنے کے لئے بعض مخلصوں نے بارہا کوششیں کیں، لیکن یہ اس حد تک دور نہ ہو سکا، جس کی آرزو سب کو تھی، لہٰذا ایک مقام پر رہنے کے باوجود دونوں کے تعلقات میں انقطاع کا سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ مولانا محمد بشیر جماعت چمرکنڈ کے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مسلمہ رئیس تھے اور مولوی فضل الٰہی جماعت کے کام میں دخل نہ دیتے تھے، یہی اختلاف تھا جس کی بنا پر سمجھا گیا کہ مولانا محمد بشیر پر قاتلانہ حملہ کراتے یا انہیں شہید کرانے میں مولوی صاحب کا بھی ہاتھ تھا۔ مولانا محمد بشیر نے خود مجھ سے ایک مرتبہ ایسی باتیں کیں جن سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ مولوی فضل الٰہی کی طرف سے مطمئن نہیں، تاہم مجھے اب تک کوئی ایسی شہادت نہ مل سکی جس سے مولوی فضل الٰہی پر عائد کردہ الزام کو خفیف سی بھی تقویت پہنچتی۔

ہجرت سے کچھ ہی مدت بعد مولوی صاحب موصوف کی والدۂ ماجدہ اور بھائی محمد الٰہی کا انتقال ہو گیا، لیکن ان حوادث پر بھی انہوں نے ہندوستان آنا گوارا نہ کیا اور اپنے فیصلۂ ہجرت پر مستقیم رہے۔

سید صاحب کے متعلق عقیدہ

حافظ عنایت اللہ صاحب امرتسری جو جامع اہل حدیث گجرات میں خطیب ہیں، فرماتے ہیں کہ اوائل میں مولوی فضل الٰہی سید احمد شہید کو شہید نہ مانتے تھے:

> میں نے ایک مرتبہ سید صاحب کو شہید بتایا تو آپ سخت ناراض ہوئے، مجھے دھکا دے کر چارپائی سے نیچے گرا دیا اور فرمایا کہ وہ زندہ اور غائب ہیں عنقریب ظاہر ہوں گے۔ نیز آپ نے جماعت کا شائع کردہ ایک رسالہ بہ نام ''خلاصہ'' مجھے دکھایا جس میں یہ حدیث درج تھی کہ:
>
> اذا مضت الف و مئتان و اربعون سنة بعث اللّٰه المهدی فيبايع على يده خلق كثير ثم يغيبه اللّٰه فيرتدون الى دين آبائهم الا من اتبع كتاب اللّٰه و سنت نبيه۔
>
> (جب ایک ہزار دو سو چالیس سال گذر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مہدی کو اٹھائے گا، بہت سی خلقت اس کے ہاتھ پر بیعت کرے گی، پھر اللہ اسے غائب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کر دے گا اور لوگ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جائیں گے، سوائے ان کے جو اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کے پیرو ہوں) مگر یہ روایت حدیث کی کسی بھی کتاب میں نہیں، بلکہ جو ذخیرہ موضوعات کے نام سے علمائے کرام نے جمع فرمایا ہے، اس میں بھی یہ روایت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد وضع کی گئی اور اس قسم کی بے سر و پا حکایات سوانح احمدی میں بھی درج ہیں، مگر تقسیم ہند کے بعد مولوی صاحب مرکز چرکنڈ سے اپنے وطن واپس تشریف لائے تو میرے رو برو آپ نے کئی بار سید صاحب کو شہید بتایا۔

گویا آخری دور میں ان کا عقیدہ بدل گیا تھا۔ میں اس مسئلے پر "سید احمد شہید" میں مفصل بحث کر چکا ہوں، اعادے کی ضرورت نہیں۔ سید صاحب کے زندہ اور غائب ہونے کا عقیدہ ہر نقطۂ نگاہ سے ناقابل قبول ہے۔

مولوی صاحب کی مراجعت

عام روایت یہ ہے کہ مولوی صاحب اواخر جولائی ۱۹۴۸ء میں یاغستان سے وطن واپس آئے اور انہیں گرفتار کر لیا گیا، لیکن جلد رہا ہو گئے۔ مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ وہ تقسیم سے پیشتر چھپ چھپا کر ہندوستان پہنچ گئے تھے۔ کچھ مدت بنگال میں رہے، جب دہلی میں تقسیم کی بحثیں ہو رہی تھیں تو مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ بعض دوسرے اکابر سے بھی ملاقاتیں کرتے رہے۔ وہ جب تک یاغستان میں رہے، پکے کانگریسی تھے۔ "نہرو رپورٹ" کے بعد مسلمانوں میں کانگریس کے متعلق شدید بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اور اکثر اکابر کانگریس کے مقابلے میں مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو ہم رائے اور ہم آہنگ بنانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس تحریک میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی مرحوم پیش پیش تھے۔ روزنامہ "انقلاب" اسلامی تنظیم کا علم دار بنا ہوا تھا، مولوی فضل الٰہی نے رمضان ۱۳۴۸ھ (جنوری ۱۹۳۰ء) میں ایک طویل

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مکتوب، جو فل اسکیپ سائز کے چار صفحات پر مشتمل تھا "انقلاب" کی وساطت سے مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کو بھیجا تھا اور ایک مکتوب خود "انقلاب" کو لکھا تھا، ان میں انتہائی گرم جوشی سے کانگرس کے مسلک کی تائید اور ہمارے مسلک کی مخالفت کی گئی تھی۔ یہ دونوں مکتوب اب تک میرے پاس محفوظ ہیں، لیکن تقسیم ہند کے بعد وہ لاہور تشریف لائے تو کانگرس کے سخت مخالف اور لیگ کے سرگرم حامی بن چکے تھے۔

وفات

یہاں آ کر انہوں نے جہادِ کشمیر میں بھی حصہ لیا تھا، اور "جہادِ کشمیر" کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی، جماعتی حالات کے متعلق ان کے پاس بڑی بیش قیمت معلومات ہوں گی، میں نے بار ہا عرض کیا کہ تھوڑی سی فرصت نکال کر ان معلومات سے مشرف فرمائیں، لیکن انہیں وقت نہ مل سکا۔ وہ خود میرے پاس آنے کے وعدے کرتے رہے، جنہیں مسلسل سفروں کے باعث پورا نہ کر سکے۔ انہوں نے ان لوگوں کے لئے مزروعہ زمین کے دو چک بھی مخصوص کرائے تھے جنہیں جماعت مجاہدین کی خدمات کے سلسلے میں گوناگوں تکلیفیں پہنچی تھیں۔ ۵/مئی ۱۹۵۱ء کو وزیر آباد میں فوت ہوئے، وصیت کے مطابق انہیں بہ مقام بالاکوٹ اس احاطے میں دفن کیا گیا جس میں سید احمد شہید کی قبر بتائی جاتی ہے، حالانکہ سید صاحب کی قبر کا متعین نشان کوئی نہیں، موجودہ قبر کم و بیش باسٹھ سال بعد ۱۸۹۳ء میں بنائی گئی تھی۔ اگر سید صاحب اس قبر میں دفن ہوئے تو میت صرف دو تین دن وہاں رہی پھر نہنگ سکھوں نے اسے نکال کر دریائے کنہار میں بہا دیا۔

بہرحال مولوی صاحب مرحوم کی کسی رائے یا طریقِ عمل سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو، وہ بڑے مخلص مجاہد اور نہایت سرگرم کارکن تھے۔ زندگی کے بیشتر اور بہترین اوقات ان مشاغل میں بسر کیے، جن کے اختیار کی توفیق ملت میں سے بہت کم آدمیوں کو نصیب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوئی اور ان بزرگوں کی عظمت کا اندازہ کون کرسکتا ہے جو اعلیٰ دینی اور سیاسی مقاصد کے لئے جانیں ہتھیلیوں پر رکھے پھرتے رہے اور جنہوں نے راحت و آسائش کی بہاریں چھوڑ کر عمریں مصیبتوں اور پریشانیوں کے شعلہ زار میں گزار دیں، اس لئے نہیں کہ خود انہیں کوئی اونچا منصب حاصل ہو جائے، صرف اس لئے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور اس سرزمین کے سر پر آزادی کا تاج رکھا جائے۔ وہ جہاد کو ایک اہم اسلامی فرض سمجھ کر ادا کرتے رہے اور خدا کی رضا کے سوا ان کی کوئی غرض نہ تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چودھواں باب:

مولوی محمد علی قصوری

خاندان

مولوی محمد علی قصوری اس خاندان کے چشم و چراغ تھے، جس کے اکثر افراد نے دین، قوم اور ملک کی خدمت میں بہت بلند درجہ حاصل کیا۔ ان کا اصل وطن ضلع سیالکوٹ کا ایک گاؤں تھا، پھر مولوی محمد علی کے پردادا قاضی غلام حسین دلاور، ضلع گوجرانوالہ چلے آئے اور جس حد تک معلوم کر سکا ہوں ان کے فرزند ارجمند مولوی غلام احمد سب سے پہلے اہل حدیث ہوئے۔ ان کے تین فرزند تھے: مولانا عبد القادر، مولوی عبد الحق اور مولوی عبد اللہ۔ مولانا عبد القادر نے تعلیم سے فراغت کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا اور قصور کو پریکٹس کے لئے منتخب کیا۔ وہ غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے، بہت جلد وکالت میں اتنا اونچا مرتبہ حاصل کر لیا کہ پنجاب کے مشہور و ممتاز وکلا میں شمار ہونے لگے۔ دولت کی ریل پیل شروع ہوگئی، بہت بڑی جائداد پیدا کی اور قصور ہی کو مستقل وطن بنا لیا۔ اس وجہ سے وہ خود اور خاندان کے تمام افراد "قصوری" مشہور ہوئے، وہ ان برگزیدہ انسانوں میں تھے، جن کی دینداری دنیوی وسائل کی فراوانی سے کبھی متاثر نہیں ہوتی۔ اپنی بود و ماند، وضع قطع، لباس ہمیشہ سادہ رکھا اور مال و زر دینی اور ملکی کاموں میں بے دریغ صرف کرتے رہے۔ مزید حالات آگے چل کر بیان ہوں گے۔

مولوی عبد الحق نے وکالت کے لئے گوجرانوالہ کو پسند کیا، مولوی عبد اللہ ابتداءً کانگل میں ملازم رہے، بعد ازاں اسلامیہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ پھر تبلیغ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اسلام کے لیے زندگی وقف کر دی۔

مولانا عبدالقادر کے چار صاحبزادے ہوئے: بڑے مولوی محی الدین احمد، ان سے چھوٹے مولوی محمد علی جنکے حالات ہم لکھ رہے ہیں، ان سے چھوٹے مولوی احمد علی اور سب سے چھوٹے مولوی محمود علی جو آجکل ہائی کورٹ کے ممتاز بیرسٹروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ابتدائی زندگی

مولوی محمد علی اگست ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے، میٹرک تک قصور میں تعلیم پائی، گورنمنٹ کالج لاہور سے امتیازی درجے میں ڈگری حاصل کی، پھر والد ماجد نے اعلیٰ تعلیم اور بیرسٹری کیلئے ولایت بھیج دیا۔ کیمبرج سے ریاضیات کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ بیرسٹری کے لکچر بھی پورے کر لئے تھے، سند نہ حاصل کر سکے تھے کہ گھر آئے اور جنگ یورپ شروع ہوگئی اس لئے واپس نہ جا سکے۔

حافظہ غیر معمولی تھا اور اپنے عہد کے چند مخصوص طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ پہلی جنگ سے صرف ایک مہینہ پیشتر ہندوستان آئے تھے اور یقیناً انہیں بہتر سے بہتر سرکاری ملازمت مل سکتی تھی، لیکن قیامِ انگلستان ہی کے زمانے میں اپنی زندگی دینی، اسلامی اور ملکی کاموں کے لئے وقف کر چکے تھے۔ یہاں مختلف ملکی رہنماؤں سے مشوروں کے بعد طے کیا کہ افغانستان چلے جائیں، اس لئے کہ معلوم ہو چکا تھا برطانیہ اور روس مل کر ایران کی طرح افغانستان کو بھی زیر اثر لانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا عزم یہ تھا کہ حکومتِ افغانستان کو اس خوفناک خطرے سے آگاہ کریں، اس کے سد باب کے لیے جو کچھ ممکن ہو عمل میں لائیں اور اہل افغانستان کو اسلامیت و آزادی کے مقاصد کے لئے منظم کرنے میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھیں۔ چنانچہ ان کے بیان کے مطابق ایک سرسری "تحریک" کے بعد امیر حبیب اللہ خاں نے انہیں حبیبیہ کالج کا پرنسپل مقرر کر دیا،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اور وہ مارچ 1915ء میں کابل چلے گئے۔(۱) یہ اس پیکرِ خدمت کا پہلا ایثار تھا، جس کا شرف اسے حاصل ہوا۔ اس کے ثواب میں ان کے والد ماجد اور دوسرے عزیزوں کا بھی حصہ ہے، جنہوں نے ان کی تعلیم پر ہزاروں روپے خرچ کرنے کے باوجود اس ایثار کو خوش دلی سے منظور کر لیا۔

کابل میں سرگرمیاں

افغانستان کی علمی ترقیات اور قومی تنظیمات کے متعلق انہوں نے اپنے ذہن میں جو خوشگوار تصورات قائم کر رکھے تھے، وہ کابل پہنچ جانے کے بعد سراسر غلط ثابت ہوئے۔ لیکن اہل حق مشکلات سے گھبرایا نہیں کرتے بلکہ صبر و استقلال سے پیش نظر کاموں میں منہمک ہو جاتے ہیں، منزل کی سنگلاخی اور راستے کی دشواری ان کی قوتِ رفتار پر کبھی اثر انداز نہیں ہوئی۔ مولوی محمد علی نے جلد سے جلد ایک موزوں نصاب تیار کیا اور انتہائی موانع کے باوجود اسے منظور کرا کے تعلیمی نظام کی درستی میں مصروف ہو گئے۔ ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں، ان کا منصوبہ بظاہر یہ تھا کہ مختلف اصحاب کی امداد سے یاغستانی قبائل کو امیر حبیب اللہ خاں سے وابستہ کر کے اس اجتماعی قوت سے ہندوستان پر حملہ کرائیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اس وقت ہندوستان میں فوج بہت کم تھی، حملہ ہو جاتا تو اس وسیع ملک کو آزاد کرا لینے کے قوی امکانات موجود تھے۔ اس کام میں مولانا محمد بشیر سب سے بڑھ کر معاون ثابت ہوئے۔

پھر ترکی اور جرمن وفد افغانستان پہنچ گیا، جو امیر حبیب اللہ خاں کے لئے مزید تقویت کا باعث تھا، تاہم امیر موصوف تذبذب کی کشمکش سے نجات نہ پا سکا، آخر ایک پیر کے استخارے نے اس منصوبے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا، یہ داستان اپنے موقعے پر تفصیل

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص:۱۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے سنائی جا چکی ہے۔

کابل سے یاغستان

پیر صاحب نے محض ہندوستان پر حملے ہی سے نہ روکا تھا، یہ بھی کہہ دیا تھا کہ محمد علی افغانستان کا دشمن ہے اور اسے فوراً نکال دینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ انگریزوں کے ایماء کا کرشمہ تھا، امیر کے بھائی سردار نصر اللہ خاں اور نادر شاہ مرحوم نے جو اس زمانے میں سپہ سالار رہتے تھے، مولوی محمد علی کو نکالنے کی سخت مخالفت کی، اس لئے امیر حبیب اللہ خاں اپنے ارادے کو لباسِ عمل نہ پہنا سکا۔

تاہم خود مولوی صاحب تعطل و بے عملی کی زندگی بسر کرنے پر تیار نہ تھے، لہٰذا وہ افغانستان سے باہر جانے کی تجویزیں سوچنے لگے۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ انگریزوں کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ اس اثناء میں انہیں افغانستان کا وکیل بنا کر جرمنی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا گیا، وہ ابھی تیاری میں مصروف تھے کہ امیر کے بعض حواریوں کی خفیہ سازش سے ان کے مکان پر مسلح ڈاکہ ڈالا گیا۔ مدعا یہ تھا کہ مولوی صاحب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ وہ تو خوش قسمتی سے بچ گئے البتہ ان کا سامان اور تمام کاغذات ڈاکو اٹھا کر لے گئے۔ چند روز کے بعد امیر کے فرمان کے مطابق ایک سو آدمیوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا، نادر شاہ مرحوم کی سعی سے ان کے لئے چھپ چھپا کر باہر نکلنے کا انتظام ہوا اور وہ اپنے ایک رفیق شیخ ابراہیم سندھی نیز بعض مہاجر طلبہ اور مولانا بشیر کی معیت میں کنڑ پہنچ گئے جہاں سید جمال الدین افغانی کے گھرانے کے ایک شخص سید عبدالقادر نے ان کا استقبال کیا۔ کنڑ ہی میں سوٹ بوٹ اتار کر ملاؤں کا لباس پہنا اور درمیانی پہاڑ کو عبور کر کے چمرکنڈ چلے گئے۔(۱)

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص: ۳۹-۴۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

یاغستان میں کام

کابل سے وہ جون ۱۹۲۶ء میں نکلے تھے، گویا صرف سوا سال میں انہوں نے وہ تمام کام انجام دیے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یاغستان اس غرض سے گئے تھے کہ قبائل کو منظم کر کے ہندوستان پر حملوں کیلئے تیار کر دیں۔ پھر امیر افغانستان کو ان کی تائید و حمایت میں اقدام کی دعوت دیں تاکہ جو منصوبہ پہلے ناکام ہو چکا تھا، اسے دوبارہ معرضِ نفاذ میں لائیں۔ پہلے امیر کو اٹھانے اور سرگرمِ عمل ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی اب یہ سوچا کہ قبائل کی عملی سرگرمیوں کے دلخواہ نتائج اس کے سامنے پیش کئے جائیں شاید اس کی رگِ غیرت کا منجمد خون حرکت میں آ جائے۔ چنانچہ مولوی صاحب حاجی صاحب ترنگ زئی اور ملا صاحب باجوڑ کے مراکز میں پہنچے، صوات، امب، چترال اور دوسرے خوانین و رؤسا کے پاس قاصد بھیجے، مختلف اجتماعات میں پرُزور تقریریں کیں، سب کو جہاد کے لئے آمادہ ہو جانے کی دعوت دی۔ رزمک، پارا چنار، کوہاٹ درہ، تھل، پشاور وغیرہ کی سمت میں حملوں کا منصوبہ تیار کیا اور مولانا محمد بشیر کو امیر حبیب اللہ خاں کے پاس کابل بھیجا۔ خود فرماتے ہیں کہ اس اثنا میں ہم نے مشق کے طور پر ایک حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ:

> میں اور حاجی صاحب ترنگ زئی، گنداب، شب قدر اور مچنی کے محاذ پر حملہ آور ہوئے، ملا صاحب باجوڑ اپنے محاذ پر ہمارے ساتھ کوئی تیس ہزار کا لشکر ہوگا، اسے مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ہم نے تمام درے پر قبضہ کر لیا اور انگریز کی پیش قدمی کی تمام راہیں روک دیں۔ ایک اگلے مورچے پر میں خود مع ایک سو تیس مجاہدین کے تھا، ہم سے کوئی دو سو گز پر انگریزی گورا فوج خندقیں کھود کر مورچوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے عقب میں شب قدر کا قلعہ تھا۔ گیارہ ہوائی جہاز ہمارے مورچوں پر پرواز کر کے لشکریوں کی نشاندہی کر رہے تھے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تاکہ قلعے کی آتش بار توپیں ہمارے مورچوں پر گولہ اندازی کریں۔ قلعے سے بہتر توپیں بہ یک دست صرف ہمارے مورچے پر گولے پھینکتی تھیں۔(۱)

یہ لڑائی تین دن اور تین رات تک جاری رہی۔ اس مدت میں کھانے کو کچھ نہ ملا، صرف پانی پی کر گزارا کیا۔ مولوی صاحب کے مورچے میں گیارہ مجاہدین شہید ہوئے، آخر انگریزی فوج پسپائی پر مجبور ہوئی۔ مجاہدین ان کی خندقوں پر جا پڑے، سیکڑوں بندوقیں اور لاکھوں کارتوس ان کے ہاتھ آئے۔(۲)

امیر حبیب اللہ کی بے ہمتی

تمام مجاہدانہ سرگرمیوں کی مثال ایک انگریزی اسلوب بیان کے مطابق شہزادے کے بغیر ہیملٹ کے ڈرامے کی تھی۔ اس قسم کے متفرق چھاپے یقیناً بہ کثرت مارے جاسکتے تھے، تزلزل کا تو ذکر ہی نہ کرنا چاہیے، منظم جنگ آزمائی امیر صاحب کی سرگرم اعانت پر موقوف تھی۔ افسوس کہ مولانا محمد بشیر کابل سے بالکل بے نیل مرام واپس آئے۔ انہوں نے بتایا کہ امیر حبیب اللہ علانیہ ملاقات پر بھی راضی نہ ہوا۔ رات کے بارہ بجے خواب گاہ میں بلایا اور سرسری بات چیت کے بعد واپس کر دیا۔ سردار نصر اللہ خاں نے مختلف طریقوں پر معذرت کی کوشش کی اور بارہ یا پندرہ ہزار روپے تیز اسلحہ دے کر رخصت کر دیا۔(۳)

مولانا عبید اللہ مرحوم کا خیال ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں جو روپیہ قبائل پر خرچ کر رہے تھے، وہ بھی انگریزوں کا دیا ہوا تھا۔ جب انگریزوں نے دیکھا کہ یاغستانی قبائل کو چھاپوں کے لئے منظم کیا جارہا ہے تو ان میں بہ زور یہ پروپیگنڈہ کرایا گیا کہ امیر

---

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان ص:۶۴

(۲) مشاہدات کابل و یاغستان ص:۶۵

(۳) مشاہدات کابل و یاغستان ص:۶۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا اور قبائل کی امارت کا حق امیر افغانستان کو پہنچتا ہے۔ جب تک وہ اعلانِ جہاد نہ کرے قبائل کے لئے لڑنا از روئے شریعت درست نہیں۔ اس طرح امیر صاحب اور قبائل کو ایک رشتے میں مرتبط کر کے دونوں کو وابستہ تعطل کر دیا گیا۔(۱)

آخری دور

مولوی محمد علی چمر کنڈ سے نکلے تو صوات ہوتے ہوئے اسمست پہنچ گئے۔ وہاں بھی انہوں نے خاصی مدت گزاری۔ چونکہ امرائے جماعت کے حالات ان کے نزدیک اطمینان بخش نہ تھے اس لئے باقاعدہ جماعت سے وابستگی اختیار نہ کی۔ یعنی امیر کی بیعت کا حلقہ اپنی گردن میں نہ ڈالا۔ جب روس میں بالشویکوں نے زار کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تو امید بندھی کہ روس جنگ سے کنارہ کش ہو جائے گا اور جرمن فوج فرانس میں اتحادی عساکر کا کچومر نکال کر رکھ دے گی۔ مولوی صاحب نے روس کے راستے جرمنی پہنچنے کی اسکیم تیار کر لی تو انتظامات مکمل ہونے کے انتظار میں سندھ کڑی کے علاقے کا دورہ کیا۔ اس اثنا میں جنگ کا پانسا پلٹنے لگا، جرمنی کی جنگی قوت میں اضمحلال کے آثار نمودار ہوئے۔ قبائل کے سرداروں نے سرحد کے چیف کمشنر سر جارج روس کیپل کے پاس جا کر مصالحت کیلئے سلسلۂ جنبانی شروع کر دی۔ مولوی صاحب نے یاغستان میں ''سلیمان'' نام اختیار کر لیا تھا اور وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ روس کیپل نے خوانین وقبائل کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ مولوی ''سلیمان'' آ کر بالمشافہ بات چیت کر لیں۔

خوانین کے کہنے کے مطابق صاحبزادہ سر عبد القیوم کی طرف سے باقاعدہ دعوت نامہ بھی بھیج دیا گیا۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب پشاور پہنچے۔ طویل گفتگو ہوئی۔ روس کیپل نے کہا کہ آپ واپس آ جائیں اور اطمینان سے اپنے گھر رہیں۔ چاہیں تو نہایت اعلیٰ

(۱) عبید اللہ سندھی کی ذاتی ڈائری، ص: ۱۱۵

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملازمت کا بندوبست ہو سکتا ہے، بلکہ فوری طور پر اسلامیہ کالج پشاور میں پرنسپل کا عہدہ پیش کر دیا تھا نیز کہا کہ اگر جماعت مجاہدین اور یاغستانی مہموں کے پورے حالات لکھ کر دیں تو میں خود یہ کتاب ایڈٹ کروں گا، حکومت کے خرچ سے اسے چھپواؤں گا اور آپ کو ایک لاکھ روپیہ رائلٹی کا ملے گا۔ مولوی صاحب نے اپنے اقربا اور مجاہدین کے مشورے سے واپسی منظور کر لی، باقی دونوں پیشکشیں مسترد کر دیں۔ (۱) واپسی کے وقت روس کیپل نے انہیں دو سو پونڈ کی تھیلی دی، انہوں نے یہ رقم ڈپٹی برکت علی کے حوالے کر دی، جو ایک مقدمے میں ماخوذ ہونے کے باعث سزا سے بچنے کے لئے یاغستان چلے گئے تھے۔ مولوی محمد علی کے لئے واپسی کا انتظام کر دیا تھا، مگر یہ طے ہوا تھا کہ وہ دو سال مانسہرہ میں رہیں اور اس اثناء میں ان کے فرزند ارجمند کو ہیڈ ماسٹر بنا کر مانسہرہ بھیج دیا گیا تھا۔

بقیہ زندگی

مولوی محمد علی نے مراجعت کے بعد بھی اپنے تمام سابقہ روابط بدستور قائم رکھے۔ ایک مرتبہ مولانا محمد بشیر اور ان کے بعض رفقاء نے طے کیا تھا کہ ہندوستان سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یاغستان بلا لیا جائے۔ مولوی محمد علی اس تحریک کو فروغ دینے کا بھی ایک بہت بڑا مرکز تھے۔ وہ بڑی سے بڑی ملازمت لے سکتے تھے، لیکن غور و مشورہ کے بعد انہوں نے تجارت کا شغل اختیار کیا۔ بمبئی اور مدراس میں کئی سال گزارے۔ یہ داستان بجائے خود بڑی اہم ہے، لیکن ہم یہاں اسے تفصیلاً پیش نہیں کر سکتے۔ اپنے بڑے بھائی مولوی محی الدین احمد اور عم محترم مولانا عبید اللہ کو جمعیت دعوت و تبلیغ کے کارفرما بنایا۔ ان کے اور جمعیت کے پورے مصارف اپنے ذمے لے لئے، چنانچہ یہ اصحاب سالہا سال ملیبار،

(۱) مولانا عبید اللہ مرحوم نے لکھا ہے کہ مولوی صاحب صاحبزادہ عبد القیوم کی معرفت کسی طرح معافی لے کر ہندوستان چلے گئے (کاش تیس سات سال میں ۳۰ ے) یہ صحیح نہیں۔ حقیقت وہی ہے جو متن میں عرض کی گئی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مولوی محمد علی کی مجاہدانہ سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پونہ اور دوسرے حصوں میں کام کرتے رہے۔ مولوی محمد علی کی طرف سے انہیں اور جمعیت کو دو ہزار ساٹھ روپیہ ماہانہ ملتے تھے۔ پندرہ سو روپے ایک اور صاحب دیتے تھے، تقسیم کے بعد مولوی صاحب نے نمک کی تجارت شروع کر دی تھی۔ آخری دور میں وہ ایک کارخانے سے وابستہ ہو گئے تھے، متعدد کتابیں چھاپیں، قیامِ لاہور کے زمانے میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ان کے درس کو خاص درجۂ قبول حاصل تھا۔ تمام قومی اور مذہبی تحریکات میں پیش پیش رہے، خود کبھی کسی جماعت یا فرد کی طرف سے ایک پیسے کے بھی ممنون نہ ہوئے۔

۱۲رجنوری ۱۹۵۶ء (مطابق ۲۷رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ) بروز پنجشنبہ صبح ساڑھے آٹھ بجے اچانک حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات پائی۔

شخصیت

مولوی صاحب کا قد اُن کے والد ماجد کی طرح متوسط تھا، رنگ اتنا گورا کہ انگریزی لباس پہن لیتے تو دیسی کے بجائے ولایتی معلوم ہوتے تھے۔ داڑھی مونچھوں کے بال بہت کم تھے، بایں ہمہ داڑھی ہمیشہ رکھی، اسلامی اخلاق و عادات کا ایک عجیب پیکر تھے۔ انگریزی، اردو، عربی اور فارسی کے یکساں ادیب مانے جاتے تھے، چاروں زبانوں میں بے تکلف لکھتے اور بولتے۔ مطالعے کا ہمیشہ شوق رہا، اور جو کچھ پڑھا حافظے میں پیوست ہو گیا۔ کسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے دو چار منٹ کے لئے بھی اٹھنا پڑتا تو جب واپس آتے "سلام علیکم" کہہ کر بیٹھتے۔ دینی علوم سے خاص دلچسپی تھی، حدیث و تفسیر کی تقریباً تمام کتابیں دیکھ چکے تھے، حافظ ابن قیم کی تصانیف سے بہت شغف تھا۔

روپے پیسے سے کبھی محبت نہ ہوئی، مولانا عبید اللہ سندھی نے لکھا ہے کہ کابل میں ایک مرتبہ ڈاکٹر خوشی محمد کو جن کا اختیاری نام میرزا محمد علی تھا، روس بھیجنے کی ضرورت

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پڑی، روپیہ پاس نہ تھا، مولوی محمد علی سے اگرچہ سرسری تعارف تھا، لیکن جب اپنی تکلیف کا ذکر ہلکے الفاظ میں ان سے کیا تو بہت متاثر ہوئے اور دو ماہ کی تنخواہ پیشگی لے کر ہماری ضرورت پوری کر دی۔ (۱) روس کیمپل نے انہیں دو سو پونڈ دیے تھے، یہ رقم انہوں نے بے توقف ڈپٹی برکت علی کی نذر کر دی۔ کابل سے روانگی کے وقت جو کچھ پاس تھا اس میں سے نصف انقلابی کام کے لئے دے دیا اور خود صرف تین پونڈ لے کر روانہ ہو گئے۔ یہ ہم بتا ہی چکے ہیں کہ لمبی مدت تک دو ہزار روپے ماہوار تبلیغ کیلئے دیتے تھے، ہزاروں روپے دوسرے ملی کاموں کی نذر کئے۔ (۲)

---

(۱) کابل میں سات سال، ص: ۶۵

(۲) مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۳۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پندرھواں باب:

ایک گمنام مجاہد

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

محمد حسین

آپ نے اب تک ان اصحاب کے حالات ملاحظہ فرمائے، جن کے ناموں سے دنیا نا آشنا نہ تھی۔ اگر چہ ان کے پورے حالات یا مجاہدانہ کارناموں سے آگاہ نہ ہو لیکن اب ایک ایسے مجاہد کے حالات پیش کیے جاتے ہیں جس کا نام بھی کبھی منظر عام پر نہ آیا، حالانکہ وہ خلوص، سرگرمیٔ عمل، استقامت اور پیش نظر مقصد کے لیے جانفشانی میں مشہور مجاہدین کرام سے قطعاً فروتر نہ تھا۔ یہ محمد حسین تھا جس نے جماعت مجاہدین میں پہنچ کر محمد عمر نام اختیار کر لیا تھا۔

محمد حسین کا وطن کوٹ بھوانی داس (ضلع گوجرانوالہ) تھا، اس کا والد پیر محمد قوم ارائیں تھوڑی سی زمین کا مالک اور گاؤں کا نمبردار تھا۔ اور اس نے مولانا غلام رسول ساکن قلعہ میہاں سنگھ سے فیض حاصل کیا تھا۔ کتاب وسنت کا پابند، زاہد اور عزلت پسند تھا۔ ۱۸۹۵ء میں ترک وطن کا خیال اس درجہ غالب ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا، پھر واپس نہ آیا، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ باقی زندگی نام بدل کر جماعت مجاہدین میں گزاری یا کسی دوسری جگہ وفات پائی۔ قاضی کوٹ کے مقدمے میں چمرکنڈ کے ایک مجاہد عبدالصمد عرف

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پیر محمد کا ذکر آیا ہے، ممکن ہے یہ وہی پیر محمد ہو جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔

محمد حسین کی پیدائش ۹۳-۱۸۹۲ء میں ہوئی، گویا والد کی ہجرت کے وقت اس کی عمر صرف دو تین برس کی ہوگی۔ اس سے بڑے دو بھائی تھے اور ایک بہن، ایک بہن اس سے چھوٹی تھی، جو والد کی ہجرت کے وقت شیر خوار بچی ہوگی۔

فیصلۂ ہجرت

۲-۱۹۰۱ء میں ضلع گوجرانوالہ اور آس پاس کے دیہاتی علاقے میں مولانا ولی محمد ساکن فتوحی والا، ضلع فیروز پور سید اکبر شاہ ساکن سکھانہ، ضلع سیالکوٹ کے دورے شروع ہوئے۔ یہ دونوں بزرگ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اور جماعت مجاہدین کے سرگرم مبلغ، بہت سادہ انداز میں وعظ فرماتے، تاہم وعظ ایسے پراثر ہوتے کہ جو سنتا اس کے قلب میں اسلامیت کی روح بیداری ہو جاتی، سیکڑوں اصحاب راہِ حق میں جانبازی کے لئے تیار ہو گئے۔ محمد حسین کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی ہوگی، لیکن کلمۂ حق کی پذیرائی، دل کی صفائی، جذبات کی پاکیزگی، اخلاق کی طہارت اور ذہن کی تنویر پر موقوف ہے، اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ انسان شعور و سنین کی خاصی منزلیں طے کر لے اور علوم کے دفاتر چاٹ لے۔ محمد حسین اوائل طفلی ہی سے متاثر ہوتا رہا۔ ۱۲-۱۹۱۱ء میں جب اس کی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی، وطن سے ہجرت کر کے جماعت مجاہدین میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا، افرادِ خاندان میں سے چھوٹی ہمشیر کے سوا کوئی اس کا رازدار نہ تھا، اٹھارہ انیس سال کا سادہ دیہاتی نوجوان اتنا بڑا فیصلہ کرتا ہے اور سولہ سترہ سال کی ہمشیر اس کی مؤید و حامی ہے۔ اسی ہمشیر نے اپنا زیور زادِ راہ کیلئے نذر کیا، گویا وہ بھی اپنی زندگی بھائی کی طرح خدمتِ حق کیلئے وقف کر چکی تھی، البتہ عورت ذات ہونے کے باعث باہر نہ جا سکتی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت کا کام

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، اسمست پہنچنے کے بعد محمد حسین کا نام "محمد عمر" رکھا گیا اور اس کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ ڈاک لائے، لے جائے، نیز ہندوستان سے روپے اور آدمی مرکز میں پہنچاتا رہے۔ اس خدمت میں بعض دوسرے اصحاب بھی اس کے ساتھ شامل تھے، مثلاً خان محمد اور عبیداللہ جو ۱۹۲۱ء میں قاضی کوٹ کے مقدمہ بم کے ملزم تھے۔

یوں تو دارالجہاد میں جماعت کا کوئی کام بھی سہل نہ ہو سکتا تھا، اس لیے کہ ہر کام میں جان ہتھیلی پر رکھنی پڑتی تھی، لیکن قاصد کی خدمات انجام دینے کا مطلب یہ تھا کہ زندگی ہر لمحہ پریشانی اور سراسیمگی میں گذرے۔ ہر لحظہ راز افشا ہو جانے کا اضطراب، ہر وقت گرفتاری کا خطرہ، گرفتاری اور اسیری نظر بہ ظاہر جان دینے سے بڑی قربانی نہ تھی، تاہم جن خوش نصیبوں کے دل عشقِ مقاصد سے لبریز تھے انہیں گرفتاری موت سے بڑھ کر تکلیف دہ نظر آتی تھی۔ اول اس لئے کہ جماعت کے کام کو نقصان پہنچے گا، دوم اس لئے کہ ممکن ہے برطانوی خفیہ پولیس کے جلادوں کی باز پرس اور خوفناک اذیت رسائی میں کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے، جو عہد اخفا کے نقض کا باعث بن جائے۔ یا ممکن ہے اچانک جماعت کی کوئی تحریر دشمن کے قبضے میں چلی جائے اور اس سے اصل کام میں خلل پیدا ہو یا بعض اہم راز بے نقاب ہو جائیں۔ سوم اس لئے کہ زندگی کے جن اوقات کو ایک بلند نصب العین کے لئے وقف کیا تھا، اس سے طویل بے تعلقی پیدا ہو جائے گی اور خدا جانے کتنی مدت قید و بند کی بے چارگی میں گزارنی پڑے۔ یہ سب کچھ درست تھا، مگر کسی نہ کسی کو تو یہ کام انجام دینا ہی تھا اور جب محمد حسین کو اس فرض کے لئے منتخب کر لیا گیا تو اس کے لئے بساط کے مطابق بجا آوری کے سوا چارہ نہ تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شانِ عزیمت

محمد حسین کی شانِ عزیمت ملاحظہ ہو کہ رخصت ہوتے وقت چھوٹی ہمشیر کے سوا کسی کو خبر نہ کی، پھر چار سال تک ہمشیر کے سوا کسی سے ملاقات پر راضی نہ ہوا۔ اسے یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں والدہ اور بھائی اسے ترکِ ہجرت پر مجبور نہ کردیں۔ اتنے قریبی عزیزوں سے اس قسم کا انقطاع گوارا کرلینا کھیل نہیں۔ خدا جانے محمد حسین کے محبت پرور دل نے یہ منزل طے کرنے میں کتنی زحمت اٹھائی ہوگی لیکن عزیزوں کے حلقۂ خاص میں پہنچ کر ان کے پیہم اصرار و الحاح کا مقابلہ بہت مشکل تھا۔ اس اثناء میں اس نے اپنی ہمشیر سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، ہمشیر نے آہستہ آہستہ والدہ اور بھائیوں کو راضی کرلیا کہ محمد حسین کو ترکِ ہجرت پر مجبور نہ کیا جائے۔ انہوں نے بھی یہ سمجھ کر اس واقعے کو بہ صبر و شکر گوارا کرلیا کہ ان کا عزیز ایک شرعی فریضے کی بجا آوری میں مشغول ہے۔ اگر خود اس میں سرگرم شرکت و تعاون کا مقامِ عزیمت حاصل نہیں کرسکتے تو کم از کم اسے روکنے کا گناہِ عظیم تو اپنے سر نہ لیں۔

اس کے بعد محمد حسین والدہ سے ملاقات پر راضی ہوگیا چنانچہ ایک سفر میں رات کے وقت ملاقات کی جگہ اور ساعت مقرر ہوگئی۔ خدا جانے کس ذریعے سے خفیہ پولیس کو بھی اس کی اطلاع مل گئی اور اس نے محمد حسین کی گرفتاری کے انتظامات مکمل کرلیے۔ دوسری طرف محمد حسین نے پولیس کی تگ و دو دیکھی تو اندازہ کرلیا کہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کرچکا ہے، چنانچہ اپنے خاص ذرائع سے اس نے والدہ اور ہمشیر کو بھی اطلاع دے دی، پھر رات کا بڑا حصہ مقامات اور اوقاتِ ملاقات کے تغیر و تبدل ہی میں گذر گیا۔ انجام کار ایک غیر معروف راستے میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات کے بعد وہ پولیس کے چنگل سے بچتا ہوا، بخیرت نکل گیا۔ دیکھا آپ نے؟ یہ ایک نوجوان دیہاتی تھا جس کی تعلیم بھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زیادہ نہ تھی، لیکن اس کے دل ودماغ کی بلندی، اس کی ہمت، عزیمت، دوراندیشی اور اندازہ شناسی ملاحظہ ہو کہ پولیس کی کوئی دام گستری اس کی سرگرمیوں پر اندازنہ ہو سکی۔

قاضی کوٹ کے مقدمے کی روئداد سے واضح ہوتا ہے کہ محمد حسین برابر یہاں آتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولوی فضل الٰہی کے یہاں آیا اور کہا کہ جو بم آپ کو پہنچائے گئے تھے انہیں استعمال کیوں نہیں کیا؟ اگر آپ کو استعمال میں تامل ہے تو مجھے دیجئے تاکہ میں استعمال کروں۔ مولوی فضل الٰہی نے جواب دیا کہ تمہاری معرفت میں یہ کام نہ کروں گا، کیونکہ اگر جماعت کا کوئی آدمی ایسا کام کرتا ہوا پکڑا جائے تو اسکی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔

گرفتاری اور اسیری

وہ آٹھ سال تک جماعت کی خدمات انجام دیتا رہا، اسمست کے بجائے وہ چمرکنڈ کے مرکز سے متعلق ہو گیا تھا۔ پشاور سے ضروری سامان کی خرید کا سارا کاروبار اسی کے حوالے کر دیا گیا تھا، اس لئے کہ وہ تمام خفیہ راستوں سے واقف تھا، اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ خطرے کے وقت بچاؤ کے لئے کیا کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ یاد ہوگا کہ ۱۸۶۳ء میں روپے اور آدمیوں کی بہم رسانی کا سراغ لگانے کیلئے مردان کے ایک پٹھان نے اپنے بیٹے کو ملکا بھیج دیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں بھی حکومت نے اپنے ایک کارندے کو مجاہد کے بھیس میں چمرکنڈ روانہ کر دیا، جہاں وہ جماعت میں گھل مل گیا، اور بھید معلوم کرتا رہا۔ ایک مرتبہ محمد حسین اسباب خریدنے کیلئے پشاور آیا تو یہ انگریزی جاسوس بھی رکن جماعت کی حیثیت میں ساتھ آیا، اسباب خریدا جا چکا اور مراجعت کا وقت آیا تو بدبخت جاسوس نے محمد حسین سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں ایک آدمی سے مل آؤں۔ محمد حسین بہ اطمینان سامان کے پاس بیٹھا رہا، جاسوس نے پولیس کو خبر پہنچادی، یوں اچانک گھیرا ڈال کر محمد حسین کو بے خبری میں گرفتار کر لیا گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

انہیں دنوں جا بجا بم گرے تھے، مثلاً ڈین ہوٹل پشاور میں، رسال پور، چھاؤنی میں، ایک بم راولپنڈی میں پولیس کے ایک بڑے افسر کی کوٹھی پر گرا تھا۔ ان واقعات کو مجاہدین سے منسوب کر کے محمد حسین کو سات سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔

مصیبت بالائے مصیبت

چونکہ محمد حسین کے پاس کوئی رقم نہ تھی اور نہ کوئی شخص اس کا شناسا تھا کہ دفاع کا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتا، غالباً مجاہدین کے سوا کسی کو اس واقعے کا علم بھی نہ تھا اور مجاہدین اپنے خاص حالات کی بناء پر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ اس لئے عام قاعدے کے مطابق خیراتی فنڈ سے اپیل کی تجویز ہوئی۔ اس سلسلے میں ضروری تھا کہ محمد حسین کے متعلق نیک چلنی کی تصدیق گوجرانوالہ کی پولیس سے حاصل کی جاتی۔ چنانچہ کاغذات گوجرانوالہ بھیج دیے گئے۔ یہاں اس زمانے میں قاضی کوٹ کے بم کا مقدمہ چل رہا تھا اور پولیس کو محمد حسین عرف محمد عمر کی تلاش تھی۔ پہلی سزا کے خلاف اپیل کا معاملہ تو وہیں رک گیا اور محمد حسین کو گوجرانوالہ لا کر قاضی کوٹ کے مقدمے میں چودہ سال قید بامشقت اور پانچ سو روپے جرمانے کی مزید سزا دے دی گئی۔ اس لئے کہ استغاثے اور سلطانی گواہ کے بیان کے مطابق جو تین آدمی بم، کارتوس وغیرہ چمرکنڈ سے لائے تھے، ان میں ایک محمد حسین عرف محمد عمر بھی تھا۔

ہمت و استقامت

اب محمد حسین کی پوری سزائے قید اکیس سال کی ہو گئی تھی اور پانچ سو روپے جرمانہ۔ اس وقت وہ زندگی کے اٹھائیسویں، انتیسویں مرحلے میں تھا اور مسلسل دس سال جماعت کی خدمت انجام دینے میں بسر کر چکا تھا، جن میں سے ہر خدمت عرفی کے اس مشہور شعر کی تصویر تھی:

www.BestUrduBooks.wordpress.com

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل است و منزلِ اول قیامت است

اس کے دل میں بھی راحت و آسائش اور فارغ البالی وکام جوئی کی وہ تمام آرزوئیں موجزن ہوں گی جو سلیم القویٰ جوانوں کے دلوں میں موجزن ہوتی ہیں۔ وہ امیر نہ سہی لیکن اتنا غریب بھی نہ تھا کہ اطمینان کی زندگی بسر نہ کرسکتا۔ پھر والدہ کے علاوہ چار ماں جائی ہستیوں کی آنکھیں اس کی راہ محبت میں بچھنے کے لئے تیار تھیں، لیکن اس نے یہ چیزیں ایک بلند مقصد کے لئے قربان کردیں جو اس کے نزدیک شرعی فریضے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر لحظہ خطرے، تگ ودو، جانبازی یا اسیری ودلگیری کی زندگی پسند کرلی، اور پوری مدتِ قید صبر واستقامت سے گزار دی۔

شیخ دین محمد صاحب نے جو مختلف عہدوں پر مامور رہنے کے بعد آج کل وزیر امور کشمیر ہیں۔ محمد حسین کے حالات سے متاثر ہوکر بلا معاوضہ اپیل دائر کی اور انتہائی دل سوزی سے کام کیا، تاہم نتیجہ صرف یہ نکلا کہ ہائی کورٹ نے دونوں سزائیں بیک وقت شروع کرنے کا حکم صادر کردیا، گویا مجموعی سزا بہ اعتبار جنس چودہ سال رہ گئی اور جرمانہ معاف ہوگیا۔

آخری دور

۱۹۲۳ء میں آخری فیصلہ ہوا تو اسے دور دراز کے جیل خانوں میں بھیج دیا گیا، یہاں تک کہ متعلقین کے لئے ملاقات کی بھی کوئی صورت نہ رہی۔ اس کا زیادہ تر وقت جبل پور (وسطِ ہند) کے جیل میں گذرا، چار پانچ سال کے بعد ایک کارڈ آیا کہ جبل پور میں ہوں اور بخیریت ہوں، دس سال میں ایسے کل تین چار خط آئے۔

۳۱-۱۹۳۰ء میں اس کی بائیں ران میں درد شروع ہوا اور ہڈی کا ناسور ہوگیا۔ ڈاکٹر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ دس سال میں قواعد جیل کے مطابق دو سال کی رعایت مل چکی تھی، یوں چودہ سال میں سے صرف دو سال کی قید باقی تھی کہ مئی ۱۹۴۳ء میں حکومت نے پولیس کے زیر نگرانی اسے گوجرانوالہ بھیج دیا۔ وہاں سے اسے حسب ہدایت کوٹ بھوانی داس پہنچا دیا گیا۔ گویا حکومت کو یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ تندرست نہ ہوگا اور ناسور اس کی جان لے کر رہے گا۔ بے دردی ملاحظہ ہو کہ اس حالت میں بھی ایک پابندی یہ لگائی گئی کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس سے تحریری اجازت لئے بغیر گاؤں سے باہر نہ جائے، دوسری یہ کہ ہر ہفتہ قلعہ دیدار سنگھ میں حاضری کی رپورٹ دیا کرے۔

اگرچہ اس غریب کے لئے چلنا پھرنا سخت دوبھر تھا تاہم وہ صابرانہ ان احکام کی تعمیل کرتا رہا، کچھ مدت بعد ناسور پھٹ گیا اور نقل و حرکت بالکل ممکن نہ رہی۔ اس وقت حکم ہوا کہ چوکیدار اور نمبردار گاؤں میں محمد حسین کی موجودگی کی رپورٹ باقاعدہ دیتے رہیں۔ اواخر ستمبر ۱۹۴۳ء میں یعنی رہائی سے صرف چار ماہ بعد اس کی بوڑھی والدہ نے وفات پائی، صرف دو روز بعد مجاہد محمد حسین بھی راہ گرائے عالمِ بقا ہوا، پولیس کو اطلاع دی گئی، سب انسپکٹر پولیس نے موقع پر آ کر محمد حسین کی موت کی تصدیق کی، اس کے بعد اس مرحوم و مغفور کی نعش کو آغوشِ قبر میں سلایا گیا۔

جیل خانے کے زمانے کی بابت تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن زندگی کے جو آخری چار مہینے اس نے اقربا میں گزارے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ بیماری کے باوجود اس کا دل ایک لمحے کے لئے بھی چمرکنڈ اور اسمست کے خیال سے غافل نہ ہوا۔ گویا انتہائی آرزو یہ تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو وہاں پہنچ جائے کہ شاید اس حالت میں بھی کوئی خدمت انجام دے سکے۔(۱)

(۱) یہ تمام حالات قاضی عبد الرحیم صاحب ساکن قاضی کوٹ نے لکھ کر بھیجے، جن کے لئے میں ان کا اور مولانا محمد اسماعیل ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث کا ممنون ہوں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

شہیدوں کی یاد

کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایسے کتنے بہادر و جانباز جوان تھے جنھوں نے اپنی بیش قیمت زندگیاں اسلامیت و آزادی کیلئے اس جہاد آرائی کی نذر کیں، جس کی علم داری کا شرف ایک صدی تک جماعت مجاہدین کو حاصل رہا۔ آج جو لوگ حصول آزادی پر فخر و مسرت کے نعروں سے فضا کو ہنگامہ زار بنا دینے کے آرزومند ہیں، کیا انہیں کبھی خیال آیا ہے کہ ان جوانمردوں کی یاد بھی تازہ کریں؟ ایک ایرانی شاعر نے اپنے وطن کے شہیدانِ حریت کی یاد تازہ رکھنے کے لیے جن روح افروز جذبات کو نظم کا لباس پہنایا تھا، وہ ملک کے کامگارانِ آزادی کے لئے ایک زندہ و پائندہ درسِ عبرت و تنبیہ ہیں:

اے مرغ سحر چو ایں شب تار — بگذاشت ز سر سیاہ کاری
و ز نغمہ روح بخش اسحار — رفت از سر خفتگاں خماری
بکشود گرہ ز زلفِ زر تار — محبوبۂ نیلگوں عماری
یزداں بہ کمال شد نمودار — و اہریمن زشت خو حصاری

یاد آر ز شمع مردہ یاد آر

یعنی جب غلامی اور محکومی کی شب تاریک ختم ہو جائے، صبح کے روح افروز نغمے سونے والوں کی آنکھوں سے نیند کا خمار زائل کر دیں، آزادی کا سورج اپنی سنہری زلفوں کی گرہیں کھول دے، خدا کی رحمت ہر طرف اوجِ کمال پر نمودار ہو جائے اور شیطان کو اس کے تمام شر انگیز ہتھکنڈوں کے ساتھ قید و بند میں ڈال دیا جائے تو ان شمعوں کی یاد فراموش نہ ہونی چاہیے جو جل جل کر رات کی تاریکی میں روشنی کا سامان بہم پہنچاتی رہیں اور اسی جانفشانی میں بجھ کر رہ گئیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

برصغیر ہند میں تحریک احیائے دین اور سرفروشانہ جدوجہد کی مکمل سرگذشت
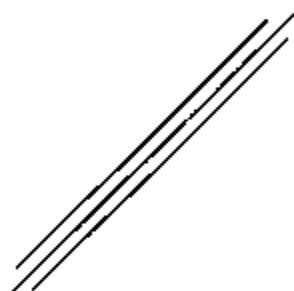
حصہ ہفتم

اندرونِ ملک (آخری دور)

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پہلا باب:

جماعت کی اعانت اور طریقِ کار

اسلامی حمیت کا بے پناہ سمندر

ہم بتا چکے ہیں کہ ابتدا ہی سے ملک کے اندر دعوت و تبلیغ نیز جمع مال و فراہمی مجاہدین کا ایک نہایت وسیع اور مستحکم نظام قائم ہو گیا تھا جس میں سرگرمی سے کام ہوتا تھا، یہاں سے مجاہدین کی بڑی جماعت سرحد پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو لیکن روپیہ خاصی مقدار میں پہنچ جاتا تھا، ہر صوبے میں سیکڑوں افراد چپ چاپ اس کام میں مصروف تھے، اور ان سب کے متعلق خاص ذمہ دار اصحاب کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔

جنگِ امبیلہ کے بعد حکومت نے اس نظام کو درہم برہم کر ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، پے در پے مختلف کارکنوں اور کارفرماؤں پر مقدمے چلائے گئے اور عموماً ملزمین کو ضبطیٔ جائداد نیز حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں، مقصود یہ تھا کہ ان سزاؤں سے تمام لوگوں کے دلوں میں دہشت بیٹھ جائے اور آئندہ کوئی بھی بآسانی کاروبار اعانت میں حصہ لینے کے تیار نہ ہو سکے۔

کم و بیش آٹھ دس سال کی سختیوں اور تشدد آرائیوں کے بعد حکومت کو یقین ہو گیا تھا کہ اب ملک کی داخلی تحریک اعانت میں کوئی روح باقی نہیں رہی، لہٰذا اس کی روش بھی بدل گئی اور مزید آٹھ دس سال گذر جانے کے بعد انڈیمان کے وہ قیدی بھی رہا کر دیے گئے جن کے سفینہ ہائے حیات امواجِ تشدد کے تھپیڑے کھانے کے باوجود سلامت رہے تھے، تاہم اصل نظام بدستور قائم رہا اور اعانتی کاروبار میں کوئی خلل پیدا نہ ہوا۔ بانیانِ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تحریک کے خلوص وحسن نیت کے اس اعجاز سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب حکومت بزعم خود تمام ممتاز کارفرماؤں اور کارکنوں کو دار وگیر کی زنجیروں میں جکڑ چکی تھی تو خود بخود نئے افراد بروئے کار آتے رہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ نے اسلامیت اور آزادی کی جو حرارت وحمیت قلوب وارواح میں پیدا کر دی تھی وہ کتنی استوار و پائدار تھی، اور اس کا دائرہ کس درجہ وسیع وہمہ گیر تھا۔

کارکنوں کے لشکر

میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس نظام کے تمام کارکنوں کی سرگزشت ہائے حیات معلوم ہو سکیں یا نہ ہو سکیں، لیکن ممتاز افراد کے پورے کام کی کیفیت تو سامنے آ جانی چاہیے، لیکن دس بیس اصحاب کے سوا کسی کے بارے میں کچھ پتا نہ چل سکا اور ان کے متعلق بھی زیادہ سے زیادہ یہ بتایا گیا کہ وہ اس نظام سے وابستہ تھے، مثلاً بہار میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا عبداللہ غازی پوری، پنجاب میں مولانا عبدالقادر قصوری، مولوی ولی محمد فتوحی والا، مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی، حافظ محمد صدیق، رتلام اور بمبئی میں حافظ عبدالغفور، مدراس میں کاکا عمر صاحب، دہلی میں پنجابی اہل حدیث، کلکتہ میں کپڑے اور لوہے کے اہل حدیث تاجر۔(۱)

گویا آخری دور میں اعانتِ مجاہدین کا اکثر وبیشتر کام زیادہ تر اہل حدیث حضرات ہی نے انجام دیا، اس جماعت کے افراد کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ملازمتیں پسند نہ کرتے تھے اور اکثر تجارتی مشاغل میں مصروف رہتے تھے، یا کوئی صنعتی کارخانہ قائم کر لیتے تھے، زکوٰۃ پابندی سے نکالتے اور یہ روپیہ عموماً مجاہدین کی نذر کر دیتے، اس کے علاوہ صدقات کی رقمیں بھی اسی مد میں دے دیتے، موقع پاتے تو کاروبار میں نفع کا اندازہ

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص:۱۱۹ و ۱۲۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کرتے ہوئے عطیات میں بھی کوتاہی نہ کرتے۔ مجاہدین کی اعانت کے علاوہ ان کا روپیہ اصلاح عقائد کی مفید کتابیں شائع کرنے میں صرف ہوتا، مثلاً "تقویۃ الایمان" یا بعض دوسرے رسائل وکتب۔

بعض ایسی ہستیاں بھی اس کام میں سرگرمی سے شریک رہیں جن کے متعلق کسی کو خیال بھی نہ ہوسکتا تھا کہ انہیں ایسے مشاغل سے کوئی دلچسپی ہوسکتی ہے، مثلاً مولوی عبدالحق مرحوم مالک رفاہِ عام پریس، جنہوں نے غالباً ۱۹۲۳ء میں "مسلم آؤٹ لک" نکالا تھا، وہ لاہور میں جماعت مجاہدین کے اعانتی کام کا ایک ممتاز مرکز تھے۔ جس حد تک مجھے علم ہے وہ زندگی کی آخری ساعت تک یہ کام انجام دیتے رہے، اگرچہ اس میں ان کے لئے بڑے خطرے تھے، اور ایک مرتبہ وہ گرفتار بھی ہو چکے تھے۔

ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے والد ماجد مولانا محمد احمد جو عام طور پر صوفی احمد مشہور تھے، مولانا احمد علی ناظم انجمن خدام الدین، خواجہ عبدالحئی، مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کا پورا خاندان، وغیرہ سب شریک تھے۔ گوجرانوالہ، وزیرآباد اور سیالکوٹ کے بہت سے اصحاب مثلاً قاضی عبدالرؤف اور قاضی عبیداللہ (قاضی کوٹ)، حافظ عنایت اللہ اثری، مستری ابراہیم حافظ آبادی، سید اکبر شاہ ملکانہ (ضلع سیالکوٹ)۔ ان میں سے بعض اصحاب اور متعدد دوسرے اشخاص کے مختصر سے حالات آئندہ ابواب میں جابجا بیان ہوں گے، پیش نظر باب میں صرف ان حضرات کے طریق کار کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جمع زر کا نظام

قاضی عبدالرحیم صاحب ساکن قاضی کوٹ (ضلع گوجرانوالہ) خود اس خاندان کے ایک جلیل القدر فرد ہیں جو تحریک مجاہدین سے وابستہ رہا اور اس سلسلے میں قید و بند کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مشقتیں برداشت کیں، وہ فرماتے ہیں:

> مجاہدین کیلئے مالیات کے انتظام کی یہ صورت تھی کہ بنگال، ہندوستان (یوپی اور بہار) پنجاب وغیرہ تمام علاقوں سے جماعت کے افراد زکوٰۃ اور عشر باقاعدہ جمع کر کے مرکز (اسمست و چمرکنڈ) کو بھیج دیتے اور بلا اجازت مرکز اس میں سے ایک پائی بھی خرچ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ صدقاتِ فطر باقاعدہ جمع کر کے مقامی فقراء و مساکین پر خرچ کیے جاتے، اگر ان میں سے کچھ بچ جاتا تو مرکز کو بھیج دیا جاتا، بعض دفعہ بوقت ضرورت صدقاتِ تطوع بھی وصول کیے جاتے، چنانچہ ایک دفعہ اسی قسم کے چندے میں صرف قاضی کوٹ سے تین سو روپیہ فراہم کر کے بھیجا گیا، اس قسم کی رقمیں دوسرے تمام علاقوں سے بھی فراہم کی گئیں، ان کی صحیح مقدار اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔(۱)

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جمع زر کا بڑا ذریعہ صرف زکوٰۃ، عشر اور صدقات کی تنظیم سے پیدا کر لیا گیا تھا، البتہ ضرورت کے وقت تمام اصحاب مزید رقمیں پیش کر دیتے تھے، قاضی کوٹ صرف ایک موضع تھا، جب وہاں سے ایک مرتبہ تین سو روپے فراہم ہو گئے تو باقی دیہات و مقامات کے چندے ملا کر یقیناً بہت بڑی رقم جمع ہو گئی ہوگی، بنگال و بہار میں ابتدا سے یہ طریقہ رائج تھا کہ روزانہ کھانا پکاتے وقت مستورات ایک مٹھی چاول ایک مٹکے میں ڈالتی جاتیں اور ہفتے یا مہینے کے بعد جنس یکجا جمع کر کے فروخت کر دی جاتی۔

قاضی کوٹ کے مقدمہ بم (۱۹۲۱ء) کے ایک بیان میں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ پانچ ہزار روپے چمرکنڈ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، چار ہزار روپیہ حافظ رتلام سے لے آئے تھے، ایک ہزار مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی نے فراہم شدہ رقوم میں سے دیدیا اور یہ رقم صرف ایک مرکز سے ایک مرتبہ گئی، دوسرے مراکز کی رقموں کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔

(۱) قاضی عبدالرحیم کا ایک مکتوب۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی ولی محمد نے اس مقدمے میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ تنہا میں ہر سال تین سو کے اندر رقم بھیجتا تھا، ایک مرتبہ ایک ہزار عام چندہ ہوا، تین ہزار جلال الدین ڈوگر ساکن بوڑے والے نے دیے، یوں چار ہزار چندہ بھیجا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں اپنے اسمست جانے سے پیشتر چار ہی ہزار کی رقم مولوی فضل الٰہی کی وساطت سے بھیجی تھی۔ (۱)

ایک اور بیان مظہر ہے کہ قاضی عطاء اللہ ساکن سانگلا اور ابراہیم ساکن ضلع فیروز پور آئے اور ڈیڑھ ہزار روپے چندے کے مولوی فضل الٰہی کے مکان پر دے گئے، یہ دونوں صاحب مولوی ولی محمد کے مرید تھے۔ (۲)

روپے کی مصارف

یقیناً پورے ملک کے تمام حصوں سے روپیہ خاصی مقدار میں جاتا تھا، قاضی عبدالرحیم فرماتے ہیں:

> جو روپیہ مرکز کو بھیجا جاتا تھا وہ مرکزی جماعت کے افراد کی ضروریات سے بہت زیادہ ہوا کرتا تھا، لیکن ماحول اور سیاسی مصالح کے مدنظر اس کا بیشتر حصہ سرحدی قبائل پر صرف ہوتا تھا۔ جماعت کے مصارف میں اس کا بہت تھوڑا حصہ ہوا کرتا تھا، یہ سب کچھ مرکزی جماعت کے افراد اور اصحاب حل وعقد کے مشورے سے ہوا کرتا تھا، اس لئے افراد مرکز یا عوام جماعت کو اس سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوتی تھی اور مجاہدین مرکز تمام تکالیف خندہ پیشانی سے گوارا کر لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سرحد میں جماعت مجاہدین کو بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا اور قبائل بوقت ضرورت مجاہدین سے پیشتر ہی میدان جہاد میں کود پڑتے تھے۔ (۳)

(۱) روداد مقدمہ قاضی کوٹ　　(۲) روداد مقدمہ قاضی کوٹ
(۳) قاضی عبدالرحیم کا مکتوب۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو امیر عبدالکریم مرحوم کے عہد تک یہی حالت تھی، جماعت کے مشورے اور اتفاق سے روپے کا ایک حصہ گردو پیش کے قبائل کی نذر کیا جاتا تھا اور جماعت کی ضرورت کے لئے صرف اتنی رقم رکھی جاتی جس میں معمولی خورد و نوش اور پوشش کا انتظام ہو سکتا، البتہ اسلحہ کی خرید لوازم میں داخل تھی اور ان پر رقم خرچ کیے بغیر چارہ نہ تھا۔

دیانت و امانت

روپیہ فراہم کرنا بلاشبہ بڑی محنت، مشقت، تنظیم اور سرگرمیٔ عمل کا طلب گار تھا، لیکن اس سے بدرجہا زیادہ قابل ذکر اور مستحق صد ستائش امر یہ تھا کہ روپیہ مرکز تک پہنچانے والے تمام افراد مولوی محمد علی قصوری کے قول کے مطابق دیانت و امانت میں اپنی مثل آپ تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ جماعت کے قاصد روپیہ لینے کے لئے آجاتے، بعض اوقات مرکزوں سے مختلف لوگوں کو اسمست یا چرکنڈ بھیج دیا جاتا۔ چھوٹے مرکزوں سے جو لوگ رقمیں لے کر بڑے مرکزوں میں پہنچاتے وہ اصل رقموں میں سے ایک دمڑی بھی خرچ نہ کرتے۔ کم و بیش ایک سو سال تک یہ نظام قائم رہا لیکن پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ بنگال و بمبئی کے دور افتادہ مراکز سے یاغستان تک کبھی ایک حبہ بھی ضائع نہ ہوا، اور نہ کسی کے تصرف میں آیا۔

میں اس سلسلے کی صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا، حافظ عنایت اللہ اثری وزیرآبادی جو آج کل جامع اہل حدیث گجرات میں خطیب ہیں، اکتوبر ۱۹۱۵ء میں ایک رقم اسمست پہنچانے پر مامور ہوئے تھے جو اشرفیوں کی شکل میں ڈھائی سیر سے کم نہ تھی، یعنی کم و بیش چار ہزار، آمدورفت میں جو خرچ ہوا حافظ صاحب نے اپنے پاس سے خرچ کیا، یہ رقم پہنچا کر وہ اواخر دسمبر میں واپس ہوئے تو ان کے پاس صرف اتنے پیسے تھے کہ ہری پور سے جہلم تک کا ٹکٹ خرید سکیں، جہلم پہنچ کر ایک درزی کی دوکان پر چار روز

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کام کیا، جب وزیر آباد تک کے ٹکٹ کی رقم فراہم ہوگئی تو باقی سفر طے کیا۔ کیا جماعتی رقوم میں دیانت و امانت کی ایسی کوئی مثال ہمارے عہد کی بڑی بڑی سیاسی انجمنوں اور جمعیتوں میں بھی مل سکتی ہے؟ حافظ صاحب اگر مرکز سے واپسی کا خرچ لے لیتے تو یہ ہرگز غیر مناسب نہ سمجھا جاتا، مگر انھوں نے ایک دمڑی بھی نہ لی، یہ غیر معمولی دیانت و امانت اس امر کا نتیجہ تھی کہ مجاہدین کی پوری تحریک اصل دین پر منظم ہوئی تھی اور اسی بنیادی مذہبی حیثیت نے اس میں وہ روح پیدا کر دی تھی جس کی کوئی نظیر ہمارے عہد کی کسی دوسری تنظیم میں نہیں مل سکتی۔

رازداری

جو لوگ اسمست و چمرکنڈ اور مراکز وطن کے درمیان آمد و رفت پر مامور ہوتے، وہ چونکہ اکثر اہل حدیث ہوتے لہٰذا انھیں تاکید کر دی جاتی کہ راستے میں نماز پڑھتے وقت سینے پر ہاتھ نہ باندھیں، رفع یدین اور رفع سبابہ نہ کریں، آمین بلند آواز سے نہ کہیں۔ وہ کسی مخلص دوست یا رفیق پر بھی اپنا راز ظاہر نہ کرتے تھے۔ (۱) طویل تجربے کے بعد کسی کی پختہ کاری کا یقین ہو جاتا تو اسے صرف وہ باتیں بتائی جاتیں جن کا اظہار ناگزیر ہوتا۔

یہ لوگ عموماً رات کو سفر کرتے، دن کے وقت محفوظ مقامات پر اقامت اختیار کر لیتے، آنے جانے والے افراد کا علم ہندوستان کے مختلف مرکزوں کی جماعتوں کے صرف امیروں کو ہوتا، عوام کی نظروں میں ان کی کیفیت عام درویشوں یا طلبہ سے زیادہ نہ ہوتی، بلکہ بعض مقامات پر وہ سادھوؤں کا بھیس اختیار کر لیتے۔ جس علاقے میں سے گذرنا ہوتا، اسی کا لباس اور طریق کلام و معاشرت اختیار کر لیتے، یا یہ ظاہر کرتے کہ وہ بولنے سے معذور ہیں۔ (۲) یہ سب تدبیریں صرف رازداری اور اخفاء کی غرض سے ضروری سمجھی گئی تھیں۔

---

(۱) حافظ عنایت اللہ کا مکتوب۔ (۲) قاضی عبدالرحیم کا مکتوب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قاصد

مولوی محمد علی قصوری کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ جماعت مجاہدین میں قاصدوں کی خدمات انجام دینے کے لئے جن اصحاب کو منتخب کیا جاتا تھا وہ ایسے اوصاف کے مالک ہوتے تھے جیسے ہر شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ قاصد نہایت ہوشیار، زیرک اور معتمد علیہ آدمی ہوتے تھے، وہ بہروپ بھرنے میں استاد اور اپنا حلیہ بدلنے میں مشاق ہوتے تھے۔ خفیہ پولیس اور اسپیشل پولیس کے آدمی ہر وقت ان کے تعاقب میں رہتے تھے، لیکن جماعت مجاہدین کے قاصد انہیں چکمہ دیتے اور ان کے چنگل سے بچتے ہوئے روپیہ اور پیغامات اسمست تک پہنچانے میں شرلاک ہومز کے افسانوں کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ یہ لوگ عموماً ہری پور سے ہزارہ کے دوسرے مقامات یا پشاور سے حکومت ہند کی سرحد میں داخل ہوتے اور پنجاب، دہلی، یوپی، بہار، کلکتہ، سی پی، رتلام، بمبئی، منگلور اور مدراس تک کے چکر لگا کر مختلف مراکز میں جمع شدہ رقمیں یا جماعت کے لئے نئے رنگروٹ ساتھ لے آتے تھے۔ جماعت کے کسی فرد کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کتنے اصحاب قاصدی کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

یہ عجیب و غریب طریق پر بھیس بدلتے تھے، کبھی یورپین لباس پہن لیتے، کبھی کالج کے طالب علم بن جاتے، کبھی سرحد کے رئیس زادوں کی سی پوشاک زیب بر کر لیتے اور سر ہتھیلی پر رکھ کر کام کرتے۔ ہندوستانی مراکز ان لوگوں کی جانبازی اور اعلیٰ سیرت سے بے حد متاثر ہوتے۔(۱)

مولوی صاحب نے فرمایا کہ وہ حد درجہ امین اور بے غرض ہونے کے باوجود "جماعت کے لئے حیرت انگیز جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے تھے۔"(۲) موصوف نے اس کی تفصیل نہیں بتائی لیکن یہ غالباً اسی دور کا ذکر ہے جب مرکز کی حالت پہلے کی سی نہ رہی تھی، تاہم ظاہر ہے کہ کسی امیر یا اس کے مشیرانِ خاص کی حیثیت بدل جانے سے

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص ۱۲۰-۱۲۱　　(۲) مشاہدات کابل و یاغستان، ص ۱۲۰-۱۲۱

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جماعت کے مقصد و نصب العین پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا، اور مخلص کارکنوں کا اولین فرض یہی تھا کہ جماعت کے نظام اعانت کو بگڑنے سے بچائے رکھیں اور سمجھیں کہ زود یا بہ دیر حالت ضروری پلٹنے گی۔ بعض وقتی خرابیوں کی بناء پر کسی جمعیت کو بگاڑ دینا سہل ہے لیکن اس کی جگہ نئی ہیئت قائم کرنا اور اسے مقبول بنانا سہل نہیں۔

عبدالقادر

انہیں قاصدوں میں محمد حسین بھی شامل تھا، جس کا ذکر ہم "گمنام مجاہد" کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔ ان میں متعدد دوسرے اصحاب بھی شامل تھے، جو بم، کارتوس، بندوقیں اور ریوالور یہاں پہنچاتے رہے۔ مولوی محمد علی نے اس سلسلے میں عبدالقادر، عبداللہ اور عبدالرحمٰن کا ذکر بطور خاص کیا ہے۔ عبدالقادر کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ہندوستان کا چکر کاٹ کر ہری پور کے راستے اسمست جا رہا تھا، دربند پہنچا تو گورے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا، اس نے اپنے کوٹ کے اندر بہت سی رقم نوٹوں کی شکل میں سلوا رکھی تھی اور ہندوستان کے بعض بڑے بڑے لیڈروں کے خطوط بھی تھے۔ گوروں نے کوٹ اتروا کر رکھ لیا اور عبدالقادر کو حوالات میں بند کر دیا، اگر وہ کوٹ کی سلائی ادھڑوا کر دیکھ لیتے تو روپیہ بھی مل جاتا اور خطوط بھی۔

مولوی صاحب اس وقت اسمست میں تھے، وہاں عصر کے وقت عبدالقادر کی گرفتاری کی اطلاع ملی، سب کو صدمہ ہوا، مولوی صاحب نے افطار کے وقت گڑگڑا کر بارگاہِ باری تعالیٰ میں عبدالقادر کی رہائی کے لئے دعاء کی۔ رات کو خواب میں بھی دیکھا کہ عبدالقادر رہا ہو گیا، وہ واقعی رہا ہو گیا اور اسمست پہنچ کر قصہ سنایا کہ تہجد کے وقت ایک بزرگ آئے، حوالات کا دروازہ کھولا، کوٹ میرے حوالے کیا اور کہا کہ یہاں سے نکال دینا میرا کام تھا، اب بھاگ کر بچ نکلنا تمہارا کام ہے، چنانچہ یہ دریا کو عبور کر کے آزاد علاقے میں داخل ہو گیا، پھر باطمینان اسمست پہنچ گیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرا باب:

قاضی کوٹ کا مقدمہ

تمہید

یہ مقدمہ ۱۹۲۰ء میں دائر ہوا تھا اور ۱۹۲۱ء میں اس کے ملزموں کو سزا کا حکم سنایا گیا تھا۔ اس زمانے میں اخباروں نے اسے بم کیس یعنی بم مقدمہ قرار دیا تھا، حالانکہ یہ موضع قاضی کوٹ سے ناجائز اسلحہ کی برآمد کا مقدمہ تھا، جن میں بم بھی تھے، رائفلیں بھی، ریوالور بھی اور کارتوس بھی۔

قاضی کوٹ ایک گاؤں ہے جو گوجرانوالہ شہر سے دس میل شمال مغرب میں واقع ہے، مغلوں کے عہد عروج میں ہی یہ موضع پرگنہ ایمن آباد کے قاضیوں کی جاگیر کا ایک حصہ تھا، جو غالباً کئی پشتوں تک منصب قضا پر فائز رہے۔ مغلوں کے عہد زوال میں بدامنی کا دور دورہ ہوا تو ان لوگوں نے اس موضع میں سکونت اختیار کر لی، اس کا پہلا نام شہزادپور تھا، لیکن قاضیوں کی وجہ سے "قاضی کوٹ" کا نام شہرت پذیر ہو۔

خاندان کے بعض افراد گلاب سنگھ اور رنجیر سنگھ والیان کشمیر کے ہاں بھی معزز عہدوں پر فائز رہے، ان میں از سرنو دینی ذوق و شیفتگی کا آغاز قاضی نظام الدین (بن قاضی قمر الدین بن قاضی بدر الدین) سے ہوا جنہیں سید امیر حیدر (۱) شاہ صاحب خان پوری ہزاروی

(۱) مولانا سید عبداللہ غزنوی کی ذات گرامی کو تو شہرت عام حاصل ہے۔ ان کا خاندان آج بھی علوم کتاب و سنت کا ممتاز مرکز ہے، لیکن سید امیر حیدر شاہ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، ان کا وطن پورخانصوال ضلع راولپنڈی ان کا آبائی مسکن تھا، انہیں شکار کا بہت شوق تھا، ایک روز شکار کھیل کر واپس آئے تو ... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے عقیدت ہوگئی تھی۔ پھر سید موصوف کی وساطت سے مولانا عبداللہ الغزنوی سے رشتۂ ارادت استوار ہوگیا اور خاندان کے اکثر افراد جماعت اہل حدیث میں داخل ہوگئے۔

انگریزی حکومت سے بیزاری اور لاتعاون کا سلسلہ پہلے ہی سے جاری تھا، امیر حیدر شاہ اور مولانا عبداللہ الغزنوی کی صحبت نے نوکروں کی ملازمت سے بھی کراہت کا جذبہ بیدار کردیا اور اہل خاندان نے زراعت کے علاوہ طبابت کو ذریعہ معاش بنالیا۔ میرا خیال ہے کہ قاضی نظام الدین ہی کے عہد میں جماعت مجاہدین سے ایک گونہ ربط وضبط پیدا ہوگیا ہوگا، لیکن خاندان کے جن افراد کا تعلق حکومت کی دار وگیر کے سلسلے میں منظر عام پر آیا وہ دو تھے: ایک قاضی عبدالرؤف (ابن قاضی محمد حنیف بن قاضی قطب الدین بن قاضی رکن الدین بن قاضی بدر الدین) اور دوسرے عبیداللہ (بن قاضی عبداللہ بن قاضی نظام الدین بن قاضی شرف الدین بن قاضی بدر الدین)۔

ان دونوں نے اعانت مجاہدین کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا اور میرے اندازے کے مطابق دونوں ۴-۱۹۰۳ء سے گرفتاری (جون ۱۹۲۰ء) تک انتہائی سرگرمی کے ساتھ کام کرتے رہے، یہاں تک کہ امست بھی گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خاندان کے دوسرے افراد بھی بہرحال ان کے شریک ومعاون ہوں گے، اگرچہ ان کی گرفتاری کے بعد کسی دوسرے کے ربط وتعلق کا اثبات قرین دانشمندی نہ تھا۔

مقدمے کی کیفیت

مقدمے کی سرسری کیفیت یہ ہے کہ کارکنان جماعت مجاہدین میں سے چار پانچ

گذشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ: ... کہا اور بیٹھ جایئے۔ انھوں نے پرواہ نہ کی، دوسرے روز بھی یہی ہوا، تیسرے روز اس نے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اتار لیا۔ مصافحہ کرتے ہی ٹکا کا شوق ختم ہوگیا، وہیں ٹھہر گئے، چند روز کے بعد مگر بار انھیں سونا چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر اسی رہنما کی تلاش میں سوات: غلام رسول قلعہ میاں سکھ والے کے پاس گئے اور ان سے فیض حاصل کرکے اور جبکان پر پہنچے۔ (سوانح حیات ص: ۱۳۱-۱۳۲)

افراد یعنی یعقوب درویش، محمد حسین عرف محمد عمر، سلیمان عرف ایوب، غلام محمد عرف محمد، احمد عرف خان بہادر بم، ریوالور، بندوقیں اور کارتوس یاغستان سے لائے، یہ مولانا بشیر اور مولوی یوسف(۱) نے مرکز اسمست سے بھیجے تھے اور ہدایت کردی تھی کہ مولوی فضل الٰہی وزیرآبادی کو دیدیے جائیں، یہ سب چیزیں بطور امانت لوہے کے ایک صندوق میں بند کر کے قاضی کوٹ میں قاضی عبدالرؤف کے مکان کی ایک کوٹھری کے اندر دفن کردی گئیں۔

۲۷ رجون ۱۹۲۰ء کو علی محمد کانسٹبل متعینہ فیروزپور صبح کے چار ساڑھے چار بجے ملتانی دروازے کو کھول کر امرتسری دروازہ کھولنے کیلئے جارہا تھا، قصوری دروازے کے قریب اس نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیت میں بیٹھا ہے، آواز دی کون ہے؟ کچھ جواب نہ ملا، پھر آواز دی اور کانسٹبل اس آدمی کی طرف گیا، آدمی نے اٹھتے ہی پستول چلایا، لیکن گولی علی محمد کے پاس سے نکل گئی، اس نے دوسری مرتبہ پستول چلانا چاہا، نہ چل سکا، اس اثنا میں ایک شخص نے پیچھے سے آکر پستول چھین لیا، آدمی پکڑا گیا تو اس نے کچھ بتانے سے انکار کردیا۔ جب محکمہ پولیس نے پرانے کاغذات دیکھ کر فیصلہ کیا کہ یہ شخص ڈکیتی کی تین مختلف وارداتوں کا مفرور اور اشتہاری مجرم ہے تو اس نے بتادیا کہ میرا نام احمد ہے، خان بہادر کے نام سے مشہور ہوں، جماعت مجاہدین کا کام کرتا ہوں، میرے والد کا نام ماناں ہے ذات کا بھٹی ہوں، موضع مہت تھانہ جلال آباد ضلع فیروزپور کا باشندہ ہوں، میں اور میرے فلاں فلاں ساتھی مرکز مجاہدین سے اسلحہ لے کر آئے اور وہ اسلحہ قاضی عبدالرؤف کے گھر میں دفن ہے۔

---

(۱) یہ مولوی یوسف وہی ہیں جنہوں نے مدت بعد امیر نعمت اللہ کو قتل کیا اور خود موقع پر مارے گئے، میں نے عرف کے طور پر کارکنوں کے وہ نام لکھے ہیں جو انہوں نے جماعت مجاہدین میں پہنچنے کے بعد اختیار کر لیے تھے۔ ابتدائی نام ان کے اصل نام ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس کے بعد حسب ہدایت گوجرانوالہ کی پولیس نے قاضی عبدالرؤف کے گھر کی دربندی کرلی، ان سے ہتھیاروں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کردیا، لیکن احمد عرف خان بہادر نے قاضی عبدالرؤف کے سامنے اپنا بیان دہرایا تو اقرار واقبال کے سوا چارہ نہ رہا، دفن شدہ صندوق نکال لیے گئے۔ خان بہادر کے علاوہ قاضی عبدالرؤف اور قاضی عبیداللہ بھی گرفتار ہوگئے۔ مولوی فضل الٰہی، محمد حسین عرف محمد عمر، سلیمان عرف ایوب، غلام محمد عرف محمد کا اس وقت کوئی پتہ نہ تھا، قاضی عبیداللہ کو سلطانی گواہ بنالیا گیا، ان کے اور احمد عرف خان بہادر کے بیانات سے اکثر کارکنوں کے ناموں کا علم ہوگیا، ان سب کو گرفتار کرکے مقدمے میں پھانسنے کی کوشش کی گئی، مثلاً خواجہ عبدالعزیز دفتر اکاؤنٹنٹ سے، مولوی الٰہی بخش بمبانوالہ سے، محمد رمضان، مستری ابراہیم اور حافظ عنایت اللہ اثری خطیب جامع اہل حدیث گجرات وزیرآباد سے، حاجی بشیر الدین جوتے والے اور خلیفہ اسحاق دہلی سے گرفتار ہوکر آئے، ان حضرات نے بہت تکلیفیں اٹھائیں لیکن شرکت جرم کا کوئی ثبوت نہ ملنے کے باعث رہا کردیے گئے۔

بعض تعجب انگیز امور

اس مقدمے کے سلسلے میں بعض امور سراسر حیران کن ہیں، مثلاً:

۱- احمد عرف خان بہادر نے جو ایک مخلص کارکن تھا کس بنا پر گرفتار ہوتے ہی تمام راز افشا کردیے؟

۲- قاضی عبیداللہ کے مخلص اور صادق العہد ہونے میں کلام نہ تھا، وہ اس سے پیشتر بھی ایک مرتبہ مولوی فضل الٰہی کے زمانہ اسیری میں موصوف سے خط وکتابت کے باعث گرفتار ہوچکے تھے اور کم وبیش سولہ سال تک جماعت کا کام انجام دیتے رہے تھے۔ انہوں نے کس وجہ سے سلطانی گواہ بننا منظور کرلیا؟ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان کے اقبالی بیان سے کسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دوسرے ملزم کو نقصان پہنچتا یا نہ پہنچتا، لیکن ملزموں میں قاضی عبدالرؤف بھی شامل تھے، جو قاضی عبیداللہ کے ہم خاندان ہونے کے علاوہ ان کے بہنوئی بھی تھے، کیا قاضی عبیداللہ کو یہ خیال نہ آیا کہ اپنے اتنے قریبی رشتہ دار کے خلاف ایک سنگین الزام کے اثبات میں حکومت کا معاون بننا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں؟

۳- اس مقدمے میں استغاثے کی طرف سے شہادتیں دینے والے بعض وہ حضرات تھے جو جماعت کے سرگرم کارکن رہ چکے تھے، مثلاً تاج محمد عرف نصراللہ، اللہ دتا عرف عبدالحکیم، مولوی ولی محمد صاحب ساکن فتوحی والا بھی گواہانِ استغاثہ ہی میں شامل تھے، حالانکہ وہ سولہ سترہ سال دعوت جہاد کی مشعل لئے پنجاب کے مختلف اضلاع میں دورے کرتے اور مسلمانوں کے سینوں میں دینی حمیت کے چراغ جلاتے رہے تھے اور سینکڑوں مسلمان انہیں کے وعظ و تذکیر سے متاثر ہو کر جماعت مجاہدین میں شامل ہوئے تھے۔

میرا اندازہ

بادی النظر میں ان امور کے متعلق کوئی اطمینان بخش اور دل پذیر توجیہ ذہن میں نہیں آتی، احمد عرف خان بہادر کے متعلق میرا احساس ابتدا ہی سے یہ ہے کہ گرفتار ہوتے ہی اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ جب پولیس نے اپنے خاص ہتھکنڈوں سے کام لے کر اسے تین سنگین وارداتوں کا مسلمہ مجرم قرار دے لیا تو اس نے سمجھا کہ اپنے اصلی تعلق کا اعتراف کر لے خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہو، اور ان الزامات سے بچ جائے، جن سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ جب جماعت مجاہدین سے تعلق کا اقرار کر لیا تو پولیس نے باقی راز بھی اگلوا لئے، قاضی عبیداللہ کے سامنے احمد خان بہادر کا اقبالی بیان آیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اب انکار یا سکوت بالکل بے سود ہے، لہٰذا جو کچھ معلوم تھا صاف صاف بتا دیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

باقی تین اصحاب کی حیثیت خان بہادر اور قاضی عبید اللہ سے مختلف ہے، وہ خاص تصورات کی بناء پر جماعت مجاہدین سے وابستہ ہوئے تھے جو امیر عبد اللہ اور امیر عبد الکریم کے عہد تک بالکل بجا و درست تھے۔ یہ زمانہ گذر چکا، نیا دور آیا اور انہیں اسمست میں طویل قیام کا موقع ملا، تو دیکھا کہ جو تصورات انہوں نے قائم کر رکھے تھے وہ ہرگز درست نہ تھے، اس طرح ان کے دل ٹوٹ گئے اور یقین ہو گیا کہ جو کچھ انہوں نے کہا اور کیا تھا وہ سراسر غلط تھا، وہ ''بر و تقویٰ'' کے لئے قربانیاں کرتے اور قربانیوں کی طرف دعوت دیتے رہتے تھے، لیکن ان کا سارا عمل ''اثم و عدوان'' سے تعاون پر منتج ہوا۔ اس وجہ سے وہ جماعت کو چھوڑ کر چلے آئے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں انہیں جماعت کی کسی مصلحت سے کوئی دلچسپی نہ ہو سکتی تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق ایک شدید گناہ کے مرتکب ہوئے تھے، اور اس کی تلافی کی صورت یہی تھی کہ تمام اصحاب کو اس سے بچانے کی امکانی کوشش کرتے، چنانچہ انہوں نے بے تکلف مخالفانہ بیان دیدیے۔

پیشیاں اور سزائیں

مقدمہ ابتدائی تحقیقات کیلئے خان غلام مجسٹریٹ درجہ اول، گوجرانوالہ کی عدالت میں پیش ہوا، اس میں بہت سے اصحاب نے استغاثے کی طرف سے شہادتیں دیں، ہمارے نزدیک سب سے بڑھ کر دلچسپ شہادت میر فضل امام انسپکٹر سی آئی ڈی کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ مقدمہ ایک بہت بڑی اور وسیع سازش کا جزو ہے، جس میں بہت سے اصحاب شامل ہیں، مثلاً: امیر امان اللہ خاں (فرمانروائے افغانستان)، جنرل نادر خاں (جو بعد ازاں نادر شاہ کے لقب سے فرمانروائے افغانستان بنے)، مولوی عبد الرحیم عرف محمد بشیر، مولانا عبید اللہ سندھی، مولوی یعقوب جو مجاہدین چمرکنڈ میں شامل ہے،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ملا نجیم (۱)، عبد الصمد عرف پیر محمد (چمر کنڈ)، ذوالقرنین عرف کرم الٰہی (چمر کنڈ)، امیر نعمت اللہ (امیر مجاہدین) وغیرہ۔

۲۳ دسمبر ۱۹۲۰ء کو خان غلام حسن خاں نے ملزم سیشن سپرد کر دیے، ۱۴ جنوری سے رائے بہادر گنگا رام سیشن جج کی عدالت میں سماعت شروع ہو گئی، قاضی عبد الرؤف کی طرف سے شیخ دین محمد وکیل تھے، ۲۱ اپریل ۱۹۲۱ء کو سیشن جج نے یہ حکم سنایا:

۱- احمد عرف خان بہادر، زیر دفعہ ۱۲۰ بی ۳۰۲ تعزیرات ہند سات سال قید، ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور زیر دفعہ ۲۰ قانون اسلحہ سات سال قید۔

۲- قاضی عبد الرؤف زیر دفعہ ۱۲۰ بی ۳۰۲ تعزیرات ہند چار سال قید، چار سو روپیہ جرمانہ اور زیر دفعہ ۲۰ قانون اسلحہ چار سال قید۔

ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی، ۱۰ اگست ۱۹۲۱ء کو جسٹس مارٹینو نے فیصلہ سنایا، سزائیں بحال رکھی گئیں، لیکن یہ حکم دیدیا کہ قید کی دونوں سزائیں بیک وقت شروع ہوں، چنانچہ احمد عرف خان بہادر سات سال کی سزا پوری کر کے رہا ہوا اور غالباً ۱۹۵۰ء میں وفات پائی۔ قاضی عبد الرؤف بعد انقضائے سزا رہا ہوئے، آج کل چک (۴۹) مجاہد آباد (ڈاک خانہ لودھراں ضلع ملتان) میں سکونت پذیر ہیں۔ مولوی فضل الٰہی نے اٹھائیس مربعے زمین ان اصحاب کیلئے حاصل کی تھی جنہیں تحریک مجاہدین کے سلسلے میں نقصان پہنچا تھا، ان میں سے دو مربعے قاضی صاحب موصوف کو دیے گئے، اکاسی بیاسی سال کی عمر ہے، بینائی اور سماعت میں خلل آ چکا ہے، چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔

محمد حسین عرف محمد عمر پشاور میں گرفتار ہوا، وہاں سے سات سال کی سزا ہوئی، پھر زیر غور مقدمے میں اسے چودہ سال کی سزا دی گئی، اسکے حالات پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔

(۱) معلوم نہ ہو سکا یہ کن صاحب کی طرف اشارہ ہے، میرا خیال ہے کہ اس سے مراد ملا نجم الدین عرف ملا صاحب ہڈا ہیں، حالانکہ موصوف اس سے پیشتر واصل بحق ہو چکے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قاضی عبدالرؤف کا بیان

میں نے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل اور قاضی حکیم عبدالرحیم صاحب کی عنایت سے مقدمہ قاضی کوٹ کی مثلیں دیکھ لی تھیں، مجھے ان میں قاضی عبدالرؤف اور خان بہادر کے بیانات نہ ملے، اب قاضی عبدالرؤف سے پورے واقعات معلوم کر لیے، اس بیان سے بعض ایسی باتیں روشنی میں آئیں جو پہلے معلوم نہ تھیں وہ خلاصۃً ذیل میں درج ہیں:

۱- اسلحہ قاضی عبیداللہ کے پاس بھیجے گئے تھے، وہ سرگودھا میں تھے، قاضی عبدالرؤف نے لانے والوں کو قاضی عبیداللہ کے مہمان سمجھ کر کھانا کھلایا، پھر ان کی خواہش کے مطابق مولانا فضل الٰہی کو وزیر آباد بلوا دیا، خود قاضی عبدالرؤف کو اسلحہ وغیرہ کا ایک وقت تک کوئی علم نہ تھا۔

۲- وہ مولوی فضل الٰہی کے ہاتھ پر بیعت امارت کر چکے تھے، مولوی فضل الٰہی نے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر بیعت کی تصدیق کرائی، پھر اسلحہ کے متعلق بتایا اور قاضی عبدالرؤف نے اسلحہ کا صندوق اپنے مکان میں دفن کر دیا، بعد ازاں مزید بم آئے، اس وقت قاضی عبیداللہ بھی آئے ہوئے تھے لہٰذا عبدالرؤف اور عبیداللہ دونوں نے یہ بم بھی صندوق میں رکھ دیے۔

۳- خان بہادر کی والدہ بیمار تھی، وہ مولانا فضل الٰہی سے پانچ سو روپے لیکر فیروز پور چلا گیا اور وہاں پکڑا گیا، تفصیل وہی ہے جو اوپر پیش کی جا چکی ہے۔

۴- جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، خان بہادر نے گرفتاری کے بعد سب کچھ بتا دیا اور سرکاری گواہ بننے کی کوشش کی، یہ واقعہ قاضی عبیداللہ اور قاضی عبدالرؤف دونوں کیلئے اس طرح اچانک پیش آ گیا کہ انہیں انکار واختلاف کی گنجائش نظر نہ آئی۔ حکومت نے سوچ سمجھ کر قاضی عبیداللہ کو سرکاری گواہ بنا لیا اور معافی کا وعدہ کر لیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

۵- قاضی عبدالرؤف خود گرفتار ہو چکے تھے لیکن انھوں نے مولانا فضل الٰہی کو بروقت پیغام بھیج دیا اور وہ بچ کر سرحد آزاد میں پہنچ گئے۔

ایک اہم معاملہ

قاضی عبدالرؤف نے جو سب سے بڑھ کر اہم اور بطور خاص توجہ طلب بات بتائی، یہ تھی کہ مولانا نعمت اللہ امیر جماعت مجاہدین نے ایک بم اسی سائز اور رنگ کا انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا جیسے بم قاضی کوٹ بھیجے گئے تھے، یہ بم بطور ثبوت بھیجا گیا تھا اور سرحد سے ایک انگریز افسر نے آ کر اسے عدالت میں پیش کیا۔ شیخ دین محمد نے محمد حسین وغیرہ کے علاوہ قاضی عبدالرؤف کی وکالت بھی احسن طریق پر کی، غالباً امیر نعمت اللہ کا بم عدالت میں پیش ہونے ہی کی بناء پر مولانا فضل الٰہی نیز ان کے بعض رفیقوں اور امیر صاحب کے درمیان مخاصمت کا آغاز ہوا، یہاں تک کہ اسی وجہ سے امیر صاحب بالآخر قتل ہوئے۔

قاضی عبدالرؤف نے اپنی طرف سے مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم مرحوم میر سیالکوٹی کو بھی بطور گواہ پیش کیا، جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے قاضی صاحب کو مختلف دفعات کے ماتحت چار چار سال قید اور چار سو روپے جرمانے کی سزا ہوئی تھی، ہائی کورٹ نے قید کی دونوں سزائیں بیک وقت شروع کرنے کا حکم دیا، چنانچہ قاضی صاحب سزا پوری کر کے اکتوبر ۱۹۲۴ء میں رہا ہوئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خاندان قاضیاں کا شجرۂ نسب

www.BestUrduBooks.wordpress.com
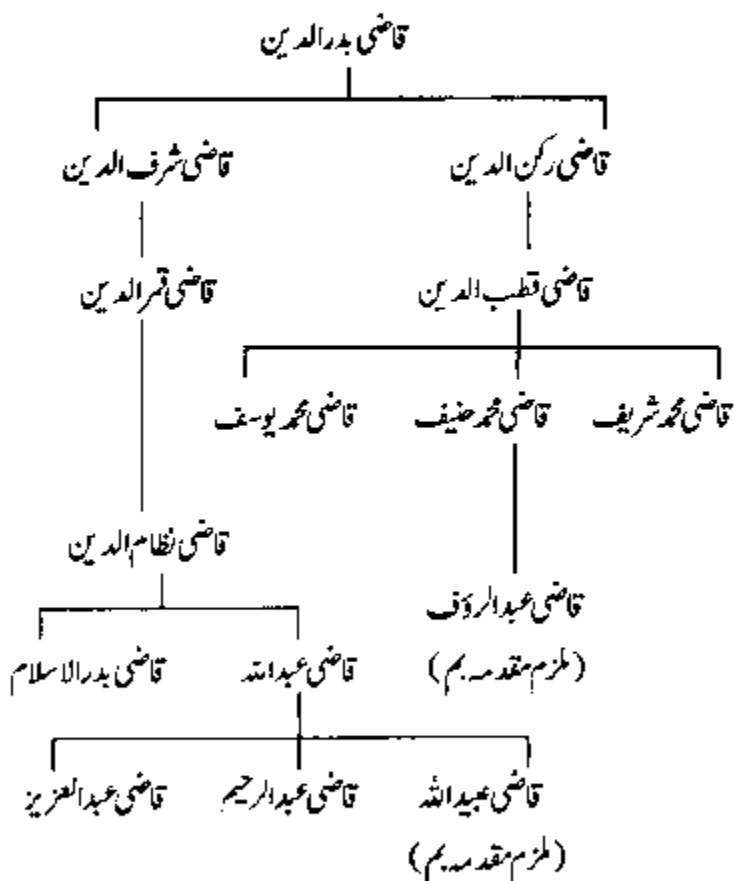
تیسرا باب:

مولانا عبدالقادر قصوری

مولانا عبدالقادر قصوری

اب ہم ان اربابِ عزیمت کے حالات پر پہنچ گئے ہیں جنہوں نے ملک کے اندر رہ کر جماعت مجاہدین کا کام کیا یا وہ ترکِ وطن کر کے مرکز میں پہنچے اور وہاں کچھ مدت گزار کر واپس آ گئے یا باقی عمر باہر ہی گزاری یا دوسرے مشاغل کے باوجود جماعت مجاہدین کے کام کو تقویت پہنچائی۔ ان سب کے اسماء و احوال سے آگاہی نہ ہو سکی اور فی الحال اپنی معلومات پیش کر دینے کے سوا چارہ نہیں، اس سلسلے کا آغاز مولانا عبدالقادر قصوری سے کرتے ہیں۔

مولانا کے خاندانی حالات کا سرسری ذکر ان کے فرزند ارجمند مولوی محمد علی کے تذکرے میں آ چکا ہے اور ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ مولانا کے والد مولوی غلام احمد اور قصبہ میاں سنگھ کے مشہور بزرگ مولانا غلام رسول میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے، چنانچہ مولانا کی رسم بسم اللہ مولانا غلام رسول ہی نے ادا کی تھی، دینیات کی تعلیم گھر پر پائی، پھر اورینٹل کالج لاہور میں داخل ہوئے، اس زمانے میں اورینٹل کالج کے طلبہ بھی انگریزی خواں طلبہ کے ساتھ امتحانوں میں بیٹھ سکتے تھے، البتہ وہ جواب اردو میں لکھتے تھے۔ مولانا عبدالقادر امتحان میں سب سے اول نمبر پر آئے اور انگریزی خواں طلبہ میں سے بھی کوئی ان کے برابر نہ پہنچ سکا۔ ممتحنوں کو یقین نہ آیا کہ کوئی اردو خواں طالب علم انگریزی خواں طلبہ پر بھی سبقت لے جا سکتا ہے، پرچے واپس کئے گئے اور امتحان دوبارہ

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہوا۔ مولانا نے دوبارہ اول درجہ حاصل کیا اور انہیں سولہ روپے ماہواری وظیفہ ملا۔ مولانا کا کمال ایثار ملاحظہ ہو کہ وظیفے کی رقم پوری اپنے چھوٹے بھائی عبدالحق کی تعلیم کے لئے دے دیتے اور خود اس قلیل سی رقم میں گزران کرتے جوان کے والد بھیجتے، قانون کا امتحان بھی اعزاز سے پاس کیا۔

وکالت

وہ سوچ رہے تھے کہ کہاں وکالت شروع کریں، اس دوران میں قصور کا ایک مقدمہ مل گیا، غالباً پانچ روپے اس کی فیس تھی، مولانا ایک آدمی کو ساتھ لے کر قصور پہنچے، یہ خیال بھی تھا کہ دیکھیں قصور میں وکالت شروع کرنے کے امکانات اچھے ہیں یا نہیں۔ مختصر سا سامان ہمراہ تھا، تحصیلدار کے ہاں مقدمے کی پیشی تھی، فیصلہ مولانا کے حق میں ہوا۔ قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ تحصیلدار پہلے ہی مقدمے میں مولانا کی جرح سن کر حد درجہ متاثر ہوا، مقدمے کے بعد انہیں تاکیدی مشورہ دیا کہ آپ قصور ہی میں ٹھہر جائیں ماشاءاللہ بہت جلد ترقی کریں گے اور بہترین وکیلوں میں آپ کا شمار ہوگا۔

یہ پیشگوئی درست ثابت ہوئی، مولانا تھوڑی ہی دیر میں نامور وکیل بن گئے، چنانچہ قصور ہی میں توطن اختیار کر لیا، اسی مقام کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ جائیداد بھی خرید لی اور عالی شان مکان بھی بنا لیا، وفات کے بعد اسی سرزمین کی آغوش میں آسودگی پائی۔

وکیلوں اور بیرسٹروں کے خاص طبعی رجحانات ہوتے ہیں، بعض فوجداری میں کمال پیدا کر لیتے ہیں اور بعض دیوانی میں، مولانا کا کمال یہ تھا کہ وہ دیوانی و فوجداری دونوں میں یکساں درجۂ امتیاز پر پہنچے، آخر میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ دور دور کے اضلاع سے لوگ آتے اور گراں قدر فیس دے کر انہیں ساتھ لے جاتے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بدیشی اشیاء سے احتراز

وہ طبعاً سادگی پسند تھے، اگرچہ مالی لحاظ سے امیروں میں محسوب ہوتے تھے، ہزاروں روپے خرچ کر کے اپنے دو فرزندوں اور ایک بھتیجے کو ولایت بھیجا، ہزاروں روپے قومی کاموں میں صرف کیے، دوستوں کی ضمانتوں میں ہزاروں روپے کا نقصان اٹھایا، دسترخوان پر ہمیشہ پانچ دس مہمان ضرور ہوتے، لیکن ان کا اپنا طریق بود و ماند ہر قسم کے تکلفات سے پاک رہا، عمر بھی سادہ لباس پہنا، معمولی پاجامہ جس کی وضع نیم شلوار کی سی ہوتی تھی، معمولی قمیص اور بند گلے کا لمبا کوٹ، سر پر معمولی ٹوپی، سردیوں میں گرم صدری اور کوٹ پہنتے تھے اور پاؤں میں گرگابی نما دیسی جوتا۔

بدیشی اشیاء سے پہلے بھی چنداں دل بستگی نہ تھی، ابتدائی دور ہی میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کے باعث بدیشی اشیاء سے امکانی احتراز کا پختہ عہد کر لیا اور زندگی بھر اس عہد کے پابند رہے۔

ان کے والد وقتاً فوقتاً قصور آتے رہتے تھے۔ وہ روزانہ دس پارے تلاوت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آئے تو مکان کے صحن میں دو تخت بچھے ہوئے تھے، نماز فجر سے فراغت کے بعد وہ تلاوت کے لئے ایک تخت پر بیٹھ گئے، دوسرے تخت پر مولانا مقدمات کی تیاری کرنے لگے، انہوں نے پنسل بنانے کے لئے چاقو اٹھایا تو والد کی نظر اتفاقیہ اس پر پڑ گئی، پوچھا کہ کیسا چاقو ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ جرمنی کی ایک فرم راجرس کا بنا ہوا ہے اور ساڑھے سات آنے میں خریدا ہے۔ یہ سنتے ہی والد بولے: کیا تمہیں اپنے ہمسایے کا بھی کچھ خیال ہے، جو چھ پیسے میں چاقو دیتا ہے اور جب چاہو اسے سان پر لگوا کر تیز کرا سکتے ہو؟ سب لوگ باہر کے چاقو خریدنے لگیں گے تو اس ہمسایے کے چاقو کون خریدے گا، اور اسے کہاں سے روزی ملے گی؟

بس اس واقعے نے مولانا کو بدیشی اشیاء سے مزید متنفر کردیا، چنانچہ بدیشی مال کے بائیکاٹ کی تحریک یہاں جاری ہونے سے بہت پہلے وہ دیسی اشیا کا استعمال پابندی سے شروع کر چکے تھے۔

یگانۂ استقامت

ترکِ موالات کی تحریک میں وکالت چھوڑی تو ان کی آمدنی ہزاروں روپے ماہوار تھی۔ ۲۵-۱۹۲۴ء میں ترکِ موالات کی تحریک عملاً ختم ہو چکی تھی اور ان کے بہت سے رفیق وکالت شروع کر چکے تھے۔ مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے وفد ان کے پاس پہنچے اور اصرار کرتے رہے کہ وہ بارہ وکالت شروع کردیں، لیکن وہ جس کام کو غیر مناسب سمجھتے ہوئے ایک مرتبہ ترک کر چکے ہیں دوبارہ اس کے اختیار پر آمادہ نہ ہوئے، اگرچہ ان کی مالی حالت ویسی نہ رہی تھی جیسی ترکِ وکالت کے آغاز میں تھی۔ اور وہ اگر محض قانونی مشورے دینے پر بھی آمادہ ہو جاتے تو ہزاروں روپے کی آمدنی ہو سکتی تھی، لطف یہ کہ مولانا اس وقت ترکِ موالات کے پورے پروگرام کی صحت کے قائل نہ رہے تھے اور سوراج پارٹی کے ہم خیال تھے، جو کونسلوں میں جاتے اور اندر جا کر حکومت کے کاروبار میں زیادہ سے زیادہ خلل ڈالنے کی حامی تھی۔ وہ پختہ عزائم، استوار ارادوں اور بلند اصول کے بزرگ تھے، زمانے کے تغیرات ان کی استقامت پر کبھی اثر انداز نہ ہوئے۔

بے مثال دیانت

مولانا پنجاب میں خلافت اور کانگرس کی تحریک کے روحِ رواں تھے، جب تک مجلس خلافت باقی رہی اسکے صدر رہے، اصابتِ رائے اور شانِ استقامت و ایثار کی بدولت انہیں آل انڈیا مجالس میں بھی عزت و تکریم کا ممتاز درجہ حاصل تھا، اس مدت میں سیکڑوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مرتبہ انہیں دور دراز کے سفروں اور دوروں کی ضرورت پیش آئی، اضلاع پنجاب کے دورے تو بہ کثرت ہوتے رہے، ابتداء میں وہ اپنا اور رفیقوں تک کا کرایہ اپنی جیب سے ادا کرتے تھے، جب مالی حالت زیادہ اچھی نہ رہی تو اس وقت بھی اپنے سفر یا دوسرے مصارف کا بار خلافت یا کانگریس پر کبھی نہ ڈالا، نہ کسی بھی شکل میں ان مجالس کے سرمایوں سے کبھی کوئی بڑی یا چھوٹی رقم وصول کی۔

انہیں اکثر لاہور آنا پڑتا اور بعض اوقات کئی کئی دن یہاں ٹھہرتے، دن بھر قومی کام کرتے، بیسیوں مہمانوں کیلئے دفتر خلافت میں کھانا تیار ہوتا، مولانا صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اپنے بھائی مولوی عبداللہ کے مکان سے دفتر میں پہنچ جاتے، اپنے پیسوں سے موسم کا کوئی میوہ اور دودھ منگوا کر ناشتہ کر لیتے، دونوں وقت کا کھانا اپنے بھائی کے ہاں کھاتے، مجلس کا کھانا کبھی نہ کھایا، حد یہ ہے کہ دفتر میں بیٹھے بیٹھے کوئی ذاتی خط لکھنے کی ضرورت پیش آتی تو کاغذ اور لفافہ بھی دفتر سے نہ لیتے، اپنے پیسے دیکر بازار سے منگواتے۔

وزارت کی پیشکش

حج کیلئے گئے تو سلطان عبدالعزیز آل سعود سے اصلاحِ نظامِ حکومت کے متعلق مفصل گفتگو ہوئی، سلطان مولانا کی بات چیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اصرار کیا کہ حجاز میں وزیر یا مشیر کا عہدہ قبول فرمالیں، مولانا نے صاف انکار کر دیا، واپس آئے تو ایک مرتبہ عزیزوں اور دوستوں کی مختصر سی مجلس میں حالات سناتے ہوئے اس بات کا ذکر فرمایا، سب نے بالاتفاق کہا کہ اس پیشکش کو قبول کر لینے میں کیا مضائقہ تھا، بہر حال یہ ایک اسلامی مملکت کی خدمت تھی، یہ رائے پیش کرنے والوں میں ان کے فرزند مولوی محمد علی بھی تھے۔ مولانا نے جواب دیا:

سنو محمد علی! مجھے خدمت قبول کر لینے کا مشورہ دیتے ہو تو پہلے میرے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

لئے تین ہزار روپے ماہوار کا مستقل انتظام اپنے پاس سے کر دو، میں واپس جا کر خدمت اپنے ذمے لے لیتا ہوں، لیکن سلطان سے تنخواہ لیکر خدمت کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ اسلام و مسلمین کی بہتری یا ملکی مصالح کے پیشِ نظر جو کچھ ضروری ہوگا اسی صورت میں سلطان سے صاف صاف کہہ سکوں گا جب اس کا یا اسکی حکومت کا کوئی احسان مجھ پر نہ ہوگا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ حق گوئی اور حق نمائی کے بجائے صرف اپنی ملازمت کی حفاظت میرا نصب العین رہ جائے۔ اس طرح خدمت کا حقیقی شرف کیوں کر قائم رہ سکے گا؟ یا آج خدمت قبول کر لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کل اسے چھوڑنا پڑے، اصل مقصد یوں بھی پورا نہ ہوگا۔

اعانتِ مجاہدین

انہوں نے ملکی اور سیاسی کاموں میں جس سرگرمی، انہماک اور جوشِ حمیت سے حصہ لیا اور جو جو کارنامے انجام دیے، ان کی تفصیل پیشِ نظر کتاب کے موضوع سے خارج ہے، یہ حالات تفصیلاً ہمارے عہد کی سیاسی تاریخ میں بیان ہوں گے جو اس وقت زیرِ تالیف ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا ضروری ہے کہ مولانا اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں جماعتِ مجاہدین سے وابستہ ہو گئے تھے، وہ اپنی آمدنی کا خاصا حصہ اس کام میں صرف کرتے تھے اور ان کے پاس جماعت کے کارکن بھی آتے رہتے تھے۔ جو لوگ ہجرت کے آرزومند تھے وہ بھی مشورے کیلئے مولانا کے پاس پہنچتے تھے اور اب تک ایسے اصحاب موجود ہیں جو مولانا کے حکم سے مختلف آدمیوں کو سرحدِ آزاد میں پہنچاتے رہے۔

مولوی محمد علی مرحوم نے دو تین مرتبہ ذکر کیا کہ میری عمر زیادہ نہ تھی جب والدِ محترم کے پاس ایسے آدمی بہ کثرت آیا کرتے تھے، جنہیں جماعتِ مجاہدین ہی کے رکن سمجھا جا سکتا تھا، لیکن مولانا کے ضبط و احتیاط کا اہتمام ملاحظہ ہو کہ حقیقتِ حال کبھی اپنے عزیز فرزندوں پر بھی ظاہر نہ ہونے دی، حالانکہ انہیں تمام مشوروں میں شریک رکھتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی محی الدین احمد کو بھی ایسے کئی واقعے یاد ہوں گے۔

ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ مولوی ولی محمد (ساکن فتوحی والے) میری موجودگی میں آئے اور والد محترم سے کہا کہ اتنے پونڈ دے دیجئے (۱) میں ایک خاص رقم پوری کر کے مجاہدین کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے غالباً دو مرتبہ خلافت کے سرمایے میں سے بھی خاصی بڑی رقم جماعت مجاہدین کو بھجوائی تھی، غالباً یہ رقم کسی ایک فرد یا مختلف افراد نے اسی غرض سے دی تھی۔

پیکر محاسن

مولانا کی صحت آخری دنوں میں اچھی نہ رہی تھی، لیکن وہ کاموں میں لگے رہتے تھے، مشورے لینے والے دوستوں اور نیاز مندوں کو مشورے دیتے خواہ مشورے ذاتی معاملات کے متعلق ہوتے یا قانونی معاملات کے متعلق، ہمدردی اور لطف ونوازش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ان کے پاس پہنچ جاتا اس کے ہر کام میں ہر ممکن مدد دیتے، خواہ سیاسی و عوامی دائرے میں اس سے کتنا ہی اختلاف ہوتا۔ وہ واحد بزرگ دیکھے جنہوں نے سیاسی اختلافات اور ذاتی تعلقات کو ہمیشہ الگ الگ رکھا اور اختلاف کی انتہائی شدت میں بھی ذاتی تعلقات کو اس شان سے نباہا گویا کبھی کوئی اختلاف پیش ہی نہ آیا تھا۔ جن لوگوں نے قومی کاموں میں تکلیفیں یا نقصان اٹھائے تھے، ان کی بے حد قدر فرماتے، جب تک اپنی مالی حالت اچھی تھی اس طریق پر ان کی امداد کرتے کہ امداد لینے والے کے سوا آج تک کوئی اس سے آگاہ نہ ہوسکا۔ غور وفکر کے بعد جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے، وسعت حوصلہ کا یہ رنگ تھا کہ اختلاف رکھنے والوں کی بھی قدر کرتے، کبھی کسی کے اختلاف پر ملال نہ پیدا ہوا، اور کبھی کسی کے اختلاف کو سوء ظن پر محمول نہ کیا، اپنی رائے

---

(۱) مولوی محی الدین احمد کو صحیح رقم یاد نہ تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہر مجلس میں بے تکلف پیش کر دیتے تھے، کبھی کسی بڑے آدمی کی غیر مناسب رعایت ضروری نہ سمجھی، لیکن گفتگو کا طریقہ ایسا نہ تھا کہ کسی کو خواہ مخواہ رنج پیدا ہو، ہمیشہ رائے کو دلائل سے موثوق بناتے اور دوسرے کے نقطۂ نگاہ کی تضعیف بھی دلائل سے کرتے۔ غرض سیاسی لیڈروں میں مولانا جیسا جامع اوصاف شخص بہت کم دیکھنے میں آیا۔

وفات

اگرچہ آخری دنوں میں سرگرم سیاسی مشاغل سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، لیکن پوری زندگی وسیع دائرۂ احباب و رفقاء میں گزاری تھی، اس لئے لوگ بہ کثرت ان کے پاس آتے رہتے تھے۔ بیماری کا شدید دورہ اس زمانے میں ہوا جب وہ اپنے بھتیجے ڈاکٹر جنید کے پاس رام پور گئے ہوئے تھے۔ ذرا طبیعت اچھی ہوئی تو لاہور آ گئے اور اپنے فرزند ارجمند مولوی محمد علی بیرسٹر ایٹ لا کے پاس ٹھہر گئے، جو اس زمانے میں لٹن روڈ پر رہتے تھے۔ طبیعت کمزور ضرور تھی، اس لئے لیٹے رہتے تھے یا کبھی چارپائی پر سہارا لے کر بیٹھ جاتے، لیکن یہ خیال نہ ہو سکتا تھا کہ دائمی مفارقت کا وقت اتنا قریب آ پہنچا ہے۔ میں نے اس زمانے میں کئی مرتبہ گھنٹوں ان سے باتیں کیں۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۴۲ء (۶ر ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ) بروز دوشنبہ پانچ بجے شام لاہور میں انتقال کیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت میت کو قصور لے جا کر دفن کیا گیا۔

مولوی محی الدین احمد

مولانا عبدالقادر کے فرزند اکبر ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ بی، اے پاس کر لینے کے بعد مولانا انہیں بیرسٹری کے لئے ولایت بھیجنا چاہتے تھے، انہوں نے اس پیشے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد علی ولایت گئے، کیمبرج سے ڈگری لینے کے علاوہ بیرسٹری کے لکچر بھی پورے کر لئے تھے، امتحان نہ دے سکے تھے، وطن آئے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس اثناء میں جنگ یورپ چھڑ گئی اور بیرسٹری رہ گئی۔

محی الدین احمد نے کچھ مدت لاء کالج میں گزاری، انہوں نے خود ایک مرتبہ بہ طور لطیفہ سنایا کہ ہم دونوں بھائیوں میں سے کوئی بھی آبائی پیشے کے قابل نہ بنا، حالانکہ والد محترم کی خواہش یہی تھی۔ ایک مرتبہ کسی عزیز کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقیہ یہی مسئلہ زیر گفتگو آ گیا، خواجہ حافظ کا دیوان سامنے پڑا تھا، میں نے بطور تفنن اس میں سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا:

چند بہ ناز پرورم مہر بتانِ سنگ دل

یادِ پدر نمے کنند ایں پسرانِ ناخلف

میں نے آخری مصرع والد محترم کے سامنے بدل کر یوں پڑھا:

''کارِ'' پدر نمے کنند ایں پسرانِ ناخلف

اور کہا کہ لیجئے خواجہ حافظ بھی ہمارے ہم رائے ہیں، والد صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

مولانا کے سب سے چھوٹے فرزند محمود علی نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور آج وہ ممتاز ترین وکلاء میں شمار ہوتے ہیں۔

اخبار نویسی اور نظر بندی

مولوی محی الدین احمد کچھ مدت متفرق مشاغل میں بسر کرنے کے بعد کلکتہ چلے گئے اور وہاں سے مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں ''اقدام'' کے نام سے ایک عالی شان روزنامہ جاری کیا۔ جنگ کا زمانہ تھا، مولانا آزاد کے لئے بنگال سے اخراج کا حکم جاری ہو گیا اور وہ رانچی چلے گئے۔ مختلف صوبوں کی حکومتوں نے اپنے اپنے علاقوں میں ''اقدام'' کا داخلہ بند کر دیا۔ مولوی محی الدین احمد مجبوراً اخبار بند کر کے وطن واپس آئے،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قصور سے انہیں لاہور بلایا گیا اور آنا فانا گرفتار کر کے لاہور جیل میں بند کر دیا گیا۔ پھر سی آئی ڈی کے ایک افسر کے روبرو پیشی ہوئی، اس نے چھوٹتے ہی کہا کہ ہمیں معتبر ذریعے سے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے، اگر سچ سچ بتا دو تو خیر، ورنہ بڑی سخت سزا دی جائے گی۔ محی الدین احمد نے بے تکلف جواب دیا کہ اگر آپ کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ اگر میں کوئی بات آپ کی معلومات کے خلاف کہہ دوں گا تو ظاہر ہے کہ آپ سمجھیں گے یہ معتبر ذریعے سے حاصل کردہ معلومات کے خلاف ہے۔

وہ افسر بہت جز بز ہوا اور حکم دیا کہ محی الدین احمد کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف کر کے ہتھکڑی لگا دو اور اسے تھرڈ کلاس میں سوار کر کے ہوشیار پور چھوڑ آؤ۔ اس جابرانہ حکم کی تعمیل ہوئی، محی الدین احمد کے پاس نہ کوئی پیسہ تھا نہ کسی عزیز کو اطلاع تھی کہ کیا صورت حال پیش آئی، ہوشیار پور پہنچے تو حکم ہوا کہ انہیں دسوہہ کا ٹکٹ لے دو، چنانچہ یہ دسوہہ پہنچے، وہاں کے ہیڈ ماسٹر سے ملے، اس نے گرمجوشی سے استقبال کیا۔ دوسرے روز ان کے والد کو بھی اطلاع مل گئی اور انہوں نے ایک آدمی سامان دے کر دسوہہ بھیج دیا۔ جنگ کا زمانہ مولوی محی الدین نے وہیں گزارا، فروری ۱۹۱۹ء میں رہا ہوئے، ان کی نظر بندی کے زمانہ میں مولانا عبد القادر نے چار پائی پر سونا ترک کر دیا تھا، ایک چبوترے پر صف بچھی رہتی تھی، اسی پر لیٹ جاتے۔

قومی خدمات

قصور واپس آئے تو رولٹ ایکٹ کے سلسلے میں ہنگامے شروع ہو گئے، ان ہنگاموں میں مولانا عبد القادر اور مولوی محی الدین دونوں گرفتار ہوئے، اس ابتلا سے نجات ملی تو قصور میں ایک یتیم خانے کا انتظام سنبھال لیا، نیز جمعیت دعوت و تبلیغ کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے، اس دوران میں ان کے بھائی محمد علی ایک ہندی رقم

ماہوار انہیں دے دیتے تھے۔

یہی زمانہ ہے جب مولانا عبدالقادر کے چھوٹے بھائی مولوی عبداللہ بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے، یہی دور ہے جس میں ملیبار کے ماپلوں کے متعلق ان حضرات نے عالی شان تعمیری کارنامے انجام دیے، لیکن ان کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ مولوی محی الدین احمد اور مولوی عبداللہ دونوں بقدر فرصت مجاہدین کی خدمات بھی انجام دیتے رہے، ان دونوں نے مولوی ولی محمد (فتوحی والا) کے ہاتھ پر بیعت جہاد بھی کی تھی۔ غرض اس خاندان کے بیشتر افراد جماعت مجاہدین سے کم وبیش وابستہ رہے اور دینی خدمات کی بجا آوری میں تو کسی نے بھی حتی الامکان کوتاہی نہ کی۔ مولانا عبدالقادر نے حب دین اور عشق آزادی کا جو چراغ روشن کیا تھا اس سے خاندان کے ہر ایک فرد نے کسب ضیاء کا شرف حاصل کیا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چوتھا باب:

مولوی ولی محمد

ابتدائی حالات

ضلع فیروز آپور میں دریائے ستلج کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے "فتوح والا"، مولوی ولی محمد یہیں کے رہنے والے تھے۔ ذات کے سندھو جات تھے، والد کا نام الہ دین تھا، ان کی پیدائش ۱۸۷۵ء کے آس پاس ہوئی، اس لئے قاضی کوٹ کے مقدمے میں گواہی دیتے ہوئے مولوی صاحب نے اپنی عمر پینتالیس سال بتائی تھی اور قاضی کوٹ کا مقدمہ ۱۹۲۱ء میں ہوا تھا۔

میں نے متعدد اصحاب سے پوچھا کہ مولوی صاحب نے کن کن اصحاب سے دینی تعلیم حاصل کی تھی، کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ مولوی محی الدین احمد قصوری صاحب فرماتے تھے کہ انہوں نے ذاتی مطالعے سے دینی معلومات حاصل کی تھیں اور اندازہ ہے کہ وہ کوئی بڑے عالم نہ تھے، ان کے پاس امام احمد بن حنبلؒ کی مسند تھی جو مولوی محی الدین احمد کو دے دی تھی، اس پر جا بجا نشان لگے ہوئے ہیں اور حواشی پر نوٹ بھی ہیں۔

انتہائی سادگی

ان کا لباس بہت معمولی تھا، نیلے رنگ کا تہمد باندھتے، کھدر کا کرتا اور کھدر کی پگڑی، سردیوں میں معمولی لوئی یا پٹو اوڑھ لیتے، مولوی محی الدین احمد اور ان کے عم محترم مولوی عبداللہ ایک مرتبہ ان سے ملنے کیلئے فتوحی والا پہنچے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب نے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک نہایت سادہ مسجد بنا رکھی تھی، کچھ دیواریں اور اس پر معمولی چھت، پاس اپنے رہنے کا ایک کچا حجرہ تھا، ہم نے اطلاع کرائی تو آتے ہی پوچھا: کھانا تو آپ ضرور کھائیں گے، تھوڑی دیر میں بھنا ہوا قیمہ لے آئے، اس پر تعجب ہوا کہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں کوئی بازار نہیں، اتنی جلدی قیمہ کہاں سے حاصل کر لیا۔ مولوی صاحب نے خود فرمایا کہ قربانیوں کے موقع پر میں اپنے حصے کا گوشت خشک کر کے رکھ لیتا ہوں اور جب کوئی شہری مہمان اتفاقیہ آ جاتا ہے تو اس کی تواضع میں صرف ہوتا ہے۔ باتیں بھی انتہائی سادگی سے کرتے تھے، ان میں عالمانہ شان کا شائبہ تک نہ ہوتا، لب و لہجہ بھی ٹھیٹھ دیہاتی تھا۔

خداداد تاثیر

وعظ و تذکیر میں خدا نے غیر معمولی تاثیر عطا کی تھی، جو دینی حرارت ان کے قلب میں موجزن تھی اسے سامعین کے دلوں میں اتار دیتے۔ قاضی کوٹ کے مقدمے میں جن اصحاب نے گواہیاں دی تھیں، ان میں سے بیشتر اصحاب مولوی ولی محمد کے مرید و معتقد تھے، ان سب نے بیان کیا کہ مولوی صاحب کے وعظ سے متاثر ہو کر انہوں نے اہل حدیث کا مسلک اختیار کیا اور انہیں کی تلقین سے وہ جماعت مجاہدین کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ مولوی صاحب عموماً دورے کرتے رہتے تھے۔ گوجرانوالہ، سیالکوٹ وغیرہ اضلاع میں ہزاروں آدمی ان کے ہم نوا بنے، ان میں سے ایسے بھی تھے جو مولوی صاحب کا حکم پاتے ہی گھر بار چھوڑ کر نکل گئے اور اسمست یا چرکنڈ میں ہر قسم کی خدمات انجام دیتے رہے، اور ایسا کوئی بھی نہ تھا جو باقاعدہ زکوٰۃ نہ نکالتا ہو، زکوٰۃ کی تمام رقمیں مولوی صاحب کے پاس یا ان کے مقرر کیے ہوئے آدمی کے پاس جمع کر دی جاتیں اور وہاں سے یہ مجاہدین کے مراکز میں پہنچا دی جاتیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طریقِ وعظ و تذکیر

وعظ بھی بہت سادہ طریق پر کہتے تھے، مولوی محمد اسحاق صاحب مدیر "الاعتصام" نے بتایا کہ عموماً چارپائی پر کھڑے ہو کر مجمعوں میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر بے حد تعجب ہوا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مقرر اور خطیب اپنی تقریروں میں تاثیر و نفوذ پیدا کرنے کے خیال سے لباس بھی اچھا پہنتے ہیں اور جو کچھ کہنا ہوتا ہے اسے بھی پہلے ذہن میں ترتیب دے لیتے ہیں، پھر ہر مطلب کو تقویت پہنچانے کی غرض سے دلچسپ و موزوں مثالیں پیش کرتے ہیں، علاوہ بریں ان کے لئے تخت بچھتے ہیں اور ان پر قالین بچھائے جاتے ہیں، مقصود یہ ہوتا ہے کہ سننے والے تقریر کے آغاز سے پیشتر ہی ایک حد تک متاثر ہو جائیں یا اس طرح ان کے جذبۂ پذیرائی کو خوب بیدار کر لیا جائے۔ مولوی ولی محمد کا سارا طریقہ اس کے برعکس تھا۔ کیا ہمارے عہد میں کوئی شخص کسی ایسے مقرر و خطیب کو وقیع سمجھ سکتا ہے جو معمولی چارپائی پر کھڑا ہو کر مجمع کو خطاب کرے؟ مولوی ولی محمد کو تکلفات سے کوئی مناسبت نہ تھی، تاہم وہ جو کچھ کہتے دلوں میں اتار دیتے۔

ایک عجیب واقعہ

مولوی محی الدین احمد نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ ہمارے عزیزوں میں ضلع سیالکوٹ کے ایک صاحب تھے، کبھی نماز نہ پڑھی اور کسی دینی کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی، سارا دن حقہ پیتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی ولی محمد سیالکوٹ گئے، بہت شہرت تھی کہ ان کی بات چیت بے حد پر تاثیر ہوتی ہے۔ ہمارے عزیز کو بھی اس کا علم تھا، چنانچہ وہ تجربے اور امتحان کی غرض سے مولوی صاحب کے پاس سیالکوٹ پہنچا، مولوی صاحب نے یوں بات چیت شروع کی، کہ ہم تو ایسے آدمیوں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے، پھر آہستہ آہستہ سمجھانے لگے، تھوڑی ہی دیر میں ہمارے عزیز کی یہ کیفیت ہوئی کہ آنکھوں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے، اسی وقت توبہ کی، وہ نہ صرف پکا نمازی بلکہ پکا تہجد خواں بن گیا اور اس وقت سے تادمِ واپسیں حقے کو منہ نہ لگایا۔

جماعتِ مجاہدین سے تعلق

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جماعتِ مجاہدین سے مولوی صاحب کا تعلق کیوں کر پیدا ہوا؟ اغلب ہے کہ جماعت کے کسی کارکن سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کی تجویزیں سوچتے سوچتے وہ مجاہدین کی طرف راغب ہو گئے ہوں۔ انہوں نے قاضی کوٹ کے مقدمے میں گواہی دیتے ہوئے بیان کیا کہ میں پہلی مرتبہ انجمن حمایت الاسلام کے پندرہویں سالانہ جلسے پر یاغستان گیا تھا، گویا یہ ۱۸۹۵ء کا واقعہ تھا، جب ان کی عمر تقریباً بیس سال کی ہوگی۔ اس وقت مولانا عبداللہ مجاہدین کے امیر تھے اور ٹیلوائی میں جماعت کا مرکز تھا، اس کے بعد بھی وہ چند مرتبہ ضرور یاغستان گئے، لیکن اندازہ یہ ہے کہ چند روز سے زیادہ قیام نہ رہا۔ انہوں نے خود فرمایا کہ میں نے یکے بعد دیگرے تین امیروں کی بیعت کی، امیر عبداللہ سے تو ملاقات کا ذکر آ ہی چکا ہے، اس کے بعد امیر عبدالکریم کے عہد میں بھی وہ گئے اور بیعت کی اور امیر نعمت اللہ کے عہد میں انہوں نے خاصی لمبی مدت مرکز میں گزاری۔

ملک کے اندر کام

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیوں مرکز میں نہ ٹھہرے، اور بار بار واپس کیوں آتے رہے؟ اس کا سبب بالکل واضح ہے۔ وعظ و تذکیر کے ذریعے سے جماعتی کاروبار کو تقویت پہنچانے کی ان میں خاص صلاحیت تھی، لہٰذا ان کا صحیح مقام یہی تھا کہ ملک کے اندر رہ کر روپے اور آدمیوں کا بندوبست کرتے، انہوں نے یہ کام یقیناً اتنے اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا کہ چند بڑے بڑے اور ممتاز کارکنوں کو چھوڑ کر، جیسے مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

وغیرہ، کوئی بھی مولوی ولی محمد کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگر یوروپ میں جنگ نہ چھڑ جاتی، ملک کے اندر یا شمالی ومغربی سرحد پر انگریزی حکومت کے نقطۂ نگاہ سے بعض تشویشناک حالات نہ پیدا ہو جاتے اور مولوی ولی محمد کو اطمینان و دلجمعی سے کام جاری رکھنے کا موقع مل جاتا تو یقین ہے کہ وہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کو جہاد کے لئے تیار کر دیتے۔

ہجرت

جنگ چھڑ جانے کے بعد یہاں دار و گیر شروع ہوئی تو مولوی صاحب کو بھی گرفتاری کا اندیشہ لاحق ہوا، یا کم از کم یہ واضح ہو گیا کہ اب وعظ و تذکیر کا کام جاری نہ رہ سکے گا، چنانچہ انہوں نے اپنے ارادت مندوں کو بھی ہجرت کا حکم دے دیا اور خود بھی وطن چھوڑ کر اسمست چلے گئے۔ وہ امیر عبداللہ اور امیر عبدالکریم کے عہد میں جماعت مجاہدین کا جو نقشہ دیکھ چکے تھے، امیر نعمت اللہ کے عہد میں وہ باقی نہ رہا تھا، چنانچہ اسمست پہنچ کر حالات سراپا بدلے ہوئے دیکھے تو دل پر چوٹ لگی اور وہ حد درجہ پریشان ہو گئے کہ کیا کریں، جس مقصد کے پیش نظر انہوں نے اپنی اور ہزاروں مسلمانوں کی زندگیاں خطرے میں ڈالی تھیں اس کے لئے مجاہدانہ سعی و کوشش کا بہ ظاہر کوئی امکان نہ تھا، اس پر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ خوش فہمی میں جس خوفناک غلطی کا ارتکاب کر چکے ہیں، اس کی تلافی کی کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔

مولوی محمد علی قصوری کا بیان

سرحد پہنچ کر مولوی ولی محمد نے موسیٰ نام اختیار کر لیا تھا، مولوی محمد علی قصوری لکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک سو پنجابی مجاہدین نے ہجرت کی تھی۔(۱) امیر نعمت اللہ نے انہیں

(۱) خود مولوی صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ ہجرت کرنے والوں میں سے میرے مریدوں کی تعداد پچاس تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اپنے ہاتھ میں لینے کی غرض سے ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ نکاح کرا دیا۔ چند ماہ بعد دوسرے نکاح کا انتظام کر دیا، پہلی بیوی کے بطن سے ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا تھا اور مولوی صاحب پوری طرح تاہلی کی زنجیروں میں جکڑے جا چکے تھے، ان کیلئے امیر صاحب کی طرف سے معقول وظیفہ مقرر تھا، ویسے بھی تمام کاموں میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا۔(۱)

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے اکھڑے ہوئے دل کو جمائے رکھنے کی یہ تدبیریں کارگر نہ ہو سکیں چنانچہ انہوں نے تنہائی میں مولوی محمد علی قصوری سے کہا کہ امیر صاحب کو عورتوں سے شغف ہے، جہاد سے اعراض برتا جا رہا ہے، جماعتی سرمایہ ذاتی اغراض کیلئے بے دریغ استعمال ہوتا ہے۔ مجھے تو شرم آتی ہے کہ پنجاب میں اتنا جھوٹا پروپیگنڈا کرتا رہا، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ پہلے خواب میں تھا اور اب آنکھیں کھلی ہیں، کاش میں ہندوستان ہی میں مارا جاتا اور یہاں نہ آتا، میرا ایمان متزلزل ہو رہا ہے، کیا مذہب اسی کا نام ہے؟

ساتھ ہی اعتراف کیا کہ امیر نے شادیاں کرا دیں، اچھی بیویاں مل گئیں، ان کی بدولت اب دنیاوی زندگی سے اتنی دل بستگی ہوگئی ہے کہ امیر کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا۔(۲)

جماعت سے علیحدگی

مولوی صاحب کی طبیعت تو عام حالات دیکھ کر ہی بیزار ہو چکی تھی، لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا وجہ پیش کر کے علیحدہ ہوں، انہوں نے خود جو کیفیت بتائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت اسمست حضرت سید احمد کو شہید نہ مانتی تھی، کہتی تھی کہ وہ غائب ہیں، جب خراسان کی طرف سے امیر کابل انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کریگا تو سید صاحب

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۱۱۲۔ (۲) مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۱۱۳، ۱۱۴

امام مہدی بن کر ظاہر ہوں گے۔ ظہور کی تاریخ ۱۳۳۵ھ (۱۷-۱۹۱۶ء) بتائی گئی تھی۔

مولوی صاحب اسمست ہی میں تھے جب مولانا محمد بشیر کا ایک مکتوب کابل سے آیا، جس کا مضمون یہ تھا کہ جرمنوں اور ترکوں کا وفد کابل میں پہنچا ہوا ہے، امیر کابل ۱۳۳۵ھ میں ضرور انگریزوں سے لڑے گا، مجاہدین کو بھی تیار رہنا چاہئے تاکہ امیر کے ساتھ ہو جائیں اور مفتوحہ ملک میں سے حصہ لینے میں پیچھے نہ رہ جائیں۔(۱)

۱۳۳۵ھ کا سال گذر گیا اور امام کا ظہور نہ ہوا، جنگ یورپ بھی ختم ہوگئی اور امیر کابل نے انگریزوں کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھایا۔ پھر امیر حبیب اللہ خاں مارا گیا اور امان اللہ خاں فرمانروائے افغانستان بنا، انگریزوں سے لڑائی چھڑی لیکن جلد صلح ہوگئی اور امام کے ظہور کا معاملہ پیش نہ آیا، بس اسی بنا پر مولوی ولی محمد نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی:

واپسی

انہوں نے خود بیان کیا کہ میں نے امیر نعمت اللہ سے اس بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ امام مہدی کے ظہور کی پیشگوئی بالکل غلط اور جھوٹی ہے۔ تلخ کلامی بھی ہوئی، اس کے بعد مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسمست سے نکل جاؤں۔

چنانچہ وہ نکل کر سب سے پہلے ریاست امب کے علاقے میں پہنچے جو سرحد آزاد سے متصل تھا، اور اسمست سے یہ علاقہ زیادہ دور نہ تھا، وہاں سید عبدالجبار شاہ ستھانوی سے ملاقات ہوئی، جو اس زمانے میں ریاست امب کے وزیر تھے، انہوں نے ستھانہ میں مولوی صاحب کے لئے قیام کا بندوبست کر دیا اور خود پشاور گئے، وہاں معلوم نہیں کس کس

(۱) حافظ عنایت اللہ اثری کا ایک بیان اس سلسلے میں پہلے نقل ہو چکا ہے کچھ معلوم نہیں کہ ۱۳۳۵ھ میں امام مہدی یا سید صاحب کے ظہور کی تاریخ کہاں سے پیدا ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت میں بعض غیر مستند روایات رائج تھیں، یقیناً یہ اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر پھیلائی گئی ہوں گی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ سراسر غلط تھا اور اس کا انجام قطعاً اچھا نہ ہوا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سے ملے اور کیا بات چیت ہوئی، واپس آئے تو مولوی صاحب کو مشورہ دیا کہ صاحبزادہ سر عبدالقیوم سے ملئے۔

وہ رخصت لیکر اپنے وطن ٹوپی میں مقیم تھے، مولوی صاحب ان سے ملے تو انہوں نے ایک مکتوب دیا جسے لے کر مولوی صاحب پشاور پہنچے۔ بائیس روز وہاں ٹھہرے رہے، سب معاملات طے ہو گئے تو انہیں لاہور آنے کی اجازت ملی، مولوی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر صرف ایک شرط عائد کی گئی تھی اور وہ یہ کہ ایسا کام پھر نہ کرنا۔(۱)

فروری ۱۹۲۱ء میں آئے تھے، پھر ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

ضروری گزارش

مولوی صاحب کے ابتدائی دورِ حیات اور آخری دورِ حیات میں بیّن تفاوت شاید بعض طبیعتوں پر شاق گذرے، مثلاً یہ بات کہ واپس آکر انہوں نے قاضی کوٹ کے مقدمے میں ایسی گواہیاں دیں جنہیں بہر حال سرکاری گواہیاں ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ بے شک یہ طرزِ عمل کھٹکتا ہے، لیکن میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض لوگ ایک خاص تصور کے ماتحت انتہائی مجاہدانہ سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے ہیں، جب ان پر واضح ہوتا ہے کہ اصل تصور درست نہ تھا تو نیک طبعی کی بنا پر مناسب یہی سمجھتے ہیں کہ جو غلطی انہوں نے کی تھی اس کی تلافی کر دینی چاہئے اور اس سلسلے میں جائز حدود کا بھی چنداں خیال نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ حالات کو خلافِ توقع سخت سے سخت ناسازگار پا کر عزم و ہمت میں اور زیادہ استوار اور کوششوں میں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے ہیں۔ مولوی ولی محمد اپنے بعض خداداد جوہر دل

(۱) یہ حالات خود مولوی صاحب کے بیان سے ماخوذ ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کے باوجود جو بالکل نادر تھے پہلے طبقے کے آدمی تھے، دوسرے طبقے کے نہ تھے۔

ہوسکتا ہے بعض اصحاب اس روش کو بہت اچھا نہ سمجھیں لیکن اس سے نہ مولوی صاحب کے نیک کام پر کوئی اثر پڑسکتا ہے اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ خدانخواستہ انگریزوں کے ہم نوا بن گئے تھے، یا کسی لالچ کی بناء پر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا، حاشا وکلا! وہ یہی سمجھتے تھے کہ گناہ کا کفارہ اسی صورت میں ادا ہوسکتا ہے، خواہ اس رائے سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو، ان کی نیک طبعی کا یہ روشن ثبوت ہے کہ ہندوستان میں نہ ٹھہرے بلکہ مکہ معظمہ چلے گئے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

پانچواں باب:

اسلامیت کے جواہر پارے (۱)

حافظ عنایت اللہ اثری

اب مختلف اصحاب کے تذکرے اجمالاً ملاحظہ فرمایئے۔

حافظ عنایت اللہ وزیر آباد کے رہنے والے اور حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے شاگرد تھے۔ غالباً ۱۹۱۳ء سے جماعت مجاہدین کے ساتھ آپ کی وابستگی کا آغاز ہوا۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا اجلاس بمقام امرتسر منعقد ہوا تھا۔ اس میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بھی تشریف لائے۔ اجلاس کے بعد وزیر آباد کو بھی اپنے قدوم سے مشرف فرمایا۔ حافظ عنایت اللہ اس زمانے میں حافظ عبدالمنان سے پڑھتے بھی تھے اور اپنی دوکان پر درزی کا کام بھی کرتے تھے۔ مولانا رحیم آبادی نے بھی کچھ کام دیا، وہ پورا کر دیا تو مولانا رحیم آبادی بہت خوش ہوئے، دہلی پہنچ کر تار کے ذریعے سے بلا لیا۔ تعلیم کے لئے حافظ عبداللہ غازی پوری کے سپرد کیا جو مدرسہ ریاض العلوم میں پڑھاتے تھے اور میرزا ولی اللہ بیگ سے فرمایا کہ عنایت اللہ کو بنوٹ سکھانا ہے۔

مولانا رحیم آبادی جب دہلی تشریف لاتے تو شیخ عطاء الرحمن اور شیخ عبدالرحمن کے ہاں پھاٹک حبش خاں میں قیام فرماتے، جمعہ پڑھاتے تو خطبے میں سورۂ ق اول سے آخر تک پڑھتے اور مختصر تقریر بھی فرماتے۔ پھر وہ، حافظ عبداللہ غازی پوری اور دوسرے علماء و رؤسائے دہلی اوکھلا میں جمع ہوتے، وہاں بنوٹ کے کرتب دکھائے جاتے، جنہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

دیکھ کر بہت خوش ہوتے، انہیں اور حافظ غازی پوری کو مجاہدین سے بڑی الفت تھی اور جہاد کا بہت شوق تھا۔ اسی خیال سے وہ موزوں جوانوں کو منتخب کر کے ان کیلئے سپاہیانہ فنون کے سیکھنے کا انتظام فرمایا کرتے تھے، گھر سے آسودہ حال تھے، ہزاروں روپے جماعتی کاموں میں خرچ کیے، مولانا شبلی کی سیرۃ النعمان پر جو انتقاد انہوں نے حسن البیان کے نام سے شائع کیا اس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔

پھر حافظ عنایت اللہ مولوی فضل الٰہی کے ذریعے سے جماعت مجاہدین کے ساتھ وابستہ ہوئے، اکتوبر ۱۹۱۵ء میں اسمست گئے، وہاں کے حالات، امیر نعمت اللہ سے گفتگو، جماعت کے بعض معتقدات کے متعلق تاثرات اور سفر آمد و رفت کی کیفیت ہم پیش کر چکے ہیں، بم کے مقدمے میں وہ بھی گرفتار ہوئے تھے لیکن ثبوت نہ ملنے کے باعث رہا کر دیے گئے، آج کل جامع مسجد اہل حدیث گجرات میں خطیب ہیں۔

مستری ابراہیم

یہ نظام آباد (متصل وزیر آباد) کے رہنے والے تھے، والد کا نام امام دین ہے۔ مقدمہ قاضی کوٹ کے وقت ان کی عمر پینتالیس سال کی تھی، مولانا حافظ عبدالمنان محدث سے فیض یافتہ تھے، مولوی ولی محمد کی تلقین سے اہل حدیث ہوئے اور مولوی فضل الٰہی کی وساطت سے جماعت مجاہدین کے ساتھ وابستگی پیدا کی۔ یہ آہنگروں کے اس خاندان میں سے تھے جسے ہنرمندی اور کارگیری میں خاص شہرت حاصل تھی۔ حکومت سے اسلحہ سازی کا لائسنس حاصل کر لیا تھا، سرکاری رائفلوں کی مرمت و درستی کا ٹھیکہ بھی انہیں مل گیا تھا، عموماً تلواریں اور بندوقیں بناتے تھے، مالی اعانت کے علاوہ حسب استطاعت جماعت مجاہدین کو اسلحہ بھی بھیجا کرتے تھے۔ مولوی فضل الٰہی انہیں انتظامی مشوروں میں شریک رکھتے تھے اور ان کے ذمے خاص کام یہ تھا کہ اسمست جانے والے

www.BestUrduBooks.wordpress.com

جتنے آدمی وزیر آباد پہنچیں، انہیں ریل پر سوار کرادیا کریں۔ قاضی کوٹ کے مقدمے میں انہیں بھی گرفتار کیا گیا تھا، لیکن کوئی ثبوت ان کے خلاف بہم نہ پہنچا لہٰذا تفتیش کی کھینچ تانی کے سوا وہ ہر آزار سے محفوظ رہے۔ ۱۹۳۵ء کے قریب وفات پائی۔ قاضی عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ مستری صاحب نہایت شریف انسان اور پابند احکامِ شریعت تھے۔

تاج محمد

تاج محمد ولد جلال الدین باجوہ جاٹ، ساکن موضع سکھانہ ضلع گوجرانوالہ۔ قاضی کوٹ کے مقدمے کے وقت پینتیس سال کی عمر تھی مولوی ولی محمد کی تلقین سے اہل حدیث ہوئے، پھر پورا خاندان مولوی صاحب موصوف کا مرید ہوگیا، جماعت مجاہدین سے تاج محمد کا تعلق ۱۹۱۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوا، یہ کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہر سال پیداوار کا عشر باقاعدہ مجاہدین کو بھجوایا کرتا تھا۔ مولوی ولی محمد ہجرت کرکے اسمست پہنچ گئے تو اپنے تمام مریدوں کے پاس پیغامات بھیجے کہ ہندوستان دارالکفر ہے وہاں سے ہجرت کرکے اسمست آجاؤ۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں تاج محمد بھی اسمست چلا گیا اور وہاں اپنا نام نصر اللہ رکھا۔ دو تین ماہ تک اسمست میں قواعد کرتا اور نشانہ بازی سیکھتا رہا، پھر اسے چمرکنڈ بھیج دیا گیا، جہاں یہ مختلف چھاپوں میں شریک رہا۔ چمرکنڈ سے دوبارہ اسمست آیا تو سنا کہ مولوی ولی محمد صاحب مرکز کو چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے ہیں، پھر اسے چمرکنڈ بھیجا گیا تو وہاں کی جماعت کے امیر مولوی عبدالکریم صاحب، اللہ دتا اور بابائے کو مولوی فضل الٰہی کے پاس روپیہ کے لئے بھیج چکے تھے، ان کی واپسی میں تاخیر ہوگئی تو امیر موصوف نے تاج محمد اور عبداللہ عرف عبدالرحمٰن ساکن وزیر آباد کو بھی روانہ کردیا، اس اثناء میں اسمست سے عبداللہ، سلیم اللہ اور ایوب آگئے تھے، جنہیں مولوی یوسف نے ایک خط دے کر مولوی عبدالحق مالک رفاہِ عام کے پاس بھیجا تھا کہ اگر بم بھجواؤ تو ان کا انتظام کردیا جائے،

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ تاج محمد نے مستری ابراہیم کی معرفت پانسو میں روپے مولوی فضل الٰہی کے گھر سے منگوائے اور عبداللہ عرف عبدالرحمٰن کو یہ رقم دے کر چمرکنڈ واپس کر دیا، خود اپنے گھر چلا گیا، بارہ تیرہ روز بعد قاضی کوٹ کے مقدمہ کے سلسلے میں گرفتار ہو گیا اور اس مقدمے میں استغاثے کی طرف سے گواہی دی۔

اللہ دتا عرف عبدالحکیم

یہ بھی مولوی ولی محمد کی وجہ سے اہل حدیث ہوا اور مولوی صاحب ہی کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ جب موصوف کی طرف سے پیغام آیا تو ہجرت کر کے اسمست چلا گیا، وہاں سے چمرکنڈ پہنچا اور مجاہدین کی سرگرمیوں میں شریک رہا۔ امیر امان اللہ خاں کی خدمت میں پہنچانے کے لئے مولوی عبدالکریم امیر جماعت چمرکنڈ کے پاس بھیجا، وہاں سے مولوی عبدالکریم کے علاوہ مولانا محمد بشیر، مولوی حنیف اور مولوی عبدالحمید جشن میں شامل ہونے کیلئے کابل گئے تو اللہ دتا اور بعض دوسرے اصحاب بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اس سفر میں مولانا محمد بشیر نے امیر موصوف سے یہ درخواست کی کہ اول جماعت مجاہدین کو کچھ زمین عطا کی جائے، دوم ہمیں جو امدادی رقم ملتی ہے اس میں اضافہ کیا جائے تاکہ گزارا بخوبی ہو سکے، سوم بم مہیا کیے جائیں، جنہیں ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھجوایا جائے، چہارم ایک مطبع کا انتظام کر دیا جائے تاکہ اشتہار چھاپ چھاپ کر ہندوستان میں تقسیم کیے جائیں، یہ درخواستیں منظور ہو گئیں۔

ان کے علاوہ امیر نے ارکانِ وفد اور چمرکنڈ و اسمست کے بعض دوسرے اکابر کے لئے چغے، لنگیاں، پوستین اور تمغے دیے، کابل سے واپسی پر مولوی عبدالکریم نے اللہ دتا اور بلال کو یہ پیغام دے کر مولوی فضل الٰہی کے پاس بھیجا کہ جلد سے جلد آدمی ارسال کیے جائیں کیونکہ لڑائی شروع ہونے والی ہے۔ مولوی صاحب نے چند روز کے توقف کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہدایت کی، اللہ دتا گھر چلا گیا، معلوم ہوا کہ اس کے خسر کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک چھوٹا بچہ بھی فوت ہو گیا ہے اور گھر بار کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں، لہٰذا وہ یہیں ٹھہر گیا۔ قاضی کوٹ کے مقدمے میں گرفتار ہوا اور استغاثے کی طرف سے شہادت دی۔ عبداللہ عرف عبدالرحمن ساکن سنبھلہ اللہ دتا کا برادرِ عم زاد تھا، جس کا ذکر جماعت کے قاصدوں میں بار بار آیا ہے۔

اللہ دتا ہی کے بیان سے واضح ہوا کہ فیروز پور کے ایک مجاہد داؤد نے چمرکنڈ سے آ کر ڈاکہ ڈالا تھا۔ احمد عرف خان بہادر بھی اس کے ہمراہ تھا، داؤد گرفتار ہو گیا، خان بہادر بچ کر نکلا اور چمرکنڈ پہنچ گیا۔

چودھری الٰہ داد

چودھری صاحب موضع سنبھلہ ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، عنفوانِ شباب ہی میں ہجرت کا ارادہ کر لیا، ان کا صرف ایک بچہ تھا اسماعیل نام، جس کی عمر چھ سات سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ اہلیہ سے اپنے ارادے کا ذکر کیا تو وہ معیت کے لئے تیار نہ ہو سکی، یہ صورت حال دیکھی تو اہلیہ کو طلاق دے دینے کا فیصلہ کر لیا، اہلیہ اور اقارب نے موصوف کو مشورہ دیا کہ طلاق نہ دو ویسے چلے جاؤ، اگر وہاں مستقل قیام کی صورت پیدا ہو جائے تو بے شک طلاق بھیج دینا، لیکن چودھری صاحب نے کہا میں ہجرت اور جہاد کی نیت سے جا رہا ہوں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ واپس آؤں یا نہ آؤں، اور ایسی حالت میں نہیں جا سکتا کہ اہلیہ کے حقوق کا بوجھ میری گردن پر ہو، چنانچہ طلاق دے دی اور اپنے نابالغ بچے کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ تین چار سال یاغستان میں گزارے، جب وہاں حالات کی ناسازگاری حدِ برداشت سے باہر ہو گئی تو مجبوراً واپس آ گئے۔ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ موضع سنبھلہ میں وفات پائی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ظاہر ہے کہ ان میں سے اکثر اصحاب معمولی دیہاتی تھے اور زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے، انہیں سیاسیات سے بھی زیادہ آگاہی نہ تھی، آزادی اور اسلامیت کے لئے جنگ کو ایک اہم دینی خدمت سمجھ کر بے تکلف ہر قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ بعض کے کاروبار کو نقصان پہنچا، بعض کے گھربار تباہ ہوئے، اور معلوم ہے کہ کامیابی کی حالت میں ان کے لئے نہ شہرت وانعام کی کوئی امید تھی اور نہ جاگیر ووظیفہ کی، نہ اس قسم کے خیالات سے ان کے دل ودماغ کا دامن کبھی ملوث ہوا، دینی حرارت کے یہ شعلے اسی آگ سے بھڑکتے تھے جو انیسویں صدی کے ربع اول میں سید احمد شہیدؒ نے سلگائی تھی، ان کے ارادت مند اس آگ پر مسلسل ومتواتر بے مثال قربانیوں کا تیل ڈالتے رہے۔

مولوی عبدالرزاق

ان کا اصل وطن رائے چک ہے، جو کلانور (ضلع گورداسپور) سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ والد ماجد جن کا نام نورالدین تھا، خاصے تعلیم یافتہ تھے، مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی سید عبدالجبار غزنوی سے خاص تعلق تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ خود اہل حدیث ہوئے یا خاندان اس سے پیشتر ہی اہل حدیث ہو چکا تھا۔

عبدالرزاق نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولوی مولا بخش کے پاس حاصل کی جو لاہور میں چودھری شہاب الدین کے ادارہ مطبوعات قانونی کے مہتمم تھے۔ مولوی مولا بخش محمد بشیر (عبدالرحیم) کے گہرے دوست تھے، اس وجہ سے عبدالرزاق بھی وہاں آنے جانے لگے، مولانا محمد بشیر نے ہجرت کی تو تاکید کر دی تھی کہ مولوی مولا بخش ان کا حساب وکتاب دیکھ لیا کریں، چنانچہ وہ خاصی دیر تک یہ کام انجام دیتے رہے، اس زمانہ میں بعض اوقات چار سو روپے روزانہ کی آمدنی تھی، آہستہ آہستہ یہ سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔

عبدالرزاق نے کچھ اسلامی کتابیں اور رسالے پڑھے تو شوق پیدا ہو گیا کہ کسی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

طرح یاغستان پہنچیں، مولوی عبد الحق مالک رفاہِ عام پریس کے پاس مجاہدین کے قاصد آتے رہتے تھے، ان میں سے عبد القادر کی خاص شہرت تھی، جس کا ذکر مولوی محمد علی کے حالات میں بھی آچکا تھا۔ یہ سرحد کے قریب انگریزی علاقے میں رہتا تھا، اس سے عہد و پیمان کر کے عبد الرزاق روانہ ہوئے، ہری پور سے دربند ہوتے ہوئے اسمست پہنچے، وہاں مہمان خانے میں رہے، دو تین روز کے بعد بیعت کی، اس زمانے میں بنگالی ہندوستانی تنولی وغیرہ جماعتیں الگ الگ تھیں اور ہر جماعت میں پچاس آدمی ہوتے تھے۔

جماعتی فرائض

بیعت کے بعد ان کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ ضرورت کی چیزیں ہندوستان سے لایا کریں یا وہاں سے آنے والے آدمیوں کو لے آیا کریں، چنانچہ انہیں تمام راستے دکھا دیے گئے۔ عبد الرزاق نے متعدد سفر کیے، مولوی ولی محمد فتوحی والا کے اکثر مریدین کو انہیں نے اسمست پہنچایا۔ یہاں سے مولانا عبد القادر قصوری کو جب ضرورت پیش آتی تھی تو وہ بھی کسی نہ کسی آدمی کے ہمراہ انہیں بھیج دیتے تھے، مثلاً ڈپٹی برکت علی کو عبد الرزاق ہی لے کر گئے تھے۔ ایک مرتبہ راولپنڈی میں ایک مخلص فوجی جمعدار نے بندوق کا انتظام کیا اور پیغام بھیجا کہ بندوق منگوالی جائے، چنانچہ اسمست سے عبد الرزاق ہی راولپنڈی آئے۔ ایک بندوق اور دو سو کارتوس روئی کی بوری میں رکھ لیے گئے۔ دربند سے دریا عبور کر کے آزاد علاقے میں پہنچے تو روئی کی بوری کسی کو دے دی، بندوق اور کارتوس اسمست پہنچا دیے۔

ایک مرتبہ جا رہے تھے تو دیکھا کہ دارو گیر بڑھ گئی ہے، چنانچہ انہیں بھی ہری پور میں روک کر واپس بھیج دیا گیا، یہاں باز پرس شروع ہو گئی، لوگوں کی گرفتاریاں ہونے لگیں، عبد الرزاق یہ حالت دیکھ کر لاہور سے رو پڑ چلے گئے، وہاں سے آگے بڑھ کر ایک پہاڑی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گاؤں میں مقیم ہو گئے، اس اثناء میں "بلوغ المرام پڑھی"۔

مستقل ہجرت

کچھ مدت کے بعد خیال آیا کہ وطن پہنچنا چاہیے، زیادہ تر فاصلہ پیدل طے کیا تا کہ پہچانے نہ جائیں، لیکن رائے چک پہنچتے ہی گرفتار ہو گئے اور انہیں لاہور پہنچا دیا گیا۔ اس جگہ غالباً دو یا تین روز حوالات میں رہے، چودھری علی گوہر نام ایک پولیس افسر کے سامنے پیشی ہوئی، وہ چودھری شہاب الدین کے عزیز تھے اور مولوی عبدالرزاق کے بھائی مولوی مولا بخش کو خوب جانتے تھے۔ انہوں نے رہا کر دیا اور یہ کچھ مدت تعلیم پاتے رہے، دل میں خدمتِ ملت و ملک کی جو حرارت بھری ہوئی تھی وہ چین نہ لینے دیتی، وقتاً فوقتاً اپنے پرانے مرکزوں میں بھی آتے جاتے رہتے تھے۔

جب مولانا محمد بشیر اور مولوی یوسف نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہندوستان سے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بھیجے جائیں تو عبدالرزاق نے اس سلسلے میں بھی خاصا کام کیا، پھر خود بھی چلے گئے، خاصا وقت اسمست اور چمرکنڈ میں گزارا، بالآخر کابل میں مقیم ہو گئے۔ ۱۹۴۶ء میں بعض ناخوشگوار حالات سے مجبور ہو کر واپس آئے اور مدت تک خفیہ پولیس کی بے سبب آزاری کا نشانہ بنے رہے۔ آج کل لاہور میں مقیم ہیں، ان کے بعض حالات ڈاکٹر رحمت کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔

مولوی عبدالواسع

بعض اصحاب اختیاراً نہیں بلکہ اضطراراً مرکز مجاہدین میں پہنچے اور جماعتی کاموں میں شریک رہے۔ ان میں سے ایک مولوی ولی اللہ قصوری تھے، جو ریاست فرید کوٹ میں میر منشی بن گئے تھے، بڑی دولت پیدا کی، قصور کے رئیس سمجھے جاتے تھے، فرید کوٹ کا ایک راجا فوت ہوا تو حکومت نے اس کے جانشین کی نابالغی کے زمانے میں ایک انتظامی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مجلس بنادی جو نظم و نسق ریاست کی نگران تھی۔ مولوی ولی اللہ اس مجلس کے رکن بنا دیے گئے۔ جب نئے راجا نے بالغ ہو کر عنانِ انتظام اپنے ہاتھوں میں لی تو انتظامی مجلس کے ارکان پر سختیاں شروع کر دیں، مولوی ولی اللہ پر بھی مقدمہ بنا دیا گیا اور چار سال کے لیے قید کر دیے گئے۔ مولانا عبدالقادر قصوری نے بہ مشکل انہیں ضمانت پر رہا کرایا، پھر وہ راتوں رات نکل کر مولانا ے مرحوم کے زیر انتظام اسمست پہنچ گئے، وہاں اپنا نام بدل کر عبدالواسع رکھا(۱) امیر المجاہدین نے انہیں اپنا میر منشی بنا لیا تھا۔ مولوی محمد علی لکھتے ہیں:

> وہ نہایت اعلیٰ درجے کے خوش نویس تھے اور فارسی پر ایسی قدرت تھی کہ ان کے مکتوبات ابوالفضل کے انشاء کی یاد تازہ کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں کابل میں تھا اور ان کے مراسلے امیر حبیب اللہ کی خدمت میں پہنچتے تھے تو وہ انہیں مکرر سہ کرر پڑھا کرتے تھے اور مولوی صاحب کے اعلیٰ فارسی انشاء کی داد دیتے اور ان کی خوش خطی کی تعریف کرتے۔ کابل میں اس زمانہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو فارسی میں ان کی ہمسری کر سکتا۔ (۲)

ڈپٹی برکت علی

ڈپٹی صاحب گوجرانوالہ کے رہنے والے اور پنجاب میں سیشن جج تھے، وہ پنشن پر سبک دوش ہونے کے قریب پہنچے تو بالا دست حکام کے عتاب میں آ گئے اور ان پر رشوت کے دو مقدمے بنا دیے گئے۔ دونوں میں دو دو سال قید کی سزا سنادی گئی۔ ڈپٹی صاحب مولانا عبدالقادر قصوری کے دوست تھے، مولانا نے اس سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور ڈپٹی صاحب کو پانچ ہزار کی ضمانت پر رہا کرا لیا۔ قرائن کی بنا پر یقین

---

(۱) قاضی کوٹ کے مقدمے میں جو بیانات ہوئے، ان میں نام عبدالباسط بتایا گیا ہے، میرے نزدیک مولوی محمد علی کا بیان زیادہ مستند ہے۔

(۲) مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۱۵-۱۱۶

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہو چکا تھا کہ اپیل مسترد ہو جائے گی اور سزا بحال رہے گی، اس لئے کہ ہندو چیف جج کو ڈپٹی صاحب سے خاص کاوش تھی، مولانا عبدالقادر نے خود پانچ ہزار کا نقصان برداشت کر لیا اور ڈپٹی صاحب کو خفیہ خفیہ ہندوستان سے اسمست بھیج دیا۔ مولوی محمد علی قصوری اسمست پہنچے تو ان کی تلقین سے ڈپٹی صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھا، حدیث کی کتابیں بھی دیکھیں اور نہایت متشرع اور تہجد گزار مسلمان بن گئے۔(۱)

مولوی محمد علی کے لئے روس کیمبل نے واپسی کا انتظام کر دیا تو انہوں نے اصرار کر کے ڈپٹی صاحب کو آزادی دلانے کی کوشش کی، حکومت پنجاب تو راضی نہ ہوئی لیکن روس کیمبل نے یہ انتظام کر دیا کہ ڈپٹی صاحب میعاد قید کے دو سال سرحد میں گزار لیں، چنانچہ مانسہرہ کا مقام ان کے لئے تجویز ہو گیا۔ اس اثناء میں ان کے صاحبزادے کو مانسہرہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔ اس طرح ڈپٹی صاحب اپنے بال بچوں سے مل گئے اور دو سال کی مدت مانسہرہ میں گزار کر پنجاب آئے۔

مولانا محمد علی لکھوی

آپ پنجاب کے مشہور عالم و مفسر مولانا محمد لکھوی کے پوتے ہیں، جن کی منظوم پنجابی تفسیر ہمارے ہاں بہت متداول ہے۔ مولانا محمد کے والد حافظ بارک اللہ تھے، زہد و تقدس اور علم و فضل کی وجہ سے تمام لوگ ان کا بہت ادب کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نواب ممدوٹ ان سے ملنے کے لئے ''لکھوکے'' آئے، جو ریاست ممدوٹ ہی کا ایک موضع تھا، مصافحہ کے وقت نواب صاحب کی کلائی پر ہاتھ پڑا تو معلوم ہوا کہ سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں، حافظ صاحب بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ دین سے بے پروا لوگ ہمیں گوشہ تنہائی میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے اور ناجائز چیزیں پہن کر آ جاتے ہیں۔ نواب

(۱) مشاہدات کابل و یاغستان

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سخت ناراض ہوا اور حافظ صاحب کو ریاست سے نکل جانے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ اہل خاندان کو لے کر ریاست بہاول پور میں جا بیٹھے، پھر دریائے ستلج میں ایسی طغیانی آئی کہ نواب ممدوٹ کے محل بھی خطرے میں پڑ گئے۔ اس وقت نواب کو احساس ہوا کہ یہ مصیبت حافظ صاحب جیسے مقدس بزرگ کو ریاست سے نکالنے کی پاداش میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ انہیں منت والتماس سے بہ اعزاز واپس بلایا گیا۔ سید جعفر علی نقوی ۱۲۴۵ھ میں مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر سید صاحب کے پاس سرحد گئے تھے تو ریاست بہاول پور میں سے گزرتے ہوئے حافظ بارک اللہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی، یہ حافظ صاحب کی جلاوطنی ہی کے زمانے کا واقعہ ہے۔(۱)

حافظ صاحب کے فرزند ارجمند حافظ محمد بہ طور مصنف مشہور ہیں، ان کی تصانیف میں سے تفسیر محمدی تو پنجاب کے لاکھوں مسلمانوں نے پڑھی اور سنی ہوگی، حافظ محمد کے ایک صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن تھے جنہوں نے دہلی جا کر شیخ الکل میاں نذیر حسین مرحوم سے حدیث پڑھی، مولانا محمد علی انہیں کے فرزند ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں قیام پذیر ہیں، مسجد النبیؐ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔

مولانا محمد علی سالہا سال چمرکنڈ میں مجاہدین کے ساتھ رہے، اس سے پہلے اور بعد مجاہدین کی مالی امداد کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ افسوس کہ ان کی سرگرمیوں کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے اور اتنا موقع نہ مل سکا کہ کسی ذریعے سے خود مولانا کو حالات لکھ دینے کی زحمت دی جاتی، ہندوستان سے ہجرت کا سبب یہی تھا کہ وہ غیر مسلم اجنبی

(۱) ملاحظہ ہو جماعت مجاہدین، ص: ۲۰۲۔ وہاں غلطی سے حافظ صاحب کا نام مبارک اللہ لکھا گیا، مولانا نور محمد کے متعلق بھی ایسا ہی واقعہ میرے علم میں آیا، نواب بہاول پور سے ملاقات کے لئے گئے تو اس وجہ سے مصافحہ نہ کیا کہ نواب نے سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حکومت کے ماتحت زندگی بسر کرنا اسلامیتِ حقہ کے منافی سمجھتے تھے اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی جو کوششیں وہ مجاہدین کے ذریعے سے کرتے رہے تھے، ان کی کامیابی مشتبہ ہو گئی تھی، تحریک خلافت اور تحریک ترکِ موالات میں بھی مولانا محمد علی نے سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔

تقسیم کے بعد مولانا کا پورا خاندان اوکاڑہ میں مقیم ہو گیا، وہاں مولانا محمد علی کے ایک صاحبزادے نے جامعہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کر لی ہے۔(۱)

صوفی عبداللہ

صوفی صاحب نے خود فرمایا کہ میں مولوی ولی محمد فتوحی والا اور مولوی فضل الٰہی کی دل نواز اور ایمان افروز تقریریں سن کر جماعتِ مجاہدین سے وابستہ ہوا، یہ ملکہ وکٹوریا کی وفات سے بعد کی بات ہے۔ یعنی صوفی صاحب موجودہ صدی کے اوائل ہی میں اپنی زندگی مجاہدانہ خدمات کے لئے وقف کر چکے تھے، شروع میں مولوی فضل الٰہی کے ساتھ چندہ فراہم کرنے کیلئے دورے کیا کرتے تھے، مولوی فضل الٰہی قید ہو گئے تو صوفی صاحب اکیلے جماعت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ قاضی کوٹ کا مقدمہ بم قائم ہوا اور مولوی فضل الٰہی ہندوستان سے ہجرت کر کے جلال آباد و کابل ہوتے ہوئے چمرکنڈ پہنچے تو صوفی عبداللہ کا دل بھی وطن سے اچاٹ ہو گیا، چنانچہ وہ بھی چمرکنڈ پہنچ کر مجاہدین میں کام کرتے رہے۔ کئی سال وہاں گزارے، جب مولانا محمد بشیر اور مولوی فضل الٰہی میں اختلافات پیدا ہوئے تو صوفی صاحب واپس آ گئے۔(۲)

---

(۱) یہ حالات مجھے مولوی محمد حاذق مدیر "الاعتصام" سے معلوم ہوئے۔

(۲) خود صوفی صاحب نے اختلاف کی جو کیفیت بتائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالکریم قنوجی کی وفات پر مولوی فضل الٰہی امیر بنے، مولانا بشیر وزیرستان سے واپس آئے تو انہوں نے امارت کا دعویٰ اس بناء پر کیا کہ مولوی فضل الٰہی سے پہلے ہجرت کر کے آئے تھے۔ مولوی فضل الٰہی نے امارت چھوڑ دی۔ ...... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مشکلاتِ کار

مجاہدین کا ہر کام واقعی جانبازی کا کام تھا، لیکن جن لوگوں کو ہندوستان سے چندہ لانے کیلئے بھیجا جاتا تھا، ان کا تو ایک ایک لمحہ بے اطمینانی میں گذرتا تھا۔ صوفی صاحب کو بھی چندے کی غرض سے بھیجا جاتا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ محض ہندوستان ہی میں خطرات نہ تھے، سرحد آزاد میں بھی قزاقی کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ مجاہدین نے کسی ذریعے سے پشاور میں ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا، آنے جانے والے اس مکان میں ٹھہرتے تھے، بعض اوقات قافلے کے انتظار میں ان کا قیام ممتد ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ صوفی صاحب روپے لے کر گئے اور چندروز پشاور میں ٹھہرے رہے، جب قافلے کی صورت نہ بنی تو اکیلے روانہ ہو گئے، راستے میں ڈاکوؤں سے سابقہ پڑا صوفی صاحب جھٹ پیشاب کے بہانے بیٹھ گئے اور جو رقم ان کے پاس تھی، وہ بیٹھے بیٹھے زمین میں دفن کر دی۔ ڈاکوؤں نے تلاشی لی تو کچھ نہ پایا اور انہیں رخصت کر دیا۔ جب ڈاکو خاصی دور نکل گئے تو صوفی صاحب نے رقم نکالی اور چمرکنڈ پہنچ گئے۔

ایک مرتبہ اکیلے جا رہے تھے کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر رات کے وقت ایک بہت بڑا سانپ ملا، جسے صوفی صاحب نے اژدہا سمجھا، چنانچہ آپ نے **سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی**

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ۔ اہل چمرکنڈ نے یہ فیصلہ قبول نہ کیا، مولانا محمد بشیر اسمست گئے اور وہاں سے ایک جماعت مجاہدین کی ساتھ لائے، آتے ہی امارت سنبھال لی اور خزانچی بھی اپنا مقرر کیا۔

میرا اندازہ ہے کہ صوفی صاحب کو یا تو غلط فہمی ہوئی یا انہوں نے صرف ایک فریق کے بیانات کو درست سمجھ لیا، جس حد تک مجھے علم ہے اور یہ علم بیسیوں ذمہ دار افراد کے بیانات پر مبنی ہے، مولانا محمد بشیر نے کبھی امارت کی خواہش نہ کی، وزیرستان سے واپس آ کر ان کے اسمست جانے کی وجہ یہ تھی کہ امیر نعمت اللہ کے واقعے میں انہیں بھی ملزم گردانا جا رہا تھا، اس لئے کہ امیر کے قاتل یوسف سے مولانا کے خاندان کا خاص تعلق تھا۔ جب اسمست میں ان کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو مرکز کی طرف سے انہیں امیر بنا دیا گیا، البتہ یہ درست ہے کہ ان کے اور مولوی فضل الٰہی کے درمیان کشمکش جاری رہی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

الْعَالَمِیْنَ کا ورد شروع کر دیا، خدا نے اس بلا کو ٹالا تو صوفی صاحب آگے بڑھے پھر ایک گاؤں سے گھوڑا لے کر منزل مقصود پر فائز ہوئے۔

دینی درسگاہ کا قیام

صوفی صاحب کو خدا نے عمل کا پیکر بنایا ہے، چرکنڈ سے واپس آئے تو دیکھا کہ لائل پور کے علاقے میں اہل حدیث کی کوئی درسگاہ نہیں، چنانچہ رجب ۱۳۵۷ھ (دسمبر ۱۹۳۸ء) کو خدا کا نام لے کر ایک درسگاہ کی بنیاد رکھ دی۔ آج یہ ایک کامیاب درسگاہ ہے، جس میں پنجاب کے علاوہ بنگال، مدراس، یوپی، بلوچستان اور سرحد کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

جماعت کے اساتین

صوفی صاحب کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل حضرات جماعت مجاہدین کی امداد واعانت کے ستون تھے: (۱) مولانا عین القضاۃ لکھنوی (۲) مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (۳) مولانا زین العابدین (۴) مولانا لیاقت الوری (۵) ڈاکٹر فرید، دربھنگہ (۶) مولانا عبداللہ سیتا مڑھی (۷) مولانا عبدالسبحان جھنگڑوا (۸) حافظ شریف جمکا (۹) حافظ عبدالغفور رتلام (۱۰) حافظ اسحاق دہلی (۱۱) شیخ عطاء الرحمٰن، مدرسہ رحمانیہ دہلی (۱۲) حافظ حمید اللہ کشن گنج (۱۳) حاجی خدا بخش جودھ پوری (۱۴) محمد حنیف صاحب جودھ پوری (۱۵) مولانا ابراہیم بناری (۱۶) سیٹھ عبدالحسین بناری (۱۷) سیٹھ عبداللہ کوچین (۱۸) سیٹھ داؤد دہلی (۱۹) حاجی عطاء اللہ، اوڈانوالہ (۲۰) حاجی ابراہیم ماڑی اٹاری (۲۱) جناب محمد صاحب راوی والے (۲۱) جناب محمد صاحب راوی والے (۲۲) حافظ عبداللہ غازی پوری (۲۳) مولانا عبدالخبیر عظیم آبادی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

چھٹا باب:

اسلامیت کے جواہر پارے (۲)

مولوی سلطان محمد

جماعت مجاہدین کے ایک خاموش اور گوشہ نشین کارکن مولوی سلطان محمد تھے، جن کے متعلق عوام میں مشہور ہو گیا تھا کہ وہ نوٹ بناتے ہیں، اور انہیں اس فن میں ایسا کمال حاصل ہے کہ تجربہ کار مبصر بھی اصل اور نقل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں مولوی صاحب نے خود کبھی نوٹ نہیں بنائے، البتہ انہیں کیمیا گری کا شوق تھا، غالباً چاندی بنا لیتے تھے اور سونا بنانے کے نسخوں کی تلاش میں سرگرم رہتے تھے۔

پشاور یا یاغستان کا ایک گروہ ان کا رفیق بن گیا تھا، وہ گروہ نوٹ ضرور بناتا تھا، مولوی صاحب کے پاس سو سو روپے کے نوٹوں کے صندوق بھرے آتے تھے، خود انہوں نے ان میں سے کبھی ایک حبہ تک نہ لیا اور پوری رقمیں صرف دو کاموں میں صرف کرتے رہے: اول جماعت مجاہدین کی اعانت، جو زیادہ تر اسلحہ کی شکل میں ہوتی تھی، دوم اپنے انقلابی منصوبے کیلئے اسلحہ کی فراہمی۔ مولوی صاحب کا اپنا یہ حال تھا کہ نہایت سادہ لباس پہنتے، ایک روٹی اور دو پیسے کی دال کھا کر گزارا کرتے۔

وہ ایک معزز خاندان کے فرد تھے، لاہور کے سرکاری چھاپے خانے میں کمپوزیٹر کے طور پر ملازم ہوئے، چونکہ ابتدا ہی سے انہیں اسلامی اور وطنی کاموں کے ساتھ خاص دل بستگی تھی، اس لئے اپنے دو ہم مشرب رفیقوں کو شریک کار بنا کر نوشہرہ میں ایک پریس

www.BestUrduBooks.wordpress.com

قائم کر لیا، جس کا نام غالباً "ملٹری پریس" تھا۔ نوشہرہ کو کاروبار کیلئے منتخب کرنے کی اصل وجہ غالباً یہ تھی کہ سرحد آزاد کے قریب پہنچ کر امانت مجاہدین بہتر طریق پر انجام دے سکیں، اور آس پاس مختلف مقامات پر مرکز قائم کر دیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، جو کچھ انہیں ملتا تھا، اسلحہ کی خرید پر صرف کر دیتے تھے، واقف حال اصحاب کے بیانات کو درست تسلیم کیا جائے تو ان کے پاس بارہا اسلحہ کے صندوق بھرے ہوئے آئے، لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ اسلحہ کہاں بنتے اور کس ذریعے سے آتے ہیں۔

ترکِ موالات کے ابتدائی دور میں بعض ہندوستانی لیڈر مسلح انقلاب کے آرزومند تھے، پر امن انقلاب کے حامی دوسری دلیلوں کے علاوہ یہ عذر بھی پیش کیا کرتے تھے کہ مسلح انقلاب کیلئے ہتھیار کہاں سے آئیں گے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر مولوی سلطان محمد نے بعض ممتاز لیڈروں کی مجلس میں بمقام امرتسر اسلحہ کے دو صندوق بطور نمونہ پیش کئے تھے، اور پوچھا تھا کہ ایسے کتنے صندوق درکار ہیں تاکہ ان کا انتظام کر دیا جائے۔ پھر جس خفیہ ذریعے سے یہ صندوق لائے گئے تھے، اسی خفیہ ذریعے سے محفوظ مقام پر پہنچا دیے گئے۔

مولوی صاحب کا منصوبہ

مولوی صاحب نوشہرہ سے لاہور چلے آئے تھے، انہوں نے بہ طور خود انقلاب کی جو اسکیم تیار کی تھی، وہ کچھ اس قسم کی تھی کہ بہروں اور خانساموں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنی جماعت میں شامل کریں، انہیں ہتھیار دے کر ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں اور چھاؤنیوں میں پھیلا دیں۔ پھر بیک وقت ہر مقام کے بڑے بڑے انگریز افسروں کو قبضے میں لے لیا جائے اور نظامِ حکومت خود سنبھال لیا جائے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

اس اسکیم کی پوری تفصیلات کہیں سے معلوم نہ ہو سکیں، مولوی صاحب کی زندگی میں یہ اسکیم تکمیل نہ ہو سکی اور نہ اس پر عمل کی نوبت آئی۔ اس دوران میں اچانک ان کے خلاف نوٹوں کا مقدمہ قائم ہو گیا، جس میں غالباً سات سال کی سزا پائی، رہائی کے بعد طبابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، نظر بظاہر بالکل خاموشی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے رہے، کچھ مدت پیشتر وفات پائی۔ انہیں لوگ عام طور پر مولوی صاحب نہیں، بابو صاحب کہتے تھے۔

مولوی صاحب اگرچہ کہنے کو بے تعلق اور گوشہ نشین سے آدمی تھے لیکن اپنے دائرۂ عمل میں ان کا اثر و رسوخ بہت وسیع تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اچانک ان کی در بندی ہو گئی، ان کے مکان میں ایک یا دو صندوق اسلحہ سے بھرے ہوئے موجود تھے، تھوڑی ہی دیر میں اپنے کارکنانِ خاص کو تاکیدی ہدایات بھیجیں اور تلاشی باقاعدہ شروع ہونے سے پیشتر اسلحہ کے صندوق بدل کر ان کی جگہ ویسے ہی دوسرے صندوق رکھ دیے گئے، یہ سب کچھ کس طرح پایۂ تکمیل کو پہنچا کہ اس کا علم کسی کو نہ ہو سکا۔(۱)

مولوی عبداللہ پشاوری

یہ مولوی صاحب سوات یا بونیر کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۱۰ء کے آس پاس لاہور آئے اور یہاں "پشاوری" کی نسبت سے مشہور تھے۔ غلام حسن شیشہ گر کے مکان پر قرآن مجید کا درس شروع کیا، غلام حسن ہی غالباً ان کے ضروری مصارف کا کفیل تھا، وقتاً فوقتاً وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

اس زمانے میں اسلامیہ کالج لاہور کی گراؤنڈ برانڈرتھ روڈ (کیلیاں والی سڑک) کی طرف سے کھلی ہوئی تھی اور انجمن حمایت اسلام نے مکانوں اور دکانوں کی جو قطار

(۱) یہ حالات مجھے اپنے عزیز دوست شمس الدین صاحب (گرینڈلے بنک لاہور) سے معلوم ہوئے، وہ مولوی سلطان محمد کے نیاز مندوں میں شامل تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بنوا رکھی ہے یہ نہ بنی تھی، احمدیہ بلڈنگس کی جانب بھی صرف چند عمارتیں نظر آتی تھیں، مولوی عبداللہ کبھی کبھی نماز مغرب کے بعد گراؤنڈ میں تقریر فرماتے اور کبھی مذہبی جلسوں کی صدارت کرتے، وعظ کا طریقہ ایسا تھا جس کی مثال کبھی نہ دیکھی گئی۔ تقریر کرتے کرتے لے میں آ جاتے تو مترنم انداز میں بولنے لگتے، بعض الفاظ کے مختصر افغانی تلفظ کے ساتھ یہ ترنم بڑا مزا دیتا تھا۔ مسائل میں بڑے متشدد اور سخت گیر تھے، ایک مرتبہ معراج کے جسمانی یا روحانی ہونے کی بحث چھڑ گئی، ایک مشہور مسلمان لیڈر نے کہہ دیا کہ یہ اختلاف چنداں قابل توجہ نہیں۔ مولوی عبداللہ ایک دم جوش میں آ گئے اور فرمایا یہ غلط ہے، پھر دلائل پیش کر کے اس لیڈر سے برسر عام توبہ کرائی۔ کالجوں کے جن طلبہ نے فروری ۱۹۱۵ء میں ہجرت کی تھی کہا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض مولوی صاحب ہی کے وعظ و تبلیغ سے متاثر ہوئے تھے اور انہیں ہجرت پر آمادہ کرنے میں بھی مولوی صاحب کے مشورے شامل تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولوی صاحب اور اوڈوائر

۱۹۱۵ء میں انجمن حمایت اسلام کا سالانہ اجلاس ہوا تو اس میں مولوی عبداللہ پشاوری کیلئے بھی تقریر کا وقت مقرر تھا، ان کی تقریر کے دوران میں مائیکل اوڈوائر آ گیا، جو پنجاب کا گورنر تھا۔ جنگ یورپ بڑے زوروں پر جاری تھی، ترک انگریزوں کے خلاف جرمنی کے حلیف کی حیثیت میں لڑ رہے تھے۔ مائیکل اوڈوائر اگرچہ نیا نیا آیا تھا اور اس کی جابریت آشکارا نہ ہوئی تھی، تاہم مشہور تھا کہ وہ بڑا سخت حاکم ہے اور پنجاب جنگی بھرتی کا خاص مرکز تھا۔ اوڈوائر اردو بخوبی سمجھتا اور بولتا تھا، کارفرمایانِ انجمن نے مولوی صاحب سے درخواست کی کہ اب اپنی تقریر ختم کیجئے، اس لئے کہ آپ کا وقت ہو چکا ہے۔ انہوں نے فرمایا، بہتر! اب صرف دعا باقی ہے، چنانچہ فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا شروع

www.BestUrduBooks.wordpress.com

کردی، جو اس مضمون کی تھی:

اے اللہ مسلمانوں کو قوتِ ایمان دے، انہیں اسلام پر ثابت قدم رکھ، نیک عمل کی توفیق عطا کر، انہیں یہ دے، وہ دے۔ مجمع دعاء کے ہر ٹکڑے پر بلند آواز سے آمین آمین کہہ رہا تھا، یکایک مولوی صاحب نے کہا:

> اے اللہ! مسلمانوں کو حکومت کا مزا بھی چکھا دے، اگر انگریزوں کی حکومت نہیں دیتا نہ دے، روس ہی کی حکومت دیدے۔

اہل جلسہ نے زور شور سے آمین کہی اور مولوی صاحب ایک دم مجمع سے غائب ہو گئے۔

وہ مسلسل مجاہدین کی اعانت کا کام انجام دیتے رہے اور شاید اسی غرض سے لاہور آئے تھے۔ یہاں ان کی تمام سرگرمیاں انگریزوں کے خلاف رہیں، آخر ان کی گرفتاری کا فیصلہ ہو گیا، لیکن مولوی صاحب گرفتاری سے تھوڑی دیر پہلے چھپ چھپا کر بچ نکلے اور پشاور پہنچ گئے۔ پولیس نے شدت سے ان کا تعاقب کیا، کہا جاتا ہے کہ ایک مقام پر ان کی گرفتاری یقینی ہو گئی تھی، لیکن وہ دیوار توڑ کر نکل گئے۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ زندگی کے باقی اوقات کہاں گزارے اور کب وفات پائی۔ جب وہ یہاں تھے تو مشہور تھا کہ عقیدے کے رو سے اہل حدیث ہیں۔

مولوی کرم الٰہی

مولوی صاحب ان خاموش کارکنوں میں سے تھے جن کی مثالیں ہمارے عہد میں بہت کم رہ گئی ہیں۔ اصل وطن قادروالا، تحصیل زیرہ، ضلع فیروز پور تھا۔ ۱۸۸۵ء کے قریب پیدا ہوئے، مدت دراز تک گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ میں عربی کے ٹیچر رہے، مولوی عبدالرزاق صاحب ان سے کئی مرتبہ ملے تھے، وہ بتاتے تھے کہ تنخواہ میں سے تھوڑی سی رقم اپنے گزارے کے لئے رکھ لیتے باقی مجاہدین کو بھجوا دیتے۔ لدھیانہ میں حافظ نور دین

www.BestUrduBooks.wordpress.com

بھی مولوی صاحب کے معاون و رفیق تھے۔ ظاہر ہے کہ جو بزرگ ذاتی مشاہرے کا بیشتر حصہ خدا کی راہ میں دے دیتے تھے، وہ دوسرے افراد سے بھی ضرور چندہ فراہم کرتے ہوں گے، لیکن ان کے طریق کار کی کوئی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ جماعت کے آدمی خفیہ خفیہ ان کے پاس آتے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً انہیں کے ہاتھ رقمیں بھیجی جاتی تھیں۔

مولوی صاحب کے صاحبزادے نے بتایا کہ حکومت کو موصوف کی سرگرمیوں کا علم ہو چکا تھا اور مجاہدین سے ہمدردی کے باعث ان پر کڑی نگرانی کا انتظام ہو گیا تھا، تاہم وہ جس کام کو ایک اہم دینی فرض سمجھ کر ادا کرتے تھے اسے ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور نگرانی کے باوجود ہر ممکن ذریعے سے روپیہ مجاہدین کو پہنچاتے رہے۔

آخر ان کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے گورنمنٹ ہائی سکول جالندھر میں ہو گیا، یقین ہے کہ جالندھر میں بھی انہوں نے خدمت مجاہدین کا کام جاری رکھا ہوگا۔ ۱۹۳۳ء میں سرکاری ملازمت سے وظیفہ لے کر قادروالا میں مقیم ہو گئے اور تقسیم تک وہیں رہے۔

فسادات شروع ہوئے تو دوسرے لاکھوں مسلمانوں کی طرح مولوی کرم الٰہی صاحب کو بھی وطن مالوف سے ہجرت کرنی پڑی۔ قصور پہنچے تو ہیضے میں مبتلا ہو گئے، بیماری ہی کی حالت میں اپنے خلف اکبر چودھری عبدالرحمٰن صاحب بی، اے، بی ٹی کے پاس پاک پٹن پہنچ گئے، وہیں تین روز بعد وفات پائی۔ گویا یہ غالباً ستمبر ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے، ان کی اولاد میں چار صاحبزادے ہیں اور تین صاحبزادیاں، یہ لوگ خانیوال میں رہتے ہیں۔(۱)

(۱) ان میں سے کچھ حالات میرے عزیز دوست مولوی عبدالرزاق نے بیان کئے، بعد ازاں مولوی صاحب مرحوم کے صاحبزادے چودھری عبداللہ صاحب بی اے مالک فیروز پور خانیوال نے مولوی محمد اسحاق مدیر "الاعتصام" کے ایما پر مختصر سوانح لکھ بھیجے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

حاجی نور محمد صراف

حاجی صاحب نے فیروز پور میں صرافہ کی دکان قائم کر رکھی تھی، اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے، اور نہ یہ پتہ چلا کہ ان کے کاروبار کا کیا حال تھا، صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ابتدائی دور ہی سے جماعت مجاہدین کیلئے رقمیں جمع کر کے بھیجتے رہتے تھے، بلکہ اپنی دکان کا ایک حصہ صرف اس غرض سے وقف کر رکھا تھا کہ جماعت کے قاصدوں یا اسمست و چمرکنڈ جانے والوں میں سے کوئی پہنچ جائے تو با طمینان ٹھہرے اور آرام کر سکے۔ حاجی صاحب ایسے مہمانوں کے لئے کھانے یا دوسری ضروریات کا انتظام کر دیتے تھے۔

مولوی محمد اسحاق صاحب مدیر ''الاعتصام'' نے بتایا کہ حاجی صاحب اگرچہ بڑے محتاط تھے لیکن حکومت کو ان کی سرگرمیوں کی اطلاع کسی ذریعے سے پہنچ گئی، اور ۱۹۱۱ء میں انہیں گرفتار کر لیا گیا، تاہم کوئی واضح ثبوت نہ مل سکا، اس لئے چھوڑ دیا گیا۔ غالباً ۱۹۳۰ء میں انہوں نے وفات پائی۔

میاں غلام حسین

یہ بزرگ مولوی ولی محمد کے ہم وطن تھے یعنی ان کا گاؤں بھی فتوحی والا تھا۔ ان کے بھی زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے، البتہ مولوی محمد اسحاق صاحب نے بتایا کہ فیروز پور اور آس پاس سے تمام روپیہ انہیں کے ذریعے سے مجاہدین کو پہنچتا تھا، کچھ پتہ نہیں کہ انہوں نے ارسال زر کے کیا کیا وسائل اختیار کر رکھے تھے، لیکن زندگی بھر یہ خدمت چپ چاپ انجام دیتے رہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

صوفی جلال الدین

موضع ہریہ والا ریاست فرید کوٹ اصل وطن ہے، اب چک ۵۳گ،ب تحصیل جڑانوالہ لائل پور میں مقیم ہیں۔ یہ بھی مولوی ولی محمد فتوحی والا کی تقریروں اور وعظوں سے متاثر ہو کر جماعت سے وابستہ ہوئے اور مولوی ولی محمد کے ایک قاصد کے ہمراہ اسمست پہنچ کر امیر نعمت اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہاں فوجی قواعد سیکھی، مولوی الٰہی بخش پیرو والا اور مولی عین الدین ساکن ساندو (ضلع لاہور) ان کے ساتھ تھے۔ اسمست میں کعب نام اختیار کیا، مولوی الٰہی بخش کا نام عبد الاول اور مولوی عین الدین کا ابو بکر رکھا گیا۔ قواعد سیکھ چکے تو مجاہدین میں شامل ہوئے، سرکاوئی کی جنگ میں شریک رہے جس کا ذکر ہم نے رستم کی جنگ کے نام سے کیا ہے۔ انگریزی چھاؤنیوں پر شبخون بھی مارے، چار برس رہ کر امیر کی ہدایت کے مطابق واپس آ گئے۔ اس کے بعد بھی سال میں ایک مرتبہ ضرور چمرکنڈ جایا کرتے تھے۔

ان کے گاؤں میں ۹۹ فی صد سکھ آباد تھے، اس لئے جگہ محفوظ تھی، چنانچہ بنگال، بہار، یوپی سے جو حضرات خدمت مجاہدین کے سلسلے میں آتے تھے ان کا ایک خاص پڑاؤ صوفی صاحب کا مکان تھا، وہاں کسی جاسوس کی خبر رسانی یا پولیس کی تلاشی کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ بمباں والا کے مقدمہ بندوق اور قاضی کوٹ کے مقدمے سے صرف اس لئے بچ گئے کہ ان کے خلاف کوئی عینی گواہ نہ مل سکا، چنانچہ مجسٹریٹ نے یہی کہہ کر رہا کیا کہ تیری قسمت اچھی ہے، موقع کی کوئی شہادت نہیں ملی۔

معاونین جماعت

صوفی صاحب کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل حضرات جماعت مجاہدین کے خاص معاون تھے: (۱) مولانا عبد القادر قصوری (۲) مولانا قاضی سلیمان منصور پوری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مصنف "رحمۃ للعالمین" وغیرہ (۳) مولانا عبد التواب ملتانی (۴) مولانا محمد علی لکھوی (۵) مولانا عطاء اللہ لکھوی (۶) مولانا عبد اللہ لکھے والے، ضلع فیروز پور (۷) عبد اللہ کوٹے والا، ضلع فیروز پور (۸) صوفی محمد سلیمان روڑی والا اور (۹) ان کے صاحبزادے مولانا حکیم عبد اللہ (۱۰) میاں شمس الدین (ضلع لاہور) (۱۱) میاں غلام حسین فتوحی والا (۱۲) علمائے اہل حدیث بڈھی والا (ضلع فیروز پور)۔

صوفی صاحب وقتاً فوقتاً آدمی بھی اسمست بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ محمد عمر نام کے ایک لوہار کو بھیجا تھا جو دس سال وہاں رہا۔

متفرق اصحاب

ان کے علاوہ بھی فیروز پور کے مختلف اصحاب نے اعانت مجاہدین کا کام سنبھال رکھا تھا۔ مثلاً:

۱- مولوی عبد الکریم صاحب جو "کرے کنال" میں ایس ڈی او تھے۔ تقسیم کے بعد لاہور آ گئے اور کچھ مدت لاہور اور ملتان میں اہم خدمتوں پر مامور رہے، آج کل ریٹائر ہو چکے ہیں۔ صاحب موصوف خلوص، محبت، اسلامیت اور اخوت کا ایک ایسا پیکر ہیں، جن کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

۲- چودھری عبد الستار خان، یہ خاص فیروز پور میں رہتے تھے۔

۳- عبد السلام ساکن تلونڈی ضلع فیروز پور۔

۴- سلیمان ساکن ضلع فیروز پور، جس نے سرحد میں ایوب نام اختیار کر لیا تھا۔

ضلع سیالکوٹ کے بھی متعدد اصحاب کے اسماء مختلف سلسلوں میں آئے ہیں، مثلاً سلیم اللہ، غلام محمد، آخر الذکر سرحد میں "محمد" کے نام سے مشہور تھا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ساتواں باب:

اسلامیت کے جواہر پارے (۳)

تمہید

اب آخر میں ان طلبہ کے حالات اختصاراً لکھ دینا چاہتا ہوں جو فروری ۱۹۱۵ء میں جہاد کی نیت سے کالج چھوڑ کر گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ سب مجاہدین سے وابستہ نہ رہے، تاہم:

۱- انہیں سرحد آزاد میں پہنچانے کے ذمہ دار وہی اصحاب تھے جو جماعت مجاہدین کا کام کرتے تھے۔

۲- ان کی پہلی منزل وہی جگہ تھی جہاں مجاہدین قیام پذیر تھے۔

۳- ان میں سے بعض نے آگے چل کر جماعت مجاہدین سے وابستگی اختیار کی لی۔

۴- دوسرے اصحاب نے بھی حتی الامکان جماعت کی سرگرمیوں میں اعانت کا سلسلہ برابر جاری رکھا، یا کم از کم جماعت مجاہدین سے ان کی ہمدردیاں کم نہ ہوئیں اور بعض اوقات اس سے انتساب کی بناء پر رفع مشکلات میں بھی مدد ملی۔

۵- ان اصحاب نے قربانیوں کا جو نمونہ پیش کیا، وہی تھا جس کی مثالیں جماعت مجاہدین سے باہر شاذ ہی ملیں گی۔

کیفیت سفر

میری آرزو تھی کہ کوئی صاحب ایسے مل جائیں جن سے ان کے سفر کی کیفیت تفصیلاً

www.BestUrduBooks.wordpress.com

معلوم ہو جائے۔ اتفاقیہ ڈاکٹر رحمت علی مل گئے جو ربع صدی سے زیادہ مدت جلاوطنی میں گزار کر پاکستان آئے اور آج کل پنجاب یونیورسٹی میں فرانسیسی زبان کے پروفیسر ہیں۔ ان سے جو حالات سنے وہ اختصاراً ذیل میں درج ہیں:

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ کل طالب علم گیارہ تھے، چار میڈیکل کالج کے، دو ایم اے کے اور پانچ بی اے کے۔ ان کے ساتھ بعض اور اصحاب بھی مل گئے تھے، جن کا ذکر موقع پر آئے گا۔

لاہور سے روانہ ہو کر یہ غیور نوجوان ہری پور پہنچے، جہاں کا اسٹیشن ماسٹر مجاہدین کا خدمت گزار تھا اور اس نے ایک مکان صرف اسی غرض سے الگ لے رکھا تھا کہ آنے جانے والے مجاہدین یا ان کے قاصدوں کی خاطر تواضع کرتا رہے۔ چنانچہ ان سب کو اسی مکان میں ٹھہرایا، کھانا کھلایا، پھر سواری کا انتظام کر دیا اور یہ اصحاب دربند پہنچے جو رئیس امب کا مرکز تھا۔

رئیس مذکور اگرچہ انگریزی حکومت کی مرضی کے خلاف کھلم کھلا کچھ نہ کر سکتا تھا، مگر مجاہدین کے تمام آدمیوں کو عزت و اکرام سے اپنے پاس ٹھہراتا تھا۔ وہاں نہایت پرتکلف کھانا کھلایا گیا، ایک رات دربند میں گزارنے کے بعد ان کے عبور کے لئے کشتی کا انتظام کر دیا گیا، دریائے اٹک سے پار ہوتے ہی آزاد علاقہ آ گیا، وہاں سب نے انگریزی حدود سے باہر نکلنے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے عہد کیا کہ جب تک انگریزوں کو ہندوستان سے نکال نہ لیں گے واپس نہ آئیں گے۔

مرکز مجاہدین

وہاں سے یہ لوگ پیادہ مرکز مجاہدین میں پہنچے، واضح رہے کہ تقریباً تمام طلبہ خاصے امیر گھرانوں کے چشم و چراغ تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں تکلیف و مشقت کا دور کبھی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نہ دیکھا تھا، لیکن جذبۂ آزادی و اسلامیت نے ہر مشقت بخوشی برداشت کر لینے پر آمادہ کر دیا۔ مرکز مجاہدین کی حالت دیکھ کر نظر بظاہر ان پر کوئی اچھا اثر پڑنے کی امید نہ ہو سکتی تھی، وہ درویشوں کی آبادی تھی، جن کے پاس دنیوی ساز و سامان حقیقتاً کچھ نہ تھا، نہ توپیں، نہ اسلحہ کے کارخانے، نہ عالی شان بارکیں، نہ بڑے بڑے لشکر، مسکین لوگ ایک نصب العین کی عزت و احترام کا پرچم سنبھالے بیٹھے تھے، کھانا بہت معمولی، رہنا سہنا حد درجہ سادہ(۱)، جہاں موقع مل جاتا دینی غیرت کی بناء پر جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر لڑنے کے لیے تیار رہتے۔

ڈاکٹر رحمت علی بتاتے ہیں کہ اگرچہ امیر مجاہدین بہت کہتے تھے، یہیں ٹھہر جایئے لیکن ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ جو سر و سامان مجاہدین کے پاس ہے وہ انگریزوں سے جنگ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لیے ہرگز قابل توجہ نہیں سمجھا جا سکتا، لہٰذا ہمیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ سیدھے کابل جائیں اور امیر کابل سے مل کر اسلام کے نام پر اپیل کریں، وہ حرکت میں آ جائیں گے تو سرحد آزاد کا ایک ایک جانباز ساتھ ہو جائے گا اور ہندوستان کو آزاد کرا لینے کے دروازے کھل جائیں گے۔

امیر مجاہدین نے جب دیکھا کہ ہم رکنے والے نہیں تو ایک رہبر ہمارے ساتھ کر دیا جو ہمیں بحفاظت افغانستان لے گیا۔

جلال آباد

یہ قافلہ جلال آباد پہنچا تو پولیس نے سب کو گھیرے میں لے لیا اور سرائے کی ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب کے لئے دو کوٹھریوں کا انتظام کر دیا گیا،

(۱) ڈاکٹر رحمت علی نے بتایا کہ ایک مرتبہ ہمارے ایک ساتھی کو غسل کی ضرورت پڑی، اندھیرے میں اسے ایک دیگ ملی، اس نے سمجھا پانی ہے لوٹے بھر بھر کر ڈالنے لگا، بعد میں معلوم ہوا کہ دیگ میں مجاہدین کے لئے دال پکائی گئی تھی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آخر وہاں کے گورنر سے ملاقات ہوئی، اس نے سمجھا کہ اگر ان لوگوں سے کوئی نامناسب سلوک ہوا اور افغانوں کو علم ہو گیا کہ یہ ہجرت کر کے آئے ہیں اور اسلامی ملک میں انہیں تکلیف دی جا رہی ہے تو ہنگامہ بپا ہو جائے گا، لہٰذا مصلحتاً سب کے لئے سواری اور بار برداری کی غرض سے یابوؤں کا انتظام کر دیا۔ راستے کے لیے خرچ دے دیا، چودہ پندرہ سپاہی ساتھ کر دیے اور حکم دے دیا کہ انہیں کابل لے جاؤ، اس طرح اگرچہ جلال آباد ہی سے اک گونہ نظر بندی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، لیکن خود مہاجرین کو ایسا کوئی احساس نہ تھا اور کوئی تکلیف بھی پیش نہ آئی۔

کابل

کابل پہنچے تو انہیں کوتوال کے بنگلے پر لے گئے، اس نے کہا کہ امیر صاحب کو آپ لوگوں کے آنے کی خبر ہے، اگر واپس جانا چاہو تو پورے آرام سے پہنچانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔ مہاجرین اس پر بگڑے اور کہا کہ ہمیں کسی ذریعے سے ترکی پہنچا دو، جواب ملا کہ اس کی کوئی صورت نہیں، البتہ تمہیں اپنے پاس ٹھہراؤں گا، چنانچہ بنگلے ہی کے ایک حصے میں ٹھہرایا گیا اور پہرے لگا دیے گئے۔ اس وقت آشکارا ہوا کہ یہ آزادی نہیں قید ہے، ہر شخص کے لئے تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا، انہوں نے کھانا پکانے کے سلسلے میں کام بانٹ لیے، کھانا پکاتا، کھاتے اور بیٹھے رہتے۔ کبھی کبھی پولیس کے پہرے میں باہر بھی پھرایا جاتا، عین اس موقع پر سرحد کے طلبہ کی ایک جماعت بھی آ گئی، وہ ہر جگہ یہی کہتی آئی تھی کہ جہاں ہم سے پہلے آنے والے لوگ جا رہے ہیں وہیں ہم بھی جائیں گے، چنانچہ انہیں بھی نظر بند کر دیا گیا۔

جب ترکی اور جرمنی کا وفد کابل پہنچا، مولانا برکت اللہ اور راجا مہندر پرتاپ وفد کے ساتھ آئے، ان کی سفارش پر پہرے اٹھا لئے گئے اور چلنے پھرنے کی آزادی مل گئی۔ یہی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

زمانہ ہے جس میں طلبہ کے مختلف وفود باہر کے ملکوں میں بھیجے گئے، تفصیل آگے بیان ہوگی۔ مشن ناکام واپس گیا تو پھر ان لوگوں کیلئے قید کا حکم ہوگیا، چنانچہ یہ ایک الگ مکان میں پہنچا دیے گئے جس کے دروازے پر پہرے دار بیٹھے رہتے تھے، اب آپ ایک ایک کی داستان الگ الگ سنیں۔

ڈاکٹر رحمت علی

ڈاکٹر رحمت علی فرماتے ہیں کہ قید سے تنگ آ گیا، اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہاں سے بھاگنا چاہیے، بھاگنے میں بڑی مصیبتیں تھیں، مکان کے دروازے پر ہر وقت پہرہ رہتا تھا، رات ہی کے وقت نکلنا ممکن تھا لیکن اس زمانے میں نو بجے شب کو توپ چلتی تھی جس کے بعد کوئی شخص خاص اجازت نامے کے بغیر گھر سے باہر نہ پھر سکتا تھا۔ سوچ بچار کے بعد مولوی عبدالرزاق (۱) کو ساتھی بنایا، یہ بھی ترکی جانے کے لیے مضطرب تھے، شہر کے کونے پر ایک مسجد تھی، اسے ملاقات کا مقام مقرر کرلیا۔

ڈاکٹر صاحب نے شب کے ساڑھے آٹھ بجے نکلنے کی ہمت کی، پہلے اپنی پوستین ایک رسی میں باندھ کر طاقچے کے راستے نیچے گرائی جو ایک گلی میں کھلتا تھا، پھر خود نکلے اور توپ چلنے سے پیشتر مسجد میں پہنچے، وہاں عبدالرزاق صاحب نہ ملے، مسجد بند تھی، چنانچہ یہ شہر سے باہر نکل کر ایک ایسی مسجد میں جا پہنچے جو بے آباد تھی، پوستین اوڑھی اور ایک کونے میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

صبح کی نماز کیلئے توپ چلی تو یہ نماز ادا کر کے نکلے، بڑی سڑک پر پہنچے تو عبدالرزاق صاحب بھی مل گئے، انہوں نے رات پہلی مسجد میں گزاری تھی جس کے دروازے ملا نے بند کردیئے تھے۔ دونوں نے اپنے آپ کو چتر کنڈ کے درویش قرار دیا جو ملا صاحب کے

(۱) ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خلم سے بغرض زیارت مزار شریف جا رہے تھے۔ درۂ پنج شیر والا راستہ اختیار کیا جو بہت خطرناک تھا، راہداری کا ایک جعلی پروانہ تیار کر رکھا تھا، منزل بہ منزل چلتے چلتے اور شدید موسم سرما کی مصیبتیں سہتے مزار شریف پہنچے، وہاں مجاہدین چمرکنڈ کا ایک محب موجود تھا، اس کے ذریعے سے بخارا جانے کا انتظام ہوا، بخارا میں بھی بڑی تکلیفیں پیش آئیں۔

ڈاکٹر رحمت علی نے چند سال روس میں بسر کیے، جہاں مولوی برکت اللہ کی توجہ سے ان کیلئے اچھا انتظام ہو گیا تھا، پھر یہ فرانس چلے گئے، وہاں بھی بے حد مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کشائش کا انتظام کر دیا، فرانس ہی میں شادی کی، ان کے بچے وہیں تعلیم پا رہے ہیں۔

قوموں کے لئے سرمایۂ فخر

ڈاکٹر صاحب کا قلب آج بھی آزادی اور اسلامیت کے انہیں مخلصانہ جذبات سے لبریز ہے جو انہیں نوجوانی کے عالم میں وطن سے باہر لے گئے تھے، اور جن کی وجہ سے انہوں نے عمر کا بڑا حصہ اجنبی ملکوں میں گزارا۔ جیسا کہ میں پہلے بارہا عرض کر چکا ہوں خدمت ملک وملت یا خدمت انسانیت کا راستہ بڑا ہی کٹھن ہے۔ جو لوگ وقتی جوش کی حالت میں یہ راستہ اختیار کر لیتے ہیں وہ غیر معمولی آفات وحوادث پیش آنے پر عموماً متزلزل ہو جاتے ہیں، لیکن جو جوانمرد سوچ سمجھ کر اس میدان میں قدم رکھتے ہیں انہیں مشکلات وموانع کبھی ہراساں نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھیے کہ کس طرح ہر آفت اور ہر حادثے کو مردانگی سے برداشت کیا، نہ ہمت ہاری نہ وہ نصب العین چھوڑا جس کیلئے انہوں نے زندگی بسر کی تھی۔ ایسے ہی لوگ ملکوں اور قوموں کیلئے عزت کا سرمایہ ہوتے ہیں اور انہیں کی بدولت زندگی کے ظلمت زار میں روشنی کی کرنیں جلوہ گر رہتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھی ہمارے لئے یقیناً فخر کا سامان ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالرشید

ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں، انہوں نے یاغستان پہنچ کر اپنا نام یوسف رکھا تھا۔ مولانا محمد بشیر انہیں کابل سے اپنے ہمراہ چمرکنڈ لے آئے تھے اور بیٹے کی طرح رکھتے تھے۔ غالباً یہ یاغستان کے ان دوروں میں بھی شریک رہے جو مولانا نے جابجا مرکز قائم کرنے کیلئے اختیار کئے تھے۔ چمرکنڈ سے امیر نعمت اللہ نے انہیں اسمست بلا کر اپنا کاتب خاص اور معتمد مقرر کر لیا۔ صوفی عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ چمرکنڈ کے امیر عبدالکریم قنوجی کے ہمراہ اسمست گئے تھے، کاتب خاص ہونے کے دوران میں یوسف پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ امیر نے انگریزوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی مفاہمت کر لی ہے جس کی وجہ سے جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیاں مختل ہو رہی ہیں، نیز ہندوستان سے جو روپیہ آتا تھا وہ جماعتی کاموں میں صرف ہونے کے بجائے امیر کے ذاتی مصارف و مصالح کی نذر ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے مختلف اصحاب کے دل میں تکدر پیدا ہو گیا تھا اور بعض پریشان و مایوس ہو کر واپس آ گئے تھے، ان میں مولوی ولی محمد اور ان کے رفیق بھی تھے۔

یہ اطلاعات ہندوستان پہنچیں تو مختلف مرکزوں نے چندہ جمع کرنا چھوڑ دیا، یا وہ رقمیں جمع کرتے تو اسمست کے بجائے چمرکنڈ بھیج دیتے۔ یوسف ان مصیبتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ طے کر لیا کہ امیر نعمت اللہ کو موت کے گھاٹ اتارے بغیر جماعت کا نظم و وقار قائم نہیں رہ سکتا، اور اس کام کے لئے گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی جو اس جماعت کا مقصد وحید تھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے انہوں نے موقع پا کر امیر کو ختم کر دیا، پھر خود بھی اسی جگہ مارے گئے۔ جن اصحاب نے انہیں دیکھا تھا وہ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ یوسف بڑا ہی غیور، مخلص اور بہادر نوجوان تھا، مولانا محمد بشیر کی رائے بھی یہی تھی، وہ فرماتے تھے کہ شدید اشتعال کی حالت میں اس سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

محمد حسن

یہ ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں، سرحد پہنچ کر انہوں نے اپنا نام یعقوب رکھ لیا تھا اور اب تک اسی نام سے مشہور ہیں۔ پہلا نام بہت کم اصحاب کو معلوم ہے، وہ سرحد سے افغانستان پہنچے اور تمام مجاہدانہ سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیتے رہے۔ جب جرمن اور ترکی وفد نے خیری بے کو یاغستانی قبائل کی تنظیم پر مامور کیا تھا تو ہندوستانی کارکنوں میں سے مولوی یعقوب ہی کو خیری بے کے ساتھ بھیجا گیا تھا، یاغستانیوں میں سے جو لوگ انگریزوں کے زیر اثر تھے، انہوں نے خیری بے اور ان کی پارٹی پر حملے کرائے، پھر مجبوری میں انہیں خاصی دیر تک مخالفت کا ہدف بنائے رکھا۔ بہادر یعقوب نے تمام تکلیفوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا، پھر وہ کابل چلے گئے اور وہیں مقیم رہے۔

بچہ سقاؤ کے دور فساد میں بھی یعقوب نے افغانستان کی گراں قدر خدمات انجام دیں، وہ مرحوم نادر شاہ اور ان کے بھائیوں کے ہمراہ تھے۔ قبائل کی یہ حالت تھی کہ آج نادر کے ساتھ ہو جاتے اور دوسرے دن کوئی فضول و بے بنیاد عذر پیش کر کے مخالفوں کے ساتھی بن جاتے۔ مولوی یعقوب نے آخری وقت تک تحریک اصلاح کا ساتھ دیا اور جانبازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، کامیابی کے بعد انہیں دار الترجمہ میں کوئی عہدہ دے دیا گیا تھا، میں ۱۹۳۴ء میں ان سے ملا تھا تو دار الترجمہ ہی میں مامور تھے۔ حضرت شیخ الہند مرحوم کے ترجمہ قرآن اور تفسیری حواشی کا ترجمہ فارسی میں کرایا گیا تو مولوی یعقوب بھی اس کام میں معاون رہے۔ سنا جاتا ہے کہ بعد میں ان کے متعلق حکومت افغانستان کو غلط فہمی پیدا ہو گئی، اب معلوم نہیں کس حال میں ہیں۔

عبداللہ اور عبدالرحمٰن

یہ دونوں حقیقی بھائی تھے، ان کے مجاہدانہ کارنامے بھی بڑے قابل قدر ہیں۔ مولوی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

عبدالرزاق نے مجھے بتایا ہے کہ عبداللہ کچھ مدت کابل میں گزارنے کے بعد چمرکنڈ آ گئے تھے اور جماعتی کاموں میں شریک رہے۔ اتفاق سے وہاں اختلافی صورت پیدا ہوگئی اور اسی میں وہ بے چارے موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اصل معاملے کی تفصیلی کیفیت واضح نہ ہوسکی۔ ڈاکٹر رحمت علی فرماتے تھے کہ وہ جس زمانے میں یاغستانی قبائل کو منظم کررہے تھے، کوئی جھگڑا پیدا ہوا اور اس میں شہید ہوگئے۔

عبدالرحمٰن جب ساتھ گیا تو نوعمر تھا، اس نے بدستور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، کچھ مدت کیلئے وہ چپ چاپ میانوالی کے ضلعے میں مقیم ہوگیا تھا، پھر افغانستان واپس چلا گیا، ایک مرتبہ وہاں کسی وجہ سے قید بھی ہوگیا تھا، رہائی کے بعد وہیں وفات پائی۔

مولوی عبدالباری اور ڈاکٹر شجاع اللہ

ہماری دستور ساز اسمبلی کے رکن مولوی عبدالباری بھی ان طلبہ میں شامل تھے جنہوں نے فروری ۱۹۱۵ء میں ہجرت کی تھی۔ کابل میں یہ مہاجر نوجوانوں کی جماعت کے صدر بن گئے تھے، جب ترکی اور جرمن مشن کابل پہنچا اور مولانا عبیداللہ نے اس کے ارکان سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تو مولوی عبدالباری ہی مولانا کے ترجمان کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر حکومت موقتہ ہند (مقیم کابل) نے ایک وفد ترکی بھیجنے کا فیصلہ کیا، اس کیلئے مولوی عبدالباری اور ڈاکٹر شجاع اللہ مقرر ہوئے اور یہ وفد ایران کے راستے ترکی روانہ ہوا۔ مولانا عبیداللہ نے اس کے لئے ایک سو پونڈ مولانا محمد بشیر سے قرض لیے تھے، جو بعد میں ادا کردیئے گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس وفد کو انگریزوں نے ایران میں گرفتار کرلیا اور دونوں صاحبوں کو لاہور لے آئے، یہاں ان سے حکومت موقتہ وغیرہ کے تمام حالات لکھوا لیے گئے اور انہیں کچھ عرصہ نظر بند رکھ کر رہا کردیا۔

ڈاکٹر شجاع اللہ شیخ عظیم اللہ کے بھائی تھے، افسوس کہ مدت ہوئی وہ فوت ہو چکے ہیں۔ مولوی عبدالباری نے مسلم لیگ کی تحریک میں جو کچھ کیا، اس کا ذکر یہاں غیر ضروری

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ہے، آج کل وہ مجلس دستور ساز پاکستان کے رکن ہیں۔

عبدالقادر آزر

یہ گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے اور جب میں نے انہیں دیکھا تھا تو بڑے خوش پوش رہتے تھے۔ نظر بظاہر کسی کو احساس نہ ہو سکتا تھا کہ ہجرت اور جہاد کی بلا انگیزیوں کے لئے تیار ہو سکتے ہیں، تاہم جب کام کا وقت آیا تو انہیں آرام و راحت کی زندگی چھوڑ کر تکلیفوں اور مصیبتوں کا لیل و نہار اختیار کرنے میں ایک لمحے کے لئے بھی تامل نہ ہوا۔ کابل سے حکومت موقتہ نے انہیں ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ جاپان بھیجا تھا اور افغانستان سے جاپان جانے کا محفوظ راستہ روس کے سوا کوئی نہ تھا۔

جونہی ڈاکٹر متھرا سنگھ اور عبدالقادر آزر نے سرحد روس میں قدم رکھا، حکومت روس نے انہیں گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا، چنانچہ وہ لاہور لائے گئے۔ مولانا عبید اللہ کے بیان کے مطابق موصوف نے بھی مولوی عبدالباری کی تیار کردہ تحریر پر دستخط کر دیئے۔ (۱) کچھ دیر نظر بند رہ کر وہ بھی رہا ہو گئے۔ افسوس کہ انہوں نے جوانی ہی میں وفات پائی۔

ڈاکٹر متھرا سنگھ بم کے ایک مقدمے کا مفرور تھا، اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ (۲)

(۱) کابل میں سات سال، ص: ۳۰۷

(۲) کابل میں سات سال، ص: ۳۰۷۔ مولوی محمد علی قصوری نے مشاہدات کابل و یاغستان میں ایک ڈاکٹر منگل سنگھ کا ذکر کیا ہے، جس کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ مولوی صاحب کے پاس منگل کے دن پہنچا تھا۔ میرے دل میں بار بار شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ڈاکٹر متھرا سنگھ ہی تھا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بنگال کی دہشت پسند جماعت کا رکن تھا، اسے جرمنی بھیجنے کی تجویز تھی، روسیوں نے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا، جب پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا تو اس نے مسکرا کر کہا کہ میری آخری تمنا پوری ہوئی۔ پھانسی کے وقت تک اس کا وزن بارہ پونڈ بڑھ گیا، سزا کے نفاذ کے وقت اس سے پوچھا گیا کہ کوئی خواہش ہو تو بتا دو، اس نے جواب دیا میری آخری خواہش یہ ہے کہ میری موت انگریزی کفن میں آخری کیل ثابت ہو۔ غرض وہ بڑا ہی جری اور نڈر کارکن تھا۔ (مشاہدات کابل و یاغستان، ص ۱۲۶ - ۱۲۸) راجہ مہندر پرتاپ نے اس کا ایک نام شمشیر سنگھ لکھا ہے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

مہاجر طلبہ میں ایک عبدالحمید صاحب بھی تھے جنہیں ماسٹر عبدالحمید کہا جاتا تھا، وہ باہر مختلف قومی و وطنی سرگرمیوں میں شریک رہے، پھر واپس آ گئے تھے، اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔

شیخ محمد ابراہیم

شیخ صاحب سندھ کے نومسلم تھے، حبیبیہ کالج کابل میں تاریخ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ مولوی محمد علی قصوری کے رفیق خاص اور دونوں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ مولانا عبیداللہ کابل پہنچے تو اس مکان سے قریب ہی ایک مکان کرائے پر لے لیا تھا اور شیخ محمد ابراہیم ہی کی وساطت سے مولانا ان لوگوں سے ملے جن کے لئے ان کے پاس تعارفی خطوط تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان کا تمام اندوختہ ہمارے ہی کام میں صرف ہوا۔ مولوی محمد علی کے ساتھ انہیں بھی پروفیسری سے علیحدہ ہونا پڑا تھا اور یہ یاغستان چلے آئے تھے اور پشتو سیکھ کر لوگوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیتے رہے۔(۱)

مولوی محمد علی قصوری لکھتے ہیں کہ شیخ محمد ابراہیم کو دو اور رفیقوں کے ہمراہ ایران کے راستے ترکی بھیجا گیا تھا، دونوں ساتھی بھی شہید کر دیئے گئے تھے۔(۲) مولانا عبیداللہ فرماتے ہیں کہ شیخ محمد ابراہیم نے افغانستان سے گذر کر روس پہنچنے کی کوشش کی، لیکن افغانستان کے ایک گاؤں میں فوت ہو گئے۔

شبہ کیا جاتا ہے کہ ڈاکو یاغستان سے ان کے ساتھ تھا، اس نے شیخ صاحب کو شہید کر دیا۔ آخری وقت میں شیخ محمد ابراہیم نے اپنے دوسرے ساتھی کو ایک خط لکھ دیا، وہ میں نے پڑھا ہے، اس کے ایک لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ شیخ صاحب سمجھانا چاہتے ہیں بہت ممکن ہے وہ ڈاکو نہ ہو بلکہ انگریزوں کا کارندہ ہو۔(۳)

(۱) کابل میں سات سال، ص: ۲۷، ۲۵، ۶۵، ۷۴ (۲) مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۱۲۸-۱۲۹

(۳) کابل میں سات سال، ص: ۷۴

www.BestUrduBooks.wordpress.com

آٹھواں باب:

اسلامیت کے جواہر پارے (۴)

سردار عبدالمجید خاں

ڈاکٹر رحمت علی نے بتایا کہ یہ غالباً میانوالی کی طرف کے تھے، مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ مولوی عبدالرزاق کے قول کے مطابق مہاجر طلبہ نے انہیں اپنا سردار بنا لیا تھا، انہوں نے اسیری کی تکلیفیں بڑے صبر سے برداشت کیں اور غالباً ۲۶ رجمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (۱۹ راپریل ۱۹۱۷ء) کو کابل میں وفات پائی۔ مولوی عبدالرزاق نے بتایا کہ سردار مرحوم کے رفیق عبدالقادر آزر نے ان کے لوحِ مزار کے لئے ایک قطعہ کہا تھا، جس کے صرف دو شعر یاد رہ گئے:

آہ! عبد المجید خاں مرحوم	کرد ہجرت ز ہند بہر غزا
بست و ششم جمادی الثانی	گشت راحل بہ سوئے دار بقا (۱)

میر ظفر حسین

یہ کرنال کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، گورنمنٹ کالج لاہور کے نہایت قابل طلبہ میں شمار ہوتے تھے، اور ریاضی میں خصوصاً انہیں خاص کمال حاصل تھا۔ ہجرت کے بعد اسمست ہوتے ہوئے کابل گئے، وہاں ابتدا میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ

(۱) آخری شعر کے غیر موزوں ہونے سے بحث نہیں، یہ اشعار صرف بطور یادگار درج کئے جا رہے ہیں۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

تکلیفیں اٹھائیں، لیکن ان ارباب عزیمت میں سے تھے جو مشکلات کے ہجوم اور مصائب ونوازل کے تواتر کی بناء پر اپنا سوچا سمجھا ہوا راستہ بدلنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتے۔ نادر شاہ مرحوم کے خاندان سے بہت اچھے روابط پیدا ہو گئے تھے اور حق یہ ہے کہ یہاں سے جتنے اصحاب ہجرت کر کے کابل گئے، ان میں سے جسکو راحت و آسائش کی چند ساعتیں نصیب ہوئیں ان میں سب سے زیادہ حصہ اسی خاندان کی توجہات ومساعی کا تھا۔

قیام کابل کے دوران میں میر ظفر حسن ہر اس تحریک میں شریک رہے جو ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے جاری ہوئی۔ افغانستان کی جنگ استقلال میں امیر امان اللہ خاں نے نادر شاہ مرحوم کو خوست کے محاذ پر بھیجا، مرحوم کے بھائیوں میں سے سردار شاہ ولی خاں اور سردار شاہ محمود خاں ساتھ تھے، منظم اور قواعد داں فوجیں بہترین ساز وسامان کے ساتھ اس سے پیشتر ڈکہ اور چمن کے محاذوں پر بھیجی جا چکی تھیں، اس لئے امان اللہی دور کے آغاز میں نادر شاہ مرحوم اور ان کا خاندان زیر عتاب تھا۔ جب حالات نے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا ناگزیر بنا دیا تو نہ تربیت یافتہ افسر باقی تھے اور نہ اچھا سامان، لیکن نادر شاہ خدا کا نام لے کر غیر قواعد داں اور غیر منظم لشکر ہی کے ساتھ حفاظت وطن کا فرض انجام دینے کے لئے نکل پڑے۔ میر ظفر حسن دیرینہ تعلقات کی بناء پر ان کے ساتھ ہو گئے۔

قابل فخر کام

اس فوج کے ساتھ صرف چند توپیں تھیں، لیکن ماہر توپچی کوئی نہ تھا، توپ چلانا بھی خاصی مہارت کا کام تھا، لیکن اس سے بدرجہا زیادہ یہ ضروری تھا کہ توپوں کی شست ٹھیک رہتی تاکہ گولے نشانے پر بیٹھتے۔ یہ کام اسی صورت میں بطریق احسن انجام پا سکتا تھا کہ فاصلے کا اندازہ کر کے توپ کا زاویہ درست کر دیا جاتا۔ اس موقعے پر میر ظفر حسن کی

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ریاضی دانی بے حد کارگر ثابت ہوئی، وہ فاصلے کا حساب کر کے بتا دیتے کہ کونسا زاویہ رکھنا چاہیے اور اسی کے مطابق گولے برسائے جاتے۔ سب سے پہلا گولہ نادر شاہ مرحوم نے خود پھینکا۔ ٹل کی فتح اسی کارنامے کا نتیجہ تھی، اصل کارنامہ نادر شاہ مرحوم کا تھا لیکن میر ظفر حسن بھی اس میں شریک تھے، اسی فتح کے بعد متارکے کا فیصلہ ہوا، بعد ازاں شرائط صلح طے ہوئیں، جن کے مطابق افغانستان کی خارجہ پالیسی مدت مدید کے بعد آزاد ہوئی، اور ملک کو استقلال ملا۔

مولانا عبید اللہ مرحوم فرماتے ہیں کہ ٹل کے محاذ پر میر ظفر حسن کے کارنامے بہت زیادہ تحسین کے قابل سمجھے گئے:

> سلطنت افغانیہ اسے (میر ظفر حسن کو) برائے نام خدمت کرنے پر مقررہ تنخواہ دیتی رہی جس سے ہمارے کئی ہندوستانی بھائی گزارا کرتے رہے۔(۱)

مطلب یہ کہ اصل تنخواہ جنگ ٹل کی خدمات جلیلہ کے صلے میں مقرر ہوئی تھی لیکن ان سے ایک برائے نام خدمت بھی متعلق کر دی گئی تھی۔ میر ظفر حسن کی شانِ ایثار ملاحظہ ہو کہ اس تنخواہ میں سے صرف تھوڑی سی رقم اپنے گزارے کے لئے رکھ لیتے اور باقی رقم رفیقوں کے حوالے کر دیتے جن کے گزارے کی کوئی صورت نہ تھی، یا جو کچھ وہ کماتے تھے، تمام ضروریات کے لئے کفایت نہ کرتا تھا۔

افغانستان سے ترکی

جب افغانستان میں حالات ناسازگار ہو گئے تو میر ظفر حسن بھی مولانا عبید اللہ کے ہمراہ وہاں سے نکلے، وہ روس ہی جا سکتے تھے، چنانچہ ادھر ہی کا رخ کر لیا۔ مولانا کے ایک اور رفیق ڈاکٹر خوشی محمد عرف محمد علی تھے، وہ پہلے بھی روس کا سفر کر چکے تھے اور کمیونسٹ بن

(۱) کابل میں سات سال، ص: ۸۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

گئے تھے۔ روس پہنچنے کے بعد ڈاکٹر خوشی محمد نے ایسی باتیں شروع کر دیں جن کا مطلب یہ تھا کہ کمیونزم کی غیر مشروط تائید کے بغیر کام نہ چل سکے گا۔ مولانا کے لیے یہ مشکل پیش آئی کہ ان کا انحصار زیادہ تر ڈاکٹر خوشی محمد پر تھا اور اس کے بغیر موصوف کے لئے گزارے کی بھی کوئی صورت نہ تھی۔ میر ظفر حسن نے اپنی تنخواہ میں سے باون پونڈ کی رقم بچا رکھی تھی، وہ بے توقف مولانا کے حوالے کر دی تاکہ اسے اپنے صرف میں لائیں اور روزمرہ کی ضروریات سے بے پروا ہو کر ارکانِ حکومت سے آزادانہ گفتگو کریں، اس سے میر ظفر حسن کی عالی ہمتی، بلند نگاہی اور اصول پروری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی مدت روس میں ٹھہرے، وہاں سے ترکی پہنچ گئے اور استنبول کے جنگی کالج میں تعلیم پا کر ترکی فوج میں معزز عہدے پر مامور ہوئے۔ پھر وہ جنگی کالج میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہو گئے، ترکی ہی میں شادی کی اور ظفر حسن ایک مشہور ہوئے۔ اب پنشن لے چکے ہیں اور استنبول میں مقیم ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں دو تین مہینے کے لئے یہاں بھی آئے تھے، گویا چونتیس سال کے بعد انہوں نے اپنا وطن دوبارہ دیکھا اور وہ اس حال میں کہ ان کے تمام اقربا اصل وطن سے ہجرت کر کے پاکستان آ چکے تھے۔

جنگی خدمات کے علاوہ انہوں نے علمی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں، ان کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مولانا شبلی کی شہرۂ آفاق سیرت النبیؐ کو انہوں نے ترکی زبان میں منتقل کیا، اس قسم کے جامع اوصاف آدمی بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

کابل میں ایک صحبت

میں ۱۹۳۲ء میں کابل گیا تھا تو میر ظفر حسن کابل آئے ہوئے تھے، نادر شاہ مرحوم نے تخت نشینی کے بعد فوجی تعلیم کا انتظام از سر نو اعلیٰ پیمانے پر کیا تو ترکی حکومت سے چند افسروں کی خدمات مستعار لی تھیں، ان میں میر ظفر حسن کو بہ طور خاص بلوایا تھا۔ انہیں

www.BestUrduBooks.wordpress.com

میرے متعلق علم ہوا تو بے تکلف آئے اور بڑی دیر تک خفگی آمیز باتیں کرتے رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں نے جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی، اس میں کانگریس سے کشمکش پیدا ہو گئی تھی، اصل معاملہ آئندہ کے نظامِ حکومت کا تھا، مسلمان ایسے تحفظات چاہتے تھے جن میں ان کی مستقل حیثیت محفوظ ہو سکے۔ اس پالیسی کے اسباب وتفصیلات سے باہر کے بھائی پوری طرح آگاہ نہ تھے اور ان کا احساس یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان کی آزادی میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ میر ظفر حسن کی خفگی کا سبب یہی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس طرح تو ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے، پہلے مجھ سے سنیئے کہ حالات کیا ہیں، مسلمانوں کے مطالبات کیا ہیں اور جو کشمکش جاری ہے اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو رائے عالی ہو اسے توجہ سے سنوں گا اور اگر ہم لوگوں سے کوئی غلطی سرزد ہو رہی ہے تو اس کی تلافی میں تامل نہ ہو گا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ خود ان کے بنگلے پر اجتماع ہوا، جس میں مولانا محمد بشیر، ڈاکٹر نور محمد، مولوی عبدالرزاق، مولوی یعقوب اور بعض دوسرے احباب شریک تھے، دوسری مرتبہ ڈاکٹر نور محمد کے بنگلے پر بارہ بجے دوپہر سے رات کے بارہ بجے تک مسلسل گفتگو ہوتی رہی، میں نے مسلمانوں کا نقطہ نگاہ اور موقف تفصیل سے واضح کر دیا تو میر ظفر حسن نے فرمایا کہ ہمیں قومی مصالح میں خلل ڈالنے کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا، جو کچھ ضروری ہو کرو، تاہم آزادی کی تحریک کو زیادہ سے زیادہ تقویت پہنچے۔

اس دلکشا صحبت کی یاد اب تک ذہن میں تازہ ہے، میر ظفر حسن جب پاکستان آئے تو آرزو تھی کہ پھر ان سے اسی طرح بات چیت کا موقع مل جائے، لیکن وہ زیادہ وقت نکال نہ سکے، صرف دو گھنٹے کے لئے غریب خانہ کو مشرف فرمایا۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com

سردار اللہ نواز خاں

یہ ملتان کے ایک امیر گھرانے کے فرزند ہیں، کابل پہنچنے کے بعد یہ بھی نادر شاہ مرحوم کے خاندان سے بہ طور وابستہ ہو گئے تھے، کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے پہلے کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ راجا مہندر پرتاپ نے لکھا ہے کہ حکومت موقتہ میں انہیں سکریٹری کا عہدہ دیا گیا تھا، بچہ سقاؤ کے دور اقتدار میں نادر شاہ مرحوم نے افغانستان کو فوضویت کے بحران سے نجات دلانے کیلئے جہاد شروع کیا تھا تو بڑی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہی وزیریوں کے اس لشکر کو تیار کر کے لے گئے تھے جس نے سردار شاہ ولی خاں اور سردار شاہ محمود خاں کی سرکردگی میں براہ راست کابل پر پیش قدمی کی اور اسے فتح کر کے بچہ سقاؤ کا اقتدار ختم کیا۔ نادر شاہ مرحوم کو قوم نے بادشاہ منتخب کر لیا تو سردار اللہ نواز خاں کو دربار افغانستان کی طرف سے جرمنی میں سفیر مقرر کر دیا گیا۔

ریشمی خط

سردار اللہ نواز خاں کا ایک بھائی محمد نواز خاں بھی ساتھ گیا تھا لیکن وہ جلد واپس آ گیا۔ شیخ عبدالحق سردار اللہ نواز خاں ہی کے خاندان کا ملازم تھا، جس کے ہاتھ مولانا عبید اللہ مرحوم نے ایک خط ریشمی پارچے پر لکھ کر حضرت شیخ الہند مرحوم کے پاس مکہ معظمہ بھیجنا چاہا تھا۔ شیخ عبدالحق کو تاکید کی تھی کہ یہ خط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچا دیا جائے، انہیں لکھ دیا تھا کہ وہ اسے خود شیخ الہندؒ کے پاس حجاز لے جائیں یا کسی معتبر آدمی کے ہاتھ بھیج دیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

> اس اللہ کے بندے نے وہ خطوط اللہ نواز خاں کے والد خان بہادر رب نواز خاں کو دیے، خان صاحب نے وہ سر مائیکل اوڈوائر کو پہنچا دیے، اس کے بعد کے واقعات مشہور ہیں۔ ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئیں ہم حیران

www.BestUrduBooks.wordpress.com

رہ گئے، چند روز کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء مکہ معظمہ سے گرفتار
ہوئے، ایک عرصے کے بعد ہمیں حقیقت معلوم ہوئی۔ یہ واقعات ہمارے لئے
موت سے زیادہ ناگوار تھے۔(۱)

ڈاکٹر خوشی محمد

مولانا عبیداللہ مرحوم کے بیان کے مطابق یہ ضلع جالندھر کے تھے، میڈیکل کالج لاہور میں دو سال سے زیادہ تعلیم پا چکے تھے، دل مذہبی جذبات سے لبریز تھا، ہجرت کے بعد کابل میں رفیقوں کے ہمراہ قید کی تکلیفیں اٹھائیں، قیامِ کابل کے دوران میں مولانا عبیداللہ سے وابستگی پیدا ہوئی، انہیں حکومتِ موقتہ میں سکریٹری بنادیا گیا تھا۔

جب حکومت موقتہ (مقیم کابل) کی طرف سے ایک وفد روس بھیجنے کا فیصلہ ہوا تو راجا مہندر پرتاپ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر متھرا سنگھ کو بھیجا جائے، جو مقدمہ بم کا مفرور تھا اور اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مولانا عبیداللہ نے اصرار کیا کہ ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ ایک مسلمان نوجوان کو بھی جانا چاہئے تاکہ وفد کی حیثیت میں جامعیت پیدا ہو جائے اور سمجھا جائے کہ یہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کا نمائندہ ہے۔ یہ مسئلہ سردار نصراللہ خاں نائب السلطنت کے سامنے پیش ہوا تو اس نے فریقین کے دلائل سن کر مولانا عبیداللہ کی تجویز منظور کر لی۔ چنانچہ ڈاکٹر خوشی محمد کو ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ بھیجا گیا اور ان کا نام میرزا محمد علی رکھا گیا۔

روس میں کام

ڈاکٹر متھرا سنگھ کے لئے راجا مہندر پرتاپ نے خرچ کا انتظام کر دیا، ڈاکٹر خوشی محمد کے مصارف سفر کے لئے مولانا عبیداللہ نے مولوی محمد علی قصوری سے ذکر کیا اور انہوں

(۱) کابل میں سات سال ص:۶۷

www.BestUrduBooks.wordpress.com

نے دو مہینے کی تنخواہ پیشگی حاصل کر کے مولانا کی نذر کر دی۔ ان کے ساتھ دو خادم بھی گئے ایک مسلمان اور دوسرا کابلی سکھ۔ وفد تاشقند پہنچا تو زار کی طرف سے حکم آیا کہ ارکان کو گرفتار کر لیا جائے، تاشقند کے گورنر نے مداخلت کر کے انہیں قید سے بچایا اور یہ لوگ واپس آ گئے۔ مولانا فرماتے ہیں:

> یہ مشن بے کار ثابت نہیں ہوا، روسی وانگریزی اتحاد میں یہ کسی قدر مشکلات پیدا کر سکا، جن کی تلافی کے لیے لارڈ کچنر کو خود سفر کرنا پڑا۔ روسی انقلابیوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا نام (روسی زبان میں) ہے ''سونے کی پٹڑی'' (یہ سونے کی پٹڑی پر کندہ کرایا گیا تھا) اس میں مشن کے متعلق خط و کتابت مذکور ہے۔ (۱)

مولانا لکھتے ہیں کہ یہ وفد واپس آیا اور سردار نصر اللہ خاں نے تفصیلات سفر معلوم کرنی چاہیں تو ڈاکٹر متھرا سنگھ ہر سوال کے جواب میں یہی کہتا: بخیر رفتیم و بخیر آمدیم (ہم خیریت سے گئے اور خیریت سے آئے) ڈاکٹر خوشی محمد عرف میرزا محمد نے تخلیے میں یاد داشتوں کی کتاب جیب سے نکالی اور مفصل حالات سفر کے علاوہ مختلف لوگوں سے بات چیت کا خلاصہ بھی پیش کر دیا۔ (۲)

بعد کے حالات

پھر ڈاکٹر خوشی محمد نے کچھ مدت کابل میں گزاری۔ جب مولانا نے روس جانے کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر خوشی محمد ساتھ تھے۔ انہوں نے احمد حسن نام اختیار کر لیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی سفر میں ان پر کمیونزم کا خاصا اثر ہو چکا تھا، دوسری مرتبہ روس پہنچے تو باقاعدہ کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بن گئے۔ راجا مہندر پرتاپ لکھتے ہیں کہ انہیں تھرڈ انٹرنیشنل میں

(۱) کابل میں سات سال ص: ۶۹-۷۰ (۲) کابل میں سات سال ص: ۷۰

www.BestUrduBooks.wordpress.com

ایک اہم عہدہ مل گیا تھا۔(۱) مولانا روس سے ترکی ہوتے ہوئے حجاز پہنچ گئے، احمد حسن ماسکو ہی میں مقیم ہے، غالباً شادی بھی وہیں کرلی تھی۔

میری اخبار نویسی کے ابتدائی دور میں ان کی طرف سے انگریزی میں ٹائپ شدہ بیانات وقتاً فوقتاً آیا کرتے تھے، جن میں کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیاں درج ہوتی تھیں، اور بعض بین الاقوامی مسائل پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ پھر یہ سلسلہ مسدود ہوگیا۔ مولوی عبدالرزاق نے مجھے بتایا کہ ۱۹۳۲ء میں وہ کمیونسٹ پارٹی کی داخلی کشمکش کے سلسلے میں گرفتار ہوئے اور برسراقتدار گروہ نے دوسرے ممتاز کمیونسٹوں کے ساتھ انہیں بھی موت کی سزا دی۔ اسٹالن نے مختلف اوقات میں اپنے مخالفوں کا صفایا کرنے کے جو اقدامات کیے، انہیں میں سے ایک اقدام میں ہمارے اس بلند پایہ مجاہد کی جان بھی گئی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) میری داستانِ حیات انگریزی ص: ۵۲

www.BestUrduBooks.wordpress.com

خواجہ اللہ دتّا اور خواجہ عبدالعزیز

جماعتِ مجاہدین کے معاونوں اور کارکنوں میں جن جن کے حالات معلوم ہو سکے بیان کر دیے گئے۔ مجھے یقین ہے کہ معاونوں کی تعداد ان سے بدرجہا زیادہ ہوگی، لیکن ان سب کے حالات یا نام معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ میسر نہ آ سکا۔ بعض دوستوں نے اپنے اپنے دائرے میں بڑی سعی فرمائی، جن میں سے مولوی محمد اسحاق صاحب مدیر الاعتصام کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ آ چکا ہے، جن دو بزرگوں کے نام زیبِ عنوان ہیں ان کے حالات بھی موصوف ہی نے خواجہ عبدالعزیز کے صاحبزادے خواجہ محمد یوسف سے لکھوائے۔

خواجہ عبدالعزیز اکاؤنٹینٹ جنرل کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے، ۱۹۴۳ء میں پنشن لی، لیکن ۱۹۴۶ء میں دوبارہ ملازمت کر لی۔ ۴۸-۱۹۴۷ء میں ریاست قلات کے فنانشل سکریٹری تھے۔ تریسٹھ سال کی عمر پا کر ۱۶ر جون ۱۹۵۲ء کو وفات پائی۔

خواجہ عبدالعزیز کے والد خواجہ اللہ دتا ریل کے محکمے میں اسٹیشن ماسٹر تھے۔ میرا خیال ہے کہ جماعت مجاہدین سے تعلق خواجہ اللہ دتا نے پیدا کیا، پھر یہ میراث خود خواجہ عبدالعزیز نے سنبھال لی۔ خواجہ صاحب، ان کے والد اور والدہ کے سوا کسی کو اس تعلق کا علم نہ ہو سکا اور یہ تینوں بے حد ضابط، دور اندیش اور محتاط تھے۔

مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا۔ خود مولوی صاحب

www.BestUrduBooks.wordpress.com

موصوف نے سنایا کہ ۱۹۱۹ء میں ہجرت کر کے گھر سے نکلا تو قدم قدم پر گرفتاری کا اندیشہ تھا، پشاور پہنچا تو کوئی ایسا آدمی نظر نہ آیا جو مجھے پناہ دیتا۔ خواجہ عبدالعزیز ان دنوں پشاور میں تھے، رات کے وقت ان کے پاس پہنچا اور پورے حالات بیان کر دیئے، انہوں نے بے تکلف ٹھہرا لیا۔ دفتر جاتے تو باہر سے قفل لگا جاتے، واپس آتے تو دن بھر کے حالات سنا دیتے۔ کئی روز کے بعد مختلف لوگوں سے مل ملا کر رات کے وقت مجھے سرحد سے پار کر دیا۔ وہ سرکاری ملازم تھے، راز کھل جاتا تو ملازمت بھی جاتی اور اسیر بھی ہوتے، تاہم کوئی خطرہ انہیں قومی فرض سے روک نہ سکا۔

ایک واقعہ خود خواجہ صاحب نے سنایا کہ ۱۹۱۷ء میں ہم کوچہ بلوچاں مزنگ، لاہور میں رہتے تھے۔ جماعت مجاہدین کے چند کارکن قومی سرمایے کے پونڈ والد کے حوالے کر گئے، ان میں سے ایک پکڑا گیا اور خدا جانے پولیس نے کس تدبیر سے کام لیا کہ اس بے چارے نے پونڈوں کی مقدار بھی بتا دی اور ہمارے گھر کا پتا بھی دے دیا۔ چنانچہ پولیس ہمارے گھر پہنچی اور پوچھا تو ہم نے انکار کر دیا، والد کو لائے اور اس کارکن کا سامنا کرا دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس شخص کو جانتا ہی نہیں۔ پھر کہا گیا کہ اچھا آپ باہر کھڑے ہو کر گھر میں آواز دیں کہ اتنے پونڈ کی جو رقم میں نے کل رکھوائی تھی وہ دے دی جائے، حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ والد نے یہ بھی کیا، لیکن والدہ نے کہلا بھیجا کہ آپ نے کبھی پونڈ مجھے نہیں دیے، آخر تلاشی کی گئی، لیکن جس ڈبے میں پونڈ رکھے ہوئے تھے ہماری خوش نصیبی سے پولیس نے کھول کر ہی نہ دیکھا، اس طرح ہم محفوظ ہو گئے۔

خدا جانے انہیں زندگی میں ایسے خطرات کتنی مرتبہ قبول کرنے پڑے، لیکن مجاہدین کی اعانت کا کام بدستور جاری رکھا اور ان کے پاس جماعت کے آدمی برابر آتے رہتے تھے۔

www.BestUrduBooks.wordpress.com